بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مبلغِ اسلام

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

حضرت علامہ سیّد سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

Marfat.com

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

جلد اوّل

مبلّغِ اسلام

حضرت علاّمہ سیّد سعادت علی قادری

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز
لاھور ○ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	----------	یاایہاالذین آمنوا (جلد اول)
مصنف	----------	مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی القادری
اصلاح ونظر ثانی	----------	علامہ افتخار احمد چشتی
اہتمام	----------	صاحبزادہ سید عامر علی القادری۔
اشاعت	----------	دسمبر 2003ء
تعداد	----------	ایک ہزار
ناشر	----------	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	----------	1Z143
ہدیہ	----------	-/400روپے

ملنے کے پتے

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز

داتادربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-221201-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

آئینہ

عرض ناشر	11	قلبِ آثم	34
تبصرہ		قلبِ سلیم	35
شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی	12	قلبِ منیب	35
علامہ محمد توصیف رضا خان قادری رضوی	16	ایمان کی تعریف	35
بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی	18	ایمان کا ثبوت	37
علامہ محمد احمد مصباحی صاحب	19	ایمان کی اہمیت	39
علامہ مفتی عبد الواجد قادری	20	حلاوت ایمان	42
علامی مفتی محمد جان نعیمی صاحب	22	ایمان قبول کرنا	44
پروفیسر فرید الحق صاحب	23	سورہ البقرہ	48
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	24	مقالہ، ۲ ۱۰۴۔۱۰۵	49
پیش کش:۔ صاحبزادہ سید عامر علی قادری	29	احترام رسول	49
بنام ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ	30	وجہ اول	50
کتاب ایک نظر میں	31	وجہ دوم	51
مقالہ، ۱	33	ایک واقعہ	52
ایمان کے معانی	33	صحابہ اور تعمیل احکام	54

Marfat.com

تعظیماً ہاتھ پیر چومنا، کھڑا ہونا 56
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب 57
دیدہ دلیری 58
اتحادِ ملت 63
مقالہ ۳ ۱۵۳۔۱۵۷ 67
استعانت 69
انبیاء کرام اور استعانت 71
استعانت بالغیر 72
صبر کا مفہوم 73
صبر کی اہمیت 74
انبیاء کرام اور صبر 76
پیکرِ صبر 77
صابرین کے لئے مژدہ کامیابی 78
نماز کی عظمت 80
انبیاء کرام اور نماز 82
نماز قبل معراج 83
نماز کے متعلق چند احادیث 84
نماز کے چند فوائد 86
شہید کا مرتبہ 87
شہید پر انعامات 89
شہید اور حقوق العباد 91
شہید کی آرزو 92
شہید کی قسمیں 92
دائرہ شہادت 94
قاتل و مقتول جنت میں 95
ابتلاء یا آزمائش 97
انبیاء کرام اور ابتلاء 98
مقالہ ۴ ۱۷۲۔۱۷۳ 105
طَیِّبٰت 106
حَرَام 106
مَیْتَةُ 106
مَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ 106
اِضْطِرَار 106
بَاغٍ 106
عَادٍ 106
کھانا، پینا 106
مُنْخَنِقَةُ 109
مَوْقُوْذَةُ 109
مُتَرَدِّیَةُ 109
نَطِیْحَةُ 109
مَا اَکَلَ السَّبُعُ 109
مَاذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ 109
طیبٰت 111
مشتبہات سے پرہیز 114
شکر 118
انعاماتِ الٰہیہ پر شکر 120
سورۃ النحل کا دوسرا رکوع 122
شکر کا طریقہ 127
مَیْتَةُ 128
شکاری جانور 130
دم، خون 132
خنزیر 134
وَمَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ 136
اِضْطِرَار 138

Marfat.com

مقالہ۵ ۱۷۸-۱۸۲	141	انفاق فی سبیل اللہ ذریعہ برکت ہے	202
قصاص	143	حکم انفاق امیر وغریب دونوں کے لئے ہے	203
قصاص اور اقسام قتل	147	عوامی چندہ	204
دیت	148	کافروں جیسا طریقہ اختیار نہ کرو	205
قصاص میں زندگی	150	لَا بَیْعٌ	206
وصیت	151	وَلَا خُلَّۃٌ	207
مقالہ۶ ۱۸۳-۱۸۸	153	وَلَا شَفَاعَۃٌ	208
صیام	155	دو باتیں	211
فرضیت صوم	158	عقیدہ شفاعت	212
رمضان	159	مقالہ۹ ۲۶۴-۲۶۶	215
اللہ تعالیٰ قریب ہے	162	صدقہ	217
قرب کا نتیجہ	164	اقسام صدقہ	221
قرب الٰہی ایک اعزاز ہے	166	طریقہ صدقہ	221
دعا	169	صدقہ کے فوائد	223
تکمیل صیام	172	اخلاص	225
مال ناحق	175	مَنٌّ	227
رشوت	176	اَذٰی	229
مقالہ۷ ۲۰۸-۲۰۹	181	ریاء	231
مسلم کامل بنو	182	رضائے الٰہی	235
دین کامل	185	دل کی پختگی	237
عجب بات	186	اخلاص	240
دین میں تغیر وتبدل	186	امثال قرآن	242
اسلام مکمل نظام حیات ہے	188	مقالہ۱۰ ۲۶۷-۲۷۷	245
مقالہ۸ ۲۵۴	195	طیبات اور خبائث	
انفاق فی سبیل اللہ	196	249	
کتنا خرچ کیا جائے	198	دولت کی قسمیں	251
عفو	199	لغویہ نظریہ	252
سبق آموز واقعہ	201	مَا کَسَبْتُمْ	253

Marfat.com

وسوسہ شیطان	257
شیطان کا حملہ	258
شیطان سے پناہ مانگو	261
ذریعہ خیر کثیر	266
بلند درجے	269
عالم وجاہل	270
شیطان کا مکر	271
نذر کا بیان	271
صدقہ کے دو طریقے	274
غیر مسلموں کو صدقہ دینا	276
مستحقین صدقہ	278
عاملین کی وضاحت	280
تتمہ مضمون صدقہ	283
سود خور کا بھیانک حال	282
ربوٰ وصدقہ کا فرق	285
مومنین کاملین کا انجام	287
مقالہ، ۱۱ ۲۷۸۔۲۸۱	291
سود کے واجبات	292
حیرت	294
اعلان جنگ	295
سود لینا، دینا، برابر ہے	296
بے مثال تعلیم	297
سود پر مزید گفتگو	298
حرج وتنگی	300
سود کی لعنت سے بچنا	302
مقالہ، ۱۲ ۲۸۲۔۲۸۳	305
فتنہ وفساد کا سبب	309
کاتب وشاہد	311
شہادت کے معنی	314
عورت کی گواہی	315
شہادت ایک ذمہ داری ہے	317
رہن مقبوضہ	320
سورۂ آل عمران	322
مقالہ، ۱۳ ۱۰۰۔۱۰۱	323
شان نزول	324
خطرناک دشمن	325
ایک غلط فہمی کا ازالہ	327
مقالہ، ۱۴ ۱۰۲۔۱۰۵	331
تقویٰ	332
علامات تقویٰ	334
فوائد تقویٰ	335
اعتصام بحبل اللہ	340
اتحاد	341
ضروری وضاحت	342
جماعت مبلغین	344
معیار تبلیغ	345
مبلغ کی ذمہ داری	347
طریقہ تبلیغ	348
دینی تعلیم وتربیت	350
مقالہ، ۱۵ ۱۱۸۔۱۲۰	351
غیر مسلموں کو راز دار نہ بناؤ	352
تاریخ پر ایک نظر	355
تعلقات کی قسمیں	357
غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت	360
خلاصہ	363

Marfat.com

مقالہ،۱۶ ۱۳۰ـ۱۴۵	365
حرمت ربوٰ	368
اللہ ورسول کی اطاعت	370
اطاعت کا نتیجہ	372
اعمال صالحہ میں جلدی	373
تجزیہ	376
جنت کی چوڑائی	377
متقین کون ہیں	378
پہلی خوبی	379
دوسری خوبی	381
غصہ	382
غصہ کا علاج	383
تیسری خوبی	384
محسنین	387
گناہگاروں پر کرم	389
استغفار	390
سیر وسیاحت	395
ایک غلط فہمی کا ازالہ	398
مژدۂ کامیابی	400
غلبہ مومن	401
گردش ایام	404
حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی وفات کی خبر	407
اسلام اللہ تعالیٰ کی امانت ہے	409
موت اور دنیا، یا آخرت کی طلب	410
موت	410
موت ہر جاندار کو آتی ہے	411
موت سے کوئی بچانے والا نہیں	411
موت بغیر حکم الٰہی نہیں آتی	412
مومن پر عقیدہ موت کا اثر	413
دنیا یا آخرت کی طلب	414
مقالہ،۱۷ ۱۴۹ـ۱۵۵	417
اتباع کفار سے بچو	419
مددگار اللہ تعالیٰ ہی ہے	421
ناموسِ صحابہ اور قرآن کریم	423
ناموس صحابہ اور احادیث	425
مقالہ،۱۸ ۱۵۶ـ۱۶۰	427
موت کا ڈر	428
دو نظریے	429
حضور علیہ الصلوٰۃ العلام کے چند اوصاف	430
نرمی	432
خوش کلامی	433
قساوت قلب	435
عفو و درگزر	438
چند واقعات	438
استغفار	441
حدیث کی وضاحت	443
مشورہ	446
مشورے کی اہمیت	447
مشورے کے فوائد	449
دو باتیں	451
مقالہ،۱۹ ۲۰۰	453
سکرات موت کی تکلیف سے نجات	454
صبر	454
مصابرہ	455
رباط	455
تقویٰ	456

Marfat.com

قابل غور	456
جہاد کی تیاری	459
سورۃ النساء	461
مقالہ،۲۰ ۹_۲۸	463
اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے	465
عورت وراثت نہیں	467
طلاق بطریقہ سراحاً جمیلاً	470
ماں سے حرمت نکاح	472
حُرمتِ نسب	474
حُرمتِ رضاعت	474
حُرمتِ مُصاہرت	475
جن عورتوں کے شوہر لاپتہ ہوں	476
غلام اور باندی	478
غلامی میں بتدریج کمی	481
باندیوں سے صحبت	482
مہر اور اس کے احکام	484
اَلْمُحْصَنٰتُ الْمُؤْمِنٰتُ	487
عائلی زندگی	489
مقالہ،۲۱ ۲۹_۲۳	491
اسراف	493
دوسروں کا مال باطل سے کھانا	495
تجارت	497
خودکشی	498
مسلمان بھائی کو قتل کرنا	500
قتل خطاء	502
قتل عمد	503
قتل عمد کی تاریخ	505
قتل عزت	506
اجتناب	507
کبائر کی فہرست	510
غیر اختیاری امور	512
اختیاری امور	513
مرد وعورت کی برابری	513
مقالہ،۲۲ ۴۳	517
بحالت نشہ نماز	518
بحالت ناپاکی نماز	520
مقالہ،۲۳ ۵۹	523
اطاعت	523
اللہ تعالیٰ کی اطاعت	524
رسول ﷺ کی اطاعت	526
اُولی الامر کی اطاعت	528
مقالہ ۲۴ ۷۱_۷۶	531
تنہا جنگ نہ کرو	533
بے بسوں کی حمایت کے لئے جنگ	535
مقالہ،۲۵ ۹۴،۱۰۱،۱۰۴	537
بے احتیاطی کا سد باب	539
سلام کرنا	541
بلاتحقیق کسی کے ایمان کا انکار	542
بلاتحقیق کسی چیز کی حلت کا انکار	542
نماز قصر	543
چند مسائل قصر	545
نمازِ خوف	546
کِتٰباً مَّوْقُوْتاً	547
مقالہ،۲۶ ۱۳۵	549
قیام بالقسط	550
شہادت للہ	553

Marfat.com

مقالہ ۲۷ ۱۳۶-۱۴۳	559	اتمامِ نعمت	603
اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا	561	اتمامِ نعمت کا مفہوم	604
اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان	562	نعمتِ نبوت	605
قرآن پر ایمان	564	ختمِ نبوت	606
کتب سابقہ پر ایمان	564	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیر متناہی	607
اللہ تعالیٰ کا انکار	564	حفاظتِ دین	608
فرشتوں کا انکار	565	رضا بالاسلام	609
کتابوں کا انکار، رسولوں کا انکار	565	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلال وحرام کا اختیار	612
آخرت کا انکار	565	الطیبٰت	614
مقالہ ۲۸ ۱۴۴-۱۴۹	569	اہلِ کتاب	614
کافروں کو دوست نہ بناؤ	570	اہلِ کتاب کا ذبیحہ	615
اخلاص	572	مقالہ ۳۱ ۶-۷	619
مخلصین پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات	573	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد	620
جبر	575	احکام شرع کا اصل مقصد	621
سورۃ المائدہ	577	احکام شرع میں دشواری نہیں	622
مقالہ ۲۹ ۱	579	وضوء	624
ایفائے عہد	579	غسل	627
اقسام عہد	581	تیمم	628
عہد شکنی	584	تیمم کا وسیلہ	628
حلال مویشی	585	مقالہ ۳۲ ۸-۱۰	631
شکار کی ممانعت	585	عدل	632
مقالہ ۳۰ ۲-۵	587	عدل صرف حکام کی ذمہ داری نہیں	634
شعائر اللہ کا احترام	589	قرآنی عدل	635
اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ	592	داعی عدل	636
هَدْیَ اور قَلَائِدَ	593	اعلانِ صدیق	637
زائرین حرم کا احترام	594	عدلِ فاروقی	638
باہمی تعاون	596	دیگر واقعات	640
اکمالِ دین	599	مقالہ ۳۳ ۱۱	643

Marfat.com

توکل کی اہمیت	645	مقالہ، ۳۹ ۹۰۔۹۳	691
انبیاءکرام کا توکل	647	حرمتِ شراب	693
توکل کی تاکید	649	وجوہِ حرمت	695
مقالہ، ۳۴ ۳۵	651	احادیث اور شراب	696
تقویٰ	652	مقالہ، ۴۰ ۹۴	699
وسیلہ	655	مومن کا امتحان	699
وسیلہ سنتِ الٰہیہ ہے	655	مقالہ، ۴۱ ۹۵۔۱۰۰	703
وسیلہ سنتِ انبیاءکرام ہے	656	حالتِ احرام	704
وسیلہ سنتِ صحابہ ہے	657	قِیَامًا لِّلنَّاس	705
جہاد	658	خبیث وطیب	707
چند واقعات	659	کثرت خبیث پر تعجب	709
مقالہ، ۳۵ ۵۱	663	ترقی زدگان کے لئے	710
اللہ تعالیٰ کا اصول	664	مقالہ، ۴۲ ۱۰۱۔۱۰۲	713
ہدایت کی اہمیت	665	کثرت سوال کی ممانعت	713
موالات کی ممانعت	666	واقعہ ذبح بقرہ	715
مقالہ، ۳۶ ۵۴۔۵۶	669	غیر ضروری سوالات	716
يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ	670	مقالہ، ۴۳ ۱۰۵	718
اہل ایمان کی عادت	673	اصلاح نفس	719
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	674	وضاحت	719
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ	675	مقالہ، ۴۴ ۱۰۶۔۱۰۸	722
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	676	ایک دشواری	723
وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ	678	عنوانِ آیات	723
مقالہ، ۳۷ ۵۷۔۵۸	681	خاص واقعہ	724
کلمہ کافی نہیں	682	دین کامل	725
مقالہ، ۳۸ ۸۷۔۸۹	685		
اسلام میں رہبانیت نہیں	686		
ریاض ومجاہدہ	688		
احکام قسم	689		

ان شاء اللہ تعالیٰ ان دلچسپ مضامین کا بقیہ حصہ آپ جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

Marfat.com

عرض ناشر

کتاب ذیشان قرآن مجید، بنی نوع انسان کی طرف خالق کائنات کا آخری جامع، کامل واکمل ضابطہ حیات اور پیام ہدایت ہے۔ جو اس نے اپنے کمال فضل واحسان سے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے قلب منیر پر نازل فرمایا۔ پھر اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے جن نفوس کو خیر وبھلائی اور اپنے قرب ومعرفت سے نوازنا ہوتا ہے انہیں قرآن کریم کی خدمت پر مامور فرما دیتا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں ہر دور میں کئی ایسے رجال کار نظر آتے ہیں جنہیں خلاق عالم نے بڑی فیاضی سے علمی، فکری اور تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا، انہوں نے اس بحر ناپید کنار میں خوب غواصی کی قسم قسم کے موتی چن کر انسانیت کی جملہ دینی ودنیوی حاجات وضروریات کا سامان کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

جناب سید سعادت علی قادری مدظلہ عصر حاضر کے یگانہ روزگار، متبحر عالم دین ہیں۔ دینی وعلمی دنیا میں وہ اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کو پہلے بھی آپ کی متعدد کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ قبلہ قادری صاحب نے فون پر مجھے بتایا کہ ''یاایھا الذین امنوا'' کی جلد اول تیار ہو چکی ہے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ میں نے ہالینڈ میں آپ کے مکان پر خود حاضری دی اور مسودہ وصول کیا۔ جس محبت اور مہربانی کے ساتھ انہوں نے مجھے نوازا وہ ایک نہ بھولنے والی داستان ہے آپ کی شخصیت اور پیار بھرا انداز مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔

قبلہ قادری صاحب نے مجھے ''یاایھا الذین امنوا'' کے چند پیراگراف پڑھ کر سنائے۔ موجود سامعین پر عجب کیفیت طاری ہوگئی۔ کیا حسین اور شگفتہ اسلوب بیان تھا۔ لفظ لفظ نور، حرف حرف سرور، جس کی رعنائی، چاشنی اور لذت سے یقیناً قرآن سے محبت رکھنے والا ہر قاری ضرور متاثر ہوگا۔ آپ نے بڑی عرق ریزی اور محبت وخلوص سے اُن تمام مسائل ومباحث پر دلآویز اور سلیس انداز میں محققانہ اظہار خیال کیا ہے۔ موصوف نے کتاب میں تقریباً وہ سب مضامین ومباحث لانے کا اہتمام کیا ہے جن سے کاروبار حیات میں ہمیں واسطہ پڑتا ہے۔ نیز عصر حاضر کے مسائل کو قرآن کی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی ہے۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز یہ علمی شاہکار طبع کرنے کی سعادت حاصل ہونے پر بجاطور پر نازاں ہے۔

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی۔ پاکستان

Marfat.com

تبصرہ از قلم

حضرت العلام شیخ الاسلام ابوالحمزہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی زید مجدہ
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ
کچھوچھا شریف، یوپی، انڈیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

الا لا آلآء الا الآء الا لہ

رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم، کو چاہنا، ایمان ہے، اور سب سے زیادہ، چاہنا، کمال ایمان ہے- یہ ایک ایسی منصوص حقیقت ہے، جو ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے------ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے، کہ ابجد کے حساب سے ایمان کا جو عدد ہے، بعینہ وہی عدد ''حب محمد'' ﷺ کا بھی ہے- ایمان کا عدد ہے، ایک سودو (۱۰۲) اور ایک سودو ہی عدد ''حب محمد'' ﷺ کا بھی ہے------ یوں ہی------ یہ اتفاق بھی قابل دید ہے، کہ جو عدد، کفر، کا ہے، بعینہ وہی عدد ''ھجر محمد'' ﷺ کا بھی ہے- کفر کا عدد ہے، تین سو (۳۰۰) اور ''ھجر محمد'' ﷺ کا بھی عدد ہے، تین سو، ھجر کہتے ہیں قطع تعلق کر لینے کو------ الغرض نبی کی محبت ہی ایمان ہے، اور ایمان ہی نبی کی محبت ہے، لہذا وہ جھوٹے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کی محبت کے مدعی ہیں مگر ایمان سے خالی ہیں، یوں ہی وہ بھی جھوٹے ہیں، جو ایمان کے مدعی ہیں، مگر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی سچی محبت سے تہی دامن ہیں------ اسی طرح نبی کریم ﷺ سے، بے تعلق ہو جانے کا نام کفر ہے، لہذا یہ ممکن نہیں، کہ کوئی نبی کریم علیہ السلام سے بے تعلق ہو، وہ کافر نہ ہو، اور جو کافر ہو وہ نبی کریم علیہ السلام سے بے تعلق نہ ہو------ اس مقام پر جس تعلق کا ذکر میں کر رہا ہوں، وہ وہی ہے جو صرف ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے، یونہی بے تعلقی سے مراد وہی ہے جو صرف کفر ہی کی پیداوار ہے------ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے تعلق و بے تعلقی کو خود اپنے سے تعلق و بے تعلقی کا معیار قرار دیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ نبی کریم علیہ السلام سے ایمانی تعلق پیدا کئے بغیر، رب تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا، محالات عرفیہ سے ہے، اس لئے رب تبارک وتعالیٰ، جسے اپنا بنانا چاہتا ہے، پہلے اسے اپنے حبیب علیہ السلام کا بنا دیتا ہے، اور جسے اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے اسے اپنے حبیب علیہ السلام سے دور رکھتا ہے------ نبی کریم علیہ السلام سے ایمانی قربت، خود رب کریم سے قربت، اور نبی کریم علیہ السلام سے بے تعلقی والی دوری خود، رب اکرم سے دوری کا نشانِ جلی ہے،------ رب ذوالفضل العظیم کا، اپنے حبیب صاحب خلق

Marfat.com

عظیم پر یہ فضل عظیم ہی تو ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے آثار و منسوبات کو بھی بے مثال شرافت و کرامت سے نوازا ہے، خیر الانبیاء ﷺ سے جو چیز منسوب ہوگئی، وہ سراپا خیر بن گئی، نبی کا لایا ہوا دین، خیر الادیان، نبی پر نازل کی ہوئی کتاب، خیر الکتب، نبی کا شہر، خیر البلاد، نبی کا زمانہ، خیر القرون، وغیرہ وغیرہ۔ المختصر اس خیر مجسم سے، جسے نسبت ہوگئی، وہ سراپا صاحب خیر، اور بے مثال و بے نظیر ہوگیا------ پھر------ نبی کی امت، خیر امت کیوں نہ قرار پائے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت، شرافت و کرامت، سربلندی و فیروز بختی، کو سمجھنے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ امم سابقہ کو ''یا یہا المساکین'' یعنی اے محتاجو، کہہ کر خطاب فرمانے والا رب قدیر، اپنے محبوب کی امت کو ''یا یہا الذین اٰمنوا'' اے ایمان والو، اے میرے محبوب کے غلاموں، اے دل کی سچائی کے ساتھ------ میرے حبیب کے دامن امن و سلامتی میں پناہ لینے والو، فرما کر، نہایت ہی مسرور کن، وجد آفریں، اور رحمت و رأفت بھرے انداز سے مخاطب فرماتا ہے، اس پیار بھرے، انداز تخاطب نے صرف یہی نہیں، کہ اہل ایمان کے لئے تکالیف شرعیہ کی بے پناہ سختیوں کو آسان تر بنا دیا- اور فرائض واجبات و موکدات کی بجا آوری نیز شرعی محرمات و منہیات سے اجتناب کو بہت ہلکا کر دیا------ بلکہ------ شب و روز صرف خدا اور سول کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے والے پاکیزہ جذبات کے سوا، دیگر نفسانی و شیطانی خواہشات، سے دل مومن صادق کی تطہیر فرما کر اسے مجلّٰی و مصفّٰی کر دیا------ بلا تمثیل------ عرض کرتا ہوں، کہ ایک شفیق اور مہربان، ماں، جو دواؤں کی تلخی سے بخوبی واقف ہے، مگر اس کی افادیت بھی، اس کے پیش نظر ہے، کہ مریض بچے کی مہلک بیماری اسی سے دور ہوگی، جب وہ اپنے بچے کو، جس کی طبیعت دوا کی بے پناہ کڑواہٹ کے سبب، اسے پینے کے لئے، آمادہ نہیں ہوتی، دوا پلانا چاہتی ہے، تو اپنی سخت کلامی اور ترش روئی کا مظاہرہ نہیں کرتی، بلکہ ایسے پیار بھرے انداز میں، بچے کو چمکارتے ہوئے، اس کو سمجھاتی ہے کہ بچہ دوا کی تلخی کے باوجود اپنی ماں کی رضا اور بیماری سے شفاء کے تصور میں ایسا کھو جاتا ہے، کہ خوشی خوشی، تلخ گھونٹ گلے کے نیچے اتار لیتا ہے------ یہی حال تکالیف شرعیہ کا ہے، ان سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا، کچھ آسان نہیں، نجانے کن کن دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے، کیسی کیسی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نفسانی خواہشات سے ہر وقت برسر پیکار رہنا پڑتا ہے، رات دن، خارجی دشمن شیطان، اور داخلی دشمن، نفس امارہ، کے خطرناک حملوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے------ ''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' کے پیار بھرے، انداز تخاطب نے، تکالیف شرعیہ کی ساری ظاہری، تلخیوں کو، ایک کیف آور، مٹھاس میں تبدیل کر دیا------ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے، کہ قرآن کریم میں اٹھاسی ۸۸ مقامات پر ''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے، اسم الٰہی ''حلیم'' کے بھی عدد، اٹھاسی ہی ہیں- حلیم کہتے ہیں بردبار اور درگزر کرنے والے کو، رب کریم نے اپنے اسم مبارک کی تجلی، جس پر ڈال دی وہ بھی بردبار اور درگزر کرنے والا ہوگیا------ قرآن کریم میں اسم الٰہی ''حلیم'' کے عدد اٹھاسی، کی تعداد کے مطابق ''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' کے ارشاد سے، یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ مومنین ہی اس، اسم الٰہی کے خاص مظاہر ہیں، جو حلم و عقل کو اپنا، قوت بازو بنا کر، آزمائشوں کی اس

Marfat.com

کائنات میں کامیابی وخوش بختی کے سایہ میں، نہایت ہی سُبک روی کے ساتھ، رواں دواں ہیں، ------- میں نے حلم کے ساتھ عقل کو اس لئے جوڑ دیا ہے کہ انسانوں کے لئے بغیر عقل کے حلم کا وجود ناممکن ہے، جو جتنا ہی بڑا عاقل ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا حلیم بھی ہوگا، تو اب اسم حلیم کا سایہ جس پر ہوگا، اس کا عاقل ہونا بھی ضروری ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ حقیقی معنوں میں، عاقل کہلانے کا حقدار وہی ہے جو ایمان والا ہے ------- میں نے اپنے مذکورہ بالا معروضات میں، کمال اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، اشاروں اور کنایوں میں جو کچھ کہا ہے، یقیناً قارئین کرام ان کو مفصل ومدلل دیکھنا چاہیں گے، ان سے میری عرض ہے کہ وہ اپنے ذہن وفکر کے سارے دریچوں کو کھول کر، آجائیں اور عہد حاضر کی اس انچی، آپ مثال تصنیف کا مطالعہ کریں، جس کا نام ہی ہے،

''یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''

یہ ایک ایسے فاضل جلیل کا شاہکار ہے۔

☆ جو درجنوں، نفع بخش، نادرُالوجود کتابوں کا مصنف ہے۔

☆ جس کی دینی، تبلیغی، اصلاحی، روحانی، خدمات جلیلہ، ناقابل فراموش ہیں۔

☆ جس کا، ظاہر آداب شریعت سے آراستہ اور باطن، اسرار طریقت کا حامل ہے۔

☆ جو چمنستان مسعودی کا وہ گُلِ سرسبد، سعادت آثار ہے، جس کی مہک نے بے شمار لوگوں کے دلوں کے غنچوں کو کھلا دیا ہے اور یورپ، امریکہ، افریقہ وایشیاء کے نجانے کتنے شہروں کی گلیوں اور کوچوں کو بسا دیا ہے۔

☆ جس کا دماغ، عالِم اور دل صوفی ہے۔

☆ جو ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ'' کا سچا مصداق ہے۔

☆ جو علم وفضل کے بحر بیکراں، حضرت غزالی دوراں علامہ سید احمد شاہ کاظمی قدس سرہ کی درسگاہ علم ومعرفت اور تربیت گاہ قلب وروح کا فیض یافتہ ہے۔

☆ جس کی پہلودار شخصیت اپنی مخلصانہ، خدمات کے چمکتے ہوئے اثرات ہر جگہ ڈالتی رہی، خواہ وہ ملکی سیاست ہو، ---- یا ---- دینی قیادت، درس وتدریس کی مسند ہو ---- یا ---- ارشاد وتبلیغ کا اسٹیج، دینی اداروں کا قیام ہو ---- یا ---- دینی جماعتوں کی تشکیل ---- یا مساجد کی تعمیر

☆ جس کی حق گوئی، خداترسی، اور پارسائی نے اسے اس شعر کا مصداق بنا دیا ہے۔

ہو محفل یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

☆ جو اپنوں کے لئے نہایت، متواضع، منکسر المزاج، پیکر رافت اور اخلاق ومروت کا سرچشمہ ہے۔

☆ جس کو لوگ مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری (دامت برکاتھم العالیہ) کے نام سے

Marfat.com

جانتے، پہچانتے ہیں۔

یقین جانیئے، حضرت علامہ موصوف نے، جب، مجھ سے اپنے اس علمی شاہکار پر تبصرہ کرنے کا حکم فرمایا، تو میں اپنی علمی بے بضاعتی کے سبب سوچ میں پڑ گیا، سوئے ادبی کے خیال سے خاموش رہا، اور معذرت بھی نہ کر سکا، میرے ذہن وفکر پر تعمیل حکم کا جذبہ غالب ہوا، اور پھر میں نے، اس صحیفہ علم ودانش کو مطالعہ کے لئے حاصل کر لیا، اور خیال کیا، میں کیا، میرا تبصرہ کیا، مگر کتاب سے استفادے کا موقع کیوں ضائع کیا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ مصروفیات ومشاغل کی کثرت اور کتاب کی ضخامت کی وجہ سے کماحقہ استفادہ نہ کر سکا مگر، سرسری طور پر، مختلف مقامات سے جو پڑھا، اسی سے دل ودماغ کی کھڑکیاں کھل گئیں، ٹھوس مضامین، سلیس انداز بیان، جاندار اسلوب نگارش، ایسی خوبصورت، رواں دواں تحریر، کہ پڑھئے تو پڑھتے ہی چلے جایئے، کہیں رکنے کو جی نہ چاہے۔ ہر بات مدلل، ہر نصیحت دل میں اتر جانے والی، ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق، مجھے یقین ہے، کہ جب بھی کوئی اہل علم اس کتاب کے محاسن اور اس کے مختلف گوشوں، کی خوبیوں پر قلم اٹھائے گا، اور تفصیلی تبصرہ کرے گا، تو وہ تبصرہ، خود ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لے گا، ویسے اس کتاب کا تعلق پڑھنے اور صرف پڑھنے سے ہے۔ اس کی حقیقی خوبیاں، قارئین کرام پر صرف پڑھنے ہی سے واضح ہوں گی، تبصرے تو صرف مبصرین کی طبعی جولانیت کی نشاندہی کرتے ہیں------شروع میں میں نے، اشاروں اور کنایوں میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، میری سمجھ کے مطابق وہ اس کتاب کی روح اور اس کا نچوڑ ہیں------قارئین کرام کے ہاتھ میں جب پورا پیکر لطیف ہی آ گیا ہے تو اب کسی خلاصہ پر توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے------اس عظیم صحیفہ علم وآگہی کی ترتیب وتدوین پر میں، حضرت علامہ موصوف کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کر رہا ہوں، اور دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ، علامہ موصوف کی صحت وعمر میں دن دونی، رات چوگنی برکت عطا فرمائے۔ اور ان کے سایہ علم وہدایت کو، ہمارے سروں پر دراز رکھے، آمین۔

یَا مُجِیۡبَ السَّآئِلِیۡنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَ آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ

طالب دعا

دستخط

....

نزیل، ہالینڈ

۶ جولائی ۱۹۹۸ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

نبیرۂ اعلیٰ حضرت خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند
حضرت علامہ محمد توصیف رضا خاں صاحب قادری رضوی

۷۸٦

۹۲

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وحبیبہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبعد

حضرت علامہ سید سعادت علی صاحب قادری زید کرمہ کی ذات وخدمات اور مشاغلِ دینیہ محتاج تعارف نہیں ہیں، انہوں نے تحریری وتقریری میدان میں جونقوش چھوڑے ہیں وہ قوم مسلم کے لئے چراغِ رہنما ہیں، مولیٰ تعالیٰ موصوف کی عمر وخدمات میں برکتیں عطافرمائے، تاکہ قوم مسلم ان سے مستفید ومستفیض ہوتی رہے۔

موصوف سے میری پہلی ملاقات دیارِ محبوب عالم غیوب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں، باب مجیدی کے اندر، خلیفہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ یعنی ضیاء الملۃ والدین قطب مدینہ حضرت مخدومی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ کے دولت کدہ میں ہوئی۔ میں اس وقت سے موصوف مدظلہ کی شرافتِ نفسی اور خلوص وللّٰہیت کا معترف ہوں۔ حضرت موصوف سے دوسری ملاقات ساؤتھ افریقہ (ڈربن) میں ہوئی، جہاں وہ تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے تھے، اس کے بعد ہالینڈ میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان کی تصانیف میں ضخیم ترین تصنیف ''یاایھا الذین امنوا'' کے بعض مقالات سے شرفیاب ہونے کا موقع ملا۔

سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے سمندر کو کوزہ میں سمودیا ہے۔ ہر مقالہ میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ سورۂ البقرہ اور سورۃ الاحزاب کے بیشتر مقالوں کو پڑھنے کا موقع ملا، ہر مقابلہ میں مضامین کی کثرت، عنوانات کی ندرت اور قوتِ فقاہت داد چاہتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ آیتِ درود پر حضرت موصوف نے جومحنت فرمائی ہے وہ خود ہی ایک مستقل اور جامع کتاب ہے۔

میری دعا ہے، کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ موصوف کی اس خدمتِ دینیہ کو قبولیت کا شرف عطافرمائے، اور عامۃ المسلمین کو اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی توفیق دے ساتھ ہی ساتھ اعمالِ صالحہ کی سعادت عطافرمائے اور مصنف گرامی قدر کو اجر جمیل سے ہمکنار کرے، آمین۔

اس موقع سے مجھے حضرت سید صاحب کے اخ الاعز حضرت علامۃ الفہامہ سید شجاعت علی قادری علیہ رحمہ المولیٰ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کی یاد آرہی ہے جنہوں نے فتاویٰ رضویہ شریف کی ترتیب، تبویب اور تخریج کے لئے انتھک کوششیں کیں، اس کے لئے گراں قدر مقدمہ لکھا اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ الرحمٰن کی عبقری شخصیت اور تجدید دین سے متعلق ایک عظیم عربی مقالہ لکھا کر اہل عرب کے اذہان کو نہ صرف صاف کیا، بلکہ سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و

Marfat.com

محبت کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھایا، خداوند قدوس حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کی تربت پر رحمت ونور کی بارش برسائے، اور انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

آمین بجاه سيدنا و حبيبنا ومولانا محمد صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه و حزبه اجمعين

برحمتک یا ارحم الراحمین

فقیر محمد توصیف رضا خاں غفرلہ
خادم مرکز اہلسنت بریلی شریف
مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۹۹ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی
شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، یو پی، ہند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

قرآنِ کریم کے ساتھ ہمیشہ سے اہلِ اسلام کا شغف غیر معمولی رہا ہے، اور اس کی صوری و معنوی خدمات کا متنوع اور مختلف الاقسام سلسلہ ابتداء سے ہی جاری ہے، نقاشوں نے رنگ برنگے نقوش و نگار سے اس کے اوراق مزین کئے، کاتبوں نے چاندی، سونے، شنگرف اور زمرد سے اس کے الفاظ کے گلشن، جگمگائے اور خطاطوں نے اس کی آیات کے طغرے چمکائے اور دنیا میں شاید نثر کی یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس کی ادائیگی کے قواعد، لہجوں اور نغموں کے اصول مرتب ہوئے۔

جبکہ اہلِ علم نے اس کے بوقلموں علوم و معارف کے چمن کھلائے، کسی نے اس کے علوم و معارف کی، صرف فہرست تیار کی، تو کوئی اس میں مذکور مقامات کے جغرافئے بتاتا رہا، کسی نے اس میں مذکور واقعاتِ تاریخ کی ترتیب دی، تو کوئی اس کی فصاحت و بلاغت اور معانی و بدیع کی رنگینیوں کا جلوہ بکھیرتا رہا، اور کتنے زندگی بھر اس کے بصائر و عبر اور مصالح و حکم کے موتی جمع کرتے رہے، بہتوں نے صرف آیاتِ احکام کی تفسیریں لکھیں اور بہت حضرات آیات کا مقام ورود ان کا شانِ نزول بتاتے رہے اور بہتوں نے پورے قرآن عظیم کا تاویل و تفسیر کا فریضہ انجام دیا،

''مبلغِ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری'' زید مجدہ نے صرف ان آیتوں کی وضاحت کی ہے جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ''بندۂ مؤمن'' کہہ کر خطاب کیا ہے، اس طرح آپ کی اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اجمال میں تفصیل اور وحدتِ موضوع میں کثرتِ مضامین کے جلووں کی حامل ہے، اور مصنفِ علام اہلِ قلم کی ہر دو خصوصیات کے جامع اور ترجمان ہیں،

آپ نے اس موقر تالیف میں بندۂ مؤمن کی زندگی کے تمام شعبوں اور اس کی حیات کے جملہ احکام و مسائل کے ساتھ ساتھ متعلقہ امور پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے، جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مؤمن کی یہ پہچان کہ گم ہیں اس میں آفاق

پوری کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ میرے لئے بے حد مشکل تھا، صرف فہرستِ مضامین کے ایک حصہ پر ایک نظر ڈالی اور دو ایک جگہ سے کتاب کی جھلک دیکھی، یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ دنیائے سنیت کے کئی اعلام نے اس کتاب پر اپنی تائید و توثیق اور تصدیق و توصیف کی مہریں ثبت فرمائی ہیں،

میری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک کتاب کو قبول فرمائے اور مقبولِ انام بنائے اور حضرت مصنف علام کو دارین میں جزا دے، آمین۔ فقط

عبد المنان اعظمی۔ ۲۷/ اپریل ۲۰۰۰ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

علامہ محمد احمد مصباحی صاحب شیخ الادب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، انڈیا

بسمہ تعالیٰ وتقدس　　　حامداً ومصلیاً

حرفے برائے سعادت

حضرت مولانا سید سعادت علی قادری مدظلہ سے میرا غائبانہ تعارف ہے۔ قدرت نے انہیں ایک دردمند دل عطا فرمایا ہے جو امت مسلمہ کی خیر وفلاح کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ اپنے دعوتی واصلاحی مزاج کے پیش نظر موصوف نے متعدد کتابیں لکھی ہیں اور برابر لکھ رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب بھی ان کے دعوتی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ جن آیات کریمہ میں یاایھا الذین امنوا فرما کر خطاب آیا ہے یہ ان کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔ یقیناً رب تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو جن ہدایات وتعلیمات سے نوازا ہے وہ بہت اہم ہیں اور صدق ایمان کا تقاضا ہے کہ ان پر پوری طرح عمل کیا جائے۔

عمل سے پہلے علم ضروری ہے اس لئے ان ہدایات کی توضیح وتشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے مولانا نے قلم اٹھایا اور معارف کا ایک موج زن سمندر یا احکام واسرار کا ایک گنج گراں مایہ صفحات قرطاس پر رکھ دیا۔ میں نے جستہ جستہ کچھ اوراق دیکھے اور موصوف کے ناصحانہ، واعظانہ اور دل نشیں اسلوب اور تفہیمی جدوجہد سے متاثر ہوا۔

ایسی جلیل الشان قلمی وفکری کاوش مجھ جیسے بے مایہ وگمنام انسان کی تعریف وتعارف کی محتاج نہیں۔ صرف تعمیل کے تحت چند سطور لکھ دیں۔ خدا کرے یہ لوگوں کے لئے ذکر ہدایت ونجات ثابت ہو اور مقبول خدا ورسول ومقبول خواص وعوام ہو۔

محمد احمد مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور
رکن المجمع الاسلامی مبارکپور

۹/ ربیع النور ۱۴۲۱ھ
۱۳/ جون ۲۰۰۰ء سہ شنبہ

Marfat.com

تبصرہ از قلم

حضرت علامہ مفتی عبدالواجد قادری

مُبَسمِلاً وَّحَامِداً وَّمُصَلِّیاً وَّمُسَلِّماً

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی صاحب قادری زید مجدہ کی نابغہ روزگار شخصیت مسلمانان برِ اعظم ایشیاء، افریقہ، یورپ اور جنوبی امریکہ کے لئے محتاج تعارف نہیں، چوتھائی صدی سے زائد یورپ و امریکہ اور افریقہ کے اندر اسلام وسنیت کی خدمات اور مسلمانوں کی جو اصلاحات انہوں نے اپنی حکمتِ عملی اور کمال تدبر و دیانت سے کی اور رشد و ہدایت کے جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اس کا سکہ ہر موافق ومخالف کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے سیادت وقیادت کے ساتھ ساتھ انہیں حسن بیان اور زور قلم کی دولت بے بہا سے بھی سرفراز و ممتاز فرمایا ہے۔ جہاں ان کے زور خطابت اور سحر بیانی نے اسلامی کانفرنسوں، دینی اجتماعات اور اصلاحی محافل ومجالس میں متبحر علماء اسلام اور خطبائے عظام سے خراج تحسین حاصل کیا۔ وہیں ان کے رشحاتِ قلم نے مصنفین ومؤلفین کی دنیا میں پرانے میٹریل سے جدید طرز تعمیر کا دلکش محل تعمیر کرلیا ہے...... وقت وماحول کی ضروریات کے مطابق ان کا اشہب قلم علمی وفکری توانائی اور عقل وخرد کے اسلحہ سے مرصع ہوکر میدانِ جہاد میں کود پڑتا ہے اور ہر سر پھرے کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔ جس کی شہادت کے لئے ان کی مایہ ناز تصنیف ''نام نہاد اسلامی انقلاب'' ہی کافی ہے۔

دینِ متین کی مختلف دعوتوں کو دل نشین اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنا اور ناظرین کرام سے دادِ تحسین حاصل کرنا ان کے قلم زود رقم کی خاصیت ہے، چنانچہ یوم الفرقان، تبلیغی کتاب، تیس راتیں، اچھا برتاؤ، مرض سے موت تک، مقالاتِ قادری (جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے) وغیرھا کتب مطبوعہ ان کے قلم فیض رقم سے نکلے ہوئے وہ جواہر پارے ہیں جو خواص کی نگاہوں کی زینت اور عامۃ المسلمین کے لئے رشد وہدایت کی ضمانت ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب مستطاب ''یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' یوں تو ان کی درجنوں تصانیف میں سے ایک ہے لیکن غائر مطالعہ کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس کے جمع وترتیب اور کثرتِ عناوین ومضامین میں فاضل مصنف کا خونِ جگر، نالہ شب اور آہِ سحر گاہی کا وہ دو آتشہ موجود ہے جو مخلص مطالعہ کنندگان کو حریم قدس تک پہنچانے کے لئے مچل رہا ہے اور اب یہ کتاب صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ذریعہ نجات وفلاح بھی ہے۔ اس کتاب لاجواب کے بیشمار متنوع عنوانات اس کی مقبولیت وافادیت اور ہدایت ورہنمائی کی سنگ میل ہیں...... حضرت فاضل مصنف نے جن عنوان ومضمون پر قلم زرفشاں اٹھایا ہے اس کے ہر ایک گوشہ اور اس سے شاخ در شاخ نکلنے والے مختلف النوع مضامین کو کتاب وسنت اور قیاس مجتہدین واجماع امت

Marfat.com

سے ایسا مرصع ومدلل کردیا ہے کہ اس کی کوئی جہت تشنہ نظر نہیں آتی۔

کتاب ہذا کو بغور پڑھنے کے بعد فاضل مصنف کی وُسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ، حضورِ ذہنی وفکری، استحضارِ مسائل، تصلُّب فی الدین اور عامۃُ المسلمین کی دینی خیر خواہی صاف طور پر نظر آتی ہے۔

جس کی سطر سطر سے ایمان واسلام کے گلشن سدا بہار میں علم وعمل اور خلوص ووفا کے گلہائے رنگارنگ قطار اندر قطار دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں، عشق وعرفان کی تپتی ہوئی زمین پر قلم سعادت شعار نے اپنے خون جگر سے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ اگر ناظرین سعادت مند میں عشق ووفائے الٰہی عزوجل اور محبت ورضائے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھوڑا سا جذبہ دروں بیدار ہوجائے تو وہ آناً فاناً حریمِ جمال تک پہنچ سکتے اور ایمان کی حرارت، عمل کی چاندنی کا پیکرِ محسوس بن سکتے ہیں۔

حضرت سید صاحب کی قلمی زبان اگر چہ منفرد لب ولہجہ کی حامل ہے لیکن علماء مفسرین کے اقوال کریمہ سے کہیں بھی انحراف واختلاف نظر نہیں آتا بلکہ معتمد علیہم مفسرینِ عظام کی تفسیروں کی وضاحت وبیان نہایت سہل اور عام فہم انداز میں فرمایا ہے۔ جو ان کے زورِ قلم اور قوت بیان کی امتیازی شان ہے۔

پوری کتاب کے مطالعہ سے میں مشرف نہیں ہوسکا پھر بھی جہاں تک مطالعہ کیا اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ ایمان وایقان، عشق وعرفان، خلوص ووفا، صبر ورضا، جذبہ اعمال صالحہ، اجتنابِ افعالِ قبیحہ اور محبتِ اولیاء، صحبتِ اصفیاء وغیرھا کی نہ صرف دعوت وتحریک ہے، بلکہ ناظرین باتمکین کے لئے ایک مخلص اور کامیاب رہنما ہے جو انہیں ہاتھ پکڑ کر منزلِ مقصود تک پہنچادینے کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ کریم جل مجدہ بطفیل حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام ناظرین مخلصین کو اس سے نفع تام حاصل کرنے کی توفیق رفیق عنایت فرمائے اور اس کتاب مستطاب کو ذریعہ فلاح ونجات، رافع درجات بنائے نیز حضرت مصنف زید مجدہ کو دارین میں اس کا صلہ جمیلہ اجر جزیلہ عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیهم الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ اله وصحبه وابنه غوثنا الجیلانی امام الربانی قطب الصمدانی الشیخ عبدالقادر البغدادی وحزبه اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

عبدالواجد قادری غفرلہ

خادم ''القرآن''

اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

(سابق صدر مفتی) ادارۂ شرعیہ، جامعہ رضویہ منظر الاسلام بلھند

۲۳ رجمادی ۱۴۲۰ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۹۹ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد جان نعیمی زید مجدہ وحبہ
مہتمم دار العلوم مجددیہ نعیمیہ، ملیر، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد، آج مورخہ ۱۰ جون ۱۹۹۸ء بروز سہ شنبہ، بعد نماز ظہر، حضرت مبلغ اسلام علامۃ الدھر مولانا سید سعادت علی القادری زید مجدہ، سے شرف ملاقات کو آپ کے دولت کدہ، واقع ایمسٹرڈم، حاضر ہوا۔ حضرت زید مجدہ نے اپنی تازہ تصنیف ''یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' کا مسودہ دکھایا، اور فرمایا، کہ کچھ بطور تبصرہ لکھیں۔ جبکہ دوسرے ہی دن میری وطن (کراچی) روانگی تھی، اور رات میں ایک دو پروگرام بھی تھے، یہ حضرت کی محبت اور خلوص ہے کہ مجھ جیسے، کم علم کو اتنا شرف بخشا، میں نے تعمیل حکم کا وعدہ کیا، اور رات ہی کو درج ذیل سطور لکھیں۔

کتاب کے مختلف مقامات نظر سے گزرے، فقیر اس نتیجہ پر پہنچا، کہ ایسی عظیم تصنیف اس موضوع پر، آج تک اردو زبان میں منظر عام پر نہیں آئی۔ حقیقت میں یہ کتاب ایسا انمول خزانہ ہے کہ جس سے پڑھنے والے کا دل راہ حق کا متلاشی بنتا ہے، اور اس قدر دل کش ہے، ایمان افروز اور روح پرور عنوان پر ہے، کہ اہل ایمان کے لئے یقیناً، فرح وسرور اور سرمایہ افتخار ثابت ہوگی۔ اس کتاب میں دلوں کے لئے روشنی، روحوں کی تازگی، اور فکر ونظر کی بالیدگی ملتی ہے، تفسیر قرآن، بالقرآن وسنت وفقہ و تاریخ اور تحقیق کے جملہ وسائل سے آراستہ ہے۔

ایسی عبرت انگیز کتاب کے لئے ایک ایسے صاحب قلم کی ضرورت تھی جو خود دل دردمند رکھتا ہو، اور جسے قرطاس وقلم کا طویل تجربہ بھی ہو۔ اس اعتبار سے حضرت مبلغ اسلام علامۃ الدھر، مولانا سید سعادت علی القادری مدظلہ العالی بہت موزوں ثابت ہوئے، یقیناً اتنی ضخیم کتاب کی تالیف وتصنیف میں جو محنت شاقہ کرنی پڑی ہوگی وہ ہر صاحب نظر پر عیاں ہے، رب تعالیٰ، حضرت زید مجدہٗ کو ان کی محنت ومشقت کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ نیز دارین کی سعادتوں سے ہمکنار فرمائے۔ اور اس تصنیف کو قارئین کے لئے ذریعہ رشد وہدایت بنائے، آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ

دستخط ----------

(حال نزیل، روٹرڈم، ہالینڈ)

مورخہ، ۱۳ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ/ ۱۰ جون ۱۹۹۸ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب
نائب صدر، جمعیت العلماء پاکستان وورلڈ اسلامک مشن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مولانا سید سعادت علی قادری ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے والد محترم حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور عالمِ دین تھے وہ مدرسہ انوار العلوم میں عرصہ تک حضرت غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے،

مولانا سید سعادت علی قادری کی شخصیت علماء اہلسنت میں جانی پہچانی ہے، اہل سنت کی تنظیم نو کے سلسلہ میں انہوں بڑی کاوش کی، جماعت اہلسنت پاکستان کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دیں، تقریر وتحریر میں بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں، پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی انہوں نے تبلیغی فرائض انجام دیئے اور اب بھی وہ تبلیغی سلسلہ میں مختلف ممالک کا دورہ کرتے رہتے ہیں وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

زیرنظر کتاب ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' ایک انوکھے عنوان کے ساتھ منظرِ عام پر آرہی ہے۔ عنوانات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ مولانا نے اس کی ترتیب میں کافی عرق ریزی سے کام لیا ہے، انہوں نے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا کہ حقیقتاً اور عملاً اسلام ایک مکمل دین، مکمل مذہب اور مکمل ضابطہ حیات ہے، قرآنی احکام سے زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے، اس میں شک نہیں، زندگی کے ہر گوشہ پر اسلامی اور قرآنی احکامات کے تحت، اپنے انداز سے انہوں نے بحث کی ہے، صرف زندگی ہی نہیں، مابعد کے حالات اور کوائف کو بھی مولانا نے قرآنی احکامات اور فرمودات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تحت واشگاف الفاظ میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے، آمین

احقر، پروفیسر شاہ فرید الحق غفرلہ

Marfat.com

تبصرہ از قلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''ندائے ذوالجلال''

جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ صاحب قادری زید علمہ و مجدہ

استاد شعبہ ارضیات جامعہ کراچی ...... جنرل سیکرٹری ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

خطیب جامعہ مسجد طیبہ، لیاقت آباد کراچی

مورخہ ۲۱ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ...... ۸ فروری ۱۹۹۹ء

-ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

(البقرہ:۱۷۷)

ہاں اصلی نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر

-فرمایا گیا:-

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۪ (البقرہ:۶۲)

جو سچے دل سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے، اس کا ثواب اس کے رب کے پاس ہے۔

-ارشاد ہوا:-

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(المائدہ:۶۹)

جو سچے دل سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اچھے کام کرے تو اسے نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم ہے۔

-اہل ایمان کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا-

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى

اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبہ:۱۸)

جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے

Marfat.com

نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں،

-اللہ ورسول کے منکر، باغی، انسانی شکل وشباہت کے باوجود انسان نہیں، بلکہ

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (انفال:۵۵)

بیشک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لائے-

-جبکہ اہل ایمان مستحق اجر وثواب ہیں-فرمایا گیا-

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ (آل عمران:۵۷)

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ ان کا اجر بھرپور دے گا-

اللہ رب العزت جل مجدہ ان انسانوں کو جو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، ''یایھا الذین منوا'' کے دلنواز خطاب سے، نوازتا ہے- جبکہ قرآن کریم تو تمام بنی نوع انسان کے لئے نازل کیا گیا، جو ہر متلاشی حق کے لئے سرچشمہ ہدایت اور نور رحمت ہے- اور یہ اعزاز صرف نبی آخرالزماں ﷺ کے غلاموں ہی کو بخشا گیا- اور یہ صدقہ ہے اس اعزاز کا جو اس نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کو بخشا، کہ انہیں بھی ان کی خصوصی صفات کے ساتھ مخاطب کیا گیا، کہیں ''یٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' کہیں ''يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' اور کبھی ''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ'' تو کبھی ''طٰهٰ''، ''يٰسٓ'' کے خطابات سے نوازا گیا- ''یا محمدؐ'' کہہ کر کبھی نہ پکارا گیا- جبکہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں، کہ ان کے لئے ''یا آدم''، ''یا نوح''، ''یا ابراہیم''، ''یا موسیٰ''، ''یا عیسیٰ'' کے الفاظ ہی استعمال ہوتے ہیں- حضور علیہ السلام کے لئے، یہ انداز خطاب درحقیقت آپ سے انتہائی محبت کا اظہار، اور غلاموں کو آپ کے انتہائی ادب واحترام کی تعلیم ہے- جبکہ امت کو ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' سے مخاطب کرنا، امت کے لئے نہایت ہی فضل وکرم کی بارش ہے، جبکہ عام انسان اس خصوصی عنایت سے محروم ہیں، کہ ان سے خطاب کی نوعیت عمومی ہے- ارشاد ہوتا ہے-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱

(البقرہ:۲۱)

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء:۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (الاعراف:۱۵۸)

Marfat.com

(اے حبیب علیہ السلام آپ) فرما دیجئے - اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں، جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر-

بہر حال تقریباً نوے مقامات پر اہل ایمان کے لئے خصوصی خطاب، ان سے رب کریم کے خصوصی تعلق کا ثبوت ہے۔ اور بیس مقامات پر، عام انسانوں سے عمومی خطاب، انہیں اپنے سایہ رحمت میں پناہ لینے کی دعوت ہے، جبکہ کفار اور باغیوں سے اظہار بیزاری اور لاتعلقی کرتے ہوئے، انہیں صرف ایک مقام پر، بواسطہ نبی مکرم علیہ السلام مخاطب کیا گیا، ارشاد ہوا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ

(الکفرون)

فرما دیجئے، اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں اور نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا اور نہ تم پوجو گے جو میں نے پوجا، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین-

بہر حال، اللہ رب العزت جل مجدہ کا یہ خصوصی فضل ہے کہ اس نے، اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے غلاموں کو، قرآن کریم میں نوے مرتبہ براہ راست "یایھا الذین امنوا" اے ایمان والو، کہہ کر خطاب فرمایا- جبکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں، مومنین و مومنات کا خصوصی ذکر کیا گیا، ان تمام آیات میں ہمیں بشارتیں بھی دی گئی ہیں، نافرمانی اور حکم عدولی کی صورت میں عذاب و سزا سے ڈرایا گیا ہے- کہیں اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، تو کہیں تقوے کی دعوت دی جا رہی ہے- معاشی و معاشرتی زندگی کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے، تو کچھ آیات ہیں، جن میں اپنے اور اپنے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دی جا رہی ہے- کہیں دنیاوی عیش و عشرت سے دور رہنے کی تلقین کی گئی، اور دنیا کو متاع قلیل اور عارضی و وقتی ساز و سامان قرار دیا گیا- ان آیات مبارکہ میں عدل و انصاف، صداقت، امانت، دیانت، قناعت، محنت و مشقت، حقوق العباد کی ادائیگی، والدین کی اطاعت، اعزاء و اقرباء سے محبت، چھوٹوں پر شفقت، انفاق فی سبیل اللہ، دینی و دنیوی ذمہ داریوں کی ادائیگی، فضول خرچی و بے راہ روی سے بچنے، حرام و حلال میں امتیاز کرنے، غرضیکہ زندگی کے ان تمام مسائل کو بیان کیا گیا، اور وہ تمام اصول بتائے گئے، جو زندگی کو پرسکون بنانے اور معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں، جن کا مرکز و سرچشمہ نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات مقدسہ ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ؕ (الاحزاب:۲۱)

بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لئے جو اللہ اور قیامت

Marfat.com

کے دن پر یقین رکھتا ہو، اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتا ہو-

مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری بن حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۳) نے "یاایھا الذین منوا" سے شروع ہونے والی نوے آیات پر علیحدہ علیحدہ مقالات قلم بند کیے ہیں- اور اپنی خداداد صلاحیت سے، نہایت ہی مہارت کے ساتھ مذکورہ بالا عنوانات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے- الفاظ سہل، اردو سلیس استعمال کی گئی ہے- جس سے ہر خاص و عام کے لئے استفادہ آسان ہو گیا ہے- اور یہ کتاب ہر گھر، لائبریری اور مدرسہ کی ضرورت بن گئی ہے- کتاب کی سیٹنگ کے مخصوص انداز نے اس کو مزید مفید بنا دیا ہے-

مصنف اپنے اس شاہکار کو تین ضخیم جلدوں میں مکمل کریں گے- جلد اول، سورہ بقرہ کی ۱۲ آیات، سورہ آل عمران کی ۷ آیات، سورہ النساء کی ۸ آیات، المائدہ کی ۱۴ آیات، الانفال کی ۴ آیات، التوبہ کی ۴ آیات، سورۃ الحج کی ایک اور سورۃ النور کی ۳ آیات پر مشتمل ہے- اس طرح یہ پہلی جلد ۵۹ مقالات پر مشتمل ہے- جس میں تفصیل سے نہایت مفید عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے- ضخامت ۵۷۷ صفحات کی ہے- کتاب ان دنوں زیر طبع ہے، اللہ کرے جلد ہمارے ہاتھوں میں ہو-

علامہ موصوف نے جلد اول ہی کا مسودہ مجھے مطالعہ کے لئے دیا، نیز حکم دیا کہ میں اس کے متعلق اپنے خیالات قلمبند کروں، جو میرے لئے نہایت مشکل کام ہے- کہ میرا قلم ابھی بہت پست ہے، نیز میں عمر، علم، تقویٰ، ہر اعتبار سے ہر طرح چھوٹا ہوں، اس لئے کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں حضرت کی اس عظیم تحریر پر کچھ تبصرہ کر سکوں- تاہم تعمیل حکم میں چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں-

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری، امریکہ و افریقہ، یورپ و مشرق وسطیٰ کے متعدد بار دورے کر چکے ہیں، آپ کا دائرہ کار بے حد وسیع ہے- شعلہ بیان مقرر ہیں- یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ سینکڑوں عنوانات پر، آپ کی تقاریر کیسٹس کی صورت میں محفوظ ہیں- نہایت پر اثر تحریر کے مالک ہیں- مقالات قادری ۳ جلدیں، تبلیغی کتاب ۲ جلدیں، وراثت انبیاء، اچھا برتاؤ، یوم الفرقان، مرض سے موت تک، نام نہاد اسلامی انقلاب، تیس راتیں، دائمی استفادے کے لئے موجود ہیں۔

آپ مبلغ و مصنف ہونے کے ساتھ بہترین منتظم بھی ہیں- آپ کی یہ صلاحیت اس وقت اجاگر ہوئی جب ۱۹۶۴ء میں آپ نے جماعت اہلسنت کی تنظیم کا آغاز کیا، آپ کی شب و روز محنت اور تنظیمی صلاحیت نے اس جماعت کو چند ہی دن میں ملک کی ایک مضبوط و مستحکم تنظیم بنا دیا- جس سے عوام اہلسنت میں زبردست تنظیمی و سیاسی شعور پیدا ہوا، جس کا نتیجہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں عظیم کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا- وہ وقت راقم الحروف کی طالب علمی کا تھا- اسی دور میں علامہ موصوف کو میں نے ایک فعال قائد کی حیثیت میں پہچانا اور جوں جوں میں آپ کے قریب ہوتا گیا آپ کی صلاحیتیں مجھ پر اجاگر ہوتی گئیں- مغربی ممالک میں متعدد مذہبی اداروں کا قیام بھی آپ کی تنظیمی صلاحیت کا ثبوت ہے-

مولانا کی متعدد تصانیف کا انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے- جس سے غیر مسلم بھی فائدہ حاصل

Marfat.com

کر رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب ''یایھا الذین امنوا'' کی پہلی جلد ۵۹ مقالات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا پہلا ہی مقالہ نہایت ہی اہم موضوع ''ایمان'' پر لکھا گیا ہے۔ جس میں تفصیل سے حضرت علامہ نے ایمان اور اہل ایمان کی تعریف اور خصوصیات پر گفتگو کی، اسی مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین کو کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس مقالہ کے بعد مصنف نے ہر آیت کو علیحدہ موضوع بنا کر اس پر مبسوط بحث کی ہے۔ آیت کی تشریح کے لئے اول آیات قرآنی کو ماخذ بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد صحاح ستہ کی مستند احادیث سے تشریح کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مؤطا امام مالک اور مشکوٰۃ شریف سے بھی مدد حاصل کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب، نہ صرف منتخب آیات قرآنی بلکہ سینکڑوں آیات کی اور احادیث کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس اعتبار سے احقر اگر ''یایھا الذین امنوا'' کی اس کتاب کو تفسیر قرار دے تو بے جانہ ہوگا۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے قرآنی آیات کا ترجمہ بھی خود ہی کیا ہے، اس طرح علامہ موصوف کو مفسرین و مترجمین کی فہرست میں شامل کیا جائے تو بے جانہ ہوگا، اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

حضرت علامہ سے میری گزارش ہے کہ اس کام کو جاری رکھا جائے اور اسی انداز پر بقیہ آیات قرآنی کی تفسیر کر کے ایک مکمل تفسیر کی شکل دے دی جائے، کہ ان ۳ جلدوں کے بعد غالبًا ۴/۵ جلدوں میں یہ کام مکمل ہوسکتا ہے، جو بلاشبہ ایک مکمل اور عظیم کارنامہ ہوگا۔ کہ اس انداز تحریر میں اب تک میری نظر سے کوئی تفسیر نہیں گزری۔ آخر میں، میں حضرت علامہ کو اس عظیم کارنامہ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس کتاب کو قبول فرمائے اور مقبول بنائے، آمین۔

(دستخط ڈاکٹر مجید اللہ قادری)

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش کش

الحمدللہ کہ مجھے والد گرامی کی یہ عظیم تصنیف پیش کرنے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔ کتاب کیسی اور کتنی مفید ہے، یہ تو آپ ہی فیصلہ کریں گے، میرے نزدیک یہ ایسے جملہ مضامین کا مجموعہ ہے، جو وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ عام طور پر کسی ایک کتاب میں مختلف انواع کے عنوانات ملنا، مشکل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ اس میں آپ کو عبادات اور اس سے متعلق مسائل بھی ملیں گے، معاملات اور ان سے متعلق الجھنوں کا حل بھی، آپ اس میں پائیں گے۔ بعض ایسے مسائل جو عام طور پر نہ لکھے جاتے ہیں، نہ بیان کیے جاتے ہیں اور اسی لئے مجھ جیسے کم علم ان اہم مسائل سے ناواقف رہتے ہیں۔ مثلاً قصاص، دیت، رہن وغیرہ۔ اس کتاب میں ان عنوانات کو پڑھ کر آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور اسلامی نظام کی اہمیت و افادیت بھی واضح ہوگی۔ معاشرے میں عورتوں کا مقام، پردہ، نکاح وغیرہ جیسے عنوانات بھی آپ پڑھیں گے۔

اسلام کے متعلق ہمارے دور میں جو شکوک وشبہات نوجوانوں کے ذہنوں میں گھر کر چکے ہیں، اگر اس کتاب کا بغور مطالعہ کرلیا جائے، تو ہر قاری پکار اٹھے گا کہ ''اسلام سے بہتر نہ کوئی مذہب ہے، نہ دنیا کا قانون، اور اسلام ہی کا عطا کردہ ضابطہ حیات، انسان کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں سامان طمانینت وسکون ہے، اسلامی قانون ہی ذریعہ امن وامان ہے''۔ اور اللہ کا دعویٰ حق ہے ''لا ریب فیہ'' اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، شکوک وشبہات کا سبب ہماری کم علمی اور اسلام سے دوری ہے، جس کو اس کتاب کا مطالعہ ختم کرتا ہے، کہ یہ معلومات کا ایک خزینہ ہے۔

کتاب کا نام آپ کی خصوصی توجہ چاہتا ہے ''یایھا الذین امنوا'' چودہ سو سالہ پرانا قرآنی جملہ ہے، لیکن مصنف نے اس کو کتاب کا نام بنا کر، جدت پسندی کا تمغہ حاصل کیا ہے، کہ اب تک اس نام کی کوئی کتاب نظر سے نہیں گزری، اب تک جس نے یہ نام سنا، واہ واہ کی، کہ اس میں قرآنی جملہ ہونے کے باعث بلا کی کشش ہے، اور یقیناً برکت بھی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ اس نام ہی کی برکت سے یہ کتاب قبول عام حاصل کرے گی۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ، والد مکرم کی عمر دراز کرے، ان کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے، تاکہ ان کی یہ دینی خدمت تادیر جاری رہے۔ اور ہمیں جدید تقاضوں کے مطابق علمی ذخیرہ حاصل ہوتا رہے۔

طالب دعا خادم العلماء
صاحبزادہ سید عامر علی القادری
۱۱/اپریل ۱۹۹۹ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بنام"

ضیاء الامت

رحمۃ اللہ علیہ

مفسر القرآن شیخ الحدیث حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ جو، نہ میرے استاد تھے، نہ پیر، لیکن ہمیشہ میری عقیدت و محبت کا مرکز رہے۔ جن کی تصانیف بالخصوص ضیاء القرآن اور ضیاء النبی سے میں ہمیشہ استفادہ کرتا ہوں۔ اللہ ان کی قبر کو مرکزِ انوار و تجلیات بنائے، اور ہمارے لئے ان کے فیوض و برکات جاری رکھے۔

فقیر سید سعادت علی القادری

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاایھا الذین آمنوا

”کتاب ایک نظر میں“

بحمداللہ ”یاایھا الذین آمنوا“ کی پہلی جلد آپ کے پیش نظر ہے، دعا کیجئے کہ جلد ہی دوسری جلد بھی نظر نواز ہو سکے۔

یہ جلد سورہ البقرہ، ۱۲، مقالات، سورہ آل عمران، ۷، سورہ النساء، ۸، سورۃ المائدہ، ۱۶ پر مشتمل ہے۔ جن کی تائید و تشریح کے لئے سینکڑوں آیات و احادیث پیش کی گئی ہیں۔ اندازہ فرمایئے کتنا عظیم علمی ذخیرہ ہے، آپ کے ہاتھوں میں۔ جس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ آپ کو درج ذیل چند عنوانات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

حلاوت ایمان، احترام رسول، اتحاد ملت، استعانت، صبر کی اہمیت، نماز کی عظمت، شہید کا مرتبہ، وما اُھل بہ لغیر اللہ، قصاص، دیت، وصیت، صیام، دین کامل، صدقہ، اخلاص، ربٰو وصدقہ کا فرق، سود کی لعنت سے بچنا، فتنہ و فساد کا انسداد، عورت کی گواہی، رہن، مشورہ، خطرناک دشمن، مداہنت، غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، تقویٰ، اعتصام بحبل اللہ، جماعت مبلغین، دینی تعلیم و تربیت، غصہ، محسنین، استغفار، سیر و سیاحت، گردش ایام، اسلام اللہ کی امانت ہے، نرمی، خوش کلامی، قساوت قلب، عفو و درگزر، مشورہ، مصاہرہ، عورت وراثت نہیں، غلام اور باندی، عائلی زندگی، اسراف، تجارت، خودکشی، قتل عزت، کبائر کی فہرست، مردعورت کی برابری، اطاعت، بے بسوں کی حمایت، بے احتیاطی کا سد باب، نماز قصر، نماز خوف،

Marfat.com

قیام بالقسط، ایفائے عہد، شکار کی ممانعت، شعائر اللہ کا احترام، باہمی تعاون، اکمال دین، ختم نبوت، حفاظت دین، عدل، توکل کی اہمیت، ہدایت کی اہمیت، موالات کی ممانعت، کلمہ کافی نہیں، اسلام میں رہبانیت نہیں، حرمت شراب، مومن کا امتحان، ترقی زدگان کے لئے، واقعہ ذبح بقرہ، اصلاح نفس، ایک بمقابلہ دو، نیکی میں دیر نہ کرو، خیانت، اموال و اولاد فتنہ ہیں، فراست، ثبات، جھگڑا نہ کرو، صلہ رحمی، غزوہ حنین، مشرکین نجس ہیں، پادریوں اور راہبوں کا حال، غزوہ تبوک، واقعہ ہجرت، ملت ابراہیم، ازلی دشمن، معاشرت کی اہمیت، استیذان، نظر بازی اور عریانیت، پردہ، زیب و زینت کا اظہار، حکم نکاح، مغربی تہذیب کی بدتہذیبی، جوڑے کا انتخاب، جہیز کی تلاش، عورتوں کی جسم فروشی، بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا، بوڑھیوں کے لئے رعایت، بے تکلفی کی اجازت، ساتھ کھانا کھانا۔

مندرجہ بالا عنوانات کو ذہن میں رکھئے، پھر کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ سے لطف اندوز ہوجئے۔ فقیر راقم الحروف یہ اعتراف کرتا ہے کہ صلاحیت کی کمی اور استعداد کی کمزوری کے باعث وہ کچھ تو نہ لکھا جاسکا، جس سے کتاب واقعی مفید ہوتی، اہم اور وقیع ہوتی، تاہم میری یہ کاوش، میری زندگی کا نچوڑ ہے۔ جسے میں نے محض تبلیغ و اشاعت دین کی غرض سے پیش کیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس سے میرا یہ مقصد ایک حد تک پورا ہوتا ہے۔ رہی اس کی افادیت، تو یہ تو آپ کو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ مرد و عورت، بوڑھوں اور جوانوں کے لئے کس قدر مفید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ متلاشیان علم کے لئے یہ ایک بہترین ذخیرہ ہے۔ مقررین و واعظین کے لئے ایک بیش قیمت خزانہ ہے۔ اصلاح و تزکیہ نفس کے لئے ایک دریا ہے، گویا ہر گھر کی ضرورت ہے اور ہر فرد کے لئے مفید ہے۔

میں شکر ادا کرتا ہوں اپنے رب کریم کا کہ اس نے بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، مجھے اس کتاب کی ترتیب کی توفیق عطا فرمائی جو بلا شبہ میرے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ خدمت دین، آخرت میں میرے لئے ذریعہ نجات بنے گی۔ میں قارئین سے عرض گزار ہوں کہ وہ کتاب کے مطالعہ کے دوران میرے، میرے اہل خانہ و خاندان اور ان احباب کے لئے دعا کرتے رہیں جن کے تعاون سے یہ عظیم کام سرانجام پایا کہ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وَ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

فقیر سید سعادت علی القادری

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقدمہ

مقالہ ا

ایمان کے معنی

ایقان، یقین کرنا، یہ لفظ، امن سے ماخوذ ہے، مقصد میں کامیابی کے لئے کسی ایسے ذریعہ پر یقین کرنا کہ ناکامی کا خوف وخطر نہ رہے، عام معنی کے اعتبار سے یقین کہلاتا ہے، جو انسان کے ہر ارادے کی تکمیل کی بنیاد ہے، کہ انسان کسی کام کا ارادہ نہیں کرتا جب تک کہ اس میں کامیابی کے اسباب پر اسے یقین نہ ہو۔ آپ ہرگز سفر کا ارادہ نہیں کر سکتے جب تک کہ آپ کو دولت ملنے، اپنی صحت اور سواری کا یقین نہ ہو، آپ ہرگز تجارت کا ارادہ نہیں کرتے، جب تک کہ ماحول، اس میں آپ کو کامیابی کا یقین نہ دلادے، گویا یقین انسان کے ہر عمل کی بنیاد ہے، پس اس کو انسان کے لئے اولین فرض، قرار دیا گیا، تاکہ وہ اپنی فلاح وبہبود کے لئے اقدام کر سکے،

ایمان، یقین کا تعلق، قلب یعنی دل سے ہے کہ دل میں جو خیالات وعقائد جگہ کر لیتے اور مستحکم ہو جاتے ہیں، انہی کو

Marfat.com

یقین کہا جاتا ہے، لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قلب کو ایسے خیالات کا خزینہ بنائے جو اس کے ارادوں کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کا واقعی ذریعہ بن سکیں۔ اور ایسے خیالات سے پاک وصاف رکھے، جو اس کی ناکامی ونامرادی یا ذلت و خواری کا سبب ہوں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قلب کی پاکیزگی ہی کو ذریعہ کامیابی وکامرانی قرار دیا ہے، فرمایا،

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۹۔۱۰)

بیشک کامیاب ہوا (وہ) جس نے اس (دل) کو پاک کرلیا، اور، تحقیق ناکام ہوا (وہ) جس نے اس (دل) کو گندگی سے آلودہ کرلیا۔

نیز فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۴)

بیشک کامیاب ہوا (وہ) جس نے (دل کو) پاک کرلیا۔

اور دلوں کو پاک کرنے والے آقا ﷺ فرماتے ہیں:۔

اَلَا وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وهِیَ الْقَلْبُ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

خبردار، اور بیشک انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو ٹھیک ہوگیا، تو تمام بدن ٹھیک ہوگیا، اور اگر وہ بگڑ گیا، تو تمام بدن بگڑ گیا، سنو، وہ دل ہے۔ سنو! وہ دل ہے سنو وہ دل ہے۔

قرآن کریم! دل کی تین حالتیں یا تین قسمیں بیان فرماتا ہے۔

قلب آثم۔ قلب سلیم۔ قلب منیب

جو مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوئیں:۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ (البقرہ: ۲۸۳)

اور گواہی نہ چھپاؤ، اور جو گواہی چھپائے، تو بیشک اس کا دل گناہ گار ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (الشعراء: ۸۹)

مگر جو، اللہ کے دربار میں قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ (ق: ۳۳)

جو رحمان سے، بے دیکھے، ڈرتا رہا، اور اللہ کی طرف، رجوع ہونے والا دل لے کر آیا۔

قلب آثم

وہ دل جو، ناکام ونامراد، ذلیل وخوار کرنے والے، عقائد وخیالات سے آلودہ اوہام کا مرکز ہو یعنی ایسے اقدام اور اعمال پر آمادہ کرے جو انسان کی ذلت وخواری کا باعث اور مقاصد میں ناکامی کا ذریعہ بنیں۔

Marfat.com

قلب سلیم

وہ دل، جو برے خیالات، عقائد سے پاک وصاف اور ایسے یقین کا مرکز ہو جو انسان کو ایسے راستے کی رہنمائی اور رہبری کرے، جو اس کی کامیابی وکامرانی کی منزل کی طرف لے جائے اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ بنے۔

قلب منیب

وہ دل جس میں برے خیالات پیدا ہوں، تو وہ رد کر دے اور ایسے عقائد اور ایسا یقین پیدا کرے، جو ذریعہ فلاح و بہبود ہوں۔ یعنی دل میں اچھائی، برائی کا امتیاز ہو اور برائی کی طرف لے جانے والے خیالات کو مسترد کر دینے اور نیکی پر آمادہ کرنے والے عقائد و یقین کو پیدا کرنے کی صلاحیت ہو۔

انسان کے لئے، از خود، دشوار ہی نہیں بلکہ یہ ناممکن ہے، کہ وہ ایسے اسباب، ذرائع اور سہاروں کا انتخاب کرے اور ان پر یقین کرے جو اس کو کامیابی وکامرانی کی منزل تک پہنچائیں، یہ کام بغیر کسی رہبر ورہنما کے ممکن ہی نہیں، بالکل اسی طرح جیسے ایک بچہ، زندگی بسر کرنے کے طریقے اپنے ماں باپ یا استاد کے بغیر نہیں سیکھ سکتا، یا کوئی نابینا، رہنما کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح کوئی انسان فلاح و بہبود کی منزل حاصل کرنے کے لئے یقینی اسباب و وسائل کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس کے لئے تمام لوازمات زندگی بھی مہیا فرمائے۔ لیکن اللہ کی کسی نعمت سے انسان اس وقت تک صحیح استفادہ نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس یقین وایمان کی دولت نہ ہو، اور یہ دولت بھی دوسری نعمتوں کی طرح اللہ کے فضل وکرم سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ پس اللہ نے انسان کی یہ اہم ترین ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے انبیاء کرام، رُسُلِ عظام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا جو بلا واسطہ اللہ سے تعلیم وتربیت حاصل کر کے، ہر اعتبار سے انسانوں سے افضل وممتاز ہوتے ہیں اور وہ ایمان لانے اور یقین کرنے والی ایسی باتیں بتاتے ہیں جن سے انسان بآسانی اپنے ارادوں کی تکمیل اور مقاصد حاصل کرتا ہے۔ ان کو رہبر ورہنما تسلیم کر لینے والے انسان، انسانیت کی اقدار، عزت وعظمت کو پا لیتے ہیں اور اشرف المخلوقات کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں، اسی لئے ایمان کی شرعی اعتبار سے مکمل تعریف یہ ہے۔

ایمان کی تعریف

هُوَالتَّصْدِیْقُ بِمَا جَآءَ بِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ تَعَالٰی اَیْ تَصْدِیْقُ النَّبِیِّ بِالْقَلْبِ فِیْ جَمِیْعِ مَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مجیئُهٗ بِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ اِجْمَالًا

ایمان ان امور کی تصدیق کا نام ہے، جو اللہ کی طرف سے آئے، یعنی اجمالی طور پر دل سے نبی مکرم علیہ السلام کی تصدیق کرنا، ہر اس چیز میں جو آپ اللہ کی طرف سے لائے جس کا ثبوت آپ سے قطعی طور پر ہو۔

گویا ایمان کا اولین مرحلہ نبی کی تصدیق ہے، کہ ایمان کا داعی اول سوا نبی کے کوئی نہیں ''اٰمِنُوا بِاللّٰہ'' کی صدا بلند کرنے والا، نبی کے علاوہ کون ہے۔ پس ایمان نبی ہی سے ملتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ نبی ہی ہمارے دل کو'' قلب آثم'' بننے سے

Marfat.com

بچا کر ''قلب سلیم'' یا ''قلب منیب'' بناتا ہے- خوب فرمایا علامہ اقبال نے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

ایمان کا تعلق دل سے ہے کہ جس نے حضور نبی کریم علیہ السلام کے لائے ہوئے تمام امور کی تصدیق کر دی وہ مومن ہو گیا- اور جس نے دل سے نہ مانا وہ مومن نہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے-

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (المجادلہ:۲۲)

یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (اللہ نے) ایمان ثبت فرما دیا، اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (المائدہ:۴۱)

اے رسول، آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں جو کفر میں تیزی سے دوڑتے ہیں، ان میں سے جنہوں نے اپنے منہ سے کہا، ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

طبقہ منافقین کی بنیاد، یہی کیفیت ہے، کہ وہ زبان سے تو ایمان کا اعلان کرتے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں بھی شریک ہوتے ہیں، لیکن دل سے ایمان نہیں لاتے- جس کا حال اللہ خوب جانتا ہے- اس نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی اس کا علم دیا- منافقوں کے نام تک بتا دیئے، تاکہ مسلمان ان کی سازشوں سے محفوظ رہیں- اب اگرچہ عملی طور پر منافق موجود ہیں، لیکن ہم کسی کو شرعاً منافق نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہم کسی کے دل کا حال نہیں جان سکتے کہ دلوں کا حال اللہ رب العزت نے صرف اپنے محبوب ﷺ کو بتایا- پس ہر کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہی ہے، بشرطیکہ اس کی زبان یا عمل سے کوئی کفریہ بات یا کام ظاہر و ثابت نہ ہو-

پس جو شخص زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے، اس کے ایمان کو تسلیم کرنا پڑے گا- پھر یہ کہنے کا حق باقی نہیں رہتا کہ یہ شخص دل سے مومن نہیں- کیونکہ شرعی احکام کا نفاذ تو زبان اور ظاہر حال پر ہوتا ہے، قلبی کیفیات پر نہیں- کہ دل کا حال تو جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، حالانکہ وہ زور زور سے ان کے سامنے کلمہ پڑھ رہا تھا- نبی مکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی، آپ نے اسامہ کو طلب فرمایا اور پوچھا، جب وہ شخص کلمہ پڑھ رہا تھا، تو تم نے اس کو کیوں قتل کر دیا- اسامہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس نے میرے خوف سے اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا- دل سے وہ ایمان نہ لایا تھا- آپ نے فرمایا، اسامہ، کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا-

حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں-

اَلْاِيْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ

ایمان زبان سے اقرار اور دل سے پختہ یقین کرنے کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

چونکہ زبانی اقرار کے بغیر کسی کے ایمان کا پتہ نہیں چل سکتا، لہٰذا اسے ایمان کی شرط قرار دیا گیا۔ اکراہ اور مجبوری کی صورت میں اگر کسی نے زبانی اقرار نہ بھی کیا، تب بھی وہ عنداللہ مومن ہوگا۔ جیسے حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ ایک عرصہ تک اپنا ایمان ظاہر نہ کر سکے، کہ حالت مجبوری میں زبانی اقرار نہ کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:۱۰۶)

جس نے ایمان لانے کے بعد، اللہ کے ساتھ کفر کیا (اس کے لئے دردناک عذاب ہے) مگر جس پر جبر کیا گیا، حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں) اور ہاں جس نے اپنے سینہ کو کفر پر کھول دیا (واقعی کافر ہو گیا) تو ان لوگوں پر اللہ کا غضب اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

ایمان کا ثبوت

اگرچہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، لیکن اس کے ثابت کرنے کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے، کہ جو شخص زبان سے اقرار کئے بغیر مر گیا اس کو مومن نہیں کہا جا سکتا ہے، چاہے اس نے ساری زندگی نیک کام کئے ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں عبداللہ بن جدعان نامی شخص کی نیکیاں بہت مشہور تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ کیا عبداللہ بن جدعان کو، اس کی نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں، کیونکہ اس نے کبھی اللہ سے توبہ نہ کی۔ مگر ایسے لوگ جن کا ایمان لانا بصورت اقرار ثابت تو نہیں، لیکن وہ حضور علیہ السلام کے بہت قریب رہے بلکہ معاون و مددگار بھی رہے، علماء محققین کے نزدیک ان کا حال اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ ہمارے لئے ان کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کے چچا ابوطالب کا معاملہ ہے، کہ نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ ان کی ہمدردیاں اور تعاون صرف اعلان نبوت سے قبل ہی نہیں بلکہ بعد میں بھی، نیز حضور علیہ السلام کا ان سے بے حد محبت فرمانا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ لیکن بہر حال ان کے ایمان قبول کرنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ پس مناسب یہی ہے کہ ان کے مومن یا کافر ہونے پر بحث نہ کی جائے۔ ان کے حال کو اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ غرضیکہ زبانی اقرار، ایمان کی شرط ہے جس کے بغیر ثبوت ایمان کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی ہے شرح عقائد میں ہے۔

وَذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْمُحَقِّقِيْنَ اِلٰى اَنَّهٗ هُوَ التَّصْدِيْقُ بِالْقَلْبِ وَالْاِقْرَارُ شَرْطٌ لِاِجْرَاءِ الْاَحْكَامِ فِي الدُّنْيَا لِمَا اَنَّ تَصْدِيْقَ الْقَلْبِ اَمْرٌ بَاطِنٌ لَا بُدَّ مِنْ عَلَامَةٍ فَمَنْ صَدَّقَ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ يُقِرَّ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى

جمہور محققین کا مذہب یہی ہے کہ ایمان، تصدیق بالقلب کا نام ہے اور زبانی اقرار صرف دنیاوی احکام جاری کرنے کے لئے شرط ہے، کیونکہ دل کی تصدیق، پوشیدہ معاملہ ہے۔ اس لئے لازمی طور پر اس کے لئے کوئی ظاہری علامت ہونا چاہئے، تو جو شخص دل سے (تمام ضروریات دین کی) تصدیق کرتا ہے، اور زبان سے اس نے (بوجہ مجبوری) اقرار نہ کیا، وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے۔ (شرح عقائد)

Marfat.com

غرضیکہ، ایمان، تصدیق بالقلب کا نام ہے، اور زبان سے اقرار، اس کی شرط ہے، جس کے بغیر ایمان کا، اعلان و اظہار ممکن نہیں کہ یہی ذریعہ ہے شرعی احکام کے نفاذ کا، اور مومنین میں شمار کئے جانے کا۔ اب رہا معاملہ، اعمال کا، جن کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ یہ نہ ایمان کا جز ہیں نہ ہی شرط۔ اس اعتبار سے کہ مومن کتنا ہی گناہگار، بدکار یا بدکردار ہو، بہرحال مومن رہے گا۔ اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ تاہم ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ مومن، اللہ اور اس کے احکام کا پوری طرح پابند ہو۔

لیکن اعمال، عبادات، شریعت کی پابندی، ایمان کے بغیر قابل قبول نہیں۔ نہ ایسے شخص کو مومن و مسلم کہا جاسکتا ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لانے کا اعلان کئے بغیر احکام اسلام کی پابندی کرتا ہو یا وہ ایمان کا دعویدار تو ہو لیکن نص قطعی سے ثابت شدہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو۔ مثلاً فرض عبادات میں سے کسی ایک کا انکار کرے۔ قرآن کی کسی آیت یا کسی حرف کا انکار کرے یا اس کے بیان کردہ احکام و واقعات میں سے کسی کا انکار کرے یا ان کو مشکوک جانے۔ حضور علیہ السلام کے فضائل و مناقب کا منکر ہو، یا آپ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔ اللہ اور رسول ﷺ نے جن چیزوں کو حرام و حلال قرار دیا ان میں سے کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ایمان تمام ضروریات دین کی تصدیق کا نام ہے اور کسی ایک چیز کے انکار سے کم یا ناقص نہیں بلکہ رخصت ہو جاتا ہے۔ بہرحال ایمان پر تمام اعمال کا دارومدار ہے کہ قرآن کریم نے ہر جگہ، اعمال صالحہ کی تاکید یا اس کی جزاء کو بیان کرتے ہوئے، ایمان کی شرط ضرور لگائی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند آیات۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (النحل: ۹۷)

جو نیک کام کرے، مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ضرور ہم اسے زندہ رکھیں گے، پاکیزہ زندگی کے ساتھ اور ہم انہیں ضرور صلہ دیں گے ان کے بہترین کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (الکہف: ۸۸)

اور جو ایمان لایا اور اس نے نیک کام کئے، تو اس کا بدلہ بھلائی ہے، اور عنقریب ہم اسے اپنا ایسا حکم دیں گے، جس کی تعمیل آسان ہوگی۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى (طٰہٰ: ۷۵)

اور جو اس (اللہ) کے پاس مومن ہو کر آئے کہ اس نے نیک کام کئے ہوں تو ایسے ہی لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (القصص: ۸۰)

اور ان لوگوں نے کہا، جنہیں علم دیا گیا، تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب بہت اچھا ہے۔ اس کے لئے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے، اور یہ نعمت انہی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

ان آیات سے دونوں باتیں واضح ہیں کہ ایمان کا ثمر و فائدہ اعمال صالحہ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور اعمال صالحہ ایمان ہی کے ذریعہ مفید و مقبول ہیں- بغیر ایمان کے اعمال کے پہاڑ بھی بنا دیئے جائیں تو راکھ ہیں، سراب ہیں، بیکار ہیں- فرمایا گیا-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؀ (الاعراف: ۷:۱۴۷)

اور جنہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے- انہیں وہی بدلہ ملے گا جو وہ کرتے تھے-

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْـتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ؀ (ابراہیم: ۱۸)

اپنے رب کے منکروں کا حال ایسا ہے کہ ان کے اعمال راکھ کی طرح ہوں گے کہ اس پر تیز آندھی کے دن ہوا کا سخت جھونکا آیا، اپنی ساری کمائی (اعمال) میں سے کسی چیز پر بھی وہ قدرت نہ پاسکیں گے، یہی دور کی گمراہی ہے-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــــًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ؀ۙ (النور: ۳۹)

اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے (نیک) اعمال ہموار زمین میں چمکتے ہوئے ریت کی طرح ہیں- جسے ، پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے کچھ (بھی) نہ پایا، اور اس نے اپنے قریب اللہ کو پایا تو اللہ نے اس کا حساب پورا پورا کر دیا اور اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے-

ایمان کی اہمیت

ایمان جسم ہے، اعمال زیور ہیں، زیور سے جسم کا حسن بڑھتا ہے، اعمال سے ایمان کا حسن چمکتا ہے، جسم نہیں تو زیور بیکار، ایمان، بیج ہے، اعمال، درخت، پتے، پھل ہیں، زمین میں بیج پڑتا ہے، تو درخت، پتوں، پھلوں کا فائدہ نصیب ہوتا ہے، بیج ہی نہیں، تو درخت، نہ پتے، نہ پھل اور نہ ہی ان کا فائدہ،

ایمان، نور ہے، اعمال سواری ہیں، جب انسان اعمال پر سوار ہو کر ایمان کے نور میں چلتا ہے تو راہ منزل نظر آتی ہے، کہ ہر سواری کے ساتھ، نور لازمی ہے، تاریک راستے میں بغیر نور کے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں ملتا، اعمال کی سواری کتنی ہی مضبوط اور تیز رفتار کیوں نہ ہو ایمان کے نور کے بغیر منزل مقصود کی سمت بھی نہیں پا سکتی، پس ایسے لوگ جو ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کر کے ایمان سے محروم ہو چکے کتنے ہی اعمال کریں، بظاہر کتنے ہی متقی نظر آئیں، کتنا ہی مقدس لبادہ پہن لیں، ان کے تمام اعمال راکھ ہیں، جنہیں، قیامت کی آندھی کا ایک جھونکا اڑا لے جائے گا اور وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو تلاش کرتے پھریں گے لیکن کچھ ان کے ہاتھ نہ لگے گا، انہوں نے تو یہ نیکیاں اس لئے کی تھیں کہ قیامت میں یہ پانی

Marfat.com

بن کر ان کی پیاس بجھائیں گی، لیکن قیامت کے دن جب وہ ان کے قریب پہنچیں گے، تو یہ نیکیاں ریت ہوں گی اور یہ اسی طرح پیاسے تڑپتے رہیں گے کہ تمام اعمال کا دارومدار تو ایمان پر ہے جو غائب ہو چکا تھا، اب ان کے لئے کچھ باقی نہیں رہا جو ان کی نجات کا ذریعہ بن سکے، کتنا بڑا خسارہ ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان بڑی دولت ہے، جس کی حفاظت ہر عزیز ترین چیز سے زیادہ عزیز ہونا چاہئے اس کی حفاظت بھی بڑی مشکل ہے، کہ ہماری دوسری چیزوں کے ڈاکو، لٹیرے، ہم جیسے انسان ہی ہوتے ہیں، جن کا ہم مقابلہ کر لیتے ہیں، ان سے اپنی عزت وآبرو، مال دولت بچانے کی کامیاب تدبیریں، ہمارے پاس ہوتی ہیں، ہم حفاظت کر لیتے ہیں لیکن ایمان کا دشمن بڑا ہی طاقتور، بڑا ہی مکار، اور چال باز ہے، جو سامنے سے کامیاب نہیں ہوتا، تو پیچھے سے حملہ کرتا ہے، ظاہر میں کامیاب نہیں ہوتا تو باطن کو قابو میں کرتا ہے، اسے برائی کو اچھائی بنانے، بے دینی کو دین بنانے، حرام کو حلال بنانے کا فن خوب آتا ہے، یہ رسول کی اہانت کو توحید کی عظمت بنا دیتا ہے، سنت کے انکار کو قرآن پر مکمل ایمان قرار دیتا ہے، حب اہلبیت کی آڑ میں بغض صحابہ کا بیج بوتا اور خلفائے ثلاثہ سے بدظن کرتا ہے، اور کہیں، عظمت صحابہ کے جذبہ میں اہلبیت اطہار پر تنقید، اور ان کی تنقیص پر اکساتا ہے، آئمہ مجتہدین کی تقلید کو، اللہ ورسول کی اطاعت سے بغاوت کا اعتقاد پیدا کرتا ہے، علماء، صوفیاء اولیاء و صالحین کی تنقیص اور ان سے تنفر کرنے کی کوششوں کو، دین کی عظیم خدمت، یقین دلاتا ہے، اعمال و کردار کو برباد کرنا، اس کا شیوہ ہے، عریانیت وفحاشی میں مبتلا کر دینا، اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، بدتہذیبی وبداخلاقی اس کے نزدیک فیشن ہے، جدت پسندی (ماڈرن ازم) کا بھوت سوار کر دینا، اس کا آلہ تباہی وبربادی ہے، بڑا ہی ظالم ہے، کھلا دشمن ہے، اس سے مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں، اس سے بچنے کے لئے کسی، ایسے کے دامن میں پناہ لینا پڑتی ہے، جس نے علم وعمل کے ذریعہ، ریاض ومجاہدے کے ذریعہ، احکام شرع کی مکمل پابندی کے ذریعہ، بارگاہ قدس، میں قرب خاص حاصل کر لیا ہو، مقربین میں، اس کا شمار ہونے لگا ہو، ہر قسم کے خوف وحزن سے وہ آزاد ہو چکا ہو، وہ اللہ کا ایسا محبوب بن چکا ہو، کہ اس کے، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، قدرت الٰہی کا مظہر بن گئے ہوں، وہ ایسا مستجاب الدعوات ہو، کہ مانگنے سے پہلے، اسے ملتا ہو، نامرادوں کو، بامراد کر دیتا ہو، بھکاریوں کی جھولیاں بھر دیتا ہو، اسی کے دامن سے وابستہ ہو کر، دولت ایمان کی حفاظت ممکن ہے، ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے، اور بقول حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ،

مَنْ لَّا شَیْخَ لَهٗ فَشَیْخُهُ الشَّیْطَانُ

جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہو جاتا ہے

دشمن، شیخ بن جائے، تو سوچ لیجئے، انجام کیا ہوگا، ساری دولت لٹ جائے گی، راکھ ہو کر اڑ جائے گی، سراب کے سوا کچھ نہ رہے گا، اور بندہ پیاسا تڑپتا رہے گا۔

ایمان، نور ہے، شمع ہے، چراغ ہے، اس کا تیل اعمال صالحہ ہیں، جتنے اعمال صالحہ زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی ایمان کی روشنی زیادہ ہوتی ہے، مومن کے چہرے پر نور ایمان ہی کا ہوتا ہے، جو نمازوں کی پابندی کرنے، سچ بولنے، رزق حلال کھانے سے ظاہر ہوتا ہے، حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو، جس سے ایمان کے لئے اعمال کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

عَنْ اَبِی مَالِکِ نِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَآنِ اَو تَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، طہارت نصف ایمان ہے، اور الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ، آسمان کی درمیانی فضا کو بھر دیتے ہیں۔

وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَو عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَآئِعٌ نَّفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا (مسلم شریف)

نماز نور ہے، اور صدقہ کرنا دلیل ہے، اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن تیرے لئے یا تجھ پر حجت ہے ہر شخص جو صبح کرتا ہے، وہ اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے، یا اس کو آزاد، کرالیتا ہے، یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

حدیث مبارک کے آخری حصہ پر غور فرمائیے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب صبح کو اٹھ کر، اپنے کاروبارِ معیشت میں مصروف ہوتا ہے تو گویا، وہ اپنے آپ کو فروخت کرنے کے لئے بازار میں پہنچ جاتا ہے، جہاں اس کے دو خریدار ہوتے ہیں، رحمان اور شیطان، پس اگر اس کا ہر عمل اللہ اور اس کے احکام کے مطابق ہوتا ہے، اور سارا دن، اطاعت و فرمانبرداری میں گزرتا ہے، تو وہ بڑا خوش نصیب ہے، کہ اللہ نے اسے خریدا، اور وہ جہنم کی آگ سے آزاد ہو گیا، اور اگر وہ سارا دن، فریب، مکاری، بدکاری، جھوٹ، اور ان جیسے برے اعمال میں مبتلا رہا، تو گویا اس نے اپنے آپ کو شیطان کے سپرد کر دیا، اور اس نے، اسے ہلاک کر ڈالا، کہ شیطان جس پر قبضہ، کرتا ہے، اسے بری طرح تباہ و برباد کر ڈالتا ہے، ایسے شخص میں اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا،

ایمان، درخت کی مانند ہے، میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق، اس کی بہتر یا اس سے بھی زیادہ شاخیں ہیں، گویا، بڑا ہی گھنا، سایہ دار، درخت ہے، جو مصیبت زدوں کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، بے چین مسافر اس کے سایہ میں آ کر، منزل مقصود پا لیتے ہیں، تڑپتی ہوئی انسانیت کو یہاں سکون میسر آتا ہے، دنیا کی عزت اور آخرت میں نجات، اسی سایہ میں پناہ لینے والوں کو نصیب ہوتی ہے، عروج و بلندی کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے، اس سایہ کا مقابلہ دنیا کے درختوں کے سایہ سے نہیں کیا جاتا، یہ صرف اسی کو نظر آتا، جو اس کی پناہ میں آ کر، راحت و سکون حاصل کرتا ہے، یہ سایہ، صرف دنیاوی زندگی ہی کی فلاح و بہبود کا ضامن نہیں بلکہ آخرت میں بھی جہنم کی آگ سے آزادی کی ضمانت دیتا ہے، کہ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''مومن یقیناً جنت میں داخل ہوگا، ایمان کے اس گھنے درخت کی، بہتر شاخیں وہ اعمال ہیں، جن کی قرآن کریم نے بار، بار، تاکید کی، اور صاحب قرآن ﷺ نے، ان کی وضاحت فرمائی، اور عملی تعلیم بھی دی، جن کا خلاصہ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اتباع ہے، جن کے بغیر، مومن ایسا ہی، جیسے بے شاخوں کا درخت، کہ اس پر نہ پھل آتے ہیں، نہ اس کا سایہ ہوتا ہے، اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے، تو اس کی قدر و منزلت بھی باقی نہیں رہتی، ایمان کی ان شاخوں کا ذکر حدیث

Marfat.com

شریف میں ہے،

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَا هَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ایمان کی بہتر ۷۲ شاخیں ہیں، سب سے افضل کلمہ طیبہ کا اعتقاد، اور سب سے ادنیٰ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے

حلاوت ایمان

ایمان اپنے اندر ایک لذت رکھتا ہے، مزا رکھتا ہے، جو بہت ہی میٹھا ہے، بہت ہی خوش ذائقہ ہے، لیکن اس کا پتہ جب ہی چلتا ہے، جب مؤمن مسلم بنے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن کر اسلام کے جملہ احکام کی تعمیل کرے، میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا (مسلم شریف)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس نے ایمان کا مزا چکھ لیا، جو اللہ کی، ربوبیت اور اسلام کے دین کامل ہونے، اور محمد ﷺ کی رسالت پر راضی ہو گیا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوٰهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَ مَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِی الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِی النَّارِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا، جس شخص میں تین باتیں ہوں، وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا، اللہ اور اس کا رسول، اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں، جس شخص سے محبت کرے صرف اللہ ہی کے لئے کرے، کفر سے چھٹکارا، پا لینے کے بعد، دوبارہ، کفر کی طرف لوٹنا، اسے آگ میں ڈالے جانے سے زیادہ ناپسند ہو۔ (مسلم شریف)

ایمان کی حلاوت و مٹھاس کا اندازہ کرنا ہو تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیجئے، پڑھیے، کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اور دیگر کئی صحابہ نے اپنے آقاؤں اور کفار کے کیسے کیسے مظالم جھیلے لیکن ظلم و ستم کی تلخی، ان کے ایمان کی شیرینی کو رتی برابر متاثر نہ کر سکی، یہ حلاوت ایمان ہی کا اثر تھا کہ ان حضرات نے اپنا وطن چھوڑا، مال و دولت لٹایا، دشمنوں کا مقابلہ کیا، اللہ کی راہ میں گردنیں کٹائیں، لیکن کبھی

Marfat.com

خدمت دین سے نہ اکتائے، ان پر جتنے زیادہ مصائب و آلام آتے، اتنا ہی زیادہ انہیں ایمان کا مزا آتا تھا، انہیں دین کا، بڑے سے بڑا کام آسان معلوم ہوتا تھا، دشوار گزار مراحل طے کرنا ان کے لئے سہل ہو جاتا تھا، یہ حلاوت ایمان ہی کا اثر تھا، کہ یہ نفوس قدسیہ، فاقے کر کے، خون کی ندیاں بہا کر، اسلام کی حفاظت میں کامیاب ہوئے، انہی کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اسلام کے وارث ہیں، اور انہی کے نقش قدم پر چل کر، ہم اپنی آئندہ نسل کو اسلام کا وارث بنا سکتے ہیں، حلاوت ایمان ہو، تو کامیابی و کامرانی، مؤمن کا مقدر رہے، کہ وعدہ الٰہی ہے،

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو، اور غمگین نہ ہو، اور تم ہی غالب رہو گے، اگر (کامل) مؤمن ہو۔

غرضیکہ، ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اور زبان سے اقرار اس کی شرط ہے، کہ جس کے بغیر بظاہر کسی کے مؤمن ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اور اعمال، ایمان کا مقتضی ہیں، ثبوت ایمان کی دلیل ہیں، کمال ایمان کا ذریعہ ہیں، اگرچہ بغیر اعمال کے ایمان قابل قبول بھی ہے، اور جہنم کے دائمی عذاب سے نجات کا ذریعہ بھی، لیکن ایمان کا اصل مفاد تو یہ ہے، کہ مؤمن جہنم کی آگ کے قریب بھی نہ پہنچے، سیدھا جنت میں داخل ہو، اور یہ بظاہر اسی وقت ممکن ہے، جب مؤمن باعمل ہو، ویسے اللہ جس پر چاہے، فضل فرما دے، کہ وہ بخشنے والا، اور بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے،

ایمان، اجمالی طور پر امور دینیہ کے یقین کا نام ہے، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، یعنی امور دینیہ کی تفصیل اور تمام اجزاء کا جاننا ضروری نہیں اگرچہ علم دین ایمان کے نور کو بڑھاتا اور اس کے فوائد میں اضافہ کرتا ہے، نیز اس سے اطاعت و فرمانبرداری میں سہولت اور لذت پیدا ہوتی ہے، ثواب زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا کہ ''عالم کی ایک نماز، جاہل کی ستر نمازوں کے برابر ہے'' تاہم حضور علیہ السلام کی لائی ہوئی تمام باتوں پر اجمالی طور پر یقین کر لینا، کفر سے نجات کے لئے کافی ہے، اور یہ مقصد، دو جملوں پر مشتمل ایک کلمہ سے حاصل ہو جاتا ہے، جسے ہم کلمہ طیبہ کہتے ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

یہ کلمہ پڑھا اور بندے کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہو گئی، اس کی دنیا بدل گئی، ادائیں بدل گئیں، مقصد زندگی بدل گیا، رشتے بدل گئے، دوست دشمن، اور دشمن دوست ہو گئے، پہلے وہ بتوں کے سامنے سر رگڑتا تھا، اب اس کا یہ مقدس سر، مالک حقیقی کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکے گا، پہلے وہ اپنے نفس کی خواہشات کے حصول کے لئے زندگی گزارتا تھا، اب اس کی زندگی کا مقصد، اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہو گیا، پہلے اس کے رشتوں کی بنیاد، خون پر تھی، اب اس کی رشتہ داری کی بنیاد اسلام پر ہو گئی، پہلے اس کے تعلقات اور عداوت کا معیار، دنیاوی فوائد اور دنیاوی نقصانات، تھا، اب اس کی دوستی بھی، اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور دشمنی بھی، ایمان زندگی میں یک لخت ایسا انقلاب پیدا کرتا ہے، جس کا ذریعہ کوئی دوسری تحریک یا نظریہ نہیں ہو سکتا،

ایمان، درحقیقت، اللہ اور بندے کے درمیان بواسطہ رسول ایک معاہدہ ہے، کہ بندہ، رسول کے سامنے اعلان

Marfat.com

ایمان کر کے، اپنا سب کچھ رسول کو سونپ دیتا ہے، رسول اللہ سے اس کا سودا کرتے ہیں، رسول کی سفارش پر اللہ بندے کا مال خرید لیتا ہے اور بطور قیمت جنت کا وعدہ فرماتا ہے، رسول بندے کو سودا ہو جانے اور اس کے بدلے جنت ملنے کا مژدہ سناتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں، کہ،

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ (الرعد:۳۱)

بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ (الروم:۶)

اللہ نے وعدہ فرمایا، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

بس معاہدہ ہو گیا اب تم اس کی پابندی کرو، اور مطمئن رہو، کہ تمہیں قیمت ضرور ادا کی جائے گی کہ وعدہ کرنے والی وہ ذات ہے، جو نہ وعدہ خلافی کرے اور نہ ہی وعدہ خلافی کو پسند کرے، اب ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے، کہ سودا بگڑنے نہ پائے، بڑا ہی قابل قدر سودا ہے، ایک تو اس لئے کہ مالک خود اپنی دی ہوئی چیزوں کو اپنے فضل و کرم سے خرید رہا ہے، ورنہ وہ تو ویسے ہی قادر ہے کہ دے کر جو چاہے واپس لے لے، دوسرے اس لئے کہ ان چیزوں کی قیمت ان کی حیثیت سے بہت زیادہ دی جا رہی ہے، کہ یہ چیزیں تو ایک دن فنا اور ختم ہونے والی ہیں اور جنت اور اس کی تمام نعمتیں ہمیشہ کے لئے ہیں، کتنا بڑا فضل ہے اس کا، یہ کرم ہے رسول کا، کہ انہوں نے ایسا اچھا سودا کرایا، اگر درمیان میں رسول نہ ہوتے تو بندہ ذلیل و خوار ہی ہوتا رہتا، رسول کے اس کرم کو قرآن اس طرح بیان فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾

(التوبہ:۱۱۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے، ان کی جان و مال کو ان کے لئے، جنت کے بدلے میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں، اور شہید کیے جاتے ہیں، وعدہ ہے اس پر سچا، تورات اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے، اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا، تو تم خوش ہو جاؤ، اپنی اس بیع پر، جو تم نے بیع کی ہے اس سے، اور یہی بڑی کامیابی ہے،

ایمان قبول کرنا

ایمان، قبول کرنا، کتنا آسان، دو جملے کہے اور مؤمن ہو گئے، لیکن ذمہ داری کتنی بھاری، کہ اب بندہ اللہ کا ہو گیا، اس کی ہر چیز اللہ کی ہو گئی، جسم، جان، مال، عیال سب اللہ کی امانت ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ سودا ہو جانے کے بعد بھی، ان چیزوں کے استعمال کی اس نے، اجازت دی، ان کو استعمال کر سکتے ہو، لیکن اس کی رضا کے مطابق، امانت میں کوئی خیانت نہ ہو، آنکھ سے وہ دیکھو، کان سے وہ سنو، جس کے دیکھنے، سننے کی مالک اجازت دے، دل میں وہ رکھو، جس کے رکھنے کی مالک

Marfat.com

اجازت دے، ہاتھوں سے وہ چھوؤ، جس کے چھونے کی مالک اجازت دے، پیروں سے اس طرف جاؤ، جہاں جانے کی مالک اجازت دے، جسم کو اسی غذا سے پالو، جس کو مالک نے تمہارے لئے حلال کیا، پورا جسم امانت ہے، خیانت نہ ہونے پائے، اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہو، اگر گردن کٹانے کا موقع آ جائے، تو زندگی سے زیادہ موت پیاری معلوم ہو، مال کے ایثار کی ضرورت پڑے، تو جس کا ہے اس کی راہ میں، بے دریغ خرچ کرو، اہل وعیال کو بھی اپنی طرح، اللہ کا مطیع بناؤ، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں، تو تمہارے ہیں، ورنہ ان سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں، اگر امانت میں خیانت نہ کی تو، سودا پکا ہے، جس نے تمہارا سب کچھ خریدا ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، اور اگر امانت میں خیانت کی تو بڑا ہی برا انجام ہوگا، کہ وہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور جسے وہ پسند نہ کرے، اس کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے، سودا کینسل اور ٹھکانہ جہنم کی آگ، اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

ایمان، کے اس معاہدے کو جن خوش نصیبوں نے پورا کیا، وہ یقیناً جنتی ہیں، اسی لئے حضور علیہ السلام نے بعض صحابہ کرام کو خصوصی طور پر جنتی فرمایا، اور قرآن کریم نے تمام ہی صحابہ سے اللہ کی رضا وخوشنودی کا اعلان فرمایا، اور اللہ اور حضور علیہ السلام کے ارشاد ہی کے مطابق ہم تمام، اولیاء وصالحین کے جنتی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان جنتیوں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان سے عقیدت ومحبت رکھتے اور ان کا فیض حاصل ہونے کا، کامل یقین کرتے ہیں، ہمارے نزدیک جنتیوں سے محبت وعقیدت، ان کے دامن سے وابستگی ہی، حصول جنت، اور کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔

ایمان، حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہی کے واسطہ ووسیلہ سے نصیب ہوا، کہ انہی امور پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے، جو آپ لے کر آئے، جیسا کہ ہم ایمان کی تعریف کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ایمان کی دعوت دینے والے بھی آپ ہی ہیں، ایمانیات کی تعلیم دینے والے بھی آپ ہی ہیں، آپ کے ان احسانات کا مقتضی یہ ہے، کہ ایمان کی تکمیل اور اس کا کمال بھی آپ ہی کے واسطہ ووسیلہ سے نصیب ہو، لہذا، قرآن کریم نے، رسول کی اتباع و پیروی کو، اللہ سے محبت کا ثبوت، اور، رسول کی اطاعت کو، اللہ کی اطاعت قرار دیا، اور خود، رسول نے اپنی محبت کو کمال ایمان کا ذریعہ بتایا، فرمایا گیا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُم حَتّٰى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کو میری ذات، اپنے والدین، اور اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں مال کا بھی ذکر ہے، منشاء ارشاد یہ ہے، کہ عبادات اور دیگر جملہ احکام اسلام کی پابندی کے باوجود، اگر مؤمن کا دل حب رسول سے خالی ہو، تو وہ نہ متقی ہے نہ زاہد، کہ قرب الٰہی کے تمام مراتب کا ذریعہ صرف حضور علیہ السلام کی محبت ہے، ایسی محبت جس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا، کہ غزوہ بدر میں، حضرت ابوبکر صدیق اپنے بیٹے

Marfat.com

کو، اور حضرت حذیفہ اپنے باپ کو قتل کرنے کے لئے تلوار لہراتے، آگے بڑھے، اور حضرت عمر نے اپنے ماموں کو قتل کر ڈالا، یہ آقا سے محبت ہی کا مظاہرہ تھا، کہ غلاموں نے اپنا گھر، جائداد، دھن دولت، سب کچھ چھوڑا اور ہجرت کی، جب آقا کو دولت کی ضرورت پیش آئی، تو اپنے گھروں کا ساز وسامان تک لا کر قدموں میں رکھ دیا، جب آقا نے جان کی قربانی کا حکم دیا، تو گردنیں کٹانے میں ذرا، برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی، کیونکہ صحابہ کرام، حضور علیہ السلام کی محبت ہی کو اصل ایمان اور جان ایمان سمجھتے تھے۔

مغز قرآں، روح ایماں، جان دیں،
ہست حب رحمۃ للعالمیں،

یہ شرف ایمان ہی کی معرفت نصیب ہوا، کہ رب نے، بندوں کو خصوصی خطاب سے نوازا، یہ قبولیتِ ایمان کا اعلان ہے، کہ جس پر ایمان لائے اس نے تمہیں، مؤمن کہہ دیا، گویا مؤمن مان لیا، یہ مژدۂ نجات ہے، کہ مقبول ایمان، یقیناً نجات کا ذریعہ ہے، یہ دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کی خبر ہے، کہ ایمان کامیابی وکامرانی کا ذریعہ ہے، یہ محبوب کے غلاموں سے محبت خاص کی خوشخبری ہے، کہ اس سے پہلے کسی نبی کی امت کو اس خطاب سے نہ نوازا گیا، ہم پر یہ کرم خاص صرف نبی مکرم علیہ السلام کے طفیل ہوا،

اس خصوصی خطاب سے، دو، چار مرتبہ نہیں بلکہ اٹھاسی مرتبہ نوازا گیا، اس کے اول مخاطبین حضرات صحابہ کرام ہیں کہ انہی کو نزول قرآن کا دور نصیب ہوا، قیامت تک آنے والے امتیوں کے سر پر خطاب الٰہی کا یہ تاج، ان حضرات ہی کی وساطت سے ہے، جب بھی ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے یا اس کو سنتے ہیں، تو یہ جملہ ایک عجیب سرور پیدا کرتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں کوئی پکار، رہا ہے، نہایت ہی شفقت ومحبت کے ساتھ، اپنے احکام کی تعمیل کی دعوت دے رہا ہے، اپنے سایہ رحمت میں پناہ لینے کی طرف بلا رہا ہے،

واضح رہے کہ یہ خطاب مومنین کو ہے، حضور نبی کریم علیہ السلام اس میں شامل نہیں، کہ آپ تو شمع ایمان ہیں، ہر مومن نے اپنے آپ کو نور ایمان سے آپ ہی کے ذریعہ چمکایا ہے، آپ منبع ایمان ہیں، کہ ہر مؤمن کو ایمان کا فیض آپ ہی سے نصیب ہوا، آپ اصل ایمان، روح ایمان ہیں کہ آپ ہی کی خبروں پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے، علاوہ ازیں جن آیات کا اس خطاب سے آغاز ہوتا ہے، وہ دو قسم کی ہیں، یا تو ان میں، غلاموں کو آقا کا ادب واحترام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، ظاہر ہے ان میں خود آقا شامل نہیں، اور یا، شرعی احکام بیان کئے گئے اور ان کی تعمیل کا حکم دیا گیا، ان میں بھی حضور علیہ السلام شامل نہیں، کیونکہ آپ تو معلم شریعت ہیں، اور تمام، احکام کو، اللہ کے عطا کردہ خصوصی، بے حد وانتہا علم کے ذریعہ پہلے ہی جانتے ہیں، اور ان کے علم کے ساتھ ہی آپ ان پر عمل پیرا بھی تھے۔ اس کا مقصد بعثت عام لوگوں کی طرح احکام شرع کا جاننا اور ان پر عمل کرنا نہیں، بلکہ آپ تو معلم بنا کر، اور انسانیت کے لئے اسوہ، نمونہ بنا کر مبعوث فرمائے گئے، جنہوں نے آپ کی تعلیمات پر یقین کیا، انہی کو آپ اللہ کی طرف سے ''اے ایمان والو'' کہہ کر پکارتے، اور اپنے اسوہ کاملہ پر عمل کی دعوت دیتے ہیں، اور مؤمن جو کچھ کرتا ہے اس کو رسول ہی کی اتباع وپیروی جان کر کرتا ہے ہم نماز اسی لئے پڑھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

Marfat.com

نے پڑھی اور اس کو اللہ کی پسندیدہ عبادت بتایا، ہمارا یہی یقین دیگر عبادات اور جملہ احکام شرعیہ کے متعلق ہے، مؤمنین اولین و کاملین حضرات صحابہ کرام کے اعمال سے ہمیں اسی یقین کی تعلیم ملتی، بطور مثال حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو،

عَنْ: عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ لِلرُّكْنِ الْاَسْوَدِ اِنَّمَا اَنْتَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا اِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ ثُمَّ قَبَّلَهٗ

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کعبہ کے دوران، حجر اسود، کو چومنے سے قبل فرمایا، کہ، تو ایک پتھر ہے، نہ نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، اور اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا، یہ فرمانے کے بعد آپ نے حجر اسود کو چوما۔

(مؤطا امام مالک)

غرضیکہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" "اے ایمان والو" کا خطاب عام مؤمنین کے لئے ہے، اور حضور علیہ السلام، عام جیسے نہیں، لہٰذا اس کے خطاب میں آپ، شامل نہیں، رب نے اپنے محبوب کو دوسرے پیارے خطابات سے نوازا، مثلاً "یا ایھا النبی"، "یا ایھا المزمل"، "یا ایھا المدثر"، وغیرہ۔

ایمان، سے متعلق اس ضروری تفصیل کے بعد، ان آیات پر، ہمارے مقالات ملاحظہ ہوں، جن کا آغاز، اس مسحور کن جملے سے ہوتا ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" "اے ایمان والو"

"اے اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، اور حضور علیہ السلام سے ہمیں صحابہ جیسی محبت نصیب فرما" آمین

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”سورۃ البقرۃ“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
2	104 تا 105
3	153 تا 157
4	172 تا 173
5	178 تا 182
6	183 تا 188
7	208 تا 209
8	254
9	264 تا 266
10	267 تا 277
11	278 تا 281
12	282 تا 283

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲

البقرہ: ۱۰۴ تا ۱۰۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

(البقرہ، ۱۰۴۔۱۰۵)

اے ایمان والو! (رسول کو) رَاعِنَا مت کہو، اور اُنْظُرْنَا کہو، اور خوب سن لو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے، (اے ایمان والو!) کفر کرنے والے، اہل کتاب اور مشرک نہیں چاہتے، کہ تمہارے رب کی طرف سے، تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے، اور، اللہ جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے، اور، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

احترام رسول

سورہ بقرہ میں، قرآن کریم کی یہ پہلی آیت ہے، جس میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا ہے، اور اس

Marfat.com

کا موضوع رسول کا ادب و احترام ہے، گویا مومنین کو، ان کی اول ترین ذمہ داری یہ بتائی جا رہی ہے، کہ جس رسول نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس پر عمل کا طریقہ سکھایا، تمہارے اعمال و عبادات کی ابتداء، اس کے ادب و احترام سے ہونا چاہئے، کہ بے ادبی و گستاخی، اللہ کو نہ اپنے لئے گوارا ہے اور نہ اپنے رسول کے لئے- ایسا شخص کتنا ہی زاہد و متقی اور عبادت گزار ہو، مردودِ بارگاہ قرار پاتا ہے- یہ قانونِ الٰہی اتنا اہم ہے، کہ دیگر قوانین سے بہت پہلے، نبی اول آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے سے بھی پہلے، ابلیس کو رجیم، قرار دیتے ہوئے، اسی کا اعلان کیا گیا تھا-

آیت مذکورہ بالا میں، دوسرے شرعی احکام سے پہلے یہ حکم دینے کی حکمت، یہی ہو سکتی ہے، کہ شریعت کی پابندی کی طرف بڑھنے سے پہلے مؤمن کو اپنے دل میں رسول کا ادب و احترام پیدا کر لینا چاہیے، کہ اس کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں- اور نہ ہی، اس کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہے- جو ہر مؤمن کی منزل مقصود ہے، نیز یہ حکم خصوصی طور پر اہلِ ایمان کے لئے ہے، کیونکہ ایمان درحقیقت رسول کی غلامی اختیار کر لینے کا نام ہے، اور غلاموں ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ آقا کا ادب و احترام کریں- یہ حکم ایسے مرحلہ پر دیا گیا، جہاں گستاخی یا توہین کا وقوع نہیں ہوا تھا، صرف شائبہ ہوتا تھا، اس ابتدائی مرحلہ ہی میں تنبیہ کر دی گئی، کہ اگر مؤمن اس سے آگے بڑھا، تب تو اس کا ایمان ہی خطرے میں، پڑ جائے گا، اس حکم کے نزول کے وقت بات صرف اتنی سی تھی، کہ صحابی کبھی کبھی، حضور علیہ السلام کے ارشادات پر پوری توجہ نہ دیتے تھے، اور پھر آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ''راعنا'' کہا کرتے تھے، کہ اے اللہ کے رسول، ہماری رعایت کیجئے، بات سمجھ میں نہیں آئی، دوبارہ ارشاد فرمایئے، بس اتنی سی بات تھی کہ حکم نازل فرمایا گیا ''راعنا'' مت کہا کرو، ''انظرنا'' کہا کرو، اور رسول کی بات غور سے سنا کرو، جب رسول بات کر رہے ہوں، تو تمہاری پوری توجہ ان کی طرف ہونا چاہیے، حالانکہ ''راعنا'' اہل عرب میں کسی کی توجہ طلب کرنے کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا تھا، اس سے کسی کی توہین یا گستاخی مقصود نہ ہوتی تھی، لیکن اللہ نے اپنے رسول کے لیے اس لفظ کے استعمال کی ممانعت فرمائی، دو وجہ سے-

وجہ اول

یہ کہ ''راعنا'' سے مطلوب رعایت ہے، اور رعایت اس کی جاتی ہے، جس کا رعایت کرنے والا محتاج ہو یا، اسے، اس کی خوشنودی مطلوب ہو، جبکہ رسول کا مقام یہ نہیں، عظمت رسول کا تقاضہ یہ ہے، کہ ہر امتی اپنے آپ کو رسول کی تعلیمات کا محتاج جانے، اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے، کیونکہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ رضائے رسول ہے، نیز بعثتِ رسول کا مقصد ہی یہ ہے کہ امتی رسول کو اپنا آقا، حاکم تسلیم کریں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اللہ کے حکم سے-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی فرمانبرداری کی، تو بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا

پس رسول سے رعایت طلب کرنا، اس کی شان کے بھی منافی ہے اور رسول کے دربار میں تمہاری حیثیت کے بھی

Marfat.com

خلاف، لہٰذا اگر ضرورت پیش آئے تو ''اُنظرنا'' کہہ دیا کرو، کہ یارسول اللہ، ہم پر توجہ فرمائیے، کہ ہم آپ کی توجہ کے محتاج ہیں، طلب توجہ میں، رسول کی عظمت کا اعتراف اور ان کے دربار میں اپنے عجز وانکساری کا اظہار ہے، اور اللہ یہی پسند فرماتا ہے، کہ اس کے بندے، اس کے محبوب کا، اپنے آپ کو، محتاج جانیں، اور غلامانہ انداز میں رسول سے مخاطب ہوں، لہٰذا ''انظرنا'' کہنے کا حکم دیا گیا، جس میں اظہار ادب واحترام ہے، کہ یہی تقاضائے ایمان ہے، اور یہی کمال ایمان کا ذریعہ ہے، جہاں رسول کا ادب واحترام نہیں، وہاں ایمان بھی نہیں۔

وجہ دوم

یہ کہ، عربی میں تو ''راعنا'' کے معنیٰ'' ہماری رعایت کیجئے'' کے ہی ہیں، لیکن عبرانی زبان میں یہ لفظ بطور گالی استعمال ہوتا ہے، جب نبی مکرم علیہ السلام، مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے، جہاں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جو عبرانی بولتے تھے، اور ان میں اکثر حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے دشمن ہی تھے، وہ کوئی نہ کوئی موقع آپ کی توہین کرنے اور گستاخی کرنے کا تلاش کرتے رہتے تھے، پس وہ بہت خوش ہوئے، جب انہوں نے صحابہ کو ''راعنا'' کہتے سنا، وہ بھی بار بار کہتے اور اس سے، ان کا مقصد اپنی زبان کے مطابق حضور علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) احمق و بیوقوف، کہنا ہوتا تھا، جب وہ حضور کے دربار میں آتے اسی لفظ سے آپ کو مخاطب کرتے، اور آپس میں خوب خوش ہوتے، کہ کیسا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے، پس اللہ نے، اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے حکم دیا کہ تم یہ لفظ بولنا چھوڑ دو، کہ اس میں شائبہ توہین پیدا ہو گیا ہے۔

آپ غور فرمائیے، تعظیم رسول کے باب میں، کس قدر احتیاط کی تعلیم دی جا رہی ہے، اسی حکم کی تعمیل میں، تقاضہ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے، علماء کرام نے، حضور علیہ السلام کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے، جن میں کسی بھی اعتبار سے توہین کی جھلک بھی نظر آتی ہو، یا وہ الفاظ عام طور پر، ایک دوسرے کے لئے استعمال ہوتے ہوں، مثلاً، حضور علیہ السلام کو اپنا جیسا بشر کہنا، بڑا بھائی کہنا یا لکھنا، یا ان کی کسی بھی خوبی یا عادت کو، اپنی جیسی خوبی یا عادت قرار دینا، مثلاً یہ کہنا یا لکھنا، کہ حضور علیہ السلام ہماری طرح سوتے تھے، کھاتے پیتے تھے، جن چیزوں کے ہم محتاج ہیں وہ بھی محتاج تھے، یہ اور ان جیسے الفاظ کا استعمال اگر قصداً گستاخی یا شان رسالت مآب ﷺ کو گھٹانے کی نیت سے ہو، تب تو ایسے شخص کے مرتد ہونے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، اور بلا قصد کوئی ایسا لفظ زبان سے نکل جائے، تو توبہ لازم ہے ورنہ خطرۂ ایمان ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے، '' جو شخص حضور علیہ السلام کے لئے ایسا لفظ استعمال کرے، جس سے آپ کی تنقیص ہوتی ہو تو اس پر حد قَذَف جاری کی جائے''۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے ساری زندگی عشق رسول کے باعث مدینہ منورہ میں گزاری، اور حال یہ تھا کہ مدینہ کی گلیوں میں چلتے تو کنارے کنارے، بڑے ہی ڈر ڈر کے چلتے، اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ مجھے خوف رہتا ہے کہ کہیں میرا پیر اس مقام پر نہ پڑ جائے، جہاں میرے آقا ﷺ کا قدم مبارک رکھا گیا ہو۔ آپ چلتے چلتے مدینہ کی دیواروں کو چوما کرتے اور فرماتے اس امید پر چومتا ہوں کہ شاید، کبھی حضور علیہ السلام کا دست مبارک یہاں لگا ہو گا۔ رفع حاجت کے لئے مدینہ منورہ سے باہر کافی دور جایا کرتے تھے، اس کوشش میں کہ وہ مقام ناپاک نہ ہو جہاں نبی مکرم کا قدم مبارک رکھا گیا ہو۔ اگر آپ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو آپ جس حال میں ہوتے، مسئلہ بیان فرما دیتے تھے۔ لیکن

Marfat.com

جب کوئی حدیث شریف سننے آتا تو آپ بہ نہایت ادب خصوصی اہتمام فرماتے، غسل کرتے، لباس تبدیل فرماتے، خوشبو لگاتے، خصوصی مسند پر رونق افروز ہوتے، پھر حدیث شریف بیان کرتے۔

غرضیکہ، اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں اپنے نبی کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی جن میں توہین کا کوئی شائبہ تک ہو، یہ آپ کی انتہائی تعظیم کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی آپ کی تعظیم کا حکم دیا گیا، چند آیات جن میں واضح طور پر یہ عنوان بیان کیا جارہا ہے، ملاحظہ ہوں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ (النساء:٦٥)

تو (اے محبوب) آپ کے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم مانیں، آپ کو، ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو، پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی ہر اس فیصلے سے، جو آپ نے کیا، اور بخوشی دل سے مان لیں۔

ایک واقعہ

اس آیہ مبارکہ کے نزول کا جو واقعہ مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے، اس کو بھی پڑھتے چلئے، ایمان تازہ ہوگا اور اندازہ ہوگا کہ صحابہ کرام کس طرح، آقائے کائنات ﷺ کا احترام کرتے تھے، واقعہ یہ پیش آیا۔

کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا، یہودی حق پر تھا اور جانتا تھا کہ حق، مسلمانوں کے رسول کے سوا کوئی نہیں دلا سکتا، لہٰذا اس نے منافق سے کہا کہ اپنے رسول کے پاس چلو، ان سے فیصلہ کرالو، منافق بھی جانتا تھا کہ وہاں تو نہ رشوت چلے گی اور نہ ہی کوئی سفارش کام آئے گی، لہٰذا اس نے چاہا کہ یہودیوں کے عالم کعب ابن اشرف سے فیصلہ کرایا جائے، لیکن یہودی اس پر راضی نہ ہوا، بالآخر دونوں، حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ نے پورا واقعہ سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، لیکن منافق اس پر راضی نہ ہوا، اور یہودی کو لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، دونوں نے اپنا ماجرا سنایا، لیکن یہودی نے بتا دیا کہ حضور علیہ السلام میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، پھر تو میرا بھی فیصلہ وہی ہے جو حضور کا ہے۔ منافق کی اب بھی تسلی نہ ہوئی اور وہ یہودی کو لے کر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، دونوں نے اپنا معاملہ پیش کیا، یہاں بھی یہودی نے بتایا، کہ حضور علیہ السلام میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھتے ہی فرمایا ٹھہرو، میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں، آپ اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار لے کر باہر آئے اور منافق کی گردن اڑا دی۔ فرمایا جو اللہ کے رسول کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتا، اس کے لئے عمر کا یہی فیصلہ ہے، اس واقعہ کے بعد آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ واضح رہے واقعہ پہلے پیش آیا، بعد میں اسی کے مطابق حکم نازل ہوا، گویا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعمیل نہیں، بلکہ اپنے تقاضہ ایمان کی تکمیل کی، کہ تقاضا ایمان یہی ہے کہ رسول کی تعظیم اور ان کا احترام مومن کے قلب کی گہرائیوں میں اس قدر ہو، کہ کسی بھی طرح وہ رسول کی مخالفت برداشت نہ کر سکے۔

Marfat.com

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ
تُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ﴿۹﴾ (الفتح:۸_۹)

بیشک ہم نے آپ کو، مشاہدہ فرمانے والا، اور خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم کرو، اور ان کی توقیر کرو، اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح شام۔

اس آیت میں واضح الفاظ کے ساتھ رسول کی مدد کرنے اور ان کی توقیر یعنی تعظیم واحترام کا حکم دیا جارہا ہے کہ جو رسول، مبشر، خوشخبری دینے والا، نذیر، اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہے، تم پر اس کا یہ حق ہے کہ تم اس کا ادب واحترام کرو۔ رسول کو صرف ڈاکیہ کی طرح، اللہ کا پیغام پہنچادینے والا خیال نہ کرو وہ تو اللہ کا پیغامبر اور امت کا حاکم ہے۔ پس ہر امتی پر لازم ہے کہ اپنے ہر بڑے اور بزرگ سے زیادہ اور بہت زیادہ رسول کا احترام کرے، حتیٰ کہ رسول کے لیے کوئی ایسا لفظ بھی استعمال نہ کیا جائے جس میں گستاخی یا برابری کا شائبہ تک ہو۔ رسول کو اپنا جیسا کہنا بڑی ہی گستاخی ہے کہ ہم تو گناہوں اور برائیوں کا پلندہ ہیں، غلطیوں کا پتلا ہیں، ہوائے نفس کا شکار ہیں، جہالت، نادانی اور کمزوریوں کا مجسمہ ہیں۔ رسول ان تمام عیوب سے منزہ و پاک ہے۔ اس کے منصب نبوت کا تقاضا عصمت ہے کہ اگر وہ معصوم نہ ہو تو پورا دین مشکوک ومشتبہ ہو جائے گا۔ پس معصوم ہم جیسا کس طرح ہوسکتا ہے جسے رب بلا واسطہ علم عطا فرمائے، وہ ہم جیسا کس طرح ہوسکتا ہے۔ رسول کو اپنا جیسا کہنا یا سمجھنا عقلاً حماقت اور شرعاً گستاخی ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کی تعلیم ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو تم کفار ومشرکین اور منافقین کی طرح اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے آگے بڑھنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا۔ نبی کے دربار میں اونچی آوازوں اور بے تکلف انداز سے، اس طرح گفتگو نہ کرنا جس طرح تم آپس میں کرتے ہو۔ نبی سے ملاقات کرنا ہو اور وہ گھر میں تشریف رکھتے ہوں، تو بلانے یا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت نہیں، صبر سے انتظار کیا کرو یہاں تک کہ وہ خود باہر تشریف لے آئیں۔ سورۃ الحجرات کی آیات ملاحظہ ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ
لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ (الحجرات،۱-۵)

اے ایمان والو! نہ آگے بڑھو، اللہ اور اس کے رسول سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو، ایک دوسرے کے

Marfat.com

ساتھ تمہارے بلند آواز سے باتیں کرنے کی طرح (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ، اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرکھ لیا ہے، تقویٰ کے لیے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ بیشک جو لوگ آپ کو حُجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ (خود) ان کی طرف باہر تشریف لے آتے، تو ضرور ان کے لیے بہت اچھا ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔

صحابہ اور تعمیل احکام

ان آیات کے ضمن میں کئی ایمان افروز باتیں قابل بیان ہیں جو انشاء المولیٰ اگلے صفحات پر ہم پیش کریں گے۔ یہاں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان احکام ربانی کی تعمیل کا حق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کس طرح ادا کیا، جو يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا کے مخاطبین اولین تھے۔ نیز صحابہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمارے اسلاف نے ہمارے لیے کیا نمونہ پیش کیا، جس کو ہم اختیار کر کے اللہ کے ان ارشادات پر عمل کر سکیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والا ہر مومن اس خطاب میں شامل ہے۔

نبی کریم علیہ السلام جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا، تو وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرے دومنزلہ مکان میں، اپنے لیے نیچے کی منزل پسند فرمائی، میں اور میری اہلیہ اوپر کی منزل میں تھے۔ ہم دونوں ساری رات نہ سو سکے اور ایک کونہ میں بیٹھے رہے، اس خوف سے کہ کہیں ہمارے چلنے سے، چھت کی مٹی جھڑے اور آپ کو تکلیف پہنچے۔ صبح کو میں نے حضور علیہ السلام سے گزارش کی کہ میرے آقا، آپ اوپر قیام فرمائیں، مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ ہم اوپر ہوں، اللہ کا رسول نیچے اور اس حال میں وحی نازل ہو رہی ہو، لیکن میرے آقا ﷺ نے فرمایا۔

اَنۡ اَرۡفَقُ بِنَا وَبِمَنۡ يَغۡشَانَا اَنۡ نَكُوۡنَ فِىۡ سِفۡلِ الۡبَيۡتِ

میرے لئے، اور ملاقات کیلئے آنے والوں کے لئے یہی آسان ہے کہ ہم نیچے والے حصہ میں رہیں

پھر ایک رات ایسا ہوا کہ ہمارے پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، پانی بہنے لگا، میں نے اور میری اہلیہ نے، پانی جذب کرنے کے لیے اس پر لحاف ڈال دیا کہ کہیں یہ پانی نیچے نہ ٹپکنے لگے، اور حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچے۔ ہمارے پاس ایک ہی لحاف تھا، ہم دونوں نے ساری رات اسی طرح گزاری، صبح میں نے بہت اصرار کے ساتھ حضور علیہ السلام سے گزارش کی کہ آپ اوپر تشریف فرما ہوں، ہمارے لئے قابل برداشت نہیں کہ آپ نیچے رہیں اور ہم اوپر۔ پس میرے آقا ﷺ نے کرم فرمایا اور آپ اوپر کی منزل میں قیام پذیر ہوگئے۔

یہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے لئے رات کا کھانا بھیجا کرتے تھے، جب آپ کا بچا ہوا کھانا واپس آتا تو میں اور میری اہلیہ، حضور علیہ السلام کی انگلیوں کے نشان دیکھ کر اسی جگہ سے تبرکا

Marfat.com

کھاتے تھے۔ ایک دن ہم نے کھانا بھیجا، اس میں لہسن یا پیاز تھی، جب کھانا واپس آیا تو اس میں ہم نے آپ کی انگلیوں کے نشان نہ پائے۔ ہم دونوں پریشان ہو گئے، کہ آج نہ جانے کیوں حضور علیہ السلام نے کھانا تناول نہ فرمایا۔ میں گھبرایا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آج آپ نے کھانا تناول نہ فرمایا، آپ نے فرمایا مجھے اس کھانے میں اس بُوٹی کی بو آ گئی تھی، جسے میں نہیں کھا سکتا، کیونکہ میرے پاس جبرئیل وحی لے کر آتے ہیں، لیکن تم اسے کھاؤ، تمہارے لیے جائز ہے۔ حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں، اس دن کے بعد سے کبھی ہم نے کھانے میں پیاز یا لہسن استعمال نہ کیا۔

۶ھ، احادیث و کتب سیرت میں حدیبیہ کا واقعہ موجود ہے۔ اہل مکہ کی طرف سے قبیلہ قریش کا نہایت معزز، معمر سردار عروہ بن مسعود ثقفی، بحیثیت سفیر، حضور علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے بعد جب اپنی قوم میں واپس پہنچا تو اس نے دربار نبوی ﷺ کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا، اے میری قوم، واللہ، میں نے دیکھا کہ جب محمد (ﷺ) تھوکتے ہیں، تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر ہوتا ہے، جسے وہ اپنے چہرے اور کھال پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب کے سب تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب وضو کا دھوون حاصل کرنے کے لئے، ایسے جھگڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ابھی تلواریں چلیں گی، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو سب اس طرح خاموش ہو کر سنتے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، اور ان کے ساتھی ان کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم، باللہ، میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی جا چکا ہوں، لیکن میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو، اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہ دیکھا، جتنی تعظیم محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔

عروہ بن مسعود ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اس وقت ان کی متعدد بیویاں تھیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، صرف چار رکھو باقی عورتوں کو علیحدہ کر دو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی، آپ حضور علیہ السلام سے اجازت لے کر، اپنے قبیلہ بنو ثقیف میں واپس تشریف لے گئے، اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کیا، فجر کے وقت اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر، آپ نے بلند آواز سے اذان دی، ایک ثقفی نے آپ کو تیر مارا، جس سے آپ شہید ہوئے، رضی اللہ عنہ۔

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دربار نبوی میں صحابہ کرام کی جو حالت بیان کی، وہ یہ سمجھ لینے کے لیے کافی ہے کہ صحابہ کرام نے کس طرح قرآن کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اپنے آقا ﷺ کے ادب و احترام کا حق ادا کیا ہے، جس کی نظیر صحابہ سے پہلے یا بعد، کسی بادشاہ، لیڈر یا حاکم کے دربار میں، نہ ملی اور نہ ہی مل سکتی ہے۔ حق یہ ہے کہ صرف صحابہ ہی نہیں، بلکہ امت کا ہر فرد، ہر دور میں، ادب رسول کے معاملہ میں ہمیشہ اس قدر جذباتی رہا ہے کہ ناموس رسالت پر اپنی جان قربان کر دینا اس کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ جس کا مختلف ادوار میں عملی مظاہرہ ہوتا رہا ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں، صحابہ کرام نے سب سے زیادہ قربانیاں ناموس رسالت کے تحفظ ہی میں دیں، خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ایام تھے، سیاسی اعتبار سے دار الخلافہ کمزور تھا، لیکن آپ نے اس کی پروا کیے بغیر، ناموس

Marfat.com

رسالت کے ڈاکوؤں سے مقابلہ کا اعلان فرمایا کہ مسلمان سیاسی حالات سے کمزور نہیں ہوتا، اس وقت واقعی کمزور ہو جاتا ہے جب اس کے دل میں عظمت رسول کی کمی واقع ہو جائے۔ جھوٹے مدعیان نبوت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ اور ان کی مکمل بیخ کنی کی بنیاد یہی عقیدہ اور ایمانی جذبہ تھا، آپ کے اس اقدام نے، نہ صرف اس ناموسِ رسالت کے تحفظ کا حق ادا کیا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امت کے دلوں میں ایسا جذبہ پیدا کیا، کہ ہر دور میں اہل ایمان، سنتِ صدیق پر عمل کرتے رہے، اور کرتے رہیں گے، اور اسی لئے اسلام باقی ہے۔

تعظیماً، ہاتھ پیر چومنا، کھڑا ہونا

صحابہ کرام کے جذبہ ادب و احترام کی یہ حالت تھی کہ وہ تعظیماً، حضور علیہ السلام کے ہاتھ پیر چومتے اور آپ کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔

عَنْ زِرَاعٍ وَكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رِجْلَهٗ

حضرت زراع بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں اور وہ وفد عبدالقیس میں تھے کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے، تو ہم سب اپنی سواریاں ایک دوسرے سے آگے دوڑانے لگے، تا کہ ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ اور پیر (جلد پہنچ کر) چوم لیں۔ (ابوداؤد شریف)

صحابہ کے اس عمل میں ہمارے لئے نمونہ ہے، کہ ہم بھی اپنے والدین، اساتذہ، مشائخ، علماء، صالحین اور بزرگوں کے ہاتھ پیر چوم سکتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام کی سنت ہے، جس پر عمل باعث برکت و ثواب ہے، علماء نے لکھا ہے کہ بزرگوں کے ہاتھ پیر چومنا چاہئیں، مستحب ہے، اور پیروں کو ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھ نہ چومے جائیں، بلکہ بزرگوں کے قدموں پر اپنا منہ رکھ کر چومنا چاہیئے، ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ السلام کے لئے ادباً، تعظیماً، کھڑا ہونا اور آپ کے ہاتھ چومنا ثابت ہوتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَ هَدْيًا وَ دَلًّا وَّ فِيْ رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَ كَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَ اَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَ اَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عادت، اور صورت میں، ایک اور روایت میں ہے، بولنے اور گفتگو کرنے میں، حضور علیہ السلام کے ساتھ مشابہت رکھنے والا فاطمہ سے زیادہ کسی کو نہ دیکھا، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، اسے بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے، اور جب حضور علیہ السلام، حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے، تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا ہاتھ پکڑتیں اور چومتی تھیں، اور اپنی جگہ

Marfat.com

بٹھاتی تھیں۔ (ابوداؤد شریف)

گویا سرکار ﷺ بحیثیت باپ، بیٹی سے محبت وشفقت کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے، اور بیٹی بحیثیت امتیہ اپنے آقا ﷺ کے ادب واحترام کا حق ادا کرتی تھیں، کہ یقیناً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک حضور علیہ السلام کا باپ ہونا، اتنا بڑا اعزاز نہ تھا، جتنا آپ کا نبی اور رسول ہونا، پس آپ کا احترام بحیثیت نبی ورسول تھا۔ دیگر صحابہ کرام کا بھی حضور علیہ السلام کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا، احادیث میں مذکور ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرٰہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ نبی کریم علیہ السلام مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر گفتگو فرمایا کرتے تھے، پس جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے، اور آپ کو دیکھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔ (مشکوۃ شریف)

حضور علیہ السلام کا ادب

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ سے نبی کریم علیہ السلام کی شکل وصورت کے متعلق پوچھے تو میں کچھ نہیں بتا سکوں گا، کیونکہ میں آپ کے سامنے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھایا تا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے لیکن ہم میں سے کسی کی جرأت نہ تھی کہ آپ کے چہرہ مبارک کو نظر بھر کر دیکھ سکے، سوائے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے، کہ یہ دونوں آپ کی طرف دیکھتے اور تبسم فرماتے تھے اور حضور علیہ السلام ان دونوں کو ملاحظہ فرماتے اور متبسم ہوتے تھے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب ابوسفیان مدینہ منورہ آیا، تو سیدھا اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچا، بیٹی نے باپ کو برسوں کے بعد دیکھا تھا، کیونکہ وہ ہجرت مدینہ سے پہلے ہی اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ حبشہ میں ان کا شوہر عبداللہ بن جحش مرتد ہو کر مر گیا، تو حضور علیہ السلام نے عمرو بن امیہ کے ذریعہ شاہ حبش نجاشی کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ ام حبیبہ کو آپ سے نکاح کا پیغام دے، نجاشی نے یہ خدمت انجام دی اور ام حبیبہ کا نکاح اسی کے دربار میں ہوا۔ چار ہزار درہم بطور مہر بھی نجاشی ہی نے ام حبیبہ کو ادا کیے۔ پھر آپ مدینہ تشریف لائیں، غرضیکہ باپ بیٹی کی ملاقات ایک عرصہ بعد ہوئی تھی لیکن ام حبیبہ کو احترامِ رسول کا اس قدر خیال تھا کہ جب ابوسفیان حضور علیہ السلام کے بستر پر بیٹھنے لگا، تو آپ نے فرمایا، اس پر سے اٹھ جاؤ کہ یہ بستر نبوت ہے۔ تم مشرک ہو، نجس ہو، اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ ابوسفیان کو بیٹی کا یہ رویہ اس قدر ناگوار گزرا کہ فوراً گھر سے نکل گیا لیکن آپ نے پروانہ کی اور رسول ﷺ کے احترام میں فرق نہ آنے دیا۔

غرضیکہ، اللہ رب العزۃ نے اپنے محبوب علیہ السلام کی شان میں ایک لفظ "راعنا" استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی، جو عام لفظ تھا، مشکوک تھا، اس میں التباس تھا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس ممانعت سے آپ کے ادب و

Marfat.com

احترام کے پورے عنوان کو سمجھ لیا اور اس پر عمل کو انتہا کی ایسی حد تک پہنچایا کہ اس سے زیادہ کسی انسان کے لیے کسی انسان کی تعظیم کرنا ممکن ہی نہیں۔ حتیٰ کہ، دوست نے کبھی آپ کو، یار، کہہ کر نہ پکارا، بیوی نے کبھی شوہر نہ کہا، بیٹی نے کبھی باپ کہہ کر نہ بلایا، چچا نے، بیٹا یا بھتیجا نہ کہا، سسر نے داماد نہ کہا، بڑوں نے نام سے نہ بلایا۔ سب نے یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہا، وہی کہا جو رب نے کہنا سکھایا، ایسا لفظ کبھی استعمال نہ کیا جو عام طور پر آپس میں ایک دوسرے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جب آپ نے کسی سے سوال کیا کہ کیا تم یہ جانتے ہو، تو جانتے ہوئے بھی یہی جواب دیا ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں'' جب کسی سے پوچھا، میں بڑا ہوں یا تم، تو یوں نہ کہا کہ میں بڑا ہوں، بلکہ یوں کہا، ''یارسول اللہ بڑے آپ ہی ہیں، عمر میری زیادہ ہے۔ صرف احترام ہی نہ کیا بلکہ احترام میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیا کہ خوف رہتا تھا، سرکار کی شان میں گستاخی نہ ہو جائے، گستاخی ہوئی، صرف اعمال ہی برباد نہ ہوں گے، ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

دیدہ دلیری

نہ جانے کس قدر دیدہ دلیر ہیں، وہ جو آقا ﷺ کی شان میں گستاخانہ لفظ بولتے ہیں، لکھتے ہیں۔ مثلاً وہ ہماری طرح بشر تھے، وہ ہماری ہی طرح عاجز ولاچار تھے، انہیں دیوار کے پیچھے تک کا علم نہ تھا، ان کی حیثیت ایک ڈاکیہ جیسی تھی (العیاذ باللہ) ہماری عادت نہیں کہ ہم کسی فرقہ کا ذکر کریں یا اس کے عقائد بیان کرنے میں اپنا وقت ضائع کریں، صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت میں فقہی اعتبار سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار مکتب ہیں۔ کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی کہ ان مکاتب فکر کے علماء نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانا تو درکنار، کبھی کسی کو ضال وگمراہ یا بُرا ہی کہا ہو، یا اس فقہی تقسیم کی وجہ سے امت میں کسی قسم کا انتشار ہوا ہے۔ اس کے برعکس سب ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ بطور مثال حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں قیام پذیر تھے تو آپ فرماتے ہیں۔

> میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نفل پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں، اور ان کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرتا ہوں تو میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ (خیرات الحسان)

نیز علماء نے لکھا ہے کہ امام شافعی جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی مسجد میں نماز حنفی طریقے پر ادا کی، نہ رفع یدین کیا اور نہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، مجھے شرم آتی ہے کہ میں صاحب مزار کی مخالفت کروں۔

فقہی اختلاف شرعی احکام کے طریقہ تعمیل میں ہے، عقائد میں نہیں۔ مثلاً نماز میں رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین آواز سے کہنا یا آہستہ کہنا، تراویح بیس، بارہ یا آٹھ پڑھنا، اسی طرح زکوٰۃ، حج کے بعض مسائل میں اختلاف، حدود وتعزیرات میں اختلاف، یہ اختلاف کبھی بھی امت میں انتشار ومخاصمت کا باعث نہ ہوا۔ اس میں نہ کفر وشرک کی دفعہ عائد ہوتی ہے اور نہ گمراہی وضلالت کا فتویٰ لگایا جاسکتا ہے۔ ہاں اس قسم کا اختلاف گستاخی سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کے کسی بھی حکم کا منکر، یقیناً کافر کہلائے گا، کہ مالک حقیقی کے احکام کا انکار بھی گستاخی ہے اور اللہ ورسول کا گستاخ بلاشبہ کافر ہے۔ پس ایک شخص

Marfat.com

چاہے بظاہر کتنا ہی متقی و پرہیز گار ہو اور وہ تمام احکام قرآن وحدیث پر ایمان رکھتا ہو۔ بس صرف مثلاً، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار کرتا ہے تو بتایئے آپ اسے کیا کہیں گے۔ اگر آپ تھوڑا بھی دین کا علم رکھتے ہیں تو فوراً آپ کا جواب یہی ہوگا کہ یہ شخص کافر ہے، مرتد ہے اور اگر وہ اسلامی حکومت کا باشندہ ہے تو اس پر ارتداد کی فرد جرم عائد ہوگی اور اسے اصول شریعت کے مطابق قتل کر دیا جائے گا۔ یہی حال نماز کے منکر، زکوٰۃ کے منکر، زنا، شراب، سود وغیرہ کو حلال و جائز جاننے والے کا ہے۔

غرضیکہ فقہی مکاتب فکر کا اختلاف امت کے لئے کبھی مضر نہ ہوا، نہ ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اسی اختلاف کے متعلق فرمایا کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے'' ہاں امت انتشار وافتراق، فرقہ بندی اور گروہ بندی میں اس وقت سے مبتلا ہوئی، جب سے گستاخی کا دروازہ کھلا، جس کے ذمہ دار وہ جاہل یا ضمیر و دین فروش لوگ ہیں جنہوں نے جبہ و دستار پہن کر امت کو دھوکہ دیا اور منبر رسول پر قابض ہو کر رسول ہی کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں۔ ان کے زبان وقلم بے عیب نبی پر عیوب ونقائص کے داغ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے میرے آقا ﷺ کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا تو کسی نے ان سے استمداد کرنے کو شرک قرار دیا، کوئی ان کے علم غیر متناہی کو محدود و ناقص ثابت کرنے کے درپے ہوا، کسی نے آپ کی تعریف و توصیف کے لئے منعقد کی جانے والی محافل میلاد کو بدعت ٹھہرایا، کسی کا سارا زور بیان وقلم (العیاذ باللہ) ان کو مردہ ثابت کرنے پر صرف ہوا، کسی نے ان کی شفاعت حقہ کا انکار کیا، کوئی احادیث کو مشکوک اور ناقابل عمل ثابت کرنے کے مشن پر لگا، حتی کہ امت مسلمہ کو مشرک و بدعتی کہنا ایک عام بات ہو گئی جس نے یا رسول اللہ کہہ دیا، وہ مشرک، جس نے روضہ مبارک یا کسی ولی وصالح کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیے وہ مشرک، جس نے کسی ولی کے ایصال ثواب کے لئے جانور ذبح کیا، وہ مشرک، جس نے کسی کے قدموں کو چوما، وہ مشرک، جس نے کسی قبر کو بوسہ دیا وہ مشرک، جس نے محفل میلاد کی وہ بدعتی، جس نے صلوٰۃ وسلام پڑھا، وہ بدعتی، جس نے اپنے مُردوں کے ایصال ثواب کے لیے سویم، چہلم وغیرہ کیا وہ بدعتی، جس نے اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے وہ بدعتی، جس نے محبت بھرے، پُرتعظیم الفاظ والا درود شریف مثلاً درود تاج وغیرہ کا ورد کیا وہ بدعتی، یقین جانئے شرک و بدعت کی اس مشین سے جاری ہونے والے ان فتووں کا اعتبار کیا جائے تو نہ کوئی مسلمان رہے اور نہ ہی اسلام۔

حادثہ یہ نہیں کہ ایسے سرپھرے پیدا ہوئے کہ مفید پودوں کے ساتھ زہریلے پودے، مفید جانوروں کے ساتھ زہریلے کیڑے پیدا کرنا۔ دستورِ قدرت ہے۔ حادثہ یہ ہے کہ جب گستاخانِ رسول کے زہر سے امت کو بچانے اور ان کی شر انگیزی سے باخبر کرنے کے لئے علماء ربانی سامنے آئے اور قرآن وحدیث سے انہوں نے ایسے لوگوں کو گمراہ یا مرتد ثابت کیا تو انہی پر فرقہ پرستی، فتنہ پردازی کا الزام لگایا جانے لگا۔ یعنی چراغ بجھانے کی کوشش کرنے والوں کو تحفظ دیا گیا اور تاریکی سے بچانے کے لئے چراغ کی حفاظت کرنے والوں کو مجرم قرار دیا گیا، کیسا عجب انصاف ہے۔ یقیناً ایسا ہی انصاف ہونا تھا کیونکہ منصف وہ بن بیٹھے جو خود دین کے علم میں زیرو ہیں۔ کسی یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ ہو کر، اپنے آپ کو اہل علم میں شمار کرنے لگے، یا دولت کے نشہ میں مست ہو کر خود فہمی کا شکار ہوئے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی مریض کا غلط آپریشن کر دینے

Marfat.com

سے، دوسرا ڈاکٹر مریض کی ہمدردی میں لڑ رہا ہے لیکن کیا کہیں گے، آپ ایسے رشتہ داروں کو جو ہمدردی کرنے والے ڈاکٹر کی حمایت کی بجائے، غلط آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کا ساتھ دے رہے ہوں- یا تو جاہل کہیں گے یا اپنے عزیز مریض کا دشمن- یہی حال ان لوگوں کا ہے جو علماء حق کی حمایت کرنے اور ان کی بات پر یقین کرنے کی بجائے، گستاخان اسلام ورسول کی حمایت کرتے ہیں، یا تو جاہل ہیں یا وہ بھی اسلام اور رسول کے دشمن ہیں- ایسے لوگ عام طور پر اس غلط فہمی میں خود بھی مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ کلمہ پڑھتا ہے اور ہر کلمہ گو مسلمان ہے- پس خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ کہنا کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے، بڑی جہالت اور بڑا ہی غلط تصور ہے-

ذاتی طور پر، ہمارے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا، جس سے آپ اس احمقانہ تصور کا اندازہ کر سکتے ہیں- ایک صاحب کی بیٹی کی شادی میں ہم مدعو تھے- یہ عزت افزائی بھی حاصل تھی کہ نکاح پڑھانے کی ذمہ داری بھی ہمیں سونپی گئی- شادی ایک بڑے ہوٹل میں تھی، ہم وقت پر پہنچ گئے- ابھی بارات کا انتظار ہو رہا تھا- ہمارے قریب ایک صاحب بیٹھے تھے جو ہمارے شناسا نکلے اور خیر خواہ بھی ثابت ہوئے- اللہ انہیں جزا دے، جو ہوا انہی کی وجہ سے ہوا- انہوں نے دوران گفتگو ہم سے پوچھا، کیا نکاح آپ پڑھائیں گے؟ ہم نے فخریہ انداز میں جواب دیا ''جی میرے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ یہ کام کرے، بولے لیکن آپ کو چکر معلوم ہے- اب ہمارا ماتھا ٹھنکا اور ہم نے پریشان ہو کر پوچھا، بھائی بتایئے کیا چکر ہے- وہ بولے، لڑکا اور اس کا سارا خاندان مرزائی ہے، صاحبزادی نے پسند کیا ہے۔ دونوں خاندان دولت مند ہیں- انہیں عقیدے وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں- اب تو ہمیں پسینہ آ گیا- ہم نے کہا لیکن یہ معاملہ تو اسلام اور کفر کا ہے، عقیدے کا نہیں- چند منٹ غور کیا، کیا کرنا چاہیے- پھر انہی صاحب سے گزارش کی کہ ذرا آپ لڑکی کے باپ کو ہمارے پاس بلا لایئے۔ وہ بیچارے گئے اور بلا لائے- صاحب بہادر منہ میں پائپ دبائے ہوئے ہی، گویا ہوئے، فرمایئے، مولوی صاحب، کیا بات ہے- میں نے کہا جناب، سنا ہے دولہا مرزائی ہے، بولے ہاں وہ لوگ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں- ہمیں اس سے کیا لینا- لڑکا اچھا ہے، بہت بڑی بزنس ہے، خاندان بھی ہماری ٹکر کا ہے- اس انداز گفتگو نے ہمیں بڑا ہی پریشان کر ڈالا- پھر بھی ہم نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے کہا، جناب یہ سوچیے کہ آپ مسلمان ہیں- لڑکا اور اس کا خاندان کافر ہے- مرزائی تو کافر و مرتد ہوتے ہیں- اتنا کہنا غضب ہو گیا- صاحب بھنا کر بولے، مولانا یہ سب باتیں چھوڑیے، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ بھی ہماری طرح کلمہ پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہوتا، آپ لوگ نہ جانے کیوں جس کو چاہتے کافر کہہ دیتے ہیں- ہم اونچی سوسائٹی کے لوگ مولویوں کے اس چکر میں نہیں پڑتے- جب معاملہ اتنا دور پہنچ گیا تو مجھے کہنا پڑا- بھائی، میں بھی آپ کے چکر میں نہیں پڑ سکتا- یہ کہہ کر میں چل دیا- پیچھے سے سنئے، سنئے کی آواز آتی رہی- اللہ خوش رکھے ان صاحب کو، وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لئے، اپنی گاڑی میں انہوں نے ہمیں گھر پہنچایا اور سارے راستہ ہماری تعریف کر کے ہمارا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے- اسی دن سے ہم نے اپنا اصول بنا لیا ہے کہ نکاح پڑھانے کی دعوت قبول کرنے سے پہلے ہی ہم طرفین کے متعلق تحقیق کر لیتے ہیں، بحمد اللہ، اس کے بعد سے اب تک ہمیں کوئی ایسا احمق نہیں ملا-

بہر حال یہ تصور بڑا ہی غلط ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے- اگر ایسا ہوتا تو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے سارے

Marfat.com

منافق مسلمان کہلانے کا حق رکھتے، کہ وہ بھی تو کلمہ پڑھتے تھے، قرآن کریم سے ان کا کلمہ پڑھنا ثابت ہے- فرمایا گیا،

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں، تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک، ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، منافق کتنے زبردست کلمہ گو تھے- پھر کیا ان کے کلمہ پڑھنے اور گواہی دینے کو تسلیم کیا گیا- تو یہ جاننے کے لیے، اس کے بعد کی آیات پر غور فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے-

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ

اور اللہ جانتا ہے یقیناً ضرور، آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

رسول کی رسالت میں کوئی شک نہیں- لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر کلمہ پڑھنے والے کو مسلمان اپنا سمجھ بیٹھیں- کیونکہ کچھ لوگ کلمہ کو صرف ڈھال بناتے ہیں اور اس کی آڑ میں وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتے اور ان میں انتشار و افتراق کے بیج بوتے ہیں- جیسا کہ منافقین کا حال تھا-

اِتَّخَذُوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(المنافقون، ۱-۲)

کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے، پھر انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بہت ہی برے کام کر رہے ہیں۔

ان کلمہ پڑھنے والوں کا انجام ملاحظہ کر لیجئے، ارشاد ہوتا ہے-

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۴۵)

بیشک، منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ان کے لئے کوئی مددگار ہرگز نہ پائے گا۔

منافقین کا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہوگا- جہاں کا عذاب کفار و مشرکین پر ہونے والے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہوگا- اور جب انہیں جہنم میں بھیجا جا رہا ہوگا تو کوئی اللہ کا مقرب و محبوب بندہ یہ کہتے ہوئے ان کی مدد نہ کرے گا، کہ اے اللہ یہ بھی کلمہ پڑھتے تھے، لہٰذا ان پر بھی تو اپنا فضل و کرم فرما اور انہیں بھی نجات عطا فرما دے- پس اللہ نے ان لوگوں کے کلمہ پڑھنے کو مسترد فرما دیا، جو کلمہ پڑھنے کے ساتھ رسول کی لائی ہوئی ہر بات پر یقین نہ رکھتے ہوں اور رسول کے ادب و احترام کے پابند نہ ہوں- ایسے لوگوں کو منافق کہیے، کافر، مشرک یا مرتد کہیے، بلاشبہ یہ سب جہنمی ہیں-

اب ہم کسی کو منافق تو نہیں کہہ سکتے، کیونکہ نفاق کا تعلق قلب سے ہے جس کا حال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا- ہاں اب کفار بھی موجود ہیں، مشرک بھی اور مرتد بھی اور مرتدین ہی کا گروہ سب سے زیادہ خطرناک گروہ ہے- جن سے مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ رہتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، ان کی رشتہ داری اہل ایمان سے ہوتی ہے- پس

Marfat.com

مسلمانوں کے لئے ان سے بچنا بہت دشوار ہو جاتا ہے- کسی کا بیٹا مرتد ہو گیا تو ماں باپ کے لیے اس سے قطع تعلق کر لینا بہت مشکل ہوتا ہے- کسی کا شوہر مرتد ہو گیا تو بیوی اسے خارج اسلام ماننے اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر بمشکل ہی آمادہ ہوتی ہے اور سب سے بڑی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ لوگ ہر کلمہ گو کو مسلمان تصور کرتے ہیں، لیکن اہل ایمان کے لیے یہ بڑی آزمائش ہے کہ اگر انہوں نے خونی رشتوں پر اسلام کے قائم کردہ رشتوں کو ترجیح دی اور اسی کو مسلمان جانا، جس کے اسلام کو اللہ اور اس کا رسول قبول کرتے ہیں، تو وہ اس آزمائش میں کامیاب رہے- اور اگر، جو لوگ قرآن وحدیث کے مطابق دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے، ان سے رشتے قائم رکھے اور ان کے کفر میں شک کیا تو اللہ محفوظ رکھے، ایسا شخص آزمائش میں ناکام رہا- اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا- کتب فقہ میں یہ اصول شریعت موجود ہے- مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ اَوْ عَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ جس نے کسی کافر کے کفر یا مستحق عذاب ہونے میں شک کیا، تو اس نے بھی کفر کیا-

شریعت مطہرہ نے ارتداد کی سزا قتل مقرر کی اور مرتد کو واجب القتل قرار دیا- جس کی حکمت یہی ہے کہ سانپ کو آبادی اور گھروں میں پہنچنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے، تاکہ اس کا زہر لوگوں کی موت کا سبب نہ بن سکے- ارتداد ایمان کے لئے مہلک ترین زہر ہے، لہٰذا مرتد کو قتل کر دیا جائے تاکہ اس کے مہلک زہر سے اہل ایمان محفوظ رہ سکیں- اسی لئے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کو قتل کرایا- مسیلمہ کذاب اور اس کے گروہ کو قتل کرایا کہ یہ سب ارتداد کے سانپ تھے، مرتدین تھے- ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اس دور میں کوئی اسلامی حکومت نہیں- لہٰذا جو، جو چاہتا ہے بکتا ہے اور اپنا گروہ بنالیتا ہے- اس کا زہر، نہ جانے کس کس کو ڈس سکتا ہے- کوئی اس کا علاج تک کرنے والا نہیں- جب علماء حق اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور ان زہریلے سانپوں سے امت کو باخبر کرتے ہیں تو ان پر طرح طرح سے الزام تراشے جاتے ہیں- رجعت پسند، قدامت زدہ اور فرقہ پرست اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے- کم ہی خوش نصیب ہیں جو اپنے آپ کو اس زہر کی ہلاکت سے محفوظ رکھ پاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے بندوں کو اسی زہر سے بچانے کے لیے حکم دیتا ہے-

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ھود: ۱۱۳)

اور ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پہنچے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا، پھر تمہاری کچھ مدد نہ کی جائے گی-

یہ ظلم کرنے والے وہ نہیں جو کسی کو مارتے پیٹتے ہیں بلکہ یہ وہی زہریلے سانپ ہیں جو مرتد ہو کر خود تو جہنمی ہو گئے، اب دوسروں کو اس عذاب الٰہی میں مبتلا کرنے کی تگ ودو کرتے رہتے ہیں- اللہ ان سے دور رہنے، قطع تعلق کر لینے کا حکم دیتا ہے تاکہ اہل ایمان جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں- کیونکہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی بیماری اتنی تیزی سے نہیں لگتی جتنی تیزی سے بدعقیدگی کا مرض لگتا ہے، کہ بدعقیدہ لوگ زہر کو اس قدر میٹھا کر کے پلاتے ہیں کہ اس کی تلخی دب جاتی ہے اور پینے والا بڑے مزے لے کر اس کو پیتا رہتا ہے- پس ایسے لوگوں سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے، خاص طور پر ایسے لوگوں کو تو بدعقیدہ لوگوں سے بہت بچنا اور دور رہنا چاہیے جو خود دینی معلومات سے پوری طرح واقف نہ ہوں- ایسے سادہ لوح لوگ

Marfat.com

بہت جلدی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لیے میرے آقا ﷺ تاکید فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس ارشاد کے راوی ہیں۔

فَاِيَّاكُمْ وَ اِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ

بدعقیدہ لوگ نہ تم سے ملیں، نہ تم ان سے ملو، کہیں وہ تمہیں اپنی گمراہی میں مبتلا نہ کر دیں۔

اتحادِ ملت

اتحادِ ملت، ایک بہت ہی پرکشش لفظ ہے۔ جس کے معنی ''تمام مسلمانوں کا ایک ہو جانا'' کئے جاتے ہیں۔ اور مسلمان ہر کلمہ گو کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مفہوم یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے سے یا طریقہ عبادات وغیرہ میں کسی ایک امام کے طریقے کی پابندی عائد کرنے سے امت میں اختلاف و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں مولویوں کی پھیلائی ہوئی، ان کو چھوڑیئے، سب کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں، لہٰذا سب کو متحد و متفق ہونا چاہیے۔ اس معنی و مفہوم میں اتحادِ ملت کے علمبردار آپ کو دو قسم کے لوگ نظر آئیں گے، یا تو سیاسی لیڈر جو حصول اقتدار کے لئے یہ نعرہ لگاتے ہیں، جبکہ وہ خود اقتدار کی جنگ میں قوم کو جھونکتے ہیں اور سیاست کے میدان میں نہ جانے کتنے غریبوں کا خون بہانے کے مجرم ہوتے ہیں۔ انہیں قوم کا وہ انتشار و افتراق نظر نہیں آتا جو یہ خود پھیلاتے ہیں۔ آج تمام مسلم ممالک پر نظر ڈالیے، آپ کو مذہبی فرقے لڑتے ہوئے کہیں نظر نہ آئیں گے، سیاسی پارٹیاں ہی ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہی ہیں۔ ایک پارٹی اقتدار حاصل کر کے اپنے خلاف آواز اٹھانے والی پارٹی سے متعلق افراد کا قتلِ عام کرتی ہے۔ کوئی ان ظالموں کو قوم کا قاتل کہنے والا نہیں، کوئی ان کی زبان پکڑنے والا نہیں، کہ تم مذہبی فرقوں کے متحد ہونے کی ضرورت پر تو زور دیتے ہو، لیکن سیاست کے نام پر قوم کا خون بہاتے ہو، اور یا اس اتحادِ ملت کی باتیں ایسے لوگ کرتے ہیں جو دین سے بے بہرہ ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی انہیں نہ نماز کی پروا، نہ روزے کا خیال، نہ شریعت کے دیگر احکام کی پابندی کا احساس، بس انہوں نے صرف اتحاد کا نعرہ لگانا ہی مذہب کی بڑی خدمت سمجھ لیا ہے۔ لیجئے، حضور علیہ السلام کے ان ارشادات پر پہلے غور کیجئے، پھر ہم بتاتے ہیں اتحادِ ملت کیا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ بُكْمَاءُ عَمْيَاءُ مَنْ اَشْرَفَ لَهَا اِسْتَشْرَفَتْ لَهٗ وَ اِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيْهَا كَوَقْعِ السَّيْفِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، عنقریب بہرے، گونگے اور اندھے فتنے ہوں گے جو ان کی طرف جھانکے گا، وہ اسے کھینچ لیں گے، اور ان میں زبان کھولنا، تلوار چلانے کی طرح ہوگا۔ (ابوداؤد)

یعنی امت میں فرقے پیدا ہوں گے اور ان سے تعلق رکھنے والے، حق سننے، بولنے اور دیکھنے سے بہرے، گونگے اور اندھے ہوں گے۔ گویا ان کا حال کفار و منافقین جیسا ہوگا، جن کے لئے فرمایا گیا:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (البقرہ:۱۸)

بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، پس وہ (ہدایت کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔

Marfat.com

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۷۱)

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا، اس کی سی ہے، جو پکارے ایسے کو جو چیخ پکار کے سوا، کچھ نہ سنے- بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، تو وہ نہیں سمجھتے۔

آپ انہیں اتحاد ملت کے نام پر کتنا ہی سمجھانے کی کوشش کیجئے، ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی- نیز ان کا زہر اتنا مہلک ہے کہ اگر کوئی ان کے قریب بھی جائے تو اس کو بھی یہ اپنی طرح ہلاک و برباد کر دیتے ہیں- اور اگر ان کو راہِ ہدایت اختیار کرنے کی تبلیغ کی جائے تو یہ حق سن کر ایسے بھڑ پڑتے ہیں جیسے کسی نے ان میں تلوار چلا دی، میرے آقا ﷺ نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنے اور گروہ کتنے ہوں گے-

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍ وَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ وَ اِنَّ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ۔ (ترمذی شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میری امت بعینہ ان تمام برائیوں میں مبتلا ہوگی جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تھا، تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا، بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا وہ کون لوگ ہوں گے، آپ نے فرمایا جو لوگ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلیں گے۔

اور اللہ محفوظ رکھے، یہ فتنے اتنی تیزی سے پھیلیں گے، کہ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں-

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ يُمْسِي كَافِرًا وَ يُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَ يُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا- (مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ان فتنوں سے پہلے نیکیاں کرلو، جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے، جن میں آدمی صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوگا، اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہو جائے گا- اپنے دین کو لوگ دنیاوی مال کے بدلے بیچ دیں گے-

حالات کا جائزہ لیجئے، پھر میرے آقا ﷺ کے ان ارشادات پر غور کیجئے، ایک ایک بات آپ کو وہی نظر آئے گی

Marfat.com

جو میرے آقا مخبر صادق ﷺ نے چودہ سو برس قبل فرمائی - یہ سب کچھ جاننے کے بعد فرمایئے، کیا تمام فرقوں کو اتحادِ ملت کے نام پر ختم کیا جاسکتا ہے، جبکہ امت کے آقا ﷺ خود ان کے وجود کی خبر دے رہے ہیں- اور کیا بہرے، گونگے اور اندھے امت میں انتشار وافتراق پیدا کرنے سے باز آسکتے ہیں- نیز کیا جہنمیوں اور جنتیوں کا اتحاد ممکن ہے، ان تمام سوالات کا جواب نفی ہی میں ملتا ہے، تو آپ سوچیں گے کہ اتحادِ ملت کی کوششیں رائیگاں ہیں- انہیں چھوڑ دیا جائے نہیں ہرگز نہیں، اتحاد کی دولت تلاش کرنی چاہیے، اس میں بڑی برکت ہے- بس اس کا دائرہ کار متعین کرلیجئے- حق و باطل کا امتیاز برقرار رکھیے- باطل فرقوں کے اندر جھانک کر، ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے بجائے، حق کی راہ پر چلنے والوں کو اتحاد کا پیغام دیجئے، پھول کی ان بکھری پتیوں کو، اللہ کی رسی میں پرویئے، یہی ملتِ حقہ ہے- انہیں متحد کرکے ایسا صحت مند بنادیجئے کہ بہتر باطل فرقوں کا زہران پر اثر نہ کرسکے- گوشہ گوشہ میں ایسے سپاہیوں کو پھیلا دیجئے، جو ملتِ حقہ کو ملتِ باطلہ کے انتشار وافتراق کا شکار نہ ہونے دیں- تقریر و تحریر کے ذریعہ باطل پرستوں کے چہروں سے نقاب اٹھایئے اور حق پرستوں کو ان کے مکروفریب سے بچایئے، یہی ہے، اتحادِ ملت، یہی ہے خدمتِ دین- باطل پرستوں سے خود بھی بچیئے، دوسروں کو بھی بچایئے-

بات بہت پھیل گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی گستاخی، بڑی گمراہی ہے، جس کا مرتکب باتفاقِ امت مرتد ہے- یہ گستاخی چاہے احکام شریعت کے انکار کی صورت میں ہو یا حضور علیہ السلام کی توہین اور ان کو ایک عام، اپنا جیسا انسان سمجھنے کی صورت میں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا سدباب کرتے ہوئے اہل ایمان کو اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے لئے، ایسا لفظ تک استعمال کرنے کی ممانعت فرمادی جس میں توہین و گستاخی کا شائبہ ہو اور اس سے دشمن کو خوشی حاصل ہوتی ہو- پس نبی مکرم علیہ السلام کا ادب واحترام اور آپ کی تعظیم ہی اصلِ ایمان، روح ایمان اور جان ایمان ہے-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اٰذٰی شَعْرَةً مِّنْ شَعْرِیْ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ

جس نے میرے ایک بال کی بے ادبی کی اس پر بھی جنت حرام ہے

اسی لئے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد ہے- علماء، جو حضور علیہ السلام کے وارث ہیں، عوام سے زیادہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں- وہ ہر شخص کے قول وعمل، تقریر و تحریر کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں- اس ڈاکٹر کی طرح جو عوام کی صحت کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے اور صحت کے لئے مفید ومضر چیزوں کی پہچان کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، یہ اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے، کبھی پانی کا تجزیہ کرکے لوگوں کو بتاتا ہے کہ اس میں بیکٹیریا ہے، کوئی بغیر ابالے پانی استعمال نہ کرے، اور کبھی سبزیوں، پھلوں کے متعلق کہتا ہے کہ یہ مضر صحت ہیں، ان کو استعمال نہ کیا جائے- اور ہر شخص اپنے جسم کی حفاظت کی خاطر اپنی مرغوب ترین چیز چھوڑنے کے لیے تیار رہتا ہے- اس لئے کہ جسم بہت پیارا اور اس کی صحت عزیز ہے- علماء بھی یہی کرتے ہیں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے، لوگوں کے اعمال واقوال کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور جہاں مضر ایمان بیکٹیریا پاتے ہیں، اس سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں اور اس زہر سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں- پس جسے ایمان عزیز ہوتا ہے وہ علماء کی بات تسلیم کرکے اپنے ایمان کی حفاظت کرلیتا ہے- پس

Marfat.com

ایمان کو عزیز رکھیے اور اس کی حفاظت کے لئے علماء کی رہبری کو قبول کیجئے۔
انشاء اللہ، اس عنوان پر مزید گفتگو ہم سورۃ الحجرات کی آیات کے ذیل میں کریں گے۔ اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ایمان کے لٹیروں سے محفوظ رکھے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید اینجا

☆☆

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

☆☆

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳

البقرہ: ۱۵۳ تا ۱۵۷

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ
مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾
الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ
صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرہ: ۱۵۳۔۱۵۷)

اے ایمان والو! مدد چاہو، صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں، انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تمہیں شعور نہیں، اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، تھوڑے سے ڈر اور بھوک اور مال، جان اور پھلوں میں کمی سے، اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر بکثرت درود ہے، ان کے رب کی

Marfat.com

طرف سے اور وہی ہیں ہدایت والے۔

اے ایمان والو! مصیبت، غم واندوہ سے نہ کوئی بچا ہے، نہ بچ سکتا ہے کہ یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہے، جس کے لئے انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے، کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔

لیکن واویلا کرنے رونے، چیخنے، چلانے سے نہ مصیبت گھٹتی ہے، نہ ٹلتی ہے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ مصیبت زدہ اپنے رب کریم کی طرف رجوع کرے۔ جس کا طریقہ مصیبت کو برداشت کرنا، صبر کرنا اور اس سے نجات کے لیے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا، اپنی کمزوری اور بندگی کو ظاہر کرنا، رب کی قدرت وقوت کا عملی اقرار کرنا، یعنی نماز پڑھنا ہے۔ جب بندہ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے بے چارگی ومجبوری کو تسلیم کرتا ہے، تو رب اس کا حامی وناصر بن جاتا ہے۔ ”بیشک اللہ، صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

استقلال واستقامت کے ساتھ جو ایمان پر قائم رہتے، دین پر ڈٹے رہتے ہیں، حتی کہ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں تک قربان کر دیتے ہیں، وہ تو بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ اس دنیا والوں سے حجاب اور پردے میں چلے جانے کے بعد بھی زندہ ہی ہیں، ایسے یقینی زندہ کہ تم انہیں نہ مردہ کہہ سکتے ہو، نہ سمجھ سکتے ہو، وہ زندہ ہیں، تمہارا شعور کمزور ہے کہ تم انہیں دیکھ نہیں رہے، محسوس نہیں کر رہے۔

اے ایمان والو! مصیبتوں سے نہ گھبراؤ کہ ہم مختلف قسم کی مصیبتوں سے تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔ کبھی خوف کے ذریعہ کہ تم طاقتور دشمن کے ظلم وستم کے خوف میں مبتلا کر دیئے جاتے ہو اور کبھی بھوک میں مبتلا کر دیئے جاتے ہو۔ اس طرح کہ انفرادی یا قومی طور پر معاشی حالت کمزور اور تباہ ہونے لگتی ہے اور کبھی مال ودولت کے نقصان سے تمہاری آزمائش ہوتی ہے کہ تجارت میں خسارہ ہونے لگتا ہے یا چوری اور ڈکیتی کا وبال آجاتا ہے اور کبھی جانوں کے نقصان کا شکار ہوتے ہو کہ جوان بچے کی نعش تمہارے سامنے ہوتی ہے۔ اعزا واقارب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرنا پڑتا ہے اور کبھی ثمرات کا نقصان تمہارے اوپر غم واندوہ کا پہاڑ بن کر ٹوٹتا ہے کہ سیلاب، طوفان اور دوسری آسمانی آفات تمہاری ہری بھری کھیتیوں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

ان تمام آزمائشوں اور مصیبتوں پر اگر تم تڑپ کر، اللہ ہی کو یاد کرتے ہو، تمہارے درد بھرے دل سے یہی صدا آتی ہے کہ بیشک ہم اللہ ہی کے لیے اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، تو تم خوش نصیب ہو، امتحان میں کامیاب ہو، رب رحیم کی رحمتیں، تمہیں اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں، مصیبتیں ٹل جاتی ہیں، اللہ کے فرشتے بھی تم پر رشک کرنے لگتے ہیں اور تم اللہ کے مقرب اور پیارے بن جاتے ہو۔

قرآن کریم، اہل ایمان کو مصائب وآلام سے نجات کا نسخہ کیمیا عطا فرما رہا ہے کہ مومن کو ایمان قبول کر لینے کے

Marfat.com

بعد ہی زیب دیتا ہے کہ وہ زندگی کے نشیب وفراز غم اور خوشی ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے، اس کو پکارے، اسی سے مدد مانگے، جس سے اس نے اپنی زندگی کا سودا کیا ہے اور آخر کار اسی کے دربار میں حاضری کا اسے یقین کامل ہے۔ جب مومن اس نسخہ کیمیا پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ ایک ایسا مضبوط پہاڑ بن جاتا ہے کہ بڑے بڑے طوفان اس سے ٹکرا کر گزر جاتے ہیں، لیکن اسے کوئی زک نہیں پہنچ پاتی۔ ہر طوفان کے گزرنے کے بعد وہ مزید چمکتا ہے، اس کے مراتب مزید بلند ہوتے، دنیا میں عزت وعظمت پاتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

ان آیات میں جو مضامین بیان کیے جا رہے ہیں، ان کی افادیت کے پیش نظر ہم ضروری تفصیل کے ساتھ انہیں بیان کرتے ہیں۔

استعانت، صبر، نماز، شہید، آزمائش

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

(البقرہ: ۱۵۳)

اے ایمان والو! مدد چاہو، صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

استعانت

استعانت، مدد چاہنا، انسان، دینی، دنیوی، روحانی، جسمانی، ہر شعبے میں حتی کہ مرنے کے بعد بھی مدد کا محتاج ہے اس کا ایک لمحہ بھی مدد کے بغیر گزرنا ناممکن ہے۔

ہمارا ایمان ہے، عقیدہ ہے کہ مستعان حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے۔ ہر لمحہ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔ ہم اپنی نمازوں، دعاؤں اور ہر حال میں اعلان کرتے ہیں "ایاک نستعین" اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، لیکن اللہ ہی کا فیصلہ ہے کہ اس سے مدد حاصل کرنے کے لیے وسائل اور ذرائع تلاش کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

(المائدہ: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

خصوصی خطاب کے ساتھ اہل ایمان کو وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا کہ ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ وسیلہ کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، اس کی مدد طلب کی جائے، خود ایمان بھی استعانت اور رضائے الٰہی کی طلب کا ایک وسیلہ ہی ہے یہی تعلیم دینے کے لئے، صبر اور نماز سے، استعانت کا حکم دیا گیا، کہ بندہ انہی کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ دنیاوی امور میں بھی مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

(المائدہ: ۲)

Marfat.com

اور تم نیکی و پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

حقیقی مددگار تو اللہ ہے، لیکن اس نے اپنے بندوں کو اپنی صفات کا مظہر بنایا، پس وہ چاہتا ہے کہ بندوں میں مدد کرنے کی صفت کو بھی ظاہر کرے، لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں، لیکن شکر اللہ ہی کا ادا کریں کہ حقیقت میں مدد اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کو وسیلہ بناؤ، شفا دینے والا اللہ ہی ہے۔ غربت و تنگدستی دور کرنے کے لئے امیروں، دولت مندوں کو وسیلہ بناؤ، دولت دینے والا اللہ ہی ہے۔ رزق حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت کرو، رازق اللہ ہی ہے۔ جہالت دور کرنے کے لئے عالموں، کتابوں کی مدد حاصل کرو، علم دینے والا اللہ ہی ہے۔ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اسلحہ اور اسباب جنگ سے مدد لو، افرادی قوت اکٹھی کرو، لیکن فتح و کامرانی دینے والا اللہ ہی ہے۔ پس اسی کا شکر ادا کرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔

غرضیکہ، اللہ سے مدد چاہنے کے لئے وسائل تلاش کرو کہ بغیر وسیلہ مدد ملنا ناممکن ہے، اگر تم وسیلے کا انکار بھی کرو، تب بھی اس سے مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھانے اور زبان ہلانے کا وسیلہ تو اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ پس اچھے سے اچھا وسیلہ تلاش کرو تا کہ جلد سے جلد تمہیں مدد حاصل ہو۔

یہ وسیلہ اتنا اہم ہے کہ اس کی تعلیم عام کرنے اور بندوں میں اس کی عادت پیدا کرنے ہی کے لئے، اللہ نے بندوں کو ہر چیز، وسیلہ ہی سے عطا فرمائی۔ انسانوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اپنے محبوب علیہ السلام پر قرآن نازل فرمانے کے لئے جبریل علیہ السلام کا وسیلہ اختیار فرمایا، اپنے دین کی تبلیغ کے لئے اولیاء و علماء کو ذریعہ بنایا، دین غالب رکھنے کے لئے جہاد کا حکم دیا اور مجاہدین کو وسیلہ بنایا۔ جبکہ اللہ ان تمام ذرائع اور وسائل کے بغیر اپنی حکمتیں پوری فرمانے پر قادر ہے، کہ اس کی شان ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

(البقرہ، ۱۱۷)

ایجاد فرمانے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے، تو اس کے لئے یہی فرماتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

وہ قادر مطلق، ذرائع اور وسائل کا محتاج نہیں اس نے ان کو صرف بندوں پر ان کی اہمیت ظاہر کرنے اور ان کی تعلیم دینے کے لئے استعمال فرمایا، جب کہ اس نے اپنی بے شمار حکمتوں کو بغیر وسائل کے بھی پورا کر دکھایا۔ حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر وسیلے ہی کے بند کمرے میں بے موسم پھل عطا فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، مرد کے وسیلے کے بغیر پیدا فرمایا۔ انبیاء کرام علیہما السلام کو ان کی ضرورت کے مطابق، استادوں اور کتابوں کے بغیر علم عطا فرمایا۔ میرے آقا ﷺ کو "علم الاولین والاخرین" بغیر کسی واسطے ہی کے عطا فرمایا۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ، "اللہ اپنی حکمتیں پوری فرمانے کے لئے ذرائع اور وسائل کا ہرگز ہرگز محتاج نہیں، پھر بھی اس نے اپنی بے شمار

Marfat.com

نعمتیں، بندوں کو ذریعوں اور وسیلوں سے عطا فرمائیں- صرف اس لئے کہ بندۂ محتاج کے لئے، اللہ سے استعانت کے لئے ذریعہ و وسیلہ تلاش کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے- نیز ہر بندے کو دنیا کے وسائل اور ذرائع کا محتاج بنا دیا جائے تا کہ اسے ہمہ وقت یہ احساس رہے کہ وہ ہمارا محتاج ہے، کہ یہی بندگی ہے اور یہی عبادت کی روح ہے-

اسی تعلیم کے لئے اللہ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو وسائل اختیار فرمانے کی اجازت دی- پس ان نفوسِ قدسیہ نے اللہ کے دیگر احکام کی طرح وسیلہ پر عمل کر کے دکھایا تا کہ امت کے لئے وسیلہ اختیار کرنا انبیاء کی سنت ہو جائے اور اہل ایمان کے اس عمل کو کوئی ناجائز و حرام یا شرک قرار نہ دے سکے- بطور مثال، چند انبیاء کرام علیہم السلام کا عمل ملاحظہ ہو-

انبیاء کرام اور استعانت

قرآن کریم، سورہ یوسف، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر واپس دلانے کے لئے، حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کو اپنا کرتہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں "اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دینا نظر واپس آ جائے گی" کرتہ چہرے پر پڑا اور نظر واپس آ گئی- نظر بخشنے والا یقیناً اللہ ہی ہے، نبی کے کرتے کو صرف وسیلہ بنایا گیا-

قرآن کریم، سورہ نمل، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے، بلقیس کا تخت منگانے کے لئے مدد طلب فرمائی اور جب آپ کے ایک خادم، اللہ کے ولی نے تخت حاضر کر دیا تو آپ نے اللہ ہی کا شکر ادا کیا-

قرآن کریم، سورہ بقر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، خدمت دین کے لئے مدد طلب فرماتے ہوئے، قوم کو پکارتے ہیں، "کون ہے، اللہ کے لئے میری مدد کرنے والا"-

قرآن کریم، سورہ بقر، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تابوت اور اس میں موجود تبرکات کی برکت سے، بنی اسرائیل کو، طالوت کی قیادت میں جالوت اور اس کے لشکر پر غلبہ عطا فرمایا گیا-

قرآن کریم، سورہ آل عمران، حضرت مریم علیہا السلام کے پھلوں کی برکت سے، اللہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اولاد عطا فرمائی-

قرآن کریم، سورہ انفال، میرے آقا ﷺ کی مدد کے لئے اللہ نے غزوہ بدر میں فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا، جس کی مدد سے ۳۱۳ کمزور مسلمانوں کو طاقتور دشمن پر غلبہ حاصل ہوا-

اختصار کے پیش نظر، ان چند واقعات پر اکتفاء کرتے ہوئے عرض ہے کہ ان تعلیمات ہی کے مطابق صحابہ، حضور علیہ السلام کے دربار میں استغاثہ کرتے اور دعا کی درخواست پیش کرتے- خود نبی مکرم علیہ السلام نے، اپنے وسیلہ سے دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی- شفا شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں ایک نابینا صحابی نے درخواست کی کہ یارسول اللہ، آپ دعا فرما دیں کہ اللہ مجھے بینائی عطا فرما دے- آپ نے فرمایا، جاؤ اس طرح دعا کرو-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ
اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اَنْ یَّکْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ لِیْ

اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے دربار میں تیرے نبی رحمت کا وسیلہ لے کر حاضر ہوں

Marfat.com

اے محمد ﷺ، میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب سے مانگتا ہوں کہ وہ مجھے نظر عطا فرمادے۔ اے اللہ، اپنے محبوب علیہ السلام کو میرا شفیع بنادے۔ (مشکوٰۃ شریف)

صحابی نے دعا کی، اور اللہ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے واسطہ و وسیلہ سے ان کی دعا کو قبول فرمایا کہ انہیں بینائی نصیب ہو گئی۔ اسی تعلیم کے مطابق ہم بھی دعا کرتے ہیں۔

فَسَهِّلْ يَا اِلٰهِيْ كُلَّ صَعْبٍ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ سَهِّلْ

استعانت بالغیر

استعانت، صرف اللہ ہی سے کی جائے گی، لیکن اس کے لئے وسیلہ ضروری ہے اور اگر اس وسیلہ ہی کو، غیر اللہ سے استعانت کہا جائے تو یوں کہیے کہ استعانت باللہ کے لئے، استعانت بالغیر ضروری ہے۔ چاہے وہ صبر، نماز یا دوسرے اعمال صالحہ سے ہو یا عبادت الٰہی میں کمال حاصل کر لینے والے، اتقیا، صلحا، اولیاء، انبیاء، بالخصوص نبی رحمۃ ﷺ سے ہو۔ ان سے ہو جو زندہ ہیں یا ان سے ہو جو دنیا سے جا چکے، کیونکہ جن سے دعائی کرائی جاتی یا دعاؤں میں ان کا واسطہ و وسیلہ پیش کیا جاتا ہے ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جو اس دنیا سے چلے جانے، ہماری نظروں سے اوجھل ہو جانے کے باوجود بھی بلاشبہ، یقیناً زندہ ہے، اپنے جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں موجود و محفوظ ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے، جس کی روحانی قوت و طاقت، دنیا سے چلے جانے کے بعد، اور زیادہ کر دی گئی ہے۔ اب ان کی دیکھنے، سننے کی قوت میں اضافہ ہی ہوا ہے، کمی نہیں، کہ عام مومنین کی قوتوں میں بھی بعد موت اضافہ ہوتا ہے، تو مقربین، متقین اور صالحین کا کیا کہنا۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے، صرف ایک حدیث پیش کر کے ہم اپنا قلم روکتے ہیں کہ یہ واقعہ ہمارے ایمان کو تازہ اور ہمارے عقیدے کو مزید مستحکم کرتا ہے۔

عَنْ اَبِی الْجَوْزَاءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَآئِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَ سَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامُ الْفَتْقِ

ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ ایک مرتبہ مدینہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہوئے، تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دربار میں حاضر ہو کر، دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، حضور علیہ السلام کی قبر انور کی طرف دیکھو اور آسمان کی طرف ایک سوراخ کر دو کہ آپ کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے پس لوگوں نے ایسا ہی کیا، تو خوب بارش ہوئی کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو گیا اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی کی وجہ سے پھٹنے لگے، پس اس سال کا نام ہی، پھٹنے کا سال ہو گیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

اللہ اکبر، اہل مدینہ تو اپنی ماں کے پاس دعا کرانے آئے تھے، انہوں نے خود دعا نہ کی بلکہ اس دربار عالی کی طرف

Marfat.com

بھیجا جس کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور طریقہ بھی کیا عجب بتایا۔

غرضیکہ، مسئلہ استعانت نہایت ہی واضح ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا، اس سے اس مسئلہ کی وضاحت مقصود نہیں بلکہ اپنا عقیدہ بیان کرنا مقصود ہے، کہ واضح کو کیا واضح کیا جائے۔ لیکن حیرت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے خواہ مخواہ اس مسئلہ کو الجھا دیا اور ایسا الجھایا کہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگانے لگے۔ جس کو دعا میں سرکار کا وسیلہ پیش کرتے سنا، بس فوراً، حرام حرام پکار اٹھے، جسے کسی ولی، بزرگ کی قبر پر روتے دیکھا، بت پرست مشرک کہہ ڈالا اور نہ جانے کیا، کیا کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے امت کو انتشار و افتراق میں مبتلا کر دیا۔ ایسے فتوے جاری کرنے کے بجائے ''ظن المؤمن خیرا'' پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں سے حسن ظن رکھا جاتا، ان کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے، ان کے اعمال کی حکمت و مصلحت کے ساتھ اصلاح کی جاتی، تو اس امت میں فرقہ بندی نام کی کوئی بیماری پیدا نہ ہو پاتی، لیکن برا ہو ان نام نہاد مصلحین کا، جنہوں نے مسلمانوں میں اصلاح کے نام پر تفرقہ پیدا کیا۔ انہیں صحابہ، تابعین، صالحین، اولیاء اور علماء سلف کی راہ سے ہٹا کر طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا کیا۔ اللہ ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

بہرحال استعانت، یعنی غیر اللہ سے مدد مانگنا، نہ حرام ہے، نہ کفر ہے، نہ شرک ہے بلکہ سنت الٰہیہ، سنت انبیاء ہے۔ اللہ، باوجود قدرت کے بغیر وسیلہ کے کچھ نہیں دیتا۔ وہ اپنے مقربین محبوبین کی اہمیت کی بقاء اور عام لوگوں کو ان کی احتیاج اور کمزوری کا احساس دلانے کے لئے وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کے محبوبین کا دامن پکڑیں اور ان کے دربار کے بھکاری بنیں، پس یہی ہمارا عقیدہ ہے، اللہ اسی پر قائم رکھے۔ آمین

بہرحال، اللہ سے ''استعانت'' کے لئے، مدد مانگنے کے لئے غیر اللہ سے استعانت یا وسیلہ نبی مکرم علیہ السلام کی تعلیم، صحابہ، صلحاء و اولیاء امت کا عمل ہے، اللہ ہمیں بھی اسی پر قائم رکھے۔ آمین

يَآ اَكۡرَمَ الۡخَلۡقِ مَا لِيۡ مَنۡ اَلُوۡذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنۡدَ حُلُوۡلِ الۡحَادِثِ الۡعَمَمِ

کیست جز تو ناصرم اے بہترین کائنات — تا پناہ جویم بد و در انقلاب و حادثات
اے پناہ جملہ عالم کون ہے تیرے سوا — التجا جس سے کروں ہنگام غم وقت الم

صبر کا مفہوم

صبر کے معنی ہیں روکنا، یعنی اپنے نفس کو ان تمام باتوں سے روکنا جو مالک حقیقی اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی مرضی کے خلاف ہوں۔ اس اعتبار سے صبر کے وہ معنی جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں، غلط ہیں۔ یعنی کسی مصیبت پر، مجبوری یا کمزوری اور بے بسی کے عالم میں، غصہ و غضب اور انتقام سے رُکنا، یہ صبر نہیں، یہ تو بے بسی، کمزوری اور مجبوری ہی کہلائے گی۔ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اللہ کی نعمتوں پر بھی صبر ہوتا ہے، مصیبتوں اور تکلیفوں پر بھی صبر ہوتا ہے۔

اللہ کی نعمتوں پر صبر یہ ہے کہ انسان نعمتوں کو اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ نہ بنائے۔ دولت ملے تو عیاش نہ بنے، علم و عقل ملے تو متکبر و مغرور نہ بنے۔ حکومت و طاقت ملے تو ظالم و جابر نہ بنے۔ صبر یہ ہے کہ دولت سے اپنی، اپنے

Marfat.com

اعزاء واقارب، اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرے، اپنے ملک سے غربت دور کرے اور علم وعقل سے اپنی اصلاح کرے۔ اپنے معاشرے سے جہالت کی لعنت کو دور کرے، حکومت وطاقت کے ذریعہ مظلوموں کا سہارا بنے، حق داروں کو ان کا حق دلائے۔ قوم کی فلاح وبہبود کی تدابیر کرے۔ یا یوں کہئے کہ نعمتوں پر صبر یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور شکر گزار بندہ بنے۔

مصیبتوں پر صبر یہ ہے کہ انسان ان کے مقابلے میں ڈٹ جائے اور ان سے نجات کے لئے اللہ ہی کو پکارے۔ جو نقصان ہوا اس کو اللہ کی راہ میں قربانی سمجھے اور اس پر اجر کی دعا کرے۔ نیز یہ یقین رکھے کہ سب کچھ اللہ ہی کا دیا ہوا، دینے والا اس کو لینے پر بھی قادر ہے۔ اللہ کی نعمتیں، مال ودولت، اہل وعیال، حکومت وسلطنت، حتیٰ کہ ہمارا جسم وجان سب اسی کی امانت ہیں۔ وہ جب تک چاہے اپنی نعمتوں کی ہم سے خدمت کرائے اور جب چاہے واپس لے لے، ہمارا قبضہ عارضی ہے، وقتی ہے، مالک حقیقی وہی ہے۔ اللہ کسی کو مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا، بلکہ صرف اپنی نعمت واپس لیتا ہے، اسی کی ہمیں تعلیم دی گئی کہ جب کوئی نعمت واپس لی جائے تو تم اپنے اعتقاد کو اپنی زبان پر اس طرح لاؤ، کہ "بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ آج اللہ اپنی دی ہوئی نعمت مجھ سے واپس لے رہا ہے تو کیا ہوا، مجھے تو خود بھی اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، یہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر ہے۔

اور ایک صبر ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری پر، کہ انسان اطاعت وفرمانبرداری پر ایسا جما رہے کہ دنیا کا عیش وآرام، لالچ، کسی کی محبت یا کسی کا خوف وڈر، اسے اطاعت سے ذرا برابر بھی نہ ہٹا سکے۔ مؤذن نماز کے لئے پکارے تو آرام کا وقت ہو یا کاروبار کا، ٹی وی چل رہا ہو یا وی سی آر، بندہ مومن نماز کے لئے بھاگے۔ رمضان کا چاند نظر آئے، روزے کے اوقات میں ان تمام چیزوں کو حرام جانے، جنہیں اب شریعت نے حرام کر دیا جبکہ آج سے پہلے وہ حلال تھیں۔ زکوٰۃ فرض ہو تو مال کی ظاہری کمی کا احساس نہ ہو بلکہ برکت وحفاظت مال کا ذریعہ جانے اور غریبوں کا حق ادا کرے۔ حج فرض ہو تو مصروفیت، خرچ، وطن اور اہل وعیال کا چھوڑنا آڑے نہ آئے، بلکہ اللہ کی دعوت پر خوش ہو اور اس کے دربار میں حاضری کے لئے چل دے۔ جہاد کا موقع آئے تو دنیا کی محبت، اہل وعیال کی محبت کا خیال تک نہ ہو، بلکہ شہادت کے تصور میں مست، دین کی حفاظت کے لئے میدان جہاد میں کود پڑے۔ اسی طرح ہر موقع پر شریعت کی پابندی میں کوئی رکاوٹ نہ آنے پائے۔ مثلاً بے نمازیوں یا غیر مسلموں میں گھرا ہوا ہو تو شرم اور جھجک کی وجہ سے نماز نہ چھوڑے۔ بدکردار معاشرہ، بری سوسائٹی، بندہ مومن کو دین کی پابندی سے نہ روکنے پائے، حرام کتنا ہی بن سنور کر سامنے آئے، لیکن یہ حلال ہی پر قناعت کرے۔ دولت کی ضرورت، سود کا مال کھانے پر مجبور نہ کر سکے۔ بھوک وپیاس، خنزیر وشراب کے استعمال پر آمادہ نہ کر پائے، نفس کی خواہش، زنا اور بدکاری پر مائل نہ کرنے پائے۔ یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر صبر۔

صبر کی اہمیت

صبر مجبوری نہیں بہادری ہے، کمزوری نہیں، طاقت ہے، بزدلی نہیں، دلیری ہے۔ اسی لئے حکم دیا گیا کہ جب اضطراب وبے چینی، تکلیف ومصیبت تمہیں کمزور بنا رہے ہوں تو "صبر سے مدد حاصل کرو" یہ تمہیں باہمت بنائے گا اور تم ہر قسم

Marfat.com

کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لائق ہو جاؤ گے، تمہاری دشواریاں آسان ہو جائیں گی، تمہاری الجھنیں سلجھ جائیں گی، اپنوں کی نظروں میں باوقار ہو جاؤ گے، دشمنوں کو بارعب نظر آؤ گے، خوف و ڈر سے آزاد ہو جاؤ گے- طاقتور دشمن سے مقابلے، پہاڑوں سے ٹکرانے کی اپنے اندر ہمت پاؤ گے- جسمانی تکالیف ہوں یا روحانی، سب سے نجات کا ذریعہ صبر ہے- جسمانی امراض ہوں یا روحانی سب کی شفا کا ذریعہ صبر ہے- پس صبر ایک قوت ہے، ایک طاقت ہے- اسی لئے ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر کرو، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے تیار رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ-

مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت مومنوں کی ذمہ داری ہے، اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے جہاد فرض کیا گیا ہے- لیکن اگر مسلمان دنیا کے عیش و عشرت، مال و دولت کے لالچ اور اہل عیال کی محبت میں گرفتار ہو کر دشمن کے خوف اور ڈر کا شکار ہو جائیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو وہ اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہیں کر رہے، پس انہیں چاہئے کہ وہ اپنے اندر بھی صبر کی خوبی پیدا کریں اور اپنے بھائیوں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہا کریں، تو

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

(آل عمران: ۱۲۰)

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گار رہو، تو ان کا فریب تمہیں، کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا، بیشک اللہ ان کے سب کاموں کو گھیرے ہوئے ہے-

دشمن کتنا ہی مکار ہو، کتنا ہی طاقتور ہو، تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اگر تاریخ اسلام پر آپ کی نظر ہے تو اللہ کے اس ارشاد کی صداقت کا آپ کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے- غزوات پر نظر ڈالیے، بالخصوص غزوہ بدر کے واقعات پر غور کیجئے- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت سے جہاد، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات، پھر میدان کربلا میں گلستان نبوت کا اجڑنا، اس کے بعد متعدد مواقع پر اہل ایمان کی فتوحات، دلیری اور جرأت کے واقعات، سب واضح ثبوت ہیں کہ دشمن کا مکر و فریب، ان کی قوت و طاقت صابرین پر کبھی غالب نہ آ سکے- اسی لئے قرآن کریم جب انسان کے خسارے اور نقصان میں ہونے کا اعلان فرماتا ہے، تو ان اہل ایمان کو اس خسارے سے مستثنیٰ اور محفوظ قرار دیتا ہے، جو صالحین ہیں، حق پرستی اور صبر جن کا شعار ہے، غور فرمایئے سورہ العصر کے مضمون پر:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ڏ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر)

قسم زمانہ کی، یقیناً انسان ضرور نقصان میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کیے اور آپس میں، ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی-

Marfat.com

صبر انسان کو بدکاری، شراب نوشی، جوئے بازی، ظلم وستم، غیض وغضب، حق تلفی، غرور وتکبر، حسد، کینہ اور دوسری برائیوں سے روکتا ہے- یہ انسان میں قناعت، محبت، شفقت، جذبہ محنت، حلم، بردباری، تواضع، انکساری، اطاعت و فرمانبرداری، دوسروں کی عزت، ہمدردی، ایثار وقربانی جیسی عظیم خوبیاں پیدا کرتا ہے- گویا انسان کو زیور انسانیت سے آراستہ کرتا اور باوقار، محترم، معزز شخصیت بنا دیتا ہے- اسی لئے اللہ نے اپنے تمام نبیوں کو نمونہ صبر بنایا، دیکھئے:

انبیاءِ کرام اور صبر

حضرت نوح علیہ السلام نے ایک صدی سے زیادہ اپنی قوم کے ظلم وستم پر صبر کیا، بیٹے کو اپنی آنکھوں سے غرق ہوتے دیکھا، صبر کیا-

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے، چہیتی بیوی اور ننھے بچے کو بیابان میں چھوڑ دینے کا حکم ہوا، کعبہ کی تعمیر کی دشوار ذمہ داری سونپی گئی، بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا، جو مالک نے کہا، کرتے رہے- صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا-

حضرت یعقوب علیہ السلام محبوب بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر اعلان فرماتے ہیں

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (یوسف:۱۸)

تو اب، صبر ہی اچھا ہے اور میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں، اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو-

دوسرا بیٹا جدا ہوتا ہے، تو پھر اسی اعلان کا اعادہ فرماتے ہیں-

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

(یوسف: ۸۳)

تو اب (میرے لئے) صبر (ہی) ہے، قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، بیشک وہی سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے-

اپنے غم واندوہ کا کسی سے شکوہ تک نہیں فرماتے بلکہ:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

(یوسف:۸۶)

انہوں نے فرمایا، میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد، اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں، اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے-

حضرت ایوب علیہ السلام نے جسمانی، مالی مصیبتیں برداشت کیں اور صبر کا ایسا نمونہ پیش کیا، کہ خود اللہ رب العزت نے تعریف فرمائی:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (ص:۴۴)

بیشک ہم نے انہیں (ایوب کو) صابر پایا، وہ کیا ہی اچھے بندے ہیں، بے شک وہ (ہماری طرف) بہت ہی رجوع کرنے والے ہیں-

Marfat.com

پیکر صبر

غرضیکہ، اللہ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو صبر کے زیور سے مزین فرمایا اور مبعوث ہونے کے بعد ان نفوس قدسیہ نے، اس کا خوب خوب مظاہرہ فرمایا۔ میرے آقا نبی آخر الزمان ﷺ اپنے تمام کمالات اور صفات میں، انبیاء سابقین سے افضل و اعلیٰ ہیں، لہٰذا صبر جیسا عظیم کمال بھی آپ میں اتنا نمایاں ہے کہ آپ، پیکر صبر نظر آتے ہیں۔ نزول قرآن کی تئیس سالہ مدت کے دوران کئی بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خوبی پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی اور آپ ہر حال میں اس کو اپنائے رہے، چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾ (الطور: ۴۸)

اور (اے محبوب) آپ اپنے رب کے فیصلہ پر ٹھہرے رہیں تو بیشک آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے جب آپ کھڑے ہوں۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ (یونس: ۱۰۹)

اور (اے محبوب) آپ اسی کی اتباع کیجئے، جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور (اے محبوب) آپ صبر کیجئے، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمادے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۵)

تو (اے محبوب) آپ صبر فرمائیں، جیسا صبر کیا ہمت والے رسولوں نے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ
مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰)

تو (اے محبوب ان کی باتوں پر صبر کیجئے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اس کی تسبیح کیجئے۔ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے اور رات کے کچھ اوقات میں اس کی تسبیح کیجئے اور دن کے کناروں میں، تاکہ آپ خوش رہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ (المزمل: ۱۰)

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ (المدثر: ۷)

اور (اے محبوب) صبر کیجئے، کافروں کی باتوں پر اور انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیجئے اور (اے محبوب) اپنے رب کے لئے صبر فرمائیے۔

پس محبوب علیہ السلام نے ساری حیات مبارکہ، صبر و رضا کے ساتھ بسر فرمائی، یتیمی کا صدمہ برداشت کیا، اعلان نبوت کے بعد اپنوں، غیروں سب کی دشمنی کا مقابلہ کرتے رہے، اہل مکہ نے ظلم وستم کے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ حتی کہ تین برس تک مکمل بائیکاٹ کیا۔ شعب ابی طالب میں محصور رکھا، اہل طائف نے پتھروں کی بوچھاڑ کی، جسم مبارک لہولہان کر ڈالا، شفیق چچا ابوطالب اور رہمدرد رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت کا صدمہ پیش آیا، اپنے غلاموں کو اپنی

Marfat.com

نظروں سے مار کھاتے دیکھا لیکن کسی وقت بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا- ہجرت کا حکم ملا تو وطن عزیز، بالخصوص اللہ کا گھر چھوٹنے کا دکھ برداشت کیا، سفر کی صعوبتیں اٹھائیں، غار ثور میں تین راتیں بسر کیں، راستہ میں دشمن کا خوف رہا لیکن صبر ساتھی رہا- مدینہ پہنچنے کے بعد چین اور سکون نہ تھا- ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی ذمہ داریاں، ان کو پورا کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں، اسی میں دشمن کی طرف سے سازشیں، مدینے پر حملے، لوٹ مار کے واقعات، منافقین کی چالیں، سب سے بیک وقت مقابلہ فرماتے ہیں- اسی دوران غزوہ بدر کا موقع آ جاتا ہے- چند جانثاروں کو لے کر، اس ذمہ داری کو بھی صبر و رضا کے ساتھ پورا فرماتے ہیں، پھر ایک ہی سال بعد غزوہ احد سامنے آیا، جہاں میرے آقا ﷺ نے بھرپور انداز پر صبر کا مظاہرہ فرمایا- یہاں جسمانی اذیت پہنچی، ستر جانثاروں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا، خاص طور پر وہ وقت کیسا صبر آزما تھا جب آپ کے محبوب چچا کا ناک کان بریدہ جسم مبارک آپ کے سامنے تھا- پیٹ چاک تھا جگر ٹکڑے ٹکڑے، جگہ جگہ، چبا پڑا تھا- یہاں جذبہ انتقام نے جوش مارا اور زبان مبارک سے نکلا "اے چچا واللہ میں تمہارے بدلے ستر کافروں کو مثلہ کروں گا" رب نے فوراً متنبہ فرمایا، "پیارے یہ جذبہ انتقام تمہیں زیب نہیں دیتا" تمہارے اور تمہاری امت کے لیے، دشمن کو مثلہ کرنا جائز نہیں کہ تم انسانیت کی تذلیل و توہین کے لیے نہیں بلکہ اس کی عزت و عظمت بحال کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہو- ارشاد رب سنتے ہی جذبہ انتقام ایسا سرد پڑا کہ فتح مکہ کے بعد، جب قاتلِ حمزہ، وحشی اور ان کی توہین کرنے والی ہندہ اسلام کی پناہ میں آتے ہیں تو صرف اتنا فرمایا جاتا ہے" کہ تم دونوں مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا، اس لیے نہیں کہ میرا جذبہ انتقام جوش مارنے لگتا ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ تمہیں دیکھ کر محبوب چچا کا مثلہ چہرہ سامنے آ جاتا ہے اور میں کبیدہ خاطر ہونے لگتا ہوں- مختصر یہ کہ آپ سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے آقا ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ صدمات اور غموں سے پُر تھا، لیکن کہیں دامن صبر نہ چھوٹنے پایا- آپ کے اس عمل نے ہی آپ کے صحابہ کو ایسا صابر بنایا کہ انہوں نے ہر قسم کے مصائب کو برداشت کیا اور اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر کے ایسا تن آور درخت بنا دیا جو قیامت تک کے لیے ہر طوفان سے محفوظ ہے-

یاد رکھئے، قوم پر لیڈر، راہنما کی باتوں اور تقریروں کا اثر اتنا نہیں ہوتا جتنا اس کے عمل کا- اگر قائد فاقہ کرنے والی قوم کے ساتھ فاقہ مست ہو کر اپنے مشن کا کام کرے، مصیبت زدوں کے ساتھ مصیبت میں مبتلا ہو اور اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہے، تو قوم کا ہر فرد جانثار بن جاتا ہے اور قائد کے اشارے پر اپنی گردن کٹا دینے کے لیے، ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے- نبی اکرم علیہ السلام کی یہی خوبی ہے جس نے غلاموں کو آپ کا جانثار بنایا، انہوں نے آپ کے صبر کو دیکھا تو وہ بھی، صبر کے ساتھ آپ کے مشن اور تحریک کے لیے قربانیاں دیتے رہے- گویا پیکر صبر و رضا آقا ﷺ کا ہر غلام، صابر اور نمونہ صبر بن گیا- اور قیامت تک آنے والی امت کو صبر کی دعوت دے گیا-

صابرین کے لیے مژدہ کامیابی

صابرین کی زندگی بڑی ہی پرسکون اور پرامن ہو جاتی ہے- صابرین دشمن کی نگاہوں میں بھی باوقار اور بارعب ہو جاتے ہیں- صبر غیروں کو بھی اپنا بنا دیتا ہے کیونکہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے" انہی صابرین کے لیے مختلف انداز سے مژدہ کامیابی و کامرانی سنایا گیا- ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ:۱۷۷)

اور صبر کرنے والے تکلیف اور سختی میں اور (کافروں) سے جنگ کے وقت، یہی لوگ ہیں، جنہوں نے سچ بولا، اور یہی لوگ ہیں، پرہیزگار (متقی)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (انفال:۴۶)

اور، اللہ، اور، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور، آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور، تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (رعب ختم ہو جائے گا) اور، صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا، اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے، اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (رعد:۲۲)

اور وہ نیکی کر کے برائی کو دفع کرتے رہے انہی کے لیے آخرت کا اچھا گھر ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (رعد:۲۴)

تم پر سلامتی ہو، اس لئے کہ تم نے صبر کیا، تو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ (القصص:۸۰)

اور ان لوگوں نے کہا جنہیں علم دیا گیا تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب بہت اچھا ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اور یہ (نعمت) انہی کو ملتی ہے، جو صبر کرنے والے ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حم السجدہ:۳۴)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں، برائی کو دفع کرو بہترین طریقے سے، تو وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی وہ تمہارا دلی دوست بن جائے گا۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (حم السجدہ،۳۵)

اور یہ خوبی نہیں دی جاتی مگر صبر کرنے والوں کو اور، یہ خوبی نہیں دی جاتی مگر بڑے نصیب والے کو۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ:۴۳)

Marfat.com

اور جو صبر کرے اور معاف کرے تو، یہ یقیناً ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر:۱۰)

فرما دیجئے، اے میرے ایمان والے بندوں، اپنے رب سے ڈرتے رہو، ان کے لئے بہترین بدلہ ہے جنہوں نے دنیا میں نیکی کی اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بغیر حساب دیا جائے گا۔

ان آیات پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ صابرین پر، اللہ کتنا کرم فرماتا ہے کہ صبر کرنے والے ہی ''متقی'' ہیں جو اللہ کے قرب اور محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔ ''صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے'' یعنی انہیں ہمہ وقت اللہ کی مدد حاصل رہتی ہے اور ہر حال میں ان پر اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ صابرین کے لیے مژدہ ہے کہ آخرت میں ان کے لیے بہترین گھر تیار ہے۔ ان پر اللہ کی طرف سے سلامتی کی خوشخبری دی جارہی ہے۔ اللہ کی طرف سے بہترین ثواب، ایمان کے کمال اور نیک اعمال کی لذت، ایک عظیم دولت، نعمت ہے، جو صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ صبر دشمن کو بھی دوست بنا دیتا ہے۔ بلاشبہ صبر کرنا، لوگوں کو معاف کر دینا بڑی ہمت کا کام ہے، صبر کرنے والوں کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

غرضیکہ صبر ایک بڑا کمال ہے، بڑی خوبی ہے۔ یہ عنوان نہایت ہی وسیع ہے بوجہ خوف طوالت اب ہم بلا تاخیر اپنا قلم روکتے ہیں جو کچھ لکھا گیا عمل کے لیے کافی ہے۔

نماز کی عظمت

مسلمان کا ہر عمل، جو شریعت کے مطابق ہو، اللہ کی عبادت ہے۔ حتی کہ اس کا کھانا، پینا، سونا، تجارت کرنا، اہل و عیال کے لئے روزی تلاش کرنا، دوست واحباب سے ملنا جلنا، کسی بھوکے، پیاسے جانور تک کو کھانا کھلا دینا پانی پلا دینا، سب عبادت ہے۔ انسان عبد ہے جب وہ ایمان کے ساتھ عبدیت کا اظہار کرتا ہے تو اس کا ہر عمل معبود کے یہاں عبادت بن جاتا ہے۔ اور اس کو اجر وثواب دیا جاتا ہے۔ اس عبدیت کا عادی بنانے کے لیے اللہ نے کچھ ایسے مخصوص طریقے مقرر فرمائے جن میں عبد مصروف ہوتا ہے، تو ظاہری طور پر بھی معبود کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا نظر آتا ہے۔ روزہ، حج، زکوۃ، عبادت کے ظاہری طریقے ہیں۔ ان میں افضل ترین طریقہ نماز ہے جو ایسا پیارا طریقہ ہے کہ اس کے معنوی اثرات کا احساس تو صرف نمازی ہی کو ہوتا ہے لیکن اس کی ظاہری شکل وہیئت دیکھ کر غیروں کو بھی رشک آتا ہے۔ کہ کس طرح بندہ عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہے۔

قرآن کریم نے بڑے پیارے انداز میں اہل ایمان کو اس عبادت کی تاکید فرمائی اور سب سے زیادہ اسی کا ذکر فرمایا۔ یہاں نماز سے متعلق تمام آیات کا جمع کرنا تو ممکن نہیں، چند آیات ملاحظہ ہوں۔

پہلی ہی سورت، سورۃ البقرہ کی تیسری آیت ہے۔ متقین کی پہچان میں ان کا نمازی ہونا بھی شامل ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

Marfat.com

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ:۳)

یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (البقرہ:۴۳)

اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرو اور، رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النساء:۱۰۳)

پس جب تم، نماز پوری کرلو، تو کھڑے بیٹھے اللہ کا ذکر کرو اور اپنے پہلوؤں پر (یعنی لیٹے ہوئے) پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر نماز پڑھو۔ بیشک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔

نماز کامیابی اور اللہ کا رحم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الحج:۷۷)

اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرتے رہو، تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(النور:۵۶)

اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔

بے نمازی کو سزا بھگتنے کے لیے جہنم کے ان گڑھوں میں ڈالا جائے گا جن کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ قرآن کریم نے ان گڑھوں کو "غی" اور "ویل" فرمایا ہے۔ (اللہ محفوظ رکھے)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ

([illegible])

تو ان کے بعد (ان کی جگہ) وہ ناخلف [illegible] جنہوں نے نمازیں ضائع کیں [illegible] خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو عنقریب وہ غی (جہنم کے [illegible]) میں [illegible]۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون:۴،۵)

تو ویل ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

کامیاب مسلمانوں کی خوبیاں [illegible] ہوئے نماز کو بھی ان کی ایک خوبی بتایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (المؤمنون:۹)

Marfat.com

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں

انسان کم حوصلہ (ھلوعا) پیدا کیا گیا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ مصیبت آتی ہے تو گھبرا جاتا ہے اور اللہ کی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں تو کنجوس بن جاتا ہے اور انہیں جمع کر کے رکھتا ہے، لیکن نمازی کی حالت یہ نہیں ہوتی۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج: ۲۳)

مگر وہ لوگ جو نمازی ہیں اور اپنی نماز پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو جنتی بنانے والی خوبیوں میں نماز بھی شامل ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (المعارج: ۳۴)

اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۸)

پابندی کرو، سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی، اور اللہ کے دربار میں ادب سے کھڑے ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ (اعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

بیشک کامیاب ہوا، جو پاکیزہ ہو گیا، اور اپنے رب کا نام لیا، پھر نماز پڑھی۔

نماز کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۵)

اور نماز قائم کرو، بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے، اور بیشک اللہ کا ذکر، ہر ذکر سے بہت بڑا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، جو تم کرتے ہو۔

انبیاء کرام اور نماز

قرآن کریم میں نوے مقامات پر نماز کا ذکر کیا گیا، ہم ان چند آیات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مزید اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے ہر رسول اور نبی کو اس کے ادا کرنے کا حکم دیا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ رب کے حضور عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ (ابراہیم: ۴۰)

اے رب مجھ کو اور میری اولاد کو، نماز کی پابندی کرنے والا بنا اے ہمارے رب، اور میری دعا قبول فرما لے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم: ۵۵)

وہ (اسماعیل) اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔

Marfat.com

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہیں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ (لقمان:۱۷)

اے میرے بیٹے، نماز کی پابندی کرتے رہنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی تو ساتھ ہی یہ حکم بھی ہوا۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ:۱۴)

میری یاد کے لیے نماز پڑھیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی میں اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ بتاتے ہیں۔

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم:۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

لیکن پانچ نمازوں کی فرضیت صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اس سے قبل کسی امت پر پانچ وقت کی نماز فرض نہ کی گئی، جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام صبح کی نماز پڑھتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام ظہر کی، حضرت سلیمان علیہ السلام عصر کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ نیز حدیث معراج سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے صرف دو وقت کی نماز فرض کی تھی۔ لیکن وہ اس کی بھی پابندی نہ کر سکے۔ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پانچوں نمازوں میں سے عشاء کی نماز ہم سے پہلے کسی پر فرض نہ ہوئی، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے ''عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھا کرو، کیونکہ اس نماز کے ذریعہ تمہیں پچھلی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے کہ تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی''۔

نماز قبل معراج

نماز کی فرضیت سفر معراج میں مشہور و معروف ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نماز پڑھتے ہی نہ تھے۔ سورہ مزمل سے ثابت ہے کہ (ابتداً) حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام پر رات کی نماز فرض تھی۔ جو حضور ﷺ کی امامت میں صحابہ باجماعت ادا کرتے تھے۔ نیز حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز پہلی وحی کے ساتھ ہی فرض ہوگئی تھی جس کی تعلیم کے لیے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا گیا، انہوں نے وضو کر کے دکھایا تو نبی کریم علیہ السلام نے بھی اسی طرح وضو فرمایا۔ اور پھر آپ نے جبرئیل کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے دیگر احکام اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی طرح تعلیم فرمائے، جس طرح دوسری بے شمار باتوں کا علم عطا فرمایا۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس رات کی نماز کے علاوہ حضور علیہ السلام اور صحابہ چاشت اور عصر کی نمازیں بھی پڑھتے تھے، اور ابتداء اسلام میں کفار کے خوف سے چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

ایک دن حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ مکہ کی کسی گھاٹی میں چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک کفار کا ایک گروہ آپہنچا اور انہوں نے نماز کی برائیاں کیں اور مسلمانوں سے لڑنے لگے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی

Marfat.com

ایک بڑی ہڈی ایک کافر کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا- یہ پہلا موقع تھا کہ ایک صحابی نے اسلام کے لیے کسی کافر کا خون بہایا-

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ کسی کو شرارت سوجھی اور بولا، فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے کوئی جائے اور اوجھڑی اٹھا لائے، اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں تو ان کے سر پر ڈال دے- بدبخت عقبہ بن معیط گیا اور اوجھڑی لے آیا- جب آپ نے سجدہ کیا تو اس نے وہ اوجھڑی آپ کی پشت مبارک پر رکھ دی اور خوب ہنسے-تھوڑی ہی دیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جو ابھی بچی ہی تھیں، آ پہنچیں، ابا جان کی مدد کے لیے دوڑیں اور ننھے ہاتھوں سے یہ اوجھڑی ہٹائی-

ان کے علاوہ اور دیگر واقعات سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام، ابتدائے اسلام ہی سے نماز پڑھا کرتے تھے کبھی موقع ملتا تو کعبہ میں، ورنہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں یا مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر- پھر واقعہ معراج تک تو مسلمانوں کو اتنی قوت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھتے تھے اور جب سفر معراج میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں تو باقاعدہ اوقات مقررہ پر کعبہ میں نماز پڑھی جانے لگی-

نماز کے متعلق چند احادیث

قرآن کریم کی چند آیات پر آپ نے غور کرلیا، اب اس سلسلے میں صاحب قرآن ﷺ کے چند فرمودات ملاحظہ ہوں، میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہ جائے گا صحابہ نے عرض کیا اس کا کچھ میل باقی نہ رہے گا- آپ نے فرمایا یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے- اللہ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے- (بخاری و مسلم)

عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ بین العبد و بین الکفر ترک الصلوۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل صرف نماز ہے- (مسلم شریف)

عن بریدۃ قال قال رسول اللہ ﷺ العهد الذی بیننا و بینهم الصلوۃ فمن ترکها فقد کفر

Marfat.com

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز ہی کا عہد ہے، پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَآءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِکَ الْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُبِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ کَمَاتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں جبکہ پتے جھڑ رہے تھے، حضور علیہ السلام باہر تشریف لے گئے (میں آپ کے ساتھ تھا) پس آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑیں (اور انہیں ہلایا) تو ان سے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا، اے ابوذر، میں نے عرض کیا، جی یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا جب بندہ مسلم خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ پتے، اس درخت سے جھڑ رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَ هُمْ اَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَفَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ ۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کے لیے مارو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ ذَکَرَ الصَّلٰوةَ یَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَیْهَا کَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَ بُرْهَانًا وَ نَجَاةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ مَنْ لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْهَا لَمْ تَکُنْ لَّهٗ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَ کَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ اُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما، حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، جس نے نماز کی پابندی کی تو نماز اس کے لیے ذریعہ نور، کمال ایمان کی دلیل اور سبب نجات ہوگی قیامت کے دن، اور جو نماز کی پابندی نہ کرے گا اس کے لیے نہ نور ہوگا، نہ دلیل ہوگی اور نہ نجات اور قیامت کے دن اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ

Marfat.com

الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔ (ترمذی شریف)

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ نماز کے سوا کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر خیال نہ کرتے تھے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (ترمذی شریف)

حضرت زید بن خالد جہنی نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جس نے دو رکعت نماز، بغیر سہو کے ادا کی اللہ نے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْعِشَآءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ (مسلم شریف)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جس نے نماز عشاء جماعت سے ادا کی، گویا اس نے نصف شب عبادت کی اور جس نے نماز فجر بھی جماعت سے ادا کی، گویا اس نے پوری رات عبادت میں گزاری۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى صَلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔ (ابن ماجہ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ جو نماز فجر کے لئے چلا، وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلا اور جو بازار کی طرف (بلاضرورت) چلا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَ لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں کہ اذان اور صف اول میں کتنا ثواب ہے اور موقع نہ پائیں تو وہ اس کے لئے قرعہ اندازی کریں، اور اگر وہ نماز ظہر کا اجر جان لیں تو اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر نماز فجر و عشاء کا ثواب جان لیں تو ان دونوں میں ضرور شریک ہوں، چاہے سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے۔

نماز کے چند فوائد

نماز میں زکوٰۃ، روزہ، حج تمام عبادتوں کی روح موجود ہے۔ اس کی پابندی سے مسلمانوں میں نظم و نسق، باہمی محبت و

Marfat.com

الفت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے- عام حالات میں بھی وقت کی پابندی کی عادت ہو جاتی ہے- ظاہری اور باطنی صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے- طبیعت شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مائل رہتی ہے- مال و دولت روزی اور روزگار میں برکت ہوتی ہے- بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات حاصل ہوتی ہے- قلبی سکون وطمانیت کی نعمت ملتی ہے- چہرے پر نور ظاہر ہوتا ہے، دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے- غرضیکہ بے شمار دینی و دنیوی فائدے حاصل ہوتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ اس کو تمام عبادت پر اہمیت حاصل ہے، حتیٰ کہ مرد و عورت، جوان و بوڑھے، مسافر و مقیم، سب پر فرض ہے- روزہ صرف سال میں ایک مہینہ کا فرض ہے- اس میں بھی معافی کی صورتیں موجود ہیں- زکوٰۃ اور حج صرف دولت مند پر فرض ہے- لیکن نماز ہر ایک پر فرض ہے- صحت کی حالت میں بھی اور بیماری کی حالت میں بھی- کوئی کھڑے ہو کر ادا نہ کر سکے تو بیٹھ کر پڑھے، یہ بھی مشکل ہو تو اشاروں سے پڑھے، کوئی صورت معافی کی نہیں- تقوے کا کوئی مرتبہ، اللہ کے قرب کا کوئی مقام نماز کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا- لیکن افسوس کہ ہم ایسی اہم عبادت ہی سے سب سے زیادہ غافل رہتے ہیں، یہی ہمیں سب سے زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے- حتیٰ کہ بہت لوگ ایسے ہیں جو رمضان میں روزے تو رکھتے ہیں، لیکن نماز نہیں پڑھتے، نہ جانے کتنے مسلمان ایسے ہیں جن کا مدتوں سجدے میں سر نہیں جاپاتا- حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ" یعنی گھروں میں نماز پڑھتے رہا کرو- وہ گھر جس میں نماز نہ پڑھی جائے، قبرستان کی طرح ہے اور گھر والے مُردوں کی طرح- آج ہمارے گھروں میں جھگڑے، بیماریاں نہ جانے کیا کیا الجھنیں ہیں- یقین کیجئے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ گھر والے بے نمازی ہیں، بے نمازی مسلمان نہایت ہی بدنصیب اور قابل نفرت ہے- اس میں اور کافر میں کوئی نشان امتیاز باقی نہیں رہتا، جس کو شیطان نے بے نمازی بنا دیا وہ شیطان کی سازشوں کا پوری طرح شکار ہو جاتا ہے، اس طرح کہ اسے ہر بُرے کام میں مزا آنے لگتا ہے- یہاں تک کہ اسے بُرائی کا احساس تک نہیں ہوتا اور اس کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ بُرائی کو اچھائی یا اپنا کمال سمجھنے لگتا ہے، پس اللہ ہمیں نمازوں کی پابندی کی توفیق نصیب فرمائے-

شہید کا مرتبہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں شعور نہیں-

(البقرہ: ۱۵۴)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۱)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انہیں ہرگز مردہ مت سمجھو- بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں وہ خوش ہیں، اس پر جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دیا، اور اپنے پچھلوں کے متعلق جو ابھی ان سے نہیں

Marfat.com

ملے، یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر (بھی) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ خوشیاں مناتے ہیں، اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر، اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

شہید کے معنی ہیں ''حاضر ہونا'' جو مسلمان بوقت ضرورت اسلام کی حفاظت کے لیے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر اپنی جان دینے کے لیے دشمن اسلام کے سامنے حاضر ہو گیا اور اپنی گردن کٹا دی، وہ شہید کہلاتا ہے- چونکہ اس نے کمال صبر، انتہائے صبر کا مظاہرہ کیا اور ثابت کر دکھایا کہ وہ صابر ہے- لہٰذا اللہ کا اس پر یہ کرم ہوا کہ اس کو اس فانی زندگی کے بدلے حیات جاودانی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی عطا فرما دی اور اس کے ایثار و قربانی کا اعتراف کرانے کے لئے زندوں پر پابندی لگا دی کہ وہ اس مقتولِ راہِ مولیٰ کو نہ زبان سے مردہ کہیں اور نہ ہی مردہ گمان کریں- عجیب بات ہے، جس کو ہماری نظروں کے سامنے قتل کیا گیا، ہم نے اس کا جنازہ پڑھا، ہم نے اس کو اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے، دوسرے مردوں کی طرح دفن کیا، پھر بھی ہم پر پابندی ہے کہ ہم اسے مردہ نہ کہیں، صرف یہی نہیں- بلکہ مردہ خیال بھی نہ کریں، کوئی عجب بات نہیں، جب تم اللہ پر ایمان لائے اور یہ بھی یقین کیا کہ زندگی اور موت دینے والا اللہ ہی ہے، تو جسے اللہ کے دشمنوں نے مار دیا اللہ نے اسے زندہ کر دیا، ایسا زندہ کہ اس کا جسم مٹی میں جا کر بھی محفوظ ہے- اللہ کی طرف سے اس کو رزق بھی دیا جاتا ہے- دنیا والوں سے اس کا رابطہ بھی رہتا ہے- ہمیشہ کے لئے اس کا چرچا بھی رہتا ہے، لیکن تمہیں نظر نہیں آتا- نظر کیوں نہیں آتا، اس لئے کہ تمہاری نظر محدود ہے- اس کائنات کی بہت سی مخلوق تمہیں نظر نہیں آتی- جن نظر نہیں آتے، فرشتے نظر نہیں آتے، تو کیا تم ان کے وجود کا انکار کر دو گے- اور جن کی قوتِ نظر کو اللہ نے زیادہ کیا ہے، انہیں جن بھی نظر آ جاتے ہیں، فرشتے بھی نظر آ جاتے ہیں، اسی طرح انہیں شہید بھی نظر آتے ہیں، وہ شہیدوں سے باتیں کرتے ہیں- ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں- اللہ کے نیک بندوں، اولیاء اور صالحین کو نظر کی یہ قوت بخشی جاتی ہے-

رہا یہ سوال کہ جب شہید زندہ ہے تو اس کے مال میں وراثت کیوں جاری ہوتی ہے، اس کی بیوہ سے نکاح کیوں جائز ہے- ایک تو اس لیے کہ شریعت کے احکام ظاہر حال پر نافذ ہوتے اور شہید کا ظاہر حال تو یہی ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں، دوسرے اس لیے کہ نئی اور بہتر چیز مل جانے کے بعد ہم بھی اپنی پرانی چیزوں کو تقسیم کر دیتے ہیں کہ اب وہ ہمارے لئے بیکار ہو جاتی ہیں- شہید اس دنیا سے جاتے ہی اللہ کے فضل واحسان سے جو عظیم نعمتیں حاصل کر لیتا ہے، ان کے مقابلے میں اس دنیا کی ان فانی نعمتوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہتی- اب نہ وہ اس مال کا محتاج رہا اور نہ اسے اس بیوی کی ضرورت رہی، لہٰذا یہ سب چیزیں ضرورت مندوں کو تقسیم کر دی جاتی ہیں-

اس موقع پر یہ بات واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ شہید کا ترکہ تقسیم کر دیا جاتا ہے، اس کی بیوہ سے نکاح جائز ہے، جبکہ نبی کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا اور ان کی بیوہ سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں- یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے خود ارشاد فرمایا کہ ''نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ امت کے لیے وقف ہوتا ہے'' اسی بناء پر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کا چھوڑا ہوا ''فدک'' آپ کے اعزاء کے سپرد نہ کیا، بلکہ اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا- یہ اس لیے کہ امت سے نبی کی انتہائی محبت ثابت ہو کہ نبی نے اپنے اعزاء اقرباء کے لئے نہ کچھ جمع کیا اور نہ چھوڑا، جو

Marfat.com

کچھ چھوڑا وہ بھی امت کو عطا فرما دیا اور نبی کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں کہ یہی اس کی انتہائے عزت اور عظمت کا تقاضا ہے- اسی لیے قرآن کریم نے نبی کی ازواج کو امت کی ''مائیں'' قرار دیا، تاہم امت سے پردے کا حکم باقی رکھا گیا کہ یہ بھی عزت و احترام کا ذریعہ ہے، گویا مقصود امت سے نبی کا احترام کرانا ہے-

بہرحال شہید زندہ ہے، یا تو اس طرح کہ اس کا یہی جسم محفوظ رہتا ہے، اللہ کے حکم سے زمین اس کے جسم کو خراب نہیں کر پاتی جیسے نار نمرود، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال تک نہ جلا سکی اور یا، اللہ شہید کو مثالی جسم عطا فرما دیتا ہے یا اس کی روح جنت کے پرندوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے- علماء کرام نے یہ سب صورتیں بیان فرمائی ہیں- حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے- ہمیں اس کے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہم اس حکم کی تعمیل کے مکلف ہیں جو ہمیں دیا گیا یعنی'' شہید کو نہ مردہ کہو اور نہ مردہ گمان کرو'' پس ہمارا یہی ایمان ہے، یہی عقیدہ ہے اور ہمیں اس پر پورا پورا یقین ہے کہ اللہ کے ارشاد سے زیادہ یقین کے لائق اور کون سی بات ہو سکتی ہے-

شہید پر انعامات

اللہ شہید کو بے شمار انعامات سے نوازتا ہے. جس کا آغاز میدان جنگ سے یا اس وقت سے ہی ہو جاتا ہے، جب وہ اسلام کی حفاظت کے لیے دشمن کے مقابلہ پر آتا ہے- اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ شہادت جنت میں پہنچنے کی ایک سواری ہے، جونہی میں اس پر سوار ہوا جنت کا دروازہ میرے لیے کھلا ہوگا اور یہی حقیقت ہے- اسی لئے اللہ کے اس سپاہی کو نہ دشمن کی تعداد کی پرواہ ہوتی ہے نہ قوت و طاقت کی، اس کی نظریں ان چیزوں پر تو پڑتی ہی نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے جنت اس دنیا ہی میں نظر آ رہی ہے- شوق شہادت کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو، جو غزوہ احد میں پیش آیا-

عَنْ جَابِرٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ یَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَیْنَ اَنَا قَالَ فِی الْجَنَّۃِ فَاَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِیْ یَدِہٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ-

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ احد کی لڑائی کے دن ایک سپاہی نے نبی کریم ﷺ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا، آپ نے فرمایا جنت میں (یہ سن کر) اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے کھجوریں پھینکیں (جنہیں وہ کھا رہا تھا) میدان جنگ میں کود پڑا، خوب لڑا حتی کہ شہید ہو گیا (اور مراد کو پہنچا)

پھر شہید پر اللہ تعالیٰ اس وقت انعام فرماتا ہے، جب دشمن اس کو زخمی کرتا ہے، گردن کاٹتا ہے، کبھی اس کو مثلہ کرتا ہے، کبھی اس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتا ہے- ظاہر ہے دیکھنے والے یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھتے ہیں کہ ہمارے بھائی کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے، لیکن مخبر صادق ﷺ بتاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں مصیبتیں اٹھانے والے تو وہ تکلیف بالکل نہیں ہو رہی جس کا اندازہ تم اس کی ظاہری حالت سے لگا رہے ہو، اس پر تو اللہ کا خاص انعام ہے، اس کا تو یہ حال ہے-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلشَّھِیْدُ لَا یَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ اَلَمَ الْقَرْصَۃِ

Marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا شہید کو قتل کی صرف اتنی سی تکلیف محسوس ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹے کی تکلیف ہوتی ہے۔(ترمذی شریف)

گویا جس طرح ایک مریض کا آپریشن کیا جاتا ہے تو اس کے مقام آپریشن کو دوا کے ذریعہ ایسا سُن کر دیا جاتا ہے کہ ہڈی تک کاٹ دی جاتی ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔شہید کا جسم سُن تو نہیں ہوتا لیکن اس پر اللہ اور اس کے رسول کے عشق کا نشہ اور جنت کا شوق ایسا طاری ہوتا ہے کہ اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے ناز ونعم سے پالے ہوئے، نرم و نازک جسم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اور عشق و اشتیاق میں ایسا ہوتا ہی ہے۔اس کی نظیر قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی عورتوں کے سامنے تشریف لائے تو وہ آپ کے نظارۂ حسن میں ایسی مست ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کے بجائے چھریوں سے اپنی انگلیوں کو کاٹ ڈالا اور انہیں پتہ بھی نہ چلا۔شہید پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام، ہمیں پیغام دے رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں سے نہ گھبراؤ، کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے، اپنے دین کے خادموں، سپاہیوں کے لیے ظاہری مصیبت کو راحت و رحمت میں تبدیل فرما دیتا ہے۔یہی مطلب ہے قرآن کریم کے اس ارشاد کا ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا''۔

جس مؤمن نے اللہ کی راہ میں اپنی گردن تک کٹا دی، واقعی اس نے ایمان کی صورت میں اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔اس سے زیادہ، اللہ کے خصوصی فضل وکرم کا کون مستحق ہے۔مخبر صادق ﷺ بتاتے ہیں کہ اللہ اپنے اس جانثار کو کس طرح اپنے انعامات سے نوازتا ہے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَاللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دُفْعَةٍ وَ يُرٰى مَقْعَدَهٗ فِي الْجَنَّةِ وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ يَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَ يُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَيُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَ يُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ۔

حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، شہید کیلئے اللہ کے پاس چھ خصوصی انعام ہیں۔خون کا پہلا ہی قطرہ گرتے ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جنت میں اس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے اور اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا، بڑی گھبراہٹ سے (قیامت کے دن) امن میں رہے گا، اس کے سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا، جس کا یاقوت، دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔اس کے نکاح میں بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) خوبصورت حوریں دی جائیں گی، اور اس کے عزیزوں میں سے ستر افراد کے لیے اس کی شفاعت قبول کی جائے گی (ترمذی شریف)

شہید کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کو بخش دیا جائے گا۔ظاہر ہے جب بخشش ہوگی تو اس وقت جبکہ ہر شخص کو اپنے حساب وکتاب کی فکر ہوگی، شہید مطمئن ہوگا کہ وہ تو بغیر حساب وکتاب ہی کے نہ صرف جنتی ہو چکا ہے بلکہ جنت میں اپنا

Marfat.com

ٹھکانہ بھی دیکھ چکا ہے- اب تو بس داخل ہونے کی دیر ہے- یہاں ایک اہم بات قابل توجہ یہ ہے کہ شہید پر ایک انعام یہ ہوگا کہ اس کی شفاعت اپنے عزیزوں کے لیے مقبول ہوگی، جن کی تعداد یہاں ستر فرمائی گئی، جبکہ ایک دوسری حدیث میں اسّی ۸۰ کی تعداد بیان کی گئی ہے- دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ تعداد بتانے کا مقصد یہ نہیں کہ صرف اتنے ہی افراد کے لیے شفاعت قبول ہوگی، یہ صرف ایک اندازہ ہے کہ شہید ۷۰ یا ۸۰ یا جتنوں کی اللہ چاہے شفاعت کرے گا اور اللہ قبول فرمائے گا- اصل بات قابل غور یہ ہے کہ شہید کو یہ حق کیوں دیا گیا، تو ایک تو اس لئے کہ یہ بھی دیگر اعزازات کی طرح ایک بڑا اعزاز ہے کہ شہید بہت سوں کی سفارش کر سکے گا- جس طرح ایک بادشاہ بطور اعزاز اپنے کسی مقرب و محبوب یا وزیر کو اپنی مملکت میں کچھ خصوصی اختیارات دے دیتا ہے، دوسرا یہ کہ شہید کے، اللہ کی راہ میں قتل ہونے سے، آخر اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچوں اور دیگر اعزاء و اقرباء اور احباب کو بھی تو کچھ تکلیف پہنچی، انہوں نے بھی تو اس پر صبر کیا اور یہ صدمہ برداشت کیا- پس ان کا بھی کچھ حق بنتا ہے کہ اس آزمائش پر صبر کا کچھ اجر و ثواب انہیں بھی دیا جائے- پس جس کے ذریعہ تکلیف پہنچی اسی کے ذریعہ اجر بھی دیا جائے گا- جن کی تعداد عام طور پر مذکورہ بالا ہی ہوسکتی ہے جو میرے آقا ﷺ نے بیان فرمائی- گویا یہ بتایا گیا کہ شہید اپنے جملہ متعلقین کی بخشش کا وسیلہ بن جاتا ہے- میرے آقا ﷺ نے اپنے اس ارشاد سے ایک طرف تو شہید کی عظمت کو ظاہر فرمایا اور دوسری طرف اس کے پسماندگان کی نہایت ہی احسن طریقے سے ہمت افزائی فرمائی، کہ جس خاندان کا فرد اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہے، اس خاندان کے لوگ ہمت کریں، مزید جہاد میں حصہ لیں کہ ان کے شہداء، ان کے لئے بھی نجات کا ذریعہ ہیں- پس شہادت، اللہ کا ایسا عظیم انعام ہے کہ اس سے سر کٹانے والوں کے مراتب بھی بلند ہوتے ہیں اور اس پر صبر کرنے والے بھی اللہ کے خصوصی فضل و کرم کے مستحق قرار پاتے ہیں- اسی لئے صحابہ کرام، شہادت کی دعا کیا کرتے تھے اور ہر نیک مومن کے دل میں اس کی آرزو ہوتی ہے اور ہونا چاہیے کہ جس طرح ہم دنیا کی دوسری نعمتوں کے لیے تڑپتے اور اللہ سے دعائیں کرتے ہیں، اسی طرح شہادت کی تمنا کرنا اور اس کی دعا کرنا چاہیے، کہ یہ واقعی بڑی نعمت ہے، بڑا اعزاز ہے- اسی لئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں-

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِّنْ جِهَادٍ لَقِیَ اللّٰهُ وَ فِيْهِ ثُلْمَةٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملے اور اس پر جہاد کا کوئی نشان نہ ہو، تو وہ نقصان ہی میں ہے- (ابن ماجہ)

شہید اور حقوق العباد

بلاشبہ شہادت گناہوں کو مٹا دیتی ہے، لیکن شہادت یا اس قسم کے دیگر اعمال جو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیئے گئے ہیں، صرف ان گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے- مثلاً نماز نہ پڑھنے کا گناہ، زکوٰۃ نہ دینے کا گناہ، حرام کھانے پینے کا گناہ، ایسے گناہوں کو حج مٹا دیتا ہے اور اگر شہادت نصیب ہو جائے تو یقیناً ان سے بھی بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے، لیکن وہ گناہ جن کا تعلق بندوں سے ہے وہ نہ کسی عمل سے بخشے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کو اللہ

Marfat.com

معاف کرتا ہے، جب تک کہ بندہ خود بندے کو معاف نہ کر دے، اور اگر کسی نے معاف نہ کیا، تو اسے اللہ حق تلفی کرنے والے کی نیکیوں سے اس کا حق دلائے گا، ایسے حقوق کو حقوق العباد کہا جاتا ہے، ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شہید نے کتنی بڑی قربانی کی کہ اللہ کے لیے اپنی گردن تک کٹا دی، اور اللہ نے بھی اس کو پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمایا اور اس کے مرتبوں کو بلند کیا۔ لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہ ہوں گے۔ جب تک کہ اہل حق اس کو معاف نہ کر دیں۔ ملاحظہ فرمایئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ الْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَیْ ءٍ اِلَّا الدَّيْنَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا، اللہ کی راہ میں مارا جانا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، سوائے قرض کے۔ (مسلم)

کسی سے قرض لے کر ادا نہ کرنا، اپنے مسلمان بھائی کی حق تلفی اور اس کا مال غصب کر کے اس کو تکلیف پہنچانا، شعبہ حقوق العباد کا ایک جرم ہے۔ جس کی معافی کا ذریعہ شہادت بھی نہ بن سکی، یہی حال تمام حقوق العباد کا ہے۔

شہید کی آرزو

شہادت کی لذت پا لینے والا، شہید کی عظمت کو جان لینے والا، جنت میں جانے کے بعد بھی دنیا میں آنے اور بار بار اللہ کی راہ میں گردن کٹانے کی آرزو کرے گا۔ مخبر صادق ﷺ کی خبر ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَ لَهُ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَيْئٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِّمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دنیا میں، اس لالچ میں بھی آنا پسند نہ کرے گا کہ زمین کی ہر چیز اسے مل جائے مگر شہید، اس کی تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس مرتبہ شہید کیا جائے کہ وہ شہادت کی عظمت جان چکا ہے۔
(بخاری و مسلم)

شہید کی قسمیں

شہید حقیقی، وہ لوگ جو جہاد میں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، جیسے غزوہ بدر، غزوہ احد وغیرہ کے شہداء یا شہداء کربلا جو کافروں کے ہاتھوں نہیں بلکہ دشمنان اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے یا ہمارے دور میں کشمیر، افغانستان، ہندوستان وغیرہ کے مسلمان۔ شہید حقیقی کو نہ غسل دیا جاتا ہے، نہ کفن، وہ نماز جنازہ کے بعد اسی طرح خون میں لت پت دفن کر دیا جاتا ہے۔ جب وہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا تو اس کے زخموں سے خون بہتا ہوگا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا کیونکہ وہ ناپاکی کی حالت ہی میں میدان جہاد میں آ گئے تھے، یہ غسل جنابت تھا، غسل موت نہیں، تو شہداء جب اللہ کے

Marfat.com

دربار میں حاضر ہوں گے، ان کے جسموں سے خون بہتا ہوگا، جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے بتایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُكْلَمُ اَحَدٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُكْلَمُ فِیْ سَبِیْلِهٖ اِلَّا جَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ جُرْحُهٗ یَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّیْحُ رِیْحُ الْمِسْكِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی کیا گیا، اور اللہ خوب جانتا ہے اس شخص کو، جو اس کی راہ میں زخمی کیا گیا، وہ اللہ کے دربار میں قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون جاری ہوگا جس کا رنگ خون جیسا ہی ہوگا، لیکن خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

شہید حکمی، وہ لوگ ہیں جو اگرچہ بظاہر قتل نہیں کیے گئے، لیکن صاحب شریعت ﷺ نے اپنے رب کے عطا کردہ اختیار سے انہیں بھی، زمرہ شہداء میں شامل فرمایا، یہ آقا کی عطا ہے، جس غلام کو جو چاہیں دے دیں، آپ فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ وَقَصَهٗ فَرَسُهٗ اَوْ بَعِیْرُهٗ اَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ اَوْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ بِاَیِّ حَتْفٍ شَآءَ اللّٰهُ فَاِنَّهٗ شَهِیْدٌ وَ اِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے سنا، جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور مر گیا یا مارا گیا، یا اس کے گھوڑے نے اس کو کچل ڈالا، یا اس کے اونٹ نے کچل دیا، یا کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، یا اپنے بستر پر مر گیا، اللہ کی مرضی کے مطابق کسی بھی طرح مرا، وہ شہید ہے اور بیشک اس کے لیے جنت ہے۔ (ابوداؤد)

کتنے ہی صحابہ کرام ایسے ہیں، جو تمام غزوات میں شریک رہے، حضور علیہ السلام کے بعد بھی وہ اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لیے دشمنوں سے لڑتے رہے اور جہاد کرتے رہے، انہیں میدان جنگ میں قتل ہونے کی آرزو ہی رہی۔ وقت آیا تو بستر پر موت آئی۔ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے عظیم جرنیل ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک مصروف جہاد رہے۔ ۱۸ ہجری میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی، اسی سے آپ کا وصال ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیف اللہ، اللہ کی تلوار کہلاتے تھے، سو سے زیادہ جنگیں لڑیں، جسم مبارک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں تلوار یا نیزے کا نشان نہ ہو، لیکن میدان کارزار میں شہید ہونے کی آرزو ہی رہی۔ ۲۱ ہجری میں حمص میں بستر مرگ پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نوے برس کی طویل عمر پائی، غزوات میں بھی شریک ہوئے اور چاروں خلفاء کا دور پایا۔ ہر بڑی مہم کے سربراہ رہے۔ فاتح مصر مشہور ہوئے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۴۳ ہجری میں بیمار ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہی حال بہت سے صحابہ کا رہا۔ لیکن آپ ان حضرات کو شہادت سے محروم ہرگز قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے شہید کا دائرہ اتنا وسیع فرمایا کہ اس میں یہ حضرات ہی نہیں، بلکہ ہر وہ مسلمان

Marfat.com

داخل ہے جو شہادت کی آرزو رکھتا ہو- اور اسی آرزو میں مر جائے- طالب علم، طلب علم میں مرے، عالم دین، تبلیغ دین میں مرے، طاعون، ہیضہ اور دیگر وبائی امراض میں مبتلا ہو کر، کوئی مسلمان مرے- ڈوب کر مرنے والا، جل کر مرنے والا، آسمانی آفت میں مبتلا ہو کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا، عورت بچہ کی پیدائش کے دوران مر جائے، کنواری عورت مری یہ سب لوگ شہید ہی کے دائرہ میں شامل ہیں-

دائرۂ شہادت

حضور علیہ السلام نے اپنی محبوب امت کو عظمت شہادت سے سرفراز فرمانے کے لیے اس کا دائرہ کتنا وسیع فرمایا اس کا اندازہ درج ذیل چند ارشادات سے کیجیے-

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَّالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَّ صَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَّالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ-

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے کے علاوہ بھی شہادت کے سات ذریعہ ہیں، طاعون سے مرنے والا شہید ہے، ڈوب کر مرنے والا شہید ہے، ذات الجنب کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے، ہیضہ سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے اور کسی چیز سے دب کر مرنے والا شہید ہے اور جو عورت بحالت زچگی مرے وہ بھی شہید ہے- (ابوداؤد)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، سفر میں مرنا شہادت ہے- (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ مَرِيْضًا مَاتَ شَهِيْدًا وَّ وُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَ غُدِيَ وَ رِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کی موت حالت مرض میں ہو وہ شہید ہے، اور عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کو جنت سے رزق دیا جاتا ہے، اور اس کو جنت کے رزق کی مہک سونگھائی جاتی ہے- (ابن ماجہ)

ہمارا ایمان ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام نے جس کو جنتی فرمادیا وہ یقیناً جنتی ہے اور آپ جس کو شہید قرار دے دیں، وہ بلاشبہ شہید ہے- جن لوگوں کو حقیقی شہادت نصیب ہوئی بلاشبہ ان کے مراتب حکمی شہادت پانے والوں سے بہت بلند ہیں، اور ہونا بھی چاہئیں کہ انہوں نے تو بہت ہی بڑی قربانی دی ہے، لیکن ہم جیسے گناہگاروں کے لیے یہ مژدہ کیا کم ہے کہ ہماری بخشش

Marfat.com

ومغفرت کا ایک سہارا موجود ہے، نیز حضور علیہ السلام کے یہ ارشادات ہمارے لئے صبر کو آسان بنانے کا ذریعہ ہیں، کہ کسی آفت ومصیبت میں مبتلا ہو کر ہمارے محبوب اعزاء واقرباء میں سے کسی کی موت واقع ہوتی ہے تو ہم انا للہ پڑھتے اور یہ یقین کر کے صبر کا اجر پا لیتے ہیں کہ مرنے والا جنتی ہے، شہید ہے،

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ میرے برادر خورد، مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ایک دینی سفر کے دوران جکارتہ میں ہوا، مجھے ہالینڈ میں اس کی اطلاع ملی، جس نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ شاید میں کسی عارضہ میں مبتلا ہو سکتا تھا، لیکن میرے ایک رفیق عالم دین نے مجھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مندرجہ بالا حدیث سنائی، سنتے ہی میری کیفیت بدل گئی، اب تک نڈھال تھا اور اب اچانک ایک سرور اور فخر سا محسوس کرنے لگا کہ مجھ گناہگار کا بھائی شہید ہوا ہے، ضرور اللہ اس کے صدقہ میں، اس کے وسیلے سے میری بھی بخشش فرما دے گا- یقین جانیئے، دین کا جاننا اور اس پر یقین کرنا، زندگی کے ہر مرحلہ کو آسان کر دیتا ہے، کہ یہ دین دینِ رحمت ہے- اس کی کتاب قانونِ رحمت ہے، اس کا رسول نبی رحمت ہے، یہاں رحمت کے سوا کچھ نہیں- پس اس سے وابستگی ذریعہ راحت ہے، بہر حال میدان شہادت بہت وسیع ہے، کسی نہ کسی طرح ہر مومن یہ شرف پا سکتا ہے، حتیٰ کہ مذکورہ ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اگر کسی کو نہ نصیب ہو تو اس کے لئے بھی مژدہ رحمت موجود ہے، وہ یہ کہ ہر مومن دل میں شہادت کی سچی تمنا اور تڑپ رکھے، اب وہ کسی بھی حال میں مرے گا شہید ہی کا مرتبہ پائے گا، کہ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ وَ اِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص اللہ سے سچے دل سے شہادت طلب کرتا ہے، اللہ اس کو شہید کا مرتبہ عطا فرما دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔ (ابن ماجہ)

غرضیکہ شہادت ایسی عظمت ہے جو دنیا وآخرت کی عزت کا ذریعہ ہے، قرآن وحدیث نے اس کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنایا، اس کے فضل وشرف نے اہل اسلام میں جوش جہاد پیدا کیا جو اسلام کی حفاظت اور عظمت کا ذریعہ بنا- اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف کرام، جذبہ شہادت میں مست ہو کر، اپنی گردنیں نہ کٹاتے تو آج ہم اسلام کے وارث نہ ہوتے اللہ ان حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ایسی رسم ڈال گئے جس سے آج اسلام کا باغ سیراب ہو رہا ہے کہ ہر دور میں مسلمان اسلام کی حفاظت کے لئے گردنیں کٹاتے رہتے ہیں کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

قاتل ومقتول جنت میں

ایک نہایت ہی پر لطف حدیث شریف پڑھئے اور سرور حاصل کیجئے-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَضْحَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى

Marfat.com

رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيَسْتَشْهِدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ایسے دو شخصوں پر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور پھر دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں، ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرتا اور قتل کر دیا جاتا ہے، پھر قاتل توبہ کر لیتا اور وہ بھی کسی جہاد میں شہید ہو جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

کیسی عجیب لیکن پیاری بات ہے- قاتل و مقتول دونوں شہید، دونوں جنتی- دنیا میں ایک نے دوسرے کی جان لے لی اور اس جہان میں دونوں ایک جگہ یہ کرشمہ قدرت ہے جس پر قادر خود بھی ہنستا ہے، جیسا بھی ہنسنا اس کی شان کے لائق ہے- میرے آقا ﷺ نے وہ بات بیان فرمائی جو عام ذہن میں نہیں آتی- سوچئے یہ کیسے ہوا، بات بڑی آسان ہے- ایک نے رحمت کے دامن میں پناہ لی اور اسی کے اشارے پر جان دے دی، پھر قاتل کو کہیں پناہ نہ ملی تو وہ بھی اسی دامن سے وابستہ ہو گیا اور اس نے بھی اپنے مقتول کی طرح تعمیل کی اور جان دے دی- بس دونوں ہی شہید کہلائے- ایک جگہ پہنچ گئے- بطور مثال ابوجہل کے بیٹے عکرمہ جنہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، غزوہ بدر سے لے کر فتح مکہ تک ہر جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے، ایک وہ نہیں نہ جانے کتنوں کے قاتل تھے- حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد صرف چار مردوں اور دو عورتوں کے لئے اعلان فرمایا تھا کہ یہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں، ان میں عکرمہ بھی تھے- لیکن ان کا مقدر چمکا اور کسی نہ کسی طرح دامن رحمت میں پناہ لینے میں کامیاب ہو گئے- مسلمان ہونے کے بعد اس نقصان کی تلافی کی فکر میں رہتے تھے، جو کفر کی طویل مدت میں کر چکے تھے- حالانکہ اسلام تو خود ہی ایسا زود اثر ہے کہ اس کا کلمہ ہی پڑھنے سے ماضی کے سارے داغ صاف ہو جاتے ہیں- نہ جانے عکرمہ جیسے کتنے دشمن آن واحد میں صحابیت کے بلند درجے پر پہنچ گئے- یہ میرے آقا ﷺ کی ضیاء پاشی ہے کہ جو حلقہ بگوش اسلام ہوا وہ ایک نظر میں اس مقام پر پہنچے، جہاں ساری زندگی عبادت کرنے والے متقی اور زاہد نہیں پہنچ سکتے- بہرحال عکرمہ مسلمان ہوئے، دعائے مغفرت کی درخواست کی- نبی مستجاب الدعوات ﷺ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی، تاہم وہ تلافی ماضی کی غرض سے اسلام کی ہر خدمت میں پیش پیش رہتے تھے- صحابہ کبھی کبھی ان کو ابن عدو اللہ، اللہ کے دشمن کا بیٹا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے- حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک خصوصی خطبہ ارشاد فرمایا، اور فرمایا کہ کسی کافر کی وجہ سے کسی مسلمان کا دل نہ دکھاؤ- یعنی ابوجہل کافر کا بیٹا اب تمہارا مسلمان بھائی ہے، اس کا دل کیوں دکھاتے ہو، سوچئے، ہے کوئی ایسا مذہب یا قانون جو اس طرح دشمنوں کو اپناتا ہو- اب حضرت عکرمہ ہر طرح اسلام کی خدمت کر رہے تھے، لیکن کافروں کو قتل کرنے اور خود مقتول ہونے کی تڑپ نے مضطرب کر رکھا تھا- موقع کے متلاشی رہتے تھے جو حضور علیہ السلام کی زندگی میں میسر نہ آ سکا- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور خلافت آیا تو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا- خوب جہاد کیا، اکثر جنگوں میں سپہ سالار مقرر کیے گئے- بالآخر جنگ یرموک میں آپ کی آرزو پوری ہوئی اور شہید ہوئے- حالت کفر میں مسلمانوں کو شہید کرتے رہے اور اب خود شہید ہوئے-

Marfat.com

جنت میں شہیدوں کے ساتھ ہیں- زندہ ہیں، قدرت اپنے کرشمہ سازی پر مسکرا رہی ہے-

''اے اللہ، ہمیں بھی اپنی راہ میں شہید ہونے کا شرف نصیب فرما'' آمین

ابتلاء یا آزمائش

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، تھوڑے سے ڈر اور بھوک اور (تمہارے) مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے، اور خوشخبری سنا دیجئے، ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے، تو کہیں بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں- وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں ہیں اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ (البقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷)

ابتلاء و آزمائش مؤمن کا مقدر ہے کہ ہر ایمان والا کلمہ پڑھ کر اللہ سے سودا کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اللہ کا ہو گیا، اس کے بدلے اللہ کی طرف سے اسے جنت دی جائے گی-

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جان و مال کو، ان کے لئے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے-

پس اللہ آزماتا ہے کہ کون اپنے وعدے پر قائم ہے، جس نے وعدہ سچا ثابت کر دکھایا وہ جنت کا ضرور مستحق ہو گا، پس مؤمن صرف ایمان کو ذریعہ جنت و نجات نہ سمجھے، بلکہ ہر قسم کی آزمائش کے لئے تیار رہے، اللہ کی سنت مبارکہ یہی ہے-

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾ (العنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے، کہ ہم ایمان لائے، اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾ (العنکبوت: ۲، ۳)

اور بیشک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا تو، اللہ (اس آزمائش سے) ضرور ظاہر کر دے گا، ان لوگوں کو جو (اپنے وعدے میں) سچے ہیں، اور ضرور ظاہر کر دے گا ان لوگوں کو جو (اپنے وعدے میں) جھوٹے ہیں۔

حضرت خباب بن الارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام، کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سے تکیہ لگائے تشریف فرما تھے، کہ ہم خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم پر مصائب کی انتہا ہو گئی، کیوں نہیں آپ ہمارے لئے دعا فرما دیتے کہ ان مصائب سے اللہ ہمیں نجات عطا فرما دے- حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ مصیبتیں صرف

Marfat.com

تم ہی نہیں برداشت کر رہے، بلکہ تم سے پہلے کفار کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مومن کو پکڑتے، اس کے لئے گڑھا کھودتے اور اس میں اس کو کمر تک گاڑ دیتے تھے، پھر آری لا کر، اس کے سر پر چلائی جاتی اور کاٹ کر اس کے دو حصے کر دیئے جاتے۔ بعض پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں، ان کے گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا، اس کے باوجود وہ مومن اپنے دین پر ثابت قدم رہتے۔ اے خباب، اللہ کی قسم یہ دین ہر طرف پھیلے گا، اس کے سایہ میں اتنا امن وامان ہوگا کہ صنعاء سے چل کر، ایک شخص حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا، "ولکنکم تستعجلون" لیکن تم جلد بازی سے کام لیتے ہو۔

انبیاء کرام اور ابتلاء

مومن کے لئے ابتلاء وآزمائش فیصلہ الٰہی ہے، جس سے گریز ممکن نہیں۔ اس کا آغاز انسان اول کی پیدائش ہی کے وقت سے ہوا کہ حضرت آدم کو آزمایا گیا، تمام ہی انبیاء اور ان کی امتوں پر ابتلاء کا وقت آتا رہا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا،

اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرہ:۱۲۴)

اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے، کئی باتوں سے آزمایا تو انہوں نے وہ سب پوری کردیں۔ اللہ نے فرمایا، بیشک میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے کہا، اور میری اولاد سے (بھی) فرمایا، ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

جن باتوں سے اللہ نے اپنے خلیل کو آزمایا، انہیں قرآن کریم نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا۔ خاص طور پر ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ (الصفت:۱۰۶)

یقیناً، یہ کھلی آزمائش ہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدائش سے آخر وقت تک مختلف طریقے سے آزمائے جاتے رہے۔ فرمایا گیا:۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔ (طٰہٰ:۴۰)

(اے موسیٰ) آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا، تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی، اور ہم نے آپ کو (مختلف طریقوں سے) خوب اچھی طرح آزمایا۔

ان کی قوم بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ (الاعراف:۱۴۱)

اور (اے بنی اسرائیل یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی کہ وہ تمہیں برا عذاب

Marfat.com

دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے- اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

علاوہ ازیں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات، قوم عاد، قوم ثمود پر عذاب کا نازل ہونا، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری، مال و اولاد کا ہلاک ہو جانا، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کا نگل جانا اور اسی قسم کے دیگر واقعات جو قرآن کریم نے بیان فرمائے، اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ابتلاء و آزمائش ہوتی ہے، ضرور ہوتی ہے- اللہ نے انبیاء و مرسلین کو آزمایا تاکہ امتیوں کے لیے ابتلاء و آزمائش سے گزرنا آسان ہو جائے اور سنت انبیاء قرار پائے- وہ اولیاء و صلحاء کو آزماتا ہے تاکہ ان کے مراتب بلند سے بلند تر ہوں- عام مومنین کو آزمایا جاتا ہے تاکہ ان کے گناہوں کی تلافی ہو، ذریعہ مغفرت و نجات ہو- باغیوں اور بدکرداروں کو آزمایا جاتا ہے تاکہ آنے والوں کے لئے درس عبرت مہیا ہو- دعا یہی کرنی چاہیے کہ اللہ ہمیں ہر آزمائش سے محفوظ رکھے کہ ہم کمزور ہیں، قوت برداشت نہیں رکھتے- آمین

حضور نبی آخرالزماں ﷺ ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور آپ کی آزمائش آپ کے بلند مرتبے کے مطابق ، انبیاء سابقین کی نسبت سب سے زیادہ ہوئی کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی اس سے خالی نہ رہا- جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں مختصراً بیان کر آئے ہیں اور ان مصائب پر میرے آقا ﷺ کا جو ردعمل ہوتا تھا اس کا اندازہ، ابھی آپ حضرت خباب بن الارث رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے کر چکے ہیں- حضور علیہ السلام کے صدقہ میں آپ کی امت کو "خیر امت" کا بلند مرتبہ عطا فرمایا گیا- اور جس کا جتنا مرتبہ بلند ہوتا ہے اس کی آزمائش اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے- لیکن یہ صدقہ ہے، نبی رحمت ﷺ کا، کہ پچھلی امتوں کی نسبت ہماری آزمائش بہت کم رہی ہے- الحمد للہ، نہ ہم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، نہ ہماری آبادیوں کو پلٹا گیا، نہ ہمارے چہروں کو مسخ کیا گیا اور نہ ہماری نسلوں کو ختم کیا جائے گا، وعدہ ہے رب رحیم و کریم کا-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی (شان) نہیں کہ انہیں عذاب دے، جبکہ (اے محبوب علیہ السلام) آپ ان میں موجود ہیں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں، جبکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

نیز ہمیں پہلے ہی مطلع کر دیا گیا کہ آزمائش آئے گی تاکہ ہم تیار رہیں، اور تسلی بھی دے دی کہ آزمائش کوئی بڑی نہ ہوگی "بِشَيْءٍ" تھوڑی سی، اور اس کا عرصہ بھی دراز نہ ہوگا، بلکہ

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۵،۶)

تو بیشک ہر دشواری کے ساتھ ہی آسانی ہے- یقیناً ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے-

ابتلاء و آزمائش کے شعبے بھی بتا دیئے، کبھی کسی ظالم کے خوف میں مبتلا کیے جاؤ گے، کبھی "جوع" یعنی معاشی حالت کی ابتری سے آزمائے جاؤ گے، کبھی مال و اولاد کے نقصان کا غم ہوگا- اور جب تم ابتلاء و آزمائش کے دور میں بھی اللہ کو یاد کرتے رہو گے، اس کی رضا میں راضی ہو کر ہر آزمائش کو برداشت کرو گے تو تمہارے لیے اللہ کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت کا

Marfat.com

مژدہ ہے، پس ابتلاء وآزمائش کا قانون قدرت ہم پر لاگو تو کیا گیا، لیکن نہایت ہی شفقت ومحبت اور نرمی کے ساتھ، یہ صدقہ ہے نبی رحمت ﷺ کا۔

ابتلاء ذریعہ اجر ہوتی ہے

اس سلسلے میں حضور علیہ السلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ آپ نے مصائب وآلام کو ہمارے لئے ایک نعمت بنادیا اور ان کو برداشت کرنا سہل وآسان کردیا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی رنج، کوئی دکھ، کوئی فکر، کوئی تکلیف، کوئی اذیت اور کوئی غم نہیں پہنچتا یہاں تک کہ کانٹا جو اسے چبھے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّصَبْ مِنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کردیتا ہے۔ (بخاری شریف)

نبی رحمت ﷺ نے ہمارے مصائب وآلام کو ہمارے لئے کتنا سہل فرمادیا، یہ بتا کر کہ ہماری ہر تکلیف، ہمارے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ اور ہمارے مراتب کی بلندی کا مژدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شب وروز کی پریشانیاں اور الجھنیں، جنہوں نے ہمیں بدحال کررکھا ہے اور ہر زبان پر جن کا شکوہ ہے، یہ سب اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات سے ناواقفی یا لاپرواہی کے باعث ہے۔ اگر ہم اپنی ہی خامی دور کرلیں اور اپنے مسائل کا علاج قرآن وحدیث میں تلاش کرنے کی صلاحیت پیدا کرلیں، یا کم ازکم علماء دین سے رہبری اور رہنمائی حاصل کرنے کے عادی ہوجائیں۔ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ نہ تو علم دین حاصل کرنے کی کوئی اہمیت رہی اور نہ ہی علماء کی صحبت کی کوئی ضرورت، جب کہ سکون واطمینان حاصل کرنے کے صرف یہی دو ذریعے ہیں۔ آج ہمارے مسائل کوئی نئے نہیں۔ ہم سے پہلوں کو، ہم سے بہت زیادہ مصائب ومسائل کا سامنا تھا۔ معاشی مسائل بھی تھے، سیاسی بھی۔ دشمن کا خوف بھی تھا، ظلم وستم کا مقابلہ بھی۔ بیماریاں بھی تھیں، وبائیں بھی۔ لیکن وہ ہماری طرح نہ تڑپتے تھے نہ بے چین ہوتے تھے۔ رات کو سکون کی نیند بھی سوتے تھے، دن کو بے خوف وخطر اپنا رزق بھی کماتے تھے، صرف اس لئے کہ ان کے ہاتھ میں، قرآن وحدیث تھے جس سے رہبری حاصل کرکے وہ اپنے مسائل کا حل تلاش کر لیتے تھے اور اس کی تعلیم کے مطابق وہ مصائب وآلام کو اپنے لئے اللہ کی رحمت جانتے اور صبر واستقامت کے ذریعہ اس رحمت کو حاصل کرتے تھے۔ ہم مزید حضور علیہ السلام کے چند ارشادات پیش کرتے ہیں۔ کیا عجب کسی مضطرب وبے چین بھائی بہن کے لئے حصول سکون کا باعث ہوجائے، تو ہمارے لئے بھی ذریعہ نجات ہوجائے۔

Marfat.com

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَ هُوَ يُوْعَكُ فَمَسِسْتُهٗ بِيَدِىْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَجَلْ اِنِّىْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رُجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذَالِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهٖ سَيِّاٰتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو شدید بخار تھا۔ میں نے جسم مبارک کو ہاتھ لگاتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کو تو بہت سخت بخار ہے، آپ نے فرمایا مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ تو میں نے عرض کیا، اس لئے کہ آپ کو اجر بھی دوگنا ملتا ہے، آپ نے فرمایا ہاں، پھر آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کسی مرض کی یا اس کے علاوہ کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، مگر اللہ اس کے سبب اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيْحُ تَمِيْلُهٗ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيْبُهُ الْبَلَاءُ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْاَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰى تُسْتَحْصَدَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مومن کی مثال کھیتی جیسی ہے جس کو ہوا جھکاتی رہتی ہے اور مومن ہمیشہ مصائب میں مبتلا رہتا ہے۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے، وہ ہلتا نہیں بلکہ جڑ ہی سے کاٹ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اُمِّ السَّآئِبِ فَقَالَ مَالَكِ تُزَفْزِفِيْنَ قَالَتِ الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّى الْحُمّٰى فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِىْ آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ام سائب کے یہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا بات ہے تم کپکپا کیوں رہی ہو، انہوں نے کہا بخار کی وجہ سے، اللہ اس میں برکت نہ دے۔ آپ نے فرمایا بخار کو برا نہ کہو کہ بخار گناہوں کو اسی طرح لے جاتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ اَىُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَآءً قَالَ الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِىْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَآؤُهٗ وَ اِنْ كَانَ فِىْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِىَ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهٗ ذَنْبٌ۔

Marfat.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون لوگ سخت بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں، تو آپ نے فرمایا (سب سے پہلے) انبیاء، پھران سے جو قریب ہیں، پھران کے بعد جو افضل ہیں- آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر دین میں سخت ہے تو بلا بھی سخت ہوگی اور اگر دین میں کمزور ہے تو اس پر آسانی کی جاتی ہے، یہی سلسلہ ہمیشہ رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمین پر یوں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ (ابن ماجہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا-

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو گناہوں کا کفارہ بن سکے، تو اللہ اس کو غم اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (مشکوٰۃ شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ-

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، قیامت کے دن جب ان لوگوں پر انعام واکرام کیا جائے جو دنیا میں مصائب وآلام برداشت کرتے رہے، تو وہ لوگ جو دنیا میں آرام و عافیت سے رہے، کہیں گے کاش دنیا میں ان کی کھالوں کو بھی قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا (تا کہ آج انہیں بھی ایسا ہی اجر ملتا) (ترمذی شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَآءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَاءِ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَاءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، بے شک بڑا مرتبہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے اور بے شک اللہ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو اس کو ابتلاء میں ڈال دیتا ہے، تو جو صبر وشکر کرتا ہے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو بے صبری اور غصہ کرتا ہے، اس کے لئے اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مسلمان مرد وعورت کے جان و مال اور اولاد میں ہمیشہ آزمائش رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا (ابتلاء وآزمائش کے ذریعہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں) (ابن ماجہ)

Marfat.com

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ ن السُّلَمِيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهِ اَوْ فِيْ مَالِهِ اَوْ فِيْ وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ

حضرت محمد بن خالد سلمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ کے لئے علم الٰہی میں جب کوئی مرتبہ کمال مقدر ہوتا ہے، اور وہ اپنے عمل سے اس مقام کو حاصل نہیں کر پاتا تو اللہ اس کے جسم یا اس کے مال یا اس کی اولاد پر مصیبت ڈالتا ہے، پھر اس پر اس کو صبر عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے، جو اس کے لئے علم الٰہی میں مقدر تھا۔

(ابوداؤد)

سرکار کے ان ارشادات کو بار بار پڑھئے، دل و دماغ میں رچا بسا لیجئے، پھر دیکھئے زندگی میں کیسی بہار آتی ہے۔ اپنے آپ کو آپ صبر کا ایک پہاڑ پائیں گے، طوفان ٹکرائیں گے اور گزر جائیں گے۔ آپ اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہیں گے۔ آپ کو محسوس ہوگا کہ کوئی آپ کی مدد کر رہا ہے، کون ہے جو مدد کر رہا ہے، وہی جو وعدہ فرماتا ہے۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

کیا تم خیال کر رہے ہو، کہ تم (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات (مصائب) نہیں گزریں گے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر گزر چکے، انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے، یہاں تک کہ (اس زمانہ کا) رسول اور اس پر ایمان لانے والے کہہ اٹھے، کب آئے گی اللہ کی مدد۔ سن لو، یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔

یہ نہ سوچو کہ ہم ایمان لاتے ہی، دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمتوں کے مستحق ہو گئے، بلکہ جب تم نے اللہ کا بننے کا دعویٰ کیا ہے، تو اب اللہ بھی تمہیں آزما کر دیکھے گا کہ تم اپنے دعوے میں کس حد تک پختہ اور سچے ہو۔ اب تمہاری آزمائش صرف مصائب و آلام ہی کے ذریعہ نہیں بلکہ ہر طرح ہوگی، یہاں تک کہ اس کی نعمتیں بھی بسا اوقات تمہاری آزمائش کا ذریعہ بنیں گی۔ مصائب و آلام، راحت و آرام، ہر حال میں آزمائش ہوتی ہے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ (الزمر: ۴۹)

تو جب انسان کو، کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنے پاس سے اسے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے صرف ایک علم کی وجہ سے ملی ہے۔ بلکہ (درحقیقت) یہ آزمائش

Marfat.com

ہے، مگر ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔
نعمتوں کے حصول کا ذریعہ، اپنے علم، تدبیر یا محنت ومشقت کو سمجھنا ہی بڑی آزمائش ہے۔ اگر کسی دولت مند سے آپ کسی مذہبی یا دینی کام کے لئے کچھ مانگیں تو یا تو وہ دیتا ہی نہیں، اور اگر دیتا بھی ہے تو سخت ناگواری کے ساتھ، کیونکہ وہ اپنی اس دولت کو اللہ کا فضل نہیں بلکہ اپنی محنت یا عیاری کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ یہی اس کی آزمائش ہے اللہ نعمتوں سے نواز کر آزماتا ہے، یہاں تک کہ مال واولاد بھی آزمائش کا ذریعہ بنتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ (انفال:۲۸)

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہیں، اور بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔
عیش وآرام کی زندگی بسر کرنے والوں کو جب آپ دین سے لاپروا پائیں، مال واولاد والوں کو جب آپ متکبر دیکھیں، اہل علم جب غرور میں مبتلا نظر آئیں، بس سمجھ لیجئے کہ ان لوگوں پر اللہ کا انعام، اس کی طرف سے ان کے امتحان و آزمائش کا ذریعہ بنا ہوا ہے اور ان کی لاپرواہی، ان کا تکبر وغرور انہیں امتحان میں ناکام بنا رہا ہے۔ یہ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ انہیں ذلت وخواری کے گڑھے کی طرف لے جا رہی ہے۔ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کیجئے اور ہو سکے تو انہیں سمجھایئے اور فلاح وبہبود کی راہ دکھانے کی کوشش کیجئے کہ انسان پر، اللہ کی نعمتوں کی صورت میں جو آزمائش آتی ہے وہ بڑی ہی خطرناک ہوتی ہے۔ اس کا ایمان کمزور کر دیتی، کیونکہ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ نعمتیں اس کا حق ہیں اور کبھی نہیں چھن سکتیں۔ پس جب کوئی نعمت چھنتی ہے اور اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کفریہ کلمات بکنے لگتا اور ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم اسی صورت حال کو بیان فرماتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ (الحج:۱۱)

اور لوگوں میں کچھ وہ جو (دل جمعی کے بغیر گویا) کنارے پر (کھڑے) اللہ کی بندگی کرتے ہیں۔ پھر اگر اسے کوئی بھلائی (نعمت) نصیب ہو جاتی ہے، تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش (مصیبت) پہنچے تو وہ اپنے منہ کے بل (دین سے) پلٹ جائے۔ اس نے دنیا وآخرت میں نقصان اٹھایا، یہی کھلا نقصان ہے۔
آزمائش انسان کو فرعون بھی بنا دیتی ہے اور کافر بھی۔ کامیاب وہی ہے جس نے اس کو پہچان لیا اور نعمتوں کی حالت میں اللہ کا شکر ادا کیا اور مصیبتوں میں صبر کیا۔ صابرین، شاکرین ہی پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔
اے اللہ، ہمیں ابتلاء وآزمائش سے محفوظ فرما نعمتوں پر شکر کی توفیق اور مصیبتوں پر صبر کی ہمت عطا فرما۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴

البقرہ: ۱۷۲ تا ۱۷۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۷۲-۱۷۳)

اے ایمان والو! کھاؤ، پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دیں اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو- اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور، جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، تو جو (بھوک سے) بیتاب ہو جائے، جبکہ نافرمان نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے-

اے ایمان والو! اللہ کی عطا کردہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور اس کی نعمتوں پر اللہ ہی کا شکر ادا کرتے رہو، اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو- کہ حرام و ناپاک غذا اور ناشکر کے ساتھ عبادت کا دعویٰ، متقی و پرہیزگار ہونے کا دعویٰ بڑا ہی مضحکہ خیز ہے، بے سود اور بے فائدہ ہے- اس کی پیدا کردہ بیشمار غذائیں تمہارے لئے حلال ہیں- صرف مردار، خون، خنزیر اور جس پر

Marfat.com

بوقت ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے حرام ہیں- پھر تم پر تعجب ہے حلال کھانا چھوڑ کر تم حرام استعمال کرتے ہو- جب کہ اس میں بھی تمہارے لئے یہ سہولت دی گئی ہے کہ اگر حلال میسر نہ آئے اور جان کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لئے تم ضرورت کے مطابق حرام کھا سکتے ہو- اس صورت میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا، لیکن بوجہ مجبوری تم نے جو کچھ کھایا اس کو حلال نہ سمجھ لینا وہ حرام ہی ہے- لیکن اللہ اپنے فضل و کرم سے تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہاری مجبوری کے سبب تمہیں بخش دے گا- وہ بہت ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے-

طیبت :- ایسی پاکیزہ چیزیں جو شرعاً حلال ہوں، حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہوں- نیز طبعاً پسندیدہ ہوں-

حرام :- وہ چیزیں جن کا استعمال اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ممنوع قرار دیا ہو-

میتۃ :- وہ جانور اگرچہ حلال ہو، لیکن مردار ہو گیا ہو، خود مر جانے کی وجہ سے یا مار دیا گیا ہو، یا شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو-

مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ :- جس جانور کو ذبح تو کیا گیا ہو لیکن بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو- بسم اللہ اللہ اکبر نہ کہا گیا ہو، بلکہ غیر اللہ، مثلاً کسی بت، یا کسی شخص کا نام لیا گیا ہو-

اضطرار :- ایسی حالت جس میں جان جانے کا یقین ہو چکا ہو-

باغ :- جان بوجھ کر، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا- بغاوت کرنے والا-

عادٍ :- شریعت کی مخصوص اجازت کو بہانا بنا کر اس کا سہارا لے کر قوانین شریعت سے تجاوز کرنے والا-

آیات مذکورہ میں اہل ایمان کو جو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ یہ ہیں- اللہ کی دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اللہ کا شکر ادا کرتے رہو، میتۃ، دم، خنزیر اور وہ جانور جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، تمہارے لئے حرام ہیں- اضطرار کی حالت میں جان بچانے کے لئے سب کچھ کھا سکتے ہیں- انہی احکام سے متعلق ہم ضروری باتیں عرض کرتے ہیں-

کھانا پینا

کھانا، پینا اگرچہ ایسا عمل ہے جس کا تعلق خالصاً انسان کے جسم اور خواہش نفس سے ہے- لہذا یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں انسان کو کلی آزادی ہونا چاہئے کہ وہ جو چاہے کھائے، پئے اس میں دینی مداخلت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی- یہ خیال ایسے ہی ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے جو یا تو دین سے بالکل آزاد ہیں اور یا دین کی وسعت کا علم نہیں رکھتے- جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دین ایسے قانون الٰہی کا نام ہے جو انسان کی زندگی کے ہر عمل پر کنٹرول کرتا ہے اور ایسے اعمال کا حکم دیتا ہے جو اس کے لئے ہر اعتبار سے مفید ہوں- کھانا، پینا انسان کی زندگی کا نہایت ہی اہم عمل ہے، جس پر اس کے سارے کاموں کا دارومدار ہے کہ غذا ہی انسان کے جسم کو قوت و طاقت فراہم کرتی اور صحت مند رکھتی ہے اور اسی سے جسم مہلک امراض کا شکار ہوتا ہے- علاوہ ازیں غذا انسان کے اخلاق و کردار اور اس کے عادات و اطوار پر بھی اثر ڈالتی ہے- غذا کے مفید یا مضر ہونے کا علم اللہ سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور اسی نے انسان کو پیدا کیا- پس وہی یقینی طور پر جانتا ہے کہ کون سی چیز انسان

Marfat.com

کے لئے مفید اور کون سی مضر ہے۔ لہٰذا اس نے مضر چیزوں کو انسان کے لئے حرام قرار دیا اور مفید کو حلال۔ دین پر عمل کرنے والے بڑے خوش نصیب ہیں کہ وہ کھانے پینے سے متعلق احکام کی تعمیل کر کے بے شمار جسمانی اور اخلاقی امراض سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو حرام کی گئی ہیں انسان کے لئے کسی نہ کسی اعتبار سے مضر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حرمت صرف ہماری شریعت ہی میں نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلی امتوں پر بھی وہ حرام تھیں۔ ہاں بعض چیزیں جو پچھلی امتوں پر بطور سزا حرام کی گئی تھیں وہ ہمارے لئے حلال کر دی گئیں۔

علاوہ ازیں مومن کا حال عام انسانوں جیسا نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی طرح آزاد رہے۔ جو چاہے کرے، جو چاہے کھائے پئے۔ مومن نے تو ایمان اختیار کر کے اللہ سے سودا کر لیا ہے۔ اب وہ اللہ اور اس کے رسول کا غلام ہے۔ غلام اپنے کسی عمل میں آزاد نہیں ہوتا۔ مومن آزاد نہیں، اس کا کھانا، پینا تو درکنار کھانے پینے کے اوقات حتیٰ کہ سونا جاگنا بھی اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ غلامی نہیں تو اور کیا ہے کہ نماز کا وقت ہوتے ہی ہمیں اپنا ضروری سے ضروری کام چھوڑنا پڑتا ہے۔ فجر کا وقت ہوتے ہی میٹھی نیند زہر ہو جاتی اور آرام دہ بستر کاٹنے لگتا ہے۔ سال میں ایک ماہ کے لئے سونے، جاگنے، کھانے، پینے کے اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ حالت روزہ میں اپنی ہی بیوی کے قریب نہیں جا سکتے۔ کھانا ہوتے ہوئے شدید بھوک کے باوجود نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح دین کے تمام احکام پر غور کیجئے، آپ کو وہ آزادی کہیں نہیں ملے گی جس کا تصور ایک بے دین کے ذہن میں ہوتا ہے۔ مومن ہرگز آزاد نہیں، وہ غلام ہوتا ہے اور غلامی ہی انسانیت ہے۔ اسی میں عزت وعظمت ہے، اسی سے راحت وسکون نصیب ہوتا ہے اور یہی ذریعہ نجات ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی غلامی آزادی ہے کہ ذلیل ترین غلام وہ ہے جو ہوا وہوس کا غلام ہو، کہ وہ کرے جو اس کا نفس کرائے۔ یہی غلامی انسان کو مجرم بناتی ہے، ظالم وجابر بناتی ہے، بدکردار و بداطوار بناتی ہے۔ نفس کی غلامی میں نہ انسانی اقدار کا تصور ہے نہ حقوق کی حد بندی اور نہ ہی اصول زندگی۔ یہاں اہمیت صرف اس چیز کی ہے جس سے ہوا وہوس کی تکمیل ہوتی ہے، یہاں نہ رشتوں کا پاس ہے نہ اپنے اور غیر کا امتیاز۔ نہ بڑے چھوٹے کا فرق، نہ کسی کے دکھ درد کا احساس، ہوا وہوس کے غلاموں کی اس دنیا میں انسان جانوروں سے بدتر نظر آتے ہیں۔ دین ایسی غلامی سے آزادی کی ضمانت ہے۔ یہ مظلوم کو ظالم سے آزادی دلاتا ہے۔ انسان کو مہذب بنا کر مجرم اور ظالم بننے سے بچاتا ہے۔ انسانی اقدار کی تعلیم دے کر انسان کو انسان کے کام آنا سکھاتا ہے۔ غمخواری، ہمدردی، باہمی الفت ومحبت کی لذت سے آشنا کرتا ہے۔ اسی لئے وہ انسان کے ہر عمل کی راہ متعین کرتا ہے، اصول زندگی فراہم کرتا ہے۔ تہذیب وتمدن کے طریقے بتاتا ہے۔ جرائم کی ذلت سے بچا کر باعزت زندگی مہیا کرتا ہے۔ دین انسان کو فطری تقاضوں سے محروم نہیں کرتا بلکہ ان کی تکمیل کا طریقہ سکھاتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ جھوٹے آقاؤں سے آزادی دلاتا اور مالک حقیقی کا غلام بناتا ہے، جو معراج انسانیت ہے۔

کھانا، پینا ضرور انسان کا فطری تقاضہ ہے۔ لیکن کیا آپ ایسے شخص کو انسان کہیں گے جو اپنے اس تقاضہ کی تکمیل کے لئے آپ کے ہاتھ کا نوالہ چھین کر کھا جائے۔ اور اسی کو وہ آزادی کا نام دیدے۔ یا آپ کسی ایسے شخص کو انسان کہیں گے جو جانوروں کی طرح سڑک پر پڑی گندی اور سڑی چیزیں کھائے اور کہے میں آزاد ہوں۔ جو چاہوں کھاؤں کسی کو ٹوکنے کا کیا حق

Marfat.com

ہے۔ پہلا شخص لُٹیرا ڈاکو کہلائے گا اور دوسرا پاگل و دیوانہ۔ پس دین ہمارے کھانے پینے کے تقاضہ کی تکمیل پر ہرگز پابندی عائد نہیں کرتا۔ صرف لُٹیرا ڈاکو یا پاگل و دیوانہ ہونے سے بچانا چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم انسان ہو۔ لہٰذا اچھی چیزیں کھاؤ۔ تمہاری صحت نہایت اہم ہے لہٰذا مفید صحت غذائیں استعمال کرو۔ جو حلال ہے وہی مفید صحت ہے۔ اور جو حرام ہے وہ مضرِ صحت ہے، زہر ہے، اس سے بچو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ (البقرہ:۱۶۸)

اے لوگو، زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال و طیب ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہ شیطان ہی ہے جو دین سے دوری کو آزادی باور کراتا ہے۔ یہ شیطان ہی ہے جو حلال و حرام کا امتیاز ختم کراتا ہے وہی ہوائے نفس میں مبتلا کر کے دوسروں کا مال غصب کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ وہی دولت کی ہوس پیدا کر کے مکر و فریب سے اسے حاصل کرنے کے ڈھنگ سکھاتا ہے۔ اے لوگو، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو، وہ تمہارا دوست نہیں کھلا دشمن ہے۔ دشمن کا کام تو تباہ و برباد کرنا ہوتا ہے۔ وہ تمہاری دنیا بھی برباد کر دے گا اور آخرت بھی۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (الانعام:۱۱۸)

تو کھاؤ، اس (ذبیحہ) سے، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔

تم نے کلمہ پڑھا ہے، ایمان کا دعویٰ کرتے ہو، مومن کہلاتے ہو، مومن اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات پر یقین کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ تو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، تو حرام سے بچو، حلال کھاؤ۔ یہ حکم صرف تمہارے ہی لئے نہیں بلکہ ہم نے اپنے رسولوں تک کو اسی کا پابند رکھا۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ (المومنون:۵۱)

اے رسولو، پاک چیزوں میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرتے رہو، بیشک میں تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہوں۔

رسول اگرچہ معصوم ہوتا ہے، اس سے اس بات کا امکان ہی نہیں کہ وہ کوئی کام مرضی الٰہی کے خلاف کرے اور وہ اللہ کی مرضی کو اللہ کے عطا کردہ خصوصی علم سے جانتا ہے۔ اس کو جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس لئے کہ امت پر اس حکم کی اہمیت ظاہر کی جائے۔ پس حلال کھانے اور حرام سے بچنے کا حکم نہایت ہی اہم ہے۔ اس کی تعمیل میں ذرا بھی لاپرواہی نہ ہونے پائے، ورنہ تمہاری ساری طاعات و عبادات رائیگاں ہو جائیں گی۔ قربِ الٰہی کے حصول کی ابتداء حلال سے ہی ہوتی ہے۔ دنیاوی برکت کے حصول کا پہلا ذریعہ حلال ہی ہے، حرام سے موٹا ہونے اور پھولنے والا جسم اللہ کی مقدس جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، کہ مالک جنت نبی مکرم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

Marfat.com

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

بہرحال اہل ایمان سے اللہ کا مطالبہ ہے کہ حلال کھاؤ، حرام سے بچو۔ آیت زیر بحث میں جو احکام دیئے جارہے ہیں، ان پر گفتگو سے قبل وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں انہی احکام کی مزید وضاحت فرمائی گئی۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ؕ (المائدہ: ۳)

حرام کیا گیا تم پر مردار، اور (رگوں کا بہتا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر (وقت ذبح) غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھونٹ کر مارا جانے والا، اور (لکڑی وغیرہ کی) ضرب سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا، اور سینگ مارا ہوا، اور جس کو درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم نے ذبح کرلیا اور جو باطل معبودوں کے نشان پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں سے اپنے حصے تقسیم کرنا، یہ سب نافرمانی کے کام ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں گیارہ چیزوں کی حرمت موجود ہے۔ میتۃ، دم، خنزیر، مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کی وضاحت آپ اگلے صفحات پر ملاحظہ کریں گے۔ بقیہ محرمات کی مختصر تشریح یہ ہے۔

منخنقۃ، وہ جانور جو اگرچہ فی نفسہ تو حلال تھا، لیکن اس کو گلا دبا کر مارا گیا، جیسے عام طور پر غیر مسلم مرغی وغیرہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ شاید اسی کو جھٹکے کا جانور کہا جاتا ہے۔ ایسا جانور حرام ہوگیا۔

موقوذۃ، کسی ایسی چیز سے مارا ہوا جانور جو دھار دار نہ ہو۔ ڈنڈے سے، پتھر سے، بندوق کی گولی سے جو کاٹتی نہیں بلکہ جلا کر مارتی ہے، کوئی بھی بے دھار چیز چاہے اللہ کا نام لے کر ماری جائے، اس سے مرا ہوا جانور حرام ہوجاتا ہے۔

متردیۃ، وہ جانور جو پہاڑ وغیرہ سے گر کر مرجائے۔

نطیحۃ، وہ جانور جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر، مار ڈالا ہو۔

مَا اَکَلَ السَّبُعُ، وہ جانور جس کو درندے نے پکڑا اور اس کا کچھ حصہ ہی کھایا لیکن وہ مرگیا۔

یہ تمام جانور اگرچہ ''میتۃ'' مردار میں شامل ہیں، لیکن اللہ نے ان کو علیحدہ علیحدہ اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حرمت میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے، ان جانوروں کی حرمت ان کی موت سے ہے، لیکن اگر مرنے سے پہلے انہیں اللہ کا نام لے کر ذبح کرلیا گیا تو یہ حلال ہیں، بشرطیکہ جانور فی نفسہ حلال ہو۔

مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ، وہ جانور بھی حرام ہیں جو بت خانوں میں لے جا کر بتوں کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مشرکین نزول قرآن کے دور میں کیا کرتے تھے اور آج تک کرتے ہیں۔ ان کی حرمت کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ان کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ بتوں کا نام لیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی مسلمان کے ہاتھ ایسا جانور آگیا اور اس نے بسم

Marfat.com

اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اسے ذبح کیا تو وہ حلال ہوگا، یہی صورت ان جانوروں کی ہے جو جاہل مسلمان مزارات وغیرہ پر لے جاتے ہیں، جانور کو مزار کے گرد گھماتے ہیں یا اس کے اوپر سے اتارتے ہیں، پھر ذبح کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ عمل نہایت ہی جاہلانہ اور احمقانہ ہے، سخت گناہ ہے کہ اس میں مشرکین سے مشابہت ہے۔ نیز صاحب مزار کو اس غیر شرعی عمل سے خوشی نہیں بلکہ سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مزارات کے خدام کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہلوں کو ایسے غیر شرعی کاموں سے منع کریں، تاہم اس جانور کا گوشت حلال ہے۔ کیونکہ کسی بھی مسلمان کے متعلق یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اتنا جاہل ہو جائے گا کہ بوقت ذبح بھی جانور پر اللہ کی بجائے، کسی بزرگ یا ولی کا نام لینے لگے۔ اور اگر العیاذ باللہ، کسی نے ایسا کیا تو یہ شرکِ صریح ہوگا اسے توبہ لازم ہے اور جانور حرام ہوگا۔

آخر میں جوئے کے تیروں سے فال لے کر، اس پر کام کی ابتداء کا دارومدار کرنے، یا اس سے دولت کمانے کی ممانعت کی جا رہی ہے، جس کا مشرکین میں عام رواج تھا۔ کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تھے تو تین تیر لیتے تھے۔ ان سے فال نکالتے تھے، اسی طرح وہ تیروں سے جوا کھیلتے تھے۔ اللہ نے اس کو بھی حرام قرار دیا۔ ہمارے دور میں بھی یہ طریقہ جاری ہے، اب تیر تو نہیں استعمال ہوتے لیکن دوسرے طریقوں سے فال نکالی جاتی ہے یا دولت کمانے کے لیے مختلف قسم کی لاٹریوں کا طریقہ رائج ہے، اسلام ان لغویات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ بلکہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اس کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیا جائے، اگر وہ جائز ہو تو اس میں کامیابی کے امکانات پر، اللہ کی عطا کردہ عقل سے غور کیا جائے اور جب عقل کامیابی کی امید دلائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے اس کا آغاز کر دیا جائے۔ انجام اللہ کے سپرد کر دیا جائے، اسی کو توکل کہتے ہیں۔ نیز دولت کمانے کے لئے لاٹریوں اور جوئے کے دیگر طریقوں کو نہ اپنایا جائے، بلکہ محنت و مشقت سے اپنا رزق تلاش کیا جائے۔

اسی سورہ مائدہ میں پھر ارشاد ہو رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ (المائدہ: ۸۷۔۸۸)

اے ایمان والو، مت حرام قرار دو ان پاکیزہ چیزوں کو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا اور حد سے تجاوز نہ کرو، بیشک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور کھاؤ اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے حلال پاکیزہ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

سورہ انعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (الانعام: ۱۲۱)

اور مت کھاؤ اس سے جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور بیشک وہ (کھانا) گناہ ہے، اور بیشک شیطان وسوسے ڈالتے ہیں، اپنے دوستوں کے دلوں میں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے

Marfat.com

ان کا کہا مان لیا تو بیشک تم مشرک ہو جاؤ گے-

اسی سورت میں مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا-

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ (الانعام: ۱۴۵)

آپ فرما دیجئے، میں نہیں پاتا، اس وحی میں جو میری طرف کی گئی ہے کسی کھانے والے پر کوئی حرام کی ہوئی چیز، جسے وہ کھاتا ہے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا خون بہتا ہوا، یا خنزیر کا گوشت، کیونکہ بے شک وہ نجس ہے یا نافرمانی کے لئے ذبح کے وقت جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو مجبور ہو جائے، نہ سرکشی کرنے والا ہو، نہ حد سے بڑھنے والا ہو، تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے-

ان تینوں آیات کا بنیادی مضمون تقریباً ایک ہی ہے کہ حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت فرمائی گئی، طیبت استعمال کرنے کی تاکید کی جارہی ہے، حرام جانوروں سے بچنے کی تاکید ہے، اسی مضمون کو پھر سورۃ النحل میں دہرایا گیا، ارشاد ہوتا ہے-

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ (النحل: ۱۱۴-۱۱۵)

پس کھاؤ، اس سے جو رزق تمہیں اللہ نے دیا، جو حلال وطیب ہو، اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو- سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے- پس جو مجبور ہوا، نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے-

طیبت

طیبت پاکیزہ چیزیں یا رزق طیب وہ ہے جو نہ خود بُرا ہو اور نہ بُرے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو- جیسے سؤر یا کتے کا گوشت خود ہی بُرے ہیں- لہٰذا ان کی حرمت واضح ہے- لیکن جو چیزیں واضح طور پر اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے مطابق حلال ہیں، لیکن حرام دولت سے حاصل کی جائیں تو وہ اگرچہ حلال ہی ہیں، حرام نہیں، لیکن طیّب نہیں- جبکہ اللہ مومنین کے لئے صرف حلال کو نہیں، بلکہ حلال طیّب کو پسند فرماتا ہے- جیسا کہ آپ مذکورہ بالا آیات میں دیکھ چکے ہیں- مثلاً مرغی کا گوشت، دودھ بلاشبہ حلال طیّب ہیں لیکن اگر انہیں جوئے، رشوت سود وغیرہ کی دولت سے خریدا گیا تو صرف حلال ہیں طیب نہ رہیں، خبیث ہو گئیں- جبکہ مرضی الٰہی حلال طیب ہے- یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے خبائث کو حرام قرار نہ دیا، حلال ہی رکھا- مؤمن کا کام اللہ کے کرم سے فائدہ اٹھانا ہی نہیں بلکہ اس کی شان رضائے الٰہی کی جستجو اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے- پس اسے صرف حلال کے استعمال سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے، بلکہ حلال طیّب کے حصول کی کوشش کرنا اور خبائث سے بچنا

Marfat.com

چاہئے-طیبت کی وضاحت کے لئے حرام اور خبائث میں فرق جاننا ضروری ہے جس کو ہم ایک مثال کے ذریعہ بیان کرتے ہیں تا کہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

ہمارے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے پڑ گئے جو ہمیں نظر نہیں آرہے، پھر بھی ہم ان کپڑوں میں نماز پڑھنا تو درکنار انہیں ویسے بھی پہنے رہنا گوارا نہیں کرتے - یہ بات پاکیزہ طبع لوگوں کی ہے- ان غلیظ وخبیث طبع لوگوں کی نہیں جو پیشاب کر کے استنجا تک نہیں کرتے - نہ جانے کتنا پیشاب ان کی رومالی میں جمع ہوتا رہتا ہے اور وہ اسی پاجامے کو پہنے پھرتے ہیں- تو بات گندے لوگوں کی نہیں ہو رہی، پاکیزہ لوگوں کی ہو رہی ہے، کہ وہ ایسا کپڑا پہننا تک گوارا نہیں کرتے جس پر پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں- اسے فوراً بدلتے ہیں، اسی لئے کہ پیشاب کا نجس وناپاک ہونا واضح اور یقینی ہے- بالکل اسی طرح جیسے حرام کا حرام ہونا واضح اور یقینی ہے- لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ وہ کپڑا کیوں فوراً دھوتے یا تبدیل کرتے ہیں جس پر شربت، دودھ وغیرہ جیسی پاک چیز گر جاتی ہے- آپ اس کو گندہ کہتے ہیں، ہاں یہ گندہ ہو گیا، ناپاک نہیں ہوا- بس اسی طرح وہ گائے یا بکری کا گوشت جو حرام کی دولت سے خریدا گیا، حرام تو نہیں، ناپاک تو نہیں، حلال ہی ہے لیکن خبیث ہے، گندہ ہے طیب نہ رہا- حیرت ہے آپ گندہ کپڑا ازراہ دیر کے لئے برداشت نہیں کرتے اور گندہ خبیث گوشت کھائے چلے جاتے ہیں- مزے لے لے کر کھاتے ہیں- کیا آپ صرف اتنے ہی پاکیزہ طبع اور صاف ستھرے ہیں کہ ظاہر چمکتا رہے، خون میں چاہے کتنی ہی گندگی مل جائے- گندے لباس میں اگر آپ کی عزت محفل میں لوگوں کی نظروں میں نہیں رہتی تو خبائث سے باطن کو گندہ کر لینے کے بعد، اللہ کے نزدیک آپ کی عزت کیسے باقی رہ سکتی ہے- آپ لباس پر پاکیزہ چیزوں کا دھبہ برداشت نہیں کرتے، اللہ آپ کی حرام کی دولت کے داغ دھبے نہیں چاہتا- آپ لباس صاف ستھرا اور چمکدار پسند کرتے ہیں اللہ اپنے بندوں کا دل چمکدار اور صاف ستھرا پسند فرماتا ہے- اسی لئے فرمایا گیا-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ (الشمس:9-10)

بیشک کامیاب ہوا جس نے اس (قلب) کو پاک صاف کر لیا، اور یقیناً ناکام ہوا جس نے اس (قلب) آلودہ کر لیا۔

تزکیہ، دل کو چمکانے کا نام ہے، جس کا ذریعہ طیبٰت ہیں- اور خبائث، قلب کو ایسا ہی آلودہ اور گندہ کر دیتے ہیں جیسے کپڑے پر گرنے والی چیزیں کپڑے کو گندہ کر دیتی ہیں- تم کہتے ہو کہ انسان اچھے لباس میں باوقار نظر آتا ہے- اللہ فرماتا ہے انسان کی ظاہری وباطنی کامیابی کا ذریعہ، قلب کی چمک، اس کا صاف وستھرا ہونا ہے- لہٰذا حکم دیا گیا کہ "اے ایمان والو، رزق طیب کھاؤ" حرام سے بچو اور خبیث سے بھی بچو، ان دونوں سے دل گندا ہو جاتا ہے- دل ہماری تجلیات، رحمتوں کے نزول کا مرکز و مقام ہے- جب یہ چمکتا ہے، پاک وصاف ہوتا ہے تو اس پر ہماری تجلی ہوتی ہے- ہماری رحمتیں برستی ہیں، مومن کو ہمارا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ مومن کامل بنتا ہے، صالح بنتا ہے، ولی بن جاتا ہے- ہم اس کی دعاؤں کو شرف قبول عطا فرماتے ہیں- اس کی پسند ہماری پسند بن جاتی ہے- دنیا وآخرت کے خوف وغم سے وہ آزاد ہو جاتا ہے، ہم اسے حیاتِ طیبہ کی نعمت سے نوازتے ہیں- مخلوق میں اس کی عزت ہوتی ہے، فرشتے اس پر رشک کرنے لگتے ہیں، وہ فرشتوں سے مرتبہ ومقام میں بلند ہو جاتا ہے،

Marfat.com

ایسے ہی مومن کے لیے میرے آقا ﷺ مژدہ دیتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ مَلٰٓئِكَتِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مومن اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت والا ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ سب عظمتیں ان کے لئے ہیں جو حرام سے بھی بچتے ہیں اور خبائث سے بھی۔ صرف حلال طیب پر قناعت کرتے اور اللہ کا شکر کرتے ہیں۔ اور جو قلب کو حرام وخبائث سے ملوث وگندہ کر لیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس گندگی اور غلاظت پر نادم وشرمندہ ہونے کی بجائے اس پر نازاں وفرحاں ہوتے ہیں، حلال طیب کی تلاش کرنے والوں کو حقیر اور بیوقوف سمجھتے ہیں، ان کی آنکھوں پر حرام کی چربی ایسی چھا جاتی ہے کہ انہیں برائی، اچھائی معلوم ہونے لگتی ہے۔ گندگی کو وہ صفائی اور پاکیزگی خیال کرنے لگتے ہیں۔ ان پر لگے ہوئے غلاظت کے یہ دھبے ایک نہ ایک دن ضرور ظاہر ہو جاتے ہیں اور بالآخر وہ اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہتے ہیں، کہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے انجام کی خبر میرے آقا ﷺ نے دی جو آپ گزشتہ صفحات پر، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پڑھ چکے ہیں۔ کہ ''وہ جسم جنت میں داخل نہ ہو گا جو حرام سے پلا ہو'' مزید ارشادات ملاحظہ ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَّاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَى السَّمَآءِ یَارَبِّ یَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَ غُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى یُسْتَجَابُ لِذَالِكَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ پاک ہے وہ صرف پاکیزہ چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ نے مومنین کو اسی کا حکم دیا، جس کا رسولوں کو حکم دیا۔ پس فرمایا اے رسولوں کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور نیک کام کرو، اور فرمایا اے مسلمانوں کھاؤ پاکیزہ رزق سے جو ہم نے تمہیں دیا، پھر آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہیں، چہرہ غبار آلود ہے، اس حال میں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر پکارتا ہے، اے رب، اے رب، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام کا ہے اور اس کا لباس حرام کا ہے۔ اور وہ حرام ہی سے پالا گیا ہے، تو ایسے شخص کی دعا کس طرح قبول کی جا سکتی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَاَ

Marfat.com

لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَ مَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَ اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اِلَّا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا، وہ حرام میں مبتلا ہوا، اس چرواہے کی طرح جو کھیت کی منڈیر پر اپنے جانور چرائے اور خطرہ رہے کہ کوئی جانور کھیت میں گھس جائے۔ خبردار بے شک ہر بادشاہ کی ایک حد مقرر ہے، خبردار بے شک اللہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبردار بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوا سارا جسم ٹھیک ہوگیا اور جب وہ خراب ہوگیا سارا جسم خراب ہوگیا۔ خبردار، وہ دل ہے۔ (بخاری ومسلم)

مشتبہات سے پرہیز

ان دونوں حدیثوں پر غور فرمائیے۔ پہلی حدیث میں بتایا گیا کہ بندہ کتنی ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا کرے لیکن اگر اس کا کھانا پینا، پہننا سب کچھ حرام کا ہے تو اس کی دعا کبھی قبول نہیں ہوسکتی۔ دوسری حدیث بتارہی ہے کہ جسم کی قوت اور انسان کے اخلاق وکردار کا دارومدار دل پر ہے، اگر یہ دل ہی خراب ہوگیا تو انسان کا سارا جسم تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ اور دل کی خرابی کا سبب حرام خوری ہے، جس کا اظہار انسان کی بری عادتوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ حرام خور میں احساس گناہ تک باقی نہیں رہتا، وہ اپنی بدکاریوں پر نازاں رہتا اور فخر کرتا ہے۔ پس فساد قلب انسان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ قلب کا صالح ہونا، انسان کے لیے باعزت پرسکون زندگی کا سبب بنتا ہے۔ قلب کی صالحیت اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو کھانے پینے اور کمانے میں محتاط رہتا ہے۔ اتنا محتاط کہ نہ صرف حرام کو چھوڑتا ہے بلکہ مشکوک چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ معمولی اور چھوٹی برائیوں کا عادی ہوجاتا ہے تو بڑے گناہوں میں مبتلا ہونا اس کے لئے دشوار نہیں رہتا۔ اور ایک نہ ایک دن وہ بھی قومِ مجرم کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ یہی معاملہ مشکوک غذا اور دولت سے نہ بچنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ شک وشبہ والی چیزوں کے استعمال کا عادی ہوجانے کے بعد انہیں حرام کی پروا نہیں رہتی۔ حلال و حرام کا امتیاز تک باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے فطرت انسانی کو بخوبی جاننے والے، نبی مکرم علیہ السلام مشتبہ چیزوں کے استعمال کی ممانعت فرمارہے ہیں اور بڑی ہی اچھی مثال سے غلاموں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ کھیت کی منڈیر پر جانور کیوں چراتے ہو۔ جو تمہیں جانور کے کھیت میں منہ مارنے کا خطرہ رہتا ہے۔ مشتبہ چیزیں کیوں استعمال کرتے ہو، مشتبہ دولت کیوں کماتے ہو، جو حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ اسی لئے علماء ایسے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں، جہاں حلال کے ساتھ حرام بھی بکتا ہو۔ نیز ایسی دوکانوں سے گوشت خریدنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں، جہاں حلال گوشت کے ساتھ خنزیر کا

Marfat.com

گوشت وغیرہ بھی فروخت ہوتا ہو، آپ ایسے شخص پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں- جو چند پیسوں کے لیے مسلمان ہوتے ہوئے حرام کا کاروبار کرتا ہے، اس سے کیا بعید کہ وہ آپ کو حرام ہی کھلاتا ہو اور دھوکا دیتا ہو، پس اس معاملہ میں خصوصاً اُن مسلمانوں کو نہایت ہی احتیاط کرنا چاہئے جو غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں- جہاں بعض مسلم دوکاندار حرام وحلال دونوں کا کاروبار کرتے ہیں، بس اتنا کرم کرتے ہیں کہ حلال گوشت ایک طرف رکھتے ہیں اور حرام ایک طرف- کس قدر احمق ہیں ایسے لوگ جو دوسروں کو حلال کھلانے کا اہتمام کرتے ہیں اور خود اپنی کمائی کو حرام کی تجارت سے حرام کر لیتے ہیں- آپ کیسے یہ یقین کر سکتے ہیں کہ جو خود حرام سے نہیں بچ رہا، وہ آپ کو بچائے گا؟ بہر حال یہاں اگر حرام کا یقین نہیں تو شبہ ضرور ہے اور یہاں کی ہر چیز مشتبہ ہے- جس سے حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کو پرہیز کرنا لازم ہے- مشتبہ غذا سے بچنے اور پرہیز کرنے میں مسلمان کو کتنا محتاط ہونا چاہئے، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے کیجئے-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِاَبِیْ بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يَاْكُلُ مِنْ خَرَاجِهٖ فَجَآءَ يَوْمًا بِشَیْءٍ فَاَكَلَ مِنْهُ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَدْرِیْ مَا هٰذَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ مَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِاِنْسَانٍ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا اُحْسِنُ الْكُهَانَةَ اِلَّا اَنِّیْ خَدَعْتُهٗ فَلَقِيَنِیْ فَاَعْطَانِیْ بِذَالِكَ فَهٰذَا الَّذِیْ اَكَلْتَ مِنْهُ قَالَتْ فَاَدْخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَهٗ فَقَآءَ كُلَّ شَیْءٍ فِیْ بَطْنِهٖ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا جو انہیں اپنی کمائی سے کچھ حصہ دیتا تھا- اور آپ اسے استعمال فرماتے تھے، تو ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا اور آپ کو پیش کی آپ نے لے کر اسے تناول فرمالیا- پھر غلام نے آپ سے کہا، کیا آپ کو معلوم ہے یہ کیا تھا، آپ نے فرمایا، بتاؤ کیا تھا- غلام نے کہا زمانہ جاہلیت میں، میں نے ایک شخص کو آئندہ ہونے والی کچھ باتیں بتائیں، جبکہ میں کہانت کا فن کوئی خاص نہیں جانتا، میں نے تو اسے دھوکہ دیا تھا، پھر وہ مجھے ملا اور اس نے مجھے یہ چیز دی تھی جس میں سے آپ نے کھایا- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں یہ سن کر حضرت ابوبکر نے اپنے منہ میں انگلی ڈالی اور جو کچھ آپ کے پیٹ میں تھا نکال دیا- (بخاری شریف)

یعنی دھوکے سے کمائی ہوئی چیز اُس غلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھلا دی، جو اگرچہ بنفسہ جائز تھی لیکن بہر حال مشتبہ تھی، آپ نے احتیاطاً قے کی اور یہ پسند نہ فرمایا کہ ایسی غذا آپ کے پاکیزہ خون کا حصہ بنے- اور اب ہمارا کیا حال ہے- وہی جس کی خبر، مخبر صادق ﷺ چودہ سو برس پہلے دے چکے ہیں- ملاحظہ فرمائیے-

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا کہ انسان اس مال کے متعلق جو اس نے کمایا پرواہ نہ کرے گا، کہ حلال ہے یا حرام- (بخاری شریف)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کو بار بار پڑھیے "ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان حلال وحرام کی پروانہ کرے گا" - جائزہ لیجئے اپنے گرد وپیش کا اور سوچئے کیا وہ زمانہ نہیں آ گیا جس کی خبر مخبر صادق ﷺ دے رہے ہیں- آپ کو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو حلال پر بخوشی قناعت کرتے ہوں اور حرام کو موقع ملنے، اس پر قدرت ہونے کے باوجود حرام سمجھ کر چھوڑتے ہوں- ورنہ یہی دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ رشوت کی دولت کمانے والا، اسے اللہ کا فضل قرار دیتا ہے- سود کھانے والا اسے منافع کہہ کر خود لوگوں کو حتی کہ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ دیتا ہے- لاٹری اور جوئے میں جیتے جانے والی دولت کو مقدر کی خوبی کہا جاتا ہے، یتیموں کا مال ہڑپ کر جانے والے اسے اپنا حق قرار دیتے ہیں- صاحب اقتدار اور ان کے مقربین بینکوں سے قوم کی دولت بطور قرض نکالتے ہیں پھر اسے معاف کرا کے اپنے مکروفریب پر نازاں ہوتے ہیں- ستم ظریفی یہ کہ انہی مجرموں کو معاشرے میں عزت حاصل ہوتی ہے، حرام کی دولت سے شاندار گاڑیاں دوڑانے والے، بہترین بنگلوں میں رہنے والے ہی باعزت گردانے جاتے ہیں- حیرت یہ ہے کہ غریب جسے واقعی دولت کی ضرورت ہوتی ہے اس لوٹ مار میں بہت کم نظر آتا ہے- دولت مند ہی ان جرائم میں پائے جاتے ہیں، کہ انہیں ہوس بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان کے پاس لوٹ وکھسوٹ کے وسائل بھی ہوتے ہیں- غرضیکہ حصولِ دولت میں حلال وحرام کی پرواکرنے والے اب آپ کو بہت ہی کم نظر آئیں گے- یہی حال کھانے پینے میں ہے- جو لوگ غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں وہ اس بلا میں بری طرح مبتلا ہیں- کیونکہ ان ممالک میں حلال اگرچہ دشوار نہیں، لیکن تلاش ضرور کرنا پڑتا ہے اور یہ لوگ اس کی بھی تکلیف گوارا نہیں کرتے- مثلاً ایسی دوکانیں موجود ہیں جہاں واقعی حلال گوشت فروخت ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ ان عام دوکانوں سے گوشت خریدتے ہیں جہاں حلال وحرام دونوں پائے جاتے ہیں- یہی وہ مشتبہ صورت ہے جس سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

بہرحال حرام سے بچنے کے لئے مشتبہات سے بچنا ضروری ہے- اس سلسلے میں ہمارے اسلاف کس قدر محتاط تھے- اس کا اندازہ کرنے کے لئے چند بزرگوں کا حال ملاحظہ ہو، کہ بزرگوں کی زندگی کے حالات ہمارے لئے مذہب کی پابندی کا نمونہ ہیں- اور ان کو جاننے سے احکام شریعت کی تعمیل آسان ہوتی ہے۔

حضرت امام حنبل رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دوکاندار کے پاس اپنا ایک طشتِ گروی رکھ کر اس سے کچھ قرضہ لیا، مقررہ وقت پر قرضہ واپس کرنے گئے تو دوکاندار نے آپ کے سامنے دو طشت رکھ دیئے اور کہا مجھے نہیں معلوم آپ کا کون سا ہے، ان دونوں میں سے جو چاہیں آپ لے لیں، آپ نے فرمایا میں بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میرا کون سا ہے اور کوئی مشتبہ چیز میرے لئے حلال نہیں- لہٰذا میں اپنا طشت چھوڑتا ہوں، تم ہی رکھو- دوکاندار نے کہا نہیں، یہ طشت آپ کا ہے، میں تو آپ کو آزما رہا تھا- آپ نے فرمایا تم اپنا قرض واپس لو اور طشت بھی رکھو اب میں اسے نہیں لے سکتا، تم نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا، آپ طشت چھوڑ کر چل دیئے۔

حضرت امام حنبل کی خدمت میں بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن حاضر ہوئیں اور سوال کیا، میں چھت پر بیٹھ کر سوت کاتتی ہوں- رات کو شاہی سواریاں گزرتی ہیں تو ان کی مشعلوں کی روشنی ہماری چھت پر پڑتی ہے- کیا میں اس روشنی میں سوت کات سکتی ہوں- آپ نے فرمایا، اللہ تم پر رحم کرے، تم کون ہو- عرض کیا میں بشر بن حارث کی بہن ہوں- فرمایا

Marfat.com

تمہارے گھر سے تو تقویٰ و پرہیزگاری کا دریا بہتا ہے تم مشعلوں کی روشنی میں سوت نہ کاتا کرو۔ کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی مشعل کی روشنی سے بھی فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے ایک مرتبہ شاہی مشعل کی روشنی میں اپنی پھٹی ہوئی قمیص سی لی اور پہن لی۔ آپ کو اپنے دل کی حالت کچھ بدلی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ کئی دن رات پریشان رہیں۔ کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اچانک قمیص کا خیال آیا، آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا۔ دل کی حالت درست ہوگئی پھر وہی نور پیدا ہوگیا، جو پہلے تھا۔ یہ اس وجہ سے ہوا تھا کہ کسی کی روشنی سے آپ نے اس کی اجازت کے بغیر فائدہ حاصل کیا تھا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات بزرگوں کی سیرت میں موجود ہیں، جو اگرچہ تقوے کی انتہائی اور بلند ترین منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ہمارا وہ مقام کہاں، تاہم اگر ہم ان چیزوں سے پرہیز نہیں کر پاتے، جن کا مشتبہ ہونا بمشکل معلوم ہوتا ہے تو ہمیں اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے ایسی چیزوں سے تو لازماً بچنا چاہئے جن کا حرام ہونا، حلال ہونے سے زیادہ واضح ہے۔ لیکن ہم تو دین سے لاپرواہی کا اتنا شکار ہو چکے ہیں کہ حلال و حرام کا امتیاز تو درکنار حرام کو حلال سمجھنے لگے ہیں۔

بہر حال اللہ چاہتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ چاہتے ہیں کہ مؤمن طیّبات، حلال پاکیزہ رزق کھائے، مشتبہات تک سے بچے، واضح حلال کھائے اور رواضح حلال کمائے، کہ رزق حلال صرف جسم کی نہیں روح کی بھی غذا ہے۔ اس سے صرف جسم ہی کو نہیں، روح کو بھی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ رزق حلال مومن کے چہرے کو باوقار بناتا ہے، بارونق اور پرکشش کر دیتا ہے۔ دل منور اور روشن ہو جاتا ہے۔ گناہوں اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ شریعت کی پابندی سہل ہو جاتی ہے، رزق حلال کھانے والا ہر قسم کی بدکاری اور بدکرداری سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے اخلاق واطوار حسین ہو جاتے ہیں۔ اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو ستانے، ان پر ظلم کرنے، ان کا حق مارنے کی اس میں جرأت نہیں رہتی۔ بغض، کینہ، حسد، غیبت، دوسروں کی عیب جوئی، دوسروں کا برا چاہنا، بدترین عیب اور مہلک بیماریاں ہیں۔ جو مومن حلال کی روزی کھاتا ہے وہ ان امراض سے محفوظ رہتا ہے، گویا رزق حلال، مومن میں انسانیت، شرافت، محبت، ظرافت، قناعت، صبر و شکر کے ایسے موتی چمکا دیتا ہے کہ وہ معاشرے کی نظر میں باعزت ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلے میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔

رزق حلال کی تلاش بڑا جہاد ہے، بڑی عبادت ہے کہ اسی کے کھانے سے مومن میں شجاعت و بہادری کا جوہر پیدا ہوتا ہے۔ یہی عبادات میں اثر پیدا کرتا ہے، جس معاشرے کے افراد رزق حلال کے پابند ہو جاتے ہیں اس سے گناہوں، بدکاریوں اور برائیوں کی لعنت ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں نہ رشوت ہوتی ہے، نہ جوا، نہ شراب و زنا کا انتشار ہوتا ہے نہ ظلم وستم کی مار۔ بے حد پرسکون زندگی ہو جاتی ہے۔ آج جن ممالک میں اسلامی نظام کی تحریک چل رہی ہے، حکومت سے نفاذ اسلام کے مطالبہ ہو رہے ہیں، اس مقصد کے لئے قائدین تحریک عوام کو کٹوا رہے ہیں، ملک کو سیاسی و معاشی بحران کا شکار بنا رہے ہیں، کاش وہ اس نکتہ پر غور کریں کہ بدکرداروں، حرام خوروں پر اگر اسلامی نظام کو مسلط کر بھی دیا جائے تب بھی اس کا مقصد یعنی امن وامان اور پرسکون زندگی میسر نہیں آسکتا۔ پس قوم کے وسائل کو، قوت کو غلط راہ پر ضائع کرنے کے بجائے اسلام کی تبلیغ

Marfat.com

کرنے ،اور گھر گھر اس کا پیغام پہنچانے پر صرف کیا جائے کہ افراد کی اصلاح ہو وہ بد کرداری اور حرام خوری سے باز آجائیں۔ ذاتی زندگی میں اسلام کے احکام کی تعمیل کرنے لگیں تو یقین جانئے خود بخود اسلامی نظام بپا ہو جائے گا، نہ مطالبہ کی ضرورت باقی رہے گی نہ کوئی تحریک چلانے کی۔

غرضیکہ رزق حلال کا حصول اور اس کا کھانا بڑا ہی بابرکت ہے، جسے یہ نصیب ہو گیا اسے اللہ کی ایک بڑی نعمت مل گئی۔ اسی لئے آیہ مبارکہ میں ''طیبات'' کھانے کا حکم دینے کے ساتھ ہی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا، تو آیئے ''شکر'' سے متعلق چند سطور کا مطالعہ کر لیجئے۔

شکر

شکر، کسی محسن کے احسان کو یاد کر کے اس کی تعریف کرنا ہے۔ اللہ سے زیادہ احسان فرمانے والا کون ہو سکتا ہے۔ پس اسی کا حق ہے کہ بندہ اس کو یاد کرے اور اس کی تعریف کرے۔ تقاضائے عبدیت و بندگی بھی یہی ہے، جو بندہ مالک کو یاد کرتا اور اس کی تعریف کرتا رہتا ہے اس پر مالک کی عنایات کی بارش جاری رہتی ہے، اسی لئے مالک حقیقی نے اپنا اصول بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

(ابراہیم:۷)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے تمہیں آگاہ فرمایا، کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب ضرور سخت ہے۔

میرے آقا ﷺ جن کی ادائیں، تفسیر قرآن ہیں، اس آیہ مبارکہ کا عملی نمونہ پیش فرماتے ہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِّنْ عَزْوَزَآءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو جب ہم مقام غزوزاء پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ حضور علیہ السلام نے دست مبارک اٹھائے اور تھوڑی دیر دعا کی، پھر آپ نے سجدہ کیا، اور لمبا سجدہ کیا، پھر کھڑے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور تھوڑی دیر دعا کی۔ پھر سجدے میں چلے گئے، فارغ ہو کر آپ نے فرمایا، میں نے اپنے رب سے امت

Marfat.com

کی شفاعت کی تو اس نے مجھے تہائی امت کی شفاعت کا حق دیا، تو میں نے سجدہ شکر ادا کیا، پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے امت کے لئے دعا کی تو رب نے مجھے میری دو تہائی امت عطا فرما دی، تو میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے امت کے لئے دعا کی تو رب نے مجھے باقی تہائی امت بھی عطا فرما دی، تو پھر میں نے اپنے رب کے لئے سجدہ کیا۔ (ابوداؤد)

اللہ کے رسول ﷺ ہر مرتبہ مقبولیت دعا پر سجدہ شکر ادا کرتے رہے اور رب کریم اپنی نعمت میں اضافہ فرماتا رہا۔ کہ اس کا یہی اصول ہے، یہی وعدہ ہے ''اگر تم شکر کرو گے، تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا''۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ام المومنین، آپ مجھے حضور علیہ السلام کی سب سے عمدہ اور اعلیٰ بات بتائیں جو آپ نے دیکھی ہو۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا، آپ کی کون سی بات ایسی تھی جو عمدہ اور اعلیٰ نہ ہو۔ ایک مرتبہ رات کو آپ میرے ساتھ بستر میں آرام فرما رہے تھے۔ جو مجھے نہایت ہی پسند تھا۔ آپ نے فرمایا، اے ابوبکر کی بیٹی، تم مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے دو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، مجھے آپ کا قرب پسند ہے۔ لیکن میں آپ کی مرضی کو اپنی خواہش پر ترجیح دیتی ہوں۔ پس آپ اٹھے، مشک کے پاس تشریف لے گئے اور اچھی طرح وضو فرمایا۔ پھر آپ نے نماز شروع کی اور قیام کی حالت میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے۔ پھر آپ نے رکوع، سجدہ کیا اور اس حالت میں بھی آپ کے آنسو جاری رہے۔ یہاں تک کہ حضرت بلال آئے اور نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، جب اللہ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے تو پھر اللہ کے دربار میں اس قدر رونے کا کیا سبب ہے۔ آپ نے فرمایا ''تو کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ یہ ہے نمونہ شکر جو اسوہ کامل، نبی مکرم علیہ السلام کی ذات میں ہمیں ملتا ہے۔ مزید ایک روایت ملاحظہ ہو۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے رات میں قیام فرمایا، جس سے آپ کے مبارک پیروں پر ورم آ گیا، تو آپ سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری ومسلم)

بہرحال قانون الٰہی یہ ہے کہ شکر گزاروں پر نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ ان کے لئے رحمتوں کے دروازے وا اور کشادہ رہتے ہیں۔ رب شکر کو پسند فرماتا ہے اور شکر گزار بندوں کے جان و مال کا محافظ بن جاتا ہے۔ ان کے مال ومنال میں برکت رہتی ہے، ان کے گھروں میں سکون اور شہروں میں امن وامان ہوتا ہے۔ شکر گزار افراد اور قوموں میں میل محبت اور اتحاد واتفاق کی دولت وافر ہوتی ہے اور ناشکروں پر اللہ کا عذاب مسلط ہوتا ہے۔ جس گھر کے افراد ناشکرے ہو جاتے ہیں کہ

Marfat.com

کبھی اللہ کے دربار میں سر نہیں جھکاتے، کبھی اللہ کے کلام کی تلاوت نہیں کرتے، ان کی دولت کا کوئی پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں ہوتا ایسے ہی لوگ تو ناشکرے ہیں- ان کے گھروں میں طرح طرح کی آفات و بلیات، بیماریاں، تنگدستی، آپس کے جھگڑے، برکت نہ ہونے کا شکوہ، یہی چیزیں نظر آئیں گی- اور جس قوم میں ناشکری کی وبا عام ہو جائے وہ معاشی تنگی کا شکار، مہنگائی کے عذاب میں مبتلا، انتشار و افتراق میں الجھی ہوئی، اندرونی و بیرونی دشمن سے خوفزدہ، لوٹ، مار، قتل و غارت گری سے کانپتی ہوئی نظر آئے گی- گویا شکر زندگی کو پرسکون بناتا ہے اور ناشکری عذاب الٰہی کا باعث بنتی ہے- قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں- جیسے قوم لوط نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی جو بڑی ہی ناشکری ہے، کہ رسولوں کی بعثت انسان پر اللہ کا سب سے عظیم انعام ہے- ان کی تکذیب یعنی نافرمانی، توہین، گستاخی انعام الٰہی کو ٹھکرانا اور اس کی ناشکری کرنا ہے- جس میں قوم لوط مبتلا ہوئی، اللہ نے ان پر پتھر برسائے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا- لیکن انہی میں کچھ شکرگزار بندے بھی تھے جو عذاب الٰہی سے محفوظ رہے کہ اللہ اپنے شکرگزار بندوں کی جس طرح چاہتا ہے حفاظت فرماتا ہے-

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ ۝ (القمر: ۳۳ تا ۳۵)

قوم لوط نے جھٹلایا پیغمبروں کو، بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی، سوائے آل لوط کے کہ ہم نے ان کو رات کے پچھلے حصہ میں بچالیا، اپنی طرف سے (خاص) احسان فرما کر اسی طرح ہم (اس کو) بدلہ دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے-

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کیا- اس گستاخی کے سبب ان پر بجلی کی کڑک کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ سب مردہ ہو گئے- نبی نے اپنے رب سے ان کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعا کی، رب نے نبی کے صدقہ میں انہیں ایک دن اور ایک رات مردہ رکھنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا یہ ایک بڑا احسان تھا جو اس لئے کیا گیا کہ بنی اسرائیل اللہ کے شکرگزار بندے بنیں، فرمایا گیا-

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۵۶)

پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تا کہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو-

انعامات الٰہیہ پر شکر

آیئے قرآن پاک کی ایسی چند آیات کا مطالعہ کریں جن میں اللہ رب العزت نے اپنے انعامات کا تذکرہ فرماتے ہوئے بندوں سے شکر کا مطالبہ کیا اور بتایا کہ تمام احسانات ہم نے تم پر اسی لئے کیے ہیں کہ تم شکرگزار بندے بنو، جو اعتراف بندگی کا سب سے پہلا ذریعہ ہے اور درحقیقت تمام عبادات و اعمال شکر ہی کی مختلف صورتیں ہیں- پس بندہ جو کچھ کرے رب کے شکر ہی کی نیت سے کرے-

نبی مکرم علیہ السلام کے غلاموں سے شکر کا مطالبہ کرتے ہوئے اپنے احسانات یاد دلائے گئے کہ تم سرزمین مکہ میں کیسے مظلوم و خوفزدہ تھے- کفار تمہیں کتنا ستاتے اور تنگ کرتے تھے- اللہ نے احسان فرمایا کہ مدینہ منورہ کو تمہارے لئے پناہ گاہ

Marfat.com

بنا دیا، پھر تمہیں ایسی قوت و طاقت بخشی کہ جن سے تم ڈرتے تھے وہ تم سے کانپنے لگے- پہلے مقابلہ بدر میں تمہیں ظالموں پر غالب کر دیا، تم معاشی تنگی کا شکار تھے جس کے سبب تمہاری کہیں عزت نہ تھی، رب نے احسان فرمایا، تمہارے لئے رزق طیب کے دروازے کھول دیئے- قیصر و کسریٰ کے خزانے تک تمہارے قدموں میں آ گئے- پس تمہاری عزت ہونے لگی- بکریاں چرانے والے دنیا کے سب سے بڑے حکمران بن گئے- ان انعامات سے اس لئے نوازا گیا کہ تم شکر گزار بندے بنو-

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الانفال: ۲۶)

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین پر بے بس تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں، تو اس (اللہ) نے تمہیں ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں قوت بخشی اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں روزی دی، تاکہ تم شکر کرتے رہو-

ماہ رمضان میں روزے کی فرضیت کا اعلان فرماتے ہوئے رمضان کی عظمت بیان کی گئی کہ یہ بنی نوع انسان کے لئے ذریعہ ہدایت، کتاب قرآن عظیم کے نزول کا بابرکت مہینہ ہے جو اسی لائق ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے اس کا ہر لمحہ، صاحب قرآن کی ہدایت کے مطابق اللہ کی عبادت میں گزاریں اور جو مسافر ہوں یا بیمار ہوں وہ روزے قضا کر لیں کہ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے- تمہیں جنت میں پہنچانے کا ایک بہانہ چاہتا ہے- تمہیں کسی دشواری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا ہے- پس انتیس یا تیس دن کے روزے پورے کر لو- جب چاند نظر آ جائے تو اللہ کی طرف سے قرآن ملنے، روزے رکھنے کی توفیق نصیب ہونے پر خوشی مناؤ، عید مناؤ- اس طرح کہ اسی رب کو یاد کرو، اسی کی بڑائی بیان کرو جس نے تم پر یہ انعامات فرمائے- یہ انعامات اس لئے کیے کہ تم رب کریم کے شکر گزار بندے بنو-

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا، اور تاکہ تم گنتی پوری کر لو، اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ تمہیں اللہ نے ہدایت دی، اور تاکہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو-

غزوہ بدر کے موقع پر مسلمان مالی، معاشی، افرادی ہر حالت میں کمزور تھے- کفار نے جنگ مسلط کر دی اور اہل ایمان نے اپنی کمزوری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے، اپنے آقا ﷺ کی تعمیل حکم کی- تین سو تیرہ افراد نے دشمن کی بڑی تعداد کا مقابلہ کیا- دنیا حیرت زدہ ہو گئی کہ کمزور طاقتوروں پر غالب ہوئے، کامیاب ہوئے- غزوہ بدر کا مفصل ایمان افروز حال جاننے کے لئے ہماری کتاب ''یوم الفرقان'' کا مطالعہ کیجئے- اللہ رب العزت نے اس غزوے میں اہل ایمان پر خصوصی انعام فرمایا- ان کی غیبی مدد کی- فرمایا یہ انعام اسی لئے کیا گیا کہ تم رب رحیم کا شکر ادا کرتے رہو-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۳)

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی، اس حال میں کہ تم (اس وقت) کمزور تھے تو اللہ سے ڈرو، تاکہ تم

Marfat.com

شکر گزار ہو جاؤ۔

شریعت مطہرہ میں تیمم ایک بڑی نعمت ہے کہ طہارت و پاکیزگی کا عادی مومن بندہ جب سخت بیماری یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل یا وضو نہ کر سکے تو وہ مضطرو بے چین نہ ہو، کہ اللہ کو اپنے بندوں کی تنگی و پریشانی گوارا نہیں وہ تو صرف انہیں پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے، جس کے لئے پانی لازمی نہیں، اس کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ پس جب ایسی صورت پیش آ جائے کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا پانی ملتا ہی نہ ہو تو تیمم کر لیا جائے۔ اللہ کا بندہ اللہ کے نزدیک پاک ہو جائے گا۔ کیسی آسانی کر دی گئی، کیسی نعمت دی گئی۔ تمہیں سب نعمتیں دی جائیں گی پس تم شکر ادا کرتے رہو۔

مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَ لِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝ (المائدہ:٦)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے، لیکن اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت کو پوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر قابو عطا فرمایا کہ وہ اسے اپنی قوت و طاقت اور عقل سے کھودتا ہے۔ اس سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے، اپنی رہائش کے لئے اس پر جس طرح چاہتا ہے عمارتیں بناتا ہے۔ پھر زمین کو قوت روئیدگی بخشی کہ وہ انسان کے لئے رزق طیب اگاتی ہے۔ ان عظیم انعامات کا تقاضہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ کا بہت ہی شکر ادا کرے، لیکن انسان ناشکرا ہے، بہت کم شکر ادا کرتا ہے۔

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝ (الاعراف:١٠)

اور بیشک ہم نے تمہیں زمین میں قوت کے ساتھ ٹھہرایا اور بنائے اس میں تمہارے لئے زندگی کے اسباب، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

سورۃ النحل کا دوسرا رکوع

سورۃ النحل کے دوسرے رکوع کا مطالعہ کیجئے، رب کریم اپنے بے شمار انعامات میں سے چند کا ذکر فرماتا ہے، کہ اللہ نے تمہارے لئے پانی جیسی عظیم نعمت پیدا کی، جس پر تمہاری اور تمہارے جانوروں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اسی سے تمہارے لئے طرح طرح کے پھل پھول اور سبزہ اُگتا ہے۔ اس نے تمہارے ہی لئے سورج، چاند اور تاروں کو پیدا کیا، جن سے دن، را[ت] کی روشنی اور آسمانوں کی پرکشش زینت کے علاوہ تمہارے ہزاروں فائدے ہیں۔ اسی نے زمین سے مختلف انواع کی چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں اور ان پر تمہیں رسائی کی قوت و عقل عطا فرمائی کہ تم اپنے کھانے کی مفید و لذیذ چیزوں کو پہچان لیتے ہو۔ زمین کھود کر سونا، چاندی اور دیگر معدنیات حاصل کر لیتے ہیں۔ تیل، گیس جیسی نعمتوں کو پا لیتے ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے سمندر کو مسخر و مطیع بنا دیا، جس سے تم اپنی غذا کے لئے مچھلی کا صحت بخش گوشت حاصل کرتے ہو۔ چمکتے قیمتی پتھر نکالتے ہو، اس پر کشتیاں اور جہاز دوڑاتے ہو۔ غور کرو یہ اللہ کے کیسے عظیم انعامات ہیں۔ اللہ تم سے ان کے بدلے کچھ نہیں

Marfat.com

چاہتا، اور تمہارے پاس ہے ہی کیا جو تم اللہ بے نیاز کو دے سکو۔ پس تم بندے بنے رہو، ہماری نعمتوں سے خوب مزے اڑاؤ، صرف ہمارا شکر ادا کرتے رہو۔

وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (النحل: ۱۴)

اور وہی ہے (اللہ) جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر کیا، کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ، اور تم اس میں سے زیور نکالتے ہو، جسے تم پہنتے ہو، اور تم دریا میں کشتیاں دیکھتے ہو جو پانی چیر کر اس میں چلتی ہیں، اور (یہ) اس لئے کہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اللہ کی اس نعمت پر بھی غور کرو کہ اس نے تمہیں ماں کے پیٹ سے پیدا کیا، جہاں چند روز نہیں، نو ماہ وہ تمہیں غذا بہم پہنچاتا رہا اور تمہارے جسم کی پرورش کرتا رہا۔ پھر جب تم اس دنیا میں آئے تو تمہاری حالت یہ تھی کہ جس ماں کے پیٹ میں تم نو مہینے رہے اس کو بھی پہچاننے کی تم میں صلاحیت نہ تھی، رب نے کیسا تم پر کرم کیا کہ تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں، دل دیا، تم ماں کو بھی پہچاننے لگے، باپ کو بھی اعزاء اقرباء کو بھی۔ حتی کہ تم اپنے معاش اور روزی حاصل کرنے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے طریقوں کو بھی پہچاننے لگے، لیکن افسوس کہ انسان نے اس کو نہ پہچانا، جس نے اپنے فضل و کرم سے اس کو سب کچھ پہچاننے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ ایسا انسان بڑا ہی ظالم ہے۔ رب نے تمہیں ان انعامات سے صرف اس لئے نوازا کہ تم اس کا شکر ادا کرتے رہو، جو رب کو پہچاننے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (النحل: ۷۸)

اور اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تمہیں پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر ادا کرو۔

اللہ ہی نے تمہیں سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور دل جیسی نعمت عطا فرمائی۔ جن کی اہمیت کا اندازہ ان لوگوں کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جو ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ ان پر تم جتنا بھی شکر ادا کرو، کم ہے۔ لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

(المومنون: ۷۸)

اور اللہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل (مگر) تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ رب العزت کا یہ انعام کتنا عظیم ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات بنائی، دن بنایا کہ رات کی تاریکی میں تم آرام کرتے ہو، جس سے جسم تر و تازہ اور جاندار رہتا ہے اور دن کی روشنی میں تم اپنا معاش اور رزق تلاش کرتے ہو۔ پس ہونا

Marfat.com

یہ چاہئے کہ جب تم رات کو آرام کرو، چین کی نیند سوؤ، تو رات بنانے والے خالق کو یاد کرو۔ اور جب تم دن میں دولت کماؤ، کاروبار کرو تو بھی اسی کو یاد کرتے رہو، اور رب کی یاد ہی اس کا بڑا شکر ہے۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (القصص: ۷۳)

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات، دن کو بنایا تاکہ تم (رات) میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اللہ کریم کیسی صحت افزاء ہوائیں چلاتا ہے، جن سے تمہارے دل و دماغ تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ پانی برسنے کی خوشخبری ملتی ہے، جس سے فصلیں اچھی ہونے کی امید بندھتی ہے اور اس سے دریاؤں، سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلانا آسان ہو جاتا ہے۔ ان معتدل ہواؤں کی قدر و منزلت بتانے ہی کے لئے کبھی اللہ ان ہواؤں کو طوفانی بنا دیتا ہے، جس سے تمہارا سب کچھ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یہ ریاحِ مُبَشِّرات اسی لئے بھیجی جاتی ہیں کہ تم اللہ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الروم: ۴۶)

اور اس کی نشانیوں میں سے خوشخبری دینے والی ہواؤں کا بھیجنا اور اس لئے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے چکھائے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور اس لئے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کو اس کے مقصدِ تخلیق اور استعداد کے مطابق احسن، نہایت ہی کامل و مکمل پیدا فرمایا، کہ اس میں نہ کسی کمی کی اور نہ ہی زیادتی کی گنجائش چھوڑی۔ بالخصوص انسان اس کے کمالِ تخلیق کا عظیم نمونہ ہے، کہ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسانِ اول کو مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا اور پھر نسلِ انسانی کو ایک نہایت ہی کمزور پانی کی بوند سے جاری فرمایا، جو رحمِ مادر میں نو ماہ تک تخلیق کے مختلف مراحل طے کرتی ہے۔ کہ یہ بوند، خون کی پھٹک سے بنتی ہے، پھر گوشت کا لوتھڑا، جس کا کچھ حصہ سخت ہو کر ہڈیوں میں تبدیل ہوتا ہے۔ کوئی حصہ جگر، گردوں، دل وغیرہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر اسی سے ہاتھ، پیر اور انسانی شکل بننے لگتی ہے۔ حتی کہ اس میں وہ روح ڈال دی جاتی ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے سے انسان کی عقل عاجز ہے۔ بس انسان اس کو اتنا ہی سمجھ سکتا ہے کہ ''روح اللہ کا حکم ہے'' اپنی تخلیق کو ان مراحل کے حیرت انگیز طور پر طے کرنے والے انسان کو بے حد و حساب اپنے خالق کا شکر ادا کرنا چاہئے لیکن وہ بہت کم شکر ادا کرتا ہے۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (السجدہ: ۷ تا ۹)

اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کو نہایت ہی کامل بنایا اور انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے فرمائی۔ پھر اس

Marfat.com

کی نسل بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی - پھر اسے برابر کیا - اور اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ کی عظیم قدرت کا کرشمہ تو دیکھو، کہ ایک سمندر میں دو قسم کا پانی ہے، ایک نہایت میٹھا، خوش ذائقہ، دوسرا نہایت نمکین، بدذائقہ، کڑوا - دونوں آپس میں ملنے کے باوجود اک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے - مزے کی بات یہ کہ دونوں میں مچھلیاں ہوتی ہیں، جن کا گوشت تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ کڑوے پانی کا گوشت بھی کڑوا ہو، جو کھایا نہ جا سکے - مزید یہ کہ ہماری زیب و زینت کے لئے اس نے سمندر میں قیمتی موتی، جواہرات اور مرجان پیدا فرمائے - نیز اللہ کا یہ احسان دیکھو کہ اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں کشتیاں پانی کو چیرتی کیسے دوڑتی ہیں، جو مختلف ممالک سے تجارت کرنے اور ایک دوسرے سے علمی و فنی فوائد حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے - اللہ نے یہ انعامات اسی لئے کیے کہ تم شکر کرو۔

وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (فاطر: ۱۲)

اور دونوں سمندر ایک جیسے نہیں یہ (ایک) میٹھا ہے، بہت میٹھا، اس کا پانی نہایت خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) نمکین، سخت کڑوا ہے - اور تم ہر ایک میں سے تازہ گوشت نکالتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو، اور تم اس (پانی) میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت کیا قابل غور نہیں کہ وہ کس طرح بنجر و مردہ زمین کو قوت روئیدگی بخشتا ہے، جس سے تمہارے لئے قوت و فرحت بخش غذا مہیا ہوتی ہے - ہزاروں قسم کے پھل، پھول تمہیں میسر آتے ہیں - اسی زمین میں کھجور کے تناور درخت، آسمان سے باتیں کرتے اُگتے ہیں اور اسی سے انگور کی نازک بیل پھیلتی ہے، اسی سے فراہمی آب کا ایک نظام چشموں کی صورت میں جاری ہوتا ہے - یہ طرح طرح کے درخت، ان سے نکلنے والے پھل پھول تمہارے ہاتھوں نے تو نہیں بنائے، اللہ ہی کا تو تم پر احسان ہے، پھر بھی تم شکر نہیں کرتے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ (یٰسین: ۳۵)

اور مردہ زمین میں بھی ان کیلئے نشانی ہے، جسے ہم نے زندہ کیا، اور اس سے ہم نے غلہ نکالا، تو وہ اس سے کھاتے ہیں، اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے جاری کیے تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور نہیں بنایا اسے ان کے ہاتھوں نے، تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

اللہ کا یہ انعام بھی دیکھیے، کہ اس نے اپنے دست قدرت سے بنائے ہوئے عظیم الجثہ مویشیوں کا انسان کو مالک بنا

Marfat.com

دیا اور انہیں اس کے تابع کر دیا، کہ اونٹ جیسے جانور کی ناک میں رسی ڈال کر، وہ جدھر چاہتا ہے، اس کو لے جاتا ہے، ان جانوروں پر انسان سواری کرتا ہے، سامان لادتا ہے، حتیٰ کہ انہی کو اپنی غذا بھی بناتا ہے، ہزاروں فائدے ہیں جو انسان ان سے حاصل کرتا ہے- اگر ہمارا کرم نہ ہو، اور ہمیں انسان کی خاطر و مدارات ملحوظ نہ ہو، تو ہماری اس مخلوق پر قابو پالینا ممکن نہیں، پھر بھی تم ہمارا شکر نہیں کرتے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝
(یٰسین: ۷۳)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی مخلوق میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے، تو وہ ان کے مالک ہیں، اور ہم نے انہیں ان کے تابع کر دیا، تو ان میں سے کچھ ان کی سواریاں ہیں، اور ان میں سے کچھ کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان کے لئے بہت فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

اللہ وہ ہے جس نے اپنی سمندر جیسی مخلوق کو تمہاری خدمت مفت انجام دینے پر مقرر کر دیا ہے کہ اس نے اس کی سطح کو اس قدر نرم بنایا کہ تم اس میں غوطہ لگا کر آسانی موتی، جواہرات کی صورت میں دولت حاصل کرتے ہو- اس نرمی کے باوجود اللہ کی قدرت تو دیکھو کہ اس پر تمہاری کتنی وزنی کشتیاں، مسافر بردار جہاز، مال بردار جہاز، آئل ٹینکرز چلتے کہ تم اس کے ذریعہ بین الاقوامی تجارت کرنے کے قابل ہوئے- اپنا رزق حاصل کرنے کے قابل ہوئے- سوچو اگر اللہ کا یہ انعام نہ ہوتا تو تمہارے لئے دولت کمانے کے وسائل کتنے محدود ہو جاتے اور تمہاری دنیا کتنی چھوٹی ہو جاتی- یہ فضل الٰہی اس لئے ہوا کہ تم شکر ادا کرو-

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
(الجاثیہ: ۱۲)

اللہ (وہ) ہے جس نے دریا کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، اور اس لئے کہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو-

اللہ کی ایک عظیم نعمت پانی ہے جس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے، ذرا سوچو تمہیں کس قدر وافر مقدار میں یہ نعمت میسر ہے- غور کرو یہ کہاں سے آتا ہے، تو تمہیں اللہ کے فضل کے سوا اس کا اور کوئی ذریعہ نہ ملے گا- سمندر، دریاؤں، کنوؤں، چشموں کی صورت میں تمہارے پاس یہ پانی اسی کے فضل سے آسمان سے برستا ہے، جس کا کچھ حصہ تم استعمال کرتے ہو اور کچھ بخارات بن کر بادلوں میں تبدیل ہوتا اور پھر برستا ہے- بادلوں سے پانی برسانے والے تم ہو، یا ہم- آج تک کوئی احمق یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ پانی میں برساتا ہوں، نہ کوئی عقلمند آج تک کوئی ایسی ایجاد کر سکا- جس کے ذریعہ انسان کو اپنی مرضی کے مطابق بارش میسر آسکے- پھر یہ پانی اسی کے کرم سے پینے اور استعمال کرنے کے قابل ہے، اگر وہ چاہتا تو سب پانی سمندر کے پانی کی طرح کھارا، بدذائقہ اور کڑوا کر دیتا- اے انسان تیرے سامنے یہ ایک ایسی حقیقت موجود ہے جس کا انکار تو کسی طرح

Marfat.com

نہیں کرسکتا۔ پھر تو کیسا ظالم واحسان فراموش ہے کہ ایسی عظیم قدرت والے اور ایسے کرم والے رب کا شکرادانہیں کرتا۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ (الواقعہ: ٦٨:٧٠)

کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے، پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں اور اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنادیتے، پھر تم کیوں شکرادانہیں کرتے۔

یہ چند آیات اور ہر آیت کے ساتھ اس کا مختصر مفہوم، یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے کس تاکید کے ساتھ انسان سے اپنی نعمتوں پر شکر کا مطالبہ کیا، صرف یہی ایک ایسا عمل ہے جس کی ذمہ داری انسان پر نہایت قوی دلائل سے ثابت کی گئی۔ ایک خیال یہ آتا ہے کہ آخر اللہ کو شکر اس قدر کیوں پسند ہے، تو ظاہر ہے کہ اسے تو اس کی ضرورت نہیں، کہ وہ بے نیاز، ہر ضرورت سے پاک ہے۔ نہ ہی اس سے اس کی شان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، کہ وہ تو ہمیشہ سے بلند شان والا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بندوں سے اللہ نے شکر اور جن اعمال کا مطالبہ فرمایا وہ بلاشبہ بندوں ہی کے فائدے کے لئے ہے۔ اس کا اصول ہے کہ شکر کرنے والوں پر وہ مزید انعامات کی بارش برساتا ہے، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، مزید برآں اللہ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ تم سے شکر کا مطالبہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے کیا جارہا ہے۔ ہماری ذات تو بے نیاز ہے۔ ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾ (النمل: ٤٠)

اور جس نے شکر کیا، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی، تو بے شک میرا رب بے پرواہ، بزرگی والا ہے۔

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ (لقمان: ١٢)

اور جو شکر کرے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے، اور جس نے ناشکری کی، تو یقیناً اللہ بے نیاز، تعریف کیا ہوا ہے۔

شکر کا طریقہ

شکر کا کوئی متعین طریقہ نہیں اور نہ کوئی مقرر وقت۔ حقیقت تو یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری ہی شکر ہے۔ تاہم اگر خصوصی طور پر بطور شکر نوافل پڑھے جائیں یا کوئی بھی نفلی عبادت کی جائے یا صدقہ وخیرات کیا جائے تو بہت ہی باعث برکت اور مزید نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ہر نعمت ملنے پر سجدہ شکر ادا کرنا حضور علیہ السلام کی مبارک سنت ہے۔

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَآءَهٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ يُسَرُّ بِهٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جب بھی کوئی خوش کرنے والی خبر ملتی تو آپ سجدہ کرکے اللہ کا شکرادا فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ کو طریقہ عبادت میں بندے کا سجدہ کرنا زیادہ محبوب ہے، کہ جب بندہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے تو اللہ سے قریب تر ہوتا ہے۔ لہٰذا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ سجدہ ہے۔ اللہ کے انعامات تو بے شمار ہیں، سب کے بدلے سجدے کرنا یا کسی بھی طریقے سے اس کے احسانات سے بریٔ الذمہ ہونا ممکن نہیں، بس بندے کو اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں'' حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کے دربار میں عرض کیا، الٰہی میں تیرا شکر کیسے ادا کروں، جبکہ تیرا شکر ادا کرنا بھی تو تیری ایک نعمت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ اب تو نے میرا شکر ادا کیا، یعنی بندہ شکر ادا کرتا رہے اور یہی یقین کرے کہ شکر الٰہی کا حق ادا نہ ہوا۔ تو اللہ اپنے کرم سے اسے شکر گزاروں میں شامل فرمالیتا اور اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے دیتا ہے۔

شکر کا ایک خاص موقع وہ ہے جب انسان کی نظر کسی ایسے انسان پر پڑے جو ان نعمتوں سے محروم ہو، جن سے اللہ نے اسے نوازا ہے۔ جیسے تندرست آدمی کسی مریض کو دیکھے تو شکر ادا کرے کہ اللہ نے اس کو صحت عطا فرمائی۔ امیر کسی غریب کو دیکھے تو شکر ادا کرے کہ اللہ نے اسے دولت سے نوازا۔ عالم جاہل کو دیکھے تو شکر ادا کرے کہ اللہ نے اسے نعمت علم سے مزین کیا۔ صحیح الاعضاء شخص کسی معذور کو دیکھے تو شکر ادا کرے کہ اللہ نے اسے تمام جسمانی قوتیں بخشیں۔ یہی حضور علیہ السلام کا مبارک طریقہ تھا۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی رَجُلًا مِّنَ النُّغَاشِیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا۔

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک بونے کو دیکھا، تو آپ نے سجدہ کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

بہر حال شکر اللہ کا پسندیدہ عمل ہے جو اسے بندوں سے مطلوب ہے۔ اسی لئے انبیاء کرام و رسل عظام کا یہ وطیرہ رہا اور مقربین و صالحین نے اسی کو قرب الٰہی کا ذریعہ بنایا۔ ہر مومن کو اسے اختیار کرنا چاہئے، تاکہ منعم حقیقی کی نعمتوں اور احسانات کی برسات برستی رہے، کہ شکر گزاروں پر رب کی نعمتیں زیادہ ہوتی رہتی ہیں۔ اور ناشکرے محروم کر دیے جائیں، اللہ اپنے نیک بندوں کی طرح ہمیں بھی شاکر بنائے۔ آمین

میتہ

''میتہ'' کے متعلق ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اس سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ زیر غور آیت اور اس کی مؤید آیات میں، جن کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں، صرف چار چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے۔ میتہ، دم، خنزیر، ما اھل بہ لغیر اللہ، اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ بس یہی چار چیزیں حرام ہیں، جبکہ قرآن و سنت کے مطابق باجماع اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں۔ یہاں تمام حرام چیزوں کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جن چیزوں کو کفار مکہ نے از خود حلال یا حرام کر لیا تھا، ان میں سے ان چار حرام چیزوں کو بیان کر کے واضح کر دیا گیا کہ ان کے علاوہ کفار مکہ جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں وہ سب حلال ہیں۔ ہجرت کے بعد پھر مزید چیزوں کی حرمت سے متعلق احکام نازل کیے گئے جن کے مطابق صاحب شریعت ﷺ نے حلال و حرام اشیاء کی

Marfat.com

وضاحت فرمائی - مثلاً شراب، درندوں وغیرہ کی حرمت کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیئے، یہاں تک کہ آپ نے ہر داڑھ سے چیر کر کھانے والے جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندوں کو حرام کر دیا - ہم بھی یہاں تمام حرام جانوروں کا بیان نہیں کر رہے، بلکہ آیت میں جن مذکورہ بالا جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے وہی ہمارا موضوع قلم ہیں -

''میتہ''، مردار وہ جانور جو اگرچہ فی نفسہ حلال ہو لیکن شریعت کے مطابق اسے ذبح نہ کیا جائے، جس کا طریقہ شریعت نے متعین کر دیا کہ حلال جانور کو، دھار دار آلہ سے اس طرح کاٹا جائے کہ اس کی وہ چار رگیں کٹ جائیں جن سے سانس لی جاتی ہے، غذا معدے میں جاتی ہے، اور دو رگیں جن میں خون جاری رہتا ہے - نیز وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے - پس جو جانور اس کے علاوہ کسی بھی طریقے سے مارا گیا وہ میتہ، مردار، حرام ہے - مثلاً گردن میں پھندا ڈال کر مارا - یا کسی اور طرح گلا گھونٹ کر مارا، یا جانور خود گلا گھونٹنے سے مرگیا، اسی کو قرآن کریم میں ''منخنقہ'' کہا گیا ہے، یا جانور کو لاٹھی مار کر، غلیل وغیرہ سے پتھر مار کر، بندوق وغیرہ سے گولی مار کر، مارا گیا - اسی کو ''موقوذہ'' فرمایا گیا ہے - یا جانور کو بلندی سے پھینک کر مارا، یا وہ خود کسی اونچی جگہ سے گر کر مرگیا - یا کنوئیں میں گر کر مرگیا - پانی میں ڈوب کر مرگیا، یہ ''متردیہ''، یا جانور آپس میں لڑے اور ایک دوسرے کا سینگ لگنے سے مرگیا - اسی کو نطیحہ کہا جاتا ہے - یا وہ جانور جس کو کسی درندے وغیرہ نے چیر پھاڑ ڈالا - نیز وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے، جس کی تفصیل آپ سورہ مائدہ کی آیت میں گزشتہ صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں - یہ تمام جانور ''میتہ'' میں ہی شمار ہوتے ہیں - ان کا کھانا حرام، ان کا گوشت بیچنا حرام ہے - ہاں ان کی کھال، ہڈی، دانت وغیرہ سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے - ان کا کاروبار بھی جائز ہے - جیسے بعض دوسرے حرام جانوروں کی بھی یہ چیزیں حلال کی گئی ہیں - جیسے ہاتھی کے دانت، کھال وغیرہ -

میتہ حرام ہے لیکن صاحب شریعت ﷺ کا کرم ہے کہ آپ نے ہمارے لیے دو مردار حلال فرمائے - اسی طرح دم حرام ہے لیکن آپ نے ہمارے لئے دو خون حلال فرمائے - جیسا کہ ان احادیث سے واضح ہے -

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ اَلْمَيْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہمارے لئے دو مردار جانور اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون کلیجی اور تلی ہے - (ابن ماجہ)

لیکن جو مچھلی پانی ہی میں مرجائے اور پانی کے اوپر تیرنے لگے، وہ حرام ہو جائے گی، جیسا کہ آپ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَلْقَاهُ الْبَحْرُ وَ جَزَرَ عَنْهُ الْمَآءُ فَكُلُوْا وَمَا مَاتَ فِيْهِ وَ طَفَا فَلَا تَاْكُلُوْهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دریا نے جس مچھلی کو پانی سے باہر (زندہ) پھینک دیا اسے کھاؤ اور جو پانی میں مر کر تیرنے لگے، اسے نہ کھاؤ - (ابوداؤد)

کس قدر کرم فرمایا نبی رحمت ﷺ نے کہ مچھلی کو ہمارے لئے حلال فرما دیا، جو ہماری جسمانی صحت کے لئے ایک مفید ترین

Marfat.com

غذا ہونے کے علاوہ ہمارے معاش کا ایک بڑا ذریعہ بھی ہے- مچھلی کی تمام اقسام حلال ہیں، لیکن پانی کے تمام جانور حلال نہیں- کہ پانی میں تو زہریلے سانپ وغیرہ بھی ہوتے ہیں- یا وہ جانور بھی جو بظاہر پانی میں ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ پانی کی تہہ میں زمین کے اندر رہتے ہیں- جو حشرات الارض میں شمار ہوتے ہیں- یا وہ جانور جو زیادہ پانی میں رہتے ہیں، لیکن انڈے، بچے پانی سے باہر آ کر دیتے ہیں، یہ سب حرام ہی ہیں-

میتہ حرام ہے لیکن شکاری جانور کا مارا ہوا جانور مردار نہیں- یہ حلال ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے-

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (المائدہ:۴)

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کون سی چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی ہیں، آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور شکار ان کا، سکھایا ہے جنہیں تم نے، شکاری جانوروں میں سے، شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم انہیں وہ طریقہ سکھاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھایا- تو کھاؤ اس میں سے جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑے رہیں اور اس (شکاری جانور) پر اللہ کا نام لیا کرو- اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیز حساب لینے والا ہے-

شکاری جانور

شکاری جانوروں سے شکار کرنے کا طریقہ بہت پرانا ہے- اسی لئے حضور علیہ السلام سے یہ سوال کیا گیا، تا کہ مسلمانوں کو اس کے جائز و ناجائز ہونے کا پتہ چل جائے اور اللہ اور اس کے رسول کا جو بھی حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے- پس اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی- اور شکاری جانور کا مارا ہوا شکار جائز قرار دیا- چاہے شکاری جانور پرندہ ہو، جیسے باز وغیرہ یا درندہ ہو جیسے کتا وغیرہ- دونوں کا حکم ایک ہی ہے- کہ ان کا مارا ہوا شکار جائز و حلال ہے، لیکن مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جن کی تصریح فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں کی ہے-

شکاری جانور مسلمان کا پالا ہوا ہو، غیر مسلم کے جانور کا شکار مسلمان کے لئے حلال نہیں-

شکاری جانور کو پوری طرح شکار کی تربیت دی گئی ہو- جس کی پہچان یہ ہے کہ اگر شکاری جانور بالکل شکار کے قریب پہنچ جائے اور اسے مالک واپس بلائے تو وہ شکار کو چھوڑ کر واپس آ جائے، شکار نہ کرے- یعنی وہ مالک کے حکم کا پوری طرح پابند ہو-

شکاری جانور کو بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو-

شکاری جانور ایسا تربیت یافتہ ہو کہ شکار کو پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے یا اس تک مالک کے پہنچنے کا انتظار کرے- اس میں سے بالکل نہ کھائے حتی کہ شکار کا خون اگر اس کے منہ پر لگ گیا تو اس کو بھی نہ چاٹے-

ان شرائط کے ساتھ شکاری جانور کا شکار حلال ہے، اگر شکار زندہ ہے تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر، ذبح کیا جائے گا اور اگر مر چکا تو بھی جائز ہے- لیکن ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ شکاری جانور نے شکار کو دبوچ کر نہ مارا ہو، بلکہ اپنے پنجوں اور دانتوں

Marfat.com

سے زخمی کر کے مارا ہو- کہ خون بہا ہو، کہ ذبح کی ایک صورت ہو جائے گی- دبوچ کر مارنے کی صورت میں شکار حرام ہو جائے گا کہ وہ ''منخنقہ'' کے حکم میں ہے، ان مسائل سے متعلق حضور علیہ السلام کے ارشادات ملاحظہ ہوں-

عَنْ عَدِیِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اَحَدَنَا اَصَابَ صَیْدًا وَ لَیْسَ مَعَہٗ سِکِّیْنٌ یَذْبَحُ بِالْمَرْوَۃِ وَ شِقَّۃِ الْعَصَا فَقَالَ اَمْرِرِالدَّمَ بِمَ شِئْتَ وَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ کا کیا حکم ہے، کہ اگر ہم میں سے کسی کو شکار مل جائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ نوک دار پتھر یا لاٹھی کی دھار دار پھچی سے اس کو ذبح کر سکتا ہے- آپ نے فرمایا (بصورت مجبوری) اللہ کا نام لے کر جس چیز سے چاہو خون بہادو۔ (نسائی شریف)

عَنْ عَدِیِّ ابْنِ حَاتِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَا عَلَّمْتَ مِنْ کَلْبٍ اَوْ بَازٍ ثُمَّ اَرْسَلْتَہٗ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ فَکُلْ مِمَّا اَمْسَکَ عَلَیْکَ قُلْتُ وَ اِنْ قَتَلَ قَالَ اِذَا قَتَلَہٗ وَ لَمْ یَاْکُلْ مِنْہُ شَیْئًا فَاِنَّمَا اَمْسَکَہٗ عَلَیْکَ-

حضرت عدی بن حاتم کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کتے یا باز کو تم نے تربیت دی ہو، پھر تم نے اسے اللہ کا نام لے کر شکار پر چھوڑا تو جس جانور کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھے، تم اسے کھالو، میں نے عرض کیا اگر چہ وہ اسے مار ڈالے، آپ نے فرمایا جب اس نے شکار کو مار ڈالا اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا، تو اس نے اسے تمہارے ہی لئے پکڑ رکھا۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَدِیِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ فَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ فَاِنْ اَمْسَکَ عَلَیْکَ فَاَدْرَکْتَہٗ حَیًّا فَاذْبَحْہُ وَ اِنْ اَدْرَکْتَہٗ قَدْ قَتَلَ وَ لَمْ یَاْکُلْ مِنْہُ فَکُلْہُ وَ اِنْ اَکَلَ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰی نَفْسِہٖ فَاِنْ وَجَدْتَّ مَعَ کَلْبِکَ کَلْبًا غَیْرَہٗ وَ قَدْ قَتَلَ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّکَ لَا تَدْرِیْ اَیُّھُمَا قَتَلَ وَ اِذَا رَمَیْتَ بِسَھْمِکَ فَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ فَاِنْ غَابَ عَنْکَ یَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِیْہِ اِلَّا اَثَرَ سَھْمِکَ فَکُلْ اِنْ شِئْتَ وَ اِنْ وَجَدْتَّہٗ غَرِیْقًا فِی الْمَآءِ فَلَا تَاْکُلْ-

حضرت عدی بن حاتم کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم اپنے کتے کو چھوڑو، تو اس پر اللہ کا نام لو، اگر وہ تمہارے لئے شکار کو روکے رکھے اور وہ زندہ ہو تو اسے ذبح کر لو، اور اگر تم پاؤ کہ اس نے مار دیا، لیکن اس میں سے کھایا نہیں، تو اسے کھالو، اور اگر اس نے کچھ کھا لیا تو تم نہ کھاؤ- کیونکہ اس نے اپنے لئے شکار کیا تھا، اگر تم اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پاؤ اور شکار کو مار دیا ہے، تو اسے نہ کھاؤ- کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ دونوں میں سے کس نے مارا ہے- اور جب تم تیر مارو، تو اس پر اللہ کا نام لو، اور اگر (وہ شکار) تم سے ایک دن غائب رہے (پھر ملے) تو اگر تم اس پر اپنے تیر کے سوا کوئی

Marfat.com

دوسرا نشان نہ پاؤ تو کھالو، اگر چاہو، اور اگر (شکار) پانی میں ڈوبا ملے تو نہ کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تیر، تلوار، چھری یا کوئی بھی دھار والی چیز حتی کہ نوک دار پتھر بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کو مارا جائے، جس سے وہ زخمی ہو اور خون بہنے لگے، تو ایسا جانور ذبح کے حکم میں ہے، حلال ہے، لیکن بندوق وغیرہ کی گولی سے اگر جانور مر گیا تو وہ ذبح کے حکم میں نہیں۔ وہ میتہ ہوگا۔ کیونکہ گولی جسم کو کاٹتی نہیں، بلکہ بندوق کی طاقت سے جسم کو چیرتی ہوئی اندر گھستی ہے، پھر اسے جلاتی ہے جس کی وجہ سے جانور مرتا ہے۔ ایسا جانور ''موقوذہ'' کے حکم میں ہے، جو حرام ہے۔ اس مسئلہ میں بعض حضرات کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے گولی سے مرے ہوئے جانور کو تیر، تلوار وغیرہ سے مرے ہوئے جانور پر قیاس کیا اور حلال لکھا، جو غلط ہے۔

''میتہ'' کے ضمن میں ہم نے خاصی ضروری باتیں عرض کر دیں، جن سے ''میتہ'' کا مفہوم بخوبی واضح ہو گیا۔ حلال و حرام جانوروں کی مزید تفصیل اور ان سے متعلق مسائل فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، عوامی معیار کی آسان اردو میں فقہ کی کتاب ''بہار شریعت'' ہے۔

دم۔ خون

اسلام اپنے ماننے والوں کو ظاہری، باطنی، جسمانی، روحانی ہر اعتبار سے پاکیزہ، صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے جسم کی صفائی کے لئے غسل و وضو کے طریقے تعلیم دیئے گئے۔ کپڑوں، رہنے کی جگہوں کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا۔ تزکیہ نفس اور قلب کی پاکیزگی کو کامیابی و کامرانی کا ذریعہ قرار دیا گیا، لیکن طہارت و پاکیزگی کا دارومدار غذا پر ہے۔ وہ شخص پاک و صاف رہ سکتا ہے جو گندی اور خبیث غذاؤں سے اپنے خون کو محفوظ رکھتا ہے۔ لہذا شریعت مطہرہ نے غذا میں صاف ستھری چیزیں کھانے کی اجازت دی اور تمام گندی اور غلیظ چیزوں کو حرام یا خبیث قرار دیا۔

فطرتاً یہ حقیقت مسلم ہے کہ خون گندا ہوتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ عام انسان اس کو طبعاً گندا سمجھتا ہے، لیکن مومن جو ہر چیز کو شریعت کی عینک سے دیکھتا ہے، اس کو شرعاً گندا سمجھتا ہے۔ عام لوگوں کا خون سے بچنا طبعی عمل ہے، لیکن مومن کا اس سے بچنا شرعی عمل ہوتا ہے۔ پس جب اس کے کپڑے پر خون لگتا ہے اور وہ اس کو دھوتا ہے تو اسے اس عمل پر ثواب ملتا ہے۔

کفار مکہ طبعاً بھی اتنے گندے ہو چکے تھے کہ وہ ایسے بہت سے کاموں کو پسند کرنے لگے تھے، جن کو ایک انسان کی طبع سلیم ہرگز پسند نہیں کرتی۔ خون کے ساتھ ان کا عمل بھی ایسا ہی تھا کہ بتوں کے نام پر قربان کئے ہوئے جانوروں کا خون، اللہ کے مقدس گھر، کعبہ پر ملتے تھے۔ ایک دوسرے پر اس کے چھینٹے ڈالتے تھے، اس کو جما کر کھاتے تھے۔ ایسی مکروہ اور شنیع حرکات کو اسلام کسی طرح گوارا نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے ''دمِ مسفوح'' کو حرام قرار دے دیا، کہ جو خون جاندار کے جسم سے نکل چکا، بہہ گیا، وہ حرام ہے۔ اس کی شکل و صورت تبدیل کر کے بھی اس کا استعمال کسی طرح جائز نہیں، نہ اس کو کھا سکتے ہیں، نہ پی سکتے ہیں، نہ جسم پر مل سکتے ہیں، کپڑے پر لگ گیا تو کپڑا ناپاک، کسی جگہ پر لگ جائے تو وہ جگہ ناپاک، نہ اس کو جما کر کھانا جائز، نہ پکا کر۔

خون جب تک جسم میں ہے بڑا ہی قیمتی اور اہم ہے کہ جسم کی حرکت کا دارومدار اسی پر ہے۔ یہ معتدل رہے، تو جسم

Marfat.com

صحت مند ہے، اس کی رفتار میں کمی زیادتی ہو جائے تو جسم طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن جب یہ جسم سے باہر آ گیا تو سوائے گندگی کے کچھ نہ رہا- ہر کوئی اس سے بچتا ہے، کپڑے پر چھینٹ بھی آ جائے تو وہ پہننے کے لائق نہیں رہتا- جسم پر لگ جائے تو اسے فوراً صاف کیا جاتا ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے- اللہ نے اس کو اختیار دیا کہ وہ اپنی غذا کے لئے جانوروں کا خون بہائے- یہ خون غذا نہیں، نہ ہی یہ مقصود ہے، مقصود تو گوشت ہے کہ یہی غذا بن سکتا ہے- بس یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے لئے کچھ جانوروں کا گوشت حلال کر دیا، جو حلال ہے، اسے جیسے چاہو کھاؤ، خون حرام ہے، ناپاک ہے، اس سے بچو اور انسان کا خون، انسان کے لئے نہایت ہی محترم ہے، اس طرح کہ اس کا بہانا حرام ہے کہ یہ انسان کا دوسرے انسان کو ایذا پہنچانا ہے جو اللہ کسی حال میں پسند نہیں فرماتا- میرے آقا ﷺ کے ارشادات پر غور فرمائیے-

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ-

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے- (بخاری شریف)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى الدِّمَآءِ-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا- (بخاری و مسلم)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ-

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دنیا کا مٹ جانا، زیادہ معمولی بات ہے کسی مسلمان کے قتل سے- (ترمذی شریف)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِشْتَرَكُوْا فِىْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِى النَّارِ-

حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ اگر ایک مؤمن کا خون بہانے میں آسمان و زمین والے سب شریک ہوں، تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا- (ترمذی شریف)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّ قِتَالُهٗ كُفْرٌ-

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

ان ارشادات سے جہاں خون کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، وہاں مسلم معاشرے کو پر سکون بنانے کے لئے حضور علیہ السلام کی تعلیم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آج امت مسلمہ کے درمیان قتل و غارت کا جو بازار گرم ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو، جس کے ہاتھ یا کم از کم زبان سے اس کا بھائی محفوظ ہو کہ دوسروں کی غیبت کرنا، ان پر الزام تراشی بلاضرورت ہماری عادت بن گئی ہے۔ صحابہ کرام جب مل کر بیٹھتے تھے تو ان کا موضوع گفتگو دین ہوتا تھا۔ وہ اپنی اصلاح کی باتیں کرتے تھے، قرآن و حدیث سنتے سناتے تھے اور ہم اگر چار بھی جمع ہو جائیں تو ساری قوم کے عیب تلاش کرتے ہیں۔ آج کسی کی عزت و آبرو، کسی سے محفوظ نہیں۔ حتی کہ اگر ہم کسی کو خوشحال دیکھتے ہیں تو تنہائی میں بھی یہ سوچتے ہیں کہ اس شخص کے پاس دولت کہاں سے آتی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر ایسے دست بگریباں ہوتے ہیں کہ قتل و خون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ و تعلق ہی نہیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول کا قائم کردہ رشتہء اسلام سب رشتوں سے افضل اور مستحکم ترین ہے۔ لیکن اس کا احساس تک نہ رہا۔ اسی لئے ہم باعزت اور باوقار زندگی سے محروم ہو گئے۔ کاش مسلمانوں نے آقا ﷺ کے ان ارشادات پر عمل کیا ہوتا، تو ان کی بے خوف و خطر اور پر سکون زندگی پر دنیا والے رشک کرتے، ان کے میل و محبت اور اتحاد و اتفاق کے باعث دشمن بھی ان سے کانپتے، ذلت و خواری کی یہ حالت نہ ہوتی جو آج ہے، جب ہم خود ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے، تو جو ہمارا خون، ہمیشہ حلال جانتے رہے، ان سے ہم اپنے آپ کو کیسے بچا سکتے ہیں۔

ہمارے دور میں خون ایک طریقہ علاج بن گیا ہے کہ بعض اوقات مریض کو انسان کا خون چڑھایا جاتا ہے، بحمد للہ، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور نبی مکرم علیہ السلام ایک کامل معلم ہیں، پس کسی دور کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں، جس کی رہنمائی ہماری شریعت نہ کرتی ہو، خون دینے کا مسئلہ تو بہت ہی واضح ہے جو اسی زیر بحث آیت میں موجود ہے، کہ جن چیزوں کی حرمت کا حکم دیا جا رہا ہے، حالت اضطرار میں ان کے استعمال کی اجازت بھی دی جا رہی، اور استعمال کرنے والوں کو مغفرت و بخشش کا مژدہ بھی سنایا جا رہا ہے۔ پس مسئلہ واضح ہے کہ اگر کسی مریض کی جان خطرے میں ہو اور خون اس کی جان بچا سکتا ہو، تو اس کے لئے خون لینا بھی جائز اور دینے والے کے لئے دینا بھی جائز۔ ہاں اپنا خون بیچنا، بینک میں جمع کرانا، یا صرف طاقت کے لئے خون لینا، خون کا کاروبار کرنا کہ غریب لوگوں کو پیسہ کا لالچ دے کر ان کا خون خریدا جائے اور اس پر منافع کمایا جائے۔ یہ سب صورتیں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ تفاسیر، احادیث و فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

خنزیر

خنزیر، سؤر نہایت ہی غلیظ جانور ہے، صورت و شکل کا نہایت قبیح، عادات و اطوار میں نہایت ہی شنیع، بیماریوں کا پلندہ، جو قومیں حلال و حرام کی قیود سے آزاد اور گوشت خور ہیں وہ بھی اس کا گوشت عام گوشت کی طرح استعمال نہیں کرتیں۔ انہیں اعتراف ہے کہ اس گوشت میں بے حد بیماریاں ہیں، اس سے انسان کے عادات و اطوار پر برا اثر پڑتا ہے۔ ہم جنسی جیسی بدترین

Marfat.com

عادات پیدا ہوتی ہے، تاہم وہ یہ جانتے ہوئے بھی اس غلیظ گوشت کی، کرسمس اور دیگر اہم تقریبات پر خصوصی ڈش بناتے اور کھاتے ہیں- اسی لئے ان میں بدترین امراض پھوٹتے ہیں، جن سے الحمدللہ مسلمان محفوظ ہیں- تفصیلات کے لئے اگر آپ چاہیں تو امریکہ و یورپ سے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والی میڈیکل رپورٹس کا مطالعہ کر سکتے ہیں- میں نے ایک ایسی رپورٹ ''ٹائم'' میں پڑھی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ ان لوگوں کے جسم میں ایک خاص قسم کے دانے پھوٹتے جن سے نہایت ہی بدبو آتی ہے اس بیماری کی وجہ معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ یہ مرض اکثر انہی لوگوں میں ہوتا ہے جو خنزیر کا گوشت زیادہ استعمال کرتے ہیں- اسی طرح ان ممالک میں ہم جنسی کی وبا عام ہے- حتی کہ اب اس کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہے- یعنی دو مرد یا دو عورتوں کی باقاعدہ شادی ہو سکتی ہے، اور اس پر عمل جاری ہے- ایسے جوڑوں کو ٹیلی ویژن پر لایا جاتا ہے اور ان کی زندگی کے متعلق سوالات کئے جاتے ہیں- اور وہ اپنی اس خنزیر جیسی زندگی پر اظہار اطمینان کرتے ہیں- ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ''-

الحمدللہ، کہ اس نے مجھے اسلام جیسے مقدس مذہب پر پیدا کیا- یا اللہ! اسی پر میرا خاتمہ فرما، اور تو گواہ ہو کہ میں اپنے مذہب کے حکم پر نہ صرف مطمئن ہوں، بلکہ کسی مذہب میں اس سے بہتر کوئی قانون نہیں پاتا- مجھے اس پر فخر ہے- اس نے مجھے باعزت بنایا اور میرے لئے یہی عزت کافی ہے- کہ میرا رب مجھے ''اے ایمان والو'' کے پیارے خطاب سے نوازتا ہے- اے اللہ! میں ایمان والا ہوں اور تیرے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں تو ہی مجھے اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما۔

قرآن کریم نے، اس غلیظ جانور کو صرف حرام ہی نہیں، بلکہ نجس، ناپاک قرار دیا- یعنی صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کا گوشت حرام ہے، بلکہ اس کی ہڈی، کھال، بال ہر چیز گندی، اس کی کھال کا جوتا تک پہننا جائز نہیں- نہ اس کو شوقیہ پال سکتے ہیں، نہ اس کا کاروبار کر سکتے ہیں- اس سے انسان کی کوئی ضرورت وابستہ ہی نہیں- جبکہ دیگر حرام جانور بہت سے ایسے ہیں جن سے ضرورتیں وابستہ کی گئیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ان کو پالنے کی، ان کا کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی- ان کا گوشت تو حرام ہے، لیکن ان کی ہڈیوں، دانتوں، کھال اور بال استعمال کرنا جائز ہیں- یہ خنزیر ہی اس قدر غلیظ جانور ہے جس کو نجس فرما کر مسلمان کو اس سے لاتعلق رہنے کا حکم دیا گیا۔

ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ جانور اس قدر غلیظ و بیکار ہے تو اس کو پیدا ہی کیوں کیا گیا، یہ سوال بڑا ہی عجیب ہے، جبکہ اس کائنات میں اللہ کی بے شمار مخلوق ایسی ہے جو ہمیں بیکار نظر آتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خالق کائنات نے کوئی ذرہ بھی بیکار پیدا نہیں فرمایا- ارشاد ہوتا ہے-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ (ص:۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے فائدہ نہیں بنایا، یہ تو انہی لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا، تو ہلاکت ہے کافروں کے لئے آگ کے عذاب سے-

کوئی چیز ہمارے لئے مفید ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ بے فائدہ ہرگز پیدا نہیں کی گئی- خالق حقیقی ہی اس کی پیدائش کی حکمت جانتا ہے- نہ ہمارا علم اتنا وسیع اور نہ عقل اتنی قوی کہ ہم ہر چیز کی حکمت جان لیں اور سمجھ لیں- پس اہلِ ایمان اہلِ عقل

Marfat.com

کا کام حکمتیں جاننا نہیں بلکہ اس کائنات کے ذرے ذرے میں غور وفکر کرنا اور اللہ وحدہ لاشریک کی قدرت کا اعتراف واقرار کرتے ہوئے یہ کہنا ہے کہ "اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بیکار پیدا نہیں فرمایا"۔

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

(آل عمران:۱۹۱)

جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں وہ غور کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے رب، تو نے یہ (سب کچھ) بیکار پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس ہمیں نار جہنم کے عذاب سے بچا۔

یہ "اولوالالباب" عقل والوں کی خوبی بیان کی گئی، کہ عقل والا ہر چیز کی حکمت تلاش نہیں کرتا، وہ تو ہر چیز سے اللہ کی قدرت، پہچانتا ہے، کائنات میں غور کرنے سے اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

غرضیکہ قرآن کریم نے خنزیر کو دیگر جانوروں کی طرح صرف حرام ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کو "نجس العین" قرار دیا۔ اب غور کیجئے ایسے مؤمن کی حالت پر، جو اللہ کے اس حکم کے بعد بھی خنزیر کھائے، یا اس کا کاروبار کرے، اگر وہ یہ حرکت جائز وحلال سمجھ کر کرتا ہے، تب تو ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا، کافر ہوگیا، مرتد ہو گیا۔ اور اگر اسے اس کی حرمت کا اعتراف ہے، لیکن دنیا کے عیش یا لالچ نے اسے اس گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے، تو بہر حال وہ فاسق مُعلن ہے۔ جس سے ملنا جلنا اور اس کا کھانا پینا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔ یہی حکم ان تمام بدنصیبوں کا ہے جو محرمات قطعیہ میں مبتلا ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اسلام کے نورانی چہرے پر کلنک کا داغ ہیں، ان سے بچئے، کہیں یہ آپ کے ایمان کی پاکیزہ چادر کو داغدار نہ کردیں، حکم الٰہی ہے۔

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾

(الانعام ۶۸)

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو، جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں، تو ان سے منہ پھیر لو۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات سے بحث کرنے لگیں۔ اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے، تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ نہ بیٹھو۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ

وہ جانور بھی حرام ہے جو اگرچہ حلال تھا، لیکن "ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا گیا۔ جیسے کفار "بسم اللات والعزیٰ" کہہ کر جانوروں کو ذبح کرتے تھے، اور بڑا ہی متبرک سمجھ کر اس کا گوشت کھاتے تھے۔ ایسا جانور

Marfat.com

اگرچہ ''میتۃ'' میں شامل ہے لیکن قرآن کریم نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا اور اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ کیونکہ اسکو ذبح کیا جاتا ہے یہ ظاہری عمل اس کے حلال ہونے کا شبہ پیدا کرسکتا تھا۔ پس قرآن کریم نے اس شبہ کو زائل کردیا اور واضح کر دیا کہ کسی جانور کا گوشت حلال ہونے کے لیے اس کا فی نفسہ حلال ہونا اور ذبح کیا جانا ہی کافی نہیں بلکہ وقت ذبح اس پر اللہ کا نام لینا لازمی وضروری ہے کہ یہ بھی ذبح کرنے والے کی طرف سے ایمان کے اظہار واعلان کا ذریعہ ہے جو شخص چھری چلا کر جانور کی جان لے رہا ہے عین اس حالت میں وہ اپنی زبان پر اللہ کا نام لاکر، اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، کہ میں تو اس جانور کا عارضی مالک تھا، لیکن حقیقی مالک، اے اللہ تو ہی ہے، جس نے اس پر مجھے قدرت عطا فرمائی، پس تیرے ہی نام سے میں اس کو ذبح کرتا ہوں اور تیرے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ تو مجھے اس کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

تو وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بتوں کا یا کسی انسان کا نام لیا گیا وہ ''میتۃ''، مردار اور حرام ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والا مشرک اور مرتد ہے۔ بات بالکل واضح ہے لیکن بدقسمتی سے امت میں ایک ایسا گروہ بھی ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے جس کا کام شریعت کے واضح مسائل کو غلط انداز میں، قرآن وسنت کی منشاء کے خلاف بیان کرکے ان مسائل کو مختلف فیہ اور متنازع بنا دینا ہے کہ ان کا مشن ہی امت میں انتشار وافتراق پھیلانا ہے۔ ایسے لوگوں نے اس صاف ستھری بات کو بھی غلط رنگ دیا اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے آیت کے معنی اس طرح کیے کہ ''جس جانور پر کسی وقت بھی اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے وہ حرام ہے''۔ اور پھر انہوں نے اس کا سہارا لے کر ایسے مسلمانوں کو مشرک ومرتد کہنا شروع کردیا جو عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے کسی جانور کو غوث پاک، خواجہ غریب نواز یا کسی اور بزرگ اور اللہ کے ولی کی طرف منسوب کردیتے ہیں جس سے ان کا منشاء صرف یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ دولت کے اس ایثار اور جانور کی اس قربانی کا ایصالِ ثواب، منسوب الیہ، یعنی اس بزرگ کو کیا جائے گا جس کی طرف اس جانور کی نسبت کی جارہی ہے اور جب وہ اسے ذبح کرتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کا نام نہیں لیتے۔ ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ ہم سنیں یا نہ سنیں لیکن ایک مسلمان سے اس کے علاوہ ہم اور کوئی توقع نہیں کرسکتے۔ ہمیں ایک مؤمن پر بدگمانی کرنے کا کیا حق ہے اور اس بدگمانی پر کسی کو مشرک ومرتد کہہ دینے کا کیا جواز، کہ چونکہ یہ شخص جانور کو غوث پاک کی طرف منسوب کرتا تھا لہٰذا اس نے ذبح کے وقت بھی ضرور انہی کا نام لیا ہوگا، ظن وگمان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ اور وہ بھی مؤمن کو مشرک قرار دینے کا فیصلہ کرنا، اہل ایمان کا تو کام نہیں اور نہ ہی ایسا فیصلہ حق ہوسکتا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝
(یونس:۳۶)

اور ان (کافروں) کے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، بیشک گمان حق سے بالکل بے نیاز نہیں کرسکتا۔ یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

غور فرمائیے، محض گمان کی بنیاد پر اہل ایمان کو مشرک ومرتد قرار دینے کا فیصلہ خود ان کو کہاں پہنچا رہا ہے۔ اگر صرف ظاہری نسبت کی بناء پر جانور ہمیشہ کے لیے حرام ہوگیا تو اس جانور کا کیا حکم ہوگا جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا گیا۔ اور اس کو مسلمان نے

Marfat.com

خرید کر یا مانگ کر اللہ کا نام لے کر ذبح کر لیا۔ حکم تو یہی ہونا چاہیے کہ وہ حرام ہے جب کہ ایسا نہیں شریعت کا مسئلہ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حلال ہے۔ اس لیے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ یہ گائے، بکری میں نے اپنے بیٹے کے عقیقہ یا ولیمہ کے لیے خریدی ہے تو کیا وہ بھی حرام ہو گئی کوئی بھی یہ فتویٰ نہیں دے سکتا کہ وہ حرام ہے۔ تو آخر کیا غضب ہو گیا کہ کسی عاشق نے یہ کہہ دیا کہ یہ جانور میں غوث الاعظم کے لئے، داتا گنج بخش کے لیے، اپنے پیر کے لیے ذبح کروں گا۔ ہماری عادت تو حسنِ ظن کی ہے۔ ہم مؤمن کے ایمان پر نظر رکھتے ہوئے یہی یقین کرتے ہیں کہ اس قربانی کا ایصالِ ثواب بزرگوں کے لئے ہوگا۔ ذبح کے وقت یقیناً اللہ ہی کا نام لیا جائے گا کہ مؤمن کتنا ہی جاہل ہو کتنا ہی برا ہو لیکن شرک کو وہ خوب جانتا ہے اور شرک سے خوب بچتا بھی ہے۔ مؤمن کا حال تو یہ ہے کہ ایک مسلمان شرابی جس کو اللہ تعالی نے ہماری تبلیغ کے ذریعہ توبہ کی توفیق نصیب فرمائی، بہت شراب پیتا تھا۔ لوگوں نے ہمیں اس کی ایک عجیب بات یہ بتائی کہ اللہ کا یہ بندہ منہ سے شراب کا گلاس لگاتا ہے تو بسم اللہ ضرور کہہ لیتا ہے۔

بہرحال غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن یہ اسی کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں جن چیزوں کا مالک بنایا ان کو اپنی طرف منسوب کرنے کی اجازت عطا فرمائی یہ گھر میرا ہے، یہ بیٹا میرا ہے، یہ دولت میری ہے، نہ جانے کیا کیا میرا، تیرا ہے۔ جبکہ نہ کوئی چیز میری ہے نہ تیری۔ لیکن میرا، تیرا کہنا جائز ہے۔ تو جانور کے لیے آپ یہ خصوصی حکم کیسے لگا سکتے ہیں کہ غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ذبح کے وقت اگر غیر اللہ کا نام لیا گیا تو یقیناً وہ جانور حرام ہو گیا۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا اور نہیں کرتا۔ پس ایسے لوگ ظالم ہیں جو زندہ جانوروں کی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے والوں کو، مشرک و مرتد کہہ دیتے ہیں۔ درحقیقت ان کا مشن اہلِ ایمان کے دلوں سے اہلُ اللہ کی محبت نکالنا ہے جس میں نہ وہ کامیاب ہو سکے اور نہ ہو سکیں گے۔ کہ اللہ خود ہی اپنے نیک بندوں کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرماتا ہے۔ امت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں سے اللہ دور رکھے۔

بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث ہے کہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ایک کنواں کھدوایا جس کا نام انہوں نے اپنی والدہ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے ''بئر ام سعد'' سعد کی ماں کا کنواں رکھا، مقصود یہ تھا کہ جو لوگ بھی اس سے فائدہ حاصل کریں وہ میری ماں کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ غور فرمایئے اگر کسی غیر کی طرف منسوب کرنے سے کوئی چیز ناپاک و حرام ہو جاتی ہے تو اس کنوئیں کا پانی بھی ناپاک ہو جاتا۔ اس کا پینا، اس سے وضو و غسل کرنا، کپڑے دھونا، سب ممنوع، ناجائز ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں کیونکہ کسی چیز کی غیر اللہ کی طرف نسبت نہ اس کو ناپاک کرتی ہے اور نہ ہی حرام و ممنوع۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو ہمارے عقیدے کو پختہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اضطرار

اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جہاں طاقت ختم ہو جائے، وہی اضطرار کی حالت ہے۔ یعنی جبر

Marfat.com

واکراہ اور مجبوری کا وقت ہے اللہ بڑا ہی رحیم وکریم اور اپنے بندوں کی طاقت کو خوب جاننے والا ہے۔ اسی لیے اس نے ہمیں وہ دین عطا فرمایا جو آسان ہے اور بار بار ارشاد فرمایا ''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تمہیں مشکل میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا''۔ عبادات کے احکام دیئے تو ان میں بیماروں، کمزوروں، مسافروں کے لیے خصوصی رعایت فرمائی۔ غریبوں اور محتاجوں کا خیال فرمایا۔ اسی طرح حرام کھانے سے منع فرمایا۔ تو اس میں لاچاری اور مجبوری کے وقت رعایت دی اور فرمایا گیا کہ جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان سے بچو۔ لیکن اگر ایسا وقت آجائے کہ جان جانے کا اندیشہ ہونے لگے تو جان بچاؤ اور ہماری حرام کی ہوئی چیز ہماری ہی اجازت سے کھالو۔ لیکن دیکھو بڑی احتیاط رکھنا۔ ''**غیرَ باغٍ**'' اضطرار کے بہانے نافرمانی میں مبتلا نہ ہو جانا۔ ''**ولا عادٍ**'' اتنا ہی کھانا جتنا اضطرار دور کرنے کے لئے ضروری ہو، اس سے تجاوز نہ کرنا، مزے نہ لینے لگنا اور یہ بھی نہ سمجھ بیٹھنا کہ اس حالت میں تم نے جو کھایا وہ تمہارے لئے حلال ہو گیا، نہیں وہ حرام ہی تھا، پس تم اپنے اس عمل پر جو اگرچہ بحالت مجبوری کیا توبہ کرتے رہنا اور ہم اپنے فضل وکرم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں بخش دیں گے، کہ ''بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔

اضطرار کی صرف تین حالتیں ہیں، مسلمان کسی ایسی جگہ پھنس جائے جہاں حرام گوشت کے علاوہ کوئی دوسری چیز میسر ہی نہ ہو۔ ایسی حالت میں حلال چیز تلاش کرنے کی اس وقت تک کوشش کی جائے جب تک کر سکتا ہے، جب نڈھال ہو جائے تو انتظار کرے شاید کہیں سے کوئی حلال چیز آجائے اور جب پوری طرح یہ محسوس ہونے لگے کہ اب اگر پیٹ میں کچھ نہ گیا تو جان نکل جائے گی تو جو بھی موجود ہے کھالے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ظالم وجابر، حرام کھلانے پر مصر ہو تو جب یہ یقین ہو جائے کہ اگر اب اس کی بات نہ مانی گئی تو یہ جان لے ہی لے گا، تو اس کی بات مان کر اپنی جان بچالینا فرض ہے۔ لیکن بڑی احتیاط کرنا ہوگی کہ اگر دو لقموں سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو تیسرا نہ کھایا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کا علاج ماہر ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صرف ایسی ہی دوا سے ہو سکتا ہے جس میں کسی حرام کی آمیزش ہو تو پہلے کوشش کی جائے کہ اس کا بدل کسی حلال دوا سے حاصل کر لیا جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو بیماری سے نجات کے لیے اس دوا کو استعمال کیا جا سکتا ہے جس میں حرام کی آمیزش ہے۔ جیسا کہ آج کل اکثر دواؤں میں حرام کی آمیزش ہوتی ہے، ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن مجبوراً استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن صرف طاقت کے لیے بطور ٹونک ان کا استعمال ہرگز جائز نہیں کہ طاقت بہت سی دوسری چیزوں غذا وغیرہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی صورت اضطرار کی ایسی نہیں جس میں حرام چیز کا استعمال جائز ہو۔ کسی ایسے ملک یا شہر میں رہنا جہاں حلال گوشت میسر نہ ہو، اضطرار و مجبوری نہیں کہ اول تو ہمارے دور میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حلال گوشت حاصل کرنا دشوار ہو، کم از کم ہم نے اپنے پچیس سالہ دور سیاحت میں کوئی ایسی جگہ نہ دیکھی۔ ہاں بعض جگہ عام طور پر حلال گوشت میسر نہیں آتا، لیکن تدبیر وکوشش سے مل جاتا ہے اور اگر گوشت نہ بھی ملے تو مچھلی، انڈا اور بہت سی غذائیں ایسی ہوتی ہیں جو استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اور انسان ساری عمر انہی پر بسر کر سکتا ہے۔ ہاں ہسپتالوں اور جیل خانوں میں ضرور قدرے

Marfat.com

دشواری ہے تو وہاں بھی دوسری غذائیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ گوشت پر زندگی کا دارومدار نہیں، یہی حالت سفر میں ہے کہ اگر ہوائی جہاز وغیرہ کے سفر میں گوشت کا حلال ہونا یقینی نہ ہو تو اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ حرام کو حلال کرنے کا بہانہ اختیار کر کے اسے اضطرار اور مجبوری قرار دے لینا بہت بڑی گمراہی ہے جو ایمان کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ ایمان مسلمان کے لیے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی تکلیف بھی برداشت کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ صحابہ کرام اور اسلاف کے واقعات موجود ہیں جنہوں نے ہر حال میں اپنے آپ کو حرام سے بچا کر ہمارے لیے ایمان کی حفاظت کا نمونہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق و ہمت نصیب فرمائے۔

وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

مقالہ ۵

البقرہ: ۱۷۸ تا ۱۸۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر بدلہ ان لوگوں کے خون کا جو (ناحق) قتل کیے جائیں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت، تو جس (قاتل) کے لئے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو بھلائی کے ساتھ مطالبہ ہو اور نیکی کے ساتھ اس کی طرف ادائیگی۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے سہولت اور رحمت ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے لیے قصاص میں حیات ہے اے عقلمندو تاکہ تم (خونریزی سے) بچو۔

Marfat.com

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

تم پر فرض کیا گیا، جب تم میں کسی کو موت آئے اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر لے، اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے، دستور کے موافق یہ حق ہے پرہیز گاروں پر۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

تو جو وصیت کو سن کر، اسے بدل دے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اسے بدلیں۔ بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ: ۱۷۸ تا ۱۸۲)

پھر جسے وصیت کرنے والے کی طرف سے بے انصافی یا گناہ کا خوف ہو، پس وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم والا ہے۔

اے ایمان والو! عدل و انصاف کی بقاء اور امن و امان کے قیام کے لیے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی کو عمداً اور قصداً قتل کر دے تو قاتل کو اسی طرح قتل کر دیا جائے جیسے اس نے قتل کیا تھا۔ نیز زمانہ جاہلیت کا یہ طریقہ یکسر ممنوع قرار دیا جاتا ہے کہ اگر قاتل آزاد ہو تو اس کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے اور اگر قاتلہ عورت ہو تو اس کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے، ایسا ہرگز کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اگر آزاد مرد نے کسی غلام کو قتل کیا ہے تو اسی آزاد مرد کو قتل کیا جائے گا کسی غلام کو نہیں۔ اور اگر عورت نے کسی مرد کو قتل کیا ہے تو اس عورت ہی کو قتل کیا جائے گا کسی مرد کو نہیں کہ اسلام ایسی ناانصافی اور ظلم کی اجازت نہیں دے سکتا کہ قصور کسی کا ہو اور سزا کسی کو دی جائے۔ ہاں اسلام اس موقع پر بھی عفو و درگزر کی تلقین کرتا ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو اس کی جان بخشی کر کے اس سے دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس مطالبہ میں بھی نرمی اور حسن سلوک کو ملحوظ رکھنا بہتر ہوگا، کہ نہ تو دیت کی وصولیابی میں سختی کی جائے اور نہ قاتل کی طرف سے اس کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر کی جائے، جو بھی ایسا کرے گا وہ اللہ کے یہاں دردناک عذاب کا مستحق قرار پائے گا، کہ اس نے اللہ کی عطا کردہ سہولت سے غلط فائدہ حاصل کیا۔ قصاص کا حکم نہ تو ظلم ہے، نہ ناانصافی بلکہ قتل و غارت کے خاتمہ کا ذریعہ ہے اس سے دوسروں کی جانوں کو تحفظ ملتا ہے۔

اے ایمان والو! موت سے پہلے وصیت کے ذریعہ سخاوت کے اظہار کے طور پر سارا مال و دولت غیر متعلقہ لوگوں یا رفاہی اداروں کو دے دینا، جاہلیت کا طریقہ تھا۔ اب تمہیں وصیت کی تو اجازت ہے، لیکن حق داروں کے حقوق پامال کرنے کی اجازت نہیں، پس تم، اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ کے لئے وصیت کیا کرو۔ نیز وصیت سننے والے گواہوں کو وصیت میں تبدیلی کا حق نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو سخت گناہ گار ہوں گے کہ اگر ان کی اس بددیانتی کا کسی کو پتہ نہ چلا تو اللہ تو

Marfat.com

سننے اور جاننے والا ہے۔ اس سے تو کوئی چیز نہیں چھپائی جا سکتی۔ ہاں ان گواہوں کو صرف اتنا حق حاصل ہے کہ اگر وصیت کرنے والا کوئی غلطی کر رہا ہے کسی کی حق تلفی کر رہا ہے تو اسے وہ نصیحت کریں، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ البقر کی یہ پانچ آیات ہیں جن میں اہلِ ایمان کو دو حکم دیئے گئے۔ قصاص کا حکم یا اس کے بدلے دیت کا حکم۔ اسی کے ساتھ دیت کی وصولیابی اور اس کی ادائیگی کا اخلاقی طریقہ بھی بیان کیا گیا۔ دوسرا حکم وصیت سے متعلق ہے۔ جس کے ساتھ وصیت پر گواہوں کی ذمہ داری بھی بیان کر دی گئی۔

قصاص و وصیت، اقوام کی تاریخ کے ہر دور میں رسمی طور پر جاری رہے ہیں، لیکن ان کا مقصد سوائے انتقامی کارروائی اور اظہارِ برتری اظہارِ سخاوت دولت مندی کے کچھ نہ تھا۔ اسلام کے جملہ قوانین دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، عدل وانصاف کو رائج کرنے ظلم وستم کے انسداد اور امن وامان کی بحالی جیسے فوائد کے حامل ہیں۔ لہٰذا اسلام نے قصاص و وصیت کو قانونی شکل دے کر، انہیں ایسی ترامیم کے ساتھ نافذ کیا کہ امت مسلمہ کو ان سے یہ فوائد حاصل ہو سکیں۔ یہ مضامین فقہی اور قدرے دشوار ہیں، لیکن ہم انہیں آسان انداز پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قصاص

قصاص کے معنی، خون کے بدلے خون کرنا، بدلہ لینا۔

اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم پر مقتولین کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ حکم اگر چہ عام ہے لیکن اس کی تعمیل انہی لوگوں کی ذمہ داری ہے جنہیں عوام کی عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ یعنی صاحب اقتدار لوگ، حکام، اس طرح کہ قاتل کے ورثاء اپنے مقتول کے قتل کی اطلاع متعلقہ حکام کو دیں۔ حکام اس سے لاپرواہی نہ کریں بلکہ قاتل کو تلاش کرنا اور اس سے بدلہ لینا ان کی ذمہ داری ہے، جسے ان کو بحکم شریعت پورا کرنا ہوگا اگر اس مفہوم کے علاوہ یہ سمجھ لیا جائے، کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے مقتول کا بدلہ خود لے تو یہ مفہوم نہ صرف قرآنی عبارت کے خلاف ہوگا بلکہ اس حکم کے مقصد کے بھی بالکل برعکس ہوگا۔ کہ قصاص کے حکم کا مقصد تو امن قائم کرنا بڑھتی جنگ کو ابتدائی ہنگامہ پر ہی ختم کر دینا ہے۔ اب اگر ہر شخص اس حکم کے مطابق خود ہی بدلہ لینے لگا تو سب ہی قاتل ہوں گے اور سب ہی مقتول۔ بدامنی کا ایسا بھیانک منظر ہوگا کہ کوئی نہ سکون کی نیند سو سکے گا۔ اور نہ ہی چین سے زندگی کی دوسری ذمہ داریاں پوری کر سکے گا۔ قومی امور کی ذمہ داری چند افراد کو سونپ کر اسی لئے حاکم بنایا جاتا ہے کہ شرعی قانون کے مطابق وہ عوام کے حقوق کا تحفظ کریں۔

شریعت اسلامیہ نے اسلامی مملکت میں عوام وحکام کی ذمہ داریوں کو کچھ اس طرح تقسیم کیا ہے کہ عوام اور افراد، انفرادی طور پر قرآن وسنت کے احکام کی پابندی کریں اور حکام خود بھی پابندی کریں اور اس بات کی نگرانی بھی کریں کہ مملکت اسلامیہ میں بسنے والا کوئی مسلمان خلاف شرع کام میں مبتلا نہ ہو۔ نیز حدود وتعزیرات، جرائم پر سزاؤں کا نفاذ کریں کوئی چوری کرتا ہے تو ایک عام آدمی جس نے چور کو چوری کرتے دیکھا، گواہی دینے کا تو ذمہ دار ہے لیکن چور کا ہاتھ اگر وہ خود ہی کاٹ دے گا تو وہ مجرم قرار پائے گا۔ یہ اختیار حاکم وقاضی ہی کو ہے کہ ضروری تحقیقات اور شرعی قوانین کی تکمیل کے بعد سزا کا حکم نافذ

Marfat.com

کرے۔ اور حاکم و قاضی کو بھی یہ اختیار صرف اپنی مملکت کے حدود ہی میں حاصل ہے۔ یعنی اگر کسی دوسرے ملک میں آباد مسلمان نے کوئی جرم کیا تو اس کو سزا دینے کا اختیار اسی ملک کے حاکم کو ہوگا اگر وہ ملک اسلامی ہے تو وہاں کا حاکم شرعی قوانین کے پیش نظر اپنی تحقیق کے مطابق سزا دے گا اور اگر کوئی غیر اسلامی ملک ہے تو وہاں کے قانون کے مطابق سزا ہوگی۔ اسلامی قانون ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایران کا حاکم برطانیہ کے باشندے پر حد جاری کرے اور اس کو قتل کردینے کا نہ صرف عوام کو اختیار دے بلکہ قاتل کے لیے انعام واکرام کا بھی اعلان کرے۔ یہ نہ صرف قوانین شریعت سے ناواقفی کا ثبوت ہے بلکہ دہشت گردی بھی ہے اور دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا جرم بھی جس سے عالمی امن وامان میں خلل واقع ہوتا ہے۔

آیت زیر بحث میں حکم دیا جارہا ہے کہ ”آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر آزاد کو غلام نے قتل کیا تو اس کے بدلے کسی دوسرے آزاد کو قتل کیا جائے اور غلام کو آزاد نے قتل کیا تو اس کے بدلے کسی غلام ہی کو قتل کیا جائے۔ عورت کو مرد نے قتل کیا تو اس کے بدلے کسی بھی عورت کو قتل کیا جائے۔ گویا سزا قاتل کو نہیں دی جائے گی بلکہ جنس کا بدلہ جنس سے لیا جائے گا یہ انصاف نہیں۔ سراسر ظلم ہے۔ اسلام ایسے لغو اور ظالمانہ حکم ہرگز نہیں دیتا۔ درحقیقت یہاں قصاص کا حکم ایک خاص صورت کے مطابق دیا گیا ہے جو یہ تھی کہ اہل عرب میں قصاص تو رائج تھا لیکن اس میں انصاف نہ تھا۔ اس سے مقصود قاتل کو سزا دینا اور سلسلہ قتل وغارت کا سد باب کرنا نہ تھا۔ بلکہ اپنی فوقیت، برتری اور قوت وطاقت کے مظاہرے کے لیے وہ قصاص لیتے تھے۔ اگر کوئی قبیلہ ان کے ایک آزاد آدمی کو قتل کردیتا تو وہ دشمن کے کئی آزاد کو قتل کرتے، اگر ان کا غلام مارا جاتا تو وہ دشمن کا آزاد آدمی اس کے بدلے مارتے، اگر ان کی کوئی عورت ماری جاتی تو وہ اس کے بدلے دشمن کے مرد کو قتل کردیتے اور اس کو اپنی بہادری، غلبہ اور شرف کا ذریعہ بناتے تھے۔ اسلام نے قصاص کا حکم دیا۔ جنگ بڑھانے کے لیے نہیں، قتل وغارت کو عام کرنے کے لئے نہیں، فخر ومباہات کا ذریعہ بنانے کے لئے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ حق دار کو حق ملے۔ وارثوں کا یہ حق ہے کہ ان کے مقتول کے قاتل کو مارا جائے جب مقتول کا قاتل مار دیا گیا تو دشمن ختم ہوگیا۔ جس نے ایذا پہنچائی وہ نظروں کے سامنے نہ رہا۔ وارثین کی آتش غضب بجھانے کے لئے اتنا کافی ہے۔ پس سزا قاتل کو ملنی چاہیے تم ایک آزاد کے بدلے دو آزاد، غلام کے بدلے آزاد، عورت کے بدلے مرد کو قتل کرکے قصاص نہیں لے رہے، دہشت گردی میں اضافہ کررہے ہو۔ پس اے مؤمنو، تم ایسا نہ کرو، بس قاتل کو قتل کرو اگر آزاد کا قاتل ایک آزاد ہے تو بس اسی کو قتل کرو، اگر غلام کو کسی غلام نے قتل کیا تو اسی کو قتل کرو۔ اگر عورت کو کسی عورت نے قتل کیا تو اسی کو قتل کرو۔ قاتل ہی کو قتل کرو اس کے بدلے کسی دوسرے کی جان نہ لو کہ یہ ظلم ہے، فتنہ وفساد میں اضافہ کرنا ہے۔

اسلام دینِ مساوات ہے اور حکمِ قصاص اس کا ثبوت ہے کہ اسلام سب کے لیے ایک ہی حکم دیتا ہے۔ اگر کسی امیر و دولت مند نے غریب کو قتل کیا تو اس امیر قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جسطرح ایک غریب قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی آزاد مرد نے کسی غلام کو قتل کیا تو اس آزاد قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح غلام قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی عورت کو عورت نے قتل کیا یا مرد نے تو قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا۔ اصل قصاص یہ ہے کہ جان کے بدلے قاتل ہی کی جان لی

Marfat.com

جائے۔ ہمارا یہ قانون ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور اے مؤمنو! اسی کو ہم نے تمہاری شریعت میں باقی رکھا ہے، فرمایا گیا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ

اور (تورات میں) ہم ان پر فرض کر چکے ہیں کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ ہے تو جو شخص بدلہ معاف کر دے تو یہ معافی کفارہ ہوگی اس کے لیے (گناہوں کا)

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ (المائدہ:۴۵)

اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (حکم) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

تورات میں طرح طرح کے ردوبدل کے باوجود آج بھی یہ حکم موجود ہے جو قرآن کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے۔

”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو، تُو جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ دانت کے بدلہ میں دانت اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ، پاؤں کے بدلے میں پاؤں، جلانے کے بدلہ جلانا، زخم کے بدلہ زخم، اور چوٹ کے بدلہ چوٹ۔“

(خروج ۲۱، ۲۳۔۲۵)

قصاص کا یہ اسلوب امیر وغریب، آزاد وغلام، مرد وعورت کے درمیان غیر منصفانہ فرق کو مٹاتا اور اسلامی مساوات کو اجاگر کرتا ہے اور صرف قصاص ہی نہیں بلکہ اسلام کے تمام حدود وتعزیرات اور دیگر احکام میں یہی روح رواں ہے۔ درج ذیل واقعہ سے مزید اندازہ لگایئے کہ اسلامی مساوات کا اندازہ کرنے کے لیے اس سے اہم واقعہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَانُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا وَ مَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اُهْلِكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَ اَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مخزومی عورت کے معاملہ نے قریش کو پریشان کر دیا، جس نے چوری کی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اس بارے میں کون حضور علیہ السلام سے عرض کر سکتا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید کے سوا کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہی حضور علیہ السلام کے بہت محبوب ہیں۔ پس حضرت اسامہ نے حضور علیہ السلام کے دربار میں معاملہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے متعلق سفارش کرتے ہو، پھر حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا، آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک کیے گئے کہ

Marfat.com

جب کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا، تو اس پر حد قائم کر دیتے۔
اللہ کی قسم، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (مشکوٰۃ شریف)

کیا اس دور میں مساوات کے جھوٹے نعرے لگانے والے کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے آج کی مساوات یا تو عیاشی کا نام ہے اور یا لوگوں کے مال و دولت پر جبراً قبضہ کر لینے کا، جس کے پاس قوت و طاقت ہوتی ہے وہ دوسروں کو ننگا کر کے خود پہنتا ہے۔ دوسروں کو بھوکا کر کے خود کھاتا ہے۔ اور اسی کو مساوات کہتا ہے۔ دیکھئے ان ملکوں کا حال جن میں سوشلزم اور کمیونزم کے نام پر عوام کا خون چوسا جا رہا ہے، ان پر ظلم ہو رہا ہے اور انہیں اس کے خلاف آواز تک نکالنے کی اجازت نہیں۔ اسلام، امیر و غریب، کمزور و طاقتور، حاکم و محکوم، سب کا فرق مٹا کر سب کے لیے ایک قانون پیش کرتا ہے جو سزا خاندان بنو مخزوم کی چور عورت کے لیے ہے وہی سزا نبی کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی ہے۔

قصاص کا قانون کوئی نیا نہیں بلکہ نہایت ہی قدیم ہے اور ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کو بھی اس کا حکم دیا گیا، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ اتھکس کے مرتب جیمس نے اس موضوع کو خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے، وہ لکھتا ہے۔

"قدیم زمانہ میں قتلِ خطاء اور قتلِ عمد اور دیگر جرائم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا تاہم اپنے قبیلہ سے باہر چوری کر لینا یا قتل کر دینا کوئی عیب نہ تھا۔ بلکہ بعض اوقات اسے اچھا سمجھا جاتا تھا۔ ہاں اگر انتقام کا اندیشہ ہوتا تھا تو اسے برا سمجھا جاتا تھا۔ پھر جب اخلاقیات کا تصور پیدا ہوا تو قبیلہ سے باہر اور اندر دونوں جگہ اس کو برا سمجھا جانے لگا۔ لیکن ملزم کی دولت مندی اور تنگ دستی کے اعتبار سے سزا میں فرق رہا۔ پہلی مرتبہ جرم کرنے والے اور دوسری مرتبہ جرم کرنے والے کی سزا میں بھی فرق ہوتا تھا۔ بعد کے جرائم میں قتل کی سزا دی جاتی تھی۔ پہلی چوری پر صرف ایذاء دی جاتی تھی دوسری چوری پر انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں اور تیسری چوری پر ہاتھ اور ہونٹ کاٹے جاتے تھے۔ اور چوتھی چوری پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ بعض قبائل میں جھوٹی گواہی دینے پر زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ لیکن یہ عام دستور تھا کہ اعضا کو نقصان پہنچانے میں قصاص بالمثل کی پابندی کی جاتی تھی۔ یعنی ہاتھ کے بدلے ہاتھ، کان کے بدلے کان، آنکھ کے بدلے آنکھ کا قانون رائج تھا"۔

اسلام عدل و انصاف کا دین ہے اس میں یہ کب گوارا کیا جا سکتا ہے کہ جرم کی سزا کے بہانے لوگوں کو ظلم کا شکار بنایا جائے۔ نیز اس کے لانے والے نبی، نبی رحمت ہیں جو انسانوں کو ایذاء پہنچانا تو درکنار جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرماتے ہیں۔ مثلاً آپ کا ارشاد ہے کہ "جب تم جانور ذبح کرنے لگو تو چھری تیز کر لو تا کہ جانور کو تکلیف نہ پہنچنے پائے" ۔ پس آپ سے کس طرح یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ آپ انسانوں کو ایذاء پہنچانے والا کوئی حکم جاری فرمائیں۔ ہاں جرائم کی روک تھام انسانوں ہی کی خدمت کا ایک ذریعہ ہے کہ جس معاشرے میں جرائم کی کثرت ہوتی ہیں اس میں تمام ضروریات زندگی مہیا ہونے کے باوجود عوام کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ وہ ہمہ وقت اپنے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے متفکر

Marfat.com

و پریشان رہتے ہیں۔ ہمارے دور میں بھی ایسے بہت سے ممالک ہیں جنہیں اپنے عوام کے مہذب ہونے کا دعویٰ ہے، وہ خوشحال بھی ہیں، ان کے انتظامی امور بھی بڑے دلکش ہیں لیکن جرائم کی کثرت نے وہاں کے بسنے والوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ جرائم کا خاتمہ سخت سزاؤں کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا اسلام جو دین رحمت ہے قاتل کو، قتل ثابت ہو جانے کے بعد قتل کر دینے کا حکم دیتا ہے، کسی کی جان لینے کے لیے نہیں بلکہ ایک قتل کے بعد ہمیشہ کے لئے فساد کے اس عمل کا خاتمہ کر دینے کے لئے لیکن انصاف کے ساتھ اس طرح نہیں کہ امیر قاتل کے بدلے کسی غریب کو قتل کر دیا جائے۔ عورت کے بدلے مرد کو، آزاد کے بدلے غلام کو یا اس کے برعکس، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یا اس سے قبل ہوتا تھا۔ اسلام نے قصاص کو باقی رکھا اور قاتل ہی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چاہے وہ کتنا ہی دولت مند ہو بارسوخ ہو یا بزعم خود معزز ہو۔

قصاص اور اقسام قتل

قصاص صرف قتلِ عمد کی صورت میں واجب ہے یعنی قاتل کو قتل کرنے کے لئے صرف اس سے قتل کا ثابت ہونا کافی نہیں بلکہ یہ ثبوت بھی ضروری ہے کہ اس نے جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے قتل کیا جس سے عام طور پر قتل کیا جاتا ہے، کہ قتل عمد کے علاوہ قتل کی مندرجہ ذیل قسموں اور صورتوں میں قصاص واجب نہ ہوگا۔

قتل شبہ عمد، یعنی مقتول کو سزا دینا مقصود تھا، لیکن وہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ اس صورت میں قاتل گناہ گار ہوگا، اسے کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ یعنی ایک غلام آزاد کرنا ہوگا یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے۔ اور قاتل کے ورثاء مقتول کے ورثاء کو سو اونٹ یا ان کی قیمت بطور دیت ادا کریں گے۔ نیز اگر قاتل، مقتول کا وارث ہے تو میراث سے محروم ہو جائے گا۔

قتلِ خطاء، یعنی مقتول غلطی سے مر گیا، مثلاً شکاری، شکار پر حملہ کر رہا تھا کہ کوئی شخص اچانک سامنے آ گیا اور مر گیا۔ غلطی اور خطا پر عند اللہ کوئی مواخذہ نہیں، جیسے کسی نے روزے کی حالت میں روزہ توڑنے والا کوئی عمل بھول کر کیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ (احزاب: ۵)

اور نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اس میں جو تم غلطی سے کرو اور لیکن (ان کاموں میں گناہ ہے) جو تمہارے دل قصد اکرتے ہیں۔

گناہ کا سبب قصد ہے، عمد ہے۔ خطاء و نسیان سے جو کام ہو جائے اس میں گناہ نہیں۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ

میری امت سے خطاء، بھول اور جبریہ کاموں پر گناہ اٹھالیا گیا ہے۔

یہ صدقہ ہے نبی رؤف و رحیم کا، تاہم ایسی بڑی غلطی جس سے کسی کی جان چلی گئی، قابل سزا ہے۔ تا کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ یا اس کو کوئی بہانہ نہ بنا سکے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ نے اس صورت کے قاتل کے لئے سزا مقرر کی کہ وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے۔

قتل قائم مقام خطاء اس کو اتفاقیہ قتل بھی کہا جا سکتا ہے، مثلاً دو آدمی آپس میں مذاق کر رہے تھے اور ہاتھا پائی ہو رہی

Marfat.com

تھی یا کھیل رہے تھے ایک کو چوٹ آئی اور مر گیا اس میں دوسرے شخص کا کوئی قصور نہیں تاہم وہ مجرم قرار پائے گا اور اسے بھی مذکورہ بالا سزا دی جائے گی تاکہ اگر اس میں کوئی سازش ہو تو اسے بھی سزا مل جائے اور دوسروں کے لئے بھی عبرت ہو۔

قتل بالسبب یہ ہے کہ کسی شخص کے عمل کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص مر جائے۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے گھر کے سامنے کنواں کھودا اور اس میں گر کر کوئی مر گیا تو یہاں اگرچہ کسی کو قتل کرنے کا وہم و گمان تک نہ تھا۔ لیکن بہرحال ایک شخص کی جان ضائع ہونے کا سبب کنواں کھودنے والا بنا، اس کی غیر ذمہ داری یا بے حسی کی اسے سزا ملنا چاہیے جو یہ ہے کہ وہ مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے، جن کا واقعی بھاری نقصان ہوا ہے۔

یہ فقہی مسائل ہیں جنہیں بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام نے قصاص کا حکم صرف دہشت گردی اور بد امنی کے خاتمہ کے لئے دیا ہے جو قتل عمد سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ دیگر اقسام قتل میں یہ فتنہ نہیں لہٰذا ان میں سزائیں ضرور ہیں لیکن قصاص نہیں۔ عمداً اور قصداً قتل کرنے والا ایسا مجرم ہے جس کے باعث فساد پیدا ہوتا ہے اور اس کا زندہ رہنا پورے معاشرے میں خوف و ہراس کا سبب بنتا ہے لہٰذا اسے قتل کر دینا ضروری ہے تاکہ کسی شخص کو اپنی جان کا خطرہ نہ رہے ہاں دیت کی ادائیگی کی صورت میں اس کا زندہ رہنا مضر نہیں رہتا کہ وہ نفسیاتی طور پر اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ اب کسی پر ہاتھ اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں رہتی۔ کچھ اسے اپنے مجرم ہونے کا احساس رہتا ہے اور کچھ اس پر خاندان کے ان لوگوں کا دباؤ ہوتا ہے جنہوں نے اس کی طرف سے دیت کی بھاری رقم ادا کی ہے۔

دیت

دیت یعنی خون بہا، کہ مقتول کے وارث یا ان میں سے کوئی وارث راضی ہو تو قاتل کی جان بخش دی جائے گی اور شریعت کا مقرر کردہ خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

ورثاء کو اپنے عزیز کے قتل سے جو دکھ اور صدمہ پہنچا اس کا یہی تقاضہ تھا کہ قاتل کو موت کی سزا دے کر ان کی تسلی کا اہتمام کیا جائے لیکن انہیں یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ اپنا حق معاف کر کے اسکے عوض اگر چاہیں تو دولت قبول کر لیں، کیونکہ شریعت کے اس حکم کا مقصد صرف کسی کی جان لینا نہیں، بلکہ وُرثاء کی تسلی، اور ان کا حق ادا کرنا ہے۔ نیز مسلمانوں کے معاشرے میں ایک قتل کی وجہ سے جو اضطراب پیدا ہوا ہے اس کو ختم کرنا اور مستقبل کے لیے ایسے فتنہ کا سدِّ باب کرنا ہے۔ اگر وُرثاء برضا و رغبت دیت قبول کرنے پر آمادہ ہوں تو قصاص کے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں۔ وُرثاء کی تسلی بھی ہو جائے گی قاتل کے بدلے میں کوئی کسی کو قتل بھی نہیں کرے گا۔ جنگ کی بڑھتی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی اور ایک معقول رقم کی ادائیگی کے خوف یا اپنی جان جانے کے ڈر سے آئندہ کوئی کسی کو قتل کرنے کی جرأت بھی نہ کرے گا۔ اسی لئے معافی کے اختیار کو ایک نہایت ہی پیارے انداز میں بیان کیا جا رہا ہے کہ جو تمہارے باپ، بھائی، بیٹے وغیرہ میں سے کسی کا قاتل ہے وہ اپنے جرم کے اعتراف کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اب اس کی جان تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس سے تمہارا کوئی خونی رشتہ نہ سہی لیکن وہ تمہارا اسلامی بھائی تو ہے اور یہ رشتہ تمام رشتوں سے مضبوط تر ہے، اہم ہے اور تمہیں اختیار بھی ہے کہ اپنے بھائی کی جان بخش دو۔

Marfat.com

آیت پر مزید غور کیجئے کہ جب وُرثاء نے جان بخش دی، دیت قبول کر لی تو اب دیت وصول کرنے کا مرحلہ درپیش ہے۔ قاتل کے خاندان پر دیت ادا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اللہ اکبر، کتنے پیارے ہیں میرے مذہب کے قوانین۔ کیسے فطری انداز سے انسان کو کنٹرول کرتے ہیں، کیسے جھگڑوں اور فتنوں کا قلع قمع کرتے ہیں، کس طرح دشمنی اور عداوت کے داغوں کو مٹا کر بھائی سے بھائی کو ملاتے ہیں، قتل تو ہو ہی چکا۔ اب قصاص لے لو یا دیت قبول کر لو۔ بس یہ خیال رکھو کہ قاتل کوئی غیر نہیں، تمہارا اپنا ہے۔ اسلامی بھائی ہے اور دیت قبول کر کے جب تم نے اسلام دوستی کا ثبوت دے ہی دیا تو اب معروف پر بھی عمل کرو کہ دیت وصول کرنے میں ظلم و زیادتی اور سختی نہ کرو۔ اب قاتل کو قاتل نہ سمجھو، اپنا بھائی ہی جانو۔ وصولیابی میں جتنی سہولت دے سکتے ہو دو۔ اور قاتل کو چاہئے کہ وہ مقتول کے وُرثا کا احسان مانے، دیت کی ادائیگی میں پوری دیانت سے کام لے، ٹال مٹول نہ کرے۔ اس کا بوجھ کتنا ہلکا ہو گیا۔ اللہ کی اس پر کتنی رحمت ہوئی ہے۔ اسے تو خون کا بدلہ خون سے دینا تھا۔ دیت قبول کرنے والوں نے اس کی جان بچا دی اب اسے صرف دولت ادا کرنا ہے۔ بس اسے کوئی ہیرا پھیری نہیں کرنا چاہیے۔ جس قدر ہو سکے جلد یہ قرضہ ادا کر دے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا، احسان کا بدلہ دیانت سے ادا نہ کیا تو پھر اللہ خود فیصلہ فرمائے گا کہ "اس کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا"۔

ہے، دنیا کا کوئی ایسا مذہب یا کسی ملک کا قانون جو اس انداز پر معاشرے کی اصلاح کرتا ہو اور اس طرح پُر سکون زندگی مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہو۔ میرے مذہب میں قتل کے بدلے قتل کی سزا کو جبر و تشدد قرار دینے والے غور کریں، اس حکم کے انداز بیان پر کہ کس پُر حکمت انداز میں مقتول کے غمزدہ وارثین کو مطمئن بھی کیا گیا کہ تمہیں پورا پورا حق ہے کہ تم اپنے عزیز کے خون کا بدلہ خون سے لے لو، اور پھر کیسے معاف کر دینے اور دیت قبول کر لینے پر آمادہ کیا گیا کہ قاتل بھی تو تمہارا بھائی ہے کیوں نہ اس کو معاف کر کے اس سے خون بہا قبول کر لو، پھر دونوں کو محبت کے رشتے میں جوڑتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ دیت وصول کرنے میں سختی نہ کرو۔ اور دیت دینے والا اس کو ادا کرنے میں لاپرواہی نہ کرے۔ جب قتل کا جھگڑا ختم ہو گیا تو اب پیسے پر کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیے اب خود بھی آرام کی نیند سوؤ اور دوسروں کو بھی آرام کرنے دو۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا اُعْفِی مَنْ قَتَلَ بَعْدَ اَخْذِ الدِّيَةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس کو معاف نہیں کیا جائے گا جو دیت لے کر بھی قتل کر دے۔ (مشکوۃ شریف)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهٖ فَتَصَدَّقَ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَ حَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی شخص نہیں جس کے جسم پر زخم کیا گیا اور اس نے معاف کر دیا مگر اللہ اس کا درجہ بلند فرما دیتا اور اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

دیت قبول کر لینے والا بڑا ہی رحم دل اور صابر ہے، کہ اس نے اپنے مقتول عزیز کے مقابلے اپنے اسلامی بھائی کو

Marfat.com

ترجیح دی۔ اس کو قتل کی سزا سے بچالیا۔ پس اللہ بھی اس کو اس عمل کی جزا دے گا کہ دنیا والے بھی اس کا احترام کریں گے اور آخرت میں بھی اس کا درجہ بلند ہوگا۔ لیکن اگر اس نے دیت قبول کر کے بھی قاتل کو قتل کر دیا تو اب وہ خود قاتل بھی قرار دیا جائے گا اور اللہ بھی اس کی بغاوت کو معاف نہیں فرمائے گا۔ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

قصاص میں زندگی

قصاص میں زندگی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ موت میں زندگی ہے۔ عجب بات معلوم ہوتی ہے۔ غور کیا جائے تو کوئی عجب بات نہیں ہے۔ ایک حقیقت ہے جو بہت ہی عام ہے۔ لیکن ہم اس کو بھولے ہوئے ہیں۔ بس زندگی ہی سے پیار کرتے ہیں۔ موت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ذرا غور کیجئے تو حقیقت سامنے ہے کہ موت میں ہی زندگی ہے۔ سوچئے اگر جانور نہ مرتے تو کیا زمین پر، پانی میں، فضا میں کہیں ہمارے لئے جگہ ہوتی۔ یہ موت ہی ہے جو جانوروں کو نہ جانے کتنے جانوروں اور انسانوں کی غذا بنا کر، ان کو زندگی بخشتی ہے۔ تصور کیجئے کیا حال ہوتا اس زمین کا اگر انسان اول حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی کو موت نہ آئی ہوتی۔ سب اس زمین پر موجود ہوتے۔ پہلوں کو موت آتی ہے تو بعد والوں کے لئے زمین پر جگہ ہوتی ہے۔ ترقی پسند قوموں، سائنس کے متوالوں نے ایسی دوائیں ایجاد کیں جن سے انسان کی عمر لمبی ہوتی ہے۔ لیکن وہ خود ہی اپنی اس ایجاد سے تنگ آ گئے اور اب بوڑھوں کو زہر دے کر مارنے پر مجبور ہیں۔ بلکہ بوڑھے خود ہی چیخ اٹھے کہ ہمیں اب آرام کی نیند سلاؤ، یہ زندگی نہیں چاہیے۔ اسلام نے انسان کے لیے اس فطری عمل کو آسان بنانے کے لئے بیماری کو کفارۂ گناہ قرار دیا۔ جہاد کو ذریعہ شہادت بنایا۔ قصاص میں حیات کا اعلان فرمایا۔

قصاص میں زندگی ہے اس طرح بھی کہ اس سے معاشرہ پر امن ہوتا ہے۔ آبادیوں میں سکون ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں، جن شہروں اور ملکوں میں چین نہ ہو وہاں کے باشندوں کو دن رات قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ کا ڈر لگا رہے، حقیقت میں وہاں زندگی نہیں۔ زندگی تو پُر سکون ماحول میں نظر آتی ہے جہاں لوگ رات کو آرام کی نیند سوتے اور دن میں چین سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ قصاص ماحول کو پُر سکون بنا دیتا ہے کہ ایک قاتل کی موت سے پورا معاشرہ عبرت حاصل کرتا اور قتل و غارت سے بچتا ہے۔ یہی حال اسلام کی دوسری سزاؤں کا ہے۔ جو بظاہر بڑی سخت نظر آتی ہیں لیکن جرائم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہیں۔ اسلامی ملکوں کے گلی کوچوں میں نہ لٹیرے نظر آتے ہیں نہ شرابیوں کی گالیاں سنائی دیتی ہیں، نہ لوگوں کو اپنے مال کی حفاظت کی فکر ہوتی ہے، نہ رات کو گھروں میں دوکانوں میں تالوں کی اور الارم لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ پولیس کا گشت ہوتا ہے، نہ جیلوں پر عوام کی دولت خرچ ہوتی ہے۔ نہ عدالتوں کا جال بچھانا پڑتا ہے۔ بڑا ہی پُر سکون، بے خوف و خطر ماحول ہوتا ہے۔ آج بھی جن مسلم ممالک میں شریعت کے بعض قوانین پر عمل ہے وہاں دیگر ممالک کی نسبت زندگی زیادہ پُر امن نظر آتی ہے۔ کاش ہمارے دور میں کوئی اسلامی حکومت ہوتی تو ہم تہذیب و تمدن کے جھوٹے دعویداروں کو اس ملک کا پُر امن، پُر سکون، خوشحال ماحول دیکھنے کی دعوت دیتے تو ان کی زبانیں اسلام پر اعتراض کرنے سے خود بخود رک جاتیں۔ لیکن شومیٔ قسمت کہ ہم ایسی کوئی عملی صورت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ بس ہمارے پاس دلائل کا چراغ ہے جس سے ہم اپنے دل کے اندھیروں میں اجالا کر سکتے ہیں۔ ماضی کی تاریخ ہے جس کے سہارے ہم اپنے ایمان کو مضبوط کر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی

Marfat.com

سے امید کی وابستگی ہے جس سے روشن مستقبل کی آس لگائے زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔

قصاص میں زندگی ہے، ایک حقیقت ہے، کوئی مانے یا نہ مانے ہم سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں۔ اُولوالالباب عقلمندوں نے ہمیشہ اس کو مانا اور سمجھا۔ اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچایا۔ اللہ کے احکام پر غور کر کے ان پر عمل کر کے وہ متقی بنے۔

وصیت

نبی مکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے سب ہی لوگ خصوصاً اہلِ مکہ اپنی مرضی سے قانون وضع کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ قصاص کے متعلق پڑھ چکے کہ اس کی عملی صورت تو موجود تھی مگر حقیقت مسخ ہو چکی تھی۔ اصل میں وہ قصاص نہ تھا بلکہ صرف انتقام تھا۔ اسلام نے قصاص کی تمام غلط رسم و رواج کی اصلاح کی یا بتدریج ان کو ختم کیا۔ اسی طرح وصیت کا معاملہ بھی کہ عرب میں وصیت کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور مرنے سے پہلے ہر شخص ضرور وصیت کرتا تھا۔ مزے کی بات یہ کہ وہ اپنی دولت سے حق داروں، اہل وعیال کو تو یکسر محروم کر دیتا تھا اور اپنی نیک نامی یا سخاوت کا ڈھونگ رچانے کے لیے تمام دولت غرباء میں تقسیم کرنے یا کسی رفاہی ادارے کو دے دینے کی وصیت کر جاتا تھا۔ قرآن نے ابتداء اس غلط رواج کی اصلاح کی کہ وصیت کی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے فرض قرار دیا۔ لیکن حق تلفی سے بچاتے ہوئے والدین اولاد اور اعزاء واقرباء کے لیے وصیت کرنے کا حکم دیا۔ مزاج قرآن یہی ہے کہ قوم کی اصلاح بتدریج کی جائے۔ لہٰذا کچھ مدت تک یہی حکم رہا پھر سورۃ النساء کی آیات وراثت نازل ہوئیں جن میں وارثوں اور ان کے حصوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا اور صاحب شریعت ﷺ نے وصیت و وراثت کے احکام کی وضاحت فرمائی، جس کے مطابق ہمیشہ کے لیے یہ طے پایا کہ قرآن کریم نے جن رشتہ داروں کے حقوق کی وضاحت فرما دی اور ان کے حصوں کا تعین کر دیا ہے، ان کے متعلق کوئی وصیت ممنوع ہے۔ وصیت کا اختیار صرف تہائی مال میں ہے کہ مالک، اصل وارثین کے علاوہ دور کے رشتہ داروں، احباب یا رفاہی و مذہبی اداروں پر اپنی دولت کا تہائی حصہ تقسیم کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔ کل مال میں نہیں کہ یہ اصل وارثین کی حق تلفی ہے جس کو اسلام جیسا عدل وانصاف کا مذہب ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ نیز وصیت کرنا فرض نہیں، صرف مستحب ہے۔ اگر کسی شخص نے ان احکام کے خلاف وصیت کی یا اور کوئی خلاف شرع وصیت کی تو وہ نافذ العمل نہیں وارثین کو چاہیے کہ ایسی وصیت کو کالعدم قرار دیں ورنہ وصیت کرنے والا گناہگار ہوگا۔

ان احکام سے واضح ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ ہر شخص اپنے اختیارات اور حقوق ملکیت کو اپنی زندگی تک ہی محدود سمجھے۔ مرنے کے بعد اس کا کچھ نہ رہا۔ اب اللہ اپنی عطا کردہ دولت جن کو منتقل کرنے کا حکم دیتا ہے ان کو منتقل کر دی جائے گی۔ وصیت کے ذریعہ حقوق تلف کرنا یا قبر میں جانے کے بعد بھی اپنے اختیارات کو باقی رکھنے کی ہوس دونوں ہی جرم ہیں۔ مرنے کے بعد اپنے گناہوں میں ان جرائم کا اضافہ کرنا بڑی ہی جرأت ہے اللہ ہواء و ہوس اور دنیا کے ایسے تعلق سے محفوظ رکھے، آمین۔

وصیت کے اس قانون کا اصل منشاء وارثین کی حق تلفی اور اُن کے خداداد اختیارات کو سلب کرنے سے روکنا ہے لہٰذا ایسی وصیت بھی جائز نہیں کہ ترکہ کا فائدہ تو ورثاء میں تقسیم ہوتا رہے لیکن اصل مال پر انہیں کوئی اختیار نہ ہو۔ مثلاً کسی نے اپنے

Marfat.com

مرنے سے پہلے یہ وصیت کر دی کہ میری فلاں عمارت یا زمین وغیرہ کا منافع میری اولاد لیتی رہے گی لیکن اسے فروخت کرنے یا اس میں تبدیلی کا کسی کو حق نہ ہوگا۔ ایسی وصیت درحقیقت اولاد اور دیگر ورثاء میں عداوت کا بیج بونے کے مترادف ہے کہ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ایسی وصیت خاندان میں شدید اختلاف کا باعث ہوتی ہے۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ مرنے والا کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے مرنے کے بعد بھی ترکہ پر اس کا اثر یا اس سے تعلق باقی رہے۔ دولت کی محبت کا یہ بدترین ثبوت ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی اپنی دولت کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا حق تو یہ ہے کہ انسان کو دولت جمع کرتے وقت ہی یہ سوچنا چاہیے کہ اسے ایک دن ضرور مرنا ہے اور یہ سب مال حق داروں کو مفت ہاتھ آئے گا۔ لہٰذا اسے جمع کرنے کی ہوس نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے ذریعہ اپنی عاقبت کو بہتر بنانا چاہیے کہ خود استعمال کرے، اہل خانہ وخاندان کو فائدہ پہنچائے۔ زکوٰۃ ادا کرے، صدقہ وخیرات میں سخاوت سے کام لے، کہ جو کچھ انسان خرچ کر لیتا ہے وہی اس کا ہوتا ہے۔ چھوڑا ہوا مال اس کا نہیں۔ اسی لیے شریعت نے جائز ذرائع اور محنت ومشقت سے دولت کمانے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی، لیکن دولت کی محبت کو مذموم قرار دیا ہے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶

البقرہ: ۱۸۳ تا ۱۸۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ
اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ
لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ
الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ
اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

Marfat.com

اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ
اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْٓا
اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۳ تا ۱۸۸)

اے ایمان والو! فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ گنتی کے مقررہ تھوڑے دنوں میں۔ پس جو تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا لازم ہے اور ان لوگوں پر جو روزہ رکھ سکتے ہوں فدیہ ہے، کھانا ایک مسکین کا پھر جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لیے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، لوگوں کو ہدایت کرنے والا، اور روشن دلیلیں رہنمائی کرنے والا اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا، تو تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو وہ ضرور اس کے روزے رکھے، اور جو بیمار یا مسافر ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کرنا لازم) ہے۔ اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا اور تا کہ تم گنتی پوری کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ اور (اے حبیب علیہ السلام) جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں تو (آپ فرما دیں) بیشک میں (ان کے) قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرے تو چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ وہ کامیابی حاصل کریں۔ حلال ہوا، تمہارے لئے روزے کی رات میں اپنی عورتوں کے پاس جانا وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ کو قبول کیا، اور تمہیں معاف کر دیا پس اب (چاہو) تو ان سے مباشرت کرو، اور طلب کرو جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہوا ہے اور کھاؤ اور پیئو، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سفید دھاگا، سیاہ دھاگے سے، صبح کے وقت پھر روزہ پورا کرو، رات آنے تک اور ان سے مباشرت نہ کرو، جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تا کہ وہ متقی ہو جائیں اور ناحق ایک دوسرے کے مال آپس میں نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) جان بوجھ کر تم کھالو۔

ان آیات میں روزے کی فرضیت ان کی مدت، رمضان کی فضیلت، ابتداء فرض شدہ روزے میں تبدیلی کے بعد اس

Marfat.com

کی تکمیل کا بیان ہے۔ نیز اللہ نے اپنا ایک اصول بیان فرمایا کہ وہ رحیم وکریم اپنے بندوں پر آسانی فرماتا ہے انہیں دشواری میں مبتلا نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر تمہیں کوئی عبادت یا شریعت کا کوئی حکم مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس کو اپنی کمزوری سمجھو کہ اللہ اپنے بندوں کو ان کی استطاعت، قوت سے زیادہ کسی کام کا حکم نہیں دیتا۔ پھر متلاشیانِ حق کو مژدہ سنایا کہ جس رب کی تم عبادت کرتے ہو اس کے حضور گڑگڑاتے ہوا سے اپنے سے دور نہ جانو وہ تمہارے قریب ہے جو بھی اسے پکارتا ہے وہ اس کی سنتا ہے۔ دعاؤں کو قبول کرتا ہے بس شرط اتنی ہے کہ بندہ اس کا مطیع وفرمانبردار اور اس پر پورا پورا ایمان رکھتا ہو۔ آخری آیت میں مال ناحق کھانے اور اسے حکام کو بطور رشوت دینے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ آیئے، ان مضامین کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو! فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

صیام

صوم، رُکنا، شریعت میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک اللہ کی عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور عمل زوجیت سے رُکنا صوم ہے۔ جس کی جمع صیام ہے۔ یعنی روزے، روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا اہل ایمان کو حکم دیتے ہوئے خاص طور پر دو باتوں کا ذکر فرمایا:

پہلی یہ کہ یہ عبادت صرف تم پر ہی فرض نہیں کی جا رہی بلکہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض ہو چکی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے فرض تھے۔ بنی اسرائیل کو عاشورے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ یہ روزے حضور علیہ السلام نے بطور نفل ہمارے لئے بھی باقی رکھے۔ اور ان کو بے حد ثواب کا ذریعہ قرار دیا۔ ہر قمری مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزوں ہی کو ایام بیض کے روزے کہا جاتا ہے۔ جن کو اہل تقویٰ بڑی پابندی سے رکھتے ہیں۔ عاشورے کا روزہ بھی بہت باعث ثواب ہے بس اس میں اتنی تبدیلی کی گئی کہ صرف ایک روزہ رکھنے کی بجائے دو یعنی نو اور دس محرم کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہونے پائے۔ کہ مسلمان کے لئے کسی غیر مسلم کے مذہبی شعار و اعمال کا اختیار کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے علماء ٹائی استعمال کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں کہ یہ لباس کا حصہ نہیں بلکہ عیسائیوں کا مذہبی شعار، صلیب کا نشان ہے جس سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دیئے جانے کے عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ پس بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ٹائی بالکل استعمال نہ کریں۔ ملازمت وغیرہ کے اوقات میں بصورت مجبوری استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن نماز میں یا اپنی ہی تقریبات میں صرف بطور فیشن اس کو استعمال کرنا بلاوجہ گناہگار ہونا ہے۔ عیسائیوں پر اور یہودیوں پر رمضان ہی کے روزے فرض تھے۔ لیکن ان قوموں کے دین کی کوئی بات اصل کے مطابق نہ رہی روزے میں بھی انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہی تبدیلی کر ڈالی۔ پچھلی امتوں پر روزوں کی فرضیت سے متعلق یہ روایات معتبر ہوں یا نہ ہوں لیکن اتنی بات تو یقینی ہے کہ ہر دور کے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے کیونکہ یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ روزہ ہی نہیں بلکہ دیگر عبادات بھی پچھلی امتوں پر فرض ہوئیں۔ کیونکہ

Marfat.com

سب کا دین اسلام ہی رہا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی دین کو اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے ہاں شریعتوں میں یعنی احکامِ اسلام پر عمل کے طریقوں میں فرق ہوتا رہا لیکن بنیادی احکام مثلاً نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا حکم سب کو دیا گیا۔ انبیاء کرام اور ان کے ماننے والے ان احکام کی تعمیل کرتے رہے، اہلِ ایمان کو روزے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کا تذکرہ خصوصی طور پر اس لئے کیا گیا کہ روزہ واقعی ایک مشکل عبادت ہے اور انسان کی فطرت ہے کہ دوسروں کی مشکل دیکھ کر اسے اپنی مشکل آسان معلوم ہوتی ہے۔ نیز جو کام دوسرے کرتے ہیں اس کام کو انسان دوسروں پر فضیلت حاصل کرنے کے لئے بہتر سے بہتر کرنا چاہتا ہے۔ پس اللہ نے جو اپنے بندوں کی فطرت وعادت کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، ایک جملہ ارشاد فرما کر ہمارے لئے اس عبادت کو آسان بنا دیا۔ اب ہم خراب موسم میں روزے کی سخت تکلیف کو یہ خیال کر کے بآسانی برداشت کر لیتے ہیں کہ جب ہم سے پہلوں نے یہ عبادت کر لی تو ہم ان سے کم یا کمزور نہیں جو اللہ کے اس حکم کی تعمیل نہ کر سکیں۔ نیز پچھلوں نے اللہ کا حکم مان کر اللہ کا قُرب حاصل کیا تو ہم اسے چھوڑ کر اللہ کے فضل و کرم سے کیوں کر محروم رہیں۔ اللہ بھی بندوں پر کرم فرماتا ہے کہ جب اہلِ ایمان روزہ رکھنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو وہ ان کی مدد کرتا ہے کہ موسم چاہے اچھا ہو یا خراب، دن بڑے ہوں یا چھوٹے مسلمان بآسانی پورے مہینے کے روزے رکھتے ہیں۔ بعض ممالک میں موسم گرما میں پیاس کی شدت کے باوجود انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ یورپ وغیرہ میں اگرچہ موسم اچھا ہی رہتا ہے لیکن موسم گرما کے دن اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ اکیس گھنٹے سے بھی زیادہ کا روزہ ہو جاتا ہے، پھر بھی اللہ کے بندے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ دس سال کی عمر تک کے بچے روزہ رکھتے ہیں۔ غیر مسلم اس پر حیرت کرتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح بھوکے، پیاسے رہ لیتے ہیں۔ لیکن انہیں کیا پتہ کہ ایمان کی قوت اللہ اور اس کے رسول کی محبت تو گردن کٹانا، جان دے دینا تک آسان کر دیتی ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کا حامی و ناصر بن جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ روزے تم پر اس لئے فرض کیے گئے ہیں " تا کہ تم متقی بن جاؤ" کہ شریعت کے جملہ احکام کا مقصد مومنین کو متقی بنانا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم بار بار تقویٰ اختیار کرنے اور متقی بننے کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ سے متعلق ضروری گفتگو انشاء المولیٰ آپ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں ہم صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے بعد ہر مؤمن رضائے الٰہی کا متلاشی اور اس کے قرب کا متمنی ہو جاتا ہے۔ تقویٰ اسی راہ کا نام ہے جس پر مؤمن چل کر اپنی آرزو کی تکمیل کرتا ہے۔ یعنی رب کریم کی رضا بھی حاصل کر لیتا ہے اور قُرب بھی۔ ہر انسان اقرار توحید اور اعتراف نبوت کے بعد اس راہ کا مسافر بن جاتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، دیگر اعمال صالحہ اس راہ کی مشعلیں ہیں جن کے نور میں مؤمن آگے بڑھتا رہتا اور کامیابی کی منزل سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالخصوص روزہ تقویٰ کی تربیت کا مؤثر ترین ذریعہ ہے کہ روزے دار صرف اللہ کے حکم کی تعمیل میں حلال چیزوں کا حرام ہو جانا بھی تسلیم کر لیتا ہے۔ بھوکا رہتا ہے، پیاسا رہتا ہے جب کہ کھانے پینے کی ہر چیز پر اسے پوری طرح قدرت حاصل ہوتی ہے۔ بیوی پر شہوت کی نظر تک نہیں ڈالتا اس سے زیادہ اللہ کی رضا جوئی کا اظہار اور کس عمل سے ہو سکتا ہے۔ روزہ تکلیف دہ ترین حال میں بھی حکم الٰہی کی تعمیل کا عملی ثبوت ہے۔ روزہ اطاعت و فرمانبرداری اور اظہارِ عبدیت کا بہترین نمونہ ہے۔ روزہ اللہ اور اس کے رسول کی ممنوعہ چیزوں سے بچنے کا عادی بناتا ہے۔ روزہ دوسروں کی تکالیف کا احساس

Marfat.com

پیدا کرتا ہے۔ روزہ ہمدردی اور تعاون کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ روزہ خواہشات نفس کے خلاف جہاد کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی سب خوبیاں راہ تقویٰ کے مسافر کو منزل سے قریب کرتی ہیں۔ اسی لیے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص روزے میں جھوٹ بولنا اور برے کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔

(بخاری شریف)

کھانا پینا چھڑانا مقصودِ روزہ نہیں۔ مقصدِ روزہ تو تقویٰ ہے جو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب روزے دار، ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے احکام شرع کی پابندی کرے۔ ایسا شخص روزے کا مقصد حاصل کرتا ہے۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضٰعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَ طَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر نیک عمل دس گنا سے سات سو گنا کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا مگر روزہ، کیونکہ یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی (بلاحساب) جزا دوں گا۔ کیونکہ روزے دار اپنی خواہشات اور کھانے کو صرف میرے لئے ترک کرتا ہے اور روزے دار کے لئے دو مسرتیں ہیں ایک خوشی اسے افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک سے زیادہ پسند ہے اور روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو نہ فحش بات کہے اور نہ شور کرے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے تو اسے چاہیے کہ گالی دینے والے سے کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔ (بخاری و مسلم)

روزے دار کی کیفیت اگر یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر پوری طرح قابو پالیا تو واقعی وہ اس تقویٰ کو قبول کر رہا ہے جو فرضیت روزہ کا مقصد ہے اور متقی مؤمن ہی مسلم معاشرے کا بہترین فرد بنتا ہے۔ ایسے افراد سے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ نہایت ہی صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ اس میں امن وامان، سکون اور چین کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے افراد با عزت ہوتے ہیں، باوقار اور بارعب ہوتے ہیں۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

Marfat.com

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

گنتی کے مقررہ تھوڑے دنوں میں پس جو تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کرنا) لازم ہے۔ اور ان لوگوں پر جو روزہ رکھ سکتے ہوں فدیہ ہے، کھانا ایک مسکین کا پھر جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لیے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

فرضیت صوم

روزہ نبوت کے پندرھویں سال دس شوال ۲ ہجری میں فرض ہوا۔ اس کی ابتدائی صورت یہ تھی کہ جو لوگ روزہ رکھنا نہ چاہیں وہ فدیہ ادا کر دیں۔ ہاں اگر رکھ لیں تو بہتر ہے۔ یہ تو ایک آسانی تھی لیکن دشواری یہ تھی کہ کھانا، پینا، عملِ زوجیت غروبِ آفتاب کے بعد صرف اس وقت تک جائز تھا جب تک کوئی سوئے نہیں۔ سوتے ہی روزہ شروع ہو جاتا اور یہ چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ پھر اگلی آیات نازل ہوئیں جن کے ذریعے مدت روزہ کا تعین کر دیا گیا اور فدیہ دے کر بلا کسی مجبوری کے روزہ نہ رکھنے کا اختیار ختم کر دیا گیا۔ فرمادیا گیا ''رمضان کے مہینے کے روزے رکھنے ہیں اور جو بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ ہاں مریض و مسافر کے لیے حسبِ سابق رخصت ہے کہ وہ اگر مرض میں شدت کی وجہ سے یا سفر میں دشواری کی وجہ سے روزہ نہ رکھیں تو قضا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ جو اپنے بندوں پر بڑا ہی رحیم و کریم ہے، بندوں کے لیے آسانی چاہتا ہے انہیں کسی تکلیف و دشواری میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا۔ اس ارشاد کے بعد بھی روزے کا آغاز سوتے ہی ہو جایا کرتا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد اس دشواری کو بھی ختم کر دیا گیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے کہ نماز میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں اور روزہ میں بھی تین تبدیلیاں کی گئیں۔ پہلی حضور علیہ السلام جب مدینہ تشریف لائے تو ہر ماہ تین روزے اور ایک عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یہ روزے نفلی ہو گئے۔ دوسری رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ہر شخص کو اختیار تھا کہ روزہ رکھے یا فدیہ دے دے۔ لیکن روزہ رکھنا افضل تھا۔ پھر یہ حکم نازل ہوا کہ جو بھی رمضان کا مہینہ پائے روزہ رکھے اس کے بعد صرف بوڑھے آدمی کے لیے یہ اجازت باقی رہی کہ اگر وہ روزہ نہیں رکھ سکتا تو فدیہ ادا کرے۔ تیسری ان احکام کے بعد بھی روزے میں یہ سختی باقی تھی کہ اس کی ابتداء سوتے ہی ہو جاتی تھی۔ جونہی کوئی سویا دوسرا روزہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دشواری کو بھی ختم فرمادیا۔ ان تبدیلیوں کے بعد روزہ مکمل ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے دین کے دیگر احکام کی طرح مکمل ہو گیا۔

یہاں فدیہ کی وضاحت کر دینا بھی مناسب ہو گی۔ فدیہ وہ بدلہ ہے جو کسی عبادت کے نہایت ہی مجبوری کے باعث چھوٹ جانے پر ادا کرنا شرعاً لازمی ہے۔ روزے کا فدیہ ایک غریب کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دینا یا اس کی قیمت دے دینا ہے۔ اس طرح کہ غریب کو اس کا مالک بنا دیا جائے اور اس کے عوض اس سے کوئی خدمت نہ لی جائے۔ ایسا مریض روزے کا فدیہ دے سکتا ہے جسے بظاہر صحت مند ہونے کی امید نہ ہو۔ لیکن اگر وہ صحت مند ہو گیا تو اسے چھوٹے ہوئے روزے قضا کرنا ہوں گے۔ ایسا بوڑھا فدیہ دے سکتا ہے جس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو۔ ایک روزے کا فدیہ دو غریبوں یا چند غریبوں

Marfat.com

میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص فدیہ ادا کئے بغیر مر گیا تو اس کے مال سے پہلے فدیہ ادا کیا جائے پھر ورثاء میں تقسیم ہو گا اور اگر کسی نے کچھ نہ چھوڑا تو اعزاء کو چاہئے کہ استحساناً اس کا فدیہ ادا کر دیں تا کہ وہ عذاب سے محفوظ رہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، لوگوں کو ہدایت کرنے والا اور روشن دلیلیں رہنمائی کرنے والا اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا تو تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو وہ ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا مسافر ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں سے گنتی (پوری کرنا لازم) ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔ اور تا کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

رمضان

روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ منتخب فرمایا گیا کہ یہ مہینہ ہمیشہ سے بابرکت اور پُر عظمت چلا آ رہا ہے کہ ابراہیمی صحیفے اس ماہ کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت اسی ماہ کی چھ تاریخ کو دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اس ماہ کی تیرہ تاریخ کو ملی اور امت مسلمہ کے لئے اس ماہ کی عظمت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو اپنی آخری کتاب عطا فرمائی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں نبی مکرم علیہ السلام کو پورا قرآن کریم سناتے تھے اور پھر پورے سال ضرورت کے مطابق اس کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔ یہ سلسلہ پچیس سال تک جاری رہا ہے۔ امت مسلمہ کے لئے اللہ کی یہ آخری کتاب ایک عظیم نعمت ہے۔ زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے۔ عبادات و معاملات، اللہ اور اللہ کے بندوں سے تعلقات کا معلم ہے۔ اصول انسانیت، تہذیب و تمدن کا مدرس ہے۔ انبیاء و رسول اور امم ماضیہ کے حالات کا مخبر ہے۔ کتب سابقہ کا مصدِق ہے۔ انبیا، و رسول بالخصوص سید الانبیاء والمرسلین کی ناموس اور ان کے مراتب اعلیٰ کا محافظ ہے۔ اللہ و رسول، ملائکہ، کتب سماویہ، بعث بعد الموت اور یوم آخرت پر ایمان کا مبلغ ہے۔ اس کی تلاوت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس میں تفکر و تدبر عقل کو جلا بخشتا ہے اس کا ورد قلب کو پاکیزہ کرتا ہے۔ اس پر عمل دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے۔ اس سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ کمزوروں کو طاقت میسر آتی ہے۔ ذلیل و خوار عزت و عظمت پاتے ہیں۔ بے وقار باوقار ہو جاتے ہیں۔ مغلوبین غلبہ پاتے ہیں۔ مرعوبین بارعب ہو جاتے ہیں۔ محکومین حاکم بن جاتے ہیں۔ محتاج حاجت روا ہو جاتے ہیں۔ کفر و شرک کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے والوں، ضلالت و گمراہی کی تاریکی میں بھٹکنے والوں کے لیے یہ منارۂ نور ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔ اہلِ ایمان کے لئے ہدایت کی بشارت ہے۔ باغیوں کے لیے نذیر ہے۔ مؤمنین و مطیعین کے لئے بشیر ہے۔ یہ اللہ کی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس کی قدرت

Marfat.com

کے نشانات کو واضح کرتا ہے۔ انسان کے کردار کی تعمیر کرتا ہے، معاشرے کی اصلاح کرتا ہے، معاش کے طریقے سکھاتا ہے۔ اصول حکومت وسیاست اور تجارت کی تعلیم دیتا ہے۔ عدل وانصاف اور مساوات کا علمبردار ہے۔ مرد وعورت کے فرائض مقرر کرتا ہے۔ اس نے ہر ایک کے حقوق متعین کئے، باہمی تعلقات کی حدود کا تعین کیا۔ بلاشبہ اس کتاب کا ایک ایک حرف اللہ کا کلام ہے۔ اس کے الفاظ ومعانی اور احکام کی افادیت وصداقت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ جیسا لوحِ محفوظ میں ہے ویسا ہی صاحبِ قرآن ﷺ پر نازل ہوا۔ اور جیسا نازل ہوا ویسا ہی ہمارے پاس ہے اور ہمیشہ اپنی اصل حالت میں موجود رہے گا۔ اس میں تغیر وتبدل اور تحریف کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس کا نازل فرمانے والا ربِ قدیر خود ہی اس کا محافظ ہے۔ جس گھر میں تلاوت قرآن نہ ہو وہ قبرستان کی مانند ہے۔ جس دل میں قرآن نہ ہو وہ ویران ہے۔ قرآن پر عمل ہی مومن کے لئے ذریعہ عروج وترقی ہے کہ صاحبِ قرآن ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں کو مقابر کی طرح نہ بناؤ بیشک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا جس کے دل میں کچھ بھی قرآن نہیں بیشک وہ دل ویران گھر کی مانند ہے۔ (ترمذی شریف)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بیشک اس کتاب کے ذریعہ اللہ بعض قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے اور بعض پر زوال آجاتا ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اور دوسروں کو پڑھایا۔ (بخاری شریف)

پس ایسی عظیم کتاب جس ماہ میں نازل ہوئی وہ اسی لائق ہے کہ اس کتاب پر ایمان رکھنے والے اس سے مستفید ہونے والے بطور شکر اس ماہ کی راتوں اور دنوں کو عبادت الٰہی میں گزاریں۔ یہ مہینہ اسی لائق ہے کہ اس کی ہر ساعت عظمت و برکت سے پُر ہو اور اس میں اللہ کی طرف سے بندوں کو بطور انعام ہر نفلی عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور فرائض کا ثواب ستر گنا زیادہ عطا فرمایا جائے۔ جو اس مبارک مہینہ کی راتوں میں خصوصی عبادت کریں، تراویح پڑھیں، قرآن کریم سنیں۔ ان

Marfat.com

کے گناہوں کو بخش دیا جائے۔ روزہ داروں کے رزق میں اضافہ کر دیا جائے۔ عظمتِ قرآن کا مقتضی ہے کہ اس مہینہ کا عشرۂ اول مؤمنین پر نزولِ رحمت کا عشرہ ہو، دوسرے عشرے میں گناہگاروں کے نامہ اعمال سے گناہ مٹا دیئے جائیں اور تیسرے عشرے میں مستحقین عذاب کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کا آخری حصہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ

(رمضان ایسا مہینہ ہے) جس کا ابتدائی حصہ نزولِ رحمت کا ہے اور درمیانی حصہ مغفرت کا اور آخری حصہ نارِ دوزخ سے آزادی کا ہے اور جس نے اس ماہ میں اپنے خادم کے کام میں کمی کر دی اللہ اس کی بخشش فرمائے گا اور اسے آگ سے آزادی بخشے گا۔ (بخاری شریف)

نزولِ قرآن کی شب، شبِ قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ قرار دیا گیا۔ جس پر قرآن گواہ ہے۔ پس یہ عظمتوں اور برکتوں والا مہینہ، جشنِ قرآن کا مہینہ ہے۔ قرآن سے راہ ہدایت پانے والے مؤمن کو، اس کی برکتوں سے مالا مال ہونے والے مؤمن کو، اللہ کے اس عظیم عطیہ پر اس کا خوب شکر ادا کرنا اور اس پر عمل کر کے اپنے ایمان کے کمال کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ یہی مہینہ نہایت موزوں قرار پایا۔ اُس عبادت کے لیے جو نسبتاً دشوار ہے لیکن اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے کہ دیگر عبادات میں تو ریا و نمود کا امکان ہے مگر روزے میں اس کا شائبہ بھی نہیں۔ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون روزے دار ہے اور کون نہیں۔ روزے دار کے ظاہر حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے دوسروں کو پتہ چل سکے، اسی لیے ارشاد ہوا۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ

روزہ (خاص) میرے لئے ہے اور میں ہی (بلا حساب) اس کی جزا دوں گا۔

پوری حدیث آپ گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔ اس جملے کا منشاء یہ ہے کہ وہی عبادت مقبول ہے جس میں ریا اور دکھاوا نہ ہو۔ تمام عبادتیں اپنا ایک ظاہری حال رکھتی ہیں۔ نماز پڑھنے والوں کو آپ نمازی کہہ سکتے، حج کرنے والے کو حاجی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن روزے کا کوئی ظاہری حال نہیں۔

پس یہ پوشیدہ ترین عبادت صرف اللہ ہی کے لیے ہوگی پس یہ بندے کی طرف سے اللہ کو معبودِ حقیقی تسلیم کرنے کا نہایت ہی اعلیٰ عمل ہے۔ اسی لیے روزے کی کوئی مقرر جزا نہیں۔ یہ رب کے کرم پر موقوف ہے جتنا چاہے ثواب عطا فرما دے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس کو کوئی نہیں جان پاتا تو اس کا ثواب بھی کسی کو نہیں بتایا گیا۔ دینے والا رب جانتا ہے اور لینے والا بندہ جانے گا۔ نیز دیگر عبادتوں کا ثواب حقداروں کو ان کے حقوق کے بدلے دیا جا سکتا ہے اور عبادت کرنے والا خالی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن روزے کا ثواب کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ کوئی حقدار مانگے گا بھی تو یہی جواب ملے گا کہ "بندے نے روزہ صرف میرے لیے رکھا تھا، اس کا ثواب آج صرف اسی کی نجات کا ذریعہ ہوگا۔ اللہ کو یہ عبادت اتنی پسند ہے کہ "روزے دار کے منہ کی بو بھی اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہوتی ہے" اور "روزے دار کی فرحت و خوشی کے لیے دو وقت

Marfat.com

مخصوص ہیں، ایک افطار کا اور دوسرا رب سے " لقاء" ملنے کا اور روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے، اللہ اس کو قبول فرماتا ہے"۔ یہ روزہ مومن کو مجاہد بناتا ہے، صابر و شاکر بناتا ہے، زاہد و متقی بناتا ہے۔ اس سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا، باہمی ہمدردی اور محبت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ عبادات میں شوق پیدا ہوتا ہے۔ اطاعت میں ذوق پیدا ہوتا ہے۔ چہرے پر نور برستا ہے۔ جسمانی صحت اچھی ہوتی ہے، روحانی قوت بڑھتی ہے، نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، قلب کی تطہیر ہوتی ہے۔ اخلاق و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اللہ کی خشیت پیدا ہوتی، رسول سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ خدمت دین کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ ایسی عظیم عبادت کے لیے نزول قرآن کا مہینہ کیسا موزوں و مناسب رہا کہ مومن اس ماہ میں روزہ رکھ کر بآسانی قرآن سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ پس مومن کس قدر خوش نصیب ہے، کہ اللہ نے اس پر روزے فرض کیے، ان کے رکھنے کے لیے رمضان کا مقدس مہینہ منتخب فرمایا کہ عبادت کی ادائیگی، حکم کی تعمیل کا بھی اجر ملے اور رمضان کی برکتوں اور رحمتوں سے بھی جھولیاں بھریں، جنہوں نے اس حقیقت کو سمجھا وہ ایک رمضان ختم ہوتے ہی مستقبل کے رمضان کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ ان پر روزے شاق نہیں ہوتے بلکہ جب رمضان جاتا ہے، تو انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مہمان چلا گیا۔ جو ان کا مونس تھا غمگسار تھا۔ جس نے انہیں رزق کی وسعت بخشی، رحمتوں، برکتوں سے مالا مال کیا۔ سکون قلب بخشا۔ اب وہ گیارہ ماہ بعد اس کے آنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۶)

اور (اے حبیب علیہ السلام جب آپ سے سوال کریں میرے بندے، میرے بارے میں تو (آپ فرما دیں) بیشک میں (ان کے) قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرے تو چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں۔

اللہ قریب ہے

وہ اللہ جس نے قرآن نازل فرمایا جس نے روزے فرض کیے تم اس کے متعلق جاننا چاہتے ہو، وہ کہاں ہے تو بس اتنا جان لو کہ وہ تم سے قریب ہے۔ بس تمہارا یہ یقین ہی کافی ہے کہ جس اللہ کی تم عبادت کرتے ہو جسے تم پکارتے ہو جس سے تم دعائیں مانگتے ہو جس کی رضا کے لیے تم روزہ جیسی سخت عبادت کرتے ہو، وہ تم سے قریب ہے۔ تمہارے حال کو دیکھتا ہے، تمہاری پکار کو سنتا ہے، تمہاری دعائیں درخواستیں اس تک پہنچتی ہیں۔ تم آہستہ پکارو یا زور سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ تمہارے دلوں کے خیالات تک جان لیتا ہے۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (الملک:۱۳)

تم آہستہ بولو یا زور سے بیشک وہ دلوں کی باتیں بھی خوب جانتا ہے۔

تمہارے دلوں کے ان خیالات تک کو وہ جان لیتا ہے جن کا خود تمہیں احساس نہیں ہو پاتا۔ تم سے کوئی چیز اتنی قریب نہیں، جتنا تمہیں پیدا کرنے والا رب تم سے قریب ہے۔ وہ تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ (ق:١٦)

اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور ہم ان وسوسوں تک کو جانتے ہیں جو اس کے نفس میں پیدا ہوتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

جب تمہارا کوئی عزیز ترین شخص سکرات موت سے تڑپ رہا ہو تو تم لاچار و مجبور اس کو دیکھتے رہتے ہو، نہ موت سے نجات دلا پاتے ہو، نہ کسی طرح مدد کر کے، اس کو تکلیف سے بچا، پاتے ہو، اس وقت بھی ہم ہی قریب ہوتے ہیں لیکن تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الواقعہ:٨٣۔٨٥)

تو کیوں نہیں (موت کو ٹال دیتے) جب روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے رہتے ہو۔
اور ہم اس کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم نہیں دیکھتے۔

بلاشبہ اللہ قریب ہے، شہ رگ سے بھی زیادہ قریب۔ مگر اس کا قرب جسمانی اور مکانی نہیں کہ وہ جسم و مکان سے پاک ہے۔ تمہاری نظر میں نہیں سما سکتا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ (الانعام:١٠٣)

اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور وہی ہر چیز کی باریکیوں اور مشکلات کو جاننے والا ہے۔

جس شخص کو مالک کے قرب کا یقین ہو جاتا ہے وہ اپنے مالک کی اطاعت و فرمانبرداری میں کبھی تساہل نہیں کرتا۔ جو ذمہ داریاں اسے مالک نے سونپی ہیں، انہیں پورا کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔ اسے خوف رہتا ہے کہ اگر کام میں کوئی سستی ہوئی تو مالک کے انعام و اکرام سے وہ محروم کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر کوئی جرم سرزد ہو گیا تو سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اسی لیے مالک حقیقی اپنے بندوں کو اپنے قرب کا یقین دلا رہا ہے اور حکم دیتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ:٨)

اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سب کاموں کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اس خیال سے اللہ کی نافرمانی کرنا بڑی ہی حماقت ہے کہ تمہارا کوئی عمل اللہ سے چھپ سکتا ہے کہ وہ ایسی قدرت والا مالک ہے جو تمہارے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔

یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (هود:٥)

اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ سینوں کی باتیں تک جانتا ہے۔

اللہ کے قرب کا احساس ہی ذریعہ تقویٰ ہے، یہ احساس جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی تقویٰ بڑھتا ہے، جس کا اثر بندے کے عمل و کردار سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح کہ اسے برائیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ نیکیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے حتیٰ

Marfat.com

کہ برے کام اس کے لئے دشوار اور اچھے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی عبادت میں اسے لذت آنے لگتی ہے۔ یہی حلاوتِ ایمان ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے۔ ایسے شخص کے لیے ساری ساری رات اللہ کے دربار میں کھڑے رہنا آرام کی نیند سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے، اسے روزے رکھنے میں، کھانے، پینے سے زیادہ مزا آتا ہے۔ اس کے لمبے لمبے سجدے اس کے لئے راحت و سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ اللہ کے دربار میں رونے سے اسے سُرور ملتا ہے۔ بندے کے یہ اعمال اسے اللہ سے قریب کرنے لگتے ہیں۔ بالخصوص سجدہ جو بندے کی اداؤں میں مالک کے نزدیک محبوب ترین ادا ہے، جسے خود مالک نے اپنے قرب کا ذریعہ قرار دیا۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق:۱۹)

سجدہ کرو، اور قریب ہوتے رہو

اسی محبوب ادا کے انکار کے سبب شیطان لئیم و رجیم قرار پایا کہ جو سجدے سے فرار اختیار کرتا ہے۔ اللہ اس سے اپنے عذاب و عتاب اور قہر و جبر کی صفات کے ساتھ قریب ہوتا ہے اور جو قربِ الٰہی کے حصول کے لئے سجدے کرتے رہتے، زندگی کے ہر لمحہ میں مالک کی اطاعت و فرمانبرداری کا لحاظ رکھتے ہیں، ان سے اللہ اپنی صفات رحم و کرم کے ساتھ قریب ہوتا ہے۔ کہ ایسے ہی لوگوں کو بے انتہا انعامات سے نوازتا ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶ (الاعراف:۵۶)

بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

قرب کا نتیجہ

محسنین کو اللہ کا قُرب نصیب ہوتا ہے جسکے نتیجے میں وہ دنیا و آخرت کے خوف، غم سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ عزت و شہرت پاتے ہیں، دنیا ان کی مطیع ہو جاتی ہے۔ ان کی نظرِ عنایت لوگوں کے مقدر بدل دیتی ہے، ان کی محبت اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی دلیل ہوتی ہے۔ ان کا احترام، ان سے وابستگی ذریعہ نجات ہے۔ ان کے دامن سے وابستہ ہو جانا، ضلالت و گمراہی سے نجات کی ضمانت ہے۔ یہی لوگ قرآنی اصطلاح میں اولیاء اللہ ہیں۔ انہی کا دشمن اللہ کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ ان کو اللہ کا جو قرب نصیب ہوتا ہے، وہ ان کے اعمال و افعال سے عیاں ہوتا ہے۔ جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے بیان فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَ یَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے

Marfat.com

میرے دوست سے دشمنی کی۔ میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور میرا بندہ (صرف) میری فرض کی ہوئی محبوب چیزوں ہی (کی پابندی) سے، میرا قرب حاصل نہیں کرتا (بلکہ) وہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور میں جس کام کو کرنے والا ہوتا ہوں اس کے کرنے میں مجھے تردد نہیں ہوتا (صرف) مجھے تردد، نفس مؤمن کے متعلق ہوتا ہے کہ وہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کے برا سمجھنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ اور وہ اس کے لیے ضروری ہے (یعنی اسے موت سے چھٹکارا نہیں) (بخاری شریف)

دنیا کے بادشاہوں، حکام حتی کہ معمولی دولت مندوں کے چاپلوسیوں اور خوشامدیوں کو اپنے مجازی آقاؤں سے کچھ اختیار مل جاتے ہیں، کچھ وسائل مل جاتے ہیں۔ تو کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس خصوصی قوت و طاقت سے، جو مالک حقیقی، بادشاہِ حقیقی، احکم الحاکمین اپنے مقربین کو عطا فرما دیتا ہے جس کے سبب وہ عام انسانوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ اب ان کے سننے، دیکھنے، پکڑنے، چلنے کی قوتیں، ہما، شما جیسی نہیں رہتیں۔ ان قوتوں کا عطا فرمانے والا اللہ ہی ہے۔ وہ کسی کو زیادہ کسی کو کم عطا فرماتا ہے۔ اور کسی کو بالکل ہی محروم کر دیتا ہے۔ بہرا، اندھا اور معذور بنا دیتا ہے۔ بس وہ قادر مطلق اپنے مقربین کو یہ قوتیں اتنی وافر عطا فرماتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے ہر طرح ممتاز ہو جاتے ہیں۔ نیز ان مقربین پر اللہ کا ایک کرم اور ہوتا ہے جو میرے آقا ﷺ بیان فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَ اِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهٗ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ اے جبرئیل تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، پس جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں، کہ بیشک اللہ فلاں سے محبت فرماتا ہے، تو تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ اہل زمین میں مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ

Marfat.com

کسی بندے کو ناپسند فرماتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص کو ناپسند کرتا ہوں۔ تو تم بھی اس کو ناپسند کرو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تو جبرئیل اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان میں اعلان فرما دیتے ہیں کہ بیشک اللہ فلاں شخص کو ناپسند فرماتا ہے، تم بھی اس کو ناپسند کرو، تو آسمان والے بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں بھی اس کی نفرت پیدا کر دی جاتی ہے۔
(مسلم شریف)

قُربِ الٰہی ایک اعزاز ہے

قُربِ الٰہی بندے کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔ یہ عزت و شہرت کا ایسا ذریعہ بنتا ہے کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھچنے لگتے ہیں۔ مخلوق کے دلوں کی گہرائیوں میں ان کی عقیدت پیدا ہو جاتی ہے وہ مخلوق سے بھاگتے ہیں، اور مخلوق ان کی طرف بھاگتی ہے۔ ان کی ایک نظر کرم ڈوبتے ہوؤں کو ترا دیتی اور گرتے ہوؤں کو سہارا دے دیتی ہے۔ ان کا فیض ان کی زندگی کے ساتھ محدود نہیں ہوتا۔ نہ ان کی عزت و شہرت زندگی سے متعلق ہوتی ہے، بلکہ اس ظاہری دنیا کے چلے جانے کے بعد بھی، ان کا فیض جاری رہتا ہے۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو کر بھی بہاری بگڑی بناتے ہیں۔ نامرادوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ بھکاریوں کی جھولیاں بھرتے ہیں۔ عقیدت مندوں کو ان کے مزارات پر، اللہ کا نور برستا نظر آتا ہے۔ ان کے مزارات کو کوئی کتنا ہی ویران کرنا چاہے لیکن وہ آباد ہی رہتے ہیں۔ کوئی کتنے ہی شرک و بدعت کے فتوے جاری کرے، لیکن عقیدت مندوں کی جبینِ نیاز ان کی بارگاہ میں جھکتی ہی رہتی ہے۔ ان کی آرام گاہوں پر عقیدت کے پھول اور چادریں ہی نظر آتی ہیں۔ ان کی خانقاہوں پر بہار ہی بہار ہوتی ہے۔ یہاں بے چین دلوں کو قرار اور بے تاب روحوں کو سکون میسر آتا ہے۔ یہاں خالی ہاتھ آنے والے مالا مال ہو کر لوٹتے ہیں۔ مقربین کی یہ عزت و شہرت، دولت، حکومت یا علم کے باعث نہیں جو ختم ہو جائے یہ تو قربِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ اللہ کی دی ہوئی عزت ہے، اسے کون ختم کر سکتا ہے۔ کون چھین سکتا ہے۔ یہ وہ بہترین مؤمن ہیں جن کے لیے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ.

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو، میں نے فرماتے سنا، کیا میں تمہیں نہ بتا دوں، کہ تم میں سے بہترین آدمی کون ہے صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں، کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے۔ (ابن ماجہ)

جسے قربِ الٰہی نصیب ہو جاتا ہے، اس کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی بد سے بدتر کو بھی اللہ یاد آ جاتا ہے اور ان کا یہ اثر ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ آپ ان مقربین کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں، سوچئے، وہاں آپ کو کیا ماحول نظر آتا ہے یہی نا، کہ کسی کے اللہ کے دربار میں ہاتھ اٹھے ہوتے ہیں تو کوئی سجدے میں پڑا ہوتا ہے۔ کسی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، کوئی روتا ہوتا ہے، کوئی گڑگڑاتا ہوتا، کوئی تلاوت قرآن میں مصروف تو کوئی تسبیح پڑھتا نظر آتا ہے۔ غرضیکہ کسی نہ

Marfat.com

سی طرح ہر ایک ذکر اللہ میں ہی مصروف نظر آتا ہے۔ کیونکہ صاحب مزار بندہ خود ساری زندگی اللہ ہی کو یاد کرتا رہا۔ اللہ نے اس کو اپنا شعار بنا دیا کہ جو اسے دیکھتا ہے یا جو اس کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ اللہ ہی کو یاد کرتا ہے۔ یہ ''شعائر اللہ'' ہیں، کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آ جاتا ہے۔ اور ''شعائر اللہ'' کی عظمت، اللہ کی مخلوق کے دلوں سے نکالنے کی کوشش کرنے والے بڑے ہی ظالم ہیں۔ اپنی کوششوں میں وہ ہمیشہ ناکام رہے اور ناکام ہی رہیں گے۔ ''شعائر اللہ'' کی عظمت تو، علامتِ تقویٰ، ثبوتِ تقویٰ اور اعلانِ تقویٰ ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: ۳۲)

حق یہی ہے اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو بیشک یہ دلوں کے تقوے سے ہے۔

سوچئے، اہل ایمان کے دلوں سے تقویٰ کو نکالنے، اسے مٹانے کی کوششیں کرنے والے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انہی کے لئے تو اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ جیسا کہ آپ حدیث شریف میں پڑھ چکے ہیں۔

بہر حال، قرب الٰہی، ذریعہ عزت و عظمت ہے، مقربین الٰہی امت کے لیے واجب الاحترام ہو جاتے ہیں۔ اس قُرب کی اعلیٰ ترین منزل حُبِ الٰہی ہے، کہ بندہ اللہ سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اللہ اس سے محبت فرمانے لگتا ہے۔ اور مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ اس اعلیٰ ترین منزل کے فرد اعلیٰ، فردِ اول، فرد اکمل نبی مکرم ﷺ ہیں۔ کہ آپ بلاشبہ سید المقربین، سید المحبوبین، سید الاولیاء والصالحین ہیں۔ جن کو ''اُدْنُ مِنِّیْ'' کا خطاب، اور ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' کا وعدہ الٰہی حاصل ہوا۔ انہی کی اتباع و پیروی کو ساری مخلوق کے لیے قرب الٰہی اور حُبِ الٰہی کا وسیلہ قرار دیا گیا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۳۱)

(اے محبوب) آپ فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

صالحیت، ولایت، محبوبیت کے جملہ مراتب اسی سید المحبوبین ﷺ سے وابستہ ہیں۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا ... بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

محبت کا ایک اہم جز، ناز اور ناز برداری ہے کہ محبت محبوب کو حق ناز دیتی ہے اور محب سے ناز برداری کی صورت میں انعام و اکرام کی برسات کا وسیلہ بنتی ہے۔ پس محبوب ناز کرتا ہے اور محب ناز برداری، میدان بدر میں سید المحبوبین ﷺ کا حال دیکھئے کہ آپ اپنے جانثاروں کی چھوٹی سی کمزور جماعت کے لیے فتح و کامرانی کی دعا فرما رہے ہیں۔ چشمہائے مبارک سے نور کی برسات ہو رہی ہے کہ اچانک ارشاد فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَ وَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ اَبَدًا

اے اللہ، میں تجھے، اس عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ اے اللہ اگر تو اسے پورا

Marfat.com

نہ کرے گا تو پھر تا ابد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

غور فرمایئے کیسے ناز بھرے الفاظ میں اس رب سے بھیک مانگی جا رہی ہے جس کی شان "غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" ہے، کوئی اس کی عبادت کرے یا نہ کرے، اسے کیا پروا۔ بندوں کے عبادت کرنے سے نہ اس کی شان بڑھتی ہے، اور نہ ہی بندوں کے عبادت نہ کرنے سے اس کی بلند شان میں کوئی کمی یا نقص پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن محبوب حالت ناز میں فرما رہے ہیں "پھر تا ابد تیری عبادت نہ کی جائے گی"، اور محب، ناز برداری فرماتے ہوئے مژدہ دیتا ہے:

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝ (الانفال:9)

تو اس نے تمہاری فریاد سن لی یقیناً میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں، ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔

ایک بار پھر محبوب نے اظہار ناز کیا اور عرض گزار ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ ظَهَرُوْا عَلٰى هٰذِهِ الْعِصَابَةِ ظَهَرَ الشِّرْكُ وَلَا يَقُوْمُ لَكَ دِيْنٌ۔

اے اللہ اگر یہ کافر، مسلمانوں کے اس گروہ پر غالب آ گئے تو شرک غالب آ جائے گا اور تیرا دین قائم نہ ہو سکے گا۔

پس رب کریم نے محبوب کی ناز برداری فرمائی، فرشتوں کو حکم دیا کہ اہل ایمان کی مدد کرو۔ میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دوں گا اور تم ان کو خوب مارتے رہنا۔ (مفہوم آیت سورۂ انفال) نیز، اپنے محبوب سے مزید تین ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا۔ پھر اس تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل کرنے کا مژدہ دیا۔ (مفہوم آیت سورۂ انفال)

محبوبین کی اسی ادا کو نبی مکرم علیہ السلام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بعض بکھرے بالوں والے، دروازوں سے دھتکارے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھا لیں تو اللہ اسے پورا ہی کر دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

اللہ کے عشق و محبت میں دیوانوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کے بال بکھرے ہوتے، کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں۔ چہروں پر دیوانگی کے آثار نمایاں ہوتے، انداز گفتگو بہکا بہکا سا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مخلوق کی تقدیر کے مالک ہوتے ہیں۔ حالت ناز ان پر طاری ہوتی ہے ان کی زبان سے نکلی ہوئی ناممکن بات بھی ممکن بن جاتی ہے۔ یہ محبوب جو کہہ دیتے ہیں محب وہ پورا کر دکھاتا ہے۔ اسی لیے بعض اولیاء کرام کے کلام میں ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آپاتیں۔ لیکن حالت ناز میں کہنے والوں نے کہہ دیں اور ہمیں اپنی عقیدت و محبت کے امتحان میں مبتلا کر دیا۔ پس وہ لوگ کامیاب ہوئے جنہوں نے ان باتوں سے اولیاء کی عظمت کو پہچانا اور جنہوں نے ان پر نکتہ چینی کی ان کو غیر شرعی قرار دیا، وہ مقربین کے دشمن قرار پائے۔ جو نہایت ہی خطرناک

Marfat.com

مقام ہے۔اسی مقام ناز میں میرے آقا غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر اعلان فرمایا۔

قَدَمِیْ هٰذَا عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ

میرا یہ قدم، اللہ کے ہر ولی کی گردن پر ہے

اور ناز برداری فرمانے والے محب نے، مشرق ومغرب کے اولیاء تک یہ آواز پہنچائی اور سب کے سر بھی خم کرا دیئے۔

غرضیکہ اللہ بندوں سے قریب ہے، باغیوں کی بغاوت دیکھتا ہے، اطاعت شعاروں کی اطاعت پر نظر رکھتا ہے۔ محسنین وصالحین پر رحمتوں کی بارش برساتا ہے۔ پکارنے والوں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔''اے نبی، جب آپ سے میرے بندے، میرے متعلق سوال کریں، تو آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں قریب ہوں''۔

دعا

آیہ مبارکہ کا آخری حصہ ملاحظہ فرمایئے جس میں اہلِ ایمان کو بصورتِ وعدہ، مژدہ دیا جارہا ہے''میں دعا کرنے والوں کی دعا کو قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرے''۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں سے قریب ہے بندوں کی دعائیں قبول فرما رہا ہے، اسی وعدے کا اعادہ کرتے ہوئے دوسری جگہ فرمایا:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (المؤمن:۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔

دعا کا حکم بھی دیا جارہا ہے اور قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا جارہا ہے۔ یہ اس رب کا وعدہ ہے جو بندوں سے قریب تر ہے اور وعدہ خلافی اس کی شان کے خلاف ہے۔ نیز وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تمہارا پروردگار بہت حیاء وکرم والا ہے، وہ اپنے بندے سے شرم کرتا ہے کہ بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی واپس کر دے۔ (ترمذی شریف)

جب بادشاہ ایسے کرم والا، ایسی بخشش والا ہو، کہ منگتوں کو خالی ہاتھ واپس کر دینا گوارہ نہ فرمائے، تو کتنا بدنصیب ہے وہ جو کریم کے دربار میں حاضر تو ہو، لیکن بھکاری بننے سے شرمائے۔ مانگنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ عبدیت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ بندہ معبود سے گڑ گڑا، گڑ گڑا کر مانگے۔ میرا رب یہی پسند فرماتا ہے کہ جب ہمارے دربار میں آؤ تو جھولی پھیلاؤ۔ کچھ مانگو۔ تکبر میں مبتلا نہ ہو۔ ذلیل وخوار ہو جاؤ گے جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ یہ جتنی عبادت ہیں ان کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ بندہ

Marfat.com

عبادت کر کے معبود کو خوش کرے اور پھر ہاتھ پھیلا کر خوب مانگے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، دعا عبادت کا مغز ہے۔
(ترمذی شریف)

جس طرح مغز کے بغیر سارا جسم بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح جس عبادت کے بعد دعا نہ کی جائے بندہ اس عبادت کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ کو عبادت سے زیادہ دعا پسند ہے۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ شَیْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَآءِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی عمل عظمت والا نہیں۔
(ابن ماجہ شریف)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مزید ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ اس سے ناخوش ہوتا ہے۔
(ترمذی شریف)

دعا، رب کے حضور اپنے عجز و لاچاری کا اعتراف ہے، عبدیت کا اظہار ہے جو اللہ پسند فرماتا ہے۔ پس جو بندہ اپنی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتا اور اتنا جری ہے کہ مالک سے مانگنے میں بھی عار کرتا ہے۔ اللہ اس سے خوش نہیں ہوتا۔ پس بندے کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ داتا سے مانگتا رہے۔ خوب مانگے، رو رو کر مانگے، پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ مانگے، کہ جس سے مانگ رہا ہے وہ سن بھی رہا ہے، دیکھ بھی رہا ہے اور اس نے دینے کا وعدہ بھی کیا۔ نبی کرم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُدْعُوا اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَآءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ سے دعا مانگو یہ یقین کر کے وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ اور خوب جان لو کہ اللہ غفلت اور بے پروائی کرنے والے کی دعا قبول نہیں فرماتا۔
(ترمذی شریف)

یہ یقین کر کے مانگو کہ جس کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو وہ بڑی قدرت والا ہے۔ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ بس اپنی ضرورت بیان کیے جاؤ۔ جو مانگ رہے ہو شاید تمہارے لیے بہت ہو۔ اس کے لیے کوئی چیز بہت نہیں، پس تم پورے اعتماد کے ساتھ اپنی ضرورت سے بھی زیادہ مانگتے رہو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا یَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَلْیَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ

Marfat.com

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ لَا مُكْرِہَ لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی، دعا مانگے تو اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ مجھے بخش دے اگر تو چاہے مجھ پر رحم فرما۔ اگر تو چاہے بلکہ دعا میں پختہ ارادہ کرلے، بیشک اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔ (بخاری شریف)

مانگنے میں رغبت ہو، اصرار ہو، ساتھ ہی عاجزی ہو، ادب ہو، احترام ہو، جیسے چھوٹا بڑے سے، فقیر امیر سے، بیٹا باپ سے مانگتا ہے جو چاہو مانگو، لیکن ایسی چیز ہرگز نہ مانگو جس کو مانگنے سے اللہ اور اس کے رسول نے پہلے روک دیا ہے، شریعت نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ مثلاً اے اللہ میرے شراب کے کاروبار میں برکت دے، اے اللہ مجھے جوئے میں کامیاب کر دے، محرّمات شرعیہ کی ... حقیقت میں اللہ کے غضب اور عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ کو معلوم ہو کہ ملک کے قانون میں ایک چیز ممنوع ہے اور پھر بھی آپ حاکم وقت سے اس کا سوال کریں۔ یہ طلب نہیں بلکہ حاکم کا مذاق اڑانا ہے۔ جس پر سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ یا کم از کم حاکم آپ کی اس حرکت پر ناراض ضرور ہوگا۔ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بندہ کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ یا رشتہ قطع کرنے کی دعا نہیں مانگتا۔ اور جب تک وہ جلدی نہیں کرتا۔ (مسلم شریف)

صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا کہ جلدی سے کیا مراد ہے۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَيُسْتَجَابُ لِیْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَ يَدَعُ الدُّعَاءَ۔

یارسول اللہ، جلدی سے کیا مراد ہے، آپ نے فرمایا جلدی یہ ہے کہ دعا کرنے والا یہ کہے کہ میں نے دعا مانگی، لیکن وہ قبول نہیں کی گئی اور اس کے بعد وہ مایوس ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔

یعنی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

قبولیت کا وقت اللہ کے علم میں ہے۔ جب وہ وقت آئے گا ضرور مقبولیت ہوگی۔ مایوسی کفر ہے۔ مومن کی شان کے لائق نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگتے ہیں نہیں ملتا۔ بظاہر دعا قبول نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا اثر ضرور کسی دوسری صورت میں ہوتا ہے۔ جو چیز مانگ رہے ہیں یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ ہمارے لیے مفید ہے یا مضر۔ اگر وہ مضر ہوتی ہے تو اللہ کرم فرماتا اور اس سے ہمیں محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اس کے عوض ہمیں بہت سی دوسری مفید چیزیں عطا فرماتا رہتا ہے۔ نہ جانے کتنی آفتیں، بلائیں، مصیبتیں، بیماریاں اس دعا ہی کے اثر سے ٹلتی اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔

غرضیکہ وعدۂ الٰہی ہے کہ وہ اپنے بندے کی دعا قبول کرتا ہے اور وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کرتا ہے۔ دعا کے آداب میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ رب کے دربار میں اس کے محبوبین، مقربین بالخصوص وسیلہ دنیا و آخرت حضور نبی مکرم

Marfat.com

علیہ السلام کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا کی جائے کہ اللہ اس کو پسند فرماتا ہے۔ یہی نبی مکرم علیہ السلام کی تعلیم ہے۔ اسی پر صحابہ کا عمل رہا اور یہی طریقہ اولیاء واصفیاء اور علماء نے اختیار کیا۔ جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات پر ''استعانت'' کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری طوالت کا باعث ہوگا۔ دوبارہ ان صفحات کا مطالعہ کر لیجئے، نیز دعا کے عنوان پر ہمارا ایک مفصل مضمون ہماری کتاب ''تبلیغی کتاب'' کے حصہ اول میں موجود ہے۔ لہذا ہم یہاں اس مختصر گفتگو پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۷)

حلال ہوا تمہارے لیے روزے کی رات میں اپنی عورتوں کے پاس جانا، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ کو قبول کیا اور تمہیں معاف کر دیا۔ پس اب (چاہو) تو ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے لکھا ہوا ہے۔ اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔ صبح کے وقت پھر روزہ پورا کرو، رات آنے تک۔ اور ان سے مباشرت نہ کرو۔ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔

تکمیل صیام

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابتدائی دور میں روزے کا آغاز سوتے ہی ہو جاتا تھا۔ نہ سحری تھی اور نہ ہی رات کو عمل زوجیت کی اجازت۔ یہ حکم کس قدر مشکل تھا۔ اس کی تعمیل نہ جانے ہمارے لئے کتنی دشوار ہوتی جب کہ صحابہ کرام بھی اس کی پابندی نہ کر پائے۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کے احترام کی توفیق عطا فرمائے کہ انہی حضرات کا ظاہری گناہ ہمارے لئے باعثِ رحمت بنا اور ان کی عظمت وفضیلت کا مظہر ہوا۔ کہ اللہ نے رات میں عملِ زوجیت کی اجازت بھی دے دی اور کھانے پینے کی بھی۔ نیز ''فتاب علیکم وعفا عنکم'' کا مژدہ سنا کر اپنے محبوب علیہ السلام کے صحابہ کی عزت وناموس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا۔ اللہ ان کی توبہ قبول کر چکا اور انہیں معاف بھی فرما چکا ہے۔ اب کوئی میرے محبوب کے ان محبوب غلاموں پر تنقید وتنقیص نہ کرے بلکہ ساری امت ان کی ممنون رہے کہ ان کے صدقہ میں یہ نعمتیں نصیب ہوئیں۔ وہ واقعات ملاحظہ ہوں جو نزول رحمت کا باعث بنے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی ایک رات اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی۔ فراغت کے بعد غسل فرمایا اور بقیہ رات نہایت بے چینی سے روتے ہوئے گزاری۔ صبح ہوتے ہی آقا کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اقرار کرنے لگے۔ دعائے مغفرت کی بھیک مانگنے لگے۔ حاضرین میں سے چند دیگر صحابہ کو بھی ہمت ہوئی تو انہوں نے بھی عمر جیسا ہی اپنا حال پیش کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اپنے غلاموں کا یہ حال نہایت ہی باعث تشویش تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں اللہ سے دعا کی اور وحی کا انتظار فرمانے لگے۔

اسی دوران حضرت صرمہ ابن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا جو نہایت ہی غریب تھے۔ دن بھر محنت مزدوری کر کے بمشکل روزی حاصل کر پاتے تھے۔ افطار و مغرب کے بعد کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔ تھکے ہوئے تھے کہ نیند آ گئی۔ بیوی نے کھانے کے لیے اٹھایا۔ آپ نے فرمایا میں سو گیا تھا۔ روزہ شروع ہو چکا اب کیسے کھانا کھا سکتا ہوں۔ صبح حسب معمول مزدوری کے لیے چلے گئے۔ دوپہر تک نڈھال ہو کر گر پڑے۔ بے ہوش ہو گئے۔ آقا ﷺ کو محبوب غلام کی اس حالت پر بہت دکھ ہوا۔ پس وحی نازل ہوئی اور رمضان کی راتوں میں صبح صادق سے قبل تک عمل زوجیت اور کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی۔ صرف حالت اعتکاف میں بیوی کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ اب کسی کو ان سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔

رمضان کی راتوں میں عملِ زوجیت کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شوہر و بیوی کے رشتہ کو ایک نہایت ہی عجیب اور پیاری تشبیہ کے ساتھ بیان فرمایا، ''عورتیں تمہارا لباس اور تم عورتوں کا لباس ہو''۔ اللہ اکبر، یہ ہے اعجاز قرآن جس کا مقابلہ نہ آج تک کوئی کر سکا اور نہ قیامت تک ممکن ہے۔ ذرا اس تشبیہ پر غور تو کیجئے۔ شوہر و بیوی کے ایک دوسرے پر تمام حقوق اور ایک دوسرے سے متعلق ان کی تمام ذمہ داریوں کو ایک جملہ سے بیان کر دیا گیا۔ ''عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں'' جو اہمیت لباس کی جسم کے لیے ہے وہی بیوی کے لیے شوہر کی اور شوہر کے لیے بیوی کی۔ جو قدر تم اپنے لباس کی کرتے ہو، وہی عورت اپنے شوہر کی اور شوہر بیوی کی کرے۔ لباس جسم کو گرمی و سردی کی تکالیف سے بچاتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کو زندگی کی تکالیف سے بچانے کے ذمہ دار ہیں۔ لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے عیوب کو چھپانے کے پابند ہیں۔ لباس جسم پر حیاء و شرم کا پردہ ہے، یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے لیے حیا و شرم کی بقاء کا ذریعہ ہیں۔ لباس جسم کو گرد و غبار سے محفوظ رکھتا ہے، شوہر و بیوی ایک دوسرے کو گناہوں سے بچاتے ہیں۔ اپنے لباس پر داغ، دھبے تمہیں بے حد ناگوار معلوم ہوتے ہیں تم انہیں صاف کرتے ہو، دھوتے ہو۔ شوہر و بیوی ایک دوسرے کو بد اخلاقی و بدکرداری کے دھبوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جتنا سوچنے، اتنی ہی اس تشبیہ کی افادیت اور وُسعت آپ کو معلوم ہوتی چلی جائے گی۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ بھی بتاتا ہے کہ امریکہ و یورپ اور جن ممالک میں بھی لباس کی اہمیت نہیں، ہاں اس مضبوط ترین، رشتہ ازدواج کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ جہاں اور جب دل چاہا لباس اتار پھینکا۔ یہی رد یہ شوہر و بیوی کے درمیان نظر آتا ہے کہ جب چاہا شوہر نے بیوی کو نکال باہر کیا اور جب چاہا بیوی نے شوہر کو لات مار دی۔ احترام اور حقوق کا احساس نام کی تو کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ غرضیکہ بڑی ہی پیاری تشبیہ ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اللہ نے ایسا ضابطہ

Marfat.com

حیات عطا فرمایا جو انسان کو اس کے فطری تقاضوں کے مطابق امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا اور انسانیت کے تقدس کا درس دیتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے۔

رمضان کی راتوں میں، عمل زوجیت اور کھانے پینے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ تمہیں یہ اجازت اس وقت تک ہے جب تک کہ ''سفید وسیاہ دھاگے میں فرق نظر آنے لگے''۔ اس ارشاد پر بعض صحابہ ساری رات سفید وسیاہ دھاگے دیکھتے رہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دونوں قسم کے دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھے اور بار بار انہیں دیکھتا رہا کہ کب ان کا رنگ ظاہر ہو مجھے کچھ بھی نظر نہ آ سکا۔ صبح حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہو کر میں نے اپنی پریشانی بیان کی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ''تب تو تمہارا تکیہ بہت ہی بڑا ہے'' مقصد یہ ہے کہ آیت میں جو ڈورے مراد ہیں وہ تمہارے تکیہ میں کہاں سما سکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ''اس سے دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے'' یعنی دن کی سفیدی ظاہر ہونے لگے اور رات کی سیاہی چھٹنے لگے۔ یہی صبح صادق کہلاتی ہے۔ اللہ نے اس کی وضاحت کے لیے ''من الفجر'' کا جملہ نازل فرمایا۔

روزے کے احکام میں تبدیلی اور بتدریج ان کی تکمیل مزاج قرآن کے عین مطابق ہے کہ اللہ رب العزت انسان کے مزاج کو، اس کی فطرت کو خوب جاننے والا ہے اس نے اپنی حکمت اور تدبیر سے اس طرح احکام عطا فرمائے کہ لاقانونیت کی زندگی بسر کرنے والوں پر بار نہ ہو۔ اب بھی داعیانِ دین کے لیے حکم ہے کہ وہ حکمت و مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محبت و شفقت کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دیں انہیں دشواریوں اور الجھنوں میں مبتلا کرنے سے گریز کریں۔ حضور علیہ السلام کی تعلیم ہے:۔

عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ ﷺ جَدَّہٗ اَبَا مُوْسٰی وَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے ان کے دادا ابو موسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور فرمایا آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔ خوشخبری دینا نفرت پیدا نہ کرنا اور دونوں متحد و متفق رہنا اختلاف نہ کرنا۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِہٖ فِیْ بَعْضِ اَمْرِہٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام صحابہ میں سے کسی کو، کسی کام پر مقرر فرماتے تو نصیحت فرماتے تھے کہ لوگوں کو خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ۔ آسانی کرو، اور دشواری میں نہ ڈالو۔ (بخاری ومسلم)

تاہم اب شریعت کو مکمل صورت ہی میں پیش کیا جائے گا یہ نہیں کہ پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے اور پھر چار کی، کہ اب دین مکمل ہو چکا۔ اس میں کمی زیادتی کا کسی کو اختیار نہ رہا۔ اب شریعت مکمل ہے، مکمل ہی کو سہولت اور آسانی

Marfat.com

سے پیش کرنا ہوگا۔اس طرح کہ لوگوں پر بار نہ ہو۔اور وہ دل و جان سے اسے قبول کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔انداز بیان و دعوت مؤثر و مفید اور پرکشش ہونا چاہیے۔مستحبات سے زیادہ فرائض کی دعوت پر توجہ دینا چاہیے۔

یہاں ہم نے احکام صوم اور فضائل رمضان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔اگر آپ کو تفصیل مطلوب ہو تو اس عنوان پر ہماری کتاب ''تمیں راتیں'' پڑھیے۔جو ہماری زبان کے علاوہ انگریزی اور ڈچ میں بھی چھپ چکی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ (البقرہ:۱۸۸)

اور ناحق ایک دوسرے کے مال آپس میں نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) جان بوجھ کر تم کھالو۔

مالِ ناحق

مال ناحق، مال باطل یا مال حرام وہ مال ہے جو کسی کو تکلیف پہنچا کر یا کسی کا حق مار کر حاصل کیا جائے۔مثلاً سود کا مال یا رشوت کا مال کہ دینے والے کو اس کی ادائیگی سے کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔کتنی اذیت پہنچتی ہے۔یا یتیموں اور بیواؤں کی امانتوں کو ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر غصب کر لینا اور وہ مال بھی ناحق ہے جس کو ایسی چیزوں کے ذریعے حاصل کیا اور کمایا جائے جن کو شریعت مطہرہ نے حرام کر دیا ہے۔اس کے کمانے میں چاہے کتنی ہی محنت و مشقت اٹھانی پڑے۔مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ کی تجارت سے حاصل شدہ مال، قرآن نے ایسے تمام اموال کو باطل قرار دیا اور اس کے کھانے یا کسی بھی طرح استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی، کیونکہ:۔

جس معاشرے میں مال حرام کا لین دین عام ہو جائے وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔وہاں زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔غور کیجئے ان ممالک کی حالت پر جہاں سود کا لین دین عام ہے، رشوت زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہے کہ رشوت لینے والے اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں، کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔جن کے پاس دولت ہے وہ رشوت دے کر دوسروں کا بھی حق مار لیتے ہیں اور غریب اپنے حق سے بھی محروم رہتا ہے۔شراب اور دیگر اشیاء جن کو حرام کیا گیا، اگر بازاروں میں کھلے عام خریدی اور بیچی جاتی ہے، تو بمشکل ہی کوئی ان کے استعمال سے بچ پاتا ہے۔ایسے ممالک میں دولت مند، امیر ترین اور غریب، غریب ترین ہوتا چلا جاتا ہے۔چوری، ڈکیتی، قتل و غارت کی لعنت عام ہو جاتی ہے۔شریفوں کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔لوگوں میں خودغرضی، مفاد پرستی پیدا ہوتی ہے وہ ہوا و ہوس کا ایسا شکار ہوتے ہیں کہ ان کے پیش نظر صرف اور صرف دولت ہوتی ہے، نہ کسی کی عزت کی پرواہ رہتی ہے نہ جان و مال کی۔اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے وہ چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں، صرف عام کھانے پینے کی اشیاء ہی کو مضر صحت نہیں بناتے بلکہ دواؤں تک میں ملاوٹ کر کے ان کو بے اثر یا مہلک کر دیتے ہیں۔حرام کے یہ عادی ایسی دوائیں تک بیچ دیتے ہیں، جن کی تاریخ استعمال ختم ہو چکی ہوتی ہے اور وہ زہر کا کام کرنے لگتی ہیں۔دولت کی ہوس میں مبتلا انسان کے لیے، انسان کی عزت و آبرو لوٹ لینا، حتی کہ ان کا خون بھی کر دینا، ایک کھیل سے زیادہ نہیں رہتا۔جس میں کامیاب ہو کر وہ خوش ہوتا ہے۔خوب قہقہے لگاتا ہے۔تہذیب و تمدن کے اس جھوٹے دور میں آپ کو بیشتر

Marfat.com

ممالک ایسے ہی ملیں گے، ان میں غیر مسلم ممالک بھی ہوں گے، مسلم ممالک بھی۔ دولت کے ان پوجاریوں کی صف میں عوام بھی نظر آئیں گے اور قوم سے ہمدردی کے نعرے لگانے والے اس کی اصلاح کا دعویٰ کرنے والے لیڈر بھی، یہ وہ لوگ ہیں جن تک قانون کا ہاتھ نہیں پہنچ پاتا۔ وہ خود جو کچھ کرتے ہیں، اسی کو قانون سمجھتے ہیں۔ مال باطل کا نشہ ان کو انجام سے ایسا غافل کر دیتا ہے کہ یہ اپنے مکروفریب کے جال کو اپنے گرد آہنی دیواروں کا حصار سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ کی بے آواز لاٹھی کی مار جب ان پر پڑتی ہے اور اس کی سخت پکڑ کا پنجہ ان تک پہنچتا ہے، تو دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے کہ سود و رشوت کی دولت سے گل چھرے اڑانے والے، یتیموں، بیواؤں کے مال کو ہڑپ کرنے والے حرام کاروبار کی دولت سے عیاشی کرنے والے، کبھی تو جیل میں سڑتے ہوئے نظر آتے ہیں کبھی مہلک مرض میں تڑپتے ہوئے، کبھی یہ کسی کے انتقام کا شکار ہوتے ہیں، تو کبھی ان کا سب کچھ آگ بھسم کر جاتی ہے اور ایسے موقعوں پر قدرت پکارتی ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۝ (الحشر:۲)

تو عبرت حاصل کرو، اے آنکھوں والو

کتنے عبرت حاصل کرتے ہیں، یہ کسی کو کیا پتہ، لیکن مال حرام کے عادی پھر بھی باز نہیں آتے کیونکہ جس کے منہ کو حرام لگ جاتا ہے اس کی آنکھوں پر ایسا غلیظ پردہ آ جاتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ کر بھی اسے اپنے انجام سے خوف نہیں آتا۔ وہ گناہوں میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اسے اس سے باہر کی دنیا خاردار ہی نظر آتی ہے۔

رشوت

آیت مبارکہ کا یہ حصہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ ''وہ مال حاکموں تک نہ پہنچاؤ'' یعنی حکام سے با آسانی اپنے حقوق حاصل کرنے یا جائز و ناجائز کام لینے کے لیے انہیں تحائف و ہدایا، دولت دینے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ جس کو رشوت کہا جاتا ہے۔ گویا یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو محض اپنی آسانی کے لیے ملک وملت کے خدام کو حرام کا عادی بنا دیتے ہیں، انہیں تو یہ کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، کیونکہ ان کے پاس دولت ہوتی ہے۔ وہ اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن اذیت میں وہ عام لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو دولت نہ ہونے کے سبب حکام کا منہ بھرنے سے مجبور ہوتے اور یہ حکام جو حرام کے عادی ہو جاتے ہیں کسی کا کام بغیر رشوت لئے نہیں کرتے۔ لہٰذا عام لوگ اپنے حقوق تک سے محروم رہتے ہیں، پس حکم دیا گیا کہ حاکموں کو حرام کا عادی نہ بناؤ۔ انہیں ان کی ذمہ داریاں پوری کرنے دو اور اپنے حقوق، دولت کے سہارے با آسانی نہیں، بلکہ محنت و مشقت سے حاصل کرو اور انہی پر قناعت کرو۔ حکام سے ناجائز کام کرانے یا ان کے ذریعہ دوسروں کی حق تلفی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ رشوت لینے والوں کو برا کہتے ہیں، ان سے نفرت کرتے ہیں، ان کو ذلیل وخوار جانتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ رشوت لینے والے بہت ہی ذلیل ہوتے ہیں۔ معاشرے کے بدترین افراد یہی لوگ ہیں، جن کی وجہ سے پورا معاشرہ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرے کے یہ سانپ کون پالتا ہے، انہیں کون پروان چڑھاتا، تو واضح جواب یہی ہے کہ رشوت دینے والے ہی انہیں پالتے اور پروان چڑھاتے ہیں، لہٰذا دونوں ہی برابر کے مجرم ہیں۔ رشوت لینے والا بھی اور رشوت دینے والا بھی اور یہی میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد شریف)

راشی، رشوت دینے والا اس لیے مجرم قرار پایا کہ یہی پورے معاشرے میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنا۔ ایک طرف تو یہ ہوا کہ جب دوسروں نے اس کے کام آسانی سے بنتے دیکھے تو انہوں نے بھی وہی ہتھیار استعمال کیا جو اس نے کیا تھا۔ اس طرح پورا معاشرہ راشی بن گیا اور یہ بات عام ہوگئی کہ پیسہ دو اور جو چاہو کرالو۔ دوسری طرف اس کا اثر بد یہ ہوا کہ حکام رشوت ہی سے کام کرنے کے عادی ہوگئے۔ جس سے انہوں نے اتنی دولت کمائی کہ وہ اپنی اصل تنخواہ کو جیب خرچ اور حرام کی دولت کو اصل آمدنی تصور کرنے لگے۔ اگر معاشرے کے تمام افراد لعنت و پھٹکار کے خوف سے فیصلہ کرلیں کہ وہ ہرگز رشوت نہیں دیں گے تو رشوت لینے والے اپنی موت آپ مرجائیں گے اور معاشرہ اس لعنت سے محفوظ ہو جائے گا۔ پھر ہر ایک کو بآسانی اس کے حقوق حاصل ہوں گے۔ اور حکام اپنی تنخواہوں پر ہی قناعت کر کے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے لگیں گے۔ یہی واحد ذریعہ ہے معاشرے کو رشوت کی غلاظت سے پاک کرنے کا۔ کوئی برائی قانون سازی یا نگہبانی سے ختم نہیں ہوتی، اسی وقت ختم ہوتی ہے جب اس میں مبتلا افراد کو اس کی مضرت اور تکلیف کا احساس ہو اور وہ خود ہی اس کے خلاف جہاد کرنے اور اس کو ختم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

مرتشی، رشوت لینے والے پر اس لئے لعنت ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف تو مالک یا حکومت کو دھوکا دیتا ہے کہ اس کو جو ذمہ داری سونپی گئی تھی، اس کا معاوضہ بھی اس کے لیے مقرر تھا۔ پھر بھی یہ بھیک مانگتا اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ حاصل کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ عوام کو مجبور کرتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرنے کے لیے وہ بھی حرام کی دولت حاصل کریں۔ یہ معاشرے کا وہ ظالم فرد ہے جو چند ٹکوں میں ہر وقت بکتا رہتا ہے۔ کسی کا حق مارتا ہے، کسی کو دیتا ہے۔ اس نے عوام کی زندگی کو ایسا ناہموار بنا دیا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق، جو پیسہ پھینکتا ہے وہ سب کچھ پالیتا ہے اور جس کے پاس پیسہ نہیں وہ غریب حق دار ہونے کے باوجود دھکے ہی کھاتا رہتا ہے۔ رشوت کی دولت کو میرے آقا ﷺ نے خیانت قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنُهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جس کو ہم کسی کام کا عامل بنائیں اور اس پر جو روزی اسے دیں تو اس نے اس کے علاوہ جو لیا وہ خیانت ہے۔ (ابوداؤد)

میرے آقا ﷺ کا منشا واضح ہے کہ ملازم کو جب اس کے کام کی مقررہ تنخواہ ملتی ہے، تو اسے اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر کسی سے کچھ مانگنے کا حق نہیں، اگر کوئی مانگتا ہے تو وہ دوہری خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک خیانت وہ اپنے مالک سے کرتا ہے کہ اس سے بھی تنخواہ لیتا ہے اور چھپ کر دوسروں سے بھی معاوضہ لے لیتا ہے۔ دوسری خیانت اپنے منصب سے کرتا ہے کہ اسے اپنے اختیارات سے عوام کی خدمت کرنا چاہئے تھی۔ لیکن اس ظالم نے اپنے منصب کو عوام کا خون چوسنے کا

Marfat.com

آلہ بنالیا۔

غرضیکہ راشی و مرتشی دونوں ہی لعنت کے مستحق قرار پائے اور لعنت کا مطلب آسمان سے پتھر برسنا نہیں، بلکہ انفرادی اور قومی طور پر ذلیل و خوار ہو جانا آفات و بلیات اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جانا ہی لعنت ہے۔ اس اعتبار سے اپنے ماحول پر نظر ڈالیے اور تسلیم کر لیجئے کہ مخبر صادق ﷺ کا ارشاد حق ہے کہ ہم لعنت میں مبتلا ہیں۔ ہمہ وقت، عزت و آبرو، جان و مال کا خطرہ، ہر طرف لوٹ مار اور ڈکیتی سیاست کے نام پر قتل و غارت کا گرم بازار، ہوش ربا گرانی، کسی گھر میں چین و سکون کا نہ ہونا، اخلاق و مروت کا فقدان یہ سب لعنت نہیں۔ تو پھر آپ اس کو کیا کہیں گے یہ لعنت کیوں برس رہی ہے اس سوال کا جواب بھی آپ اپنے گرد و پیش سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا کوئی محکمہ ایسا دکھایا جا سکتا ہے جہاں رشوت خور نہ بیٹھے ہوں، قوم کے محافظ پولیس کی وردی میں، حقداروں کو حقوق دلانے کے لئے قانون کے ترجمان سیاہ گون میں، مریضوں کو سکون مہیا کرنے کے ذمہ دار سفید گون میں، حتی کہ قوم کو تہذیب و تمدن کا درس دینے والے معزز اساتذہ درسگاہوں میں، بڑی ہی دیدہ دلیری کے ساتھ، حرام کی دولت بٹورنے میں مصروف نظر آئیں گے، جس کو یہ ظالم اپنا حق، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ کا فضل قرار دیتے ہیں جبکہ نبی مکرم علیہ السلام ایسے لوگوں کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَ کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِهٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام (مال) سے پیدا ہوا، اور ہر وہ گوشت جو حرام (مال) سے پیدا ہوا ہے، اس کے لیے جہنم ہی زیادہ مناسب ہے۔ (مشکوۃ شریف)

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو مال حرام سے پلا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

بہر حال مال ناحق کے استعمال اور اس کی عام عادت پڑ جانے سے معاشرہ برباد ہو جاتا، تباہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ اس پر ایمان رکھنے والے ایسے گھناؤنے ماحول میں زندگی بسر کریں۔ پس منع فرمایا کہ اس مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جو مستقبل میں تمہاری دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب بن جائے۔

نیز مال ناحق کو اس لیے ممنوع قرار دیا گیا کہ انفرادی طور پر نہایت ہی مہلک ہے جو شخص اس کے قریب بھی گیا وہ اس میں غرق ہی ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر اس کا اثر صرف جسم پر ہی نہیں بلکہ دل و دماغ اور روح تک پر ہوتا ہے، کہ مال حرام کے عادی آپ کو اکثر طرح طرح کے امراض میں مبتلا نظر آئیں گے۔ ان کے ذہن مفلوج ہو جاتے ہیں۔ دل سخت ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی عبادت، نماز و روزہ سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ ایسا شخص زبان کا بھی گندا ہوتا ہے۔ جہاں بیٹھتا ہے لوگوں کی تحقیری باتیں کرتا ہے، غیبت کرتا ہے، جب بولتا ہے زبان سے انگارے ہی برساتا ہے۔ گالی گلوچ کی عادت پڑ جاتی ہے۔

Marfat.com

تکبر وغرور اس کی شان بن جاتا ہے، خودستائی اور بڑائی اس کی پہچان ہو جاتی ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی اس کی آن بن جاتی ہے۔ گوشت و پوست کا یہ بے حقیقت پتلا، پتھر کی سخت چٹان بن جاتا ہے۔ تہذیب و تمدن سے یہ آزاد نظر آنے لگتا ہے۔ ایسا شخص سارا دن کتوں کی طرح دوسروں کی دولت پر منہ مارتا پھرتا ہے۔ یہ ساری رات مضطرب و بے چین رہتا ہے۔ نیند کی گولیاں کھائے بغیر اسے نیند نہیں آتی۔ معاشرے کا ہر فرد حتیٰ کہ گھر والے بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ مال حرام پر گزر بسر کرنے والوں کی نہ عبادتوں میں اثر ہوتا ہے نہ دوسری نیکیوں کا انہیں کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ ان کی دعائیں مردود ہوتی ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام فرائض کے بعد کسب حلال کو سب سے بڑی عبادت قرار دیتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ روزی کا حلال ذریعہ تلاش کرنا، فرض کے بعد فرض ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلٰوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ وَ قَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِىُّ ﷺ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ

حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا ہے تو اللہ اس کی نماز قبول نہ کرے گا، جب تک وہ اس کے جسم پر رہے گا، پھر اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کر کے فرمایا، یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے حضور علیہ السلام کو اسی طرح فرماتے نہ سنا۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور جب تک اس کے پڑوسی اس کی ایذاء سے محفوظ نہ ہو جائیں اور جب کوئی بندہ مال حرام کھاتا ہے، پھر اس سے صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا۔ اور جب اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی۔ اور اگر اس کو اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے تو وہ جہنم کی طرف جانے کے لئے اس کا توشہ ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بری چیز سے برے عمل کو نہیں دھوتا، ہاں اچھے عمل سے برے عمل کو دھو دیتا ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے آپ نے اندازہ کیا کہ آقا ﷺ ہم غلاموں کو مال ناحق سے بچتے رہنے کی کس قدر تاکید فرمارہے ہیں۔ یہاں سب سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہے کہ مال حرام کی نحوست ہمارے کسی ایک عمل پر ہی اثر انداز نہیں ہوتی۔ بلکہ سارے اعمال اور تمام عبادتیں اس کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ملاحظہ کیا کہ "جو کپڑا مال حرام سے خریدا گیا، اس کو پہن کر جتنی نمازیں پڑھیں وہ سب اکارت ہو گئیں"۔ اسی پر

Marfat.com

اور دوسری عبادات کا حال قیاس کر لیجئے ۔ مال حرام سے آپ نے حج کیا۔ رشوت کے پیسے سے آپ نے ہر سال عمرہ کیا۔ سود کی دولت سے آپ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ آپ اپنے دل کو جیسے چاہیں مطمئن کر لیں، لیکن ان عبادتوں کا انجام وہی ہے جو مخبر صادق علیہ السلام نے بیان فرما دیا۔ ایک نہایت ہی بھیانک صورت اور نظر آئی کہ کسی رشوت خور نے، رشوت کی دولت سے ایک نہایت ہی خوبصورت مسجد تعمیر کی، کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگی۔ تو اسی حدیث پر غور کیجئے۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ مال حرام سے خریدے ہوئے کپڑوں میں جو نماز پڑھی گئی وہ قبول نہ ہوگی، بات واضح ہے، جب حرام کے کپڑوں سے نماز نہیں ہوتی تو جو مسجد حرام کی دولت سے بنائی گئی ہے، اس میں نماز کیسے ہوگی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جتنے لوگوں نے وہاں نماز پڑھی اس کے خراب ہونے کا وبال اس مسجد کے بنانے والے پر ہوگا۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی دولت سے جو ذریعہ نجات بننے کی بجائے وبال جان اور ذریعہ عذاب بن جائے۔

آج ہمارا مقصود صرف حصول مال ہے۔ حلال وحرام کے امتیاز کا تو خیال تک نہیں آتا۔ دیکھ لیجئے کس دیدہ دلیری سے رشوت لینے والے، رشوت لیتے ہیں اسی سے حاجی ہو جاتے ہیں۔ متقی زاہد بن جاتے ہیں یہاں جو چاہیں بنیں۔ شریف بھی کہلائیں۔ باعزت بھی لیکن انجام یقیناً وہی ہوگا، جو میرے آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ ''وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا، جو مال حرام سے پلا''۔ کیسا زہر ہے یہ مال حرام اور کیسے احمق ہیں اس زہر کو کھانے والے اور اس پر اترانے اور گھمنڈ کرنے والے۔

اے اللہ مالِ حرام کے ذرائع ہم پر بند فرما دے۔ اور مال حلال وطیب ہمیں بغیر حساب عطا فرما۔ آمین

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷

البقرہ: ۲۰۸ تا ۲۰۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹

(البقرہ: ۲۰۸_۲۰۹)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر تم اس کے بعد بھی پھسلنے لگو کہ آ گئیں تمہارے پاس کھلی دلیلیں، تو جان لو کہ بے شک اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

ایمان والو! مطالبہ ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد ان کے احکام کی زندگی کے ہر شعبہ میں اطاعت و اتباع کرو اور اسلام کو اس طرح اختیار کر لو کہ تمہارا کوئی عمل یا قول اس کے خلاف نہ ہو۔ احکامِ اسلام سے بغاوت، شیطان کی اتباع و پیروی کے سوا کچھ نہیں جو طرح طرح سے تمہیں اس پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ وہ تو اسی وقت تم سے اپنی دشمنی کا اعلان کر چکا ہے جب اللہ نے اسے انسان اول حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

Marfat.com

وہ تمہارا خیر خواہ ہو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس کی بات ماننے میں ہرگز تمہاری بھلائی اور کامیابی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا تم اس کی پیروی نہ کرو۔ تمہارے پاس قرآن وسنت کی صورت میں اللہ کی قدرت کے روشن دلائل آ چکے ہیں، تمہیں زندگی بسر کرنے کے اصول دیئے جاچکے ہیں اور تم اعلان ایمان کے بعد انہیں قبول بھی کرچکے اور ان پر عمل کا عہد بھی کرچکے ہو۔ اب بھی اگر تم پھسلو گے، اسلام کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرو گے، اسلام کے عطا کردہ اصولِ زندگی کو پس پشت ڈالو گے تو اللہ تو بہت غالب ہے۔ بڑی حکمت والا ہے وہ پوری پوری طرح اس بات پر قادر ہے کہ تمہاری بدعملی کی تمہیں سزا دے۔

مسلم کامل بنو

ایمان، زبان سے اقرار اور دل سے یقین کا نام ہے۔ اسلام اطاعت وفرمانبرداری کے لیے سرتسلیم خم کردینا، مطیع ہو جانا۔ ''سلم'' سے مراد اسلام ہے یعنی مطیع وفرمانبردار بن جاؤ۔ ''کافۃ''، سب کے سب پورے کے پورے۔

واضح ہے کہ آیت میں اہلِ ایمان سے مسلم کامل بن جانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ایمان کا مقتضیٰ اسلام ہے۔ ایمان کا ثبوت احکام اسلام کی تعمیل ہے، جو مؤمن ہوا، اسے مسلم بھی ہونا چاہیے۔ جس نے اللہ کے وجود و وحدانیت، حاکم اعلیٰ ہونے، قادرِ مطلق، مالک حقیقی ہونے کا زبان سے اقرار کرلیا دل سے یقین کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو زیب یہی دیتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ ہی کے احکام کی تعمیل کرے۔ جس نے رسول کی رسالت کا اعتراف کرلیا اس کے مبعوث من اللہ ہونے کو تسلیم کرلیا۔ اسے رسول ہی کی اتباع و پیروی کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے۔ جس نے قرآن کو کلامِ الٰہی مان لیا۔ اس کو قرآن ہی کے بتائے ہوئے اصول زندگی اپنانا ہوں گے۔ جس نے یقین کرلیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور مالک یوم الدین کے دربار میں حاضر ہوکر اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہے۔ اسے اپنے ہر کام سے پہلے مالک کی مرضی معلوم کرنا چاہیے۔ پس ایمان کا تقاضا یہ ہوا کہ مسلم کامل بنو۔ یہی مؤمن ہونے کا ثبوت ہے۔ اسی میں عزت اور نجات ہے۔

اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے کہ اسلام تمہاری زندگی کے بعض شعبوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ بلکہ احکام اسلام کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام مؤمن کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں، ہر معاملہ میں یہ تمہاری رہبری کے لئے کافی ہے۔ ہر دور اور ہر ملک میں بسنے والوں کے لئے یہ رہنما ہے۔ یہ وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس سے سیراب ہونے والوں کے شب وروز پُرسکون ہوجاتے ہیں۔ یہ وہ منبع رشد وہدایت ہے جس سے رہبری حاصل کرنے والوں کو منزل مقصود ملتی ہے یہ وہ مینارۂ نور ہے جو تاریکی میں بھٹکنے والوں کے ظاہر و باطن کو روشن و منور کردیتا اور انہیں دوسروں کا رہبر بنا دیتا ہے۔ یہ وہ خزانہ رحمت ہے جو بھکاریوں کی نظروں میں، قیصر وکسریٰ کے محلات، ان کے تخت وتاج کو حقیر بنا دیتا ہے۔ یہ وہ پسندیدہ دین ہے جس کی اشاعت وتبلیغ کے لیے اللہ رب العزت جل مجدہ نے انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام اسی دین پر پیدا کیے گئے۔ یہ دین، دینِ فطرت ہے۔ اس کے عطا کردہ اصولِ زندگی انسان کی فطری اور تخلیقی صلاحیتوں کے عین مطابق ہیں جن کی انسان بلاتکلف پابندی کرسکتا ہے۔ اسلام انسانی اقدار کا محافظ ہے۔ شرافت انسان کی بقاء کا ضامن ہے۔ تہذیب وتمدن کا معلم ہے۔ پس انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اسی کو ضابطہ حیات بنائے، اسی کو اللہ نے مقبول وپسندیدہ دین قرار دیا۔

Marfat.com

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی (پسندیدہ) دین ہے

یہی ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو یہی دین اختیار کرنے کی وصیت فرمائی۔ پس ہر عقلمند کو یہی دین اپنانا اور اسی کی پابندی کرنا چاہیے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۳۰۔۱۳۲)

اور کون منہ پھیر سکتا ہے، دین ابراہیم سے سوا، اس کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنا دیا ہو اور بیشک ہم نے ابراہیم کو چن لیا دنیا میں اور بیشک وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں ہوں گے۔ اور یاد کرو جب اس سے اس کے رب نے فرمایا، گردن جھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے لئے۔

اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے (بھی) اے میرے بچو، بیشک اللہ نے پسند فرمایا ہے، تمہارے لیے یہی دین، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

اب تم کون سا دین تلاش کرتے ہو، جس رب کی اطاعت و فرمانبرداری زمین و آسمان کی تمام مخلوق کرتی ہے۔ خوشی یا ناخوشی شعوری یا غیر شعوری طور پر اور ہر ایک کو اسی مالک حقیقی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو اس کے پسندیدہ دین سے بہتر، انسان کے لیے کون سا ضابطہ حیات ہو سکتا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (آل عمران:۸۳)

کیا اللہ کے (پسندیدہ) دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسی کے مطیع ہو گئی ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

پس اے نبی علیہ السلام، آپ بھی اپنی زبان مبارک سے اعلان فرما دیجیے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:۸۴)

آپ فرمایئے، ہم ایمان لائے، اللہ پر اور اسپر جو اتارا گیا ہم پر، اور جو اتارا گیا ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو ان کے رب کی طرف

Marfat.com

سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔اور ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔
جس دین کو محمد عربی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یہ کوئی نیا دین نہیں، یہ وہی قدیم ضابطہ حیات ہے۔جس کو اللہ نے انسان کے لئے پسند فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک، جملہ انبیاء ورُسل نے اسی دین کو اختیار کیا اور اسی کی تبلیغ واشاعت کی اور اسی دین کو مکمل صورت میں لے کر نبی آخرالزماں ﷺ تشریف لائے۔تو اب تم اس دین کو چھوڑ کر کس دین سے وابستہ ہونا چاہتے ہو۔
اسلام کا دینِ قدیم اور حق ہونا واضح کر دیا گیا ہے لہٰذا اب اگر تم نے اسے چھوڑا اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آل عمران:۸۵)

اور جو تلاش کرے گا، اسلام کے سوا کوئی (اور) دین تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں نقصان میں ہوگا۔
اے ایمان والو، تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے تم دنیا کی پروانہ کرو۔ تمہاری عزت وناموس کا محافظ تمہیں پُرسکون وباوقار زندگی مہیا کرنے کا ضامن تمہاری خوشحالی کا کفیل اسلام ہی ہے۔آؤ اس کے دامن سے وابستہ ہو کر دیکھو تمہاری زندگی پُر بہار ہو جائے گی۔
دین نظامِ حیات کا نام ہے اور ہر جاندار ایک نظامِ حیات کا محتاج ہے۔اس کے وضع کرنے اور بنانے کا حق سوائے خالق حقیقی کے کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ صرف وہی اپنی مخلوق کے مزاج اور ضروریات سے واقف ہے۔صرف وہی ہر جاندار کے فطری تقاضہ کے مطابق نظام ترتیب دینے پر قادر ہے۔اس نے جانوروں کے لئے جو نظام بنایا وہ اسی کے مطابق ابتدائے آفرینش سے ہمیشہ کے لیے زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں۔ جب بھی انہیں اس نظام سے ہٹایا جاتا ہے ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اپنے شرف کی بقاء کے لئے یہ ایسے نظام کا محتاج ہے جو اس کو جانوروں سے ممتاز رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبیوں کے ذریعہ نظام عطا فرمایا، جس کی بنیاد اطاعت وفرمانبرداری پر رکھی گئی۔اسی لئے اس کا نام اسلام رکھا گیا اور اس کے ماننے والوں کو مسلم کہا گیا۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج:۷۸)

(اللہ نے تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔
اور نبی آخرالزماں ﷺ کو حکم دیا گیا:

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الزمر:۱۲)

(اے حبیب علیہ السلام) آپ فرما دیجئے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔
اس عالم میں آپکا مسلم اول ہونا تو ظاہر ہے۔اور عالمِ غیب، عالمِ ارواح میں بھی "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں سب

Marfat.com

سے پہلے "بلیٰ" کہنا بھی آپ ہی سے ثابت ہے۔

دین کامل

غرضیکہ اسلام وہ دین ہے جو خالق انسان نے اس کی پیدائش کے روزِ اول ہی اس کو بطور نظام حیات عطا فرمایا۔لیکن اللہ ہی نے انسان کی فطرت میں ارتقاء ترقی کرنے کا مادہ رکھا۔لہٰذا ہر دور میں اسلام کے احکام اس دور کے ارتقائی تقاضوں یا یوں کہیۓ کہ انسان کی قوتِ تعمیل کے مطابق دیئے جاتے رہے۔اسی لئے انبیاء کی شریعتوں میں فرق نظر آتا ہے۔لیکن علمِ الٰہی کے مطابق نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت کے وقت تک انسان ارتقاء کی ساری منزلیں طے کر کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اب اس کے فطری تقاضوں میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہ رہا۔پس اللہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلسلہ نبوت کو ختم فرمادیا۔اور آپ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا۔نیز آپ پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نزولِ وحی اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ بند کر دیا۔اور قرآنِ کریم کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ضابطہ حیات قرار دیا۔اور ہر قسم کی خرد برد سے بچانے کے لئے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔کہ پہلی کتابوں کا غائب ہو جانا، ان میں تغیر وتبدل ہو جانا انسان کے لئے مضر نہ تھا۔کیونکہ وہ خاص قوموں اور خاص ادوار ہی کے لئے نازل کی گئی تھیں۔حضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد ان کتابوں کو بھی انسان کو ضرورت نہ رہی۔کیونکہ یہ کتابیں کمالِ ارتقاء پر پہنچ جانے والے انسان کے قابلِ عمل بھی نہ ہو سکتی تھیں۔آپ کی بعثت کے بعد انسان کا سرمایہِ حیات، نظامِ حیات، صرف اور صرف اللہ کی آخری کتاب قرآن ہے۔لہٰذا اللہ خود اس کی حفاظت فرماتا ہے۔اسی لئے باوجود کوشش کے آج تک کوئی قرآن کا ایک نقطہ تک مٹا دینے یا کم کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔اور نہ ہی قیامت تک ایسا ممکن ہے۔قرآن کے ذریعہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کے واسطہ سے جو دین عطا فرمایا وہ بھی ایسا مکمل ہے کہ قیامت تک آنے والے ہر دور کے لیے کافی اور ہر زمانہ کے انسانوں کے لئے قابلِ عمل ہے۔اب نہ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اس میں کسی تبدیلی کا امکان ہے۔پس حجۃ الوداع کے عظیم موقع پر اللہ نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے اعلان کرادیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

(المائدہ: ۳)

آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا۔تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین۔

اے ایمان والو تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ کہ یہی مکمل دین ہے، یہی تم پر میری نعمتوں کا تتمہ ہے اسی کو میں نے تمہاری زندگی کے نظام العمل کے لئے پسند کیا ہے۔

اب اسلام صرف وہی ہے جو نبی آخرالزماں ﷺ لے کر آئے، زبور، تورات، انجیل کا زمانہ، ان کتابوں کی شریعت اب اسلام نہیں۔ان کے ماننے والے اب مسلمان نہیں۔اب انسان ارتقاء کے عروج پر پہنچ چکا ہے۔پچھلی شریعتوں میں اس کے فطری تقاضے پورے کرنے کی وسعت نہیں۔اب قرآن کا دور ہے۔پس پچھلی کتابوں اور پچھلے نبیوں کو مان کر اللہ

Marfat.com

کے قرب اور اس کی رضا کا دعوی کرنے والے کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اب تو قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ صرف اور صرف نبی آخرالزماں ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونا اور ان کی عطا کردہ شریعت پر عمل کرنا ہے۔ مؤمن ہونے کا دعوی کرنے والے یہودی ہوں یا عیسائی اس وقت تک اپنے دعوے میں سچے نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ اسلام میں پورے داخل نہ ہو جائیں۔ مسلم نہ بن جائیں جو اسلام کو اپنا لے گا۔ اللہ اس کے ایمان کو قبول کرلے گا۔ میرے آقا ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ اس امت کے جس یہودی اور نصرانی کو میری نبوت کی خبر پہنچے اور وہ میری رسالت پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو وہ یقیناً دوزخی ہے۔ (مسلم شریف)

عجب بات

عجیب بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے، اپنے آپ کو یہودی اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے خود کو عیسائی کہتے ہیں۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے درمیان جتنے بھی انبیاء آئے، سب نے اسلام ہی کی دعوت دی اور اپنے آپ کو سب نے ہی مسلم کہا۔ گویا یہودیوں اور عیسائیوں نے خود ہی اپنے آپ کو اسلام سے خارج کرلیا جب کہ بحمداللہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے غلام اپنے آپ کو محمدی نہیں بلکہ مسلمان ہی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے بے انتہا عشق ومحبت کے باوجود اور آپ کے اعلیٰ فضائل وکمالات پر یقین رکھنے کے باوجود، ہم اللہ وحدہ لاشریک ہی کے بندے ہیں اور اسی کے عطا کردہ نظام حیات کو اپنائے ہوئے، پس اسی کے دیئے ہوئے نام سے ہماری پہچان ہے کہ ہم مسلم ہیں اور یہی ہمارے لئے بڑا اعزاز ہے۔ ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

دین میں تغیر وتبدل

جس نظام کو ماننے والے، آئے دن اپنی ضروریات وخواہشات کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے رہیں وہ نظام آفاقی نہیں رہتا وہ تو انسانی نظام ہو جاتا ہے۔ دنیا کے دوسرے نظاموں کی طرح یہود ونصاریٰ کو اس کا خود بھی اعتراف ہے کہ ان کے دین میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے ان کے علماء کو اپنے مراتب کے مطابق اس کا اختیار حاصل ہے۔ اتنا تغیر ہوا کہ ان کی کتابیں بھی اصل حالت پر نہ رہیں پھر وہ کیسے دعویٰ کرسکتے ہیں اور اگر دعویٰ کرتے ہیں تو اس کی صداقت کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ دین الٰہی پر عمل پیرا ہیں۔ جب کہ مسلمان کا یہ دعویٰ برحق ہے کیونکہ نہ تو ہماری کتاب میں آج تک کوئی تبدیلی ہوئی اور ہم نے دین کے کسی حصہ کو تو درکنار، ایک مسئلہ کو بھی تبدیل نہ کیا۔ نہ ہماری شریعت، علماء کو ان کے بلند مرتبہ نائب رسول ہونے کے باوجود تبدیلی کا حق دیتی ہے۔ مسلمان کسی ملک میں ہو، کیسا ہی ماحول ہو، کیسا ہی موسم ہو۔ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور دیگر تمام امور میں اسی طریقے کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ جو چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور جس کی تعلیم معلم

Marfat.com

انسانیت نبی مکرم ﷺ نے دی۔ مثلاً ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے کہ ہمارے روزہ وعید اور حج کا تعلق قمری مہینوں سے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی ہمیں یہ عبادات اچھے موسم میں ادا کرنے کا موقع ملتا ہے اور کبھی نہایت سخت موسم میں، کہ گرمی کی شدت ہوتی ہے۔ دن طویل ہوتے ہیں لیکن ہم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اپنی تکلیف کی پروا نہیں کرتے اور کسی میں یہ جرأت نہیں کہ تکلیف کی وجہ سے وہ ان مخصوص مہینوں میں تبدیلی کر دے۔ اسی طرح ان عبادات کی ابتداء اور انتہا چاند دیکھ کر کی جاتی ہے۔ اس طرح کہ چاند دیکھنے والے علماء کے سامنے خود حاضر ہوں اور شہادت دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے۔ تب علماء مہینہ کے آغاز کا اعلان کر سکتے ہیں ورنہ موجودہ مہینہ کے تیس دن پورے ہونے کے بعد نیا مہینہ شروع ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے عدالت میں جج کسی مقدمہ کا فیصلہ شہادت ہی کی بنیاد پر کرتا ہے۔ حتّٰی کہ جج نے ایک معاملہ خود اپنی آنکھ سے دیکھا لیکن شہادت اگر اس کے برعکس ہے تب بھی اسے شہادت پر ہی اعتماد کرنا پڑے گا۔ شہادت واقعہ کو دیکھنے والے کی جج کے سامنے موجودگی اور حاضری ہی کا نام ہے۔ یعنی فون فیکس وغیرہ کے ذریعہ واقعہ کا معلوم ہونا خبر کہلائے گا شہادت نہیں۔ یورپ وغیرہ میں موسم کی خرابی کے سبب چاند بمشکل ہی نظر آتا ہے جس سے مسلمانوں میں واقعی ہیجان و پریشانی ہے اور بعض علماء بھی فون فیکس وغیرہ کا سہارا لے کر اس پریشانی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن معتمد علماء کی اکثریت دین میں اس معمولی تبدیلی کی بھی اجازت نہیں دیتی اور آج تک باوجود پریشانی کے اسی پرانے طریقے پر عمل جاری ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی بھی تبدیلی اس کی آفاقیت اور دین سماوی ہونے کی حیثیت وافادیت کو پامال کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دیا۔ اور ان کی سرکوبی کے لئے زبردست اسلامی لشکر متعین فرمایا کہ دین میں تبدیلی کا یہ پہلا فتنہ تھا اور اس کو نہ کچلا جاتا تو تبدیلی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا اور العیاذ باللہ پھر اس دین کا بھی وہی حشر ہوتا جو یہود و نصاریٰ کے دین کا ہے۔ کہ ہر دور کے لوگوں کو اپنی ضرورت کے مطابق اس میں تبدیلی کا حق حاصل ہو جاتا۔

پس اسلام ہر قسم کے تبدل وتغیر سے محفوظ دین مکمل ہے تو اے مؤمنو تم اس میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ نزول قرآن کے دور میں یہ پیغام خاص طور پر ان لوگوں کے لئے تھا جن کے دلوں میں مؤمن ہو جانے کے بعد بھی اپنے سابقہ دین کے کچھ احکام کی محبت باقی تھی اور وہ کسی نہ کسی طرح ان پر عمل باقی رکھنا چاہتے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور دیگر علماء یہود مؤمن ہونے کے بعد بھی یہ خیال کرتے تھے کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کا دن نہایت ہی قابل احترام ہے۔ یہودیوں پر اس کی تعظیم واجب ہے اور اسلام اس کی بے حرمتی کا حکم نہیں دیتا۔ اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام ہے اور اسلام اس کا کھانا لازمی قرار نہیں دیتا۔ تو اگر ہم ہفتہ کا احترام بدستور کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت حسب سابق نہ کھائیں تو شریعت موسوی اور اسلام دونوں پر عمل ہو جائے گا۔ یہی منافقین کا حال تھا کہ وہ اسلام کے بعض احکام پر عمل کر کے مسلمانوں پر اپنا اسلام ظاہر کرنے کی کوشش کرتے اور جب موقع ملتا تو وہ کافروں کے ساتھ مل کر ان کو خوش کر دیا کرتے تھے۔ ایسی دوغلی پالیسی ہی کو ختم کر دینے کے لئے حکم دیا گیا کہ اسلام میں کیا نہیں ہے جس کے لئے تم دوسرے ادیان کا سہارا لیتے ہو۔ یہ مکمل دین ہے زندگی کے ہر شعبے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد تم اپنے

Marfat.com

دل ودماغ سے دیگر ادیان پر عمل کا وہم وگمان تک نکال دو۔ اور اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

ہمارے دور میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جن کے سروں پر ماڈرن ازم کا بھوت سوار رہتا ہے۔ وہ سود کو تجارت کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر شعبہ تجارت میں ترقی ممکن ہی نہیں۔ رشوت کو اپنا حق قرار دیتے ہیں۔ جھوٹ، فریب، وعدہ خلافی کو سیاست وتدبیر کہتے ہیں۔ خصوصاً مغربی ممالک میں آباد مسلمانوں کا تو برا حال ہے۔ کلبوں میں ناچنا گانا، شراب، کو صحت وتندرستی کے لئے لازمی تصور کرنا، حرام گوشت کو مجبوری قرار دینا، ان کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ مردوعورت کا اختلاط، غیر مردوں کا غیر عورتوں سے، غیر عورتوں کا غیر مردوں سے ہاتھ ملانا، عریاں لباس پہننا اور دیگر غیر مسلموں کی حرکتوں کو اپنانا وہ آداب معاشرت میں شمار کرتے ہیں۔ یہی ماڈرن ازم کے متوالے دین کی ہر بات کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اس دین پر عمل کرنے والوں پر قدامت پسندی کا الزام تراشتے ہیں، ٹائی لگا کر، بغیر ٹوپی نماز پڑھنا ان کو پسند ہے۔ رمضان وعید کی تاریخوں کا مہینوں پہلے اعلان ان کا مطالبہ ہے۔ حتی کہ ماڈرن ازم کی ماری ہوئی عورتیں، مردوں جیسے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ مثلاً اگر مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دیدے تو عورت کو کیوں حق نہیں کہ وہ شوہر کو طلاق دیدے۔ اگر ایک مرد کی شہادت مقبول ہے تو ایک عورت کی کیوں قابل قبول نہیں۔ ماڈرن ازم کے ان دیوانوں کو قرآن خطاب کر رہا ہے کہ ''اے مؤمنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ماڈرن ازم کا یہ خیال شیطان ہی ذہن میں پیدا کرتا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو وہ دین سے دور کردے وہ انسان کا دوست نہیں کھلا دشمن ہے۔ بڑے پرکشش انداز میں برائیوں کو پیش کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کو ان کا عادی بناتا ہے۔ وہ شیطان کے مکروفریب میں مبتلا ہو کر انسانی اقدار تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بے حیاء وبے شرم ہو کر جانوروں جیسی زندگی کو پسند کرنے لگتے ہیں۔

اسلام مکمل نظام حیات ہے

جو نام نہاد ماڈرن ازم سے مؤمن کو بچا کر حقیقی ترقی اور فلاح و بہبود کی منزل دکھاتا ہے۔ اس کا پیش کردہ طریقہ معاش وتجارت، سود، دھوکا، جھوٹ اور مکروفریب سے پاک ہے۔ اس کے عطا کردہ اصول سیاست کی بنیاد تدبیرِ مدن شہروں اور ملکوں کی ترقی، قوم کی آسودگی وخوشحالی کی تدابیر اختیار کرنے پر ہے۔ اس کا تعلیم کردہ اندازِ حکومت ملک کی فلاح و بہبود، قوم میں خودداری کے جذبات بیدار کرنے، ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے لئے کامیاب ترین انداز ہے۔ اسلام جس طرح بندوں کو مالک سے معاملہ ٹھیک رکھنے، اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے اسی اہمیت کے ساتھ بندوں کو آپس میں اپنے معاملات ٹھیک کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ امیروں کو غریبوں کا نگہبان ٹھہراتا ہے کہ وہ زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کی صورت میں غریبوں پر اپنی دولت صرف کریں۔ انہیں تنگدستی، جہالت کی زندگی سے نجات دلائیں۔ ارتکازِ دولت کا رجحان ایک لعنت ہے جس سے معاشرے میں غربت وجہالت بڑھتی اور ضرورت مندوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر نظام اس کے خاتمہ کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن امیروں سے دولت چھیننے کے قانون تو نافذ ہوتے ہیں مگر غریبوں میں اس کو منتقل کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ نتیجتاً عام امیروں کی دولت چھنتی ہے اور باقتدار امیر کھاتے ہیں اور زیادہ دولت مند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام بڑی ہی حسن تدبر کے ساتھ امیروں سے دولت نکالتا ہے اور غریبوں میں تقسیم

Marfat.com

کا حکم دیتا اور اس کا انتظام کرتا ہے۔ زکوٰۃ، عُشر، قربانی، صدقہ وخیرات، وراثت یہ دولت مندوں سے دولت نکالنے کے ذرائع ہی ہیں۔ اور ان کے مصارف کا تعین اور حکام کو اس کی نگرانی کا ذمہ دار ٹھہرانا اس دولت کو حق داروں تک پہنچانے ہی کا اہتمام ہے۔ اسلام جس طرح بندوں کو اللہ سے رشتہ مضبوط کرنے کا حکم دیتا ہے اسی اہتمام سے بندوں کو باہمی صلہ رحمی کے احکام بھی دیتا ہے۔ والدین کو اولاد کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اولاد پر والدین کی زندگی تک ہی نہیں بلکہ مرجانے کے بعد بھی ان کے حقوق کی تعلیم دیتا ہے۔ مرد وعورت، شوہر وبیوی کو مساوی حقوق دیتے ہوئے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے۔ بھائی، بہن دوسرے رشتہ داروں، پڑوسیوں معاشرے کے دیگر افراد حتی کہ غیر مسلموں کے درمیان میل جول کی حدود مقرر کرتا ہے۔ اسلام عدل وانصاف کا علمبردار ہے حتی کہ اپنے ماننے والوں کو بھی غیر مسلموں کے ساتھ کسی نازیبا، غیر اخلاقی حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام انسانی حرمت وعظمت کا محافظ ہے حتی کہ کسی غیر مسلم مقتول کی لاش کی بے حرمتی بھی گوارا نہیں کرتا۔ اسلام حاکم ومحکوم کے درمیان ایسا قرب چاہتا ہے جس سے ملک میں امن وامان رہے۔ حکام کو حکم دیتا ہے کہ وہ رعایا کے لئے اپنے دروازے بند نہ کریں اور عوام کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے حکام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کے مطیع وفرمانبردار رہیں۔ اور اگر حکام غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ جب تک وہ مسلم رعایا کے دین میں مداخلت نہ کریں۔ حکام، عوام کا حق ادا کریں اور عوام حکام کی اطاعت کریں۔ تو ملک کبھی بدامنی کا شکار نہیں ہوسکتا۔ اللہ اکبر، غور کیجئے اسلام کے احکام وقوانین پر اور ان کی افادیت پر تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلم بنایا۔ تو آپ کو آفاقی اور انسانی نظام کا فرق معلوم ہوگا۔ اگر مؤمن اسلامی نظام، اسلامی شریعت، کو اچھی طرح جان لے تو وہ کبھی کسی دوسرے نظام کی طرف نظر نہ اٹھائے۔ اسلامی نظام کی خوبیوں کے سامنے اسے دنیا کا ہر نظام حقیر نظر آنے لگے گا۔ ماڈرن ازم کے پوجاری، آپ کو ایسے ہی مسلمان نظر آئیں گے جو اپنی شریعت، قرآن وحدیث کے احکام، سے ناواقف اور جاہل ہیں۔ طرفہ یہ ہے کہ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ خود اپنا ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں۔ جب کہ اس کے صحیح ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی چونکہ وہ اپنے نظریہ کا تحفظ دلائل سے نہیں کر پاتے لہٰذا علماء دین سے دور رہتے ہیں، ان سے نفرت کرتے ہیں، ان کو قدامت پسند، رجعت پسند، فرسودہ ذہنیت رکھنے والے اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ کتنا ظلم کرتے ہیں یہ اپنے اوپر اپنی اولاد پر اپنے متعلقین پر۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اسلام سے دوری، اسلامی تہذیب سے نفرت ان لوگوں میں صرف عیش وعشرت اور آرام کے دنوں تک ہی رہتی ہے۔ جونہی ان پر اللہ کی لاٹھی برتی ہے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ جب ان کی فیشن پرستی ان کے لئے وبال جان بن جاتی ہے تو انہیں ہوش آتا ہے۔ کبھی تو یہ وبال ان پر اس طرح آتا ہے کہ اس کا گھر برباد ہوجاتا ہے۔ اولاد آوارہ ہو جاتی ہے۔ بیٹا، بیٹی ساری ساری رات گھر سے غائب رہتے ہیں اور ماں باپ کو یہ پوچھنے تک کا حق نہیں دیتے کہ تم ساری رات کہاں رہے۔ کبھی بیٹا اپنی مرضی سے شادی رچا کر ماں باپ کے سارے ارمان روند ڈالتا ہے تو کبھی بیٹی گھر سے بھاگ جاتی اور خاندان کی عزت وآبرو کو پامال کردیتی ہے۔ کبھی فیشن ایبل شوہر کی ماڈرن بیگم دوسروں کے ساتھ ناچتی اور شوہر صاحب کو حق اعتراض تک نہیں دیتی ہے۔ اور کبھی ان پر قدرتی آفات عبرتناک انداز میں آتی ہیں تو ماڈرن ازم کا بھوت سر

Marfat.com

سے نکلتا ہے۔ اب مصلّٰی یاد آتا ہے، عالموں کا خیال آتا ہے۔ یہ بندہ جو دین کو قدامت پسندی قرار دیتا تھا اب ایسا قدامت پسند ہوتا ہے کہ اسی میں پناہ لیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا قرآن کریم حال بیان فرماتا ہے:

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝ (حٰم السجدہ:۵۱)

اور جب انسان پر ہم انعام کرتے ہیں، تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو (لمبی) چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے اور ان کی روشنی میں غور کیجئے کہ اسلام کیسا جامع و کامل نظامِ حیات ہے، جو مسلمانوں کو پرسکون زندگی مہیا کرنے کے لئے، کیسے کیسے احکام دیتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا، ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، ان میں سب سے بہتر، اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سب سے کم درجہ کا ایمان کسی کو تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم و حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔ (بخاری و مسلم)

راستے پر پڑے ہوئے کانٹوں، پتھروں، ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے شیشوں وغیرہ سے چلنے والوں کو کبھی کبھی ایسی تکلیف پہنچتی ہے کہ وہی ان کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ میرے آقا ﷺ ایسی چیزوں کو راستے سے صاف کر دینے کا حکم دیتے ہیں کہ کسی بھی انسان کو، چاہے وہ تمہارا بھائی مسلم ہو یا دشمن غیر مسلم ہو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ کوئی دنیوی خدمت یا معمولی کام نہیں بلکہ آپ نے اس کو دین کا ایک جز قرار دیا۔ کہ ایسا کرنے والے کو اللہ اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کو دور کرے گا، اس کے لئے جنت تک پہنچنے کا راستہ سہل و آسان فرمائے گا۔ کوئی دین ہے جو اس انداز پر انسانیت کی ہمدردی کی تعلیم دیتا ہو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هجرما نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور اصل مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے۔ (بخاری شریف)

مسلمان کے کمال کا ذریعہ صرف عبادات، صدقہ و خیرات ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بندوں سے اس کے

Marfat.com

معاملات کا صاف وستھرا ہونا بھی ضروری ہے۔جس شخص کے ہاتھ سے یا زبان سے اس کے مسلمان بھائیوں کو تکلیف پہنچتی رہے وہ کتنا ہی عبادات کا پابند کیوں نہ ہو، کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بات بہت چھوٹی سی ہے لیکن اس کے مفہوم کی وسعت پر غور کیجئے تو معاشرے میں امن وسکون کے قیام کے مؤثر ترین طریقہ کی تعلیم ہے۔(بخاری شریف)

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(بخاری شریف)

کیا تم اپنے لئے پسند کرتے ہو کہ تمہاری تجارت میں خسارہ ہو۔تمہارا مالی نقصان ہو۔تمہاری عزت و آبرو کو کوئی پامال کرے۔تمہاری ماں، بیوی، بیٹی، بہن پر کوئی بری نظر ڈالے۔تمہاری اولاد کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ تمہاری بیٹی کی سسرال والے اسے ستائیں یا طعنے دیں۔تمہارے گھر کے سامنے کوئی اپنا کوڑا، گندگی وغیرہ ڈال دے۔تمہارے کاموں میں کوئی بھی مداخلت کرے۔تم پر کوئی الزام لگائے تمہارے عیب تلاش کیے جائیں اور انہیں اچھالا جائے۔ تمہارا کوئی کام بغیر رشوت کے نہ ہو۔ تمہارا سکون، تمہاری نیند شور وغل گانوں اور باجوں، ریکارڈنگ اور ٹی وی کی اونچی آواز سے برباد ہو۔ تمہارے مکان و جائداد پر کوئی قبضہ کرلے۔تمہیں کھانے پینے کی چیزیں ادویہ ملاوٹ کر کے کھلائی جائیں اور تمہاری صحت ، بلکہ زندگی تک خطرے میں پڑ جائے۔تمہاری خریدی ہوئی چیزیں کم تول کر کم ناپ کر تمہیں دی جائیں۔ تمہاری اولاد تمہاری نافرمانی کرے۔تمہارے گھر پر کوئی پتھر برسائے۔تمہاری دوکان، مکان، گاڑی کو کوئی آگ لگائے۔ایسی ہی تکلیف دہ اور باتیں سوچنے ہر ایک چیخ کر بولے گا مجھے ہرگز ہرگز یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھے کسی طرح بھی تکلیف پہنچائے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظالم جو چیز تو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ اپنے بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے کہ دن رات تو انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اسی لئے میرے آقا ﷺ کی تعلیم ہے کہ" جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرو۔" کہ جس چیز سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، اسی سے دوسروں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔اگر تم نے اس پر عمل کیا تو تم پکے، کامل مسلمان ہو جاؤ گے۔ معاشرے سے نفرتوں کو مٹانے اور مہذب بنانے کے لئے کس قدر اہم طریقہ بتایا میرے آقا ﷺ نے، آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار کاموں کو چھوڑ دے۔ (ترمذی شریف)

وقت بچانا، اس کی قدر کرنا انسان کی ترقی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جس کی تعلیم کو اسلام نے اپنی تعلیمات کا ایک

Marfat.com

حصہ بنایا۔ ہر وہ کام جس کا حلال ذریعہ معاش یا جسمانی صحت وتندرستی سے تعلق نہ ہو، بیکار ہے۔ مثلاً ناچنا، گانا، گانے سننا، ٹیلیویژن دیکھتے رہنا، راستوں پر کھڑے رہنا یا بیٹھنا۔ دوسروں کے عیب یا برائیوں کو تلاش کرنا، افواہیں پھیلانا، بازاروں گلی کوچوں میں بلاضرورت گھومتے پھرنا۔ یہ تمام لغو اور بیکار کام ہیں۔ جن سے انسان بے وقار ہوتا، مالی نقصانات میں مبتلا ہوتا ہے۔ بری عادتوں اور خصائل کا شکار ہوتا ہے۔ معاشرے کی تباہی کا بیج بنتا ہے۔ پس حضور علیہ السلام ایسے تمام کاموں سے دور رہنے کو اسلام کی، مسلمان کی خوبی قرار دیتے ہیں۔ نیز آپ فرماتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کیا کرو۔ (ابوداؤد شریف)

لوگوں کے مناصب اور ان کے مرتبوں کو نہ پہچاننے والا، کتنا ہی دولت مند ہو، بظاہر عزت والا ہو، اس کو نہ تو مہذب کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے اس کی عزت کرتے ہیں۔ دوسروں کی عزت کرنے والا ہی عزت پاتا ہے اور مہذب کہلاتا ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایک باعزت، مہذب قوم بنانا چاہتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کی تعلیم کا یہ ایک جملہ ہی اس مقصد کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔ ''لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرو'' جو تم سے عمر، مرتبے میں چھوٹے ہیں، ان سے محبت وشفقت کا سلوک کرو، جو تم سے مالی یا جسمانی اعتبار سے کمزور ہیں ان کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا سلوک کرو، جو تم سے عمر، علم، منصب، مال میں بڑے ہیں ان کا مناسب انداز پر احترام کرو۔ آپ مزید فرماتے ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ جَآءَ شَیْخٌ یُرِیْدُ النَّبِیَّ ﷺ فَاَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ اَنْ یُّوَسِّعُوْا لَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک بوڑھا شخص حضور علیہ السلام کے قریب پہنچنا چاہتا تھا لوگوں نے اس کو جگہ دینے میں دیر کی (اسے کچھ پریشانی ہوئی، آپ نے دیکھا تو) فرمایا جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی تعظیم نہ کی، وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی شریف)

یعنی چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آنا اور بڑوں کا احترام کرنا مسلمان کی ایک پہچان ہے۔ وہ چھوٹے بڑے کسی بھی اعتبار سے ہوں۔ خاص طور پر بوڑھوں کے متعلق آپ نے فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ یُّکْرِمُهٗ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس جوان نے بوڑھے کی تعظیم کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے، تو اللہ تعالیٰ (اس تعظیم کرنے والے کے لیے) ایسے شخص کو مقرر فرمائے گا جو بڑھاپے میں اس کی تعظیم کرے گا۔ (ترمذی شریف)

بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے اپنی تعظیم کرانے کا ذریعہ ہے۔ جو اپنے ماں، باپ کی تعظیم کرتا، ان کا حکم مانتا ہے اس کی اولاد بھی

Marfat.com

اس کی تعظیم اور فرمانبرداری کرتی ہے جو بڑوں سے گستاخی اور بے ادبی سے پیش آتا ہے اس کے چھوٹے بھی اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جس معاشرے میں احترام ومحبت ہوتا ہے اس میں بیشتر اختلافات لڑائی جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے اور معاشرہ پُر امن رہتا ہے اور یہی تو اسلام چاہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے باہمی نفرتوں کو مٹانے کے لئے فرمایا:

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَّ لَيْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ.

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا، وہ شخص ہماری جماعت میں نہیں جو لوگوں کو تعصب پر آمادہ کرے اور نہ ہماری جماعت میں وہ ہے جو تعصب کی وجہ سے لڑے اور نہ ہماری جماعت میں وہ ہے جس کی موت تعصب کی حالت میں واقع ہو۔ (ابو داؤد شریف)

عصبیت اور تعصب، معاشرے کا سکون وچین برباد کر دیتا ہے۔ لسانی جھگڑوں، صوبائی جنگوں، قومی وقبائلی لڑائیوں نے ہر دور میں ملکوں کو کمزور کیا۔ قوموں کو تباہ کیا۔ بھرے گھروں کو اجاڑا، تجارتی اور معاشی مسائل پیدا کئے۔ جس معاشرے میں یہ وبا پھوٹ پڑے وہ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ اس کے افراد کی کہیں عزت ووقعت باقی نہیں رہتی۔ نبی مکرم علیہ السلام کی بعثت کے وقت اہل مکہ بری طرح اس لعنت میں مبتلا تھے۔ پیغامبر امن ﷺ کی تعلیم اور عمل نے اس کا خاتمہ کیا اور ایسا خاتمہ کیا کہ اوس وخزرج جیسے قبیلوں کے دل ملا دیئے۔ عربی وعجمی کا تخیل ختم فرما دیا۔ مہاجر وانصار کو بھائی بھائی بنایا تو وہ ایک دوسرے پر اپنا جان ومال قربان کرنے لگے۔ کاش آج ہم بھی حضور علیہ السلام کے اس ارشاد پر عمل کریں تو دنیا بھر میں بکھرے ہوئے مسلمان اور پھیلی ہوئی مسلم مملکتیں ایک بڑی قوت بن کر ابھر سکتے ہیں۔ لیکن بُرا ہو اس تعصب کا جس نے ہمیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بانٹ کر بے وقار اور بے عزت کر دیا ہے، بھکاری بنا دیا ہے۔

اگر ہم اسی طرح لکھتے رہے تو یہ کتاب احادیث کا مجموعہ بن جائے گی۔ لہٰذا ان چند احادیث پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر انہی پر بنظرِ غائر غور کیا جائے تو اسلام کی خوبیوں کو جاننے کے لیے بہت کافی ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ ربُّ العزت نے ہمیں وہ نظام عمل، نظامِ حیات عطا فرمایا جس کا مقابلہ نہ تو دنیا کا کوئی نظام کر سکتا ہے، اور نہ ان ادیان میں سے کوئی دین کر سکتا ہے جن کے ماننے والے انہیں بلا دلیل آفاقی دین کہتے ہیں۔ پس ایسا دین ہوتے ہوئے در در کی ٹھوکریں کھانا، اغیار کے طریقوں کو اپنانا، اپنی تہذیب وتمدن کے پاکیزہ لباس کو غیروں کی گندی تہذیب سے ملوث کرنا اور اس کو ماڈرن ازم کا نام دینا اس دین متین کے ساتھ غداری نہیں تو اور کیا ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھکاری بننا کیسی بدنصیبی ہے۔ دعوئے ایمان کے ساتھ، اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری سے گریز اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اور اسی لئے آج ہم پریشان حال ہیں۔ مصائب وآلام کا شکار ہیں۔ آج اسلام صرف مساجد کی چہار دیواری میں ہی نظر آتا ہے۔ بلکہ یہاں بھی ماڈرن ازم کے بہت دلدادہ ٹائی باندھے، ننگے سر سجدوں میں نظر آتے ہیں۔ نہ جانے ایک معمولی سی بات کیوں عقل میں نہیں آتی کہ شریعت کی بغاوت ... بدے تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔ بیرونِ مساجد ہمارے گھروں میں اسلام کتنا ہے، یہ سب ہی جانتے ہیں بالخصوص یورپ وامریکہ میں آباد مسلمانوں کی حالت تو نہایت ہی افسوسناک ہے کہ

Marfat.com

ان کے ذہنوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ یہاں اسلام پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں۔ مسلمانوں کی اسلام سے عملی بغاوت نے ہی زندگی کو ایسا اجیرن بنا دیا ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی نہ دن میں چین ہے، نہ رات میں سکون۔ نہ گھر والوں میں عزت ہے نہ باہر والوں میں۔ بس تڑپتے، پھڑکتے جانوروں سے بدتر زندگی کے دن گزر رہے ہیں۔ اس اضطرابی کیفیت سے نجات کا واحد ذریعہ یہی ہے، کہ مکمل اطاعت وفرمانبرداری سے گریز، اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، جس سے نجات کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ:

''اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

اے ایمان کی سعادت سے سرفراز فرمانے والے، رب کریم، واسطہ تیرے نبی رحیم ﷺ کا تو اپنے نیک بندوں کی طرح ہمیں بھی اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کی توفیق مرحمت فرما۔ آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا

مقالہ ۸

البقرہ: ۲۵۴

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۵۴﴾ (البقرہ: ۲۵۴)

اے ایمان والو! خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) اس چیز سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی۔ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہے اور نہ (کافروں کیلئے) دوستی اور نہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! یہ دنیا تو دار العمل ہے، یہاں بیج بوؤ اور قیامت میں اس کے پھل حاصل کرو۔ اللہ نے تمہیں جو دولت دی ہے اور اپنے فضل وکرم سے اسے خرچ کرنے کا تمہیں اختیار بھی دیا ہے۔ اسی لئے کہ تم دنیا میں اس سے وہ بیج بوؤ جو آخرت میں تمہارے کام آسکیں۔ کہ قیامت کے دن دنیا میں کی ہوئی نیکیوں، صدقہ وخیرات کے علاوہ کچھ کام نہ آئے گا۔ نہ تو اس دن دنیا جیسی بیع اور خرید وفروخت ہوگی کہ کسی سے نیکیاں خرید کر تم فائدہ حاصل کرسکو۔ نہ اس دن دنیا کے رشتے اور تعلقات کام آسکیں گے اور نہ ہی اللہ کی اجازت کے بغیر تمہاری کوئی سفارش کرے گا۔ پس جو کچھ کرنا ہے دنیا ہی میں کرلو، کافروں جیسی زندگی اختیار نہ کرو، ان کی طرح دولت عیش وعشرت میں برباد نہ کرو۔ وہ تو ظالم ہیں۔ ان کے طرز حیات کو اگر تم

Marfat.com

نے اختیار کیا تو تم بھی ظلم کرنے والوں میں ہو جاؤ گے۔ اس آیت مبارکہ میں جو امور قابل وضاحت ہیں وہ یہ ہیں۔
انفاق فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، لا بیع، جس دن کوئی بیع نہ ہوگی۔ لا خلۃ، جس دن کوئی دوستی نہ ہوگی۔ لا شفاعۃ، جس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔

انفاق فی سبیل اللہ:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان اہم اعمال میں سے ایک ہے جس کا ذکر اور تاکید قرآن کریم کی متعدد آیات میں موجود ہے۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ہی متقین نیکوں کی جو خوبیاں بیان ہوئیں ان میں سے ایک انفاق بھی ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ (البقرہ:۳)

(قرآن) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں۔

انفاق خرچ کرنا، جس طرح اردو میں عام ہے اسی طرح عربی میں بھی عام ہے۔ یعنی کہیں بھی خرچ کیا جائے، خرچ کرنا ہی ہے انفاق ہی ہے۔ لیکن جو خرچ کرنا متقین کی علامت ہے اور جس خرچ کرنے کا حکم اہلِ ایمان کو دیا گیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (الانفال:۶۰)

اور اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے۔ (اس کا اجر) تمہیں پورا، پورا دیا جائے گا۔ اور تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (الحدید:۱۰)

اور تمہیں کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کا وارث اللہ ہی ہے۔
ان آیات نے واضح کر دیا کہ اللہ جس انفاق کا اہلِ ایمان سے مطالبہ فرماتا ہے وہ اس کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد آیات میں فی سبیل اللہ کا جملہ آتا ہے۔ اب خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سبیل اللہ، اللہ کی راہ کون سی ہے، جس میں انفاق، مطلوب اور باعث اجر و ثواب ہے۔ تو حقیقت تو یہی ہے کہ مسلمان کا ہر ایسے کام میں خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو۔ بس نیت کی ضرورت ہے۔ مثلاً کھانے پینے پر خرچ کرنا اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے جسم و جان کی حفاظت فرض قرار دی ہے۔ لباس پر خرچ کرنا اس نیت سے کہ اللہ نے ستر پوشی کرنے کا حکم دیا ہے۔ سواری پر خرچ کرنا، اس نیت سے کہ یہ حصول معاش، صلہ رحمی، میل و جول وغیرہ کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح دیگر تمام ضروریات پر غور کیجئے اور ان پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کو اپنی نیت کے خلوص سے آپ انفاق فی سبیل اللہ بنا لیجئے۔ اور اللہ کی طرف سے اس پر اجر و ثواب کا یقین رکھئے کہ مسلمان کا ہر عمل جو شریعت کے خلاف نہ ہو خلوص نیت کے ذریعہ عبادت بن جاتا ہے۔ اور اگر کوئی

Marfat.com

لمبے لمبے سجدے کرے لیکن نیت میں فتور ہو کہ لوگوں پر اپنے تقوے کا اظہار مقصود ہو تو یہ سجدے ہی کیا، ہر عمل جو نام ونمود اور دنیوی مقصد کے لئے کیا جائے عنداللہ مردود ہے۔ اس پر نہ کوئی اجر ہے اور نہ ثواب۔ بہرحال خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے ہمارا ہر خرچ انفاق فی سبیل اللہ ہے، تائید کے لئے بطور مثال نبی مکرم علیہ السلام کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَّ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَّ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِکَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِکَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایک دینار ہے جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ایک دینار ہے جس کو تم غلام آزاد کرنے پر خرچ کرو اور ایک دینار ہے جو تم نے کسی غریب پر خرچ کیا اور ایک دینار ہے جس کو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو۔ ان سب میں ثواب کے اعتبار سے وہ دینار سب سے بڑا ہے، جس کو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ (مسلم شریف)

مطلب یہ کہ اگرچہ یہ تمام اخراجات باعث ثواب ہیں۔ لیکن اہل خانہ پر خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے کہ یہ وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے جس سے آدمی اپنی ذمہ داری کو اس لئے پورا کرتا ہے کہ اللہ نے اسے اہل خانہ کا کفیل بنایا ہے۔ قرآن کریم بھی ایسے لوگوں پر انفاق کا حکم دیتا ہے۔ جن کی کفالت اور تعاون آپ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ فرمایا گیا:

یَسْــَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾ (البقرہ:۲۱۵)

وہ (اے حبیب) آپ سے پوچھتے ہیں، کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے۔ تم جو مال (بھی) خرچ کرو تو (وہ) ماں باپ، قریبی رشتہ داروں، یتیموں محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور تم جو نیکی کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

غور فرمایا، آپ نے کہ انفاق کی ابتداء والدین سے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ انسان پر سب سے مقدم انہی کا حق ہے۔ ان کی نگہداشت ان کی خدمت اوّلین فریضہ ہے۔ ان کے بعد دوسرے اعزاء پر خرچ کا حکم دیا گیا۔ اولاد، بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ اس کے بعد حق ہے باہر کے لوگوں کا۔ ان میں سب سے مقدم قوم کے یتیم بچے ہیں جو قوم کا کمزور ترین لیکن نہایت ہی اہم حصہ ہیں۔ کہ یہ سب سے زیادہ تعاون کے محتاج ہوتے ہیں کہ اگر ان کی طرف سے لاپرواہی برتی گئی، ان کی صحت تعلیم وتربیت کا خیال نہ کیا گیا۔ تو یہ پوری قوم کی پریشانی اور زوال کا سبب بن سکتے ہیں۔ پھر مسکینوں، مسافروں پر خرچ کیا جائے، گویا ابتداء گھر سے کرو۔ پہلے اپنے اہل خانہ وخاندان کی خوشحالی کی فکر کرو۔ پھر قومی ذمہ داری پوری کرو گھر والوں کو پریشان حال چھوڑ کر قومی خدمات انجام دینا رفاہی کاموں میں حصہ لینا نہ عقلمندی ہے اور نہ ہی اللہ اور رسول کا حکم۔

بہرحال انفاق کے معنی بہت ہی وسیع ہیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے جس پر بھی خرچ کیا جائے، وہ اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرنا کہلائے گا۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ دینی اور مذہبی کاموں پر خرچ کرنے کو عام طور پر انفاق کہا جاتا ہے۔ مثلاً

Marfat.com

مدارس کے اخراجات پورے کرنا، علماء اور مبلغین کا تعاون کرنا، مساجد کی تعمیر میں حصہ لینا، غریبوں کو کھانا کھلانا، کپڑے پہنانا وغیرہ۔

کتنا خرچ کیا جائے:

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خرچ کیا جائے اور کتنا خرچ کیا جائے تو اس کا جواب ''ممارزقنکم'' میں موجود ہے یہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے خرچ کرو، رزق کے لغوی معنی ہیں:

اَلنَّصِیْبُ وَ الْعَطَایَا یُطْلَقُ عَلَی الْحِسِّیِّ وَالْمَعْنَوِیِّ

(ضیاء القرآن)

حصہ اور بخشش چاہے حسی ہو یا معنوی

یعنی کسی کو کچھ دینا وہ عطیہ نظر آتا ہو یا نظر نہ آئے۔ اس اعتبار سے مال، اولاد، علم، معرفت سب ہی رزق ہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے مال دینا بھی انفاق، اللہ کی رضا کے لیے اولاد وقف کر دینا مثلاً دینی تعلیم دلانا، جہاد کے لیے اسلامی فوج میں بھرتی کرا دینا یہ بھی انفاق، اللہ کی رضا کے لئے اس کے عطا کردہ علم سے دین کی تبلیغ و اشاعت کرنا بھی انفاق اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو معرفت وحکمت کی تعلیم دینا، روحانی تربیت کرنا یہ بھی انفاق۔ پس رزق کے معنی بھی بہت وسیع ہیں کہ اللہ کی دی ہوئی ہر چیز کو اللہ کی مرضی کے لئے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرنا ''انفاق فی سبیل اللہ'' میں شامل ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم علیہ السلام کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے۔ آپ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ وَّ حُذَیْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

حضرت جابر و حذیفہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر نیک کام صدقہ ہے۔

(بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلِیْقٍ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ کسی بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا ہی کیوں نہ ہو۔

(مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَةٍ صَدَقَةً وَ کُلِّ تَکْبِیْرَةٍ صَدَقَةً وَّ کُلِّ تَحْمِیْدَةٍ صَدَقَةً وَّ کُلِّ تَهْلِیْلَةٍ صَدَقَةً وَّ اَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً وَّ نَهْیٍ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةً وَّ فِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیَاتِیْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَ یَکُوْنُ لَهٗ فِیْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ کَانَ عَلَیْهِ فِیْهِ وِزْرٌ فَکَذٰلِکَ اِذَا وَضَعَهَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَهٗ اَجْرٌ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تسبیح، تکبیر، تحمید اور تہلیل صدقہ ہیں۔ اسی طرح نیک بات کی ترغیب اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ بیوی کے ساتھ عمل زوجیت

Marfat.com

بھی صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، انسان اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس میں بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ حرام جگہ اپنی شہوت پوری کرے تو کیا اس کو گناہ نہ ہوگا، تو حلال عمل سے اس کو ثواب کیوں نہ ہوگا۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیت بوتا ہے اور اس سے کوئی انسان یا پرندہ یا چرندہ فائدہ حاصل کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ان تمام روایات کو سامنے رکھیے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مسلمان کا ہر عمل صدقہ ہوتا ہے۔ یعنی اسے ہر نیک کام پر انفاق فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ لیکن قرآن کریم جس انفاق کا مطالبہ کر رہا ہے اس سے مقصود، اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنا ہے کہ یہی انسان کی اللہ کی راہ میں بڑی قربانی ہے۔ کیونکہ فطری طور پر انسان کو دولت سے بڑی محبت ہوتی ہے اور انفاق یا خرچ کرنے کا لفظ عام طور پر دولت خرچ کرنے ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دولت کی محبت دل سے نکال دینا اور اسے ایسے کاموں پر خرچ کرنا جن سے بظاہر اپنی ذات کا کوئی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ ہے جو ایک بڑی قربانی ہے اور جس کا اجر و ثواب بھی بہت عظیم ہے۔ یہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام بالخصوص، سید الانبیاء ﷺ کی سنت ہے۔ صالحین کا وطیرہ ہے اس سے معاشرے میں فتنہ و فساد کا خاتمہ ہوتا کہ اکثر جرائم کا سبب غریبوں کی بھوک ہے۔ اگر اللہ کے نام پر دولت نکالی جائے اور نظم کے ساتھ اس سے غربت و جہالت کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جائے تو ہماری تاریخ شاہد ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی فرد نہ بھوکا سوتا ہے نہ کوئی جاہل نظر آتا ہے۔ اسلام کے دیگر احکام کی طرح ''انفاق فی سبیل اللہ'' بھی درحقیقت معاشرے کی اصلاح اور اس کو پرسکون بنانے کی ایک تدبیر ہے۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی نظام میں نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ کی راہ میں کتنا خرچ کیا جائے تو حق تو یہ تھا کہ رب کا سب کچھ دیا اسی کی راہ میں لٹا دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے کر دکھایا، لیکن دینے والا بڑا کریم ہے وہ نہ تو وسعت سے زیادہ مکلف کرتا ہے اور نہ ہی دشواری میں مبتلا کرتا ہے۔ اس نے ''مِمَّا'' کا مطالبہ فرمایا۔ کہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ، دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد ہوا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ۙ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (البقرہ:۲۱۹)

(اے حبیب) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرما دیجئے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

''عفو'' یعنی جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو وہ اللہ کے لئے خرچ کرو۔ یہ ارشاد مژدہ و خوشخبری ہے ان غریبوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ لیکن استطاعت نہ ہونے کے باعث تڑپ کر رہ جاتے ہیں کہ جب اللہ نے تمہیں ''عفو'' ضروریات سے زیادہ دیا ہی نہیں تو تم کیوں تڑپتے ہو۔ تم سے انفاق کا مطالبہ ہی نہیں اور یہ تنبیہ ہے ان دولت مندوں

Marfat.com

کے لئے جن کے پاس لاکھوں کی مقدار میں ''عفو'' ضرورت سے زیادہ مال ہے لیکن پھر بھی وہ ظالم اپنے پڑوس کے بھوکے تک کی ضرورت کا احساس نہیں کرتے۔ اگران کے در پر کوئی مصیبت کا مارا آ بھی جائے تو انہیں بہت ہی ناگوار ہوتا ہے۔ کیسا اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں سب کچھ خرچ کر دینے کا حکم نہ دیا۔ جبکہ سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔ پھر بھی ہم اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے یہ ہماری بڑی ہی بدنصیبی ہے، دینے والا رب ہمیں انفاق کا حکم بھی کیسے پیارے انداز میں دیتا ہے۔ وہ بندوں کو خود ہی دیتا ہے اور پھر ان سے قرض مانگتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ۠ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اسے بڑھا کر، اس کے لئے کئی گنا کر دے اور اللہ ہی تنگی اور فراخی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (الحدید:۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اسے بڑھاتا رہے اسی کیلئے اور اس کے لئے عزت کا اجر ہے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (التغابن:۱۷)

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو تو وہ اس کو تمہارے لئے دوگنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ نہایت ہی قدرداں، بہت حلم والا۔

دولت کے لالچی دنیا والوں کو قرض دیتے ہیں اور اس پر سود کے چند ٹکے کما کر حرام کھاتے ہیں۔ قرض دینے کا مزا اللہ کو ہے، جو اگرچہ تمہاری دولت کا محتاج نہیں وہ تو خود اپنے خزانہ سے جسے چاہتا ہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے۔ رزق کی فراخی یا تنگی اسی کے قبضہ میں ہے۔ وہ رب تم سے قرض مانگتا ہے تمہارے ہی فائدے کے لیے تم اسے قرض دو، وہ اس پر بے حساب منافع دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ یہ بے حساب منافع صرف قیامت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی ملتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا کبھی محتاج و تنگدست نہیں ہوتا جتنا خرچ کرتا ہے اتنی ہی اس کی دولت میں برکت ہوتی ہے۔ غور فرمایئے، حضور نبی کریم علیہ السلام کے ارشادات پر۔

عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰهُ عَلَیْکِ وَ لَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰهُ عَلَیْکِ اَرْضِخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بے حساب خرچ کرو اللہ تمہیں بے حساب عطا فرمائے گا۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز نہ کرو ورنہ اللہ تم پر روک دے گا جتنی استطاعت ہو صدقہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَابْنَ اٰدَمَ

Marfat.com

اُنفِقْ عَلَيْکَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے، اے ابن آدم خرچ کر تجھ پر فراخی کی جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَ اَنْ تُمْسِکَهُ شَرٌّ لَّکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ وَّ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ضروریات سے زیادہ مال خرچ کرنا تیرے حق میں بہتر ہے اور اگر تم اس کو خرچ نہ کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر نہیں اور حد اعتدال تک خرچ کرنے میں تجھ کو برا نہ کہا جائے گا اور اس سے شروع کرو جس کی کفالت تمہارے ذمہ ہے۔

(مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ الْجَاهِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے سخی اللہ سے قریب، جنت سے قریب اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔ جب کہ بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور اور لوگوں سے دور ہے اور سخی جاہل اللہ کو، عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی شریف)

سبق آموز واقعہ

ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہ بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا۔ ان میں سے ایک کوڑھی تھا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ یہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کون سی چیز بہت اچھی معلوم ہوتی ہے وہ کہنے لگا اچھا رنگ اور صحت مند جسم میری خواہش ہے کہ مجھے اس بیماری سے نجات مل جائے۔ اور لوگوں کی نفرت بھری نظروں سے محفوظ ہو جاؤں (کہ لوگ اس بیماری کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے ہیں) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا رنگ صاف ہو گیا۔ جلد ٹھیک ہو گئی اور بالکل تندرست ہو گیا۔ فرشتے نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں کون سا مال پسند ہے اس نے کہا اونٹ۔ فرشتہ نے اس کو دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دے کر کہا لو اللہ تمہیں اس میں برکت دے۔ پھر یہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا، اس سے پوچھا تمہیں کیا چیز پسند ہے اس نے کہا میری آرزو ہے کہ میرا گنج ختم ہو جائے اور میرے سر پر خوبصورت بال نکل آئیں۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج جاتا رہا اور

Marfat.com

یہ بیماری [illegible] فرشتے نے اس سے سوال کیا تمہیں کون سا مال پسند ہے۔ وہ بولا مجھے گائے پسند ہے۔ فرشتے نے سر پر ہاتھ [illegible] اس کو ایک [illegible] کہا اللہ تمہیں اس میں برکت دے۔ پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمہیں کیا پسند [illegible] نظر عطا فرمادے۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ دیکھنے لگا۔ فرشتے نے اس سے بھی پوچھا تمہیں کون سا مال پسند ہے۔ اس نے کہا مجھے بکری پسند ہے۔ فرشتے نے اس کو ایک حاملہ بکری دی اور کہا لو اللہ تمہیں اس میں برکت دے۔ ان تینوں جانوروں میں خوب برکت ہوئی۔ اونٹنی والے کے پاس ایک جنگل اونٹوں سے بھر گیا۔ گائے والے کا ایک جنگل گائیوں سے بھر گیا۔ بکری والے کا ایک جنگل بکریوں سے بھر گیا۔ (یہ تو اللہ کا کرم ہوا جسے دینا چاہے وہ ایسے ہی دیتا ہے۔ اب ان کی آزمائش کا آغاز ہوتا ہے) فرشتہ پہلے شخص کے پاس کوڑھی بن کر پہنچا اور کہنے لگا میں غریب ہوں، معذور ہوں، سفر میں میرا تمام سامان ختم ہو گیا۔ اللہ کے سوا میرا کوئی نہیں میں تم سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں ایک اچھا رنگ، اچھی جلد اور ان بے شمار اونٹوں سے نوازا۔ مجھے صرف ایک اونٹ دے دو۔ تاکہ میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں۔ وہ بولا مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں (میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا) فرشتے نے کہا میں نے تجھے پہچان لیا، تو وہ کوڑھی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے تھے، اللہ نے تجھ پر کرم کیا اور یہ سب کچھ عطا فرما دیا۔ وہ بولا نہیں ایسا نہیں۔ یہ مال و دولت تو میرے باپ دادا کا چھوڑا ہوا ہے، جس کا میں وارث بنا۔ (آج کل کے دولت مند بھی کچھ ایسا ہی جواب دیتے ہیں، مال و دولت کے نشے میں اپنی اوقات بھول جاتے ہیں) فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے، اب فرشتہ گنجا بن کر دوسرے کے پاس پہنچا اس سے بھی ویسی ہی گفتگو کی۔ گنجے نے بھی کوڑھی جیسا جواب دیا۔ فرشتے نے اس سے بھی کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پہلا جیسا ہی کر دے۔ پھر فرشتہ اندھا بنا اور تیسرے شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا میں غریب مسافر ہوں۔ میرا سب سامان ختم ہو گیا۔ آج میرا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ میں تم سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں نظر لوٹائی۔ بکریاں دیں میری مدد کرو تاکہ میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں۔ اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا، اللہ نے مجھے نظر عطا کی، پس تم جو چاہو لے لو اور جو چاہو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم اللہ کے لیے تم جو کچھ بھی مانگو گے، میں انکار نہ کروں گا۔ تب فرشتے نے کہا، تمہارا مال تمہیں مبارک ہو۔ میں تو تمہارا امتحان لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ پس اللہ تم سے راضی ہوا۔ اور تمہارے ساتھیوں سے وہ ناراض ہوا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ ذریعہ برکت ہے

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بڑی نعمت ہے۔ قُرب الٰہی، رحمت الٰہی کے حصول کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ دولت مندوں کو چاہیے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور دیگر دولت مند صحابہ کی زندگی کا مطالعہ کیا کریں اور ان کی طرح اپنی دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں۔ انفاق فی سبیل اللہ، ایک بڑا ہی سود مند سودا ہے۔ دنیا کا کوئی سودا اس کے برابر منافع بخش نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہی رہتا ہے۔ کتنا یہ اللہ کے فضل اور خرچ کرنے والے کی نیت کے خلوص پر موقوف ہے۔ وعدہ الٰہی یہی ہے کہ وہ خرچ کرنے والے کے مال کو بڑھاتا ہے، اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ ایک مثال کے طور پر بتایا گیا کہ ایسے لوگوں کو کتنا نفع ہوتا

Marfat.com

ہے۔اللہ فرماتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ (البقرہ:۲۶۱، ۲۶۲)

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی سی ہے جس نے سات بالیں اگائیں، ہر بال میں سو دانے ہیں، اور اللہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے کے بعد نہ احسان جتائیں اور نہ تکلیف دیں ان کے لیے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ایک دانے کی سات بالیں، ہر بال میں سو دانے یہ تو ایک مثال ہے ہم تو اس کے امیدوار ہیں کہ ”اللہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے“ اور اس کے کہ اللہ بڑی وسعت والا ہے“ نیز اس کے کہ ”خرچ کرنے والوں پر نہ کوئی خوف ہے نہ غم“ یہ بخشش سودا ہے۔

انفاق امیر و غریب دونوں کے لیے ہے

انفاق کی ذمہ داری اگرچہ زیادہ تر دولت مندوں ہی پر ہے کہ ان کے لیے یہ نیکی آسانی ہے۔لیکن اس حکم میں امیر و غریب سب شامل ہیں۔غریبوں کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس نیک عمل کا اجر عظیم حاصل کر سکتے ہیں، کہ اللہ کے نزدیک مقدار کی زیادتی ہی قابل قبول نہیں بلکہ کیفیت اور خلوص کی زیادہ قدر ہے۔ نیز انفاق ایک ایثار ہے، قربانی ہے اور ایثار و قربانی میں انسان کو جو تکلیف ہوتی ہے وہی ذریعہ اجر و ثواب ہے۔ ایک امیر کو ہزاروں خرچ کر کے وہ تکلیف نہیں ہوتی جو ایک غریب کو دس، بیس خرچ کر کے ہوتی ہے۔ پس غریب کو کم خرچ کر کے بھی زیادہ اجر کی امید رکھنا چاہیے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ (التوبہ:۱۲۱)

اور وہ نہیں خرچ کرتے کوئی چھوٹا خرچ، اور نہ بڑا اور نہیں طے کرتے (اللہ کی راہ میں) کوئی میدان مگر ان کے لیے لکھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اللہ بدلہ دے ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔

چھوٹا خرچ غریبوں کی طرف سے ہو یا بڑا خرچ امیروں کی طرف سے، سب لکھا جاتا ہے سب کا اجر ملے گا۔ نبی محبُّ الفقراء والغرباء ﷺ نے غریبوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ

Marfat.com

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا آگ سے بچو، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی خرچ کر کے۔ (بخاری شریف)

یعنی اگر کسی کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو وہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے وہی اس کے لئے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ کھجور کے ٹکڑے کی جگہ آپ اپنی زبان میں اس کو روٹی کا ٹکڑا کہہ لیجئے، بہر حال غریبوں میں بھی ''انفاق فی سبیل اللہ'' کی عادت ہونی چاہیے، اپنی غربت کو بہانہ بنا کر ایسی عظیم عبادت سے محروم رہنا بڑی ہی بدنصیبی ہے۔

عوامی چندہ

جب دینی امور مثلا مساجد و مدارس کی تعمیر، تبلیغ اسلام کے لیے جلسوں وغیرہ کے اہتمام کے لئے دولت کی ضرورت پیش آئے تو مناسب و بہتر یہ ہے کہ منتظمین صرف امیروں اور دولت مندوں کے دروازے نہ کھٹکھٹائیں بلکہ عام چندہ وصول کرنے کا انتظام کریں تا کہ اس میں غریب بھی شریک ہو سکیں اور دولت مند بغیر احسان جتلائے اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیں۔ کیونکہ صرف امیروں کے سہارے اگرچہ کام تو سہل ہو جاتا ہے جلدی ہو جاتا ہے لیکن ہمارا وسیع مشاہدہ کہ اس کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں۔ مثلا دولت مند، دین کے لئے چندہ کرنے والوں کو حقیر اور بھکاری سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل علماء کے ساتھ ہو رہا ہے، کہ جو علماء اپنی ذمہ داری سمجھ کر دینی مدارس کے لئے دوکان، دوکان جا کر چندہ کرتے ہیں ان کا چندہ دہندگان کی نظروں ہی میں نہیں بلکہ پوری قوم میں کوئی وقار باقی نہیں رہتا۔ ان کی وجہ سے پورے طبقہ علماء پر طعن کیا جاتا اور انہیں چندہ خور کہا جاتا ہے یہ ایک نہایت ہی عظیم مذہبی سانحہ ہے جس کی وجہ سے علماء کو تبلیغی اور دین امور کی انجام دہی میں بڑی مشکلات کا سامنا ہے کہ آج کا دولت مند ہر ایک کو خوشی سے پیسہ دینے کو تیار ہے۔ سوائے علماء کے، نیز اگر تنہا ایک دولت مند کوئی مسجد تعمیر کرا دیتا ہے تو اس کی نسلیں تک مسجد کے نمازیوں اور امام پر اپنی فوقیت و برتری کا مظاہرہ کرتی ہیں وہ ہر موقع پر یہی کہتا نظر آتا ہے کہ اس مسجد میں میرا حکم چلے گا کیونکہ اس کی تعمیر میں نے یا میرے باپ نے یا دادا نے کرائی ہے اور سب ہی کو غلاموں کی طرح اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے حتی کہ امام صاحب بھی صرف اسی کی نہیں بلکہ کسی بھی دولت مند کی غلط روی کی شرعی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اور جو ہمت کرتے ہیں وہ ملازمت سے برطرف کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسے کئی واقعات میرے مشاہدے میں ہیں۔ پھر جہاں تمام مذہبی کام دولت مندوں کی دولت سے ہوتے ہیں وہاں کے غریبوں میں خودی، خودداری، حق کی حمایت جیسی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں جو قومی وقار، معاشی اور معاشرتی زندگی کے لئے لازمی ہیں۔

ہم نے جنوبی افریقہ اور دیگر متعدد ممالک میں دیکھا کہ اکثر مساجد امیروں کی تعمیر کردہ ہیں۔ اور ان کے ماہانہ اخراجات کے بھی وہی کفیل ہیں، جن کے اثرات وہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ ان واقعات سے اندازہ لگایئے ایک ذی علم متقی امام صاحب کو مسجد سے اس لئے نکالا دیا گیا کہ ایک دولت مند جنہوں نے مسجد تعمیر کی اور خود ہی اس کے صدر بھی تھے یہ چاہتے تھے کہ امام صاحب خطبہ و نماز جمعہ کا موقع عرب سے آئے ہوئے ایک شخص کو دیں۔ امام صاحب نے یہ بات ماننے

Marfat.com

سے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ شخص داڑھی منڈا تھا۔ امام صاحب نے کہا کہ ایسے شخص کے پیچھے نہ تو شرعاً نماز جائز ہے اور نہ ہی اس کو مقتدی گوارا کریں گے۔ بس دوسرے ہی دن امام صاحب کا بستر بوریا گول اور کسی مقتدی کی ہمت نہیں کہ وہ امام صاحب کی حمایت میں آواز اٹھائے۔ اور ملاحظہ ہو ایک مسجد میں ہمیں جمعہ پڑھانے کی دعوت دی گئی۔ دوران تقریر ہماری نظر اگلی صف کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب پر پڑی جو ایک خوبصورت مصلے پر بیٹھے تھے۔ شکل وصورت سے کوئی متقی بھی نظر نہیں آتے تھے جو ہم سوچتے کہ یہ کوئی پیر صاحب ہوں گے۔ حالانکہ کسی پیر صاحب کے لئے بھی صف میں خصوصی مصلی بچھانا جائز نہیں۔ خیر نماز سے فارغ ہوئے تو مزید حیرت اس بات پر ہوئی کہ امام صاحب نے ہم سے کہا حضرت ذرا ادھر تشریف لائیں ان صاحب سے ملاقات کر لیجیے ہم تو مہمان تھے میزبان کے اشارے پر چل دیئے۔ ان صاحب نے بیٹھے بیٹھے ہم سے مصافحہ کیا، مسکرائے اور ہم اپنا سا منہ لے کر چلے آئے۔ نوجوان تھے لیکن کھڑے نہ ہو سکے۔ ہمیں بڑی تشویش ہوئی یہ کیا چکر ہے، یہ کون بندہ ہے، جس کا اتنا احترام ہوتا ہے۔ امام صاحب ہم سے عمر میں بڑے تھے۔ ہم نے احترام سے پوچھا حضرت یہ داڑھی منڈے کون بزرگ ہیں وہ مسکرائے فرمانے لگے حضرت آپ مقدر والے ہیں کہ کسی مسجد کے امام نہیں۔ ہم سے پوچھئے اس دور کی امامت میں کیسی کیسی مکروہ باتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے کہا حضرت یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ یہ بتائیے وہ صاحب کون تھے۔ فرمانے لگے یہ جواب کی تمہید تھی۔ اب جواب ہے کہ یہ صاحب بڑے خوش نصیب ہیں اور ان کی خوبی صرف یہ ہے کہ یہ اس شخص کے صاحبزادے ہیں جس نے یہ مسجد تعمیر کرائی تھی اور انہیں باپ کی دولت کی طرح یہ مصلی شریف بھی وارثت میں ملا ہے اور یہ حق بھی کہ امام کو ان کے پاس جا کر مصافحہ کرنا چاہیے اور یہ ان پر دولت کا بوجھ ہے۔ جس نے ان کو امام اور علماء کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونے سے محروم کر رکھا ہے۔ ویسے یہ معذور نہیں ماشاء اللہ سارا دن دولت کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔

اس قسم کے اور بہت واقعات ہمارے مشاہدے میں آئے جن کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک دولت مند کے لاکھوں سے بہتر وہ ہزاروں ہیں جو ایک ایک کر کے غریبوں سے جمع کیے جائیں کہ کام میں برکت بھی ہوتی ہے اور مذہبی آزادی بھی متاثر نہیں ہو پاتی۔ نیز اس سے غریبوں میں احساس ذمہ داری اور جذبہ خودداری پیدا ہوتا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے مطالبہ فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ اس کی راہ میں خرچ کیا جائے اور یہ مطالبہ آمادگی کے بڑے ہی مؤثر انداز سے کیا جا رہا ہے۔ خرچ کرو جو کچھ خرچ کر سکتے ہو کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں نہ بیع ہوگی اور نہ خلة ہوگی اور نہ شفاعة ہوگی۔

کافروں جیسا طریقہ اختیار نہ کرو

یہ دن کون سا ہوگا اکثر مفسرین کہتے ہیں، یہ قیامت کا دن ہوگا لیکن بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ہر ایک کی اپنی موت کا دن ہوگا۔ ہم ابھی اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ پہلے آیت کے آخری حصہ پر غور فرمائیے، ارشاد ہوتا ہے ''اور کافر ہی ظالم ہیں'' بتانا یہ مقصود ہے کہ تم میں اور کفار میں ہر اعتبار سے فرق ہے تم دیکھتے ہو کہ کافر اپنی دولت، اپنی مرضی سے خرچ

Marfat.com

کرتے ہیں۔ بن خواہش نفس کی تکمیل پر خرچ کرتے ہیں، عیاشی پر خرچ کرتے ہیں۔ جوا، شراب نوشی، بدکاری، ان کے پسندیدہ مشاغل ہیں۔ ان کے نزدیک نہ دولت حاصل کرنے میں کوئی قید اور پابندی ہے اور نہ خرچ کرنے میں کہیں حلال و حرام کا تصور نہیں۔ یعنی مسلمان جو حرام کی آسانی حاصل ہونے والی دولت کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتا۔ اس کی دولت بڑی محنت کی ہوتی ہے۔ اے ایمان والو! تم دولت خرچ کرنے میں کافروں جیسا طریقہ اختیار نہ کرو۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے، اس سے اپنی ضروریات پوری کرو۔ اپنے اہل وعیال کی کفالت کرو اور "عفو"، اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کافر تو ہیں ہی ظالم، ان کا ہر عمل بے مقصد اور بے محل ہوتا ہے۔ تو خرچ بھی وہ بے محل اور بے مقصد کرتے ہیں۔ تم ان کی طرح ظالم نہ بنو کہ ظالموں کا ٹھکانہ تو جہنم کی آگ ہے۔ میرے آقا ﷺ تو یہ بھی پسند نہیں فرماتے کہ مؤمن کا کھانا تک کوئی کافر یا فاسق وفاجر کھائے تو آپ کو یہ کب گوارا ہوگا کہ مؤمن کی دولت بے محل اور بے مقصد خرچ ہو۔ آپ نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، صرف اہل ایمان سے دوستی رکھو اور تمہارا کھانا صرف متقی کھائے۔ (ترمذی)

لا بیع

اس دن خرید وفروخت نہ ہوگی کہ وہاں دولت حاصل کرکے خرچ کرو اور عذاب الٰہی سے نجات پالو۔ بیع دنیا میں معاشی وسائل و ذرائع کا مرکز ہے۔ حصول دولت کا سرچشمہ ہے۔ صنعت و حرفت کی نہریں اسی سے جاری ہوتی ہے۔ رزاق حقیقی اللہ وحدہ لاشریک نے اس کو بلا قیود وشرائط اپنے بندوں کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ لین دین کا جو معاملہ بھی آپس میں طے ہو جائے اور اس سے جتنی دولت بھی حاصل ہو وہ حلال ہے۔ نبی مکرم علیہ السلام نے دیانت دار اہلِ ایمان تاجروں کو جنت کی خوشخبری سنائی، اب یہ مسلمان کی حرماں نصیبی ہے کہ وہ حصول رزق کے اس وسیع وعریض اور مقدس ذریعہ کو کافروں کی طرح جھوٹ مکروفریب، دھوکہ دھڑی اور سود کی گندگی سے اپنے لئے گندا اور حرام کرلے۔ مسلمانوں کے لیے ان غلاظتوں سے پاک وصاف پیشہ، تجارت ہے جس میں اللہ نے برکت رکھی ہے اور دیانت دار تاجروں کو مخبر صادق ﷺ نے مژدہ سنایا:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر (قیامت میں) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

امانت دار تاجر کون ہے، سب جانتے ہیں۔ ایک جملہ میں یوں سمجھ لیجئے کہ امانت دار تاجر وہ ہے جو صرف اپنے نفع کے لئے خریدار کا حق نہ مارے اس کو نقصان نہ پہنچائے اس کو دھوکا نہ دے۔ اس پر ظلم نہ کرے ایسے تاجر کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ آپ نے

Marfat.com

حدیث شریف میں ملاحظہ فرمایا۔

ہوتا یہ ہے کہ انسان تجارت یا اپنے معاش کے دیگر وسائل کو بڑھاتے بڑھاتے دولت کی محبت میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ صرف اس کو بڑھانا ہی چاہتا ہے خرچ کرنا گوارا نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اپنے ضروری اخراجات بھی [illegible] معدوم ہونے لگتے ہیں ایسے ہی شخص کو بخیل، خسیس یا کنجوس کہا جاتا ہے جو درحقیقت اللہ کی طرف سے انسان کی [illegible] کا [illegible] طریقہ ہے۔ میرے آقا ﷺ کا یہ ارشاد نہایت ہی قابل غور ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَ لُعِنَ عَبْدُ [illegible]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا [illegible] لعنت کی گئی ہے۔ [illegible]

دینار و درہم یعنی دولت کے بندے وہی بخیل ہیں جو اللہ کی راہ میں تو خرچ کرنا درکنار، اپنے ضروری اخراجات [illegible] کرتے۔ ایسے لوگوں پر لعنت و پھٹکار ہی ہے کہ وہ جس دولت کی دن رات حفاظت کرتے اور اس کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں وہ بسا اوقات ان کے لیے عذاب بن جاتی ہے اور زندگی میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی چین اور سکون نہیں۔ رات کو آرام کی نیند تک نصیب نہیں ہوتی۔

وَلَا خُلَّةٌ

خلہ یعنی دوستی، تعلقات، یہ انسان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے کہ فطری طور پر ہر شخص اپنے اعزاء و اقارب اور دیگر لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے تعلقات کی وسعت پر ناز کرتا ہے۔ اسلام بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اعزاء و اقارب سے صلہ رحمی یعنی تعلقات کو مضبوط رکھنے۔ دیگر مسلمانوں سے دوستی اور محبت قائم کرنے سے متعلق واضح احکامات موجود ہیں کہ اس سے باہمی تعاون حاصل ہوتا ہے۔ فتنہ و فساد مٹتا ہے اور بے [illegible] برائیوں کا معاشرے سے خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے معلم اسلام ﷺ نے آپس میں ایک دوسرے کو سلام [illegible] نے، مصافحہ و معانقہ کرنے کی تعلیم دی جو بظاہر بہت ہی معمولی باتیں نظر آتی ہیں لیکن مسلم معاشرے پر ان کی نہایت ہی گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ [illegible]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے پوچھا، اسلام کی کون سی عادت بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور واقف و ناواقف کو سلام کرنا۔ (بخاری و مسلم)

عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا۔

Marfat.com

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو دونوں کو بخش دیا جاتا ہے، ان کے جدا ہونے سے پہلے۔ (ترمذی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا وَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم جنت میں نہیں داخل ہو سکتے جب تک کہ مومن ہو جاؤ اور اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں جس سے تم آپس میں محبت کرنے لگو۔ آپس میں سلام کیا کرو۔ (مسلم شریف)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَیْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنْ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایمان والے ایک جسم کی طرح ہیں، اگر آنکھ کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

اگر غور کیا جائے تو اسلام کی تمام تعلیمات کا بنیادی مقصد باہمی تعلقات کو مضبوط کرنا اور امت کو ایک متحد قوم بنانا ہے کہ اس سے اپنے مسائل حل ہوتے ہیں اور دشمن پر رعب طاری رہتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ سب کچھ اس وقت تک ہے جب تک سانس چل رہا ہے جونہی سانس منقطع ہوئی تمام تعلقات رشتے اور دوستیاں ختم۔ انسان دنیا میں نہ جانے کیا کیا کرتا ہے۔ صرف اپنے اہل وعیال کے لئے اپنے اعزا کے لئے، اپنے تعلقات بڑھانے کے لئے۔ لیکن رشوت کی کمائی، مکر وفریب سے حاصل کردہ دولت لوگوں پر ظلم وستم ان مقدس رشتوں کو دنیا وآخرت میں وبال جان بنا دینے والے اعمال ہیں۔ اسلام نے تو یہ چاہا تھا کہ مومن اپنے تمام تعلقات سے اپنے معاشرے کی خدمت کرے اور اپنی زندگی کو پرسکون بنائے۔ لیکن شومی قسمت کہ "خلۃ" دوستی کا رشتہ، اللہ سے غفلت کا ذریعہ بن گیا اور یہ حال ہوگیا کہ اگر اس شخص سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کا سوال کیا جاتا ہے تو یہ اپنے اہل خانہ، اعزاء واقارب، دوست احباب کے کثیر اخراجات کا بہانہ کر کے معذرت کر لیتا ہے۔

وَلَا شَفَاعَةٌ

شفاعۃ کے عام معنی سفارش کے ہیں لیکن اس کے اصلی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں۔ شفعہ عربی زبان میں جوڑے کو اور برابر والے پڑوسی کو کہتے ہیں۔ اسی سے حق شفعہ ہے جو برابر والے پڑوسی کے حق کے لئے بولا جاتا ہے۔ سفارش کو، شفاعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ سفارش کرنے والا کمزور حق دار کے ساتھ اپنی قوت اور وسائل ملا کر اس کو طاقتور بنا دیتا ہے۔

Marfat.com

اسی لئے شفاعت کا لفظ ہر ایسے کام کے لئے بولا جا سکتا ہے جس سے کسی کمزور کو تقویت پہنچائی جائے۔ قرآن کریم نے شفاعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا (النساء: ۸۵)

جو اچھی سفارش کرے اس میں سے اس کے لئے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس میں سے اس کے لئے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ۔ شفاعت حسنہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی سفارش کی جائے جو واقعی حقدار ہو۔ نیز سفارش کرنے والا جس سے سفارش کر رہا ہے اس پر اپنے اثر، دولت یا کسی لالچ کا دباؤ نہ ڈالے بلکہ کمزور کی بات متعلقہ حاکم، افسر یا کسی شخص تک پہنچا دے۔ اگر کام ہو جائے تو شکریہ ادا کرے نہ ہو تو برا نہ مانے اور تعلقات میں کوئی کشیدگی پیدا نہ ہونے دے۔ وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ بطور مثال ملاحظہ ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے طلاق لے لی تھی، جب کہ وہ اپنی بیوی سے محبت کرتے تھے۔ طلاق کے بعد یہ بہت پریشان حال رہنے لگے۔ نبی مکرم علیہ السلام کو ان کی حالت پر رحم آیا اور آپ نے حضرت بریرہ سے فرمایا کہ مغیث تم سے بہت محبت کرتے ہیں، تمہاری جدائی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ان سے دوبارہ نکاح کر لو۔ حضرت بریرہ نے جواب دینے سے پہلے سوال کیا، یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش، اگر حکم ہے تو تعمیل کے لیے بندی حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا، حکم نہیں سفارش ہے۔ تو عرض کرنے لگیں حضور میرا دل مغیث کی طرف بالکل مائل نہیں ہوتا۔ یعنی میں ان سے دوبارہ نکاح کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ حضرت بریرہ جانتی تھیں کہ حکم رسول کے بعد تو مجھے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، لیکن سفارش میں حق اختیار ہے۔ لہٰذا انہوں نے صاف انکار کر دیا اور حضور علیہ السلام نے ان کو، ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ قطعاً ناگواری کا اظہار نہ فرمایا۔

پس شفاعت حسنہ کے لئے تین باتیں نہایت اہم ہیں۔ جس کی سفارش کی جائے وہ شرعی اور قانونی طور پر واقعی حق دار ہو۔ نیز سفارش کرنے والا اپنی اس مدد کا مالی یا جسمانی بدلہ نہ مانگے نہ اس کی کوئی امید کرے۔ اور جس سے سفارش کی جائے اس پر کام کرنے کے لئے نہ کوئی دباؤ ڈالا جائے نہ اسے کوئی مالی پیش کش کی جائے۔ نہ کسی طرح کا لالچ دیا جائے اگر وہ کام نہ کر سکے تو کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہ کیا جائے۔ یہ ہے شفاعت حسنہ اور جب سفارش ان چیزوں کے برعکس ہو یعنی جس کی سفارش کی جائے وہ حقدار نہ ہو بلکہ سفارش کے ذریعہ وہ کسی کا حق مارنا چاہتا ہو یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہو یا سفارش کرنے والا کوئی بدلہ لے کر سفارش کرے یا کام کرنے والے کو کسی طرح سے اس کا بدلہ دیا جائے جسے رشوت کہتے ہیں تو یہ سفارش، شفاعت سیئہ کہلائے گی۔ قرآن کریم نے ان دونوں قسموں کو بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ شفاعت حسنہ کرنے والے کو

Marfat.com

اس کا اجر وثواب ضرور ملے گا اور شفاعت سیئہ کرنے والے کو اس کی سزا ضرور دی جائے گی۔ نیز فرمایا گیا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ (المائدہ:۲)

اور تم نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں باہم مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

نبی مکرم علیہ السلام کے بے شمار ارشادات محفوظ ہیں۔ جن سے شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ کا مفہوم بھی واضح ہوتا ہے۔ اچھی سفارش کرنے اور بری سفارش سے بچنے کی تاکید بھی ملتی ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا اَتَاهُ السَّائِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَ یَقْضِیَ اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِهٖ مَاشَآءَ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ فرماتے تم سفارش کیا کرو، تمہیں ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے وہی فیصلہ کراتا ہے (تمہیں اس پر راضی ہونا چاہیے) (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰی لَهٗ هَدِیَّةً عَلَیْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص کسی حاکم یا امیر سے کسی کی سفارش کرے اور پھر اس حاکم یا امیر کو ہدیہ بھیجے اور وہ اس کو قبول کرلے تو گویا وہ حاکم یا امیر سود کے کسی بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔ (ابوداؤد)

بیع، خلۃ، شفاعۃ سے متعلق اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیت زیر گفتگو کا مفہوم واضح ہے کہ "اے ایمان والو، ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کا کچھ حصہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ (عفو) ہو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جس کا آنا یقینی ہے یعنی قیامت سے پہلے کہ قیامت کے دن نہ تو وہ بیع ہوگی جس کا لالچ تمہیں "انفاق فی سبیل اللہ" سے روکتا ہے۔ نہ یہ دوست کام آئیں گے جن پر تم اپنی ساری دولت خرچ کرتے ہو اور نہ ہی اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر تمہیں سفارش کرکے کوئی بچا سکے گا۔ جس کے ذریعہ دنیا میں تمہارے کام بن جاتے ہیں۔ تم اپنے اخراجات میں کافروں جیسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ وہ تو ہیں ہی ظالم۔ کتنا پیارا انداز ہے دعوت انفاق کا۔ کیسی حسین تدبیر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر آمادہ کیا جارہا ہے۔

Marfat.com

آیت مبارکہ کا دوسرا مفہوم، جو بعض مفسرین نے بیان کیا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے حکم دیتا ہے کہ موت کا دن آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں اللہ کی دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ خرچ کر دو، کہ موت کے بعد نہ حصول دولت کا سلسلہ رہے گا نہ اس کے خرچ کرنے کا موقع۔ اور نہ ہی کوئی دوست کام آسکے گا اور نہ کوئی سفارش کر سکے گا۔ کافروں جیسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ وہ تو ہیں ہی ظالم۔ یہاں یوم سے مراد موت کا دن لیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم بھی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (المنافقون:۱۰)

اور خرچ کرو اس (مال) سے جو ہم نے تمہیں دیا، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر کہے اے رب تو نے مجھے کچھ دن کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا۔

دو باتیں

خلۃ وشفاعۃ کے متعلق مزید دو باتیں قابل بیان ہیں۔ جو نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق عقیدے سے ہے۔

پہلی یہ کہ قیامت میں وہ خلۃ بیشک کام نہیں آئے گی جس کی بنیاد دنیا میں خونی رشتوں یا دنیاوی تعلقات پر ہوتی ہے۔ لیکن وہ دوستی اور تعلق جس کی بنیاد روحانی اور مذہبی رشتوں پر ہو وہ یقیناً قیامت میں کام آئے گی۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ (الزخرف:۶۷،۶۸)

گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیز گاروں کے۔ اے میرے بندو آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔

متقین میں قیامت کے دن دوستی ہو گی وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔ اسی لیے قرآن کریم بار بار تقویٰ اختیار کرنے، متقی بننے اور متقیوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (التوبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

صادقین، متقین ہی ہیں کہ سچ کی پابندی حصول تقویٰ کے لیے پہلا قدم ہے۔ بہر حال قیامت کے دن، اَخلاء تمام دوست منہ پھیر لیں گے سوائے اولیاء، صالحین، مشائخ، علماء دین، پیر و مرشد، دینی رہنماؤں اور استادوں کے۔ دنیا میں جو ان کے دامن سے وابستہ رہا، ان سے محبت کرتا رہا، ان کی خدمت کرتا رہا، قیامت میں یہ اس کے مددگار ثابت ہوں گے۔

دوسری بات یہ کہ قیامت کے دن "شفاعت نہ ہونے" کا مطلب یہ نہیں کہ العیاذ باللہ، حضور علیہ السلام کو بھی اختیار شفاعت حاصل نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا مطلب وہی ہے جو ہم عرض کر چکے کہ اللہ رب العزت کی اجازت کے بغیر کسی کو کسی کی سفارش کرنے کی مجال نہ ہو گی۔ نبی شفیع المذنبین کی شفاعت تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اس کا انکار سوائے گمراہ و

Marfat.com

برنصیب کے نہ کسی نے کیا اور نہ کوئی کرسکتا ہے۔ آپ کے علاوہ اور بھی ہیں جن کی شفاعت کی آپ نے خوشخبری سنائی۔ مثلاً قرآن اپنی تلاوت کرنے والوں کی، حجر اسود اپنے چومنے والوں کی، رمضان روزہ رکھنے والوں کی شفاعت، بچے اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔

عقیدۂ شفاعت

شفاعت کا عقیدہ حق تو ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے بڑا ہی تقویت بخش سہارا ہے کہ ہمارا تو یقین ہی یہ ہے کہ ہماری عبادات و اعمال کی مقبولیت مشکوک ہونے کے باوجود ہماری نجات یقینی ہے کہ ذریعہ نجات نبی رؤف الرحیم ﷺ کی شفاعت ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا ایک مضمون بعنوان ''میدان حشر'' ہماری کتاب ''مقالات قادری'' کی تیسری جلد میں ہے جو مفصل اور نہایت مفید ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض ہیں۔

اولاً یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ کفار کے لئے ... یا بلا اذن الٰہی شفاعت کے لئے ہے۔ یعنی قیامت کے دن کافروں کا شفیع کوئی نہ ہوگا۔ اور جس کے لئے شفیع ہوگا بھی ... کی اجازت سے ہے۔ اور اللہ جس کو شفاعت کا اعلیٰ منصب عطا فرمائے گا اس کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا۔ ورنہ اس ... کا عطا فرمانا بے مقصد ہوگا۔ اور اللہ پاک ہے اس سے کہ وہ کوئی بے مقصد کام کرے۔

ثانیاً، نبی مکرم ﷺ کی شفاعت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جس کا انکار بڑی گمراہی ہے۔ ہر دور میں جمہور علماء ... کا اس عقیدے پر اتفاق رہا ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام ''شفیع المذنبین'' ہیں ﷺ۔ اللہ نے اپنے محبوب سے وعدہ فرمایا:

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۹)

... ہے کہ (اے محبوب) آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر جلوہ گر فرمائے گا۔

... مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ جیسا کہ خود صاحب مقام محمود ﷺ فرماتے ہیں۔

ھُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ فِیْہِ لِاُمَّتِیْ

(مقام محمود) وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ (احمد بن حنبل)

کس کی شفاعت کریں گے، کیسے کریں گے احادیث مبارکہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان سب کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ صرف چند ارشادات پڑھیے اور دعا کرتے جائیے اللھم ارزقنا شفاعۃ نبیک نبی الرحمۃ ﷺ

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میری شفاعت اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَتَانِیْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یُّدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِی الْجَنَّۃَ وَ بَیْنَ الشَّفَاعَۃِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَۃَ

Marfat.com

وَ هِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا۔ پس اس نے مجھے (رب کی طرف سے) اختیار دیا کہ میں آدھی امت جنت میں داخل کیے جانے کا (وعدہ قبول کرلوں) یا شفاعت کرنے کا (حق لے لوں) پس میں نے شفاعت کو پسند کیا۔ اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو مر گیا اور اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا (بس شرک نہیں کیا، حالت ایمان پر مرا، چاہے کوئی عمل کیا یا نہ کیا)۔ (ابن ماجہ)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا انبیاء، علماء اور شہداء۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَّ قَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وُضُوْءً فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا: جہنمی صف بستہ کھڑے ہوں گے کہ ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان میں سے ایک آدمی کہے گا اے فلاں، کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ میں وہی ہوں جس نے آپ کو پانی پلایا تھا اور دوسرا کہے گا میں وہی ہوں جس نے آپ کو وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ پس وہ اس کی شفاعت کرے گا اور اسے جنت میں داخل کرائے گا۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِيْ يَشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں سے کچھ لوگ ایک پوری جماعت کی شفاعت کریں گے اور کچھ ایک قبیلہ کی اور کچھ خاندان کی اور کچھ ایک شخص کی۔ حتی کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

ان احادیث سے نہ صرف حضور نبی مکرم ﷺ کا ''شفیع المذنبین'' ہونا ثابت ہے، بلکہ یہ بھی واضح ہے کہ غلاموں میں سے بھی ایسے مقربین اور محبوبین ہوں گے۔ جو اس دن ہم گناہگاروں کا سہارا بنیں گے، ہماری شفاعت کریں گے اور ہماری نجات کا وسیلہ بنیں گے اور جنہیں شفاعت نصیب ہوگی ان کے لیے قیامت کے تمام مراحل آسان ہو جائیں گے۔ حتی

Marfat.com

کہ وہ "صراط" جیسے خطرناک پل سے بھی جھومتے ہوئے "رب سلم" کا نغمہ گنگناتے ہوئے گزریں گے۔

عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شِعَارُ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلَی الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ مژدہ سناتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن پل صراط پر مومنین کا وظیفہ ہوگا "رب سلم، سلم" اے رب سلامت رکھ، سلامت رکھ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے ۔۔۔ کہ ہے رب سلم صدائے محمد ﷺ

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَةَ نَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَالشَّفَاعَةِ
وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۹

البقرہ: ۲۶۴ تا ۲۶۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۲۶۴
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲۶۵ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ
فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۲۶۶ (البقرہ: ۲۶۴ تا ۲۶۶)

اے ایمان والو! نہ ضائع کرو اپنی خیراتیں احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس کی طرح جو اپنا مال

Marfat.com

لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو اس کی مثال اس چکنے پتھر کی سی ہے جس پر (کچھ) مٹی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اسے صاف پتھر کر چھوڑا۔ وہ اپنی کمائی سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

اور ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کیلئے، اس باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہو اس پر زور کی بارش ہوئی تو وہ اپنا پھل دوگنا لایا، پھر اگر زور کی بارش اسے نہ پہنچے تو شبنم (ہی) کافی ہے، اور اللہ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں اس کیلئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا پہنچ گیا ہو اور اس کے کمزور بچے ہوں تو اسے گرم ہوا کا ایک جھونکا پہنچے جس میں آگ تھی تو وہ (باغ) جل گیا۔

اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے، تا کہ تم فکر سے کام لو۔

اے ایمان والو! تم ہاری رضا کے لیے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت خرچ کرتے ہو تو نہ تو اس کا کسی پر احسان جتلاؤ نہ ہی دکھاوا کرو۔ ایسا کرو گے تو ثواب سے محروم ہو جاؤ گے۔ کہ احسان جتلانا اور دکھاوا کرنا مؤمن کی شان نہیں۔ یہ تو کافروں کا طریقہ ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے چکنے پتھر پر تھوڑی سی مٹی ڈال کر کوئی کھیتی اگا لے اور خوش ہونے لگے، جبکہ ایسی کھیتی کو بڑی ہی آسانی سے پانی بہا کر لے جاتا ہے اور پتھر چکنا کا چکنا رہ جاتا ہے۔

ہاں جو لوگ صدقہ کر کے نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ دکھاوا کرتے ان کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے، اپنے ایمان کو مکمل کرنا ہوتا ہے وہ ایسی کھیتی اُگاتے ہیں جس کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ نہ سخت بارش اس کو تباہ کرتی ہے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو رات کی شبنم سے ہی وہ اُگی رہتی ہے۔ اللہ دلوں کا حال جانتا اور تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

دیکھو، تمہارا صدقہ بڑا ہی قیمتی اور مفید ہے۔ تمہارے لئے بڑا سہارا ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری حالت اس بوڑھے جیسی ہو جو ایک نہایت خوبصورت پھلدار باغ سے آس لگائے بیٹھا ہو لیکن اچانک اس کو قدرتی آگ جلا کر خاکستر کر دے۔ کیا حال ہو گا اس بوڑھے کا اگر تم نے اپنے صدقات کو احسان جتلا کر دکھاوا کر کے ضائع کر دیا تو قیامت کے دن کے لیے جو تم نے اپنی اس نیکی پر بھروسہ کیا ہوا تھا وہاں اس کا کوئی بدلہ و ثواب تم نہ پاؤ گے۔ اور پھر و گے پریشان ہوتے اور پچھتاتے۔ اللہ تمہارے لئے واضح احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم غور و فکر سے کام لو۔

قرآن و حدیث سے واضح ہے کہ صدقہ اللہ کے نزدیک بڑی محبوب عادت ہے۔ لیکن کوئی بھی عبادت مفید نہیں اگر اسے اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کی پابندی کے ساتھ ادا نہ کیا جائے۔ کیونکہ در حقیقت وہ مخصوص عمل جسے عبادت قرار دیا گیا، مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اظہار عبدیت اور بندگی ہے کہ جس کام کے کرنے کا اللہ حکم دیتا ہے اسے اسی طریقے سے کرو۔ جو طریقہ اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے متعین کیا، طریقہ ادا میں ذرا سی تبدیلی بھی پوری عبادت کے مردود اور نا مقبول ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ مثلاً نماز تو عبادت ہے لیکن وہ اسی وقت قابل قبول ہے جب اس کو مقررہ اوقات اور ادا

Marfat.com

کرنے کے مقررہ طریقے کے مطابق ادا کیا جائے۔ یہی حال تمام عبادات کا ہے۔ زکوۃ وصدقہ وخیرات یقیناً عبادات ہیں لیکن اگر غریبوں پر اس کا احسان جتلایا یا اس سے اپنے دولت مند ہونے اور سخی ہونے کا مظاہرہ کیا تو سب ضائع اور اکارت۔ غرضیکہ عبادات میں بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر عبادت کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ ہی کے مطابق ادا کیا جائے۔ اپنی مرضی اور عقل سے نہیں۔ یہی عبدیت ہے، یہی بندگی ہے۔ اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد آیات مذکورہ سے متعلق مضامین کا مطالعہ کیجئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

اے ایمان والو! نہ ضائع کرو اپنی خیراتیں احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر، اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو اس کی مثال اس چکنے پتھر کی سی ہے جس پر (کچھ) مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اسے صاف پتھر کر چھوڑا، وہ اپنی کمائی سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

اس آیت کے ضمن میں ہم مندرجہ ذیل عنوانات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں:

صدقہ، مَنّ، اذیٰ، رِئا

صدقہ

صدقہ صَدق سے بنا ہے۔ یعنی سچ، اسی سے صِدّیق ہے، یعنی سچ کی تصدیق کرنے والا اور اس کو بلا تامل تسلیم کرنے والا۔ اسی سے صَدیق، یعنی مخلص دوست۔ اسی سے صادق یعنی سچ بولنے والا۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک بڑا ایثار ہے جو مومن کے ایمان کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ مؤمن ہی کیا جو اللہ کو اپنی ہر چیز سپرد کر دینے اور اس کے بدلے جنت کا مستحق قرار پانے کا عہد کر لینے کے باوجود اپنا محبوب مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں خرچ نہ کر سکے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اس کا بار بار مطالبہ کیا گیا اسے متقین کی علامت قرار دیا گیا۔ دنیا میں برکت کا باعث اور آخرت میں نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا۔

صدقہ اپنے معنی کے اعتبار سے انفاق کی طرح عام ہے کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں ہر کام صدقہ ہے۔ مالی صدقہ تو دولت خرچ کرنا ہے لیکن عملی طور پر مؤمن کا ہر قول وفعل ہر نیک کام، برے کاموں سے بچنا صدقہ ہے۔ مظلوم کو ظالم سے نجات دلا دینا دو بھائیوں میں صلح ومحبت کرا دینا، مریض کی عیادت کرنا، کسی کے جنازے میں شریک ہونا، کسی کو دین کی بات بتانا، دین پر عمل کی دعوت دینا، راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دینا، مسلمان بھائی کے سامنے اس کو خوش کرنے کے لئے خندہ پیشانی سے آنا حتی کہ جانوروں پر رحم کرنا سب صدقہ ہے۔ مؤمن کو اس کا اجر وثواب ملتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ وہ مومنین کو ان کے صدقات کا اجر وثواب عطا فرماتا ہے جبکہ وہ رحیم وکریم رب تو انسان کو پہلے ہی اتنے

Marfat.com

انعامات سے نواز چکا ہے۔ اور اس پر اتنے احسانات فرما چکا ہے کہ انسان اجر و ثواب کی امید کے بغیر بھی کتنا ہی صدقہ کرے اللہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ کس قدر کرم ہے میرے آقا ﷺ کا کہ آپ نے مومن کے ہر عمل کو صدقہ قرار دیا۔ ورنہ کتنی ہی دولت خرچ کر دی جاتی، دن رات کی سانسوں کا بھی صدقہ ادا نہ ہو پاتا۔ نبی مکرم علیہ السلام نے ہمیں بڑا اسہارا دیا کہ آپ کے ارشادات سے ہم یہ یقین کرنے کے قابل ہوئے کہ کچھ نہ کرنے کے باوجود ہمارے کچھ اعمال اللہ کے دربار میں بطور صدقہ پیش ہو جاتے ہیں جو ہماری طرف سے اس کے بے شمار احسانات کا معمولی شکرانہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ہم بھی شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور اس کی کریمانہ شان کے پیش نظر ہم اجر و ثواب کے بھی امیدوار بن جاتے ہیں کہ صدقہ چاہے مالی ہو یا عملی درحقیقت رب کے بے شمار انعامات و احسانات کے شکر یہ کا ذریعہ ہے۔ صاحب جود و کرم آقا ﷺ نے ہمارے اعمال کو کس طرح صدقہ قرار دیا۔ اس کا اندازہ آپ کے چند ارشادات سے کیجئے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْهِ فَیَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَ یَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَاالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْهُ قَالَ فَیَاْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِکُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہاتھ سے کام کر کے اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ نے عرض کیا اگر کسی سے نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کسی ضرورت مند اور غمگین کی (عملی) مدد کرے۔ صحابہ نے عرض کیا، اگر ایسا بھی نہ کر سکے آپ نے فرمایا نیکی کا حکم کرے۔ صحابہ نے عرض کیا اگر کوئی یہ بھی نہیں کر پایا۔ آپ نے فرمایا خود برائی سے رکا رہے اور یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا بھی صدقہ ہے، کسی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ اگر کوئی اتنا بھی نہ کر سکے تو برائی سے بچ کر ہی صدقہ کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَّ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَآبَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهَا اَوْ یَرْفَعُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَّالْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ کُلُّ خُطْوَةٍ یَّخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَّ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا انسان کے ہر عضو پر جب دن کا سورج طلوع ہوتا ہے، صدقہ لازم ہوتا ہے اگر وہ دو انسانوں کے درمیان انصاف کرتا ہے تو وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو سواری پر چڑھنے میں مدد کرتا ہے یا اس کا سامان اٹھا کر دیتا ہے یہ بھی صدقہ اور اگر

Marfat.com

کسی سے کلمہ خیر کہتا ہے یہ بھی صدقہ ہے اور نماز کے لئے ہر قدم صدقہ ہے۔ اسی طرح راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَ ثَلٰثِمِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ هَلَّلَ اللّٰهَ وَ سَبَّحَ اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَ الثَّلَاثِ مِائَةٍ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَّ قَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جو اللہ اکبر کہے، الحمد للہ کہے، لا الہ الا اللہ کہے، سبحان اللہ کہے، استغفر اللہ کہے، راستہ سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا نیکی کی دعوت دے، برائی سے روکے (اس کے یہ سب کام دن بھر میں) تین سو ساٹھ مرتبہ ہو جائیں تو وہ ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ کر چکا ہوتا ہے۔ (مسلم)

کتنا آسان طریقہ بتایا میرے آقا ﷺ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کا اپنا کام کرتے رہیے، سیٹیاں بجانے اور گنگنانے کی بجائے اللہ کو یاد کرتے جایئے۔ اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، استغفر اللہ جیسے متبرک کلمات زبان پر ہوں تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ روزگار میں روزی میں برکت بھی ہوتی ہے اور جہنم کی آگ سے حفاظت بھی۔ بڑا ہی پیارا مذہب ہے ہمارا۔ بہت آسان ہے اس سے فائدہ حاصل کرنا۔ بس بات صرف عمل کرنے کی اور یقین کی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُّوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَّلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ اَجْرٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ایک بدکار عورت صرف اس وجہ سے بخشی گئی کہ وہ ایسی جگہ سے گزری جہاں کتا پیاس کی شدت سے زبان نکالے ہوئے ہانپ رہا تھا۔ قریب ہی تھا کہ پیاس کی وجہ سے وہ مر جاتا اس عورت نے دیکھا تو اپنا موزہ اتار کر اسے اپنی چادر میں باندھا اور (قریبی کنوئیں سے) پانی نکال کر کتے کو پلا دیا۔ پس اس عورت کی بخشش ہو گئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھلائی پر بھی اجر ملتا ہے تو آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر کے ساتھ بھلائی کرنے پر اجر ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

جانوروں پر رحم اور ان کے ساتھ بھلائی بھی وہ صدقہ ہے جو قیامت میں نجات اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اف جو مذہب جانوروں کے ساتھ رحم و شفقت کی تعلیم دیتا ہے کیا ہوا اس کے ماننے والوں کو کہ وہ ذاتی مفاد کے لیے

Marfat.com

دوسروں پر ظلم وستم کر کے خوش ہونے لگے۔ ایسے لوگوں کے لیے ایک جانور پر ہی ظلم کا انجام ملاحظہ ہو۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خِشَاشِ الْاَرْضِ۔

حضرت ابن عمر وابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ایک عورت کو ایک بلی کے بند رکھنے پر عذاب کیا گیا جو بھوک سے مرگئی۔ اس عورت نے نہ اس کو کھانا کھلایا اور نہ آزاد کیا۔ کہ وہ زمینی جانوروں سے اپنی خوراک حاصل کرلیتی۔ (بخاری ومسلم)

ایک بلی کو ستانے اور بھوکا مار دینے پر اللہ کا عذاب ہوا تو ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی روزی غصب کرنے، قتل وغارت کرنے اور معاشرے میں بدامنی پھیلانے ہی کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ بہرحال دوسروں کی مدد کرنا حتی کہ جانوروں پر بھی رحم کرنا صدقہ ہے۔ مزید ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ رَاَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّةِ فِیْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِیْقِ كَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے ایک شخص کو جنت میں آزادی سے گھومتا دیکھا کیونکہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ اَخِیْكَ صَدَقَةٌ وَ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّ نَهْیُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِیْءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ دَلْوِ اَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرانا صدقہ ہے، تمہارا نیکی کی دعوت دینا صدقہ ہے، تمہارا برائی سے روکنا صدقہ ہے، تمہارا بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھانا صدقہ ہے راستہ سے پتھر اور ہڈی ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اور اپنے ڈول سے بھائی کے ڈول میں کچھ ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔ (ترمذی شریف)

یہ چند احادیث پیش کی گئیں جو یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی اجر وثواب کے اعتبار سے نہایت ہی اہم ہوتی ہیں اور ایسا عملی صدقہ ہیں جو قیامت کے دن کام آئے گا جس دن نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دنیا کے رشتے کام آئیں گے۔ نہ بغیر اذن الٰہی کسی کو کسی سفارش کی مجال ہوگی۔ پس مؤمن کو چاہیے کہ وہ دنیا میں چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو

Marfat.com

صورت میں قیمتی موتی چنتا رہے تا کہ قیامت کے دن مالا مال ہو۔

عملی صدقہ پر اس مختصر گفتگو کے بعد اب ہم مالی صدقہ سے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔ عام طور پر مالی صدقہ ہی کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ یہی معنی قرآنی آیات سے مفہوم ہیں اور اسی کو انفاق فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات پر ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اقسام صدقہ

صدقہ واجب، زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی، نذر اور صدقہ نفل اپنی مرضی سے اللہ کی رضا کے لیے نبی مکرم علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کسی بھی دینی کام کے لیے یا امت مسلمہ کی عام خدمت کے لیے خرچ کرنا جیسے تبلیغ دین میں علماء کی مالی امداد کرنا، غریبوں کو کھانا کھلانا، مساجد تعمیر کرانا، ان کے اخراجات میں حصہ لینا وغیرہ، قرآن کریم کی جن آیات میں صدقہ کی ترغیب دی جاتی ہے ان میں صدقہ واجب و نفل دونوں شامل ہیں۔ اور جہاں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں زکوٰۃ ہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کا ادا نہ کرنے والا فاسق و فاجر اور منکر، مرتد، واجب القتل ہے۔ اور جن آیات میں صدقہ ادا نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے وہاں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب بھی متعین ہے اور اس کی مقدار بھی۔ کہ شارع علیہ السلام نے وضاحت فرمادی کہ زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے اور فرضیت کی صورت میں مال کا کتنا حصہ ادا کرنا فرض ہے۔ ہاں صدقہ نفل کی کوئی مقدار نہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ضرورت سے زیادہ مال کا کچھ حصہ حسب حیثیت ہر مسلمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے کم از کم چاہے وہ کھجور کی گٹھلی کا ٹکڑا ہو اور زیادہ سے زیادہ اتنا کہ جو اللہ سے اس کے رسول سے مؤمن کی محبت کا ثبوت فراہم کرے۔ لیکن طریقہ مسنونہ اللہ کی راہ میں اتنا دینا ہے جس سے اہل وعیال اور دیگر اہل حقوق کی حق تلفی نہ ہو۔ اہل وعیال کے ضروری اخراجات کو کم کر کے صدقہ وخیرات کرنا والدین و دیگر اعزاء کی ضروریات کی پروا نہ کرنا غریبوں کے لئے لنگر جاری کر دینا یا اصل وارثوں کو محروم کر کے ساری دولت و جائیداد کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف کر دینا اسی قسم کی دوسری صورتیں تعلیم نبوی کے خلاف ہیں۔ اور جو عبادت خلاف سنت ہو وہ کیا قبول ہوگی کہ عبادت تو نام ہی حضور علیہ السلام کی اداؤں کی پابندی کا ہے۔

طریقہ صدقہ

نبی مکرم علیہ السلام نے جو طریقہ صدقہ تعلیم فرمایا، احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدقہ کرتے وقت سب سے پہلے اپنے اعزاء، احباب اور دیگر قریبی لوگوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ مثلاً:

عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زِمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی لونڈی حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں آزاد کی اور اس کا تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اسے اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ملتا۔ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا، یا رسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا کم سرمایہ والے کا خدمت دین میں کوشش کرنا اور اس سے ابتداء کرو جس کی کفالت تمہارے ذمہ ہے۔ (ابوداؤد)

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَّ هِیَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے۔ اور رشتہ دار کو صدقہ دینے پر دوہرا اجر ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔ (ترمذی)

اسلام قومی اتحاد کا داعی ہے جس کی ابتداء کا، گھر اور خاندان سے حکم دیتا ہے کہ جس قوم کے گھروں اور خاندانوں ہی میں اتحاد نہ ہو وہ قوم کبھی متحد نہیں ہو سکتی۔ نیز اسلام معاشرے سے جہالت وغربت کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ گھروں اور خاندانوں سے پہلے جہالت اور غربت کو ختم کیا جائے۔ لہذا تعلیم دی گئی کہ بصورت صدقہ دولت کی تقسیم کا آغاز گھر سے اور خاندان سے کرو۔ پہلے ان لوگوں کو خوشحال بناؤ جو تمہارے قریب تر ہیں، پھر اپنی تحریک آگے بڑھاؤ تو تم کامیاب ہو گے۔ اور معاشرے سے غربت وجہالت کا خاتمہ بھی ہو سکے اور قومی اتحاد بھی پیدا ہوگا۔ غور فرمائیے کیسی فطری تربیت کی جا رہی ہے۔ آج اتحاد بین المسلمین کے لیے نہ جانے کیا کیا جتن کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر اس سادہ سے طریقہ کار کو اپنا لیا جائے تو یہ جوہر خود بخود نصیب ہو سکتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کی اس تعلیم پر خصوصیت کے ساتھ وہ قائدین اور لیڈر غور کریں جو قومی اتحاد کے داعی ہونے کے دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس تعلیم پر عمل کرنے سے انہیں لوگوں پر احسان مندی، ان سے خراج تحسین حاصل کرنے اور ان پر اپنی برتری اور فوقیت کے اظہار کا موقع فراہم نہیں ہو سکتا۔ اور شاید اسی لئے وہ اس طریقہ کار کو اپنانے پر آمادہ نہیں ہوتے اس کے لیے تو بڑا اخلوص درکار ہے۔ صرف رضائے الٰہی کا جذبہ شرط ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سب سے زیادہ کھجوریں ہوتی تھیں اور اپنی جائیداد میں انہیں سب سے زیادہ ''بیرحاء'' والا باغ پسند تھا۔ جو مسجد نبوی شریف کے سامنے ہی تھا۔ خود نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٩٢﴾

تم ہرگز نیکی نہ پا سکو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جسے تم پسند کرتے ہو اور تم جو کچھ مال خرچ کرو، تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (آل عمران: ٩٢)

اس وقت ابوطلحہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تم اس

Marfat.com

وقت تک ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو''۔ پس مجھے بیرحاء والا باغ سب سے زیادہ پسند ہے لہذا میں اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں۔ یارسول اللہ! آپ کو اختیار ہے آپ اس کا جو چاہیں کریں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت طلحہ سے فرمایا شاباش، شاباش یہ بہت ہی منافع بخش مال ہے۔ اور میں نے تمہاری گزارش سن لی ہے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس باغ کو اپنے اعزاء میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا اور انہوں نے وہ باغ اپنے چچازاد بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں میں تقسیم کردیا۔

نبی مکرم علیہ السلام نے صدقہ کا جو طریقہ تعلیم فرمایا یہ خاص طور پر ایسے حضرات کے لئے قابل غور ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے خلاف سنت راہیں اختیار کرلیتے ہیں۔ وہ بلاشبہ محنت بھی کرتے ہیں اور ایثار بھی۔ لیکن ان کی حالت دیکھ کر اہل علم کو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں بیکار کر رہے ہیں کیونکہ ان کا عمل خلاف سنت ہے۔ ہمارے مشاہدے میں ایسے بہت لوگ آئے جن کی غلط روی نے انہیں سخت نقصان پہنچایا۔ مثلاً ایک صاحب نے اپنے جماعتی پروگرام میں شرکت کے لیے ملازمت چھوڑ دی۔ چند دن بعد گھر میں فاقے ہونے لگے اور تنظیم کا کوئی فرد پوچھنے تک نہ آیا۔ ایک صاحب نے بیوی کا سارا زیور اس کی اجازت کے بغیر چُرا کر اپنی جماعتی تحریک کو بطور چندہ دے دیا۔ بیوی لڑ جھگڑ کر گھر چلی گئی۔ اور بالآخر موصوف کو طلاق دینا پڑی۔ دو بچے بھی تھے جو بے آسرا ہو گئے۔ ایک صاحب جذبہ خدمت دین میں کئی کئی ماہ باہر رہتے تھے۔ متمول تھے، تاجر تھے۔ چند سال بعد پتہ چلا دیوالیہ ہو گیا۔ پیسے پیسے کو ترسنے لگے۔ اس کو مذہبی غلط روی کہا جاتا ہے۔ جو بظاہر خدمت دین نظر آتی ہے جبکہ حقیقتاً خلاف شرع ہے۔ اور تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے وہ اپنے ماننے والوں پر دین کی خدمت لازم قرار دیتا ہے لیکن اس کے لیے ایسے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے جن کی پابندی زندگی کے تمام شعبوں کا تحفظ کرتی ہے۔ یعنی دین کی خدمت بھی ہوتی ہے۔ اور اہل وعیال کی کفالت بھی اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی بھی۔ مثلاً یہ صدقہ ہی ہے، اسلام میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعہ اسلام، مسلم معاشرے سے غربت و جہالت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ دینی کاموں کو فروغ دینا چاہتا ہے لیکن اپنے گھر سے اس کو شروع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہ اگر قوم کے افراد اپنے اپنے گھروں کو مالی، اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے درست کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو معاشرہ خود بخود درست ہو جاتا ہے کہ معاشرہ نام ہی افراد کی اجتماعی صورت کا ہے اور آج مسلم معاشرے کی بنیادی خرابی ہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گھر پر توجہ دینے کے بجائے دوسروں کی خرابیاں ٹٹولنے میں لگا ہوا ہے۔ اور اس کو وہ خدمت دین، تبلیغ دین کا نام دیتا ہے۔

صدقہ کے فوائد

صدقہ مالی عبادت ہے جس کا اصل مقصد تو غربت و جہالت کو ختم کرنا ہے جو پورے معاشرے کے لیے تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ کہ غربت کی کثرت اور جہالت کی زیادتی ہی کے سبب معاشرے میں چوری، ڈکیتی، قتل و غارت اور دوسرے طرح طرح کے جرائم جنم لیتے ہیں۔ لیکن اس قومی فائدے کے علاوہ بھی صدقہ کرنے والوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہوتا ہے۔ ان کے رزق میں برکت ہوتی ہے، معاشی حالت درست ہوتی ہے۔ آفات و بلیات ٹل جاتی ہیں۔ سکون قلب میسر آتا ہے۔ زندگی کی بہت سی الجھنیں خود ختم ہو جاتی ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

Marfat.com

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَ مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَ مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور اللہ عفو سے (ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنے سے) اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور دردناک موت کو دور کرتا ہے۔ (ترمذی شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا كَانَ فِیْ حِفْظٍ مِّنَ اللّٰهِ مَا دَامَ عَلَیْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا، آپ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کپڑا پہنایا تو جب تک اس کے جسم پر اس کپڑے کا ٹکڑا بھی باقی رہے گا، کپڑا پہنانے والا اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا۔ (ترمذی شریف)

احادیث مبارکہ میں بیان کردہ صدقہ کی برکتیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ صدقہ عزت میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔ جس کے حصول کے لئے ہم نہ جانے کیا کیا تگ و دو کرتے رہتے ہیں لیکن آسان طریقہ اختیار نہیں کرتے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنی دولت کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں، عزت خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ صدقہ اللہ کے غضب کو دور کرتا ہے جو ہماری ساری قوت و طاقت کے باوجود ہمیں تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ کہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر بڑی بڑی قومیں تباہ ہو گئیں۔ وہ لوگ بڑے ہی کامیاب رہتے اور پرسکون زندگی پاتے ہیں جو اللہ کے غضب سے محفوظ رہیں۔ صدقہ دردناک موت سے بچاتا ہے۔ موت تو ہر ایک کو آنا ہی ہے۔ لیکن وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو ہنستا مسکراتا چلا جائے۔ نہ اس کے سکرات موت دوسروں کے لئے عبرت بنیں نہ اس کی حادثاتی اور دردناک موت کی کہانیاں سننے میں آئیں۔ صدقہ ہی ہے جو عذاب الٰہی کی اس صورت سے بھی نجات دلاتا ہے۔ صدقہ اللہ کی حفظ و امان کے حصول کا ذریعہ ہے کہ کمزور انسان ہمہ وقت طرح طرح کے خطرات میں مبتلا رہتا ہے۔ کبھی دشمن کا خطرہ، کبھی بیماری کا خطرہ، کبھی ذلت و خواری کا خطرہ۔ ان خطرات سے حفاظت کی ساری تدابیر غیر مؤثر اور بیکار ہو سکتی ہیں۔ لیکن صدقہ وہ کامیاب تدبیر ہے جو کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ پس اس تدبیر کو اختیار کر کے مومن باعزت ہو سکتا ہے۔ اللہ کے غضب سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ دردناک موت سے بچ سکتا ہے۔ اللہ کی حفظ و امان میں اسے پناہ مل سکتی ہے کہ رب کریم اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۝ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ

Marfat.com

تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ (اللیل: ۱۷ تا ۲۱)

اور اس (جہنم) سے (بہت) دور رکھا جائے گا۔ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ پاکیزگی حاصل کرے۔ اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے (وہ تو اپنا مال) صرف اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے (دیتا ہے) جو سب سے بلند (شان والا) ہے اور ضرور عنقریب وہ راضی ہوگا۔

یہ آیت مبارکہ اگرچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی لیکن اس کا مژدہ قیامت تک آنے والے ان مؤمنین کے لیے ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کو اپنی راہ منزل بناتے ہیں اور صرف رضائے الٰہی کے لئے صدقہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ متقی نہیں بلکہ اتقی ہیں۔ ان کے لئے جہنم سے دور رکھے جانے کا مژدہ ہے کہ جہنم میں وہ جائے گا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔ اور صدقہ تو مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے'' صدقہ کرنے والے پر صرف اللہ کی رحمت ہی سایہ فگن ہوتی ہے، دنیا میں بھی اس طرح کہ زندگی کے مصائب و آلام، آفات و بلیات، بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اس طرح کہ صدقہ کرنے والے کو جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ بہت دور۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ (الحدید: ۱۸)

بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ان کے لئے (ان کا مال) کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لیے عزت کا اجر ہے۔

اخلاص

صدقہ بیشک دنیوی اور اُخروی برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ بشرطیکہ مقبول ہو۔ صدقہ ہی کیا تمام اعمال کی مقبولیت فضل الٰہی پر موقوف ہے۔ لیکن اگر اعمال کو ان کے شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو قبولیت کے یقین سے دل مطمئن ہوتا ہے اور اس لئے بھی اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ (التوبہ: ۱۲۰)

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا۔

محسنین، حقیقت میں وہی ہیں جو اعمال کو ان کے شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ کے لئے خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، شرائط دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کا تعلق ظاہر سے ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔ ایسے شرائط کے ترک سے عبادت ادا ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی تو اس کا فریضہ ادا ہی نہیں ہوگا۔ دوسرے وہ شرائط جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسے نماز کے لیے خشوع و خضوع۔ ان شرائط کو کوئی ادا نہ کر سکا تو بظاہر تو عبادت یا کوئی بھی نیکی ادا ہو جائے گی لیکن اس کی مقبولیت اس پر اجر و ثواب کا ملنا، یا اس کے دنیاوی فوائد کا حاصل ہونا مشکوک رہے گا۔ مثلاً

Marfat.com

قرآن وحدیث میں نماز کے اُخروی فائدوں کے علاوہ اس کی دنیاوی برکات کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم جیسے نمازی ان برکات وفوائد سے محروم ہیں۔ اس لئے کہ ہم نماز کو اس کے ظاہری شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ لیکن باطنی شرائط پورے کرنے میں ناکام ہیں۔ ان تمام باطنی شرائط کو معلم شریعت ﷺ نے ایک ہی جملے میں بیان فرمادیا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی۔

بیشک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے اس کی نیت کے مطابق اجروثواب ہے۔

نبی مکرم علیہ السلام کے اس ارشاد کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچایا۔ حضور علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو منبر پر ہی بیان فرمایا۔ اس حدیث مبارکہ کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھ مقام پر بیان کیا۔ نیز تمام محدثین اس کو ضرور بیان کرتے ہیں محدث حافظ ابن مہدی کا قول ہے کہ جو شخص کتاب لکھے اس کو چاہئے کہ اس حدیث سے کتاب کا آغاز کرے۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث دین کا تہائی حصہ ہے۔

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اعمال کے باطنی شرائط میں نیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ نیت ہی کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بھی اس کو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا اور اعمال میں اخلاصِ نیت کا حکم دیا گیا۔

وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَاۚ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَاؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ۝ (آل عمران:۱۴۵)

اور جو اعمال سے دنیا کا بدلہ چاہے ہم اس میں سے اسے دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے ہم اس میں سے اسے دیں گے، اور عنقریب ہم (اچھا) بدلہ دیں گے شکر کرنے والوں کو۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۝ (النساء:۱۳۴)

جو دنیا کا ثواب چاہے، تو اللہ کے پاس ثواب ہے دنیا اور آخرت کا اور اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۬ؕ (الاعراف:۲۹)

اور اسی کی عبادت کرو، اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لیے عبادت کو۔

صدقہ کی قبولیت کے لیے ظاہری شرط مَن واذیٰ ہے، کہ جس کو صدقہ دیا جائے اس پر نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے۔ اور باطنی شرط رضائے الٰہی ہے کہ صدقہ صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے دیا جائے۔ اپنی دولت مندی یا سخاوت کی خوبی کا اظہار مقصود نہ ہو۔ اگر یہ ظاہری و باطنی شرائط پوری نہ کی گئیں تو اگرچہ صدقات واجبہ، زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ شرعاً تو ادا ہو جائیں گے لیکن دنیوی زندگی میں صدقات کے جن فوائد و برکات کا قرآن وحدیث میں وعدہ کیا گیا ہے، ان سے محرومی رہے گی اور آخرت میں اس کے اجروثواب کا کیا حال ہوگا۔ آیت زیر مطالعہ کا آخری حصہ

Marfat.com

ملاحظہ ہو" وہ اپنی کمائی سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے"یعنی قیامت کے دن انہیں کوئی اجر وثواب نصیب نہ ہوگا۔

مَنّ

کسی پر احسان رکھنا یا احسان جتانا شریعت مطہرہ نے اس کو ایسا بدترین عمل قرار دیا ہے کہ صدقہ جیسی عظیم عبادت کے ثواب تک کو یہ کھا جاتا ہے۔ دو وجہ سے اول اس لئے کہ کسی کی مدد کرنے والا، احسان جتا کر اس غلط خیال کا اظہار کرتا ہے کہ وہی اس کمزور کا سہارا بنا جس کی اس نے جسمانی یا مالی مدد کی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اس پر کرم کیا کہ اس کو مدد کرنے کے قابل بنا دیا۔ اللہ اگر چاہتا یہ بھی کر سکتا تھا کہ اس کو محتاج بنا تا اور جس کی اس نے مدد کی اس کو مددگار بنا دیتا۔ پس اسے بجائے احسان جتانے کے کسی کی مدد کر کے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ وہ اس کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ بنا۔ اور اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ کہ اللہ انہی کے طفیل صاحب استطاعت لوگوں کو روزی دیتا ہے۔ جیسا کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ انہیں (دولت کی وجہ سے) دوسروں پر فضیلت ہے۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے کمزور لوگوں کی وجہ سے مدد کئے جاتے اور روزی دیئے جاتے ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَآئِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآءِ كُمْ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کیا کرو، کیونکہ تم اپنے ضعیفوں کے سبب روزی دیئے جاتے ہو، یا فرمایا تم اپنے کمزوروں کی وجہ سے مدد کئے جاتے ہو۔ (ابوداؤد)

دوسرے اس لیے کہ احسان جتانا ایسا زبانی تیر ہے جو کمزور ومحتاج کی عزت وآبرو اور اس کے جذبات کو اس کی خودی اور خودداری کو ایسا زخمی کر دیتا کہ وہ زندہ ہوتے ہوئے مردہ نظر آنے لگتا ہے۔ نہ سر اٹھا کر چل سکتا ہے، نہ کسی محفل میں نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے۔ کسی کو اتنا کمزور اور خوار کر دینے سے تو بہتر یہ تھا کہ اس کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا اور یہ احسان جتانے والا اس کی مدد ہی نہ کرتا۔ اللہ نے مؤمنین کو اس مرض سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے حبیب علیہ السلام کو حکم دیا:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (المدثر:٦)

(اے حبیب) کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے۔

یعنی اس لیے احسان نہ کیجئے کہ آپ پر اس سے بڑھ کر احسان کیا جائے۔ یہ بھی ایک قسم کا من ہے۔ ظاہر ہے اللہ کے رسول ﷺ کسی پر احسان بدلہ لینے کی نیت سے نہیں فرماتے تھے۔ کہ بدلہ کی امید تو وہ کرے جسے کسی کے احسان کی ضرورت ہو یا اس کے احسانات قابل شمار ہوں۔ جب کہ میرے آقا کی شان تو بہت بلند وبالا ہے۔ آپ اللہ کے سوا کسی کے احسان کے

Marfat.com

محتاج نہیں۔ نیز انسان و انسانیت پر اللہ کے بعد آپ ہی کے احسانات سب سے زیادہ ہیں۔ جن کا گننا اور شمار کرنا ناممکن ہے۔ جس کی بعثت ہی اللہ کا خصوصی احسان ہو، اس کے احسانات کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پس نبی کو احسان کے بدلے کی امید سے روکنے کا اصل مقصد غلاموں کو روکنا ہے۔ خود میرے آقا ﷺ نے اس بدعملی سے غلاموں کو بچانے کے لیے ارشاد فرمایا:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَّلَا عَاقٌّ وَّلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا احسان جتانے والا، والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (نسائی شریف)

ذرا غور فرمایئے اس ارشاد پر۔ والدین کی نافرمانی سب ہی جانتے ہیں کتنا بڑا گناہ، جس کی صراحۃً قرآن کریم میں ممانعت موجود ہے اور شراب پینا کس قدر عظیم گناہ ہے کہ قرآن کریم نے شراب کو نجس اور اس کے پینے کو عمل شیطان فرمایا ہے۔ احسان جتانے کو عام طور پر گناہ خیال ہی نہیں کیا جاتا لیکن حدیث شریف سے واضح ہے کہ یہ تینوں گناہ تقریباً ایک نوعیت کے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی جہنم کی سزا کا موجب ہو سکتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے یہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمَنَّانُ الَّذِیْ لَا يُعْطِیْ شَيْئًا اِلَّا مَنَّهٗ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ ایک وہ شخص جو ہر نیکی کا احسان جتلاتا ہے، دوسرا وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تیسرا وہ شخص جو تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑوں کو لٹکا کر چلتا ہے۔
(مسلم شریف)

منان، احسان فرمانے والا اللہ ہے۔ صرف اسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اظہار احسان کرے۔ بندہ تو عبدالمنان احسان فرمانے والے کا غلام ہے۔ اسے کسی پر احسان جتانے کا حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں اسے صرف شکر ادا کرتے رہنا زیب دیتا ہے۔ کہ وہ اللہ کا بھی شکر ادا کرے۔ اللہ کا وعدہ ہے ''اگر تم شکر ادا کرتے رہو گے، تو ہم تمہیں اور زیادہ نوازتے رہیں گے''۔ نیز بندوں کے احسانات پر شکر ادا کرنا اللہ کو پسند اور نبی کریم علیہ السلام کی سنت ہے۔ بندوں کا آپس میں شکریہ ادا کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ باہمی تعاون کے جذبات پیدا ہوتے، ایک دوسرے کی مدد کر کے خوشی ہوتی ہے۔ جب کہ احسان جتانا نفرت پیدا کرتا ہے، دوست کو دوست سے جدا کر دیتا ہے، کوئی نہیں پسند کرتا کہ اس پر کوئی احسان جتائے۔ ہر ایک اس کو اپنی کمزوری اور ذلت و خواری سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر باپ بھی بیٹے پر احسان جتائے تو بیٹا اس سے دور ہو جاتا ہے اس سے ایسی منافرت پیدا ہوتی ہے کہ گھر بگڑ جاتے ہیں، خاندان منتشر ہو جاتے ہیں، اختلاف بڑھتا ہے، انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسلام دین محبت ہے، پیغام اتحاد ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو ایسی عادات و اطوار کی تعلیم دیتا ہے جس سے شجر محبت پروان چڑھے اور اس کے سایہ تلے نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی پناہ لیں۔ مصیبت زدہ یہاں آ کر سکون کا سانس لیں۔ پس وہ کیسے پسند کر سکتا ہے۔ ایسے عمل کو اور ایسے

Marfat.com

لوگوں کو جو اس کی بنیادی تعلیم کے مقصد کو فوت کر دینا چاہیں۔ ایسا ہی عمل شر من ہے جس کا کوئی داغ مومن پر نظر نہیں آنا چاہیے۔

اذیٰ

اذیٰ، ایذاء سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں تکلیف دینا، چاہے زبان سے ہو یا اعضاء سے، اسلام کسی کو کسی طرح تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا اور تکلیف پہنچانے والے کو نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ اللہ کا رسول۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ (التوبہ:٦١)

اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ کے رسول کو تکلیف بلا واسطہ پہنچائی جائے یا بالواسطہ، بلا واسطہ جیسے کافروں، منافقوں نے تکلیف پہنچائی اور بالواسطہ کہ آپ کے چاہنے والوں کو آپ کے غلاموں کو تکلیف پہنچائی جائے۔ یہ تکلیف چاہے زبانی پہنچائی جائے یا اعضاء سے تکلیف دینے والا اپنا ہی ہو یا غیر۔ کسی مسلمان کو کافر، مشرک، بدعتی کہنے والا کسی مسلمان پر الزام لگانے والا، کسی مسلمان کو گالی دینے والا، رسول کو زبانی تکلیف پہنچانے کا مرتکب ہے اور کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانے والا، کسی مسلمان کو قتل کرنے والا، امت میں انتشار پیدا کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والا۔ رسول کو جسمانی تکلیف پہنچاتا ہے اور رسول کو تکلیف پہنچانا درحقیقت اللہ کو تکلیف پہنچانا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾ (الاحزاب:٥٧)

بیشک جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، اللہ نے ان پر لعنت فرمائی، دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے ذلت و خواری کا عذاب تیار کیا۔

اس آیت میں پہلی آیت سے بھی زیادہ وعید ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے صرف آخرت کا عذاب ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی ان پر لعنت ہوتی ہے۔ دنیا میں لعنت ان کا چین وسکون سے محروم ہو جانا، دنیا والوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جانا، معاشی انحطاط کا شکار ہو جانا، سیاسی بحران میں مبتلا ہو جانا، غیروں کے در کا بھکاری بن جانا۔ یہ ہے دنیاوی لعنت جو اس وقت امت مسلمہ کی حالت کے عین مطابق ہے۔ کاش ہم اپنے اعمال کو سدھار لیں تا کہ اس سے نجات نصیب ہو سکے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ مومنین کو ستانے کا ذکر فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾ (الاحزاب:٥٨)

اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ستاتے ہیں، بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی خطا کی ہو، تو بیشک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سر پر) اٹھایا۔

ظاہر ہے مومنین کو ستانا، ان کے جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال دینا ہے۔ خواہ یہ کام کوئی گھر والا اپنے گھر والوں کے ساتھ کرے یا کوئی خاندان والا اپنے خاندان کے ساتھ کرے۔ پڑوسی، پڑوسی کو ستائے۔ ایک جماعت کے

Marfat.com

لوگ دوسری جماعت کے لوگوں کو ستائیں۔ ایک صوبہ کے لوگ دوسرے صوبہ کے لوگوں کو ستائیں۔ بہرحال ایذاء ایک کھلا گناہ ہے جس کا بوجھ ستانے والا اپنے سر پر اٹھائے پھرتا ہے۔ اسی کو فتنہ و فساد کہتے ہیں۔ جو لوگ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ (البروج:۱۰)

بیشک جن لوگوں نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

اور میرے آقا ﷺ ایذاء اور فتنہ و فساد کا خاتمہ فرمانے کے لیے تعلیم دیتے ہیں:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّ قِتَالُهٗ كُفْرٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا وہی ہے۔ (مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ حَاجَةً يُّرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَ مَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَ مَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس نے میرے امتی کی حاجت پوری کی اس ارادہ سے کہ وہ خوش ہو جائے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا۔ اور جس نے اللہ کو خوش کیا تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (بیہقی)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰوا الْاِسْتِطَالَةُ فِیْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بدترین سود مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے۔ (ابوداؤد)

عام مؤمنین کو ایذاء دینا جب اتنا بڑا جرم ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے محبوب اور مقرب بندوں کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کا انجام کس قدر برا ہوگا۔ یہ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ کسی پر لعن طعن کرنا الزام و تہمت لگانا یا کسی کی توہین کرنا بھی ایذاء ہی ہے۔ پس جو لوگ صحابہ کرام، اولیاء و صالحین، علماء و مشائخ کے لیے نامناسب الفاظ استعمال کرتے اور ان

Marfat.com

کی توہین کرتے ہیں وہ بھی ایذاء کے مجرم ہیں۔جیسا کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَ مَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو میرے بعد انہیں (تنقید وطعن کا) نشانہ نہ بنالینا جوان سے محبت کرتا ہے تو میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔جس نے انہیں تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔ (ترمذی شریف)

ایذاء بہرحال ایک جرم ہے جو اگر افراد کی عادت بن جائے تو قوم کی تباہی و بربادی کا باعث ہوجاتا ہے اور پورے معاشرے میں افراتفری پیدا کر دیتا ہے۔اسلام انسانوں کو امن وسکون کی زندگی فراہم کرنا چاہتا ہے۔لہٰذا کسی ایسے مرض کو پنپنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے یہ مقصد فوت ہوجائے۔نیز اسلام دینِ رحمت ہے وہ جو رحمت کا پیغام دیتا اور انسانوں پر اپنے عطا کردہ اصولِ زندگی کے ذریعہ رحمت کی بارش برسانا چاہتا ہے اس میں ایسے لوگوں کی ہرگز گنجائش نہیں جن کو ایذاء رسانی میں مزا آتا ہے ایسے موذی دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں دردناک عذاب کے حق دار ہی ہوسکتے ہیں۔

ریاء

ریا کے معنی ہیں دکھاوا۔احادیث میں اس کے ساتھ سُمعہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔یعنی سنانا، یعنی کوئی کام دکھاوے کے لئے کرنا۔جیسے نماز پڑھنا تاکہ لوگ متقی اور نیک جانیں۔یا صدقہ دینا تاکہ لوگ دولت مند اور سخی سمجھیں۔یا کوئی کام سنانے کے لئے کرنا مثلاً قرات وخوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا تاکہ لوگ قاری کہیں۔یا تقریر سے سامعین کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا تاکہ لوگ بڑا عالم سمجھیں اور عزت کریں۔جبکہ مسلمان کا ہر کام صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔پس جو مسلمان ''ریاء وسمعہ'' کے مرتکب ہوتے ہیں وہ گویا ایک قسم کے شرک یا نفاق میں مبتلا ہوتے ہیں۔لہٰذا وہ اعمال جو ''ریاء و سمعہ'' کے لئے کئے جائیں ضائع اور بیکار ہوں گے، مردود ہوں گے اور ان پر کوئی اجر وثواب نہ ہوگا۔بظاہر تو یہ اعمال ادا ہو جاتے ہیں لیکن عمل کا مقصد صرف اس کا ادا ہو جانا تو نہیں بلکہ اس کا مقصد اس کے دنیوی اور اُخروی فوائد و برکات ہیں جن سے ''ریاء وسُمعہ'' کرنے والا نہ صرف محروم رہتا ہے بلکہ مزید تباہی اور عذاب الٰہی کا شکار ہوجاتا ہے۔مثلاً قرآن کریم دکھاوے کے لئے نمازیں پڑھنے والوں کے حق میں فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ﴿۶﴾

(الماعون: ۴-۶)

Marfat.com

تو ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ اسْتُشْھِدَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ قَاتَلْتُ فِیْکَ حَتّٰی اسْتُشْھِدْتُ قَالَ کَذَبْتَ وَ لٰکِنَّکَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَہٗ وَ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَ عَلَّمْتُہٗ وَ قَرَأْتُ فِیْکَ الْقُرْاٰنَ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ ھُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ وَّ سَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَعْطَاہُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ کُلِّہٖ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ مَا تَرَکْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْھَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْھَا لَکَ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ ھُوَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے جس کا فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہے۔ اس کو سامنے لایا جائے گا اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا جن کو وہ پہچان لے گا پھر اس سے کہا جائے گا تو نے اس کے بدلے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کریگا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے جنگ اس لیے کی تھی کہ تو بہادر کہلائے اور تجھے یہی کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

پھر اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تو وہ ان کو پہچان لے گا۔ پس اس سے پوچھا جائے گا تو نے ان کے بدلے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا میں نے علم سیکھا، دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ تو عالم اور قاری کہلائے اور لوگوں نے تجھے ایسا ہی کہا پھر اس کے لئے حکم ہوگا اور اس کو چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور ایک شخص وہ ہے کہ اللہ نے اس کو فراخی رزق سے نوازا اور طرح طرح کے مال دیئے۔ اس کو لایا جائے گا اور اللہ اس کو بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور پوچھے گا تو نے ان کے بدلے کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا۔ مولا میں نے تیری کوئی پسندیدہ راہ نہ چھوڑی جہاں تیری رضا کے لئے مال خرچ نہ کیا ہو۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے دولت اس لئے خرچ کی کہ تو سخی کہلائے پس تجھے ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اس

Marfat.com

کیلئے فیصلہ ہوگا اور اسے بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ریاء کیسا بدترین کینسر ہے جو شہادت، علم اور صدقہ جیسے عظیم اعمال کو بھی کھا جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے نبی کریم علیہ السلام کے یہ ارشادات ملاحظہ ہوں۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ وَ مَنْ یُّرَآئِیْ یُرَائِیَ اللّٰہُ بِہٖ

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جس نے کوئی عمل سنانے کے لیے کیا تو اللہ بھی اس کے ساتھ سناوا کرے گا۔ اور جس نے کوئی عمل دکھاوے کے لیے کیا تو اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاوا کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَآئِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ صَامَ یُرَآئِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ تَصَدَّقَ یُرَآئِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے سنا، جس نے دکھانے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھانے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھانے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَآءُ۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، سب سے زیادہ ڈر جس سے میں تم پر ڈرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، شرک اصغر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، ریاکاری۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان چند احادیث سے آپ پر ریا کی حقیقت واضح ہوگئی۔ انسان کی اس سے زیادہ حرماں نصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ عزت و شہرت کے لئے اپنی آخرت کا سرمایہ بھی داؤ پر لگا دے۔ عبادات اور تمام ہی اعمال صالحہ، حقیقت میں سرمایہ آخرت ہیں۔ ذخیرہ آخرت ہیں۔ ہر شخص اپنی نجات کا یقین اپنے اعمال کے مطابق کرتا ہے۔ دنیا کا سرمایہ اگر ایک مرتبہ برباد ہوجائے تو انسان دوبارہ محنت و کوشش کر کے نقصان کی تلافی کر لیتا ہے۔ لیکن جس دن اس سرمایہ سے خزانہ خالی ہونے کی خبر ملے گی تو بندہ خالی جھولی اور خالی ہاتھ ہی رہے گا کہ وہ دن نہ دوبارہ عمل کا ہے نہ کمانے کا۔ بس کرم ہے میرے آقا مخبر صادق ﷺ کا کہ انہوں نے وہ دن آنے سے قبل خسارے اور نقصان کی خبر دے دی۔ پس اگر ہم آپ کی خبر پر یقین کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو نقصان کی تلافی کا موقع ہے۔ اور بڑا ہی آسان طریقہ ہے۔ ریاء و نمود کرنے والے توبہ کر لیں۔ اللہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ جو سرمایہ اب تک ضائع ہوا وہ بھی دوبارہ خزانہ میں پہنچا دیا جائے گا اور مستقبل میں بربادی کا خطرہ بھی نہ رہے گا۔ ریاء کوئی معمولی جرم نہیں۔ ویسے بھی کوئی جرم معمولی نہیں ہوتا۔ ریاء کو خاص طور پر شرک اصغر قرار دیا گیا۔ کہ بندہ جو کام صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے اس میں بندوں کی خوشنودی کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ یہی تو شرک ہے۔ سجدہ اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن

Marfat.com

اس کا مقصد بندوں سے خراج عقیدت حاصل کرنا ہو۔ یہی تو شرک ہے۔ یہ کرم ہے آقا ﷺ کا کہ آپ نے اس کو شرک مطلق قرار نہیں دیا۔ شرک اصغر قرار دیا کہ اگر بندہ اس سے توبہ کر لے تو اس کے ضائع شدہ اعمال کا ثواب عطا کر دیا جائے گا۔

صدقہ، مَن، اذیٰ، ریاء

کی ضروری وضاحت کے بعد متعلقہ آیت کا مفہوم واضح ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں محنت سے کمائی ہوئی دولت کا خرچ کرنا، صدقہ کرنا تمہارا بڑا ہی ایثار ہے۔ جس کا تمہارے لیے ہماری طرف سے دنیا و آخرت میں بڑا اجر و ثواب ہے۔ اس کی بڑی برکتیں ہیں۔ پس تم صدقہ کرنے کے بعد اس کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ کرنا کہ جس کی تم نے مدد کی اس پر احسان جتلا کر یا اس کی طرف سے احسان کی توقع کر کے یا اس کو کسی دوسرے طریقہ سے ستا کر اپنے اجر و ثواب کو ضائع کر دو، کہ صدقہ وہی مفید و بہتر ہے جس کے بعد من و اذیٰ نہ ہو۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۶۲-۲۶۳)

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کے لیے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اچھی بات اور لوگوں کو معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچے اور اللہ بے نیاز ہے بہت حلم والا ہے۔

اور دکھاوے کے لیے بھی صدقہ کرنا، کیونکہ ریاء کے لئے تو وہ آدمی خرچ کرتا ہے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ جو صدقہ ریا کے لیے کیا جائے وہ بظاہر دنیا میں تو نظر آتا ہے لیکن آخرت میں جب اس کی ضرورت ہوگی تو پتہ چلے گا کہ ریاء نے اس کو کھا کر دنیا ہی میں ختم کر دیا تھا۔ جیسے چکنے پتھر پر اگر مٹی جمی ہو اور اس پر بیج ڈال دیا جائے تو وہ اگ تو جائے گا لیکن بارش اس کو بہا لے جائے گی۔ اور پتھر چکنا ہی چکنا رہ جائے گا۔ ایسی کھیتی سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو پائے گا۔ اسی طرح دکھاوے کے لیے جو صدقہ کیا جاتا ہے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔ ساری کمائی ضائع ہو جاتی ہے۔ ریاء و نمود کافروں کا طریقہ ہے اور وہ کفر میں اتنے ڈوب چکے ہیں کہ اب اللہ نے بھی انہیں ہدایت نہ دینے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۶۵)

اور ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے اس باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہو اس پر زور کی بارش ہوئی تو وہ اپنا پھل دگنا

Marfat.com

لایا۔ پھر اگر زور کی بارش اسے نہ پہنچے تو شبنم (ہی) کافی ہے۔ اور اللہ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں، اس مؤمن کے انفاق فی سبیل اللہ کی خوبی ایک مثال سے واضح کی جارہی ہے جو دو مقاصد کے لیے یہ عمل اختیار کرتا ہے۔

ابْتِغَاءَ لِمَرْضَاتِ اللّٰهِ ، تَثْبِيتًا لِلْقَلْبِ

اللہ کی مرضی حاصل کرنے اور دل کو پختہ کرنے کے لیے

رضائے الٰہی

رضائے الٰہی، مقتضاء ایمان ہے۔ مؤمن کی زندگی کا مقصود اصلی ہے۔ تمام عبادات و اعمال کا محور ہے کہ نماز، روزہ اور دیگر عبادات و اعمال اصل مقصود نہیں یہ سب ذرائع ہیں اللہ کی رضاء حاصل کرنے کے۔ فرشتے ہوں یا جنات یا اشرف المخلوقات انسان، سب ہی کے تقرب کا ذریعہ اللہ کی خوشنودی ہے۔ ابلیس اسی لیے مردود بارگاہ ہوا کہ اس نے اللہ کی رضا کے خلاف آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ آدم علیہ السلام اسی لیے زمین پر اتارے گئے کہ انہوں نے اللہ کی مرضی کے خلاف شجر ممنوعہ کا پھل کھایا۔ ابراہیم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزماں ﷺ تک جملہ انبیاء ورسل نے مظالم ومصائب صرف اللہ کو راضی کرنے ہی کے لیے برداشت کیے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ چھاڑ تیزی سے کوہ طور پر پہنچے صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی جلدی میں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ (طٰہٰ: ۸۳۔۸۴)

اور اے موسیٰ، آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں جلدی کیوں کی۔ (جواباً) عرض کیا کہ وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں اور اے میرے رب میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔

صحابہ، اولیاء، اصفیاء، صالحین کی اطاعت میں محنت ومشقت کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جنہوں نے خلوص کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے گردنیں کٹائیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ قرار دیے گئے۔ جنہوں نے اپنا وطن چھوڑا، اپنی دولت لٹائی، ان خوش نصیبوں کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے رضا اور خوشنودی کا مژدہ سنادیا گیا۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۹)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

آیت کے آخری جملہ پر غور فرمایئے۔ ہم نے اپنی زندگی میں نہ جانے کن مقاصد کے حصول کو اپنی کامیابی سمجھ رکھا ہے۔ جبکہ ہمارا خالق اپنی رضا کو سب سے بڑی کامیابی قرار دیتا ہے۔ پس اس کا حصول ہماری زندگی کا مقصود ہونا چاہیے۔ یہی ہماری منزل ہونا چاہیے اور اسی راہ کو ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ جو اس منزل تک پہنچا ہے کہ "یہی سب سے بڑی کامیابی ہے" اس راہ کے لئے صحابہ کرام کی حیات مقدسہ مشعل ہے جس کی روشنی سے ہم منزل کو پاسکتے ہیں۔ غور کیجئے صحابہ کرام نے ایثار

Marfat.com

قربانی کے ان واقعات پر جن سے ہماری کتابیں پر ہیں۔ کون سی کشش تھی، کیا لالچ تھا جس کے لیے اللہ کے ان مقدس بندوں نے قربانیاں دیں۔ اپنا وطن چھوڑا، دولت لٹائی، شب و روز محنت و مشقت کی، بھوکے پیاسے رہ کر ریگستانوں کے سفر کیے۔ رشتہ ناطے توڑے، اپنوں کو چھوڑا، غیروں کو اپنا بنایا، اپنے بچوں کو اپنی آنکھوں سے ذبح ہوتے دیکھا، اپنی گردنیں کٹائیں، صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور دیگر غزوات کے واقعات ہم نے بارہا سنے۔ غزوہ احزاب میں صحابہ کی مشقت پر قرآن گواہ ہے۔ حدیبیہ میں نہ چاہنے کے باوجود صحابہ نے اپنے آقا کے احکام کو جس طرح تسلیم کیا، قرآن میں وہ موجود ہے۔ واقعات کربلا سن کر ہم ہر سال نہ جانے کتنے آنسو بہالیتے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا ہمیں کہ ہم اصل مقصد پر توجہ نہیں کرتے۔ یقین جانیئے اگر ہم نے ان تمام واقعات کے بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھا ہوتا تو ہماری منزل بھی رضائے الٰہی ہوتی اور جب مؤمن اس کو اپنی منزل بنالیتا ہے تو دنیا ہی میں اس کے لئے مُژدہ ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ (التوبہ:۱۰۰)

اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت کرنے والے اور جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

یہاں بھی یہی فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کر لینا ہی ''بڑی کامیابی ہے'' کامیابی حاصل کرنے میں مہاجرین وانصار صحابہ نے سبقت کی۔ ان کی اتباع کر کے ہم بھی اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔

نام نہاد ترقی کے اس دور میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی غرض سے دوڑنے والوں نے زمین، پانی، ہوا، فضا ہر جگہ شعبدہ بازی کی اور کامیابی کو تلاش کیا لیکن وہ یہی متعین نہ کر سکے کہ کامیابی ہے کیا؟ پس وہ ساری شعبدہ بازیاں بلا مقصد کرتے رہے اور ہر قدم آگے بڑھا کر انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ حتی کہ موت نے ان کو آ لیا۔ اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔ اسلام نے سب سے پہلے کامیابی کا تعین کیا پھر اس کے حصول کے لیے تگ و دو اور محنت و کوشش کا حکم دیا۔ اس کی راہوں کو متعین کرنے اور اس کے حصول کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لئے رہبر و راہنما مقرر فرمائے۔ ان راہنماؤں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کی قیادت کو تسلیم کر لینے کے بعد جس نے ان کے بتائے ہوئے طریقوں کو اپنایا اور ان کی متعین کردہ راہ کو اختیار کیا وہ مادی و ظاہری وسائل کے سہارے کے بغیر ہی کامیاب و کامران رہا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کامیابی کے دعویدار ایسا ایک کامیاب شخص بھی پیش نہ کر سکے جس کی کامیابی اپنوں ہی میں مسلم ہو۔ جبکہ نبی امی ﷺ کی تعلیم و تربیت نے ایسے بے شمار کامیاب و کامران پیدا کر دکھائے جن کو صرف اپنوں نے ہی بالاتفاق تسلیم نہ کیا بلکہ غیروں نے بھی ان کی کامیابی کا اعتراف کیا۔ کس کا نام لیا جائے، قابل شمار ہوں تو چند سطور میں ان کے نام لکھ دیئے جائیں۔ یہ تو اللہ کا لشکر ہے جس کے فرد اعلی، مؤمن اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری، آخر ہوا ہی نہیں۔ آخر تو جب ہوتا جب معلم امی ﷺ کی

Marfat.com

تعلیم کا اختتام ہو جاتا۔ ان کی تعلیم تو جاری ہے قیامت تک جاری رہے گی اور اس لشکر کے سپاہی پیدا ہوتے رہیں گے اور جو بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر رضا الٰہی کو اپنا مقصد زندگی بنا لے گا اس کو خوشخبری ملتی رہے گی۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ (المجادلہ:۲۲)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ لوگ ہیں اللہ کا لشکر، (اے دنیا والو) خبردار رہو، بیشک اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

یہی لوگ ہیں جنہیں طمانیت قلب نصیب ہوتی ہے جو ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ پر سکون زندگی کا ذریعہ ہے۔ اسی سے دنیا میں عزت و عظمت ملتی ہے اور آخرت میں بلند وارفع مراتب حاصل ہوتے ہیں اور ان کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ رب کریم کی طرف سے ان کو ان کے بہترین انجام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ (الفجر:۲۷۔۳۰)

اے نفس مطمئنہ، لوٹ، اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔

اللہ کی طرف سے "راضیة مرضیه" کا مژدہ مومن کامل کی معراج، رفعت و بلندی کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے اوپر مقام نبوت ہے جس میں صفی اللہ، خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ، سب ہی نظر آتے ہیں۔ اس سے بھی اعلیٰ مقام محبوبیت ہے۔ جو صرف ایک کے لیے مخصوص ہے کہ محبوب ہوتا ہی ایک ہے۔ اسی مقام پر محبوب نے اُدن منی کی صدا سنی اور دنیٰ فتدلیٰ کا منظر دیکھا۔ یہی صاحب معراج ﷺ ہیں۔ جن سے وابستہ ہونے والوں کو معراج ملی اور ان کی اپنی اصل معراج وہ نہیں جس میں انہیں وہاں بلایا گیا۔ جہاں کسی ملک مقرب کی بھی رسائی نہیں۔ بلکہ ان کی اصل معراج تو وہ مژدہ رب ہے جس میں ان کی رضا پوری کرنے کا وعدہ فرمایا گیا۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (الضحیٰ:۵)

اور بیشک عنقریب آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

رضائے الٰہی مومن کا مقصد حیات ہے۔ تمام عبادات و اعمال کی روح اور جان ہے۔ ایک سجدہ بھی اگر صرف اس کی رضا کے لیے ہو جائے تو دن رات کی ان عبادتوں سے بہتر ہے جو اپنی اغراض کے لیے یا ریا و نمود کے لیے کی جائیں۔

دل کی پختگی

تثبیت کے معنی ہیں کسی چیز کا پختہ کرنا، مضبوط کرنا۔ اسی سے ثابت ہے یعنی وہ عمل یا قول جو کسی دعوے کو پختہ و مستحکم کرتا ہو۔ جیسے کلمہ پڑھنا، نماز ادا کرنا، دعوئے ایمان کو ثابت کرتا ہے۔

تثبیت قلب، دل کی پختگی، ایک ایسی قلبی کیفیت ہے جس کے پیدا ہو جانے کے بعد کوئی کام کسی کے کہنے پر یا کسی

Marfat.com

کے حکم کی تعمیل میں یا کسی بدلے کی امید پر نہیں ہوتا۔ بلکہ دل اس کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور ... م ہو جاتا ہے تو دل میں ایک سرور سا اطمینان سا پیدا ہوتا ہے جیسے ہمارے دنیاوی معاملات کا حال ہے۔ مثلاً بھوک کے وقت ہم کسی کے کہے بغیر کھانا کھانے پر آمادہ ہوتے ہیں اور جب اچھا کھانا میسر آتا ہے تو ایک خاص سرور محسوس کرتے ہیں۔ اسی کیفیت کو دل چاہنا یا دل خوش ہو گیا وغیرہ کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ ہر عمل کے لیے تثبیت قلب ضروری ہے کہ اس کے بغیر آسان سے آسان کام بھی دشوار اور بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اور کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو جائے کوئی لطف اور مزا نہیں آتا۔ اسی بات کو عام لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ دل نہ چاہے تو چھوٹا کام بھی بڑا معلوم ہوتا ہے اور دل نہ چاہے تو کچھ اچھا نہیں لگتا یہ کیفیت دنیوی معاملات میں تو بہت کم ہوتی ہے۔ دنیا کا کون سا کام ہے جس کو ہمارا دل نہیں چاہتا۔ کہیں خواہش نفس کی تکمیل اور کہیں دولت کا لالچ ہمیں ہر وقت ہر کام پر آمادہ و تیار رکھتے ہیں۔ دیکھ لیجئے سارا دن دنیا کے پیچھے بھاگنے اور دولت کمانے میں تگ و دو کرنے کے باوجود بھی ہم کبھی نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں شیطان کو مداخلت کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لیکن دینی معاملات میں ہر وقت یہی حالت طاری رہتی ہے کہ یہاں شیطان پوری پوری مداخلت کرتا ہے۔ تقریباً پانچوں نمازوں کے وقت کوئی نہ کوئی ایسی وجہ نکل آتی ہے کہ نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہی حال دیگر عبادات کا ہوتا ہے۔ پس یا تو عبادت بالکل ہی چھوٹ جاتی ہے اور یا یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سر سجدے میں اور دل دوکان میں یا مکان میں۔ سجدہ سے سر ور نہیں آتا بلکہ جلد سے جلد بھاگنے کی فکر طاری ہوتی ہے۔

تثبیت قلب کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے حالات نہایت ناسازگار تھے حتیٰ کہ جن خوش قسمتوں نے اس وقت اسلام قبول کیا انہیں کفار و مشرکین کی طرف سے سخت ظلم و ستم اور مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑا، ان حالات نے نبی مکرم علیہ السلام کو بھی اس قدر متفکر کر دیا تھا کہ ہر وقت آپ کے قلب مبارک پر بوجھ رہتا تھا۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب علیہ السلام کو تسلی دینے اور مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے واقعات بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ (ہود: ۱۲۰)

اور یہ سب ... ہم آپ سے انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں (اس لیے ہے) کہ آپ کے قلب کو پختہ کر دیں۔

یعنی فکر و پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اس سے پہلے بھی اسلام کو مٹانے اور انبیاء کو ان کے مشن میں ناکام کرنے والے ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ اب بھی ایسا ہو گا۔ بس مبلغین کا دل پختہ اور مضبوط ہونا چاہیے۔

نیز قرآن کریم بتدریج نازل کرنے اور شریعت کے احکام آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، دینے میں یہی حکمت رہی۔ فرمایا گیا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (الفرقان: ۳۲)

Marfat.com

اور کافر کہنے لگے، قرآن کریم ایک دم کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس طرح (اس لیے کیا) تاکہ ہم اس کے ساتھ آپ کا دل پختہ کردیں اوراس لیے ہم نے اس کوٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے۔

قرآن کریم پچیس سال میں نازل ہوا۔ حالانکہ اللہ چاہتا تو ایک مرتبہ میں نازل فرما دیتا۔ شریعت کے اکثر احکام بھی آہستہ آہستہ مکمل کیے گئے۔ مثلاً ابتداء شراب سے اظہار نفرت کیا گیا، پھر حرمت کا حکم آیا۔ روزہ ابتداء کچھ آسانیوں اور دشواریوں کے ساتھ رہا۔ پھراس کے مکمل احکام دیئے گئے۔ ایسا ہی بعض دیگر عبادات و معاملات میں کیا گیا۔ اس میں حکمت و مصلحت ''تثبیت قلب'' ہی کی تھی، کہ پہلے لوگوں کو عادی بنایا جائے تاکہ ان کے لیے مکمل شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ لیکن اب دل پختہ کرنے کے لیے احکام شرع میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے کسی کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اب شریعت مکمل ہے اور مکمل رہے گی۔ ''تثبیت قلب'' کا مقصد حاصل کرنے کے لئے اب اسلاف کا طریقہ ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کافی ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جو لوگ اسلاف کے حالات زندگی سے ناواقف و جاہل ہیں انہی کے لیے دین کی پابندی بہت دشوار ہوتی ہے لیکن جو لوگ علم رکھتے ہیں نہ ان کے لیے احکام دین پر عمل مشکل ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں شریعت کے کسی حکم پر کوئی اعتراض ہوتا ہے۔ پس یوں سمجھ لیجئے کہ ''علم دین، مسلمان کے قلب کو پختہ کر دیتا اور دین پر عمل کو آسان بنا دیتا ہے''، عبادات کی پابندی، معاملات میں دیانت، قول میں حق و صداقت، حلال سے محبت، حرام سے نفرت۔ غرضیکہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اہل علم کے لیے سہل و آسان ہو جاتی ہے۔ نبی مکرم علیہ السلام اکثر دعا فرماتے تھے۔

يَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ

اے دلوں کو پختہ کرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنے دین پر پختہ فرما دے۔ (ابن ماجہ)

کوئی عبادت، اصل مقصد نہیں بلکہ جملہ عبادات، تثبیت قلب کی تربیت اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً نماز کی پابندی نمازی میں ہر قسم کی برائیوں سے رکنے کی پختگی پیدا کرتی ہے۔ روزہ، صبر، ہمدردی اور غرباء کی امداد پر آمادہ کرتا ہے۔ زکوٰۃ دین کے لیے مالی ایثار کا عادی بناتی ہے۔ حج اللہ کے حکم کی تعمیل میں کاروبار، اہل وعیال اور وطن چھوڑنے رسول کی اداؤں پر عمل کرنے اور اللہ کے دربار میں حاضری کے عقیدے کو مستحکم کرنے کا اثر رکھتا ہے۔ اسی طرح صدقہ انسان کے دل سے دولت کی محبت نکال دیتا ہے اور یہ کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ انسان حرام کے لاکھوں پر حلال کے سینکڑوں کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ نیز دولت کمانے سے زیادہ اسے خرچ کرنے میں خوشی ہوتی ہے۔ وہ صرف مانگنے والوں کو نہیں دیتا، بلکہ خرچ کے مواقع کا انتظار کرنے لگتا ہے اور انہیں تلاش کرتا پھرتا ہے۔ جب کسی کو دیتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے دینے کے قابل بنایا۔ یہ ہے ''تثبیت قلب''۔

اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور تَثْبِيْتًا لِّلْقَلْبِ، کے مفہوم کی مذکورہ بالا وضاحت کے بعد آیت زیر بحث کے مضمون پر غور فرمائیے۔

ایسے لوگوں کے انفاق فی سبیل اللہ کی افادیت اور مضبوطی کو ایک مثال سے بیان کیا جارہا ہے۔ جو صرف اللہ کی رضاء اور دین پر اپنے دلوں کو پختہ کرنے کے لیے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کو اپنے صدقات سے دنیا و آخرت

Marfat.com

میں ایسے ہی فائدہ ہوتا ہے جیسے ایک باغ کے مالک کو اپنے ایسے باغ سے نفع ہوتا ہے جو بالائی زرخیز زمین پر ہو۔ جس پر اگر زور دار بارش ہوتی ہے تو باغ کے پھلوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور بارش کا زیادہ پانی نشیبی زمین کی طرف بہہ جاتا ہے اور جب زور دار بارش نہیں ہوتی تب بھی وہ باغ سرسبز ہی رہتا ہے کہ اونچی زمین پر ہونے کی وجہ سے اس پر اوس پڑتی رہتی ہے جو اس کو تروتازہ رکھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جس نے اپنے قلب میں رضائے الٰہی کا بیج بولیا۔ وہ اب چاہے مقدار کے اعتبار سے زیادہ صدقہ کی بارش کرے یا کم صدقہ دے اس کی کھیتی بڑھتی ہی رہے گی۔ دل پختہ ہوتا رہے گا۔ اور اس تروتازہ قلب سے سکون وطمانیت کے پھل ملتے رہیں گے۔ اور یہی سرسبز وشاداب باغ آخرت میں اس کے لیے جنت کی صورت میں ہوگا۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ (البقرہ:۲۶۶)

کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا پہنچ گیا ہو اور اس کے کمزور بچے ہوں۔ تو اسے گرم ہوا کا ایک جھونکا پہنچے جس میں آگ تھی، تو وہ (باغ) جل گیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا، تا کہ تم فکر سے کام لو۔

آیت مذکورہ میں صدقہ اور جملہ اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی تلقین ایک نہایت ہی پرکشش مثال کے ساتھ دی جا رہی ہے۔ جس کی وضاحت سے قبل ہم ''اخلاص'' کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

اخلاص

کسی کام کو کسی ایک کے لئے خاص کرنے کا نام اخلاص ہے۔ دنیوی معاملات میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے اور دینی امور میں بھی۔ دنیوی طور پر کوئی شخص اس وقت تک قابل اعتماد اور باعزت نہیں ہو سکتا جب تک اس میں اخلاص نہ ہو۔ مثلاً دو دوست ایک دوسرے کو اپنا راز اس وقت تک نہیں بتا سکتے جب تک، دونوں کو باہمی دوستی میں خلوص کا یقین نہ ہو جائے یا آپ اپنا محافظ کسی ایسے شخص کو نہیں بنا سکتے جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو کہ یہ شخص آپ کے دشمن سے ملا ہوا نہیں ہے۔ اور وہ آپ کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانتا ہے۔ یہی حال دنیا کے تمام معاملات کا ہے کوئی ایسا شخص جو دوست و دشمن سے برابر کا تعلق رکھتا ہو یا دوسروں کے فائدے پر اپنے فائدے کو ترجیح دیتا ہو نا قابل اعتماد ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرے میں اس کی عزت ہوتی ہے۔ جیسا نبی مکرم علیہ السلام کے دور میں گروہ منافقین کا حال تھا کہ نہ مسلمان ان پر اعتماد کرتے اور ان کی عزت کرتے تھے اور نہ ہی کافر۔ گویا دنیاوی معاملات میں اخلاص نہ ہو تو آدمی بالکل ہی بے سہارا ہو جاتا ہے۔ ذلیل وخوار سمجھا جانے لگتا ہے، اس سے کہیں زیادہ دینی امور میں اخلاص کی اہمیت ہے کہ عبادات واعمال اگرچہ بظاہر ادا ہوتے ہیں لیکن ان کے ظاہری و باطنی فوائد اور دنیوی واخروی برکات، اخلاص کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ مخلص ہی اللہ اور رسول کی نظر میں قابل اعتماد ہے۔ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اسی اہمیت کے اظہار کے لیے اللہ نے اپنے پیارے محبوب علیہ

Marfat.com

السلام کو خلوص پیدا کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ آپ سے زیادہ اخلاص کی خوبی کس میں ہو سکتی ہے۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ...... قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ (الزمر: ۲، ۳، ۱۴)

آپ (اے حبیب) اللہ کی عبادت کرتے رہیں اسی کے لیے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے...... اے لوگوں سن لو کہ خالص بندگی اللہ ہی کے لئے۔

پس اے میرے طریقے پر عبادت کرنے والے مؤمنو، تم بھی اپنی عبادات اور اعمال میں خلوص پیدا کرو۔ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہر کام کرو۔ نہ کسی کو خوش کرنے کے لیے نہ دکھاوے کے لیے۔ حتی کہ جنت کے لالچ میں بھی نہیں۔ وہ راضی ہو گیا تو خود بخود سب مل جائے گا، مانگنے تک کی ضرورت نہ ہوگی۔

اللہ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کو اخلاص کا حکم دیا اور ہمارے عمل کے لیے اس کا اعلان کرایا۔ نبی مکرم علیہ السلام نے اس کی مزید تاکید کے لیے مختلف انداز میں ہمیں اس کی تعلیم دی۔ آپ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (مسلم شریف)

یعنی نیک و متقی ہونے کے لیے ظاہری شکل و صورت اور لباس کا متشرع ہونا یا دولت کا بہانا لازمی نہیں۔ اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے۔ صرف فرائض ادا کر لینے والا اور اللہ کی راہ میں چند پیسے خرچ کر دینے والا اس شخص سے زیادہ مقرب و محبوب ہے جو شب و روز عبادات میں مصروف رہے۔ بظاہر سنن و مستحبات کا پابند ہو۔ مشائخ جیسا مخصوص لباس پہنے، خوب صدقہ و خیرات کرے لیکن سب کچھ ریاء و نمود کے لیے ہو، خلوص کہیں نہ ہو۔ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ایسا شخص نہ صرف اپنے اعمال کو اکارت کر رہا ہے بلکہ شرک اصغر کا مرتکب ہو رہا ہے۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا صَلّٰی فِی الْعَلَانِیَةِ فَاَحْسَنَ صَلّٰی فِی السِّرِّ فَاَحْسَنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی هٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: بیشک بندہ جب لوگوں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھے اور تنہائی میں بھی اچھی طرح نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَعْمَلُ الْعَمَلَ فَیَطَّلِعُ عَلَیْهِ فَیُعْجِبُنِیْ قَالَ لَکَ اَجْرَانِ اَجْرُ السِّرِّ وَ اَجْرُ الْعَلَانِیَةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا، یارسول اللہ!

Marfat.com

میں کوئی کام صرف اللہ کے لیے کرتا ہوں لیکن لوگوں کو اس کا پتہ چل جاتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے دوگنا اجر ہے۔ عمل کو پوشیدہ رکھنے کا اور اس کے ظاہر ہونے کا۔ (ابن ماجہ)

سرکار کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ اگر اپنے تقوے کا قصداً اظہار و اعلان مقصود نہ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی وجہ سے عزت و احترام کریں تو یہ اخلاص کے منافی نہیں۔ بلکہ اس شخص کو خوش ہونا اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اسے نیکی کی توفیق بخشی اور لوگوں کی نظروں میں باعزت بنایا۔ نیز مزید نیک بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر فرائض کی ادائیگی کا اظہار تہمت سے بچنے اور لوگوں کو فرائض کی پابندی کرنے کی ترغیب کی نیت سے کیا جائے تو زیادہ باعث ثواب ہے۔ مثلاً ایک شخص پانچوں نمازوں کے لیے مسجد آتا ہے جس سے مقصود جماعت کے ثواب کے علاوہ یہ بھی ہو کہ لوگ اسے بے نمازی نہ کہیں یا اسے دیکھ کر اس کے متعلقین بھی پابند صلوٰۃ بنیں تو یہ ہرگز اخلاص کے خلاف نہیں۔ زکوٰۃ کے لیے خاص طور پر حکم ہے کہ اعلان و اظہار کے ساتھ ادا کی جائے۔ تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو اور وہ بھی اس فریضہ کو ادا کریں۔ ایسے شخص کو اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ثواب کے علاوہ، ان لوگوں کی زکوٰۃ کا ثواب بھی ملے گا جو اس کو دیکھ کر ادا کر رہے ہیں جبکہ کسی دینے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

بہر حال اخلاص، اعمال کی مقبولیت کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ صدقات کا حکم دیتے ہوئے اخلاص کے ساتھ صدقہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جس کو موثر فرمانے کے لیے آیت مذکورہ بالا میں ایک مثال دی جارہی ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی مثال ہے جو بوڑھا ہو چکا اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، جن کی کفالت کا بوجھ اس پر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بچوں کی کفالت بھی ہو اور اس کو آرام بھی ملے۔ پس اس نے اپنی ساری جمع پونجی سے کھجوروں، انگوروں اور دوسرے پھلوں کا ایک نہایت ہی خوبصورت باغ لگایا جس کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لیے اس نے اس میں نہریں کھودیں اور آس لگائے بیٹھا ہے کہ اس باغ کی آمدنی میرے اس وقت کام آئے گی جب میں کچھ کرنے کے قابل نہ ہوں گا، نہ ہی کوئی میری مدد اور تعاون کرنے والا ہوگا۔ لیکن افسوس ہوا یہ کہ اچانک اس باغ میں آگ لگ گئی۔ اس کی سب امیدیں خاکستر ہو گئیں۔ سوچو اس شخص کی پریشانی اور بے چارگی کا کیا حال ہوگا۔ یہ صدقات، عبادات اور تمام اعمال درحقیقت انسان کا باغ ہیں جو اس دنیا میں لگایا جاتا ہے تاکہ ایسے دن کام آئے جس دن اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ نہ بیع، کاروبار ہوگا نہ خُلّہ۔ دوست کی دوستی ہوگی نہ شفاعہ، کسی کی سفارش ہوگی۔ سوچو کیا حال ہوگا اس شخص کا جس کے باغ کو مَن، اذیٰ اور ریاء نے جلا کر پہلے ہی خاکستر کر دیا ہو۔ پس اے مومنو، نیکیاں کرو، صدقات دو اور اپنے لگائے ہوئے اس باغ کو اخلاص کے پانی سے سیراب کرتے رہو تاکہ تمہاری وابستہ امیدیں پوری ہو سکیں۔ دیکھو اللہ جو کچھ تمہیں بتا رہا ہے یہ نہایت ہی قابل غور و فکر ہے۔ ان باتوں کو خوب سوچو اور عمل کرو۔

ان آیات پر ہم نے خاصی طویل گفتگو کی۔ تاہم ایک بات مزید بیان کرنا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ تینوں آیات میں تین مثالیں بیان کی گئیں۔ پس ہم "امثال قرآن" کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مطالعہ کا لطف دوبالا ہو۔

امثال قرآن

مثال، تشبیہ، استعارہ ہر زبان میں کلام کی خوبی اور متکلم کے بلیغ و فصیح ہونے کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔ زبان عربی

Marfat.com

ہمیشہ سے اپنے اندر بلاغت کی ساری خوبیاں رکھتی ہے۔ یقیناً اس لیے کہ اس میں اللہ کا آخری کلام نازل ہونا تھا جو ہمیشہ باقی اور محفوظ رہنے والی آسمانی کتاب ہے اور اس لیے کہ یہی اللہ کے آخری نبی کی زبان ہوگی۔ جس کی نبوت کا چمکتا آفتاب کبھی غروب نہ ہوگا۔ نیز اس لیے کہ یہی جنتیوں کی زبان ہوگی۔ اہل عرب کو ہر دور میں اپنی زبان پر اتنا ناز رہا کہ وہ غیر عرب کو عجمی، یعنی گونگا کہتے ہیں۔ مثال، تشبیہ واستعارہ عربی کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے جس سے عربی ادب کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ کسی شخص کو ماہر وفصیح خطیب تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک اس کے کلام میں یہ خوبیاں نہ پائی جائیں۔ قرآن کریم عرب کے اصول فصاحت و بلاغت پر نہیں بلکہ اس فصاحت وبلاغت میں اضافہ اور اس کی اصلاح کرتا ہوا نازل ہوا۔ اسی لیے بار بار اس کی زبان کو "عربی مبین" کہا گیا۔ اور اس کی اسی خوبی کو منجملہ دیگر خوبیوں کے اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل بنایا گیا کہ جب کفار مکہ نے کلام الٰہی کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ان کو کوئی سکھاتا ہے اور یہ ہمیں سنا دیتے ہیں۔ مزے کی بات یہ کہ ان عقل کے ماروں نے سکھانے والوں کے جو نام لیے وہ سب غلام غیر عربی تھے۔ اللہ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ (النحل: ۱۰۳)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے۔ حالانکہ جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے۔ اور یہ قرآن فصیح وبلیغ عربی زبان میں ہے۔

مثال، کلام کی وضاحت اور مخاطب کو سمجھانے کا ایک صحیح طریقہ تھا لہٰذا قرآن کریم نے بھی اس کو باقی رکھا۔ جب کہ تفہیم کا یہ انداز سابقہ کتابوں میں بھی اختیار کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر مثالوں کے ذریعہ اپنے کلام مبارک کی وضاحت فرمائی۔ اس لیے نہیں کہ کلام الٰہی میں کوئی ابہام واشکال تھا بلکہ اس لیے کہ بعض ناقص ذہن اصل کلام کو سمجھ نہیں پاتے جو لوگ صاحب قرآن ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ کی تعلیمات کی روشنی سے قرآن پر غور وفکر کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کا کلام بالکل واضح ہے وہ اس کے ایک ایک لفظ کو بآسانی سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی ناقص عقل پر اعتماد کرتے یا نورِ ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان پر مثالوں کے سہارے کلام الٰہی کو واضح کیا جاتا ہے تاکہ کوئی شخص استفادہ قرآن سے محروم نہ ہو۔ لیکن برا ہو ضد اور ہٹ دھرمی کا جو اس کے باوجود بھی انسان کو محرومی اور بدنصیبی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کے فضل وکرم کو اس کے کلام لاریب فیہ کا عیب ونقص بتانے لگتا ہے۔ جیسا کہ کفار ومشرکین قرآنی مثالوں کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اللہ جیسی بلند عظمت اور شان رکھنے والے کے کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثال اور ان کا تذکرہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ کلام کلام الٰہی نہیں ہو سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ مثال متکلم کی شان کے مطابق ہونا چاہیے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ متکلم کی شان کے مطابق کلام ہوتا ہے اور مثال مخاطبین کی عقلوں کے مطابق دی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے معترضین کے اس لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

Marfat.com

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ؀ (البقرہ:۲۶)

بیشک اللہ حیا نہیں فرماتا، اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال، مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی، تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے (اتری) ہے اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتوں کو، اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو۔

یعنی مچھر، مکھی یا اس سے چھوٹی بڑی چیزوں کو بطور مثال بیان کرنا متکلم کی شان کے خلاف ہرگز نہیں کہ اصولِ بلاغت کے مطابق متکلم اور مثال میں مشابہت ضروری نہیں، بلکہ مثال اور ممثل لہ کے درمیان مشابہت ہونا تقاضہ بلاغت و فصاحت ہے۔ پس قرآن اس تقاضہ کو پورا کرتا ہے اس پر اعتراض صرف وہی کر سکتے ہیں جو پہلے ہی کفر و ضلالت میں مبتلا ہوں۔ اہلِ ایمان تو قرآن کے ہر حرف کو حق جانتے ہیں۔ خصوصاً ان مثالوں کا وہ لطف حاصل کرتے ہیں۔ ان سے وہ کلام الٰہی کو مزید آسانی سے سمجھتے ہیں۔ ان سے ان کا ایمان اور زیادہ مستحکم و مضبوط ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے کلام کی تاثیر کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ؀ (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) ضرور تو اسے (اللہ کیلئے) جھکتا ہوا اللہ کے خوف سے پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

یعنی قرآن کریم تو دلوں پر اثر انداز ہونے والی کتاب ہے۔ اس کی تاثیر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ حتیٰ کہ اگر پہاڑوں کو عقل و شعور دے کر ان پر اللہ کا یہ کلام نازل ہوتا تو وہ بھی اپنی سختی کے باوجود اللہ کے سامنے جھک جاتے اور اللہ کے خوف سے پھٹنے لگتے لیکن قرآن کریم کا اثر قبول نہ کرنے والا انسان اپنی ہٹ دھرمی اور نفس پرستی کے سبب ان پتھروں سے بھی سخت ہو جاتا ہے اور اس پر آیات قرآنیہ کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ ایک مثال ہے جس پر غور کرو کہ اللہ مثالیں غور و فکر کرنے ہی کے لیے بیان فرماتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ امثلہ قرآنی معجزاتِ قرآن میں سے ایک معجزہ ہے کہ اللہ نے جس کمالِ مشابہت کے ساتھ مثال بیان فرمائی اس پر عقلِ انسان دنگ ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ جو قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔ نیز ان مثالوں سے اہلِ ایمان پر حق مزید واضح ہوتا ہے۔ اللہ توفیق دے تو امثلہ قرآن کا بغور مطالعہ کیجیے پھر دیکھئے کیا لطف آتا ہے۔ آیات زیر گفتگو میں صدقہ سے متعلق جو تین مثالیں بیان ہوئیں، انہی پر غور فرمایئے اور دیکھئے کس طرح باطل و بیکار صدقہ کی وضاحت کی گئی۔ کس طرح اخلاص کے ساتھ پیش کیے جانے والے صدقہ کے مفید و مستحکم ہونے کو بیان کیا گیا اور کس طرح ہر کسی کے لیے صدقہ کی ضرورت و اہمیت کو واضح فرمایا گیا۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۰

البقرہ: ۲۶۷ تا ۲۷۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا
اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ
مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ
الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ
نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنْ تُبْدُوا
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ

Marfat.com

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ
فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۶۷۔۲۷۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیں اور (اللہ کی راہ میں) ناقص چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو کہ تم اس سے خرچ کرتے ہو حالانکہ تم (خود) اسے لینے والے نہیں مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو اور جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے بہت حمد کیا ہوا۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔ وہ حکمت عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے بہت بھلائی عطا کی گئی، اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقل والے۔ اور جو بھی تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، یا کوئی منت مانی، تو بے شک اللہ اسے جان لیتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اگر تم ظاہر کر کے خیرات دو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپاؤ اور فقیروں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور وہ مٹا دے گا تمہارے کچھ گناہوں کو اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خبردار ہے۔ ہدایت پر (کسی کو) لانا تمہارے ذمہ نہیں، ہاں اللہ جسے چاہے ہدایت پر لاتا ہے اور تم جو مال خرچ کرو تو تمہارے ہی نفع کے لئے ہے اور تم نہیں خرچ کرتے مگر اللہ کی رضا کے لیے، اور تم جو مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، اس کا پورا ثواب تمہیں دیا جائے گا اور تم ظلم نہ کیے جاؤ گے۔

(یہ خیرات) ان محتاجوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے۔ وہ زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے جاہل انہیں غنی سمجھتا ہے۔ (ان کے) سوال سے بچنے کے سبب، تو پہچان لے گا انہیں ان کی صورت سے وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے، اور جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو بیشک

Marfat.com

اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

جو لوگ اپنے مال رات، دن پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے چھو کر شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ تو جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آئی تو وہ باز آ گیا تو اس کا ہو چکا جو اس نے پہلے لیا ہو، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ اور جو اس سے دوبارہ سود لیا تو وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ نہیں پسند کرتا کسی ناشکرے گناہ گار کو۔

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اے ایمان والو! اپنی کمائی اور زمین سے جو کچھ ہم نے تمہارے لیے پیدا کیا ان میں سے اللہ کی راہ میں نفیس و پاکیزہ چیزیں خرچ کرو۔ ایسا مال اللہ کے لئے نہ دو جس کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اس عمل کا فائدہ تمہیں کو پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ کسی چیز کا محتاج نہیں وہ تو غنی اور حمید ہے۔ تم شیطان ملعون کے بہکائے میں نہ آنا وہ تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تمہاری دولت کم ہو جائے گی۔ ایسا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کی باتوں پر عمل سے تنگدستی آتی ہے۔ غربت آتی ہے اور انسان برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جبکہ احکام الٰہی کی تعمیل گناہوں کی بخشش کا ذریعہ اور اللہ کے فضل کا وسیلہ ہے۔ اللہ ہی بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کے انعامات میں سے سب سے بڑی نعمت حکمت ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے نواز دیتا ہے اور جسے یہ نعمت نصیب ہو گئی وہ ہر اعتبار سے بلند و بالا اور مالا مال ہو جاتا ہے۔ پس تم اہل حکمت کی عزت کیا کرو۔ یہ تمہاری عقلمندی کا ثبوت ہوگا۔ کیونکہ اہل حکمت کے مراتب کو اہل عقل ہی جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اور جس نیت سے خرچ کرتے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ پس خوب خرچ کرو اور صرف اس کی رضا کے لئے خرچ کرو کہ اس عمل میں ریا، دکھاوا دوسروں کو خوش کرنا بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والوں کا دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ صدقہ چاہے تم ظاہر کر کے کرو یا چھپا کر اگر اس میں خلوص ہے تو تمہیں اس کا فائدہ ضرور ہو گا۔ اس سے تمہارے گناہ بھی مٹ جائیں گے۔ اللہ تمہارے کاموں کے مقاصد کو بخوبی جانتا ہے، پس اگر مقصد صحیح ہے یعنی اللہ کی رضا کا حصول تو تمہارا عمل ضرور مقبول ہوگا۔ اس پر تمہیں ضرور اجر و ثواب ملے گا۔

تم لوگوں کی مالی مدد اس نیت سے کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں تو تم اپنا کام جاری رکھو۔ اگر وہ ہدایت قبول نہیں کرتے تو تم نیکی سے کیوں رکتے ہو۔ ہدایت دینا تو اللہ کا کام ہے۔ تمہیں تمہارے عمل کا فائدہ ہوگا تم تو

Marfat.com

صرف اللہ کی رضا چاہتے ہو تو اللہ تم سے راضی ہو کر تمہارے عمل کا تمہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے اجر میں کمی کر کے ہرگز تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

تمہارے صدقات کے مستحق دوسروں کے علاوہ خصوصی طور پر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دین میں مصروفیت کے سبب اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ تمہاری طرح وہ حصول معاش کی فرصت نہیں پاتے وہ ضرورت مند ہیں۔ لیکن نہ تو ان کے چہروں سے ان کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے اور نہ وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ جاہل انہیں دولت منداورغنی سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ پس تم ان کی مدد کرو۔ ان کو صدقہ دو اگر ایسے لوگ مجاہد ہیں تو تمہیں ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کا ثواب ہوگا اور اگر یہ لوگ اہلِ علم ہیں تو تمہیں ان کے ساتھ خدمتِ دین، تبلیغِ دین، اشاعتِ دین میں شرکت کا اجر ملے گا۔

اے ایمان والو! ہمارا اصول ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ظاہر یا پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، ہم انہیں اجر و ثواب سے نوازتے ہیں اور دنیا میں مصائب و آلام، تنگدستی و غربت کے خوف سے آزاد کر دیتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ اپنی نجات کے غم میں مبتلا نہ ہوں گے۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے جسے دنیا میں کوئی خوف نہ رہے اور آخرت کا کوئی غم نہ رہے۔ ذرا سوچو تو سہی اس کی زندگی کیسی پُر سکون اور پُر کیف ہو جاتی ہے۔ پس تم صدقہ کرنے میں کوتاہی اور سستی نہ کرو۔

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر بڑا کرم کیا ہے کہ حصول معاش اور دولت کمانے کے لئے تمہیں تجارت کا وسیع میدان عطا فرمایا ہے۔ پس اس سے خوب فائدہ حاصل کرو۔ لیکن اس وسیع میدان میں جو کانٹے، گندگی اور حرام ہے اس سے بچتے رہو۔ یہاں سب سے گندی چیز ربو، سود ہے۔ یہ کافروں کا خیال ہے کہ بیع اور ربوٰ ایک ہی چیز ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور ربو کو حرام، پس جو محنت و مشقت سے حلال روزی حاصل کرنے کی بجائے، سہولت و آسانی سے حرام دولت کمائے گا وہ دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا ہوگا کہ ربوٰ سے دولت کمانے والا مکار و چالاک، متکبر و مغرور، حشر کے دن مخبوط الحواس اپنی قبر سے نکلے گا اور اللہ کی مخلوق اس کا تماشہ دیکھے گی۔ پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس نے اگر ربو کو کافروں کی طرح حلال سمجھا تھا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ جہنم میں رہے گا اور اگر حرام سمجھ کر کھاتا رہا تو سزا کا عرصہ پورا کر کے آزاد ہوگا اور دنیاوی خسارہ یہ ہے کہ ربو کی دولت چاہے کتنی ہی جمع کر لی جائے لیکن ایک نہ ایک دن سب برباد ہو جاتی ہے۔ جب کہ صدقہ دینے والوں کا مال بظاہر کم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں بڑھتا ہے کہ اللہ اس میں برکت پیدا فرما دیتا ہے۔

اے ایمان والو! تم مؤمن کامل بنو کہ جو لوگ نیکیاں کر کے نمازوں کی پابندی کر کے، زکوٰۃ ادا کر کے اپنے ایمان کے کمال کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں رب ان کو دنیا و آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ (البقرہ:۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے جو ہم

Marfat.com

نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیں، اور (اللہ کی راہ میں) ناقص چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو کہ تم
اس سے خرچ کرتے ہو، حالانکہ تم (خود) اسے لینے والے نہیں، مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو۔ اور
جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے بہت حمد کیا ہوا۔

طیبٰت اور خبائث

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں "طیبٰت" خرچ کرو اور "خبیث" خرچ کرنے کا ارادہ تک نہ کرو۔ طیبٰت، طیب کی جمع ہے جس کے معنی اگرچہ حلال و پاکیزہ کے بھی ہیں لیکن یہاں عمدہ اور پسندیدہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد خبیث کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں گندی، خراب، بیکار اور ناپسندیدہ چیز۔ کبھی حرام کو بھی خبیث کہہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ حرام بھی گندا، خراب، بیکار اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

طیب، چاہے حلال کے معنیٰ میں ہو یا عمدہ و نفیس کے معنیٰ میں بہرحال انسان کا بھی پسندیدہ ہے اور اللہ کا بھی۔ اسی لئے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے وہی چیزیں پسند فرمائی ہیں جو طیب ہوں۔ قرآن کریم کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ (المائدہ: ۴)

آپ سے پوچھتے ہیں وہ کون سی چیزیں ہیں جو ان کے لیے حلال کی گئی ہیں۔ آپ فرما دیجئے، حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے طیبٰت۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ (الاعراف: ۱۵۷)

اور وہ (رسول) حلال کرتا ہے ان کے لیے طیبٰت کو اور حرام کرتا ہے ان کے لیے خبائث کو۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المومن: ۶۴)

وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی صورتیں بنائیں۔ اور تمہیں طیبٰت سے رزق عطا فرمایا۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ تو اللہ بڑی ہی برکت والا سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۱۰۰)

(اے حبیب) فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا خبیث اور طیب اگرچہ خبیث کی کثرت تمہیں تعجب میں ڈال دے، تو اے عقلمندوں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ (طہٰ: ۸۱)

کھاؤ، ان طیبٰت میں سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائیں اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر

Marfat.com

نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا، تو بیشک وہ (ہلاکت کے گھڑے میں) گرا۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

(آل عمران:۱۷۹)

(اے لوگوں) اللہ ایمان والوں کو اس حال پر نہ چھوڑے گا، جس پر تم ہو یہاں تک کہ علیحدہ کردے خبیث کو طیب سے۔

یہ چند آیات پیش کی گئیں جن میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ مومنین کے لیے طیبت کو پسند کیا جارہا ہے اور خبائث سے ناپسندیدگی کا اظہار ہورہا ہے۔ طیبات حلال ہیں، خبائث حرام۔ طیبات ہی کو بندوں کا رزق بنایا گیا۔ خبائث چاہے کتنی ہی کثرت سے ہوں، آسانی سے میسر بھی آئیں لیکن طیبات سے برابر نہیں ہوسکتے چاہے وہ کم ہوں اور مشکل سے حاصل ہوں۔ طیبات ہی کھانے کا حکم ہے جو حد سے تجاوز کرکے خبائث کی طرف بڑھے گا وہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہوگا۔ ان آیات کے علاوہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر طیبت کا ذکر موجود ہے۔ مٹی سے تیمم کی اجازت دی گئی تو صعید طیب کی قید کے ساتھ کہ جس مٹی سے تیمم کرو وہ پاک ہونی چاہیے۔ اہل ایمان کو اعمال صالحہ کی برکت سے پرسکون زندگی دینے کا وعدہ فرمایا تو اسے حیٰوۃِ طیبہ کہا گیا۔ مومنین ومومنات سے جنت کا وعدہ کیا گیا تو مسکن طیبہ پاکیزہ گھروں کا ذکر فرمایا۔ پس جب اللہ تمہارے لیے طیبات کو پسند فرماتا ہے اور تمہیں خبائث سے بچاتا ہے تو تم جو اللہ کو دیتے ہو اس کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہو وہ بھی طیب ہونا چاہیے۔ حلال بھی ہو، عمدہ بھی ہو اور تمہارا پسندیدہ بھی۔

بیکار، ناپسندیدہ اور گھٹیا چیز اللہ کے لیے دینے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ کیونکہ کسی کو ایسا تحفہ دینا عقل وانصاف کے خلاف ہے۔ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دے تو تم کبھی پسند نہ کرو گے، کبھی ایسے تحفہ پر خوش نہ ہوگے، لوگے ہی نہیں اور اگر چشم پوشی کرتے ہوئے لے بھی لوگے تو پسند نہ کرو گے۔ نیز تحفہ ہمیشہ اس کی شان اور مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا جاتا ہے۔ جسے تحفہ دیا جارہا ہے اگر تم کسی بادشاہ یا حاکم کو کوئی تحفہ دیتے ہو تو چاہے اس کی قیمت معمولی ہو لیکن اچھی اور پسندیدہ چیز کا انتخاب کرتے ہو۔ اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے، احکم الحاکمین ہے۔ وہ تمہارے تحفوں کا محتاج بھی نہیں۔ اس کی شان تو غنی ہے، بے نیاز ہے، حمد والا ہے۔ وہ تم سے صدقوں کا مطالبہ اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے۔ پس ایسے شان والے کی راہ میں جو خرچ کرو وہ طیب ہونا چاہیے۔ حلال، پاکیزہ، پسندیدہ ہونا چاہیے۔ تب قبول ہوگا۔ اور تمہیں اس کا پورا پورا فائدہ ہوگا۔ اس کے یہاں صدقات طیبات کی بڑی قدر ہے۔ نبی مکرم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا تَصَدَّقَ اَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِّنْ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ اِلَّا اَخَذَهُ بِيَمِيْنِهٖ وَ اِنْ كَانَتْ تَمْرَةً فَتَرْبُوْ فِیْ كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُوْنَ اَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ وَ يُرَبِّيْهَا لَهٗ كَمَا يُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ اَوْ فَصِيْلَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کسی عمدہ چیز کا صدقہ کرے کہ اللہ

Marfat.com

اچھی چیز کے علاوہ کچھ قبول نہیں فرماتا تو اللہ اسے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے، چاہے وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو پس وہ اللہ کے ہاتھ میں بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اور اللہ اس کی اسی طرح پرورش کرتا ہے جیسے تم اپنے بچے یا اونٹ کے بچے کو پالتے ہو۔ (ابن ماجہ)

دولت کی دو قسمیں:

آیت زیر گفتگو پر غور فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دولت کی دو قسمیں بیان فرمائی جارہی ہیں۔

☆ مَا كَسَبْتُمْ ، وہ دولت جو تم نے کمائی۔

☆ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ ، اور وہ دولت جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ دولت چاہے ملازمت یا تجارت کے ذریعہ حاصل کی جائے یا کھیتی باڑی کر کے زمین سے حاصل کی جائے ہم بہرحال اسے محنت و مشقت اور تدبیر سے حاصل کرتے ہیں۔ اس میں فرق کیا ہے وہ ہماری کمائی ہے، ہم اس کے مالک ہیں۔ لیکن قرآن کریم ایک سمندر ہے۔ غوطے لگایئے اور موتیوں سے مالا مال ہوتے رہیئے۔ جتنا آپ قرآن کریم میں غور و فکر کریں گے اتنا ہی علم کی نعمت سے مالا مال ہوں گے۔ ایمان کی دولت اتنی ہی بڑھتی رہے گی آیت مذکورہ میں مقصود تو صرف یہ حکم دینا ہے کہ اللہ کی راہ میں طیبات خرچ کرو۔ لیکن یہ بھی بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، اللہ پر کوئی احسان نہ کرو گے۔ کیونکہ یہ دولت تمہاری نہیں تم اپنے پاس سے اللہ کو کچھ نہیں دیتے بلکہ اللہ جو اپنے فضل و کرم سے تمہیں عطا فرماتا ہے، اسی کا کچھ حصہ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ رزق صرف اللہ ہی کے فضل و کرم سے نصیب ہوتا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (الاسراء:۳۱)

اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد کا ہو یا کسی کا بھی، بہرحال حرام اور قابل سزا جرم ہے۔ یہاں اس نظریہ کو مسترد کرنا مقصود ہے کہ کثرت اولاد، املاق، غربت و تنگدستی کا سبب ہوتی ہے۔ یہ نظریہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور آج بھی ہے۔ بلکہ اس دور میں باقاعدہ اور منظم طور پر موجود ہے کہ حکومتی سطح پر اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے اور عوام کو کثرت اولاد سے بچنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ مانع حمل ادویہ تقسیم کی جاتی ہیں۔ اکثر ممالک میں اس کے انتظام و انصرام کے لیے مستقل محکمے اور وزارتیں قائم ہیں۔ جس کو "فیملی پلاننگ" یا "خاندانی منصوبہ بندی" کا نام دیا جاتا ہے۔ کثیر رقم اس کام پر صرف ہوتی ہے۔ صرف غیر مسلم ممالک ہی نہیں بلکہ بعض مسلم ممالک بھی اس کوشش میں شریک ہیں۔ گزشتہ دنوں اسی نظریہ کی بڑے پیمانہ پر اشاعت اور اس کو بین الاقوامی اہمیت کا حامل مسئلہ قرار دینے کے لیے سربراہان ممالک کی ایک کانفرنس بھی قاہرہ میں ہوئی۔ جس کا مقصد دیگر قوانین کی منظوری کے علاوہ "اسقاط حمل" کو قانونی مسلمہ حیثیت دینا بھی تھا۔

Marfat.com

لغو نظریہ

اسلام اس لغو نظریہ کو یکسر مسترد کرتا ہے اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کا رزق اللہ کی طرف سے مقرر ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے وہی آنے والی نسلوں کو بھی رزق دے گا۔ لہذا تمہارا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ کثرت اولاد تنگی رزق کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام اس نظریہ کی تعلیم دیتا ہے کہ "ہر بچہ کا رزق اس کی پیدائش ہی کے ساتھ آنے لگتا ہے" کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابھی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر نہیں آپاتا کہ ماں کی چھاتی میں اس کے لیے دودھ جوش مارنے لگتا ہے۔ جس طرح بچے کا رزق اس کی پیدائش سے پہلے ہی ماں کی چھاتی میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح ہر اس جگہ اس کے پہنچنے سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ جہاں اسے تلاش معاش میں کسی نہ کسی دن پہنچنا ہے۔ پس یہ دنیا والے کیوں رزق کے لیے متفکر ہیں۔ ان کے قبضہ میں تو اپنا رزق نہیں، یہ دوسروں کو کیا دیں گے صرف اور صرف خالق رحیم و کریم ہی رزاق حقیقی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ (الروم: ۴۰)

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔

"خاندانی منصوبہ بندی" کے ٹھیکیدار، خاندانی منصوبہ بندی کی آڑ میں خاندانوں کی تباہی کے منصوبے بناتے ہیں۔ وہ انسان کی نسل کشی کے درپے ہیں۔ کیونکہ وہ دولت کی ہوس میں اس قدر مبتلا ہیں کہ موجودہ لوگوں کے منہ کا نوالہ چھین لینا ان کے لیے کافی نہیں وہ آئندہ نسلوں کے رزق پر بھی قبضہ کرلینا چاہتے ہیں۔

موجودہ دور کی غربت سے نجات کا ذریعہ ہرگز ہرگز "خاندانی منصوبہ بندی" نہیں بلکہ معاشی منصوبہ بندی ہے۔ جس کے لئے آبادی کم کرنے یا اس کو بڑھنے سے روکنے کی کوششیں غیر مؤثر اور لایعنی ہیں بلکہ پیداوار بڑھانے اور دولت کو ضائع کرنے سے باز رہنے کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر میں نہ جانے کتنے ایسے شعبہ ہیں جن پر بے شمار دولت صرف ہوتی ہے جبکہ ان کا تعلق قوموں کی فلاح و بہبود سے قطعاً نہیں۔ اگر یہی دولت غربت کے خاتمہ پر منصوبہ بندی کے ساتھ خرچ کی جائے تو یقین جانیے دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی بھوکا باقی نہیں رہے گا۔ "خاندانی منصوبہ بندی" کے عنوان سے قاہرہ کانفرنس پر اتنی کثیر رقم خرچ ہوئی کہ اس سے پورے مصر کی معاشی حالت کو بدلا جاسکتا تھا۔ روس چاند پر کمندیں توڑ التا رہا لیکن قوم کی حالت پر کبھی توجہ نہ دی۔ جو فاقوں میں مبتلا رہی۔ یہی حال ساری دنیا کا ہے۔ عوام بھوک سے تڑپ رہے ہیں اور حکام ان کا رزق غیر ضروری کاموں پر صرف اپنی قوت و برتری کے مظاہرے اور ایک دوسرے کو مرعوب کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ رزاق حقیقی کے خزانوں میں دولت کی کمی نہیں۔ اس نے اپنی مخلوق کے لیے بے شمار وسائل پیدا فرمائے ہیں۔ لیکن ظالم لوگ دوسروں کا حصہ غصب کر کے ان کی زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اور پھر خاندانی منصوبہ بندی کے نعرے لگاتے ہیں۔ معیشت کی تباہی کا سبب کثرتِ اولاد کو قرار دیتے اور اس کو روکنے کی تدبیریں نکالتے ہیں۔ یہ تو رب کا بڑا کرم ہے کہ اس نے رزق اپنے قبضہ میں رکھا ورنہ قوت و طاقت والے کمزوروں کو زندہ بھی نہ رہنے دیتے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ۝۲۰
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ (الحجر: ۲۰-۲۱)

Marfat.com

اور ہم نے اس (زمین) میں تمہارے لیے وسائل زندگی بنائے اور ان کے لیے بھی جنہیں تم رزق دینے والے نہیں۔ اور کوئی چیز نہیں لیکن ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور ہم اس (رزق کو) نہیں اتارتے۔مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (الشوریٰ:۲۷)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کیلئے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے۔لیکن وہ جتنا چاہتا ہے اندازے کے مطابق اتارتا ہے۔بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے انہیں خوب دیکھتا ہے۔

رزق کی تقسیم اللہ کی طرف سے منصفانہ ہوتی ہے کسی کو زیادہ رزق ملتا اور کسی کو کم۔اس لیے نہیں کہ اس کے خزانوں میں کمی ہے یا اس کی تقسیم میں العیاذ باللہ بے ترتیبی اور بے تدبیری ہے۔بلکہ اس لیے کہ یہ کمی و زیادتی نظامِ عالم کی بقا کے لیے ضروری ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الشوریٰ:۱۲)

وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔بیشک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

بہر حال رزق دینے والا اللہ ہی ہے۔جسے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دیتا ہے۔اور جب چاہتا ہے دے کر لے بھی لیتا ہے۔انسان کی یہ خود فریبی ہے کہ وہ حصولِ رزق کو اپنی محنت اور اپنی تدبیر سمجھتا ہے اور ناز کرتا ہے کہ میں نے اتنی دولت کمالی۔پھر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ دولت، یہ جائیداد، یہ سرمایہ میرا ہے حالانکہ نہ اس نے کچھ کمایا نہ کوئی چیز اس کی ہے۔اللہ نے کرم کیا اس کو دے دیا اور جب اللہ چاہے اس سے لے لے۔دیتا آہستہ آہستہ محنت کرا کے ہے اور لیتا آناً فاناً ہے۔برسوں محنت کر کے انسان دولت مند ہوتا ہے لیکن رات کو امیر سونے والا صبح بھکاری ہوتا ہے۔اگر حصولِ دولت انسان کا کمال ہوتا تو آرام سے بیٹھ کر ہزاروں کمانے والوں سے زیادہ مزدوری کرنے والے کمالیا کرتے اور کوئی غریب و بھکاری نظر نہ آتا۔یہ فرق دولت ہی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رزّاق اللہ ہی ہے۔

ما کسبتم

آیت زیرِ گفتگو میں اسی حقیقت کو نہایت پُر از حکمت انداز سے دولت کی دو قسمیں بتا کر بیان کیا جا رہا ہے۔کہ دولت ایک وہ ہے جو بظاہر ماکسبتم تم نے حاصل کی۔اس میں حصولِ معاش کے وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن سے انسان فوراً اپنی محنت کا اجر حاصل کر لیتا ہے۔مثلاً ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ۔کہ ایک ملازم صبح سے شام تک اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ شام یا ہفتہ بعد یا مہینہ پورا ہونے پر اسے مقررہ تنخواہ مل جائے گی۔ایک تاجر یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنا مال فروخت کرے گا اور اسے منافع حاصل ہو جائے گا۔میں انسان ان ظاہر طریقوں سے حاصل کردہ دولت

Marfat.com

کو اپنی محنت کا نتیجہ قرار دے اور اپنا خیال کرے تو تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیجیے کہ دولت پر اس کی ملکیت کا دعویٰ سچا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے محنت سے کمایا، لہٰذا میرا ہے۔ لیکن اگر دولت حاصل کرنے کے دوسرے طریقے پر غور کیا جائے تو یہ دعویٰ خود بخود فریب اور باطل نظر آنے لگے۔ ما اخرجنا لکم من الارض، دولت کی اس دوسری قسم پر غور کیجیے۔ جس میں زمین سے اگنے والی ہر چیز تیل، سونا، چاندی اور دیگر معدنیات سب شامل ہیں، ان ذرائع سے جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کا دارومدار انسان کی محنت کے باوجود صرف اللہ کے فضل و کرم پر ہے۔ مثلاً ایک کسان بڑی محنت سے کھیتی کے لیے زمین تیار کرتا ہے اس میں ہزاروں کا بیج بھی ڈال دیتا ہے لیکن اب وہ بے بس نظر آتا ہے۔ یہ سوچ کر اس کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی کہ کہیں یہ زمین سارا بیج کھا نہ جائے کہ زمین میں تو جو کچھ جاتا ہے اس کو کھا ہی جاتی ہے، اپنا جیسا کر دیتی ہے۔ یہ کسان ہر وقت زمین پر یاس و امید کی نظریں ڈالتا رہتا ہے۔ بالآخر ایک دن اسے ننھے کِلّے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ جوں جوں فصل بڑھتی جاتی ہے کسان کی امیدیں جوان ہوتی جاتی ہیں اور ایک دن وہ اپنی فصل کاٹتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

ذرا سوچو تو سہی بیج بونے کے بعد اسے زمین میں اگا لینے کا کوئی ذریعہ انسان کے پاس ہے۔ بے انتہا سائنسی ترقی کے باوجود انسان اپنے بوئے ہوئے بیج سے پھل حاصل کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ تلاش نہ کر سکا۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ ایک چھوٹے سے بیج سے وہ ہزاروں پھل پیدا فرما دیتا ہے۔ حصولِ رزق کی یہ قسم انسان کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے رزّاقِ حقیقی صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ جو تم نے ظاہری ذرائع سے کمایا اور اسے اپنی محنت و تدبر کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ بھی تمہارا فریب ہے۔ حقیقت میں اس کا عطا فرمانے والا بھی وہی رب ہے جو زمین سے تمہارے لیے رزق پیدا فرماتا ہے۔

اے ایمان والو! جو تم کماؤ اور جو ہم تمہارے لیے زمین سے نکالیں دونوں کو اللہ ہی کی عطا و دین سمجھو اور اس سے اللہ کے نام پر عمدہ اور پسندیدہ حصہ خرچ کرو۔

قرآن کریم کی یہ بلاغت بھی قابل غور ہے کہ اخرجنا فرمایا، زرعنا نہ فرمایا۔ کیونکہ پہلا لفظ دوسرے سے زیادہ عام ہے۔ زرعنا کے معنی ہم نے اُگایا۔ یعنی صرف وہ چیزیں جو بیج کے ذریعہ زمین سے باہر آتی ہیں۔ اور اخرجنا کے معنی ہم نے نکالا، اس میں اُگنے والی چیزوں کے علاوہ زمین سے نکلنے والی ہر چیز شامل ہے۔ مثلاً سونا، چاندی، تیل، قیمتی پتھر وغیرہ۔ مقصود یہ ہے کہ جو دولت بھی زمین میں ملے اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرو۔

ما کسبتم، سے جو صدقات واجب قرار دیئے گئے ہیں وہ زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی ہیں۔ یہ صدقات کن لوگوں پر واجب ہیں، ان کی مقدار کیا ہے، ان کے مصارف کیا ہیں۔ ان تمام احکام کو صاحب شریعت ﷺ نے تفصیل سے بیان فرما دیا۔ جس میں کسی قسم کی تبدیلی، کمی یا زیادتی کا کسی کو اختیار نہیں۔ مثلاً کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ قربانی کی جگہ وہ اس کی قیمت خیرات کر دے۔ ایسا کرنے والے پر قربانی نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔ ان کے علاوہ صدقات نافلہ ہیں جن میں کوئی پابندی نہیں۔ امیر صدقہ کرے یا غریب کوئی زیادہ کرے یا کم۔ ہاں قرآن کریم اور نبی کریم علیہ السلام نے صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی اس کی برکتیں بیان کیں، اس پر عظیم اجر و ثواب کی خوشخبری دی۔ جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب یہ مومن کا اپنا عمل ہوگا کہ وہ دولت کما کر، اس سے محبت کرتا ہے یا اللہ اور اس کے رسول کے مطالبہ کو پورا کر کے دنیا و آخرت کی

Marfat.com

بھلائیاں کمانے کا اس کو ذریعہ بناتا ہے۔

ما اخرجنا لکم من الارض، زمین سے حاصل شدہ دولت پر جو صدقہ واجب ہے اسے عُشر کہا جاتا ہے جو زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ احناف کے نزدیک زمین سے جو کچھ پیدا ہوا اور جتنا بھی پیدا ہو سب پر زکوٰۃ ہے۔ جو زمین بارش سے سیراب ہو اس پر عشر دسواں حصہ زکوٰۃ کا ادا کرنا ہوگا اور جس زمین کو اپنی محنت سے یعنی کنوئیں یا نہر وغیرہ کا پانی دیا جائے اس کی فصل سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثْرِيًّا الْعُشْرُ وَ مَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہوتی ہے یا سیم زدہ ہو اس میں دسواں حصہ ہے اور جس زمین کو کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔ (بخاری شریف)

بہرحال کسب کردہ دولت ہو یا زمین کی عطا کردہ سب پر زکوٰۃ ہے جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کا منکر بالاتفاق مرتد ہے۔ اور ادا نہ کرنے والا فاسق و فاجر۔ شرعاً جو اہمیت نماز کی ہے وہی زکوٰۃ کی۔ انسان کو فطری طور پر اپنی دولت سے محبت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران: ۱۴)

لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان کی خواہشوں کی محبت عورتوں سے بیٹوں سے سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے اور نشان کیے ہوئے (پسندیدہ) گھوڑوں سے اور مویشیوں اور کھیتی سے۔ یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

اور اللہ یہی چاہتا ہے کہ بندہ اپنی محبوب و پسندیدہ چیزوں کو اللہ کے حکم پر قربان کرے۔ لہذا ان سے زکوٰۃ ادا کرنے، صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے قرآن و حدیث نے سخت وعید کا اعلان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۴-۳۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ تو (اے حبیب) ان کو خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں اور ان کی پیٹھیں (اور کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے

Marfat.com

جمع کر کے رکھا تھا تو چکھو مزا اپنے جمع کرنے کا۔

کس قدر ہیبت ناک وعید ہے مال جمع کرنے والوں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں پر۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر تو اس وعید کا ایسا اثر تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنے ہی کو حرام قرار دیتے تھے۔ لیکن اجماع امت اسی پر ہے کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو دولت کے اتنے متوالے ہیں کہ اس کی زکوٰۃ تک ادا نہیں کرتے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں۔ اگر چہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے۔ خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔ نیز ارشاد ہوا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران: ۱۸۰)

اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں۔ اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی۔ کہ وہ بخل ان کے لئے بہتر ہے۔ بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلے میں اس چیز کا جس میں انہوں نے بخل کیا۔

ان آیات کی وضاحت نبی مکرم علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَّا يُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَيْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَ جَبِيْنُهٗ وَ ظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ اُعِيْدَتْ لَهٗ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی يُقْضٰی بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰی سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَ اِمَّا اِلَی النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: سونے چاندی کا مالک اگر اس کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ کو داغا جائے گا اور ایسا بار بار کیا جائے گا اس دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پھر بندوں کا فیصلہ ہوگا اور وہ جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھیں گے۔

(مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِیْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا

Marfat.com

اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے لیے یہ مال گنجے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور قیامت کے دن وہ سانپ اس شخص کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا اور یہ سانپ اس مال والے کی دونوں باچھوں کو پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ بخیل لوگ یہ گمان نہ کریں، آخر آیت تک۔ (بخاری شریف)

وسوسہ شیطان:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۸﴾ (البقرہ:۲۶۸)

شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

اس سلسلہ کی یہ دوسری آیت ہے جس میں مؤمنین کو شیطان کے وسوسوں سے بچنے اور اپنے فضل و کرم کی امید رکھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس موقع پر ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ''وسوسہ شیطان'' کیا ہے۔

وسوسہ، ایسے برے خیالات کو کہا جاتا ہے جو انسان کو گناہ اور معصیت پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس کا مقابل الہام ہے۔ یعنی ایسے خیالات جو مؤمن کو اعمالِ صالحہ پر آمادہ کریں اور اس کے ایمان کو مزید مستحکم کریں۔ یہ خیالات نیک بندوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں جو اللہ کا ان بندوں پر خاص کرم ہوتا ہے۔ انبیاء کا الہام شریعت کا حصہ بنتا ہے جبکہ عام مؤمنین کا الہام ان کی ہدایت و رہبری کا ذریعہ ہوتا ہے اور وسوسہ، شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ وسوسہ دلانے کے لئے ایک شیطان اور الہام کے لیے ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ صاحبِ مرقاۃ لکھتے ہیں کہ جب انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے۔ جسے فارسی میں ہمزاد اور عربی میں وسواس کہتے ہیں۔ گویا اگر دنیا بھر میں ایک دن میں انسانوں کے ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں تو تنہا ابلیس کے ہزاروں شیطان پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بات کوئی قابلِ حیرت نہیں کہ اگرچہ عام طور پر ایک عورت کے ایک ہی بچہ ہوتا ہے لیکن ایک سے زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض جانور ایسے ہیں جو ہزاروں انڈے دیتے اور ان سے بچے نکلتے ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ابلیس کے بیک وقت اتنے بچے پیدا ہوں جتنے اس وقت میں دنیا بھر کے انسانوں کے پیدا ہوئے۔ نبی مکرم ﷺ خبر دیتے ہیں اور آپ کی ہر خبر حق ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَدْ وُکِّلَ بِهٖ قَرِیْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِیْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ قَالُوْا وَ اِیَّاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِیَّایَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَیْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا ایک ساتھی جنوں میں سے نہ ہو اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول

Marfat.com

اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی اور وہ (جن) مسلمان ہو گیا اب وہ مجھے صرف بھلائی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ (مسلم)

نبی کا معصوم ہونا، شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہونا منصب نبوت کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو نبی کی تمام تعلیمات مشکوک اور قابل تردد ہو جائیں گی۔ پس اللہ نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ کو معصوم بھی پیدا فرمایا اور آپ کے شیطان کو آپ کا مطیع وفرمانبردار کیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ کی بتائی ہوئی کسی بات میں شک وشبہ کی گنجائش باقی رہی اور نہ ہی آپ سے کسی قسم کی خطاء ولغزش کا امکان رہا۔ اسی لیے قرآن کریم نے بغیر کسی قید کے علی الاطلاق آپ کی اطاعت کا حکم دیا فرمایا گیا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر:۷)

اور رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع فرمائے، رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

رسول کی دی ہوئی کتاب کا نام قرآن ہے۔ رسول کے بتائے ہوئے بندگی کے طریقوں کا نام عبادت ہے۔ رسول کی منع کی ہوئی چیزوں کی عبادت کا نام شرک ہے۔ رسول نے جن چیزوں کے کھانے اور استعمال کی اجازت دی وہ حلال ہیں اور جن سے رسول نے روکا وہ حرام ہیں۔ دین نام ہے رسول کے قول وفعل، حرکات وسکنات اور اداؤں کا۔ رسول کا ہر قول وعمل، ہمارے لیے سنت بنا اور اس پر ہم اجر وثواب کے مستحق قرار دیے گئے، ﷺ

شیطان کا حملہ

شیطان کا حملہ ہر شخص پر ہوتا ہے سوائے نبی مکرم علیہ السلام کے کہ آپ کا شیطان آپ کا مطیع وفرمانبردار کر دیا گیا۔ شیطان کی طرف سے اس حملہ کا آغاز انسان کی پیدائش کے پہلے ہی لمحہ سے ہو جاتا ہے کہ جونہی بچہ پیدا ہوتا ہے یہ ظالم اس پر جھپٹتا اور حملہ آور ہوتا ہے جس سے اس کا مقصد بچہ کی دینی استعداد کو برباد کرنا اور اس پر گمراہی وفساد کا اثر ڈالنا ہوتا ہے۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صِیَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِیْنَ تَقَعُ نَزْغَۃٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی بچہ کا رونا شیطان کے تکلیف پہنچانے کی وجہ سے ہے۔ (بخاری ومسلم)

وسوسہ شیطان کی بنیادی وجہ انسان کی ابتلاء وآزمائش ہے کہ شیطان درحقیقت پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ وہ انسان کو بھکائے اور انسان نبی کے دامن میں پناہ لے کر اس کے وسوسوں سے بچے۔ اسی لیے جب نیک لوگوں، صالحین کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے تو وہ اس کا شکار ہونے کے بجائے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے کے بجائے

Marfat.com

نبی کی اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ پس یہ وساوس ان کے لیے مہلک بن جانے کی بجائے۔ ان کے ایمان کے کمال کی علامت و نشانی بنتے ہیں۔ حضور نبی مکرم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بیشک، شیطان انسان کے جسم میں اس طرح پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

انسان کے جسم میں شیطان کا دوڑنا یا اس کے وسوسوں کا دوڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں حضور علیہ السلام نے خود ہی مثال دے کر اس کو واضح کر دیا کہ جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے اسی طرح شیطان دوڑتا ہے۔ کیونکہ شیطان کثیف نہیں وہ آگ اور ہوا کی طرح لطیف ہے۔ جہاں چاہے گھس سکتا ہے۔ مزید یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح انسان کے جسم میں طرح طرح کے جراثیم پیدا ہو جاتے اور خون و رطوبت کے ساتھ پھرتے رہتے ہیں اسی طرح شیطان بھی پھرتا رہتا ہے اور جس طرح خون و جراثیم کی حرکت یا کمی و زیادتی سے انسان کا جسم متاثر ہوتا ہے اور اسی کے مطابق انسان کا عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح شیطان کی حرکت انسان کے جسم کو متاثر کرتی اور اس سے عمل کراتی ہے۔ نیز نقصان دہ جراثیم کو جسم سے ختم کرنے کے لیے دوائیں استعمال کی جاتی۔ اسی طرح شیطان کا وسوسہ، نبی کی اطاعت و فرمانبرداری سے ختم ہوتا ہے۔ جس مؤمن نے اپنے اس مرض کو پکڑ لیا یعنی اسے شیطانی وسوسہ کا احساس ہو گیا وہ اللہ سے ڈرا اور وسوسہ کو اس نے دبایا، وہی مؤمن کامل ہو گیا۔ جیسا کہ نبی مکرم علیہ السلام نے صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَسَاَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِىْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسے ایسے برے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص انہیں زبان تک پر لانا ناپسندیدہ اور بہت ہی برا سمجھتا ہے۔ آپ نے فرمایا واقعی ایسا ہے (کہ تم ان خیالات کو مکروہ جانتے ہو) تو عرض کرنے لگے ہاں، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا تو یہ خالص ایمان کی نشانی ہے۔ (مسلم شریف)

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اگر انسان شیطان کے وسوسہ کو سمجھ لے، اسے برا جانے تو یہ اس کے کمال ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ چور وہیں پہنچتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی وہیں اپنا کام کرنا چاہتا ہے جہاں ایمان ہوتا ہے۔ وہی مالک عقلمند ہے، بہادر ہے جو چور سے اپنے مال کی حفاظت کر لے اور وہی مؤمن کامل ہے جو شیطان سے اپنے ایمان کی حفاظت کر لے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے حضرت قاسم بن محمد کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلاً سَالَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَهِمُ فِیْ صَلٰوتِیْ فَیَکْبُرُ ذٰلِکَ عَلَیَّ فَقَالَ لَهٗ امْضِ فِیْ صَلٰوتِکَ فَاِنَّهٗ لَنْ یَّذْهَبَ ذٰلِکَ عَنْکَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَ اَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِیْ۔

حضرت قاسم بن محمد سے ایک شخص نے کہا کہ مجھے نماز میں اکثر وہم ہو جاتا ہے۔ جو مجھے بہت ناگوار ہوتا ہے آپ نے فرمایا اسی حالت میں نماز ادا کرتے رہو کہ بیشک وہ (شیطان) تم سے دور نہ ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنی نماز سے فارغ ہو کر بھی یہی کہو گے کہ میں نے اپنی نماز مکمل نہیں کی۔

(بروایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت قاسم، محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے، یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ عظیم تابعی مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک اور اپنے دور کے افضل ترین فرد ہیں۔ آپ ثقہ، بلند مرتبہ عالم، فقیہ امام، صاحب ورع وتقویٰ اور کثیر الحدیث تھے۔ اپنے والد محمد بن ابی بکر کے بعد یتیم ہو گئے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی پرورش کی۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے داماد اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ کے دادا ہیں۔ ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اشعۃ اللمعات)

ایسی عظیم شخصیت کا ارشاد ظاہر ہے حضور علیہ السلام کے ارشادات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پس واضح ہے کہ نماز میں بھی شیطان وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس شیطان کا جو نماز میں وسوسہ پیدا کرنے پر مقرر ہے، نام بھی بتایا۔ "خُنزَب یا خِنزَب" دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔

نماز کے دوران ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا آپ یہ نماز دوبارہ ادا کریں کہ آپ نے اچھی طرح نہ پڑھی۔ آپ نے جواب دیا میں یہ نماز نہ لوٹاؤں گا۔ جیسی پڑھ سکتا ہوں، پڑھ لی۔ بس اللہ کے دربار میں اپنی کوتاہی کی معذرت کرلوں گا۔ شیطان بولا دیکھئے آپ لاپرواہی نہ کریں۔ یہ نماز کا معاملہ ہے لاپرواہی کا موقع نہیں۔ بزرگ نے پھر جواب دیا جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں نماز دوبارہ نہ لوٹاؤں گا۔ شیطان اصرار کرتے ہوئے بولا جناب میں آپ کا ہمدرد و ناصح ہوں۔ نماز ایک عظیم عبادت ہے اور اللہ کے یہاں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ اللہ کے مقرب ہیں۔ اللہ ایسی نماز قبول نہیں کرتا، اس سے آپ کے مرتبے میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔ اب بزرگ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ میں جانتا ہوں تو شیطان ہے، ہرگز میرا ہمدرد و ناصح نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ رحیم و کریم ہے۔ اگر میری نماز ناقص بھی ہے تو وہ اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرمائے گا۔ تو دفع ہو جا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ بالآخر شیطان ذلیل وخوار ہو کر چلا گیا۔ (اشعۃ اللمعات)

بزرگ کا یہ واقعہ قابل غور ہے آپ نے اپنی نماز پر اعتماد لاپرواہی یا سستی کے سبب نہ کیا بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی امید اور شیطان لعین کی مخالفت پر کیا۔ اور یہ دونوں باتیں ہی اللہ کی رضا کا سبب ہیں۔ پس ایسی نماز اگر ناقص بھی ہوگی تب بھی ضرور مقبول ہوگی۔

وسوسہ شیطان کا ظاہری سبب انسان کا ماحول اور اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ جو شخص نیکوں کی صحبت میں رہتا ہے

Marfat.com

دین وشریعت کی پابندی کی کوشش کرتا ہے، اگرچہ وہ بھی شیطان کے وسوسہ میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن الہام کا فرشتہ اس کا معاون و مددگار بنتا ہے۔ وہ اس شخص کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اِس سے بچنا چاہیے اور یہ شخص اللہ کے فضل و کرم سے برے خیالات پر عمل سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن جس شخص کا ماحول خراب ہوتا ہے۔ شرابیوں، جواریوں، راشیوں اور بدکاروں کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے شیطان اس کو بہکاتا ہے، تو الہام کا فرشتہ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ بدنصیب شیطان کی چال کا شکار ہو جاتا اور اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر دنیا وآخرت کی ذلت وخواری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ شیطان کا گروہ قرار دیتا ہے، جنہیں شیطان جہنمی بنا کر چھوڑتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (فاطر: ۶)

بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن (ہی) بنائے رہو۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔

آج کل (۱۹۹۴ء) یورپ میں ایک قسم کا بکٹیریا دریافت ہوا ہے جو انسان کو اندر ہی اندر کھا لیتا اور تین دن میں موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ یقین جانیئے، وسوسہ شیطان اس سے بھی زیادہ زوداثر زہر ہے جو دنوں میں نہیں لمحہ بھر میں انسان کی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔ نہ جانے کتنے اولیاء، علماء اور صالحین اس زہر کا شکار ہو چکے ہیں۔ اللہ ہی کی پناہ ہے، شیطان مردود سے۔

وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۲۱)

اور بیشک انسان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو بیشک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

شیطان سے پناہ مانگو

وسوسہ شیطان کا نتیجہ جدل وجدال اور اس کی انتہاء شرک میں مبتلا ہو جانا ہے۔ یہ کافروں کو مسلمانوں سے اور کبھی مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑاتا ہے۔ تو کبھی یہ شرابی، جواری، راشی اور بدکار بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑاتا ہے تو کبھی اس کے پیدا کردہ اوہام مسلمان کو شرک تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح ممالک کے درمیان جنگیں ہوتی ہیں۔ شہروں اور گلی کوچوں میں خانہ جنگی ہوتی، فرقہ واریت پھیلتی ہے اور پرسکون معاشرے تہ وبالا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم شیطان سے پناہ مانگنے کی بار بار تاکید فرماتا ہے۔

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(الاعراف: ۲۰۰)

اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ پہنچے تو فوراً پناہ لو اللہ کی، بیشک وہی بہت سننے والا سب کچھ

Marfat.com

جاننے والا ہے۔
یہ حکم ایسے عام لوگوں کے لیے ہے جو اپنی لاپرواہی کے باعث شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نیک بندے متقی تو ہر وقت ہی اس خطرے سے باخبر رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿٢٠١﴾
(الاعراف:۲۰۱)

بیشک جو لوگ اللہ سے ڈرے، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھوتا ہے وہ فوراً خبردار ہو جاتے ہیں تو اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور جن لوگوں نے شیطانوں ہی کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ یعنی وہ ہر وقت بری صحبت ہی میں رہتے ہیں، اچھے لوگوں سے بھاگتے ہیں، ان سے نفرت کرتے ہیں، بُروں کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔ تو ایسے لوگ بے حد خطرے میں ہوتے ہیں کہ ان کے شیطان دوست انہیں بہکانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ (الاعراف:۲۰۲)

اور (جو شیطانوں کے بھائی ہیں) ان کے بھائی (شیطان) انہیں گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں پھر کوتاہی نہیں کرتے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾
(النحل:۹۸ تا ۱۰۰)

تو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو اللہ کی پناہ لو شیطان مردود سے۔ بے شک اسے ان لوگوں پر کوئی غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا غلبہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اسے (اللہ کا) شریک جانتے ہیں۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٦﴾
(حم السجدہ:۳۶)

اور اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پہنچے تو (فوراً) اللہ کی پناہ لو۔ بے شک وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

قرآن کریم نے شیطان مردود سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جو اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے جو اس کو لمحہ بھر میں اللہ سے دور کر دیتا اور اپنا ساتھی بنا لیتا ہے۔ اسی لئے جب حضرت آدم علیہ السلام پر یہ حقیقت واضح ہوئی تو انہوں نے مدتوں رو رو کر اللہ سے توبہ کی۔ ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک تمام ہی انبیاء کرام شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہے۔ حالانکہ انبیاء کیا صالحین و مخلصین کو بھی شیطان نہیں بہکا سکتا۔

Marfat.com

لیکن تقاضہ عبدیت یہی ہے کہ بندہ اللہ سے شیطان کی پناہ طلب کرتا رہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام سے تعوذ پناہ مانگنے کے لیے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۵

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے

یہ الفاظ شیطان کے وسوسہ اور ایسے تمام اعمال کا خاتمہ کر دیتے ہیں جو وسوسہ کی وجہ سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو سخت غصہ کی حالت میں دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر یہ شخص اعوذ پڑھ لے، تو اس کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔ کیونکہ غصہ کا سبب بھی وسوسہ ہی ہے جو آپس کے میل ومحبت کو ختم کر دیتا ہے اور غصہ کرنے والا بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شیطان یہی تو چاہتا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اعوذ پڑھتا ہے اللہ اس کے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے حائل کر دیتا ہے۔ یعنی وہ شخص شیطان کے وسوسہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ بہت سی مجرب دعائیں ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے اعوذ کو شامل فرمایا۔

وسوسہ شیطان کے خطرناک ہونے کا مزید اندازہ نبی مکرم علیہ السلام کے اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں معتکف تھے۔ ایک رات اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائیں جب وہ واپس ہونے لگیں تو آپ انہیں گھر تک پہنچانے کے لیے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں دو صحابی سامنے آتے نظر آئے۔ آپ نے انہیں آواز دی فرمایا دیکھ لو کہ میرے ساتھ تمہاری ماں صفیہ ہیں۔ ان دونوں نے عرض کیا سبحان اللہ، یعنی یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے متعلق یہ بدگمانی بھی کر سکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی غیر عورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا بیشک شیطان انسان کے ساتھ ہوتا اور وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہیں بدظنی میں مبتلا نہ کر دے۔ اس لیے میں نے بتانا ضروری سمجھا کہ میرے ساتھ کوئی غیر عورت نہیں۔ سبحان اللہ معلم کامل ﷺ کا طریقہ تعلیم تو ملاحظہ ہو۔ ایک طرف تو آپ نے اپنے اس عمل سے ان صحابہ کے ایمان کی حفاظت فرمائی کہ اگر یہ اپنے آقا پر کسی بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے تو ایمان ہی سے محروم ہو جاتے۔ دوسری طرف آپ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ جس طرح شیطان کے وسوسہ سے خود بچنا ضروری ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کو بچانا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے گناہ ہونے کا شبہ تک ہو۔ اور اگر کہیں شبہ کا موقع پیدا ہوتا ہو تو دیکھنے والے پر اس کو واضح کر دو۔

وسوسہ شیطان اس قدر مہلک مرض ہے کہ اللہ نے اس سے حفاظت کے لیے قرآن کریم میں پوری سورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب علیہ السلام کی وساطت سے امت کو وسوسہ شیطان سے بچنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(سورۃ الناس)

(اے حبیب) آپ فرمائیں، میں پناہ لیتا ہوں سب لوگوں کے رب کی۔ سب لوگوں کے بادشاہ کی۔

Marfat.com

سب لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، جنوں اور آدمیوں میں سے۔

وسواس، بہت وسوسہ پیدا کرنے والا۔ یہ اس شیطان کا نام ہے جو دلوں کو وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا اور چھپ کر دیکھتا رہتا ہے۔ جونہی بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے یہ اس پر حملہ آور ہوتا ہے، بالکل چور کی طرح۔ اس لیے اس کو خناس، پیچھے ہٹ کر، چھپ کر دیکھنے والا کہتے ہیں۔ یہ وسواس وخناس جنوں میں سے بھی ہوتا ہے اور کبھی آدمیوں میں سے بھی۔ آدمیوں میں سے وسواس وخناس وہ شخص ہے جو خود وسوسہ کا شکار ہو کر دین سے دور ہو جاتا ہے اور پھر بڑی ہی چالاکی سے وہ لوگوں کو اپنی راہ پر لگا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر رشوت لینے والا اپنی حرام کی دولت سے حاصل کردہ خوشحالی اور آسودگی لوگوں کو دکھاتا ہے اور انہیں بھی اسی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ یا چرس ومروانہ استعمال کرنے والے پہلے لوگوں کو یہ زہر مفت دیتے ہیں۔ اور جب ان کے منہ لگ جاتا ہے تو ان کا خون چوستے ہیں اور خوب دولت کماتے ہیں۔ برائی کی طرف کھینچنے والے سب ہی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ ابتداء بڑی ہمدردی، دوستی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ کوئی ان کے بہکائے میں نہ آئے تو وقفہ دے دے کر حملہ کرتے اور کامیابی تک اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اخوان الشیاطین اور وسواس وخناس ہیں۔ جن میں کفار ومشرکین، بدعقیدہ اور برے عقائد کی اشاعت وتبلیغ کرنے والے بدکار اور بدکاری کی دعوت دینے والے سب ہی شامل ہیں اور انہی لوگوں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ (النساء:۷۶)

(اے مسلمانو) تم لڑو، شیطان کے مددگاروں سے بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے۔

وسوسہ شیطان کا غلبہ انہی لوگوں پر ہوتا ہے جن کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور جو شیطان کے وسوسوں پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، ورنہ ایمان کی قوت تو اتنی ہے کہ اس کے مقابلہ میں مکر شیطان اور شیطان کی تمام طاقت نہایت ہی معمولی اور کمزور ہے۔ مؤمن کا ایمان جب کامل ہو تو شیطان اس کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا:

مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ

(اے عمر) شیطان تم سے کسی راستے میں نہیں ملتا مگر اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔
(بخاری ومسلم)

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ (ترمذی)

اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

Marfat.com

اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ۔

میں جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو عمر سے بھاگتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ (ترمذی)

اللہ نے جنہیں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی قوت ایمان عطا فرمائی ان سے اسی طرح شیطان بھاگا۔ اگر ہمیں بھی یہ قوت نصیب ہو جائے تو ہم اس ظالم دشمن کے مکر و فریب سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔

وسوسہ، پچھلی شریعتوں میں قابل گرفت جرم اور گناہ قرار دیا گیا تھا۔ کہ پچھلی امتوں پر دل میں برائی کا خیال پیدا ہونے پر بھی گناہ ہوتا اور انہیں سزا ملتی تھی۔ لیکن یہ صدقہ ہے نبی رحمت ﷺ کا کہ وسوسہ جب تک وسوسہ رہے ہمارے لیے اس پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ مواخذہ۔ کہ آقائے رحمت ﷺ مژدہ سناتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَکَلَّمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان وسوسوں کو درگزر فرما دیا ہے جو سینوں میں پیدا ہوتے جب تک کہ ان پر عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان کے دل میں جو بُرا خیال یکا یک آتا ہے اسے ''ہاجس'' کہا جاتا ہے۔ یہ تمام امتوں کے لیے معاف رہا۔ کیونکہ ایسا خیال بندے کے اختیار سے باہر ہے اور جو بُرا خیال دل میں آئے اور آتا ہی رہے کہ ہر وقت دماغ میں گھومتا رہے اسے ''خاطر'' کہتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے معاف کیا گیا جو اس امت پر اللہ کا خاص فضل و احسان ہے۔ جس طرح سہو و نسیان پر کوئی گرفت نہیں اور اگر بندہ اس وسوسہ کو پسند کرنے اور اس کے دل میں اس پر عمل کی خواہش ہونے لگے تو اس کو ''ہم'' کہتے ہیں یہ بھی امت سے معاف کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس حد تک پہنچنے کے بعد اگر بندے نے اس کو دل و دماغ سے محو کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب عطا فرمائے گا، لیکن اگر بندہ اس سے بھی آگے بڑھ جائے اور اس پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لے اور صرف اس لئے عمل نہ کر پائے کہ اسباب مہیا نہ ہوں تو اسے ''عزم'' کہتے ہیں۔ اس انتہا پر پہنچنے کے بعد مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ یہ کیفیت قلبی اعمال میں سے ہے، بالکل اس طرح جیسے بغض و کینہ رکھنے یا برے عقائد پر مواخذہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ عمل جیسا گناہ نہیں۔ اور نہ ہی اس پر حد شرع جاری ہوگی۔ مثلاً کسی نے زنا کا پختہ ارادہ تو کر لیا، لیکن سبب مہیا نہ ہونے کے باعث اب تک عمل نہ ہو سکا تو یہ اس اعتبار سے زنا نہیں کہ اس پر زنا جیسا گناہ بھی نہ ہوگا۔ اور حد بھی جاری نہیں ہوگی، لیکن یہ عزم گناہ ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

وسوسہ کی اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیت زیر بحث کی طرف رجوع کیجئے۔ اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر شیطان کے وسوسہ فقر کا ذکر فرماتا ہے۔ جسے شیطان کا وعدہ کہا گیا۔ جس سے مراد محتاجی ہے اور وسوسہ فحشاء کا ذکر کیا گیا جسے امر شیطان کہا جا رہا ہے اور اس سے مراد بخل ہے۔ چونکہ یہ آیت عمدہ چیزیں صدقہ کرنے سے متعلق ہے۔ لہٰذا یہاں اسی شیطانی وسوسہ کا ذکر ہے جو اس موقع پر پیدا ہوتا ہے کہ جب مومن صدقہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو شیطان یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اگر تو اسی طرح

Marfat.com

اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہا تو بہت جلد فقیر و محتاج ہو جائے گا۔ لہٰذا اپنا ہاتھ روک، یعنی بخل کر۔ بخل کو فحشاء کہا گیا۔ بے حیائی کا کام کیونکہ بخل بذات خود بھی بے حیائی ہے کہ اس شخص سے زیادہ بے حیاء کون ہو سکتا ہے جسے اللہ دولت دے اور وہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے۔ جس نے دی اس کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ علاوہ ازیں بخل بہت سی بے حیائیوں کا سبب بن جاتا ہے۔ شیطان کے اس وسوسہ کی یاد دہانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کا اعلان فرمایا کہ میں تم سے تمہاری بخشش کا وعدہ بھی کرتا ہوں اور تم پر اپنے مزید فضل کا بھی۔ یعنی اے ایمان والو! شیطان کے وسوسہ سے بچو، ہماری راہ میں خرچ کرتے رہو، خوب خرچ کرو نہ تو تم محتاج ہو گے اور نہ فقیر۔ جتنا تم خرچ کرو گے اس سے زیادہ ہم تمہیں دیں گے۔ اور مزید انعام یہ فرمائیں گے کہ تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور اللہ تمہاری حالت اور نیتوں کو خوب خوب جانتا ہے۔

ذریعہ خیر کثیر

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ (البقرہ:۲۶۹)

وہ حکمت عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے بہت بھلائی عطا کی گئی اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقل والے۔

ہر بھلائی ہر وہ چیز جو انسان کو عزت و عظمت بخشے، امن و سکون اور اطمینان قلب فراہم کرے۔ جس سے انسان بام عروج پر پہنچے، خیرِ کثیر ہے۔ جو نہ دولت سے نصیب ہوتی ہے نہ اس کے حصول کا ذریعہ اقتدار، حکومت اور سلطنت ہے۔ یہ صرف اس کا مقدر بنتی ہے جسے حکمت نصیب ہو جائے اور حکمت اللہ ہی کی عطا و دین ہے۔ جس پر وہ چاہتا ہے فضل فرماتا اور اس انعام سے نواز دیتا ہے یہ فیصلہ الٰہی ہے۔ مژدۂ قرآن ہے۔ ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس کا اعتراف اُولوا الالباب اہل عقل و خرد کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس کے مقابل دنیا اور اس کی ہر چیز قلیل ہے، معمولی ہے، بے وقعت ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (اے حبیب علیہ السلام) آپ فرما دیجئے، دنیا کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے۔ (النساء:۷۷)

جس چیز کے حصول کے لیے انسان بھاگتا رہتا ہے، اس کے تعاقب میں نہ جانے کیا کیا کرتوت کرتا ہے، وہ قلیل ہے، معمولی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا انسان کتنی ہی دنیا حاصل کرلے لیکن نہ اسے عزت نصیب ہوتی ہے نہ سکون و طمانیت۔ نہ جانے کتنے سُورما پیدا ہوئے اور انجام کار زمین کی غذا بن گئے، نہ ان کا نام رہا نہ ان کے کارناموں کا تذکرہ۔ لیکن جسے حکمت نصیب ہوئی وہ زندگی میں مخلوق کے دلوں کا حاکم بنا اور بعد موت عقیدت و محبت کا مرکز قرار پایا۔ پس حکمت وہ گوہر ہے جس کا حصول انسان کا مقصد زندگی ہونا چاہیے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف معنی میں حکمت کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن ہر جگہ اس کی نعمت الٰہیہ ہونے کا مفہوم موجود ہے جس کی تعبیر مفسرین و محدثین نے مختلف الفاظ سے کی ہے کہیں حکمت سے مراد قرآن ہے، کسی جگہ حدیث، کہیں علم صحیح کہیں عملِ صالح، کہیں قولِ صادق، کہیں عقلِ سلیم، کہیں فقہ فی الدین، کہیں اصابتِ رائے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللّٰهِ'' اصل حکمت اللہ کا خوف ہے۔ مفسرین نے اس کی جامع تعریف اس طرح کی:

Marfat.com

وَالْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ ، وَ كَمَالُ ذٰلِكَ اِنَّمَا يَحْصُلُ بِالنُّبُوَّةِ

ہر چیز کا اس کے اصل مقام پر رکھنا حکمت ہے اور اس کا کمال صرف نبوت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

حکمت کے انتہائی کمال کا عطائی، وہبی ذریعہ نبوت ہے۔ پس اللہ نے اپنے جن منتخب بندوں کو تاج نبوت عطا فرمایا انہیں دولتِ حکمت سے بھی خوب خوب سرفراز فرمایا۔ حتی کہ سید الانبیاء ﷺ کو خصوصی طور پر معلّم حکمت کے منصب پر فائز فرمایا۔ غور فرمایئے حکمت، خیرِ کثیر کا ذریعہ ہے۔ اور میرے آقا ﷺ معلّم حکمت ہیں۔ پس آپ سے وابستگی، آپ کی تعلیمات پر عمل آپ کے عطا کردہ علوم کا حصول، خیرِ کثیر، حاصل کرنے کا ذریعہ قرار پاتا ہے۔ اسی لئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔ (بخاری شریف)

خیر کثیر کسی بھی صورت میں ہو اللہ رب العزت نے اس کا واسطہ و وسیلہ صاحب کوثر ﷺ کو بنایا۔ ہر بھلائی انہی کے دامن سے وابستہ ہے۔ انہی کے خزانے سے سب کو بھلائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

لا و رب العرش، جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

نیز فرماتے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

حکمت:۔ آیت مذکورہ میں حکمت سے مراد وہ علم ہے جو بواسطہ رسول، اللہ رب العزت نے انسان کو بخشا۔ جس سے انسان خالق کی معرفت حاصل کرتا اور مخلوق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طریقے سیکھتا ہے۔ نیز دنیا کی متاعِ قلیل کے حصول اور اس کے استعمال کا صحیح صحیح ڈھنگ سیکھتا ہے۔ یہی علم انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بامِ عروج پر پہنچاتا ہے۔ یہی علم نبی کا ترکہ ہے اور اس کے حاصل کر لینے والے اور اس کے نور کو پھیلانے والے "وارثین انبیاء" قرار پائے۔ بلاشبہ یہ حکمت، علم ذریعہ خیر کثیر ہے۔ ایسا شخص قابل رشک ہے جسے یہ علم نصیب ہو۔ اور وہ اسی کی روشنی میں زندگی کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرے اور ساری زندگی اس نور کو پھیلاتا رہے۔ بیشک ساری نیکیوں کا سلسلہ موت منقطع کر دیتی ہے لیکن علم کا ثواب جاریہ موت سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی علم کی طلب جنت کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے اور طالب کو اس مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ فرشتے اس کے لیے اپنے بازو بچھانے لگتے ہیں۔ اسی علم والوں یعنی علماءِ دین کے لیے آسمان و زمین کی ہر چیز حتی کہ پانی میں مچھلیاں، مغفرت کی

Marfat.com

دعا کرتی ہیں۔ عالم، عابد سے ایسا افضل ہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں پر۔حصول علم کے دوران مرجانے والے کومرتبہ شہادت نصیب ہوتا ہے۔اسی علم کے سیکھنے یا سکھانے کے لیے رات کو تھوڑی دیر جاگنا، پوری رات کی عبادت سے افضل ہے۔ علم پھیلانے والا ہی سخی ہے۔علم حاصل کرنے والے کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا۔

یہ خلاصہ ہے معلم حکمت علیہ السلام کے ارشادات کا۔جس سے یہ حقیقت واضح ہے کہ علم دین ذریعہ خیر کثیر ہے۔ اللہ رب العزت نے علماء دین کو اسلام کی اشاعت اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی اور اس کے صلہ میں ان سے خیرِ کثیر کا وعدہ فرمایا۔جن علماء نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا۔تاریخ گواہ ہے کہ ان کے لیے وعدہ الٰہی پورا ہوا۔حکومت و سلطنت اور دولت کے نشے میں مست ہوکر لوگوں نے علماء کے مرتبہ ومقام کو پامال کرنے کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔انہیں جیلوں میں ڈالا گیا، کوڑے مارے گئے، الزام تراشیاں کی گئیں۔معاشرے سے ان کا اثر ختم کرنے کے لیے ان کے خلاف ہر قسم کا حربہ استعمال کیا گیا۔ایسے ظالموں کا آج کوئی نام تک نہیں لیتا لیکن ان کے دور کے علماء آج بھی امت کی عقیدت ومحبت کا مرکز ہیں۔آج تک ان کی تعلیمات کا فیض جاری ہے۔ اُن کی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں، ان کا ذکر زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔یہی وہ خیر کثیر ہے جس کا اہل علم سے وعدہ کیا گیا۔

علم اور علماء پر تفصیلی گفتگو ہم نے اپنی کتاب ''وراثت انبیاء'' میں کی ہے۔جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

یہی وہ علم ہے جو انسان کی عزت وعظمت کا ذریعہ، اس کی فلاح وبہبود کا ضامن ہے، جہالت اور غربت کو دنیا سے مٹانے والا ہے اور جو انسان کو پُر سکون زندگی بخشتا ہے۔ جس سے ملکوں میں امن وامان قائم ہوتا ہے۔محکوم، حاکم کا حکم ماننے لگتے ہیں۔ مظلوم، ظالم کے ظلم سے چھٹکارا پاتا ہے۔عدل وانصاف عام ہوجاتا ہے۔لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوجاتی ہے اور جس سے تہذیب وتمدن سے پُر معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ چھوٹے بڑوں کا احترام کرنے لگتے ہیں۔ بڑے چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنے لگتے ہیں۔انسانوں میں محبت پیدا ہوجاتی ہے۔اسی علم سے صوبائی، قبائلی تعصب مٹتا ہے۔رنگ وزبان کا فرق ختم ہوتا ہے۔تکبر، غرور، حسد، بغض، کینہ، جیسی مہلک بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں۔یہ اللہ کا نازل کیا ہوا رسول کا سکھایا ہوا علم ہے جو اللہ کے بندوں، رسول کے غلاموں کے لیے رحمت وبرکت کا ذریعہ ہے۔آج ہم اسی علم سے دور ہوگئے تو کسی اعتبار سے بھی ہماری حالت ٹھیک نہ رہی۔ جتنا زندگی کو سدھارنا، سنوارنا چاہتے ہیں، سہل وآسان بنانا چاہتے ہیں اتنا ہی دھنستے چلے جارہے ہیں۔قرآن آج بھی پکار رہا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ (نبی) غیب بتانے پر بخیل نہیں اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا کہا ہوا نہیں تو تم کہاں چلے جا رہے ہو۔ (التکویر:۲۴۔۲۶)

ہم ہیں قرآن کی سنتے ہی نہیں، جو قرآن سناتا ہے، رسول کے دامن میں پناہ لینے کی دعوت دیتا ہے۔آج ہماری نظروں میں اس کی کوئی قدر نہ رہی۔شیطان کی پکار پر یورپ امریکہ کی طرف بھاگے چلے جارہے ہیں۔ان کی پناہ میں جا رہے ہیں جو خود انسانیت کے بڑے دشمن ہیں۔ جنہوں نے انسان کی عزت، تہذیب، تمدن سب کچھ چھین لیا ہے۔ جنہوں

Marfat.com

نے ظاہری چمک دمک پیدا کر کے انسانوں کے دلوں کی دنیا کو تاریک کر دیا ہے۔ جنہوں نے انسان کی عزت کو شراب سے بہایا، صحت و تندرستی کو زنا اور بدکاری سے تباہ کیا۔ اور ہنستے بستے شہروں کو، لہلہاتی فصلوں کو وہ اپنے مہلک ہتھیاروں سے برباد کرتے رہتے ہیں۔ سوچو!

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ ۔ تو تم، کہاں جارہے ہو۔ (التکویر:۲۶)

دیکھو اللہ کے نبی معلم کامل ﷺ نے جس شمع علم کو روشن کیا اس نے آج تک ہر دور میں انسان کی رہبری، رہنمائی کی ہے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ ہم اسی شمع علم سے اپنی تاریک دنیا کو روشن و منور کریں۔

بلند درجے

یہی علمائے کرام ہیں جن کے درجات بلند فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ (مجادلہ:۱۱)

اللہ تعالیٰ درجے بلند فرماتا ہے تم میں سے ان کے جو ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا۔

مرتبہ چاہے دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ ایمان والوں اور علم والوں ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ اہل علم پر اللہ کا یہ کیا کم احسان ہے کہ زندگی میں دنیا ان کے گرد جمع رہتی ہے۔ اور مرنے کے بعد ہمیشہ ان کا نام احترام ہی سے لیا جاتا ہے۔ یہ کیا کم احسان ہے کہ ان میں ایسی قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کا لالچ، ظالموں کا ظلم کوئی چیز انہیں خدمت علم و دین سے نہیں روک پاتی۔ یہ کیا کم احسان ہے کہ ان کا مقام یا تو رسول کا منبر ہوتا ہے یا مصلیٰ۔ دنیا ان کو کتنی ہی حقیر نظروں سے دیکھے لیکن وعدہ الٰہی کے مطابق ان کا درجہ، مرتبہ بلند ہی رہتا ہے۔ صاحبِ حکومت و اقتدار لوگوں کا مجمع ہو یا دولت مندوں کا علماء ان میں تاروں کی طرح چمکتے ہی نظر آتے ہیں۔ ماضی میں بھی یہی مقام تھا۔ آج بھی یہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کہ یہ مرتبہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ کوئی نہیں چھین سکتا۔ دولت چھینی جا سکتی ہے، اقتدار چھین لیا جاتا ہے، لیکن علم، اسے کون چھین سکتا ہے۔ کیا خوب فرمایا۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے:

''علم مال سے بہتر ہے، مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے مگر علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے، مال محکوم۔ مال دار چل بسے مگر علم والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ علم والوں کے جسم تو مٹ سکتے ہیں مگر ان کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں''۔

پھر علماء کرام کے ادب و احترام کی تعلیم دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

جب تم کسی عالم کے پاس پہنچو، تو پہلے عالم کو پھر دوسروں کو سلام کرو۔ عالم کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھو، ہاتھوں سے اشارے نہ کرو، آنکھیں نہ پھیراؤ، عالم سے حجت نہ کرو، بحث نہ کرو، سوالوں سے پریشان نہ ہو کہ عالم اس درخت کی طرح ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اپنے میٹھے پھل کو برابر ٹپکاتا رہتا ہے (یعنی ہر قسم کے سوال کا جواب دیتا ہے) اور عالم کے لیے ضروری ہے کہ

Marfat.com

باوقار اور سنجیدہ ہو۔ اِدھر اُدھر بلاضرورت نہ دیکھے۔ شور وغل نہ کرے کھیل کود نہ کرے۔ روکھا اور بے مروت بیہودہ باتیں کرنے والا نہ ہو''۔

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر بنی اسرائیل کا قائد'' طالوت'' کو مقرر فرمایا تھا جب کہ نہ اس کا خاندان بڑا تھا نہ ہی وہ دولت مند تھا، نہ اسے کوئی شہرت حاصل تھی۔ وہ تو اس وقت کے نبی کے پاس اپنے باپ کے گمشدہ گدھے کے مل جانے کی دعا کرانے آیا تھا'' طالوت'' کو تو پتہ ہی نہ تھا کہ یہاں امارت وقیادت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ نبی نے اللہ کی بتائی ہوئی علامات اس میں پائیں اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے اعلان کر دیا کہ یہ ہے۔ تمہارا امیر ہے اور جب انہوں نے اس کی حیثیت کو چیلنج کیا تو نبی نے علم ہی کو اس کے اس بلند مرتبہ کا ذریعہ بتایا۔ اللہ فرماتا ہے:

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ (البقرہ:۲۴۶)

نبی نے کہا، بے شک اللہ نے اسے (طالوت کو) تمہارے مقابلے میں چن لیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں کشادگی عطا فرمائی ہے۔

یہ ہے وہ بلند درجہ جو اللہ اہلِ علم کو عطا فرماتا ہے:

عالم و جاہل

ایک سوال کی صورت میں اللہ کا اعلان ہے کہ علم والے اور جاہل ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۠ ۝ (زمر:۹)

(اے محبوب علیہ السلام) آپ پوچھئے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل؟ البتہ صرف عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

علم والے اور جاہل کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ جاہل جو قرآن کا پیغام سمجھنا تو درکنار، قرآن کے الفاظ تک نہیں پڑھ پاتا۔ جو روزہ، نماز، حج وزکوٰۃ کے ضروری مسائل تک نہیں جانتا جو اپنے ماں باپ کا جنازہ تک نہیں پڑھ سکتا۔ جو والدین اور بیوی بچوں کے حقوق میں فرق نہیں کر پاتا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اہمیت کا احساس تک نہیں رکھتا۔ ایسا شخص عالم کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ عالم جو جانتا ہے کہ انسان کا مقصد زندگی کیا ہے، جو سمجھتا ہے کہ عبادات کی اہمیت اور فائدہ کیا ہے، جو بندوں کے حقوق پہچانتا اور انہیں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو دین پر دنیا کو قربان کرتا ہے جو شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے جو خود سیدھے راستے پر ہوتا ہے اور دوسروں کو اچھی راہ دکھاتا ہے۔ جو اپنی منزل پہچانتا ہے۔'' عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے'' یہ ایک حقیقت ہے لیکن اس حقیقت کو دنیا کے پجاری دولت کے نشے میں مست نہیں تسلیم کر سکتے، اس کو تو عقلمند ہی مانتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' علماء حق کے وجود سے دین و دنیا کا استحکام ہے اور علم کی تباہی دین و دنیا کی تباہی ہے''۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' عالم کی موت سے، اسلام میں ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو مدتیں

Marfat.com

گزرنے کے باوجود بھی پر نہیں ہوتا"۔

شیطان کا مکر

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پر دوبارہ غور کیجئے جس میں عابد پر عالم کی فضیلت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت ایک نیکی ہے اور عبادت گزار بندہ قابل تعریف ہے۔ لیکن علم کے بغیر عبادت کرنے والا شیطان کے فریب کا شکار بھی بہت جلد ہوتا ہے۔ کبھی تو اس طرح کہ وہ اپنی عبادت پر تکبر و غرور کرنے لگتا ہے۔ اپنے آپ کو متقی اور پرہیز گار جاننے لگتا ہے اور دوسروں بلکہ عالموں تک کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ آج کل کے جاہل صوفی اور پیروں کو دیکھ لیجئے کیسے شیطان کے فریب میں پھنسے ہیں۔ خود کچھ جانتے نہیں اور عالموں کے قریب آنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے معتقدین اور مریدین کو بھی عالموں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا دین بس وہ ہے جو وہ سوچ لیتے ہیں اور اسی کو وہ طریقت کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ شریعت سے طریقت علیحدہ ہو تو کچھ نہیں۔ اور نہ ہی تصوف اور صوفی ہونا کوئی علیحدہ چیز ہے۔ شریعت کی پابندی اور دین کے مطابق زندگی بسر کرنا ہی تصوف ہے۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان کو صوفی ہونا چاہئے۔ اور علماء خود صوفی ہوتے ہیں اور لوگوں کو صوفی بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ نہ جانے کس بنیاد پر صوفی اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے علیحدہ ایک گروپ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض لوگ خصوصیت کے ساتھ اپنے نام کے ساتھ صوفی کا لفظ استعمال کرتے ہیں جب کہ امام غزالی، مجدد الف ثانی، خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر نے کبھی اپنے آپ کو صوفی نہ کہلایا۔ جب کہ یہ حضرات تصوف کے معلّم اور مبلِغ سمجھے جاتے ہیں۔ غرضیکہ جاہل عابد شیطان کے مکر کا بہت جلد شکار ہوتا ہے اور کبھی وہ اس طرح شیطان کے فریب میں مبتلا ہوتا ہے کہ کسی عبادت کو بڑا اہم سمجھ بیٹھتا ہے جب کہ اس کے لیے شریعت کے مطابق دوسری ذمہ داریاں پوری کرنا ضروری ہے۔ مثلاً آج کل گروہی تبلیغ کا ایک سلسلہ جاری ہے جس میں سب سے بڑی عبادت کچھ عرصہ کے لیے کاروبار، اہل و عیال سب کو چھوڑ کر تبلیغ کے لیے کسی دوسرے شہر یا ملک جانا قرار دیا جاتا ہے۔ شیطان کے اس مکر نے نہ جانے کتنے لوگوں کا کاروبار برباد کر دیا۔ گھروں کو تباہ کر دیا۔ جاہل مبلِغ سب کچھ چھوڑ کر تبلیغ کے لئے چل دیا۔ پیچھے تجارت برباد ہو گئی، نوکری چھوٹ گئی، جوان بیوی گناہ میں مبتلا ہو گئی، بیٹی گھر چھوڑ کر بھاگ گئی وغیرہ وغیرہ۔ ایسے حادثات ہوتے ہیں۔ یہ بربادی صرف جہالت کی وجہ سے ہوئی۔ علم ہوتا تو جانتے کہ حالات کے مطابق ذمہ داریوں کو پورا کرنا عبادت ہے، جس کی مثال احادیث میں موجود ہے۔

"وراثت انبیاء" سے یہ چند اقتباسات پیش کئے گئے۔ جن پر ہم اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں وہ حکمت عطا فرمائے جو "ذریعہ خیر کثیر" ہے۔

نذر کا بیان

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ

(بقرہ: ۲۷۰)

اور جو بھی تم نے (اللہ کی راہ میں خرچ کیا، یا کوئی منت مانی، تو بے شک اللہ اسے جان لیتا ہے اور ظالموں

Marfat.com

کا کوئی مددگار نہیں۔

نذر کی تعریف یہ ہے:

هُوَ مَا اَوْجَبَهُ الْمُكَلَّفُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ عِبَادَاتٍ لَّوْ لَمْ يُوْجِبْهُ لَمْ يَلْزِمْهُ.

کسی مکلف کا اپنے اوپر کسی ایسی عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ اس کو خود واجب نہ کرتا تو اس پر لازم نہ ہوتی۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن)

نذر ماننے کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت عمران کی بیوی جن کا نام مفسرین نے بنی اسرائیل کی روایات کے مطابق حنّہ لکھا، کے نذر ماننے کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوا:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ (آل عمران: ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میں نے تیرے لیے (اس کی) منت مانی، جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا (خالص تیرے لیے) تو (اے رب) قبول کر لے مجھ سے، بے شک تو ہی بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

حنّہ کی آرزو تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا تو میں اپنی کوئی ذمہ داری اس کے سپرد نہ کروں گی۔ بلکہ اس کو اللہ کے لیے آزاد کر دوں گی۔ کہ وہ زندگی بھر بیت المقدس کی جاروب کشی کرتا رہے گا کہ اللہ ہی نے مجھے یاس و ناامیدی کے بعد اولاد عطا فرمائی ہے۔ تو یہ اولاد اسی کے لیے وقف ہوگی۔ لیکن ہوا یہ کہ حنّہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے مریم رکھا۔ حنّہ بیٹی کی پیدائش سے پریشان ہوئیں کہ اب نذر کیسے پوری کریں کیونکہ اس وقت تک بیت المقدس کی خدمت کی لڑکیوں کو اجازت نہ تھی۔ لیکن رب کی حکمت کچھ اور ہی تھی کہ اس بیٹی ہی کو اپنی قدرت کا نمونہ اور شاہکار بنانا تھا۔ پس اللہ نے حنّہ کی طرف سے بیٹی ہی کو قبول فرمالیا۔ اور ان کی پرورش کا غیبی انتظام فرمایا۔ یہی مریم بنت حنّہ، اللہ کی قدرت کاملہ سے بغیر شوہر کے ایک بیٹے کی ماں بنیں۔ جو اللہ کے جلیل القدر رسول ہوئے۔ جن کو عیسیٰ روح اللہ کہا گیا۔ اللہ نے ان کی ماں مریم کی طرح ان کو بھی اپنی قدرت کا مظہر بنایا۔ کہ جب دشمن ان کی جان کے درپے ہوئے تو اللہ قادر مطلق نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ جو آج تک زندہ ہیں۔ قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی کی حیثیت سے، اسلام کی عظیم خدمت انجام دیں گے۔ اور زندگی کے بقیہ ایام پورے کر کے طبعی موت سے دنیا سے رخصت ہوں گے۔ اور نبی مکرم علیہ السلام کے روضہ مبارک میں دفن کیے جائیں گے۔ جہاں ان کی قبر کی جگہ مخصوص ہے۔

نذر کی دوسری نظیر سورہ مریم میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب حضرت مریم کو اپنی بدنامی اور لوگوں کے طعنوں کی فکر ہوئی اور سوچنے لگیں کہ میں اپنے گھر والوں اور خاندان کو کیسے منہ دکھاؤں گی اور انہیں کیسے مطمئن کروں گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا:

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ

Marfat.com

اِنْسِيًّا ۚ (مریم:۲۶)

پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو (اشارے سے) کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزے کی نذر مانی ہے تو آج میں ہرگز کسی آدمی سے گفتگو نہ کروں گی۔

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے بہت پہلے کی بات ہے کہ جب تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کرنے کا حکم دیا تو حج کے چند احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ (حج:۲۹)

پھر چاہیے کہ دور کریں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے۔

حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل بھی نذر کا عام رواج تھا۔ اسی رواج کے مطابق نبی مکرم علیہ السلام کے دادا حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کھودتے ہوئے رب کعبہ سے دعا کی تھی کہ مجھے دس بیٹے عطا فرما اور نذر مانی تھی کہ اگر یہ دسوں میری زندگی میں جوان ہو گئے تو اے اللہ، ان میں سے ایک کو میں تیرے لیے قربان کروں گا۔

بہرحال نذر کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ ہر قوم میں تھا اور آج بھی ہے۔ اسلام نے ماضی کے تمام طریقوں اور رسم و رواج کا یکسر خاتمہ نہ کیا بلکہ ان میں جو چیزیں اسلام کے بنیادی اصولوں اور مزاج کے خلاف نہ تھیں انہیں ضروری اصلاحات کے بعد باقی رکھا۔ نذر بھی انہی میں سے ہے۔ جس کا ذکر آیت زیر گفتگو میں کیا گیا۔ ''کہ تم جو بھی خرچ کرتے ہو اور جو بھی نذر مانتے ہو اللہ کو اس کا پوری طرح علم ہے'' لہٰذا خلاف شرع اپنی دولت خرچ کر کے یا خلاف شرع نذر مان کر اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دو۔ اور ظالمین میں شامل نہ ہو۔ کہ ظالمین کا دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ نیز ایفائے نذر کو اہل جنت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوا:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ (الدھر:۷)

جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت ہر طرف پھیلی ہو گی۔

نذر درحقیقت اللہ سے کیا گیا ایک وعدہ ہے، جو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا پورا کرنا بندے پر واجب قرار دیا گیا اور اس کو جنتیوں کی خوبیوں میں شمار کیا گیا۔ صاحب شریعت ﷺ نے مختلف اوقات میں نذر سے متعلق احکام کی وضاحت فرمائی۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ ابْنِ عُمَرَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَنْذُرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَ اِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا نذر نہ مانا کرو، کہ یہ تقدیر کو نہیں بدل سکتی، لیکن اس کے ذریعہ بخیل کا مال نکل جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف میں مطلقاً نذر ماننے کی ممانعت نہیں۔ بلکہ بات بات پر نذر ماننے اور اس خیال سے ماننے کی

Marfat.com

ممانعت کی جارہی ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر تک بدل جاتی ہے اور مرضی کے مطابق کام ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آپ نے نذر کا ایک فائدہ بھی بیان فرمادیا کہ جو شخص ویسے صدقہ وخیرات کرنے میں بخیل ہو، نذر پوری کرنے ہی کے بہانے اس کا مال خرچ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا نذر کی وقعت کو برقرار رکھتے ہوئے اہم مواقع پر ہی ماننا چاہیے۔ اور یہ خیال تک نہیں کرنا چاہیے کہ اس ذریعہ سے مراد ضرور ہی پوری ہوگی کہ مرادیں پوری کرنے والا اللہ ہی ہے۔ جو اپنی حکمت ومصلحت کے مطابق جسے جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ نذر تو اس کی عطا پر شکریہ کا ایک طریقہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے اللہ کا حکم ماننے کی نذر کی تو ضرور حکم مانے اور جس نے اس کی نافرمانی کی نذر مانی تو اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (بخاری شریف)

مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے عمل کی نذر مانی جائے جو شریعت کے مطابق ہو تو اسے پورا کیا جائے۔ اور اگر ایسے عمل کی نذر مانی گئی جو خلاف شرع ہو تو اسے پورا نہ کیا جائے، لیکن اس صورت میں کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَّ كَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، گناہ کے کام کی نذر نہیں اور اس کا کفارہ وہی قسم والا کفارہ ہوگا۔ (ابوداؤد شریف)

خلاف شرع کسی عمل کی نذر ہو، غیر معین نذر ہو کسی ایسے کام کی نذر ہو جو طاقت سے باہر ہو اسے پورا نہیں کیا جائے گا۔ ہاں کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یعنی غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا۔ اگر دونوں میں سے کچھ نہ کر سکے تو تین روزے رکھنا۔

نذر کے عمل میں اس کے ایصال ثواب میں کسی بزرگ ولی کا نام لینا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں حضور غوث پاک کی فاتحہ کراؤں گا یا محفل میلاد کراؤں گا یا فلاں بزرگ کے مزار پر فاتحہ کے لیے حاضری دوں گا۔ یہ تمام صورتیں بلا تامل جائز ہیں کہ اولیاء کرام سے اظہار عقیدت اور ثبوتِ نسبت قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

نذر کے متعلق تفصیلی مسائل فقہاء کرام نے بیان فرمائے ہیں۔ جو بوقت ضرورت علماء سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ یہاں آیت زیر گفتگو سے متعلق یہ چند سطور کافی ہیں۔

صدقہ کے دو طریقے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ

Marfat.com

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۷۱)

اگر تم ظاہر کر کے خیرات دو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپاؤ اور فقیروں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور وہ مٹا دے گا تمہارے کچھ گناہوں کو اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خبر دار ہے۔

صدقہ دینے کے دو طریقے ہیں۔ اعلان اور اظہار کے ساتھ صدقہ کیا جاتا ہے یا اخفاء، خاموشی کے ساتھ دے دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی مکرم علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہم کس طرح صدقہ کریں۔ ظاہر کر کے یا چھپا کر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے صحابہ کے صدقے میں کرم فرمایا کہ وحی کے ذریعہ اس سوال کا جواب دیا گیا۔ جس سے ہمیشہ کے لئے مسئلہ واضح ہو گیا۔ کہ صدقہ ادا کرنے کے دونوں ہی طریقے جائز ہیں۔ حالات کے مطابق جو صورت بھی مناسب وموزوں ہو اسے اختیار کیا جائے۔

صدقہ اگر اظہار و اعلان کے ساتھ دیا جائے تو اہم شرط یہ ہے کہ ریاء دکھاوے کا وسوسہ تک نہ آنے پائے۔ دولت مندی کے اظہار، اپنی برتری اور ضرورت مندوں کی تحقیر کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس اعلان سے مقصود یا تو یہ ہو کہ لوگ بخل یا کنجوسی کا الزام نہ لگانے پائیں ان کو بدگمانی کے گناہ سے بچایا جائے یا اس لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو کہ وہ بھی دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جیسے عام اجتماعات میں مساجد و مدارس وغیرہ کے لئے چندہ کیا جاتا ہے جو نبی مکرم علیہ السلام کی سنت ہے کہ آپ بھی جہاد اور دیگر دینی کاموں کے لئے عام اجتماعات میں چندہ فرماتے تھے اور صحابہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں زیادہ سے زیادہ صدقہ پیش فرماتے تھے۔ یہ دینی خدمت کے لئے حرص پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے اور دینی امور میں حرص جائز ہے۔ اسی حرص میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا نصف سرمایہ اللہ کی راہ میں پیش کیا اور یا صدقہ کا اعلان اس لیے کیا جائے کہ صحیح ضرورت مند اور مستحق کا پتہ چل جائے کیونکہ اس صورت میں بہت کم امکان رہتا ہے کہ کوئی غیر ضرورت مند صدقہ لینے کی کوشش کرے۔

بہر حال اعلان واظہار صدقہ جائز ہے۔ بہتر ہے قرآن کریم نے اس کے لیے ''فنعما ھی'' کا جملہ استعمال فرمایا۔ یعنی وہ اچھا ہے اس کا سب سے عظیم اخروی فائدہ یہ ہے کہ صدقہ میں پہل کرنے والے شخص کی اتباع و پیروی میں جتنے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا کرتے رہیں گے ان کا ثواب کم ہوئے بغیر اتنا ہی ثواب پہل کرنے والوں کو بھی ملتا رہے گا غور فرمایئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صدقات اعلان کے ساتھ دیئے۔ آج تک ان کا جذبہ ایثار امت کے دلوں میں ایثار کے جذبات پیدا کرتا ہے اور عشاق ان کے واقعات سن کر دین کی خدمت کے لئے اپنی دولت برساتے ہیں۔ اگر ان حضرات کے تمام صدقات خفیہ اور پوشیدہ ہوتے تو ہمیں ان کا علم تک نہ ہوتا۔ اور خدمت دین کا جذبہ بیدار نہ ہو پاتا۔ نیز ان حضرات کی اتباع میں آج تک غلاموں نے دین کے لئے جو کچھ خرچ کیا اور قیامت تک جو کچھ خرچ ہو گا اس کے ثواب میں یہ حضرات برابر کے شریک ہیں اور انہی کے صدقے میں ہمارے صدقات مقبول ہوتے ہیں۔

ہر قسم کا صدقہ اعلان کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ لیکن فقہاء نے خصوصیت کے ساتھ صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ، صدقۂ فطر،

Marfat.com

قربانی وغیرہ کو اعلان و اظہار کے ساتھ ادا کرنا افضل قرار دیا ہے۔ تا کہ لوگ اس بدگمانی سے محفوظ رہیں کہ فلاں دولت مند زکوۃ وغیرہ تک ادا نہیں کرتا۔ نیز دوسرے صاحبِ حیثیت لوگوں کو بھی اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہو۔ یہی حکم دیگر عبادات نماز، روزہ اور حج کا ہے۔ کہ فرائض کی ادائیگی اس طرح کرنا افضل ہے کہ دوسروں کو اس کا علم ہو جائے کہ اس سے وہی فوائد حاصل ہوں گے جو اعلان کے ساتھ صدقہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ گویا ایسا شخص عملاً مبلغ بھی ہوگا اور ایسا متقی بھی جس کے تقوے پر بہت سے مسلمان گواہ ہوں گے۔

خفیہ طور پر صدقہ دینا بھی جائز ہے "خیر لکم" یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے یہ صورت بالخصوص ایسے عام لوگوں کے لئے پہلی صورت سے افضل ہے جو وساوس پر قابو نہ پا سکتے ہوں اور ان وسوسوں میں مبتلا ہونے کا امکان ہو جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا۔ ایسے لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ صدقہ واجب و نفل سب خفیہ طور پر ادا کریں۔

بہر حال قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ صدقہ دینے والا اپنے حال اور حالات کے مطابق دونوں طریقوں میں سے جو مناسب خیال کرے، اختیار کر سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک دونوں ہی مقبول و پسندیدہ ہیں۔ عمل کرنے والے کی نیت میں خلوص ہونا ضروری ہے کہ اعمال کی مقبولیت کا دارو مدار خلوص نیت پر ہی ہے۔

غیر مسلموں کو صدقہ دینا:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۷۲)

ہدایت پر (کسی کو) لانا تمہارے ذمہ نہیں، ہاں اللہ جسے چاہے، ہدایت پر لاتا ہے اور تم جو مال خرچ کرو تو تمہارے ہی نفع کے لئے ہے اور تم نہیں خرچ کرتے مگر اللہ کی رضا کے لئے اور تم جو مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے اس کا پورا ثواب تمہیں دیا جائے گا اور تم ظلم نہ کئے جاؤ گے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو اخلاق و کردار کا ایسا پیکر بناتا ہے جس سے اپنے غیر سب ہی فیضیاب ہوں۔ حتی کہ وہ اپنی دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا تو حکم دیتا ہے لیکن اسے قبول کرنے کے لئے کسی پر کسی قسم کے جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دیتا۔

قرآنِ کریم کا واضح اعلان ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۵۶)

دین میں زبردستی نہیں۔ بیشک خوب ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے، تو جس نے شیطان (کے حکم) کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو بیشک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

Marfat.com

یہ اسلام کی دعوت کا بنیادی اصول ہے کہ حق و باطل کو دلائل سے واضح کر دیا جائے۔ اس کو قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے لیکن یہ اصولِ دعوت غیر مسلموں کے لئے کفار کے لئے ہے۔ جس نے اسلام کو قبول کر لیا اسے احکام شریعت کی پابندی سے آزاد چھوڑ دینا مقصود نہیں جب مسلمان خلاف شرع کوئی عمل کرے گا تو اس پر حد ضرور جاری ہوگی۔ اور اسے قرآن وسنت کی پابندی پر مجبور کیا جائے گا کہ غلام کتنا ہی چہیتا ہو لیکن آقا اسے اپنے احکام کی بغاوت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مؤمن وہ غلامِ مصطفیٰ ہے جس کی عزت وعظمت کا ذریعہ صرف اطاعتِ مصطفیٰ ہے۔ شرعی احکام کی پابندی اس کی ذمہ داری ہے اس میں کوتاہی پر وہ شرعی سزا کا مستحق ہوگا۔ غیر، غیر ہیں ان کے سامنے صرف دعوت پیش کی جائے گی۔ حق و باطل کو واضح کیا جائے گا۔ انہیں ڈرا کر، ستا کر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اسلام دین رحمت ہے کسی کو زحمت ومصیبت میں مبتلا نہیں کرتا۔

اسی اصول کی بنیاد پر غیر مسلموں سے دوستی کی ممانعت کے باوجود شریعت نے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور ان کی امداد کرنے کی اجازت دی ہے۔ فقہاء نے اس کی وضاحت کے لئے ایک بہت ہی دلچسپ مثال بیان فرمائی کہ اگر تمہارے دو پڑوسی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم تو اگر غیر مسلم پر کوئی مصیبت آئے تو تم اس کی امداد کو پہنچو۔ لیکن اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو مدد کے لئے غیر مسلم کو نہ پکارو بلکہ اپنے مسلمان پڑوسی سے مدد حاصل کرو۔ یعنی غیر مسلم کی امداد کرنا جائز ہے کہ یہ اسلام کی عظمت کا مظاہرہ اور تبلیغ کا عملی طریقہ ہے لیکن غیر مسلم سے مدد لینا جائز نہیں کہ اس سے اپنی مجبوری اور اپنی قوم، مسلمانوں کی توہین ظاہر ہوگی۔

اس مسئلے کی بنیاد پر غور کیجئے کہ وہ مسلم حکام امت کے لئے کس قدر باعث ننگ وعار ہیں۔ جو اپنوں ہی کے خلاف غیر مسلموں کو، اسلام کے دشمنوں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ صرف اپنی حکومت و دولت بچانے کے لئے وہ دشمن اسلام سے امتِ مسلمہ کو قتل کراتے۔ مسلم مملکت کو تباہ وبرباد کراتے ہیں اور اس کو اپنی فتح قرار دیتے ہیں۔ یہی لوگ اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی توہین کے مجرم ہیں۔ یہی دشمن کا آلہ کار بن کر امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

صدقہ، مملکتِ اسلامیہ اور مسلمانوں سے غربت وافلاس دور کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن اسلام انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اجازت دیتا ہے کہ ان غیر مسلموں کی بھی صدقہ سے امداد کی جاسکتی ہے، جنہوں نے اسلامی مملکت میں آباد رہنے کو ترجیح دی اور بحیثیت اقلیت اسلامی حکومت ان کے جان و مال اور عزت وآبرو کی محافظ ہے۔ پس امت مسلمہ کو اجازت ہے کہ انفرادی طور پر بھی ان کی امداد کریں کہ یہ بھی اب ہمارے معاشرے کا ایک حصہ ہیں۔

صحابہ کرام اپنے غیر مسلم اعزاء واقارب کا مالی تعاون کرتے رہتے تھے اور یہ امید رکھتے تھے کہ یہ لوگ ضرور اسلام قبول کرلیں گے۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر صحابہ نے غیر مسلموں کی امداد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ مالی پریشانی سے تنگ آ کر اسلام قبول کرلیں گے۔ آیت زیر گفتگو میں اسی طریقے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم پر کسی کے ہدایت قبول کرنے کی ذمہ داری نہیں کہ تم اس کی تدبیریں اختیار کرو۔ حتی کہ لوگوں کو پریشان کرو اور ان پر جبر کرو۔ تمہارا کام تو صرف تبلیغ اور پیغامِ ہدایت پہنچانا ہے۔ صدقہ نہ اپنوں کو کسی لالچ اور بدلہ کی امید پر دو اور نہ غیروں کو۔ صدقہ تو تم

Marfat.com

اپنی بھلائی کے لئے کرتے ہو۔ اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہو، تو تمہارا یہ مقصد ضرور حاصل ہوگا کہ دنیا میں تمہیں صدقہ کی برکات نصیب ہوں گی اور آخرت میں اس کا پورا پورا اجر، اور تمہارا رب تم سے ضرور راضی و خوش ہوگا۔

فقہاء نے غیر مسلموں کو صدقہ دینا جائز قرار دیا ہے۔ لیکن نفلی صدقہ، صدقہ واجب زکوٰۃ وغیرہ۔ غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی کیونکہ یہ صرف ان مستحقین کا حق ہے جن کی قرآن و حدیث نے وضاحت کردی ہے۔ نیز مسلمان دولت مند کی دولت میں زکوٰۃ وغیرہ درحقیقت غریب مسلمانوں کا حق مقرر کیا گیا ہے۔ جو صرف انہی کو دیا جائے گا۔ صدقہ صرف ان غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے جو اسلام کی حکمرانی کو قبول کرلیں اور اسلام اور مسلمانوں سے عداوت، ان کے خلاف سازشوں میں ملوث نہ ہوں۔ یہی حکم ان کافروں کے لئے ہے جو آج کل مسلم ممالک میں آباد ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کی تبلیغ، مسلمانوں کی انسانی ہمدردی کے جذبہ کے اظہار کے طور پر، صدقہ سے ایسے غیر مسلموں کی بھی امداد کی جاسکتی ہے جو کسی ہنگامی آفت مثلاً زلزلہ، قحط وغیرہ میں مبتلا ہوں یا غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے پڑوسی ہوں، جو ضرورت مند ہوں۔

مستحقین صدقہ

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۷۳)

(یہ خیرات) ان محتاجوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے۔ وہ زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جاہل انہیں غنی سمجھتا ہے (ان کے) سوال سے بچنے کے سبب (اے سننے والے) تو ان کی صورت سے انہیں پہچان لے گا، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے اور جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کا تعین کردیا ہے جنہیں صدقہ دیا جائے۔ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۶۰)

بیشک صدقات، صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور جو انہیں وصول کرنے پر مقرر کیے گئے اور جن کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا مقصود ہو اور (غلامی سے) گردنیں آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے لیے، اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے لیے مقرر کئے ہوئے صدقات ہیں اللہ کی طرف سے اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

یہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کے مستحقین کا بیان ہے۔ یہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔

فقراء: جن کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ لیکن وہ اپنی ضروریات پوری کرنے مثلاً بچوں کی شادی وغیرہ کے اخراجات سے

Marfat.com

قاصر ہوں اور فکر مند ہوں۔ اپنی عزت و شرافت کے سبب کسی سے سوال بھی نہ کر سکتے ہوں۔

مساکین: جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو وہ نان شبینہ تک کو محتاج ہوں وہ بھکاری ہوں یا نہ ہوں۔

عاملین: وہ لوگ جنہیں حاکم اسلام نے زکوۃ کی وصولیابی کے لیے مقرر کیا ہو۔

مؤلفۃ القلوب: ایسے لوگ جن کا معاشی مشکلات کے سبب دین سے منحرف ہو جانے، مرتد ہو جانے کا خطرہ ہو اور اس وجہ سے ان کی دلجوئی ضرور ہو۔

الرقاب: گردنیں چھڑانے پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے۔ یعنی ایسے لوگوں کو اس دولت سے آزاد کرایا جائے جو غلام ہوں یا غیر مسلموں کی قید و بند میں صرف مسلمان ہونے کے ناطے تکالیف میں مبتلا ہوں۔

غارمین: وہ لوگ جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لیتے رہے اور محدود آمدنی کے باعث اس کی ادائیگی، ان کے لیے ناممکن ہو۔ قرض کی ادائیگی کے لیے انہیں زکوٰۃ وغیرہ دی جائے۔

فی سبیل اللہ: جن لوگوں نے اپنے آپ کو خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا ہو۔ مثلاً مجاہدینِ اسلام، علماء دین اور دینی طالب علم۔

ابن السبیل: وہ لوگ جو حالت سفر میں کسی ناگہانی آفت، چوری وغیرہ کے باعث ضرورت مند ہو گئے اگر چہ وہ اپنے گھروں میں مال دار ہوں۔

آیت زیر گفتگو میں فقراء ہی کے ایک گروہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ یہ سب زیادہ مستحق زکوٰۃ و صدقات ہیں جبکہ ان کے ظاہری حال کو دیکھ کر دولت مند انہیں کچھ نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ بھی فقراء ہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا کہ ان کے شب و روز خدمت دین میں صرف ہوتے ہیں۔ قرآن و سنت کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ دین پھیلانے کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں ان کی یہ مصروفیت انہیں اپنے معاش کے لئے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے نہ تجارت کرنے کی فرصت دیتی ہے نہ ملازمت کرنے کی جب کہ ان کے اہل و عیال بھی ہیں۔ ان کی ضروریات عام لوگوں سے زیادہ ہی ہیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ علمی وجاہت، علمی وقار کی حفاظت کے سبب یہ نہ تو کسی سے اپنا حال کہہ سکتے ہیں نہ ہی ان کا ظاہر ان کے فقر کی ترجمانی کرتا ہے۔ نہ یہ لوگوں سے سوال کر پاتے ہیں۔ جاہل ان کو بہت ہی خوشحال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے معاش کی طرف سے نہایت متفکر رہتے ہیں۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ وہ ان کی عزت بھی کریں اور مالی خدمت بھی۔ ان پر جو مال بھی صرف کیا جائے گا وہ بہترین صدقہ ہوگا۔ زکوٰۃ کی دولت سے ان کی خدمت کی جائے گی تو وہ یقیناً مقبول ہوگی۔ کہ درحقیقت یہ دوہری عبادت ہے۔ زکوٰۃ و صدقہ بھی اور خدمت دین میں تعاون بھی۔

قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق ہی ہر دور میں حکام و عوام نے دین کے خادموں کی خدمت کا پوری طرح خیال رکھا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار دولت دینی ضروریات پر صرف کی

Marfat.com

لیکن جب خود خلیفہ ہوئے اور تجارت کی فرصت نہ رہی تو صحابہ نے بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر کی اور آپ نے قبول فرمائی۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھی بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے خلیفہ ہارون رشید کے دور میں قضاء کا عہدہ قبول کیا جس کی وہ تنخواہ لیا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں سے نذرانہ قبول کرتے تھے۔ نظام الملک بادشاہ نے مدرسہ نظامیہ کے مدرس اول کی تنخواہ ایک لاکھ درہم ماہانہ مقرر کی تھی۔ فتاوی عالمگیری کے مرتبین علماء کو اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور فتاویٰ کے مکمل ہونے پر ان میں بطور نذرانہ و انعام دو لاکھ درہم اور دو سو قرش سونا تقسیم کیا گیا۔ اسی طرح آپ ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو علماء کی خدمت یا تو بیت المال سے ہوتی رہی یا عوام خود ان کی خدمت کرتے رہے۔ اسی لئے ان میں سے اکثر خوشحال رہے اور فکر معاش سے آزاد ہو کر دین کی خدمت انجام دیتے رہے کسی کی پروا کئے بغیر صدائے حق بلند کرتے رہے۔ لیکن ہمارا دور اس قدر افسوسناک ہے کہ علماء سے حکام، دین کی تبلیغ و اشاعت کا تو مطالبہ کرتے ہیں۔ عوام ان سے حق بات سننا چاہتے ہیں۔ لوگ ان سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ فتوے لیتے ہیں۔ نکاح پڑھواتے ہیں، جنازے پڑھواتے ہیں، دعا و تعویذ کے لئے ان کے پاس آتے ہیں۔ لیکن نہ حکام کی طرف سے ان کی کوئی خدمت ہوتی ہے۔ نہ ہی عوام کو ان کی خدمت کا احساس رہا ہے۔ اسی لئے آج معاشی طور پر سب سے زیادہ کمزور آپ کو علماء ہی کا طبقہ نظر آئے گا۔ آج حال یہ ہے کہ امام کے مقتدی نماز پڑھنے گاڑیوں میں آتے ہیں۔ لیکن غریب امام کے پاس سائیکل تک نہیں ہوتی۔ اگر عوام خدمت علماء کا احساس کریں اور صدقہ و زکوٰۃ سے ان کی امداد کریں تو علماء فکر معاش سے آزاد ہو کر سکون سے خدمت دین کی ذمہ داری پوری کر سکتے ہیں۔ نیز لوگوں کے صدقات و زکوٰۃ بھی یقیناً صحیح مستحقین کو پہنچیں۔ کہ جو علماء اس کے مستحق نہ ہوں گے وہ اسے ہرگز ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی صدقات و زکوٰۃ اگر علماء کو دے کر انہیں اس کا وکیل مختار بنا دیا جائے کہ وہ جیسے چاہیں اس کو خرچ کر دیں تو یہ ایک بہترین طریقہ ہوگا۔ صدقات و زکوٰۃ کے مستحقین تک پہنچنے کا اگر علماء مستحق ہوں گے تو وہ اس کو خود استعمال کریں گے اور اگر مستحق نہ ہوں گے تو وہ اس کو شرعی طریقے پر صحیح مصرف میں خرچ کریں گے۔ بہر حال صدقات و زکوٰۃ علماء کو دی جائے یا ان کے ذریعہ دوسروں تک پہنچائی جائے دونوں صورتیں اعلیٰ و افضل ہیں۔

عاملین کی وضاحت

یہاں ایک وضاحت بے محل نہ ہوگی وہ یہ کہ قرآن نے زکوٰۃ کا مستحق جن آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے ان میں ایک گروہ عاملین کا بھی ہے۔ واضح رہے کہ عاملین وہ لوگ ہیں جنہیں حاکم اسلام زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے مقرر کرتا ہے۔ ان لوگوں کی اُجرت زکوٰۃ کی رقم سے ادا کی جاسکتی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں دینی مدارس کی طرف سے یا رفاہی تنظیموں کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ کی وصولیابی کرتے ہیں ان کی اُجرت زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرنا جائز نہیں کہ وہ شرعی عاملین کے حکم میں نہیں۔ کیونکہ حاکمِ اسلام کے مقرر کردہ عاملین درحقیقت فقراء کے وکیل ہوتے ہیں۔ جب زکوٰۃ ان کے سپرد کی جاتی ہے۔ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے اور صاحب نصاب اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ نیز یہ عاملین بحیثیت وکلاء فقراء، نگرانِ اعلیٰ، یعنی حاکمِ اسلام کی مقررہ اُجرت اس رقم سے لے سکتے ہیں۔ لیکن دینی مدارس یا تنظیموں کے مقررہ عاملین کی حیثیت وکلاء فقراء کی

Marfat.com

نہیں۔لہذا انہیں جو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مستحقین کو نہ پہنچا دیں۔اور نہ وہ اس سے اپنی اُجرت لینے کے مجاز ہیں۔اس وضاحت سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موجودہ تنظیموں یا عوامی قائم کردہ بیت المال میں جو زکوٰۃ جمع کی جاتی ہے وہ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک کہ مستحقین کو نہ پہنچے۔لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے یہ تحقیق ضروری ہے کہ یہ ادارے زکوٰۃ کی رقوم جمع تو نہیں کرتے رہتے۔جیسا کہ بعض اداروں کے پاس زکوٰۃ کے لاکھوں روپے جمع ہوتے ہیں اور وہ اپنے ضابطوں کے مطابق ماہانہ صورت میں مستحقین کو دیتے ہیں۔یا بعض ادارے زکوٰۃ کی رقوم سے تجارت کرتے اور اس کے منافع سے غرباء کی امداد کرتے ہیں۔یہ اور اس جیسی دیگر صورتیں چاہے کتنی ہی مفید اور پرکشش ہوں لیکن ناجائز ہیں۔

یاد رکھیے، زکوٰۃ نماز و روزہ کی طرح ایک دینی فریضہ ہے جس طرح دیگر فرائض و عبادات کی ادائیگی کے شرعی احکام موجود ہیں اور ان کی پابندی لازمی ہے۔اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے بھی شرعی احکام موجود ہیں۔جن کی پابندی لازمی ہے۔صرف ایک مسئلہ ہے زکوٰۃ کے احکام کی باریکی اور نزاکت کا اندازہ کر لیجیے کہ اگر کسی غریب کو زکوٰۃ کے پیسے سے کھانا کھلایا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔اور اگر کھانا دے دیا گیا تو ادا ہو گئی۔لہٰذا یہ تصور بڑا ہی غلط ہے کہ زکوٰۃ کی مد میں ہم تو پیسہ دے چکے اور بری الذمہ ہو گئے۔ایسا ہرگز نہیں زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جسے زکوٰۃ دے رہا ہے اس کے متعلق تحقیق کرے کہ وہ واقعی شریعت کے مطابق وکالت کا اہل ہے یا نہیں۔چندے کے طور پر آنکھ بند کر کے یا معاشی و معاشرتی تعلقات کی بناء پر زکوٰۃ دے دینا ہرگز جائز نہیں۔ہم پھر اسی بات کا اعادہ کرتے ہیں جو ابھی عرض کر چکے ہیں کہ سب سے آسان و معتبر ذریعہ علماء کی وکالت ہے۔کہ انہیں زکوٰۃ دے کر وکیل مختار بنا دیا جائے۔وہ شریعت کے مسائل سے بھی واقف ہوتے ہیں اور خشیت الٰہی بھی ان کا خاصہ ہے۔لہٰذا وہی آپ کی زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں کہ اگر خود مستحق ہیں تو خود استعمال کریں گے اور اگر خود مستحق نہیں تو شرعی مستحقین تک بروقت پہنچائیں گے۔کوئی خلاف شرع طریقہ اختیار کرنے کا ان سے خطرہ نہیں۔

اگر اللہ نے صاحب نصاب بنایا ہے تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا بھی علم دین کا حصہ ہے۔جسے سیکھنا نبی مکرم علیہ السلام نے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے فرض قرار دیا ہے۔لہٰذا ''بہار شریعت'' حاصل کیجیے اور بآسانی تمام ضروری دینی مسائل جان لیجئے۔یہاں ہم نے ضرورت وقت کے مطابق ایک اہم مسئلہ بیان کر دیا۔اللہ توفیق دے کہ قارئین اس پر عمل کریں۔

تتمہ مضمون صدقہ

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ: ۲۷۴)

جو لوگ اپنے مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سورہ بقرہ کی گزشتہ نو آیات میں صدقہ کے فضائل، احکام وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمانے کے بعد اس عنوان

Marfat.com

کی اس آخری آیت میں صدقہ دینے والوں کو اجر و ثواب کا مژدہ سنایا جا رہا ہے۔ کہ جو لوگ اپنے اموال، بصورت زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ کم و زیادہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں رات کو دن میں چھپا کر ظاہر کر کے ہر طریقے اور انداز و مقدار میں خرچ کرتے ہیں کہ کسی طرح اللہ کی رضا حاصل ہو جائے۔ ان کے لیے خوشخبری ہے، وہ مطمئن رہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ جو دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ان کو مال تلف ہو جانے کا خطرہ نہیں رہتا کہ جس مال کی زکوٰۃ دی جاتی رہتی ہے اللہ اس کا محافظ ہو جاتا ہے اور جو لوگ صدقہ کرتے رہتے ہیں وہ آفات و بلیات اور دیگر نقصانات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کہ نبی مکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق صدقہ بلاؤں کو رد کرتا ہے، یعنی صدقہ دینے والے کا صرف مال ہی محفوظ نہیں ہوتا بلکہ وہ خود بھی ہر طرح محفوظ و مامون رہتا ہے۔ اس کی زندگی پُر سکون اور پُر کیف ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس طرح کہ صدقہ دینے والا اپنے انجام سے بے نیاز ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں جس اللہ کی رضا کے لیے اپنی محبوب دولت خرچ کرتا رہا اس اللہ سے اسے پوری پوری امید ہوتی ہے کہ وہ اسے بخش دے گا۔ اس کا انجام بخیر ہوگا۔ وہ جھومتا، خوش ہوتا جنت میں داخل ہوگا۔

اس ارشاد کے اولین مصداق وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کے اولین مخاطبین ہیں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے ہر طرح صدقہ کر کے رب کی رضا حاصل کی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دن میں اصحاب صفہ کے لیے نقد دینار کی صورت میں ایک بڑی رقم پیش کی۔ حضرت علی نے رات میں اصحابِ صفہ کے لیے وسق (تقریباً چھ من) کھجوریں دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار دینار صدقہ کیے۔ دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں اتنے ہی چھپا کر اور اتنے ہی ظاہر کر کے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ صرف چار درہم تھے آپ نے چاروں صدقہ کر دیئے۔ ایک رات میں ایک دن میں ایک چھپا کر ایک اعلانیہ۔ غرضیکہ آیتِ مبارکہ کا اصل مصداق یہی لوگ قرار پائے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت خصوصی طور پر انہی حضرات کے لئے مژدہ بن کر نازل ہوئی۔ اب قیامت تک جو مؤمن بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر اسی خلوص کے ساتھ صدقہ کرتا رہے گا۔ قرآن دنیا ہی میں اس کو قبولیتِ صدقہ کا مژدہ دیتا رہے گا۔

پس مؤمن کو چاہیے کہ وہ صدقہ دینے میں کم زیادہ کی پروا نہ کرے۔ اخلاص سے ایک پیسہ دینے والے کے لیے بھی یہ مژدہ ہے اور ریاء دکھاوے کے لئے ہزاروں دینے والا بھی اس سے محروم ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ غرباء اس خیال سے صدقہ نہیں دیتے کہ ہمارے چند پیسوں کی کیا حیثیت یا ہم تو خود صدقہ کے مستحق ہیں۔ تو صدقہ کیسے کریں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ صدقہ کا مقصد تو اللہ کی رضا کا حصول ہے جو دولت مند اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کر کے حاصل کرتا ہے۔ اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کر کے حاصل کرنا چاہیے۔ نیز یہ خیال کہ صدقہ لے کر صدقہ کیسے کریں، غلط ہے کہ جو پیسہ اسے ملا ہے اور وہ اس کا مالک ہے جس طرح وہ اسے اپنی دیگر ضروریات پر خرچ کرتا ہے اسی طرح اس ضرورت پر بھی خرچ کرے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے سے بڑی ضرورت اور کون سی ہو سکتی ہے۔

نیز مؤمن کو چاہیے کہ وہ صدقہ و خیرات کے عمل کو حسب توفیق ہمیشہ جاری رکھے۔ زکوٰۃ تو سال میں ایک مرتبہ متعین

Marfat.com

مقدار میں دی جاتی ہے لیکن نفلی صدقہ کی نہ تو مدت مقرر ہے اور نہ مقدار۔ یہ عمل ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے کہ جو نیکی جاری رہتی ہے وہی افضل و اعلیٰ ہے۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

خَيْرُ الْاُمُوْرِ مَا دَا وَ مَ عَلَيْهِ صَاحِبُهَا وَ اِنْ قَلَّ

بہترین عمل وہی ہے جو دائی ہو اگر چہ تھوڑا ہو۔

نیز فرمایا:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَ اِنْ قَلَّ

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہی ہے جو دائی ہو اگر چہ تھوڑا ہو۔ (بخاری و مسلم)

''اے اللہ ہمیں دولت بھی عطا فرما اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی'' آمین۔

سود خور کا بھیانک حال

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے چھو کر شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود، تو جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آئی تو وہ باز آ گیا تو اس کا ہو چکا جو اس نے پہلے لیا ہو اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو اس نے دوبارہ سود لیا تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربو سود سے متعلق ضروری گفتگو ہم اگلے صفحات پر کریں گے۔ یہاں آیت بالا کا مضمون بیان کرتا ہے۔ ہر مسلمان یہ مانتا اور جانتا ہے کہ سود سے حاصل شدہ دولت، شراب، خنزیر اور دیگر حرام اشیاء ہی کی طرح حرام ہے۔ جو شخص اس کی حرمت کا انکار کرے وہ کافر، مرتد اور جو اس کو حرام جانتے ہوئے بھی کھائے وہ دنیا و آخرت میں اللہ کے عذاب اور ذلت و خواری کا مستحق قرار پاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں قیامت کے دن سود خور کی رسوائی بیان کرنا مقصود ہے جس کے لئے اس کی وہ بھیانک حالت بیان کی جا رہی ہے جو حشر کے دن قبر سے نکلتے وقت ہوگی کہ اس دن قبر سے نکلتے ہی ہر ایک پر اس کے اعمال کا اثر ظاہر ہوگا۔ انبیاء و مرسلین کے نورانی چہروں پر اپنی اپنی امت کی بخشش اور اپنی ذمہ داریوں کے جواب دہی کے اثرات ہوں گے۔ اولیاء و صالحین کے چہروں پر طمانیت و سکون کے آثار ہوں گے۔ گناہگار مومنین پر گھبراہٹ لیکن شفاعت مصطفیٰ کی امیدواری کے آثار ہوں گے، جبکہ کفار کو اوندھے منہ اٹھایا جائے گا جو ان کی ذلت و خواری کا عام اعلان ہوگا۔

Marfat.com

سود خوری وہ بدترین گناہ اور لعنت ہے جو ایمان کے باوجود حشر میں مؤمن کی رسوائی کا سبب بنے گی کہ جب سود خور قبر سے اٹھے گا تو بدحواس ہوگا، مخبوط الحواس ہوگا، بولنا کچھ چاہے گا اور زبان سے کچھ نکلے گا۔ جھومتا، بیدم سا چلتا ہوگا۔ جیسے اسے کسی خبیث بھوت جن نے دیوانہ کر دیا ہو۔ کیونکہ وہ دنیا میں دولت کے ایسے دیوانے تھے کہ شیطان کی طرح اسے حاصل کرنے میں لگے رہتے تھے۔ دولت کی ہوس نے ان کے دلوں سے رحم، محبت اور سب کچھ چھین لیا تھا۔ ضرورت مندوں کو یہ لالچ دے کر بطور قرض اپنی دولت دیتے اور پھر اس پر اتنا سود وصول کرتے تھے کہ مقروض کے لیے اصل رقم کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ حتیٰ کہ دولت کے پجاری یہ شیطان نما انسان لوگوں کی تجارت، جائداد، رہنے کے مکان تک پر قابض ہو جاتے تھے اور پھر بھی اصل رقم کا مطالبہ باقی رہتا تھا۔

کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جو اپنی دولت کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح کہ دوسروں کا خون چوستے ہیں، ان کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں، پھر خوش ہوتے ہیں۔ اور اپنے اس ظالمانہ کاروبار کو بیع، تجارت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیع اور ربوٰ میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح تجارت سے منافع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح ربوٰ بھی منافع بخش کاروبار ہی تو ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور ربوٰ کو حرام" پس جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو حاکم حقیقی ماننا اور اپنی زندگی کے ہر عمل پر اس سے اجر و ثواب کی توقع کرتا ہے۔ اسے بلا چون و چرا رب کے اس حکم پر عمل کرنا ہوگا جس نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔ رب رحیم اسے دشواری میں مبتلا نہیں فرماتا کہ جو سود وہ اب تک لیتا رہا ہے اس کو واپس کرنے کا حکم دیا جائے۔ بلکہ وہ اپنے فضل و کرم سے اسے "سلف" قرار دیتا ہے کہ جو تم لے چکے وہ لے چکے، وہ تمہارا ہے، اب نہ لینا اگر دوبارہ لیا اور حرمت میں شک کے ساتھ تو ہم تمہارا ایمان بھی مسترد کر دیں گے۔ تمہارا انجام کافروں کے ساتھ ہوگا کہ تم بھی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔

یہ ہے بھیانک رسوائی سود خوروں کی۔ میرے آقا ﷺ نے شب معراج میں اس سے بھی زیادہ بھیانک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ہمیں بتایا۔ آپ نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَآءِ یَا جِبْرَئِیْلُ قَالَ هٰؤُلَآءِ اَكَلَةُ الرِّبٰو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، معراج کی رات میرا ایسے لوگوں پر سے گزر ہوا جن کے پیٹ گھروں جیسے تھے، جن میں سانپ تھے جو پیٹوں میں سے نظر آتے تھے۔ میں نے کہا اے جبریل، یہ کون لوگ ہیں، کہا، کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ (ابن ماجہ)

سود خور دنیا میں اپنے سود کی دولت پرست ہوتا ہے۔ وہ آسیب زدہ دیوانوں کی طرح شب و روز سودی دولت جمع کرنے میں لگا رہتا ہے، نہ اسے کسی پر رحم آتا ہے نہ وہ کسی کے حقوق پہچانتا ہے۔ عام طور پر سود کھانے والوں کے پیٹ بڑے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

پس قیامت میں ان کی رسوائی ان کے دنیا کے حال کو بڑی صورت میں ظاہر کر کے کی جائے گی کہ وہ اپنی قبروں سے آسیب زدہ دیوانوں کی طرح برآمد ہوں گے۔ ان کے پیٹ مزید بڑھ کر پورے پورے گھروں کی طرح ہو چکے ہوں گے جس کے سبب ان کا چلنا دشوار ہوگا۔

اللہ محفوظ رکھے دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے۔ بالخصوص قیامت کی رسوائی سے کہ دنیا کی رسوائی تو محدود رہتی ہے کسی کے عیب کا پردہ اگر دنیا میں چاک ہو جائے تو اس کا پتہ اس کے گھر والوں محلے کے لوگوں یا اس کے شہر والوں ہی کو ہوتا ہے۔ لیکن قیامت کی رسوائی کا حلقہ محدود نہیں۔ وہاں جس کا عیب ظاہر ہوگا اللہ کی ساری مخلوق اس کا تماشہ دیکھے گی اور جو کچھ دنیا میں چھپایا تھا سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ سود کی دولت سے، دنیا میں جھوٹی عزت بنانے والا قرآن و حدیث کی خبر کے متعلق کیسا ذلیل و رسوا ہوگا۔ کاش وہ اس خبر پر یقین کرے اور تائب ہو کر اللہ رحیم و کریم کی پناہ میں آ جائے۔ قیامت کی رسوائی، عذاب سے پہلے ایک بڑا عذاب ہے۔ اسی لئے خود اللہ اس سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم فرماتا ہے:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۱۹۴

(آل عمران: ۱۹۴)

اے ہمارے رب ہمیں دے جس کا تو نے اپنے رسولوں (کی زبان) پر وعدہ فرمایا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ربٰو و صدقہ کا فرق

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝۲۷۶

(البقرہ: ۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ نہیں پسند کرتا کسی ناشکرے گناہ گار کو

سود سے دولت کمانے والے یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی حرام کی یہ دولت اسی طرح بڑھتی رہے گی حتیٰ کہ اب ان کی نسل میں کوئی غریب نہیں ہو سکے گا۔ جب کہ ایسے ہی لوگ اگر بمشکل کچھ صدقہ و خیرات کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ہمارا اتنا پیسہ کم ہو گیا۔ اسی کو ہم سود کے ذریعہ کئی گنا بڑھا سکتے تھے۔ یہ دونوں ہی خیال شیطانی ہیں، غلط ہیں۔ یہ جاننے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں کہ کون سی دولت حقیقت میں مٹ رہی ختم ہو رہی ہے اور کون سی بڑھ رہی ہے۔ کہ وہی دولت کو تباہ کر دینے پر اور وہی دولت کو بڑھا دینے پر قادر ہے۔ پس اس نے اعلان فرما دیا،'' کہ سود کی دولت کے چاہے کتنے ہی ڈھیر لگا لو۔ لیکن یہ دولت مٹ جائے گی اور صدقہ ایک پیسہ بھی خرچ کرو تو وہ کئی گنا بڑھ جائے گا۔ سودی دولت اس لیے مٹا دی جاتی ہے کہ سود کھانے والا یا تو حکم الٰہی کے برعکس ربٰو اور بیع کو ایک ہی جیسا قرار دیتا اور سود کی حرمت کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایسا شخص کافر و مرتد ہے۔ اور یا وہ ربٰو کو حرام یقین کرتے ہوئے بھی حرام خوری میں مبتلا رہتا ہے، یہ شخص گناہ گار ہے۔ اور اللہ نہ کافر کو پسند فرماتا ہے اور نہ ہی گناہ گار کو۔ پس جسے اللہ پسند نہ فرمائے اس کا کوئی عمل اس کے لیے دنیا میں اور آخرت میں مفید ثابت نہیں

Marfat.com

ہوسکتا ہے۔ سود خور یا تو کافر ہوگا اور یا گناہ گار۔ اس کی دولت کیسے دنیا یا آخرت میں اس کے کام آسکتی ہے جبکہ صدقہ دینے والا اپنے عمل سے اپنے کامل مومن ہونے کا ثبوت فراہم کر رہا ہے اور مومن کا ہر عمل اس کو دنیا میں بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ تو اس کا صدقہ دنیا میں اس کے مال میں برکت کا اور آخرت میں اس کی نجات کا ضرور ذریعہ بنے گا۔ اور یہی حقیقت میں اس کے مال کا بڑھتے رہنا ہے۔

ہر شخص کے پیش نظر دولت کے حصول کا مقصد اپنے کردار کے مطابق ہوتا ہے۔ ایک مومن کامل، حلال ذرائع سے خوب دولت کمانا چاہتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی پرسکون زندگی بسر کرے اس کی اولاد خوشحال ہو۔ اپنے خاندان اور معاشرے سے غربت کے خاتمہ میں وہ باآسانی حصہ لے سکے۔ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہو۔ بر و تقویٰ میں وہ معاون بن سکے۔ اس کے پیش نظر ان تمام مقاصد کی بنیاد اللہ کو راضی کرنا اور اس کے رسول سے محبت کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ تو یہ شخص اپنے ان مقاصد کو پالیتا ہے جس کا بدلہ اللہ کی طرف سے اس کو دنیا میں اس طرح ملتا ہے کہ اس کی کمائی میں برکت ہوتی ہے۔ تھوڑی دولت میں اس کے بہت سے کام بن جاتے ہیں۔ لوگ دل سے اس کی عزت کرتے اور اس کا احترام کرتے ہیں۔ نہ جانے کتنے غریب اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، جس کا خود بھی اس کو پتہ نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں یہی صدقہ کرنے والے مطمئن ہوں گے۔ ان کی یہ دولت کئی گنا زیادہ دولت خرچ کرنے کے مساوی اجر و ثواب کی صورت میں ان کے وہاں کام آئے گی۔ پس انہوں نے جس مقصد سے دولت کمائی، وہ دنیا میں بھی پورا ہوا اور آخرت میں اور حقیقت میں یہی تو دولت کا بڑھنا ہے۔

ایک بدعمل، بدکردار مسلمان جب دولت کماتا ہے تو اس کے نزدیک صرف اپنی زندگی کو آسودہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں اپنے آپ کو بڑا دولت مند کہلانا چاہتا ہے۔ عزت والا بننا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی اولاد کے لئے بھی دولت کے ڈھیر صرف اس مقصد سے جمع کرتا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ یہی کہیں کہ فلاں شخص نے اپنی اولاد کے لیے خوب چھوڑا ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ دن رات تگ و دو کرتا ہے۔ حلال و حرام کا اسے خیال تک نہیں آتا۔ رشوت لیتا ہے، لوگوں پر ظلم کر کے ان کی دولت ہڑپ جاتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں کا مال تک ہضم کر بیٹھتا ہے۔ حتیٰ کہ سودی کاروبار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ شخص بظاہر تو دولت کے ڈھیر جمع کر لیتا ہے لیکن جو مقاصد اس کے پیش نظر تھے وہ اسے حاصل نہیں ہو پاتے۔ نہ تو اس کی اپنی زندگی آسودہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو رات دن سکون نہیں ہوتا۔ حکومت کی طرف سے مختلف ٹیکسوں کے مطالبہ، عوام کی طرف سے طرح طرح کی مقدمہ بازی کے ڈر میں یہ لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ عداوتوں اور دشمنیوں کی بناء پر ہر وقت انہیں اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ شاندار مکانات اور تمام ضروری و غیر ضروری ساز و سامان کے باوجود یہ بدنصیب رات کو آرام کی نیند نہیں حاصل کر پاتے کہ یہ اپنی دولت سے ہر چیز خرید سکتے ہیں۔ لیکن نیند و سکون نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی مارکیٹ میں مل سکتا ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو صرف اور صرف اللہ کے خزانوں میں پائی جاتی ہے اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو نصیب ہوتی، اور نہ لوگ ان کا احترام کرتے اور عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، بلکہ ہر شخص انہیں ظالم و

Marfat.com

بدکرداری سمجھتا ہے اور ان کی ظاہری چاپلوسی وخوشامد کے باوجود ان سے نفرت کرتا اور اس کی موت کی آرزو کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے لوگوں کی اولاد کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ باپ جلدی مرجائے تا کہ اس کی دولت ہاتھ لگے اور ہم عیش کریں۔ غرضیکہ سود در سود سے لاکھوں کو کروڑوں میں بنانے والے بظاہر دولت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوتے ہیں لیکن یہ دولت ان کے لئے ایسے کانٹوں کی طرح ہوتی ہے جو انہیں کسی کل چین نہیں لینے دیتی۔

سودخوروں کے ٹولوں کو ظاہر حال دیکھنے والے لوگ بڑا ہی خوشحال سمجھتے ہیں اور اسی لئے وہ سود کو تجارت میں کامیابی کا ایک لازمی جز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا عقل و دیانت سے کام لیا جائے اور ان لوگوں کی حالت پر بھی نظر ڈال لی جائے جن کا سودخوروں نے خون تک چوس لیا ہے، وہ نہ صرف اپنے کاروبار، تجارت سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ سود کی ادائیگی کے بارنے ان کو صحت تک سے محروم کر دیا ہے۔ وہ اور ان کے اہل خانہ نان شبینہ تک کو ترستے ہیں۔ تو سود کی لعنت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے اور پھر ہر شخص اس کی حرمت کی حکمتوں کو تسلیم کر سکتا ہے۔

بہرحال سودی دولت بڑھتی نہیں ہے کہ جس دولت سے اس کے فوائد حاصل نہ ہوں اس کو بڑھنے والی دولت نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اکثر سودخوروں کو دیکھا گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کا مال ان کی زندگی ہی میں تباہ ہو جاتا اور وہ پیسے پیسے کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اور اگر زندگی کے چندروزہ وہ اس دولت کے سہارے گزار بھی لیتے ہیں تو ان کے وارثوں کے ہاتھوں یہ دولت برباد ہوتی ہے کہ حرام سے کمائی ہوئی اور آسانی سے ہاتھ آئی ہوئی دولت کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ اسی لئے بزرگوں کا قول ہے کہ ''سودخور پر چالیس سال نہیں گزرنے پاتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کی دولت میں گھاٹا آ ہی جاتا ہے، پس سود کھانے والوں کے موٹے جسم اور ان کی چندروزہ خوشحال زندگی سے انہیں صحت مند اور تندرست نہیں سمجھنا چاہیے۔ ان کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جس کے جسم پر ورم آ گیا ہو اور وہ موٹا نظر آتا ہو۔ ورم سے جسم کی زیادتی کو صحت نہیں کہا جا سکتا۔ یہ وہ مرض ہے کہ اگر علاج سے ختم ہو جائے تو جسم پھر دبلا پتلا ہی نظر آئے گا اور اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو یہ چند ہی روز میں قبر تک پہنچا کر رہے گا۔ سود بھی ورم ہی کی طرح انسان کے ظاہری حال کو تبدیل کر دیتا ہے۔ جس کا انجام دنیا میں بھی عبرت ناک ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ پس اعلان باری تعالیٰ حق ہے کہ ''اللہ سود کو مٹا دیتا اور صدقات کو بڑھا دیتا ہے''، دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ (الروم:۳۹)

اور جو مال تم سود حاصل کرنے کے لیے (قرض) دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو اللہ کے نزدیک نہ بڑھے گا اور جو زکوۃ (وخیرات) دو، اللہ کی خوشنودی کے لیے تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔

مؤمنین کاملین کا انجام

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

Marfat.com

رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۷۷)

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوۃ دیتے رہے، ان کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مؤمن کامل وہی ہے جو صالح ہو جس کی ظاہری علامت نماز کی پابندی اور زکوۃ ادا کرنا ہے۔ ایسے شخص کے لیے مژدہ ہے کہ اس کی ہر نیکی کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے اور وہ ہر قسم کے خوف اور غم سے آزاد ہوگا۔

صالحیت ایمان کا مقتضی ہے، یعنی ایمان مؤمن کو صالح بنانا چاہتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ بار بار عمل صالح کا تذکرہ ہے۔ جس کی تفسیر صاحب قرآن ﷺ نے اپنے عمل اور تعلیم سے کی۔ صالحیت ہی حیات طیبہ کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اسی پر تقویٰ کے تمام مراتب کا دارومدار ہے۔ اسی سے ولایت کی تمام منزلیں طے ہوتی ہیں۔ یہی انسان کا وہ شرف ہے، جس کے باعث وہ اشرف المخلوقات ہونے کا بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ صالحیت سے زندگی پُر سکون ہوتی ہے، یہی معاشرے میں عزت کا ذریعہ ہے۔ اسی سے معاشی آسودگی اور خوشحالی حاصل ہوتی ہے۔ صالحیت ہی انسان کو ہر دلعزیز بناتی ہے۔ اسی سے قیادت و سیادت کا استحقاق ہوتا ہے۔ اسی سے معاشرے میں امن و امان قائم ہوتا ہے۔ اسی سے افراد باہمی الفت و محبت کے بندھن میں بندھ کر ایک مضبوط قوم بنتے ہیں۔

ہر قوم صالحیت پسندی کا دعویٰ کرتی ہے اور ہر مذہب اس کا پرچار کرتا ہے۔ لیکن اس جوہر نایاب کو حاصل کرنے کے کامیاب طریقے نہ کسی دنیاوی قانون میں پائے جاتے ہیں، نہ کسی مذہبی قانون میں۔ جب کہ اسلام کے تمام احکام اسی کی تربیت دیتے ہیں۔ ان کی پابندی کرنے والا خود بخود پیکر صالحیت بن جاتا ہے۔ عرب کے بدوؤں اور غلامی کی زندگی بسر کرنے والوں کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوتے ہی کیسی صالحین کی قوم بن گئے، جو خون کے پیاسے تھے وہ دوسروں کے لیے خون بہانے لگے، جو عزت و آبرو کے لٹیرے تھے، وہ دوسروں کی عزت و ناموس کے محافظ بن گئے۔ جو کسی کو امن و امان کی زندگی بسر نہ کرنے دیتے تھے، انہوں نے دنیا کو امن و امان کے طریقے سکھائے۔ جو غربت و جہالت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے انہوں نے دنیا سے غربت کا خاتمہ کیا اور شمع علم کو روشن کیا۔ جو اپنے چند جانوروں کو بھی قابو نہ کر پاتے تھے انہوں نے انسانوں کے دلوں پر حکومت کی۔ جو تہذیب و تمدن کے نام سے بھی آشنا نہ تھے انہوں نے دنیا کو تہذیب و تمدن کے اصول سکھائے۔ غور کیجئے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے والی جاہل قوم کو اسلام نے کیسا صالح بنا دیا کہ متقی بھی بن گئے، ولی بھی بن گئے۔ انسانیت کے کمال کے لیے جتنے اوصاف ہو سکتے ہیں، سب انہیں نصیب ہو گئے۔

صالحیت کا جو اہتمام اسلام کرتا ہے اس کی نظیر کسی مذہب یا دنیا کے کسی قانون سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے تو روزہ ہمدردی و مساوات کے جذبات اُجاگر کرتا ہے۔ زکوۃ و صدقہ دل سے مال و دولت کی محبت کو نکالتا اور معاشرے سے غربت کا خاتمہ کرتا ہے۔ حج، مذہبی اُخوت اتحاد اور یکجہتی کا درس دیتا اور مرکز سے وابستگی کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن نے شمع علم روشن کی تو صاحب قرآن نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کا نور پھیلانے کی تاکید فرمائی۔ تاکہ اس دنیا کا کوئی

Marfat.com

فرد جاہل نہ رہے۔ معلمِ صالحیت ﷺ نے جو اصول زندگی عطا فرمائے وہ سب کے سب حقیقت میں انسان کو زیور صالحیت سے آراستہ و مزین کرتے ہیں۔ والدین، اولاد، اقرباء، احباب، شوہر، بیوی، بھائی، بہن، پڑوسی، حکام، ملازمین کے حقوق اور دیگر انسانوں حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق کا تعین اور ان کی ادائیگی کا حکم صالحیت ہی کی افزائش کے لئے تو ہے۔ بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے محبت و شفقت، یتیموں کی دیکھ بھال، بیواؤں کے ساتھ ہمدردی، لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، اہل منصب لوگوں کے مراتب کا لحاظ کرنا، ضرورت مندوں کی صدقہ و خیرات یا قرض سے امداد کرنا، ان جیسے تمام اعمال سے صالحیت کی نشوونما ہوتی ہے، جن پر عمل کا اسلام حکم دیتا اور انہیں صالحیت کا لازمی جز قرار دیتا ہے۔ نیز اسلام ایسے تمام اعمال و اقوال سے روکتا ہے جو صالحیت کے لیے مضر اور مہلک ہیں۔ مثلاً ترش کلامی، غصہ، حسد، کینہ، ظلم، بددیانتی، دھوکہ دہی، جھوٹ، بازاروں میں چلتے پھرتے کھانا پینا، عام گزرگاہوں پر پیشاب وغیرہ کرنا، کسی پر ظلم کرنا، گالیاں دینا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، گروہ بندی کرنا، لسانی، صوبائی یا کسی قسم کے تعصب میں مبتلا ہونا، حکام سے بغاوت کرنا، محلوں اور شہروں میں بدامنی پیدا کرنا، افواہیں پھیلانا، نامحرم مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط، زنا، بدکاری، جوا، شراب، رشوت، سود، اور ان جیسی تمام برائیوں اور بداخلاقی سے سختی کے ساتھ روکا گیا کہ اس سے صالحیت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ جب کہ کوئی مؤمن صالحیت کے بغیر مؤمن کامل نہیں ہوسکتا۔

غرضیکہ کمالِ ایمان کا ذریعہ صالحیت ہے جس کا ثبوت نماز اور زکوٰۃ سے فراہم ہوتا ہے۔ حج عمر میں ایک مرتبہ کیا جاتا ہے جس میں بہت سے معاشی فوائد بھی ہیں اور ایک نئی دنیا کے سفر یا طرح طرح کے لوگوں کو دیکھنے کی کشش بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کو دلیل صالحیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی کا صرف حاجی کہلانا، اس کے صالح ہونے کا ثبوت نہیں۔ روزہ بلاشبہ عظیم عبادت ہے، لیکن سال میں ایک مرتبہ اس کا وقت آتا ہے۔ نیز یہ نہایت ہی ذاتی نوعیت کا عمل ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کس کا روزہ ہے اور کس کا نہیں۔ لہٰذا یہ بھی ثبوت صالحیت نہیں بن سکتا۔ ہاں نماز ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے نمازی کو پانچ وقت روزانہ متعدد قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ اس کی پابندی مؤمن کے دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ نیز دوسرے لوگ بھی اس عمل کے گواہ بن جاتے ہیں۔ پس یہ صالحیت کی ایک بڑی علامت ہے۔ زکوٰۃ، صدقہ و خیرات غرباء کی امداد کا ایک اہم ذریعہ ہونے کے علاوہ مؤمن کے دل میں دولت کی محبت نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ نیز ایسے سخی کو معاشرے کے اکثر افراد جانتے ہیں، اس کا احترام کرتے اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ پس یہ عمل بھی صالحیت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

پس جو مؤمن صالح بن گیا اور نماز کی پابندی، زکوٰۃ و خیرات کی عادت سے اس نے اپنی صالحیت کا ثبوت بھی فراہم کر دیا وہ بلاشبہ مؤمن کامل ہے اور اسی کے لیے مژدۂ الٰہی ہے۔ ''ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ اللہ کا یہ کرم، ہر مؤمن پر اس کی صالحیت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جتنی صالحیت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی یہ کرم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جسے صالحیت کا اعلیٰ منصب مقام ولایت نصیب ہو جاتا ہے، اس پر یہ کرم بالائے کرم بن کر برستا ہے۔ کہ ان کی زندگی میں خوف و حزن کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ دنیا کے وہ مصائب و آلام جو بڑے بڑے سورماؤں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں، اولیاء اللہ پر

Marfat.com

ے خس وخاشاک کی طرح گزر جاتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان مصائب کے سبب ان کے کسی معمول میں فرق نہیں آ پاتا۔ نیز میدان حشر میں بھی وہ ہر طرح مطمئن و پُرسکون ہوں گے۔ نہ حساب وکتاب کا خوف ہوگا نہ میزان اور پُل صراط کا غم۔ ایسے خوش نصیبوں کے دامن سے جو مؤمن بھی دنیا میں وابستہ ہو جاتا، ان کی عقیدت ومحبت کا رشتہ جوڑ لیتا ہے اس کا بھی مقدر چمک جاتا ہے۔ وہ بھی دنیا وآخرت کے خوف وغم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ میرے غوث فرماتے ہیں:

مُرِيْدِىْ لَا تَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّىْ　　عَطَانِىْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِ

میرے مرید خوف نہ کر اللہ میرا رب ہے　　مجھے اس نے وہ بلندی عطا فرمائی ہے کہ میں مقاصد کو حاصل کر لیتا ہوں

پس جو ایسے بلند مرتبہ کے دامن سے وابستہ ہو جائے اسے کیا خوف، اسی لیے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پورے یقین کے ساتھ عرض کرتے ہیں، اور یہی عقیدہ ہمارا ہے۔

رضا کا خاتمہ بالخیر ہو گا
تری رحمت اگر شامل ہے یاغوث

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۱

البقرہ: ۲۷۸ تا ۲۸۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۷۸ تا ۲۸۱)

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود میں سے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

پھر اگر تم ایسا نہ کرو تو اعلان سن لو جنگ کا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں اور نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ۔

اور اگر وہ (قرض دار) تنگ دست ہے تو مہلت دو (اس کی) آسانی تک اور تم (قرض معاف کر کے) صدقہ کر دو، تو تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔

Marfat.com

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور پھر بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو (اس کا) جو اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو کہ جس چیز کو اس نے تمہارے لئے حرام کر دیا اس کا خیال تک نہ کرو۔ چاہے وہ کتنی ہی قیمتی ہو۔ لہٰذا ربوٰ کی حرمت کے بعد ان رقوم سے تمہارا کوئی تعلق نہ رہا جو قرض داروں کے ذمہ ہیں۔ اب تم صرف اپنا اصل مال واپس لے سکتے ہو۔ سود کی دولت تمہارے لئے حرام ہو چکی اسے چھوڑ دو۔ اگر تم واقعی مؤمن ہو گئے تو ہمارے اس حکم پر عمل کر کے اپنے ایمان کا ثبوت دو۔ اگر تم نے اس حکم کو بسر وچشم تسلیم نہ کیا تو تیار ہو جاؤ اللہ جس میں بظاہر تمہارا کچھ نقصان ہے، اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے۔ یہ جنگ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ لشکر اسلام تمہارا مقابلہ کرے گا، تمہیں قتل کرے گا جب کہ تم ربوٰ کی حرمت کا انکار کر کے مرتد ہو گئے۔ اور اگر تم نے اس کی حرمت کو تو تسلیم کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا، برابر سودی کاروبار کرتے رہے تو یہ جنگ اس طرح ہو گی کہ سود سے کمائی ہوئی تمہاری ساری دولت تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ اور آخرت میں تمہارا انجام نہایت عبرتناک ہو گا۔

اور جب تم اللہ کے حکم پر عمل کر کے سود کے واجبات چھوڑ رہے ہو تو اس کا بھی خیال کرو کہ قرض دار سے اصل رقم کا مطالبہ سختی سے یا یک دم نہ کرو، بلکہ اس سے معاملہ طے کر لو اور اس کی آسانی کے مطابق وصولیابی کا معاہدہ کرو، کہ اللہ کسی پر زیادتی اور سختی کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ تمہارا اخونی یا اسلامی بھائی ہو یا کوئی غیر مسلم، اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اگر تم میں استطاعت ہو تو تم قرضہ بالکل ہی معاف کر دو۔ یہ تو تمہارے لئے بہت ہی سود مند سودا ہو گا کہ تمہیں صدقہ کرنے کا ثواب اور برکتیں نصیب ہوں گی۔

اے ایمان والو! ہر حال میں اس حقیقت کو یاد رکھو کہ تمہیں ایک دن ضرور اللہ وحدہ لاشریک کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جو تمہارا مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ اس دن ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس جس نے لوگوں کو معاملات میں آسانیاں فراہم کیں، قیامت میں ان کے لئے بہت سی آسانیاں ہوں گی۔ اور جس نے اس دنیا میں ظلم وستم کیا لوگوں سے سود وصول کر کے ان کا خون چوسا، یا دولت جیسی ناپائیدار چیز کے لئے لوگوں کو ستایا تو قیامت میں ایسے لوگوں کے لئے بہت مشکلات ہوں گی۔ اللہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

سود کا چھوڑنا، اس کے بعد اصل رقوم کی واپسی کے معاملات بے حد الجھنوں کا باعث بن سکتے تھے کہ مالی معاملات ہی الجھنوں، باہمی اختلافات کا سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان امور کو نبٹانے کے لئے نہایت حکیمانہ انداز سے تعلیم دی گئی، جس پر عمل کے بعد اپنوں یا غیروں سے کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سود کے واجبات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود میں سے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حرمت ربوٰ کا حکم نازل ہونے سے پہلے چونکہ اکثر لوگ سودی لین دین میں ملوث تھے۔ لہٰذا اب یہ سوال عام ہوا کہ

Marfat.com

سود کے جو واجبات مسلمانوں یا کافروں کے ذمہ ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ یعنی اس سودی کاروبار سے کیسے نجات حاصل ہو کہ یہ تو ایک ایسا جال ہے جس میں پھنسنے کے بعد اس سے نکلنا ممکن ہی نہیں۔ جب تک کہ اس کو کاٹ نہ دیا جائے۔ پس اللہ رب العزت نے اس جال کو کاٹ دینے ہی کا حکم دیا کہ لینا دینا دونوں بند کر دو۔ اے مؤمنو! جو رقمیں تمہیں کافروں سے لینا ہیں وہ چھوڑ دو۔ اور جو کافروں کو دینا ہے وہ مت دو۔ اگر تمہارا دعویٰ ایمان سچا ہے تو بظاہر اپنا مالی نقصان برداشت کرو اور کافروں کی سودی رقوم روک کر انہیں یہ بتانے کی ہمت کرو کہ ہم تمہارے نفع کے لیے حرام کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔

واضح رہے کہ صرف سودی رقوم لینے دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اصل رقوم کی نہیں۔ اس صورت میں کافروں کو اصل رقم دے کر صرف سودی رقم نہ دینا نہ تو بددیانتی ہے اور نہ ہی غصب، بلکہ صرف ایک غلط کاروبار کو روک دینا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا کہ ''سودی کاروبار سے تائب ہو جانے کے بعد صرف رأس المال اصل رقم کا حق باقی رہتا ہے۔ اس پر سود کی زیادہ رقم وصول کر کے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ اصل رقم میں کمی کر کے تم پر کوئی ظلم کر سکے گا۔

اس حکم کے نزول کے بعد مسلمانوں نے اپنی تمام سودی رقم جو کافروں کے ذمہ تھی چھوڑ دینے کا اعلان کر دیا اور اپنی اصل رقوم کا مطالبہ باقی رکھا۔ یہی معاملہ کافروں کے ساتھ کیا گیا کہ ان کو واجب الادا سودی مطالبات دینے سے انکار کر دیا۔ اور اصل رقوم کی ادائیگی شروع کر دی۔ بعض کفار اس فیصلے پر راضی نہ تھے اور وہ اپنے سودی منافع کا بھی مطالبہ کر رہے تھے جس کے خاتمہ کے لیے نبی مکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر وضاحت کی کہ یہ حکم صرف مسلمانوں ہی کے لئے نازل نہیں ہوا۔ یہ پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہے اس کے سوا سود کی لعنت کے خاتمہ کا کوئی طریقہ نہیں۔ لہٰذا ہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سودی رقم کی معافی کا پہلے اعلان کرتے ہیں، جو بہت بڑی رقم ہے۔ اور اکثر کفار مکہ کے ذمہ واجب الادا ہے۔ اس اعلان کے بعد بقیہ کافر بھی اپنے مطالبات سے دستبردار ہو گئے اور سود کے کاروبار کے جس جال میں ایک مدت سے لوگ پھنسے ہوئے تھے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کاٹ دیا گیا اور لوگوں نے اس سے آزاد ہو کر سکون کا سانس لیا۔

یہ حکم آج تک باقی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ آج کے لوگ ماضی کے لوگوں کی نسبت اس جال میں زیادہ بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ دولت کی حرص و ہوس میں مبتلا لوگوں نے یہ جال افراد و اقوام پر ایسا ڈالا ہے کہ لوگ اور حکومتیں اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھنے لگے ہیں اور خیال کیا جانے لگا ہے کہ یہ ہماری معیشت کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بغیر معاشی زندگی کی بقا ممکن نہیں۔ اس کے بغیر تجارت کا تصور نہیں۔ اس کے بغیر دنیا سے رابطہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سب لایعنی تصورات ہیں۔ غیر مسلم دولت مند اقوام کے پیدا کردہ اوہام ہیں جن کے ذریعہ وہ چھوٹی قوموں اور حکومتوں بالخصوص مسلمانوں کو خوب خوب لوٹ رہے ہیں۔ ۱۹۹۱ء کی جنگ کے بعد امریکہ نے جس عیاری سے سعودی عرب، عراق اور کویت کو سود کے بار تلے دبایا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ حرمت سود کے اعلان کے بعد کتنی ہی صدیوں تک مسلمان اس کاروبار سے محفوظ رہے۔ کیا اس دور میں انہوں نے تجارت نہ کی، کیا اس دور میں ان کے پاس دولت نہ تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس امت پر بلا سودی کاروبار کا زمانہ معاشی طور پر زیادہ خوشحالی اور سکون کا زمانہ رہا ہے۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ اپنا تھا، اور آج بہت کچھ ہے اور اپنا کچھ نہیں۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس گاڑیاں، بلڈنگیں بہت کچھ ہے لیکن سب کچھ بنکوں کا ہے اور وہ اپنی اس جھوٹی

Marfat.com

امارت پر بڑے مغرور اور خوش ہیں۔ یہی حال آج اکثر مسلم ممالک کا ہے کہ وہ قرضوں کی دولت پر زندہ ہیں۔ عربوں روپیہ صرف سود کی رقم کا ادا کرتے ہیں۔ اصل قرضے کی ادائیگی کی نہ نوبت آتی ہے نہ آ سکتی ہے۔ مزید براں یہ ہے کہ وہ جن ممالک سے بھیک مانگتے ہیں ان کے ایسے غلام بن جاتے ہیں کہ اپنی قوم اور ملک کے اندرونی معاملات میں بھی آزاد نہیں رہ پاتے۔ ان کے اقتدار کی بقا اور موہوم آزادی کی بقا ان کے سود خور آقاؤں کی مرہون منت ہے۔

حیرت

ہم حیرت کرتے ہیں کہ جب سودی نظام کو معاشی خوشحالی کے لیے اپنایا گیا تو وہ خوشحالی کہاں ہے۔ کسے نصیب ہوئی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ زندگی دن بدن اجیرن ہوتی چلی جاتی ہے۔ غریب ملکوں ہی میں نہیں، امیر ممالک میں بھی بے روزگاری میں ہر روز اضافہ ہوتا ہے۔ بھوکے نوجوانوں کے پاس زندگی بسر کرنے کے لئے چوری ڈکیتی کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ غربت، جہالت، بیماریوں کا شکار ہے۔ لیکن سودی نظام میں ان مسائل کا کوئی حل نہیں۔ سودی کاروبار کے سب سے بڑے مہاجن خود ان مسائل کا شکار ہیں۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ امریکہ و یورپ کے ممالک سودی نظام ہی کی وجہ سے خوشحال اور متمول ہیں۔ وہ دنیا بھر کے غریب ممالک کی مدد کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ ٹولہ ہے جو دنیا بھر کے انسانوں کا خون چوستا ہے امداد کے نام پر دولت دے کر یہ سود کی بھاری رقمیں وصول کرتے ہیں اور مقروض ممالک کو ہر طرح اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ ان سودی رقوم پر ہی ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ اپنا کاروبار جاری رکھنے اور اس کاروبار کی منڈی کو وسعت دینے کی غرض سے ہر ملک کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں اور پھر اس کو اپنا مقروض کر کے خوب خون چوستے ہیں جس کا مفاد ان کے عوام تک نہیں پہنچتا۔ عوام تو بیچارے خود اپنی آمدنی کا تقریباً نصف حصہ ٹیکسوں کی صورت میں حکومت کو ادا کرتے ہیں۔ ان کے شرفاء نہایت محتاط انداز پر گزر بسر کرتے ہیں اور اکثریت لوٹ مار کا سہارا لیتی ہے۔ پس ایک مخصوص خون چوسنے والے ٹولے کی خوشحالی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ ان کا نظام خوشحالی کا ضامن ہے، بڑی بے انصافی ہے۔ ان لوگوں اور قوموں پر نظر ڈالیے جو اپنا خون دے کر جاں بلب ہو چکے ہیں۔ اور پھر انصاف کیجئے کہ خوشحالی کسے نصیب ہوئی ہے۔ انسانی ہمدردی یہ نہیں کہ دوسروں کو بدحال کر کے ایک مخصوص گروہ خوشحال ہو جائے۔ انسانی ہمدردی تو وہ ہے جس کا تصور اسلام نے پیش کیا کہ ایک روٹی والا آدھی خود کھائے اور آدھی دوسرے کو کھلائے۔

پس اسلام ایسے نظام کو نہ صرف مسترد کرتا ہے بلکہ حرام اور ظلم قرار دیتا ہے۔ جس سے امیر مزید امیر ہوں اور غریب مزید غریب ہو۔ اور دنیا کی اکثریت چند مچھیروں کے جال میں پھنس کر رہ جائے۔ اسلام نے اپنے اصول تجارت قائم کئے۔ ان ہی اصولوں کی پابندی کے ساتھ باہمی تجارت یا غیر مسلموں سے تجارت کی اجازت دی اور امت سے غربت و جہالت کے خاتمہ کے لئے دولت مندوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور صدقات کی تلقین کی۔ تاکہ کوئی اسلامی ملک اپنے مسائل کے حل کے لئے کسی غیر مسلم دولت مند ملک کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلائے۔ اور ایسی حالت میں مبتلا نہ ہونے پائے جس سے مجبور ہو کر اسے مچھیرے کا شکار بننا پڑے۔ آج مسلمانوں کے پاس جو وسائل موجود ہیں، اگر وہ انہیں قرآن و سنت کی ہدایات کے مطابق استعمال کریں تو ان کی معاشی حالت سود خوروں سے کہیں زیادہ بہتر اور مستحکم ہو سکتی ہے، جبکہ وہ دور جس

Marfat.com

میں سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا، امتِ مسلمہ کی انتہائی غربت کا دور تھا۔ اس وقت نہ سونے کی کانیں تھیں، نہ تیل کے کنوئیں۔ اس کے باوجود دن بدن امت کی حالت سدھرتی چلی گئی اور وہ دور بھی آیا کہ زکوٰۃ کا مال بیت المال میں بھرا پڑا تھا، مستحقین کو تلاش کیا جاتا تھا لیکن کوئی نظر نہ آتا تھا۔ سود کی لعنت ختم ہوئی تو برکت ہی برکت ہوئی۔ نظام زکوٰۃ نافذ ہوا تو رحمت برسنے لگی۔ اسی غریب قوم میں ایسے ایسے امیر پیدا ہوئے جن کی سخاوت کے واقعات آج بھی بخیلوں کو سخی بنا دیتے ہیں۔ روٹی کپڑے کو ترسنے والے لوگ ایسے آسودہ حال ہوئے کہ تلاش کرنے پر بھی کوئی ننگا، بھوکا، نظر نہ آتا تھا۔ یہ آسودگی، یہ خوشحالی سودی نظام نے نہ دی بلکہ اس کے خاتمہ سے نصیب ہوئی، کہ برکت سود سے نہیں، زکوٰۃ و خیرات سے آتی ہے۔ دوبارہ غور فرمایئے اللہ کے اس اعلان پر:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اعلانِ جنگ

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ (البقرہ:۲۷۹)

پھر اگر تم ایسا نہ کرو تو اعلان سن لو جنگ کا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں اور نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ۔

گزشتہ صفحات پر آپ نے حشر میں سود خوروں کی رسوائی کا بھیانک حال پڑھا۔ اب ملاحظہ فرمایئے دنیا میں ایسے لوگوں کا حال کہ اے مؤمنو! اگر تم نے سود کی حرمت کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی اور اس کاروبار کو نہ چھوڑا تو پھر ہم سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہوگی۔

اللہ اکبر، سود خوروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔ امتِ مسلمہ کے صرف ایک طبقہ کے خلاف اعلان جنگ ہوا ہے۔ بے نمازیوں، روزہ نہ رکھنے والوں، زکوٰۃ نہ دینے والوں، حج نہ کرنے والوں، دیگر برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا مسلمانوں کے خلاف یہ اعلان نہیں ہوا۔ صرف سود خوروں کے خلاف ہو رہا ہے کیونکہ صرف یہی طبقہ ایسا ظالم ہے جو اپنی دولت کے ذریعہ ضرورت مندوں کو اپنا غلام بناتا ہے۔ ان کی امداد و تعاون کا فریب دے کر ان کا خون چوستا اور ان کی عزت و ناموس پر ڈاکہ مارتا اور پوری زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ اس ظالم کے پاس وہ کشش ہے کہ لوگ اس سے بھاگتے نہیں۔ بلکہ اس کے سکوں کی چمک انہیں ایسا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر ان کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی اس کے جال سے نہیں نکل پاتے۔ پس یہ لوگ دیگر بدعملوں سے بہت زیادہ خطرناک ہیں۔ پورے معاشرے کو تہس نہس کر دینے والے ظالم ہیں۔ یہ دوسروں کے منہ کا نوالہ تک چھین لیتے ہیں۔ اور انہیں فاقوں کی زندگی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے معاشرہ صرف غربت ہی کا شکار نہیں ہوتا بلکہ بھوکوں کی کثرت کے باعث معاشرے کا امن و امان تباہ ہو جاتا ہے۔ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت جیسے جرائم عام ہو جاتے ہیں۔ قوم کا ایسا بدترین گروہ اسی لائق ہے کہ قدرت ان سے جنگ کرے۔

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کا مطلب یہ نہیں کہ ان لوگوں سے آمنے سامنے مقابلہ ہوگا یا ہتھیاروں کی جنگ لڑی جائے گی۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں بلکہ یہ جنگ ایسے خطرناک انداز میں ہو گی کہ اس سے مفر ممکن نہیں۔ کوئی پناہ گاہ نہ مل سکے گی، بلکہ یہ سود خور کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ یہ سودی دولت کے ڈھیر جمع کرنا چاہیں گے لیکن کسی نہ کسی آفت سے ان کی دولت گھٹتی اور مٹتی رہے گی۔ یہ دولت سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے لیکن دن بدن لوگوں کی نظروں میں گرتے جائیں گے۔ یہ دولت کے ذریعہ سکون چاہیں گے لیکن وہ انہیں کبھی میسر نہ آسکے گا۔ رات کو آرام کی نیند بھی نہ سوسکیں گے۔ سودی نظام کو اپنانے والے قوم وملک کی معاشی حالت سدھارنے کا دعوی کرتے ہیں۔ ہمیں تو کوئی ملک نظر نہیں آتا، جس کو معاشی آسودگی حاصل ہوئی ہو۔ جہاں غربت نہ ہو، مہنگائی اور بے روزگاری نہ ہو۔ وہ اپنی حالت کو جتنا سنبھالنا چاہتے ہیں اتنا ہی بگاڑ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہی ہے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ۔ انسان کے پاس وہ قوت وطاقت کہاں جس سے وہ اللہ ورسول کا مقابلہ کر سکے۔ اللہ محفوظ رکھے۔ جو قوم اللہ سے جنگ میں مبتلا ہو جائے اس کا کہیں ٹھکانہ نہیں رہتا۔ کوئی اسے تباہی وبربادی اور ذلت وخواری سے نہیں بچا سکتا۔ اسی لئے میرے آقا ﷺ نے سودی کاروبار کرنے والوں اور اس میں ملوث تمام افراد پر لعنت فرمائی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَآءٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اسے لکھنے والے اور اس کا گواہ بننے والے پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ (مسلم)

سود لینا، دینا برابر ہے:-

سود کے متعلق قرآن وحدیث میں جتنی وعیدیں آئی ہیں وہ صرف سود لینے والوں ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ سود دینے والوں کے لئے بھی ہیں۔ کیونکہ سود لینے والا اگرچہ نہایت ہی ظالم ہے۔ لوگوں کا خون چوستا، انہیں تباہ وبرباد کردیتا ہے لیکن سود دینے والے بھی کم مجرم نہیں۔ کہ یہ اسلامی نظام زندگی سے کھلی بغاوت کرتے ہیں۔ اپنی محنت کی کمائی پر قناعت اور صبر وشکر کے ساتھ گزارہ کرنے کی بجائے یہ بھی دولت کی ہوس میں یا اپنی جھوٹی شان وشوکت کے اظہار کے لئے سود پر رقم لیتے ہیں۔ بڑی بڑی دوکانیں کھولتے، فیکٹریاں لگاتے ہیں تاکہ بڑے تاجر بنیں۔ بڑے بڑے مکان بناتے ہیں، شاندار قیمتی گاڑیاں چلاتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو دولت مند سمجھیں اور جن ممالک میں حکومت کی طرف سے ٹیکسوں کی وصولیابی پر سختی ہے، وہاں اکثر لوگ ٹیکس سے بچنے کے لئے مقروض ہوتے ہیں اور سود ادا کرتے ہیں۔

ہم ایسے لوگوں کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ جو اپنے شہروں میں بڑے دولت مند، باعزت مشہور ہیں۔ لیکن وہ ہر ماہ ہزاروں کی رقم بینکوں کو ادا کرتے ہیں۔ اسلام اس جھوٹی شان وشوکت اور بناوٹی زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ سادہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ قناعت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق عزت وشہرت کا ذریعہ، دولت اور وہ بھی سود کی دولت ہرگز نہیں بلکہ انسان کا اخلاق اس کا اعلی کردار اور حلال طیب پر گزر بسر اسے اللہ اور اس کے رسول کی نظروں میں محبوب و

Marfat.com

پسندیدہ بناتے ہیں۔ اور حقیقی عزت اسی کو ملتی ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے۔ کوئی ہے جو ایک سیاہ رنگ حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عزت و شہرت کا مقابلہ کرے۔ یا کئی دن فاقہ کرنے والے حضرت ابو ہریرہ کی عزت و شہرت کا مقابلہ کرے۔ ان حضرات کے بعد بھی آج تک نہ جانے کتنے دولت مند پیدا ہوئے۔ سب کے نام مٹ گئے۔ وہی ہستیاں تاریخ کے صفحات پر چمک رہی ہیں۔ لوگوں کی عقیدت و محبت کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ انہی کا ذکر زبانوں پر ہے جنہوں نے پیکر خُلق بن کر تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی۔

سود لینے والے، دینے والے اور اس کاروبار کے معاونین سب ہی ایک جیسے ہیں۔ سب دولت کی ہوس میں مبتلا ہیں۔ سب کو جھوٹی عزت و شہرت پسند ہے۔ سب کو نام و نمود کا ہیضہ ہے۔ لہٰذا سب ہی پر اللہ کے رسول ﷺ لعنت فرماتے ہیں۔ سب کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مقابلہ اور جنگ کا چیلنج ہے۔ سب حشر کے دن مخبوط الحواس ہوں گے۔ سب کے پیٹ گھروں کی طرح بڑے بڑے ہوں گے جن میں سودی دولت کیڑوں کی طرح بھری ہوگی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

جس طرح جسم میں بعض جراثیم پیدا ہو کر مختلف امراض کا سبب بنتے ہیں، جو پورے جسم کو اضطراب و بے چینی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سود کے جراثیم جتنے پھیلتے چلے جاتے ہیں، اتنا ہی زندگی میں اضطراب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ نظام زندگی کی اہمیت پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن شومیٔ قسمت کہ ہمیں یہی یقین حاصل نہیں اسی لئے اس دور کا ہر شخص اگرچہ پریشان ہے وہ اس پریشانی کا شکوہ بھی کرتا ہے لیکن اسے دور نہیں کر پاتا۔ کیونکہ اصل علاج پر تو اس کا یقین ہی نہیں۔ وہ زہر پر زہر کھاتا چلا جاتا ہے۔ سود پر سود لیتا اور دیتا چلا جاتا ہے۔ لیکن تریاق تلاش نہیں کرتا اور اس زہر کا ایسا عادی ہو چکا ہے کہ اس سے روکنے والوں اور منع کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

سود کے یہ جراثیم جس طرح آج ہمارے نظام زندگی میں پھیلے ہیں، اس پر نہ مجھے کوئی حیرت ہے اور نہ ہی دیگر اہل علم کو، کہ پوری ملت کے جال میں پھنسنے اور تڑپنے کا جو منظر آج ہمارے سامنے ہے، میرے آقا مخبر صادق ﷺ پہلے ہی اس کی خبر دے چکے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلَ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جب کہ سود کھانے سے کوئی نہ بچے گا۔ اگر نہیں کھائے گا تو اس کے بخارات ضرور پہنچ جائیں گے۔

(ابن ماجہ)

کیسا سچا ارشاد ہے میرے آقا ﷺ کا۔ اور آپ کا ہر ارشاد سچ ہی ہوتا ہے۔ آج جس انداز پر سود کا جال پھیلا ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی اس سے بچا ہوا ہو۔ یہی تو راز ہے ہمارے اضطراب اور بے چینی کا۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔

بے مثال تعلیم

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

Marfat.com

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ (البقرہ: ۲۸۰، ۲۸۱)

اگر وہ (قرض دار) تنگ دست ہے تو اسے مہلت دو۔ (اس کی) آسانی تک اور تم (قرض معاف کر کے) صدقہ کردو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور پھر بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو (اس کا) جو اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کے احکام اور تعلیمات میں جو ہمدردی اور محبت بھری ہوئی، انسانوں کی فلاح و بہبود کا جو لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان احکام پر عمل کرنے والوں کے لئے جو آسانیاں مہیا کی گئی ہیں، اس کی مثال نہ دیگر مذاہب میں ملتی ہے اور نہ ہی دنیاوی قوانین میں۔ ذرا غور فرمایئے کس شدت کے ساتھ سود کی حرمت کا اعلان کیا گیا اور اس پر عمل کرانے کے لئے کیسی شدید وعید اور برے انجام کو بیان کیا گیا۔ لیکن معاً ان لوگوں کے لئے آسانی فراہم کی گئی جو اپنی معاشی تنگی کی بنا پر سود دینے پر مجبور تھے اور اس نظام کے خاتمہ کے بعد ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ قرض کی ادائیگی کا پیش آتا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو اب تک سود کھاتے رہے اور اب حکم الٰہی کے مطابق انہوں نے اس کاروبار سے توبہ کرلی اور اس طرح انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے، اس لائق ہیں کہ ان سے مزید ایثار کا مطالبہ کیا جائے اور وہ یہ کہ جب تم نے ظلم کا کاروبار بند ہی کر دیا تو اب دیگر معاملات میں بھی ظلم سے بچو۔ اس طرح کہ اپنے قرض داروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ رأس المال اصل رقم تو تمہارا حق ہے۔ یہ ضرور ملے گا۔ کیوں نہیں اس کی وصولیابی کا ایسا طریقہ اختیار کر لیتے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو اور اسلام سے تمہاری وابستگی اور اسلام کی خوبی اجاگر ہو اور وہ یہ ہے کہ ذرا دیکھ لو کہ اگر تمہارا قرض دار مسلمان بھائی ہو یا کافر، واقعی تنگدست ہے، اس قابل نہیں کہ یک مشت تمہارا سارا قرضہ ادا کر سکے تو تم ذرا اس کے ساتھ ہمدردی کردو کہ ادائیگی قرض کی مدت بڑھا دو۔ یک مشت لینے کی بجائے تھوڑا تھوڑا لے لو اور اگر تم نیکی کا مزید قدم آگے بڑھاؤ تو پھر تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہوگا، بہت ہی اچھا سودا ہے گا کہ قرضدار کی پوری پوری مدد کردو۔ قرضہ معاف کردو۔ اس پر صدقہ کردو۔ یہ ایک بہترین صدقہ ہوگا کہ تم نے ایک انسان کو فکر و پریشانی سے آزاد کر دیا۔ بہر حال جو بھی کرو اس کا تمہیں اختیار ہے۔ اپنی استطاعت کے مطابق اور صالحیت کے حصول کے جذبہ سے کرو اور اس حقیقت کو نہ بھولو کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز چند روزہ ہے بالآخر وہ دن آکر رہے گا جس میں اللہ وحدہ لاشریک کے دربار میں حاضری ہوگی اور پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی، نہ کسی کی حق تلفی ہوگی نہ کسی پر ظلم ہوگا۔

سود پر مزید گفتگو

بدنصیبی سے ہمارا دور وہی ہے جس کی پیشین گوئی مخبر صادق ﷺ چودہ سو برس پہلے فرما چکے ہیں کہ ''ایسا زمانہ آئے گا جس میں کوئی شخص سود کی لعنت سے نہ بچ سکے گا، جو بلاواسطہ اس کاروبار میں ملوث نہ بھی ہوگا اس تک کسی نہ کسی طرح اس کے اثرات ضرور پہنچیں گے''۔ آج کا ہر شخص شعوری یا لاشعوری طور پر اس ارشاد کے مطابق سود میں ملوث ہے۔ اور گناہ کے

Marfat.com

اس دلدل میں پھنسنے والوں کو یہ دلدل ہی اپنی معیشت کا خزانہ معلوم ہونے لگی ہے۔ وہ اس ممنوعہ نظام معیشت کو معاش کا جزو لا ینفک تجارت کی بنیاد قرار دے بیٹھے ہیں۔ تقریباً وہی نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں جو سود خور کفار کا تھا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا

یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح ہے۔

انہیں دولت کی ہوس نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ بیع (تجارت) اور سود میں کوئی فرق ہی نظر نہ آتا تھا، اللہ رب العزت نے واضح فرمادیا کہ بہت بڑا فرق ہے۔ ایک حلال ہے اور ایک حرام، ایک میں برکت ہے ایک ذریعہ عذاب۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط (البقرہ:۲۷۵)

اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو

اس حرام کے بغیر نہ تو زندگی بسر کرنا دشوار ہے اور نہ ہی نجات مشکل۔ صرف ایمان شرط ہے اگر قوت ایمان بروئے کار لاتے ہوئے مسلم حکومتیں اور مسلم افراد اس حرام پر ایک مرتبہ لات ماردیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے نجات بھی نصیب ہو جائے گی، خوشحالی بھی ملے گی اور آخرت میں سرخروئی بھی۔

سود کی حرام دولت کی کشش نے عوام کو طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اس عنوان پر چند بنیادی باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جائے اور کچھ غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں۔

ربٰو، سود بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح شراب، خنزیر، جوا اور دیگر محرمات۔ پس دیگر محرمات سے بچنا اور سود کا کاروبار کرنا برابر ہی ہے۔ سود خور کسی طرح شرابی، زانی اور بدکار شخص پر برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ سود خور درج ذیل حدیث پر غور کریں اور سوچیں کہ وہ کس قدر گھناؤنے عمل میں مبتلا ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلٰئِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِرْهَمُ رِبٰوا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّ ثَلٰثِيْنَ زِنْيَةٍ

غسیل الملائکہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر سود کا ایک درہم کھائے تو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سود کے ستر اجزاء ہیں، سب سے کم ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح کرلے۔ (مشکوٰۃ شریف)

عام لوگ صرف شرابی، جواری، خنزیر خور، زانی وغیرہ ہی کو ذلیل وخوار اور بدکردار سمجھتی ہیں جبکہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں سود خوران سے بہت ہی بدتر ہیں۔ کہ یہ قوم کا خون چوستے ہیں۔ مزے لے لے کر چوستے ہیں اس کو حرام بھی نہیں سمجھتے۔

Marfat.com

ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن سمجھنے لگے ہیں۔

ربٰو کی حرمت کا اعلان قرآن کریم نے کیا۔ اور اس کی تشریح دیگر احکام کی طرح حضور علیہ السلام نے فرمائی۔ جس کو ماننا اور جس پر عمل کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہم نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور دیگر احکام کی تشریح تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً نماز کی فرضیت قرآن کریم سے بلاشبہ ثابت ہے، لیکن اس کی رکعات کا تعین اور ادائیگی کا طریقہ نبی مکرم علیہ السلام سے ہی ملا ہے، جس کو ہم مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ پس یہی اصول ربٰو کے لیے اپنانا ہوگا اور سود کے ان تمام طریقوں کو ممنوع تسلیم کرنا ہوگا۔ جو شارع علیہ السلام نے بیان فرمائے۔ اور فقہاء کرام نے امت کی سہولت کے لئے ان کو مزید واضح کر دیا۔ پس کسی طرح یہ کہنا مناسب نہیں کہ سود کی یہ صورت آئمہ اربعہ میں سے کسی کی بیان کردہ ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ نے جو بھی شرعی احکام بیان فرمائے، ان کی اصل قرآن وحدیث یا عمل صحابہ کے سوا کوئی نہیں۔ اس تک ہماری رسائی نہ ہو تو یہ ہماری کوتاہ نظری یا کم علمی ہوگی۔ پس یہ خیال کرنا کہ ربٰو کی وہی صورت حرام ہے جو حُرمتِ ربٰو کے وقت رائج تھی۔ یعنی لوگوں کو قرض دینا اور اس پر منافع لینا اور جب قرض دار قرض ادا نہ کر سکے تو منافع کی شرح بڑھا دینا صرف اسی صورت کو سود اور سودی کاروبار کہنا بالکل غلط ہے۔ حرمتِ ربٰو کا حکم نازل ہونے کے بعد نبی مکرم علیہ السلام نے بیع کی بعض صورتوں کو بھی ربٰو قرار دیا۔ جس کی بنیاد پر فقہاء کرام نے ربٰو کے تمام شعبوں کی وضاحت کی۔ ان میں سے ہر قسم ربٰو قرار پائے گی۔ حتیٰ کہ جس صورت میں ربٰو کا شائبہ بھی ہو اس کو ترک کر دینا افضل و بہتر ہے، جیسا کہ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰیَۃُ الرِّبٰو وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَ لَمْ یُفَسِّرْھَا لَنَا فَدَعُوْا الرِّبٰوا وَالرِّیْبَۃَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سود کے متعلق آخری آیت نازل ہوئی، تو (چند دن بعد) حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ نے اس کی تفسیر ہمارے لیے بیان نہ فرمائی۔ لہٰذا سود اور سود کے شبہ والی چیزوں کو چھوڑ دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

حرج و تنگی

قرآن کریم کے بیان کردہ اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حرج تنگی میں مبتلا نہیں فرماتا۔ عبادات ہوں یا معاملات زندگی کے کسی شعبہ میں اللہ کے احکام کی پابندی سے حرج تنگی میں مبتلا ہونا ممکن نہیں۔ فرمایا گیا:

مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ (المائدہ:٦)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے، لیکن اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دے تاکہ تم شکر کرو۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ (الحج:٧٨)

اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

Marfat.com

احکام اسلام کی پابندی میں ہرگز حرج اور تنگی کا خطرہ نہیں۔ ہاں ان سے بغاوت اور ان کے برعکس عمل میں سوائے حرج کے کچھ نہیں۔ اس اصول قرآن کو پیش نظر رکھئے تو یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ سودی کاروبار کے بغیر ہمارا زندہ رہنا یا معاشی آسودگی حاصل کرنا ممکن نہیں، جبکہ اسی اصول کی بنیاد پر سودی نظام حرج اور تنگی کا یقینی باعث ہے۔ اگر آپ دیانت سے دنیا کی معاشی حالت کا جائزہ لیں تو آپ تسلیم کریں گے کہ سود کی لعنت نے زندگی میں کیا حرج پیدا کیا کہ اس کے جال میں انسان مچھلیوں کی طرح تڑپتے ہی نظر آتے ہیں۔ ہر شخص شب و روز کی تگ و دو کے باوجود پریشان ہے، تنگ ہے، حرج میں مبتلا ہے۔

پس سود وہ نظام ہے جس کو انسان نے اللہ اور اس کے رسول کی ممانعت کے باوجود صرف اس لئے اپنایا کہ وہ راتوں رات بغیر محنت و مشقت کے دولت کے ڈھیر جمع کر لے۔ لیکن وہ انسانوں کا خون چوسنے والا بھیڑیا بن گیا۔ اس نے اپنی آخرت بھی تباہ کر لی اور دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتا رہا، جبکہ اللہ نے اسے اس زہر سے بچنے کا حکم دے کر اسے تجارت کا وسیع میدان عطا فرمایا۔ جس کی پاکیزہ کمائی میں برکت رکھی جس سے معاشرے میں نہ صرف خوشحالی اور آسودگی کے پھل پھلتے ہیں، بلکہ باہمی محبت و الفت، امن و سکون اور شگفتہ زندگی کے پھول بھی مہکنے لگتے ہیں اور تاجر کو محنت و مشقت سے اپنی روزی کمانے والے کو آخرت میں جو مرتبہ نصیب ہوگا اس کی خبر مخبر صادق ﷺ اس طرح دیتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، سچا اور امانت دار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

اے ایمان والو! تم کیوں سودی کاروبار میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی کو اجیرن بنائے ہوئے ہو۔ آج اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے کہ سودی کاروبار بین الاقوامی تجارت کا ایک جزو ہے۔ اس کے بغیر دنیا سے معاشی و اقتصادی رابطہ ممکن نہیں۔ اس جواب سے کیا ہم یہ سمجھیں کہ جس حرام کے بغیر دنیا سے رابطہ ممکن نہ رہے وہ حلال ہو جاتا ہے۔ یا یہ سمجھیں کہ جس رب نے سود کو حرام کیا، العیاذ باللہ وہ ہماری اس اہم ضرورت کو نہیں جانتا یا یہ کہ ہم زبان سے مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ایمان کی بقا اور حفاظت کے لیے کوئی ایثار کرنے، کوئی قربانی کرنے کی ہم میں قطعاً ہمت نہیں۔ پہلی دو باتیں سراسر غلط ہیں۔ حرام ہر حال میں حرام ہی رہتا ہے۔ اور اللہ علیم و خبیر خوب جانتا ہے کہ ہماری اہم ضرورت کیا ہے اسی لئے اس نے کسی ایسی چیز کو حرام نہیں کیا جس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہ ہو۔ بس اب تیسری ہی بات رہ جاتی ہے اور وہی صحیح ہے کہ ہم مؤمن ہونے کے بلند و بانگ دعوے تو کرتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں کی تکمیل ہمارے بس کی نہیں۔ یا ایمان کو ایسا محفوظ خزانہ سمجھتے ہیں جس کو کوئی آفت نقصان نہیں پہنچا سکتی، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایمان ایسا نازک شیشہ ہے جس میں معمولی ہوا سے بھی دراڑیں پڑ سکتی ہیں۔ حرام کو حرام جانتے ہوئے۔ زندگی کا حصہ سمجھا تو ایمان کے دینوی و اخروی فوائد ختم ہو جاتے ہیں اور اگر حرام کو حرام ہی نہ جانا اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو کوئی اہمیت نہ دی، شریعت کے احکام کو فرسودہ سمجھا، قرآن و سنت کے عطا کردہ زندگی کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر خود اپنی زندگی کے لئے اصول وضع کیے تو ایمان کا دعویٰ ہی دعویٰ رہ

Marfat.com

جاتا ہے۔ حقیقتاً ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ پس اب یا تو ایمان کی حفاظت کر لیجئے یا حرام کی دولت کو اوڑھنا بچھونا بنا کر قیامت میں ننگے ہونے کے لئے تیار رہیے۔ یہاں اپنی عقل پر اعتماد کیجئے اور حشر کے دن مخبوط الحواس اٹھنے کے لیے تیار رہیے۔

سود کی لعنت سے بچنا

اگر آپ یہ کہیں کہ ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور سود کی لعنت سے بچنا چاہتے ہیں، لیکن کیسے بچیں۔ بری طرح اس جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بہت ہی دشوار مرحلہ ہے تو ہم پوری طرح حالات سے باخبر ہوتے ہوئے عرض کریں گے کہ اول تو ہمارے دور ہی کے ماہرین معاشیات نے اس پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور شرعی اصولوں کے مطابق وہ تمام طریقے واضح کر دیئے ہیں جو سودی کاروبار کی لعنت سے بچنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ نہ تجارت میں کوئی کمی واقع ہوگی اور نہ ہی دنیا سے اقتصادی رابطہ منقطع ہوگا۔ لیکن نقار خانہ میں طوطی کی سنتا کون ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ علماء کرام اور فقہاء نے سود اور دیگر محرمات کو ہر دور میں نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ سود سے نجات کی قابل عمل تدابیر بھی پیش کیں اور امت کو اس جال سے نکالنے کی پوری پوری سعی بھی کی۔ پھر بھی کوئی نہ مانے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں مؤمن کے لیے تو کسی حرام کو حرام جان لینا ہی کافی ہے۔ اس سے نجات کی تدابیر کی ضرورت ہرگز نہیں۔ بس حرام کو چھوڑ دینے کے لیے یہی کافی ہے کہ حرام ہونے کا پتہ چل جائے۔ دیکھئے ان لوگوں نے شراب کو کس طرح چھوڑا، جن میں شراب کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہ تھا۔ صرف یہی تو ہوا تھا کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں حرمت شراب کا اعلان کرایا، جس نے اعلان سنا اس کا جام جہاں تھا وہاں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اور آناً فاناً وہ محبوب مشروب جس کو بڑی ہی حفاظت اور بڑے اہتمام سے رکھا جاتا تھا گندی نالیوں میں بہنے لگا۔ جام چھوڑ دیئے گئے، برتن توڑ دیئے گئے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ شراب کے بغیر ہم کیسے زندہ رہیں گے۔ یا یہ پوچھ سکے کہ جو چیز ہماری گھٹی میں شامل ہے اس کو چھوڑنے کی تدبیر کیا ہے۔ حرمت سود کا اعلان ہوا، تب بھی یہی حال ہوا۔ کہ جس طریقہ کار پر پوری قوم کی معاشی و اقتصادی حالت کا دارومدار تھا اس کو یکسر یک لخت چھوڑنے کے لیے نہ تدابیر پوچھی گئیں نہ مہلت مانگی گئی۔ بس جو حرام ہو گیا وہ لمحہ بھر کے لئے بھی حرام ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ ایسے کہ ایمان مستحکم تھا۔ صرف دعوائے ایمان نہ تھا۔ بلکہ ہر وقت اس کا ثبوت بھی تھا۔ اس کے تقاضوں کی تکمیل بھی تھی۔ ہم سود ہی کے معاملہ میں نہیں اور دوسرے معاملات میں بھی ایمان کو کب فوقیت اور ترجیح دیتے ہیں۔ نمازوں کی پابندی کے لیے، روزوں کی پابندی کے لیے، اسی طرح دیگر احکام اسلام پر عمل کے لیے کون سا اہتمام کرتے ہیں۔ وقت ملا تو نماز پڑھ لی، موسم اچھا ہوا تو روزہ رکھ لیا۔ بس ہمارا ایمان اتنا ہی رہ گیا ہے ہماری حالت تو اُس بزدل کی سی ہے جو اپنے جسم پر چیونٹی کی تصویر نہیں گدوا سکتا۔ آپ اس سے کیسے یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ شیر کی تصویر گدوا لے گا۔ ہم نماز، روزہ جیسی عبادتوں کی پابندی نہیں کر پاتے تو سود کے جال سے اپنے آپ کو کس طرح آزاد کر سکتے ہیں۔ اپنی اسی ایمانی کمزوری کا انجام بھگت رہے ہیں۔ کہ معاشی اعتبار سے غیروں کے در کے بھکاری ہیں۔ سیاسی اعتبار سے بظاہر آزاد ہوتے ہوئے بھی غیروں کے غلام ہیں۔ اور جب قوم، معاشی و سیاسی اعتبار سے آزاد نہیں رہتی تو اس کے لیے اپنے دین، مذہب، تہذیب و تمدن کی حفاظت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسی قوم کی حالت ایک ایسے لاچار و مجبور شخص جیسی ہو جاتی ہے جس کے گھر میں جو چاہتا ہے آتا ہے اس کی

Marfat.com

آنکھوں کے سامنے اس کی دولت، عزت وآبرو، سب کچھ لٹتا رہتا ہے۔ لیکن وہ کسی کو ترچھی نظر سے دیکھنے کی بھی جرأت وہمت نہیں کر پاتا۔ آج پوری دنیا میں ''خیرُ الامم'' کا یہی حال ہے۔ مؤمن کی عزت وآبرو کے تحفظ کا واحد ذریعہ قوتِ ایمان ہے جس سے آج ہم محروم ہیں۔ لہٰذا ذلیل وخوار ہیں اور اتنے کمزور ہیں کہ حرام کو اپنی زندگی کا جزو سمجھنے پر مجبور ہیں۔

سودی کاروبار سے نجات حکومتی سطح پر ضرور مشکل ہے۔ کیونکہ بدقسمتی سے مسلم حکمرانوں کی سوچ مذہبی انداز پر نہیں۔ وہ دنیا کے دھارے میں بہنا ہی اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اقتدار کی ہوس انہیں اقتدار ہی کے تحفظ کی تدابیر پر آمادہ رکھتی ہے اور اسی لئے وہ ملک کے عوام کو جھوٹی خوشحالی اور آسودگی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ عوام کا بال بال سودی دھاگے سے جکڑ دیتے ہیں۔ اگر امت اسی انتظار میں رہے کہ ان کے حکّام سودی کاروبار بند کر دیں تو اس سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ تو یقین جانئے اس انتظار کا دورانیہ اتنا طویل ہو جائے گا کہ حرام کھاتے کھاتے ہی قبر تک پہنچ جائیں گے۔

پس اس حالت میں ہر شخص کو اپنی عاقبت بنانے اور ایمان کی حفاظت کرنے کی خود کوشش کرنا اور اس کے لیے ہمت سے قدم اٹھانا چاہیے۔ اگر انفرادی طور پر آپ سود سے نجات حاصل کرنا چاہیں تو پھر اس کا جال مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور نظر آئے گا۔ صرف جھوٹی شان کے مظاہرے، بے جڑ دولت مندی اور پُر فریب ہوس سے توبہ کر کے اسلامی تعلیمات کے مطابق قناعت اور سادہ زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیجئے۔ اگر ایک شخص کے پاس سودی دولت سے خریدی ہوئی متعدد شاندار گاڑیاں، بڑی بڑی عمارتیں، فیکٹریاں ہیں تو کوئی مشکل نہیں کہ وہ ان سب کو فروخت کر کے سودی قرضے ادا کر دے اور اپنی روزی کمانے کے لئے ایک دوکان پر قناعت کرے۔ اس طرح وہ دن رات کی مصروفیت، بھاگ دوڑ سے بھی بچ سکتا ہے اور اس کی آخرت بھی سدھر سکتی ہے۔ اگر مسلمان انفرادی طور پر ایثار کریں، ان کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے تو بنکوں کی صورت میں آگ کے انگاروں کا کاروبار کرنے والی بے شمار دوکانوں پر تالے پڑے نظر آنے لگیں گے۔

اس حقیقت کو یاد رکھیے کہ اسلامی انقلاب حکومت کے اقدام سے بپا نہیں ہوتا یہ عوام ہی کے عمل وکردار کا اثر ہوتا ہے کہ حُکّام اسلامی نظام حیات اپنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسے ممالک کا تذکرہ موجود ہے کہ حُکّام کی طرف سے اسلامی طرز زندگی کو ختم کرنے کی ہر طرح کوشش کی گئی، لیکن عوام نے ان کی ساری تدبیروں کو بے اثر کر دیا۔ اور ایسے حکام سے عنان حکومت چھین لی گئی جبکہ ہمارے دور میں عوام ہی کی دین سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ کسی ملک میں اسلامی نظام کا وجود نہیں۔ جن ممالک میں بعض اسلامی احکام نافذ بھی ہیں وہاں بھی دیانت سے ان پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ کبھی تو مجرم اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ اپنی ملک کے حدود سے باہر جا کر عیاشی کرتے ہیں، جرائم کرتے ہیں اور قانون کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ پاتا۔

غرضیکہ سود ایک لعنت ہے جس سے نجات کے بغیر خوشحالی وآسودگی تو درکنار سکون واطمینان کی زندگی بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم واقعی پریشان حال ہیں تو اس کا واویلا مچانا کبھی اس سے نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ مریض اس وقت مرض سے نجات نہیں پا سکتا جب تک وہ علاج نہ کرے۔ ہماری پریشانی کا سبب ہمارا سودی کاروبار میں ملوث ہونا ہے۔ اسی سے چھٹکارا پریشانی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

Marfat.com

اللہ کا یہ اصول ہے کہ انسان جب اس کے ذکر سے غافل ہوتا، اس کے احکام سے بغاوت کرتا ہے، اس کے عطا کردہ اصول زندگی پس پشت ڈال کر خود اپنے وضع کردہ اصول پر زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اس کی معیشت کو تنگ کر دیا جاتا ہے یعنی اس کے پاس دولت کے ڈھیر ہوتے ہیں۔ بظاہر وہ مناصب و مراتب بھی حاصل کر لیتا ہے، بڑا عزت والا ہوتا ہے، اس کو شہرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جملہ اسباب عیش و عشرت کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دل ویران ہوتا ہے۔ سکون و اطمینان کی نعمت سے وہ محروم ہوتا ہے۔ دن جھمیلوں میں گزرتا ہے اور رات تفکرات میں۔ اسے حقیقی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی دنیا اس طرح برباد ہوتی ہے اور آخرت میں اس کا انجام نہایت عبرتناک ہوتا ہے۔ کہ جب وہ محشر میں اٹھے گا تو اندھا ہوگا۔ ہر طرف وہ اندھیرا ہی اندھیرا محسوس کرے گا۔ اپنی اس حالت پر حیرت کرتے ہوئے اللہ سے عرض کرے گا کہ دنیا میں تو میری نظر بڑی تیز تھی، آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں، میرے اردگرد روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔ یارب اب مجھے کیا ہوا کہ ہر طرف تاریکی ہے، اندھیرا ہے۔ جواب دیا جائے گا تو نے دنیا میں جس کو روشنی سمجھا وہ روشنی نہ تھی۔ اگر روشنی ہوتی تو تجھے میرے احکام ضرور نظر آتے اور تو ان پر عمل کرتا۔ لیکن تو نے وہاں میری آیات اور میری دعوت کو بھلا دیا، تو آج ہم نے تجھے بھلا دیا۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ (طٰہٰ: ۱۲۴۔۱۲۷)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لیے زندگی تنگ کر دی جائے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے (دنیا میں تو) میں بالکل بینا تھا۔ اللہ فرمائے گا، اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں، پس تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا گیا۔ اور جس نے حد سے تجاوز کیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے۔

احکام اسلام میں سودی کاروبار کی حرمت سب سے زیادہ اہم ہے۔ جس کو ہر مسلمان جانتا بھی ہے اور علماء اس سے بچنے کی ہدایت بھی کرتے ہیں۔ اس سے نجات کی تدابیر بھی بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی ظاہری چمک دمک کے دلدادہ لوگ اسے اپنی معیشت کا جز کہتے اور اس میں مبتلا رہتے ہیں۔ تو وہ قرآن کریم کی ان آیات میں اپنا انجام پڑھ لیں۔ حشر میں تو جو ہوگا اس کا پتہ وہاں چلے گا۔ لیکن دنیا میں ایسے لوگوں کی جو حالت ہے وہ قرآن کریم کی بیان کردہ حالت کی تصدیق کے لئے کافی ہے دین سے غافل کوئی شخص سودی کاروبار میں مبتلا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی پر سکون ہے یا اسے حقیقی خوشیاں نصیب ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

مقالہ ۱۲

البقرہ: ۲۸۲ تا ۲۸۳

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکۡتُبُوۡہُ ؕ وَلۡیَکۡتُبۡ بَّیۡنَکُمۡ
کَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ ۪ وَلَا یَاۡبَ کَاتِبٌ اَنۡ یَّکۡتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلۡیَکۡتُبۡ ۚ وَلۡیُمۡلِلِ الَّذِیۡ
عَلَیۡہِ الۡحَقُّ وَلۡیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبۡخَسۡ مِنۡہُ شَیۡئًا ؕ فَاِنۡ کَانَ الَّذِیۡ عَلَیۡہِ الۡحَقُّ
سَفِیۡہًا اَوۡ ضَعِیۡفًا اَوۡ لَا یَسۡتَطِیۡعُ اَنۡ یُّمِلَّ ہُوَ فَلۡیُمۡلِلۡ وَلِیُّہٗ بِالۡعَدۡلِ ؕ وَاسۡتَشۡہِدُوۡا
شَہِیۡدَیۡنِ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُوۡنَا رَجُلَیۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ
الشُّہَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىہُمَا فَتُذَکِّرَ اِحۡدٰىہُمَا الۡاُخۡرٰی ؕ وَلَا یَاۡبَ الشُّہَدَآءُ اِذَا مَا
دُعُوۡا ؕ وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا اَنۡ تَکۡتُبُوۡہُ صَغِیۡرًا اَوۡ کَبِیۡرًا اِلٰۤی اَجَلِہٖ ؕ ذٰلِکُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰہِ
وَاَقۡوَمُ لِلشَّہَادَۃِ وَاَدۡنٰۤی اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیۡرُوۡنَہَا بَیۡنَکُمۡ
فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَلَّا تَکۡتُبُوۡہَا ؕ وَاَشۡہِدُوۡۤا اِذَا تَبَایَعۡتُمۡ ۪ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا
شَہِیۡدٌ ۬ؕ وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّہٗ فُسُوۡقٌۢ بِکُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ

Marfat.com

عَلِیْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ:۲۸۲۔۲۸۳)

اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقررہ تک قرض کا معاملہ کروتو اسے لکھ لواور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ لکھ دے، اور وہ شخص لکھوائے جس پر قرض ہے اور وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس سے کچھ کم نہ کرے پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے، بیوقوف یا کمزور ہے یا طاقت نہیں رکھتا لکھوانے والے کی تو لکھوادے اس کا ولی انصاف سے، اور دو گواہ بنالو اپنے مردوں میں سے اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد لادے، اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ گواہی کے لئے بلائے جائیں اور اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ قرض چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک (لکھ لو) تمہارے لئے اس میں پورا پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک، اور (یہ کام) زیادہ درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم شک میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا ہاتھوں ہاتھ ہو، جسے تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو ایسی صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اسے نہ لکھو اور گواہ بنالو جب تم خرید و فروخت کرو اور تکلیف نہ دی جائے کسی لکھنے والے کو اور نہ کسی گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو گے تو بیشک وہ تمہارا گناہ ہوگا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو رہن ہو قبضہ میں ہوا، پھر اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو، تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کی امانت ادا کردے اور چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بیشک اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت دوسو بیاسی، قرآن کریم کی طویل ترین آیت ہے جس میں اللہ ربّ العزت جلّ جلالہ وعمّ نوالہ نے معاملات بیع وشراء میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا تا کہ کسی قسم کے اختلاف کا امکان نہ رہے، فرمایا گیا۔ اے مؤمنو! جب تم باہمی رضامندی سے ایک مدت معینہ کے لئے قرض پر لین دین کرو تو اسے لکھ لو تا کہ کسی قسم کی بھول چوک نہ ہونے پائے۔ جو تمہارے درمیان شکر رنجی کا باعث بنے۔ لکھنے والے کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ کاتب ایسے انداز سے لکھے کہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ جانبین میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ نیز لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کہ اللہ نے جب اسے علم کی نعمت سے نوازا ہے تو اسے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور علم کے شکر کا بہترین طریقہ ضرورت مندوں کی علمی خدمت ہے۔ پس جسے لکھنا آتا ہے اسے چاہئے کہ یہ خدمت

Marfat.com

بخوشی انجام دے۔ یہ وثیقہ لکھوانے کی ذمہ داری، اس کے ضروری اخراجات کی ادائیگی وہ شخص کرے گا جو قرض لے رہا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اللہ سے ڈرتا ہے اور اپنی کسی چال سے معاہدے میں کوئی ایسی شق شامل نہ کرے جس کا اسے فائدہ پہنچے اور مال کا مالک اس سے بے خبر ہو یا اس پر راضی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس معاملہ کا ایک فریق جو قرض لے رہا ہے معذور ہو، بیوقوف یا کسی اعتبار سے کمزور ہو۔ مثلاً یتیم ہو، نابالغ ہو، عورت ہو، بیوہ ہو، تو وثیقہ بنانے کا کام احتیاط وانصاف کے ساتھ ایسے لوگوں کا ولی انجام دے۔ اس معاہدے پر بھی دو گواہ بنانا ضروری ہے کہ بغیر گواہوں کے نہ کسی تحریر کا اعتبار ہوتا ہے اور نہ زبانی گفتگو کا، یہ دونوں گواہ مردوں ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اگر کسی وجہ سے دو مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں اس لئے کہ عورت میں بہ نسبت مرد کے نسیان کا مادہ زیادہ ہوتا ہے تو اگر ایک عورت معاہدے کی کوئی شق بھول جائے گی تو دوسری اس کو یاد دلا دے گی۔ گواہوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ گواہی ایک بڑی ذمہ داری اور امانت ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے اور اس امانت کی ادائیگی کا جب وقت آئے تو تمہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اس کو دوسرے کا کام سمجھ کر نہیں، بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر بخوشی پورا کرو۔ مزید تاکید فرمائی گئی کہ دیکھو معاہدے کو تحریر میں لانے اور وثیقہ بنوانے میں سستی نہ کرنا، چاہے قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ کیونکہ اختلاف کا ذریعہ چاہے معمولی ہو یا غیر معمولی لیکن اختلاف کا اثر ہمیشہ غیر معمولی اور بہت ہی برا ہوتا ہے۔ پس لکھوا لینا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ کے نزدیک یہی انصاف حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اسی سے گواہوں کی گواہی کا بھی پورا پورا فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی سے ہر قسم کے شکوک وشبہات کا امکان ختم ہوسکتا ہے۔ ہاں نقد لین دین میں اس طویل طریقہ کار کی ضرورت نہیں کہ یہ معاملہ توقتی ہے۔ مال لیا اور قیمت ادا کردی۔ بات ختم ہوئی۔ اس میں باہمی اختلاف کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔ پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس معاملہ پر بھی گواہ بنا لئے جائیں۔ ممکن ہے کہ مال خریدنے یا فروخت کرنے والے کی طرف سے کسی وقت کوئی فتنہ اٹھا دیا جائے گواہوں کی صورت میں یہ امکان بھی نہ رہے گا۔ لکھنے والوں کی اگرچہ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بخوشی لکھیں اور گواہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بخوشی گواہی دیں۔ لیکن جن لوگوں کی یہ خدمت کر رہے ہیں اُن کے لئے اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، اُن کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کاتب اور گواہ کو کسی طرح پریشان نہ کریں، بلکہ ان کو ہر قسم کی سہولت مہیا کریں۔ ایسا نہ کرنا گناہ ہے۔ جب کہ مؤمن کے لیے زیب یہی دیتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتا ہے اور گناہ سے بچتا رہے۔ احکام الٰہی کا پابند رہے کہ اللہ کی یہی تعلیم ہے اور اللہ تو ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اس کے بعد آیت نمبر دو سو تراسی میں اس معاملہ کے متعلق ہدایت دی گئی، جو حالت سفر میں کیا جائے اور اس وقت کوئی لکھنے والا یا گواہ موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں مال قرض لینے والے کو اپنی کوئی چیز مال بیچنے والے کے پاس گروی رکھنا ہو گی کہ وہ چیز قرض وصول ہونے کی ضمانت ہوگی۔ اور اس بات کا ثبوت بھی کہ گروی رکھنے والے نے مال قرض لیا تھا۔ ظاہر ہے جو چیز گروی رکھی جائے گی وہ مال کی قیمت کے مساوی یا اس سے زیادہ ہوگی تاکہ قرض لینے والا مقررہ رقم ادا کرنے پر مجبور رہے۔ کیونکہ وہ کسی قسم کا فتنہ پیدا کرے گا تو مال فروخت کرنے والے کو اس چیز پر قبضہ کر لینے کا حق ہوگا۔ لیکن اس کے لئے قرض کی مدت ختم ہونے تک اس چیز سے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی فائدہ طبعی ہے تو اس کی قیمت ادا

Marfat.com

کرنا ہوگی مثلاً خریدار نے بطور ضمانت ایک بکری گروی رکھی جو دودھ دیتی تھی۔ مال بیچنے والا اس کا دودھ پیتا رہا۔ جب یہ بکری واپس کرنے کا وقت آئے گا تو جو کچھ اس کے کھلانے، پلانے اور خدمت پر اخراجات ہوئے وہ وضع کر کے دودھ کی باقی رقم ادا کرنا ہوگی۔ قرض وصول ہو جانے کے بعد مُرتہن کی ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو چیز بطور امانت بصورت گروی تھی وہ اس کو واپس کر دے۔ کسی قسم کا بہانہ یا حیل وحجت نہ کرے۔

معاملات میں ان اہم ہدایات کے اختتام سے قبل ایک اہم حکم کی مزید وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ گواہوں کے لئے کسی حالت میں بھی گواہی کو چھپانا جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے اپنے دل کو گناہگار بنالیا کہ حق بات کو دل میں چھپایا یہ سخت گناہ ہے۔ اے مؤمنو! تمہیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ تمہارے کام چاہے ظاہر ہوں یا دلوں میں پوشیدہ اللہ تو سب کو خوب جانتا ہے۔ پس جس چیز کو اس نے ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے اگر تم نے اس کو بندوں سے چھپا بھی لیا تو اللہ سے تو نہ چھپا سکو گے۔

فتنہ وفساد کا انسداد

اگر اسلام کے احکام کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جملہ احکام کا محور اور مقصود فتنہ وفساد کا انسداد ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ایسے معاشرے کو وجود میں لانا چاہتا ہے جس میں بسنے والا ہر فرد بے خوف وخطر مطمئن زندگی گزار سکے۔ جس میں ہر شخص دن کے اجالے میں بلا خوف روزی کمائے اور رات کی تاریکی میں سکون سے سوئے۔ ایسا معاشرہ جس میں باہمی عداوتیں نہ ہوں۔ قتل وغارت اور لوٹ مار نہ ہو۔ مقدمہ بازیاں نہ ہوں۔ مال ومتاع اور عزت وآبرو محفوظ ہو۔ ہر طرح امن وامان ہی ہو۔ صرف محبت والفت کے پھول مہکتے رہیں کہ یہ دنیا اللہ کا لگایا ہوا وہ چمن ہے جس کی ایک ایک پتی اسے پیاری ہے۔ اسے اجاڑنے اور برباد کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فرمایا گیا:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف:۸۵)

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اس کی اصلاح کے بعد

اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں ضیاء الامت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ''ضیاء القرآن'' میں ایک نہایت ہی مفید نوٹ تحریر فرمایا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

> ''ہر قسم کی فساد انگیزی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ چشموں کو بند کرنا، نہروں کو توڑ پھوڑ دینا، باغات کو اکھاڑ دینا، کھیتوں کو اجاڑ دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا، تجارت وصنعت میں دھوکہ بازی کرنا، حکومتِ وقت کے خلاف بلا وجہ سازشیں کرنا، غرضیکہ ہر قسم کی تخریبی کارروائی جس سے ملک کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی متاثر ہو یا اس کے سیاسی استحکام کو نقصان پہنچے۔ اسی طرح عقائد حقہ میں کجی، احکامِ شرع میں اپنی اغراض کے لئے تحریف، غیر اسلامی عادات واطوار کو اپنانا، اسلامی تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر غیر اسلامی تہذیب اور ملحدانہ تمدن کو اختیار کرنا یہ سب ممنوع ہے۔ اور یہ دونوں قسمیں قرآن کی اصطلاح میں فساد فی الارض کے عنوان کے نیچے مندرج ہیں۔

غرضیکہ فساد کسی بھی صورت میں ہو، کتنے ہی اس کے قومی وملکی فوائد ثابت کیے جائیں، کیسی ہی دراز قامت شخصیات

Marfat.com

اس کی داعی اور محرک ہوں، بہرحال فساد ہی ہے۔ اللہ کے چمن کو کھلیان بنانے کے مترادف ہے جس کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ قرآن کریم بار بار اس کی ممانعت کرتا ہے۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص: ۷۷)

اور زمین میں فتنہ وفساد کی خواہش نہ کر بیشک اللہ فساد پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بہرحال فتنہ وفساد ممنوع ہے۔ مفسدین کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ آپ کہیں گے یہ اسلام ہی کی مخصوص خوبی نہیں بلکہ کسی مذہب میں فتنہ وفساد کی اجازت نہیں اور کوئی قوم اسے پسند نہیں کرتی۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے جس کا ہم انکار نہیں کرتے لیکن اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ فرق ہے کہ اسلام جن اعمال کو انسان کے لئے مضر اور ممنوع قرار دیتا ہے ان سے بچانے کا بھی پورا پورا انتظام کرتا ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب ممانعت تو کرتے ہیں ناپسندیدگی کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن اپنے ماننے والوں کو ایسے اصول زندگی دینے سے قاصر ہیں جن کے ذریعہ ممنوعہ اور ناپسندیدہ امور کا خاتمہ ہو جائے۔ مثلاً شراب کی مضرتوں اور نقصانات کا تو اعتراف کیا جاتا ہے، لیکن اس کے استعمال پر پابندی نہیں۔ شراب کے بار ساری ساری رات کھلے ہیں۔ اور شراب کی حالت میں گاڑی چلانے کی ممانعت ہے اور اس قانون کی پابندی کرانے کے لئے باروں کے سامنے ہی پولیس، گاڑی چلانے والوں کی چیکنگ پر مامور ہے۔ کیا مضحکہ خیز قانون ہے۔ زہر کھانے سے نہیں روکتے، موت سے بچانا چاہتے ہیں۔ میرا مذہب زہر کا خاتمہ کر کے انسانوں کو ہلاکت سے بچاتا ہے۔ شراب کو حرام کر کے شراب کی ذلت وخواری اور بربادی سے معاشرے کو محفوظ رکھتا ہے۔

فتنہ وفساد کا سبب

فتنہ وفساد کا سب سے بڑا سبب معاشی ناانصافی اور بدمعاملگی ہے کہ جس معاشرے میں دولت مند غریبوں کا خون چوس کر مزید دولت مند ہوتے چلے جاتے ہیں اور غریبوں پر ظلم وستم عام ہو جاتا ہے۔ محنت کش اور مزدور کو ایک وقت کی روٹی حاصل کر لینا بھی دشوار ہوتی ہے۔ نوجوان بے روزگاری کا شکار ہوتے ہیں۔ اسی معاشرے میں جرائم کا سیلاب آتا ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کر دیتا ہے اور جس معاشرے میں معاشی امور میں انصاف پیدا کرنے کے لئے کوئی قانون نہیں ہوتا اسی میں مذہبی وخونی ہر قسم کے رشتہ ٹوٹنے لگتے ہیں۔ دوستی محبت والفت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور ہر شخص خودغرض نظر آنے لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ معاشی تباہی، ملکی اور قومی تباہی کا بڑا سبب بنتی ہے۔ بدامنی اور لاقانونیت کے اس دور میں جو کچھ ہو رہا ہے، انسانی اقدار میں جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں، خودغرض مفاد پرستی کے طوفان نے جس طرح تعلقات اور رشتوں کی زنجیروں کو توڑا ہے وہ سب معاشی ناانصافی اور بدمعاملگی ہی کا انجام ہے۔ جس میں پوری دنیا مبتلا نظر آتی ہے۔

اسلام فتنہ وفساد کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اس کا مکمل انسداد کرتا ہے۔ جس کے لیے سب سے پہلے معاشی انصاف اور معاشی معاملات میں محتاط طریقہ اختیار کرنے کے اصول متعین کیے گئے۔ سودی کاروبار کو یکسر ممنوع قرار دیا گیا۔ جوئے، سٹہ، رشوت کی کمائی کو حرام کیا گیا کہ دولت کمانے کے یہی وہ آسان ذرائع ہیں جن سے دولت مند مزید دولت مند ہوتا ہے۔ غریب پر حصول معاش کے دروازے بند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہی ذرائع معاشی ناانصافی کو جنم دیتے ہیں۔ انہی سے ایک

Marfat.com

مخصوص ٹولہ پوری قوم اور ملک کے شعبہ معاشیات کو تلپٹ کر دیتا ہے۔ اس میں توازن اور مساوات ختم ہو جاتی ہے۔ حرام کی دولت پر عیش وعشرت کرنے والوں کو دیکھ کر پوری قوم میں ہوا و ہوس کا مہلک مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ بد معاملگی کے خاتمہ کے لئے اسلام تجارت وکاروبار میں دیانت، باہمی ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ قرض لین دین کی اجازت دیتا ہے تاکہ کم سرمایہ لوگ بھی بآسانی اپنی روزی کما سکیں۔ قرض خواہوں کو قرض داروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بعض صورتوں میں قرض معاف کر دینے کی رغبت دی گئی اور اسے بہترین صدقہ قرار دیا گیا۔ حقیقت میں یہ تمام احکام فتنہ وفساد کے خاتمہ کے لئے احتیاطی تدابیر کے مترادف ہیں۔

زیر گفتگو آیات پر غور کیجئے تو آپ اندازہ کریں گے کہ معاملات میں کس قدر محتاط رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ کمالِ احتیاط ہے کہ اگر تجارتی معاملہ قرض کا ہو تو جانبین کے درمیان جو بھی معاہدہ ہو اسے ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اور صرف تحریر پر ہی اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ دو گواہ بھی ہونے چاہئیں۔ اور جو معاملہ نقد ہو تو اگرچہ تحریر کی ضرورت نہیں لیکن گواہ اس پر بھی بنائے جائیں تاکہ کسی وقت بھی اختلاف کی صورت میں، جس کا بہت کم امکان ہے، صحیح فیصلہ ہو سکے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ غور فرمایئے۔ ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کر لینے کی صورت میں کتنے اختلافات اور جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ آج اکثر مقدمات تجارتی جھگڑوں سے متعلق ہی چلتے ہیں۔ اکثر قتل تجارتی معاملات پر ہی ہوتے ہیں۔ اکثر دشمنیوں کی بنیاد تجارتی معاملات ہی ہوتے ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ اصول ان جھگڑوں سے نجات کا واحد ذریعہ ہیں۔ اندازہ لگایئے اگر معاشرے سے یہ اختلافات دور ہو جائیں تو معاشرہ کیسا پُر امن، پُرسکون ہوگا۔ پس بلاشک وشبہ اسلام کا معاشی نظام ہی فتنہ وفساد کے انسداد کا آسان اور یقینی ذریعہ ہے۔ اگر آج اجتماعی طور پر اس کو تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے تو انفرادی طور پر اس کے بعض حصوں کو اپنا کر بھی ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

میں ذاتی طور پر ایک ایسے بڑے متمول تاجر کو جانتا ہوں جنہوں نے چند سال میں بڑی ہی کاروباری ترقی کی۔ نہایت پھیلے ہوئے کاروبار کے باوجود میں نے ان صاحب کو ہر وقت بے حد مطمئن پایا۔ وہ پنج وقتہ نماز پابندی سے باجماعت مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ ہر سال عمرہ کرتے ہیں۔ اعزاء واقرباء احباب سے ملتے جلتے ہیں۔ مذہبی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ عام تاجروں کی طرح انہیں کبھی وقت نہ ہونے کا شکوہ نہیں۔ اکثر اپنے ذاتی کام خود کرتے ہیں۔ اتفاق سے ایک مرتبہ وہ میرے شریک سفر ہو گئے۔ دوران سفر گفتگو کے علاوہ اور کیا کام ہوتا ہے۔ وہ میرے حالات معلوم کرتے رہے میں اُن کے۔ اُن سے میں نے اُن کے کاروبار کی ترقی اور ان کے مطمئن ہونے کا راز معلوم کیا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے بتایا:

''حضرت میں ایک غریب خاندان کا فرد ہوں۔ میں نے جوانی ہی سے تجارت شروع کی۔ باپ کی ایک چھوٹی سی دوکان سنبھالی۔ بس آپ لوگوں سے سنے ہوئے تجارت کے اسلامی اصولوں کو اپنایا۔ مثلاً میں نے کبھی گاہک کو جھوٹ بول کر خراب مال نہ دیا۔ کبھی گاہکوں سے سخت کلامی نہ کی۔ کبھی بنک سے قرضہ لے کر تجارت کو بڑھانے کا خیال تک نہ کیا۔ اور جب کاروبار بڑھا کئی دوکانیں ہو گئیں۔ فیکٹری ہو گئی تو ملازمین کو اچھی تنخواہیں دیں۔ ان کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ میرا یہ معمول ہے کہ میں ملازمین کو ان کی ماہانہ تنخواہ کے علاوہ جیب خرچ دیتا ہوں۔ بعض کو روزانہ اور بعض کو ہفتہ وار۔ نتیجتاً

Marfat.com

میرے یہاں جو بھی ملازمت کرتا ہے وہ کبھی بھاگتا نہیں۔ میرے ملازمین میرے کہے بغیر محنت و مشقت سے کام کرتے ہیں۔ وہ میرے کاروبار کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اگر میں ہفتوں کی چھٹی بھی کرلوں تو ایک پائی کا نقصان نہیں ہوتا۔ اللہ نے مجھے سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ میری نسلوں کے لئے کافی ہے۔ اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے ہوس میں مبتلا نہیں کیا۔ میرا نظریہ ہے کہ یہ بڑا کاروبار صرف میرے لئے نہیں بلکہ اس میں میرے ان تمام ملازمین کا حصہ اور حق ہے جو محنت و مشقت سے میرا ساتھ دیتے ہیں۔ مجھے اللہ کے فضل سے کسی کاروبار میں نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں کسی کا حق نہیں مارتا۔ وقت پر پورے حساب سے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ سائل اور غریب کو اللہ کا مہمان سمجھ کر اس کی مدد کرتا ہوں۔ یہ ہے راز میری ترقی کا۔

غور فرمایا آپ نے اگر انسان کوشش کرے تو اجتماعی معاشرہ خراب ہونے کے باوجود بھی اس کی گندگی سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ بس ایک مؤمن کی حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کے احکام و تعلیمات پر اس کا مکمل یقین ہونا اور ان پر عمل کا جذبہ ہونا چاہیے۔ اسلام کے عطا کردہ اصول زندگی، زندگی کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتے ہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایسے اصول زندگی ہوتے ہوئے ہم غیر اقوام کی بنائے ہوئے قوانین پر فریفتہ ہیں۔ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر غیر مہذب قوموں کی نام نہاد تہذیب پر مرتے ہیں۔ اپنے معاشی نظام کو فرسودہ کہتے ہیں اور اس معاشی نظام کو اختیار کئے ہوئے ہیں جس نے ہمیں مقروض اور بھکاری بنانے کے علاوہ اور کیا دیا ہے۔ زندگی میں اضطراب بھی ہے اور اس کا احساس بھی۔ لیکن افسوس اس سے نجات کے لئے ہم یقینی اور صحیح راہ اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین۔

کاتب و شاہد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقررہ تک قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔

یہ ایک قانون ہے جسے قانون کتابت کہیے یا قانون وثیقہ نویسی، جس کے نفاذ کے بعد ظاہر ہے کہ کاتب کی ضرورت پیدا ہوئی اور اس کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ عین ممکن تھا کہ کاتب اپنی اس حیثیت اور اہمیت کے سبب کبر و نخوت میں مبتلا ہو کر لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرنے لگتے یا کتابت سے انکار کر دیا کرتے۔ اس طرح لوگوں کے لیے ایک شرعی قانون پر عمل بے حد دشوار ہو جاتا۔ کیونکہ نہ تو نزولِ قرآن کے دور میں ہر شخص لکھنا جانتا تھا اور نہ ہی آج تک سو فیصد لوگ لکھنا جانتے ہیں۔ علاوہ ازیں قانون کا اندازِ تحریر عام تحریر سے مختلف ہوتا ہے۔ جس کے ماہر ہر دور میں مخصوص لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے دور میں انہی لوگوں کو منشی، وثیقہ نویس کہا جاتا ہے۔ یا یہ کام رجسٹرار اور وکلاء انجام دیتے ہیں۔ قرآن کا یہ مزاج ہے کہ وہ جس قانون کو نافذ کرتا ہے اس پر عمل کی سہولتیں بھی فراہم کرتا اور ان کو بھی قانون کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے کہ قانون کتابت کو بیان فرما کر کاتب کو بھی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ فرمایا گیا:

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ لکھ دے۔

Marfat.com

کاتب کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ ایک یہ کہ تحریر میں ایسے مبہم الفاظ استعمال نہ کرے جس سے فیصلہ کرنے والے کو دشواری پیش آئے اور کسی کی حق تلفی ہو۔ بلکہ ایسے واضح اور صاف ستھرے الفاظ میں وثیقہ لکھے کہ قرض لینے اور دینے والے دونوں میں سے نہ کسی کی طرف داری ہو اور نہ کسی کی حق تلفی کا امکان پیدا ہو۔ کہ کسی کا نقصان کرنا یا کرانا بڑی ناانصافی اور ظلم ہے۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ جب ضرورت مند کاتب کے پاس معاہدہ لکھوانے آئیں تو اسے چاہئے کہ وہ انکار نہ کرے، نہ ان پر احسان جتلائے، بلکہ خوش ہو کر لکھے اور اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے اُسے علم عطا فرمایا جو ایک بڑی نعمت ہے۔ اور اس کا نصف حصہ فن کتابت ہے۔

اللہ نے انسان کو جن انعامات سے نوازا ہے ان کے شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کرے۔ دولت مند غریب کی مدد کرے، صحت مند معذور و مریض کی مدد کرے۔ عالم جاہل کی مدد کرے۔ پس اللہ نے جسے فن کتابت کی نعمت سے نوازا اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ضرورت مندوں کی مدد کرے۔

آج کل اگرچہ اسلامی قانون مکمل صورت میں کہیں زیر عمل نہیں تاہم معاہدوں اور وثیقوں کی تحریر، دنیاوی قوانین کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسی لئے معاہدہ نویسی اور وثیقہ نویسی ایک پیشہ بن گیا ہے اور کاتب ہر ملک میں اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی قانونی تحریر عدالتوں کے لئے قابلِ قبول ہوتی ہے۔ ججوں کے فیصلوں کا انحصار بڑی حد تک ان تحریروں پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح معاشرے کے دیگر افرد بدعنوانیوں کا شکار ہیں اسی طرح کاتب بھی طرح طرح کی بدعنوانیوں میں مبتلا ہیں۔ دولت کی ہوس نے ان کے فن کے تقدس کو یکسر پامال کر دیا ہے۔ وہ ایک شخص سے چند پیسے لے کر ایسے انداز پر قانونی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کی بآسانی حق تلفی ہو جاتی ہے۔ دولت کی حرص نے اس پیشہ کو اتنا خوار کر دیا کہ باقاعدہ مقررہ اوتھ کمشنرز کا ایک گروہ وجود میں آ گیا جن کا کام قسمیہ کاغذات تیار کرنا ہے۔ ان کی ان قسمیہ تحریروں کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اور وہ چند پیسوں میں ایسے سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لکھوانے والے کو وہ جانتے تک نہیں، وہ جو لکھواتا ہے یہ لکھ دیتے ہیں اور اپنی فیس وصول کر لیتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے ایسی قسمیہ تحریروں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان کا لکھوانے والا اور لکھنے والا دونوں سخت گناہ گار ہیں۔ اور ان سے حاصل شدہ دولت قطعاً حرام ہے۔ پس مسلم، اوتھ کمشنرز کو یا تو اس پیشہ سے احتراز کرنا چاہیے اور یا شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہیے۔ اور لکھوانے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے پیشہ ور لوگوں سے محتاط رہیں، جب وہ کوئی معاہدہ لکھوائیں، اللہ کا خوف دل میں رکھیں۔ وہی بات لکھوائیں جو حقیقت ہو اور جو جانبین میں طے پا چکی ہو۔ اس میں کمی زیادتی کا باہمی رضامندی کے بغیر کسی ایک کو اختیار نہیں۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ

اور وہ شخص لکھوائے، جس پر قرض ہے اور اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے اور اس سے کچھ کم نہ کرے۔

درحقیقت اسلامی قانون پر عمل کا ذریعہ تقویٰ ہے کہ ہر فرد کو اللہ کے دربار میں پیشی اور اپنے اعمال کی جواب دہی کا

Marfat.com

احساس ہو۔ تب ہی وہ اللہ کے احکام کی پابندی کر سکتا ہے اور معاشرہ ہر قسم کی بدعنوانیوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اور جہاں تقویٰ نہ ہو وہاں کتنی ہی قانون سازی کی جائے اور لوگوں سے اس پر عمل کی کوشش کرائی جائے ممکن ہی نہیں کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری کا احساس کرے، حلال و حرام میں امتیاز کرے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

اور دو گواہ بنالو اپنے مردوں میں سے اور اگر دو مرد نہ ہوں، تو ایک مرد اور دو عورتیں، ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو کہ ان میں سے کوئی عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

یہ قانون شہادت ہے جس کے نفاذ سے شہداء، گواہوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، کہ اب ان کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی۔ مقدمات کے فیصلوں کا انحصار تحریری معاہدوں کے باوجود گواہوں کی گواہی پر ہوتا ہے۔ لہذا شاہد، گواہی کی ذمہ داری قرار دی گئی کہ جب انہیں گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو وہ گریز یا انکار نہ کریں۔ کیونکہ گواہی گواہ کے پاس درحقیقت اس شخص کی امانت ہے جس کو اس سے حق حاصل ہونے کا یقین ہو۔ اگر اس نے گواہی نہ دی تو گویا اس نے حق دار کے حق کو تلف کیا۔ اسی لئے گواہی چھپانے کی بھی ممانعت کی گئی۔ اور اسے سخت گناہ قرار دیا گیا۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ گواہی کے لئے بلائے جائیں۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ

اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بیشک اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔

گواہ بننا نہ فن ہے نہ پیشہ۔ یہ تو اتفاقی بات ہے کہ کسی شخص نے چلتے پھرتے کسی معاملہ کو دیکھ لیا یا کسی بات کو سن لیا۔ بس وہ گواہ ہوگیا۔ اور اب اس پر بوقت ضرورت یا طلبی گواہی کا ادا کرنا لازم ہوگیا۔ ہاں اس صورت میں یہ ایک اعزاز ضرور ہے جب کہ کوئی اعتبار و اعتماد کر کے کسی کو گواہ بننے کی دعوت دے۔ دونوں صورتوں میں گواہی کا منصب منجانب اللہ عطا ہوا۔ اللہ کے اس عطیہ کو اللہ کی اس عطا کردہ امانت کو چھپانا، بڑا ہی ظلم ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(البقرہ: ۱۴۰)

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو۔

آج کل گواہ پیدا کرنے اور گواہی حاصل کرنے کا جو عام طریقہ رائج ہے وہ بھی ہمارے معاشرے کی دیگر بدکاریوں کی طرح ایک بدکاری ہے۔ کہ ہر شہر اور ہر دیہات میں جھوٹوں کا ایک ایسا ٹولہ وجود میں آ گیا ہے جن کا پیشہ گواہی دینا ہے۔

Marfat.com

جو چاہے جیسی گواہی چاہے وہ چند پیسے دے اور ان جھوٹوں کو عدالت میں پیش کر دے اور یہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا اعلان کریں اور پھر بڑی ہی دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے رہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے۔ کتنے ذلیل ہیں یہ لوگ کہ نہ صرف عدالت کے ججوں کو بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھوکوں اور جھوٹوں کی یہ ٹولی جس معاشرے میں موجود ہو اس معاشرے میں کسے انصاف مل سکتا ہے اور کون انصاف دلا سکتا ہے۔ اور جہاں عدل وانصاف نہ رہے وہاں امن وسکون کیسے میسر آ سکتا ہے۔

بہر حال کتمانِ شہادت بھی جرم ہے۔ اور جھوٹی گواہی دینا بھی جرم۔ اظہار حق سچی بات کہنا مومن کی شان ہے۔ اس سے اسلامی قوانین پر عمل میں سہولت و آسانی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر کاتب اور شہداء کے لئے ایک بڑی رکاوٹ اور پریشانی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب وہ حق کی حمایت و طرف داری کے جذبہ سے کسی معاملہ میں شریک ہوتے ہیں تو انہیں کبھی حکام کی طرف سے اور کبھی مخالف گروہ کی طرف سے شدید تکالیف اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہیں لہذا قرآن کریم ایسے لوگوں کو واضح ہدایت دیتا ہے کہ:

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اور تکلیف نہ دی جائے کسی لکھنے والے کو اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو بیشک وہ تمہارا گناہ ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

کاتب اور گواہ کو تکلیف دینا یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف فیصلہ ہو، وہ ان کے دشمن بن جائیں اور طرح طرح سے انہیں ڈرائیں اور دھمکائیں۔ نیز حکام کی طرف سے ان کو بار بار عدالت کے چکر لگوائے جائیں۔ ان کا پیسہ اور وقت ضائع کرایا جائے۔ جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ ان حالات میں نہ تو کاتب ہی عدل وانصاف کے ساتھ وثیقہ لکھیں گے اور نہ گواہ حق اور سچی گواہی دیں گے بلکہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے کترائیں گے۔ پس انصاف کو عام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کاتب و گواہ کو ستایا اور پریشان نہ کیا جائے اور اگر انہیں کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو تو انہیں پورا پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔

اسلام کے ان احکام پر غور کیجئے۔ کس قدر ان میں ربط ہے۔ اگر یہ ربط ختم ہو جائے تو اسلامی قوانین پر عمل ممکن نہیں رہتا۔ اسلامی نظام ایک جال کی طرح ہے جس کا ایک دھاگہ بھی کٹ جائے تو پورے جال کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اسلامی قوانین سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ مکمل طور پر اسلامی نظام کو اپنایا جائے۔ انسانیت کے لیے اسلامی نظام کی افادیت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لیکن آج کل کس نے اس کو اپنایا ہے۔ کون سا ملک ہے جس میں مکمل اسلامی قانون نافذ ہے۔

شہادت کے معنی

ش، ہ، د سے ماخوذ تمام الفاظ میں، ح، ض، ر کا مادہ یعنی حاضری اور حضور کے معنی پائے جاتے ہیں۔ شہادت، شاہد، شہید، مشہد، مشہود۔ ان تمام الفاظ میں حضور کا مفہوم موجود ہے۔

Marfat.com

شہادت، گواہی کسی واقعہ کو آنکھوں سے دیکھ کر بتانا عینی شہادت ہے۔ اور کسی بات کو اپنے کانوں سے سن کر بیان کرنا سمعی شہادت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اشہد یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہنا شہادت کا رکن ہے کہ اس کے بغیر شہادت معتبر نہیں۔ نیز چونکہ شہادت میں حضور کا مفہوم موجود ہے لہٰذا شاہد، گواہ کے لئے لازمی ہے کہ اس نے اصل واقعہ خود دیکھا ہو یا جن باتوں کا تعلق سننے سے ہے، اس نے اس بات کو بلاواسطہ خود سنا ہو۔ کسی دوسرے سے سن کر بیان کرنا شہادت نہیں، خبر ہو گی۔ جو کتنی ہی سچی ہو اس پر قاضی کو فیصلے کا اختیار نہیں۔ اور شہادت کے لئے شاہد کا بذات خود قاضی کے پاس حاضر ہونا لازمی ہے۔ خط، ٹیلیفون، فیکس یا کسی دوسرے ذریعہ سے قاضی تک خبر پہنچا کر شاہد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی قاضی ان ذرائع کو شہادت کا بدل قرار دے کر کوئی حتمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ دنیاوی قانون میں بھی آج تک کسی چیز کو چاہے وہ کتنی ہی معتبر اور یقینی کیوں نہ ہو شہادت کا بدل قرار نہیں دیا گیا۔ کہ اس صورت میں نہ صرف یہ کہ شہادت کا مفہوم ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ عدالت کا وقار اور قاضی کی حاکمانہ برتری بھی باقی نہیں رہتی۔

شرعاً جن امور میں شہادت مطلوب ہوتی ہے، ان میں شہادت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی پر فیصلوں کا انحصار ہے۔ حدود و تعزیرات سے متعلق امور ہوں یا معاملات و عبادات سے متعلق ہوں۔ جہاں بھی شہادت کو لازمی قرار دیا گیا ہے وہاں شہادت نہ ہونے کی صورت میں حکم قضا بھی تبدیل ہو جائے گا۔ مثلاً زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی لازمی ہے۔ اگر گواہوں کی تعداد پوری نہ ہو یا بالکل کوئی گواہ نہ ہو اور عورت یہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھ سے زنا کیا ہے تو اگر زنا کے کچھ قرائن پائے گئے جن سے زنا ثابت ہوتا ہے، تب بھی حد زنا جاری نہ ہو گی، بلکہ قاضی اپنی صوابدید پر صرف سزا دے سکتا ہے۔ اور اگر قرائن بھی نہ پائے گئے تو سزا بھی نہیں دی جا سکتی۔

اسی بناء پر رؤیت ہلال کا مسئلہ بھی واضح ہے جس کو موجودہ دور میں خواہ مخواہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ شریعت مطہرہ کو رؤیت ہلال کے ثبوت کے لئے شہادت مطلوب ہے اور شاہد کا قاضی کے سامنے حاضر ہونا لازمی ہے۔ اس کا بدل کوئی ذریعہ نہیں بن سکتا چاہے وہ کتنا ہی معتبر اور یقینی ہو۔ رؤیت یا عدم رؤیت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رؤیت ہلال کی شرعی شہادت پر ہی رمضان کے آغاز اور اختتام کا فیصلہ کیا جا سکے گا۔ یہ قدامت پسندی نہیں بلکہ ایک واضح شرعی اصول کی پابندی ہے جس سے آزادی اہل تقویٰ کے لیے ممکن نہیں اور اگر اس شرعی طریقہ کار کو ترک کر دیا جائے تو پھر کسی خود ساختہ طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان شاء اللہ شہادت سے متعلق مزید تفصیلات ہم سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۵ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

عورت کی گواہی

آیت زیر گفتگو میں ہدایت کی گئی ہے کہ دو مردوں کے میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔ ایک مرد کے مقابل دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم بظاہر یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ ایک عورت نصف مرد کے برابر ہوتی ہے، لہٰذا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے مساوی قرار پائی۔ اس غلط فہمی کی بناء پر ہی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں مرد کی حیثیت عورت سے اتنی زیادہ ہے کہ عورت کو مرد کا نصف سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا اس قدر پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمان

Marfat.com

عورتیں تک اسلام میں اپنی حیثیت کے خلاف احتجاج کرنے لگیں اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اسلام عورت کو اتنا کمزور قرار دیتا ہے کہ ایک مکمل انسان کی حیثیت بھی اسے حاصل نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ نہیں، یہ اعتراض اسلام دشمنی کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد مسلمان عورتوں کو دین سے متنفر اور دور کرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہم قرآن کریم کے اس ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابل نصف ہے، جیسا کہ آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے اور نبی مکرم علیہ السلام نے بھی اس کی وضاحت فرمائی کہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اُضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَهْلَ النَّارِ فَقُلْنَ وَ بِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ دِیْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ اَحَدُکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَ عَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَیْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ نُقْصَانُ عَقْلِهَا اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَ لَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِهَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، اے عورتوں کی جماعت، صدقہ کیا کرو کیونکہ میں نے تمہیں دوزخ میں دیکھا ہے۔ عورتوں نے کہا کس وجہ سے یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا تم بکثرت لعنت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ کسی کو دین اور عقل میں ناقص نہیں دیکھا، جو مرد دانا کی عقل پر غالب آنے والی ہو۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ، ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف نہیں۔ عورتوں نے کہا، کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے اور فرمایا جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتیں۔ عورتوں نے کہا، کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ انسان کی خلقت و جبلّت کو جاننے والا کون ہے۔ رسول نے جو کچھ بتایا وہ اللہ کے عطا کردہ علم ہی سے بتایا۔ پس رسول کا ارشاد اللہ ہی کا فرمان ہے۔ اللہ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا پیدا نہیں فرمایا۔ بعض کی قوت و طاقت بعض سے کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ کسی کی عقل بہت تیز اور کسی کی بہت کم، کوئی عقلمند کہلاتا ہے اور کوئی بیوقوف۔ کسی کی قوت حافظہ بہت زیادہ اور کسی کی بہت کم ہوتی ہے۔ کسی کی نظر بہت تیز اور کسی کی بہت کم۔ یہ بعض انسانوں کی بعض پر برتری یا توہین نہیں۔ سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ خالق حقیقی جانتا ہے کہ زندگی میں کس کو کیا کرنا ہے، پس اسی کے مطابق وہ اسے اعضا اور عقل و فہم عطا فرماتا ہے۔ اسی کی یہ حکمت ہے کہ اس نے عورت کو مرد کے مقابلہ پر ہر اعتبار سے نازک اور کمزور پیدا فرمایا۔

Marfat.com

کیونکہ اس کے علم میں مرد وعورت کی ذمہ داریاں متعین ہیں۔ انہی کے مطابق اس نے ان دونوں جنسوں میں تفاوت رکھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک مشینری بنانے والا اس کے کام کے مطابق اس میں کل پرزے لگاتا ہے۔ اور اس کی قوت وطاقت کا تعین کر کے استعمال کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے کہ اس مشین سے صرف یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ اس پر بار ڈالا جائے گا تو اس کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اللہ نے مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں متعین کر دیں۔ اب عورت ان ذمہ داریوں کو چھوڑ کر یا ان سے آگے بڑھ کر اپنے جسم وعقل پر بوجھ ڈالتی ہے تو نہ صرف اس کا بلکہ پورے معاشرے کا نظام زندگی تہہ وبالا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ معاشرے کا ایک اہم جز ہے۔ نسل انسانی کی تباہی کا نہیں بلکہ فلاح وبہبود کا بھی اس پر دارومدار ہے۔ اللہ نے اسے کمزور ضرور بنایا ہے لیکن معاشرہ کا ایک ایسا اہم پُرزہ بنایا ہے کہ اگر وہ خراب ہو جائے تو پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

غرضیکہ عورتوں کو بلاشبہ ناقص العقل پیدا فرمایا گیا۔ لیکن ان ذمہ داریوں کی تکمیل میں وہ ہرگز ناقص العقل نہیں جو اللہ نے اس کو سونپی ہیں۔ مثلاً گھر کا انتظام مرد کے بس کی بات نہیں وہ عورت ہی کر سکتی بچوں کی نگرانی اور تربیت جو عورت کر سکتی ہے وہ مرد ہرگز نہیں کرسکتا۔ باوجودیکہ مرد عورت سے جسمانی طور پر زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور عقلاً کامل ہوتا ہے۔ لیکن عورت اس وقت ناقص العقل ثابت ہوتی ہے جب وہ مردوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھانے کے لئے گھر سے باہر نکلتی ہے۔ یہ بھی اس کے ناقص العقل ہونے ہی کا ثبوت ہے کہ جو ذمہ داریاں مردوں کی ہیں خواہ مخواہ ان کو قبول کرتی ہے۔ بچوں کا پالنا عورت کا کام ہے، وہ پالتی ہے لیکن معاش کا انتظام مرد کا کام ہے۔ خواہ مخواہ اس ذمہ داری کو بھی وہ اپنے سر لے لینا چاہتی ہے۔ ترقی کے نام پر آج عورت سے جو کام لئے جا رہے ہیں یا اس نے انہیں خود قبول کیا ہے یہ حقیقت میں عورت پر بڑا ظلم ہے اس کی تخلیقی قوتوں سے بہت زیادہ اس پر بوجھ ہے۔ جس کا انجام بد بھی ظاہر ہے کہ جن ممالک میں عورتوں کا ملازمت کرنا، تجارت کرنا، اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنا فیشن بن گیا ہے ان کی عائلی زندگی تہ وبالا ہو کر رہ گئی۔ بچے پیدا ضرور ہو رہے ہیں لیکن ان کی نگرانی اور تربیت کرنے والی ماں انہیں میسر نہیں آتی۔ شوہر کی نظروں میں بیوی کا کردار مشکوک اور بیوی کی نظروں میں شوہر کا۔ نتیجتاً نئی نسل پوری قوم کے لئے تباہی وبربادی کا پیغام بنی ہوئی ہے۔ اور کسی گھر میں شوہر وبیوی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں۔ طلاق اور علیحدگی ایک معمول کی بات بن گئی ہے۔ یہ صورت حال کوئی معمولی نہیں۔ اس کے اثرات محدود نہیں۔ بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہے، جبکہ اسلام نے عورتوں کی ذمہ داریوں کا تعین کر کے عورت کو مرد سے نہ تو کم مرتبہ قرار دیا ہے اور نہ ہی اس کی توہین کی ہے، بلکہ اس پر بڑا احسان کیا ہے کہ مرد کو اس کا سرپرست بنایا، جو معاش کی تمام ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے اور عورت کو اس کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں بنایا جس کی محبت والفت اور گھریلو کاموں کی انجام دہی مرد کو اطمینان بخش زندگی فراہم کرتی ہے۔ اور بچوں کی بہترین تربیت انہیں مستقبل کی بہترین قوم بناتی ہے۔

شہادت ایک ذمہ داری ہے

شہادت ایک بڑی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنے میں محنت بھی ہے اور بہت سے خطرات بھی، کہ شاہد کو گواہی ادا کرنے کے لئے جہاں بھی بلایا جائے گا، جب بھی بلایا جائے گا اسے جانا ہوگا اور وہ جس کے خلاف گواہی دے گا وہ ضرور اس کا

Marfat.com

مخالف اور دشمن ہو جائے گا۔ اسلام نے عورت پر بڑا احسان کیا کہ اس محنت شاقہ اور خطرات سے اسے محفوظ رکھا۔ ایسے واقعات جن میں شاہد کے لئے بہت ہی خطرہ ہے۔ مثلاً زنا کے ثبوت میں عورت کو قطعاً ناقابل گواہی قرار دے دیا گیا کہ زنا کے اثبات کے لئے صرف چار مردوں ہی کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ ایسے ہی حدود و قصاص کے دوسرے معاملات میں بھی عورت گواہ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ انہی معاملات میں گواہوں کے لئے زیادہ خطرہ اور دشواریاں ہوتی ہیں۔ یہ عورت کی توہین نہیں بلکہ اس کی تخلیقی نزاکت کے مطابق اس ذمہ داری سے آزاد رکھنے کی تدبیر ہے۔ ہاں لین دین قرض اور دیگر کاروباری معاملات نیز نکاح، طلاق وغیرہ جیسے امور میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی معتبر قرار دی گئی کہ ان معاملات میں اختلاف اس نوعیت کا نہیں ہوتا جس میں زیادہ خطرات ہوں۔ یہاں بھی عورت کی تخلیقی نزاکت کا لحاظ رکھا گیا کہ تنہا ایک عورت پر گواہی کا بوجھ نہیں ڈالا گیا بلکہ دو کو رکھا گیا۔ جس کی وجہ خود قرآن کریم نے بیان فرمادی کہ اگر ایک عورت اپنی تخلیقی کمزوری کی وجہ سے عدالت کے ماحول میں آ کر گھبرا جائے، پریشان ہو جائے اور واقعہ بھول جائے تو اس کے لئے شریعت آسانی مہیا کرتی ہے کہ دوسری عورت موجود ہے، جو اسے یاد دلا دے گی۔ اور چونکہ وہ بھی شرعاً مکمل گواہ ہے تو عدالت کو اس کی بات تسلیم کرنا پڑے گی۔

اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى

کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

وکلاء کا تجربہ شاہد ہے کہ اکثر عورتیں عدالت میں پہنچ کر گھبرا جاتی ہیں۔ بولنے سے پہلے رونا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ کیفیت خاص طور پر مسلمان عورتوں کی زیادہ ہوتی ہے کہ مسلم تہذیب میں پروردہ عورت کا چہرہ ہی نقاب میں نہیں ہوتا بلکہ حیاو شرم کا پردہ اس کے آواز کو اس قدر دبائے ہوتا ہے کہ اس کے لئے بولنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس گھبراہٹ اور پریشانی کی کیفیت میں اس کے لئے بیان دینا اور گواہی ادا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ برابر کھڑی دوسری عورت کچھ اس کا تعاون کرتی ہے۔ دونوں مل جل کر گواہی کی ذمہ داری پوری کرتی ہیں۔ غور فرمائیے یہ عورت کی توہین ہے یا اس پر شریعت کا احسان اور ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنے میں اس کا تعاون۔

ہاں اگر ایک عورت کسی حال میں گواہ بننے کی اہل نہ قرار دی جاتی تو کہا جا سکتا تھا کہ عورت کی توہین کی گئی ہے۔ جب کہ رضاعت، حمل، حیض اور ایسے دیگر زنانہ امور میں ایک ہی عورت یا چند عورتوں کی گواہی قابل قبول قرار دی گئی ہے۔ جبکہ ان کی گواہی سے مرد متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً

عَنۡ عُقۡبَةَ بۡنِ الۡحَارِثِ قَالَ تَزَوَّجۡتُ اِمۡرَاَةً فَجَاءَتۡ اِمۡرَاَةٌ فَقَالَتۡ اِنِّیۡ اَرۡضَعۡتُكُمَا فَاَتَیۡتُ فَذَكَرۡتُ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ وَ كَیۡفَ وَ قَدۡ قِیۡلَ دَعۡهَا عَنۡكَ۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی، تو ایک اور عورت نے آ کر کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ پیش کیا، آپ نے فرمایا تم اس عورت کو نکاح میں کیسے رکھ سکتے ہو جبکہ یہ گواہی ہو گئی،

Marfat.com

اس عورت کو طلاق دے دو۔ (بخاری شریف)

ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ ہوا اور حضرت عقبہ کو اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی۔

بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ عورت تخلیقی اعتبار سے بہ نسبت مرد کے کمزور ہے۔ اس کی خلقت اس کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے کی گئی۔ آج عورت نے بہت ترقی کی، مرد کے مقابلے پر آنے کی پوری پوری کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی نہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوسکی ہے اور نہ ہی مرد کے تعاون کی احتیاج سے آزاد ہوئی ہے۔ چند ہی ممالک ہیں جہاں عورتیں اعلیٰ عہدوں پر پہنچ سکی ہیں یا سخت جسمانی محنت کے کام کر رہی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد گنی چنی ہے۔ جس کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بطور مثال پیش نہیں کیا جاسکتا کہ استثنائی صورت سے کوئی کُلّیہ وضع نہیں ہوتا۔ یوں تو بعض مرد بھی عورتوں کی طرح نازک ہوتے ہیں تو کیا آپ ان کو مثال بنا کر یہ کُلّیہ بنائیں گے ''مرد، عورت کی طرح ہوتا ہے''، ہرگز نہیں، تو چند عورتوں کو نظیر بنا کر یہ کُلّیہ کیسے بنایا جاسکتا ہے کہ ''عورت مرد کی طرح ہوتی ہے''۔

غرضیکہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کو ان کی تخلیقی صلاحیت کے مطابق ذمہ داریاں سونپی۔ یہی اصولِ شہادت کے موقع پر نظر آتا ہے کہ شہادت کی اہمیت اور شاہد کی ذمہ داری اس واقعہ کے مطابق ہوگی۔ جس کا عدالت کو فیصلہ کرنا ہے۔ حدود، قصاص وغیرہ کے واقعات نہایت ہی نازک ہوتے ہیں۔ ان میں شاہد کے لئے بہت خطرات بھی ہیں اور ذمہ داری بھی۔ عورت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا شریعت نے اس ذمہ داری سے اسے محفوظ رکھا۔ لین دین وغیرہ کے واقعات میں اتنی نزاکت نہیں اتنے خطرات نہیں لہٰذا ان معاملات میں عورت کی گواہی کو بھی معتبر قرار دیا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ایک مرد ہو اور دو عورتیں۔ نہ ایک عورت ہو اور نہ ہی دو مردوں کی جگہ چار عورتیں اور رضاعت وغیرہ کا زیادہ تعلق عورتوں سے ہوتا ہے اور ان معاملات میں اختلافات خطرات کی حد تک نہیں پہنچتے۔ لہٰذا ان میں صرف عورتوں کی گواہی بھی معتبر قرار دی گئی۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا ہمیں یقین ہے کہ اس سے یہ غلط فہمی دور ہوگی کہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم العیاذ باللہ عورت کی توہین ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ عورت کے مقام کا جو تحفظ اسلام کرتا ہے اور عورت کو جو حقوق شریعت مطہرہ نے عطا فرمائے ہیں، اس کی نظیر کسی مذہب یا دنیا کے کسی قانون میں موجود نہیں لیکن اس کا کوئی جواب نہیں۔ کہ انسان مصیبت کو راحت کہے اور اسباب راحت کو مصیبت قرار دے۔ آج کی عورت کا یہی حال ہے کہ مغربی تہذیب نے جن ذمہ داریوں تلے اسے دبا رکھا ہے وہ اسے ترقی سمجھ کر بخوشی اختیار کر رہی ہے اور اسلام نے اس کی عزت و ناموس، حُسن و نزاکت کے تحفظ کے لئے جو احکام دیئے اور اس کی تخلیقی قوت کے مطابق اسے جو ذمہ داریاں سونپیں انہیں عورت بے جا پابندی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دے رہی ہے ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کرشمہ سازی غیر فطری اور غیر جبلی عمل ہے۔ جس کا اثر نہایت ہی عارضی اور اُوپری ہوتا ہے۔ جس سے کرشمہ ساز کو خود بھی تسکین نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا باطن اس کے ظاہر کی نفی کرتا ہے۔ وہ بظاہر ہنستا یا اپنی کرشمہ سازی پر فخر کرتا ہے لیکن اس

Marfat.com

کا دل روتا یا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی محفلیں پُر رونق اور تنہائیاں پُر ہیبت ہوتی ہیں۔ اس کی جلوت روشن اور خلوت تاریک ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی زندگی کامیابی و کامرانی سے کبھی ہمکنار نہیں ہو پاتی کہ وہ تہذیب و تمدن جو اپنی نہ ہو اس کو اپنانا کرشمہ سازی ہی ہے۔ جس کو اختیار کرنے والے کا نہ ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور نہ ہی مستقبل محفوظ۔

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
(اقبال)

رہنِ مقبوضہ

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ.

اور اگر تم سفر میں ہو اور تم نہ پاؤ لکھنے والا، تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کردے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

رہن، گروی رکھنا اصطلاحاً اس چیز کو رہن کہتے ہیں جو گروی رکھی جائے۔ اسلام کا یہ اصول ہے کہ وہ اپنے قوانین پر عمل کو ممکن و آسان بنانے کے لئے بطور بدل ایسے قوانین بھی دیتا ہے جن پر بصورت مجبوری عمل درحقیقت اصلِ قانون پر ہی عمل ہوتا ہے۔ مثلاً پانی نہ ہونے کی صورت میں طہارت حاصل کرنے کے لئے تیمم کا قانون دیا گیا۔ نماز چھوٹ جائے تو قضا کا قانون موجود ہے۔ کوئی روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو تو کفارہ موجود ہے۔ کوئی صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا کرنے سے قاصر ہو تو صدقہ و خیرات کے ذریعہ ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو صرف نیت حج سے قیامت کے دن حاجیوں میں شامل ہو جائے گا۔ جملہ عبادات و معاملات میں یہی صورت موجود ہے۔ کیونکہ روح عبادت عبادت کی مخصوص صورت نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ اور خلوصِ نیت ہے۔

رہن بھی وثیقہ اور گواہوں کا بدل ہے، کہ اگر کسی کو وثیقہ لکھانے اور اس پر گواہ بنانے میں دشواری پیش آئے تو ان دونوں کا مقصد رہن سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس آسانی کو اگرچہ حالتِ سفر کے ذکر کے ساتھ بیان کیا گیا لیکن صرف ایسی صورت میں رہن کی اجازت نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ حالتِ سفر کا تذکرہ صرف اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر وسائل کی کمی حالتِ سفر میں ہی ہوتی ہے۔ وثیقہ نویس اور گواہوں کے حاصل نہ ہونے کا بھی زیادہ امکان سفر ہی میں ہوتا ہے۔ بالخصوص نزولِ قرآن کے دور میں اکثر یہ اور اس جیسی بہت سی پریشانیاں سفر میں ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا اگر کوئی عام حالات میں بھی وثیقہ نہ لکھوائے اور اس پر گواہ مقرر نہ کرے تو رہن کی آسانی سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس سے بھی باہمی اختلاف کے امکان کو ختم کرنے کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

رہن کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے نقد یا جنس کی صورت میں قرضہ لے اور اپنی کوئی چیز بطور ضمانت قرضہ دینے والے کے پاس رکھا دے۔ یہ چیز قرض خواہ کے پاس اس وقت تک بطور امانت محفوظ رہے گی جب تک مقررہ وقت پر

Marfat.com

قرض دار قرضہ ادا نہ کر دے اس چیز کی قیمت قرض سے زیادہ ہو یا اس کے برابر، اور اگر قرض دینے والا راضی ہو تو کم قیمت کی چیز بھی گروی رکھی جا سکتی ہے۔ گروی رکھی ہوئی چیز چونکہ امانت کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا قرض خواہ کے لئے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ نیز وہ چیز اگر اس کے پاس تلف ہو گی تو اسے قیمت ادا کرنا ہو گی۔ اگر اس کی قیمت قرض کے مساوی تھی تو قرض ختم ہو جائے گا۔ اگر زیادہ تھی، تو قرض بھی ختم اور باقی رقم واجب الادا، اگر کم تھی تو قرضدار اپنی چیز کی قیمت وضع کر کے باقی رقم ادا کرے گا۔

رہن کو نبی مکرم علیہ السلام نے اپنے عمل سے سنت بنایا اور اس کے مسائل کی عملی وضاحت فرمائی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ بوقت وصال حضور علیہ السلام کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضور علیہ السلام نے وفات پائی، اس وقت آپ کی ایک زرہ یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی، تیس صاع جو کے بدلے میں۔

(بخاری شریف)

اس یہودی کا نام ابوشحم تھا۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد یہ شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا کہ آپ نے اپنے آقا ﷺ کے کئے ہوئے وعدوں کو بھی پورا کیا اور قرض بھی ادا کئے۔ یہ زرہ بھی آپ نے ہی یہودی کو تیس صاع جو دے کر چھڑائی۔

بہرحال بیع وشراء اور دیگر معاملات میں ہی اختلاف بدامنی اور قتل وغارت کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا قرآن وحدیث نے ہمیں ایسے قواعد وضوابط عطا فرمائے جن کی پابندی ہر قسم کے اختلاف وانتشار سے محفوظ رکھنے کی ضمانت ہے۔ ان قواعد وضوابط کی تفصیلات سے فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم ان مسائل سے نہ تو واقف ہیں اور نہ ہی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اگر ان کو بیان بھی کیا جائے تو خیال کرتے ہیں کہ یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔ ظاہر ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اسلامی قانون پر عمل سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان مسائل پر عمل کا تو وہم وگمان تک نہیں رہا۔ اور یہ خیال تک نہیں آتا کہ ہمارے مذہب نے تجارت کے بھی کچھ اصول وضوابط مقرر کئے ہیں جن کی ہمیں پابندی کرنا چاہئے۔ تاکہ ہمارا یہ دنیاوی عمل بھی عبادت بن جائے۔ اللہ دین سے ہماری اس لاپرواہی کو دور کرے۔ آمین

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"سورۂ آلِ عمران"

مقالہ نمبر	آیات نمبر
13	100 تا 101
14	102 تا 105
15	118 تا 120
16	130 تا 145
17	149 تا 155
18	156 تا 200
19	254

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۳

آل عمران: ۱۰۰ تا ۱۰۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ۝ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (آل عمران: ۱۰۰۔۱۰۱)

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو ایک گروہ کا اہل کتاب میں سے تو وہ تمہیں لوٹا دیں گے تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف۔ اور تم کیوں کر کفر کرو گے، حالانکہ تم پر پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور تم میں اس کا رسول جلوہ فرما ہے۔ اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو بیشک اسے ہدایت کی گئی سیدھے راستہ کی۔

اے ایمان والو! اہل کتاب کے مکر و فریب کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ ان کے شر سے بچتے رہو، یہ تو تمہارے ازلی دشمن ہیں۔ کبھی تمہیں ایسا مشورہ نہیں دے سکتے۔ جس میں تمہاری فلاح و بہبود ہو، پس اگر تم ان کی باتوں میں آ گئے اور ان کے کہے پر عمل کرنے لگے۔ تو یہ ڈاکو تمہارا ایمان تک لوٹ لیں گے اور تم اس عظیم دولت سے محروم ہو کر پھر کافر ہو جاؤ گے۔

ہونا یہی چاہیے کہ تم گمراہی اور کفر سے محفوظ رہو کیوں کہ تمہارے پاس اللہ کی وہ کتاب موجود ہے۔ جس کی تبلیغ و اشاعت

Marfat.com

تا قیامت جاری رہے گی اور تم اس کی آیات سنتے ہی رہو گے۔ نیز تم میں اللہ کا وہ رسول موجود ہے جس کا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ پس قرآن وسنت کے ہوتے ہوئے تمہارا کسی غیر کے کہنے پر عمل کرنا بعید از قیاس ہے۔ جب کہ تم سے اللہ یہ بھی وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم اس سے ہدایت طلب کرتے رہو گے اور اسی کے سہارے دین پر قائم رہنے کی کوشش کرو گے تو وہ تمہیں ضرور سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے گا۔ اور دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

شانِ نزول

آیات بالا کی وضاحت کے لیے ان کا شان نزول بیان کرنا ناگزیر ہے۔ اوس وخزرج مدینہ کے ایسے دو بڑے قبیلے تھے جن میں پشتہا پشت سے باہمی عداوت اور جنگ چلی آ رہی تھی۔ دونوں کا کوئی فرد اپنی اولاد کو دشمن سے انتقام لینے کی وصیت کیے بغیر نہ مرتا تھا۔ اہلِ عرب ان دونوں قبیلوں کا متحد ہو جانا ناممکن یقین کرتے تھے۔ لیکن اللہ کے دین کی تاثیر کا اندازہ لگائیے کہ جب اسلام کا آفتاب، اُفق مدینہ پر طلوع ہوا اور دشمنوں کو ملانے والے دلوں کو جوڑنے والے آقائے رحمت ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو دونوں قبیلوں کے لوگ مشرف باسلام ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناممکن، ممکن بن گیا۔ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب وہ ایک دوسرے کو گلے لگاتے، ساتھ اٹھتے، ساتھ بیٹھتے، ساتھ کھاتے، ایک ہی در کے بھکاری، ایک ہی آقا کے غلام تھے

بد خُلق جو تھے وہ نیک ہوئے، لڑتے تھے ہمیشہ جو ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے، تری فہم و ذکاء کیا کہنا

اوس وخزرج کا شیر وشکر ہونا، حاسدین کے لیے ناقابل برداشت تھا، کہ شیطان کے لیے مسلمانوں کا میل ومحبت، اتحاد واتفاق ہی سب سے زیادہ ناپسند اور ناگوار ہوتا ہے۔ وہ امت کو اس نعمت سے محروم کرنے کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کرتا ہے۔ پس ایک دن یہ شیطان بوڑھے یہودی شعث ابن قیس کی صورت میں جا رہا تھا کہ اس نے اوس وخزرج کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا جو پیار ومحبت کی باتیں کر رہے تھے۔ اور ان کے چہروں پر اسلام کا نور چمک رہا تھا۔ دل ان کے مطمئن تھے۔ اس بوڑھے پر یہ سماں نہایت ناگوار گزرا۔ اس نے ایک نوجوان یہودی کو بلایا اور اس سے کہا تو ان لوگوں کو وہ اشعار سنا، جس سے ان کے دل میں جنگ بُعاث کی یاد تازہ ہو جائے۔ بُعاث اوس وخزرج کے درمیان ایک نہایت ہی خوں ریز جنگ ہوئی تھی جس میں اوس نے خزرج پر فتح پائی تھی۔ جس کی یادیں بڑی ہی دلخراش تھیں۔ اس یہودی نے ایسے اشعار پڑھے کہ دونوں قبیلوں کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے۔ ان میں ٹیسیں اٹھنے لگیں اور آناً فاناً محبت کی نظریں نفرت کی نظروں میں بدل گئیں۔ دونوں میں سخت کلامی کا آغاز ہوا اور نوبت بایں جا رسید کہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو دوڑے اور مسلح ہو کر آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ کسی نے دوڑ کر نبی مکرم علیہ السلام کو خبر دی۔ آپ فوراً موقع پر پہنچے۔ یہ دیکھ کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا کہ جنہیں ایک دوسرے پر قربان ہونے کی تعلیم دی گئی تھی وہ ایک دوسرے کی قربانی کرنے کے لیے آمنے سامنے صف بستہ ہیں۔ آپ دونوں کے درمیان آ کھڑے ہوئے، اور فرمایا "کیا تم میرے ہوتے ہوئے لڑو گے، اور کیا تم ہدایت پر آ کر پھر گمراہ ہوئے جاتے ہو"۔ غلاموں کے لیے تو آقا کی موجودگی کافی تھی۔ اس ارشاد نے تو آگ پر پانی کا کام کیا۔ فریقین نے

Marfat.com

ہتھیار پھینکے۔ ایک دوسرے سے چپٹ کر چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ اس احساس پر اُفسردہ و شرمندہ تھے کہ ہم کس دولت سے محروم ہوئے جا رہے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی دن نہ دیکھا، جس کا اول ایسا شر ہوا اور اس کے آخر میں ایسی خیر۔ بلاشبہ یہ اثر تھا معلم کامل علیہ السلام کی تربیت و تعلیم کا۔

بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا تیرے بغیر اجڑے ہوؤں کو کس نے بسایا تیرے بغیر

بہر حال یہ واقعہ ہمیں ایک نہایت اہم اصول زندگی کے حصول کا سبب بنا۔ جس کو آیات مذکورہ میں بیان کیا گیا، کہ یہود و نصاریٰ کو کبھی دوست نہ جانو، وہ تمہارے ایسے ابدی دشمن ہیں کہ تم نے ان پر اعتماد کر کے ان کے مشوروں پر عمل کیا تو وہ تمہیں اپنا جیسا یعنی کافر بنا کر چھوڑیں گے۔

خطرناک دشمن

یوں تو ہر کافر مسلمان کا دشمن ہے۔ کیونکہ اسلام اور کفر دو متضاد عقیدے ہیں۔ جو کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسلام نور ہے، کفر، ظلمت ہے نور، ظلمت پر غالب تو آتا ہے۔ اس کو اپنے اندر سمو تو لیتا ہے لیکن اس سے سمجھوتا نہیں کرتا۔ اسلام کفر پر غالب آتا ہے۔ کافروں کو مسلمان بنا لیتا ہے۔ لیکن کافر سے سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ کہ نور و ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ پس ہر کافر مسلمان سے بچنے، بھاگنے کی فکر میں رہتا ہے۔ یا اپنی بقاء کے لیے اس کو مٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا وہ کبھی مسلمان کا دوست نہیں بن سکتا۔ سب ہی کافر مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ میرے آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے "الكفر ملة واحده" کفر، چاہے کسی نام سے کسی شکل میں ہو، مسلمانوں کے لیے ایک ہی ملت ہے۔ یعنی سب ہی مسلمانوں کی دشمنی پر متحد و متفق ہیں۔ لیکن ان میں خطرناک ترین دشمن یہودی ہیں۔ جو اہلِ کتاب ہونے کے باوجود نبی مکرم علیہ السلام کے دور سے آج تک نہایت ہی مکاری اور چال بازی کے ساتھ اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ کیونکہ یہ وہ قوم ہے جس کی سرشت میں حق دشمنی شامل ہے۔ حتیٰ کہ ان ظالموں نے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر نہ صرف مظالم ڈھائے بلکہ ان میں سے اکثر کو قتل تک کر ڈالا۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کی اس بدخوئی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر مکار قوم ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

(آل عمران: ۱۸۱۔ ۱۸۳)

بیشک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے، حالانکہ ہم غنی ہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا۔ نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب)

Marfat.com

چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے اقرار لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ہمارے پاس ایک قربانی لائے جس کو آگ کھا لے۔ آپ فرما دیجئے، تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول آ چکے دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزے کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو، تو تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔

یہ ایک جھلک ہے اس مکار قوم کے حیلے بہانوں کی، کہ کبھی تو انہوں نے دعوتِ حق کو یہ کہہ کر رد کیا کہ "کیا ہم اس اسلام کو قبول کریں اور اس قرآن پر ایمان لائیں جو اللہ کو قرض دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ گویا اللہ فقیر و مفلس ہے اور ہم غنی ہیں (العیاذ باللہ) اور کبھی انہوں نے اللہ پر الزام تراشی کرتے ہوئے اسلام قبول کرنے سے اس طرح انکار کیا کہ "اللہ نے ہم سے اقرار لیا ہے کہ ہم صرف ایسے رسول پر ایمان لائیں گے جس کی قربانی کو آسمان کی آگ کھا جائے گی"۔ یہ سب ان کی بیہودہ گوئی ہے۔ ان ظالموں نے پہلے کب رسولوں اور نبیوں کی اتباع و پیروی کی۔ ان کی تو تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کو انہوں نے ستانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی بلکہ بعض کو تو قتل کر ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے بزعم خود اسی لیے سولی پر چڑھایا کہ اللہ کی کتاب انجیل لے کر آئے تھے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے اور نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت کی خوشخبری سناتے تھے۔ ان کی انہی بدکاریوں کے باعث ہمیشہ کے لیے ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی کہ دنیا کی ہر قوم عزت حاصل کر سکتی ہے، سوائے یہود کے۔

وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۚ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ (البقرہ:۶۱)

اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے، یہ (سب کچھ) اس لیے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق، یہ (سب کچھ) اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

(آل عمران:۱۱۲)

مسلط کر دی گئی ان پر ذلت، جہاں کہیں وہ پائے گئے سوائے اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے انہیں کہیں پناہ مل جائے اور یہ مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے اور مسلط کر دی گئی ان پر محتاجی، یہ (سب کچھ) اس لئے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق، یہ

Marfat.com

(سب کچھ) اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

سزائے جرم سے جرم کی سنگینی کا اندازہ کر لیجئے کہ یہ قوم ہر دور میں اتنے سنگین جرائم میں مبتلا رہی کہ اس پر دائمی ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی۔ اپنی طویل تاریخ میں یہ اللہ کے اس عذاب سے نہ کبھی نجات پا سکے ہیں اور نہ پا سکتے ہیں۔ کل بھی ذلیل ومحتاج تھے اور آج بھی ذلیل ومحتاج ہیں۔ اور مستقبل اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم نے قرآن کریم کی وہ آیات نقل کی ہیں جن میں یہودیوں کی دائمی ذلت ومسکنت کا اعلان کیا گیا ہے۔ بحمد اللہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ قرآنِ کریم کا ہر اعلان حق اور سچ ہے۔ اس کی بیان کردہ کسی بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ چاہے ہماری عقل اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ یہودیوں کی ذلت ومسکنت سے متعلق یہ غلط فہمی عام ہوتی جارہی ہے کہ "اس زمانہ میں یہودی نہ تو ذلیل ہیں، کیونکہ وہ ایک ملک کے حاکم ہیں اور نہ ہی غریب ہیں، کیونکہ وہ دنیا کی دولت مند قوم شمار کیے جاتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی تجارت پر انہی کا تسلط ہے"۔ اس غلط فہمی کی وجہ یا تو کم علمی ہے اور یا اس پروپیگنڈے کا اثر جو اسلام کے دشمنوں کی جانب سے اسلام کے خلاف بڑی شدومد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور اسلام کے خلاف کسی سازش کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا۔ آیئے اس غلط فہمی کو دور کر لیجئے۔ کہ اس کے باعث قرآن کے ایک اہم اور واضح اعلان میں شک وشبہ پیدا ہوتا ہے جو کفر ہے، اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

اقوام عالم میں یہودیوں کی تاریخ طویل ترین ہے۔ لیکن ہر دور میں یہ ذلیل وخوار نظر آتے ہیں۔ کبھی ان کی صورتیں مسخ کی گئیں اور انہیں بندر وخنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ کبھی ان پر صاعقہ (کڑک) اور پتھروں کی بارش کا عذاب نازل ہوا۔ تو کبھی عیسائیوں نے ان کا قتل عام کیا اور کبھی یہ مسلمانون کے ہاتھوں مارے گئے۔ غرضیکہ ہر دور میں ذلیل وخوار ہی ہوتے رہے۔ اب چند سال سے ایک قطعہ ارض کے مالک بنے بیٹھے ہیں، وہ بھی کس طرح اور کیسی سازش ہے، اس پر تاریخ گواہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب کی مسلم حکومتیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ صیہونی طاقتوں کو وہاں خلل اندازی کے مواقع میسر آنے لگے اور انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی سازش کے ذریعہ مسلمانوں کا ایک مقدس مقام بیت المقدس یہودیوں کے حوالہ کر دیا اور اس طرح مسلم ممالک کے بیچوں بیچ مسلمانوں کے اس ابدی دشمن کو بٹھا دیا۔ تاکہ مسلم ممالک میں مزید انتشار پیدا ہو اور وہ ہمہ وقت خوفزدہ رہیں۔ اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ کی طرف سے جس کے لئے دائمی ذلت مقدر کر دی گئی ہے وہ کیسے باعزت ہوسکتا ہے۔ یہودی حاکم ہونے کے باوجود بھی باعزت نہ ہو سکے۔ یہ اپنے داتاؤں کے در کے بھکاری ہی رہے۔ نہ تو اپنے ملک کو سیاسی اور معاشی اعتبار سے آزاد کر سکے اور نہ مستحکم۔ چالیس سالہ دور میں ایک دن بھی اسرائیل میں امن وسکون کا دن نہیں دکھایا جا سکتا۔ اتنے طویل دورانیہ میں ملک میں کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے اس حکومت کو قائم کیا تھا اب وہ اس سے اپنا ہاتھ کھینچ رہے ہیں اور یہودی ذلت وخواری کے ساتھ اپنے دشمنوں سے ہاتھ ملانے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اسرائیل ایک چھوٹا سا ملک مزید چھوٹا ہو رہا ہے اور ان کا یہ عارضی اقتدار اب خطرے میں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یروشلم ہمیشہ یہودیوں کا مقتل بنا ہے۔ یہ سرزمین ہمیشہ یہودیوں کے خون کی پیاسی رہی ہے۔ جب یہ

Marfat.com

زمین پیاسی ہوتی ہے تو یہودیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور پھر ان کا قتل عام ہوتا ہے۔ اور یہ زمین سیراب ہوتی ہے۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ نہ جانے کتنے یہودی روزانہ مارے جاتے ہیں اور اس زمین کی پیاس بجھتی ہے۔ اب پھر صلاح الدین ایوبی کا دور واپس آیا ہی چاہتا ہے کہ ایک ایک یہودی قتل ہوگا اور ایک مدت دراز کے لیے یروشلم کی زمین ان کے خون سے سیراب ہو جائے گی۔ فلسطینیوں کا قتل عام کرنے والے، ان کو دہشت گرد قرار دینے والے آج ان کا حق تسلیم کرنے اور انہیں حاکم ماننے پر مجبور ہو گئے۔ یہ ذلت وخواری نہیں تو کیا ہے۔ پس قرآن کریم کا اعلان حق ثابت ہوا۔

اسی طرح یہودیوں پر مسکنت، غربت ومحتاجی کا اعلان بھی حق ہے کہ اولاً تو یہ پروپیگنڈا ہی یکسر غلط ہے کہ یہودی دنیا کی متمول ترین قوم ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی حکومت امریکہ ویورپ کے سہارے ان سے بھیک مانگ کر نہ چلاتے رہتے۔ اور ان کے ملک میں نہ جہالت ہوتی نہ کوئی بھکاری ہوتا۔ دوسرے اگر آپ ان ممالک کے بھکاریوں کی تفصیلات کا مطالعہ کریں جن میں یہودیوں کی بڑی تعداد موجود ہے، تو آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ان بھکاریوں میں اکثریت یہودیوں کی ہے۔ پس ان کی دولت مندی کا غلط ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ ان میں جو دولت مند نظر آتے ہیں وہ بھی بظاہر دولت مند ہیں کہ یہ صرف سودی کاروبار کے ذریعہ اپنی دوکان چمکائے بیٹھے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ یہودیوں سے بڑی سود خور قوم کوئی نہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پوری دنیا کو یہودیوں نے ہی سود کی لعنت میں مبتلا کیا ہے۔ سودی کاروبار کرنے والوں کو اگر آپ باعزت سمجھتے ہیں تو یہ بڑی ہی غلط فہمی ہے۔ پھر تو انسانوں کا خون پینے والا ہر شخص باعزت کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اور ظلم وستم ہی عزت کا ذریعہ سمجھا جانے لگے گا۔

بہر حال قرآن کریم کا اعلان حق ہے کہ یہودی ہمیشہ ہمیشہ ذلت ومسکنت میں مبتلا رہیں گے۔ نزول قرآن سے قبل بھی ان کا یہی حال تھا۔ زمانہ سلیمان علیہ السلام کے تقریباً چار سو برس بعد ایک مصری بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ آور ہو کر یہودیوں کا قتل عام کیا۔ بخت نصر شاہ بابل نے ان کو پسپا کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً ایک ہزار برس قبل انطاکیہ کے بادشاہ نے اس قوم کی خوب مرمت کی۔ چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور اتنوں ہی کو غلام بنالیا۔ رومیوں نے انہیں تخت وتاراج کیا۔ غرضیکہ یہودیوں نے ہمیشہ بیت المقدس پر حکومت کرنے اور اس کو اپنی پناہ گاہ بنانے کی کوشش کی، لیکن ہر دور میں ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ موجودہ صورت حال ایسی نہیں، جس سے قرآن کے فیصلے پر شک وشبہ کر کے کوئی اپنا ایمان برباد کرے۔ بلکہ یقین کامل کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب حق اپنی عملی صورت میں ظاہر ہو کہ حالات حق پر ہمارے ایمان کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں۔

غرضیکہ قرآنی ہدایت یہ ہے کہ اہل کتاب چاہے یہودی ہوں یا نصاریٰ زندگی کے کسی شعبے میں ان کی بات نہ مانو۔ یہ نہ کبھی تمہارے ہمدرد ہوئے ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ آج ہماری ذلت وخواری کا بڑا سبب قرآن کی اس ہدایت ہی کی مخالفت ہے کہ ہمارے سیاسی ومعاشی مشیر یہود ونصاریٰ ہیں۔ ہم انہیں اپنا ہمدرد سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کی حمایت کو ہم نے اپنی قوت وبقاء کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، جبکہ حالات وواقعات ثابت کر رہے ہیں کہ ہمدردی کا دم بھرنے والے درحقیقت وہ ڈاکو ہیں جو نہ صرف ہم سے ہماری عزت چھین رہے ہیں بلکہ ہمارے مالی ذرائع پر بھی قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیں مذہبی اعتبار سے بھی

Marfat.com

مفلوج وکمزور کررہے ہیں۔ان کی ہمدردی درحقیقت ہمیں غلام بنانے کی ایک سازش ہے۔پس اگر ہم اپنی عزت وآبرو، مال و دولت اور دین وایمان کی بقاچاہتے ہیں تو صرف اور صرف قرآنی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں اپنے دشمن کو پہچاننا اور اپنے آپ کو متحد ومنظم کرکے اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

یہود ونصاریٰ کی مسلمانوں سے عداوت اہلِ ایمان کو ان سے ہوشیار رہنے اور قطع تعلق کرنے کی ہدایت پر انشاءاللہ ہم مزید گفتگو سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۱ کے ذیل میں اگلے صفحات پر کریں گے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ!
لَا يُمْكِنُ الثَّنَآءُ كَمَا كَانَ حَقَّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

ترجمہ

اے صاحب جمال اور انسانوں کے سردار۔ آپ کے نورانی چہرے سے تو چاند کو روشنی بخشی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ کی تعریف کا حق ہے ایسی تعریف ممکن نہیں۔ خدائے ذوالجلال کے بعد آپ ہی سب سے بڑے ہیں۔ یہی مختصر بات ہے۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۴

آل عمران: ۱۰۲ تا ۱۰۵

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ
مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران: ۱۰۲۔۱۰۵)

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا، اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور مضبوطی سے پکڑلو، اللہ کی رسی اور جدا جدا نہ ہونا۔

اور یاد رکھو اللہ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی کہ تم تھے (آپس میں) دشمن، پس اس نے الفت پیدا

Marfat.com

کر دی تمہارے دلوں میں، تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی، اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت، جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا، اور روکا کرے بدی سے، اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔

اور نہ ہونا چاہیے ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں۔ اور ان لوگوں کے لئے ہے بہت بڑا عذاب۔

اہل ایمان کو زندگی کے وہ اصول بتائے جا رہے ہیں جن کو اپنا کر وہ ایک باعزت وباوقار قوم بن سکتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم تقویٰ ہے۔ جسے ساری زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی کہ اسی سے باہمی الفت ومحبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عزت نفس اور عزت انسانیت کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ تہذیب وتمدن کے اصولوں کی پابندی کا خیال رہتا ہے اور یہی خوبیاں اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا اور افتراق میں مبتلا ہونے کی ممانعت کی گئی کہ تقویٰ اختیار کر لینے کے باوجود اجتماعی اور قومی مفاد کے لیے مرکزیت ضروری ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کا مرکز "اللہ کی رسی" کو قرار دیتے ہوئے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے کا حکم دیا گیا اور افتراق جو مقتضائے تقویٰ کے خلاف ہے، اس کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی موقع پر یہ بھی یاد دلا دیا گیا کہ دیکھو اسلام سے قبل تم کس طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ جونہی اسلام کے دامنِ رحمت میں تم نے پناہ لی سب بھائی بھائی ہو گئے۔ ایک دوسرے پر اپنا جان ومال قربان کرنے لگے۔ اسلام سے پہلے اپنی بدعملی وبدکرداری کے سبب تم جہنم کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے کہ اچانک کسی نے تمہارے سامنے اللہ کی رسی ڈالی اور جونہی تم نے اسے پکڑا تم جہنم کی آگ سے بچ گئے۔ پس اسی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ دنیا وآخرت کی بھلائیاں تمہیں نصیب ہوں گی۔ تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ چونکہ ہر دور کے اہل ایمان کے لیے ضروری ہے لہٰذا ہدایت کی گئی کہ ان اصولوں کی بقا، اشاعت اور تبلیغ کے لئے ہمیشہ ایک ایسی جماعت موجود رہے جو نیکی کی طرف بلانے، بھلائی کے کام کرنے کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی ذمہ داری پوری کرتی رہے۔ پھر اہل ایمان کو نصیحت کی گئی کہ تم ان لوگوں کی طرح تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا جو روشن دلائل ملنے کے باوجود ٹولیوں میں بٹ گئے۔ کیونکہ ایسے لوگ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

آیات کے مفہوم سے آپ نے اندازہ کیا کہ یہاں درحقیقت تین چیزیں بیان کی جا رہی ہیں جو امت مسلمہ کے لئے نہایت اہم ہیں۔ ثمرات ایمان کا ذریعہ ہیں۔

تقویٰ، اِعتصام بحبلِ اللہ، جماعتِ مبلغین

ہم ابھی تینوں امور پر قدرے وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

Marfat.com

تقویٰ: (معنی ومفہوم)

"تقویٰ" کا لفظ اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے نہایت وسیع ہے۔ اسی لیے اس کی تعریف میں متعدد اور مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک:

تقوی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو، اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تقوی یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان پر فرشتے تمہارے اعمال میں اور مالک عرش تمہارے باطن میں عیب نہ دیکھے۔

حضرت علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لیے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم اپنے باطن کو اللہ کے لیے مزین وآراستہ کرلو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقوی دو قسم کا ہے ظاہری اور باطنی۔ ظاہری تقوی یہ ہے کہ تیرا ارادہ اور ہر حرکت اللہ کے لیے ہو اور باطنی تقویٰ یہ ہے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا کسی کا دخل ممکن نہ ہو۔

حضرت یونس بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تقویٰ ہر مشتبہ چیز سے بچنے اور ہر لمحہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کو کہتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقویٰ سے زیادہ آسان چیز میں نے نہیں دیکھی کہ جو چیز دل میں کھٹکی اس کو میں نے چھوڑ دیا۔ جیسا کہ نبی مکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جس چیز کے حلال ہونے میں تمہارے دل میں شبہ ہو، اس کو چھوڑ دینا ہی تقویٰ ہے"۔

حضرت محمد بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

تقوی نام ہے ہر اس چیز سے کنارہ کش ہونے کا، جو اللہ سے دور کردے۔

حضرت قاسم بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقویٰ آداب شریعت کی حفاظت کا نام ہے۔

یہ تھے چند اقوال اسلاف کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے، جن کا ماخذ قرآن وحدیث ہے۔ الفاظ وعبارت میں اختلاف ہے لیکن سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ جس کو سمجھنے کے لیے درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ضیاء الامت پیر کرم شاہ صاحب تفسیر ضیاء القرآن میں رقمطراز ہیں:

Marfat.com

''تقویٰ کا لغت میں تو یہ معنی ہیں ''جَعْلُ النَّفْسِ فِیْ وِقَایَةٍ مِمَّا یَخَافُ'' نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ رکھنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ اور عرفِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے درجے مختلف ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجے کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ میرے نزدیک سب سے مؤثر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ ''اَلتَّقْوٰی اَنْ لَّا یَرَاکَ اللّٰہُ حَیْثُ نَھَاکَ وَلَا یَفْقُدُ حَیْثُ اَمَرَکَ'' یعنی تقویٰ یہ ہے کہ تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے۔ اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

(ضیاء القرآن)

ان تمام ارشادات کا خلاصہ یہ ہوا کہ تقویٰ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کی جائے اور شریعت مطہرہ نے مؤمن کے لیے جو حدود متعین کر دیئے ہیں ان میں رہ کر وہ زندگی بسر کرنے کا عادی ہو جائے۔ یہی تقویٰ ہے۔ جس کا قرآن کریم بار بار اہل ایمان سے مطالبہ کرتا ہے اور اُسے اختیار کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ حتی کہ عبادات کی فرضیت کا منشاء و مقصد بھی اسی تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی فرضیت اسی لیے ہے کہ ان کی پابندی کرنے والا متقی بن جائے۔ غیب کی جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا وہ بھی حصول تقویٰ ہی کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان، بعث بعد الموت، اللہ کے دربار میں حاضری، اعمال کا حساب و کتاب، جزاء و سزا پر یقین وغیرہ یہ تمام عقائد وہ ہیں جن پر یقین کرنے والا از خود متقی بن جاتا ہے۔ جتنا یقین کامل ہوتا ہے اتنا ہی تقویٰ مکمل ہوتا ہے۔

علاماتِ تقویٰ

قرآن کریم کی ابتدائی آیات ہی میں اللہ رب العزۃ نے متقین کی کچھ علامات بیان فرمائیں۔ جن سے تقویٰ کا مفہوم مزید واضح ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳۔۵)

(متقین وہ ہیں) جو ایمان لائے غیب پر اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں اور (متقین) وہ ہیں جو ایمان لائے اُس پر (اے حبیب علیہ السلام) جو اتارا گیا ہے، آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے، اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے، اور وہی دونوں جہاں میں کامیاب ہیں۔

یہ علامات و خصوصیات ان متقین کی ہیں جنہیں تقویٰ کا وہ ادنیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو ایمان کا فوری مقتضی اور لازمی نتیجہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر تقوے کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ہر مؤمن اپنی استطاعت کے مطابق اپنے لیے عمارت تعمیر کرتا ہے۔ کسی کی عمارت بہت حسین و خوبصورت اور عالی شان ہوتی ہے اور کسی کی معمولی۔ کوئی اتنا اونچا

Marfat.com

پہنچتا ہے کہ اللہ کا محبوب و مقرب، ولی اور دوسروں کا حاجت روا بن جاتا ہے اور کوئی صرف اپنی ذات ہی کے لیے سکون و طمانیت مہیا کر پاتا ہے۔ بہر حال کامیاب دونوں ہی طبقے ہوتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ (البقرہ:۱۷۷)

نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں۔ اور جو صبر کرنے والے ہیں مصیبت میں اور سختی میں جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں، اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار (متقی) ہیں۔

یہاں بنیادی خوبیوں کے ساتھ ان خوبیوں کا بھی ذکر ہے جن سے تقویٰ کی معمولی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کی رضا کے لیے اپنے مال کو خرچ کرنا، نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، وعدوں کو پورا کرنا اور ہر مصیبت و سختی پر صبر کرنا۔ جو مؤمن اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے اپنے لیے تقویٰ کا ایسا گھر تعمیر کر لیا جس میں وہ دنیا میں بھی پناہ لے سکتا ہے اور آخرت میں بھی۔

تقویٰ کے معنی اور متقین کی علامات پر غور کرنے کے بعد یہ واضح ہو گیا ہے کہ درحقیقت تقویٰ اللہ کی خوشنودی حاصل کر لینے کا نام ہے۔ جس کا ذریعہ ہر حال میں شریعتِ مطہرہ کی پابندی ہے۔ جس قدر اس پابندی میں کمال حاصل ہوگا اسی قدر تقویٰ حاصل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ مؤمن بندہ ان متقین کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے جو اولیاءُ اللہ کہلاتے ہیں۔ جنہیں حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے۔ جن کو نہ کوئی ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی غم، جن کو مژدہ سنایا گیا۔

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ (اعراف:۱۲۸)

اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے (مخصوص ہے)

فوائدِ تقویٰ

مؤمنین سے تقویٰ مطلوب ہے جس کا قرآن کریم بار بار نہایت تاکید کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ اس قدر اہم کیوں ہے، اس کا فائدہ کیا ہے، اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کا عہد اور عزم کر لینے کے بعد کسی بھی عمل کے فائدے کو معلوم کرنے کا خیال غیر ضروری ہے کہ اس سے بڑا فائدہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے مالک کے

Marfat.com

احکام کا پابند ہے لیکن یہ کرم ہے رب کریم کا کہ اس نے اپنے احکام کے فوائد بھی بیان فرما دیے تا کہ تعمیل کرنے والا زیادہ امتحان میں مبتلا نہ ہو۔ بلکہ عمل کا فائدہ جان لینے کے بعد وہ مزید شوق و ذوق کے ساتھ عمل کرتا رہے۔ پس تقویٰ جو اعمال کا مجموعہ ہے، قرب الٰہی کا زینہ ہے اس کے بے شمار فوائد بیان کیے گئے۔ چند ملاحظہ ہوں۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (البقرہ:۲۱۲)

آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے دنیا کی زندگی اور یہ مذاق اڑاتے ہیں ایمان والوں کا، حالانکہ پرہیز گاروں کی شان بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ روزی تو جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔

آیت مبارکہ میں ''کفروا'' سے مراد، صرف اللہ اور رسول کے منکرین ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اس دائرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر تکبر کرتے ہیں اور اس کے احسانات کا انکار کرتے ہیں۔ ان سب کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی دولت، عزت و شہرت اور قوت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت شعار بندوں کو حقیر سمجھتے اور طرح طرح سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں ان لوگوں کو بتایا کہ جنہیں تم اس فانی دنیا میں فانی چیزوں کا سہارا لے کر حقیر سمجھ رہے ہو۔ کل قیامت کے دن ان متقین کی شان دیکھنا کہ یہ تم سے بہت بلند ہوں گے رہی یہ بات کہ دنیا میں تمہارے پاس دولت بہت ہے۔ تو یہ کوئی معیارِ فضیلت و عزت نہیں، یہ تو ہماری حکمت ہے۔ کہ ہم جسے چاہتے ہیں بے بہا بغیر حساب دولت دیتے ہیں۔ پس حصول دولت تمہارا کمال نہیں جس پر تم ناز کرتے ہو۔ ہاں حصول تقویٰ مؤمنین کا کمال ہے، جس کا انہیں ضرور اجر ملے گا۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (النساء:۷۷)

(اے حبیب علیہ السلام) فرما دیجیے دنیا کا سامان بہت قلیل ہے (جس پر تم ناز کرتے ہو) اور آخرت زیادہ بہتر ہے، اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔

غرضیکہ تقویٰ کا فائدہ تو قیامت میں نظر آئے گا جب اس دنیا کے متکبرین چند روزہ زندگی اور معمولی ساز و سامان پر ناز کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے اور متقین اللہ کے فضل و کرم پر ناز کرتے ہوئے جھوم رہے ہوں گے، کامیابی و کامرانی ان کے قدم چوم رہی ہوگی، ان کے لیے خوشخبری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ:۷)

بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیز گاروں سے

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ:۳۶)

اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

دنیا و آخرت کی بھلائیوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ ہے۔ پُر فضا جنت متقین کا ٹھکانہ ہے۔ موت کے وقت سہولت و

Marfat.com

آسانی اور عزت افزائی ان پر اللہ کا خصوصی کرم ہے۔ ملاحظہ کیجئے ارشاد باری تعالیٰ اور قدم اٹھایئے، منزل تقویٰ کی طرف۔

وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۰-۳۲)

اور پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے، کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے انہوں نے کہا (سراپا) خیر جنہوں نے اچھے کام کیے، اس دنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی ان کے لئے بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی، ان کے نیچے نہریں، ان کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو) سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

کیا عظیم فائدہ ہے تقویٰ کا کہ موت ہی کے وقت جنت میں داخل ہونے کی خبر مل گئی۔ اب حشر کے دوران حساب و کتاب کا کیا خوف باقی رہا۔ اور جس جنت میں دخول کی خبر دی گئی وہ اس دنیا کے محلات اور عالی شان مکانوں جیسا کوئی مکان نہ ہوگا۔ بلکہ

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝ (الزمر: ۲۰)

البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے جس کے حصول کا ذریعہ تقویٰ ہی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (حجرات: ۱۰)

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تقویٰ کے یہ فوائد اخروی ہیں جو بلاشبہ عظیم ہیں کہ اس سے بڑی اللہ کی کوئی نعمت نہیں کہ بندے کو آخرت کی نجات اور کامیابی و کامرانی کا یقین ہو جائے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو دنیاوی طور پر بھی بالکل محروم نہیں رکھا۔ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے صلہ میں دنیاوی فوائد کا بھی وعدہ فرمایا۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے رزق کی فراوانی اور مصائب

Marfat.com

سے نجات مشکلات میں آسانی کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق:۳)

اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ سے بنا دیتا ہے، اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے، جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝

(الطلاق:۴،۵)

اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ سے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اللہ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (قیامت کے دن) اس کے اجر کو بڑا کرے گا۔

مشکلات سے نجات، رزق میں فراخی، مہمات میں آسانی کا ذریعہ تقویٰ قرار دیا جا رہا ہے۔ پس اہلِ ایمان اگر اللہ کے حکم کے مطابق تقویٰ اختیار کر لیں تو دنیا کی یہ نعمتیں ان کا مقدر ہیں۔ یہ اس رب کا وعدہ ہے جو اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ہم اگر اپنے اسلاف کے حالات زندگی پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ حقیقت کھلم کھلا نظر آتی ہے، کہ انہوں نے تقویٰ ہی کے ذریعہ دشمنوں کے خوف بیماریوں کے دکھ اور ہر قسم کی مشکلات سے نجات پائی انہیں اس طرح رزق نصیب ہوتا رہا کہ وہ بھی نہ جان پاتے تھے کہ یہ ابر رحمت کس طرف سے برس رہا ہے۔ بڑی بڑی مہمات کو انہوں نے اللہ ہی کے دربار میں سربسجود ہو کر سر کیا۔ اسی لئے انہیں عزت نصیب ہوئی۔ وہ باوقار زندگی بسر کرتے رہے۔ دنیا والوں پر ان کا رعب و دبدبہ قائم رہا اور اگر آج ہم اپنی حالت پر غور کریں اور اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو سب کچھ اس کے برعکس ہے۔ ہم پر مشکلات آتی ہیں تو اللہ کے دربار میں اپنے گناہوں کی توبہ کرنے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرنے کے بجائے ہم مزید مکر و فریب اختیار کرتے ہیں اور مکڑی کے جالوں کا سہارا لے کر مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا انجام ہمارے سامنے ہے کہ مشکلات کم نہیں ہوتیں، بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ اسی طرح حصولِ دولت کے لیے ہم کیا کچھ نہیں کرتے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے علاوہ سارے جتن کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حلال و حرام کا امتیاز بھی نہیں رکھتے۔ آج حصولِ دولت کے بڑے ذرائع سود، رشوت ہے جسے اہلِ ایمان کے لیے حرام قرار دیا گیا۔ لیکن ہمیں اس کی کیا پروا۔ ہماری نظر تو صرف اور صرف دولت کے ڈھیروں پر ہے۔ یہی حال ہماری انفرادی و اجتماعی مہمات کا ہے، جن کے لیے ہم اپنی قوت و طاقت یا تدابیر پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا کسرِ شان سمجھا جاتا ہے۔

دوستو! جب تک امت مسلمہ کے پاس تقویٰ تھا تو عزت و عظمت، وقار، رعب، دبدبہ، دولت ہر میدان میں کامیابی و بلندی، سب کچھ تھا۔ اور جونہی مسلمان اس ہتھیار سے محروم ہوا اور مادی ہتھیاروں پر اعتماد کرنے لگا وہ ہر چیز سے محروم ہو گیا۔ دیکھ لیجئے آج (۱۹۹۵ء) مسلمانوں کے لیے کیسا ذلت و خواری کا دور ہے، ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا

Marfat.com

ہے، انہیں دہشت گرد اور بنیاد پرست کہا جا رہا ہے۔ لیکن نہ کوئی مسلم حکومت صدائے احتجاج بلند کر سکتی ہے اور نہ ہی سونے کی کانیں اور تیل کے کنوئیں کام آ رہے ہیں۔ تقویٰ چھوٹا تو سب کچھ ہونے کے باوجود ہم محتاج ہیں، بھکاری ہیں۔ کاش ہم قرآن پر غور کریں اللہ کے وعدے پر اعتماد کریں تو پھر ہمارے دن واپس آ سکتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتْلُوْا عَلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الْاٰيَةِ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَاذَرٍّ! لَوْ اَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ اَخَذُوْا بِهَا كَفَتْهُمْ۔

حضور علیہ السلام نے مجھے یہ آیت سنائی "وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" اور جب آپ فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا، اے ابوذر! اگر سب لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو یہ آیت ان سب کے لئے کافی ہے۔ (ابن کثیر)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے بیٹے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے۔ اس کی ماں سخت بے چین و پریشان ہے۔ حضور فرمایئے میں کیا کروں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اتق اللّٰهَ وَاصْبِرْ وَ اٰمُرُكَ وَ اِيَّاهَا اَنْ تَسْتَكْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اللہ سے ڈرو، صبر کرو، میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کیا کرو۔ ارشاد نبوی سن کر عوف واپس آئے اور بیوی کو حضور علیہ السلام کا حکم سنایا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا کہ آپ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ پھر دونوں نے اس وظیفہ کا ورد شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ نے عوف کے بیٹے کی رہائی کا سبب پیدا فرمایا کہ دشمن ان کی نگرانی سے غافل ہو گئے اور وہ موقع پاتے ہی بھاگ نکلے۔ ساتھ ہی دشمن کی بہت سی بھیڑ بکریاں بھی ہانک لائے اور بخیر و عافیت گھر پہنچے۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن)

اگر یقین کامل ہو تو تقویٰ ایسا تیر بہدف عمل ہے، جس سے دنیا و آخرت میں کامیابی، کامرانی میسر آتی ہے۔ مشکلات و آفات دور ہوتی ہیں۔ غربت و تنگدستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خوشحالی نصیب ہوتی ہیں۔ دنیا کے دشوار کام سہل و آسان ہو جاتے ہیں۔ تقویٰ سے باہمی نفرتیں اور عداوتیں مٹتی ہیں۔ محبت و الفت سے بھری پر سکون زندگی میسر آتی ہے۔ متقیوں کے چہرے، نور ایمان سے چمکتے ہیں۔ ان میں اپنوں کے لیے کشش اور دشمنوں کے لیے رعب ہوتا ہے۔ متقی ہی اللہ کے نزدیک مکرم و معزز ہوتے ہیں، وہی اللہ کے مقرب اور مخصوص بندے ہیں۔

تقویٰ، انبیاء و اولیاء کی رفعت و بلندی کا ذریعہ ہے۔ جبکہ انبیاء کا تقویٰ وہبی اور عطیہ الٰہی ہوتا ہے۔ اور اولیاء و صالحین کا کسبی یعنی اپنے ریاض و مجاہدے سے حاصل کردہ ہوتا ہے۔ پس جو تقوے کی نعمت سے مالا مال ہو کر دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا خواہاں ہے، اسے متقین کے دامن سے وابستہ ہونا چاہیے۔

Marfat.com

اعتصام بحبل اللہ

''اعتصام'' کسی چیز کو اس قدر مضبوط پکڑنا کہ کسی حال میں چھوٹنے نہ پائے، ''حبل'' رسی آیت مبارکہ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو''۔ حضرت علی، ابن مسعود، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم علیہ السلام کا ارشاد بیان کیا کہ ''حَبْلُ اللّٰهِ الْقُرْآن'' اللہ کی رسی قرآن ہے۔ بعض حضرات نے دین اور بعض نے نبی مکرم علیہ السلام کی ذات مقدس کو اللہ کی رسی قرار دیا۔ تینوں باتوں کا مفہوم ایک ہی ہے کہ قرآن وسنت ہی کا مجموعہ دین ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ دین و شریعت کی پابندی کرتے رہو، دیگر آیات میں اسی حکم کا اس طرح اعادہ کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۴۵-۱۴۶)

بیشک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ دوزخ (کے طبقوں میں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار، مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے، تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ اور عطا فرمائے گا اللہ مومنوں کو اجر عظیم۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۸)

پس صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ، اور مضبوط پکڑ لو اللہ کا (دامن رحمت)

ان دونوں آیتوں میں، ''اعتصام باللہ'' یعنی اللہ کو مضبوط پکڑنا۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا۔ اللہ کو مضبوط پکڑنا۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یعنی ''دین کا پابند ہونا، اس ارشاد کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (آل عمران: ۱۰۱)

جو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اللہ (کے دامن رحمت) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔

جس نے اللہ کو مضبوط پکڑ لیا، یعنی دین کا پابند ہو گیا وہ اُس صراط مستقیم کو پالے گا جو اُسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ یعنی اس کی دنیا بھی بن جائے گی اور آخرت بھی۔ اللہ اور اس کے رسول کی اُسے خوشنودی نصیب ہو جائے گی۔ اِسی مفہوم کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (النساء: ۱۷۵)

تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کرے گا انہیں اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر۔

Marfat.com

اب آیت زیر گفتگو کا مفہوم واضح ہے کہ پوری امت مسلمہ کو متحد و منظم کرنے کے لیے ایک قانون، ایک نظام حیات پر متفق ہونے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں جو تفرقہ پیدا ہوتا ہے اس میں مبتلا ہونے کی واضح ممانعت فرمائی گئی۔ ارشاد ہوا ''وَلَا تَفَرَّقُوْا'' اور فرقوں میں نہ بٹو کہ افتراق قوم کی تباہی، ذلت و خواری کا باعث بنتا ہے۔ فرمایا گیا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (انفال: ۴۶)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

''اعتصام'' ہو یا ''اطاعت'' دونوں ایک ہی ہیں۔ ان سے روگردانی کمزوری اور تباہی کا سبب ہے۔ حقیقت میں یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو قوم کو متحد و منظم کر کے ایک آہنی دیوار بنا دیتا ہے۔

اتحاد

قومی اتحاد کی کشش اور اس کے بہترین نتائج ایک ناقابل انکار حقیقت ہیں۔ اسی لیے ہر دور میں اس کے حصول کی کوششیں جاری رہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اس گوہر نایاب کو تلاش کرنے کے لیے غوطہ زنی کرتے رہے۔ ماضی میں وہ کامیاب ہوئے یا ناکام رہے، اس سے قطع نظر ہم اپنے دور کا اگر مشاہدہ کریں تو تسلیم کرنا پڑے گا

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اتحاد کے حصول کے لئے آج کیا کیا جتن نہیں ہو رہے۔ پانی کی طرح اس مقصد کے لئے دولت بہائی جا رہی ہے۔ بین الاقوامی تنظیمیں قائم ہیں۔ ملکی سطح پر نت نئے ناموں سے جماعتیں بنائی جاتی ہیں۔ لیکن انجام کار جو اتحاد کا نعرہ بلند کرتا میدان میں آتا ہے وہ خود ہی ایک پارٹی بن جاتا ہے۔ اور افتراق میں اضافہ کے سوا کوئی کارنامہ انجام نہیں دے پاتا۔ ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیے یا اپنے گرد و پیش پر کہیں کسی ملک اور کسی قوم میں آپ کو اتحاد نظر نہیں آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چند لوگ مل کر اتحاد کا فارمولا وضع کرتے ہیں اور پوری دنیا کو اس پر لبیک کہنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگ کوئی اور فارمولا پیش کر دیتے ہیں۔ اسی طرح پارٹیاں بنتی رہتی ہیں، قائم رہتی ہیں اور مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ کسی انسان یا کسی گروہ کا بنایا ہوا نظام یا دستور العمل کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ اس کو پوری قوم یا ملک کے تمام لوگ قبول کر لیں، یہ صرف آفاقی نظام اللہ کے عطا کردہ اصول زندگی ہیں جو ہر قسم کے ذہنوں کے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ خالق سے بہتر اپنی مخلوق کی فطرت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ پس خالق انسان نے انسان کی فطرت کے عین مطابق نظام حیات عطا فرمایا۔ جو اس سے روگردانی کرتا ہے درحقیقت اس کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہیں، اسی لیے قرآن کریم منکرین کو جانوروں سے بدتر قرار دیتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ

Marfat.com

اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۷۹)

اور بیشک ہم نے پیدا کیے ہیں جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے، ان کی آنکھیں (تو) ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے۔ ان کے کان (تو) ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ تو غافل ہیں۔

اتحاد جو انسان کی اہم ترین ضرورت بھی ہے اور ہر شخص اس کا خواہاں اور متلاشی بھی ہے۔ اسلام اس کے حصول کا نہایت آسان طریقہ بتاتا ہے کہ آفاقی نظام حیات کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں دین کے پابند ہو جاؤ۔ اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو پس تم متحد ہو جاؤ گے اور دشمن کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے زیادہ مضبوط ثابت ہو گے۔ اگر آج ہم اپنے افتراق و انتشار کے اسباب پر غور کریں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایمان کے دعوے کے باوجود ہم اپنی زندگی کے اکثر شعبوں میں دین سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم نے اپنے معاشی نظام کی بنیاد سود کو بنا رکھا ہے۔ معاشرتی طور طریقے مغربی تہذیب کے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے حکام یا تو اپنے انداز فکر کو ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، یا غیر مسلموں کے اشاروں پر ہمیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی طرز زندگی اور دین سے دور ہونے کی سزا ہمیں یہ مل رہی ہے کہ ہم دولت کی فراوانی، اڑتالیس ملکوں سے زیادہ پر حکمرانی، اور سائنس اور دور حاضرہ کے دیگر علوم میں کامرانی کے باوجود حقیر ہیں، خوار ہیں۔ غیر مسلموں کے در کے بھکاری ہیں۔ سیاسی و معاشی اعتبار سے غیروں کے غلام ہیں۔ دہشت گرد کہلاتے ہیں۔ رجعت پسند، بنیاد پرست کہلاتے ہیں۔ اے اللہ تو ہی ہمارے حال پر رحم فرما اور اپنی رسی کو مضبوط پکڑنے کی توفیق و ہمت عطا فرما۔

ضروری وضاحت

یہاں ہم دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں جن سے بہت سے شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے۔ جو اتحاد کی خواہش رکھنے والوں کے ذہنوں میں اکثر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

اولاً، یہ کہ آیت مبارکہ میں خطاب اہل ایمان کو ہے۔ یعنی مؤمنین کو خصوصی طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی رسی کو پکڑ کر متحد ہو جاؤ اور مؤمنین ہی کو افتراق سے باز رہنے کی ممانعت کی جا رہی ہیں یعنی مطلوب قرآنی ''اتحاد بین المسلمین'' ہے تمام انسانوں، مسلم و غیر مسلم کو متحد کرنا مقصود نہیں کیونکہ اسلام و کفر تو ضدین ہیں، ان کا اجتماع تو اسی طرح ناممکن ہے جس طرح دن، رات یا روشنی اور تاریکی کا۔ اسلام نور ہے جو ظلمت و تاریکی یعنی کفر کو اپنے اندر جذب کر کے اس کا خاتمہ تو کر سکتا ہے لیکن اس کے وجود کی بقا کے لیے اس سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ پس مؤمنین کو غیر مؤمنین کے ساتھ اتحاد کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ اسلام کا پیغام عام انسانوں کے لیے ہے، وہ سب کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن اس کے احکام اور ان کی برکتیں انہی خوش نصیبوں کے لیے ہیں جو اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ واضح قرآنی فیصلہ ہے کہ مؤمنین ایک قوم ہے جس کی وحدت کا مرکز ''حبل اللہ'' یعنی قرآن ہے جبکہ کافر ایک علیحدہ قوم ہے۔ جس کا ''حبل اللہ'' سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

(تغابن: ۲)

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن اور اللہ تم جو کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

یہی دوقومی نظریہ کہلاتا ہے جس کی بنیاد پر اہلِ اسلام کو کفار سے علیحدہ اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی مملکت کی حدود متعین کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اپنے ملک میں اسلامی نظام نافذ کر کے اسلامی اصولوں کے مطابق آزادانہ پُرسکون زندگی بسر کرسکیں اور اگر وہ یہ نہیں کرتے تو پھر مسلم مملکت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

بہرحال اتحاد امت مسلمہ کا مطلوب ومقصود ہے۔ جس کے لیے اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا۔ یہ ذہن نشین رہے کہ بات اہل ایمان کی ہو رہی . ہر کلمہ پڑھنے والے کی نہیں، کیونکہ ایمان کے دعویدار ایسے بے شمار ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں بظاہر عبادتیں کرتے ہیں، مسلمانوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن کسی ایسے عقیدے کے منکر ہیں جو قرآن وسنت سے واضح طور پر ثابت ہے۔ یہ شرعاً اہل ایمان میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اور ان سے اتحاد تو درکنار، کسی قسم کے تعلق کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مثلاً وہ لوگ جو حضور علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا انکار کرتے ہیں، جنت و دوزخ، جن وملائکہ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ نبی مکرم علیہ السلام کی شان میں بیباکانہ گستاخی کرتے ہیں اور اسی قسم کے تمام باطل فرقے جن کے مرتد ہونے پر امت کا اجماع ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان سے اتحاد کی خواہش یا تو وہ کرسکتا ہے جو قرآن وسنت سے قطعاً نابلد ہو اور یا انہی جیسا کوئی بے دین یہ تصور بڑا ہی غلط اور دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ" ہر کلمہ گو مسلمان ہے" لہٰذا کسی کلمہ پڑھنے والے کو کافر یا مرتد نہ کہا جائے۔ غرضیکہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر متحد ہو جانے کا حکم صرف ان مؤمنین کے لیے ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق مؤمن ہیں۔

دوسری وضاحت یہ ضروری ہے کہ آیت مبارکہ میں ' اعتصام' کے بعد افتراق کی ممانعت کی گئی ہے جس کے لئے "وَلَا تَفَرَّقُوْا" ارشاد ہوا، افتراق اور اختلاف میں بہت فرق ہے۔ افتراق ایسی گروہ بندی ہے جس کی بنیاد انانیت اور نفسانیت ہو جس کی انتہا یہ ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے ایمان، عزت وآبرو، جان ومال کا دشمن ہو جائے اور ہر گروہ اپنی بقا کے لیے قتل وغارت تک سے گریز نہ کرے۔ اس افتراق کا انجام سوائے تباہی کے کچھ نہیں۔ قرآن کریم اس کی ممانعت فرماتا ہے، لیکن اختلاف کی ممانعت نہیں۔ کہ نظریاتی اختلاف یا اختلاف رائے ایک فطری عمل ہے، جس پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اگر اس میں انانیت اور نفسانیت کا عنصر شامل نہ ہو اور قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے ہو تو یہ مضر نہیں بلکہ نبی مکرم علیہ السلام کے ارشاد 'اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ" کے مطابق مفید، باعث رحمت ہے۔ قرآن وحدیث میں جن احکام ومسائل یا عقائد کی وضاحت نہیں ان کو سمجھنے میں ہر دور میں اختلاف رہا ہے اور ہر ذی علم نے اپنی اپنی فہم کے مطابق اس کی تعبیر کی ہے۔ جو تعبیر قرآن وسنت سے ہٹ کر کی گئی وہ مردود اور ناقابل عمل رہی لیکن جو تعبیرات قرآن وسنت کی روشنی میں کی گئیں وہ

Marfat.com

مختلف ہونے کے باوجود مبرور اور قابل عمل رہیں۔ یہی صورت آئمہ اربعہ کے اختلاف میں موجود ہے کہ انہوں نے شرعی مسائل کی قرآن وسنت اور عمل صحابہ کی روشنی میں واضح صورت امت کو پیش کی۔ جس نے جو بھی طریقہ عمل متعین کیا وہ بلاشبہ حق اور صحیح ہے۔ یہ امت میں افتراق نہیں بلکہ اختلاف رائے ہے۔ جس کے سبب قرآن وحدیث پر غور وفکر اور تحقیق کا دروازہ کھلا اور نت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل مل سکا۔ اگر اس اختلاف پر پابندی عائد کر دی جاتی تو دین منجمد ہو کر رہ جاتا اور بیشتر مسائل پر عمل کی کوئی صورت نہ نکلتی۔ اسی طرح بعض عقائد کی تعبیر میں اختلاف ہوا اور آج تک ہے۔ لیکن اگر اس کو افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ فقہی اختلاف اور عقائد کے اختلاف کے سبب اگر کسی امام کی اقتداء میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تب بھی اس سے امت کے اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ان اختلافات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھر میں بسنے والے چند افراد کے درمیان امور خانہ میں اختلاف ہو۔ لیکن دشمن کے مقابلے میں وہ سب متحد نظر آئیں۔ اور مل کر اپنے گھر کی حفاظت کریں۔ امت کے درمیان مسائل وعقائد کا چاہے کتنا ہی اختلاف ہو، لیکن قرآن وحدیث کے واضح احکام پر اتفاق ہو اور دین کی حفاظت کے لیے سب متحد ہوں تو ''ولا تفرقوا'' کی قرآنی ممانعت پر عمل ہو جاتا ہے۔

جماعتِ مبلغین

آیت مذکورہ میں ایک ایسی جماعت کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا ہے جو احکام دین کی تبلیغ ودعوت کی ذمہ داری پوری کرتی رہے۔ کیونکہ قرآن کا پیش کردہ نظام حیات کسی قوم کے ساتھ مخصوص یا وقت کے ساتھ محدود نہیں۔ یہ بنی نوع انسان کے لئے تاقیامت پیغام ہدایت ہے۔ جبکہ انبیاء ورسل کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا۔ پس اس پیغام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے ایسی جماعت کا ہر دور میں ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت دیتی رہے۔ انہیں نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے جو ہر شخص کو نہیں سونپی جاسکتی۔ بلکہ اس عظیم اور مشکل کام کے لئے ایک مخصوص جماعت ہونا چاہیے جو اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس کا اہل بنائے۔ یعنی وہ علم دین پر پوری طرح عبور حاصل کرے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّھُمْ يَحْذَرُوْنَ ١٢٢ (توبہ: ۱۲۲)

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے تو کیوں نہ نکلیں ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچیں۔

آیت مختصر ہے لیکن اس میں جماعت مبلغین کے قیام کا طریقہ، مبلغین کی قابلیت وصلاحیت اور ان کی ذمہ داری کو بیان کر دیا گیا۔ کہ یہ ذمہ داری ہر شخص کی نہیں کہ وہ تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہو۔ اس طرح تو تمام دنیاوی نظام برباد ہو جائے گا، نہ کوئی تجارت کرے گا، نہ زراعت کی اہم ذمہ داری سنبھالے گا۔ وہ نظامِ حیات کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو صرف ایک ہی طرف لگا دے۔ اور معیشت ومعاشرت کی دیگر ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہدایت نہ دے۔ ہاں جو

Marfat.com

نظام ہر شخص کو اس کی صلاحیت، ضرورت اور حالات کے مطابق ذمہ داریاں پوری کرنے کی اجازت دے وہ ایک کامیاب اور کامل نظام کہلایا جا سکتا۔ اسی لئے اسلام بعض ذمہ داریاں تو ہر فرد پر عائد کرتا ہے۔ جن کو دوسری ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے لیکن بعض ذمہ داریاں ایسی ہیں جن کو قبول کرنے والا دوسری ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر پاتا۔ پس اسلام نے ایسی ذمہ داریوں کو امت پر بطور فرض کفایہ عائد کیا ہے کہ اگر چند افراد ان ذمہ داریوں کو انجام دے لیتے ہیں تو دوسرے اس فریضہ سے نہ صرف سبکدوش ہو جاتے ہیں بلکہ ثواب میں برابر کے شریک قرار دیے جاتے ہیں۔ تبلیغ ایسی ہی ذمہ داری ہے۔ اس کو انجام دینے کے لئے سب کام چھوڑ کر ہر فرد کو دوڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ چند افراد کا اس اہم کام کو اپنے ذمہ لے لینا پوری امت کی طرف سے کافی ہوگا۔ لہذا حکم دیا گیا کہ ہر خاندان و قبیلے سے چند آدمی اس ذمہ داری کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں۔ اور اس کام کو انجام دینے کا عزم کریں۔ وہ پہلے اپنے اندر اس کی قابلیت و صلاحیت پیدا کریں کہ کوئی کام قابلیت کے بغیر انجام نہیں دیا جاتا۔ جس طرح ہر شخص ڈاکٹر، ہر شخص وکیل و انجینئر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہرا یرا غیرا مبلغ بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ''ہر فنِ را رجال'' کے مطابق مبلغ وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن کے مقرر کردہ معیار کے مطابق قابلیت و صلاحیت رکھتا ہو۔

معیارِ مبلغ

قرآن کریم مبلغ کا جو معیار مقرر کرتا ہے۔ وہ سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت کے ایک جملہ میں بیان کر دیا گیا ''لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ'' تا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں۔ یعنی تبلیغ کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے پہلے ''تفقہ فی الدین'' ضروری ہے۔ دین کا علم نہیں کہ علم تو کتابوں کے مطالعہ سے، علماء کی تقاریر سننے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تبلیغ کے لئے کافی نہیں تبلیغ کے لئے ''تفقہ'' کی ضرورت ہے۔ یعنی دین کی سمجھ۔ ایسی قابلیت ہو کہ بوقت ضرورت قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر قسم کے مسائل حل کرنے اور ہر قسم کے سوال کا جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ یہ قابلیت اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو قرآن و حدیث سے متعلق تمام علوم پر عبور حاصل کرے۔ وہ صرف و نحو کے قواعد سے واقف ہو۔ لغت و ادب، فصاحت و بلاغت کے اصول جانتا ہو، اصولِ قرآن و اصولِ حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ جیسے اہم فنون پر اسے پوری طرح عبور ہو کہ یہ تمام علوم ہی ''تفقہ فی الدین'' کا ذریعہ ہیں۔ ان کے بغیر دین کی تبلیغ تو درکنار دین کے بنیادی مسائل سے بھی بخوبی واقفیت ممکن نہیں۔

اللہ رب العزت نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپی تو خود ہی انہیں ''تفقہ فی الدین'' کا ملکہ عطا فرمایا کہ کسی انسان سے اگر وہ یہ قابلیت حاصل کرتے تو اس کا کمال حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ انسان کا علم چاہے کتنا ہی ہو بہر حال نامکمل و ناقص ہوتا ہے۔ جبکہ منصب نبوت کی نسبت سے انبیاء کے لئے علم کامل ضروری تھا۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کو خود قرآن کریم نے ''امی'' کہا، لیکن اس کے باوجود آپ کے علم کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔ یہ فضل الٰہی تھا کہ آپ کو امی ہونے کے باوجود ہر قسم کے علوم سے نوازا گیا اور ''معلمِ کامل'' بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ پس آپ نے تبلیغِ دین کی ذمہ داری پوری کرنے کا حق ادا کیا۔ اور جب آپ نے یہ ذمہ داری اپنے صحابہ کو سونپی تو معجزانہ طور پر ان میں ''تفقہ فی الدین'' کی پوری

Marfat.com

پوری صلاحیت بھی پیدا فرمادی کہ انہوں نے نہ اساتذہ سے ہماری طرح علم حاصل کیا، نہ فنون کی کتابیں پڑھیں، لیکن انہی کے بیان کردہ نکات جملہ فنون کی بنیاد قرار پائے۔ اور انہی کے اقوال و اعمال پر علم دین کا دارومدار ہے۔ گویا نبی مکرم علیہ السلام کا علم عطیہ الٰہی ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا علم عطائے رسول ہے۔ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی موجودگی میں اور آپ کے بعد جہاں جہاں پہنچے تبلیغ دین کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہ فریضہ اپنے بعد والوں کو سونپا۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا، کہ اللہ کا دین قیامت تک کے لئے ہے اس پر عمل کرنے والوں میں تو زیادتی اور کمی ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔ لیکن اس کی شعاعوں میں نہ کبھی کمی ہوئی ہے نہ ہوگی، یہ وہ سورج ہے جس پر کبھی بادل نہیں چھاتا۔

بہرحال مطالبہ الٰہی یہ حکم ہے کہ ہر دور میں دین کی تبلیغ ہونا چاہیے۔ اور یہ قرآن ہی کی ہدایت ہے کہ تبلیغ ہر فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کے لئے ایک مخصوص جماعت ہونا چاہئے جنہیں ''تفقہ فی الدین'' حاصل ہو۔ بحمد اللہ، امت نے ہر دور میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے دینی مدارس قائم کیے۔ ان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں کو وقف کیا۔ اپنی دولت صرف کی اور ایسی جماعت تیار کی جاتی رہی جس کے افراد نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین کا پیغام پہنچایا۔ اپنوں کو نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا۔ غیروں کو توحید قبول کرنے اور دامنِ رسالت میں پناہ لینے کی دعوت دی۔

لیکن افسوس کہ بعض لوگوں نے حکم الٰہی کی غلط تعبیر کی اور مبلغ کے لیے قرآن کے بیان کردہ معیار ''تفقہ فی الدین'' کو فراموش کر دیا۔ اور ایک ''تبلیغی نصاب'' بشکل کتاب ہر شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے سر پر تبلیغ کی پگڑی باندھ دی۔ ''تفقہ فی الدین'' تو درکنار مبلغ کے لئے عام تعلیم کی شرط بھی نہ رکھی گئی۔ ایسے لوگوں تک کو یہ اہم منصب سونپ دیا گیا جو اپنی زبان بھی لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے۔ انہیں تو شخصی ضرورت کے بھی پورے مسائل نہیں معلوم و دیگر اہم مسائل پر گفتگو کیا کر سکتے ہیں۔ کسی سوال کا جواب کیسے دے سکتے ہیں۔ بطور ثبوت ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

میں کسی مسجد میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک صاحب نے لوگوں کو روکا اور کھڑے ہو کر وضو کا طریقہ بیان کرنے لگے۔ مجمع میں سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت صاحب، دانت میں سے کتنا خون نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جواب ملا، بھائی ہم سوالوں کے جواب دینے نہیں آئے بس جو بیان ہو رہا ہے اس پر عمل کیجیے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جس شخص کو ایسا معمولی مسئلہ نہیں معلوم اسے تبلیغ کرنے کے لئے نکلنے کی جرات کیسے ہوئی۔ میں کھڑا ہوا، مسئلہ کی وضاحت کی اور ان صاحب سے کہا کہ برائے مہربانی آپ کسی مدرسے میں داخل ہو کر دین کی مکمل تعلیم حاصل کیجیے، پھر مبلغ بنیئے۔

غرضیکہ تبلیغ جیسی اہم ذمہ داری جاہلوں کو سونپ دینا نہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہے بلکہ اس عظیم منصب کی تحقیر و تذلیل ہے جو انبیاء کا، صحابہ کا منصب ہے، جو انبیاء کی وراثت ہے اور حضور علیہ السلام نے علماء دین کو اس کا وارث قرار دیا ہے۔ وہی اس منصب کی حفاظت کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ پس جاہل مبلغین کی محفلوں میں شریک ہونا، ان کی باتوں پر توجہ دینا، دین و ایمان کے لیے اتنا ہی خطرناک ہے جتنا کسی اناڑی ڈاکٹر سے علاج کرانا جان کے لیے خطرناک ہے۔ اللہ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے اور علماء کی صحبت و رفاقت نصیب کرے۔

Marfat.com

مبلّغ کی ذمہ داری

جو شخص علم دین حاصل کر لینے اور "تفقہ فی الدین" کی صلاحیت پالینے کے بعد تبلیغ کرنے کے قابل ہو گیا۔ اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔ جیسا کہ آیت زیر گفتگو میں مذکور ہے۔ نیز دوسرے مقام پر اسی کا اعادہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

دعوت الی الخیر ایک عام جملہ ہے۔ جس میں امر بالمعروف، نیکی کا حکم کرنا اور نہی عن المنکر، برائی سے روکنا شامل ہے۔ مبلّغ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ لوگوں کو بھلائی کی طرف مائل کرے اور برائیوں سے متنفر کرے اور اگر ممکن ہو تو ایسی قوت حاصل کرے جس سے وہ امت کو نیکیوں کا پابند کر سکے اور برائیوں سے بچا سکے۔ یعنی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرے تا کہ وہ احکام الٰہیہ کو نافذ کر سکے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری کرنے کا حق ادا ہو سکے۔ گویا آیہ مبارکہ میں تبلیغ کرنے والوں کو ملکی سیاست میں حصہ لینے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کہ کمال تبلیغ یہ ہے کہ معروف کا حکم اور منکر کی نہی کی ذمہ داری قوت و طاقت کے ذریعہ پوری کی جائے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ مبلّغ بذات خود نیکیوں کو پسند کرے ان پر عمل کرے اور برائیوں سے خود بچے اور ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرے۔ جیسا کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

تم میں سے جو برائی دیکھے اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (مسلم)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگرچہ مبلّغ کی ذمہ داری ہے لیکن عام طور پر نیکیوں پر عمل اور برائیوں سے نفرت ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ کہ اس کے بغیر وہ تقویٰ حاصل نہیں ہوتا جو اہل ایمان سے مطلوب ہے۔ جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ عام مسلمانوں کو برائیوں سے نفرت کی تاکید کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِىْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِىْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا.

Marfat.com

کسی خاندان کا آدمی ان کے درمیان گناہ کرتا ہے اور وہ اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں اور نہ روکیں تو اللہ ان سب پر مرنے سے پہلے عذاب نازل فرمائے گا۔ (ابن ماجہ)

غرضیکہ مبلغین یعنی علماء دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت الی الخیر کا فریضہ جس طرح بھی ہو سکے ادا کرتے رہیں۔ اگر ان کے پاس اقتدار و حکومت کی طاقت ہو تو وہ لوگوں کو قانون کے ذریعہ معروف یعنی نیکیوں کا پابند بنائیں اور برائیوں سے روکیں۔ ورنہ اپنے قلم اور زبان سے اس ذمہ داری کو پورا کریں۔ اور اگر ایسا ناساز گار وقت آ جائے کہ وہ اتنا بھی نہ کر سکیں تو کم از کم برائیوں سے نفرت کریں اور انہیں دل سے برا جانیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حق گوئی اور حق پر عمل کرنا بعض اوقات نہایت ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام کی تاریخ ایسے مجاہدین سے بھری ہوئی ہے جنہوں نے سولی کے پھندے پر بھی اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کی باوقار شخصیات سے کون واقف نہیں۔ لیکن ان حضرات نے جیل اور کوڑوں کی سزا صرف اور صرف اپنی حق گوئی ہی کے صلہ میں پائی۔ انہوں نے موت کو باطل پرستی پر ترجیح دی۔ ایسے بے شمار حضرات ہیں جن کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے اور انہی کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اس دین متین کے وارث و امین ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اس کی اشاعت و حفاظت کا حوصلہ عطا فرمائے۔

طریقہ تبلیغ

اسلام کی اشاعت و حفاظت اور بقا کا واحد ذریعہ تبلیغ ہے۔ ''لا اکراہ فی الدین'' کے قرآنی اصول کے مطابق نہ تو کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی طمع یا لالچ کے سبب مسلمان ہونا قابل اعتبار ہے۔ پس تبلیغ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے یہ دینِ مبین اطراف عالم میں پھیلا اور پھیل سکتا ہے۔ نبی مکرم علیہ السلام نے خود اس کا اہتمام فرمایا۔ آپ کے بعد صحابہ کرام نے اور ان کے بعد اسلاف نے سب سے زیادہ اسی پر توجہ دی۔ اسی لیے قرآن کریم نے اس کا نہایت مؤثر اور کامیاب طریقہ متعین فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (النحل: ۱۲۵)

بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کی راہ (دین) کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور (بوقت ضرورت) ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کرو جو بڑا ہی پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

حکمت، موعظہ حسنہ اور پسندیدہ انداز سے مجادلہ، یہ تبلیغ کے مؤثر و کامیاب طریقے ہیں۔ حکمت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے تبلیغ کا طریقہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی احکام کو علمی انداز سے ایسے نقلی و عقلی دلائل سے بیان کیا جائے جو مخاطب کی عقل کے مطابق ہوں تاکہ وہ انہیں سمجھ سکے اور قبول کر سکے۔ نیز انداز گفتگو میں موعظہ حسنہ کا لحاظ رہے۔ یعنی مبلغ کا چہرہ پر کشش ہو اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ میں نرمی مخاطب کے لیے اظہار ہمدردی و محبت ہو۔

Marfat.com

اسلام قبول کرنے اور شرعی احکام کی پابندی پر دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کی بشارت ہو۔ نہ قبول کرنے والوں کے لئے، افسوسناک و غمناک انداز پر عذاب الٰہی سے اِنذار ہو۔ اندازِ بیان میں فلسفیانہ انداز کی خشکی نہ ہو بلکہ حکیمانہ انداز پر دل لبھانے والی باتیں، دلائل کے ساتھ ہوں۔ یہ ہے حکمت و موعظہ حسنہ جس سے ایک مبلّغ کامیاب ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب سے بحث و مباحثہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس کو مجادلہ کہا جاتا ہے۔ مبلّغ کی کوشش تو یہی ہونا چاہے کہ مجادلہ کی ضرورت پیش نہ آئے لیکن اگر نوبت آ ہی جائے تو اس میں بھی طریقہ احسن اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ یعنی مجادلہ میں اپنی علمی برتری یا افرادی قوت کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ نرمی و ہمدردی کے ساتھ مخاطب کی بات اور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صرف حق ثابت کرنا اور اللہ کے دین کو پہنچانا مقصود ہو جس کے لئے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے حد قوت برداشت درکار ہوتی ہے کہ مخاطب کی کسی بات پر غصہ آنا تو درکنار چہرے پر اس کے اثرات بھی نمودار نہ ہونے پائیں۔

یہ ہے مؤثر و کامیاب طریقہ تبلیغ جو مبلّغ یہ طریقہ اپنا سکے وہی اس اہم کام کی طرف قدم بڑھائے اور جو اس کا پابند نہ رہ سکے اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ دین کی خدمت کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ مبلّغ اول معلم کامل ﷺ نے اس انداز کو جس کمال کے ساتھ اپنایا اس کی بے شمار مثالیں آپ کی سیرت مقدسہ میں موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سخت کلامی کرنے والوں سے نرم گفتگو، عداوت کرنے والوں سے اظہار محبت، ضرورت مند و محتاج اور مجبور دشمنوں پر شفقت، پتھر برسانے اور زخمی کرنے والوں کے لئے دعائیں اس انداز تبلیغ ہی کا حصہ ہے۔ نیز آپ نے اسی کو اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ سَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ پھنساؤ، تسکین دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔

اس ارشاد کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ فرمان مبلّغ کے لیے ایک رہنما اصول ہے کہ حکمت و موعظہ حسنہ کا مقتضی یہ ہے کہ مبلّغ کے اندازِ تبلیغ سے مخاطب یہ محسوس کرے کہ دین پر عمل کرنا آسان ہے۔ اس میں کوئی دشواری نہیں۔ نیز مبلّغ کی باتیں سن کر اُسے ایسا سکون محسوس ہو جو اسے دین پر عمل کی طرف مائل کرے۔ اس کے دل میں دین کی محبت اور اس پر عمل کا جذبہ پیدا ہو۔ تبلیغ کا ایسا مشکل انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے مخاطب مزید دین سے دور ہو یا متنفر ہو جائے۔ مثلاً ایک صاحب کو ہم نے دیکھا کہ یورپ میں وہ لوگوں کو سختی سے حکم دیتے تھے کہ تقریر نیچے بیٹھ کر سنی جائے، کھانا نیچے بیٹھ کر کھایا جائے۔ چند دن بعد لوگوں نے ان کی محفل میں صرف اس لئے آنا چھوڑ دیا کہ نیچے بیٹھنا ان کے بس میں نہ تھا۔ ہونا یہ چاہیے کہ جو لوگ دین سے دور ہوں انہیں فرائض و واجبات کی تبلیغ کی جائے۔ جب وہ ان کے پابند ہو جائیں تو سنن و مستحبات پر عمل کی ترغیب دلائی جائے۔ یہی حکمت اور موعظہ حسنہ ہے۔ یہی مطلوب قرآن ہے اور یہی معلم کامل ﷺ کا اسوہ ہے۔ اسی پر عمل پیرا ہو کر صحابہ کرام نے تبلیغ کی اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام پھیلایا۔ اسی کو ہمارے اسلاف نے اپنایا اور کامیاب ہوئے۔ اس عنوان کو ہم نے اپنی کتاب ''وراثت انبیاء'' میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

دینی تعلیم وتربیت

دینی تعلیم وتربیت بھی درحقیقت تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے۔ جس کا ہر مسلمان ذمہ دار ہے۔ مثلاً والدین اولاد کی، شوہر بیوی کی، ہر بڑا اپنے چھوٹوں کی دینی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار ہے۔ اس طرح کہ ان لوگوں کو جتنا دین آتا ہے وہ اپنے متعلقین کو سکھائیں۔ یہ طریقہ کار ... بڑا ہی موثر رہا ہے۔ اور اسی سے ہر گھر میں اسلام کی شمع روشن ہوئی ہے۔ نماز، روزہ اور دیگر عبادات کی اہمیت اور ان پابندی اور ان کا طریقہ کھانے پینے کے آداب، بڑوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر شفقت ومحبت، والدین، اعزا، واقرباء کے حقوق، یہ اور ان جیسے امور اس قدر اہم ہیں کہ ایک مسلمان کو ہر وقت ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان کی تعلیم کے لیے نہ کسی مبلغ کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی استاد کی۔ گھر کا ہر بڑا بوڑھا والدین اتنی تبلیغ کے ذمہ دار ہیں۔ آج جو لوگ دین کے بنیادی اور ابتدائی مسائل سے بھی ناواقف ہیں اور جو نوجوان بے راہ روی میں مبتلا ہیں۔ ان کے ذمہ دار مبلغین اور علما نہیں بلکہ گھر کے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں لاپرواہی یا کوتاہی کی۔ مسلم معاشرے میں ساری خرابیاں اسی لاپرواہی کا نتیجہ ہیں۔ گھر کی چاردیواری سے جب دینی تربیت وتعلیم یافتہ بچے باہر آتے ہیں تو ایک پرسکون، پرامن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اور اگر گھروں ہی سے جاہل برآمد ہوتے ہیں تو کوئی مبلغ معاشرے کو بربادی سے نہیں بچا پاتا۔ پس قرآنی ہدایت کے مطابق ہر فرد کو اپنی ذمہ داری نبھانا اور پوری کرنا چاہیے۔ تاکہ پوری قوم کو باعزت اور پرامن زندگی میسر آسکے۔

بہرحال امت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی، عزت وعظمت اور وقار کا دارومدار اس پر ہے کہ مومن "متقی" ہو۔ اہل ایمان اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر متحد ومنظم ہوں۔ دین متین کی بقاء کے لیے وہ تبلیغ واشاعت کا اہتمام کریں۔ اللہ ہمیں ان بنیادی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۵

آل عمران: ۱۱۸ تا ۱۲۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ
كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ
مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ
وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔـا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ (آل عمران: ۱۱۸۔۱۲۰)

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو، وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے کی، وہ پسند کرتے ہیں، جو چیز تمہیں ضرر دے ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے، اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں، اگر تم سمجھ

Marfat.com

دار ہو۔

سنو! تم تو ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے، اور وہ محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں، تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیب) آپ فرمایئے، مر جاؤ، اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا۔ اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو خوش ہوتے ہیں اس سے، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں ان کا مکر کچھ بھی، بیشک اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کئے ہوئے ہے۔

غیر مسلموں کو راز دار نہ بناؤ

اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم غیر مسلموں کو اپنا راز دار اور مخلص دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ کبھی تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمہیں کبھی بھی ستانے اور پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ ایسی ہر تدبیر اختیار کرتے ہیں جو تمہاری تکلیف اور ضرر کا سبب بنے۔ ان کے دل تمہارے لئے بغض و کینہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ جب کہ تمہیں ایمان کی فطرت نے اس قدر سادہ اور صاف قلب بنا دیا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور جملہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ لیکن غیر مسلموں کی یہ فطرت ہے کہ بظاہر وہ تم سے اظہار ہمدردی و محبت کرتے ہیں اور اپنی تنہائیوں میں وہ تم سے اس قدر حسد کرتے اور جلتے ہیں کہ غصہ کے مارے اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ پس تم انہیں ان کی حسد کی آگ میں جلنے اور غصہ میں مرنے دو۔ وہ تمہاری ترقی و کامیابی کو پسند نہیں کر سکتے۔ ان کی خوشی تمہاری تکلیف ہے تم صبر سے کام لو، اللہ کے احکام کے پابند رہو۔ تمہیں کسی مرحلہ پر ان کا مکر و فریب نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ ان سے نمٹ لے گا اور تمہیں کامیاب و کامران کرے گا۔ کیونکہ ان کے اعمال اللہ کے علم میں ہیں۔

آیات مذکورہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ اہلِ ایمان کو کافروں پر اعتماد کرنے انہیں اپنا راز دار بنانے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ کیونکہ جس طرح آگ و پانی کی تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتی اسی طرح کفر و اسلام کی بھی تاثیر علیحدہ علیحدہ ہے جس کا انسان کے عادات و اطوار پر اثر انداز ہونا لازمی ہے۔ کفر تاریکی ہے جس سے عیوب و نقائص ہی پیدا ہوتے ہیں۔ پس کفر، کافر کو ضدی لالچی، حریص، حاسد، مکار، فریبی، دھوکا باز، چال باز، خود غرض، سیاہ قلب، فتنہ پرور اور فتنہ پرداز بناتا ہے۔ وہ کتنے ہی اچھے لباس میں کیوں نہ ہو لیکن اس کی یہ اندرونی برائیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اس کی تربیت کتنی ہی اچھی ہو لیکن وہ ان عادات سے مبّرا نہیں ہو سکتا۔ آپ چاہے نبی مکرم علیہ السلام کے دور کے کفار کے حال پر غور کریں یا اپنے دور کے کافروں کی حرکات کا مشاہدہ کریں۔ کفر کی یہ تاثیر آپ کو ہر دور اور ہر جگہ کے کافروں میں نظر آئے گی۔ اسی حقیقت کو ان جملوں میں بیان کیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

Marfat.com

وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ

وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے کی وہ پسند کرتے ہیں وہ چیز جو تمہیں ضرر دے ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ اور جب وہ (کفار) تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے۔

پھر فرمایا گیا:

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا

اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف، خوش ہوتے ہیں اس سے۔

کفر کے ان اثرات ہی کا نتیجہ ہے کہ کافر کبھی بھی اہل ایمان کی بھلائی گوارا نہیں کرتے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

(بقرہ:۱۰۵)

نہیں پسند کرتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں، اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اتاری جائے (اے مسلمانوں) تم پر کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑا فضل (فرمانے) والا ہے۔

یہ ہے کفار پر کفر کا اثر، جب کہ اس کے بالکل برعکس اسلام نور ہے جو مسلمان کے دلوں کو چمکا دیتا اور صاف وشفاف کر دیتا ہے۔ اس میں نہ کینہ باقی رہتا ہے نہ بغض وعناد۔ وہ بالکل سادہ لوح ہو جاتا ہے ہر کسی سے محبت کرتا ہے۔ ہر ایک کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس کے قلب کی وسعت کا تو یہ حال ہے کہ وہ جس طرح اپنے نبی اور ان کی دی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہے، اسی طرح وہ تمام انبیاء سابقین اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کو مانتا ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ

سنو تم ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو

اسلام تو مسلمان کو ہر کسی سے محبت والفت اور ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ وہ کفر اور اس کے اثرات سے مؤمن کے دل کو دھو دیتا اور پاک وصاف کر دیتا ہے، ہر کسی پر اعتبار واعتماد اس کا شعار بن جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اسے مکر وفریب کی عادی قوم سے دور رکھا جائے۔ لہٰذا حکم دیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

کہ اگر تم نے ان کو اپنے راز بتا دیئے تو ایک نہ ایک دن وہ تمہیں ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ پس ان کے مکر وفریب اور ان کے دلوں میں چھپی ہوئی عداوت کے شر سے بچانے کے لیے، اللہ تمہیں ہدایت فرماتا ہے کہ:

Marfat.com

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ (آل عمران:۲۸)

نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست اور جس نے یہ کام کیا پس اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا مگر اس حالت میں کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو۔ اور ڈراتا ہے اللہ تمہیں اپنی ذات (اپنے غضب) سے اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (هود:۱۱۳)

اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں بھی آگ چھوئے گی، اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی۔

ان آیات نے کفار سے موالات و مداہنت کی واضح ممانعت فرمائی۔ صرف اس لئے کہ اللہ نہیں چاہتا کہ اس کے سادہ لوح مؤمن بندے مکار و چالاک کافروں کے فریب میں مبتلا ہو کر دنیا میں بھی خوار ہوں اور آخرت میں بھی مبتلائے عذاب ہوں۔ پس اگر اہلِ ایمان نے اس ہدایت پر عمل کیا تو وعدہ الٰہی ہے کہ کافر اپنی کثرت تعداد، قوت و طاقت اور دولت کی فراوانی کے باوجود مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ

اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو تمہیں ان کا مکر کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

کفار کی قوت و طاقت سے ذرا بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، درج ذیل آیات کا بغور مطالعہ کیجئے اور اپنے دل کو کفار کے رعب سے آزاد کیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔـا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔـا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران:۱۷۵۔۱۷۷)

یہ تو شیطان ہے جو (تمہیں) ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے، پس نہ ڈرو ان (کافروں) سے، بلکہ مجھ سے ہی (اللہ سے ہی) ڈرا کرو، اگر تم (واقعی) مؤمن ہو۔ اور تمہیں وہ لوگ غم میں مبتلا نہ کریں جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں۔ بیشک یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت (کی نعمتوں) سے ذرا بھی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے عوض خرید لیا ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک

Marfat.com

عذاب ہے۔
مفہوم آیات واضح ہے کہ کفار درحقیقت شیطان کے دوست ہیں اور وہ ان کی ہر طرح مدد کرتا ہے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنے دوستوں کی ظاہری قوت وطاقت سے مرعوب کرتا ہے۔ اللہ اہلِ ایمان کے دلوں سے ان کے خوف کو دور فرمانے کے لیے نہایت مشفقانہ انداز میں ہدایت فرماتا ہے کہ تم تو میرے ہو، پس تمہیں میرے سوا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میری قوت ہر قوت پر غالب ہے۔ تم مجھ سے ڈرو تو میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔ مجھے کافر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں تمہارے مقابلے پر انہیں دنیا میں بھی ذلیل وخوار کرتا رہوں گا اور آخرت میں بھی وہ عذاب عظیم میں مبتلا ہوں گے۔

تاریخ پر ایک نظر

ان ارشادات کی روشنی میں آپ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اہلِ ایمان کی کامیابی وکامرانی کی بنیاد اللہ رب العزت کی ان ہدایات پر عمل کرنا ہے کہ انہوں نے اسلام کے ازلی وابدی دشمنوں پر نہ کبھی اعتبار کیا اور نہ ہی ان سے غیر ضروری تعلقات بڑھائے، نہ ان کی قوت وطاقت سے وہ مرعوب اور خوف زدہ ہوئے۔ حضور نبی مکرم علیہ السلام کے تئیس سالہ دور میں شاید ہی کوئی دن ایسا ملے جس میں اعداء اسلام کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی طوفان نہ آیا ہو، آپ کے مکی دور کو دیکھئے تو آپ کے اور صحابہ کرام کے لئے کفار مکہ کی طرف سے ہر روز ظلم وستم کے نت نئے طریقے ایجاد ہوتے رہے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کو مارنے پیٹنے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر طرح طرح سے ظلم وستم اسی طرح دیگر صحابہ کرام کو ستانے اور پریشان کرنے کی داستانیں، تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جن کو پڑھ کر آج بھی جسم کا رونگٹا رونگٹا کانپنے لگتا ہے۔ لیکن کفر کی قوت وطاقت ان حضرات کو نہ تو دین سے دور کر سکی اور نہ ہی خدمت دین اور اشاعت دین سے روک سکی، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ان حضرات نے مصائب وآلام کو برداشت کیا، اعزاء واقرباء کو چھوڑا، نفع بخش کاروبار چھوڑے، مال واسباب چھوڑا، یہاں تک کہ گھر سے بے گھر ہو گئے لیکن کفار ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ ان کے مشن سے انہیں نہ روک سکے۔ ایثار وقربانی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے جنگی قیدی بنا کر بنو کلب کے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ وہ انہیں لے کر مکہ آیا۔ عبداللہ بن جدعان نے انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔ انہوں نے مکہ ہی میں رہائش اختیار کر لی اور تجارت کرنے لگے۔ بہت دولت کمائی۔ مکہ کے دولت مند تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ نبی مکرم علیہ السلام نے جب اعلان نبوت فرمایا تو یہ مشرف باسلام ہوئے۔ زمانہ ہجرت آیا اور نبی کریم علیہ السلام مدینہ تشریف لے گئے۔ صہیب کو اگرچہ مکہ میں کوئی تکلیف نہ تھی، کاروبار چل رہا تھا، لیکن عاشق رسول تھے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے بغیر زندگی بے کیف ہوگئی اور ہجرت کا فیصلہ کیا۔ جب آپ اپنے مال واسباب کے ساتھ مکہ سے رخصت ہونے کے لیے تیار ہوئے تو کفار نے گھیر لیا اور کہا صہیب تم جاتے ہو تو جاؤ لیکن یہ دولت تم نے مکہ میں کمائی ہے ہم اسے نہیں لے جانے دیں گے۔ صہیب نے کہا اگر میں اپنی سب دولت تمہارے سپرد کر دوں تو کیا تم میرے راستہ سے ہٹ جاؤ گے۔ کافروں نے وعدہ کیا کہ ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ آپ نے

Marfat.com

اپنی ساری دولت ان کے سپرد کی اور خالی ہاتھ روانہ ہوگئے۔ حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے تو سب ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

رَبِحَ صُھَیۡبُ، رَبِحَ صُھَیۡب بڑا نفع کمایا صہیب نے، بڑا نفع کمایا صہیب نے۔

اسی کے ساتھ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ جو مصائب و آلام کا شکار صرف اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اپنی سادہ لوحی کی بناء پر کافروں پر اعتماد کیا اور ان کے چُنگل میں پھنس گئے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کی۔ دونوں قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابوجہل اور حارث ان کے رشتہ دار تھے جو ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی قیام گاہ تک پہنچ گئے اور دونوں نے عیاش کو ان کی ماں کی ایسی دردبھری داستان سنائی کہ وہ حضرت عمرؓ کے منع کرنے کے باوجود مکہ واپس آنے پر آمادہ ہوگئے۔ قبا سے تھوڑی ہی دور نکل کر ایک مقام پر تینوں اپنی سواریوں سے اترے۔ ابوجہل اور حارث نے دھوکہ سے حضرت عیاش کو باندھا اور قیدی بنالیا۔ مکہ میں داخل ہوئے تو لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ ابوجہل ان کو مارتا اور کہتا جاتا تھا:

"اے مکہ والو! تم بھی اپنے احمقوں کے ساتھ یہی سلوک کرو جو ہم اپنے اس احمق کے ساتھ کر رہے ہیں"۔

غرضیکہ حضرت عیاش پر طرح طرح سے ظلم ڈھائے گئے اور کئی سال تک وہ کفار کی قید میں رہے۔ غزوہ بدر کے بعد ولید بن ولید نے حضور علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے مکہ آکر انہیں قید سے رہا کیا اور نبی مکرم علیہ السلام کے دربار میں لے کر حاضر ہوئے۔

مکی دور کے بعد مدینہ کے تیرہ سالہ دور کا جائزہ لیا جائے تو اس عرصہ میں بھی کوئی دن ایسا نظر نہیں آتا جس میں کافروں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش نہ کی ہو۔ کبھی اندرونِ مدینہ منافقین اور یہودی سازشیں کرتے نظر آتے ہیں تو کبھی بیرونِ مدینہ کفار مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ لیکن اہل ایمان نے اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کبھی بھی کفار کی کثرتِ تعداد یا قوت و طاقت کی پروا نہ کی۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہے اور جب بھی کوئی طوفان آیا تو ڈٹ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح انہوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ جس کی واضح مثال غزوہ بدر ہے۔ جس میں تین سو تیرہ بے سروسامان افراد ایک کثیر تعداد قوم سے برسرِپیکار ہوتے ہیں اور کامیابی و کامرانی ان کے قدم بوس ہوتی ہے۔ جس کا دنیاوی اصول کے مطابق شائبہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا اور مانا کہ اسلام کے مقابلے میں کفر کی حیثیت اس ریت سے زیادہ نہیں جو ہوا کے رخ پر اڑتا رہتا ہے۔

کفار سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نفرت اور عدمِ تعلق کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے میدان بدر میں اپنے باپ کو دشمنوں کی صف میں دیکھا تو لپکے اور ایک وار میں گردن اڑا دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میدان بدر ہی میں اپنے بیٹے عبداللہ کو دشمنوں کی صف میں دیکھا تو تلوار تان کر دوڑے لیکن حضور علیہ السلام نے روک دیا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ عبداللہ ایک دن مشرف باسلام ہوں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت مصعب ابن عمیر نے غزوہ

Marfat.com

بدر کے قیدیوں میں اپنے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو دیکھا کہ ایک انصاری اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا بھائی اس کو خوب کس کر باندھنا کہیں بھاگ نہ جائے۔ اس کی ماں بڑی دولت مند ہے فدیہ کی بھاری رقم وصول ہوگی۔ ابوعزیز بولا، اے مصعب تم تو میرے بھائی ہو، پھر بھی ایسی بات کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا میرے بھائی تم نہیں یہ انصاری ہیں جو تمہیں باندھ رہے ہیں۔ انہی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں اپنے ایک بھائی عبید کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید وغیرہ کو میدان بدر ہی میں قتل کیا۔

غرضیکہ اہلِ ایمان کو یہ ہدایت کی گئی کہ کافروں سے دوستی و محبت نہ کریں اور انہیں اپنا رازدار نہ بنائیں کیونکہ کافر کبھی بھی مؤمن کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ وہ جب بھی موقع پاتا ہے مسلمان کو دھوکہ دیتا اور اس کو نقصان ہی پہنچاتا ہے۔ اگر کسی موقع پر کفار مسلمانوں سے خیر خواہی کا اظہار بھی کرتے ہیں تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی چال ہوتی ہے۔ ضرور ان کی اپنی غرض وابستہ ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی قرآنی ہدایت ہے جو مسلمانوں کے لیے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی اور قومی طور پر بھی قابل عمل ہے۔ یعنی مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی اس ہدایت کے مطابق مرتب کریں۔ یعنی غیر مسلموں پر اتنا اعتماد نہ کریں کہ اپنے ملکی اور قومی راز تک ان پر ظاہر کردیں۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اسلام مسلمانوں کو دیگر اقوام سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور غیر مسلموں سے ہر حال میں نفرت اور لاتعلقی کا حکم دیتا ہے تو اس سوال کے جواب کے لیے پہلے تعلقات کی اقسام کو سمجھ لینا چاہیے۔

تعلقات کی قسمیں

باہمی تعلقات کی متعدد قسمیں ہیں جن کو سمجھ لینے کے بعد غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت واضح ہوجاتی ہے۔

<u>موالات</u>: یعنی کسی سے ایسا تعلق قائم کرلینا کہ اس کو اپنے گھر، خاندان یا قوم کا حصہ سمجھ لیا جائے۔ اور اس سے ایسی بے تکلفی ہوجائے کہ ذاتی خاندانی یا قومی راز تک اس پر پوشیدہ نہ رہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کے تعلقات ایسے ہی دو شخصوں یا قوموں کے درمیان قائم ہوسکتے ہیں جن میں کوئی قدر مشترک ہو۔ یعنی یا تو ان کے درمیان خونی رشتہ پایا جاتا ہو یا مذہبی تعلق ہو۔ یا دونوں کی تہذیب ایک جیسی ہو۔

<u>مواسات</u>: یعنی دو شخصوں کے درمیان صرف اتنا تعلق ہو کہ وہ ایک دوسرے سے ہمدردی کے ساتھ پیش آئیں۔ بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اس نیت سے کہ دونوں ایک دوسرے سے جائز ذاتی یا قومی فوائد حاصل کرسکیں۔ یا اپنے مذہب کی تعلیم سے ایک دوسرے کو متاثر کرسکیں۔ حتی کہ دونوں کے درمیان تہذیب یا مذہب کا فرق ختم ہوجائے اور پھر ان میں موالات قائم ہوجائے۔

<u>معاملات</u>: یعنی سیاسی، تجارتی، معاشی اور دیگر دنیاوی امور کے لیے دو شخصوں کے درمیان تعلق ہو اور اس کا مقصد ان امور میں ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس قسم کے تعلقات میں شرعی حدود کا لحاظ لازمی ہے۔

<u>مدارات</u>: یعنی دینی اور مذہبی فوائد کے حصول کیلئے غیروں اور ظالموں کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ اس قسم کے

Marfat.com

تعلقات کی ضرورت صرف ان مسلمانوں کو پیش آ سکتی جو مغلوب ہوں، کمزور ہوں۔ مثلاً کافروں کی حکومت میں وہ رہتے ہوں، اقلیت میں ہوں اور وہاں انہیں اپنے مذہبی امور کی ادائیگی کے لئے کفار سے ایسا تعلق رکھنا پڑے جس کی وجہ سے وہ مذہبی امور میں مداخلت یا رکاوٹ پیدا نہ کر سکیں۔ لیکن اس تعلق کی بھی شرعی حد متعین ہے کہ کسی مذہبی فائدے کے لئے کوئی خلاف شرع عمل یا کافروں جیسا عمل اختیار نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی ان کی تہذیب اور تمدن کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

مداہنت: ذاتی یا قومی منفعت اور دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے دینی اور شرعی امور میں نرمی کرنا یا کفار کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے شرعی احکام کو ترک کر دینا یا ان پر مستقلاً چھپ کر عمل کرنا۔

مداہنت ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں ہو جائز نہیں کہ پہلی صورت میں دنیاوی فوائد کو شرعی احکام پر ترجیح دینا ہے جو جائز نہیں اور دوسری صورت کہ کفار کے ظلم وستم کے خوف سے شرعی احکام کو ترک کیا جائے یا ان پر چھپ کر عمل کیا جائے۔ مثلاً اذان دینا اس لیے ترک کر دی جائے کہ کافر اس کی اجازت نہیں دیتے یا مسجد میں نماز پڑھنا اس لیے چھوڑ دی جائے کہ کافر اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ یہ بھی جائز نہیں کیونکہ جس سرزمین پر مسلمان کے لیے اللہ کا نام لینا اور شریعت پر آزادی سے عمل کرنا ممکن نہ رہے وہاں مداہنت نہیں کی جائے گی، بلکہ وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہوگی۔ نبی مکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِّنْ کُلِّ مُسْلِمٍ اَقَامَ مَعَ الْمُشْرِکِیْنَ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے یہاں اقامت کرے۔

یعنی مشرکین کے ملک یا شہر میں اس قدر مغلوب و مجبور ہو کر رہنا حضور علیہ السلام کو پسند نہیں کہ دین میں مداہنت کرنا پڑے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات زندگی گواہ ہیں کہ انہوں نے مصائب و آلام برداشت کیے لیکن کبھی مداہنت فی الدین کے مرتکب نہ ہوئے۔ بالخصوص اہل مکہ نے جو ظلم وستم ڈھائے۔ حضرت ابوبکر صدیق، ابوذر غفاری، حضرت صہیب رومی، حضرت بلال، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے جو مظالم برداشت کیے، ظالموں کی دنیا میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی نے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنا قدم پیچھے ہٹایا ہو۔ جس نے ایک مرتبہ "اللہ احد" کی صدا بلند کی وہ مار کھاتا رہا اور یہی نعرہ بلند کرتا رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا تو ابن الدغنہ نامی کافر نے ان کو اصرار کر کے روک لیا اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ آپ نے کفار کے مظالم سے بچنے کے خیال سے اپنے گھر کے صحن ہی میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی، وہیں آپ عبادت کرتے تھے۔ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے، چونکہ آپ بے حد خوش الحان تھے لہذا قرآن کریم سننے کے لیے آپ کے گھر کے اردگرد عورتوں، مردوں کا ایک مجمع ہو جاتا تھا۔ مکہ کے سرداروں کو خطرہ ہوا کہ کہیں ابوبکر سے تلاوت سن کر یہ لوگ اسلام قبول نہ کر لیں۔ چونکہ آپ ابن الدغنہ کی پناہ میں تھے، لہذا لوگوں نے اسی سے شکایت کی کہ

Marfat.com

ابوبکر کو بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنے سے روکو یا اپنی پناہ اٹھالو تا کہ ہم خود ان کو روک سکیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ اسی طرح قرآن پڑھتے رہے تو میں آپ سے اپنی پناہ اٹھالوں گا۔ آپ نے مومنانہ جرات کے ساتھ فرمایا اے ابن الدغنہ اگر تیری پناہ کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے دین کو چھپاؤں:

فَاِنِّیْ اَرُدُّ عَلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہِ تَعَالٰی

تو میں تیری پناہ تجھے لوٹاتا ہوں میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔

یہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر رونق افروز ہوتے ہیں تو سیاسی اعتبار سے انہیں اسلام اور مسلمانوں کے لیے نہایت خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قبائل عرب کے مرتد ہوجانے کی خبریں ملتی ہیں۔ کذّاب مدعیانِ نبوت کا طوفان اٹھتا ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ مرتدین کے مدینہ پر حملہ آور ہونے اور اسے تہس نہس کر ڈالنے کے خدشات موجود ہیں۔ ان حالات سے نمٹنے کے لیے جب آپ مشاورتی کونسل سے مشورہ اور تجاویز طلب فرماتے ہیں تو تمام صحابہ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نرمی کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ بالخصوص یہ تجویز پیش ہوتی ہے کہ جیش اسامہ کی روانگی کا پروگرام ملتوی کر دیا جائے تا کہ مدینہ کی پوری طرح حفاظت ہو سکے۔ لیکن اللہ اکبر، اس مرد مؤمن کی جرأت تو دیکھئے کہ آپ صحابہ کرام کے مشورے کے برعکس اعلان فرماتے ہیں" کہ اگر ابوبکر کی بوٹی بوٹی بھی کر دی جائے، تب بھی جیش اُسامہ حسب پروگرام روانہ ہوگا کیونکہ یہ نبی مکرم علیہ السلام کا فیصلہ ہے جس میں تبدیلی کا ابوبکر کو حق حاصل نہیں۔ نیز مرتدین کا مقابلہ کیا جائے گا۔ منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا جائے گا کہ ناموسِ رسالت کا تحفظ اور شرعی احکام کی پابندی کرانا ہی خلیفہ کا کام ہے"۔ اور آپ نے ایسا ہی کیا اگر اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مصلحت اور مداہنت کا شکار ہو جاتے تو آج دین کی شکل ہی بگڑ چکی ہوتی۔

بہر حال کفار کے ظلم وستم کے خوف سے دین کو چھوڑ دینے، یا مستقل چھپائے رکھنے کا کوئی جواز نہیں اور نہ ہی مداہنت کی دوسری صورت یعنی دنیاوی فوائد کے حصول کے لئے احکام شرع کی پابندی ترک کرنے کا کوئی جواز ہے۔ یہ صورت تو مسلمانوں کی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ایمان کی کمزوری کے سبب پیش آسکتی ہے۔ کہ لالچ طبع مسلمان یا مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمان غیر مسلموں کی تہذیب اور ان کے تمدن کو صرف اس لئے اختیار کر لیتے ہیں کہ انہیں چند پیسوں کا فائدہ ہوتا ہے یا وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے اور اپنے مذہبی شعار کو خلاف فیشن سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ہم نے یورپ وامریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک میں آباد ایسے بے غیرت مسلمان دیکھے ہیں جو صرف اپنے تجارتی اور کاروباری تعلق کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ کلبوں میں ناچتے، جوا کھیلتے اور شراب پیتے ہیں۔ انہیں بے شرم ماحول میں یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ چیزیں ہمارے مذہب میں حرام ہیں۔ کیونکہ وہ خود ماحول سے متاثر ہو کر بے شرم ہو جاتے ہیں۔ دفاتر اور فیکٹریوں میں ملازمت کرنے والے بہت مسلمان رمضان میں صرف اس لئے روزہ نہیں رکھتے کہ انہیں یہ بتانے میں شرم آتی ہے کہ ہمارا روزہ ہے اس لیے ہم کچھ نہیں کھا، پی سکتے۔ یہ شرم مجبوری نہیں بلکہ بے شرمی اور ایمان کی کمزوری ہے۔ جبکہ بحمد اللہ انہی ممالک میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو اپنے مذہب پر فخر کرتے، اپنے حقوق کے حصول کے لیے غیر مسلموں

Marfat.com

سے قانونی جنگ کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو برملا مسلمان کہتے ہیں اور کھلم کھلا نماز روزے اور دیگر شرعی احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ یہ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ بیشتر غیر مسلم ممالک میں مساجد موجود ہیں۔ دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہندو پاک کے علماء کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور ان ممالک میں اسلام کا مستقبل تابناک ہے۔ اللہ ہمارے ان بھائیوں کو مزید ہمت عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں اجر عطا فرمائے۔

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

باہمی تعلقات کی قسمیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ کس قسم کے تعلقات کی اسلام ممانعت کرتا ہے، تاکہ ذہن سے یہ خیال محو ہو جائے کہ العیاذ باللہ اسلام تنگ نظری کی تعلیم دیتا ہے اور غیر مسلم اقوام سے الگ تھلگ کر کے مسلمانوں کو سیاسی اور تجارتی امور میں ترقی سے روکتا ہے۔ جس کے لئے دنیا کی تمام اقوام سے تعلقات ناگزیر ہیں۔ خصوصا موجودہ دور میں تو کسی سے تعلقات منقطع کر کے زندہ رہنا ناممکن ہے۔

قرآن کریم کی زیر گفتگو آیت پر غور فرمائیے۔ اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے غیروں کو ''بطانہ'' نہ بناؤ۔ نیز دیگر قرآنی آیات میں ''ولی'' یا ''اولیاء'' بنانے کی ممانعت ہے۔ ''بطانہ'' کا ترجمہ بھی آپ نے پڑھا کہ رازدار نہ بناؤ۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

بِطَانَةُ الرَّجُلِ صَاحِبُ وَلِیْجَتِهٖ مَنْ یَّعْرِفُ اَسْرَارَهٗ ثِقَةً بِهٖ

آدمی کا بطانہ وہ خاص دوست ہے، جس پر اعتماد کرتے ہوئے وہ اسے اپنا راز بتادے

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

بِطَانَةُ الرَّجُلِ خَاصَّتُهُ الَّذِیْنَ یُبْطِنُوْنَ اَمْرَهٗ

آدمی کا بطانہ وہ خاص لوگ ہیں، جو اس کی باتوں کو چھپا لیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرماتے ہیں۔

''اے ایمان والو، غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ''

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ پر رقمطراز ہیں۔

''ان سے دوستی نہ کرو، محبت کے تعلقات نہ رکھو، وہ قابل اعتماد نہیں ہیں''۔

مزید فرماتے ہیں:

''کفار سے دوستی ومحبت کرنا اور انہیں اپنا رازدار بنانا ناجائز وممنوع ہے''۔

میرے استاد علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریبا یہی ترجمہ کیا، لکھتے ہیں:

''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری تباہی میں کمی نہ کریں گے''۔

مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ مدظلہ العالی کا ترجمہ آپ نے پڑھا۔

Marfat.com

''ایمان والو، نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو، وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں''۔

درحقیقت ''بِطانہ'' بَطن سے ہے جس کے معنی ''پیٹ'' اور بطانہ وہ چیز جو پیٹ سے لگی ہو۔ اسی لیے کپڑے کے استر کو ''بِطانہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی اندرونی حصہ۔ پھر بطور استعارہ یہ ہر اس چیز کے لئے استعمال ہونے لگا جو چھپی ہوئی ہو۔ اور چھپانے والے کو راز دار کو بھی ''بِطانہ'' کہا جانے لگا۔ پس ارشاد باری تعالیٰ واضح ہے کہ کفار کو ''بِطانہ'' راز دار بنانے، ان پر اپنے معاملات میں اعتماد کرنے اور بھروسہ کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ دیگر قرآنی آیات میں ''ولی'' بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ''ولی'' ایسے مخلص دوست کو کہتے ہیں جس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ ہر حال میں مددگار اور معاون ثابت ہوگا۔ یہی مُوالات ہے جو، از روئے شرع کفار کے ساتھ ممنوع ہے۔ جس کی وجہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کافر فطری طور پر قابل اعتماد نہیں، وہ بظاہر مسلمان سے کتنا ہی قریب ہو بہر حال دشمن ہی رہتا ہے۔ جس کی نظیر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کے لئے وہی ہندو زیادہ خطرناک ثابت ہوئے جو برس ہا برس سے پڑوس میں رہتے تھے اور ان نسلوں سے مسلمانوں کے تعلقات تھے۔

امت مسلمہ پر قرآن کریم کا یہ احسان ہے کہ اس نے دشمن کی فطرت سے باخبر کر دیا تا کہ مؤمن ان کے فریب میں مبتلا نہ ہوں۔ اس حکم کا منشاء صرف اتنا ہے۔ یہ منشاء ہرگز نہیں کہ مسلمان ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں اور دنیا سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کریں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ باہمی تعلقات کی دوسری قسموں کا تعلق بالکل جائز ہے۔ مُواسات، مُعاملات، مُدارات سب جائز ہیں۔ بلکہ اسلام نے کفار کے ساتھ جتنے تعلق کی اجازت دی ہے اور اس معاملہ میں جتنی وُسعت اختیار کی ہے اس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ ان کے ساتھ کاروبار اور تجارت کرنے کی پوری اجازت ہے۔ غیر مسلم پڑوسی سے میل جول رکھنے اور بوقت ضرورت اس کی مدد کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ غیر مسلموں کے تہواروں پر انہیں مبارک باد دینا جائز ہے۔ اگر دنیاوی ضرورت ہو تو انہیں تحفے تحائف دینا بھی جائز ہے۔ بس ان کے ان کاموں میں شرکت کی اجازت نہیں جو ہمارے لئے شرعاً جائز نہیں۔ مثلاً ان کی پوجا پاٹ یا عبادت کے دیگر طریقوں میں شریک ہونا۔ ان کے ساتھ مل کر شراب پینا، ڈانس کرنا اور اسی قسم کی دوسری حرکتیں حرام ہیں۔ غیر مسلموں کو ملازم رکھنے یا ان کی ملازمت کرنے کی اجازت ہے۔ اس معاملہ میں صرف اتنی ممانعت ہے کہ کسی غیر مسلم کو ایسی ملازمت نہ دی جائے جس سے وہ تمام کاروباری یا سیاسی راز جان لے۔ کیونکہ وہ قابل اعتبار نہیں۔ اس راز سے وہ مسلمان کے دشمن کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے نیز مسلمان کافر کے یہاں کوئی ایسی ملازمت نہ کرے جو اس کے لیے شرعاً ممنوع ہو۔ مثلاً شراب بنانے، بیچنے یا اٹھانے کا کام کرنا جائز نہیں۔ جو مسلمان کافروں کو ملازم رکھیں انہیں اسلام تاکید کرتا ہے کہ وہ انہیں وہی مزدوری اور وہ تمام مراعات دیں جو مسلمان ملازموں کو دیتے ہیں۔ مسلمان پر جس طرح اپنے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کی حفاظت فرض ہے اسی طرح غیر مسلموں کی عزت و آبرو کی حفاظت لازم ہے۔ جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں نہ ہوں۔ مثلاً جس طرح ایک مسلمان کا مال چوری کرنا حرام ہے اسی طرح غیر مسلم کا مال چوری کرنا بھی حرام ہے۔ جس طرح کسی مسلمان عورت سے

Marfat.com

بدکاری حرام ہے اسی طرح غیر مسلم عورت سے بھی حرام ہے۔ غیر مسلم سے اگر کوئی وعدہ یا معاہدہ کیا جائے تو اس کا پورا کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح مسلمان سے کیے ہوئے وعدے اور معاہدے کا پورا کرنا لازمی ہے۔ اگر غیر مسلم کوئی امانت مسلمان کے پاس رکھے تو اس میں خیانت کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی امانت میں حرام ہے۔ اگر کسی کافر سے قرض لیا جائے تو وقت مقررہ پر اس کا ادا کرنا اور اس کا شکر گزار ہونا اسی طرح ضروری ہے جس طرح مسلمان سے قرض لے کر وقت مقررہ پر شکریہ کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ جو غیر مسلم ذمی ہوں۔ یعنی مسلم ممالک میں آباد ہوں ان کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی اور انہیں ان کے مذہبی شعار ادا کرنے کی پوری آزادی ہوگی، مسلمانوں کے لیے آپس میں سودی کاروبار کرنا حرام ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے بھی سود لینا یا انہیں دینا حرام ہے۔ جب مسلمان بحالت جنگ غیر مسلم ملک فتح کریں تو ان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ غیر مسلموں کے بچوں، عورتوں کا قتل عام کریں یا ان کی دوکانوں اور مکانوں اور فصلوں کو لوٹیں۔ نہ ہی انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔

اسلام کے ان احکام پر غور کیا جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے کہ کیا اسلام نے غیر مسلموں سے قطع تعلق یا ان پر ظلم کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم کے اس ارشاد پر بھی غور کیجیے۔ فرمایا گیا۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ (الممتحنہ:۸)

اللہ تمہیں نہیں منع کرتا کہ جن لوگوں (کفار) نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، (نہیں منع کرتا) کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

قرآن کریم کی اس آیہ مبارکہ میں ان غیر مسلموں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو مسلمانوں سے نہ تو جنگ کرتے ہیں نہ ان پر ظلم کر کے ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ یہاں انصاف سے مراد حقوق اور مقدمات کا انصاف نہیں کہ ان حالتوں میں تو مسلمان کے لئے ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا لازم ہے۔ یہاں انصاف معاملات اور برتاؤ کا ہے کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں، ان پر ظلم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ سختی کا معاملہ اور برتاؤ کیا جائے گا۔ لیکن جنہوں نے جنگ کی ہے نہ ظلم کیا ہے ان کے ساتھ معاملات اور برتاؤ بھی نرمی اور اچھائی کے ساتھ کیا جائے گا۔

دیکھیے آقائے رحمت ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی برتاؤ کی کیسی نظیر قائم فرمائی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام اہل طائف کے پاس پیغام رحمت لے کر پہنچے تو ان ظالموں نے نہ صرف آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپ پر پتھر برسائے۔ اتنے پتھر برسائے کہ آپ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ خون سے نعلین مبارک بھر گئیں۔ لیکن اس رحمت والے آقا ﷺ نے ان پر اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کی بجائے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔

کون نہیں جانتا کہ اہل مکہ نے نبی رحمت ﷺ اور ان کے صحابہ پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے۔ حتیٰ کہ مکہ کی مقدس

Marfat.com

سرزمین چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ لیکن کیا کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بتا سکتا ہے کہ آپ نے کسی مکی سے کوئی انتقام لیا ہو۔ اس کے برعکس آپ کی رحمت ان پر متواتر برستی رہی۔ جب حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو غلہ فروخت کرنا بند کیا اور وہ بھوک سے تڑپنے لگے تو میرے آقا کے دربار میں حاضر ہو کر انہوں نے حضرت ثمامہ کی شکایت کی اور اپنی پریشانی کا رونا رویا۔ سرکار نے اپنے غلام حضرت ثمامہ کو حکم دیا کہ جس طرح تم اہل مکہ سے غلہ کی تجارت کیا کرتے تھے اسی طرح کرتے رہو۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا، جب مکہ فتح ہوا اور پتھر برسانے والے مجنون و دیوانہ کہنے والے۔ گالیاں دینے والے پیغام الٰہی کا مذاق اڑانے والے، ظالم آپ کے دربار میں بے یار و مددگار کھڑے ہیں۔ آج کا کوئی حاکم اگر اپنے دشمن کے ملک پر غلبہ پالے تو نہ جانے دشمنوں کا کیا حال کرے۔ کیسے کیسے انتقام کی آگ بجھائے۔ لیکن دنیا آج تک دنگ ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد سب سے پہلا اعلان یہ فرمایا کہ:

> ''بچوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، بوڑھوں کو تکلیف نہ دینا، عورتوں کو قتل نہ کرنا، جو اپنا دروازہ بند کر لے، اس کے لیے پناہ ہے۔ سردار مکہ ابوسفیان کے گھر میں جو چھپ جائے اس کے لئے پناہ ہے اور جو ہتھیار نہ اٹھائے اس کے لیے پناہ ہے''۔

صرف یہی نہیں بلکہ پھر آپ نے اپنے دربار میں حاضر سُورماؤں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ بولو! آج تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ جو کل تک گالیاں دیتے تھے آج ان کی زبانیں اقرار کرتی ہیں۔

خَيْرًا، اَخٌ كَرِيْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ نیکی کی امید رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی کے شریف بیٹے ہیں جواباً رحمت کی برکھا برستی ہے اور اعلان ہوتا ہے۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءَ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو

کیا غیر مسلموں اور وہ بھی دشمنوں کے ساتھ ایسے برتاؤ کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے یہ بے نظیر، نظیر صرف کائنات کے لیے رحمت بن کر مبعوث ہونے والے نبی مکرم علیہ السلام نے قائم کی۔ اور اسی کی اتباع خلفائے راشدین اور ان کے بعد حکامِ صالحین کرتے رہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ اسلام نے اہل ایمان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر غیر مسلموں سے موالات کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ ان کے کفر نے ان کو ناقابل اعتماد بنا دیا ہے۔ وہ نہ بھی اہلِ ایمان کے بہی خواہ رہے اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ ان پر اعتبار کر کے اپنے راز تک انہیں بتا دیے جائیں۔ پس اہلِ ایمان کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے تاکہ وہ ان کی شرانگیزی سے بچے رہیں۔ ہاں دنیاوی نظام کی بقاء اور دنیاوی امور جاری رکھنے کے لیے ان سے معاملات کرنے کی پوری پوری اجازت ہے۔ نیز تبلیغ دین کی نیت اور اسلام کے حُسنِ تعلیم و تربیت کے لیے ان سے مواسات اور ہمدردی کی بھی ممانعت نہیں۔ یہ ایک نہایت ہی منصفانہ حکم ہے جس پر کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اور اسی پر عمل میں مسلمان کی بھلائی ہے۔ انفرادی طور پر

Marfat.com

بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔

ہر دور میں اور بالخصوص ہمارے دور میں مسلم حکمرانوں نے کفار کے ساتھ جس قسم کے روابط قائم کیے اور قرآنی حدود کو تجاوز کر کے ان پر جس طرح اعتماد کیا اس کا انجام ذلت وخواری، امت میں انتشار وافتراق کے سوا کچھ نہ ہوا۔ مسلم حکومتیں چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم ہوئیں۔ مسلمانوں کی دولت اور ان کے وسائل پر غیر مسلموں کا قبضہ ہوتا رہا اور ایک طاقتور قوم کو مکار قوم نے ایسا کھوکھلا کر دیا کہ آج وہ مکاروں کے ہاتھوں میں کھیلنے اور ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئے۔ کاش اس صورت حال پر اب بھی مسلم حکمران غور کریں۔ اللہ کی ہدایت پر عمل پیرا ہو جائیں۔ تو کیا عجب کہ کریم آقا کرم فرمائے اور ہم دوبارہ باعزت وباوقار بن جائیں۔ اے اللہ توفیق عمل عطا فرما۔ آمین۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۶

آل عمران: ۱۳۰ تا ۱۳۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝۱۳۱

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۱۳۳

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ
یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۳۴

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ
مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵

Marfat.com

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ
نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ؕ ﴿۱۳۶﴾
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾
هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾
وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾
اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ
النَّاسِ ۚ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ
الظّٰلِمِیْنَ ۙ ﴿۱۴۰﴾
وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ یَعْلَمَ
الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾
وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾
وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ
الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾
(آل عمران: ۱۳۰۔۱۴۵)

اے ایمان والو! دُگنے پر دُگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ
اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تا کہ تم رحم کیے جاؤ۔
اور جلدی کرو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان ہیں اور زمین، تیار کی
گئی، ہے پرہیزگاروں کے لئے۔
جو خرچ کرتے ہیں آسانی اور تنگی میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ
نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔
اور وہ لوگ جب بے حیائی کا کام کریں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے معافی مانگیں، اپنے

Marfat.com

گناہوں کی اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہ کریں۔

ایسے لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی بخشش ہے اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔

بیشک تم سے پہلے (قانون قدرت کے) طریقے گزر چکے ہیں تو زمین میں چلو اور دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔

یہ لوگوں کے لیے واضح بیان اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

اور سستی نہ کرو اور غمگین نہ ہو، اور تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم (کامل) مؤمن ہو۔

اگر تمہیں زخم لگے تو تمہارے دشمنوں کو بھی اسی طرح زخم پہنچے اور ان دنوں کو ہم پھیرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان اور تاکہ دیکھ لے اللہ ایمان والوں کو اور بنالے تم میں سے (کچھ لوگوں کو) شہید اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کو خالص کردے اور کافروں کو مٹادے۔

کیا تم نے گمان کرلیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تمہارے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو (ان کے غیروں سے) ممتاز نہیں کیا۔

اور بیشک تم موت کی تمنا کرتے تھے، اس کے ملنے سے پہلے تو اب تم نے اسے دیکھ لیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اور محمد (ﷺ معبود نہیں) صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو بدلہ عطا فرمائے گا۔

اور کسی جان کے لیے حکم الٰہی کے بغیر موت نہیں، (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے اور جو دنیا کا بدلہ چاہے گا، ہم اس میں سے اسے دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اس میں سے اسے دیں گے اور عنقریب ہم (اچھا) بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو۔

یہ سورۂ آل عمران کی سولہ آیات ہیں جن میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے پیارے جملہ سے خطاب کرتے ہوئے، اللہ رب العزت ایمان والوں کو وہ خصوصی احکام و ہدایات دے رہا ہے جو ان کے کمال ایمان دنیا کی فلاح و بہبود اور آخرت میں بلند مراتب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

ان آیات میں جو مضامین بیان ہو رہے ہیں انہیں ہم ہر آیت کے ذیل میں علیحدہ علیحدہ پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

Marfat.com

حرمتِ ربوٰ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۚ

اے ایمان والو! دُگنے پر دُگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اہل ایمان کو سود کھانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ اور یہ ممانعت اس حال کے مطابق کی جارہی ہے جو اس آیہ مبارکہ کے نزول کے وقت تھا۔ یعنی اہلِ عرب میں سود سے متعلق یہ خود ساختہ قانون رائج تھا کہ اگر مقروض، قرض اور سود کی رقم وقت پر ادا نہ کر پاتا تھا اور مجبور ہو کر وہ مزید مہلت چاہتا تھا تو قرض دینے والا اس کو اس شرط پر مہلت دے دیتا تھا کہ سود دگنا ادا کرنا ہوگا۔ اور اس طرح بڑھتے بڑھتے بسا اوقات سود کی رقم دُگنی چوگنی حتی کہ کبھی اصل رقم سے بھی زائد ہو جاتی تھی اور بے چارہ قرض دار ساری زندگی کے لئے قرض میں جکڑ جاتا تھا۔ یہ رواج صرف اس زمانہ ہی میں نہ تھا بلکہ ہمارے دور میں بھی سود کا قانون یہی ہے کہ اگر وقت پر سود ادا نہیں کیا جاتا ہے تو اس رقم پر بھی سود لگ جاتا ہے اور ہوتے ہوتے سود کی ہی یہ رقم اصل سے اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس کا سود ادا ہوتا رہتا ہے۔ اصل قرض کی ادائیگی کا وقت ہی نہیں آپاتا۔ دیکھ لیجئے ان ممالک کو جو نام نہاد بڑی طاقتوں یا بڑے ملکوں کے مقروض ہیں، سودی قرضوں ہی نے ان چھوٹے ممالک کو بڑے ممالک کا غلام بنا دیا ہے۔ وہ آزاد ہونے کے باوجود نہ اپنی معاشی پروگرام میں آزاد ہیں نہ ہی سیاسی امور میں۔ حتی کہ مذہبی معاملات میں بھی آزاد نہیں۔ بس قرضداوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔

بہر حال سود کا یہ قانون انسانوں پر ایک ظلم ہے جس سے اللہ اہلِ ایمان کو بچانے کے لیے حکم دیتا ہے کہ دُگنا، چوگنا سُود نہ کھاؤ۔ ''اضعافاً مضعفه'' کی قید احترازی یا اتفاقی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ جیسا رواج ہے ایسا نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تھوڑا سود جائز ہے لے لیا کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بالکل نہ کھاؤ جیسا کہ ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ کسی بچے کو مار رہا ہے تو کہیں بھائی اتنا نہ مارو۔ مطلب یہی ہے کہ اس کمزور پر ظلم نہ کرو، اسے نہ مارو۔ اسی طرح یہاں رواج کے مطابق فرمایا گیا کہ دوگنا، چوگنا سُود نہ کھاؤ۔ یعنی سُود بالکل نہ کھاؤ۔ جس کی وضاحت سورۂ بقرہ کی آیات میں موجود ہے۔ جو ترتیب قرآن میں اس آیت سے پہلے ہیں۔ لیکن نزول میں اس آیت کے بعد ہیں۔ فرمایا گیا۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ (البقرہ:۲۷۵)

جو لوگ سود کھایا کرتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

اسی آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ (البقرہ:۲۷۵)

اور حلال فرمایا اللہ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔

پھر ارشاد ہوا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ (البقرہ:۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔

پھر فرمایا جارہا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۷۸۔۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم سچے مومن ہو۔

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم (سودی کاروبار سے) توبہ کرلو تو تمہیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ذلیل وخوار کیا۔ حتیٰ کہ بطور سزا ان پر کئی حلال چیزوں کو بھی حرام فرمادیا۔ جس کا سبب ان کی نافرمانیاں تھیں جن میں ایک ان کی سودخوری کی عادت اور سودی کاروبار بھی تھا۔ فرمایا گیا:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ (النساء:۱۶۱)

اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے

ان آیات نے نہ صرف حرمت سود کی وضاحت کردی بلکہ سود کھانے والوں اور سودی کاروبار کرنے والوں کا انجام بھی بیان کردیا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنی قبروں سے حیران وپریشان جھومتے ہوئے پاگلوں کی طرح اٹھیں گے، جیسے کہ شیطان نے انہیں لپٹ کر مجنوں ودیوانہ کردیا ہو۔ ان کی حرکتیں ایسی ہوں گی کہ دیکھنے والے انہیں پہچان لیں گے کہ یہ سودخور ہیں۔ اس بھیانک صورت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید وضاحت فرمائی کہ "معراج کی شب میرا گزر ایسے لوگوں پر سے ہوا جن کے پیٹ "کالبیوت" گھروں کی طرح بڑے بڑے تھے اور باہر ہی سے ان میں سانپ نظر آرہے تھے۔ پس میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ سودخور ہیں۔ نیز قرآن کریم نے بتایا کہ اللہ سود کو مٹاتا ہے یعنی سود سے کتنی ہی دولت حاصل کرلی جائے وہ کافی نہیں ہوتی۔ سودخور دولت کی ہوس میں اتنا مبتلا ہوجاتا ہے کہ ہر وقت بھکاری ہی بنا رہتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ "سود سے مال کتنا ہی بڑھ جائے آخر کار وہ گھٹتا ہی ہے۔"

آیت زیر گفتگو پر پھر نظر ڈالیے۔ سود کھانے کی ممانعت کے بعد خاص طور پر دو ہدایتیں دی جارہی ہیں۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

پہلی ہدایت کا منشاء یہ ہے کہ کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ اللہ سے ڈر کر سودی کاروبار سے توبہ کرلی جائے کہ

Marfat.com

انسان کی یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ سود معیشت کا ایک ایسا حصہ ہے جس کے بغیر ملکی، قومی یا انفرادی طور پر معاشی آسودگی اور خوش حالی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کہ معاشی فلاح ایسی دولت سے نصیب ہوتی ہے جس میں سود کی دولت شامل نہ ہو۔ تفصیل میں جائے بغیر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ آج اکثر ممالک اور اکثر افراد بظاہر دولت کی فراوانی کے باوجود معاشی بدحالی میں صرف اس لئے مبتلا ہیں کہ وہ سودی لین دین میں ملوث ہیں۔ کوشش کے باوجود نہ ان کی حالت سُدھری ہے اور نہ سُدھر سکتی ہے۔ کہ وہ اللہ کے حکم سے کھلم کھلا بغاوت کر رہے ہیں اور اللہ باغیوں اور نافرمانوں کی مدد نہیں فرماتا۔ وہ ذلیل و خوار اور پریشان حال ہی رہتے ہیں۔

دوسری ہدایت کا منشاء یہ ہے کہ ایمان والو، جہنم تو ہم نے کافروں کے لیے بنایا ہے تم ایسے اعمال اختیار نہ کرو کہ کافروں کے ساتھ تمہارا ٹھکانہ ہو۔ یا کہیں ایسا نہ ہو کہ سود کھاتے کھاتے تمہارے دل اتنے سیاہ ہو جائیں کہ ان میں ایمان کا نور بالکل باقی نہ رہے۔ حتیٰ کہ تم سود کو حلال سمجھنے لگو اور ایمان سے محروم ہو کر اسی حال میں مر جاؤ۔ اور پھر تمہارا ٹھکانہ وہی جہنم ہو جائے جو کافروں کے لیے بنائی گئی ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرمت سود کی آیتوں میں یہ آیت نہایت ہی خوفناک ہے کہ اس میں اس خطرے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ سود خور کہیں کافر ہو کر نہ مرے کہ کافروں والی آگ اس کا ٹھکانہ بن جائے۔ (اللہ محفوظ رکھے)

غرضیکہ دیگر حرام چیزوں کی طرح سود کی حرمت نہایت واضح ہے۔ اس عنوان پر ہم سورۃ البقرہ کی آیات کے ذیل میں کافی تفصیل سے گزشتہ اوراق پر لکھ چکے ہیں۔ لہذا یہاں اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اللہ و رسول کی اطاعت

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تا کہ تم رحم کیے جاؤ۔

ہدایت بالکل واضح ہے کہ ایمان والو، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحمت سایہ فگن ہو۔ اطاعت یعنی فرمانبرداری کا مطالبہ اللہ اپنے بندوں سے کرتا ہے جبکہ بندے آپس میں ایک دوسرے کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانا چاہتے ہیں۔ ہر بڑا چھوٹے سے، ہر طاقتور کمزور سے، ہر دولت مند غریب سے، ہر حاکم محکوم سے، ہر بادشاہ رعایا سے اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ بلاشبہ اطاعت دنیاوی نظام کے بقا کا ذریعہ ہے۔ جس گھر، شہر یا ملک کے لوگ اطاعت شعار نہ ہوں کسی کی اطاعت نہ کریں، کسی کو اپنا حاکم اور قائد تسلیم نہ کریں۔ کسی کے دیئے ہوئے نظام کی پابندی نہ کریں تو وہ انتشار و افتراق اور افراتفری کا شکار رہتے ہیں۔ باہمی اختلاف اور حقوق کے حصول کی جنگ انہیں کمزور اور ذلیل و خوار کر دیتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اطاعت انسان کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے انسان ایسی قوت حاصل کرتا ہے جو اسے ہر قسم کی ذلت سے محفوظ رکھتی ہے۔ اطاعت ہی معاشرے میں امن و سکون کا ذریعہ ہے۔ اسی سے انفرادی و اجتماعی طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ اسی سے قوم میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ اطاعت شعار لوگ دنیا والوں کی نظروں میں باوقار اور با

Marfat.com

رعب ہوتے ہیں۔ ظالموں کی نظریں ان پر نہیں اٹھ پاتیں۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں فلاح و کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

لیکن انسان کے لیے انسان کی اطاعت کامیابی کی یقینی ضمانت نہیں۔ کیونکہ انسان کے بنائے ہوئے اصول زندگی جن کی وہ دوسروں سے پابندی کرانا چاہتا ہے، کامیابی کی ضمانت نہیں دے سکتے کہ کسی انسان کو ایسا یقینی علم حاصل نہیں جس سے وہ دوسروں کی طبائع اور رجحانات کا صحیح صحیح اندازہ کر سکے۔ یہ صرف اور صرف خالق انسان، اللہ وحدہ لاشریک ہے جس نے انسان کو ایسا نظام حیات عطا کیا جس کی پابندی انسان کے لیے دشوار بھی نہیں اور دنیا کی فلاح و بہبود کا یقینی ذریعہ بھی ہے۔

پس درحقیقت وہی اس لائق ہے کہ بندہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور آپس میں اطاعت شعاری صرف اس حد تک رہے کہ خالق حقیقی کی نافرمانی نہ ہونے پائے، جیسا کہ فرمایا گیا ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''

بیٹا باپ کی اطاعت کرے، محکوم حاکم کا حکم مانے۔ رعایا بادشاہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ لیکن کسی کا کوئی ایسا حکم قابل تسلیم نہیں۔ جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو۔ تاکہ ہر کسی کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہو سکے۔

آیت مذکورہ میں اطاعت کا مطالبہ اہلِ ایمان سے کیا جا رہا ہے کیونکہ ایمان درحقیقت وعدہ اطاعت ہے۔ پس ہر مؤمن اس وعدے کا پابند ہے۔ گویا یہ مطالبہ نہیں بلکہ وعدے کی یاد دہانی ہے کہ اے ایمان والو تم نے تو ایمان کی صورت میں ہم سے وعدہ کیا ہے کہ '' اے اللہ ہمارے تمام اعمال تیرے احکام کے مطابق ہوں گے'' اسی وعدے کا اعلان مسلم اول ﷺ سے اس طرح کرایا گیا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (انعام: ۱۶۳۔ ۱۶۴)

آپ فرمائیے، بیشک میری نماز اور میری قربانیاں (جملہ اعمال) میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

نہیں کوئی شریک اس کا مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

مسلم اول ﷺ کا یہ اعلان صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے امت مسلمہ کے ہر فرد کے لئے ہے۔ پس اے ایمان والو، اپنے اس عہد کو پورا کرو اور اللہ کی اطاعت کرو۔ اور صرف اللہ کی نہیں بلکہ رسول کی بھی اطاعت کرو۔ کیونکہ ہمارے تمام احکام تمہیں بواسطہ رسول ہی پہنچتے ہیں۔ وہی ہمارے احکام تمہیں سناتا ہے۔ وہی ہمارے احکام کی تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے۔ وہی ہمارے احکام کی تعمیل کا تمہیں طریقہ بتاتا ہے۔ پس تم اس کی بھی اطاعت کرو کہ اس کی اطاعت درحقیقت ہماری ہی اطاعت ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

(النساء: ۸۰)

جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو (محبوب) ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔

Marfat.com

گویا منشائے الٰہی یہ ہے کہ امتی رسول کو صرف پیغمبر، استاد یا معلم ہی کا مرتبہ نہ دیں، بلکہ اسے اپنا حاکم تسلیم کریں۔ یہ رسول کا وہ اعلیٰ منصب ہے، جس کو تسلیم کرنا ہر امتی پر فرض ہے۔ اسی لئے بعثت رسول کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی قرار دیا گیا کہ ''امتی رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کریں'' ارشاد ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (النساء: ٦٤)

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے

پس جس شخص نے رسول کی اطاعت سے فرار اختیار کیا، اس کے لیے کہیں پناہ نہیں وہ کتنا ہی اللہ کی اطاعت کا دعویٰ کرے اسے مطیع تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ جب اس نے اللہ کا یہی حکم تسلیم نہ کیا تو دوسرے احکام تسلیم کرنے کا دعویٰ کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے۔ پس اطاعتِ رسول، اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بھی ہے اور اللہ کی اطاعت بھی اور یہ اطاعت بالکل اسی طرح بلاتردد ہونا چاہیے جس طرح اللہ کے احکام کی اطاعت ہوتی ہے۔ یعنی رسول کے عطا کردہ احکام میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ کیا جائے۔ فرمایا گیا۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر: ٧)

اور رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

پس رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کی طرح فرض ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں کہ اگر رسول کی اطاعت سے گریز اختیار کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ اللہ کی اطاعت نہیں ہو سکے گی بلکہ پورے دین سے ہاتھ دھونا پڑیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو اپنے اور انسان کے درمیان ایسا واسطہ ووسیلہ بنایا ہے کہ کوئی حکم بغیر رسول کے نہیں دیا گیا۔ پس جو بھی اللہ کے حکم کو لینا اور اس پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے مجبوراً رسول کا حکم پہلے ماننا ہوگا۔ نیز احکام الٰہی پر عمل کا طریقہ رسول ہی تعلیم فرماتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی اللہ کا حکم ہے۔ لیکن اس حکم کی تعمیل کا طریقہ رسول ہی نے سکھایا۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اللہ کے حکم کی تعمیل رسول کی اداؤں کے مطابق کرتے ہیں۔ یہی صورت تمام عبادات میں اختیار کرنا پڑتی ہے۔ گویا خود بخود اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔ اب کون ہے جو اطاعت رسول سے فرار اختیار کرے گا۔ اور جو اس قدر اہتمام کے باوجود بھی رسول کی اطاعت کے انکار کی جرأت رکھتا ہے تو وہ اہل ایمان کے اس گروہ سے خارج ہے جسے اللہ اپنی اور رسول کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے۔

اطاعت کا نتیجہ

اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ ہی اس کا نتیجہ بھی بتا دیا گیا تا کہ اہل ایمان اس کے حصول کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں ''لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'' اے ایمان والو اگر تم نے اللہ اور رسول کی کماحقہ اطاعت کی تو رحمن ورحیم رب تم پر رحم فرمائے گا۔ یعنی تمہاری انگاروں بھری دنیا کو گل گلزار کر دے گا۔ تمہاری زندگی کے ہر مرحلے کو

Marfat.com

تمہارے لیے سہل وآسان کردے گا۔ تمہارے رزق میں اتنی برکت ہوگی کہ تمہیں حصولِ دولت کے لیے نہ سود کے کاروبار میں ملوث ہونا پڑے گا نہ رشوت اور دیگر حرام ذرائع سے دولت کمانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ تمہارے درمیان ایسا باہمی اعتماد، میل ومحبت پیدا ہوگا کہ تمہیں اپنے ذاتی مسائل یا قومی معاملات میں کسی کے در کا بھکاری بننا نہیں پڑے گا۔ تم ایسے متحد ومنظم ہو جاؤ گے کہ دشمن تمہاری طرف نظر اٹھاتے ہوئے بھی کانپے گا۔ تمہاری صحت وتندرستی تمہارا ظاہری حسن وجمال، تمہیں ایسا با رعب اور باوقار بنادے گا کہ اپنوں کے لیے تم میں کشش ہوگی اور غیروں کے لئے خوف یہی ہے رحم کی بارش جو اللہ اور رسول کے اطاعت شعار بندوں پر بارہا برس چکی ہے۔ آج بھی برس سکتی ہے بشرطیکہ ہم مطیع وفرمانبردار بن جائیں، اور یہی ہے وہ ''حیوٰۃِ طیبہ'' جس کا وعدہ اہلِ ایمان سے کیا گیا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۹۷)

جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر، ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے

یہ پُرسکون باعزت زندگی صرف مطیع وفرمانبردار بندوں کا نصیب ہے۔ دنیا کی کثیر سے کثیر دولت کے عوض بھی اس کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ پس ''اے ایمان والو! تم اطاعت شعار بن جاؤ، اللہ کی بے بہا رحمت تم پر سایہ فگن ہوگی''۔

اعمال صالحہ میں جلدی

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور جلدی کرو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے

اہلِ ایمان کو مغفرت وجنت کی طرف، سرعت، جلدی کرنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے اعمال صالحہ اور نیکیوں میں جلدی کرو جو گناہ کی بخشش اور دخولِ جنت کا ذریعہ بنیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی کا یہ چراغ بجھ جائے اور تم دنیا سے گناہوں کا بوجھ لادے رخصت ہو اور آخرت میں بھی تم پر جنت کے دروازے بند ہوں۔ پس اعمالِ صالحہ میں جلدی کرو کہ یہی ایمان کا مقتضیٰ اور اہل ایمان کا شعار ہے۔ فرمایا:

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۱۴)

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے، اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے، حضرت ابراہیم، لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یونس اور زکریا علیہم السلام پر اپنے

Marfat.com

خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا۔ اور پھر بتایا کہ ان حضرات کی خوبی یہ تھی کہ:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

(انبیاء:۹۰)

بیشک وہ بہت جلدی کرتے تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کرتے تھے۔

اعمال صالحہ میں سرعت وجلدی کن لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اس کا جواب درج ذیل آیات سے حاصل کیجئے۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝

اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (مومنون:۵۷۔۶۱)

بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں

اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

اور وہ جو دیتے ہیں، جو کچھ دیتے ہیں۔

اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں

یہی لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیاں کرنے میں اور وہ نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں

اسی ہدایت کا اعادہ سورۂ حدید میں لفظ ''سابقوا'' سے کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الحدید:۲۱)

تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ اللہ کا فضل ہے، عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔

اعمال صالحہ میں سرعت وسبقت کرنے والوں ہی کو مقرب بارگاہ ایزدی قرار دیا گیا۔ فرمایا گیا:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (الواقعہ:۱۰۔۱۱)

اور نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے وہ سبقت کرنے والے ہوں گے (قیامت کے دن بھی) وہی

Marfat.com

مقرب بارگاہ ہیں۔

ان تمام آیات مبارکہ سے منشاء الٰہی یہی ملتا ہے کہ مؤمن کو نیکیوں اور بھلائیوں میں سرعت کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ نیک کام کرنے کا جونہی موقع ہاتھ آئے اس کو ضائع نہ ہونے دے، اور اگر نیکی ایک ہو اور کرنے والے متعدد ہوں تو ہر ایک کو دوسرے سے آگے بڑھنے اور اس نیک کام میں حصہ لینے کی کوشش کرنا چاہیے کہ ہر نیک کام مغفرت کا ذریعہ اور جنت کا زینہ ہے۔ اس کے کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی بڑی محرومی کا باعث بن سکتی ہے کو جو سانس اندر جاتا ہے اس کے باہر واپس آنے کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ نماز کا وقت ہو گیا یہ نہ سوچو کہ ابھی کافی وقت ہے، ابھی پڑھتا ہوں۔ فوراً دوڑو اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی ابھی کرتے کرتے محروم ہی رہ جاؤ۔ یہ ایک مثال پیش کی گئی ہر نیکی کے لئے ایسی ہی جلدی کرنا چاہیے۔ خاص طور پر ہم یہاں حج کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر لوگوں پر حج فرض ہو جاتا ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ ابھی تو عمر پڑی ہے، آخر عمر میں حج کریں گے تاکہ گناہ معاف کرا کے پاک وصاف ہو کر دنیا سے جائیں۔ کس قدر اچھا خیال ہے لیکن شیطانی خیال ہے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اُس کی آخری عمر کب ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا لمحہ ہی آخری ہو۔ پس ایسے خیالات سے توبہ کرنا چاہیے اور اللہ کے حکم پر عمل کرنا چاہیے کہ ''دوڑو مغفرت و جنت کی طرف'' اور ''فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ'' دوڑو بھلائیوں کی طرف۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

كَانُوْا اَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ

صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نیکیوں پر سب سے زیادہ حریص تھے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھلائی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بسا اوقات وہ نیک کام میں پہل کرنے یا زیادہ حصہ لینے کے لیے آپس میں لڑنے تک لگتے تھے اور یہ خطرہ ہونے لگتا کہ کہیں تلواریں نہ نکل آئیں۔ امام بخاری نے ہی یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا، کہ وہ مسجد میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے اور رکوع میں تھے۔ میں نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا (تاکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ رکوع کرنے کے ثواب سے محروم نہ ہو جائیں) نماز سے فارغ ہو کر میں نے حضور علیہ السلام کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا:

زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ

اللہ تمہاری حرص کو اور زیادہ کرے لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا

یعنی حرص تو اچھی بات ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ شرعی احکام کا لحاظ نہ رہے۔

جنگ بدر کے موقع پر نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' اس جنت کی طرف تیزی سے دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ حضرت عمیر بن حمام نے یہ ارشاد سنا تو دوڑے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک، عمیر کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں جو وہ کھا رہے تھے، کہنے لگے اگر میں یہ کھجوریں کھانے کی دیر تک زندہ رہا تو بہت دیر ہو جائے گی کھجوریں

Marfat.com

پھینکیں اور تلوار لہراتے میدان جنگ میں کود پڑے۔ خوب لڑے اور بالآخر جس مقام کی آرزو لے کر گئے تھے اسے پالیا، یعنی شہید ہوگئے۔

تعمیر مسجد نبوی شریف کے موقع پر حضور علیہ السلام کے ہمراہ صحابہ کرام کا جو جوش و جذبہ اور مغفرت و جنت کی طرف دوڑنے کا جو منظر سیرتِ مبارکہ کی کتابوں میں محفوظ ہے، اس کے مطالعہ سے جسم کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات ''سَارِعُوا، اور'' فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ'' کے حکم پر کس طرح عمل پیرا تھے۔ خود میرے آقا ﷺ کے حال کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے۔ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہے تھے کہ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ دوڑے ہوئے حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ اے میرے آقا یہ بھاری پتھر مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا'' جاؤ، کوئی اور پتھر اٹھا لاؤ، تم مجھ سے زیادہ اللہ کی رحمت کے محتاج نہیں ہو'' تمام صحابہ ایک ایک پتھر اٹھاتے تھے لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو پتھر اٹھاتے اور کہتے ایک پتھر میرے حصہ کا ہے اور دوسرا میرے آقا ﷺ کی طرف سے ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اسی لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت ابوبکر نے اپنا سب کچھ پیش کر کے اپنے بلند مقام کا تحفظ کیا اور حضرت عمر کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ابوبکر سے آگے نکلنا ممکن نہیں، رضی اللہ عنہما۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے بے شمار واقعات سے یہ واضح ہے کہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں حریص رہے۔ اور بھلائیوں کی طرف دوڑنا ان کا شیوہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہ میں ناسازگار حالات کے باوجود جس قدر تیزی اور سہولت کے ساتھ تعمیری اور تبلیغی امور انجام پائے ان کی نظیر نہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ کسی دوسری قوم میں اس کی مثال پائی جاتی ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قرآنی ہدایت کا مقصد درحقیقت دین کے تعمیری امور اور تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں سہولت و آسانی فراہم کرنا ہے کہ جب مؤمن بھلائی اور نیکی میں سرعت اور سبقت کے جذبہ سے سرشار ہو جاتا ہے تو اس کے لیے دینی امور میں رکاوٹوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ وہ بڑے بڑے پہاڑوں کو خس و خاشاک کر دیتا اور تیز سے تیز طوفانوں کو ڈھکیل دیتا ہے۔

تجزیہ

قرآنی ہدایت کا مفہوم اور اس پر صحابہ کرام کا عمل آپ کو معلوم ہوگیا۔ تو اب ہم اپنی زندگی کا تجزیہ کریں۔ سچ بتایئے کیا ہم میں تھوڑا سا بھی یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں سبقت اور سرعت کی ہدایت پر عمل کرتے ہوں۔ نہایت معذرت کے ساتھ جواباً عرض ہے کہ ہم میں ایسا کوئی جذبہ تو درکنار، اس کا تصور بھی نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہم دنیا کی دوڑ، دولت کی حرص میں ایسے مبتلا ہیں کہ حلال و حرام کا امتیاز کیے بغیر اپنی دنیاوی اغراض کی تکمیل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب دنیا کی حرص حرام ہے تو اس کی تکمیل کے لیے بھی ہمیں حرام ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ آج ہم حریص ہیں کہ ہمارا مکان ہمارے خاندان اور پڑوس میں سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہونا چاہیے۔ ہمارے پاس سامان تعیش سب سے مہنگا اور زیادہ

Marfat.com

ہونا چاہیے۔ ہماری گاڑی جب روڈ پر آئے تو دوسروں کی حسرت و یاس بھری نظریں اس پر پڑنا چاہئیں۔ ہمارا لباس نہایت ہی فاخرانہ ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہے ہماری حرص اور اس میں ہم سرعت و سبقت کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے دو نقصان ہمارے سامنے ہیں۔ اول یہ کہ ہم اس حرص کی تکمیل کے لئے کسی نہ کسی طرح دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سود لیتے ہیں، سود دیتے ہیں۔ ہماری بوٹی بوٹی سودی قرضے میں جکڑی ہوئی ہے۔ راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے لیکن حرص سے باز نہیں آتے۔ اپنی ان آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ہم نے رشوت کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ نہ ہم کوئی کام رشوت کے بغیر کرتے ہیں نہ ہمارا کوئی کام رشوت کے بغیر ہوتا ہے۔ ہر محکمہ رشوت کے کاروبار کا بازار بنا ہوا ہے۔ حرام کے اس کاروبار نے ہمارے سکون و چین اور ہماری نیند کو چھین لیا ہے۔ رشوت کی دولت کا ڈھیر سمیٹ لینے کے باوجود اندر سے ہمیں کوئی پکارتا ہے کہ تو چور ہے۔ اور عنقریب تیری سزا کا وقت آنے والا ہے۔ سود و رشوت کے دھندے نے ہمارے معاشرے کو کیسا متاثر کیا ہے۔ بس اس کا اندازہ اس حالت سے کر لیجئے کہ آج کوئی کسی کا دوست نہیں، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ سب دنیا کی دوڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو دھکے دے کر خود آگے نکلنے کی کوشش میں مبتلا ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ دن بدن دینی امور کی انجام دہی دشوار سے دشوار تر ہوتی جاتی ہے۔ ہماری آبادیوں میں شاندار مکانات موجود ہیں۔ لیکن ایک مسجد بنانے میں، کوئی دینی مدرسہ بنانے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ منتظمین، آئمہ، علماء چندے مانگتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی تعمیر مکمل نہیں ہو پاتی۔ چندہ دینے والے اللہ کے حکم کے مطابق سبقت و سرعت پر عمل کے بجائے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ شادی، بیاہ اور دیگر تقاریب پر دولت بہانے والے جمعہ کے جمعہ بھی مسجد کے لیے بیس روپے دینے سے گریز کرتے ہیں۔ غرضیکہ دین میں حرص، دینی کاموں میں سرعت و سبقت کی ہدایت پر عمل نہ صرف مغفرت و جنت کے حصول کا ذریعہ بلکہ اس کے بے شمار دینی اور دنیوی فوائد ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

جنت کی چوڑائی

آیت زیر گفتگو میں جنت کی چوڑائی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ یہی بات سورۂ حدید کی آیت میں بھی ہے جو آپ ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس ارشاد سے جنت کی عظمت کا اظہار مقصود ہے کہ تم اللہ کی بنائی جنت کو اس دنیا پر کسی طرح قیاس نہ کرو۔ تمہاری نظر میں آسمان و زمین بہت بڑے ہیں لیکن جنت کی تو صرف چوڑائی ہی ساتوں آسمانوں اور زمین سے زیادہ ہے۔ پھر اس کی لمبائی کا کیا حال ہوگا کہ ہر چیز کی لمبائی وہی کہلاتی ہے جو چوڑائی سے زیادہ ہو۔ اور یہ تو صرف اس جنت کی وسعت کا حال ہے جو متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ہم جیسے گناہگاروں اور طفیلیوں کو انشاء اللہ جو جنت ملے گی وہ اس کے علاوہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کیا جنت آسمان میں ہے۔ آپ نے فرمایا جنت کس آسمان میں سما سکتی ہے جنت تو ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش اعظم کے نیچے ہے۔ (تفسیر کبیر)

شاہ روم ہرقل کے قاصد تنوخی نے بیان کیا کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں شاہِ روم کا ایک عریضہ لے کر حاضر ہوا جس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دیتے ہیں جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے

Marfat.com

اگر جنت اتنی بڑی ہے تو پھر دوزخ کہاں ہے۔ حضور علیہ السلام یہ سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔ (روح المعانی)

سبحان اللہ، کیسا پیارا حکیمانہ جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سورج کی روشنی پھیلتی ہے تو رات کا وجود تو ختم نہیں ہو جاتا۔ رات باقی رہتی ہے ہماری نظروں یا ہمارے ملک کے حدود میں نہیں تو دوسرے ملکوں میں تو ہوتی ہے اسی طرح جنت چاہے کتنی ہی وسیع ہے لیکن اللہ نے دوزخ کو بھی کسی نہ کسی جگہ رکھا ہے جو جنت کے نچلے حصہ میں ہے۔

بہر حال جنت کی چوڑائی کا ذکر اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا کی حرص میں مبتلا لوگ سمجھیں کہ اس دنیا سے بڑی بھی کوئی جگہ ہے، جہاں کے عیش و آرام، فرحت و سرور یا حسن و جمال، کسی خوبی کا بھی مقابلہ اس دنیا کی کسی چیز سے نہیں کیا جا سکتا۔

میرے آقا مالک جنت ﷺ کے چند ارشادات سنئے اور جنت کی طرف دوڑیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''اللہ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ان کا کسی انسان کے دل میں خیال آیا ہے۔ ان نعمتوں کا ذکر چھوڑو جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مطلع کر دیا ہے''۔ پھر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) کسی انسان کو معلوم نہیں کہ ان کے نیک کاموں کے صلہ میں جو ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''جنت میں ایک درخت ہے، ایک سوار اس کے سایہ میں سو برس تک چلتا رہے گا۔ پھر بھی اسے طے نہ کر پائے گا''۔ (مسلم شریف)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''جنتی لوگ جنت میں ایک دوسرے کے بالا خانے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہو''۔ (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''صبح یا شام کے وقت اللہ کی راہ (جہاد) میں نکلنا دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو دونوں (جنت و زمین) کی درمیانی جگہ کو چمکا دے گی اور دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو خوشبو سے بسا دے گی اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے''۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے''۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''جو جنت میں داخل ہوگا وہ ناز و نعم میں رہے گا نہ اسے کوئی فکر ہوگی نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی ختم ہوگی''۔ (مسلم شریف)

''اے اللہ ہمیں اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کی شفاعت نصیب فرما تا کہ ہم تیری جنت میں داخل ہو سکیں''۔

متقین کون ہیں:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ

Marfat.com

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۴)

جوخرچ کرتے ہیں آسانی اور تنگی میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر متقین کی صفات اور خوبیاں بیان کر کے اہل ایمان کو متقی بننے کی دعوت دی ہے۔ آیت مذکورہ میں تین خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ آسانی وتنگی، ہر دور میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، غصہ پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا۔ اگر غور کیا جائے تو ان تینوں باتوں کا تعلق نفسِ امارہ سے ہے۔ جو نہایت ہی سرکش ہوتا ہے اور انسان کو ہمہ وقت برائیوں پر اکساتا رہتا ہے۔ بالخصوص ان تین باتوں سے وہ روکتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کہ جب انسان پر آسودگی اور خوشحالی کا دور ہوتا ہے تو یہ نفس اس کو اتنا مغرور ومتکبر کر دیتا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی بجائے انہیں حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ انہیں اپنے در سے دھتکارتا ہے۔ دیگر صدقہ وخیرات کرنا تو در کنار وہ زکوٰۃ تک ادا نہیں کرتا جو فرض ہے۔ اور جب انسان پر تنگی اور غربت کا دور ہوتا ہے تو یہ نفس اسے تلقین کرتا ہے کہ تو کسی کی کیا مدد کرے گا جب خود ہی تو محتاج اور ضرورت مند ہے۔ یہی نفس انسان کو تھوڑے سے غصہ کی حالت میں اتنا بھڑکا دیتا ہے کہ وہ بلا فرق مراتب کسی کا لحاظ کیے بغیر بدزبانی پر اتر آتا ہے۔ حتی کہ اسے خود اپنے فائدہ ونقصان تک کا خیال نہیں رہتا۔ اور وہ کر بیٹھتا ہے جس پر بعد میں خود پچھتاتا ہے۔ مثلاً کسی کو قتل کر دینا، اپنے مال واسباب کو تباہ کر دینا، بیوی کو طلاق دے دینا۔ نیز یہی نفس ہے جو انسان کو معافی مانگنے سے روکتا ہے۔ حالانکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ لیکن نفس اسے اُکساتا اور بتاتا ہے کہ معافی ہرگز نہ مانگنا یہ تو تیری بڑی ہی توہین اور بے عزتی ہے۔ لیکن جو لوگ نفس پر قابو پا لیتے ہیں وہ ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے جب دولت ہوتی ہے تو خوب خرچ کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے بڑی ہماری خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ نے ہمیں محتاج نہیں بلکہ محتاجوں کا معاون و مددگار بنایا۔ اور جب دولت نہیں ہوتی تب بھی اپنی ضرورت روک کر دوسروں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ خود بھوکے رہتے ہیں اور بھوکوں کو کھلاتے ہیں۔ اس امید اور یقین کے ساتھ کہ کسی کی بھی دعا ہماری حالت کی تبدیلی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور کسی وقت بھی اللہ ہم پر رزق کے دروازے کشادہ فرما سکتا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ انہیں جب غصہ آتا ہے تو وہ اپنے نفس پر قابو پاتے ہیں اور سخت بات کا سختی سے جواب دینے کے بجائے نرمی سے جواب دیتے ہیں۔ اس طرح وہ خاندان اور معاشرہ میں دشمنی اور عداوت کے کانٹے بونے کی بجائے محبت والفت کے پھول برساتے ہیں۔ اور ان کا کسی سے اختلاف ہوتا ہے تو فوراً ہی معافی مانگ کر باہمی انتشار وافتراق کو ختم کر دیتے اور دوسروں کو دور کرنے کے بجائے اپنے قریب کر لیتے ہیں۔ ان خوبیوں سے چونکہ نفس اَمارہ کمزور ہوتا ہے اور اس کی سرکشی کا خاتمہ ہوتا ہے لہٰذا مومن کا تقویٰ بڑھتا ہے اور وہ متقین کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ متقین کی ان تینوں خوبیوں کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کیجئے۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

پہلی خوبی

آسانی یعنی خوشحالی۔ تنگی یعنی غربت۔ ہر حال میں خرچ کرنا تقویٰ ہے کہ اللہ بندے کی نیت اور اخلاص پر اجر عطا

Marfat.com

فرماتا ہے۔ پس اجر اسے بھی ملے گا جو ہزاروں کا مالک ہوکر ہزار خرچ کرتا ہے اور اسے بھی جو چند پیسوں ہی کا مالک ہے اور ان میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے۔ نیز اللہ دولت کی محبت کو پسند نہیں فرماتا۔ پس دولت مند خرچ کرے یا غریب دونوں ہی اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ دولت کی محبت میں مبتلا نہیں بلکہ ہر حال میں اللہ کی رحمت کے خواہاں ہیں۔

قرآن کریم کی اس ہدایت کے مطابق جس طرح دولت مندوں کو دولت خرچ کر کے حصول تقویٰ کی دعوت دی جا رہی ہے اسی طرح غریبوں اور تنگ دستوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور متقی بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ پس نہ تو مؤمن دولت مند کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ دولت ہوتے ہوئے بخل کرے اور نہ ہی غریبوں کے لیے یہ بہانہ کام آئے گا کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں جب وہ خود ہی محتاج ہیں۔ جس طرح دولت مند کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرنا دشوار نہیں اسی طرح ایک غریب کے لیے چند پیسے خرچ کرنا مشکل نہیں۔ پس ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے مزید دولت و برکت کا امیدوار ہونا چاہیے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَّ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفِ شَاةٍ

تم جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی صدقہ دے کر اور سائل کو واپس کرو چاہے بکری کی کھری ہی دے کر

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ صرف پیاز کی ایک گانٹھ خیرات کی (کہ اس وقت گھر میں اس کے سوا کچھ نہ ہوگا اور سائل آ گیا ہوگا) حضرت عبداللہ ابن عمر نے ایک مرتبہ صرف انگور کا ایک دانہ خیرات کیا (کہ آپ انگور کھا رہے ہوں گے ایک دانہ باقی رہ گیا ہوگا کہ سائل آیا ہوگا، کچھ اور نہ ہوگا آپ نے وہی دانہ اس کو دے دیا تاکہ حضور علیہ السلام کے ارشاد پر عمل ہو جائے)

حضرت ام مُجید رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی فقیر میرے در پر آتا ہے اور میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اس وقت شرم آتی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو کچھ دے دو اگرچہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (ابوداؤد)

ذرا غور فرمایئے ان صحابہ کو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی فقیر کو دروازے سے خالی واپس کرنے میں شرم آتی تھی۔ اور ہم سب کچھ ہوتے ہوئے بھی فقیر کو دھتکار دیتے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم نے کیا کیا۔ نیز حضور علیہ السلام نے بھی یہ نہ فرمایا کہ جب تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو شرم کی کیا بات ہے، مجبوری ہے۔ بلکہ فرمایا کچھ بھی دے دو چاہے جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن فقیر کو خالی واپس نہ کرو۔

غرضیکہ قرآن و حدیث کی یہ ہدایت امیر و غریب سب کے لیے ہے کہ وہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کریں کہ اسی خوبی سے تقویٰ کی ابتداء ہوتی ہے۔ چونکہ سورۂ بقر کی آیات کے ذیل میں ہم اس عنوان کو گزشتہ صفحات پر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

دوسری خوبی

متقین کی دوسری خوبی ''غصہ پی جانا'' ہے۔ غصہ انسان کی وہ بدترین حالت ہے جو اس کی صحت و تندرستی اور دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کا باعث بنتی ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو خون کی حدت زیادہ اور رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر دل و دماغ تک پہنچتا ہے اور کبھی دل اتنا متاثر ہوتا ہے کہ حرکت بند ہو جاتی ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر دل کے مریضوں کو خصوصی ہدایت کرتے ہیں کہ وہ غصہ ہرگز نہ کریں۔ اور کبھی دماغ اتنا متاثر ہوتا ہے کہ آدمی کو قطعاً احساس نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اپنے ماں باپ پر غصہ اتار رہا ہے یا بیوی بچوں پر۔ گھریلو جھگڑے، خاندانی قتل، بیوی کو طلاق، والدین کی بے عزتی، گھر کے سامان کی توڑ پھوڑ۔ یہ سب غصہ ہی کے کارنامہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ غصہ کرنے والے کا دماغ بالکل ماؤف ہو جاتا ہے۔ جب غصہ ختم ہوتا ہے تو سر پکڑ کر روتا ہے کہ میں نے کیا کر ڈالا۔ غصہ جو کچھ بھی کراتا ہے اس سے یا تو انسان کا مستقبل خراب اور دنیا تباہ ہو جاتی ہے یا عاقبت برباد ہوتی ہے۔ پس اللہ نہیں پسند کرتا کہ اس پر ایمان رکھنے والا شیطان کا آلہ کار بنے اور مجنون و دیوانہ ہو کر خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر لے۔ لہٰذا ''غصہ پی جانا'' متقین کی خوبی قرار دیا گیا۔ تاکہ جو بھی اللہ کی رحمتوں کے حصول کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہے اسے اپنے نفس پر قابو کرنا اور غصہ کو ختم کر لینا چاہیے۔ پھر وہ تقویٰ کے اگلے مراحل کی طرف قدم بڑھائے تو کامیاب ہوگا۔ ورنہ خطرہ ہی ہے کہ وہ غصہ میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے اس کی ساری عبادتیں اور نیکیاں برباد ہو جائیں۔ اللہ محفوظ رکھے۔ معلم کامل ﷺ کی حیات مبارکہ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پایا جاتا جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ کبھی آپ غصہ سے بے قابو ہوئے، جبکہ ہمہ وقت آپ کا دشمنوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ جو آپ کو ایذائیں بھی دیتے تھے اور گستاخیاں بھی کرتے تھے۔ صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے ایک عالم تھے۔ انہوں نے اپنے مشرف باسلام ہونے کا طویل واقعہ بیان کیا، جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے کچھ قرضہ لیا تھا۔ ابھی طے شدہ مدت میں چند دن باقی تھے کہ ایک دن آپ ایک انصاری کے جنازے سے فارغ ہو کر قبرستان میں ایک دیوار کے قریب بیٹھنے کے لیے تشریف لائے۔ میں سامنے آیا اور آگے بڑھ کر میں نے آپ کی قمیص اور چادر کھینچی اور نہایت ہی تندی و ترشی سے کہا ''اے محمد کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا'' ''اے عبدالمطلب کے خاندان والو، خدا کی قسم تم حقوق کی ادائیگی سے گریز کرتے رہتے ہو'' یہاں حضرت عمر بھی موجود تھے انہوں نے میری یہ گستاخانہ باتیں سنیں تو تلوار تان لی اور بولے اے اللہ کے دشمن تو اللہ کے رسول سے ایسی گستاخی کر رہا ہے (حضور علیہ السلام کو اس وقت بھی غصہ نہ آیا) آپ مسکرائے اور حضرت عمر کو روکتے ہوئے فرمایا، ''اے عمر مجھے اور اسے بجائے سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے ادائے حق کی اور اسے نرمی سے تقاضا کرنے کی تلقین کرتے''۔ آپ نے فرمایا ''اے عمر اب تم اس کو لے کر جاؤ اس کا قرضہ ادا کرو اور اسے بیس صاع کھجوریں زیادہ دو، کیونکہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا ہے''۔ پس حضرت عمر مجھے اپنے ہمراہ لے گئے اور حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق میرا حق ادا کیا۔ میں نے ان سے پوچھا، اے عمر کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں زید بن سعنہ ہوں۔ آپ نے فرمایا، یہودیوں کا عالم۔ میں نے کہا جی، آپ نے فرمایا، حیرت تورات کا عالم ہوتے ہوئے تم نے اللہ کے رسول کے ساتھ ایسی گستاخی کی۔ میں نے کہا اے

Marfat.com

باقی تھیں جو آج مجھے معلوم ہوگئیں۔ ایک یہ کہ میں نے ان کی پشت پر مہر نبوت دیکھ لی، دوسرے یہ کہ وہ غصہ پر پوری طرح قابو رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ پس اے عمر! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ مشرف باسلام ہوا۔ حضرت زید نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ تم اس پر بھی گواہ رہو کہ میں اپنا آدھا مال امت کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔

عمر، جس وقت محمد ﷺ سے ملا، میں نے ان کے اندر وہ تمام خوبیاں پائیں جو تورات میں بیان کی گئی ہیں۔ بس دو خوبیاں

غصہ

اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں جن سے واضح ہے کہ میرے آقا رحمۃ للعلمین ﷺ نے کبھی غصہ نہ فرمایا اور آپ کیسے غصہ میں مبتلا ہوتے جبکہ غصہ تو شیطان دلاتا ہے اور آپ کا شیطان تو پہلے ہی آپ کا مطیع وفرمانبردار بنا دیا گیا ہے۔

اب آپ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں جن سے غصہ کی قباحتوں کا اندازہ کیجیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ

(بخاری شریف)

پہلوان وہ نہیں جو (کسی کو) بچھاڑ دے، پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ پس آپ نے فرمایا:

لَا تَغْضَبْ فَرَدَّ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ

(بخاری شریف)

غصہ مت کرو اور آپ نے بار بار فرمایا غصہ مت کرو

حضرت عطیہ بن عروہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطٰنِ وَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَ اِنَّمَا تُطْفَئُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّاْ

(ابوداؤد)

بیشک غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لیا کرے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَ اِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ

جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پس اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔

(ترمذی شریف)

حضرت بز بن حکیم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

Marfat.com

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ

بیشک غصہ ایمان کو اسی طرح خراب کر دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے (مشکوٰۃ)

ایلوا سخت کڑوا ہوتا ہے۔ شہد میں تھوڑا سا بھی ڈال دیا جائے تو شہد کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایمان میٹھا ہوتا ہے غصہ اس کو کڑوا کر دیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حصہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جس نے اپنا غصہ روکا تو قیامت کے دن اللہ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔ (مشکوٰۃ)

غصہ کا علاج

احادیث مذکورہ پر غور کیجئے نبی معظم علیہ السلام غصہ کی ممانعت بھی فرما رہے، اور اگر کوئی اس آفت میں مبتلا ہو ہی جائے تو اس کا علاج بھی بتا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب غصہ آئے تو وضو کر لو کیونکہ غصہ شیطان دلاتا ہے اس سے خون کی حدت زیادہ ہو جاتی ہے اور وضو میں جن اعضاء پر پانی ڈالا جاتا ہے اس کا اثر پورے جسم پر ہوتا ہے۔ لہٰذا وضو سے خون کی گرمی معمول پر آ جاتی اور غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اگر غصہ باقی رہے تو بیٹھ جانا یا لیٹ جانا چاہیے کہ غصہ کی وجہ سے خون کی رفتار تیز ہو جاتی اور دل کی حرکت بڑھ جاتی ہے۔ بیٹھنے یا لیٹنے سے آرام ملے گا اور خون و دل کا نظام ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ علاج تو جسمانی اور طبی ہے اس کے علاوہ آپ نے روحانی علاج بھی بیان فرمایا۔ کیونکہ مسلمان جب بھی کسی بیماری میں مبتلا ہو اسے دعا اور دوا دونوں کرنا چاہیں۔ پس آپ فرماتے ہیں۔

سلیمان ابن ضرر ضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّىْ لَاَعْرِفُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِىْ يَجِدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ کلمہ یہ شخص کہہ دے تو اس کا غصہ چلا جائے گا، (فرمایا وہ کلمہ ہے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ (مسلم شریف)

پس جب بھی آپ کسی کو جھگڑا کرتے دیکھیں اسے اعوذ پڑھنے، وضو کرنے، بیٹھ جانے یا لیٹ جانے کو کہیں اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ یہ یاد رکھے کہ غصہ کا یہ علاج اس کے آقا ﷺ نے بتایا ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنے میں وہ پس و پیش نہ کرے۔ فوراً عمل کرے انشاء اللہ غصہ کی جملہ آفات سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ کوئی ڈاکٹر یا حکیم آپ کو غصہ کا علاج نہیں بتا سکتا۔ یہ صرف معلم کامل ﷺ ہی کو اللہ کا عطا کردہ علم ہے کہ آپ نے ہر مرض کا یقینی علاج بیان فرمایا اور ہمیں وہ کچھ بتا اور سکھا دیا جو ہم کسی دوسرے ذریعہ سے نہ جان سکتے تھے اور نہ سیکھ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ

Marfat.com

الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (البقرہ:۱۵۱)

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے۔

تیسری خوبی

متقین کی تیسری خوبی جو یہاں بیان کی گئی، یہ ہے کہ ''وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں'' غصہ کی حالت میں تو کسی کو معاف کر دینا بڑی بات ہے۔ عام حالت میں بھی آسان نہیں کہ معافی باہمی میل و محبت کا ذریعہ ہے۔ اور ظالم شیطان میل و محبت برداشت نہیں کر پاتا۔ وہ معاف کرنے والوں کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ میرے معاف کر دینے سے لوگ مجھے کمزور، یا مجرم خیال کریں گے اور معافی مانگنے والے کے دل میں خیال پیدا کرتا ہے کہ میں کیوں معافی مانگوں۔ یہ تو میری بڑی ہی ذلت اور رسوائی ہے۔ غرضیکہ نہ معاف کرنے والا آسانی سے معاف کرتا ہے اور نہ غلطی کرنے والا آسانی سے معافی مانگتا ہے۔ حالانکہ صرف ایک جملہ زبان سے نکالنے کی دیر ہوتی ہے ''جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا''، یا ''مجھ سے غلطی ہوگئی میں معافی چاہتا ہوں''۔ صرف یہ جملہ کہنا ہی اتنا دشوار ہوتا ہے جیسے کسی پہاڑ کو توڑنا، کھودنا ہے اور اتنی سی بات نہ کہنے کی وجہ سے معمولی سا جھگڑا، خونی رشتوں، دوستی اور ہر قسم کے تعلقات کو ختم کر دیتا ہے اور زندگی بھر کے لیے دشمنی اور عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔ اور شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ خاندانوں، گھروں اور محلوں میں کسی نہ کسی طرح انتشار و افتراق رہے۔ جبکہ اللہ اپنے بندوں کا ملنا جلنا، ان میں میل و محبت کو پسند فرماتا ہے۔ جس سے زندگی پُرسکون اور باوقار ہوتی، دین و دنیا کی بے شمار بھلائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں معاف کر دینے کی عادت کو عام کرنے ہی کے لیے اسے متقین کی خوبی قرار دیتا ہے اور طرح طرح سے انہیں اس خوبی کو اپنانے کی ہدایت فرماتا ہے۔ فرمایا گیا:

وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ:۲۳۷)

اور اگر تم معاف کر دو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور نہ بھلایا کرو احسان کو آپس (کے معاملات) میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ (تغابن:۱۴)

اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بیشک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ (النور:۲۲)

اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم نہیں پسند کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

Marfat.com

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الاعراف:۱۹۹)

قبول کرو معذرت اور حکم دو نیک کاموں کا اور منہ پھیر لو، جاہلوں سے۔

قرآن کریم کی اس ہدایت کا عملی نمونہ نبی مکرم علیہ السلام کی سیرت مبارکہ میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ پیکر عفو ورحمت نظر آتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مکی زندگی میں میرے آقا ﷺ پر اہل مکہ نے کیا کیا مظالم نہ ڈھائے۔ لیکن فتح مکہ کے دن آپ نے ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' فرما کر دنیا کے سامنے عفو ودرگزر کی ایک نظیر قائم فرمادی اور ثابت کر دیا کہ اسلام کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ مظلوم کو ظالم کے پنجوں سے نجات دلاتا ہے۔ وہ شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے والوں کو معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ وہ طاقتور کو کمزور سے، اہل علم کو جاہلوں سے درگزر کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ آقاؤں کو تاکید کرتا ہے کہ اپنے خادموں اور ملازموں کی خطائیں اور کوتاہیاں معاف کرتے رہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے تھے، جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے۔ اچانک ایک بدوی (دیہاتی) آیا اور اس نے آپ کی چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ کی نرم ونازک گردن چھل گئی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے، اس میں سے کچھ مجھے دیجئے کہ میں ضرورت مند ہوں، آقائے رحمت ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو کچھ دے دیا جائے۔

جنگ احد میں کفار نے آپ پر سخت حملہ کیا۔ آپ کے جسم مبارک پر زخم آئے حتی کہ عبداللہ بن قمیہ نے آپ کا چہرۂ انور خون آلود کر دیا۔ آپ کے دندان مبارک کا ایک حصہ شہید ہو گیا۔ جانثاروں نے عرض کی یا رسول اللہ! اب تو ان ظالموں کے لیے بددعا فرما دیجئے لیکن پیکر حلم وعفو آقا ﷺ نے رب کے دربار میں ہاتھ اٹھائے اور عرض گذار ہوئے ''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ مجھے نہیں جانتے۔

غورث بن حارث نے آپ کی تلوار نیام سے نکالی اور جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو تلوار تان کر بولا اے محمد آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ''۔ غورث پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ نبی مکرم علیہ السلام نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا بتا اب تجھے، مجھ سے کون بچائے گا۔ غورث کانپتے ہوئے بولا میری جان آپ کے قبضہ میں، آپ چاہیں تو مجھے معاف کر دیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا جاؤ، معاف کیا۔ غورث نے اپنی قوم میں آکر بتایا۔ آج میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔

خیبر میں زینب نامی عورت نے آپ کو زہر دیا۔ لبید ابن عاصم نے آپ پر جادو کیا جس کا پورا حال آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا۔ لیکن آپ نے کوئی مواخذہ نہ فرمایا۔ سب کو معاف کیا۔ حتی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو، ان کا جگر چبانے والی ہندہ کو بھی معاف کیا۔ ہے دنیا میں ایسا کوئی حلم وعفو کا معلم جو اپنے عمل سے ثابت کرے کہ بخشش ومعاف کر دینا انسانی عظمت اور انسان کی بڑی خوبی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

Marfat.com

مَانَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَّالٍ وَّ مَازَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّ مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ

صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ معاف کر دینے والے کی اللہ عزت بڑھاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے عاجزی کرنے والے کا اللہ مرتبہ بلند فرماتا ہے۔ (مسلم شریف)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ:

لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَجْزِی السَّیِّئَۃَ بِالسَّیِّئَۃِ وَلٰکِنْ یَّعْفُوْ وَ یَصْفَحُ

حضور علیہ السلام برائی کا بدلہ برائی سے نہ لیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ آیہ مبارکہ ''ادفع بالتی ھی احسن'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلصَّبْرُ عِنْدَالْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاِسَآءَ ۃِ فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمَھُمُ اللّٰہُ وَ خَضَعَ لَھُمْ عَدُوُّھُمْ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ قَرِیْبٌ (بخاری شریف)

بھلائی سے مراد غصہ کے وقت صبر اور برائی کے بدلہ میں معافی ہے۔ اگر لوگ ایسا کریں تو اللہ انہیں محفوظ رکھے ان کے دشمن کو نیچا کرے گویا وہ (دشمن) ان کا مخلص قریب دوست ہو جائے گا۔

غرضیکہ عفو و درگزر متقین کی خوبی ہے۔ بالخصوص غضب وغصہ کی حالت میں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ ۝ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ عفو و درگزر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مطلوب اور پسند ہے۔ لیکن شرعی امور میں کسی کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی کو معاف کرنے کی اجازت دے، مثلاً چور کو نہ تو قاضی معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کا مال چوری ہوا تھا۔ کیونکہ اگر ایسے جرائم کی معافی کا کسی کو اختیار دے دیا جاتا تب تو شاید ہی کوئی مجرم سزا پا سکتا۔ اور مسلم معاشرہ جو اسلام کی مقرر کردہ سخت سزاؤں ہی کے باعث جرائم سے پاک وصاف رہتا ہے۔ بدترین مجرموں سے بھرا معاشرہ ہو جاتا۔ جس کا اندازہ ان معاشروں کا حال دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جن میں جرائم کی سزائیں نرم ہیں اور مجرموں کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً یورپ وغیرہ میں بڑے بڑے جرائم کی سزا چند برس جیل سے زیادہ نہیں اور جیل میں بھی قیدیوں کو ٹی وی تک کی عیاشی حاصل ہے۔ لہٰذا ان ممالک میں نہ چوروں کو کوئی سزا کا ڈر ہے اور نہ قاتل کو قتل ہو جانے کا خوف۔ اسی لئے وہاں نہ کسی کی عزت و آبرو محفوظ ہے نہ مال و دولت۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب بندۂ مؤمن کو متواتر حقیر وخوار کیا جاتا ہے اور ظالم اپنے ظلم پر اتنا جری ہو

Marfat.com

معافی اس کے لئے اپنے عمل پر شرمندگی کا سبب بننے کے بجائے معاف کردینے والے کی کمزوری اور حقارت کا باعث بنتی ہو تو عفو و درگزر سے افضل انتقام ہے۔ تاکہ مومن کی جرأت اور شجاعت کا بھی اظہار ہو جائے۔ ظلم کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ مومن نہ تو حقیر و کمزور ہوتا ہے اور نہ ہی بزدل۔ وہ اپنی عزت و آبرو کو اللہ اور اس کے رسول کی امانت جانتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ نیز یہ انتقام ظالم کے ہاتھوں کو دوسروں کی طرف بڑھنے سے روکنے کا ذریعہ ہے جس سے معاشرہ اس ظالم اور دیگر ظلم کرنے والوں کے جبر و استبداد سے محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن اس صورت میں بھی انتقام کی اجازت نہایت محتاط انداز میں دی گئی ہے۔ ایک ہدایت تو یہ کی گئی کہ انتقام اتنا ہی ہو جتنا ظلم ہوا ہے۔ اگر کسی نے تمہاری توہین اور بے عزتی کی ہے تو تم بھی اس کی اتنی ہی توہین و بے عزتی کرو جتنی اس نے کی ہے، یہ نہیں کہ تم غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاؤ اور اس کا سارا مال و اسباب تک تباہ کر ڈالو۔ غیظ و غضب میں مبتلا ہونے کی اجازت نہیں دی جارہی صرف انتقام کی اجازت دی جا رہی ہے کہ اس میں بھی کچھ مصلحت اور حکمت ہے۔ دوسری ہدایت اس سلسلہ میں یہ کی گئی کہ اگر تم انتقام کے لیے تیار ہو اور تمہارا دشمن فوراً اپنی زیادتی کو تسلیم کرلے اور شرمندہ ہو جائے تو تمہارے لیے پھر وہی حکم ہے کہ اسے معاف کردو کہ جو شرمندہ ہو گیا اس سے انتقام لینا مرد مومن کی شان نہیں۔ اس ضروری گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے، جن میں انتقام کی اجازت، انتقام کی حد کا تعین اور معاف کردینے کی فضیلت موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ: ۳۹ تا ۴۳)

اور جب ان (مومنوں) پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کردے اور اصلاح کردے تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔ بیشک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص (ان مظالم) پر صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کردے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

محسنین

آیت زیر گفتگو کے آخر میں ارشاد ہوا ''اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے'' یہ جملہ قرآن کریم میں متعدد

Marfat.com

مقامات پر موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پس تم بھی احسان کر کے اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ گویا نہایت ہی مشفقانہ اور کریمانہ انداز سے اہلِ ایمان کو احسان کرنے اور محسن بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ایک انداز اس سے بھی پیارا اختیار کیا گیا۔ فرمایا گیا۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص:۷۷)

اور احسان کیا کر، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔

احسان کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو معاف کر دینے کے بعد اس کو نوازنا۔ جب دشمن کو معاف کر دیا تو اب احسان کرو۔ اس کو دوست بنالو۔ جس نے تمہارا نقصان کیا تم نے اسے معاف کر دیا تو اب احسان کرو کہ اسے فائدہ پہنچاؤ۔ بغیر کسی طمع اور لالچ کے محتاجوں، ضرورت مندوں کی خدمت اور مدد کرو۔ گویا احسان جتنا اللہ کو پسند ہے اتنا ہی بندوں کے لیے مشکل اور دشوار بھی، لیکن قرآن کریم نے اس کو آسان کر دیا ''تم احسان کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے''۔ بندۂ مومن اگر یہ سوچ لے کہ مجھ پر اللہ کے بے شمار احسانات ہیں۔ میں سارا دن نہ جانے اللہ کی کتنی حکم عدولی کرتا ہوں اور وہ مجھے معاف بھی فرماتا ہے اور اپنے احسانات بھی جاری رکھتا ہے تو اس کے لیے کسی کو معاف کر کے اسے نوازنا کوئی مشکل نہیں۔ اگر وہ یہ سوچے کہ میری قوت و طاقت، میرا مال و دولت، سب مجھ پر اللہ کا احسان ہے تو اس کے لیے ان ذریعوں سے کسی کی خدمت کرنا، کسی کی مدد کرنا اور کسی پر احسان کرنا دشوار نہیں رہتا۔ نیز فرمایا گیا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ (بنی اسرائیل:۷)

اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی (تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔

احسان کی دعوت تمہیں اس لیے دی جا رہی ہے کہ یہ تمہاری دنیا و آخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہے، تمہیں ہی اس کا فائدہ ہوگا۔ اسی فائدے کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (نحل:۳۰)

جنہوں نے اچھے کام کیے اس دنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر۔

احسان کرنے والوں کی دنیا سدھر جاتی ہے کہ نیکی و بھلائی دنیا کی بے شمار آفات و مصائب، تنگی و ترشی کو بہا لے جاتی ہے۔ نیز احسان کرنے والا عقلمندوں کی نظروں میں قابل احترام و باعزت ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس کا ہر طرح تعاون کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ رہا معاملہ اس دنیا کے بعد کا تو احسان کرنے والے پر قیامت کے دن اللہ کا جو کرم ہوگا اور اس کی جو عزت افزائی کی جائے گی اس کا بیان تو دور کنار تصور بھی ممکن نہیں۔

آخر میں ہم وہ مشہور واقعہ پیش کرتے ہیں جو آیت زیر گفتگو کی عملی تفسیر کا ایک نمونہ ہے۔ اور آیت کے منشاء و مفہوم

Marfat.com

کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔صاحب روح المعانی نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی آپ کو وضو کرانے کے لئے ایک برتن میں پانی لے کر آئی۔ اس کے ہاتھ سے برتن چھوٹا اور حضرت امام پر گر گیا۔ جس سے آپ کو چوٹ بھی آئی اور کپڑے بھی گیلے ہو گئے۔ظاہر ہے غصہ آنا ہی تھا لیکن جونہی آپ نے لونڈی کی طرف نظر اٹھائی وہ بولی ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' آپ نے فوراً نظر نیچی کی اور غصہ پی لیا۔پھر وہ بولی ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' آپ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔اللہ بھی معاف کرے۔پھر وہ گویا ہوئی ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' آپ مسکرائے اور فرمایا جا میں تجھے اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔

گناہگاروں پر کرم:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ (آل عمران:۱۳۶)

اور وہ لوگ جو بے حیائی کا کام یا اپنے اوپر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے معافی مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہ کریں۔

ایسے لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی بخشش ہے اور باغ ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔

متقین کی خوبیاں بیان فرمانے کے بعد ان گناہگار مومنین پر کرم کا دروازہ کھولا گیا جو فاحشہ یا ظلم میں مبتلا ہوتے ہیں۔نادم وشرمندہ ہو جاتے ہیں اور اپنے رب کی پناہ حاصل کرنے کے لیے اس کو یاد کرنے لگتے ہیں۔اپنے گناہ کی معافی اس یقین کے ساتھ مانگنے لگتے ہیں کہ رب کے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں وہ ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہیں۔جان بوجھ کر اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے ،ایسے لوگوں کے لیے مژدہ ہے کہ معافی مانگنے،شرمندہ ہونے والوں کی بخشش بھی ہوتی ہے اور ان کے لیے ایسی جنت کا بھی وعدہ ہے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اور جس میں داخلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔استغفار وتوبہ بڑی نیکی ہے۔دیکھو مغفرت وجنت کی صورت میں اس کا کتنا اچھا بدلہ دیا جا رہا ہے پس اے گناہگاروں آؤ اپنے رب کی پناہ میں آجاؤ۔اس سے معافی مانگ لو تم بھی متقین کی فہرست میں شامل کر لئے جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ان دونوں آیتوں کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ دو صحابہ میں بے حد گہری دوستی تھی۔اتنی کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں دیکھے جاتے تھے۔ان میں ایک ثقفی اور دوسرے انصاری تھے۔ ایک مرتبہ ثقفی کو حضور علیہ السلام کے ہمراہ جہاد میں جانے کا موقع ملا۔چلتے ہوئے انہوں نے اپنے انصاری دوست سے کہا میرے گھر کی ساری ذمہ داری تم پر ہے۔اچھی طرح دیکھ بھال کرنا ،اہل خانہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔دوست نے ذمہ داری قبول کی اور دوست کو اطمینان دلایا اور ثقفی چلے گئے۔ان کی عدم موجودگی میں حسب وعدہ انصاری ان کے گھر آتے اور

Marfat.com

دروازے سے ہی ان کی بیوی سے اس کی ضروریات معلوم کرتے اور جو بھی کام کاج ہوتا وہ کرتے رہے۔ ایک دن یہ دروازے پر کچھ دینے آئے ثقفی کی بیوی نے ہاتھ بڑھا کر ان سے وہ سامان لینا چاہا کہ انصاری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ فوراً ہی شرمندہ ہوئے اور سامان چھوڑ کر سیدھے آبادی سے باہر جنگل کی طرف چلے گئے۔ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگے۔ چیخ چیخ کر روتے اور رب سے اپنی غلطی کی معافی مانگتے تھے۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ انصاری واپس آئے تو انہوں نے بیوی سے دوست کا حال پوچھا۔ بیوی نے جو واقعہ پیش آیا تھا وہ بتا دیا۔ اور کہا بس اسی دن سے آپ کے دوست صاحب نظر نہیں آئے۔ اب تو انصاری غصہ میں ثقفی کی تلاش میں دیوانہ ہو گئے۔ کہیں پتہ نہ چلا تو جنگلوں اور پہاڑوں میں تلاش کرنا شروع کیا کہ اچانک ایک پہاڑ سے آواز آئی ''الٰہی میری ساری عمر کی کمائی لٹ چکی ہے میں نے اپنے دوست کی امانت میں خیانت کی ہے، میں مجرم ہوں اے رب تو مجھے سزا دے، یا بخش دے کہ تیرے سوا بخشنے والا کوئی نہیں'' انصاری نے جب یہ جملے سنے تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ ثقفی کے قریب پہنچے تو انہیں سجدے میں پایا۔ اٹھا کر گلے لگایا اور بولے، چلو اس دربار میں چلتے ہیں جہاں سے مغفرت کا مژدہ ملتا ہے۔ دونوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ وحی نازل ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سنائیں اور فرمایا مبارک ہو تمہارا گناہ بخشا گیا۔ اس طرح قیامت تک آنے والے گناہگار مؤمنین کو مغفرت و بخشش کی خوشخبری نصیب ہوگئی۔ یہ صدقہ ہے ان صحابی کی لغزش کا، رضی اللہ عنہ۔

آیت میں فاحشہ اور ظلم دو لفظ آئے ہیں۔ فاحشہ گناہ کبیرہ، عملی گناہ اور متعدی گناہ (جس کا اثر دوسروں پر ہو) کو کہا جاتا ہے۔ اور ظلم گناہ صغیرہ، قولی گناہ اور ذاتی گناہ (جس کا اثر دوسروں پر نہ ہو) کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً زنا فاحشہ ہے اور زنا و بدکاری کی باتیں ظلم، جھوٹ، فاحشہ ہے۔ جھوٹوں کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا ان کی تائید کرنا ظلم ہے۔

استغفار

استغفار وہی کرتا ہے جو اللہ پر، اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ رسول نے بتایا اور جو احکام دیئے ان کو حق جانتا ہے۔

استغفار وہی کرتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر اعمال کی جوابدہی اور ان پر جزاء یا سزا کا یقین رکھتا ہے۔ نیز اس کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

استغفار وہی کرتا ہے جو اپنے آپ کو حقیر و ذلیل جانتا ہے اور رب حقیقی کی قدرت کاملہ اور اس کی قوت پر یقین رکھتا ہے۔ نیز وہ ہمہ وقت رب کی رحمت کا امیدوار اور طلبگار رہتا ہے۔

استغفار وہی کرتا ہے جسے احکام شرع کا علم ہوتا ہے وہ حرام و حلال کو جانتا ہے یا کسی کے بتانے پر مان لیتا ہے۔ گویا وہ ہٹ دھرم یا ضدی نہیں بلکہ گناہ کو گناہ جان کر شرمندہ ہونے ہی میں اپنی عزت اور عافیت کا یقین کرتا ہے۔

استغفار کرنے والا گویا یقیناً مؤمن ہے اور استغفار کر کے اپنے ایمان کا ثبوت بھی فراہم کر رہا ہے۔ پس کیوں نہ اللہ رحیم و کریم کی رحمت اسے اپنی پناہ میں لے۔ پس انہی لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

Marfat.com

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾
وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ
اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾
اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ
السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾
اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾
اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾
بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾
وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾
لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ (الزمر: ۵۳ تا ۶۳)

(اے محبوب علیہ السلام) آپ فرما دیجئے، اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اور لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

اور پیروی کرو عمدہ کلام (قرآن) کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

(اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں میں سے تھا۔

یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے۔

یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے، کاش مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں گا۔

Marfat.com

ہاں ہاں آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے جھٹلایا اور تو گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کرنے والوں میں سے تھا۔

اور قیامت کے دن آپ دیکھیں گے انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا۔

اور نجات دے گا اللہ متقیوں کو کامیابیوں کے ساتھ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارے میں ہیں۔

ان آیات کو بار بار پڑھیے اور ان میں غور کیجیے تو آپ کو محسوس ہونے لگے گا کہ رحیم وکریم آقا بڑے مشفقانہ اور پراز حکمت انداز سے آپ ہی کو اپنے دریائے رحمت میں غوطہ زن ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ آیت کا پہلا ہی لفظ ''یعبادی'' ''اے میرے بندو'' کیسا وجد آفرین ہے۔ سوچئے تو کیا کرم ہے رب کا۔ کہ ہم گناہگاروں کو وہ اس پیار بھرے لفظ سے پکار رہا ہے گویا تڑپنے اور لرزنے والوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تم سے گناہ تو سرزد ہو گیا لیکن اب بھی تم میرے ہو۔ مایوس نہ ہو۔ میرے سایہ رحمت میں پناہ لے لو۔ تم استغفار کرو تو میں تمہاری مغفرت کروں گا۔ بس دروازۂ رحمت بند ہونے سے پہلے میری طرف رجوع کر لو۔ عذاب کا وقت آنے سے پہلے احکامِ قرآن کے پابند ہو جاؤ۔ حسرت و یاس کا وقت آنے سے پہلے کامیابی و کامرانی کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اے میرے بندو، میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہیں ایسا کامیاب و کامران کروں گا کہ کبھی تمہیں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ رنج و ملال تمہارے قریب آئے گا۔

پہلی آیت جس میں فرمایا گیا کہ ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک ہے'' اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: آج تک کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ پھر فرمایا آسمانوں اور زمین کی کنجیاں یہ کلمات مبارکہ ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے مقالید کی تشریح معلوم کی تو آپ نے یہی کلمات دس مرتبہ صبح اور دس مرتبہ شام پڑھنے کی ہدایت کی۔

یہ کلمات ہم نے ضیاء القرآن سے آپ کے عمل کے لئے نقل کیے۔ صاحب ضیاء القرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری ان کلمات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''جو شخص اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی کنجیوں سے خزائن ارض وسما کے قفلوں کو کھولتا ہے اسی کا دامن بھرتا ہے اور وہی ان خزانوں کی قدر و قیمت کو پہچان سکتا ہے۔ اولوالعزم اولیاء کرام اپنے ہادی و مرشد کی

Marfat.com

انہیں تعلیمات پر عمر بھر عمل پیرا رہے۔ ان وظائف واوراد کا پابندی سے ورد کرتے رہے۔ انہیں کی برکت سے حریم قرب کے دروازے ان کے لئے کھلتے گئے۔ یہ اپنی ہمت کے پروں سے ان رفعتوں پر آشیانے بناتے رہے۔ جہاں لوگوں کے طائر عقل وفکر کی رسائی ناممکن ہے۔ اے راہ عشق کے مسافرو! اے منزل محبت کے رہ نوردو! اٹھو ہمت سے کام لو۔ اپنے مرشد برحق کے بتائے ہوئے کلمات طیبات کو حرز جاں بناؤ۔ تمہیں بھی ان بلندیوں پر سرفراز کیا جائے گا۔ (ضیاء القرآن)

استغفار وہ پسندیدہ عمل ہے جسے اللہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ یہ عام مؤمنین کے لیے مغفرت ورحمت کا ذریعہ ہے۔ اولیاء وصالحین کے لئے بلندیِ مراتب کا ذریعہ ہے اور انبیاء معصومین کے لئے ایک محبوب عبادت اور اللہ کے دربار میں ایک بہترین تحفہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً

واللہ! میں اللہ سے دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ (بخاری)

بعض دیگر روایات میں سو مرتبہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ مقصد تعداد نہیں بلکہ یہ مقصود ہے کہ میں بکثرت استغفار کرتا ہوں۔ یہ اللہ کو پسند ہے۔ پس مجھے بھی پسند ہے۔ میرے غلاموں تم بھی پسند کرو کہ تمہاری ضرورت ہے لہذا ہر وقت اس عمل کو کیا کرو۔ یہ ایسا عمل ہے جو سوائے کفر وشرک کے ہر بدعملی کے داغ کو دھو دیتا اور مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایک روایت ملاحظہ ہو جو ہم گناہگاروں کے لئے بڑا سہارا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا:

”بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے۔ حتی کہ وہ اپنے اس عمل سے اُکتا گیا۔ کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اسے اپنی موت نظر آنے لگی تھی، پس اسے اپنے گناہ کا احساس ہونے لگا اور وہ عذاب الٰہی سے نجات کا طریقہ معلوم کرنے کے لئے نکلا۔ ایک راہب کے پاس پہنچا اس کو اپنا حال بتایا۔ راہب نے اسے دھتکارا اور کہا اتنے پاپ کر کے اب انہیں معاف کرانے نکلا ہے تو ہرگز قابل معافی نہیں۔ اسی طرح مرے گا اور جہنم کی سزا پائے گا۔ اس شخص کو غصہ آیا بڑا مایوس ہوا اور خیال کیا کہ جب ننانوے معاف نہیں ہو سکتے تو سو کیوں نہ پورے کر لیے جائیں۔ تلوار نکالی اور راہب کا صفایا کر ڈالا۔ پھر احساس توبہ بیدار ہوا اور اپنے کسی ہمدرد سے مشورہ کیا۔ اس نے بتایا تم فلاں گاؤں میں جاؤ وہاں اللہ کا ایک محبوب ومقرب بندہ رہتا ہے۔ یقیناً وہ تمہیں کوئی تدبیر بتائے گا۔ یہ شخص چل دیا۔ ابھی آدھا ہی راستہ ہوا تھا کہ موت نے آدبوچا اور یہ اس حال میں گرا کہ اس کا رخ اللہ کے مقرب بندوں کی بستی کی طرف تھا۔ رحمت وعذاب کے فرشتے آپہنچے اور اس کی روح لینے کے لئے آپس میں جھگڑنے لگے۔ پس اللہ نے اس شخص کی بستی کو حکم دیا کہ دور ہو جا اور یہ جس بستی کی طرف جا رہا تھا اسے حکم دیا کہ قریب ہو جا۔ پھر فرشتوں سے فرمایا کہ دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپو یہ جس بستی سے قریب ہو اسی کے مطابق اس کا انجام ہوگا۔ فاصلہ ناپا گیا تو یہ شخص اللہ کے نیک بندے کی بستی سے قریب تھا۔ پس اس کی روح

Marfat.com

رحمت کے فرشتوں کو دی گئی اور اللہ نے اس کی بخشش فرما دی"۔ (بخاری و مسلم)

(ہم نے حدیث شریف کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے) اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ نیت استغفار و توبہ جب مغفرت کا ذریعہ بن سکتی ہے تو وہ بندہ کیوں نہ بخشا جائے گا جو ہمہ وقت اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر اللہ کے سامنے روتا اور استغفار کرتا رہتا ہے۔ میرے آقا علیہ السلام فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَ اِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

اس شخص نے گناہ پر اصرار نہیں کیا جو اللہ سے مغفرت طلب کرتا رہا چاہے وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرے۔ (ترمذی)

یعنی جو شخص کبھی کبھی گناہ کرتا ہے لیکن وہ کبھی بھی اپنے گناہ پر نادم نہیں ہوتا ہے۔ اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔ گویا یہ شخص گناہ پر اصرار کر رہا ہے اور گناہ پر اصرار بدترین گناہ ہے۔ اور وہ شخص جو بار بار گناہ کرتا ہے لیکن اللہ سے استغفار کرتا رہتا ہے اس کو گناہ پر مُصر نہیں کہا جائے گا۔ کہ وہ نادم و شرمندہ ہوتا رہتا ہے جب بھی گناہ کے بعد استغفار کرتا ہے اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اور اس کا پچھلا گناہ مٹ جاتا ہے۔ منشاء ارشاد یہ ہے کہ استغفار قبول ہوتا ہے اور بندے کو معافی ملتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر فرمایا گیا حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَّ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ

ہر انسان خطا کار ہے لیکن خطا کاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں (ترمذی)

استغفار صرف ذریعہ مغفرت ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات انسان کی پوری زندگی پر ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ مخبر صادق علیہ السلام نے بتایا:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

جس شخص نے استغفار کو اپنی عادت بنا لیا اللہ اس کی تمام مشکلوں کو آسان فرما دیتا ہے اور ہر غم سے نجات عطا فرماتا ہے۔ اور اس کو بے گمان رزق عطا فرماتا ہے۔ (ابن ماجہ)

استغفار صرف وہی مفید نہیں جو بندہ خود کرتا ہے، بلکہ مر جانے کے بعد اگر اس کی اولاد بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہے تو اس کا بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ

بیشک اللہ کسی نیک بندے کے درجہ کو جنت میں بلند فرما دیتا ہے تو وہ (حیرت سے) پوچھتا ہے یا رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا۔ پس اللہ فرماتا ہے تیرے بیٹے کے تیرے لئے استغفار سے۔ (مشکوٰۃ)

Marfat.com

پس اولاد کی تربیت ایسی کرنا چاہیے کہ وہ نمازی اور پرہیز گار بنیں اور والدین کے مرنے کے بعد ان کے لئے استغفار کرتے رہیں۔ کہ مرنے والے کے عمل و استغفار کا زمانہ تو ختم ہو گیا۔ اب اولاد کا استغفار ہی ان کو فائدہ پہنچائے گا۔ جس کی مرنے والوں کو اشد ضرورت بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے بتایا۔

"قبر میں مردے کی حالت اُس ڈوبنے والے جیسی ہوتی ہے جو بچانے کی فریاد کرتا ہے۔ مردہ دعاؤں کا انتظار کرتا ہے چاہے اس کے زندہ والدین کی طرف سے ہوں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اور جب یہ دعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور بیشک اللہ اہل قبور کو زمین والوں کی دعائیں پہاڑوں جیسی کر کے پہنچاتا ہے اور بیشک مُردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کے لئے استغفار کرنا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

استغفار آسان لیکن اس قدر مفید عمل ہے کہ جس کے اعمال نامہ میں یہ کثرت سے پایا گیا اس کو نبی مکرم علیہ السلام مبارک باد دیتے ہیں۔ عبداللہ ابن بُسر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

طُوْبٰی لِمَنْ وَّجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا۔

اس کو مبارک ہو جس نے اپنے نامہ اعمال میں (قیامت کے دن) استغفار کی کثرت دیکھی۔ (مشکوٰۃ)

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ"

سیر و سیاحت

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ (آل عمران: ۷-۱۳)

بیشک تم سے پہلے (قانون قدرت کے) طریقے گزر چکے ہیں۔ تو زمین میں چلو اور دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔

یہ لوگوں کے لئے واضح بیان ہے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لئے

آپ پڑھ چکے ہیں کہ پہلی آیت میں سود کی ممانعت کی گئی اور سود خوروں کو جہنم کی آگ سے بچنے کی ہدایت اس کے بعد متقین کی صفات بیان کی گئیں اور ان پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا۔ قرآنِ کریم کا انداز بیان یہی ہے کہ بُروں کے انجام کے ساتھ اچھوں کا انعام بھی بتایا جاتا ہے تاکہ بُرائی کے انجام بد سے بچا جائے۔ اور اچھائی کی رحمتوں اور برکتوں کے حصول کے لئے لپکا جائے۔ نیز قانونِ قدرت ازل سے یہی ہے کہ بروں کا انجام برا اور اچھوں کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اس قانون کے اٹل ہونے کا اگر کسی کو ثبوت چاہیے تو وہ صرف تاریخ کا مطالعہ ہی نہ کرے بلکہ اللہ کی زمین پر چلے اور ان آثار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے جو مدتیں گزر جانے کے باوجود بھی اپنے حسب حال بروں کے انجام بد یا اچھوں کے انجام خیر پر

Marfat.com

گاہ ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن کریم بار بار ''سیروا فی الارض'' کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ کی زمین پر موجود آثار کو حصول عبرت کے لئے دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ فرمایا گیا:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ (انعام:۱۱)

(اے حبیب علیہ السلام) آپ فرما دیجئے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ (یوسف:۱۰۹)

اور آخرت کا گھر یقیناً بہتر ہے ان کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ㊱ (النحل:۳۶)

پس سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام جھٹلانے والوں کا

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ㊺ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ㊻
(حج:۴۵۔۴۶)

پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا۔ کیونکہ وہ ظالم تھیں تو وہ اب گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں۔ اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے۔ اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ㊾ (نمل:۶۹)

آپ فرما دیجئے سیر و سیاحت کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ (عنکبوت:۲۰)

آپ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں پھر دیکھو کس طرح اس نے مخلوق کی ابتداء فرمائی اسی طرح پیدا فرمائے گا دوسری بار بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ㊷ (الروم:۴۲)

آپ فرما دیجئے سیر و سیاحت کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے۔

Marfat.com

ان میں سے اکثر مشرک تھے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (الروم:۹)

کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں۔ تا کہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ زیادہ تھے ان سے طاقت میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا۔ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے تھے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (مومن:۲۱)

کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہ کی زمین میں تا کہ وہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت کے لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور تھے اور (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث اور نہیں ان کے لیے کوئی اللہ سے بچانے والا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

(مومن:۸۲)

کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان کا جو ان سے پہلے گزرے وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے۔ اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (بہت ہنرمند) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔

آیات مندرجہ بالا سے واضح ہے کہ اللہ رب العزۃ جل وعلا پسند فرماتا ہے کہ بندے زمین کی سیر وسیاحت کریں تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ہر دور میں سنت الٰہیہ یکساں رہی ہے۔ یعنی بدعمل اور بدکردار قوموں کی تباہی و بربادی اور باعمل و باکردار لوگوں کی کامیابی و کامرانی۔ امم ماضیہ کے لئے بھی یہی قانون قدرت تھا اور قیامت تک آنے والوں کے لئے بھی یہی قانون ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (فاطر:۴۳)

پس تم نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی اور تم نہ پاؤ گے اللہ کے قانون میں کوئی تغیر۔

اللہ کی زمین اُن آثار سے بھی بھری ہوئی ہے جو ذریعہ عبرت ہیں اور اُن آثار سے بھی جن کی زیارت سے ایمان

Marfat.com

تازہ اور روح شگفتہ ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے عبرت ناک مقامات پر جانے کا بار بار عمومی حکم دیا تا کہ ان مقامات کو دیکھ کر اہل ایمان کا ایمان مزید پختہ ہو۔ اور غیر مؤمنین اپنی بغاوت و سرکشی سے باز آئیں جبکہ آثار مقدسہ میں سے صرف بعض مقامات کو ''شعائراللہ'' قرار دے کر قرآن کریم نے خاموشی اختیار کی۔ مثلاً صفا و مروہ یا مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا حکم۔ نیز حضور علیہ السلام نے بعض مقدس مقامات کے احترام اور ان پر حاضری کا حکم دیا۔ یا انہیں مقام قبولیتِ دعا قرار دیا۔ گویا اہل ایمان کو تمام مقدس مقامات پر حاضر ہونے اور ان کا احترام کرنے کا اشارہ دے دیا گیا تا کہ دیکھا جائے کہ کون اللہ کے نیک بندوں اور ان کی طرف منسوب مقامات سے کتنی محبت کرتا ہے۔ کس کا ایمان اسے ان مقدس مقامات پر حاضری اور ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے تڑپاتا ہے جو جتنا زیادہ ان کا احترام کرے گا، ان پر حاضری دے گا، اس کا ایمان اُتنا ہی تازہ اور قوی ہوگا۔ کہ ان مقامات پر حاضری سے ایمان کو غذا ملتی ہے۔ تازگی ملتی ہے۔ مقربین کا قُرب حاصل ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے قُرب کا ذریعہ ہے۔ پس اہل ایمان کو چاہیے کہ اگر اللہ توفیق دے تو زمین کی سیر و سیاحت کریں۔ مقامِ عبرت پر حاضری دے کر عبرت حاصل کریں اور مقدس مقامات، مزارات انبیاء و اولیاء، شہداء و صالحین اور دیگر یادگاروں پر حاضر ہو کر ایمان تازہ کریں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ انبیاء و اولیاء و صالحین کے مزارات پر حاضری دینے یا ان کی یادگاروں کی زیارت کرنے کے لئے سفر کرنا حرام ہے کیوں؟ اور کیسے حرام ہوا۔ معلوم نہیں جب اہرام مصر دیکھنے، مصر کے میوزم میں فرعون کی پڑی ہوئی لاش دیکھنے، بنی اسرائیل کے کھنڈرات دیکھنے، مدائن صالح وغیرہ دیکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان کا دیکھنا حصول عبرت کے لئے جائز ہے تو مقدس مقامات پر حاضری دینا حصولِ برکت کے لئے کیوں کر، ناجائز ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیائے کرام و صالحین کا یہ عمل رہا ہے۔

ہمارے علم کے مطابق اس غلط فہمی کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن کریم نے مقاماتِ عبرت کی سیر و سیاحت کا تو حکم دیا ہے۔ لہٰذا وہ جائز ہے لیکن دیگر مقامات پر حاضری کا حکم نہیں دیا، لہٰذا وہ جائز نہیں۔ تو گزارش ہے کہ یہ اصول قطعاً غلط ہے کہ جس کام کا قرآن حکم نہ دے وہ جائز نہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ ہر وہ کام جائز ہے جس کی اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ممانعت نہیں فرمائی۔ مثلاً وہ تمام چیزیں کھانا پینا جائز ہیں جن کی حرمت و ممانعت قرآن و حدیث میں موجود نہیں۔ کیونکہ شرعی اصول ہے کہ ''اَصْلُ الْاَشْیَاءِ اَلْاِ بَاحَۃُ'' تمام چیزیں اصلاً مباح اور جائز ہیں عدمِ جواز کے لئے دلیل ضروری ہوتی ہے۔ جواز کی دلیل کی ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ صفا و مروہ کو شعائر اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ اور مُشعرِ حرام کو مقامِ ذکر قرار دینا ان جیسے تمام مقدس مقامات کی حاضری کو محبوب و پسندیدہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہے۔

دوسری وجہ شاید ایک حدیث مبارکہ کا غلط مطلب سمجھ لینا ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِیْ ھٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ

Marfat.com

اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی

تین مسجدوں کے سوا سامان سفر نہ باندھا جائے میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصی۔ (مسلم)

اسی حدیث کی بناء پر بعض لوگ حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضری کے لئے سفر تک کو حرام کہتے ہیں (العیاذ باللہ) اس گمراہی کا سبب صرف یہ ہے کہ حدیث کا مطلب و منشاء صحیح نہیں سمجھا گیا اور یہ خیال کر لیا گیا کہ حضور علیہ السلام ان تین مساجد کے علاوہ ہر قسم کے سفر کی ممانعت فرما رہے ہیں۔ حالانکہ اس بناء پر تو والدین کی زیارت کے لئے، مریض کی عیادت کے لئے، جنازے میں شرکت یا تعزیت کے لیے اور اسی قسم کے بہت سے سفر حرام قرار پائیں گے جبکہ ایسا ہرگز نہیں۔ حضور علیہ السلام کا منشاء ہرگز سفر کی ممانعت نہیں بلکہ مذکور مساجد کی عظمت و فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا کی مساجد میں صرف مسجد نبوی شریف، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کو فضیلت حاصل ہے کہ ان میں عبادت کا ثواب دیگر مساجد سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ تمام مساجد اللہ کا گھر ہیں، کسی مسجد کو کسی مسجد پر کوئی فضیلت نہیں۔ لہٰذا ایسا ہرگز نہ کرو کہ اعتکاف کے لئے تراویح کے لئے جمعہ کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر اور محلہ کی مسجد چھوڑ کر کسی دوسرے شہر یا محلے کی مسجد میں اس نیت سے جاؤ کہ وہاں ان عبادات کا ثواب زیادہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے یہ نذر بھی مانی کہ میں فلاں مسجد میں نماز ادا کروں گا تو اس کی یہ نذر بھی غیر شرعی ہوگی اور اس کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا۔ اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَا يُسَافَرُ اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ وَ مَسْجِدِیْ وَ مَسْجِدِ اِيْلِيَاءُ

صرف ان مسجدوں کے لئے سفر کیا جائے مسجد الکعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس)

(مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ان احادیث کے راوی ہیں اور جن سے نبی مکرم علیہ السلام کے ارشادات پر عمل میں کبھی کوتاہی نہیں ہوئی وہ خود کوہ طور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔

بہر حال ممانعت صرف ان مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں عبادت کے لئے جانے اور یہ گمان کرنے کی ہے کہ وہاں ثواب زیادہ ہوگا۔ پس بزرگوں کے مزارات پر حاضری، دیگر مقدس مقامات کی زیارت، اولیاء کرام کے عرسوں میں شرکت کو ناجائز سمجھنا جہالت بھی ہے اور ضلالت بھی۔ بالخصوص نبی مکرم علیہ السلام کے دربار پر حاضری کے لئے سفر کو حرام کہنا تو ایمان کے لئے خطرہ ہے۔ اس قسم کے وہم و گمان سے بھی توبہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ آقائے رحمت ﷺ خود اپنے دربار میں حاضری کی دعوت دے چکے ہیں اور اس انداز سے کہ ہر مؤمن یہاں حاضری کی آرزو کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مسلم شریف)

آقائے رحمت تو شفاعت کا یقین دلاتے ہوئے اپنے دربار کی حاضری کی دعوت دے رہے ہیں تو وہ کلمہ گو کیسا بدنصیب اور

Marfat.com

ظالم ہے جوان کے دربار پر حاضری کے لئے سفر کو حرام قرار دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی دوسری روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَ لَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ

جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت کے لئے نہیں آیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔

(مسلم شریف)

اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو نبی سے بے وفائی کرے۔ یقیناً اس سے بڑا ظالم وہی ہے جو لوگوں کو اس بے وفائی پر اکسائے اور آمادہ کرے۔ اللہ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔ اہل محبت وعقیدت کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ جب وہ سفر حج کرتے ہیں تو ان کی زبان پر یہی ہوتا ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضری کے لئے جا رہے ہیں۔ اور یہی حق ہے کیونکہ ارکان حج تو یقیناً مکہ میں ادا ہوتے ہیں لیکن ان کی قبولیت کی سفارش مدینہ منورہ سے ہوتی ہے اور جب تک سفارش نہ ہو، حج تو کیا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوتا۔ ہمارا یہ یقین وعقیدہ بلا دلیل نہیں اس پر قرآن گواہ ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (النساء: ۶۴)

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھیں اپنے پر، حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتے ان کے لئے رسول بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا رحم کرنے والا۔

غرضیکہ اللہ استطاعت دے تو خوب سیر وسیاحت کیجئے۔ بلا مقصد نہیں کہ جس کام کا کوئی مقصد نہ ہو۔ شریعت اس پر دولت خرچ کرنے اور وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ سیر وسیاحت کیجئے ان مقامات کی جن کو دیکھ کر عبرت حاصل ہو۔ اللہ کا خوف طاری ہو اور توبہ کی توفیق ہو۔ نیز سیر وسیاحت کیجئے ان مقدس مقامات کی جن پر حاضری سے ایمان تازہ ہو، برکتیں نصیب ہوں توبہ واستغفار قبول ہو، حاجات بر آئیں، دل کو سکون میسر آئے۔ اگر اس نیت اور مقصد سے سیر وسیاحت کی جائے تو یقین جانئے کہ ہر لمحہ عبادت میں گزر رہا ہے اور ہر پیسہ اللہ کی راہ میں صرف ہو رہا ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

مژدہ کامیابی

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾
اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ یَعْلَمَ

Marfat.com

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾
(آل عمران: ۱۳۹۔ ۱۴۳)

اور سستی نہ کرو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم (کامل) مؤمن ہو۔
اگر تمہیں زخم لگے تو تمہارے دشمنوں کو بھی اسی طرح زخم پہنچے اور ان دنوں کو ہم پھیرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان اور تا کہ دیکھ لے اللہ ایمان والوں کو اور بنا لے تم میں سے کچھ کو شہید اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کو خالص کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔
کیا تم نے گمان کر لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تمہارے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو (غیروں سے) ممتاز نہیں کیا۔
اور بیشک تم موت کی تمنا کرتے تھے اس کے ملنے سے پہلے تو اب تم نے اسے دیکھ لیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

مندرجہ بالا آیات اگرچہ خصوصی طور پر صحابہ کرام سے اس رنج والم کو دور کرنے کے لئے نازل ہوئیں جو انہیں غزوۂ احد کی عارضی اور ظاہری شکست سے پہنچا تھا۔ نیز اس ارشاد سے ان کے مستقبل کے لئے عزائم کو بلند کرنا اور ان کی ہمت افزائی کرنا مقصود ہے۔ لیکن ان میں جو اصول بیان کیے گئے وہ قیامت تک آنے والے مؤمنین کے لئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کامیابی و کامرانی بالآخر مؤمن کامل ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ پس اُسے ماضی کے کسی صدمہ کا رنج و غم اتنا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے۔ اور اس کی اس کمزوری سے اس کے مشن کو نقصان اور دشمن کو فائدہ پہنچے۔ بلکہ وہ یہ سوچ کر اپنی ہمت بلند رکھے کہ اگر مجھے صدمہ پہنچا ہے تو میں بھی دشمن کو بھی ایسا ہی صدمہ پہنچا چکا ہوں۔ یہ تو سنت الٰہیہ ہے کہ وہ کبھی کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کبھی کسی کو۔ انجام کار غالب مؤمن ہی رہتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے پس کچھ کو وقتی طور پر مغلوب کر کے بلند ہمت دیکھنا چاہتا ہے اور کچھ کو شہید بنا کر حیات جاودانی سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اس طرح وہ مؤمن کے ایمان کو مزید پختہ کرتا اور کفار کو مٹا دیتا ہے۔ جنت کے حقدار وہی مؤمن قرار پاتے ہیں جو مجاہد بن کر اور مصائب پر صبر کر کے کافروں پر اپنی برتری ثابت کر دکھاتے ہیں۔ مؤمن شہادت کی تمنا رکھتا ہے تو کبھی کبھی اس کے سامنے اس کے ساتھیوں کو شہید کرایا جاتا ہے تا کہ جس موت کی وہ تمنا کرتا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اور اس کی آرزو حقیقت کا روپ اختیار کر لے۔

غلبہ مؤمن

سنت الٰہیہ یہی ہے کہ وہ مؤمنین ہی کو کامیاب کامران کرتا اور غلبہ دیتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں فرمایا گیا، ''اور سستی نہ کرو، اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مؤمن ہو''۔ نیز فرمایا:
فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ

Marfat.com

اَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد:۳۵)

ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

لیکن اس کے لیے پہلی اور بنیادی شرط ''کمال ایمان'' ہے یعنی یہ وعدہ مؤمنین کامل سے ہے اور ان میں وَہن و حزن بھی پیدا نہ ہونے پائے۔ ''وَھن'' سستی، کمزوری یا پست ہمتی ہے۔ اور ''حزن'' ماضی کے نقصان پر رنج والم میں مبتلا ہونا ہے۔ جب حزن کی مدت دراز ہوتی ہے تو وھن پیدا ہوتا ہے۔ یعنی انسان کو زیادہ رنجیدہ اور غمزدہ ہونا سست بنا دیتا ہے۔ کمزور اور کم ہمت کر دیتا ہے۔ اللہ مؤمنین سے غلبہ و کامیابی کا وعدہ فرماتا ہے۔ لیکن ان پر ذمہ داری عائد فرماتا ہے کہ وہ اپنے اندر کمال ایمان پیدا کریں۔ اور رنج والم میں مبتلا ہو کر پست ہمت نہ ہونے پائیں۔ دیکھو پچھلی امتوں میں مؤمنین کو نہایت ناموافق حالات میں کامیابیاں ہوئیں اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ کسی مرحلہ میں بھی نہ تو پست ہمت ہوئے نہ کمزور ہوئے نہ انہوں نے ظالموں کے جبر و استبداد سے مجبور ہو کر ہار مانی، بلکہ وہ اللہ سے دعائیں کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ درج ذیل آیت مبارکہ پر غور فرمایئے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۴۶۔۱۴۷)

اور کتنے نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے، پس نہ ہمت ہاری انہوں نے بوجہ ان تکالیف کے جو انہیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ انہوں نے ہار مانی۔ اور اللہ محبت کرتا ہے صبر کرنے والوں سے اور نہ تھی ان کی گفتگو سوا اس کے کہ انہوں نے کہا اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے اپنے کام میں اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر۔

ذرا غور فرمایئے کہ گزشتہ نبیوں کے غلاموں نے کیسی جرأت و ہمت کے ساتھ مصائب و آلام کا مقابلہ کیا۔ ہم خیر الامم (بہترین امت) ہیں۔ سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ دنیا کو برائیوں سے پاک کر دینے اور نیکیوں سے شگفتہ کر دینے کی ہم پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم کسی موقع پر بھی قدم پیچھے ہٹائیں اور پست ہمتی کا مظاہرہ کریں۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء:۱۰۴)

اور ہمت نہ ہارو (دشمن) قوم کی تلاش میں اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے۔ اور تم اللہ سے اس (ثواب) کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ

Marfat.com

جاننے والا بڑا ہی دانا ہے۔

جب تک اہل ایمان، اللہ کی اس ہدایت پر عمل کرتے رہے یعنی نہ تو انہوں نے اپنے ایمان میں کمزوری پیدا ہونے دی اور نہ ہی وہ مصائب و آلام کے خوف وغم میں مبتلا ہو کر پست ہمتی کا شکار ہوئے۔ تاریخ شاہد کہ اس وقت تک وہ غالب رہے۔ کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ جب ہم اُنہیں دشمن کے مقابلہ میں دیکھتے ہیں تو فاتح اور غالب پاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دور میں اور اس کے بعد جب بھی اسلام و کفر کی معرکہ آرائی ہوئی، فتح و نصرت کا سہرا اہلِ ایمان کے سر رہا۔ حتی کہ جس لشکر اسلام میں ایک صحابی مجاہد بھی شریک ہوئے۔ اس نے کبھی شکست نہ کھائی۔ بدر، خندق، حنین کے غزوات، یمامہ، قادسیہ اور نہاوند کی جنگیں محمد بن قاسم طارق غزنوی اور غوری کی فتوحات اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں۔ ان حضرات کے ایمان کامل تھے۔ ہمتیں بلند تھیں، زخموں سے بہتے خون کی، ان کی نظروں میں پانی اور پسینہ جیسی حیثیت تھی۔ ان کے دن میدان جنگ میں گزرتے تھے اور راتیں مصلے پر اللہ سے بھیک مانگتے بسر ہوتی تھیں۔ پس کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ یہ باوقار اور بارعب تھے۔ دشمن ان کے نام سے کانپتے اور تھرتھراتے تھے۔

۱۲ھ، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور ہے۔ خالد بن ولید کی فتوحات کا شہرہ ہے۔ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک شہر دومۃ الجندل کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ رخ کرتے ہیں۔ وہاں کے سردار اکیدر کو اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنی قوم سے کہتا ہے۔

''میں تمہاری نسبت خالد بن ولید سے بہت زیادہ واقف ہوں۔ آج دنیا میں ان سے زیادہ کوئی اقبال بلند اور فنون جنگ کا ماہر نہیں۔ جو قوم ان سے مقابلہ کرتی ہے وہ خواہ تعداد میں زیادہ ہو یا کم بہر حال پسپا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرو بلکہ ان سے صلح کرلو'۔

جب قوم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ بھاگ نکلا۔ حضرت خالد کو اس کے بھاگنے کی خبر ملی تو آپ نے اپنے ایک سپاہی عاصم بن عمرو کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جنہوں نے اس کو گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کی گردن اڑادی۔ کیونکہ یہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام کی اطاعت قبول کر چکا تھا۔ اور پھر اس نے بدعہدی اور بغاوت کی تھی۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں جو اہلِ ایمان کے رعب و دبدبہ کا ثبوت ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ہمت کی بلندی اور ایمان کا کمال ہی وہ ہتھیار ہیں جن سے مؤمن کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ کامیابی و کامرانی یہ نہیں کہ دشمن کو تہس نہس کر دیا جائے بلکہ درحقیقت کامیابی و کامرانی یہ ہے کہ حق کی راہ نہ چھوٹے اور دشمن کی قوت و طاقت سر تسلیم خم نہ کرا سکے۔ جس کا درس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دہکتے انگاروں پر لیٹ کر حضرت خباب نے پھانسی کے پھندے پر مسکرا کر، حضرت سمیہ نے نیزہ سے جسم گھائل کرا کر، حضرت یاسر نے دو اونٹوں سے اپنا بدن چروا کر، حضرت امام حسین نے کربلا میں اپنے نونہالوں اور جاں نثاروں کا خون بہتے دیکھ کر اور اپنی گردن کٹا کر دیا۔ بلاشبہ یہ سب فاتحین ہیں، کامیاب و کامران ہیں۔

Marfat.com

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (مجادلہ:۲۲)

اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو اللہ ہی کا گروہ کامیاب و کامران ہے۔

اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ہمارا ایمان ہی کامل ہے اور نہ ہی ہماری ہمت بلند ہے۔ آج ہمارا ایمان زیادہ سے زیادہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تک ہے۔ باقی زندگی کے تمام مراحل میں یا تو ہم آزاد و خود مختار ہیں کہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں قطع نظر اس سے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں کیا حکم دیا ہے اور یا ہم غیروں کے مقلد ہیں۔ غور فرمائیے۔ ہماری معیشت کی بنیاد سود پر ہے۔ ہماری معاشرت کا انداز مغربی ہے۔ ہماری حکومت کے ضابطے و قوانین خود ساختہ ہیں۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی ذاتی امور ہوں یا قومی ہر حیثیت میں ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے آزاد ہیں۔ دنیا کو ہم نے دین سے علیحدہ کر رکھا اور دین ہمارے نزدیک ثانوی حیثیت میں ہے۔ ہمارے اندر وَھن نے اتنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں کہ ہم میں اپنے حقوق تک حاصل کرنے کی ہمت نہ رہی۔ ہم غاصبوں اور ظالموں سے مصالحت ہی کو بڑی کامیابی اور عافیت تصور کرنے لگے ہیں۔ آج جو مسلم ممالک قانونی طور پر آزاد ہیں وہ آزادی کی نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہیں۔ کیونکہ ان کے سربراہ بہر حال غلام ہیں اور اپنے آقاؤں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ ہماری اس حالت کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ کہ ہم مغلوب ہیں، مجبور ہیں، غیروں کے در کے بھکاری ہیں۔ نہ ہمارا وقار ہے، نہ کہیں ہماری عزت و وقعت۔ یہ اس لیے نہیں کہ اللہ ہم سے اپنے وعدے کو پورا نہیں کر رہا۔ بلکہ اس لیے کہ ہم نے اللہ کی شرائط کو قبول نہیں کیا۔

گردش ایام

اللہ کی سنتوں میں سے ایک سنت، قوانینِ قدرت میں سے ایک قانون، یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز کو ایک حالت پر نہیں رکھتا۔ ایک کلی کھلتی ہے، چند دن بعد پھول بن کر مہکتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھول مرجھا جاتا اور کوڑا کرکٹ بن جاتا ہے۔ مہین چاند چند دن بعد بڑا ہوتا اور ہماری تاریک راتوں کو منور کرتا ہے۔ ہمارے پھلوں کو متاثر کرتا ہے۔ ہمارے سمندروں میں طغیانی پیدا کرتا ہے اور پھر ہماری نظروں سے اُوجھل ہو جاتا ہے۔ ہر روز سورج کا طلوع پُرکشش ہوتا ہے، اس کا شباب بارعب ہوتا ہے اور اس کا غروب پیغامِ عبرت دیتا ہے۔ انسان بلاشبہ اشرف المخلوقات ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ احسن اور اقوم (مضبوط) ہے۔ لیکن گردش ایام سے وہ بھی محفوظ نہیں۔ اگر وہ اپنی پیدائش کے مراحل پر غور نہیں کر پاتا تو وہ اپنی چند روزہ زندگی میں پیش آنے والے حالات پر ہی نظر ڈال لے۔ کہ کبھی دولت مند ہے تو کبھی غریب، کبھی صحت مند ہے تو کبھی بیمار۔ کبھی چہرے پر شباب کی بہار ہے تو کبھی بڑھاپے کی خزاں۔ کبھی حکومت و سلطنت کا تاج و تخت ہے تو کبھی قید و بند کی ذلت۔ کبھی عزت و عظمت کا کمال ہے تو کبھی ذلت و خواری کا زوال۔ پس جب ایام کی گردش انسان کو کسی ایک حال پر نہیں رہنے دیتی تو وہ کیوں خوشحالی کے ایام پر ناز و گھمنڈ کرتا ہے اور بدحالی کے دنوں میں واویلا مچاتا ہے۔ اسے ہر حال میں یقین رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا چاہیے کہ:

Marfat.com

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ (آل عمران: ۲۶۔۲۷)

کہو، اے اللہ اے مالک سب ملکوں کے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائی ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے تو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن (کا حصہ) رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے۔

گردشِ ایام میں حکمت یہ ہے کہ انسان رب حقیقی کی قدرت کا اعتراف کرے اور جب اسے انعامات سے نوازا جائے تو وہ یہ خیال نہ کرے کہ یہ اس کی محنت یا حسن تدبیر کا نتیجہ ہے۔ اور نہ ہی نعمت ملنے کے بعد وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ میں ہر طرح محفوظ ہوں اب مجھ سے میری یہ نعمت کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور نہ ہی کسی نعمت سے محروم ہو جانے کے بعد اسے رنج والم میں اتنا مبتلا ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائے۔ بلکہ انسان کو ہر حال میں رب کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ جب اسے نعمتیں نصیب ہوں تو وہ شاکر بنے اور حقِ شکر ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے اور جب اس پر مصائب و آلام کے دن آئیں تو وہ صابر بنے اور حق صبر ادا کرنے کی کوشش کرے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کسی کو ملک دے کر جب چاہتا ہے اس سے بلا وجہ چھین لیتا ہے اور کسی کو عزت دے کر بلا وجہ ذلیل کر دیتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں یہ تو قانون قدرت بیان کیا گیا۔ اس پر عمل جب ہی ہوتا ہے جب عمل کا سبب پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ (الانفال: ۵۳)

یہ اس لئے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو، جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہاں یہ اصول بیان کیا گیا کہ اللہ کسی کو نعمت سے نواز کر اس وقت تک اس سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اس نعمت کا اہل رہتا ہے۔ جب بندے خود ہی اپنی اہلیت اور صلاحیت ختم کر لیتے ہیں تو قانون قدرت حرکت میں آتا ہے اور خوشحالی، عزت وعظمت کے دن سلطنت وحکومت کا تاج آناً فاناً ان نااہلوں سے چھین کر اللہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اور دولت و قوت کے نشے میں مست ہو کر ظلم وستم کرنے والے دوسروں کے لئے نشان عبرت بنا دیئے جاتے ہیں۔ جب احکم الحاکمین کی عدالت سے کسی کی ذلت وخواری کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوت اس کے نفاذ کو نہیں روک سکتی۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ (الرعد:11)

بیشک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اور جب اللہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اور نہ ہی ان کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔

حالت خواہ اچھی ہو یا بری۔ یعنی اصول یہ ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی کو نعمتوں سے اس وقت تک محروم نہیں کیا جاتا جب تک وہ منعم حقیقی کا شکر ادا کرتا رہتا اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا رہتا ہے اور نہ ہی کسی کو نعمتوں سے اس وقت تک نوازا جاتا ہے جب تک وہ اللہ کی بغاوت اور حکم عدولی سے باز آ کر توبہ نہیں کر لیتا۔

قرآن کریم میں ہماری ہی عبرت کے لئے امم ماضیہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام، ثمود و عاد، بنی اسرائیل کے واقعات موجود ہیں۔ اللہ نے ان اقوام کو اپنی کن کن نعمتوں سے نہ نوازا۔ لیکن جب ان کی نافرمانی، نااہلی، ظلم وستم اور تکبر وغرور حد سے متجاوز ہو گئے تو ان پر قانون گردشِ ایام یا قانون عروج وزوال نافذ ہوا۔ اور پھر ان کو ایسے عبرتناک عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ کہ ان کے ایامِ عروج وکمال افسانہ بن کر رہ گئے۔ اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے یہ نشانِ عبرت بنا دیے گئے۔ لیکن انسان بڑا ہی ظالم ہے وہ ان واقعات کی صداقت کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ تباہ شدہ اقوام کے کھنڈرات کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ لیکن ان کی تباہی کے اسباب پر غور نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ان سے خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ قانون گردش ایام سے محفوظ رہ سکے۔ قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کو خصوصی خطاب فرماتے ہوئے اس قانون سے آگاہ کیا تاکہ مؤمن بندے اس کی لپیٹ سے محفوظ رہ سکیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس دور کے مسلمان اس قانون سے خوفزدہ رہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے انہیں خوب نعمتوں سے نوازا گیا۔ انہیں حکومت وسلطنت کا تاج وتخت بھی دیا گیا۔ ان پر دولت وثروت بھی خوب برسائی گئی۔ ان کے دلوں کو علم وحکمت سے لبریز کر دیا گیا۔ غرضیکہ وہ عروج وکمال کی انتہاء پر پہنچے لیکن جونہی ان کے ایوانوں میں شراب کے جام چھلکنے لگے، عیش وعشرت کی محفلیں سجنے لگیں، ان کی تلواریں اپنوں ہی کی گردنیں کاٹنے لگیں۔ ظلم وستم، جبر واستبداد ان کی ادا بن گیا۔ مسجدوں کی بجائے انہوں نے قہوہ خانوں کو آباد کیا۔ غریبوں کا خون چوس کر وہ دولت کے ڈھیر سمیٹنے لگے۔ ان کے گھروں سے قرآن کریم کی تلاوت کی بجائے نغمہ وساز کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ مکر وفریب، سود، رشوت اور دیگر حرام ذرائع کو وہ اپنی معاشی ترقی کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ عریانی وفحاشی کو انہوں نے اپنی معاشرت اور تہذیب قرار دیا۔ انہوں نے دنیا کو دین سے علیحدہ کر لیا۔ دین کو پس پشت ڈال دیا۔ اور دنیا کو اپنا مقصدِ زندگی سمجھ بیٹھے۔ گویا انہوں نے ایام عروج میں مست ہو کر اللہ سے پوری طرح عملی طور پر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ تو اللہ کا قانون، قانونِ گردشِ ایام حرکت میں آیا اور جو دن ان کے تھے وہ ان کے نہ رہے۔ اب یہ دن ان کے خلاف ہو گئے تاج و تخت بھی چھین لیا گیا۔ حکومت وسلطنت کا بھی خاتمہ ہوا۔ عزت وناموس بھی پامال ہوئی۔ حتی کہ جن کو دیتے تھے انہی کے در کے بھکاری بن گئے۔

Marfat.com

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ۝ (حشر: ۲)

پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینار کھنے والو

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے (النازعات: ۲۶)

حضور علیہ السلام کی وفات کی خبر

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمد (ﷺ معبود نہیں) صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کی آزمائش کا ایک وقت ایسا بھی آیا جب یہ خبر اڑی کہ حضور علیہ السلام شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو اپنے آقا ﷺ سے جو محبت تھی۔ جیسا عشق، تعلق اور لگاؤ تھا اس کا مقتضٰی یہی تھا کہ اس خبر سے ان میں ایک بھونچال آ جائے۔ افراتفری پیدا ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ کہ کسی میں قوت فیصلہ نہ رہی کہ اب کیا، کیا جائے۔ صحابہ کا ایک گروہ تو وہ تھا جو حضور علیہ السلام کے گرد جمع تھے اور آپ کی حفاظت کر رہے تھے جن میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت قتادہ بن نعمان، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ان حضرات کو کچھ خبر نہ تھی کہ میدان جنگ میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ اپنی جان پر کھیل کر آقا ﷺ کی جان بچانے میں مصروف تھے۔ کچھ نو مسلم میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ کچھ پہاڑوں میں پناہ لے رہے تھے۔ اور کچھ وہ بھی تھے جو مزید جوش کے ساتھ اپنی گردنیں کٹانے کے لئے اب بھی آگے بڑھ رہے اور کہہ رہے تھے کہ جب ہمارے آقا شہید ہو گئے تو اب زندہ رہنے کا کیا فائدہ۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کفار پر حملہ آور ہوئے کہ حضور علیہ السلام کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔ آؤ ہم ان کے دین کے لئے اپنی جانیں قربان کریں۔ آپ میدان جنگ میں پہنچے خوب لڑے تیراسی زخم جسم پر آئے اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔ حضور علیہ السلام کی شہادت کی خبر شیطان نے اتنی تیزی سے پھیلائی کہ مدینہ تک پہنچ گئی۔ منافقوں کو موقع ہاتھ آیا۔ انہوں نے مدینہ کے گلی کوچوں میں شور برپا کر دیا وہ مسلمانوں کو ورغلا رہے اور کہہ رہے تھے، تم نے دیکھ لیا اگر محمد (ﷺ) سچے نبی ہوتے تو کیوں قتل کیے جاتے۔ پس اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے پرانے دین پر واپس آ جاؤ۔ غرضیکہ ایک عجیب افراتفری اور پریشانی کا عالم تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے صورت حال پر توجہ دی اور چیخ چیخ کر اعلان کیا کہ بھائیو منتشر نہ ہو۔ مایوس و ناامید نہ ہو۔ ہمارے آقا ﷺ زندہ ہیں، ہم میں موجود ہیں۔ تمہیں منظم ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ اس اعلان کو جو سنتا وہ دوسرے کو بتاتا جاتا اور تھوڑی ہی دیر میں پروانے شمع رسالت کے گرد نظر آنے لگے۔ مایوسی

Marfat.com

وناامیدی کے بادل چھٹ گئے اور روشن مستقبل کی کرن چمکنے لگی۔ جب مسلمانوں کو قدرے اطمینان ہو گیا تو قرآن کریم کی آیت مذکورہ نازل ہوئی اور واضح کر دیا گیا کہ آج نہیں تو کل تمہارے محبوب آقا کو تم سے جدا ہونا اور اس دنیا سے جانا ہے۔ ہم نے تمہاری محبت کا تماشہ خوب دیکھا کہ آقا کی جدائی کی غلط خبر نے تمہیں کیسا بے خبر کر دیا۔ تمہیں اتنا بھی احساس نہ رہا کہ تم انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہو، ان کے حالات جانتے ہو تمہیں خوب علم ہے کہ وہ اس عالم فانی میں ایک خاص مدت کے لئے آئے۔ اور بالآخر دنیا سے چلے گئے۔ ان میں سے کچھ پر طبعی موت آئی۔ کچھ شہید کیے گئے۔ کچھ کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان پر اٹھالیا۔ (حضرت عیسیٰ وادریس علیہما السلام) اور کچھ کو زمین پر ہی لوگوں کی نگاہوں سے روپوش کر دیا گیا۔ (حضرت خضر والیاس علیہما السلام) بہرحال سب ہی جا چکے۔ ہمارے محبوب نبی آخرالزماں ﷺ بھی رسول ہی تو ہیں۔ عبد ہی تو ہیں معبود تو نہیں۔ ''حی لایموت'' صرف اور صرف خالق کی صفت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہذا جیسے پچھلے انبیاء گزر چکے اسی طرح ایک دن ہم اپنے اس محبوب رسول کو بھی ضرور اپنی طرف بلالیں گے۔ یہ ہماری مرضی ہے کہ اس رجعت کا ذریعہ ہم طبعی موت کو بنائیں یا شہادت کو۔ لیکن بہرحال انہیں پردہ فرمانا ہے۔ اب تم اپنے متعلق بتاؤ کہ ان کے چلے جانے کے بعد تمہاری راہ کیا ہوگی۔ تم اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہو گے یا اس سے منہ موڑ لو گے۔ اور پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اگر تم نے دوسری راہ اختیار کر لی تو ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کہ جو راستہ رسول نے تمہیں دکھایا ہے وہ تمہاری فلاح و بہبود کا راستہ ہے۔ پس اگر رسول کے تشریف لے جانے کے باوجود بھی تم اس پر قائم رہے تو تمہیں وہی اجر و ثواب دیا جائے گا جو رسول کی موجودگی میں ملتا۔ اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ پس تمہیں اس وقت کے لئے تیار رہنا چاہیے جب تمہارے آقا تم سے پردہ فرمالیں گے۔

حضور علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کی خبر آپ کے پردہ فرمانے سے کئی سال قبل غزوۂ احد کے موقع پر دے دی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ کسی مؤمن کو اس حقیقت پر شک نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں، عبد ہیں، انسان ہیں اور ہر انسان کو موت آنی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ نبی کی موت حیاتِ جاودانی کا ذریعہ ہوتی ہے اس کا جسم تک اپنی اصل حالت پر رہتا ہے کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبی کے جسم کو کھائے۔ جس طرح اللہ نے نارِ نمرود پر حرام کر دیا تھا۔ کہ وہ خلیل کے جسم کو جلائے ہر چیز کی تاثیر اللہ ہی کی قدرت سے ہے۔ وہ جب چاہے جس چیز کی تاثیر تبدیل کر دے۔ آگ کی تاثیر جلانا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ختم کر دی گئی اس کپڑے کے لئے ختم کر دی گئی جس سے میرے آقا ﷺ نے ہاتھ صاف فرمائے۔ زمین کی تاثیر ہر جسم کو کھالینا یا خراب کر دینا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس اجسام کے لئے ختم کر دی گئی۔ تمام انبیاء کرام اپنے دنیاوی اجسام کے ساتھ اپنی قبور میں آرام فرما رہے ہیں جبکہ میرے آقا ﷺ قبر انور سے اپنی امت کا حال بھی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ امت کے گناہ گاروں کے لیے استغفار بھی کرتے ہیں۔ خوش نصیب غلاموں کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اور مقدر والے غلاموں سے مصافحہ بھی فرماتے ہیں تاہم موت کا مرحلہ ان پر بھی آیا۔ اور ہماری نظروں سے پردہ فرما گئے۔ ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ تمام صحابہ کو حضور علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کا یقین کامل تھا۔ قرآنِ کریم خبر دے چکا تھا۔ خود حضور علیہ السلام نے بار بار اپنی موت کا ذکر فرمایا تھا۔ لیکن صحابہ کرام کو

Marfat.com

آپ سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ جس دن یہ حادثہ فاجعہ ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت بپا ہوگئی اور صحابہ کرام کی حالت ایسی ہو گئی تھی گویا انہیں آپ کی موت کا شان وگمان بھی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی یہ فرماتے سنے گئے کہ ”اگر کسی نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا“ ایسے نازک موقع پر اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حوصلہ دیا انہوں نے بمشکل حضرت عمر کو خاموش کیا۔ اور مجمع صحابہ میں قرآن کریم کی یہی آیت مذکورہ تلاوت فرمائی جسے سن کر صحابہ کو ہوش آیا۔ ان کی آنکھیں کھلیں۔ حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ نے کہا یہ آیت تو ہم بھول ہی چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی نازل ہوئی ہے۔ غرضیکہ اس آیت مبارکہ ہی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حزن ودھن سے بچایا اور وہ دین کی خدمت اور اسلام کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہوئے۔

اسلام اللہ کی امانت ہے

افراد کے ذاتی مشن اور تحریکیں ان کی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں جو ان کی موت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔ اسلام کسی انسان کا ذاتی مشن نہیں، یہ وہ مکمل ضابطہ حیات ہے جو اللہ نے انسان کو دیگر بے شمار نعمتوں کی طرح عطا فرمایا۔ یہ انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے کہ اگر انسان اس سے محروم رہتا تو اسے زندگی بسر کرنے کے طریقے اور اصول میسر نہ آتے اور پھر وہ جانوروں کی طرح ایک مخلوق کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ اللہ نے اپنی اس نعمت کا امین حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بنایا۔ جو اللہ کی یہ امانت دنیا میں لے کر آئے۔ اور اللہ کی عطا کردہ تعلیمات کے مطابق انہوں نے اپنی قوموں کو اسلام پر عمل کرنے کی تعلیم دی۔ ہر نبی یہ امانت اپنی قوم کو سونپتا رہا اور جاتا رہا۔ حتی کہ سید الانبیاء خاتم الانبیاء ﷺ یہ امانت دے کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم غیر متناہی سے اپنی امت کو کچھ اس انداز پر تعلیم دی اور ان میں اسلام سے ایسی محبت پیدا فرمائی۔ کہ آپ کا ہر غلام اس امانت کا امین بننے کے لائق ہو گیا۔ اور اس نے اس کی حفاظت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے بعد امانت الٰہیہ کی تعلیم واشاعت اور حفاظت کے لیے کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اسی امانت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ أَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ؕ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (احزاب: ۷۲)

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

یہ امانت سب سے پہلے انسانِ اول ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے قبول فرمائی۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلسلہ انبیاء جاری فرمایا جو اسی امانت کو لے کر آتے رہے اور اپنی اپنی قوموں کو اس کے احکام پر عمل کی تبلیغ وہدایت کرتے رہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ بھی اسی امانت کو لے کر آئے چونکہ آپ پر سلسلہ نبوت ورسالت ختم ہو رہا تھا۔ لہٰذا اللہ نے اپنی اس امانت کی حفاظت وبقا کا خود ذمہ لیا اور آپ کے غلاموں کو یہ صلاحیت واہلیت عطا فرمائی کہ انہوں نے ہر طوفان کا مقابلہ کر کے اس کی حفاظت بھی کی۔ اشاعت وتبلیغ بھی کی اسی لئے میرے آقا ﷺ نے اپنے دین کے مبلغین کو اپنا وارث قرار دیا۔

Marfat.com

کہ یہ اس امانت کے امین ہیں جو آپ نے ان کو سونپی۔
غرضیکہ اسلام نبی کا ذاتی مشن اور ذاتی تحریک نہیں جو نبی کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جائے۔ یہ اللہ کا دین ہے اس کی امانت ہے جس کی وہ خود حفاظت فرماتا ہے۔ پس مومنین کو ہدایت کی گئی کہ تم اپنے آقا کے چلے جانے کے بعد کفر کی طرف نہ لوٹو بلکہ مزید ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرو۔ کہ اب تم پر ہی اس امانت کی حفاظت کی ذمہ داری جو تمہارے آقا تمہیں دے کر گئے ہیں اگر تم نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا تو اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج:۴۰)

اور اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا بیشک اللہ قوت والا سب پر غالب ہے۔

اس وعدہ الٰہی کے ہی باعث اہل اسلام کے سربلند ہیں اور وہ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آج تک اسلام جس طرح محفوظ اور اپنی اصل حالت میں موجود ہے کوئی مذہب اس طرح موجود نہیں۔ نیز مسلمان اپنے مذہب ہی کے سہارے دنیا میں باقی اور زندہ ہیں۔ ان کی شناخت اور ان کا امتیاز اسلام ہی ہے جب کہ دیگر قومیں اپنے مادی وسائل پر نازاں ہیں اور ان کی شناخت ان کی زبان یا ان کے وطن سے ہے۔ کوئی امریکی ہے، کوئی یورپی، کوئی افریقی لیکن مسلمان صرف مسلمان ہے۔ اس کے تعلق کی بنیاد اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے دشمن ہر جگہ کے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ چاہے وہ انہی کا ہم وطن، ہم زبان اور ہم رنگ ہی کیوں نہ ہو۔

موت اور دنیا یا آخرت کی طلب

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝
(آل عمران:۱۴۵)

اور کسی جان کے لیے حکم الٰہی کے بغیر موت نہیں سب کی اجل لکھی ہوئی ہے۔ اور جو دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اس میں سے اسے دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اس میں سے اسے دیں گے۔ اور عنقریب ہم (اچھا) بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو۔

آیت مبارکہ میں سنت الٰہیہ کے دو اصول بیان کیے جا رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ ''موت بغیر حکم الٰہی نہیں آتی'' دوسرا یہ کہ جو' دنیا کا حریص ہوتا ہے اسے دنیا دے دی جاتی ہے اور جو آخرت کا طلبگار رہتا ہے وہ آخرت کی دائمی نعمتوں سے نواز دیا جاتا ہے''۔ ہم انہی دونوں امور کی وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

موت

موت ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ورنہ کفار نے جس ڈھٹائی کے ساتھ دیگر حقائق کا انکار کیا اس کا بھی انکار کر

Marfat.com

دیتے لیکن اس کا انکار کسی کے بس کی بات نہیں کہ یہ تو ہر ایک کی گردن دبا لیتی ہے۔ نہ اس سے کوئی بچا ہے نہ بچ سکتا ہے۔ لیکن کافر موت کو ایک طبعی امر قرار دیتا ہے اور اس کے ظاہری اسباب کو ہی اصل سمجھتا ہے۔ اسی لئے اس کی زندگی پر موت کے یقین کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب کہ مؤمن قرآنی وضاحت کے مطابق موت سے متعلق دیگر حقائق کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ قرآن کریم موت سے متعلق جو حقائق بیان کرتا ہے، وہ یہ ہیں۔

موت ہر جاندار کو آنی ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

(آل عمران: ۱۸۵)

ہر جاندار چکھنے والا ہے موت کا مزہ اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن، پس جو شخص بچا لیا گیا آگ سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں یہ دنیاوی زندگی مگر ساز و سامان دھوکہ میں ڈالنے والا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

(انبیاء: ۳۵)

ہر جاندار چکھنے والا ہے موت کا مزہ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے (آخر کار) تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ (عنکبوت: ۵۷)

ہر جاندار چکھنے والا ہے موت کا مزہ پھر ہماری ہی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات کے مطابق ہر نفس، ہر جاندار کے لئے موت کا آنا واضح ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ موت کے بعد سب کا انجام ایک جیسا ہو اور سب کو مردہ ہی کہا اور سمجھا جائے کہ اللہ قادر مطلق جسے چاہتا ہے ظاہری موت کے بعد ابدی زندگی سے نواز دیتا ہے اور اس کی قوتوں کو زندوں سے زیادہ قوی کر دیتا ہے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کہ ظاہری موت کے بعد ان کے جسم گلنے، سڑنے حتی کہ بیماری اور کمزوری سے بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ زمین کے نیچے ان کی زندگی، زمین کے اوپر کی زندگی سے ہر طرح بہتر ہے اور شہداء جو انبیاء کرام علیہم السلام کی محبت و اطاعت میں اپنی گردنیں کٹاتے ہیں کہ انہیں مردہ کہنے یا سمجھنے کی بھی ممانعت ہے۔ اسی طرح اولیاء و صالحین میں سے اللہ جن کو چاہتا ہے، موت کے بعد اس زندگی سے بہتر زندگی عطا فرما دیتا ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو فیض پہنچاتے اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

موت سے کوئی بچانے والا نہیں

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ (النساء: ۷۸)

Marfat.com

جہاں کہیں تم ہوگے پا لے گی تمہیں موت اگر چہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ (انعام:۶۱)

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان، یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ (جمعہ:۸)

(اے حبیب علیہ السلام) آپ فرما دیجئے، یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی۔ پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کرتے تھے۔

دنیا کی کوئی قوت یا حفاظت کا کوئی طریقہ موت سے نہیں بچا سکتا۔ بیماری کی حالت میں علاج کرانے کی اجازت ہے لیکن ڈاکٹر یا دوا کو موت سے نجات کا ذریعہ سمجھنا حرام ہے۔ جان کی حفاظت کے طریقے اختیار کرنا جائز ہے۔ لیکن ان طریقوں کو موت سے نجات کا سبب یقین کرنا حرام ہے۔ پس بیماری میں موت سے گھبرانا یا خطرات کے وقت موت سے بچنے کے لئے بھاگنا مومن کی شان نہیں۔ علاج مرض کی تکلیف سے نجات کے لئے ہے۔ موت سے نجات کے لئے نہیں۔ حفاظت دشمن کی سازشوں سے بچنے کے لئے ہے۔ موت سے بچنے کے لیے نہیں۔

موت بغیر حکم الٰہی نہیں آتی

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًاؕ (آل عمران:۱۴۵)

اور نہیں ممکن کہ کوئی مرے بغیر اللہ کی اجازت کے لکھا ہوا ہے موت کا مقرر وقت

وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۱۵۶ (آل عمران:۱۵۶)

اور (در حقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۵۶ (یونس:۵۶)

وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۲۳ (حجر:۲۳)

اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُۙ ۝۴۳ (ق ۴۳)

بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف (سب کو) لوٹنا ہے۔

Marfat.com

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ (واقعہ: ۶۰)

ہم نے ہی مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔

یہ چند آیات ہیں اُن متعدد آیات میں سے جن میں مختلف انداز سے بتایا گیا ہے کہ موت حکم الٰہی کے بغیر نہیں آتی۔ موت کے ظاہری اسباب اصل نہیں۔ اصل اللہ کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات اسباب غیر مؤثر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مرض موت کا یقینی سبب قرار دیا جاتا ہے تو دیکھا گیا ہے اس مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود بہت لوگ صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں کہ بہت لوگ ان کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ لیکن انہی میں سے کچھ لوگ زندہ بھی رہتے ہیں۔ ظاہر میں لوگوں کو ان کی زندگی پر حیرت ہوتی ہے وہ ان کے بچ جانے کے اسباب تلاش کرتے ہیں جبکہ سبب ایک ہی ہوتا ہے کہ ان کی موت کا اللہ کی طرف سے فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

مومن پر عقیدہ موت کا اثر

مؤمن موت پر یقین رکھتا ہے لیکن ان تمام حقائق کے ساتھ جن کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ لہٰذا اس کی زندگی پر اس عقیدے کا بے حد اثر ہوتا ہے۔ وہ جری اور بہادر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے طوفانوں سے وہ بلا خوف ٹکرا جاتا ہے۔ کسی قوت و طاقت کو وہ اپنی نظروں میں نہیں لاتا۔ موقع پڑنے پر وہ گولی کے سامنے بھی سینہ تانے، اس یقین کے ساتھ آگے بڑھتا رہتا ہے کہ یہ گولی میری موت کا ذریعہ اس وقت تک نہیں بن سکتی جب تک اللہ کا حکم نہ آئے۔ اور اگر اللہ کا حکم ہو چکا ہے تو اس گولی سے بچ جانے اور بھاگ جانے کے باوجود بھی میں ایک لمحہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس عقیدۂ ایمان کے ساتھ اگر مؤمن کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ شہادت کی راہ پر گامزن ہے اور شہادت اسے اپنی آغوش میں لینے کی منتظر ہے۔ تب تو اس کی شجاعت اور جرأت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس ظاہری موت کے صلہ میں حیات جاودانی میرا مقدر بن چکی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ شہادت درحقیقت موت سے ابدی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ پس وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح اللہ اور اس کے رسول کے دشمن پر لپکتا ہے اور عارضی زندگی کی قربانی دے کر دائمی زندگی حاصل کرتا ہے۔

موت کا یہی تصور ہے جس نے اہل ایمان کو ہر دور میں اسلام کی بقا اور حفاظت کا حوصلہ دیا۔ اور دنیاوی وظاہری اسباب کے فقدان یا کمی کے باوجود انہوں نے جس طرح دین کی حفاظت اپنے حقوق کے حصول اور عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے دشمن کا دلیری وجرأت کے ساتھ مقابلہ کیا، اس پر دنیا والوں کو آج تک حیرت ہوتی ہے۔ اور وہ نہیں سمجھ پاتے کہ مسلمان موت کو کھلونا سمجھ کر اس سے کیسے کھیلتا ہے۔ کیا اسے اپنی جان پیاری نہیں ہوتی؟ کیا وہ دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتا؟

حضور علیہ السلام کے دور میں اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شجاعت کے واقعات سے تاریخ وسیر کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ شہدائے بدر کا تذکرہ پڑھیے یا شہداء احد کا، یا دیگر غزوات کے جاں نثاروں کا حال پڑھیے۔ سب میں ایک ہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے کہ موت بغیر حکم الٰہی نہیں آسکتی۔ اس کا وقت مقرر ہے، جب کہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ اور جو موت اللہ کی راہ میں آئے حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ ہر صحابی کے نزدیک شہادت نعمت عظمٰی تھی جو اسے پالیتا وہ اپنے آپ کو

Marfat.com

کامیاب وکامران یقین کرتا اور جو اس سے محروم رہا اسے مرتے دم تک اس کا صدمہ رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوتے ہیں تو زبان سے آخری جملہ نکلتا ہے "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کہلائے۔ ساری عمر جہاد کرتے رہے لیکن شہید نہ ہو سکے۔ موت کے وقت اپنے شہید نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

اس کے بعد بھی اہل ایمان نے ہر دور میں جرأت وشجاعت کی مثالیں قائم کیں اور اپنے اس خصوصی امتیاز کو باقی رکھا یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم مسلمانوں سے خائف رہے اور آج بھی ہیں۔ کیونکہ آج ہم اپنے کردار میں کتنے ہی کمزور سہی لیکن بحمد اللہ بزدل نہیں ہیں۔ اگر آپ کو سیر فی الارض (دنیا دیکھنے) کا موقع ملا ہے تو ہماری تائید کریں گے کہ مسلمان جہاں جہاں آباد ہیں، دلیر ہیں، کسی سے دبتے نہیں۔ مذہبی حقوق کے حصول یا اپنی حق تلفی کے لئے وہ پوری جرأت کے ساتھ احتجاج کرتے ہیں اور اپنے وجود کو اسلام کے دشمنوں سے بھی تسلیم کرا کے رہتے ہیں۔ اسی لئے خود کو سپر پاور کہلانے والے بھی جتنے مسلمانوں سے خوفزدہ ہیں کسی اور قوم سے نہیں۔ وہ مسلمانوں کی جرأت وشجاعت پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر یا ان کے درمیان انتشار وافتراق پیدا کر کے انہیں غلام بنا لینے کی سازش میں مصروف ہیں۔ تاکہ انہیں ان کے خوف سے نجات حاصل ہو سکے۔ لیکن وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ موت کے صحیح تصور نے امت مسلمہ کے ہر فرد کو اتنا جری اور بہادر بنا دیا ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنے اس خصوصی امتیاز کو ختم نہیں ہونے دیتا۔

دنیا یا آخرت کی طلب

آیت زیر گفتگو میں جو دوسرا اصول بیان کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ "جو کوئی اپنے اعمال کا اجر وبدلہ دنیا میں چاہتا ہے اللہ رب العزت اسے دنیا کا کچھ حصہ عطا فرما دیتا ہے اور جو اپنے اعمال سے صرف آخرت کا اجر وثواب چاہتا اور اس کی امید رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے۔

مؤمن کے کمال ایمان کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اس کی نظر ہمہ وقت اُخروی زندگی پر ہو، اسے ہر وقت آخرت کی فکر ہو۔ اس کا ہر عمل آخرت میں بھلائی اور کامیابی کے لئے ہو کہ جسے آخرت میں فوز وفلاح نصیب ہو گی اسے اس فانی دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ یونس میں اولیاء کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ (یونس: ۶۲ تا ۶۴)

سنو، بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں نہیں بدلتیں اللہ کی باتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

Marfat.com

مقام ولایت انہی اہلِ ایمان کو نصیب ہوتا ہے جو اسباب دنیا سے بے نیاز و بے فکر ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے عمل کرتے اور آخرت کی بھلائی کی آرزو رکھتے ہیں۔ پس اللہ ان کی آخرت بھی سنوار دیتا ہے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بھی نواز دیتا ہے۔ یہ ان کا زُہد و تقویٰ ہے کہ وہ دنیا کی تمام سہولتیں میسر آ جانے کے باوجود بھی ان سے دور اور بے نیاز رہتے ہیں۔ جب کہ اللہ کی مخلوق ان سے فیضیاب ہوتی ہے۔ اللہ کے یہ بندے دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن ان کا فیض جاری رہتا ہے۔ ان کی نسلوں کو ان کے صدقہ میں عزت و دولت نصیب ہوتی ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کی ان کے واسطہ وسیلہ سے آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ دلی تمنائیں بر آتی ہیں۔ حضور غوث الاعظم، خواجہ غریب نواز، داتا گنج بخش، بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر بے شمار اولیاء کرام کے حالات زندگی اور ان کے مزارات مقدسہ سے جاری فیض اس حقیقت پر شاہد ہے تاہم یہ بلند مقام امت کے ایک مخصوص طبقہ کو نصیب ہوتا ہے۔ جب کہ عام مومنین بھی اگر دین کی پابندی کریں اور اس کے صلہ میں وہ اللہ سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کریں تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت کا اجر بھی۔ اور جو لوگ صرف دنیا کے طلب گار رہتے ہیں انہیں دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں انہیں کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ سورہ بقر کی ان آیات پر غور فرمائیے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

(البقرہ: ۲۰۰)

اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب دیدے ہمیں (سب کچھ) دنیا ہی میں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

یہ مشرکین کا حال ہے جو آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ان کے لیے سب کچھ دنیا ہی کی زندگی ہے پس وہ حج کے بعد بھی اللہ سے صرف دنیا ہی کی طلب کیا کرتے تھے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دنیا کی حرص و ہوس میں ایسے مبتلا ہو گئے کہ انہیں اپنی دعاؤں میں بھی آخرت کا خیال نہیں آتا۔ جب اللہ سے مانگتے ہیں تو دولت کی فراوانی، تجارت و کاروبار میں برکت، عیش و عشرت کی زندگی ہی مانگتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ لیکن مومن بڑے فائدے میں رہتا ہے وہ اس طرح دعا کرتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ (البقرہ: ۲۰۱)

اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔

پس یہ لوگ بڑے فائدے میں رہے۔ انہیں مژدہ دیا گیا کہ جو تم نے مانگا وہ ملے گا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ (البقرہ: ۲۰۲)

Marfat.com

انہیں لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا (دونوں جہانوں میں) بسبب ان کی (نیک) کمائی کے اور اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔

اے ایمان والو! تمہیں زیب تو یہی دیتا ہے کہ تم ان لوگوں میں شامل ہو جن کی نظر صرف آخرت پر ہوتی ہے جنہیں فکر صرف آخرت کی رہتی ہے اور جو اللہ سے آخرت ہی کی نجات کے طلب گار رہتے ہیں۔ پس اللہ ایسے لوگوں پر فضل فرماتا ہے ان کی آخرت سدھر جاتی ہے اور بطور انعام انہیں دنیا کی دولت، عزت، شہرت سب کچھ نصیب ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کے لئے دعا کیا کرو، کہ اگر صرف دنیا مانگی تو آخرت میں خالی ہاتھ نظر آؤ گے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۷

آل عمران: ۱۴۹ تا ۱۵۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾
سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ
مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾
وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ
عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ
ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾
اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ
لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ

Marfat.com

اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ
الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ
يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ
الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ
لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا
كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۱۴۹ تا ۱۵۵)

اے ایمان والو! اگر پیروی کرو گے تم کافروں کی تو وہ پھیر دیں تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) تو
تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ بلکہ اللہ حامی ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔
عنقریب ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب اس لئے کہ انہوں نے شریک بنالیا اللہ کے
ساتھ اس کو جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور بہت بری جگہ ہے
ظالموں کی۔

اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے،
یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم
نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے، بعض تم سے طلبگار ہیں دنیا کے اور
بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ تمہیں آزمائے۔
اور بے شک اس نے معاف فرما دیا تم کو اور اللہ بہت فضل فرمانے والا ہے مومنوں پر۔

یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول بلا رہے تھے تمہیں پیچھے
سے پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو کھو گئی تم سے اور نہ اس
مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں، اور اللہ خبردار ہے اس سے جو کچھ تم کرتے ہو۔

پھر اتاری اللہ نے تم پر غم کے بعد راحت (یعنی) غنودگی، جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے، اور
ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑی ہوئی تھی اپنی جانوں کی، وہ بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلاوجہ
دور جاہلیت کی بدگمانی۔ وہ کہتے تھے، کیا ہمارا بھی اس میں کچھ دخل ہے۔ آپ فرما دیجئے اختیار تو سب
اللہ کا ہے۔ وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں (اپنے دلوں میں)
اگر ہوتا اس کام میں ہمارا کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں
آپ فرما دیجئے اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل
ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سب مصائب اس لئے تھے) تاکہ آزما لے، اللہ جو کچھ تمہارے سینوں

Marfat.com

میں ہے اور صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں تھا اور اللہ خوب جاننے والا ہے سینے کے رازوں کو۔
بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم میں سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف کر دیا اللہ نے انہیں بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حلم والا ہے۔

اتباع کفار سے بچو

اپنے آپ کو کافروں کی پیروی سے بچاؤ۔ اپنے معاملات میں ان کے مشوروں کو اہمیت نہ دو، ان کے نقش قدم پر نہ چلو، ان کے طرز زندگی، ان کے تہذیب و تمدن کو اختیار نہ کرو۔ کیونکہ وہ کبھی بھی تمہارے ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ تمہارے ساتھ ان کے تعاون کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ تمہیں بھی کافر بنالیں یا کم از کم تم میں انتشار و افتراق پیدا کر کے تمہاری قوت کو ختم کر دیں۔ تمہیں عیش و عشرت کی زندگی کا عادی بنا کر ایسا کاہل اور کمزور کر دیں کہ وہ دندناتے رہیں۔ اور تم ان کے کفر کا مقابلہ نہ کر سکو۔

تمہیں کفار کی حمایت حاصل کرنے یا ان کو اپنا مشیر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری عزت و ناموس کا محافظ تو وہ اللہ ہے جس کی وحدانیت کا اقرار کر لینے کے بعد تم اس کی پناہ میں آ چکے ہو اور جس کے محبوب کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد تم اس کے پیارے اور محبوب بن چکے ہو۔ وہ ہر حال میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ اپنی تاریخ کو یاد کرو تو تمہاری ہمت افزائی ہوگی اور تمہیں اللہ کی مدد کا یقین کامل ہو جائے گا۔

ذرا غور کرو ۳ھ کے عظیم واقعہ "غزوۂ احد" پر کہ جب یک دم جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اس نازک موقع پر اللہ ہی نے مدد فرمائی۔ ورنہ وقتی طور پر کفار کو یہ موقع حاصل ہو چکا تھا کہ وہ مکہ واپس ہونے کی بجائے مسلمانوں سے پہلے مدینہ کا رخ کر لیتے اور اسلام کی پہلی ریاست کو تہس نہس کر ڈالتے لیکن انہوں نے مکہ کا رخ کیا۔ کچھ دور پہنچ کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو وہ واپس ہونے کا ارادہ کرنے لگے۔ پس اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کافروں کے دلوں میں ایک عجب سا خوف طاری کر دیا کہ وہ ہمت ہار گئے اور مکہ واپس چلے گئے۔

اس سے قبل جب بعض صحابہ نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حضور علیہ السلام کے حکم کے برعکس پہاڑی کو چھوڑا اور کفار نے موقع پا کر پہاڑی کے پیچھے سے حملہ کر دیا تو جنگ کا نقشہ ایسا بدلا کہ الامان والحفیظ۔ ہر طرف مسلمانوں کے لاشے ہی لاشے نظر آ رہے تھے۔ کفار آگے پیچھے دونوں طرف سے حملہ آور تھے۔ ایسی بدحواسی اور ابتری کا عالم تھا کہ اپنے اور غیر میں امتیاز تک نہ ہو رہا تھا۔ خود مسلمان، مسلمانوں کی زد میں آ رہے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں ہی کی تلواروں سے شہید ہوئے اور حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ یہ میرے والد ہیں، ان کو چھوڑ دو۔ لیکن کسی نے ایک نہ سنی۔ غرضیکہ ستر صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی دوران ایک بڑی مصیبت یہ آن پڑی کہ منافقین و کفار نے حضور علیہ السلام کی شہادت کی خبر اڑا دی۔ بس پھر کیا تھا جو قدم میدان جنگ میں جمے ہوئے تھے وہ بھی اکھڑ گئے۔ اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔ اللہ کے رسول ﷺ پر کفار نے یلغار کر ڈالی۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ دندان مبارک کا ایک حصہ جھڑا،

Marfat.com

مقدس ہونٹ پر زخم آیا۔ اس حال میں قائد اعظم ﷺ اپنے جانثاروں کو پکار رہے تھے لیکن کوئی سنوائی نہ تھی۔ بھاگے جا رہے تھے کوئی مڑ کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ اس افراتفری اور غم واندوہ کے بعد اللہ نے مدد فرمائی اور مجاہدین کے کانوں میں آواز گونجنے لگی کہ آقا زندہ ہیں۔ اور پروانے شمع کے گرد جمع ہونے لگے۔ کفار اپنی کامیابی کے زعم میں مست ہو کر بھاگنے لگے۔

ابھی مسلمانوں کے لیے ایک اور صبر آزما مرحلہ تھا کہ جب یہ جانثار اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں میدان کارزار کی طرف چلے کہ شہیدوں کی زیارت کریں، ان کی نماز جنازہ کا فریضہ ادا کریں۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے مٹی تلے چھپائیں تو دیکھنے والوں کی ہمتوں پر قربان جایئے کہ انہوں نے اپنے کسی بھائی کے ہاتھ کٹے دیکھے، کسی کا سر مبارک کہیں پڑا پایا تو کسی کا جسم مقدس نیزوں سے چھلنی دیکھا تو کسی کے ناک، کان، کلیجہ غائب دیکھا۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چچا کی نعش کو دیکھ کر پیکر صبر اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں سے موتی جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

رَحِمَکَ اللّٰهُ يَا عَمِّ لَقَدْ كُنْتَ وَصُوْلاً لِلرَّحِمِ فَعُوْلاً لِلْخَيْرَاتِ

میرے چچا اللہ آپ پر اپنی رحمت برسائے آپ نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا اور نیکیوں پر عمل کر دکھایا۔

حضرت عبداللہ بن جحش مبلغ اول ذوالہجرتین، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عباس بن عبیدہ، حضرت نعمان ابن اعرج، حضرت نعمان بن مالک، حضرت عمرو بن الجموح، حضرت ابوایمن، حضرت اوس بن ثابت، حضرت سعد بن خارجہ، حضرت مالک بن سنان، حضرت عتبہ بن الربیع اور دیگر شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اسلام پر اپنی جانیں نچھاور کر کے حیات جاودانی پائی۔ خاک وخون میں غلطاں ان کے مقدس جسم، میدان میں پڑے زبان حال سے پکار رہے تھے کہ "مؤمن کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ اس سے شجر اسلام کی آبیاری ہوتی ہے"۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دیکھنے والوں کا اس وقت کیا حال ہوگا۔ وہ کیسے تڑپتے ہوں گے جسم، جنگ کی تکان سے پہلے ہی کیا کم چور، چور تھے۔ اس پر قیامت کا یہ منظر کس قدر نڈھال کر رہا ہوگا۔ کہ اللہ کو رحم آیا اور اس نے ان تھکے ماندے بندوں کی مدد فرمائی۔ انہیں اونگھ آنے لگی، سب کے سب کچھ دیر کے لیے سو گئے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم اونگھنے لگے یہاں تک کہ کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹی اور میں نے اسے سنبھالا۔

ایسی حالت میں نیند کا آ جانا بلاشبہ اللہ کی طرف سے نصرت تھی۔ بڑی نعمت تھی۔ نیند ایک نعمت ہے۔ ان سے پوچھئے جنہیں نرم وگرم بستروں پر گولیاں کھانے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی۔ اللہ اپنی اس نعمت کا ذکر کرتے ہوئے خود ارشاد فرماتا ہے:

(عم ۳۰:۹)

وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا

نیند تفکرات سے نجات کا ذریعہ ہے، اس سے جسم کی طاقت بحال ہوتی ہے، قوت برداشت بڑھتی ہے، ذہنی سکون میسر آتا ہے۔ اس کے دوران سونے والا گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت سے مضطرب مجاہدین احد کو نوازا گیا، ان کی مدد کی گئی۔ اس سے قبل غزوہ بدر میں بھی عین جنگ کی شب بھی مجاہدین کو اس نعمت سے نوازا گیا تاکہ وہ جنگ کے لیے تازہ دم ہو جائیں۔

غزوہ بدر کے ایک مجاہد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس شب میری نیند کا یہ حال تھا کہ کئی مرتبہ میں نے

Marfat.com

اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار میں سو جاتا تھا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

مددگار اللہ ہی ہے

دیکھا آپ نے اللہ کیسے مدد فرماتا ہے۔آفات کا نہ آنا مدد نہیں کہ اس صورت میں تو مدد کا احساس ہی نہ ہوگا۔آفات آنے کے بعد ان سے بچالینا ''مدد'' ہے۔آفات تو آتی ہی ہیں۔کبھی ابتلا و آزمائش کے لیے اور کبھی بدعملی کے سزا کے طور پر۔ مؤمن کا کمال یہ ہے کہ آفات آنے پر واویلا نہ کرے، غیروں کے در کا بھکاری نہ بنے، بلکہ اس رب کے حضور گڑگڑائے جو سب سے بڑی قوت والا ہے۔جو احکم الحاکمین ہے۔وہ تم سے مدد کا وعدہ فرماتا ہے۔وہ ہر طرح سے مدد کرنے پر قادر ہے،ضرور تمہاری مدد کرے گا۔تم اس کے ہوتو اسی کے بنو،اسی پر بھروسہ کرو۔ہرگز ہرگز غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دین فروشی نہ کرو۔

وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱۲۶﴾ (آل عمران:۱۲۶)

اور (حقیقت یہ ہے) کہ نہیں مدد مگر اللہ ہی کی طرف سے جو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ (آل عمران:۱۳)

اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے، جس کی چاہتا ہے۔

اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ (آل عمران:۱۶۰)

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہارا (ساتھ) چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد، اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

اللہ مدد فرماتا ہے۔اس عنوان پر قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے چند آیات پیش کی گئیں۔اگر ہم انہی پر غور کر لیں تو یقین مستحکم کرنے کے لیے کافی ہیں۔مزید برآں رب خیر الناصرین کا ایک مژدہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ (الروم:۴۷)

اور اہل ایمان کی مدد فرمانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

کتنا کریم ہے ہمارا رب کہ اس نے ہمیں نعمت ایمان سے بھی نوازا اور ہماری مدد کا بھی وعدہ فرمایا۔تاکہ ہم اس کی اطاعت میں مادی وظاہری وسائل کے ہونے، نہ ہونے کی پروا نہ کریں۔ اور اپنی بقا کے لیے غیروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔لیکن ہمیں تو غیروں کے در کی ٹھوکریں کھانے میں مزا آتا ہے۔ضرورت ومصیبت کے وقت ہم اس کا سہارا لینے کی بجائے غیروں کو پکارنے کے عادی ہو چکے ہیں۔انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی۔تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہوں یا ملک کو مستحکم کرنا چاہتے ہوں۔ہر صورت میں ہم غیروں کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ان سے امداد طلب کرتے ہیں۔وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔صرف اس لیے کہ وہ ہمیں اپنا غلام بنالیں اور ہم نام کے مسلمان رہ جائیں۔یہی ہو رہا ہے آج تمام مسلم ممالک کا یہی حال ہے۔آزادی تو برائے نام ہے۔ہمیں ان کے اشاروں پر چلنا پڑتا ہے جو ہماری مدد کرتے ہیں۔یہ غیروں کی مدد ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر مسلمان سود کی لعنت میں مبتلا ہے اور ہر زبان پر یہ بات ہے کہ سود کے بغیر معاشی شعبہ چل ہی نہیں سکتا۔یہ کفر

Marfat.com

کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ امداد ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے نظامِ معیشت، نظامِ تعلیم میں غیروں کی تقلید کے پابند ہیں۔ یہ امداد ہی کا نتیجہ ہے کہ ہماری گھروں کی تہذیب، رہن سہن کے طریقہ کفار جیسے ہو گئے ہیں۔ ہمارا لباس تک اپنا نہ رہا۔ انجام کار ہم مسلمان کہلانے کے باوجود قرآن وسنت پر مبنی ایک مکمل ضابطہ حیات پر عمل کے تصور تک سے محروم ہو گئے۔ آج جو مسلمان اپنے ہی ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں انہیں طرح طرح کچلا جاتا ہے، رجعت پسند کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عملی طور پر ہم کفر کی طرف لوٹ چلے ہیں۔ اب ہم میں طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت تک نہیں رہی۔ کیونکہ اللہ کی حمایت ونصرت پر یقین نہ رہا۔ پس:

اے ایمان والو! ہوش سنبھالو، کافر تمہارے دوست نہیں۔ وہ تو ازل سے تمہارے دشمن ہیں۔ ان کے لالچ میں مبتلا نہ ہو۔ وہ تمہیں جسمانی طور پر ختم کرنا چاہتے۔ وہ تمہاری متاعِ عزیز ایمان واسلام کے دشمن ہیں۔ اسے تم سے چھین لینے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ دیکھ لیجئے ان دشمنوں نے ترکی میں کس طرح اسلام پسند حکومت کا خاتمہ کیا۔ افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو ناکام بنانے کی یہ کیسی کوششیں کر رہے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کو روکنے کے لیے یہ کیسے مستعد ہیں۔ جو ممالک اپنے یہاں برائے نام اسلامی نظام نافذ کر چکے ہیں وہاں اسلام کے دشمن کیا کیا سازشیں نہیں کر رہے۔

اے ایمان والو! تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ تم اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے صرف اللہ کی حمایت و نصرت پر توکل کرو۔ اللہ کی اطاعت میں رخنہ ڈالنے والی ہر قوت سے ٹکرا جاؤ۔ تحت ضرورت کے باوجود ان کی مدد قبول نہ کرو۔ تب تمہیں عزت، وقار بھی نصیب ہوگا اور تم ہی کامیاب وکامران ہو گے۔ کہ وعدہ الٰہی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۹)

اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی سربلند ہو گے اگر تم سچے مؤمن ہو۔

کسی فکر اور پریشانی کی ضرورت نہیں۔ سب سے عزیز دولت ایمان ہے اگر یہ محفوظ ہے تو کامیابی، کامرانی قدم بوسی کرے گی، سربلندی نصیب ہوگی، ان آیات پر غور کیجئے اور اپنی فکر و پریشانی سے نجات حاصل کیجئے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق: ۲۔۳)

اور جو (خوش نصیب) اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے یہ آیت سنائی اور فرمایا، اے ابوذر! اگر سب لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لیے کافی ہے۔

بہر حال مؤمن کے لیے یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں اپنے دین کے دشمنوں کو داخل نہ ہونے دے۔

Marfat.com

اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ اللہ اس کی انفرادی واجتماعی تمام مشکلات کو دور فرمائے گا۔

ناموس صحابہ اور قرآن کریم

آیات زیرِ گفتگو کو ذرا دوبارہ غور سے پڑھیے تو آپ کو یہاں ایک عنوان اور نظر آئے گا اور وہ ہے ''ناموسِ صحابہ کا تحفظ'' قبل اس کے کہ آیات مذکورہ کی روشنی میں ہم ''ناموسِ صحابہ کے تحفظ'' کی وضاحت کریں۔ تبرکاً ناموسِ صحابہ اور عظمتِ صحابہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

صحابیت، نبوت کے بعد انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جس کا تعلق اعمال سے نہیں بلکہ نبی کی ذات سے ہے۔ یعنی وہ خوش نصیب مومن صحابی بن جاتا ہے جس نے حالت ایمان میں اپنے نبی کی ایک جھلک بھی دیکھ لی یا اسے ایک لمحہ کے لیے بھی نبی کی صحبت نصیب ہوگئی۔ یہ اللہ کی طرف سے نبی کا اعزاز ہے۔ اور نبی کا صدقہ ہے کہ اس کی زیارت کر لینے والا یا صحبت کا موقع پا لینے والا مومن تمام عبادت گزاروں اور اولیائے کرام سے مرتبہ ومقام میں افضل واعلیٰ ہو جاتا ہے۔ اس منصب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کے صحابہ کو خصوصی انعامات سے نوازے۔ لہٰذا ان پر ایک نہایت خصوصی انعام یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوتے لیکن اللہ معصوم نبی کے طفیل انہیں ہر قسم کے گناہ اور برائی سے محفوظ فرمالیتا ہے۔

سید الانبیاء ﷺ کے جملہ صحابہ، انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحابہ سے اسی طرح افضل واعلیٰ ہیں جس طرح خود نبی مکرم علیہ السلام افضل واعلیٰ ہیں، امت پر ہر صحابی کی عظمت کا اعتراف اور ان کا احترام واجب ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت کسی مومن کو کسی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ ان نفوسِ قدسیہ کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۱۸)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (تو) یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح:۱۸ تا ۲۰)

یقیناً راضی ہوگیا اللہ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اس نے ان پر اطمینان اتارا اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سا مالِ غنیمت بھی (عطا کیا) جس کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔ اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر)

Marfat.com

حاصل کرو گے۔ پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ صلح اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ہو جائے یہ (ہماری نصرت کی) نشانی مومنوں کے لیے اور تاکہ وہ تمہیں ثابت قدمی سے صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۠ (الفتح:٢٩)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو آپ کے ساتھی ہیں سخت (طاقتور) ہیں کفار کے مقابلہ میں، آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے، کبھی سجدہ کرتے ہوئے، وہ طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے یہ ان کی خوبیاں تورات میں ہیں اور ان کی خوبیاں انجیل میں بھی ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیت کی طرح ہیں، جس نے نکالا اپنا پٹھا، پھر تقویت دی اس کو پھر مضبوط ہو گیا، پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تاکہ (آتش) غیظ میں جلتے رہیں کفار، اللہ نے وعدہ فرمایا ان سے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۠ (الحدید:١٠)

آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے اموال) اللہ کی راہ میں۔ حالانکہ اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور جنگ کی ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی، (ویسے) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے بھلائی کا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی خبردار ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠ (المجادلہ:٢٢)

Marfat.com

تو ایسی قوم نہ پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کی اولاد ہوں، یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان والے ہوں، یہ (صحابہ) وہ لوگ ہیں کہ نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے اور اللہ انہیں داخل کرے گا باغوں میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ (صحابہ) اللہ کا گروہ ہیں سن لو، اللہ ہی کا گروہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔

ناموسِ صحابہ اور احادیث

یہ چند آیات مبارکہ پیش کی گئیں جو بالاتفاق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل اور بلند مرتبہ و مقام کو واضح کرتی ہیں۔ افسوس کہ ان کی تفسیر کا یہ موقع نہیں تاہم آیات پر غور کرنے سے مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ اب آیئے دیکھیں صحابہ کے آقا ﷺ ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ

میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی کوہِ احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک صاع (مثلاً ایک کلو) یا آدھے صاع کے برابر بھی نہیں پہنچے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ وَرَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ

اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، جس نے مجھے دیکھا اور دیکھا اسے جس نے مجھے دیکھا (یعنی تابعی) (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُ غَرَضًا مِنْۢ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَ مَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَ مَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، میرے بعد انہیں (اپنی تنقید کا) نشانہ نہ بنا لینا جو ان سے محبت کرتا ہے تو مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے تو مجھ سے دشمنی کی وجہ سے دشمنی کرتا ہے۔ اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی تو گویا مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اسے پکڑ لے (یعنی عذاب میں مبتلا کرے) (ترمذی)

Marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْ اُمَّتِیْ كَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ لَا یُصْلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ۔

میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک کھانا بغیر نمک کے ٹھیک نہیں رہتا۔

(ترمذی)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا۔ ہمارا نمک جا چکا اب ہم کیسے درست رہ سکتے ہیں۔

عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَا مِنْ اَصْحَابِیْ یَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَ نُوْرًا

میرے صحابہ میں سے جو بھی کسی زمین (شہر) میں فوت ہوگا تو وہ اس کے باسیوں کے لیے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا قیامت کے دن۔

(ترمذی)

درج ذیل احادیث میں ہمارے لیے ہدایت ہے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے حکم دیا:

اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی شَرِّكُمْ۔

جب تم لوگوں کو دیکھو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہوئے تو کہو:

اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر

(ترمذی)

احادیث مقدسہ کا مفہوم واضح ہے۔ آیئے اب زیر گفتگو آیات میں نظر کریں۔ جن کو پڑھنے سے پہلی نظر میں تو یہی خیال ہوتا ہے کہ غزوۂ احد میں حضور علیہ السلام اور دیگر صحابہ کو جو تکالیف پہنچیں وہ بعض صحابہ کی غلطی کا نتیجہ تھیں۔ لیکن معاذ اللہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ آیات میں شک کے ظاہری سبب کے طور پر یہ ذمہ داری صحابہ پر ہی عائد کی گئی لیکن اللہ نے فوراً ہی اس کا اصل سبب بیان فرما کر اپنے محبوب علیہ السلام کے ساتھیوں کی دلجوئی فرما کر اس خیال کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ فرمایا گیا: "لِيَبْتَلِيَكُمْ" تاکہ اللہ تمہیں آزمائے۔ یہ سب کچھ تمہارے ارادے سے نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق تمہاری آزمائش کی اور اس آزمائش کے دوران جو بظاہر تم سے غلطیاں ہوئیں "لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ" بیشک تمہیں معاف کر دیا۔ یعنی ان غلطیوں کا داغ بھی تمہارے دامن سے صاف کر دیا۔ اب تم نہ تو داغدار ہو اور نہ ہی ناکام۔ آزمائش امتحان میں کامیاب ہو چکے۔

مذکورہ جملہ تاکیداً دو مرتبہ فرمایا گیا۔ تاکہ صحابہ کرام کی عظمت کو برقرار رکھا جائے اور کسی کو ان پر طعن کرنے یا انگشت نمائی کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس احتیاط خداوندی کے باوجود اگر کوئی بدنصیب صحابہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا یا ان پر طعن کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت یا صحابہ سے ازلی عداوت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسے بدعقیدہ، بدنصیب لوگوں سے۔ آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۸

آل عمران: ۱۵۶ تا ۱۶۰

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی
الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝
وَ لَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝
وَ لَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ۝
اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ
عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۵۶ تا ۱۶۰)

Marfat.com

اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں سے جب وہ سفر کرتے کسی علاقہ میں، یا ہوتے جہاد کرنے والے کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس (خیال) کو حسرت (کا باعث) بنا دے ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

اور واقعی اگر تم قتل کر دیئے جاؤ اللہ کی راہ میں یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے۔

پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لئے اور اگر آپ ہوتے تند مزاج، سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے تو آپ ان سے درگزر فرمایئے اور بخشش طلب کیجئے ان کے لئے اور مشورہ کیجئے ان سے کام میں اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر بھروسہ کیجئے اللہ پر بیشک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

موت کا ڈر

منافقین جو حقیقت میں کافر ہی تھے، اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے ان کا عقیدہ باطلہ تھا کہ گھر میں بحفاظت رہنے سے موت ٹل سکتی ہے۔ لہٰذا جب مسلمان کسی مہم میں جایا کرتے یا حضور علیہ السلام کے ساتھ کسی غزوے میں جاتے اور اتفاقاً دوران سفر ان کی موت آ جاتی یا میدان جنگ میں شہید ہو جاتے تو یہ غمزدہ انداز میں کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو وہ بیچارہ مر گیا۔ اگر نہ جاتا تو نہ مرتا۔ اس کے بوڑھے والدین آج روتے نہ ہوتے اس کے بچے یتیم نہ ہوتے، اس کی بیوی کا سہاگ نہ اجڑتا۔

اے ایمان والو! تم اس خیال میں ہرگز مبتلا نہ ہونا، ان کے دلوں میں تو اللہ نے یہ خیال اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ حسرت و یاس میں تڑپتے رہیں کہ ان کے اس پروپیگنڈے کے باوجود اہل ایمان کے عمل میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوتی، وہ اسی طرح حضور علیہ السلام کے احکام کے مطابق مہمات کے لئے سفر کرتے ہیں۔ مزید جوش و جذبہ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر بیٹا شہید ہو جاتا ہے تو باپ میدان میں کود پڑتا ہے، اگر ایک بھائی شہید ہو جاتا ہے تو دوسرا بھائی تلوار تان کر میدان میں آ جاتا ہے۔ مائیں اپنے بیٹوں کو دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دے کر کفار کے مقابلہ کے لیے آمادہ کرتی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمان کا تو عقیدہ ہوتا ہے، اسے یہ یقین کامل ہے کہ موت و زندگی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب وقت آ جاتا ہے تو گھر کی چار دیواری کیا، بند اور محفوظ قلعوں میں بھی موت کا فرشتہ آ دبوچتا ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: ۷۸)

جہاں کہیں تم ہو گے آ لے گی تمہیں موت اگرچہ تم (پناہ گزیں) ہو مضبوط قلعوں میں۔

Marfat.com

اے ایمان والو! اللہ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے وہ ان کی حالت بھی دیکھتا ہے جو موت کے ڈر سے گھر میں چھپتے اور بزدلوں کی موت مرتے ہیں۔ اور وہ انہیں بھی دیکھتا ہے جو دلیری اور جرأت کے ساتھ اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے نکلتے ہیں اور قتل کر دیے جاتے ہیں یا طبعی موت مر جاتے ہیں۔ ان کا یہی عمل ان کی مغفرت اللہ کی رحمت کے حصول اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ ان کا یہ انجام دنیا کی ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جن کی محبت منافقین کو گھروں سے نہیں نکلنے دیتی۔ بہرحال تم اپنے گھروں میں مرو یا ویسے ہی تمہیں کوئی قتل کر دے۔ موت آنی ہے ٹل نہیں سکتی۔ ایک دن ضرور سب کو اللہ کے دربار میں حاضر ہونا۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ منافقوں کا کیا انجام ہوتا ہے اور مؤمنوں کو کس طرح سایہ رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے۔

دو نظریے

آیت زیر گفتگو میں دو نظریے بیان کیے گئے۔ جو ایک واضح حقیقت موت سے متعلق ہیں۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ موت سے مفر نہیں۔ کتنے ہی جتن کر لئے جائیں موت آنی ہے۔ آج سائنس کے دور میں ایسی ادویہ تو تیار کر لی گئیں کہ خیال خام میں انسان کو طویل عرصہ تک زندہ رکھا جا سکتا ہے لیکن نہ تو اس کی قوت و طاقت اور جوانی جیسی رعنائی برقرار رکھنے میں کامیابی ہو سکی اور نہ ہی موت سے نجات دلائی جا سکی، بلکہ اس کے برعکس ہوا یہ کہ ان ادویہ سے زندہ رکھنے والوں کو ان کی بدحالی کے سبب زہر کے انجکشن دے کر مارنا پڑتا ہے۔ بہرحال موت ایک واضح حقیقت ہے لیکن انسان کی عقل و نظر پر اگر گمراہی کا پردہ پڑ جائے تو وہ موت کیا سورج کی روشنی کو بھی اختلافی مسئلہ بنا دیتا ہے۔

ماضی کے منافقین کفار و مشرکین ہوں یا آج کے دہریے۔ ان سب کا نظریہ ہے کہ انسان اگر احتیاط کرے اپنے تحفظ کا خیال رکھے تو موت کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ٹل ضرور سکتی ہے۔ اسی نظریے نے گمراہ قوموں کو ایسا بزدل بنا دیا کہ وہ اپنے ملک و قوم کے تحفظ تک کے اہل نہ رہے۔ اور وہ اپنی اس نا اہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے امن اور شانتی کے نعرے لگانے لگے۔ اور دین و مذہب، ملک و قوم کی حفاظت و بقا کے لئے جان کی بازی لگانے والے جرأت مندوں کو دہشت گرد اور ظالم و قاتل کہنے لگے۔

جبکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیا کہ موت آنی ہے اور مقررہ وقت پر آنی ہے۔ حفاظت کی کوئی تدبیر اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹال سکتی۔ پس اگر دین کی حفاظت کے لئے تمہاری ضرورت پیش آ جائے تو تم بلا تامل میدان میں نکل آؤ۔ اس دوران اگر تمہارا وقت آ گیا تو تم بڑے خوش نصیب ہو گے کہ مرنا تو تھا ہی گھر میں بستر پر موت آتی تو نہ تو دنیا میں تمہارا کوئی ذکر ہوتا اور نہ ہی آخرت میں کوئی فائدہ پہنچتا۔ اللہ کی راہ میں موت آئی تو قیامت تک آنے والوں میں تمہارا چرچا رہے گا۔ حتی کہ تمہیں مردہ کہنے اور سمجھنے پر بھی پابندی ہو گی اور آخرت میں حساب و کتاب کے بغیر تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے۔

اس نظریے نے مسلمان میں جو جرأت و ہمت پیدا کی ہے اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے اسلاف سے اسلام دشمن طاقتیں کس طرح کانپتی تھیں۔ اس سوال کے جواب سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش

Marfat.com

سے تر لگتا ہے کہ آج دشمن اتنا
نہیں۔ اور ہم جیسے گناہگاروں کو اس نظریے نے کتنی تقویت پہنچائی ہے اس کا اندازہ بس اس بات
طاقتور ہے اور ہم اتنے کمزور ہیں۔ کہ اگر دشمن موت سے فرار کا نظریہ نہ رکھتا ہوتا اور اس نظریے نے اسے بزدل نہ بنا دیا ہوتا،
تو ہمیں لقمہ بنالینا اس کے لئے کوئی دشوار نہ تھا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا رعب باقی ہے صرف اس لیے کہ دشمن خوب جانتا ہے
کہ مسلمان کسی حال میں نہیں ڈرتا، اس کے عقیدے کے مطابق اس زندگی سے بہتر موت کے بعد کی زندگی ہے۔ پس اس پر

قابو پانا آسان نہیں۔

ہمارے ملکوں میں بدامنی
ہمارے دور کے حالات شاہد ہیں کہ دشمن ہمیں مٹا دینے کی کسی تدبیر سے گریز نہیں کرتا۔
اور انتشار پیدا کیا جاتا ہے۔ ہماری غربت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں دولت کے لالچ میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ ہماری بھاری قرضے
دے کر ہمیں سود کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ مذہبی شعائر سے متنفر کرنے اور ہماری تہذیب و تمدن کو ختم کر دینے کے لئے
نہایت مکر و فریب کے ساتھ ہمیں بدکاریوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ ہمارے سیاسی معاملات میں مداخلت کر کے ہمارے ملکوں کو
غیر مستحکم کیا جا رہا ہے۔ اسلام کے خلاف لٹریچر کی بھرمار کر کے ہمارے نوجوانوں کو دین سے متنفر اور ذہنی طور پر مفلوج کیا جا رہا
ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود ہم اپنے ان سپاہیوں کو سلام کرتے ہیں جن کی جرأت مندی نے آج بھی ہماری ساکھ کو بچایا ہوا
ہے۔ اور وہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ہر محاذ پر دشمن کا مقابلہ کر رہے اور اس کے حملے کو غیر مؤثر بنا رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے
ذہن کے کسی گوشہ میں بھی موت کا خوف نہیں۔

ہم خودکشی کی ممانعت
بہرحال مسلمانوں کو موت سے نہ ڈرنے کا نظریہ دیا گیا اور یہی مسلمانوں کی بقا کا ذریعہ ہے تا
کی گئی ہے۔ کیونکہ خودکشی کسی ناپسندیدہ چیز سے تنگ آ کر یا کسی پسندیدہ چیز کے حصول میں ناکامی کے سبب اپنے آپ کو موت
کے حوالے کر دینا ہے۔ جو بزدلی ہے، کمزوری ہے۔ کہ مقصود حاصل کر لینے کی ہمت نہ تھی تو جان دے دی۔ جب کہ کسی مقدس
مقصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو موت سے ٹکرا دینا جہاد ہے، شجاعت ہے بہادری ہے۔ اور اس میں جان دے دینا

شہادت ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ
(آل عمران: ۱۵۹)
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ان کے لیے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ
لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے تو آپ معاف کر دیجئے انہیں اور بخشش طلب کیجئے ان کے
لئے اور مشورہ کیجئے ان سے کام میں اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر بھروسہ کیجئے اللہ پر
بیشک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

حضور علیہ السلام کے چند اوصاف

ابل ایمان سے نہیں بلکہ
آیت بالا پر گفتگو اگرچہ اس کتاب کے عنوان میں نہیں آتی۔ کیونکہ اس میں خطاب بلا واسطہ

Marfat.com

صاحبِ قرآن ﷺ سے ہے۔ لیکن اس کی اہمیت وافادیت کے باعث ہم نے اس کو شامل گفتگو کیا ہے۔ یہاں حضور علیہ السلام کے بعض ایسے اوصاف کا ذکر کیا جارہا ہے جن کا ہر کامیاب رہبر ورہنما میں پایا جانا ضروری ہے۔

فرمایا گیا: اے پیارے، اللہ کے بے شمار خصوصی انعامات میں سے آپ پر یہ بھی ایک انعام ہے۔ کہ آپ نرم مزاج ہیں، اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے، تو نہ تو موجودہ لوگ آپ پر جان نثاری کے لئے تیار ہوتے اور نہ ہی بعد میں آنے والے آپ کے پیغام کو قبول کرتے اور آپ پر جانیں قربان کرتے۔ کیونکہ انسان فطرتاً حُسن پسند واقع ہوا ہے۔ اور زبان و دل کا حسن اس کی نرمی ہے۔ جو بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوں وہ معاشرے میں عزت ووقار کی نظروں سے دیکھا جائے اس کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کی زبان سے انگارے نہیں، بلکہ پھول جھڑیں۔ یعنی اس کی گفتگو میں ان درجہ نرمی ہو کہ ہر شخص اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینے پر آمادہ ہو جائے۔ اور اس کا قلب اتنا نرم ہو کہ کسی کی معمولی تکلیف پر بھی تڑپنے لگے اور وہ لوگوں کی مدد کرنے پر مجبور ہو۔ اے پیارے محبوب علیہ السلام آپ کے اندر یہ خوبی، آپ کی دیگر خوبیوں کی طرح پورے کمال کے ساتھ موجود ہے۔ اسی لئے آپ محروم انسانیت لوگوں کو انسان گر بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اور آپ کے گرد جمع ہونے والے جس طرح آپ پر شیدا وفریفتہ ہیں اس کی نظیر کسی قائد ورہبر کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔

پس اے محبوب علیہ السلام، آپ کے وہ غلام کہ بظاہر جن کی غلطی سے میدانِ احد میں آپ کو تکلیف پہنچی، اب تک اس خیال سے افسردہ ہیں کہ شاید آپ ان سے ناراض ہیں۔ پس آپ ان کی دلجوئی فرمایئے اور اپنی زبانِ رحمت سے نہ صرف ان کی معافی کا اعلان کیجئے بلکہ ہم سے بھی ان کی بخشش طلب کیجئے۔ اگرچہ ہم تو پہلے ہی انہیں معاف فرما چکے ہیں لیکن آپ کے عاشقوں کو آپ کی جنبشِ لب کا انتظار ہے۔ جب تک آپ ان کے لیے اعلان معافی نہ فرمائیں گے ان بے چین دلوں کو سکون نہ ملے گا۔ اور پیارے! آپ غلاموں کی دلجوئی کے لئے ان سے مشورہ بھی کر لیا کیجئے اور جب آپ کسی کام کا عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کر کے اس کو کر ہی ڈالا کیجئے۔ کیونکہ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے۔ پس اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور وہ کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔

اے ایمان والو! نبی کے اندر جو خوبیاں ہیں وہ تم بھی اپنے اندر پیدا کرو۔ کیونکہ نبی کی حیات طیبہ تمہارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہے۔ نیز ایک امتی کا کمال یہی ہے کہ وہ اپنے نبی کا عکس بنے۔ اس کا پیروکار رہو۔ پس جب تم آپس میں گفتگو کرو تو محبت بھرے الفاظ استعمال کرو۔ اور باہمی ہمدردی ومحبت کے عادی ہو۔ کہ اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کرو۔ اور آپس میں درگزر سے کام لو۔ دوسروں کی چھوٹی غلطیوں کی گرفت نہ کیا کرو۔ نیز اپنے کاموں میں اپنے بڑوں اور چھوٹوں سے مشورہ کیا کرو۔ ان خوبیوں سے معاشرے میں اتحاد ویگانگت پیدا ہوتا ہے۔ اور انفرادی، قومی و اجتماعی رعب اور وقار آتا ہے۔ اور جب تم کسی کام کا عزم مصمم کر لو۔ تو وسائل پر نظر کئے بغیر اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو، اللہ تمہارا حامی وناصر ہوگا اور تم ضرور کامیاب ہو گے۔

اے ایمان والو! اللہ کا مددگار ہو جانا تمہارے لئے بڑی نعمت ہے کہ اللہ بڑی قوت والا ہے جس کا وہ مددگار ہو گیا، کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے۔ اور اگر اللہ ہی نے تمہیں چھوڑ دیا تو تم کہیں کے نہ رہو گے۔ کوئی تمہاری مدد کر کے اللہ کا

Marfat.com

مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور کوئی اس کی مرضی کے برعکس تمہیں کامیاب نہیں کر سکتا۔ پس تم اللہ پر بھروسہ کرو تا کہ تمہیں اس کی نصرت و حمایت نصیب ہو۔

آیئے اب ذرا ان خوبیوں پر قدرے وضاحت کے ساتھ غور کر لیں جو حضور علیہ السلام میں موجود ہیں اور جن کا ذکر آیت مذکورہ بالا میں کیا گیا ہے۔

نرمی

انسان کی یہ خوبی تمام خوبیوں کی اصل ہے، کہ اسی سے دیگر خوبیاں پیدا ہوتی۔ مثلاً خوش کلامی، بُردباری، تواضع اور انکساری، باہمی محبت والفت اور ہمدردی۔ اس کے برعکس سختی انسان کو خودغرض، ظالم، جابر، مکار اور فریبی بناتی ہے۔ نرمی اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ جس کے لیے قرآن کریم میں لطیف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ (الشوریٰ:۱۹)

اللہ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ ''لطیف'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لطیف اس کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں جمع ہوں۔ جو کام کرے اس میں درشتی اور سختی نہ ہو، بلکہ نرمی اور رفق ہو۔ نیز وہ اپنے بندوں کی باریک سے باریک منفعتوں اور مصلحتوں پر آگاہ ہو اور جس کو کوئی نعمت عطا فرمانا چاہے اس کے عطا فرمانے پر قادر ہو۔

حضرت سید جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لطیف اس کو کہتے ہیں جو تیرے دل کو ہدایت سے منور کردے۔ غذا سے تیرے جسم کی نشوونما کرے۔ تجھے دنیا سے ایمان کے ساتھ نکالے اور جہنم کی آگ سے بچائے۔

انسان چونکہ صفات باری تعالیٰ کا عکس ہے۔ لہٰذا اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس میں لطف وملائمت اور نرمی پائی جائے۔ اسی لیے اس نے انسانوں کے رہبرورہنما اور قائدین کو اپنی اس صفت کا پیکر بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضور علیہ السلام جن کی ہر صفت ان کے منصب کی مناسبت سے کامل واکمل ہے۔ اپنی اس خوبی میں بھی باکمال ہیں۔ اسی لئے آپ اگرچہ دُرشت اور سخت ترین قوم میں تشریف لائے لیکن اس قوم کے افراد جس بڑی تعداد میں آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور آپ کے جانثار بنے اس کی نظیر انبیاء سابقین علیہم السلام کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ آپ خود نرم ہیں اور نرمی کی تعلیم دیتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَالَا يُعْطِيْ عَلٰى مَاسِوَاهُ

بیشک اللہ نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ نرمی پر دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نرمی کے سوا کسی بات پر نہیں دیتا۔ (مسلم شریف)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ

Marfat.com

جو نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ (مسلم شریف)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

جس کو نرمی سے کچھ حصہ دیا گیا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے حصہ دیا گیا۔ اور جو نرمی سے محروم رکھا گیا وہ دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم رکھا گیا۔ (شرح السنہ)

خود پیکر رفق و رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ کے حالات شاہد ہیں کہ آپ کبھی کسی سے سختی کے ساتھ پیش نہ آئے۔ اور آپ کی تعلیمات کی بنیاد بھی اسی رفق و نرمی پر ہے۔ مثلاً امیروں کو غریبوں پر شفقت و محبت کے ساتھ پیش آنے کا حکم، مردوں کو عورتوں سے مہربانی کرنے کا حکم، آقاؤں کو غلاموں کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم، یتیموں پر شفقت اور ان کی سرپرستی کرنے کا حکم، بیماروں کی عیادت اور کسی کی موت پر مرحوم کے اعزاء سے تعزیت کا حکم۔ حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کی تعلیم، دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے کا حکم۔ یہ تمام تعلیمات درحقیقت نتیجہ ہیں آپ کی اس خوبی کا جس کو قرآن کریم نے "لِنْتَ" کے لفظ سے بیان فرمایا۔ پس

اے ایمان والو! رحیم و کریم اور لطیف رب تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم بھی اپنے آقا ﷺ کی پیروی کرو اور اپنے اندر رفق و ملائمت پیدا کرو۔ جس سے تمہارے بیشتر باہمی اختلافات، باہمی نفرتوں کا خاتمہ ہوگا۔ تمہارے معاشرے میں امن و امان اور سکون پیدا ہوگا۔ تم اپنے خاندان اور قوم میں باعزت اور غیروں کی نظروں میں باوقار ہو جاؤ گے۔ اور اپنی ہر تحریک میں کامیاب و کامران ہو گے۔ اگر تم میں سے کسی کا دل سخت ہو اور وہ اس کو نرم کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ بھی اپنے آقا رحمۃ للعلمین سے ہی پوچھ لے۔ کہ ایک صحابی اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے آپ کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنی قساوت قلب کی شکایت کی۔ طبیب القلوب آقا ﷺ نے انہیں علاج بتایا:

اِمْسَحْ رَاْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ۔ (مشکوٰۃ شریف)

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور غریب کو کھانا کھلایا کرو۔

جس کا دل سخت ہوگا چند دن تو اسے اس عمل میں دشواری ہوگی، پھر وہ ہر کسی کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ خود بخود کرنے لگے گا۔

خوش کلامی

یہ خوبی بھی انسان کی ان خوبیوں میں سے ہے جو اس کی عزت و وقار کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو اس خوبی سے بھی خوب خوب نوازا تھا۔ جس کے لئے آیت مذکورہ میں "فظ" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جس کے معنی ہیں 'ترش کلام، یا بیہودہ گو ہونا۔ اے حبیب علیہ السلام آپ سخت کلام نہیں بلکہ ہم نے اپنے کرم سے آپ کو ایسی مقدس زبان عطا فرمائی ہے جو موتی بکھیرتی ہے اور جو ایک مرتبہ آپ کی محفل میں شریک ہو کر آپ کا کلام سن لیتا ہے اگر اس کا مقدر خراب نہ ہو

Marfat.com

تو وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا اسیر بن جاتا ہے۔ یہ آپ کی شیریں کلامی ہی کا اثر ہے کہ مال و دولت کے متوالوں اور دنیا میں مست قوم کے دلوں سے آپ نے ان چیزوں کی محبت ایسی نکال دی کہ وہ آپ کے اشاروں پر اللہ کی راہ میں ہنستے مسکراتے اپنی گردنیں کٹانے لگے۔

نبی مکرم علیہ السلام ہی کے واسطہ جلیلہ سے اللہ نے یہ خوبی پیدا کرنے کا حکم عام بندوں کو دیتے ہوئے فرمایا:

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ (بنی اسرائیل:۵۳)

اور (اے حبیب) آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ عمدہ باتیں کیا کریں بیشک شیطان فتنہ وفساد پیدا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

نبی مکرم علیہ السلام جو کلام الٰہی کے شارح بھی ہیں اور عملی نمونہ بھی، اس حکم کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں۔ اس ارشاد کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو ہیں۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا جو خاموش رہا نجات پا گیا (ترمذی)

یعنی بے شمار دنیاوی و اُخروی آفات سے اس کے لئے نجات کا مژدہ ہے جو غیر ضروری باتوں سے بچتا رہے۔ نیز عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ ''یا رسول اللہ! نجات کا ذریعہ کیا ہے''؟ آپ نے فرمایا:

اَمْلِکْ عَلَيْکَ لِسَانَکَ وَلْيَسَعْکَ بَيْتُکَ وَ ابْکِ عَلٰی خَطِيْئَتِکَ

اپنی زبان کو قبضے میں رکھو (غیر ضروری باتیں نہ کرو) اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی رہے (بلاضرورت گھر سے نہ نکلو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ (ترمذی)

علی ابن حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ.

آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے بیکار باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔ (ترمذی)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ وَ قَالَ هٰذَا:

اے اللہ کے رسول سب سے خوفناک چیز کیا ہے جس سے آپ مجھے ڈراتے ہیں۔ راوی نے کہا حضور علیہ السلام نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا ''یہ''۔ (ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْئِ

مومن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، بیہودہ گو اور بے غیرت نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

Marfat.com

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً

آدمی کا خاموشی پر قائم رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ (بیہقی)

غرضیکہ فحش کلامی، بدزبانی نہ اللہ کو پسند ہے نہ حضور علیہ السلام کو۔ کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کی روح کو ختم کر دیتی ہے۔ اور بدزبان شخص اسلام کی رحمتوں اور نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں میل ومحبت پیدا ہو۔ ان میں ایسی ہمدردی اور باہمی تعاون کا جذبہ ہو کہ وہ اپنے بے شمار مسائل سے خود ہی نمٹ لیں۔ لیکن ایک بدزبان شخص پورے مسلم معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے باہم دست بگریباں ہو جاتے ہیں۔ پس

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق اپنی زبان پر قابو رکھنے کی کوشش کرو۔ جب ضرورت ہو تو بولو۔ اور جب بولو تو پہلے تولو کہ تمہاری زبان سے نکلنے والے الفاظ کا کیا اثر ہوگا۔ ایسے الفاظ منتخب کرو جن سے سننے والے کو اپنی توہین وتحقیر کا احساس نہ ہو۔ اور وہ تم سے متنفر نہ ہو۔ یا لڑنے، جھگڑنے نہ لگے۔ ایسے الفاظ کا انتخاب کرو جن سے ادب و احترام اور پیار ومحبت کی مہک آئے۔ نہ ایسی باتیں کرو جن میں دوسروں پر لعن طعن ہو یا کسی کی غیبت، چغلی اور شکوہ ہو کہ ایسی باتوں سے خاندان، محلے اور معاشرے میں اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے۔

خوش کلامی کی عادت انسان کو بچپن ہی سے ہوتی ہے۔ اگر کسی بچے سے اس کے والدین یا دوسرے بڑے بدکلامی کرتے ہیں۔ مثلاً آپس میں گالیاں دیتے ہیں، چیختے چلاتے رہتے ہیں تو بچوں میں بھی یہی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ بڑے ہو کر بھی اپنی زبان پر قابو نہیں کر پاتے۔ لہٰذا والدین اور بڑوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں سے ادب واحترام کے ساتھ بات کریں۔ نیز انہیں ایسے الفاظ تعلیم دیں جو زبان کو اچھا بناتے اور خوش کلامی کی عادت پیدا کرتے ہیں۔ جیسے سلام کرنے، ماشاءاللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ جیسے الفاظ بولنے کی عادت پیدا کی جائے۔

قساوتِ قلب

یعنی دل کا سخت ہو جانا، جو تمام عیبوں کا باعث بنتا ہے۔ ظلم وستم، خود غرضی، حق تلفی کی عادت اور ایسے ہی تمام عیوب قساوتِ قلب ہی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ سخت دل انسان نہ تو اچھا حاکم بن سکتا ہے نہ اچھا شوہر اور باپ نہ ہی اچھا بھائی اور رشتہ دار۔ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں کامیاب نہیں رہتا ہر کوئی اس سے نفرت کرتا، اس کا دشمن ہو جاتا اور کسی نہ کسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ایسا شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے یا مر بھی جائے تو لوگ اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کی بجائے اس کی مصیبت پر خوش ہوتے اور اس کی موت کو اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے ایسے شخص کے لیے ''ویل'' تباہی کا اعلان فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الزمر: ۲۲)

بھلا وہ (سعادت مند) کشادہ فرمایا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے

Marfat.com

دیئے ہوئے نور پر ہے پس ہلاکت ان سخت دلوں کے لئے جو اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

یہ لوگ کتنے بد بخت ہیں جن کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کہ ان پر اللہ کے ذکر اور اس کی آیات کی تلاوت تک کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایسے غافل ہو گئے کہ کبھی انہیں اپنے خالق و مالک کا خیال تک نہیں آتا۔ پس ان لوگوں کے لیے ''ویل'' تباہی و بربادی کے سوا کیا رہا۔ یہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہیں اور آخرت میں بھی۔ العیاذ باللہ نبی جو اپنی امت کے لئے رحمت بن کر آتا ہے۔ بالخصوص نبی آخر الزماں ﷺ جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے اس بدترین عیب میں کیسے مبتلا ہو سکتے تھے۔ اگر ان میں یہ عیب پایا جاتا تو لوگ کیسے ان پر جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہوتے۔ ان کی تو خوبی یہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ:۱۲۸)

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک رسول تم ہی میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

کیسا رحم دل ہے یہ رسول (ﷺ) کہ جب بھی کسی کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ یہ ہمہ وقت اس فکر و تدبیر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح انسان کو چین و سکون نصیب آ جائے۔ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس کے باعث دنیا کی ہلاکت اور آخرت میں جہنم کی آگ اس کا مقدر بنے یہ کیفیت تو اس رسول رؤف و رحیم ﷺ کی عام انسانوں کے لئے ہے جبکہ مؤمنوں پر تو ان کی نظر کرم بے حد و بے حساب ہے۔ مؤمن دنیاوی تکلیف میں مبتلا ہو یا اخروی خطرہ اس کو لاحق ہو، وہ جسمانی بیماری کا شکار ہو یا روحانی امراض کا، یہی رسول کریم ﷺ اس کا سہارا بنتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں جو کچھ سکھایا وہ باعث رحمت ہے ان کی اتباع و پیروی ہمارے لئے دنیا میں عزت و عظمت اور آخرت میں نجات کی ضمانت ہے۔ ان سے تعلق اور ان کا سہارا ہماری تکلیفوں کا مداوا ہے۔ ان کے در سے ہماری مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو، رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے دریا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّا تیرا

اغنیاء پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اَصفیاء چلتے ہیں سر سے وہ ہے رَستا تیرا

Marfat.com

جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقا تیرا　　تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال

(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

آیئے رؤف ورحیم آقا ﷺ کے ارشادات ہی کی روشنی میں ان کے قلبِ رحمت کو دیکھیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رحیم آقا ﷺ نے ہمیں رحیم بننے کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ　اللہ اس پر رحم نہیں فرمائے گا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

بچوں پر شفقت کا اندازہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کردہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کسی بچے کو بوسہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی دیکھ کر تعجب سے کہنے لگا، آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، حیرت ہے، ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا:

اَوْ اَمْلِکُ لَکَ اَنْ یَنْزِعَ اللّٰہُ مِنْ قَلْبِکَ الرَّحْمَۃَ

میں کیا کروں کہ اللہ نے تمہارے دل سے رحمت وشفقت کو نکال دیا ہے۔

یتیموں پر آپ کی شفقت کا اندازہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کیجئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ لَہٗ اَوْ لِغَیْرِہٖ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، خواہ یتیم اپنا ہو یا غیر جنت میں اس طرح ہوں گے۔

''ھکذا'' فرماتے ہوئے آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیانی انگلیوں کو قریب رکھتے ہوئے وضاحت کی کہ ہم دونوں اس قدر قریب ہیں جتنی یہ دونوں انگلیاں۔

بیٹیاں، جنہیں اہل عرب زندہ دفن کر دیتے تھے۔ آقائے رحمت ﷺ کی شفقت کا فیض پاتی ہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کھانے کے لئے کچھ مانگا۔ اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ اس وقت میرے پاس ایک ہی کھجور تھی وہ میں نے اسے دی، اس نے کھجور کے دو حصے کر کے دونوں بیٹیوں کو کھلا دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ جب نبی مکرم علیہ السلام تشریف لائے تو میں نے آپ کو یہ واقعہ بتایا۔ آپ نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ ھٰذِہِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ

جوان لڑکیوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوا اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کی تو وہ قیامت کے دن اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ ہوں گی۔

یعنی بیٹیوں کے ساتھ بھلائی کرنے والا جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَۃُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ

رحمت نہیں نکالی جاتی مگر بدبخت آدمی سے۔

Marfat.com

احادیث وسیر کی کتابوں میں بے شمار ایسی احادیث اور ایسے واقعات موجود جو حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کی نرمی کو واضح کرتے ہیں۔ اس عنوان پر ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' کا مطالعہ بھی بے حد مفید ہوگا۔ اور یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ نبی مکرم علیہ السلام کی تعلیم کا منشاء یہی ہے کہ آپ کے غلام محبت والفت کے بندھن میں بندھ جائیں۔ جو کہ انفرادی دکھوں کا مداوا ہے اور اس کو اجتماعی اور قومی وقار اور سربلندی نصیب ہوتی ہے۔

عفو و درگزر

آیت زیر گفتگو میں نبی مکرم علیہ السلام کو خصوصی طور پر اُن صحابہ کرام کو معاف کر دینے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا۔ جن کے سبب آپ کو غزوہ احد میں تکلیف پہنچی، جبکہ اللہ نے پہلے ہی ان کی معافی کا اعلان فرمادیا۔ جیسا کہ ہم سطور بالا پر عرض کر چکے ہیں۔ یہ حکم درحقیقت حضور علیہ السلام کی صفت عفو کو اجاگر کرنے اور غلاموں کو اپنے اندر یہ خوبی پیدا کرنے کی تعلیم کے لئے دیا گیا۔

میرے آقا ﷺ میں یہ صفت بھی آپ کی دیگر صفات کی طرح اپنے پورے کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ آپ پیکر عفو و کرم ہیں۔ اپنوں کی خطاؤں کو درگزر کر دینا ہی نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی معاف کر دینا آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آپ کی وساطت سے اہل ایمان کو بھی یہ خوبی اختیار کرنے کا حکم دیا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ (المائدہ، ۱۳)

پس (اے محبوب علیہ السلام) آپ معاف فرماتے رہئے اور درگزر فرمایئے (دشمنوں کو) بیشک اللہ پسند فرماتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ⑲⑨ (الاعراف: ۱۹۹)

(اے حبیب علیہ السلام) معذرت قبول فرمایئے۔ (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور نادانوں کی طرف سے رخ انور پھیر لیجئے۔

نبی کریم علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل کا جو عملی نمونہ پیش فرمایا اس کا اندازہ درج ذیل چند واقعات سے کیجئے۔
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام نے کبھی کسی سے اپنی ذاتی حق تلفی کا انتقام نہ لیا۔ بلکہ آپ بڑی بڑی گستاخیاں کرنے والوں اور ایذائیں پہنچانے والوں کو معاف فرمادیا کرتے تھے۔ ہاں احکام الٰہی سے بغاوت کرنے والوں کے لیے آپ بہت سخت گیر تھے۔ اور ان سے ضرور انتقام لیتے تھے۔

چند واقعات

سیرت طیبہ کی کتابوں میں وہ دل دوز واقعات موجود ہیں جو حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو ابتداء اسلام میں مکہ میں پیش آئے۔ خود کائنات کے آقا ﷺ پر کیا نہ بیتی۔ آپ کو مجنون و دیوانہ کہا جاتا، راہ چلتے آپ کے نورانی جسم پر کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکی جاتی۔ راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ جن سے بسا اوقات آپ کے پائے مبارک زخمی ہو جاتے۔ کعبہ میں کئی مرتبہ حملہ کر کے آپ کو قتل کر دینے کی کوشش کی گئی لیکن آپ کا رویہ یہ تھا کہ خباب بن الارث رضی اللہ عنہ نے بیان

Marfat.com

کیا کہ اہل مکہ کے مظالم سہتے سہتے ہم سب بے حد تنگ آ چکے تھے۔ آخر کار میں ایک دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ آخر یہ ظلم وستم ہم کب تک برداشت کریں۔ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ان ظالموں یعنی مشرکین مکہ کے لئے بددعا فرما دیں۔ حضرت خباب فرماتے ہیں، اس وقت میرے آقا ﷺ سر مبارک کے نیچے اپنی چادر رکھے کعبہ کے سایہ تلے آرام فرما رہے تھے۔ میری بات سن کر آپ تیزی سے اٹھے، آپ کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا یعنی غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اے خباب تم نے یہ کیا کہا، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم سے پہلے لوگوں کے جسموں پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئی ہیں، جس سے ان کی کھال ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جھڑ جاتی تھی۔ ان کے سر پر آرے رکھ کر انہیں دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، پھر وہ حق کو نہ چھوڑتے تھے۔ اے خباب، اللہ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ (اور ایسا ہی ہوا)

حضور علیہ السلام نبوت کے دسویں سال قبیلہ بنو ثقیف کو دعوت اسلام پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے جہاں آپ کو سخت اذیت پہنچی کہ ان ظالموں نے آپ کو مارا پیٹا اور اتنا پتھراؤ کیا کہ آپ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ جوتے خون سے بھر گئے۔ آپ نے ان لوگوں سے بچنے کے لئے ایک باغ میں پناہ لی۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر فرشتے بھی کانپ اٹھے اور پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں ان ظالموں پر اخشبین پہاڑ الٹ دوں۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

غزوہ انمار (ربیع الاول ۳ھ) حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کے ہمراہ دوران سفر کسی جگہ قیام فرمایا، آپ کسی ضرورت سے تنہا تشریف لے گئے، دعثور بن حارث نے آپ کو تنہا دیکھا تو موقع غنیمت جانا، تلوار لے کر دوڑا آیا اور آپ کے سامنے تلوار تان کر کھڑا ہو گیا۔ بولا، اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان واعتماد سے فرمایا ''اللہ'' دعثور پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضور علیہ السلام نے تلوار اٹھائی اور فرمایا اب تو بتا تجھے کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں۔ آپ نے تلوار پھینکی اور فرمایا، جا معاف کیا۔ یہ جملہ سنتے ہی دعثور کی دنیا بدل گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے دامن سے وابستہ ہو گیا، ایمان لے آیا۔

غزوۂ احد (شوال ۳ھ) آپ کو معلوم ہے کہ اس غزوہ میں حضور علیہ السلام کو کتنی تکلیف ہوئی، جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔ آپ پر پے در پے وار کیے گئے، چہرہ مبارک زخمی ہوا، مقدس دانت شہید ہوا جب کسی نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ ان ظالموں کے لیے بددعا فرمائیے۔ تو آپ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے، کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

میرے آقا ﷺ کے عفو ودرگزر کا بے مثال واقعہ وہ ہے جو فتح مکہ کے دن پیش آیا۔ کہ اللہ کے رسول نبی رحمت ﷺ کعبہ کے سامنے اپنی اونٹنی پر رونق افروز ہیں۔ آپ کے گرد آپ کے پروانے ہیں اور ان کے چاروں طرف وہ مجرم

Marfat.com

ہیں جنہوں نے مکی زندگی میں آپ کو ستانے، پریشان کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ کونسا ظلم تھا جو آپ پر اور آپ کے غلاموں پر نہ ڈھایا گیا ہو۔ ذلت وخواری کا کونسا برتاؤ تھا جو نہ کیا گیا ہو۔ آج اللہ نے دشمنوں پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔ اگر آپ کا ایک اشارہ ہوتا تو انتقام لینے میں کوئی دیر نہ لگتی۔ صحابہ حکم کے منتظر تھے۔ لیکن پیکر عفو وکرم، رحمت عالم ﷺ کو کسی کا ایک قطرۂ خون بہانا گوارا نہ ہوا۔ آپ نے اہل مکہ سے سوال کیا بتاؤ، آج تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ سب بیک زبان بولے آپ کریم ہیں کریم کے بھائی ہیں، آپ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے جاؤ تم آزاد ہو۔

حتی کہ آپ نے دشمنوں کے گھروں کو پناہ گاہ بنا دیا۔ بالخصوص ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے متعلق فرمایا جو ابوسفیان کی پناہ میں آئے، اس کو بھی کچھ نہ کہا جائے، ہندہ نے غزوہ احد میں آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو صرف قتل ہی نہ کرایا بلکہ آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ آپ کے ناک، کان، انگلیوں کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔ اور خوشی میں دیوانہ وار ناچی۔ یہی ہندہ چہرے پر نقاب ڈالے کلمہ پڑھتی آپ کے دربار میں حاضر ہوئی۔ آپ اس کا اسلام بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ صرف اتنا فرمایا کہ "آئندہ تم میرے سامنے نہ آنا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ خاص خادم رسول ﷺ جنہوں نے دس سال شب و روز آپ کی خدمت انجام دی، بتاتے ہیں کہ اس طویل عرصہ میں میرے آقا ﷺ نے مجھ سے

فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ وَّلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ۔

کبھی اف تک نہ کہا۔ نہ یہ کہ کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صحابہ نے آپ کی خدمت میں مشرکین کے لئے بددعا کرنے کی درخواست پیش کی۔

قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً

آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا میں تو رحمت بانٹنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ:

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْزِیْ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَ يَصْفَحُ

حضور علیہ السلام کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہ لیتے تھے۔ بلکہ آپ معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے۔

اور اب ملاحظہ ہو، اس پیکر عفو ﷺ کا پیغام ہمارے نام راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا:

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَّالٍ وَّ مَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ

Marfat.com

صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا درگذر اور معافی سے سوائے عزت کے اللہ کچھ زیادہ نہیں کرتا اور تواضع کرنیوالے کے اللہ درجے بلند کرتا ہے۔

اے ایمان والو! آقا ﷺ کے اس ارشاد پر غور کرو اور اپنے خیالات کا جائزہ لو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم پر صدقہ وخیرات کرنا حتی کہ فریضہ زکوٰۃ ادا کرنا، کس قدر دشوار اور بار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آقا ﷺ کے ارشاد کے برعکس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ دینے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے ہمارے مال میں کمی ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے چھوٹوں اور برابر والوں سے تو درکنار، اپنے بڑوں تک سے معافی مانگنے میں شرم آتی ہے، یا کسی کو معاف کر دینا ہم اپنی کمزوری اور ذلت سمجھتے ہیں۔ جبکہ نبی مکرم علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق یہی ذریعہ عزت ہے۔ ہمیں لوگوں سے تواضع، عاجزی وانکساری سے پیش آنے میں بے حد تکلیف ہوتی ہے ہم اس کو اپنی حقارت خیال کرتے ہیں جبکہ اسی سے عظمت وبلندی ملتی ہے، اللہ اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے عفوودرگذر کے صدقہ میں ہمیں بھی اس خوبی کا عادی بنادے۔ اور ہم غلاموں کو آقا ﷺ کی اتباع وپیروی کی توفیق نصیب فرما۔ آمین۔

استغفار

آیت زیر گفتگو میں نبی مکرم علیہ السلام کو غلاموں کے لئے استغفار کرنے یعنی طلبِ مغفرت کا حکم دیا گیا۔ یہاں ہم استغفار کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بالخصوص صحابہ اور عموماً پوری امت کے لئے حضور علیہ السلام کو طلب مغفرت کا حکم دینے میں کیا حکمت ہے، جبکہ مغفرت وبخشش فرمانے والا اللہ ہے۔

اللہ پسند فرماتا ہے کہ بندے اس سے طلب مغفرت کرتے رہیں کہ یہ اعترافِ عبدیت اور اظہارِ عبدیت کا نہایت ہی واضح طریقہ ہے۔ اس لئے مختلف انداز سے ہمیں یہ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۵۔۱۳۶)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی، اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے، اپنے رب کی طرف سے اور جنت جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۷۴)

Marfat.com

تو کیا اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانفال:۳۳)

اور نہیں ہے اللہ انہیں عذاب دینے والا حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ (فصلت:۶)

آپ فرما دیجئے میں (بظاہر) تمہاری طرح انسان ہی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی اللہ ہے۔ پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے اور ہلاکت ہے مشرکین کے لیے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ (المزمل:۲۰)

اور اللہ سے مغفرت طلب کیا کرو بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

ان آیات میں استغفار کا مطالبہ عام مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے جبکہ رب غفور رحیم کو استغفار اتنا پسند ہے کہ اپنے معصوم نبی ﷺ کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ تاکہ آپ کے درجات مزید بلند ہوں۔ نیز آپ کا استغفار امت کے استغفار کی قبولیت کا وسیلہ بن جائے۔ اور استغفار کرنا سنت قرار پائے۔ ارشاد ہوا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ (المؤمن:۵۵)

پس (اے محبوب) آپ صبر فرمائیے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے خلافِ اولیٰ کاموں پر استغفار کرتے رہیے اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ (محمد:۱۹)

پس (اے محبوب) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے خلافِ اولیٰ کاموں سے استغفار کرتے رہئے نیز مغفرت طلب کریں مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے اور اللہ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو۔

نبی مکرم ﷺ کے چند ارشادات کی روشنی میں استغفار کی اہمیت کا اندازہ کیجئے۔ خود آپ کو یہ عمل اتنا محبوب ہے کہ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ فرماتے ہیں، قسم ہے اللہ کی:

اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

Marfat.com

میں دن بھر میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری)

تاکہ میرے مراتب بلند ہوں۔ امت پر استغفار کی اہمیت واضح ہو اور میرا یہ عمل غلاموں کے لئے سنت بن جائے۔ اور اس پر جو عمل کرے اس کے گناہ معاف اور توبہ قبول ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ يُّذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ

اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں ختم کر دے۔ اور ایسی قوم لے آئے جو گناہ کرے اور اللہ سے طلب گار مغفرت ہو، پھر اللہ انہیں بخش دے۔ (مسلم)

حدیث کی وضاحت

اس حدیث مبارکہ کی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئین کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ بظاہر مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ العیاذ باللہ گناہ کرنے چاہئیں تاکہ اللہ سے استغفار کیا جائے۔ ورنہ اللہ ہمیں ہلاک کر کے کوئی دوسری قوم پیدا فرما دے گا۔ جو گناہ کرے اور طلب گار مغفرت ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان اور ساری مخلوق اللہ کی صفات کا مظہر ہے۔ اگر اللہ ہمیں پیدا نہ فرماتا تو اس کے خالق ہونے کا کیسے پتہ چلتا وہ رازق ہے جس کے لئے رزق اور مرزوق یعنی جسے رزق دیا جائے، کی ضرورت ہے۔ وہ شافی ہے جس کے لیے مرض اور مریض کی ضرورت ہے۔ وہ دافع البلاء ہے جس کے لئے بلا اور اس شخص کی ضرورت ہے جو بلاؤں میں مبتلا ہو۔ غرضیکہ اللہ نے اپنی ساری مخلوق کو اپنی صفات کے مظاہرے ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ تاکہ اس کی معرفت حاصل کی جاسکے۔ پس اللہ غفار ہے تواب ہے بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ وہ پسند فرماتا ہے کہ اس سے طلب مغفرت کی جائے۔ توبہ کی جائے وہ بخشنے اور توبہ قبول کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ پس انسان قصداً نہیں بلکہ سہواً اور خطاءً گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کی صفت غفار و تواب کے مظاہرے کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اس نے انسان کو علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نیکی و برائی کی قوت بخشی ان دونوں قوتوں کے باوجود جو انسان اعمال صالحہ کرتا ہے وہ فرشتوں سے افضل قرار پاتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا تقویٰ جبری ہے کہ ان کو خلاف تقویٰ عمل پر قدرت ہی نہیں اور انسان کا تقویٰ اختیاری ہے کہ وہ خلاف تقویٰ عمل پر قدرت کے باوجود تقویٰ اختیار کرتا ہے اور جب اس سے کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اس پر نادم و شرمندہ ہو کر اللہ سے توبہ کر لیتا ہے اور طلب گار مغفرت ہوتا ہے۔

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (ابن ماجہ)

جس شخص نے استغفار کو اپنا وطیرہ بنا لیا تو اللہ اس کی تمام مشکلات کو آسان فرما دیتا ہے اور ہر غم سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔ اور اس کو رزق ایسے ذرائع سے دیتا ہے جن کا اسے گمان تک نہیں ہوتا۔

کیونکہ مشکلات میں مبتلا ہونے غم آنے، رزق میں تنگی و بے برکتی پیدا ہونے کا سبب دراصل انسان کا گناہ اور برائیوں میں

Marfat.com

مبتلا رہتا ہے۔ پس جو مسلمان اپنے گناہگار ہونے کا احساس کر لیتا، اُن سے تائب ہو جاتا اور اللہ سے طلب گار مغفرت ہو
ہے تو اللہ رحیم وکریم اس کے لئے رحمت وکرم اور برکت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر اس کی زندگی میں سکون وطمانیت او
آسائش کے پھول کھلنے لگتے ہیں۔ اور اسے حیوٰۃ طیبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق:۲)

اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

نیز فرمایا گیا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل:۹۷)

جو نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَ اِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

گناہ پر اصرار نہیں کیا اس شخص نے جو اللہ سے طلب مغفرت کرتا رہا چاہے دن بھر میں ستر بار گناہ کرے۔ (ابوداؤد)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بار بار گناہ کیا جائے اور استغفار کرتا رہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ بڑا ہی غفور رحیم ہے بندہ کتنا ہی گناہ کرے اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ بخشتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ (الزمر:۵۳)

(اے محبوب) آپ فرمائیے، اے میرے بندوں جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنی جانوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے بیشک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

يَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ

نیک بندے کے درجات کو بلند فرماتا ہے تو وہ (حیرت) سے کہتا ہے، یہ درجہ مجھے کیسے مل گیا پس اللہ فرماتا ہے، یہ مرتبہ تجھے اس طلب مغفرت سے ملا جو تیرے بیٹے نے تیرے لئے کی۔ (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

Marfat.com

طُوْبٰی لِمَنْ وَّجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا۔

خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار کی کثرت پائی۔ (ابن ماجہ)

یہ ہے اس استغفار کے فضائل، فوائد اور اہمیت جس کا حکم اللہ جل مجدہ نے اپنے معصوم و محبوب نبی علیہ السلام کو بھی دیا اور آپ سے سفارش فرمائی کہ آپ اپنے غلاموں کے لئے بھی ہم سے طلب مغفرت کیا کیجئے۔ جیسا کہ آیت زیر گفتگو میں موجود ہے۔ نیز گناہگاروں کی طلب مغفرت کے لئے حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضری کا حکم دیتے ہوئے بتایا گیا مغفرت اسی وقت ہوگی جب رسول استغفار فرمادیں گے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (النساء: ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول تو وہ ضرور اللہ کو پاتے بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا۔

گویا اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس سے مغفرت بواسطہ وسیلہ رسول طلب کی جائے کیوں؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کی تفصیل تو ہماری کتاب "تبلیغی کتاب" ملاحظہ کی جاسکتی ہے، یہاں مختصر جواب یہ ہے کہ:

اللہ رب العزت جل مجدہ کو یہ پسند ہے کہ اپنے بندوں کو جو بھی وہ مانگیں اپنے نبی کی معرفت عطا فرمائے کہ محبوب کی یہ عزت افزائی ہے۔ کہ بندوں کو اس کے در کا بھکاری بنایا جائے، حتیٰ کہ اللہ کی حکم عدولی اور گناہ کرنے والے بھی اسی در پر حاضر ہوں۔ اگر رسول ان سے راضی ہو گئے اور انہوں نے سفارش کر دی تو چھٹکارا، ورنہ محرومی۔ پس:

اے ایمان والو! رسول سے غلامی کا رشتہ مضبوط رکھو، ان سے محبت کر کے ان کی اتباع و پیروی کے ذریعہ ان کی سنتوں کو اپنا کر ان کے ذکر کی محافل منعقد کر کے، ہمہ وقت ان پر درود بھیج کر تاکہ تم پر ان کی نظر کرم رہے کہ اس زندگی میں بھی انہیں کے در سے بھیک ملتی ہے۔ اور حشر میں بھی انہی کی پناہ میں آنا ہوگا۔

سائلو دامن سخی کا تھام لو کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْن

Marfat.com

مشورہ

آیت زیر گفتگو میں اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو غلاموں سے مشورہ کرتے رہنے کا حکم دیا۔ یعنی جہاد، حکومت اور دیگر اہم امور میں آپ اپنے غلاموں کی رائے بھی معلوم کر لیا کیجئے۔

عام طور پر مشورہ اس لیے کیا جاتا ہے، کہ مشورہ لینے والے کو اپنے ارادے پر پوری طرح یقین نہیں ہوتا وہ تذبذب اور شش و پنج کی حالت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اپنے اعتماد کے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد اگر وہ ان کی تائید حاصل کر لیتا ہے تو اپنے کام کے لیے قدم اٹھاتا ہے اور اگر اس کے مشیر مخالفت کرتے ہیں تو وہ ناکامی کے خوف سے اپنا ارادہ تبدیل کر دیتا ہے۔ لیکن یہ صورت حال نبی مکرم ﷺ کے لئے موزوں قرار نہیں دی جا سکتی، کیونکہ آپ کا کوئی عمل، ارادہ وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا۔ حتی کہ آپ کا اجتہاد بھی اللہ کی رضا کے مطابق ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: ۳۔۴)

اور وہ (محبوب علیہ السلام) تو بولتے ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میری عادت تھی کہ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے میں جو کچھ سنتا لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض احباب نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم حضور کی ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ آپ انسان ہیں، کبھی غصہ میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں۔ پس میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ چند دن بعد حضور علیہ السلام نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم حسب معمول میری باتیں کیوں نہیں لکھ رہے۔ میں نے جو وجہ تھی بتا دی۔ پس آپ نے فرمایا:

اُكْتُبْ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّىْ اِلَّا الْحَقُّ۔

لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔

پس جب آپ کی کوئی بات بغیر وحی الٰہی کے نہیں ہوتی تو آپ کا کوئی عمل یا اس کا ارادہ وحی اور مرضی الٰہی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے اور اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے آپ کو کسی کے مشورے اور کسی کی تائید حاصل کرنے کی کیا ضرورت، اور اگر مشورہ منفی ہو تو آپ اسے کیسے تبدیل یا ترک کر سکتے ہیں۔ بات قابل غور ہے۔

بلاشبہ نبی مکرم علیہ السلام کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اس کی وجہ وہ نہیں جس کی بناء پر عام لوگ مشورہ لیتے ہیں بلکہ آپ کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کی امت مشورے کی اہمیت کو جانے اور ان فوائد کو حاصل کر سکے جو مشورہ لینے سے ہوتے ہیں۔ نیز یہ عمل آپ کی سنت قرار پائے۔ اور مشورہ لینے اور دینے والے دونوں کو دنیاوی فوائد کے ساتھ آخرت میں بھی اس کا اجر و ثواب ملے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا دور اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ اس دور میں حلقہ بگوشان اسلام کی تالیف قلب، ہمت افزائی اور دلجوئی نہایت ضروری تھی۔ جس کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ مشورے کا بھی اختیار کیا گیا۔ صحابہ کرام کے لئے یہ نہایت ہمت افزا بات تھی کہ اللہ کے رسول اور ان کے آقا ﷺ کے دربار میں انہیں یہ اہمیت

Marfat.com

حاصل ہو۔ کہ صرف کام کرنے کا حکم ہی نہ دیا جائے بلکہ بوقت ضرورت ان کی رائے بھی لی جائے۔ اس طریقہ سے ان میں خدمتِ دین اور دین کی جانثاری کا جوش و جذبہ دوبالا ہوتا رہا۔ اور وہ ہر کام کو صرف حکم کی تعمیل ہی نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیتے رہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پیچھا کر کے واپس چلا جائے۔ یا قریش سے مقابلہ کیا جائے۔ تو بعض صحابہ نے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ جو حضور علیہ السلام کو پسند نہ آیا۔ کیونکہ آپ کو اللہ کی طرف سے جنگ کا حکم مل چکا تھا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر حضرت مقداد رضی اللہ عنہم نے جب جنگ کی تائید میں پرجوش تقریریں کیں تو مخالف رائے دینے والے بھی جوش میں آ گئے اور جنگ ہوئی۔ کامیابی و کامرانی قدم بوس ہوئی۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''یوم الفرقان'' ملاحظہ ہو۔

بہرحال اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام سے اہم امور میں خصوصاً جنگوں کی تیاری کے موقع پر مشورہ فرماتے تھے اور جو رائے حکم الٰہی اور مرضی الٰہی کے خلاف نہ ہوتی آپ اس کو پسند فرماتے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، کے موقع پر آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا اور تدبیر جنگ سے متعلق صحابہ کو رائے دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ اور دشمن کے درمیان خندق کھودنے کی تجویز پیش کی۔ اہلِ عرب کے لئے جنگ میں یہ تدبیر اختیار کرنا ایک بالکل نئی بات تھی کہ یہ اہل فارس ہی کا طریقہ تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام نے اس رائے کو پسند فرمایا اور خندق کھودی گئی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی حضور علیہ السلام کو حدیبیہ تک پہنچنے سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ اہل مکہ آمادہ جنگ ہیں وہ کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس وقت آپ نے صحابہ کی رائے طلب کی۔ صحابہ نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گزارش کی، یا رسول اللہ آپ آگے بڑھیں ہم عمرہ کرنے جا رہے ہیں جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔ لیکن اگر اہل مکہ نے ہمیں روکا تو ضرور جنگ ہوگی۔ اس مشورے ہی کے مطابق حضور علیہ السلام نے دوبارہ سفر جاری کیا۔ حتیٰ کہ حدیبیہ پہنچ کر آپ کو اللہ کا حکم وہیں ٹھہرنے کا ہوا۔ اور پھر جو ہوا وہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ غزوۂ احد کے لئے روانگی سے قبل آپ نے صحابہ کی رائے طلب فرمائی کہ مدینہ میں دشمن سے جنگ کی جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اور آپ اکثر صحابہ کے مشورے ہی کے مطابق مدینہ سے باہر جبلِ احد کی طرف تشریف لے گئے۔

مشورے کی اہمیت

مشورے کی اہمیت کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کو اس کا حکم دیا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے اسے مؤمنین کاملین کی خوبیوں میں سے ایک خوبی قرار دیا۔ ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الشوریٰ: ۳۷۔۳۸)

Marfat.com

اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور وہ جب غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا، اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ کی عملی تفسیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالاتِ زندگی میں دیکھی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی امور میں اپنے احباب سے ہمیشہ مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور اجتماعی وقومی امور بھی مشورے ہی سے انجام دیتے تھے۔ خلفائے راشدین کا انتخاب امورِ مملکت کی انجام دہی کے لئے مشورے ہی سے عمل میں آیا۔ ان خلفاء نے باہمی مشاورت سے ہی امورِ مملکت انجام دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے دورِ خلافت میں ہر کام میں ایک نظم پیدا فرمایا۔ لہذا باقاعدہ جلیل القدر صحابہ پر مشتمل مجلس مشاورت قائم فرمائی۔ جس کے مشورے کی روشنی میں ملکی، سیاسی، جنگی اور قانونی معاملات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ کسریٰ وقیصر کے مقابلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس جانے کا فیصلہ فرمایا لیکن جب اس پر عمل کرنے کے لئے مجلس شوریٰ سے رائے طلب کی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور اس کو نامناسب قرار دیا۔ ممبرانِ شوریٰ نے آپ کی تائید کی لہٰذا اسی پر عمل ہوا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف نہ لے گئے۔ ہاں جب کبھی شوری نے کوئی ایسا مشورہ دیا جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہوا تو اس کو رد کر کے حکم الٰہی اور مرضی رسول پر عمل کیا گیا۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے اپنی علالت سے چند روز پہلے شام کی طرف روانہ کرنے کے لئے لشکر تیار کیا تھا۔ جس کا سالار حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں جلیل القدر صحابہ اور تمام ہی ایسے بہادر سپاہی شامل تھے جن سے کفار کانپتے تھے۔ لشکر کی روانگی سے کچھ ہی پہلے حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر آنے کے بعد پہلا حکم اس لشکر کی روانگی کا دیا۔ صحابہ نے اس کو خلاف احتیاط سمجھا اور حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو فی الحال روک لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور علیہ السلام کے وصال کی خبر سن کر مدینہ پر دشمن حملہ کردے۔ اس صورت میں ہمارے لئے مدینہ کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہوگا۔ حضرت ابوبکر نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی قسم اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تب بھی اسے ضرور روانہ کروں گا اور حضور علیہ السلام کے ارادے کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھاؤں گا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا فیصلہ فرمایا تو صحابہ نے اس کو خلاف مصلحت قرار دیا۔ اور نرمی کا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ نے قرآن وحدیث کے فیصلے کے مطابق فرمایا کہ شریعت کے کسی رکن کا بھی منکر مرتد ہے۔ جس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔ مجھے یا کسی کو شرعی حکم میں تبدیلی یا نرمی کرنے کا اختیار نہیں۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مشورے کے حکم پر ہمیشہ عمل کیا کرتے تھے اور ان کے بعد جب تک عوام و حکام علم دین سے واقف رہے اور ان میں شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ بیدار رہا وہ اپنے ذاتی، اجتماعی امور باہمی مشاورت سے ہی انجام دیتے رہے۔ خصوصاً اسلامی ممالک کے حکام نے اس کا خاص خیال رکھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو حاکم نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا امین اور ان کے نفاذ کا نگران اور قوم کا خادم سمجھتے تھے۔ ان میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ قوم کے عطا کردہ

Marfat.com

منصب کو اپنی آن وشان اور انانیت کے لئے استعمال کریں۔اور عوام کے مطالبات اور مشوروں کو بے وقعت جان کر عارضی قوت کے ذریعہ دبا دیں۔

درحقیقت مشورہ اسلام کے سیاسی نظام کا ایک اہم جز ہے جس پر اسلامی حکومت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ جب عوام باہمی مشورے سے اپنے حاکم اور اس کے لیے مشیروں کا صحیح انتخاب کرتے ہیں اور حاکم ان مشیروں کی اہمیت کو تسلیم کر کے ان کی آراء کے مطابق امور مملکت انجام دیتا ہے تو اللہ اس کا معاون و مددگار ہوتا ہے اور اسے حکومت کرنے کے لئے رہبری ورہنمائی عطا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرلے تو اللہ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی ہدایت مل جاتی ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے (یعنی زندہ رہنا بہتر ہے) اور جب تمہارے حکام بدترین ہوں، اور تمہارے مال دار بخیل ہوں اور تمہارے (انفرادی و اجتماعی) معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہے''۔

نیز مشورے کے عادی حکام سے عوام کی ہمدردی ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ ان کے حکم پر بلاچون وچرا عمل کرنے کیلئے آمادہ رہتے ہیں۔نہ مخالفت ہوتی ہے نہ مطالبات ہوتے ہیں۔نہ احتجاج کے لئے جلسوں، جلوسوں اور توڑ پھوڑ کی نوبت آتی ہے۔

مشورے کے فوائد

مشورہ عوام کو متحد ومنظم رکھنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک سیاسی انتشار وافتراق اور بدامنی سے محفوظ رہتا ہے۔عوام اپنے مسائل کے لئے صرف حکومت پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ بیشتر مسائل کا حل وہ خود ہی اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کر کے تلاش کر لیتے ہیں۔

جس دور میں میرے آقا ﷺ نے حکم الٰہی کی تعمیل کر کے مشورے کے اصول کو متعارف کرایا، اس دور کے لوگوں کے لیے یہ بات حیرت کا باعث تھی کہ حاکم محکوم سے، امیر غریب سے، بڑا چھوٹے سے رائے طلب کرے اور اس کی رائے کی روشنی میں کام کرنے کا فیصلہ کرے۔ وہ دور تو وہ تھا جس میں عام آدمی کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ باقاعدہ حکومتوں میں کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں تھیں جن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی عوام کا مقدر سمجھے جاتے تھے۔ان قوانین کی بنیاد شخصی اور وراثتی حکومت کی حفاظت پر قائم تھی وہ اپنی بادشاہت کے تحفظ کے لئے صرف ظالمانہ و جابرانہ اصولوں پر حکومت کیا کرتے تھے۔نہ کسی کے حقوق کی ادائیگی کا خیال تھا اور نہ ہی کسی کی عزت وآبرو کا تصور۔ انسانوں کو غلاموں کی بھی نہیں بلکہ پالتو جانوروں کی حیثیت حاصل تھی کہ وہ اپنے کسی معاملہ میں اپنی مرضی یا خواہش کے دخل کا خیال تک نہ کر پاتے تھے۔ ان بادشاہوں کے حدود سے باہر، حکمراں قبائلی سردار تھے۔ جو قانون واصول کے الفاظ تک سے واقف نہ تھے۔ان کے پیش نظر

Marfat.com

صرف اور صرف اپنی ذات تھی، اپنی خواہشات تھیں۔ عوام کا مال و دولت حتی کہ عورتیں، بچے سب ان کے عیش وعشرت کی تکمیل کا سرمایہ تھے۔ اس دور میں صرف یونان کا خطہ ضرور ایسا تھا جہاں خود ساختہ جمہوریت کا نظام رائج تھا۔ وہ اتنا ناقص اور کمزور کہ ارسطو کے فلسفہ کا ایک حصہ بننے سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس نظام کے نہ تو پیروکار رہے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر دنیا میں کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکی۔

میرے آقا ﷺ نے مشورے کی بنیاد پر جس نظام حکومت کو متعارف کرایا اس نے تھوڑے سے ہی عرصہ میں بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کی جڑیں اکھیڑ دیں۔ وہ لوگ جو اپنے حاکموں کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ گویا کمزوروں کو قوت ملی، بے سہاروں کو سہارا ملا۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں۔ اپنے حقوق کے حصول کا احساس بیدار ہوا۔ عزتِ نفس پیدا ہوئی۔ بے جان انسان میں جان آئی اور ظلم وجبر کے خلاف ایک تحریک کا ایسا آغاز ہوا جس نے خدائی کے دعویداروں کو نیست و نابود کر دیا۔ غیروں نے اسے جمہوریت کا نام دیا اور قوت و طاقت کا سرچشمہ عوام کو قرار دے بیٹھے۔ جبکہ اہلِ ایمان نے اس کو باہمی ہمدردی واخوت کا ذریعہ سمجھا اور حکام کی صحیح رہنمائی اور اصلاح کے لئے استعمال کیا۔ اور "لا حکم الا للہ، حکم صرف اللہ ہی کا ہے"، کے عقیدے پر قائم رہے۔

امت مسلمہ کے ساتھ یہ ایک بڑا حادثہ ہوا کہ ان کے حکام نے اپنے اقتدار کی بقا اور اپنی من مانی کرنے کے لئے عوام کے ذہنوں سے شوریٰ کے اصل مقاصد کو نکال کر انہیں جمہوریت کے فریب میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ ضابطہ حیات کو چھوڑ کر مسلمانوں کے لئے خود دستور سازی کرنے لگے۔ اور شوریٰ دستور ساز ادارے میں تبدیل ہوگئی۔ انجام یہ ہوا کہ کہیں حکام خود ساختہ دستور کے سہارے بادشاہ بن بیٹھے اور انہوں نے آزاد شدہ قوم کو پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ کچھ اپنے دورِ اقتدار کو اتنا طویل کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ عوام میں ان پر تنقید کرنے یا ان کو تبدیل کر کے نئی قیادت لانے کی سکت ہی نہ رہی۔ اور کہیں انہی خود ساختہ قوانین نے ملک کو انارکی انتشار وافتراق کی آگ میں ایسا دھکیلا کہ ملک میں نہ سیاسی استحکام رہا نہ معاشی خوشحالی۔ نہ عزت وآبرو کا تحفظ۔ ایک سربراہ اپنی قانونی مدت اقتدار پوری نہیں کر پاتا کہ دوسرا اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ روزمرہ کی یہ تبدیلی یا تو قوت وطاقت کے ذریعہ ہوتی ہے یا مکروفریب سے، غرضیکہ شوریٰ کو جمہوری نظام میں تبدیل کر کے امت کو گرفتار مصائب وآلام کر دیا گیا۔ دشمنوں کے در کا بھکاری بنا دیا۔ وہ رعب ووقار جو مسلمان کا امتیازی نشان تھا ملیامیٹ ہوگیا۔ نیز اس تبدیلی سے قوم کی ایسی کردار کشی ہوئی کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور اخلاق سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ ہر شخص خود غرض، دولت کا لالچی، عیش وآرام پرست ہوگیا۔ محنت ومحبت ایثار وقربانی کا جذبہ مجاہدانہ زندگی جو مؤمن کی بقاء وتحفظ کا ذریعہ تھے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اب دشمن سے دفاع کے لئے لاکھوں افراد کی فوج تیار کی جانے لگی۔ جس پر قومی خزانے سے بے دریغ دولت خرچ ہوتی ہے۔ عوام کا پیٹ کاٹ کر ان کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ پھر دشمن کا خطرہ نہیں ٹلتا۔ بلکہ دشمن جو چاہتا ہے ہمارے ملکوں کی سرحدوں میں کر گزرتا ہے۔ کیونکہ جب مؤمن اپنے اخلاق وکردار کی سرحد کا تحفظ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو کوئی قوت وطاقت اس کی زمینی سرحدوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ یہ تاریخِ اسلام کی بولتی حقیقت ہے جس کا انکار بہرے ہی کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ اسلام کے عطا کردہ سیاسی نظام سے شورائیت کے

Marfat.com

خاتمہ ہی کے باعث آج دنیا بھر میں مسلمان فتنہ و مضطرب اور پریشان حال ہیں ان کے ممالک میں نہ امن و سکون ہے نہ معاشی و سیاسی استحکام جس کا دشمن خوب خوب فائدہ بھی اٹھا رہا ہے اور مذاق بھی اڑا رہا ہے۔ یا ارحم الراحمین ہماری حالت پر رحم فرما۔ بجاہ رحمۃ للعلمین ﷺ

دو باتیں

مشورے کے سلسلے میں دو باتیں بے حد اہم ہیں۔ ایک یہ کہ مشورہ صاحبُ الراء لوگوں سے لیا جائے۔ یعنی ایسے لوگوں سے جو رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں نیز وہ قابل اعتماد ہوں اور جس معاملے میں ان سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ اس کا پورا علم بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً صحت سے متعلق مشورے کی ضرورت ہو تو ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے۔ جو امراض اور ان کے علاج سے واقف ہوں، قانون کے متعلق رائے لینا ہو تو قانون دان لوگوں سے رابطہ کیا جائے۔ ملکی و قومی معاملہ ہو تو امور مملکت سے واقف لوگوں کو مشیر بنایا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نبی مکرم علیہ السلام کا ارشاد بتایا۔ کہ آپ نے فرمایا:

اِسْتَرْ شِدُوا الْعَاقِلَ وَلَا تَعْصُوْهُ فَتَنْدِمُوْا

عقلمند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانی پڑے گی

ہم اسی لئے ندامت اٹھا رہے ہیں کہ اولاً تو ہم کسی سے مشورہ کرتے ہی نہیں، کرتے بھی ہیں تو مانتے نہیں۔ اپنی من مانی ہی کرتے ہیں۔ ہمارے حکام اپنا مشیران لوگوں کو بناتے ہیں جو چاپلوس اور خوشامدی ہوں۔ ان کا مشورہ ''جی حضور'' سے آگے نہیں بڑھتا۔ اپنے منصب کے تحفظ، مراعات کے لالچ میں یہ ظالم کبھی نہیں سوچتے کہ سرکار کے اس فیصلے سے قوم کو ملک کو کیا نقصان ہوگا۔ یا خود سرکار کا کیا حشر ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ مشورہ دینے والے پر بھی بڑی اہم ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ اِذَا اسْتُشِيْرَ فَلْيُشِرْهُ بِمَا هُوَ صَانِعٌ لِنَفْسِهٖ

جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے جب اس سے مشورہ کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس معاملہ میں جو اپنے لئے کرتا ہی کرنے کا مشورہ دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اُفْتِىَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ وَ مَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِىْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ

بغیر علم کے فتویٰ دینے کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا۔ اور جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کا مشورہ دیا جس کے برعکس کرنے میں بھلائی تھی تو اس نے خیانت کی۔

یعنی اگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ نہ جانتا ہو تو فقیہ بننے کے بجائے اس کو اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ گر اس نے غلط مسئلہ بتا دیا۔ تو اس پر جتنے لوگ عمل کریں گے اس کا وبال ان مفتی صاحب پر ہوگا۔ اور اگر کسی سے کوئی رائے طلب کی

Marfat.com

جائے تو اسے صحیح رائے دے دینا چاہیے ورنہ وہ اللہ کے یہاں بددیانت لوگوں میں شامل ہوگا۔

پس مشورہ دینے کا موقع ووٹ وغیرہ کے ذریعہ عوام کو ملے یا عوامی نمائندے اسمبلی میں اپنی رائے کا اظہار کریں انہیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ امین ہیں۔ اللہ انہیں دیکھ رہا اور ان کی بات سن رہا ہے۔ انہیں ایک دن اللہ کے دربار میں حاضر ہوکر جوابدہی کرنا ہوگی کہ وہ اپنی ذمہ داری سے دیانت کے ساتھ سبکدوش ہوئے تھے یا انہوں نے خوف و لالچ میں مبتلا ہوکر بددیانتی کی تھی۔ لہٰذا مشیر کو چاہیے کہ وہ اس منصب کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال نہ کرے جو اس سے مشورہ طلب کر رہا ہے بلکہ بلاخوف وخطر اور بلا طمع تصحیح بات کہہ کر اللہ کی رضا حاصل کرے۔ کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ حق بات کہی جائے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ

افضل جہاد کا ثواب اس شخص کو حاصل ہوگا جس نے جابر وظالم حاکم کے سامنے حق بات کہی

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے لکھا اس پر غور کرو ہم جانتے ہیں کہ ماحول بے حد خراب ہو چکا ہے۔ لیکن موتی حاصل کرنے کے لئے غوطہ لگانے کے سوا چارہ بھی نہیں۔ تقویٰ، اللہ کی رضا، ایسے انمول موتی ہیں جن کے حصول کے لئے مومن کسی خطرے سے گریز نہیں کرتا۔ اگر چند مجاہد، دیانت وحقانیت کی شمع روشن کردیں تو پوری ملت کو تاریکی سے نجات دلا سکتے ہیں اور یہ ان کا ایسا عظیم احسان ہوگا کہ قوم اسلاف کی طرح انہیں بھی کبھی فراموش نہ کرے گی۔ نسلیں گزرتی رہیں گی لیکن ان کا ذکر خیر جاری رہے گا۔ نیز تمہارے ہی نام یہ پیغامِ الٰہی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝ (محمد: ۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے، تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

اے اللہ صدقہ ان کا جنہوں نے تیرے دین کی مدد کی اور تو نے ان کے قدموں کو مضبوط فرمایا۔ ہمیں بھی جرات دے کہ تیرے دین کی مدد کرسکیں اور ہمارے قدموں کو بھی جمادے کہ ہم باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں۔ اے اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

مقالہ ۱۹

آل عمران: ۲۰۰

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلے میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لئے اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! تمہاری دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی کا ذریعہ یہ چار خوبیاں ہیں۔

صبر، مصابرہ، رباط، تقویٰ

جس مؤمن میں یہ چار خوبیاں پیدا ہو گئیں وہ دنیا میں بھی کامیاب وکامران ہے اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ یہی خوبیاں ہیں جو جملہ احکام شرع پر عمل کا ذریعہ ہیں۔ ان خوبیوں والا مؤمن نمازی بھی ہوگا، غازی بھی، مجاہد بھی ہوگا، متقی بھی۔ اس کا ہر عمل اللہ اور رسول کی رضا کے مطابق ہوگا۔ پس اسے دنیوی زندگی میں سکون میسر آئے گا۔ وہ ہر حال مطمئن رہے گا۔ معاشرے میں اس کی عزت ہوگی۔ دنیا سے جانے کے بعد خیر اور بھلائی سے اس کا ذکر کیا جائے گا۔ یہی تو دنیا کی کامیابی ہے۔ اس زندگی کے

Marfat.com

بعد کے تمام مراحل بھی اس کے لئے سہل و آسان ہوں گے۔

سکرات موت کی تکلیف سے نجات

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ (الفجر:۲۸)

اے نفس مطمئن واپس چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

اس صدا سے سکراتِ موت کی تکلیف ختم ہوگی، قبر میں سوال و جواب کے وقت وہ چہرہ انور سامنے ہوگا، جس کی رضا کے لئے مؤمن نے ان خوبیوں کو اپنایا۔ انہی کا ساتھ اور سہارا میدان حشر میں ہوگا نہ حساب کی فکر نہ کتاب کا غم۔ نہ میزان پر گھبراہٹ اور نہ پل صراط پر خوف

رضا پل صراط سے اب وجد کرتے گزرئے ✧ کہ ہے ربِّ سَلِّم صدائے محمد (ﷺ)

غرضیکہ دنیا بھی کامیاب اور آخرت بھی کامیاب۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے حبیب گرامی ﷺ کے توسط سے ان عظیم خوبیوں سے آگاہ کر دیا۔ اے اللہ اب تجھ سے التجا ہے کہ ہمیں ان خوبیوں کو اپنانے کی بھی ہمت و توفیق عطا فرما۔ آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

صبر

صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں قرآن و سنت کی اصطلاح میں نفس کو خلاف شرع چیزوں سے روکنے کو صبر کہا جاتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

صبر علی الطاعات: یعنی جن کاموں کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ان کی پابندی کتنی ہی دشوار اور مشکل معلوم ہو۔ لیکن ان کے خلاف کرنے سے نفس کو روکے رکھنا مثلاً نماز کی پابندی کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اللہ کی مخلوق سے اچھا سلوک کرنا۔ لوگوں کی غلطیاں معاف کر دینا۔ والدین کی خدمت کرنا، حلال کو اختیار کرنا سود، رشوت وغیرہ کی دولت سے بچنا اور دیگر شرعی احکام کی پابندی، اپنی ضرورت یا ماحول کے تقاضوں کے باعث کتنی ہی دشوار کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی کسی شرعی حکم کو ترک نہ کرنا صبر ہے۔

صبر عن المعاصی: نفس کو ان چیزوں سے روکنا جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ چاہے کتنی مرغوب اور پسند ہوں یا دشوار ہوں۔ مثلاً بدکاری، شراب، جوا، خنزیر، یا غصہ پر قابو پانا لوگوں کی غیبت کرنا، کسی کو ستانا، بدزبانی، بدکلامی کرنا بد امنی و انتشار پھیلانا وغیرہ تمام ممنوعہ امور سے باوجود دشواری اور بظاہر نقصان کے بچنا صبر ہے۔

صبر عن المصائب: یعنی مصیبت و تکلیف کے وقت واویلا نہ کرنا مثلاً کسی مالی نقصان پر کسی بیماری پر کسی جانی نقصان پر آپے سے باہر نہ ہو بلکہ ان کو برداشت کرتے ہوئے اللہ ہی کے دربار میں رونا اور دعا کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اللہ ہی نجات دینے والا ہے، صبر عن المصائب ہے۔

صبر، انبیاء علیہم السلام کی سنت، اولیاء و صالحین کی عادت ہے جو اس کا عادی ہو جاتا ہے وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے مصائب و آلام بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے عزائم پختہ ہوتے ہیں وہ پیچھے دیکھے بغیر اپنی منزل

Marfat.com

کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ نہ اس کی نیند میں خلل آتا ہے نہ کھانے پینے میں فرق پڑتا ہے۔ نہ اس کا وقت ضائع ہوتا ہے، نہ صحت متاثر ہوتی ہے کیونکہ وہ مصائب و تکالیف کو زندگی کا ایک حصہ سمجھ لیتا ہے اور ان پر صبر کر کے اللہ سے ان پر اجر کا یقین رکھتا ہے۔

صبر کے فضائل و فوائد تفصیل کے ساتھ ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں یہاں ان کا اعادہ غیر ضروری اضافہ ہوگا۔ لہٰذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو آپ ان اوراق پر دوبارہ نظر ڈال لیجیے۔

مصابرہ

مصابرہ کا مادہ صبر ہی ہے حروف کی زیادتی اصل معنی میں زیادتی اور شدت کا فائدہ دیتی ہے۔ پس مصابرہ، صبر میں مبالغہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی خوب صبر کرو۔ ڈٹ جاؤ۔ نیز صبر ذاتی اور انفرادی عمل ہے جب کہ مصابرہ ان مصائب کا مقابلہ کرنا ہے جس سے اجتماعی و قومی نقصان ہو۔ لہٰذا یہاں اس کے معنی ہیں ''دشمن کے مقابلہ پر ڈٹ جانا'' یہ لفظ قرآن کریم میں ایک ہی جگہ صرف اس آیت میں آیا ہے۔

مصابرہ، دشمن کے مقابلہ پر ڈٹ جانا، مؤمن کی شان ہے مؤمن کی آن ہے۔ مؤمن کی بقا اور عزت و وقار کا ذریعہ ہے۔ اسی سے اسلام کا تحفظ ہے یہی دین کی بڑی خدمت ہے۔ اسی لئے حکم الٰہی ہے عمل نبوی ہے۔ سنت صحابہ ہے۔ طریقہ تابعین و صالحین ہے۔ جس پر ہماری تاریخ گواہ ہے۔ غزوۂ بدر و احد تبوک و حنین اور دیگر غزوات کا حال پڑھیے۔ خلفاء راشدین کے دور میں جو جنگیں ہوئیں۔ ان کے بعد جس دور میں بھی اسلامی احکام کے مطابق اہلِ ایمان نے جہاد کیا ان میں مجاہدین کے مصابرہ کے حالات پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور اپنے حال پر غور کر کے شرمندگی سے سر جھک جاتا ہے۔

رِباط

رِباط کے لغوی معنی ہیں باندھنا۔ قرآن و حدیث میں یہ لفظ دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کی حفاظت کے لئے جنگی گھوڑے اور جنگی سامان کے ساتھ ہمہ وقت مسلح رہنا۔ یعنی جنگ کے لئے تیار رہنا۔ دوسرے نفس کو باندھے رکھنا۔ یعنی برائیوں عیش و آسائش کا عادی نہ ہونے دینا۔ احکام شرعیہ بالخصوص نماز کا پابند بنانا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جو شخص حالت رباط میں مر جائے تو وہ جو کچھ عمل صالح دنیا میں کیا کرتا تھا ان سب اعمال کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا۔ (یعنی اس کی اولاد کبھی تنگی رزق میں مبتلا نہ ہوگی) اور وہ شیطان (یا سوال قبر) سے محفوظ رہے گا۔ اور قیامت کے دن اللہ اس کو ایسا مطمئن اٹھائے گا کہ محشر کا اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔

حضرت ابوسلمہ بن الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میں تمہیں وہ چیز بتاتا ہوں جس سے اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہارے درجات بلند فرمائے گا۔ وہ یہ ہیں وضو کو اچھی طرح کرنا باوجود یکہ سردی یا کسی تکلیف کے سبب وضو کرنا دشوار ہو۔ مسجد کی طرف (نماز باجماعت کے لئے) کثرت سے (پابندی سے) جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا'' ذلکم الرباط ''یہی رباط فی سبیل اللہ ہے۔

Marfat.com

آیت زیر گفتگو میں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔ یعنی جہاد کی تیاری اور نماز کی پابندی دونوں ہی مؤمن کی کامیابی کا ذریعہ ہیں لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہاں جہاد کی تیاری کا حکم ہے۔ جبکہ نماز کی تاکید اور اس کا ذریعہ فلاح ہونا قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ہو چکا ہے۔ درج ذیل آیہ مبارکہ ہمارے اس خیال کی بنیاد ہے۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ (الانفال:۶۰)

اور تیار رکھو ان کے لئے قوت و طاقت اپنی استطاعت کے مطابق اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوفزدہ کردو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم انہیں نہیں جانتے البتہ اللہ انہیں جانتا ہے اور جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا دیا جائے گا اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

آیت مبارکہ واضح ہے کہ اہل ایمان کو ہر وقت کفار کے مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیے کیونکہ کافروں کی طرف سے کسی وقت بھی اسلامی مملکت پر حملہ ممکن ہے۔ اس مقصد کے لئے دیگر جنگی سامان کا رکھنا ضروری ہے۔ لیکن گھوڑے بھی تیار بندھے رہنا چاہئیں۔ کہ سواری کے بغیر جنگ ممکن نہیں۔

حضور علیہ السلام کا نماز کا ''رباط'' فرمانے کا منشاء یہ نہیں کہ اس آیت میں رباط سے مراد نماز ہے۔ بلکہ فرمان کا مفہوم یہ ہے'' کہ نماز بھی رباط ہی ہے، یعنی جہاد کی تیاری ہی ہے۔ کیونکہ نماز کی پابندی سے مؤمن جس نظم وضبط، محنت اور مشقت کا عادی ہو جاتا ہے اس کا پورا فائدہ اسے میدان جہاد میں ہی ملتا ہے۔

تقویٰ

یعنی اللہ سے ڈرنا، وہ ڈرنا نہیں جو کسی ظالم و جابر سے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ڈرنا جو غلام کا آقا سے ہوتا ہے۔ یا جو محبوب کا محب سے ہوتا ہے یعنی اس کی ناراضگی اور ناراضگی کے نتیجہ میں اس کی سزا سے ڈرنا۔ مؤمن کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ ہر کام کرنے سے پہلے اللہ کی رضا اور اس کا حکم معلوم کرے تاکہ اس کا کوئی عمل رب کی مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے۔ بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ ہر حال میں احکام شرع کی پابندی کرنا۔

تقویٰ، قرب الٰہی کا ذریعہ ہے بندہ جتنی احکام شرع کی پابندی کرتا ہے، اسی کے مطابق وہ تقوے کے مراتب حاصل کرتا جاتا ہے اس عنوان پر ہم خاصی تفصیلی گفتگو گزشتہ اوراق پر کر چکے ہیں۔ جس کا مطالعہ آپ بھی کر چکے ہوں گے لہٰذا اعادہ غیر ضروری ہوگا۔

قابل غور

آیت زیر گفتگو میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ جہاد کے لئے تیار رہنے کے حکم سے پہلے صبر اور مصابرہ کا حکم

Marfat.com

دیا گیا۔ کیونکہ مومن اگر روز مرہ کی زندگی میں صبر کا عادی نہ ہو تو وہ جنگ کے میدان میں ہرگز ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً جو روز مرہ کی زندگی میں بھوک برداشت نہ کر سکے کوئی جسمانی تکلیف برداشت نہ کر سکے۔ اپنے کسی عزیز یا دوست کی موت کا صدمہ برداشت کرنے کا عادی نہ ہو۔ تو وہ میدان جنگ میں ان سب حالات کا مقابلہ کیسے کرے گا۔ اسی لئے ہماری تمام عبادتوں میں جُہد محنت و مشقت کا جوہر پایا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ پھر ہر موقع پر ایثار و قربانی کی تلقین بالخصوص ایام حج میں منیٰ، عرفات و مزدلفہ کا قیام، حالتِ احرام میں رمی جمرات یہ جملہ احکام ہماری قوت برداشت بڑھانے ہی کے لئے ہیں۔ تا کہ ہم وقت آنے پر پوری طرح مصابرہ کر سکیں۔ نیز اسی لئے میرے آقا ﷺ نے اپنے لئے اور نہ ہمارے لئے عیش و عشرت کی زندگی کو پسند فرمایا۔ آپ کے شب و روز اور رہن سہن کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ہماری صحیح رہبری ہو گی اور ہمیں اس عنوان پر بھی آپ کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ نصیب ہوگا۔

دنیا پر رحمت و برکت کی برسات برسانے والے آقا ﷺ کے دولت کدے میں دو، دو ماہ، آگ نہ جلتی تھی، صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوا کرتا تھا۔ بروایت خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ نے دستر خوان پر اہتمام کے ساتھ کبھی کھانا تناول نہ فرمایا۔ نہ باریک روٹی (چپاتی) کھائی۔ آپ نے کبھی فاخرانہ یا پُر تکلف لباس زیب تن نہ فرمایا۔ سونے کے لیے زم و نازک گدے استعمال نہ فرمائے۔ اکثر کھجور کی چٹائی پر آرام فرماتے کہ اٹھتے تو مقدس پیٹھ پر چٹائی کے نشان بنے ہوتے۔ کبھی آپ نے پوری رات آرام نہ فرمایا۔ رات کا اکثر حصہ اللہ کی یاد اور عبادت میں گزرتا۔ حتیٰ کہ آپ کے مقدس پیروں پر ورم آ جاتا۔ اپنے اہل و عیال کے لیے بھی آپ نے کبھی عیش و عشرت کی زندگی کو پسند نہ فرمایا۔ ہماری ماؤں کے لیے چھوٹے چھوٹے حجرے تھے جن کی دیواریں قدِ آدم سے قدرے اونچی اور چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا کام خود ہی کرتی تھیں۔ چکی چلاتی اور آٹا پیسا کرتی تھیں۔ پانی بھر کر لاتی تھیں اور ان کے باپ ﷺ غلام اور لونڈیاں تقسیم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت ہی ہمت کر کے ایک باندی کا سوال بھی کیا تو رد فرماتے ہوئے وظیفہ بتا دیا کہ یہ پڑھا کرو۔ تکان دور ہو جائے گی۔ انہی چہیتی بیٹی کا ایک واقعہ بروایت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ آپ بتاتے ہیں کہ:

جب حضور علیہ السلام سفر کے لئے تیاری فرماتے تو سب سے اخیر میں بیٹی حضرت فاطمہ سے ملاقات کرتے اور واپسی پر پہلے مسجد تشریف لاتے پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جاتے تھے ایک مرتبہ آپ کسی غزوے سے واپس تشریف لائے تو حسبِ معمول صاحبزادی کے گھر پہنچے، دیکھا کہ ان کے دروازے پر پردہ لٹکا ہوا تھا اور حسن و حسین چاندی کے کنگن پہنے کھیل رہے تھے۔ آپ نے نہ بیٹی سے ملاقات کی اور نہ نواسوں کو گود اٹھایا۔ دروازے سے ہی واپس ہو گئے۔ مزاج شناس بیٹی سمجھ گئیں کہ حضور کو گھر کی زینت اور بچوں کا زیور پسند نہ آیا۔ آپ نے پردہ پھاڑ دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے حسنین روتے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بچوں سے کنگن لئے اور فرمایا۔ ثوبان یہ زیور فلاں شخص کے بچوں کو دے آؤ وہ ضرورت مند ہیں۔ میں پسند

Marfat.com

نہیں کرتا کہ میرے اہل بیت زیب وزینت کی زندگی کے عادی بنیں۔ ثوبان، فاطمہ کے لئے لکڑی کے دانوں کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ، ﷺ

یہ ہے کائنات کے آقا ﷺ کی حیاتِ مقدس کا ایک نمونہ یہ بھی واضح رہے کہ آپ کی زندگی کا یہ طرز نہ تو جبری تھا اور نہ روایتی یعنی اس لئے نہ تھا کہ اس دور میں سب ہی ایسی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایسا ہر گز نہ تھا۔ اس وقت بھی لوگ اچھا کھاتے، اچھا پہنتے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ قیصر وکسریٰ جیسے عیاش بادشاہ موجود تھے۔ خود اہل مکہ ومدینہ کسی سے کم نہ تھے اور نہ ہی اس انداز زندگی کا سبب آپ کی غربت تھی۔ قسم خدا کی میرے آقا غریب نہ تھے۔ ان کے خزانوں سے تو نہ جانے کس کو کیا نصیب ہوا۔ اور آج تک ان کے خزانوں کے دہانے امت کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ بلکہ آپ اپنے اس طرز زندگی کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ "میرے رب نے مجھ سے فرمایا، پیارے اگر تم چاہو تو میں وادی مکہ کو تمہارے لئے سونا بنا دوں، مگر میں نے عرض کیا۔ میرے رب میں یہ نہیں چاہتا میں تو چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیرے آگے عاجزی وزاری کروں اور جب سیر ہو جاؤں تو تیری حمد اور شکر کروں۔ اس انداز زندگی میں جو محنت ومشقت سے بھری ہوئی تھی۔ میرے آقا ﷺ کی مصلحت یہی تھی کہ آپ کے غلام محنت ومشقت کے عادی ہوں، جُہدِ مسلسل کو اپنائیں ان میں قوت برداشت پیدا ہوتا کہ وہ ایسا مصابرہ کریں کہ بڑی سے بڑی طاقت ان سے ٹکرا کر پارہ پارہ ہو جائے۔

غرضیکہ جہاد کی تیاری کے حکم سے پہلے صبر ومصابرہ کا حکم دیا گیا کہ جب تم میں یہ دو خوبیاں پیدا ہو جائیں تو اب تمہیں رباط زیب دیتا ہے کہ ان خوبیوں کے بغیر جہاد کی تیاری کوئی معنی نہیں رکھتی اور جب تم رباط کے اہل ہو گئے تو تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی تمہارا جذبہ جہاد، کفار کی طرح ذاتی انتقام، قوت وطاقت کے مظاہرے یا حصول دولت یا ہوس اقتدار کے لئے نہ ہو۔ بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ہو۔ دین کی بقا اور حفاظت کے لئے ہو۔ نیز دورانِ جہاد تم سے کوئی خلافِ شرع حرکت سرزد نہ ہو۔ نماز نہ چھوٹے۔ ان طریقوں کی خلاف ورزی نہ ہو جن کو اختیار کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا۔ مثلاً جوشِ انتقام یا غصہ میں دشمن کے مقتولین کا مُثلہ نہ کرنا، یعنی ان کے ناک کان نہ کاٹنا، ان کے چہروں کو نہ بگاڑنا، ان لاشوں کی بے حرمتی نہ کرنا، گھوڑوں سے انہیں نہ روندنا۔ ان کی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ گھروں میں گھس کر لوٹ مار نہ کرنا۔ فصلوں کو تباہ نہ کرنا۔ درختوں کو نہ کاٹنا۔ آبادیوں اور جنگلوں میں آگ نہ لگانا۔ زخمیوں اور قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان کے علاج، کھانے وغیرہ کا خیال رکھنا کہ یہ جہاد ہے۔ آج جیسی دہشت گردی نہیں، جہاد عبادت ہے۔ اس کا ایک مقدس مقصد ہے جس کے حصول کے بعد کسی قسم کی جارحیت وزیادتی کی اجازت نہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد ہے۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (البقرہ:۱۹۰)

Marfat.com

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی مت کرو بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

جہاد تو اللہ کی عبادت ہے جس کا مقصد دہشت گردی نہیں بلکہ مؤمن کی اپنی عزت و آبرو کا تحفظ اور اسلام کی بقا ہے۔اس مقصد میں کامیابی کے بعد کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

بہرحال رباط سے قبل صبر و مصابرہ کا حکم رباط کی اہلیت وصلاحیت پیدا کرنے کے لئے دیا گیا اور رباط کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کا حکم رباط کی قبولیت کے لئے دیا گیا۔اور ان چاروں خوبیوں کے پیدا ہونے کے بعد کامیابی و کامرانی کی ضمانت دی گئی۔

جہاد کی تیاری

اختصار کے ساتھ یہاں یہ بتانا بھی موزوں ہوگا کہ مجاہد اعظم ﷺ نے جہاد کی تیاری سے متعلق ہمیں کیا تلقین فرمائی۔ پس چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ

گھوڑوں کی پیشانی سے قیامت تک کے لئے بھلائی باندھ دی گئی ہے۔ثواب اور مال غنیمت (کی صورت میں) (مسلم)

اس دور میں مجاہدین کے لیے گھوڑا نہایت اہم سواری تھا۔لہذا میرے آقا ﷺ نے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں خیر ہے،اس اعتبار سے کہ ذریعہ ثواب و بلندیٔ مراتب ہے ان مجاہدین کے لئے جو اس پر سوار ہو کر جہاد کریں اور شہید ہو جائیں اور ذریعہ حصول مالِ غنیمت ہے ان مجاہدین کے لئے جو زندہ رہیں اور غازی کہلائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْبَرَكَةُ فِيْ نَوَاصِي الْخَيْلِ

برکت گھوڑوں کی پیشانی میں ہے (جو جہاد کے لئے رکھے جائیں) (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) گھوڑا روکے رکھا، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے۔

فَاِنَّ شِبْعَهٗ وَ رِيَّهٗ وَ رَوْثَهٗ وَ بَوْلَهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تو قیامت کے دن اس کا کھانا اس کا پانی اس کی لید اور اس کا پیشاب بھی میزان میں ہوگا۔ (بخاری)

یعنی مجاہد کی دیگر نیکیوں کے ساتھ ان سب کا بھی وزن ہوگا۔اور مجاہد کو ان کا اجر ملے گا۔

حضرت وہب بن جشمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اِرْتَبِطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَ اَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَكْفَالِهَا وَ قَلِّدُوْهَا وَلَا

Marfat.com

تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ (نسائی)

(جہاد کے لئے) گھوڑے پالا کرو اور ان کی پیشانیوں اور پیٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو یا فرمایا کولھوں پر ہاتھ پھیرا کرو۔ اور انہیں ہار پہنایا کرو اور تانت کے ہار نہ پہنایا کرو (کہیں زخمی نہ ہو جائیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ

(مال و دولت یا کسی چیز میں بھی) سبقت لے جانے کی کوشش جائز نہیں، سوائے تیر اندازی یا اونٹ یا گھوڑا دوڑانے میں (ترمذی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ عَلِمَ الرَّمْیَ ثُمَّ تَرَکَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا اَوْ قَدْ عَصٰی

جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں یا اس نے نافرمانی کی (مسلم)

بہر حال قرآن و حدیث سے واضح ہے کہ مومن کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس تیاری کے سلسلے میں گھوڑے پالنے اور تیر اندازی وغیرہ کی تربیت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس میں نزول دورِ قرآن کی رعایت کی گئی ہے۔ لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں بلکہ مقصود تیاری کی ہدایت ہے لہٰذا ہر دور میں مسلمانوں کو اپنے دور کی ضرورت اور رواج کے مطابق تیاری کرنا چاہیے۔ ہمارے دور میں فوجی تربیت حاصل کرنا اس زمانہ کا اسلحہ خریدنا اور اس کو استعمال کرنے کی تربیت حاصل کرنا اسی حکم کی تعمیل ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ امت کے ہر فرد کو جنگ کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے مسلم ممالک میں فوجی تربیت لازمی ہونا چاہیے۔ عوام کو اسلحہ رکھنے کی عام اجازت ہونا چاہیے۔ عوام کو عیش و عشرت، زیب و زینت کے سامان پر دولت بہانے کے بجائے اسلحہ کی خریداری کے لئے اپنی آمدنی کا ایک حصہ مخصوص کرنا اور اس سے اسلحہ خریدنا چاہیے۔ کہ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہوگا۔ لیکن شریعت کے اس حکم سے ناجائز فائدہ حاصل نہ کیا جائے۔ یعنی مقدس مقصد کے لئے حاصل کردہ تربیت اور اسلحہ کو دہشت گردی، ذاتی و سیاسی انتقام اور اپنی ہی زمین پر بدامنی پھیلانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یاد رکھئے مجاہد سے اس کی اپنی قوم مطمئن اور پُرسکون ہوتی ہے اور دشمن خوفزدہ۔ اور یہی ہونا چاہیے کہ مجاہدین اپنی قوم کے مال و دولت، ان کی عزت و آبرو ملک کی سرحدوں کے ایسے محافظ بنیں کہ ان کے بھائی پُرامن زندگی بسر کریں۔ آرام کی نیند سوئیں اور ان کی سرحدوں کی طرف کسی کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ ہو۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سورۃ النسآء"

مقالہ نمبر	آیات نمبر
20	19 تا 28
21	29 تا 33
22	43
23	59
24	71 تا 76
25	94-101 تا 104
26	135
27	136 تا 143
28	144 تا 149

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

Marfat.com

مقالہ ۲۰

النساء ۱۹ تا ۲۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا
بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾
وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾
وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ
وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ

Marfat.com

وَالْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَ
رَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا
بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۳﴾
وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا
وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ
مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ
الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۴﴾
وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ
فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ
مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ
ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۵﴾
يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾
وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا
عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾ (النساء:۱۹-۲۸)

اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ روکے رکھو انہیں تاکہ لے جاؤ، کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے، انہیں سوا اس صورت کے کہ وہ کھلی بدکاری کا ارتکاب کریں اور زندگی بسر کرو، اپنی عورت کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو، اور رکھ دی ہو اللہ نے اسی میں (تمہارے لئے) خیر کثیر، اور اگر تم ارادہ کرلو، کہ بدلو ایک بیوی پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز، کیا تم لینا چاہتے ہو، اپنا مال، بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح) اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو، حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ اور نہ نکاح کرو جن (عورتوں) سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا، مگر جو ہو چکا اس سے پہلے (وہ معاف ہے) بے شک یہ کام بہت بے حیائی اور نفرت کا تھا اور بہت

Marfat.com

ہی برا طریقہ تھا۔

حرام کردی گئیں ہیں تم پر، تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں، اور بھانجیاں، اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور تمہاری بہنیں رضاعت سے، اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پارہی) ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر، اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی، جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو مگر جو گذر چکا (وہ معاف ہے)

بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے، اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہاری ملک میں آجائیں، فرض کیا ہے اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کردی گئی ہیں، تمہارے لئے علاوہ ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ پاکدامن بنتے ہوئے نہ زناکار بنتے ہوئے،

پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے، ان سے تو دو ان کے مہر، جو مقرر ہیں، اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کئے ہوئے مہر کے بعد،

بے شک اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ نکاح کرے، جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو بعض تمہارا، بعض کی جنس سے۔ تو نکاح کرلو، ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہر، ان کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں، نہ زناکار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار، اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں، پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا، تو ان پر، اس سزا کا نصف ہے، جو آزاد عورتوں کے لئے ہے

یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کیلئے ہے جسے خطرہ ہو، بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم میں سے، اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لئے، اور اللہ غفور رحیم ہے، اللہ چاہتا ہے کہ کھول کر بیان کردے (اپنے احکام) تمہارے لئے، اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گذر چکے، اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑا دانا۔ ہے اور اللہ چاہتا ہے، کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشات کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو، اللہ چاہتا ہے، کہ ہلکا کردے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے

انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے، اسلام میں اصول اور ہدایات موجود ہیں، کیونکہ یہ خلاق حقیقی کا عطا کردہ

Marfat.com

قانون ہے جو انسان کی فطرت اور مزاج کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، لہٰذا اسی کے عطا کردہ اصول زندگی اپنانے میں کامیابی و کامرانی یقینی ہے۔ جبکہ دنیا والے جو قانون گڑھتے ہیں، وہ ان کی اپنی عقلی صلاحیتوں کے مطابق ہوتے ہیں، جن سے ان کی ذاتی اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں، وہ انسان کے فطری تقاضوں کو نہ جانتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نئے موڑ پر جاتا ہے، وہ پہلے قانون کو ختم کر کے نیا قانون پیش کر دیتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہی بہترین قانون ہے، جبکہ انسانوں کے بنائے ہوئے سب قانون ایک جیسے ہی ہوتے ہیں، سب تیر نشانہ پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کسی کا بھی نشانہ ٹھیک نہیں بیٹھتا، اور انسان ان شکاریوں کے ہاتھوں یا تو تباہ و برباد ہوتا رہتا ہے، اور یا تڑپتے تڑپتے اپنی زندگی کے دن پورے کر کے چل بستا ہے، لیکن خالق حقیقی کا عطا کردہ قانون اٹل ہے، کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے، ہر دور کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(الانعام: ۱۱۵)

اور مکمل ہوئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے، نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی ہے سب کچھ سننے والا اور جاننے والا۔

قانون الٰہی مکمل ہے، اس کی بنیاد صدق و عدل پر ہے، نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، بلکہ کوئی اس کو تبدیل بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ سمیع و علیم رب کا قانون ہے، وہ خود اس کی حفاظت فرماتا ہے، اور وہ حفاظت فرمانے پر پوری طرح قادر ہے۔

بہر حال اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہبری و رہنمائی کرتا ہے، جبکہ انسان کی زندگی کا اہم ترین شعبہ اس کی اہلی اور عائلی زندگی ہے، یہ اگر اچھی ہو تو انسان زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب رہتا ہے اور جسے گھر میں سکون میسر نہ آئے، وہ کہیں سکون نہیں پاتا، ہر کام میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، چونکہ جسے اپنے اہل و عیال کی طرف سے اطمینان نصیب نہیں ہوتا، وہ ذہنی مریض ہو جاتا ہے، شہوات کا شکار ہو جاتا ہے، اب وہ اپنے لئے سکون کی تلاش میں من مانی کرتا ہے، تاجر ہوتا ہے تو مال کی ہوس میں مبتلا ہو کر بددیانت بن جاتا ہے، حاکم ہوتا ہے تو اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہو کر ظالم و جابر بن جاتا ہے، ملازم ہوتا ہے تو ذہنی آسودگی کے حصول کے لئے کاہل اور کام چور بن جاتا ہے، اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی کوشش میں، رشوت، سود، جوئے وغیرہ کی حرام کمائی میں ڈوب جاتا ہے، غرضیکہ جسے گھر میں سکون میسر نہیں وہ کہیں سکون نہیں پاتا، اُسے کہیں باعزت زندگی میسر نہیں آتی، گھر کا سکون انسان کی اپنی بے راہ روی سے برباد ہوتا ہے، اسی لئے اسلام نے عائلی زندگی کے شعبہ کے لئے بھی ہماری رہنمائی فرمائی، اور کامیابی و کامرانی کی ضمانت دی۔

آیات مذکورہ میں اسی شعبہ سے متعلق بعض احکام دیئے گئے ہیں، چونکہ یہ دس آیات ہیں، ہم قارئین کی آسانی کے لئے مناسب سمجھتے ہیں، کہ ہر آیت پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا

Marfat.com

بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۝

اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ روکے رکھو انہیں تاکہ لے جاؤ، کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے، انہیں سوا اس صورت کے کہ وہ کھلی بدکاری کا ارتکاب کریں اور زندگی بسر کرو، اپنی عورتوں کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو، اور رکھ دی ہو اللہ نے اسی میں (تمہارے لئے) خیر کثیر۔

اے ایمان والو:۔ کافروں کی طرح تمہارے لئے حلال نہیں کہ عورتوں کو تم سامان اور مال و دولت کی طرح وراثت کا ایک حصہ سمجھ کر، ان کے وارث بن بیٹھو جیسا کہ آقائے انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل صدیوں سے یہ طریقہ جاری تھا کہ عورت کو جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا ایسے ہی وارث بن بیٹھتا تھا، جیسے وہ باپ کی دوسری متروکہ چیزوں کا وارث ہوتا تھا، پھر وہ اگر چاہتا تو اپنی ماں سے خود جبراً نکاح کر لیتا تھا، یا اس کو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا، دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا تاکہ اس کے شوہر یا اس کے میکے والوں کی دی ہوئی اس کی ذاتی دولت گھر سے باہر نہ جانے پائے اور عورت کے مرنے کے بعد اس کا بھی یہی وارث ہو جائے اور اگر ماں کے پاس دولت نہ ہوتی تو وہ اپنی مرضی سے جس سے چاہتا اس کا نکاح کر دیتا تھا اور بطور مہر بھاری رقم وصول کر لیتا تھا، غرضیکہ عورت کو اپنی ذات پر کوئی حق حاصل نہ تھا، یہ بیہودہ غیر انسانی رسم صرف قبائل میں ہی نہ تھی بلکہ اس دور میں جو قومیں مہذب کہلاتی تھیں، مثلاً یونان و روم کے لوگ، ان میں بھی یہی رواج تھا۔

عورت وراثت نہیں

اسلام، جس کا قانون صدق و عدل پر مبنی ہے، اس ظالمانہ رواج کا کس طرح متحمل ہو سکتا تھا لہٰذا واضح حکم دیا گیا کہ عورت وراثت نہیں، وہ شوہر کے مر جانے کے بعد آزاد ہے، اپنی دولت کی خود مالک ہے، اپنے نفس کی خود مالک ہے، جیسے چاہے دولت کو استعمال کرے اور جس سے چاہے نکاح کرے۔ بیٹا اسے اپنی منکوحہ نہیں بنا سکتا نہ جبراً اور نہ عورت کی رضا و رغبت سے کہ پہلی صورت ظلم کی اور دوسری صورت بے حیائی اور بے غیرتی کی ہے اور اسلام دونوں کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اور نہ ہی یہ اجازت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو نہ تو آباد کرے اور نہ ہی طلاق دے کر آزاد کرے کہ زمانہ جاہلیت میں بہت لوگ اپنی دولت مند بیویوں کے ساتھ یہ حرکت کرتے تھے تاکہ وہ ان کے مال کے وارث بن سکیں، یا تو اس طرح کہ عورت اسی حال میں مر جائے اور یا مجبور ہو کر، شوہر کو بھاری رقم ادا کرے اور آزادی حاصل کرے، کبھی طلاق تو دیدی جاتی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مطلقہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، یہ عورتوں پر صریح ظلم تھا، اسلام نے عورتوں کو اس سے بھی نجات دلائی، ہاں ایک صورت ہے وہ بھی نہایت منصفانہ، جس کو شریعت میں خلع کہا جاتا ہے کہ عورت فاحشہ مبینہ ہو، یعنی یا تو مرد کی نافرمان، بدزبان اور بد اخلاق ہو، یا کسی غیر مرد سے اس کا تعلق ہو، اس صورت میں اجازت ہے کہ شوہر اس کو علیحدہ کر دے اور اگر وہ طلاق طلب کرے تو شوہر اس سے رقم لے کر طلاق دیدے، لیکن اس صورت میں بھی ظلم کی اجازت نہیں بلکہ رقم کا

Marfat.com

شریعت نے تعین کیا ہے کہ طلاق کے لئے شوہر عورت سے صرف اتنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے جتنی بطور مہر اس نے عورت کو دی تھی اور اگر مہر کی رقم ادا نہ کی تھی جیسا کہ آج کل عام رواج ہے، جو عورت کی رضا کی صورت میں جائز ہے، تو شوہر صرف عورت سے مہر معاف کر دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے، یعنی وہ کہہ سکتا ہے کہ تم اپنا مہر معاف کر دو، جو میرے ذمہ ہے، تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔

نیز ہمارا دین رحمت، ہماری عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے واضح ہدایت دیتا ہے کہ بیوی کے ساتھ معروف برتاؤ کرو، یعنی اس کا نان ونفقہ اپنی استطاعت کے مطابق، اس کے مطالبہ کے بغیر خوشی کے ساتھ دیا کرو، اس سے اظہار ہمدردی ومحبت کیا کرو، اس کی محبت، اطاعت اور وفاداری حاصل کرنے کے لئے، اس کی تعریف کیا کرو کیونکہ عورت فطرتاً تعریف پسند ہوتی ہے، بالخصوص اپنے حسن اور اپنے لباس کی تعریف سننے کی اس میں بے حد خواہش رہتی ہے، بہر حال ''معروف'' کا لفظ نہایت وسیع ہے، جس میں ہر وہ جائز طریقہ شامل ہے جو عورت کی خوشنودی اور گھر کے سکون کا ذریعہ ہو، اس کو اختیار کرنا چاہئے اس کی وضاحت حضور علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے حاصل کیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا، بیشک عورت پسلی سے پیدا کی گئی، لہٰذا تمہارے لئے کبھی بالکل سیدھی نہیں ہو سکتی۔

فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَّاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا

پس اگر تم اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے اور اس کی کجی دونوں سے فائدہ حاصل کرو اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا طلاق ہے (مسلم)

گھر کو پر سکون بنانے کے لئے کیسی اچھی تعلیم دی جا رہی ہے کہ عورت کی فطرت کو سمجھنا چاہئے اس کی فطرت یہ ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ پیدا ہی پسلی سے کی گئی، اس کا اثر ختم نہیں ہوا ہے، ہر عورت میں موجود ہے، اگر تم اس کو بالکل سیدھا کرنا چاہو تو یہ ناممکن ہے۔ پسلی کو سیدھا کرو گے تو سیدھی نہ ہو گی، ہاں ٹوٹ جائے گی، عورت کا بھی یہی حال ہے بالکل سیدھی تو ہونے سے رہی، ٹوٹ سکتی ہے یعنی تم مجبور ہو کر اسے طلاق دے سکتے ہو پس مؤمن کو چاہئے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذہن میں رکھے اور بیوی کی بُری عادتوں کو ختم کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ، اپنے اندر حلم اور برداشت کا مادہ پیدا کرے اور اس کی کجی کو برداشت کرے، اس کے سوا گھر میں سکون کی کوئی صورت نہیں، رہی طلاق اور دوسری عورت سے نکاح، یہ تو نہایت ہی نامعقول علاج ہے کیونکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عورت میں کجی بتائی ہے، اگر کسی نے بیوی کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لیا، تو عین ممکن ہے کہ اس میں پہلی سے زیادہ کجی ہو، تو بہتر ہے کہ طلاق دے کر مزید اُلجھنیں پیدا کرنے کی بجائے، معلمِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا جائے یعنی عورت کی کجی کو برداشت کرنے کی عادت پیدا کی جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی راوی ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

Marfat.com

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ

کوئی مؤمن کسی مؤمنہ بیوی کو دشمن نہ جانے، اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری سے خوش بھی ہوگا۔ (مسلم)

کیسا پیارا ارشاد ہے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر شوہر و بیوی میں لڑائی جھگڑے اسی لئے ہوتے ہیں کہ شوہر بیوی کی بُری عادت کو برداشت نہیں کر پاتا اور لڑنے لگتا ہے، مارنے لگتا ہے، طلاق تک نوبت آجاتی ہے لیکن اس کو بیوی کی اچھائیوں اور خوبیوں کا احساس نہیں رہتا جبکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کسی میں صرف عیب ہی عیب ہوں کوئی کمال اور اچھائی نہ ہو، مثلاً ایک عورت کھانا اچھا پکاتی لیکن کپڑے سینا نہیں جانتی تو اس کے شوہر کو چاہئے کہ اس کے اچھے کھانے کھا کر خوش ہو اور کوشش کرے کہ اسے کپڑا سینا بھی آجائے اور اگر نہیں آتا اور وہ سیکھنا بھی نہیں چاہتی تو اس کام کے لئے کوئی دوسرا انتظام کرے، غرضیکہ گھر کا سکون چاہئے تو غیظ و غضب سے نہیں صبر و برداشت سے ہی حاصل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ

مسلمانوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں، جو اخلاق کے اچھے ہیں اور تم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد)

ہم طویل عبادت کو کمال ایمان کا ذریعہ سمجھتے ہیں جبکہ ایمان بخشنے والے آقا ﷺ حسن اخلاق کو ایمان کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں اس میں بھی وضاحت فرماتے ہیں کہ صرف دوسروں سے اخلاق کے ساتھ پیش آنے والا، اچھا نہیں ہوسکتا اچھا تو وہ ہے، بااخلاق تو وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور بیوی اس کے حسن اخلاق کی گواہی دے۔

میری ماؤں، اپنی بیویوں کے ساتھ بھی حضور علیہ السلام کے حسن سلوک کی ایک جھلک ملاحظہ ہو کہ اس کے بغیر مضمون کا یہ حصہ نامکمل و تشنہ ہی رہے گا۔

ایک مرتبہ، اتفاق سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضور علیہ السلام سے قدرے اونچی آواز میں بات کر رہی تھیں کہ اچانک ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، آپ حضور علیہ السلام کی آڑ میں چھپ گئیں، حضرت ابوبکرؓ یہ کہتے ہوئے واپس باہر تشریف لے گئے کہ بیوقوف اللہ کے رسول ﷺ کا ادب نہیں کرتی، حضور علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا ''عائشہ میں نے تم کو بچالیا'' حضرت عائشہؓ نے شرم سے گردن نیچی کر لی۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج تھیں، بیک وقت نو تھیں، سیرت مقدسہ کی کتابیں گواہ ہیں کہ کبھی آپ نے نہ کسی بیوی کو مارا، نہ کسی پر غصہ کیا، ہمیشہ ان سے مسکرا کر گفتگو فرماتے تھے، ان کی دلجوئی کرتے تھے، گھر میں تشریف لاتے، تو گھر کے کام میں تعاون فرماتے تھے جبکہ دنیوی اعتبار سے آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو کوئی عیش و عشرت کا کبھی سامان مہیا کیا، نہ ان کے پاس اچھے کپڑے تھے، نہ زیب و زینت سے آراستہ مکانات، نہ زیورات بلکہ اچھی غذا تک مہیا نہ تھی، اس کے باوجود آپ کی ازواج آپ سے خوش اور آپ ان سے مطمئن تھے، گھر میں کبھی کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہوا، صرف اور صرف اس لئے

Marfat.com

کے لئے ارشاد وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ پر آپ کا عمل تھا اللہ ہمیں بھی اپنے گھروں کو پرسکون بنانے کے لئے صبر وحلم کی نعمت عطا فرمائے آمین۔

اگر بیوی پسند نہ ہو اگر بیوی کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے تم ناپسند کرتے ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس کو طلاق دے دی جائے اور دوسری بیوی تلاش کی جائے۔ عائلی زندگی کا سکون اسی میں ہے کہ جسے رفیقہ حیات بنایا ہے اس کو ساری زندگی رفاقت میں رکھا جائے کہ رفاقت کا عرصہ جتنا طویل ہوتا جاتا ہے، اتنی ہی محبت بڑھتی ہے اور گھریلو حالات پرسکون ہوتے ہیں، دوسری بیوی کر لینے کے بعد زندگی از سر نو شروع ہوتی ہے، جتنے برس گزرے وہ بیکار ہو گئے، اب پھر دونوں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف ہونے میں اپنا وقت صرف کریں گے، نیز یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ دوسری بیوی میں کوئی عیب نہ ہوگا ممکن ہے جو عیب پہلی بیوی میں تھا وہ دوسری میں نہ ہو لیکن دوسرے عیب تو ہو سکتے ہیں شاید پہلی سے زیادہ اس میں عیب ہوں، پس ایک بیوی سے نالاں ہو کر دوسری بیوی لانا حصول اطمینان کی ضمانت نہیں، اس کی ضمانت تو قرآن کریم کی تعلیم میں ہے کہ کوشش کرو کہ بیوی کی جو بات تمہیں ناگوار ہے وہ کسی طرح ختم ہو جائے اور یہ سوچ کر اسے برداشت کرتے رہو کہ ممکن ہے کہ اللہ نے میری کوئی بھلائی اسی سے وابستہ کی ہو اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو میں اس بھلائی سے بھی محروم ہو جاؤں گا۔

مشاہدہ یہی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کی بدزبانی، کاہلی، بے نمازی وغیرہ ہونے سے تنگ ہوتا ہے، تاہم اعتراف کرتا ہے کہ گھر میں اس کا قدم آنے کے بعد مالی خوشحالی ملی، مسرت وشادمانی ملی، اولاد صالح ملی، وغیرہ وغیرہ، مختصر یہ کہ اللہ نے جس کے ساتھ جوڑ ملایا ہے، اس کو توڑا، اور چھوڑا نہ جائے کہ اللہ ہی اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے، بندے کو اس کا فیصلہ قبول کرنا اور اسی پر صبر وشکر بجالانا چاہئے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝20

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝21

اور اگر تم ارادہ کر لو کہ بدلو ایک بیوی کی پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز، کیا تم لینا چاہتے ہو، اپنا مال، بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح) اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو، حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ

طلاق بطریقہ سراحاً جمیلاً

اگر تم بلا قصور اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتے ہو، تو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح یہ بیہودہ حرکت نہ کرو کہ تم اس پر کوئی تہمت لگا کر اسے مجبور کر دو کہ شرمندہ ہو کر تم سے طلاق کا مطالبہ کرے اور تم اپنی چال بازی میں کامیاب ہو جاؤ کہ اب اس سے طلاق کے بدلے دولت کا مطالبہ کرو اور جب وہ تمہارا مطالبہ پورا کر دے، تو تم اس کو آزاد کر دو۔ تم تو اس نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کے غلام ہو، جس نے انسان کو انسانیت کے اصول سکھائے اور جانوروں جیسی زندگی سے نجات دلائی بدر فریب اور ظلم وستم کا خاتمہ کیا، تمہیں تو اللہ کی رضا کے لئے، اپنے آقا کی تعلیمات کا نمونہ بننا چاہئے، شرافت کا پیکر ہونا چاہئے، دولت کے متوالے ہوکر کسی کی عزت سے نہ کھیلو، پس تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر تم نے بیوی کو چھوڑنے اور دوسری بیوی لانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے، تو تم ایسا کر سکتے ہو، لیکن انسانیت اور شرافت کے ساتھ کہ بیوی کو آزاد کردو، نہ اس پر کوئی تہمت لگاؤ، نہ ہی اس سے مال کا مطالبہ کرو، چاہے تم نے اس کو نقد، جائیداد، زیورات، کپڑوں وغیرہ کی صورت میں کتنی ہی دولت دی ہو، اللہ اپنے حکم کی تعمیل کی تمہیں جزا بھی دے گا اور دولت بھی کہ وہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

جب ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے کچھ سامان آسائش کا مطالبہ فرمایا، تو آپ ﷺ کو اپنی ازواج کے مطالبہ پر ناگواری ہوئی، اللہ نے ارشاد فرمایا'' اے پیارے محبوب آپ اپنی ازواج سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کا عیش آرام پسند کرتی ہو تو میں تمہیں دے کر بڑی خوبصورتی اور اچھی طرح رخصت کئے دیتا ہوں، اس آیت مبارکہ کا جملہ

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

اور پھر میں تمہیں رخصت کردوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ

قابل غور ہے، نبی کو طلاق دینے کی اجازت کے ساتھ، اچھے برتاؤ کا بھی حکم دیا جا رہا ہے، جس سے تمہیں یہ حکم دینا ہے کہ طلاق کا فیصلہ کر لینے کی صورت میں دل آزاری نہ کرو بلکہ ''سراحا جمیلا'' ملحوظ رکھو، عورت کو چھوڑ کر رخصت کرو، اس سے لینے کی تدبیریں نہ کرو، ذرا سوچو تو صحیح کہ اس نے تمہارے لئے کتنی بڑی قربانی دی کہ وہ تمہارے ساتھ خلوت صحیحہ کر چکی ہے، اپنا جسم تمہارے سپرد کر چکی ہے اور اس محبت والفت کے ماحول میں اس نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم بھی اس سے بیوفائی نہ کرو گے، اگر تم اس سے وعدہ شکنی کرکے اس کا دل توڑ رہے ہو تو مزید کوئی مکاری کرکے اس کو عزت و دولت سے تو محروم نہ کرو اور اگر تم اس پر کوئی تہمت نہ بھی لگاؤ، تب بھی اس سے کوئی مالی مطالبہ نہ کرنا کہ اس صورت میں بھی اسے مالی نقصان تو ہوگا ہی لیکن اس کی عزت بھی محفوظ نہ رہے گی کہ اس کے گھر والے یا جنہیں بھی خبر ہوگی، یہی تو کہیں گے کہ اس نے ضرور کوئی نازیبا حرکت کی ہے، جبھی تو دولت دے کر شوہر سے آزادی حاصل کی ہے، بس صرف خلع یعنی مہر واپس لے کر طلاق دینے کی صورت وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ یا جب عورت ''فاحشہ مبینہ'' میں مبتلا ہوگئی ہو، ایسی صورت میں مرد کو ادا کردہ مہر واپس لینے، یا اپنے ذمہ واجب مہر معاف کرانے کا حق پہنچتا ہے کیونکہ عورت خود ایسی حرکت میں مبتلا ہوئی ہے جس کے سبب وہ کسی ہمدردی کی مستحق نہیں رہی، یہ عدل وانصاف پر مبنی ہے یہ اسلام ہے'' فالحمد للہ رب العلمین''

طلاق سے متعلق یہ ہدایت اسلامی قانون کی رحمت کا ایک حصہ ہے، جس نے عورت کو نہ صرف مالی نقصان سے بچایا، بلکہ اس کی عزت وآبرو کی بھی حفاظت کی، ذرا غور کیجئے کہ اگر ایک ظالم مرد، اپنی بیوی پر تہمت لگا کر اسے علیحدہ کر دیتا ہے اور طلاق دینے پر مال لئے بغیر آمادہ نہیں ہوتا، تو عورت اپنی آزادی کے لئے اسے دولت دے کر مالی مشکلات میں مبتلا ہوئی، اور جو تہمت اس پر لگ چکی، اس کے سبب کوئی دوسرا مرد اسے قبول کرنے سے بھی تیار نہ ہوگا نتیجۃً یہ بیچاری بے یار و مددگار

Marfat.com

دونوں کی خواہشات کا شکار ہوتی اور مجبور ہو کر یا تو بدکاری کی راہ لیتی اور یا تڑپ تڑپ کر مر جاتی، جیسا کہ آج کل ان ممالک میں عام ہے جہاں عورت کی آزادی کے نعرے لگائے جاتے ہیں جنہیں جاہل تہذیب وتمدن کا گہوارہ سمجھتے ہیں اور بسیار کوشش کے بعد ان ممالک میں آباد ہو کر وہ اپنی تہذیب، اپنے تمدن سے محروم ہو جاتے اور جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ عورت کی حمایت، اس کی عزت وآبرو کی حفاظت دنیا کا کوئی قانون نہ کر سکا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے خزانہ رحمت سے جتنا مالا مال کیا، کوئی نہ کر سکا، پس میری بہنوں کو ناز کرنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں دولت اسلام سے نوازا اور اس پر اظہار شکر کے لئے شریعت مطہرہ کا پابند ہونا چاہئے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

اور نہ نکاح کرو جن (عورتوں) سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا اس سے پہلے (وہ معاف ہے) بے شک یہ کام بہت بے حیائی اور نفرت کا تھا اور بہت ہی برا طریقہ تھا۔

ماں سے حرمتِ نکاح

باپ، دادا، یا نانا کی منکوحہ، جو تمہاری سوتیلی مائیں تھی، ان کے مرجانے یا طلاق دے دینے کے بعد بھی تمہارے لئے حرام ہیں کہ ماں کے تقدس کا یہ تقاضا ہے کہ جب وہ ماں بن گئی تو ہمیشہ ماں ہی رہے گی، چاہے اس نے تمہیں جنم نہ دیا ہو، اسے بیوی بنا لینا نہایت بے شرمی اور بے حیائی کا عمل ہے، وہ مذہب جو حیاء وشرم کو ایمان کا جزو قرار دیتا ہے، دیگر بے حیائی کے کاموں کی طرح اس بے حیائی کی بھی اجازت نہیں دے سکتا، زمانہ جاہلیت کے لوگ چونکہ زندگی کے اصولوں سے آزاد تھے ان کے پاس کوئی ضابطہ حیات نہ تھا، انہیں حلال وحرام کا کوئی امتیاز نہ تھا وہ تو اپنی خواہشات کے غلام تھے، ان کا ہر کام اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے ہوتا تھا، لہٰذا ان میں درندگی تھی، بے حیائی و بے شرمی تھی، جس کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی سوتیلی ماؤں تک کو اپنی ہوس کا نوالہ سمجھتے تھے اور ان سے نکاح کر لیتے تھے، اہل ایمان خوش نصیب ہیں کہ وہ ایسے نبی کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گئے، جس نے انہیں خالق حقیقی کے احکام پہنچائے، پس ان احکام کے پہنچانے کے بعد تم نے ایسا کیا تو گویا تم عذاب الٰہی کو دعوت دو گے اور جہنم کی راہ لو گے، ہاں اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا، وہ رب رحیم وکریم معاف فرماتا ہے، اب جس کے پاس ایسی عورت ہے وہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور اس سے چھینا ہوا تقدس اسے واپس کر دے۔

بحمد اللہ مسلمان تو شمع اسلام روشن ہوتے ہی اس بے شرمی کے عمل سے محفوظ ہیں اس دور میں بھی مسلمان کے اندر بہر حال اتنی حیاء وشرم موجود ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کرتا، لیکن وہ مسلمان بہر حال قابل افسوس ہیں، جو ایسی حرکت کرنے والے غیر مسلموں کو، اپنے سے بہتر سمجھتے اور ان کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہوتے ہیں، عزیزو! وہ قوم کسی طرح بھی قابل احترام نہیں ہو سکتی، جس کے یہاں نہ صرف کھانے پینے میں حلال وحرام کا تصور نہ ہو، بلکہ وہ اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنی ماں، بہن، بیٹی تک میں امتیاز نہ کرتے ہوں بلکہ اب تو ہوس نفس کا حال یہ ہے کہ عورت کے لئے مرد اور مرد کے لئے عورت کی شرط بھی نہ رہی بلکہ ہم جنسی کا ذوقِ خبیث زور پکڑ رہا ہے اور ہم جنس جوڑوں کو قانونی حیثیت دیدی گئی ہے اور

Marfat.com

انہیں وہی قانونی مراعات اور تحفظ حاصل ہے جو مرد و عورت کے جوڑے کو حاصل ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی یہ بد فعلی موجود تھی لیکن نہ اس کو اچھا سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اسے شوہر و بیوی کی حیثیت دی جاتی تھی، علم و تہذیب کے دعویدار کس قدر گھناؤنے ہیں، الامان، الحفیظ۔

اسلام ان فواحش اور جانوروں جیسی حرکات کی اجازت نہیں دیتا، اس نے تو اپنے ماننے والوں کو تہذیب و تمدن کا وہ حسن بخشا ہے جو کسی قوم کو نصیب نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل: ۹۰)

بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو، بھلائی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے، برے کاموں سے اور سرکشی سے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

یہ اصول اسلامی قوانین کی بنیاد ہیں اسی لئے اسلام نے جس طرح کھانے، پینے اور زندگی کے دیگر امور میں حلال و حرام کا امتیاز پیدا کیا اسی طرح خواہش نفس کی تکمیل یا افزائش نسل کا مقصد حاصل کرنے کے لئے بھی واضح ہدایات دیں، اولاً تو جنسی خواہش کو ہم جنس سے پورا کرنے کی سخت ممانعت فرمائی، اس کے لئے صرف عورت کو مخصوص کیا گیا اور عورت میں بھی ہر عورت سے اس عمل کی اجازت نہ دی گئی بلکہ جن عورتوں کا تقدس اور احترام اس عمل سے مانع ہے ان کو مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا، اب آیئے ان آیات پر گفتگو کریں، جن میں محرمات کا تفصیلی ذکر ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

حرام کر دی گئیں ہیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی، جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو مگر جو گزر چکا (وہ معاف ہے) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اے ایمان والو:۔ تم پر جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی حرمت تین قسم کی ہے

Marfat.com

حرمت نسب، حرمت رضاعت، حرمت مصاہرت

حرمت نسب

یعنی وہ عورتیں جن سے تمہارا رشتہ، عزت و احترام کا رشتہ ہے، تقدس کا رشتہ ہے، جس کا تقاضا ہے کہ ان کو بیوی کی حیثیت نہ دی جائے بلکہ احترام کے ساتھ ان سے محبت کی جائے، ان کی خدمت کی جائے، یہ سات قسم کی عورتیں ہیں۔

1۔ ماں، سگی ہو یا سوتیلی، اس میں دادی، نانی اور اس سے اوپر تک سب شامل ہیں اور وہ بھی جن کو خصوصی طور پر قرآن کریم نے ماں قرار دیا ہے یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کہ ارشاد ہوا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب:۶)

نبی (کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور ان کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔

کہ مسلمانوں پر نبی ﷺ کی بیویوں کا احترام واجب ہے، جس کا مقتضی ہے کہ ان سے نکاح بھی حرام ہو، تاہم ان پر دیگر شرعی احکام وہ مرتب ہوتے ہیں، جو دوسری عورتوں کے لئے ہیں مثلاً پردے وغیرہ کے احکام۔

اس قسم کی حرمت میں وہ عورتیں شامل نہیں جن سے ظہار کیا جائے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ کسی عورت کو ماں کی طرح یا ماں کہہ دیا تو اس سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ شریعت مطہرہ میں نہ ماں کہنے سے کوئی عورت ماں بن جاتی ہے، نہ بیٹی کہنے سے بیٹی اور نہ ہی کوئی بچہ بیٹا کہنے سے بیٹا ہو سکتا ہے۔ ظہار سے طلاق بھی واقع نہیں ہوتی، ہاں شریعت نے اس وقت برا قرار دیا ہے، جس سے روکنے کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اس کے کسی حصہ کو ماں جیسا کہہ دے یا اسے اپنی ماں کہہ دے تو اسے کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ نیز جس عورت سے باپ نے العیاذ باللہ زنا کیا وہ بھی حرام ہے۔

2۔ بیٹی، اس میں پوتی نواسی، نیچے کی سب عورتیں شامل ہیں۔

3۔ بہن سگی ہو یا سوتیلی۔

4۔ پھوپھی، اپنی ہو یا باپ، ماں، وغیرہ کی ہوں سگی ہو یا سوتیلی۔

5۔ خالہ، اپنی ہو یا باپ، ماں، وغیرہ کی ہوں سگی ہو یا سوتیلی۔

6۔ بھتیجی یعنی بھائی کی بیٹی بشمول اس کی اولاد کے۔

7۔ بھانجی یعنی بہن کی بیٹی بشمول اس کی اولاد کے۔

جن عورتوں سے یہ رشتے العیاذ باللہ زنا سے قائم ہوئے، وہ بھی حرام ہیں۔

حرمت رضاعت

یعنی جن عورتوں سے کسی عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے رشتہ قائم ہوا وہ بھی حرام ہیں، یعنی ساتوں رشتے کی عورتیں

Marfat.com

جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی نسبت سے بھی حرام ہوں گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

یَحْرِمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرِمُ مِنَ النَّسَبِ

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حرمت رضاعت کسی عورت کا دودھ پینے سے اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جبکہ دودھ، دودھ پینے کی مدت میں پیا گیا ہو، جسے مدت رضاعت کہا جاتا ہے، جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ڈھائی سال ہے، اس عمر کے اندر چاہے ایک ہی مرتبہ بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا ہو، رضاعت ثابت ہو جائے گی لیکن اس عمر کے بعد پیا تو رضاعت کا رشتہ قائم نہ ہوگا، یہ رشتہ بھی ایسا ہی مقدس ہے جیسا نسبی رشتہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل مبارک سے واضح ہے کہ آپ اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا احترام نسبی ماں ہی کی طرح کرتے تھے، لہٰذا اس نسبت سے قائم شدہ رشتوں کے شرعی احکام بالخصوص نکاح کے سلسلے میں وہی ہیں جو نسبی رشتوں کے لئے ہیں، مثلاً:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میرے رضاعی چچا آئے اور مجھ سے ملنے کی اجازت چاہی، تو میں نے انہیں منع کر دیا کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت نہ کرلوں، اجازت نہیں دے سکتی۔ جب آپ تشریف لائے تو میں نے پوچھا، آپ نے فرمایا وہ تو تمہارے چچا ہیں، انہیں اجازت دے دینا چاہئے تھی میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، مجھے عورت نے دودھ پلایا تھا، کسی مرد نے تو نہیں پلایا، آپ نے فرمایا، وہ تمہارے چچا ہیں وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں اور یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔

حرمت مصاہرت

یعنی وہ عورتیں جو تعلق نکاح سے حرام ہوئی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ عورتیں جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

بیوی کی ماں (ساس) بیوی کی بیٹی، جو پہلے شوہر سے ہو لیکن یہ اس صورت میں حرام ہوگی جب بیوی سے صحبت کی ہو، لیکن اگر صحبت سے پہلے ہی منکوحہ مرگئی یا اسے طلاق دے دی تو اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ بیٹے کی بیوی (بہو) یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے۔

دوسری وہ عورتیں ہیں جو اس وقت تک حرام ہیں جب تک بیوی نکاح میں ہے لیکن بیوی کے مر جانے یا اسے طلاق دے دینے کے بعد وہ حلال ہو جاتی ہیں، وہ یہ ہیں، بیوی کی بہن (سالی) پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔

حرمت مصاہرت کی حکمت حیا و شرم کا تحفظ ہے مثلاً بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن کو بھی بیوی بنا لینا کس قدر بے شرمی کا عمل معلوم ہوتا ہے یہی صورت دوسرے رشتوں میں بھی ہے۔

اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ اب دور جاہلیت جیسا کوئی عمل نہ کیا جائے، یہ تم پر ہمارا کرم ہے کہ کفر کی حالت میں تم سے جو کچھ کیا وہ ہم نے معاف کر دیا لیکن مومن ہونے کے بعد وہ عمل جاری نہ رہے گا، یعنی جس کے نکاح میں کوئی ایسی عورت آ چکی ہے، جو محرمات میں سے ہے، اسے چاہئے کہ اب وہ اس کو علیحدہ کر دے۔

Marfat.com

ضحاک فیروز دیلمی نے اپنے باپ کی روایت بیان کی کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں، میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تو آپ نے فرمایا ان میں سے ایک کو چن لو (یعنی دوسری کو طلاق دیدو) بہر حال جو ہو چکا سو ہو چکا، نہ وہ جاری رکھو اور نہ آئندہ کرو، ماضی کا عمل معاف کہ جس اللہ پر تم ایمان لائے ہو، وہ ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہاری ملک میں آجائیں، فرض کیا ہے اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں، تمہارے لئے علاوہ ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ پاک دامن بنتے ہوئے نہ زنا کار بنتے ہوئے پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے، ان سے تو دو ان کے مہر، جو مقرر ہیں اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد، بے شک اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔

جن عورتوں کے شوہر لاپتہ ہوں

محرمات مذکورہ کے علاوہ وہ عورتیں بھی حرام ہیں، جن کے خاوند بقید حیات ہوں اور انہوں نے طلاق دے کر ان عورتوں کو آزاد نہ کیا ہو، چاہے ان کا پتہ ہو یا نہ ہو، بہر حال انہیں دوسرے نکاح کا حق حاصل نہیں، جب تک طلاق نہ ہو جائے، ایسی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اور اگر کر لیا تو ظاہر ہے کہ حرام کاری ہوتی رہے گی۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ طلاق دینے کا حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو نہیں، موجودہ دور میں عورتیں اللہ اور اس کے رسول کے اس حکم کو العیاذ باللہ اپنی حق تلفی یا اپنے اوپر ظلم تصور کرتی ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، یہ حکم بھی شریعت مطہرہ کے دیگر احکام کی طرح عین فطرت کے مطابق ہے اور انسان کی فطرت کو اس کے خالق حقیقی اللہ رب العزت سے بہتر کوئی نہیں جانتا اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین صرف اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ وہ غیر فطری ہوتے ہیں، قانون ساز انسان کی فطرت سے ناواقف ہوتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ قوانین فطری ہیں، جن کو بے چون وچرا وہ انسان قبول کرتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، ایمان جتنا قوی ہوتا ہے، اتنا ہی قوانین پر اطمینان ہوتا ہے اور ان پر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے، طلاق کا قانون عورتوں کی فطرت کے عین مطابق ہے کہ عورت چاہے کتنا ہی علم حاصل کر لے کتنے ہی بلند مرتبہ پر پہنچ جائے لیکن اس کی دو فطری کمزوریاں ختم نہیں ہوتیں، ایک اس کا ناقص العقل ہونا، اسی لئے وہ مرد کی طرح دور اندیش اور دور نظر نہیں ہوتی، اس کے مستقبل کے پروگرام بہت ہی قریبی وقت تک کے لئے محدود ہوتے ہیں، دوسرا عورت نہایت ہی مغلوب الغضب ہوتی ہے کہ اسے غصہ بہت جلد آتا ہے اور غصہ کی

Marfat.com

حالت میں اس کے سوچنے سمجھنے تک کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ایسے فیصلے کر بیٹھتی ہے جس پر وہ بہت جلد نادم و شرمندہ ہونے لگتی ہے، طلاق کا فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں اس سے صرف دو افراد کی زندگی متاثر نہیں ہوتی بلکہ دو خاندانوں پر اثر پڑتا ہے، اور اگر بچے بھی موجود ہوں تو سب سے زیادہ وہ متاثر ہوتے ہیں اور ہمہ قسم کے انتظام مہیا کئے جانے کے باوجود ان کی تربیت ایسے انداز پر نہیں ہوتی جیسی والدین کی نگرانی میں ہوتی ہے یہ اہم فیصلہ کرنے کا حق مرد کو دیا گیا لیکن ساتھ ہی مختلف انداز سے مرد کو یہ اختیار استعمال کرنے سے روکا بھی گیا مثلاً طلاق کو ''ابغض مباحات'' قرار دیا گیا کہ جائز اختیارات میں بدترین اختیار جسے نہ اللہ پسند فرماتا ہے نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی اچھے لوگ، یہ تو مردوں کے لئے بری عورتوں سے اور عورتوں کے لئے بُرے مردوں سے چھٹکارے کا واحد ذریعہ ہے اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا اور اس کا اختیار مرد کو اس کے حلم و بردباری، دینداری اور دوراندیشی کی خوبیوں کی بنیاد پر دیا گیا کہ ہر مرد میں یہ خوبیاں ہونی چاہئیں اور ان خوبیوں کے ہوتے ہوئے کوئی مرد اپنے اس اختیار کا غلط استعمال نہیں کرے گا۔

اگر یہ حق عورت کو بھی حاصل ہوتا، جس کا مغلوب الغضب اور ناقص العقل ہونا مسلم ہے، تو پھر معمولی جھگڑوں پر بنتے بستے گھر اجڑتے رہتے، خاندانی رشتے ٹوٹتے رہتے اور مسلم ممالک یا مسلم معاشرے میں طلاق کے حادثات میں جو آج تک کمی نظر آتی ہے اور گھروں میں سکون پایا جاتا ہے، وہ موجود نہ ہوتا، جیسا کہ مغربی ممالک کا حال ہے، جن کے یہاں شریعت تو کوئی نہیں، وہی انسانوں کے گڑھے ہوئے غیر فطری قوانین ہیں، جن کے ذریعہ مرد و عورت کی برابری کا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دیگر معاملات کی طرح عورت کو مرد ہی کی طرح طلاق دینے کا حق دیا گیا، جس کے نتیجہ میں جو صورت حال پیدا ہوئی ہے، اس سے خود قانون نافذ کرنے والے پریشان ہیں کہ طلاق ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے، حتیٰ کہ مرد اگر عورت کو اس کے دوستوں کے ساتھ گھومنے، ڈانس کرنے، کسی دوسرے شہر یا ملک ہفتوں کے لئے جانے سے روکے تو عورت اس کو طلاق کا نوٹس دے دیتی ہے اور قانونی کارروائی کے بعد طلاق نافذ ہو جاتی ہے، انجام یہ ہوتا ہے کہ قانون کے مطابق اب عورت کی معاشی، رہائشی ہر قسم کی ذمہ داری انتظامیہ پر عائد ہوتی ہے، جس سے ظاہر ہے ملک زیر بار ہوتا ہے، نیز تنہا مرد مختلف قسم کے جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور تنہا عورت مختلف قسم کے جرائم کا شکار ہوتی ہے اور اگر بچے موجود ہوتے ہیں تو وہ اٹھارہ سال تک کی قانونی عمر تو مجبوراً ماں یا باپ کے ساتھ گزارتے ہیں پھر اسی راہ پر چل پڑتے ہیں جس پر ایک عرصہ سے وہ اپنے والدین کو دیکھتے چلے آرہے ہیں۔

یہ بھیانک صورت صرف اس لئے پیدا ہوئی کہ عورت کو طلاق کا اختیار دیا گیا، کیا ایک مسلمان عورت اس کو پسند کر سکتی ہے، ہرگز نہیں، جب نہیں، تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ ایسے رحمت والے دین سے وابستہ ہے جو اس کی عزت و آبرو کا محافظ ہے۔

علاوہ ازیں یہ کس نے کہا کہ عورت اس معاملہ میں بالکل مجبور ہے کہ وہ مرد کے ظلم و ستم سہتی رہے، مار کھاتی رہے، اس کی عیاشیاں برداشت کرتی رہے اور اگر علیحدہ ہو جائے تو ساری زندگی تڑپتی رہے کیونکہ مرد طلاق دینے کے لئے تیار نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہیں، ایسی صورت اگر واقعی پیدا ہو جائے تو شریعت مطہرہ نے ''خلع'' کا قانون دیا ہے کہ عورت مرد سے مہر

Marfat.com

پیچھے نہیں چھٹتا واپس کر دے، یا معاف کر دے یا مزید پیسے دے کر طلاق کا مطالبہ کرے اور اگر وہ طلاق نہ دے تو عدالت سے رجوع کرے، تو جج قانونی طور پر مرد کو طلب کرے، طلاق دینے پر مجبور کرے اور عورت اس سے نجات حاصل کر سکے۔

بہر حال جب تک طلاق نہ ہو جائے وہ عورت اس کے لئے حرام ہے اور اہل ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت فرماتا ہے" کہ ان عورتوں سے نکاح نہ کرنا جن کے خاوند موجود ہوں"

ہاں البتہ ان عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے، جو جہاد میں کامیابی کے بعد بطور مال غنیمت مجاہدین کو ملیں، ان کے شوہر پیچھے ملک میں موجود ہیں۔ اب چونکہ یہ مسلم ملک میں آ گئیں لہذا اسلامی قانون کے مطابق ان کا نکاح خود بخود ختم ہو چکا، اسلام نے انہیں جیل میں سڑانے کی بجائے، مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر آرام کی زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا، اب اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو ان سے ان کا مالک بھی صحبت کر سکتا اور اگر وہ چاہے تو کسی سے ان کا نکاح بھی کر سکتا ہے، لیکن ایک ماہ کے استبراء یعنی ایک ماہواری گزر جانے کے بعد تاکہ اس کے حاملہ نہ ہونے کا یقین ہو جائے اور وہ حاملہ ہے تو وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد۔

غلام اور باندی

میدان جہاد سے جو کافر مرد اور جو کافرہ عورتیں پکڑی گئیں، ان کو غلام اور باندی بنا لینا ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ وہ اللہ کی اطاعت اور غلامی سے اتنے باغی ہو چکے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، ان کی جانیں لیں۔ اب ان کو یہ احساس دلانا عین انصاف ہے کہ جب وہ مغلوب و مجبور ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے ہیں تو وہ ساری زندگی اللہ کے بندوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی کریں اور یہ سزا اس سزا سے بہتر ہے جو اس دور میں انسانوں کی ہمدردی کے دعویدار دشمن کو قیدی بنا کر جیلوں میں دیتے ہیں، جہاں نہ ان کے کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے، نہ انہیں لباس مہیا کیا جاتا ہے، نہ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے، نہ ان کی کوئی خواہش نفس پوری کرنے کا کوئی موقع فراہم کیا جاتا ہے بس وہ جانوروں کی طرح بے بسی کی حالت میں محنت و مشقت کرتے، بیگار بھگتتے مر جاتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کو غلام و باندی دینے والے آقائے رحمت نے غلاموں اور باندیوں کو بھی اپنی رحمت سے محروم نہ رکھا کہ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرنے، ان کو مارنے، پیٹنے، انسانی قوت سے زیادہ محنت و مشقت کرانے، ننگا، بھوکا رکھنے کی اجازت نہ دی، جیسا کہ آج کل مہذب ممالک کی جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے، یہاں غلام بنانے کا مقصد انسانوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا نہیں، بلکہ قیدیوں سے بہتر زندگی مہیا کرنا اور اللہ کے باغیوں کو بغاوت کی سزا بصورت غلامی دینا ہے تاکہ کفر کا سر نیچا ہو اور کافروں کا تکبر ختم ہو، ذرا ملاحظہ فرمائیے، غلاموں پر آقائے رحمت کی شفقت و محبت اور پھر سر بلند کر کے دنیا کو للکاریئے کہ کیا کسی قوم کی ماضی کی تاریخ یا موجودہ دور میں کسی ملک کے قانون میں دشمن کے گرفتار شدہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی یہ مثال موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُهٗ وَ کِسْوَتُهٗ وَ لَا یُکَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ

مالک پر غلام کا روٹی کپڑا فرض ہے اور غلام سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت کے موافق ہو۔

Marfat.com

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدیہ فلیُطعمہٗ مما یاکل ولیلبسہٗ مما یلبس ولایکلّفہٗ من العمل ما یغلبہٗ فان کلّفہٗ ما یغلبہٗ فلیُعنہٗ علیہ

(یہ غلام) تمہارے بھائی ہیں، جن کو اللہ نے تمہارے قبضہ میں دیا ہے پس جسے اللہ نے اس کے بھائی کا مالک بنایا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھلائے، جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اس سے ایسا کام نہ لے، جس کے بوجھ تلے وہ دب جائے اور اگر ایسا مشکل کام ہو تو اس (غلام) کی خود مدد کرے۔ (مسلم و بخاری)

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو اپنا کر، غلاموں کے مظلوم طبقہ پر کتنا احسان فرمایا ہے کہ غلامی کے تصور اور غلاموں کی حیثیت کو یکسر تبدیل کر دیا، اہل ایمان کو یہ ہدایات دے کر دنیا کی تمام قوموں کو دعوت فکر دی کہ تم غلاموں، باندیوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے، ان پر ظلم کرتے ہو، نہ کھانے کو دیتے ہو، نہ پینے کو، ان سے جانوروں کی طرح بیگار لیتے ہو لیکن ہمارا دین رحمت انہیں بھی انسان قرار دیتا ہے یہ ہماری ہی طرح انسان ہیں، ہم ان کے مالک اس لئے نہیں ہے کہ ان ہی سے اپنی خدمت لیں بلکہ بحیثیت مالک ہم پر بھی ان کی کچھ ذمہ داریاں کہ انہیں اپنی ہی طرح کا انسان سمجھیں، ان کو وہی کھلائیں جو ہم خود کھاتے ہیں، وہی پہنائیں جو ہم خود پہنتے ہیں، ان میں قوت و طاقت اتنی ہی ہے، جتنی تم میں ہے لہٰذا تم ان سے اتنا ہی کام لو، جتنا تم خود کر سکتے ہو، اور اگر کوئی کام ان کی قوت سے زیادہ ہو تو تم خود بھی ان کے ساتھ لگو، ان کی مدد کرو۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ کسی غلطی پر اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے پیچھے سے آواز سنی، ''اے ابومسعود جان لو کہ تمہیں جتنا اس غلام پر اختیار ہے، اس سے زیادہ اللہ کو تم پر اختیار ہے'' میں نے مڑ کر جو دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رونق افروز تھے، میں نے فوراً عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اسے اللہ کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں، آپ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرتے، تو دوزخ کی آگ تمہیں جلاتی۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے غلام کو ڈانٹا، اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر میری شکایت کر دی، جب میں حاضر دربار ہوا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوذر، تم میں اب تک جاہلیت موجود ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، بس اللہ نے تمہیں ان پر فضیلت دی ہے، اگر تمہیں اپنا کوئی غلام پسند نہ ہو، تو اسے بیچ دو لیکن اللہ کے بندوں پر ظلم نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی نے سوال کیا، یا رسول اللہ! ہم اپنے غلام کو کتنی بار معاف کریں، آپ خاموش رہے، اس نے دوسری بار سوال کیا پھر بھی آپ خاموش رہے، اس نے پھر تیسری مرتبہ سوال کیا، تو آپ نے فرمایا'' ہر روز ستر مرتبہ معاف کیا کرو (یہاں ارشاد تعداد نہیں،

Marfat.com

بلکہ یہ ہدایت مقصود ہے کہ غلاموں کو معاف ہی کرتے رہا کرو)

دنیا سے رخصت ہوتے وقت میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو جو وصیت فرما رہے تھے اس کا آخری جملہ بھی یہی تھا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دہرایا:

الصلوۃ وما ملکت ایمانکم

نماز کی پابندی اور غلاموں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھو۔

آقائے رحمت ﷺ کی انہی ہدایات کا یہ نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے درمیان، آقا و مولیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا تھا، پہچانا بھی نہ جا سکتا تھا کہ کون آقا ہے، کون غلام ہے، مسجد میں سب کے سر ایک اللہ کے دربار میں ایک ساتھ جھکتے تھے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دربار میں سب مل جل کر بیٹھے نظر آتے تھے، مولیٰ و غلام سب ایک برتن میں کھاتے تھے، بازاروں، کھیتوں میں سب مل جل کر کام کرتے تھے، جہاد کے لئے صفوں میں سب ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوتے تھے۔

آقائے انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسن سلوک کے باب کا آغاز، اعلان نبوت سے قبل ہی ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ نے قریش کے مشہور "معاہدہ فضول" میں پوری طرح حصہ لیا اور نوجوانوں کی ایک تنظیم بنائی، جس کا مقصد مظلوموں کو سہارا دینا ہی تھا ان مظلوموں میں غلاموں اور باندیوں کا ایک بڑا طبقہ بھی تھا، جن پر ان کے آقا ظلم وستم کیا کرتے تھے اور یہ تنظیم انہیں اس سے روکنے کی کوشش کرتی تھی اس دوران ہی غلاموں نے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نجات دہندہ سمجھ لیا تھا، اسی لئے جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو قریش کے رئیسوں سے پہلے، قریش کے غلاموں اور کنیزوں نے آپ ﷺ کے پیغام کو قبول کیا چنانچہ زید بن حارثہ، خباب بن الارت، بلال حبشی، یاسر یمنی، عمارہ، صہیب رومی، ابوفکیہ، عامر بن فہیرہ، سالم، کنیزوں میں لبینہ، زنیرہ، ہندیہ، ام عبیس اور سمیہ رضی اللہ عنہم، ابتدائے اسلام ہی میں مشرف با سلام ہوئے اور سب نے ہی اپنے کافر آقاؤں کے مظالم سہے، سوائے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے کہ وہ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سایہ رحمت میں ہی پرورش پا رہے تھے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کے مطالعہ سے آپ پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ جس طبقہ کو غلامی کا نام دیا گیا، وہ اگرچہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے لیکن آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت کے سایہ میں لے کر جس راحت و عافیت کی ضمانت دی ہے وہ اسے کہیں نصیب نہ ہو سکتی تھی، بالفرض اگر غلامی کا یہ سلسلہ ختم کر دیا جاتا تو دشمن کے گرفتار شدہ مردوں اور عورتوں کا ٹھکانہ جیل خانہ ہوتا، جہاں باوجود تمام ضروریات کی فراہمی کے انہیں قید و بند کی صعوبت ضرور برداشت کرنا ہوتی، نیز وہ ہر قسم کی تربیت سے محروم رہتے اور نہ ہی انہیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کا مطالعہ کر کے، اسلام سے مشرف ہونے کا موقع نصیب ہوتا، پس اس طبقہ کو غلاموں اور باندیوں کا نام دے کر، جیل کی زندگی سے بہتر زندگی فراہم کی گئی، جو نہ ظلم ہے نہ ہی غلام پسندی۔ بلکہ دنیا کو غلاموں کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم ہے اور اللہ سے بغاوت کرنے والوں کے لئے عبرت کا ذریعہ ہے کہ وہ اللہ کی بندگی قبول کر لیں قبل اس کے کہ ان کی گردنوں میں بندوں کی غلامی کا طوق ڈال دیا جائے۔

Marfat.com

غلامی میں بتدریج کمی: ۔ اسلام نے اگرچہ بیشمار، مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر غلاموں اور باندیوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن اس کو کم کرنے کے لئے، اہل ایمان کو ایسی تعلیم اور ترغیب دی کہ اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے میں اس کمزور طبقہ کی بہتات نہ ہونے پائے، اسی مقصد کے حصول کے لئے درج ذیل احکام نافذ کئے گئے۔

1۔ اسلامی قانون کے مطابق، غلام و باندی صرف ان مردوں کو اور عورتوں کو بنایا جا سکتا ہے، جنہیں غیر مسلموں سے شرعی جہاد کے بعد گرفتار کیا گیا ہو، جبکہ ماضی میں ہر طاقتور کمزور کو غلام بنا لیتا تھا، جس کی نظیر قرآن کریم سے بھی ملتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے چند ٹکوں میں فروخت کیا اور وہ بازار مصر میں بحیثیت غلام فروخت ہوئے، فرعون نے بنی اسرائیل کی پوری قوم کو غلام و باندی بنا رکھا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت بھی پوری دنیا میں یہ رواج موجود تھا، ڈاکو، بچوں کو اٹھا لاتے، بازار میں بیچ دیتے اور وہ ہمیشہ کے لئے غلام بن جاتے، عورتوں کو اٹھا کر فروخت کر دیا جاتا اور وہ ہمیشہ کے لئے باندیاں بن جاتیں، یا جو بادشاہ کسی ملک کو فتح کرتا اس ملک کی پوری آبادی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیتا، رومی، ہر غیر رومی کو غلام ہی سمجھتے تھے، قیصر و کسریٰ کے یہاں آزادوں سے زیادہ غلاموں، باندیوں کی تعداد تھی، خود قریش ہر نچلے قبیلہ کے لوگوں سے غلاموں جیسا برتاؤ کرتے تھے، غرضیکہ اسلام نے غلام سازی کے اس دائرے کو محدود کیا، اور صرف ان غیر مسلموں کو غلام بنانے کی اجازت دی، جو جنگ میں کامیابی کے بعد گرفتار کئے جائیں، اس میں بھی کمی کے لئے تین طریقے رکھے گئے، (1) ان جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے، جن کا مطلوبہ فدیہ دینے پر ان کے وارث راضی ہو جائیں، (2) مسلمان قیدیوں کے بدلے میں انہیں آزاد کر دیا جائے، (3) ان پر احسان کر کے بلا معاوضہ انہیں چھوڑ دیا جائے، ان تینوں صورتوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام نے اکثر مواقع پر عمل فرمایا، اندازہ فرمایئے، اس طریقہ کار سے غلاموں کی تعداد کتنی کم ہو گئی۔

2۔ شریعت مطہرہ نے غلاموں اور باندیوں کی آزادی کو، عبادت، صدقہ اور دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا ذریعہ بنایا، اسی لئے کہ غلاموں میں اضافہ نہ ہو، کمی ہوتی رہے، ذرا اندازہ فرمایئے، اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام کس طرح فرمایا، قرآن کریم نے جن اعمال صالحہ کو ''عَقَبَه'' یعنی وہ راستہ جو پہاڑ کی بلندی کی طرف لے جاتا ہے، قرار دیا، ان میں سب سے پہلے ''فَكُّ رَقَبَةٍ'' یعنی غلامی سے کسی کو آزاد کرانا ہے، یعنی غلام کو آزاد کرنا اتنا عظیم عمل صالح ہے، جو مؤمن کو تقویٰ کی بلندی پر پہنچاتا ہے، نیز قرآن کریم نے جن غلطیوں اور گناہوں پر کفارہ مقرر فرمایا، اس میں غریبوں کو کھانا کھلانا، روزے رکھنا یا ''تحرير رقبة'' غلام آزاد کرنا ہے مثلاً قسم کے کفارے کی ایک صورت غلام آزاد کرنا ہے، ظہار کے کفارے میں ایک صورت غلام آزاد کرنا ہے، قتل خطاء یعنی کوئی کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اس کے وارثوں کو دیت بھی ادا کرے، اگر کسی ایسے مؤمن کو قتل کر دیا جو دشمن ملک میں رہتا تھا تو کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَيُّمَا رَجُلٍ اَعْتَقَ اِمْرَاءً مُسْلِماً اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ لِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْواً مِنْهُ مِنَ النَّارِ

جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں، آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آگ سے نجات دے گا۔ (مسلم)

Marfat.com

اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ جب تک غلاموں کا رواج رہا اور مسلمانوں کے پاس غلام و باندی موجود رہے، وہ انہیں کفاروں کی صورت میں یا، اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے لئے آزاد کرتے رہے، خود آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ غلام آزاد کیے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اس عمل میں اتنے حریص تھے کہ اپنی دولت کا بڑا حصہ آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کیا، جن میں نہایت مشہور صحابہ کرام شامل ہیں، مثلاً حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی آزاد کیا تھا، علاوہ ازیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہتر غلام آزاد کیے، اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی شہادت کے دن دوران محاصرہ بیس غلام آزاد کیے، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے سو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار، ذوالکلاع حمیری نے صرف ایک دن میں آٹھ ہزار، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے، دیگر صحابہ کرام اور ان کے تابعین نے حصول ثواب کے لئے جو غلام آزاد کیے ان کی تعداد علیحدہ ہے۔

للہ انصاف کیجئے کہ اسلام نے غلامی کو فروغ دیا یا بتدریج اس کا خاتمہ کیا، اگر فروغ دیا ہوتا، تو آج تک ہمارے پاس غلام و باندیاں موجود ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہے، بدنصیبی سے اب شرعی جہاد کا سلسلہ بھی منقطع ہے، لہٰذا دشمن کے گرفتار شدہ لوگوں کو غلاموں و باندی نہیں بنایا جا سکتا، اب تو ہماری جنگیں بھی غیر شرعی ہوتی ہیں، لہٰذا گرفتار شدگان کے ساتھ بھی غیر شرعی سلوک کیا جاتا ہے کہ انہیں جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، اسلام نے تو انسانوں کو قید و بند کی صعوبتوں سے ہی نجات دلانے کے لئے، غلامی کو ترجیح دی اور غلاموں، باندیوں کو ان کے مالکوں کے گھروں کا فرد بنا دیا۔

باندیوں سے صحبت

ایک وضاحت مزید ضروری ہے کہ اسلام باندیوں سے ان کے مالکوں کو صحبت کی اجازت دیتا ہے اور باندیوں کی تعداد کا بھی کوئی تعین نہیں، یعنی ایک شخص جتنی چاہے باندیاں رکھ سکتا ہے، شریعت مطہرہ کے اس قانون سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو ہمیشہ بے حد تکلیف رہی ہے اور انہوں نے اسے مسلمانوں پر طعنہ زنی کا ایک تیر بنا رکھا ہے جبکہ دین سے ناواقف ہمارے مسلمان بھائی بھی اس معاملہ میں تذبذب کا شکار رہتے ہیں، نہ جانے کیوں جبکہ اللہ نے اگر ایک آسانی دی ہے تو اس پر تذبذب کی کیا ضرورت ہے، موقع ملے تو اس سے فائدہ حاصل کرنا اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، بہرحال ہم اس کی وضاحت کیے دیتے ہیں تاکہ کم از کم اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے حضرات مطمئن ہو جائیں اور اگر موقع ملے تو وہ دوسروں کو مطمئن کر سکیں، غور فرمائیے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جن عورتوں کو ہمارے لئے حلال کیا، ان سے ہمیں صحبت کرنے کی اجازت کیوں ملی جبکہ انہیں عورتوں پر نکاح سے پہلے نظر ڈالنا بھی حرام تھا، آپ کہیں گے نکاح ہوا، یعنی ایجاب وقبول ہوا، مہر مقرر ہوا، دو گواہ بنائے گئے، اس کے بعد وہ عورت میری بیوی ہو گئی اور میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کی، آپ کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عورت کے حلال ہونے کی علت نکاح کو قرار دیتے ہیں، بڑی عجیب بات ہے، آخر دو لفظوں، مہر میں، گواہوں کی موجودگی میں، ایسی کونسی تاثیر ہے کہ ایک عورت ایک غیر مرد کے لئے حلال ہو گئی اور وہ اس کے سپرد کر دی گئی، ایسا ہرگز

Marfat.com

نہیں، یہ الفاظ کا جادو نہیں، مہر کا اثر نہیں، گواہوں کا کمال نہیں، یہ صرف اللہ کی اجازت اور اس کے فضل کا نتیجہ ہے، مرد وعورت کا جوڑا بنانا تھا نسلِ انسان کو جاری رکھنا تھا، اس کے لئے خالق حقیقی نے یہ طریقہ متعین فرمادیا، جس کی پابندی اہل ایمان کے لئے لازمی قرار پائی، اگر وہ کوئی دوسرا طریقہ مقرر فرماتا تو اس کو اختیار کرنا پڑتا، پس علت اللہ کا حکم ہے نکاح نہیں، نکاح تو حکمت باری تعالیٰ پوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے، پس جس اللہ نے نکاح کے ذریعہ مرد کے لئے عورت کو حلال کر دیا، اسی اللہ نے بغیر نکاح کے باندیوں کو ان کے مالکوں کے لئے حلال کیا، جبکہ انہی باندیوں سے کوئی دوسرا استفادہ کرنا چاہے تو اسے ان کے مالک کی اجازت کے بعد ان سے نکاح کرنا ہوگا، جیسا کہ اگلی آیات میں آرہا ہے اور مالکوں کو ان سے نکاح کی ضرورت یوں نہیں، کہ انہوں نے انہیں اپنی قوت بازو یا دولت کے ذریعہ حاصل کیا ہے، مزید وضاحت کے لئے شریعت مطہرہ ہی کے دوسرے حکم پر غور کر لیجئے کہ وضو یا غسل کے لئے پانی ضروری ہے لیکن پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت دی گئی اور اس سے وہی طہارت حاصل ہوتی ہے جو پانی سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ حصولِ طہارت کی علت پانی نہیں ہے، اللہ کا حکم ہے، پانی موجود ہے تو اللہ کا حکم ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرو، ورنہ مٹی سے طہارت حاصل کر لو اور وہ بھی اس طرح کہ ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لو اور ایک مرتبہ کہنیوں پر پھیر لو اور ہاتھوں کو جھاڑ لو کہ مٹی ملنے کی ضرورت نہیں، بس حکم ہے جس کی تعمیل ہی عبادت ہے، اسی طرح حکم ہے کہ آزاد عورتوں سے استفادہ کے لئے نکاح کرو اور باندیوں کے مالک ہو تو بغیر نکاح استفادہ کر لو، غالباً بات واضح ہوگئی۔

رہا معاملہ غیر مسلموں کا، تو ان کے کس کس اعتراض کا آپ جواب دیں گے، اس اعتراض کے جواب میں صرف یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ ہم جو بھی کرتے ہیں کم از کم اپنے قانون کی پابندی کے ساتھ کرتے ہیں، جبکہ تمہارے یہاں تو کوئی عائلی قانون ہی نہیں کہ عورت سے صحبت کے لئے یکسر نکاح کی ضرورت ہی نہیں، صحبت پہلے ہوتی ہے، بچے پہلے ہو جاتے ہیں، پھر نکاح کیا جاتا ہے، صرف ملکیت میں شرکت کے لئے۔

باندیوں کے ساتھ مالکوں کو صحبت کرنے کی اجازت دینے میں بھی بڑی عظیم حکمت پنہاں ہے کہ جو عورتیں مسلمانوں کی کفالت میں آگئیں اور وہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے ذمہ دار ہو گئے، اب اگر ان سے غیر عورتوں جیسا سلوک کیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے مسلم معاشرے کو بربادی میں مبتلا کر دیتیں، یا اپنے مالکوں ہی کو گناہ میں مبتلا کر دیتیں، پس اللہ نے بڑا فضل فرمایا کہ ان عورتوں کو گناہ سے بچانے اور ان کی وجہ سے دوسروں کو گناہ سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمادیا اور اجازت دیدی کہ جو ان عورتوں کی دیگر ضروریات کے ذمہ دار قرار دیئے گئے ہیں، وہی ان کی خواہش نفس بھی پوری کریں کہ یہ بھی ایک فطری اہم ضرورت ہے۔

اے ایمان والو:۔ اسلام کے احکام پر ذہن وقلب کے اطمینان کے ساتھ عمل کرو، کسی قسم کے تذبذب میں مبتلا نہ ہو کہ یہ اس اللہ کا عطا کردہ مکمل ضابطہ حیات ہے، جو انسان کا خالق ہے اور انسان کی فطرت، ضرورت اور صلاحیت کو خوب جانتا ہے، پس اس نے جو کچھ عطا فرمایا، وہ تمہاری فطرت، ضرورت اور صلاحیت کے عین مطابق ہے، اس پر عمل تمہاری طمانیت ونجات کا ضامن ہے، اے اللہ ہمیں ہر قسم کے شکوک وشبہات سے محفوظ فرما اور اپنے عطا کردہ نظام کو اپنانے کی توفیق عطا فرما۔

Marfat.com

آیئے، آیت زیر گفتگو کی طرف پھر رجوع کریں، ارشاد ہوتا ہے:

اے ایمان والو:۔ جن محرمات کا ذکر کیا گیا، ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، ان سے تم اپنے مال کے ذریعہ، یعنی مہر مقرر کر کے نکاح کر سکتے ہو لیکن تمہاری نیت درست ہونی چاہئے کہ نکاح کا مقصد صرف خواہش نفس کی تکمیل اور عیاشی نہ ہو بلکہ اس لئے نکاح کرو کہ تم غلط روی سے بچے رہو، نیز تمہاری نسل جاری ہو اور نہ ہی اپنے مال کے ذریعہ بدکاری کرنے کی غرض سے عورتیں تلاش کرو اور جب تم نکاح کر لو اور بیوی سے لطف اندوز ہو جاؤ تو بددیانتی نہ کرنا بلکہ جو مہر مقرر کیا ہے، وہ ادا کر دینا کہ اس کا ادا کرنا فرض ہے، ہاں اس میں تمہیں اضافہ کا اور عورت کو کمی کرنے کا اختیار ہے، اے ایمان والو، تم جو بھی عمل کرو گے وہ اللہ سے چھپا نہیں رہ سکتا کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اپنے احکام کی حکمت کو بھی جانتا ہے، پس تمہارا کام تعمیل ہے۔

مہر اور اس کے احکام

اس موقع پر مہر سے متعلق مختصر گفتگو کرنا مناسب ہوگا، پس اولاً ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مہر کی مقدار کیا ہے، پھر مہر سے متعلق چند شرعی احکام بیان کریں گے۔

ہمارے دور میں مختلف خاندانوں اور مختلف ممالک میں آباد مسلمانوں میں مہر کی ایک متعینہ مقدار رائج ہے، ملکی سکہ کے مطابق کہیں پچیس، کہیں اکتیس اور کہیں اکیاون ہے، یہ مقدار تو مختلف ہے لیکن اس میں دو باتیں ضرور مشترک ہیں، ایک تو یہ کہ مہر کم سے کم مقرر کیا جائے، دوسرے یہ کہ دنیا کی ہر چیز کے دام بڑھ سکتے ہیں لیکن عورت کی حیثیت میں اضافہ نہیں ہوسکتا مہر کی رقم زائد نہیں ہوسکتی، جو صدیوں سے رائج ہے، وہی رہے گا، کمی کی گنجائش ہی نہیں اور زیادتی کی اجازت رواج نہیں دیتا، ہم نے جنوبی افریقہ میں ایک نکاح پڑھایا، لڑکا، لڑکی دونوں کا متمول خاندان سے تعلق تھا، ارب پتی نہیں تو کروڑ پتی تو ضرور تھے، ہم نے مہر پوچھا، تو جواب ملا، وہی پچیس رینڈ (رینڈ وہاں کا سکہ ہے) ہمیں بڑی حیرت ہوئی نکاح تو پڑھا دیا کہ بہر حال ہو جائے گا پھر ہم نے لڑکے کے پچھتر سالہ دادا سے پوچھا آپ کا مہر کتنا تھا، جواب ملا ”وہی پچیس رینڈ“ اب تو اور بھی حیرت بڑھی، ہم نے پوچھا، جناب جب آپ دولہا بنے تھے اس وقت آپ کا جوتا کتنے کا خریدا گیا تھا، انہوں نے کہا اس وقت تو جوتا بہت عمدہ ایک رینڈ کا مل جاتا تھا، اب ہم نے تقریر شروع کر دی اور مہر کی شرعی مقدار واضح کرنے کے بعد کہا کہ کس قدر ظلم ہے کہ جب جوتا ایک رینڈ کا آتا تھا اس وقت بھی مہر پچیس رینڈ ہوتا تھا اور اب کوئی جوتا تو سو رینڈ سے کم کا نہیں ملتا لیکن مہر وہی چل رہا ہے، ہر چیز کی قیمت بڑھی لیکن عورت کی حیثیت اور وقعت نہ بڑھی، اب سنا ہے وہاں مہر ایک ہزار رینڈ مقرر کیا جانے لگا ہے، الحمد اللہ ہماری تبلیغی کوشش سے بعض دیگر ممالک میں بھی مہر کی مقدار بدلی ہے اور اس میں کچھ اضافہ ہوا ہے، جو اگرچہ کم ہے لیکن پھر بھی غنیمت ہے، مزید تعجب اس بات پر ہے کہ لوگ مہر کی مقدار تو بہت کم پسند کرتے ہیں جبکہ تحائف و جہیز وغیرہ دینے میں کوئی کمی نہیں کرتے، مہر میں کمی کا سبب بھی بڑا عجیب بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مہر فاطمی ہے، سنت بھی ہے اور ادائیگی میں بھی آسان ہے، بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اگر مہر فاطمی ہے تو پھر جہیز فاطمی اور تحائف علوی کیوں نہیں، علاوہ ازیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کا خیال صرف مہر کے موقع پر ہی کیوں آتا ہے، بچیوں کی پرورش اور تربیت کے لئے ان کو نمونہ

Marfat.com

کیوں نہیں بنایا جاتا، یہ سب عذر لنگ ہے بات صرف یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو صرف ایک رواج سمجھ لیا ہے اور ان کے نزدیک اس کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہے نہایت بے دلی سے برائے نام وہ اس کی تعمیل کر لیتے ہیں جبکہ ان کے نزدیک اپنے رسم ورواج نہایت اہم ہیں نہایت فراخ دلی سے وہ ان کو ادا کرتے ہیں، دین کے احکام کی بے وقعتی اور بے حرمتی باعث شرم اور جرم نہیں، اپنے رسم ورواج سے کمی میں ناک کٹتی ہے اللہ ہدایت دے۔

شریعت مطہرہ نے مہر کی مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا، جیسا کہ قرآن کریم کی زیر گفتگو آیت مبارکہ ہی میں موجود ہے کہ جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ''ان سے اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح کرو'' اگلی آیت میں آرہا ہے اگر مالی مجبوری کے سبب کوئی آزاد مسلمان عورت سے نکاح نہ کر سکے تو اسے کسی باندی سے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ شرعاً اس کا مہر، آزاد عورت کے مہر سے آدھا ہوتا ہے، ان احکام سے واضح ہے کہ مہر کی رقم اتنی وقیع ہونی چاہئے جس کو مال کہا جا سکے، پچیس، تیس روپے کی رقم کی ہمارے دور میں کیا حیثیت ہے، نیز اس مال کی مقدار کا تعین شریعت نے لڑکا، لڑکی یا ان کے ورثاء کو سونپا ہے تاکہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خود طے کر لیں، ایسی رقم طے کریں جس سے ان کی دنیاوی مالی حیثیت کا بھی اظہار ہو اور دینی وقعت کا بھی پتہ چلے یعنی یہ کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل اور رسول کی سنت کی پیروی کو وقعت دی۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، جن کا عمل قرآن کریم کی تفسیر اور جن کی زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، آپ ﷺ کو اگرچہ مقدار مہر متعین کر دینے کا پورا پورا اختیار تھا لیکن آپ ﷺ نے بھی ایسا نہ کیا بلکہ خود نکاح کئے تو حالات کے مطابق، عورتوں کی خاندانی حیثیت کے مطابق مہر مقرر فرمایا، اکثر ازواج مطہرات کا مہر، ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر کیا گیا، جو پانچ سو درہم کے مساوی ہوتے تھے اور یہ رقم اس دور میں ایک معقول رقم تھی، جس کو دولت کہا جاتا تھا، ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر تو چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا، جو اگرچہ نجاشی شاہ حبشہ نے ادا کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اگر مہر میں زیادہ رقم کا تعین جائز نہ ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ اس کی اجازت نہ دیتے، اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار سو مثقال چاندی مقرر فرمایا تھا جو ڈیڑھ سو تولہ چاندی کے مساوی بنتا ہے، اس دور میں یہ ایک معقول دولت تھی، آپ بھی مہر فاطمی مقرر کریں، مقدار کو نہ دیکھیں وقعت کو دیکھیں، اس وقت ڈیڑھ سو تولہ چاندی کی جو وقعت تھی اس کو حاصل کرنے کے لئے آج کل کم از کم ڈیڑھ ہزار تولہ چاندی کی ضرورت ہوگی، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کے لئے مہر کی یہ رقم کوئی معمولی نہ تھی ان کے پاس کوئی دولت نہ تھی انہوں نے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آغوش رحمت میں پرورش پائی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ اپنے دور خلافت میں انہیں معلوم ہوا کہ لوگوں میں، مہر بڑی مقدار میں مانگنے اور ادا کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے پس آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک مجلس میں اعلان فرمایا کہ چالیس اوقیہ، سے زیادہ کوئی مہر مقرر نہ کرے اور جو اس سے زیادہ مقرر کرے وہ بیوی کو صرف چالیس اوقیہ ادا کرے باقی بیت المال میں جمع کرائے، اس اعلان پر ایک عورت نے اعتراض کیا اور کہا یہ ہرگز جائز نہیں ہے، جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے مہر کی مقدار کا تعین نہیں کیا تو خلیفہ کو کیا حق ہے اور نہ ہی چالیس اوقیہ عورت کو ادا کر کے بقیہ رقم بیت المال میں جمع کرانے کا کوئی جواز ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــٴًـا

اور دے چکے ہو تم اسے (بیوی کو) ڈھیروں مال تو اس مال سے کچھ واپس نہ لو۔

آیت مبارکہ میں ''قنطار'' ڈھیروں مال دینے کا جواز بھی ہے اور واپس لینے کی ممانعت بھی، جب شوہر ہی کو واپس لینے کا اختیار نہیں جس نے دیا ہے تو بیت المال میں جمع کرا دینے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک عورت کا یہ اعتراض سنا تو اپنے اعلان پر اصرار نہ کیا بلکہ فرمایا'' اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں ایسی عورت موجود ہے جو سچ کہہ رہی ہے اور مرد غلطی پر ہے۔''

بہر حال شریعت مطہرہ نے مہر کی مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا اور نہ ہی قرآن وسنت سے کوئی ایسا مفہوم ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ مہر کم سے کم مقرر کرنا چاہئے، بالخصوص اتنا کم کہ اس کی کوئی وقعت ہی نہ رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو، وقعت واہمیت دینا مومن کے ایمان کی علامت ہے، اہل ایمان کو اپنی اس علامت کی حفاظت کا بہر حال خیال رکھنا چاہئے۔

پس اگرچہ مہر کی مقدار کا کوئی تعین نہیں لیکن آئمہ فقہ نے ہماری آسانی کے لئے کم از کم مہر کی مقدار کا تعین کیا ہے، زیادتی کا نہیں، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کم از کم مقدار دس درہم ہے، جس میں اس بات کا لحاظ موجود ہے کہ اس دور میں یہ رقم وقیع رقم تھی جس کو آپ نے اپنے دور کے لحاظ سے متعین فرما دیا، اب ہم اپنے دور کے لحاظ سے خود ایک وقیع رقم کا تعین کر سکتے ہیں۔

مہر ادا کرنا بحکم الٰہی واجب ہے، مقررہ مہر میں مرد اگر چاہے تو اضافہ کر سکتا ہے اور عورت اگر چاہے تو کمی کر سکتی یا پورا مہر بھی معاف کر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـٴًـا مَّرِیْٓـٴًـا ۝ (النساء:۴)

اور دیا کرو (اپنی) بیویوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ تمہیں کچھ بخش دیں اپنی مرضی سے تو اسے کھاؤ لذت حاصل کرتے ہوئے، خوشی سے۔

مقرر مہر کا ادا کرنا تمہارے ذمہ واجب ہے اور واجب کی ادائیگی کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ خوش ہو کر ادا کرنا چاہئے لہٰذا مہر خوش ہو کر ادا کرو، اگر مہر معجل ہے تو عورت کے مطالبہ پر فوراً ادا کرنا ہو گا اور اگر مہر مؤجل ہے تو طلاق یا موت کی صورت میں ادا کرنا ہو گا اور اگر مرد ہی پہلے وفات پا گیا اور اس نے بیوی کا مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے ترکہ میں وراثت جاری ہونے سے پہلے دوسرے قرضوں کی طرح مہر ادا کیا جائے گا اور بیوی کو حق حاصل ہے کہ مہر معجل ہو یا مؤجل، چاہے تو سب معاف کر دے اور چاہے تو کچھ معاف کر دے مرد کی زندگی ہی میں معاف کرے یا اس کے مرنے کے بعد معاف کرے لیکن اپنی خوشی اور مرضی سے، مرد کسی قسم کا اس پر جبر کر کے مہر معاف نہیں کرا سکتا اور جب بیوی خوشی سے معاف کرے تو اس کو ہنسی خوشی کھانے کی

Marfat.com

اجازت ہے، مہر کا ادا کرنا اسی صورت میں واجب ہوتا ہے کہ جب عورت سے مباشرت یا خلوت صحیحہ، یعنی مباشرت کا ماحول ہو جائے اگر اس صورت سے قبل ہی طلاق ہوگئی یا عورت مرگئی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہوگا آپ نے غور فرمایا، اسلام کے قوانین کس قدر عدل وانصاف پر مبنی ہیں، ان میں ہر کسی کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام موجود ہے، یہ ہماری بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم ایسے دین رحمت سے منہ موڑ کر، غیروں کے در سے بھیک مانگتے ہیں، اللہ عمل کی توفیق دے۔

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ نکاح کرے، جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو بعض تمہارا، بعض کی جنس سے تو نکاح کرلو، ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہر ان کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں، نہ زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار، اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں، پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا، تو ان پر، اس سزا کا نصف ہے، جو آزاد عورتوں کے لئے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لئے ہے جسے خطرہ ہو، بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم میں سے اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ غفور رحیم ہے۔

اَلْمُحْصَنٰتُ الْمُؤْمِنٰتُ

جن عورتوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے ان سے نکاح کرو کہ نکاح کرنا بھی عبادت ہے اور بقول حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ''نوافل سے افضل نکاح'' ہے کیونکہ اس سے انسان کے ذہن کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے، برائی و بدکاری کے خیالات سے نجات ملتی ہے، وہ نظربازی سے محفوظ رہتا ہے اس میں حلم و بردباری پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَآءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَآءٌ

اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو وہ ضرور نکاح کرے، کیونکہ نکاح نظر کو نیچا کر دیتا اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جس میں نکاح کی طاقت نہ ہو، اسے چاہئے کہ روزے رکھے کیونکہ یہ روزے ہی

Marfat.com

(بخاری شریف)

اس کی حفاظت ہیں۔

نکاح کرو" الْمُحْصَنٰتُ الْمُؤْمِنٰتُ" ایسی آزاد مؤمنات عورتوں سے، جو پاکدامن ہوں اور ہمیشہ پاکدامن رہیں کیونکہ نکاح عیش وعیاشی کا ذریعہ نہیں ہے، اس میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں، پس ایسی عورتیں تلاش کرو جن سے یہ حکمتیں حاصل ہوسکیں مثلاً وہ تمہارے گھر کی اچھی مالکہ بنیں، تمہارے خاندان کا اچھا فرد بنیں، تمہارے بچوں کی اچھی ماں بنیں، اسی لئے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ

عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال، اس کے خاندان، اس کے حُسن اور اس کے دین کی وجہ سے، پس تم دین والی اختیار کرو۔

(بخاری شریف)

عورت کے انتخاب میں دین کو بنیاد بناؤ، دیندار بیوی تلاش کرو، نکاح کے سارے مقاصد پورے ہوجائیں گے، گھر جنت بن جائے گا، خاندان میں محبت والفت کے گل کھلیں گے، بچے اچھے انسان بنیں گے، صرف تمہیں ہی نہیں، دیندار عورت کا فائدہ پورے معاشرے کو ہوتا ہے۔

اگر تم آزاد عورت کے اخراجات پورے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، تو باندی سے نکاح کرلو کیونکہ باندی کا مہر بھی آزاد عورت سے آدھا ہوتا ہے، آزاد عورت کا نان نفقہ دیگر اخراجات بھی زیادہ ہوتے ہیں، کچھ اس کے خاندان کا بھی بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے، باندی سے نکاح کرنے سے ہر قسم کی ذمہ داریوں میں کمی ہوجاتی ہے، پس تم باندی سے نکاح کرلو، جہالت زدہ لوگوں کی طرح باندی سے نکاح کو معیوب نہ جانو، وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، ان سے نفرت کی کوئی وجہ نہیں، اگرچہ شرعاً باندی کی اولاد اس کے مالک کی غلام ہوگی لیکن اسلام غلامی وآزادی کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اہم دین ہے اگر اولاد غلام بھی ہوجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ دیندار ہونا چاہئے، اسی لئے مؤمنہ باندی سے نکاح کرنا بہتر ہے تاکہ اولاد میں ایمان محفوظ رہے، بہر حال باندی سے نکاح میں کوئی عیب نہیں، باندیوں سے نکاح ان کے مالک کی اجازت سے کرو، اگر تم نے خود ہی اُس سے نکاح کی بات کرلی اور وہ راضی ہوگئی، تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ باندی، غلام کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں وہ مالک کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتے، جب تم نکاح کرلو، تو اس کا مقرر مہر بغیر کسی ٹال مٹول کے ادا کردو، کہیں باندی خیال کرکے اس کی حق تلفی نہ کرنا، باندی کا مہر بھی اس کے مالک ہی کو ادا کرنا ہوگا، باندی سے نکاح کی اجازت تو ہے لیکن یہ خیال ضروری ہے کہ وہ باندی، چال چلن اور کردار کی اچھی ہو، پاکدامن ہو، زانیہ نہ ہو کسی اور کے عشق میں مبتلا نہ ہو۔

آیت زیرِ گفتگو میں ضمناً باندی کی سزا کا بھی ذکر کردیا گیا کہ اگر باندی کا نکاح ہوجائے اور پھر بھی وہ بدکاری میں مبتلا ہو، تو اس کی سزا، آزاد عورت کی سزا سے نصف ہوگی، پس مسئلہ یہ ہے کہ غلام یا باندی، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ دونوں صورتوں میں ان کی سزا ایک ہی ہے، اور وہ پچاس کوڑے۔

اہل ایمان کو باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت صرف انتہائی ضرورت کی صورت میں دی گئی ہے جبکہ بے حد

Marfat.com

مجبوری ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اس صورت میں بھی بہتر یہی قرار دیا گیا کہ باندی سے نکاح کی بہ نسبت صبر بہتر ہے، اللہ ہر قسم کے گناہوں کو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

اللہ چاہتا ہے کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لئے اور چلائے، تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑا دانا ہے، اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشات کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو، اللہ چاہتا ہے کہ ہلکا کر دے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔

عائلی زندگی

عائلی زندگی انسانی زندگی کا نہایت اہم حصہ ہے، اس میں عدم توازن، انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں عدم توازن کا باعث بنتا ہے، اسی لئے اللہ پسند فرماتا ہے کہ وہ اس سے متعلق احکام واضح طور پر بیان کر دے وہ احکام جو ماضی میں مومن اقوام کو بھی دیئے گئے اور وہ ان کی تعمیل کر کے کامیاب و کامران زندگی بسر کر چکے ہیں، پس اے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والو تمہارے لئے بھی یہی زیب دیتا ہے کہ کامیاب اسلاف کے نقش قدم پر چلو تا کہ، اللہ کی رحمت تمہارے بھی شامل حال ہو، تمہارے معاشرے میں امن و سکون ہو، تم ایک دوسرے کی عزت و آبرو کے محافظ بنو، ان لوگوں کی زندگی سے تم ہرگز متاثر نہ ہونا، جو خواہشات کا شکار ہو کر جانوروں جیسی عادتوں میں مبتلا ہیں، ان کے یہاں محرم و غیر محرم، اپنے اور غیر میں کوئی امتیاز نہیں، یہ صرف جنس مخالف ہی سے اپنی شہوت پوری نہیں کرتے بلکہ ان کی ہوس نے انہیں ہم جنسی جیسے بدترین عمل تک میں مبتلا کر دیا ہے، ان کی عریانیت فحاشی جسے وہ اپنی تہذیب کا نام دیتے ہیں اور جس میں دھکیل دینے کے لئے شیطان اپنی پوری قوت استعمال کرتا ہے، یہ عورتوں، مردوں کا اختلاط، یہ کلبوں میں، اپنے غیر کے امتیاز کے بغیر ننگے ڈانس، یہ مردوں اور عورتوں کے دوستی کے نام پر ناجائز تعلقات، انسانی تہذیب و تمدن نہیں ہو سکتا یہ سب شہوت و خواہشات کی تسکین کے گھناؤنے ذرائع ہیں، یہ غیر مہذب قومیں اپنی ظاہری چمک دمک، عیش و عشرت کے فریب میں تمہیں بھی پھانس لینے کی پوری پوری کوششیں کرتی ہیں اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہو جانے والے میرے بندوں ہوشیار، رہو، ایسے لوگوں کے قریب بھی نہ جانا کہ جس ذلت و خواری کی دلدل میں یہ خود پھنسے ہوئے ہیں، تمہیں بھی اسی میں دھکیل دیں گے، پس تم ان سے بچتے رہو۔

Marfat.com

قرآن کریم نے جو مذکورہ بالا احکام تمہیں دیئے، ان میں تمہاری طبعی کمزوری کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اللہ سے زیادہ تمہاری استطاعت کو جاننے والا، اور کون ہو سکتا ہے، پس تم ان احکام کی تعمیل کرو، تم یہاں آسانی بھی پاؤ گے اور آسائش بھی، ان سے تمہاری ضرورت بھی پوری ہوگی اور عزت و وقار بھی نصیب ہوگا، پس عمل بھی کرو اور دعا بھی کیا کرو کہ اے رحیم و کریم خالق، تو ہمیں اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق نصیب فرما اور ان کی برکتیں عطا فرما، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۱

النساء: ۲۹ تا ۳۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا
كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَ
لِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

Marfat.com

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ (النساء:۲۹-۳۳)

اے ایمان والو! نہ کھاؤ، اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو، تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو، اپنے آپ کو بے شک اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم سے تو ہم اسے آگ میں ڈال دیں گے اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے اور اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے (تو سے) ہم مٹا دیں گے، تمہارے (نامہ اعمال سے) تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ، اور نہ آرزو کرو اس چیز کی، بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر، مردوں کے لئے حصہ ہے، اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ سے اس کا فضل و کرم بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کے لئے ہم نے بنا دیئے وارث، اس مال سے جو چھوڑ جائیں، ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان تو دو انہیں ان کا حصہ بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہد فرمانے والا ہے۔

آیات بالا میں اہل ایمان کو درج ذیل ہدایات دی جا رہی ہیں۔

اپنے اموال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کبائر سے بچتے رہو، دوسروں کی نعمتوں پر نظر نہ رکھو، وارثت میں جو حصہ جس کا مقرر ہے، اس پر راضی رہو اور شکر ادا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے ایمان والو! نہ کھاؤ، اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو، تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو، اپنے آپ کو بے شک اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم سے تو ہم اسے آگ میں ڈال دیں گے اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔

اے ایمان والو:۔ اپنے مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، اس طرح کہ تم اپنی محنت و مشقت سے کمائی ہوئی دولت کو، ناچ گانے، شراب اور دیگر غیر شرعی کاموں میں صرف نہ کرو، نہ ہی دولت کو بے جا ضرورت سے زائد خرچ کرو کہ اللہ اسراف کو پسند نہیں فرماتا اور نہ ہی کسی دوسرے کا مال چوری، ڈکیتی، غصب، حق تلفی، رشوت، سود اور دیگر غیر شرعی طریقوں سے حاصل کر کے کھاؤ کہ دوسروں کا مال، عزت و آبرو بھی حقیقت میں تمہارے ہی ہیں، ہاں باہمی مرضی سے تمہیں ایک دوسرے سے تجارت کرنا، ایک دوسرے کی ملازمت اور دیانت و محنت کے ساتھ ان ذرائع سے دولت کمانا تمہارے لئے جائز ہے، اسی میں برکت ہوتی ہے، اسی سے عزت ملتی ہے، اسی سے معاشرے میں امن و سکون ہوتا ہے۔

Marfat.com

نیز تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو یعنی مصائب و آلام، دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں سے تنگ آکر اقدام خودکشی نہ کرو کہ یہ نہایت ہی بزدلی کی حرکت ہے، دنیا و آخرت کو برباد کر لینا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو قتل کرو کہ انسان، انسان کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو خوفزدہ کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، وہ تو اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، اسے ہمدردی و محبت کا پیکر ہونا چاہئے، جیسے تمہارا خالق ہر حال میں تم پر رحم فرماتا اور مہربانی کرتا ہے۔

اور اگر تم ان واضح ہدایات کے باوجود، سرکشی اور ظلم سے باز نہ آئے، اپنی من مانی کرتے رہے، رزق حلال و حرام میں امتیاز نہ کیا، قتل و غارت گری سے باز نہ آئے، تو سن لو اللہ تمہیں جہنم میں ڈھکیل دے گا، اس پر یہ کام دشوار نہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اسراف

اپنی کمائی کو ''باطل'' سے کھانے کا ایک غیر شرعی طریقہ اسراف ہے، یعنی دولت کو یا تو بے جا خرچ کرنا یا بے بہا خرچ کرنا، جیسا کہ آج کل خصوصاً شادی، بیاہ وغیرہ کے موقع پر اکثر ہوتا ہے، اسراف چاہے دنیاوی امور میں ہو یا دینی امور، ناپسندیدہ، ناجائز اور حرام ہے، اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (انعام:۱۴۱)

اور فضول خرچی نہ کرو بیشک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (اعراف:۳۱)

اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو، اپنا لباس (پاکیزہ) ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو بیشک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اپنے نیک و پسندیدہ بندوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

(فرقان:۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے۔

مؤمن کو کمانا بھی اللہ کے حکم کے مطابق اور خرچ بھی اللہ ہی کے حکم کے مطابق کرنا چاہئے کیونکہ حصول دولت کا ذریعہ قوتِ بازو یا دیگر انسانی کمال نہیں بلکہ رزّاق، حقیقتاً اللہ ہی ہے، جو اپنے فضل سے، جسے جتنا چاہتا ہے، رزق عطا فرماتا ہے، پس یہ اس کا حق ہے کہ اس کی عطا کردہ دولت اس ہی کی مرضی کے مطابق خرچ کی جائے، اس حق کو سوائے مؤمن کے کون پہچان سکتا ہے، لہٰذا اہل ایمان ہی سے مطالبہ ہے کہ ''اپنے اموال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ'' اسراف نہ کرو، میانہ روی اختیار کرو، اس حکم کی تعمیل سے بے شمار برائیوں کا سدِ باب ہوتا ہے کیونکہ جن کو اللہ نے دولت دی ہے، جب وہ اس کو صرف

Marfat.com

ریاء ونمود کے لئے بے بہا خرچ کرتے ہیں تو غریبوں میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کا پیمانہ صبر جب لبریز ہو جاتا ہے تو وہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے چوری، ڈکیتی، جیسے جرائم پر مجبور ہو جاتے ہیں، غریب ملازمین حرص وہوس میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ رشوت جیسے گھناؤنے جرم کے ذریعہ امیروں جیسی زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں، جن کے پاس چند پیسے آجاتے ہیں وہ راتوں رات امیر بننے کی ہوس میں، سودخوری اور جوئے بازی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، گویا چند لوگوں کے اسراف اور فضول خرچی نے مسلم معاشرے کا نظم درہم برہم کر ڈالا، بس اللہ کی نظروں میں یہ مجرم ہیں، جنہیں اللہ پسند نہیں فرماتا، یہ لوگ تو شیطان کے بھائی ہیں، جو مسلمانوں کے معاشی نظام کو برباد کر کے انہیں اپنا محتاج اور دستِ نگر بنالینا چاہتے ہیں، اے ایمان والو تمہاری خوبی تو یہ ہے کہ:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ (بنی اسرائیل: ۲۶-۲۷)

اور دیا کرو، رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

اسلامی تعلیمات کا بنیادی عنصر، اعتدال اور میانہ روی ہے، عبادات ہوں یا معاملات، سب میں میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی، مؤمن کو نہ یہ اجازت ہے کہ وہ دنیا کے جھمیلوں اور عیش وعشرت میں ایسا مبتلا ہو کہ اللہ کو فراموش کر بیٹھے اور نہ ہی اس حال کو پسند کیا گیا کہ دنیا کو چھوڑ کر رُہبانیت اختیار کرے، نہ اہل وعیال کے حقوق ادا کرے، نہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے، نہ ہی دنیا کی دیگر ذمہ داریوں کو پورا کرے، بس عبادت میں ایسا مصروف ہو جائے کہ شب وروز مصلّی ہی پر گزریں، یہ نہ تقویٰ ہے، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ بلکہ مؤمن کا اعلیٰ تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر عمل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بنائے اور یہی میانہ روی ہے، شیطان مؤمن کو یا تو بخیل وکنجوس بنانے کی کوشش کرتا ہے اور یا اسراف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دونوں ہی طریقے میانہ روی سے دور کرتے ہیں، اسی لئے اللہ ان دونوں طریقوں کی ممانعت فرماتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا، اپنی گردن کے اردگرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو، ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے، تھکے ہوئے۔

کنجوسی بھی نہ کرو کہ اہل وعیال اور دیگر اہل حقوق کی حق تلفی کے مجرم بن جاؤ اور اسراف بھی نہ کرو، کہ دوسروں کے محتاج ہو جاؤ اور ہر کسی کی باتیں اور طعنے سننے پڑیں۔

بہر حال اسراف، دوسروں کی حق تلفی، معاشرے میں حرص وہوس کا باعث بنتا ہے، لہٰذا یہ بھی مال کو ''باطل'' طریقے سے کھانے، خرچ کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کی سختی سے ممانعت کی گئی، اس جرم کے مرتکب افراد سے اللہ نے اپنی

Marfat.com

ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور انہیں شیطان کا بھائی قرار دیا گیا، پس اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اخراجات میں اعتدال کو ملحوظ رکھیں اور:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

(الشعراء:۱۵۱۔۱۵۲)

اور نہ پیروی کرو، حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔

نیز ہر نماز کے بعد دعا کیا کرو، وہی، جو اسراف سے بچنے کی تاکید فرمانے والے رحیم و کریم رب نے تعلیم فرمائی کہ اگر سہواً تم سے اسراف ہو جائے تو ہمارے ہی دربار میں حاضر ہو کر یوں عرض کرو:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کی ہم نے اپنے کام میں اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر۔

دوسروں کا مال باطل سے کھانا

اسلامی تعلیم کے اعتبار سے مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عزت آبرو، مال و دولت کا محافظ ہے تاکہ مسلمانوں میں آپس میں، خوف و ہراس پیدا نہ ہو، انہیں ایک دوسرے سے خطرہ لاحق نہ ہو، اس لئے قرآن کریم نے ''اموالکم'' کا جملہ استعمال فرمایا کہ درحقیقت، تمہارے بھائی کا مال بھی تمہارا ہی ہے، پس جس طرح تم اپنا نقصان پسند نہیں کرتے اسی طرح اپنے بھائی کا بھی نقصان تمہیں گوارا نہیں ہونا چاہیے تم نہیں چاہتے کہ تمہیں کوئی دھوکا دے، تو تم کیسے پسند کرتے ہو کہ تم کسی کو دھوکا دو، تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارا مال غصب کرے، تو تم کیسے کسی کا مال غصب کرنے کی تدبیریں کرتے ہو، تم نہیں چاہتے کہ کوئی سود کی صورت میں تمہارا خون چوسے، تو تم یتیم کے مال پر قبضہ کی جرأت کیسے کرتے ہو، پس

اے ایمان والو:۔ دوسروں کو دھوکا دے کر، ان کا مال غصب کر کے، انہیں سودی کاروبار میں مبتلا کر کے اپنا پیٹ نہ بھرو، دوسروں کو رشوت کے عذاب میں مبتلا کر کے جہنم کا راستہ اختیار نہ کرو، معاشرے میں معاشی بحران پیدا کر کے اپنی زندگی کو اجیرن نہ بناؤ، یہ تمام اعمال باطل ہیں، باطل سے پیٹ نہ بھرو، اللہ کے احکام پر عمل کرو۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(بقرہ:۱۸۸)

اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور نہ رسائی حاصل کرو، اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک، تاکہ یوں کھاؤ، کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)

Marfat.com

جولوگ، اموال بالباطل کھاتے ہیں، ان میں، بدترین وہ ہیں جو یتیم کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم کی آگ قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا۝ (النساء:۱۰)

بیشک جولوگ کھاتے ہیں، یتیموں کے مال ظلم سے، وہ تو بس کھا رہے ہیں، اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

کوئی یتیم کا مال ہڑپ کرے یا دیگر غیر شرعی ذرائع سے دولت حاصل کرے، بہر حال وہ نہایت ہی بڑا مجرم ہے، کہ پورے معاشرے کو اس نے فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیا ہے صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے اوپر بھی ظلم ڈھایا ہے کہ ایسا شخص کتنی ہی عیش وعشرت کی، شان وشوکت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن نہ تو عوام میں اس کی قدر ومنزلت رہتی ہے اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس کا کوئی عمل قابلِ قبول ہوتا ہے، وہ نمازوں کی پابندی کرتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، حج وعمرہ کرتا ہے لیکن ظالم حرام کی دولت سے ہی سب کچھ کرتا ہے، وہ اپنی اولاد کو بڑی آسودہ زندگی مہیا کرتا ہے، ماں باپ کو اچھا کھلاتا، اچھا پہناتا ہے اعزاء واقارب، غرباء ومساکین کی مدد بھی خوب کرتا ہے لیکن سب حرام کی دولت سے، کتنا بڑا مجرم ہے، یہ شخص کہ خود بھی حرام کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی حرام میں مبتلا کر دیتا ہے، اس کی بدنصیبی کا اندازہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، بیشک اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند فرماتا ہے (یعنی حرام کی دولت کمانے والے، کھانے اور کھلانے والے کا کوئی عمل قابل قبول نہیں) اور بیشک اللہ نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا، جو اپنے رسولوں کو دیا کہ فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ (مؤمنون:۵۱)

اے (میرے) پیغمبرو، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔

اور اہل ایمان کو حکم دیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ (البقرہ:۱۷۲)

اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی کا ذکر سنایا، جو طویل سفر کرتا ہے، بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے "یا رب" (بڑی عاجزی وانکساری سے دعائیں کرتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اسے حرام غذا کھلائی جاتی ہے، "فَاَنّٰى يُسۡتَجَابُ لِذٰلِكَ" بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول کی جائے۔ (مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

Marfat.com

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ

وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوا جو حرام روزی سے پلا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اللہ محفوظ رکھے رزق حرام سے، یہ ایک ایسی بلا ہے جس میں ایک مرتبہ مبتلا ہو جانے کے بعد انسان کا اس سے نکلنا ممکن نہیں رہتا، ایک دلدل ہے، جس میں قدم رکھنے والا، اس میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے جب تک کہ کوئی مضبوط قوت اس کا ہاتھ نہ تھام لے، پس جو بھی اس دلدل میں دھنسا ہوا ہے، اسے چاہئے کہ اولاً خود کوشش کرے، توبہ کرے حرام خوری سے باز آئے اور سہارا لینے کے لئے کسی کا ہاتھ تھام لے، اللہ کے نیک بندے کا، ولی کامل کا ہاتھ کہ یہ ہستیاں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گناہ گاروں کو سہارا دینے پر متعین ہیں، یہ ہر قسم کے خوف وغم سے آزاد وہ اللہ کے بندے ہیں، جو خوف زدوں، غم زدوں کو، خوف وغم سے آزاد کراتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا رِزْقًا وَّاسِعًا مُّبَارَكًا حَلَالًا طَيِّبًا اِنَّكَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ

تجارت

تجارت حصول رزق کا ایک وسیع میدان ہے، جس میں روزی کمانے کے تمام شعبے موجود ہیں، صنعت وحرفت ہو یا ملازمت، یہ سب ذرائع حقیقتاً تجارت ہیں، صنعت وحرفت کا تو بالواسطہ، تجارت ہونا ظاہر ہے، عام طور پر ملازمت کو تجارت نہیں سمجھا جاتا، اس لئے ملازمین، اپنے آپ کو تاجروں سے ایک علیحدہ طبقہ سمجھتے ہیں اور بعض ممالک میں ملازمت کو تجارت سے زیادہ باعزت پیشہ خیال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ یکسر غلط ہے اولاً تو اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ ملازمت، درحقیقت تجارت ہی کا ایک شعبہ ہے کہ تاجر مخصوص اشیاء فروخت کر کے دولت کماتا ہے جبکہ ملازم اپنی آزادی، اپنے وقت، اپنے ہنر وفن یا علم کے ذریعہ محنت ومشقت کر کے دولت کماتا ہے، ثانیاً یہ کہ اگر ملازمت کو تجارت سے علیحدہ مان لیا جائے تو تاجر ملازم سے افضل قرار پاتا ہے کہ تجارت کا متعدد بار قرآن کریم میں ذکر موجود ہے، نیز یہ انبیاء ورسل کی سنت ہے، اولیاء وصالحین کا ذریعہ معاش ہے، اسی لئے احادیث مبارکہ میں تاجروں کے فضائل موجود ہیں اور تجارت کو افضل ترین پیشہ قرار دیا گیا ہے، پس ملازمین کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ خود کو تاجروں ہی میں شمار کریں اور اپنے پیشہ کو تجارت سے علیحدہ نہ سمجھیں۔

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کسی نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے اور بیشک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھایا کرتے تھے، (آپ کا معجزہ تھا کہ لوہا آپ کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا، پس آپ زرہیں بنا کر فروخت فرماتے تھے) (بخاری)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کونسا ذریعہ معاش پاکیزہ (حلال) ہے تو آپ نے فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَّبْرُوْرٍ

آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

Marfat.com

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ (ترمذی)

بہت سچے اور دیانت دار تاجر (کا حشر) نبیوں، صدیقوں، اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلتُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ

قیامت کے دن (بددیانت) تاجروں کا حشر نافرمانوں کے ساتھ ہوگا سوائے اس کے، جو ڈرتے ہوئے حرام سے بچے، جھوٹی قسم نہ کھائے اور سچ بولے۔ (ترمذی)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ

جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس کا عیب ظاہر نہ کرے ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا اور ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

یہ ہے، روزی کمانے کا وہ وسیع میدان، جس میں رزق کے خزانے دبے ہوئے ہیں، پس اے ایمان والو۔ حرام کی کمائی سے بچو اور اس میدان میں کود پڑو، محنت و مشقت تم کرو، روزی ہم دیں گے جتنا پسینہ بہاؤ گے اتنی ہی برکت ہوگی، اتنا ہی سکون میسر آئے گا کہ حلال رزق کھا کر انسان کو ایسا سرور محسوس ہوتا ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کا تمام عیش کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور دیکھو یہ تجارت بھی تب ہی سود مند، نفع بخش ہوتی ہے جب مال فروخت کرنے والا اور خریدنے والا دونوں مطمئن ہوں اور یہ اطمینان اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ دونوں ہی دیانت سے سودا کریں اور اگر دھوکہ بازی اور بددیانتی اختیار کی تو نہ ہی اطمینان میسر آئے گا اور نہ ہی برکت نصیب ہوگی۔

آیت زیر گفتگو میں ''لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ'' کے معنی یہ ہیں، اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل نہ کرو، اپنی بدکرداری سے اپنی عزت و آبرو پامال نہ کرو، ہم ان تینوں عنوانات پر مختصر گفتگو کرنا چاہتے ہیں:

خودکشی

اپنے آپ کو قتل کرنا، خودکشی ہے، چاہے کسی طرح ہو، گردن میں پھندا ڈال کر، زہر کھا کر، گولی مار کر، یہ اور ان جیسے تمام طریقے، جن سے موت واقع ہو جائے، خودکشی ہے، جس کا سبب کسی نہ کسی قسم کی تکلیف، مثلاً بیماری، بے روزگاری وغیرہ سے نجات حاصل کرنا ہوتا ہے، یا کسی ناکامی کا صدمہ یا شرمندگی برداشت نہ کر سکنے کے باعث کی جاتی ہے، بہرحال سبب کوئی بھی ہو، یہ اللہ کے فیصلوں سے فرار کی کوشش ہے، اس کی شان رحیمی و کریمی کا عملی انکار ہے، نہایت ہی کم ہمتی اور بزدلی ہے لہٰذا اسلام اس کو بدترین گناہ قرار دیتا ہے اور اس کے مرتکب کا ٹھکانہ جہنم بتاتا ہے کیونکہ انسان کا جسم اور اس کی جان اللہ کی ملکیت ہے، یہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے انسان کو خوبصورت جسم دیا، صحیح اعضاء دیئے اور ان میں جان ڈالی، پس انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر عضو کو اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے، ورنہ یہی اعضاء قیامت کے دن اس کیخلاف گواہی دیں گے، فرمایا گیا:

Marfat.com

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور: ۲۴)

وہ یاد کریں، اس دن کو جب گواہی دیں گے، ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر، ان اعمال پر جو وہ کرتے تھے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

(یٰس: ۶۵)

آج (قیامت کے دن) مہر لگا دیں گے ہم ان کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیر، اس کی جو وہ کمایا کرتے تھے۔

گویا یہ اعضاء پہچانتے ہیں کہ ان کا خالق کون ہے، مالک کون ہے، انسان بڑا ظالم ہے، جو اپنے خالق و مالک کو بھول کر ان اعضاء کو اپنا سمجھ بیٹھتا ہے اور جسے چاہتا ہے استعمال کرتا ہے، یہ تو ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں، ہم پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ ان کی خدمت کریں اور ان کو اصل مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کریں، ہم صرف ان کے امین ہیں مالک نہیں اسی لئے شریعت اجازت نہیں دیتی کہ کوئی اپنے جسم کا کوئی حصہ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے، نہ زندگی میں ایسا کرسکتا ہے اور نہ بعد موت کسی کو ایسا کرنے کی وصیت کرسکتا ہے، پس جس چیز کے ہم مالک ہی نہیں، ہمیں اس کو ضائع کردینے کا کیسے حق مل سکتا ہے، جس نے اس جسم کو ضائع کیا، یعنی خودکشی کرلی، گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی کھلی بغاوت کی، اب اس کی سزا یہی ہوسکتی ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہو، نیز دیگر گناہوں سے تو توبہ کی جاسکتی ہے کہ توبہ کا وقت ملتا ہے، یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی توبہ کا وقت بھی ختم ہوجاتا ہے، اب اس کا مرتکب جہنم کی آگ سے، اللہ کے عذاب سے کس طرح بچ سکتا ہے۔

وہ مسلمان نہایت ہی احمق ہے، جو مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے، خودکشی جیسا مذموم عمل اختیار کرے کہ اس پر تو اللہ کا بڑا ہی کرم ہے کہ اس کے تو مصائب بھی، اس کے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا کہ

لَا يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَّصَبٍ وَّلَا نَصَبٍ وَّلَا سَقَمٍ وَّلَا حَزَنٍ حَتّٰى الْهَمَّ يَهُمُّهُ اِلَّا كُفِّرَ بِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ

مسلمان پر جو مصیبت آتی ہے، بیماری ہو، تھکاوٹ ہو، تکلیف ہو، غم ہو، یا کوئی بھی پریشانی ہو، اللہ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (مسلم)

کیسا خوش نصیب ہے مسلمان کہ اس کی تکالیف بھی اس کے لئے گناہوں سے نجات کا باعث بنتی ہیں دیگر احادیث میں ہے کہ مسلمان کو اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ اس پر بھی اسے اجر دیتا اور اس کا مرتبہ بلند کردیتا ہے لیکن کیسا ظالم ہے وہ مسلمان جو اللہ کے سایہ رحمت میں پناہ گزیں ہونے کے بجائے اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور بدنصیب بن جاتا ہے، جہنم کا سزاوار ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اپنے غلاموں کی بدعملی سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جو اپنے غلاموں کی بخشش پر حریص ہیں، خودکشی کرنے والے کا خود ہی انجام بیان فرماتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جس شخص نے، اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر مار ڈالا، اسے جہنم میں گرایا ہی جاتا رہے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور جس شخص نے زہر کھا کر اپنی جان دی تو اس کے ہاتھ میں زہر ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو لوہے کے کسی ہتھیار سے مار ڈالا، تو وہ ہتھیار جہنم میں اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور وہ اس کو اپنے پیٹ کے اندر جھونکتا رہے گا، (العیاذ باللہ)، (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص، اپنے آپ کو گلا گھونٹ کر مار ڈالے، وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو نیزہ مار کر مر جائے، وہ دوزخ میں بھی اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا، (بخاری)

اے ایمان والو! مصائب وآلام سے گھبرا کر، ناکامی ونامرادی پر شرمندہ ہوکر، اپنی جان نہ لو، بلکہ ان کو بھی اللہ کی رحمت جانو، کہ وہ تمہارے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں، ان پر صبر کرو، تو اللہ ان کے بدلے تمہیں بے شمار نعمتوں، راحتوں اور خوشیوں سے نوازے گا۔

مسلمان بھائی کو قتل کرنا

اسلام مسلمانوں کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ وہ بظاہر علیحدہ علیحدہ افراد ہیں لیکن حقیقت میں ایسی ایک جان ہیں کہ ان کی جان، ان کا مال، ان کی عزت وآبرو، سب کی مشترک ہے، ان کا آرام سب کا آرام ہے، ان کی تکلیف، سب کی تکلیف ہے، وہ ایک دوسرے کے جان ومال اور عزت وآبرو کے محافظ بھی ہیں اور معاون ومددگار بھی، ان سے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کو تکلیف پہنچائیں گے، یا کسی کی جان لیں گے، یہی وجہ ہے کہ اگر مسلم معاشرہ صحیح ہو اور تمام مسلمان دین کے پابند ہوں تو اس میں جو امن، سکون، چین، بے خوفی نظر آتی ہے، اس کی نظیر کسی دوسری قوم کے معاشرے میں نہیں مل سکتی، یہ نتیجہ ہے، معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا، جنہوں نے مسلمانوں کے مابین، امیر وغریب، حاکم ومحکوم، رنگ ونسل، زبان، آقا وغلام کی تفریق مٹا کر انہیں ایک جان کر دیا، انہیں سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط قوم بنا دیا، بطور نمونہ آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ

مسلمان، مسلمان کے لئے دیوار کی طرح ہے، جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى

Marfat.com

عضواً تداعٰی لہٗ سائرُ الجسدِ بالسَّھرِ والحُمّٰی

تم مسلمانوں کو آپس میں، مہربانی محبت و شفقت کرتے ہوئے ایسا دیکھو گے، جیسے ایک جسم کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے، تو سارے اعضاء ایک دوسرے کو بے خوابی اور بخار کی طرف بلاتے ہیں۔
(بخاری و مسلم)

یہ بھی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشْتَکٰی رَاْسُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ

ایمان والے آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ اگر آنکھ کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (مسلم)

اندازہ لگایئے، جس مذہب کی یہ تعلیم ہو وہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے ماننے والے، آپس میں سیاسی، معاشی، یا ذاتی دشمنی کی بناء پر ایک دوسرے کا خون بہائیں، اسی لئے از روئے قرآن شریعت اسلامیہ نے اس کی سخت سزا مقرر فرمائی، واضح رہے کہ اسلامی سزائیں واقعی بہت سخت ہیں، قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کر دینے، چور کا ہاتھ کاٹ دینے، زانی کو سو کوڑے مارنے یا سنگسار کرنے کی سزائیں، لیکن ان کا مفاد عظیم ہے کہ اول تو صرف اسلامی قانون کے نفاذ سے ہی جرائم ختم ہو جاتے ہیں کہ کسی کو ہمت ہی نہیں پڑتی کہ ایسی سخت سزا کے ہوتے ہوئے جرم کرے اور اگر کوئی جرم کرتا بھی ہے تو وہ اس سزا کے ملنے کے بعد دوسروں کے لئے عبرت بن جاتا ہے اور کوئی دوسرا اس جرم کے ارتکاب کی ہمت نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ آج بھی جن ممالک میں اسلامی قانون نافذ ہے، وہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں اور جہاں مجرموں کے لئے جیلوں کی شاندار عمارتیں موجود ہیں اور ان میں ہر قسم کا آرام مہیا ہے وہاں جیلیں بھری ہوئی ہیں اور ان سے باہر جرائم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے، بعض ممالک جن میں موت کی سزا کو انسان پر ظلم تصور کیا جاتا ہے اب یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس سزا کے بغیر، امن و امان کا حصول ناممکن ہے۔

بہر حال اسلام جو بالخصوص مؤمنون کے لئے رحمت ہے، قاتل مؤمن کی، جو کسی مسلمان بھائی کو قتل کرے، جو سزا مقرر کرتا ہے، قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں ملاحظہ فرمایئے، فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

Marfat.com

عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ (النساء: ۹۲۔ ۹۳)

اور نہیں (جائز) کسی مؤمن کے لئے، کہ کسی مؤمن کو قتل کرے، مگر غلطی سے اور جس نے کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کیا، تو (سزا یہ ہے) آزاد کرے مسلمان غلام کو، اور خون بہا ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو، مگر یہ کہ وہ خود ہی معاف کر دیں پس اگر (مقتول) مؤمن ہو، تو قاتل آزاد کرے ایک مسلمان غلام، اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے، تمہارے اور اس کے درمیان معاہدہ، تو قاتل خون بہا دیدے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور جو غلام نہ پا سکے، تو روزے رکھے دو ماہ کے لگاتار، (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو شخص قتل کرے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے، ہمیشہ رہے گا اس میں اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور تیار کر رکھا ہے، اس نے اس کے لئے دردناک عذاب۔

آیات مذکورہ کی قدرے وضاحت ضروری ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو سمجھنے میں آسانی ہو، ابتدائی جملہ تو واضح ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان کو قاتل بننا ہی نہیں چاہئے کہ وہ تو امن کا علمبردار ہے، فتنہ وفساد، اس کو کسی صورت میں زیب نہیں دیتا اور اگر کوئی قاتل بن ہی گیا، تو وہ سزا سن لے، اب وہ مسلم معاشرے کا باعزت فرد نہیں، بلکہ مجرم ہے، جسے سزا بھگتنا ہوگی، اس جرم کی دو صورتیں ہیں، قتل خطاء اور قتل عمد۔

قتل خطاء:۔ قتل خطاء یعنی غلطی سے کسی کا قتل ہو جانا، مثلاً کفار کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی، اتفاق سے مجاہد کی زد میں اس کا اپنا ہی مسلمان بھائی آ گیا، کوئی شکار کا نشانہ کر رہا تھا کہ نشانہ غلط ہوا اور اپنا ہی ساتھی مارا گیا یہ اور اس جیسی صورت قتل خطاء کی ہیں اس کی تین صورتیں ہیں:

1۔ مقتول عام مسلمان ہو، غلطی سے مارا گیا، تو قاتل کی سزا یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرے اور اس کے وارثوں کو شریعت کی مقرر کردہ دیت، خون بہا بھی ادا کرے، ہاں اگر وارث خون بہا معاف کر دیں تو یہ ان کی مہربانی ہے، جس پر اسے شکرگزار ہونا چاہئے۔

2۔ مقتول مسلمان ہو لیکن کافروں کے ملک میں، ان کے ساتھ رہتا ہو، ایسے شخص کو غلطی سے مار دیا، تو سزا یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرے، دیت نہیں ہے، کیونکہ خون بہا کے طور پر جو دولت ادا کی جائے گی، اس سے کافروں کو فائدہ ہوگا، جو دشمن ہیں۔

3۔ مقتول مسلمان ہو یا کافر، لیکن اس کا تعلق ایسی غیر مسلم قوم سے ہو، جس کے اور مسلمانوں کے درمیان، امن و امان کا معاہدہ طے پا چکا ہو، ایسی صورت میں قاتل کو مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی ادا کرنا ہوگا اور ایک مسلمان غلام یا باندی کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔

Marfat.com

غلام یا باندی کا آزاد کرنا تینوں صورتوں میں موجود ہے لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ قاتل کے پاس غلام یا باندی ہو، اگر نہ ہو، اور خریدنے کی قوت بھی نہ ہو، یا نہ مل سکے، جیسا کہ ہمارے دور میں ہے کہ اب تو غلام و باندی کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں قاتل کو خود جسمانی تکلیف اٹھانی پڑے گی اور وہ یہ کہ وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے، اگر بلا عذر شرعی اس نے روزہ چھوڑ دیا، تو پھر شروع کرے اور دو مہینے تک رکھے۔

دو صورتوں میں قاتل خون بہا بھی ادا کرے گا، جس کو قرآنی اصطلاح میں دیت کہا جاتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیت کا تعین فرمایا کہ ایک انسان کا خون بہا سو اونٹ ہیں، اگر کسی ملک میں اونٹوں کا لین دین نہ ہوتا ہو، تو اونٹوں کی قیمت معلوم کی جائے گی اور سو اونٹوں کے مساوی ملکی سکہ میں دیت ادا کی جائے گی، یہ بات قابل غور ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیت کا تعین اونٹوں سے کیا ہے، درہم و دینار وغیرہ سے نہیں کیونکہ ہر دور میں اور ہر ملک میں سکہ کی قیمت یعنی قوت خرید گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، دیت اگر ایسے وقت ادا کی گئی جب سکہ کی قوت خرید گھٹی ہوئی ہے تو اس کے مطابق انسان کی قدر بھی گھٹ جائے گی، وہ جو انسان کی قدر و منزلت بلند کرنے کے لئے تشریف لائے کیسے گوارا فرما سکتے تھے کہ کسی حال میں بھی انسان کی قدر و منزلت کم ہو، پس اونٹوں کا تعین فرمایا، جس کی قیمت ہر آنے والے دن بڑھتی ہے، اس طرح ہر دور میں انسان کی قدر و منزلت بڑھ رہی ہے۔

قتلِ عمد

یعنی کسی مسلمان بھائی کو مسلمان جانتے ہوئے، قصداً اور ظلماً قتل کرنا، اس کا باعث سیاست ہو، معیشت یا ذاتی عداوت، نیز قتل کی کوئی صورت بھی اختیار کی جائے، دھاردار آلے سے قتل کیا جائے، گولی مار کر، گلا گھونٹ کر یا زہر وغیرہ دے کر، ایسے قتل کی دنیاوی سزا تو قاتل کا پتہ چل جانے کے بعد، صورت قتل کے مطابق، شرعی قانون سے دی ہی جائے گی لیکن آخروی سزا بڑی ہی بھیانک ہے کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اللہ کا غضب اور لعنت اس پر ہوتی رہے گی، (الامان والحفیظ) وہ لوگ اس سزا پر غور کریں اور اللہ کا خوف کریں جو مالی جھگڑوں، سیاسی اختلافات کی بناء پر قتل و غارت گری کو معمولی سمجھتے اور اپنے ہی بھائیوں کا چین وسکون پامال کرتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل مسلم ممالک میں عام ہو رہا ہے۔

قاتل کی یہ سزا یقینی ہے، لیکن اگر اس نے توبہ کر لی تو اسے اور عام مسلمانوں کو اللہ سے ہی امید رکھنی چاہئے کہ وہ رحیم و کریم، جس نے توبہ کے بعد ہر قسم کے گناہ بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے، اس بدنصیب کی بھی توبہ قبول فرمائے گا کہ جو رب کریم کفار و مشرکین کو ایمان قبول کرنے کے بعد بخش دیتا ہے، وہ مؤمن کو تائب ہونے کے بعد ضرور معاف کر دے گا، نیز اسی رب غفور و رحیم کے محبوب کا مژدہ ہے کہ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہو جاتا ہے، جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، یہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، جو بلا شبہ حق ہے، تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ کر لیا جائے، اس سہارے کہ توبہ سے چھٹکارا مل ہی جائے گا۔

اب آیئے دیکھیں، آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، مؤمن کو قتل کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اوّلُ ما يُقضى بين النّاس يوم القيمة في الدّمآءِ

قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان قتل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

کسی کو قتل کرنا، اللہ کے نزدیک اس قدر مبغوض و ناپسندیدہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے یہی مقدمہ نمٹایا جائے گا، یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ حدیث شریف ہی سے ثابت ہے کہ " قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں سے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا" پس معلوم ہونا چاہئے کہ دو میں سے پہلے کون سا سوال ہوگا تو احادیث کی کتب شرح میں اس کی تفصیل موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق اللہ میں اولاً نماز کا سوال ہوگا اور حقوق العباد میں اولاً قتل مؤمن کے متعلق سوال ہوگا، پس مؤمن کو چاہئے کہ نماز کی پابندی کرے اور قتل مؤمن جیسے بدترین عمل سے بھی بچا رہے بلکہ ایسے لوگوں اور ایسی تنظیموں سے بھی دور رہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کو قتل و غارت پر آمادہ کرتی ہوں۔

حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من حمل علينا السّلاح فليس منّا

جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری شریف)

نہایت قابل غور ارشاد ہے امت کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امت سے خارج قرار دے رہے ہیں جو امتی ہوکر، اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے، یعنی ارادۂ قتل کرے، یہ وعید صرف ارادہ قتل پر ہے، اگر ارادے کی تکمیل ہوگئی اور مسلمان بھائی کو قتل کر دیا، تب تو بہت ہی برا کیا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قتل مُعاهدا لَمْ يَرِحْ رائحة الْجنّة وَانّ رِيحها تُوجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبعِيْنَ فريقا

جس نے کسی معاہد کو قتل کیا، وہ جنت کی مہک تک نہ پائے گا اور بیشک جنت کی مہک چالیس برس کے راستے تک پہنچتی ہے۔ (ترمذی)

معاہد، وہ شخص ہے، جس سے یا اس کی قوم و حکومت سے مؤمن کا یا مؤمن قوم و حکومت کا معاہدہ ہو چکا ہو کہ وہ ایک دوسرے کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، جس نے اپنے معاہد کو قتل کر دیا، وہ جنت کی مہک تک نہ پائے گا، تو کیا حال ہوگا، اس شخص کا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو قتل کر دیا کہ اس سے تو رشتہ اسلام کا ہے، جو تمام رشتوں سے مضبوط تر ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرما دی کہ جنت کی مہک کے لئے جنت سے بہت قریب ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو چالیس برس کی مسافت تک پہنچتی ہے، پس جو شخص بھی اس سے محروم کیا جائے گا، گویا وہ جنت سے چالیس برس کی مسافت سے زیادہ دور رہے گا، کس قدر بدنصیب ہوگا، ایسا شخص کہ اس نے صرف جنت کے حصول کے لئے ہی تو ایمان اور اسلام قبول کیا تھا اور اپنے ایک احمقانہ عمل سے اس نے اپنی ساری زندگی کی محنت رائیگاں کر دی، اللہ محفوظ رکھے۔

Marfat.com

قتلِ عمد کی تاریخ

قتل عمد کی تاریخ بہت پرانی ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جاتا ہے، اس کا گناہ آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر ہوتا ہے، جس نے سب سے پہلے قتل کو ایجاد کیا تھا۔

اس پہلے قاتل کا نام ''قابیل'' تھا جس کا واقعہ قرآن کریم، سورۂ مائدہ کی آیات، ۲۸ تا ۳۱ میں موجود ہے، جس کی تفصیلی بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یوں ہے کہ حضرت حواء کے بطن سے ہر مرتبہ دو بچے پیدا ہوتے تھے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، حضرت آدم علیہ السلام، ایک جوڑے کے لڑکے کا نکاح دوسرے جوڑے کی لڑکی کے ساتھ کرتے تھے، آپ کے زمین پر تشریف لانے کے ایک سال بعد، قابیل اور ان کی بہن اقلیما، پیدا ہوئے پھر ہابیل اور اس کی بہن یوذا پیدا ہوئے، چاروں کے جوان ہو جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ قابیل کی شادی یوذا سے اور ہابیل کی شادی اقلیما سے ہوگی، لیکن ہابیل نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو اپنی بہن یوذا سے ہی شادی کروں گا کیونکہ وہ بہت حسین تھی جبکہ اقلیما ایسی نہ تھی، آدم علیہ السلام نے فرمایا، اب فیصلہ اس طرح ہوگا کہ تم دونوں، اللہ کے دربار میں قربانی پیش کرو، جس کی قربانی قبول ہوگی، اس کی شادی یوذا سے ہوگی اور اس وقت قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ اترتی تھی، اس سے جس قربانی کا گوشت جل کر خاکستر ہو جاتا، وہی مقبول سمجھی جاتی تھی، پس قابیل و ہابیل نے قربانی دی، اور ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، قابیل نے اس فیصلہ کو بھی قبول نہ کیا اور وہ اپنے بھائی، ہابیل کو قتل کر دینے پر آمادہ ہو گیا اور بالآخر ایک دن اس نے اپنا ارادہ پورا کر لیا اور ہابیل کو پتھر سے، لوہے سے، یا گلا گھونٹ کر (مختلف روایات ہیں) مار دیا، اب قابیل، مقتول کی لاش ٹھکانے لگانے کے لئے پریشان ہونے لگا (شاید اس وقت تک کوئی مرا نہ ہوگا اور انسان کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہوا ہوگا) پس اللہ نے ایک کوے کو بھیجا، جو زمین کھودنے لگا، قابیل نے بغور دیکھا تو سمجھ گیا اور اپنی کم عقلی پر نادم ہوا اور اس نے بھی ہابیل کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا۔

یہ ہے قتل عمد کی ابتداء، اور اسی سے قاتل کے خائب و خاسر ہونے کا بھی آغاز ہوتا ہے کہ تاریخ انسانیت میں کبھی کوئی قاتل اپنے مقصد میں کامیاب و کامران نہ ہو سکا، دنیا میں اس کی عزت و آبرو برباد ہوئی، سب نے اس پر ملامت کی اور اسے ظالم و جابر کہا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ قرار پائی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۲۷)

اور عنقریب جان لیں گے، جنہوں نے ظلم و ستم کئے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ رہے ہیں۔

Marfat.com

قتلِ عزت

''وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کا ایک معنی، مفسرین نے، اپنی یا اپنے بھائیوں کی عزت وآبرو قتل کرنا کے بھی کیا ہے، یعنی اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اپنی یا اپنے بھائیوں کی عزت وآبرو کا قتل نہ کرو، پس آیئے، اس موضوع پر بھی مختصر گفتگو ہوجائے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ عزت وآبرو کو پسند کرتا ہے اور اسے اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز واہم سمجھتا ہے، اس کے حصول اور اس کی حفاظت کے لئے، وہ اپنے مال ودولت، اولاد ووطن، ہر چیز کی قربانی کے لئے تیار رہتا ہے، لیکن دنیا کے جتنے ذرائع سے عزت حاصل کی جاتی ہے، وہ حقیقت نہیں ہوتی، خودفریبی ہوتی ہے، اس میں ثبات نہیں ہوتا، وہ عارضی اور وقتی ہوتی ہے، اس کی بات ہی کرنا بے سود بے فائدہ ہے، آیئے اس عزت وآبرو کی بات کریں، جو ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے، دائمی ہوتی ہے، دنیا میں بھی ہوتی ہے، آخرت میں بھی، یہ وہ عزت ہے جو اسلام کے ناطے سے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مؤمن کو بطور تحفہ دی جاتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:١٠)

جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے۔

کسی ذریعہ سے، کسی در کا بھکاری بننے سے، عزت نہیں ملتی، یہ خیال خام ہے کہ دولت مندوں، حاکموں، یا دنیاوی قوت وطاقت رکھنے والوں کی چاپلوسی اور فرمانبرداری سے عزت مل سکتی ہے، ہرگز نہیں، عزت کا خزانہ تو اللہ کے پاس ہے، پس اسی سے عزت کی بھیک مانگا کرو اور کہا کرو:

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

اے اللہ تو جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کردیتا ہے۔

پس اے اللہ، میں تیرے محبوب کا غلام ہوں، جسے تو نے بہت عزت دی، واسطہ، عزت رسول ﷺ کا، مجھے بھی عزت والا بنادے، آمین۔

رسول ﷺ کی غلامی کے صدقے اہل ایمان کو جو عزت نصیب ہے، دنیا والے اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں، عزت دینے والا اس کا اعلان فرماتا ہے اور قیامت تک باقی رہنے والی کتاب، قرآن کریم اس پر شاہد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (منافقون:٨)

اور ساری عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہے، مگر منافقین (اس حقیقت کو) جانتے ہی نہیں۔

اے ایمان والو:۔ تمہاری عزت حقیقت میں عزت ہے، بڑی نعمت ہے، اللہ کا عطیہ ہے، اس کی حفاظت کرو، بدکرداری سے نہ اپنی عزت کا قتل کرو اور نہ ہی اپنے مسلمان بھائیوں کی عزت کو پامال کرو، ایسا کروگے تو عیش وعشرت، آسائش وآرام

Marfat.com

کے سارے اسباب کے باوجود دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اور آخرت میں بھی، اور ایسا ہی ہو رہا ہے کہ آج تم مادی و ظاہری وسائل کے مالک ہوتے ہوئے بھی غیروں کے محتاج کر دیئے گئے ہو، آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام ہو، جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ

تا داغ غلامی تو داریم

ہرجا کہ می رویم پادشاہیم

لیکن اس کے برعکس ہو رہا ہے، بادشاہت کے صرف چرچے رہ گئے، جھولیاں غیروں کے سامنے پھیلی ہوئی ہیں، در، در کی ٹھوکریں ہیں، ہر ایک کے سامنے کاسہ گدائی پھیلا ہوا ہے، یہ ہے بدکرداری کا انجام، یہ ہے قتل عزت۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۝

اور اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے جس سے ہم مٹا دیں گے، تمہارے (نامہ اعمال سے) تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ۔

اے ایمان والو:۔ تمہارے لئے ایک مژدہ، ایک خوشخبری ہے، کہ تمہارا مہربان رب تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم کبائر سے بچتے رہو، تو ہم تمہارے باقی گناہ (صغائر) اپنے فضل و کرم سے تمہارے اعمال ناموں سے مٹا دیں گے اور تمہیں دنیا و آخرت میں باعزت بنا دیں گے، پس آؤ ماضی کے کبائر سے توبہ کر لو اور مستقبل میں کبائر سے بچنے کا عزم کر لو، اللہ کو بخشتے دیر نہیں لگتی، وہ بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔

اجتناب

گناہ سے اس حال میں بچنا کہ گناہ کرنے کی قوت موجود ہو، وسائل موجود ہوں، ماحول موجود ہو اور پھر مؤمن محض، اللہ اور رسول ﷺ کی ناراضگی کے سبب بچ رہا ہے۔

ہر گناہ برا ہے

آیت مبارکہ میں گناہ کبیرہ سے اجتناب کا ذکر فرمایا گیا ہے، جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ گناہ صغیرہ بھی ہوتے ہیں گویا گناہ کی دو قسمیں ہیں، گناہ کبیرہ، گناہ صغیرہ، قبل اس کے کہ ہم گناہ کبیرہ کی تفصیل پیش کریں، یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ کسی قسم کا بھی ہو، معمولی نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ نام کا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا، جو ہر صورت میں نہایت سخت جرم ہے، جیسا کہ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ''اللہ و رسول ﷺ کی ہر نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت کبیرہ ہی ہے، جس سے مؤمن کو بچنا چاہئے۔''

خوب فرمایا کسی بزرگ نے کہ چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے، جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو، یا آگ کا بڑا انگارا اور چھوٹی چنگاری، بچھو چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، انسان کو تکلیف پہنچاتا ہے، آگ کا انگارا ہو یا چنگاری، جلاتی ہی ہے، پس

Marfat.com

گناہ بڑا ہو یا چھوٹا، بہر حال اللہ اور رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے گناہِ کبیرہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا، ''کُلُّ مَانُھِیَ عَنْہُ فَھُوَ کَبِیْرَۃٌ'' جس کام سے شریعت مطہرہ میں منع کیا گیا ہے، وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی سب سے بڑی عبادت، گناہوں کا ترک کرنا ہے جو لوگ، نماز تسبیح کے ساتھ گناہوں کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادات قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تم جس قدر کسی گناہ کو ہلکا اور معمولی سمجھو گے، اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہوگا، نیز بعض بزرگوں کا قول ہے کہ ہر گناہ کفر کا قاصد ہے، جو انسان کو کافرانہ عقائد و اعمال کی دعوت دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ بڑے گناہ سات ہیں، آپ نے فرمایا'' سات نہیں، سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا''

حضرت امام حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب'' الزواجر'' میں کبیرہ گناہوں کی ایک فہرست بیان کی ہے، ان کی تعداد چار سو ساٹھ تک پہنچی ہے اور ہر گناہ کی انہوں نے تشریح کی ہے۔

بہر حال گناہ کوئی بھی ہو، برا ہے، ہاں گناہوں کی سزا، ان کے برے نتائج میں فرق ضرور ہے، اسی لئے ان کی دو قسمیں کردی گئیں، جن گناہوں کی سزائیں سخت اور نتائج و اثرات بہت خراب ہیں، انہیں کبیرہ اور جن کی سزائیں کم اور نتائج و اثرات کچھ زیادہ برے نہیں، انہیں صغیرہ قرار دیا گیا، یہی صغیرہ گناہ، معمولی سمجھ کر اگر مستقل کئے جائیں تو کبیرہ بن جاتے ہیں، رہی بات اثرات کی تو کم اثر ہو یا زیادہ بہر حال مؤمن کے دامن پر ایک داغ کی مانند ہوتے ہیں، داغ چھوٹا ہو یا بڑا برا ہی لگتا ہے، اسی طرح گناہ بڑا ہو یا چھوٹا، مؤمن کے لئے زیب نہیں دیتا، نیز یہ صغائر ہی دل پر سیاہ نقطہ پیدا کرتے ہیں، جن کی عادت مؤمن کے پورے دل کو سیاہ کر دیتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ'' مؤمن جب کوئی گناہ کرتا ہے، تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو یہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے، ورنہ یہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پورے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور اسی کو قرآن کریم نے'' رین'' فرمایا ہے،'' کَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ'' یعنی ان کے دل زنگ آلود ہو گئے، ان کے اعمال بد کی وجہ سے۔''

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں نصیحتوں کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ'' انسان جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، تو اس کے مداح بھی، اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں اور دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں، گناہ سے بے پرواہی انسان کی دنیا و آخرت میں بربادی کا باعث بنتی ہے۔''

گناہِ کبیر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مقامات پر بہت سے گناہوں کو گناہِ کبیرہ فرمایا ہے، کہیں تین، کہیں چھ، کہیں سات کی تعداد بیان فرمائی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقتاً گناہِ کبیرہ کی کوئی تعداد متعین نہیں، بس مؤمن کو ہر گناہ سے بچنا

Marfat.com

چاہئے، بالخصوص ان گناہوں سے، جن کی قرآن کریم نے سزا مقرر فرمائی، یا جس کے مرتکب پر اللہ نے لعنت فرمائی، یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید بیان کی گئی کہ یہ اعمال تو یقیناً گناہ کبیرہ ہیں، چند احادیث ملاحظہ ہوں، جن سے اس قسم کے گناہوں کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ'' سات مہلک چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا اور اس کو قتل کرنا جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کی وجہ سے، سود کھانا، یتیم کا مال ہضم کرنا، کفار سے لڑائی کے دن میدان چھوڑ کر بھاگ جانا، ایمان دار، بے خبر، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (بخاری ومسلم)

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، گناہوں میں جو سب سے بڑے ہیں، میں تمہیں ان سے باخبر کرتا ہوں، وہ تین ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی یا جھوٹ بولنا، (بخاری ومسلم)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے، فرمایا کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہوگا، پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کونسا، گناہ بڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرنا، (بخاری ومسلم)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ گناہ کبیرہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالیاں دے، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالیاں دے سکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں جو کسی دوسرے کے والدین کو گالیاں دے گا تو وہ اس کے بدلے میں اس کے والدین کو گالیاں دے گا تو گویا اس نے اپنے ہی والدین کو خود گالیاں دلائیں (کہ نہ یہ کسی کے والدین کو گالیاں دیتا اور نہ اس کے بدلے اس کے والدین کو گالیاں دی جاتیں) (بخاری ومسلم)

دیگر روایات کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اعمال کو بھی گناہ کبیرہ قرار دیا ہے، جھوٹی قسم کھانا، اپنی ضرورت سے زیادہ پانی روک رکھنا اور ضرورت مند کو نہ دینا، جادو سیکھنا تاکہ جادو کرے، شراب نوشی کو آپ نے اکبر الکبائر فرمایا، بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان بھائی کا حق مارا، اللہ اس کے لئے دوزخ واجب کر دیتا اور جنت حرام کر دیتا ہے، عرض کیا گیا، حق میں کوئی معمولی سی چیز ہو، آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں چاہے، پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی ہو۔ (مسلم)

علمائے اسلاف (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے) نے ہمارے لئے دین کے تمام مسائل کو آسان فرما دیا، گناہ کبیرہ کے سلسلے میں بعض علماء نے بڑی محنت ومشقت سے قرآن وحدیث، اقوال صحابہ وغیرہ کا مطالعہ کر کے، کبائر کی فہرست مرتب کر دی، ہم یہاں مختلف علماء کرام کی مرتب کردہ فہرست کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے لئے بھی ان گناہوں سے

Marfat.com

بچنا آسان ہو اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رہے۔

کبائر کی فہرست

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر جھوٹ باندھنا، صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا، اولیاء و صالحین اور علماء دین کی توہین کرنا یا نہیں حقیر سمجھنا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا، قرآن کریم بھلا دینا (حفظ یا ناظرہ) بلا عذر نماز قضا کرنا، وقت سے پہلے نماز پڑھنا، رمضان کے روزے بلا عذر شرعی چھوڑنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، فرضیت حج کی شرائط پورے ہو جانے کے باوجود حج نہ کرنا، احکام شرع کی توہین کرنا، قرآن کریم کی بے حرمتی کرنا، ناپاکی کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا، بے وضو قرآن کریم کو چھونا، اللہ کی ذات وصفات میں بلا علم بحث کرنا، مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا، مکروہ وممنوع ایام میں روزہ رکھنا، ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا، مساجد کی بے حرمتی کرنا، غیر مسلموں کی تعریف اور مسلمانوں کی برائی کرنا، عورتوں کا بے پردہ گھر سے باہر نکلنا، عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھنا، عورت کا تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا، عورت کا غیر مردوں کے سامنے زیب وزینت کے ساتھ آنا، عورت کا مردوں جیسے کپڑے پہننا، یا بال کٹوانا، غیر عورت سے تنہائی میں ملنا، غیر عورتوں کو نظر جما کر دیکھنا، دوسروں کے گھروں میں جھانکنا، قتل ناحق کرنا، زنا، ہم جنسی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت والزام لگانا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، یتیم یا کسی کا بھی مال غصب کرنا، سود کھانا، والدین کی نافرمانی کرنا، بلا عذر گواہی کو چھپانا، قطع رحم کرنا، ناپ تول میں خیانت کرنا، عیب دار مال دھوکے سے فروخت کرنا، چیزوں میں ملاوٹ کرنا، مسلمان کو ناحق مارنا، رشوت لینا، رشوت دینا، حاکموں سے چغلی کرنا، نیکی کی تبلیغ نہ کرنا، قدرت کے باوجود برائی سے نہ روکنا، حیوان، کیڑوں مکوڑوں کو جلانا، بلا عذر شرعی خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا، جادو کرنا، حالت حیض میں وطی کرنا، چغلی کر کے مسلمانوں کو لڑانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، مسلمان کو گالیاں دینا یا بے عزتی کرنا، پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا، بوقت ضرورت علم چھپانا، جاندار کی تصویر بنانا، تکبر وغرور کرنا، غیر اللہ کو سجدہ کرنا، کاہن، نجومی اور غیر مسلموں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا، منتر وغیرہ کرانا اور اس کا یقین کرنا، دو چہروں والا ہونا، یعنی کسی سے ہمدردی اور دوستی کا اظہار کرنا اور دل میں اس کی دشمنی رکھنا، نشہ آور چیزیں، بھنگ، چرس، مروانہ وغیرہ استعمال کرنا، گمراہی اور بدعت کی اشاعت کرنا، نیکی کر کے احسان جتلانا، دوسروں کے عیب تلاش کرنا، لوگوں کے متعلق بدگمانی کرنا، دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا، کسی پر لعنت کرنا، سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنا، مردوں کا سونے کی انگوٹھی، چین وغیرہ پہننا، امانت میں خیانت کرنا، کسی کے راز کی بات دوسروں کو بتانا، بدفالی لینا، وصیت کے ذریعہ وارثوں کی حق تلفی کرنا، شراب یا دیگر حرام چیزوں کا کاروبار کرنا، سودی کاروبار کرنا، لوگوں کو دھوکا دینا، ناچ گانے کی محفلوں میں شریک ہونا، ادا نہ کرنے کی نیت سے کسی سے قرض لینا، عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا، شوہر کا بیوی کو نماز اور دیگر فرائض سے روکنا، بلا عذر جمعہ، عیدین کی نماز چھوڑنا، شریعت کے کسی حکم کی تحقیر کرنا یا مذاق اڑانا، جوئے یا لاٹری وغیرہ سے دولت کمانا، جوا کھیلنا۔

یہ مختصر فہرست مفید ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر برائیوں کو معمولی سمجھا جائے، حق یہی ہے کہ ہر گناہ بڑا

Marfat.com

ہی سمجھنا اور اس سے بچنا چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ گناہ اُس مالک حقیقی کی نافرمانی ہے، جو ہمارے ہر حال کو دیکھتا اور جانتا ہے، وہ ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی قریب تر ہے، وہ غفور ورحیم بھی ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے، اس کے عذاب اور قہر سے بچانے والا کوئی نہیں، نیز یہ اُس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے جنہیں اپنے غلاموں کی برائیوں میں مبتلا ہونے سے تکلیف پہنچتی ہے، قیامت کے دن جب ہمیں ان کی شفاعت کے حصول کے لئے، ان کے دربار میں حاضر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا، تو ہم کیا منہ لے کر ان کا سامنا کریں گے، پس مؤمن کو زیب یہی دیتا ہے کہ وہ کبیرہ وصغیرہ کا امتیاز کئے بغیر ہر گناہ سے بچتا رہے۔

اے ایمان والو! اپنا یا اپنے بھائیوں کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، ہم نے تمہارے لئے تجارت کے وسیع میدان میں رزق کے خزانے پنہاں کر رکھے ہیں، باہمی رضامندی، محنت ومشقت اور دیانت کے ساتھ، ان چھپے خزانوں سے اپنی روزی حاصل کرو اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو قتل کرو، نہ ظالم وجابر بن کر اپنے کسی مسلمان بھائی کو قتل کرو کہ وہ اس فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتا، اس نے اپنے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت والفت کی برکھا برسانے کے لئے مبعوث فرمایا، دیکھو ان ہی کی تعلیم سے وہ جو مدتوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان کے دامنِ رحمت میں پناہ گزین ہو کر "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کی خوبی کے مالک بن گئے، پس اللہ چاہتا ہے تم بھی میل ومحبت کی زندگی بسر کرو اور باہمی اختلافات کے باعث، لڑائی، جھگڑوں اور قتل و غارت کی نوبت نہ آنے دو اور نہ ہی اپنی حکم عدولی اور بدکرداری سے اپنی یا اپنے بھائیوں کی عزت پامال کرو کہ مؤمن کی عزت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانت ہے، جس کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہے، پس تم اپنی عزت وآبرو کی بھی حفاظت کرو اور اپنے مسلمان بھائیوں کی عزت وآبرو کے بھی محافظ بنو، بڑوں کا احترام کرو، برابر والوں سے محبت ودوستی کرو، چھوٹوں پر شفقت کرو، عورتوں کو ان کی عمر کے لحاظ سے ماں، بہن اور بیٹی جانو، پھر دیکھو تمہارے معاشرے میں کیسا سکون ہوگا، کیسا امن وامان ہوگا، تمہارا وقار کیسا بلند ہوگا، دشمن تم سے کیسا مرعوب ہوگا کہ تمہاری طرف نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہ کر پائے گا اور اپنی ایمانی وروحانی قوت بڑھانے کے لئے اللہ سے ڈرو اور گناہوں سے دور رہو، پھر "مُدْخَلًا کَرِیْمًا" تمہارا منصب ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۳۲-۳۳)

اور نہ آرزو کرو اس چیز کی، بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر، مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ سے اس کا فضل وکرم بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کے لئے ہم نے بنا

Marfat.com

دیئے وارث، اس مال سے جو چھوڑ جائیں، ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان تو دو انہیں ان کا حصہ بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ کا شکر ہے کہ اس نے انسان کو کمالات سے نوازا، کوئی انسان نہیں جس میں کوئی نہ کوئی کمال موجود نہ ہو، ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیۤ آدَمَ'' کا عظیم منصب اولاد آدم کے لئے، کسی خاص نوع انسان کے لئے نہیں، مرد و عورت، امیر و غریب، عالم و جاہل، صحت مند و بیمار، طاقتور و کمزور، کالے، گورے، غرضیکہ سب ہی کو تاج شرافت سے نوازا گیا ہے، ہاں اس نے اپنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر سب کو یکساں نہ رکھا، کسی کو مرد بنایا، تو کسی کو عورت کسی کو دولت سے نوازا، تو کسی کو علم سے، کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت، کسی میں کوئی کمال ہے، تو کسی میں کوئی لیکن کمال و خوبی سے کوئی محروم نہیں لیکن انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے، اسے اپنے اندر کوئی خوبی نظر نہیں آتی دوسروں کے کمالات پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا رہتا ہے، عورت کی آرزو ہوتی ہے، کاش میں مرد ہوتی، غریب کی آرزو ہوتی ہے، کاش میں امیر ہوتا، محکوم کی تمنا ہوتی ہے کاش میں حاکم ہوتا، ہر شخص دوسروں کے کمالات کا آرزومند رہتا ہے اور یہ آرزو اسے ناشکرا، حاسد اور فتنہ پرداز بنا کر تباہی کے گڑھے پر لاکھڑا کرتی ہے۔

اللہ نے انسان کو جن بے شمار نعمتوں اور کمالات سے نوازا ہے، وہ دو قسم کے ہیں اختیاری و غیر اختیاری۔

غیر اختیاری امور

غیر اختیاری امور و کمالات وہ ہیں جو بندہ سعی و عمل یا محنت و کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا، خالق حقیقی نے جسے چاہا جو کمال عطا کر دیا، کوئی کتنا ہی تڑپے اور دوسرے سے اس نعمت کو چھین لینا چاہے تو ممکن نہیں کہ اسے وہ نعمت مل جائے، جو اس کے حصہ میں نہیں مثلاً کسی کا مرد ہونا، کسی کا اعلیٰ خاندانِ نبوت میں یا اعلیٰ خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا، کسی کا گورا ہونا، کسی کا خوبصورت ہونا، کسی کا خوش الحان ہونا یہ اور ان جیسی بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ کی عطا کردہ ہیں کوئی دوا یا کوئی علاج ایسا نہیں جس کے ذریعہ کوئی ان نعمتوں کو حاصل کر لے، جس میں وہ نہیں ہیں ایسے ہی کمالات کے متعلق اہل ایمان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اپنے دل میں اس قسم کی لایعنی اور بیکار آرزو پیدا نہ ہونے دو اس سے تمہارے اندر ناشکری اور حسد کے جراثیم بڑھیں گے اور یہ دونوں ہی عیب تمہاری مزید تباہی کا باعث ہوں گے کہ ناشکری اللہ کی رحمت کا دروازہ بند ہو جانے کا سبب ہے اور حسد کی آگ میں جلنے والا جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے کمزور ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''کون ہے جو مجھ سے ان احکام کو لے اور ان پر عمل کرے یا اس شخص کو سکھائے جو ان پر عمل کرے'' پس میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے پانچ باتیں بتائیں (ان میں سے ایک یہ ہے)

تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ

تم دنیا کے غنی ترین لوگوں میں ہو جاؤ گے، اگر ان نعمتوں پر خوش رہو جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دی

Marfat.com

ہیں۔ (ترمذی)

پس مؤمن کو چاہئے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکرادا کرے، عورت شکرادا کرے کہ اللہ نے اسے عورت بنایا، کیا پتہ کہ اللہ اسے مرد بنا دیتا تو وہ مرد کی ذمہ داریاں پوری کرسکتی یا نہ کرسکتی، بدشکل شکرادا کرے کہ اللہ نے اسے ایسی شکل و صورت عطا فرمائی، اگر اسے حسن دے دیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ کسی بڑے فتنے یا گناہ میں مبتلا ہو جاتا، غرضیکہ جو چیزیں غیر اختیاری ہیں، ان کی تمنا میں تڑپتے رہنے کی بجائے اپنے اندر وہ خوبی پیدا کرنی چاہئے جس سے دنیا و آخرت میں اس کی قدر و منزلت بڑھے، ورنہ یہ آرزو اسے لے ڈوبے گی۔ اہلِ ایمان کو یہ ہدایت اسی لئے دی گئی ہے کہ اس پر عمل سے بہت سی برائیوں اور فتنوں کا سدباب ہوگا۔

اختیاری امور

اللہ کی بے شمار نعمتیں وہ ہیں، جنہیں بندہ اپنی صلاحیتوں سے محنت وکوشش سے حاصل کرسکتا ہے، پس دوسروں میں انہیں دیکھ کر رشک وحسد کرنے کی بجائے، کمر ہمت باندھو، اٹھو اور دوسروں کی جن نعمتوں کو تم پسند کرتے ہو، تم بھی ان کے لئے سعی کرو، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا اور تم ان نعمتوں کو چند دن کی جدوجہد کے بعد حاصل کرلو گے، اگر تمہیں کسی کا علم پسند ہے، تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی حصول علم کی کوشش کرو، اگر تمہیں کسی کی دولت پسند ہے بشرطیکہ وہ حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو تو تم بھی کوشش کرو اور دولت مند بن جاؤ اس سے تمہیں کون روکتا ہے اللہ اور رسول کے یہاں تو محنت ومشقت کرنے والے کی بڑی قدر ومنزلت ہے اور اس میں مرد وعورت برابر ہیں کہ مرد جو مال و دولت یا علم یا منصب و مرتبہ حاصل کرے وہ اس کا مالک ہے اور عورت جو کچھ حاصل کرے وہ اس کی مالکہ ہے، ان اختیاری امور کے لئے کاہلی، کم ہمتی یا بے غیرتی کے سبب جدوجہد نہ کرنا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دے دینا، ایک بڑا فریب ہے، مؤمن کو جدوجہد کا حکم دیا گیا ہے اور ان امور میں جدوجہد ہی مقدر کو بنانے اور سنوارنے کا ذریعہ ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۝ (عنکبوت:٦)

اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کوشاں ہے بیشک اللہ تو غنی ہے تمام کائنات سے۔

پس مؤمن کو جدوجہد اور کوشش کرکے ان نعمتوں کے حصول کی طرف بڑھتے رہنا چاہئے، جن کو وہ پسند کرتا ہے، لیکن اس سعی کے باوجود اسے یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محنت ومشقت کے باوجود بھی اللہ کے فضل وکرم کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، لہٰذا اہلِ ایمان کو ہدایت کی گئی کہ ''وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ'' اپنی تدابیر، محنت ومشقت کے ساتھ ساتھ اللہ سے کامیابی وکامرانی کی بھیک بھی مانگتے رہو۔

مرد وعورت کی برابری

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ

Marfat.com

مردوں کے لئے حصہ ہے، اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا۔

مرد وعورت کی مساوات اور برابری کا موضوع ہر دور میں نہایت اہم رہا ہے، خصوصاً ہمارے دور میں یہ ایک طوفان ہے جس نے امت مسلمہ کی خواتین کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ ان کی خاص تعداد اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ "اسلام عورت کو مرد کی باندی قرار دیتا ہے، جبکہ مغرب کی نام نہاد تہذیب اسے مردوں کے برابر حق دلاتی ہے" یہی غلط فہمی انہیں شریعت مطہرہ کے احکام سے بغاوت پر آمادہ کر رہی ہے اور دن بدن عورتیں دین سے دور ہوتی چلی جا رہی ہیں ہم گزشتہ اوراق پر اگرچہ اس عنوان پر کافی لکھ آئے ہیں لیکن عنوان کی اہمیت کے پیش نظر یہاں بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں، امید تو یہی ہے کہ تکرار نہ ہوگی اور اگر ہوگی تو بھی مفید ہی ہوگی۔

پہلے آیت مبارکہ کے مفہوم پر غور کر لیجئے "اکتساب" کا معنی کمانا اور حاصل کرنا ہے مطلب یہ کہ مرد جو کچھ کمائیں وہ ان کا ہے اور عورتیں جو کچھ کمائیں وہ ان کا ہے، یہ کمائی چاہے دینی اعتبار سے، احکام شرع کی پابندی اور عبادت کی صورت میں ہو، یا دنیوی اعتبار سے، تجارت و ملازمت کے ذریعہ دولت کے حصول کی صورت میں ہو، پہلی صورت میں مفہوم یہ ہے مردوں کو عبادت کا جو ثواب ملتا ہے وہی عورتوں کو بھی ملتا ہے، پس اللہ کے نزدیک مرد وعورت برابر قرار پائے، تو عورتوں کو چاہئے کہ وہ بھی مردوں کی طرح دین کی پابندی کریں، صرف نماز، روزے کی صورت میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے جملہ امور و معاملات میں اور دوسری صورت میں مفہوم یہ ہے کہ جو دولت مرد کماتے ہیں اور وہ اس کے مالک ہوتے ہیں، اسی طرح جو دولت عورتیں کماتی ہیں، وہ اس کی خود مالک ہیں، اپنی مرضی سے مردوں کی طرح اسے خرچ کرنے کا انہیں اختیار ہے، وہ اپنی مرضی سے اپنے کپڑے بنائیں، جوتے خریدیں، مکان بنائیں، کسی سے نہ اجازت کی ضرورت ہے، نہ کسی کو اس میں مداخلت کا حکم ہے، گویا دو باتیں واضح ہوئیں۔

ایک عورت کو "اکتساب" کی اجازت ہے، ظاہر ہے جب اکتساب کی اجازت ہوئی تو اس کے طریقے سیکھنے کی بھی اجازت ہوئی، یعنی عورت، وہ علم و فن حاصل کر سکتی ہے، جس سے اس کے لئے اکتساب ممکن ہو، گویا اسلام عورت پر ہرگز پابندی عائد نہیں کرتا کہ وہ علم حاصل نہ کرے یا کوئی فن نہ سیکھے، وہ جو بننا چاہتی ہے اس کے مطابق علم و فن سیکھنے کا اسے اختیار ہے اس کے لئے کوئی شرعی حکم ایسا نہیں جو اس راہ میں رکاوٹ بنے، مثلاً پردہ جس کا حکم شریعت نے عورت ہی کے فائدے کے لئے دیا ہے کہ اسلام عورت کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اور اس کے حسن و جمال کی قدر بڑھانا چاہتا ہے، جو پردے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے ممکن ہی نہیں لیکن یہ پردہ نہ عورت کو گھر سے باہر نکلنے سے روکتا ہے، نہ ہی کالج و یونیورسٹی میں علم و ہنر سیکھنے سے۔ بات بالکل واضح ہے کہ مرد وعورت، انسان کی علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں، یعنی انسان دو قسم کا ہوتا ہے مرد اور عورت لہذا دونوں کے لئے تعلیمی ادارے، تجارتی مراکز وغیرہ بھی علیحدہ علیحدہ ہونا چاہئیں اور عورتیں اپنے اداروں میں جتنی ترقی چاہیں کریں شریعت ہرگز نہیں روکتی، پس عورتوں کو چاہئے کہ وہ مردوں کے اداروں میں گھس کر ان کی بری نظروں کا شکار اور

Marfat.com

تماشہ بننے کے بجائے اپنے اداروں کو استعمال کریں اور اگر کہیں خواتین کے لئے کوئی ادارہ نہ ہوں تو وہ اپنی قوت استعمال کریں اور منتظمہ کو ادارہ قائم کرنے پر مجبور کریں کہ ان کے حقوق میں سب سے اہم حق یہی ہے کہ ان کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت کے لئے ان کے علیحدہ ادارے ہوں تا کہ وہ پوری آزادی اور یکسوئی سے وہاں علم حاصل کرسکیں۔

موجودہ دور میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار گنا زیادہ ہے، پس ظاہر ہے کہ ان کی ضروریات بھی زیادہ ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل تجارت کا دارومدار، عورت کی مطلوبہ اشیاء پر ہی ہے آپ بھی دیکھتے ہوں گے کہ زنانہ لوازمات زندگی، دوکان پر جس کثرت سے نظر آتے ہیں، اتنی مردوں کے استعمال کی اشیاء نظر نہیں آتیں، گویا عورتوں کے لئے میدان تجارت زیادہ وسیع ہے، پس وہ اپنی دوکانیں، مارکیٹیں کھول سکتی ہیں، فیکٹریاں بنا سکتی ہیں، شریعت کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتی، یہی حال ہنر کا ہے مثلاً جب اکثریت عورت کی ہے تو ڈاکٹروں کی ضرورت بھی زیادہ ہے، بالخصوص نسوانی امراض کے لئے، پس عورتوں کو یہ ہنر حاصل کرنا چاہئے، اپنے ہسپتال کھول کر، اپنی صنف کی خدمت کریں اور خوب دولت بھی کمائیں، کون روکتا ہے۔

دوسرے، اللہ نے عورت کو حق ملکیت دیا، اسے جو دولت مہر کی صورت یا تحائف کی صورت میں شوہر سے ملی ہے، یا اس کے والدین نے اسے دولت یا زیورات وغیرہ دیئے ہیں، وہ وارث بھی ہے، اسے وراثت میں جو کچھ حاصل ہوا ہے، یا اس نے تجارت کر کے، ملازمت کر کے پیسہ کمایا، یہ سب اسی کا ہے، وہ اس کی مالکہ ہے، اس پر اس دولت کے شرعی حقوق بھی واجب ہیں یعنی وہ خود ہی زکوٰۃ ادا کرے گی وہ صدقہ، خیرات بھی اپنی مرضی سے کرے گی، قربانی بھی خود کرے گی، دنیوی کاموں میں بھی اسے پورا اختیار ہے کہ جیسے چاہے وہ اپنا مال خرچ کرے۔

ان تمام اختیارات کے باوجود بھی عورت اللہ کا شکر ادا نہیں کرتی کہ کسی معاملہ میں وہ مرد کی باندی نہیں بنائی ہے، اس کے برعکس مرد پر اس کی ذمہ داری ضرور ڈالی گئی ہے کہ مرد کو عورت کا ''قوام'' محافظ و نگراں بنا دیا گیا کہ وہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے، مال و دولت کی حفاظت کرے، اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرے، اس کی ناز برداریاں کرے ان تمام ذمہ داریوں کے بدلے عورت سے مرد کو عزت دلائی گئی ہے کہ عورت پر لازم کیا گیا کہ وہ اپنے شوہر کا احترام کرے اور جس قدر ممکن ہو اس کی خدمت کرے۔

غرض ایسی کوئی بات نہیں کہ عورت مرد سے کم تر ہے یا اس کی باندی ہے اس کے لئے کوئی جواز نہیں کہ وہ مرد کی برابری کا مطالبہ کرے کہ برابری تو پہلے ہی حاصل ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ ''برابری کا مطالبہ'' تو عنوان ہے، حقیقت میں یہ کوشش ہے مغرب کی طرز زندگی اختیار کرنے کی۔ وہ تہذیب جس میں عورت کی قدر تو بڑی بات، انسانی اقدار ہی مفقود ہو چکی ہیں ہمارے خیال میں تو عورت پر جو ظلم یہاں ہوتا ہے، مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں اس کی کوئی نظیر نہیں، یہاں وہی دور جاہلیت کے طور طریقے ہیں، جن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو نجات دلا دی، پس مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس نجات دہندہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر غور کریں، ان حقوق کا پورا پورا فائدہ حاصل کریں جو انہیں شریعت مطہرہ نے دیئے اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے دین کا علم حاصل کریں اللہ اور اس کے رسول

Marfat.com

کے احکام کی پابندی کریں، اسی میں عافیت وخیریت ہے، دین ودنیا کی فلاح وبہبود ہے، اللہ عمل کی توفیق دے، آمین

آیت زیر گفتگو میں اہل ایمان کو ایک ہدایت وراثت کے متعلق بھی دی جارہی ہے کہ وراثت میں مرد کا دوگنا حصہ اور عورت کا ایک حصہ عین انصاف ہے اور اس میں اللہ کی بے شمار حکمتیں ہیں، پس اہل ایمان کو قانون وراثت پر شکوک وشبہات کرنے کی بجائے اسے اللہ کا حکم سمجھ کر قبول کرلینا چاہئے اور جو کچھ اللہ نے جسے دلایا ہے اسے شکر ادا کرکے قبول کرلینا چاہئے۔ اللہ ہی اپنی حکمتوں کو بہتر جاننے والا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تمہیں وہ اصول زندگی عطا فرماتا ہے جو انفرادی واجتماعی طور پر تمہاری زندگی کو پُر امن اور پُر سکون بنانے کے ضامن ہیں، یہ اصول دنیا میں تمہارے لئے عزت وعظمت کا ذریعہ ہیں اور آخرت میں نجات کا پس تم انہیں اپناؤ آپس میں میل ومحبت کے ساتھ باہمی حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے زندگی بسر کرو، اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۲

النساء: ۴۳

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ
لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ
مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو زبان سے کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو یہاں تک کہ تم غسل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر تم نہ پاؤ پانی تو تیمم کرلو پاک مٹی سے (اس طرح کہ) ہاتھ پھیرو تم اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک اللہ معاف فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے۔

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کے لئے دو ہدایتیں ہیں، نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، ناپاکی کی حالت میں نماز نہ

Marfat.com

پڑھو۔

بحالت نشہ نماز

نماز "احکم الحاکمین اللہ رب العالمین" کے دربار میں حاضری کا عمل ہے مؤمن کی معراج ہے اس کا اس طرح اہتمام ہونا چاہئے کہ اس کی اہمیت وعظمت کا عملی اعتراف فراہم ہو لہٰذا حکم دیا گیا کہ اس عالی دربار میں حاضری سے قبل اچھی طرح اپنی حالت کا جائزہ لے لو باہوش و باحواس ہو، عقل و دل حاضر اور یکسو ہو، بظاہر جسم، کپڑے، نماز کی جگہ پاک وصاف ہو، نیز مستحب یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کی جائے، جب نمازی کا جسم تکان، نیند وغیرہ کی وجہ سے ست نہ ہو، تروتازہ اور بشاش و بشاش حال میں سکون کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر ہونا چاہئے، جیسا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا نعس احدکم فی الصلوٰۃ فلیرقد حتی یذھب عنہ النوم فانہ لا یدری لعلہ یستغفر فیسب نفسہ

اگر تم میں سے کسی کو نماز میں نیند آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے، یہاں تک کہ نیند دور ہو جائے کیونکہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہ سکے گا (کیا کہہ رہا ہے) ممکن ہے وہ توبہ واستغفار کی بجائے اپنے آپ کو گالی دینے لگے۔

یعنی اگر نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو تو نماز اونگھتے اور جھومتے نہیں پڑھنا چاہئے، ممکن ہے ایسی حالت میں کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جائے مثلاً الفاظ قرآن کی صحیح ادائیگی نہ ہو، یا سرکار ﷺ کے ارشاد کے مطابق توبہ واستغفار کی بجائے اپنے آپ کو ہی گالیاں دینے لگے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا حضر العشاء فاقیمت الصلوٰۃ فابدؤا بالعشاء

اگر رات کا کھانا تیار ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لو۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا:

لا صلوٰۃ بحضرۃ طعام ولا ھو یدافعہ الاخبثان

نہ کھانے کے وقت نماز پڑھو اور نہ اس حال میں کہ نمازی پیشاب و پاخانہ روکے ہوئے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول تھا کہ اگر کھانا سامنے آ جاتا تھا تو آپ پہلے کھانا کھاتے تھے، یہاں تک کہ جماعت شروع ہو جاتی تھی اور امام کی قرأت کرنے کی آواز آنے لگتی تھی۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ نماز کی اہمیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو نہایت ہی طمانیت وسکون کی حالت میں پڑھا جائے، اگر نیند آ رہی ہو، تو پہلے سو جاؤ تاکہ تروتازہ ہو جاؤ، اگر کھانے کا وقت ہو گیا اور بھوک لگ رہی ہے تو پہلے کھانا کھا لو تاکہ نماز میں بھوک کی وجہ سے جلدی نہ کرو اور دل کھانے کی طرف مائل نہ ہو، اگر پیشاب و پاخانہ کی حاجت محسوس ہو رہی ہو تو اس

Marfat.com

سے فارغ ہولو کہ یہ اوران جیسی تمام ضروریات نماز کی یکسوئی کو ختم کر دیں گی اور نماز میں وہ خشوع وخضوع پیدا نہ ہو سکے گا جو مؤمن کی کامیابی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں مؤمن کی کامیابی کے ذرائع بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے خشوع ہی کو ذریعہ کامیابی بتایا گیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۔۲)

بیشک دونوں جہاں میں کامیاب ہو گئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز (خشوع) کرتے ہیں۔

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ، ایک دن بصرہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اسی دوران مسجد کا ایک ستون زور سے گرا کہ قرب وجوار کے لوگ آواز سن کر جمع ہو گئے لیکن آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے پوچھنے لگے، یہ کیا ہوا، یہ کب گرا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نماز میں خشوع وخضوع یہ ہے کہ نمازی کو اپنے دائیں بائیں کی خبر نہ ہو۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز کے دوران ہاتھ ہلا دیا۔ ایک بزرگ نے دیکھ لیا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیسی نماز ہے۔ ہمارے مسلک میں تو نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو پتھر کی طرح بے حس وحرکت ہو جائے۔

یہ ہے نماز میں خشوع، یکسوئی، توجہ الی اللہ، جس کو پیدا کرنے ہی کے لئے یہ اجازت دی گئی کہ اگر نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو تو تمام ضروریات ولوازمات سے فارغ ہو جانے کے بعد بندہ معبود کے دربار میں حاضر ہو۔ اب اس کا صرف جسم ہی نماز میں نہ ہو بلکہ دل ودماغ بھی نماز میں ہو، تب یہ نماز مؤمن کی معراج بنتی ہے۔

ان احکام سے ایسے لوگ اپنی اصلاح کر لیں تو مناسب ہوگا جو نماز کو صرف ایک ذمہ داری سمجھ کر پڑھتے ہیں نہ انہیں اپنی کیفیت کا احساس ہوتا ہے نہ آدابِ محفل کا خیال ہوتا ہے اور نماز کے لئے دوڑتے ہیں اور اسی کو بڑا تقویٰ سمجھتے ہیں۔ یاد رکھئے، تقویٰ، اللہ اور اس کے رسول کے جملہ احکام کی پابندی اور ان کا لحاظ رکھنے کا نام ہے صرف جماعت سے نماز ادا کر لینے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا، کسی نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک صاحب اپنی اہلیہ کے ہمراہ بس اسٹاپ پر کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے کہ عشاء کی اذان ہوئی۔ حضرت بیوی کو تنہا چھوڑ مسجد کی طرف دوڑے اور نماز بمعہ وظائف کے ادا کرنے کے بعد کافی دیر میں واپس آئے تو دیکھا کہ بیوی بے چاری کھڑی رو رہی ہے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ کوئی ڈاکو آیا اور گن دکھا کر اس کے زیورات لے بھاگا۔ غور فرمائیے یہ دینداری ہے یا غیر ذمہ داری اور حماقت، ایسے ہی لوگوں نے دین کی پابندی کو مشکل بنا دیا ہے اور ان کے ایسے ہی اعمال دوسرے لوگوں کی دین سے دوری کا سبب بن رہے ہیں۔

نشہ صرف جسم ہی کو نہیں بلکہ دل ودماغ کو بھی اتنا متاثر کرتا ہے کہ آدمی کو یہ تک پتہ نہیں رہتا کہ وہ کیا بول رہا ہے "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى" کی ہدایت کے سبب نزول کا بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے یہ حرمت شراب سے قبل کی بات

Marfat.com

ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر پر احباب کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد دستور کے مطابق شراب کا دور چلا، اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، جھومتے، جھامتے، سب نماز کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کی، سورۂ کافرون تلاوت کی، نشہ میں چاروں ''لا'' چھوڑ گئے، ظاہر ہے پوری صورت کے معنی بدل گئے اور نماز فاسد ہوگئی، پس اللہ نے حکم دیا کہ ''نشہ کی حالت میں نماز کے قریب تک نہ جاؤ'' یہ حقیقت میں حرمت شراب کا دوسرا مرحلہ تھا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا تھا کہ شراب کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہے، بعض صحابہ نے تو اسی وقت شراب چھوڑ دی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ام الخبائث حرام ہونے والی ہے اس دوسرے مرحلہ کی ہدایت آنے کے بعد اکثر صحابہ نے شراب سے توبہ کر لی اور چند ہی دن بعد حرمت شراب کا واضح حکم نازل ہو گیا جو سورۂ مائدہ میں ہے انشاء اللہ ہم اس موضوع پر اسی آیت کے ذیل میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ ہاں یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ آیہ مبارکہ دیگر قرآنی آیات کی طرح خاص موقع پر نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام، قیامت تک کے اہلِ ایمان کے لئے ہے یعنی ہمیشہ کے لئے یہ قانون ہے کہ نشہ کی حالت میں یا نشہ جیسی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے، مثلاً اگر کوئی بدنصیب مسلمان شراب پی لے اور وہ نمازی بھی ہو تو وہ نماز کے قریب بھی نہ آئے جب تک کہ ہوش وحواس درست نہ ہو جائیں، اسی طرح وہ منشیات جو عقل میں فتور پیدا نہیں کرتے لیکن مقدار سے زیادہ ان کا استعمال قلب کو متاثر کرتا اور جسم کو مضمحل بھی کر دیتا ہے، ان کے استعمال سے اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے، تب بھی اس وقت تک نماز نہیں پڑھنا چاہئے جب تک کہ حال معمول پر نہ آ جائے تا کہ نماز میں خلل واقع نہ ہو، جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، پس نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کا حکم آج بھی ہے، مؤمن کو ان منشیات سے بچنا چاہئے، جو عقل میں فتور پیدا کرتے ہیں لیکن اگر غلطی سے ان کا استعمال کر لیا گیا تو بہر حال اللہ کے دربار عالی، میں اس وقت تک حاضر نہیں ہونا چاہئے جب تک کہ نماز میں یکسوئی حاصل نہ ہو۔

بحالت ناپاکی نماز

ناپاکی حالت میں نماز ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ طہارت نماز کی شرط اول ہے اسی لئے عورت کے لئے ایام حیض کی نماز معاف ہے اور ایام نفاس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، قضاء کا حکم ہے مرد کے لئے کوئی حالت ایسی نہیں جس کے سبب نماز معاف ہو، بہر حال طہارت نماز کی شرط اول ہے، نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں بھی مسلمانوں کے لئے طہارت کو پسند فرمایا اور پاک وصاف رہنے کا حکم دیا کہ مؤمن کا جسم، کپڑے، رہنے کی جگہ پاک و صاف ہونا چاہئے، اللہ رب العزت نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نزول قرآن کے ابتدائی دور ہی میں حکم دیا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ (مدثر:۴)

اے حبیب علیہ (الصلوٰۃ والسلام) اور اپنے لباس کو پاک رکھئے۔

نیز، اللہ جل مجدہ صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ (بقرہ:۲۲۲)

بیشک اللہ پسند فرماتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے صاف وستھرا رہنے والوں کو۔

Marfat.com

میرے آقا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طہارت کو ''شَطْرُ الْاِيْمَانِ'' نصف ایمان قرار دیا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا راوی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ:

مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ

نماز جنت کی چابی ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔ (مشکوٰۃ)

صفائی کی دعویدار تو دوسری قومیں بھی ہیں لیکن ان کے یہاں صرف ظاہری صفائی کا اہتمام ہے، مدتوں نہاتے نہیں، صرف گیلے تولیہ سے جسم صاف کیا اور پرفیوم مل لیا، کپڑوں میں خوشبو تو مہکتی ہے لیکن گندگی اور غلاظت سے بھرے ہوتے ہیں کہ ان کے یہاں استنجاء کا تصور تک نہیں، اسے صفائی تو کہہ سکتے ہیں، طہارت نہیں، اسلام جس طہارت کا حکم دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس طرح پاکیزگی حاصل کی جائے کہ ظاہری جسم پر نظر آنے والی یا نظر نہ آنے والی نجاست وگندگی کا اثر تک باقی نہ رہے، حتیٰ کہ بغلوں کے اور زیر ناف بالوں کے صاف کرنے، ناخن کاٹنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان میں نجاست باقی رہ جانے کا امکان نہ رہے، کپڑوں کی پاکیزگی کا طریقہ ایسا رکھا گیا کہ ان میں نجاست کے اجزاء تک باقی نہ رہیں، نیز طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا، غسل ووضو کرنے والوں کو اجروثواب کا مژدہ دیا گیا تاکہ مسلمان پاکیزہ رہنے کی کوشش کریں، بے غسل رہنا تو درکنار بے وضو رہنا بھی پسند نہ کریں، پس یہ کیسے ممکن تھا کہ نماز جیسی اہم عبادت ناپاکی کی حالت میں ادا کرنے کی اجازت دے دی جاتی، لہٰذا حدث اصغر کی صورت میں وضو کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی جب تم پیشاب، پاخانے سے فارغ ہو یا ہوا خارج ہوئی ہو، یا خون نکلا ہو، تو تم بے وضو ہو، بہتر ہے کہ بے وضو نہ رہو، فوراً وضو کرلو اور اگر تم نماز پڑھنا چاہتے ہو، قرآن کریم چھونا چاہتے ہو، تب تو تمہارے لئے وضو کرنا فرض ہے، اگر تم نے بغیر وضو کے یہ کام کئے تو سخت گناہ ہے اور اگر قصداً ان کاموں کے لئے وضو نہ کیا اور خیال کیا کہ (العیاذ باللہ) وضو کا ان کاموں سے کیا تعلق تو تم نے کفر کیا اور حدث اکبر کی صورت میں ان کاموں کے لئے تم پر غسل فرض ہے، یعنی جب تم اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کرو، یا بحالت خواب ایسا عمل ہو (احتلام) تو تم پر غسل فرض ہوگیا، بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، اس ناپاکی کو دور کردو کہ جب تک مؤمن ناپاک رہتا ہے زمین پر بوجھ بنا رہتا ہے اور رحمت کے فرشتے اس سے دور رہتے ہیں۔

جنابت کی حالت دور کرنے کے لئے غسل فرض کئے جانے میں بظاہر ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ انسان کی منی اس کے جسم کا ایک نہایت ہی قوی جوہر ہے، جس کے خارج ہونے کے بعد جسم میں تکان اور تساہل پیدا ہوجاتا ہے، جس کا دیر تک رہنا بھی جسم کے لئے مضر ہے، غسل کرنے اور جلدی غسل کرنے سے یہ تکان ختم ہوجاتی ہے اور انسان تازہ دم ہوکر اپنے دینی اور دنیوی کام کرنے کے قابل ہوجاتا ہے، علاوہ ازیں غسل ووضو صحت کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔

شریعت مطہرہ نے طہارت کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ ایسی بیماری کی صورت میں جس کے لئے پانی کا استعمال مضر ہو یا، حالت سفر میں پانی میسر نہ ہو تب بھی بظاہر طہارت حاصل کرلینے کا اہتمام کیا جائے، جس کا ذریعہ تیمم کو قرار دیا گیا، ظاہر ہے تیمم سے غسل ووضو کے فوائد تو نہیں حاصل ہوتے لیکن اللہ کے حکم کی تعمیل ہوجاتی ہے اور تعمیل حکم ہی کا نام اسلام ہے، انشاء اللہ تیمم سے متعلق تفصیلی گفتگو سورۂ مائدہ کی آیتِ تیمم کے ذیل میں کی جائے گی۔

Marfat.com

اے ایمان والو:۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ نماز کی عظمت اور اس کے تقدس کا خیال رکھو، جس کا مقتضی یہ ہے کہ حالت سُکر، نشہ کی حالت میں اس کے قریب بھی نہ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے جو تمہارے ایمان ہی کے لئے خطرہ بن جائے اور نہ ہی ناپاکی کی حالت میں اس کے قریب جاؤ کہ جو اللہ طہارت و پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے، وہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اس کے دربار، میں بندہ ناپاکی کی حالت میں کھڑے ہو کر اس کا مقدس کلام پڑھے، وہ کلام جس کو ناپاکی کی حالت میں پڑھنا اور چھونا دونوں حرام ہیں، ہاں اگر کوئی بغیر وضو ہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن چھو پھر بھی نہیں سکتا، طہارت کا حصول یقیناً پانی ہی سے ہوتا ہے لیکن اللہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ تم اس کے احکام کے کس قدر پابند ہو لہٰذا ایسی صورت میں کہ پانی کا استعمال کسی بیماری کے سبب تمہارے لئے تکلیف دہ ہو یا باوجود کوشش کے پانی میسر نہ ہو، تمہارے رب نے تمہارے لئے حصول طہارت کا ذریعہ تیمم کو قرار دیا ہے، جو پاک مٹی یا مٹی کی جنس مثلاً پتھر، ریت وغیرہ سے کیا جا سکتا ہے، حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں کے لئے اس کا طریقہ ایک ہی ہے کہ ایک مرتبہ ہاتھوں کو مٹی پر مار کر منہ پر پھیر لو اور ایک مرتبہ ہاتھوں کو مٹی پر مار کر پورے ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لو، بس وضو یا غسل ہو گیا، اے ہمارے بندوں ہمارے اس حکم سے اندازہ لگاؤ کہ ہم کیسے غفور و رحیم ہیں، ہمیں تم سے صرف اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرانا مقصود ہے، کسی پریشانی یا تکلیف میں ہم تمہیں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہیں دشواری میں مبتلا نہیں فرماتا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

مقالہ ۲۳

النساء:۵۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں، پھر اگر تم جھگڑنے لگو کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسول کی طرف، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کام کا انجام۔

اطاعت

اطاعت فرمانبرداری انسان کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر نہ تو کسی گھر کا نظم ونسق چل سکتا اور نہ ہی کسی ملک کا، اگر گھر میں چھوٹے بڑوں کی اطاعت نہ کریں تو پورا گھر تتر بتر نظر آئے گا اور اگر ملک میں رعایا حکومت کی فرمانبردار نہ ہو تو پورا ملک بدامنی وانتشار کا گہوارہ بن جائے گا۔

Marfat.com

اطاعت

اطاعت ہر انسان کی خواہش ہے، ہر بڑا چاہتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، ہر طاقتور چاہتا ہے کہ کمزور اس کا مطیع ہو، ہر حاکم چاہتا ہے کہ رعایا اس کی فرمانبرداری کرے، والدین اپنی اولاد کی اطاعت پر ناز کرتے ہیں، شوہر اپنی بیوی پر جب ہی قربان ہوتا ہے، جب وہ اس کی مطیع وفرمانبردار ہو حکام اپنی رعایا کی فرمانبرداری ہی پر عیاشی کرتے ہیں، ایسے ایسے قوانین گڑھے جاتے ہیں جن سے قوم جکڑی رہے، کسی کو مجال اف نہ ہو، سوشلزم اور کمیونزم جیسے ظالمانہ نظام حکومت اسی ہوس اطاعت کا نتیجہ ہیں کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ حکام نے روٹی، کپڑا اور مکان کے لالچ میں مبتلا کر کے اپنی قوموں کو غلامی کی زنجیروں میں ایسا جکڑا کہ وہ ظلم وستم ہی کو اپنا حق سمجھنے لگے۔

اسی لئے ہر دور میں یہ مسئلہ رہا ہے کہ کون کس کی اطاعت کرے، تاریخ انسانیت میں کبھی دولت وطاقت کو اطاعت کا معیار سمجھا گیا اور انسانوں نے دولت مندوں اور طاقتوروں کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں، جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ انسانی حقوق تک سے محروم کر دیئے گئے، انہیں صرف اپنی دولت پر ہی نہیں بلکہ اپنی عزت آبرو پر بھی اختیار نہ رہا، انسانیت ایسی ذلیل وخوار ہوئی کہ انسانوں کو انسانوں کے سامنے سجدے کرنے پڑے، انسانوں کا خون چوسنے والے یہ شہنشاہ وبادشاہ، تکبر وغرور کے دلدل میں ایسے پھنسے کہ انہیں اپنے علاوہ کوئی بڑا نظر ہی نہ آتا تھا اسی لئے انہوں نے خدائی تک کے دعوے کر ڈالے۔

اسلام انسان کی فطرت وضرورت کو پامال نہیں کرتا، بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل اور ضروریات کے حصول کے لئے اس کی صحیح رہبری کرتا ہے، اطاعت جو انسان کی فطرت بھی ہے اور ضرورت بھی، اسلام اسے پامال نہیں کرتا بلکہ مزید ابھارتا ہے اور مؤمن کو اطاعت گزار واطاعت شعار بننے کی تاکید کرتا ہے اور ساتھ ہی اس الجھن کو بھی ختم کرتا ہے کہ کس کی اطاعت کی جائے، پس حکم دیا گیا کہ

اے ایمان والو! تم تین کی اطاعت کرو، اللہ کی، رسول ﷺ کی اور اپنے حکام کی، کہ حقیقتاً تو اطاعت صرف ایک اللہ ہی کی ہوگی لیکن تم میں بلاواسطہ اللہ کے احکام لینے اور اس کی مرضی جاننے کی صلاحیت نہیں، پس اللہ نے تم پر کرم کیا اور اپنے احکام تم تک پہنچانے اور ان پر عمل کا طریقہ سکھانے کے لئے تم میں رسول مبعوث کیا گیا، جو بظاہر تمہاری طرح انسان ہے لہٰذا تم اس کی فرمانبرداری اختیار کرو اور رسول کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ رسول کے ذریعہ تمہیں جو نظام حیات دیا گیا ہے، وہ قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سکھانے والوں کا سلسلہ جاری رہے گا، یہ لوگ رسول کے خلفاء اور نائب ہوں گے، یہی تمہارے امیر اور اصل حکام ہیں لہٰذا رسول کے بعد تم ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرو تاکہ تم رسول کے فرمانبردار رہو اور بواسطہ رسول ہمارے مطیع بندے بنو۔

اللہ کی اطاعت

انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی انسان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے، قرآن تو انسان کو انسان کی غلامی اور ظلم وستم سے آزاد کرانے کے لئے نازل ہوا، انسانوں کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے نہیں، پس حکم دیا گیا کہ اے ایمان والو! تم ہمارے ہو، اور یہ کائنات جسے ہم نے تمہاری چاکری کے لئے پیدا کیا ہے، یہ بھی ہماری ہے،

Marfat.com

پس تم بھی ہمارے بنو، ہماری اطاعت وفرمانبرداری کرو، ہمارے احکام کی تعمیل کرو، یہی تمہارے لئے بڑا اعزاز ہے، یہی تمہارا تاجِ شرافت ہے، پس سنو:

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

(الانعام:٦٢)

پھر لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف، جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ سن لو۔ حکم اسی کے لئے ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔

اس رب جلیل کی اطاعت کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے جو تمہارا مالک حقیقی ہے، جس کے دربار میں تمہیں ضرور جانا ہوگا ساری کائنات اس کی محکوم ہے، اس سے زیادہ جلد اعمال کا حساب لینے والا کوئی نہیں۔ اے ایمان والو! یہی رب مستحق ہے کہ تم اسی کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(یوسف:٤٠)

نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ کے اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو یہ دین قیم ہے اور لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

یعنی جس دین کی حقانیت، روشن دلائل سے واضح ہو چکی ہے اور تم نے اس کو قبول بھی کر لیا ہے، وہ کیسے تمہیں سوائے اللہ کے کسی اور کا مطیع وفرمانبردار بننے کی تعلیم دے سکتا ہے، پس اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم اس کائنات میں نہیں چلتا، لہٰذا تم بھی اسی کے حکم کو مانو اور اسی کی عبادت اختیار کرو۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(قصص:٧٠)

اور وہی اللہ ہے، نہیں کوئی معبود سوائے اس کے اسی کے لئے ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں اسی کے لئے حکم ہے اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، نہ کوئی ایسا ہے کہ غلام بن کر تم اس کی تعریفیں کرو، ہر قسم کی تعریف کا مستحق تمہارا خالق حقیقی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، پس وہی اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کا حکم چل رہا ہے اور بالآخر تمہیں اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(قصص:٨٨)

اور نہ پکارو (بناؤ) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوا اس کی ذات کے، اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

Marfat.com

امیروں، دولتمندوں، شہنشاہوں، بادشاہوں، یا کسی اور کی پوجا نہ کرو، اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یہ سب ایک دن ہلاک ہو جانے والے ہیں صرف اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ اسی کی حکمرانی تسلیم کرو۔ ایک دن اسی کے دربار عالی میں سب کو جمع ہونا ہے۔

ایمان والوں کے لئے کتنا بڑا اعزاز ہے کہ انہیں دنیا والوں کی بندگی سے نجات دلا کر صرف اس ایک اللہ کی اطاعت کا حکم دیا گیا، جو بلاشبہ سب سے بڑا ہے۔ دنیا والے کسی بڑے سے نسبت پیدا کر کے بڑے بنتے ہیں اور اپنی بڑائی پر بڑا فخر کرتے ہیں، تم اس بڑے کے مطیع ہو جاؤ جو سب سے بڑا ہے، پھر تم سے بڑا کوئی نہ ہو سکے گا۔ ''وھو خیر الحاکمین''، ''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ''۔

رسول ﷺ کی اطاعت

اور ''رسول ﷺ کی اطاعت کرو'' قرآن کریم میں (غالباً) سولہ مقامات پر ''اطیعوا اللّٰہ'' فرمایا گیا ہے اور ہر مقام پر اسی کے ساتھ ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' بھی موجود ہے کیونکہ اہل ایمان کو حقیقت میں تو اللہ ہی کی اطاعت کرنا ہے لیکن یہ بغیر واسطہ رسول کے ممکن نہیں کہ اللہ نے رسول کو اپنے احکامات بندوں تک پہنچانے اور ان کی تشریح اور عملی تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی ہے، پس جب تم اللہ کی اطاعت کرو گے تو پہلے تمہیں رسول کی اطاعت کرنا ہوگی۔ لہٰذا رسول کو صرف پیغمبر نہیں بلکہ تمہارا مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) قرار دیا گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﷺ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ ہی کے حکم سے۔

رسول ﷺ کی اطاعت کو غیر اللہ کی اطاعت نہ سمجھنا، بلکہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

جس نے اطاعت کی رسول ﷺ کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

کیونکہ رسول ﷺ کو، رسالت و نبوت کا عظیم منصب ہم نے سونپا ہے اور اس کی مناسبت سے ہم نے ہی اُن کو بلاواسطہ علم عطا فرمایا ہے وہی سب سے زیادہ ہمارے قریب ہے، اُس سے بہتر ہمارے احکام کی تشریح کوئی نہیں کر سکتا، نہ ہی اس سے زیادہ ہمارے احکام پر کوئی عمل کر سکتا ہے، اُس کا ہر لفظ قرآن کی تشریح ہے، اُس کا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے، اُس کا ہر کام قرآن کی عملی تربیت، ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝'' اس کی شان ہے، ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' اس کی ادا ہے، پس اے ایمان والو، تم اس معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک، ایک ادا کی پیروی کرو، بلا تامل، بالکل مطمئن ہو کر۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر:۷)

اور رسول جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔

رسول ﷺ معصوم ہوتا ہے، اس سے کسی معاملے، بالخصوص امور شریعت میں غلطی کا احتمال و شائبہ بھی نہیں۔ لہٰذا تم

Marfat.com

بلا تأمل اس کی فرمانبرداری و پیروی کرو، اس کی ہر ادا پر عمل ہماری رضا کا سبب اور ہماری ہی اطاعت ہے، اور اگر اس رسول کے دامن کو چھوڑ کر تم نے دنیا والوں کی اطاعت اختیار کر لی، تو بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے، در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ (انعام: ۱۱۷)

اور اگر تم اطاعت کرو گے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، وہ تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ تو صرف اندازے ہی لگاتے رہتے ہیں۔

یہ حکام، بڑی طاقت کے دعویدار، ان کے پاس کیا ہے، صرف ظن و گمان، اندازے اور تخمینے، انہی سے یہ انسانوں کے لئے قانون سازی کرتے رہتے ہیں اسی لئے تو ان کا کوئی قانون اٹل نہیں ہوتا، ایک قانون بناتے ہیں وہ ناکام ہو جاتا ہے تو دوسرا بنا لیتے ہیں وہ بھی ناکام ہوتا ہے تو تیسرا، بس یہی کرتے رہتے ان کا عمل ثابت کرتا ہے کہ ان کے پاس انسانیت کے لئے کوئی ٹھوس پروگرام نہیں جس کے مطابق یہ قوم کی رہنمائی کریں، بس اپنے گمان، خیال اور اندازوں سے لوگوں کو غلام بنائے رکھنے اور اقتدار پر جمے رہنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں، تم ان کے فریب میں ہرگز مبتلا نہ ہونا، ورنہ اپنی اصل منزل، رضائے الٰہی سے دور ہو کر ذلیل و خوار ہو جاؤ گے ہم نے تمہیں اس ذلت و خواری سے محفوظ رکھنے ہی کے لئے اُس رہبر کی اطاعت کی ہدایت کی ہے، جس کا دیا ہوا قانون، آخری ہے، قیامت تک کے لئے ہے اپنی افادیت کے اعتبار سے، ہر دور کے لوگوں، دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والوں کی کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے۔ کیونکہ یہ قانون اس کے ظن و گمان اور اندازوں کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کا ماخذ، منبع، وہ علم یقینی ہے جو اللہ علیم و خبیر نے اسے عطا فرمایا ہے، پس اس میں نہ تو غلطی کا امکان ہے نہ حالات کے مطابق کسی کمی اور زیادتی کی ضرورت پیش آ سکتی ہے، اگر تم نے اس قانون کو اپنا لیا، تو اللہ تمہاری کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے، اس قانون کی پابندی کر لو، قرآن کھول کر دیکھو، تمہیں دنیا ہی میں کیسے کیسے مژدے سنائے جا رہے ہیں۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (النساء: ۱۳)

اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا، اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی، داخل فرمائے گا اسے اللہ باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں، اور یہی ہے بڑی کامیابی (دنیا و آخرت کی)۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ۝ (النور: ۵۲)

اور جو شخص، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے، اور بچتا رہتا ہے اس کی (نافرمانی سے) پس یہی لوگ کامیاب ہیں (دنیا و آخرت میں)۔

Marfat.com

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۷۱)

اور جو شخص اطاعت کرتا ہے، اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی تو وہی پاتا ہے بڑی کامیابی (دنیا و آخرت میں)۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۷)

اور جو شخص اطاعت کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا، اسے اللہ باغوں میں کہ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی (نافرمانی) کرے گا، اسے اللہ دردناک عذاب دے گا۔

اے ایمان والو! تمہارا مطاع حقیقی، اللہ ہے اور اس کی اطاعت کا وسیلہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا تم غیروں سے بھیک مانگنے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غلام بن جاؤ، ساری دنیا تمہارے در کی بھکاری ہو جائے گی دیکھو انہیں جو گمراہی کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے، انسانیت سے بہت دور ہو چکے تھے، تکبر و غرور نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہوا تھا، عیش و عشرت اور عیاشی ان کا مقصد زندگی تھا، دوسروں کو لوٹنا، ستانا ظلم و ستم کرنا، ان کا مشغلہ تھا کہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور چمکا پس جن کا مقدر چمکا وہ سیدھی راہ پر پلٹے، دنیا کے آقاؤں کو ٹھوکر مار کر، اس آقا کی پناہ میں آئے جس نے انہیں آقا بنا دیا، یہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و پیروی اور غلامی ہی کا تاج ہے کہ آج تک بلالِ حبشی، زید بن ثابت، صُہیب رومی، سلمانِ فارسی، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم، ہمارے آقا ہیں، ہمارے سر کا تاج ہیں، ان کا احترام ہمارے ایمان کا جز ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی غلامی نے "اَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاء" کا شرف بخشا، حضرت عمر فاروق، اسی غلامی کے سبب دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کے ایسے حکمران بنے کہ دنیا کو حکمرانی کے ڈھنگ سکھا گئے، حضرت عثمان غنی نے اسی غلامی پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ حتیٰ کہ جان کی قربانی بھی پیش کر دی، حضرت علی کو اسی غلامی نے ابوتراب، اسد اللہ اور حیدر کرار بنا دیا اور جملہ صحابہ کرام کے لئے یہی غلامی، مطاع حقیقی اللہ رب العزت جل وعلا کی طرف سے اعلان خوشنودی و رضا کا سبب بنی۔

"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"

اُولِی الْاَمْر کی اطاعت

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد اہل ایمان کو "اُولِی الْاَمْر" کی اطاعت کا حکم دیا گیا، یعنی ان لوگوں کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے جو رسول ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد، اللہ اور اس کے رسول کے احکام نافذ کرنے اور ان پر عمل کرانے کے ذمہ دار ہوں۔ ظاہر ہے یہ وہی لوگ ہوں گے، جو قرآن و سنت کو جانتے بھی ہوں اور اس پر عمل کر کے "اَتْقٰی" کے منصب کو حاصل کر چکے ہوں، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خُلفاء اور ان کے بعد وہ نائبین ہیں جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود "وارثِ انبیاء" قرار دیا۔ امت مسلمہ کے دینی و دنیوی امور کی سربراہی کا حق

Marfat.com

صرف انہی حضرات کو حاصل ہے کیونکہ مسلمانوں کو زندگی بسر کرنے کے لئے نہ کسی قانون سازی کی اجازت ہے اور نہ ہی ضرورت، ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا عطا کردہ قانون، نہایت مکمل ہے۔ اسلامی سربراہ مملکت کو امت کے اہل خرد و علم کے مشورے سے اپنے دور کے مطابق طریقہ نفاذ مرتب کرنا ہوتا ہے اور یہ ذمہ داری وہی سربراہ انجام دے سکتا ہے، جو خود اسلامی قانون کا عالم ہو، خدا ترس ہو، متقی و، دیانت دار ہو اور اس کے مشیر بھی انہی خوبیوں کے مالک ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام نے اپنا امیر اس شخصیت کو منتخب کیا جو ان میں سب سے افضل، اتقی اور سب سے زیادہ دین جاننے والے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ان کی امارت وخلافت کو تسلیم کرنے کی وجہ بیان کر کے قیامت تک کے لئے استحقاق امارت کی بنیادی وجہ متعین فرمادی کہ ''جس شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے دینی امور سونپے اور نماز کا امام بنایا، اس سے زیادہ ہمارے دنیوی امور کی سربراہی کا کون مستحق ہوسکتا ہے'' یعنی سب سے اہم سربراہی تو نماز کی سربراہی یعنی امامت ہے، پس جو مسلمانوں کی امامت کا اہل ہے، وہی مسلمانوں کی امارت کا بھی اہل ہے۔ نیز خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ اور مسلمانوں کے امیر کی ذمہ داری اور حیثیت واضح فرمادی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ فَاِنِّي قَدْوُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَاِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِيْنُوْنِيْ وَاِنْ اَسَاءْتُ فَقَوِّمُوْنِيْ

اے لوگوں مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں پس اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

پھر آپ نے اپنی امارت کے بنیادی مقاصد بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

وَاَطِيْعُوْنِيْ مَا اَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ

اے لوگو! میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمانبردار ہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری فرمانبرداری نہیں۔

آیت زیر گفتگو میں، جن ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے وہ وہی ہیں جو خلیفہ اول کے نقش قدم پر ہوں، جو حصولِ اقتدار کے بعد خود کو حاکم نہیں بلکہ احکم الحاکمین کا بندہ، رسول کا غلام اور مسلمانوں کا خادم سمجھتے ہوں اور جو دوسروں ہی کو قانون کی پابندی کا حکم نہ دیتے ہوں، بلکہ عوام سے زیادہ خود قانوں کے پابند ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ ہی وضاحت فرماتا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اگر (تمہارے اور حکام کے درمیان) کسی چیز میں اختلاف ہو جائے۔ تو اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی طرف رجوع کرو۔

Marfat.com

اختلاف کی صورت میں حکام کو کسی قانون سازی کا اختیار نہیں اور عوام کو احتجاج، بدامنی اور انتشار وافتراق میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ حکام ورعایا، سب اللہ کے بندے، رسول ﷺ کے غلام ہیں، باہمی اختلاف کا فیصلہ حاصل کرنے کے لئے انہیں قرآن وسنت کی ہی طرف رجوع کرنا چاہئے اگر امیر کا حکم اس کے مطابق ہو تو قوم کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ ورنہ اطاعت واجب نہیں۔ امیر کو اپنا حکم واپس لے لینا چاہئے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیر کی اطاعت کے لئے ایک بنیادی اصول متعین فرما دیا ہے کہ ''لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ'' کہ جس کا حکم ماننے میں اللہ کی نافرمانی ہو، اس کی اطاعت واجب نہیں۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک کے حکمران نہ ''اولی الامر'' ہیں اور نہ ہی ان کے زیر حکومت ممالک، اسلامی ممالک ہیں۔ چاہے وہ اپنے ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے کتنے ہی بلند و بانگ دعویٰ کریں۔ نہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے پابند رہے، نہ ہی عوام۔ لہٰذا وہ شرعاً ''اولی الامر'' نہیں اور نہ ہی ان کی اطاعت کر کے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل ہو سکتا ہے کیونکہ ان کا حکم ہی قرآن وحدیث کا حکم نہیں ہوتا۔ اب تو دستور ساز اسمبلیاں بنائی جاتی ہیں۔ جن کے ذریعہ اپنی عقل کے مطابق یا غیروں کے دستور کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور اس کی پابندی پر امت کو مجبور کیا جاتا ہے۔ پس جو پسند کرتا ہے وہ تسلیم کرتا ہے اور جو پسند نہیں کرتا، وہ مخالفت کرتا ہے احتجاج کرتا ہے۔ اگر اس میں حکام سے زیادہ قوت ہوتی ہے تو وہ حاکم کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ورنہ جبراً اسے بھی سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے، چونکہ حکام اللہ اور رسول ﷺ کے مطیع نہیں ہوتے۔ لہٰذا اللہ کے بندے بھی زیادہ دیر ان کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ نتیجتاً مسلمانوں کے ملک بدامنی وافتراق اور معاشی بدحالی کا شکار ہیں اور وہ قوم جس کے نام سے کسی دور میں غیر مسلم کانپا کرتے تھے، آج ذلیل وخوار ہے، اسے دہشت گردوں میں شمار کیا جا رہا ہے۔

آج اگر کسی ملک کے مسلمان اپنے حاکم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں تو اسے ہرگز بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ وہ قابل تعریف ہیں، قابل تقلید ہیں کہ وہ بدکردار حاکم سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، دین کی بقاء کے لئے، قربانیاں پیش کرتے ہیں اسوۂ حسین (رضی اللہ عنہ) پر عمل پیرا ہیں، کیا کہیں گے آپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو، انہوں نے یزید کی مخالفت کیوں کی، اس کی بیعت سے انکار کیوں کیا، حتیٰ کہ اپنی جان کی بازی لگا دی۔ جبکہ یزید مسلمان تھا، جبکہ انہی حسین نے اور ان کے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ نے یزید کے باپ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کی تھی، لیکن یزید کی اطاعت قبول نہ کی۔ صرف اس لئے کہ وہ بدکردار تھا، بدعمل تھا، شرابی تھا، اللہ اور اس کے رسول کا باغی تھا۔ آج مسلم ممالک کے حکام کے عمل وکردار کا جائزہ لینا ہوگا۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی ہیں تو ان کی اطاعت حرام ہے اور بغاوت عین شریعت کے مطابق ہے اور اسوۂ حسین پر عمل ہے۔ اے اللہ ہمیں ہمت وتوفیق عطا فرما کہ ہم تیرے باغیوں کی غلامی سے آزاد ہو کر تیرا کلمہ بلند کر سکیں یا اللہ ہم تیرے احکام کی تعمیل کریں اور تعمیل کرنے والوں کو اپنا حاکم وامیر بنائیں۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۴

النساء: ۷۱ تا ۷۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَ اِنَّ مِنْكُمْ
لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ
شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ
يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ
النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ
اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

Marfat.com

اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ (النساء:۱۷تا۷۶)

اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت پر) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر اور بیشک تم میں سے کچھ ضرور دیر لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت تو وہ کہے احسان فرمایا اللہ نے مجھ پر کہ میں ان کے ساتھ (جنگ میں) حاضر نہ تھا اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے۔ جیسے نہ تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی، کاش میں بھی ہوتا ان کے ساتھ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی۔ پس چاہئے کہ لڑا کریں اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے بڑا اجر۔ اور کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو۔ اللہ کی راہ میں۔ حالانکہ کئی بے بس مرد، عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آ کر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! نکال ہمیں اس بستی سے، جس کے بسنے والے ظالم ہیں اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں۔ تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے۔

اس کائنات کا مالک حقیقی اللہ رب العزت جل مجدہ نہیں پسند فرماتا کہ اس کے بندے۔ ظلم و ستم کا شکار ہوں ان کے حاکم ایسے لوگ بنیں جو انہیں اپنی ذاتی اغراض اور ہوس کی بھینٹ چڑھائیں، وہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے بندوں کو ایسی راہ پر ڈالا جائے، جو اس کے غضب اور اس کے عذاب کی طرف لے جائے، وہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کی پیدا کردہ اس حسین و جمیل کائنات کو فتنہ و فساد برپا کرنے والے تباہ کر ڈالیں۔ پس اس نے انسان کو ظالموں، جابروں کے چنگل سے نجات دلانے، اس کائنات کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کے لئے، ان نفوس قدسیہ کو مبعوث فرمایا جنہیں نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ ان حضرات نے اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے ہر دور میں ایسے افراد کا ایک لشکر تیار کیا جو اللہ کی زمین پر اللہ ہی کے قانون پر عمل کریں اور ساری دنیا میں اسے نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ یہی گروہ، گروہِ مومنین کہلاتا ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے کم مدت میں قیامت تک کے لئے، اللہ کے سپاہیوں کا ایسا لشکر تیار کر دیا جو ہر دور میں، اللہ کی زمین سے فتنہ و فساد پیدا کرنے والوں کو مٹانے اور اللہ کے بندوں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کا ذمہ دار قرار پایا۔ گویا ہر مومن اللہ کا سپاہی ہے، ماضی کا ہو، حال کا یا مستقبل کا، اس کی ذمہ داری ہے کہ جہاں اور جب بھی اللہ کے باغی سر اٹھائیں اور اللہ کے دین، اللہ کے قانون کو مٹانے کا عزم کریں تو یہ سپاہی نکلے، ایسے باغیوں کو کچلے، مظلوموں کا سہارا بنے اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرے، اسی مقصد کے حصول کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ

Marfat.com

اے ایمان والو! تم اللہ کے سپاہی ہو۔ اچھا سپاہی کبھی عیش وعشرت اور عیاشی میں مبتلا نہیں ہوتا، وہ کبھی ایسا عمل نہیں کرتا، جس سے اس کی قوت وطاقت میں کمی آئے، وہ تو ہر وقت اپنی سرحدوں کی حفاظت کی فکر میں رہتا ہے، وہ تو ہر وقت دشمن کی گھات میں رہتا ہے، اس کا کوئی لمحہ غفلت کی نیند کا نہیں ہوتا، پس اے میرے محبوب کے غلاموں تم اچھے سپاہیوں کی طرح "خُذُوْا حِذْرَكُمْ" ہر لمحہ اور ہر آن ہوشیار رہو، مسلح رہو، تم سے کسی وقت تمہارا ہتھیار چھوٹنے نہ پائے، اپنی دولت کو اسباب عیش جمع کرنے میں صرف نہ کرو، دشمن کے خلاف ہتھیار حاصل کرنے پر صرف کرو، اپنے اندر ایسی صلاحیتیں پیدا کرو کہ ہر محاذ پر دشمن کا مقابلہ کر سکو، اتنا علم حاصل کرو کہ دشمن علمی محاذ پر تمہیں شکست نہ دے سکے، محنت ومشقت کر کے خوب دولت کماؤ کہ دشمن تمہیں دولت کے لالچ میں مبتلا کر کے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے نہ روک سکے، جنگی اسلحہ جمع کرو کہ دشمن اسلحہ کی جنگ میں تم پر غالب نہ آسکے۔ تم میں سے مخصوص افراد پر مشتمل تمہاری فوج نہ ہو، بلکہ تمہارا ہر فرد مرد، عورت، بچے، سب فوجی ہوں۔ کاروباری اوقات میں تم ایک محنتی دیانت دار قوم نظر آؤ، اوقات نماز میں تمہارے سر اللہ کے دربار میں جھکے ہوں اور دین کی حفاظت کے موقع پر تم بہادر سپاہیوں کی فوج بن کر دشمن کو تہس نہس کر کے دادِ شجاعت حاصل کرو یا اپنی جانیں قربان کر کے مقام شہادت حاصل کرو۔

تنہا جنگ نہ کرو

جب وقت جنگ آجائے اور اسلام کے دشمنوں سے سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہ رہے تو یہ اصول یاد رکھنا کہ کبھی تنہا مقابلے کے لئے نہ نکل پڑنا کیونکہ تمہارا رحیم رب تم پر ہرگز ایسی ذمہ داری عائد نہیں کرتا جس کی تم میں قوت نہ ہو اور نہ ہی وہ تمہیں ہلاکت کے منہ میں ڈالنا پسند فرماتا ہے پس جب تم دشمن کے مقابلے کے لئے نکلو تو ٹولیاں بنا کر نکلنا یا سب کے سب مل کر دشمن پر حملہ آور ہونا اس کے لئے ضروری ہے کہ اے میرے سپاہیو! تمہارے دل ایک دوسرے سے ملے ہوں، تمہارے قدم ایک ساتھ اٹھیں، تم نظم وضبط کے عادی بنو، تمہاری صفیں ایسی منظم ہوں کہ کوئی طوفان ان کو حرکت تک نہ دے سکے، تم اپنی جگہ سے نہ ہلنے والے ایسے پہاڑ بنو جس سے ٹکرانے والی ہر قوت پاش پاش ہو جائے، اپنے اتحاد، نظم اور ضبط کے باوجود یہ نہ بھولنا کہ تمہاری صفوں میں ایسے منافق، ایسے غدار بھی ہوں گے جو اپنے جان ومال، اہل وعیال سے دین کی بہ نسبت زیادہ محبت رکھتے ہیں جس کے سبب ان کا ایمان کمزور ہو گیا ہے، ان کی غیرت مٹ چکی ہے، انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس تک نہیں رہا ہے، ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ تمہارے ساتھ، میدان جنگ میں جانے سے ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں اور اگر تمہیں دشمن کی طرف سے کوئی وقتی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ساتھ ہمدردی کا اظہار تک نہیں کرتے بلکہ یہی کہتے ہیں کہ "اگر ہم بھی میدان جنگ تک پہنچ جاتے تو ہمارا بھی یہی حال ہوتا" اور اگر تمہیں اللہ کے فضل وکرم سے فتح وکامیابی نصیب ہوتی ہے، عزت ملتی ہے، مال غنیمت ہاتھ آتا ہے، تب بھی یہ تمہاری خوشی سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اتنے خود غرض ہیں کہ اس وقت بھی اپنا ہی رونا روتے اور کہتے ہیں "کاش ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ چلے جاتے تو آج فتح کا سہرا ہمارے سروں پر بھی ہوتا اور

Marfat.com

مال غنیمت میں ہم بھی حصہ دار بنتے'' اے اللہ کے سپاہیو! ایسے لوگوں سے غافل نہ ہونا کہ ان سے بے خبری تمہاری ساری قوت کو ختم کر سکتی ہے، تمہاری عزت کو ذلت میں، تمہاری فتح کو شکست میں اور تمہاری خوشحالی کو بدحالی میں بدل سکتی ہے۔ یہ خود بزدل ہیں کہیں ایسا نہ ہو تمہیں بھی بزدل بنادیں۔

اے ایمان والو! وہ اللہ کی راہ میں کیا جنگ کریں گے جنہیں اپنا مال و دولت عزیز ہو، جو اپنے بیوی، بچوں کی محبت میں گرفتار ہوں۔ وہ کیا میدان جہاد میں آئیں گے جنہیں دنیا کے عیش و عشرت نے پہلے ہی بزدل بنا دیا ہے۔ میدان جہاد میں تو وہ آتا ہے جو دنیا کی زندگی کو پہلے ہی آخرت کی زندگی کے عوض فروخت کر چکا ہے۔ اس نے اپنی منزل دنیا کی ترقی نہیں آخرت کی نجات بنالی ہے، جو اس دنیا کو ایک کھیتی سمجھ کر اس سے اللہ کی رضا کا پھل حاصل کرنا چاہتا ہے، جس کے نزدیک دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی اللہ کی بندگی اور رسول کی غلامی ہے۔ یہی اس کی عزت ہے، یہی اس کی دولت ہے اس کی حفاظت کے لئے وہ باہمت ہوتا ہے، بہادر ہوتا ہے، نہ مصائب و آلام سے ڈرتا ہے، نہ موت سے، اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا، اس کے نزدیک بستر کی موت سے کہیں بہتر میدان جہاد میں شہید ہو جانا ہوتا ہے، شہادت کے بلند مرتبہ ہی کی تلاش میں وہ اللہ کے دشمن کے سامنے سینہ تان کر آتا ہے۔ پس وہ قتل کر دیا جائے، یا فاتح بن کر زندہ لوٹ آئے، دونوں حالتوں میں فائدے ہی میں رہتا ہے۔ اسی کے لئے ''فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا'' کا مژدہ ہے، شہید ہوا تو حیات جاوداں پا گیا۔ قیامت تک کوئی نہ مردہ کہہ سکتا ہے، نہ خیال کر سکتا ہے، زندہ واپس لوٹا تو عزت پائی، مال غنیمت سے حصہ پایا، خوشحالی ملی، غازی کہلایا، مجاہد بن گیا، مال و دولت، کاروبار، اہل و عیال، سب کچھ مل گیا۔

یہ مقصد ہے کہ اس دنیا میں حق کا بول بالا ہو
خدا کہتا ہے کہ مقصودِ زمین و آسماں تم ہو
شہادت کی دکان پر بزدل گاہک نہیں آتے
زہے جرأت خریدار حیاتِ جاوداں تم ہو
جہاں تم ہو وہاں جَور و استبداد ناممکن
کسی دشمن کا امکان ہی نہیں رہتا جہاں تم ہو
(احسان دانش)

☆☆☆

مسلمانوں کا خوں ضائع نہ ہوگا
پیمبر کے عَلَم بردار ہم ہیں
لگاؤ ہے صحابہ کی روش سے
نبی کے حاشیہ بردار ہم ہیں
کسی عنواں سے بھی ظالم نہیں ہیں
خدا کے خوف کا اظہار ہم ہیں
حریفوں کو شکست فاش دیں گے
بلال حیدرِ کرار ہم ہیں
قسم ہے غازیان سربکف کی
غلام سیدِ ابرار ہم ہیں
(شورش کاشمیری)

Marfat.com

شہیدوں کا خون دیوار ہے دشمن کے رستے میں
یہ وہ دیوار ہے جس میں جڑی ہیں قوم کی آنکھیں
اسے ڈھانا تو کیا، اس سے ٹکرانا بھی ناممکن ہے
کسی کا اس سے کترا کر نکل جانا بھی ناممکن ہے

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آسان نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سَیلِ رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
(اقبال)

بے بسوں کی حمایت کے لئے جنگ

تمہاری حمیت وغیرت کو کیا ہو گیا کہ تمہارے بے بس مرد، عورتیں، بچے دین کے دشمنوں کے مظالم سہتے سہتے تنگ آچکے ہیں حتیٰ کہ وہ ہم سے دعائیں کر رہے ہیں کہ ”یارب ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے، ہمیں کوئی حمایتی اور مددگار عطا فرمادے“ کیا ان بے بسوں کی آہیں، پکاریں تم تک نہیں پہنچتیں تمہاری ذمہ داری ہے کہ اگر کسی بستی میں، ہمارے نام لیواؤں پر ظلم ہو رہا ہے تو تم اٹھو اپنے بے بس بھائی، بہنوں اور بچوں کی مدد کو پہنچو۔ اس وقت تک قتال کرو جب تک تم انہیں نجات دلانے میں کامیاب ہو جاؤ اسلاف نے اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کی لیکن شومئی قسمت کہ آج وہ جن کو اللہ نے دولت بھی دی ہے، قوت بھی دی ہے، وسائل بھی ان کو حاصل ہیں، آسائش وآرام اور عیش وعشرت میں مست ہیں، اپنی ذمہ داری سے غافل ہیں، انہیں نہ کشمیری بھائی، بہنوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، نہ انہیں فلسطینیوں کی تباہی وبربادی نظر آتی ہے، نہ ان کے کانوں تک ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کی آہیں پہنچتی ہیں، مسجدیں شہید کی جارہی ہیں، عورتوں کی عزت وآبرو لوٹی جارہی ہے، مسلمانوں سے ایمان کی دولت چھینی جارہی ہے، ”مظلوم اللہ سے مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں“ لیکن اللہ کے سپاہی خوابِ غفلت میں پڑے سو رہے ہیں۔ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا۔ وقت کی پکار ہے، امت کو تمہاری ضرورت ہے، عیش وعشرت کے قلعوں سے باہر آؤ، سیاسی حیلہ بازی چھوڑو، تم اللہ کے سپاہی ہو، اللہ کے مظلوم بندوں کی مدد کو پہنچو۔

اے ایمان والو! تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس خلوص سے ہتھیار اٹھاؤ، خلوص سے دشمن کے مقابلہ پر آؤ،

Marfat.com

جہانگیری کے لئے نہیں، شخصی اقتدار کے استحکام کے لئے، مال ودولت لوٹنے کے لئے، صرف اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے، اللہ کی رضاء کے لئے کہ مؤمن کا مقصدِ جہاد، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جبکہ کفار دنیاوی مقاصد کے لئے مال ودولت کی ہوس پوری کرنے کے لئے، دنیا کو اپنے زیرِ پا کرنے کے لئے، شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ کتنے ہی کروفر سے تمہارے سامنے آئیں، ان کے پاس کتنا ہی اسلحہ کیوں نہ ہو، ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اللہ کے سپاہیوں کے سامنے، ان کی کوئی حیثیت نہیں ''اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا'' ان کی ساری تدبیریں رائیگاں ہوں گی، وہ اللہ کے شیروں کے سامنے ٹک نہ سکیں گے۔ بس اے ایمان والو! اپنی ذمہ داری پوری کرو، اللہ تمہارا حامی وناصر ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

مقالہ ۲۵

النساء: ۹۴، ۱۰۱ تا ۱۰۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰٓى
اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۫ فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ
خَبِيۡرًا ﴿۹۴﴾ (النساء: ۹۴)

اے ایمان والو، جب تم اللہ کی راہ میں سفر کے لئے نکلو تو خوب تحقیق کرلو، اور نہ کہو اسے جو تم پر سلام بھیجتا ہے کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو دنیاوی زندگی کا سامان پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں۔ ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے، اس سے پہلے، پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر، پس خوب تحقیق کرلو، یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ
اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَـكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ

Marfat.com

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۱۰۱ تا ۱۰۴)

اور جب تم سفر کرو، زمین میں تو نہیں ہے تم پر کوئی حرج، اگر تم قصر کرو نماز، اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر بیشک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لئے نماز تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ اور وہ پکڑے رکھیں اپنے ہتھیار، پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں گے اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی ہے پس (اب) وہ نماز پڑھیں گے، آپ کے ساتھ اور لئے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنا کرتے ہیں کافر، اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے، اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یکدم اور نہیں کوئی حرج تم پر، اگر ہو تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو تو اتار دو اپنے ہتھیار اور ہوشیار رہو بیشک اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر و اللہ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو ادا کرو نماز، بیشک نماز فرض کی گئی ہے مسلمانوں پر اپنے، اپنے وقت پر اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑا دانا ہے۔

خیال رہے کہ آیت نمبر ۹۴ کے بعد ہم نے ان چند آیات کو چھوڑا ہے جن میں خطاب خصوصاً اہل ایمان سے نہیں بلکہ ان میں جہاد اور مجاہدین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۴ دوبارہ خطاب اہل ایمان سے ہو رہا ہے، لہٰذا انہیں برائے گفتگو شامل کر لیا ہے۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح خیبر کے بعد اس کے قرب و جوار میں آباد قبائل کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ فرمائے انہی میں ایک لشکر غالب بن فضالہ لیثی کی قیادت میں فدک کی طرف بھی روانہ

Marfat.com

فرمایا، جس میں حضرت اُسامہ بن زید بھی بحیثیت سپاہی شریک تھے۔ فدک کے قبیلہ بنی مرہ کو غزوۂ خیبر اور قلعہ خیبر کی فتح کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور وہ مسلمانوں سے خوفزدہ ہو چکے تھے۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ اب لشکر اسلام ان کی طرف بھی آرہا ہے تو وہ بستی خالی کر کے بھاگ گئے۔ لیکن ایک صاحب جن کا نام مرداس تھا، نہایت مطمئن اپنے گھر میں بیٹھے رہے کیونکہ وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ بستی خالی ہونے کے بعد، وہ لشکر اسلام کو بستی میں داخل ہوتے دیکھنے کے جذبہ میں اپنی بکریاں، اونٹ لے کر ایک پہاڑ پر جا بیٹھے اور لشکر اسلام کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی انہوں نے نعرۂ تکبیر کی صدا سنی، مرداس بھی مسرت وشادمانی میں جھومتے، پرجوش نعرہ لگاتے پہاڑ سے اتر آئے، نہ جانے کتنی مدت بعد اس عاشق کی یہ آرزو پوری ہوئی تھی کہ کاش میں بھی اللہ کا کلمہ بلند کروں اور کاش میں بھی اس نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں جس کو دیکھے بغیر میں نے اس کا کلمہ پڑھا اور غلامی قبول کی ہے۔ ابھی تکمیل آرزو کی ایک جھلک ہی دیکھ پائے تھے کہ بیچارے حادثہ کا شکار ہو گئے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پہاڑ سے اترتے دیکھ لیا، اُسامہ نوجوان تھے۔ خیبر فتح کر کے آرہے تھے، جذبہ جہاد کمال جوش پر تھا، ایسی حالت میں یہ خیال تو آہی نہ سکتا تھا کہ کفر کی تاریکی میں ڈوبی بستی میں بھی تو اسلام کی شمع ٹمٹما سکتی ہے اور ہمارے نعرے کا جواب دینے والا ہمیں سلام کرنے والا، شاید اسی شمع کا علمبردار، اسی کا محافظ ہوگا جو نہ جانے کتنی مصیبتیں جھیل چکا ہوگا۔ آج وہ ہمیں دیکھ کر پھولے نہیں سما رہا، یہ بھی ہماری طرح ایک مجاہد ہی ہے، ہماری طرح ایک عاشق، ایک غلام ہے، اگر اُسامہ کو یہ سب کچھ سوچنے کا موقع ملتا، تو وہ یقیناً اسے گلے لگاتے اور آقا کے قدموں تک پہنچا دیتے، لیکن آہ! اُسامہ کو سوائے اس کے کچھ خیال نہ آیا۔ کہ یہ بھی کوئی کافر ہی ہے، یہودی ہے جو اپنے جان ومال کی حفاظت کے لئے ہم سے دھوکا کر رہا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ قبل اس کے کہ کوئی دوسرا اس کی طرف بڑھے کیوں نہ میں ہی اس کی گردن اڑا کر اپنا ثوابِ جہاد بڑھا لوں اور اس کے مال ودولت سے اسلامی خزانہ میں اضافہ کر دوں۔ غرضیکہ اسامہ تلوار تانے آناً فاناً مرداس کے سر پر جا پہنچے۔ انہوں نے مزید بلند آواز سے کلمہ پڑھنا چاہا۔ لیکن اُسامہ نے ہمیشہ کے لئے ان کی آواز ہی ختم کر دی۔ دوسرے ساتھیوں نے جب یہ حال دیکھا، تو ان میں اختلاف ہوا۔ بعض حضرات اُسامہ کے عمل کو جائز، جبکہ بعض نے ناجائز کہا اور اسے اپنے ہی بھائی کا قاتل قرار دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس حادثہ پر اظہار افسوس کیا اور حضرت اُسامہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

بے احتیاطی کا سدباب

ان آیات کے سبب نزول کے ذیل میں مفسرین کرام نے یہ واقعہ اور اس جیسے دیگر واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیہ مبارکہ کے نزول سے قبل ایسے کئی حادثات رونما ہو چکے تھے اور اب وقت آگیا تھا کہ قیامت تک کے لئے ایسی بے احتیاطی کا سدِ باب کر دیا جائے لیکن ان واقعات سے کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی ان کو صحابہ پر طعن کا بہانہ بنانا چاہئے بلکہ ان حالات اور اس ماحول پر غور کرنا چاہئے جن میں یہ حادثات پیش آئے ایسے اکثر واقعات تو دورانِ جہاد پیش آئے، جبکہ جنگی ماحول کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ ہر غیر معروف شخص کو دشمن سمجھا جائے، ہاں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو مدینہ منورہ ہی میں ہوئے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ کہ صحابہ کرام اسلام کے اس ابتدائی دور میں، اس قدر جوش ایمان میں

Marfat.com

سرمست رہا کرتے تھے کہ کسی ایسے شخص کو وہ مؤمن ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جس کے ایمان کی تصدیق نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ کر چکے ہوں یا جس کے ایمان لانے کی خبر عام نہ ہو چکی ہو ایسے شخص کا اچانک ظاہر ہو کر کلمہ پڑھنا یا سلام کرنا اس کے جان و مال کی حفاظت کے لئے کافی نہ ہوتا تھا۔ دوسرے اس لئے کہ یہ دور ایسا تھا کہ ہر طرف سے اسلامی ریاست اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف مختلف انداز سے سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ پس جب بھی صحابہ اپنے درمیان کسی کافر یا کسی غیر معروف شخص کو پاتے تو اگر قتل نہ بھی کرتے تھے، تب بھی ان کے ہاتھ اپنی تلواروں تک ضرور پہنچ جاتے تھے اس خیال سے کہ یہ شخص دشمن کا کوئی جاسوس نہ ہو اور ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے گویا ایسے جتنے واقعات بھی کتابوں میں موجود ہیں وہ دوران سفرِ جہاد پیش آئے یا احتیاط کے نتیجہ میں پیش آئے، پس صحابہ کرام کے متعلق کسی غلط فہمی کی گنجائش ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مناسب وقت آیا اور بذریعہ وحی اس بے احتیاطی کا سد باب کیا گیا تو صرف اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے اللہ نے اپنا حکم نازل فرمایا۔ صحابہ کے اس عمل پر کوئی وعید نہ فرمائی گئی اور نہ ہی اسے گناہ یا نافرمانی قرار دیا گیا۔ صرف مستقبل کے لئے ہدایات جاری فرمائی گئیں، آیت نمبر ۹۴ پر دوبارہ بغور نظر ڈالئے تو آپ ہماری تائید کریں گے۔ پس پہلی ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ

اے ایمان والو:۔ جب تم کس انجان شخص کو اعلان اسلام کرتے، کلمہ پڑھتے دیکھو یا سنو۔ بالخصوص حالتِ سفر میں ایسا واقعہ پیش آئے تو صرف جوش میں فیصلہ نہ کرو، احتیاط ہی کا خیال نہ کرو بلکہ اس معاملہ کو بہت اہم سمجھو اور ''فتبینوا'' یعنی تحقیق کرو، خوب تحقیق کرو۔ اگر کسی کا اسلام ثابت ہو جائے تو اسے گلے لگا لو اور تحقیق کے بعد بھی مسلمان ہونا ثابت نہ ہو تو شرعی قانون کے مطابق عمل کرو کہ بلا تحقیق کسی کی جان لے لینا اور اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لینا تو بڑی بات ہے، مؤمن کو تو کسی معاملہ میں بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ عجلت کرے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْاَ نَاۃُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ

(ترمذی)

اطمینان اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یعنی اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے ہر کام کرنے سے پہلے سوچیں، غور کریں، خوب تحقیق کریں۔ پھر اللہ پر بھروسہ کر کے عمل کریں۔ تا کہ ان کا کوئی عمل اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، ان کا کوئی کام ان کے لئے مضر اور نقصان دہ نہ ہو۔ جبکہ شیطان کی کوشش ہوتی ہے، کہ بندہ بغیر سوچے سمجھے کام کر ڈالے تا کہ اسے نقصان پہنچے یا اللہ کے حکم کے خلاف ہو جائے کہ شیطان تو مؤمن کا کھلا دشمن ہے۔ وہ کب پسند کرے گا کہ مؤمن کو کامیابی کی خوشی یا اللہ کی رضا نصیب ہو۔ پس اے ایمان والو تم جو کام بھی کرو، چاہے وہ دین کا ہو یا بظاہر دنیا کا، سفر میں ہو یا حضر میں، بالخصوص کسی کے ایمان قبول کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ ہو۔ ہر کام میں اللہ کا پسندیدہ طریقہ اختیار کرو یعنی پہلے مطمئن ہو جاؤ، اس کے پس و پیش پر خوب غور کر لو، انجام کو سوچ لو، ضروری تحقیق کر لو پھر اطمینان سے قدم اٹھاؤ۔

اے ایمان والو:۔ بلا تحقیق کسی سلام کرنے والے یا کلمہ پڑھنے والے کے ایمان کا انکار نہ کرو نہ اسے کافر جانو اور نہ اس کی

Marfat.com

جان، اس کے مال کو حلال سمجھو۔ ہمارے خیال میں اس موقع پر دو باتوں کی وضاحت نہایت اہم ہے۔ سلام کرنا، بلا تحقیق کسی کے ایمان کا انکار کرنا۔

سلام کرنا

ہر قوم اور مذہب کے لوگوں میں باہمی ملاقات کے وقت کچھ اچھے الفاظ بولنے کا رواج ہے لیکن اسلام نے اس موقع کے لئے جو جملہ مقرر فرمایا ہے، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' قرآن کریم نے اس کے لئے ''تحیۃ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یعنی درازیٔ عمر کی دعا۔ ارشاد ہے:

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ (النساء:۸۶)

اور جب تمہیں سلام دیا جائے کسی لفظ دعا سے تو تم (جواب) سلام دو ایسے لفظ سے جو بہتر ہو، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

طریقہ سلام کی تعلیم دینے والے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کو ''باہمی محبت'' کا ذریعہ قرار دیا۔ فرمایا:

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ

جب تک ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے کامل مؤمن نہ بن سکو گے کیا میں تمہیں ایسی بات بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی، ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہا کرو۔ (ترمذی)

نیز میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو نزول برکت کا ذریعہ فرمایا۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرمایا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

يَا بُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ

اے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو، تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت نازل ہوگی۔ (ترمذی)

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپس میں، ایک دوسرے کو سلام کرنے، گھر میں داخل ہوتے وقت، گھر سے نکلتے وقت، سلام کرنے، بچوں کو سلام سکھانے کی تعلیم دی اور بکثرت یہ جملہ کہتے رہنے کی تاکید فرمائی کیونکہ یہ دیگر قوموں میں رائج الفاظ کی طرح کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ یہ درازیٔ عمر کی دعا، باہمی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ، نزول برکت کا باعث ہے حتیٰ کہ یہ علامتِ ایمان ہے، ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا'' اس شخص کے ایمان کا انکار نہ کرنے کی ہدایت ہے جو سلام کے ذریعہ اپنے مؤمن ہونے کا اعلان کر رہا ہو پس جو شخص ''السلام علیکم'' کہے گا مسلمان، اسلامی لشکر، حکومت اسلامیہ کا سربراہ، سب ہی اس کے معاون و مددگار ہو جائیں گے، اس کی جان، اس کا مال محفوظ

Marfat.com

ہو جائے گا، وہ اللہ کی اس کے رسول کی پناہ میں آ جائے گا۔ جو تلوار اس پر تنی تھی، اب وہی اس کی محافظ بن جائے گی لیکن یہ اس کے لئے ہے جو شرعی سلام کرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کردہ سلام کرے، یعنی کہے ''السلام علیکم ورحمۃ'' یہی شرعی سلام ہے، اسی پر شریعت کے احکام نافذ ہوتے ہیں، اس رحمت بھرے جملے کو چھوڑ کر، جن لوگوں نے آج اپنے الفاظ گڑھ لئے ہیں۔ مثلاً صباح الخیر، صباح النور، مساء النور، وغیرہ وہ ان تمام برکات وتحفظات سے محروم ہیں۔ جن کا ذریعہ قرآن کریم اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کو قرار دیا۔

بلا تحقیق کسی کے ایمان کا انکار

آیت زیر گفتگو میں واضح ہدایت موجود ہے کہ جب کوئی تمہیں سلام کرے تو ''فتبینوا'' تحقیق کرو، بلا تحقیق اس کے ایمان کا انکار نہ کرو۔ یعنی تمہارے پاس جو بھی قابل اعتبار ذرائع موجود ہیں، ان سے تمہیں تحقیق کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی مؤمن ہے، تو وہ تمہارا بھائی ہے اور اگر تحقیق سے ثبوت اس کے برعکس حاصل ہو یعنی یہ کہ وہ سلام صرف تمہیں دھوکا دینے کے لئے، تم سے اپنے جان ومال کے تحفظ کے لئے، یا تمہاری جاسوسی کے لئے کر رہا ہے تو اس کے ساتھ شرعی قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص صرف سلام ہی نہیں کرتا بلکہ کلمہ بھی پڑھتا، مسلمانوں میں بالکل مسلمانوں کی طرح رہتا ہے۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ العیاذ باللہ شراب، سود، یا اور کسی حرام کو، جس کی حرمت کا واضح اعلان قرآن کریم نے کیا ہے حلال سمجھتا ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کھلی گستاخی کرتا ہے، یا آپ کے آخری نبی ہونے پر یقین نہیں رکھتا، پس ایسے شخص کا ایمان، ایمان کی دیگر علامات ہونے کے باوجود بھی قبول نہ کیا جائے۔ قانون شریعت کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

اسی لئے تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی مخالفت کے باوجود منکرین زکوۃ سے جہاد کے لئے، اسلامی لشکر روانہ فرمایا حالانکہ وہ تمام شرعی احکام کے پابند تھے، صرف زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر رہے تھے اور اسی لئے آپ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے گروہ سے جہاد فرمایا کہ وہ دیگر عقائد اسلام کا تو اقرار کر رہے تھے، لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو تسلیم نہ کرتے تھے اور اسی لئے پاکستان کی قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا کہ وہ مرزا غلام احمد کذاب کو نبی مانتے، مجدد مانتے، یا کم از کم مؤمن مانتے ہیں اور اسی لئے ان مرتدین کو حرمین شریفین میں داخلہ کی اجازت نہیں۔

یہ سب کچھ ہم نے اس لئے عرض کیا کہ ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا'' کے ارشاد سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ کسی بھی سلام کرنے والے کو، کافر یا مرتد نہیں کہا جا سکتا، چاہے اہل علم کی تحقیق سے اس کا کفر یا ارتداد ثابت ہو چکا ہو، جیسا کہ بہت جاہل یہی کہتے سنے گئے ہیں کہ ''ہر کلمہ گو مسلمان ہے'' یہ جملہ بولنا بھی جائز نہیں کہ اس سے مرتدین کو بھی مسلمان سمجھنا ثابت ہوتا ہے جو خود اپنی جگہ کفر ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

بلا تحقیق کسی چیز کی حِلّت کا انکار

قرآن کریم کے اسی ارشاد سے یہ بات بھی مفہوم ہے کہ جس طرح بلا تحقیق کسی سلام کرنے والے کے ایمان کا انکار

Marfat.com

ممنوع ہے، اسی طرح بلا تحقیق کسی چیز کے حلال ہونے کا انکار بھی ممنوع ہے کیونکہ اصول شریعت یہ ہے کہ ''اصل الاشیاء الا باحۃ'' کہ اصلاً ہر چیز حلال ہے، صرف وہ چیزیں حرام قرار پائیں، جن کو شریعت مطہرہ، یعنی اللہ اور نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے حرام فرما دیا۔ پس اگر حالات و ماحول کے مطابق تحقیق ضروری نہ ہو تو بلا وجہ اپنے آپ کو دشواری میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً آپ کسی مسلمان کے گھر کھانے پر مدعو ہیں، کسی مسلم ایئر لائن سے آپ سفر کر رہے ہیں، کسی مسلم ملک میں آپ مستقل یا عارضی مقیم ہیں۔ ان حالات میں اور اس ماحول میں آپ کا یہ سوال کہ گوشت حلال ہے یا نہیں، بڑا ہی عجیب ہوگا جبکہ اس کے برعکس یعنی کسی غیر مسلم کے گھر کھانا کھانے کا موقع آ گیا یا کسی غیر مسلم ایئر لائن سے آپ سفر کر رہے ہیں، یا کسی غیر مسلم ملک میں آپ مستقل یا عارضی مقیم ہیں۔ ان حالات اور اس ماحول میں آپ کے لئے یہ تحقیق کرنا واقعی لازمی ہے کہ گوشت یا دیگر اشیاء خورونوش حلال ہیں یا نہیں، گویا غیر مسلم ماحول میں ہر چیز بلا تحقیق کھا، پی لینا جائز نہیں اور مسلم ماحول میں تحقیق کرتے پھرنا بھی جائز نہیں کہ یہ بلا وجہ اپنے تقویٰ کا اظہار اور اپنے مسلمان بھائیوں پر عدم اعتماد ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ہاں اگر کوئی مسلمان حرام اشیاء کا کاروبار کرتا ہے۔ مثلاً اس کی دکان یا ہوٹل پر شراب بھی ہوتی ہے تو ایسے شخص کے یہاں سے تو کوئی چیز بھی خریدنا جائز نہیں۔

اے ایمان والو:۔ بلا تحقیق کسی سلام کرنے والے یا کلمہ پڑھنے والے شخص کے ایمان کا انکار نہ کرو بالخصوص جبکہ تم سفر جہاد میں ہو، جہاں اس کو مؤمن تسلیم نہ کرنے کا مطلب اس کی جان لے لینا اور اس کے مال کو غنیمت بنا لینے کے سوا کچھ نہ ہوگا اگر تم یہ بے احتیاطی اس لئے کرتے ہو کہ اس طرح تمہیں اس شخص کا مال مل جائے گا تو تمہیں یہ خیال بالکل زیب نہیں دیتا کہ تم تو اس مذہب کے ماننے والے ہو جو رزّاق حقیقی اللہ ہی کو قرار دیتا ہے، یہ معمولی مال غنیمت حاصل کر لینے سے تمہیں خوشحالی کیا نصیب ہوگی، جب تک کہ اللہ ہی تم پر فضل فرما کر اپنے رزق کے دروازے تمہارے لئے نہ کھول دے۔ تم یہ بھی تو سوچو کہ ماضی میں خود تمہارا کیا حال تھا پھر اللہ نے تم پر کیسا کرم فرمایا، کہ نہ صرف تمہیں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں قبول کیا، بلکہ ان کے طفیل تمہاری ماضی کی غلطیاں بھی کالعدم کر دیں۔ اب تمہارے نامہ اعمال میں ان اعمال کا نشان تک موجود نہیں جو تمہارے لئے جہنم میں جانے کا ذریعہ ہو سکتے تھے۔ ہر لمحہ اس حقیقت کو ذہن میں رکھو کہ تم اس اللہ کے بندے ہو، جسے تمہارے ہر حال کی خبر ہے۔

اے ایمان والو:۔ تمہارا رحیم و کریم رب تمہاری سہولت کے لئے اجازت مرحمت فرماتا ہے کہ حالت سفر میں اگر تم نماز قصر کر لو، تو کوئی مضائقہ نہیں بالخصوص اس صورت میں جب تمہیں کفار کی طرف سے فتنہ و فساد کا خوف ہو کیونکہ کافر تو ہر دور میں تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہی تمہیں خطرہ رہا ہے اور رہے گا۔

نمازِ قصر

قصر کے معنی ہیں چھوٹا کر دینا۔ شرعی اصطلاح میں سفر کی حالت میں، چار فرضوں کی جگہ دو فرض پڑھنا قصر کہلاتا ہے۔ اسلام دینِ یُسر، آسانی کا دین ہے، اس کے تمام احکام آسان، انسان کی فطرت و استطاعت کے عین مطابق ہیں۔ ''یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ'' اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا،

Marfat.com

رب کریم کا وعدہ ہے اور جملہ احکام شرع میں اس کی جھلک موجود ہے۔ جس شخص کو ان احکام کی تعمیل میں کچھ دشواری نظر آتی ہے، اس کا باعث اس کے ایمان کی کمزوری ہے، احکام میں دشواری نہیں۔ اسی بناء پر حالت سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس کی تعمیل احناف کے نزدیک واجب ہے، نیز یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور ہر سفر کے لئے ہے چاہے سفر دینی مقصد کے لئے ہو یا دنیاوی مقصد کے لئے۔ مثلاً حج کا سفر، یا علم دین کے حصول کے لئے سفر یا تجارت اور سیر وتفریح کے لئے سفر اور سفر میں مشقت، دشواری ہو یا نہ ہو۔ جیسے اونٹ کا سفر، پیدل یا بیل گاڑی وغیرہ سے سفر، کار یا ہوائی جہاز سے سفر، حالت خوف میں سفر ہو، یا امن وسکون کی حالت میں۔ غرضیکہ سفر ہو کہ قصر کا سبب صرف سفر ہے۔ اسی حکم کی وضاحت کے لئے چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

صَلٰوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ

سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور وہ مکمل نماز ہے ناقص نہیں اور وتر سفر میں سنت ہیں (واجب نہیں)۔

(ابن ماجہ)

قصر کو ناقص نماز نہ سمجھا جائے، حالت سفر میں یہ اسی طرح مکمل نماز ہے۔ جس طرح حالت حضر کی چار رکعتیں بلکہ یہی وہ تعداد ہے جو ابتداً فرض ہوئی تھی یعنی ابتداً ظہر، عصر اور عشاء کی دو، دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں۔ بعد ہجرت ان کو چار، چار کر دیا گیا۔ یہ روایت ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی۔ آپ ﷺ نے بتایا:

فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ

سفر اور حضر میں نماز دو، دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی پس حالت سفر میں اسی طرح رکھی گئی اور حالت حضر میں زیادہ کر دی گئی۔ (مسلم شریف)

حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنٰى اٰمَنَ مَا كَانَ النَّاسُ وَاَكْثَرَهُ رَكْعَتَيْنِ

میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ جبکہ آج سے زیادہ امن تھا اور ہماری تعداد بھی بہت تھی۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے منیٰ میں قصر پڑھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی چھ یا آٹھ سال تک قصر پڑھتے رہے (پھر انہوں نے مکہ میں نکاح کر لیا تھا لہٰذا حکم مسافر میں نہ رہے) حضرت حفص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو رکعت پڑھتے اور اپنے بستر پر آرام کے لئے چلے جاتے۔

Marfat.com

فَقُلْتُ اَیْ عَمِّ لَوْ صَلَّیْتَ بَعْدَهَا رَكْعَتَیْنِ قَالَ لَوْ فَعَلْتُ لَا تَمَمْتُ الصَّلٰوةَ

تو میں نے کہا اے چچا! کاش آپ اس کے بعد دو رکعت سنتیں بھی پڑھ لیتے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے یہی کرنا ہوتا تو میں فرض ہی پورے پڑھ لیتا۔ (مسلم شریف)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر تمہیں کافروں کی طرف سے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہو تو نماز قصر کرلو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' لیکن اب تو کوئی خوف نہیں، امن کا دور ہے۔

قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَیْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہاری طرح مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ تو اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے تو اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔ (مسلم شریف)

غرضیکہ یہ حکم عام ہے ہر شخص کے لئے ہے، ہر دور کے لئے ہے، بندے کا کام بلا چون و چرا احکام کی تعمیل ہے کہ وہی مالک ومولیٰ کی رضا حاصل کرتے ہیں جو بلا چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اللہ اور رسول کی رضا کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ بلا چون و چرا ان کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ ہم بندے ہیں ہمارا کام عبادت ہے وہ معبود ہے، مالک ہے جیسے چاہے ہم سے اپنی عبادت کرائے ہمیں تو غرض قبولیت سے ہے یہ یوں اور وہ کیوں، بندے کے لئے زیب نہیں دیتا۔

چند مسائل قصر

احناف کے نزدیک شرعی سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہے۔ یعنی وہی مسافر نماز قصر کرسکتا ہے جو اپنے شہر کی حد سے باہر اتنی دور کے لئے نکلے جہاں تک پیدل یا اونٹ پر سوار ہو کر تین دن میں پہنچا جاسکے۔ تین دن کا مطلب یہ نہیں کہ چوبیس گھنٹہ سفر ہی کرتا رہے بلکہ اس میں سونے، کھانے، پینے اور دیگر ضروریات کا وقت بھی شامل ہے۔ اس طرح ایک آدمی چھ یا آٹھ گھنٹہ سفر کرے گا۔ اس طرح یہ تقریباً چون میل، ساڑھے ستاون کلومیٹر ہے۔ جونہی مسافر اپنے شہر کی حد سے باہر ہوگا قصر شروع ہو جائے گی اور اگر اپنی منزل سفر میں قیام کا ارادہ پندرہ دن سے کم ہے تو نماز قصر ہی کی جائے گی۔ اگر پہلے ہی دن پندرہ دن سے زیادہ کا ارادہ کرلیا تو پوری نماز پڑھی جائے گی۔ لیکن ارادہ تو پندرہ دن سے کم تھا مگر کام اٹک جانے کی وجہ سے دو چار دن بڑھ گئے اور اسی طرح ہوتا رہا تو چاہے مہینوں گزر جائیں نماز قصر پڑھی جائے گی۔

دیگر تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں، بالخصوص ''بہار شریعت'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یا سفر کے لئے روانہ ہونے سے قبل آپ جو انتظام کرتے ہیں۔ اس میں مسائل معلوم کرنے کو بھی شامل کرلیجئے اور تھوڑا وقت نکال کر اپنے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جایئے۔ وہ سب ضروری مسائل بتادیں گے۔ کوشش کیجئے کہ نماز جیسی عبادت کسی حال میں ترک نہ ہونے پائے اور شریعت کے مطابق ادا کی جائے۔ اپنی سوچ اور عقل کو برائے مہربانی شریعت پر مسلط نہ کیجئے۔

Marfat.com

اے ایمان والو:۔ نماز، ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس کے ترک کرنے کی تمہیں کسی حال میں اجازت نہیں چاہے تم حضر میں ہو یا سفر میں، بیمار ہو یا صحت مند، امن کی حالت میں ہو یا خوف کی حالت میں، پس تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ جب تم میدانِ جہاد میں ہو، تب بھی یہ خیال نہ کرنا کہ جہاد تو خود عبادت ہے، اب نماز کی کیا ضرورت، نہیں جہاد تو کیا ہی نماز کی حفاظت کے لئے جاتا ہے۔ تو نماز چھوڑنے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے ہاں ہم تمہیں اس موقع پر نماز ادا کرنے کا نہایت آسان طریقہ بتاتے ہیں۔

نمازِ خوف

نمازِ خوف کا طریقہ یہ ہے کہ مجاہدین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، ایک جماعت دشمن کے مقابلہ پر رہے جبکہ ایک جماعت نماز ادا کرے۔ اس طرح کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پوری کر کے یعنی دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر بغیر سلام پھیرے یہ جماعت دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے اور جو جماعت وہاں تھی وہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے امام اپنی دو رکعتیں پوری ہونے پر سلام پھیرے اور یہ جماعت بغیر سلام پھیرے اپنی جگہ پر پہنچ جائے اور پہلی جماعت اپنی رکعت پوری کرنے کے لئے واپس آئے اور دوسری رکعت بغیر قرآت کے پوری کرے کیونکہ یہ ''لاحق'' ہو گئے اور سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ کے لئے پہنچ جائے اب دوسری جماعت اپنی پہلی رکعت پڑھنے کے لئے واپس آئے اور چونکہ یہ ''مسبوق'' ہو گی لہٰذا قرأت کے ساتھ اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نماز خوف ادا کرنے کا یہی طریقہ بیان فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد بھی صحابہ کرام نے اسی طرح نماز خوف ادا کی یعنی نماز خوف کا حکم صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ ہاں اب یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں کسی کو امامت کا حق نہ تھا لہٰذا ایک ہی جماعت ناگزیر تھی۔ اب اگر علیحدہ علیحدہ جماعت ہو تو یہ طریقہ نہ ہو گا بلکہ ایک امام کی اقتداء میں معمول کے مطابق ایک جماعت پوری نماز ادا کرے گی اور اس کے فارغ ہو جانے کے بعد دوسری جماعت اپنے امام کی اقتداء میں پوری نماز ادا کرے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب جنگ شروع نہ ہوئی ہو اگر جنگ شروع ہو چکی ہے تو جماعت نہیں کرائی جائے گی۔ وقت پر جس سپاہی کو جیسے موقع ملے، نماز پڑھ لے حتیٰ کہ اگر چھوٹ بھی جائے تب بھی گناہ نہیں۔ جنگ سے فارغ ہو کر ادا کر لی جائے جیسا کہ غزوۂ خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فارغ ہو کر ادا فرمائیں کس قدر مکمل ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، ہر حالت کے لئے اس میں رہبری و راہنمائی موجود ہے۔ ''بیشک آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے''۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

اے ایمان والو:۔ تمہیں نماز کے علاوہ بھی کسی وقت اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو کہ ذکرِ الٰہی ہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ اس سے قلب پر سرور رہتا ہے، اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے، رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، آفات و بلیات دور ہوتی ہیں۔ جو رب کو یاد رکھتا ہے رب اسے یاد رکھتا ہے۔

Marfat.com

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرہ:۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(الرعد:۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوئے ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے بغور سنو کہ اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

نماز ایسا فریضہ ہے، جس کا وقت مقرر کر دیا گیا پس تمہارے لئے لازم ہے کہ اسے وقت مقررہ پر ادا کرو۔ چاہے وہ وقت حالتِ سفر میں آ جائے، یا میدانِ جہاد میں۔ یہ ایک نظم ہے جس کا ہم تمہیں پابند کرنا چاہتے ہیں تا کہ تم زندگی کے ہر معاملہ میں نظم و نسق کے عادی بنو پس تمہیں یہ اجازت نہیں کہ جب چاہو اپنی آسانی کے مطابق اسے ادا کرلو۔ کبھی وقت سے پہلے اور کبھی وقت کے بعد۔ قرآن کریم کے اس واضح حکم کے بعد جو لوگ ایسا کریں گے وہ سخت گنا ہگار ہوں گے۔ اگر وقت سے پہلے نماز پڑھی گئی تو ادا ہی نہ ہوگی اور اگر وقت کے بعد پڑھی گئی تو قضا ہوگی ادا نہیں اور بلا وجہ، بلا عذر شرعی قصداً نماز قضا کرنے کا وبال اور گناہ سر پر رہے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا: اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تین کاموں میں دیر نہ کرو۔

اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوًا

نماز میں، جب اس کا وقت شروع ہو جائے اور جنازے میں، جب وہ تیار ہو اور بیوہ عورت کے نکاح میں، جب تمہیں اس کے لئے مناسب جوڑا مل جائے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ

نماز کو ابتدائے وقت میں ادا کرنے میں اللہ کی خوشنودی ہے اور تاخیر میں معافی کی امید ہے۔

(مسلم شریف)

حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا:

اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا

کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرنا۔

(ترمذی شریف)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

Marfat.com

صلوٰةً لوقتها الاٰخر مرّتين حتّٰى قبضهُ اللّٰه

ساری زندگی میں دومرتبہ سے زیادہ نماز تاخیر سے ادا نہ فرمائی۔ (ترمذی شریف)

غرضیکہ اوقات نماز اللہ کی طرف سے متعین ہیں اور ان میں یہ سہولت دی گئی ہے کہ مسلمان وضو وغیرہ کرکے اطمینان سے نماز ادا کریں۔ اس کے باوجود اتنی تاخیر کرنا کہ وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہونے لگے اور پھر جلدی جلدی پڑھی جائے۔ یہ قصداً تساہل ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن نے ''ساہون'' فرمایا اور ان کے لئے ''ویل'' ہلاکت و بربادی کا اعلان فرمایا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

اے ایمان والو! تم اللہ کے سپاہی ہو، تمہارا کام ہمہ وقت اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا اور ان کا تعاقب کرتے رہنا ہے۔ جس دنیاوی مصروفیات یا آسائش میں مبتلا ہو کر اپنی اس ذمہ داری سے کبھی غافل نہ ہونا اور نہ ہی اس میں سستی کرنا شاید تمہارے سستی کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ تمہیں یہ خیال ہونے لگے کہ یہ بڑی مخدوش اور تکلیف دہ ذمہ داری ہے تو تمہیں دیکھنا چاہئے کہ دشمن تو فتنہ وفساد اور تمہیں پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ وہ کبھی اپنے کام میں تساہل نہیں کرتا، جب کہ اس کو بھی تو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس کو بھی تو اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے حالانکہ اس کے سامنے تمہیں پریشان کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں جبکہ تمہیں جہاد کا حکم ایک عظیم مقصد کے لئے دیا گیا ہے اور وہ اللہ کی رضا کے لئے اس کی زمین پر امن وامان قائم کرنا اور اس کے کلمہ حق کو بلند کرنا ہے جس سے اللہ کی مخلوق کو پرسکون زندگی میسر آتی ہے۔ اے میرے بندو! اس مقدس مقصد کو سامنے رکھو اور دشمن کے تعاقب میں کبھی سستی نہ کرو۔ تم نے جس اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی اختیار کی ہے وہ بڑا ہی علیم اور حکیم ہے۔

وصلّى اللّٰه تعالٰى على خير خلقه سيّدنا محمّدٍ وّعلٰى اٰله واَصحابه اجمعين

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٢٦

النساء: ١٣٥

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

(النساء: ١٣٥)

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے انصاف پر قائم رہنے والے، گواہی دینے والے محض اللہ کے لئے۔ چاہے تمہیں گواہی دینا پڑے اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف، وہ دولت مند ہوں یا فقیر، پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو اور اگر تم ہیر پھیر کرو، یا منہ موڑو تو بیشک اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اللہ جل مجدہ یہ پسند فرماتا ہے کہ اس کی زمین فتنہ وفساد سے مامون ومحفوظ رہے اور اس کی محبوب مخلوق انسان

Marfat.com

پُرامن، پُرسکون زندگی بسر کرے۔ اسلام کے جملہ احکام کی بنیاد یہی حکمت ہے۔ عبادات سے متعلق احکام ہوں یا معاملات سے متعلق، اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ یہ سب انسان کو پرسکون زندگی مہیا کرنے کے ذرائع ہیں جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ نماز کا حکم اسی لئے دیا گیا کہ مؤمن پابندیٔ وقت کا عادی بنے، مستعدر ہے، اللہ کے دربار میں حاضری کا یقین اس کے دل و دماغ پر چھایا رہے، زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیا گیا کہ مؤمن کے دل میں مال کی محبت پیدا نہ ہونے پائے، اپنے معاشرے کی خوشحالی کا جذبہ بیدار رہے، ایثار و قربانی کی عادت پیدا ہو، حج کا حکم اس لئے دیا گیا کہ دنیاوی امتیازات کو مٹا کر ایک مرکز سے وابستگی کا مظاہرہ کیا جائے اور اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت پر مکمل یقین کا احساس رہے، روزے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ خواہشات نفس پامال ہوں، قوتِ برداشت زیادہ ہو، جہاد کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان خاردار وادیوں کو جن کے ظلم وستم، جبر و استبداد کے کانٹے انسانوں کے جسموں کو چھلنی اور ان کی عزت و آبرو کو تار تار کیے دیتے ہیں، ایسا پر بہار گلستان بنا دیا جائے جس کے سایہ دار درخت پریشان حال انسان کے لئے پناہ گاہ بن جائیں جس کی ٹھنڈی ہوائیں مردہ انسان میں جان ڈال دیں اور جس کے تر و تازہ پھل مضمحل انسان کے لئے صحت افزا اور قوت بخش ہوں، باہمی معاملات میں دیانت کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ انسان کی انسیت پروان چڑھتی رہے، عداوت کے کانٹے اس کی فطرت کو زخمی نہ کرنے پائیں۔ زنا، جواء، شراب، سود، رشوت اور دیگر برائیوں کو اس لئے ممنوع قرار دیا گیا کہ ان گھناؤنے اعمال میں مبتلا ہو کر تاجِ شرافت کا مالک انسان اس راہ پر نہ پڑ جائے جو اسے جنگل کے جانوروں سے جا ملائے۔ اسی طرح تمام احکامِ شرع کا آپ تفصیلی جائزہ لیجئے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ رب رحیم و کریم ان احکام کے ذریعہ امن و سلامتی کی زندگی فراہم کرنا چاہتا ہے آیتِ مذکورہ میں ایسے دو حکم دیئے جا رہے ہے، جو ایسی زندگی کے حصول کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی

قیام بالقسط اور شہادت للہ

قیام بالقسط

قسط کے معنیٰ حق، عدل اور انصاف کے ہیں۔ مُقسط، انصاف کرنے والے کو کہتے ہیں لیکن قاسط کے معنیٰ اس کے بالکل برعکس ظالم ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ (الجن: ۱۴۔۱۵)

اور بیشک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم پس جنہوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے راہ حق تلاش کر لی اور جو ظالم ہیں۔ وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں۔

بس سورۂ جن ہی میں دو جگہ قاسطون کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ظالموں کے معنیٰ میں۔ لیکن قسط اور مُقسط کے الفاظ متعدد مقامات پر آئے ہیں۔

قائم بالقسط یعنی حق و عدل پر قائم رہنا، اللہ رب العزت کی صفت ہے اور اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے بھی اپنے اندر یہ خوبی پیدا کریں یعنی ہر معاملہ میں عدل و انصاف کیا کریں۔

Marfat.com

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا ۢ بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ؕ (آل عمران: ۱۸)

شہادت دی اللہ نے (اس بات کی) کہ بیشک نہیں کوئی معبود سوائے اس کے اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے۔ (ان سب نے یہ بھی گواہی دی) کہ وہ قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو، نہیں کوئی معبود سوائے اس کے جو عزت والا، حکمت والا ہے۔

اللہ کی ساری مخلوق، اُس کی اسی صفت، قائم بالقسط ہونے کا مظہر ہے اس نے جس کو جیسا پیدا کیا اور جس کو جو کچھ دیا، وہ اس کا قسط اور عدل ہے۔ اعمال صالحہ پر جزاء، اعمال سیئہ پر سزا، کسی کو معاف کر دینا، کسی کو عذاب میں مبتلا کرنا، کسی کو دولت مند بنا دینا، کسی کو غریب کر دینا، کسی کو صحت بخشنا، کسی کو بیماری میں مبتلا کر دینا، کسی کو آنکھوں کا نور دنیا، کسی کو اس سے محروم کر دینا، کسی کو اولاد دینا، کسی کو بے اولاد رکھنا، غرضیکہ وہ تمام صورتیں، جن کو ہم اچھا یا برا کہتے ہیں، سب ہی اللہ کے عدل و انصاف کا مظہر ہیں۔ ''تبارک اللہ احسن الخالقین۔''

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝ (النساء: ۴۰)

بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا (بلکہ) اگر معمولی سی (بھی) نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے اور دیتا ہے، اپنے پاس سے اجر عظیم۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝ (یونس: ۴۴)

یقیناً اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر ذرہ برابر لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔

جو رب ہر قسم کی قدرت کے باوجود، خود قائم بالقسط ہے اور اس کی کائنات کا پورا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے وہ ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ انسان، جسے نہایت محدود آزادی دی گئی ہے وہ اپنی حدود سے تجاوز کرے اور اپنے ظلم و ستم اور ناانصافی سے اس کائنات کے نظام میں خلل پیدا کرے یہاں عدل و انصاف کے مالک نے ہر کسی کو مطمئن اور پرسکون رہنے کا حق دیا ہے۔ پس کسی کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اس حق سے کسی کو محروم کرے۔ پس

اے ایمان والو:۔ تم ہمارے ہو، ہمارے پیارے کے غلام ہو، ہم تمہیں خصوصی ہدایت فرماتے ہیں کہ ''كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ'' ہر حال میں، زندگی کے ہر موڑ پر قسط، عدل و انصاف اختیار کرو'' فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا'' اپنی خواہشات نفس کا شکار ہو کر عدل و انصاف سے محروم نہ ہونا کہ اس سے تمہاری زندگی میں توازن نہ رہے گا کہ اگر مؤمن میں عدل و انصاف کی خوبی نہ ہو تو اسے زندگی کا سکون میسر نہیں آ سکتا۔ عیالی زندگی ہو یا خاندانی، تجارتی امور ہوں یا سیاسی، انفرادی معاملات ہوں یا قومی، حقوق اللہ کی ادائیگی ہو یا حقوق العباد کی، سب میں قسط کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پس تم مضبوطی سے اس پر ڈٹے رہو، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ ہم نے انبیاء و مرسلین کو معجزات اور اپنی کتابوں کے ساتھ اسی لئے مبعوث فرمایا کہ امتی ان کی تعلیم و تربیت کے ذریعہ قسط کے عادی بن جائیں۔

Marfat.com

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)

یقیناً ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (اعراف:۲۹)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ ﷺ فرمائیے، حکم دیا ہے میرے رب نے عدل وانصاف کا۔

سورۂ اعراف کی ہے۔ جس میں یہ حکم موجود ہے، گویا ایسے معاشرے اور ماحول میں عدل وانصاف کا اعلان کرایا گیا، جہاں ظلم وستم ہی کو عدل وانصاف سمجھا جاتا تھا۔ اس قوم کو یہ پیغام دیا گیا، جسے نہ اللہ کے حقوق کا پتہ تھا، نہ بندوں کے حقوق کا، جہاں پر فیصلہ ''ہویٰ'' کے مطابق کیا جاتا تھا اور اسے دوسروں سے تسلیم کرانے کے لئے تلواروں، اور قتل وغارت کا سہارا لیا جاتا تھا، جہاں پر کمزور مظلوم تھا، ہر غریب غلام تھا، عورت مرد کی ملکیت تھی، جس کا مقصد وجود خواہش نفس کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے اور سوتیلی ماں کو بیوی بنا لینے والی قوم کا عدل وانصاف سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ ایسے ماحول میں عدل وانصاف کے اعلان کا حکم یہ پیغام دیتا ہے کہ اصلاحِ قوم کی خشت اول، قسط ہے یعنی جب تک قوم کا ہر فرد چاہے وہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، انفرادی واجتماعی امور میں عدل وانصاف کا عادی نہیں بنتا اس وقت تک وہ ظلم وستم کے پنجے سے آزاد نہیں ہو سکتی، ذلت وخواری سے نجات نہیں پا سکتی، وہ چاہے قانونی طور پر آزاد ہو لیکن عملی طور پر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوگی، ہمارے ان جملوں کو پڑھئے اور اپنے گرد وپیش کا مطالعہ کیجئے تو آپ ہماری تائید کریں گے۔

جو رب قیام بالقسط ہے اور جس نے اپنے انبیاء ورسل بالخصوص سید الانبیاء علیہم السلام کو قیام بالقسط کے لئے مبعوث فرمایا وہ اپنی آخری کتاب قرآن کے ذریعہ مقسطین سے اپنی محبت کا اعلان فرما کر انہیں عدل وانصاف کی دعوت دیتا ہے۔ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا، پیارے! یہ یہود ونصاریٰ، بڑے ہی جھوٹے اور بہت ہی حرام خور ہیں، آپس میں جھگڑتے ہی رہتے ہیں اگر یہ آپ سے فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوں تو آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ان کا مقدمہ سنیں یا مسترد فرما دیں اگر آپ انہیں اپنے دربار سے دھتکار دیں گے تو یہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے لیکن

وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (المائدہ:۴۲)

اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمایئے ان میں انصاف سے بیشک اللہ، انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اگر مسلمانوں کے مابین کسی معاملے میں جھگڑا ہو جائے تو

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (حجرات:۹)

Marfat.com

ان دونوں کے درمیان صلح کرادو، عدل سے اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہ کی اور نہ ہی ظلم وستم کر کے انہوں نے تمہیں، تمہارے گھروں سے نکالا، اللہ تمہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرماتا۔

وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنہ:۸)

اوران کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غرضیکہ قسط، اللہ کی صفت ہے انبیاء ورُسل علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ اہل ایمان کو خصوصیت کے ساتھ اسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ امن وامان کے علمبردار اور ذمہ دار ہیں اور گھروں میں، محلوں، شہروں اور ملکوں میں امن وامان کا قیام قسط کے بغیر ممکن نہیں۔ آج بدامنی اور انتشار وافتراق کا باعث یہی ہے کہ نہ تو افراد میں یہ خوبی پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے قائدین اور حکام میں۔ اس خوبی کے فقدان کا سبب دولت کی طمع اور عیش وعشرت کی زندگی پسند کرنا ہوتا ہے انسان اگر اس دلدل میں پھنس جائے تو وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے، ہر کسی کا گلا دبانے لگتا ہے، حق تلفی اور ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ بظاہر تو اسباب عیش حاصل کرتا ہے لیکن پُرسکون زندگی سے محروم ہو جاتا ہے، اس کی عزت وعظمت پامال ہو جاتی ہے، رُعب و دبدبہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ آزادی کے باوجود، غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کبھی نفس کا غلام ہوتا ہے تو کبھی اپنے ہی دشمن کی غلامی کے شکنجہ میں جکڑا اس کے در پر ہاتھ جوڑے کھڑا نظر آتا ہے۔ آج امت مسلمہ اسی کیفیت کا شکار ہے۔

شہادت للہ

یعنی اللہ کے لئے گواہی دینا، کسی ایسی بات کا جان لینا جس کو دوسرا نہ جانتا ہو، شہادت ہے اور اس کا جاننے والا، شاہد گواہ کہلاتا ہے۔ اگر وہ بات مشاہدات یعنی دیکھی جانے والی چیزوں میں سے ہے تو اسے عینی شہادت کہتے ہیں مثلاً چاند دیکھنا، کسی کو چوری کرتے دیکھنا، کسی کو شراب پیتے دیکھنا اور اگر اس بات کا تعلق مسموعات یعنی سننے والی باتوں سے ہے۔ تو اسے سمعی شہادت کہتے ہیں مثلاً کسی کو کلمہ پڑھتے سنا، یا کسی شرعی حکم کا انکار کرتے سنا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرتے سنا، اور دوسرے کو بتایا کہ فلاں شخص نے میرے سامنے ایسی بات کہی ہے۔

کسی چیز پر گواہ بن جانا، یعنی شاہد بن جانا، ایک اعزاز ہے کہ وہ اللہ کی ایک امانت کا امین بن گیا۔ بوقت ضرورت اس امانت سے سبکدوش ہونا یعنی گواہی دینا شاہد کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ (البقرہ:۲۸۳)

اور مت چھپاؤ گواہی والا جو شخص اسے چھپاتا ہے تو یقیناً گناہ گار ہے اس کا ضمیر۔

اہل جنت کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج:۳۳)

اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔

Marfat.com

چونکہ اکثر شرعی احکام اور شرعی حدود کے نفاذ کا دارومدار "شہادت" پر ہے۔ لہٰذا اسے ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی اور شاہد کے لئے متقی و پرہیزگار ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ شریعتِ مطہرہ میں ایسے شخص کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں جو فسق و فجور کا مرتکب ہو۔ پس ہمارے دور میں عدالتوں میں گواہی کا جو طریقہ کار رائج ہے، وہ قطعاً غیر شرعی اور افسوسناک ہے کہ احاطہ عدالت میں ہی چند پیسے دے کر مدعی اپنی مرضی کی گواہی حاصل کر لیتا اور اپنے حق میں گواہی دلا لیتا ہے۔ جبکہ گواہ ظالم کو اصل معاملہ کا علم تک نہیں ہوتا۔ اسی طریقہ کار نے عدالتی نظام کو تہس نہس کر رکھا ہے اور انصاف کو ناممکن بنا دیا ہے۔ ایسے گواہوں پر اللہ کی لعنت ہے کہ ایک طرف تو وہ جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں تو دوسری طرف نہ جانے کس کس کی حق تلفی کا وبال صرف چند پیسوں کے لئے اپنے سر پر لیتے ہیں۔ آج پیسے کمانے کے جو طریقے رائج ہیں، ان میں یہ بدترین طریقہ ہے۔ ایسے لوگ خود سزا کے مستحق ہیں۔ کہ ایسی گواہی کو "شہادت الزور" کہا جاتا ہے، جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ایک دن نماز سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ فرمایا:

عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ

جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ (حج: ۳۰-۳۱)

پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے اللہ کی طرف مائل ہوتے ہوئے، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتے ہوئے۔

اہل جنت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ جنتیوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (فرقان: ۷۲)

اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی بیہودہ چیز کے پاس سے تو بڑے وقار سے گزر جاتے ہیں۔

گواہی اللہ کی امانت ہے اس کا امین ایسے ہی شخص کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جو دین و دنیا کے ہر معاملہ میں امانت دار ہو اور اللہ و رسول کے احکام کا پابند ہو۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَآئِنٍ وَّلَا خَآئِنَةٍ وَّلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِیْ غِمْرٍ عَلٰی اَخِيْهِ وَلَا ظَنِيْنٍ فِیْ وَلَآءٍ وَّلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ

گواہی جائز نہیں خائن مرد اور خائنہ عورت کی اور نہ اس کی جس پر کوئی حد جاری ہو چکی ہو اور نہ اپنے

Marfat.com

بھائی سے کینہ رکھنے والے کی اور نہ ولاء اور قرابت میں تہمت والے کی اور نہ گھر والوں کے خرچ پر گزارہ کرنے والے کی۔ (ترمذی شریف)

حدیث مبارکہ کی قدرے وضاحت ضروری ہے۔ خائن مرد وعورت سے مراد صرف وہ نہیں جو کسی کے مال میں خیانت کرے بلکہ یہ ہر خیانت کے لئے عام ہے۔ چاہے اللہ کا خائن اور خائنہ ہو مثلاً بے نمازی ہو، یا بندوں کا خائن وخائنہ ہو مثلاً کسی کا حق مارتا ہو صاحب مرقات نے اس کے معنیٰ فاسق کئے ہیں یعنی ہر وہ مرد اور عورت خائن وخائنہ ہے جو احکام شرع کا پابند نہ ہو۔ گویا فاسق مُعلن گواہی کا اہل نہیں۔ جن لوگوں پر مثلاً زانی یا شرابی، حد جاری ہو چکی ہے ان کی گواہی بھی قابل قبول نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کا واضح حکم ہے "لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا" کہ ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ اس شخص کی گواہی بھی قابل قبول نہیں جو اپنے اس مسلمان بھائی سے کینہ رکھتا ہو۔ جس کے خلاف وہ گواہی دے رہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے کینہ کی وجہ سے غلط گواہی دیدے۔ ایسے شخص کی گواہی بھی منظور نہیں جو اصلاً غلام تھا، اس کے مالک نے اسے آزاد کر دیا اب یہ شخص اپنے اصل مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اپنا سابق مالک بتاتا اور اس کا آزاد کردہ کہتا ہے۔ اسی طرح اس شخص کی گواہی بھی قبول نہیں کی جاسکتی جو اپنا اصل نسب چھپاتا ہے مثلاً اصلاً وہ شیخ، پٹھان وغیرہ ہے اور اب سید بن گیا ہے کیونکہ یہ دونوں ہی جب اپنی نسبت ہی میں بددیانت ہیں تو ان سے سچی گواہی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ اس شخص کی گواہی بھی ان لوگوں کے حق میں قبول نہیں جن کی دولت پر اس کا گزارہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جس گواہی سے خود گواہ کو فائدہ پہنچے وہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ مثلاً باپ بیٹے کا، شوہر بیوی کا، بھائی بھائی کا یا اس کے برعکس گواہ نہیں بن سکتے۔ اسی طرح دشمن کی گواہی بھی دشمن کے لئے قبول نہیں کی جاسکتی۔

اندازہ کیجئے گواہ کی کتنی اہمیت ہے اور ہونی بھی چاہئے کہ گواہی درحقیقت قاضی، جج اور فیصلہ کرنے والے کی رہبری کرتی ہے اسی پر فیصلہ کے صحیح یا غلط ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔ اگر گواہ ہی کرایہ کا جھوٹا، بازاری ہو تو کیا حشر ہوگا، مدعی اور مدعیٰ علیہ کو کہاں سے انصاف ملے گا؟ کیسے کسی کو کسی کا حق دلایا جاسکے گا؟ یہی وجہ ہے کہ آج اصل مجرم دندناتے پھرتے ہیں اور ان کی جگہ بے گناہ لوگ سزائیں بھگتتے ہیں۔ کاش ایسی گواہی دینے والے یہ سمجھ لیں کہ ان کی گواہی پر بھی کوئی گواہ ہے۔ جس سے ان کی کوئی حرکت نہیں چھپ سکتی۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۳۳)

بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لو۔ ہماری عبادت کرو تو ہمارے بندوں کو نہ بھولو، ان کی حق تلفی نہ کرو اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں مست ہو کر ہمیں نہ بھولو۔ جو ذمہ داریاں تم پر بحیثیت عبد، ہماری اور ہمارے رسول کی ہیں انہیں ٹھیک پورا کرو اور جو ذمہ داریاں تم پر ہمارے بندوں کی ہیں ان کے پورا کرنے میں بھی کوتاہی نہ ہونے پائے نیز تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ بحیثیت گواہ تم نہ تو گواہی کو چھپاؤ اور نہ ہی جھوٹی اور خلاف واقعہ گواہی دو، تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ بوقت ضرورت یا طلب تم ضرور گواہی دو جو بغیر کسی لحاظ کے ہو، نہ اپنے

Marfat.com

نقصان کا خوف ہو، نہ ماں، باپ یا اعزہ و اقارب اور احباب کی مخالفت کی پروا ہو، نہ ہی کسی امیر کبیر کا خوف ہو، نہ کسی غریب سے ہمدردی کا جذبہ ہو تم نے جو کچھ دیکھا یا سنا اس کو بعینہ بیان کر دو تا کہ نہ تو کسی مجرم کے جرم کی تائید کے تم مرتکب ہو اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کا سبب ہو۔ گواہی تمہاری امانت ہے اس کی ادائیگی کے وقت تمہیں کسی سے ہمدردی کا احساس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تو خود سب کا خیر خواہ ہے۔ دوسرے کے جرائم کو بھی جانتا ہے اور سب کے حقوق کو بھی۔ ظالم اور مجرم دونوں کی خیر خواہی ہے اور حقدار کو اس کا حق دلانا ہی خیر خواہی ہے۔ یہی عدل ہے، یہی انصاف ہے۔ اگر تم نے اپنی گواہی کے وقت اپنے فائدے کا خیال کیا یا رشتوں اور مرتبوں کا لحاظ کیا تو گویا تم نفس کی اتباع و پیروی میں مبتلا ہو گئے اور اتباع نفس نہ تمہارے اپنے لئے مفید ہے نہ ہی اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سنو اتباع نفس "ہوائے نفس" کا انجام۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (البقرہ: ۱۲۰)

اور اگر تم نے پیروی کی ان کی خواہشات کی اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے تو پھر نہ ہوگا تمہارے لئے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۘ (البقرہ: ۱۴۵)

اور اگر تم نے پیروی کی ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آ چکا تمہارے پاس علم تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

کسی کی خواہشات نفس کی پیروی کرنا درحقیقت اپنے ہی نفس کی پیروی ہے۔ جس کا انجام اللہ کی گرفت ہے، جس سے نجات دلانے والا کوئی نہیں۔ اس سے بڑا اپنے اوپر ظلم کیا ہو گا کہ تم اہل ایمان ہوتے ہوئے بھی اللہ کی گرفت میں اپنے آپ کو مبتلا کر لو۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (القصص: ۵۰)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

خواہش نفس کی اتباع ظلم کی وہ انتہا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان اللہ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی سے بھی محروم ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے خوف سے اس کی اور اس کے رسول کی اتباع و پیروی تمہارے مرتبہ کو بلند کرتی ہے اتنا کہ اس زندگی میں تمہیں جنتی ہونے کا مژدہ سنا دیا جاتا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات: ۴۰-۴۱)

Marfat.com

اور جو ڈرتا رہا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا (ہر بری) خواہش سے

یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اے ایمان والو! خواہش نفس میں مبتلا ہو کر عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑو۔ اپنی گواہی کی ذمہ داری پوری کرنے میں نہ تو کوئی بہانہ بازی کرنا اور نہ ہی گریز۔ یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اس میں خواہشات کا تھوڑا سا دخل بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی خرابی کا سبب بن سکتا ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں:

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواهُ تبعا لما جئتُ به

تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے حکم کی تابع نہ ہو جائے

پس اتباع نفس سے بچو اور اتباع رسول اختیار کرو اسی میں بھلائی ہے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین

Marfat.com

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي

وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ترجمہ

میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا،
عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحبِ جمال نہیں جنا۔ آپ
کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔
جیسے آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کئے گئے ہوں۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۷

النساء: ۱۳۶ تا ۱۴۳

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ
الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ
ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ
لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ۝ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ
اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ
اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَ یُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ
حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ ۫ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَھَنَّمَ
جَمِیْعَا ۝ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ
مَّعَکُمْ ۫ وَ اِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ

Marfat.com

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى
الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

(النساء ۴: ۱۳۶ تا ۱۴۳)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی اللہ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کفر کرے، اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا، بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں سنت الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ ہدایت دیدے۔ خوشخبری سنادو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ منافق جو کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے سب کی سب۔ اور تحقیق اتارا ہے اللہ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں، کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (مذاق کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہو گے، بیشک اللہ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں، وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے انجام کا پس اگر تمہیں فتح ملے اللہ کی طرف سے تو وہ کہتے ہیں کیا نہ تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لئے کچھ حصہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں غالب آ گئے تھے ہم تم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہ بچایا تھا ہم نے تمہیں مؤمنوں سے پس اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن۔ اور ہرگز نہ بنائے گا اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ۔ بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑی دیر، ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کردے تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لئے ہدایت کا راستہ۔

آیات بالا کی پہلی آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تمہارے لئے صرف دعویٰ ایمان ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم ایمانیات یعنی ان باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرو جن پر کلمہ پڑھنے کے بعد تم نے یقین کرنے اور ان کو حق تسلیم کرنے کا اعلان کیا ہے تاکہ تم ان پر عمل کر کے اور ثابت قدم رہ کر مؤمن کامل بن سکو اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کن باتوں

Marfat.com

کے انکار سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور بندہ کلمہ پڑھنے اور مسلمانوں کی طرح عبادات و معاملات کرنے کے باوجود مؤمن نہیں رہتا یہ اس لئے تاکہ ہر مؤمن اپنے ایمان کی حفاظت کر سکے اور ان لوگوں سے بچ سکے جو دعویٰ ایمان کے باوجود ایمان سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہ ہدایت اُن اہلِ ایمان کے لئے بھی تھی۔ جن کے اسلام کا ابتدائی دور تھا اور انہیں ایمان کی تفصیل کا علم نہ تھا اور ان کے ہر دور کے اہلِ ایمان کے لئے بالخصوص ہمارے زمانہ کے مسلمانوں کے لئے جو مادر، پدر مؤمن تو ہیں لیکن ایمان کی تفصیل تو درکنار ایمان کی ابجد سے بھی واقف نہیں اور نہ ہی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بس ان کا ایمان کلمہ ہے، وہ بھی صحیح نہیں، کلمہ کے معنیٰ و مفہوم تک کا علم نہیں۔ وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہر کلمہ پڑھنے والا مؤمن ہوتا ہے اس جہالت کے باوجود افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ تکبر و غرور میں اتنے مبتلا ہیں کہ دین کی بات بتانے والوں کے نہ خود قریب آتے ہیں اور نہ انہیں اپنے قریب ہونے دیتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ اگر انہیں بتایا جائے کہ ایسی ایسی باتوں سے بچو ورنہ تم ایمان سے محروم ہو جاؤ گے تو منہ بگاڑتے اور بڑبڑاتے ہیں کہ ہمارا ایمان کون چھین سکتا ہے گویا ایمان ان کے باپ دادا کی وراثت ہے جس پر وہ قانونی اور عملی طور پر قابض ہیں۔ کون ان سے چھین سکتا ہے؟ یہ بڑی ہی گمراہی ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ مؤمن کو تو چاہئے کہ وہ کلمہ پڑھنے کے بعد ان تمام بنیادی باتوں کا علم حاصل کرے جن پر کلمہ پڑھ کر وہ ایمان لانے کا اعلان کر رہا ہے۔ نیز ان باتوں کا علم حاصل کرے جن سے ایمان کی بقاء اور حفاظت کے لئے بچنا ضروری ہے۔ اللہ جل مجدہ اپنے فضل و کرم سے اہلِ ایمان کو ان بنیادی باتوں ہی کی تفصیل بتاتا ہے۔ فرمایا گیا، ایمان لاؤ۔

اللہ پر، اُس کے رسول پر، اُس کتاب پر جو رسول پر آہستہ آہستہ نازل ہوئی یعنی قرآن پر، ان کتابوں پر جو قرآن سے پہلے نازل ہوئیں۔

اور بچو ان چیزوں کے انکار سے جو کلمہ پڑھنے کے باوجود ایمان سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔

اللہ کے انکار سے، فرشتوں کے انکار سے، کتابوں کے انکار سے، رسولوں کے انکار سے، آخرت کے دن کے انکار سے۔

یہ ہیں ایمانیات اور کفریات، ان کی قدرے تفصیل عرض کرنا ضروری ہے تاکہ منشائے قرآن پورا ہو سکے کہ ہر مؤمن ان باتوں کا علم حاصل کر سکے۔

اللہ پر ایمان لانا

یہ ہے کہ اس کے وجود اور وحدانیت کو تسلیم کیا جائے، نیز اس کی جملہ صفات پر یقین ہو مختصراً اس طرح کہ اللہ موجود ہے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، ہماری ہر بات کو سنتا اور ہماری ہر حرکت کو دیکھتا ہے، ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں پوشیدہ باتوں تک کو جانتا ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی اور ختم ہونے والی ہے، اللہ یکتا و یگانہ ہے، اس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں، وہی ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے، وہ زندہ ہے اور ہر چیز کو وہی زندگی بخشتا ہے اور جب چاہتا ہے فنا کر دیتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، وہ

Marfat.com

ہمارے اعمال سے غافل نہیں، وہی احکم الحاکمین ہے، زمین و آسمان کا مالک حقیقی ہے، جسے چاہتا ہے عارضی اور وقتی حکومت و سلطنت عطا فرما دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے ملک و حکومت چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت و عظمت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل و خوار کر دیتا ہے، کائنات کی ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی جنبش نہیں کر پاتا، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، یہ آگ، پانی، ہوا سب اسی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اس نے ان چیزوں کو بندوں کے لئے پیدا فرمایا اور جب چاہتا ہے انہی چیزوں سے بندوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ نہ تو اس کے لئے کوئی کام دشوار ہے اور نہ ہی اسے کوئی کسی کام سے روک سکتا ہے، وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ساری مخلوق اسی کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا اور زمین سے سبزہ و درخت، پھل، پھول اور اناج اگاتا ہے، اسی نے دن رات پیدا کئے، کبھی دن کا بڑا ہونا، رات کا چھوٹا ہونا اور کبھی رات کا بڑا ہونا، دن کا چھوٹا ہونا، اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے، وہی رزاق ہے، بچہ کے لئے ماں کی چھاتی میں دودھ کی نہریں جاری فرماتا ہے، اسی نے اپنی جاندار مخلوق کے لئے زمین سے ہزاروں قسم کی غذائیں اگائیں، بچہ کو ماں سے دودھ مانگنے اور انسان و جانور کو اپنی غذا حاصل کرنے اور رزق تلاش کرنے کی ہدایت اسی نے دی، اس کے خزانے میں نہ کبھی کسی چیز کی کمی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، وہ جسے جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرما دیتا ہے، کسی کو امیر، کسی کو غریب بنا دینا اس کی حکمت اور عین انصاف ہے، اللہ ہی نے زمین کی گہرائیوں اور سمندر کی تہہ میں انسان کے لئے خزانے پنہاں کئے اور اسی نے ان خزانوں تک رسائی کے لئے انسان کو عقل دی اور اس کی رہنمائی فرمائی، اللہ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے اولاد دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے دونوں عطا فرما دیتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے، کوئی دنیا میں آنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے، کسی کی بچپن ہی میں موت آ جاتی ہے کوئی جوانی میں اور کوئی بوڑھا ہو کر مرتا ہے۔ کوئی مرض سے، کوئی حادثہ سے مرتا ہے، تو کسی کی موت کا کوئی سبب نظر نہیں آتا، وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور سب اس کے دربار میں حاضر ہوں گے۔

اللہ کے رسول پر ایمان

اللہ نے انسان کی ہدایت و رہبری کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ جن میں باعتبار پیدائش سب سے پہلے اور باعتبار ظہور و بعثت سب سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن انہیں اور ان سے پہلے جتنے انبیاء و رسل تشریف لائے، سب کو برحق تسلیم کرتا ہے، سب نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ و رسالت کی ذمہ داری کو پورا کیا، ہر رسول اپنی امت میں سب سے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے، امتیوں پر اس کی اطاعت و پیروی لازم ہوتی ہے، گزشتہ انبیاء و رسل اپنی امتوں اور اپنے دور کے لئے مبعوث فرمائے گئے، اللہ کے آخری رسول، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل سے افضل و اعلیٰ ہیں، وہ بنی نوع انسان کے لئے رسول ہیں کہ گزشتہ انبیاء و رسل بھی ان پر ایمان لائے اور قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے ان کو رسول تسلیم کرنا لازم قرار دیا گیا، ان کی اتباع و پیروی ہم پر فرض ہے، ان کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کی مرضی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہے یعنی ان کا کہنا اللہ کا کہنا ہے، ان کا کرنا، اللہ

Marfat.com

کی رضا کے عین مطابق ہے، اسی لئے ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے وہ بظاہر ہم جیسے انسان ہیں لیکن ہم جیسے عیوب سے پاک ہیں کہ بے عیب اللہ نے اپنے رسول کو بے عیب پیدا فرمایا، وہ سوائے اپنے رب کے کسی کے محتاج نہیں حتی کہ وہ ان لوازمات کے بھی محتاج نہیں، جن کا عام انسان محتاج ہوتا ہے، سارے امتی اُن کے محتاج ہیں کہ جب تک اُن کی اطاعت نہ ہو، رب کی اطاعت ممکن نہیں جب تک وہ راضی نہ ہوں، رب کی رضا نصیب نہیں ہوسکتی جب تک وہ سفارش نہ کریں ہماری بخشش نہیں ہوسکتی، وہ معصوم ہیں یعنی اُن سے معصیت اور گناہ ممکن ہی نہیں، اسی لئے اللہ نے ان کی ہر بات اور ہر فیصلے کو تسلیم کرنے کا حکم دیا، وہ اُمّی ہیں یعنی حصولِ علم کے لئے الفاظ کی پہچان، کتابوں اور استاد کی احتیاج سے آزاد ہیں، اللہ نے انہیں بلاواسطہ علم عطا فرمایا اور اتنا دیا کہ ان کے علم کی کوئی حد، کوئی انتہا نہیں، ان سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہی، اللہ نے اپنے نبیوں کو ثبوت نبوت کے طور پر معجزات عطا فرمائے۔ تمام نبیوں کے معجزات برحق ہیں، ہر نبی کو اس کی ضرورت کے مطابق معجزات دیئے گئے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تمام معجزات بھی ملے جو پچھلے نبیوں کو عطا ہوئے تھے، ان کے علاوہ آپ کے معجزات کی گنتی اور شمار ناممکن ہے، آپ ﷺ خود پیکر معجزہ ہیں کہ آپ ﷺ کی ہر ادا اللہ کی قدرت کا شاہکار و نمونہ ہے، آپ ﷺ کا ایک خصوصی معجزہ معراج ہے جو آپ ﷺ کی خصوصیت ہے اور پوری انسانیت کی عظمت کا مظاہرہ ہے۔ نبی کی نسبت سے ہر چیز قابلِ احترام ہو جاتی ہے۔ جیسے مقام ابراہیم کہ قیامت تک مؤمنین کے لئے مصلی بنا دیا گیا، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جن چیزوں کی نسبت ہوئی وہ سب ہمارے لئے قابلِ احترام ہیں، نبی کی اطاعت و پیروی سے انسان بلند مرتبہ ہو جاتا ہے لہٰذا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صحابہ بلند مرتبہ اور قابلِ احترام ہیں، ان کا ہر عمل ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے ان کے بعد تمام شہداء، اولیاء، علماء و صالحین کا احترام ہم پر لازم ہے، نبی بمقتضائے حکمت الٰہیہ، وقت مقررہ پر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اسے موت آتی ہے لیکن اس کی تکمیل کے بعد اللہ اپنی قدرت سے اسے ہمیشہ کے لئے زندگی عطا فرما دیتا ہے، اس کا جسم مبارک زمین میں محفوظ ہوتا ہے، نہ گلتا ہے، نہ سڑتا ہے، زمین پر حرام ہے کہ وہ نبی کے جسم کو کھائے، جس طرح اللہ نے نارِ نمرود پر حرام کر دیا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلائے یا ان کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں، اپنی قبر انور سے ہمارے حال کو ملاحظہ فرماتے ہیں، ہماری فریاد اور صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں، ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اور ان کے مقربین ان کے سلام کا جواب سنتے ہیں، وہ اپنے محبوبین سے مصافحہ بھی کرتے ہیں، جس خوش نصیب کو حالت خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، اس نے آپ ﷺ کی ہی زیارت کی کہ شیطان آپ ﷺ کی شکل نہیں بنا سکتا، مرنے کے بعد ہر شخص سے رب اور دین کے متعلق سوال کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا، اہلِ ایمان انہیں اپنے سامنے دیکھیں گے اور پہچانیں گے، ان کے نور سے مؤمن کی قبر روشن و منور ہو جائے گی اور وہ قیامت تک کے لئے دلہن جیسی نیند سوئے گا، حشر کے دن سوائے نبی کے کوئی کام نہ آئے گا، پیاسوں کو وہ اپنے حوضِ کوثر سے سیراب کریں گے، گناہ گاروں کی بخشش کرائیں گے، میزان پر ہمارے گناہوں کا بوجھ کم اور نیکیوں کا وزن زیادہ انہی کی نظر کرم سے ہو گا، پُل صراط پر وہ ہماری حفاظت فرمائیں گے یہاں تک کہ ہم اس سے بعافیت گزر کر جنت میں داخل ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

Marfat.com

قرآن پر ایمان

قرآن پر ایمان کا مطلب اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، جس میں کسی بھی اعتبار سے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اللہ نے اسے آہستہ آہستہ تیئس برس میں اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، یہ اللہ کی آخری کتاب ہے، جس پر عمل بنی نوع انسان کے لئے فلاح وکامیابی کا ضامن ہے، یہ جیسا نازل ہوا ویسا ہی آج تک ہے اور قیامت تک رہے گا، اس کے کسی حرف یا حرکت میں نہ تبدیلی ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے کہ اس کا نازل فرمانے والا اللہ خود ہی اس کا محافظ ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ ہر دور اور ہر مقام کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہے۔ یہ انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، صرف اسی پر عمل کے ذریعہ انسان طمانیت وسکون کی زندگی حاصل کرسکتا ہے، اس کے احکام کی تشریح وتفسیر اُسی نبی کا حق ہے جس پر یہ نازل ہوا۔ پس نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے احکام پر عمل کا جو طریقہ بتایا اور سکھایا وہی حق ہے اور اللہ کی مرضی کے عین مطابق ہے کہ اس کے احکام پر عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہبری ورہنمائی اور ہدایات کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ قرآن خصوصاً مؤمن کے لئے ضابطہ حیات بھی ہے اور روحانی وجسمانی امراض کی شفاء کا ذریعہ بھی، اس کی تلاوت باعث برکت اور ذریعہ اجر وثواب ہے، اس پر عمل دنیا وآخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے، یہ اللہ کا مقدس کلام ہے، اس کو ناپاکی کی حالت میں یا بغیر وضو کے ہاتھ لگانا حرام ہے۔

کتب سابقہ پر ایمان

اللہ نے جتنے نبی اور رسول مبعوث فرمائے انہیں اپنے احکام وپیغام کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں عطا فرمائے۔ جن کی صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ مشہور کتابیں چار ہیں تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی، زبور حضرت داؤ علیہ السلام کو اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی۔ قرآن کریم اللہ کی آخری اور سب سے افضل کتاب ہے جو اللہ کے آخری اور افضل نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ پچھلی تمام کتابوں پر ہمارا ایمان ہے وہ حق تھیں، ان کے احکام کی پابندی اُنہی امتیوں پر لازم تھی جن کے لئے وہ دی گئیں، نزول قرآن کے بعد ان کے احکام منسوخ ہوگئے، وہ قابل احترام ہیں لیکن اب قابل عمل نہیں نیز قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور اس کا اہتمام کیا لہٰذا وہ آج تک اپنی اصل حالت میں ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گا لیکن دیگر کتابیں جو خاص وقت اور خاص امتوں کے لئے تھیں۔ ان کو اصل حالت میں رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ پس اللہ نے ان کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہ فرمایا لہٰذا ان میں خود ان کے ماننے والوں نے ہی اپنی خواہشات اور اپنی ضروریات کے مطابق ردو بدل کیا، تحریف کی اور اب وہ انسان کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی طرح ایک مذہبی قانون کے سوا کچھ نہیں، ان کی اصل حالت یکسر بدل چکی ہے، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ ان کتابوں کا مطالعہ، کلامِ الٰہی سمجھ کر کرے، نہ ہی یہ جائز ہے کہ ان کے حکم کو قرآنی حکم سے بہتر یا افضل جانے۔

اللہ کا انکار

اللہ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات وصفات میں شریک ٹھہرانا یا اس جیسا سمجھنا، شرک ہے جو حقیقت میں اللہ ہی کا انکار ہے کوئی شخص اگر دعویٰ ایمان کے باوجود اللہ کے خالق، مالک، قادر، رازق ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج

Marfat.com

قرار دیا جائے گا۔

فرشتوں کا انکار

فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نظامِ کائنات کی مختلف ذمہ داری سونپی گئی ہے یہ معصوم ہوتے ہیں ان میں نہ گناہ کی قوت ہے اور نہ ہی انہیں اپنے کاموں پر کوئی اختیار یعنی ان کی اپنی کوئی مرضی یا خواہش نہیں ہوتی، یہ صرف اللہ کے حکم کے پابند رہتے ہیں جو کام جس کے سپرد کر دیا گیا بس وہ وہی کرتا رہتا ہے ان کی تعداد اللہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مشہور فرشتے چار ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، اللہ کے نبیوں کے علاوہ اللہ کے نیک بندوں کے پاس بھی فرشتے آتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھتے اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔ فرشتوں کا یقین رکھنا ایمان کا جزو ہے، اس کا انکار کفر ہے۔

کتابوں کا انکار

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ پچھلی کتابوں پر اجمالی ایمان لانا فرض ہے جبکہ قرآن کریم کے ایک حرف پر یقین کرنا ایمان کا جزو ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں جو کچھ بیان کیا گیا اس میں سے کسی بھی ایک چیز کا انکار کفر ہے۔ مثلاً معجزات انبیاء، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا آسمان پر اٹھایا جانا اور وقت مقررہ تک کے لئے زندہ ہونا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ معراج، آپ ﷺ کا خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، بشیر و نذیر، شاہد اور رؤف و رحیم ہونا، جنت و دوزخ کا وجود، حوض کوثر، میزان اور پل صراط کا ہونا، جو شخص ان چیزوں اور ان تمام واقعات و احکام میں سے جو قرآن کریم میں موجود ہیں، کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے یا ان کے منکر کو مومن مانتا ہے۔ وہ چاہے کتنا ہی متقی ہو، کتنا ہی بڑا عالم ہو، کتنا ہی مشہور و معروف لیڈر، سماجی یا سیاسی کارکن ہو، مرتد ہے، شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق واجب القتل ہے۔ یہ حکم امت میں اختلاف کا سبب نہیں بلکہ امت کو احکام قرآن تسلیم کرنے پر متحد و متفق رکھنے کے لئے ضروری ہے، فرقہ بندی کے انسداد کا ذریعہ ہے۔

رسولوں کا انکار

اللہ کے کسی رسول کو اس کے مرتبہ و مقام سے کم جاننا یا اس سے بلند کر دینا، کفر ہے، حقیقت میں انکار ہے۔ مثلاً رسول کو بالکل اپنا جیسا خیال کرنا، یا کسی نبی و رسول کو اللہ کا بیٹا اور اس کا ہمسر قرار دینا، عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیئے جانے کا یقین کرنا، کسی نبی یا رسول بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرنا، کفر ہے اور ایسا شخص مرتد اور واجب القتل ہے۔

آخرت کا انکار

آخرت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے دربار میں اعمال کے حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لئے حاضر ہونے کا یقین کرنا، اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کو بے شمار دلائل کے ساتھ قرآن کریم نے ثابت کیا ہے جو انسان کو

Marfat.com

برائیوں سے روکتا اور نیکیوں پر آمادہ رکھتا ہے۔اس کا انکار حقیقت میں قرآن کے جملہ احکام کا انکار ہے۔ جوشخص اس اہم عقیدے کوخلاف عقل قرار دیتا اور اس کا انکار کرتا ہے، وہ کفر کرتا ہے، مرتد ہے، واجب القتل ہے۔

اے ایمان والو! تم نے کلمہ پڑھ لیا، تم مؤمن ہو گئے ہم تمہارا ایمان قبول بھی فرماتے ہیں لیکن تمہیں ہدایت کرتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھنے پر اکتفانہ کر لینا بلکہ ان تمام چیزوں کی تفصیل جانو کہ جن پر کلمہ کے ذریعہ تم نے ایمان لانے کا اجمالی اعلان کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ عقائد تمہیں نہایت تفصیل سے معلوم ہونا چاہئیں جو ایمان کی بنیاد ہیں اور جن کا انکار جانتے ہوئے، قصداً یا نہ جانتے ہوئے سہواً کفر ہے۔ اگر تم سے یہ کفر سرزد ہو گیا اور تم نے اس سے توبہ بھی نہ کی تو تم گمراہی میں اتنی دور چلے جاؤ گے کہ تمہارا کلمہ پڑھتے رہنا، مسلمانوں جیسی زندگی بسر کرنا، دیگر احکام شرع کی پابندی کرنا، سب بے سود ہو جائے گا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں ہوگا۔ جن عقائد کی تفصیل جاننا اور ان پر یقین کا رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

اللہ پر ایمان لانا، رسول مکرم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، قرآن کریم پر ایمان لانا، انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانا، تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانا، آخرت کے دن پر ایمان لانا۔

اور دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو ایمان کو ایک مذاق بنا لیتے ہیں کہ اپنی ذاتی غرض پوری کرنے کے لئے ایمان لے آتے ہیں پھر کافروں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے کفر کرنے لگتے ہیں پھر بوقت ضرورت مؤمن ہو جاتے ہیں اور پھر کفر کرنے لگتے ہیں ہم چونکہ اپنے بندوں کے لئے بڑے رحیم و کریم اور غفار الذنوب ہیں لہٰذا ہر مرتبہ کفر سے ان کی توبہ اور ان کے ایمان کو قبول فرما لیتے ہیں لیکن اس مذاق کا اکثر انجام یہی ہوتا ہے کہ کفر دلوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے ہمارے رحم و کرم سے محروم ہو جاتے ہیں پھر نہ ان کی بخشش ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں ہماری رضا کی راہ نصیب ہوتی ہے اور۔

اے ایمان والو! تم منافقوں جیسے عمل سے بھی بچتے رہنا کہ منافقین بڑے ہی دردناک عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں تم جانتے ہو منافق کون لوگ ہیں، وہ لوگ منافق ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں، ان جیسی بود و باش اختیار کر لیتے ہیں، وہ اسلامی تہذیب سے نفرت کرتے اور کفار کی تہذیب کو پسند کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ انہیں کفار کی چمکتی دنیا بڑی پسند آتی ہے ان کا ظاہری عیش و عشرت بڑا بھاتا ہے، وہ خیال کرتے ہیں کہ کافروں کی دوستی سے انہیں بڑی عزت حاصل ہوگی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت دینے والا، اللہ کے سوا کوئی نہیں، عزت اُنہی کا مقدر ہے جو اللہ کو راضی کرتے ہیں، عزت دولت کے چند ٹکوں سے حاصل نہیں ہوتی چند روزہ عیش و عشرت والے باعزت نہیں، ظاہری چمک دمک والوں کے پاس عزت نہیں، عزت تو ایمان کی قوت سے حاصل ہوتی ہے، اُس رعب و دبدبہ والے باعزت ہوتے ہیں جن کے نام سے دشمن کانپنے لگے، باعزت تو وہ ہیں جنہیں طمانیت و سکون کے شب و روز میسر ہیں جو خالی پیٹ بھی آرام کی نیند سوتے ہیں، جنہیں اپنی گدڑیوں اور جھونپڑیوں میں بھی راحت نصیب ہوتی ہے، یہ عزت کافروں کے پاس کہاں، یہ تو اللہ کو راضی رکھنے والوں اور اس کے رسول کے دامن سے وابستہ رہنے والوں کا مقدر ہے۔

اے ایمان والو:۔ تم اللہ کی آیات پر ایمان لا چکے ہو، تم ان کے امین اور محافظ ہو لہٰذا تمہاری ذمہ داری ہے کہ جو لوگ ان

Marfat.com

آیات کا انکار کریں، یا مذاق اڑائیں، ان پر تنقید کریں، ان میں سے کسی کو خلاف عقل قرار دیں، تم ان سے لاتعلق ہو جاؤ، ان کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا، کھانا، پینا تک تمہارے لئے جائز نہیں تاکہ تم ان کی بری صحبت کے اثرات سے محفوظ رہو، ہاں اگر وہ اپنی بدگوئی سے تائب ہو جائیں تو اللہ تو بہ قبول فرماتا ہے۔ تمہیں بھی اجازت دیتا ہے کہ اب ان سے نفرت نہ کرو، یہ منافق، یہ کافر جو آج اپنی حرکتوں پر نازاں اور مست ہیں انہیں اپنے انجام کا اسی دن پتہ چلے گا جب ہم ان سب کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب یہ تمہاری فتح و کامرانی کو دیکھتے ہیں تو تم سے آ ملتے ہیں اور اگر انہیں کفار سے کسی فائدے کی امید ہوتی ہے تو ان سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور انہیں یہ کہہ کر مطمئن کرتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں سے صرف اس لئے ملے ہوئے ہیں کہ ہم ان میں سازشیں کر کے انہیں تمہارے مقابلہ پر کمزور کر دیں۔ یہ سب ان کی خیالی باتیں ہیں۔ قیامت کے ہی دن ان باتوں کا فیصلہ ہوگا۔ رہا دنیا کا معاملہ تو کفار بھول جائیں کہ وہ کبھی ہمارے نیک بندوں پر غالب آ سکتے ہیں کبھی وہ ایسی راہ نہیں پا سکتے جس پر چل کر وہ مؤمنین کاملین پر غالب ہو سکیں، منافقین اس قدر احمق ہیں کہ اللہ علیم و خبیر کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ وقت آئے گا کہ انہیں اس حرکت کی سزا ملے گی ان کی حالت یہ ہے کہ مسلمانوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے نہایت مجبوری اور ایک بوجھ سمجھ کر یہ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن صرف دکھاوے کے لئے بس تھوڑی دیر کے لئے مسجد میں آئے اور بھاگے، یہ اللہ کا ذکر بالکل نہیں کرتے، یہ ظالم نہ ادھر کے ہیں نہ اُدھر کے، مسلمانوں میں ان کی عزت نہیں، کافر ان پر اعتماد نہیں کرتے، یہاں بھی ذلیل ہیں وہاں بھی ذلیل، یہ اپنی حرکتوں سے گمراہ ہو چکے ہیں اور سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جنہیں اللہ اُن کی حرکتوں کے سبب گمراہ کر دیتا ہے تو پھر وہ ضلالت کی تاریکی میں ٹھوکریں ہی کھاتے رہتے ہیں انہیں کبھی ہدایت کی راہ نصیب نہیں ہوتی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

خاتمہ بالخیر کیلئے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ

وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ

وَلَا تُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

وَلَا تُحَاسِبْنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اے اللہ موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما۔ اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما۔ اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا۔ اور قیامت کے روز ہمارا حساب نہ لینا۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۸

النساء: ۱۴۴ تا ۱۴۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ
لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ
اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ
بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ
تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ (النساء: ۱۴۴:۱۴۹)

اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ کے لئے اپنے خلاف کھلی دلیل۔ بیشک منافق سب سے نچلے درجے میں ہوں گے دوزخ کے (طبقوں) میں سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور

مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے، تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ مؤمنوں کو بڑا اجر۔ کیا کرے گا اللہ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ بڑا ہی قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے نہیں پسند فرماتا اللہ کہ برملا کہی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے تو بیشک اللہ درگزر فرمانے والا، قدرت والا ہے۔

کافروں کو دوست نہ بناؤ

ہدایت کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر، کافروں کو تم اپنا دوست نہ بناؤ "اولیاء" یعنی انہیں ایسا مخلص دوست نہ سمجھو کہ اپنے انفرادی یا اجتماعی معاملات میں ان پر اتنا اعتماد کر لو کہ انہیں وہ راز تک بتا دو جو صرف مخلص دوستوں کو بتائے جاتے ہیں تا کہ بوقت ضرورت ان کی ہمدردی حاصل ہو سکے اور ان سے تعاون مل سکے کیونکہ اسلام اور کفر ضد ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ کفر، اسلام کی ترقی یا تحفظ برداشت کرے۔ پس کافروں سے بھی توقع بے سود ہے کہ وہ کسی بھی مسلم کے خیر خواہ بنیں جبکہ دوستی کا مفاد تو خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں۔ نیز ایمان قبول کر لینے کے بعد، مؤمن کی تہذیب اس کا تمدن، کفار سے بالکل علیحدہ ہو جاتا ہے، کفار اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ قوانین ان کی خواہشاتِ نفس کے مطابق ہوتے ہیں جبکہ مؤمن نفس کا غلام نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا غلام ہوتا ہے اس کا ضابطہ حیات، اپنا وضع کردہ نہیں بلکہ اللہ اور رسول کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ کافر اپنی ضروریات کے مطابق اپنے قوانین کو تبدیل کر لیتا ہے جبکہ مؤمن اسلامی ضابطہ کے سانچہ میں اپنی زندگی ڈھال لیتا ہے۔ یہی فرق مؤمن و کافر کے درمیان ایک موٹی اور مضبوط دیوار ہے جو دونوں کو ایک دوسرے سے بہت دور رکھتی ہے۔ اب اگر مؤمن اس دیوار کو پھاند کر کافر کو گلے لگا بھی لے، تب بھی کافر کے دل میں اس کے لئے خلوص اور سچی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ اس کو چور ڈاکو سمجھتا ہے کہ دیوار پھلانگ کر آیا ہے یا مفاد پرست، غرض مند، ضرورت مند سمجھتا ہے اور وہ نہایت مکر و فریب سے اسے ذلیل و خوار کر ڈالتا ہے اس کی مادی امداد کر کے اسے اپنا غلام بنا لیتا ہے، اس میں اپنی عیش پرستی اور عیاشی کے جراثیم چھوڑتا ہے جس سے متاثر ہو کر وہ کافروں کی تہذیب کو اپنانے لگتا، ان کے عادات و اطوار کو پسند کرنے لگتا ہے اور اب اسے مسلمان کی ہر چیز جو حقیقتاً اس کی اپنی تھی، بری لگنے لگتی ہے، وہ اپنوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور دشمنوں پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔

اگر ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو آج ایسے مسلمانوں کی کمی نظر نہیں آتی جو یا تو مغرب ممالک میں آباد ہوئے اور یا ان ممالک سے تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک میں پہنچے۔ انہیں عیسائیوں، یہودیوں اور غیر مسلموں کا انداز زندگی ایسا بھایا کہ وہ حلال و حرام کا امتیاز تک نہیں کرتے، ان کا لباس ان کا نہ رہا، ان کے رہنے سہنے کا طریقہ مسلمانوں جیسا نہ رہا، ناچ گانا، جواء، شراب تمام ہی غیر شرعی اطوار و عادات ان کی زندگی کا حصہ بن گئے۔ اگر کوئی مذہبی عمل ان کے گھروں میں نظر آتا بھی ہے تو وہ حکم الٰہی کے طور پر نہیں بلکہ باپ دادا کی رسم و رواج کے طور پر ہے مثلاً روزے نہیں رکھتے، تراویح نہیں پڑھتے لیکن عید

Marfat.com

بڑے جوش وخروش سے ساتھ مناتے ہیں کہ یہ تو ایک تہوار ہے جو ہمیشہ سے ان کے خاندان میں منایا جاتا ہے، وہ عید بغیر نمازِعید کے مناتے ہیں۔ ان کا یہ انجام صرف اس لئے ہوا کہ ان کی بودوباش غیر مسلموں کے ساتھ رہی، وہ اسلام کے نور سے کفار کا دل تو منور نہ کر سکے، کفر کی تاریکی میں خود ڈوب گئے، کفر کے زہر نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔

اس بھیانک انجام سے پہلے ہی اللہ اہلِ ایمان کو ہدایت کرتا ہے کہ کافروں کو جو سانپ کی طرح تمہارے دشمن ہیں، دوست نہ بناؤ۔ اگر تم نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو تم خود اس تباہی و بربادی کے داعی اور ذمہ دار ہو گے جو اللہ کی طرف سے تم پر مسلط ہوگی۔ جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً تمہیں کسی وبائی مرض میں مبتلا کر دیا جائے، تم طوفان، سیلاب، زلزلے کا شکار ہو جاؤ، تمہارے درمیان ایسا انتشار پیدا ہو جائے کہ کسی کی جان، مال، عزت وآبرو محفوظ نہ رہے، طمانیت وسکون اور امن کی زندگی سے محروم ہو جاؤ کہ رات کی نیند تک میسر نہ رہے، آج کے مسلم ممالک کا حال اسی انجام کا واضح ثبوت ہے۔ اب تو تباہ حال مسلمان یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اے اللہ ہم مؤمن ہیں، تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں، ہم پر رحم فرما کیونکہ آج کے تڑپنے والے نے خود ہی تو اس عذاب کو دعوت دی ہے۔

تمہاری اس دوستی نے تمہیں منافقین سے جا ملایا۔ جب منافقین وکفار کا ٹھکانہ تو پہلے ہی ''ہاویہ'' جہنم کا نچلا طبقہ مقرر ہو چکا ہے اور وہ بے یار ومددگار کر دیئے گئے ہیں۔ اگر بظاہر دنیا میں وہ جھوٹی عزت وطاقت کے مالک ہیں تو یہ عارضی اور وقتی ہے۔ چند ہی روز بعد وہ دن آنے والا ہے، جب وہ بے سہارا ہوں گے، نہ عزت ہوگی، نہ طاقت، نہ ہی کوئی انہیں ان کے انجام بد سے نجات دلانے والا ہوگا کہ اللہ کے احکام کی مخالفت کا انجام نہایت ہی بھیانک ہوتا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ (توبہ:۶۳)

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ رہے گا۔ اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

اے ایمان والو! اس بڑی رسوائی سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ ماضی کی بدعملی وبدکرداری سے توبہ کرلو، حال کے حالات کی اصلاح کرلو، مستقبل کے لئے احکام شرع کی پابندی کا عزم مصمم کرلو، خلوص کے ساتھ، صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے تو تمہاری کایا پلٹ جائے گی، تنزل سے پھر ترقی کی راہ پر گامزن ہونے لگو گے، حالات سدھرنے لگیں گے، عزت بحال ہونے لگے گی، ان لوگوں کی طرح کامیاب وکامران ہو جاؤ گے جو صف اول کے مؤمن کامل تھے، جن کو قدم قدم پر اللہ کی حمایت ونصرت نصیب تھی اور جن کے نعرۂ تکبیر سے کفر کے قلعوں میں زلزلہ آ جایا کرتا تھا۔ انہی سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ انہی کے طفیل اللہ قیامت تک آنے والے مؤمنین کاملین کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرماتا ہے۔

یہ عذاب تو تمہاری بدعملیوں کا نتیجہ ہے اور کفار ومشرکین اور منافقین پر عذاب کا سبب ان کا کفر، شرک اور نفاق میں مبتلا ہونا ہے جبکہ مؤمنین پر عذاب الٰہی اُسی وقت آتا ہے جب اللہ ورسول کی حکم عدولی میں حد سے تجاوز کر جاتے اور کفار کی طرح جری ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو اور انسان اللہ کی نعمتوں پر شکرگزار ہوتا رہے اور ایمان قبول کرلے تو پھر اللہ کیوں کسی کو

Marfat.com

عذاب میں مبتلا کرے گا کہ اللہ تو شکر گزاروں کی بے حد قدر فرماتا اور مزید انعامات سے نوازتا ہے وہ ہر کسی کے ایمان کی کیفیت اور دل کی حالت کو خوب جانتا ہے۔

دوستو! یہ صرف اسلام کا وسیع دامنِ رحمت ہے جس میں ہر انسان کے لئے جائے پناہ موجود ہے۔ کافر کلمہ پڑھ کر اس میں پناہ حاصل کر لیتا ہے جبکہ مؤمن ذلالت و گمراہی سے رجوع اور توبہ کر کے۔ وہ رب کریم و رحیم اپنے بندوں کو ''لاتقنطوا'' کی ہدایت فرماتا ہے اور ''اِنَّهٗ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا'' کا مژدہ دیتا ہے کہ بیشک وہ رب العالمین ہے اور اس کا محبوب رحمۃ اللعالمین ہے جبکہ اسلام دینِ رحمت ہے۔ جس کی رحمت کا دروازہ ہر کسی کے لئے کھلا ہے۔ پس وہ انسان یقیناً بدنصیب ہے جو در در کی ٹھوکریں کھائے اور اس درِ رحمت کی طرف رُخ تک نہ کرے۔ بالخصوص وہ مؤمن تو بڑا ہی بدنصیب ہے جو اس در سے نکل کر خود ہی اپنے آپ کو رحمت سے محروم کر لے۔

اخلاص

آیت زیرِ گفتگو میں جہنم کی آگ سے ان لوگوں کی آزادی کا اعلان کیا گیا جو ماضی کی بدعقیدگی و بدعملی سے توبہ کر لیتے ہیں، اپنے اعمال کی اصلاح کر کے پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کے دامن رحمت میں پناہ گزیں ہو جاتے ہیں۔ ہم یہاں ''اخلصوا'' کے ذیل میں چند وضاحتی سطور پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اخلاص یعنی کسی چیز کو دوسری چیز کی ملاوٹ سے بچا لینا مثلاً خالص دودھ، وہ جس میں پانی کی ملاوٹ نہ ہو اسی معنیٰ میں قرآن کریم میں ''خالص'' کا لفظ موجود ہے، فرمایا گیا:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ (النحل:٦٦)

اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں، ایک عبرت ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان، ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے۔

دودھ، گوبر اور خون کے درمیان ہوتا ہے۔ جگر خون کو رگوں کی طرف اور دودھ کو تھنوں کی طرف جاری کرتا ہے اور جب دودھ تھنوں سے باہر آتا ہے تو رب کریم کی قدرت سے اتنا صاف و شفاف ہوتا ہے کہ نہ تو اس کے رنگ میں خون کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی بو میں گوبر کی بو کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جسم کے لئے نہایت ہی صحت بخش ہوتا ہے۔ جبکہ خون اور گوبر دونوں صحت کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ گویا قدرت نے دودھ کو خون اور گوبر سے خالص کر کے ہمارے لئے بہترین غذا بنا دیا۔

انسان کے عمل کا اخلاص یہ ہے کہ اس میں نہ تو ریاء و نمود کی ملاوٹ ہو، نہ ہوا و حرص کا اثر ہو۔ مؤمن کا ہر کام اللہ، خالص اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ

Marfat.com

الْخَالِصُ (زمر: ۲۔۳)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم نے اتاری ہے، آپ ﷺ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ ﷺ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اطاعت کو، خبردار صرف اللہ ہی کے لئے۔ خالص اطاعت۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (زمر: ۱۱)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرمایئے، مجھے حکم دیا گیا کہ میں اللہ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اطاعت کو۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ (زمر: ۱۴)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرمایئے، میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔

یہ اخلاص کی اہمیت ہے کہ اللہ اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتا ہے جبکہ اللہ ہی کے فضل سے یہ ناممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت واطاعت میں خلوص نہ ہو۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ محبوب کے غلام اخلاص کی اہمیت کو جانیں اور اپنی عبادات واعمال میں خلوص پیدا کریں۔ اہل ایمان کو اخلاص کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَّاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ (اعراف: ۲۹)

اور سیدھا کرو اپنے چہرے کو (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت اور عبادت کرو اس کی کہ خالص کرنے والے ہو تم اسی کے لئے عبادت کو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (المؤمن، ۱۴)

تو تم اللہ ہی کی عبادت کرو خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المؤمن: ۶۵)

وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے، پس اسی کی عبادت کرو، خالص کرتے ہوئے اسی کیلئے دین کو سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مخلصین پر اللہ کی نوازشات

مخلصین پر اللہ کی نوازشات ملاحظہ فرمایئے۔ جھومئے اور اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ تاکہ آپ بھی ان انعامات کے مستحق قرار پائیں۔ ان آیات سے پہلے مجرموں پر اللہ کے عذاب کا ذکر کیا گیا اور مخلصین کو اس سے

Marfat.com

مستثنیٰ قرار دے کر ان پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جاتا ہے:

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝
فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝ بَیْضَآءَ
لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
عِیْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ
مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۝ یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا
وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ
الْجَحِیْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ (الصافات: ۴۰ تا ۶۱)

البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے) وہی ہیں۔ انہیں وہ رزق دیا جائے گا۔ جس کی کیفیت (اللہ کو) معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام واکرام کیا جائے گا۔ (اور وہ) نعمت کے باغوں میں ہوں گے، پلنگوں پر، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام، چشموں سے بھر کر، سفید بڑے لذیذ، پینے والوں کے لئے، نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے اور ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی، آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شترمرغ کے) انڈوں کی طرح، گرد وغبار سے محفوظ پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے، سوال و جواب کریں گے، کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست (دنیا میں) میں تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت پر) ایمان لانے والوں میں سے ہے۔ (وہ کہا کرتا تھا) کیا جب ہم مریں گے اور مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت ہمیں جزاء دی جائے گی ارشاد ہوگا، کیا تم (اس کا حال) دیکھنا چاہتے ہو۔ پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے دوست کو جہنم کے وسط میں جنتی بول اٹھے گا بخدا تو تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لانے جانے والوں میں ہوتا (مخلصین کہیں گے) کیا اب تو ہمیں مرنا نہ ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ (اب) ہمیں عذاب دیا جائے گا۔ بیشک یہی وہ عظیم کامیابی ہے، ایسی ہی عظیم کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔

ارشاد باری تعالیٰ بالکل واضح ہے۔ ان آیات کو دوبارہ پڑھئے۔ ان پر غور کیجئے اور سرور حاصل کیجئے۔ آخری دو آیات نہایت ہی ایمان افروز ہیں کہ پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے حصول کو بڑی کامیابی قرار دیا گیا جو نتیجہ ہے ''اخلاص'' کا اور دوسری آیت میں دعوت دی گئی کہ ایسا ہی کام کرنا چاہئے جس سے یہ کامیابی نصیب ہو یعنی ''اخلاص'' اختیار

Marfat.com

کروتا کہ تم بھی کامیاب وکامران ہو جاؤ، اللھم اجعلنا من المخلصین۔

جہر

اللہ جہر کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی کسی سے ایسی سخت بات کہنا۔ جس سے اسے تکلیف ہو۔ اللہ کو پسند نہیں کہ اس سے لوگوں کے دل ٹوٹتے ہیں، باہمی نفرت پیدا ہوتی ہے اور اللہ رحیم وکریم نہیں چاہتا کہ اس کے بندوں کے درمیان کسی بھی طرح نفرت وعداوت پیدا ہو۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے باہمی میل ومحبت کے ساتھ، ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن کر زندگی بسر کریں۔ پس اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جورویہ اللہ کو پسند نہیں تم بھی اسے اختیار نہ کرو، ہاں صرف مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظالم سے جیسی ترش روئی چاہے اختیار کرے اسے حق ہے کیونکہ ظالم اسے تکلیف پہنچا کر پہلے ہی اس کی حق تلفی کر چکا ہے اور اس کا دل دکھا چکا ہے۔ اے ایمان والو! اچھی طرح یقین رکھو کہ اللہ سب کی باتیں سننے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔ وہ یہ سن رہا ہے کہ کون کس کا دل دکھاتا ہے وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ کون کس کی حق تلفی کرتا ہے۔ دیکھو کسی کی غیبت کرکے، اس کی عزت وآبرو کو پامال نہ کرو، کسی پر الزام تراشی کرکے، اس کے صاف وشفاف دامن کو داغدار نہ کرو، کسی کے متعلق بدگمانی کرکے، کسی کے عیوب تلاش کرکے اپنے آپ کو بے فائدہ وبے سود سوچ میں مبتلا نہ کرو، اللہ مظلوم کے حال کو بھی دیکھ رہا ہے۔ جسے ظالم کے ظلم کی شکایت کرنے کی اجازت تو دی گئی ہے لیکن اسے حد سے اتنا تجاوز نہ کرنا چاہئے کہ خود ہی ظالم بن جائے جبکہ مظلوم کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ بھی ظالم کو معاف کردے کہ عفوودرگزر، اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اخلاق ربانی پیدا کرے جو معاشرے میں رحم وکرم، محبت والفت اور باہمی تعاون وہمدردی کا ذریعہ ہیں، جسے اللہ پسند فرماتا ہے۔

مظلوم کو، ظالم کے ساتھ ''جہر'' کا رویہ اختیار کرنے کا حق تو دیا گیا ہے لیکن اس میں احتیاط کو لازمی قرار دیا گیا ہے کہ صرف انتقام ہو بدلہ ہو یعنی جتنا ظلم کیا گیا، بدلہ اس سے زیادہ نہ ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾

(النحل:۱۲۶)

اگر تم سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے، صبر کرنے والوں کے لئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَکُوۡنُوۡا اِمَّعَۃً تَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اَحۡسَنَ النَّاسُ اَحۡسَنَّا وَاِنۡ ظَلَمُوۡنَا ظَلَمۡنَا وَلٰکِنۡ وَطِّنُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ اِنۡ اَحۡسَنَ النَّاسُ اَنۡ تُحۡسِنُوۡا وَاِنۡ اَسَاءُوۡا فَلَا تَظۡلِمُوۡا

بے سوچے لوگوں کی پیروی نہ کرو کہ تم یہ کہو جیسے عام کہا جاتا ہے کہ اگر لوگوں نے ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے اور اگر لوگوں نے ہم پر ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے تم تو اپنے آپ کو عادی بنالو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں تو تم بھی اچھا برتاؤ کرو اور اگر لوگ برائی

Marfat.com

کریں تو تم ظلم نہ کرو۔ (ترمذی)

بہر حال مظلوم کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ظالم کے ظلم کا لوگوں سے شکوہ کرے، یا قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس سے انتقام لے لیکن یہ تلقین بھی کی گئی کہ مظلوم اگر صبر کرتے ہوئے ظالم کو معاف کردے اور اس کے ظلم سے درگزر کرے تو یہ بہت ہی بہتر ہے کیونکہ اللہ باوجود اس کے کہ بدلہ لینے اور سزا دینے پر قادر ہے لیکن پھر بھی وہ بے شمار مجرموں کو معاف فرمادیتا اور ان کے جرائم سے درگزر فرماتا ہے۔ پس اس کے مظلوم بندوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے اندر یہ صفت پیدا کریں۔

اسلام کا یہ نہایت ہی حکیمانہ اور عادلانہ قانون ہے کہ ایک طرف تو مظلوم کو انتقام لینے کی اجازت دی جارہی ہے تو دوسری طرف اسے عفوو درگزر اور صبر کی تلقین کی جارہی ہے کہ انتقام مظلوم کا حق ہے وہ اسے ملنا ہی چاہئے لیکن اس سے مظلوم و ظالم کے درمیان دشمنی و عداوت کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ نفرت کی آگ مزید بھڑکتی ہے جبکہ اگر مظلوم حوصلہ سے کام لے اور ظالم کو معاف کردے تو ظالم ہمیشہ کے لئے اس کا گرویدہ ہوجائے گا۔ فرمایا گیا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حم السجدہ: ۳۴)

نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی برائی کا خاتمہ اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگاہ وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے ایسا ہوجائے گا گویا تیرا جانی دوست ہے۔

انتقام سے مظلوم کے جذبات کو تو تسکین ہوجاتی ہے لیکن معاشرے کو اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جبکہ عفوو درگزر اور صبر باہمی نفرت کا خاتمہ کرتا ہے۔ جس سے پورے معاشرے میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑنے لگتی اور سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ!
لَا يُمْكِنُ الثَّنَآءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ

اے صاحب جمال اور انسانوں کے سردار۔ آپ کے نورانی چہرے سے تو چاند کو روشنی بخشی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ کی تعریف کا حق ہے ایسی تعریف ممکن نہیں۔ خدائے ذوالجلال کے بعد آپ ہی سب سے بڑے ہیں۔ یہی مختصر بات ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سورۃ المائدہ"

مقالہ نمبر	آیات نمبر
29	1
30	2تا 5
31	6تا 7
32	8تا 10
33	11
34	35
35	51
36	54تا 56
37	57 تا 58
38	87تا 89
39	90تا 93
40	94
41	95تا 100
42	101تا 102
43	105
44	106تا 108

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۲۹

المائدہ:۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ
غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ۝ (المائدہ:۱)

اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور، سوا ان کے جن کا حکم (آگے) پڑھ کر تمہیں سنایا جائے گا نہ حلال سمجھو شکار کو، جب کہ تم احرام باندھے ہو بے شک اللہ، حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اہلِ ایمان کے لئے تین ہدایات ہیں۔ اپنے عہد پورے کرو، جن مویشیوں کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے، بس وہی حلال ہیں۔ حالت احرام میں تمہارے لئے شکار ممنوع ہے۔

ایفائے عہد

وعدہ پورا کرنا، صفات باری تعالیٰ میں سے ایک صفت ہے کہ اللہ رحیم وکریم نے اپنے فضل سے، اپنے وعدوں کو پورا کرنا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔

Marfat.com

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹

(آل عمران:۹)

اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے، سب لوگوں کو اس دن کے لئے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں، بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۱۹۴

(آل عمران:۱۹۴)

اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعہ اور نہ رسوا کر ہمیں قیامت کے دن بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ (الروم:۶)

یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰ (الزمر:۲۰)

البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کیلئے بالا خانے ہیں، جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے، بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتا۔

وعدہ خلافی ایک عیب ہے، جس کا باعث، یا مجبوری ہوتی اور یا مکاری کہ ایک شخص کسی سے ایسا وعدہ کر بیٹھتا ہے جس کو پورا کرنا اس کے لئے دشوار یا ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ مجبوراً وعدہ خلافی کرتا ہے اور یا کوئی وعدہ کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے، فائدہ حاصل کر لیتا ہے اور وعدہ پورا نہیں کرتا۔ یہ وعدہ خلافی بھی ہے، دھوکا دہی بھی اور مکاری بھی۔ بہرحال وعدہ خلافی عیب ہے اور اللہ ''سبحان'' ہے، ہر عیب سے پاک ہے، پس وہ وعدہ خلافی سے بھی پاک ہے، اس نے اپنے جن بندوں سے جزاء کا وعدہ کیا ہے وہ اسے ضرور پورا فرماتا ہے، چاہے جزاء دنیا میں ہو یا آخرت میں اور جن بندوں سے سزا کا وعدہ کیا وہ اسے بھی پورا فرماتا ہے، چاہے سزا دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ غرضیکہ اللہ پاک ہے ہر عیب سے وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے بھی عیوب اور برائیوں میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اس کی صفات کا آئینہ و مظہر بنیں۔ پس وہ حکم دیتا ہے کہ وعدوں کو پورا کیا جائے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝۳۴ (اسراء:۳۴)

اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو، بیشک ان وعدوں کے بارے میں (قیامت کے دن تم سے) سوال کیا جائے گا۔

جو اہل ایمان دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوئے اور جنت کے وارث قرار پائے، ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المومنون:٨)

وہ (مومن بھی بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

جن لوگوں کو جنت میں خصوصی اکرام و اعزاز سے نوازا جائے گا، ان کی صفات میں بھی امانت و عہد کی پاسداری کی صفت شامل ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (معارج:٣٢)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

آیت زیر گفتگو میں، اہلِ ایمان کو اسی عہد کے پورا کرنے کا حکم "اوفو بالعقود" کے الفاظ سے دیا جا رہا ہے۔

اقسام عہد:۔ علماء کرام و مفسرین عظام کی تصریح کے مطابق عہد کی دو قسمیں ہیں، ایک معبود اور عبد کے درمیان عہد، دوسرا بندوں کا آپس میں عہد، معبود و عبد کے درمیان ایک عہد تو وہ ہے جو بلا واسطہ عالم ارواح میں ہوا اور دوسرا عہد وہ ہے جو اس عالم میں بندوں نے انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے توحید و رسالت کا اعتراف کر کے کیا، عالم ارواح کے عہد کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (اعراف:١٧٢)

اور (اے محبوب ﷺ) یاد کرو جب نکالا آپکے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی (یہ اس لئے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

یہ عہد ربوبیت تھا، عہد توحید تھا، جو تمام اولاد آدم سے لیا گیا، جس کا مقصد واضح ہے کہ جب تم نے مجھے رب تسلیم کر لیا تو میں ہی اس لائق ہوں کہ تم میری عبادت کرو، میرا کسی کو ساجھی و شریک نہ ٹھہراؤ، میرے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو، اس کے بعد ایک عہد اور لیا گیا جو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران:٨١، ٨٢)

اور (اے محبوب ﷺ) یاد کرو جب لیا اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تمہیں کتاب اور حکمت سے، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو، ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں، تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور مدد کرنا اس کی، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا، تو گواہ رہنا اور میں (بھی)

Marfat.com

تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان پر کرم فرمایا کہ عہدِ ربوبیت کی یاد دہانی کے لئے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا جن بندوں نے اس عہد کو یاد کیا وہ مومن ہو گئے، اسی کے ساتھ انہوں نے بواسطہ انبیاء، احکامِ الٰہیہ کی اطاعت اور سنتِ انبیاء کی اتباع وپیروی کا عہد کرلیا، یہی وہ عہد ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والوں سے قیامت کے دن، مالک یوم الدین فرمائے گا۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ (یٰس: ۶۰-۶۴)

کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہ دیا تھا، اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے (مگر) گمراہ کردیا شیطان نے تم میں سے بہت لوگوں کو، کیا تم عقل وخرد نہیں رکھتے تھے، یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، آج اس کی آگ تاپو، اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

مومن کلمہ پڑھ کر نبی کے دامن سے وابستہ ہوکر، نبی کی غلامی کا طوق پہن لینے کے بعد جو وعدہ کرتا ہے اس کے دو شعبہ ہیں، شعبہ عبادات اور شعبہ معاملات۔

شعبہ عبادات، یعنی ہم سوائے ایک اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں گے اور وہ بھی رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کہ احکامِ الٰہیہ کی وہی تشریح صحیح اور حقیقی ہے جو رسول، اپنے قول وعمل سے کرتا ہے۔

شعبہ معاملات یعنی ہم زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے بندوں سے وہی سلوک اختیار کریں، جس کا ہمیں اللہ نے بواسطہ رسول حکم دیا، مثلاً والدین واولاد، اہلِ خانہ وخاندان، اہلِ محلہ، اہلِ شہر کے ساتھ ہم وہی برتاؤ کریں گے جس کا اللہ ورسول نے ہمیں حکم دیا تجارت، سیاست اور حکومت کے جملہ امور ہم کتاب وسنت کے مطابق انجام دیں گے، پس اے ایمان والو!" اوفوا بالعقود" تم اپنے وعدوں کو پورا کرو کہ اللہ ایفائے عہد کرنے والوں کو اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۰﴾ (الفتح: ۱۰)

اور جس نے پورا کیا، اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا ہوا ہے تو اللہ اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

ایفائے عہد کی اہمیت کا اندازہ اُس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال سے کیجئے جن کی زندگی ہمارے لئے، بہترین نمونہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَتَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (بیہقی)

جو امانت دار نہیں، وہ کامل مومن نہیں اور جو وعدہ پورا نہیں کرتا، وہ پورا دیندار نہیں۔

تقویٰ وپرہیزگاری کے حصول کے لئے کتنی ہی سعی کیوں نہ کی جائے، اس وقت تک کوئی متقی ودیندار نہیں بن سکتا جب

Marfat.com

تک کہ وہ ایفائے عہد کا عادی نہ ہو کیونکہ عہد شکنی تقویٰ کی ضد، یعنی نفاق کی علامات میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''جس شخص میں چار عیب ہوں، وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک ہو، اس میں نفاق کی علامت ہوگی، جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے'' وہ چار عیب یہ ہیں:

اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ وَ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑا کرے تو بیہودہ گوئی کرے (گالیاں بکے)۔

(بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن ابوالحمساء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل کا واقعہ ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سودا کیا، کچھ رقم میرے ذمہ باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی لا کر دیتا ہوں، آپ ﷺ یہیں میرا انتظار کریں، میں گیا اور واپس آنا بھول گیا، تین دن بعد مجھے یاد آیا، واپس لوٹا تو میں نے آپ ﷺ کو اسی جگہ پایا، آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ

تم نے مجھے دشواری میں مبتلا کر دیا میں یہاں تمہارا تین دن سے انتظار کر رہا ہوں۔ (کیونکہ وعدہ کر لیا تھا)۔ (ابوداؤد)

ایفائے عہد، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت ہے، جسے آپ ﷺ نے نازک سے نازک ترین موقع پر بھی ترک نہ فرمایا، جس کا اندازہ اس دردناک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ صلح حدیبیہ، سیرت مبارکہ کی تمام کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اس موقعہ پر ایک دردناک منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ قریش کے نمائندے، سہیل بن عمرو قریشی سے معاہدے کی شقیں طے پا رہی ہیں، ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے کہ اچانک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر ایک بدحال شخص پر پڑی، جو پابہ زنجیر ہے اور گرتا، پڑتا رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ حاصل کرنے کے لئے چلا آ رہا ہے، آپ ﷺ کے سامنے آکر گر پڑتا ہے اور درد بھری آواز سے پکارتا ہے، یارسول اللہ! مجھے بچایئے، اپنی پناہ میں لے لیجئے، مظلوموں کے فریادرس، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس پر اپنا دامن رحمت ڈالنا ہی چاہتے تھے کہ سہیل نے معاہدے کا عذر رکھا اور چلایا۔ اگر آپ ﷺ نے اس کو پناہ دی تو معاہدہ نہ ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کون ہے؟ سہیل بولا، یہ میرا بیٹا ابوجندل ہے، جو مسلمان ہونے کی سزا بھگت رہا ہے، آپ ﷺ اس کو واپس کریں، نہ ہمارے درمیان معاہدہ ختم، آپ ﷺ نے فرمایا ہم ہرگز عہد شکنی نہیں کریں گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اپنے مسلمان بھائی کی حالت زار دیکھ کر نہ رہا گیا، آپؓ نے تلوار نکالی، سہیل پر حملہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روکا اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تم واپس جاؤ، صبر کرو، اللہ تمہاری مدد فرمائے گا کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ابوجندل کو کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں وعدہ کے پابند غلام صحابہ کرام

Marfat.com

پرنم آنکھوں سے یہ دردناک منظر دیکھتے اور تڑپتے رہ جاتے ہیں، یہ ہے ایفائے عہد کا نمونہ اور اس کی تعلیم، اہل ایمان کیلئے۔

عہد شکنی

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے عہد کی جتنی تاکید کی اور اس پر اپنی رضامندی کا جس قدر اظہار فرمایا، اتنی ہی عہد شکنی کی مذمت فرمائی اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، قرآن کریم کی درج ذیل آیت ملاحظہ ہو:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

ہاں، کیوں نہیں، جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیز گار بنا تو بیشک اللہ محبت کرتا ہے، پرہیزگاروں سے۔

یہ تو ایفائے عہد پر اظہار رضامندی ہے، وعدہ پورا کرنے والوں کو متقی قرار دیا گیا، اور متقین سے اپنی محبت کا اعلان فرمایا گیا اب دوسرا رخ دیکھئے کہ وعدہ خلافی کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہے۔ اسی آیت کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(آل عمران: ۷۶، ۷۷)

بیشک جو لوگ خریدتے ہیں، اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے بات نہ کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا انہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

غور فرمایئے، عہد شکنی اگرچہ ایک اخلاقی جرم ہے، جس پر کوئی حد یا تعزیر نہیں لیکن آیت مبارکہ میں جن سزاؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے، ان سے بڑی سزا کونسی ہو سکتی ہے، جرم تو ایک ہے لیکن اتنا مضر اور گھناؤنا کہ سزائیں پانچ ہیں، آخرت کی نعمتوں سے یکسر محرومی، رب رحیم وکریم ایسے شخص سے بات نہ کرے گا، اللہ کی نظر لطف وکرم سے بھی محروم رہے گا، گناہوں کی گندگی سے بھی اسے پاک نہیں کیا جائے گا، ان چاروں کے علاوہ دردناک عذاب میں بھی اسے مبتلا کیا جائے گا۔

جس شخص کے قلب میں ذرا بھی ایمان ہے، اس کے لئے ان سزاؤں پر غور کر لینا ہی اپنی اصلاح کے لئے کافی ہے، کاش ہم غور کریں۔ کہ آج ہمارے ماحول میں دیگر بداخلاقیوں اور برائیوں کی طرح، عہد شکنی بھی عام ہے اور اس قدر عام کہ اس پر اظہارِ افسوس تک کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی جبکہ کسی قوم کے باعزت وباوقار ہونے کی علامات میں سے ایک علامت اس قوم کے افراد کا، وعدہ کا پکا ہونا اور اسے پورا کرنا ہے کیونکہ عہد شکنی کے باعث قوم میں انتشار وافتراق پیدا ہوتا ہے، باہمی اعتماد ختم ہو جاتا ہے، باہمی ہمدردی وتعاون کا جذبہ ملیا میٹ ہو جاتا ہے اور اس طرح پوری قوم خود غرضی کا شکار ہو جاتی ہے، مکرو فریب کی عادی بن جاتی ہے اور غیروں کی نظروں میں ذلیل وخوار اور کمزور ہو جاتی ہے، پس اے ایمان والو! ''اوفوا بالعقود'' اپنے معاہدوں، وعدوں کو پورا کرو تا کہ ذلت وخواری اور اس کے اسباب سے محفوظ رہو اور ایک بارعب، باوقار قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندگی بسر کر سکو۔

Marfat.com

حلال مویشی

"ربنا ما خلقت ہذا باطلا" بیشک خالق کائنات نے اپنی مخلوق کا ایک ذرہ تک بیکار پیدا نہیں فرمایا اور نہ ہی ساری مخلوق صرف ایک مقصد کیلئے پیدا کی گئی بلکہ کسی کو کسی مقصد کیلئے اور کسی کو کسی مقصد کیلئے اور ہر مخلوق کی پیدائش کا صحیح مقصد وہی ہے جو اُس کے خالق نے متعین فرمایا اور اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعہ، انسان کو اس سے باخبر کیا، اب وہی انسان، حقیقتاً انسان ہے جو اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل بھی کرتا ہے اور دوسری مخلوق کو اس کی پیدائش کے متعینہ مقصد کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

جانور، اللہ کی مخلوق، جن کی پیدائش کے مختلف مقاصد ہیں، ان میں کچھ جانور وہ ہیں جنہیں خالق نے انسان کی غذا بنایا ہے اور کچھ وہ جن کا کھانا، انسان کے لئے حرام قرار دیا کیونکہ سبزیوں، پھلوں، پھولوں کی طرح، جانوروں کے اثرات بھی مختلف ہیں، کچھ مفید اور کچھ مضر ہیں۔ ان اثرات کو اللہ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے۔ پس جو جانور انسان کے جسم، صحت، عادات واطوار پر برا اثر ڈالتے ہیں، ربّ کریم نے ان کو حرام کر دیا اور جو جانور صحت افزاء، غیر مضر ہیں، ان کو حلال کر دیا گیا چونکہ ہر شے کی اصل حلت اور اباحت ہے، لہٰذا قرآن کریم نے اور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو تفصیل سے بیان فرمایا جو حرام ہیں، ان کے علاوہ سب حلال قرار پائے اور اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ

اے ایمان والو! یہ اللہ اور اس کے رسول کو اختیار ہے کہ وہ تمہیں حرام جانوروں کی تفصیل بتائے، پس تم کفار و مشرکین کی طرح نہ کسی حلال جانور کو اپنے لئے حرام قرار دو اور نہ ہی کسی حرام جانور کو حلال قرار دو، تم مؤمن ہو، ایمان قبول کرنے کے بعد تم نے اللہ اور رسول سے جو معاہدے کئے ہیں، ان میں ایک معاہدہ حلال و حرام سے متعلق بھی ہے، یہ بھی تمہارے "عقود" میں شامل ہے، پس تم اس معاہدے کی پابندی کرو اور حلال جانوروں کو کھاؤ، حرام جانوروں سے بچو۔

شکار کی ممانعت

اللہ کے بے شمار، احسانات میں سے، ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے جنگلی مگر حلال جانوروں کا شکار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کے باعث ہم روزمرہ کھائے جانے والے گوشت کے علاوہ دیگر جانوروں کے گوشت کی لذت بھی حاصل کرتے ہیں، نیز شکار ہمارے لئے ایک ذریعہ معاش بھی ہے لیکن کسی کام کے کرنے کی اجازت دینے والے کو، اس کام سے روک دینے اور ممانعت کر دینے کا بھی حق حاصل رہتا ہے اور اجازت سے فائدہ حاصل کرنے والوں کے لئے حکمِ ممانعت پر عمل، اسی خوشی کے ساتھ زیب دیتا ہے، جس خوشی کے ساتھ وہ اجازت پر عمل کرتے ہیں، پس اہلِ ایمان، جو اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہی ہوتے ہیں، زیادہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں کہ انہیں اللہ اپنے احکام دے اور وہ ان کی تعمیل کریں، لہٰذا شکار کی ممانعت کا ایک مخصوص حالت میں حکم خصوصی طور پر اہلِ ایمان ہی کو دیا جا رہا ہے۔

اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو، یعنی حج یا عمرے کے لئے اللہ کے دربار میں حاضری کا جب تم پورا ارادہ کر لو تو ان تمام آداب کی پابندی کرو جو احکم الحاکمین کے اعلیٰ دربار میں حاضر ہونے کے لئے لازمی قرار دیئے گئے کہ بعض چیزیں جو تمہارے لئے حلال تھیں انہیں احرام کے چند دنوں یا چند گھنٹوں کے لئے تم پر حرام کر دیا گیا ہے، ان ہی میں سے شکار بھی ہے کہ حالتِ احرام میں تمہارے لئے شکار کرنا، شکار کرنے والے کی مدد کرنا، شکار کو حلال سمجھنا، سب حرام ہے۔

Marfat.com

حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے متعلق، تفصیلی احکام، سورۂ مائدہ ہی کی آیات میں آ رہے ہیں، انشاء اللہ ہم اس موقع پر اس عنوان کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

زیر گفتگو آیت کا اختتامی جملہ نہایت قابل غور ہے کہ اہلِ ایمان کو مذکورہ بالا ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ''اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ'' اللہ جو چاہتا ہے، حکم فرماتا ہے۔

اے ایمان والو:۔تم نے اطاعت وفرمانبرداری کا معاہدہ کیا ہے، بس تمہارا کام احکام کی تعمیل کرنا ہے، چون وچرا نہیں، یہ کیوں حلال ہے، یہ کیوں حرام، اللہ نے سود کیوں حرام کر دیا، شراب، جواء، رشوت کیوں حرام کی گئی، مردوں کے لئے سونا، ریشم کیوں حرام کیا گیا، احکامِ الٰہی میں ''کیوں'' اہلِ ایمان کو زیب نہیں دیتا، یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں شکوک وشبہات کا اظہار ہے، ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، اہل ایمان کے لئے تو بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ہدایت ہے کہ ''قرآن کریم پانچ چیزوں پر مشتمل ہے حلال، حرام، محکم، متشابہ، اَمثال، پس تم حلال کو حلال جانو، اس کو اختیار کرو اور حرام کو حرام جانو، اس سے پرہیز کرو، محکم یعنی واضح احکام کی تعمیل کرو، متشابہ غیر واضح احکام پر یقین رکھو، ایمان لاؤ، مثالوں سے عبرت حاصل کرو'' کسی بھی حکم میں چون وچرا کی اجازت نہیں، دین کی جو بات عقل میں آ جائے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور جو سمجھ نہ آئے اس کو عقل کی کوتاہی اور کمزوری جانو، ایمان کو بچاؤ، چون وچرا سے ایمان میں کمزوری پیدا نہ ہونے دو۔

عام طور پر لوگوں کو جن باتوں کے متعلق، سوالات اور بحث ومباحثہ کا بہت شوق رہتا ہے، ان سب میں اہم ان کے نزدیک تقدیر کا مسئلہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پیش کر دیں تا کہ کم از کم ہمارے قارئین تو اس عنوان پر گفتگو اور غیر ضروری سوال سے گریز کریں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ ہم لوگ تقدیر کے عنوان پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے، ہماری باتیں سنیں تو آپ ﷺ کا چہرہ بوجہ غصہ سرخ ہو گیا، ایسا سرخ ''كَاَنَّمَا اُفُقِيَ فِيْ وَجْهِهٖ حَبُّ الرُّمَّانِ'' جیسے انار کے دانے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر نچوڑ دیئے گئے ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے کیا میں تمہاری طرف اسی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں (یعنی اس مسئلے کے سوا، کوئی مسئلہ نہ رہا جس پر تم لوگ گفتگو کرو) تم سے پہلی قومیں اسی وقت ہلاک ہوئیں، جب وہ قضاؤ قدر کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ کرنے لگیں، پس میں:

عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ

تمہیں قسم دیتا ہوں اور دوبارہ قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں کبھی بحث ومباحثہ نہ کرنا۔(ترمذی)

غرضیکہ مؤمن کا کمال یہ ہے اور ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ شریعت کے جملہ احکام پر بلا چون وچرا عمل کیا جائے اور جب بھی کسی مسئلے میں الجھن ہو اور باوجود کوشش کے سمجھ میں نہ آئے تو ''اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ'' پڑھ کر اطمینان حاصل کر لیا جائے کہ میں تو بندہ ہوں مالک نے جو چاہا حکم دیا، میرا کام صرف عمل ہے، عمل میں کمی نہ رہے، کوتاہی نہ رہے، اسی میں نجات ہے۔اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۰

المائدہ: ۲ تا ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ
وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ
اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ
اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ
اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ

Marfat.com

لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا
عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ
وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ (المائدہ:۲ تا۵)

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو، اللہ کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ ان کی جو قصد کئے ہوئے ہیں بیت الحرام کا طلب کرتے ہیں وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا، اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو، اور ایک دوسرے کی مدد کرو، نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو، گناہ اور زیادتی پر اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے حرام کئے ہیں تم پر مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر وقتِ ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، اور چوٹ سے مرا ہوا، اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، اور سینگ لگنے سے مرا ہوا، اور جسے کسی درندے نے کھایا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو ذبح کیا گیا ہو، تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو، جوئے کے تیروں سے، یہ سب نافرمانی کے کام ہیں، آج مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا، تمہارے دین سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے، آج میں نے مکمل کر دیا ہے، تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین، پس جو مجبور ہو جائے بھوک میں، درآنحالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف، تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے آپ ﷺ فرما دیجئے، حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں، اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا تمہیں اللہ نے تو کھاؤ اس میں سے جنہیں پکڑے رکھیں وہ تمہارے لئے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر اور ڈرتے رہو، اللہ سے، بیشک اللہ بہت تیز ہے حساب لینے میں۔ آج حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا، ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب، حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا، حلال ہے ان کے لئے اور (حلال ہیں) پاکدامن مومن عورتیں اور پاکدامن عورتیں ان

Marfat.com

لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب، تم سے پہلے جب دے دو تم انہیں مہران کے، پاکباز بنتے ہوئے، نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا، تو بس ضائع ہو گیا، اس کا عمل اور وہ آخرت میں، نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یہ سورۂ مائدہ کی چار آیات ہیں، پہلی آیت میں ہدایات دی جارہی ہیں کہ:

اے ایمان والو! تم شعائر اللہ، محترم مہینوں، ھدی، قلائد اور زائرین حرم کی بے حرمتی نہ کرو، تمہیں اجازت ہے کہ حالتِ احرام ختم ہوجانے کے بعد تم شکار کرسکتے ہو، کسی کو انتقاماً مسجد حرام سے روکنے کا تمہیں اختیار نہیں، تم آپس میں نیکی اور تقوٰی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو، گناہ اور ظلم و زیادتی پر باہمی تعاون کی اجازت نہیں، ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان احکام کی پابندی کرو، حکم عدولی کروگے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے کہ نہ تو دنیا کی کسی تکلیف سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی قوت و طاقت عذاب الٰہی سے چھٹکارا دلا سکتی ہے۔

شعائر اللہ کا احترام

شعیرہ، علامت یا نشانی کو کہا جاتا ہے، شعائر، علامات اور نشانیاں، کوئی بھی علامت یا نشانی اصل مقصود نہیں ہوتی لیکن ہر انسان کے لئے نہایت اہم ہوتی ہے کہ اسی کے ذریعہ مقصود، مطلوب، محبوب یا منزل تک پہنچا جاتا ہے مثلاً راستے پر لگے ہوئے نشانات، بورڈ مسافر کے لئے نہایت اہم ہوتے ہیں کہ ان کے بغیر منزل تک پہنچنا ممکن نہیں، اسی لئے ان کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور ان کی حفاظت بھی کی جاتی ہے، نیز یہ علامات ہی تعارف اور پہچان کا ذریعہ ہوتی ہیں، مثلاً علم، جھنڈا ہی ملک کی پہچان کا ذریعہ ہوتا ہے اپنے ملک کی کسی عمارت پر آپ کسی ملک کا جھنڈا دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہاں سے فلاں ملک کی سرحد شروع ہوگئی، اسی لئے اس علامت کی بڑی حفاظت کی جاتی اور اس کا بے حد احترام کیا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک محب الوطن اپنے جھنڈے کی حفاظت میں جان کی بازی تو لگا دیتا ہے لیکن اپنے جیتے جی اس کو نیچا نہیں ہونے دیتا، ہر شخص کے نزدیک اس کی ضرورت اور محبت کے مطابق نشانی کی اہمیت اور اس کا احترام ہوتا ہے، حالت سفر میں مسافر کے لئے راستہ کے بورڈ نہایت اہم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر وہ اپنی منزل نہیں پاسکتا اور حالت جنگ میں سپاہی کے لئے اپنے ملک کا جھنڈا بے حد قابل احترام ہوتا ہے کہ دشمن اگر جھنڈے کی بے حرمتی کرتا ہے تو گویا پورے ملک اور قوم کی بے حرمتی ہے اور اگر دشمن جھنڈے پر قابض ہوجاتا ہے تو پورا ملک اور اس کی قوم آزادی سے محروم ہوجاتی ہے، شکست خوردہ ہوجاتی ہے، اسی لئے مجاہدین اسلام نے ہر دور میں اپنی جان کی بازی تک لگائی لیکن علمِ اسلام کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دیا، ان باتوں کو ذہن میں رکھئے، پھر شعائر اللہ، ان کی اہمیت اور احترام کا مطلب سمجھئے۔

شعائر اللہ، یعنی اللہ کی نشانیاں، ایسی تمام چیزیں ہیں جن کے دیکھنے سے مذہبی جذبات ابھرتے ہوں اور اللہ اور اس کے رسول سے نسبت و محبت کا احساس بیدار ہوتا ہو، دین کے لئے ایثار و قربانی کا اضطراب پیدا ہوتا ہو، اللہ کی قدرت پر ایمان مزید قوی ہوتا ہو۔

Marfat.com

''لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ'' فرما کر واضح ہدایت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، جبکہ ان کی تعظیم و احترام کو تقویٰ کی علامت قرار دیا گیا:

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (الحج: ۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ جو ادب و احترام کرتا ہے، اللہ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔

یعنی شعائر اللہ کی تعظیم، مؤمن ہی کرے گا کہ اسی کے دل میں تقویٰ ہو سکتا ہے یا یوں کہئے کہ شعائر اللہ کی تعظیم ایمان وتقویٰ کی علامت ہے ایسے شخص کو مشرک یا بدعتی وغیرہ کہنا، نہ صرف جہالت بلکہ ایمان کے لئے خطرہ ہے، جہالت اس لئے کہ ایسے شخص کو مشرک یا بدعتی وہی کہہ سکتا ہے، جسے شرک اور تعظیم کا فرق معلوم نہ ہو کہ شرک تو اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو، اس کا ساجھی یا ساتھی ٹھہرانا ہے، یا کسی کے لئے عبادات کا وہ طریقہ اختیار کرنا ہے جو معبود حقیقی ہی کے لئے مخصوص ہے، جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا، جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لینا، غیر اللہ کو حقیقتاً معاون و مددگار جاننا، جبکہ کسی کی تعظیم کرنا اور تعظیم کا طریقہ اختیار کرنا، اللہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خود، قابلِ احترام لوگوں اور چیزوں کی تعظیم کا حکم دیا، جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا کہ شعائر اللہ کی تعظیم، علامتِ تقویٰ ہے، پس تعظیماً کسی کے لئے کھڑا ہونا، کسی کا ہاتھ چومنا، یا کسی کو دعاؤں کی قبولیت کے لئے، حاجت روائی کے لئے واسطہ و وسیلہ بنانا، یا کسی قابل احترام چیز مثلاً قرآن کریم، کعبہ وغیرہ کا بوسہ لینا، تعظیم ہے، شرک نہیں، پس تعظیم کرنے والے کو مشرک یا بدعتی قرار دینا جہالت ہے اور ایمان کے لئے خطرہ، اس لئے کہ مؤمن کو مشرک قرار دینا اور قرآن کریم کے واضح حکم کی تعمیل کو شرک و بدعت قرار دینا کفر ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کے فتووں سے پرہیز کیا جائے، اگر کسی کو یہ چیزیں خود پسند نہیں تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے لیکن عمل کرنے والوں پر فتویٰ لگانا اور انہیں عمل سے روکنا، امت میں انتشار و افتراق پیدا کرنا ہے جو شرعاً جرم ہے۔

قرآن کریم نے چند چیزوں کو شعائر اللہ قرار دے کر اشارہ فرما دیا کہ یہ چیزیں اور ان جیسی تمام چیزیں شعائر اللہ ہیں، ان کا احترام کیا کرو، مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دیا گیا، صرف اس لئے کہ اس کا تعلق اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، جو اس حقیقت کو سمجھ لینے کے لئے کافی ہے کہ جن چیزوں کی نسبت، اللہ کے حبیب، افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو، وہ یقیناً قابل احترام ہیں، ابراہیم علیہ السلام جس پتھر پر چند مرتبہ کھڑے ہوئے، تو وہ مصلیٰ قرار پایا، تو کیوں نہ وہ مقام ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' ہو جس پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم برسوں متواتر چلے اور کیوں نہ اس مقدس محراب میں سجدہ کرنے کو ذریعہ مقبولیت یقین کیا جائے۔ جس میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہزاروں سجدے کئے اور کیوں نہ اس روضہ مقدس کو رحمت باری کے نزول کا مرکز جانا جائے، جس میں رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم زندہ آرام فرما ہیں اور اپنے غلاموں کے حال کو ملاحظہ فرما رہے اور ان کی باتوں کو سماعت فرما رہے ہیں، غرضیکہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دے کر دعوت دی گئی کہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جس چیز کی بھی نسبت ہو جائے، وہ تمہارے لئے معظم و محترم ہے، چاہے وہ انسان ہو، اس کا تعلق، حیوانات سے ہو، نباتات یا جمادات سے۔

Marfat.com

صفاء ومروہ، مکہ کی دیگر پہاڑیوں کی طرح دو پہاڑیاں ہیں لیکن انہیں ''شعائر اللہ'' قرار دیا گیا جبکہ ان کا تعلق کسی نبی سے نہیں بلکہ نبی کی بیوی، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، وہ بھی صرف اتنا کہ وہ اس پر ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑیں، نبی کی بیوی کو نبیہ نہیں، صرف ولیہ، اللہ کی نیک بندی کہا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صالحہ بندی کی نسبت سے، یہ پہاڑیاں اس قدر قابل احترام ہوگئیں کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر محفوظ کر دیا گیا، انہیں ''شعائر اللہ'' قرار دیا گیا، زائرین کعبہ کو ان کی سعی کا حکم دیا گیا کیا صرف اس لئے کہ ان پہاڑیوں کو عظمت بخشی جائے، یا اس لئے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی ادا کی حفاظت کی جائے نہیں کیونکہ ان دونوں باتوں میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے اور نہ ہی دین کا، عقل وفہم کا تقاضا ہے کہ احکام الٰہی میں ایسی حکمت تلاش کی جائے، جس سے دین ودنیا کا فائدہ معلوم ہو، پس علماء کرام کو اس میں حکمت نظر آتی ہے اور یہ ہی حق ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، صفا ومروہ کی تعظیم سے ان چیزوں کی تعظیم کی تعلیم حاصل کریں جن کی نسبت ان کے اسلاف، بزرگوں اور اولیاء کرام سے ہو اور ان حضرات کی اداؤں کو اپنائیں جو تقویٰ و پرہیزگاری کا پیکر اور اتباع سنت کا نمونہ تھے کہ یہ حضرات بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام کی ایک امتیہ، ایک ولیہ سے افضل ہیں۔

بُدن، قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ قرار دیا گیا، صرف اس لئے کہ یہ جانور ہماری اتنی فرمانبرداری کرتے ہیں کہ اپنی جان تک پیش کر دیتے ہیں اور ہمارے لئے اللہ کے یہاں سے اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں، قیامت کے دن پل صراط پر یہی ہماری سواری ہوں گے، صرف اس لئے یہ ''شعائر اللہ'' قرار دیئے گئے کہ ان کا احترام ہمارے لئے لازم ہو گیا، اس طرح کہ ہم ان کو پالیں، ان کی خدمت کریں، ان پر سواری نہ کریں، نہ ان پر بوجھ لادیں، نہ ان کے دودھ اور بالوں سے فائدہ حاصل کریں، یہ اس لئے نہیں کہ جانوروں کو عزت بخشنا مقصود ہے بلکہ صرف یہ دعوت دینا مقصود ہے کہ تمہاری فرمانبرداری کرنے والے جانور جب قابل احترام اور مستحق محبت ہیں، تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے والے بندے کس قدر معظم ومحترم ہونے چاہئیں یہ فیصلہ تم خود کر لو اور اللہ کے ولیوں کا احترام کرو، اس طرح کہ ان سے نسبت قائم کرو، ان کے طریقوں کو اپناؤ، ان کی یاد کو اپنے دل میں بساؤ، اپنی قربانیوں اور دیگر اعمال کی قبولیت کے لئے، ان کو وسیلہ بناؤ، جیسے ہمارے ایک نبی حضرت زکریا علیہ السلام نے ہماری ایک ولیہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس رکھے ہوئے پھلوں کو دیکھا، پوچھا، یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے، جواب ملا، اللہ کی طرف سے، مریم پر اللہ کے اس لطف وکرم کو جان کر، نبی نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے، غور کیجئے، ان آیات میں:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ (آل عمران: ۳۸)

وہیں (مریم کے پاس کھڑے ہوکر) دعا کی زکریا نے اپنے رب سے، عرض کی، اے میرے رب! عطا فرما مجھے، اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد، بے شک تو ہی سننے والا ہے، دعا کا۔

اللہ کی ایک محبوبہ کے پاس، اللہ کی قدرت کا کرشمہ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد، دعا مانگی گئی تھی، کیوں نہ قبول ہوتی، قبول ہوئی، یحییٰ علیہ السلام جیسی مقدس اولاد دی گئی۔

Marfat.com

اے ایمان والو! ''لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ'' اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، جملہ احکامِ الٰہی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنن، عبادات کے طریقے، شرعی حدود اور سزائیں، ان کے علاوہ قرآنِ کریم، اولیاء کرام، علماء کرام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات، مساجد و مزارات، غرضیکہ تمام دینی چیزیں، شعائر اللہ میں شامل ہیں، ان کو معمولی جاننا، ان کو مٹانا، ان کی بے حرمتی ہے، شرعی جرم ہے، پس وہ لوگ بڑے ظالم قرار پاتے ہیں جو ان نشانیوں کو مٹانا، دین کی خدمت سمجھتے ہیں، مبارک ہیں وہ ممالک اور ان کے حکام، جہاں شعائر اللہ کو شریعت کے مطابق قانونی تحفظ حاصل ہے اور قابلِ نفرت ہیں وہ جو ان مقدس نشانیوں کو مٹا چکے یا مٹانے کے درپے ہیں، کہاں گیا اسلامی تبلیغ کا پہلا مرکز'' دارِ ارقم''، کہاں ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان پیدائش، کہاں گئے جنت البقیع میں مدفون جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس مزارات، اسی قسم کے ہزاروں شعائر تھے، جوامتِ مسلمہ کی تاریخی یادگار تھے، عظیم ذخیرہ تھے، سب مٹا دیئے۔ ظالموں نے ''لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ'' کا حکم نظر انداز کیا، اللہ کے ارشاد کو پامال کیا اور اپنے وضع کردہ قانون کو قانون شریعت قرار دیا، کتنا بڑا ہے یہ ظلم، ''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ'' وقت آئے گا کہ ظالم اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

آیت زیرِ گفتگو میں، عام شعائر کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد چند شعائر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور ان کی بے حرمتی کی ممانعت کی گئی، ان کی بھی قدرے وضاحت ضروری ہے۔

الشہر الحرام

یہ چار مہینے ہیں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں یہ بات موجود ہے کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، جبکہ ان میں گناہ کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، پچھلی شریعتوں میں ان چار مہینوں میں قتل و قتال بھی ممنوع تھا، ہماری شریعت میں ابتدأ یہی حکم رہا، لیکن پھر جہاد کی اجازت دیدی گئی، ہاں حرمت و عظمت باقی ہے، قرآن کریم میں ان مہینوں کا ذکر موجود ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(التوبہ:۳۶)

بیشک مہینوں کی تعداد، اللہ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الٰہی (لوح محفوظ) میں، جس دن سے اس نے پیدا فرمایا، آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی دین قیم ہے، پس نہ ظلم کرو، ان مہینوں میں اپنے آپ پر (گناہ کر کے) اور جنگ کرو، تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

یعنی سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو لوح محفوظ میں موجود ہے، اس کے حساب کی ابتداء اس دن سے ہوئی ہے، جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، یہ اللہ کے مقرر کردہ مہینے ہیں کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں، ان

Marfat.com

میں سے چار مہینے خصوصی طور پر محترم اور معزز ہیں، لہٰذا ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں اور برائیوں سے بچنا چاہئے، ہاں جہاد کی اجازت ہے، جو پچھلی شریعتوں میں نہ تھی کیونکہ کفار و مشرکین بھی اگر چہ ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور ان میں قتل و قتال سے باز رہتے تھے، لیکن انہوں نے زندگی کے دوسرے اصولوں کی طرح اس قانون الٰہی کو بھی بے اعتدالی، ہوا و ہوس اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھا رکھا تھا اور ان کا حال یہ تھا کہ اپنی ضرورت کے مطابق ان مہینوں میں رد و بدل کر لیتے تھے، مثلاً اگر انہیں محرم میں جنگ کرنا ہوتی، تو وہ محرم کو صفر قرار دے لیتے اور صفر کو مؤخر کر دیتے تھے کیونکہ ان کے لئے متواتر تین مہینے تک قتل و غارت سے رکا رہنا بہت دشوار تھا، جبکہ مسلمانوں کو تو اللہ کے حکم کے مطابق ان مہینوں کی حرمت کی پابندی کرنا تھی، اب اگر ان مہینوں میں جہاد حرام رکھا جاتا تو بد دیانت دشمن کو تو خوب موقع ہاتھ آ جاتا، وہ اپنے مہینوں کو تبدیل کر لیتے اور مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیتے، مسلمان حکمِ الٰہی کی پابندی کے باعث جواب دینا تو کیا، ان کی تلواروں تلے تڑپ بھی نہ پاتے، پس اللہ نے کرم فرمایا اور مسلمانوں کو ان مہینوں میں بھی جہاد کی اجازت دیدی، تاکہ وہ اپنا تحفظ بھی کر سکیں اور اگر ضرورت ہو تو حملہ آور بھی ہو سکیں۔

یہ اسلام کی حقانیت کا ثبوت ہے کہ اس نے ہمیں ایسے قوانینِ زندگی عطا فرمائے، جن پر کسی رد و بدل کے بغیر، ہر دور میں عمل ممکن ہے اسی قانون پر غور فرمائیے کہ اگر ''اشہر حرم'' میں جہاد ممنوع قرار دیدیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ اس زمانہ کے بد دیانت دشمن سے نقصان کا اندیشہ رہتا، بلکہ اس دور میں تو یہ قانون قابل عمل ہی نہ رہتا کیونکہ آج کے دشمن کا تو کوئی اصول ہی نہیں، کوئی مذہب اور کوئی دین ہی نہیں، اسے تو جب بھی موقع ملتا ہے، حملہ کر دیتا ہے، بمباری کرنے لگتا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کسی وقت میں بھی جہاد پر پابندی نہ لگائی اور مسلمانوں کو ہر وقت دشمن کا مقابلہ کرنے، اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا موقع دیا، یہی حال اسلام کے دیگر قوانین کا ہے کہ وہ ہر دور، ہر مقام کے لئے قابل عمل ہیں، مسلمانوں کو نہ ان میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ہی تقاضائے وقت سے مجبور ہو کر حکم عدولی کی۔

ھدی اور قلائد

حرم مکہ میں قربان ہونے والے جانوروں کو ''ھدی'' کہا جاتا ہے اور بطور علامت ان کے گلوں میں جو ہار ڈال دیئے جاتے ہیں ''قلائد'' کہلاتے ہیں چونکہ یہ جانور، اللہ کی ملکیت قرار دے دیئے ہیں، لہٰذا یہ بھی ''شعائر اللہ'' اللہ کی نشانی بن گئے، پس تم ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (الحج:۳۶)

اور قربانی کے جانوروں کو، ہم نے بنایا ہے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے، تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔

پس تم ان کی بے حرمتی نہ کرو، یعنی ان کے ساتھ دیگر عام جانوروں جیسا برتاؤ نہ کرو، نہ تو ان کو حرم تک پہنچنے سے روکو، اور نہ ان پر سواری کرو، نہ اپنا بوجھ ان پر لادو، نہ ان کے بالوں سے فائدہ حاصل کرو، نہ ہی ان کا دودھ حاصل کرو، اب یہ اللہ کی امانت ہو چکے، اس کی نشانی بن چکے، ان کا احترام کرو، انہیں خوب کھلاؤ، پلاؤ، ان سے محبت کرو، جتنی ان کی خدمت کرو گے

Marfat.com

اتنا ہی زیادہ ثواب پاؤ گے، غور فرمائیے، وہ جانور اور اس جانور کے گلے کا ہار تک قابل احترام ہے، جو اللہ کی عبادت اور اس رضا کے حصول کے لئے مخصوص کر دیا گیا، تو پھر کیا قباحت ہے ان چیزوں کو محترم و معظم سمجھنے میں، جن سے اہل ایمان کے قلوب میں عبادت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

زائرین حرم کا احترام

''وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ'' اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کی بھی بے حرمتی نہ کریں جو حج وعمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کر رہے ہیں کہ اب وہ اللہ کی راہ کے مسافر اور اللہ کے گھر کے مہمان ہیں، وہ اللہ کی نشانی بن چکے ہیں، پس تمہارے ایمان کا متقضی یہ ہے کہ تم ان کا احترام کرو، ان کو عزت ومحبت کی نظروں سے دیکھو، ان کے مقدر پر رشک کرو، ان سے اپنے لئے دعاؤں کی درخواست کرو، کہ اللہ ہمیں بھی اپنے گھر کی حاضری کے شرف سے نواز دے، اگر ضرورت ہو تو ان سے ہر ممکن تعاون کرو، یہ ذمہ داری عام مسلمانوں کی بھی ہے اور ان خاص مسلمانوں کی بھی جو قومی امور کے امین اور ان کی انجام دہی پر مامور ہیں، یعنی حکام کی۔

زائرین حرم، دنیا کے کسی ملک سے بھی اللہ کے گھر کی طرف روانہ ہو رہے ہوں، مسلمان حکام کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کے سفر اور حرمِ مقدس میں ان کے قیام وطعام کے سلسلے میں، وہ اپنے وسائل کے مطابق جو بھی سہولتیں فراہم کر سکتے ہوں کریں، بالخصوص وہ زائرینِ حرم جو مسلم ممالک کے باشندے ہیں اور اپنے ملکوں سے حج وعمرہ کا قصد کر رہے، زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی حکومت ان کو خصوصی مراعات دے اور خصوصی اعزاز کے ساتھ انہیں ملک سے رخصت کیا جائے، پھر جب وہ حدودِ حرم میں پہنچیں تو خُدامِ حرمین کی ذمہ داری ہے کہ نہایت ہی عزت واحترام کے ساتھ ان کا استقبال کریں اور اللہ کے اِن مہمانوں کی ہر ممکن طریقے سے خدمت کریں، ان کی میزبانی کی ذمہ داری نہایت ہی احسن طریقہ سے پوری کریں۔

اس میں شک نہیں کہ بحمد اللہ عامۃ المسلمین، زائرین حرم کا احترام آج بھی کرتے ہیں، لیکن مسلم ممالک کے حکام نے جس طرح دیگر شرعی احکام کو پامال کیا ہوا ہے اور وہ جس طرح دیگر شعائر اللہ کی توہین کے مرتکب ہیں، اسی طرح انہیں اس واضح ہدایت کا بھی کوئی احساس نہیں یہی وجہ ہے کہ آج سوائے سفر حج وعمرہ کے باقی ہر قسم کے سفر کے لئے سہولتیں مہیا ہیں، اللہ کی راہ کا یہ مسافر جونہی اپنی مقدس منزل کا قصد کرتا ہے، اس کی آزمائش کا آغاز ہو جاتا ہے، سب سے پہلے اپنی حکومت سے اجازت، کرنسی کے حصول کا مرحلہ، پھر سعودی سفارت خانہ سے ویزا حاصل کرنے کی مشقت سے واسطہ پڑتا ہے، ویزا کا حصول، بھیک مانگنے سے بھی زیادہ دشوار ہوتا ہے، مطلوبہ دستاویزات پیش کر دینے کے بعد بھی، جھڑکیاں اور دھکے کھانے پڑتے ہیں، جیسے تیسے یہ اپنا سفر پورا کر کے جدہ ایئرپورٹ پر پہنچتا ہے تو عشق ومحبت کے اس دیوانے، اللہ کے گھر کے متوالے کا استقبال، شاہی کارندے، جن حقارت بھری نظروں سے کرتے ہیں اور جو ذلت آمیز رویہ برتتے ہیں، اس کا اندازہ سوائے حاجی کے کسی کو نہیں ہو سکتا، لایعنی سوالات کے جوابات، پاسپورٹ چیک کرنیوالوں کی جہالت کا مظاہرہ، کسٹم والوں کی بدسلوکی، سامان کو تتر بتر کرنا اور اوراد وظائف تک کی کتابوں کو نہ صرف چھین لینا بلکہ نہایت بے ادبی کے ساتھ پھینک دینا، منٹوں کا کام گھنٹوں میں کرنا، ان سلطانی غلاموں کا شعار ہے، اس بدسلوکی کی وضاحت کے طور پر، اگر ہم اپنا ایک ذاتی

Marfat.com

واقعہ پیش کر دیں، تو غیر ضروری نہ ہوگا۔

سفرِ حج کے دوران جدہ ایئرپورٹ پر، اُخوتِ اسلام سے مجبور ہو کر، ایک نہایت ہی پریشان حال، یورپین مسافر سے میں اس کی خیریت پوچھ بیٹھا، یہ ایک جرمن نومسلم تھا، جو پہلی ہی مرتبہ حج کے لئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ بڑے جذبے سے آیا تھا۔ جونہی میں اس کی طرف متوجہ ہوا، بس وہ بپھر پڑا، اور بولا ''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں تو شاید میں اسلام قبول ہی نہ کرتا، یا کم از کم یہاں آنے کی جسارت کبھی نہ کرتا، آخر کس نے ان جاہلوں کو اللہ کے گھر کا محافظ بنا دیا ہے، یہ تو ظالم ہیں، دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کے خلاف آواز بلند کرنا اور ان سے نجات حاصل کرنا چاہئے۔'' میں نے اس سے اظہار محبت کیا، اس کی ہمت افزائی کی اور مزید حال معلوم کیا، تو اس نے بتایا، '' کہ میری تین سالہ بچی راستہ میں بیمار ہوگئی، اس وقت اسے، ڈاکٹر اور دوا کی سخت ضرورت ہے، میں ان ظالموں کی پانچ گھنٹے سے خوشامد کر رہا ہوں کہ مجھے جلدی فارغ کر دو لیکن کوئی سُنوائی نہیں، جناب! یہاں کا تو حال ہی عجیب ہے، میرے ملک کا ایئرپورٹ ہوتا، تو مجھے جہاز سے ہی سیدھا ہسپتال پہنچا دیا جاتا۔'' بہر حال مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں نے کیا اور چند گھنٹے بعداً سے اس جیل سے رہائی دلانے میں کامیابی ہوئی، حرم شریف میں اس شخص سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی، تو پتہ چلا کہ اس کی بچی کا انتقال ہو گیا، ہمیں نہایت صدمہ ہوا اور دعا کی کہ اے اللہ! تو اپنے اس بندے کے ایمان کی حفاظت فرما، ان ظالموں کی بدسلوکی کے سبب اسے ایمان کی دولت سے محروم نہ کرنا۔

بہر حال ایئرپورٹ کے سخت مرحلے سے نجات کے بعد، حرمین شریفین میں قیام کے دوران معلمین، ہوٹل کے مالکان، ٹیکسیوں اور بسوں کے ڈرائیوروں وغیرہ کا رویہ بھی کچھ کم ہتک آمیز نہیں ہوتا، ہر ہر قدم پر ذلت وخواری کا سامنا رہتا ہے، یہ ظالم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے گھر کے مہمان شاید ان کے در کے بھکاری ہیں، اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ کسی کو نصیب نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے، وہ اللہ کے گھر کے اِن مہمانوں ہی کا صدقہ ہے معلمین کے ہزاروں خاندان، ان حجاج کرام کی دولت سے ہی عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، پورے سعودیہ کی تجارت کا دارومدار انہی حاجیوں پر ہے، حکومت کا عزت ووقار انہی حاجیوں سے ہے لیکن یہ ظالم اللہ کے شعائر کو پامال کرتے نہیں تھکتے، سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے اور اب حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پکڑ کا وقت قریب تر ہے اور ''اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ'' رب کی پکڑ جب ہوتی ہے تو کوئی چھڑانے والا نہیں ہو سکتا، اللہ ان سے امت مسلمہ کو جلد نجات عطا فرمائے اور اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حرم کی خدمت ایسے اہلِ ایمان کو سونپے جو اس کی ہدایت کے مطابق زائرین کا احترام کریں، ان کی میزبانی کا حق ادا کریں۔

زائرین حرم کے احترام کی ہدایت کے بعد اہل ایمان کو اجازت دی گئی کہ احرام کی پابندی ختم ہو جانے کے بعد تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے، پھر ایک اور اہم ہدایت جاری فرمائی ہے کہ ''کسی قوم سے ذاتی عداوت یا بغض کی وجہ سے تمہیں اختیار نہیں کہ تم اسے اللہ کے گھر کی حاضری سے روکو اور اس پر زیادتی کرو'' اس ہدایت کو بھی موجودہ دور میں سعودی تاجدار، جس طرح پامال کر رہے ہیں وہ آپ کے علم میں ہوگا کہ جس کا وہ چاہتے ہیں، اللہ کے حرم میں داخلہ بند کر دیتے ہیں، ہم ایسے بہت لوگوں کو جانتے ہیں جو ایک عرصہ دراز سے حرمینِ شریفین کی زیارت سے محروم ہیں، صرف اس جرم میں کہ ان سے حکومت

Marfat.com

کے بعض مخصوص قوانین کی پابندی میں لاپرواہی یا کوتاہی ہوگئی تھی، علاوہ ازیں ایک عرصہ سے لیبیا کے مسلمان، عراق کے مسلمان اس پابندی کا شکار ہیں، وہ بھی اس لئے نہیں کہ ان کا کوئی سیاسی اختلاف سعودی حکومت سے ہے بلکہ محض اس لئے کہ وہ اُن غیر مسلموں کو اپنا آقا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، جن کی غلامی سعودی بادشاہ نے صرف اپنی سلطنت اور بادشاہت کے تحفظ کے لئے اختیار کررکھی ہے، جو پوری امت مسلمہ کے لئے باعث شرم ہے۔

باہمی تعاون

اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک مستحکم، منظم، باعزت، بارعب اور باوقار قوم بنانا چاہتا ہے، جس کا ہر فرد اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں اللہ کا سپاہی ہو، جو غیروں کے سہارے کے بغیر، اپنے قومی تشخص، اپنی امتیازی حیثیت کی حفاظت اور اللہ کی زمین پر، اللہ کے بندوں کو جبر واستبداد سے نجات دلانے اور امن وامان کا ماحول فراہم کرنے کی ذمہ داری پوری کرنے کا اہل ہو، جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی میں پیش آنے والے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت وقوت رکھتا ہو، اس میں بلا کا تحمل ہو، اس میں بلا کی قوت برداشت ہو، اس کا گزر پھولوں بھرے گلستانوں سے ہو یا پُر خار وادیوں سے، جنگوں کے مصائب وآلام ہوں یا ریگستانوں کے نشیب وفراز، کہیں اور کسی موقع پر وہ غیروں کا محتاج نظر نہ آئے، اس مقصد کے حصول کے لئے اسے کہیں ہمت وصبر کی تلقین کی گئی تو کہیں استقلال واستقامت کی تعلیم دی گئی، یہاں ایک اور نسخہ کیمیا عطا فرمایا جارہا ہے اور وہ ہے ''باہمی تعاون'' واضح ہدایت ہے کہ:

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو، جس کی بنیاد ''برّ وتقویٰ'' کو بناؤ کہ جب بھی تمہارے کسی مسلمان بھائی کو کسی ''نیک کام'' میں تمہارے تعاون کی ضرورت پیش آئے تو آگے بڑھو اور اسے جس قسم کا تعاون درکار ہو، اپنی استطاعت کے مطابق اسے فراہم کرو، لیکن اگر رنگ ونسل، لسانی یا صوبائی بنیادوں پر تم سے کوئی مدد کا طلب گار ہو تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ ان بنیادوں پر ہرگز تعاون نہ کرنا کہ ایسے مقاصد میں تعاون، امتِ مسلمہ میں انتشار وافتراق، گروہ بندی اور فرقہ بندی پیدا کرنے کا باعث ہوگا جو ہدایتِ تعاون کے مقصد ہی کو ختم کردیتا ہے کہ تعاون کی ہدایت کا مقصد تو امت مسلمہ میں یگانگت اور اتحاد واتفاق پیدا کرنا ہے، علاوہ ازیں اسلامی رشتہ کی بنیاد تو ایک رسول ﷺ کی غلامی اور ایک قرآن کے احکام کی پابندی ہے، اس میں رنگ ونسل یا صوبائیت ولسانیت کا کوئی لحاظ نہیں، دیکھو تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جو حیثیت ابوبکر، عمر، عثمان، علی کی ہے، وہی بلالِ حبشی، صہیب رومی، سلمانِ فارسی، زید بن ثابت کی ہے، رضی اللہ عنہم، نہ وہاں امیر وغریب میں فرق نظر آتا ہے اور نہ ہی آقا وغلام میں، نہ کالے اور گورے میں امتیاز ہے، نہ ہی عرب وعجم کا لحاظ، صرف لحاظ ہے تو ''برِ وتقویٰ'' کا، پس باہمی تعاون کی بنیاد ''برِ وتقویٰ'' کو بناؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِىْ هَوٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنْبِهٖ

جس نے اپنی قوم کی غیر حق پر مدد کی، تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو گڑھے میں گر جائے اور دُم پکڑ کر کھینچا جائے۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم):

مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَکَ عَلَى الظُّلْمِ

عصبیت کیا ہے؟ فرمایا، یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو۔ (ابوداؤد)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَاْثَمْ

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خاندان کا دفاع کرے، جب تک کہ گناہ گار نہ ہو۔ (ابوداؤد)

یعنی اپنے خاندان سے تعاون اور اُس کی مدد اس وقت تک کرو، جب تک کہ وہ کسی برائی یا ظلم میں مبتلا نہ ہوں، جب ایسا ہو تو ان سے علیحدہ ہو جاؤ کہ برائیوں پر مدد کرنا، برائیوں میں شریک ہونا ہے، پس ''بِر وتقویٰ'' میں مدد کرو ''اِثم وعدوان'' میں نہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ

وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پھیلائے اور وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے۔ (ابوداؤد)

عصبیت، صرف رنگ، نسل، زبان، صوبہ، یا وطن کی بنیاد پر رشتہ قائم کرنا، ان بنیادوں پر رشتہ کی دعوت دینے والا، یا ان بنیادوں پر حمایت کرنے والا اور دوسروں سے جنگ کرنے والا، ان بنیادوں کی حمایت کرتے ہوئے مرجانے والا شخص، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے حلقہ غلامی سے خارج قرار دیا کیونکہ اس عصبیت کی لعنت ہی نے تو انسان کو انسان کا دشمن، قاتل، ظالم اور عزت وآبرو، جان ومال کا لٹیرا بنایا ہوا تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستگیری فرمائی اور سب کو اسلام کے رشتے میں جوڑ کر، ایک دوسرے کا، دوست، معاون ومددگار، اور عزت وآبرو، جان ومال کا محافظ بنادیا، یہ رشتہ جتنا مستحکم ومنظم ہوا، اتنا ہی انسان کو امن اور سکون ملا، اتنا ہی وہ باعزت، باوقار بنا اب جو بھی امت مسلمہ میں عصبیت کا بیج بوکر، اسے انتشار اور افتراق میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ قوم کا مجرم ہے، اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا مجرم ہے، اس لائق نہیں کہ اسے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہو، ''لیس منا'' غلامو! وہ ہم میں سے نہیں، اس کو دور کر دو اور اس سے دور رہو تا کہ اس کے شر سے محفوظ رہو۔

ایک موقع پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا قوم سے محبت کرنا، خاندان سے محبت کرنا، عصبیت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں:

وَلٰكِنْ مِّنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَى الظُّلْمِ

Marfat.com

لیکن عصبیت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی مدد، ظلم پر کرے۔ (ابوداؤد)

غرضیکہ اہل ایمان کو باہمی تعاون کی ہدایت کی گئی، اثم وعدوان، ظلم وستم اور تعصب کی بناء پر نہیں بلکہ صرف اور صرف، اسلامی اخوت اور برّ وتقویٰ کی بنیاد پر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جن کے "باہمی تعاون" کی خوبی پر قرآن گواہ ہوا "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کہ یہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں، ان حضرات کی باہمی مہربانی کی بنیاد، برّ وتقویٰ اور اسلامی اخوت ہی تھی، اسی لئے انہوں نے، اپنے اعزا واقرباء، دوست واحباب کو چھوڑا، اسلامی رشتہ کو خونی رشتوں پر ترجیح دی اور رنگ ونسل، لسانی وصوبائی امتیاز کے بغیر اُن غیروں کو اپنایا اور گلے لگایا جو مؤمن تھے، مسلم تھے اور اس طرح مختلف زبانیں بولنے والوں، مختلف رنگ ونسل کے لوگوں اور دور دراز صوبوں اور ملکوں میں بسنے والوں پر مشتمل ایک امت وجود میں آئی، ایسی امت جس کی نظیر ماضی کی تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔

"برّ وتقویٰ" کی بنیاد پر، باہمی تعاون نے اہل ایمان کو ایک مضبوط اور بارعب قوم بنایا کہ قیصر وکسریٰ کی حکومتیں بھی ان کے سامنے سرنگوں نظر آئیں اور اقوام عالم نے ان کی عظمت، ان کی قوت کو تسلیم کیا، لیکن جس دور میں بھی اہلِ ایمان باہمی تعاون کی نعمت سے محروم ہوئے، یا ان کے تعاون کی بنیاد، بر وتقویٰ، نہ رہا وہ انتشار کا شکار ہوئے، ان میں افتراق پیدا ہوا حتی کہ وہ باہم دست وگریباں نظر آنے لگے، وہ امن وسکون، عزت وآبرو کی زندگی سے محروم ہوگئے، جو کام دشمن کا تھا، وہ خود ہی آپس میں کرنے لگے، ان کی جان ومال، عزت وآبرو کے لٹیرے، انہی میں سے پیدا ہونے لگے، غربت، جہالت، بے روزگاری، جیسے مصائب نے ان کو دَر دَر کا بھکاری بنا دیا، حتیٰ کہ وہ اپنوں کے مقابلہ پر غیروں کو ترجیح دینے لگے، وہ اپنوں کی عداوت ودشمنی میں اتنے آگے بڑھے کہ غیروں کو ان پر ظلم وستم کی دعوت دینے لگے، انہوں نے اپنوں کے لئے، اپنے دروازے بند کئے اور غیروں کو اپنا سارا سرمایہ سونپ دیا اور اب امت مسلمہ کا حال یہ ہوگیا، بقول علامہ اقبال:

اک فغاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی
نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فِقر تھا جن کا ہلاک قیصر وکسریٰ
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ مَن تیرا، نہ تن

دل سوز سے خالی ہے، نگہ پاک نہیں
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدے بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

اے لا الہ کے وارث، باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھو گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

Marfat.com

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد ضمیرش باقی و فانی بہم کرد
ولیکن الاماں از عصر حاضر کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں
گر تو مے خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے
میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے روح کو تڑپا دے

اے ایمان والو! اللہ کا خوف کرو، اس سے ڈرتے رہو، ان ہدایات پر عمل کرو، دیکھو اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے، جب اس کا عذاب نازل ہوتا ہے تو تمہارے سارے وسائل، سارے سہارے بیکار ہو جاتے ہیں، کبھی طوفان باد و باراں تو کبھی زلزلہ، تمہاری حسین آبادیوں کو ڈھیر کر ڈالتے ہیں، تو کبھی وبائی اور نت نئے امراض سے تمہاری قوت و طاقت پامال کر دی جاتی ہے، کبھی جہالت و غربت سے تمہارا غرور و تکبر، خاک میں مل جاتا ہے، پس تمہاری عافیت اسی میں، خیریت اسی میں ہے، فلاح و بہبود کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ تم جس کے ہو، اسی کی بندگی اختیار کرو، اسی کے احکام کی تعمیل کرو، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کوئی سہارا نہیں۔

آیئے، اب دوسری آیت مبارکہ کا مطالعہ کریں جس میں حرام جانوروں، ایک قسم کی حرام دولت کا ذکر ہے نیز شریعت اسلامیہ کے مکمل ہونے کا اعلان ہے اور اہل ایمان کے لئے دین اسلام، اختیار کرنے پر اپنی رضا کا مژدہ ہے، اس مومن کے لئے بخشش کی خوشخبری ہے، جس نے حالت اضطرار میں صرف جان بچانے کی غرض سے کوئی حرام غذا استعمال کر لی۔

حرام جانوروں اور ''اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'' کی تشریح و تفصیل، گزشتہ اوراق میں، سورۂ بقر کی آیت نمبر ۱۷۲، ۱۷۳ کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے، نیز حالت اضطرار میں حرام غذا کے استعمال پر بھی گفتگو ہو چکی ہے، اگر ضرورت ہو تو ان مضامین کا دوبارہ مطالعہ کر لیا جائے، اب اس آیت مبارکہ کے تین موضوع باقی رہتے ہیں اکمال دین، اتمام نعمت، رضا بالاسلام، تو ان کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

اکمال دین

اکمال دین کا ایمان افروز مژدہ سنانے سے پہلے، اللہ رب العزت جل مجدہ نے، اہلِ ایمان کو مطمئن کیا کہ اب تک

Marfat.com

تمہارے دین کو جو خطرہ کفار سے تھا، وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے کیونکہ اب کافر، تمہیں بار بار آزمانے کے بعد تمہاری فتح و کامرانی، استقلال و استقامت اور شان و شوکت دیکھ لینے کے بعد، خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ تمہارا دین ان کی سازشوں اور لاکھ تدبیروں کے باوجود بھی نہ مٹا ہے نہ مٹ سکتا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (توبہ:۳۲)

وہ (کافر) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں، اللہ کے نور (اسلام) کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اللہ اپنے نور (اسلام) کو، اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (الصف:۸)

یہ (بیوقوف) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور (اسلام) کو اپنی پھونکوں سے اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، چاہے کافر اس کو سخت ناپسند کریں۔

اسلام اللہ کا نور ہے، کفار اس نور کو بجھانے، مٹانے کی بہت کوششیں کر چکے اور چاہے مستقبل میں کتنی ہی سر توڑ کوششیں کر لیں، لیکن یہ دین نہ مٹا ہے نہ مٹ سکتا ہے کہ یہ مٹنے کے لئے نہیں آیا، پس:

اے ایمان والو! اپنی پیہم ناکامیوں، نامرادی اور ذلت و خواری کے بعد، کفار کے حوصلے پست ہو چکے ہیں، وہ مایوس ہو چکے ہیں لہٰذا تمہارے دلوں میں جو بھی تھوڑا بہت کافروں کا ڈر تھا اسے اب نکال دو، اطمینان سے، ہماری اطاعت اور ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کرو، ہرگز کسی سے نہ ڈرو، تمہارا خالق، میں اللہ ہی ہوں، میں ہی تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہارا ناصر و مددگار ہوں۔ میرے ہی حضور تمہیں حاضر ہونا ہے۔ پس صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ:۱۳)

اللہ ہی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم (سچے) مومن ہو۔

وہ اللہ تو فیصلہ فرما چکا ہے کہ تمہارے دین کو اتنا کامل و مکمل کر دے گا کہ تمہیں زندگی کے کسی شعبہ میں، کسی دوسرے دین سے رہبری و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی، پس سنو اور ناز کرو کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔

اکمالِ دین کا مطلب، حضرت عبداللہ بن عباس و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ دینِ حق، شریعتِ اسلامیہ کے تمام فرائض و حدود اور احکام عبادات و معاملات مکمل کر دیئے گئے جو ہر دور اور ہر مقام کے اہلِ ایمان کے لئے قابلِ عمل اور کافی ہیں، ان میں حالات کی تبدیلی کے باوجود کسی تبدیلی یا کمی بیشی کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کے بعد کوئی نیا حکم نازل نہ ہوا جو چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں ان میں یا تو ترغیب و ترہیب ہے یا پہلے نازل شدہ احکام شرع کی تائید، ہاں آئمہ مجتہدین نے قرآن کریم کے بیان کردہ اصول اجتہاد کے مطابق نئے پیش آنے

Marfat.com

والے حالات و واقعات کے مطابق، اپنے اجتہاد سے کچھ شرعی احکام بیان فرمائے لیکن یہ دین کامل میں کوئی اضافہ نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں ان حضرات نے اجتہاد کیا، گویا ان کے بیان کردہ احکامِ شرعیہ، حقیقت میں قرآن وحدیث ہی کے احکام ہیں جن کو بوقت ضرورت وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا، ان کا اصل مآخذ قرآن وحدیث ہی رہا۔

دین، ایسے اصول زندگی کے مجموعہ کا نام ہے جن پر عمل کرنے والے کو پُرسکون، باعزت اور باوقار زندگی میسر آئے ہر دور میں انسان نے اپنی زندگی کے لئے خود اصول وقواعد وضع کئے لیکن اُن خود ساختہ اصولِ زندگی سے کبھی انسان کو وہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے جن کے لئے ایک ضابطہ حیات مرتب کیا جاتا اور اس پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل وکرم سے ہر دور میں اپنے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا جو انسان کے لئے اس کے خالق کے عطا کردہ اصول زندگی لے کر آئے، پس جن خوش نصیبوں نے انبیاء کے پیغام ہدایت کو قبول کیا اور ان کی اتباع و پیروی کی وہ کامیاب وکامران ہوئے انہیں پُرسکون زندگی میسر آئی، انہیں عزت و وقار نصیب ہوا، گویا اللہ کا عطا کردہ دین ہر دور میں کامیابی وکامرانی کا ضامن رہا ہے جبکہ انسان کا اپنا وضع کردہ قانون ہمیشہ ناکام رہا ہے، ماضی میں بھی ناکام رہا، حال میں بھی ناکام ہے اور مستقبل میں بھی ناکام ہی رہے گا۔

اللہ کے عطا کردہ ادیانِ سابقہ، مخصوص اقوام اور امتوں کے لئے تھے اور وہ اپنے اپنے محدود دائرے کے لئے مکمل اور کافی تھے لیکن جو دین، احکامِ شرع نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے آپ ﷺ کے غلاموں کو دیئے گئے وہ وقتی نہیں مخصوص قوم کے لئے نہیں ان کا دائرہ محدود نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عام ہے "قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" کا اعلان قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے عام ہے لہٰذا آپ کا دین بھی عام ہے یعنی ہر دور کے انسانوں اور دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں کے لئے ہے، پس اس کے احکام اس نوعیت کے ہیں کہ کسی کے لئے، ان پر عمل کرنا، دشوار یا ناممکن نہ ہو عبادات سے متعلق احکام ہوں یا معاملات سے متعلق فرائض وحدود ہوں یا آداب، سب پر عمل آسان ہے کہ یہ دین "دینِ یُسر" ہے اور سب کے لئے ایک ہی جیسے احکام ہیں، ایشیاء کے لوگ ہوں، افریقہ، یورپ یا امریکہ کے اور سب ہی کی کامیابی وکامرانی ایک ہی دین کے احکام کی تعمیل پر موقوف ہے نیز یہ دین بنی نوع انسان کے جملہ فطری تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرتا ہے لہٰذا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے ارشاد سے اس پر تکمیل کی مہر لگا دی گئی جو ایک طرف تو اس دین کی عظمت کا اعلان ہے اور دوسری طرف اس کی حفاظت کا کہ اہل ایمان کے لئے یہ باعث فخر ہے کہ وہ کسی ناقص دین کے مطابق زندگی بسر نہیں کر رہے جس کی وجہ سے انہیں اپنی کامیابی وکامرانی کے حصول میں کوئی شک وشبہ ہو بلکہ وہ ایک کامل دین کے پیروکار ہیں لہٰذا انہیں یقینِ کامل ہے کہ وہ زندگی کے کسی مرحلہ میں ناکام ونامراد نہیں ہو سکتے، نیز اہل ایمان کے لئے یہ حقیقت باعث اطمینان ومسرت ہے کہ وہ جس دور میں ہیں اور جس مقام پر بھی سکونت پذیر ہیں ان کے لئے ان کا دین نیا نہیں وہی دین ہے جو ان کے اسلاف کا تھا، جو چودہ سو قبل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، وہی دین بحفاظت نسل در نسل چلا آ رہا ہے اب اس پر عمل تجربہ نہیں بلکہ کامیابی کی یقینی ضمانت ہے اہل ایمان مطمئن ہیں کہ اللہ نے اس دین کو مکمل کر دیا ہے۔ نہ ماضی میں اس میں کوئی تحریف ہوئی اور نہ ہی مستقبل میں اس میں کسی ردّ وبدل کا امکان ہے۔

Marfat.com

اگر کسی دور میں دین میں تحریف کی کوشش کی بھی گئی، نبی کے غلاموں نے محرّفین کی ایسی سرکوبی کی کہ ہمیشہ کے لئے فتنہ تحریف ختم ہو گیا، جس کی پہلی نظیر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل میں ملتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دین میں تحریف کی پہلی مرتبہ کوشش کی گئی تھی کہ بعض نومسلم قبائل عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا خلیفۃ الرسول نے انہیں مرتد قرار دیا اور صحابہ کرام کی مخالفت کے باوجود آپ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا حکم دیا تاکہ قیامت تک کوئی اس دین کامل کے کسی رکن کے انکار یا اس میں تحریف کی جرأت نہ کر سکے۔

بہرحال ہم خوش نصیب ہیں کہ دین کامل پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے وارث ہیں ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنے ان اسلاف، ان محسنوں کے شکرگزار رہیں، ان کو ہمیشہ خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے رہیں جنہوں نے ہر قسم کے مصائب وآلام کا مقابلہ کیا، بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکرائے، اس دین کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن دین پر آنچ تک نہ آنے دی انہوں نے جیسا اپنے بزرگوں سے لیا ویسا ہی ہمیں دے گئے، اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ہم پر ان کے فیوض وبرکات جاری فرمائے، نیز ہمیں انہی کی طرح دین پر عمل اور اس کی حفاظت کی ہمت وتوفیق نصیب فرمائے آمین۔

کمال دین کا تقاضا ہے کہ ہم اسے ہر دور اور ہر مقام کے لئے قابل عمل سمجھیں اور اس پر عمل کو اپنے لئے فخر جانیں، ذریعہ عظمت ونجات جانیں، دشمنوں کی نقالی، ان کے در کے بھکاری بن کر اپنی عزت کو پامال نہ کریں، اس دین کامل کے نصیب ہو جانے کے بعد اہل ایمان کو نہ تو غیروں کے اصول زندگی اپنانے کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی خود اپنے لئے کوئی قانون یا دستور وضع کرنے کی احتیاج رہی۔ لیکن افسوس ہم نے اپنے آپ کو ایسے جھمیلوں میں پھنسا لیا، ایسی تکالیف میں مبتلا کر لیا، ایسی الجھنوں میں مبتلا کر لیا جس کے نہ ہم مکلّف تھے نہ اس کی ضرورت تھی۔ آج ہم جمہوری اور اشتراکی دساتیر سے خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کبھی امریکی قانون کی نقالی کرتے ہیں تو کبھی برطانوی قانون کی، جب کہ ہمارے لئے قرآنی قانون پہلے ہی موجود ہے، ہم اپنے ممالک کے لئے دستور مرتب کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں، ہمارے قیمتی سرمایہ کا بیشتر حصہ دستور ساز اداروں کی نظر ہو رہا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ دینِ کامل کو ہم نے غلافوں اور الماریوں میں بند کر رکھا ہے۔ انجام سامنے ہے کہ لاکھ کوششوں کے باوجود ہمیں سکون میسر نہیں، امن حاصل نہیں، ہماری عزت کو گھن لگ رہا ہے، ذلت وخواری، ضلالت وگمراہی کی راہوں میں ہم بھٹک رہے ہیں، تمام مسلم ممالک سیاسی انتشار وافتراق، معاشی بدحالی، معاشرتی تنزل کا شکار ہیں، صرف اس لئے کہ جو دینِ کامل ہماری فلاح وبہبود کا ضامن ہے، اسے ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے:

محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا
دیں، ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

Marfat.com

یقین پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اتمام نعمت

اللہ رب العزت جل مجدہ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ یہ دعویٰ قرآن ہے جو برحق ہے۔ ان بیشمار نعمتوں میں، اللہ کی عظیم نعمت، انسان کی ہدایت ورہبری کے لئے دین کا عطیہ اور اس کی تعلیم کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت ہے کہ اسی کے ذریعہ، انسانی اقدار کا پتہ چلا، زندگی کے اصول وضوابط ملے، خالق کی معرفت، مخلوق سے محبت کے طریقے نصیب ہوئے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم ملی، تہذیب وتمدن کا تعارف ہوا، حکومت، تجارت، سیاست کے اصول ملے، شرف انسانیت کے تحفظ اور بقاء کی ضمانت ملی، معراج انسانی کی راہ نظر آئی حتیٰ کہ اس نعمت کے ذریعہ روزمرہ کی زندگی کے اصول ملے کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، ملنے جلنے، گفتگو کرنے تک کا سلیقہ حاصل ہوا، یہ نعمت وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ اگر اللہ انسان کو اس سے محروم رکھتا تو انسان، انسانی جسم، شکل وصورت کے باوجود، ذلیل وخوار ہوتا، جانوروں سے بدتر ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس نعمت کو نہ اپنایا، اس سے قصداً منہ موڑ لیا قرآن نے انہیں باوجود انسان ہونے کے جانوروں سے بدتر قرار دیا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف: ۱۷۹)

اور بیشک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان، ان کے دل تو ہیں لیکن وہ (حق کو) سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ (حق کو) دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ (حق کو) سنتے نہیں، وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ تو غافل وبے خبر ہیں۔

غور فرمایا آپ نے یہ اشرف المخلوقات، آخرت میں جہنم کا ایندھن بنا اور دنیا میں جانوروں سے بدتر قرار پایا، صرف اس لئے کہ اس نے اپنے قلب، آنکھوں اور کانوں کو اللہ کی عظیم نعمت سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے استعمال نہ کیا بس وہ کھانے، پینے، خواہشات کی تکمیل میں مست رہا اور اپنی اصل ذمہ داری سے غافل وبے خبر رہا، پس اس کا جسم، شکل وصورت، انسانوں جیسی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے، نہ دنیا میں اس کی کوئی قدر وقیمت رہی اور نہ اللہ کے دربار میں اس کا کوئی مقام رہا، سورۂ فرقان میں انہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا:

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان: ۴۴)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں نہیں ہیں یہ مگر جانوروں کی طرح

Marfat.com

بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

''خود کردہ را چہ علاج'' انسان اشرفُ المخلوقات تھا، اللہ کا پیارا، اللہ کا محبوب تھا، بڑی قدر و منزلت والا تھا، خالق نے اسی کی خاطر و مدارات کے لئے آسمان سجایا، زمین کو بچھایا، اس حسین کائنات کو پیدا فرمایا، اپنی نورانی مخلوق ملائکہ تک کو اس کی چاکری میں دیدیا اور اس پر سب سے بڑا کرم یہ کیا کہ دین عطا فرمایا، معلمینِ دین حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا لیکن اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، اللہ کی اس عظیم نعمت کی قدر نہ کی، اسے پس پشت ڈال دیا، پس یہ کچھ نہ رہا، چوپایوں سے بدتر ہو گیا، جہنم اس کا ٹھکانہ بن گیا، قدر دانوں اور ناقدروں دونوں کے انجام کو ایک ہی آیت میں دیکھ لیجئے، فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ (محمد: ۱۲)

بیشک اللہ داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، باغات میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ تو عیش اڑا رہے ہیں اور کھاتے پیتے رہتے ہیں ڈنگروں کی طرح (ان میں انسانیت کا نام کی کوئی چیز نہیں) حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔

پس وہ انسان بڑا ہی خوش نصیب ہے جس نے دین کی قدر کی، اسے اپنایا، اس پر عمل کیا، بالخصوص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تو بڑے ہی مقدر والے ہیں کہ اللہ نے اپنی اس نعمت عظمیٰ کا اِتمام اِن پر فرمایا، ''**اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ**'' اس امت کا بڑا اعزاز ہے اسی کے سبب یہ امت، ''خَيْرُ الْاُمَمْ'' قرار دی گئی، تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہونا، ہم غلاموں کے لئے کتنا بڑا منصب ہے، اس پر ربّ کریم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، ہماری تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ہم نے اللہ کی اس نعمت کی قدر کی تو ہم قدر والے ہوئے اور جب ہم نے اس کی ناقدری کی تو ہم بے قدرے ہو گئے۔

اتمامِ نعمت کا مفہوم

یہ ہے کہ ہمیں اصول زندگی پر مشتمل جو کتاب عطا فرمائی، وہ ہر اعتبار سے تمام و مکمل ہے اور اس کی تشریح و تفصیل اور تعلیم کے اعتبار سے ہم میں جس نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا، وہ بھی ہر اعتبار سے تمام و مکمل ہے، پس اب قیامت تک نہ کسی کتاب کے نزول کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی کسی نبی کی بعثت کی گنجائش رہی، پس اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم پر اپنی نعمت عظمیٰ کو تمام فرمایا، ہمیں وہ قرآن دیا جو کامل و مکمل ہے کہ اس کی ظاہری عبارت میں ایسی لذت رکھی کہ اس کے سننے یا پڑھنے سے کبھی دل نہیں اکتاتا اور یہ یقین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے کہ ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' اس حقیقت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کا ہر حرف منجانب اللہ ہے، اس کے مفہوم و معانی پر غور کیا جائے تو اس کے احکام، انسان کی فطرت و ضرورت کے عین مطابق ہیں، اس کے دلائل، لاجواب ہیں، اس کے شواہد واضح اور ظاہر ہیں، اس کے قوانین قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ضرورت کے لئے کافی ہیں، اس کے بیان کردہ واقعات عبرت و نصیحت کا ذریعہ ہیں، اس کی بیان کردہ امثال سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے، یہ علم کا ایسا گہرا سمندر ہے کہ اس کی تہ کو سوائے صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہ پہنچ سکا اور نہ پہنچ سکتا ہے۔ تاہم جس نے بھی غوطہ لگایا، کچھ نہ کچھ پایا، اس کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ ہم

Marfat.com

اس کی قدر کریں، اپنی زندگی کو اس کے ذریعہ سدھاریں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ
(البقرۃ:۲۳۱)

اور یاد رکھو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور جو اس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت، وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے۔

تمہیں یہ کتاب اسی لئے دی گئی ہے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرتے رہو، اس سے رہبری و رہنمائی حاصل کرو۔

بہر حال قرآن ہر اعتبار سے جامع، کامل و مکمل ہے لہٰذا اس کے نزول پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے نزول کی نعمت کو تمام فرمادیا، یہ اللہ کی آخری کتاب قرار پایا، جس کا مقتضیٰ تھا کہ یہ ہمیشہ اپنی اصل حالت میں رہے کسی کو اس میں ردوبدل کی مجال نہ ہو، پس اس کے نازل فرمانے والے رب نے خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر:۹)

بیشک ہم نے اتارا ہے قرآن کو اور بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

الحمد للہ، اللہ کی یہ نعمت تامہ، آج تک ہمارے پاس اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گی، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم اس کے وارث اور امین ہیں اس کا یہ حق ہے کہ ہم اس کو اپنائیں، اپنی زندگی اس کے مطابق گزاریں، ہم یہ حق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، اس کا ثبوت حالات سے حاصل کیجئے، اپنے اطوار و کردار سے حاصل کیجئے، اور خود فیصلہ کر لیجئے۔

نعمتِ نبوت

نیز اللہ کی نعمت تمام ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اور اس کے احکام کے مطابق ہماری زندگی کو سنوارنے کے لئے جو نبی ہم میں مبعوث ہوا، وہ ہر اعتبار سے اتنا کامل و مکمل ہے کہ اس کے بعد انسان پر نعمت نبوت کو جاری رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی، پس اس نبی کی بعثت کے ساتھ اللہ کی یہ نعمت اپنی انتہا، اپنے تمام و کمال کو پہنچی اور یہی کامل قیامت تک آنے والے انسانوں کا رہبر و رہنما قرار پایا، بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء:۱۷۰)

اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ، تمہارے رب کی طرف سے، پس تم ایمان لاؤ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم انکار کرو تو (سمجھ لو) کہ بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یہی اعلان مزید تاکید کے ساتھ زبان رسالت سے کرایا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

Marfat.com

الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (اعراف:۱۵۸)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام!) آپ فرمائیے، اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے، جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اسی کی تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

نبی انسان کی رہبری و راہنمائی کے لئے تشریف لاتا ہے، اب ایسا نبی مبعوث ہو چکا ہے جو قیامت تک کے انسانوں کا رہبر و راہنما ہے لہٰذا انسان پر نعمتِ نبوت کا اتمام ہوا، اب کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی، پس یہ نبی خاتم الانبیاء قرار پایا، قیامت تک اسی کا عطا کردہ قانون نافذ رہے گا، وہی ناجی ہوگا جو اس کے دامن سے وابستہ ہوگا، جو اس کا تابعدار ہوگا وہی اللہ کا اطاعت گزار ہوگا، جس سے یہ راضی ہوگا، اسی سے اللہ راضی ہوگا، جس پر اس کی نظر کرم ہوگی، اسی پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوگی، جس کے لئے یہ طلب مغفرت کرے گا اسی کو اللہ کی طرف سے مژدہ مغفرت ملے گا، جس کی یہ شفاعت کرے گا، اسی کو اللہ جہنم کی آگ سے آزاد کرے گا، اسی نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے، انسان کے سارے مراتب وابستہ ہیں، ان کا کلمہ پڑھنے والے ''خیر امم'' بنے، ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کو ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' کی ضمانت دی گئی، ان کے اشارہ آبرو پر جان کی بازی لگا دینے والے، حیات جاودانی پاتے ہیں، ان کے دین کے خدام، ان کی وراثت کے حقدار قرار دیئے گئے، ان کے صحبت یافتہ اور جمالِ حسن آرا کا نظارہ کرنے والوں سے اللہ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا، انہیں مقامِ نبوت کے بعد انسانیت کا اعلیٰ ترین اعزاز بخشا گیا۔

ختم نبوت

نعمت نبوت کے اتمام کا مقتضیٰ یہی ہے کہ یہ نبی آخری نبی قرار پائیں، ان پر سلسلہ نبوت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے، یہ وہ آخری اینٹ ہوں جس سے عمارت نبوت مکمل ہو جائے لہٰذا واضح اعلان فرمایا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ (احزاب:۴۰)

نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے باپ، تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ وصف ''ختم نبوت'' باتفاق امت، دین کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے، جس کا منکر مرتد، واجب القتل ہے، جس کی نظیر، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قائم فرمائی کہ آپ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والے مرتدین کا قتل عام کرایا تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناموسِ رسالت محفوظ ہو جائے۔

Marfat.com

حضور علیہ السلام کا علم غیر متناہی

نعمت نبوت کے اتمام کا مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا علم عطا فرمایا جائے جو قیامت تک پیش آنے والے حالات و واقعات کا احاطہ کرے تاکہ یہ نبی امی اپنے غلاموں کو ایسے احکام وقوانین دے سکے جو ہر قسم کے حالات میں قابل عمل ہوں، پس اللہ عالم الغیب والشہادہ نے اس عظیم نبی کو اپنے خزانہ علم سے بلا واسطہ دولت علم سے نوازا اور خوب دیا، اتنا دیا کہ اس نے سارے عالم کو اپنے علم کے نور سے منور کر دیا اور کوئی علم والا، اس کے علم کی تہ کو نہ پا سکا نہ پا سکتا ہے، اتنا دیا کہ اس کی طرف عدم علم کی نسبت تک ممکن نہ رہی، درج ذیل آیت میں غور فرمائیے:

وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝ (النساء: ۱۱۳)

اور اتاری ہے، اللہ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت اور سکھا دیا آپ ﷺ کو، جو کچھ بھی آپ ﷺ نہ جانتے تھے اور اللہ کا آپ ﷺ پر، بڑا فضل ہے۔

''وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ'' کے اعلان الٰہی کے بعد کون ہے جو اس تلمیذ رحمٰن کے وسعت علم کا اندازہ لگا سکے، کون ہے جو اس کی انتہا کو پہنچ سکے، کون ہے جو اس لامحدود علم کی تحدید کر سکے، اس علم کی وسعت کو، یا دینے والا جانتا ہے، یا لینے والا، یا سکھانے والے کو پتہ ہے، یا سیکھنے والے کو، ہمیں ہی نہیں بلکہ جبرئیل امین تک کو صرف اتنا پتہ ہے کہ ''فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے اس علم وسیع کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، ''آج میں نے اپنے رب عزوجل کی زیارت کی ہے، بڑی حسین اور پیاری صورت میں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی، میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھی، جس کی ٹھنڈک میں نے سینہ میں محسوس کی، ''فَعَلِمۡتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ''، پھر میں نے جان لیا، جو کچھ آسمانوں میں تھا اور جو کچھ زمین میں تھا''، حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں، اس حدیث کے ذیل میں فرمایا، ''پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینہا بود، عبارتست از حصول تمامہ علوم جزوی وکلی واحاطہ آن''، یعنی پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمین میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام علوم جزوی وکلی مجھے حاصل ہو گئے اور میں نے ان کا احاطہ کر لیا' علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات، سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا، وہ میں نے جان لیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔''

حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز فجر پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ منبر سے اترے، نماز ظہر پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ جاری فرمایا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ منبر سے

Marfat.com

اترے اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ دینے لگے، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا، ''فَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَ بِمَا هُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا'' اس طویل خطبہ میں (جو صبح سے شام تک جاری رہا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں (ما کان) جو کچھ گزر چکا، کی بھی خبر دی اور (ما ھو کائن) جو کچھ ہونے والا ہے، اس کی بھی خبر دی'' پس ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔ **(مسلم شریف)**

اس حدیث شریف سے اندازہ لگائیے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت خطابت کا، کتنا طویل خطبہ ہوگا، یہ اور کیا کچھ اس میں بیان نہ کیا گیا ہوگا، یہ اسی کے بس کی بات ہے جس کو اللہ رب العزت نے دولتِ علم سے مالا مال کیا اور اس نے اسی نورِ علم سے اپنے غلاموں کے قلوب کو منور و روشن کر دیا، جس پر قرآن گواہ ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۵۱)

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول، تم میں سے، پڑھ کر سناتا ہے تمہیں، ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت، اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے انسان کو ایسی بیشمار چیزوں سے متعارف کرایا جن کو اس سے پہلے انسان جانتا ہی نہ تھا اور ایسی بیشمار چیزوں کی خبریں دیں جن کو انسان بعد میں جانے گا، بہر حال اللہ رب العزت جل مجدہ نے، اتمام نعمت کا یہ متقضیٰ پورا فرمایا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اولین و آخرین، ما کان و ما یکون سے نوازا تا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے آپ ﷺ کی تعلیم مفید ہو سکے اور آپ ﷺ کے عطا کردہ قوانینِ حیات قابلِ عمل بن سکیں، پس حضرت علامہ امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق ہمارا ایمان ہے:

وَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا　　وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اے نبی رحمت! دنیا و آخرت آپ ﷺ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ ﷺ ہی کے علم بیکراں کا ایک حصہ ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حفاظتِ دین

نیز اتمامِ نعمت کا متقضیٰ تھا کہ قیامت تک آپ ﷺ کی تعلیمات کو باقی و ساری رکھا جائے، پس اللہ رب العزت

Marfat.com

نے اپنے فضل وکرم سے اس تقاضے کو بھی پورا فرمایا کہ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت واشاعت اور تبلیغ کے لئے وارثین علم نبوی کا ایسا سلسلہ جاری فرمایا جو تواتر کے ساتھ آج تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا، ان نفوس قدسیہ کو، اللہ نے اپنے نبی کی رفعت ذکر کی ذمہ داری سونپی، جسے پورا کرنے کا ان حضرات نے حق ادا کیا، ان نفوس قدسیہ نے وقت کے ظالموں اور جابروں کے مظالم سہے، استقلال واستقامت کے ساتھ بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا، لیکن اللہ کے دین پر آنچ نہ آنے دی، تاریخ صحابہ کا مطالعہ کیجئے کہ ان حضرات نے دین کی بقاء کے لئے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کیں، میدان کربلا میں چمنستان نبوت کی پامالی پر غور کیجئے کہ صرف دین کی حفاظت کے لئے، کیسے کیسے مظالم سے دوچار ہونا پڑا، تابعین اور تبع تابعین کے حالات پر نظر ڈالئے کہ ان حضرات نے کیسی کیسی قربانیاں دے کر دین کی حفاظت کی، اسلاف کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ دین کی تبلیغ واشاعت کا کام کسی دور میں آسان نہ رہا، لیکن اللہ کو اس دین کی حفاظت مقصود ہے، لہٰذا جنہیں وہ وارث انبیاء بناتا اور ان کے سپرد خدمت دین کی ذمہ داری فرماتا ہے، انہیں ایسی قوت برداشت اور ہمت بھی عطا فرمادیتا ہے جس سے وہ ہر قسم کی اذیتوں اور تکالیف کے باوجود اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں، طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے یہ حضرات آگے بڑھتے رہتے ہیں اور جانے والے، آنے والوں کو اس ذمہ داری کا وارث بناتے رہتے ہیں، یہی ہوتا رہا، یہی ہوتا رہے گا، دین باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا، اتمام نعمت ہوچکا اور اس نعمت تامہ کی حفاظت قیامت تک ہوتی رہے گی، فالحمد للہ رب العالمین۔

رضا بالاسلام

اہل ایمان کے لئے یہ ایمان افروز مژدہ ہے کہ "رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" یعنی اطاعت وفرمانبرداری کے جس ضابطہ کی پابندی کا انہوں نے رب سے وعدہ کیا ہے، وہ رب نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے، یا رب کریم اس ضابطہ، اس قانون حیات کو اختیار کرنے والوں سے راضی وخوش ہے گویا انہوں نے دین اسلام اختیار کرکے اپنی منزل کو پالیا، کہ صرف یہی دین انسان کی کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے، اس سے روگردانی کرنے والا نہایت ہی احمق ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ: ۱۳۰)

اور کون روگردانی کرسکتا ہے دین ابراہیم سے، بجز اس کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنادیا ہو۔

یہی دین ہے، جس کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۭ (البقرہ: ۱۳۲)

اور وصیت کی اس دین کی ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو اے میرے بچو! بیشک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لئے یہی دین، سو ہرگز نہ مرنا، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

یہی دین ہے، جس کو بلا جبر واکراہ اختیار کرلینے والا، ایسے مضبوط حلقہ سے منسلک ہوجاتا ہے جو کبھی منقطع ہونے والا اور ٹوٹنے والا نہیں۔

Marfat.com

لَآ اِكۡرَاهَ فِي الدِّيۡنِ ۙ قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۗ لَا انۡفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

(البقرہ:۲۵۶)

کوئی جبر نہیں دین میں، بے شک خوب واضح ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے، تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ، تو اس نے پکڑ لیا، مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔

یہی دین، اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران:۱۹)

بیشک دین، اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

یہی دین ہے، جس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین تلاش کرنا، نہایت ہی حماقت ہے۔

اَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾ (آل عمران:۸۳)

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا، (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے یا مجبوری سے، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

یہی دین ہے، جس کی صداقت وحقانیت، روشن و واضح دلائل سے ثابت ہے۔

ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۰﴾ (یوسف:۴۰)

یہی دین قیم ہے لیکن بہت لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

یہی دین ہے، جس کی تاریخ بڑی ہی قدیم ہے۔

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ (شوریٰ:۱۳)

اس نے مقرر فرمایا تمہارے لئے وہی دین، جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو، اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ ﷺ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

یہی وہ دین ہے، جسے سارے ادیان پر غالب کرنے کے لئے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۲۸﴾ (فتح:۲۸)

Marfat.com

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا ہے، اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر، تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

یہی دین ہے، جس کے لئے حکم دیا گیا:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ (المؤمن: ۱۴)

پس عبادت کرو اللہ کی، خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو، اگرچہ ناپسند کریں کافر۔

اے ایمان والو! یہی دین ہے، جسے میں نے تمہارے لئے پسند فرمایا ہے، پس اگر تم میرے پسندیدہ اور محبوب بندے بننا چاہتے ہو تو اس دین کامل کو اختیار کرو، اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرو، نیز اس کی اشاعت و تبلیغ کو اپنی اہم ذمہ داری جانو تا کہ تمہارے بعد آنے والی نسلیں اس کی وارث بنیں، جیسے تمہیں تمہارے اسلاف نے اس کا وارث بنایا۔

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں تین خوشخبریاں جمع ہیں، جو بلاشبہ اہل ایمان پر اللہ کا عظیم انعام ہے، اور ان کے لئے نہایت بلند اعزاز بھی، اسی لئے اس کے نزول کے لئے ایک نہایت ہی اہم موقع کا انتخاب فرمایا، دس ہجری ہے رحمت باری کے نزول کا خاص دن ''عرفہ، نو ذی الحجہ'' ہے، جمعہ کا بھی مبارک دن ہے، مبارک ساعت، عصر کے بعد کا وقت، مقام جبلِ رحمت ہے، جو عرفہ کے دن اللہ کی طرف سے نزول رحمت کا خاص مقام ہے، تقریباً ڈیڑھ لاکھ غلامانِ مصطفیٰ، پہلی اور آخری مرتبہ، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، حج کے اہم ترین رکن وقوف عرفات میں مصروف ہیں، خوشی و مسرت کے ایسے عظیم موقع پر بندوں کو معبود حقیقی کی جانب سے کچھ نہ کچھ انعام ملنا ہی چاہئے تھا، پس اس کریم رب نے اپنے محتاج بندوں کو نوازا، انعام دیا اور ایسا انعام دیا جو صرف اس بارگاہ میں حاضر بندوں ہی کے لئے خاص نہ تھا، بلکہ قیامت تک آنے والوں کے لئے، مژدہ و خوشخبری بنا، باعث عظمت و رفعت ہوا، جس سے جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام پر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و سیادت پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی گئی اور آپ ﷺ کے صدقہ سے، امم سابقہ کے مقابلہ میں، اس امت مرحومہ کی خصوصی امتیازی شان کا واضح اعلان فرمایا گیا، پس اس نعمت الہیہ پر، رب کریم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔

ایک مرتبہ چند علمائے یہود امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر تھے، دورانِ گفتگو کہنے لگے کہ آپ کے قرآن میں ایک ایسی آیت موجود ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو اپنا سالانہ تہوار، عید کا دن مقرر کر لیتے، آپ نے پوچھا تم کس آیت کو اتنا اہم سمجھتے ہو، انہوں نے یہی آیت ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس دن اور کہاں نازل ہوئی''، یعنی اللہ جل مجدہ نے تو پہلے ہی اس آیت کے نزول کے لئے سید الایام، جمعہ، یوم نزولِ رحمت، عرفہ اور وقتِ قبولیت دعا، بعد عصر اور مقام مغفرت، عرفات کا انتخاب فرمایا، اب ہمیں اس آیت کے نزول پر جشن منانے کے لئے کسی دوسرے دن کو مقرر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ واقعی یہ آیت مبارکہ، اللہ کا عظیم انعام ہے، جس

Marfat.com

کے لئے اللہ نے خود عظیم موقع کا انتخاب فرمایا، نیز اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لئے، کسی دن کا تعین اور اس پر شرعی طریقہ کے مطابق جشن منانا، اظہار مسرت کرنا، سنت الہیہ ہے، اللہ کو مطلوب اور پسند ہے، پس یہ تائید ہے، ہمارے ان اعمال کی جو اسلاف سے جاری ہیں، جن پر عمل کرنا، ہم باعث ثواب یقین کرتے ہیں، مثلاً عید میلاد النبی منانا، اولیاء کرام کا عرس کرنا، یہ تمام اعمال وہ بدعت حسنہ ہیں جن کا اجر وثواب، کرنے والوں کو بھی ملتا ہے اور جاری کرنے والوں کو بھی قیامت تک ملتا رہے گا، جیسا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کے راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهَا وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

جو اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا تو اسے رائج کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرتے رہیں گے، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر، اس کے رائج کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا جو اس کے بعد عمل کرتے رہے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کوئی کمی ہو۔ (مسلم شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلال وحرام کا اختیار

آیات مذکورہ میں سے تیسری آیت پر توجہ کیجئے، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام کے ایک سوال کا جواب دیا جارہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے مؤمنین کے دلوں میں اگر اس قسم کا کوئی شبہ پیدا ہو، تو اس آیت مبارکہ پر غور کرکے وہ اپنا شبہ دور کرلیں، نیز اہل ایمان کو شکاری جانوروں سے شکار کرنے سے متعلق چند احکام دیئے جارہے ہیں، جن کو گزشتہ اوراق میں ہم تفصیل سے بیان کرچکے ہیں، یہاں مختصراً ان کا اعادہ کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں حرام جانوروں میں سے صرف ایک ہی جانور ''خنزیر'' کا نام لیا گیا ہے، باقی حرام جانوروں کی قسمیں بیان کردی گئی ہیں، مثلاً مختقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ'' وغیرہ باقی تفصیلات، شارع علیہ السلام نے بیان فرمائیں اور آپ ﷺ نے جس جانور یا جس چیز کو حرام کردیا وہ یقیناً حرام ہے اور جس کو آپ ﷺ نے حلال قرار دیا، وہ یقیناً حلال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا (الحشر:۷)

اور رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں، تو رک جاؤ۔

نیز، اللہ رب العزت نے، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن اختیارات سے نوازا، ان میں آپ ﷺ کو، حلال وحرام کرنے کا بھی اختیار دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ

Marfat.com

الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (اعراف:۱۵۷)

وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں، اور اتارتا ہے، ان سے، ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔

چونکہ صحابہ کرام کو یقین تھا کہ حلال وحرام کا کلی اختیار، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لہٰذا جب قرآن کریم نے حرام جانوروں کا اعلان فرمایا تو صحابہ نے حلال جانوروں کی تفصیل سے متعلق سوال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا کہ یا رسول اللہ حرام جانوروں کا ذکر تو قرآن کریم نے کیا، اب آپ ﷺ ہمیں حلال جانوروں کی تفصیل بتائیے، اللہ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ آپ ﷺ تمام حلال جانوروں کی فہرست بیان کرنے کی مشقت نہ فرمائیے، بلکہ غلاموں کو ایک اصولی اور بنیادی قاعدہ بتا دیجئے تاکہ انہیں ہر حلال چیز پہنچاننے میں آسانی ہو جائے، ''اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ'' اے غلامو! تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال ہیں، یعنی جو چیز بھی بذات خود پاکیزہ ہو، نیز پاکیزہ ذرائع سے حاصل کی گئی ہو، وہ تمہارے لئے حلال ہے۔

علاوہ ازیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے تمہارے لئے ان حلال جانوروں کا شکار بھی حلال کیا ہے، جو حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے، مثلاً کتا حرام ہے، لیکن اس کا کیا ہوا شکار حلال، شکرہ حرام ہے، لیکن اس کا کیا ہوا شکار حلال کر دیا گیا، ان جانوروں سے شکار جن شرائط کے ساتھ حلال ہوگا، وہ یہ ہیں، جانور عادتاً شکاری ہو جیسے کتا، باز وغیرہ، غیر شکاری نہ ہو، جیسے بلی وغیرہ جسے شکار کے لئے نہ تو استعمال کیا جاتا ہے، نہ ہی ایسے جانوروں کو شکار کی تربیت دی جاسکتی ہے، جانور تربیت دیا ہوا ہو، جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ مالک کے اشارے کے بغیر شکار پر نہ لپکے، نیز شکار کی طرف دوڑتے ہوئے اگر اسکو واپس آنے کا اشارہ کیا جائے تو وہ واپس آجائے، یعنی جانور اپنی مرضی سے شکار نہ کرے، مالک کے کنٹرول میں پوری طرح ہو، جانور مسلمان کا ہو، غیر مسلم کے شکاری جانور سے شکار کرنا جائز نہیں، جانور شکار کو زخمی کر کے مارے، دبا کر یا پھینک کر نہ مارے، جانور کو شکار کی طرف بسم اللہ، اللہ اکبر، کہہ کر چھوڑا گیا ہو، جانور شکار میں سے خود نہ کھائے، اگر جانور نے شکار کیا اور وہ شکاری کے پاس پہنچنے تک زندہ ہے تو اسے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنا ضروری ہے، ورنہ حلال نہ ہوگا، ان شرائط میں سے، اگر کوئی شرط نہ پائی گئی تو جانور کا کیا ہوا شکار حلال نہیں۔

اے ایمان والو! اللہ نے اپنے فضل وکرم سے تمہارے لئے بہت سے جانوروں کو حلال کیا اور تمہارے ہی فائدے کے لئے چند کو حرام کیا، پس تم حلال وحرام میں امتیاز کرو، حرام سے بچتے رہو، بہانہ سازی اور مکاری سے حرام کو حلال نہ بناؤ۔ اچھی طرح سمجھ لو، کہ ہر ہر عمل کا تم سے حساب لیا جائے گا اور اللہ بہت ہی تیز حساب لینے والا ہے، لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو۔

آخری آیت میں اہلِ ایمان کے لئے ''اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ'' کا مژدہ دیا گیا، پھر اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم بیان فرمایا گیا۔

Marfat.com

الطیبٰت

اہل ایمان کو خوشخبری دی گئی کہ ''تمہارے لئے تمام طیبات حلال ہیں'' ہم گزشتہ صفحات پر طیبات کی وضاحت کر آئے ہیں، یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حرام جانوروں اور حرام چیزوں کی مقدار بہت ہی کم رکھی ہے، صرف وہی جانور اور وہی چیزیں ہمارے لئے حرام کی گئیں جو کسی بھی اعتبار سے ہمارے لئے مضر ہو سکتی تھیں، یا تو صحت پر ان کا برا اثر ہوتا ہے اور یا وہ اخلاق و کردار کو متاثر کرتی ہیں، اور یا ان کے حرام نہ ہونے کی صورت میں معاشی و معاشرتی نقصانات اور معاشرے میں انتشار و افتراق کا خطرہ یقینی تھا، جبکہ طیبات کا میدان نہایت وسیع ہے، بیشمار جانور اور بیشمار چیزیں یہاں میسر ہیں، اس کے باوجود کسی کا ان سے استفادہ نہ کرنا اور حرام کی طرف نظر اٹھانا، بلاوجہ اپنے آپ کو دین و دنیا کے خسارے میں مبتلا کرنا ہے۔

اہل کتاب

اہل کتاب، وہ قومیں کہلاتی ہیں جو کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ، جو تورات و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں، قرآنی اصطلاح کے مطابق وہ اہل کتاب ہیں، اپنی کتابوں میں ان کا تحریف کر دینا، یا کتابوں کی صراحت کے برعکس، ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کو، اللہ کا بیٹا قرار دینا، ان کی بدعملی ہے، اس کے باوجود بھی وہ اہل کتاب ہی قرار پائیں گے، جیسا کہ قرآن کریم نے، ان کی ان بدعملیوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی انہیں اہل کتاب فرمایا ''يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ'' کہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں تحریف کے مجرم ہیں، یا فرمایا گیا ''وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ'' کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، کتاب الٰہی میں تحریف اور اللہ کے بندوں، بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کو، اللہ کی اولاد، بیٹا قرار دینے سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے لیکن قرآنِ کریم نے اس کے باوجود بھی انہیں اہل کتاب ہی قرار دیا، پس ان جرائم کے بعد وہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ میں مبتلا ہوں، وہ اس وقت تک اہل کتاب کہلائیں گے جب تک کہ وہ اپنی کتاب کے آسمانی ہونے کا واضح انکار نہ کریں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ ان کے کسی گورنر نے انہیں خط لکھا اور بتایا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تورات پر ایمان رکھتے ہیں، اس کو پڑھتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق، ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی کرتے ہیں لیکن قیامت پر ان کا ایمان نہیں، پس ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، حضرت امیر المؤمنین نے جواب دیا کہ وہ بہر حال اہلِ کتاب ہی ہیں، ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جس کا شرع نے حکم دیا ہے۔

اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ اہل کتاب، ہمیشہ اسلام اور مسلمان کے دشمن رہے ہیں اور آج تک دشمن ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کبھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں اسلام کے خلاف ان کی سازشیں سب سے زیادہ مخدوش رہیں، جس کے نتیجہ میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ خیبر جیسے اہم غزوات پیش آئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زہر دینے والی عورت بھی ایک یہودیہ ہی تھی، یہ یہودی تھے جنہوں نے آپ کو دھوکے سے کئی مرتبہ

Marfat.com

جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دائمی ذلت وخواری کا اعلان فرمایا:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۖ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ (البقرہ:۶۱)

اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے، غضب الٰہی کے۔

اور اسی لئے اہل ایمان کو خصوصی ہدایت کی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا مددگار نہ بناؤ، ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (المائدہ:۵۱)

اے ایمان والو! نہ بناؤ، یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (مددگار) وہ تو (بس) آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے انہیں دوست بنایا، تم میں سے، تو وہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اہل کتاب کا ذبیحہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو دوست بنانے، ان سے مدد حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی، جس سے واضح ہے کہ یہ تو میں، نہ کبھی مسلمانوں کی بہی خواہ ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں، پس قابلِ غور بات یہ ہے کہ مذکورہ صورتِ حال کے باوجود، شریعتِ مطہرہ نے یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ کو اہل ایمان کے لئے حلال قرار دیا اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی اس کی کیا وجہ ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے، مفسرین نے اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مسلمانوں سے کھلی عداوت اور ان کے دین میں واضح تحریفات نیز ان کی کھلم کھلا بدعملیوں اور بدکرداریوں کے باوجود، یہ حقیقت قابل تسلیم ہے کہ ان کی شریعت میں آج تک ذبیحہ اور نکاح کے مسائل وہی ہیں جو ان کی اصل کتابوں میں موجود تھے اور وہ شریعت اسلامیہ کے عین مطابق ہیں، یعنی یہود ونصاریٰ کی شریعت میں بھی وہی ذبیحہ حلال سمجھا جاتا ہے جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے ورنہ وہ اس کو مردار اور حرام قرار دیتے ہیں، یہودی تو آج تک سختی سے اس قانون پر عمل کرتے ہیں لیکن نصاریٰ، عیسائی قابل اعتماد بالکل نہ رہے کیونکہ ان کے یہاں اب حلال وحرام میں عام طور پر امتیاز ختم ہو چکا ہے، اسی طرح یہود ونصاریٰ کے یہاں مسائل نکاح بھی اب تک اپنی اصل حالت پر موجود ہیں کہ جن عورتوں کو شریعت اسلامیہ حرام قرار دیتی ہے، وہ ان کے یہاں بھی حرام ہیں، اور جن عورتوں کو ہماری شریعت نے حلال قرار دیا ہے، وہ ان کی شریعت میں بھی حلال ہیں، نیز گواہوں اور مہر وغیرہ کے مسائل بھی ان کے یہاں ہمارے ہی مسائل کے مطابق ہیں، چونکہ ان مسائل پر ان کا عمل وحی الٰہی کی تعمیل میں ہے لہٰذا ان دونوں باتوں میں ان سے تعلق باقی رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، جبکہ دیگر اقوام میں اولاً تو یہ مسائل موجود ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو وحی الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے، ان پر عمل نہیں ہے کہ وہ تو کسی آسمانی کتاب پر، قطعاً ایمان ہی نہیں رکھتے، ان کی شریعت خود ساختہ ہے، یہ اتفاقی صورت ہو سکتی ہے کہ ان کی خود ساختہ شریعت کا کوئی ضابطہ، اسلامی شریعت کے مطابق ہو گیا ہو، لہٰذا اس کو اپنانے کی اجازت اہلِ ایمان کو نہیں دی جا سکتی کہ جس شریعت کی

Marfat.com

بنیاد وحی الٰہی نہیں، وہ شریعت ہی نہیں ہے، اس کا کوئی ضابطہ چاہے کتنا ہی اچھا ہو، قابلِ عمل نہیں ہوسکتا۔

اس میں ایک حکمت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام دین یُسر ہے، اس کا عطا کردہ ضابطہ حیات عالمگیر اور دائمی ہے، عین ممکن تھا کہ کبھی مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ممالک میں رہائش پذیر ہونا پڑتا اور وہاں انہیں سوائے ان قوموں کے ذبیحہ کے کوئی دوسرا ذبیحہ میسر نہ آتا اور سوائے ان کی عورتوں کے دوسری عورتیں نہ مل پاتیں، پس اگر ان اقوام کا ذبیحہ اور عورتیں اہلِ ایمان کے لئے حلال نہ کئے جاتے تو وہ نہ صرف دشواری میں مبتلا ہوتے بلکہ ان کے لئے گناہ میں مبتلا ہوجانا بھی ممکن تھا، پس اللہ کریم نے کرم فرمایا اور اہل ایمان کو اس دشواری سے نجات مل گئی۔

بہرحال قرآن کریم نے اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا لیکن یہ رخصت بوقت ضرورت ہے کہ اگر اہلِ ایمان کا ذبیحہ میسر ہو تو اہل کتاب کا ذبیحہ استعمال کرنے کی کیا ضرورت رہی، بالخصوص ان کی عورتوں سے نکاح کی رخصت پر عمل کرنے میں تو نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اگر مسلمان عام طور پر ان عورتوں سے ان کے حسن و جمال اور ان میں جنسی کشش کی بناء پر نکاح کرنے لگے تو نہ صرف اپنی عورتوں کی حق تلفی ہوگی بلکہ مسلم گھرانوں اور پورے معاشرے کو ایک خطرہ لاحق ہوگا کہ ان عورتوں کی وجہ سے مسلم گھرانوں کے مذہبی ماحول اور بچوں کی تربیت پر ضرور اثر ہوگا۔

علاوہ ازیں اس سے خاندانوں میں انتشار و افتراق پیدا ہونا بھی ممکن ہے، ہم اور آپ ایسے بہت سے لوگوں کو جانتے ہیں جو یورپ و امریکہ میں قیام کے دوران، یہودی یا عیسائی عورت کے دامِ فریب میں مبتلا ہوگئے اور آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں، سب سے پہلے تو انہیں اپنے خاندان کو خیر باد کہنا پڑا کہ اس عورت کو نہ تو ان کے والدین نے قبول کیا اور نہ ہی دیگر افراد خاندان نے، پھر جب ان کی اولاد جوان ہوئی تو اس میں انہیں یہودیوں یا عیسائیوں جیسی بود و باش اور اطوار نظر آئے اور اب انہیں اپنی مذہبی تہذیب بھی رخصت ہوتی نظر آنے لگی، انہی مفاسد اور خرابیوں کے باعث جمہور صحابہ و تابعین اور ہمارے اسلاف نے ان عورتوں سے نکاح کو ہمیشہ مکروہ جانا اور جہاں تک ہوسکا، اہل ایمان کو اس سے روکا اور منع فرمایا۔

غور فرمایئے کہ خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے جو بلاشبہ ''خیرُ القرون'' بہترین زمانہ تھا اور صحابہ سے یہ توقع بھی نہ تھی کہ ان عورتوں سے نکاح کے باعث وہ کسی فساد میں مبتلا ہوجائیں گے، لیکن امیر المؤمنین کی نظر بڑی ہی دور بیں تھیں، جن مقاصد کا اس وقت امکان بھی نہ تھا، وہ انہیں مستقبل میں یقینی طور پر نظر آئے، لہٰذا آپ نے ہمیشہ یہودیوں یا عیسائیوں کی عورتوں سے نکاح کی شدید مخالفت فرمائی، حضرت طلحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرلیا آپ کو اطلاع ملی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ فوراً طلاق دے دو، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن کے گورنر مقرر ہوکر وہاں پہنچے تو انہوں نے ایک یہودیہ سے نکاح کرلیا، حضرت فاروق اعظم کو اطلاع ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ فوراً طلاق دیدو، حضرت حذیفہ نے جواباً لکھا کہ کیا یہ عورت میرے لئے حرام ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہوتی، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ان عورتوں کے ذریعہ آپ لوگوں کے گھروں میں فحاشی و بدکاری داخل ہوجائے، نیز مجھے خطرہ

Marfat.com

ہے کہ دوسرے مسلمان آپ کی اقتداء کریں گے اور اہلِ کتاب کی عورتوں سے محض ان کے حسن و جمال کی کشش کے باعث نکاح کرنے لگیں گے، اس صورت میں مسلمان عورتیں بڑی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گی، پس میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط پڑھتے ہی تم اس عورت کو طلاق دیدو۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کس قدر دوربین ہے فاروقی نظر، آپ نے اس خطرے کا احساس اس دور میں ہی کر لیا تھا، جس دور کے مسلمان آج سے کہیں زیادہ محتاط و متقی تھے اور اس دور کے اہل کتاب بھی آج کے اہل کتاب سے کئی درجہ بہتر تھے ،آج ایک طرف تو ہم خود اپنے مذہبی معاملات میں کمزور ہیں، دوسری طرف یہودیوں اور عیسائیوں کی موجودہ عورتیں ،جس فحاشی، عیاشی اور بدکرداری میں مبتلا ہیں وہ ایک واضح اور کھلی حقیقت ہے، ان عورتوں کو اپنے گھروں کا مالک بنا دینا خود ہی اپنی دولت چور کے سپرد کر دینے کے مترادف ہے، لہٰذا

اے ایمان والو! اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں جو رخصت دی ہے، اس کا استعمال عام نہ کرو، اہلِ کتاب کا ذبیحہ بلاشبہ تمہارے لئے حلال ہے لیکن جب مسلمان کا ذبیحہ میسر ہو تو ضرورت نہیں کہ تم ان قوموں کی دکانوں سے گوشت خریدو، اپنے بھائی کو مالی نقصان میں مبتلا کرو اور دشمن کو مالی فائدہ پہنچاؤ، نیز اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر کے، اپنی عورتوں کی حق تلفی نہ کرو، اپنے خاندان میں انتشار و اختلاف پیدا نہ کرو، اپنی تہذیب اور تمدن کا عظیم سرمایہ نہ لٹاؤ، آباؤ اجداد کی عطا کردہ مذہبی وراثت سے اپنی نسلوں کو محروم نہ کرو، اگر تم بحالت مجبوری ان عورتوں سے نکاح کرنا ہی چاہتے ہو تو بدکاری اور عیاشی سے بچنے کے لئے، ان میں سے نیک، پاکدامن عورتوں کو تلاش کرو، جیسے مسلمان عورتوں میں سے تم نیک اور پاکدامن کو پسند کرتے ہو اور جب تم ان سے نکاح کر لو تو بھی ان سے نہایت محتاط رہو کہ کہیں وہ تمہیں اور تمہاری اولاد کو، تمہارے دین سے محروم نہ کر دیں، اگر ایسا ہوا تو یہ دنیا و آخرت کا بڑا ہی نقصان ہوگا۔

پس راقم الحروف اپنے مسلمان بھائیوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنی مسلمان عورتوں سے شادی کر کے، پُرسکون زندگی بسر کریں کہ اسی طرح ان کا دین و ایمان محفوظ رہ سکتا ہے اور اسی طرح وہ اچھی اولاد کے باپ بن سکتے ہیں کہ آج کے اہل کتاب صرف بطور دعویٰ، اہل کتاب ہیں، نہ انہیں اپنے دین کا علم ہے اور نہ ہی ان میں دین کی پابندی کا کوئی رواج ہے، اللہ ان سے ہر مسلمان بھائی کو محفوظ رکھے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَّطُ عَيْنِيْ

وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرًّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ترجمہ

میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا،
عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحب جمال نہیں جنا۔ آپ
کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔
جیسے آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کئے گئے ہوں۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۱

المائدہ: ۶ تا ۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً
فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (المائدہ: ۶، ۷)

اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کرلو اور اگر ہو تم بیمار، یا سفر پر، یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت کے بعد، یا صحبت کی ہو تم نے

Marfat.com

عورتوں سے، پھر نہ پاؤ تم پانی، تو تیمم کرو، پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر
اس سے، نہیں چاہتا اللہ کہ رکھے تم پر کوئی تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور
پوری کردے اپنی نعمت تم پر، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو، اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے
وعدے کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے، جب کہا تھا تم نے، ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ
سے، بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، جو کچھ سینوں میں ہے۔

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ و مفتاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ'' نماز جنت کی کنجی ہے اور نماز کی کنجی پاکی ہے، جگہ کی پاکی، کپڑوں کی پاکی، جسم کی پاکی، شریعت مطہرہ نے، جسم کی پاکی کے تین طریقے مقرر فرمائے ہیں، اس آیت مبارکہ میں تینوں طریقے مذکور ہیں وضو، غسل، تیمم، اس آیت کا موضوع یہی عنوانات ہیں، جن پر گفتگو سے قبل چند باتیں عرض کردینا ضروری ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاصد بعثت میں سے اہم ترین مقصد یہ ہے کہ آپ مرضی الٰہی کے مطابق قرآن کریم کی تشریح کریں اور امت کو اس کی قولی وعملی تعلیم دیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۵۱)

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں، اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں، کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے۔

واضح رہے کہ رسول، امت تک صرف پیغام الٰہی منتقل ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا مفسر اور شارح ہوتا ہے، وہ امت کا معلم ہوتا ہے، اسی لئے ضروری ہوا کہ رسول کو ایسے کامل علم سے نوازا جائے کہ اس کی تعلیم میں کسی قسم کی کمی باقی نہ رہے اور نہ ہی کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہے، دنیا کا کوئی معلم، رسول کی تعلیم کو چیلنج نہ کرپائے اور صرف رسول ہی کی تعلیمات پر عمل، دنیا وآخرت کی کامیابی کا ضامن ہو، ایسا علم نہ تو دنیا کے معلمین دے سکتے ہیں اور نہ ہی دنیا کی کتابوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے، لہٰذا رسول کو نہ تو کسی کا شاگرد بنایا گیا اور نہ ہی حصول تعلیم کے لئے کتابوں کا محتاج رکھا گیا، وہ ظاہر بین نظروں کے لئے ''امی'' ہی رہا لیکن معلم حقیقی وحدہ لاشریک نے اسے بلاواسطہ اپنے خزانہ علم سے اتنا مالا مال کردیا کہ اس کے علم کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہ رہی، وہ ایسا معلم بنا جو ہر چیز کو جانتا ہے، ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' اور آپ کو سکھا دیا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے، اسی حقیقت کا اعلان ہے اور ایسا معلم بنا جو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، ''وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' کا ارشاد اس پر گواہ ہے، وہ ایسا معلم بنا کہ اس کی تعلیم میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی، کیونکہ ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' کے مطابق رسول اپنی مرضی سے کچھ نہیں سکھاتا اس کی تعلیم کا ایک ایک حرف، اللہ کی رضا کے عین

Marfat.com

مطابق ہوتا ہے، اسی لئے اس کی تعلیمات پر عمل، رضائے الٰہی کے حصول کا یقینی اور واحد ذریعہ ہے اور اسی لئے رسول کے احکام کو اپنانے کا حکمِ عام جاری فرمایا گیا۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر:۷)

اور رسول، جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

رسول کی صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ رسول کی ادائیں بھی شریعت مطہرہ کا حصہ ہیں، رب کریم کے احکام پر اس کے رسول کریم کی اداؤں کے مطابق عمل کرو گے تو تمہارے اعمال مقبول ہوں گے کہ رسول ہی معلمِ شریعت ہے، وہی پیکرِ شریعت ہے، اس کا علم اور اس کا عمل تمہاری زندگی کو سنوارنے، سدھارنے کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ۭ (الاحزاب:۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے، اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے (یہ نمونہ) اس کے لئے ہے، جو امید رکھتا ہو، اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہو۔

اسی لئے آیت زیر گفتگو میں وضو، غسل، تیمم کا اجمالی حکم دیا گیا ہے، علاوہ ازیں جملہ احکام چاہے وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات یا حدود و تعزیرات کے شعبہ سے ہوں، ان میں اجمال ہے، ان کی تفصیلی تعلیم، درگاہِ رسول سے ہی ملتی ہے تاکہ امت کے لئے شریعت پر عمل آسان ہو، نیز غلام ہمیشہ آقا کے محتاج رہیں، انہی کو اپنا رہبر و رہنما قائد تسلیم کریں، ہر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے ذہن میں آقا کا تصور موجود ہو، ان کے اعمال بوسیلہ رسول مقبول ہوں، تا ابد رسول کا نام باقی رہے ان کا ذکر بلند رہے، ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' کی حکمت پوری ہوتی رہے۔

احکام شرع کا اصل مقصد

احکامِ شرع میں مقصود ان کی ظاہری صورت نہیں بلکہ اصل مقصود اللہ اور رسول کی رضا کے لئے تعمیل ہے مثلاً کوئی شخص بڑی اچھی طرح نماز ادا کرتا ہے، لیکن طہارت کے بغیر، اس کی نماز مردود، بیکار اور ضائع ہے کہ نماز کی صورت تو موجود ہے لیکن حکم کی تعمیل نہیں تو چونکہ مقصود تعمیل ہے، لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ تعمیل کرنے والا، ہر حکم کی حکمت اور مصلحت کو جانے کہ روزے کا فلسفہ کیا ہے، حج کا حکم کیوں دیا گیا وغیرہ وغیرہ، ایسا کیوں ہوا، ایسا کیوں نہیں ہوا، بندوں کو زیب نہیں دیتا، عبدیت کا کمال تو یہ ہے کہ جو حکم ملے، اس پر عمل کیا جائے، اگر حکم کی حکمت سمجھ میں آ جائے تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو نقص عقل اور اس کی محدود رسائی کو تسلیم کر لیا جائے، عمل میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو کمالِ عبدیت کی ایک مثال قرار دیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک صحابی حاضر ہوئے جو سونے کی انگوٹھی پہنے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اتار کر

Marfat.com

پھینک دیا اور فرمایا ''يَعْمَدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ'' تم آگ کی چنگاری پسند کرتے ہو اور اسے ہاتھ میں پہنے پھرتے ہو، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے بعد) لوگوں نے ان صحابی سے کہا، اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور (فروخت کر کے) اس سے فائدہ حاصل کر لو، انہوں نے جواب دیا'' وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ '' قسم خدا کی میں اسے ہرگز نہ لوں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا، (مسلم)

غور فرمایئے، کسی صحابی نے یہ سوال نہ کیا کہ سونا مرد کے لئے کیوں حرام ہے، اس کی کیا وجہ ہے، اس میں کیا حکمت ہے، حتیٰ کہ انگوٹھی کے مالک نے دوبارہ اس کو ہاتھ تک لگانے کی جرأت نہ کی، جبکہ جائز تھا کہ وہ کسی عورت کو دے دیتے یا اس کو بیچ دیتے کہ سونا عورتوں کی زینت ہے اور نفع بخش دولت ہے جس کا کاروبار ممنوع نہیں، پس مؤمن کا کمال عبدیت یہی ہے کہ وہ شریعت کی پابندی بلا چون وچرا کرے۔

آیت زیر گفتگو میں تیمم کو وضو یا غسل کا قائم مقام قرار دیا کہ اگر شرعی عذر کی بناء پر وضو یا غسل نہ کیا جا سکے تو جس طرح طہارت ان دونوں سے حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح تیمم سے طہارت حاصل ہو جائے گی، جبکہ نہ یہاں پانی ہے، نہ وضو یا غسل جیسا طریقہ ہے، مٹی ہے، جس پر صرف دو مرتبہ ہاتھ مار کر، منہ اور بازوؤں پر پھیر لینا ہے، واقعی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عمل سے پاکی کیسے حاصل ہوگئی، سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں کہ وضو اور غسل میں نہ تو پانی، طہارت کا ذریعہ ہے اور نہ ہی ان دونوں کا طریقہ، مؤثر تو حکم کی تعمیل ہے، پس تیمم میں بھی اصل، تعمیلِ حکم ہے اور اگر شریعت پر عمل کا دارومدار سمجھنے کو قرار دیدیا گیا کہ ہر حکم سمجھ میں آنا چاہئے ورنہ قابل عمل نہیں، تب تو سوالات کا کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ قائم ہو جائے گا، جس کا نتیجہ شریعت پر عمل سے محرومی ہوگا، مثلاً آدمی ناپاک کیوں ہوتا ہے، ڈکار آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا، ریح خارج ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، عورت سے صحبت کر لی تو غسل فرض ہو گیا، کوئی گندگی جسم پر ہو تو صرف دھو دینا کافی ہوا، غسل کی ضرورت نہیں، وضو یا غسل کے مخصوص طریقے ہی سے پاکی کیوں حاصل ہوتی ہے، اسی قسم کے بیشمار لغو سوالات ہوتے رہیں گے، حکم کی تعمیل کبھی نہ ہوگی، پس اس اُلجھن اور محرومی سے نجات کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ مؤمن یہ ایک بات سمجھ لے کہ مقصود، احکام کی مخصوص صورت نہیں یا مخصوص طریقہ نہیں بلکہ مقصود تعمیل ہے جو بندگی کا مقتضیٰ ہے، عبدیت کی علامت ہے، اسی پر جزاء وسزا کا دارومدار ہے۔

احکام شرع میں دشواری نہیں

بلاشبہ اللہ نے انسان کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے پیدا فرمایا اور اس پر اپنے احکام کی تعمیل کی ذمہ داری عائد فرمائی، لیکن ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (اللہ کسی پر ذمہ داری نہیں ڈالتا مگر جتنی اس کی طاقت ہو) کے فرمان کے مطابق اس نے اپنے کرم سے انسان کو نوازا اور اطاعت وفرمانبرداری کے احکام میں اس کی قوت وطاقت کا لحاظ فرماتے ہوئے کوئی ایسا حکم نہ دیا، جس پر عمل کرنا، اس کے لئے دشوار ہو، وہ اپنے بندوں کو واضح طور پر یقین دلاتا ہے کہ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا، دین کے جتنے احکام ہیں، اگر آپ ان پر غور کریں تو ان میں آپ کو ''یسر'' آسانی ہی آسانی نظر آئے گی، صرف ارکان اسلام پر ہی غور کر لیجئے، نماز، کس قدر اہم عبادت ہے، کسی حال میں معاف نہیں لیکن عورت کے لئے ماہواری کے ایام میں نماز معاف کر دی گئی،

Marfat.com

اگر یہ سہولت نہ دی جاتی تو ہر ماہ، ہر عورت کو آٹھ، دس دن کی نمازیں قضاء کرنا ہوتیں، کس قدر دشواری ہوتی، اسی طرح مریض کو، بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوتی تو کتنے اللہ کے بندے اس عظیم فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہتے، روزہ کے مخصوص احکام کی پابندی صرف صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے، ساری رات مؤمن اپنے عمل میں معمول کے مطابق آزاد ہے، پھر حالت روزہ میں بھی غسل کرنے، سونے، کاروبار کرنے کی ممانعت نہیں، غور کیجئے اگر ان کاموں کی بھی پابندی ہوتی، تو ہم کس قدر دشواری میں مبتلا ہو جاتے، زکوٰۃ کے احکام پر غور کیجئے، صاحب نصاب ہونے یعنی ایک معقول دولت کا مالک ہو جانے کے بعد یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، وہ اس وقت جب دولت پر سال گزر جائے جو دولت آتے ہی خرچ کر دی گئی، وہ جتنی بھی آئے اور جتنی بھی خرچ کی جائے، اس پر زکوٰۃ نہیں، قیمتی پتھر کتنے ہی ہوں، مکان کتنا ہی وسیع ہو، سواریاں کتنی ہی ہوں، کپڑے وغیرہ، گھر کا ساز و سامان، سب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، نیز سال میں ایک مرتبہ وہ بھی صرف چالیسواں حصہ فرض ہے، اللہ اکبر، اس سے زیادہ دین میں کیا سہولت چاہئے، حج، ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض نہ کیا گیا، اور جن پر فرض ہوا، ان پر بھی زندگی میں صرف ایک مرتبہ، ان دولت مند مسلمانوں پر فرض کیا گیا جن کے پاس، فراخی سے تمام ضروریات پوری کرنے کے بعد دولت بچے، اور وہ صحت مند بھی ہوں، سوچئے اگر یہ سہولت نہ ہوتی تو اللہ کے کتنے بندے ایک اہم فریضہ کی سعادت سے محروم ہی نہ رہتے بلکہ تارکین حج کی فہرست میں شامل ہو کر، عذاب میں مبتلا ہو جاتے، اسی طرح تمام احکام شرع کا حال ہے، سب آسان ہیں، کہیں دشواری نہیں، اس کے باوجود بھی، ہم پانچ وقت کی نماز کو دشوار سمجھیں یا دیگر احکام پر عمل کرنا ہمارے لئے مشکل ہو تو یہ ہماری بدنصیبی ہے، ہمارے ایمان کی کمزوری ہے، دین میں دشواری ہرگز نہیں، دین تو اتنا آسان ہے کہ اس سے زیادہ آسانی کی خواہش تو دین سے بالکل آزادی ہی کی خواہش ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ نے ہمیں کیوں نہ بالکل آزاد کر دیا، کسی حکم کی تعمیل کے ہم پابند نہ ہوتے، اطاعت و فرمانبرداری کی ہم پر قطعاً کوئی ذمہ داری ہی عائد نہ کی جاتی، تو پھر عبدیت کہاں رہتی اور جب عبدیت ہی نہ رہتی تو انسانیت کہاں ہوتی، پھر تو انسان جانوروں سے بدتر ہی ہوتا، اس شرافت سے ہی محروم ہو جاتا جو عبدیت اور انسانیت ہی کے باعث نصیب ہوئی ہے۔

بہرحال تمام احکام شرع آسان ہیں، وضو یا غسل کی جگہ تیمم کی رخصت بھی اسی سہولت کا ایک ثمر ہے کہ طہارت کے حصول کا ذریعہ وضو یا غسل ہے لیکن جب پانی نقصان دہ ہو یا میسر ہی نہ ہو، تب بھی تم ناپاکی کے بوجھ سے نجات حاصل کر سکتے ہو تمہیں سہولت دی جاتی ہے کہ تیمم کر لو کیونکہ ''مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ'' تمہارا کریم رب تمہیں تنگی و دشواری میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا، وہ تو تعمیل حکم چاہتا ہے، جس طرح وضو یا غسل کے احکام کی تعمیل کر کے تم طہارت حاصل کر لیتے اور مطمئن ہو جاتے ہو، اسی طرح عذر شرعی کی صورت میں تیمم کر کے طہارت حاصل کر لو اور بالکل مطمئن ہو جاؤ، رضائے رب کے لئے تم نے تعمیل حکم کر لی، تیمم سے تم جتنی بھی عبادت کرو گے، مقبول ہوگی، اس کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں، اس کا وہی اجر و ثواب پاؤ گے جو وضو یا غسل کے بعد کی جانے والی عبادت کا ملتا ہے، فالحمد للہ رب العالمین۔

ان چند اہم معروضات کے بعد، اب ہم آیت کے اصل موضوعات وضو، غسل اور تیمم پر مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

Marfat.com

وضو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حدثِ اصغر، یعنی چھوٹی ناپاکی سے پاک ہونے کا ذریعہ وضوکوقرار دیا ہے پیشاب، پاخانہ کرنے، ریاح خارج ہونے، یا خون بہنے سے مؤمن ناپاک ہوجاتا ہے، جسے حدثِ اصغر کہتے ہیں، نماز کی ادائیگی، قرآن کریم چھونے کے لئے حدثِ اصغر سے پاک ہونا فرض ہے، جس کا ذریعہ وضو، بذاتِ خود ایک عبادت ہے، جس کے بہت فوائد ہیں، اس سلسلے میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّاءَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ

جس نے وضوکیا اور اچھی طرح کیا، اس کے جسم کے تمام گناہ بہہ جاتے ہیں، یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے کے گناہ بھی۔ (مسلم وبخاری)

اسی حدیث کی تشریح ایک دوسری حدیث ہے، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جب مسلمان وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کودھوتا ہے تواس کے چہرے سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، وہ تمام گناہ ڈھل جاتے ہیں جن کا ارتکاب اس کی آنکھوں سے ہوا تھا اور جب کہنیوں کو پانی سے دھوتا ہے تو پانی کے آخری قطرے تک وہ تمام گناہ ڈھل جاتے ہیں جن کا ارتکاب اس نے ہاتھوں سے کیا تھا اور جب پیروں کودھوتا ہے تو پانی کے آخری قطرے تک وہ تمام گناہ ڈھل جاتے ہیں جو اس کے پیروں نے کئے تھے، اب وضو سے فارغ ہوکر وہ (صغیرہ) گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ (مسلم)

اس سے زیادہ مفصل حدیث وہ ہے جس کے راوی، حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جب مؤمن وضوکرتا ہے اور کلی کرتا ہے تواس کے منہ کے گناہ ڈھل جاتے ہیں اور جب ناک میں پانی ڈالتا ہے، تو ناک کے گناہ ڈھل جاتے ہیں اور جب چہرے کو دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ ڈھلتے ہیں، یہاں تک کہ پلکوں کے نیچے کے بھی، اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے گناہ دھلتے ہیں، یہاں تک کہ ناخنوں کے اندر کے بھی اور مسح کرنے سے سر کے گناہ زائل ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ کانوں کے بھی اور جب پیروں کودھوتا ہے تو پیروں کے گناہ ڈھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے کے بھی، پھر اس کا مسجد جانا اور نماز ادا کرنا، اس کے درجات کی بلندی کا سبب ہوتا ہے۔ (مالک ونسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

Marfat.com

تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ

مومن کے وضو کا پانی جہاں تک پہنچتا ہے، وہاں تک وہ زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

یعنی اس کے اعضائے وضو ایسے ہی چمکنے لگتے ہیں، جیسے زیور پہننے سے چمکتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ

بیشک میری امت قیامت میں اس حال میں بلائی جائے گی کہ ان کے چہرے وضو کے اثر سے چمکتے دمکتے ہوں گے، پس تم میں سے جو چاہے کہ اس کی پیشانی چمکتی ہو تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے (یعنی وضو کرتے رہنا چاہیے)۔ (بخاری و مسلم)

اس ارشاد کی وضاحت کیلئے درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو، جس کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن قبرستان تشریف لے گئے، اور مدفونین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اے مسلمانوں کے گھر میں رہنے والو تم پر سلام ہو، انشاء اللہ، ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں، وہاں موجود صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، تم میرے صحابہ ہو، میرے بھائی تو وہ مومنین ہیں جو مستقبل میں آئیں گے، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپ ﷺ کے جو امتی بعد میں آئیں گے آپ ﷺ انہیں کس طرح پہچانیں گے، سرکار نے فرمایا، کیا وہ شخص جس کے پاس سفید پیشانی، سینہ اور سموں والے گھوڑے ہوں، اپنے گھوڑوں کو وہ سیاہ گھوڑوں کے درمیان نہ پہچان لے گا، صحابہ نے عرض کیا، بیشک یا رسول اللہ ﷺ، پس آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن میرے امتیوں کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے، جن سے میں انہیں پہچانوں گا اور میں حوض کوثر پر ان کا منتظر ہوں گا۔ (مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَاتُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ وَصَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ

بغیر وضو نماز قبول نہیں ہوتی اور مال حرام سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ (مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی اس حدیث کے بھی راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّاءَ عَلٰی طُهْرٍ کُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ

جس نے وضو کے باوجود وضو کیا، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (ترمذی)

وضو کے فوائد و اثرات میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہیں، نماز اور قرآن کریم چھونے کے لئے وضو کرنا فرض ہے ہی، اس کے علاوہ بھی تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ تقاضا ہے کہ مومن ہر وقت باوضو رہے، نیز اگرچہ ایک وضو

Marfat.com

سے کئی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں، لیکن افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا جائے، جیسا کہ حدیث شریف میں آپ نے پڑھا کہ ''جس نے وضو کے باوجود، وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں'' لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ پہلے وضو سے نماز ادا کی جاچکی ہو، وضو کے بعد کوئی عبادت کئے بغیر وضو کرنا مکروہ ہے، اگرچہ وضو، اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھو لینے سے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ بھی دھویا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، اور آپ نے دو، دو مرتبہ بھی اعضائے وضو کو دھویا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے لیکن آپ اکثر تین، تین مرتبہ اعضائے وضو دھوتے تھے، تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہی افضل و اعلیٰ طریقہ ہے، جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے، راوی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو میں ہر عمل تین بار کیا اور فرمایا:

هٰذَا وُضُوْئِیْ وَوُضُوْءِ الْاَنْبِيَاءَ قَبْلِیْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا اور یہی وضو تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔ (مشکوٰۃ)

یعنی افضل یہی ہے کہ سوائے سر کے مسح کے، تمام اعضاء کو تین، تین مرتبہ دھویا جائے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ بھی یہی تھا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ وضو کا حکم کوئی نیا حکم نہیں بلکہ دیگر اکثر شرعی احکام کی طرح یہ بھی ماضی کی شریعتوں میں موجود تھا۔

آیت زیر گفتگو میں صرف وضو کے فرائض بیان کئے گئے، جو چار ہیں منہ دھونا، کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا، سر کا مسح کرنا اور ٹخنوں سمیت پیر دھونا، ان چاروں فرائض کو کیسے ادا کیا جائے گا، نیز وضو کا مکمل طریقہ کیا ہوگا اور اس سے متعلق احکام کیا ہیں؟ یہ سب باتیں جاننے کے لئے درسگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری ناگزیر ہے، پس معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طریقہ بھی سکھایا اور اس سے متعلق ضروری احکام بھی بیان فرمائیے، جس پر ہمیشہ سے امت کا عمل ہے اور ہمیشہ رہے گا، وضو کا طریقہ معروف ہے، چھوٹی چھوٹی کتابوں میں موجود ہے، بحمد اللہ مسلمانوں کے بچوں تک کو وضو کرنا آتا ہے، شاید ہی کوئی ایسا منحوس گھر ہو جس میں وضو نہ کیا جاتا ہو، اس لئے اس کا یہاں بیان کرنا ضروری نہیں، چند کتابوں کے نام پیش خدمت ہیں، اگر ضرورت ہو تو ان کا مطالعہ کر لیا جائے۔

ہمارا اسلام، بہار شریعت، قانون شریعت، فقہ اہلسنت۔

یہ کتابیں فقہی مسائل و احکام معلوم کرنے کے لئے نہایت اہم ہیں، ہر مسلمان کے گھر میں ان کا ہونا ضروری ہے، نہایت آسان اردو میں ہیں اور آسانی سے حاصل بھی کی جاسکتی ہیں، صرف شرط یہ ہے کہ دین کی اہمیت اور اس کو سیکھنے کا احساس اور شوق ہو، صرف یہ نہ کہا جائے کہ ہماری مسجد کے امام صاحب مسائل بیان نہیں کرتے، یہ کہہ کر آپ اللہ کے یہاں چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے، آپ کی اپنی ذمہ داری ہے کہ دین کا ضروری علم حاصل کریں اور اپنے اہل خانہ کے لئے اس کی تعلیم کا انتظام کریں، آج ہی یہ کتابیں حاصل کیجئے اور اپنی ذمہ داری پوری کیجئے۔

Marfat.com

غسل

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب وہ ''جنبی'' ہو جائیں تو پاکی حاصل کرلیں، غسل کرلیں، ''وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' اور اگر تم جنبی ہو تو پاکی حاصل کرو، غسل کا اجمالی حکم ہے، اس کی تفصیل اور مکمل احکام جاننے کے لئے، شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی درسگاہ موجود ہے، وہاں حاضری دیجئے، طریقہ غسل اور اس کے متعلق تمام احکام معلوم ہو جائیں گے۔

احتلام، یعنی خواب میں انزال ہو جانے یا بیوی سے جماع کرنے سے مسلمان ''جنبی'' ہو جاتا ہے، اس پر غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ عورت جب حیض یا نفاس سے فارغ ہو تو اس پر بھی غسل فرض ہے کہ غسل کے بغیر نہ نماز ادا کی جاسکتی ہے، نہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی اجازت ہے، نہ مرد حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، جس پر غسل فرض ہے، وہ ناپاک ضرور ہے لیکن نجس نہیں، یعنی اس کی ناپاکی ایسی ظاہری نہیں، جو نظر آئے یا اس سے کوئی دوسری چیز ناپاک ہو جائے مثلاً ناپاک آدمی، دوسرے پاک آدمی سے مصافحہ، معانقہ کرسکتا ہے، اس کی ناپاکی کی وجہ سے اس کا لباس، اس کا پسینہ، ناپاک نہیں ہوتا، یہ ناپاکی اور اس حالت میں غسل کا حکم، صرف تعمیلِ حکم اور احساس بندگی دلانے کے لئے ہے، جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، غسل کا طریقہ اور اس کے دیگر احکام جاننے کے لئے، مذکورہ بالا کتابوں کا مطالعہ کیجئے، یہاں معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حالت جنابت میں تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہو گئی، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور بیٹھ گئے، میں بھی بیٹھ گیا اور موقع پاتے ہی چپکے سے چلا گیا، اپنے مکان پر آیا، غسل کیا اور پھر سرکار کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ ﷺ نے پوچھا، ابو ہریرہ کہاں گئے تھے، میں نے سب بات بتا دی، آپ ﷺ نے فرمایا ''سبحان الله ان المؤمن لا ينجس''، سبحان اللہ، مؤمن ناپاک نہیں ہوتا، (بخاری شریف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتاً فِيْهِ صُوْرَةٌ وَّلَا كَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ

اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے، جس میں تصویر یا، کتا، یا جنبی ہوں۔ (نسائی شریف)

یعنی ''جنبی''، کو جس قدر ممکن ہو جلد غسل کر لینا اور پاک ہو جانا چاہئے اور اگر کسی وجہ سے غسل میں دیر کرنا پڑے، تو وضو کر لینا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ (مجھے رات کو غسل کی حاجت ہوئی تو کیا میں اسی وقت غسل کروں یا صبح کو) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ'' اپنی شرمگاہ کو دھولو، وضو کرلو اور سو جاؤ، (یعنی یہ ضروری نہیں کہ اسی وقت غسل کیا جائے، اگرچہ افضل ہے تاہم استنجا کر کے وضو کر لینا چاہئے)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام:

اِذَا كَانَ جُنُباً فَاَرَادَ اَنْ يَّاْكُلَ اَوْ يَنَامَ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ

Marfat.com

جنابت کی حالت میں، کھانا یا سونا چاہتے تو نماز جیسا وضو کرلیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ مَوْضِعَ شَعْرَۃٍ مِنْ جَنَابَۃٍ لَّمْ یَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا کَذَا وَ کَذَا مِنَ النَّارِ

جس نے غسل جنابت سے بال برابر جگہ چھوڑ دی اور اس کو نہ دھویا، اس پر جہنم کی آگ سے ایسا اور ایسا عذاب ہوگا۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اسی دن سے میں نے اپنے سر کے ساتھ دشمنی کرلی ہے کہ بال ذرا بھی بڑے نہیں ہونے دیتا اور آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، (ابوداؤد)

تیمم

تیمم، وضو اور غسل کا قائم مقام ہے، یعنی حالت حضر ہو یا سفر، پانی میسر نہ آئے یا پانی کے استعمال سے مرض کی تکلیف بڑھ جانے کا یقین ہو تو وضو یا غسل کی جگہ تیمم کی سہولت مہیا کردی گئی ہے، یہ شریعت اسلامیہ کے ان احکام میں سے ایک حکم ہے جو اس شریعت مطہرہ کے آسان ہونے کا ثبوت مہیا کرتے ہیں اور اللہ کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ سے آپ کے غلاموں کے لئے خاص ہیں۔

تیمم کرنا، صرف دو صورتوں میں جائز ہے جب وضو یا غسل کے لئے حدود شہر سے باہر ایک میل تک پانی میسر نہ ہو، یا پانی تو دستیاب ہے لیکن وہ اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، مثلاً پانی پر دشمن کا قبضہ ہے یا کسی درندے کا، یا کوئی مرض لاحق ہو جانے، یا مرض بڑھ جانے کا یقین ہے، یا پانی اتنا کم ہے کہ وضو کرلیا گیا تو پینے کے لئے باقی نہ رہے گا اور دور دور تک میسر بھی نہ آئے گا اور پیاس ناقابل برداشت ہوجائے گی۔

تیمم، وضو یا غسل کا مکمل بدل ہے، اس سے بلا کراہت اس وقت تک ہر عبادت کی جاسکتی ہے، جب تک پانی میسر نہ آئے یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔

تیمم، کے لئے نیت شرط ہے، یعنی یہ ارادہ واضح ہو کہ وضو کے لئے تیمم کیا جارہا ہے، یا غسل کے لئے۔

تیمم، پاک مٹی سے اور ہر اس چیز سے جو مٹی کی جنس سے ہو، کیا جاسکتا ہے، چاہے وہ مٹی کسی پتھر یا کپڑے وغیرہ پر لگی ہو یا پہلے سے ہاتھوں پر لگی ہو، مٹی پر ہاتھ مارنا فرض ہے، منہ پر مٹی کا اثر ہونا ضروری نہیں، بہتر ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر انہیں جھاڑ لیا جائے تاکہ منہ اور ہاتھوں پر مٹی نہ لگے۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر، پورے چہرے پر پھیر لئے جائیں اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک، وضو کی جگہ تیمم ہو یا غسل کی جگہ دونوں صورتوں میں ایک ہی طریقہ ہے۔

تیمم کا وسیلہ

شریعت کے جملہ احکام، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دیئے گئے جبکہ بعض احکامِ شرع کا وسیلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بنے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طفیل، حرمتِ شراب کی نعمت ملی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طفیل

Marfat.com

رمضان کی راتوں میں بیویاں حلال ہوئیں اور تیمم کی عظیم نعمت اور سہولت، امت کی ماں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وسیلہ سے ملی، جس کا واقعہ آپ نے خود ہی بیان فرمایا، فرماتی ہیں کہ:

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک سفر میں تھے، جب قافلہ مقام بیداء یا ذات الجیش، پہنچا تو یہاں میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا (میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا) آپ ﷺ یہ ہار تلاش کرنے کے لئے رُک گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ پورا قافلہ رُک گیا، (بعض) صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ تم نہیں دیکھ رہے کہ (حضرت) عائشہ نے کیا کیا، سب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ٹھہرا لیا اور یہ ایسی جگہ ہے، جہاں پانی نہیں اور نہ ہی ہمارے ساتھ پانی ہے (کہ لوگ وضو کر سکیں) یہ شکایت سن کر ابوبکر میرے پاس آئے اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے زانوں پر سر رکھے سو رہے تھے، حضرت ابوبکر نے مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ تم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اتنے لوگوں کو پریشان کیا ہے کہ ایسی جگہ رکنے پر مجبور کر دیا جہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کے پاس پانی ہے، پھر ابوبکر ناراض ہو کر جو کچھ ان کے دل میں آیا کہتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں چٹکیاں بھی لیتے رہے جبکہ میں ہل بھی نہ سکتی تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے زانو پر آرام فرما رہے تھے (یہ ڈر تھا کہ آپ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ہو) پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (اور صحابہ) سوتے رہے اس حال میں کہ پانی بالکل نہ تھا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، (نماز فجر کے لئے پانی کی ضرورت پیش آئی، پس اللہ کو رحم آیا اور) اسی وقت آیت تیمم نازل ہوئی، (سب لوگ بیحد خوش ہوئے) اور اسید بن حضیر، جو نقباء میں سے ایک تھے کہنے لگے، ''مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَآ اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ'' اے ابوبکر کی اولاد، یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے، (یعنی تمہارے طفیل اللہ کی رحمت اور برکت تمہارے غلاموں پر برستی ہی رہتی ہے) حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو کھڑا کیا، جس پر میں سوار تھی، تو ہار اس کے نیچے سے نکلا، (مسلم شریف)

یہ واقعہ صرف نعمت تیمم ملنے کا سبب نہیں، بلکہ اس سے مزید کئی حقائق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُم المؤمنین سے خصوصی محبت کہ آپ ﷺ نے ان کا ہار گم ہو جانے کے باعث یہاں رات کو مع اپنے غلاموں کے قیام فرمایا، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت اور آپ ﷺ کا بے انتہا احترام کہ حضرت ابوبکر ان کی چٹکیاں لیتے رہے لیکن انہوں نے محض اس خوف سے حرکت تک نہ کی کہ محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر آرام فرما تھے، باپ کا شادی کے بعد بھی بیٹی پر حقِ تربیت کہ ابوبکر نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی اور امت کی ماں کے عظیم منصب کے باوجود حضرت عائشہ کو بیٹی کی حیثیت سے تنبیہہ فرمائی، صحابہ کرام کی کمال اطاعت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر سب بلاتردد اپنی سواریوں سے اتر گئے، جبکہ اس قیام کا سبب بظاہر کوئی مذہبی معاملہ نہ تھا، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسعت علم کا واضح ثبوت، جو ایسے لوگوں کو تو نظر نہ آ سکا جن کی عقلوں پر ضلالت وگمراہی کے پردے پڑے

Marfat.com

ہوئے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کو غیب کا علم ہوتا تو آپ ﷺ کیوں یہاں قیام کی تکلیف گوارا فرماتے، فوراً اونٹنی کے نیچے سے ہار اٹھا کر ام المؤمنین کو دے دیتے لیکن جن اہل ایمان کو فراست مؤمن حاصل ہے، جن کی عقلیں نور ایمان سے منور اور قلوب عشق و محبت سے سرشار ہیں، انہوں نے اسی واقعہ سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کا اندازہ کیا اور اس کے چمکتے ہوئے ثبوت سے اپنے عقیدہ و ایمان کو مزید مضبوط کیا، اس طرح کہ آپ کو علم ہو گیا تھا کہ یہی مقام ہے جہاں تیمم کا حکم نازل ہوگا، ہار کا گم ہونا، یہاں نزول کا بہانہ اور حکمت باری تعالیٰ کا سبب ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو کچھ نہ کہا اور نہ ہی کسی پریشانی کا اظہار فرمایا بلکہ سکون سے سو گئے، جبکہ ابوبکر نے بیٹی کو ڈانٹا بھی اور پریشان بھی ہوئے کیونکہ حقیقت کا علم نہ تھا، ان کی نظر تو صرف واقعہ کے ظاہری سبب پر تھی، بہرحال سوچ ہے اپنی اپنی، کوئی سراب کو پانی سمجھ کر دھوکا کھاتا ہے، اور کوئی سراب کو پانی کی علامت سمجھ کر پانی تک پہنچنے کی راہ پالیتا ہے، آیت تیمم نازل ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسید بن حضیر کو حکم دیا کہ اونٹنی کو کھڑا کرو، جونہی اونٹنی کھڑی ہوئی ہار چمکتا ہوا نظر آ گیا، آپ ﷺ کا یہ عمل اسی غلط فہمی کو دور کرنے اور اہل ایمان کو اس سے بچانے کے لئے تھا کہ آپ ﷺ کو ہار کا علم نہ تھا، آپ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ علم تو تھا لیکن علم عطا فرمانے والے کی حکمت اس کے ظاہر کرنے سے مانع تھی، اللہ ہدایت دے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہمیں لوگوں (پچھلی امتوں) پر تین وجوہ کی بنا پر فضیلت دی گئی ہے۔

جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَآءَ

ہماری صفوں کو، ملائکہ کی صفوں کی طرح بنایا گیا، تمام روئے زمین کو ہماری سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور مٹی کو ہمارے لئے ذریعہ طہارت بنا دیا گیا جبکہ ہم پانی نہ پائیں۔ (مسلم)

اے ایمان والو! اللہ رب العزت جل مجدہ نے، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل تم پر جو احسانات کئے، ان سے فائدہ حاصل کرو اور اس کے شکر گزار بندے بننے کے لئے ہر حال میں ان نعمتوں کو یاد رکھو، جن سے اس رب کریم نے تمہیں نوازا، نیز یہ یاد رکھو کہ تم اس سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و پیمان کر چکے ہو، کسی صورت میں بھی اس عہد سے روگردانی نہ ہونے پائے، اسی سے ڈرتے رہو، وہ سب کے دلوں کا حال جاننے والا ہے، تم جو عمل کرتے ہو، اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو دلوں میں چھپائے رکھتے ہو، وہ اس سے بھی باخبر ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ (ابراہیم:۳۸)

اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۲

المائدہ:۸تا۱۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (المائدہ:۸تا۱۰)

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے، اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک، اللہ خوب خبر رکھتا ہے اس کی جو تم کرتے ہو، وعدہ فرمایا اللہ نے ایمان والوں سے اور نیک کام کرنے والوں سے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں۔

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ تم ہر حال میں شاہد بالقسط اور عادل بنے رہو، شہادت بالقسط اور عدل کی ذمہ

Marfat.com

داریاں بلاشبہ بہت بھاری ہیں کہ کبھی لالچ، تو کبھی خوف، تو کبھی تعلقات یا رشتہ داری کی پاسداری، تو کبھی کمزوروں کی ہمدردی اور کبھی جذبہ انتقام، جیسے عوامل شاہد وعادل کو ان عظیم ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے سے محروم کردیتے اور اللہ و رسول کی حکم عدولی کا مجرم بنادیتے ہیں، پس اللہ تمہیں ہدایت فرماتا ہے کہ جب تم پر یہ ذمہ داریاں عائد ہوں تو تم "قوام" رہنا، ڈٹے رہنا، ایسے کہ کسی قسم کی رکاوٹ تمہیں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے سے نہ روکنے پائے کہ یہی کمال ایمان، یہی تقویٰ ہے اور مؤمنین کاملین اور متقین پر اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے ان کی مغفرت اور ان کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے جبکہ کفار، نہ صرف انعام سے محروم ہیں بلکہ ان کا ٹھکانہ تو دوزخ ہے۔

شہادت بالقسط کی وضاحت، ہم سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۵ کے ذیل میں کرچکے ہیں یہاں، عدل کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں۔

عدل

عدل کے معنیٰ ہیں برابر برابر کرنا، یا افراط وتفریط کی درمیانی راہ اختیار کرنا، جسے اعتدال کہا جاتا ہے، شرعی اعتبار سے عدل انسانی کمالات کا سرچشمہ اور جملہ اخلاقی اقدار کا منبع ہے، اسی سے انسان خالق کا مقرب اور مخلوق کا محبوب بنتا ہے، یہی انسان کی دینوی فلاح و بہبود اور آخروی نجات کا ذریعہ ہے، یہ اللہ رب العزت جل مجدہ کی صفات عالیہ میں سے ایک صفت ہے، جسے اللہ نے، اپنی اشرف المخلوقات مخلوق انسان کی فطرت میں پنہاں کیا ہے، اسی لئے کوئی انسان بھی اس کی افادیت اور عظمت کا انکارنہیں کرتا بلکہ ظالم وجابر، چور اور لٹیرے تک اپنی بدعملیوں کو کسی نہ کسی طرح عدل کے حسین لباس میں لپیٹ کر، خوشنما بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں لیکن یہ صفتِ باری انہی خوش بختوں میں اجاگر ونمایاں ہوتی ہے، جو اپنی عبدیت کا اعتراف کرلیتے ہیں اور اللہ کے رسول کی غلامی اختیار کرکے، آدابِ عبدیت کی جانکاری حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بالفاظ دیگر عدل ایک ایسا تارہ ہے، جو نور ایمان سے چمک حاصل کرتا ہے اور مؤمن پر جھلملانے لگتا ہے، کفر وشرک کی تاریکی اسے کبھی طلوع نہیں ہونے دیتی، پس غیر مؤمن سے عدل کی توقع ایسی ہی بے سود ہے، جیسے رات کی تاریکی میں سورج چمکنے کی امید، جبکہ انسانی فطرت کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ مؤمن ہوکر اپنے خالق کی صفت عدل کا مظہر بنتا کہ خالق نے اس کے ہر عضو کو اپنی اس صفت کی دلیل بنایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝

(انفطار: ۶-۷)

اے انسان! تجھے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا، (کہ تو باغی ہوگیا) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا، پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر بڑا احسان فرمایا کہ تمہیں نور ایمان سے نوازا، پس تم اپنے اندر پنہاں عدل کو چمکاؤ، "اِعْدِلُوْا" "هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" ہر حال میں عدل کرتے رہو، اس کی چمک سے تم رضائے الٰہی کی راہ پر گامزن ہوگے اور اپنے رب کا قرب حاصل کرسکو گے، والدین کی محبت، اعزاء کی قربت، امراء واغنیاء کی عزت، غریبوں سے ہمدردی وغمگساری،

Marfat.com

اعداء کی دشمنی کے جذبات بھی تمہیں، عدل سے روگردانی پر آمادہ نہ کرنے پائیں کہ یہی خواہشات بسا اوقات، عدل کی چمک ماند کر دیتی ہیں ''فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا'' تم ان خواہشات نفس کے سبب عدل کی روشنی سے محروم نہ ہونا، ورنہ راہ سے بھٹک جاؤ گے، منزل سے دور ہو جاؤ گے، دیکھو یہ ایسی عظیم خوبی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منصب نبوت کی جو ذمہ داریاں پوری کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے، ان میں عدل اختیار کرنے کا حکم بھی موجود ہے، فرمایا گیا:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ﴿۱۵﴾

(الشوریٰ:۱۵)

پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہئے اور ثابت قدم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور فرمایئے میں ہر اُس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل فرمائی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں، اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، کسی بحث وتکرار کی ضرورت نہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف (سب کو) پلٹنا ہے۔

آیت مبارکہ کے پرکشش انداز کے باعث ہم نے اس کو پورا نقل کیا ہے، جس کا مضمون قابل غور ہے، بالخصوص ''وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ'' کا جملہ قابل توجہ ہے کہ غیروں کے ساتھ بھی عدل کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ حکم اس نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا، جو دنیا کو نظام عدل سے روشناس کرانے اور عدل کی برتری واضح کرنے کے لئے مبعوث فرمایا گیا، جس نے اپنے عدل کی قوت سے تکبر وغرور کے بتوں کو پاش پاش کر ڈالا، مظلوموں کو ظلم واستبداد سے نجات دلائی، امیر و غریب کے فرق کو مٹایا، غلاموں پر آقاؤں کی برتری کا خاتمہ کیا، رنگ ونسل اور زبان کے امتیاز کو پامال کیا اور انسان کا سر اللہ کے دربار میں جھکا کر اسے ایک اللہ کے قانون پر عمل کی دعوت دی اور عزت وعظمت کا معیار صرف صالحیت اور تقویٰ کو قرار دیا، اسی عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

(النساء:۵۸)

بیشک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ سپرد کردہ امانتوں کو ان کے اہل کے، اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے، بیشک اللہ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، ہر چیز دیکھنے والا ہے۔

Marfat.com

افراد کا عدل، ان امانتوں کی ادائیگی ہے جن کے وہ امین ہیں، یعنی بشمول اللہ و رسول کے ان حقوق کو ادا کرنا جن کے وہ ذمہ دار ہیں کہ ہر مؤمن اس عدل کا ذمہ دار ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل کرے، اپنے اہل و عیال، اہل خاندان اہل محلہ، اہل شہر اور ہم وطنوں کا حق ادا کرے، وطنی اور قومی جو ذمہ داریاں اس پر ہیں انہیں پورا کرے، حکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، ملکی قوانین کی پابندی کرے اور حکام کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے مناصب کے اعتبار سے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں، عوام کی خدمت کریں، ان کی الجھنوں اور پریشانیوں میں ان سے تعاون کریں، ان کے قاضی اور حکم ان کے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۰)

بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں تم انصاف کرو اور بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ۔

عدل صرف حکام کی ذمہ داری نہیں

یہ خیال کرنا کہ عدل صرف حکام کی ذمہ داری ہے، اپنی ذمہ داری سے فرار اختیار کرنا ہے، اسی کے سبب حکام و رعایا کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا ہے، عوام، عدل کے حصول کے لئے مطالبات کرتے رہتے ہیں اور حکام عدل کرنے سے قاصر رہتے ہیں، اگر یہ جان لیا جائے کہ عدل کا نور ہر فرد کی اپنی ذات میں موجود ہے اور وہ اس کی چمک سے خود راہ تلاش کر سکتا ہے تو حکام و رعایا کے درمیان کوئی اختلاف، کوئی تناؤ باقی نہیں رہتا، ہر شخص کو اپنی ذمہ داری پوری کرنا اور عدل کی ابتداء اپنی ذات سے کرنا چاہئے، اس طرح کہ پہلے مؤمن ان حقوق کو ادا کرنے میں انصاف کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں کہ جو شخص ان حقوق کی ادائیگی کا عادی نہیں ہوتا وہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں عدل نہیں کر سکتا، عدل کے اس ابتدائی مرحلہ میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ عدل کرے اور ذات کے ساتھ عدل کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام حقوق سے بری الذمہ ہو، جو اس پر عائد ہوتے ہیں، مثلاً طہارت و پاکیزگی، صفائی، ستھرائی، اچھا کھانا، پہننا، صحت و تندرستی کا خیال رکھنا، جسم کے ساتھ عدل ہے، بدکاریوں اور برائیوں سے بچنا، نفس کے ساتھ عدل ہے، بغض، کینہ، حسد وغیرہ سے دل کو صاف رکھنا، قلب کے ساتھ عدل ہے، اہل و عیال کو حسب استطاعت، کھلانا، پلانا، ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا، ان کے ساتھ عدل ہے، والدین، بھائی بہن کے حقوق ادا کرنا، دیگر رشتہ داروں سے تعلقات رکھنا، خاندان کے ساتھ عدل ہے، ایک اچھا شہری بننا، اچھائیوں میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا، برائیوں سے خود بچنا اور لوگوں کو بچنے کی تلقین کرنا، معاشرے کے ساتھ عدل ہے، اسی طرح تمام امور میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال اختیار کرنا، حق کا ساتھ دینا، یہ سب عدل ہی کی راہ ہے، جس پر چلنے کی اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے۔

افراد کی بہ نسبت قائدین اور حکام عدل کے قدرے زیادہ ذمہ دار ہیں کیونکہ وہ قومی امور کے امین ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ و رسول کے احکام کے مطابق ملک کی حفاظت اور قوم کی خدمت کی بھاری ذمہ داری پوری کرنی ہوتی ہے، قوم کا ہر فرد ان سے عدل و انصاف کی آس باندھے ان کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، اگر وہ قوم کو مایوس کرتے ہیں تو نہ صرف ان کے

Marfat.com

اقتدار کو خطرہ لاحق ہوتا ہے بلکہ پوری قوم بدامنی، افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتی ہے، جس کی آگ ملک کے وقار کو بھسم کر ڈالتی ہے اور آزادی کے باوجود قوم غلامی کی زنجیروں میں جکڑی نظر آنے لگتی ہے، وہ اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کے بجائے دوسروں کے در کی بھکاری بن جاتی ہے، انجام کار، صرف قومی وقار ہی مجروح نہیں ہوتا بلکہ تہذیب و تمدن بھی رخصت ہوتا نظر آنے لگتا ہے، حتیٰ کہ دین سے محرومی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، ان حقائق پر غور فرمایئے، پھر اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالئے اور فیصلہ کیجئے کہ عدل و انصاف سے محرومی نے ہمیں ذلت و خواری کے کس قدر مخدوش مقام پر لا کھڑا کیا ہے جبکہ ہمارے ہی ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس عدل ہی کی بناء پر ہمارا آفتاب اقبال، نصف النہار پر چمکا کرتا تھا۔

عدل سے روگردانی کے مرتکب، افراد ہوں یا عمال و حکام ذلت و خواری ان کا مقدر بن جاتی ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مامن عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٍ رَعِيَّتَهُ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

وہ بندہ جس کو اللہ کسی رعیت کا والی و حاکم بناتا ہے اور وہ اپنی رعیت کے ساتھ دھوکہ و فریب کرتا مرتا ہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہ روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِيْ لَنْ تَنَا لَهُمَا شَفَاعَتِيْ اِمَامٌ ظَلُوْمٌ غَشُوْمٌ وَكُلُّ غَالٍ مَارِقٍ

دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میری شفاعت نصیب نہ ہوگی وہ حاکم، جو ظالم اور خائن ہو اور ہر وہ شخص جو دھوکہ کرنے والا اور شرعی حدود کو توڑنے والا ہو۔ (ترمذی)

قرآنی عدل

قرآن نے جس عدل کا حکم دیا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس نظام عدل کی قولی و عملی تعلیم دی، اس کی نظیر دنیا کے کسی قانون، کسی مذہب میں نہیں ملتی، اسلامی نظام عدل سے ظلم و ستم، جبر و استبداد کا انسداد ہوتا ہے، لوٹ، مار، قتل و غارت کا خاتمہ ہوتا ہے، ہر قسم کے تعصبات کی بیخ کنی ہوتی ہے، ہوا و ہوس، تکبر و غرور، چھوت چھات کے بت پاش پاش ہوتے ہیں، حق تلفی، خود غرضی، خود پسندی کا سد باب ہوتا ہے، سب کے لئے ایک حاکم، ایک قانون کی عملی صورت نظر آتی ہے، ہر کسی کو آزادی کی نعمت میسر آتی ہے، ہر ایک کا حق اس کا دروازہ کھٹکھٹا کر، پہنچایا جاتا ہے، عزت و آبرو، جان و مال کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے، مظلوم کی فریاد رسی ہوتی ہے، ظالم کو عبرتناک سزا ملتی ہے، غرضیکہ اسلامی نظام عدل ایک ایسا گھنا درخت ہے، جس کے سایہ میں تڑپتے انسان کو سکون میسر آتا ہے، جس سے پورا معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے، جس کی فضا میں راتیں بے خوف و خطر اور دن پرسکون گزرتے ہیں، جس سے انسانی تہذیب و تمدن پروان چڑھتی اور انسانیت عروج و ترقی کی راہ پاتی ہے، جو دنیا کی فلاح و بہبود اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے، یہی نظام عدل، اسلامی حکومت کے حدود کو تحفظ بخشتا ہے، امت مسلمہ کو باعزت، باوقار اور بارعب بناتا ہے، اسی سے دشمن خوف زدہ ہو کر اپنی سازشوں میں ناکام ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

داعیٔ عدل

آیئے، عدل کی اہمیت وافادیت کا اندازہ، داعی عدل وانصاف، معلّم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے چند واقعات سے کریں، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے ہی اس ماحول اور معاشرے میں عدل کا تعارف کرایا، جس میں عدل کا لفظ تو بولا جاتا تھا لیکن اس کی عملی صورت کا تصور تک نہ تھا، اس وقت عدل صرف اپنی اغراض کی تکمیل کا نام تھا، چاہے وہ ظلم وستم سے ہو یا غصب اور لوٹ مار سے، دوسروں کے حقوق کا تحفظ یا ان کا ادا کرنا عدل کے مفہوم تک میں شامل نہ تھا، ایسے ماحول میں وہ نبی جو انسان کو قیامت تک کے لئے ایک بے نظیر نظام عدل کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا، سب سے پہلے خود عدل کر کے دکھاتا ہے۔

یہ وہ وقت ہے جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور متحد ومنظم ہو کر محنت سے تعمیر کرنے والے اچانک اس مسئلہ پر دست بگریباں ہو گئے کہ حجرِ اسود نصب کرنے کا اعزاز کون حاصل کرے گا، چار پانچ دن مسلسل یہ اختلاف چلتا رہا، سخت کلامی بھی ہوئی، ہاتھا پائی کا مظاہرہ بھی ہوا، حتیٰ کہ تلواریں تان لی گئیں، اب خون کی ندیاں تو بہتی نظر آتی تھیں لیکن مسئلہ کا حل دور دور تک نہ تھا، بالآخر، اللہ نے اپنے گھر کو قتل وغارت سے بچانے اور حق، حق دار کو عطا فرمانے کے لئے کسی کے دل میں یہ بات ڈالی اور وہ چلایا، اے گروہ قریش! جھگڑا ختم کرو اور ''اسے اپنا حاکم بنالو جو کل سب سے پہلے، اس مسجد کے دروازے سے داخل ہو''، یہ بات ان کی عقل میں آ گئی اور سب صبح کا انتظار کرنے لگے اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی، ہر ایک تیزی سے، اس گھر کی طرف دوڑنے لگا، لیکن جو بھی مسجد کے دروازے میں داخل ہوا، اس نے اپنے سے اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، عبداللہ کے یتیم ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا استقبال کرتے پایا اور خوش ہو کر چلایا ''هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا بِهٖ حَكَمًا هٰذَا مُحَمَّدٌ'' یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، یہ امین ہیں ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں، اب اللہ کے گھر کو آباد کرنے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ ہی کے گھر میں عدل وانصاف کا مظاہرہ فرماتے اور عدل کو متعارف کراتے ہیں، فرمایا ''هَلُمَّ اِلَيَّ ثَوْبًا'' مجھے ایک چادر دو، چادر پیش کی گئی، آپ ﷺ نے اس کو بچھایا اور اپنے دستِ مبارک سے، حجرِ اسود اس میں رکھا اور ہر قبیلہ کے، ایک ایک سردار کو بلایا اور فرمایا، سب مل کر چادر پکڑو، اور اس اعزاز میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ، حیرت وتعجب اور مسرت وخوشی کی ملی جلی کیفیت میں، سب نے چادر پکڑی اور حجرِ اسود کو اس مقام تک لے آئے، جہاں اسے نصب کرنا تھا، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنے نورانی، مقدس ہاتھوں سے اٹھایا اور دیوار میں، مقررہ جگہ پر نصب فرما دیا، یہ پہلا موقع تھا جب عدل وانصاف سے ایک بڑی خون ریزی کا خطرہ ٹلا اور پوری قوم کو مسرت وشادمانی نصیب ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نضر کی بیٹی، ربیع نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیئے، ربیع کے گھر والوں نے لڑکی سے معافی مانگی لیکن اس نے معاف نہ کیا، انہوں نے معاوضہ کی پیشکش کی، لیکن لڑکی کے گھر والوں نے اس کو بھی قبول نہ کیا، بالآخر مقدمہ، عدالت نبوی ﷺ میں پیش ہوا، آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا، اگر لڑکی کے گھر والے دیت، معاوضہ لینے پر تیار نہیں، تو ربیع کو قصاص دینا پڑے گا یعنی اس کے بھی اتنے ہی دانت توڑے جائیں گے، جتنے اس نے توڑے ہیں، حضرت انس کہتے ہیں، میں نے بڑی ہمت کر کے، آپ ﷺ سے گزارش کی یا رسول اللہ ربیع ایک نہایت ہی باعزت اعلیٰ

Marfat.com

قبیلہ کی بیٹی ہے، کیا اس کے دانت توڑے جائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا،'' کتاب اللہ القصاص''، اے انس! قصاص لینا، اللہ کا حکم ہے، حکم الٰہی سب کے لئے ایک ہے، مجرم، مجرم ہی ہے، چاہے کوئی معروف ومشہور اور باعزت شخص ہو یا کوئی عام آدمی، جس کا جو حق ہے وہی اسے دلانا عدل ہے، جب لڑکی کے خاندان والوں کو انصاف مل گیا اور انہوں نے عدل کی بالادستی کو اپنے سامنے پالیا تو انہوں نے احسان کیا اور ربیع کو معاف کر دیا۔

فتح غزوۂ بدر کے بعد، گرفتار کفار میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس بھی موجود تھے، جنہیں اسی طرح باندھا گیا تھا جس طرح دوسرے قیدیوں کو باندھا گیا تھا اور جب قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ایک عام آدمی کا فدیہ چار ہزار درہم مقرر ہوا، لیکن ان میں جو دولت مند تھے ان سے زیادہ رقم لینے کا فیصلہ ہوا، بعض صحابہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچا ہونے کے ناطے، بغیر فدیہ آزاد کر دیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، سب قیدیوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے اور عباس سے زیادہ رقم لی جائے کیونکہ وہ دولت مند ہیں۔

فتح مکہ کے بعد صرف طائف رہ گیا تھا، جس نے گردنِ تسلیم خم نہ کی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا محاصرہ کیا، لیکن چند روز بعد محاصرہ ختم کرنا پڑا، حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک دولت مند رئیس تھے، انہیں جب معلوم ہوا کہ سرکار نے محاصرہ ختم کر دیا ہے تو وہ خود آگے بڑھے اور طائف کا محاصرہ کر کے اہلِ طائف پر اتنا دباؤ ڈالا کہ وہ اطاعت پر مجبور ہو گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب فتح طائف کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے، اسی دوران مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور شکایت پیش کی کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے صخر کو بلایا، معاملہ کی تحقیق فرمائی اور عدالت رسول ﷺ سے فاتح طائف کے خلاف فیصلہ صادر ہوا اور حکم ملا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو، ابھی ایک مقدمہ ختم ہی ہوا تھا کہ ان کے خلاف دوسرا مقدمہ دائر کیا گیا، بنو سلیم حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا اب ہم اسلام قبول کر چکے ہیں، لہٰذا ہمارا چشمہ واپس ملنا چاہئے، سرکار نے پھر صخر کو طلب فرمایا اور ان کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا ارشاد ہوا جب کوئی قوم مشرف باسلام ہو جاتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے، لہٰذا بنو سلیم کا چشمہ واپس کیا جائے، صخر نے پیکرِ عدل و انصاف کا یہ فیصلہ بھی منظور فرمایا، ان دونوں فیصلوں کے بعد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور پر افسوس کے آثار نمایاں ہوئے کیونکہ صخر کو فتح طائف جیسے عظیم کارنامہ کا کوئی دنیاوی صلہ نہ مل سکا۔

یہ واقعات اس حقیقت کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ اسلام کا نظام عدل اپنے غیروں، سب کے لئے یکساں ہے، ہر شخص کو اس کا حق دلانے کا ضامن ہے، کسی کی امارت، رشتہ داری، دینی خدمت یا کوئی بھی وجہ اس کے نفاذ میں حائل نہیں ہو سکتی، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امت مسلمہ کے حقوق و امور کے محافظین کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

اعلانِ صدیق

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر رونق افروز ہوتے ہیں تو اپنے پہلے ہی خطبہ میں

Marfat.com

اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی بنیاد عدل کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں، ''اے لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں زیادہ بہتر نہیں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کردو، صدق امانت ہے، کذب خیانت ہے، انشاء اللہ تمہارا کمزور، میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں اور تمہارا قوی، میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں''، پھر آپ نے فرمایا، ''وَاَطِيْعُوْنِیْ مَا اَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَا طَاعَةَ لِیْ عَلَيْكُمْ'' اور میری فرمانبرداری کرو جبکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کروں اور جب میں اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر بھی میری اطاعت نہیں۔

عدل فاروقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عدل ''عدل فاروقی'' کے عنوان سے معروف اور متعارف ہے، آپ کے باب عدل سے ایک واقعہ ملاحظہ ہو، آپ کے دور خلافت میں غسان کا بادشاہ جبلہ بن غسفان، مشرف با سلام ہوتا ہے، اللہ کے گھر کا طواف کرنے، کعبۃ اللہ میں حاضر ہوتا ہے، دوران طواف ایک عرب بدو کا پیر اس کی چادر پر پڑ گیا، احکم الحاکمین کے دربار میں دنیا کے اس شہنشاہ کی رگِ تکبر پھڑک اٹھی، اس نے بدو کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ غریب کے کئی دانت باہر آگئے، وہ دوڑا دوڑا عدالتِ فاروقی میں پہنچا اور مقدمہ دائر کر دیا، آپ نے بادشاہ کو طلب کیا، معاملہ کی تحقیق کی، بادشاہ نے جرم کا اعتراف کیا، آپ نے بدو کو اجازت دی کہ وہ بادشاہ کے منہ پر اتنے ہی زور سے تھپڑ مارے کہ اس کے بھی دانت نکل پڑیں، جبلہ نے واویلا مچانا شروع کیا اور کہا کہ آپ کے یہاں ایک دیہاتی اور ایک بادشاہ کے دانت برابر ہیں، امیر المؤمنین نے اس کو قرآن کا فیصلہ سنایا کہ ''بیشک جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور ہر زخم کا قصاص لیا جائے گا'' اور آپ نے فرمایا کہ تحفظِ حقوق کے اعتبار سے اسلام امیر وغریب میں کوئی امتیاز نہیں کرتا، اسلامی قانون سب کے لئے ایک ہے، ایک جاہل بدو اور ایک شہنشاہ کے دانتوں میں کیا فرق ہوسکتا ہے، پس اے بادشاہ! تو نے اعترافِ جرم کرلیا ہے، لہٰذا اب تو قصاص کے لئے تیار ہوجا وہ اسلام تو قبول کر چکا تھا لیکن اب تک ایمان اس کے دل کی گہرائیوں تک نہ پہنچ سکا تھا، لہٰذا اس نے سزا سے بچنے کے لئے بہانہ تلاش کیا اور بولا، اے امیر المؤمنین! مجھے ایک دن کی مہلت دی جائے، مہلت کی درخواست منظور ہوئی اور جبلہ اس وقفہ سے فائدہ اٹھا کر غستان بھاگ گیا اور وہاں جا کر مرتد ہوگیا۔

کوئی مرتد ہوتا ہے تو ہوجائے، اسلام کا قانون اٹل ہے، اس میں کسی سودے بازی کی گنجائش نہیں، اسلامی نظامِ عدل سب کے لئے ہے، مجرم چاہے مزدور وکسان ہو، غریب ہو، امیر وحاکم ہو، دولت مند ہو، اسلامی عدل مظلوم کو سہارا دیتا ہے، ظالم ومجرم کو سزا دیتا ہے، حقدار کو حق دلاتا ہے۔

قاضی، جج عدل وانصاف کا امین وذمہ دار ہوتا ہے، اسی لئے اس کا منصب نہایت اہم اور نازک ہوتا ہے، جانبین میں سے کسی ایک جانب کی طرف اس کا ذرا بھی میلان، اس کے لئے اس عظیم منصب سے نااہلی کا سبب ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی معاملہ پر اختلاف ہوتا ہے، ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں، عدالت عالیہ سے امیر المؤمنین کی طلبی کا نوٹس جاری ہوتا ہے، وقت مقررہ پر پوری عدالت سربراہ مملکت کی حاضری کی منتظر ہے، مدعی ابی بن کعب پہلے سے موجود ہیں، امیر المؤمنین، بحیثیت مدعا علیہ، عجز وانکساری کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوتے ہیں، قاضی حضرت زید بن ثابت سے نہ رہا گیا، وہ امیر المؤمنین کی وجاہت سے مرعوب ہو گئے اور ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے، یہ ایک شرعی غلطی تھی کہ قاضی مدعا علیہ کا اس طرح احترام کرے، امیر المؤمنین نے قاضی صاحب کو فوراً احساس دلایا کہ آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا، حضرت زید شرمندہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، ابی بن کعب کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے کوئی گواہ نہ تھا، لہٰذا مدعا علیہ پر اپنے انکار کے ثبوت کے لئے قسم لازم آتی تھی، زید بن ثابت نے دوسری شرعی غلطی یہ کی کہ ابی بن کعب سے کہا کہ امیر المؤمنین کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے تم انہیں قسم پر مجبور نہ کرو اور اپنا دعویٰ واپس لے لو، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اپنا فیصلہ سناتے ہیں کہ زید، جب تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور سربراہ مملکت برابر نہیں تو تم اس منصب کے اہل نہیں ہو۔

عہد فاروقی ہی کا یہ واقعہ ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا، امیر المؤمنین نے انہی کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا، ان کا ایک لڑکا، محمد نامی گھڑ دوڑ کا بڑا شوقین تھا، ایک مصری نے اس کے ساتھ گھوڑا دوڑایا اور جیت گیا، فاتح مصر اور گورنر کا بیٹا، ایک عام آدمی سے ہارنا برداشت نہ کر سکا، اس نے مصری کو پکڑا، خوب مارا اور کہتا جاتا تھا ''خُذْهَا وَاَنَا ابْنُ الْاَكْرَمِيْنَ'' (مار کھاؤ، تم مجھے نہیں پہچانتے، میں بڑے معزز ومکرم آباؤ اجداد کی اولاد ہوں) غریب مصری مار کھانے کے بعد، مدینہ طیبہ حاضر ہوتا ہے، عدالت فاروقی پر دستک دیتا ہے، امیر المؤمنین اس کی فریاد سن کر مصر کے گورنر اور اس کے بیٹے کو طلب فرماتے ہیں، چند روز میں دونوں حاضر ہوتے ہیں، امیر المؤمنین اپنی گرجدار آواز میں پکارتے ہیں ''این المصری؟'' مصری کہاں ہے، آپ عمرو بن عاص کے بیٹے محمد سے پوچھتے ہیں، کیا تم اسے پہچانتے ہو، کیا یہ وہی شخص ہے جسے تم نے بیدردی سے مارا تھا، محمد اعتراف جرم کرتا ہے، عدل وانصاف کا پیکر مصری کو حکم دیتا ہے، ''فَاضْرِبْ بِهَا ابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ'' یہ دُرّہ لو اور اس محترم آباؤ اجداد کی اولاد کو اسی طرح مارو، جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا، بھرے دربار میں فاتح مصر اور گورنر کا بیٹا مار کھا رہا ہے، لیکن کسی کی مجال زدن نہیں، عدل فاروقی جوش پر ہے، آپ بار، بار فرما رہے ہیں، اے مصری! اور مار، خوب مار، جب مصری نے اپنا بدلہ پورا کر لیا اور کوڑا روک لیا تو امیر المؤمنین نے فاتح مصر کو طلب کیا اور مصری سے کہا اب ان کی بھی خبر لو کہ ان کے بیٹے نے تجھ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت اسی لئے کی تھی کہ اسے فاتح مصر اور گورنر مصر کا بیٹا ہونے پر ناز تھا، مصری عدل وانصاف کے اس عجیب وغریب منظر پر حیرت زدہ تھا، وہ بولا، اے امیر المؤمنین! جس نے مجھے مارا تھا میں اس سے بدلہ لے چکا، اس میں فاتح مصر کا کوئی قصور نہ تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمرو ابن عاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''یا عَمْرو! مَتٰى تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا'' اے عمرو، تم نے لوگوں کو کب سے اپنا غلام سمجھ لیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا ہے۔''

اللہ اکبر، اسلامی عدل کی فوقیت وبرتری تو ملاحظہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر کسی کی عزت، کسی کا منصب کچھ نہیں، مظلوم کو

Marfat.com

اس کا حق ملنا چاہئے اور ظالم کو جرم کی پوری پوری سزا، جس قوم کو اس عدل وانصاف کی حکومت نصیب ہو، وہی قوم آزادی کا پورا پورا لطف پا سکتی ہے، اسے ہی عزت ووقار میسر آ سکتا ہے، اسی کے معاشرے میں باہمی الفت ومحبت نظر آ سکتی ہے، اسی عدل کے سایہ تلے بسنے والے، ایک دوسرے کی عزت وآبرو اور مال ودولت کے محافظ ہو سکتے ہیں، وہی امن وسکون کی نعمت پاتے ہیں، کہاں ہے آج یہ عدل، ہوا وہوس کے پرستاروں نے، دولت واقتدار کے متوالوں نے پوری انسانیت کو اس نعمت سے محروم کر دیا، اور جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا، انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا، اب آزادی ایک سراب ہے جس سے پیاس نہیں بجھ سکتی، یہ ایک بے برگ وثمر درخت ہے، جس کے تلے تڑپتی ہوئی انسانیت کے لئے نہ سکون ہے نہ اطمینان۔

دیگر واقعات

عدل کی حکمرانی صرف خلافت راشدہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس کے بعد بھی اسلامی تاریخ میں اس کی چمک پائی جاتی ہے، خلافت عباسی کے دور کا ایک واقعہ بطور مثال ملاحظہ ہو۔

قاضی شُرَیح کی عدالت ہے، ایک غریب مظلوم عورت اپنی فریاد لے کر حاضر ہوتی ہے، عرض کرتی ہے، میری داد رسی فرمائیے، مجھ پر ظلم ہوا ہے، قاضی نے فوراً توجہ فرمائی، پوچھا کس نے ظلم کیا ہے، پتہ چلا، ظالم کوئی معمولی حیثیت کا شخص نہیں، امیر المؤمنین کا چچازاد بھائی، موسیٰ بن عیسیٰ ہے، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کیا زیادتی ہوئی ہے، عرض گزار ہوئی، فرات کے کنارے میرے باپ کا ایک کھجور کا باغ تھا، جو اس کے مرنے کے بعد مجھے اور میرے بھائیوں کو ورثہ میں ملا تھا، شہزادہ موسیٰ نے میرے بھائیوں سے ان کا حصہ خرید لیا، مجھ سے بھی میرا حصہ خریدنا چاہا لیکن میں نے منع کر دیا، میرے انکار پر وہ سیخ پا ہو گیا، اس نے میرے باغ پر قبضہ کر لیا اور اس کی دیوار کو گرا کر ایسا کر دیا کہ میں اپنا حصہ پہچان بھی نہیں سکتی، قاضی شریح نے فوراً شہزادے کو حاضری کا حکم جاری کیا، جونہی یہ حکم موسیٰ کو ملا وہ غصہ سے لال پیلا ہو گیا، پولیس افسر کو بلایا، اور حکم دیا ابھی قاضی شریح کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ عام عورت کی شکایت سن کر میرے خلاف وارنٹ جاری کر دیئے، پولیس افسر نے عدالت میں حاضر ہو کر شہزادے کا پیغام سنایا، قاضی نے پولیس افسر اور اس کے ساتھی سپاہیوں کو جیل میں بند کر دینے کا حکم دیا، تعمیل حکم کی گئی، شہزادے کو اطلاع ملی، وہ خود جیل پہنچا اور اس نے پولیس افسر اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا، قاضی شریح کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا، قاضی شریح نے حکم دیا کہ ہمارے سفر بغداد کا انتظام کیا جائے تا کہ ہم خود خلیفہ کو اس واقعہ سے آگاہ کریں کیونکہ ہم نے خلیفہ سے اس منصب کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ خلیفہ نے ہمیں یہ منصب دیا تھا اور اسی وقت ہم نے کہہ دیا تھا کہ ہم یہ منصب اس شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ ہمارے احکام کی تعمیل ہوگی اور خلیفہ خود ہمارے عزت ووقار کا ضامن ہوگا۔

جب شہزادہ موسیٰ کو قاضی کے بغداد روانگی کا علم ہوا تو اسے معاملہ کی نزاکت کا احساس ہوا، وہ قاضی کے دربار میں حاضر ہوا، معافی کا طلب گار ہوا، قاضی نے کہا جب تک تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے، میں بغداد جانے سے نہیں رک سکتا، شہزادے نے عدالت میں حاضری کا وعدہ کیا، وقت مقررہ پر عدالت لگی مظلوم عورت کو طلب کیا گیا، اس نے شہزادے کی موجودگی میں بلاخوف وخطر، اپنی شکایت پیش کی، شہزادے نے اعتراف جرم کیا، عدالت کا فیصلہ صادر ہوا کہ شہزادہ عورت کا

Marfat.com

باغ واپس کرے اور جو دیوار گرائی ہے، اسے بنوایا جائے، مجرم نے سر تسلیم خم کیا، عورت خوش ہو کر، قاضی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس چلی گئی، اب قاضی نے کرسی عدالت سے اتر کر کہا ''السلام علیک ایھا الامیر'' شہزادے کو اچانک اس تبدیلی پر حیرت ہوئی، قاضی نے کہا، میں آپ کا بحیثیت امیر پورا پورا احترام کرتا ہوں لیکن مظلوم کی دادرسی اور اس کے ساتھ انصاف کرنا، اللہ کے حکم کے مطابق میری ذمہ داری ہے، اس وقت آپ اور ایک عام عورت میرے لئے برابر ہیں، اب اللہ کے حکم کی تعمیل ہوگئی، عدل کی ذمہ داری پوری ہوگئی، اب میری ذمہ داری آپ کا احترام ہے، جسے میں پورا کر رہا ہوں، لہٰذا حیرت کی کوئی بات نہیں۔

سلطان محمود غزنوی، اپنے امراء و رفقاء کے ساتھ، اپنے دیوان میں جلوہ افروز ہیں، امور سلطنت پر گفتگو ہو رہی ہے کہ ایک عام غریب شخص واویلا کرتا دربار میں حاضر ہوتا ہے، سلطان اس کا حال دریافت فرماتے ہیں، وہ شکایت پیش کرتا ہے کہ ایک ترکی سپاہی نے اس کو جبراً گھر سے نکال دیا اور اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا، محمود نے اس کی شکایت سن کر کہا، اب تو صبر سے کام لو، یہ رونا دھونا چھوڑو، گھر جاؤ، جب وہ سپاہی دوبارہ ایسا کرے تو مجھے اطلاع دینا، میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا اور صورت حال دیکھوں گا، سپاہی واپس چلا گیا اور تین دن بعد اسی طرح روتا چلاتا، دوبارہ حاضر ہوا، سلطان نے سپاہیوں کو ساتھ لیا اور نہایت تیزی سے سپاہی کے گھر کی طرف گھوڑا دوڑا دیا، گھر کے قریب پہنچ کر گھر کا محاصرہ کرنے اور بتیاں بجھا دینے کا حکم دیا اور سپاہیوں کو ہدایت کی کہ جونہی مجرم باہر آئے، اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے، تھوڑی ہی دیر میں مجرم باہر آیا، ہدایت کے مطابق قتل کر دیا گیا، سلطان نے سجدہ شکر ادا کیا اور صاحب خانہ سے کچھ کھانے کے لئے مانگا، اس غریب نے خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی پیش کیا، سلطان نے کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا، کسی نے جرأت کی اور آگے بڑھ کر پوچھا اے بادشاہ! یہ سب کیا ہے کہ آپ نے اس طرح مجرم پر حملہ کیا، پھر کھانا طلب فرمایا، سلطان نے کہا مجھے کچھ ایسا خیال ہوا کہ کہیں یہ مجرم میرا کوئی بیٹا نہ ہو، لہٰذا میں نے بتیاں بجھا دینے کا حکم دیا تا کہ اسے دیکھ کر میرے عدل میں خلل یا تاخیر واقع نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ میرا انصاف نابینا اور بے رحم ہو، مظلوم کے لئے سہارا، ہو اور ظالم کے لئے اللہ کا عذاب اور سزا۔ اور میں نے کھانا اس لئے طلب کیا کہ جب سے اس شخص نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان سنائی، میں نے کچھ نہ کھایا تھا، جونہی میری ذمہ اری پوری ہوئی مجھے سخت بھوک لگی اور میں کھانا مانگنے پر مجبور ہوگیا۔

ماضی قریب کی تاریخ ہند کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو، سلطان مراد نے مملکت خجند سے ایک ماہر تعمیر کی خدمات حاصل کیں تا کہ وہ ایک نہایت حسین و جمیل مسجد تعمیر کرے، تعمیری کام کا آغاز ہوا، جب مسجد مکمل ہوگئی تو سلطان بذات خود اس کے افتتاح کے لئے آیا، اس نے عمارت کو بغور دیکھا، اسے یہ عمارت پسند نہ آئی، معمار سے باز پرس ہوئی اور انجام کار، بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، یہ بے چارہ اسی حال میں روتا، چلاتا، خون میں لت پت عدالت میں پہنچا اور قاضی سے انصاف کا طلب گار ہوتے ہوئے بولا، اے قاضی! تو اللہ کے حکم کے نفاذ کا ذمہ دار ہے، آئین مصطفوی ﷺ کی حفاظت تیرا منصبی فرض ہے، دیکھ میرے ساتھ کیسا ظلم ہوا ہے، میں تیرے بادشاہ کا غلام تو نہیں جو میرے ساتھ ایسا کیا گیا، اللہ کے قرآن کے مطابق میرا فیصلہ کر دو، قاضی نے معمار کی حالت زار دیکھی، فوراً بادشاہ کے خلاف وارنٹ جاری کر دیا اور اسے عدالت میں

Marfat.com

حاضر ہوکر جواب دہی کا حکم دیا، بادشاہ یہ حکم سن کر خوفزدہ ہوگیا اور ایک مجرم کی طرح عدالت میں حاضر ہوا، عدالت عالیہ میں اس وقت ایک عجیب منظر ہے، ایک طرف ہاتھ کٹا معمار، مدعی کھڑا ہے تو اس کے مقابلے میں صاحب شوکت، مالکِ سلطنت بادشاہ مدعی علیہ اور مجرم کی حیثیت میں موجود ہے، قاضی کے سوال کرنے پر بادشاہ اپنے جرم کا اعتراف بھی کر رہا ہے اور ندامت وشرمندگی کا اظہار بھی، قاضی بلا خوف وخطر، اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ صادر فرماتا ہے کہ تمہیں قصاص ادا کرنا ہوگا یعنی تمہارا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، عدالت کی نظر میں غلام اور آزاد برابر ہیں، دونوں کے لئے اللہ کا ایک ہی حکم ہے، معمار کے بازو سے بہنے والا خون اتنا ہی سرخ ہے، جتنا بادشاہ کا خون سرخ ہے، بادشاہ حکم الٰہی کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرتا ہے، آستین سے ہاتھ نکال کر کھڑا ہے کہ کاٹ دیا جائے، معمار سے یہ منظر برداشت نہ ہوسکا، وہ خود ہی قرآن کریم کی آیت پڑھتا ہے،" اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ " اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، پس اے قاضی! مجھے تمہاری عدالت سے عدل و انصاف مل گیا، اب میں اللہ کی رضا کے لئے احسان پر عمل کرتا اور بادشاہ کو معاف کرتا ہوں۔

علامہ اقبال نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتاب "اسرار ورموز" میں بیان کیا، بطور نتیجہ انہوں نے دو شعر کہے وہ ملاحظہ ہوں۔

یافت مورے بر سلیمانے ظفر
سطوت آئین پیغمبر نگہ

پیغمبری آئین کی سطوت وہیبت کا اندازہ کرو کہ ایک چیونٹی نے سلیمان پر کامیابی حاصل کرلی۔

پیش قرآن بندہ و مولیٰ یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

حکم قرآن کے سامنے غلام و آقا ایک ہیں
بوریا نشین و تخت نشیں ایک ہیں

اے ایمان والو! ہر حال میں عدل کرو، کہ یہ مظلوم کا سہارا اور ظالم کے لئے عذاب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے اسی سے افراد کے درمیان میل ومحبت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ایک منظم وباوقار قوم نمودار ہوتی ہے، اسی سے معاشرے میں احساس تحفظ پیدا ہوتا اور سکون وطمانیت کے شب وروز میسر آتے ہیں، اسی سے معاشی خوشحالی اور سیاسی ترقی نصیب ہوتی ہے، اسی سے ملک مستحکم ہوتا ہے، اسی سے دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود وابستہ ہے۔

اے ایمان والو! اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی اور ہمارے رسول کے عطا کردہ آئین کو اپنایا، تو تم سے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم تمہاری مغفرت بھی کردیں گے اور تمہیں اجر عظیم بھی عطا فرمائیں گے، جبکہ ہم نے باغیوں کو جہنم میں ڈال دینے کا فیصلہ کرلیا۔

"اللهم اجعلنا من المسلمين الصالحين و ادخلنا الجنه مع عبادک المتقين"
وَصَلَّى اللّٰهُ تعالى على خير خلقه سيدنا مُحمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۳

المائدہ:۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ:۱۱)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی، جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ، تو اللہ نے روک دیا، ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔

اے ایمان والو! ابتدائے اسلام کے اس دور کو یاد کرو، جب ہمارے رسول اور ان کے خلاف کفار کی سازشیں اپنے شباب پر تھیں، وہ کسی نہ کسی طرح دین حق کو مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اللہ رب العزت جل مجدہ اس دین کی حفاظت و بقاء کا فیصلہ فرما چکا تھا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ:۳۲،۳۳)

Marfat.com

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اللہ اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر، وہی (قادر مطلق) ہے، جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر، تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اگرچہ (یہ غلبہ) مشرکوں کو ناگوار گزرے۔

کفار نے بارہا اس نور کو بجھانے اور مٹانے کی کوششیں کیں مگر ہمیشہ وہ ناکام و نامراد ہی رہے، مکی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ پر کیا کیا ظلم نہ ڈھائے گئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں پھندا ڈال کر ان کی جان لینے کی کوششیں کی گئیں، حالت سجدہ ان کے سر مبارک پر پوری اوجھڑی کا بار ڈال دیا گیا، ان پر پتھر برسا کر متعدد بار انہیں زخمی کیا گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مار مار کر بیہوش کر دیا گیا، حضرت خباب بن الارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا، یہاں تک کہ ان کی چربی سے کوئلے بجھ گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مظالم کی داستان عام ہے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو نہایت بیدردی سے شہید کیا گیا، ان کی اہلیہ حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کے جسم مبارک کو چیر دیا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا جاتا تھا کہ وہ بیہوش ہو جاتے تھے، حضرت صُہیب رومی رضی اللہ عنہ کو ساری ساری رات مارا جاتا تھا، جب یہ ہجرت کرنے لگے تو ان کا سارا مال و اسباب چھین لیا گیا، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر گرم جلتی ریت پر گھسیٹا جاتا تھا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ پر اتنی مار پڑی کہ ان کی ہڈیاں تک دکھنے لگی تھیں، حضرت لبینہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر اپنے مسلمان ہونے سے قبل اتنا مارتے تھے کہ خود تھک جاتے تھے، حضرت زُنیرہ رضی اللہ عنہا کے دماغ پر ایسی ضربیں لگائی گئیں کہ وہ آنکھوں سے محروم ہو گئیں، حضرت نہدیہ، حضرت ام عبیس بھی ایسے ہی مظالم کا شکار ہوتی رہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جس دن اپنے اسلام کا اعلان کیا تو انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا گیا، انہیں سوائے آب زمزم کے کچھ کھانے، پینے کو بھی میسر نہ تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو رسیوں سے جکڑ کر خوب پیٹا گیا، حضرت زبیر بن العوام کو چٹائی میں لپیٹ کر، ناک میں دھواں دیا جاتا، جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔

غرضیکہ مکی دور کا کوئی دن، کوئی رات اہل ایمان کے لئے سکون و اطمینان کا نہ تھا، بالآخر ان مظلوموں کو پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑی، مکہ چھوڑ دینے کے بعد بھی کفار اپنی سازشوں سے باز نہ آئے، بار بار مدینہ پر حملہ آور ہوتے رہے اور ہر بار منہ کی کھاتے رہے، مدنی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کو یہودیوں اور منافقوں کی سازشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زہر دیا گیا، ایک مرتبہ یہودیوں نے آپ پر پتھر لڑھکا کر آپ کی جان لینے کی کوشش کی، یہ یہودی اور منافقین متحد ہو کر مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے اور انہیں آپس میں لڑانے کی کوششیں کرتے رہے، بعض غزوات کے موقع پر منافقین نے دھوکہ دے کر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، پس:

اے ایمان والو! تم پر یہ اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے تمہارے نبی اور تمہارے اسلاف کو دشمنوں کی ہر سازش سے محفوظ رکھا، اور بالآخر اپنے فیصلہ کے مطابق اُس نے اس دین کو اَدیان عالم پر غالب کر دکھایا، اسلام کا یہ سایہ دار درخت جس کے سایہ میں آج تم پناہ گزیں ہو، جس سے تمہاری عزت و آبرو وابستہ ہے، آسانی سے پروان نہیں چڑھا ہے، بلکہ ہر دور میں تمہارے اسلاف اُس کو

Marfat.com

اپنے خون سے سیراب کرتے رہے ہیں، پس تم اس کی قدر بھی کرو اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس بھی بیدار رکھو، اس دین کے دشمن اگر ماضی میں تھے تو آج بھی کم نہیں، بلکہ آج کا دشمن زیادہ طاقتور ہے، زیادہ مکار ہے، تم اپنی تاریخ کو فراموش نہ کرو، اسلاف کی طرح اس نور کو ہر طوفان سے بچانے کی سعی سے ایک لمحہ کیلئے بھی غافل نہ ہونا، یہی سب سے بڑا تقویٰ ہے، اس تقویٰ کو حاصل کرنے کیلئے اللہ پر بھروسہ کر کے تم آگے بڑھتے رہو کہ اللہ پر بھروسہ، توکل ہی مؤمن کی شان ہے، اسی سے مؤمن کی ہمت افزائی ہوتی ہے، اسی سے مؤمن میں جرأت پیدا ہوتی ہے، یہی مؤمن کی عزت وعظمت کا ذریعہ ہے، اسی سے اہل ایمان بارعب و باوقار ہوتے ہیں، یہ توکل ہی ہے جو مؤمن کو استقلال واستقامت کا پہاڑ بنا دیتا ہے، یہ توکل نصرتِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔

اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (آل عمران:۱۶۰)

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد اور صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔

توکل کی اہمیت

توکل کے معنیٰ، ٹیک لگانا، سہارا لینا ہے، ہر معذور جس کا محتاج ہے، ہر کمزور کو جس کی ضرورت ہوتی ہے، بچہ والدین اور بڑوں کے سہارے کے بغیر پروان نہیں چڑھتا، بوڑھا، لاٹھی کے بغیر چل نہیں سکتا، اولاد کے سہارے کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہوسکتا، کوئی انسان دوسرے انسان کے سہارے کے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتا، پس سہارا ہر کسی کی ضرورت ہے، لیکن یہ تمہارے مادی وسائل جن کے سہارے ہم زندگی بسر کرتے ہیں، عارضی ہیں، فانی ہیں، نہایت کمزور ہیں، حقیقی سہارا، قوی سہارا، ساتھ نہ چھوڑنے والا سہارا، اس کا ہے جو سب سہاروں کا سہارا ہے، جو سب سے قوی ہے، جو کسی سہارے کا محتاج نہیں، جس کے سہارے کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچا سکتا، جس کے سہارے پر ہی ساری کائنات کے نظام کا دارومدار ہے، انسان کے سہارے جب ساتھ چھوڑتے ہیں، تو وہ اسی کا سہارا لیتا ہے اور جو اس کا سہارا لے لیتا ہے، اسے پھر کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہتی، بس اسی کا سہارا کافی ہوجاتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِـغُ اَمۡرِهٖ‌ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ۝ (الطلاق:۳)

اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، تو اس کے لئے وہ کافی ہے بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، مقرر کر رکھا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ۔

جو اپنی کشتی دریا میں چھوڑ کر، اللہ کے سپرد کردے، اللہ اس کا محافظ ہوجائے گا، اپنے فضل وکرم سے اسے کنارے لگانے کا ذمہ دار ہوگا، لیکن ملاح کے لئے چپو ہلاتے رہنا ضروری ہے کہ حرکت وعمل کے بعد انجام اللہ کے سپرد کردینے کا نام توکل ہے، اسباب سے قطع نظر کرلینا، جدوجہد، محنت ومشقت سے بیزاری، بے عملی کا نام توکل نہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اگر تم اللہ پر اسی طرح

Marfat.com

بھروسہ کرو جیسے بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں پرندوں کی طرح روزی دی جائے گی''،''تغدوا خماصاً وتروح بطاناً'' صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص اونٹنی پر سوار ہو کر آیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگا، یا رسول اللہ! میں اپنی اونٹنی یہیں چھوڑے دیتا ہوں اور اس کی حفاظت کے لئے اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو باندھ دو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ توکل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، توکل، ہوا و حرص کو توڑ دینا ہے لیکن ظاہری کوشش تو وہ کسب ہے اور کسب، سنت ہے، یہ قلبی توکل کو مانع نہیں جبکہ بندہ اپنے دل میں یہ یقین کرے کہ بلاشبہ تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس توکل کا مقام قلب ہے، اللہ کی قدرت پر یقین رکھنا ہی توکل ہے، جس نے کسب کا انکار کیا، گویا اس نے سنت کا انکار کیا اور جس نے توکل کا انکار کیا، پس توکل کا مقام قلب ہے اللہ کی قدرت پر یقین رکھنا ہی توکل ہے، جس نے کسب کا انکار کیا گویا اس نے سنت کا انکار کیا، اس نے گویا ایمان کا انکار کیا، پس جب کوئی چیز، اسباب سے مشکل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا تعلق تقدیر الٰہی سے ہے اور کوئی کام سہل ہو جائے، تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ ہی کا فضل و کرم ہے لہٰذا تمام اعضاء، اور ظاہری قویٰ کو، مادی وسائل و اسباب کے حصول میں کوشاں رکھنا چاہئے کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے اور باطن کو اللہ کے وعدہ سے مطمئن رکھنا اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

گر توکل میکنی درکار کن
کشت کن پس تکیہ برجبار کن

اگر تو، توکل کا دعویٰ کرتا ہے تو کام میں مشغول ہو جا، پہلے تخم ریزی کر پھر اللہ پر بھروسہ کر۔

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل درسبب کاہل مشو

اس حدیث میں جو رمز ہے، اسکو سن کہ محنت کرنے والا، اللہ کا دوست ہے، توکل کی وجہ سے اسباب حاصل کرنے میں سستی نہ کرو۔

سلف صالحین کا یہ قول بھی قابل غور ہے ''اِتَّجِرُوْا وَاکْتَسِبُوْا فَاِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ اِذَا احْتَاجَ اَحَدُكُمْ كَانَ اَوَّلَ مَايَاْكُلُ دِيْنَهٗ'' کاروبار کرو اور رزق حلال کماؤ کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جب کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے دین وایمان کو بیچنا شروع کر دیتا ہے۔

غرضیکہ سستی، لاپرواہی، بے عملی یا بے کاری، توکل نہیں بلکہ عزم مصمم کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ قدم اٹھا کر، کام کرنے کے بعد اس کا انجام اللہ کے سپرد کر دینے اور اس کی رضا پر راضی ہو جانے کا نام توکل ہے، جو کامیابی و کامرانی کی صورت میں انسان کو شکر پر آمادہ کرتا ہے اور ناکامی پر صبر کی ہمت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام کے توکل کی کیفیت پر غور کیجئے اور پھر اس کی افادیت کا اندازہ لگایئے۔

Marfat.com

انبیاء کا توکل

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو للکارتے ہوئے، اپنے رب پر توکل کا اعلان فرما رہے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم کی ضلالت و گمراہی اور سرکشی کے باوجود، اس مرد حق آگاہ کو اپنی کامیابی و کامرانی کا کیسا یقین محکم ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ (یونس: ۷۱)

اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) انہیں سنائیے نوح علیہ السلام کی خبر جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر دشوار ہے تم پر میرا قیام اور میری نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں سے پس (سن لو) میں نے تو اللہ پر توکل کر لیا ہے پس تم بھی اپنے شریکوں سے مل کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لو پھر تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی نہ رہے، پھر کر و میرے ساتھ (جو چاہو) اور مجھے (بالکل مہلت نہ دو)،

حضرت ہود علیہ السلام، معبودانِ باطلہ کا اعلان کرتے ہوئے، قوم کو چیلنج کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' میرے خلاف جو بھی سازش کرنا چاہتے ہو، کرو، مجھے بالکل مہلت نہ دو'' مجھے تمہاری کسی سازش کی پرواہ نہیں کیونکہ

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (ہود: ۵۶)

بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں، مگر اللہ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے، بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت حق دی، بڑی ہی حکمت و تدبیر کے ساتھ انہیں نصیحت کی، لیکن ان ظالموں نے اپنے نبی کا مذاق اڑایا، پس انہوں نے فرمایا:

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (ہود: ۸۸)

میں تمہاری اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جہاں تک میرا بس ہے اور میری کامیابی کا دارومدار صرف اللہ کی امداد پر ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے مظالم میں گرفتار، اپنے وفا شعار، صحابہ کی تربیت کرتے ہوئے انہیں وہ پہلا اہم ترین اصول بتاتے ہیں، جس سے غلامی کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں، جبر و استبداد سے آزادی میسر آتی ہے اور فرعون جیسی طاغوتی قوت بھی سرنگوں ہو جاتی ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

Marfat.com

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یونس: ۸۴، ۸۵، ۸۶)

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو پس انہوں نے عرض کیا، اللہ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا، اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ ظالم قوم کے لئے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم وستم) سے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹوں کو مصر جانے کی اجازت دیتے ہوئے، ہدایت فرمائی کہ تم سب شہر میں ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ دو دو، تین تین ہو کر مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ حاسدین کے شر اور بدنظروں کی نظر سے محفوظ رہو، ویسے ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا کہ اسی کا حکم جاری ہوتا ہے، پس میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (یوسف: ۶۷)

اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے مشرکانہ عمل سے برأت کا اظہار اور لاتعلقی کا اعلان کرنے کے بعد رب کے حضور عرض گزار ہوتے ہیں، اے رب! ہم سارے سہارے اور ظاہری اسباب و وسائل ختم کر دیتے ہیں اب ہمارا بھروسہ صرف تیری ہی ذات پر ہے، دنیا بھر سے منہ موڑ کر، اب ہم نے تیری طرف رخ کر لیا ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک دن ہمیں تیرے ہی حضور حاضر ہونا ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (الممتحنہ: ۴)

اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔

اب ملاحظہ ہوں چند آیات جن میں اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر حال میں توکل کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ یہ خوبی اہلِ ایمان کے لئے اُن کے آقا ﷺ کی سنت قرار پائے اور ہر حال میں اس کو اپنانا، ان کیلئے محبوب و پسندیدہ بن جائے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) جب آپ ارادہ کرلیں تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ محبت کرتا ہے، توکل کرنے والوں سے۔

کسی کام کے آغاز سے قبل اس میں کامیابی و ناکامی کے اسباب و علل پر غور و فکر کر لینے کے بعد اس کی طرف قدم بڑھانے کا پختہ ارادہ کر لینے کو عزم کہا جاتا ہے، عزم کے مرحلے پر پہنچنے کے بعد تذبذب میں مبتلا ہونا، نبی کے شایانِ شان نہیں اور نہ ہی نبی کے غلاموں کو زیب دیتا ہے، عزم کے بعد توکل کی منزل آتی ہے، جس کی طرف نبی کو قدم بڑھانے کا حکم دیا گیا اور یہ طریقہ کار اختیار کرنے والوں کو اپنی محبت کا یقین دلایا گیا، تاکہ نبی کے غلام بھی نبی کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے یہی طریقہ کار اختیار کریں، دیگر مقامات پر ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ (توبہ:۱۲۹)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) اگر (کفار) آپ کی اطاعت سے منہ موڑیں، تو آپ فرمادیں، مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ (الرعد:۳۰)

اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا، (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف رجوع کیے ہوں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ (الشوریٰ:۱۰)

اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو یہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ (الملک:۲۹)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرمادیجئے، وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے، ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ (الزمر:۳۸)

فرمادیجئے مجھے اللہ ہی کافی ہے، صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔

توکل کی تاکید

انبیاء علیہم السلام اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطابق اہل ایمان کو بھی توکل کی ہدایت فرمائی گئی اور اسے مؤمنین کاملین کی علامات میں سے ایک علامت قرار دیا گیا، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ (انفال:۲)

صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں انکے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو بڑھادیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ (نحل:۴۲)

جنہوں نے صبر کیا اور (مشکلات میں) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (عنکبوت:۵۸،۵۹)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں، جاری ہوں گی جن کے نیچے نہریں، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کتنا اچھا صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا، (یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے صبر کیا (ہر مصیبت پر) اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔

بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنا سارا مال، اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تو بعض لوگوں نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ یہ تم نے کیا کیا، اب تم اپنی دوسری ذمہ داریاں کیسے پوری کرو گے، اس موقع پر اللہ رب العزت نے حضرت ابوبکر اور ان کے نقش قدم پر قیامت تک چلنے والوں کو مژدہ دیا کہ یہ دولت وثروت جس کی محبت میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے، فانی ہے، چند روزہ ہے، ہاں اہل ایمان کے لئے، اللہ پر توکل کرنے والوں کے لئے، اللہ کے پاس جو کچھ محفوظ ہے اس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، وہی باقی ہے، دائمی ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (شوریٰ:۳۶)

پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے، یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اسلام نے اہل ایمان کو زندگی کے جو اصول عطا فرمائے ہیں، ان میں توکل، صبر، شکر اور قناعت ان چمکدار تاروں کی طرح ہیں جو رات کی تاریکی میں بھی مسافر کو اس کی منزل کا پتہ دیتے رہتے ہیں، یہ زندگی جو ایک مسلسل سفر ہے، جس کے راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہیں، طوفان ہی طوفان ہیں، اگر اس میں توکل، صبر، شکر اور قناعت کی چمک نہ ہو تو مسافر ساری عمر بھٹکتا ہی رہتا ہے، تاریکیوں میں ٹھوکریں ہی کھاتا رہتا ہے، جتنا آگے بڑھتا ہے، اتنا ہی منزل سے دور ہوتا ہے، وہ ہوا و ہوس کے مرض میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ بالآخر اسے موت آ لیتی ہے جبکہ توکل کی چمک انسان میں آگے بڑھتے رہنے کی ہمت پیدا کرتی ہے، صبر طوفانوں سے ٹکرانے کی جرأت پیدا کرتا ہے، شکر اس کی راہ کے کانٹوں کو پھول بنا دیتا ہے اور قناعت سے سکون و اطمینان میسر آتا ہے، اب کامیابی و کامرانی اس مؤمن کا مقدر بنتی ہے اور خوشحالی اس کا نصیب ہوتی ہے، ہمیں اپنے تمام اسلاف کی زندگیوں میں اسی نور کی جھلک نظر آتی ہے، جس کی روشنی میں وہ آگے بڑھتے رہے، کامیاب و کامران زندگی بسر کر گئے، انہوں نے یقیناً اپنی منزل کو پالیا، پس اے ایمان والو! تم اگر چاہتے ہو کہ تمہیں خوشحالی نصیب ہو، تمہاری زندگی کے شب و روز پرامن اور پرسکون ہوں، تو تم بھی اپنے اسلاف کی طرح ان خوبیوں کو اپنا لو، زندگی پر لطف ہو جائے گی، کامیابی و کامرانی قدم بوس ہوگی، اللہ عمل کی توفیق دے، آمین بجاہ رحمۃ العالمین ﷺ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۴

المائدہ:۳۵

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ:۳۵)

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ ایمان کے ثمرات حاصل کرنے کے لئے تم تقویٰ حاصل کرو، قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو، ایمان وتقویٰ کی حفاظت کے لئے جدوجہد کرتے رہو، یہی تمہاری کامیابی وکامرانی کے ذرائع ہیں۔

ایمان، تقویٰ، وسیلہ، جہاد، ان میں بالترتیب ربط ہے، تعلق ہے کہ ایمان تخم ہے، بیج ہے۔ تقویٰ، ایمان کا ثمر ہے جو اعمال صالحہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایمان کے بغیر تقویٰ، اعمال صالحہ نہ انسان کی دنیاوی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں ان کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور تقویٰ بغیر وسیلہ کے حاصل نہیں ہوسکتا، وسیلہ چاہے اعمال کا ہو یا عاملین

Marfat.com

صالحین کا ایمان، تقویٰ، وسیلہ کی حفاظت و بقاء کے لئے پیہم جدوجہد لازمی ہے یعنی اُن تمام چیزوں کے مقابلے میں نہایت استقلال واستقامت سے ڈٹ جانا ضروری ہے جو ان تینوں کے مخالف ہوں، چاہے وہ کفار ومشرکین ہوں یا ہوا وہوسِ نفس ہو، جب مؤمن تقویٰ، وسیلہ، جہاد کی خوبیاں پیدا کر لیتا اور ان سے آراستہ و پیراستہ ہوجاتا ہے تو کامیابی وکامرانی اس کا مقدر ہوجاتی ہے۔

تقویٰ

مؤمن کا ہر حال میں، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرنا، تقویٰ کہلاتا ہے، جو بغیر ایمان کے قابل اعتبار نہیں یعنی وہ شخص متقی نہیں سمجھا جاسکتا، جس کا ایمان ہی نہ ہو کہ ایمان ہی درحقیقت وہ تخم ہے جس سے تقویٰ کا درخت اگتا ہے اور اسی پر عمل صالحہ کے پھل آتے ہیں، صرف نیکیوں سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بغیر ایمان کے تقویٰ یا صالحیت تو درکنار، صحابیت بھی نصیب نہیں ہوتی جبکہ رسول کی نظر یا صحبت، اعمال صالحہ سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے کہ ایک لحہ کی صحبت یا ایک نظر، تقویٰ کی اس انتہائی منزل پر پہنچا دیتی ہے جس پر برسہا برس عبادت کرنے والا نہیں پہنچ سکتا، بس شرط یہ ہے کہ یہ صحبت اسے نصیب ہو یا یہ نظر اس پر پڑے، جس کے قلب میں ایمان کی تخم ریزی ہوچکی ہو اور اگر ایمان نہیں تو نبی کی صحبت ونظر کیا، نبی کی نسل اور خون کا بھی اثر نہیں ہوسکتا، دیکھ لیجئے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کنعان تک کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکا، صرف مؤمن نہ ہونے کے سبب ''اہل'' سے خارج قرار دے دیا گیا اور عذاب الٰہی سے محفوظ نہ رہ سکا، قرآن کریم بتاتا ہے:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ۝ (ہود:45)

اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔

مادی وظاہری اعتبار سے بیٹے سے زیادہ باپ کے قریب کون ہوسکتا ہے، باپ کی دولت، عزت، شہرت، سب کا وارث بیٹا ہی تو ہوتا ہے لیکن رشتوں کو پیدا کرنے والے کے نزدیک ایک ناپاک قطرۂ آب سے قائم ہونے والے رشتوں کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں، اصل رشتہ وہ ہے جو ایمان کے تخم سے قائم ہوتا ہے جہاں یہ رشتہ نہیں وہاں نہ عزت وشہرت میں شراکت ہے اور نہ دولت میں وراثت اور نہ ہی عذاب الٰہی سے نجات، حضرت نوح علیہ السلام کو یہی بتایا گیا:

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۝ (ہود:46)

اللہ نے فرمایا، اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں، پس مجھ سے سوال نہ کرو، اس کے متعلق جس کا تمہیں علم نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہوجانا۔

''عمل غیر صالح'' سے مراد، کنعان کا کفر ہے جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ کھلم کھلا نوح علیہ السلام کا مخالف

Marfat.com

اور کافر تھا، پس ایمان نہ ہونے کے باعث اسے اہل سے خارج قرار دیا گیا، دیگر کفار کے ساتھ عذاب الٰہی میں مبتلا کیا گیا، نوح علیہ السلام کو اس سوال پر تنبیہ کی گئی اور قرآن کریم کے ذریعہ ہم تک اس حقیقت کو پہنچایا گیا'' کہ اللہ کے نزدیک صرف تخم ایمان ہی قابل اعتبار ہے، جس کے بغیر نہ صالحیت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ صحابیت'' اسی لئے قرآن کریم تقویٰ کی تاکید صرف اہل ایمان ہی کو کرتا ہے، سوائے ان چند مقامات کے جہاں'' یایھا الناس'' کے عام خطاب کے ساتھ'' اتقوا'' فرمایا گیا لیکن یہاں تقویٰ سے مراد اس کا ابتدائی مرحلہ، اس کی تخم ریزی، یعنی ایمان ہی ہے۔

تقویٰ کا پھل اعمال صالحہ ہیں، یا یوں کہئے کہ اعمال صالحہ ایسے پھول ہیں، جن سے تقویٰ کی مہک آتی ہے، ان کا رنگ متقی کے چہرے کو چمکا دیتا اور منور کر دیتا ہے جس سے تقویٰ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، پس اعمال صالحہ کے بغیر متقی ہونے کا دعویٰ، لایعنی اور بیکار ہے، نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ اور نہ ہی آخرت میں اس کا کوئی اثر اور جس نے تقویٰ کا ثبوت اعمال صالحہ سے فراہم کیا، وہی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے سرفراز ہوا۔

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ (اعراف: ۳۵)

پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اور نیک بن گیا تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ (قیامت میں) غمگین ہوں گے۔

تقویٰ، اللہ کی مدد کا ذریعہ ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (البقرہ: ۱۹۴)

اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو بیشک اللہ (کی مدد) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تقویٰ، آخرت کے لئے بہترین توشہ ہے۔

وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى وَاتَّقُوۡنِ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝ (البقرہ: ۱۹۷)

اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور ڈرتے رہو، مجھ سے اے عقل والو!

تقویٰ، قیامت کے دن بلندی و عظمت کا ذریعہ ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَيَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۘ وَالَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝ (البقرہ: ۲۱۲)

مزین کر دی گئی ہے کافروں کے لئے دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا حالانکہ پرہیزگاروں کی شان بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ روزی، جسے چاہے، بے حساب دیتا ہے۔

تقویٰ، اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (آل عمران: ۷۶)

ہاں کیوں نہیں، جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار رہا تو بیشک اللہ محبت کرتا ہے، پرہیزگاروں سے۔

Marfat.com

تقویٰ حصول جنت کا ذریعہ ہے کہ جنت صرف متقین کے لئے بنائی گئی ہے۔

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۳)

اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور (دوڑو) جنت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

تقویٰ اختیار کرنے والوں کو آخرت میں بہترین ٹھکانہ نصیب ہوگا، جنت میں انہیں خصوصی انعامات اور میزبانی سے نوازا جائے گا۔

وَ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۰۔۳۲)

اور پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے، انہوں نے کہا خیر، جنہوں نے اچھے کام کئے، اس دنیا میں بھی ان کے لئے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر، (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن میں وہ داخل ہوں گے، جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں، ان کے لئے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے یوں بدلہ دیتا ہے، اللہ پرہیزگاروں کو وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں، ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

تقویٰ ہی قیامت کے دن ذریعہ نجات ہوگا۔

وَ یُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۱)

اور اللہ نجات دے گا متقیوں کو کامیابی کے ساتھ اور نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تقویٰ اور اعمال صالحہ سے زندگی کے تمام مراحل سہل و آسان ہو جاتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ۝ (اللیل: ۵۔۷)

Marfat.com

پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) اپنا مال دیا، اور (اسی سے) ڈرتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔

پس تقویٰ، کامیابی و کامرانی کے ذرائع میں سے ایک اہم ترین اور بنیادی ذریعہ ہے، جس کے حصول کے لئے ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق وسیلہ تلاش کرنا لازمی ہے۔

وسیلہ

وسیلہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں ''هِيَ فِي الْاَصْلِ مَايُتَوَ صَّلُ بِهٖ اِلَى الشَّيْءِ وَيُتَقَرَّبُ بِهٖ'' جس چیز سے کسی چیز تک رسائی حاصل کی جائے، نیز علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں، ''قَالَ الْجَوْهَرِيُّ، اَلْوَسِيْلَةُ مَايُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى الْغَيْرِ'' امام لغت علامہ جوہری نے کہا کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

وسیلہ، انسان کی ضرورت ہے، جس کا ہر انسان محتاج ہے، بچہ اپنی تعلیم و تربیت کے لئے والدین کے وسیلہ کا محتاج ہے، مرد و عورت کو ایک دوسرے کا وسیلہ درکار ہے، ہر کمزور، طاقتور کے وسیلہ کا محتاج ہے، غریب امیر کا، امیر غریب کا وسیلہ ہے، حتیٰ کہ جانور انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے انسان کا وسیلہ ہیں، غرضیکہ قانونِ فطرت کے مطابق دنیا کے تمام معاملات کا دارومدار کسی نہ کسی طرح وسیلہ پر ہے، جبکہ ہر ضرورت کو پورا کرنے والا، حقیقتاً اللہ ہی ہے۔ بچہ کی پرورش کا وسیلہ بلاشبہ والدین ہیں لیکن حقیقت میں اس کی پرورش کرنے والا اللہ ہی ہے، غریب کی روزی کا وسیلہ دولت مند ہیں جبکہ حقیقت میں روزی دینے والا، اللہ ہی ہے، مرض سے نجات کا وسیلہ دوا اور ڈاکٹر ہے جبکہ حقیقت میں شفاء دینے والا اللہ ہی ہے وسیلہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے، جتنی روح انسان کے جسم میں لیکن اس کے باوجود اللہ کی وحدانیت پر اس کا کوئی اثر نہیں، یعنی جو لوگ ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان وسائل کا سہارا لینے کے باوجود، اپنے دعویٰ میں سچے اور بلاشبہ مؤمن ہیں اور اسی لئے اہل ایمان کو خصوصی طور پر خطاب کرتے ہوئے وسیلہ اختیار کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا گیا ہے'' وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' اور رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ سنتِ الٰہیہ ہے

دنیاوی امور میں وسیلہ تلاش کر لینا، انسان کی جبلت اور فطرت ہے، جیسے نوزائیدہ بچہ، ماں کا دودھ حاصل کرنے کے لئے، رونے اور چلانے کو وسیلہ بنالیتا ہے لیکن اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ کا ناگزیر ہونا، محتاج بیان و تعارف تھا، جس کے لئے واضح حکم کی ضرورت تھی لہٰذا فرمایا گیا'' وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' قرب الٰہی کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے اللہ نے خود وسیلہ اختیار فرمایا، جو بلاشبہ وسیلہ کا محتاج نہیں، مثلاً انسان کی ہدایت کے لئے اپنے نبیوں کو وسیلہ بنایا، انبیاء و رسل کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وسیلہ اختیار فرمایا، حتیٰ کہ اپنی قدرت کاملہ کے مظاہرہ کے موقع پر بھی وسیلہ اختیار فرمایا، مثلاً بلاشبہ اللہ قادر مطلق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا لیکن اس عمل کی تکمیل کے لئے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وسیلہ بنایا جبکہ ''کن فیکون'' کی شان کا مالک، بلاواسطہ جبرئیل بھی اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمانے پر یقیناً قادر تھا، قرآن کریم کی آیات ذیل پر غور فرمائیے اور وسیلہ کی

Marfat.com

اہمیت کا اندازہ کیجئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۤ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم:۱۶ تا ۱۹)

اور (اے حبیب ﷺ) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہوگئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا، پس بنالیا، اس نے لوگوں کی طرف سے پردہ پھر ہم نے بھیجا، اس کی طرف اپنے جبرئیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں، مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمن کی تجھ سے، اگر تو پرہیز گار ہے، جبرئیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔

پس سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ مشیت وحکمت کی تکمیل کے لئے وسیلہ اختیار کیا جائے تاکہ بندے وسیلہ کی اہمیت کو جانیں، قربِ الٰہی کے لئے اس کو تلاش کریں اور مؤمنین وموحدین اسے نہ تو توحید کی ضد خیال کریں اور نہ ہی اس شائبہ میں مبتلا ہوں کہ اس سے عقیدۂ توحید مجروح یا ضعیف ہوتا ہے۔

وسیلہ سنتِ انبیاء ہے

وسیلہ سنتِ انبیاء کرام علیہم السلام ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی کہ بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ:

جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء ہوئی تو انہوں نے اس طرح دعا کی، ''یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَاغَفَرْتَ لِیْ'' اے رب میں تجھ سے بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرمادے، پس اللہ نے فرمایا، اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے انہیں ابھی پیدا بھی نہیں کیا، حضرت آدم نے عرض کی کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا پس میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا، اللہ نے فرمایا اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لئے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ)

دیگر انبیاء کرام کے واقعات بھی ایسے موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے وسیلہ اختیار کیا، حتیٰ کہ میرے آقا ﷺ نے خود اپنے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ:

Marfat.com

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ، حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوگیا تو جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان کی قبر کھودنے سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ ان کی لحد میں داخل ہوئے اور لیٹ گئے اور یہ دعا کی، "اللہ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہی زندہ ہے، جسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! تو میری ماں (چچی) کی مغفرت فرما، اُن کی حجت القا فرما، ان کی قبر کو وسیع کر، "بحق نبیک والانبیآء الذین من قبلی فانک ارحم الرّاحمین" اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے کہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت عباس و حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ انہیں قبر میں اتارا۔ (وفاء الوفاء)

نیز حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں وسیلہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لئے نکلا اور اس نے یہ دعا کی، اے اللہ! تجھ پر سائلین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور میرے اس (نماز کے لئے) جانے کا جو حق ہے، میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں بغیر اکڑنے اور اترانے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے محض تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں، پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے جہنم سے اپنی پناہ میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشے گا (پس جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اور ستر ہزار فرشتے، اس کے لئے استغفار کریں گے۔

(ابن ماجہ)

وسیلہ سنت صحابہ ہے

وسیلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سنت ہے حضرت مالک الدار، جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو اس شخص نے جا کر حضرت عمر کو خبر دی، حضرت عمر نے کہا اے میرے رب! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں،

(البدایہ والنہایہ)

غرضیکہ وسیلہ، قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، جس سے کمال تقویٰ حاصل ہوتا ہے، اللہ جل مجدہ نے اسے تلاش کرنے کا

Marfat.com

حکم دیا، جس کے مطابق ہمیشہ اللہ کے بندوں نے اسے تلاش کیا اور اختیار کیا، علماء نے آداب دعا میں اس کو شمار کیا ہے، ''ویتوسل الی اللہ بانبیآئہ و الصالحین'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کیا جائے، یہ وسیلہ چاہے نیکیوں کا ہو یا نیکوں کا دنیا میں موجود شخصیات کا ہو، یا ان کا ہو جو دنیا میں نہ رہے، بہر حال مقبول ہے بشرطیکہ یقین کامل، عقیدت تامہ اور محبت صادقہ کے ساتھ ہو، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی جو اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں۔ یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں، جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا، اللہ کا محتاج ہے اور اللہ ہی سے دعا کرتا ہے اور اسی سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور اللہ کے ولی کا وسیلہ پیش کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندۂ مکرم پر جو رحمت فرمائی اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے، اس کے وسیلہ سے میری حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندۂ خدا! اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میرا سوال اور میرا مطلوب مجھے عطا فرمائے اور میری حاجت بر لائے، سو مطلوب کو دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا، صرف اللہ ہی ہے اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے جبکہ قادر، فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اولیاء اللہ، تو اللہ کے فعل، سطوت، قدرت اور غلبہ میں فانی و ہالک ہیں، ان کو نہ تو اب قبر میں افعال پر قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا، جب وہ زندہ تھے۔ (اشعۃ اللمعات)

وسیلہ کا عنوان دیگر شرعی عنوانات کی طرح نہایت صاف ستھرا اور واضح ہے، ہاں جن لوگوں کو امت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی عادت ہے، انہوں نے بعض دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی خاصا الجھا دیا ہے اور اس کے جواز کا عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک تک کہہ دیا ہے اور وہ تمام قرآنی آیات و احادیث، اس کے عدم جواز میں پیش کر ڈالیں جو کفار و مشرکین کے لئے ہیں، جو بتوں کو وسیلہ بناتے اور شرک کرتے ہیں، ان جھمیلوں میں پڑنا اور ان حضرات کے اعتراضات کے جوابات دینا ہماری عادت نہیں ہم اپنے اسلاف کے عقائد کے پابند ہیں جو بلاشبہ قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ سے ماخوذ ہیں اور حق ہیں، ان کے خلاف ہر عقیدہ باطل ہے۔ وسیلہ کے موضوع پر بھی ہم نے یہی طریقہ اختیار کیا اور جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر دیا، یہی حق ہے، اور کافی ہے، اللہ عمل کی توفیق دے۔

منہ بھی دیکھا ہے کسی کے عفو کا
دیکھ لو عصیاں نہیں ہے بے کار ہم

جہاد

اہل ایمان کے لئے تیسری ہدایت ہے کہ ''وجاھدوا فی سبیلہ'' اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو، محنت و مشقت اور منزل کے حصول کے لئے سعی اور کوشش کرنا، جہاد ہے۔ کفر و شرک کی تاریکی کو چیر کر طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے، خاردار

Marfat.com

وادیوں سے گزرتے ہوئے، منزل کی طرف بڑھتے رہنا، جہاد ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ صرف میدان کارزار میں، کفار و مشرکین کے مقابلہ پر قوت و طاقت کے مظاہرے، نیزہ و تلوار کے جوہر دکھانے ہی کا نام نہیں بلکہ شمعِ اسلام کی حفاظت، دین کی بقاء کے لئے جو بھی محنت و مشقت کی جائے، جو بھی اقدام کیا جائے جہاد ہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غزوات، صحابہ کے سرایا اور اہل ایمان کی کفار و مشرکین سے جنگیں بھی جہاد ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کفار و مشرکین کے مظالم سہنا، صحابہ کرام کا مصائب برداشت کرنا، ان پر صبر کرنا حتیٰ کہ ترکِ وطن پر مجبور ہونا بھی جہاد ہے، علاوہ ازیں دین کی پابندی میں محنت و مشقت کرنا بھی جہاد میں ہی شامل ہے، مؤمن جس نوعیت کا بھی جہاد کرتا ہے، اس میں سراسر اس کا اپنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (عنکبوت:٦)

اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے ہی کے لئے کوشاں ہے، بیشک اللہ تو غنی ہے تمام کائنات سے۔

جہاد کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ معاون و مددگار ہوتا ہے، اس طرح کہ ان کے لئے خاردار راہوں کو سہل و آسان بنا دیتا ہے اور انہیں منزل مقصود سے قریب کر دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(عنکبوت:٦٩)

اور جو مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے، اور بیشک اللہ ہر وقت محسنین کے ساتھ ہے۔

رب رحیم و کریم کی یہ نوازشات صرف ان لوگوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں جو ظاہری دشمنوں کے خلاف میدان جنگ میں برسر پیکار ہوتے ہیں بلکہ ان کے مستحق وہ مجاہد بھی ہیں جو ہمہ وقت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا تلاش کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے نہایت خلوص کے ساتھ وہ اپنے نفس کی خواہشات اور شیطانی وساوس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ہے" جاهدوا اهواء كم كما تجاهدون اعداء كم" جس طرح تم ظاہری دشمن کے خلاف جہاد کرتے ہو، اسی طرح تم اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کیا کرو، خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد ہی جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ نہایت ہی دشوار گزار مرحلہ ہے، یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اپنی راہ میں قدم اٹھانے والوں کی رہبری فرماتا ہے یعنی وہ راستہ دکھا دیتا ہے جو ان طالبانِ حق کو بآسانی منزل تک پہنچا دے۔ جس کی صورت اس پر خار راہ میں پیش آنے والے مصائب و آلام پر صبر و استقامت ہوتی ہے کہ اللہ اپنے ان بندوں کو صبر و استقامت کا ایسا پہاڑ بنا دیتا ہے کہ طوفان ان سے ٹکرا ٹکرا کر گزر جاتے ہیں، تاریکیاں خود بخود چھٹ جاتی ہیں اور انہیں اپنی منزل نظر آنے لگتی ہے، مغفرت و رحمت کی ان پر برسات برسنے لگتی ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل:١١٠)

Marfat.com

پھر بیشک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ، جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد، پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام کیا بیشک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد (ان کے لئے) بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

چند واقعات

تاریخ اسلام میں ایسے مجاہدین کے عبرت آموز واقعات آج بھی اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے بطور نمونہ موجود ہیں، درج ذیل واقعات سے آپ بھی ایمان تازہ کیجئے، دین کی بقاء و تحفظ کے لئے کمر ہمت باندھئے اور ان خوش نصیبوں کی صف میں شامل ہو جایئے، جن کے لئے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں اور جن پر رحمت و مغفرت کی بوچھار ہوتی ہے، کامیابی و کامرانی جن کے قدم چومتی ہے، یہی ''محسنین'' ہیں، جنہیں ان کا رب اکیلا، بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' انہی کے حق میں فرمایا گیا، غور فرمایئے۔

حضرت عمار، ان کے والد یاسر، والدہ سمیہ، کفار کے قبضہ میں ہیں، گرفتارِ مظالم و آلام ہیں، اسلام سے دستبردار ہو جانے کے لئے بدن کو نیزوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے لیکن کیا مجال کہ ان کی زبان پر لمحہ بھر کے لئے بھی کفر کا کوئی کلمہ آیا ہو، ابوجہل ظالم حضرت سمیہ کی دونوں ٹانگوں کو دو اونٹوں سے باندھتا ہے اور اونٹوں کو مختلف سمت میں دوڑا دیتا ہے، یہاں تک کہ چر کر جسم مبارک کے دو حصے ہو گئے یہ پہلی شہیدہ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا، حضرت یاسر کی باری آئی، آپ کو بھی بڑی بیدردی سے شہید کیا گیا اور انہیں تاریخ اسلام میں دوسرے شہید کا مقام ملا پھر حضرت عمار کی باری آئی، اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، والد و والدہ کے لاشے سامنے تڑپ رہے تھے، بادلِ نخواستہ نہایت مجبوری کی حالت میں آپ نے کفر کے کلمات کہہ دیئے، لوگوں نے کہا عمار تو مرتد ہو گئے لیکن دل کا حال جاننے والے نے اعلان فرمایا'' كَلَّا، اِنَّ عَمَّارًا مُلِئَ ايمانا، من قرنه الى قدمه، و اختلط الايمانُ بلحمه وَدَمِه'' ہرگز نہیں، عمار تو سر سے قدموں تک ایمان سے لبریز ہے، ایمان اس کے گوشت اور خون میں سرایت کئے ہوئے ہے اور جب عمار سے خود ان کا حال پوچھا گیا ''كيف وجدتَ قلبك'' عمار جب تم نے کلمہ کفر کہا اس وقت تمہارے قلب کی کیا حالت تھی، تو عرض گزار ہوئے ''مطمئنًا بالايمان''، یا رسول اللہ! میں اس وقت بھی ایمان پر مطمئن تھا، پس آقائے رحیم و کریم نے اپنے بے چین و بے تاب غلام کو مطمئن فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا'' فان عادُوا لك فَعد لهُم لما قُلتَ ''ان کے ظلم و ستم سے نجات کے لئے تم نے جو کچھ کہا وہ بجا تھا۔ (تفسیر مظہری)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ایک اور ایمان افروز واقعہ ہمیں سناتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے گرفتار کر لیا، یہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے، رومی انہیں گھسیٹے ہوئے اپنے سردار کے پاس لے گئے، اس نے آپ سے عیسائی دین قبول کرنے کا مطالبہ کیا، اپنی حکومت کا بڑا منصب دینے اور اپنی بیٹی کا رشتہ کر دینے کا لالچ پیش کیا،'' آپ نے فرمایا'' لو اعطيتَ جميعَ ماتملِكُ وَجَمِيعَ ماتملكُهُ العربُ على ان ارجع عن دين محمد طرفةَ عينٍ ماقبلتُ '' تو مجھے اپنی ساری دولت و جائیداد اور پورے عرب کی دولت، اس شرط

Marfat.com

پڑے کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو چھوڑ دوں، تب بھی میں قبول نہ کروں گا' اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا، آپ نے فرمایا مجھے کوئی خوف وغم نہیں، آپ کو سولی پر لٹکا دیا گیا تیر اندازوں کو حکم دیا گیا کہ تیروں سے ان کا بدن چھلنی کر دو، عاشق رسول کے مقدس جسم سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے اور اس حال میں آپ سے دین چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا، آپ کا پائے استقلال واستقامت اب بھی حرکت میں نہ آیا تو ایک تانبے کی دیگ میں تیل کھولایا گیا اور آپ کی نظروں کے سامنے آپ کے ایک مسلمان بھائی کو اس میں ڈال دیا گیا، جس نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اور پھر آپ سے مطالبہ ہوا کہ دین عیسوی قبول کرلو، ورنہ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا، لیکن اس پیکر صبر وہمت کے چہرے پر ذرا بھی مایوسی کے آثار نظر نہ آنے پائے، بس اتنا ہوا کہ جب آپ کو کھولتی دیگ کی طرف کھینچ کر لے جایا گیا تو آنکھوں سے چند آنسو ٹپک پڑے، ظالم سمجھا کہ میرا ستم کام آ گیا، مجاہد کمزور پڑ گیا، اب میری لاج رہ جائے گی اور یہ میرا دین قبول کر لے گا، پس آپ کو واپس بلوایا گیا کہا گیا روتے کیوں ہو، ہماری بات مان لو آپ گویا ہوئے تو نے غلط سمجھا مجھے تیرے ظلم نے نہیں رلایا، میری آنکھیں تو اس افسوس سے اشکبار ہوئیں کہ آج رضائے الٰہی میں جس جان کا نذرانہ پیش کرنے کا موقع ہاتھ آیا ہے یہ ایک ہی جان ہے کاش میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں تو میں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سب کو اس عذاب میں ڈال دیتا، بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا، کھانا پینا بند کر دیا، کئی دن بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد، خنزیر کا گوشت اور شراب پیش کیا گیا اس مرد مومن نے بھوک وپیاس کی شدت کے باوجود اس حرام کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، جب آپ سے نہ کھانے اور نہ پینے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا، یہ دونوں چیزیں میرے لئے حرام ہیں لیکن شریعت مطہرہ نے حالت اضطرار میں ان کو حلال کیا ہے، پھر بھی انہیں استعمال نہیں کروں گا تا کہ تو اسے میرے ایمان کی کمزوری جان کر خوش نہ ہونے پائے، بالآخر ظلم وستم کا پتھر پاش پاش ہوتا ہے اور اس مرد مجاہد کی ہمت وقوت ایمانی غالب آتی ہے اور بادشاہ کا صرف اتنا مطالبہ رہ جاتا ہے کہ'' احتراما میری پیشانی کو بوسہ دیدو'' اللہ اکبر، اس موقع پر مرد مومن کی فراست کا بھی اندازہ کیجئے اور ہمت کا بھی، ظلم سے نجات کا موقع سامنے ہے لیکن اب بھی آپ ظالم کا احسان قبول کرنے اور اپنی جان بچانے کے لئے آمادہ نہیں بلکہ بادل نخواستہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے ایک شرط کے ساتھ آمادہ ہوتے ہیں،'' کہ میں تیری پیشانی چومنے کے بدلے صرف اپنی آزادی پر راضی نہیں بلکہ میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی آزاد کرنا ہوگا'' بادشاہ آمادہ ہو گیا آپ نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا خود بھی آزاد ہوئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی آزاد کرا کے، امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، اے امیر المومنین میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے، ایک کافر کی مرضی پوری کرنے اور اس کا احترام کرنے کا مجھ سے جرم سرزد ہو گیا لیکن میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ جرم اپنے مسلمان بھائیوں کی رہائی کے لئے کیا، امیر المومنین خوش ہو کر فرماتے ہیں'' حقٌّ على كُلِّ مُسلمٍ ان يُقبِلَ رأسَ عبدِاللهِ بنِ حُذيفة، وانا ابداءُ ، فقام، فقبل رأسهٗ، رضي اللّٰهُ عنهُما'' ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عبد اللہ بن حذیفہ کا سر چومے اور ابتداء میں کرتا ہوں، پس امیر المومنین کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن حذیفہ کا سر چوما، (ابن کثیر)

اللہ کی راہ میں اہل ایمان کی یہی جدوجہد اور محنت مشقت تھی جس کے سبب اسلام آج تک بحمد اللہ اپنی اصلی حالت

Marfat.com

میں موجود ہے چونکہ جدوجہد کا یہ سلسلہ جاری ہے، لہٰذا اسلام محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا لیکن

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو، جس کے بغیر اس تک رسائی ممکن نہیں، نیز اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو کہ یہی اسلام کی بقاء کا ذریعہ ہے، پس تقویٰ، وسیلہ، جدوجہد ہی تمہاری دینی و دنیوی کامیابی وکامرانی کے ذرائع ہیں تم ضرور کامیاب ہوگے اگر تم نے اپنے اسلاف کی طرف ان ہدایات پر عمل کیا۔

اللهم اجلعنا من المفلحين بجاه رحمة للعلمين

وَصَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۵

المائدہ:۵۱

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (المائدہ:۵۱)

اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے تو وہ انہی میں سے ہے، بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔

اہلِ ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی، دوست، مددگار نہ بنائیں جس کی بنیادی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ صرف آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، مسلمانوں کے کبھی وہ دوست ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں، جو ایمان والے اس واضح ہدایت کے برعکس یہود و نصاریٰ سے دوستی کا جرم کریں گے وہ دنیاوی طور پر انہیں میں سے شمار کئے جائیں گے یعنی وہ امتِ مسلمہ کے لئے قابلِ اعتبار و اعتماد نہ رہیں گے کہ دشمن سے ملنے والا دشمن ہی متصور ہوتا ہے، اور اخروی طور پر وہ ان ظالمین میں شمار ہوں گے، جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا جرم کیا، سنت الٰہیہ یہ ہے کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی واضح ہدایات کے باوجود خواہشاتِ نفس یا حکمتوں

Marfat.com

اور مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے، وہ اللہ کی نصرت و حمایت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے فسق و فجور کی دلدل میں پھنس جانا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (اعراف: ۳۰)

ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہوگئی ان پر گمراہی (کیونکہ) انہوں نے بنایا شیطانوں کو اپنا دوست اللہ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ (النحل: ۳۶)

پس ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی۔

اللہ کا اصول

اللہ رب العزت کا اصول یہ ہے کہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے، اُسے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا جاتا ہے یعنی جو اندھیرے سے نجات حاصل کرنے کے لئے روشنی حاصل کر لیتا ہے، اسے اپنا راستہ نظر آنے لگتا ہے اور وہ منزل کی طرف بڑھنے لگتا ہے لیکن جو روشنی حاصل کرنے کی سعی نہیں کرتا، وہ کبھی منزل مراد تک نہیں پہنچ پاتا، پس جو دانستہ حق کا انکار کرتا ہے اور پیغام ہدایات کو سننے اور سمجھنے کے باوجود بھی اس کا انکار کرتا رہتا ہے اسے گمراہ کر دیا جاتا ہے کہ ہدایت کوئی حقیر و ارزاں چیز نہیں جسے بغیر طلب کے ہر کسی کی جھولی میں ڈال دیا جائے یہ تو وہ گوہر نایاب ہے جو بصد دشواری کے بعد انہی خوش نصیبوں کو عطا فرمایا جاتا ہے جن کے دلوں میں اس کی سچی طلب ہوتی ہے، جو واقعی اس کے متلاشی ہوتے ہیں۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ (الرعد: ۲۷)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف، اسے جو سچے دل سے رجوع کرتا ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ (شوریٰ: ۱۳)

اور اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اسے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پس ہدایت کے حصول کے لئے سچے دل سے اس کی طلب شرط ہے کیونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں کے لئے اللہ کی تمام نوازشات کا تعلق اسباب و علل سے ہے، بندہ جب ایسے کام کرتا ہے جو اصول الٰہی کے مطابق اس کی نوازش و کرم کا سبب ہوں تو اس پر ضرور کرم فرمایا جاتا ہے اور اگر بندہ اسباب و علل سے منہ موڑ لیتا اور لاپروا ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کے انعامات سے محروم رہتا ہے اللہ نے انسان کو ہدایت کی نعمت سے نوازنے کا سبب، انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع و پیروی کو بنایا ہے، پس جو لوگ ان کے پیغام ہدایت پر صدق دل سے غور کرتے اور اپنے دلوں کو نور ایمان سے منور کر لیتے ہیں وہ کامیابی

Marfat.com

وکامرانی کی راہ پر گامزن کر دیئے جاتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ ہوتی ہے، وہ محروم رکھے جاتے ہیں۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الصف: ۵)

یہ اصول الٰہی صرف ہدایت سے متعلق نہیں بلکہ اللہ کی تمام نعمتوں میں کارفرما ہے کہ کوئی نعمت بغیر سبب و وسیلہ عطا نہیں کی جاتی، اللہ نے انسان کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں لیکن ان سے فائدہ حاصل کرنا انسان کے اپنے عمل پر موقوف رکھا، بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی نہر جاری کر دی گئی، لیکن ماں کو بچے کی بھوک کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بچہ خود دودھ نہیں مانگتا، جب بچہ روتا ہے تو اسے دودھ ملتا ہے، پانی کی نعمت سے پیاسا، اس وقت تک فائدہ حاصل نہیں کر پاتا جب تک وہ خود اس کی طرف نہ بڑھے، یہی تمام نعمتوں سے استفادہ کی صورت ہے، ہدایت بھی ایک عام نعمت ہے لیکن اس کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے بعد ان کے نائبین، دین کے مبلغین و معلمین، علماء و مشائخ ہیں، ہدایت اس وقت تک نصیب نہیں ہوتی جب تک سچے دل سے اس کی تلاش نہ ہو اور ان حضرات کا پیغام قبول کر کے ان سے نسبت قائم نہ کر لی جائے، فیصلہ الٰہی واضح ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّھُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ (یونس: ۹)

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، ہدایت عطا فرمائے گا انہیں ان کا رب، ان کے ایمان کے باعث۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النحل: ۱۰۴)

بیشک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے، اللہ کی آیتوں پر اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ہدایت کی اہمیت

ہدایت یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا نصیب ہو جانا، ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس پر انسان کی صرف دینی و دنیوی کامیابی و کامرانی کا دارومدار نہیں بلکہ انسان کی انسانیت اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے اعزاز کی بقاء کا بھی واحد ذریعہ یہ ہدایت ہے، ہدایت ہی سے انسان کو خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی سے وہ رسول کے مقام اور اس کی عظمت کو پہچانتا ہے، ہدایت ہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہوتا اور توفیق نصیب ہوتی ہے، اسی سے انسان ظاہری اور باطنی غلاظتوں سے محفوظ رہتا ہے، ہدایت ہی کی طلب سب سے اہم دعا ہے، جس کی تعلیم قرآن کریم کی پہلی ہی صورت میں دی گئی "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" ہدایت ہی کا دریا بہانے کے لئے، رحمٰن و رحیم اللہ نے سلسلہ انبیاء و رسل جاری فرمایا اور ان پر اپنے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد بھی ہدایت کا دریا

Marfat.com

بہہ رہا ہے، جس کا ذمہ دار علماء اولیاء و مشائخ کو بنایا گیا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء: ۷۳)

اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لئے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدہ: ۲۴)

اور بنایا ہم نے ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔

آیت زیر گفتگو میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ یہود و نصاریٰ کو تم اپنا دوست نہ بناؤ اور اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ یہ تمہارے ازلی دشمن ہیں آپس میں شدید اختلاف اور ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود یہ ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں لیکن اہل ایمان کے کبھی بھی مددگار نہیں ہو سکتے، پس مسلمانوں کو ان کی دوستی کبھی راس نہیں آسکتی اور اگر مومن اس غلطی کا مرتکب ہوگا تو یہ ایک ناقابل تلافی جرم ہوگا، جس کا خمیازہ پوری ملت کو بھگتنا پڑے گا، اسی لئے قرآن کریم بار بار غیر مسلموں کو دوست بنانے اور ان پر اعتماد کرنے کی ممانعت فرماتا ہے، ہم اس عنوان پر گزشتہ اوراق میں گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں انہی میں سے چند باتوں کا اعادہ کرتے ہیں تاکہ قارئین کو تشنگی محسوس نہ ہو۔

موالات کی ممانعت

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیر مسلموں سے موالات کی ممانعت فرمائی ہے یعنی ان سے دوستی، ان پر اعتماد، ان کو اپنا ہم راز بنانے، مسلمانوں پر انہیں ترجیح دینے کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق کوئی غیر مسلم کبھی مسلمان کا دوست ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے، اس کے برعکس وہ اپنے باہمی اختلافات کے باوجود ہمیشہ مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں۔

موالات چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی بہرصورت حرام ہے یعنی کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ذاتی امور میں غیر مسلم کو اپنا دوست بنائے اور اس پر اتنا اعتماد کرے کہ اپنے خانگی، خاندانی راز تک اس پر ظاہر کر دے کیونکہ کسی نہ کسی دن یہی مار آستین اسے ڈس لے گا اور شدید نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی یہ صورت جائز ہے کہ مسلم مملکت کے سربراہ مصلحتوں اور سیاسی حکمتوں کی بناء پر غیر مسلم حکام کو اپنے قومی وملکی معاملات میں اتنا قریب کریں کہ ان سے مشورے کرنے لگیں، اپنا اچھا برا حال ان پر ظاہر کر دیں، اپنی کمزوریاں تک انہیں بتا دیں، صرف ان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے، جس کا مقصد اپنے اقتدار کی بقاء اور تحفظ کے سوا کچھ نہ ہو، یہ جرم پوری قوم کی عزت اور وقار کا سودا کر لینے کے مترادف ہے، جس کا بھیانک انجام جاننے کے لئے ماضی کی تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت نہیں، ہمارا اپنا حال ہی کافی ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ہم غیر

Marfat.com

مسلموں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، وہ ہماری سیاسی و معاشی پالیسیوں کے مالک ہیں، ہم ان کے در کے بھکاری بنے ہوئے ہیں، انہوں نے چند ٹکوں کی امداد کے عوض ہماری تہذیب و تمدن تک کو خرید لیا ہے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ ہمارے مذہبی معاملات میں مداخلت کی بھی جرأت کر رہے ہیں، انہی کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ممالک بدامنی، انتشار اور افتراق کا شکار ہیں، ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے جبکہ وہ خود ملت واحدہ ہیں، ان میں باہمی اتحاد ہے، وہ سیاسی طور پر منظم اور معاشی اعتبار سے مستحکم ہیں، ہم اس حقیقت سے پردہ کشائی پر معذرت خواہ ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے ان حکام کی کار فرمائیاں ہیں جو مسلم ہونے کے دعویدار تو ہیں لیکن ان میں اسلامی حمیت و غیرت کا دور دور تک پتہ نہیں، انہوں نے پوری قوم کا سودا، اس کے دشمنوں سے کر ڈالا اور انہیں احساس تک نہ ہوا کہ قوم کی حمیت و غیرت کا سودا کر رہے ہیں، کاش ہمیں طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، محمد بن قاسم جیسے قائدین میسر آتے تو آج ہمارے ممالک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

موالات کے علاوہ، غیر مسلموں کے ساتھ تعلق رکھنے اور اچھا برتاؤ کرنے کی اسلام نے جس قدر فراخی کے ساتھ اجازت دی ہے، اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی، مثلاً ان کے ساتھ تجارت کرنے اور کاروبار کرنے کی پوری طرح اجازت ہے، غیر مسلم پڑوسی ہو تو بوقت ضرورت اس کی مدد کرنے، اس سے میل جول رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، غیر مسلموں کے تہواروں پر انہیں مبارکباد دینا جائز ہے، اگر دنیاوی ضرورت ہو تو انہیں تحفے تحائف دینا بھی جائز ہے، غیر مسلموں کو ملازم رکھنے یا ان کی ملازمت کرنے کی بھی اجازت ہے، اسی طرح غیر مسلم کی عزت و آبرو کی حفاظت بھی فرض ہے، غیر مسلموں سے اگر کوئی وعدہ کیا جائے تو اس کا پورا کرنا بھی اسی طرح لازمی ہے جس طرح کسی مسلمان بھائی سے وعدہ کر کے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، غرضیکہ غیر مسلموں سے صرف موالات کی ممانعت ہے، مواسات و ہمدردی یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ممانعت نہیں، اس عنوان پر ہمارا تفصیلی مضمون ہماری کتاب ''تبلیغی کتاب'' میں موجود ہے، قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

خاتمہ بالخیر کیلئے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ

وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ

وَلَاتُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

وَلَاتُحَاسِبْنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اے اللہ موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما۔ اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما۔ اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا۔ اور قیامت کے روز ہمارا حساب نہ لینا۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۶

المائدہ: ۵۴ تا ۵۶

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ
يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ
لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ
هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدہ: ۵۴ تا ۵۶)

اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب لے آئے گا اللہ ایک ایسی قوم کہ محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے، جو نرم ہوں گے ایمان داروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر، جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے، یہ اللہ کا فضل و کرم ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑی کشادہ رحمت والا،

Marfat.com

سب کچھ جاننے والا ہے، تمہارا مددگار تو صرف اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور وہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور جس نے مددگار بنایا اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو، تو بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب آنے والا ہے۔

آیات مذکورہ بالا میں سے پہلی آیت میں اہلِ ایمان کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اگرچہ اس دین کی حفاظت و بقا کی ذمہ داری تم پر ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ تم ہی اس کے محافظ ہو، پس اگر تمہارے چند افراد یا تمہاری بڑی جماعت اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر ہے، حتیٰ کہ انہوں نے اسلام ہی سے منہ موڑ لیا اور مرتد ہوگئے تو اللہ قادرِ مطلق کو ان کی کوئی پروا نہیں وہ اپنے دین کا خود محافظ ہے، وہ اس کی حفاظت کے لئے فوراً کوئی دوسری جماعت میدانِ عمل میں لے آئے گا، جو دین کی خدمت واشاعت کا فریضہ انجام دے گی کہ وہ جس سے چاہے، اپنے دین کی خدمت وحفاظت کا کام لے سکتا ہے۔ اے ایمان والو! تمہارے مرتد ہوجانے کی صورت میں تمہاری جگہ جو جماعت لائی جائے گی اور جسے دین کی حفاظت کا فریضہ سونپا جائے گا، اس کی پہلی صفت یہ ہوگی کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، دوسری صفت یہ ہوگی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے نرم ہوں گے اور کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہوں گے، تیسری صفت ان حضرات کی یہ ہوگی کہ یہ دینِ حق کی اشاعت و برتری کے لئے جہاد کرتے رہیں گے، ان کی چوتھی صفت یہ ہوگی کہ یہ دین کی پابندی اس کی خدمت و حفاظت پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے، ان صفات کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ انہیں قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ

اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، یہ پہلی صفت ہے جو دین کے محافظین کی خصوصیت قرار دی جارہی ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہورہی ہے کہ خدمت دین کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری میں جبر واکراہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ یہ معاملہ محبت کا ہے، جس کو اللہ نے محبوب بنالیا اور جو اللہ کا محب بن گیا وہی اس اہم کام کو انجام دے سکتا ہے۔ کہ جبر واکراہ حکمت باری تعالیٰ کے خلاف ہے، ورنہ اس قادرِ مطلق کے لئے سب کو ایمان پر مجبور کردینا کوئی مشکل نہ تھا۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ (یونس:۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔

رشتۂ محبت، جبر واکراہ سے مبراء اور پاک ہوتا ہے کہ نہ کوئی جبر سے کسی کی محبت حاصل کرسکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو محبت کرنے پر مجبور کرسکتا ہے بلکہ محبت ایک غیر اختیاری احساس ہے جو محب کے انعامات ونوازشات اور محبوب کے اعمال سے پیدا ہوتا ہے، اللہ اپنے بندے کو بیشمار انعامات سے نوازتا ہے اور بندہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے، پس نوازشات کی تخم ریزی اور اطاعت کی تخم خیزی شجرِ محبت کی صورت اختیار کرلیتی ہے، انعامات ونوازشات کی مسلسل برسات جن لوگوں کو میدان

Marfat.com

محبت میں کھینچ لاتی ہے، انہیں ایک ایسی راہ دکھائی جاتی ہے جو محب و محبوب کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیتی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ (آل عمران: ۳۱)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری پیروی کرنے لگو تو اللہ تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

محبت کے مسافروں کے لئے محبوب کی اتباع و پیروی کی راہ سے زیادہ واضح راہ اور کونسی ہو سکتی ہے جس پر پہلے ہی سے شمع محبت روشن ہے، اس راہ پر گامزن ہونے والا نہ صرف شرفِ محبوبیت سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس کے لئے مژدۂ مغفرت بھی ہے کہ محبوبین کو گناہوں کی غلاظت و نجاست میں ملوث ہونا زیب نہیں دیتا، جب مؤمن جبر و اکراہ سے مبراء و پاک رشتہ محبت سے منسلک ہو جاتا ہے تو رضا کی اس منزل کو بھی پالیتا ہے جس میں محب و محبوب دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں اور محب راضی ہو کر اپنے انعامات سے مزید نوازتا اور محبوب راضی ہو کر اطاعت و فرمانبرداری کا مزید حق ادا کرتا ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝ (المائدہ: ۱۱۹)

راضی ہو گیا اللہ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی یہ صفت انہیں دین کی حفاظت و اشاعت کا کماحقہ اہل بنا دیتی ہے کہ ان کی محبت دین کے معاملہ میں کسی رواداری کو برداشت نہیں کرتی، اب ان کا رشتہ صرف اسی سے رہ جاتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول کا رشتہ ہوتا ہے، ان میں وہ ہمت پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں دین کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیتی ہے، وہ مصلحتوں اور حکمتوں سے آزاد ہو کر دین کی اشاعت کا فریضہ ادا کرتے ہیں، وہ مادی وسائل کو خاطر میں لائے بغیر خدمت دین کے لئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، وہ ایسی جماعت بن جاتے ہیں جو ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ'' مسلمانوں کے ساتھ نرمی و محبت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں اور کفار و مشرکین کے لئے ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ'' کافروں پر سختی ان کا شیوہ ہو جاتی ہے ان کی اسی خوبی کو دوسرے مقام پر قرآن کریم اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح: ۲۹)

اور جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور قوی ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

دشمن کے مقابلہ پر اہل ایمان کی بہادری و قوت کا یہ عالم ہے کہ ان کا سر کٹ تو سکتا ہے لیکن جھک نہیں سکتا، یہ بکاؤ مال نہیں کہ دشمنان اسلام ان کو خرید لیں، یہ بزدل اور ڈرپوک نہیں کہ دشمن کے مظالم انہیں راہ عشق و محبت سے برگشتہ کر دیں، یہ تو فولاد کی ایسی چٹان ہیں کہ کوئی طوفان انہیں سر مو، سرکا نہیں سکتا جبکہ یہی لوگ اپنے دینی بھائیوں کے سامنے بڑے نرم، ان پر بڑے شفیق اور بڑے مہربان نظر آتے ہیں، نہایت عاجزی و انکساری سے باہم ملتے جلتے ہیں، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ان کی باہمی محبت و رأفت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مثلُ المؤمنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضوٌ تداعی لہ سائر الجسد بالحمّی والسھر

مسلمانوں کی مثال، باہمی محبت اور ایک دوسرے پہ شفقت کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم اگر اس کا کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے، نیند کافور ہو جاتی ہے۔ (بخاری شریف)

نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں:

المؤمنُ للمؤمنِ کالبنیان یشدُّ بعضُہ بعضا و شبک صلّی اللّٰہ علیہِ وسلّم بین اصابعہ

مؤمن کا تعلق مؤمن کے ساتھ ایسا ہے جیسے دیوار کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کئے ہوتا ہے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ملا دیا۔

(بخاری شریف)

ان کی باہمی محبت اور وابستگی کا یہ حال ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو غیروں کی طرح آمنے سامنے سے نہیں گزر جاتے بلکہ اپنوں کی طرح ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں، خیریت دریافت کرتے ہیں۔

اذا التقی المسلمان وتصافحا وحمدا اللّٰہ واستغفراہُ غفر لھما

جب دو مسلمان ملیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور اللہ کی تعریف کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں تو اللہ دونوں کو بخش دیتا ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت عطا خراسانی راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل ایمان کے لئے باہمی محبت والفت کا نسخہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تصافحوا یذھب الغلّ وتھادوا تحابّوا وتذھب الشحناء

مصافحہ کیا کرو، دل کی کدورت جاتی رہے گی۔ تحفے دیا کرو تو محبت ہو جائے گی اور باہمی عداوت جاتی رہے گی۔ (بخاری شریف)

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یؤمن عبد حتی یحبّ لاخیہ ما یحبُّ لنفسہ

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ مؤمن کامل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

پس باہمی الفت ومحبت مؤمن کی شان ہے جس کو پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی تاکید کی گئی جبکہ دشمن اور کفار کے ساتھ سختی سے پیش آنا، مؤمن کا وطیرہ ہے لیکن اس سختی کا مفہوم، دشمن پر ظلم کرنا یا اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا ہرگز نہیں کہ

Marfat.com

اسلام نہ تو کسی پر ظلم کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی بدسلوکی کی۔

اہلِ ایمان کی عادت

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اہلِ ایمان کی عادت ہے جو دین کی بقاء کا ذریعہ ہے، جو مؤمن کو خواہشِ نفس کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے، ظلم وستم اور جبر واستبداد سے محفوظ رکھتا ہے تکبر وتعصب کے بتوں کو پاش پاش کرتا ہے، عجز وانکساری، ایثار و قربانی کا پیکر بناتا ہے، اہل ایمان میں ہمت وجرأت کا ایسا جوہر پیدا کر دیتا ہے کہ ان کے لئے دین کی پابندی، دین کی خدمت میں کوئی عار نہیں رہتی ''وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ'' اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے، اپنی تہذیب اپنانے اور اپنا تمدن اختیار کرنے میں انہیں نہ تو شرم آتی ہے، نہ وہ کسی کے طعنوں کی پراوہ کرتے ہیں، کوئی انہیں قدامت پسند کہے یا رجعت پسند، پرواہ نہیں، وہ جس راہ کو اختیار کیے ہوئے ہیں، اس پر ہر طرح مطمئن ہیں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں، کسی کی ملامت انہیں ان کی راہ سے برگشتہ نہیں کر پاتی، یہ کیفیت تو نہایت ہی ضعیف الایمان لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہو کر اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، انہیں دین کے شعائر اختیار کرنے، دین کے احکام پر عمل کرنے میں شرم آنے لگتی ہے، اس کیفیت کا مطالعہ آپ اُن مسلمانوں کی حالت میں کر سکتے ہیں جو غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں، یا مغربی تہذیب کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں، جن کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ انہیں اپنا لباس پہننے میں شرم آتی ہے، داڑھی مونچھ رکھنے میں شرم آتی ہے، عورتوں کو پردہ کرنے، شرعی لباس پہننے میں شرم آتی ہے، کسی عام مقام پر نماز پڑھنے میں شرم آتی ہے، روزہ رکھنے میں شرم آتی ہے، حج وعمرہ کو جائیں تو احرام باندھنے میں شرم آتی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں شرم آتی ہے، حلال غذا تلاش کرنے میں شرم آتی ہے اور تو اور بھائیوں کو ٹوپی تک پہننے میں شرم آتی ہے، یہاں تک کہ نماز کے لئے بھی ٹوپی پہننا گوارا نہیں، ہاں شرم نہیں آتی تو کلبوں میں ڈانس کرنے، شراب پینے میں شرم نہیں آتی، ساحل پر ننگا ہونے میں شرم نہیں آتی، سچ پوچھئے تو یہ شرم نہیں، بے شرمی، بے غیرتی ہے کہ اللہ کے احکام سے بغاوت کرنا ہی سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ ان ظالموں نے غیر مہذب معاشرے کو اپنا کر صرف اپنے آپ ہی کو ذلیل وخوار نہیں کیا، پوری امتِ مسلمہ کی ذلت وخواری کے یہ مجرم ہیں، سب مسلمانوں کو انہوں نے بدنام کیا ہے، کیا کیا جائے ایسے لوگوں کا کہ نہ تو انہیں امت سے [illegible] قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنایا جا سکتا ہے، بس ان ظالموں سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہئے بس

اے ایمان والو! تم پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہو، آپس میں محبت کرتے رہو، اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جاری رکھو، دشمن کے لئے سخت بنے رہو، اللہ کی راہ میں محنت ومشقت جاری رکھو، دین کے معاملہ میں کسی کے لعن، طعن اور ملامت کی پرواہ نہ کرو کہ یہی اہل ایمان کی وہ خوبیاں ہیں جن سے رحیم وکریم، علیم وخبیر رب نے انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے، پس تم ان خوبیوں کی، ان نعمتوں کی قدر کرو، ان کی حفاظت کرو، ان پر قائم رہو، کسی حال میں ان سے محروم نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری محرومی تمہاری بربادی کا باعث بن جائے، اللہ تمہیں نیست ونابود کر کے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری تم سے بہتر لوگوں کو سونپ دے۔

Marfat.com

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

خادمین دین اور محافظینِ دین کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، دینی امور ہوں یا دنیاوی معاملات، ہر بات کو وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق مل جل کر طے کر لیتے ہیں، اختلاف و افتراق سے گریز کرتے ہیں، اس باہمی نرمی سے اہل ایمان کے درمیان اتحاد پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک ایسی منظم و مستحکم قوم بن جاتے ہیں کہ دشمن ان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوئے بھی گھبراتا ہے، ان میں اپنے سیاسی، معاشی اور معاشرتی امور، خود ہی نمٹا لینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ کسی در کے بھکاری نہیں بنتے۔

دیگر کمالات کی طرح اس خوبی کا مرکز و منبع بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات ہے، قرآن کریم شاہد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ (آل عمران:۱۵۹)

پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے، اگر آپ تند مزاج، سخت دل ہوتے تو یہ لوگ، آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس آپ ان سے درگزر فرمائیے اور ان کے لئے بخشش طلب کرتے رہئے اور کام میں ان سے مشورہ کر لیا کیجئے۔

چونکہ اللہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں، حق پرستوں کی ایک منظم و مضبوط جماعت بنانا مقصود تھی پس اس نے اپنے فضل و کرم سے اس عظیم قائد اور امیرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نرم مزاج، نرم دل بنایا، جس کی ہمدردی، محبت بھرے کردار اور تعلیمات نے ایک انقلاب برپا کر دیا اور لوہے کی طرح سخت انسان بھی نرم پڑ گئے اور آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے، اگر آپ ترش مزاج، سخت دل ہوتے تو منظر اس کے بالکل برعکس ہوتا، کوئی آپ کے قریب نہ آتا کوئی جماعت وجود میں نہ آتی کہ انسان فطری طور پر نرمی پسند واقع ہوا ہے، وہ ہر نرم بات کو تسلیم کرتا اور نرم مزاج کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے، دیکھ لیجئے، بچہ، ماں باپ سے کس قدر محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے ہیں، نرم مزاج حاکم ہو یا قائد، وہ قوم کے دلوں کو موہ لیتا ہے اور قوم اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے، آپ نے غزوات کے واقعات پڑھے ہیں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح صحابہ کرام نے اپنے آقا کے حکم پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا لیکن ترش مزاج حاکم و قائد کی اطاعت صرف اس وقت تک کی جاتی ہے جب تک لوگ اس کے ظلم و ستم میں جکڑے رہتے ہیں، جونہی انہیں موقع ملتا ہے وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور ایسے شخص سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔

اللہ، جبر و اکراہ کے ساتھ اپنے دین کو قبول کرانا نہیں چاہتا، جیسا کہ فرمایا "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" وہ دلوں میں دین کی محبت پیدا فرمانا چاہتا ہے، پس دین کے خادمین اور مبلغین پر یہ ذمہ داری عائد فرماتا ہے کہ وہ آپس میں نرمی کا برتاؤ اختیار کریں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت، مبلغین کی پہلی جماعت ہے، جنہوں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلاواسطہ فیض حاصل کیا، آپ ﷺ نے ان کی تربیت جس طرح کی اس کو قرآن کریم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ایسے ہمدرد ہو گئے کہ سب کی خوشیاں ایک اور سب کے غم ایک ہو

Marfat.com

گئے، وہ جو اپنے لئے پسند کرتے وہی اپنے دوسرے بھائی کے لئے پسند کرتے، کمزوروں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں کی مدد کرنا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی عزت و آبرو، مال و دولت کے محافظ تھے، نتیجتاً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں ہر شخص بے خوف اور پُر سکون، شب و روز بسر کرتا تھا، نہ چوری کا ڈر تھا، نہ ڈاکوں کا، نہ بیٹیوں کی عزت کو خطرہ تھا، نہ بیٹوں کی جانوں کو۔

لیکن آہ، آج اسی نبی کا کلمہ پڑھنے والے اور انہیں صحابہ کی محبت کا دم بھرنے والے سکون و اطمینان کی زندگی کے لئے تڑپ رہے ہیں کہ کون سا خطرہ ہے جو انہیں آج لاحق نہیں، بازاروں اور محلوں میں ان کی عزت و آبرو محفوظ نہیں، گھروں میں ان کی دولت محفوظ نہیں، دن میں وہ بے خوف ہو کر حصول معاش سے محروم ہیں، تو رات کو سکون کے لئے ترستے ہیں، یہ کیفیت کیوں ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ قرآنی ارشاد کے مطابق وہ ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' نہ رہے باہمی نرمی اور محبت ان کے دلوں سے نکل گئی، پس ایک دوسرے کے دشمن بن گئے، کسی کو کسی پر اعتماد نہ رہا لیکن ہماری یہ کیفیت ہمارے ہی لئے مہلک ہے، دین کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کہ اگر ہم نے اپنی حالت کو سدھار کر اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو ہمارا نام و نشان مٹ جائے گا اور اللہ اپنے دین کی خدمت کی ذمہ داری ایسے لوگوں کو سونپ دے گا جو ہم سے بہتر ہوں گے اور جن میں قرآن کی مطلوبہ صفات پائی جائیں گی۔

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

اہل ایمان کو کافروں پر سخت ہونا چاہئے یعنی دینی معاملات میں ان سے کسی قسم کی رواداری نہ برتی جائے اسی لئے ضروری ہے کہ ان کا اتنا احسان نہ لیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے دینی اور اندرونی معاملات میں مداخلت کی جرأت کرنے لگیں اور مسلمان ان سے مروت اور رواداری کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہوں، معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے ان کے قرض میں اپنے آپ کو جکڑ لینا، قانونی سہولت حاصل کرنے کے لئے ان کی تہذیب کو اپنا لینا، دنیاوی فوائد کے لئے ان کے رنگ میں رنگ جانا، ایک نہ ایک دن مسلمانوں کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ کافر کی ہر بات کو تسلیم کریں اور ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'' کی خوبی سے محروم ہو جائیں۔

اہل ایمان میں یہ خوبی کس طرح ہونی چاہئے اس کا نمونہ حاصل کرنے کے لئے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل ہماری تاریخ میں محفوظ ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعی طور پر نہایت نرم اور نرم دل تھے لیکن وقت آنے پر انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مومن کی نرمی اپنے بھائیوں کے لئے ہوتی ہے، دین کے دشمنوں کے لئے نہیں، دشمن کے مقابلہ پر ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' اور ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'' ہونا ہی مومن کی شان ہے، ملاحظہ ہو یہ شان اس نرم دل خلیفہ اول میں:

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرماتے ہی دشمنان دین نے اسلام اور مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر بغاوت کی ایک آگ بھڑکا دی، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد نے اپنے جھوٹے دعویٰ نبوت کی تحریک تیز کر دی اور سادہ لوح مسلمان ان کے گرد جمع ہونے لگے، ان کے علاوہ متعدد قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنا شروع کر دیا، ان حالات میں منکرین

Marfat.com

ملت کی قیادت ونگرانی کی ذمہ داری، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عائد ہوئی، آپ نے اپنی ذمہ داری کو جس ہمت، استقامت اور شجاعت کے ساتھ پورا کیا، اس کا اعتراف کرتے ہوئے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا '' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جن حالات کا مقابلہ کرنا پڑا اور جو صدمہ آپ کو پہنچا اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر بھی پڑتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر واستقامت کا ایسا پیکر بنایا تھا کہ آپ نے تمام آفات ومصائب کا عزم وہمت سے مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔''

امڈتے ہوئے طوفان سے دین کو جو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر تھی لیکن اپنا فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا کہ ان حالات کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اور دین کی کس طرح حفاظت کی جائے، صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ تھا کہ حالات کی نزاکت کا تقاضا یہی ہے کہ اس وقت حکمت وتدبر سے کام لیا جائے اور باغیوں کے خلاف کوئی سخت اقدام نہ کیا جائے لیکن اللہ بیشمار رحمتیں نازل فرمائے حضور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اور ہمارے قائدین وحکام کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے، آپ نے اپنوں کی مخالفت کے باوجود بھی ''اَعِزَّةٍ علی الکٰفِرِیْنَ'' کی قرآنی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ایک مؤثر خطبہ دیا اور فرمایا:

> ' جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیئے ہوئے احکام اور قانون اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، چاہے وہ میرے مقابلہ پر تمام جن وانس اور دنیا بھر کے شجر وحجر کو جمع کرلائیں اور میرا کوئی ساتھی نہ ہو تب بھی میں تنہا اس جہاد کو انجام دوں گا۔''

یہ فرما کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور جانے لگے اب صحابہ کرام کو اپنی اجتہادی غلطی کا احساس ہوا، سب نے آپ کو روکا اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا، تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے باغیوں کی خوب سرکوبی ہوئی، نقصان کے باوجود اہل ایمان غالب رہے اور ہمیشہ کے لئے امتِ مسلمہ کو دین کی حفاظت کا ڈھنگ نصیب ہوگیا اور یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ اہل ایمان کی عزت، فلاح وبہبود کا ذریعہ، قرآنی اصول ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'' پر ہی عمل کرنا ہے۔

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب صرف تلوار سے جنگ کرتے رہنا ہی نہیں بلکہ اپنی اصلاح کرنا، اپنے اہل وعیال، اقرباء واحباب کی اصلاح کرنا، ہر حال میں دین پر عمل کرنا، دوسروں کو دین پر عمل کی دعوت دینا، برائیوں اور بروں کی مخالفت کرنا، برائیوں کو مٹانا، یا کم از کم دل سے برا جاننا، بُروں سے قطع تعلق کرنا، چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر، یہ سب جہاد فی سبیلِ اللہ ہی ہے، جو مؤمن کی شان ہے، جس سے دین کی بقاء ہے، جو حفاظت واشاعتِ دین کا ذریعہ ہے، اس راہ کا ہر کانٹا پھول ہے، ہر تکلیف راحت ہے۔

مؤمن صرف میدان جنگ میں نہیں ہر حال اور ہر جگہ ہر وقت مجاہد نظر آتا ہے، وہ صرف تلوار سے ہی نہیں اپنے عمل سے بھی جہاد کرتا ہے، حرام کی دولت بآسانی حاصل کر لینے کی بجائے محنت ومشقت کے ساتھ حلال کی روزی کمانا بھی جہاد ہی

Marfat.com

ہے رات کی نیند اور آرام قربان کر کے اللہ کے دربار میں سجدے کرنا اور رونا بھی جہاد ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، میں دنیا کے عیش وعشرت کو چھوڑنا بھی جہاد ہے اور ایسے ہی مجاہدین پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور انہیں کو اللہ کی مدد او نصرت نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۱۸ (البقرہ:۲۱۸)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (تو) یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(التوبہ:۲۰-۲۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ کے یہاں اور یہی ہیں وہ جو کامیاب ہونے والے ہیں، خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسے باغات کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمتیں ہوں گی، ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ ان میں تا ابد، بیشک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔

کامیابی وکامرانی کا یہ مژدہ ان مجاہدین کے لئے بھی ہے جو میدان کارزار میں اپنی تلواروں سے لڑتے ہیں واپس ہوتے ہیں تو غازی کہلاتے ہیں اور جانوں کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں تو شہید کہلا کر، حیات جاودانی پا لیتے ہیں او کے لئے بھی ہے جن کی زندگی کا ہر لمحہ، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں بسر ہوتا ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ نے عبادات واطاعت کو بھی جہاد قرار دیا۔

حج جہاد ہے اور عمرہ نفل (ابن ماجہ)

بوڑھے کا حج کرنا جہاد ہے (ابن ماجہ)

میری امت کا ترک دینا (عیش وعشرت ترک کرنا) جہاد فی سبیل اللہ ہے (بیہقی)

رزق حلال طلب کرنا جہاد ہے (کتاب مختار)

مشرکوں سے اپنے مال، جان اور زبان سے جہاد کرو (امام احمد)

عورت کا جہاد اپنے شوہر کی اطاعت ہے (طبرانی)

(مسلمان بھائی کے لئے) قبر کھودنا جہاد ہے، میت کو غسل دینا بھی جہاد ہے (دیلمی)

نمازیوں کی چادریں تلواریں ہیں (عبدالرزاق)

Marfat.com

بہترین جہاد وہ کلمہ حق ہے جو ظالم بادشاہ (حاکم) کے سامنے کہا جائے (ترمذی شریف)

والدین کی خدمت کرنا جہاد ہے (طبرانی)

مومن دنیا میں اللہ کا سپاہی ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق جو عمل بھی کرتا ہے وہ دین کی بقاء کا ذریعہ ہوتا ہے اور اصل جہاد یا روح جہاد بقائے دین ہی ہے پس ہر مومن مجاہد ہے اور وہ اسی وقت تک باعزت و باوقار ہے جب تک مجاہد ہے جب وہ اپنی اس عظیم خوبی کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، نہ اپنوں کی نظروں میں اس کا کوئی مقام رہتا ہے اور نہ غیروں کے دلوں میں اس کی کوئی عزت باقی رہتی ہے، اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جو دنیا کو پناہ دینے کا ذمہ دار تھا اب وہ خود در در پر بھیک مانگتا ہے لیکن اسے کہیں پناہ نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

(اور وہ نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے) ملامت اگر کسی واقعی برائی پر اصلاح کی نیت سے کی جائے تو جائز ہے مثلاً کسی بے نمازی کو نماز نہ پڑھنے پر، کسی شرابی کو شراب پینے پر برا بھلا کہا جائے اور شرم دلائی جائے لیکن اگر ملامت کی بنا، جلن، حسد ہو تو نہایت معیوب اور بری حرکت ہے۔ اسی طرح مذمت کرنے والا متعدد مہلک برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کسی پر الزام لگاتا ہے، بہتان باندھتا، غیبت کرتا ہے، چغل خوری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، یہ تمام رذائل ہیں جن کا ارتکاب مومن کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور وہ خود ہی اپنی سلگائی آگ میں جلتا ہے۔

دین کے خادموں پر ملامت کا سلسلہ بہت قدیم ہے، عام لوگ علماء پر، مساجد کے منتظمین پر اور دیگر طریقوں سے دین کی خدمت کرنے والوں پر ملامت کرتے آئے ہیں، جس کے لئے انہیں شیطان اُکساتا ہے تا کہ دین کے کاموں میں رُکاوٹ پیدا ہو اور عجیب بات یہ ہے کہ ضعیف الایمان لوگ اس ملامت سے متاثر ہو کر شیطان کی حرکت کا شکار ہو جاتے ہیں اور خدمت دین سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں جبکہ انہی لوگوں کو دنیاوی معاملات میں چاہے کتنا ہی بُرا بھلا کہا جائے، ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا حالانکہ اہلِ ایمان کی خوبی یہ ہے کہ دین و دنیا کے معاملات میں لوگوں کی تنقید پر غور کریں، اپنی اصلاح کریں، اپنے آپ کو بہتر سے بہتر بنائیں اور بے خوف و خطر اپنا کام کرتے رہیں، اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہیں یہی مطلب ہے ''وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ'' کا یہ اہلِ ایمان کی خوبی اور خصوصیت ہے۔

اس سلسلے میں حضرت ابو عمرو رضی اللہ عنہ نے بڑی اچھی بات فرمائی آپ فرماتے ہیں کہ ''جس شخص کا علمی کمال، تقویٰ اور بہترین اخلاق ہر طرح ثابت ہو چکا ہو اس کے متعلق چند لوگوں کی بیہودہ باتیں اور الزام تراشی کس طرح قبول کی جا سکتی ہے جبکہ دنیا اس حقیقت کو بھی جانتی ہے کہ لوگوں نے اللہ کو بھی نہ چھوڑا تو پھر کسی اور کے لئے ان کی زبانیں کس طرح بند ہو سکتی ہیں۔''

حافظ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنی اسرائیل کے لوگ بہت پریشان کرتے تھے، طرح طرح کے ان پر الزام لگاتے، طرح طرح کی بیہودہ گوئی کرتے تھے، ایک دن آپ بہت پریشان ہوئے اور اللہ کے دربار میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے، اے میرے رب! میں تیرے دین کی خدمت کرتا ہوں،

Marfat.com

لوگ مجھ پر ملامت کرتے ہیں یا اللہ! تو مجھے بنی اسرائیل کی بیہودہ گوئی سے نجات عطا فرما دے۔ جواب ملا، اے موسیٰ! میں نے اپنے لئے لوگوں کی زبانیں بند نہ کیں، تمہارے لئے کیسے کر دوں۔

پس کسی کی ملامت سے محفوظ رہنا کمال نہیں، ملامت کے سبب، اپنی ذمہ داریاں چھوڑ دینا کمال نہیں، کمال یہ ہے کہ اپنے کرداری اصلاح کے ساتھ پوری طرح صبر وتحمل اور استقامت سے خدمتِ دین کا کام جاری رکھا جائے تا کہ شیطان اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ پر لوگوں نے تحریفِ قرآن، مخالفتِ حدیث تک کے الزامات لگائے، انہیں بدعتی کہا، حکام کو ان کی طرف سے بدظن کیا، غرضیکہ آپ کو دین کے کام سے روکنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن اس مردِ مؤمن نے کسی کی پرواہ نہ کی اور صبر وتحمل سے اپنا کام ... رکھا، آپ فرماتے ہیں:

اِنْ يَّحْسُدُوْنِيْ فَاِنِّيْ غَيْرُ لَائِمِهِمْ قَبْلِيْ مِنَ النَّاسِ اَهْلُ الْفَضْلِ قَدْ حُسِدُوْا

فَدَامَ لِيْ وَلَهُمْ مَابِيْ وَمَابِهِمْ وَمَاتَ اَكْثَرُ نَاغَيْظًا بِمَا يَحْسُدُ

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو انہیں ملامت کرنے والا نہیں، مجھ سے پہلے بھی عزت والوں پر لوگ حسد کرتے رہے۔ میرا اور ان کا ہمیشہ یہی طریقہ رہے گا اور ہم میں سے بہت لوگ حسد ہی کرتے کرتے مر گئے۔

اے ایمان والو:۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرو کہ یہی تمہاری عزت وعظمت کا ذریعہ ہے، اسی سے تمہارے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اسی کے سبب تم اللہ کے محبوب بنتے ہو، اسی سے باہمی نرمی، ہمدردی اور محبت پیدا ہوتی ہے، اسی کے باعث تم اللہ کے دشمنوں پر سخت نظر آتے ہو، اسی سے مجاہد بنتے ہو جو ایک عظیم منصب ہے، اسی سے خدمتِ دین کے ایسے جذبات بیدار ہوتے ہیں جو مخالفین کی لاکھ مخالفت اور ملامت کے باوجود بھی سرد نہیں پڑتے، یہ عظیم خوبیاں ہیں جو انہی کو نصیب ہوتی ہیں جنہیں اللہ اپنے فضل کے لئے منتخب فرما لیتا ہے، پس تم اللہ کے اس عطیہ کی قدر کرو، ان کی حفاظت کرو، ان میں اضافہ کی سعی کرتے رہو، یاد رکھو اگر تم ان صفاتِ حسنہ سے محروم ہو گئے تو کہیں کے نہ رہو گے، نقصان تمہارا ہی ہوگا، اللہ کے دین کا نہیں، اللہ تو قادرِ مطلق ہے، وہ تمہاری جگہ خدمتِ دین کا عظیم منصب جسے چاہے سونپ دے گا۔

اے ایمان والو:۔ خوب یاد رکھو، تمہارا مددگار، خیر خواہ، اللہ، رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کوئی نہیں، تم دردر کی ٹھوکریں کھا کر ذلیل وخوار تو ہو سکتے ہو، غیروں کی مدد حاصل کر کے اپنا ضمیر بیچ سکتے ہو۔ ممکن ہے ایمان سے بھی محروم ہو جاؤ لیکن مسائل و مصائب سے نجات نہیں پا سکتے اور اہلِ ایمان میں جو بدعمل، بدکردار اور فاسق وفاجر لوگ تمہارے معاون ومددگار نہیں ہو سکتے وہ تمہارے ساتھ دھوکا کریں گے تمہیں اپنی ہوا، ہوس کا شکار بنائیں گے، ہاں تمہارے خیر خواہ صرف وہی مؤمن ہیں جو باعمل ہیں، نمازی ہیں، زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتے ہیں، ہر حال میں ان کا سر اللہ کے دربار میں جھکا رہتا ہے۔ پس اے ایمان والو! قرآن نے تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم معاشی، معاشرتی، سیاسی، ملکی غرضیکہ زندگی کے ہر معاملہ میں، اللہ کو اپنا مددگار بناؤ، اس کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مددگار بناؤ، ان کو اپنی

Marfat.com

زندگی کے لئے نمونہ بنالو، ان کا تعلیم کردہ طرزِ زندگی اختیار کرلو اور صالحین کو اپنا مددگار بناؤ، ان کے دامن سے وابستہ ہوکر زندگی کی خاردار راہ کو ان کی رہبری میں طے کرو پس تم منزل پالو گے، اب تم ''حزبُ اللہ'' اللہ کی جماعت قرار پاؤ گے اور یاد رکھو ہمیشہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب و کامران ہوتی اور دشمن پر غالب رہتی ہے۔

آج امتِ مسلمہ اگر اپنے حال زار پر غور کرے اور اپنی ذلت وخواری کا سبب جاننے کی کوشش کرے تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ قرآن کریم کے ارشاد کے برعکس ہم نے اپنا والی و مددگار انہیں بنایا جو خود درندے ہیں، انسان اور انسانیت کے دشمن ہیں جن کی نہ بود و باش انسانی ہے نہ طرزِ زندگی انسانی ہے، ہم ان کے در کے بھکاری بن گئے، انہوں نے ہمیں خرید لیا، چند ٹکوں کے عوض اپنا غلام بنالیا، ہماری تہذیب و تمدن تک کو ہم سے چھین لیا، ہم سے روحِ ایمان تک کھینچ لی، ہم نام کے مسلمان رہ گئے ''حزبُ الشیطٰن'' شیطان کی جماعت بن گئے جس کا مقدر ذلت وخواری کے سوا کچھ نہیں، کاش ہم قرآن کریم کی ان آیات پر غور کر کے اپنی حالت تبدیل کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہمارا کھویا ہوا مقام، ہمارا گمشدہ سرمایہ پھر ہمیں مل جائے، اللہ توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۷

المائدہ: ۵۷ تا ۵۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا
نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

(المائدہ: ۵۷، ۵۸)

اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل، ان سے جنہیں دی گئی کتاب، تم سے پہلے اور کفار سے (اپنا) دوست اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ، یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔

احترامِ دین، دین کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، جو شخص اپنے دین کا احترام نہیں کرتا اسے خارج از دین قرار دے دیا جاتا ہے، اسلام بلاشبہ دین حق ہے، دین الٰہی ہے ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' اسلام کے علاوہ دوسرا دین

Marfat.com

اختیار کرنا قابل قبول نہیں، ایسا شخص قیامت کے دن خسارے میں ہوگا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(آل عمران:٨٥)

اور جو تلاش کرے گا اسلام کے علاوہ کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کے دن نقصان والوں میں ہوگا۔

کیونکہ صرف اور صرف یہی دین مکمل ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ یہ دین زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کرتا ہے، پس کس طرح ممکن ہے کہ کوئی اپنا یا غیر اس دین کا مذاق اڑائے، تمسخر کرے اور اسے برداشت کرلیا جائے۔

کلمہ کافی نہیں

ایمان کی بقاء کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ احکام دین کو دل سے تسلیم کرنا اور ان کا احترام کرنا بھی لازمی ہے، شریعت کے احکام کی پابندی نہ کرنا مثلاً نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ ادا کرنا، گناہ ہے، ایسے شخص کو بدعمل یا زیادہ سے زیادہ فاسق وفاجر قرار دیا جاسکتا ہے کہ لیکن کسی حکم شرعی کو حقیر جاننا، اس کی توہین کرنا، مذاق اڑانا، ایمان سے محروم ہوجانا ہے اللہ محفوظ رکھے، مثلاً:

روزے کے متعلق کہنا یا خیال کرنا کہ یہ تو فاقہ ہے۔ جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو وہ فاقہ کرے، نماز کے متعلق کہنا، کہ یہ وقت کا ضیاع ہے، حج کے لئے کہنا کہ دولت ووقت دونوں ضائع کرنا ہے، زکوٰۃ کو مسلمان ہونے کا ٹیکس قرار دینا، شرعی سزاؤں کو ظلم قرار دینا مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا، پردے کو عورتوں پر ظلم قرار دینا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کی توہین کرنا، علماء دین کو حقیر جاننا، انہیں دین کا ٹھیکیدار، امت میں افتراق پیدا کرنے والا گروہ وغیرہ کہنا، غرضیکہ اس قسم کی تمام بیہودہ باتیں ایمان سے محروم کردیتی ہیں جبکہ ایسے لوگ خود کو پکا مؤمن خیال کرتے رہتے ہیں، ہمارے دور کے مہلک امراض میں سے یہ ایک بدترین مرض ہے، جو دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔ خاص طور پر اس کا شکار، ہمارے کالج، یونیورسٹیاں ہیں یا پھر اس وباء میں وہ لوگ مبتلا ہیں جنہیں یورپ وامریکہ کی ہوا وغذا نے، وہاں کے عیش وعشرت نے مفلوج کرڈالا ہے، ان میں نہ سوچنے کی صلاحیت رہی اور نہ ہی سمجھنے کی۔ دین کے علم سے وہ واقف نہیں، علماء دین سے نفرت کرتے اور انہیں حقیر سمجھتے ہیں نتیجۃً دین کے متعلق جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں، چاہے ان کی بیہودہ گوئی دین سے ان کی محرومی ہی کا سبب کیوں نہ بن جائے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے ہمیں محفوظ رکھے اور ان کی ہرزہ سرائی سے بچائے۔

بہرحال اسلام جب اپنے ماننے والوں کو دین کے استہزاء اور مذاق کی اجازت نہیں دیتا، تو کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اہل ایمان ان غیر مسلموں سے تعلق رکھیں جو ان کے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں، جن میں پیش پیش ہمیشہ یہودی اور عیسائی رہے ہیں، آج بھی یہی قومیں اسلام کے خلاف سازش کرتی رہتی ہیں، ابھی حال ہی کی بات ہے، افغانستان میں طالبان نے عورتوں کو پردہ کرنے اور گھروں میں رہنا کا حکم دیا تو غیر مسلم دنیا میں ایک طوفان آگیا، پورا میڈیا اس کے خلاف حرکت میں آگیا، مسلم ممالک میں جب بھی کسی کو پھانسی دی جاتی ہے، یا کوڑے لگائے جاتے ہیں تو اسلام کے

Marfat.com

یہ دشمن آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں، غرضیکہ دین کا مذاق اڑانے والے عام کفار ہوں یا عیسائی اور یہودی۔ اسلام ان سے علیحدگی کا حکم دیتا ہے تاکہ ان کے استہزاء کا اثر ہمارے اعمال اور ہمارے ذہنوں پر نہ پڑنے پائے۔ واضح حکم ہے کہ:

اے ایمان والو: ۔ تمہاری ایمانی غیرت وحمیت کا یہ تقاضا ہے کہ ان اہل کتاب اور کفار کو اپنا ولی، مددگار نہ بناؤ جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، اسے حقیر جانتے ہیں بالخصوص ایسے احمقوں سے بچتے رہو، جو اذان سن کر ہنستے ہیں اور اسے ایک شور قرار دیتے ہیں۔

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

(انعام:۶۸)

اور جب دیکھے تو نہیں کہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوموں کے ساتھ

واضح حکم ہے ان لوگوں سے علیحدگی کا، جو دین کا مذاق اڑاتے ہیں، اس میں کج بحثی کرتے ہیں، چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں۔ ظالموں کی صحبت ظالم بنا دیتی ہے، مؤمن ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر، اپنی ملت کے لئے ایک ایسا ناسور بن جاتا ہے۔ جو پوری قوم کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔

آیت زیر بحث میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر ہے جو اذان سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اسے ایک شور شرابہ کہتے ہیں لیکن اپنی گھنٹیوں اور سیٹیوں کی لایعنی آوازوں سے ان کے کان بند ہیں، ایسے لوگوں کی عبرت کے لئے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جسے علامہ قرطبی نے بیان کیا، میں اسے ''ضیاء القرآن'' سے نقل کر رہا ہوں۔

مدینہ منورہ میں ایک نہایت ہی متصلب اور متعصب عیسائی تھا، اس خبیث نے اپنی عادت بنائی تھی کہ جب اذان ہوتی اور مؤذن ''اشهد ان محمد رسول الله'' کہتا ہے تو یہ ظالم کہتا ''حرق الكاذب'' کہ جھوٹا جلایا جائے، (پس ایک دن غضب الٰہی جوش میں آیا اور ہوا یہ) کہ وہ ایک رات اپنے گھر میں مست پڑا سو رہا تھا، گھر میں آگ بھڑک اٹھی، اسے بھاگنے کا موقع تک نہ ملا، اپنے خاندان سمیت جل کر راکھ ہو گیا (اللہ استہزاء دین سے محفوظ رکھے)

بہر حال اس سے زیادہ بے عزتی کی کوئی اور بات نہیں کہ مؤمن اپنے دین کی توہین کرے، اس کا مذاق اڑائے، یا ایسا کرنے والوں کو اپنا ولی اور مددگار جانے، غیرت ایمان تو یہ ہے، حکم قرآن تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے دور ہو جائے، ان سے تعلقات منقطع کرے، اللہ عمل کی توفیق دے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولاے صَلِّ وَسَلِّم دائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّھِم

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الکَونَینِ وَالثَّقَلَینِ

وَالفَرِیقَینِ مِن عُربٍ وَّمِن عَجَمٍ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۸

المائدہ: ۸۷ تا ۸۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ
مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ
كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ
اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(المائدہ: ۸۷۔۸۹)

اے ایمان والو! نہ حرام کرو، پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو۔ بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے حلال اور پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو، نہ باز پرس کرے گا اللہ تم سے

Marfat.com

تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو تو کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا، جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے تو وہ روزے رکھے تین دن کے، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا، جب تم قسم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم شکر ادا کرو۔

آیات بالا میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو تم اپنے لئے حرام قرار نہ دیا کرو کہ یہ تقویٰ نہیں بلکہ تعدی ہے۔ حدود شرع سے تجاوز ہے تقویٰ تو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کی مرضی کے مطابق اس دنیا کی چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کا نام ہے، متقین بلاشبہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں، جبکہ معتدین کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ یہ قسم کے متعلق شرعی احکام دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

رہبانیت یعنی ترک دنیا کا تصور نہایت قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور اس کو بڑی عبادت اور ایسے لوگوں کو بڑا اسمجھا جاتا ہے۔ لوگ اپنے جسم کو بڑی بڑی تکالیف میں مبتلا کرتے اور اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے، کہ اس سے روح کی صفائی ہوتی ہے اور اس میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی عمل کو اہل یونان نے اشراقیت، عیسائیوں نے رہبانیت اور ہندوؤں نے جوگ کا نام دیا، یہ غلط تصور آج تک موجود ہے کہ سب سے زیادہ مذہبی اور مقدس شخص وہی ہے جو تارک الدنیا ہو، دنیا اور اس کی لذتوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو لیکن اسلام جو دین قیم ہے، واضح اعلان فرماتا ہے کہ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا'' اللہ کسی جان پر اس کی قوت و وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، جسم کو تکلیف میں مبتلا کرنا، یا دوسروں کی حق تلفی کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں، اسلام رہبانیت نہیں، عبادت چاہتا ہے اور عبادت دنیا و مافیہا کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا نام ہے۔ یہی زہد ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لینا، رضائے الٰہی کا باعث ہرگز نہیں ہو سکتا، اسلام تو دین یسر ہے، اس میں تنگی و تنگی کی گنجائش کہاں، فرمایا گیا:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵)

اور اللہ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے اور نہیں چاہتا تمہارے لئے دشواری۔

اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ

بیشک یہ دین آسان ہے، جو شخص دین سے سختی میں مقابلہ کرے گا تو دین اس کو مغلوب کر دے گا۔

(نسائی)

ابتداء اسلام میں بعض صحابہ بھی عیسائیوں کے اثر، یا ذاتی رجحان کے سبب تجرد، ترک لذائذ اور ریاضات شاقہ کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، نبی رحمت ﷺ نے انہیں سختی سے روکا اور فرمایا کہ ''میں ایسی شریعت لے کر نہیں آیا۔''

Marfat.com

چند جلیل القدر صحابہ، جن میں حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہم بھی تھے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آئندہ ہم ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، ساری رات عبادت میں گزاریں گے، بستروں پر نہ سوئیں گے، گوشت، گھی وغیرہ نہ کھائیں گے، عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے، اونی لباس پہنیں گے اور دنیا سے تعلق منقطع کرلیں گے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کے ارادہ کا پتہ چلا تو آپ نے انہیں طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اے میرے صحابہ! تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے، پس روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو جاگ کر عبادت بھی کرو اور آرام سے سوؤ بھی، کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں اور اپنی ازواج سے مقاربت بھی کرتا ہوں، (یہ میرا طریقہ اور سنت ہے) جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔''

قُدامہ بن مظعون اور ان کے ایک ساتھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک نے شادی نہ کرنے کا اور دوسرے نے گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تو دونوں کام کرتا ہوں'' دونوں غلام شرمندہ ہوئے اور اپنے ارادہ سے توبہ کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ عہد کرلیا تھا کہ وہ ہمیشہ دن میں روزہ رکھا کریں گے اور رات کو عبادت کیا کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو طلب فرمایا اور فرمایا ''اے عبداللہ! تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، بس مہینہ میں تین روزے رکھ لینا کافی ہے۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ دن میں روزہ رکھتے تھے، رات بھر عبادت میں مصروف رہتے تھے، بیوی سے لاتعلق ہوگئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور پوچھا، اے عثمان! کیا تم میرے طریقہ سے ہٹ گئے ہو، عرض کرنے لگے: خدا کی قسم میں نہیں ہٹا ہوں، میں آپ ہی کے طریقہ کا طلب گار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ''میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو کہ تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، پس روزے بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

آیت زیر بحث میں اسلام کا یہی اصول بتایا جارہا ہے کہ مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یا تو دنیا اور اس کے عیش و عشرت میں ایسا مست اور مگن ہوجائے کہ اسے اپنی منزل کا پتہ تک نہ رہے اور یا وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام سمجھ کر ان سے منہ موڑ لے، خود غیر ضروری جسمانی مشقت میں مبتلا ہو اور دوسروں کی حق تلفی کرے، مزید برآں اپنے اس عمل کو تقویٰ اور زُہد خیال کرے، ہرگز نہیں، یہ نہ تقویٰ ہے اور نہ زُہد، یہ رہبانیت ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے فرار کا دوسرا نام ہے۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، پس

اے ایمان والو! رب العزت جل مجدہ نے یہ ساری کائنات تمہارے ہی لئے پیدا فرمائی ہے۔ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ

Marfat.com

کرو۔ بس یہ خیال رکھو کہ اللہ کی عطا کردہ ہر چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق استعمال کرو۔ گویا اس دنیا کو دین کے ماتحت کرلو، دین جس چیز کے استعمال کی جس طرح اجازت دیتا ہے، اسی طرح استعمال کرو اور دین جس چیز سے تمہیں روکتا ہے اس سے رکے رہو، دور رہو۔ یہی تقویٰ ہے، یہی زہد ہے، یہی قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔

کیا تم نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا جو تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ ان سے زیادہ عبادت گزار کون ہو سکتا ہے لیکن وہ تارک الدنیا نہ تھے، عابد و زاہد اور متقی تھے تو حاکم، تاجر بھی تھے، شوہر اور باپ بھی تھے غلاموں کے آقا بھی تھے اور ان کی خبر گیری کرنے والے بھی تھے، وہ دین کے کاموں میں بھی مصروف رہتے تھے تو اپنے ذاتی امور بھی انجام دیتے تھے، وہ نمازوں و عبادت کی دعوت دیتے، حفاظت دین کے لئے میدان جہاد میں لے جاتے تو انہیں آپس میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم بھی دیتے تھے، وہ خود ہر ایک کے مونس تھے، غمگسار تھے، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا، یتیموں، بیواؤں کی مدد کرنا ان کا شیوہ تھا، طاقتور سے کمزور کا حق دلانا ان کے انصاف کی بنیاد تھی، کوئی مرتا تو وہ اس کا جنازہ و قبر تک پہنچاتے نظر آتے ہیں، کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے غرضیکہ انہوں نے دنیا یا اس کی ذمہ داریوں کو بھی نہ چھوڑا اور نہ ہی اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے لئے یا دوسروں کے لئے کبھی حرام قرار دیا، پس اگر تم متقی بننا چاہتے ہو تو امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو کہ یہی واحد راستہ ہے جو تقویٰ کی منزل تک پہنچاتا ہے۔

ریاضت و مجاہدہ

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ صوفیائے کرام جو ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں، وہ رہبانیت ہی کی ایک صورت ہے تو پھر ان کا یہ عمل کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے، اس غلط فہمی کی بناء، یہ نہ سمجھنا ہے کہ حلال چیز کو حرام قرار دینے کا کیا مطلب ہے، پس اسی کو سمجھ لیجئے تو ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کی تین صورتیں ہیں، اول یہ کہ کسی حلال چیز کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ یہ حرام ہے اور اس کا استعمال ترک کیا جائے، یہ نہایت ہی خطرناک صورت ہے کہ اگر خود حرام کردہ چیز کا نص قطعی سے حلال ہونا ثابت ہے تو اس کو حرام یقین کرنے والا، دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور قانون الٰہی کی مخالفت کے جرم میں کافر قرار پائے گا، مثلاً کوئی شخص نکاح نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ اس عمل کو جائز، حلال تسلیم نہیں کرتا، حرام جانتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال کو قسم کے ذریعہ اپنے اوپر حرام کر لیا جائے لیکن اعتقاداً اس کو حلال ہی مانتا ہو مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ وہ بکری کا گوشت نہیں کھائے گا جبکہ وہ بلاشک وشبہ یہ مانتا ہے کہ بکری کا گوشت حلال ہے۔ بلاضرورت ایسی قسم کھانا سخت گناہ ہے۔ اس قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور حلال سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال چیز کو عادتاً یا مجبوراً استعمال نہ کیا جائے مثلاً کوئی مچھلی نہیں کھاتا، کیوں؟ بس پسند نہیں یا کوئی نکاح نہیں کرتا اس لئے کہ وہ اہل و عیال کی کفالت کا اہل نہیں۔ ان صورتوں میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ثواب، اسی صورت میں ریاضت و مجاہدہ کی صورت بھی شامل ہے کہ بعض صوفیاء کرام قلیل مدت یا طویل مدت کے لئے کسی حلال چیز کو ترک

Marfat.com

کرتے ہیں، کسی روحانی بیماری کی وجہ سے یا روحانی تقویت کے حصول کے لئے یہ صورت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر، مریض کو کسی بیماری کی وجہ سے مرغی کا گوشت ترک کر دینے کی ہدایت کرے، چاہے کچھ مدت کے لئے یا ہمیشہ کے لئے پس یہ عمل جسمانی ڈاکٹر کی ہدایت پر ہو یا روحانی ڈاکٹر کی ہدایت پر اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی کو طبی اصطلاح میں پرہیز کہا جاتا ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں ریاض و مجاہدہ۔

احکامِ قسم

کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، ''یمین غُموس'' ہے یہ گناہ کبیرہ ہے، دنیا و آخرت میں اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے، اگرچہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن اس سے توبہ کرنا اور استغفار کرنا لازم ہے جن لوگوں کو اس کی عادت ہو، انہیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا اور ہمیشہ کے لئے توبہ کر لینا چاہئے۔ اس قسم کو غُموس کہتے ہیں اس لئے کہ غُموس کے معنیٰ ڈبو دینے والا ہے، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں ڈبو دیتی ہے۔

کسی ایسے گزشتہ واقعہ پر قسم کھانا، جو اس کے خیال میں سچ ہو لیکن حقیقت میں جھوٹ ہو مثلاً کسی نے خالد کو بتایا کہ زاہد بیمار ہے، خالد نے قسم کھا کر دوسروں کو بتایا کہ زاہد بیمار ہے جبکہ خبر دینے والے نے جھوٹی خبر دی تھی، اس کو ''یمینِ لغو'' کہتے ہیں اس میں عادتاً قسم کا لفظ نکل جانا بھی شامل ہے، اس قسم پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ لیکن اس کی عادت سے بچنے کی کوشش کی جائے کیونکہ عادت ہو جانے کی صورت میں پھر یہی قسم، یمین غُموس کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔

قسم کی تیسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے، اس کو ''یمین منعقدہ'' کہتے ہیں اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے، اگر یہ قسم کسی اچھے کام کو چھوڑنے یا بُرا کام کرنے کے لئے کھائی گئی تو اس کا توڑنا واجب ہے، اس صورت میں کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا اور توبہ بھی کرنا ہوگی، مثلاً کسی نے نماز نہ پڑھنے کی قسم کھا لی، یا چوری کرنے کی قسم کھا لی۔

کفارۂ قسم یہ ہے کہ دس غریبوں کو کھانا کھلایا جائے دونوں وقت کا، یا کپڑا پہنایا جائے لیکن یہ کھانا اور کپڑا ایسا ہی ہو جو عام طور پر قسم کھانے والا خود کھاتا یا پہنتا ہے یا اگر غلام موجود ہے تو اسے آزاد کر دیا جائے اور اگر کوئی ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام نہ کر سکے تو پھر تین روزے رکھے جو مسلسل ہوں یعنی درمیان میں ناغہ نہ کیا جائے، پس

اے ایمان والو! تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، بات بات پر قسم نہ کھاؤ اگر سخت مجبوری ہو تو قسم کھاؤ جو سچی ہو اور اگر آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ہو تو ایسی مضبوط ہو کہ اسے توڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

اللّٰھمّ صلِّ علیٰ محمّدٍ

وَّاٰلِهٖ واَصحَابِهٖ بِعَدَدِ مَا فِیْ جَمِیْعِ الْقُرْاٰنِ حَرْفٌ حَرْفًا وَّبِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ اَلْفًا اَلْفًا

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۹

المائدہ: ۹۰ تا ۹۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ
الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا
عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا
طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۚ وَ
اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدہ: ۹۰: ۹۳)

اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں پس ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے

Marfat.com

والے ہو، اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے۔

آیاتِ مذکورہ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام کی واضح حرمت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے، وجہ حرمت بتائی جا رہی ہے اور قبلِ حرمت جو اہل ایمان ان عیوب میں مبتلا رہے، گناہ سے ان کا پاک وصاف ہونا بیان کیا گیا۔

عیوب بالا، جن کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ یہ ایسے رذائل میں شمار کیے جاتے ہیں جن سے ہر مذہب اور قوم کے لوگ چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر پاتے کہ ان نامکمل مذاہب میں ایسا کوئی قانون نہیں جو ان عیوب میں مبتلا ہونے سے روکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنے ناکارہ قوانین وقتاً فوقتاً ضرور نافذ کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے حکام اتنے دل عزیز نہیں کہ قوم ان کے کہنے پر عیاشی کے ان ذرائع سے باز آ جائے۔ کسی زمانہ میں امریکہ و یورپ بالخصوص برطانیہ کی حکومتوں نے شراب اور جوئے سے نجات حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی، لوگوں کو ان عادات کے نقصانات سے باخبر کرنے کے لئے ذرائع نشر و اشاعت کو استعمال کیا، قوانین نافذ کیے، شراب بنانے، بیچنے اور پینے والوں کو سخت سزائیں دی گئیں، امریکہ نے تو تین سو افراد کو پھانسی پر لٹکا دیا، پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں، غرضیکہ کروڑوں ڈالر کے اخراجات کے باوجود نتیجہ صفر رہا، مرض اتنا ہی بڑھتا گیا جتنا دبانے کی کوشش کی گئی۔ جب کوشش ہی نامکمل ہو، قوانین ہی نامکمل ہوں تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے، آج کل ہی دیکھ لیجئے، لوگوں کو سگریٹ سے بچانے کے لئے کیسی مضحکہ خیز کوشش کی جا رہی ہے کہ سگریٹ کے اشتہارات ممنوع ہیں، سگریٹ کے پیکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ مضر صحت ہے لیکن نہ بنانے والوں پر پابندی، نہ فروخت کرنے والوں پر پابندی، خریدنے کی اتنی سہولت کہ خودکار مشینوں سے حاصل کر لی جاتی ہے، نتیجہ سامنے ہے کہ مغربی ممالک میں ۱۲ سال کی عمر سے سگریٹ پینا شروع کر دی جاتی ہے اور یہ عمل لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں میں پایا جاتا ہے، مزید برآں اب حشیش و مروانہ اور دیگر منشیات کا ایک طوفان ہے جو روکے نہیں رک رہا، یہی حال جوئے کا ہے، بہت پابندیاں لگائیں گئیں۔ لیکن اس میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہر شخص تقریباً اس میں ملوث ہے حتیٰ کہ جوئے کے مراکز، کروڑوں کی لاٹریاں خود حکومت کی ضمانت پر اور زیر نگرانی جاری ہیں۔

ان بلاؤں نے امریکہ و یورپ کے امن و امان کو تہس نہس کر رکھا ہے، تہذیب کے علمبرداروں کے گلی کوچوں میں نہ کسی کی عزت محفوظ ہے، نہ دولت، جن ممالک کو افلاس زدہ، جہالت زدہ کہا جاتا ہے ان کی بہ نسبت قتل، لوٹ مار، ڈاکہ زنی کی وارداتیں کہیں زیادہ ان دولت مند ملکوں میں ہوتی ہیں، ایک ڈالر یا ایک گھڑی کے لئے لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے، گاڑیاں چوری نہیں ہوتیں لیکن گاڑی سے ٹیپ ریکارڈ چوری کرنے کے لئے پوری گاڑی کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔

بہرحال اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے، اس کے

Marfat.com

عطا کردہ قوانین نہایت مکمل اور اٹل ہوتے ہیں اور چونکہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں، لہٰذا فطرت سلیمہ رکھنے والا انسان ان کو قبول کرنے کے لئے دوڑتا ہے اور ان کی پناہ میں آ کر پُرسکون زندگی پالیتا ہے۔

حرمتِ شراب

اسلام نے انسانیت کی اصلاح اور سدھار کا آغاز ایک ایسی قوم سے کیا جو اپنے دور کی سخت ترین اور بدترین قوم تھی، جس کی زینت، اس کے بدترین اعمال تھے، جس کی قوت و طاقت کی بنیاد ظلم و ستم پر تھی جس کی خودساختہ تہذیب کے ستون، شراب، میسر، انصاب اور ازلام تھے، اس قوم سے اُس کی بدکاریوں اور بدکرداریوں کو یک دم چھڑا دینا، اس کی مزید بغاوت اور بربادی کا باعث ہوسکتا تھا، لہٰذا اسلام نے نہایت ہی حکمت اور تدبیر کے ساتھ ان جانور نما انسانوں کی اصلاح کی اور جو عادتیں ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ ان سے نجات دلانے کے لئے بتدریج احکام دیئے۔

شراب اہلِ عرب کی ایسی عادت تھی جس کا چھوڑ دینا ان کے تصور میں نہ تھا، اس عادت میں ملوث ہونے کے لئے کسی خاص ماحول کی ضرورت پیش نہ آتی تھی بلکہ ہر ماں اپنے بچے کو پانی کی جگہ شراب پلاتی تھی اور اس طرح ہر شخص غیر شعوری طور پر شرابی بن جاتا تھا، نتیجتاً اس میں نہ حیا ہوتی تھی نہ شرم، نہ بڑے اور چھوٹے میں کوئی امتیاز ہوتا تھا، نہ کسی سے کسی کی دولت و عزت محفوظ ہوتی تھی، نہ ہمدردی و محبت کا کوئی تصور ہوتا تھا کہ یہ سب شراب نوشی کے اثرات ہیں، یہ صورت حال کسی طرح بھی اسلام کے عطا کردہ مہذب معاشرے کے لئے قابل برداشت نہ تھی لیکن اس سے چھٹکارا بھی اتنا آسان نہ تھا، اسی لئے باوجود ناپسندیدگی کے اسلام نے اُسے ایک عرصہ دراز تک اپنے معاشرے میں برداشت کیا، بالآخر چار ہجری میں واضح اور قطعی اعلان کیا گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کو حرام قرار دیا گیا، اعلانِ حرمت سے قبل اگرچہ بعض صحابہ کرام اس سے اجتناب کرتے تھے لیکن دوسرے جو اس کے عادی تھے انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، تاہم وہ محسوس کرتے تھے کہ ہمارے پاکیزہ معاشرے کے لئے شراب نوشی بالکل موزوں نہیں، پس ایک دن حضرت عمر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ''یارسول اللہ! ہمیں شراب کے متعلق حکم شرعی بتایا جائے'' ''فَاِنَّهَا مُذْهِبَةٌ لِّلْعَقْلِ وَسُبْلَةٌ لِّلْمَالِ'' یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے، پس وحی الٰہی نازل ہوئی اور جواب دیا گیا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرہ:۲۱۹)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کی بابت، آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔

یہ حرمتِ شراب کے تدریجی عمل کا آغاز تھا، اس وحی کا اثر اکثر صحابہ پر ہوا، بعض نے شراب بالکل چھوڑ دی اور بعض نے کم کردی، چند دن بعد یہ واقعہ رونما ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے احباب کی دعوت کی اور حسب عادت کھانے کے بعد شراب پیش کی، خوب دور چلا، ابھی سب نشہ میں مست ہی تھے کہ نماز مغرب کا وقت آ گیا، جماعت ہوئی، امام صاحب نے (جو ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے) سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ الکافرون کی تلاوت کی لَآ اَعْبُدُ

Marfat.com

مَاتَعْبُدُوْنَ کی جگہ اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ پڑھ گئے، نماز کے بعد سب نے اپنی حالت پر افسوس کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ بھی بہت افسردہ ہوئے، پس وحی الٰہی و یا ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

(النساء:۴۳)

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو۔

یہ دوسرا حکم تھا جس کے بعد شراب کی محفلیں بہت کم جما کرتی تھیں، کیونکہ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی کے سبب موقع ہی کم ملتا تھا، تاہم شراب کے بازار ابھی ختم نہ ہوئے تھے، رات کی محفلوں کا سلسلہ جاری تھا جو ایسے وقت ختم کردی جاتی تھیں کہ نشہ ختم ہوجائے اور نماز فجر ادا کی جاسکے، وہ صحابہ جن کے رگ وپے میں اسلام سرایت کر چکا تھا اور جو اسلام کے مزاج اور اس کی روح سے خوب واقف ہوگئے تھے، انہیں یقین تھا کہ اسلام میں شراب کی اجازت باقی نہیں رہے گی لیکن کب واضح حکم نازل ہوگا، اس کے انتظار میں وہ مضطرب تھے، بے چین تھے، بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی آہ وزاری کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِعًا" "اے اللہ شراب کے متعلق ہمیں واضح حکم عطا فرما" اسی دوران شراب کی بعض محافل میں شدید جھگڑے ہوئے، مارپیٹ ہوئی، مسلمان بھائیوں نے ایک دوسرے کو [illegible] اور پھر ہوش آنے پر نادم وشرمندہ ہوئے، معافیاں مانگیں وہ سب کچھ ہوتا رہا جو اسلامی معاشرے کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔

بالآخر جب وہ وقت آگیا کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ومحبت کا جذبہ سرایت کر چکا، ان کا ایمان اتنا پختہ ہوگیا کہ وہ اپنی ہر خواہش کو ایمان کے تابع کرنے پر آمادہ ہوگئے، گویا علم الٰہی کے مطابق اب وقت آچکا تھا ان کی جبلت کے برعکس کسی حکم دینے کا، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے واضح حکم نازل فرمایا کہ:

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب نہایت ہی ناپاک، گھناؤنے ہیں شیطانی کام [illegible] تمہیں زیب نہیں دیتے۔ تمہاری دنیوی، اخروی فلاح وبہبود اسی میں ہے کہ تم ان سے بچو [illegible] ذریعہ تمہارے معاشرے میں [illegible] عمارت قائم ہے تم سب [illegible] محروم ہو پس تم ان بدعملیوں سے باز رہو۔

یہ واضح حکم نازل ہوا [illegible] گلی کوچوں میں پھر کر لوگوں کو جمع کر کے اللہ کا یہ حکم سنا [illegible] اس وقت کا نظارہ تھا جونہی منادی کی آواز سنی لوگوں کا اس کے گرد ہجوم ہوگیا، حکم الٰہی سن کر ایک [illegible] ہر شخص منادی بن گیا، دروازے کھٹکھٹا کر، گھر گھر خبر پہنچانے لگے اور چند لمحہ بعد ہی مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی، مٹکے توڑ دیئے گئے، ہاتھوں میں موجود جام پھینک دیئے، منہ سے شراب کا وہ قطرہ تک تھوک دیا گیا جو ابھی حلق سے [illegible] کلیاں کیں، غسل کئے، کپڑے بدلے، اب شراب کی مستی نہیں، ایمان کی مستی میں سب جھوم رہے تھے، گلی کوچوں میں نعرے تھے، سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے

Marfat.com

تھے، چہرے مسرت و شادمانی سے چمک اٹھے تھے، دل شکرِ الٰہی میں جھکے جا رہے تھے، خوشی سے آنکھیں پُرنم تھیں، سر بسجود تھے، ایک عجب سماں تھا جو اہل ایمان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی کیفیت ظاہر کر رہا تھا۔ اطاعت شعاری کے اس مظاہرہ کی نظیر آج تک دنیا کی کسی قوم میں نہ پائی گئی اور نہ ہی پائی جا سکتی ہے، یہ صرف اسلام ہی ہے جس نے اپنے ماننے والوں میں خوف خدا اور عشق رسول ﷺ کا وہ جذبہ پیدا کیا جس سے وہ اپنی خواہشات، عادات، اولاد، جان، مال غرضیکہ ہر چیز قربان کر دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور جب یہ جذبہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر مسلمان کی تہذیب اپنی تہذیب نہیں رہتی، وہ پھر بدکاریوں اور برائیوں کو اپنانے لگتا ہے اور اس فلاح و بہبود اور عزت و وقار سے محروم ہو جاتا ہے جس کا قرآن نے اس سے وعدہ کیا ہے۔

غور فرمائیے ایک دن وہ تھا کہ اہل مدینہ اپنے گھروں، اپنے بازاروں سے شراب کی لعنت کا خاتمہ کر رہے تھے اس کی حرمت پر خوشیاں منا رہے تھے لیکن ایک دور آج ہے کہ مسلمان ملکوں میں پھر شراب کا کاروبار ہو رہا ہے، دکانیں شراب کی خوبصورت بوتلوں سے سجی ہوئی ہیں، گھروں میں شراب کے جام چھلک رہے ہیں، کلب آباد ہیں، نشے میں مست، گلی کوچوں میں لوگ جھومتے پھر رہے ہیں، نتیجۃً ذلیل ہو رہے ہیں، خوار ہو رہے ہیں، اللہ رحم فرمائے اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

وجوہِ حرمت

شراب و جوئے کی حرمت و ممانعت کے اسباب بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اس کا دنیوی نقصان تو یہ ہے کہ اس سے آپس میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ پیدا ہوتا ہے جو روحِ اسلام ہی کے خلاف نہیں بلکہ انسانیت کے تقاضوں کے خلاف بھی ہے کہ انسانوں کی باہمی محبت و ہمدردی ہی ان کے لئے ایک پُرسکون معاشرے کو جنم دیتی ہے، اسلامی احکام میں اس مقصد کے حصول کا بے حد لحاظ رکھا گیا ہے، اسلام تو انسان کو ایک دوسرے سے قریب تر رہنے، ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ شراب و جوا، اس تعلیم کی نفی کرتا ہے۔ یہ اعمال انسان کو خود غرض بناتے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے قتل و غارت، لوٹ مار پر آمادہ کرتے ہیں، ذرا ان ممالک کا حال دیکھئے جن میں شراب خانے اور جوئے خانے عام ہیں، کلبوں میں لوگ شراب پیتے، جوئے میں دولت ہارتے اور پھر ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ مارپیٹ ہوتی ہے، قتل تک نوبت آ جاتی ہے۔ شراب کے نشہ میں مست ہو جانے والوں کو اپنی حرکتوں کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے اس کو پتہ تک نہیں ہوتا، شرابی جب مارتا، پیٹتا، ڈپٹتا، دھاڑتا، لڑکھڑاتا اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو بیوی بچے اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں، وہ انہیں مارتا ہے، پیٹتا ہے، اس کی جوان بیٹیوں کی عزت تک اس سے محفوظ نہیں ہوتی، اس کی چیخ و پکار اہل محلہ تک کا سکون برباد کر دیتی ہے، یہی حال جواری کا ہے اگر وہ جیت جاتا ہے تو ہارنے والے سے خوفزدہ ہوتا ہے اور ہارتا ہے تو ناقابلِ برداشت نقصان، اسے غیظ و غضب میں مبتلا کر دیتا ہے، ہار ہو یا جیت دونوں صورتوں میں جھگڑے ہوتے ہیں، جواری دن رات جو دولت کماتا ہے، وہ منٹوں میں کھو بیٹھتا ہے، اپنے گھر کا ساز و سامان حتیٰ کہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کی عزت تک جوئے کی نذر کر دیتا ہے، ایسے تباہ کن اور گھناؤنے اعمال کی اجازت، اسلام کے پاکیزہ معاشرے میں کیسے دی جا سکتی ہے۔

اس کا دینی نقصان یہ ہے کہ ان اعمال میں مبتلا بدنصیب، اللہ کی یاد بالخصوص نماز سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ کا ذکر ہی

Marfat.com

تو ہے جو مضطرب دلوں کو اطمینان وسکون بخشتا ہے، اور نماز ہی تو ہے جو مؤمن کو فحشاء ومنکر سے روکتی ہے، جو ان دونوں عبادتوں سے غافل ہو گیا، وہ نہ تو سکون وطمانیت کی زندگی پا سکتا ہے اور نہ ہی بدکاریوں اور برائیوں کی دلدل میں پھنسنے سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شرابی کا قلب اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ وہ دین کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتا۔

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرو اور ناپاکی کے شیطانی کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ، تاکہ ذلت وخواری اور اللہ کے عذاب سے محفوظ رہ سکو، اگر تم نے ہمارے اس واضح حکم کو جو بوسیلہ رسول ﷺ تمہیں دیا گیا ہے تسلیم نہ کیا تو اس سے ہمارے رسول ﷺ کے منصب ومقام میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی کہ رسول ﷺ کی ذمہ داری تو ہمارے احکام کو تم تک پہنچا دینا ہی ہے جو کہ وہ پورا فرما رہے ہیں۔

رہی تمہاری یہ تشویش کہ تمہارے جو ساتھی اہلِ ایمان، اس حکم کے نزول سے قبل شراب میں مبتلا رہے اور اب وہ دنیا میں نہیں تو تم ان کے متعلق نہ تو پریشان ہو اور نہ ہی ان سے برتری کی غلط فہمی میں مبتلا ہو، ہمارے وہ بندے مؤمن تھے، انہوں نے ان تمام احکام کی تعمیل کی جو ان کی زندگی میں نازل ہو چکے تھے، وہ متقی تھے، انہوں نے عبادات کی پابندی بھی کی اور ان میں سے کچھ نے شہادت کا اعلیٰ مقام بھی پایا، جو حکم ان کی زندگی میں نہیں دیا گیا تھا وہ اس کے مکلف نہ تھے، لہٰذا وہ گناہ گار بھی نہیں، ان سے ان احکام کے متعلق کوئی سوال بھی نہ ہوگا، انہوں نے خوب نیکیاں کی ہیں اور اللہ نیکیاں کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، پس وہ اللہ کے محبوب وپسندیدہ بندے ہیں اب تم ان احکام کی پابندی کرو جو تکمیل دین تک تمہیں دیئے گئے تاکہ تم بھی محسنین میں شامل ہو کر اللہ کے محبوب بن سکو۔

احادیث اور شراب

قرآن کریم شراب کو رِجس اور اس کے پینے کو شیطانی عمل قرار دیتا ہے جس کی وضاحت کے لئے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَلَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَلَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَّهرِ الْخِبَالِ

جس نے شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہ فرمائے گا پھر اگر توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا، پھر اگر شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ فرمائے گا پھر اگر توبہ کر لی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا پھر اگر اس نے شراب پی لی، تو اللہ اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ فرمائے گا پھر اگر اس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تو اللہ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہ فرمائے گا اور اگر توبہ کر لی تو توبہ بھی قبول نہ فرمائے گا اور اسے نہر خبال کا پانی پلائے گا۔ (ترمذی شریف)

Marfat.com

اللہ بے حد بخشنے والا، توبہ قبول فرمانے والا ہے، بندہ گناہ کرتا رہتا اور بخشتا رہتا ہے لیکن بعض گناہ ایسے ہیں کہ جن کے بار بار کرنے سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ اب بندہ زبان سے تو توبہ کرتا ہے لیکن اس کا دل گناہ پر نادم و شرمندہ نہیں ہوتا اور جس کا دل گناہ پر نادم و شرمندہ نہ ہو، اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا، شراب نوشی کا گھناؤنا عمل تین مرتبہ قابل معافی ہے کہ ابھی شرابی کا دل گناہ پر نادم و شرمندہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب وہ رو کر اللہ کے دربار میں توبہ کرتا ہے تو اس کا دل اس کا ساتھ دیتا ہے، نادم ہوتا ہے، شرمندہ ہوتا ہے، پس اللہ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے لیکن جب چوتھی مرتبہ وہ اس بدعملی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا قلب اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ شرابی احساسِ گناہ کے بعد روتا ہے، توبہ کرتا ہے لیکن دل اس کا ساتھ نہیں دیتا، پس دلوں کا حال جاننے والا اللہ اس کی توبہ کو قبول نہیں فرماتا اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ شخص اتنا بدنصیب ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب اسے پیاس لگے گی تو اسے ''نہر خبال'' سے پانی پلایا جائے گا یہ دوزخیوں کے لئے خون اور پیپ کی نہر ہو گی یعنی جو دنیا میں رجس پیتا رہا، قیامت میں بھی اسے وہ رجس ہی پلایا جائے گا، الامان والحفیظ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بروایت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا:

يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِاَيْتَامٍ فِيْ حَجْرِيْ قَالَ اَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْسِرِ الدِّنَانَ

اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے یتیم بچوں کے لئے جو میرے زیر پرورش ہیں شراب خریدی، فرمایا شراب کو بہا دو اور مٹکوں کو توڑ دو۔ (ترمذی)

شریعت مطہرہ نے شراب پینے ہی کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ قرآن کریم نے اسے ''رجس'' قرار دے کر اس کی بیع و شراء، اس کے نقل و حمل، اس کے کارخانوں کی ملازمت غرضیکہ کسی بھی طرح اس سے ہر تعلق کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ دیگر احادیث میں واضح ہے۔ اس حدیث پر بھی غور فرمائیے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یتیم بچوں کی ملکیت اس شراب کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا جو انہوں نے اعلانِ حرمت سے قبل تجارت کے لئے خریدی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی بہانے کا حکم دیا، حتیٰ کہ اس کے برتن بھی توڑ دینے کا حکم دے دیا گیا۔

شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم صرف اس وقت سے متعلق ہے جب شراب حرام ہوئی تھی، جس کا مقصد لوگوں میں مزید نفرت پیدا کرنا تھا، یہ برتن دیگر برتنوں کی طرح دھو کر استعمال کر لینا اب جائز ہے لیکن شراب کے خوبصورت برتنوں کو الماریوں میں سجانا جائز نہیں۔

ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ شراب کا تحفۃً کسی کو دینا، یا لینا بھی جائز نہیں، دیکھئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یتیم بچوں کی شراب بہا دینے کا حکم دیا، کسی غیر مسلم کو تحفۃً دینے کی اجازت نہ دی، غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ نہایت قابلِ غور ہے کہ انہیں غیر مسلموں کے تہواروں، شادیوں وغیرہ پر تحفے دینا پڑتے ہیں اور ان مواقع پر لینا بھی پڑتے ہیں، اگر تحفہ دینا پڑے تو شراب کی بجائے کوئی دوسری چیز دے دی جائے اور اگر کوئی غیر مسلم تحفہ کے طور پر شراب دے تو یہ بتاتے ہوئے انکار کر دیا جائے کہ میرے مذہب میں یہ تحفہ قبول کرنا حرام ہے اگر نہ جانتے ہوئے تحفہ میں شراب کی

Marfat.com

بوتل آجائے تو وہ بھی کسی غیر مسلم کو دینا جائز نہیں اسے بہادیا جائے۔

حضرت دیلم حمیری بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلاً شَدِيْداً وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَاباً مِّنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهِ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ اِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَاقْتُلُوْهُمْ

ہم ایک ٹھنڈے مقام پر رہتے ہیں اور وہاں سخت کام کرتے ہیں اور ہم گیہوں سے شراب بناتے ہیں، جس سے اپنے کاموں اور اپنے ملک کی ٹھنڈک کے لئے قوت حاصل کرتے ہیں فرمایا، کیا وہ نشہ آور ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اس سے بچو (وہ حرام ہے) میں نے عرض کیا لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے فرمایا اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے قتال کرو۔ (ابوداؤد)

حدیث مبارک قابل غور ہے کہ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو سرد ممالک میں آباد ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس قدر سردی میں بغیر شراب کے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ لہٰذا بطور دوا، یہاں شراب کا استعمال جائز ہے، استغفر اللہ العظیم۔ اگر واقعی کسی نے کسی بھی وجہ سے شراب کا استعمال جائز سمجھا اس کا ایمان گیا کیونکہ جس چیز کی بھی حرمت نص قطعی سے ثابت ہو اس کا جائز سمجھنا کفر ہے۔

صاحب شریعت ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ شراب چاہے بطور دوا استعمال کی جائے، سردی سے بچنے یا کسی دوسرے مرض کو دفع کرنے کے لئے یا حصولِ طاقت کے لئے بہر حال حرام ہے اور جو لوگ اس کی حرمت جان لینے کے باوجود بھی اس کو ترک نہ کریں ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں یا انہیں قتل کردیا جائے گا کیونکہ وہ مرتد ہوگئے۔

واضح رہے کہ شرابی کی سزا حرمت شراب کے دور میں اگرچہ متعین نہ تھی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے مجرم کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے جوتے اور کوڑے مارنے کا حکم صادر فرمایا، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک شرابی پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین سے اس کی سزا کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا تجویز کی جس کو تمام صحابہ نے بالاتفاق منظور کیا، پس اجماع صحابہ کے مطابق شریعت مطہرہ نے شرابی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمادی۔

شراب چاہے، زیادہ پی جائے یا کم، سزا پوری ہی دی جائے گی، جیسا کہ قرآن کریم کے ارشاد "فَاجْتَنِبُوْهُ" سے ثابت ہے کہ اس سے بچو، چاہے کم ہو یا زیادہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے۔

غرضیکہ شراب حرام قطعی ہے، جس سے بچنا حکم الٰہی ہے اور اللہ کے احکام کی تعمیل ہی مؤمن کے لئے عزت وعظمت کا ذریعہ ہے۔ اسی سے اہل ایمان کو سکون واطمینان کی زندگی نصیب ہوتی ہے، اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۰

المائدہ: ۹۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

(المائدہ: ۹۴)

اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ پہچان کرادے اللہ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے، پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مومن کا امتحان

کلمہ پڑھنے والا درحقیقت اللہ سے اپنی جان و مال کا سودا کر لیتا ہے کہ اب اس نے اپنا سب کچھ اللہ کو سونپ دیا اور اللہ اس سے وعدہ فرماتا ہے کہ بطور قیمت وہ اسے جنت عطا فرمائے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (توبہ:۱۱۱)

یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کیلئے جنت ہے۔

جو رب خالق بھی ہے اور مالکِ حقیقی بھی ہے وہی اپنے فضل و کرم سے اپنی ہی عطا کردہ جان و مال ہم سے خرید رہا ہے لیکن قیمت یعنی جنت عطا فرمانے سے پہلے وہ ہماری آزمائش فرماتا ہے کہ ہم اس قیمت کے واقعی اہل بھی ہیں یا نہیں کہ ہر خریدار قیمت ادا کرنے سے قبل مال کی جانچ پڑتال کا حق رکھتا ہے، نیز کسی بھی منزل کو حاصل کرنے سے قبل امتحان کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اس امتحان میں جو جس معیار کی کامیابی حاصل کرتا ہے، اسے اسی معیار کی منزل ملتی ہے، اللہ رب العزت مؤمنین کا امتحان لیتا ہے اور جو امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اس کے لئے جنت کے درجات کا تعین کیا جاتا رہتا ہے، یہ امتحان کسی کو صالحیت کے مقام پر پہنچاتا ہے! تو اسے حیاتِ طیبہ سے نوازا جاتا ہے، تو کوئی اس امتحان کے ذریعہ مقامِ ولایت پاتا ہے تو اسے دنیا و آخرت کے خوف سے آزادی ملتی ہے، تو کوئی اپنی جان کی قربانی پیش کر کے اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے شہادت کا بلند مرتبہ نصیب ہوتا ہے، ہر مؤمن کو کسی نہ کسی طرح امتحان کے مرحلہ سے گزرنا ہوتا ہے، قرآن کریم بتاتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

(البقرہ:۱۵۵)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے مالوں میں اور جانوں اور پھلوں میں۔

جو خوش نصیب ان امتحانات میں کامیاب و کامران ہوتے ہیں وہی صابر کہلاتے ہیں، اللہ کا فضل و کرم ان کے شامل حال رہتا ہے، وہ ہر امتحان کے موقع پر اعتراف کرتے ہیں کہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' بیشک ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ان ہی لوگوں کے لئے مژدہ ہے کہ ان کا رب انہیں طرح طرح سے نوازتا ہے، ان پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، منزل مراد انہی کے ہاتھ آتی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (کہف:۷)

بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں ان کے لئے باعث زینت، تا ہم انہیں آزمائیں گے کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔

حسین و جمیل خالق نے اس کائنات کو اپنے حُسن و جمال کا مظہر بنایا، اس دنیا کی ہر چیز حسین بھی ہے اور مفید بھی، کوئی چیز بیکار نہیں ''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا'' اے ہمارے رب تو نے یہ سب بیکار پیدا نہیں فرمایا انسان، جانور، شجر، حجر، آگ، پانی، ہوا، تاریکی، روشنی، دن، رات، غرضیکہ ان تمام چیزوں سے ہی زمین کی زینت ہے، اگر پھول زینت ہیں تو کانٹے بھی زینت ہیں اگر جاندار زینت ہیں تو بے جان بھی زینت ہیں لیکن یہ سب ''مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ'' آخرت کی کھیتی ہے،

Marfat.com

اشرف المخلوقات انسان کے لئے ذریعہ ابتلاء وآزمائش ہے، رب دیکھتا ہے کہ کون اس دنیا کی زینت میں گم ہو کر اسے بھول جاتا ہے اور کون ہے جو ان حسین مناظر اور اشیاء کو دیکھ کر سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہتا اور رب کو یاد کرتا ہے، کامیاب وہی ہے جس نے ان دل لبھانے والی، نظروں کو خیرہ کرنے والی چیزوں کو رب کی مرضی کے مطابق استعمال کیا، جن چیزوں کے قریب جانے سے روک دیا گیا، ان کی کشش متاثر نہ کر سکی، جن چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی، ان پر قناعت کی۔ یہی لوگ ہیں جو ''اَحْسَنُ عَمَلًا'' کے مصداق ہیں، جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، جو اللہ کی رضا اور قرب کا بلند مرتبہ پاتے ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

(الملک:۲)

جس نے پیدا کیا ہے، موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور وہی دائمی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔

یہ موت وزندگی بھی امتحان ہے کہ جس نے موت کے خیال سے زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے سانچہ میں ڈھال لیا وہ کامیاب وکامران ہو گیا اور جو زندگی کی رعنائیوں میں مست رہا، موت کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی اس نے کبھی مالک حقیقی کے دربار میں حاضری کا خوف نہ کیا، وہ ناکام ونامراد رہا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ

(انعام:۱۶۶)

اور (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنا) خلیفہ بنایا اور بلند کیا تم میں بعض کو بعض پر درجوں میں تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں عطا کی۔

فرقِ مراتب اور فرقِ عطایا بھی آزمائش وامتحان کا ذریعہ ہے، یہ فرقِ مراتب چاہے دنیوی اعتبار سے ہو، یا اخروی اعتبار سے، بہر حال مالک نے باوجود قدرت کے سب کو ایک جیسا پیدا نہیں کیا، کوئی مالک ہے تو کوئی ملازم، کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کوئی عالم ہے تو کوئی جاہل، انسانوں کی اس تفریق میں یہی حکمت ہے کہ کون ہے جو اپنے بلند مراتب کے باوجود عجز وانکساری اختیار کرتا ہے اور کون ہے اپنی کم مائیگی پر صابر اور شاکر ہے کہ جس نے غرور وتکبر کیا، جو ناشکری وبے صبری کا شکار ہو گیا وہ ناکام ونامراد قرار پائے گا۔

غرضیکہ ابتلاء وآزمائش سنتِ الٰہیہ ہے۔ جنہوں نے خود کو بیچ دیا ہے ان کو آزمایا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن انہیں ان کی قیمت دی جائے، انہیں امتحان میں کامیابی کے مطابق انعامات سے نوازا جائے، دنیا وآخرت میں ان کے مراتب بلند کئے جائیں۔

آیت زیرِ گفتگو میں بھی ایک امتحان کا ذکر ہے، جو یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! ہم تمہیں اس طرح بھی آزمائیں گے کہ جن جانوروں کا شکار تمہارے لئے جائز قرار دیا گیا، مخصوص حالت

Marfat.com

اور مخصوص وقت میں وہ تمہارے لئے حرام ہوگا، جبکہ وہ جانور تمہارے آس پاس گھومتے ہوں گے تم ان کو مارنے کے لئے مضطرب ہوگے لیکن حکم الٰہی کی تعمیل میں ایسا نہ کرسکو گے اور کر بیٹھے تو تمہارا شمار معتدین، حکم الٰہی سے تجاوز کرنے والوں میں ہوگا، جس کی سزا صرف دردناک عذاب ہے۔

یہ کونسی حالت ہوگی اور کونسا وقت ہوگا، اس کا ذکر اگلی آیات میں کیا جارہا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا

مقالہ ۴۱

المائدہ: ۹۵ تا ۱۰۰

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ وَ مَنۡ قَتَلَهٗ مِنۡكُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ هَدۡیًۢا بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَیَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِنۡهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِلسَّیَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَیۡكُمۡ صَیۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الۡكَعۡبَةَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ الۡهَدۡیَ وَ الۡقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ۝ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوۡ اَعۡجَبَكَ كَثۡرَةُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

Marfat.com

يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ:۹۵۔۱۰۰)

اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر تو اسکی جزاء یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے، جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآنحالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ اُس سے اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا، حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلہ (والے)، اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کئے جاؤ گے، بنایا ہے اللہ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقاء کا باعث لوگوں کے لئے نیز حرمت والے مہینوں کو اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تا کہ تم خوب جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، اور خوب جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا اور اللہ تعالیٰ غفور ورحیم (بھی) ہے، نہیں (ہمارے) رسول ﷺ پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو، آپ ﷺ فرما دیجئے نہیں برابر ہوسکتا، ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت پس ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو! تا کہ تم نجات پا جاؤ۔

گزشتہ آیت میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے جس ابتلاء کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

اے ایمان والو! بحالت احرام تمہارے لئے شکار کرنا ممنوع ہے، شکار کے جانور تمہارے گرد منڈلا رہے ہوں، تمہیں ان کے گوشت و پوست کی ضرورت ہو، یا تم شکار کی عادت پوری کرنے کے لئے مضطرب ہو لیکن ایسا نہ کرنا کہ اب تم اللہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کر چکے ہو، احرام کی نیت کر چکے ہو، اب تمہارے لئے جو چیزیں حلال تھیں ان میں سے بہت سی حرام کر دی گئی ہیں، انہی میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے تم جن جانوروں کا شکار کر سکتے تھے، اب نہیں کر سکتے۔ چاہے تم حرم میں داخل ہو چکے ہو یا نہ ہوئے ہو۔

حالتِ اِحرام

حالتِ اِحرام بھی مؤمن کے لئے بڑی عجیب حالت ہے۔ اس کی کیفیت کا اندازہ سوائے محرم کے اور کوئی نہیں کر سکتا، حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والا، جب لبیک کی صدا بلند کرتا ہے تو وہ محرم ہو جاتا ہے اور اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب اس کا اس دنیا اور دنیا کی چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، نہ اہل وعیال سے کوئی تعلق، نہ اعزاء و احباب سے کوئی تعلق، نہ تجارت و کاروبار سے کوئی واسطہ، اللہ کے گھر کا یہ مسافر، صرف اللہ کے در کا بھکاری بن جاتا ہے اور

Marfat.com

اپنے عمل سے ظاہر کرتا ہے کہ میں جس کا ہو چکا ہوں، اس کے بلاوے پر، اس کے گھر جا رہا ہوں، اگر زندہ رہا تو پھر سارے تعلقات اور رابطے بحال ہوں گے ورنہ یہ دنیا جن کی ہے ان کو مبارک ہو، ہم جس کے ہیں، اس کی طرف چلے۔

حالتِ احرام، درحقیقت ابتلاء و آزمائش کے میدان میں قدم رکھنے کا نام ہے کہ رب حقیقی دیکھنا چاہتا ہے کہ جسے ہمارا ہونے کا دعویٰ ہے اس کے لئے عام حالت میں جو چیزیں ممنوع تھیں ان سے تو وہ باز رہا، اب ہم اس پر کچھ مزید چیزیں ممنوع فرما رہے ہیں، کیا وہ ان سے بھی باز رہتا ہے اور ہماری مرضی کے مطابق زندگی کے چند شب و روز بسر کر پاتا ہے یا نہیں۔

حالتِ احرام میں، جن حلال چیزوں کو ممنوع و حرام قرار دیا گیا، آپ ان سے اندازہ کیجئے کہ یہ حالت ابتلاء کی حالت کے سوا اور کیا ہے، مردوں کے لئے سلے کپڑے پہننا، ایسے جوتے یا چپل پہننا، جن سے پاؤں کی پشت کی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے، سر یا چہرے کو سوتے میں یا جاگتے میں قصداً یا سہواً ڈھکنا، خوشبو لگانا یا کوئی خوشبودار بغیر پکی چیز کھانا، مثلاً الائچی، زعفران وغیرہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹنا یا اکھاڑنا، ناخن تراشنا، کسی سے جھگڑا یا ہاتھا پائی کرنا، بیوی سے صحبت کرنا، بوس و کنار یا شہوت کی باتیں کرنا، حرم کی گھاس یا درخت وغیرہ کاٹنا، خشکی کے جانور کا شکار کرنا یا شکار میں کسی کی مدد کرنا، (تفصیلی مسائل کے لئے ''بہار شریعت'' کا مطالعہ کیجئے) یا اپنے امام صاحب سے معلوم کیجئے۔

حالتِ احرام میں کسی نے شکار کر لیا تو جرمانہ ادا کرنا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے اس کی قیمت کا اندازہ دو دیانت دار، تجربہ کار آدمیوں سے کرایا جائے پھر اس قیمت کا کوئی جانور مثلاً اونٹ، گائے، بکری خرید کر حدودِ حرم میں لائے اور ذبح کر کے غرباء میں تقسیم کر دے، یا اس قیمت سے غلہ وغیرہ خرید کر غرباء میں تقسیم کرے اور ہر غریب کو صدقہ فطر کے مساوی دے، یا اندازہ لگائے کہ اس قیمت کا غلہ وغیرہ کتنے غرباء میں تقسیم کیا جا سکتا تھا، اس کے مطابق اتنے ہی دن کے روزے رکھے، مثلاً اگر اس رقم کا غلہ خرید کر، پونے دو سیر کے حساب سے غرباء کو تقسیم کیا جاتا تو دس غریبوں کا حصہ بنتا، پس دس روزے رکھ لے، غلہ کی تقسیم اور روزے رکھنے کے لئے حرم میں ہونا ضروری نہیں۔

موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو، کوا، چیل، کاٹنے والا کتا اس حکم میں شامل نہیں، انہیں مارنا جائز ہے، کسی دوسرے کے لئے کئے ہوئے شکار کو ذبح کرنا بھی محرم کے لئے جائز نہیں، اگر کسی غیر محرم نے حرم سے باہر شکار کیا، تو شکار کا گوشت کھانا محرم کے لئے جائز ہے، روزمرہ کے استعمال کے جانور مثلاً گائے، بکری، مرغی وغیرہ محرم ذبح بھی کر سکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے کہ یہ شکار نہیں محرم کے لئے مچھلی کا شکار بھی جائز ہے۔

قِيَاماً لِّلنَّاسِ

محرم پر یہ خصوصی پابندیاں اس لئے عائد کی گئی ہیں کہ وہ اللہ کے دربار کا مسافر اور عازم ہے، جتنے عظیم دربار کا عزم کیا جاتا ہے اتنا ہی اس کے لئے اہتمام کیا جاتا ہے، اللہ کے گھر سے بڑا گھر، عظمت والا گھر اور کون سا ہو سکتا ہے کہ یہ ''قِيَاماً لِّلنَّاسِ'' لوگوں کی بقاء کا ذریعہ ہے عام انسانوں کی بقاء کا ذریعہ ہے کہ جب تک کعبہ کا احترام کرنے والے موجود ہیں، کعبہ کا طواف ہو رہا ہے، یہ عالم موجود ہے اور جس دن کعبہ کی حرمت ختم ہوئی طواف ختم ہوا، دنیا ختم کر دی جائے گی، حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک سال کے لئے کعبہ خالی ہو جائے اس کا طواف نہ ہو تو دنیا کا وجود نہ رہے نیز یہ گھر، اہل

Marfat.com

اسلام کے لئے ایسا عظیم مرکز ہے جس کے باعث ان میں نظم وضبط، یگانگت اور اتحاد اس طور پر موجود ہیں کہ کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں، امت مسلمہ اپنے باہمی اختلافات کے باوجود حقیقتاً متحد ہے کہ ان کے دل ایک ہی مرکز کی طرف مائل ہیں، ان کے چہرے اسی مرکز کی طرف پھرے ہوئے ہیں، ان سب کی زندگی کی بڑی آرزو، اسی مرکز کا سفر ہے، یہی مرکز ان کے لباس کی تبدیلی کا سبب بنتا ہے، اسی دربار میں حاضری کے باعث وہ بہت سی حلال چیزوں کی حرمت کی مشقت کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں، ایک جیسے لباس میں، امیر وغریب، بڑے چھوٹے، کالے گورے کا فرق مٹا کر بلاامتیاز وہ اس گھر کے گرد طواف کر کے عملی طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنے ظاہری اختلاف کے باوجود، صرف اور صرف ایک اللہ کے ہیں، اللہ ہی کے لئے زندہ اور اللہ ہی کے لئے مرتے ہیں اور اسی کے دربار میں ہم سب کو حاضر ہونا ہے، آج اللہ کے لئے جس طرح ہم نے اپنے عیش وآرام اور بعض حلال چیزوں تک کو چھوڑ دیا ہے اسی طرح ہم اللہ کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، اللہ کا یہی گھر ہے جس کی طرف توجہ کر کے اہل ایمان کو قلبی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہی گھر ہے جس میں داخل ہونے والا خوش نصیب، دنیا کی الجھنوں سے امان پالیتا ہے ہر قسم کے غم اور خوف سے آزاد ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ دنیا والوں کے بنائے ہوئے قوانین سے بھی آزاد ہوتا ہے ''وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' کا قرآنی ارشاد، ہر غم زدہ، ہر مصیبت زدہ کے لئے پیغام راحت ورحمت بنتا ہے اور اسی گھر کے طفیل اللہ نے سال کے چند مہینوں کو (اشھر حرم) ایسا عظمت واحترام والا بنایا کہ ان میں جنگ وجدال سے بے خوف ہو کر ہر شخص، امن وامان کی لذت محسوس کرسکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ قتل وغارت اور بدامنی کی زندگی سے متنفر ہوسکتا ہے، گویا یہ مہینے درحقیقت امن وامان کی تربیت، اس سے روشناس کرانے، اس کا عادی بنانے کے مہینے ہیں، جن کی حرمت وعظمت کی پابندی کرنے والے، خود بھی پرامن زندگی بسر کرنے کے عادی ہوسکتے ہیں اور ساری دنیا کو امن کا پیغام دے سکتے ہیں، یہی گھر ہے جس کی ہدی (قربانی کے جانور) اور قلائد (قربانی کے جانوروں کے ہار) تک پیغام امن دیتے ہیں کہ جن مسافروں کے ہدی اور قلائد دیکھے جاتے ہیں ان کی طرف کوئی بری نظر نہیں اٹھاتا، وہ بے خوف ہو کر سفر کرتے ہیں، انہیں نہ لٹیروں کا ڈر ہوتا ہے، نہ دشمن کا خوف۔

ہدی اور قلائد کی اہمیت اگرچہ اس زمانہ میں تھی جب لوگ دور دراز سے جنگلوں، پہاڑی علاقوں اور ریگستانوں کو پیدل، یا اونٹوں پر سوار ہو کر عبور کرتے ہوئے، اللہ کے گھر کی طرف سفر کرتے تھے۔ عام طور پر قافلوں کو لوٹ لیا جاتا تھا لیکن ہدی اور قلائد والے اس لوٹ مار سے محفوظ ومامون رہتے تھے، آج کل اگرچہ یہ صورت نہیں تاہم حالت احرام میں دیکھ کر محرم کو جس عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے وہ انہی کے ساتھ خاص ہے، غیر مسلم ممالک سے جو مسلمان حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں، ان کے لئے ہر قسم کی خصوصی رعایت موجود ہیں، ایئرپورٹ وغیرہ پر غیر مسلم بھی انہیں عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں، یہ ہے اللہ کا گھر ''قِيٰمًا لِّلنَّاسِ''

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے گھر اور اس کے متعلقات کو ''قِيٰمًا لِّلنَّاسِ'' ''لوگوں کے لئے ذریعہ امن وامان اور قیام وبقاء'' اسی لئے بنایا ہے کہ لوگ اس کی قدرت کو جان لیں اور مان لیں کہ حقیقت میں ہر چیز کو جاننے والا اللہ ہی ہے، وہی مقلب القلوب ہے، جس سمت چاہتا ہے وہ لوگوں کے دلوں کو پھیر دیتا ہے، اس کے قوانین کی تاثیر کا مقابلہ دنیا والوں

Marfat.com

کے بنائے ہوئے قوانین سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اے ایمان والو! خوب جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے، ان لوگوں کے لئے جو حکم عدولی کرتے ہیں، جو بغاوت کرتے ہیں جو تکبر وغرور میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے، ان لوگوں کے لئے، جو اس کے احکام کی پابندی کرتے ہیں، اس کی اطاعت وفرمانبرداری ہی کو اپنی عظمت کا ذریعہ جانتے ہیں، جو انعاماتِ الٰہیہ سے مالا مال ہونے کے باوجود اس کے رحم وکرم کے امیدوار رہتے ہیں ان کی گردنیں جھکی رہتی ہیں، رب کے دربار میں رونا، گڑگڑانا، ان کا شیوہ ہے پس جو بندے ہمارے ہیں انہیں یہی راہ اختیار کرنا زیب دیتا ہے تا کہ وہ ہمارے سخت عذاب سے محفوظ رہیں اور ہماری مغفرت اور رحم وکرم کے سایہ تلے انہیں پُرسکون اور باعزت زندگی نصیب ہو۔ انہی ہدایات کے لئے ہم نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے اگر تم نے ان کی ہدایات کو اپنایا اور ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کی تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا اور اگر تم نے روگردانی اختیار کی تو رسول ﷺ کے منصب ومقام میں کوئی فرق نہ پڑے گا کہ ان کی ذمہ داری تو صرف تمہیں ہدایات دینا اور اللہ کا پیغام پہنچانا ہے اور انہوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا ہے۔

خبیث وطیب

آیات زیرِ گفتگو کی آخری آیت پر غور کیجئے، اللہ جل مجدہ بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کو ہدایت فرما رہا ہے، '' خبیث وطیب کو ایک جیسا نہ سمجھو اور نہ ہی خبیث کی تعجب خیز کثرت سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ خبیث، طیب سے بہتر ہے'' تم ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے سبب '' اولی الالباب'' عقل والے ہو تمہیں ایسی غلط فہمی زیب نہیں دیتی۔ پس خبیث خواہ کتنا ہی حسین اور پرکشش کیوں نہ ہو اس سے بچو اور طیب کو باوجود دشواریوں کے اختیار کرو یہی تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے۔

خبیث ہر وہ عقیدہ، عادت اور چیز ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے لئے حرام و ممنوع قرار دیا جبکہ طیب وہ عقائد، عادات اور اشیاء ہیں جن کو اختیار واستعمال کرنے کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا۔ عقیدۂ کفرو شرک خبیث ہے، عقیدہ توحید ورسالت طیب ہے، ظلم وستم، جبر واستبداد، مکروفریب، جھوٹ عادات خبیثہ ہیں، عدل و انصاف، صدق وامانت عادات طیبہ ہیں، شراب وجوا، سود، رشوت، حرام جانور خبیث ہیں، رزق حلال، حلال غذائیں طیب ہیں، اللہ جل مجدہ نے اپنے بندوں کے لئے خبائث کو حرام اور طیبات کو حلال کیا نیز اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا کہ وہ جن طیبات کو چاہیں اپنے غلاموں کے لئے حلال کر دیں اور جن خبائث کو چاہیں ان کے لئے حرام کر دیا۔

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف: ۱۵۷)

اور وہ (نبی امی) حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔

پس جو مرد وعورت خبائث کو اختیار کرتے ہیں وہ خبیث قرار پاتے ہیں اور جو طیبات کی پابندی کرتے ہیں وہ طیب کہلاتے ہیں، اللہ فرماتا ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ

Marfat.com

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ (النور:۲۶)

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ، اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ، اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔

یہ ہے خباثت کی تاثیر کہ اشرف المخلوقات انسان کو خبیث بنا چھوڑا اور یہ ہے طیبات کا اثر کہ اس سے انسان کے شرف کو مزید چار چاند لگ گئے تو خبیث وطیب ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں ایک دن آنے والا ہے جب اللہ خبیث کو طیب سے علیحدہ کر کے خبیثوں کو ان کے لئے آخری ٹھکانہ جہنم تک پہنچائے گا اور ان کا انجام نقصان وخسارہ ہوگا۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الانفال:۳۷)

تاکہ الگ کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں، یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

خباثت، کفر وارتداد میں ملوث خبیثوں کے لئے دائمی ٹھکانہ جہنم ہوگا جب کہ بدعملی وبدکرداری، فسق وفجور کے عادی خبثاء کو ان کے جرائم کے مطابق سزا بھگتنا ہوگی، تاہم خبیث چاہے کسی نوعیت کا ہو، خسارے اور نقصان ہی میں رہے گا۔

طیب ہر چیز کی قدر وقیمت کو بڑھاتا ہے جبکہ خبث جس چیز میں بھی پایا جاتا ہے اس کو بے قدر وکم قیمت بنا دیتا ہے، اس حقیقت پر قرآن گواہ ہے، فرمایا گیا:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ
(الاعراف:۵۸)

اور جو زمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی ہے اس سے (پیداوار) مگر قلیل، گھٹیا۔

زرخیز زمین کی قوت نمو کا اندازہ لگایئے کہ وہ اپنے اندر مدفون بیجوں میں سے ایک بیج بھی گلنے سڑنے نہیں دیتی، ایسی ہری بھری فصل اُگاتی ہے کہ کسان کو اس کی محنت کا پورا پورا پھل نصیب ہو جاتا ہے، اس کی ہریالی کو جو دیکھتا ہے اس کا دل خوش ہو جاتا ہے لیکن وہ زمین جس میں سیم وتھور کا خُبث ہوتا ہے اکثر بیجوں کو گلا سڑا دیتی ہے اس کی پیداوار نہایت ہی کم ہوتی ہے اور وہ بھی معیاری نہیں، پس '' کیسے کہا جا سکتا ہے کہ خبیث وطیب ایک جیسے ہیں۔''

خبیث کی بے وقعتی کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ '' جب حُرمتِ شراب کا اعلان ہوا، صرف شراب نوشی ہی نہیں بلکہ شراب فروشی بھی ممنوع قرار دے دی گئی تو ایک صحابی جو شراب کے بڑے تاجر تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ، میرے پاس کچھ دولت ہے جو شراب کی تجارت سے میں نے حاصل کی تھی، اگر میں اسے کسی نیک کام میں خرچ کر دوں تو کیا مجھے ثواب ملے گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تم اس سے حج

Marfat.com

کرو یا اس کو جہاد پر خرچ کرو تو اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی قیمت نہ ہوگی کہ اللہ پاک ہے اور حلال کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا'' ملاحظہ فرمایا آپ نے خبث کی کیا قدر و قیمت ہے، غور کریں وہ لوگ جو رشوت اور سود کی دولت سے حج کرتے ہیں، مساجد بناتے، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، صدقہ وخیرات اور قربانی کرتے ہیں اور اجرِ عظیم کے امیدوار ہوتے ہیں، ان لوگوں کو بھی سوچنا چاہئے جو رشوت خوروں، سودخوروں سے دینی اور مذہبی کاموں کے لئے چندہ مانگتے ہیں اور ان کا خبیث مال لے کر اٹھتے بیٹھتے جزاک اللہ کی رٹ لگائے ان کے لئے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتے ہیں، اس خبیث دولت کو دینی کاموں میں صرف کرنے سے بہتر ہے کہ کاموں کو روک دیا جائے اور مالِ طیب کا انتظار کیا جائے، اللہ ضرور ایسا کوئی دروازہ کھول دے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر آتے ہی اعلان فرمایا کہ جن لوگوں پر سابق امراء نے ناجائز ٹیکس لگا دیئے تھے وہ آج سے وصول نہیں کئے جائیں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ناجائز ٹیکسوں سے وصول شدہ جو دولت بیت المال میں موجود ہے وہ ٹیکس دہندگان کو واپس کی جائے، حکم کی تعمیل کی گئی، سرکاری خزانہ خالی ہو گیا، آمدنی محدود ہو گئی، مملکت کی معاشی حالت پُرخطر نظر آنے لگی، ایک صوبہ کے گورنر نے آپ کو خط لکھا اور معاشی بدحالی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ اب ہمارے لئے حکومت کا کاروبار چلانا حتی کہ تنخواہیں ادا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا، مردِ مؤمن عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے لکھا، کیا تم نے اللہ کا ارشاد فراموش کر دیا ہے کہ:

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ

تم سے پہلے ظلم وستم کے ذریعہ جتنا خزانہ بھرا گیا تھا، وہ مال خبیث تھا، اب تم عدل وانصاف اختیار کرو اور کوئی فکر نہ کرو، ہماری حکومتی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے، اللہ مال طیب کے دروازے کھول دے گا، تاریخ گواہ ہے کہ چند ہی دن بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو وہ وقت نصیب ہوا کہ آپ اعلان کراتے تھے کہ بیت المال میں زکوٰۃ کی دولت بہت جمع ہو گئی ہے، جو مستحقِ زکوٰۃ ہو وہ لے سکتا ہے، لیکن زکوٰۃ دینے والے تو بہت تھے، لینے والے بمشکل ہی کوئی ملتا تھا، یہ تھی طیب کی برکت اور اسلامی اصولوں پر معاشی نظام قائم کرنے کا انجام۔

کثرت خبیث پر تعجب

خبیث، تعداد و مقدار میں زیادہ بھی ہوتا ہے، سہل الحصول ہوتا ہے اور بظاہر حسین وجمیل بھی نظر آتا ہے، طبعاً انسان اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس میں مبتلا ہو کر خبیث بن جاتا ہے، اس میلان طبع کو روکنے والی کوئی چیز نہیں سوائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے جذبہ، اللہ کے خوف اور رسول ﷺ کی محبت کے یعنی وہی لوگ اس سے بچتے دور اور محفوظ رہتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا احساس ہوتا ہے، جن پر اللہ کا خوف طاری ہوتا ہے اور جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرتے ہیں جبکہ ضعیف الایمان لوگ خُبث کی ان خوبیوں کے سبب اس میں بہت جلد مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان لوگوں پر خُبثاء کی دولت، شان وشوکت اور آن بان کا جادو ایسا چلتا ہے کہ وہ اپنے مقام، اپنی حیثیت حتیٰ

Marfat.com

کہ اپنے دین وایمان تک کو فراموش کر دیتے اور خبثاء کی راہ کو اختیار کر لیتے ہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کا کرم ہے کہ اس نے اس دلدل میں پھنسنے سے پہلے ہی ہمیں آگاہ فرمادیا:

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (توبہ:۵۵)

پس نہ تعجب میں ڈال دے تمہیں ان کا مال اور نہ ان کی اولاد، یہی چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔ (پ ۱۰، توبہ، ۵۵)

دوسرے مقام پر ان خبثاء کی کشش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ (منافقون:۴)

جب تم انہیں دیکھو تو ان کے جسم تمہیں بڑے خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے ان کی بات سنو گے (جبکہ درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی طرح ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہیں۔

ان دونوں آیات کا مفہوم واضح ہے کہ کفار کے پاس دولت بھی ہوتی ہے، اولاد بھی ہوتی ہے وہ بظاہر چکنے چپڑے ہوتے ہیں، بڑے چرب زبان، شیریں بیان ہوتے ہیں لیکن خبیث ہیں جن کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے خبث کی وجہ سے انہیں ایسی دلدل میں دھنسا دیا ہے جس سے نکلنا اب اُن کے بس میں نہیں اور ان کی جان اسی حال میں نکلے گی، پس تم ان کے ظاہر حال کو دیکھ کر تعجب نہ کرو، اپنے رب کی اس آگاہی کے بعد تم ان کی حقیقت کو سمجھو، اُن سے دور رہو، تم نے ایمان کی دولت پاکر حیات طیبہ کو اختیار کیا، پس اسی پر صابر وشاکر رہو۔

ان آیات میں اگرچہ کفار ومنافقین (غیر مسلموں) کا حال بیان کیا جارہا ہے جو پیکرِ خبث ہیں لیکن جب مسلمان اس راہ کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ بھی خبث کی دلدل میں پھنس کر ایسا ہی خبیث بن جاتا ہے، دنیا کی ذلت وخواری اس کا مقدر بن جاتی ہے اور آخرت میں جرائم کی سزا اس کا نصیب ہوتی ہے، جسے بھگتنے کے بعد ایمان کے صدقہ میں اسے چھٹکارا ملے گا، بہرحال خبیث کی کثرت میں جاذبیت ہے جو انسان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، پس

اے ایمان والو: ۔ تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ تم ''کثرت خبیث'' پر تعجب نہ کرنا کہ اس کی حقیقت شراب سے زائد نہیں، تمہیں دولت ایمان میسر آچکی ہے جس نے تمہیں عقل سلیم بخشی ہے، ''اولی الالباب'' بنادیا ہے، شراب کی طرف دوڑنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ اس دریا کی طرف بڑھو، جس کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی تمہیں پیاس کے اضطراب سے نجات دے وہ دریا، قرآن وحدیث ہے جس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر تم خبث کی گندگی وغلاظت سے محفوظ ہو سکتے اور طیب بن کر سکون واطمینان سے عزت وآبرو کی زندگی بسر کر سکتے ہو۔

Marfat.com

ترقی زدگان کے لئے

قرآن کریم کی یہ ہدایت، ترقی زدہ لوگوں بالخصوص ان لوگوں کے لئے نہایت قابل غور ہے، جو مغربی ممالک میں آباد ہیں اور وہاں کی چمک دمک نے ان کی نظروں کو خیرہ کر دیا ہے، دینی تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے باعث انہیں ہر خبیث اچھا لگتا ہے، کثرتِ خبث پر صرف انہیں تعجب ہی نہیں ہوتا بلکہ خبث کو وہ تیزی سے اپنا کر خبیثوں میں شامل ہو رہے ہیں، ان جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں، لباس سے عاری ہو رہے ہیں، شراب میں مست ہیں، جوئے بازی اور سودخوری میں غرق ہو رہے ہیں، ان کا ایمان تک خطرے میں ہے کہ ذہنوں میں خبیث عقائد گھس رہے ہیں، کاش وہ مذہبی انداز پر نہ سہی دنیاوی انداز پر ہی سوچیں کہ جن خبیثوں سے وہ متاثر ہیں ان خبیثوں کی اپنی حالت کیا ہے، اللہ کی زمین کو گندا کرنے والے یہ خبیث، اس زندگی ہی میں اللہ کے عذاب میں مبتلا نظر آ رہے ہیں، منشیات اور جنسی بے راہ روی کے سبب یہ مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت ان کے معاشرے کا ایک حصہ ہے، جوئے بازی اور سود ان کے معاشی نظام کا کینسر بن گئے ہیں، معاشرتی نظام کا خاتمہ ہو چکا ہے کہ بھائی، بہن، شوہر، بیوی، والدین، اولاد تک کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہا ان میں باہمی حقوق کا تو کوئی تصور ہی نہیں۔

للہ ان خبیثوں کی سفید چمڑی کو نہ دیکھئے، ان کی چرب زبانی کے فریب میں مبتلا نہ ہو جائیے، ان کی عمارتوں اور شہروں کی ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہو جائیے، آپ ''اُولِي الْاَلْبَاب'' ہیں، حقیقت پر غور کیجئے تو پردہ اٹھے گا اور پتہ چلے گا کہ یہ تو ''خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ'' ہیں، ان میں کوئی جان نہیں مردے ہیں یہ کسی کو زندگی کیا دے سکتے ہیں، اللہ خبیث کے فریب سے محفوظ رکھے اور حیات طیبہ عطا فرمائے (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

درودِ شفاء

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَآئِھَا وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَآئِھَا
وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَآئِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ ؕ

اسی (80) سال کی عبادت کا ثواب

جمعہ کے دن جہاں نمازِ عصر پڑھی ہو اس جگہ اٹھنے سے پہلے اسی (80) مرتبہ یہ درود شریف پڑھنے سے اسی 80 سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسی 80 سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ (فضائلِ درود)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ

النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا ؕ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۲

المائدہ:۱۰۱۔۱۰۲

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ؕ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَھَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِکُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِھَا کٰفِرِیْنَ ۝ (مائدہ:۱۰۱۔۱۰۲)

اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر ہو جائیں تمہارے لئے تو بُری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جبکہ اتر رہا ہے قرآن کریم تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لئے، معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا حلم والا ہے، تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر ہو گئے وہ ان احکام کا انکار کرنے والے۔

کثرتِ سوال کی مُمانعت

اسلام کا ابتدائی دور تھا، صحابہ کرام کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دین کی معلومات حاصل کریں اور ان کا ہر عمل، اللہ اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق ہو لہٰذا وہ صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسا اوقات

Marfat.com

سوالات کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات وہ ایسے سوال کر بیٹھتے تھے کہ جن کا جواب نہ صرف ان کے لئے بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے تکالیف و دشواری کا سبب بن سکتا تھا، مثلاً:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا ہے، پس حج کیا کرو'' ایک صحابی (اقرع بن حابس) نے سوال کیا ''اَکُلَّ عَامٍ'' یا رسول اللہ ﷺ، کیا حج ہر سال فرض ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام خاموش رہے، یہاں تک کہ سائل نے تین مرتبہ سوال کیا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''لَوْ قُلْتُ نَعَم لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ'' اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی فرض ہو جاتا پھر فرمایا: ''جن چیزوں کی تفصیل میں چھوڑ دیا کروں، تم ان کے متعلق سوال مت کیا کرو'' ''فَاِنَّمَا هلک مَن قَبلکُم بکثرۃ سُؤالِهِم'' کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے بکثرت سوال کیا کرتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر بقدر استطاعت عمل کیا کرو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دیا کرو۔ (مسلم شریف)

یہی طریقہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' رسول جو دیں لے لو اور جس سے روک دیں رک جاؤ، نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے کثرت سوال سے اپنے غلاموں کو روکنے کے لئے ایک موقع پر ارشاد فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے کچھ فرض مقرر کئے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو، بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے ان کی پردہ دری نہ کرو اور بعض حدیں مقرر کر دی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو'' ''وَسَکَتَ عَنْ اَشْيَآءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا'' اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکوت فرمایا ہے، ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے سوالات کے جوابات دیتے رہتے تھے کہ آپ ﷺ ایسے معلم ہیں جن کے علم کی کوئی حد و انتہا نہیں، تاہم آپ ﷺ ان کی بال کی کھال نکالنے کی عادت کو پسند نہ فرماتے تھے اور ایسے سوالات سے آپ ﷺ کو الجھن ہوتی تھی، پس ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا اور فرمایا ''تَسْأَلُوْنِی الْیَوْمَ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا بَیَّنْتُهُ لَکُمْ'' آج تم جس چیز کے متعلق مجھ سے سوال کرو گے وہ میں تمہیں بتا دوں گا، صحابہ کو آپ ﷺ کی ناگواریٔ خاطر کا احساس ہو چکا تھا، لہٰذا سب دم بخود آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے، کسی میں سوال کرنے کی جرأت نہ تھی لیکن حضرت عبداللہ بن حذیفہ نے موقع غنیمت جانا۔ لوگ ان کے نسب کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے رہتے تھے، انہوں نے چاہا کہ آج یہ بات واضح ہو جائے پس ہمت کی اور عرض کرنے لگے، ''مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیک وسلم، میرا باپ کون ہے، اس سوال پر، خداداد علم وسیع کے مالک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو خاموش ہوئے اور نہ یہ فرمایا کہ کوئی شرعی مسئلہ پوچھو بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اَبُوْکَ حُذَیْفَةُ'' تمہارے باپ حذیفہ ہیں، عبداللہ بن حذیفہ کی ماں بھی موجود تھیں، بیٹے کا سوال سن کر کانپ گئیں اور کہنے لگیں کہ تجھ سے زیادہ نافرمان اولاد کوئی نہیں ہو سکتی اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کسی اور کو تیرا باپ بتا دیتے تو میں کس قدر رسواء ہو جاتی، حضرت عبداللہ کو اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم خداداد پر اتنا اعتماد تھا کہ کہنے لگے کہ ''اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کا بیٹا بتاتے تو میں اسی پر یقین کرتا، اس دن

Marfat.com

کے بعد حضرت عبداللہ بن حذیفہ کے نسب کے متعلق لوگوں کی زبانیں بند ہوگئیں۔

بہرحال اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے غلاموں کے لایعنی اور غیر ضروری سوالات پسند نہ تھے، پس اللہ کریم نے ایسے سوالات کی ممانعت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسے سوالات مت کیا کرو، جن کے جوابات کے بعد تم پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ، دیکھو نزول وحی کا سلسلہ جاری ہے، کہیں تم سخت احکام میں مبتلا نہ کر دیئے جاؤ کیونکہ ماضی میں لوگ ایسے ہی سوالات کے باعث دشواریوں میں مبتلا کیے گئے۔ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوالات کئے، اللہ کے احکام ان کے لئے سخت ہو گئے، پھر وہ ان کی تعمیل نہ کر سکے انکار اور فرار کی راہ اختیار کرنے لگے، پس بہتر یہی ہے کہ شرعی احکام جیسے دیئے جائیں، ان کی آسان ترین صورت پر پابندی کرو۔

واقعہ ذبح بقرہ

پچھلی امتوں میں سب سے زیادہ بنی اسرائیل اس کے عادی نظر آتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طرح طرح کے بے تکے اور غیر ضروری سوالات کرتے رہتے تھے، اسی نوعیت کا ایک واقعہ ''ذبح بقرہ'' کا ہے، جو سورۂ بقرہ کی آیات ۶۷ تا ۷۳ میں مذکور ہے اور اس واقعہ ہی کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام ''سورۂ بقرہ'' رکھا گیا، ان آیات اور احادیث کی روشنی میں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک نہایت دولت مند بوڑھا تھا، جس کا ایک ہی بیٹا تھا، بوڑھے کے بھتیجے نے اس لڑکے کو قتل کر دیا تاکہ وہ اس کی دولت کا وارث قرار پائے، قاتل کا پتہ چلانے کی کوشش کی گئی لیکن پتہ نہ چل سکا، کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ آپ رب سے دعا کریں کہ ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب سے دعا کی اور انہیں بتایا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک لوتھڑا مقتول پر مارو، پس اللہ کی قدرت سے مقتول زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا، پہلے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا'' کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں، آپ نے فرمایا، اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں کے گروہ میں شامل ہوں، پھر وہ گائے کے متعلق لگے طرح طرح کے سوالات کرنے، وہ گائے کس عمر کی ہونی چاہئے، جواب ملا ''لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ'' بوڑھی ہو، نہ بچی، بلکہ درمیانی عمر کی ہو، گائے کا رنگ کیسا ہو، جواب ملا، ''صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ'' خوب گہری زرد رنگ کی گائے ہو، جو دیکھنے والوں کے لئے فرحت بخش ہو، عام گائے ہو یا کوئی مخصوص اور عجیب و غریب، جس میں قاتل کا پتہ چلانے کا کوئی خاص اثر ہو جواب ملا ''اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا'' وہ گائے جس سے کام نہ کرایا گیا ہو، زمین میں ہل چلانے اور کھیتی میں پانی دینے کا، بے عیب اور بے داغ ہو۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان کے سوالات نے ان کے لئے ان کے کام کو کتنا دشوار بنا دیا، نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل سوالات نہ کرتے تو اتنی قیود میں مبتلا نہ ہوتے، جیسی بھی گائے ذبح کر دیتے، ان کا کام ہو جاتا۔

بہرحال وہ اس مخصوص گائے کی تلاش میں نکلے تو بسیار دشواریوں کے بعد انہیں پتہ چلا کہ فلاں جگہ ایسی گائے

Marfat.com

موجود ہے۔جس کا واقعہ یہ تھا کہ اُسی قوم میں ایک نیک غریب تھا، جس کے پاس صرف بچھیا تھی، جب یہ شخص مرنے لگا تو اس نے اللہ کے دربار میں عرض کی، مولا تو جانتا ہے کہ میرا ایک چھوٹا بچہ ہے، میں غریب ہوں، میرے پاس اپنے بچے کے لئے اس بچھیا کے سوا کچھ نہیں، پس میں اسے تیری حفاظت میں دیتا ہوں، تو میرے بچے کو اس بچھیا سے ہی ایسی برکت عطا فرمانا کہ وہ ساری زندگی محنت ومشقت سے آزاد رہے، (اللہ اپنے نیک بندوں کی سنتا ہے، دل سے نکلی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے)، یہ بچھیا جنگل میں پرورش پاتی رہی، بیٹا جوان ہو گیا، گائے بنی اسرائیل کی ضرورت کے عین مطابق تھی، وہ بڑی ہی تگ ودو کے بعد اس تک پہنچے تھے، انہوں نے اپنی ضرورت بتائی اور گائے کو خریدنا چاہا، اللہ کے دربار میں نیک بندے کی درخواست قبول ہو چکی تھی، لڑکے کی بوڑھی ماں نے کہا، اگر تمہیں گائے کی ضرورت ہے، تو لے لو، اس کو ذبح کر لو، اس کی کھال اتارو، اسے سونے سے بھرو، بس یہ سونا اس کی قیمت ہے، ایسا ہی کیا گیا، وہ جس کی شان "وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" ہے جہاں سے چاہتا ہے رزق عطا فرما دیتا ہے، اس کے خزانے میں نہ کمی ہے نہ کمی ہوتی ہے، لڑکا مالا مال ہو گیا، باپ کی دعا کے طفیل ہمیشہ کے لئے کسب معاش سے آزاد ہو گیا، ادھر بنی اسرائیل کا کام بھی بن گیا، انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل کی، گائے ذبح کی، اس کا ایک لوتھڑا مقتول پر مارا، مقتول زندہ ہوا اور اپنے قاتل کا نام بتا کر دوبارہ مر گیا، تاہم بنی اسرائیل غیر ضروری سوالات کے سبب بڑے خسارے میں رہے کہ انہیں تعمیل حکم کے لئے بھاری رقم خرچ کرنا پڑی۔

اس خسارے کے باوجود بھی ان کی عادت ختم نہ ہوئی اور وہ اپنے نبی سے سوالات کرتے ہی رہے، حتیٰ کہ انہوں نے بڑی جرأت کی اور نوبت بایں جا رسید کہ "فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً" انہوں نے ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھاؤ، انہیں اس دریدہ دہنی کی فوراً سزا ملی "فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ" تو ان کے ظلم کے سبب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا کہ بجلی کی ایک کڑک نے انہیں جلا کر خاکستر کر ڈالا (الامان والحفیظ)

بہر حال صحابہ کرام کو غیر ضروری سوالات کی عادت سے روکا گیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا "عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا" کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا جو ماضی میں ایسا کر چکے ان سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، یہ عظمت صحابہ کی حفاظت کا اہتمام ہے، قرآن کریم میں کئی بار یہ جملہ ایسے ہی مقامات پر آتا ہے جہاں صحابہ پر انگشت نمائی کا تھوڑا سا بھی امکان ہو کہ اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ پر تنقید اور انگشت نمائی کو پسند نہیں فرماتا۔

غیر ضروری سوالات

ہدایت مذکورہ اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص تھی کیونکہ اس وقت سلسلہ وحی جاری تھا، صاحب شریعت صلی اللہ علیہ اپنی حیات ظاہرہ میں رونق افروز تھے، سوالات کی کثرت سے یہ ممکن تھا کہ احکام سخت ہو جائیں، جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا تھا لیکن اب جبکہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا، باب نبوت ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا، دین مکمل ہو چکا، عامتہ المسلمین کو اگرچہ علماء دین سے سوالات کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا، "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اگر تم نہیں جانتے تو علماء دین سے پوچھ لیا کرو لیکن غیر ضروری سوالات، جن سے نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا، اب بھی کرنا مناسب نہیں، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا کیا نام تھا، حضرت آدم علیہ السلام کا قد کتنا تھا، ان کا رنگ کیسا

Marfat.com

تھا، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول وعرض کتنا تھا، یہ فضول سوالات ہیں، جن میں ذہنوں کو الجھانے کا کوئی فائدہ نہیں، اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے اور علماء کا قیمتی وقت بھی ضائع کرنا ہے، بالخصوص جبکہ سوال کرنے والوں کو دیگر دینی معلومات کی ضرورت ہو، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کی گفتگو کے متعلق ارشاد فرمایا'' مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ ''مسلمان ہونے کی خوبی یہ ہے کہ آدمی غیر ضروری باتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔

مسلمان کو زیب یہی دیتا ہے کہ جب بھی اسے موقع ملے وہ دین سیکھنے، اپنی اور اپنے اہل خانہ کی اصلاح کی باتیں سیکھنے کی کوشش کرے، آج ہمیں بمشکل ہی علماء کی صحبت نصیب ہوتی ہے، اس کو بھی ہم غیر ضروری باتوں میں ضائع کر دیں، اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے، ہمیں نہ کھانے پینے کے آداب آتے ہیں، نہ سونے جاگنے کا شرعی طریقہ معلوم ہے، نہ ایک دوسرے کے حقوق کا ہمیں پتہ ہے، ہم نہیں جانتے کہ اولاد پر والدین کے حقوق کیا ہیں، یا والدین کو اولاد کی تربیت کس طرح کرنا چاہئے، ہم نہیں جانتے کہ بحیثیت شوہر ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں، اور ایک اچھی بیوی پر گھر کی ذمہ داریاں کیا ہیں، ہمیں تو طہارت و پاکیزگی، وضو اور غسل کے سطحی مسائل تک نہیں معلوم، نماز روزہ اور دیگر عبادات کی ادائیگی کے صحیح طریقوں سے ہم واقف نہیں، کیا یہ تمام اہم عنوانات علماء سے گفتگو کے لئے کم ہیں، جو ہم پچھلی امتوں اور پچھلے انبیاء سے متعلق گفتگو میں اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں، عام لوگوں کو تو غیر ضروری کتابوں کے مطالعہ کی بھی اجازت نہیں، پس مناسب ہوگا کہ علماء کی صحبت کو غنیمت جان کر اُن سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے، جب آپ علماء کے پاس سے اٹھیں تو آپ کا ضمیر مطمئن ہو اور آپ کو احساس ہو کہ میں نے آج کچھ سیکھا ہے، ایسی باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں جو میں دوسروں کو بتا کر تبلیغ دین کا ثواب حاصل کر سکتا ہوں، جن سے میں اپنی اور اپنے اہل خانہ کی اصلاح کر سکتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَاءِهَا

رات کی ایک گھڑی میں علم کا پڑھنا پڑھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب آپ علماء کی صحبت میں ہوتے ہیں تو آپ کو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ضرور ضرور یہ عظمت حاصل ہوتی ہے لیکن اسی وقت جب آپ اس وقت کو غیر ضروری سوالات میں ضائع نہ کر رہے ہوں، بلکہ دین کی باتیں سیکھنے میں مصروف ہوں، اللہ توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۳

المائدہ:۱۰۵

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کی فکر لازمی ہے، نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، اپنے ایمان کو مضبوط کرو، اپنے اعمال کو درست کرو، علم و عمل سے اپنے آپ کو لیس کرلو، جب تم مسلح ہو جاؤ گے تو تمہیں نقصان پہنچانے کی کسی کو جرأت نہ ہوگی، اگر تم اپنی راہ پر مطمئن ہو، مضبوطی سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہو، تو تمہیں کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، کوئی نہیں بھٹکا سکتا، دین کا پیغام پھیلاتے رہو، کفر و شرک، فسق و فجور، بدعات اور برائیوں کے خلاف جہاد کرتے رہو، پھر کوئی تمہاری دعوت قبول نہ کرے تو ہرگز غم زدہ نہ ہو، ایک دن سب ہی کو اللہ کے دربار میں حاضر ہونا اور اپنے کئے ہوئے اعمال کی جزاء و سزا پانا ہے، اس دن پتہ چل جائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون گمراہ تھا۔

Marfat.com

اصلاحِ نفس:۔ اپنے ایمان کی حفاظت اور دوسروں کو دین کی دعوت دینے کے لئے اصلاحِ نفس لازمی ہے، یعنی ایمانیات و اعتقادات پر پوری طرح ایسا مطمئن ہونا کہ کوئی ان کے خلاف کتنے ہی دلائل پیش کر دے لیکن مؤمن کے ایمان و اعتقاد میں تذبذب نہ آنے پائے، گویا وہ ایسا پہاڑ بن جائے کہ کوئی طوفان اسے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے، اس کا عمل و کردار، ایک بے داغ سفید چادر کی طرح، صاف ستھرا ہو کہ اس پر کوئی انگشت نمائی نہ کر سکے، عبادات کی پابندی میں وہ اتنا محتاط ہو کہ کسی حال میں اس سے غافل نہ ہونے پائے، اب یہ مؤمن اللہ کا ایسا سپاہی ہو جاتا ہے، جس میں اپنے دین کی حفاظت کے ساتھ دین کی دعوت دینے اور اس کی اشاعت کرنے کی پوری پوری صلاحیت اور طاقت موجود ہوتی ہے، اب یہ کسی فریب میں مبتلا نہیں ہو سکتا، کوئی اسے صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹا سکتا، ایسے ہی مؤمنین کے لئے قرآنی مژدہ ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۳۹)

اور نہ ہمت ہارو، اور نہ غم کرو اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔

یہ مژدہ انہی مؤمنین کاملین کے لئے ہے جو اپنی اصلاح کر کے پوری طرح لیس ہو کر میدان میں آتے ہیں، یہ آگے بڑھتے رہتے ہیں اور انہیں غیبی ندا آتی رہتی ہے ہمت نہ ہارو، غم نہ کرو، کامیابی و کامرانی تمہارا مقدر بن چکی ہے، ان مؤمنین کی صف اول میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو ایمانی قوت سے لیس ہو کر آگے بڑھتے رہے اور ہر دور میں کامیاب و کامران رہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دہکتے انگاروں پر، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے پھانسی کے تختہ پر مسکراتے ہوئے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے نیزہ سے اپنا جسم گھائل کرا کر، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹوں سے اپنا بدن چروا کر، مجاہدین بدر نے بے سروسامانی کی حالت میں جو عظیم فتح حاصل کی، اس سے ثابت ہے کہ ایمان کی قوت دنیا کی ساری مادی قوتوں سے توانا ہے، جسے یہ نصیب ہو جائے دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، بدر، خندق، حنین کے غزوات، یمامہ، قادسیہ، نہاوند اور کربلا کے معرکے محمد بن قاسم، طارق، غزنوی اور غوری کی فتوحات، اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں، حضرات اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی دینی تحریکوں میں نہایت ناسازگار حالات کے باوجود کامیابیاں جن کے اثرات آج تک موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے، اسی اصلاحِ نفس اور کمالِ ایمان کا فیضان ہے، اعلان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ (اعلیٰ:۱۴، ۱۵)

بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

قلب کو رذائل سے پاک و صاف کر لینا اور اسے اللہ کے ذکر کا عادی بنا دینا تزکیہ ہے، جس کا ظاہری اثر، عبادات کی پابندی ہے۔ جس کے بعد قلب انوارِ الٰہی کی تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے اور جو قلب تجلیات باری کا مرکز بن گیا، کامیابی و کامرانی اس کا حصہ ہوتی ہے۔

وضاحت:۔ ''عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ'' کی ہدایت سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ صرف اپنے نفس کی اصلاح ہماری ذمہ داری قرار دی گئی، اس کے علاوہ ہمیں کسی سے کوئی سروکار نہیں، ہم پر کسی کی ذمہ داری نہیں، ہماری اولاد کچھ کرے، ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہمارے

Marfat.com

معاشرے میں کتنی ہی برائیاں جنم لیتی رہیں ہمارا کوئی تعلق نہیں، ایسا بالکل نہیں بلکہ ''عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ'' کی ہدایت اپنے نفس کی اصلاح کے ساتھ، اپنے ماحول کے ان تمام افراد کی اصلاح کو شامل ہے، جن کی اچھائی یا برائی سے متاثر ہوئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے غور فرمایئے کیا ہم صالح اور متقی کہلائے جاسکتے ہیں، اگر ہمارے اہل خانہ دین سے دور ہوں، برائیوں میں مبتلا ہوں، اسی طرح کیا ہم ایسے معاشرے میں خود کو اور اپنی اولاد کو دین کی راہ پر گامزن رکھ سکتے ہیں، جو برائیوں اور بدکاریوں سے بھرا ہوا ہو، ہرگز ممکن نہیں پس ''عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ'' کے وسیع معنی پر غور کیجئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ''اَنۡفُسَكُمۡ'' میں وہ نفوس شامل ہیں، جن سے ہمارا دینی رشتہ ہے، ان کی اصلاح حقیقتاً اپنی ہی اصلاح ہے، ان کی ہدایت حقیقتاً اپنی ہی ہدایت ہے، ان کی ضلالت و گمراہی حقیقتاً اپنی ہی ضلالت وگمراہی ہے، جب تک پورا معاشرہ پاک وصاف نہ ہو کوئی ایک فرد پاک وصاف نہیں ہوسکتا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ''عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ'' کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ تم اپنے واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو، جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اہم ترین واجبات ہیں جن کو قرآن کریم نے امت مسلمہ کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا کہ ''عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ'' کے ارشاد سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ تم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نہیں بلکہ سنو جو میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا، آپ نے فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الۡمُنۡكَرَ وَلَمۡ يُغَيِّرُوۡهُ يُوۡشَكُ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡ يَّعُمَّهُمۡ بِعِقَابِهٖ

لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کردے۔ (ابن ماجہ)

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنۡ رَّاٰى مِنۡكُمۡ مُنۡكَرًا فَلۡيُغَيِّرۡهُ بِيَدِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهٖ وَذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِيۡمَانِ

جو تم میں سے برا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (مسلم)

برائی کو مٹانا، برا جاننا، مؤمن کی ذمہ داری ہے، ہو سکے تو ہاتھ سے مٹائے یعنی برائی کرنے والے کو سزا دے، یہ حکام کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے سے برائی ختم کرنے کے لئے شرعی سزائیں نافذ کریں، زبان سے بُرائی کو بُرا کہنا اور اس کو روکنے کی کوشش کرنا، علماء اور جرأت مند مؤمن کا کام ہے، کمزور ترین ایمان رکھنے والوں یا جنہیں معاشرے اور حالات نے کمزور کردیا ہو، ان کی کم از کم اتنی ذمہ داری تو ہے کہ وہ بُرائی کو بُرا جانیں، بُروں سے قلبی طور پر نفرت کریں، ممکن ہو تو ان سے دوری اختیار کریں۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے سنا:

Marfat.com

مَا مِنْ رَّجُلٍ يَكُوْنُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا

کسی قوم (قبیلہ یا خاندان) کا کوئی آدمی ان کے درمیان بُرائیوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت کے باوجود اس کی اصلاح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے سے پہلے (دنیا ہی میں) عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ (ابوداؤد)

اے ایمان والو! اپنی اصلاح کرو اور اس ذمہ داری کو نہ بھولو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہاری خصوصیت ہے، پس تم اپنے اہل وعیال، اپنے خاندان اور معاشرے کی اصلاح کے بھی ذمہ دار ہو کہ جب تک معاشرہ بُرائیوں سے پاک نہیں ہوتا، محض چند افراد کی اصلاح سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، وہ عزت و وقار نصیب نہیں ہو سکتا جو اصلاح نفس کا نتیجہ ہے، ہاں دین کا پیغام پہنچانے اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کرنے کے باوجود بھی تمہاری توقع کے مطابق نتیجہ برآمد نہ ہو تو تم ان کی فکر میں مبتلا نہ ہو، اپنا کام پوری دل جمعی کے ساتھ جاری رکھو، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۴

المائدہ:۱۰۶تا۱۰۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ
بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ
عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ
بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾

(المائدہ:۱۰۶تا۱۰۸)

اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آجائے کسی کو تم میں سے موت، وصیت کرتے وقت

Marfat.com

(یہ ہے کہ) دومعتبر شخص تم میں سے ہوں، یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو، زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت روکو ان دو گواہوں کو نماز کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ داری ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گناہ گاروں میں (شمار) ہوں گے پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے، پہلے گواہوں نے اور قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے۔ ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں) تو بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے، یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ گواہی دیا کریں جیسا کہ چاہئے، یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

ایک دشواری

بعض مفسرین کے خیال کے مطابق یہ تینوں آیتیں اعراب، نحوی ترکیب، معنی اور مفہوم کے اعتبار سے مشکل ترین آیات ہیں، قُراء کے لئے ان کی تلاوت بہت مشکل اور علماء کے لئے ان کو سمجھانا بہت دشوار ہے، ہمارے لئے اس انداز پر ان آیات کا مفہوم پیش کرنا دشوار ہو رہا ہے جو ہم نے اپنی اس کتاب کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، تاہم اگر اللہ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی دشواری دشواری نہیں رہتی، پس ہم بوسیلہ جلیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ ہم وہ انداز اختیار کر سکیں، جس سے ہمارے قارئین، آیت کا مفہوم بآسانی سمجھ لیں، **وباللہ التوفیق وبہ نستعین بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔**

عنوان آیات

وصیت پر گواہ مقرر کرنا اور ان سے گواہی لینے کا طریقہ ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والا، اگر اپنے اہل خانہ، اعزاء واقربا سے کہیں دور نہیں ہے تو وہ اپنے خاندان کے لوگوں ہی میں سے دو آدمیوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنا دے۔ لیکن اگر وہ حالت سفر میں ہے اور اچانک بیمار ہوا، اسے خطرہ ہوا کہ یہ مرض موت کا سبب بن سکتا ہے۔ تو جو بھی ملے انہیں گواہ بنا دے، بس گواہ شرعی معیار کے ہونے ضروری ہیں قابل اعتبار، خوفِ خدا رکھنے والے، ہر معاملہ میں عدل وانصاف کرنے والے۔

گواہوں نے مردہ کے وارثوں کو وصیت پہنچائی اور وہ مطمئن ہو گئے تو اس صورت میں تو کسی قانون یا طریقہ کی ضرورت ہی نہ رہی لیکن اگر وارثوں کو وصیت پر اطمینان نہ ہوا اور انہیں شک ہوا کہ گواہوں نے مردہ کی وصیت میں کوئی کمی یا زیادتی کی ہے، تو اس کے لئے یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ

وارث ان گواہوں کی حکام سے شکایت کریں، حکام انہیں طلب کریں، انہیں کسی نماز کے وقت تک روکے رکھیں

Marfat.com

(بہتر وقت عصر کا ہے) بعد نماز انہیں نمازیوں کے سامنے کھڑا کیا جائے اور ان سے قسم لی جائے کہ انہوں نے مردہ کی وصیت اس کے وارثوں کو بالکل صحیح، مردہ کی مرضی کے مطابق پہنچائی ہے، گواہ اس طرح قسم کھائیں کہ "اللہ کی قسم، ہم جو گواہی دے رہے ہیں، اس میں ہم نے دولت کے لالچ میں، کوئی کمی زیادتی نہیں کی اگر ہمارا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تب بھی ہم یہی گواہی دیتے، نہ ہی ہم اللہ کی گواہی کو چھپانے کا جرم کر رہے ہیں، اگر ہم ایسا کریں (تو ہم جانتے ہیں کہ) ہم گناہ گار ہوں گے۔"

جب گواہ یہ قسم کھالیں تو انہیں سچا تسلیم کرنا ہوگا، مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا، انہیں باعزت بری کیا جائے گا اور وُرثاء کو ان کی گواہی پر مطمئن ہونا ہوگا، پھر وہ ان پر کوئی الزام لگانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اب اسی مقدمہ کی ایک امکانی صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد "کسی طرح وارثوں کو یہ پتہ چلا کہ گواہوں نے سزا سے بچنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تھی، پس وہ حاکم سے شکایت کریں، حاکم پھر ان دونوں گواہوں کو طلب کرے اور نماز کے بعد ان وارثوں میں سے دو کو کھڑا کرے، جنہوں نے گواہوں کی سچائی کا انکار کیا ہے، وہ اس طرح قسم کھائیں، اللہ کی قسم، ہم جو گواہی دے رہے ہیں، وہ پہلے دو گواہوں سے زیادہ سچی ہے، ہم شرعی حد سے تجاوز کرتے ہوئے کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگا رہے، اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے" اس کے بعد وہ ثابت کریں کہ انہوں نے کس طرح وصیت کے گواہوں کی قسم کا انکار کیا ہے، اب فیصلہ وارثوں کے حق میں ہوگا۔

بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قسم سے مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ وہی مقدمہ جاری کرنے اور پھر قسم سے فیصلہ دینے کی اجازت کیوں دی گئی تو اسی حکمت کو آخری آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اس طرح وصیت کے گواہوں کو جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ بات ہماری قسم پر ختم نہیں ہو جائے گی، اگر ہم نے جھوٹی قسم کھالی اور بعد میں کسی وقت بھی میت کے وارثوں کو ہمارے جھوٹ کا پتہ چل گیا تو انہیں بھی قسم کا حق حاصل ہوگا اور پھر ہم عامۃ المسلمین کے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے، قانون ہمیں سزا دے گا اور اللہ کے دربار میں بھی ہم آثمین اور مجرمین کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

یہ ہے وصیت پر گواہ مقرر کرنے اور بصورت شک، گواہوں سے گواہی لینے کے متعلق قرآنی قانون، جس کو اللہ رب العزت نے خصوصی طور پر اہلِ ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک کے لئے نازل فرمایا اور آخر میں خصوصی ہدایت فرمائی کہ

اے ایمان والو! زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس کے تمام احکام کو غور سے سنو، اطاعت وفرمانبرداری کرو اور سچے مسلمانوں کی طرح، شریعت مطہرہ کی پابندی کرتے ہوئے زندگی کا لطف اٹھاؤ، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو بڑے ہی نقصان میں رہو گے، ایمان کی عظمت اور اسلام کی برکتوں سے محروم رہو گے۔ کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ فسق وفجور میں مبتلا لوگوں کو ہم کبھی منزلِ مراد تک نہیں پہنچاتے، وہ اپنے گناہوں کی تاریکی میں ٹھوکریں ہی کھاتے رہتے ہیں، ان کی زندگی میں نہ توازن رہتا ہے نہ اطمینان وسکون اور نہ ہی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کی نظروں میں ان کی عزت رہتی ہے۔

خاص واقعہ

وہ خاص واقعہ بھی ملاحظہ ہو جو احکامِ مذکورہ کے نزول کا سبب بنا، اس سے آیات کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔

Marfat.com

تمیم بن اوس داری اور عدی بن زید دونوں اس وقت عیسائی تھے، ہر سال بسلسلہ تجارت شام جایا کرتے تھے، حضرت بُدیل بن مریم، جو حضرت عمرو بن عاص کے غلام تھے، ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے، شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا، انہوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان تم میرے گھر پہنچا دینا، فہرست کا کوئی ذکر نہ کیا، بُدیل کا انتقال ہو گیا دونوں گواہوں نے ان کا سامان اپنے پاس رکھ لیا، ایک دن سامان میں ان کی نظر ایک قیمتی خوبصورت پیالے پر پڑی جو چاندی کا تھا، سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے، بدیل یہ پیالہ شام کے بادشاہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے ہی وفات پا گئے، دونوں کی نیت خراب ہوئی، سوچا کسی کو کیا پتہ چلے گا، چھپی ہوئی فہرست کا تو انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا، بس پیالہ اڑا لیا، باقی سامان مدینہ پہنچ کر ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا، جب سامان کھولا گیا تو فہرست بھی نکلی، جس میں چاندی کے ایک پیالہ کا بھی اندراج تھا، جو سامان میں موجود نہ تھا، چند ورثا تمیم وعدی کے پاس آئے اور پوچھا کیا، بُدیل نے اپنا کچھ سامان فروخت کیا تھا انہوں نے کہا نہیں، پوچھا کیا وہ بہت بیمار ہوئے تھے اور انہوں نے علاج کے لئے کوئی چیز فروخت کی تھی، جواب ملا نہیں، پوچھا کیا تم دونوں نے بدیل سے کوئی چیز خریدی تھی، کہا نہیں، تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ سوالات تم سے اس لئے کر رہے ہیں کہ بدیل کے سامان میں ایک فہرست نکلی ہے، جس میں ایک چاندی کے پیالے کا بھی ذکر ہے جو اس میں موجود نہیں، آخر وہ کہاں گیا، ان دونوں نے بڑی صفائی سے کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے نہ ہمیں کسی فہرست کا علم اور نہ ہمیں یہ معلوم کہ کیا کیا سامان تھا، ہم نے تو بدیل کی وصیت کے مطابق اس کا سب سامان تمہارے سپرد کر دیا، ان وُرثاء نے یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا، آپ ﷺ نے تمیم اور عدی کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قسم کھاؤ انہوں نے مجمع عام میں قسم کھالی اور بری ہو گئے، وُرثاء کو فیصلہ قبول کرنا پڑا اور یہ مقدمہ یہاں ختم ہوا۔

اب دوسرا مقدمہ شروع ہوتا ہے کہ بدیل کے ورثاء میں سے کوئی مکہ معظمہ گیا، انہوں نے وہاں ایک دولت مند شخص کے پاس بعینہٖ وہی چاندی کا پیالہ دیکھا جس کا فہرست میں ذکر تھا انہوں نے اس سے پوچھا کہ پیالہ بہت حسین ہے تم نے کہاں سے خریدا؟ اس شخص نے صاف بتا دیا کہ میں نے یہ پیالہ ایک ہزار درہم میں تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے، بدیل کے ورثاء نے پھر سرکار کے دربار میں مقدمہ دائر کر دیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ یا تو ہمیں پیالہ دلایا جائے، یا وہ رقم جو اس سے حاصل کی گئی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمیم وعدی کو طلب فرمایا اور بدیل کے ورثاء میں سے دو کو حکم دیا کہ اب تم قسم کھاؤ کہ جو پیالہ تم نے دیکھا وہ بدیل کا ہے اور تمیم وعدی نے جھوٹی قسم کھائی تھی، ان لوگوں نے قسم کھالی، تمیم وعدی پر جرم ثابت ہوا، انہیں پیالہ سے وصول شدہ رقم، بدیل کے ورثا کو دینی پڑی۔

دین کامل

قرآن کریم کے ان احکام پر غور کیجئے تو یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے کہ بحمد اللہ ہمارا دین ایسا کامل ومکمل ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اس سے رہنمائی حاصل نہ کی جاسکتی ہو، بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ یہ ایک ایسا نور ہے، جو مؤمن کو کسی لمحہ تاریکی میں نہیں چھوڑتا، اب یہ مؤمن کا اپنا عمل ہے کہ وہ اس شمع نور کو چھوڑ کر تاریک راہوں میں بھٹکتا ہے

Marfat.com

اور منزل سے دور ہوتا چلا جائے یا اس کو لے کر تاریکیوں کو چھانتا منزل مراد تک پہنچنے کی کامیاب سعی کرے، نیز احکام بالا پر غور کیجئے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ قرآنی احکام اہلِ ایمان کو صرف جرائم سے بچاتے نہیں بلکہ جرائم کا خاتمہ بھی کرتے ہیں، مثلاً گواہ کے قسم اٹھانے کا طریقہ آپ نے پڑھا، جس میں بتایا گیا کہ اس سے یہ حلف کسی نماز کے بعد، بالخصوص نماز عصر کے بعد نمازیوں کی موجودگی میں لیا جائے گا، جس میں حکمت یہ ہے کہ گواہ، مجمع کثیر سے مرعوب ہو کر جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرے گا، نیز ایک بڑی جماعت کے سامنے اس کی جو ذلت وخواری ہورہی ہے، اس کے سبب وہ آئندہ ایسے جرم کی ہمت کبھی نہیں کرے گا، علاوہ ازیں جو لوگ اس ذلت وخواری کا مشاہدہ کررہے ہیں، ان کو عبرت حاصل ہوگی اور وہ کبھی ایسے جرم کا تصور تک نہیں کریں گے، یہی حکمت شریعت مطہرہ کی دوسری سزائیں علی الاعلان نافذ کرنے میں ہے، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا، زانی کو کوڑے مارنے کی سزا، عدالت کے کسی کمرے میں نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے مقررہ وقت کا باقاعدہ ذرائع ابلاغِ عامہ سے اعلان کرایا جائے گا، لوگوں کو جمع کیا جائے گا، پھر حد جاری ہوگی۔

ان احکام میں یہ بھی بتایا گیا کہ گواہوں کی قسم کے بعد مقدمہ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوگا بلکہ کسی وقت بھی اگر ورثاء پر گواہوں کا جھوٹ ہونا، کھل گیا تو وہ دوبارہ مقدمہ کرسکتے ہیں اور پھر فیصلہ ورثاء میں سے دو کی قسم پر ہوگا، اس میں بھی یہ حکمت ہے کہ گواہوں اور مقدمہ کی کارروائی دیکھنے والوں کو یہ خوف رہے گا کہ یہ جرم بڑا ہی خطرناک ہے زندگی بھر کا روگ ہے، کسی وقت بھی راز کھل سکتا ہے اور ہمارے خلاف قسم اٹھا کر ہمیں ذلیل وخوار کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ایسے جرم میں ملوث نہ ہونا ہی بہتر ہے۔

بحمد اللہ ہم نے ان مشکل احکام کو سہل انداز پر بیان کرنے کی کوشش کی، اللہ کرے ہم کامیاب قرار پائیں، اللہ ہمیں اپنے احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ امت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی، عزت وعظمت اسلام کے احکام پر عمل ہی میں مقدر ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علٰی خَیرِ خَلقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ

Marfat.com

"استفادہ"

قرآنِ کریم، اس کی تفاسیر، کتبِ احادیث اور اُن کی شروح کے علاوہ، فقہ، سیرت و تاریخ وغیرہ کی انہی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، جو تمام ہی ہمعصر علماء و مصنفین کے لئے مرجع و ماٴ خذ اور منبعِ علم ہیں، جن کی فہرست تقریباً تمام کتابوں کے اختتام پر لکھ دی جاتی ہے۔ لہٰذا میں اس کے اِعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اِن اسلاف کے مراتب بلند فرمائے جنہوں نے ہمیں اس علمی ذخیرے کا وارث بنایا اور ہمیں اِس سے مستفیض ہونے کی صلاحیت و توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

فقیر سید سعادت علی قادری

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کہ

بوسیلہ جلیلہ معلم کامل ﷺ کتاب ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' کی پہلی جلد پایہ تکمیل کو پہنچی، یہ طفیل ہے حضور غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا، صدقہ ہے میرے پیرومرشد شیخ صوفی کفایت علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا، فیضان ہے اساتذہ کرام، غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی، حضرت مفتی عبدالحفیظ صاحب حقانی اور میرے والد گرامی مفتی سید مسعود علی صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا کہ فقیر راقم الحروف کو اس کتاب کی تالیف کا اعزاز نصیب ہوا۔ اللہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مقبول بنائے۔

میں شکریہ ادا کرتا ہوں اپنے ان باوقار ومعزز احباب کا جنہوں نے کتاب کو اپنے وقیع تبصروں سے نوازا۔

نیز میں شکریہ ادا کرتا ہوں حضرت علامہ افتخار علی چشتی جنہوں نے کتاب کے ابتدائی حصہ پر نظر ثانی فرمائی اور ان تمام احباب، مخلصین ومریدین کا ممنون ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں کسی بھی طرح میرا تعاون کیا۔

بالخصوص میں شکرگزار ہوں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے سربراہ، عزیزم صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا جنہوں نے کتاب کی طباعت پر خصوصی توجہ دی، اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے اور ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

میں گزارش کرتا ہوں، قارئین سے کہ دوران مطالعہ اس فقیر پر تقصیر کو اپنی دعاؤں سے نوازتے رہیں نیز میری کوتاہیوں کو میری کم علمی پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں۔

فقیر سید سعادت علی قادری

10 جمادی الثانی 1421ھ

10 ستمبر 2000ء

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مبلغِ اسلام

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

حضرت علامہ سیّد سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

Marfat.com

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جلد دوم

مبلغِ اسلام
حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ○ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	--------------	یاایھاالذین امنوا (جلد دوم)
مصنف	--------------	مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی القادری
اصلاح ونظر ثانی	--------------	علامہ افتخار احمد چشتی
اہتمام	--------------	صاحبزادہ سید عامر علی القادری
ناشر	--------------	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	--------------	اپریل 2005ء
تعداد	--------------	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	--------------	IZ144
قیمت	--------------	-/400روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

آئینہ

پیش کش		13
یاایھاالذین امنوااور علامہ قادری		15
تبصرے		
علامہ مفتی محمد امین		34
علامہ مفتی احمد میاں برکاتی		36
علامہ محمد شعیب قادری		38
ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری		39
علامہ محمد اسماعیل ضیائی		41
علامہ آصف بن مختار انصاری		43
سورۃ الانفال		
مقالہ،۴۵	۱۵_۱۹	47
متحرّف		50
متحیز		50
ایک مقالہ دو		51
مقالہ،۴۶	۲۰_۳۰	55
اطاعت		56
مقصد اطاعت		57
سننے کے باوجود نہ سننا		58
مقالہ،۴۷	۲۴_۲۶	61
رسول کی پکار		62
لما یُحییکُم		64
نیکی میں دیر نہ کرو		65
ناکردہ گناہ کے عذاب سے بچو		67
کمزوری کے باوجود اطاعت		68
مقالہ،۴۸	۲۷_۲۸	71
خیانت		71
اموال واولاد فتنہ ہیں		73
مقالہ،۴۹	۲۹	79
فرقان		80
فراست		81
مقالہ،۵۰	۴۵_۴۷	85
ثبات		86
ذکر اللہ		88
اطاعت		89
جھگڑا نہ کرو		90
صبر کرو		92

Marfat.com

اخلاص		93
ربط و تعلق		65
سورۃ التوبہ		
مقالہ،۵۱	۲۳_۲۷	101
صلہ رحمی		102
ایمان پر کفر کو پسند کرنا		103
سب سے زیادہ محبت		106
غزوۂ حنین		109
مقالہ،۵۲	۲۸_۲۹	113
مشرکین نجس ہیں		114
خطرۂ عیل		116
مقالہ،۵۳	۳۴_۳۷	119
پادریوں اور راہبوں کا حال		120
ہمارے علماء و مشائخ کا حال		122
مسئلہ کنز اور حضرت ابوذر		123
مہینوں کی تعداد		125
قمری مہینے اور وجہ تسمیہ		126
سال کا تعین		128
مقالہ،۵۴	۳۸_۴۱	131
غزوۂ تبوک		134
واقعہ ہجرت		136
غار ثور میں قیام		140
ثانی اثنین کا اعزاز		142
مقالہ،۵۵	۱۱۹	147
اتقوا اللہ		148
کونوا مع الصادقین		149
صادقین کی چند خوبیاں		151
ہماری حالت		152
مقالہ،۵۶	۱۲۳	153
سورۃ الحج		
مقالہ، ۵۷	۷۷_۷۸	157
رکوع و سجود		158
اللہ کی عبادت		159
نیک کام کیا کرو		159
جہاد فی سبیل اللہ		161
حرج		162
ملت ابراہیم		163
هُوَ مَوْلٰكُمْ		166
سورۃ النور		
مقالہ،۵۸	۲۱_۲۲	169
ازلی دشمن		170
بدعقیدہ لوگوں کا تقویٰ		171
بدعقیدہ لوگوں کی آزادی		172
کسی کی امداد بند نہ کرو		173
سبب نزول آیت		174
قابل غور		175
مقالہ،۵۹	۲۷_۳۴	177
معاشرے کی اہمیت		179
استیذان		180
استیذان کی حکمتیں		183
گناہ کا سد باب		185

Marfat.com

نظر بازی اور عریانیت 187
ستر پوشی 191
عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات 192
پردہ 193
تاریخ کی شہادت 194
ایک سوال کا جواب 197
زیب وزینت کا اظہار 199
عورتوں کا اظہار زیب وزینت 200
حکم نکاح 203
فضیلت نکاح 205
فوائد نکاح 208
اختیار نکاح 213
مغربی تہذیب کی بدتہذیبی 215
ایامی 215
غلاموں اور باندیوں کا نکاح 217
بخوف تنگدستی نکاح نہ کرنا 217
جوڑے کا انتخاب 218
جہیز کی تلاش 221
پہلے دوست پھر شادی 222
مکاتب کی امداد 224
عورتوں کی جسم فروشی 225
مقالہ،۶۰ ۵۸_۶۱ 227
اصلاح معاشرہ 228
بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا 229
تین وقتوں کی پابندی 229
بوڑھیوں کے لئے رعایت 230
بے تکلفی کی اجازت 231
ساتھ کھانا کھانا 233
سلام کرنے کا حکم 234
سورۃ الاحزاب
مقالہ،۶۱ ۹ تا ۲۷ 237
سلسلۂ غزوات 240
اعداء اسلام کا متحدہ محاذ 241
یہودیوں کا خبث باطن 242
سب سے بڑا لشکر 243
مدینہ میں سازش کی خبر 244
خندق کی کھدائی 245
ایک چٹان 245
ایک وظیفہ 247
خندق مکمل ہوگئی 247
حضرت جابر کی دعوت 247
آغاز جنگ 248
عظیم نعمت 254
اسوۂ حسنہ 255
اہل ایمان کا حال 262
ایثار صحابۂ کرام 263
انجام جنگ 265
حضور علیہ السلام کا ایک حکیمانہ اقدام 266
حضرت سعد کا زخمی ہونا 267
ذوالفقار کی چمک 268
چار نمازیں قضا ہوئیں 269
حضور علیہ السلام کی دعاء 269

Marfat.com

قبولیت دعا کا ظہور	270	تحفہ آخرت	318
کارنامہ نعیمی	270	مقالہ، ۶۳	323
حضرت حذیفہ کی خبر گیری	272	اہم ترین رشتہ	324
مدینہ منورہ واپسی	274	خلع اور طلاق	325
بنو قریظہ	275	شیطان کی خوشی	327
کعب کی تجاویز	276	غصہ میں طلاق	327
ابولبابہ کی غلطی اور توبہ	277	طلاق دینا واجب ہے	328
پچیس دن بعد	278	حق طلاق مرد کو ہے	329
یہودی عورتوں پر کرم	280	طلاق بر بنائے دینداری	331
بنو قریظہ کا قتل عام کیوں	280	ایلاء و تخییر	332
سعد بن معاذ کی وفات	285	تین طلاقیں	335
مقالہ، ۶۲ ۴۱ تا ۴۴	287	طریقہ طلاق	337
لفظ ذکر کی وسعت	288	مسلم گھرانوں میں طلاق	338
اہمیت ذکر	289	عدت	339
ذکر کے چند فوائد	295	عدت کی قسمیں	340
ذکر سے غفلت	300	دوران عدت شوہر کی ذمہ داریاں	341
اللہ کی تسبیح	302	مقالہ، ۶۴ ۵۳ تا ۵۵	345
ملائکہ کی تسبیح	304	پہلا حکم	346
لا تفقھون	306	بن بلائے مہمان	347
نماز چاشت	306	دوسرا حکم	349
سرچشمہ عقائد	308	تیسرا حکم	350
تسبیح ذریعہ نجات ہے	309	میری مائیں	350
صبح کے وقت تسبیح	313	پہلی ماں	352
دو کلمے	314	دوسری ماں	354
انگلیوں پر تسبیح	316	تیسری ماں	355
ذکر و تسبیح کا نتیجہ	316	میری ماں پر بہتان	360

Marfat.com

واقعہ افک		361
آیاتِ برأت		367
شر نہیں خیر ہے		369
برائی پھیلانے والوں کا انجام		372
حضرت عائشہ کی چند خصوصیات		373
چوتھی ماں		376
پانچویں ماں		380
چھٹی ماں		380
ساتویں ماں		383
زید بن حارثہ		383
غلط رسموں کا خاتمہ		384
حضرت زید کی شادی		385
حضرت زینب کو طلاق		386
تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ		387
حضرت زینب حرم نبوی میں		388
حضرت زینب کے دیگر حالات		391
آٹھویں ماں		392
نویں ماں		395
دسویں ماں		398
گیارہویں ماں		398
تعدد ازواج پر ایک نظر		401
اہم پیغام		407
مقالہ،۶۵	۵۶تا۵۸	
درود شریف		409
درود شریف پڑھنا واجب ہے		410
چند احادیث		413
		415
علماء فرماتے ہیں		419
تین اہم مسائل		421
درود شریف کی برکتیں		426
عام شہادت		431
ایک مجوسی کا واقعہ		436
درود کی مزید برکتیں		440
موئے مبارک		444
تنگیٔ قرطاس		446
طریقہ درود		449
الفاظ درود		452
دلائل الخیرات شریف		453
چند درود شریف		456
مقامات درود		461
مقالہ،۶۶	۶۹	467
وجیہ		468
سیدنا ایوب علیہ السلام		470
اپنوں کی ایذاء رسانی		474
سمندر خشک ہو گیا		476
گوؤسالہ کی پوجا		477
جہاد سے انکار		480
ذبح بقرہ		482
ایذاء رسول		486
مقالہ،۶۷	۷۱-۷۲	489
سچائی یا صداقت		490
اطاعت		491
جعفر شاہ حبشہ کے دربار میں		492

Marfat.com

سورۃ محمد ﷺ		سخی اور بخیل کا فرق	537
مقالہ ۶۸، ۷ تا ۱۷	497	سورۃ الحجرات	
اللہ کی مدد	499	مقالہ ۷۰، ۱	541
اللہ کے دین کی مدد	500	سورۃ الحجرات	541
کفار کا حال	502	تقدم کی صورتیں	542
جنت کی خوبیاں	505	ہم مجرم تقدم ہیں	544
پانی کی نہریں	506	اجتماعی کوشش	545
دودھ کی نہریں	506	مقالہ ۷۱، ۲ تا ۵	547
شراب کی نہریں	507	آداب رسول ﷺ	548
شراب کافور	509	حضرت ثابت بن قیس کا حال	548
شراب زنجبیل	509	حضرت ثابت کی شہادت	549
شراب طہور	509	ایک کرامت	550
شہد کی نہریں	510	انجام	551
جنت کے پھل	511	امام مالک اور ہارون رشید	552
جنتیوں کی مغفرت	511	حقیقت سمت	553
جنت کی چند دوسری نعمتیں	512	ہمارا عقیدہ	557
جہنم کی ہولناکیاں	516	سعودی فتوی	557
کفار کی تعریف	517	تین انعام	559
عذاب جہنم	518	بے وقوف	560
مقالہ ۶۹، ۳۳ تا ۳۸	527	مقالہ ۷۲، ۶ تا ۱۰	563
اطاعت ذریعہ کامیابی ہے	528	خبر فاسق کی تحقیق	564
کفار کے اعمال	531	باعث نزول	566
کفار سے صلح	532	تعمیل قبل حکم	567
دنیا کی زندگی	533	صحابہ سے امکان گناہ	568
بے ثباتی دنیا کی مثال	534	رسول کی اتباع کرو	569
بخل	536	اہل ایمان بے قصور ہیں	570

Marfat.com

فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ		571
صلح کرادو		574
مسلمان بھائی بھائی ہیں		575
اتحاد کا تحفظ اور بقاء		578
مقالہ ۷۳،	۱۱	583
استہزاء یا تمسخر		584
عورتوں کی خصوصی ہدایت		586
عیب جوئی		588
برے القاب		589
مقالہ ۷۴،	۱۲	593
ظن کے معنی		594
بدظنی حرام ہے		595
حسن ظن		597
جاسوسی نہ کرو		598
جاسوسی نہیں تبلیغ		599
صحافی اور جاسوسی		600
جاسوسی کا جواز		602
غیبت		603
غیبت کی تعریف		604
غیبت کی مذمت		605
غیبت سننا		608
مردوں کی غیبت		612
غیبت سے توبہ اور اس کا کفارہ		613
۱۲ آیات، ۱۲ احکام		614
سورۃ الحدید		
مقالہ ۷۵،	۲۸-۲۹	617
رسول پر ایمان لاؤ		618
مقام نبوت و رسالت		618
رسول عام انسان نہیں		619
رسول اور امتی کا حق		620
رسول سے رشتہ دائمی ہے		620
انبیاء سابقین اور حضور علیہ السلام		622
کِفۡلَیۡنِ		623
نور		624
مغفرت		625
سورۃ المجادلہ		
مقالہ ۷۶،	۹-۱۰	629
نجویٰ		630
مقالہ ۷۷،	۱۱	635
آداب مجلس		636
اطاعت امیر		637
دیگر آداب مجلس		639
مقالہ ۷۸،	۱۲-۱۳	643
صرف حضرت علی		645
مسئلہ نسخ پر ایک نظر		645
نسخ کی حقیقت		647
نسخ کی صورت		648
نسیان کی صورت		649
ذرائع نسخ		649
آیات نسخ		650

Marfat.com

سورۃ الحشر

مقالہ ۷۹، ۱۸۔۱۹ 653
اتقوا اللہ 654
فکر غد 654
اللہ خبیر ہے 657
اللہ کو بھلا دینا 659
خدا فراموشی کی سزا 659

سورۃ الممتحنہ

مقالہ ۸۰، ۱ تا ۹ 663
بنیادی ہدایت 665
حضرت ابراہیم علیہ السلام 668
مختصر حالات زندگی 669
مقالہ ۸۱، ۱۰۔۱۱ 677
صلح حدیبیہ 678
حدیبیہ میں قیام 679
مذاکرات کا آغاز 679
سفیر اسلام کی روانگی 681
بیعت رضوان 682
حضرت عثمان کے لئے اعزاز 683
صلح حدیبیہ 683
معاہدے کی پابندی 685
حدیبیہ سے واپسی 685
مژدۂ فتح 686
نتائج صلح 686
کفار و مومنین کے درمیان ازدواج 689
ایک اہم اجازت 690
مقالہ ۸۲، ۱۳ 693
یہود کی ذلت کے اسباب 695
بنی اسرائیل پر کوہ طور 697
واقعہ ذبح بقرہ 698
حضرت موسیٰ اور قارون 698
یہودیوں کی ذلت 699

سورۃ الصف

مقالہ ۸۳، ۲۔۳ 703
قول و فعل کا تضاد 704
مقالہ ۸۴، ۱۰ تا ۱۳ 709
تجارت 710
بکریاں چرانا 711
آغاز تجارت 712
اَلصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ 714
تجارت کے بنیادی اصول 715
اشیاء ضرورت پر کنٹرول 716
احتکار کا وبال 716
مقالہ ۸۵، ۱۴ 725
اللہ کی مدد 726
حواری 728
کیا مذہب باعث انتشار ہے 790
عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد 732
خلاصہ 738

Marfat.com

سورۃ الجمعہ

مقالہ ۸۶ ۹ تا ۱۱ 741
فضیلت جمعہ 742
فضائل جمعہ پر ایک نظر 744
نماز جمعہ کی اہمیت 746
تارکین جمعہ کا انجام 746
نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنا 747
خطبہ جمعہ 748
نماز جمعہ کا اہتمام 750
آیت جمعہ 751

سورۃ المنافقون

مقالہ ۸۷ ۹ تا ۱۱ 759
منافقین کا حال 760
اموال واولاد 765

سورۃ التغابن

مقالہ ۸۸ ۱۴ تا ۱۸ 771
بیوی بچوں کی دشمنی 772
اموال واولاد فتنہ ہیں 773
اللہ کو قرض دو 777

سورۃ التحریم

مقالہ ۸۹ ۶ 781
اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ 782
اچھے برتاؤں کی ابتداء 782
والدین نمونہ بنیں 783
اولاد کے لئے بہترین تحفہ 785
بچہ پر دودھ کا اثر 786
اولاد کی خدمت 787
اولاد کے تین حقوق 789
بیٹا یا بیٹی 795
محبت وشفقت 797
اولاد پر خرچ کرنا 799
خلاصہ 800
مقالہ ۹۰ ۸ 803
توبہ 804
گناہوں کی سیاہی 807
تَوْبَةً نَّصُوحًا 808
قیامت کا تعارف 810

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

’’پیش کش‘‘

’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا‘‘ کی جلد اول کی مقبولیت پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہمارے جن بھائی بہنوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا ان میں اکثریت نوجوان طبقہ کی ہے جنہوں نے کتاب کی اشاعت پر بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور دورِ حاضرہ کی ایک بہترین تصنیف قرار دیا۔ جس کا سبب بلاشبہ مصنف کی علمی کاوش کے ساتھ اس کی اشاعت میں پبلشر کی خصوصی توجہ اور کتاب کی بہترین تزئین و آرائش کے لئے زبردست کوشش بھی ہے۔ جس کے لئے ہم ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے بے حد ممنون ہیں خصوصاً ہم ادارے کے منیجر جناب صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی ذاتی دلچسپی کے سبب کتاب کی اشاعت معیاری اور حسین و خوبصورت ہو سکی اور وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں جن کے مؤثر تبصروں نے کتاب کو مزید معیاری اور وقیع بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا‘‘ کی جلد اول سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المآئدہ کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ جبکہ یہ دوسری اور آخری جلد سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ الحج، سورۃ النور، سورۃ الاحزاب، سورۃ محمد، سورۃ الحجرات، سورۃ الحدید، سورۃ المجادلہ، سورۃ الحشر، سورۃ الممتحنہ، سورۃ الجمعہ، سورۃ المنافقون، سورۃ التغابن، سورۃ التحریم کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ یہ کل ۹۰ مقالات ہوئے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس جلد کے مطالعہ کے بعد آپ ہماری تائید کریں گے کہ ان مقالات پر مصنف نے کچھ زیادہ ہی محنت کی ہے اور انہیں خصوصی توجہ کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ بالخصوص سورۃ الاحزاب کا مقالہ نمبر ۶۵ تو نہایت ہی ایمان افروز اور مفید ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے ’’درود شریف‘‘ آقا ﷺ کے دربار میں درود شریف پڑھنے کی برکتوں اور فوائد کو جس عقیدت و محبت سے قلمبند کیا گیا ہے یہ مصنف ہی کا حق ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ہمہ وقت درود شریف پڑھنے کا عادی نہ ہو جائے۔ انڈیا کے ایک سہ ماہی رسالہ ’’الکوثر‘‘ میں یہ مضمون باقساط شائع ہو چکا ہے اور بے حد پسند کیا گیا یہ درحقیقت ایک مستقل رسالہ ہے جسے مستقل کتابی شکل میں شائع ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں نہایت ہی اہم معاشرتی و معاشی، سیاسی اور تاریخی عنوانات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ رسول کی پکار، نیکی میں دیر نہ کرو، جھگڑا نہ کرو، واقعہ ہجرت، عورت کا اظہار زیب و زینت، فضیلت نکاح، اسوۂ حسنہ، یہودی عورتوں پر کرم، ذکر الٰہی، خلع اور طلاق، میری مائیں، اپنوں کی ایذاء رسانی، جنت کی خوبیاں، جہنم کی ہولناکیاں، کفار سے صلح، اموال و اولاد فتنہ ہیں، صلۂ رحمی، غزوۂ حنین، ہمارے علماء و مشائخ کا حال، تین انعام، اتحاد کا تحفظ اور بقاء، عیب

Marfat.com

جوئی، غیبت، جاسوسی کا جواز، رسول سے امتی کا تعلق، صلح حدیبیہ، تجارت کے بنیادی اصول، کیا مذہب باعث انتشار ہے، والدین پر اولاد کا حق، غرضیکہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پوری طرح اندازہ ہوگا کہ بحمد اللہ ہمارا دین کس قدر کامل و مکمل اور ادیان عالم میں سب سے افضل واعلیٰ ہے اور اس پر عمل بھی نہایت آسان ہے۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، مصنف کو صحت و تندرستی اور عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ اسی طرح اشاعت دین میں مصروف رہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے رہیں، آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

طالب دعا

صاحبزادہ سید عامر علی قادری

مقیم کینیڈا

Marfat.com

''یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' اور علامہ قادری

از، مفکر اسلام علامہ بدر القادری

مدیر اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۷۸ء میں ہالینڈ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جس عالم سے ملاقات کی وہ ہیں مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم ان دنوں پورا ملک علماء سے خالی تھا۔ مقتدی تھے، اماموں کی ضرورت تھی، سامعین تھے مقررین وواعظین کی ضرورت تھی، سننے والے اور پڑھنے والے تھے سنانے اور پڑھانے والوں کی ضرورت تھی مگر اب صورت حال بدل چکی ہے علماء آئمہ، مقررین، واعظین اور ناصحین زیادہ ہو گئے، مخاطبین کم ہو گئے۔

فرصت کے لمحات کو بامقصد بناتے ہوئے مبلغ اسلام نے رفتار قلم کو تیز کیا لکھا اور خوب لکھا۔ نہایت اہم عنوانات پر متعدد کتابیں چند ہی سالوں میں دنیا بھر میں پھیل گئیں جن میں سے بعض کے انگلش، ڈچ اور فرانسیسی زبانوں میں بھی تراجم ہوئے۔ آپ کی شب و روز محنت و مشقت کا نتیجہ ''یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو ایک ضخیم، باوقار اور مفید ترین کتاب ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۷۸۲ صفحات پر مشتمل پہلی جلد نہایت حسین و خوبصورت میرے سامنے موجود ہے جبکہ دوسری جلد طباعت کے لئے تیار ہے انشاء اللہ جلد ہی اس سے بھی استفادہ کا موقع ملے گا۔

حضرت سے میری ۲۲ سالہ رفاقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے حالات زندگی اور آپ کی حاصل زندگی اس تصنیف پر میرا مفصل مقالہ پہلی جلد ہی میں شامل ہوتا لیکن افسوس کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ بہر حال تلافی مافات کے طور پر اب یہ پیش کر رہا ہوں اگر چہ یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو لکھا جانا چاہئے تھا کیونکہ میں نے نہایت قریب سے حضرت علامہ کی زندگی کے نشیب و فراز و سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے:

مجھ سے زیادہ تری پہچان بھلا کس کو ہو
آئینہ بن کے تیرا عکس لیا میں نے

یہ مختصر تحریر میری نیاز مندی کا تقاضا بھی ہے اور احوال سلف جمع کرنے کے اشتیاق کی تسکین بھی:

ٹمٹمائے چراغوں کی خوابیدہ لو کہہ رہی ہے صبا سے بآواز نور
قصۂ شب سراجا کے پروانوں کو تو جو خود ہی سنائے تو کیا خوب ہو

تو لیجئے، پہلے ''یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کی خوبیوں پر چند سطور، پھر مصنف کی مختصر سوانح ملاحظہ ہو۔

ذوق تصنیف

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو تقریر کی طرح تحریر و تصنیف کا بھی ذوق عطا فرمایا ہے۔ دور طالب علمی میں آپ متعدد

Marfat.com

مضمون نویسی میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں پر سبقت حاصل کرتے رہے۔ اسی زمانہ سے آپ نے اخبارات کو مضامین بھیجنا شروع کیئے۔ کراچی کے روزنامہ ''انجام'' نے آپ کی بڑی ہمت افزائی کی کہ اپنے کالموں میں اکثر جگہ دی اور ایک مقابلہ مضمون نویسی میں آپ کو پہلے انعام کا حق دار قرار دیا۔ روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے خصوصی ایڈیشن میں کئی سال متواتر آپ کے مضامین شائع ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب سنی علماء کی توجہ اس طرف بہت کم تھی شاذونادر ہی کسی سنی عالم کا کوئی مضمون اخبار میں نظر آیا تا تھا۔

مضمون نویسی کے ساتھ ہی آپ نے تصنیف کا آغاز کیا۔ اور پہلی کتاب ''اسلامی عقائد'' علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکول کے لئے لکھی جو سکول کے نصاب میں شامل ہوئی اور بار بار چھپی پھر آپ نے ایک کتابچہ بعنوان ''بشارات انجیل'' لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ کراچی قیام کے دوران آپ نے ماہنامہ ''ترجمان اہلسنت'' نکالا۔ مدیر ہونے کے ناطے آپ اس کا اداریہ بھی لکھتے تھے اور کوئی نہ کوئی مضمون بھی۔ اداریہ چونکہ اس وقت کے حالات سے متعلق ہوتا تھا لہٰذا بہت اہمیت پاتا تھا۔

۱۹۷۰ء کے بعد آپ کے قلم کی رفتار تیز ہوئی۔ سرینام قیام کے دوران آپ نے ''مرض سے موت تک''، ''اچھا برتاؤ'' جیسی اہم کتابیں لکھیں جو دراصل سرینام میں آپ کی ریڈیو اور ٹی وی کی تقریروں کا مجموعہ ہے اور اس کے بعد تو آپ کا قلم دوڑتے دوڑتے تصنیف کی اعلیٰ منزل تک پہنچا اور بحمد اللہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' ہمارے سامنے ہے۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی کی اہم ترین کتاب ہے۔ آپ خود اسے اپنی زندگی کا نچوڑ قرار دیتے ہیں اور راقم الحروف گواہ ہے کہ حضرت نے اس تصنیف میں جو محنت و مشقت کی اور جس خلوص سے اس عظیم کام کو انجام دیا یہ انہی کا حصہ ہے، اللہ جزائے خیر دے۔

اوسطاً دس گھنٹہ یومیہ لکھا اس کے لئے اکثر پروگراموں میں جانا چھوڑ دیا، باہر کے دورے مختصر کر دیئے، جب بھی کسی سے ملاقات ہوتی آپ یہی کہتے سنے گئے: ''دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا فرمادے کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' مکمل کرلوں، اس جذبہ وخلوص کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ کتاب نہایت حسین اور مفید صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ عوام نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مبصرین نے اس پر خوب تبصرے لکھے، قدردانوں نے خوب اظہار قدردانی کیا لیکن افسوس کہ حضرت کو اس عظیم کارنامہ پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہم اب تک کوئی اجتماعی اہتمام نہ کر سکے۔

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' دو جلدوں میں نوے مقالات پر مشتمل علمی خزانہ ہے۔ ہر مقالہ میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات، احادیث کے علاوہ اقوال صحابہ وتابعین، آئمہ واسلاف اور علماء وصالحین کو یکجا کر دیا گیا۔ اس طرح کتاب، احکام شرع اور تاریخی واقعات کا گنجینہ بن گئی۔ ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشیات، معاشرت اور سیاست غرضیکہ زندگی سے متعلق تمام شعبوں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بالخصوص مصنف نے اپنے وسیع تجربات، مشاہدات اور ذاتی واقعات سے کتاب کو مزید دلچسپ اور مفید بنادیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ پر دوران تحریر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہیں، جب وہ احکام شرع لکھتے تو اسلام کی حقانیت اور اس کے کامل دین ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ایسے دین متین سے امت

Marfat.com

مسلمہ کی بغاوت پر تیغ پا ہوتے ہیں اور نہایت ہی مؤثر مبلغانہ انداز میں قوم کو اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دیتے ہیں۔ جب وہ عقائد بیان کرتے ہیں تو ان کو مستحکم دلائل سے ثابت کرتے ہوئے بدعقیدہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے اور انہیں عقائد حقہ قبول کر لینے کی ہدایت کرتے ہیں اور جب وہ آقائے رحمت ﷺ کی اطاعت، محبت اور ان کے عقیدت پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کا قلم نہایت ہی تیز اور رواں دواں ہو جاتا ہے ان کی آنکھیں پرنم معلوم ہوتی ہیں، قلم عقیدت ومحبت کے موتی بکھیرتا نظر آتا ہے اور وہ اپنے قارئین کو پوری طرح عشق ومحبت سے سرشار کر دینے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جب وہ وادیٔ سیاست میں داخل ہوتے ہیں تو ایک نہایت تجربہ کار، کامیاب سیاست دان کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ موجودہ بے دین حکام پر زبردست تیر اندازی کرتے ہیں انہیں ہی امت مسلمہ کی تباہی وبربادی کا مجرم قرار دیتے ہیں اور شعبہ سیاست میں اللہ کے احکام، معلم کامل ﷺ کی تعلیمات پر عمل، خلفائے راشدین اور اسلاف کے انداز حکومت کو کامیابی وکامرانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

مشکل مضامین

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا" کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بعض مشکل ترین مضامین کو نہایت آسان انداز پر بیان کر کے قارئین کو دشواری اور الجھن سے بچایا۔ دشوار ترین فقہی اور علمی مضامین کو قرآن کریم کی آیات اور ان کا ترجمہ لکھنے کے لئے آسان کر دینا اور سہل زبان میں پیش کرنا کوئی معمولی کام نہیں لیکن حضرت علامہ میں یہ قدرتی ملکہ پایا جاتا ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ اپنی تقاریر میں بھی کرتے ہیں اور تحریر میں بھی اس کا بخوبی لحاظ رکھتے ہیں۔ کتاب میں کئی مقام پر انہوں نے ایسے مسائل کو نہایت ہی آسان اور سہل انداز پر بیان کیا ہے جو مفسرین، فقہاء اور علماء کے نزدیک مسلمہ طور پر دقیق ہیں مثلاً سود سے متعلق مسائل، وراثت، شہادت اور وصیت وغیرہ کے مسائل بطور مثال ہم کتاب کی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۸ سے متعلق یہ عبارت ہے جس میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے اور شہادت کا طریقہ بیان کیا گیا۔ آیت کا ترجمہ پڑھا جائے تو اسی سے مضمون کے دقیق اور دشوار ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن درج ذیل عبارت پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ مصنف نے کیسے ماہرانہ انداز میں ایک مشکل ترین عنوان کو سہل ترین بنا دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وصیت پر گواہ مقرر کرنا اور ان سے گواہی لینے کا طریقہ، ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اگر اپنے اہل خانہ، اعزا و اقارب سے کہیں دور نہیں ہے تو وہ اپنے خاندان کے لوگوں ہی سے دو آدمیوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے لیکن اگر وہ حالت سفر میں ہے اور اچانک بیمار ہو اسے خطرہ ہوا کہ یہ مرض موت کا سبب بن سکتا ہے تو وہ [illegible] انصاف کرنے والے۔

گواہوں نے مرنے والے [illegible] وصیت [illegible] قانون یہ طریقہ [illegible] وصیت [illegible] وصیت میں کوئی [illegible]

Marfat.com

زیادتی کی ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ:

وارث ان گواہوں کی حکام سے شکایت کریں، حکام انہیں طلب کریں انہیں کسی نماز کے وقت تک روکے رکھیں (یہ وقت عصر کا ہو) بعد نماز انہیں نمازیوں کے سامنے کھڑا کیا جائے اور ان سے قسم لی جائے کہ انہوں نے مردے کی وصیت اس کے وارثوں کو بالکل صحیح، مردے کی مرضی کے مطابق پہنچائی ہے۔ گواہ اس طرح قسم کھائیں کہ '' اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں اس میں ہم نے دولت کے لالچ میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اگر ہمارا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تب بھی ہم یہی گواہی دیتے نہ ہی ہم اللہ کی گواہی کو چھپانے کا جرم کر رہے ہیں۔ گر ایسا کریں (تو ہم جانتے ہیں کہ) ہم گناہ گار ہوں گے۔''

جب گواہ یہ قسم کھالیں تو انہیں سچا تسلیم کرنا ہوگا، مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں باعزت بری کیا جائے گا اور ورثاء کو ان کی گواہی پر مطمئن ہونا ہوگا پھر وہ ان پر کوئی الزام لگانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اب اسی مقدمہ کی ایک امکانی صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد کسی طرح وارثوں کو یہ پتہ چلا کہ گواہوں نے سزا سے بچنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ پس وہ حاکم سے شکایت کریں حاکم پھر ان دونوں گواہوں کو طلب کرے اور نماز کے بعد ان وارثوں میں سے دو کو کھڑا کرے جنہوں نے گواہوں کی سچائی کا انکار کیا ہے وہ اس طرح قسم کھائیں '' اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں وہ پہلے دو گواہوں سے زیادہ سچی ہے۔ ہم شرعی حد سے تجاوز کرتے ہوئے کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگا رہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے'' اس کے بعد وہ ثابت کریں کہ انہوں نے کس طرح وصیت کے گواہوں کی قسم کا انکار کیا ہے۔ اب فیصلہ وارثوں کے حق میں ہوگا۔

بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قسم سے مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ وہی مقدمہ جاری کرنے اور پھر قسم سے فیصلہ دینے کی اجازت کیوں دی گئی تو اسی حکمت کو آخری آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اس طرح وصیت کے گواہوں کو جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ بات ہماری قسم پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھالی اور بعد میں کسی وقت بھی میت کے وارثوں کو ہمارے جھوٹ کا پتہ چل گیا تو انہیں بھی قسم کا حق حاصل ہوگا اور پھر ہم عامۃ المسلمین کے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے، قانون ہمیں سزا دے گا اور اللہ کے دربار میں بھی ہم آثمین اور مجرمین کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے وصیت اور اس کے متعلق گواہی کا طریقہ کار، دقیق مسائل میں سے ایک ہے لیکن مصنف نے اس کو نہایت سادہ زبان میں ہمارے لئے بے حد آسان طریقہ پر بیان کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے آیت متعلقہ کے شان نزول سے متعلق واقعہ کو بیان کر کے مسئلہ کو مزید سہل کیا۔ ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

> وہ خاص واقعہ بھی ملاحظہ ہو جو احکام مذکورہ کے نزول کا سبب بنا۔ اس سے آیات کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔ تمیم بن اوس داری اور عدی بن زید اس وقت عیسائی تھی۔ ہر سال بسلسلہ تجارت شام جایا کرتے تھے حضرت بدیل بن مریم جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ انہیں اپنی موت

Marfat.com

کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان تم میرے گھر پہنچا دینا۔ فہرست کا کوئی ذکر نہ کیا۔ بدیل کا انتقال ہو گیا دونوں گواہوں نے ان کا سامان اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک دن سامان میں ان کی نظر ایک قیمتی خوبصورت پیالے پر پڑی جو چاندی کا تھا، سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ بدیل یہ پیالہ شام کے بادشاہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے ہی وفات پا گئے۔ دونوں کی نیت خراب ہوئی سوچا کسی کو کیا پتہ چلے گا، چھپی ہوئی فہرست کا تو انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ بس پیالہ اڑا لیا۔ باقی سامان مدینہ پہنچ کر ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ جب سامان کھولا گیا تو فہرست بھی نکلی، جس میں چاندی کے ایک پیالہ کا بھی اندراج تھا۔ جو سامان میں موجود نہ تھا، چند ورثا تمیم وعدی کے پاس آئے اور پوچھا کیا بدیل نے اپنا کچھ سامان فروخت کیا تھا انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا کیا وہ بہت بیمار ہوئے تھے اور انہوں نے علاج کے لئے کوئی چیز فروخت کی تھی۔ جواب ملا نہیں۔ پوچھا کیا تم دونوں نے بدیل سے کوئی چیز خریدی تھی کہا نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ سوالات تم سے اس لئے کر رہے ہیں کہ بدیل کے سامان میں ایک فہرست نکلی ہے جس میں ایک چاندی کے پیالے کا بھی ذکر ہے جو اس میں موجود نہیں۔ آخر وہ کہاں گیا؟ ان دونوں نے بڑی صفائی سے کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے نہ ہمیں کسی فہرست کا علم اور نہ ہمیں یہ معلوم کہ کیا کیا سامان تھا۔ ہم نے تو بدیل کی وصیت کے مطابق اس کا سب سامان تمہارے سپرد کر دیا۔ ان ورثاء نے یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تمیم اور عدی کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قسم کھاؤ انہوں نے مجمع عام میں قسم کھا لی اور بری ہو گئے۔ ورثاء کو فیصلہ قبول کرنا پڑا اور یہ مقدمہ یہاں ختم ہوا۔

اب دوسرا مقدمہ شروع ہوتا ہے کہ بدیل کے ورثاء میں سے کوئی مکہ معظمہ گیا انہوں نے وہاں ایک دولت مند شخص کے پاس بعینہ وہی چاندی کا پیالہ دیکھا جس کا فہرست میں ذکر تھا انہوں نے اس سے پوچھا کہ پیالہ بہت حسین ہے تم نے کہاں سے خریدا؟ اس شخص نے صاف بتا دیا کہ میں نے یہ پیالہ ایک ہزار درہم میں تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ بدیل کے ورثاء نے پھر سرکار ﷺ کے دربار میں مقدمہ دائر کر دیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ یا تو ہمیں پیالہ دلایا جائے یا وہ رقم جو اس سے حاصل کی گئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمیم وعدی کو طلب فرمایا اور بدیل کے ورثاء میں سے دو کو حکم دیا کہ اب تم قسم کھاؤ کہ جو پیالہ تم نے دیکھا وہ بدیل کا ہے اور تمیم وعدی نے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ ان لوگوں نے قسم کھا لی تمیم وعدی پر جرم ثابت ہوا انہیں پیالہ سے وصول شدہ رقم بدیل کے ورثاء کو دینی پڑی۔

اسے کہتے ہیں کمالِ تفہیم، جسے آپ نے مندرجہ بالا عبارت میں ملاحظہ فرمایا۔ علاوہ ازیں کتاب میں ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں مصنف نے اپنے کمالِ تفہیم کا بخوبی ثبوت فراہم کیا ہے اور مشکل ترین امور کو بآسانی قارئین کے ذہنوں میں

Marfat.com

اتارا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے کیونکہ ایک عالمی مبلغ کو طرح طرح کے ذہن و دماغ سے واسطہ پڑتا ہے اور اسے ہر ذہن کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بات پیش کرنا ہوتی ہے مولا کریم نے مبلغ اسلام کو یہ خوبی خوب عطا فرمائی ہے، **اللھم زد فزد۔**

مبلغ اسلام نے ایشیاء کے اندر برصغیر ہندو پاک میں جنم لیا۔ امریکہ، افریقہ اور یورپ کی خاک چھانی اور تجربات و مشاہدات کے انمول موتی چنتے رہے۔ تلخیوں، آزمائشوں، امتحانوں اور ناقدریوں کے سیلاب سے گزرتے رہے۔ آج ایمان والوں کو وہ جس دولت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ اس میں آپ کی مبلغانہ حیات کے جوہر بھی نمایاں ہیں۔ مختلف عنوانات پر قلم فرسائی کرتے ہوئے جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے اپنے مشن، اسلام، دین و دانش، عقائد اور صالحیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ پیغام ہدایت دیتا ہے جس سے ان میں دعوت دین کی ذمہ داری کے احساس کا پتہ چلتا ہے۔ اچھوں، نیکوں، پرہیزگاروں کو دیکھتے ہیں تو نیازمند ہو جاتے ہیں، باغیوں سرکشوں اور متمردوں کی بات آتی ہے تو ان کے خنجرِ قلم سے لہو ٹپکنے لگتا ہے۔ ذرا پڑھیے درج ذیل عبارت کو اور اندازہ لگایئے مصنف کا اندازِ تبلیغ اور احساسِ فرض:

(ایمان) اہل ایمان میں ہمت و جرأت کا ایسا جوہر پیدا کر دیتا ہے کہ ان کے لئے دین کی پابندی، دین کی خدمت میں کوئی عار نہیں رہتی۔ "**وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ**" اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ اپنی تہذیب اپنانے اور اپنا تمدن اختیار کرنے میں انہیں نہ تو شرم آتی ہے نہ وہ کسی کے طعنوں کی پرواہ کرتے ہیں کوئی انہیں قدامت پسند کہے یا رجعت پسند پرواہ نہیں۔ وہ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس پر ہر طرح مطمئن ہیں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کسی کی ملامت انہیں ان کی راہ سے برگشتہ نہیں کر پاتی۔ یہ کیفیت تو نہایت ہی ضعیف الایمان لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہو کر اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ انہیں دین کے شعائر اختیار کرنے، دین کے احکام پر عمل کرنے میں شرم آنے لگتی ہے۔ اس کیفیت کا مطالعہ آپ ان مسلمانوں کی حالت میں کر سکتے ہیں جو غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں یا مغربی تہذیب کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ انہیں اپنا لباس پہننے میں شرم آتی ہے، داڑھی مونچھ رکھنے میں شرم آتی ہے، عورتوں کو پردہ کرنے، شرعی لباس پہننے میں شرم آتی ہے، کسی عام مقام پر نماز پڑھنے میں شرم آتی ہے، روزہ رکھنے میں شرم آتی ہے، حج وعمرہ کو جائیں تو احرام باندھنے میں شرم آتی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں شرم آتی ہے، حلال غذا تلاش کرنے میں شرم آتی ہے اور تو اور بھائیوں کو ٹوپی تک پہننے میں شرم آتی ہے۔ یہاں تک کہ نماز کے لئے بھی ٹوپی پہننا گوارا نہیں۔ ہاں شرم نہیں آتی تو کلبوں میں ڈانس کرنے، شراب پینے میں شرم نہیں آتی، ساحل پر ننگا ہونے میں شرم نہیں آتی، سچ پوچھئے تو یہ شرم نہیں بے شرمی، بے غیرتی ہے اسلام کے احکام سے بغاوت کرنا ہی سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ ان لوگوں نے غیر مذہب و معاشرے کو اپنا کر صرف اپنے آپ ہی کو ذلیل و خوار نہیں [illegible] سب مسلمانوں [illegible] بدنام کیا ہے کیا کیا

جائے ایسے لوگوں کا کہ نہ تو انہیں امت سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنایا جا سکتا ہے۔ بس ان ظالموں سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہئے، پس

اے ایمان والو! تم پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہو، آپس میں محبت کرتے رہو، اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جاری رکھو، دشمن کے لئے سخت بنے رہو، اللہ کی راہ میں محنت ومشقت جاری رکھو، دین کے معاملہ میں کسی کے لعن وطعن اور ملامت کی پرواہ نہ کرو کہ یہی اہل ایمان کی وہ خوبیاں ہیں جن سے رحیم وکریم علیم وخبیر رب نے انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے۔ پس تم ان خوبیوں کی ان نعمتوں کی قدر کرو۔ ان کی حفاظت کرو ان پر قائم رہو کسی حال میں ان سے محروم نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری محرومی تمہاری بربادی کا باعث بن جائے۔ اللہ تمہیں نیست ونابود کر کے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری تم سے بہتر لوگوں کو سونپ دے۔

خوش نصیبی

مصنف کی یہ بڑی ہی خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اس کی کتابوں کو خلوص سے شائع کرنے والا کوئی ادارہ میسر آجائے۔ مبلغ اسلام اس سلسلہ میں بھی خوش نصیب ہیں کہ انہیں پاکستان کے سب سے بڑے اشاعتی ادارے ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' کا مکمل تعاون حاصل ہے۔ ادارے کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ کا تعلق ایک معروف علمی خانوادے سے ہے۔ اس لئے وہ علم اور اہل علم کی اچھی طرح قدر جانتے ہیں۔ دینی کتابوں کی اشاعت صرف تجارتی بنیاد پر نہیں بلکہ تبلیغی بنیاد پر نہایت خلوص سے کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کے والد گرامی ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ اور پھر خود ان سے مبلغ اسلام کے دیرینہ تعلقات چلے آرہے ہیں ان کے باعث وہ حضرت علامہ کی کتابوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ہر اعتبار سے انہیں قارئین کے لئے پرکشش بنانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جس کا ثبوت آپ کی نظروں کے سامنے ہے کہ ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' ہر اعتبار سے حسن وجمال کا پیکر ہے۔ مضامین بھی خوب اور ان کی طباعت بھی خوب گویا سونے پر سہاگہ۔ پس ہم مصنف اور پبلشر دونوں ہی کو اپنی اور قارئین کی طرف سے اس عظیم ومفید پیش کش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں خدمت دین کے مزید مواقع فراہم کرے۔ آمین بجاہ رحمۃ للعلمین ﷺ۔

ولادت

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی ضلع علی گڑھ کی ایک ریاست حبیب گنج میں اپنے نانا کے گھر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ حبیب گنج، نواب یار جنگ حبیب الرحمن خان شیروانی کی ریاست اور ان کا مسکن ہونے کے سبب اس دور کا معروف قصبہ تھا اور نواب صاحب کے ذوق علم اور ان کے عظیم نایاب کتب خانہ کے سبب اہل علم کا مرکز تھا۔

پیدائش کے چند دن بعد ہی حضرت علامہ اپنی والدہ کے ہمراہ بدایوں منتقل ہو گئے جہاں آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ ''مدرسہ عالیہ قادریہ'' میں خدمت تدریس انجام دے رہے تھے چونکہ بدایوں ہی

Marfat.com

حضرت کی تعلیم وتربیت کا مرکز ہے لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس شہر کے متعلق بھی چند باتیں عرض کردی جائیں۔

شہر بدایوں

شہر بدایوں، ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ عروج کا تاریخی شہر ہے جہاں ہمارے عظیم اسلاف کی بے شمار نشانیاں اور آثار موجود ہیں یہ شہر اور خطہ پانچویں صدی میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ اور سید عبداللہ میر سلیم شہید کی مساعی سے اسلام آباد قرار پایا اور اس دور سے لے کر عہد مغلیہ اور مابعد تک یہاں کثیر علماء، فقہاء، اولیاء اور شہداء کے قدم پہنچے۔ مغلوں کے زوال کے بعد برطانوی دور میں بھی اس سرزمین سے علم وفضل کے کئی اساطین اور روحانیت کے کئی تاجدار پیدا ہوئے۔ جن میں خانوادہ تاج الفحول کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ ہزارہا قلوب کو اس خانقاہ کے چراغوں نے منور کیا۔ حضرت مولانا سالم میاں صاحب آج بھی اپنے ان روشن جبیں اسلاف کے مسند نشین ہیں، اسی بدایوں کی سرزمین سے حضرت قائد اہلسنت علامہ شاہ محمد عبدالحامد بدایونی کا ظہور ہوا جنہوں نے اپنے انقلابی کارناموں کے سبب عالمی شہرت حاصل کی اور جن کے کارناموں سے اسلامی سیاست کے ایک نئے دور کا باب وا ہوا:

بڑا غیور ہے مدنی قلندروں کا مزاج
فلک نشیں، کوئی بوریہ نہیں رکھتے

بدایوں میں قیام

بدایوں کے روحانی تاجداروں حضرت تاج الفحول اور ان کے بزرگوں کا قائم کردہ قدیم ''مدرسہ عالیہ قادریہ'' مدتوں سے تا امروز شہر اور بیرون شہر علم کے انوار وبرکات پھیلا رہا ہے۔ اسی مدرسہ کی تدریسی خدمات کے لئے مبلغ اسلام کے والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کو ۱۹۳۴ء میں مقرر کیا گیا تھا اور آپ کا قیام حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ کے دومنزلہ مکان کی بالائی منزل میں تھا جبکہ خود صاحب مکان نچلی منزل میں قیام فرماتے تھے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ان دونوں حضرات کے تعلقات نہایت دوستانہ اور رفیقانہ تھے، یہ دونوں علمی اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے نہایت قریب تھے۔ لہٰذا ان کے گھر والے بھی نہایت میل محبت سے رہتے تھے۔ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادگان عابد قادری اور زاہد قادری ہی کی طرح سعادت قادری کو بھی چاہتے اور ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

مولانا بدایونی علیہ الرحمہ کے کراچی منتقل ہوجانے کے بعد بھی تعلقات جاری رہے اور مبلغ اسلام کو مولانا کی خدمت میں حاضر رہنے کا کافی موقع ملا اور آپ نے مولانا کی سیاسی بصیرت اور انداز کار کا خوب مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کرتے رہے۔ حقیقتاً سیاسی امور میں دلچسپی اور تنظیمی کاموں کا جذبہ آپ کو مولانا بدایونی علیہ الرحمہ ہی کی صحبت سے ملے اور خوب ملے۔ مبلغ اسلام نے مجھ سے خود کہا کہ سیاست میں میرے استاد مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ تھے اس فن میں جو کچھ مجھے آتا ہے یہ انہی کا فیض ہے۔

Marfat.com

والد گرامی اور خاندان

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علامہ کے دادا جان حافظ سید احمد علی بن سید قاسم علی بن سید ہاشم علی (علیہم الرحمہ) علی گڑھ کی ایک ریاست ''بوڑھا گاؤں'' میں رہتے تھے۔ سادات کرام کا یہ خاندان وہاں کب سے آباد ہوا۔ یہ بات تشنہ تحقیق ہے بہرحال بوڑھا گاؤں کے اس بزرگ خاندان کو ان کے وطن اور اطراف علی گڑھ میں دینی سیادت اور مذہبی قیادت حاصل تھی۔ بھیکم پور کی مشہور علم نواز ریاست کے نوابین میں نواب مزمل خاں کا نام بہت مشہور ہے۔ حضرت مولانا حافظ سید احمد علی علیہ الرحمہ کا نواب موصوف سے تعلق تھا اور انہوں نے حافظ صاحب کی اپنی مسجد گڑھی کا خطیب و امام مقرر کیا تھا۔ نواب صاحب بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور یہیں نواب صاحب کی قبر بھی ہے جو ایک نہایت خوبصورت مقبرے میں ہے، مسجد بھی نہایت حسین ہے۔ وہ زمانہ آج کی طرح علماء و آئمہ کو غلام سمجھنے کا نہ تھا بلکہ ان کی پوری قدر دانی کا تھا چنانچہ مولانا حافظ سید احمد علی مرحوم نہ صرف مسجد کے امام تھے بلکہ نواب صاحب مرحوم کے معزز مصاحبین میں شمار کئے جاتے تھے اور ان کے دینی مشیر بھی تھے۔ نواب صاحب موصوف کے توسط سے مولانا کے روابط، گرد و نواح کے تمام نوابوں اور علماء و امراء سے بھی تھے۔ خصوصاً نواب یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شیروانی مرحوم سے بہت گہرا تعلق تھا۔ نواب یار جنگ چونکہ نہایت فاضل، علم نواز اور دریا دل تھے۔ ان کے پاس کتابوں کا ایک نایاب اور بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے بھی اہل علم ان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کتب خانہ نواب صاحب کی وصیت کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی منتقل ہو گیا جو اب تک ''نواب یار جنگ لائبریری'' کے نام سے موجود ہے۔

نواب صاحب مرحوم کے مصاحبین میں سے حضرت علامہ کے خالو جناب محمد صدیق صاحب مرحوم کے والد بھی تھے جن کے توسط سے آپ کے والد کا رشتہ سادات رامپور میں ہوا۔ مبلغ اسلام کے نانا ماسٹر سید جعفر علی مرحوم رامپور کے باسی تھے اور نسلاً افغانی تھے۔ نوابوں کے اتالیق تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو بھی دینی و دنیوی تعلیم سے خوب آراستہ کیا تھا۔ آپ کی والدہ سیدہ مہر النساء مرحومہ و مغفورہ نہایت متقیہ اور ذی علم تھیں۔ خصوصاً انہیں فارسی پر بہت عبور حاصل تھا۔ مثنوی مولانا روم کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ دی۔ حضرت علامہ کے بقول سب بھائی بہنوں کو والدہ ماجدہ ہی نے قرآن کریم پڑھایا اور ابتدائی دینی تعلیم دی۔ حضرت علامہ نے فرمایا: ''میں وہی نماز پڑھتا ہوں جو مجھے میری والدہ نے سکھائی تھی'' آپ کا وصال ۱۹۹۳ء میں کراچی ہی میں ہوا اور خاندانی قبرستان میں اپنے شوہر کے برابر دفن ہیں۔

مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ میں ہوئی، جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ صدیوں سے روحانیت کا بھی عظیم مرکز ہے اور جس خاندان نے عالم اسلام کو گزشتہ صدی کا مجدد عطا کیا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسہ لطیفیہ میں مولانا عبدالرحمٰن مرحوم سے عربی شروع کی۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ عربیہ

Marfat.com

سعیدیہ داددوں میں داخل ہوئے۔ جہاں مولانا وجیہ الدین رامپوری، مولانا نعمانی اور قاری محی الدین وغیرہ سے حصول علم کیا۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۱ء کا زمانہ مدرسہ عالیہ رامپور کے علماء سے اکتسابِ علم میں گزارا۔ اسی دوران علامہ فضل حق رامپوری اور علامہ افضال الحق رامپوری سے بھی شرف تلمذ پایا اور فراغت کے بعد تمام علوم متداولہ میں ماہر قرار پائے اور تدریسی عمل کا آغاز کیا۔

آپ نے ابتداءً مدرسہ نعمانیہ دہلی میں اس کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں مبلغ اسلام کی پیدائش ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں اپنی مادر علمی میں مدرسہ ہو کر آ گئے۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی قادری خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ آپ کا تقرر ہوا تھا۔ یہاں تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں آپ منتقل ہو کر پاکستان آئے اور ملتان شریف پہنچے جہاں آپ کی بڑی ہمشیرہ پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ یہاں آپ نے مدرسہ انوار العلوم کی شہرت سنی اور غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا چرچا سنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نہایت مردم شناس اور علماء کے قدرداں تھے لہٰذا آپ نے مفتی صاحب کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اسی وقت انوار العلوم میں خدمت تدریس کی پیشکش کر دی جسے مفتی صاحب نے بخوشی قبول کیا۔ یہاں بھی آپ کے سپرد تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کے شعبے کئے گئے جنہیں مفتی صاحب نے بخوبی نبھایا۔ اس وقت انوار العلوم کے طلباء کے لئے مدرسہ میں مطبخ تک نہ تھا آپ نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور طلباء کا کھانا مدرسہ ہی میں پکنے لگا۔ مدرسہ کی عمارت، مدرسہ کی آمدنی، مدرسہ کے سالانہ جلسوں اور دیگر شعبوں کو آپ کی مساعی سے چار چاند لگ گئے۔ علامہ کاظمی صاحب نے آپ کو نائب مہتمم کا عہدہ سپرد کر دیا اور آپ اپنے اس مخلص و باصلاحیت، باوقار رفیق پر ہمیشہ اعتماد کلی کرتے رہے صرف مدرسہ ہی کے معاملات نہیں بلکہ اپنے ذاتی امور میں بھی مفتی صاحب کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ملتان کے صرف دینی حلقوں ہی میں نہیں بلکہ سیاسی حلقوں میں بھی مفتی صاحب کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔ شہر کے عوام ہی نہیں بلکہ حکام بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور دفاتر سے متعلق اکثر کام آپ فون پر ہی کرا لیتے تھے۔

۱۹۷۰ء میں مبلغ اسلام سرینام تشریف لے گئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مفتی سید شجاعت علی قادری کراچی میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔ مفتی صاحب کی طبیعت بھی ناساز رہنے لگی۔ تمام اعزاء و اقارب بھی کراچی ہی میں مقیم تھے۔ لہٰذا آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری کی تحریک پر کراچی منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ اور ملتان کے عوام خصوصاً جامع مسجد بستی نج سے متعلق لوگوں کو آپ کے ملتان چھوڑنے کا بے حد افسوس رہا۔ جامع مسجد بستی نج میں آپ نے ملتان قیام کے دوران خطابت و امامت کی اور مسجد ہی کے مکان میں آپ کا قیام رہا۔ یہاں کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کی اہلیہ چونکہ عورتوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتی تھیں لہٰذا عورتوں مردوں سب ہی میں آپ کی روانگی کے وقت ایک کہرام مچا ہوا تھا۔

Marfat.com

کراچی تشریف لانے کے بعد آپ جامع مسجد قصاباں صدر میں خطابت کرتے رہے جہاں مبلغ اسلام ۶۰ تا ۷۰ء خطیب رہے۔ چند ماہ بعد ہی دار العلوم امجدیہ کی انتظامیہ نے آپ کو خدمت تدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے قبول فرمایا اور یہ ادارہ آپ کی خدمات کا آخری ادارہ قرار پایا کہ ۵ محرم ۱۳۹۳ھ ۹ رفروری ۷۳ء کو جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھانے کے بعد نماز عصر کا وضو کرنے اور تیار ہونے کے بعد پانچ بج کر بارہ منٹ پر وصال ہو گیا۔

مبلغ اسلام کا عہد طفولیت

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو خدمت تدریس کے لئے متعدد بار انتقال مکانی کرنا پڑا۔ یہ آپ کی خوش نصیبی رہی کہ جہاں بھی گئے اہل و عیال ہمراہ رہے۔ اس طرح مبلغ اسلام کو بچپن ہی سے نئے نئے مقامات، نئے نئے چہروں اور نئی نئی شخصیات سے سابقہ پڑتا رہا۔ گھر میں والدہ محترمہ کی تربیت سے سجتے اور سنورتے رہے۔ مدرسوں کے ماحول میں طلباء و اساتذہ میں مخدوم زادے اور استاد زادے ہونے کی حیثیت سے عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عمر کا ابتدائی حصہ جو بچہ کی ذہن سازی کا نہایت اہم دور ہوتا ہے یعنی ۶، ۷ سال سے ۱۷، ۱۸ برس کی عمر کا زمانہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مبلغ اسلام کو اس دور میں ہی نہیں بلکہ اس سے بھی پہلے نوابوں، ان کے مصاحبین اور خوش حال علماء و مشائخ کی گودوں میں کھیلنے اور نواب زادوں کے ساتھ کھیلنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ میں بلا تکلف عرض کر سکتا ہوں کہ مبلغ اسلام کی زندگی میں نفاست کا عنصر اسی ماحول کی دین ہے۔ لباس میں نفاست، کھانے پینے میں نفاست، برتنے کی اشیاء میں نفاست، حتیٰ کہ لکھنے پڑھنے کے سامان کاغذ، قلم، میز، کرسی، مسودہ، مبیضہ غرضیکہ ہر شے میں نفاست اور خوش سلیقگی کا مزاج بلا وجہ نہیں یہ اچھی تربیت اور اچھے ماحول ہی کی پیداوار ہے۔

جب والد ماجد کے ہمراہ بدایوں سے دادوں منتقل ہوئے اس وقت حضرت علامہ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ پاکستان روانگی تک یہیں قیام رہا۔ نواب مزمل اللہ خاں کے صاحبزادے نواب محمد حیات خان شیروانی سے آپ کی بہت دوستی رہی۔ گویا تقریباً ۱۴ برس کی عمر تک آپ نوابوں کے ماحول ہی میں رہے لیکن اس کے باوجود محنت و مشقت کے عادی رہے کہ والدین نے کبھی کوئی برا اثر آپ میں نہ آنے دیا۔ ہمیشہ آپ کی تعلیم و تربیت پر گہری نظر رکھی اور حصول علم کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا عادی بنایا۔

اساتذہ کرام

حضرت علامہ کی رسم بسم اللہ بھی دادوں ہی میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ اور والد گرامی اپنے اس شہزادے کو علم و عمل کی دولت لازوال سے مالا مال کرنے کا شروع ہی سے جتن کرتے رہے۔ پرائمری کورس اور ابتدائی دینی تعلیم کے بعد باقاعدہ مدرسہ سعیدیہ دادوں میں عربی تعلیم کا آغاز کیا اور مدرسہ کے مدرسین سے اکتساب علم کرنے لگے۔ دادوں کے زمانہ میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب علم کیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یونس صاحب

Marfat.com

بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ غلام ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ایک بار آپ کے ممتحن حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رہے انہوں نے شرح تہذیب کا امتحان لیا تھا۔

۵۱ء سے آپ نے مدرسہ انوار العلوم میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور تمام کتب متداولہ کی تکمیل یہیں ہوئیں اس زمانہ میں آپ کو متعدد اجلہ علماء سے استفادہ کا موقع ملا ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، غزالی دوراں حضرت علامہ شاہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی امید علی خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی عبدالحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام رسول ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی عبدالحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے خصوصی طور پر فن تقریر میں کمال حاصل کیا۔ حضرت مفتی صاحب اکثر آپ کو اپنے ہمراہ جلسوں میں لے جاتے تھے اور اپنی تقریر سے پہلے حضرت علامہ کو کھڑا کر دیتے اور بعد میں اصلاح کرتے تھے۔ اس طرح آپ انہی کے زمانہ میں خاصے اچھے مقرر بن چکے تھے۔

فراغت

دادوں میں قیام ہی کے دوران آپ نے الٰہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان دیا پھر مدرسہ انوار العلوم ملتان میں قیام کے دوران آپ نے عالم و فاضل کے امتحانات کی تیاری شروع کی لیکن مزید توجہ سے تیاری کرنے کے لئے والد گرامی نے آپ کو گھر سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا اور جامعہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور میں داخل کرا دیا۔ یہاں حضرت علامہ نے تقریباً ایک سال قیام فرمایا اس دوران مفتی حسین نعیمی، مفتی اعجاز ولی خاں اور مولانا عبدالنبی کوکب رحمہم اللہ سے اکتساب علم کیا اور پھر کراچی یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان دیا اور یہیں سے ایم اے اسلامیات کیا۔

مدرسہ انوار العلوم سے آپ کی فراغت ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ دستار بندی اس لحاظ سے نہایت مشہور و معروف تھا کہ اس میں ہندو پاک کے مشہور علماء و مشائخ شرکت فرماتے تھے۔ آٹھ نشستوں پر مشتمل یہ جلسہ تین دن جاری رہا کرتا تھا۔ مبلغ اسلام کی دستار بندی، اساتذۂ کرام کے علاوہ جن اکابر علماء و مشائخ نے کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔

شادی خانہ آبادی

مبلغ اسلام کا عقد نکاح ان کے تایا جان کی نواسی سید امتیاز علی قادری کی صاحبزادی سے ہوا جو اپنے وقت کے اچھے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت سیدھے سادھے، پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ تھے۔ کراچی سے شائع ہونے والے مشہور اخبار ''روزنامہ انجام'' کے ہیڈ کاتب تھے۔ روزنامہ ''انجام'' بند ہو جانے کے بعد ''روزنامہ جنگ'' کے قدردانوں نے اپنے اخبار

Marfat.com

کے لئے چنا اور آپ وہاں روزنامہ "جنگ" کی سرخیاں لکھنے پر مامور ہو گئے۔ فن کتابت میں مظاہرۂ مہارت اور حصول برکت کے لئے آپ نے مکمل قرآن کریم کی بھی کتابت کی جو آپ کے عہد میں ہی ڈھاکہ سے طبع ہوا۔

آپ صاحبِ سلسلہ بزرگان دین اور مشائخ سے وابستہ، اوراد و وظائف کے پابند تھے، مرشدین بریلی شریف میں سے حضرت شرافت میاں علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پاکستان میں مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے سربراہ تھے۔ آپ نے نہایت سادگی سے بے نمود و ریا زندگی گزاری۔ ۸۶ء میں وصال ہوا اور مبلغ اسلام کے خاندانی قبرستان میں حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہی دفن ہیں۔ آپ ہی کی دوسری صاحبزادی سے مبلغ اسلام کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ہوا۔

مبلغ اسلام کی اہلیہ نہایت متقیہ خاتون ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ رکھتی ہیں جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مبلغ اسلام کے اکثر باہر رہنے کے باوجود بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ماشاء اللہ چاروں بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور نیک ہیں۔ واقعی محترمہ نے بچوں کی ایسی ہی تربیت کی جیسی ایک مؤمنہ کو کرنا چاہئے۔ مبلغ اسلام اکثر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ میں اپنی بیرونی مصروفیات کے سبب کبھی بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دے سکا۔ یہ ان کی ماں ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ وہ صحیح مسلمان اور اچھے انسان ہیں محترمہ بہترین میلاد خواں ہیں اور کراچی میں حلقہ خواتین میں متعارف ہیں کئی مرتبہ خواتین سیرت کانفرنس اسلام آباد میں بھی آپ شریک ہو چکی ہیں۔

بیعت و ارادت

حضرت علامہ کو شرفِ بیعت حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ بلرام ضلع علی گڑھ کے باشندے تھے بعد ہجرت کراچی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت کے دادا جان سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مبلغ اسلام اپنے بزرگوں سے حضرت صوفی صاحب کی نیکیوں اور کرامات کا حال سنتے رہتے تھے اسی لئے آپ کو حضرت سے قلبی لگاؤ تھا جبکہ بالمشافہ ملاقات بہت بعد میں ہوئی۔

حضرت علامہ کے فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد والد گرامی نے کئی مرتبہ تحریک کی کہ حضرت کسی بزرگ سے بیعت ہو جائیں لیکن حضرت اپنے فطری تنقیدی مزاج کے سبب کسی بزرگ سے مطمئن نہ ہو سکے۔ کراچی قیام کے دوران آپ کی ملاقات حضرت صوفی صاحب سے ہوئی تو آپ ان سے مل کر بے حد متاثر ہوئے اور ذہنی طور پر ان سے بیعت ہونے کا فیصلہ کر لیا ایک عرصہ گزر گیا لیکن عمل نہ کر سکے جبکہ آمد و رفت کا سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ ایک دن حضرت صوفی صاحب نے از خود فرمایا کہ:

"سید صاحب آپ ایک روز پچھتائیں گے"

حضرت سمجھ گئے اور اسی روز اپنے برادرِ خورد مفتی سید شجاعت علی قادری کے مکان پر پہنچے اور اپنا فیصلہ سنایا تو مفتی صاحب نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا اور الحمد للہ دونوں بھائی صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے جبکہ اہلیہ اور خاندان کے بعض

Marfat.com

دیگر افراد پہلے ہی مرید ہو چکے تھے۔

حضرت علامہ سرینام روانہ ہونے سے قبل اپنے مرشد سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو انہوں نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے ازخود خلافت بھی عطا فرمائی۔ جس پر حضرت نے حیرت زدہ ہو کر عرض کیا: ''حضور میں تو اس کا اہل نہیں ہوں'' پیر صاحب نے فرمایا: ''آپ اہل بھی ہیں اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہوگی'' کچھ عرصہ بعد ہی سرینام میں مرشد کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی جب لوگوں نے مبلغ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کے لئے اصرار کیا۔

حضرت صوفی صاحب اپنے اس باصلاحیت مرید پر فخر کیا کرتے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے حتیٰ کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو پیر صاحب حضرت ہی سے امامت کراتے اور خود ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پیر صاحب نے وقتاً فوقتاً آپ کی روحانی تربیت بھی کی اور اوراد و وظائف بھی تعلیم فرمائے۔ ایک رات حضرت علامہ کو کچھ دیر تک اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ بعد نماز عشاء حضرت نے اپنے مرید کو حکم دیا کہ آپ باہر جائیں میں پھر بلاؤں گا۔ مبلغ اسلام باہر چلے گئے۔ اتفاق سے یہ رات سخت سردی کی تھی، ساری رات ایک شیروانی میں آپ ٹھٹھرتے اور ٹہلتے رہے۔ علامہ بتاتے ہیں کہ میں امتحان کی اس شب بڑا ہی بے چین رہا۔ اللہ کا کرم ہوا کہ ثابت قدم رہا، تہجد کا وقت ہوا۔ حضرت باہر تشریف لائے وضو فرمایا اور واپس چلے گئے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ فجر کی اذان ہوئی تو حضرت کی آواز آئی ''سید صاحب آیئے'' اضطراب کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے گلے لگایا ایک وظیفہ عنایت فرمایا اور نماز فجر پڑھانے کا حکم دیا (اس موقع پر غور فرمایئے کیا آج کا کوئی مرید پیر کے حکم کی اس طرح تعمیل کر سکتا ہے اور چونکہ اب یہ جذبہ اطاعت نہ رہا لہٰذا بزرگوں سے کچھ نصیب بھی نہیں ہو پاتا۔)

صوفی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ۲۲ر جمادی الثانی غالباً ۱۳۱۲ھ، ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ آپ کی رہائش کراچی کے ایک علاقہ پیر الٰہی بخش کالونی میں تھی۔ یہیں آپ جامع مسجد قادری کے قریب دفن ہیں۔ یہ مسجد اور مزار کی جگہ حضرت صوفی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں حاصل کر لی تھی اور اپنی نگرانی میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ آپ نے پاکستان بالخصوص کراچی میں مریدوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے۔ حضرت علامہ کے علاوہ آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ اور اپنے ایک مرید خاص جناب سید زبیر احمد شاہ کو خلافت دی۔

مبلغ اسلام اپنے مرشد کی کرامتوں میں سے ایک کا ذکر بڑی اہمت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ میرے ایک پھوپھی زاد بھائی، سید مظہر حسین وزارت خارجہ میں افسر اعلیٰ تھے۔ حضرت کی دعاؤں سے ان کا تبادلہ جدہ ہو گیا۔ حضرت نے مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: ''ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے'' یہ عجیب سی بات تھی کیونکہ قانوناً یہ بہت مشکل تھا۔ بہر حال ضروری کاغذات جمع کئے گئے اور ویزا کی درخواست دے دی گئی اور چند ہی دن میں ویزا حاصل بھی ہو گیا۔ صوفی صاحب قبلہ کو خبر دی گئی تو آپ نے شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: ''جب آقا، غلام کو طلب فرمالیں تو کون روک سکتا ہے، بحری جہاز سے سفر کرنا تھا۔ مقررہ تاریخ آگئی، جہاز کی روانگی ساڑھے بارہ بجے صبح تھی۔ میں دیگر اہل خانہ اور مریدوں کی بڑی تعداد حضرت کو

Marfat.com

رخصت کرنے کے لئے حاضر تھے لیکن گیارہ بجے تک حضرت تشریف نہ لائے۔ سب لوگ پریشان تھے مجھے منتخب کیا گیا کہ فون کر کے حضرت سے صورتِ حال معلوم کروں فون کیا تو بڑے ہی اطمینان سے جواب ملا'' انشاء اللہ میں بروقت پہنچ جاؤں گا۔'' ادھر اعلان ہوا کہ جہاز تین گھنٹے تاخیر سے روانہ ہوگا، حضرت صاحب دو بجے تک تشریف نہ لائے پھر اعلان ہوا کہ جہاز سات بجے روانہ ہوگا اور اب حضرت صاحب پانچ بجے تشریف فرما ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم وقت پر پہنچ گئے۔

حضرت صاحب کے ہمراہ دل، چاولوں (کھچڑی) سے بھری بوریوں کا ایک ٹرک تھا جسے روک لیا گیا۔ جب حضرت صاحب کو خبر دی گئی تو بغیر کسی پریشانی کے آپ نے فرمایا:'' وہ تو آقا کے دربار کے لئے غلام کا تحفہ ہے کیسے روکا جا سکتا ہے'' تھوڑی دیر بعد ہی سب نے دیکھا کہ بوریاں جہاز پر لادی جا رہی ہیں۔

میدان عمل میں

مبلغ اسلام طبعاً تدریسی زندگی کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔ شاہانہ مزاج تھا مگر گھر کا ماحول مولویانہ اور درویشانہ تھا جس میں حسب منشاء زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔ لہٰذا آپ کی عملی زندگی کا آغاز تدریس سے ہی ہوا۔ ملتان ہی میں'' علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوی ایشن'' کے زیر اہتمام قائم ایک اسکول میں ملازمت اختیار کی اور نہایت کامیاب اسلامیات کے معلم رہے۔ بچوں کے لئے خود ہی اسلامیات کا نصاب تیار کیا اور'' اسلامی عقائد'' نامی ایک کتاب لکھی جو اسکول انتظامیہ نے منظور کی یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی۔ اسی دوران آپ کی شادی ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد والد صاحب کی اجازت سے بہتر مستقبل کی تلاش میں کراچی منتقل ہوگئے۔ یہاں بھی ایک اعلیٰ اسکول'' میری کلاسو'' میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ اسی زمانہ میں حضرت مفتی عبدالحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ سے جامع مسجد میں آپ کی ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے اور چند ہی دن میں آپ اُن سے بہت ہی قریب ہوگئے۔ مفتی صاحب کی تحریک پر آپ نے'' دارالعلوم مظہریہ آرام باغ'' میں تدریس کی خدمت انجام دینا شروع کر دی۔ کچھ دن بعد آپ کو ملتان منتقل ہونے کا خیال آیا لیکن مفتی صاحب سے علیحدگی اب آپ کے لئے بہت دشوار تھی، لہٰذا آپ نے مفتی صاحب سے گزارش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے مدرسہ انوار العلوم میں تقرری کی کوشش کروں۔ مفتی صاحب کی اجازت سے آپ نے والد صاحب کو لکھا اور علامہ کاظمی صاحب اور والد صاحب نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو ملتان کے لئے دعوت دے دی۔ مبلغ اسلام کو اپنی اس کامیابی پر بے حد خوشی ہوئی اور مفتی صاحب کے ہمراہ ملتان منتقل ہوگئے لیکن دو سال بعد ہی مفتی صاحب کا وصال ہوگیا اور مبلغ اسلام دل برداشتہ ہو کر دوبارہ کراچی منتقل ہوگئے۔ قیام ملتان کے دوران آپ مدرسہ انوار العلوم میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

دوبارہ کراچی آکر آپ نے پھر میری کلاسو اور دہلی کالج کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے ساتھ آپ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں تنظیمی امور بھی انجام دیتے رہے اور جمعیت علماء پاکستان کے ناظم نشر و اشاعت مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے دیگر علماء کے ہمراہ'' جماعت اہلسنت پاکستان'' قائم کی۔ جس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جماعت کی مصروفیات بڑھتی گئیں اور آپ کو ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا۔ مسجد قصاباں صدر میں خطابت کی خدمت جاری رہی

Marfat.com

وہ صرف اس لئے کہ یہی مسجد اس وقت جماعت اہلسنت کا مرکز تھی۔ سرینام روانگی تک آپ کا قیام اسی مسجد کے مکان میں رہا اور تنظیمی وسیاسی مصروفیت میں گھرے رہے۔

۱۹۷۰ء میں ملکی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے ملکی تاریخ میں پہلی بار حصہ لیا۔ اس وقت حضرت جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کے ناظم تھے۔ ۶۹ء اور ۷۰ء دو سال آپ کی بھرپور تنظیمی اور سیاسی جدوجہد کے ہیں۔ جماعت کے دفاتر کا انتظام، سنی کانفرنسوں کا اہتمام، انتخابی جلوسوں اور جلسوں میں خطاب، دیگر سیاسی جماعتوں سے مذاکرات اور ان کی میٹنگوں میں شرکت اور نہ جانے کیا کیا آپ کی مصروفیات رہیں۔ نتیجتاً جمعیت کو انتخابات میں جو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی اس نے اپنوں، غیروں سب ہی کو حیرت میں ڈال دیا اور سب کو حضرت علامہ کی تنظیمی صلاحیتوں اور محنت ومشقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

اواخر ۷۰ء میں حضرت کی ملک سے باہر روانگی کا فیصلہ کیا جا چکا تھا لیکن بات دبی رہی۔ انتخابات کے بعد جب آپ کی روانگی کا اعلان کیا گیا تو جمعیت کے کارکنوں میں ایک کہرام مچ گیا، طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ کسی نے اس اقدام کو حضرت کے خلاف سازش قرار دیا تو کسی نے حضرت کی بیرون ملک روانگی کو جمعیت کی بربادی قرار دیا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں اخبارات تک میں طرح طرح کی خبریں آنے لگیں۔ سیاسی رہنماؤں کے بیانات شائع ہونے لگے اور ہر طرح حضرت کو روکنے کی کوششیں کی جانے لگیں لیکن حضرت نے اپنے امن پسند مزاج کے مطابق اپنے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''اب میں سیاسی اور تنظیمی زندگی چھوڑ کر خالص دینی اور مذہبی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے میرا ملک سے باہر جانا ناگزیر ہے، غرضیکہ لوگ احتجاج کرتے رہے اور حضرت جنوری ۱۹۷۱ء کو سرینام کے لئے روانہ ہو گئے۔

سرینام میں قیام

سرینام، سمندر پار جنوبی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو ۱۹۷۴ء تک ڈچ کالونی رہا۔ تقریباً سوا سو سال پہلے نیپال، کلکتہ، بہار وغیرہ سے یہاں کھیتی باڑی اور مزدوری کے لئے لوگوں کو لایا گیا۔ ان میں ہندو، مسلمان سب ہی شامل تھے۔ ابتداءً یہ لوگ چند سال کے معاہدے پر آئے تھے ان کی محنت ومشقت دیکھ کر اس وقت کی برطانوی حکومت نے انہیں یہیں مستقل کر دیا۔ یہ تقریباً سب ہی ان پڑھ تھے لیکن ان میں اپنے مذہب کا جذبہ بہر حال موجود تھا، بحمد اللہ مسلمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اپنے دین سے اس کا تعلق رہتا ہے۔

مبلغ عشق ومحبت حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صاحب پہلے عالم دین تھے جن کے قدموں سے سرینام مشرف ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کے دل میں ایمان کی اس شمع کو بھڑکا دیا جو مدہم پڑ چکی تھی۔ آپ کی تقریروں سے ان میں دین کی اشاعت اور علم دین کے حصول کا جذبہ بیدار ہوا اور یہ لوگ علماء کو مدعو کرنے لگے۔ حضرت علامہ سید سعادت علی قادری بھی جنوری ۷۱ء میں یہاں پہنچے۔ آپ نے یہاں تین سال متواتر کام کیا۔ سرینام مسلم ایسوسی ایشن نے آپ کو مدعو کیا تھا۔ جامع مسجد سرینام بے حد خستہ حال تھی۔ آپ نے کثیر رقم جمع کرائی اور مسجد کی تعمیر وتزئین کرائی۔ سرینام کے دیگر دیہاتوں کی مساجد کو بھی آراستہ کیا گیا۔ ان دیہاتوں میں تعلیم قرآن کے مدارس قائم کئے، قاعدوں اور قرآنی سیپاروں کی طباعت کا بھی انتظام کیا۔ مدرسین کا

Marfat.com

تقرر کیا، سالانہ جلسوں بالخصوص یوم حسین رضی اللہ عنہ اور عید میلاد النبی کا اہتمام کیا۔ عید میلاد النبی کا جلوس بڑے ہی اہتمام کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ اس سے قبل سرنیام کے مسلمان اس جلوس سے ناواقف تھے۔ جلسے اور جلوس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے سیاسی و مذہبی راہنما اور عوام بھی بکثرت شرکت کرتے تھے۔ بحمد اللہ مبلغ اسلام کے یہ کام اب تک جاری ہیں۔

آپ کے قیام کا دور سرنیام کے مسلمانوں کے لئے مذہبی بیداری کا دور تھا انہوں نے ہر طرح حضرت کا تعاون کیا اور ان سے خوب استفادہ کیا۔ وہ حضرت کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ آج تک وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں حضرت کی یاد تازہ ہے اور بڑی عقیدت سے یہ لوگ آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت نے سرنیام کے مسلمانوں میں خدمت دین کا جو جذبہ بیدار کیا اور جس طرح ان کی تنظیمی تربیت کی اسی کا نتیجہ ہے کہ سرنیام ہی کے مسلمان ہالینڈ میں بھی سب سے زیادہ مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مبلغ اسلام کا ایک اہم کارنامہ یہ قرار پایا کہ آپ نے سرنیام کے مسلمانوں میں وہی علم جھنڈا متعارف کرایا جو پاکستان میں ''نبی کا جھنڈا'' کہلاتا ہے۔ نبی کا یہ جھنڈا وہاں آج بھی مسلمانوں کے گھروں پر لہرا رہا ہے۔ اس کے اسٹیکر گاڑیوں اور گھروں کے دروازوں پر لگے ہوئے ہیں۔ اسے گلاسوں پر پرنٹ کرایا گیا جو مسلمانوں کے گھروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور جہاں بھی حضرت گئے وہاں یہ جھنڈا متعارف ہوا اور سنی مسلمانوں کا علم اور نشان قرار پایا۔ بالخصوص مکانوں اور گاڑیوں پر لگے یہ اسٹیکر بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت علامہ کا قیام سرنیام میں ۷۱ء تا ۷۳ء تین سال رہا۔

دین کے ہر خادم کو اس راہ میں دشواریوں اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علامہ کو بھی اسلاف کی اس سنت پر عمل کا موقع میسر آیا کہ آپ کے کام کی رفتار جس تیزی سے بڑھتی گئی اتنی ہی تیزی سے مخالفین کی یلغار بھی زیادہ ہوتی گئی، گاڑی اور گھر پر پتھراؤ، دھمکیاں، حملے، مقدمات غرضیکہ وہ سب کچھ ہوتا رہا جو ہمیشہ سے حاسدین اور مخالفین اہل علم کے ساتھ کرتے آئے ہیں لیکن چونکہ حضرت پہلے ہی سے تجربہ کار تھے۔ سیاسی سوجھ بوجھ اور تدبیر و تدبر کی آپ میں کمی نہ تھی، لہٰذا آپ نے حالات کو خوب قابو میں رکھا اور لڑائی جھگڑوں اور قتل و غارت سے لوگوں کو روکنے میں کامیاب رہے۔ تین سال کی مدت پوری کر لینے کے بعد آپ نے از خود ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا جبکہ عوام سراپا احتجاج بنے رہے اور سرنیام کے مسلم و غیر مسلم سیاسی لیڈروں اور حکام مکمل تعاون کا یقین دلاتے رہے۔

ہالینڈ تشریف آوری

۷۵ء میں سرنیام کو ہالینڈ سے آزادی ملی۔ اس موقع پر سرنیام کے لاکھوں افراد ہالینڈ منتقل ہو گئے جن میں حضرت علامہ کے مریدین، معتقدین اور مخلصین کی بھی بڑی تعداد تھی۔ آپ کے ایک نہایت ہی مخلص مرید نے یہاں پہنچتے ہی آپ کو ہالینڈ آنے کی دعوت دی جو بلاشبہ ان کا بڑا کارنامہ تھا۔ حاجی احمد علی سکھئی کی دعوت پر حضرت ہالینڈ تشریف لائے۔ یہ ۷۶ء کی بات ہے آپ نے چند دن یہاں قیام فرمایا، لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے، متعدد جلسے ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو دینی کام کرنے

Marfat.com

جماعت بنانے پر آمادہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دین ہاگ کے احباب نے تنظیم بنام "انجمن عقائد الاسلام" قائم کی اور آپ کو مدعو کیا۔ آپ دوبارہ تشریف لائے اور باقاعدہ کام کا آغاز ہو گیا۔ ربیع الاول شریف آیا تو آپ نے عید میلاد النبی کے جلسہ کا اہتمام کیا۔ دین ہاگ کا سب سے بڑا ہال کرایہ پر حاصل کیا گیا اور اس کانگریس ہال میں نہایت ہی تزک واحتشام سے جلسہ منعقد ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرنیام کے مسلمانوں کے علاوہ اس میں ترکی اور ڈچ بھی شریک ہوئے۔ ترکی علماء اور انتظامیہ سے متعلق ڈچ حکام کی بھی تقاریر ہوئیں کئی سال تک اسی ہال میں یہ جلسہ ہوتا رہا۔ جس سے مسلمانوں میں خدمت دین کے جذبات بیدار ہوئے۔ انہوں نے تنظیمیں قائم کیں، علماء کو مدعو کرنا شروع کیا ہر ماہ حضرت کا تبلیغی جلسہ ہوتا تھا۔ حضرت کی عدم موجودگی میں اس جلسہ میں راقم الحروف شریک ہوتا رہا۔

چند سال بعد ہی "انجمن عقائد الاسلام" کا نام تبدیل کر کے "جماعت اہلسنت" رکھا گیا اور اس کا اپنا مکان خرید لیا گیا پھر چند سال بعد غالباً ۸۰ء میں ایک پرانی فیکٹری کی وسیع وعریض جگہ خریدی گئیں جو "القادری اسلامک سینٹر" کے نام سے بحمد اللہ موجود ہے۔ اس کا اپنا وسیع ہال ہے، مدرسہ ہے اور خوبصورت مسجد بھی اب عید میلاد النبی اور دیگر جلسے اس سینٹر میں منعقد ہوتے ہیں۔ حضرت کی دیگر مصروفیات کے باعث اب "القادری اسلامک سینٹر" کی رونق پہلی جیسی تو نہیں تاہم کام ہو رہا ہے۔ اب اگر حضرت ہالینڈ میں ہوتے ہیں تو جلسوں میں شرکت فرماتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کا دورہ

۱۹۸۲ء میں حضرت پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور تا ایں دم یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے اگرچہ وہاں زیادہ مدت کبھی قیام نہیں فرمایا لیکن تقاریر کے علاوہ تنظیمی اور تعمیری کام خوب کئے۔ ڈربن کے قریب ہی ایک وسیع وعریض زمین حاصل کر کے "القادری اسلامک سینٹر" کی عمارت تعمیر کرائی جو مسجد، مدرسہ، ہسپتال، لائبریری اور ایک وسیع ہال پر مشتمل ہے۔ اچھا برتاؤ، تین راتیں، مرض سے موت تک، یوم الفرقان، حضرت کی معروف تصانیف ہیں۔ انگلش میں انہیں ساؤتھ افریقہ ہی کے مریدین نے چھاپا اور پوری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئیں۔ حضرت اپنے قیام کے دوران جامع مسجد ڈربن میں مستقل خطابت فرماتے ہیں جو بڑا اعزاز ہے۔ جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران آپ نے دیگر افریقی ممالک کا بھی کئی مرتبہ دورہ کیا۔ جہاں آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

دیگر ممالک

سرنیام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک کینیڈا، امریکہ کی متعدد ریاستوں کا بھی مبلغ اسلام کئی مرتبہ دورہ کر چکے ہیں اور عمر کے اس حصے میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو بصحت وسلامتی عمر دراز عطا فرمائے تاکہ آپ اپنی جد وجہد جیتوں سے امت مسلمہ کو فیض پہنچاتے رہیں۔ آمین۔

ذوق خطابت

مبلغ اسلام نے مجھے خود بتایا کہ میں بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کا دوپٹہ سر پر باندھ لیتا، چھڑی ہاتھ میں لیتا اور ان

Marfat.com

میں کئی مرتبہ تقریر کرتا رہتا۔ گویا آپ کو فطری طور پر تقریر کا شوق تھا جو بڑے ہونے کے بعد ابھرا اور خوب ابھرا۔ بارہ سال کی عمر سے ہی آپ نے جمعہ سے قبل اپنے والد گرامی کی مسجد میں تقریر کا آغاز کیا اور تا ایں دم آپ نے جمعہ کی خطابت کبھی نہ چھوڑی۔ نہ جانے کتنی کانفرنسوں میں آپ کو تقریر کرنے اور مقالات پڑھنے کا موقع ملا۔ بالخصوص میلاد النبی کی اسلام آباد میں کانفرنسوں میں آپ نے خوب اپنے جوہر دکھائے اور تقریریں کیں۔ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اپنی سیاسی تقریروں میں ایک انقلاب برپا کیا۔ سرنیام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کی تقریروں سے جو مذہبی جذبات بیدار ہوئے وہ مدتوں باقی رہیں گے۔ دنیا نے آپ کو پہلے مقرر اور پھر مصنف کی حیثیت سے پہچانا۔ دنیا کے تمام ممالک میں آپ کی تقریروں کے کیسٹس پھیلے ہوئے ہیں جن سے لوگ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

تقریر میں آپ کا ایک اچھوتا انداز ہے۔ بنیادی طور پر خطابت کا کمال یہ ہے کہ مضمون میں ایک ترتیب ہو اور تسلسل ہو۔ نیز جو بیان کیا جائے اس کو آسان دلائل سے ثابت کیا جائے۔ انتخابِ مضامین میں مبلغ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جس عنوان پر انہیں تقریر کرنا ہوتی ہے سب سے پہلے اس سے متعلق آیات قرآنیہ کا انتخاب کرتے ہیں پھر ان سے متعلق احادیث لیتے ہیں اس کے بعد ماحول اور ضرورت کے لحاظ سے گفتگو کرتے ہیں۔ بالخصوص حالات حاضرہ کی گفتگو آپ کی تقریر کی روح ہوتی ہے۔ جس سے تقریر مزید مفید اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔ میں نے انہیں جب سے جانا ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ تقریر بڑے ہی اہتمام اور محنت سے تیار کرتے ہیں۔ نئے نئے عنوانات پر گفتگو آپ کی خصوصیت ہے۔ نیز موضوع سے متعلق آیات و احادیث کو یاد کر لینا بھی آپ کا خاص کمال ہے۔ دورانِ تقریر اصلاح کی نیت سے آپ جو تنقید کرتے ہیں اس کی زد میں آنے والا کوئی بھی ہو آپ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ کھلم کھلا احکام بیان کرنا ہی اپنی دیانت اور ذمہ داری سمجھتے ہیں چونکہ آپ کی تقریر کے مخاطب ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں لہٰذا آپ زبان کی سادگی کا خاص خیال رکھتے ہیں مگر اس سادہ بیانی میں بھی علمی نکات اور نادر مضامین خوب بیان کر جاتے ہیں۔

غرضیکہ علامہ سید سعادت علی قادری ایک بہترین مقرر و خطیب اور مصنف ہیں، ایک مؤثر مبلغ ہیں، عمر کے ساٹھ برس سے زیادہ گزار چکے ہیں اور بحمد اللہ اب بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے اور انہیں پورا کرنے کے لئے کسی بھی محنت و مشقت سے گریز نہیں کرتے۔ اب بھی نہ زورِ خطابت میں کمی ہے اور نہ رفتارِ قلم میں سستی۔ اللہ انہیں صحت و طمانیت عطا فرمائے کرامتِ مسلمہ تا دیران سے استفادہ کرتی رہے، آمین یارب العلمین بجاہ رحمة العلمین۔

نیاز مند

بدر القادری

اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۲۱، شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، ۹، نومبر ۲۰۰۱ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

فقیہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب
مصنف ''آب کوثر''، ''البرہان''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدهٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد!

اعمال کے لئے ایمان شرط ہے۔ قرآن مجید میں ہے: عربی (سورۃ طٰہٰ: ۱۱۲)

''اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا۔''

نیز فرمایا گیا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (نحل: ۹۷)

''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔''

ان دونوں آیات میں واؤ شرطیہ ہے اسی لئے بعض مترجمین نے اس طرح ترجمہ کیا ہے: ''جو کوئی نیک کام کرے شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو''۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان کے بغیر کسی عمل کسی نیکی کا وجود ہی نہیں کہ ''اذا فات الشرط فات المشروط'' جب شرط نہ ہو مشروط نہیں رہتا۔ پس ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ آقا ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''قُمْ یا بلالُ فاذّن لا یدخل الجنّۃ الّا مؤمنٌ'' (بخاری، مشکوٰۃ ص ۵۳۴) اے بلال اٹھ اور اعلان کر کہ جنت میں صرف وہی جا سکے گا جس کے پاس ایمان ہوگا۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ ایمان کی جان، ایمان کی روح، ایمان کا رکن رکین، حب مصطفیٰ ﷺ ہی ہے،

روح ایمان مغز قرآن جان دیں ہست حُبّ رحمۃ للعلمین (ﷺ)

مطالع المسرات میں ہے: ''فمن لا محبۃ لہٗ لا ایمان لہٗ فحبّہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکن الایمان لا یثبت ایمان عبد ولا یقبل الا بمحبتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' جو محبت نہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں ہو سکتا پس حب رسول ﷺ ایمان کا رکن ہے، بغیر محبت رسول ﷺ کے نہ تو کسی کا ایمان ثابت ہو سکتا ہے اور نہ یہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ مطالع المسرات میں یہ بھی ہے: ''فاصل الایمان مشروط باصل الحب وکمال الایمان مشروط بکمال الحب'' ایمان کی اصل محبت ہے اور ایمان کا کمال محبت کے کمال سے مشروط ہے۔

کچھ بدنصیب اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہے تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔ اس باطل اور بیہودہ خیال کو رد کرنے کے لئے حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فمحبۃ اللّٰہ مشروطۃ

Marfat.com

بِمَحَبَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' اللہ کی محبت رسول ﷺ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

اس ساری تمہید کا ماحصل یہ ہے کہ محبت مصطفیٰ ﷺ ہی سب کچھ ہے اور اس دولت عظمیٰ کے بغیر سب بربریت اور سراب ہے۔ فقیر راقم الحروف نے سید وسندی فخر سادات مبلغ اسلام حضرت علاّم مولانا سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف لطیف ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا'' کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ، حب رسول ﷺ کا چھلکتا ہوا جام ہے اور پھر سلاست تحریر اور بلاغت لسان، بلندی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ مطالعہ کنندہ اگر خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور محبت مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب کو شرف قبولیت عطا کرے اور مصنف ذی احتشام کو مزید دینی و ملی خدمات کی توفیق انیق سے نوازے، آمین۔

بِجَاهِ مَنِ اتَّخَذَهُ اللّٰهُ حَبِيْبًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

محتاج دعاء

فقیر ابوسعید محمد امین غفرلہ

فیصل آباد

Marfat.com

تبصرہ برکاتی

از محامد العلماء ابوحماد علامہ مفتی احمد میاں برکاتی

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات
شاہراہ مفتی محمد خلیل خان حیدرآباد (پاکستان)

باسمہٖ تبارک وتعالٰی وبالصلوٰۃ والسلام علی حبیبہٖ ورسولہٖ ونبیہٖ بلاء الاعلٰی

مبلغ اسلام ومسلمین، حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری زید مجدہم ایک اچھے ومنفرد منتظم ہونے کے ساتھ بلندی عزم، جواں ہمت اور مسلک حقہ اہلسنت کے لئے شانِ سخا کے حامل ہیں۔

وہ نہ صرف ایک کامیاب مبلغ ہیں بلکہ جودتِ طبع کے لحاظ سے ایک عمدہ مصنف بھی ہیں۔ علامہ موصوف حامل ''وراثت انبیاء'' ہونے کے ساتھ ہر صفت کے لوگوں سے ''اچھا برتاؤ'' کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور مومن کے حلم و وقار کا تقاضا بھی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی حیات وصحت میں بلکہ ''مرض سے موت تک'' بلکہ بعد الموت بھی اپنوں اور بیگانوں کے لئے ایک مثال ونمونہ ہو تاکہ تحفہ الٰہی ''فَلَنُحْيِيَنَّهٗ، حَيٰوةً طَيِّبَةً'' کا حقدار ہو سکے۔ علامہ سعادت علی قادری کی زندگی کا ہر پہلو روشن ''تبلیغی کتاب'' کی طرح ہے جس سے اہل حق روشنی پا رہے ہیں۔

علامہ موصوف اپنی کتابوں، تصانیف اور تقاریر میں قارئین اور سامعین کو یہ جذبہ دیتے نظر آتے ہیں کہ مومن ''یوم الفرقان'' کے اصحاب کی طرح اپنے ہر ماہ کی ''تیس راتیں'' صبر، حلم اور اطاعت رسول میں گزارے۔ حضرت مولانا قادری ''نام نہاد اسلامی انقلاب'' کی بجائے مومن کے روح وجسم پر حقیقی اسلام چھا جانے کے شدت سے خواہش مند ہیں۔ ان کے یہ جذبات ''مقالات قادری'' سے خوب عیاں اور واضح ہیں اور جب وہ مثال دے کر سمجھانے کے لئے امہات المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہن اجمعین کی سیرت ''میری مائیں'' کہہ کر بیان کرتے ہیں تو یہ احساس نہایت شدت سے نکھر جاتا ہے کہ اولاد کو اپنی ماں کے حق میں کیا ہونا چاہئے اور ماں کہ جس کے قدموں میں جنت ہے۔ اگر صرف اسی کو راضی کر لیا جائے تو کل جہاں اور خالق جہاں راضی ہے۔

پیش نظر کتاب ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ''عطر مجموعہ تفاسیر'' ہے۔ اور یہ وہ خواب تھا کہ جو خلیل العلماء، علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی (راقم کے والد ماجد) نور اللہ نے تقریباً پچاس سال قبل دیکھا اور سترہ پاروں کی تفسیر ''خلاصۃ التفاسیر'' کے نام سے لکھی جس کے سات پارے طبع ہوئے اور باقی حالات کی نذر ہو گئے پھر عرصہ سولہ سال قبل ''چادر چار دیواری'' (تفسیر سورۂ نور) کی شکل میں اس کی جزوی تعبیر سامنے آئی اور اب علامہ سید سعادت علی قادری نے اسی خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور دو ضخیم جلدوں میں ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' میں وہ علمی جواہرات جمع فرما دیئے جن کی چمک دمک

Marfat.com

اہل دانش کی بصر کو رونق دے گی۔

علامہ قادری کو فقیر اس وقت سے جانتا ہے جب استاذی المکرّم علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ نے فقیر کے آخری تعلیمی سال ۱۹۷۳ء میں حکم فرمایا کہ ''ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی'' کو سنبھالو اور اس کو چلاؤ کچھ ہی دنوں کے بعد علامہ قادری پورے پاکستان کے اہلسنت کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد جب جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تو انہوں نے ترجمان اہلسنت میں نئی جان ڈالی اور اس کی اشاعت میں تسلسل پیدا کیا۔ علامہ کے دورِ نظامت میں ''ترجمان اہلسنت'' نکالنے پر کوئی دقت پیش نہ آئی اور یوں اس علم دوست ہستی نے قارئین کا ایک نہایت شاندار اور جاندار حلقہ قائم کیا جو آج بھی اس دور کے ترجمان کو یاد کرتا ہے۔ علامہ قادری کی یہ نئی تصنیف ''خوب سے خوب تر'' کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس کا ہر عنوان ایک روشن چراغ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ''مقالات قادری'' کی طرح اس تصنیف سے بھی عوام و خواص کو مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

فقیر قادری کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے علامہ قادری کی تصنیف ''مقالات قادری'' کی تین جلدیں بیک وقت برکاتی پبلشرز اور مکتبہ...... حیدرآباد کی طرف سے شائع کی ہیں، خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ذرۂ فقیر قادری احمد میاں برکاتی غفرلہ

خادم الحدیث الشریف، دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

۱۰ / رجب المرجب ۱۴۲۱ھ، ۹ / اکتوبر ۲۰۰۰ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

حضرت علامہ محمد شعیب قادری صاحب

خطیب جامع گلفشاں، کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصنف کتاب ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی کا شمار اس وقت اکابرین اہلسنت و جماعت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تحریر وتقریر میں آپ کو ملکہ خاص عطا کیا ہے بہت کم لوگ ہیں جو اچھے مقرر بھی ہیں اور اچھے محرر بھی۔

علامہ موصوف کتب کثیرہ کے مصنف ہیں آپ کی ہر تصنیف تحقیقی اور دلچسپ ہے۔ تحریر میں سادگی، مضمون میں تسلسل کا معیار بلند ہے۔

زیرنظر کتاب ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' آپ کی تصانیف میں شاہکار تصنیف ہے اور اپنی نوعیت میں قرآن کریم کی منفرد تفسیر ہے۔ رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی امت اجابت کے لئے قرآن کریم میں خوبصورت اور دل میں اترنے والا خطاب ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' استعمال فرمایا ہے۔ اس خطاب کے پس منظر میں بارگاہِ نبوت کا ادب، احکام خداوندی پر عمل، منہیات سے اجتناب، ابتلاو آزمائش کا بار، قرب الٰہی کی منازل طے کرنے کا سلیقہ، ایثار وقربانی کا خوگر اور رضاء الٰہی کا طالب بننے کا درس دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ خطاب حاصل انسانیت ہے، اسی خطاب سے انسانیت کی تکریم ہے۔ رب کریم نے اپنے ولی کی پہچان ہی یہ بتائی ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ'' قرآن میں اس پہچان کا آغاز جس آیت مبارکہ سے ہوا تو اس میں خالق کائنات نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کا ادب فرض کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ بارگاہ مصطفوی کا مکمل ادب کرنے والا ہو۔

ایمان والوں کا طرۂ امتیاز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی کا ادب واحترام کرنا بتایا گیا۔ علامہ صاحب نے انتہائی بالعزیز خطاب پر قلم اٹھایا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ پر بھی اچھی طرح آشکارا ہو جائے گا۔

علامہ صاحب نے خود فرمایا: ''یہ کتاب میری زندگی کے تحریری میدان میں سب سے خوبصورت سعی ہے'' دعا ہے رب کریم اس تفسیر کو نافع خلائق بنائے اور مصنف کے لئے صدقہ جاریہ کرے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ التحیۃ والسلام۔

(دستخط)

Marfat.com

تبصرہ از قلم

جناب ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری زید مجدہ العالی

لیکچرار گورنمنٹ کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس، خطیب وسجادہ نشین قادری مسجد وخانقاہ قادریہ سولجر بازار، کراچی

صَلَّى عَلَيْكَ اللّٰهُ يَا عَدْنَانِ يَا مُصْطَفٰى يَا صَفْوَةَ الرَّحْمٰنِ

فاضل جلیل مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم القدسیہ کی شخصیت، پاکستان و بیرون ممالک میں بسنے والے خواتین وحضرات کے لئے محتاج تعارف نہیں اور علماء کرام ومشائخ عظام میں تو آپ کی شخصیت ہر دلعزیز ہے۔آپ متعدد تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔

اگرچہ راقم الحروف کسی علمی مقام کا حامل نہیں لیکن یہ آپ کی شفقت ومحبت ہے کہ اپنی تازہ تصنیف ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا'' کا مسودہ اظہار خیال کے لئے روانہ فرمایا بطور تعمیل حکم چند سطور ہدیہ قارئین ہیں۔

مذکورہ تصنیف دراصل ''۸۹'' آیات مقدسہ پر مشتمل ایسے مقالات کا مجموعہ ہے جن میں قرآنی آیات کی روشنی میں علامہ نے احکام الٰہیہ کی تشریح فرمائی ہے۔قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے خواتین وحضرات تو بے شمار ہوں گے لیکن قرآنی پیغام اور احکام کا علم رکھنے والے کم ہی لوگ ہیں ایسے میں علامہ موصوف کی یہ سعی لوگوں میں قرآن کے فہم وادراک کے فروغ کا باعث ہوگی۔

آپ نے قرآن کے علاوہ احادیث کی روشنی میں بھی قرآنی احکام کی بڑی مدلل تشریح فرمائی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ جن احکام کی وضاحت کے لئے کئی قرآنی تفاسیر درکار ہوں، حضرت علامہ نے ایک ہی کتاب میں تمام قرآنی تشریحات کو یکجا فرمادیا ہے۔

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا'' کا مطالعہ کرنے والا اس کتاب کو پڑھ لے اور سمجھ لے تو پھر اسے دیگر تفاسیر کے مطالعہ کی ضرورت نہ ہوگی، قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے احکام تو ملتے ہیں لیکن ان کے مسائل اور تشریحات قرآن کریم بیان نہیں کرتا۔اس لحاظ سے حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم کی یہ تصنیف، عقائد اسلام اور فقہ اسلام کے مسائل اوران کی تشریح کے لئے ایک بہترین اور منفرد کتاب ہے۔جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور وفکر کرنے سے انسان گھر بیٹھے عالم بن سکتا ہے۔

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا'' اپنے قاری کے ذہن اور علم کو کتنا وسیع کرے گی اس کا اندازہ تو اس سے استفادہ کرنے والوں ہی کو ہوسکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ حضرت علامہ کی یہ تصنیف بھی آپ کی دیگر تصانیف کی طرح علماء وعوام اہلسنت میں

Marfat.com

نہایت مقبول ہوگی اور اہل ذوق اس سے خوب خوب مستفیض ہوں گے۔ اللہ حضرت علامہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ حضرت علامہ کو مسلک حق و دین اسلام کی تادیر خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

''اللھم زد فزد''

محتاج دعا

ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری

۳ر ستمبر ۲۰۰۱ء

کراچی

Marfat.com

تبصرہ از قلم

گرامی قدر حضرت علامہ محمد اسماعیل صاحب ضیائی (میمن)

شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ و نستعینہٗ و نصلّی علٰی رسولہ رحمۃ للعلمین و علٰی الہ و اصحابہ اجمعین

مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی صاحب قادری دامت برکاتہم، میرے استاد محترم حضرت علامہ مولانا سید شجاعت علی قادری (ر) جج، علیہ الرحمۃ والرضوان کے برادر بزرگ اور حضرت علامہ مولانا مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحبزادے ہیں۔ اس لحاظ سے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔

آپ کے والد ماجد، مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت مفتی و شیخ الحدیث اور نائب مہتمم کے فرائض انجام دیتے رہے وہ تقریباً دس سال ان مناصب پر بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ غالباً اواخر ۱۹۷۱ء میں کراچی تشریف لائے اور دارالعلوم امجدیہ میں مفتی کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے۔ افتاء کے علاوہ درسِ نظامی کی منتہی کتب کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ مسجد قصاباں صدر میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے مگر اہلیان کراچی زیادہ عرصہ آپ سے مستفیض نہ ہو سکے کہ ۱۹۷۳ء کے اوائل میں آپ اس دنیائے فانی سے دارِ بقاء کی طرف رخصت ہو گئے۔

حضرت علامہ مفتی سید شجاعت کی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار نہایت فاضل اور قابل ترین اساتذہ میں ہوتا ہے غالباً آپ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان سے فارغ التحصیل ہو کر کراچی تشریف لائے اور پہلے کچھ عرصہ دارالعلوم مظہریہ آرام باغ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعدہٗ دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت مفتی و مدرس خدمت انجام دیتے رہے پھر دارالعلوم نعیمیہ کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے خون سے سینچ کر پروان چڑھایا اور دوسروں کو سونپ کر چل دیئے۔

آپ نے سینکڑوں فضلاء تیار کیے، افتاء کے علاوہ درس نظامی کی منتہی کتب کی تدریس کرتے رہے السنۃ شرقیہ کے امتحانات، فاضل عربی اور ادیب عربی وغیرہ کی بھی تیاری کراتے رہے۔ آپ ہر فن مولا شخصیت تھے، نہایت خوش پوش، خوش اخلاق اور انتہائی شریف النفس انسان تھے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد کے جج بھی رہے غرضیکہ حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ میرے استاد ہیں انہی سے میں نے غالباً ۱۹۶۰ء میں حضرت علامہ سید سعادت علی قادری کا اسم گرامی سنا آپ نے نہایت ہی ادب و احترام اور خلوص کے ساتھ مجھ سے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا۔ جس سے میں بے حد متاثر ہوا اور شوق بڑھا اور پھر بار بار شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا کبھی جلسوں میں تو کبھی جماعت اہلسنت پاکستان کے دفتر میں۔

حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری چونکہ میرے استاد کے بڑے بھائی ہیں لہٰذا آپ سے میرا تعلق نہایت ہی

Marfat.com

قریبی ہے۔آپ کی تعریف اور آپ کی قابلیت کے تعارف کے لئے یہ کتاب ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' کافی ہے تاہم آپ نہایت فاضل بلکہ فاضل ابن فاضل ہیں اور ایک اعلیٰ علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔آپ تحریر و تقریر دونوں کے دھنی ہیں۔کراچی میں ایک عرصہ مسجد قصاباں صدر میں امامت و خطابت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔آپ خطابت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔مجمع پر حاوی آنے والے خطیب ہیں۔میں نے آپ کے بے شمار مواعظ سے استفادہ کیا ہے۔تبلیغی اعتبار سے آپ کا ثانی نہیں۔ جماعت اہلسنت نے آپ کی زیر سرپرستی جو ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی جو آپ کے بہترین منتظم اور قائد ہونے کا ثبوت ہے

آپ بہترین مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے صاحبِ قلم بھی ہیں۔آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس پر تبصرہ لکھنے کے لئے حضرت علاّم نے مجھے حکم دیا۔مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کا اس کتاب پر تبصرہ لکھنا درحقیقت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے تاہم تعمیلاً للحکم چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں چونکہ کتاب خاصی ضخیم ہے اس لئے اسے بالاستیعاب پڑھنے کے لئے خاصا وقت درکار ہے۔میں نے اسے جونہی پڑھنا شروع کیا میرے چند دوست اساتذہ نے دیکھ لیا اور میرے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور بے حد پسند کیا۔

میں نے کتاب کے کئی اقتباسات پڑھے تو کتاب کو نہایت مفید اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پایا۔میرے خیال میں کتاب جدید دور کے لحاظ سے نہایت مفید ہے۔حضرت موصوف نے تحریر کتاب میں بے حد عرق ریزی کی ہے۔ پورے کلام پاک میں مختلف مقامات پر ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' سے اہل ایمان کو ۸۹ بار خصوصی خطاب فرمایا گیا ہے۔آپ نے انہی آیات کی تشریح و وضاحت کی۔گویا یہ کتاب ۸۹ آیات کی مفصل و مدلل تفسیر ہے۔کتاب نہایت سلیس زبان میں ہے اور عام فہم ہے۔ہر شخص کے لئے یکساں مفید ہے۔آیات کی تشریح کو احادیث مبارکہ اور دیگر دلائل سے آراستہ و مزین کیا ہے۔کتاب مسلم معاشرے کی اصلاح کے لئے نہایت مفید ہے اور مرد و عورت کے لئے یکساں کارآمد ہے۔مصنف موصوف کے مضامین اگر مسلم خواتین پڑھیں گی تو یقیناً سلیم الطبع عورت فرنگی طرز زندگی سے متنفر ہو جائے گی اور جو خواتین مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے پر مصر ہیں وہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہوں گی۔

هذا كلامُ السادات، وساداتُ الكلام لا يستطيعُ العبدُ الضعيفُ على احصاءِ حسنِهِ والمصنّفُ يعلم حسنَ تحريرِهِ، كما يقالُ، صاحبُ البيتِ أدرىٰ مما في بَهجتِهِ.

میری دعا ہے کہ اس کتاب کو رب ذوالجلال قبول فرمائے اور حضرت علامہ کی کاوش کو مقبول عام کرے کہ یہ ہر گھر کی زینت بنے اور امت مسلمہ کا بچہ بچہ اس سے استفادہ کرے۔آمین، بطفیل سید الانام علیہ التحیہ والتسلیم

فقط

محمد اسماعیل ضیائی خادم دار العلوم امجدیہ کراچی

۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء

Marfat.com

تبصرہ از قلم

گرامی قدر حضرت علامہ آصف بن مختار انصاری صاحب زید مجدہ

استاد دار العلوم امجدیہ، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً وَّمصلّیاً وَّمسلّماً

حضرت قبلہ علامہ مولانا سید سعادت علی قادری مجدہ وعلمہ کی گرانقدر اور مایہ ناز تحریر ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' زیب نظر ہے۔

حضرت موصوف کثیر الجہات شخصیت اور گوناگوں صفات کے حامل ہیں۔ نیز دین حق کے تقاضے بھی بطریقہ احسن پورے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن باطن سے بھی خوب نوازا ہے۔

حضرت علامہ نسباً سادات سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی شخصیت وعبقری کارناموں کے حوالے سے یہ نسبت ان پر زیب وزینت کا باعث ہے۔ گویا وہ اس نسبت سادات کے تقاضوں کو اپنے علم وعمل سے خوب نبھاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ احسن الخالقین نے مولانا کو صورت وسیرت ہر لحاظ سے قابل رشک بنایا ہے وہ راہوارِ قلم کے شہسوار ہوں تو سبک، سلیس اور عام نیز معنویت سے لبریز تحریر ان کا تعارف بنتی ہے اور میدانِ خطابت میں ان کی شعلہ بیانی اور جوشِ خطابت، سامعین کے دلوں کو ان کے حسن انداز کا اسیر کر لیتی ہے۔ وہ تمام سامعین کو اپنی طرف متوجہ اور ہمہ تن گوش کر کے اپنی سحر بیانی کا لوہا منوا لیتے ہیں ان کا خطاب اس خصوصیت کا ترجمان ہوتا ہے جو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ کے ارشاد سے مطلوب ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''كَلِّمُوا النَّاسَ بِقَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو۔)

قدرت نے شکل وصورت اور علم وفضل کے ساتھ موصوف کو خوش اخلاقی کی جہت سے بھی متصف کیا ہے جو ان کے منصب کے لئے ایک لازمی جز ہے کہ انہوں نے اپنی عمر لطیف کا ایک حصہ علم دین کی خدمت کے ساتھ تبلیغ دین میں گزارا۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی سطح پر وہ جتنا پاکستان سے باہر جانے جاتے ہیں اتنا شاید پاکستان والے ان سے واقف نہ ہوں۔

پیر طریقت ورہبر شریعت کی اصطلاح بھی موصوف پر خوب جچتی ہے کہ حضرت دین وشریعت اور تصوف وطریقت دونوں مسندوں پر جلوہ آراء ہیں اور ان دونوں مناصب کی ذمہ داریوں سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حضرت علامہ کی تصانیف اگرچہ بکثرت ہیں لیکن معنویت اور افادیت سے لبریز ہیں ہر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد، علمی لحاظ سے جامع اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے انتہائی اہم نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنوانات خود ان کے سامنے دست بستہ منتظر توجہ ہیں۔ رمضان المبارک کی مقدس راتوں کے حوالہ سے عوام کی افادیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''تیس راتیں'' لکھ کر انہوں نے اپنی مسلمہ حیثیت اور معاشرے کی ضروریات پر بھرپور نظر کا ثبوت دیا ہے۔ ''میری

Marfat.com

مائیں'' کے منفرد نام سے ''امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن'' کی سیرت سے لوگوں کو مستفید کیا۔ غرضیکہ ہر کتاب اسی طرح عہدِ حاضر کی ضروریات کو پورا کرتی ہوئی لوگوں کا مطالعہ وسیع کرنے اور بہترین معلومات فراہم کرنے کا سبب بنتی ہے۔

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' (اے ایمان والو) حضرت والا مرتبت کی وہ گرانقدر تصنیف ہے جس کے بارے میں کئی نامور اہل علم حضرات نے اپنی آراء پیش کی ہیں اور فاضل مصنف کو بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے جو ان کا حق ہے۔

احقر، راقم الحروف نے حضرت کی یہ تصنیف لطیف حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ضیائی مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کے لطف وکرم سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی اور اس جلیل القدر تحریر پر اپنے تاثرات رقم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

اس کتاب پر اعلام علاّم کے تبصرے، علامہ کی تحریر کے اقتباسات اور ایک وقیع وطویل فہرست کا مطالعہ کیا۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ بطور عنوان ان ۸۹ آیات کی تشریح کی ہے لیکن درحقیقت قرآن وحدیث اور سیرت مبارکہ کے قابل قدر مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔

علامہ موصوف کی یہ کتاب ہر مسلمان کی انفرادی واجتماعی زندگی میں تمام دینی ودنیاوی امور کے لئے رہنما ثابت ہو گئی بشرطیکہ وہ اسلامی احکام سے رہنمائی کا طالب ہو۔ معاملات شرعی ہوں یا تصوف سے متعلق ہوں، اصلاح ظاہر مطلوب ہو یا تزکیہ وصفائے باطن یہ کتاب بہر حال فردِ مسلم کی رہنمائی کا بہترین فریضہ انجام دے گی۔

یوں تو بظاہر کتاب ۸۹ آیات کی تفسیر وتشریح ہے لیکن تفسیر، حدیث، تاریخ وسیرت، ادب وانشاء پردازی کا بہترین مرقع ہے۔ جستجوئے ہدایت میں اس کتاب سے تمسک کیا جائے یا وقت کے بہترین صرف کے لئے اس کتاب کو ہاتھوں میں لیا جائے راہ ہدایت کے متلاشی کو ہدایت اور احسن طور پر وقت گزاری کرنے والے کو علم وحکمت سے سیراب کرے گی۔ سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو، اسلاف کی حیات کو مشعل راہ بنانے کا مقصد ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کتاب سے ایسی نورانیت نصیب ہوتی ہے کہ اسلاف کی زندگیاں ہمارے سامنے اس طرح آتی ہیں کہ ان پر رشک آنے لگتا ہے۔ غرضیکہ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے کہ ہر مسلم فرد اور مسلم گھرانے دونوں ہی کے لئے انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کے طفیل اسے قبول فرمائے اور مقبول عام بنائے۔ عامۃ المسلمین کے لئے نفع بخش ہو اور مصنف موصوف، ناشرین اور قارئین کو جزائے دارین عطا فرمائے، آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

یکے از وابستگان دامن سادات

ابن مختار انصاری

دارالعلوم امجدیہ کراچی

۲۸ر جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۹ر ستمبر ۲۰۰۰ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سورۃ الانفال''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
45	15 تا 19
46	20 تا 23
47	24 تا 26
48	27 تا 28
49	29
50	45 تا 47

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

مقالہ ۴۵

الانفال: ۱۵ تا ۱۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ
يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا
رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ
جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ
فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال: ۱۵ تا ۱۹)

اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف اپنی پیٹھیں اور جو پھیرے گا اس روز اپنی پیٹھ ۔بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے ، یا پلٹ کر آنے

والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا، اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے، پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب ﷺ) نہیں پھینکی آپ نے جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے، یہ تو ہوا، اور بیشک اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو (اے کفار) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو آ گیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی، چاہے اس کی تعداد بہت ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

مومن اللہ کا سپاہی ہے، جسے قرآن کریم نے مجاہد کا نام دیا اور اس کی عظمت و فضیلت کا اعلان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

(النساء: ۹۵-۹۶)

نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، بزرگی دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب (مجاہدین) سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا، اور فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے، (ان کے لئے) بلند درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور رحمت ہے اور اللہ سارے گناہ بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

انہی مجاہدین کو "حزب اللہ" اللہ کا لشکر کہا گیا اور ان کے غالب و فاتح ہونے کا مژدہ دیا گیا "هُمُ الْغٰلِبُوْنَ" یہ مجاہد ہیں، محارب یعنی جنگ کرنے والے نہیں، جنگ تو وہ کرتے ہیں جن کا مقصد اپنی جان، اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنا ہوتا ہے یا جن کے پیش نظر اپنے اقتدار یا حدود مملکت کا تحفظ ہوتا ہے، ایسے لوگ صرف اپنی برتری کے لئے لڑتے ہیں، چاہے انہیں اپنوں سے جنگ کرنا پڑے یا غیروں سے لیکن مجاہد اللہ کا سپاہی ہے، فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے، اللہ کے کلمہ کو بلند رکھے اور جس خطۂ ارض پر اللہ کا قانون نافذ ہو اس پر کسی کو بری نظر تک نہ اٹھانے دے، پس اللہ کا یہ سپاہی اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت

Marfat.com

اپنی جان اپنے مال ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن سے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں پہنچتا ہے تو اس کی طاقت وقوت، اس کا ایمان ہوتا ہے اس کا توکل، بھروسہ صرف اور صرف اللہ پر ہوتا ہے، اللہ اپنے اس سپاہی کا مددگار بنتا ہے اس کو ندا آتی رہتی ہے، کمزور نہ پڑنا فکر نہ کرنا، آگے بڑھتے رہنا، فتح دینا ہمارا ذمہ ہے ''اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' تم ہی بلند رہو گے اگر یہ مجاہد جان کی بازی لگا کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اسے حیات جاودانی کا انعام دیا جاتا ہے، شہادت کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے، اس کو مردہ کہنے یا سمجھنے پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے اور اگر یہ میدان کارزار سے زندہ سلامت واپس آ جاتا ہے تو غازی کہلاتا ہے، مسلم معاشرے میں اس کو خصوصی عزت بخشی جاتی ہے، حکومت اسلامیہ میں اس کا مقام بلند ہوتا ہے، مال غنیمت سے اس کو مالا مال کر دیا جاتا ہے پوری امت مسلمہ اس پر ناز کرتی ہے، پس

اے ایمان والو! جب تم اعدائے دین کے لشکر جرار کے مقابلہ پر پہنچو تو پھر انہیں اپنی پیٹھ نہ دکھانا یا تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں اور یا تم سینہ تانے ان کا مقابلہ کرتے رہو، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، جان چلی جائے کہ تم بڑی ہی عظمت والے آقا کے سپاہی ہو، تمہارے لئے میدان سے بھاگنا، پیٹھ پھیرنا تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتا، تمہارا ایمان قرآن پر ہے اور قرآن تمہارے لئے اعلان فرما رہا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (فصلت: ۳۰۔۳۲)

بیشک وہ جنہوں نے کہا ''ہمارا پروردگار اللہ ہے'' پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں، دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے، ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے۔

اے ایمان والو! ان عظیم نوازشات کے باوجود بھی اگر تم اعدائے دین سے خوفزدہ ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے تو یہ اس اللہ سے بغاوت ہو گی جس سے تم اپنی جان و مال کا سودا کر کے جنت کا وعدہ لے چکے ہو اور اس نافرمانی کی تمہیں عبرت ناک سزا دی جائے گی کہ تمہارا اعزاز چھین لیا جائے گا، تم اللہ کے غضب کے مستحق قرار پاؤ گے، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو گا، جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ہاں صرف دو صورتیں ہیں، جن میں تمہیں پشت پھیرنے کی اجازت ہے، یا تو تم ''متحرف'' ہو اور یا ''متحیز'' ہو۔

Marfat.com

مُتَحَرِّف

یعنی کوئی ایسی جنگی چال اختیار کرنے والا، جس سے دشمن کو اپنی کامیابی کا دھوکا ہو، مثلاً مجاہد لڑتے لڑتے ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگا اور دشمن نے دور تک اس کا پیچھا کیا، مجاہد نے موقع ملتے ہی پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور مار ڈالا، یہ پیٹھ پھیرنا نہ تھا بلکہ دشمن کو دھوکا دینا تھا اور جنگ میں دھوکا دینا جائز ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ''اَلْحَرْبُ خِدْعَةٌ'' جنگ دھوکا ہے۔

مُتَحَيِّز

یعنی مجاہد دوران جنگ یہ محسوس کرے کہ دشمن کی قوت بڑھ چکی ہے، اب مقابلہ کی صورت میں کسی بڑے نقصان کا امکان ہے، پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے اور اعلیٰ قیادت کو صورت حال سے آگاہ کرے، اب یہ حکام بالا کی حکمت عملی پر موقوف ہے کہ وہ مناسب جانیں تو اسی وقت اپنی قوت میں اضافہ کر کے حملہ آور ہوں یا مناسب وقت کا انتظار کریں۔

بہر حال پیٹھ پھیرنے کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دشمن سے مرعوب ہو کر، موت سے ڈر کر، اہل خانہ و خاندان کی محبت کے باعث، یا کسی اور دنیاوی وجہ کی بناء پر پیٹھ پھیرنا، بھاگ جانا، گناہ کبیرہ ہے، جس کی سزا اللہ کا غضب اور جہنم کی آگ ہے۔

اے ایمان والو! جب تم جہاد میں فتح، کامیابی و کامرانی حاصل کرلو تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ تم نے بڑا کمال کیا اپنے مادی و ظاہری وسائل اور اپنی قوت کے باعث دشمن کو شکست دیدی، ایسا ہرگز نہیں ''فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ'' تم نے انہیں تھوڑا ہی قتل کیا ہے یہ تو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ تھی، حقیقت میں اللہ ہی نے انہیں قتل کیا ہے، غزوہ بدر کے اوراق پلٹو، دیکھو تمہاری تعداد کیا تھی، تمہارے پاس اسلحہ کتنا تھا، سواریاں کتنی تھیں، دشمن ہر اعتبار سے تم پر بھاری تھا پھر بھی تم ہی کامیاب ہوئے، کیسے کیسے بہادروں کو اللہ نے تم سے قتل کرا دیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے محبوب ﷺ نے ہمارے حکم سے ایک مٹھی خاک دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی، جس سے کافروں کی آنکھیں بند ہوگئیں اور پھر چند گھنٹوں ہی میں مجاہدین نے ستر کافروں کو ڈھیر کر دیا، ستر کو گرفتار کرلیا، ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' یہ دست قدرت ہی کا کمال تھا، جس کا وسیلہ اس ذات کو بنایا گیا جسے مصائب و آلام کے وقت وسیلہ بنانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔

بہر حال فتح و کامرانی تو اللہ ہی کی نصرت و مدد سے نصیب ہوتی ہے، اہل ایمان کو تو صرف اس کا ظاہری ذریعہ بنایا جاتا ہے، وہ بھی انہی کے فائدے کے لئے کہ اللہ اس کے عوض ان کے مراتب کو بلند کر دے، جو زندہ ہوں وہ باعزت اور بارعب زندگی بسر کریں اور جو دنیا سے چلے جائیں وہ شہید کہلائیں، انہیں حیات جاودانی نصیب ہو، بعد میں آنے والے ان کی شجاعت و بسالت کے واقعات پڑھیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر عزت و عظمت حاصل کریں۔

اے ایمان والو! تم دشمن کے مقابلے پر آنے سے نہ گریز کرو اور نہ گھبراؤ کیونکہ اللہ نے دشمن کو کمزور، مغلوب کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں گے، ان کے متعلق فیصلہ الٰہی ہو چکا ہے کہ اگر وہ اسلام کے خلاف سازشوں سے باز آجائیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے، اللہ کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتے

Marfat.com

رہیں گے لیکن اگر ان کی سازشیں جاری رہیں تو ہمارے مجاہد انہیں روندتے رہیں گے اور ان کی افرادی قوت یا سامان جنگ کی کثرت سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اللہ کی مدد تو مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس کی مدد اللہ قادر مطلق کرے، اس پر کون غالب آسکتا ہے۔

ایک بمقابلہ دو

اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ ''ڈٹ کر مقابلہ کریں اور ہرگز پیٹھ دکھا کر نہ بھاگیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا'' یہ ایک شرعی قانون ہے، جس کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے لیکن اس قانون کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ ایک مسلمان کتنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہے، کیا اس صورت میں بھی اسی قانون پر عمل کیا جائے گا جبکہ اللہ کے سپاہی دو، چار ہوں اور دشمن سینکڑوں ہوں، بیشک اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے دو، چار مجاہدین ہی کو سینکڑوں پر غالب کردے لیکن یہ صورت ظاہری اور مادی وسائل کے خلاف ہوگی، جن کو اللہ ہی نے نظام عالم کی بقاء کے لئے لازمی قرار دیا ہے، نیز اللہ ہی کا قانون ہے، ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' کہ وہ رحیم وکریم رب کسی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا اور اسی رب کا قانون ہے کہ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' کہ اللہ تمہارے لئے، یسر، آسانی کو پسند فرماتا ہے، تمہیں دشواری میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، پس قانون بالا کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یہ قانون بھی بتایا جائے کہ ایک مجاہد پر کتنے ظالموں کا مقابلہ لازمی ہے، پس بواسطہ صاحب شریعت ﷺ اس قانون کا بھی اعلان کرایا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ (انفال: ۶۵-۶۶)

اے نبی! (ﷺ) برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، (اے مسلمانو!) اب تخفیف کردی ہے اللہ نے تم پر اور وہ جانتا ہے تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی، صبر کرنے والے، تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر، اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیت مذکورہ میں دو قانون بیان کئے گئے، پہلا یہ کہ بیس (۲۰) مجاہد دو سو (۲۰۰) پر غالب ہوں گے، سو (۱۰۰)

Marfat.com

ہزار پر غالب ہوں گے یعنی ایک مجاہد کے مقابلہ پر دس کافر ہوں تو اُن کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے لیکن چند دن بعد ہی یہ قانون منسوخ قرار دے دیا گیا، اور دوسرا قدرے ہلکا قانون بیان کیا گیا کہ سو (۱۰۰) مجاہدین، دوسو (۲۰۰) کفار کے مقابلہ پر اور ہزار دو ہزار کے مقابلے پر غالب رہیں گے، یعنی ایک مجاہد کے مقابلے پر جب تک دو کافر ہوں تو اُس کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ مجاہد صابر ہوں، میدان جہاد کی اذیت و تکالیف کا احساس کئے بغیر استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں، تو وعدۂ الٰہی ہے کہ یہ ضرور کامیاب و کامران ہوں گے کیونکہ نصرتِ الٰہی صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

اس تخفیف کی وجہ ''ضُعْفٌ'' یعنی کمزوری قرار دی گئی، جس کا آغاز مجاہدین اولین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی ہو چکا تھا کہ جب صحابہ کی تعداد زیادہ ہوئی، مختلف قوموں کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو فطرتاً ان کے خیالات، جنگ سے متعلق ان کے اندازوں میں بھی اختلاف پیدا ہوا، کبھی انہیں اپنی کثرت وسائل کا بھی احساس ہونے لگا، جس کے باعث انہیں گاہے بگاہے وقتی طور پر غیر متوقع نقصان بھی برداشت کرنا پڑا اور انہیں ''ایک بمقابلہ دس'' کا قانون بار معلوم ہونے لگا، پس اللہ نے کرم فرمایا اور اس قانون میں تخفیف فرما کر، ہمیشہ کے لئے ''ایک بمقابلہ دو'' کا قانون عطا فرما دیا، لیکن صحابہ کرام کے ایمان وعقائد، اطاعت رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ میں کبھی ذرہ برابر ضعف پیدا نہ ہونے پایا، اسی لئے ان کے نقصان کی تلافی فوراً ہی ہوتی رہی، جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ ضعف بڑھتا گیا، اتنا بڑھا کہ کینسر بن گیا، اس نے ایمان کو بھی کمزور کر ڈالا، عقائد کو بھی کمزور کر دیا، اطاعت کی جگہ بغاوت نے لے لی اور عشق و محبت رسول ﷺ کا تو نام و نشان نہ رہا، حتیٰ کہ نصرت الٰہی پر بھی اعتماد نہ رہا، مادی اور ظاہری وسائل ہوتے ہوئے بھی اتنے کمزور اور ذلیل وخوار ہو گئے کہ ایک دشمن سے بچنے کے لئے دوسرے دشمن کا سہارا لینے لگے، نتیجۃً آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام بن گئے اور جو نقصان ہوا اس کی تلافی نہ ہو سکی ہے، نہ ہو سکتی ہے، نقصان ہی نقصان ہوتا چلا جا رہا ہے، اب تو ایک بمقابلہ دو کیا، ایک، ایک کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتا۔

اس کینسر کا علاج نہ کسی حکیم کے پاس ہے، نہ کسی ڈاکٹر کے پاس، یہ قرآنی قوانین سے روگردانی کے سبب پیدا ہوا ہے اور اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب قرآن کی طرف رجوع کیا جائے، قوانین قرآن وسنت کو اپنایا جائے، اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اختیار کی جائے، حب رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کیا جائے، اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بہر حال مسلمان اور کافر کے مقاصد جنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے:

جنگِ کافر فتنہ و غارت گری است
جنگِ مؤمن سنت پیغمبری است

مؤمن کو اعدائے اسلام پر غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے، آج بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصول جہاد کو اپنا کر، میدان جہاد میں قدم رکھے، ڈٹ کر لڑے، فرار اختیار نہ کرے، تمام وسائل اور افرادی قوت ہونے

Marfat.com

کے باوجود یہ یقین رکھے کہ فتح وکامرانی کا ذریعہ صرف اور صرف اللہ کی مدد ہے:

کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اے دولت ایمان سے نوازنے والے رب کریم، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں بھی حفاظت ایمان کا جذبہ عطا فرمادے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقالہ ۴۶

الانفال: ۲۰ تا ۲۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (انفال: ۲۰۔۲۳)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے، بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے۔

Marfat.com

اطاعت

اطاعت جملہ شرعی احکام کی اصل جز، بنیاد، یا روح ہے اگر اعمال کی ادائیگی ہو، لیکن ان میں اطاعت نہ ہو تو وہ ضائع اور برباد ہیں مثلاً نماز پڑھی جائے لیکن اوقات کی پابندی نہ کی جائے یا بے وضو پڑھی جائے، روزہ رکھا جائے لیکن دن میں نہیں رات میں رکھا جائے، اسی طرح تمام اعمال پر غور کیجئے جب ان میں اطاعت نہ ہوگی وہ عبادت نہیں دیوانگی اور پاگل پن ہوگا۔ نیز اطاعت صرف اللہ کی نہیں ہوتی بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اللہ کی کہ رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر، اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں، قرآن کریم میں آپ کو ایسی آیات ملیں گے، جن میں رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اللہ کی اطاعت کا ذکر نہیں ہاں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں صرف اللہ کی اطاعت کا حکم ہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود نہ ہو، اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہر جگہ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے کیونکہ قرآن کریم یہ اصول دیتا ہے کہ ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اس بنیادی حکم کی وجہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا مقصد بعثت ہی یہ ہے کہ امت کا ہر فرد اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، جس نے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل نہ کی اور وہ صرف اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا رہا، وہ نہ صرف گمراہ ہے بلکہ اس نے بعثت نبی ﷺ کے مقصد ہی کو نہ سمجھا۔ فرمایا گیا: ''وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے'' یعنی اطاعت رسول ﷺ، حکم الٰہی ہے، اگر اس حکم سے روگردانی کی گئی تو دیگر احکام میں اطاعت، چہ معنیٰ دارد، اسی لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی امت کو اپنی اطاعت کی دعوت دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت حق دیتے ہوئے فرمایا:

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ (آل عمران:۵۰)

اور لایا ہوں میں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے، پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ (الشعراء:۱۱۰)

پس ڈرو، اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

اسی سورۂ شعراء میں حضرت ھود، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت حق اسی جملہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ان حضرات نے اللہ کی اجازت اور اس کے عطا کردہ اختیار سے اپنی اطاعت کا حکم دیا کہ بعثت نبی ﷺ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، پس میرے آقا ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کیوں قرار نہ پائے جبکہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء والمرسلین ہیں، اور آپ ﷺ کا مقام محبوب رب العالمین ہے، لہٰذا متعدد مقامات

Marfat.com

پر صرف آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور اسے ذریعہ فلاح و بہبود قرار دیا گیا، ارشاد ہوا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (النور:۵۶)

اور صحیح ادا کیا کرو نماز کو اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کے رحم و کرم کے حصول کا ذریعہ ہے، جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں ان کی دنیا و آخرت سدھر جاتی ہے، دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں، اللہ ان سے محبت فرماتا ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ (النور:۵۴)

اگر تم اطاعت کرو گے (رسول ﷺ) کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔

رسول ﷺ ہی کی اطاعت ذریعۂ ہدایت ہے جو اپنے زُعم باطل میں صرف اللہ کی اطاعت کا باطل دعویٰ کرتے ہیں وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔

مقصدِ اطاعت

اطاعت کبھی خوف اور ڈر کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے کہ مطاع، جس کی اطاعت کی جا رہی ہے، وہ اس قدر ظالم و جابر ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں، ورنہ جان و مال، عزت و آبرو سب ہی کو خطرہ لاحق ہوگا جیسا کہ ہمارے دور کے اکثر حکام ہیں کہ لوگ ان کے مطیع نہیں ہوتے بلکہ ان کے ظلم و ستم اور جبر و اکراہ سے مجبور ہو کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، یہ صورتِ اطاعت نہایت ناپائیدار ہوتی ہے، اُس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک ظالم کا پھندا عوام کو جکڑے رکھتا ہے جونہی یہ ظلم کا پھندا ڈھیلا ہوتا ہے، بغاوت ہو جاتی ہے، قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے اور اکثر ایسے حکام کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے، کبھی یہ اطاعت طمع اور لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ مطاع اتنا با وسائل ہوتا ہے کہ لوگ اس کے وسائل سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس کی ہر بات تسلیم کرتے رہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں سخت معاشی بدحالی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہ صورت بھی اس وقت تک ہی باقی رہتی ہے جب تک طمع باقی رہتی ہے، جونہی لوگوں کی ضرورت پوری ہوئی، یا مطاع کے وسائل ختم ہوئے اطاعت بھی ختم ہوتی ہے۔

اہلِ ایمان سے جو اطاعت مطلوب ہے وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں کہ یہ عارضی صورتیں ہیں، جن سے اطاعت کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، نیز لفظ اطاعت اپنے معنیٰ کے اعتبار سے ان میں سے کسی صورت پر پوری طرح صادق نہیں آتا کہ اطاعت کا مادہ "طَوْعٌ" ہے، جس کے معنیٰ خوشی، مرضی یا مسرت کے ہیں، اس کے مقابل "کَرْہٌ" ہے جس کے معنیٰ مجبوری کے ہیں، قرآن کریم میں "طَوْعاً وَ کَرْهاً" کا جملہ موجود ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝ (آل عمران:۸۳)

کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے

Marfat.com

جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

سورۂ توبہ کی آیت (۵۳)، سورۂ رعد کی آیت (۱۵)، سورۂ فصلت کی آیت (۱۱) میں بھی یہ دونوں لفظ موجود ہیں، بہر حال ''طَوْعٌ'' کے معنی خوشی کے ہیں، گویا اطاعت اسی فرمانبرداری کو کہا جائے گا جو دلی مسرت وخوشی کے ساتھ کی جائے، جبر وطمع دونوں صورتوں میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی، مطیع کو اطاعت میں مسرت وخوشی جب ہی حاصل ہوتی ہے، جب وہ مطاع سے محبت کرتا ہے، گویا اطاعت بالمحبت ہی اطاعت کاملہ ہے، جیسے بچہ اپنے والدین سے یا والدین اپنے بچہ سے محبت کرتے ہیں، یہی وہ فطری اطاعت ہے جو جانوروں تک میں پائی جاتی ہے اور یہی اطاعت بالمحبت مطلوب قرآن ہے۔

اللہ کا خوف، کہ اگر ہم نے اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کی تو ہمارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، یا اللہ سے طمع، کہ اگر ہم احکام الٰہی کی پابندی کریں گے تو اللہ ہمیں دنیا وآخرت کی نعمتوں سے نوازے گا، یہ خوف وطمع، وجہ اطاعت بن سکتا ہے اور ان کا فائدہ بھی ہوگا لیکن یہ اطاعت کا نہایت ہی نچلا درجہ ہے جو کمزور ایمان والوں کی منزل ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت کی بنیاد صرف ان سے عشق ومحبت ہی ہوسکتی ہے، یہاں کوئی خوف ہے تو رسول ﷺ کی ناراضگی کا اور کوئی طمع ہے تو رسول ﷺ کی رضا کی، ہاں جو لوگ مسلمانوں کے ڈر سے یا ان سے فوائد حاصل کرنے کی طمع میں رسول ﷺ کی اطاعت کا دعویٰ کریں کہ اس پر ان کے دل مطمئن نہ ہوں، وہ منافق کہلاتے ہیں، پس

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، بغیر کسی خوف یا طمع کے، صرف ان کی رضا کے لئے، احکام قرآن وسنت اور کلمہ حق سننے کے بعد، کسی حال میں بھی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ جو سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں سنتے نہیں ہیں۔

سننے کے باوجود نہ سننا

احکام الٰہیہ کو حقیقت میں سننے والا وہ کہلاتا ہے جو سنتا بھی اور سمجھتا بھی ہے، پھر اس پر ایمان لاتا اور اس کے حق ہونے، مفید ہونے پر کلیتاً مطمئن ہو کر یقین رکھتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے، یہ کامل ایمان والوں کا سننا ہے، سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا بھی اور حق ہونے پر یقین بھی کیا لیکن عمل پر توجہ تک نہ کی، پس سنا تو لیکن پوری طرح نہ سنا، یہ سننا، فاسق و فاجر اور گناہ گار مسلمانوں کا ہے، جیسا کہ آج کل جلسے ہوتے ہیں، محافل میلاد ہوتی ہیں، بکثرت مسلمان شریک ہوتے ہیں، علماء کی تقاریر سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، اپنے عقائد کو بھی درست کرتے ہیں لیکن بہت کم ایسے ہیں جو اپنے اعمال کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں، وہ سنتے ہیں کہ قصداً نماز چھوڑنا کافروں جیسا عمل ہے، اس پر وہ یقین بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی پابندی سے نماز نہیں پڑھتے، وہ سنتے ہیں کہ سود کھانا، شراب پینا، جواء کھیلنا، رشوت لینا یا دینا، زنا کرنا، غیبت کرنا، تکبر وغرور کرنا، غصہ کرنا، معاشرے میں بدامنی پھیلانا، قتل وغارت گری کرنا، کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا، یہ تمام اعمال حرام ہیں، وہ ان بدعملیوں کو حرام مانتے اور یقین کرتے ہیں لیکن اس میں مبتلا رہتے ہیں، سننے اور ماننے کے باوجود بھی اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو اگرچہ شرعاً کافر نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ صورت نہایت خطرناک ہے، ایسی دلدل ہے جس میں یہ لوگ دھنسے چلے جا

Marfat.com

رہے ہیں اور ان کی جان ہر لحہ خطرے میں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اتنے دھنس جائیں کہ کوئی نکالنے والا پھر انہیں نہ نکال سکے، بدعملی پر اصرار اور استمرار سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اللہ محفوظ رکھے۔ایک مقام ایسا آ جاتا ہے، جہاں توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، ایسا سننے والا ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں ''سَمِعْنَا'' ہم نے سنا لیکن اللہ فرماتا ہے، ''وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ'' وہ نہیں سنتے۔

سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا، لیکن حق کو حق نہ مانا، اس پر یقین نہ کیا، یا صرف سنا لیکن نہ سمجھا، نہ یقین کیا، یہ سننا اہل ایمان کا نہیں، منافقین اور کفار کا ہے، قرآن نے اس سننے کو نہ سننا قرار دیا اور فرمایا ''وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ'' اور وہ نہیں سنتے، ان کے نہ سننے کا انجام نہایت ہی خطرناک ہوا، کہ ان سے انسانیت کا تاج شرافت چھین لیا گیا، کان ہوتے ہوئے انہیں بہرا اور زبان ہوتے ہوئے انہیں گونگا قرار دیا گیا، دعویٰ عقل کے باوجود انہیں بے عقل کہا گیا، ''اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ'' بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بدتر وہ بہرے گونگے انسان ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، انہیں دلائل کے ساتھ حق کی دعوت دی جاتی ہے پھر بھی وہ اسے قبول نہیں کرتے اب تو وہ دلدل میں ایسے پھنس چکے ہیں کہ ان کی واپسی کا امکان تک نہیں رہا۔

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (اعراف:۱۰۰)

اور مہر لگا دیں گے ہم ان کے دلوں پر تا کہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

ان کے نہ سننے کا انجام کتنا بھیانک ہوا کہ وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے، ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سننے سے محروم ہو گئے، انہیں لوگوں کی عبرتناک حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف:۱۷۹)

ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (بدتر)، یہی لوگ تو غافل (و بے خبر ہیں)۔

یہ دنیا کے عیش و عشرت میں مست ہو کر اپنے مقصدِ حیات سے ایسے غافل و بے خبر ہوئے کہ انہوں نے حصول دنیا اور اس میں عیاشی کو ہی اپنی منزل سمجھ لیا پس یہ اپنی نظروں میں کتنے ہی باعزت اور اہلِ عقل ہوں، کتنے بلند و بانگ دعویٰ کرتے رہیں، ان کے کمالات کی حیثیت شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں، ان کا مقام انسانیت میں کچھ نہیں، یہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے، ان میں کوئی خوبی باقی نہ رہی، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے، انہیں سننے کی توفیق عطا فرما سکتا تھا۔

اے ایمان والو! تم کسی لحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ نہ موڑنا کہ تم بڑی عزت والے ہو، ہم نے تمہیں تاج شرافت سے نوازا ہے، اشرف الانبیاء ﷺ کی غلامی کا منصب عطا فرما کر تمہیں خیر الامم، بہترین امت بنایا ہے، بنی نوع انسان کی قیادت تمہارا منصب ہے، انسانیت کی رہبری و رہنمائی تمہاری ذمہ داری ہے، انسانی اقدار کے تم امین،

Marfat.com

محافظ اور مبلغ ہو، تمہاری قوتِ ایمان کے سامنے تمام مادی قوتیں اور باطل طاقتیں سرنگوں کر دی گئی ہیں، ہر حال میں ہماری حمایت ونصرت تمہیں حاصل ہے، ہماری زمین کے تم ہی وارث ہو، ہماری جنت کے تم ہی مکین ہو، بس اطاعت کی راہ اختیار کرتے رہو کہ ہمارے تمام انعامات کے حصول کا وسیلہ اطاعت ہے، اطاعت شعاروں ہی پر ہماری رحمتیں برستی ہیں، کامیابی و کامرانی انہی کا مقدر بنتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝ (احزاب:۷۱)

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، وہی بڑی کامیابی پاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

مقالہ ۴۷

الانفال: ۲۴ تا ۲۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ (انفال: ۲۴-۲۶)

اے ایمان والو! حاضر ہو جاؤ اللہ اور (اس کے) رسول ﷺ کی پکار پر جب وہ رسول ﷺ تمہیں بلائے، اس امر کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان، بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا ہے تم میں سے، اور خوب جان لو

Marfat.com

کہ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں، (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں، تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر لبیک کہتے رہو، ان کی تعمیل کرتے رہو، اس طرح کہ جب ہمارے رسول ﷺ تمہیں پکاریں تو تم جو کام بھی کر رہے ہو، چاہے وہ خالصتاً دینی ہو یا دنیوی اسے چھوڑ دو اور آقا کے دربار میں حاضر ہو جاؤ کہ رسول ﷺ کی پکار، رسول ﷺ کی دعوت درحقیقت ہماری ہی پکار اور ہماری ہی دعوت ہے، ہم نے تمہیں وہ قوت وصلاحیت نہیں بخشی جس سے تم بلاواسطہ ہماری پکار سن سکو، یہ مقام صرف ہمارے رسولوں کو نصیب ہے کہ ہم جیسے چاہتے ہیں ان سے کلام فرماتے ہیں اور انہیں اپنے بندوں کے لئے احکام عطا فرما دیتے ہیں، پس وہ جب بھی تمہیں پکارتے ہیں، ہماری مرضی سے ہی پکارتے ہیں، اور ایسے کاموں کے لئے پکارتے ہیں جو تمہاری حقیقی زندگی، روحانی تازگی اور جسمانی بالیدگی کا سبب ہوتے ہیں، لہٰذا تم ان کی دعوت پر فوراً لبیک کہو اور ان کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری بات سنو، دیکھو تاخیر نہ ہونے پائے، کیونکہ جو لوگ ٹال مٹول کے عادی ہوتے ہیں وہ اطاعت کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں کہ ہم ان کے اور ان کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتے ہیں، کبھی اس طرح کہ ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے، وہ مر جاتے ہیں اور اطاعت نہیں کر پاتے، کبھی اس طرح کہ اطاعت سے روگردانی اور مسلسل ٹال مٹول کے سبب ان کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کی ان میں صلاحیت ہی نہیں رہتی، لہٰذا اطاعت میں تاخیر نہ کرو، ہماری اس ہدایت کے باوجود تم اطاعت شعار بنو یا نہ بنو بہرحال ایک دن تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

رسول ﷺ کی پکار

نبی معظم ﷺ کی دعوت اور پکار کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے کسی غلام کو اپنی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں کسی وقت بھی پکاریں تو غلاموں پر فرض ہے کہ وہ وجہ جانے بغیر دوڑے آئیں اور حکم کی تعمیل کریں، ظاہر ہے یہ صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مقدسہ سے وابستہ تھی اور اس کا شرف صرف خوش نصیب صحابہ کو حاصل ہوا، آپ ﷺ کے بظاہر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ صورت اور اس سے متعلق احکام ختم ہو گئے، اس صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پکارنے پر صحابہ کے لئے فوری حاضری لازمی تھی چاہے نماز جیسی عبادت میں مصروف ہوں، یا اپنے کاروبار وغیرہ میں، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہوتا ہے، جس کو سعید بن معلّٰی نے بیان کیا، یہ ان کا اپنا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

> ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پکارا، میں نے جواب نہ دیا اور نماز پوری کرنے کے بعد آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جواب نہ دینے اور تاخیر سے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو میں نے عرض کر دیا کہ میں نماز میں مصروف تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا، ''اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ''

Marfat.com

اسی قسم کا واقعہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی احادیث میں موجود ہے، گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرما دیا کہ نماز ہمارے واسطہ اور وسیلہ سے تمہیں نصیب ہوئی تو نماز کی حالت میں بھی تمہیں ہم سے غافل نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا جب رسول ﷺ پکاریں تو کعبہ سے منہ پھیر کر کعبہ کے کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کرو، ان کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، ان کے حکم کی تعمیل کرو، یہ شرعی مسئلہ ہے کہ اس صورت میں نماز ٹوٹے گی نہیں، جب تک غلام آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہے، نماز ہی میں ہے، یہاں سے اجازت ملے تو واپس ہو کر بقیہ نماز ادا کر لے، جیسے فقہی مسئلہ ہے کہ اگر بحالت نماز وضو ٹوٹ جائے، تو کسی سے بات کئے بغیر وضو کر کے باقی نماز پوری کر لی جائے، اللہ اکبر، جب وضو کے لئے کعبہ سے منہ پھیرا اور نماز کا ادا شدہ حصہ ضائع نہ ہوا تو کعبہ کی طرف منہ پھیرنے والے آقا ﷺ کی طرف منہ کرنے، ان کی بات سننے، ان سے بات کرنے، ان کے حکم کی تعمیل کرنے سے نماز کا ادا شدہ حصہ کس طرح ضائع ہو سکتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ نماز اتنی عظیم ہو گئی جس پر لاکھوں نمازیں قربان، یہ نمازی اتنا بلند مرتبہ ہو گیا جس پر لاکھوں جانیں قربان، ذرا غور تو فرمائیے کہ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس گنا زیادہ ہو جاتا ہے، تو بحالت نماز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضری پر نماز کا ثواب کتنا زیادہ ہو جائے گا، اس حقیقت کو صرف اہل محبت و عشق ہی سمجھ سکتے ہیں، بہر حال یہ مقدر تھا صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا، جو بلا شبہ امت میں سب سے اعلیٰ و افضل اور بلند مرتبہ ہیں، ان سے محبت، ان کا احترام ہمارے لئے ذریعۂ نجات ہے۔

دوسری صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و پکار کی آج تک موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گی، یعنی آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات، آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ، جس کے داعی آپ ﷺ کے نائبین حضرات علماء کرام ہیں، پس اس آیت مبارکہ میں عام مؤمنین کو اسی صورت پر عمل کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ دنیا سے بظاہر پردہ فرما جانے کے باوجود بھی تم سے بے خبر نہیں ہیں، نہ ان کی دعوت کا سلسلہ منقطع ہوا ہے، وہ بواسطہ نائبین تمہیں پکارتے ہیں، تم ان پکارنے والوں کی بات سنو، ان سے احکام رسول ﷺ سیکھو اور ان پر عمل کرتے رہو، اس ہدایت پر عمل ہی کے لئے علم دین کے حصول کو ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے فرض قرار دیا گیا، امت پر علمائے دین کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا گیا، نیز ان لمحات کو بڑا ہی قابل قدر قرار دیا گیا جن میں علم دین سیکھا اور سکھایا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا

رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا، سکھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ایک عابد، دوسرا عالم، آپ ﷺ نے فرمایا، ''عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ پر میری فضیلت''، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں کو دعوت حق دینے والوں پر، اللہ اپنی رحمتیں برساتا ہے، اور اس کے فرشتے، نیز زمین و آسمان کی

Marfat.com

مخلوق، حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں، اور مچھلیاں پانی میں، ان (علماء) کے لئے دعا خیر کرتے ہیں“ (تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ”وراثتِ انبیاء“ کا مطالعہ کیجئے)

غرضیکہ رسول ﷺ کی پکار کو بلند کرنے اور دعوت رسول ﷺ کی تبلیغ کے لئے ایک ایسا نظام موجود ہے جس میں کسی دور میں نہ کوئی خلل واقع ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، امت کو یہ پکار آج تک مسجد کے میناروں، محرابوں، منبروں، مدارس و خانقاہوں کی مسندوں سے سنائی دے رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اس پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی بھی کسی دور میں کمی نہ رہی، ہمارا دور اگرچہ مادہ پرستی کا دور ہے، برائیوں اور بدکاریوں نے ہمارا ماحول مکدّر کر رکھا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی نے اگرچہ ہمارے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا ہے، مغربی تہذیب کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، اس سب کے باوجود بحمد اللہ دعوتِ رسول ﷺ کی صدائیں، مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں گونج رہی ہیں، اللہ کی زمین کا کوئی چپہ، اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچانے والوں سے خالی نہیں اور نہ ہی ہدایت بالا پر عمل کرنے والوں کی کوئی کمی ہے، دین باقی رہنے ہی کے لئے آیا ہے، سو باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ

دعوتِ رسول ﷺ پر لبیک کہنے کی ہدایت تمہیں اس لئے کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ کے احکام، رسول ﷺ کے بتائے ہوئے زندگی کے طریقے ہی حقیقت میں حیات بخش اور جانفزا ہیں، وہ تمہیں اصلاح اعمال کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہیں معاشی و معاشرتی امن و سکون نصیب ہوتا ہے، وہ تمہیں جہاد کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہارا قومی وقار بلند ہوتا ہے، وہ تمہیں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے بلاتے ہیں تو تمہیں حیاتِ جاودانی ملتی ہے، وہ تمہارے لئے طیبات کو حلال کرتے اور خبائث کو حرام کرتے ہیں تو تمہیں روحانی فرحت اور جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے، وہ تمہیں باہمی محبت و شفقت کی دعوت دیتے ہیں، باہمی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتے ہیں تو تمہیں خانگی، خاندانی اور قومی سکون میسر آتا ہے، وہ تمہیں قرآن پر عمل کی دعوت دیتے ہیں جو تمہارے لئے اتنا ہی جانفزا ہے جتنی جسم کے لئے روح جیسا کہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ (شوریٰ: ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا، آپ ﷺ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔

غرضیکہ رسول ﷺ کی ہر بات، ہر ادا حیات بخش ہے، پس اگر تم حقیقی زندگی کے طلب گار ہو تو ہمارے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کئے رہو۔

اس حقیقت کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو حیات و موت کی حقیقت کو جانتے ہوں، جن کے نزدیک چلنے پھرنے، کھانے پینے، دنیا کے عیش و عشرت کا نام حیات ہے، اور مر جانے کے بعد مٹی ہو جانے کو وہ موت سمجھتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر کیسی حیات نصیب ہوتی ہے، دوستو! انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی حیات نہ جانوروں جیسی حیات ہے اور اس کی موت نہ جانوروں جیسی موت ہے، اس کے منصب و مقام کے مناسب اسے حیات و موت، نبی ﷺ

Marfat.com

ہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر چل کر نصیب ہوتی ہے، اطاعت گزاروں اور باغیوں کی زندگی و موت میں بڑا فرق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۠ (جاثیہ:۲۱)

کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم کر دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ایک جیسا ہو جائے (ان دونوں کا) جینا اور مرنا، بڑا ہی غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

مؤمن و کافر، صالح و فاسق، نیکوکار اور بدکار کی زندگی و موت کو ایک جیسا خیال کرنا بڑی ہی غلطی ہے، مؤمن، صالح اور نیکوکار مر کر بھی زندہ رہتا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا نام لیا جاتا اور اچھائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اپنے خالق و مالک کے احکام کے مطابق زندگی کے شب و روز بسر کرتا ہے، جبکہ کافر، فاسق اور بدکار جانوروں جیسی زندگی گزار کر مر جاتا ہے، اولاً تو کوئی اس کا نام لیوا نہیں ہوتا اور اگر اس کا ذکر آ بھی جاتا ہے تو اس کی برائیوں، بدکاریوں اور بغاوت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا ہے، زندگی میں بھی لوگ اس سے تنگ رہتے اور اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور مرنے کے بعد اس سے نفرت کرتے ہیں، یا اللہ'' اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ '' آمین بجاہ رحمۃ العالمین۔

نیکی میں دیر نہ کرو

'' وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ '' کا ارشاد اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ انسان کے عزم و ارادے پر ہمیشہ قضائے الٰہی غالب رہتی ہے، لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ہمارے رسول ﷺ کی دعوت قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں، ٹال مٹول نہ کریں، انہیں کیا پتہ کہ کس لمحہ ان کا سانس منقطع ہو جائے، انہیں موت آ دبوچے اور وہ اطاعت رسول ﷺ کے شرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں یا وہ ٹال مٹول کرتے کرتے برائیوں اور بدکاریوں کی ایسی دلدل میں پھنس جائیں جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہ رہے، اسی لئے قرآن کریم نیک کام میں تیز روی اور جلدی کرنے کا حکم دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ۠ (آل عمران:۱۳۳)

اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

اپنے گناہوں سے توبہ کرنے، معاصی کو ترک کرنے میں تاخیر نہ کرو، اعمال صالحہ، اطاعت و فرمانبرداری کو اتنی

Marfat.com

جلدی اختیار کرو کہ ایسا محسوس ہو کہ تم ان کی طرف دوڑ رہے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قضائے الٰہی تمہارے عزم پر غالب آجائے اور تم محرومی کا شکار ہو جاؤ۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۱۴)

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

صالحیت یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ مقتضائے ایمان کی تکمیل میں جلدی کی جائے، ایک لحہ تاخیر نہ ہونے پائے۔

نیک کاموں میں جلدی کرنا، ان کی طرف لپکنا، دوڑنا حکم الٰہی ہے، جس کی تعمیل کمال ایمان، کمال تقویٰ کی علامت ونشانی ہے، سورۃ المومنون میں ایسے لوگوں کی پانچ خوبیاں بیان فرمائی گئیں، وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بناتے، وہ اللہ کی راہ میں اپنی دولت خرچ کرتے ہیں، پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضری کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں (کہ نہ جانے ہمارے یہ اعمال قبول ہوں گے بھی یا نہیں) ان خوبیوں کے بیان کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (مومنون:۶۱)

یہی لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیاں کرنے میں اور وہ نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ ارشاد ہم تک پہنچایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ''بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ'' کہ نیک کام کرنے میں جلدی کرو کیونکہ ایک ایسا وقت جلد ہی آنے والا ہے جب تاریک رات کے حصوں کے مانند فتنے ہوں گے، (اور حالت یہ ہو جائے گی کہ) ایک شخص صبح مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور ایک شخص شام کو مومن ہوگا اور صبح کافر ہو جائے گا، دنیا کے مال ومنال کے عوض دین کو فروخت کردے گا۔

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے، میرے آقا ﷺ کا منشاء یہی واضح فرمانا ہے کہ نیکی میں تاخیر نہ کرو، جو کرنا ہے جلدی کرو، کہیں فتنہ وفساد اور بدعملی کا ماحول تم پر اثر انداز نہ ہو جائے اور تم ہمیشہ کے لئے نیک کام سے محروم ہو جاؤ، مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمائیے اور پھر اپنے ماحول کا جائزہ لیجئے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج برائیاں ایک طوفان کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس کا مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ آپ کا یہی ارشاد ہے کہ جس نیکی کا موقع نصیب ہوا سے جلد کر ڈالو، اس طرح تم نیکیوں میں مصروف ہو جاؤ گے اور برائیوں اور بروں کے ماحول سے محفوظ رہ سکو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دربار میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ زیادہ ثواب کا باعث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ صدقہ جو اس حال میں کیا جائے کہ صدقہ کرنے والا تندرست ہو، بخیل نہ ہو، محتاجی سے ڈرتا رہتا ہو، دولت مندی کی خواہش میں مبتلا ہو، پھر صدقہ

Marfat.com

کرے تو زیادہ ثواب ملے گا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور صدقہ کرنے میں سستی نہ کرو کہ کہیں تمہارا وہ وقت نہ آجائے کہ سانس حلق میں اٹکا ہو اور تم وصیت کر رہے ہو کہ میری دولت سے اتنا فلاں کو اتنا فلاں کو دیدینا، (اس حال میں صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں کہ) مال تو خود بخود فلاں، فلاں، یعنی دوسروں کا ہو چکا ہے۔

یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، جس میں اگرچہ صدقہ کا ذکر ہے لیکن اسی سے یہ واضح ہوتا ہے کسی بھی عبادت یا نیکی کرنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے، کیا پتہ کس وقت سانس حلق میں اٹک جائے اور توبہ کا وقت بھی گزر چکا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا'' تیزی سے نیک کام کرلو، سات چیزوں کے ظہور سے قبل، ایسی فقر و محتاجی سے پہلے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے، ایسی دولت مندی سے قبل جو سرکش و باغی بنادے، ایسی بیماری سے پہلے، جس سے مزاج میں فساد پیدا ہو جائے، ایسے بڑھاپے سے قبل جس سے عقل مفلوج ہو جائے، ایسی موت سے پہلے جو اچانک آجائے ظہورِ دجال سے قبل جو ایک پوشیدہ فتنہ ہے، قیامت آنے سے پہلے جو سخت خوفناک اور سخت کڑوی ہے۔

یہ ترمذی شریف کی حدیث ہے، غور فرمایئے، ان ساتوں میں سے کسی کا وقت سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کوئی نہیں جانتا، پھر کوئی جوان کیسے کہہ سکتا ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ذرا عیش کرلوں، بہت وقت پڑا ہے، آخر عمر میں توبہ بھی کرلوں گا اور نیکیاں بھی خوب کروں گا، واللہ، اس سے زیادہ احمقانہ بات کوئی نہیں ہوسکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ایک دن ضرور اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، جہاں ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' ذرہ برابر نیکی کرنے والا، اپنی نیکی کی جزاء پائے گا اور ذرہ برابر برائی کرنے والا اپنی برائی کی سزا پائے گا، یہ دن بڑا ہی سخت ہوگا، پس تم اس دن کے آنے سے پہلے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ، دیکھو جب نماز کا وقت آجائے، زکوٰۃ فرض ہو، رمضان کا چاند دیکھ لو، حج فرض ہو جائے تو ان فرائض کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرو، جب خلیفۃ المسلمین جہاد کے لئے پکارے تو سستی نہ کرو، جب صدقہ و خیرات کا یا دیگر نیک کاموں کا موقع ملے تو شوق و ذوق اور تیزی کے ساتھ ان کی طرف لپکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کی صورت میں، مرض، فتنہ و فساد، بدعملی اور بدکرداری کی صورت میں قضائے الٰہی آجائے اور تم بدعملوں میں شامل ہو جاؤ، یہ بڑی بدنصیبی ہوگی۔

ناکردہ گناہ کے عذاب سے بچو

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان گناہوں سے بالخصوص بچاتے رہیں، جن کا دنیاوی وبال اور عذاب صرف مجرموں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ نہ کرنے والوں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، خوب جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

ہر گناہ کی دنیاوی و اُخروی سزا مقرر ہے، جو صرف گناہ گار ہی کو بھگتنا ہوگی کہ اللہ کا قانون ہے، ''لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر ایک کو اس کے جرائم کی سزا دی جائے گی لیکن جب گناہ و جرائم معاشرے میں عام

Marfat.com

ہو جاتے ہیں تو ان سے پورے معاشرے کا سکون برباد ہو جاتا ہے، مثلاً جب معاشرے میں زنا عام ہو جاتا ہے، سود کا لین دین تجارتی بنیاد بن جاتا ہے تو اس معاشرے کا ہر فرد معاشی تنگی، مالی بدحالی کی صورت میں ان جرائم کے دنیاوی وبال میں جکڑ جاتا ہے، شراب، جواء، رشوت کا لین دین، جب عام ہوتا ہے تو پورے معاشرے کی عزت و آبرو، جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور مجرم و غیر مجرم سب ہی کا دم گھٹنے لگتا ہے، سب ایک خوف کا شکار رہتے ہیں کہ نہ جانے کس وقت، کس پر مصیبت آ جائے، بہر حال گناہ و جرائم جب عام ہوتے تو اللہ کی طرف سے دنیاوی عذاب بھی عام ہوتا ہے اور سب ہی اس کی سختی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُخروی عذاب مجرموں کے لئے تو ان کے جرائم کے مطابق ہوگا ہی لیکن غیر مجرم بھی سزا سے بچ نہ سکیں گے کیونکہ جرم کو روکنا، اس کے خلاف آواز اٹھانا، یا کم از کم اسے دل سے برا جاننا، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کو اگر بروقت پورا کیا جائے تو ایک کو دیکھ دوسرا اور دوسرے کو دیکھ کر تیسرا گناہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، مثلاً پہلی چوری پر ہی اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو معاشرے میں چوری ہرگز عام نہیں ہو سکتی، پس اللہ کا عذاب چور پر تو ہوگا ہی لیکن وہ بھی نہ بچ سکے گا جسے اللہ نے اپنے احکام نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی، مسلمانوں کا امیر و حاکم بنایا تھا، قانونی ادارے اس کے فرمانروائے قلم تھے لیکن اس نے حکمتوں اور مصلحتوں سے کام لیا اور اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کیا، اسی طرح عوام میں معزز لوگ، علماء، قائدین، اگر برائیوں کے دینی و دنیاوی نقصانات سے عوام کو بروقت آگاہ و باخبر کریں تو معاشرہ برائیوں کے طوفان کی زد میں آنے سے محفوظ رہتا ہے، پس یہ لوگ بھی عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے تو جب چاہا عوام کو اکٹھا کیا، ان کی حمایت حاصل کی اور انہیں اپنے لئے استعمال کیا لیکن اصل ذمہ داری پوری کرنے میں مصلحتیں اور حکمتیں آڑے رہیں، اسی طرح لوگ اگر برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا چند افراد سے نفرت کریں، ذاتی طور پر ان کا بائیکاٹ کریں، انہیں حقیر جانیں تو بھی برائیوں کا سیلاب روکا جا سکتا ہے لیکن وہ اس کے برعکس ظالموں، شرابیوں، راشیوں، سود خوروں کی عزت افزائی کرتے رہے، محض ان کے خوف سے یا اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے تو یہ لوگ بھی عذاب الٰہی سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، پس

اے ایمان والو! اپنے آپ کو ایسے فتنوں سے بچاؤ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو، یہ فتنے تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایک ایسی قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی طوفان نہیں کر سکتا، یا وہ ایک ایسا نور ہے جو ہر قسم کی تاریکی کو چھانٹ دیتا ہے، یہ اطاعت اگرچہ بعض حالات میں بظاہر دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن اگر مؤمن کے دل و دماغ میں یہ حقیقت جگہ کر لے کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے، تو وہ ہر دشواری پر قابو پا لیتا ہے اور اطاعت گزار بن جاتا ہے۔

کمزوری کے باوجود اطاعت

مؤمن کا کمال یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، چاہے وہ بظاہر مادی وسائل نہ رکھتا ہو اور لوگوں کی نظروں میں کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو کیونکہ درحقیقت مؤمن کمزور کبھی نہیں ہوتا، لوگ جسے کمزور

Marfat.com

سمجھتے ہیں وہ مؤمن کا امتحان ہوتا ہے اور جب وہ امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو نصرت الٰہیہ اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور ہر میدان میں کامیابی و کامرانی اس کا مقدر بن جاتی ہے، ایسا بارہا ہوتا رہا ہے، ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

اے ایمان والو! اپنے ماضی کے اوراق پلٹو اور اس وقت کا باب کھولو جب مکہ میں اہل ایمان اس قدر کمزور نظر آتے تھے کہ انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں کوئی ظالم شکاری انہیں اپنا لقمہ نہ بنا لے، انہیں کھلے عام مارا جاتا تھا، پیٹا جاتا تھا، حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت یاسر کی تاریخ پڑھو، کتنے ظلم ہوئے ان پر، سال دو سال نہیں، پندرہ سال تک یہ مظالم سہے جاتے رہے اور جب اہل اطاعت امتحان میں کامیاب قرار پائے تو اللہ کی نصرت کا دروازہ کھلا، ان کے لئے مدینہ کی سرزمین کو پناہ گاہ بنا دیا گیا جو آج تک اہل ایمان کا ملجاء و ماویٰ ہے، انہیں کافروں کے پہلے ہی مقابلہ غزوۂ بدر میں شاندار فتح و نصرت عطا فرمائی گئی، جس سے دنیا والوں کے دلوں میں ان کا رُعب و دبدبہ بیٹھ گیا، یہاں انہیں امن و سکون کی زندگی کے شب و روز میسر آئے، ان کے لئے رزق کے دروازے کھلے، مال غنیمت دیا گیا، روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے، حتیٰ کہ کھجوروں پر گزارہ کرنے والوں کے پاس دولت کے ڈھیر نظر آنے لگے، جس مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے کوڑی، کوڑی جمع کرنا مشکل ہوا تھا، اسی کا صحن قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے بھرا نظر آیا، اللہ نے یہ فضل و کرم صرف اس لئے فرمایا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو، اس طرح کہ کسی دور میں بھی اپنی ظاہری کمزوری کو خیال میں نہ لاؤ اور دامن رسول چھوڑنے کی غلطی نہ کرو کہ تمہاری عزت و عظمت، قوت و طاقت رسول ﷺ ہی کی اطاعت سے وابستہ ہے، اگر تم نے اطاعت سے منہ پھیر لیا، مصلحتوں اور حکمتوں پر اعتماد کرنے لگے تو غلام تو بن سکتے ہو بھکاری تو ہو سکتے ہو، لیکن وہ مؤمن نہیں بن سکتے جو اللہ کا سپاہی ہوتا ہے، جس کا سر ہمیشہ سربلند رہتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا بندہ و غلام نہیں ہوتا، اس کا ایمان قرآن پر ہوتا ہے، وہ قرآنی وعدہ پر یقین رکھتا ہے، اعتماد کرتا ہے، پس قرآن تم سے وعدہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۝

(آل عمران: ۱۳)

اور اللہ مدد فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے۔

ماضی میں اطاعت شعار مؤمنین کی کامیابی و کامرانی ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم بھی اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہیں اور حالات و ماحول سے متاثر ہوئے بغیر اللہ پر اعتماد کے ساتھ اطاعت کو اپنا شعار بنائیں تو یقیناً ہمیں نصرتِ الٰہی کی تائید نصیب ہوگی، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۸

الانفال: ۲۷، ۲۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝

(انفال: ۲۷۔۲۸)

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول ﷺ سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں، اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور بیشک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔

خیانت

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خیانت نہ کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے، چاہے وہ خیانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو، یا اللہ کے بندوں سے۔ یہ ہدایت اس لئے جاری فرمائی گئی کہ خیانت ایک ایسا بدترین عمل ہے جو خائن کو اللہ اور

Marfat.com

اس کے رسول ﷺ سے دور کر دیتا اور سوسائٹی میں ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور اگر یہ عمل پوری قوم میں عام اور مشہور ہو جائے تو ایسی قوم، اقوام عالم کی نظروں میں نہایت کمزور قرار پاتی ہے، جسے بآسانی خریدا جا سکتا ہے، غلام بنایا جا سکتا ہے۔

خیانت درحقیقت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لاپرواہی، تساہل اور کوتاہی برتنے کا نام ہے جو انسان کو اللہ، اس کے رسول ﷺ یا کسی فرد یا کسی قوم کی طرف سے سونپی گئی ہوں، یہ عمل کس قدر رذیل ومعیوب ہے، اس کا اندازہ قرآن کریم کی آیات مقدسہ سے کیجئے۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا (النساء:۱۰۵)

اور نہ بنئے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام حکم دیا گیا کہ جن لوگوں کا خائن و بددیانت ہونا ثابت ہو جائے، ان کی حمایت و طرفداری ہرگز نہ کرو، چاہے وہ تمہارے ہوں یا غیر، مسلم ہوں یا غیر مسلم، عزیز ہوں یا دوست، امیر ہوں یا غریب، با اثر ہوں یا عام شہری کہ ان کی حمایت وطرفداری ایک تو عدل وانصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس طرح معاشرے میں یہ مرض بڑھے گا اور پوری قوم کا کردار داغدار ہو جائے گا، اس ارشاد کے فوراً بعد ہی دوبارہ ہدایت کی گئی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء:۱۰۷)

اور مت جھگڑا کریں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔

اس ہدایت کی سب سے اہم وجہ قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (النساء:۱۰۷)

بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (انفال:۵۸)

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔

اللہ نہ اپنے خیانت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور نہ باغیوں کی خیانت کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا اگر کسی غیر مسلم قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہوا ہو اور وہ اس میں خیانت کی مرتکب ہو تو اس کی قوت وطاقت یا دولت کی پروا کئے بغیر اس کا معاہدہ منہ پر مار دیا جائے، اسلام جو سب سے زیادہ ایفائے عہد ومعاہدہ کا داعی ہے، صرف خیانت کی وجہ سے معاہدہ ختم کر دینے کا حکم دے رہا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ آپ کو شاہ مصر نے طلب کیا ہے تاکہ وہ آپ کو حکومت کا اہم عہدہ

Marfat.com

سونپے تو آپ نے اس اعزاز کو قبول فرمانے اور جیل سے نکلنے سے پہلے فرمایا کہ پہلے معاملہ کی تحقیق کرائی جائے، عزیز کی بیوی اور مصر کی دیگر عورتوں سے پوچھا جائے کہ کیا واقعی میں نے ان سے برائی کا ارادہ کیا تھا یا انہوں نے مجھے ورغلانے کی ناکام کوشش کی تھی اور جب بعد تحقیق معاملہ صاف ہو گیا، آپ کی پاکدامنی ثابت ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس حقیقت کو سامنے لانا میں نے اس لئے ضروری سمجھا کہ:

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۝

(یوسف: ۵۲)

یہ میں نے اس لئے کیا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو۔

اللہ کے نبی نے پسند نہ فرمایا کہ ان کا دامن خیانت سے داغدار رہے اور انہیں قومی خدمت کے لئے اعلیٰ عہدہ سونپا جائے کیونکہ خائن کامیاب نہیں ہو سکتا، لوگوں کی نظروں میں کبھی اس کی عزت نہیں ہو سکتی، عوام کبھی اس کی بات کو سچ تسلیم نہیں کرتے، پس کس طرح ایک خائن کو حاکم بنایا جا سکتا۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں ایک یہ کہ ''وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ'' جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا ''لا ايمان لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ'' اس کا ایمان کامل نہیں جس میں امانت نہیں اور جو شخص عہد کا پابند نہیں اس کا بھی ایمان کامل نہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر روٹی اور گوشت کی صورت میں آسمان سے مائدہ نازل فرمایا اور انہیں حکم دیا ''اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِلْغَدِ'' کہ وہ خیانت نہ کریں اور آنے والے دن کے لئے جمع نہ کریں، ''فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا وَرَفَعُوْا لِلْغَدِ'' لیکن انہوں نے خیانت کی جمع بھی کیا اور آنے والے دن کے لئے بچا کر رکھا، پس انہیں بڑی ہی عبرتناک سزا دی گئی اور وہ یہ کہ ''فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ'' اللہ نے انہیں بندر اور سور بنا دیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ کا یہ عذاب صرف خیانت کے باعث واقع ہوا، اللہ محفوظ رکھے۔

عام طور پر خائن اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی رکھوائی ہوئی چیز میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر تصرف کرے یا اس میں کمی اور زیادتی کرے جبکہ خیانت صرف یہی نہیں اس کا مفہوم بڑا ہی وسیع ہے، اس کو مختصراً یوں سمجھا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی بھی حکم کو نہ ماننا یا اس میں سستی و کوتاہی کرنا خیانت ہے، ان احکام کا تعلق چاہے حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری شریعت اپنے بندوں کو بطور امانت سونپی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

Marfat.com

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (احزاب:۷۲)

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسانوں نے بیشک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے احکام بطور امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کئے تو انہوں نے بلا چون و چرا ان کی تعمیل کا عہد کر لیا، جسے وہ آج تک پورا کر رہے ہیں، وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ کی سپرد کردہ امانت میں خیانت نہ ہو جائے اور وہ عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیے جائیں لیکن انسان بڑا ہی ظالم اور نادان ہے، وہ اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال جملہ احکام شرع اللہ کی امانت ہیں پس نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوۃ نہ دینے والے، حج نہ کرنے والے خیانت کے مرتکب ہیں، اسی طرح دیگر احکام شرع کو چھوڑنے والے خائن کہلائیں گے نیز والدین کی حق تلفی، شوہر، یا بیوی کی حق تلفی، اعزاء و اقارب، احباب اور پڑوسیوں کی حق تلفی خیانت ہی ہے، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال بھی خیانت ہے، دولت کا غلط استعمال، صحت کا غلط استعمال، اعضاء کا غلط استعمال سب یہ خیانت میں شامل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ فَرَائِضِهٖ وَالرَّسُوْلَ بِتَرْكِ سُنَّتِهٖ'' اللہ کے ساتھ اس کے فرائض ترک کر کے خیانت نہ کرو اور رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی سنتیں چھوڑ کر خیانت نہ کرو اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اِعْلَمُوْا اَنَّ دِيْنَ اللّٰهِ اَمَانَةٌ'' خوب جان لو کہ اللہ کا دین امانت ہے۔ ''فَاَدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَا ائْتَمَنَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ فَرَائِضِهٖ وَحُدُوْدِهٖ'' اس کے فرائض اور حدود کا تمہیں امین بنایا گیا ہے، پس تم اس کی امانت کو ادا کرتے رہو۔

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ بھی پڑھتے چلئے، جسے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے ہم تک پہنچایا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا، جب اس معاہدے کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر روم کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے تا کہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مہلت دیے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے، ایک سوار نے دیکھا تو وہ صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور پکارنے لگا ''اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ'' اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے، معاہدہ پورا کیا جائے، دھوکہ اور خیانت نہ کی جائے، لوگوں نے پہچانا تو وہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پاس بلا کر پوچھا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا کہ ''جس کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو وہ اس وقت تک نہ کوئی گرہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے جب تک وقت مقررہ نہ آ جائے یا کسی وجہ سے معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد سنتے ہی حضرت امیر معاویہ نے ارادہ ملتوی کر دیا اور لشکر کو واپس خیموں میں چلے جانے کا حکم دیا۔

یہ واقعہ قابل غور ہے حکم رسول ﷺ کی تعمیل میں مصلحتوں اور حکمتوں کو دخل نہیں ہوتا، مومن ہر حال میں اپنے آقا

Marfat.com

ﷺ کے احکام کا پابند ہوتا ہے، اسی میں اس کی عزت ہے، اسی میں اس کی کامیابی وکامرانی کا راز پوشیدہ ہے، آج کے حکام سوچیں وہ کس طرح حالات کے تقاضوں کا بہانہ کرکے احکام رسول ﷺ میں خیانت کرتے ہیں، جس کا خمیازہ بصورت ذلت وخواری صرف انہیں ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام میں خیانت کرو اور نہ ہی باہمی معاملات میں، حالات کتنے ہی ناموافق ہوں، کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے لیکن اس ہدایت پر عمل ترک نہ ہونے پائے، ورنہ خائن کہلاؤ گے، اور خائن ہونا مؤمن کو زیب نہیں دیتا، اللہ خیانت کرنے والے کو نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ہی کامیاب وکامران ہونے دیتا ہے، نیز خیانت منافق کی نشانی ہے، جس کا ٹھکانہ ''دَرکِ اسفل'' جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے، اور خوب اچھی طرح جان لو کہ اموال واولاد، جس کی وجہ سے تم اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو، آزمائش ہیں، اگر تم اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے، جو اموال واولاد کی وجہ سے تم پر آتی ہے، تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا اجر ہے، تم اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے، جتنا ایثار کرتے ہو، اللہ اس سے کہیں زیادہ تمہیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائے گا۔

اموال واولاد فتنہ ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اموال انسان کی ضرورت، اس کی جسمانی راحت اور ظاہری عزت وشہرت کا ذریعہ ہیں، چاہے وہ ساز وسامان کی صورت میں ہوں، یا زمین وجائیداد کی صورت میں ہوں، مویشیوں کی صورت میں ہوں، یا سکہ رائج الوقت کی صورت میں ہوں، بہرحال انفرادی واجتماعی، ہر اعتبار سے ان کی اہمیت ہے، امیر ودولت مند کو ہر کوئی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے، جس قوم کے پاس دولت کی فراوانی اور معاشی خوشحالی ہوتی ہے اسے طاقتور سمجھا جاتا ہے، دینی ودنیوی امور کا جاری رہنا، مال ودولت پر ہی موقوف ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے کسب دولت کو جائز قرار دیا اور اسے اپنی ذات پر، نیز دوسروں کے لئے خرچ کرنا، زکوٰۃ دینا، صدقہ وخیرات کرنا حصول تقویٰ کا ایک ذریعہ بنایا گیا، عبادت قرار دیا گیا، اسی طرح اولاد انسان کی امیدوں کا مرکز، اس کے دل کا سرور اور نظر کا نور ہے، جس کی پرورش، تعلیم وتربیت کو انسان کی ذمہ داری قرار دیا گیا، اس پر اجر وجزاء کا وعدہ کیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کی یہ نعمتیں ہماری آزمائش وامتحان کا ذریعہ بھی ہیں کہ

اللہ نے انسان کے لئے حصول دولت کے بیشمار ذرائع پیدا فرمائے، جن میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا تاکہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے کہ کون حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر صرف دولت کے حصول میں اندھا ہو جاتا ہے اور کون ہے جو صرف حلال کی طرف بڑھتا اور حرام سے منہ موڑ لیتا ہے، کامیاب وہ ہوگا جو حکم الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے صرف حلال پر اکتفاء کرتا ہے، اسی طرح اللہ دولت دے کر اسے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ بندوں کی آزمائش کی جائے کہ وہ دولت ملنے کے بعد اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں یا نہیں، پس وہ ناکام قرار پاتے ہیں جو دولت کی محبت میں پھنس کر اسے خرچ نہیں کرتے اور وہ کامیاب ہوتے ہیں جو دولت کی محبت سے بچ کر اسے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے لئے، اپنے اہل خانہ، اعزاء اقرباء اور دیگر ضرورت مندوں کے لئے صرف کرتے ہیں، اس سے اپنے اہل وعیال کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں،

Marfat.com

زکوۃ، صدقہ، خیرات کی صورت میں وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں، دینی اداروں اور تحریکوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ انسان کو اولاد کی نعمت سے بھی اسی لئے نوازتا ہے کہ وہ اولاد والوں کا امتحان لے، پس جو اولاد کی محبت میں ایسا گرفتار ہو گیا کہ اس نے اولاد کے عیش و آرام کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر دولت کے ڈھیر جمع کر لئے، اولاد کو خوب کھلایا، اچھا پہنایا، امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلائی لیکن مسلمان نہ بنایا، حرام کھلا کر، ان کی عادات واطوار کو بگاڑ دیا، دین کے علم اور دینی تربیت سے اسے بے بہرہ رکھا، انہیں نہ اللہ کے حقوق کا علم اور نہ بندوں کے حقوق کا پتہ، وہ دین کے دیگر احکام کی پابندی تو درکنار، اللہ کے دربار میں سر جھکانے تک کے لائق نہ ہو سکے، ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ تک میں شریک نہ ہو سکے، غرضیکہ وہ والدین بڑے ہی خسارے میں رہے جنہوں نے اولاد کو انسانیت کے سوا سب کچھ دیا لیکن جن والدین نے اولاد کی نعمت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق ان کی تربیت کی، حلال کا رزق کھلایا، حلال کمانا سکھایا، وہ امتحان میں کامیاب رہے کہ ان کی اولاد دنیا میں بھی ان کے کام آتی ہے، ان کی مطیع و فرمانبردار رہتی ہے، خدمت گزار ہوتی ہے اور ایسی اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے، جس کا فائدہ ماں باپ کو مرنے کے بعد ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

اموال و اولاد، اس اعتبار سے بھی فتنہ ہیں کہ بسا اوقات انسان دولت کی ہوس اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر ظالم بن جاتا ہے کہ لوگوں کی حق تلفی کرنے لگتا ہے، انہیں ستا کر، پریشان کر کے اپنی ہوس پوری کرتا ہے، راشی اور سود خور بن جاتا ہے، دولت کی یہ ہوس ہی اسے قمار خانوں میں پہنچاتی ہے، جہاں وہ حرام کے حصول میں اپنی حرام کی کمائی پانی کی طرح بہاتا ہے، اور اکثر ذلیل و خوار ہوتا ہے، مار کھاتا ہے اور اپنے اہل خانہ و خاندان کے لئے ننگِ عار بن جاتا ہے۔

یہی اموال و اولاد، انسان کو متکبر و مغرور بھی بنا دیتے ہیں، وہ غریبوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اس کی نظروں میں اپنے غریب والدین تک کی کوئی عزت نہیں رہتی، غریبوں سے نفرت اس کی شان بن جاتی ہے، اعزاء و اقارب تک کو اس کے در پر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، حتیٰ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بھی دور ہو جاتا ہے، اس کا عقیدہ و ایمان تک متزلزل ہو جاتا ہے کہ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے، میری محنت اور میری تدابیر کا نتیجہ ہے لہٰذا یہ صرف میرا ہے، میرے لئے ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں وہ اپنے ماضی کو بھول جاتا ہے، گردوپیش کے حالات سے بھی اسے سبق حاصل نہیں ہوتا، اموال و اولاد کے اس فتنہ میں مبتلا ہو جانے والوں ہی کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے:

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ
بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزمر: ۴۹)

پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (میرے) علم (وفضل) کے باعث، بلکہ یہ آزمائش

Marfat.com

ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نعمتوں کے ملنے کے بعد یہ انسان اندھا ہو جاتا اور اپنے ماضی کو فراموش کر بیٹھتا ہے، اسے اتنا تک یاد نہیں رہتا کہ وہ کل تک کس طرح گریہ وزاری کرتا اور روتا تھا، جب اسے اللہ نے نعمتیں عطا فرما دیں تو وہ انہیں اپنے علم وفضل اور تدابیر کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، ایسا شخص نہایت ہی غافل اور بیوقوف ہے، ہم نے تو اس کو یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ ہم اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ اب بھی گریہ وزاری کرتا ہے یا نہیں، وہ ہمارا شکرگزار ہوتا ہے یا باغی بن جاتا ہے، تکبر وغرور میں مبتلا ہو کر اپنے ماضی کو بھول جانے والا اور گردوپیش میں لوگوں کا انجام دیکھتے ہوئے بھی اپنے انجام سے غافل رہنے والا، بڑا ہی خسارے اور نقصان میں رہتا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''اگر دو بھوکے بھیڑیئے، بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں، تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا نقصان دین کو مال وجاہ کے حریص سے ہوتا ہے۔
(ترمذی شریف)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نواسے (حضرت حسن یا حسین) کو گود میں لئے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے ''انکم لتبخلون و تجبنون وتجهلون وانكم لمن ريحان الله'' کہ تم (بچے) ہی آدمی کو بخیل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو بزدل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو جہالت پر آمادہ کرتے ہو، حالانکہ تم باغ الٰہی کے پھول ہو۔ (ترمذی شریف)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''حُبُّ الدُّنیا رأسُ کُلِّ خطیئۃ'' دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

ان ارشادات نبوی ﷺ پر غور کیجئے اور اندازہ لگایئے کہ اموال واولاد، اللہ کی نعمت ہونے کے باوجود کس طرح مؤمن کے لئے فتنہ وآزمائش ہیں اس سلسلہ میں ایک صحابی رسول ﷺ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو، جو انصاری تھے، ان کا اصل نام ہارون بن منذر تھا، قبیلہ بنی عوف بن مالک سے تھے، واقعہ سے متعلق یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ ان کے اہل وعیال، یہود مدینہ بنی قریظہ کے محلہ میں رہائش پذیر تھے۔

غزوۂ خندق کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی قریظہ کے محلّہ کا محاصرہ کیا جو اکیس دن تک جاری رہا، جب یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے مسترد فرمادی اور فرمایا کہ ہم سعد بن معاذ کو تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، یہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات طے کریں گے، یہودیوں نے گزارش کی کہ سعد کی بجائے ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا، یہودیوں نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم حضور ﷺ کی اطاعت قبول نہ کریں تو وہ ہمارے متعلق کیا فیصلہ کریں گے چونکہ ابولبابہ کو اپنے اہل وعیال، گھربار وغیرہ کی حفاظت کا خیال تھا لہٰذا آپ نے یہودیوں کے ساتھ تھوڑی سی ہمدردی کی اور انہیں

Marfat.com

اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارۃً بتایا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا، اس کے بعد آپ کو فوراً ہی خیال آیا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، میں نے اموال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے کہ ایک راز فاش کر دیا، جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، احساس غلطی میں ایک دوسری غلطی یہ کر بیٹھے کہ خود ہی اپنے لئے سزا بھی تجویز کر لی، دوڑے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ میں اس بندش سے اس وقت تک آزاد نہ ہوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے معاف کر دیا، یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے معافی کی دعا کر دیتا، وہ تو براہ راست رب کے پاس حاضر ہو گئے، لہٰذا اب وہاں کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے، ابولبابہ نے سرکار کی پناہ میں نہ آنے کی غلطی کر کے بڑی تکلیف اٹھائی، سات دن تک ستون سے بندھے رہے، صرف نماز اور حوائج ضروریہ کے لئے کھولے جاتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اس کا بہت صدمہ تھا، بہر حال سات دن بعد اللہ نے ان پر کرم فرمایا اور سورۂ مائدہ کی زیر گفتگو آیات کے ذریعہ ان کی معافی کا اعلان کیا گیا، لوگوں نے انہیں خوشخبری سنائی اور چاہا کہ کھول دیں لیکن انہوں نے منع کر دیا اور کہنے لگے، جب تک میرے آقا ﷺ مجھے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے میں اسی طرح بندھا رہوں گا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لائے، معافی پر ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے کھولا، جس ستون سے حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا وہ آج تک مسجد نبوی شریف میں، استوانہ توبہ یا استوانہ ابولبابہ کے نام سے موجود ہے، جہاں خصوصی طور پر قبولیت توبہ کے لئے نفل ادا کئے جائیں اور توبہ کی جائے تو امید ہے کہ اللہ رب العزت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے صدقے میں ہم گناہ گاروں کو بھی بخش دے، اللہ سب کو حاضری نصیب فرمائے آمین۔

اے ایمان والو! تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اللہ کی امانت ہے، جس کے استعمال میں تم پر اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے، بالخصوص اموال و اولاد کے معاملے میں بے حد محتاط رہو کہ ان میں کوئی خیانت نہ ہونے پائے کہ اللہ کی یہ نعمتیں تمہاری ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہیں اگر تم نے ان کی ہوس اور محبت میں گرفتار ہو کر خیانت کی تو تم دینی و دنیوی خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اگر تم نے انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق استعمال کیا تو اللہ تمہیں دنیا و آخرت میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا، اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاایھا الذین امنوا

مقالہ ۴۹

الانفال:۲۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۝ (انفال:۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں امتیاز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و پیروی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور نہایت محتاط ہو کر ان کے احکام کی تعمیل کرو، جس کے صلہ میں اللہ تمہیں تین نعمتوں سے نوازے گا۔

فرقان عطا فرمائے گا، سیئات کو مٹا دے گا، مغفرت فرمائے گا۔

اور اللہ تو بڑے فضل والا ہے، جو اس کی بات مانتا ہے اس کو صرف اجر و ثواب سے ہی نہیں بلکہ بے شمار انعامات سے نوازتا ہے۔

Marfat.com

فرقان

مفسرین کرام فرقان کے متعدد معنی بیان فرماتے ہیں، نصرتِ الٰہی، حفاظت، حق و باطل میں امتیاز کی بصیرت وصلاحیت، ان معنی کے اعتبار سے فرقان اللہ کی عظیم نعمت ہے، جو اہل تقویٰ کا مقدر ہے، جب مؤمن متقی ہو جاتا ہے تو اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے کہ اس کی دنیاوی زندگی پر سکون ہو جاتی ہے اور آخرت سدھر جاتی ہے، اسی انعام کو بیان فرمانے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا ''لا خوفٌ عليهِمْ ولاهُمْ يحزنُونَ'' کہ انہیں اللہ کے فضل سے مستقبل کے حوادثات کی کوئی فکر نہیں رہتی، ان کا کوئی ڈر نہیں رہتا، اور ماضی کے صدمات کا کوئی غم نہیں ہوتا، نیز فرمایا گیا، ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ'' بیشک اللہ کی مدد، اس کا خصوصی فضل وکرم متقین کے لئے ہے، نیز ارشاد ہوا:

فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (اعراف: ۳۵)

جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اور اپنی اصلاح کی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ (مریم: ۶۳)

یہ وہ جنت ہے، جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے صرف اسے جو متقی ہوگا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (اعراف: ۱۲۸)

بیشک زمین اللہ ہی کی ہے، وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے مخصوص ہے۔

یہ ہیں اہل تقویٰ، جنہیں فرقان نصیب ہوا بایں معنی کہ اللہ انہیں اپنے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، خوف وغم سے آزاد فرماتا ہے، اللہ کی مدد ہر وقت ان کے شامل حال رہتی ہے، یہی خوش نصیب اللہ کی جنت اور اللہ کی زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔

فرقان بمعنی حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بھی اللہ کا بڑا انعام ہے کہ جس خوش بخت کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے، اس کے لئے اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل نہایت ہی سہل و آسان ہو جاتی ہے کہ وہ بآسانی خداداد بصیرت سے حلال و حرام میں امتیاز کر لیتا ہے، حق و باطل کو پہچان لینا، نیک و بد میں فرق کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا، نیز اس کی نظروں سے حجابات دور کر دیئے جاتے ہیں، اب وہ صرف اشیاء کو نہیں دیکھتا بلکہ حقائق اشیاء پر اس کی نظر ہوتی ہے، قرب وبعد کا فرق اس کے لئے ختم ہو جاتا ہے، جونہی وہ توجہ کرتا ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہوتی ہے، چاہے وہ قریب ہو، یا کتنی ہی دور ہو، اسی کیفیت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''فراست'' سے تعبیر فرمایا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِن فَانَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه'' مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

Marfat.com

فراست

فراست یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور قوت فہم سے کسی کے بتائے بغیر وہ جان لے جو عام طور پر لوگ بسیار کوشش کے بعد بھی نہیں جان پاتے، گویا جسے فراست نصیب ہوگئی کوئی چیز اس سے حجاب میں نہیں رہتی، نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق فراست مومن کامل کا خاصہ ہے، صاحب فراست مومن جس چیز پر نظر ڈالتا ہے، اس پر اس چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی نظر عام لوگوں جیسی نہیں رہتی، بلکہ وہ تو اللہ کے عطا کردہ مخصوص نور سے دیکھنے لگتا ہے، یہ نور اسی متقی کی نظر کا حصہ بنتا ہے، جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جب اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کے سبب اللہ کا نور نصیب ہو جاتا ہے اور ان کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی، حتیٰ کہ وہ ہزاروں برس بعد پیش آنے والے واقعات و حالات سے بھی باخبر ہو جاتے ہیں تو پھر اس آقا ﷺ کی نظر کی کیفیت کیا ہوگی، یا ان کی فراست کی قوت کا کیا حال ہوگا جو خود اللہ کا نور ہیں، اس کائنات کی کونسی چیز ان سے چھپی رہ سکتی ہے، ہمارا یہی عقیدہ ہے، یہی ایمان ہے جو بے شمار واقعات سے ثابت اور واضح ہے اور یہی عقیدہ، تقویٰ کی بنیاد ہے، اس کے منکر کو صاحب فراست ہونا تو درکنار، صاحب ایمان تسلیم کرنا بھی دشوار ہوگا۔

یہ فراست جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی نسبت سے حاصل تھی جس نسبت سے انہیں صحابیت کا عظیم مرتبہ ومقام نصیب ہوا، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اس نعمت کے وارث رہے، پھر یہ ہر اس مومن کو حاصل ہوئی جس نے تقویٰ اختیار کیا، جس کا جتنا تقویٰ بڑھتا رہا، اسے اتنی ہی زیادہ فراست ملتی رہی، سید الاولیاء حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اسی فراست یا نور الٰہی سے ساری کائنات کو اپنی ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح ملاحظہ فرماتے تھے، آپ کا ارشاد ہے ''نظرت الی بلاد اللہ جمعًا کخردلۃ علی حُکم التصال'' یہ وہ نظر تھی جس میں اللہ کا نور شامل تھا، دیگر اولیاء کرام کے واقعات بھی اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کا نتیجہ بصورت فراست نصیب ہوتا ہے۔ بطور تبرک چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ایک مرتبہ انہیں خواب میں شیطان ننگا نظر آیا، آپ نے فرمایا، بے حیا! تجھے انسانوں سے شرم نہیں آتی، بولا کیا یہ لوگ آپ کے نزدیک انسان ہیں، آپ نے فرمایا بیشک یہ انسان ہی تو ہیں، شیطان لعین کہنے لگا اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو میں ان سے اس طرح نہ کھیل پاتا، جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں، انسان تو حقیقتاً وہ لوگ ہیں جو شونزیہ (بغداد شریف کا ایک محلہ) کی مسجد میں معتکف ہیں، جن کی عبادت و ریاضت سے میں گھلا جا رہا ہوں، میں جب بھی انہیں ورغلانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ رب تعالیٰ کا اشارہ کرتے ہیں اور میں جلنے لگتا ہوں، خواب سے بیدار ہو کر حضرت جنید رضی اللہ عنہ جامع شونزیہ گئے، وہاں آپ نے تین آدمیوں کو دیکھا جو اپنی گدڑی میں چھپے بیٹھے ہیں، آپ کے آنے کی آہٹ سن کر ان میں سے ایک نے گدڑی سے اپنا سر نکالا اور بولا ''اے ابو القاسم شیطان لعین کی بات سے دھوکا نہ کھایئے'' (یہ اس مومن کی فراست تھی کہ اسے معلوم ہوگیا کہ حضرت جنید نے آج شب کیا خواب دیکھا ہے۔) (ریاض الصالحین)

Marfat.com

شیخ ابراہیم خواص علیہ الرحمتہ، ایک پہاڑ لکام پر پہنچے جہاں انار کا باغ تھا، درختوں میں سرخ انار لٹک رہے تھے، آپ سے نہ رہا گیا، ایک انار توڑ کر کھانے لگے جو نہایت ترش تھا، چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، تھوڑی دور چل کر ایک شخص نظر آیا، جس کے جسم پر بھڑیں لپٹی ہوئی تھیں، آپ نے اسے سلام کیا، جواب ملا، وعلیکم السلام یا ابراہیم! آپ کو حیرت ہوئی پوچھا تم میرا نام کیسے جانتے ہو، وہ شخص کہنے لگا، جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، اس سے کچھ چھپا نہیں رہتا، آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے آپ کو اللہ کا قرب نصیب ہے، اگر آپ اللہ سے اپنے لئے دعا کرتے تو وہ ضرور آپ کو انار کی خواہش سے بچالیتا کیونکہ انار کی لذت کی سزا تو آخرت میں بھگتنا ہوگی اور ان بھڑوں کی تکلیف تو عارضی ہے یہیں تک ہے اور یہیں ختم ہو جائے گی، (یہ فراست مؤمن ہے، کہ اس شخص نے شیخ ابراہیم کا نام بھی جان لیا اور اسے یہ بھی پتہ ہو گیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو انار کی خواہش ہوئی اور آپ نے مالک کی اجازت کے بغیر انار توڑا اور کھایا) (ریاض الصالحین)

یہ واقعہ بھی شیخ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ نے ایک خوبصورت ہوشیار نوجوان کو دیکھا، آپ نے حاضرین سے کہا کہ یہ نوجوان تو مجھے یہودی لگتا ہے، لوگوں کو آپ کی بات پسند نہ آئی، جب آپ محفل سے تشریف لے گئے تو نوجوان نے لوگوں سے پوچھا، ان بزرگ نے میرے متعلق کیا کہا، لوگوں نے اس کے اصرار پر بتایا کہ وہ تمہیں یہودی کہہ رہے تھے، نوجوان یہ سنتے ہی دوڑا اور شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا، مشرف باسلام ہو گیا اور بولا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق کی فراست غلط نہیں ہوتی، میں نے چاہا کہ میں مسلمان فقراء میں شامل ہو کر اس بات کا پتہ چلاؤں، مجھے یہ لوگ نظر آئے اور میں ان کے ساتھ ہو لیا، اور منتظر تھا کہ ان میں کوئی مجھے پہچانتا ہے یا نہیں، آپ نے مجھے پہچان لیا اور میں نے بھی آپ کو پہچان لیا، (یہ ہے مؤمن کی فراست، جس سے لوگوں کی قلبی کیفیات تک کا پتہ چل جاتا ہے)۔
(ریاض الصالحین)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پیرومرشد حضرت شیخ سری سقطی، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم وعظ کیا کرو لیکن میں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے سے ہچکچاتا تھا، ایک جمعہ کی شب مجھے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا تم لوگوں کو نصیحت کرو، میں بیدار ہوا اور صبح کا انتظار کئے بغیر شیخ سری سقطی کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی، آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا "جب تک تم سے خود سرکار نے نہ فرمایا تم نے میری بات نہ مانی" (یہ فراست مؤمن تھی) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اسی دن سے وعظ شروع کر دیا، ایک مرتبہ وعظ کے دوران ایک عیسائی جوان بھیس بدل کر آیا اور اس نے سوال کیا، اے شیخ بتایئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد، "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ" کا کیا مطلب ہے، آپ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا، "تو نصرانی ہے اور اب تیرے اسلام قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے، مسلمان ہو جا، وہ جوان اسی وقت مسلمان ہو گیا"، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب آپ نے عملی طور پر بتا دیا کہ مؤمن کو ایسی فراست حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتا ہے)۔ (ریاض الصالحین)

الحمدللہ، امت مسلمہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں جن کو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

کے طفیل فراست کی نعمت عطا فرمائی، مزید برآں یہ کہ ان کے واقعات محفوظ ہیں، جن کو پڑھ کر، سن کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ان میں جذبۂ تقویٰ بیدار ہوتا ہے، غرضیکہ فراست ایک بڑی نعمت ہے جو فرقان ہے کہ اس سے حق و باطل، اچھے، برے میں بسہولت امتیاز کرلیا جاتا ہے۔ اہل تقویٰ کو تو یہ صلاحیت پورے کمال کے ساتھ نصیب ہوتی ہی ہے، لیکن عام مؤمنین بھی اس سے محروم نہیں رہتے کہ ایمان ایک نور ہے جس سے مؤمن کا قلب اور نظر ضرور روشن و منور ہو جاتے ہیں اور اس سے دوسروں کے مکر و فریب سے بچنے کی ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا احساس اسے خود بھی نہیں ہوتا، لیکن بہر حال ایمان کا فائدہ اسے حاصل رہتا ہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بد عملی اور فسق و فجور سے اپنی تمام صلاحیتوں کو اتنا زنگ آلود اور سیاہ نہ کرے کہ نورِ ایمان بھی مدھم ہو جائے، اللہ ایسی حالت سے ہر مؤمن کو محفوظ رکھے۔

یوں تو تمام عبادات کی پابندی اور احکام شرع کی تعمیل فراست کے حصول کا ذریعہ ہے، لیکن صوفیاء کرام نے بعض عبادات کو خصوصی طور پر اس نعمت کے حصول کا سبب بتایا ہے، اس طرح کہ مومن اولاً محرّماتِ شرعیہ سے بچے، یعنی کوئی حرام کام نہ کرے، اس کی روزی حلال کی ہو، اس میں سود، شراب، رشوت، جوئے سے حاصل کردہ دولت شامل نہ ہو، پھر پنجگانہ نماز کی پابندی کرے، ہو سکے تو روزانہ کچھ نوافل بھی پڑھے، بعد فجر، قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کرے، درود شریف بکثرت پڑھتا رہے، بکثرت استغفار کرتا رہے، رمضان کے علاوہ بکثرت نفل روزہ رکھے، نیز کسی متقی پرہیزگار کے دامن سے وابستہ ہو، یعنی مرید ہو جائے اور اپنے شیخ کے عطا کردہ اوراد و وظائف کی پابندی کرے، تو اللہ کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا اور اسے ایسی فراست سے نوازا جائے گا جس سے اس کی دنیاوی الجھنیں ختم ہوں گی اور اُخروی مراتب بلند ہوں گے، اسی لئے اہل ایمان کو عام دعوت دی گئی ہے کہ

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو تا کہ اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے، تمہارے دلوں سے گناہوں کی سیاہی دھو دے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ ہمیں ان مؤمنین کاملین میں سے کر دے جن کو تو نے فراست کی نعمت سے نوازا، آمین یا رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۰

الانفال: ۴۵ تا ۴۷

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ
وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ (انفال: ۴۵-۴۷)

اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا، اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اسے گھیرے ہوئے ہے۔

Marfat.com

جہاد، مؤمن کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح عبادت کا درجہ رکھتا ہے، جو نہ تو سیاسی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معاشی مقصد ہوتا ہے بلکہ یہ دین کی حفاظت و بقاء اور اعلائے کلمۃ الحق کا اہم ترین ذریعہ ہے، اسی لئے قرآن کریم نے دیگر عبادات کی طرح اس سے متعلق احکامات بیان فرمائے اور ہدایات دیں، جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، آیات مذکورہ میں جو ہدایات دی جارہی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ثبات، (۲) ذکر اللہ، (۳) اطاعت، (۴) باہمی نزاع سے بچنا، (۵) صبر، (۶) اخلاص۔

یہ چھ ہدایات ہیں، جن کا تفصیلی بیان ضروری ہے۔

ثبات

یعنی جمار ہنا، ڈٹا رہنا، تقریباً اسی کا ہم معنی استقلال و استقامت ہے، کسی بھی کام کا ارادہ اور عزم کر لینے کے بعد اس میں کامیابی حاصل کرنا، منزل کو پالینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قلب اور قدم دونوں کا ثبات حاصل نہ ہو، جو شخص اپنے مقصد کے حصول کے لئے قلب و قدم کے ثبات کی ہمت نہیں رکھتا وہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا، نیز جس کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو، اس کے قدم و اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے، اسی لئے ہر قوم کے لوگ اپنے اپنے طریقہ یا اپنی پسند کے موافق ثباتِ قلب و قدم کا اہتمام کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ سخت کام کرتے وقت گانا اور میوزک سنتے جاتے ہیں، جس سے انہیں تھکن کا احساس کم ہوتا ہے اور وہ بڑے سے بڑا کام کر گزرتے ہیں، جن مسلمانوں کو قرآن کریم، نعت رسول ﷺ یا علماء کی تقاریر سے شغف ہوتا اور دلچسپی ہوتی ہے، وہ کیسٹیں بجاتے رہتے اور اپنا کام کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ سفر کے دوران گاڑی چلاتے ہوئے ایسا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح ان کا کام آسان ہو جاتا اور طویل سفر جلد ختم ہو جاتا ہے، یہ سب ثبات قلب و قدم کے ذرائع ہیں جنہیں اختیار کیا جاتا ہے۔

تمام کاموں میں سب سے دشوار کام دین پر عمل اور دین کی اشاعت و حفاظت کا کام ہے، جس میں کامیاب ہونا بغیر ثبات کے ممکن نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء: ۷۴)

اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔

بواسطۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا اہل ایمان پر یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے انہیں راہِ راست پر ثباتِ قلب و قدم کی دولت سے نوازا ہے، ورنہ اس راہ پر قائم رہنا بہت دشوار تھا، مزید وضاحت سے فرمایا گیا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷)

ثابت قدم رکھتا ہے اللہ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بھٹکا دیتا ہے اللہ زیادتی کرنے والوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔

Marfat.com

یہ کلمۂ طیبہ کی برکت ہے کہ اس سے ثباتِ قدم نصیب ہوتا ہے کہ ہر حال اور ہر مقام پر اپنے مقصد مقدس کی تکمیل کے لئے جم جانا، مؤمن کی شان ہے اور اللہ اپنے فضل و کرم سے بعد موت بھی مؤمن کو یہ نعمت عطا فرماتا ہے جو اس کی اُخروی نجات کا ذریعہ بنتی ہے، جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا، ''قبر میں ایک مسلمان سے اس کے رب، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں کہتا ہے، ''اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله'' اور یہی اللہ کا ارشاد ہے، ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہوتے اور فرماتے ''اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْلَهُ التَّثَبُّتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسَاءَلُ'' اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثبات کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

حضرت سہل بن عمار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہیے، اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا، انہوں نے بتایا کہ قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک فرشتے آئے اور مجھ سے سوال کیا، ''مَادِيْنُكَ وَمَنْ رَّبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ''، تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے، میں نے اپنی داڑھی کو پکڑتے ہوئے حیرت کے ساتھ کہا، ''اَمِثْلِيْ يُقَالُ هٰذَا، وَقَدْ عَلَّمْتُ النَّاسَ جَوَابَكُمَا ثَمَانِيْنَ سَنَةً'' کیا مجھ جیسے آدمی سے تم یہ سوال کر رہے ہو جبکہ میں انہی سوالات کے جوابات اسی (۸۰) سال تک لوگوں کو سکھاتا اور پڑھاتا رہا ہوں۔

غرضیکہ اللہ مؤمنین کاملین کو قبر و حشر کے تمام مراحل میں ثبات کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اور قبر ان کے لئے دنیا سے بہتر آرام گاہ بن جاتی ہے، اللهم اجعلنا منهم۔

بہر حال ثباتِ قدم و قلب ایک بڑی نعمت ہے اور دنیوی و دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے نہایت اہم، جہاد ایک بڑا ہی مقدس عمل ہے۔ جبکہ نہایت خطرناک بھی ہے، مجاہد اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں آتا ہے، جس کا مقصد ہر حال میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے، چاہے کامیابی اس صورت میں ہو کہ دشمن مغلوب ہو جائے، اللہ کا کلمہ بلند رہے، مجاہد غازی بن کر فاتح و کامران ہو کر واپس لوٹے یا یہ کامیابی بایں صورت ہو کہ مجاہد اللہ کے دین کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر شہید ہو جائے اور حیاتِ جاودانی حاصل کر لے، یہ عظیم مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کا سپاہی پہاڑ کی طرح دشمن کے مقابلے پر نہ جما رہے، دشمن کی تعداد اور مادی وسائل کی کثرت کا اس کو کوئی خوف نہ ہو، پسماندگان کا کوئی غم نہ ہو، وہ ڈٹا رہے، حتیٰ کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے، لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے۔

اے ایمان والو! جب تمہیں دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ہی پڑ جائے تو جم جاؤ، ڈٹ جاؤ حتیٰ کہ تلوار کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے، یہی تمہاری شان ہے، اسی میں تمہاری دنیوی عزت اور اُخروی نجات ہے۔

Marfat.com

ذکر اللہ

قرآن کریم متعدد بار ذکر اللہ کا حکم دیتا ہے اور ہر بار "ذِکْرًا کَثِیْرًا" فرماتا ہے کہ اللہ کا بکثرت ذکر کرو جبکہ نماز جیسی اہم عبادت کا اگرچہ بار بار حکم دیا گیا لیکن کہیں "صلوٰۃً کثیرۃً" نہ فرمایا گیا، روزوں کا حکم دیا گیا لیکن "صیاماً کثیراً" کہیں نہیں فرمایا گیا، مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، اسی طرح تم اس کا اتنا ذکر کرتے رہو کہ اس کا شمار نہ ہو سکے، اس کی گنتی نہ ہو سکے، اسی لئے ذکر کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا گیا، بندے سے ذکر مطلوب ہے، چاہے وہ کیسے ہی الفاظ سے کرے، کسی حال میں کرے کہ اس کے لئے نہ وقت کا تعین ہے، نہ حالت کا، نہ وضو کی شرط ہے، نہ کسی مخصوص لباس کی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اللہ کو یاد کرو کہ جب وہ ہر حال میں تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو تمہیں بھی ہر حال اس کو یاد کرتے رہنا چاہئے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ سب سے زیادہ آسان اور سہل عمل اور عبادت ہے کہ بندہ صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے ہر عمل سے اپنے رب کو یاد کر سکتا ہے، صرف احساس ہونا چاہئے، یہ احساسِ ذکر بھی ذکر بن جاتا ہے، مومن کے تمام اعضاء، حتی کہ ذہن اور قلب تک ذکر رب میں مشغول رہتا ہے، اس نے کوئی بھی کام کرنے کا ارادہ کیا اور یہ خیال آیا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کی توفیق اور اس کے فضل سے کر رہا ہوں، یہ خیال بھی ذکر ہے، پس اگر غور کیا جائے تو جملہ عبادات، اعمالِ صالحہ، اطاعت اور احساسِ اطاعت سب ہی ذکر ہے، پس کوئی مومن ذکر الٰہی سے محروم نہیں ہو سکتا، اگر اسے اپنے مومن ہونے کا خیال و احساس ہو۔

یہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ کسی کام کو سہل و آسان بنانے کے لئے اپنے ذوق کے مطابق کوئی عمل کرنا، انسان کی فطرت ہے بعض لوگ کام کرتے ہوئے گنگناتے ہیں، بعض سیٹی بجاتے ہیں، بعض گانا سنتے ہیں، بعض میوزک سنتے ہیں، اس کو دل بہلانے اور تقویت حاصل کرنے کا نام دیا جاتا ہے لیکن جو مومن ہے اس کا دل تو صرف ذکر الٰہی سے ہی بہلتا ہے، اسی سے تقویت حاصل کرتا ہے، اسی سے اسے طمانیت نصیب ہوتی ہے، جب مومن کا دل گھبراتا ہے، تو وہ نماز کی طرف دوڑتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے دل کو سکون میسر آجاتا ہے، وہ اپنے کاموں کو سہل و آسان کرنے کے لئے قرآن سنتا ہے، نعتیں سنتا ہے، علماء کی تقاریر سنتا ہے، وہ گنگناتا ہے تو آیات قرآنی پڑھتا ہے، اشعار نعت و سلام پڑھتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے، قوت و جذبات کا اظہار کرتا ہے تو نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت، نعرۂ حیدری، نعرۂ غوثیہ بلند کرتا ہے یوں اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے نیک بندوں کو یاد کرتا ہے، اس ذکر میں مگن ہو کر وہ بڑے بڑے کام کر گزرتا ہے، نہ اسے وقت کا پتہ چلتا ہے، نہ تکان کا احساس ہوتا ہے کہ اسے قلبی سکون، طمانیت اور تقویت ملتی رہتی ہے، یہی مفہوم ہے اللہ کے ارشاد کا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝

(الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے دھیان سے سنو، اللہ کی یاد سے

Marfat.com

ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس ذکر ہی سے مومنین کاملین کے قلوب کانپ اٹھتے اور وہ مزید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال: ۲)

صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔

اس ذکر ہی کی برکت سے بندۂ مومن کو یہ عظیم مقام نصیب ہوتا ہے کہ اس کا مالک و خالق رب اللہ جل مجدہ بھی اس پر نظر کرم فرماتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، اس طرح کہ اس پر اپنے فضل و کرم اور رحمتوں کی بارش مزید برساتا ہے۔ ''فاذکرونی اذکرکم'' ''پس مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا'' اور یہی لوگ دنیا و آخرت کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ''قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی'' ''بیشک وہی کامیاب ہوا، جس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا اور نماز پڑھتا رہا۔

غرضیکہ ذکر الٰہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، اللہ کی اطاعت کی طرف مزید مائل ہوتے ہیں، اسی سے اللہ کا فضل و کرم نصیب ہوتا ہے اور یہی ذکر کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے اور اسی سے ثبات قلب و قدم نصیب ہوتا ہے جو حالت جہاد کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے، لہٰذا فرمایا گیا:

اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور تلواروں کے سایہ، تیروں کی بوچھاڑ کی حالت میں بھی رب کو نہ بھولو بلکہ اللہ کا خوب ذکر کرتے رہو، جس سے تمہاری ڈھارس بندھی رہے گی، طمانیت حاصل ہوگی، دل مزید اللہ کی اطاعت کی طرف مائل ہوں گے، جس سے تمہاری تلواروں میں تیزی آجائے گی، ہماری مدد تمہیں حاصل ہوتی رہے گی اور تم کامیابی و کامرانی کا نئیں مژدہ سنتے رہو گے۔

اطاعت

یوں تو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مومن کا شیوہ ہونا چاہئے لیکن میدان جہاد میں اس کا خصوصی لحاظ رکھنے کی ہدایت کی جاری ہے کہ یہ جان کی بازی لگانے کا وقت ہے، یہاں ذرا سی غلطی، تھوڑی سی حکم عدولی بھی ساری محنت اکارت کر دینے کا سبب بن سکتی ہے، جو قدم تمہارا آگے بڑھے، یہ سوچنے کے بعد بڑھے کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں، ذاتی دشمنی کا جذبہ پیدا نہ ہونے پائے، دشمن سے کسی پرانے انتقام کا خیال نہ آنے پائے، غصہ کا غلبہ نہ ہونے پائے، ظلم و ستم کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے، دشمن کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو انسانیت کے خلاف ہو، اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو مثلہ کرنے، یعنی اس کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے سے منع فرمایا، اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل

Marfat.com

النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ'' حضور علیہ السلام نے (دشمن کے) بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی، (کہ یہ ظلم ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی) (بخاری و مسلم)

قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ جنگ کے دوران شور کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، (کیونکہ اس سے ذکر الٰہی میں فرق آتا اور افراتفری پیدا ہوتی ہے) (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''اِنْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' چلو اللہ کا نام لے کر، اللہ پر بھروسہ کرکے اور رسول ﷺ کے طریقے پر، ''لَا تَقْتُلُوْا شَيْخاً فَانِياً وَطِفْلًا صَغِيْراً وَلَا امْرَأَةً وَتُغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ چھوٹے بچے کو قتل کرو اور نہ عورت کو اور خیانت نہ کرنا اور اپنا مال غنیمت جمع کرو، اصلاح کرو اور نیکی کرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، (حالت جنگ میں، اصلحوا اور احسنوا کا حکم نہایت قابل غور ہے)۔ (ابوداؤد)

جہاد، عبادت ہے لہٰذا دیگر عبادات کی طرح اس کے لئے بھی شرعی احکام و اصول بیان کئے گئے، جن کی پابندی ہی کے لئے ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' کی ہدایت جاری فرمائی گئی، نیز حالت جنگ میں بھی عام شرعی احکام کی پابندی کرانا مقصود ہے، مثلاً اوقات نماز میں نماز نہ چھوٹے، فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے بہانے غیر شرعی لہو ولعب مثلاً تاش، جواء، بلا ضرورت شکار وغیرہ سے بچا جائے، موسمی اثرات سے محفوظ رہنے اور صحت کی بحالی و تقویت کے لئے، شراب، خنزیر کے گوشت وغیرہ کو حلال نہ سمجھا جائے، گالی گلوچ اور بدگوئی سے باز رہا جائے، وہ چیزیں مثلاً سامان جنگ وغیرہ جو حکومت کی ملکیت ہیں، ان میں بددیانتی نہ کی جائے، غرضیکہ اصلحو اور احسنو ا کا ارشاد جملہ شرعی امور کی پابندی کی ہدایت کررہا ہے، جو جہاد کے تقدس کو برقرار رکھنے کی لئے نہایت ہی اہم ہے۔

اے ایمان والو! حالت جنگ میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کا خیال رکھو کہ تم ''حزب اللہ'' اللہ کا لشکر ہو، لہٰذا تمہیں اس کی مرضی کے مطابق ہی ہر عمل اختیار کرنا چاہئے کہ اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی ہے، جیسا کہ تم سے وعدہ فرمایا گیا ہے، ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' اور نہ کمزور ہو اور نہ غم زدہ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن کامل ہو۔

جھگڑا نہ کرو

دینی و دنیوی امور میں اہل ایمان کا آپس میں جھگڑنا اور فتنہ وفساد بپا کرنا عام حالات میں بھی معیوب اور برا ہے، جس کی قرآن کریم اور ارشادات رسول ﷺ میں واضح ممانعت کی گئی ہے، حالت جنگ میں تو عام حالات کی بہ نسبت اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے دشمن پر رعب و دبدبہ رہتا ہے اور جنگی امور کی انجام دہی سہل و آسان ہوتی ہے، لہٰذا اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ خصوصاً حالت جنگ میں کسی بات پر اختلاف رائے اس انداز پر نہ

Marfat.com

ہونے پائے کہ جھگڑے کی صورت اختیار کر لے، جب تم آپس میں جھگڑ بیٹھو گے تو دشمن کا مقابلہ کیا کر سکو گے،'' فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ''دشمن کی نظروں میں تم کمزور پڑ جاؤ گے، تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس باہمی اختلاف و نزاع سے امت مسلمہ کو ایک مرتبہ شدید نقصان پہنچ چکا ہے، یہ غزوۂ احد کی بات ہے جس کو امام بخاری نے بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکین سے ہمارا مقابلہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کا ایک دستہ، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پہاڑی پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ چاہے فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں یہ جگہ نہ چھوڑنا، جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ہم نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں، انہوں نے پائنچے اوپر چڑھائے ہوئے ہیں، ان کی پنڈلیاں اور پازیبیں نظر آ رہی ہیں، جنگ کی یہ حالت دیکھتے ہی مسلمانوں نے غنیمت، غنیمت کا نعرہ لگانا شروع کر دیا، تیر اندازوں کے دستہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے والوں میں شامل ہونا چاہا، عبداللہ بن جبیر نے ان سے کہا، ٹھہرو، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، لیکن وہ آپس میں جھگڑنے لگے اور اکثر اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے، دشمن کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا اور کفار نے پہاڑی کے پیچھے سے اوپر آ کر حملہ کر دیا، مسلمانوں کے ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ ابو سفیان نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر پوچھا، کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دینے سے منع فرما دیا، اس نے یہ سوال تین بار دہرایا، پھر اس نے تین بار پوچھا، کیا تم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر) ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب بھی جواب دینے سے روک دیا، پھر وہ تین بار چلایا کیا تم میں عمر ہیں اب بھی جواب کی اجازت نہ ملی، اب ابو سفیان خوشی سے کہنے لگا، یہ تینوں تو قتل ہو گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا، انہوں نے بآواز بلند فرمایا، او اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے تجھے ذلیل و خوار کرنے کے لئے یہ تینوں زندہ سلامت ہیں، پھر ابو سفیان نے نعرہ لگایا، اعل ھبل۔ ھبل کی جے ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب میں کہو، اللہ اعلیٰ واجل، اللہ ہی بلند اور بزرگ ہے، پھر ابو سفیان نے از راہِ تکبر و غرور کہا'' لنا عزی ولا عزی لکم ''، ہمارے ساتھ عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب دو،'' اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم ''، اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

غرضیکہ محض اختلاف کے سبب امت مسلمہ کو اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ ستر (۷۰) صحابہ کرام شہید ہوئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوا، قرآن کریم نے برائے عبرت و احتیاط، اس واقعہ کو ہم تک پہنچایا ہے، ان آیات مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> اور بیشک سچ کر دکھایا اللہ نے تم سے اپنا وعدہ (فتح و نصرت کا) جب تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول ﷺ کے) حکم کے بارے میں اور (رسول ﷺ کی) تم نے نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے

Marfat.com

(دشمن پر غلبہ و فتح) بعض تم میں سے طلب گار ہوئے دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہوئے آخرت کے پھر (اس نزاع کے سبب) پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تا کہ اللہ تمہیں آزمائے اور بیشک اس نے معاف فرما دیا تمہیں، (تا کہ کوئی میرے رسول ﷺ کے صحابہ کو اس جرم میں ملوث قرار نہ دے) اور اللہ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مؤمنوں پر، یاد کرو (اس افسوسناک وقت کو) جب تم (میدان جنگ سے) دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے، کسی کو اور رسول مکرم ﷺ تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، پس اللہ نے تمہیں (اپنے محبوب کو غمزدہ کرنے کی سزا کے طور پر ناکامی کا) غم پہنچایا تا کہ (آئندہ تم محتاط رہو اور) غمزدہ نہ ہو، اس چیز پر جو کھوگئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو تمہیں پہنچی ہے اور اللہ خبر دار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ (آل عمران: ۱۵۲، ۱۵۳)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حالت جنگ میں باہمی اختلاف و نزاع کا انجام، جب صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تو بعد والوں کی کیا حیثیت ہے، جبکہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل صحابہ کی معافی کا اعلان کر کے، ان کے دامن کو اس غلطی کے داغ سے پاک وصاف فرما دیا، اب اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ شہید ہونے کے باوجود بھی اس جرم کا مرتکب قرار دیا جاتا رہے گا کہ اس کی غلطی کے باعث امتِ مسلمہ کو نقصان اٹھانا پڑا، شہادت کا خون بھی اس کے دامن سے اس داغ کو نہ مٹا سکے گا، پس

اے ایمان والو! تم ایسی غلطی نہ کرنا کہ کسی بات پر میدان جنگ میں ہی جھگڑنے لگو، اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری قوت وطاقت ملیامیٹ ہو جائے گی، تم کمزور ہو جاؤ گے، دشمن کے دل سے تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا اور متوقع کامیابی وکامرانی، ناکامی ونامرادی میں تبدیل ہو جائے گی۔

صبر کرو

صبر، حقیقتاً ایک دفاعی قوت کا نام ہے، جس سے صابر بڑے بڑے مصائب وآلام کا بآسانی مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، کیونکہ ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ'' صابرین پر اللہ کا خصوصی فضل وکرم ہوتا ہے، صبر کے ذریعہ وہ اللہ کی حمایت ونصرت کے مستحق قرار پاتے ہیں، یہ دفاعی قوت حالتِ جنگ میں تمام دفاعی وسائل سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بالخصوص باہمی نزاع واختلاف کی صورت میں کہ جب تک جھگڑا کرنے والے دو گروہوں میں سے کوئی ایک صبر سے کام نہ لے اور اپنے مخالف کی بات پر خاموشی اختیار نہ کرے، اس وقت تک کوئی جھگڑا کبھی ختم ہی نہیں ہوسکتا، یہی صورت حال عام حالات میں ہے۔

ہمیں اور آپ کو بہت سے لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور جھگڑوں سے نہایت ہی بددل ہیں اور وہ ہر وقت یہی نعرہ لگاتے رہتے ہیں کہ آپس کے جھگڑے ختم ہونا چاہئیں، یہ حقیقت ہے جو ہر شخص کو تسلیم کرنا چاہئے کہ آپس کے جھگڑے ہماری بربادی کا باعث ہیں، ان کو ختم ہونا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جھگڑا کیسے ختم ہو، کون اپنے مؤقف سے ہٹے یا اسے چھوڑے، جبکہ ہر کسی کے پاس اپنے مؤقف کی حقانیت کے دلائل

Marfat.com

موجود ہیں، جھگڑا ختم کرنے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ قرآنی ارشاد ''واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا'' کی رٹ لگائی جائے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور افتراق پیدا نہ کرو، جبکہ ہر موقف والے کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کا موقف یا مسلک اللہ کی رسی ہے اور وہ اسے بالکل مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ ہرگز افتراق کا ذمہ دار نہیں تو صرف اس قرآنی ارشاد کے سنانے اور اس کی تبلیغ سے مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اس کا کوئی دوسرا حل تلاش کیجئے، جس سے اتحاد امت کی دولت میسر آئے، پس اگر غور کیا جائے تو حالت جنگ میں نزاع کی ممانعت کے بعد صبر کی ہدایت پر عمل ہی اس کا حل ہے کہ ہر نزاع اس وقت ہی ختم ہوسکتا ہے جب جانبین کے اندر جذبہ صبر ہو ان میں سے ہر ایک کے پاس یہ قوت وافر مقدار میں موجود ہو اور دونوں ہی اس کو استعمال کرنے کے لئے مضطرب و بے چین ہوں، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ہر گروہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے نزاع سے نجات پالے گا کہ نزاع اپنے مسلک پر قائم رہنے سے نہیں بلکہ اپنا مسلک دوسروں سے منوانے کی کوشش کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اگر صبر سے کام لیا جائے اور ہر گروہ کو اپنا مسلک بیان کرنے، اس کی تبلیغ کرنے کا حق تسلیم کر لیا جائے، جس کا انداز مثبت ہو، منفی نہ ہو، دوسروں کے امور میں مداخلت نہ ہو، صرف اپنے امور کی اشاعت و تبلیغ ہو تو فرقہ بندی تو باقی رہے گی، جو صورت نزاع نہیں ہاں فرقہ واریت کا خاتمہ ہو سکے گا جو افتراق و انتشار اور نزاع کا دوسرا نام ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ ملت و قوم کا درد رکھنے والے، اسے افتراق و انتشار کے مہلک مرض سے نجات دلانے کی کوششیں کرنے والے، ہماری اس تحریر پر خصوصی توجہ دیں گے، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اب ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو'' کی تبلیغ کرنے کی بجائے خود اپنے اندر صبر کا جذبہ پیدا کریں گے اور دوسروں کو صبر کی تلقین کریں گے، اس طرح وہ ایک اہم مرحلہ بھی طے کرسکیں گے اور ''وتواصوا بالصبر'' کے قرآنی ارشاد پر عمل پیرا ہوکر ہر قسم کے خسارے اور نقصان سے محفوظ رہیں گے، اللہ عمل کی توفیق دے۔

اے ایمان والو! تم حالت جہاد میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا کہ اس سے ایک طرف تو تم دشمن کو دھکیلنے اور شکست دینے کی قوت حاصل کرسکو گے اور دوسری طرف اس سے تمہارے باہمی اختلاف اور نزاع کا خاتمہ ہوگا جو تمہارے اندر اتحاد و اتفاق کی بقاء اور حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

اخلاص:۔ اخلاص، ایمان کی زینت اور اہل ایمان کا زیور ہے، جس کا مطلب بلاخوف و بلا طمع صرف اللہ کی رضا کے لئے اطاعت کرنا اور احکام کی تعمیل کرنا ہے، اس سلسلے کی چند آیات مبارکہ پر غور کیجئے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر: ۲۔۳)

ہم نے اتاری ہے (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اطاعت کو، خبردار صرف اللہ ہی کے لئے ہے خالص اطاعت۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں اخلاص عبادت کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ طاعت

Marfat.com

وعبادت کا مستحق صرف اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ، ہم شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں، پھر اس شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے، کیا اس طرح مال خرچ کرنے پر ہمیں اجر ملے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اَنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ لَهٗ'' اللہ صرف اس کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لئے کرے، پھر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ (الزمر:۱۱)

فرمادیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مومن کو یہی اعلان کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ ''میں صرف اور صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے عبادت کرتا ہوں'' پھر ارشاد ہوا:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ (الزمر:۱۴)

فرمادیجئے اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس ہی کے لئے اپنی اطاعت کو۔

منافقین کا مقام ''درکِ اسفل'' دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾ (النساء:۱۴۶)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا (اللہ کا دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ عطا فرمائے گا مومنین کو اجر عظیم۔

یہ اہل ایمان کی صفات ہیں جو انہیں اجر عظیم ملنے کا ذریعہ ہیں، سب سے آخر میں اخلاص کا ذکر ہے یعنی توبہ، اصلاح اور اعتصام اخلاص کے ساتھ ہو تو یقیناً اجر عظم کا باعث ہیں ورنہ نفاق ہے اور منافقین کا ٹھکانہ ''درکِ اسفل'' ہے۔

بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نہایت ہی مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ پھر آپ نے اس کی وضاحت بھی فرمائی کہ جس شخص کی ہجرت (ترکِ وطن) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے ہو تو اسے ضرور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی نصیب ہوگی، (اور اگر اس اہم اور دشوار عبادت میں دنیاوی غرض وغایت شامل ہو تو یہ عبادت، عبادت نہ رہے گی بلکہ دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوگی فرمایا گیا) جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہو تو اس کی

Marfat.com

ہجرت اسی کے لئے ہے جس کی نیت سے اس نے ہجرت کی۔

بہرحال اخلاص اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے کہ اس سے وہ کام جو بظاہر دنیوی ہوتے ہیں، عبادت بن جاتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو وہ کام جو بظاہر عبادت ہوتے ہیں، دنیا کے حصول کا ذریعہ بن کر رہ جاتے ہیں، وہ نماز جو صرف اس لئے پڑھی جائے کہ اس کی وجہ سے لوگ متقی اور پرہیزگار سمجھیں اور اس پر اعتبار کریں، وہ زکوٰۃ جو صرف اپنی سخاوت کے اظہار اور دولت مندی کی نمود کے لئے ادا کی جائے، وہ حج جو صرف حاجی کہلانے اور معاشرے میں عزت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، ڈھکوسلا اور فریب تو ہو سکتے ہیں لیکن عبادت نہیں جبکہ خلوص کے ساتھ ایک کتے یا بلی کو پانی پلا دینا بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا باعث اور نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

جہاد ایک عظیم عبادت ہے، اگر اس کا مقصد انتقام ہو، مال غنیمت کا حصول ہو، حدودِ سلطنت کی توسیع ہو، قوت وطاقت کا مظاہرہ ہو تو اس سے یہ فوائد تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن میدان جہاد میں کام آ جانے والے سپاہی نہ تو شہادت کا بلند مرتبہ پا سکتے ہیں اور نہ زندہ واپس آنے والے غازی اور مجاہد کا بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے وہ برکات وہ عظمت وعزت نصیب ہو سکتی ہے جو جہاد خالص کا دینی ودنیوی ثمرہ ہے، لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! جب تم جہاد کے میدان کی طرف بڑھو تو کفار کی طرح اتراتے، قوت وطاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ بڑھو بلکہ تمہاری حالت یہ ہونا چاہئے کہ تمہارے دل ایمان کی حرارت سے دھڑک رہے ہوں، تمہاری گردنیں جھکی ہوئی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اعلان کر رہی ہوں، تمہاری زبانیں حمد وثناء میں مصروف ہوں، اس طرح بڑھو گے تو اللہ کے فرشتے بھی تم پر ناز کریں گے اور اللہ کی رحمت، اس کا فضل وکرم تمہارے اردگرد ہوگا، غیب کا منادی تمہاری فتح ونصرت کا مژدہ سنا رہا ہوگا، آج کے بعد تم میں سے جو گردنیں کٹا کر دنیا سے رخصت ہوں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہوں گے، اب انہیں کبھی موت نہ آئے گی، وہ بلا حساب جنت کے اعلیٰ مقام کے مستحق قرار پائیں گے اور جو زندہ لوٹیں گے وہ معاشرے میں باعزت ہوں گے، حکومت اسلامیہ ان کی کفیل ہوگی، فاتحین اور صالحین میں ان کا شمار ہوگا۔

ربط وتعلق

ثبات، ذکر اللہ، اطاعت، باہمی نزاع سے بچنا، صبر، اخلاص یہ ہیں وہ امور جن کے اختیار کرنے کی مجاہدین کو ہدایت کی گئی، آپ نے ان کی تفصیل پڑھی، اگر آپ غور فرمائیں تو بآسانی یہ نکتہ سمجھ میں آ سکے گا کہ یہ امور علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ان میں ایک ربط ہے، تعلق ہے کہ دوسری کے بغیر پہلی خوبی اور تیسری کے بغیر دوسری خوبی حاصل نہیں ہو سکتی کہ ثبات اسی وقت نصیب ہوگا جب مجاہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر میں مست ہوگا کہ وہ جس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اتنا اہم اقدام کر رہا ہے، اگر وہی اسے یاد نہیں تو اسے کس طرح قلب وقدم کا ثبات نصیب ہو سکتا ہے اور ذکر اللہ، اللہ کی یاد جب ہی ہو گی جب بندے کے ذہن وقلب میں اطاعت کا جذبہ ہو اور وہ یہ یقین کرتا ہو کہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے اپنی مرضی سے آگے نہیں بڑھ رہا بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے جو مجھے اس طرف لے جا رہا ہے لہٰذا میں اللہ اور

Marfat.com

رسول ﷺ پر ہی بھروسہ کر کے آگے بڑھتا ہوں، اطاعت وفرمانبرداری کا یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اللہ کے ان سپاہیوں میں باہمی نزاع، انتشار، افتراق اور منافرت نہ ہو کہ جو ان مہلک امراض کا شکار ہوں وہ میدان جہاد کی طرف بڑھنا تو درکنار کسی بھی موقع پر اطاعت وفرمانبرداری نہیں کر سکتے، نہ صرف اتنا کہ وہ بندوں کی حق تلفی کر کے اللہ سے بغاوت کرتے ہیں بلکہ ان کی تو نمازیں، روزے تک ایک تماشہ بن جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ نزاع سے نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اہل ایمان صبر کے عادی نہ ہوں، صبر کرنے والے ہی بآسانی اپنے جھگڑوں اور اختلافات کو دور کر سکتے اور اپنی صفوں کو متحد و منظم رکھ سکتے ہیں، یہ صبر انہی کو نصیب ہوگا جو اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں گے کہ جو شخص اپنی ذاتی عزت وشہرت، سیاسی یا معاشی فائدے کے لئے اللہ کے لشکر میں شامل ہوا ہے، اسے تو صرف اپنے مقصد کے حصول کی فکر ہوتی ہے، وہ کیوں مسلمانوں کے لئے ایثار وقربانی کا بکرا بننے لگے گا، اسے کیا پروا کہ امت متحد ہونے سے باعزت وباوقار ہوتی ہے، یا افتراق میں مبتلا ہو کر ذلیل وخوار، وہ تو پوری امت کو بھی قربان کر کے اپنا مقصد پورا کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا امور اور صفات اہل ایمان کا شعار ہیں، ان کا زیور ہیں، جن سے ان کی زینت ہے، عزت ہے، عظمت ہے، بالخصوص حالت جہاد اور میدان جہاد میں مجاہد کی یہ خوبیاں ہی اس پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا سبب اور اس کی حمایت ونصرت کے وصول کا ذریعہ ہیں، ایسے ہی مجاہدین کے لئے فتح وکامرانی کا وعدہ کیا گیا۔

جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد سیف اللہ کا ایک انداز ملاحظہ ہو، ''کسی مجاہد نے رومیوں کے لشکر پر نظر ڈالتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ ارے رومی تو بہت ہیں اور مسلمانوں کی تعداد کم ہے، حضرت سیف اللہ بولے نہیں، رومی کم ہیں اور مسلمان بہت زیادہ ہیں، پھر آپ فرماتے ہیں یاد رکھو فوجیں اللہ کی مدد سے زیادہ ہوتی ہیں اور بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں، فتح وشکست کا دارومدار آدمیوں کی کثرت وقلت پر نہیں، اللہ کی حمایت ونصرت پر ہے، پھر فرمایا کاش آج میرے گھوڑے اشقر کا پاؤں ٹھیک ہوتا تو تم دیکھتے کہ کون زیادہ اور کون کم ہے۔

ایک اور موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں'' آج کا دن اللہ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے، آج کسی کے لئے فخر ومباہات اور خود رائی وخود ستائی مناسب نہیں، جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے ہر عمل کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔''

محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی فوج سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا تو پہلے اپنے لشکر کو خطبہ دیا اور کہا، ''اے اللہ اور رسول ﷺ کے سپاہیو! آج تمہاری شجاعت، تمہارے ایثار اور تمہارے ایمان کے امتحان کا دن ہے، دیکھو دشمن کی تعداد سے نہ گھبرانا، تاریخ شاہد ہے کہ کفر واسلام کے تمام گزشتہ معرکوں میں باطل کے علمبردار، حق پرستوں کے مقابلے زیادہ تھے اور حق پرستوں نے ہمیشہ یہ ثابت کیا کہ فوج کی طاقت کا راز، افراد کی تعداد میں نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور ان کے مقاصد کی بلندی میں ہے، ہماری جنگ کسی قوم کے خلاف نہیں، کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ دنیا کے ان تمام سرکش انسانوں کے خلاف ہے جو اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں، ہم روئے زمین پر اپنی حکومت نہیں بلکہ اللہ کی حکومت چاہتے ہیں، ہم اپنی سلامتی اور اپنے ساتھ دنیا کے تمام انسانوں کی سلامتی کے خواہاں ہیں، اللہ کی زمین پر سلامتی کا ذریعہ صرف اسلام ہے، یہ وہ

Marfat.com

دین ہے جو دنیا سے آقا اور غلام، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کا فرق مٹاتا ہے، ہمارا مقصد صرف اس دین کی بقاء اور فتح ہے اور اس مقصد کے لئے جینا اور مرنا، دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے، ہمارے آباؤ و اجداد اس مقصد کے لئے لڑے، اللہ نے مٹھی بھر جماعت کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے جابر اور ظالم شہنشاہوں کی گردنیں خم کر دیں۔ تمہیں اپنے مقدر پر فخر کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے دین کی اشاعت و حفاظت کے لئے تمہیں منتخب کر لیا ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے اپنے تین سو تیرہ بے سروسامان بندوں کو بہترین ہتھیاروں سے لیس لشکر پر فتح دی، قادسیہ، یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں حق کی ایک تلوار کے مقابلے میں باطل کی دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ تلواریں بے نیام ہوئیں، لیکن اللہ نے ہمیشہ حق پرستوں کو فتح دی، اللہ آج بھی تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن یاد رکھو قدرت کے فیصلے اٹل ہیں، قدرت صرف ان کی مدد کرتی ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوئے بغیر اللہ کے انعامات کے مستحق نہیں ہو سکتے، قدرت کا دست شفقت صرف ان کی طرف بڑھتا ہے جو تیروں کی بارش میں سینہ سپر ہوتے ہیں، جو خندقوں کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیتے ہیں، یاد رکھو بنی اسرائیل بھی اللہ کے لاڈلے تھے۔ لیکن جب وہ راہ حق میں جہاد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے پیغمبر کو سونپ کر آرام کی نیند سو گئے تو اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا اور آج اس زمین پر کہیں ان کے لئے پناہ نہیں، جس پر کسی زمانہ میں ان کے اقبال کے پرچم لہرایا کرتے تھے۔ اللہ وہ دن نہ لائے کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنی کتاب زندگی سے جہاد کا باب خارج کر دو، دوستو! تم جانتے ہو کہ اس دنیا میں کسی کو اتنا نہ ستایا گیا جتنا کفار مکہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ستایا، ظلم کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہ تھا جس سے ان کے جسم مبارک کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو، کیا رحمۃ العالمین ﷺ کی آنکھوں کے سامنے، ان کے جان نثاروں کے سینوں پر تپتے ہوئے پتھر نہ رکھے گئے اور جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو بھی ظالموں نے آپ ﷺ کا پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ کے غزوات میں آپ ﷺ کے کتنے ساتھی شہید ہوئے لیکن فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ جو سلوک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن آپ ﷺ کے بہترین ساتھی بن گئے۔

اس تقریر کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھ اللہ کے دربار میں دعا کے لئے اٹھتے ہیں اور وہ آہ و زاری کرتے ہوئے عرض کرتا ہے اے سزا اور جزا کے مالک! ہم تیرے دین کی فتح چاہتے ہیں، ہمیں اسلاف کا جذبہ عطا کر۔ رب العالمین! حشر کے دن ہماری ماؤں کو شرمسار نہ کرنا، ہمیں غازیوں کی زندگی اور شہیدوں کی موت عطا کر۔ (ماخوذ از محمد بن قاسم نسیم حجازی)

اس تقریر کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے تو آپ ایک مجاہد اسلام میں وہ تمام خوبیاں پائیں گے جن کی اہل ایمان و ہدایت کی گئی تاریخ گواہ ہے کہ جن مجاہدین اسلام نے ان خوبیوں کو اپنایا کامیابی و کامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، دین محفوظ رہا اور ہمیں اس کا وارث و امین ہونے کا شرف حاصل ہوا، یہ انہی مجاہدین کا صدقہ ہے کہ آج تک امت مسلمہ کا سر بلند ہے، اس کے سامنے کفر لرزہ براندام ہے لیکن آہ، ماضی کے اس ورثہ کو ہمارے کردار کے باعث دن بدن گھن کھائے جا رہا ہے، ہم میں نہ وہ ایمان کی قوت رہی، نہ ثبات قلب و قدم رہا، نہ ہماری زبانوں پر اللہ کا ذکر رہا، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا

Marfat.com

جذبہ رہا، نہ ہم باہمی نزاع وانتشار سے محفوظ رہے، نہ صبر کی جرأت رہی اور نہ ہی ہمارے اعمال میں اخلاص کی مہک باقی رہی، نتیجہ ظاہر ہے کہ اب ہم سے کوئی نہیں لرزتا، ہم ہی سب سے ڈرتے ہیں، اب ہماری کوئی عزت نہیں کرتا، ہم ہی سب کو اپنے سر پر بٹھاتے ہیں، اب ہم سے کوئی مرعوب نہیں، ہم ہی سب سے خوف زدہ ہیں، کس سے شکوہ کریں، کس کو حال زار سنائیں، بس، ''اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ'' اپنی مصیبت اور دکھوں کا شکوہ اللہ ہی کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور اسی سے دست بدعا ہیں کہ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما، واجعلنا من المؤمنين الكاملين المخلصين۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سورۃ التوبہ''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
51	23 تا 27
52	28 تا 29
53	34 تا 37
54	38 تا 41
55	119
56	123

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۱

التوبہ: ۲۳ تا ۲۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى
الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ
وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ لَقَدْ نَصَرَكُمُ
اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ
ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ
ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

Marfat.com

رَّحِيْمٌ۝ (توبہ: ۲۳ تا ۲۷)

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو ولی دوست، اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (اے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجئے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے، بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے، پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے، پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین، اپنے رسول ﷺ پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی، پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

قرآن کریم اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات و احکام سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام سے زیادہ دنیا کے کسی دین نے والدین اور اعزاء و اقارب سے تعلق رکھنے، ان کی خدمت کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید نہیں کی۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ مؤمن کا رشتہ کسی سے صرف خون کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصل بنیاد اسلام ہے۔ ماں، باپ، بہن بھائی، دیگر اعزاء و اقارب سب اپنے ہیں اگر وہ رشتہ اسلام سے جڑے ہوئے ہیں اور سب غیر ہیں اگر وہ اسلام سے منقطع اور دور ہیں لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! تمہارے رشتوں کی بنیاد چونکہ اسلام ہے لہٰذا تم میں سے کسی کا باپ یا بھائی جو باعتبار رشتہ قریب ترین ہے اگر کافر ہو تو اسے بھی چھوڑ دو، اس کو ولی اور دوست نہ بناؤ۔ اگر تم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور کافر باپ بھائی کو اپنا ولی بنائے رہے، تو تم ظالم قرار پاؤ گے، جس کا انجام دنیا میں ذلت و خواری ہوگا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔

صلہ رحمی

صلہ رحمی یعنی رشتوں کا قائم رکھنا اس طرح کہ رشتہ داروں سے میل جل رکھا جائے، ان کے حقوق ادا کئے جائیں بالخصوص والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ، ان کا احترام ان کی خدمت، یہ وہ امور ہیں جن کی اسلام بے حد تاکید کرتا ہے، اس سلسلے میں قرآنی آیات اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات موجود ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' لیکن شرک و کفر ایسا عظیم ظلم ہے جو سارے رشتوں کو منقطع کر دیتا ہے اور بہت سے باہمی حقوق سے محروم کر دیتا ہے، اسی

Marfat.com

لئے کفار والدین، بھائیوں اور دیگر اعزاء سے "ولایت" کی قرآن کریم ممانعت کرتا ہے، یعنی ایسی حالت میں ان سے قطع تعلق کرلیا جائے گا، جب وہ اپنے کفر کو مؤمن کے ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ مؤمن ان سے تعلقات کے باعث اپنے ایمانی تقاضوں کو چھوڑ دے، یا ان ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے جو بحیثیت مؤمن اس پر عائد ہوچکی ہیں، مثلاً وہ نماز، روزہ، جہاد، ہجرت وغیرہ سے روکنے کی کوشش کریں، ایسی صورت میں تو اہل ایمان پر ان اعزاء سے تعلقات منقطع کرلینا قطعاً واجب ہے۔ ہاں اگر والدین اور دیگر اعزاء نے اپنے کفر کے باوجود مؤمن کی حیثیت کو تسلیم کرلیا ہو، وہ اس کے ایمان لے آنے کے باوجود بھی اس سے رشتہ منقطع نہ کرنا چاہتے ہوں اور نہ اس کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرتے ہوں تو اس صورت میں ان سے تعلق باقی رکھنے اور ان کے دنیاوی حقوق ادا کرنے کی اجازت ہے، یعنی ان سے اچھے اخلاق کے ساتھ ملا جائے، بالخصوص والدین کی خدمت اور ان کا احترام کیا جائے لیکن پھر بھی انہیں اپنا نہ سمجھا جائے، بایں معنیٰ کہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنے رازوں سے آگاہ کردیا جائے، اپنے دنیوی معاملات کا انہیں مختار کل بنا دیا جائے کہ کفر ایک ایسا فریب ہے جو کافر کو مؤمن کے ساتھ کسی وقت بھی فریب پر آمادہ کردیتا ہے، لہٰذا کافر چاہے باپ، بھائی ہی کیوں نہ ہو، قابل اعتبار نہیں، پس ان سے ضروری تعلقات رکھے جائیں، ان پر اعتبار واعتماد نہ کیا جائے، انہیں اپنا مشیر نہ بنایا جائے۔

یہ ایک نہایت ہی احتیاطی حکم ہے جو اللہ اہل ایمان کو کفار کے مکر وفریب سے محفوظ رہنے کے لئے دیتا ہے، یہ مؤمنین پر اس کا کرم ہے کہ اس نے کسی نقصان میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں سبب نقصان اور وجہ نقصان سے آگاہ کردیا اور اس سے بچنے کی ہدایت فرمائی، تاکہ نقصان میں مبتلا ہونے کے بعد پچھتانا نہ پڑے۔

ایمان پر کفر کو پسند کرنا

ایمان پر کفر کو پسند کرنے کی ایک صورت تو واضح ہے کہ پسند کرنے والا کافر ہو۔ ظاہر ہے کہ کافر بھی نہ مؤمن کو پسند کرے گا اور نہ اس کے ایمان کو۔ لیکن خطرناک ترین صورت یہ ہے کہ دعویٰ ایمان کے ساتھ العیاذ باللہ کوئی شخص کفر کو پسند کرے، چاہے وہ کفریہ عقائد کو پسند کرے، یا کافروں کے اعمال کو پسند کرے، زبانی طور پر پسند کرے کہ ان کی تعریفیں کرتا رہے یا عملی طور پر پسند کرے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، رہنا، سہنا، پسند کرتا ہو، حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر کفار کی طرح وہ کھاتا پیتا ہو، انہی کے لباس اور انہی کی تہذیب کو اپنائے ہوئے ہو، یا وہ علی الاعلان اسلامی احکام اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کا مذاق اڑاتا ہو، اگر ایسا شخص اپنے کسی عقیدہ یا عمل سے کفر کی حد تک پہنچ چکا ہے تب تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جس کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے۔ لیکن اگر اسے علماء دین نے مرتد قرار نہیں دیا اور وہ صرف فاسق وفاجر، بدعمل، بدکردار، بدعقیدہ قرار دیا گیا ہے، تب بھی شریعت مطہرہ اس سے علیحدہ رہنے کا حکم دیتی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کی اولاً تو اصلاح کی کوشش کریں اور اگر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو تو اس کا مکمل بائیکاٹ کریں تاکہ اس کے گندے جراثیم مزید نہ پھیلنے پائیں اور دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا

Marfat.com

تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ (النساء:۱۴۰)

اور تحقیق اتارا ہے اللہ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو (ایسی مجلس میں) حتیٰ کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں، ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہو گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
(انعام:۶۸)

اور جب دیکھو تم انہیں کہ وہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لو ان سے، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر بھلا دے تمہیں شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ہود:۱۱۳)

اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

ان آیات میں واضح ہدایت موجود ہے کہ بدعمل اور بدعقیدہ لوگوں اور ان کی محافل و مجالس سے دور رہو اگر تم اس ہدایت پر عمل نہیں کرو گے تو '' اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ '' تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے۔ یہ جملہ نہایت اہم ہے، دلدل میں پھنسنے سے پہلے دلدل کا پتہ بتایا جا رہا ہے، گمراہی سے بچانے کے لئے گمراہی کی طرف جانے سے روکا جا رہا ہے۔ گویا بدعقیدہ و گستاخ لوگوں کی محفلوں سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ کہیں تم بدعقیدہ اور گستاخ نہ ہو جاؤ، ماڈرن سوسائٹی سے دور رہنے کی اس لئے ہدایت کی جا رہی ہے کہ کہیں تم بھی اپنی اسلامی تہذیب سے نفرت نہ کرنے لگو، ناچ گانوں کی محافل میں شرکت، کلبوں، قمار خانوں، شراب خانوں میں جانے سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ کہیں تم بھی ان بدعملیوں کا شکار نہ ہو جاؤ کہ بدعقیدگی و بدعملی کی بیماری اڑ کر لگتی ہے، ایسے مریضوں کے قریب جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یہ سب جہنمی ہیں، ان کے ساتھ رہو گے تو '' فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ '' تم بھی جہنمی بن جاؤ گے، مزید وضاحت کے لئے درج ذیل احادیث پر غور فرمایئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں (جو ہمارا زمانہ ہے) دجال اور کذاب (بدعقیدہ لوگ) ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو (اس سے پہلے) تم نے نہ سنی ہوں گی، نہ تمہارے باپ دادا نے '' فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ '' تو تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔ (مسلم)

Marfat.com

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تقدیر الٰہی کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں، ''اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ وَاِنْ لَقِیْتُمُوْھُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ'' اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شریک نہ ہو، اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

جو آقا ﷺ سارے جہان کے لئے رحمت ہیں، جن کی تعلیمات وعمل سے دعوت محبت والفت ملتی ہے، بدعقیدہ لوگوں کے لئے ان کے ارشاد کے انداز اور ان کی ہدایت پر غور کیجئے۔ کس قدر سختی ہے، صرف اس لئے کہ آپ ﷺ ہرگز پسند نہیں فرماتے کہ کوئی غلام بدعقیدگی کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو، یہ کرم ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں پر کہ آپ ﷺ نے بدعقیدگی کے فتنہ سے ہمیں آگاہ فرمایا اور بدعقیدہ لوگوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔ ان تمام لوگوں کا بھی یہی حکم ہے جو قرآن وسنت کے خلاف عقائد باطلہ رکھتے ہیں اور ہمارے دَور کی پیداوار ہیں، ان سے دور رہئے، ان کی محافل کے قریب بھی نہ جایئے، ورنہ خوف ہے ان کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے، اس کے راوی بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، ''مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسْ عَلٰی مَائِدَۃٍ یُدَارُ عَلَیْھِمُ الْخَمْرُ'' جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ترمذی)

موجودہ اصطلاح کے مطابق اس ارشاد کو یوں سمجھ لیجئے کہ ان دکانوں، ان کلبوں میں جانے اور ان محافل میں شریک ہونے کی ممانعت کی جارہی ہے جہاں شراب کے جام چھلکتے ہیں، اس واضح ہدایت کے بعد یہ کہنا کس قدر حماقت ہے کہ ہم کلب میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں چائے پیتے ہیں، ہم محافل میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں دیگر مشروبات پیتے ہیں، بات پینے کی نہیں ہورہی، بات شرابیوں سے دور رہنے، ان کی صحبت تک سے بچنے کی ہورہی ہے، پینا تو ہے ہی حرام، یہاں صحبت سے بچنے کی ہدایت کی جارہی ہے تاکہ اس مؤمن تک حرام کی مہک بھی نہ پہنچ سکے، جس کا دل ودماغ ایمان کی مہک سے معطر ہے، جو ہدایت شراب کے متعلق دی گئی ہے وہی دیگر بدعملیوں کے متعلق ہے، مثلاً ان مقامات اور محافل سے بچو، جہاں بدکاری یا بدکاری کے دواعی ہوں، یعنی ایسی حرکتیں ہوں جو بدکاری پر مائل کریں، مثلاً ناچ گانے وغیرہ کی محافل۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں، اسلاف علماءِ دین کے ارشادات اور عمل ملاحظہ فرمایئے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص بدعتی (گمراہ) ہوگیا ہے اگر واقعی وہ بدعتی ہوگیا ہے تو تم اسے میرا اسلام نہ کہنا۔

حضرت حسن بصری اور ابن سیرین فرماتے ہیں ''لَا تُجَالِسُوْا اَھْلَ الْھَوَاءِ وَلَا تُجَادِلُوْھُمْ وَلَا تَسْمَعُوْا مِنْھُمْ'' بدمذہب لوگوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان سے احادیث (یا ان کی باتیں) سنو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو شراب پیتے ہوئے پکڑا، ان میں سے ایک شخص کے متعلق

Marfat.com

آپ کو بتایا گیا کہ وہ روزے دار ہے (لہٰذا اس پر شراب پینے کا جرم عائد نہیں کیا جا سکتا، وہ صرف وہاں بیٹھا ہوا تھا) آپ نے یہ آیت پڑھی، ''اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ'' اور فرمایا، اللہ کے اس ارشاد کے مطابق گناہ پر راضی ہونا بھی گناہ ہے لہٰذا مجرم اور جو اس کے جرم پر راضی ہو، دونوں کو سزا دی جائے گی۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں جو شخص کسی بدعتی (بدعقیدہ) سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اعمال ضائع کر دیتا ہے اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور جس شخص نے کسی بدعتی سے اپنی لڑکی کی شادی کی، اس نے قطع رحم کیا، یعنی بیٹی سے رشتہ منقطع کر لیا۔

حضرت امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے، ''اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور جو شخص کسی برائی کو دیکھ کر راضی ہو اور برائی کرنے والے کے ساتھ مل جل کر رہے تو وہ بھی برائی کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، چاہے اس نے برائی نہ کی ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ حتیٰ کہ تمہارے آباء و اخوان، ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے ہیں، وہ کافر ہوں یا مؤمن ہوتے ہوئے وہ اس مرض میں مبتلا ہوں، یہ پسندیدگی ان کی عقیدۃً ہو یا عملاً ہو، بہر حال تم انہیں اپنا ولی نہ بناؤ، ان کا قرب اختیار نہ کرو، ان پر اعتماد نہ کرو، صرف دنیوی ضروریات کے مطابق ان سے تعلق رکھو، ان کی بدعقیدگی اور بدعملی میں ان کا ساتھ نہ دو، ان کی محافل میں شریک ہو کر ان کی بیہودہ باتیں نہ سنو، ان کی بدعملی اور بدکرداری کا تماشہ نہ دیکھو کہ مرض ایک ہی ہے، اس کے جراثیم مہلک ہیں، چاہے وہ کافروں میں ہوں یا ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں میں، لہٰذا ان سے دور رہ کر اپنے کو ہلاکت سے بچاؤ، اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

سب سے زیادہ محبت

اہل ایمان کی شان یہ ہے، مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مؤمن سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کرے، اسے احکام شرع کی تعمیل حتیٰ کہ جہاد جو تعمیل احکام کی انتہائی صورت اور ثبوت محبت ہے، دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، اسی حقیقت کا اعلان بزبان رسالت یوں کرایا جا رہا ہے کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آباء، اپنی اولاد، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں، اپنے خاندان، اپنے جمع کردہ اموال، اپنی تجارت، اپنے پسندیدہ مکانات سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے محبت کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر انہیں عذاب الٰہی کا انتظار کرنا ہوگا، جو دنیا و آخرت کی ذلت و خواری کی صورت میں کسی وقت بھی ان پر آ سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اللہ کے نافرمان ہیں اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، وہ ہر قسم کی کامیابی و کامرانی سے محروم ہی رہتے ہیں، قرآن کریم شاہد ہے کہ دنیا کی محبت اور اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی ہی کے سبب، قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط، قوم بنی اسرائیل اور ماضی کی بہت سی اقوام کو ہلاک و برباد کیا گیا، پس تم نافرمان بن کر اپنی ہلاکت کو دعوت نہ دو کہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے اسباب کو پسند کرنے لگتے ہیں وہ بڑی ہی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ارشاد

Marfat.com

ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ (ابراہیم: ۳)

جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت پر اور دوسروں کو (بھی) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور وہ اسے ٹیڑھا بنانا چاہتے ہیں، یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔

جو شخص ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہو گیا، اس کے لئے غضب الٰہی اور دردناک عذاب کا اعلان کرتے ہوئے اس کی بدنصیبی کا سبب اس طرح بیان کیا گیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (نحل: ۱۰۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔

ان کی اس حب دنیا کے سبب، اللہ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی کہ یہ بدنصیب اب اس قدر محروم ہو گئے کہ نہ تو ان کے دل میں کوئی حق بات آتی ہے نہ ان کے کان حق سن سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی آنکھیں حق کی واضح دلیلوں کو دیکھ سکتی ہیں، اب یہ اپنے انجام سے غافل ہو چکے ہیں جبکہ آخرت میں ان کا بہت ہی برا انجام ہونے والا ہے، پس، اللہ رحیم و کریم پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب نبی کے محبوب غلام حب دنیا میں مبتلا ہو کر اس انجام کو پہنچیں۔

مشہور حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس کے ماں، باپ اور سب لوگوں سے۔ (بخاری و مسلم)

نبی مکرم ﷺ اپنی محبت کا ذکر فرماتے ہیں کہ حقیقت میں آپ ﷺ سے محبت اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہی محبت ہے، جیسے آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، پس جس نے آپ ﷺ سے محبت کی گویا اس نے اللہ ہی سے محبت کی، پس کمال ایمان کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ آپ ﷺ کی محبت لازمی ہے۔

بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حب دنیا کو ہر برائی کی جڑ اور سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ كُلِّ خَطِیْئَةٍ'' اگر اس ارشاد پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ کسی قسم کی برائی سے محفوظ نہیں رہتا، چونکہ اس کا مقصد دنیا کا مال و متاع، عزت و شہرت حاصل کرنا ہی بن جاتا ہے، پس وہ اس کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر ہمہ وقت دولت سمیٹنے میں لگا رہتا ہے، نہ اسے نماز وں

Marfat.com

کی پرواہ رہتی ہے اور نہ ہی دیگر احکامِ الٰہی کی پابندی کا خیال آتا ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، نیز وہ ایک اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ بخیل و کنجوس ہو جاتا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، حج فرض ہوتا ہے لیکن دولت کی محبت مانع آتی ہے اور وہ ان فرائض کی ادائیگی سے محروم رہتا ہے، مزید برآں یہ کہ یہ بدنصیب اس دولت سے نہ خود فائدہ حاصل کرتا ہے، نہ ہی اپنے اہل وعیال اور دیگر اہل حقوق کو فائدہ پہنچاتا ہے، بس جتنا دولت کا ڈھیر بڑھتا ہے، اتنا ہی اس کا خون بڑھتا رہتا ہے، مکرو فریب، ظلم وستم، جھوٹ اور بددیانتی غرضیکہ تمام اخلاقی برائیوں کا یہ پلندہ دن رات دولت کی دھن میں مارا مارا پھرتا ہے، دنیا میں اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہوتی ہے، بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پھٹکار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ''لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ'' کہ درہم و دینار کے غلام پر لعنت کی گئی ہے، دنیا کی یہ محبت انسان کو اس زندگی ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و خوار کر دیتی ہے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے'' (ایسی محبت جو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہو) تو وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے (کہ اسے صرف حلال روزی پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے اور جو اس کے پاس ہے اس کا بھی کچھ حصہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے) پس اے مسلمانو! فنا ہونے والی چیز (یعنی دنیا کے مقابلے پر) تم باقی رہنے والی (یعنی آخرت کی کامیابی کو) اختیار کرو، (کہ بظاہر دنیاوی خسارے کی پرواکئے بغیر آخرت کی منفعت پر نظر رکھو کہ یہی تمہاری منزل ہے۔)

اے ایمان والو! دنیا کے تمام رشتوں اور پسندیدہ ترین چیزوں سے زیادہ تم اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کو پسند کرو کہ یہی وہ سبب اور ذریعہ ہے جس سے تمہیں ہر حال میں اللہ کی مدد نصیب ہوتی ہے اور تم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہو، اپنے ماضی کی تاریخ کے اوراق پلٹو اور دیکھو جب بھی تم اللہ اور رسول ﷺ کے سچے غلام بنے، تمہاری غیبی مدد ہوئی اور کامیابی و کامرانی تمہارے حصہ میں آئی۔ لیکن جب تم نے دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو پسند کیا، ان پر اعتماد کیا تو تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑی، آؤ ہم تمہیں ماضی کی ایک جھلک دکھاتے ہیں تاکہ اس سے تم اپنا مستقبل سدھار سکو۔

دیکھو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس وقت متعدد مواقع پر مدد فرمائی جب تم باعتبار تعداد اور ظاہری و مادی وسائل کے کمزور نظر آتے تھے، اسی لئے دشمنانِ اسلام تمہیں تنگ کرتے رہتے تھے، وہ تمہیں بآسانی نگل جانے اور ختم کر دینے کے خواب دیکھا کرتے تھے لیکن تم ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن میں پناہ گزیں تھے، ان کے مطیع و فرمانبردار اور غلام تھے، ہر چیز سے زیادہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کیا کرتے تھے، جس کے باعث تمہارے نزدیک نہ تو مال و دولت کی کوئی حیثیت تھی، نہ تم ترک وطن کی پروا کرتے تھے، نہ تمہیں میدان جہاد میں دشمن کی تعداد، قوت و طاقت کا کوئی خوف ہوتا تھا، ایمان کا وہ کمال تم میں موجود تھا جو ہمیں مطلوب اور پسند ہے، پس ہم نے اپنے وعدہ کے مطابق تمہاری مدد کی، غزوۂ بدر کا حال پڑھو کہ تم کیسے بے سروسامان تھے، تعداد میں صرف ۳۱۳ تھے، دشمن اپنی بڑی تعداد اور پوری قوت کے ساتھ تم

Marfat.com

پر غالب آجانے کا یقین رکھتا تھا۔لیکن ہماری مدد نے تمہیں جو شاندار فتح و کامرانی عطا فرمائی آج تک دنیا اس پر حیرت زدہ ہے، پڑھو غزوہ بنی نضیر کا حال، غزوہ بنی قریظہ کا حال، دیکھو میدان حدیبیہ، خیبر، تبوک اور پھر فتح مکہ میں ہم نے کس طرح تمہاری حفاظت فرمائی اور علم اسلام کو بلند رکھا، انہیں جنگوں میں نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی اکثر جنگوں (تقریباً اسی ۸۰) میں ہماری فتح و نصرت سے ہی تم کامیاب و کامران رہے، بالخصوص غزوہ حنین کا حال پڑھو، جہاں تم تعداد، مادی و ظاہری وسائل کے اعتبار سے خاصے طاقتور تھے اور تھوڑی ہی دیر کے لئے تمہیں اپنی طاقت پر ناز ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں متنبہ کرنے کے لئے ایسا تتر بتر کر دیا، تمہاری صفوں میں ایسی بھگدڑ مچی کہ اللہ کی وسیع زمین تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اور تمہاری قوت و طاقت، جس نے تمہیں خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا، کچھ کام نہ آئی، جب کام آئی تو اللہ کی مدد ہی کام آئی۔

چونکہ اس موقع پر غزوہ حنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اسے تفصیل کے ساتھ بیان کریں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس موقع پر کس طرح اہل ایمان کی مدد فرمائی۔

غزوہ حنین

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان آٹھ ہجری، مکہ مکرمہ فتح ہوا، قریش مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے، قرآن کے ارشاد کے مطابق "وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" کے دور کا آغاز ہوا، اہل مکہ ہی نہیں بلکہ گرد و نواح اور دور دراز کے لوگ مشرف باسلام ہونے لگے اور اللہ کی زمین اللہ کے ذکر سے گونجنے لگی، لیکن کچھ کانٹے ایسے بھی تھے جو اب تک تر و تازہ تھے اور کسی باغبان کے منتظر تھے جو انہیں تراشے، انہی میں سے ایک قبیلہ ہوازن تھا، جس کی شاخیں مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں، طائف کا مشہور قبیلہ بنو ثقیف بھی انہی کی ایک شاخ تھا، یہ لوگ نہایت بہادر، جنگجو اور دولت مند تھے اور انہیں اپنی ان خوبیوں پر خاصا گھمنڈ بھی تھا، فتح مکہ کی اطلاع ہوتے ہی ان میں تہلکہ مچ گیا، تکبر و غرور کے ان متوالوں نے اپنے انجام سے بے خبر ہو کر مسلمانوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کے لیڈر مالک بن عوف (جو بعد میں مسلمان ہوئے) بڑے ہی جوش کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے، چند دن میں ہی انہوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا جو جنگی سامان سے لیس تھا، انہوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ دانشمندانہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی ہم خود ان پر حملہ کریں گے، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے اپنے لیڈر کی رائے سے اتفاق کیا، صرف دو چھوٹی شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب، اس فیصلہ سے متفق نہ تھے۔ اللہ نے انہیں کچھ بصیرت دی تھی۔ پس انہوں نے برملا کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع ہو جائے تو ان پر غالب نہیں آسکتی، وہ اللہ کی قوت بن کر ابھرے ہیں اور ہم خدائی طاقت سے جنگ نہیں کر سکتے، لیکن ان کی حق بات کسی نے نہ سنی اور اکثریت نے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مالک بن عوف نے اپنی قوم کو اس فیصلہ پر قائم رکھنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ تمام سپاہیوں کے ہمراہ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب کچھ ہوگا تاکہ اگر کوئی فرار کی راہ اختیار کرنا چاہے تو وہ اپنے ساز و سامان کے سبب مجبور ہو جائے، اس

Marfat.com

عظیم لشکر کی تعداد چوبیس (۲۴) ہزار سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، جو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا، تمام لوازمات زندگی ان کے ساتھ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی مکہ ہی میں قیام پذیر تھے اور نہایت مصروف تھے کہ فتح کے بعد وفود کی آمد، ان سے ملاقات، مکہ کا از سر نو نظم و نسق، سیاسی و معاشی امور وغیرہ درپیش تھے، انہیں حالات میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر چکا ہے، آپ ﷺ نے بلا پس و پیش مکہ سے باہر نکل کر ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، اعلان جہاد کر دیا گیا، لشکر اسلام جس میں مہاجر بھی تھے اور انصار بھی تھے جو بڑی آرزوؤں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے، مہاجر اپنے وطن کے گلی کوچوں میں ابھی اچھی طرح گھوم بھی نہ پائے تھے، انصار اللہ کے گھر کے دیدار سے ابھی اپنی نظروں کو بخوبی سیراب بھی نہ کر پائے تھے، اللہ کے سپاہیوں نے ابھی سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ جہاد کی ندا سنی، مؤمن کامل تھے، اطاعت شعار تھے، اپنے آقا کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حرم کعبہ میں جمع ہو گئے، ان میں وہ اہل مکہ بھی شامل ہو گئے جو ابھی مشرف باسلام ہوئے تھے اور وہ اس موقع کو اپنی ماضی کی غلطیوں کے کفارے کے لئے غنیمت جان رہے تھے، جنہیں شرعی اصطلاح میں ''طُلَقَاء'' آزاد شدہ کہا جاتا ہے، ان میں غزوۂ بدر کے ہیرو، حضرت ابوسفیان بھی مشرف باسلام ہونے کے بعد شامل تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ چودہ ہزار کا عظیم لشکر اللہ کے رسول ﷺ کے گرد جمع تھا، آپ ﷺ نے جنگی ساز و سامان کا جائزہ لیا جو کچھ کم تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے قریش سے کہا کہ وہ کچھ سامان عاریۃً دیں جو انہیں واپس کر دیا جائے گا، قریش نے آپ ﷺ کے کہنے پر آپ ﷺ کے سامنے ہتھیاروں کا ڈھیر لگا دیا، صرف صفوان بن امیہ نے سو زرہیں اور تین ہزار نیزے پیش کئے۔

غرضیکہ اہل ایمان کا یہ عظیم لشکر چھ شوال بروز ہفتہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، مقام حنین پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، یہاں حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ ایک گھوڑ سوار ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ قبیلہ ہوازن مع اپنے تمام ساز و سامان کے مقابلہ کے لئے آ گیا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا، فکر نہ کرو، یہ سارا ساز و سامان مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جائے گا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حدرد کو حکم دیا کہ جاسوس بن کر دشمن کے پاس جاؤ اور حالات کا پتہ چلاؤ، وہ دو دن نہایت تدبیر اور احتیاط سے قبیلہ ہوازن میں رہے، ان کے حالات دیکھتے اور سنتے رہے، انہوں نے سنا کہ مالک بن عوف اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر اور تجربہ کار قوم سے واسطہ نہیں پڑا ہے، مکہ کے بھولے بھالے قریش سے مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا ہے اب انہیں پتہ چلے گا کہ ہم کون ہیں، اس نے کہا کہ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کی جائے کہ ہر سپاہی کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور سب سامان ہو، اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ دو اور سب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر ہلہ بول دو، اسی کے ساتھ اس نے فوج کے چند دستوں کو گھاٹیوں میں چھپ جانے کا حکم دیا تاکہ بوقت ضرورت وہ ہر طرف سے نکل کر حملہ کر دیں۔

ادھر لشکر اسلام اللہ کی عبادت، اپنے آقا ﷺ کی اطاعت اور ذکر الٰہی کی کثرت میں مشغول تھا جو اہل ایمان کی

Marfat.com

شان اوران کی فتح وکامرانی کا راز ہے، وہ پیکر انتظار تھے اپنے آقا ﷺ کے حکم کے۔ آغاز جنگ ہوتے ہی ایمان کی عظمت وشوکت کا مظاہرہ ہونے لگا، دشمن پر بارش کی طرح تلواریں اور نیزے برسنے لگے، اسی دوران چند نومسلم صحابہ جو اہل ایمان کی کامیابی کے راز سے ابھی طرح واقف نہ تھے اپنی قوت وطاقت پر نازاں ہونے لگے اور آپس میں کہنے لگے آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے کہ ہماری جمعیت بھاری ہے، ہمارے پاس جنگی ساز وسامان کی کمی نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی یہ خودفہمی پسند نہ آئی اور جنگ کا رخ پلٹ گیا، قبیلہ ہوازن کی گھاٹیوں میں چھپے جتھوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا، گرد وغبار نے دن کو رات میں تبدیل کر دیا، ''فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا'' کثرت تعداد کام نہ آئی، ''وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ'' اللہ کی زمین باوجود وسعت کے تنگ نظر آنے لگی کہ کہاں جائیں، کہاں بھاگیں، ''ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ'' بس سب ہی پیٹھ پھیرے دوڑے جا رہے تھے، صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ہمراہ تین سو صحابہ کو ثبات حاصل تھا، جو ڈٹے رہے، جمے رہے، آگے بڑھتے رہے، اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر ''سکینہ'' نازل فرمادی تھی کہ وہ اپنے مقام سے نہ ہٹے، ''وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'' اور ایسا لشکر آیا، جس کو کوئی نہ دیکھ پایا۔

افراتفری کی یہ حالت جب اللہ کے نبی ﷺ نے ملاحظہ فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ غلاموں کو پکارو کہ اللہ کی مدد آ پہنچی ہے، نہ گھبراؤ، تم ہی کامیاب وسربلند ہو گے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے، کہا جاتا ہے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی، پس انہوں نے آواز دی، وہ لوگ کہاں ہیں؟ جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، وہ کہاں ہیں جنہیں سورۂ بقرہ دی گئی، وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا ہوا ہے، سب لوگ واپس آئیں، دیکھو اللہ کے رسول ﷺ یہاں ہیں، حضرت عباس کی یہ آواز میدان کارزار میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی، جو سنتا وہ پلٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دوڑتا، تھوڑی ہی دیر میں اللہ کے سپاہی یکجا ہو گئے اور دشمن سے مقابلہ کرنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ستر سردار اور بہت سے سپاہی مارے گئے اور بقیہ کے پاؤں اکھڑ گئے، مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب سامان کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، دوسروں کا بھی یہی حال تھا، جسے جدھر راستہ نظر آتا بھاگتا، پوری قوم بھاگ رہی تھی، نہ کسی کو اپنے بیوی بچوں کا خیال تھا، نہ مال ودولت کا ہوش، چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور دیگر بے شمار سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، فتح وکامرانی قدم بوس ہوئی اور کفار کو وہ ملا جو ان کا مقدر ہے۔ ''وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ'' شکست وہزیمت اور ذلت وخواری کی صورت میں انہیں عذاب ملا کہ ان کا انجام یہی ہونا تھا اور جن لوگوں سے بھاگنے کی غلطی سرزد ہوگئی تھی، وہ محبوب کے غلام ہی تو تھے، ''ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'' وہ اپنی غلطی پر نادم وشرمندہ تھے، اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے انہیں معاف فرما دیا، فتح وکامرانی کی سرخروئی میں وہ بھی حصہ دار ہوئے اور مال غنیمت سے ان کو بھی حصہ ملا، کوئی انہیں محروم نہ جانے، رب غفور ورحیم، نادم وشرمندہ ہونے والوں کو محروم نہیں رہنے دیتا۔

Marfat.com

اے ایمان والو! دیکھا کس طرح اللہ قادر وقدیر اپنے ان بندوں پر مہربان ہوتا ہے، جو ہمہ وقت اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار رہتے اور اپنی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ بڑے ہی خسارے اور نقصان میں رہتے ہیں جو ایمان پر کفر کو اور اللہ ورسول ﷺ کے احکام پر حکمتوں اور مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں، جو حب مال و جاہ میں مبتلا ہو کر، دین کے لئے ترکِ وطن اور جہاد سے گریز کرتے ہیں، بہانے بناتے اور اس سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں، انہیں اللہ ورسول ﷺ سے اتنی محبت نہیں ہے، جتنی اپنے آباء و اولاد سے، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں اور اپنے رشتہ داروں سے ہے۔ یہ تو مال و دولت، تجارت اپنے شاندار مکانات پر شیفتہ و فریفتہ ہیں تو پھر ان کا انجام یہی ہے کہ ''فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ'' انہیں عذابِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے جو کسی وقت بھی ان پر نازل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ گناہ کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہدایت و رہنمائی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں،'' وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

مقالہ ۵۲

التوبہ: ۲۸ تا ۲۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

(توبہ: ۲۸۔۲۹)

اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں، سو وہ قریب نہ ہونے پائیں، مسجد حرام کے اس سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا بیشک، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے اسے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول

Marfat.com

کرتے ہیں سچے دین کو، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

دنیا بھر کے مشرکین کے متعلق ہدایت کی جارہی ہے کہ انہیں اس سال یعنی دس ہجری کے بعد سے ہمیشہ کے لئے مسجد حرام کے قریب بھی نہ جانے دیا جائے کہ اب اسلام غالب ہو چکا ہے۔ لہٰذا احکامِ دین کا پوری طرح نفاذ ضروری ہے، کعبۂ مقدسہ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ حدودِ حرم، نہایت ہی مقدس اور پاکیزہ ہیں، اسلام یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس مقدس مقام پر مشرک پوجا پاٹ کریں، مرکز توحید ہی میں وہ مشرکانہ عقائد کا مظاہرہ کریں اور جاہلانہ انداز پر سیٹیاں اور تالیاں بجا کر برہنہ طواف کریں اور اسی قسم کی دوسری رسمیں ادا کریں۔ یہ خود بھی نجس و ناپاک ہیں اور ان کے رسم و رواج، ان کی حرکات بھی احمقانہ، نجس اور ناپاک ہیں لہٰذا حدودِ حرم میں ہمیشہ کے لئے ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس حکم کو نافذ کریں کہ صاحب اقتدار مؤمن احکامِ دین کے نفاذ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

مشرکین نجس ہیں

''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' فرما کر قرآن کریم اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ انسان باوجودیکہ اشرف المخلوقات ہے اور احسن تقویم ہے لیکن اس کا یہ منصب و مقام، اس کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوتا ہے کہ جب اس کے عقائد و خیالات باطل اور گندے ہوتے ہیں تو وہ بھی نجس قرار پاتا ہے اور اپنے ظاہری حسن و جمال کے باوجود اس لائق بھی نہیں رہتا کہ وہ اپنے مالک و خالق اللہ رب العزت کے گھر کے قریب تک آسکے۔

نجس بمعنیٰ نجاست ہے یعنی ہر گندگی، جس سے انسان طبعاً نفرت کرتا ہے، کبھی وہ اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتا، آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کبھی اپنی ناک بند کر کے اپنے آپ کو اس کی بو سے بچاتا ہے، بہرحال اس سے نفرت کرتا ہے، جو انسان رب وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، اس سے زیادہ گندا، بدبودار اور کون ہو سکتا ہے، وہ اپنی گندگی اور اس کی بو کو چھپانے کے کتنے ہی جتن کرلے، کتنا ہی اچھا لباس پہن لے، کتنی ہی پرفیوم اور خوشبوئیں استعمال کرلے، لیکن نہ اس کی غلاظت چھپتی ہے اور نہ اس کی بو ختم ہوتی ہے کہ شرک کی گندگی چھپائے نہیں چھپتی، پس مؤمن، جو معطر ہے، پاکیزہ ہے، مجبور ہے کہ مشرک کی طرف سے منہ پھیر لے، اس سے آنکھیں بند کر لے، ناک بند کر لے اور اللہ کے ذکر و عبادت کے مقدس مقام کو جہاں ہر وقت اہل ایمان کے ساتھ غیبی مخلوق، ملائکہ و جنات کا بھی ہجوم رہتا ہے، اس نجس قوم سے بچائے، لہٰذا ''فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ'' یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

نجاست کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ گندی چیزیں جنہیں دیکھا جا سکتا، چھوا جا سکتا، سونگھا جا سکتا ہے، جیسے عام گندی اشیاء، دوسری نجاست و ناپاکی کی حالت جسے علم و عقل کے ذریعہ جانا پہچانا جا سکتا ہے اور اس کے متعلق احکام شرع بتائے جا سکتے ہیں، جیسے وضو یا غسل واجب ہونے کی حالت، اس کی پہچان صرف علم و عقل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کا ثبوت صرف صاحب

Marfat.com

حال ہی کے بیان پر موقوف ہے، تیسری وہ باطنی نجاست جس کا تعلق انسان کے باطن سے اور قلب سے ہے، جیسے عقائد فاسدہ، اخلاق رذیلہ کی گندگی، اس کا پتہ انسان کے عمل، اس کی گفتگو، اس کے عادات واطوار سے چلتا ہے جیسے کسی کو منافق کہا جا سکتا ہے۔ جب اس میں نفاق کی وہ علامات پائی جائیں۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائیں یا کسی کے مرتد ہونے کا شرعی حکم اسی وقت دیا جا سکے گا جب اس میں ارتداد کی علامتوں کا پتہ چلے، جو اس کے عمل، قول، تحریر وغیرہ سے معلوم ہو سکتا ہے، جیسے اگر کسی کا منکر ختم نبوت ہونا، گستاخ رسول ﷺ ہونا، منکر زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج، کسی واضح حکم قرآن، مثلاً وضو، تیمم، وغیرہ ہونا ثابت ہو جائے تو اسے مرتد قرار دیا جائے گا، جس کی سزا حکومت اسلامیہ میں قتل ہے، بصورت دیگر مسلمان اس کا مکمل بائیکاٹ کریں گے۔

شرک اس قدر گندا اور بدبودار عقیدہ ہے جو مشرک کو تینوں اعتبار سے گندا کر دیتا ہے کہ عام طور پر مشرکین پیشاب، شراب وغیرہ جیسی ظاہری گندی چیزوں میں لت پت ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے یہاں حالت جنابت، حیض ونفاس وغیرہ سے ناپاک ہونے کا کوئی تصور نہیں، نہ ہی ان حالتوں کے ختم ہونے کے بعد ان سے پاک ہونے کے لئے غسل وغیرہ کے احکام موجود ہیں اور عقائد فاسدہ کی گندگی تو ان میں ان دونوں قسم کی ناپاکیوں سے بھی زیادہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ہر ایک کے سامنے ان کا سر جھکا نظر آتا ہے، سانپ، بندر، گائے، ہاتھی، چوہوں کی پوجا کرنے والوں کا شرک کس طرح چھپا رہ سکتا ہے، پس ان تینوں قسم کی گندیوں نے اس ظالم انسان کو ایک گندا لوتھڑا بنا ڈالا ہے، جو اب اس قابل نہ رہا کہ اسے اللہ کے گھر کے قریب بھی آنے کی اجازت دی جائے '' فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ''۔

مسجد حرام سے مراد یہاں حدود حرم ہے یعنی مشرکین کا داخلہ ان حدود حرم میں ممنوع ہے جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ ہیں کیونکہ یہ پورا حرم ہے جو بعض احکام شرع کے اعتبار سے مسجد حرام ہی کی طرح مقدس ہے، اس حکم شرعی میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں صرف اختلاف اس امر میں پایا جاتا ہے کہ کیا مشرکین کا داخلہ دیگر مساجد میں بھی مسجد حرم ہی کی طرح ممنوع ہے پس حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا حکم یہ ہے کہ چونکہ مشرکین ہر اعتبار سے نجس ہیں لہٰذا یہ حکم تمام مشرکین اور تمام مساجد کے لئے عام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے '' لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ '' کسی حائضہ عورت یا جنبی شخص کے لئے مسجد میں داخل ہونا میں حلال نہیں کرتا، جب اہل ایمان کا ایک وقتی اور عارضی نجاست کے باعث مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے تو نجاست شرک میں ملوث لوگوں کو کس طرح اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جا سکتی ہے، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب، سب کے لئے عام ہے لیکن مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے سے پہلے گرفتار ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مسجد نبوی شریف کے ایک ستون سے باندھا، نیز قبیلہ بنو ثقیف کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد ہی میں ٹھہرایا۔ حالانکہ یہ لوگ ابھی تک کافر تھے۔ جب بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ، یہ تو نجس قوم کے لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا '' مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا ''، لیکن اس مسئلہ میں ہمارے امام، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک نہایت

Marfat.com

ہی واضح ہے، آپ نے فرمایا مشرکین کے نجس ہونے کا سبب ان کے کفر و شرک کی نجاست ہے۔ یہاں دیگر نجاستوں سے کوئی سروکار نہیں، لہٰذا ''فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ'' کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اب مشرکانہ انداز پر حج و طواف کی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حج کے دنوں میں جو اعلان برأت کیا تھا، اس میں بھی یہی حکم تھا، ''لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ'' کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کوئی مشرک مسجد کے قریب نہ جائے، سوائے اس کے جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا کنیز ہو تو وہ بضرورت مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بربنائے ضرورت، حاکم وقت کی اجازت سے مشرک مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتا ہے لیکن بہرحال عام طور پر انہیں مساجد میں آنے جانے کی اجازت نہیں کہ اس سے مسلمانوں کی عبادت میں بھی خلل واقع ہو سکتا اور مسجد کے تقدس کو بھی خطرہ لاحق رہے گا کہ کسی وقت بھی موقع پا کر مشرکین اللہ کے گھر کا تقدس پامال کر سکتے ہیں۔

خطرۂ عیل

بھوک کا خطرہ، تنگدستی کا خطرہ، معاشی بدحالی کا خطرہ، کفار سے قطع تعلق اور ان پر حرم کی حدود میں ہمیشہ کے لئے پابندی سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا سارا کاروبار بند ہو جائے گا، اشیاءِ ضرورت نایاب اور اس قدر گراں ہو جائیں گی کہ فاقوں کی نوبت آ جائے گی، معاشی حالت تباہ و برباد ہو جائے گی کیونکہ اہل عرب بالخصوص اہل مکہ کی تجارت کا تعلق انہی کفار سے تھا جو حج کے موقع پر یا عمرہ کے لئے مکہ آتے رہتے تھے، مکہ کے قرب و جوار میں بڑی بڑی منڈیاں لگا کرتی تھیں، یہی میلے اہل مکہ کی معاشی ضروریات بھی پوری کرتے تھے اور انہی میں ان کی ثقافتی محفلیں بھی جما کرتی تھیں، ان میں عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے میلے نہایت مشہور تھے، تقریباً تین ماہ تک ان کا سلسلہ جاری رہتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ابتداءً تبلیغ اسلام کے لئے انہی کو استعمال فرمایا۔ ظاہر ہے کفار کے حدودِ حرم میں داخلہ پر پابندی سے ان پر نہ صرف اثر پڑا بلکہ تقریباً ان کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا یہ اہل مکہ کی تجارت کا خاتمہ اور ان کی معاشی حالت کی تباہی تھی، پس قرآن حکیم نے واضح طور پر فرمایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرمایا کہ اہل ایمان کو یہ یقین کامل رکھنا چاہئے کہ ان کی روزی کا ذریعہ کفار سے تعلقات نہیں بلکہ روزی دینے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔

''وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ'' نہایت ہی اہم ارشاد ہے جو مؤمن کو ایک طرف تو غیر مسلموں کی محتاجی کے تصور سے آزاد کرتا ہے تو دوسری طرف یہ تصور بھی ختم کرتا ہے کہ معاشی خوشحالی، حرام ذرائع معاش اختیار کئے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، مؤمن کو اس حقیقت پر یقین کامل ہونا چاہئے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کا محتاج نہیں نیز رزق کے دروازے اہل ایمان پر تب ہی وا ہوتے ہیں جب وہ ان تک پہنچنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا، دکھایا ہوا راستہ اختیار کریں، پس معاشی ترقی کے لئے نہ تو، غیر مسلموں کے چنگل میں پھنسا رہنا ضروری ہے اور نہ سودی کاروبار، شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت میں ملوث ہونا، مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر کفار اپنی تجارت کے ذریعہ اس کے

Marfat.com

سیاسی، ملکی اور مذہبی امور پر اثر انداز ہونے اور ان امور میں مداخلت کی کوشش کرنے لگیں تو ان سے مکمل تجارتی بائیکاٹ کرلیا جائے اور اللہ پر بھروسہ کرکے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے، اللہ کا وعدہ ہے کہ "فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ" اگر تم نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تو رب کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ تمہیں خوب دے گا، غنی فرمادے گا کہ وہی خیر الرازقین ہے۔

اسی طرح مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دولت کے لالچ میں ایسا مبتلا ہو جائے کہ اسے حلال وحرام تک کا خیال نہ رہے حتیٰ کہ اس کے ذہن وتخیل میں یہ بات سما جائے یا یوں کہئے کہ اس کا یہ عقیدہ بن جائے "کہ سود کے بغیر تجارت میں ترقی ممکن ہی نہیں" یا "بالخصوص غیر مسلم ممالک میں شراب اور دیگر حرام چیزوں کے کاروبار کے بغیر تجارت کی ہی نہیں جا سکتی" یا "شراب خانوں اور قمار خانوں کی سوسائٹی اختیار کرنا، کاروباری ترقی کے لئے لازمی ہے" العیاذ باللہ، غور فرمائیے اگر یہ باتیں مؤمن کے اعتقاد میں شامل ہو جائیں اور ہو جاتی ہیں، دوستو! ہوگئی ہیں کہ اس قسم کے تصورات نے انہیں سود میں اتنا جکڑ دیا ہے، شراب اور جوئے میں وہ اتنے پھنس چکے ہیں کہ اب وہ ان کو حرام سمجھنا تو درکنار، ان کے حرام ہونے کا ذکر تک سننا گوارا نہیں کرتے، ان سے علیحدگی کو وہ اپنی تباہی و بربادی یقین کرنے لگے ہیں، پس جو لوگ حرام کو حلال سمجھنے لگیں اور اسی کو اپنی زندگی کا دارومدار بنالیں کس طرح انہیں مؤمن کہا اور سمجھا جا سکتا ہے، اللہ دولت کی ایسی ہوس سے محفوظ رکھے۔

انسان اگر اپنی یہ غلط فہمی دور کرلے کہ رزق، کسی سے تعلقات کی بنیاد پر ملتا ہے، یا حصولِ رزق کا ذریعہ انسان کی اپنی صلاحیت اور تدابیر ہیں تو یقین جانئے، حلال روزی نصیب ہوگی اور بسہولت نصیب ہوگی، اس موضوع پر قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے صرف چند پر غور کرتے چلیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الروم: ۳۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں۔

کیسا ایمان افروز ارشاد ہے، اللہ جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے اس پر دولت کی برسات برسا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے پیسہ پیسہ کا محتاج کر دیتا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہم بآسانی اپنے گردوپیش میں دیکھ سکتے ہیں، حرام ذریعوں سے کمانے والے بھی سب کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اکثر ناکام رہتے ہیں اور حلال روزی حاصل کرنے والے بھی سب ناکام نہیں رہتے بلکہ اکثر کامیاب رہتے ہیں، پس مان لینا چاہئے کہ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، اس حقیقت کا اعتراف صرف اور صرف اہل ایمان ہی کر سکتے اور جو اس حقیقت کو دعویٰ ایمان کے باوجود تسلیم نہیں کرتے وہ کیا ہیں؟ ظاہر ہے ایمان والے نہیں، اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ (الملک: ۲۱)

Marfat.com

کیا کوئی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کرے، لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

غور فرمایئے، رزق کے اگر دروازے بند ہو جائیں تو نہ حرام ذرائع کام آتے ہیں نہ تدبیریں کام آتی ہیں، بڑے بڑے مستحکم کاروبار کرنے والے دولت مندوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئے، کوئی در ایسا نہیں ملتا جہاں ان کی پذیرائی ہو سکے، حتیٰ کہ ان کے اپنے بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہیں اور وہ کبھی تو جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے نظر آتے ہیں اور کبھی گلی، کوچوں، بازاروں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اکثر یہ حال انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنے معاش کی بنیاد حرام ذرائع کو بنائے ہوتے ہیں اور اس کے بغیر وہ حصول دولت ممکن ہی نہیں سمجھتے۔

اے ایمان والو! تم خطرۂ عیلہ میں کیوں کر مبتلا ہوتے ہو، اس خطرے میں تو وہ پڑے جس نے اپنے رزق کی ذمہ داری خود سنبھالی ہے، اللہ کے رزاق ہونے کا اسے خیال ہی نہیں رہا، مؤمن تو رزاق حقیقی اللہ کو مانتا اور جانتا ہے، پس وہ محنت و مشقت کر کے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور جو کچھ اسے اللہ دیتا ہے، وہ اسی کو بادشاہِ حقیقی کی طرف سے اپنی تنخواہ، اپنا حصہ یقین کرتا ہے اور اسی پر قناعت کرتا ہے وہ سود، رشوت، جوئے کے ذریعہ دولت مند بن کر اپنے مالک کا مجرم نہیں بننا چاہتا کہ وہ جانتا ہے جب مالک کی طرف سے پکڑ ہوگی اور ضرور ہوگی دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہوگی اور ایسی پکڑ ہوگی کہ اس کی جکڑ سے کوئی نجات نہ دلا پائے گا'' اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ۔ ''

اے ایمان والو! تم معاشی ترقی یا بدحالی کی فکر میں مبتلا نہ ہو، ہم تمہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیں گے، '' نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ '' رزق دینا ہماری ذمہ داری ہے تم ہمارے سپاہی ہو، فوجی ہو، اپنا کام کرو، اس کی اُجرت تمہیں ضرور ملے گی اور تمہارا کام ہماری اطاعت و فرمانبرداری، ہمارے احکام کی تعمیل، ہماری رضا کے لئے زندگی کے شب و روز بسر کرنا ہے، حتیٰ کہ ہمارے باغی، جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن کو مانتے ہیں اور نہ ہی وہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے، جب ان کے سامنے دعوت حق پیش کی جائے تو وہ فرار اختیار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، یہ باغی چاہے کفار و مشرکین ہوں یا اہل کتاب، اگر یہ تمہارے دینی و مذہبی امور میں مداخلت کریں، تمہیں اعلاء کلمۃ الحق سے روکنے کے لئے سیاسی و معاشی ذرائع استعمال کریں تو تم حکمت و مصلحت کا خیال کئے بغیر، ان کی قوت و طاقت کو خیال میں لائے بغیر ان سے جہاد کرو اگر وہ جزیہ دے کر تمہارے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم ان سے جزیہ قبول کر لو اور اس کے بدلے میں تم ان کی جان، عزت و آبرو اور مال و دولت کی قانونی حفاظت کرو، ان کو سیاسی و مذہبی حقوق دو لیکن اگر وہ تمہارے خلاف، تمہارے دین کے خلاف سازشیں کریں، تمہاری صفوں میں انتشار پیدا کریں، تمہیں لڑانے کی کوشش کریں تو تم تلوار سے ان کا مقابلہ کرو اور ہرگز عیلہ کا خطرہ نہ کرنا کہ سب سے بڑی دولت ایمان ہے، دین ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو ہر طرح اللہ تمہارا معاون و مددگار ہوگا۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۳

التوبہ: ۳۴ تا ۳۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا
يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا
فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ
يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ

Marfat.com

اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝ (توبہ: ۳۴۔۳۷)

اے ایمان والو! بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے، اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا، چاندی) جہنم کی آگ میں، پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے، بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ماہ ہے، کتابِ الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان (مہینوں) میں سے چار عزت والے ہیں، یہی دین قیم ہے، پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں تم اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے، جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں، گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال۔ تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کرلیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے، آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کرتی ہے۔

اکثر پادری اور راہب لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں، عیسائی پادریوں اور راہبوں کے متعلق دو باتیں بتائی گئیں، ان کی تفصیل سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ ان دونوں باتوں کا تعلق ہم سے اہل ایمان سے نہیں کہ عیسائی کیا کرتے ہیں، ہمیں کیا واسطہ؟ لیکن اہل ایمان کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو عیسائی پادریوں اور راہبوں کا کیا حال ہے، مقصود یہ ہے کہ تم ایمان کی دولت سے مالا مال ہو، تم سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو، تم خیر الامم ہو، ہم تمہیں عیسائیوں کی اس بدعملی سے آگاہ کر رہے ہیں تاکہ تم محتاط رہو، اس بدعملی میں مبتلا نہ ہونے پاؤ، اگر تم خود علم و فضل کے بلند مقام پر فائز ہو تب بھی بچنا اور اگر تمہارے علماء و مشائخ ایسا کریں تو انہیں بھی روکنا، اس بدعملی میں ان کا ساتھ نہ دینا، ان کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنا۔

پادریوں اور راہبوں کا حال

قرآن کریم عیسائی پادریوں اور راہبوں کا حال بیان کرتے ہوئے ان کے دو عیب ہمیں بتا رہا ہے ایک یہ کہ وہ اپنی قوم کا مال ناجائز طریقہ سے کھسوٹتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، نزول قرآن کے دور میں بھی ان لوگوں کا یہی حال تھا اور آج اس سے بھی بدتر حال ہے، مثلاً یہ لوگ اپنے عوام کو یہ یقین دلاتے رہتے تھے کہ انہیں اللہ اور یسوع مسیح کے دربار میں خصوصی قرب حاصل ہے جس کے نتیجے میں انہیں جنت کا ٹھیکیدار بنا دیا گیا ہے، اب ان کی

Marfat.com

اجازت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب ان کا کوئی معتقد مر جاتا تھا تو اس کے ورثاء کو پہلے کسی پادری یا راہب سے پروانۂ جنت (جنت کا ٹکٹ) حاصل کرنا ہوتا تھا جو مردے کے کفن میں رکھ دیا جاتا اور یہ یقین کر لیا جاتا کہ اب اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس پروانہ کے لئے ورثاء کو ان کی منہ مانگی فیس ادا کرنا ہوتی تھی، نیز ان لوگوں کا اس دور میں امورِ حکومت میں عمل دخل تھا، لہٰذا یہ متعلقہ حکام سے ان کے غلط سلط کام کراتے اور بھاری رقوم بطور رشوت وصول کرتے تھے، اسی طرح جب ان کی شریعت کا کوئی حکم کسی امیر یا شہزادے کو مجرم قرار دیتا تو یہ اس سے منہ مانگی فیس لے کر اس حکم ہی کو بدل ڈالتے اور یوں مجرم سزا سے بچ جاتا تھا، کبھی یہ دولت مندوں سے پیسے وصول کر کے حرام کو ان کے لئے حلال قرار دے دیتے تھے، اس طرح یہ اپنی قوم میں دولت مند ترین طبقہ تھا، اسی دولت سے وہ عوام کی امداد کا ڈھونگ رچا کر انہیں قرضے دیتے اور ان سے بھاری سود وصول کر کے ان کا خون چوستے تھے، انہوں نے اپنی سادہ لوح اور جاہل قوم کو اتنا دبا یا ہوا تھا کہ وہ ان کی ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور تھے قرآن کریم نے اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

(توبہ: ۳۱)

انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنا) رب اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بن مریم کو بھی۔

یعنی مسیح بن مریم نے بھی انہیں یہ حکم نہ دیا تھا کہ وہ پادریوں اور راہبوں کی پوجا کرنے لگیں اور انہیں راضی کرنے کے لئے ان کی ہر بات کو شریعت جانیں اور اس پر عمل کریں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پہلے عیسائی تھے، جو مشرف با سلام ہوئے، قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کے متعلق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو اپنے پادریوں اور راہبوں کو ہرگز رب نہیں مانتے، پس اللہ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں تو کیا تم ان کی اس بات کو نہیں مانتے تھے، عدی نے عرض کی، جی، یا رسول اللہ ﷺ، ایسا تو ہم کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہی تو ہے ان کو رب ٹھہرانا (کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا، قانون سازی اور شریعت سازی ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کو حق نہیں)

ان احبار و رہبان کا دوسرا عیب یہ بتایا گیا ''يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' یہ ظالم قوم کے رہبر و رہنما ہیں ان کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ یہ قوم کو ضلالت و گمراہی سے روکیں، اپنے دین کی صحیح تعلیم انہیں دیں۔ لیکن یہ اپنی ذمہ داری کے بالکل برعکس قوم کو مزید اندھیرے میں دھکیلتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ جاہل ہی رہیں تاکہ یہ اپنی من مانی کرتے رہیں ان کے مکر و فریب پر پردہ پڑا رہے اور یہ لوگوں کو اسی طرح بے وقوف بنا کر ہمیشہ ان کی دولت سمیٹتے رہیں، ان کا خون چوستے رہیں۔

یہی کیفیت عیسائیوں کی آج بھی ہے، پوری قوم کو ان کے عالموں نے ہی دنیا اور دولت کا ایسا رسیا بنا دیا ہے کہ وہ اپنے عیش و عشرت میں مست رہتے ہیں، دین سے بالکل بے بہرہ ہیں، چرچ اور دنیوی امور بالکل علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے

Marfat.com

ہیں پادری اور راہب ان کے ارباب بنے بیٹھے ہیں، چرچ کی شاندار بلڈنگوں پر ان کا قبضہ ہے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں، قوم کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ چرچ میں کیا ہو رہا ہے، بس جب کوئی مرتا ہے، پیدا ہوتا ہے، کسی کی شادی ہوتی ہے، تو وہ چرچ کا رخ کرتا ہے اور پادری کو اس کی منہ مانگی فیس دے کر اپنا کام کرا کے چلا آتا ہے، تحقیق تو نہیں لیکن سنا ہے کہ آج بھی پروانۂ جنت کا رواج موجود ہے۔

اے ایمان والو! تم ان احبار و رہبان کا حال دیکھو، ان کی حرکتوں نے ان کے دین کا کیسا حلیہ بگاڑا ہے، تم ایسے نہ ہو جانا، دین کا شعور اپنے اندر پیدا کرو تا کہ کوئی مکار تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر سکے، اپنے علماء و مشائخ کا ضرور احترام کرو۔ لیکن انہیں ارباب نہ سمجھ بیٹھو کہ وہ جو چاہئیں کرتے رہیں کہ یہ بڑی گمراہی ہے، اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

ہمارے علماء و مشائخ کا حال

یہ بھی ایک ثبوت ہے، اس دین متین کی حقانیت کا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو سب ہی بحر علم و فضل تھے ہی، جن کے علم کا مقابلہ و موازنہ ممکن ہی نہیں کہ ان خوش نصیب حضرات نے بلا واسطہ معلم کامل ﷺ سے علم وافر پایا، لہٰذا یہ جدھر گئے علم کے چشمے بہاتے گئے، ان سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں علم کی شمع روشن ہوئی اور نتیجتاً اس امت کو اس کثرت سے علماء دین نصیب ہوئے کہ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں ہاں دعویٰ کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیگر مذاہب ماننے والی اقوام میں علماء کی اتنی کثرت تو کجا اس کا عشر عشیر بھی نہیں، ان علماء میں محدثین بھی ہیں، مفسرین بھی، مجدد بھی ہوئے اور فقہاء بھی، اولیاء بھی ہوئے اور اصفیاء بھی، حکماء بھی ہوئے اور فلاسفہ بھی اور ادباء، شعراء و مؤرخین بھی ہوئے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سب نے اپنے اپنے دور میں حفاظت و اشاعت دین کے سوا کچھ نہ کیا۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ اس نے امراء و حکام سے منصب و مراتب حاصل کرنے یا ان سے خوفزدہ ہو کر یا ان کی دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر شریعت کے کسی حکم میں تبدیلی و تحریف کا ارتکاب کیا ہو، اس کے برعکس وہ ہمیشہ حق گوئی کی سزا پاتے رہے، جیلوں کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، اپنے جسم پر کوڑوں تک کی اذیت جھیلتے رہے، لیکن دین فروشی کے بدترین جرم میں ملوث نہ ہوئے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں قوم کو جنت کی خوشخبری ضرور دیتے رہے، دوزخ سے ضرور ڈراتے رہے، لیکن اللہ شاہد ہے کہ کبھی کسی نے جنت کا ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ نہ کیا، ہاں انہوں لوگوں کو وہ راستہ دکھایا جو جنت کی طرف لے جاتا ہے اور اس راستہ سے ہٹایا جو دوزخ کو جاتا ہے، امت پر بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے رہبری و رہنمائی کے لئے ہر دور میں علماء کو پیدا فرمایا، بحمد اللہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہ حضرات ہر دور میں نہایت ہی استقلال و استقامت کے ساتھ، دین کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا مقابلہ کرتے رہے اور اپنی صلاحیت اور اللہ کی نصرت و حمایت سے حفاظت دین کے مشن میں کامیاب رہے، انہوں نے ہمیشہ یہی درس دیا کہ دین مکمل ہو چکا، لہٰذا اس میں کسی مصلحت و حکمت یا تقاضائے وقت کی بناء پر ذرہ برابر بھی کمی زیادتی کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کا کسی کو اختیار ہے، یہی وجہ ہے کہ دین آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، جبکہ دیگر مذاہب ہر دور میں حکمتوں اور مصلحتوں کا

Marfat.com

شکار ہوتے رہتے ہیں، بدلتے رہتے ہیں، اتنے بدلے کہ ان کی اصلیت ختم ہوگئی، شکل وصورت بگڑ گئی، بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ان مذاہب کے لالچی یا بزدل علماء نے خود ہی اپنے دین کو مُثلہ کرڈالا''۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح اور شرعی احکام ومسائل کی توضیح وتنقیح سے متعلق لٹریچر کا جو عظیم خزانہ بحمد اللہ، علماء اسلام نے اپنی قوم کو دیا، وہ احبار ورہبان یا کسی مذہب کے علماء اپنے ماننے والوں کو مہیا نہ کرسکے، یہی حال تاریخ کا ہے کہ مؤرخین اسلام نے اس موقع پر جس بسط وکشادگی کے ساتھ کام کیا اور جو عظیم ذخیرہ فراہم کردیا اس کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی، یورپ کی کسی لائبریری کا تذکرہ آیا، ہمیں بتایا گیا کہ وہاں اسلام سے متعلق نہایت نایاب ذخیرہ موجود ہے، ہمیں اشتیاق ہوا، وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ اتنی کتابیں بھی نہ تھیں جو تقریباً ہمارے ہر دینی مدرسہ میں ہوتی ہیں، نہ صرف مدارس میں بلکہ انفرادی طور پر ہمارے علماء کے پاس ہوتی ہیں، بحمد اللہ ہمارا لٹریچر، دنیا کی ہر زبان میں بکثرت موجود ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہی ہورہا ہے، ہالینڈ کی ڈچ زبان میں چند برس پہلے تلاش بسیار کے باوجود بھی ہماری کوئی کتاب میسر نہ آتی تھی، اب بحمد اللہ کافی کتابیں اس زبان میں بھی شائع ہوچکیں اور مزید شائع ہونے والی ہیں، بہرحال یہ ہمارے علماء ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہم علم کی دولت سے مالا مال ہیں اور ہمارا دین محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا، ہم اس سلسلہ میں مطمئن ہیں کہ یہ دین کامل عطا فرمانے والے رب قدیر کا وعدہ ہے کہ ''نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' کہ ہم نے تمہیں یہ دین عطا فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے، یہی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ ہر دور میں اہل علم کا ایک عظیم لشکر پیدا فرمادیتا ہے جو کما حقہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے علماء ومشائخ پر، خدمت دین کا یہ عظیم منصب انہیں مبارک رہے، اللہ نہ کرے کہ وہ احبار ورہبان کی طرح دین فروش بنیں اور اس کی تباہی وبربادی کا باعث ہو جائیں کہ جس قوم کے علماء ومشائخ بددیانت، عیش پرست، بدکردار اور دین کے باغی ہوجاتے ہیں وہ تباہ وبرباد اور نیست ونابود ہوجاتی ہے، اللہ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

اے ایمان والو! ان احبار ورہبان کی طرح دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر تم دین فروشی کی راہ اختیار نہ کرلینا کہ دولت کا یہ ڈھیر تو حرام ذریعہ سے جمع کردہ ہے جبکہ وہ دولت جو حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اس میں سے بھی اگر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے تو عذاب الٰہی کا سبب بن جاتی ہے، جس کی قیامت میں ایک صورت یہ ہوگی کہ تمہارا جمع کردہ سونا چاندی تختیوں اور مہروں کی صورت میں ڈھالا جائے گا، پھر اسی سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور تمہیں جتانے اور بتانے کے لئے عذاب کا فرشتہ کہتا جائے گا ''هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ'' یہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ''فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ'' پس جو تم جمع کرتے رہے، آج اس کا مزا چکھو۔

مسئلہ کنز اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

یہ تو کرم ہے نبی رحمت کا کہ آپ ﷺ نے حلال ذرائع سے دولت کمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تاہم زکوٰۃ ادا کرنے، اہل حقوق کا حق ادا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی دیا گیا، قرآن کریم جس دولت کو

Marfat.com

''کنز'' خزانہ فرماتا ہے، یہ وہ دولت ہے جس سے زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہی دولت عذاب الٰہی کا باعث ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام اور امت کا ہر دور میں اس امر پر اجماع رہا ہے کہ جس دولت سے زکوٰۃ ادا کی گئی ہو وہ کنز اصطلاحی نہیں۔ تاہم ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں جو جلیل القدر صحابی ہیں، ذی علم ہیں، جن کے تقویٰ اور پرہیز گاری میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ لیکن بہر حال اسے ان کا زہد کہئے یا اجتہاد کہ وہ کھانے پینے اور دیگر نہایت ہی اہم لوازمات زندگی کے علاوہ جمع کردہ ہر دولت کو کنز ہی میں شمار کیا کرتے تھے اور نہ صرف یہ فتویٰ دیتے تھے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے تھے، دمشق میں قیام کے دوران امراء کو بڑی ملامت کرتے رہے، حاکم وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی، بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کریں یہاں تک اعلان کرا دیا کہ ابوذر کی محفلوں میں کوئی نہ بیٹھے، متقی اتنے تھے کہ اس اعلان پر ناراض نہ ہوئے بلکہ اطاعت امیر کے شرعی مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو خود روکا کرتے تھے کہ میری محفل میں نہ آیا کرو، امیر کے حکم کی تعمیل کرو، جو فرض ہے، بالآخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجبوراً خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عرضی روانہ کی کہ ابوذر سے دمشق میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے، بڑی ہی مہربانی ہوگی کہ آپ انہیں اپنے پاس مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ بلالیا، یہاں بھی انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا، مدینہ کے گلی کوچوں میں مسئلہ کنز پر لڑائی جھگڑے، بحث مباحثے ہونے لگے، حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے تو دوران بحث یہاں تک نوبت آ پہنچی کہ حضرت ابوذر نے جذب کی حالت میں انہیں یہودی کہہ دیا اور اپنا ڈنڈا تان کر انہیں مارنے دوڑ پڑے، پورے شہر نے دیکھا کہ ایک جلیل القدر صحابی، کعب الاحبار بھاگ رہے ہیں اور دوسرے جلیل القدر صحابی، حضرت ابوذر غفاری ڈنڈا لئے ان کا پیچھا کر رہے ہیں حتیٰ کہ یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی ابوذر نے ان کے ایک ڈنڈا رسید کر ہی دیا۔ جس کا اثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پر بھی ہوا، خیر یہ تو ان حضرات کا دین سے شغف تھا جو نہ اس وقت قابل مذمت تھا اور نہ آج اس کی مذمت کی جا سکتی ہے۔

بہر حال یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا جس میں وہ تنہا ہی رہے اور ایسے تنہا ہوئے کہ بالآخر انہوں نے مدینہ چھوڑنے اور کسی سنسان جگہ جا کر زندگی کے بقیہ ایام گزارنے کا فیصلہ کرلیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بے حد اصرار پر وہ رَبَذَہ میں قیام کرنے پر راضی ہوئے، وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے، وقت وصال آپ کے پاس صرف آپ کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی تھیں، اس جلیل القدر صحابی کو نہ کوئی کفن دینے والا تھا، نہ دفن کا انتظام کرنے والا تھا، بمشکل تمام آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور ربذہ کے چند لوگوں نے آپ کا جنازہ شارع عام پر لا کر رکھ دیا، یہ اتفاق تھا کہ کوفہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ہمراہ عمرہ کے لئے اس راہ سے گزرے، لوگوں نے قافلہ دیکھ کر کہا، یہ ابوذر صحابی رسول اللہ ﷺ کا جنازہ ہے، ان کی تدفین میں ہماری مدد کرو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آواز سنتے ہی کانپ گئے، سواری سے اترے، جنازہ پڑھایا اور حضرت ابوذر کو دفن کیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا، ''اے ابوذر! تمہیں مبارک ہو کہ حضور

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہارے متعلق فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔"

بہر حال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مختصر حال درمیان میں آ گیا، دلچسپ ہے، سبق آموز ہے، اس لئے ہم نے لکھ دیا، عرض یہ کر رہے تھے کہ کنز، وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے، قرآن کریم اہل ایمان کو ایسی دولت جمع نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ پر ہم پیچھے کافی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، ضرورت ہو تو دوبارہ ان اوراق پر نظر ڈال لیجئے۔

مہینوں کی تعداد

قرآن حکیم، ایک نظامِ حیات ہے لہٰذا وہ ہمارے لئے دیگر لوازماتِ زندگی کی طرح ایام واوقات اور مہینوں کا بھی بیان فرماتا ہے۔ بتایا گیا کہ قمری مہینوں کی تعداد بارہ ہے جو کسی مؤرخ یا منجم کی مقرر کردہ نہیں بلکہ اللہ خالق ماہ و ایام نے خود اسی دن مقرر فرما دی تھی اور لوح محفوظ میں اس کو برائے حفاظت لکھ دیا تھا۔ جس دن اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تمام شرعی احکام میں انہیں مہینوں کا اعتبار ہے، جیسے ایام عدت، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ کیونکہ یہ مہینے کسی خاص موسم کے ساتھ منجمد نہیں ہیں، سال کے ہر موسم میں واقع ہوتے رہتے ہیں، ان سے عبادت میں تنوع پیدا ہوتا ہے کہ کبھی گرمی کے طویل ایام کے روزوں کا لطف آتا ہے تو کبھی سردی کی طویل راتوں کی عبادت کا مزا ملتا ہے، کبھی موسم گرما میں حج کی مشقت کا ثواب ہوتا ہے تو کبھی موسم سرما و بہار میں حج کی لذت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تعمیل کے لئے انہیں مہینوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دنیوی امور کے حساب و کتاب کے لئے شمسی مہینوں کا اعتبار بھی جائز ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

(اسراء: ۱۲)

اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔

تاہم قمری مہینوں کا حساب رکھنے کے لئے پابندی سے ہر ماہ چاند دیکھنا اور اس کی تاریخ یاد رکھنا فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی بستی کے سب مسلمانوں نے قمری تاریخوں کو بھلا دیا تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر سب نے مل کر ایک مخصوص کمیٹی رویت ہلال کمیٹی تشکیل دے دی تو سب اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے، چاند کے سلسلے میں رویت کا اعتبار ہے صرف حساب، یا آلاتِ جدیدہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، فیکس وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں۔

بہر حال سال کے بارہ مہینے، اللہ رب العزت جل مجدہ کے مقرر کردہ ہیں جن میں سے چار نہایت ہی محترم، بڑی برکت والے ہیں، ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان مہینوں کے شب و روز میں عبادت و اعمال صالحہ کا ثواب بھی زیادہ ہوتا

Marfat.com

ہے اوران میں ہرقسم کا قتل وقتال، جنگ وجدال، فتنہ وفساد حرام قرار دیا گیا ہے جس کی پابندی تمام سابقہ شریعتوں میں بڑی ہی شدت کے ساتھ کی جاتی تھی، ہماری شریعت میں بھی ان کی حرمت باقی ہے لیکن جہاد نہ کرنے کا حکم اسی آیت کے اگلے جملے سے منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ دشمن اسلام نہایت ہی مکار وفریبی ہے، وہ اہل اسلام کو نقصان پہچانے میں کسی ضابطہ وقانون کا لحاظ نہیں رکھتا ممکن تھا کہ مسلمان ان چار مہینوں کی حرمت سے مجبور ہو کر دشمن کے مقابلہ سے گریز کرتے اور وہ انہیں نقصان پہنچا کر اپنا مقصد پورا کر لیتا، پس قرآن کریم نے حفاظت دین وملت کے لئے اہل ایمان کو ان ماہ میں بھی دشمن سے چوکنا رہنے، جہاد کے لئے تیار رہنے اور اگر ضرورت پیش آئے تو دشمن کی سرکوبی کرنے کی اجازت دیدی، حرمت والے یہ چار مہینے جنہیں اشہر حرم کہا جاتا ہے، یہ ہیں، تین مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ اور بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں، جن حضرات کو یاد نہ ہوں، وہ یاد کر لیں، بچوں کو بھی یاد کرانا چاہئیں کہ ان مہینوں سے ہی ہمارے دینی امور کا حساب ہوتا ہے لہٰذا انہیں یاد رکھنا چاہئے۔

قمری مہینے اور وجہ تسمیہ

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔

صاحب روح البیان نے ان مہینوں کو فارسی کے ایک شعر میں جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

چوں محرم بگذرد آید بز تو صفر
پس بیعین و جمادین و رجب آید ببر
باز شعبانست و ماہ صوم وعید ذی القعد
بعد ازاں ذی الحجہ نام ماھہا آید بسر

ان کے ناموں کی وجہ (وجہ تسمیہ) بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں، محرم کو محرم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اہل عرب اس کا بہت احترام کرتے تھے، اس میں قتل وقتال کو حرام جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی سامنے آجاتا تو بیٹا اس سے کچھ نہ کہتا، بس منہ پھیر کر چلا جاتا، صفر کے معنی ہیں خالی، چونکہ اس ماہ تک اہل عرب کی سال بھر کی کمائی ختم ہو جاتی تھی، ان کی جیب پیسوں سے اور ان کے گھر ساز وسامان سے خالی ہو جاتے تھے، لہٰذا انہوں نے اس ماہ کا نام ہی صفر رکھا ہوا تھا، ہمارے یہاں بھی عورتوں کی اصطلاح میں اس مہینے کو خالی کا مہینہ ہی کہا جاتا ہے اور وہم یہ کیا جاتا ہے کہ یہ مہینہ رحمت وبرکت سے خالی ہوتا ہے، یہ سب بکواس ہے، مؤمن کا کوئی لمحہ اللہ کی رحمت اور برکت سے خالی نہیں ہوتا، ربیع کے معنی بہار کے ہیں، عرب میں تقریباً ساٹھ دن موسم بہار کے صفر کے بعد آتے تھے لہٰذا وہ ان ایام کو ربیع الاول اور ربیع الثانی کہا کرتے، جماد کے معنی ہیں جم جانے کے، موسم بہار کے بعد موسم سرما شروع ہو جاتا ہے اور بعض جگہ اتنا سخت ہوتا تھا کہ پانی تک جم جاتا تھا، لہٰذا اہل عرب نے ان دنوں کو جمادی الاول اور جمادی الثانی کا نام دیدیا، رجب کے معنی عظمت واحترام کے ہیں، اہل عرب ان دنوں کا بہت احترام کرتے حتیٰ کہ اس میں بھی قتل وقتال کو حرام جانتے تھے، لہٰذا ان ایام کو وہ رجب کہتے تھے بالخصوص عرب کے ایک

Marfat.com

بڑے مشہور قبیلے میں اس کا بہت ہی احترام ہوتا تھا، صدقہ وخیرات اور خصوصی عبادات اسی مہینہ میں زیادہ کرتے تھے، یہ قبیلہ مضر تھا، اسی لئے اس ماہ کی ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور اسے رجبِ مضر کہا جاتا ہے جیسا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر فرمایا، ''رَجَبُ مُضَرِ الَّذِیْ بَیْنَ جَمَادِیْ وَ شَعْبَانَ'' رجب مضر وہ مہینہ ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے، شعبان کے معنیٰ، منتشر ہوجانے، پھیل جانے کے ہیں، عام طور پر ان دنوں میں اہل عرب بغرض تجارت سفر کرتے اور مختلف شہروں میں پھیل جاتے تھے، لہٰذا وہ ان ایام کو شعبان کہا کرتے تھے، رمضان کے معنیٰ جلادینے والی گرمی کے ہیں، جس وقت اس مہینہ کو یہ نام دیا گیا چونکہ ان دنوں سخت گرمی تھی، لہٰذا اسے رمضان کہا گیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو نزول قرآن کے لئے منتخب فرمایا تو یہ گناہوں کو جلا دینے والا، رحمت ومغفرت والا مہینہ ہوگیا اور اللہ نے اس کو اپنے عظیم کلام قرآن کریم اور دیگر سابقہ کتابوں اور صحیفوں کے نزول کے لئے اس لئے پسند فرمایا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے کہ ارشاد ہوا، ''لَا تَقُوْلُوْا جَآءَ رَمَضَانُ وَذَهَبَ رَمَضَانُ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا جَآءَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَاِنَّ رَمَضَانَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی''، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا بلکہ کہا کرو کہ رمضان کا مہینہ آیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، شوال کے معنیٰ کسی چیز کے اٹھ جانے کے ہیں، اہل عرب کہا کرتے تھے کہ یہ مہینہ گناہوں کے اٹھ جانے کا ہے، رمضان کے مقدس ایام اور اس کی عبادت نے نفس امارہ کی قوت وشہوت کو ختم کردیا ہے، ذیقعدہ، یعنی بیٹھنے کے دن۔ اہل عرب عموماً ان دنوں میں اپنے گھروں پر آجاتے تھے اور حج کا انتظار کیا کرتے تھے، لہٰذا اس مہینے کو وہ بیٹھنے یا انتظار کرنے کا مہینہ کہتے تھے، ذی الحجہ، اس کے معنیٰ ظاہر ہیں، حج والا مہینہ، **واللّٰہ و رسولہ اعلم**

یہ کچھ دلچسپ معلومات درمیان میں آگئیں جو ہم نے لکھ دیں، اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مہینے اللہ کے مقرر کردہ ہیں، جن میں چار اشہر حُرم ہیں، اہل عرب شریعت ابراہیمی کی اتباع کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چار مہینے محترم ومعزز تھے لہٰذا وہ بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے، وہ جس دین کی بھی اتباع وپیروی کے دعویدار تھے وہ اس کے احکام کو جس طرح چاہتے اپنی سہولت وضرورت کے مطابق تبدیل کرلینے کے عادی تھے، اشہر حرم کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا، کبھی جنگ وجدل کرتے، کوئی محترم مہینہ آگیا تو فیصلہ کرلیا کہ یہ محرم نہیں صفر ہے، محرم اس کے بعد والا مہینہ ہوگا، کبھی رجب کو شعبان قرار دے لیا تو کبھی ذی الحجہ کو صفر کردیا، غرضیکہ اپنی ضرورت کے مطابق جو چاہتے کرتے رہتے ہیں، ''یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا'' حلال قرار دے لیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام بنا لیتے ہیں اسی کو دوسرے سال ''لِیُوَاطِؤُا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ'' تاکہ بس پوری کرلیں ان مہینوں کی تعداد جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے، اسلام ان لغویات کو کیسے برداشت کرسکتا ہے، شریعت کے احکام میں تغیر وتبدل کا حق سوائے اللہ اور رسول ﷺ کے، کسی کو نہیں، اگر اس طرح سب ہی اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کرنے لگیں تو دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا، پس اللہ جل مجدہ ہدایت فرماتا ہے کہ

Marfat.com

اے ایمان والو! تم کفار جیسی حرکتیں نہ کرنا، اللہ کا فیصلہ اٹل جانو، دیگر احکام کی طرح اَشہر حرم بھی اٹل ہیں، انہیں ادھر ادھر کرنے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی تم ان کی بے حرمتی کے مجاز ہو، ''فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ'' ان کی بے حرمتی کرنا، خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، لہٰذا تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا، ان مہینوں میں دیگر مہینوں کی بہ نسبت اللہ کو زیادہ یاد کرنا، اس کی عبادت زیادہ کرنا، صدقہ وخیرات اور دیگر اعمالِ صالحہ بکثرت کرنا، ہاں ہم نے سابقہ شریعتوں کی طرح پہلے تمہیں بھی حکم دیا تھا کہ اَشہر حرم میں جہاد نہ کرنا لیکن اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں اور تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ اگر کفار تم سے برسر پیکار ہوں تو تم بھی پوری قوت کے ساتھ ان سے قتال کرنا کہ دین کی حفاظت دیگر احکام کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے اور دیکھو دشمن کی قوت وطاقت سے ہرگز خوفزدہ نہ ہونا اور نہ ہی کسی مصلحت وحکمت کی بناء پر اس سے دین کا سودا کرنا کیونکہ ہماری حمایت ونصرت تمہیں حاصل ہے، ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ'' اللہ کی مدد پرہیز گاروں کے لئے ہے۔

بہر حال اس ہدایت مبارکہ کا منشاء قمری مہینوں کی تعداد کا تعین کرنا اور ان میں کسی رد وبدل سے روکنا ہے، کیونکہ بیشتر عبادات کا دار ومدار ان مہینوں کی تاریخوں پر ہی ہے، اگر ان میں تبدیلی کی جاتی رہی یا ان کا لحاظ ہی نہ کیا گیا تو عبادات بے اثر اور بے وقعت ہو کر رہ جائیں گی، گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک شرعی، آفاقی، تقویم، جنتری عطا فرمادی ہے، جس سے وہ اپنے ماہ وسال کا تعین کر سکتے ہیں، اس نقشہ کی پابندی ان کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے، یہ تقویم بھی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ذرا ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے اور ایمان تازہ کیجئے، فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝
(یونس: ۵۔۶)

(اللہ) وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نورا اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تا کہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی نشانیاں) ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، بیشک گردش لیل ونہار میں اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (اس کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں۔

سال کا تعین

تقویم آفاقی نے سال کے لئے بارہ مہینوں کا تعین کیا، ان مہینوں کے نام اہل عرب نے اپنی سہولت کے مطابق خود رکھے، لیکن ان مہینوں کے مجموعہ یعنی سال کا تعین اہل عرب نہ کر سکے، بس کسی اہم واقعہ کے ساتھ سال کی نسبت کر کے اسے

Marfat.com

یادر کھا جاتا تھا، مثلاً ایک مدت تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا حساب لگایا جاتا رہا، پھر کعبہ پر اصحابِ فیل کے حملے کا واقعہ پیش آ گیا، تو اس سال کو عام الفیل کہا جانے لگا، ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو وہ سال عام الحزن قرار دے دیا گیا غرضیکہ سال کے تعین اور اس کے شمار کا کوئی مخصوص طریقہ نہ تھا، جس سے تاریخوں کی حفاظت میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ جو واقعہ شعبان میں پیش آیا، وہ کس سال کے شعبان میں پیش آیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آپ نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے، اپنے دورِ خلافت میں دینی امور کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی نظم و نسق پیدا فرمایا، جوں جوں واقعات پیش آتے آپ ان کے مطابق اپنی مجلس شوریٰ کے مشورہ سے قواعد وضوابط مرتب فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کو ایک اہم خط وصول ہوا، جس پر تاریخ و دن کے ساتھ، ماہ شعبان، درج تھا بس آپ کو خیال آیا کہ یہ خط اس شعبان کا ہے یا گزشتہ شعبان کا۔ آپ نے مجلس شوریٰ کو اس واقعہ سے آگاہ فرمایا اور سال کے تعین کی ضرورت کو بیان فرمایا، لہٰذا طے پایا کہ کسی اہم اسلامی واقعہ کی نسبت سے اسلامی سال کا تعین کر لیا جائے، ان تاریخی واقعات میں سب سے اہم واقعہ ہجرت کو قرار دیا گیا جو واقعی اپنے ماضی اور مستقبل دونوں کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ اور اللہ کی زمین پر پہلی اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق یہ طے پایا کہ سال کی ابتداء اسی واقعہ سے کی جائے اور اسے سن ہجری کہا جائے لیکن ایک دشواری یہ پیش آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت ربیع الاول میں فرمائی تھی جبکہ اہل عرب کے حساب سے سال کا آغاز محرم سے ہوتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق محرم ہی کو سال کا پہلا مہینہ رکھا گیا اور سن ہجری کا دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے سے شمار کیا گیا، اس طرح ۲۰ جمادی الثانی ۱۷ھ مطابق ۹ / ۱۲ جولائی ۶۳۸ء سے باقاعدہ ہجری سال کا آغاز ہو گیا، جواب ۱۴۲۱ھ، ۱۵ / جمادی الاول، مطابق، ۱۶ / اگست ۲۰۰۰ء، بدھ کا دن، بعد نماز فجر ہے، والحمد للہ رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۴

التوبہ: ۳۸ تا ۴۱

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى
الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا
تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ
مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ
ثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ (توبہ: ۳۸۔۴۱)

Marfat.com

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو، کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں، تو نہیں ہے ساز وسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر (بہت ہی) قلیل۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم مدد نہ کرو گے رسول ﷺ کی (تو کیا ہوا) ان کی تو مدد فرمائی ہے اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے (مکہ سے)، صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق (ابوبکر) سے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین اُن پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ بلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔

جہاد، مسلسل جہاد مؤمن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کا سپاہی، فوجی ہے، دین کی سرحدوں کا محافظ ہے، دنیا کی ساری نعمتیں، اسے اسی صلہ میں دی جاتی ہیں اور آخرت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کئے ہوئے وعدوں کا ایفاء اسی پر موقوف ہے، یہ جہاد چاہے دشمن سے ہو یا نفس سے، بالسیف ہو یا بالعمل ہو بہر حال جہاد ہونا چاہئے، مؤمن کی شان وآن کی بقاء اس کے رعب ودبدبہ کا ذریعہ یہ جہاد ہی ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی عبادت ہے، اسی سے ریاضت ہے، اس میں کوتاہی ہوگی تو باز پرس ہوگی کہ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا تمہارے پیر کیوں بھاری پڑ گئے، اللہ کے حکم پر، اس کی راہ میں کیوں نہیں نکلتے، کیا آخرت کے مقابلہ پر، حب دنیا تم پر غالب آ گئی ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ متاعِ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں، کیا تمہارے آقا ﷺ نے تمہیں ہمارا یہ پیغام نہیں سنایا کہ ''اَلدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ'' دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس کی محبت ہی جرائم پر مجبور کرتی ہے، اسی کی محبت ذلت وخواری کے گڑھے میں دھکیلتی ہے، اسی سے آزادی غلامی میں بدل جاتی ہے، یہی دین سے محرومی کا سبب بنتی ہے، یہی بزدل اور کمزور بناتی ہے، یہی دردر کا بھکاری بنا دیتی ہے، پس بچو اس کے انجام بد سے اور جہاد کے لئے آمادہ ہو جاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو بڑے ذلیل وخوار ہو گے، اولاً اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا، دنیا میں بھی اس طرح کہ تمہاری ساری شان وشوکت ملیامیٹ ہو جائے گی، قومی تشخص پامال ہو جائے گا اور آخرت میں بھی کہ جو جنت تمہاری منتظر ہے، اس کے دروازے تم پر بند ہو جائیں گے، جہنم تمہارا ٹھکانہ بنا دیا جائے گا، ثانیاً اس طرح کہ تمہیں ہمارے نبی سید الانبیاء ﷺ کی غلامی کا جو شرف حاصل ہے، جس کے باعث تم خیر الامم ہونے پر فخر کرتے ہو، یہ شرف بھی تم سے چھین کر کسی اور کو دیدیا جائے گا کہ اللہ قادرِ مطلق ہے، اس نے اپنے دین کی حفاظت کا فیصلہ کیا ہوا ہے، اگر تم نے یہ ذمہ

Marfat.com

داری پوری نہ کی تو وہ تمہیں تباہ کر کے کسی اور قوم کو یہ تاج عظمت پہنا دے گا اور پھر زمانہ میں تمہارا نام ونشان تک نہ ہوگا اور تمہارے محروم کر دینے سے خدا کی خدائی پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

یہاں ضیاء القرآن سے ماخوذ، حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی چند سطور بھی ملاحظہ فرماتے چلئے، آپ لکھتے ہیں:

اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والی امت! سن رہے ہو، اس رب ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ، اگر اس نے اپنی بارگاہِ رضا وقرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبا اتار لی، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے ۔

ہجر کی رات کاٹنے والو!
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

اے اہلسنت وجماعت کے رہنماؤ! ہمارا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا شمع توحید و رسالت ﷺ کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے، اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے، وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی دلوں کے اداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، مصطفیٰ کریم ﷺ کی خوشنودی کے لئے اسلام کی سربلندی کے لئے سب ایک ہو جاؤ اپنی ذات اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو، اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو، جو آپ ﷺ کے خواجگان طریقت علیہم الرضوان کا اسوہ تھا، (کسی تشریح یا تبصرے کی ضرورت نہیں بس جزاہ اللہ خیر الجزاء)

اے ایمان والو! اگر تم نے ہمارے رسول ﷺ کی مدد کا شرف حاصل نہ کیا، ان کی اتباع و پیروی نہ کی، ان کے عطا کردہ دین کی حفاظت نہ کی، ان کے ناموس کے محافظ نہ بنے تو کیا ہوگا ہم تو اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کا فیصلہ کر چکے ہیں اور متعدد مواقع پر ان کی مدد فرماتے رہے ہیں، ان میں سے ایک موقع تو خطرناک ترین تھا کہ جب دس سال مسلسل اہل مکہ کے مظالم سہنے کے بعد ہمارے رسول ﷺ کو ہماری اجازت سے، اپنا وطن عزیز اور ہمارا مقدس گھر چھوڑنا پڑا، اس سفر کے ابتدائی مرحلہ میں انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، بس وہ دو تھے، ایک محبوب اور ایک محبوب کا محبوب، کوئی بظاہر یار و مددگار نہ تھا، سب خون کے پیاسے تھے، ان کی تلاش میں سرگرداں جب یہ ظالم غار کے منہ پر آپہنچے تو غلام اپنے آقا کی جان خطرے میں دیکھ کر کانپنے لگا لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہم نے اپنے پیارے کو ایسے خطرناک موقع پر سکون واطمینان کی نعمت سے نوازا تھا، جو بڑی ہی نعمت ہے، پھر دوران سفر ہم ہی اپنے محبوب ﷺ کی ایک ایسے لشکر سے حفاظت اور مدد کرتے رہے جس کو کوئی نہ دیکھ پایا، حتیٰ کہ کافر

Marfat.com

ناکام و نامراد رہے، وہ ہمارے رسول ﷺ تک نہ پہنچ سکے اور اللہ کا فیصلہ غالب رہا کہ ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو اہل مکہ کے مظالم سے بچا کر سکون واطمینان کی سرزمین، مدینہ منورہ میں پہنچادیا، یہاں ہمارے نبی ﷺ کو پناہ مل گئی اور ان کے دامن میں چھپنے والے غلاموں کو پناہ مل گئی اور اس سرزمین کو ہم نے قیامت تک کے لئے پناہ تلاش کرنے والوں کے لئے پناہ گاہ بنادیا، سکون واطمینان کے متلاشیوں کے لئے دارالسکون بنادیا'' وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ '' عام دعوت دی جاتی ہے جو غلام بھی اپنے اوپر ظلم کر کے بے چین ومضطرب ہو، وہ اس دربار عالی میں آ کر پناہ لے، سکون کی دولت سے مالا مال کردیا جائے گا، پس

اے ایمان والو! اگر تم تھوڑا بہت بھی علم رکھتے ہو، تمہارے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے تو سنو، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں، ہر وقت، اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرو، چاہے تم تروتازہ ہو یا کتنے ہی تھکے ہوئے ہو، وہ جب بھی تمہیں جہاد کا حکم دیں، تیار ہو جاؤ، چل پڑو، نہ شدید گرمی کی پروا کرو، نہ تیار لہلہاتی فصلوں کے لالچ اور محبت میں مبتلا ہو، اللہ کی راہ میں اپنے اموال بھی قربان کرو، اپنی جانیں بھی پیش کرو، یہی ایمانی جذبہ ہے، یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔

غزوۂ تبوک

آیات مذکورہ کا نزول غزوۂ تبوک سے متعلق ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جنہوں نے اس غزوے میں شریک ہونے میں سستی اور کوتاہی کی تھی، انہیں ہدایت کی گئی کہ جہاد میں سستی کرنے کا انجام نہایت ہی برا ہوتا ہے، لہٰذا تم ہر حال میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہو، اگرچہ اس کا تعلق خصوصی طور پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے، لیکن یہ ہدایت عام مؤمنین کے لئے ہے۔ یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بعض مواقع پر صحابہ سے اجتہادی غلطیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بروقت ان کی غلطیوں پر متنبہ بھی فرمایا اور ان کی معافی کا بھی اعلان کردیا تاکہ قیامت تک کوئی ان پر انگشت نمائی نہ کر سکے اور محبوب کے محبوب غلاموں کو کوئی کسی جرم میں ملوث نہ کر پائے، ان آیات مبارکہ کی مناسبت سے ضروری ہے کہ مختصراً غزوۂ تبوک کا ذکر کردیا جائے۔

تبوک ایک مقام کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اب یہ سعودی عرب کا ایک حسین و جمیل، سرسبز وشاداب شہر ہے، آٹھ سال سے مسلسل غزوات اور کفار سے مقابلوں اور مکہ وطائف کی فتح کے بعد لشکر اسلام کے ذہنوں میں فطرتاً یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ جنگوں کا سلسلہ کچھ مدت کے لئے ختم ہو چکا ہے، ہمیں سانس لینے، اپنا دنیاوی کاروبار کرنے کا کچھ موقع ملے گا، لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متواتر خبریں ملنے لگیں کہ رومیوں نے تبوک میں اپنی فوج جمع کرنا شروع کردی ہے، فوجیوں کو خوش کرنے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہیں بھی دیدی گئی ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ مسلمان تھکے ہوئے ہیں، انہیں آرام کی ضرورت ہے، اب ان میں کسی بڑے حملہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، لہٰذا یہی اچھا موقع ہے کہ مدینہ پر حملہ کر کے ہمیشہ کے لئے (العیاذ باللہ) اسلام کی شمع کو گل کردیا جائے، ان اطلاعات پر نبی

Marfat.com

مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ رومیوں کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا اور طے کیا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے، قبل اس کے کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر اپنے عزائم کی تکمیل کر کے سرزمین مدینہ کو اپنے پیروں سے ناپاک کرے، بہتر ہے کہ تبوک پہنچ کر ہی خبر لی جائے (جنگ کے اصولوں میں سے یہ ایک اہم اصول ہے کہ دشمن کا مقابلہ اپنے حدود و سلطنت سے باہر نکل کر کیا جائے، تاکہ املاک و عمارات محفوظ رہیں اور عورتوں، بچوں، معذوروں پر جنگ کے اثرات نہ ہونے پائیں، اسی لئے ہمیشہ حدودِ مدینہ منورہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان جنگ بننے سے محفوظ رکھا، یہ سرزمین ہمیشہ پرامن رہی اور آج تک پرامن ہے، جس کی فضاؤں میں مضطرب و بے چین لوگوں کو امن و سکون نصیب ہوتا ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ اللہ کے سپاہی، اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائیں، ہمیں تبوک پر حملہ آور ہونا اور دشمن کو ان کے ناپاک عزائم سے روکنا ہے، چونکہ سفر طویل ہے، لہٰذا دیگر ضروری سامان کے علاوہ اچھی سواریوں کا انتظام بھی کر لیا جائے[1]۔

یہ اعلان بعض صحابہ پر گراں گزرا لیکن فوراً ہی وہ متنبہ ہو گئے اور پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غزوہ کے لئے صحابہ سے خصوصی تعاون کی اپیل فرمائی، جس کی تعمیل میں صحابہ نے ہر قسم کے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا، سواریاں، تلواریں، نیزے، کھانے پینے کا سامان وغیرہ خوب جمع کیا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سب ہی پر بازی لے گئے کہ آپ نے ایک ہزار دینار، ایک سو گھوڑے اور نو سو اونٹ پیش کئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو گھر کا صفایا ہی کر ڈالا کہ سب کچھ لا کر آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا، "ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں" جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش خدمت کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غرضیکہ تمام صحابہ نے دل کھول کر چندہ پیش کیا چونکہ یہ سفر طویل تھا اور مدینہ میں ازواجِ مطہرات اور دیگر اہل مدینہ کی دیکھ بھال کا مسئلہ نہایت اہم تھا، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، آپ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی افسردگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا، "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہو جائے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی۔"

ان تیاریوں کے باوجود بھی چند صحابہ مجبور تھے کہ وہ نہ سواری کا انتظام کر سکے اور نہ ہی دیگر سامان مہیا کر سکے، یہ لوگ نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کرب و اضطراب سے روئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر بیحد رحم آیا اور آپ بھی بہت افسردہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غمزدہ صحابہ کی افسردگی ختم کرنے کے لئے قرآن کریم میں ان کے حال کا ذکر فرمایا، ارشاد ہوا:

وَّلَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (توبہ: ۹۲)

Marfat.com

اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوئے آپ ﷺ کے پاس کہ آپ ﷺ سوار کریں انہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس، نہیں ہے ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ میں اس غزوہ کے لئے کتنا جوش وخروش پیدا ہو گیا تھا، بہر حال چونکہ بیت المال میں کثیر چندہ آنے کے باوجود، ان حضرات کو مسلح کرنے کی گنجائش نہ تھی لہٰذا یہ لشکر اسلام میں شامل نہ کئے جا سکے۔

ضروری تیاری کے بعد اللہ کے رسول ﷺ تیس ہزار، سپاہیوں پر مشتمل لشکر اسلام لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جس میں دس ہزار گھوڑے بھی شامل تھے، راستہ میں وہ عبرتناک مقامات بھی آئے جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ ان میں قوم ثمود کے مکانات بھی تھے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے تھے، اللہ نے اس قوم پر عذاب نازل فرمایا اور یہ نیست ونابود کر دیے گئے، یہاں سے گزرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ چونکہ یہ عذاب الٰہی کے نزول کا مقام ہے، لہٰذا یہاں نہ کوئی ٹھہرے اور نہ ہی یہاں کا پانی استعمال کرے۔

جب لشکرِ اسلام تبوک کے قریب پہنچا اور پڑاؤ کیا تو پانی کی اشد ضرورت پیش آئی کہ لوگ بھی پیاسے تھے، جانور بھی پیاسے تھے، وضو اور غسل وغیرہ کی ضرورت بھی درپیش تھی، پانی کا دور دور پتہ نہ تھا، بمشکل ایک کنواں نظر آیا جس میں اتنا کم پانی تھا کہ نکالنا دشوار تھا، نبی حاجت روا ﷺ کو خبر دی گئی، آپ ﷺ کنوئیں کے قریب تشریف لائے اور اس میں کلی فرمائی، کنواں اُبلنے لگا اوپر تک پانی آ گیا۔ ضروریات پوری کی گئیں، پانی ذخیرہ کر لیا گیا۔ یہ تھی اللہ کی نصرت وحمایت جس سے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکثر وبیشتر نوازتا رہا۔

بہر حال لشکر اسلام نے یہاں بیس روز قیام کیا، رومیوں کی ہمت نہ ہو سکی کہ مقابلہ کے لئے سامنے آتے، ان میں سے بعض سردار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ ادا کرنا قبول کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واپسی کا اعلان فرمایا اور جب اہل مدینہ کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو مدینہ کے گھر اور اس کے گلی کوچے مسرت وشادمانی کے نغمے گانے لگے، ایک مرتبہ پھر وہی منظر دیکھنے میں آیا جو پہلی مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت دیکھا جا چکا تھا، آج پھر ہر گھر سے اسی نغمہ کی آواز سنی جا رہی تھی جو اس وقت گایا گیا تھا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

جب تک اللہ کو پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر اللہ کا شکر فرض ہے۔

واقعہ ہجرت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت ہی کے ساتھ، کفار کی آپ ﷺ سے عداوت اور آپ ﷺ پر ظلم

Marfat.com

وستم کا آغاز ہو گیا تھا، ابتداءً کئی برس تو لوگوں کو اللہ کا پیغام چھپ چھپ کر پہنچایا جاتا رہا، اللہ کی عبادت، قرآن کریم کی تعلیم وتلاوت بھی بند دروازوں میں ہوتی رہی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر چالیس کا عدد مکمل ہوا تو اگر چہ مکہ کے گلی کوچوں میں صدائے اسلام سنی جانے لگی، گھروں سے باہر تلاوت قرآن کی آوازیں آنے لگیں لیکن ساتھ ہی دشمن کا پارہ بھی تیز سے تیز تر ہوتا رہا، اس طرح کئی سال بیت جانے کے باوجود، اسلام کی نشوونما، ترقی وتعلیم کی رفتار اس قدر سست رہی کہ اللہ کے نبی ﷺ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ان مظالم کی آندھی اور طوفان میں کب تک وقت ضائع ہوگا اور اسلام کی سربلندی کا وہ وقت کب دیکھنے میں آئے گا جس کے لئے اللہ جل مجدہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی اس فکر اور صحابہ کرام کی مظلومیت پر اللہ کریم کو رحم آیا اور نورِ اسلام کی شعاعیں مکہ سے باہر نکلنا شروع ہوئیں، جس کی پہلی جھلک اہل یثرب پر پڑی، جس نے انہیں چند دن بعد ہی انصار بنا دیا، میزبان رسول ﷺ بنا دیا، اسلام نے ان کے بخت کو ایسا چمکایا کہ دنیا و آخرت کی ساری عزت وعظمت ان کا مقدر بن گئی۔ یہ اہل یثرب سے اہل مدینہ ہو گئے، مظلوموں کو سہارا دینا ان کا شیوہ بن گیا، مہاجرین کے لئے ایثار وقربانی ان کا ذوق بن گیا، غرضیکہ مدینہ نے اسلام کے لئے اپنی جھولی پھیلائی اور اللہ نے اس کی گود بھری، خوب بھری، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھری، ایسی بھری کہ وہاں سے خالی جھولیاں بھری جانے لگیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت حبشہ کے بعد مدینہ منورہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور سلسلہ ہجرت کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدینہ کی راہ اختیار کرنے کا شرف حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، ان کی ہجرت کا پتہ جب ان کی اہلیہ ام سلمہ کے خاندان کو ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو نہ جانے دیا، ابوسلمہ نے بیوی اور بچے کی پروا کئے بغیر اپنے سفر کا آغاز کیا اور مدینہ منورہ پہنچے اور ان کے بعد یہ مقدس سلسلہ جاری ہو گیا، سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب نے ہی اہل مکہ، اپنے خاندان، حتیٰ کہ بعض نے اپنے اہل خانہ سے چھپ چھپا کر ہجرت کی اور یوں ایک وقت آ گیا کہ مکہ میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے یا چند عورتیں، بچے، بوڑھے اور وہ معذور تھے جو کسی عذر کی بناء پر مکہ نہ چھوڑنے پر مجبور تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کئی مرتبہ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یہ فرما کر روکے رکھا کہ میرے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کرو، انہیں اس اشارۂ نبوی ﷺ سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق سفر بننے کا شرف حاصل ہوگا جو بلاشبہ ایک بڑا اعزاز تھا، پس آپ نے ہجرت کی تیاری جاری رکھی اور اس سلسلہ میں دو اونٹنیاں خریدیں، ایک اپنے آقا ﷺ کے لئے اور ایک اپنے لئے، آپ نے اپنا کاروبار بھی سمیٹنا شروع کر دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ دولت اپنے ہمراہ لے جا سکیں۔

دوسری طرف کفار کو بھی یقین تھا کہ اب محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور باقی مسلمان بھی مکہ چھوڑیں گے، وہ اس واقعہ سے خوش نہیں بلکہ خوفزدہ تھے کہ ایک دن یہی مفلوک الحال، بے گھر لوگ، بڑی قوت بن کر ہم پر غالب آ جائیں گے، وہ بہت

Marfat.com

چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو مدینہ نہ جانے دیں لیکن جانے والے نکل جاتے تھے اور یہ ہاتھ ملتے، دانت مسمساتے رہ جاتے تھے، بالآخر انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ کچھ بھی ہو، عبدالمطلب کے پوتے کو مکہ سے نہیں نکلنے دیا جائے گا، اپنے اس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک مشاورتی اجلاس طلب کیا جس میں ایک اجنبی شخص، شیطان بصورت انسان بھی موجود تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مجلس میں جو فیصلہ بھی کیا جاتا یہ لعین اپنی چرب زبانی سے اس کو غیر مؤثر قرار دے دیتا اور بالآخر اس نے خود تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو (العیاذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور سب کو اس نے اس تجویز کے ماننے پر آمادہ کرلیا اور طے پایا کہ رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواب گاہ کا محاصرہ کیا جائے گا اور جب صبح وہ برآمد ہوں گے تو ان پر تلواریں برسیں گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن کفر کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والے عقل و دل کے ان اندھوں کو اللہ کے ارشاد ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' کی حقیقت کا کیا پتہ تھا۔ اگر ان کا بس چلتا تو آج سے نہ جانے کتنے پہلے ہی یہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کر چکے ہوتے لیکن اللہ قادر وقدیر جل مجدہ نے ہر موقع پر اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت فرمائی تاکہ ہمیشہ کے لئے اسلام کی شمع روشن ہو کر رہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (انفال:٣٠)

اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ ﷺ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا آپ ﷺ کو جلاوطن کر دیں اور وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

آیہ مبارکہ میں کفار کی انہی خفیہ تدابیر کا ذکر فرمایا گیا جو وہ دارالندوہ میں جمع ہو کر، کر رہے تھے اور بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دینے پر متفق ہوئے تھے۔ ادھر اللہ ربُّ العزت جل مجدہ نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی جس کا آغاز تو بہت پہلے ہو چکا تھا کہ مدینہ میں اسلام پہنچ چکا تھا اور وہاں کا بچہ بچہ، آنکھیں بچھائے اپنے آقائے رحمت ﷺ کی تشریف آوری کا منتظر تھا، اب وقت آگیا تھا کہ اس تدبیر کی تکمیل کی جائے، لہٰذا بالکل اس وقت جب کفار آپ ﷺ کا محاصرہ کر چکے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں اور باہر کا حال بتاتے ہوئے پیغامِ الٰہی دیتے ہیں کہ آج ہی آپ ﷺ کو ہجرت فرمانا ہے نیز کفار کے نرغے سے بخیر و عافیت نکلنے کی الٰہی تدبیر بھی بتاتے ہیں جس کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ یٰس کی ابتدائی آیات تلاوت فرما کر دشمنوں کی طرف پھونکا جس سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، نیند غالب آگئی اور اللہ کا نبی ﷺ، اللہ کی حفظ و امان میں نکل کر اپنے رفیقِ سفر، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، چلتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بخشا کہ کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لئے انہیں اپنا نائب بنایا اور اپنے مقدس بستر پر سونے کی اجازت دی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ شاید حضرت علی کو باہر کا حال معلوم نہ ہوگا ورنہ خوف و ہراس کی اس حالت میں وہ اتنی بڑی

Marfat.com

ذمہ داری قبول نہ کرتے، نہیں ایسا نہیں، حضرت علی یا کسی بھی صحابی کو اپنے جیسا نہ سمجھئے، خطرات سے کھیلنا ان حضرات کا کام تھا، آقا ﷺ کے اشارے پر جان کی بازی لگا دینا، ان حضرات کا شیوہ تھا اور یہی ان کی کامیابی و کامرانی کا راز تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم جس انداز سے دیا اس سے انہوں نے بخوبی ان خطرات کو بھانپ لیا تھا جو باہر موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا، ''اِتَّشِحْ بِبُرْدِیْ ھٰذَا الْحَضْرَمِی الْاَخْضَرِ فَنَمْ فِیْہِ فَاِنَّہٗ لَنْ یَّخْلُصَ اِلَیْکَ شَیْءٌ تَکْرَھُہٗ مِنْھُمْ'' علی! میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور آرام سے سو جاؤ، تمہارے قریب کوئی ایسی چیز نہ آسکے گی جو تمہیں پسند نہ ہو، ایمان سے بتایئے کہ اگر آپ کو آقا ﷺ کی مقدس چادر اوڑھنے کا موقع ہاتھ آجائے تو کیا کوئی خطرہ یا خوف باقی رہے گا، یا جان و مال اور کسی دوسری عزیز ترین چیز کی فکر باقی رہے گی، قسم بخدا نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن آہ، ہم بدنصیبوں کے ایسے مقدر کہاں، حضرت علی بڑے ہی مقدر والے ہیں، انہیں نور کی چادر نصیب ہوئی، اوڑھ کر جو سوئے تو صبح ہی کی خبر لی، ایسے آرام کی نیند نہ اس سے پہلے نصیب ہوئی نہ کبھی بعد میں، وہ آقائے رحمت ﷺ کی چادر اوڑھے سو رہے تھے اور رحمت باری تعالیٰ ان کو گھیرے ہوئے تھی، گویا باہر دشمن کا محاصرہ تھا اور اندر اللہ کی رحمت کا محاصرہ۔ ظاہر ہے اللہ ہی غالب حکمت والا ہے، کسی کی تدبیر اس کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پس حضرت علی اپنے وقت پر تر و تازہ اٹھے، دروازہ کھولا تو کفار انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے، پوچھنے لگے، ''اَیْنَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ'' محمد (ﷺ) کہاں ہیں، حضرت علی نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنا کام پورا کیا، سب کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور چند دن بعد خود بھی ہجرت فرمائی۔

ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، اپنا پروگرام بتایا اور مژدۂ رفاقت سنایا۔ یہ ابوبکر کے لئے صرف ایک خوشخبری نہ تھی بلکہ ایک عظیم منصب تھا، ایک بڑی ذمہ داری تھی، ایک اعلیٰ اعزاز تھا جو غلام کو آقا کے آقا کی طرف سے دیا گیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم سناتے ہوئے ہی یہ بھی بتایا تھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کا رفیق سفر آپ ﷺ کے محبوب غلام ابوبکر کو مقرر فرمایا ہے، حضرت ابوبکر نے دونوں اونٹنیاں خدمت اقدس میں پیش کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج کے لئے ہی ان دونوں کو باندھا ہوا تھا، ایک آپ ﷺ پسند فرمالیں، آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک اونٹنی قیمتاً خریدتا ہوں، ابوبکر کے بے حد اصرار کے باوجود آپ ﷺ نے اونٹنی کی قیمت ادا فرمائی اور اس کا نام قصویٰ رکھا، اسی پر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اسی پر آپ ﷺ اکثر سفر فرماتے تھے اور حجۃ الوداع کے مشہور خطبے کے لئے بھی آپ ﷺ نے اسی کو استعمال فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا وصال ہوا، جس کا آپ کو اور دیگر صحابہ کو بے حد افسوس ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت اسماء کو ضروری سامان تیار کرنے کا حکم دیا اور آقا و غلام، حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکل پڑے، حدودِ مکہ سے باہر نکلنے کے بعد راہِ مدینہ اختیار کرنے سے پہلے غار ثور میں قیام کا فیصلہ کیا گیا، یہ دشمن سے محفوظ رہنے کی ایک تدبیر تھی کہ لوگ تلاش کر کے تھک جائیں اور اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں تو کھلے میدان میں سفر کیا جائے، حدودِ مکہ سے باہر آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ٹیلہ پر جلوہ افروز ہوئے، ایک بار

Marfat.com

آپ ﷺ نے کعبہ پر نظر ڈالی اور نہایت ہی دردناک انداز میں آپ ﷺ نے ان الفاظ سے اللہ کے گھر اور اپنے وطن عزیز کو الوداع کہا:

وَاللّٰہُ اِنَّکَ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَیَّ وَاِنَّکَ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَلَوْلَا اَنَّ اَھْلَکَ اَخْرَجُوْنِیْ، مَا خَرَجْتُ مِنْکَ ۞

بخدا، اے مکہ کی سرزمین، تو مجھے اللہ کی ساری زمین سے محبوب تر ہے اور بے شک تو اللہ کو بھی اللہ کی ساری زمین سے زیادہ پیاری ہے، اگر تیرے باشندوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔ (ترمذی شریف)

غارِ ثور میں قیام

غارِ ثور، موجودہ راستہ سے، شاہراہ یمن کی طرف مکہ سے پانچ میل دور ہے، اسے غارِ ثور اس لئے کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے، اس پر ایک مدت پہلے ایک شخص ثور بن عبد مناۃ نے قیام کیا تھا، لہٰذا اس پہاڑ کو جبلِ ثور کہا جانے لگا جبکہ اس کا اصل نام اطحل تھا اس غار کا منہ اتنا چھوٹا تھا کہ آدمی اس میں لیٹ کر ہی داخل ہو سکتا تھا اور اندر سکڑ کر ہی بیٹھ سکتا تھا، سفرِ ہجرت کی یہ پہلی منزل بحمد اللہ آج تک موجود ہے، زائرین اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقدر پر رشک کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلۂ جلیلہ سے اپنی خوش بختی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

شب تاریک میں اللہ کا نور، ﷺ اس غار کی طرف روانہ ہوا، صدیق اکبر نہایت مضطربانہ حال میں کبھی آقا ﷺ کے دائیں، کبھی بائیں اور کبھی آگے پیچھے چل رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا صدیق! یہ چلنے کا کونسا طریقہ ہے، عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ڈر رہا ہوں کہ کسی طرف سے دشمن حملہ آور نہ ہو جائے اور اللہ نہ کرے اگر ایسا ہو تو اس کا پہلا وار مجھ پر ہو اور آپ ﷺ کو کوئی زک نہ پہنچنے پائے، غار کے منہ پر پہنچے، تقاضۂ ادب تو یہی تھا کہ اس میں پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام داخل ہوں لیکن تقاضۂ خدمت یہ تھا کہ پہلے خادم اندر جائے، پس حضرت ابوبکر آگے بڑھے اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ پہلے میں اندر جا کر غار کی صفائی کر دوں، پھر سرکار رونق افروز ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوبکر کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اجازت دی، حضرت ابوبکر نے ایک درخت کی شاخ سے غار میں جھاڑو دی، اپنی چادر پھاڑ کر دھجیوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا، کپڑا ختم ہو گیا، ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا، جس پر آپ نے اپنی ایڑی لگائی اور پیچھے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ ایسی شکل اختیار کر لی جیسے قرآن کریم رکھنے کی رحل ہوتی ہے، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اندر رونق افروز ہونے کی درخواست کی، آپ ﷺ اندر داخل ہو کر کچھ اس طرح لیٹ سے گئے کہ آپ ﷺ کا مقدس سر ابوبکر کے زانو پر تھا اور پائے مبارک سامنے کی دیوار سے لگے ہوئے تھے، گویا ابوبکر قرآن کے لئے نہیں بلکہ صاحب قرآن کے لئے رحل بنے ہوئے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو آرام ملا، آپ ﷺ نے آنکھیں بند فرما لیں، عاشق کو موقع ملا، اپنی آنکھیں محبوب کے نورانی چہرے میں گڑا لیں، دیکھ رہے تھے اور اپنے مقدر پر ناز کر رہے تھے، اس مقام پر ذرا رکئے اور غور

Marfat.com

کیجئے کہ جس خوش نصیب کو قرب رسول ﷺ کا یہ موقع ملا ہے کیا کوئی امتی اس کی عظمت و رفعت کو چھو سکتا ہے اور کیا کسی کو ...... ایمان و تقویٰ، اس کے کمال ایمان و تقویٰ کا اعتراف کئے بغیر نصیب ہو سکتا ہے۔ عشق و محبت کی اس وارفتگی کے دوران ہی سوراخ سے ایک سانپ نے آپ کی ایڑی پر ڈسنا شروع کیا، وہ اپنا کام کرتا رہا لیکن عاشق اپنی کیفیت میں مست رہا، زہر کا اثر پورے جسم میں سرایت کر گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن کیا مجال کہ پائے ثبات میں حرکت آ جاتی، یہ ثبات کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو سوائے ابوبکر کے کسی کو نصیب نہ ہو سکا، ہاں جو رسول ﷺ کے عشق میں متوالے ہوتے ہیں انہیں ابوبکر کے صدقہ اس کا کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے، آج کی شب ابوبکر کو جو ثبات نصیب ہوا وہ دم آخریں تک ان کے عمل و کردار میں کارفرما رہا کہ دشوار سے دشوار ترین مرحلہ میں بھی وہ پیکر ثبات و استقامت نظر آتے ہیں، یاد کیجئے اس نازک موقع کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا اور یاد کیجئے اس اہم فیصلہ کو جو حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ کے لئے کیا۔

حضرت ابوبکر نے جن کے لئے یہ ایثار کیا وہ بھی کوئی معمولی ہم جیسا انسان نہ تھا بلکہ وہ اللہ کے بااختیار نبی ﷺ ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی قدرت کا مظہر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، جن کے پاس صرف زہر کا ہی تریاق نہیں بلکہ ہر مرض کا علاج موجود ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی، وہ طب القلوب بھی ہیں، عافیۃ الابدان بھی اور نور الابصار بھی ہیں۔ پس جب آنکھ کھولی یارِ غار کا حال دیکھا تو پوچھا کیا ہوا، عرض کی حضور! کوئی کیڑا ڈس رہا ہے، فرمایا دکھاؤ کہاں، آپ نے اپنی ایڑی دکھائی، سرکار نے اپنا لعابِ مبارک نکالا اور لگا دیا، لعاب کا لگنا تھا کہ زہر کا اثر کافور ہوا، سانپ نے سوراخ سے جھانک کر اپنے آقا ﷺ کی زیارت کی اور دوبارہ سوراخ کے اندر چلا گیا۔ یہ تھا اثر شافی الامراض، آقا ﷺ کے لعابِ مبارک کا، اسی لعاب سے حضرت قتادہ کی آنکھ کو شفا ملی، یہی لعاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیدائشی آشوبِ چشم کے لئے ذریعۂ شفا بنا، اسی لعاب سے کھاری پانی، میٹھا ہوا، اسی لعاب سے خشک کنوؤں کے سُوتے جاری ہوئے، گویا ہزار بیماریوں کا ایک علاج، میرے آقا ﷺ کا مقدس لعاب، پس سچ فرمایا حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے:

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے بہترین خلائق ﷺ! میں مصائب و آلام کے وقت آپ ﷺ کے سوا اور کس کی پناہ لوں یعنی مصیبت زدوں کی جائے پناہ، صرف آپ ﷺ ہی کی تو ذات مبارک ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا، حضرت صدیق اکبر کے پروگرام کے مطابق روزانہ اسماء بنت ابی بکر کھانا وغیرہ لے کر آتی تھیں، ابوبکر کے غلام مالک بن فہیرہ، روزانہ بکریاں چراتے یہاں آ جایا کرتے اور دونوں کو تازہ دودھ پلا کر واپس ہو جاتے، صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اہل مکہ کے حالات بتانے اور ضروری خبریں دینے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے، گویا پورا خاندان آقا ﷺ کی خدمت پر لگا ہوا تھا، قابل توجہ ہے یہ بات کہ ان میں سے مسلمان نہ ہونے کے باوجود کسی نے کفار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پتہ نہ دیا، حضرت اسماء کو تو مارا بھی گیا، آپ کا کان پھٹ گیا، کان سے بالی گر پڑی، پھر بھی کوئی ماں کا لال آپ کو مخبری کرنے پر مجبور نہ کر سکا، حتیٰ کہ غلام بھی ایسا وفادار جو کفار کی طرف

Marfat.com

سے اعلان کردہ دولت کے لالچ میں بھی مبتلا نہ ہوا اور کسی کو اس نے بھنک تک نہ پڑنے دی کہ حقیقت میں یہ سب وہ لوگ تھے جن کے قلوب پر ایمان کی جھلک پڑ چکی تھی اگرچہ اب تک زبان سے کلمہ نہیں پڑھا تھا، بالآخر ایک دن یہ سب مشرف با سلام ہوئے۔

ثانی اثنین کا اعزاز

عشق و محبت کے ساتھ خدمت رسول ﷺ کا جو صلہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا، اس میں سب سے بڑا اعزاز آپ کے لئے ثانی اثنین کا خطاب ہے، جو آقا ﷺ نے عطا فرمایا اور اللہ نے اس پر مہر تصدیق فرمائی، ''ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ'' کے قرآنی اعلان کا اب کون انکار کر سکتا ہے، یعنی پہلے رسول ﷺ، پھر دوسرے اور امت میں سب سے پہلے ابوبکر کہ اس کے بعد آپ ہر جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دوسرے نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ امامت پہلے حضور کا حق ہے تو آپ ﷺ نے اپنی موجودگی ہی میں یہ حق ابوبکر کو سونپا اور اسی بناء پر حضور ﷺ کے بعد صحابہ نے آپ ہی کو خلیفہ تسلیم کیا، آپ ہی حضور ﷺ کے بعد دوسرے قرار پائے جو حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں حضور ﷺ کے پہلو میں آرام فرما ہیں، یوم حشر اٹھنے والوں میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، حوض کوثر پر آپ ہی دوسرے ہوں گے، دخول جنت میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، غرضیکہ ثانی اثنین کا اعزاز آپ کے تمام اعزازت کی بنیاد ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ گویا آپ کی فضیلت و عظمت پر قرآن ناطق و شاہد ہے، جس کا انکار ضلالت و گمراہی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

ثانی اثنین کے اعزاز کی بناء یہ واقعہ بنا کہ کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتے کرتے، غار کے منہ پر آ پہنچے لیکن خیر الماکرین کی تدبیر دیکھئے کہ پہلے ہی غار کے منہ پر مکڑی کو جالا تان دینے کا حکم دیدیا گیا، ایک خاردار جھاڑی اگا دی گئی، جس پر کبوتر کے ایک جوڑے نے بحکم الٰہی اپنا گھونسلہ بنایا، انڈے دیئے اور کبوتری انڈے سینے بیٹھ گئی، یہ حال دیکھ کر کفار کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ غار کے اندر کوئی چھپا ہوگا، شیطان نے علقمہ ابن کرز کے دل میں بات ڈالی، وہ بولا ہمیں غار کے اندر دیکھنا چاہئے، فوراً ہی خیر الماکرین نے امیہ بن خلف سے کہلا دیا کہ اے علقمہ تو بھی عجیب بات کہتا ہے، یہ جھاڑی نہیں دیکھتا، کبوتر کا گھونسلہ تجھے نظر نہیں آ رہا اور یہ دیکھ مکڑی کا یہ جال تو محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا نظر آتا ہے، اب بھی تو کہہ رہا ہے کہ غار کے اندر دیکھو، کوئی اندر جاتا تو یہ سب کچھ کیسے باقی رہتا، بڑا ہی عقل کا اندھا ہے تو اسی دوران اپنی جان سے زیادہ عزیز جاننے والے عاشق کو بے چینی ہوئی، جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احساس فرماتے ہوئے پوچھا، کیا ہوا اے ابوبکر! عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ! دشمن غار کے منہ پر ایسا کھڑا ہے کہ اگر وہ اپنے پیر پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا، پھر تو بڑی ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، نبی ﷺ کا قلب مبارک نہایت پر سکون تھا، اللہ انہیں پہلے ہی تسکین و طمانیت کی نعمت سے نواز چکا تھا، ''فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ'' کا ارشاد اس حقیقت ہی کو بیان فرما رہا ہے، پس اللہ کے نبی ﷺ نے بڑے ہی اطمینان سے جو کچھ فرمایا اس کو قرآنی الفاظ میں ہم تک اس طرح پہنچایا گیا، ''لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس سے پہلے کے الفاظ ہیں، ''اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ'' یہ بات انہوں نے اپنے صاحب سے

Marfat.com

فرمائی، یعنی ابوبکر وہ صاحب رسول ﷺ ہیں جن کی صحابیت کا قرآن اعلان فرما رہا ہے، پس ان کی صحابیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی، اب ان کی صحابیت کا انکار، قرآن کا انکار قرار پائے گا۔

اس ارشاد کے بعد ابوبکر کو بھی بوسیلہ نبی ﷺ سکون حاصل ہو گیا جو ہمیشہ ہر موقع پر ان پر غالب رہا، انہوں نے سفر ہجرت کی منزلوں کو نہایت سکون سے طے کیا، وہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی ہر موقع پر، پرسکون نظر آتے ہیں، چاہے وہ مدینہ میں قیام کا مسئلہ ہو یا مہاجرین کی رہائش اور ان کے کاروبار کے مسائل ہوں، سیاسی امور ہوں یا تجارتی معاملات، منافقوں کی سازشوں اور کفار کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ ہو، میدان جہاد ہو یا زمانۂ امن، غزوۂ بدر کی فتح و کامرانی کا وقت ہو یا غزوۂ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی ایذاء رسانی کا پرآشوب مرحلہ ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ میں حالات کا مقابلہ ہو یا آپ ﷺ کے بعد بحیثیت خلیفہ قیادت کی عظیم ذمہ داری پوری کرنے کا دور ہو، بہر حال واقعات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکر ہر مرحلہ پر صحابۂ کرام کی نسبت سب سے زیادہ پرسکون رہے اور ہر معاملہ کو نہایت ہی اطمینان سے طے کرتے رہے اور کیوں نہ ہو کہ جب اللہ نے غار ثور میں اپنے نبی ﷺ کو سکینہ کی دولت سے مالا مال کیا تو اس وقت بلاواسطہ اس کا فیض حاصل کرنے والا، وہاں سوائے ابوبکر کے اور کون تھا۔

اس مرحلہ پر ایک نکتہ اور قابل توجہ ہے کہ واقعاتِ ہجرت میں آپ کو متعدد واقعات ملیں گے جو نہایت اہم بھی ہیں اور عجیب بھی مثلاً سراقہ بن مالک کا واقعہ، ام معبد کا واقعہ اور دیگر واقعات لیکن سوائے ایک واقعۂ ثور کے قرآن کریم نے کسی واقعہ کی طرف اشارہ تک نہ فرمایا، حتیٰ کہ اس اعزاز کا بھی ذکر نہ کیا گیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حضرمی چادر، اپنا مقدس بستر دیکر عطا فرمایا، سوچئے اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان تمام خدمات اور قربانیوں کا صلہ تھا جو اب تک آپ اسلام کے لئے کر چکے تھے اور جو آئندہ کرنے والے تھے، جن سے ہمیشہ کے لئے دین کی جڑیں مضبوط و مستحکم ہوئیں، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ'' کے خطاب سے انہیں نواز کر قیامت تک کے لئے ان کے منصب رفیع کو محفوظ فرما دیا، نیز یہ واضح کر دیا کہ صدیق اکبر کی یہ قربانی ایک نہایت ہی نازک وقت پر تھی، جس میں وہ تنہا ہیں، کوئی ان کا شریک نہ بن سکا، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> کاش میری ساری نیکیاں حضرت ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن کی نیکیوں کے برابر ہو جاتیں، رات، ہجرت کی رات اور دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا دن، جب آپ نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بچایا اور مسئلہ خلافت طے فرما کر مسلمانوں کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھا۔ (تفسیر خازن)

غرضیکہ تین دن غار ثور میں قیام کے بعد سفر ہجرت کا آغاز ہوا، حضرت ابوبکر کی پروردہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے، پہاڑوں، گھاٹیوں، وادیوں کا پرخطر راستہ ہے، جس کا آج تصور بھی ناممکن ہے، صرف دو مسافر ہیں، کھانے پینے کا سامان بھی پورا ساتھ نہیں، کبھی دور دور پانی نظر نہ آتا تھا، مزید برآں دشمن کے تعاقب کا خطرہ، کفار مکہ اعلان کر چکے تھے کہ جو بھی ان دونوں کو پکڑ کر لائے گا، اسے انعام واکرام

Marfat.com

سے نوازا جائے گا، اسی لالچ میں سراقہ بن مالک پیچھا کر رہا تھا غرضیکہ صعوبتیں ہی صعوبتیں تھیں لیکن جن پر اللہ پہلے ہی اپنی سکینہ نازل فرما چکا تھا، وہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی طرح رواں دواں تھے، تیز رفتار اونٹنیاں دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہی تھیں، اللہ کی نصرت وحمایت ہر حال میں ان دونوں کے ساتھ تھی، ''وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا'' ایک ایسا لشکر ساتھ تھا جسے کسی نے نہ دیکھا، سراقہ قریب ہونے لگا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنسنے لگا جو گرفتار کرنے آیا تھا وہ خود گرفتارِ عذاب تھا، امن کی بھیک مانگنے لگا، پیغمبر امن ﷺ نے معاف کیا اور ہمیشہ کے لئے امان کا وعدہ فرمایا، وہ انعام کا لالچی تھا، پس اسے انعام سے بھی نوازا کہ خوشخبری سنائی، اے سراقہ! ''كَيْفَ بِكَ اِذْ لُبِسْتَ سُوَارَیْ كِسْرٰی'' تیری خوشی کا اس وقت کیا حال ہوگا جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے، آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین کے بعد سراقہ مشرف باسلام ہوئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ ہرمز کے سامان سے مسجد نبوی ﷺ شریف کا صحن بھر گیا، اس میں خلیفۃ المؤمنین نے کسریٰ کے قیمتی کنگن دیکھے، آپ نے اٹھائے اور بآواز بلند فرمایا، اَيْنَ سُرَاقَةُ، سراقہ دوڑے بھاگتے حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو کر اللہ کا شکر کرتے ہوئے، مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہنا دیتے ہیں، اس واقعہ کو نصرتِ الٰہی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، اس سخت سفر میں اور متعدد واقعات ایسے پیش آئے جو یہ حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اللہ خیر الماکرین کی تدبیر غالب رہی اور کفار کی تمام تدابیر ملیا میٹ ہو گئیں، وہ ناکام ہوئے، نامراد ہوئے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہا اور اگر مؤمن اللہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے تو ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا، ''وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى'' کفار کے عزائم وتدابیر کو نیچا کر کے دکھادیا، ان کی قوت و طاقت کو پامال کر کے دکھا دیا تاکہ قیامت تک ہر دور کے اہل ایمان یہ یقین رکھیں کہ چاہے کچھ ہو جائے ''كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'' یہ اٹل فیصلہ الٰہی ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہے، ہمیشہ بلند رہے گا کہ یہ دین دبنے کے لئے نہیں، سربلند ہونے ہی کے لئے آیا ہے، یہ سربلند رہے گا، اگر ہم اس کی سربلندی کی خدمت انجام دیں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہے کہ ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سربلند ہو جائیں گے، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے ہمیں نیست ونابود کر کے اپنے دین کی سربلندی کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنا دے گا جو ہر اعتبار سے ہم سے بہتر ہوں گے۔ اسلام تو نورِ الٰہی ہے، آج تک کوئی چاند، تاروں اور سورج کا نور نہ چھین سکا، تو کس کے بس میں ہے کہ وہ نورِ الٰہی سے اللہ کی زمین کو محروم کر دے اور اشرف المخلوقات انسان ضلالت وگمراہی کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ (توبہ:۳۲)

(کفار) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور اللہ انکار (فیصلہ) فرماتا ہے مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے گا اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں اس کو کافر۔

کس قدر واضح اعلان ہے، اسی قسم کا ارشاد سورۃ الصف (۸) میں موجود ہے، نہایت سازگار حالات کے باوجود محمد

Marfat.com

اللہ،نورالٰہی اپنے کمال کو پہنچا اور اعلان کیا گیا''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ''، ہر چیز پر کمال کے بعد زوال ہے، سوائے نورِ الٰہی کے نیز اس نور سے مقدر والوں ہی کے قلوب چمکتے ہیں،''یَھْدِیْ اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ''فیصلہ الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے، اللہ اپنے نور کی طرف پہنچا دیتا ہے۔غرضیکہ نور الٰہی جب طلوع کے ابتدائی مرحلے میں تھا تو اس دور کی کوئی'' سپر پاور'' (قیصر وکسریٰ) اس کو نقصان نہ پہنچا سکی تو آج جبکہ یہ نور ساری کائنات میں چمک رہا ہے، نقطہ کمال پر پہنچ چکا جو اس کی ابدی منزل ہے، تو کونسی'' سپر پاور'' ایسی ہے جو اس کی شعاعوں کو مدھم کر سکے، اے اللہ! کرم فرما، ہمارے قلوب کو اپنے نور سے منور فرمادے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے اپنے کلمہ حق کی خدمت و بلندی کے کام کے لئے منتخب فرمالیا ہے، یہی تیرے نیک بندے ہیں،'' ربنا واجعلنا منھم واحشرنا معھم''

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقالہ ۵۵

التوبہ:۱۱۹

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

آیت مذکورہ میں اہل ایمان کے لئے دو ہدایات جاری فرمائی گئیں، ''اِتَّقُوا اللّٰہَ'' اللہ سے ڈرتے رہو، ''وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' اور سچوں کے ساتھ رہو، آیئے ان پر غور کریں اور ہدایت دینے والے سے دعا کریں کہ وہ ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ حقیقتاً وہی ہدایت دینے والا ہے۔

یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾ (البقرہ:۱۴۲)

(اللہ ہی) ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ (البقرہ:۲۱۳)

اور اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔

Marfat.com

لیکن یہ ہدایت بغیر تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتی، جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے، وہ فاسق ہیں اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (المائدہ:۱۰۸)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

اور جسے اپنے فضل وکرم سے اللہ نے ہدایت دے دی کوئی نہیں جو اسے گمراہ کر سکے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ (الزمر:۳۷)

اور جسے اللہ ہدایت بخش دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ زبردست انتقام لینے والا؟

پس اے اللہ! ہادی برحق ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستے کی طرف ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ سے ڈرتے رہو، اس طرح کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بسر کرو کہ یہی تقویٰ ہے اور تقویٰ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ ہے، یہی ایمان کا مقتضا اور مؤمن کی پہچان ہے، اسی کا نام ایمانی قوت ہے، یہ مؤمن کا حسن ہے کہ اس سے مؤمن کا چہرہ پرنور، پرکشش، بارعب ہو جاتا ہے کہ اپنے اس کی عزت کرتے ہیں اور غیر اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں، تقویٰ ہی بر (نیکی) ہے، متقی قیامت کے دن اللہ کی رحمت کا سایہ پائیں گے، انہی کے لئے اللہ کے پاس بہترین ٹھکانہ ہے، متقی کو اس کے اعمال پر اجر عظیم دیا جاتا ہے، جو تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، وہ ہر قسم کے خوف وغم سے آزاد ہو جاتا، پریشانیوں سے نجات پاتا ہے، اس کے لئے رزق کے غیبی ذرائع مہیا کر دیئے جاتے ہیں، اس کے کاموں کو سہل وآسان کر دیا جاتا ہے، اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اللہ اس کا کوئی عمل ضائع نہیں فرماتا، تقویٰ ہی آخرت کا بہترین توشہ ہے، ہر میدان میں کامیابی وکامرانی متقین ہی کا مقدر ہے، ''هُمُ الْفَآئِزُوْنَ'' تقویٰ، مؤمن میں فرقان کی صلاحیت پیدا کرتا ہے یعنی اس کے لئے حق وباطل، اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ صلاحیت اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، متقین ہی کے لئے قرآن بھی ذریعہ ہدایت ہے، متقین ہی سیدُ الاتقیاء ﷺ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوتے ہیں، تقویٰ، انبیاء علیہم السلام کا شعار ہے اور اسی کی تعلیم وتربیت کے لئے انہیں مبعوث فرمایا گیا۔

یہ عنوان گزشتہ صفحات پر کئی جگہ آ چکا ہے اسی لئے یہاں ہم اس کو مزید تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھ رہے، مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآنی آیات کی روشنی میں، تقویٰ کے کچھ فوائد عرض کئے ہیں جن سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، آخر میں اس سے متعلق سیدُ الاتقیاء ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

درج ذیل ارشاد، خطبہ حجۃ الوداع کا ایک حصہ ہے، اس خطبہ میں اہل ایمان کو نہایت اہم ہدایات دی گئیں بلکہ یہ

Marfat.com

امت کے لئے ایک نظام عمل ہے جو قائد امت ﷺ نے قیامت تک پیدا ہونے والے غلاموں کے لئے عطا فرمایا، راوی ہیں، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں خطبہ حجۃ الوداع میں میں نے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْ زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اُمَرَآءَ كُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ ۞

(اے لوگو) اللہ سے ڈرتے رہو، پانچوں نمازوں کی پابندی کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اپنے حکام کی فرمانبرداری اختیار کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ''اَكْرَمُ النَّاسِ''، کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَتْقَاهُمْ'' جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو، (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ'' اللہ کے نزدیک اکرم الناس وہ ہے جو تقی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو)۔ (بخاری شریف)

یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص سب سے زیادہ طاقتور بننے کی آرزو رکھتا ہے، ''فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' اسے اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور جو سب سے زیادہ غنی، دولت مند بننا چاہتا ہے، ''فَلْيَكُنْ بِمَا فِيْ يَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ بِمَا فِيْ يَدِهٖ'' اسے چاہئے کہ وہ اپنے قبضہ میں موجود دولت سے زیادہ اُس دولت پر یقین رکھے جو اللہ کے قبضہ میں ہے اور جو سب سے زیادہ مکرم و معظم (باعزت وباوقار) بننا چاہتا ہے، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ، اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرا کرے، (متقی بن جائے) (ابن کثیر)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ملاحظہ ہو، ہو سکے تو یاد کر لیجئے، راوی ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غناء کا۔ (مسلم شریف)

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

تقویٰ، بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور جسے یہ نصیب ہو گیا اسے بڑی ہی عظیم دولت مل گئی، جس کی حفاظت دنیا کی ہر دولت سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس پر ڈاکہ بہت جلدی پڑتا ہے اور ڈاکو کوئی کمزور انسان نہیں بلکہ وہ مکار وفریبی شیطان ہے جسے اللہ نے انسان کا عدو مبین بنا کر انسان کو باخبر فرما دیا ہے کہ بس یہی تمہارا بڑا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا، اس ظالم نے تو آدم وحوا علیہما السلام کو بھی نہ چھوڑا، وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ جنت کے محفوظ حصار میں۔ یہ کبھی انسان کی صورت میں ہمدرد بن کر آتا ہے اور کبھی جنات کے روپ میں۔ جو کام یہ کرانا چاہتا ہے، ان کاموں کو بڑا ہی پرکشش، نفع بخش بنا کر پیش کرتا ہے اور جو اس کا شکار بن جاتا ہے اسے بے یار و مددگار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت وخواری کے گڑھے

Marfat.com

میں ڈھکیل دیتا ہے اور خود اپنی کامیابی پر خوشی سے اچھلتا، کودتا ہے، پس جس کا یہ ساتھی بنا، ''فَسَآءَ قَرِیْنًا'' اسے بہت ہی برا ساتھی ملا، اب خسران، ذلت وخواری اس کا مقدر بن جائے گی۔

وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا (النساء:۱۱۹)

اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے تو اس نے نقصان اٹھایا، کھلا نقصان۔

غرضیکہ اس مکار ڈاکو سے دولت تقویٰ کو بچانا نہایت اہم ہے، جو تنہا کسی کے بس کی بات نہیں کہ تنہائی تو خود ایک کمزوری ہے۔ اس حالت میں تو عام دولت کی حفاظت عام چور اور ڈاکو سے ممکن نہیں تو دولت تقویٰ کو شیطان جیسے ڈاکو سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، اس کے لئے تو محافظین کی ایک بڑی جماعت، ایک بڑا اجری اور بہادر لشکر چاہئے، اسی جماعت اور لشکر کا نام ''اَلصَّادِقِیْنَ'' ہے، یہ جماعت ہے ان مقربین بارگاہِ الٰہی کی جو تقویٰ کے ایسے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں کہ اب اللہ اپنے خصوصی فضل وکرم سے خود ان کی دولت تقویٰ کا محافظ بن گیا ہے، ان پر ڈاکہ ڈالنا تو درکنار اب تو ڈاکو ان کے سایہ سے بھاگنے لگا ہے، پس جو ان کے حصار میں آگیا، ان سے وابستہ ہوگیا، ان کے دامن میں پناہ گزیں ہوگیا اس نے اپنی دولت کو محفوظ کرلیا۔ اب اسے چاہئے کہ جو جمع کرچکا ہے اس کی فکر نہ کرے، مزید آگے بڑھے، مزید کمائے جن کے ساتھ ہے ان کی تعلیم وتربیت پر عمل پیرا ہوکر اس دولت سے مالا مال ہوتا جائے حتیٰ کہ وہ ایک دن انہی جیسا ہوجائے گا، انہی میں اس کا شمار ہونے لگے گا کہ یہ جن کا غلام بنا ہے ان کا شیوہ کسی کو غلام بنائے رکھنا نہیں بلکہ غلاموں کو آقا بنادینا ہے، دیکھئے سیدُ الصادقین ﷺ نے اپنے غلاموں کو کس مرتبہ ومقام پر پہنچادیا کہ بکریاں چرانے والے بھی آقا بن گئے، صہیب وبلال (رضی اللہ عنہما) جیسے بھی ہمارے سر کا تاج بن گئے، ان کا احترام، ان سے محبت ہمارے تقویٰ کا ذریعہ ہے، ان کی عظمت کا اعتراف، ہمارے ایمان کی بقاء ہے، ان کے دامن سے وابستگی ہماری نجات کی ضمانت ہوگئی۔

امت مسلمہ پر اللہ کا یہ بڑا ہی کرم ہے کہ اس میں صادقین کا سلسلہ جاری ہے، جو متقین امتیوں کے تقویٰ کے محافظ ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہوا کہ ہر صادق اپنے غلام کو صادق بناتا رہا، یہ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، صابریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ کیا ہیں ان صادقین کے غلاموں کی ایک زنجیر ہے جو اپنے آقاؤں سے وابستہ ہوکر صادق بنے اور جو ان سے وابستہ ہوا اسے صادق بناتے رہے، انہی حضرات کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان:۱۵)

اس کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف مائل ہوا۔

اللہ کی طرف تو وہی مائل ہوا ہے جو اپنے میلانِ طبع اور خواہشاتِ نفس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا بلکہ اس کے شب وروز، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل میں بسر ہوتے ہیں، اس کا ہر عمل رسول ﷺ کی سنت کے مطابق اور حکم رب کا مظہر ہوتا ہے، وہ اطاعت وبندگی کا اس قدر عادی ہوجاتا ہے کہ اس کی طبیعت کا میلان شرعی احکام کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں ہوپاتا حتیٰ کہ اس کی سوچ اور فکر کا انداز بھی بدل جاتا ہے، یہی مومنین کاملین ہیں، جن کے دامن سے وابستہ

Marfat.com

ہونے اور ان کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، یہی اللہ کے وہ انعام یافتہ بندے ہیں جن کی راہ کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا اور ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ''جیسی عظیم دعا کرنے کی تعلیم دی گئی۔

صادقین کی چند خوبیاں: ۔ اللہ نے صادقین سے اپنی محبت کا اعلان کرتے ہوئے انہیں ان کے مراتب کے مطابق متعدد ناموں سے یاد فرمایا، وہ متقین ہیں اس اعتبار سے کہ تقویٰ و پرہیز گاری ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، وہ محسنین ہیں کیونکہ نیکی اور حسن سلوک ان کا وطیرہ ہے، وہ توابین ہیں کہ اپنے تقویٰ پر انہیں ناز اور گھمنڈ نہیں بلکہ اظہار عجز و نیاز کرتے ہوئے وہ اللہ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہی رہتے ہیں، جس سے ان کے مراتب مزید بلند ہوتے ہیں، وہ متطہرین ہیں کہ روحانی وجسمانی، ظاہری و باطنی نجاستوں سے وہ بچتے رہتے ہیں اور کمال تزکیہ وتطہیر کے لئے کوشاں رہتے ہیں، پس انہیں ایسی ردائے تطہیر نصیب ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ جو بھی اس میں پناہ لیتا ہے، نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ حضرات متوکلین ہیں کہ اللہ کی ذات وصفات پر انہیں ایسا غیر متزلزل اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل، اپنی محنت ومشقت کے ہر انجام کو خیر اور بھلا ہی سمجھتے اور اس پر راضی برضائے مولا رہتے ہیں، اللہ پر ان کا توکل واعتماد، وہ ان میں ارادہ وعزم کی تکمیل اور حصول منزل کے لئے اقدام کا ایسا حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ انہیں اپنی کامیابی وکامرانی میں کوئی تذبذب یا شک وشبہ نہیں ہوتا، چاہے حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں، ظاہری و مادی وسائل اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں، وہ توکل کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ''وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ'' اور اس یقین کامل کے ساتھ جب وہ اپنی منزل کی طرف قدم اٹھاتے ہیں تو کامیابی وکامرانی ان کے قدم بوس ہوتی ہے، یہی حضرات مقسطین کہلاتے ہیں کہ عدل وانصاف ان کا شیوہ ہوتا ہے یہ اپنی ذات کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ وہ اسے صرف اور صرف شرعی خواہشات کا عادی بنا لیتے اور ان ہی کو پورا کرتے ہیں، وہ اپنے معاشرے کے ساتھ بھی انصاف کرتے ہیں کہ ہر کسی کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں، یہی شاکرین ہیں کہ ہر حال میں شکر الٰہی ان کی عادت ہے، نہ تو مسرت وخوشی کے لمحات انہیں اعراض وروگردانی میں مبتلا کرتے ہیں اور نہ رنج وغم، مصائب وآلام کی آندھیاں انہیں مایوسی وناامیدی یا شکوہ سنجی کے خرمن میں ڈھکیل پاتی ہیں بلکہ جب وہ خوش ہوتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ''وَلَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ'' کے وعدۂ الٰہی پر یقین کرتے ہوئے مزید انعاماتِ الٰہیہ کے طلب گار ہوتے ہیں اور جب رنجیدہ وغمزدہ ہوتے ہیں تو عرض گزار ہوتے ہیں کہ اے رب کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اس سے زیادہ رنج وغم سے محفوظ رکھا کہ ہم ہی میں بہت سے ہم سے بھی زیادہ مصائب وتکالیف میں مبتلا ہیں، نیز ''وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ''، پر یقین کرتے ہیں، رب ہی سے التجا کرتے ہیں کہ مولیٰ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ السلام کے وسیلۂ جلیلہ سے اس مصیبت سے نجات عطا فرما، یہی لوگ صابرین ہیں کہ ہر حال میں صبر کر کے یہ نصرت ورحمت الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں، زندگی کے کسی موڑ پر یہ تنہا نہیں رہتے، اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے، زندگی کا ہر سفر ان کے لئے سہل وآسان ہو جاتا ہے، جسم کو چھلنی کر دینے والے کانٹے بھی ان کے لئے مہکتے پھول بن جاتے ہیں، ہر حال میں ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ'' کا ورد منزل کی

Marfat.com

طرف ان کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے، یہی صادقین ہیں جنہیں ولایت کا اعلیٰ منصب نصیب ہوتا ہے، جس کو پانے کے بعد یہ مستقبل کے خوف اور ماضی کے حزن سے آزاد ہو جاتے ہیں، استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر اللہ کے ایسے مقرب و محبوب بن جاتے ہیں کہ دنیا ہی میں فرشتے خوف و حزن سے آزادی کی خبر دیتے اور جنتی ہونے کا مژدہ سناتے ہیں جہاں یہ اللہ کے مہمان ہوں گے اور ان کی ہر خواہش پوری کر کے ان کی میزبانی کی جائے گی۔

اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہی ہے دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، تقویٰ اختیار کرو یہ تقویٰ تمہاری زندگی کو سہل و آسان بنادے گا تمہارے ظاہر و باطن کو حسین و جمیل کر دے گا کہ مومن کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا زیور نہیں ہو سکتا، نیز اپنے تقویٰ کی بقاء کے لئے، اس کے تحفظ کے لئے، اس کی نشوونما کے لئے، اس میں اضافہ کے لئے، صادقین کا ہاتھ پکڑ لو، ان کے مرید بن جاؤ کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب بن چکے ہیں، اللہ ان کے تقویٰ کا محافظ ہو گیا ہے، اللہ ہی کے فضل و کرم سے ان کے مراتب دن بدن بلند ہو رہے ہیں۔ ان کے دامن سے وابستگی، ان کی ارادت اور ان سے عقیدت، تمہاری دنیا و آخرت میں ترقی، عزت و عظمت کی ضمانت بنے گی، ان کے غلام بن کر تم آقا بن جاؤ گے، اگر تم انہیں قائد مان لو گے تو دنیا والوں کے قائد بن جاؤ گے۔

ہماری حالت

مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد ہم آپ کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ سوچئے ہم کس حد تک ان ہدایاتِ ربانی پر عمل پیرا ہیں، تقویٰ کی کتنی دولت ہم نے جمع کی ہے، اس کی حفاظت کے لئے ہم نے کسی صادق کا ہاتھ تھاما ہے یا نہیں، دوستو! اگر دیانت سے غور کیا جائے۔ تو ان سوالات کا جواب نفی ہی میں ملے گا ہمارے پاس تقویٰ کتنا ہے، اس کا جواب خود ہمارے اعمال اور ہمارے حالات دے رہے ہیں کہ اگر تم متقی ہوتے تو انفرادی و اجتماعی طور پر غم و اندوہ کی تاریکی میں غرق نہ ہوتے، ذلت و خواری کی دلدل میں پھنسے نہ ہوتے، قتل و غارت اور انتشار و افتراق کا شکار نہ ہوتے، امن و سکون کے لمحات کے لئے نہ ترستے، رہا دوسری ہدایت سے متعلق سوال کا جواب تو وہ بھی ہمارا حال دے رہا ہے۔ یہ گمراہ کن تصور عام ہے کہ پیری مریدی مذہب کے نام پر ایک دھبہ ہے، یہ ڈھونگ ہے، علماء و مشائخ کی صحبت وقت کا ضیاع ہے، ان کی صحبت کا وقت گیا جن کی محفلوں میں اللہ، رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دی جاتی ہے، احکامِ شرع پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے، یہ کوئی سوسائٹی نہیں، سوسائٹی تو کلبوں، ہوٹلوں، قمار خانوں میں ملتی ہے، جہاں ناچ ہو، جام ہو، شیطانی حسن ہو، عریانیت ہو، فحاشی ہو، اللہ ان بیہودہ خیالات سے محفوظ رکھے۔

دوستو! ان تصورات اور ان کی عملی صورت نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یہ تو آپ خود فیصلہ کیجئے۔ بس ہم اتنا عرض کر دیں کہ تقویٰ مومن کا زیور ہے، صادقین اس کے محافظ ہیں، ہم محافظین سے دور ہوئے تو ہمارا زیور لٹ گیا، اور بے زیور، نہ حسن رہتا ہے، نہ جمال، نہ کشش اور نہ ہی وقعت۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۶

التوبہ: ۱۲۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ (التوبہ: ۱۲۳)

اے ایمان والو! جنگ کرو ان کفار سے جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

قرآن کریم اہل ایمان کو کفار سے جہاد کی بار بار ہدایت فرماتا ہے ''وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً'' آیت مذکورہ میں جہاد کی ترتیب بیان کی جا رہی ہے کہ پہلے ان سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہوں۔ چونکہ جہاد ظلم وستم کو ختم کرنے کا دوسرا نام ہے، اس اعتبار سے ظالموں، کافروں کے لئے رحمت اور ان کی اصلاح کا ذریعہ ہے، لہٰذا جو قریب ہیں وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں ظلم وستم سے باز رکھا جائے، ان کی اصلاح کی جائے نیز ان کے شر سے محفوظ ومطمئن ہو جانے کے بعد دور والوں کی طرف رخ کیا جائے تاکہ وہ کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ کر سکیں، قریب والوں پر فتح وکامیابی حاصل کر لینے کے بعد

Marfat.com

آگے بڑھا جائے تاکہ وہ مرعوب ہو کر بآسانی مغلوب ہوسکیں، قرب چاہے رشتہ وتعلق کا ہو یا مکان کا ہو، پیغام الٰہی پہنچانے میں بھی اسی قرب کا لحاظ رکھا گیا، ''جیسا کہ نبی مکرم الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا'' ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' آپ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہلے اپنے خاندان کو دعوت حق دی، اہل مکہ کو دعوت حق دی، پھر آپ ﷺ نے عام اعلانِ حق فرمایا، جہاد میں بھی آپ ﷺ نے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا کہ پہلے حجاز اور عرب کے کفار سے جہاد کیا گیا پھر آپ ﷺ نے روم وشام کا رخ فرمایا غرضیکہ یہ اسلام کا نظامِ تبلیغ ہے جو فطری اور اصولی ہے۔جس طرح بلندی پر پہنچنے کی ابتداء پہلی سیڑھی سے کرنا ہی عقلمندی ہے اور کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے، اسی طرح تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق کی ابتداء میں قرب کا لحاظ ایک محفوظ اور کامیاب طریقہ ہے۔جس سے یقیناً منزل تک پہنچا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ پر ہمیشہ بارعب اور باوقار رہیں، بالخصوص جہاد کے موقع پر اظہار ''غِلْظَةً'' نہایت ہی اہم ہے کہ کفار مجاہدین اسلام کی چال، ان کے انداز گفتگو سے ان کی قوت وطاقت کا اندازہ کرسکیں اور انہیں اہل ایمان کے مقابلہ کے لئے سامنے آنے پر بار بار غور کرنا پڑے، وہ ایسے مرعوب ہوں کہ جب آمنا سامنا ہو تو پہلے ہی ان کی ہمت ساتھ چھوڑ چکی ہو، یہ دشمن پر غالب آنے کے لئے ایک نہایت ہی اہم ہتھیار ہے جو تمام ہتھیاروں سے زیادہ مؤثر اور ذریعہ کامیابی ہے۔لیکن یہ نہ تو کسی فیکٹری میں ڈھلتا ہے اور نہ ہی کسی بازار میں بکتا ہے، یہ صرف مؤمن کو اس کے ایمان کے کمال سے نصیب ہوتا ہے، جس کا اثر مجاہدین کے چہروں پر ایک نور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کفار کی آنکھیں خیرہ کردیتا ہے، اور ان میں اہل ایمان سے نظر ملانے کی ہمت باقی نہیں رہتی، اب ان کے ہاتھوں میں ان کی تلواریں بھاری ہوجاتی ہیں، ان کے تیروں کا نشانہ غلط ہوجاتا ہے، ان کے قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف پڑنے لگتے ہیں، کفر انہیں آگ کی طرف دھکیلتا ہے تو آگ کا خوف انہیں پیچھے ہٹنے، جان بچانے اور بھاگنے پر مجبور کرتا ہے، انجام کار وہ بہت جلد ذلیل وخوار ہوکر مغلوب ہوجاتے ہیں۔

حکم جہاد اور ہدایت ''غِلْظَةً'' کے ساتھ ہی یہ مژدہ بھی دیا جارہا ہے کہ متقین کے ساتھ اللہ کی حمایت ونصرت ہے، یعنی ضروری ہے کہ تم بالخصوص جب اللہ کے دشمن کے مقابلہ کا ارادہ کررہے ہو تو اللہ کا خوف تمہارے اوپر غالب ہو کہ اس مقابلہ کا سبب حدودِ سلطنت کی توسیع نہ ہو، حصولِ دولت مقصود نہ ہو، ذاتی انتقام کا خیال تک نہ ہو، صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو، اشاعتِ دین کے لئے، ظلم وستم کے خاتمہ کے لئے، کفر کی تاریکی کو اسلام کے نور سے چھانٹنے کے لئے ہو، نیز مجاہد کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو، اس کے قلب ودماغ پر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ طاری ہو، پھر وہ ثباتِ قلب وقدم اور استقامت واستقلال کی صورت میں اللہ کی مدد پاتا ہے نیز اس کی مدد کی جاتی ہے، ''بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا'' ایسے لشکروں سے جن کو ظاہر بیں نگاہیں دیکھ بھی نہیں پاتیں۔

جس طرح یہ ہدایت ان کفار کے ساتھ جہاد کے لئے ہے جو بظاہر تمہارے قریب ہوں اسی طرح اس نفس امارہ سے جہاد کے لئے بھی ہے جو بڑا ہی کافر اور ظالم ہے، جس کا شر وفساد سب سے زیادہ ہے کہ وہ ایسی خاردار جھاڑی ہے، جس میں

Marfat.com

مؤمن کا دامن تقویٰ پھنس کر تار تار ہو جاتا ہے، جو مؤمن کو آرام پسند اور عیش پرست بنا دیتا ہے، برائیوں پر آمادہ کرتا ہے، صالحیت سے متنفر کر دیتا ہے، مجاہد کو میدان جہاد سے گریز پر مجبور کر دیتا ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے اس سے جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا، ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ'' یہی قریب ترین دشمن ہے پہلے اس سے جہاد کر لو، اس میں ایمان کا نور پیدا کرو، اس کا تزکیہ کرو، تب اس پر تمہارے رب کی تجلی ہوگی، کفار سے جہاد کی ہمت پیدا ہوگی، اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہوگا اور تم متقی قرار پاؤ گے اور متقی ہی کو اللہ کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے، پس

اے ایمان والو! علم جہاد بلند کرو، اس حال میں کہ تمہارا قلب نورِ ایمان سے چمک رہا ہو، اس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہو رہا ہو، کفار تم سے مرعوب ہو رہے ہوں، اسلام کے نور سے پہلے ان کے قلوب کو منور کرو جو تمہارے قریب ہوں، پھر اسی شمع کو چار دانگ عالم میں ایسا روشن کر دو کہ اللہ کی زمین کا کوئی گوشہ اللہ کے نور سے محروم نہ رہے، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''سورۃ الحج''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
77 تا 78	57

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۷

الحج ۷۷ تا ۷۸

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۝ (الحج: ۷۷، ۷۸)

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں اور نہیں کی اس نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی، پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی، اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تا کہ ہو جائے رسول ﷺ گواہ تم پر

Marfat.com

اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین کے علمبردارو!) صحیح صحیح نماز ادا کیا کرو اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ (کے دامن رحمت) کو وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مددفرمانے والا ہے۔

سورۂ حج میں یہ ایک ہی مقام ہے جہاں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا ہے۔ان آیات میں جو ہدایات جاری کی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں رکوع کرو، سجدہ کرو، رب کریم کی عبادت کرتے رہو، ہمیشہ مفید و نیک کام کیا کرو، دین کی سربلندی وسرفرازی کے لئے ہر قسم کا جہاد کرتے رہا کرو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ پابندی سے ادا کیا کرو، اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔

رکوع وسجود

رکوع وسجود کا حکم دے کر درحقیقت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رکوع وسجود، نماز کے دو ایسے اہم رکن ہیں کہ صرف انہی سے نمازی کا نماز میں ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ عاجزی وانکساری اور بندگی کے اظہار کی واضح ترین صورتیں ہیں کہ نمازی اللہ کی کبریائی کے اعتراف، حمد وثناء اور تلاوتِ قرآن کے بعد اللہ کے حضور جھک جاتا ہے، گویا اب وہ اپنی کمزوری وناتوانی کا اعتراف کرتا ہے، پھر وہ اپنا سر تک زمین پر رکھ کر انتہائی ذلت وخواری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اللہ مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کی قدرت، قوت، رفعت وبلندی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے رحم وکرم کی بھیک مانگتا ہے، اسی لئے رکوع وسجود کی حالت میں اللہ کے کلامِ رفیع کی تلاوت ممنوع قرار دی گئی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نَهَانِی حَبِیۡبِیۡ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ اَقۡرَأَ رَاکِعاً وَّسَاجِداً'' میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے رکوع وسجود کی حالت میں تلاوت کرنے سے منع فرمایا اور بندہ جب رکوع اور سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے تو اس وقت اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے، لہٰذا اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی زبان سے ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ'' اور ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی'' کہے نیز رکوع وسجود پر خصوصی توجہ اور اس میں اعتدال کا حکم دیا گیا۔حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''لَا تَجۡزِیۡ صَلٰوۃَ الرَّجُلِ حَتّٰی یَقِیۡمَ ظَهۡرَهٗ فِی الرُّکُوۡعِ وَالسُّجُوۡدِ'' اس شخص کی نماز قبول نہیں جو رکوع اور سجدہ میں کمر سیدھی نہ کرے، یہ اعتدال اگرچہ احناف کے یہاں واجب نہیں، تاہم بعض آئمہ کرام نے اسے واجب قرار دیا ہے لیکن بہرحال اعتدال کا خیال نہ کرنا نماز میں کراہت کا باعث ضرور ہے، اسی لئے اسے نماز میں چوری قرار دیا گیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، سب سے بدتر شخص وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! نماز میں چوری کیسے ممکن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''لَا یُتِمَّ رُکُوۡعَهَا وَلَا سُجُوۡدَهَا'' کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کیا جائے، (یہ چوری ہے)

بالخصوص سجدہ نماز کا اہم ترین حصہ ہے، جس پر قرآنی آیت ''وَاسۡجُدۡوَا وَاقۡتَرِبۡ'' سجدہ کرو اور قرب الٰہی حاصل کرو، شاہد ہے اور سیدُ الساجدین ﷺ کا ارشاد ہے، ''اَقۡرَبُ وَاَنۡ یَّکُوۡنُ الۡعَبۡدُ مِنۡ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَکۡثِرُوۡا

Marfat.com

الدُّعَآءَ''، بندہ بحالت سجدہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، پس اس حالت میں دعا کیا کرو، گویا نماز کے علاوہ دعا کے لئے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے بھی بکثرت سجدے کرنا چاہئیں کہ جب بندہ عجز وانکساری کی اس انتہائی حالت میں رب کے قریب ہو کر روتا ہے تو رحیم وکریم مولیٰ اس پر نظر رحم وکرم فرماتا ہے، اسی لئے شیطان لعین کو سب سے زیادہ تکلیف ہمارے سجدوں سے ہی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ بارگاہ رب میں سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے، ''يٰوَيْلَتىٰ اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ'' ہائے افسوس انسان کو سجدے کا حکم دیا گیا، پس اس نے سجدہ کیا اور جنتی ہو گیا اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، میں نے انکار کیا تو میں جہنمی ہو گیا، سجدے کے عنوان پر ہم گزشتہ اوراق پر خاصی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، لہٰذا یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اللھم اجعلنا من الساجدین المخلصین۔

اللہ کی عبادت

نماز کے حکم کے بعد عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے تا کہ یہ غلط فہمی ختم کر دی جائے کہ صرف نماز ہی اللہ کی عبادت ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عبادت کے مخصوص اور ظاہری طریقے ہیں، جن سے مؤمن کو اصل عبادت کی تربیت ملتی ہے کہ اصل عبادت ہر جگہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے وجود کا احساس اور ہر حال میں اللہ کی اطاعت اور اتباع رسول ﷺ کا خیال ہے، رکوع وسجود میں اظہار بندگی کرنے والا مؤمن اس عظیم ذمہ داری کا حامل ہے کہ وہ اپنے ان تمام کاموں کو دین بنا لے جو دنیا والے صرف اپنے فطری تقاضوں اور نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے انجام دیتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مؤمن کا کوئی عمل اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو بلکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا خیال ہو، یہی تقاضائے بندگی ہے، یہی کمال عبدیت ہے، اسی صورت میں قرآنی ارشاد پر عمل ہو سکتا ہے۔''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ''میں نے جن وانس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، مؤمن کے لئے دنیا، دین کے سوا کچھ نہیں، دین ودنیا کی علیحدگی کا تصور بھی بڑی ضلالت وگمراہی ہے، جو عیش وعشرت پرستوں اور دنیا پسندوں کا پیدا کردہ ہے، اللہ اس سے محفوظ رکھے کہ یہ ایسے مفاسد کی بنیاد ہے جو دولت ایمان سے محرومی تک کا باعث ہو سکتے ہیں۔

نیک کام کیا کرو

خیر یعنی بھلائی ہر وہ عمل ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کیا جائے، ظاہر ہے یہ وہی تمام اعمال ہیں جن کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا اور انہیں خیر قرار دیا، اس کے برعکس شر ہے، یعنی ایسے اعمال جن کو شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا، یا عمل کرنے والے نے خود ہی اسے شر بنا لیا کہ کام تو درحقیقت بھلا اچھا اور جائز ہے لیکن اس میں ریا ونمود، خود غرضی، لالچ وغیرہ کے جراثیم شامل کر دیئے گئے، ایک شخص بڑا نمازی ہے لیکن صرف اس لئے کہ لوگ اسے متقی جانیں اس پر اعتماد کریں، کوئی حج کرتا ہے کہ لوگ اسے حاجی کہیں، زکوٰۃ وصدقہ دیتا ہے کہ لوگ اسے دولت مند کہیں یا اس کی چاپلوسی کرتے رہیں، روزہ رکھتا ہے صرف جسمانی صحت اور تندرستی کی غرض سے، غرضیکہ اس شخص نے خیر کو شر، صالحات کو سیئات بنا لیا، انسان

Marfat.com

جو بھی خیر یا شر کرتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا انجام ضرور پا لیتا ہے، ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ'' جس نے رتی برابر بھی کوئی بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے رتی برابر بھی کوئی برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔

خیر و شر، دونوں کا خالق بلاشبہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔ یہ دونوں راہیں یا دونوں قسم کے اعمال انسان کے لئے ذریعہ امتحان و آزمائش ہیں، ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً'' اور ہم تمہیں خوب آزماتے ہیں شر و خیر میں مبتلا کر کے۔ لیکن اللہ ہی نے انسان پر یہ کرم بھی فرمایا کہ خیر و شر کی دعوت و وضاحت کے لئے اس نے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل کیں تاکہ انسان تاریکی میں نہ بھٹکتا رہے، وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے بھلائی اختیار کرے اور برائی سے بچے، پس جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت پر توجہ تک نہ کی وہ کفر کے سمندر میں غرق ہیں، ان سے خیر کی توقع کیا کی جا سکتی ہے اور اگر انہوں نے فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر کوئی بھلائی کر بھی لی تو وہ ذخیرۂ آخرت کیسے ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ عمل خیر، مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تو نہیں کیا، نہ ہی اس سے ان کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے بلکہ اس سے مقصود صرف دنیاوی فائدہ ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے خیر کو اختیار کرے اور شر کی راہ سے دور رہے، اسی لئے ''وَافْعَلُوا الْخَیْرَ'' کی ہدایت خاص طور پر اہل ایمان کو کی جا رہی ہے کہ

اے ایمان والو! تم خیر کے ذمہ دار ہو، نیکی اور بھلائی تمہیں ہی زیب دیتی ہے، پس تم ہر حال میں، ہر وقت، نیک کام کرتے رہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے لئے کرتے رہو، اعمال میں خلوص لازمی ہے، اگر تمہارے اعمال سے خلوص کی چاشنی نکل گئی تو خیر، خیر نہ رہا۔ تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا کہ خود ہی خیر کو شر بنا لیا۔

آدمی عمل خیر کبھی اپنے لئے کرتا ہے مثلاً تمام عبادات جن کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور آخرت کی نجات ہوتا ہے، مثلاً سچائی اختیار کرنا، جس سے مؤمن کو دنیا میں بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ لوگ اس کو عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں، مشکل وقت میں اس کے کام آتے ہیں اور کبھی وہ خیر کی راہ دوسروں کے لئے اختیار کرتا ہے کہ ایسی بھلائیاں کرتا ہے جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر دینا، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کو سہارا دینا، ان کی مدد کرنا، اہل علم یا طالبین علم کی خدمت کرنا، اسی قسم کے اور بہت سے کام ہیں، جن سے اگرچہ دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن ان سے مقصود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہوتا، ایسے ہی کام کرنے والے مؤمن کے لئے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ''خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ'' لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنَّ مِنْ خِیَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا'' تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اخلاق و عادات کے اعتبار سے اچھے ہیں، غرضیکہ خیر کسی بھی نوعیت کی ہو، بہر حال اللہ کو مطلوب ہے، محبوب ہے، اہل خیر دنیا و آخرت میں عزت پاتے ہیں، اعمال خیر دنیا و آخرت میں بے شمار برکتوں اور اجر عظیم کا ذریعہ ہیں، ''لَعَلَّكُمْ

Marfat.com

تُفۡلِحُوۡنَ'' کا مژدہ، راہِ خیر اختیار کرنے کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے کافی ہے، اللہ توفیق دے۔

جہاد فی سبیل اللہ

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل ایمان کو بڑی تاکید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور دیگر عبادات کی طرح اسے بھی ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت اور اشاعت ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے ''رَبُّنَا اللّٰهُ'' کہنے والوں کا بلاخوف لَوۡمَةَ لَائِمٍ، ہر میدان میں ڈٹے رہنا حق جہاد ہے، میدانِ کارزار، گرم ہو تو اعدائے دین کے مقابلہ پر مؤمن سینہ سپر نظر آئے، حصول مقصد کے لئے جان جائے تو جائے لیکن پیٹھ نہ پھیرے، یہ حق جہاد ہے، ظالم و جابر دشمن برسر اقتدار ہو، اپنے ظلم و جبر سے دین چھڑانا اور چھیننا چاہے تو چاہے آگ کے انگاروں پر لوٹنا پڑے لیکن احد احد کی صدا دھیمی نہ پڑنے پائے، یہ حق جہاد ہے، جتنا ظلم بڑھتا رہے، اتنی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی رہے، حتیٰ کہ عاشق جان و مال، اہل و عیال کی پروا کئے بغیر وطن عزیز کو بھی قربان کر دے، یہ ہے حق جہاد، باطنی دشمن نفس امارہ کی خواہشات پامال کرنے کے لئے تڑپنا پڑے یا پھڑکنا پڑے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل میں سرِمُو فرق نہ آنے پائے، یہ حق جہاد ہے، گرمی، سردی، یا سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، نیند قربان کرنا پڑے یا آرام میں خلل واقع ہو لیکن فرائض کی ادائیگی میں تساہل نہ ہونے پائے، یہ حق جہاد ہے، سود، رشوت، جوئے یا دیگر حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت بآسانی میسر آئے لیکن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھنے پائے، یہ ہے حق جہاد، غربت و تنگدستی کے شب و روز بسر ہوں لیکن حرام کمانے یا کھانے کا خیال تک نہ آئے، یہ ہے حق جہاد، شراب نوشی، اس کے کاروبار، اس کی محفلوں، بروں کی صحبت سے دور رہا جائے، چاہے کوئی کتنی ہی ملامت کرے، یہ ہے حق جہاد، اہل خانہ و خاندان پر دین کی پابندی عائد کی جائے چاہے ان سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے لیکن کسی کی محبت دین پر عمل سے نہ روک سکے یہ ہے حق جہاد، حصول علم، خدمت علم و علماء کے لئے چاہے کتنی ہی دولت اور کتنا ہی قیمتی وقت صرف کرنا پڑے لیکن اس فریضہ میں کوتاہی نہ کی جائے، یہ ہے حق جہاد، رجعت پسندی، دہشت گردی جیسے گھناؤنے الزامات ہی کیوں نہ لگائے جائیں لیکن مُدَاهَنَتْ فِي الدِّيْن کے جرم کا ارتکاب نہ ہونے پائے، یہ ہے حق جہاد، غرضیکہ حق جہاد یہ ہے کہ دین کی ظاہری و باطنی سرحدوں کی، استقلال و استقامت اور ثبات قلب و قدم کے ساتھ حفاظت کی جائے، چاہے کسی قسم کی بھی قربانی دینا پڑے۔

مؤمن کے لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا کوئی دشوار نہیں کیونکہ اس کی نظر رب کریم کے ارشاد ''هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ'' پر ہے کہ رب نے تو اسے اس عظیم ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے منتخب فرما لیا ہے، اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ ساری کائنات میں رب کریم کی نظر انتخاب مؤمن پر پڑی، وہ منتخب قرار پایا اسے مالک نے اپنا سپاہی بنا لیا، اپنی فوج میں شامل کر لیا، دین کے محافظین کی فہرست میں اس کا نام آ گیا، اب اسے کسی سے کیا لینا اسے مالک حقیقی کی چاکری کرنی ہے، وہ اس کی جملہ ضروریات کا کفیل بنے گا، مؤمن کو اس مژدہ نے ایسا سرمست و سرشار کر رکھا کہ بس وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے، اسے ڈرایا جاتا ہے دھمکایا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری قومیں حتیٰ کہ ''سپر پاورز'' بھی تمہارے خلاف ہو گئی ہیں، تمہارا معاشی، معاشرتی

Marfat.com

اور سیاسی بائیکاٹ کردیا جائے گا تم اس دنیا میں تنہا رہ جاؤ گے لیکن مؤمن کا حال اللہ اکبر کیا ہوتا ہے۔ کاش ہم قرآن پڑھیں اور عمل کی نیت سے پڑھیں تو پتہ چلے کہ ہمارا کیا حال ہونا چاہئے، غور کیجئے اس آیت مبارکہ پر۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ (آل عمران: ۱۷۳)

یہ (مؤمن) وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے انہیں بتایا کہ کفار نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان جنگ اور لشکر) پس تم ان سے ڈرو تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

دیکھا آپ نے مؤمن کا حال کیا ہوتا ہے، دھمکیاں، سپر پاورز کے سپر لشکروں کے منڈلانے کی خبریں، مؤمن کو راہ حق سے بھٹکاتی نہیں ہیں، بزدل اور خوف زدہ نہیں کرتی ہیں بلکہ یہ حالات اس کی ایمانی قوت میں اضافہ کردیتے ہیں اور اس کا رونگٹا رونگٹا پکارتا ہے، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلِ'' ہمیں کسی کی پرواہ نہیں، جس نے ہمیں منتخب کرلیا ہے وہ ہماری قوت وطاقت کا اصل سرچشمہ ہے، اللہ ہمیں کافی ہے وہ دشمن کی ظاہری و پوشیدہ کارستانیوں کو خوب جانتا اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بہترین کارساز ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اہل ایمان کو کامیابی و کامرانی، امن وسکون اور شادمانی کا دور نصیب ہوا ہے، اسی حقیقت کا تصور ہتھیار اور ذریعہ بنا ہے اور آج کی طرح جب بھی مؤمن اس تصور سے محروم ہوا ہے، ذلت وخواری، ناکامی و نامرادی، اس کا مقدر بنی ہے۔ کاش ہم اس حقیقت پر غور کریں اور پھر ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کے ارشاد کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں، تو یقین جانئے، ہمارے دن پلٹ سکتے ہیں، ہمارا حال بدل سکتا ہے، پرسکون و پرامن اور باعزت زندگی کی بہاریں ہمیں نصیب ہوسکتی ہیں، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلِ۔''

حرج

بعض اوقات فرائض کی ادائیگی، احکام شرع کی پابندی، جہاد فی سبیل اللہ میں تنگی و دشواری کا احساس ہونے لگتا ہے اور اسی لئے تساہل پیدا ہوتا ہے جب بھی یہ کیفیت ہو تو یقین کرلیجئے کہ یہ وسوسۂ شیطان ہے کہ جب دنیا کا کوئی منصف ورحم دل حاکم اپنے ملازمین کو کسی دشواری اور تنگی میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا تو احکم الحاکمین جو بلاشبہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے، کس طرح گوارا فرماسکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری یا تنگی میں مبتلا کرے، پس یقین رکھو، کہ ''مَاجَعَلَ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' اس نے تمہیں کوئی ایسا قانون نہیں دیا جس سے تم تنگی میں مبتلا ہو، ''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَايُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' وہ تو تمہارے لئے سہولت و آسانی کے دروازے وا فرماتا ہے، تنگی وعسرت کے نہیں، وہ اپنے فضل وکرم سے بار بار تمہیں یقین دلاتا ہے کہ ہم تمہیں حرج میں مبتلا نہیں کر رہے دیکھو وضو اور غسل فرض کیا گیا لیکن پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تمہیں مٹی سے پاکی حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، کیوں صرف اس لئے کہ ''مَايُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ'' کہ اللہ

Marfat.com

تمہیں کسی تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا ہے، یہی اصول ہر اس مقام پر موجود ہے جہاں واقعی کوئی دشواری اور تنگی پیش آنا ممکن ہو، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے حکام چاہے کتنے ہی منصف اور اپنی قوم کے ہمدرد ہوں لیکن ان کے احکام میں حرج آ ہی جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت اور قوت برداشت کو نہیں جانتے جب کہ خالق انسان اللہ بخوبی انسان کی صلاحیتوں، اس کی قوت برداشت کو جانتا ہے، لہٰذا اس کے حکم میں حرج کا ہونا ممکن ہی نہیں، "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔"

اے ایمان والو! احکام شرع میں اگر تمہیں کس حرج، تنگی یا دشواری کا احساس ہو تو سمجھ لو یہ شر شیطان ہے، شر نفس ہے اور اس میں مبتلا ہونا ایسا مہلک مرض ہے جس سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے، پس جب بھی تمہیں حرج کا احساس ہو تو تم تساہل و سستی میں مبتلا ہونے کے بجائے مزید چاق و چوبند ہو جاؤ اور مزید محنت و مشقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرو۔

ملت ابراہیم علیہ السلام

اہل ایمان کو جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بھی نبی کی توہین مؤمن کو ایمان سے اسی طرح خارج کر دیتی ہے جس طرح حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم نے خصوصی طور پر ان سے امت مسلمہ کا تعلق ظاہر فرمایا اور اس امت کو ملت ابراہیم قرار دیا، حتیٰ کہ یہ بھی بتایا گیا کہ تمہیں جس نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہے، ان کی بعثت دعائے ابراہیمی ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کرتے ہوئے دعا فرمائی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرہ:۱۲۹)

اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول ﷺ انہی میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں، بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

پس اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اہل ایمان پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہیں بالکل ایسا ہی نبی عطا فرما دیا جیسا حضرت ابراہیم نے مانگا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں، "اَنَا دَعْوَةُ اَبِىْ اِبْرَاهِيْمَ" میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام امت مسلمہ کے محسن ہیں جنہیں یاد رکھنا اس امت کی ذمہ داری ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو ہمارے لئے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا، فرمایا گیا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ (الممتحنہ:۴)

Marfat.com

بے شک تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ (الممتحنہ: ۶)

بیشک تمہارے لئے ان (حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے اس سے، تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے، سب خوبیوں والا۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اداؤں اور بعض سنتوں پر عمل کرنے کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا تا کہ قیامت تک آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے اور نبی آخر الزماں ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہمیشہ ہمیشہ آپ کا ذکر جاری رہے، اہل ایمان کعبہ کا طواف کرتے ہوئے، سعی کرتے ہوئے، آب زمزم پیتے ہوئے، منیٰ کے قیام کے دوران، ہر لحہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں، پھر دنیا بھر میں دس، گیارہ، بارہ (۱۰، ۱۱، ۱۲) ذی الحجہ کے تین دن تو خصوصی طور پر آپ کی یاد کے دن ہو جاتے ہیں کہ اہل اسلام ان ایام میں قربانی کرتے اور آپ کے ایثار و قربانی کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں میں سے اہم سنت ہے جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ''سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ'' یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اس کے علاوہ ناخن تراشنا اور ختنہ کرانا بھی آپ ہی کی سنت ہیں، ان سنتوں پر عمل اور دین ابراہیم کی پیروی کی تاکید کرتے ہوئے ہی فرمایا گیا:

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (البقرہ: ۱۳۰)

اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنالیا ہو اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے چن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوں میں ہوں گے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ (البقرہ: ۱۳۵)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا، حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝
(آل عمران: ۹۵)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو تم دین ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور نہ تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ (النساء:۱۲۵)

اور کون ہے بہتر دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور اس نے پیروی کی دین ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنالیا ہے اللہ نے ابراہیم کو خلیل۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (انعام:۱۶۱)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے بیشک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک (جو) دین ابراہیم ہے، جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں میں سے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(النحل:۱۲۳)

پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف کہ پیروی کر و دین ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ملت ابراہیم کی اتباع و پیروی کی بار بار تاکید کی جارہی ہے ملت، سنت اور طریقہ کو کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ، ان کے احکامِ دین، فطری اور طبعی تھے جو ہر سلیم الطبع شخص کے لئے قابل قبول ہیں، بالخصوص ان کی اطاعت شعاری، ''اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کے عہد بندگی کو نبھانا، ایثار و قربانی، استقلال و استقامت، حلم و بردباری، خوش اخلاقی، خوش طبعی ان کی وہ عظیم خوبیاں تھیں جن کے باعث وہ اور ان کے ساتھی اس امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پائے۔ ہر دین کے دعویداروں نے انہی کی راہ اختیار کرنے کا دعویٰ کیا لیکن اس دین حنیف و قیم کے صحیح پیروکار نبی آخر الزماں ﷺ اور ان کے متبعین ہیں۔ اب جو بھی اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا متبع قرار دیتا ہے، اس کے لئے نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انہی کی اتباع سے اتباع ابراہیمی کا دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے، وہ خود مسلم ہوئے انہوں نے اسلام کو اپنایا، اپنے ماننے والوں کو مسلم قرار دیا، پس جو یہودی ہوا، جو نصرانی ہوا، وہ متبع ابراہیم علیہ السلام کیسے ہوسکتا ہے، قرآن سے پہلی کتابوں نے بھی یہی تعلیم دی اور قرآن بھی یہی اعلان کرتا ہے، پس

اے ایمان والو! اس رسول برحق ﷺ کی زندگی کے اوراق کو پلٹو اور ان کی اداؤں کو اپنا کر تم اپنے آپ کو اس قابل بنالو کہ تمہارا سراپا، تمہاری حقانیت پر گواہ بن جائے ''وتکونوا شھدآء علی الناس''، تمہیں دیکھنے، پڑھنے والوں کے لئے اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، تمہارا ہر عمل حق کی دعوت ہو،

Marfat.com

تمہارا جذبہ ایثار وقربانی، تمہاری بسالت وشجاعت کا انداز، تمہاری خوش اخلاقی اور تمہارا جرأتمندانہ انداز گفتگو، تمہاری آنکھوں سے چمکتا نورِ ایمان، تمہاری زبانوں پر جاری پیغام حق، جاہ پسندوں، عیش پرستوں، دولت و طاقتوں کے متوالوں، بڑے بڑے ظالموں، جابروں اور متکبروں کو، تمہارے آقا ﷺ کا غلام بننے پر مجبور کردے، یہ ہے تمہاری شان، یہ ہے تمہارا مقام لیکن یہ عظمت تمہیں اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب تم واقعی اپنے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو، ان کی اداؤں کے مطابق، احکام دین وشرع کی پابندی کرتے رہو، بالخصوص نمازوں کے پابند ہو، اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بالخصوص پابندی سے زکوۃ ادا کرنا تمہارے لئے بار نہ ہو نیز ایک اللہ کے بندے، ایک رسول ﷺ کے غلام، ایک قرآن کے امتی بن کر اللہ کے دین سے وابستہ ہو اور اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود تمہیں نہ تو اپنی قوت پر ناز ہو، نہ تقویٰ و پرہیز گاری پر بھروسہ ہو، نہ اپنی تدبیروں پر یقین ہو بلکہ تمہارا یقین کامل ہو کہ ''هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' صرف اور صرف اللہ ہی ہے جو بہترین کارساز ہے، نہ تو بگڑے کاموں کو بنا دینا اس کے لئے دشوار ہے اور نہ ہی کمزور کو قوت بخش دینا اس کے لئے مشکل ہے۔ وہ بڑی ہی قدرت والا ہے، پس وہی سب سے بہترین کارساز اور بہترین مدد فرمانے والا ہوسکتا ہے، اور ہے۔

هُوَ مَوْلٰكُمْ

''هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرِ'' قرآن کریم کا یہ ارشاد اہل ایمان کے لئے ہر حال میں بڑا ہی معاون و مددگار ہے، جس نے اس جملہ کو سمجھ لیا اور اس بات پر یقین کرلیا کہ میں تو اس رب حقیقی کا بندہ ہوں جو بڑی ہی قوت و طاقت والا ہے، ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' جس کی شان ہے، جو ''اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ'' بھی ہے، اور ''خَيْرُ النَّاصِرِيْنَ'' بھی، پس ایسے شخص کو قلبی سکون میسر آتا ہے، اسے ایسی قوت نصیب ہوتی ہے جو مادی وسائل سے حاصل نہیں کی جاسکتی ہے، یہی وہ اعتقاد اور یقین ہے جو مومن کو ایسا بارعب اور باوقار بنا دیتا ہے کہ دشمن اپنی بے پناہ قوت کے باوجود اس سے خوفزدہ ہونے لگتے ہیں، وہ ایک طرف تو اہل ایمان پر ظلم وستم کرتے ہیں اور دوسری طرف ان سے بچنے کے لئے اپنے گرد محافظین کا حصار بناتے ہیں، ماضی کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اور آج کے حالات بھی شاہد ہیں۔

یہ اتفاق ہے کہ آج (۲۱/اگست ۱۹۹۸ء) اس تحریر کے دوران خبر ملی کہ امریکہ نے افغانستان اور سوڈان پر اچانک حملہ کردیا ہے جس کا مقصد بقول ان کے دہشت گردوں کو تہس نہس کرنا ہے، امریکہ کی اس جارحانہ، ظالمانہ، اور نہایت ہی رکیک وذلیل حرکت نے دنیا بھر کے عام مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کردیا، ان میں جذبۂ ایمان بیدار کردیا، ان کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ''، ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' کی صدائیں گونجنے لگیں، کسی جلاوطن مجاہد نے جسے سب سے بڑا دہشت گرد کہا جاتا ہے، حملہ کرنے والے کو اسی ایقان واعتماد کے ساتھ للکارتے ہوئے کہا کہ اب کفر سے جنگ کا آغاز ہوا ہے اور انشاء اللہ وہ وقت آئے گا دنیا دیکھ لے گی کہ میں ہی صدر امریکہ کو قتل کروں گا، وہ شخص جس کے پاس نہ لاؤلشکر ہے، نہ حکومت وطاقت، اتنی بڑی بات کہتا ہے تو سپر پاور، ہونے کا دعویٰ رکھنے والوں کو اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے، اسے دیوانہ و پاگل سمجھ لینا چاہئے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس صدر امریکہ کو یہ پرفریب اعلان کرنا

Marfat.com

پڑا کہ ہماری جنگ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردوں سے ہے تا کہ اس اعلان سے اہل ایمان کا جذبہ سرد پڑ جائے، نیز حکومت امریکہ کو اپنے صدر اور دیگر حکام کی حفاظت کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا پڑیں جن کی دنیا کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، نہ جانے کتنی دولت یومیہ ان انتظامات پر صرف ہو رہی ہے، واشنگٹن ایئرپورٹ سے وائٹ ہاؤس تک ایک حصار ہے۔ جس میں داخل ہونے والا ہر شخص اپنے آپ کو قیدی محسوس کرتا ہے، اس سخت حفاظتی انتظام کے باوجود بھی نیندیں حرام ہیں، سیٹی غائب ہے، اب سوچ رہے ہیں کہ کس مصیبت میں پڑ گئے، بھڑوں کے کس چھتے میں ہاتھ ڈال دیا، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

سوچئے، یہ سب کیا ہے اس اعتقاد اور یقین کا اثر ہے جو ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' پر ایمان رکھنے والے مؤمن کو بارعب بنا دیتا ہے اور اسلام کے دشمن اس سے کانپنے لگتے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا صرف افغانستان، سوڈان، پاکستان کے عوام کی صدائے احتجاج کے نتیجہ میں ہوا ہے، کاش دیگر ممالک کے مسلمان بھی اسی طرح بیدار ہو جاتے، وہ بے شرم بادشاہ اور حکام جو ان حالات کے باوجود بھی اپنی عیاشی میں مست ہیں یا مصلحتوں اور حکمتوں کا شکار ہیں، کاش ان میں بھی ایمانی غیرت وحمیت پیدا ہو جائے، وہ بھی اپنے دشمن کو دشمن سمجھنے لگیں، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے وہ بھی اپنے محلوں سے باہر نکل آئیں، پھر سپر پاور ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو گھٹنے ٹیکتے دیر نہیں لگے گی اور دنیا کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سپر پاور صرف اور صرف اللہ ہی ہے، جو ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' ہے لیکن یقین کیجئے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اپنے غداروں کی حمایت واعانت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' ان کے لئے اللہ کافی ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کارساز اور مددگار کوئی نہیں، پس ہم دعا کر رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہماری بدعملی سے درگزر فرما اور اپنے دین کی بقاء کے لئے ان مجاہدین کی مدد فرما، جنہوں نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود، صرف اور صرف تجھ پر بھروسہ کر کے دشمن کو للکارا ہے کہ تو ہی ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سورۃ النور''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
58	21 تا 22
59	27 تا 34
60	58 تا 61

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۸

النور:۲۱۔۲۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(النور:۲۱،۲۲)

اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے بے حیائی اور برے کاموں کا، اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہاں اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور قسم نہ کھائیں جو برگزیدہ

Marfat.com

ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

ازلی دشمن

بلاشبہ شیطان، انسان کا ازلی دشمن ہے، جس نے اپنی دشمنی کا اعلان انسان کی پیدائش کے روزِ اول، اس زمین پر آنے سے قبل ہی کر دیا تھا، خالق انسان اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس کے چیلنج کو قبول فرماتے ہوئے اسے مردودِ بارگاہ کیا اور اسے اپنا کام کرنے کے لئے وقتِ معلوم تک کی مہلت دی، شیطان نے گمراہی کے جال میں انسان کو پھنسانے کا دعویٰ کرتے ہوئے خود ہی اپنی محدود قوت کا اعتراف بھی کیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

(ص: ۸۲، ۸۳)

کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔

اللہ رب العزت نے شیطان کے داؤں میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جانے والوں کے انجام کا اعلان فرمایا:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

(ص: ۸۴، ۸۵)

فرمایا میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔

اللہ قادر مطلق ہے اگر چاہتا تو انسان کے اس ازلی دشمن کو روزِ اول ہی کچل دیتا لیکن پھر انسان اس کمال کو کیسے پاتا جو اسے صرف اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ وہ شیطان کی پرکشش دعوت بغاوت کو مسترد کر کے اللہ کی اطاعت قبول کرتا ہے اور اس کی رضا کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے، اللہ کا اپنی محبوب و اشرف مخلوق پر یہ کیا کم کرم ہے کہ اس نے شیطان کی عداوت سے باخبر کرنے کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، ان کی عملی تشریح وتفسیر اور تعلیم کے لئے سلسلۂ انبیاء قائم کیا اور سلسلہ نبوت ورسالت ﷺ ختم فرمانے کے بعد ایسے نفوس قدسیہ کا سلسلہ جاری کیا جو قیامت تک نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں امت کو اس ازلی دشمن کے مکروفریب سے باخبر کرتے رہتے ہیں بچنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، ''فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ'' ایک عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

یہ عدو مبین، کھلا دشمن انسان کو جس کام پر بھی اکساتا ہے وہ اسے ''فَحْشَاءُ وَمُنْكَرْ'' ہی میں مبتلا کر دینے کے لئے

Marfat.com

ہوتا ہے۔ کفر وشرک میں مبتلا، بدنصیب لوگ تو فحشاء ومنکر کا مجسمہ ہیں ہی۔ اسی لئے قرآن کریم نے انہیں مجسمہ نجاست قرار دیا، ''اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ'' شیطان کو ان کی فکر نہیں کہ وہ تو اسی کے ہو چکے ہیں، وہ شیطان بن چکے ہیں، ان کے پاس کونسی دولت ہے، جس پہ شیطان ڈاکہ ڈالے، پس وہ اپنے مکروفریب کا جال اہل ایمان پر پھیلاتا ہے، ان کی دولت ایمان کو لوٹنا چاہتا ہے، بھیس بدل بدل کر ان کو بہکاتا ہے، ''یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ'' کبھی جن کی صورت میں خفیہ طور پر وار کرتا ہے تو کبھی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنی ہمدردی ومحبت کا ڈھونگ رچاتا ہے، دولت کی طمع میں مبتلا کرتا ہے، حسن وجمال کی زلفیں بکھیرتا ہے، عیش وعشرت کی چادر بچھاتا ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ'' بیشک شیطان انسان کی رگ وپے میں خون کی طرح سرایت کئے رہتا ہے، وسوسۂ شیطان سے میرے آقا ﷺ کی احتیاط ملاحظہ ہو، اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے ہم تک پہنچایا، بتایا کہ ایک تاریک شب اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے کہ کوئی صحابی قریب سے گزرے۔ آپ ﷺ نے انہیں روکا اور فرمایا دیکھو یہ عورت میری فلاں بیوی ہے، اس صحابی نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! جب میں کسی اور کے ساتھ بدگمانی نہیں کرتا تو کیا معاذ اللہ میں آپ ﷺ پر بدگمانی کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ''، بیشک شیطان انسان کے رگ وپے میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، کہ یہ ظالم دشمن کسی کو نہیں چھوڑتا، ہمارا شمار تو کیا، یہ تو غلاموں کو آقا ﷺ سے بھی بدگمانی میں مبتلا کر دیتا اور اس طرح انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بعض مسلمانوں کا انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بدعقیدگی میں مبتلا ہونا، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا جیسا انسان جاننا، آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بولنا، یا آپ ﷺ کے ارشادات واعمال پر شکوک وشبہات کرنا، کیا ہے؟ شیطانی وسوسہ کا انجام ہی تو ہے جو جہالت وکم علمی کے سبب پیدا ہوا اور گمراہی کا باعث بن گیا۔

بدعقیدہ لوگوں کا تقویٰ

یاد رکھئے، شیطان اعمال سے زیادہ عقائد پر حملہ کرتا ہے کہ جب عقیدہ ہی برباد ہو گیا تو اعمال خود بخود برباد ہو جاتے ہیں، جو العیاذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی میں مبتلا ہو گیا، اب اس کی عبادتوں کا ٹھکانہ کہاں رہا، جب رسول ﷺ کی عظمت ہی نہ رہی، تو لمبے لمبے سجدے کس کام کے رہے، نیز بدعقیدہ لوگوں کا ظاہری تقویٰ، شیطان کے مکروفریب کا ایک جال ہوتا ہے، جس میں لوگ بآسانی پھنس جاتے ہیں، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر بدعقیدہ لوگ شکل وصورت، لباس، انداز گفتگو سے بڑے ہی متقی نظر آتے ہیں، سر پر پگڑی، جیب میں مسواک، لمبا کرتا، اونچا پائجامہ، ان کا لباس ہوتا ہے، زبان ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہتے تھکتی نہیں، سنت رسول ﷺ پر عمل کے اظہار کے طور پر ایک عطر کی شیشی ہوتی ہے جس سے سب کو معطر کیا جاتا ہے لیکن وہ کبھی ختم نہیں ہوتی، کوئی بیمار ہو تو ایسے لوگ سب سے پہلے موجود ہوتے ہیں، کوئی مرجائے تو یہ لوگ آگے آگے نظر آتے ہیں، غرضیکہ ان کے تقویٰ وپرہیزگاری پر کسی طرح شک وشبہ نہیں ہو پاتا لیکن اللہ بچائے۔ ان کے قریب

Marfat.com

پہنچئے تو ان کے پاس، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی، صحابۂ کرام پر تنقید، اولیاء عظام کی توہین کے علاوہ کچھ نہ ملے گا، واضح احکامِ شرع کا انکار، ہر جائز و مستحب عمل پر حرمت کا فتویٰ، ان کی تبلیغ اور خدمت دین ہے، وسیلہ ناجائز، عقیدۂ شفاعت ضلالت، صلوٰۃ وسلام ناجائز، مزارات پر حاضری، چادر چڑھانا، منت ماننا، عرس کرنا، گیارہویں شریف کرنا، فاتحہ کرنا غرضیکہ یہ تمام مستحبات شرک ہیں، العیاذ باللہ، جبکہ امت کے یہی اعمال حصولِ تقویٰ، اشاعتِ دین کا ذریعہ ہیں، اسی لئے ہمارے علماء عوام کو ایسے لوگوں سے دور رہنے، ان کی محفلوں میں شریک نہ ہونے حتیٰ کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں کہ ان کا یہ ظاہری تقویٰ ہی شیطانی جال ہے، جس سے ایک سادہ لوح مسلمان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے۔

بدعقیدہ لوگوں کی آزادی

کچھ بدعقیدہ لوگ وہ ہیں جو دین سے دور اور بالکل آزاد ہیں، ان میں بدعملی اور بدکرداری عام ہے، ان کی تہذیب، ان کا تمدن بالکل یہودیوں یا عیسائیوں جیسا ہے، ان کی شکل وصورت، ان کا لباس، انہی جیسا ہے، مرد وعورت کے اختلاط پر ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں۔ محفلوں میں عورتوں کی شرکت بلکہ مردوں کی خدمت ان کے یہاں کا رواج ہے، مساجد میں مردوں کی طرح عورتوں کی آمد ورفت ان کے یہاں عام ہے، جلوس جنازہ میں ان کے یہاں عورتیں پیش پیش نظر آتی ہیں، مذہبی تہواروں، شادی بیاہ کے مواقع پر رقص، ناچ گانا ہوتا ہے، ایسے لوگ ترقی یافتہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہی لوگ مسلم دشمن قوموں کا آلۂ کار ہیں، یہ گروہ درحقیقت عیش پرست اور عیاش مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کے لئے شیطان کا جال ہے، جس میں پھنسنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ درحقیقت قرآن وحدیث کی بنیادی احکام کے منکر ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا انکار، احادیث کا انکار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار، ان کو آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار، دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا انکار، ان کے بنیادی عقائد ہیں، جن کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ ان کی آزادی، دین سے دوری، بدعملی اور بدکرداری ہے، جس کو عیاش قسم کے مسلمان پسند کرتے اور ان کے جال میں پھنس کر شیطان کا شکار بن جاتے ہیں، اللہ بدعقیدہ متقیوں سے بھی محفوظ رکھے اور بدعقیدہ، بدعمل و بدکردار لوگوں سے بھی بچائے۔

بہرحال شیطان خون کی طرح انسان کی رگوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور انسانوں ہی کے ذریعہ اس نے مختلف ناموں سے اپنے جال پھیلائے ہوئے ہیں جن سے وہ اہل ایمان کی دولت ایمان کو لوٹتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کردیتا ہے، یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس ازلی دشمن کے مکر وفریب کا پردہ چاک کیا، اسے ''عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ'' کھلا دشمن بتا کر اس کے فریب سے بچنے کی تاکید فرمائی، ملاحظہ ہوں وہ آیات، جن میں شیطان لعین کی اتباع و پیروی سے منع کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝ (البقرہ:۱۶۸)

اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال، پاکیزہ (چیزیں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ

Marfat.com

رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝ (البقرہ:۲۰۸)

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌۙ۝

(انعام:۱۴۲)

کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اے ایمان والو! کس قدر وضاحت اور تاکید کے ساتھ تمہیں شیطان کی اتباع و پیروی سے منع کیا جا رہا ہے اور تم ہو کہ پھر بھی باز نہیں آتے۔ تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو کہ شیطان کے کچے دھاگے میں جکڑے جاتے ہو، دیکھو بدعقیدہ لوگوں کی محفلوں میں شریک نہ ہو، ان کے قریب بھی نہ جاؤ، اگر وہ تمہیں عطر بھی دیں تو اس کی مہک تک سے بچو، ماڈرن بدعقیدہ تنظیموں سے بھی دور رہو، یہ تقویٰ کا فریب اور ماڈرن ازم کا سحر، شیطان کا جال ہے، شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، جس کے پاس تمہارے لئے سوائے فحشا و منکر کے کچھ نہیں، یہ تمہیں ذلیل و خوار کر دیتا ہے، در در کا بھکاری بنا دیتا ہے، تمہاری اس حالت پر خوش ہوتا ہے، اچھلتا کودتا ہے، ''فَسَآءَ قَرِیْنًا'' یہ بہت ہی برا ساتھی ہے، اس سے بچو، جب یہ قریب آئے تو پڑھو۔

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ''

شیطان لعین کے فریب سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ کے سوا کوئی سہارا نہیں، اگر اس کا فضل نہ ہو، اس کی رحمت شامل حال نہ ہو تو ''مازکی منکم من احد ابدا'' کبھی کوئی اس ازلی دشمن کے وار سے نہ بچ سکے، ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ'' یہ اللہ ہی ہے جو تزکیہ قلوب فرماتا ہے، دلوں کو ایمان کے نور سے منور و روشن کرتا اور شیطان کے وسوسوں سے بچاتا ہے، اگر اس کا فضل نہ ہو تو نہ تو کسی کا علم کام آ سکتا ہے اور نہ کسی کا تقویٰ، پس عجز و انکساری کے ساتھ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پڑھ کر اللہ کی پناہ مانگو وہ تمہاری درخواست پناہ کو سنتا اور تمہاری قلبی کیفیت کو جانتا ہے پس وہ تم پر فضل فرمائے گا اور تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔

کسی کی امداد بند نہ کرو

بوسیلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جملہ اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تم کسی ضرورت مند کی امداد صرف رضائے الٰہی کے لئے اپنے ذمہ لے لو، وہ ضرورت مند چاہے تمہارا عزیز ہو یا کوئی بھی غریب یا اللہ کی راہ کا مہاجر ہو، بہرحال اپنی ذمہ داری کو نبھاؤ جب تک اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے، اس کی امداد بند نہ کرو، محض اس لئے امداد بند کر دینے کا کوئی جواز نہیں کہ جس کی تم مدد کر رہے ہو اس نے کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف کیا، یا تمہاری کسی حق بات کی اس

Marfat.com

نے حمایت نہ کی، اس بناء پر تمہارا اس سے ناراض ہو جانا اور اس کی مدد نہ کرنا تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم اس کی مدد اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اپنی خوشی کے لئے اور اس کو اپنا تابعدار بنائے رکھنے کے لئے کرتے تھے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ تو تم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے تمہیں مدد لینے والا نہ بنایا بلکہ اس قابل بنایا کہ تم دوسروں کے کام آؤ، پس اللہ ہی کی رضا کے لئے تمہیں ضرورت مند کی مدد کرتے رہنا چاہئے، چاہے وہ تمہارا احسان مند ہو یا نہ ہو، تمہیں اس پر مزید احسان یہ کرنا چاہئے کہ تم اس کی ایسی غلطیوں کو معاف کرتے رہو اور ایسی باتوں سے درگزر کرتے رہو جو تمہیں پسند نہیں ہیں، اسی صورت میں تم اجر اور اللہ کے فضل کے مستحق ہو گے، جو بخشش و مغفرت کی صورت میں تمہیں ملے گا، دیکھو اللہ کیسا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، وہ تمہیں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، جبکہ تم صبح سے شام تک نہ جانے کتنے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہو، اللہ چاہتا ہے کہ ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' اس کے بندے اس کی صفات کا مظہر اور آئینہ بنیں، باہمی امداد، ہمدردی، محبت اور خوش خلقی، ایثار وقربانی کا ایسا پیکر بنیں، اپنے اعمال میں ایسے مخلص ہوں کہ خود غرضی اور ذاتی مفادات کا شائبہ تک نہ ہونے پائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کوئی مقصد نہ ہو، جیسا کہ معلم اخلاق ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ''لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ، وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُہٗ وَصَلَھَا'' صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے (اصل میں تو) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کی طرف سے قطع رحم کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

یعنی اخلاق کا کمال یہ نہیں کہ رشتہ داروں یا کسی سے بھی اس وقت تعلق قائم کیا جائے جب وہ تعلق قائم کریں، یہ تو بدلہ کہلائے گا، کمال اخلاق تو یہ ہے کہ لوگ تعلقات نہ رکھیں پھر بھی ان سے تعلق قائم کیا جائے، ان کی مدد کی جائے، ان سے ہمدردی کا اظہار کیا جائے، یہ صورت صرف اور صرف خلوص پر مبنی ہو گی، اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی ہو گا جو دنیا میں حصول برکات کا اور آخرت میں اجر و مغفرت کا یقینی ذریعہ ہے۔

سبب نزول آیت

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عزیز کی امداد بند کر دینے کا فیصلہ کیا، ہوا یہ کہ چھ ہجری غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر، جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک جماعت نے الزام لگایا، جسے واقعہ افک کہا جاتا ہے تو اس الزام سے نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلکہ حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید صدمہ پہنچا، لیکن منافقین کے ہاتھ ایک موقع آیا اور انہوں نے اس جھوٹی کہانی کو خوب اچھالا، گھر گھر پہنچایا، گلی کوچوں میں چرچا کیا، حتیٰ کہ بعض جلیل القدر صحابہ بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، اور اس الزام کو سچ سمجھ بیٹھے، انہیں میں جلیل القدر صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو بدری یعنی مجاہدین غزوۂ بدر میں سے ایک تھے، یہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے، نہایت غریب تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کی امداد کیا کرتے تھے، یہ حضرت بھی منافقین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، جب حضرت ابو بکر کو معلوم ہوا تو آپ کو

Marfat.com

بہت صدمہ ہوا، اس وقت تو آپ خاموش رہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کی برأت و پاکی کا اعلان فرمایا، قرآن کریم کی سورۃ النور کی دس آیات، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ اور امت کی ماں رضی اللہ عنہا کی صفائی اور پاکیزگی بیان فرمانے کے لئے نازل فرمائیں اور اس واقعہ کو کھلم کھلا بہتان قرار دیا تو منافقین کے منہ کالے ہوئے اور اہل ایمان کے چہرے کھل اٹھے، شرعی حکم کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن صحابہ پر حدِ قذف جاری فرمائی ان میں حضرت مسطح بھی شامل تھے یعنی ان پر پروپیگنڈے میں شامل ہونے کا الزام ثابت ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بے حد صدمہ ہوا کہ مسطح میرے دست نگر ہیں، میں ان کی ہمیشہ مدد کرتا ہوں اور وہ بھی اس جرم میں شامل ہوئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا، لہٰذا آپ نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے ان کے محبوب صحابی ابوبکر کو نہایت ہی محبوبانہ انداز سے متنبہ فرمایا کہ تم تو اولوالفضل ہو، صاحبِ حیثیت ہو، تمہیں زیب نہیں دیتا کہ کسی غریب کی امداد بند کرو، تمہیں تو چاہئے کہ اس غریب پر مزید احسان کرو، اسے معاف کر دو، اس کی غلطی سے درگزر کرو، کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے، جونہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وحی الٰہی سنی، عرض کرنے لگے، ''بَلٰى وَاللّٰهِ يَا رَبَّنَا اَنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَلَنَا''، اے اللہ! مجھے تیری قسم، ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے اور آپ نے پہلے سے بھی زیادہ حضرت مسطح کی امداد کرنا اور دلداری کرنا شروع کر دی۔

قابل غور

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی گناہ نہ کیا تھا کہ کسی کی مدد کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، صرف ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اگر اسے ترک کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اللہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل گوارا نہ ہوا کیونکہ آپ ایک عام مسلمان نہ تھے، بلکہ امت کے مقتدیٰ اور امت کے لئے اسوۂ رسول ﷺ کا نمونہ تھے، جن کے نقش قدم پر چلنا امت کے لئے فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے، نیز آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قدر قریب تھے کہ آپ نے بخوبی دیکھا کہ آقا ﷺ کس طرح اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، ضرورت مندوں کی امداد فرماتے ہیں، ابوبکر کا مقام تو یہ ہے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے اخلاق و کردار کا پیکر بن کر امت کے سامنے آئیں، پس اللہ نے ان کے اس بلند مقام کی حفاظت فرمائی اور انہیں بروقت متنبہ کیا کہ اے ابوبکر! تمہیں یہ عامیانہ حرکت زیب نہیں دیتی، نیز ان کی وساطت سے جملہ اہل ایمان کو بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے اخلاق کا ایسا اعلیٰ معیار زیب دیتا ہے کہ دنیا تم سے متاثر ہو اور تمہارے کردار کو اپنی عزت و عظمت کے لئے اپنائے، پس

اے ایمان والو! قرآن کریم کے اس ارشاد کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لو اور اُس کی اصلاح کرو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۹

النور: ۲۷ تا ۳۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى
اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا
فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

Marfat.com

بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ
لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ۭ اِنْ
يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا
تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ
يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ
مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

(النور: ۲۷-۳۴)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم
اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرلو اپنے گھروں میں رہنے والوں پر، یہی بہتر ہے تمہارے لئے شاید تم
(اس میں) غوروفکر کرو، پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان
میں یہاں تک کہ اجازت دے دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں واپس چلے جاؤ تو واپس چلے
جاؤ، یہ (طریقہ) بہت ہی پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے کوئی
حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور
اللہ جانتا ہے، جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو، (اے حبیب ﷺ) آپ ﷺ حکم دیجئے اہلِ
ایمان کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے
ان کے لئے، بیشک اللہ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں اور آپ ﷺ حکم دیجئے
ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا
کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالیں رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں
پر، اور نہ ظاہر ہونے دیں، اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے، یا اپنے
شوہروں کے باپوں کے لئے، یا اپنے بیٹوں کے لئے، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے، یا اپنے
بھائیوں کے لئے، یا اپنے بھتیجوں کے لئے یا اپنے بھانجوں کے لئے، یا اپنی ہم مذہب عورتوں کے لئے،
یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی

Marfat.com

تک) آگاہ نہیں ،عورتوں کی شرم والی چیزوں پر، اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تا کہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور نکاح کر دیا کرو، جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں ،غنی کر دے گا اللہ انہیں اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا ،سب کچھ جاننے والا ہے اور چاہئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے ،شادی کرنے کی قدرت، یہاں تک کہ غنی کر دے اللہ انہیں اپنے فضل سے اور جو مکاتب بنا چاہتے ہیں تمہارے غلاموں میں سے تو مکاتب بنالو انہیں اگر تم جانو ان میں کوئی بھلائی اور مدد کرو ان کی اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی باندیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہئیں تا کہ تم حاصل کرو (ان کی بدکاری سے) کچھ حصہ دنیاوی زندگی کا اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں تو بیشک اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا ،رحم فرمانے والا ہے اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف آیتیں روشن، نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے، نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیز گاروں کے لئے۔

معاشرت کی اہمیت

معاشرت یعنی رہنے سہنے کے انداز کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ معاشرت کا اثر انسان کی زندگی کے ہر شعبے پر ہوتا ہے، جن لوگوں کی معاشرت کی بنیاد صالحیت، نیک اعمال پر ہوتی ہے، ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت، امانت، صداقت جیسی خوبیاں نمایاں نظر آتی ہیں، ان کا پورا معاشرہ پرسکون ہوتا ہے، اس میں ہمدردی، محبت، ایثار و قربانی اور باہمی تعاون کے رنگ برنگے پھول کھلے نظر آتے ہیں، ان کی معیشت ان کے لئے سہل و آسان ہوتی ہے، جسکا سبب ان کا باہمی اعتماد ہوتا ہے، وہ لوگ دن بدن خوشحال ہوتے اور جلد ہی معاشی ترقی کی بلندیوں کو پا لیتے ہیں، غرضیکہ صرف معاشرت کی صالحیت ان لوگوں کو خوشحالی، سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے اور دنیا میں ان کو نہ صرف عزت و وقار حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کے رعب کے سبب ان کے حاسدین کی گردنیں بھی ان کے سامنے جھک جاتی ہیں لیکن اگر معاشرت کی بنیاد بدعملی اور بدکرداری پر ہو تو پوری قوم ہر اعتبار سے ذلیل و خوار ہو جاتی ہے کہ عیش و عشرت اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ صرف اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کے لئے انہیں صرف اور صرف اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے، پس ان کا پورا معاشرہ لٹیروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور ظالموں کا معاشرہ ہو جاتا ہے، جس میں نہ کسی کی عزت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، نہ دولت کو نہ عورتوں کی عصمت محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی حلال وحرام کا امتیاز باقی رہتا ہے، نفس کی خواہشات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو بغیر کسی امتیاز کے ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لئے جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی معیشت میں بھی کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں، بددیانتی، مکروفریب، جھوٹ جیسے قبائح کے ذریعے یہ لوگ دولت کماتے ہیں، ان کا کوئی

Marfat.com

کاروبار، سود، رشوت اور قرضوں کے بغیر نہیں چلتا، نتیجۃً سب ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، ان میں بدامنی اور غارت گری کی ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی اپنے معاشرے میں حالت تباہ ہو جاتی ہے وہ دنیا کی نظروں میں بھی گر جاتے ہیں، دوسری قومیں یا تو انہیں اپنا نوالہ بنالینا چاہتی ہیں یا الگ تھلگ ہوکر ان کا تماشہ دیکھتی اور ان پر ہنستی ہیں، اگر آپ حالات پر غور کریں تو آج ہماری دنیا میں بہت سے ایسے ممالک نظر آئیں گے جنہیں ان کے انداز زندگی، معاشرت نے تباہ و برباد کر دیا، وہ اپنی تعداد وسائل کی کثرت کے باوجود بے یار و مددگار ہیں، غارت گری اور بدامنی کا شکار ہیں، خود انہی کے لوگ بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

بہرحال معاشرت کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے، قرآن کریم جو تعمیر انسانیت کا بلاشبہ داعی اور ضامن ہے معاشرت کے ایسے اصول عطا فرماتا ہے جن کو اپنا لینا کامیاب، باوقار اور پرامن زندگی کی ضمانت ہے، دنیا کی کوئی کتاب ایسے اصولِ زندگی کی تعلیم نہیں دیتی جو بظاہر نہایت معمولی ہیں لیکن قرآن کریم انہی کی تعلیم کو اہمیت دیتا ہے کہ معمولی اور چھوٹے کاموں پر عمل ہی انسان کو غیر معمولی اور بڑے کاموں کا عادی بناتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے جو شخص دس کلو وزن اٹھانے کا عادی نہ ہو وہ پچیس، تیس کلو وزن ہرگز نہیں اٹھا سکتا، یا جو شخص ایک وقت کا کھانا نہ چھوڑ سکے وہ بوقت ضرورت پورے دن کا فاقہ کیسے کر سکتا ہے، شریعت مطہرہ کے احکام میں بھی محنت و مشقت، ایثار و قربانی موجود ہے، صرف اسی لئے کہ ان احکام کی پابندی مؤمن کو اس جہاد کے لئے تیار کر دے جو اصل عبادت اور مؤمن کی زندگی کا مقصد ہے۔

معاشرت کی اہمیت پر یہ چند سطور ہم نے اس لئے قلمبند کیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں انداز معاشرت ہی کی تعلیم دی جارہی ہے اور چند ایسے اصول بتائے جارہے ہیں جن پر مؤمن کی معاشرت کی بنیاد ہونی چاہئے، نیز ان سطور سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے ان چھوٹی اور معمولی باتوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی پابندی ہی سے معاشرے کی تعمیر ہو سکتی اور ایک پرسکون و باوقار معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے، آیئے اب ان ہدایاتِ ربانی پر غور کریں جو مذکورہ بالا آیات کے ذریعہ ہمیں دی جارہی ہیں اور جن کو ہمارے لئے خیر قرار دیتے ہوئے ان پر ہمیں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ فرمایا گیا، ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو۔

استیذان

استیذان یعنی اجازت مانگنا، اہل ایمان کو نہایت ہی کریمانہ انداز پر ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک اجازت نہ لے لیں، جس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ آنے والا اپنی آمد کی اطلاع کے لئے سلام کرے (اور اگر سلام کی آواز گھر والوں تک نہ پہنچ سکے تو کوئی بھی مروجہ طریقہ اختیار کرے، دروازہ کھٹکھٹائے یا بیل بجائے، بہرحال اطلاع دے) اور اس وقت تک انتظار کرے جب تک داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے اور اگر گھر والے اجازت نہ دیں بلکہ واپس ہونے کے لئے کہیں تو کسی قسم کی ناراضگی یا بدگمانی کے بغیر ''فَارْجِعُوْا'' واپس ہو جاؤ، (یا کوئی جواب نہ

Marfat.com

ملے، تب بھی بدگمانی نہ کی جائے، بلکہ یہ سوچ لیا جائے کہ گھر میں کوئی خاتون تنہا ہوگی، جس نے دروازہ کھولنا مناسب نہ سمجھا، یا گھر والا تنہا کسی ایسے کام میں مصروف ہوگا جس کے سبب جواب نہ دے سکا مثلاً غسل کر رہا ہوگا، نماز پڑھ رہا ہوگا، وغیرہ وغیرہ) ''هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ'' یہی تمہارے لئے ذریعہ پاکیزگی ہے، ہاں جو گھر ایسے ہوں جن میں عام داخلہ کی اجازت ہوتی ہے، جیسے سرائے، ہوٹل وغیرہ تو ان میں اجازت کے بغیر داخل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے کمرے جن میں لوگ رہتے ہیں ان کا حکم بھی گھروں جیسا ہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

یہ حکم قرآن ہے، اللہ رب العزت جل مجدہ کی ہدایت ہے جس پر عمل کرنا ہر مؤمن کے لئے واجب ہے، اس سے لاپرواہی گناہ ہے اور اس کو چھوٹی اور معمولی بات سمجھ کر قصداً ترک کرنا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، انکار آیت کے مترادف ہے، جو کفر ہے، اللہ محفوظ رکھے، خود نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دیکھئے کہ ایک دن آپ ﷺ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر طلب اجازت کے لئے فرمایا، السلام علیکم ورحمتہ اللہ، حضرت سعد نے سنا اور آہستہ سے جواباً عرض کیا، وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آواز نہ سنی اور دوبارہ سلام فرمایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ سے جواب دیا، جو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، تیسری بار پھر آپ ﷺ نے سلام دھرایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ جواب دیا، اس مرتبہ بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، آپ ﷺ تھوڑی دیر انتظار کے بعد واپس ہونے لگے تو حضرت سعد یارسول اللہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ! کہتے دوڑے، آپ ﷺ نے فرمایا سعد! ہم نے تین مرتبہ اجازت طلب کی لیکن تم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا اس لئے ہم واپس جا رہے تھے، سعد مؤدبانہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کا سلام سنا اور تینوں بار جواب دیا لیکن آہستہ تاکہ میرے آقا بار بار مجھے سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو، (سبحان اللہ، ان عاشقوں کا بھی کیا ایمان تھا کہ آقا ﷺ سے حصول برکت کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے، اس قسم کے متعدد واقعات احادیث مبارکہ میں پائے جاتے ہیں)

نبی مکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، اپنا نام بتائے اور داخل ہونے کی اجازت چاہے، اس سے قبل گھر والوں کی توجہ کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا جائے یا بیل بجائی جائے اور اگر دروازہ کھلا ہو یا اس پر پردہ پڑا ہو تو دروازے کے دائیں، بائیں اس طرح کھڑا ہو کہ اندر نظر نہ پڑنے پائے، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو ''لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَآءِ وَجْهِهٖ'' دروازے کے سامنے نہ کھڑے ہوتے تھے بلکہ ''وَلٰكِنْ مِنْ رُّكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ''، دائیں یا بائیں دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے (کیونکہ اس وقت اکثر دروازوں پر نہ کواڑ ہوتے تھے اور نہ پردہ وغیرہ ہوتا تھا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے آستانہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور علیہ

Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''مَنْ'' کون ہے ''قُلْتُ اَنَا'' میں نے عرض کیا، میں ہوں، یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَنَا، اَنَا'' میں تو میں بھی ہوں (یعنی طلب اجازت کے لئے نام بتانا چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ کون آنا چاہتا ہے، میں میں نہیں کرنا چاہئے، اس لفظ سے شخصیت کا پتہ کیسے چل سکتا ہے)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ جب میں حضور کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو طلب اجازت کے لئے عرض کرتا تھا، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَدْخُلُ عُمَرُ''، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر سلام ہو، کیا عمر حاضر ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوا اور کہنے لگا، ''أَ أَدْخُلُ'' کیا میں آ جاؤں حضور علیہ السلام نے اپنی باندی روضہ کو حکم دیا، جاؤ اسے اجازت لینے کا طریقہ بتاؤ کہ اسے کہنا چاہئے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَ أَدْخُلُ''۔

قرآن کریم نے دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کی ہدایت فرمائی لیکن احتیاط یہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو سلام وغیرہ سے اپنے آنے کی اطلاع کر دے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جب میں اپنی ماں کے پاس جاؤں تو کیا اس سے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت لوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس نے عرض کیا میں اس کے ساتھ اسی مکان میں رہتا ہوں (یعنی وہ گھر میرا ہی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا'' اس سے اجازت طلب کرو، پھر اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، میں تو اپنی ماں کا خادم ہوں، (یعنی بار بار آتا جاتا رہتا ہوں، پھر اجازت کی کیا ضرورت ہے) پس اللہ کے رسول ﷺ نے وضاحت سے فرمایا، ''اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا، اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاھَا عُرْیَانَۃً، قَالَ لَا قَالَ اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا'' اس سے اجازت مانگو کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو، عرض کیا نہیں، فرمایا پھر اجازت لے کر اندر داخل ہو۔

یعنی ممکن ہے کہ عورت ایسی حالت میں ہو کہ وہ اپنے قریب ترین مرد کے سامنے بھی اس حالت میں آنا گوارا نہ کرتی ہو، لہٰذا داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو ٹھیک کر لے، یہی حکم بھائیوں اور دیگر رشتے داروں کے لئے بھی ہے، حتیٰ کہ شوہر کو بھی اپنے گھر میں اجازت واطلاع کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگرچہ بیوی کا تو کوئی حال شوہر سے پوشیدہ نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ بیوی اس وقت اپنی کسی حالت کو شوہر پر ظاہر کرنا پسند نہ کرتی ہو، یا اس کے پاس کوئی دوسری عورت، رشتہ دار یا محلّہ وغیرہ کی آئی ہوئی ہو، خلاصہ یہ کہ ہر مرد یا ہر عورت کو، دوسرے کے یا اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا چاہئے یا آمد کی اطلاع کر دینا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میرے شوہر جب بھی باہر سے آتے تھے، تو کھنکارا

Marfat.com

کرتے تھے، یعنی اپنی آمد کی اطلاع کرتے تھے۔

حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیتیں تو اندر جاتی تھیں، اندازہ لگایئے کہ اُس دور میں عورتوں کو بھی شریعت کی پابندی کا کس قدر خیال رہتا تھا، جبکہ آج کی عورتیں تو نہایت اہم مسائل سے بھی واقف نہیں، شاید وہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت ہمارے لئے نہیں صرف مردوں کے لئے ہے، نمازوں تک کے متعلق شاید یہی خیال ہے کہ صرف مردوں ہی کو پابندی کرنا چاہئے، اللہ ہدایت دے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ استیذان کی ابتداء سلام سے کرنی چاہئے، پھر نام بتایا جائے، پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کی جائے کہ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَّمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ'' جو شخص پہلے سلام نہ کرے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو کہ سلام ایک دعا ہے، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ آنے والا دوست ہے، خیر خواہ ہے، ہمارے لئے دعا کرتا ہوا آیا ہے، نیز ہمارا مسلمان بھائی ہے، اس کا اسی طرح استقبال کیا جائے، جس طرح ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کا استقبال کرنا چاہئے، سلام کے بعد آنے والا اپنا نام بتائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس طرح اجازت طلب کی، ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ هٰذَا اَبُوْ مُوْسٰى، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ هٰذَا الْاَشْعَرِيُّ'' یعنی اپنا نام بھی بتایا اور ابو موسیٰ کے بعد اشعری کہہ کر اپنی شخصیت کی مزید وضاحت کر دی۔

استیذان قرآنی ہدایت ہے اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں بلا ناراضگی، ناگواری اور بدگمانی کے واپس لوٹ جانا بھی قرآنی حکم ہے۔ لہٰذا اجازت مانگنے پر بھی ثواب ملے گا اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس لوٹ جانا بھی ذریعہ ثواب ہوگا ناگواری اور بدگمانی کر کے اس ثواب کو ضائع کر دینا عقلمندی نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کے متعلق یہ خواہش منقول ہے کہ وہ اجازت طلب کریں اور اندر سے انہیں واپس ہو جانے کے لئے کہا جائے، کیونکہ اس سے نفس کا امتحان ہوتا ہے کہ یہ بات نفس پر اگر گراں گزرتی ہے اور وہ اس کو اپنی توہین و بے عزتی سمجھتا ہے تو اس کی مزید اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر وہ اسے اللہ کا حکم سمجھ کر بلا چون و چرا قبول کر لیتا ہے تو اس پر مؤمن کو اللہ کے شکر کا موقع ملتا ہے۔

استیذان کی حکمتیں

مؤمن احکام شرعیہ پر ایمان رکھتا ہے صرف اس لئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں اور ان پر عمل کرتا ہے، صرف اس لئے کہ ان کی تعمیل اور اس کے رسول ﷺ کی رضاء کا ذریعہ ہے اسے ایمان و عمل کے لئے احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں اطمینان قلب کے لئے شریعت اجازت دیتی ہے کہ احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر وہ حکمتیں اور مصلحتیں عقل میں آ جائیں تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اگر نہ

Marfat.com

آئیں تو اسے اپنی عقل کا قصور سمجھا جائے اور نہ ایمان میں خلل واقع ہو اور نہ ہی عمل میں کوئی کوتاہی ہو، پس استیذان بھی ایک شرعی حکم ہے، جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، اگر سمجھ میں آجائیں تو سبحان اللہ ورنہ عمل میں کوئی کمی واقع نہ ہونی چاہئے، چند حکمتیں ملاحظہ ہوں۔

ہر کسی کا گھر، اس کے راحت وسکون کی جگہ ہوتی ہے، جہاں وہ ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر آرام کرنا چاہتا ہے جن میں وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے جکڑا ہوتا ہے، ''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا'' اور اللہ نے تمہارے گھروں کو آرام وسکون کی جگہ بنادیا ہے، پس ان گھروں میں کسی کا بلا اجازت اچانک داخل ہونا، گھر والوں کے آرام وسکون میں خلل واقع کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا نہیں تو اور کیا ہوگا، نیز انسان اپنے گھر کی چہار دیواری میں بسا اوقات ایسے کام کرتا ہے جن سے وہ دوسروں کو باخبر نہیں کرنا چاہتا، یا ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ شرعاً اس حالت میں دوسروں کے سامنے آنا جائز نہیں، مثلاً عورتوں کو گھر میں جس طرح آزادی سے رہنے کی اجازت ہے، اس طرح دوسرے کے سامنے آنے کی اجازت نہیں، آپ غور فرمائیں اگر گھر میں کسی وقت بھی اچانک کسی کے آجانے کا امکان ہو تو نہ کوئی اپنا خفیہ کام کرسکتا ہے اور نہ ہی آزادی سے ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹھ سکتا ہے، علاوہ ازیں گھروں میں بلا اجازت آمد ورفت ہی سے بے حیائی، بے شرمی اور ناجائز تعلقات کا دروازہ کھلتا ہے، جس پر آپ خود غور کرسکتے ہیں آج کل کے حالات وواقعات پر نظر ڈالئے تو بآسانی یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ''لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطٰنُ'' کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ضرور ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے، یہ شیطان لعین ان دونوں میں برائی کے جذبات ابھارتا ہے، پس بلا اجازت گھروں میں آمد ورفت، بے تکلفی پیدا کرتی ہے، مرد وعورت کی ملاقاتوں کا اس سے بار بار موقع فراہم ہوتا ہے جو گناہ اور برائی کی راہ پر لے جاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں برائیوں نے جس کثرت سے جنم لیا ہے اس کا سبب وہ مواقع ہیں جو اجنبی مرد وعورت کو ملاقاتوں کے لئے بآسانی میسر ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے شریعت مطہرہ کے اس حکم پر عمل ترک کردیا اور ہمارے گھروں کے دروازے ہر وقت ہر کسی کے لئے کھلے پڑے ہیں، کوئی بھائی بن کر آرہا ہے تو کوئی دوست، کوئی پڑوسی ہے تو کوئی کاروباری، غرضیکہ مختلف غیر شرعی رشتے جوڑے ہوئے ہیں جن سے غیر شرعی جوڑے وجود میں آتے ہیں اور جب ان کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو ہم نے بہت سوں کو سر پیٹتے اور روتے دیکھا ہے، یہی بے تکلفانہ آمد ورفت گھروں میں چوریوں اور ڈکیتیوں کا ذریعہ بھی بنتی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے محتاط لوگ اپنے ملازمین کو بھی گھروں میں آنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ بہت سے لوگ تو عورتوں کو اپنے گھر میں ملازم بھی نہیں رکھتے اور بہت اچھا کرتے ہیں، صحیح کرتے ہیں، غرضیکہ ہمارے لئے شریعت مطہرہ کا سکون بخش سایہ موجود ہے، جس کی پناہ میں ہم پرسکون اور محفوظ زندگی بسر کرسکتے ہیں، یہاں ہماری جان ومال، عزت وآبرو اور ہر چیز کو تحفظ حاصل ہوسکتا ہے، لیکن کیا علاج ہے اس بے احتیاطی اور بیوقوفی کا کہ ہم خود ہی اپنا سب کچھ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے سامنے پیش کردیتے ہیں اور پھر روتے ہیں اپنی حماقت پر اور اسے نام دیتے ہیں بدنصیبی کا،

Marfat.com

خود کردہ را چہ علاج، دوستو یہ بدنصیبی نہیں، حماقت ہے، جسے ہم نے عقل وخرد کے دعوٰی کے باوجود جان بوجھ کر اختیار کیا ہوا ہے، یاد رکھئے صرف وہی مسلمان پچھتاتا اور اپنے کئے ہوئے پر روتا ہے جو شریعتِ مطہرہ سے فرار اختیار کرتا ہے، احکام شرع کی پابندی میں پچھتاوا نام کی کوئی چیز نہیں، وہاں تو صرف اور صرف تحفظ ملتا ہے، سکون ملتا ہے، اطمینان حاصل ہوتا ہے، تہذیب صرف وہ ہے جس کا حکم اللہ دیتا ہے اور جس کی تعلیم معلم اخلاق ﷺ نے دی ہے، اسی پر عمل کرنے والے مہذب ہیں، اہل خیر واہل عقل ہیں، پس

اے ایمان والو! ماڈرن نہ بنو، غیر مہذب نہ بنو، غیر محفوظ طرزِ زندگی اختیار نہ کرو، احکام شرع پر عمل پیرا ہو جاؤ جن میں سے ایک استیذان ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو اور اگر اجازت طلب کرنے پر کوئی جواب نہ ملے یا واپس ہونے کو کہا جائے تو ناگواری اور بدگمانی کے بغیر واپس ہو جاؤ، دیکھو اللہ رب العزت اسی طریقہ کو خیر، بھلا بہترین، ازکی، پاکیزہ، مہذب قرار دیتا ہے، دیکھو کتنی وضاحت سے تمہیں سمجھایا گیا، کتنے پیارے انداز سے تمہیں ہدایت کی گئی، اب بھی اگر تم اس پر عمل نہیں کروگے تو جان لو کہ ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ'' تمہارے اعمال کو اللہ رب العزت جل مجدہ خوب اچھی طرح جانتا ہے، اس سے تمہارا کوئی حال، کوئی عمل پوشیدہ نہیں، ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ'' جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو، اللہ خوب جانتا ہے۔

گناہ کا سدباب

گناہ کا سدباب اور گناہ سے بچنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسباب گناہ سے بچنے اور مواقع گناہ سے دور رہنے کو اتنا ہی برا نہ جانا جائے جتنا گناہ کرنے کو معیوب اور برا جانا جاتا ہے کہ انسان طبعاً گناہ اور بدکاری کی طرف نیکی کی بہ نسبت زیادہ جلد مائل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کام میں شیطان اس کا معاون و مددگار ہوتا ہے، ایک بچہ اسی چیز کی طرف جلد لپکتا ہے جو اس کے لئے مہلک یا تکلیف دہ ہوتی ہے مثلاً اس کے سامنے اگر آگ کا انگارہ آجائے تو وہ اپنے سب کھلونے چھوڑ کر اسی کو لے لینا چاہتا ہے، یہی حال انسان کا ہے کہ وہ اسی چیز کو، انہی کاموں کو پسند کرتا ہے جو اس کے لئے ہر اعتبار سے مضر اور مہلک ہوتے ہیں، پس عقلمندی یہی ہے کہ اس کو ان اسباب اور دواعی سے بھی بچایا جائے جو مہلک چیزوں پر اسے مائل اور آمادہ کرتے ہیں، یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ کلبوں کے سامنے ہی کھڑے ہو کر گاڑیاں چیک کی جائیں کہ کوئی شراب پی کر تو گاڑی نہیں چلا رہا ہے، جیسا کہ یورپ وغیرہ میں ہوتا ہے ذرا سوچئے کس قدر احمق ہے وہ شخص جو کسی پر پانی ڈال کر پھر اس سے پوچھے کہ تمہارے کپڑے کیوں گیلے ہیں:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں ڈھکیل دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ خبردار اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا، بہت بڑی زیادتی ہے، غرضیکہ ایسے عوامل ومحرکات پر پابندی عائد نہ کرنا جو انسان کی طبیعت میں ہیجان پیدا کریں اور پھر

Marfat.com

یہ خیال کرنا کہ ہم جرائم کو اپنے قانون کی قوت سے روک دیں گے، بڑی ہی حماقت ہے۔ دنیا کا جو نظام بھی ان عوامل و محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا وہ جرائم کا سد باب کرنے اور اپنے عوام کو برائیوں سے بچانے میں نہ تو مخلص ہے اور نہ ہی جرائم کو روکنے میں کامیاب ہوسکتا ہے، یہی وجہ کہ جن ممالک میں رقص و سرود، کلبوں اور ایسے دیگر عوامل پر پابندی نہیں وہاں بدکاریاں اور جرائم اتنے عام ہو چکے کہ ہر شخص انہیں اپنا حق سمجھنے لگا ہے، اپنی تہذیب کا حصہ جاننے لگا ہے اور حکومتیں اس بدحالی پر سینہ کوبی کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتیں۔

اسلام بلاشبہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسان کے فطری تقاضوں کا احترام بھی کرتا ہے اور ان کی تکمیل کا اہتمام بھی کرتا ہے لیکن اس طرح کہ انسان کا دامن اس چمن کے کانٹوں سے تار تار نہ ہونے پائے، انسانیت کی تذلیل نہ ہونے پائے، انسان جانوروں جیسی زندگی اختیار نہ کرنے پائے، اسی لئے اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا جو انسان کے لئے مہلک، مضر اور تکلیف دہ ہیں، اسلام عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیتا بلکہ اس عیش و آرام میں جو کانٹے ہیں ان کے قریب جانے سے روکتا ہے شراب، جوا، سود، رشوت، زنا وغیرہ انسان کا عیش و آرام نہیں بلکہ عیش و آرام کے کانٹے ہیں جو انسان کے جسم کو ایسا چھلنی کر دیتے ہیں کہ وہ زخموں کی اذیت سے تڑپ تڑپ کر ذلت و خواری کی موت مر جاتا ہے، ان مہلک امراض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دواعی سے بچایا جائے۔ جس طرح جسمانی امراض سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ صفائی کا اہتمام کیا جائے، صاف ستھری غذائیں استعمال کی جائیں تاکہ بیماری کے جراثیم پیدا نہ ہونے پائیں، اسی طرح برائیوں کے جراثیم کی پیدائش روکنے کے لئے لازمی ہے کہ برائی سے پہلے ہی جرثومہ کا خاتمہ کر دیا جائے، یعنی ایسے عوامل ہی کو ممنوع قرار دے دیا جائے جو انسان سے برائیوں کا تعارف کراتے اور ان کی طرف مائل کرتے ہیں، ان کی دعوت دیتے ہیں، دیکھئے اسلام شراب کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی خرید و فروخت پر بھی پابندی عائد کرتا ہے سود، رشوت، جواء اور دیگر غیر قانونی ذرائع آمدنی حرام قرار دیئے گئے تو فضول خرچی، عیاشی وغیرہ کی راہوں پر جانے کو بھی ممنوع قرار دیا کہ یہی راستے انسان کو حرام کی دولت حاصل کرنے کی طرف لے جاتے ہیں، اسلام زنا کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کے دواعی مثلاً عریانیت، غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط، ان کا آپس میں بے تکلفی سے ملنا جلنا بھی ممنوع قرار دیتا ہے، غرضیکہ اسلام کے احکام نہایت ہی مکمل اور مؤثر ہیں، انسان کے خود ساختہ قوانین کی طرح مضحکہ خیز نہیں، مثلاً غور کیجئے کہ کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ سگریٹ نوشی کو ایک مہلک مرض کینسر کا سبب قرار دیا جاتا ہے، جس سے روکنے کے لئے اشتہارات پر پابندی ہے، ڈیوٹی کے دوران پینے پر پابندی ہے، اب ہوائی جہاز میں بھی سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے لیکن کیا خوب کوشش ہے کہ اس کے بنانے پر پابندی نہیں، خرید و فروخت پر پابندی نہیں، ان غیر مؤثر پابندیوں کا انجام یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں نوے فیصد لوگ سگریٹ پیتے ہیں، جن میں دس سالہ بچوں اور بالخصوص عورتوں کی اکثریت ہوتی ہے، جبکہ کہا جاتا ہے کہ سگریٹ عورت کے لئے زیادہ مضر ہے کہ اس سے بہت جلد عورت چھاتی میں کینسر کا شکار ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ حاملہ ہونے کی صورت میں بچے پر بھی اس بری عادت کا اثر ہوتا ہے، غرضیکہ اسلام کے قوانین نہ تو نامکمل ہیں اور نہ مضحکہ خیز۔

Marfat.com

نظر بازی اور عریانیت

نظر بازی اور عریانیت ان بنیادی عوامل میں سے ہیں جو ایک اچھے خاصے معقول وشریف آدمی تک کو زنا جیسی بدکاری میں مبتلا کر دیتے ہیں، دنیا کی ہر قوم زنا کے مہلک اثرات کو تسلیم کرتی ہے اور جواب تک نہیں مانتے تھے ایڈز کی بیماری عام ہونے کے بعد وہ بھی مانتے ہیں، لیکن کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ اس سے روکنے کے لئے اس کے دواعی پر پابندی تو درکنار، زنا پر بھی پابندی نہیں بلکہ اسے انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق تسلیم کیا جاتا ہے اسے برائی تو سمجھا جاتا ہے لیکن ایڈز جیسی مہلک بیماری پیدا ہونے کے باوجود بھی اس پر پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ یہ تشہیر کی گئی کہ اس بدعملی کے لئے کنڈم استعمال کئے جائیں تاکہ یہ بیماری پیدا نہ ہونے پائے، لوگوں کو کنڈم کا عادی بنانے کے لئے اس کی تشہیر کی گئی، مفت تقسیم کئے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زنا کرو لیکن بیماری سے بچنے کی تدبیر کے ساتھ، اسی طرح دنیا کے ان قوانین میں زنا کی کوئی سزا نہیں آپ کو معلوم ہے کہ اسی سال ۱۹۹۸ء اگست میں دنیا کے مشہور ترین شخص، صدر امریکہ نے اپنے زانی ہونے کا اعتراف کیا لیکن اس کے لئے کوئی سزا نہیں، ہمیں تعجب ہے کہ جب کسی عمل کی سزا نہیں تو اسے یہ احمق جرم کیوں قرار دیتے ہیں، برا کیوں جانتے ہیں، اسی لئے صدر امریکہ نے اعتراف زنا کے ساتھ یہ بھی کہا کہ نہ جانے میری گرفت کیوں کی جارہی ہے جبکہ میرے ملک میں تو یہ عمل عام ہے یعنی ہر مرد وعورت زانی ہے اور شاید اسی لئے اس کی بیوی نے اس کی کوئی گرفت نہ کی۔

بہر حال، اسلام بازیچۂ اطفال نہیں، اس میں مضحکہ خیزی نہیں، اس نے اہل ایمان کو زنا کے مہلک اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے حرام قرار دیا، جرم قرار دیا تو اس کی سخت سزا بھی مقرر فرمائی اور اس کے دواعی پر بھی پابندی عائد کی اور اس طرح پابندی عائد کی کہ بواسطۂ صاحب قرآن ﷺ، مؤمنین ومؤمنات کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کیا گیا تاکہ مرد وعورت دونوں اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں، ہاں عورتوں پر مردوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ پابندیاں عائد کی گئی ہیں کیونکہ ہر عقل سلیم بلا پس وپیش اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ عورت اپنے حسن وجمال، اپنے جسم کے خصوصی نشیب وفراز اور اپنی نزاکت کے باعث مرد سے زیادہ بدکاری کا داعیہ ہے، یا یوں کہئے کہ عورت مرد کی کمزوری ہے کہ وہ نہایت آسانی سے قوی سے قوی مرد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ مرد اپنی ساری ذمہ داریوں اور پابندیوں کو فراموش کر کے بآسانی عورت کے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر مردوں سے غیر قانونی کام لینے کے لئے عورت کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نظر بازی ہی زنا وبدکاری کا پہلا باب ہے، جس طرح انسان کسی ہیبت ناک چیز کو دیکھ کر ڈرتا اور اس سے بھاگتا ہے، اسی طرح وہ کسی اچھی اور خوبصورت چیز کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے، مائل ہوتا ہے اور اس کو جائز وناجائز طریقہ سے حاصل کر لینا چاہتا ہے، نظر کا اثر انسان کے جسم وقلب دونوں پر ہوتا ہے، کسی چیز کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوتا ہے اور کانپنے لگتا ہے تو کسی چیز سے اسے سرور وشادمانی کا احساس ہوتا ہے، ''اَلْبَصَرُ هُوَ الْبَابُ الْاَكْبَرُ اِلَى الْقَلْبِ''، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ دلوں کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ نظر ہے، نیز بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ کا ارشاد ہے، ''اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ'' نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، ''مَنْ تَرَكَهَا

Marfat.com

مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِیْ قَلْبِهٖ''، جو میرے خوف کے باعث اسے (غیر محرم) سے پھیر لے تو میں اسے ایسا پختہ ایمان دونگا، جس کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا، گویا نظر بازی ضعفِ ایمان کا سبب بنتی ہے اور غضِ بصر، نظر کو جھکا لینا غیر محرم پر پڑنے سے بچانا، ایمان کی تقویت کا ذریعہ ہے، ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو کیا کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نظر اس طرف سے پھیر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے، دوسری گناہ ہے، یعنی پہلی نظر اچانک اور بلا ارادہ ہوگی، لہٰذا معاف ہے لیکن دوسری نظر یقیناً قصداً ہوگی، لہٰذا گناہ ہے، اس سے بچنا لازمی ہے اور اگر پہلی نظر بھی بالقصد ہو تو وہ بھی گناہ ہے۔

جس طرح مرد کے لئے غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ہدایت کی جا رہی ہے، ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ'' مسلمان مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ''، عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں کیونکہ مرد و عورت کے جذبات، خواہشات ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، جس طرح نظر مرد کے جذبات کو متاثر کرتی ہے، اسی طرح اس کا اثر عورت کے جذبات پر بھی ہوتا ہے، پس دونوں ہی کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، یہ واقعہ ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ! یہ تو نابینا ہیں، ہمیں دیکھ نہیں سکتے، ان سے پردے کی کیا ضرورت ہے، سرکار ﷺ نے فرمایا، تم تو نابینا نہیں ہو، انہیں دیکھ رہی ہو۔

غرضیکہ نظر بازی ہی جملہ مفاسد کی ابتداء اور جڑ ہے، یہ ہم عرض کر چکے کہ اسلام صرف کانٹوں سے بچنے ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ ان جھاڑیوں ہی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا حکم دیتا ہے جن کے کانٹوں سے مؤمن کا دامن تقویٰ تار تار ہونے کا امکان ہو۔

دوسری ہدایت حفاظتِ فروج کے متعلق ہے، یہ بھی مرد و عورت کے لئے ہے، ''وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ'' اور وہ (مرد) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، ''وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ'' اور وہ (عورتیں) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں اہل ایمان کی ان خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہیں، انہی میں ایک خوبی یہ بتائی گئی، ''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ'' اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس ارشاد میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں، انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ المعارج میں حفاظت فروج اہل ایمان کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

حفاظت فروج کا مفہوم آپ اس مثال سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ سے اگر کہا جائے کہ اپنی دولت کی حفاظت کرو تو اس کا منشاء کیا ہوگا، یہی نا کہ اپنی دولت کو بے جا خرچ نہ کرو، اس کے صحیح مصارف کو پہچانو اور صحیح مصرف میں خرچ کرو، نیز

Marfat.com

سب سے اہم بات یہ کہ دولت کو چھپا کر رکھو کہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے، ورنہ وہ تمہیں اس سے محروم کر دیں گے اور تم پچھتاتے رہ جاؤ گے۔ بس یہی مفہوم حفاظت فروج کا ہے کہ اپنی شرمگاہ کا غلط استعمال نہ کرو، زنا اور بدکاری نہ کرو، نیز عریانیت اور ننگا پن اختیار نہ کرو تا کہ کوئی تمہاری شرمگاہ پر بری نظر نہ ڈال سکے اور تمہاری عزت وعصمت لوٹنے پر آمادہ نہ ہونے پائے، اسی لئے لباس کو انسان کی عزت اور اس کے حسن و جمال کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، کیا خوب فرمایا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ''اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ'' لوگوں کی عزت ووقار کا ذریعہ لباس ہے، اچھے لباس میں مرد ہو یا عورت، سب اس کو اچھی اور عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، ننگا مرد ہو یا عورت سوسائٹی میں اس کی کوئی عزت نہیں کرتا، جو دیکھتا ہے بری نظر سے دیکھتا ہے، ہوس کی نظر سے دیکھتا ہے، تماشہ بناتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہی کے ساتھ بطور احسان لباس کا بھی ذکر فرمایا کہ یہ اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، ''يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا'' اے اولاد آدم! بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے، تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے، لباس سے شرمگاہ کی حفاظت بھی ہوتی ہے، اور جسم کے حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ابو مطر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا، اسے زیب تن فرمایا اور کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنِيْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ وَاُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ، ثُمَّ قَالَ، هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ''، یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے مجھے زینت کا لباس عطا فرمایا، جس سے میں لوگوں کے درمیان خوبصورتی حاصل کرتا ہوں اور اپنے ستر کو چھپاتا ہوں، پھر فرمایا اسی طرح میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے سنا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس ارشاد کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، وہ بروایت حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نیا کپڑا پہنا تو کہا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پہنایا ''مَآ اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ'' وہ جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں، ''وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ'' اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا، جب آپ نیا کپڑا، زیب تن فرماتے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَآ اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ پہنایا، جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا پرانا کپڑا اتار کر خیرات کر دے تو وہ زندگی اور موت کے اندر اللہ کی پناہ، اللہ کی حفاظت اور اللہ کے پردے میں رہے گا۔

(ترمذی شریف)

بہر حال لباس ستر چھپانے کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے زینت اور حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے لیکن احکام الٰہیہ سے بغاوت کرنے والا انسان بالکل ہی عقل سے پیدل اور عقل کا اندھا ہوتا ہے وہ کیا جانے کہ حسن و جمال کسے کہتے ہیں اور زیب و زینت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے، اسی لئے اس احمق نے بجائے لباس کے عریانیت، ننگے پن کو اپنایا، اور اسی کو حسن و

Marfat.com

جمال سمجھ بیٹھا، مغربی تہذیب نے عریانیت کو عروج بخش کر انسان کی جو توہین و تذلیل کی ہے، بس الامان والحفیظ، نظر پڑ جائے تو دیکھ کر گھن آتی ہے اور ان کی بدنصیبی پر ماتم بھی کرنے کو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بیچارے کپڑوں سے محروم ہیں، موسم گرم ہو تو بالکل ننگے، ٹھنڈا ہو تو بھی چست اور تنگ کپڑے، جن کپڑوں کے لئے ۵/۶ میٹر کپڑا درکار ہوتا ہے، شاید وہ دو میٹر ہی میں بنا لئے جاتے ہیں، خیر یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو قرآنی ارشاد کے مطابق جانوروں سے بدتر ہیں، وہ جانوروں ہی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، ہمیں تو افسوس اپنی قوم پر ہے جنہیں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے دعویٰ کے باوجود اپنی حالت کا احساس نہ رہا، عورتوں کا پردہ ہی ختم نہ ہوا، برقعہ ہی نہ گیا، سر سے دوپٹہ بھی اڑ گیا، ہاتھ ننگے، ٹانگیں ننگی نظر آنے لگیں، ساڑھی باندھنے والی بوڑھی جوان سب ہی کا پیٹ لٹکتا نظر آتا ہے، اس پر طرہ یہ کہ اسی حال میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے، یہ دین کا مذاق، احکام الٰہیہ کی توہین نہیں تو اور کیا ہے، یہی حال مردوں کا ہے، پینٹ اتنی تنگ کہ آپ یہ سوچتے ہی رہ جائیں کہ یہ بندہ اس میں گھسا کیسے ہے، ایک اور مسخرا پن ہے کہ مرد و عورت کے لباس کا فرق ختم ہو گیا، جوتا کپڑے سب کے ایک جیسے ہو گئے ہیں، اللہ ہی رحم فرمائے، نہ جانے انسان کو کیا ہو گیا ہے، یہ ذلت و خواری کی کتنی اور گہری کھائی تک جانا چاہتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں کتنی سہولت ہے کہ لباس کے معاملہ میں کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی گئی، جس میں پسند و ناپسند کا سوال پیدا ہو، نہ کوئی خاص رنگ متعین کیا گیا، نہ کوئی خاص ڈیزائن، نہ ہی کوئی یونیفارم مقرر کیا گیا، بس یہ بتا دیا گیا کہ لباس جسم ڈھکنے کے لئے ہے، لہٰذا ایسے کپڑے پہنو جس سے واقعی جسم ڈھکے، اگر کھینچ تان کر کپڑے چڑھا لئے اور جسم کا نشیب و فراز نظر آتا رہا تو لباس کا کیا فائدہ رہا، اسی طرح لباس زینت اور حسن و جمال کا ذریعہ ہے، پس ایسے کپڑے پہنو، جس سے تمہاری زینت میں اضافہ ہو، ایسے رنگ پہنو جن سے تمہارے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو، ایسے ڈیزائن پہنو جن سے تم مزید باوقار اور بارعب معلوم ہو، پھر مرد و عورت کا فرق ملحوظ رکھو کہ مردوں کی زینت اور عورتوں کی زینت میں فرق ہے، مثلاً عورتوں کی زینت چوڑیاں اور دیگر لوازمات ہیں، جو مردوں کی زینت نہیں، جنہیں مرد و عورت کی زینت کے فرق کا احساس نہیں، ان مردوں کو چاہئے کہ عورتوں جیسے لباس کے ساتھ وہ عورتوں کی طرح چوڑیاں بھی پہنا کریں، بہرحال مردوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ، ایسے ڈیزائن پہنیں جن سے ان کے وقار، رعب اور شخصیت میں اضافہ ہو اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ اور ڈیزائن پہنیں جن سے ان کی نزاکت، حسن و جمال اور کشش میں اضافہ ہو کہ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو لباس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

یہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اگر تم مجھ سے ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

(۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

(۲) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔

(۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔

(۴) وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔

Marfat.com

(۵) وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ، اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

(۶) وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

معلم اخلاق ﷺ ان اہم بنیادی امور کی تعلیم دے رہے ہیں جن پر معاشرے کا امن وسکون موقوف ہے اور جن کی پابندی اہل ایمان کے لئے ہر قسم کے انتشار وافتراق سے حفاظت کی ضمانت ہے، اگر آپ غور کریں تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا دشوار نہ ہوگا کہ آج مسلمانوں میں تعلیمات نبوی ﷺ کے برعکس جھوٹ، بددیانتی، وعدہ خلافی، نظربازی، ظلم وستم اور بے حیائی و بے شرمی کے امراض عام ہیں، اسی لئے مسلم معاشرہ، مسلم ممالک امن وسکون کی زندگی سے محروم اور انتشار وافتراق کا شکار ہیں، ایک بدترین معاشرے میں جو مفاسد ہوتے ہیں وہ تمام ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔

ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آقائے کائنات ﷺ کا، آپ ﷺ فرماتے ہیں'' مَنْ يَكْفُلْ لِيْ مابين لحيته وَبَيْنَ رِجْلَيْهِ اَكْفُلْ لَهُ الْجَنَّةَ '' جو مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جبڑوں کے درمیان یعنی زبان اور جو اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، یعنی جو مؤمن اپنی زبان کی حفاظت کرے اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، مالک جنت ﷺ اس کے لئے جنت کے ضامن ہیں اور آپ کی ضمانت غیر مشکوک اور یقینی ہے۔

ستر پوشی

مرد کا ستر جس کی حفاظت اور جس کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، ناف سے گھٹنوں تک ہے، جسم کے اس حصہ کو چھپانا فرض ہے، تنہائی میں بھی یہ حصہ برہنہ نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ غسل کے وقت بھی اس کو ڈھانپنا افضل ہے، سوائے بوقت صحبت اپنی بیوی کے سامنے برہنہ ہونے کے اگر کسی کا یہ حصہ کھلا ہو تو اسے دیکھنا بھی حرام ہے، اس مسئلہ کو وہ لوگ ذہن نشین کریں جو اپنے گھر میں گھٹنوں سے اونچا نیکر یا انڈرویر وغیرہ پہنے رہتے ہیں، نبی مکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا'' احفظ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ''، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوا اپنی بیوی یا باندی کے، صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ !'' اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِياً ''، اگر انسان تنہا ہو تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا،'' فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحىٰ مِنْهُ ''، اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے، یعنی اگر کوئی دوسرا نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو دیکھ رہا ہے اور اللہ سے زیادہ شرم وحیا کرنی چاہئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ران سے کپڑا سرک گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا،'' غَطِّ فَخِذَكَ فَاِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ '' اے حذیفہ! اپنی ران ڈھکو، کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔

ایک موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا،'' لَاتبرز فخذك ولا تنظر الى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ '' اپنی ران ظاہر نہ کرو اور کسی زندہ یا مردے کی ران کی طرف نہ دیکھو۔

عورت کا ستر، اس کا پورا جسم ہے، اسی لئے اسے عورت یعنی چھپنے والی کہا جاتا ہے، وہ عورت ہی نہیں جو اپنے آپ کو غیروں کی نظروں سے نہ چھپاتی ہو، ہاتھوں سے ٹخنوں تک اسے چھپا ہونا چاہئے، چہرہ بھی ڈھانپا ہونا چاہئے صرف آنکھیں

Marfat.com

اتنی کھلی ہوں کہ دیکھ سکے، وہ بھی نیچی نظروں کے ساتھ، اسی لئے عورت کے لئے ایسا لباس پہننے کی اجازت نہیں، جس سے اس کا پوری طرح ستر نہ ہو سکے، تفصیل آگے آتی ہے، انشاءاللہ، بہرحال

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، یہ ہدایت مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، یہی تمہارے لئے ''ازکی'' ہے، اس ہدایت پر عمل ہی سے تمہیں پرسکون، پاکیزہ معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے۔

عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات

اب عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات کا آغاز ہوتا ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اس کے جس کے ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں۔

۲۔ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینے کو ڈھانپ لیا کریں۔

۳۔ زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی پوشیدہ زینت و آرائش ظاہر ہو۔

ان تینوں امور کی پابندی ہی کا نام پردہ ہے کہ عورت باہر نکلتے وقت ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے جس سے اس کے جسم کا نشیب و فراز چھپ جائے، بالخصوص سینہ جو عورت کے حسن کا مرکز ہے اور جو مرد کی نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسے اس طرح ڈھکنا چاہئے کہ اس کا ابھار ظاہر نہ ہو، نیز اس کی چال ایسی ہو کہ اس کے زیورات کی آواز سنائی نہ دے اور نہ ہی جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہونے پائے، ورنہ برقعہ اور پردہ کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا، اسی لئے شریعت مطہرہ نے کامدار، کڑھے ہوئے خوبصورت برقعے پہننا ممنوع قرار دیئے، نیز صرف ایک چادر اس طرح لپیٹ لینے کی بھی ممانعت کی گئی جس میں جسم کے حصے نظر آئیں اور جسم کی حرکت تک نظر آئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا، ''وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّآءَ'' اور یہ کہ ایک ہی کپڑے میں پوٹ بن جائے، یعنی صرف ایک چست چادر لپیٹ لی جائے، یا نہایت چست اور تنگ لباس پہنا جائے نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَوْيَحْتَبِىَ فِىْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ'' یا ایک ہی کپڑے کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ شرمگاہ کھلی رہے، بہرحال برقعہ ہو یا چادر، اتنا ڈھیلا ہونا چاہئے کہ اس میں چلنا آسان ہو اور اس کے جسم کے خفیہ اعضا، نشیب و فراز ظاہر نہ ہوں، اسی طرح تنگ و چست اور باریک لباس مسلم خواتین کے لئے جائز نہیں، ایک مرتبہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بنوتمیم کی چند عورتیں حاضر ہوئیں، جن کا لباس باریک کپڑے کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنْ كُنْتُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَيْسَ هٰذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ وَاِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مُؤْمِنَاتٍ فَتَمَتَّعْنَ'' اگر تم مسلمان عورتیں ہو تو یہ مسلمان عورتوں کا لباس نہیں اور اگر تم غیر مؤمنات ہو تو جو چاہو کرو، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''نِسَآءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ وَّاٰنِلَاتٌ مُّمِيْلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ مِثْلُ اَسْنِمَةِ الْبُخْتِ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا'' کچھ عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں، وہ ناز و ادا سے جھکتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، ان کے سر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بخت نسل کے اونٹوں کے کوہان، یہ عورتیں جنت میں نہ جائیں گی، بلکہ انہیں جنت

Marfat.com

کی ہوا تک نہ لگے گی۔

بغور بار بار پڑھئے میرے آقا مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد کو اور نظر ڈالئے اپنے گردوپیش پر، کیا آپ کو تنگ و چست اور مہین کپڑوں میں ایسی عورتیں نظر آرہی ہیں جو لباس کے باوجود ننگی ہیں، کیا آپ کو کوئی محترمہ نظر آرہی ہیں جن کا پیٹ کھلا ہوا ہے حالانکہ وہ سات میٹر کی لمبی چوڑی، قیمتی ساڑھی لپیٹے ہوئے ہیں، دیکھئے ان حسیناؤں کو جنہوں نے اپنے سروں پر بڑے بڑے جوڑے رکھے ہوئے ہیں، بالکل جیسے اونٹ کا کوہان، سنا دیجئے ان عورتوں کو میرے آقا ﷺ کا ارشاد کہ تمہارے لئے جنت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، تمہیں جنت کی ہوا تک نہ لگے گی، اے اپنے اوپر ظلم کرنے والی خواتین، کیا فائدہ تمہارے کلمہ پڑھنے کا، کچھ تو شرم کرو، جس کا کلمہ پڑھتی ہو، کچھ تو اس کی لاج رکھو، آؤ ابھی وقت ہے، توبہ کرلو، اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پردہ

ہر مسلمان عورت کے لئے پردہ اسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ، سورۂ احزاب کی یہ واضح آیت مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں پردہ کو مسلم خواتین کی پہچان بتایا جا رہا ہے اور اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

(احزاب:۵۹)

اے نبی مکرم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ ﷺ فرما دیجئے، اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں سے کہ (جب وہ باہر نکلیں) تو ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو، اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی، پھر انہیں ستایا نہ جائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مؤمنات کے لئے یہ اعزاز قابل غور اور لائق فخر ہے کہ انہیں ازواج نبی ﷺ اور بنات نبی ﷺ کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے وہی حکم دیا جا رہا ہے جو مقدس ماؤں کو دیا گیا ہے کہ بیٹیوں کو ماؤں ہی کی طرح ہونا چاہیے، نیز یہ انداز حکم پردہ کی اہمیت جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ مائیں جو بلاشبہ ہر قسم کے برے خیالات اور بدنیتی سے پاک تھیں اور اس زمانہ میں تھیں جو آج سے بدرجہا بہتر تھا، پردہ کی مکلف قرار دی گئیں، تمام عام عورتوں کے لئے اس حکم شرعی کی پابندی کس قدر اہم اور لازمی ہے، کہ ان کا برے خیالات اور بدنیتی میں مبتلا ہونا ایک عام بات ہے، نیز ان کا زمانہ بھی نہایت ہی فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، پردہ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ مؤمنات کی علامت اور پہچان بن جاتا ہے، جس کی نظر اٹھتی ہے وہ اپنا ہو یا غیر، برقعہ پوش کو دیکھ کر نظریں جھکا لیتا ہے، جس کے دل میں برا خیال آتا ہے، وہ علامت ایمان کو دیکھ کر اپنے خیال پر نادم و شرمندہ ہوتا ہے، اپنوں کی یہ کیفیت اس لئے ہوتی ہے کہ انہیں برقعہ میں صرف اور صرف اپنی ماں، بہن، یا بیٹی نظر آتی ہے، پس ان کی بری نظریں

Marfat.com

پھر جاتی ہیں، برا خیال نکل جاتا ہے، نظریں احترام سے جھک جاتی ہیں اور دل تقدس سے بھر جاتا ہے اور غیروں پر برقعہ کا یہ اثر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس سے جان لیتے ہیں کہ مسلم خواتین کسی غیر مرد کی طرف کسی طرح مائل نہیں ہو سکتیں کہ اس مذہب میں بدکاری ایک خطرناک قابل سزا جرم ہے، وہ یہ جرم تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں نیز وہ جان لیتے ہیں کہ یہ خاتون اس قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کے مذہب میں عورت کو نہایت ہی بلند مقام حاصل ہے، اس معاشرے میں عورت کا بے حد احترام کیا جاتا ہے، وہ لوگ ہر غیر عورت کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی بھی طرح وہ عورت کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتے، وہ عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے جان کی بازی تک لگانے سے دریغ نہیں کرتے، پس اگر ہم نے اس برقعہ پوش کو بری نظر سے دیکھا تو ہماری آنکھیں نکال لی جائیں گی، گویا صرف برقعہ ہی غیر مسلموں کے دلوں میں مؤمنات کا خوف پیدا کر دیتا ہے، اور وہ کسی ممکنہ بدعملی کی سزا کے ڈر سے کانپنے لگتے ہیں، گویا اپنوں اور غیروں کے لئے برقعہ، برقعہ پوش عورت کے ایمان کی پہچان بن جاتا ہے، ''اَنْ یُّعْرَفْنَ'' اور وہ بآسانی پہچان لی جاتی ہیں اور جب ان کی پہچان ہو جاتی ہے تو وہ اوباش، لفنگوں اور عیاش طبع لوگوں کے پتھروں اور تیروں سے محفوظ ہو جاتی ہیں، ''فَلَا یُؤْذَیْنَ'' اب انہیں کوئی نہیں ستاتا، اور نہیں ستا سکتا، بلا خوف وخطر وہ اپنی ضروریات کے لئے اپنے گھروں سے باہر آ سکتی ہیں۔

اے ایمان والو! پردہ تمہارے لئے قید وبند نہیں، یہ تمہاری ترقی میں حائل نہیں، یہ تو تمہارے رب کا تم پر خصوصی کرم ہے کہ اس نے تمہیں پردہ کا حکم دیا جو اپنوں اور غیروں کی نظروں میں تمہیں باعزت بناتا ہے، جو ان کے دلوں میں تمہارا خوف اور رعب پیدا کرتا ہے، یہ تمہارا لباس عزت ہے، یہ تمہاری عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اس سے تمہارے حسن وجمال میں اضافہ ہوتا ہے، دیکھو قیمتی چیز ہمیشہ چھپائی جاتی ہے کہ کوئی لٹیرا اسے نہ لے اڑے، اس پر مٹی، پانی، ہوا کا اثر نہ ہونے پائے، تم رب کے نزدیک بہت قیمتی ہو، بڑی قدر والی ہو، وہ پردہ کے ذریعہ تمہیں چھپانا چاہتا ہے کہ کوئی ڈاکو تمہیں نہ لے سکے، مٹی، پانی اور ہوا کے اثرات سے تمہارا حسن وجمال داغدار نہ ہونے پائے، یہ مردوں کی للچائی ہوئی بری نظریں وہ تیر ہیں، جو تمہارے ایمان تک کو گھائل کر دیتی ہیں، یہ تمہارے چہروں پر پڑتی ہیں تو تمہارے حسن کے نور کو زائل کر دیتی ہیں، ان سے چہرہ پھٹکار زدہ ہو جاتا ہے، یہ میک اپ کا سارا ساز وسامان ان مردوں ہی کی ایجاد ہے جن کی نظروں کی پھٹکار نے پہلے تمہارے چہروں کو مسخ کر دیا اور اب میک اپ کے ذریعہ مصنوعی حسن دے کر بھی تمہیں اپنا کھلونا بنانا چاہتے ہیں، ایک مؤمنہ کو ملمع سازی کی کیا ضرورت ہے، اس کے چہرے پر تو پانچ وقت کے وضوکی چمک ہی کافی ہے، اس کے حسن کے لئے ایمان کا نور کیا کم ہے، اسے جتنا چھپایا جاتا ہے، اتنی ہی اس کی شعاعیں تیز ہوتی ہیں اور حسن بڑھتا ہے، پردہ ہی مؤمنہ کے تقویٰ کا ذریعہ ہے کہ تقویٰ جملہ احکام شرع کی پابندی کا نام ہے، پردہ کے واضح حکم سے بغاوت کر کے کوئی عورت کتنی ہی عبادت کرے، متقیہ نہیں ہو سکتی، اس طرح وہ ہمیشہ اسلام کے عطا کردہ ایک عظیم منصب سے محروم رہتی ہے۔

تاریخ کی شہادت

تاریخ شاہد ہے کہ جن مذاہب، جن اقوام یا جن ادوار میں عورت کی عزت وناموس کا احساس کیا گیا اور اسے کوئی

Marfat.com

وقعت، کوئی حیثیت دی گئی اس کے مرتبہ ومقام کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر پردہ ہی کی پابندی عائد کی گئی، فریدی وجدی آفندی کی مشہور تصنیف، المرأۃ المسلمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں، ''رومن حکومت اپنے ابتدائی دور میں ایک چھوٹی سی کمزور حکومت تھی، پھر کئی صدیوں تک رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی تمدن وتہذیب کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی، اس حکومت میں بھی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں'' مصنف انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں:

''رومانیہ کی عورتیں بھی اس طرح کام کاج پسند کرتی تھیں، جس طرح مرد پسند کرتے ہیں، وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے، خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کا اہم کام یہ تھا کہ وہ سوت کاتیں، اسے صاف کریں اور کپڑے بنائیں، رومانی عورتیں نہایت سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ وہ جو دایہ گیری کا کام کرتی تھیں، وہ بھی اپنے گھروں سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتیں اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھ لیتی تھیں، جو ایڑی تک لٹکتی رہتی تھی، پھر اس چادر پر ایک عبا (برقعہ) اور اوڑھا جاتا تھا، جس کے بعد ان کی شکل نظر آنا تو کیا، ان کے جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا''

مصنف کہتے ہیں کہ ''اس زمانہ میں جب رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں، اس قوم نے ہر فن اور جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں، مثلاً بت تراشی، عمارت سازی، فتوحات ملکی، سلطنت وحکومت، عزت وعظمت اور علم وہنر میں ساری قومیں رومانیوں کے مقابل ہیچ ہوگئیں، لیکن ترقی کی اس منزل پر پہنچنے کے بعد رومانیوں میں عیش پرستی اور کھیل وتفریح کا شوق پیدا ہوا، جس کے لئے انہوں نے اپنی عورتوں کو پردہ سے متنفر کیا اور اس کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ ان کے ساتھ لہو ولعب اور سیر وتفریح کی مجلسوں، دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں۔ عورتیں پردہ سے نکلیں، اس طرح جیسے پہلو سے دل نکل جاتا ہے، پھر کیا تھا، اس حملہ آور عنصر (مرد) نے موقع پایا کہ محض اپنے حظ نفس کے لئے ان کے اخلاق خراب کرکے ان کے پاکیزہ دامن کو داغدار کر دیا اور ان کی شرم وحیاء کو توڑ ڈالا، یہاں تک کہ پھر وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، تھیٹروں میں جانے لگیں، بار اور رقص کی محفلوں میں عورتوں کے ناچنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا۔ آخر عورتوں کی حکومت اس قدر مضبوط ہوئی کہ جو نامور تدبیر ملک اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس کے لئے ممبر منتخب ہوا کرتے تھے، وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرکے ہی منتخب ہونے لگے اور انہی کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دیئے جاتے تھے، پس یہ حالت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہوگئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ دیکھ کر یا سن کر مبہوت اور حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی انہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے کس طرح ایک ایک اینٹ اکھیڑ کر رکھ دی اور اس کی ساری عظمت ومتانت خاک میں ملا دی، کیا یہ بات عورتوں نے اپنی بدنیتی اور بداخلاقی سے کی؟ نہیں، اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا، مگر ہوا یہ کہ انہیں

Marfat.com

بے پردہ بنادیا گیا تو باقتضائے فطرت مرد، ان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لئے انہوں نے آپس میں کٹنا اور مرنا شروع کر دیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

آگے چل کر مصنف رقمطراز ہیں، آخر کوئی بتائے کہ رومانی قوم، جس کو عظمت و بزرگی کی محبت نے ترقی وتمدن کے اعلیٰ زینہ پر پہنچادیا تھا، اپنے بزرگوں کے کارنامے دل سے بھلا کر تنزل اور ادبار کے غار میں کیوں کرگئی؟ اسے اتنی ترقی اور عظمت حاصل کر لینے کے بعد تباہی اور ذلت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کیوں شرم نہ آئی؟ یہ تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی قوم جو اپنے عروج وعظمت کے عہد میں عورتوں کو سخت پردہ کی پابند رکھتی تھی، آخر اسی بات پر راضی ہوگئی کہ اس کی وہی خانہ نشیں عورتیں، بادشاہوں اور وزیروں کو جس وقت چاہیں معزول کرادیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حیرت انگیز انقلاب کیونکر رونما ہوا، یقیناً یہ حال تدریجی رفتار سے ظہور میں آیا، بے شک یہ حالت رفتہ رفتہ نشوونما پاتی رہی اور ناموس طبعی کی بنیاد پر اس کا اٹھان تدریجی رفتار سے بڑھتا گیا، پہلے اس معاملہ کو کچھ وقعت نہیں دی گئی، پھر جب یہ آگ اندر ہی اندر سلگ کر شعلہ زن ہوئی، تو مہلک بیماری کی مانند یکبارگی جسم وجان کو جلا کر سیاہ بنا گئی۔

رومانیوں اور ان کی سلطنت کا یہ حشر تو بہت پرانی بات ہے، آپ ماضی قریب کی تاریخ پر ہی نظر ڈالئے، ترکی ایک مستحکم ومضبوط ملک تھا، عورتیں پردہ کی پابند تھیں، چاردیواری میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں، گھروں ہی میں رہ کر مردوں کی مالی مدد کرتی تھیں، مرد بے فکر، متحد ومنظم ہوکر اپنے ملک کی ترقی وتعمیر کے لئے دن رات محنت ومشقت کرتے تھے اور اس کا پھل پاتے تھے، نہ صرف انہیں دیگر مسلم اقوام پر برتری حاصل تھی بلکہ غیر مسلم قومیں بھی ان کے نام سے لرزتی تھیں۔

اسی دور میں چند عیاش طبع مرد ابھرے، انہوں نے اپنی ہوا وہوس کی تکمیل کے لئے عورت کو آزادی کا سبز باغ دکھایا، ان میں عیاشی کے جراثیم چھوڑے، ایک منظم سازش کے ذریعہ وہ عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر اپنے مکر وفریب میں کامیاب ہوئے، عورتوں نے سر سے چادر اتار دی، شرم وحیا کا لباس اتار پھینکا، مرد کے دوش بدوش آکھڑی ہوئیں اور گھر کی باعزت مالکہ بار وکلب میں ناچنے لگی، شمع محفل بن بیٹھی، نتیجۃً مرد اپنی منزل چھوڑ کر عورتوں کے گرد جمع ہونے لگے ،ان کے لئے اپنے قریبی رشتے توڑ بیٹھے، اب ان کا کام صرف عورت کا حصول ہوگیا، جس کے لئے لڑنا جھگڑنا ان کا وطیرہ بن گیا، اور وہ صلاحیتیں جو ملک کی ترقی وتعمیر کے لئے صرف ہوتی تھیں وہ عیاشی کی نظر ہوگئیں، اور ترکی آج کا ترکی بن گیا، بھکاریوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا ملک، اب جو بھی وہاں اسلام کا نام لیتا ہے اسے قید وبند کی صعوبتیں جھیلنا پڑتی ہیں، ملک کے محافظ، فوج کے اعلیٰ افسران برملا کہتے ہیں کہ یہ ملک سیکولر (لادینی) ملک ہے، یہاں اسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

مصر، عراق، لیبیا، انڈونیشیا کی تاریخ بھی کچھ ایسی ہی ہے، پاکستان جس کی بنیاد اسلام پر ہی رکھی گئی تھی، بھی بیگمات اور بے پردہ خواتین کی نظر ہوگیا اور آج تک اسلامی نظام کی برکتوں سے محروم ہے، ان تمام ممالک کے لوگ جس کرب و اضطراب کی زندگی بسر کررہے ہیں، وہی اس کا درد جانتے ہیں، نہ ان کی دولت محفوظ ہے اور نہ عزت وآبرو، نہ اپنوں کی نظروں میں کوئی حیثیت ہے، اور نہ غیر انہیں عزت سے دیکھتے اور کوئی وقعت دیتے ہیں۔

Marfat.com

غرضیکہ تاریخ اس حقیقت کو ثابت اور واضح کرتی ہے کہ پردہ نہ صرف عورت کے لئے سکون وطمانیت اور عزت و عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ پوری قوم پر اس کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ترقی کرتی ہے، عروج پاتی ہے، عزت پاتی ہے اور جب عورت بے پردہ ہو کر شمع محفل بن جاتی ہے، تو وہ خود بھی ذلیل وخوار ہو جاتی ہے، اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت بھی نہیں کر پاتی اور پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے کہ عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر وہ اپنے گھروں ہی کے امن و سکون سے محروم نہیں ہوتے، بلکہ اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے قابل بھی نہیں رہتے، جو چاہتا ہے ان کی عزت لوٹ کر چل دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کا ملک چھین لیتا ہے، وہ بے ہوش، ذلت وخواری کے شب وروز بسر کرتے رہتے ہیں۔

ایک سوال کا جواب

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پردہ میں ایسی کیا تاثیر ہے کہ عورت کا باپردہ یا بے پردہ ہونا پوری قوم پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے عروج یا زوال کا باعث بن جاتا ہے، اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے عورت پر جو ایک ذمہ داری عائد کی ہے وہ مرد کی تمام ذمہ داریوں سے بڑی اور اہم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مرد اپنی تمام ذمہ داریوں کو بطریقۂ احسن اسی صورت میں نبھا سکتا ہے جب عورت اپنی ذمہ داری پوری کرے، عورت کی اس بڑی ذمہ داری کو آپ مردم سازی کا نام دے سکتے ہیں، یعنی بچے پیدا کرنا اور ان کی صحیح تربیت کرنا کہ وہ معاشرے کا بہترین فرد بنیں، دیانتدار سچے مؤمن ہوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ان کا کامل یقین واعتماد ہو، ان کے اخلاق واطوار اچھے ہوں، شکر، صبر، توکل، استقامت واستقلال اور قناعت جیسی اہم خوبیوں سے آراستہ ومزین ہوں، محنت ومشقت کے عادی ہوں، قوت برداشت میں پہاڑ جیسے مضبوط ہوں، ایسا مرد ہر میدان کا مجاہد ہوتا ہے اور کامیابی و کامرانی اس کی ہمیشہ قدم بوس رہتی ہے، ان تمام خوبیوں کا خزانہ ماں کی چھاتی ہے، جس سے بچہ غذا کی صورت میں ان خوبیوں کو حاصل کرتا ہے اور ماں کی پرسکون گود میں ان کو پروان چڑھاتا ہے، یہ عورت ہی باپ، بھائی اور شوہر کے کردار کی بھی تعمیر کرتی اور اسے سکون واطمینان فراہم کرتی ہے کہ باپ کے لئے بیٹی اور بھائی کے لئے بہن کی نظروں میں ایک عجب پرسکون تاثیر ہے اور شوہر کے لئے اپنی بیوی کے حسن وجمال اور اس کی اداؤں میں ایک کشش ہے، بیٹی، باپ کی بہن، بھائی کی بیوی شوہر کی خدمت کرتی ہے، ان کی ضروریات پوری کرتی ہے، ان کے گھر، مال ودولت، عزت وآبرو کی حفاظت کرتی ہے، اولاد کی تربیت کرتی ہے، پس مرد اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سکون واطمینان کے ساتھ بالکل بے فکر ہو کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرے، یہ ہے عورت کی بڑی ذمہ داری، جس کو پورا کرنے کے لئے پردہ کا تحفظ اور گھر کی چاردیواری کا پرسکون ماحول ناگزیر ہے کہ بے پردہ، گلی، کوچوں، بازاروں میں پھرنے والی، دوکانوں اور دفتروں میں سارا دن غیر مردوں کے ساتھ کام کرنے والی عورتیں اس اہم ذمہ داری کو کس طرح پورا کر سکتی جن کا تقویٰ لوگوں کی نظروں کے تیروں سے مجروح اور ردائے تطہیر تار تار ہے، ان میں مردم سازی کی صلاحیت تو کیا خود سازی کی صلاحیت بھی نہیں رہتی، انہیں تو اپنی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں رہتا ہے، وہی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی قوم کو ہیرے موتی فراہم کرتی ہے، جو خود تقویٰ وپرہیزگاری کے زیور

Marfat.com

سے آراستہ و پیراستہ ہو، اے اللہ ہماری عورتوں کو اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما،

اے ایمان والو! اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد سنو، اسے یاد رکھو، اور اس پر عمل کی کوشش کرو۔ راوی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:۔

اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ (بے پردہ) باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان گھورتا ہے۔

(ترمذی شریف)

نیز فرمایا، میرے آقا ﷺ نے

وَاَقْرَبَ مَا تَكُوْنُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا۔

اور عورت اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں ہو۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

لَيْسَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ فِي الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّةً۔

عورتوں کو باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں مگر صرف اشد ضرورت کے وقت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت ہے کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال فرمایا، ''اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِّلْمَرْاَةِ'' عورت کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے، صحابہ خاموش رہے (جواب کے منتظر تھے لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا) حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں گھر آیا تو میں نے یہی سوال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا، انہوں نے بتایا، ''لَا يَرَيْنَ الرِّجَالَ وَلَا يَرَوْنَهُنَّ'' کہ عورتیں مردوں کو نہ دیکھیں اور مرد عورتوں کو نہ دیکھیں، میں نے واپس ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت فاطمہ کا جواب سنایا، آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا، ''صَدَقَتْ اِنَّهَا بِضْعَةٌ مِّنِّی''، فاطمہ نے سچ بتایا، آخر وہ میری جز ہیں۔

واقعہ افک کا تو سبب ہی یہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پتہ ہی نہ چل سکا کہ آپ اس میں تشریف نہیں رکھتیں کہ آپ طبعی ضرورت کے سبب لوگوں کی نظروں سے دور تشریف لے گئی تھیں، آپ اتنی دبلی پتلی تھیں کہ اٹھانے والوں کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ ہودج خالی ہے اور اس میں سخت پردے کے باعث کوئی جھانک نہیں سکتا تھا کہ اس زمانہ میں پردے کے حکم کی تعمیل حالت سفر میں بھی اس قدر سختی سے کی جاتی تھی کہ عورتوں کے لئے اونٹ پر ہودج (چھوٹا سا کمرہ) رکھا جاتا تھا، جو بالکل بند ہوتا تھا، کہ کسی کی نظر تک اندر نہ جا سکتی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کر سکتا تھا کہ باپردہ خاتون کو قصداً دیکھتا، جو بہر حال حرام ہے۔

غرضیکہ قرآنی ہدایت واضح ہے کہ ''يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ جَلَا بِيْبِهِنَّ'' اور سورۂ نور کی آیات میں آپ نے پڑھا کہ

Marfat.com

''وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ''، دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ جب عورت اپنے گھر سے تحت ضرورت کے سبب باہر نکلے تو اسے اپنے آپ کو لپیٹ لینا چاہئے جس کپڑے سے لپیٹا جائے اسے جلباب، لمبی چادر، خمر، اوڑھنی یا برقعہ کہا جاتا ہے، شرعاً یہ ایسا ہونا چاہئے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے بلکہ اس قدر ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جسم کا نشیب وفراز بھی معلوم نہ ہو سکے، اس پردے کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا جائے کہ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے، آواز والا زیور نہ پہنا جائے، لوگوں کے ہجوم سے بچتے ہوئے سڑک کے کنارے کنارے نہایت حیا وشرم کے ساتھ چلا جائے۔ گویا کوئی ایسا سبب پیدا نہ ہونے پائے، کہ مرد کی نظر اٹھے، اسے عورت کی موجودگی کا احساس ہو۔

زیب وزینت کا اظہار

انسان فطری طور پر زیب وزینت اور آرائش کو پسند کرتا ہے، جبکہ اسلام انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اصول کی تعلیم دیتا اور انہیں پورا کرنے کے طریقے متعین کرتا ہے، زیب وزینت کی اسلام نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ تاکید بھی کرتا ہے، غور فرمائیے جسم کی زیبائش ہی کے لئے وضو وغسل کا طریقہ بتایا گیا، جسے فرض قرار دیا گیا اور عمل رسول ﷺ نے اسے سنت بنایا، عبادت بنایا، پھر جسم کی صفائی کا اہتمام تو ملاحظہ ہو کہ بال بنوانے، سنوارنے، دانت صاف رکھنے، آنکھوں میں سرمہ لگانے، ناخن تراشنے، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنے کا حکم زیب وزنیت ہی کا حصہ ہے، نیز کپڑے صاف رکھنے کا حکم دیا گیا، میسر ہو تو خوشبو لگانا سنت ہے، غرضیکہ اسلام زیب وزینت کا جو اہتمام کرتا ہے، اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، ہمارا تو رب بھی ایسے ہی بندوں کو پسند فرماتا ہے، جو صاف ستھرے، مزین وآراستہ رہتے ہیں، ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ''، بیشک اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے نیز وہ خود حسین وجمیل ہے اور حسن وجمال کو پسند فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ''، بیشک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اس نے تو جانوروں تک کو نعمت جمال سے سرفراز فرمایا، ''وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ''، اور تمہارے لئے ان (جانوروں) میں زیب وزنیت ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح انہیں چرانے لے جاتے ہو، اور انسان تو خالق کے حسن وجمال کا مظہر ہے کہ اسے حسن صورت عطا فرما کر خود ارشاد فرمایا، ''وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ'' اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا، بہرحال چونکہ اللہ رب العزت جل مجدہ، حسن وجمال اور زیب وزینت کو پسند فرماتا ہے، اسی لئے انسان بھی فطرتاً اس کو پسند کرتا ہے اور اسلام نے اس پسندیدگی کو پسند فرمایا اور اس کو اختیار کرنے کی تعلیم دی اور طریقے سکھائے لیکن اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے ہر عمل کے لئے ایک حد کا تعین کرتا ہے اور حلال وحرام کا امتیاز باقی رکھتا ہے، پس اجازت ہے، کہ زیب وزینت حاصل کی جائے لیکن اس کی بھی ایک حد ہے، اس میں بھی حلال وحرام کا امتیاز کرنا ہوگا، اللہ کے عطا کردہ حسن وجمال کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھال کر بگاڑ لینا، زیب وزینت نہیں بلکہ خالق حقیقی کی صنعت میں مداخلت کی کوشش ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مثلاً کالے یا گورے رنگ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا (مزے کی بات یہ ہے، سورج کی گرمی یا مصنوعی حرارت یا مختلف قسم کے تیل یا کریموں سے

Marfat.com

بھی قدرتی رنگ کو بدل لینا ممکن نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی کوشش سے جلد ہی کینسر اور دیگر جلدی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور صحیح بات بھی ہے کہ قدرتی عمل میں مداخلت اور اس کو بدلنا، انسان کے بس کی بات کہاں) اسی طرح پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرے کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش یا بوڑھوں کو جوان بننے کی ہوس کرنا، مردوں کے لئے داڑھی مونچھ صاف کر کے چہرہ چکنا کرنا، عورتوں جیسا بنانا، ناک کان چھدوانا، ان میں یا گلے وغیرہ میں کسی بھی دھات کے زیورات پہننا، ایک سے زیادہ چاندی کی انگوٹھی پہننا، عورتوں جیسے کپڑے، ڈیزائن یا رنگ کا لباس پہننا، عورتوں کے انداز پر گفتگو کرنا یا عورتوں کی طرح چلنا، اسی طرح عورتوں کے لئے مردوں جیسے بال کٹوانا، یا اپنے بال لمبے اور زیادہ کرنے کے لئے کوئی دوسرے بال لگانا، یا وگ استعمال کرنا، سر کے اوپر اونٹ کے کوہان جیسا جوڑا باندھنا، مردوں جیسے جوتے پہننا، پینٹ یا دیگر کپڑے مردوں کی طرح استعمال کرنا، اسی قسم کی زیب و زینت کے اور بہت سے طریقے جو آج کل رائج اور عام ہیں، زیب و زینت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور مرضی کے خلاف اپنی صورتوں کو بگاڑنا ہے، ایسے طریقوں سے چہرے مسخ تو ہو جاتے ہیں، حسن و جمال میں اضافہ نہیں ہوتا، ان طریقوں سے بچئے، اللہ کی دی ہوئی شکل و صورت پر صبر و شکر کیجئے، چہروں پر تقویٰ و پرہیزگاری کا نور پیدا کیجئے، جسے قرآن کریم نے ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' فرمایا اور اعلان کیا، ''وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً''، اور کس کا رنگ خوبصورت ہے، اللہ کے رنگ سے۔

عورت کا اظہار زیب و زینت

عورت کو زیب و زینت اور اپنا حسن و جمال چھپانے کے لئے پردے کا حکم دیا گیا اور حالت پردہ میں بھی ایسی چال سے منع کیا گیا، جس سے اس کی زینت ظاہر ہو، جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہو، زیورات کی آواز سنائی دے، عطریات و خوشبو کی مہک مردوں تک پہنچے جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ لیکن انسان بالخصوص عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال، اچھے لباس وغیرہ کو جب تک دوسروں کو نہ دکھا لے اسے تسکین قلب میسر نہیں آتی، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام انسان کی فطرت کو کچلتا اور پامال نہیں کرتا، بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل کے طریقے متعین کرتا ہے، اصول مقرر کرتا ہے، عورت فطرتاً چاہتی ہے کہ اس کا اچھا لباس، قیمتی زیورات کوئی دیکھے، ان کی تعریف کرے، اگر عورت کو اس نمائش کی عام اجازت دیدی جاتی تو یہ نہ صرف ایک غیر فطری عمل ہوتا بلکہ اس سے بے شمار خرابیوں اور فسادات کا دروازہ کھل جاتا کہ غیر مردوں سے نہ تو حسن و جمال کی تعریف کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ قیمتی زیورات دیکھ کر داد تحسین کی امید ہو سکتی ہے کہ ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں، لٹیرے، چور، ڈاکو ہوتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو سڑکوں اور راستوں پر پھیلی ہوئی دولت اچھے لوگوں کی بھی نیت خراب کر دیتی اور انہیں مجرم بنا دیتی ہے، یہ انسان کی فطرتِ خبیثہ ہے، جو خبائث کو دیکھ کر ابھرے بغیر اور غالب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، سڑکوں، گلی کوچوں، دوکانوں، دفاتر میں عورتوں کے حسن و جمال اور قیمتی زیورات کی نمائش کا انجام سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کی عزت و آبرو پامال ہو، کبھی ان کی مرضی سے اور اکثر جبر و اکراہ سے ان کے زیورات کو لوٹا جائے، ان کو حاصل کرنے کے لئے گھروں میں ڈاکے ڈالے جائیں، ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے آج

Marfat.com

تمام جرائم کی اصل اور بنیاد یہ عام نمائش ہی ہے لیکن عورت کے فطری تقاضہ کی تکمیل بھی ناگزیر ہے کہ اگر اسے اس سے بالکل روکا جاتا تو وہ مجبوراً قید و بند کا تالا توڑتی اور غیر مناسب راہ اختیار کرتی، پس اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق اس کا اہتمام کیا اور قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا، جن کے سامنے عورت آسکتی ہے، اپنے حسن و جمال، زیورات اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ظاہر کرسکتی ہے کہ یہ لوگ ایسے رشتوں میں منسلک ہیں، جن کے باعث یہ یقیناً امین ہیں، ان سے نہ تو عورت کی عزت و آبرو کو کوئی خطرہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان کے زیورات اور دولت چھیننے کا ڈر ہوسکتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جن سے حرمت نکاح عارضی نہیں، کسی رشتے کی بناء پر نہیں، بلکہ دائمی ہے، خونی تعلق کی بناء پر ہے، اسی لئے فطری طور پر، اس رشتہ میں منسلک مرد و عورت کتنے ہی قریب ہوں لیکن ان کے ذہن میں جنسی تصور بھی پیدا نہیں ہوتا، مثلاً ماں، بیٹا، بہن بھائی، خالہ، بھانجا، پھوپھی، بھتیجا کا اس قسم کے خیال میں مبتلا ہونا ممکن ہی نہیں، پس ان قابل اعتماد محارم سے پردہ کرنے کا کوئی مقصد نہ تھا، لہٰذا شریعت مطہرہ ان کے سامنے عورتوں کو بے پردہ رہنے اور ان سے ضروری آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو کرنے، ہنسی مذاق کرنے کی اجازت دیتی ہے، قرآن کریم نے ان محارم کا نہایت وضاحت سے ذکر فرمایا، ہم ان کو علیحدہ علیحدہ بعض ضروری مسائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

لِبُعُوْلَتِهِنَّ، عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے اپنی زیب و زینت، حسن و جمال کی پوری آزادی کے ساتھ نمائش کرسکتی ہیں۔ ظاہر ہے شوہر ہی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھے، اس کی دل لبھانے والی اداؤں سے سکون حاصل کرے اور اس سے اتنا مطمئن ہو کہ غلطی سے بھی اس کی نظر کسی غیر عورت پر نہ پڑے، اسی لئے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے صرف اچھا برتاؤ ہی نہ کریں صرف ان کی خدمت ہی انجام نہ دیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شوہر کے پسندیدہ کپڑے، اس کے پسندیدہ زیورات وغیرہ کا استعمال کریں اور ہر طرح اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی رہیں، بہر حال شوہر سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں، ہاں، شوہر کے لئے بیوی کے مخصوص حصۂ جسم پر اور بیوی کے لئے شوہر کے مخصوص حصۂ جسم پر بلا ضرورت نظر ڈالنا، موزوں اور مناسب نہیں، کیونکہ یہ شہوانی جنسی کھیل ہے، جو شیطانی عمل ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے، جس کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور نہایت ہی کامل اسوہ ہے، ان کا عمل ملاحظہ فرمائیے، ہماری ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، ''مَا رَاٰی مِنِّیْ وَلَا رَاَیْتُ مِنْهُ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی میرے مخصوص حصۂ جسم کو نہ دیکھا اور نہ کبھی میں نے آپ ﷺ کے عضو مخصوص کو دیکھا، یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس قدر خفیہ بات کیسے بیان فرمادی، جس کا اظہار حیا و شرم کے منافی ہے، نہیں ایسا ہرگز نہیں، بات یہ ہے کہ بحمد اللہ ہمارا دین نہایت مکمل ہے، خفیہ ترین امور کے لئے بھی شریعت مطہرہ کے مسائل موجود ہیں، اگر ان کی تعلیم نہ دی جاتی تو ہم ان شرعی احکام پر عمل سے محروم رہتے، لاعلمی کی وجہ سے ثواب سے محروم رہتے یا گناہ کرتے رہتے، اللہ جزاء دے امہات المومنین کو، صحابہ کرام اور پھر فقہاء و علماء و کرام کو جنہوں نے وہ تمام مسائل نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیئے، جن کا تعلق ہمارے خفیہ امور سے ہے، یاد رکھئے، حصول علم میں حیاء و شرم نہیں، شرعی امور کی

Marfat.com

پابندی نہ کرنا، بے حیائی و بے شرمی ہے۔

دیگر محارم، جن کے سامنے عورتیں بلا پردہ آزادی سے، آسکتی اور زیب و زینت انہیں دیکھا سکتی ہیں، یہ ''اٰبَآئِهِنَّ''، باپ، دادا، پردادا، ''اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ''، شوہر کے باپ، دادا، پردادا، (واضح رہے ان محارم میں صرف شوہر کے آباء شامل ہیں، بھائی وغیرہ نہیں کہ ان سے پردہ فرض ہے) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر محرم عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے منع فرمایا، تو کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! دیور کے متعلق کیا حکم ہے، (یعنی کیا دیور اپنی بھاوج کے ساتھ تنہائی میں رہ سکتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَلْحَمْوُ اَلْمَوْتُ'' دیور تو موت ہے، یعنی دیور کا رشتہ نہایت خطرناک ہے، اس کے ساتھ بہک جانے اور گناہ میں ملوث ہونے کا امکان زیادہ ہے، لہٰذا اس سے پردہ کرنا چاہئے)، ''اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ'' اپنے بیٹے، بیٹوں کے بیٹے، ''اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ''، شوہر کے بیٹے، جو دوسری بیوی سے ہوں، ''اِخْوَانِهِنَّ'' بھائی، اس میں علاتی، باپ شریک، اخیافی، ماں شریک، بھائی بھی شامل ہیں لیکن ماموں زاد، چچازاد، خالہ زاد، تایا زاد، پھوپی زاد اور دیگر رشتے کے بھائیوں کا وہی حکم ہے، جو غیر مردوں کا ہے کہ یہ سب غیر محارم ہی ہیں، ''بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ'' بھائیوں کے بیٹے، ''بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ''، بہنوں کے بیٹے، یہ آٹھ محارم ہیں جو حکم پردہ سے مستثنیٰ ہیں، ان کے علاوہ چند دیگر لوگ ہیں، جن کے سامنے عورتیں بے پردہ آسکتی ہیں، جو یہ ہیں، ''نِسَآئِهِنَّ''، اپنی عورتیں، یعنی مسلمان عورتوں کے لئے، مسلمان عورتوں سے پردہ نہیں، رہا معاملہ، غیر مسلم عورتوں کا، تو مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ نہ کرنا جائز ہے تاہم ان سے میل جول اور رازدارانہ دوستی بہر حال جائز نہیں اسی طرح بدکردار، فاحشہ، فیشن ایبل عورتوں کی صحبت سے بھی مسلم خواتین کو بچنے کی ہی کوشش کرنا چاہئے کہ ان کی بری صحبت، برے راستہ پر ڈال سکتی ہے، ''مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ'' زرخرید باندیاں اور کنیزیں، غلاموں سے پردہ فرض ہے، ''اَلتَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ''، ایسے معذور خدمتگار، جو ہوش وحواس سے محروم ہوں، انہیں عورتوں کے حسن و جمال کا کوئی احساس نہ ہو، نہ ہی ان کی طرف میلان طبع ہو، (جیسے بڑے خاندانوں میں ایسے بدحواس مفلوک الحال لوگ رکھ لئے جاتے ہیں، جو خدمت کرتے رہتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں) ''اَلطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ''، ایسے نابالغ بچے، جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور وہ عورتوں کے مخصوص حالات یا جنسی امور سے واقف نہیں، نہ ہی ان میں عورتوں کی طرف کوئی میلان ہے، ان لڑکوں سے پردہ فرض ہے، جو قریب البلوغ ہوں، جنہیں شرعی اصطلاح میں ''مُرَاهِق'' کہا جاتا ہے کہ ان میں جنسی میلان کا آغاز ہونے لگتا ہے، عام طور پر اس کیفیت کی ابتداء دس سال کی عمر سے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے، راوی حضرت عمرو بن شعیب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ'' بچوں کی عمر سات برس کی ہو جائے، تو انہیں نماز کا حکم دو، ''وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ''، جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو، ''وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ'' اور ان کے بستر علیحدہ کر دو، یعنی بہن، بھائی اگر ایک بستر پر سوتے تھے تو اب ان کے بستر، بلکہ اگر ایک کمرے میں سوتے تھے تو کمرے بھی

Marfat.com

علیحدہ کر دیئے جائیں کیونکہ اب ان میں احساس جنس اور میلانِ جنس پیدا ہو رہا ہے۔

اے ایمان والیو! غور کرو، للہ انصاف کرو اور بتاؤ کہ کیا پردہ اب بھی تمہیں قید و بند معلوم ہوتا ہے کیا اتنے مردوں کے سامنے آزادی کے ساتھ رہنے کے بعد بھی تمہارے فطری تقاضے کی تکمیل نہیں ہوتی ہے پردہ قید نہیں، تمہاری آزادی کے حق کو سلب کرنے کا ذریعہ نہیں، اس کا مقصد تمہارے فطری تقاضوں کو پامال کرنا نہیں، بلکہ یہ پابندی تم پر، صرف اور صرف تمہاری عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کے لئے ہے، پس تم پردے کی پابندی کر کے باعزت زندگی، پرسکون زندگی بسر کرو، اور اگر اس حکم الٰہی کی پابندی میں تم سے اب تک کوئی کوتاہی یا لاپرواہی ہوئی ہے تو تمہیں دعوت دی جاتی ہے، ''تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''، اللہ سے توبہ کرو، احکام شرع کی پابندی اختیار کرو، کہ یہی ذریعہ کامیابی و کامرانی ہے، اللہ توفیق دے۔

حکمِ نکاح

استیذان اور عورتوں کے لئے پردے کی ہدایات کے بعد اہل ایمان کو ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ جن بے نکاح مرد و عورت کے ولی ہیں وہ ان کا نکاح کرا دیں۔

مرد و عورت کے جنسی اختلاط کا شرعی طریقہ نکاح ہے، جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور نسل انسانی کی افزائش کے لئے ناگزیر ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ لیکن اصول و ضوابط کی پابندی کے ساتھ، جنسی تقاضوں کی تکمیل اور جنسی خواہش کی تسکین، انسان کی فطرت کا ایسا اہم تقاضا ہے، جس کے بغیر زندگی بسر کرنا، ناممکن ہے، خالق انسان اللہ نے اس اشد ضرورت کی تکمیل کے لئے شرعی ضابطۂ نکاح عطا فرمایا، جس کے ذریعہ مرد و عورت ساری زندگی کے لئے ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کر کے نہ صرف پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نسل انسانی کی افزائش میں حصہ لے کر، قدرتی نظام کا آلۂ کار بننے کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں، نیز ایک دوسرے کے کفیل بن کر زندگی کے پرخطر طوفان کا بآسانی مقابلہ کرتے ہیں، جو تنہا مرد کے لئے یا تنہا عورت کے لئے ممکن نہیں، یہ جوڑا معاشی و معاشرتی امور میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار بن جاتا ہے، معاشرے کو افرادی قوت فراہم کرتا ہے، اسی سے خاندانی نظام کا سلسلہ جاری ہوتا ہے، جو ایک اچھے معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کہ جس معاشرے میں خاندانی نظام نہ ہو، اس کے افراد بے چرواہے کی بھیڑ، بکریوں کی طرح منتشر ہوتے ہیں، جو کسی وقت بھی کسی بھیڑیئے کا بآسانی شکار بن جاتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم اس جوڑے کو لباس سے تعبیر کرتا ہے، ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ''، عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو، نکاح شدہ مرد و عورت معاشرے میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، تنہا مرد یا تنہا عورت، عیاش و بدمعاش مردوں یا عورتوں کی بدنیتی کا مرکز بنے رہتے ہیں اور ان کے لئے معاشرے سے سوائے گندی نظروں کے اور کسی چیز کا حصہ نہیں ہوتا۔

غرضیکہ نکاح اہل ایمان کے لئے عطیۂ الٰہی ہے، بالخصوص عورت کے لئے جو شرم و حیاء کی پتلی ہے، کہ اس کے لئے

Marfat.com

اپنی جنسی تسکین کی کوئی راہ نہ نکلتی، اگر نکاح کے ذریعہ اسے اختلاط کا موقع نہ دیا جاتا، نیز عورت خلقی اور جبلی طور پر صنف نازک ہے، نازک اندام ہے، مزید برآں اس کے خالق نے اس پر پردہ کی پابندی عائد کر کے اس کے دائرۂ عمل کو گھر کی چار دیواری میں محدود کر دیا ہے، جس کے بعد وہ نہ تو اپنے معاش کے حصول کے لائق رہی اور نہ ہی زندگی کے پرخطر طوفان سے مقابلہ کرنا اس کے بس میں رہا، یہ اپنی نازک اندامی اور پردے کی پابندی کے باعث محتاج ہوگئی کسی سہارے کی، پس اس کو نازک بنانے والے اور پردے کا حکم دینے والے، رب کریم نے اس پر کرم فرمایا اور ایسا نعم البدل عطا فرمایا جو اس کے لئے ''قَوَّامُ'' قرار دیا گیا، ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ''، اے گھر کی چار دیواری میں محدود کر دی جانے والی نازک مخلوق! مرد تیرے لئے مضبوط و مستحکم سہارا ہیں، جو اپنی قوت بازو، اپنی صلاحیت، اپنی آزادی کے باعث تیری عزت وآبرو کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کرے گا، جو ''عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''، کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی رفیقۂ حیات کی بحسن وخوبی کفالت کرے گا۔ اس کی ناز برداری کرے گے، اس کا وہ حق ادا کرے گا جو اسے اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے، اس کے آغوش میں آ جانے کے بعد عورت کو عزت، سکون اور بے خوفی کی زندگی میسر آئے گی، یہ مرد عورت کے سر کا تاج بن کر، اسے اپنی راج دھانی کی ملکہ بنا دیتا ہے، اس کی ردائے تطہیر کا محافظ بن جاتا ہے، ہر قسم کے داغ، دھبوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے، پس نکاح بالخصوص عورت کے لئے رحمت و برکت، سکون وطمانیت کا عظیم واہم ذریعہ ہے۔

انہی فوائد و مقاصد کے باعث، قانونِ نکاح ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، ہر دور کے لوگ اپنے اپنے طریقہ سے اس کی پابندی کرتے آئے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں نکاح کے خود ساختہ قوانین کے باعث وہ فوائد و مقاصد حاصل نہیں ہو پاتے، جو اہل ایمان کو حکم الٰہی کی پابندی اور تعمیل سے حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کے لئے اس کا اپنا وضع کردہ قانون نہ تو مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی مفید و مؤثر ہوتا ہے، بلکہ اکثر یہ قانون مزید الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن جاتے ہیں کیونکہ ماہرین جو قانون بھی وضع کرتے ہیں، اس میں ان کے اپنے مزاج کا دخل بھی ہوتا ہے اور اپنے فوائد کا تحفظ بھی، جبکہ اللہ خالق انسان، انسان کے مزاج اور اس کی ضروریات کا علم رکھنے والا ہے، پس اسی کے عطا کردہ احکام مکمل بھی ہوتے ہیں اور مفید و مؤثر بھی، بہر حال لوگوں کو جیسا بھی قانونِ نکاح ملا وہ اسے اپنائے رہے، اور بغیر نکاح انہوں نے جنسی اختلاط کو ہمیشہ جرم جانا، لیکن آج کی مغربی تہذیب کا دور تاریخ انسانیت کا بدترین دور ہے کہ گناہوں اور جرائم سے بھری اس تہذیب میں نکاح کی کوئی اہمیت نہ رہی کہ نہ تو نکاح مرد وعورت کے ملاپ کا ذریعہ رہا کہ زنا اس قدر عام ہوگیا کہ اس کو معیوب سمجھا جانا تو درکنار، معاشرے کا حصہ، تہذیب کا حصہ سمجھا جانے لگا، کھلم کھلا بدکاری کا عمل جاری ہے، اخبارات وجرائد کے ذریعہ اس کی تشہیر کی جاتی ہے، ٹیلی ویژن پر اس کی نمائش ہوتی ہے، دعوت دی جاتی ہے، تربیت دی جاتی ہے، حتی کہ سربراہ مملکت یہ جرم کرتا ہے، تو بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ ''اگر میں نے یہ جنسی عمل کیا تو گرفت کیوں کی جا رہی ہے جبکہ یہ تو میری قوم میں عام ہے'' یعنی قابل سزا ہونا تو بڑی بات ہے، قابل گرفت اور قابل اعتراض جرم بھی نہیں، ظاہر ہے اس گھناؤنی صورت حال کے بعد انسانی نسل کی افزائش کا بھی نکاح سے کوئی تعلق نہ رہا، عورت بچہ پیدا کرتی ہے، اس کے

Marfat.com

باپ کا کسی کو پتہ تک نہیں ہوتا، نہ گھر والوں کو اس کے اس عمل پر کوئی اعتراض ہوتا ہے، نہ محلہ یا سوسائٹی کا کوئی فرد اعتراض کی مجال رکھتا ہے کہ اعتراض تو تب ہو، جب یہ کوئی انوکھا عمل ہو، جب سب ہی ایک حمام میں ننگے ہوں، تو ایک ننگے کو دوسرے ننگے پر اعتراض کا کیا حق ہے، اعتراض تو درکنار، بچہ کی ماں سے ضرورتاً بھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ تیرے اس بچہ کا باپ کون ہے۔ تائید کے لئے ایک لطیفہ ملاحظہ ہو، ہمیں کسی نے بتایا کہ ایک ڈچ عورت نے ہسپتال میں ایک بچہ کو جنم دیا، نرس نے ضروری کاغذی کارروائی کرتے ہوئے عورت سے اس کے بچے کے باپ کا نام دریافت کیا۔ عورت سنتے ہی آگ بگولا ہوئی اور نرس کے منہ پر تھوکتے ہوئی بولی، کہ کیا تجھے اپنے باپ کا نام معلوم ہے۔ جا پہلے اپنی ماں سے اپنے باپ کا نام پوچھ۔ پھر مجھ سے میرے بیٹے کے باپ کا نام پوچھنا، نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، تم نے سچ کہا، مجھے بھی آج تک اپنے باپ کا پتہ نہ چل سکا۔ اندازہ لگائیے، اب نکاح کی کیا اہمیت باقی رہی، کیا فائدہ رہا، کیا مقصد رہا، بس ایک ہی مقصد ہے جس کے لئے نکاح کا تکلف کیا جاتا اور کاغذی خانہ پری کی جاتی ہے، اور وہ ہے مالی حقوق کا حصول، یعنی اب نکاح صرف اس لئے ہوتا ہے کہ قانوناً عورت، مرد کے مال دولت کی اور مرد عورت کے مال و دولت کا حقدار ہو سکے، اسی لئے عام لوگوں میں برسوں ایک ساتھ رہنے اور کئی کئی بچے پیدا ہو جانے کے باوجود بھی نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، ہاں صاحب جائیداد، دولت مند، جلد سے جلد اس قانونی شق کو پورا کر لیتے ہیں تاکہ مالی حقوق تلف نہ ہونے پائیں، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ دولہا، دولہن کے بچے بھی ان کی شادی میں شریک ہوتے ہیں، اسی لئے یہ شادیاں اب اکثر چرچ میں نہیں بلکہ رجسٹرار آفس میں ہوتی ہے، کہ نکاح کی حیثیت مذہبی نہیں رہی بلکہ معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے قانونی سہارا رہ گیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بے شمار خرابیوں اور ابتری کے باوجود اب تک نکاح کی وہی اہمیت ہے، جو شرعاً ہونی چاہئے، اس کا مقصد اب بھی بقاء وافزائش نسل انسانی اور مرد و عورت کا اختلاط ہے کہ ہماری شریعت، ہماری تہذیب میں بغیر نکاح مرد و عورت کا جنسی ملاپ قابل سزا جرم ہے، نیز ایسے جرم کے مبادیات، یعنی کسی مرد کا بغیر نکاح کے کسی عورت کے ساتھ تعلق، گھومنا، پھرنا، ملنا جلنا، تک ممنوع اور قابل نفرت ہے۔ معاشرے کا ہر فرد ایسے مرد و عورت پر تھوکتا اور ان کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی اچھی علامت ہے کہ ہمارے معاشرے میں اگرچہ مغربی تہذیب کی بہت سی بیہودگیاں پائی جاتی ہیں لیکن بہر حال بنیادی مذہبی اقدار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور اس سے کھلم کھلا بغاوت کی کسی میں جرأت نہیں۔

فضیلتِ نکاح

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نکاح انسانی فطرت کے ایک اہم تقاضہ کی تکمیل کا شرعی طریقہ ہے، لیکن صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قانون پر عمل کو اہل ایمان کے لئے عبادت اور ذریعۂ ثواب بنا دیا کہ جو مسلمان مرد و عورت، اللہ کے حکم کی تعمیل اور رسول ﷺ کی سنت پر عمل کی نیت سے نکاح کرتا ہے، اللہ دنیا میں اسے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، مثلاً اس کے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اسے اولاد صالح نصیب ہوتی ہے، جو بڑھاپے میں سہارا بنتی ہے، اور

Marfat.com

والدین کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی اللہ سے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے کہ اہل و عیال پر ایک پیسہ خرچ کرنے، ان کے لئے محنت و مشقت سے کمانے، ان کی اچھی تربیت وغیرہ کا والدین کو اجر ملے گا، اسی لئے قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ غیر شادی شدہ لوگوں کا نکاح کر دو، ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ''، نیز نکاح سے روکنے کی ممانعت فرماتا ہے، ''وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ''، اور عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، یہ حکم اور ممانعت صرف اسی لئے ہے کہ یہ عمل صرف دنیاوی عمل نہیں، جس کا مقصد خواہش نفس کی تکمیل اور نسل انسانی کا جاری رکھنا ہو، بلکہ اس میں اللہ کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کے بیشمار معاشی و معاشرتی فوائد ہیں، نیز حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ اس کی مخلوق رشتۂ زوجیت سے منسلک رہے، اسی لئے اس نے ہر چیز کا جوڑا پیدا فرمایا، ''وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے، تاکہ تم غور و فکر کرو، انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کے لئے تو یہ رشتۂ زوجیت نہایت ہی اہم قرار دیا گیا، جس کا بار بار قرآن کریم ذکر کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا (فاطر:۱۱)

اور اللہ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا
(الشوریٰ:۱۱)

وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (النباء:۸)

اور ہم نے پیدا کیا تمہیں جوڑا جوڑا۔

زوجیت، قدرتِ الٰہیہ کا شاہکار ہے، اس کا خالق پسند نہیں فرماتا، کہ کوئی بے زوج رہے، تنہا رہے، اسی لئے تو اس نے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنہا نہ رہنے دیا بلکہ ان کے بعد سب سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور جب انسان نے اس زمین پر قدم رکھا تو وہ دو قدم نہیں، چار قدم تھا، تنہا نہیں، زوج تھا، اور جنت سے آنے والا انسان جب جنت میں جائے گا، تو وہاں بھی جوڑا ہی ہوگا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ (یٰسین:۵۵،۵۶)

بیشک اہل جنت آج اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

پس اللہ کی رضا یہی ہے کہ اس کے بندے، اس کے حکم کے مطابق نکاح کریں، جوڑا بن کر زندگی بسر کریں، اسی

Marfat.com

لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی جو خصائل حمیدہ بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی بیویاں اوران کی اولاد، صالح اور نیک ہو، (آپ بھی یہ دعا کیا کریں)۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۝ (فرقان: ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیز گاروں کے لئے پیشوا۔

وہ جن کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اور جن کی اداؤں کو اختیار کرنا ہی عبادت ہے، فرماتے ہیں، بیہقی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَاِنَّ مِنْ سُنَّتِیْ اَلنِّکَاحُ فَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیَسْتَنَّ بِسُنَّتِیْ ۞

جو میری سنت سے اعراض کرے، وہ میرے طریقہ پر نہیں اور بیشک نکاح کرنا میری سنت ہے، پس جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اسے میری سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ترمذی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تین آدمیوں کی مدد اللہ نے اپنے کرم سے اپنے ذمہ لے لی ہے، مکاتب جو (اپنی قیمت) ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، ''وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعِفَافَ''، پاکدامنی اور حفاظت عفت کے لئے نکاح کرنے والا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

ابو داؤد بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌبِکُمُ الْاُمَمَ''، محبت کرنے بچہ پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کیا کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت تعداد کے باعث (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

ترمذی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''لم تر للمتحابین مِثْلَ النِّکَاحِ''، تم نے نکاح کے ذریعہ دو محبت کرنے والے نہیں دیکھے ہوں گے (یعنی جو محبت اس رشتہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ کسی رشتہ میں نہیں پائی جاتی)

ابن ماجہ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَلْقَی اللّٰهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ''، جو اللہ سے (قیامت کے دن) پاک [illegible] میں ملنا چاہتا ہے، اسے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی بیان کیا [illegible] ﷺ نے فرمایا، ''اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنِ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ نِصْفَ الْبَاقِیْ''، جب بندے نے نکاح کرلیا تو اس

Marfat.com

نے اپنا آدھا دین تو مکمل کرلیا، اب اسے باقی آدھا دین مکمل کرنے کے لئے تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہوسکتی ہیں، یا تو آدمی کسی وجہ سے اس کا اہل نہ ہو، اور یا وہ گناہ میں مبتلا رہنا چاہتا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب تک انسان شادی نہ کرے، اس کی عبادت مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بغیر نکاح شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور جب تک شہوانی وساوس سے دل محفوظ نہ ہوگا خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت نہیں کی جاسکتی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میری عمر میں دس روز بھی باقی ہوں گے، تب بھی میں نکاح کرنا پسند کروں گا، کیونکہ میں اللہ سے اس حال میں ملنا پسند نہیں کرتا کہ میں مجرد ہوں۔

قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارا وہ عمل جسے بظاہر ایک دنیاوی کام یا ضرورت سمجھا جاتا ہے، ایک عظیم عبادت ہے، جسے اللہ پسند فرماتا ہے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، جس پر عمل کی آپ ﷺ تاکید فرماتے ہیں، نصف دین کی تکمیل کا ذریعہ ہے، جس سے مؤمن کی ایک بڑی ذمہ داری کا ایک حصہ خود بخود پورا ہوجاتا ہے، پس مسلمانوں کے نزدیک نکاح ایک معاشرتی یا معاشی معاہدہ نہیں بلکہ وہ یہ عمل اجر وثواب کی امید پر کرتے ہیں، اور اللہ انہیں ضرور اس کا اجر عطا فرمائے گا، صرف اس عمل کا ہی اجر نہیں بلکہ اس کام میں جو وقت صرف ہوتا ہے، جو دولت صرف ہوتی ہے، اس پر بھی یقیناً اجر ملے گا، علاوہ ازیں اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں شوہر و بیوی پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ ان کو پورا کرنے کے لئے محنت ومشقت کرتے ہیں، عورت بچہ جننے کی مشقت برداشت کرتی ہے، محنت سے اس کی پرورش کرتی ہے، مرد بیوی، بچوں کو حلال روزی فراہم کرنے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی اچھی تعلیم وتربیت کے لئے دن رات محنت ومشقت کرتا ہے، زندگی بھر کے اس عمل پر یہ جوڑا بے شمار اجر وثواب حاصل کرتا ہے۔

فوائد نکاح

شریعت مطہرہ کا کوئی حکم دنیاوی واخروی فوائد سے خالی نہیں، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، نکاح کے بھی بے شمار دنیاوی واخروی فوائد ہیں، یہاں صرف چند فائدے عرض کئے جاتے ہیں۔

رشتۂ زوجیت کی افادیت یا نکاح کا فائدہ قرآن کریم نے نہایت ہی پیارے انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم:۲۱)

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے، اور پیدا فرمادیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بیشک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

آیت مبا[illegible] "لتسکنوا الیھا" کے جملہ پر خوب غور کیجئے، یہ نکاح کی افادیت کے لئے اہم

Marfat.com

ترین جملہ ہے، جتنا آپ غور کریں گے اتنی ہی افادیت واضح ہوتی جائے گی۔

یہ جوڑا بندی، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، انسان پر اللہ کا بڑا کرم ہے، یہ اس کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، کہ اس نے مرد کو بیوی اور عورت کو شوہر عطا فرمایا، ''لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا''، تا کہ ایک دوسرے کے لئے سکون وطمانیت مہیا ہو سکے، ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ''، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جسم کو جو فوائد لباس سے حاصل ہوتے ہیں، وہی فوائد مرد وعورت کو ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں، لباس جسم کے لئے راحت وسکون کا ذریعہ ہے، تو یہ مرد وعورت بھی ایک دوسرے کے لئے راحت وسکون کا ذریعہ ہیں، ایسا سکون جو نہیں کسی بھی دوسرے ذریعہ سے میسر نہیں آسکتا، سارے وسائل کے باوجود اگر جوڑا نہ ہو تو نہ مرد کو چین نصیب ہوتا ہے نہ عورت کو، نظریں کسی کو تلاش ہی کرتی رہتی ہیں، دل ودماغ میں ایک عجیب انتشار رہتا ہے۔

زندگی اگر چہ چندروزہ ہے، لیکن نشیب وفراز، پیچ وتاب والا پہاڑ ہے، جس میں مسافر کو کبھی منزل قریب نظر آتی ہے تو کبھی بہت دور، زندگی کے ان چند دنوں میں کبھی خوشیوں کی برکھا برستی ہے تو کبھی غموں کا اندھیرا چھا جاتا ہے، تنہائی خوشیوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے اور غموں کو پہاڑ بنا دیتی ہے، اس کیفیت کو ان لوگوں سے پوچھئے، جو معاشی مجبوری کے باعث اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور اعزاء سے دور کہیں تنہا زندگی کے طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان سے پوچھئے کہ عید کیسی گزرتی ہے، ان سے پوچھئے کہ ذرا بھی سر میں درد ہوتا ہے تو کیا بیتتی ہے لیکن پھر بھی ایک امید کی کرن سہارا دیئے رہتی ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس تنہائی سے نجات ملے گی، سوچئے اگر امید کی یہ کرن بھی نہ ہوتی اور ساری زندگی تنہا ہی بسر کرنا پڑتی تو ہماری کیا حالت ہوتی، یہ تو رب حقیقی نے کرم فرمایا کہ ہمارا جوڑا پیدا فرمادیا اور پھر قانون نکاح کے ذریعہ اس جوڑے کو ملا دیا، بنا دیا، مزید کرم یہ کہ ان کے درمیان بیگانگی کو ختم فرمایا، ''وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً''، نکاح ہوتے ہی وہ مرد وعوت ایسے یک جان دوقالب ہو گئے کہ ایک دوسرے کا لباس بن گئے، جبکہ چند لمحہ قبل یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے غیر تھے، نہ جان تھی نہ پہچان، میرے آقا ﷺ نے ایسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ''، نکاح کے ذریعہ جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ تمہیں کسی رشتہ اور تعلق سے نہیں مل سکتی، یہ اللہ کی قدرت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔

جب انسان کو جوڑا مل جاتا ہے، تو اس کے لئے زندگی کا سفر سہل وآسان ہو جاتا ہے، اس کی خوشیاں دوبالا ہو جاتی ہیں اس کے غم معمولی ہو جاتے ہیں، اب زندگی کی گاڑی مکمل ہو جاتی ہے، اس کے دو پہیئے ہو جاتے ہیں، اور یہ آسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی جاتی کہ یہ جوڑا بنا ہی اس لئے ''لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا''، تا کہ سکون میسر آسکے تو سکون میسر آتا ہے، ذرا سوچئے تو سہی کہ ایک مرد رات کو پرمسرت، آرام دہ نیند کے بعد جب صبح گھر سے رخصت ہونے لگتا ہے، تو اسے تیاری کے لئے تنہا بھاگ دوڑ نہیں کرنا پڑتی، اس کی نیک بیوی اس کی مدد کرتی ہے اور پھر وہ اپنے آرزو بھرے دل کی دعاؤں کے ساتھ اپنے سرتاج کو رخصت کرتی ہے، جس سے مرد کو ایک عجب سا سرور حاصل ہوتا ہے، جس کا اثر اس پر گھر واپس ہونے تک رہتا ہے، اور جب یہ گھر واپس پہنچتا ہے تو بیوی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہے، جس پر نظر پڑتے ہی اس کی سارے

Marfat.com

دن کی کوفت، الجھن اور تکان یکسر دور ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ سکون ایسی بیوی سے میسر آ سکتا ہے جو نیک ہو، شریف ہو، امین ہو، جسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور جو عورت، شوہر سے پہلے گھر سے نکل جائے اور شوہر کے بعد گھر میں داخل ہو، وہ کیا سکون فراہم کرے گی، اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ "دیندار عورت سے نکاح کرو" یعنی نکاح کے لئے عورت کا انتخاب، اس کے حسن و جمال، مال و دولت یا اعلیٰ خاندان کی بناء پر نہ کرو، بلکہ وجہ انتخاب دینداری ہونی چاہئے، اس کے ساتھ دیگر خوبیاں بھی میسر آ جائیں تو سبحان اللہ، کہ دین دار عورت ہی سے مقصد نکاح، یعنی سکون میسر آ سکتا ہے، اس لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دیندار عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ

ساری دنیا ہی دولت ہے اور دنیا کی بہترین دولت، نیک بیوی ہے۔ (مسلم شریف)

اس نیک بیوی سے ہی نکاح کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، یہی ذریعہ سکون بن سکتی ہے، یہی گھر کو جنت بنا سکتی ہے۔

آپ ابھی ایک حدیث پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ"، رشتہ نکاح میں منسلک ہونے والے جوڑے جیسی محبت تم کہیں نہ پاؤ گے، میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد پر اچھی طرح غور کیجئے اور حالات سے اس کی تائید حاصل کیجئے، کیا ایسا نہیں، کہ نوجوان لڑکا اور لڑکی، جو ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں، جنہوں نے قبل نکاح ایک دوسرے کو قریب سے نہ دیکھا نہ پہچانا، جب نکاح کے دو بول کے بعد ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ شب عروسی کی صبح ایک دوسرے کے کس قدر قریب نظر آتے ہیں، لڑکی جو اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی کے بغیر ایک لمحہ زندہ نہیں رہ پاتی تھی، اب وہ ایک لمحہ کے لئے شوہر سے جدا نہیں ہونا چاہتی، اب اس کی محبت والفت، سوچ وفکر کا مرکز صرف اور صرف یہی شخص ہے جو ایک رات قبل اس کے لئے غیر تھا، لڑکا، جو اب تک اپنے تمام وسائل کا مصرف صرف اپنے والدین، اپنے بہن بھائیوں ہی کو سمجھتا تھا، وہ اپنی محبت دولت، سب کچھ انہی پر نثار کرتا تھا لیکن نکاح کے بعد اچانک وہ بدل جاتا ہے، اس کی سوچ بدل جاتی ہے، اس کی محبت کا قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے، اب اس کی ساری توجہ کا مرکز وہی عورت ہوتی ہے، جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا نہ پہچانا تھا، مرد و عورت کی یہ تبدیلی بظاہر بڑی ہی حیرتناک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ مقلب القلوب جس مقصد کے لئے جو حکم دیتا ہے، اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے دلوں کو بھی پھیر دیتا ہے، نکاح کا مقصد نسل انسانی کی افزائش ہے، جس کے لئے جوڑا بنا، یہ جوڑا مقصد نکاح کی تکمیل اس وقت تک ہرگز نہ کر پاتا، جب تک اس کے درمیان محبت والفت پیدا نہ ہوتی، پس اللہ یہ محبت والفت پیدا کرتا ہے، تاکہ نکاح کا عظیم مقصد بآسانی پورا ہو سکے اور اس جوڑے کی محبت بھری آغوش میں ایسے بچے پروان چڑھیں جو عملی میدان میں آنے کے بعد پورے معاشرے کو محبت والفت کا پیغام دیں اور اس طرح ایک محبت بھرا، پرسکون، پرامن معاشرہ وجود میں آ سکے۔

Marfat.com

نکاح کا فائدہ بیان کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی ہیں، بخاری بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ نے فرمایا، ''یَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَآءَ ۃَ فَلْیَزَوَّجْ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرَجِ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَہٗ وَجَآءٌ''، اے جوانوں تم میں جو عورت رکھنے کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے خواہش نفس مرتی ہے۔

مرد و عورت کے لئے ایک دوسرے کی ضرورت فطری اور جبلی ہے، نفس کی بھوک انسان کو ایسا ہی مجبور کر دیتی ہے۔ جیسے پیٹ کی بھوک، ایک فاقہ کش بھوکا جسمانی طور پر مضمحل ہو جاتا ہے، اور اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے کسی اخلاقی و قانونی پابندی کا خیال نہیں رہتا، وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہر کسی کے کھانے پر نظریں ڈالتا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے چوری کرتا ہے، ڈکیتی کرتا ہے، کسی کی جان لینے تک سے گریز نہیں کرتا، بے چارہ مجبور ہے، کیا کرے، اسے بھوک نے ساری پابندیوں سے آزاد ہونے پر مجبور کر دیا ہے، شہوت اور نفس کی خواہش اس سے بھی زیادہ آدمی کو متاثر کرتی ہے، اسے دماغی اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے، اس کیفیت سے شیطان بھی پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے ایسے شخص کی رگ و پے میں سرایت کر کے اس کی نفسانی خواہش کو مزید بھڑکاتا ہے۔ اور ایسا مرد غیر شعوری طور پر عورتوں کو اور ایسی عورت مردوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، وہ ایسی ادائیں اختیار کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح انہیں زنا، بدکاری کا موقع ہاتھ آ جائے اور ان کے نفس کی ہوس پوری ہو جائے، اس گناہ سے بچنے کا ذریعہ میرے آقا ﷺ نے نکاح کو قرار دیا، کہ اس سے غض بصر اور تحفظ فرج حاصل ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد شہوت کا وہ غلبہ ختم ہو جاتا ہے، جو گناہ کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے، ایک شادی شدہ شریف مرد و عورت کی نظر کسی غیر محرم پر نہیں اٹھتی اور نہ ہی انہیں کبھی بدکاری میں مبتلا ہونے کا خیال آتا ہے، وہ اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں۔

لیکن نکاح کے بعد جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مثلاً حقوق زوجیت کی ادائیگی کی قوت، مرد کے لئے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری وغیرہ، اگر کسی میں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحت و استطاعت نہ ہو تو ایسے شخص کو شہوانی قوت پر قابو پانے کے لئے میرے آقا ﷺ روزہ رکھنے کا علاج بتا رہے ہیں کیونکہ روزہ ذریعہ تقویٰ ہے، روزہ رکھنے والا دیگر عبادات کی پابندی بھی کرتا ہے، وہ نمازیں پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نتیجۃً اس پر اللہ کا خوف طاری رہتا ہے، پس روزہ اس کے لئے ''وَجَآءٌ'' ہو جاتا ہے کہ وہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہتا ہے۔

بہرحال نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ ''اَغَضُّ لِلْبَصَرِ'' اور ''اَحْصَنُ لِلْفَرَجِ'' ہے اور یہ نہایت ہی اہم فائدہ ہے کہ جس معاشرے کے افراد جنسی طور پر دیوانے اور پاگل ہو جاتے ہیں اس معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی، خاندانی رشتے ختم ہو جاتے ہیں، ادب و احترام یا بڑوں کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں رہتا، کوئی کسی کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا، حرام کاری عام ہوتی ہے لہٰذا حرامی بچوں کی کثرت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم مغربی تہذیب میں دیکھ رہے ہیں، اللہ اس

Marfat.com

تہذیب سے محفوظ رکھے، جو انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دے اور زندگی اجیرن ہو جائے۔

نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان پر جب بڑھاپے کا ضعف طاری ہو اور اسے سہارے اور کسی کی مدد درکار ہو، تو وہ کسی پر بوجھ نہ بنے، بلکہ اس کا سہارا اس کی وہ اولاد بنے، جو والدین کی خدمت ان پر احسان کے لئے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر کرے، اپنی نجات کے لئے کرے، وہ ماں، باپ کی خدمت کو اپنی دنیاوی زندگی میں رحمت و برکت کا ذریعہ یقین کرے اور آخرت میں اس پر اجر و ثواب کا یقین رکھے، یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ جس طرح نکاح کرنے، بچے پیدا کرنے، ان کی اچھی تربیت کرنے کا حکم دیتی ہے، اسی طرح نہایت تاکید کے ساتھ اولاد کو والدین کی خدمت کرنے، ان کا حکم ماننے، اور انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی بھی تاکید کرتی ہے، گویا والدین پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ نہایت توجہ، محنت و مشقت کے ساتھ معاشرے کو بہترین افراد مہیا کریں اور ان بہترین افراد یعنی اولاد پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ کی ساری زندگی ممنون رہیں، ان کے عظیم احسان کے بدلہ، ان کی خدمت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور بعد موت انہیں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ رخصت کریں اور پھر بھی یہ نہ خیال کریں کہ والدین کا حق ادا ہو گیا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں، ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ حق اس کے والدین ہی کا ہے، جو باوجود کوشش کے بھی ادا نہیں ہو پاتا، لہٰذا جب تک زندہ رہو، اس حق کو ادا کرتے رہو، والدین کے حقوق پر تفصیلی گفتگو، ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' میں ہے، جس کا مطالعہ نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے کہ بڑھاپا انسان کو ضرور کسی سہارے کا محتاج بنا دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ'' اور جسے ہم طویل عمر دیتے ہیں تو اس کی طبعی قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں، عمر کا ایک حصہ ایسا ضرور آتا ہے کہ انسان کا دل، دماغ، اعضاء، سب ہی کمزور ہو جاتے ہیں، اس کے لئے اپنی بات سمجھانا اور دوسروں کی بات سمجھنا، مشکل ہو جاتا ہے، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے ہر کام میں اسے دشواری ہوتی ہے، غیر مسلم اقوام میں ایسے بوڑھوں کے لئے، علیحدہ گھر بنا دیئے جاتے ہیں انہیں وہاں پہنچا دیا جاتا اور وہ لاچار و مجبور نرسوں اور ڈاکٹروں کے رحم و کرم کے بھکاری بن کر اپنی زندگی کے باقی دن گزار لیتے ہیں، لیکن اسلام اس احسان فراموشی کی اجازت نہیں دیتا، اس نے اولاد کے لئے والدین کی خدمت کو عبادت قرار دیا، اور اسے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بنایا، اسلام کا یہ قانون بوڑھوں کے لئے رحمت بنا اور ان کی زندگی کے آخری دن ان کی نیک اولاد کے سہارے نہایت سکون و آرام کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔

یہ نکاح ہی کا فائدہ ہے کہ اس کے ذریعہ جو جوڑا وجود میں آیا، اس سے اولاد پیدا ہوئی اور اس جوڑے نے باہمی تعاون کے ساتھ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جس کا صلہ انہیں بڑھاپے میں بھی ملا، اور مرنے کے بعد بھی، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے آپ اپنی منزل کی طرف چل دیئے، واپسی پر اسی

Marfat.com

قبر کے پاس آئے، تو ملاحظہ فرمایا کہ رحمت کے فرشتے اسی میت کے پاس نور کے طبق لئے بیٹھے ہیں، آپ کو حیرت ہوئی کہ جس پر عذاب ہو رہا تھا اب اسی پر کرم ہو رہا ہے آپ نے نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس راز سے آگاہ فرمادے، پس وحی نازل ہوئی کہ یہ صاحب قبر نہایت ہی گناہ گار، مستحق عذاب تھا، لہٰذا اس پر عذاب ہو رہا تھا لیکن جب یہ مرا تھا تو اس کی بیوی حاملہ تھی، اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا، اس کی اچھی تربیت کی، آج اس کی ماں نے بچہ کو مدرسہ میں داخل کرایا، اور جب اس نے استاد کے سامنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو مجھے حیاء آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دوں، جس کا بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے، پس میں نے ہمیشہ کے لئے اس کو عذاب سے نجات دی اور اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔

غرضیکہ نکاح اولاد کی صورت میں وہ سہارا مہیا کرتا ہے، جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی، بشرطیکہ اولاد صالح ہو، اسی لئے والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں، اسے دیندار بنائیں، صالح بنائیں، تاکہ انہیں نکاح کا فائدہ حاصل ہو، اور اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے، عذابِ الٰہی سے نجات کا ذریعہ بنے۔

اے ایمان والو! اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جن غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کا تمہیں ولی بنایا ہے، تم جس قدر ممکن ہو جلد ان کا نکاح کرا دو تا کہ وہ زندگی کی مسرتوں سے اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں، ان کے لئے قدرت کی طرف سے افزائش نسل انسانی میں حصہ لینا جو مقدر ہے وہ اسے حاصل کر سکیں، انسانی محبت و وفاداری ان کے لئے ذریعہ سکون بنے، شہوانی وساوس و تخیلات سے آزاد ہو کر وہ تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کر سکیں، بڑھاپا آنے سے پہلے ان کے سامنے بڑھاپے کا سہارا موجود ہو اور چین و اطمینان سے ان کی شب و روز گزریں، نیز ان کو ذخیرۂ آخرت میسر آسکے۔

اختیارِ نکاح

''وَاَنْكِحُوْا''، اور نکاح کرا دو، یہ ان لوگوں سے خطاب ہے، جو بے نکاح لوگوں کے ولی اور کفیل ہیں، گویا نکاح کرا دینے کی ذمہ داری اولیاء کو سونپی جا رہی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اولیاء ہی کو نکاح کرا دینے کا اختیار ہے کہ وہ جس کا جس سے چاہیں نکاح کرا دیں اور نکاح کرنے والے کو کوئی اختیار ہی نہ ہو، بس وہ ولی کے فیصلہ کے پابند ہوں، چاہے اسے بخوشی قبول کریں، یا بکراہت، ایسا نہیں، بلکہ اولیاء کو جوڑا تلاش کرنے، ضروری تحقیق کے بعد منتخب کرنے کا حق دیا گیا ہے، اس انتخاب کو قبول کرنے یا مسترد کر دینے کا مکمل اختیار لڑکے یا لڑکی کو حاصل ہے، اسی لئے شرعاً نکاح اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں اجازت نہ دے اور لڑکا ان گواہوں کے سامنے لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول نہ کرے، اسی کو ایجاب و قبول کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ولی نے کر دیا، تو بالغ ہوتے ہی دونوں کو اس نکاح کے قائم رکھنے یا منقطع کر دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح بالغ لڑکے اور لڑکی کو بغیر ولی کی اجازت و مرضی کے نکاح کر لینے کا حق بھی حاصل ہے کہ شرط نکاح ایجاب و قبول، دو گواہ اور مہر ہے۔

بہر حال یہ مرد و عورت کا فطری حق ہے اور ہم بار بار عرض کر رہے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو ہرگز پامال نہیں کرتا، صرف ان کی تکمیل کے لئے قانون نافذ کرتا ہے، ولی کو نکاح کا اختیار صرف اس لئے دیا گیا کہ لڑکا اور لڑکی اپنا جوڑا منتخب

Marfat.com

کرنے میں غلطی نہ کریں، کہ قبل نکاح مرد وعورت پر غلبہ شہوت ہوتا ہے جو یہ سوچنے کی مہلت نہیں دیتا کہ نکاح کوئی وقتی یا عارضی عمل نہیں، بلکہ یہ تو ساری زندگی کے لئے ایک اٹوٹ بندھن ہے، جس میں بندھنے سے پہلے تمام حالات کا جائزہ لینا اور نہایت غور وفکر کے بعد فیصلہ کرنا ضروری ہے، بالخصوص کنوارے، کم عمر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تو اس قسم کے غور وفکر کی کوئی صلاحیت ہی نہیں رکھتے نہ انہیں لوگوں کی عادات واطوار پہچاننے کا کوئی تجربہ ہوتا اور نہ ہی وہ خاندانوں کے حالات کا کوئی علم رکھتے ہیں، وہ تو صرف ایک لفظ محبت ہی جانتے ہیں اور اسی کے نشہ میں مست ہو کر ساری زندگی کا سودا کر بیٹھتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ محبت کا یہ نشہ بہت رہتا ہے تو چند سال اس کے بعد نفرت کا دروازہ کھلتا ہے، ہر وقت بات بات پر گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں، وہی ماں باپ، ولی، جن کی مرضی کے خلاف، یا جن کو خبر کئے بغیر یہ شادی ہوئی تھی، اب دونوں میں فیصلہ کراتے رہتے ہیں اور بالآخر وہ منحوس دن آ کر ہی رہتا ہے، جب طلاق کے تین لفظ اس جوڑے کی محبت کا انجام بنتے ہیں، دونوں خاندانوں کی رسوائی ہوتی ہے، اگر بچے ہیں تو وہ بے سہارا ہو جاتے ہیں، ماں، باپ کے زندہ ہونے کے باوجود یتیم ہو جاتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ہو سکے کہ یہ ایک بیساکھی (ماں باپ) کے سہارے چلتے ہیں لہٰذا ساری زندگی لنگڑاتے ہی رہتے ہیں، پس ولی کا سہارا، بالخصوص کنوارے نوجوانوں کے لئے بڑا ہی اہم ہے، جو اپنے تجربہ سے، نہایت چھان بین اور پوری تحقیق کے بعد جوڑے کا انتخاب کرتا ہے، اسی لئے بزرگوں کے جوڑے ہوئے رشتے اکثر کامیاب ہوتے ہیں، ایسے جوڑے نہایت ہی پر مسرت اور پروقار، خاندانی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام حیاء وشرم کی تعلیم دیتا ہے، اور ہر حال میں مسلمان مرد وعورت پر حیاء کی چادر دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ مختلف انداز میں اس کی تعلیم دی، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَآءُ''، ہر مذہب کی ایک خاص صفت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیاء ہے، یعنی مسلمان کی پہچان حیاء ہے، یا یوں کہئے کہ مسلمان بے حیاء و بے شرم ہو ہی نہیں سکتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کو حیاء وشرم کی تلقین کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، ''دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَآءَ مِنَ الْاِیْمَانِ''، اسے چھوڑ دو، حیاء تو ایمان کا جزو ہے، نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں ''اِنَّ الْحَیَآءَ وَالْاِیْمَانُ قُرَنَآءُ جَمِیْعًا فَاِذَ رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ''، حیاء اور ایمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، جب ان میں سے ایک کو اٹھایا جاتا ہے، تو دوسرے کو بھی اٹھا لیا جاتا ہے، یعنی بے حیاء و بے غیرت مؤمن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، غرضیکہ اسلام میں حیاء کی بے حد اہمیت ہے، خصوصاً لڑکیوں کے لئے کہ لڑکی اور عورت کا اصل زیور، حیاء ہی ہے اس کا اصل حسن حیاء ہی ہے، نکاح کا حیاء سے تعلق واضح ہے، اس کے لئے کسی لڑکے کا لڑکی سے یا لڑکی کا لڑکے سے از خود بغیر کسی درمیانی واسطہ کے کہنا بڑی ہی بے شرمی ہے، بالخصوص کسی لڑکی کا اپنے آپ کو کسی لڑکے سے بیوی بنا لینے کی پیش کش کرنا تو بڑی ہی بے شرمی ہے، غور فرمائیے، کہ حضرت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت محسوس کی اور آپ ﷺ سے نکاح کا فیصلہ کر لیا، تو حیاء وشرم ہی کے سبب از خود پیش کش نہ کی، حالانکہ آپ عمر رسیدہ تھیں،

Marfat.com

دوشوہروں سے بیوہ ہو چکی تھیں، پھر بھی آپ نے اپنی ایک سہیلی نفیسہ سے اپنی خواہش کا ذکر کیا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پیغام لے کر حاضر ہوئیں، یہ حیاء وشرم کی ایک مثال ہے جو ہم غلاموں کے لئے یقیناً قابل تقلید ہے، حالانکہ اس وقت تک نہ خدیجہ ام المؤمنین تھیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کے اس جہالت کے دور میں بھی شرفاء میں حیاء وشرم موجود تھی۔

نیز ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام ہر موقع پر والدین اور دیگر بزرگوں کی برتری برقرار رکھنا چاہتا ہے اور ان کے حقوق کا محافظ ہے، والدین اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے، ان کی خواہش ہوتی ہے اور ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ اولاد کی زندگی کا ایک اہم باب ان کے ہاتھوں کھلے، پس انہیں یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لڑکے یا لڑکی کے لئے خود جوڑا تلاش کریں اور ان کی رضا معلوم کر کے ان کی اجازت لے کر نکاح کے بندھن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیں۔

مغربی تہذیب کی بدتہذیبی

مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات کے لئے ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ دیگر معاملات کی طرح شادی بیاہ کے معاملہ میں اس تہذیب کی بدتہذیبی کا یہ حال ہے کہ والدین یا بزرگوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں رہی ہے کہ ان پر اپنے بچوں کی شادی کرانے اور ان کے لئے جوڑا تلاش کرنے کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ صرف اپنے بچوں سے یہ پوچھ لیتے ہیں کہ تم شادی کب کر رہے ہو، اور انہیں اس سوال کا جواب اس وقت ملتا ہے جب لڑکا یا لڑکی ان کو اپنی شادی کا کارڈ تھماتا ہے، بالکل اس طرح جیسے وہ اپنے دیگر اعزاء یا احباب کو دعوت دیتا ہے، یہ انتخاب اکثر کالجوں، دفتروں یا کلبوں میں ہوتا ہے، نہ لڑکے کو لڑکی کے خاندان کا پتہ ہوتا ہے، نہ لڑکی کو لڑکے کے خاندان کا، تنہا دو فرد اپنی دنیا خود بناتے ہیں، اسی لئے یہ دنیا صرف چند دن کی ہوتی ہے، جس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور پھر اپنا اپنا جوڑ تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، آپ غور فرمائیے اسلام جو ایک مہذب مذہب ہے، اس بدتہذیبی کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے، وہ نکاح کو ایک ایسا مضبوط رشتہ قرار دیتا ہے، جو ہمیشہ کے لئے ہو، کبھی نہ لوٹنے پائے اسی لئے وہ اس معاملہ کا ذمہ دار اولیاء کو قرار دیتا ہے، جو تجربہ کار ہوتے ہیں، جن میں چھان بین اور ضروری تحقیقات کی پوری صلاحیت ہوتی ہے، اسی لئے ان کے قائم کردہ رشتے کامیاب اور مستحکم ہوتے ہیں، نیز شوہر وبیوی کے درمیان جھگڑے کی صورت میں یہی خاندانی بزرگ مداخلت کرتے ہیں اور معاملات کو سلجھا دیتے ہیں، بہرحال شریعت اسلامیہ نے اولیاء کو اختیار نکاح دے کر شادی کرنے والوں پر بڑا احسان فرمایا، ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے انہیں معاون ومددگار فراہم کیا، پس عافیت اسی میں ہے کہ مغربی تہذیب کی بدتہذیبی سے بچا جائے اور ہر معاملہ میں اپنے دین رحمت کے عطا کردہ احکام وقوانین کی پابندی کی جائے۔

اَیامیٰ

غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کو کہا جاتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں، وہ غیر شادی شدہ نوجوان جن کا اب تک

Marfat.com

نکاح ہوا ہی نہیں ہے، یعنی کنوارے لڑکے اور لڑکیاں، وہ بے نکاح مرد وعورت جن کا نکاح ہوا، لیکن طلاق واقع ہوگئی اور وہ پھر بے نکاح ہو گئے، وہ بے نکاح لوگ جنہیں موت نے تنہا کر دیا، شوہر یا بیوی کسی ایک کا انتقال ہو گیا، اسلام ان تمام لوگوں کی جلد شادی کر دینے کا حکم دیتا ہے، کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اگر چہ شریعت مطہرہ نے عمر کا کوئی تعین نہ کیا، تاہم تاکید کی کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد ان کی شادی کا اہتمام کریں تاکہ وہ کسی برائی کے راستے پر قدم اٹھانے سے قبل ہی تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں اور معاشرہ اس آوارہ گردی سے محفوظ رہے، جو اکثر نوجوانوں کی بے راہ روی سے پیدا ہوتی ہے اور شریف لوگ اپنے بچوں بالخصوص لڑکیوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے فکر مند رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے بے نکاح مرد وعورت کا نکاح بھی جلد کرا دینا چاہئے کیونکہ مرد وعورت کے ایک مرتبہ ملاپ کے بعد خواہش نفس مزید بڑھ جاتی ہے، جو لوگ اس رشتہ کے بعد تنہا ہو گئے ہیں، زیادہ امکان ہے، خطرہ ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے معاشرے میں ایسے لوگوں پر اعتماد کم ہو جاتا ہے، ایسے تنہا مرد وعورت کا اپنے گھر میں آنا جانا کوئی پسند نہیں کرتا، یہ لوگ اکثر لوگوں کی بدگمانیوں اور الزامات کا شکار ہوتے رہتے ہیں، اس صورت حال کا خاتمہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے حکم پر عمل کیا جائے اور ان بے نکاح لوگوں کو جلد از جلد رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے بعض خاندانوں میں بیوہ یا مطلقہ کا دوسرا نکاح معیوب سمجھا جاتا ہے، اسے شرافت وحیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے، غالباً یہ خیال ہندوؤں کے عمل سے لیا گیا ہے جن کے یہاں عورت کو مرد کے ساتھ ہی ستی کر دیا جاتا تھا اور شاید اب تک ان کے یہاں عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہیں، اسلام میں ایسی بیہودگی کی اجازت نہیں، شریعت کا تقاضا یہی ہے، حیاء وشرم یہی ہے کہ مرد کی طرح مطلقہ یا بیوہ کو بھی دوسری شادی کا پورا پورا حق دیا جائے، اس کو برا نہ سمجھا جائے، بلکہ ضروری اور اچھا سمجھ کر جلد از جلد یہ نیک کام انجام دیا جائے کہ یہی ''اَزْکٰی'' اور ''اَطْهَرُ'' ہے، تقویٰ اور پرہیز گاری کا ذریعہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ (البقرہ:۲۳۲)

اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں کہ وہ نکاح کر لیں اپنے (تجویز کردہ) خاوندوں سے جبکہ رضامند ہو جائیں آپس میں مناسب طریقہ سے یہ نصیحت کی جاتی ہے، اس (فرمان الٰہی) کے ذریعہ اس کو جو تم میں سے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور بہت صاف، اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔

واضح ارشاد ہے کہ اہل ایمان کے لئے ''ازکی'' و''اطہر'' یہی ہے، کہ مطلقہ عورتوں کو دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکیں، یہی حکم بیوہ عورتوں کے لئے ہے، اسی سے معاشرہ بھی بہت سی برائیوں اور خرابیوں سے پاک وصاف ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

غلاموں اور باندیوں کا نکاح:۔ غلام اور باندی شرعاً مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے اگرچہ آزاد مرد وعورت کی نسبت کم ہیں لیکن ان کے پیدائشی اور جبلی خصائل وجذبات بہر حال عام انسانوں جیسے ہی ہیں، ان میں عقل بھی ہے احساس بھی ہے، اچھے اور برے میں امتیاز کی صلاحیت بھی ہے، غمی اور خوشی کے جذبات بھی ہیں، پیٹ کی بھوک بھی ہے، نفس کی خواہش بھی ہے، اسلام ان کے تمام خصائل کا احترام کرتا ہے اور ان کے متعلق احکام دیتا ہے، ان کی عبادات کا ثواب عام انسانوں کی عبادت ہی کی طرح ہے، ان پر ظلم وستم ایسا ہی جرم ہے جیسا عام انسانوں پر، جنہیں غلاموں اور باندیوں کا مالک بننے کا اعزاز دیا گیا، ان پر غلاموں اور باندیوں کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری بھی عائد کی گئی، ان کی آزادی کو عبادت اور ذریعہ ثواب قرار دیا گیا تاکہ اس کمزور مخلوق کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے پائے، ان کی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے ان کے مالکوں کو ان کے نکاح کر دینے کا بھی حکم دیا گیا۔'' وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ '' جو غلام اور باندیاں نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں، ان کو ان کا یہ فطری حق دو، اجازت بھی دو اور ان کے لئے مناسب جوڑے کا انتخاب بھی کرو کہ تمہارے مالک نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے، تو بحیثیت مالک تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس نیک کام میں تم ان کے مددگار رہو، تاکہ نہ تو ان کی عزت نفس پامال ہو اور نہ ہی وہ غلبۂ شہوت سے مجبور ہو کر بدکاری میں مبتلا ہونے پائیں۔

صلاحیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جسمانی اور معاشی طور پر نکاح کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہوں، حقوق زوجیت ادا کر سکیں بیوی اور ہونے والے بچوں کی ضروریات کی کفالت کر سکیں، غلام وباندی کے نکاح کے بعد مالکوں پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ معاشی طور پر ان کی مدد کریں، اس طرح کہ یا تو وہ انہیں کسب معاش کی اجازت دیں اور یا خود انہیں ملازم کی حیثیت دے کر ان کے اخراجات پورے کریں، بہر حال مالکوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ غلام و باندی میں صلاحیت کے باوجود انہیں ان کے حق سے محروم کریں اور ان کے فطری تقاضا کو پامال کریں، یہ اس رب کا حکم ہے جس نے انہیں اپنے ان بندوں پر قدرت دی اور انہیں ان کی اجازت کا پابند بنایا۔

بخوف تنگدستی نکاح نہ کرنا

'' اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِه '' آیت مبارکہ کے اس حصہ پر غور فرمائیے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ والدین یا دیگر اولیاء، بے نکاحوں کا نکاح کرنے میں ٹال مٹول اور تاخیر اس بناء پر نہ کریں کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہیں، شادی بیاہ کے اخراجات اور اس کے بعد اہل وعیال کی کفالت ان کے لئے دشوار ہوگی، یہ خیال نہایت ہی لغو اور بودہ ہے، کہ انسان نہ تو فراخی رزق پر قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی غربت وتنگدستی خود پیدا کرتا ہے، قرآن نے بار بار اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ، '' اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ '' اللہ ہی کشادہ روزی دیتا ہے، جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے، کسب معاش کے لئے انسان محنت ومشقت کرنے کا ضرور مکلف ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی صلاحیت اور قوتِ بازو سے جتنا چاہے کما لے، اگر ایسا ہو سکتا تو اس دنیا میں تلاش کئے کوئی غریب نہ ملتا، لیکن ایسا نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ کسی کو دولت مند بنا دیا جائے اور کسی کو غریب'' وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى

Marfat.com

الرِّزْقِ''، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے برتر کیا ہے، کوئی زیادہ دولت مند ہے، کوئی کم، کوئی بالکل ہی غریب ومحتاج، یہ کرشمہ قدرت ہے، جس میں حکمت یہ ہے کہ دولت مند غریب کو دیکھ کر دولت کی قدر پہچانے، اللہ کی اس نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرے اور غریب پر مہربان ہو، اس کی مدد کرے، نیز امیر وغریب سب اللہ کے دربار میں بھکاری بنے رہیں کہ اللہ کو بندوں کا مانگنا، ہاتھ پھیلانا بہت پسند ہے۔

جب بندہ اللہ پر توکل کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو رحیم وکریم رب اس کی ضرور مدد فرماتا ہے، کہ اس کا وعدہ ہے''وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ''، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، نکاح حکم الٰہی ہے، سنت رسول ﷺ ہے، اگر تم غربت وتنگدستی کے باوجود اس حکم کی تعمیل کرو گے، اس سنت پر عمل کرو گے، اس نیت سے کہ تم حکم نکاح کے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنو، یعنی تمہارے ذریعے نسل انسانی کی افزائش ہو، اور حکم الٰہی کے مطابق تم اپنی خواہش نفس پوری کر سکو، تاکہ بدکاری کی راہ سے محفوظ رہو، تو اللہ تمہارا مددگار ہوگا، اس کا وعدہ''يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ''، وہ اپنے فضل وکرم سے رشتہ ازدواج میں منسلک جوڑے کی ضروریات کا غیب سے انتظام کردے گا، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے،''مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيْجَ مَخَافَةَ الْعِيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا''، جس نے تنگدستی کے خدشہ کی بناء پر شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ اس طریقہ پر نہیں جو اہل ایمان کا ہونا چاہئے کہ مؤمن تو اللہ کے رزاق ہونے پر یقین کامل رکھتا ہے، اس کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ جو اللہ اسے کھانے کو دیتا ہے، وہی اس کی ہونے والی بیوی اور کچھ مدت بعد ہونے والے بچوں کو بھی دے گا۔

تنگدستی اور غربت کے بہانے نکاح میں تاخیر کرنے کی وباء ہمارے دور میں عام ہے، جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ہی اپنے جوڑے کے انتخاب کی بنیاد دولت کو بناتے ہیں، لڑکی والے دولت مند لڑکا تلاش کرتے رہتے ہیں اور لڑکے والے دولت مند خاندان کی لڑکی تلاش کرتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ جہیز حاصل ہو سکے، دوسری یہ کہ شادی میں تاخیر محض اس لئے کی جاتی ہے کہ شادی کے غیر ضروری اور بے تکے اخراجات کے لئے دولت نہیں ہوتی، تیسری یہ کہ لڑکا لڑکی دونوں ہی یہ چاہتے ہیں کہ شادی سے قبل ہی ان کے پاس اتنی دولت ہو جائے کہ وہ یہ یقین کر سکیں کہ ساری زندگی انہیں تنگدستی سے واسطہ نہیں پڑے گا، آیئے مختصراً جائزہ لیں، نکاح سے گریز کی ان تینوں صورتوں میں کتنی معقولیت ہے۔

جوڑے کا انتخاب

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دولت آنے جانے والی چیز ہے، راتوں رات کسی کا دولت مند بن جانا اور آنا فانا کسی دولت مند کا دیوالیہ ہو جانا ایک عام بات ہے، جس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، زندگی میں صبح، شام ہم ایسے واقعات دیکھتے سنتے رہتے ہیں، اس کے باوجود جوڑے کے انتخاب میں دولت کو بنیادی حیثیت دینا کس قدر نامعقولیت ہے، لڑکی والے اچھے، اچھے رشتے صرف اس لئے مسترد کر دیتے ہیں کہ لڑکے کی آمدنی معقول نہیں، جبکہ قرآن کریم کے ارشاد کے

Marfat.com

مطابق مؤمن کو تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ''اَللّٰهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ'' اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی قوت والا، زبردست ہے کیا عجب آج جو غریب ہے، کل اسے اللہ کے سایۂ لطف وکرم میں پناہ مل جائے اور اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ۝

جب کوئی ایسا شخص تمہیں نکاح کا پیغام دے، جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو (اپنی لڑکی کا) اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور لمبا چوڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی شریف)

یعنی جب کسی لڑکے کا پیغام نکاح آئے تو اس کی مذہبی اور دینی حیثیت کو دیکھا جائے، اخلاق و عادات کو دیکھا جائے، مال و دولت کو نہیں، اگر لڑکا مسلمان ہے، دیندار ہے، اچھے اخلاق و عادات سے مزین ہے تو یہ بڑی نعمت ہے، اس کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں جس کو تلاش کیا جائے، بس فوراً اپنی چہیتی بیٹی کی شادی طے کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور دولت کے چکر میں پڑے رہے اور یہ وبا عام ہوگئی تو جوان لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہیں گی، زندگی کے شب و روز، ان کے حسن و جمال کے لئے خزاں بن جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی کثرت ہوگی تو معاشرے میں طرح طرح کے جرائم جنم لیں گے، برائیاں بدکاریاں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

اگر آپ موجودہ حالات پر نظر ڈالیں تو میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق پائیں گے، غیر شادی شدہ عورتوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، صرف اس لئے کہ انہیں اپنے معیار کا جوڑ نہیں ملتا، اور ان کا معیار یہ ہے کہ ہونے والے شوہر کے پاس دولت ہو، گاڑی ہو، بنگلہ ہو، اس معیار کا جوڑ انہیں ملتا، لہٰذا وہ بیٹھی ہوئی ہیں نہیں بیٹھی نہیں ہیں، مصروف رہنے کے لئے، دل بہلانے کے لئے، یا اپنا پیٹ پالنے کے لئے نوکری کرتی ہیں، کاروبار کرتی ہیں، وہ تمام ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں جو ان کا شوہر پوری کرتا ہے، ظاہر ہے یہ فرشتہ نہیں، نفس کی خواہش اور بھوک سے آزاد نہیں، جس کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے، ہمارے معاشرے کا فساد اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، آج ہمارے معاشرے میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور اس کو بھڑکانے والے وہی نوجوان ہیں، جو عائلی زندگی سے آزاد ہیں، جن کی شادی صرف اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ وہ غریب ہیں، یا بے روزگار، جب وہ اس ذمہ دارانہ زندگی سے آزاد رہے، جو صرف شادی کے بعد ہی شروع ہوتی ہے، تو انہوں نے آوارگی کی راہ اختیار کر لی اور پورے معاشرے کو ایک طوفان میں مبتلا کر دیا، لہٰذا اگر آپ کے پاس جوان بیٹی ہے، تو جونہی اس کا پیغام آئے تو آپ لڑکے کی دینداری، اس کے اخلاق و عادات کی خوب چھان بین کریں اور جب آپ اس میں یہ خوبیاں پائیں تو دوسری کوئی چیز نہ دیکھیں، فوراً رشتہ قبول کر لیں کہ جب لڑکا دیندار ہے اور آپ کی بیٹی بھی نیک و دیندار ہے تو اللہ ضرور ان پر مہربان ہوگا، ''يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' اپنے فضل و کرم سے ان کی ضروریات پوری فرمائے گا، شادی

Marfat.com

کے بعد آپ اس دیندار جوڑے کو پرسکون زندگی بسر کرتے دیکھیں گے، یہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنے گا کہ ان کے چہروں پر آپ کو نور نظر آئے گا، ان کے گھر میں آپ کو محبت والفت کا سکون ملے گا، صبر وقناعت ان کی دولت ہوگی۔

ذرا غور فرمائیے کہ شہنشاہ کائنات ﷺ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بلند مرتبہ کس کی بیٹی ہو سکتی ہے، سیدۃ نساء اھل الجنۃ ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے جسم مبارک کا ٹکڑا قرار دیا اگر آپ ﷺ چاہتے تو کچھ انتظار کے بعد کسی دولت مند سے ان کا رشتہ کر دیتے، کیا کمی تھی ان کے لئے رشتوں کی لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا، صرف اس بناء پر کہ ان کی دینداری میں کوئی شک وشبہ نہ تھا، وہ حسن اخلاق کا پیکر تھے، دولت مند نہ تھے، حتیٰ کہ شادی کے بنیادی اخراجات کے لئے بھی ان کے پاس کچھ نہ تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشتہ طے کرنے کے بعد ان سے پوچھا، کہ کیا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ آپ نے جواب دیا، یارسول اللہ ﷺ! میری کل کائنات میرا ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے، جو سامان جہاد ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، زرہ فروخت کر دو، گھوڑا رکھ لو، کہ اس کے بغیر جہاد دشوار ہوگا، حضرت علی نے زرہ فروخت کی، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غالباً حضرت علی کے تعاون کی نیت سے چار سو اسی درہم میں خرید لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیئے، جن سے آپ ﷺ نے کچھ خوشبو وغیرہ منگائی اور مہر ادا کیا، چند ماہ بعد رخصتی ہوئی تو حضرت علی نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا اور کائنات کے آقا ﷺ کی بیٹی، جنتی عورتوں کی سردار، اس گھر میں منتقل ہوگئیں۔

بہر حال لڑکیوں کو یا ان کے والدین یا اولیاء کو چاہئے کہ وہ متقی، پرہیزگار اور بااخلاق مرد کو منتخب کریں اور اس کو اپنی بچی کا سرتاج بنا دیں، اسی میں عافیت ہے، اسی میں خیریت ہے اور یہی بے شمار الجھنوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح لڑکوں کے لئے لڑکی تلاش کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ صرف دولت مند اور اونچے گھروں کے دروازے نہ کھٹکھٹائیں، بلکہ ان گھروں میں جائیں، جہاں دینداری ہو، تقویٰ و پرہیزگاری کے نور سے چمکتی دمکتی بچی تلاش کریں، جس کا میک اپ دنیا والوں کی آنکھیں خیرہ کر دے اور جس پر حوریں بھی رشک کریں کہ میرے آقا ﷺ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو قرار دیتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ ٭

عورتوں کے ساتھ نکاح چار وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسب ونسب، اس کے حسن و جمال، اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تو دین والی کو ترجیح دے۔

(بخاری ومسلم)

نگاہ رسالت ﷺ میں مال، حسب ونسب اور حسن و جمال کی کوئی حیثیت نہیں کہ یہ سب عارضی اور وقتی چیزیں

Marfat.com

ہیں، ہاں دین ایسی نعمت ہے جو دنیا میں عزت و راحت اور سکون و طمانیت کا ذریعہ اور آخرت کے لئے بہترین توشہ و ذخیرہ ہے، پس عقل مندی یہ ہے کہ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو بنایا جائے، ایسی عورت تلاش کی جائے، جو خود دیندار ہو، اپنے بچوں کو دیندار بنا سکے، ایسی عورت جس گھر میں آجائے وہ گھر جنت بن جاتا ہے، یہ ایک ایسی شمع ہوتی ہے جس سے صرف گھر ہی روشن نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شعاعیں پورے معاشرے کی چمک میں اضافہ کرتی ہیں، دیندار عورت ہی مرد کو حقیقی سکون فراہم کر سکتی ہے، ایسی ہی صالحہ بیوی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا''، دنیا کی بہترین دولت قرار دیا ہے۔

جہیز کی تلاش

ہندوؤں کے جو رسم و رواج، ہمارے شادی بیاہ کا جز بن گئے ہیں، ان میں سب سے بڑی لعنت جہیز کی ہے، جس نے لڑکیوں اور ان کے والدین کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے، ایسی لڑکیوں کو کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، جن کے ساتھ بھاری جہیز ملنے کی توقع نہیں ہوتی، لڑکی والے خود بھی اپنی بیٹی کو بغیر جہیز کے رخصت کرنے پر تیار نہیں ہوتے، اس خوف سے کہ ساری زندگی لڑکی کو جہیز نہ لانے کا طعنہ ملتا رہے گا اور وہ اپنی سسرال والوں بالخصوص ساس، نندوں اور دیگر عورتوں کی نظروں میں ہمیشہ حقیر رہے گی، حقیقت یہ ہے کہ یہ لعنت اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ لوگ اپنے لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کرنے نہیں بلکہ جہیز تلاش کرنے نکلتے ہیں، وہ پہلے ہی سے آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ بہو اتنا جہیز لائے گی کہ ہمارا گھر بھر جائے گا اور اب تو باقاعدہ جہیز کا مطالبہ ہونے لگا ہے، فرمائشیں ہوتی ہیں، مثلاً اس طرح کہ اپنی بیٹی کو آپ گاڑی ضرور دیں تاکہ اسے آپ کے گھر آنے جانے میں دشواری نہ ہو، اس کے علاوہ ایئر کنڈیشنڈ اور دوسرا ضروری سامان تو آپ دیں گے ہی، کتنا مہذب طریقہ ہے، بھیک مانگنے کا، شرم نہیں آتی۔

ہمارے ایک شناسا نے نہایت خوبصورت بنگلہ بنایا، افتتاح یا فاتحہ وغیرہ کے لئے ہمیں لے گئے، ہم نے گھر میں برسوں پرانا فرنیچر دیکھا تو کہہ دیا کہ اب تو آپ فرنیچر بھی اچھا خرید لیں، جو اس گھر جیسا خوبصورت ہو، فرمانے لگے، اصل میں فرنیچر اور دوسرا کچھ سامان میں نے اس لئے نہیں خریدا ہے کہ میرے دو بیٹے ہیں جن کی اب میں جلد شادی کروں گا، جہیز اتنا آئے گا کہ یہ گھر بھر جائے گا اور میں لڑکی والوں کو بتادوں گا کہ میرے گھر کی حیثیت کے مطابق سامان دیں۔

غور فرمایا یہ ہیں وہ لالچی لوگ جن کی وجہ سے ہماری بیٹیوں کے لئے رشتہ ملنا دشوار ہو گیا ہے، ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے لڑکی والے ساری زندگی کے لئے قرضہ میں جکڑ جاتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اپنی لڑکی کی ذمہ داری سے تو سبکدوش ہو جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی زندگی تباہ ہو جاتی ہے، بس ساری عمر قرضہ ادا کرنے میں گزر جاتی ہے۔

دوستو! اگر نکاح کے شرعی طریقہ پر آپ غور کریں تو اس سے زیادہ کم خرچ اور سستا کوئی کام نہیں، صرف مہر ادا کرنے کے لئے حسب استطاعت رقم درکار ہے، وہ بھی اگر معجل ہے تو بیوی کے مطالبہ پر ادا کرنا ہوگا اور اگر موجل ہے تو طلاق یا بیوی کی موت کی صورت میں ادا کرنا ہوگا، فوری ادائیگی لازمی نہیں، پھر عورت کو اپنا مہر معاف کر دینے کا بھی اختیار ہے، لہٰذا اگر وہ اپنے شوہر سے مطمئن ہے تو معاف کر سکتی ہے، وہ بھی ادا نہ کرنا ہوگا، رہا لڑکے کا ولیمہ تو وہ بھی سنت ہے، اگر استطاعت ہو تو کر

Marfat.com

دیا جائے ورنہ لازمی نہیں، نیز ولیمہ پر تکلف اور اقسام، اقسام کے کھانوں سے ہی کرنا ضروری نہیں، شہنشاہِ کائنات ﷺ نے خود اپنا ولیمہ کئی مرتبہ صرف ستو اور کھجوروں سے کر کے ہمارے لئے اسے بھی سستا کر دیا کہ یہ صرف اظہارِ مسرت اور اللہ کے شکر کا ذریعہ ہے، جو حسب استطاعت، سادہ سے سادہ کھانے یا شربت وغیرہ سے بھی کیا جا سکتا ہے، علاوہ ازیں دولہا، دولہن تحائف کا تبادلہ بھی کر سکتے ہیں کہ یہ اظہار محبت کا ایک ذریعہ ہے، نیز اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''تَهَادُوْا تَحَابُّوْا''، ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تحفہ قیمتی ہو، ہار یا پھولوں کا بھی تبادلہ کر لیا جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے، رہا مسئلہ جہیز کا تو یہ شرعاً ہرگز ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لڑکی کو آسانی ہو، گھر کا نہایت ضروری اور بنیادی سامان نئے گھر میں منتقل ہوتے ہی خریدنا نہ پڑے، اس میں عیش وعشرت کا سامان شامل نہیں، نیز جو کچھ دیا جائے وہ حسب استطاعت ہو، قرض لے کر نہیں، زیر بار ہو کر نہیں، سرکارِ کائنات ﷺ اگر چاہتے تو کیا کچھ اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتے تھے لیکن جو دیا وہ یہ تھا، ایک لحاف، چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، مشک، دو گھڑے، جو موجود تھا وہ دیدیا حالانکہ ذرا اشارہ فرماتے تو ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما، جیسے جاں نثار موجود تھے، آقا کی بیٹی کا گھر بھر دیتے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا صرف اس لئے کہ قیامت تک کوئی امتی مانگ تانگ کر قرض لے کر ایسا نہ کرے۔

بہر حال لڑکی والے جو کچھ چاہیں اپنی بیٹی کو دیں لیکن استطاعت کے مطابق، قرض نہ لیں، زیر بار نہ ہوں، اور لڑکے والے اللہ کا خوف کریں، دولت کے لالچ میں مبتلا نہ ہوں، نیک اور دیندار لڑکی تلاش کریں، جہیز کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں، نکاح کے شرعی و مقدس عمل کو حصول دولت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

پہلے دولت پھر شادی

یہ تصور بھی نہایت احمقانہ اور غیر شرعی ہے کہ جب تک دولت کا ڈھیر جمع نہ ہو جائے، شادی نہ کی جائے، اچھی ملازمت ہو جائے، معقول کاروبار ہو جائے، گاڑی مکان سب کچھ ہو جائے، حتیٰ کہ اتنا بینک بیلنس بھی ہو جائے کہ ہونے والے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بآسانی انتظام ہو سکے، کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ سب کچھ مل بھی گیا اور شادی کے بعد سب کچھ برباد ہو گیا تو کیا ہو گا کہ دینے والا رب جیسے دینے پر قادر ہے اسی طرح آناً فاناً سب کچھ لے لینے پر بھی قادر ہے، ہاں یہ اسباب کی دنیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مستقبل کے تحفظ کا انتظام کیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ شادی سے قبل اتنا انتظام کر لیا جائے کہ نکاح کے بنیادی اور مستقبل میں گھر کے ضروری اخراجات برداشت کرنا مشکل نہ ہوں، لیکن اس دوران نفس پر قابو رکھنا اور برائی سے بچے رہنا، مؤمن کی نہایت اہم ذمہ داری ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط

اور چاہیئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی (مالی) قدرت یہاں تک کہ غنی کر

Marfat.com

دے اللہ انہیں اپنے فضل سے۔

اللہ بڑا ہی فضل والا ہے، ''یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ''، جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے، پس دولت کا ڈھیر جمع کرنے کی فکر میں اپنے نفس پر ظلم کرنا گناہ کے دلدل میں پھنسنے کا خطرہ مول لینا اور نکاح جیسے سکون بخش عمل سے گریز کرنا، کہاں کی عقلمندی ہے، ذرا غور کرو، سوچو۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

(عنکبوت: ۶۰)

کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق اللہ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ جانور جنہیں ہم پالتے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کے رزق کا تو بظاہر ہم وسیلہ ہیں، لیکن اس زمین پر کتنے ہی جانور ایسے بھی تو ہیں، جن کا کوئی وارث نہیں، کوئی انہیں روٹی کا ٹکڑا تک نہیں ڈالتا، کیونکہ وہ بظاہر ہمارے فائدے کے نہیں، یا وہ ہماری رسائی سے دور، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑیوں اور غاروں میں رہتے ہیں، بظاہر ان کے رزق کا کوئی اہتمام نہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھوکا نہیں مرتا کہ رزاق حقیقی ان تک ضرور رزق پہنچاتا ہے، پس جو ایسے جانوروں کو اپنے فضل سے رزق مہیا کرتا ہے، وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، نیز اس کائنات میں اللہ کی محبوب ترین مخلوق ہے، جس کے لئے اللہ نے یہ ساری کائنات پیدا فرمائی، کیسے بھوکا مرنے دے گا، جبکہ اے انسان! تجھ پر تو تیرے رب کا بڑا ہی فضل ہے، ''صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ''، تیرے خالق نے تجھے بنایا اور خوب حسین وجمیل بنایا اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ''مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيْجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا''، جس نے تنگی ومحتاجی کے خوف سے شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ خوف کہ شادی ہوگئی، تو اخراجات کیسے پورے ہوں گے کس قدر بھیانک انجام کا ذریعہ بن سکتا ہے، کہ جس کے دامن رحمت میں ہم پناہ گزیں تھے وہی آقا ﷺ ہمیں اپنے قافلہ سے خارج قرار دے رہے ہیں، اگر ہم اپنی بدعملی سے اس قافلہ کے نشانات سے محروم ہوگئے تو پھر ہمیں کہاں پناہ نصیب ہوگی، پس ذریعہ نجات وراحت یہی ہے کہ ہم اپنے قائد وآقا ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ ''مَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَتَزَوَّجْ''، جو صاحب استطاعت ہو وہ شادی کرے، یعنی جب بنیادی ضروریات پوری کرنے کی استطاعت ہو جائے، بس نکاح کر ڈالو، جوں جوں اخراجات بڑھتے جائیں گے، رزاق حقیقی اپنے فضل وکرم سے رزق کی فراخی بھی کرتا رہے گا کہ ہر کسی کا رزق اسی سے وابستہ ہے، جو شخص تنہا ہے، اسے اس کا رزق ملتا ہے، جب بیوی آتی ہے تو وہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتی ہے، ہر بچہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتا ہے، یہ نظام قدرت ہے کہ چند افراد کا رزق ایک فرد کے سپرد کر دیا جاتا ہے، کوئی اپنے حصہ سے کسی کو کچھ نہیں دیتا ہے، وہی دیتا ہے، جو اس کے پاس کسی کی امانت ہوتی ہے، یہ اس کی غلط فہمی ہے، کہ وہ اسے اپنا سمجھ لیتا ہے، اور کسی کو دے کر

Marfat.com

اس پر احسان جتاتا ہے، جبکہ اہل تقویٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دے کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو امانت تھی وہ حقدار تک پہنچ گئی نیز اللہ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ کسی کو ان کے ہاتھ سے دلوایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاکدامن ہونا ہو، یعنی اس لئے نکاح کرے کہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہے، دوسرا وہ مکاتب، جو زرِ مکاتبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کی تفصیل ہم آگے پیش کرتے ہیں، تیسرا وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، کہ اگر مجاہد کے پاس پورا سامان جنگ بھی نہ ہو تب بھی اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مِنَ النِّكَاحِ يُنْجِزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِنَ الْغِنَا''، اللہ کے حکم نکاح کی تعمیل کرو، وہ تمہیں غنی کرنے کا وعدہ پورا فرمائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رزق فراخ کردے گا۔

بہر حال مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل بالخصوص نکاح جیسے عمل خیر میں تاخیر کرے یا اس سے فرار اختیار کرے، صرف تنگدستی اور محتاجی کے خوف سے، جبکہ تنگدستی اور محتاجی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل سے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے گریز اختیار کرنے سے ہوتی ہے، اللہ سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

مکاتب کی امداد

مکاتب اس غلام کو اور مکاتبہ اس لونڈی کو کہا جاتا ہے، جنہیں مالک ایک معینہ رقم ادا کردینے کے بعد آزاد ہو جانے کی اجازت دیدے، چاہے وہ اجازت غلام و باندی کی درخواست پر دی جائے یا مالک از خود اس کی پیشکش کرے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ جب تمہارا کوئی غلام یا لونڈی تم سے معاہدۂ مکاتبت کرنا چاہے، یعنی کچھ رقم دے کر آزاد ہونے کی درخواست پیش کرے، تو تم اس کی درخواست قبول کرلو، اس سے معاہدہ کرلو اور اسے مکاتب بنالو، ہاں یہ اطمینان ضرور کرلو کہ وہ اپنا معاہدہ پورا کرسکیں گے یا نہیں نیز، آزاد ہو جانے کے بعد یہ مسلمانوں کو کسی پریشانی میں مبتلا کردینے کا ذریعہ تو نہیں بنیں گے، اس اطمینان کے بعد انہیں موقع دو کہ محنت و مشقت کر کے پیسہ کمائیں اور معینہ رقم مقررہ مدت میں ادا کردیں۔

اس کے بعد مالکوں اور عام مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ آزادی کے لئے کوشاں غلام یا باندی کی تم سب مل کر مدد کرو، مالک تو اس طرح مدد کریں، کہ اپنی خدمت لینا کم کردیں تا کہ وہ زیادہ وقت پیسہ کمانے پر صرف کرسکیں، نیز جس رقم کا معاہدہ ہوا، بہتر ہے کہ اس کا کچھ حصہ بھی معاف کردیں اور عام مسلمان اس طرح مدد کریں کہ مکاتب یا مکاتبہ کو جو رقم ادا کرنا ہے، وہ سب یا اس کا کچھ حصہ آپس میں جمع کریں اور ان کو غلامی سے نجات دلا دیں، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ میں ہوا کرتا تھا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حاضر ہوکر بتایا کہ

Marfat.com

میرے مالکوں نے مجھے اس شرط پر مکاتبہ کر دیا ہے کہ میں نو سال میں انہیں نو اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) ادا کر دوں، آپ میری کچھ مدد فرما دیں تا کہ میں آزاد ہوسکوں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کے مالکوں سے ضروری گفتگو کے بعد سب رقم یکمشت ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ (مسلم شریف)

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو نہایت مشہور ہے کہ مشرف با سلام ہونے کے بعد آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی کے مطابق اپنے یہودی مالک سے معاہدۂ مکاتبت کیا چونکہ یہودی فطرتاً نہایت لالچی اور خبیث الطبع ہوتے ہیں، لہٰذا اس یہودی نے اس سخت شرط پر آپ کو مکاتب کیا کہ آپ اس کی زمین پر تین سو کھجور کے پودے لگائیں گے اور چالیس اوقیہ سونا ادا کریں گے، آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! تین سو کھجور کے درخت لگانے، اور چالیس اوقیہ سونا جمع کرنے کے لئے تو مدت درکار ہے، جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں (آپ کی عمر شریف تقریباً دو سو برس کی تھی) نبی رحمت ﷺ نے آپ کو مطمئن کیا، صحابہ کرام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو، کھجور کے تین سو پودے جمع کرو، آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل ہوئی، پودے جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے حکم دیا، انہیں لگانے کے لئے، سلمان کے مالک کی زمین میں گڑھے کھودو اور مجھے آ کر بتاؤ، چند ہی دن میں گڑھوں کی کھدائی مکمل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ خود تشریف لئے گئے، ایک پودا اپنے دست اقدس سے لگا کر آپ ﷺ نے اس کام کا آغاز کیا، شجر کاری کا یہ بڑا کام شام ہونے سے قبل ختم ہو گیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں، کہ ان پودوں میں سے کوئی پودہ نہ جلا نہ مرجھایا، اور دوسری ہی صبح، جب میں نے جا کر دیکھا تو پودے جوان ہو چکے تھے، درختوں پر کھجوریں لٹک رہی تھیں، پورا باغ سرسبز وشاداب تھا، (یہ معجزہ تھا میرے آقا ﷺ کا) اب مسئلہ چالیس اوقیہ سونے کا باقی تھا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا پیش کیا، آپ ﷺ نے مجھے طلب فرما کر سونا دیا، اور فرمایا جاؤ، اپنے مالک کو دیدو، تمہارا کام پورا ہوا، میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بہت کم ہے، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، اللہ تمہاری ضرورت پوری کرے گا، تم جاؤ، میں مالک کے پاس پہنچا، اس نے سونا کا وزن کیا، تو پورا چالیس اوقیہ تھا، نہ کم نہ زیادہ اور میں آزاد ہو گیا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام نے اگرچہ غلامی کو باقی رکھا ہے، جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، لیکن غلاموں کے حقوق کا تحفظ فرمایا نیز ان کی آزادی کے لئے کئی دروازے کھول دیئے ہیں، تا کہ ایک غلام ساری زندگی غلام نہ بنا رہے اور غلاموں کا طبقہ دن بدن کم ہوتا چلا جائے، مکاتبت کی صورت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک دروازہ ہے، جس سے ہزاروں غلام اور باندیاں آزاد ہوتے رہے ہیں۔

عورتوں کی جسم فروشی

ہر دور میں عیاش مردوں نے عورتوں کو کھلونا بنایا حتی کہ ان کے جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دے کر ان سے دولت

Marfat.com

کمانے کا بھی ایک گھناؤنا طریقہ نکالا۔ عرب میں یہ طریقہ عام تھا کہ جوان وحسین عورتوں کے جسم کی نمائش کی جاتی، اور ایک وقت مقررہ کے لئے عیاش لوگوں سے ان کا سودا کرلیا جاتا تھا، جو اپنی شہوانی ہوس پوری کرنے کے بعد طے شدہ رقم ادا کرتے، یہ ظلم بالخصوص باندیوں پر زیادہ ہوتا تھا، باقاعدہ قحبہ خانے قائم تھے، جن میں یہ باندیاں عیاشوں کو شراب پلاتیں اور پیسے لے کر اپنے مالکوں کے حکم کے مطابق اپنا جسم عیاشوں کو پیش کردیتی تھیں، لونڈیوں پر جبر کیا جاتا تھا، کہ وہ جسم فروشی کریں اور دولت کما کر مالکوں کو دیں۔

اسلام دین رحمت ہے، اس میں ایسے گھناؤنے عمل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے، وہ تو انسان کو باعزت اور پاکیزہ زندگی فراہم کرنا چاہتا ہے، جب شراب، جوئے وغیرہ سے نجات دلا دی گئی تو اس کھلم کھلا زناکاری کے بازار کو کس طرح کھلا رکھا جا سکتا تھا۔ بس اہل ایمان کو ہدایت دی گئی، '' وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ''، اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ وہ تمہیں دولت کما کر دیں، اس حکم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورتوں کی جسم فروشی کا سلسلہ ختم کردیا، اور بحمد اللہ آج بھی اگرچہ مسلمان دین سے دور ہیں، لیکن کسی مسلم معاشرے یا کسی مسلم ملک میں یہ کاروبار باقاعدہ موجود نہیں، جبکہ یورپ وامریکہ میں آج بھی اس کاروبار کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور باقاعدہ اس کے بازار موجود ہیں، دوکانیں کھلی ہوئی ہیں، جن میں جی عورتیں اپنے کردبھٹکنے والے بدمعاشوں کو دعوت گناہ دیتی رہتی ہیں یہی نہیں بلکہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ یہ خود ہر گھر میں اپنا پیغام دیتی ہیں، فون نمبر بتا کر کہتی ہیں کہ '' آپ ہمیں ابھی بلا سکتے ہیں '' العیاذ باللہ۔

اے ایمان والو! ان احکام الٰہی کو پڑھو، ان پر عمل کرو اور شکر ادا کرو کہ رب کریم نے تمہارے لئے اپنے احکام نازل فرمائے، تمہاری عبرت کے لئے پچھلے لوگوں کے حالات بیان کئے، طرح طرح کی تمہیں نصیحت فرمائی تاکہ تم پاکیزہ زندگی اختیار کرو، اقوام عالم میں تم باعزت اور باوقار بن سکو تمہارے گھروں میں، تمہارے معاشرے میں، سکون ہو، اطمینان ہو، ہر ایک کی عزت وآبرو، اور جان ومال کو تحفظ حاصل ہو، حصول معاش میں سہولت اور برکت ہو۔

'' اے اللہ! ہمیں اس دین رحمت کو اپنانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین ''

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٦٠

النور: ٥٨ تا ٦١

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ
بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ۝ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ
الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ
بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا
عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ

Marfat.com

بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا
دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ (النور: ۵۸۔۶۱)

اے ایمان والو! اجازت طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کی عمر کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے، اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو، دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے، نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے بعد بکثرت آنا جانا رہتا ہے تمہارا، ایک دوسرے کے پاس یوں، صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام اور اللہ علیم وحکیم ہے، اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے، حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں، جس طرح اذن طلب کرتے ہیں وہ (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے، اللہ تمہارے لئے احکام اور اللہ علیم وحکیم ہے، اور بوڑھی خانہ نشیں عورتیں، جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں، اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے نہ اندھے پر کوئی حرج ہے، اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے، اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر، اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر، یا الگ الگ، پھر جب تم داخل ہو گھروں میں، تو سلامتی کی دعا دو، اپنوں کو وہ دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے، جو بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے یونہی کھول کر بیان کرتا ہے، اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو تا کہ تم سمجھ لو۔

اصلاح معاشرہ

شرعی احکام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اصلاح معاشرہ ہے جس کے بغیر نہ معاش ومعاشرت میں اعتدال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان کو بے خوف وخطر اور پرسکون شب وروز میسر آ سکتے ہیں، اسی لئے اسلام نے ان تمام مبادیات پر پابندی لگائی ہے، جو معاشرے کے فساد اور خرابی کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، استیذان، عورتوں کے لئے پردہ

Marfat.com

اور ان کی زیب و زینت کی نمائش پر پابندی کا مقصد یہی ہے، جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات پر تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، اس مقصد کی اہمیت اور اس کی تاکید کا اندازہ، اب آپ ان ہدایات سے کیجئے، جو مندرجہ بالا آیات میں دی جا رہی ہیں۔

بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا:۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے، ہر مرد و عورت کو اجازت طلب کرنے کا پابند کیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر ہو، محرم ہوں یا نامحرم ہوں، بعض پر یہ پابندی واجب ہے اور بعض کے لئے اس پر عمل مستحب و افضل ہے، لیکن اب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ اس سلسلے میں بچوں کے متعلق کیا حکم ہے، آیا ان پر بھی یہ پابندی ہے، یا وہ بلا اجازت گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بچے چونکہ مکلف نہیں، اسی لئے قرآن کریم ان کو خطاب نہیں فرماتا، تاہم والدین کے لئے بچوں کی تربیت کے احکام دیئے گئے ہیں تاکہ بچے مکلف ہونے کی عمر سے پہلے ہی احکام شرع کو جان لیں اور ان کے پابند ہو جائیں، یہاں بھی یہی انداز اختیار کرتے ہوئے، اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اپنے بچوں کو بھی یہ تربیت دو کہ وہ اپنے گھروں میں یا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت مانگا کریں، تاکہ وہ ابھی سے استیذان کے شرعی حکم کے عادی ہو جائیں، اور مکلف ہو جانے کے بعد انہیں یہ بتانے کی ضرورت پیش نہ آئے، کہ ''گھر میں دخل ہونے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے'' کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں پروان چڑھنے والے بچے، قبل از وقت ہی نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکام ضرورت کے مطابق جان لیں تاکہ بالغ ہونے کے بعد، ان کا کوئی لمحہ، لاعلمی کی بناء پر، شریعت کے خلاف نہ گزرے، مثلاً بچوں کو سات سال کی عمر سے ہی نماز کا عادی بنایا جائے تاکہ بلوغ کے بعد ان کی کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے، اسی طرح دیگر احکام کی پابندی کے لئے پہلے ہی سے انہیں تربیت دے دینا چاہئے اور احکام شروع کی پابندی کو ان کی فطرت اور عادت بنا دینا چاہئے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ کھانے، پینے اور دیگر دنیاوی امور کے عادی ہوتے ہیں، پس اہل ایمان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ تربیت بھی دیں کہ وہ جب باہر سے گھر میں آئیں یا گھر میں ہوتے ہوئے اپنے ماں، باپ، یا بہن، بھائی کے کمرے میں داخل ہونا چاہئیں تو پہلے اجازت طلب کیا کریں لیکن بچوں پر یہ پابندی محدود اوقات کے لئے عائد کی جائے، بڑوں کی طرح ہر وقت کے لئے نہیں، بس صرف تین وقتوں کے لئے، نماز فجر سے قبل دوپہر اور بعد عشاء، یہ تین وقت نہایت ہی خلوت طلب ہوتے ہیں، بس ان اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا پابند بنایا جائے۔

تین وقتوں کی پابندی

اللہ اکبر، اگر آپ قرآن کریم کے انداز بیان پر غور کریں، اس کے عطا کردہ اصول زندگی میں سہولتوں اور حکمتوں کو جاننے کی کوشش کریں تو یقین جانئے کہ آپ کو اپنے دین کی جامعیت اور کمال پر ناز ہونے لگے گا اور اپنے مؤمن ہونے پر آپ خود بخود فخر کرنے لگیں گے، دنیا کی ہر تہذیب اسلام کی عطا کردہ تہذیب کے سامنے آپ کو بدتہذیبی نظر آنے لگی گی، دوستو! جو لوگ غیروں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں، وہ درحقیقت اسلامی تہذیب سے واقف ہی نہیں، ورنہ ہرگز وہ کسی کے نقال نہ بنتے، کسی سے زندگی بسر کرنے کے اصولوں کی بھیک نہ مانگتے کہ الحمد للہ میری تہذیب، مجھے ایک پرسکون، باوقار اور اعلیٰ

Marfat.com

زندگی فراہم کرتی ہے اور وہ سب کچھ سکھاتی ہے، جس کی انسان کو، انسان بننے کے لئے ضرورت ہوسکتی ہے۔

غور فرمایئے، بچوں کو اجازت طلب کرنے کی تربیت دینے کی ہدایت کی جارہی، لیکن صرف تین وقتوں کے لئے، کیونکہ انہیں کسی دشواری میں مبتلا کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس حکم شرع سے متعارف کرانا مقصود ہے، جس کی انہیں بالغ ہونے کے بعد پابندی کرنا ہے، اس مقصد کے لئے صرف تین اوقات ہی کافی ہیں، یہ اوقات کوئی بھی ہوسکتے تھے لیکن ایسے اوقات کا تعین کیا گیا، جن میں عموماً بڑوں کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے، ان اوقات میں بچوں کو استیذان کا پابند بنایئے، تاکہ آپ کی خلوت میں خلل واقع نہ ہو، اور بچوں کی تربیت کا مقصد بھی پورا ہوجائے، اس کے علاوہ بچے آتے جاتے رہیں، کوئی مضائقہ نہیں کہ "طَوّٰافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ" کہ تم ہر وقت ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو، اس سے زیادہ پابندی تو بہت دشوار ہوجائے گی، اور تمہارا دین تمہارے لئے کوئی دشواری پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

بچوں کے لئے اجازت کی تربیت کا ایک فائدہ تو وہی ہے جو ہم عرض کرچکے ہیں، کہ وہ اس استیذان کے عادی ہوجائیں، جس کی پابندی انہیں بالغ ہونے کے بعد کرنا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ان میں ادب واحترام اور ایک نظم پیدا ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ انہیں اس سے حیاء وشرم کی تربیت حاصل ہوتی ہے، جو اصلاح معاشرہ کے لئے نہایت ہی اہم ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کو ہر موقع پر ملحوظ رکھا ہے، ذرا آپ غور تو فرمایئے کہ خلوت کے ان اوقات میں شریعت مطہرہ، آپ کے بچوں کے لئے یہ گوارہ نہیں کرتی کہ وہ آپ کو کم لباس میں دیکھیں یا اس حالت میں دیکھیں جو صرف تنہائی کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر کس طرح اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بڑے چھوٹے سب گھروں میں ننگے رہیں، کلبوں میں ننگے ناچیں، یا سوئمنگ پولز میں ننگے نہائیں کہ اسی سے تو بے حیائی اور بے شرمی کا آغاز ہوتا ہے اور ادب واحترام کی حدیں پامال ہوتی ہیں، یاد رکھئے جب ستر پوشی ختم ہوتی ہے، تو ادب واحترام خود بخود رخصت ہوجاتا ہے اور جس گھر یا معاشرے میں شرم وحیا اور ادب واحترام نہ رہا، اس تہذیب کا جنازہ نکل چکا ہے اور کسی بھی غیر مہذب معاشرے میں کسی کی بھی عزت وآبرو محفوظ نہیں رہتی، پس اسلام بچوں کو مکلف ہونے سے پہلے ہی ان کو نظم کا عادی بنانا چاہتا ہے، مہذب بنانا چاہتا ہے، تاکہ معاشرے کی تہذیب محفوظ رہے۔

بوڑھیوں کے لئے رعایت

گزشتہ صفحات پر پردے کے احکام، ان کی اہمیت اور فوائد تفصیل سے بیان کئے جاچکے ہیں، آیت زیر گفتگو میں پردے سے متعلق ہی، بوڑھی عورتوں کے لئے ایک خصوصی رعایت کا ذکر کیا جارہا ہے، ایسی عورتوں کے لئے قواعد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی وہ عورتیں جو "وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ" کا مظہر بن چکی ہوں، اتنی عمر رسیدہ ہوچکی ہوں کہ ان کے ایام حیض ختم ہوگئے ہوں، ان کے اعضاء کمزور ہوچکے ہوں، ان کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوں، مردوں کے لئے ان میں کوئی کشش نہ رہی ہو، نہ ہی ان میں جذبۂ شہوت باقی رہا ہو، ایسی عورتوں کے لئے رعایت ہے کہ وہ اپنا برقعہ، اپنی چادر اتار سکتی ہیں، یعنی پردے کی ان کے لئے وہ سختی نہیں جو جوان عمر عورتوں کے لئے ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ یہ بوڑھیاں، جوان عورتوں کی طرح نہ رہتی ہوں، انہیں اپنی زیب و زینت کے مظاہرے کا اشتیاق نہ ہو، ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ سادگی اور پاکیزگی اختیار کریں تاکہ ہر کوئی انہیں ماں کی نظر سے دیکھے، ان کا احترام کرے، کسی کے دل میں ان کے لئے کوئی برا خیال تک نہ آنے پائے، یہ رعایت صرف پردے سے متعلق ہے، دیگر احکام مثلاً سفر، استیذان وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بے تکلفی کی اجازت

انسان کا آپس میں بے تکلف ہونا، ایک فطری تقاضا ہے، بہن بھائیوں، احباب اور پڑوسیوں کے درمیان عام طور پر بے تکلفی ہو جاتی ہے، اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام ہر فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے طریقہ کار کا تعین کرتا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کرتا ہے، اگر بے تکلفی کی حد کا کوئی تعین نہ کیا جائے، تو یہ بے تکلفی بیہودگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جیسا کہ شرعی احکام کی پرواہ نہ کرنے والے لوگوں میں ہوتا رہتا ہے، مثلاً پڑوسی آپس میں اس قدر بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ مرد و عورت تنہائی میں ملنے جلنے لگتے ہیں، اور اس بے تکلفی کو مصنوعی رشتوں کا نام دے لیتے ہیں، کوئی کسی کو بہن بنا لیتا ہے، کوئی کسی کو بھائی بنا لیتی ہے، جبکہ شریعت میں ایسے رشتوں کی کوئی حقیقت نہیں، اس بے ضابطہ اور غیر محدود، بے تکلفی کا انجام، محبت کے نفرت میں تبدیل ہو جانے، دوستی کے دشمنی میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بے تکلفی کی ابتداء کھانے، پینے سے ہوتی ہے، لہٰذا قرآن کریم اسی کو بیان فرماتا ہے، کہ جب اس کا تعین ہوگا تو دیگر امور کے لئے بھی ایک حد مقرر ہو جائے گی، لہٰذا دو باتیں بیان کی گئیں، ایک یہ کہ کون لوگ آپس میں مل کر کھا، پی سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس بے تکلفی کی اجازت کن گھروں میں ہے، پہلی بات یہ کہ اندھا، لنگڑا، بیمار، یعنی معذور اور غیر معذور، سب مل جل کر کھا پی سکتے ہیں، یہ وضاحت اس لئے ضروری ہوئی کہ نزول قرآن کے دور میں یہ تکلف برتا جاتا تھا، کہ معذور لوگ صحت مند لوگوں کے ساتھ کھانے، پینے سے کتراتے تھے، بالخصوص وہ معذور جن کا ذکر آیت مبارکہ میں کیا گیا کہ اندھے کو خیال ہوتا تھا کہ مجھے اپنے عذر کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ میرے ساتھی نے کتنا کھایا اور میں نے کتنا کھا لیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے حق تلفی ہو جائے اور میں اپنے ساتھی کا کھانا بھی کھا جاؤں، لنگڑے کو خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنے عذر کی وجہ سے اس طرح نہیں بیٹھ سکتا، جس طرح میرا ساتھی بیٹھ سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے میری وجہ سے تکلیف ہو اور وہ آرام سے کھانا نہ کھا سکے، ان سب کا احساس اگرچہ نیک نیتی پر مبنی تھا، اس میں خیر خواہی کا جذبہ تھا لیکن اس طرح بھائی، بھائی سے، دوست دوست سے دور رہتا تھا، اسلام نے ان لوگوں میں قرب پیدا کرنے کی غرض سے ان کے خیالات کو ختم کیا اور حکم دیا کہ آپس میں مل جل کر کھاؤ، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، معذور کو غیر معذور کے ساتھ کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہئے اور غیر معذور کو معذور کے ساتھ کھانے سے اکتانا نہیں چاہئے، بالخصوص کسی بیمار کے ساتھ کھانے سے محض اس کی بیماری کی وجہ سے گریز کرنا، نہایت ہی نامعقول حرکت ہے۔

جن لوگوں کے گھروں میں، اللہ رب العزت جل مجدہ، بے تکلفی سے کھانے، پینے کی اجازت دیتا ہے، ان کی

Marfat.com

تفصیل ملاحظہ ہو، فرمایا گیا ''اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ'' تم کھاؤ اپنے گھروں سے، اپنے گھروں میں تو تکلف کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، لیکن بعض لوگ یہاں بھی تکلف پیدا کر دیتے ہیں اور باوجود بھوک کے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کب کھانا لگے، تو ہم شروع ہوں، اس کی کیا ضرورت ہے، اگر بھوک لگی ہے تو اٹھئے، خود کھا لیجئے یا مانگ لیجئے، ''اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ'' یا اپنے باپ دادا، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ کہ باپ، دادا، ماؤں کے گھر بھی تو اپنے ہی ہیں، یہاں تم مہمان جیسا تکلف نہ برتو، جب ضرورت ہو، جو موجود ہے، کھا لو، ''اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ'' یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے کھاؤ کہ بھائی کا رشتہ تو خونی رشتہ ہے، بھائی کو بھائی سے تکلف برتنے کی ضرورت نہیں، یہ تکلف اپنائیت کے خلاف ہوگا، اپنائیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بھائی، بھائی کی چیز کو اپنا جانے، اور ایک دوسرے کے گھر میں وہی کریں جو اپنے گھروں میں کرتے ہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ'' یا کھاؤ اپنی بہنوں کے گھروں سے، عام طور پر بھائی بہنوں کے گھر جاتے ہیں تو بہت ہی تکلف کرتے ہیں، بلکہ ہندو تہذیب کی طرح خیال کرتے ہیں کہ بہن کے گھر کا پانی پینا بھی حرام ہے، اسلام اس تصور کی نفی کرتا ہے اور بھائیوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بہنوں کے گھروں کو اپنا ہی گھر جانیں، جو چاہیں کھائیں، پیئیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ'' یا کھاؤ اپنے چچاؤں کے گھروں سے کہ چچا سے رشتہ تو باپ جیسا ہوتا ہے، یہاں بھی تکلف کی کوئی وجہ نہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ'' یا کھاؤ اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے کہ پھوپھی ماں کی طرح ہوتی ہے، شریعت مطہرہ نے، ماں کے بعد پھوپھی ہی کا ادب و احترام کرنے اور خدمت کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا یہاں بھی تکلف کی ضرورت نہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ'' یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے کھاؤ، کہ ماموں سے رشتہ بھی باپ جیسا ہی ہے، ''اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ'' یا اپنی خالاؤں کے گھر سے کھاؤ کہ خالہ بھی ماں کے برابر ہوتی ہے، ''اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ'' یا ان گھروں سے کھاؤ، جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں، عرب میں یہ عام دستور تھا کہ لوگ کہیں جاتے تو اپنے گھروں کی چابیاں گھر کی حفاظت وصفائی وغیرہ کی غرض سے، اپنے پڑوسی کو دے جاتے تھے اور یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ یہ گھر آپ کا ہے، یہاں جو کچھ ہے آپ کھا، پی سکتے ہیں اور جو چیز چاہیں، آپ استعمال کر سکتے ہیں، یہ رواج صحابہ کرام میں بھی تھا لیکن صحابہ اپنے بھائیوں کے گھروں کی چابی لے کر گھر کی حفاظت وغیرہ کی تو ذمہ داری پوری کرتے تھے، لیکن نہ کچھ کھاتے، پیتے اور نہ ہی کوئی اور چیز استعمال کرتے تھے، وہ اس کو خلاف تقویٰ جانتے تھے کہ کسی کی کوئی چیز استعمال کی جائے، مثلاً حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، کہ وہ کسی جہاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جانے لگے تو گھر اور گھر والوں کی نگرانی کا ذمہ دار اپنے دوست مالک بن زید کو بنا گئے، جب حارث واپس آئے تو انہوں نے دوست کو بہت ہی کمزور دیکھا پریشان ہوئے اور وجہ پوچھی کہ یہ حالت کیوں ہوگئی، مالک نے کہا، میں نے آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر سے کچھ کھانا، پینا، مناسب نہ سمجھا کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، اس لئے کچھ کمزوری ہوگئی، حضرت حارث کو بہت افسوس ہوا، انہوں نے یہ معاملہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا اور شکایت کی کہ مالک نے مجھے غیر سمجھا، جس کا مجھے بہت دکھ ہوا ہے، اس واقعہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات کے بعد، اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور وضاحت کر دی کہ کون، کس کے

Marfat.com

گھر سے بلا تکلف کھا سکتا ہے، نیز فرمایا گیا ''اَوْ بُيُوْتِ صَدِيْقِكُمْ'' یا اپنے مخلص دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، کہ اگر دوستی میں خلوص ہو تو وہ اکثر معاملات میں رشتہ داری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دوست، دوست سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اسے شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے، ایک دوسرے کے گھر سے بلا تکلف کھانے، پینے کی اجازت ہے۔

جن لوگوں کو ایک دوسرے کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، انہیں یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ ''اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا'' کہ سب مل کر کھائیں یا علیحدہ علیحدہ کھائیں مل کر کھانے کی صورت میں، محرم وغیر محرم کی پابندی اپنی جگہ رہے گی، کہ جن مرد وعورت کا ایک دوسرے سے پردہ کرنا لازمی ہے وہ بہر حال علیحدہ علیحدہ کھائیں گے، مثلاً دوستوں کو ایک ساتھ کھانے کی اجازت ہے، لیکن ان کی بیویاں ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوسکتیں کہ شوہر کا دوست چاہے بھائی ہی کی طرح ہو، محرم نہیں ہوسکتا، اسی طرح آج کل دعوتوں وغیرہ میں، مرد وعورت کے ایک جگہ پر کھانے کا جو رواج ہے، وہ بھی جائز نہیں کہ اس صورت میں غیر محرم مرد وعورت کا اختلاط ہوتا، بے پردگی ہوتی ہے، زیب وزینت کی نمائش ہوتی ہے، نظر بازی ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں حرام ہیں، جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ آئے ہیں۔

ساتھ کھانا کھانا

کھانا دعوتوں کا ہو یا روزمرہ گھر کا اگرچہ اس کے لئے اختیار ہے کہ مل کر، ایک ساتھ کھایا جائے، یا علیحدہ علیحدہ اپنے اوقات کے مطابق کھایا جائے لیکن افضل یہ ہے کہ سب لوگ مل کر ساتھ کھائیں کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، برکت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض صحابہ نے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں، لیکن سیر نہیں ہوتے، آپ ﷺ نے فرمایا، شاید تم لوگ الگ الگ کھانا کھاتے ہو، عرض کرنے لگے، جی، آپ ﷺ نے فرمایا ''فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ''، جمع ہو کر اور بسم اللہ کہہ کر کھایا کرو، تمہیں برکت دی جائے گی، یعنی سیر بھی ہو جاؤ گے اور کھانے میں برکت بھی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''كُلُوْا جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ'' مل کر کھایا کرو، الگ الگ نہ کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے پس مل کر کھانا کھانا سنت ہے، ذریعہ برکت ہے، عام طور پر گھروں میں روزمرہ کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کا جب دل چاہتا ہے کھاتا رہتا ہے، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر مصروفیات اجازت نہ دیں تو کم از کم ایک وقت کا کھانا سب مل کر کھائیں، مثلاً رات کے کھانے کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کہ گھر والے ایک دوسرے کا انتظار کریں اور جب گھر کے سب لوگ جمع ہو جائیں، تو ایک جگہ کھانا لگایا جائے سب مل کر کھائیں، حتیٰ کہ ایک پلیٹ میں کئی مل کر کھائیں، کھانے سے فارغ ہو کر سب مل کر اللہ کا شکر ادا کریں، فراخی رزق کی دعا کریں، اللہ کو محبت والفت کا یہ مظاہرہ بے حد پسند آتا ہے لہٰذا وہ کرم فرماتا اور برکت عطا کرتا ہے، رزق میں فراخی فرماتا ہے، کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے، خوب سیر ہو کر کھایا جاتا ہے، طبیعت پر فرحت کا احساس ہوتا ہے نیز یہ کھانے کے شرعی آداب کی تربیت کا ذریعہ بھی ہے، بالخصوص بچوں کے لئے کہ بڑے کھانے سے پہلے بچوں کو ہاتھ دھونا یاد دلاتے ہیں، آہستہ اور چھوٹے نوالے کھانے کی تلقین

Marfat.com

کرتے ہیں، کھانے کے بعد دعا کی تعلیم دیتے، پھر ہاتھ دھونا یاد دلاتے ہیں غرضیکہ اجتماعی کھانے میں بہت سے فائدے ہیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے اہل خانہ کو مل کر کھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

سلام کرنے کا حکم

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ (بالخصوص) وہ جب گھروں میں داخل ہوں تو سلام کیا کریں، سلام بوقت ملاقات، اظہارِ مسرت ومحبت کا ایک طریقہ ہے، جو اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے مقرر ہے، ہر قوم اور ہر مذہب میں اس موقع کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ پایا جاتا ہے جس کے الفاظ دعائیہ ہوتے ہیں لیکن یہ دعا ایک مخصوص اور محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، مثلاً اچھی صبح، اچھی شب، اچھی شام لیکن اسلام نے جو دعائیہ الفاظ مقرر فرمائے، ان میں وقت کا تعین نہیں، وہ ایک عام دعا ہے، ساری زندگی کے لئے، امن کی دعا، سلامتی کی دعا، جس سے محبت والفت پیدا ہوتی ہے، برکت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اس دعا کی عظمت وفضیلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اس کا حکم دینے والے رب کریم نے اسے ''تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' اپنی طرف سے مقرر کردہ فرمایا، ''مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً'' بابرکت اور پاکیزہ قرار دیا، پس جو سلام کرتا ہے اس پر برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے سلام کیا جاتا ہے، وہ بھی اللہ کی رحمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے، جس کی وضاحت معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہے، جس کو ہم نے اپنی تصنیف ''تبلیغی کتاب'' میں تفصیل سے لکھا ہے، لہٰذا یہاں اس اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایمان والو! تمہارے رب نے تمہیں، ہمیں اسلام کے دامن سے وابستہ کرکے بڑی ہی عزت بخشی ہے، بڑی ہی عظمت عطا فرمائی ہے، اس کے سبب ہم ایک مہذب، پرامن اور پرسکون معاشرے کا فرد بنے ہیں، اللہ اس کو نہ چھوڑو، اس سے منہ نہ موڑو، اس کی عظمتوں سے مالا مال ہونے کے بعد ایسوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ، جو خود بھکاری اور محتاج ہیں، جن کے پاس تہذیب ہے نہ تمدن، دیکھ لو جن اہل ایمان کی بدنصیبی نے انہیں غیر مہذب اقوام کے در پر لا کھڑا کیا ہے، انہیں کیا نصیب ہوا ہے، سوائے ذلت کے، سوائے خواری کے، نہ وہ انہی کے بنے اور نہ اپنوں کے رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے منہ موڑ کر انہوں نے نہ صرف اپنی دنیا برباد کرلی بلکہ عقبیٰ کی نجات سے بھی محروم ہو گئے، اپنی پیاس بجھانے کے لئے جسے انہوں نے پانی سمجھا تھا وہ سراب نکلا، پس یہ پیاسے، پیاسے ہی تڑپ رہے ہیں، آؤ، اسلام کے بہتے دریا کی طرف آؤ، یہ دریائے، رحمت تمہاری پیاس بھی بجھائے گا تمہاری خالی جھولیوں کو بھی عظمتوں اور برکتوں سے لبریز کردے گا، تمہاری زندگی کے شب وروز سہل وآسان ہو جائیں گے کہ تمہارے رب کا وعدہ ہے، ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا'' جو احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے، اللہ اس کے کام میں آسانی اور سہولت پیدا فرما دیتا ہے، یارب! ہمیں عظمت دین کے اعتراف اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

لَكَ الْحَمْدُ يَا اَللّٰهُ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"سورۃ الاحزاب"

مقالہ نمبر	آیات نمبر
61	9 تا 27
62	41 تا 44
63	49
64	53 تا 55
65	56 تا 58
66	69
67	71 تا 72

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٦١

الاحزاب: ٩ تا ٢٧

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ
مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَ اِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَ اِذْ
قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَ لَوْ
دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَ
لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝ قُلْ

Marfat.com

لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ قُلْ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوْنَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ
لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ
الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا
ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ
يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ
اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ؗ وَ مَا زَادَهُمْ
اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ○ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ
بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ○ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ○ وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ○ وَ اَوْرَثَكُمْ
اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○

(الاحزاب: ۹ تا ۲۷)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہ سکے تھے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا جب انہوں نے بلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس موقع پر خوب آزما لیا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے اور اس وقت کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ

Marfat.com

اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں لوٹ چلو اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ (نبی کریم علیہ السلام) سے یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ محض فرار تھا اور اگر گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے فرما دیجئے تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے، اور تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت فرمائیے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ ارادہ کرلے تمہیں عذاب دینے کا یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار، اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف آجاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام پرلے درجے کے کنجوس ہیں پھر جب خوف چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ دیکھنے لگتے ہیں آپ کی طرف یوں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں، اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو ہمیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ پر آسان ہے یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے پوچھتے ہیں تمہاری خبریں اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ جنگ نہیں کرتے مگر برائے نام بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر نے ان کے ایمان اور جذبہ اطاعت کو بڑھا دیا، اہل ایمان میں سے ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے تھے ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہ ہوئی تاکہ اللہ جزا دے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اور (ناکام) لوٹا دیا تھا اللہ نے کفار کو درآنحالیکہ وہ اپنے غصہ میں تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو

Marfat.com

جنگ سے اور اللہ بڑا طاقت ور ہر چیز پر غالب ہے اور اتار لیا اللہ نے ان اہل کتاب کو جنہوں نے مدد کی تھی کفار کی ان کے قلعوں سے اور رعب ڈال دیا ان کے دلوں میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے مالوں کا اور دے دیئے تمہیں وہ ملک جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہ سورۂ احزاب کی انیس آیات ہیں جن میں خصوصی خطاب صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے اور عمومی جملہ اہل ایمان سے ہے آیات کا موضوع غزوۂ احزاب ہے جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ احزاب جمع ہے حزب گروہ، جماعت، قبیلہ، کیونکہ اسلام دشمن تمام گروہ اور قبائل متحد و منظم ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جانثاروں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اس لئے اس جنگ کو غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے اور اس جنگ کی متوقع تباہی سے مدینہ طیبہ کو بچانے کے لئے شہر کے حدود پر خندق کھودی گئی، اس لئے اس جنگ کا نام تاریخ میں غزوۂ خندق قرار پایا۔ آیئے اب قرآن کریم کی ان آیات اور احادیث کی روشنی میں غزوۂ احزاب کا مفصل حال پڑھئے اور یہ بھی غور کرتے چلئے کہ اس میں عام اہل ایمان کے لئے کیا تعلیم اور کیا عبرتیں ہیں جن کے لئے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے اس غزوے کا مفصل حال قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کیا گیا کیونکہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں کہ واقعات کو محض محفوظ کرنے کے لئے اس میں بیان کر دیا گیا ہو قرآن کریم تو احکام الٰہیہ کا مجموعہ ہے جس کا مقصد انسان کو زندگی کے اصول وضوابط دینا ہے لہٰذا اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات بھی ذریعۂ تعلیم ہیں ذریعۂ عبرت ہیں جن سے زندگی کے لئے اصول وضوابط حاصل ہوتے ہیں پس غزوۂ احزاب کا واقعہ بھی زندگی کے کچھ اصول اور ضابطے دیتا ہے جن کو انشا المولیٰ ہم بیان کریں گے، بتوفیق اللہ العزیز الکریم۔

سلسلۂ غزوات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کو اگرچہ ہجرت کے بعد اہل مکہ کی ظالمانہ ایذیتوں سے نجات حاصل ہو گئی تھی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمن نے سازشوں کا ایسا جال پھیلا دیا تھا جس سے بچنے کے لئے میرے آقا ﷺ کو آخر دم تک برسرپیکار رہنا پڑا۔ ایک جنگ ختم نہیں ہوتی تھی کہ دشمن کی طرف سے دوسری مسلط کر دی جاتی تھی صرف پہلا سال ہجرت نظر آتا ہے جس میں کوئی غزوہ یا سریہ نہیں ہے وہ بھی شائد اس لئے کہ دشمن خفیہ سازشوں اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہے اس کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو کوئی سال غزوے یا سریہ سے خالی نہیں ملتا، ۲ھ غزوۂ بدر، ۳ھ غزوۂ احد، ۴ھ سرایا کا سال رہا، ۵ھ میں غزوۂ احزاب اور اس کے فوراً بعد ہی غزوۂ بنوقریظہ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ۱۱ھ اپنی علالت کے دوران آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین کے ہمراہ روم کی طرف جانے کا حکم دیا۔ ۱۰ ربیع الاول کو یہ لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوتا ہے ابھی مدینہ سے باہر مقام جُرُف میں فوجیوں کا آخری معائنہ ہو

Marfat.com

رہا تھا کہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کی اطلاع پا کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی سب سے پہلا حکم، اس لشکر کی روانگی کا دیا اور یکم ربیع الثانی کو زید بن اُسامہ اپنے لشکر کے ہمراہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ان تمام غزوات میں سخت ترین غزوہ، غزوۂ احزاب ہے۔ جس کا اندازہ آپ کو تفصیلات پڑھتے ہوئے ہوگا۔

اعداءِ اسلام کا متحدہ محاذ

اعداء کی اسلام دشمنی کا سبب مسلمانوں سے صرف مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اس کی دوسری بڑی وجہ مسلمانوں سے انہیں سیاسی خوف اور خطرے کا لاحق ہونا ہے۔ ان کا یہ خوف وخطر ابتداءِ اسلام سے آج تک جاری ہے، کفارِ مکہ، یہود اور منافقین مذہبی عناد میں تو مبتلا تھے ہی لیکن انہیں مسلمانوں کے غلبہ کے بعد اپنی حکومت اور سرداری کے ختم ہو جانے کا خطرہ زیادہ لاحق رہتا تھا حالانکہ اسلام نہ تو بلاوجہ دنیا کے دیگر مذاہب کو ختم کر دینا چاہتا ہے اور نہ ہی کسی کے سیاسی امور میں مداخلت کو پسند کرتا ہے۔ اسلام صرف اپنا تحفظ، اپنی حدود مملکت کا تحفظ چاہتا ہے، دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے، اسلام کے حکم جہاد کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے ہمیشہ اپنے ظلم وستم کی بقا و تحفظ کے لئے مسلمانوں کو غلام بنانے اور انہیں کمزور کرنے کی کوشش کی، جس کے لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے یا انہوں نے چھیڑ چھاڑ کر کے انہیں جہاد کرنے پر مجبور کیا۔ غزوۂ بدر میں بھی آپ کو یہی حقیقت نظر آئے گی۔ غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں بھی یہی صورت نظر آئے گی اس وقت آپ غزوۂ احزاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت پر غور کرتے چلئے۔

غزوۂ بدر کی ذلت وخواری اور غزوۂ احد میں ناکامی کے باوجود کفارِ مکہ کی اسلام سے آتش نفرت بجھی نہ تھی بلکہ وہ مزید برافروختہ تھے اور کسی نہ کسی طرح سے وہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دینا چاہتے تھے، جس کے لئے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں، مدینہ منورہ میں بدامنی پیدا کرنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے یا کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوتی رہے اور وہ اپنا بنیادی کام نہ کر پائیں لیکن نبی مکرم ﷺ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں (سرایا) مدینہ منورہ سے باہر بھیج کر دشمن کی سازش کو ناکام فرماتے رہتے اور اپنے اصل کام میں مصروف رہتے تھے اسی لئے غزوۂ احد کے بعد ۴ھ آپ کو سرایا کا سال نظر آئے گا۔

اندرونی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے پہلے سال ہی مہاجر وانصار کے درمیان رشتہ مؤاخات قائم کرنے کے بعد ایک ایسے وسیع البنیاد منشور کی دستاویز تیار کر دی تھی جس کی بنیاد پر مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں آباد یہودیوں کو پوری آزادی حاصل ہو گئی تھی اور انہیں مسلمانوں سے کوئی سیاسی یا مذہبی خوف نہ رہا تھا لیکن یہ بد باطن اپنی سازشوں سے باز نہ رہے۔ کفارِ مکہ اور منافقین مدینہ کے آلۂ کار بن کر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، بالخصوص یہودیوں کا ایک بڑا قبیلہ بنو نضیر اپنی سازشوں میں بہت آگے بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور

Marfat.com

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قبیلہ کو مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ یہاں سے نکل کر خیبر میں آباد ہوئے اور انہوں نے ہی اپنی ناکامی کا انتقام لینے کی غرض سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی تحریک کا آغاز کیا۔ قبیلہ بنونضیر اور قبیلہ ابووائل کے تقریباً بیس آدمی مکہ پہنچے اور قریش کے سرداروں کے سامنے انہوں نے متحدہ محاذ کی تجویز رکھی اور کہا کہ ہم سب مل کر ہی مسلمانوں کو تہس نہس کر سکتے ہیں لیکن چونکہ مسلمانوں سے قریش کی دشمنی کا اصل سبب مذہبی اختلاف تھا لہٰذا انہوں نے یہ اطمینان کرنا چاہا کہ یہودیوں کا ہمارے بتوں کے متعلق کیا خیال ہے اگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح ہمارے بتوں کو باطل اور برا کہتے ہیں تو ان سے اتحاد کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے سوال کیا کہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اصل اختلاف دین اور مذہب کا ہے۔ آپ اہل کتاب اور اہل علم ہیں۔ پہلے ہمیں یہ بتائیے کہ آپ کا ہمارے دین کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر اور حق ہے یا مسلمانوں کا نیا مذہب بہتر اور حق ہے۔

یہودیوں کا خبث باطنی

یہودیوں کا خبث باطنی کوئی نیا نہیں مکر وفریب، خود غرضی اور اپنے ذاتی مفادات کے لئے دین فروشی تک سے گریز نہ کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے لہٰذا انہوں نے کفار کو وہی جواب دیا جس سے انہیں فائدہ ہو سکتا تھا کہ ''ہم آپ کے بتوں کو برا نہیں کہتے ہمارے نزدیک آپ کا دین، دین اسلام سے بہتر ہے'' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ جواب ان کے علم اور ضمیر دونوں کے خلاف تھا کہ ان کے نزدیک اسلام ایسا ہی نفاقی مذہب ہے، جیسا ان کا مذہب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں سے ان کا اختلاف مذہبی نہیں، سیاسی تھا۔

یہودیوں کا یہ خبث باطنی عارضی اور وقتی نہیں ہمیشہ سے ہے ماضی میں تھا کہ اسی کے سبب وہ اللہ کے نبیوں سے بغاوت کرتے رہے، انہیں ستاتے، پریشان کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بعض انبیاء کو شہید بھی کر ڈالا۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کرنے کی سازش کی جس میں وہ ناکام رہے ان کا یہ خبث آج تک جاری ہے کہ آج بھی وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور مسلم ممالک انہی کی ریشہ دوانیوں کے باعث انتشار وافتراق کا شکار ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے نہایت مکاری کے ساتھ اپنے ازلی دشمن عیسائیوں تک سے اتحاد کر رکھا ہے۔ کیا عیسائی نہیں جانتے کہ ان کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے مجرم یہی ظالم یہود ہیں جبکہ اسی بنیاد پر ہمیشہ صلیبی جنگوں کا شکار یہود رہے اور اسی بنیاد پر دوسری عالمی جنگ میں عیسائیوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا۔ جس کا درد آج تک یہودیوں کو تڑپا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ عیسائیوں کے حامی اور عیسائی ان کے مددگار ہیں، دونوں جانتے ہیں کہ یہ اتحاد غیر فطری اور غیر شرعی ہے لیکن مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ بہر حال ہمیں تو دکھ اس بات کا ہے کہ موجودہ مسلم حکام اس حقیقت سے غافل ہیں اور وہ عیسائیوں کے در کے بھکاری بنے کھڑے ہیں جبکہ ان کے دونوں ہاتھ صرف یہودیوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلمان ان سے بھیک مانگتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے جبکہ وہ اپنے دشمن یہودیوں کی خوشامد بھی کرتے ہیں اور ہر طرح ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

Marfat.com

غرضیکہ یہودیوں کے اس مکر وفریب کا کفار شکار ہو گئے اور طے پایا کہ یہ بیس آدمی اور قریش کے سردار کعبہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر عہد کریں کہ ہم مسلمانوں کو تہس نہس کرنے تک بہر صورت متحد رہیں گے۔ معاہدہ ہو گیا اور دونوں اتحادیوں نے اپنے اپنے ہم خیال قبائل کو اس اتحاد میں شامل کرنے کا کام شروع کر دیا حتیٰ کہ اس اتحاد میں قبیلہ اسلم، اشجع، بنو مُرہ، بنو کنانہ، فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج وجود میں آ گئی جو باختلاف روایات دس، بارہ، پندرہ ہزار افراد پر مشتمل تھی جن کے پاس نہ سامان جنگ کی کمی تھی نہ کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر لوازمات کی کوئی کمی تھی ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی۔

سب سے بڑا لشکر

سرزمین عرب پر آج تک اس سے بڑا لشکر نہیں دیکھا گیا۔ بالخصوص یہ ان سب لشکروں سے بڑا تھا جو اس سے پہلے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں سے پسپا ہو چکے تھے کہ غزوۂ بدر میں لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی جبکہ غزوۂ احد میں ان کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔ ضروری سامان بھی اس کے پاس وافر مقدار میں تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ یہ تمام قبائل کفار و یہود کی منظم و متحد قوت تھی جبکہ اللہ کے سپاہی، حسب سابق تعداد میں صرف تین ہزار تھے۔ جن کے پاس سواری کے لئے کل چھتیس گھوڑے تھے دیگر جنگی سامان بھی کم تھا۔ اشیاء خورد و نوش کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اسی لئے اکثر فاقے ہوتے رہتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجاہدین اسلام اپنے مقابلہ پر اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قدرے گھبرائے اور پریشان ہوئے۔ اس کیفیت کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ''اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اور اس وقت کو یاد کرو جب دشمن تم پر اوپر (بیرونِ مدینہ) نیچے (اندرونِ مدینہ) سے حملہ آور ہوا۔ اندرونِ مدینہ حملہ کرنے والا، یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ تھا۔ جس سے پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف یا ان کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہ ہوں گے جس کے بدلے میں انہیں مدینہ سے نہ نکالا جائے گا لیکن انہوں نے بنو نضیر کے سردار حیی ابن اخطب کے لالچ دینے پر عہد شکنی کی اور احزاب میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انہیں مدینہ منورہ سے نکالا گیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس بیرونی اور خارجی حملے کو دیکھ کر مسلمانوں کی وقتی اور عارضی طور پر جو کیفیت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ'' دہشت کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے ''وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا'' اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے کہ نہ جانے اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں یہ لشکر ہمیں تہس نہس کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو جائے گا، کہیں دنیا سے اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم تو نہ ہو جائے گا، یہ وسوسے تھے جو فطری تقاضے کے عین مطابق تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے چاہنے والوں کی، ان کے مراتب قرب بلند کرنے کے لئے صرف تھوڑی دیر کے لئے ایک آزمائش تھی لیکن بڑی سخت آزمائش تھی جس نے سپاہیوں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ ارشاد ہوا ''هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا'' اس موقع پر ایمان والوں کو خوب آزمالیا گیا اور انہیں خوب سختی سے جھنجھوڑا گیا اور جب ان کی طرف سے استقلال و استقامت کا مظاہرہ ہوا تو رب کریم

Marfat.com

نے ان کی خوب مدد فرمائی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اے ایمان والو! ابتلاء وآزمائش سنت الٰہیہ ہے۔ اللہ، انبیاء واولیاء، علماء وصلحاء اور عام مؤمنین سب کو ان کے مقام وحیثیت کے مطابق آزماتا ہے۔ اس کو عذابِ الٰہی نہ سمجھو۔ یہ تو بلندیِ مراتب کا ذریعہ ہے، بابِ رحم وا ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ اُخروی نجات کا مژدہ ہے۔ یاد رکھو، اللہ اہل ایمان پر عذاب نازل نہیں فرماتا یہ صدقہ ہے اس نسبتِ عظیمہ کا جو ہمیں اللہ کے محبوب رحمت عالم ﷺ سے حاصل ہے ہاں امتحان لیتا ہے اور جب ہماری طرف سے استقلال واستقامت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے تو ہم پر اس کی رحمت برسنے لگتی ہے قبل اس کے کہ بندہ کسی نقصان کا شکار ہو دیکھو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور اس امتحان میں ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ صاحبزادے کی گردن پر چھری کا نشان آئے، پس ہمارا کام استقلال واستقامت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہنا ہے اور اس کا فضل وکرم ہماری ہر حال میں مدد کرنا ہے جس کا مؤمن کو ہر وقت یقین رکھنا چاہئے۔

مدینہ میں سازش کی خبر

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس متحدہ محاذ کے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ کی زبان مبارک پر سب سے پہلا کلمہ جو آیا وہ یہ تھا ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ قرآن کریم کا عطا کردہ یہ وہ جملہ ہے جس سے مؤمن کو ابتلاء وآزمائش کے وقت ثباتِ قدم اور استقلال واستقامت کی ہمت ملتی ہے اور اللہ پر مکمل اعتماد کا اعلان کرنے والا بندہ، اللہ کے فضل وکرم کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس کا جوش ایمان بڑھتا ہے لہٰذا وہ پیکر صبر و استقلال بن جاتا ہے اور ڈٹ کر ہر مصیبت کا با آسانی مقابلہ کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلانِ جنگ کے مطابق پروانے شمع کے گرد جمع ہونے لگے اللہ کے سپاہی اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے بیتاب وبے چین نظر آرہے تھے ان مضطرب مجاہدین میں صرف نوجوان ہی نہ تھے بلکہ بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ دو سو سالہ بوڑھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ پندرہ سال سے کم کے بچوں کو آقائے رحمت ﷺ نے مشفقانہ انداز میں سمجھایا اور گھر والوں کو واپس کیا اپنے مشیر صحابہ کو قریب بلایا اور ان سے جنگی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کی حفاظت کا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اہل فارس کی ایک جنگی تدبیر بیان کی کہ ایسے موقع پر ہم شہر کے گرد خندق کھود کر اس میں آگ جلا دیتے ہیں تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے پس اگر اب بھی ایسا ہی کیا جائے تو بہت موزوں رہے گا۔

تجویز بوڑھے کی ہو یا جوان کی، آزاد کی ہو یا غلام کی، عربی کی ہو یا فارسی کی اگر مفید ہو تو قابل قبول ہوتی ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تجویز قبول فرمائی اور مدینہ منورہ کے ان راستوں پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا جن سے دشمن کا شہر میں داخل ہونا ممکن تھا۔

Marfat.com

خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی کا فیصلہ ہوا، مدینہ منورہ کی پتھریلی زمین کا کھودنا کوئی آسان کام نہ تھا وہ بھی ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور اتنی ہی چوڑی خندق کی کھدائی لیکن جن کے پاس ایمان کی قوت ہو ان کے لئے یہ کام بڑا نہیں۔ بوڑھے سلمان ہی روزانہ پانچ گز لمبی، اتنی ہی گہری اور چوڑی خندق کھود لیا کرتے تھے ان کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس دس صحابہ کی ٹولیاں بنادی تھیں اور ہر ٹولی کے ذمہ چالیس گز خندق کھودنے کا کام کر دیا تھا جو اپنی ذمہ داری پوری کر رہے تھے خود آقائے دوجہاں ﷺ اس کام میں برابر کے شریک تھے۔ آپ ﷺ غلاموں کی مدد بھی فرما رہے تھے اور خندق کی مٹی اٹھا اٹھا کر پشتہ بھی بنا رہے تھے۔ بروایت صحابۂ کرام کہ آپ ﷺ کے شکم مبارک کے بال مٹی سے اَٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی جلد مبارک نظر نہ آتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نہ مہاجروں میں شمار ہوتے تھے نہ انصار میں وہ علیحدہ اپنے کام میں مصروف تھے لیکن مہاجر و انصار سب ہی ان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے حتی کہ ان میں اس بات پر جھگڑے کی نوبت آ پہنچی، نبی مکرم ﷺ کو خبر ملی آپ نے فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''سَلْمَانُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِیْ'' سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔ یہ جملہ مبارکہ فیصلہ بھی تھا اور قیامت تک کے لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان بھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلاموں کو محنت و مشقت کرتے ہوئے، جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو اس طرح دعا کی:

اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

بیشک زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے اے اللہ انصار و مہاجرین کو بخش دے

آقا کی اس دعا نے غلاموں میں مزید جذبۂ ایمان بیدار کر دیا ان کے کام میں مزید تیزی آ گئی اور کیف و سرور سے بے خود ہو کر گاتے جاتے اور کام کرتے جاتے۔

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اے اللہ اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہمیں نہ زکوٰۃ دینے کی توفیق ملتی اور نہ ہی نماز پڑھنے کی

فَاَنْزِلِ السَّكِيْنَةَ عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

پس اے اللہ ہم پر سکون نازل فرما اور جب ہم دشمن کے مقابلہ پر آئیں تو ہمیں ثبات قدم عطا فرما

ایک چٹان

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں سلمان، حذیفہ اور ہمارے دیگر ساتھی اپنے حصہ کی چالیس گز

Marfat.com

چٹان کھود رہے تھے ہم بہت خوش تھے کہ کام تیزی سے ہو رہا تھا کہ اچانک ہماری کدال کے نیچے ایک بھاری چٹان آ گئی ہم نے بہت ضربیں لگائیں لیکن اس پر نشان تک نہ پڑ سکا یہ پتھر نہیں لوہے کی دیوار معلوم ہوتی تھی باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ اس کو چھوڑ کر اپنا کام جاری رکھیں جس سے خندق کچھ ٹیڑھی ہو جائے گی تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشیدہ خط سے ہٹے، بالآخر ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (جو شہنشاہوں اور موجودہ دور کے حاکموں کی طرح آرام سے نہ بیٹھے ہوئے تھے بلکہ عام مجاہدین کے ہمراہ) اپنے حصہ کی خندق کھودنے میں مصروف تھے سر اقدس پر مٹی اٹھا رہے تھے، جسم مبارک خاک سے اٹا ہوا تھا ہماری گزارش سنی تو آپ ہمارے ساتھ ہو لئے خود خندق میں تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اترے، آپ نے کدال ہاتھ میں لی اور آیہ مبارکہ ''تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا'' ''پوری ہوگئی نعمت آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کے ساتھ'' تلاوت فرمائی ضرب لگائی چٹان سے ایک روشنی پھیلی اور ایک حصہ علیحدہ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ'' ''مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں'' پھر یہی آیہ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی پھر روشنی پھیلی اور چٹان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ'' ''مجھے ملک ایران کی چابیاں بخش دی گئیں'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی تیسری ضرب لگائی چٹان سے پھر روشنی نکلی اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ'' ''مجھے یمن کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں۔''

میرے آقا ﷺ نے نہ صرف چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دو بڑے ملکوں کی فتح کا مژدہ بھی سنا دیا جبکہ حالات کی نزاکت اور ماحول کی ناسازگاری کا یہ عالم ہے کہ دشمن کا گہرا بادل چھایا ہوا ہے ایک طوفان ہے جو اُمنڈ رہا ہے، جس کے مقابلے کے لئے مادی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں نہ فوج کے لئے ساز و سامان ہے نہ خوراک کا معقول انتظام ہے، یہودی اور منافقین اندرونی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں قیصر و کسریٰ، روم و یمن کی فتح کی خبر مخبر صادق ﷺ کے سوا کون دے سکتا ہے اور اس پر یقین ان اہل ایمان کے سوا کون کر سکتا ہے جو اپنے نبی کی ہر بات پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ یہ خبر نہ تھی بلکہ زبان رسالت سے فیصلۂ الٰہی کا اعلان تھا تاریخ گواہ ہے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مانا کہ خلیفہ ثانی حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور یہ سلطنتیں اللہ کے سپاہیوں نے اپنے پیروں سے روندیں، ان کے محلات پر علم اسلام لہراتا نظر آیا۔ خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کی تکمیل ان کے خلیفہ برحق ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

اے ایمان والو! یہ واقعات صرف پڑھنے اور سننے کے نہیں کتابوں کی زینت نہیں بلکہ تمہارے ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہیں یقین کامل اور اعتماد میں اضافہ کا ذریعہ ہیں ہر مؤمن کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ اہل ایمان کے لئے مادی وسائل اتنے اہم نہیں جتنے مادہ پرستوں کے لئے ہیں اہل ایمان تو اپنے مقدس مقاصد کے حصول کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو راستہ کی ساری چٹانیں خود بخود پاش پاش ہوتی چلی جاتی ہیں اور روشن مستقبل کے

Marfat.com

منارے قریب نظر آنے لگتے ہیں جبکہ تذبذب اور تزلزل، ناکامی و نامرادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ایک وظیفہ

آیہ مبارکہ ''وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی نعمت سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (الانعام:۱۱۵) حل مشکلات اور دفع مصائب و آلام کے لئے ایک نہایت مؤثر وظیفہ ہے ہر نماز کے بعد کم از کم سات مرتبہ اس آیہ مبارکہ کو پڑھ لینا چاہئے کہ میرے آقا ﷺ نے یہی آیہ مبارکہ چٹان پر ضرب لگاتے ہوئے تلاوت فرمائی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

خندق مکمل ہوگئی

بہر حال خندق کی کھدائی کا کام جاری رہا جو صحابہ اپنے حصہ کی کھدائی سے فارغ ہو جاتے وہ آرام سے نہ بیٹھ جاتے تھے بلکہ فوراً اپنے بھائیوں کی مدد کرنے لگتے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ تقسیم کار تو کام میں ایک نظم پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے جب مقصد ایک ہو تو کام بھی مشترک ہوتا ہے ان جانبازوں کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہینوں کا کام صرف چھ روز میں مکمل ہو گیا اور ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز چوڑی، پانچ گز گہری خندق مکمل ہو گئی جس سے فارغ ہو کر مناسب مقامات پر خیمہ لگائے گئے اور غلام اپنے آقا کے ساتھ تھوڑا آرام کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

حضرت جابر کی دعوت

خندق کی کھدائی کے دوران حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شب و روز نہایت محنت و مشقت سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے اس دوران انہیں کوئی مُقوِّی یا مُفرِّح خوراک ملنا تو درکنار ایک وقت کا پیٹ بھر کھانا بھی میسر نہ تھا کئی کئی دن کے فاقہ ہوتے تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ لئے جاتے تھے۔ ایک دن صحابہ نے اپنے آقا ﷺ کو اپنا حال بتاتے ہوئے اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے تو آقائے رحمت ﷺ نے اپنا مبارک کرتا اٹھا کر دکھایا تو یہ دیکھ کر غلاموں کی آنکھیں پرنم ہو گئیں کہ آپ ﷺ کے مقدس پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہی وہ قائدانہ انداز تھا جو قائد کو قوم کے دلوں کا حاکم بنا دیتا ہے جس کی تعلیم میرے آقا ﷺ نے اکثر مواقع پر دی اور جس نے باہمی جنگ و جدل کے عادی لوگوں کو منظم و متحد کر دیا جبکہ آج کے ناکام حکام اپنے دفاتر میں عیش و عشرت میں مصروف رہتے ہیں، سپاہی میدان جنگ میں دشمن کا شکار بنتے رہتے ہیں حکام تک گولیوں اور گولوں کی آواز تو درکنار میدان جنگ کا گرد و غبار تک نہیں پہنچ پاتا نتیجتاً قوم یا تو بغاوت پر مجبور ہو جاتی ہے یا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور غلامی ان کے گلے کا ہار بن جاتی ہے جب تک امت مسلمہ کو ایسے بزدل و ذلیل حکام سے نجات نصیب نہیں ہوتی ذلت و خواری کا غبار ہی ان کے چہروں کا غازہ بنا رہے گا۔

بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی انہوں نے کہا کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک بہت

Marfat.com

سخت چٹان آ گئی لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور خبر دی کہ خندق میں ایک بڑا پتھر آ گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا خندق میں میں اترتا ہوں پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے (ہم نے دیکھا کہ) آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے اور ہمیں تین روز ہو گئے تھے کہ کوئی چیز نہ چکھی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لے کر ضرب لگائی تو پتھر ریت جیسا ہو گیا۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے (میں چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے، جس قوم کا آقا خود بھوکا رہتا ہو اس کے گھروں میں کھانے پینے کے لئے کیا ہو سکتا ہے پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے) ایک تھیلی نکالی جس میں تین چار کلو جو تھے (اور کہا میں یہ جو پیستی ہوں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا (جو میرے بچوں نے بڑے ہی شوق سے پالا تھا، بیوی نے کہا آپ اس بکری کے بچے کو ذبح کر لیجئے) پس میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، گوشت بنایا پھر میں سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا اور چپکے سے عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور تین چار کلو جو پیسے ہیں (یعنی کھانا کم ہے لہٰذا صرف) چند بھائیوں کے ہمراہ کھانے کے لئے میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلئے یہ سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باآواز بلند فرمایا "یَآ اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلَابِكُمْ" اے اہل خندق جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے پس آؤ جلدی کرو (کیونکہ یہ کب ممکن تھا کہ آقا ﷺ سیر و سیراب ہو جائیں اور غلام خالی پیٹ کام میں لگے رہیں یہ سن کر جابر پر کیا بیتی ہو گی یہ تو انہی کو پتہ ہو گا لیکن شاید انہیں کچھ سکون آیا ہو گا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا) اے جابر! گھر جلدی جاؤ، اہلیہ سے کہو چولہے سے ہانڈی نہ اترے اور روٹیاں نہ پکیں جب تک میں گھر نہ پہنچ جاؤں آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو میں نے آٹا آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر آپ ہانڈی کے قریب تشریف لائے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا کسی روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ کہ تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے، ہانڈی سے گوشت نکالتے رہنا اور اسے چولہے سے نیچے نہ اتارنا وہ ایک ہزار تھے (ممکن ہے سب صحابہ نہ آئے ہوں ورنہ لشکر کی تعداد تین ہزار مروی ہے) اللہ کی قسم سب نے خوب کھایا اور باقی چھوڑ کر چلے گئے" وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَاِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ" جبکہ ہمارے ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں پکانے کے باوجود ہمارا آٹا اتنا ہی تھا (یہ ایک معمولی برکت تھی اس کے لعابِ مبارک کی جسے اللہ نے اپنے خزانوں کی کنجیوں کا امین بنایا تھا وہ بھوکا پیاسا تھا صرف اس لئے کہ مستقبل کے بھوکوں پیاسوں کی ہمت افزائی کا وسیلہ بنے) ﷺ۔

آغاز جنگ

غرضیکہ خندق کی کھدائی کا کام ختم ہوا، کوہ سلع کے قرب وجوار میں خیمے لگا دیئے گئے ابھی آرام کی نوبت نہ آئی تھی کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی حملہ کیا تھا ایک طوفان تھا جو امنڈا چلا آ رہا تھا۔ دو، چار ہزار نہیں، بارہ یا پندرہ ہزار کا زبردست لشکر تھا اتنا بڑا لشکر اب تک اہل عرب کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا دشمن پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے کہ

Marfat.com

اچانک انہوں نے خندق کو دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئے کہ اہل عرب کو اس جنگی تدبیر کا سان و گمان بھی نہ تھا ممکن ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق سنا ہو لیکن خندق کبھی دیکھی نہ تھی مجبوراً خندق کے دوسرے طرف انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ نے کوہِ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھتے ہوئے اپنے غلاموں کی صف بندی فرمائی لیکن اہل ایمان کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب تاحد نظر انہیں خیمے ہی خیمے نظر آ رہے تھے انسانوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ اونٹ ذبح کئے جا رہے تھے، چولہے جل رہے تھے، کھانے پک رہے تھے اور ادھر تعداد بھی کم تھی کسی چولہے میں آگ نہ تھی، فاقہ مست ایمان کے نشہ میں جھوم رہے تھے لیکن تھوڑی دیر کے لئے ان کا جو حال ہوا اسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝ (الاحزاب: ۱۰۔۱۱)

جب دشمن نے حملہ کیا تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور جب بوجہ دہشت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق مختلف خیالات کرنے لگے اس موقع پر اہل ایمان کو آزمایا گیا اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا۔

دشمن کا ایک طوفان سامنے آیا تو فطری دہشت پیدا ہوئی اور ایسے موقع پر انسان کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی ان ایمان والوں کی ہوئی کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل ایسے دھڑکنے لگے کہ محسوس ہوتا تھا کہ حلق میں آئے جاتے ہیں جس اللہ پر اعتماد تھا اسی کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے شاید یہ کہ نہ جانے اب اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں ہمارا رب ہم سے ناراض تو نہیں ہو گیا کہ ہم پر اس صورت میں اس کا عذاب نازل ہو رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم سب تہس نہس کئے جانے والے ہیں اور اسلام کا نام ختم ہونے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب اندرونی صدمہ پہنچا کہ اسی موقع پر منافقین نے اپنی سرشت کے مطابق دھوکا دیا انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے انہیں طرح طرح سے ورغلانا شروع کیا ایسی باتیں پھیلانے لگے جن سے ان کی ہمت شکنی ہو۔

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝ (الاحزاب: ۱۲)

اس موقع پر منافق اور وہ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے (فتح کا) وعدہ صرف دھوکا دینے کے لئے کیا۔

یہ ظالم اللہ اور اس کے رسول کے سچے وعدے کو دھوکا تک قرار دینے لگے، اہل ایمان کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے کے لئے انہیں یہ مشورہ دینے لگے۔

Marfat.com

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ

اور جب ان (منافقین) کی ایک جماعت کہتی پھر رہی تھی کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں، لہٰذا اب لوٹ چلو۔ (الاحزاب: ۱۳)

دیکھو کتنا بڑا لشکر تمہارے سامنے ہے ان کے پاس کس قدر وافر سامان جنگ اور سامان خوراک وغیرہ ہے، ان کے سامنے تم ہر اعتبار سے کمتر اور کمزور ہو۔ ان کا مقابلہ اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ اب یہاں سے بھاگ چلو یہاں ٹھہرنا اور مقابلے کا ارادہ کرنا بے سود ہے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو سب کے سب مارے جائیں گے ''فَارْجِعُوْا'' پس لوٹ چلو اسی میں عافیت ہے۔

وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳ (الاحزاب: ۱۳)

اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا یہ بہانہ صرف بھاگنے کے لئے تھا۔

یہ ظالم صرف پروپیگنڈا ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اہل ایمان کی مزید ہمت شکنی کے لئے خود میدان سے بھاگنے کی تدبریں شروع کر دیں ان میں کچھ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بہانا کرتے ہوئے واپس جانے کی اجازت چاہی کہ ہمارے اہل وعیال غیر محفوظ ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن حملہ کرے اور ہمارے گھروں تک پہنچ جائے۔ ہمارے بیوی بچوں کو تہ وتیغ کر دے اور ہمارا گھر بار لوٹ لے پس ہم چاہتے ہیں کہ شہر کے اندر رہ کر ہم دشمن کا مقابلہ کریں تا کہ ہم اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کو دشمنوں سے بچا سکیں۔ اللہ فرماتا ہے یہ جھوٹے مکار تھے صرف بھاگنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے تا کہ ان کو دیکھ کر اہل ایمان بھی بھاگنے لگیں اور لشکر اسلام، انتشار وافتراق کا شکار ہو جائے ان کے گھر بالکل غیر محفوظ نہ تھے۔ ساڑھے تین میل لمبی خندق نے شہر کو بالکل محفوظ کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں جو اہل ایمان سینہ سپر دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے ان کا بھی تو سب کچھ اسی شہر میں تھا جس میں ان کے بیوی بچے تھے۔ یہ بہانہ نہ تھا تو اور کیا تھا ان کے مکر وفریب کا پردہ تو اس وقت چاک ہوتا جب دشمن مدینہ کے اندر داخل ہو جاتا تب دنیا دیکھ لیتی کہ یہ کس طرح دشمن کا استقبال کرتے اور دشمن کی دعوت پر کس طرح ہتھیاروں سے سج دھج کر مسلمانوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے کہ یہ مار آستین ہیں، ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝۱۴ (الاحزاب: ۱۴)

اور اگر (دشمن) گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر انہیں فتنہ وفساد میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا تو فوراً وہ اس میں شریک ہو جاتے اور توقف نہ کرتے مگر تھوڑا۔

Marfat.com

بلاتوقف جنگ کی آگ میں کود پڑتے اب دشمن کو دیکھ کر یہ بہانے بازی کر رہے ہیں راہ فرار نکالنے کی کوششیں کر رہے ہیں حالانکہ یہ ظالم تو مسلمانوں کے سامنے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اہل ایمان کی طرح اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ یہ اسلام کی حفاظت کے لئے خون تک بہانے سے دریغ نہ کریں گے سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لیں گے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ (الاحزاب:١٥)

حالانکہ یہی لوگ اللہ سے وعدے کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔

کہاں گئے ان کے وعدے، کیا ہوئے ان کے دعوے، آج یہ جو بدعہدی اور بے وفائی ہمارے سپاہیوں کے ساتھ کر رہے ہیں اس کا انجام کل ان کے سامنے آجائے گا" وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا" کہ اللہ کے دربار میں ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ان دھوکے بازوں کی قطعاً پروانہ کیجئے، پس انہیں اتنا بتا دیجئے:

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
(الاحزاب:١٦)

فرما دیجئے (اے بھگوڑو) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے (اگر تم نے اس وقت جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہوسکو گے مگر تھوڑے سے۔

موت سے فرار نہ صرف حماقت ہے بلکہ خلاف حقیقت ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ بھی گئے تب بھی موت اپنے وقت پر ضرور آدبوچ لے گی" اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" تم جہاں کہیں ہوگے موت تمہیں آدبوچے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ پھر چند روز مہلت کے لئے اپنے دامن کو بزدلی اور بھگوڑے ہونے کا داغ لگانا کونسی عقلمندی ہے جبکہ آج نہیں تو کل بہر حال موت آنی ہے اور ہر ایک کو جوابدہی کے لئے ربِّ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجمعہ:٨)

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ بتا دیجئے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا ان اعمال سے جو تم کرتے تھے۔

غرضیکہ مکار منافقوں نے مسلمانوں کی ہمت شکنی اور ان میں انتشار پیدا کرنے کی کوششوں میں کوئی کسر باقی نہ رکھی حتیٰ کہ جب انہوں نے اہل ایمان کو قدرے پریشان اور متفکر دیکھا تو انہیں مزید طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا وہ کہنے لگے کہ تم نے سنا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹان کاٹ رہے تھے تو خبریں دے رہے تھے کہ تم روم، فارس اور یمن فتح کر دگے

Marfat.com

موجودہ حالات میں کیا یہ مذاق نہیں کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ تم کبھی ان ممالک کو فتح کر سکو گے دیکھو اس وقت جو دشمن تمہارے سامنے ہے اس کا مقابلہ ہی ممکن نہیں آگے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ یہ عذاب الٰہی ہے جو ہمارے سامنے ہے (العیاذ باللہ) اگر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات مان لی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے یہاں ٹھہرے رہے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوگا ''فَارْجِعُوْا'' تو لوٹ چلو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ ہمارے سپاہیوں کی ہمت افزائی اور ان کے اطمینان کے لئے منافقین کو بتا دیجئے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (الاحزاب: ١٧)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرما دیجئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمالے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہتا ہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔

فیصلہ الٰہی سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا یہ موت یا قتل سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ تلاش کرتے ہیں تو انہیں بتا دیجئے کہ انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی گھروں میں بیٹھے ہوں اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو انہیں عذاب الٰہی سے بچالے اور اگر یہ میدان کارزار میں ہوں اور اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دینے کا فیصلہ کرے تو کوئی قوت و طاقت انہیں ضرر و تکلیف نہیں پہنچا سکتی غرضیکہ اللہ کے سوا کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاحزاب: ١٨)

اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی لشکر چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور وہ خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔

اللہ، ان منافقین کے حال کو خوب جانتا ہے جو اللہ کے سپاہیوں کی ہمت شکنی کرتے ہیں انہیں جہاد سے روکنے کی کوششیں کرتے ہیں انہیں اپنے ساتھ مل جانے کی دعوت دیتے ہیں اور بظاہر برائے نام جنگ میں شریک رہتے ہیں کہ پس دن میں ایک آدھ مرتبہ میدان جنگ کا چکر لگا لیتے ہیں تاکہ مسلمان ان کو اپنا جانیں اور ان کے مکروفریب کا بآسانی شکار ہو سکیں حالانکہ یہ لوگ:

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

(الاحزاب: ١٩)

Marfat.com

پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں پھر جب خوف چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے بڑے حریص ہیں مالِ غنیمت کے حصول میں یہ لوگ (درحقیقت) ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

نہایت ہی خسیس و کنجوس ہیں جہاد کے لئے کوئی مالی تعاون تو درکنار یہ تو اہل ایمان سے کوئی اچھی اور بھلی بات تک نہیں کہہ سکتے ہاں ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور افواہیں اڑانے کا کام بڑی فراخدلی سے انجام دیتے ہیں بزدل اتنے ہیں کہ خوف و دہشت کے وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی کی موت کا پتہ چل جانے پر ہو جاتی ہے اور جب دشمن کا خوف ختم ہو جاتا ہے تو یہ لمبی لمبی ڈینگیں مارتے ہیں اپنی بہادری کے جھوٹے قصہ بیان کرتے ہیں صرف اس لئے کہ مال غنیمت سے انہیں سب سے زیادہ حصہ حاصل ہو سکے یہ حرکتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے سینے میں نور ایمان نہیں ہوتا پس انہوں نے اگر کچھ نیکیاں کی بھی ہیں تو ذاتی مفاد کے حصول اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایسے اعمال قابل قبول نہیں ہوتے ان لوگوں کی بزدلی کا مزید حال یہ ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ

یہ ہی خیال کرتے رہتے ہیں کہ دشمن کے جتھے اب تک نہیں گئے

دشمن کے چلے جانے کے بعد بھی یہ کانپتے ہی رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دشمن اب تک ان پر مسلط ہے ان بزدلوں میں پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت تک نہیں ہوتی۔

وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۰)

اگر دشمن کے جتھے دوبارہ پلٹ کر آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بدوؤں کے ساتھ ہوتے تمہاری خبریں معلوم کرتے رہتے اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو جنگ کرتے مگر برائے نام۔

ان کی بزدلی کی یہ حالت ہے کہ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ دشمن دوبارہ پلٹ کر آ جاتا تو خوف کے مارے ان کی بری حالت ہو جاتی اور یہ آرزو کرنے لگتے کہ کاش! ہم قریبی جنگلوں میں آباد بدوؤں کی پناہ لے لیتے اور وہاں آنے جانے والوں سے مسلمانوں کی خبریں معلوم کرتے رہتے پس اچھا ہوا کہ یہ بھگوڑے اسلامی لشکر سے بھاگنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اگر یہ لشکر میں شامل بھی ہوتے تو کیا کمال دکھاتے سوائے اس کے اپنے آپ کو بچا بچا کر برائے نام دکھاوے کے لئے جنگ میں شریک رہتے ایسے خبیثوں کا اسلامی لشکر سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔

اے ایمان والو! منافقین و کفار کا حال نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔ صرف غزوۂ احزاب میں

Marfat.com

شریک کفار و منافقین ہی کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ ہر دور کے منافقوں اور کافروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ مکر وفریب ان کی فطرت ہے بزدلی ان کی سرشت میں ہے۔ جس کا تعلق کسی دور سے نہیں حالات یا ماحول سے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفر و نفاق انسان کو بزدل ہی بناتا ہے مکار و عیار ہی بناتا ہے پس قیامت تک کے کفار و منافقین کا حال ایک جیسا ہی ہونا یقینی ہے جبکہ مومن چاہے کسی دور کا ہو اگر اس کا قلب نورِ ایمان سے منور ہو بدعملی اور بدکرداری سے وہ محفوظ ہو تو وہ یقیناً بہادر ہوتا ہے، نڈر ہوتا ہے اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہی ہوتا ہے کیونکہ ایمان ایک ایسی عظیم قوت ہے جو مسلمان کو پیکر صبر بنا دیتی ہے۔ استقلال و استقامت کا پہاڑ بنا دیتی ہے جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے طوفان گزرتے رہتے ہیں لیکن اس میں تذبذب، تزلزل پیدا نہیں ہو پاتا خوف اور ڈر اس کے قریب نہیں پھٹک پاتا پس اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ہر دور کے منافقین و کفار کو غزوۂ احزاب کے کفار و منافقین کی طرح عیار، مکار اور بزدل جانیں ان پر کبھی اعتماد نہ کریں ان کے در کے کبھی بھکاری نہ بنیں ان کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست نہ جانیں کہ وہ ہمیشہ اہل ایمان کو دھوکا ہی دیتے رہے ہیں اور ہمیشہ یہی کرتے رہیں گے۔

عظیم نعمت

اہل ایمان کو تو ہم نے ایک نہایت ہی عظیم اور بڑی نعمت سے نوازا ہے کہ انہیں ایک کامل رہبر اور رہنما عطا فرمایا ہے جو بہترین قائد ہے، بہترین معلم ہے جس نے اپنے غلاموں کو انسانی اقدار کی تعلیم دی، بہترین عادات و اطوار کی دولت سے مالا مال کیا۔ خزانۂ تہذیب و تمدن کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، دریائے علم و عمل کا رخ ان کی طرف کر دیا انہیں قیادت و حکومت کے طریقوں سے روشناس کیا۔ دیانت و امانت کے اہم اصول زندگی انہیں عطا فرمائے استقلال و استقامت کا انہیں مستحکم و مضبوط پہاڑ بنایا۔ صبر و قناعت کا انہیں پیکر بنایا۔ انسانوں کو انسانوں سے ملنا جلنا سکھایا، چھوٹوں کو بڑوں کے احترام کی تعلیم دی، بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا حکم دیا، انسانوں کے باہمی حقوق کا تعین کیا، حلال و حرام میں امتیاز کی تاکید فرمائی۔ معاشرے میں بدامنی، انتشار و افتراق پیدا کرنے والے اسباب و اعمال کی بیخ کنی فرمائی، محبت و الفت کے پھول بکھیرنے کا درس دیا، جس کے سایۂ رحمت میں دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی پناہ ملی، انسان ہی نہیں جانور بھی فیض یاب ہوئے۔ جس نے انسان کو حکومت، سیاست، تجارت، قیادت کے کامیاب اصول عطا فرمائے اس معلم کامل ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کو کتابِ مبین اس کے لائے ہوئے دین کو دین کامل قرار دیا گیا اور اس کے اقوال و اعمال، اس کی ایک ایک ادا کو اہل ایمان کے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

Marfat.com

اُسوۂ حسنہ

اُسوہ، کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے اَلْاُسْوَۃُ وَالْاِسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ یعنی پیشوا، رہنما، امام نیز فرماتے ہیں: اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ، لُغَتَانِ وَھُوَ مَا یَتَاَسّٰی بِہِ الْحَزِیْنُ اَیْ یَتَعَزّٰی بِہٖ وہ جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلی حاصل کرے یعنی غمگسار بہر حال اس کے لفظی معنی پیشوا، رہنما، امام یا غمگسار ہوں ہر معنی کا مصداق نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے کہ وہ ایسے کامل پیشوا امام اور رہنما ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رہبری و رہنمائی فرماتے ہیں غمگسار ایسے ہیں کہ ہر امتی کا غم ان کا اپنا غم ہے جس پر قرآن کریم گواہ ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝ (توبہ:۱۲۸)

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مؤمنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

میرے آقا ﷺ جیسا غمگسار، غمخوار، پیشوا نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے آپ نے ہماری رہبری و راہنمائی کرتے ہوئے ہماری قوت واستطاعت کو ملحوظ رکھا ہر قسم کی محنت و مشقت سے بچانے کے لئے ہمیں دین یُسر عطا فرمایا وہ شریعت مطہرہ عطا فرمائی جس پر ہمارے لئے عمل نہایت ہی سہل وآسان ہو حتیٰ کہ ہمیں مشقت سے بچانے کے لئے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو بھی ہمارے لئے فرض یا واجب قرار نہ دیا مثلاً میرے رحیم آقا ﷺ کو نماز تراویح بے حد پسند تھی دو رات آپ نے اسے جماعت سے ادا کیا چونکہ صحابۂ کرام کو اس نماز میں بے حد لطف آیا اس لئے وہ تیسری رات بھی جمع ہوئے لیکن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف نہ لائے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید آپ آرام فرمانے لگے، لہٰذا ان میں سے بعض نے کھکارنا شروع کیا تا کہ حضور علیہ السلام کو ان کے جمع ہونے کی خبر ہو جائے لیکن پھر بھی اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز نہ ہوئے صبح آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''مَازَالَ بِکُمُ الَّذِیْ رَأَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ'' تم لوگ جو کچھ کر رہے تھے میں دیکھ رہا تھا لیکن ''خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ'' مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے کیونکہ ''وَلَوْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ مَا قُمْتُمْ بِہٖ'' اگر فرض کر دی جاتی تو اس کی پابندی تم پر دشوار ہو جاتی پس اب تم اپنے گھروں میں اس نماز کو پڑھا کرو۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ''لَوْلَا اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ وَالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ'' اگر مجھے اپنی امت کی دشواری کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں نماز عشاء رات کو دیر سے پڑھنے اور ہر نماز سے قبل مسواک کرنے کا حکم دیتا یعنی واجب کر دیتا گویا سرکار کو یہ پسند ہے کہ عشاء کی نماز رات کو کچھ دیر سے (نصف شب سے قبل) پڑھی جائے (ہماری طرح نہیں کہ وقت شروع ہوا اور کھڑے ہو گئے) نیز آپ ﷺ کو مسواک بے حد مرغوب و پسند ہے۔ آپ ﷺ اپنی پسندیدگی کا اظہار تو فرما رہے ہیں تا کہ ہم بھی پسند کریں اور عمل کریں لیکن آپ ان دونوں کاموں کے کرنے کا حکم نہیں دے رہے لازمی قرار نہیں دے رہے کہ اگر ہم نہ کریں تو گناہگار ہوں صرف

Marfat.com

ہمیں دشواری سے بچانے کے لئے صرف ہمیں گناہ ... بچانے کے لئے۔ یہ ہیں غمگسار آقا ﷺ۔

ذرا ایسی چند تعلیمات بھی بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غمخوار آقا ﷺ ہمیں اس طرح چھوٹی چھوٹی چیزیں بتا رہے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بچے کو بتاتا اور سکھاتا ہے تاکہ ہم ممکنہ تکلیف اور حادثہ سے محفوظ رہیں، ملاحظہ فرمائیے:

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ جُحْرٍ.

کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

اس لئے کہ ممکن ہے اس میں کوئی زہریلا کیڑا ہو وہ نکل کر ایک دم کاٹ لے یا ممکن ہے کہ کوئی بے ضرر کیڑا ہو اور وہ مر جائے جیسے چیونٹی وغیرہ۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ.

کہ (کچھ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لی جائے یا پھونکا جائے۔

کہ اس سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جن سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اپنے کھانے پینے کی اشیاء کو جراثیم سے پاک و صاف رکھو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ.

کوئی ایسی چھت پر نہ سوئے جس کی چہار دیواری نہ ہو۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلام نیند کے نشہ میں چلتا ہوا گر جائے، لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

میرے آقا ﷺ نے ''رات کو پانی ڈھک کر رکھنے کا حکم دیا'' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی زہریلا کیڑا منہ ڈال دے اور تم اسے استعمال کر کے کسی بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ فرمایا کہ رکھے ہوئے ''برتنوں کو دھو کر استعمال کرو'' تاکہ کسی کیڑے وغیرہ کا زہر اگر ہو تو صاف ہو جائے غرضیکہ غمخوار و غمگسار آقا ﷺ نے غلاموں کو ممکنہ تکالیف سے بچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں تک بیان فرمادیں اسی طرح آپ نے عبادات و معاملات، معاشرتی و معاشی سیاسی و تنظیمی امور سے متعلق جو احکامات عنایات فرمائے اگر آپ ان پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان تمام احکام میں حقوق، امن، سکون، عزت و وقار، باہمی میل و محبت غرضیکہ ہر اعتبار سے ہمارے آرام و آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ جس آقا ﷺ کی غلامی کا ہمیں شرف بخشا گیا ہے وہ بلاشبہ ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' غمخوار، رہنما و رہبر نہایت کامل قائد ہیں۔

اسوہ، کے ایک معنی عام اور معروف ہیں نمونہ ''اسوۂ حسنہ'' ایسا نمونہ جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل بھی ہو اور حسن و

Marfat.com

جمال کا پیکر بھی جس میں کوئی نقص وعیب، اہل علم، اہل حکمت، اہل خیر دو عقل کو ہی نہیں، جاہلوں اور بے عقلوں کو بھی ڈھونڈ ے نہ مل سکے جس کے کمالات کا اعتراف اپنوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی کرنا پڑے جس کے سانچہ میں ڈھل جانا اشرف المخلوقات ہونے کی سند ہو عزت وعظمت کی ضمانت اور فلاح و بہبود کا مژدہ ہو اس وسیع معنی کے اعتبار سے صرف بے عیب خالق کی پیدا کردہ بے عیب ذات، محبوب رب العلمین، رحمۃ للعلمین، سید المرسلین ﷺ کی ہے جو اُسوۂ حسنہ کہلانے کے مستحق قرار پاتے ہیں اور بلاشبہ قرآن کریم نے آپ ہی کو ''اُسوۂ حسنہ'' فرمایا ہے۔

رب کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دے کر آپ ﷺ کی عزت وعظمت، آپ کی رفعت اور کامیاب قیادت کو بھی واضح کر دیا، آپ ﷺ کے بیمثال حسن و جمال کا اعلان بھی فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ خالق کو وہی بندے پسند ہیں، وہی خالق کے انعامات کے مستحق قرار پائیں گے وہی کامیاب و کامران ہوں گے وہی باعزت و باوقار ہوں گے انہی کی زندگی پرسکون و پرامن ہوگی جو اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کریں گے اور ڈھالیں گے کہ یہ نمونہ ہیں ان بندوں کے لئے جو اللہ کو مطلوب اور پسند ہیں پس جو اللہ کا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے اسے ان کی تعلیمات کی پابندی کرنا اور ان کی اداؤں کو اپنانا لازمی ہے لیکن یہ کام وہی کرے گا جسے اللہ کے دربار میں حاضری اور قیامت کے دن اپنے اعمال کی پوچھ گچھ کا یقین ہوگا اور جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا رہتا ہوگا گویا اس نمونہ کو اپنانا علامت ہے یا ثبوت ہے مؤمن باللہ ہونے کا مؤمن بالآخرت ہونے اور ذاکر باللہ ہونے کا۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ﴿۲۱﴾ (الاحزاب:۲۱)

(یہ بہترین نمونہ ہے) اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ ہونے کا اعلان جس موقع اور جن حالات میں کیا گیا وہی آپ کی اس عظیم خوبی کے ثبوت اور وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ غزوۂ خندق کا موقع ہے، خندق کھودی جارہی ہے۔ آقا و غلام، دونوں ایک حال میں نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے ہاتھوں میں کدال ہے تو آقا کے دست مبارک میں بھی غلام مٹی کا ڈھیر سروں پر اٹھا اٹھا کر پھینک رہے ہیں تو آقا بھی اسی عمل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے جسم خاک سے اَٹے ہوئے ہیں تو آقا کا جسم مقدس معطر، مطہر، منور بھی خاک سے اَٹا، مٹی کے ڈھیر میں موتی کی طرح چمکتا نظر آرہا ہے۔ غلام بھوکے پیاسے محنت و مشقت سے کام کر رہے ہیں تو آقا ان سے زیادہ بھوکے پیاسے ہیں کہ غلاموں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر ہے تو آقا کے مبارک پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ جس سرد و خنک ہوا کے تھپیڑے غلاموں کو لگ رہے ہیں وہی ٹھنڈی ہوائیں آقا کے مبارک جسم کو بھی بوسہ دے رہی ہیں یقیناً یہی ہوائیں جنت کی ہوائیں بنی ہوں گی یہی وہ روح و ریحان ہوگی جو اہل جنت کی غذا بنے گی، ﷺ۔

غزوۂ احزاب میں میرے آقا ﷺ کی یہ کیفیت اُسوہ ہے مسلم افواج کے ان سالار و قائدین کے لئے جو فوجی

Marfat.com

ہونے کے باوجود بڑے نازک اندام نظر آتے ہیں۔ سپاہی ان کے حکم پر جان کی بازی لگاتے ہوتے ہیں اور یہ اپنے صاف و شفاف اور محفوظ دفاتر میں جنگی حالات کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں ہر ایک موت پر صرف آگ بگولہ ہوتے اور زندہ سپاہیوں کو اپنی آتش غضب کا شکار بناتے ہیں ان پر برستے ہیں بزدل کہتے ہیں، نمک حرام کہتے ہیں جبکہ ان کے یونیفارم پر خون تو در کنار خاک بھی نظر نہیں آتی سپاہی خون کی ندیاں بہاتے ہوتے ہیں اور ان کے جسم سے پسینہ کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکتا، پھر بھی میڈل کے حق دار یہی قرار پاتے ہیں جو ان کے سینہ پر جڑے ہوتے ہیں۔ سپاہی بھوکے پیاسے اپنی گردنیں کٹاتے ہوتے ہیں اور سالار اعظم کی ٹیبل پر کھانے اور مشروبات کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں جنہیں غذا کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھوکے لڑتے ہوتے ہیں اور قائدین کرام گلے گلے کھا کر خراٹے لیتے ہوتے ہیں۔ کاش یہ اس کی تقلید کرتے جس کو خالق حقیقی نے ان کے لئے اُسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا تو یہ یقیناً اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہوتے اور نصرتِ الٰہی سے فتح و کامرانی ان کی قدم بوس ہوتی اور آج امت مسلمہ حقیر و خوار نہ نظر آتی۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسوۂ حسنہ قرار دیا لہٰذا آپ ﷺ کی زندگی کو اس قدر کامل و مکمل کیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ سے رہبری اور راہنمائی حاصل کی جا سکے پس جو بہترین باپ بننا چاہتا ہے وہ باپ کی حیثیت میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ حاصل کرے جو اچھا شوہر بننا چاہتا ہے وہ بحیثیت شوہر آپ کی زندگی کو نمونہ بنائے اسی طرح ایک تاجر، ایک کسان، ایک صنعتکار، ایک قائد، ایک حاکم، ایک سالار، ایک دوست، ایک بھائی، ایک بیٹا غرضیکہ سب ہی اس اسوۂ حسنہ ﷺ کو اپنے لئے نمونہ بنا کر کامیابی و کامرانی عزت و عظمت کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں، ﷺ۔

جب تک انسان کو یہ اسوۂ حسنہ نصیب نہ ہوا تھا انسان، انسان نہ تھا جانور سے بدتر تھا، درندہ تھا، وہ خود کھانا جانتا تھا کسی کو کھلانا نہ جانتا تھا وہ اپنی نفسانی خواہشات کا غلام تھا اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہ دوسروں کی عزت آبرو، جان و مال تک کی پروا نہ کرتا تھا جو ملتا اور جس کا ملتا اس سے اپنے پیٹ کا جہنم بھر لیتا تھا۔ ماں، بیٹی، بہن کا امتیاز کئے بغیر اپنے نفس کی خواہش پوری کر لینا اس کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ فتنہ و فساد اس کی عادت تھی۔ بدامنی و انتشار، لوٹ، مار، قتل و غارت گری نے اس کو درندہ بنا دیا تھا۔ شراب، جوا اور بدکاری اس کی تہذیب، اس کا تمدن تھا۔ معاشرتی و معاشی افراتفری اور بدحالی کے گھٹے ہوئے ماحول میں یہ دم توڑ رہا تھا۔ مذہبی اعتبار سے یہ اس قدر ذلیل و خوار تھا کہ اپنے ہی ہاتھ سے تراشی مورتیوں، کیڑوں، مکوڑوں، جانوروں، درخت، آگ، پانی کے من گھڑت دیوتاؤں کے سامنے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سوچئے کیا یہی انسان ہے جسے اللہ نے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا، کیا یہی انسان اللہ کا محبوب و پسندیدہ ہے نہیں ہرگز نہیں خالق حقیقی کو جو انسان مطلوب اور پسند ہے وہ وہی ہے جس کے لئے اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک اسوۂ حسنہ مبعوث فرمایا کہ جو ہمارا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے وہ اس نمونہ کو اپنائے اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنائے اس کے احکام کی تعمیل کرے پس وہ مطلوب و پسندیدہ ہو جائے گا۔

Marfat.com

جب یہ اسوۂ حسنہ دنیا میں تشریف لایا تو وہ جن کی فطرت میں انسانیت کی قدرے رمق باقی تھی جو لاشعوری طور پر انسانی اقدار واطوار کی تلاش میں تھے۔ وہ آگے بڑھے انہوں نے اسوۂ حسنہ کا بغور جائزہ لیا پس انہیں پتہ چلا کہ کس کے سامنے ان کا سر جھکنا چاہئے ان کی آنکھیں کھلیں معبودان باطلہ کی حقیقت سے پردہ چاک ہوا اور وہ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ انہیں پتہ چلا کہ انسان کو انسانوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے پس انہوں نے اپنے ماں باپ، بہن بھائی، اعزاء واحباب کو پہچانا ہر ایک کا حق جانا اب وہ آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرنے لگے، محبت کرنے لگے، امن وسکون کی زندگی انہیں میسر آ گئی۔ اب انہیں زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں کا احساس ہونے لگا انہوں نے اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا کو اپنایا اس کے احکام کی تعمیل کی پس وہ ایک دوسرے کی عزت وآبرو کے محافظ بن گئے باعزت وباوقار ہو گئے۔ دنیا ان کی عزت کرنے لگی، اپنے ان سے محبت کرنے لگے، غیر ان سے خوف کھانے لگے:

دنیا و دیں میں کیا ہے تعلق بتا دیا
امت کو انتہا کا تمدن سکھا دیا

اس اسوۂ حسنہ کے حسن وجمال نے تاریک دنیا کو روشن کر دیا اس کی کرنوں نے سیاہ دلوں کو چمکا دیا۔ علم وحکمت، تہذیب وتمدن کی دولت سے انسان مالا مال ہو گیا اب جو محتاج تھے وہ دوسروں کی حاجت روائی کرنے لگے۔ جو بھکاری تھے ان کے در پر بھکاریوں کی بھیڑ لگنے لگی اسی اسوۂ حسنہ کو اپنانے والوں میں سے کوئی صدیق بنا کوئی فاروق تو کوئی غنی اور کوئی حیدر کرار یہ سب کرنیں ہیں اسوۂ حسنہ کے حسن وجمال کی جن کے واسطہ ووسیلہ سے آج سارا عالم فیض یاب ہو رہا ہے اور قیامت تک یہ فیض جاری رہے گا اس اسوۂ حسنہ کو اپنانے والے ہر دور میں باعزت رہے ہیں اور یہ ہر دور میں اہل ایمان کے لئے پرسکون اور باوقار زندگی کا ضامن ہے لیکن پانی کی قدر پیاسا ہی کرتا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ کی قدر اسی نے کی اور یہ وہی کرے گا جو متلاشی حق ہو جو منزل کی تلاش میں بھٹک رہا ہو اس کے دل میں ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہو اسے رب حقیقی کے دربار میں حاضر ہونے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کا یقین بھی ہو وہ خوفزدگی کی اس کیفیت میں رب کو یاد بھی کرتا ہو لیکن اسے کوئی منزل تک پہنچانے والا نہ ہو اس اندھے کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو کہ اچانک اسے اسوۂ حسنہ کے حسن کی جھلک نظر آتی ہے پس وہ لپکتا ہے بالکل پیاسے کی طرح جو پانی کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے پس پیاسا اپنی پیاس بجھا کر سکون کی سانس لیتا ہے اور یہ متلاشی منزل اسوۂ حسنہ کو پا کر اپنی منزل پا لیتا ہے، ﷺ۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب:۲۱)

(یہ اسوۂ حسنہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کا یقین رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھتا ہے۔

یہی اسوۂ حسنہ ہے جس کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں اور اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رفیقہ حیات، مزاج دان ومحرم راز، روح

Marfat.com

قرآن کی شنا سا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنُ '' بیشک حضور علیہ السلام کا خلق عظیم قرآن کے عین مطابق تھا یعنی اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا، مرضی رب کے عین مطابق تھی پس جس نے بھی اور جب بھی اس اسوۂ حسنہ کو اپنایا اس کی ساری زندگی رب کی رضا کے مطابق ہوگئی اسے رضائے رب نصیب ہوگئی اور یہی منزل تو ہے جس کی تلاش میں انسان مارا مارا پھر رہا تھا اور یہی منزل تو ہے جس کو پالینے والا ''حیٰوۃ طیبہ'' پالیتا ہے، پرسکون و باعزت زندگی پالیتا ہے انہی خوش نصیبوں کے لئے مژدۂ قرآنی ہے: ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ '' وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہیں:

ہم فقیروں پر جو لطف مصطفیٰ ہو جائے گا — مسند شاہی ہمارا بوریا ہو جائے گا
سرد ہو جائے گی یکسر حشر میں نارِ سقر — رونق افزا تو جو ابر عطا ہو جائے گا
ہے یقیں طوفانِ محشر سے نہ پہنچے گا ضرر — کشتیٔ امت کا جو تو ناخدا ہو جائے گا

یہی اسوۂ حسنہ ہے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہر دور کے اور ہر جگہ کے انسانوں کے لئے حاکم مطلق اور مطاع مطلق قرار دیا جا سکتا ہے ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا '' جو رسول دے وہ لے لو اور جس سے رسول روکے رک جاؤ اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ کو راضی کر لیا۔ ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ '' کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ کسی کا مطاع مطلق ہونا ایک عظیم و اہم ترین منصب ہے کہ جو وہ کہے بلا تامل تسلیم کرلو اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی اداؤں کو اپنانا، دنیاوی عزت اور آخروی نجات کی ضمانت ہو یہ منصب کسی عام انسان کو نہیں مل سکتا جس کی زندگی عام انسانوں جیسی ہو جس کا علم عام انسانوں جیسا ہو جس کی خواہشات و ضروریات عام انسانوں جیسی ہوں تو اسے اتنا اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے کہ اس کے وضع کردہ اصول زندگی تو ظنی ہوں گے کیونکہ ہر انسان کا علم ظنی ہی ہوتا ہے اسے اتنا خود مختار کیسے بنایا جا سکتا ہے کہ وہ تو فطرتاً اپنے ذاتی مفادات، اپنی خواہشات کے حصول اور اپنی ضروریات کی تکمیل کو پیش نظر رکھے گا وہ عام انسانوں جیسا ہوگا تو اس کا کردار بھی یقیناً عام انسانوں جیسا ہی ہوگا۔ وہ غلطیاں بھی کرے گا، سچ بولے گا تو جھوٹ بھی بولے گا، عدل و انصاف کرے گا تو ظلم و ستم بھی کرے گا ایسا قائد اپنی قوم کو فلاح و بہبود کی منزل تک کیسے پہنچا سکتا ہے انسانوں کا رہبر و راہنما تو صرف اور صرف وہ انسان بن سکتا ہے جو انسان ہونے کے باوجود ان جیسا نہ ہو انسان ہونا تو ضروری ہے تا کہ انسان اس کے گرد جمع ہوں اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ ہوں اس سے محبت کریں لیکن ایسا انسان ہونا چاہئے جس کا علم یقینی ہو لامحدود اور غیر متناہی ہو کہ اس کے دیئے ہوئے قوانین و اصول زندگی قوانین الٰہیہ کہلائے جا سکیں اور ان میں تبدیلی کا نہ کسی کو حق ہو اور نہ ہی ضرورت ہو ''لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ '' کا مصداق ہوں اس سے کسی قسم کی غلطی کا امکان نہ ہوتا کہ اس سے اطاعت کا رشتہ جوڑنے والوں کو اپنی کامیابی و کامرانی کا مکمل یقین ہو اور وہ بلا تامل، بلا تذبذب مکمل اطمینان اور مکمل اعتماد کے ساتھ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں۔ وہ اپنے اقوال و اعمال کا نمونہ ہوتا کہ اطاعت شعار بآسانی اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں وہ علم و عمل، تہذیب و تمدن کا منبع

Marfat.com

وسرچشمہ ہوتا کہ قوم اس سے سیراب ہو سکے یہ تمام خوبیاں تو صرف اور صرف ایک ہی انسان میں پائی جاسکتیں ہیں وہ بھی اس کی حاصل کردہ ذاتی اور کسبی نہیں ہوتیں بلکہ وہبی ہوتی ہیں، عطائی ہوتی ہیں، اللہ کی طرف سے دی جاتی ہیں، اسی انسان کامل کو رسول کہا جاتا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں سے مزین وآراستہ کر کے دنیا میں اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ علی الاطلاق اس کے احکام کی پابندی کریں ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' اور ہم نے کسی رسول کو مبعوث نہیں فرمایا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔

رسول خالق حقیقی اللہ وحدہ لاشریک کا فرستادہ ہوتا ہے کہ یہ تو خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے حاکم و مطاع میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں، پس وہ خود ہی اپنے فضل وکرم سے حاکم کا تعین فرماتا ہے اور اس کو مطلوبہ خوبیوں اور کمالات سے نوازتا ہے لہذا یہ حاکم نہ صرف انسان کی عظمت وشرافت کا ضامن ہوتا ہے بلکہ انسان کی عظمت وشرافت کا دارومدار اسی مطاع مطلق کی اطاعت وفرمانبرداری پر ہوتا ہے کہ جو اس کا غلام بن گیا وہ یقیناً کامیاب وکامران ہوگیا، بامراد ہو گیا، منزل کو پا گیا اور جو اس کا باغی ہوا وہ انسان ہو کر بھی جانوروں سے بدتر ہوگیا کہ وہ اس وسیلۂ جلیلہ سے محروم ہے جس سے وہ احکام الٰہی جان سکتا تھا وہ اس معلم کامل سے محروم ہے جس سے وہ انسانی اقدار اور اخلاق کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا وہ اس مربی سے محروم ہے جو اسے کھانے پینے، سونے جاگنے اور زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ سکھاتا اور بتاتا کہ جس کے عمل کا مقصد سوائے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اور کچھ نہیں اس کی زندگی صرف خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے ہے پس وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اللہ نے تمہیں اپنے ایسے رسول کے دامن سے وابستہ کر دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر جگہ کے لوگوں کے لئے کافی ہیں جس نے تمہیں ایک ابدی نظامِ حیات عطا فرمایا ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور تمہاری عزت وعظمت کا ضامن ہے پس تم اسی کو اپنا حاکم، قائد اور رہبر تسلیم کرو اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور اس کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اُسے اپنا حاکم وقائد بناؤ جو اتقی ہو نبی کے عطا کردہ قوانین واصول زندگی کا سب سے زیادہ پابند ہو کہ اس کی اطاعت درحقیقت رسول ہی کی اطاعت ہوگی تم اطاعت شعار بنو تو ہر حال اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی تم کامیاب وکامران ہو گے۔ دیکھو کفار ومنافقین کی ہرگز نہ سنو یہ اپنے مکر وفریب کا جال پھیلا رہے ہیں، بزدل ہیں، بہکاتے ہیں، بزدلی کی باتیں کرتے ہیں، باغی ہیں بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں تم اپنا مرکز نگاہ صرف اور صرف ہمارے رسول کو بناؤ جو تمہارا قائد ہے، معلم ہے، مربی ہے جسے ہم نے تمہارے لئے بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے جس کی نورانیت تمہارے قلوب کو منور و روشن کر دے گی جس کی اطاعت تمہیں باوقار و بارعب بنا دے گی جس کی محبت تمہارے بازوؤں کو فولادی بنا دے گی جس کی استقامت تمہیں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم ومضبوط کر دے گی جس کی اتباع و پیروی تمہارے لئے اللہ کی حمایت ونصرت کا ذریعہ بنے گی جس کے دامن سے وابستگی تمہاری فلاح و بہبود کی ضمانت ہوگی اور دیکھو! ایسا ہی ہوا کہ جب کفار ومنافقین اپنی چالیں چل رہے تھے خوف وہراس پیدا کرنا چاہتے تھے افواہیں پھیلا رہے تھے تو

Marfat.com

رب قدیر نے تمہاری مدد کی دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک ایسا لشکر نازل فرمایا جو تمہیں نظر نہ آتا تھا اور ایسی تند و تیز ہوائیں چلائیں جن سے دشمن کی ہوا اُڑ گئی، ہمتیں پست ہو گئیں تم نے دیکھا کیسے کر و فر سے وہ آئے تھے اور کیسے ذلیل و خوار ہو کر بھاگے کہ اپنا ساز و سامان تک چھوڑ گئے۔

اہل ایمان کا حال

جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اپنایا تو ان میں جو قوت و طاقت پیدا ہوئی جو جوش و جذبہ بیدار ہوا اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ (الاحزاب: ۲۲۔۲۴)

اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں مزید اضافہ کر دیا اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا پس ان جوانمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور (خوف سے) ان کی حالت میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی تاکہ اللہ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ تھی میدانِ جہاد میں اہل ایمان کی کیفیت کفار و منافقین تو خوفزدہ تھے بھاگنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے افواہیں پھیلا رہے تھے لیکن اہل ایمان کی نظریں اپنے آقا کے اسوۂ حسنہ ﷺ پر جمی ہوئی تھیں وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا ہے تو ہمارے آقا ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں ہم محنت و مشقت کر رہے ہیں تو آقا ہم سے زیادہ کام کر رہے ہیں ہمارے جسم خاک میں اَٹے ہوئے ہیں تو آقا کا نورانی جسم بھی خاکی لباس سے چھپا ہوا ہے ہمیں رات کی سردلہریں اور دن کی خاک آلود ہوائیں مقصد سے نہیں ہٹا پا رہیں تو آقا بھی پیکر استقلال و استقامت بنے ہوئے ہیں جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اس حال میں دیکھا تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے انہوں نے لشکر دیکھا تو خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پکارے یہی تو وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا'' آج ہمیں فتح مبین کا دن نظر آ رہا ہے کہ آج اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ہو کر رہے گا آج سے پہلے ہمارا مقابلہ کفار کے ایک ایک گروہ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا

Marfat.com

رہا آج کافروں کے سب گروہ متحد و منظم ہو کر ہمارے سامنے موجود ہیں یقیناً اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہوگی اور ان پر ہم ایسے غالب ہوں گے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علم اسلام بلند ہو جائے گا یہ اہل ایمان اپنے سامنے اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قطعاً خوف زدہ نہ ہوئے بلکہ "وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا" ان کی قوتِ ایمان میں اضافہ ہوا جذبۂ تسلیم ورضا جوش مارنے لگا عشق ومحبت سے بھری آواز سے وہ پھر گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِىْ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

ہم ہی وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔

یہ مضطرب و بے چین منتظر تھے کہ کب ہمیں آقا ﷺ کا اشارہ ملے اور کب ہم اپنی تلواریں میانوں سے نکالیں اور فاتح بن کر غازی کہلائیں یا شہادت کی عظمت حاصل کر کے حیاتِ جاودانی پائیں یہ جذبۂ ایثار وقربانی ان کے لئے کوئی نیا نہ تھا ان میں بہت سے تھے جو پہلے ہی تمغۂ شجاعت وبسالت حاصل کر چکے تھے بہت سے تھے جنہیں یہ شرف حاصل تھا کہ ان کے باپ، بیٹے، اعزا واقرباء جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ غزوۂ احد جیسے معرکے وہ سر کر چکے تھے "فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ" ان میں سے بہت۔ سے اللہ کی راہ میں جانبازی وجانثاری کا وعدہ سچ کر کے دکھا چکے تھے "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ" اور بہت سے ایفائے عہد کے موقع کا انتظار کر رہے تھے ان کے عزم وہمت میں مرورِ زمانہ کے باعث کوئی تبدیلی نہ آئی تھی ان کے یہ جذبات صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے رسول کے لئے تھے انہیں کفار ومنافقین کے انجام کی پروا نہ تھی ان کا حال انہوں نے اللہ کے سپرد کیا ہوا تھا کہ اللہ چاہے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو اللہ چاہے تو انہیں معاف فرما دے۔

ایثار صحابۂ کرام

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیکر ایثار وقربانی تھے جانثاری وجانبازی ان کا وطیرہ تھی، اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہی ان کا مقصد حیات تھی۔ تاریخ اسلام ان مجاہدین کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے جن کا مطالعہ امت مسلمہ کے ایمان میں تازگی پیدا کرتا ہے، جذبۂ حفاظتِ اسلام بیدار کرتا ہے جس سے اہل ایمان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اپنے اسلاف کی شجاعت وبسالت کے کارنامے پڑھ کر ان کے سر فخر سے بلند ہو جاتے اور ایمان وروحانی قوت سے وہ مالا مال ہو جاتے ہیں کون نہیں جانتا ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی کے ایثار وقربانی کے واقعات کسے نہیں معلوم آل یاسر، ابوہریرہ وبلال اور ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دردناک داستانیں یہی حضرات ہیں جنہوں نے اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور آہ نہ بھری۔ ان حضرات کے ایثار وقربانی کے واقعات تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہیں اور اہلِ ایمان کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں اس پر عمل پیرا ہونے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے یہ سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ بحمد اللہ اہل ایمان میں ایثار وقربانی کا جو جذبہ موجود ہے کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہی جذبہ جب سرد ہو جاتا ہے تو اسلام دشمن قوتیں ابھرنے لگتی اور مسلمانوں کا شکار کرنے لگتی ہیں اور جونہی اس جذبہ میں حرارت پیدا ہوتی ہے

Marfat.com

تو ایک لاوا پھٹتا ہے جو اسلام کے دشمنوں کا صفایا کر کے امت مسلمہ کو باوقار و باعزت زندگی فراہم کرتا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارا دور اسی جذبۂ ایثار کی سرد مہری کا دور ہے ذاتی اغراض، ذاتی مفادات کی ہم پر ایسی برفباری ہوئی کہ اس نے ہمیں منجمد کر کے ایک تودہ بنا دیا ہے بے حرکت تودہ، بے حس تودہ جسے نہ کسی کے لعن طعن سے غیرت آتی ہے اور جو نہ کسی کی دھمکی سے حرکت کرتا ہے۔ محافظین اسلام کی یہ حالت ہو جانے کے باعث ظاہر ہے جس کا جو دل چاہتا ہے ہرزہ سرائی کرتا ہے جو چاہتا ہے بکتا ہے لیکن اسلام کی جڑیں اسلاف کے ایثار و قربانی سے اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ وہ موسم خزاں کے طوفان باد و باراں سے قطعاً متاثر نہیں ہر خزاں کے بعد بہار آنا یقینی ہے بیسویں صدی اسلام کے لئے موسم خزاں ثابت ہوئی۔ اکیسویں صدی کا آغاز ہوا چاہتا ہے حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ انشاء اللہ مستقبل اسلام کے لئے موسم بہار ہوگا۔

ایثارِ صحابہ کے واقعات تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہیں جو قابل فخر بھی ہے اور قابل تقلید بھی ہے جو اہل ایمان کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتا اور خدمتِ اسلام کی دعوت دیتا ہے یہاں صرف دو واقعہ پیش خدمت ہیں کیا عجب یہ ہمارے کسی ایسے اقدام کا سبب بن جائیں جو ہمارے لئے دنیا کی عزت اور آخرت کی نجات کا باعث ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جن کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا۔ باپ کے بڑے لاڈلے تھے، بڑے ناز و نعم سے پلے تھے۔ نہایت خوش پوش تھے ہر وقت زرق برق قیمتی لباس میں نظر آتے تھے۔ اللہ نے کرم فرمایا اور خدمت اسلام کے لئے منتخب فرما لیا مشرف بآسلام ہو گئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ آقائے کائنات ﷺ کے در کی چاکری اختیار کر لی نہ وہ تکلفات رہے نہ کر و فر، چند ہی دن میں اتنی تعلیم و تربیت حاصل کر لی کہ اسلام کے پہلے مبلغ ہونے کا اعزاز نصیب ہوا کہ آپ ہی کو سب سے پہلے تبلیغ اسلام کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ ان کی تبلیغی مساعی بار آور ہوئیں اور چند ہی دن میں مدینہ منورہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ اوس و خزرج کے کئی سردار آپ کی ہی تبلیغ سے مشرف بآسلام ہوئے۔ غزوۂ احد کے متوالے سپاہیوں میں یہ بھی شریک تھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا، شوق شہادت میں مست ہر اس مقام پر نظر آ رہے تھے جہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا بالآخر داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ جنگ ختم ہوئی تو آقائے رحمت ﷺ اسلام کے اس سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے حضور یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔“ فَأْتُوْهُمْ فَزُوْرُوْهُمْ پس اے لوگو تم ان کے پاس آؤ اور ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ قسم اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا وہ جواب دیں گے۔

افسوس کہ جن کے دربار میں حاضری کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا آج ان کے مزارات امت کی نظروں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں ان کے قریب پہنچنا ناممکن بنا دیا گیا ہے لیکن اہل ایمان جتنا بھی قریب ہو سکتے ہیں قریب ہوتے ہیں اور سرکار کے ارشاد کے مطابق ان محافظین اسلام کو سلام پیش کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ شہداء کرام سلام کا جواب دیتے ہیں اور جن پر اللہ کا خصوصی کرم ہے وہ اس جواب سلام کو سنتے بھی ہیں۔

Marfat.com

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انہیں بے حد ملال تھا اور بے چینی سے منتظر تھے کفار کے ساتھ کسی معرکہ کے جس میں انہیں اپنی شجاعت و بسالت کے کرتب دکھانے اور مقام شہادت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے چنانچہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے بڑی تن دہی اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید ہو جانے کی افواہ نے بڑے بڑے بہادر سپاہیوں کے حوصلہ پست کر دیئے تھے اس وقت بھی یہ پورے جذبہ کے ساتھ تلوار چلاتے نظر آ رہے تھے۔ ایک مقام سے گزرے تو چند سپاہیوں کو افسردہ بیٹھے دیکھا پوچھا اس طرح بیٹھے کیا کر رہے ہو جواب ملا اب حضور شہید ہو چکے سب کچھ بیکار رہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اگر حضور شہید ہی ہو گئے ہیں تو اب ہم تم زندہ رہ کر کیا کریں گے اٹھو، اٹھو آؤ اسی مقصد کے لئے جان دے دو جس مقصد کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان دے دی یہ کہا اور تلوار چلاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ غمزدہ ساتھیوں کا جذبہ بھی بیدار ہوا اور وہ بھی میدان میں آ گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے ہوئے بار بار کہتے کہ ''مجھے اُحد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے'' بالآخر مراد بر آئی اور اس محسنِ امت نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ حال یہ تھا کہ کوئی عضو اس حال میں نہ تھا جس سے ان کی نعش کو پہچانا جا سکتا ان کی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا جب ان کے جسم پر زخم گنے گئے تو اسی سے زیادہ تھے۔

یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جن کی صداقت اور ایفائے عہد کی گواہی قرآن دے رہا ہے ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ'' اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

انجام جنگ

کفار و منافقین کی افواہوں، بزدلی اور خوف و ہراس کی باتوں کے باوجود اہل ایمان کے قدم نہ ڈگمگائے وہ نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ کب انہیں اللہ کا رسول، جرأت و بہادری کے کرتب دکھانے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ انہیں اس میدان سے یا تو عزت و وقار کے ساتھ فاتح و غازی بن کر واپس ہونے کا موقع ملے اور یا وہ شہید ہو کر حیات جاودانی کے حق دار بنیں لیکن اللہ رب العزت نے اپنے مخلص بندوں پر کرم فرمایا اور انہیں اس فتح و نصرت سے نوازا جو بصورت جنگ حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ (الاحزاب: ۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ وہ پیچ و تاب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مؤمنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔

اللہ کے بندے اللہ پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ اپنے فضل و کرم سے ضرور ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے انہیں ہر قسم کی تکلیف و مضرت سے محفوظ رکھتا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ

Marfat.com

اسے کافی ہوتا ہے اور جسے اللہ کافی ہو گیا اسے کس کا خوف، کس کا ڈر اہل احزاب کے پاس نہ تو ظاہر اور مادی وسائل تھے جس پر انہوں نے بھروسہ کیا ہو نہ ہی قوت و طاقت تھی وہ تو فاقہ مست عشاق رسول تھے جو آقا کے حکم کی تعمیل میں ایک ماہ سے زیادہ کھلے میدان میں پڑے ہوئے تھے نہ طوفانی موسم کا ان پر کوئی اثر تھا نہ بھوک و پیاس سے انہیں کوئی پریشانی طاقتور دشمن سامنے پڑاؤ ڈالے تھے لیکن انہیں نہ ان کا خوف تھا نہ ڈر، منافقین کی ہرزہ سرائی سے ان کے کان بند ے تھے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والے اللہ کے یہ بندے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت، تسبیح و تہلیل اور اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف تھے اگر چہ نہ تو کاروباری مصروفیت تھی اور نہ ہی اہل و عیال کی ذمہ داری پھر بھی ان حضرات کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا کہ جنگ جیسے مواقع ہی معلم کامل ﷺ سے علم حاصل کرنے اور مربی کامل ﷺ سے تربیت حاصل کرنے کے لئے نہایت موزوں ہوتے تھے کہ ان دنوں میں جتنی فرصت ہوتی تھی دیگر ایام میں اتنی نہیں ملتی تھی بس بغیر کسی پابندی کے ہمہ وقت غلام اپنے آقا کے گرد جمع رہتے اور استفادہ کرتے رہتے تھے کہ یہ وقت کا مفید ترین مصرف بھی ہوتا تھا اور دلوں کے سکون و اطمینان کا بہترین ذریعہ بھی کہ ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تاہم اللہ کے یہ سپاہی دشمن کی طرف سے غافل نہ ہوتے تھے دشمن کی حرکات سے اس کے ارادوں کو بھانپتے رہتے تھے یا جنگی اصول کے مطابق اپنے خفیہ مخبروں کے ذریعہ دشمن کے پروگرام سے باخبر رہتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حکیمانہ اقدام

اس ایک ماہ کے دوران تقریباً ہر روز ہی دشمن کی طرف سے تیراندازی وغیرہ کی صورت میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جس کا مجاہدین اسلام کے طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہتا تھا اس دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نہایت پراز حکمت اقدام فرمایا کہ آپ نے قبیلہ غطفان کے سردار عینیہ ابن حصین اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس اپنے قاصد کی معرفت پیغام بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، کیوں؟ (آگے چلئے، بتاتے ہیں) ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب عادت، قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ صحابہ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو مشورے کے لئے طلب فرمایا۔ واقعہ بتا کر ان کا مشورہ طلب فرمایا ان حضرات نے پوچھا:

سوال:۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا یہ حکم الٰہی ہے کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو ہماری کیا مجال کہ حکم عدولی کریں۔

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ تو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم تو کیا یہ آپ کا فیصلہ ہے کہ اگر آپ کا فیصلہ ہے تو غلام یقیناً پابندی کریں گے۔

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ تو کیا یہ صرف ہمیں جنگ کی مشقت ومحنت سے بچانے کے لئے ہے۔

Marfat.com

جواب:۔ ہاں، یہی سمجھ لو کہ تم دونوں طرف سے گھرے ہوئے ہو میں چاہتا ہوں کہ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے۔
سرکار ﷺ کا یہ ارشاد سن کر دونوں جان نثار رگویا ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ پر ہماری جانیں فدا ہوں ہم جب نہ اللہ کو پہچانتے تھے نہ آپ کو ہم بت پرست تھے۔اس وقت بھی ہم نے کسی کو اپنے شہر کے پھلوں کا ایک دانہ بھی نہ دیا اب تو الحمد للہ ہم مومن ہیں، اللہ نے ہمیں آپ کا غلام بنایا ہے، عزت بخشی ہے، ایمانی قوت و طاقت سے مالا مال کیا ہے۔اب تو کسی کافر کے لئے ہمارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سعد کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی پر اظہار مسرت فرمایا۔قبیلہ غطفان کے نمائندے عینیہ اور حارث بھی اس وقت یہاں موجود تھے جوان مجاہدین کی گفتگو سن کر کانپ اٹھے اور انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اللہ کے ان شیروں سے مقابلہ آسان نہیں اور یہی حکمت تھی میرے آقا ﷺ کے اس اقدام میں۔

یہ ایک مہینہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کے لئے نہایت محنت و مشقت کا تھا کہ جنگ کا خطرہ تھا جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، جانبین کی طرف سے تیر اندازی کا بے ہنگم وقت بے وقت سلسلہ جاری تھا لیکن کوئی فیصلہ کن صورت سامنے نہیں آ رہی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک رات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ تھوڑی ہی دیر آرام کر پاتے تھے کہ میدان سے شور و شغب کی آواز آتی اور آپ باہر تشریف لے جاتے تھے۔حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں غزوۂ مریسیع، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رہی لیکن آپ کو کسی غزوے میں اتنی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑی جتنی غزوۂ خندق میں پیش آئی اور مجاہدین کو بھی شدید تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔کفار کی تیر اندازی سے کافی مسلمان زخمی ہوئے۔کئی کئی رات سونے کا موقع میسر نہ آ سکا، سردی کی شدت اور بھوک پیاس کا مقابلہ بھی کرنا پڑا لیکن کسی کے پائے ثبات میں کسی وقت تزلزل نہ آنے پایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا

مدینہ منورہ کی اکثر عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعہ میں پہنچا دیا گیا تھا تا کہ انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو ان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی رونق افروز تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک رات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے ملنے آئے میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے۔جس سے ان کے ہاتھ پیر محفوظ نہ تھے۔ میں نے سعد کی والدہ سے کہا انہیں پوری زرہ پہننا چاہئے تھی یا یہاں آنا نہیں چاہئے تھا۔ان کی والدہ نے بیٹے سے کہا کہ میری فکر بالکل نہ کرو میں یہاں خیریت سے ہوں تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جلدی حاضر ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکار کو تمہاری ضرورت پیش آ جائے تم غیر حاضر ہو۔سعد، ماں کے کہنے پر فوراً ہی واپس ہو گئے ابھی وہ راستہ میں تھے کہ دشمن کا ایک تیر آ کر ایسا لگا کہ ان کی رگِ اکحل کٹ گئی بہت خون بہا۔اس وقت وہ دعا کرنے لگے:" یا اللہ! اگر آئندہ قریش کا کوئی حملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہونا مقدر ہے تو مجھے زندگی عطا فرما کہ میری تمنا ہے کہ میں اس قوم سے جنگ کروں جس نے

Marfat.com

تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذاء پہنچائی ان کی تکذیب کی اور انہیں وطن سے نکالا اور اگر اب کوئی جنگ ہونے والی نہیں تو اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما لیکن میں اس وقت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں جب تک بنی قریضہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر مجھے سکون نہ مل جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے زخم خوردہ سپاہی کی دعا قبول فرمائی یہ واقعہ احزاب تو کفار کا آخری حملہ ثابت ہوا اور بنو قریضہ (جن کا واقعہ آگے آتا ہے) مغلوب ہوئے، گرفتار کئے گئے اور ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا (تفصیل آگے ملاحظہ ہو)۔

ذوالفقار کی چمک

جھڑپوں کا سلسلہ جاری تھا کفار اب تک اپنی جھوٹی قوت کے نشے میں مست جنگ کے لئے مضطرب تھے۔ ادھر اہل ایمان شہادت کا تصور لئے رب کریم سے حق کی فتح کے لئے دعائیں کر رہے تھے کہ اچانک ''هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ'' کیا کوئی ہے مقابلہ کرنے والا کی صدا آئی۔ جب دیکھا گیا تو یہ عمرو بن عبدود چلا رہا تھا، نوے سال کا خرانٹ بڈھا جنگ بدر میں زخم کھا کر بچ نکلا تھا۔ اسی وقت اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا سر میں تیل نہ ڈالوں گا۔ عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر طاقتور، بہادر مشہور تھا۔ انتقام کی آگ آج اسے موت کے منہ میں لے آئی تھی، خندق سے گھوڑا کدا کر اللہ کے شیروں میں آ پھنسا تھا۔ اسد اللہ، اللہ کے شیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو تڑپ کر کھڑے ہوئے کہ انہوں نے تو ہر غزوے میں کوئی نہ کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس غزوے میں اب تک کوئی ایسا موقع نہیں مل رہا تھا لہٰذا ایسے لپکے تھے جیسے واقعی پہلے سے ہی اس سنہری موقع کے منتظر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی! رکو! تم جانتے ہو کس سے مقابلہ کے لئے بڑھ رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیں۔ میں ہی اس سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں یہ کفر کی پوری طاقت ہے جو اس وقت میرا شکار ہے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے شیر کا بپھرنا دیکھا تو اپنی ذوالفقار (دو دھار اتلوار) آپ کے ہاتھ میں دی اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ زیب کیا اور دعا کر کے رخصت فرمایا۔

اسد اللہ اپنی تلوار چمکاتے عمرو کے مقابل آئے تو تلوار کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور بوڑھا آپ کو نہ پہچان سکا پوچھنے لگا تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں ہوں علی بن ابی طالب! میں نے سنا ہے کہ تو نے وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر کوئی قریش تجھ سے دو چیزیں مانگے گا تو تو ان میں سے ایک ضرور دے گا پس میں تجھ سے دو چیزیں مانگتا ہوں۔ اول، تو مسلمان ہو جا۔ عمرو بولا نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا تو پھر آگے آ اور مجھ سے جنگ کر۔ بوڑھا بولا اے بھتیجے ایک تم مجھ سے بہت کم عمر ہو۔ دوسرے تمہارے باپ اور میرے باپ آپس میں بہت دوست تھے۔ اس لئے میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن! میں تیرا خون بہانے کے لئے بے چین ہوں اور آج تو میرے ہاتھ سے ہی ہلاک ہوگا۔ آپ کی یہ باتیں سن کر عمرو بلبلاتا گھوڑے سے اترا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی پیادہ تھے۔ تلوار کا تبادلہ شروع ہو گیا عمرو کا ایک وار اتنا سخت تھا کہ اس کی تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال اور عمامہ

Marfat.com

کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی اگرچہ زخم خاص گہرا نہ تھا لیکن اس کا نشان آپ کی مبارک پیشانی پر ہمیشہ کے لئے یادگار بن گیا۔ جس سے آپ مزید خوبرو نظر آنے لگے۔ اس حملہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو للکارا! اے عمرو! سنبھل جا، اب تیری موت آتی ہے یہ کہہ کر اتنا زبردست وار کیا کہ آپ کی ذوالفقار بجلی کی طرح کوندی اور دیکھتے ہی دیکھتے کافروں کا سورما ڈھیر ہو گیا۔ اللہ کے شیر نے فوراً اس کا سر کاٹ پھینکا۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو کے ساتھی عکرمہ، ہبیرہ، ضرار وغیرہ بھاگنے لگے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا اور ان میں سے نوفل کو ایک وار میں ہی ٹکڑے کر ڈالا باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کفار نے اپنے سورما عبد بن وُدّ کی لاش دس ہزار درہم کے عوض لینا چاہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم لاش لے جاؤ ہمیں معاوضہ نہیں چاہئے۔''

غور فرمائیے، آتی دولت کو اور وہ بھی دشمن کی طرف سے کون چھوڑتا ہے جبکہ اس وقت تو مسلمان ضرورت مند بھی زیادہ تھے پھر بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھاری رقم کی پیشکش مسترد کر دی تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اسلام نہ تو دولت کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی انسان کی بے حرمتی اور اس پر ظلم وستم کا، جہاد صرف دین کی حفاظت یا دنیا سے ظلم وستم کو مٹانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین نے ہر موقع پر اس اصول کی پابندی کی اس عنوان پر گزشتہ اوراق پر ہم تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

چار نمازیں قضا ہوئیں

جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبدوُدّ کو جہنم رسید کیا۔ یہ دن اس غزوے کا سخت ترین اور مصروف ترین دن تھا، کفار کی طرف سے تیروں کی بارش اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کسی بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کی جنگی تنظیم اور صف بندی فرما رہے تھے۔ ہر سپاہی مدافعتی اور حفاظتی جنگ میں مصروف تھا۔ اس دوران نمازوں کے اوقات گزرتے رہے اور مجاہدین کو ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف آنے اور معبود کے دربار میں سربسجود ہونے کا موقع نہ مل سکا حتیٰ کہ چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ رات گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کے ہمراہ نماز عشاء ادا فرمائی اور اسی کے ساتھ فجر، ظہر، عصر، مغرب پڑھی گئیں۔ یہ دن نبی رحمت ﷺ کے لئے نہایت تکلیف کا دن تھا ایک تو آپ کو غلاموں پر جنگ کی شدت اور ان کے مشقت میں پڑنے کی تکلیف تھی دوسرے نمازیں قضا ہونے کا بے حد صدمہ تھا پس رسول مستجاب الدعوات نے اللہ مجیب الدعوات کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

حضور علیہ السلام کی دعا

آقائے رحمت ﷺ جبل سلع پر رونق افروز ہوئے اور تین دن پیر، منگل، بدھ طویل دعا فرمائی۔ دعا میں آپ ﷺ کے عجز و انکساری اور انہماک کا یہ حال تھا کہ آپ کی چادر بار بار کندھے سے گر جاتی تھی بالآخر اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ بدھ کو عصر و مغرب کے درمیان آقا اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے جو

Marfat.com

نہایت بے چینی سے کسی اچھی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے آقا کا نورانی، کھلتا چہرہ دیکھا تو نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے دشمنوں کے دہل بل گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اللہ کے سپاہیوں کو فتح وکامرانی کی بشارت دی۔

آج مسجد فتح اس بشارتِ فتح کے مقام پر موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی ہے تو میں اسی دن اور اسی وقت یہاں حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں اور اللہ میری دعا قبول فرماتا ہے یعنی فیصلۂ الٰہی یہ ہے کہ محبوب کی دعا قبول ہونے کا صدقہ قیامت تک بٹتا رہے گا اور جو غلام بھی میرے محبوب کے وسیلۂ جلیلہ سے یہاں حاضر ہو کر بھیک مانگے اسے خالی جھولی واپس نہیں کیا جائے گا گویا آقا ﷺ کے صدقہ میں یہ مقام دیگر ابوابِ رحمت کی طرح تقسیم رحمت کا ایک دروازہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جہاں بھکاریوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے اور ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں یہاں حاضری کا موقع نصیب ہو تو عجلت میں صرف دو نفل پڑھ کر بھاگنا اللہ کی برستی رحمت سے منہ موڑنا ہے۔ یہ تو مقام ہے سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کے حضور رونے اور بھیک مانگنے کا یہاں آقا کا صدقہ بٹتا ہے جو غلاموں ہی کے لئے ہے پس غلام بن کر مانگئے، خوب مانگئے ضرور ملے گا۔ اس فقیر، محتاج دعا کو بھی اس موقع پر یاد کر لیجئے اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور مجھے یاد رکھنے کی جزاء دے، آمین۔

قبولیت دُعا کا ظہور

آقا ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے بشارت سن کر غلاموں کے چہرے کھل گئے، سکون واطمینان کے سانس آنے لگے۔ جب یہ خبر کفار کی صفوں میں پھیلی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی فیصلہ تک کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایک اضطراب تھا، بے چینی تھی، افراتفری کی حالت تھی کہ اسی حال میں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایسی تیز اور ٹھنڈی ہوا چلی کہ ان کے خیمے اڑ گئے، دیگیں پلٹ گئیں، سردی کی شدت سے وہ کانپنے لگے۔ اللہ کے فرشتوں کا غیبی لشکر نازل ہوا جنہوں نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کیا کہ انہیں صرف اپنی موت نظر آتی تھی۔ جس سے وہ بھاگنے کی لئے بے چین تھے اسی غیبی امداد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'' ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا اس لشکر کو عام طور پر نہ دیکھا گیا لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا بھی مثلاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جاسوسی کے لئے کفار کے لشکر میں گئے (تفصیلی واقعہ آگے آتا ہے) تو آپ نے کچھ نورانی چہرے بھی دیکھے اور بھاگو بھاگو کی آوازیں بھی سنیں بہرحال اُفق مدینہ سے کفر کے سیاہ بادل ہمیشہ کے لئے چھٹ جانے کا وقت اب قریب آچکا تھا۔

کارنامۂ نُعیمی

جسے ہم نے نعیمی کارنامہ کا عنوان دیا ہے یہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے جس نے دشمن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی بدحواسی کو انتہا تک پہنچایا۔ ہوا یہ کہ باطل کے اس باطل اتحاد کا ایک بڑا عنصر قبیلہ غطفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے بندوں کی حمایت ونصرت کے طور پر اس قبیلہ کے ایک شخص نعیم بن مسعود کے دل میں ایمان کا چراغ

Marfat.com

روشن کیا وہ مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ سے چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی اور بتایا کہ میرے مشرف باسلام ہونے کو اب تک اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا، آپ مجھے حکم دیں کہ میں اس وقت اسلام کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اسی طرح واپس ہو جاؤ اور اپنے ہی لوگوں میں رہ کر اسلام کی مدافعت اور حفاظت کرو یہ بے حد ذہین آدمی تھے انہوں نے فوراً ہی ایک منصوبہ سوچ لیا اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ان لوگوں سے وہ بات کروں جو مصلحت وقت کے مناسب ہو۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

نعیم بن مسعود نے اپنا کام شروع کیا پہلے یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ کے پاس پہنچے جن سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف معاہدہ غداری کر کے اتحادیوں میں شامل ہو گیا تھا اور ان کا ایک مؤثر حصہ تھا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کے سرداروں سے اپنی قدیم دوستی کا اعتراف کرایا اور پھر کہا کہ کیا تم لوگوں نے مسلمانوں کا دشمن بناتے ہوئے یہ سوچا ہے کہ اگر اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی تو تمہارا انجام کیا ہوگا جبکہ آثار شکست نظر آرہے ہیں کفار مکہ میرا قبیلہ اور یہود کے دیگر قبائل تو ہار کر فرار ہو جائیں گے لیکن تم مدنی ہو تمہیں مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے کیا اس صورت میں وہ تمہاری زندگی اجیرن نہ بنا دیں گے بات اہم تھی سمجھ آئی۔ سردار بے چین ہو کر کہنے لگے بھائی! تم نے تو ہماری آنکھیں کھول دیں اب تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے اب تو ہم اس لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں جس سے تمہیں ان اتحادیوں کے خلوص کا اندازہ بھی ہو جائے گا اور تم ان کے جال سے بچ بھی سکو گے اور وہ یہ ہے کہ تم ان سے ضمانت لو کہ وہ شکست کی صورت میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار نہ ہوں گے اور ان سے کہو کہ بطور ضمانت وہ اپنے چند سرداروں کو تمہارے پاس رہن رکھ دیں۔

نعیم بن مسعود نے بنوقریظہ کو اچھی طرح اپنی بات ذہن نشین کرائی اور جب وہ ان سے مطمئن ہو گئے تو قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ مجھے جانتے ہیں میں آپ کے اتحادی قبیلہ بنوغطفان کا آدمی ہوں۔ مجھے ایک خبر ملی ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو بتا دوں تاکہ آپ لوگ محتاط رہیں بشرطیکہ آپ میرا نام میرے قبیلہ تک کو نہ بتائیں۔ جب سرداروں نے نام راز میں رکھنے کی ضمانت دی اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ خبر جاننے کے لئے مضطرب ہو رہے ہیں تو گویا ہوئے کہ خبر یہ ہے کہ یہود بنوقریظہ، مسلمانوں سے بدعہدی کر کے اپنے فیصلہ پر نادم ہیں وہ دوبارہ ان سے ملنا چاہتے ہیں اور اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے شہر مدینہ میں حسب سابق سکون سے رہ سکیں۔ ان کے اہل وعیال اور اموال، مسلمانوں کی انتقامی کارروائیوں سے محفوظ رہیں انہوں نے محمد (ﷺ) کو پیغام بھیج دیا ہے کہ ہم معافی مانگنے کو تیار ہیں اور اپنی غلطی کے عوض ہم غطفان اور قریش کے کچھ سرداروں کو آپ کے حوالے کریں گے آپ انہیں قتل کر دیں پھر ہم متحد ہو کر ان سب سے جنگ کریں گے۔ محمد (ﷺ) نے بنوقریظہ کی یہ تجویز قبول کر لی ہے۔ اب وہ آپ سے اور ہم سے بطور ضمانت چند سردار رہن رکھنے کا مطالبہ کریں گے اور بہانہ کریں گے کہ یہ سردار اس بات کی

Marfat.com

ضمانت ہوں گے کہ بصورت شکست آپ لوگ ہمیں بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں گے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بڑے ہی خیر خواہانہ انداز میں یہ بات سرداران قریش کو سمجھائی اور ان سے مطمئن ہو کر اپنے قبیلہ میں پہنچے اور یہی خبر اپنے سرداروں کو بھی دی اب کیا تھا ایک تیر سے تین شکار ہو چکے تھے یا ایک تیلی سے تین قبیلوں میں نفرت وعداوت کی آگ سلگ چکی تھی صرف شعلہ بھڑکنا باقی تھا۔

قریش اور غطفان اس خبر کی تصدیق کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ طے شدہ تجویز کے مطابق سالار لشکر ابوسفیان (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے) نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابوجہل کو غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو بھیجا اور پیغام دیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ معاہدے کے مطابق جنگ میں ہمارا عملی تعاون کرو اب ہمارے آدمی تھک چکے ہیں، سامان خورونوش ختم ہو رہا ہے لہٰذا اپنے آدمیوں کو جنگ میں شریک کرو نیز سامان خورونوش سے ہماری مدد کرو۔

بنوقریظہ نے پیغام سنا تو وہی جواب دیا جو نعیم ابن مسعود انہیں سمجھا چکے تھے کہ ہمیں شکست کا خوف ہے جس کے بعد تم لوگ تو اپنے اپنے ملکوں میں چلے جاؤ گے لیکن ہمیں مدینہ میں رہنا ہے مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے، اس صورت میں بے یارومددگار رہنا ہمارے لئے بہت دشوار ہوگا لہٰذا ہم اس شرط پر تمہارے ساتھ شریک جنگ ہو سکتے ہیں کہ تم ہمیں ضمانت دو کہ بصورت شکست تم ہماری امداد کے ذمہ دار ہو گے اور یہ ضمانت ہمیں اس طرح چاہئے کہ تم اپنے چند سرداروں کو ہمارے پاس رہن رکھ دو۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گئے۔ اتحاد کی دھجیاں اڑ گئیں اور جو مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے وہ خود ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے اس صورت حال نے ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں نیز قبیلہ غطفان کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ سے دستبردار ہونے پر غور کریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خبر گیری

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر سے احزاب میں پھوٹ پڑنے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو آپ نے ان کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کفار کی جانب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا.........

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلایا اور کفار کے لشکر میں جانے کا حکم دیا۔ میں دیگر صحابہ کی طرح بے حد تھکا ہوا تھا۔ رات بھی بہت ٹھنڈی تھی لیکن غلام کے لئے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا پس میں کھڑا ہوا سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب بلایا میرے سر اور چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا دشمن کے لشکر میں جاؤ اور ان کا حال دیکھ کر آؤ ان کا پروگرام معلوم کر کے آؤ اور خبردار میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صرف خبر لے کر آنا ہے پھر آپ ﷺ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی میں نے اپنی تیر کمان اٹھائی اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لئے اور لشکر کفار کی طرف چل پڑا۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خیمے سے نکلا تو سخت سردی محسوس ہونے کے باوجود مجھے ایسا لگنے لگا کہ

Marfat.com

میں گرم حمام میں چلا جا رہا ہوں۔ جب میں کفار کے لشکر میں پہنچا تو میں نے دیکھا ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں۔ ابوسفیان تنہا، پریشان آگ کے پاس بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے موقع بڑا ہی اچھا تھا۔ ابوسفیان پوری طرح میری زد میں تھے میں نے ان پر تیر پھینکنے کا پورا ارادہ کر لیا (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شاید اسی طرح بے چین ہو گئے ہوں گے جیسے شکاری، شکار کو دیکھ کر ہو جاتا ہے) لیکن فوراً ہی مجھے یاد آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف خبر گیری کا حکم دیا ہے کوئی دوسرا کام کرنے کو سختی سے منع فرمایا تھا۔ میں مجبور ہو گیا اور حملہ نہ کر سکا رات سخت تاریک اور ٹھنڈی تھی کسی کو پتہ نہ چل سکا اور میں ان لوگوں میں مل کر بیٹھ گیا کچھ ہی دیر بعد ابوسفیان لشکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں ایک ضروری اور اہم بات کہنا چاہتا ہوں لیکن پہلے ہر شخص اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لے تاکہ ہمیں اطمینان ہو جائے کہ یہاں کوئی جاسوس موجود نہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اب مجھے پریشانی ہوئی کہ اگر برابر والے نے میرا نام پوچھ لیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا لیکن معاً مجھے خیال آیا اور میں نے ہی اپنے برابر والے کے شانہ پر ہاتھ مار کر اس کا نام پوچھ لیا۔ وہ بولا ارے تم مجھے نہیں پہچانتے میں فلاں ابن فلاں ہوں یہ قبیلہ ہوازن کا ایک شخص تھا ادھر ابوسفیان نے اپنی گفتگو شروع کر دی۔ انہوں نے بنو قریظہ کی بدعہدی، سامان جنگ ختم ہو جانے اور دیگر ناسازگار حالات کا ذکر کیا جو درحقیقت اعتراف شکست تھا پھر کہا میری رائے ہے کہ ''اب ہمیں واپس ہو جانا چاہئے اسی میں عافیت ہے'' یہ سنتے ہی لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ معلوم ہوتا تھا یہ سب لوگ تو پہلے ہی سے بھاگنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہاں سے واپس چلا تو پھر مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں میں اپنے لشکر میں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تمام حالات بتائے۔ میرے آقا ﷺ کفار کے فرار کی خبر سن کر بے حد خوش ہوئے۔ تاریک رات میں آپ ﷺ کا نورانی چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپ کے دندان مبارک موتیوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی اپنی مقدس چادر کا ایک حصہ مجھے اوڑھایا مجھے ایسا سکون ملا کہ میں فوراً سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میرے آقا ﷺ نے مجھے ''قم یا نومان'' اے بہت سونے والے اٹھ جا فرما کر بیدار کیا۔

صبح کو جب یہ خبر پھیلی ہوگی تو مسرت و خوشی کا کیسا منظر ہوگا یہ تو انہی حضرات کو پتہ ہوگا جو اللہ کے سپاہی تھے اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد بروایت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ ہمیں پہنچا کہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ''الان نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ'' ''اب کفار ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے ہم ان پر حملہ کریں گے اور ان کی طرف چلے جائیں گے۔'' یہ فتح خیبر، فتح مکہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے بعد جتنی فتوحات ہوئیں ان سے متعلق خبر تھی جس کو سمجھنے والوں نے سمجھا اور اطمینان کا سانس لیا جس کی ابتداء غزوہ بنو قریظہ سے ہوئی۔ جس کا حال آگے آ رہا ہے۔

بہرحال صبح ہوتے ہوتے آسمان مدینہ کفر کے غبار سے صاف و شفاف ہو چکا تھا اور آج اسلام کا طلوع ہونے والا

Marfat.com

چہدار سورج پھر کبھی غبار آلود نہ ہونے پایا قرآن کریم نے کفار کے فرار ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَ

كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ (الاحزاب:۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ پیچ و تاب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور اللہ نے بچالیا مومنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہے۔

اے ایمان والو! تم نے احزاب اور غزوۂ احزاب کا حال پڑھا اور سنا کیسے عبرت ناک اور درس آموز واقعات ہیں کیسی اللہ نے اپنے رسول پر اور ان کے غلاموں پر رحمت کی بارش برسائی تم بھی تو اسی رسول کے نام لیوا ہو تم کفر کی ظاہری قوت و طاقت سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہو اپنے آپ کو کفار کی غلامی کے شکنجے میں کیوں جکڑتے چلے جا رہے ہو، اٹھو کمر ہمت باندھو، رسول سے اپنا تعلق مضبوط و مستحکم کرلو، اللہ پر پورا پورا توکل کرو کہ یہی مومن کا سامان جنگ ہے آج بھی اللہ کی حمایت و نصرت تمہیں ایسے ہی حاصل ہوگی جیسے تمہارے اسلاف کو حاصل ہوتی رہی۔

مدینہ منورہ واپسی

ایک ماہ کے سفر کے بعد آقا ﷺ غلاموں کے جھرمٹ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ یہ سفر عام سفر نہ تھا جنگ کا سفر تھا جس کا ہر لمحہ محنت و مشقت اور جانفشانی سے بھرا ہوا تھا۔ موسم کی خرابی، دشمن کا خوف و ہراس، نہ آرام کا وقت، نہ کھانے پینے کا انتظام، ذہنی کوفت، جسمانی تھکاوٹ غرضیکہ صرف پریشانی ہی پریشانی تھی لیکن جب مقصد میں کامیابی ہوتی ہے تو ساری الجھنیں یکلخت کافور ہو جاتی ہیں پس آقا بھی خوش تھے کہ ان کے غلاموں نے وفاداری و وفاشعاری کا حق ادا کر دکھایا غلام خوش تھے کہ ان سے اللہ و رسول راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان پر فضل فرمایا ان کی جان بخشی دشمن کو ذلیل و خوار کیا اور سب کامیابی و کامرانی کا سہرا پہنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔

ابھی اللہ کے رسول ﷺ نے ہتھیار کھولے ہی تھے، غسل کا ارادہ فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر دربار ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے تو ابھی ہتھیار اتارے نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے میں گروہ ملائکہ کے ساتھ کفار کا تعاقب کر رہا تھا اور انہیں روحا تک بھگا کر آیا ہوں اور اب اللہ کا حکم لئے حاضر ہوں کہ:

''جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کرلیا جائے اس وقت تک آپ ﷺ کو اور آپ کے غلاموں کو ہتھیار کھولنے کی اجازت نہیں۔''

ابھی غلام اپنے اہل و عیال کی خیر و عافیت کاروبار کا حال بھی معلوم نہ کر پائے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ترجیدار آواز گونج رہی تھی ''من كان سامعا مطيعا فلا يصلين العصر الا ببني قريظة'' جو اطاعت گزار ہیں نماز عصر بنی قریظہ ... ''يا خيل الله اركبي'' اے شہسوارو اپنے گھوڑوں پر ...

Marfat.com

کوئی دوسرے فوجی ہوتے تو ان آوازوں پر کان نہ دھرتے اپنے کاموں میں مصروف رہتے سوچتے کوئی چلا جائے گا ہم تو نہیں جاتے لیکن یہ اللہ کے سپاہی تھے رسول کے عشاق تھے ان کے ذہنوں میں تو حکم عدولی کا تصور بھی نہ آ سکتا تھا ان کا تو ایمان تھا کہ مسلمان ہر وقت حالت جنگ میں رہتا ہے ان کے نزدیک تو نجات کا ذریعہ ہر کام سے پہلے اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں تھا پس اعلان سنا اور جو جس حال میں تھا کھڑا ہو گیا عورتوں نے جلدی جلدی ضروری سامان تیار کیا کیا مجال کسی عورت نے کہا ہو کہ دوسروں کو جانے دو تم میرے پاس ٹھہرو آناً فاناً تمام مجاہدین گھوڑوں پر سوار آقا کی طرف دوڑتے نظر آنے لگے جن کے پاس سواریاں نہ تھیں وہ پا پیادہ دوڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جہاد جہاد کہتے جا رہے تھے تا کہ کوئی بھائی اطاعت کی عظمت سے محروم نہ رہ جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پروانے شمع کے گرد جمع ہو گئے۔ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہیں پرچم اسلام بخشا گیا۔ نمازِ عصر سے قبل اللہ کے سپاہی اللہ کے رسول کی قیادت میں بنو قریظہ کے قلعہ کے سامنے موجود تھے۔

بنو قریظہ

مدینہ منورہ میں جو یہود آباد تھے انہی کا ایک قبیلہ بنو قریظہ بھی تھا جو معاہدے کی رُو سے مسلمانوں کا حلیف تھا لیکن جب مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا تو بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو ورغلایا اور بالآخر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محاذ میں شامل ہو گئے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں اس قبیلہ کی غداری کی وجہ سے لشکر اسلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی کیونکہ خندق کھود کر مسلمان بیرونی دشمن کی طرف سے تو خاصے مطمئن ہو گئے تھے لیکن بنو قریظہ تو مدینہ منورہ کے اندر تھے اور اب یہ اندرونی دشمن بن چکے تھے جن سے بہت ہی زیادہ خطرہ تھا وہ تو اللہ نے کرم فرمایا کہ یہ حملہ کی ہمت نہ کر سکے نیز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگی تدابیر نے انہیں نہ صرف کسی پیش رفت سے روکا بلکہ یہ اپنے کیے ہوئے پر پشیمان بھی ہونے لگے۔

غرضیکہ لشکر اسلام نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق نمازِ عصر محلہ بنو قریظہ میں ادا کی جب یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ مرد و عورت اور بچے سب چھتوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ان پر دھوکے بازی اور دغابازی کے الزام لگانے لگے جبکہ ابھی مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی نہ ہوئی تھی لیکن انہیں اپنی غداری کا انجام بصورت موت خود ہی نظر آنے لگا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہودیوں کی بیہودہ گوئی پر کوئی توجہ نہ دے۔ رات کو آپ ﷺ نے آرام فرمایا اور صبح ہوتے ہی مجاہدین کو حکم دیا کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے اور مناسب مقامات پر تیر انداز متعین کر دیئے جائیں۔ یہودیوں نے صورت حال دیکھی تو حواس باختہ ہو کے مسلمانوں پر پتھر برسانے لگے۔ تیر برسانے لگے جس کا لشکر اسلام کی طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہا بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق مسلمانوں نے یہودیوں کو باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ اب یہودیوں کو پوری طرح یقین ہو گیا [illegible] صورت حال [illegible]

Marfat.com

ان کے سرداروں کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ معاملات کو بات چیت کے ذریعہ طے کرلیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیشکش کو قبول فرمایا۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا اس نے کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنونضیر کو مدینہ سے جانے کی اجازت دی تھی یعنی یہ کہ ہم اپنے اہل وعیال اور فی کس ایک اونٹ سامان لے کر چلے جائیں انہی شرائط پر ہمیں بھی چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا پھر اس نے درخواست کی کہ ہم اپنا سب مال ومتاع، چھوڑے دیتے ہیں صرف ہماری اور ہمارے اہل وعیال کی جان بخشی جائے اور ہمیں مدینہ سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی نہیں ہوسکتا تم اپنے متعلق اگر میرا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی کچھ بات چیت ہوسکتی ہے۔ نباش نے کہا کہ اس کا جواب میں اپنی قوم سے مشورے کے بعد ہی دے سکتا ہوں لہٰذا مجھے جانے کی اجازت دی جائے آپ نے اجازت دی اور وہ اپنے قلعہ میں واپس چلا گیا۔

کعب کی تجاویز

نباش سے جو کچھ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ اس نے اپنی قوم کو بتایا نیز اس نے ان خطرات کا اظہار کیا جن کا اس نے مسلمانوں کے پرہمت عزائم سے اندازہ کیا تھا سب حال سن کر یہودیوں کے سردار کعب ابن اسد نے تین تجاویز پیش کیں۔ یہ کعب وہی شخص تھا جس نے بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے ورغلانے پر مسلمانوں پر عہد شکنی کی اور اپنی پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کیا بہر حال کعب بولا کہ میں نے صورت حال سے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں تین باتوں میں سے ایک قبول کر لینا چاہئے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ ہم سب اسلام قبول کرلیں کیونکہ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ محمد (ﷺ) ہی آخری نبی ہیں جن کا ہماری کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ آج تک ہم حسد کے باعث اس حقیقت پر پردہ ڈالتے رہے اس صورت کو قبول کر لینے سے ہمیں نعمت ہدایت بھی نصیب ہو جائے گی عزت بھی ملے گی اور ہمارے اہل وعیال مال ومنال سب محفوظ ہو جائیں گے قوم نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہم کسی صورت میں بھی ایمان قبول نہیں کریں گے۔ کعب نے کہا تو دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی ہی تلواروں سے قتل کر دیں اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں نتیجہ جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ لوگوں نے کہا ان معصوم عورتوں اور بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں قتل کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کعب نے تیسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ آج یوم السبت (سنیچر کا دن) ہے مسلمان جانتے ہیں کہ ہم اس دن کا احترام کرتے ہیں اور اس دن قتل وغارت کو حرام جانتے ہیں وہ ہماری طرف سے آج بے خبر اور مطمئن ہوں گے پس ہم آج ہی ان پر حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر ڈالیں۔ لوگ برافروختہ ہو کر کہنے لگے ظالم تو ہمیں اس مقدس دن کی بے حرمتی کا مشورہ دیتا ہے جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم سے پہلے لوگ سنیچر کی بے حرمتی کے سبب سخت عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں ہم ایسا کر کے عذاب الٰہی کو دعوت نہیں دے سکتے غرضیکہ کعب کی کوئی تجویز قبول نہ کی گئی۔

Marfat.com

ابولبابہ کی غلطی اور توبہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بنو قریظہ اور دیگر یہودیوں سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ جب مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ سخت کیا اور بنو قریظہ کو اپنی ہلاکت کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ابولبابہ بن منذر کو ہمارے پاس بھیجا جائے ہم ان سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جب ابولبابہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کا بے حد احترام کیا اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ کیا ہم اپنے معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ قبول کرلیں اور اگر ہم نے ایسا کیا تو آپ کے خیال میں ہمارا کیا انجام ہوگا زبان سے تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہاں تم اپنا معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کردو لیکن ہونے والی بات ہوگئی کہ غیر اختیاری طور پر آپ کا ہاتھ آپ کے حلق کی طرف گیا جس سے یہ اشارہ ملا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کو قتل کر دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ ایسا ہونا تھا کہ آپ میں ایک اضطراب پیدا ہوا اور احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے بس قلعہ سے نکلے تو سیدھے مسجد نبوی شریف کی راہ لی اتنی جرأت بھی نہ ہوسکی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا حال بتاتے اور آقائے رحمت ﷺ سے رحم کی بھیک مانگتے مسجد پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عزم کیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک اللہ میرا گناہ معاف نہ فرمادے۔

لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تو آپ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کاش وہ میرے پاس حاضر ہوکر معافی طلب کرتا تو میں اسے معاف کردیتا لیکن اس نے خود کو اللہ کے سپرد کردیا اب میں اسے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ کی طرف سے اس کی توبہ قبول ہونے کا حکم نہ آجائے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن، چھ رات اس ستون سے بندھے رہے۔ یہ ستون آج تک اُستوانہ توبہ کے نام سے مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ میں موجود ہے اور یہاں ہم گناہگاروں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے یہ شب و روز کس اذیت و تکلیف سے گزارے ہوں گے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ حال یہ تھا کہ ان کی اہلیہ صرف ضروریات پوری کرنے کے لئے کھولتی تھیں اور پھر باندھ دیتی تھیں۔ گھر والے، باہر والے، دوست واحباب سامنے سے منہ پھیر کر گزر جاتے سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے غلام کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک دن کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ابولبابہ کے لئے معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ابولبابہ غلطی کے بعد سیدھے میرے پاس حاضر ہوجاتے تو میں ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا لیکن جب اس نے خود ہی یہ راستہ اختیار کیا ہے تو میں اسے ستون سے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمالے۔ بہر حال ابولبابہ کو بلا واسطہ رسول، اللہ سے طلب مغفرت کی چھ دن اور چھ رات سزا بھگتنا پڑی، بالآخر اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ایک رات جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ مکرمہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں رونق افروز تھے تو اُم سلمہ نے دیکھا کہ اللہ کے

Marfat.com

حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا رہے ہیں۔ عرض کرنے لگیں "مِمَّا تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ" اے اللہ کے رسول آپ کیوں مسکرا رہے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے فرمایا "ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی" عرض کی اجازت ہو تو انہیں یہ خوشخبری سنا دوں فرمایا جیسا چاہو کرو۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا حجرۂ مبارک کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئیں اور باآواز بلند فرمایا اے ابولبابہ مبارک ہو تمہاری توبہ کو اللہ نے قبول فرمالیا ہے۔ کچھ صحابہ نے بھی یہ آواز سن لی وہ دوڑے تاکہ ابولبابہ کو کھول دیں آپ نے انہیں روکا اور کہا "لَا وَاللّٰهِ حَتّٰى يَكُوْنَ رَسُوْلُ هُوَ الَّذِيْ يُطْلِقُنِيْ بِيَدِهٖ" اللہ مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ خود حضور تشریف لائیں اور مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں کہ آزادی وہی ہے جو حضور کے ہاتھوں سے ملے اور معافی وہی ہے جس پر حضور کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے رسی کھولی۔

پچیس دن بعد

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جس سے یہودی تنگ آ گئے اور بالآخر وہ اپنے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے غلاموں کے ہمراہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اندر داخل ہوئے۔ یہودیوں کے جوانوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ قلعہ کی تلاشی لی گئی تو اسلحہ کا ایک انبار ملا، جس میں پندرہ سو تلواریں، پانچ سو ڈھالیں، دو ہزار نیزے اور دیگر سامان جنگ تھا جو ان لوگوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر رکھا تھا لیکن خوفزدہ تھے حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اب انہیں موقع دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو کسی شخص کا نام تجویز کر سکتے ہو جو تمہارے متعلق فیصلہ کرے انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہی ہیں جو خندق کے میدان میں زخمی ہو چکے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے اپنی زندگی کی دعا کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہودیوں کو حکم دیا کہ جاؤ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے خیمہ سے لے کر آؤ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک گدھے پر سوار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین سے فرمایا "قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ" اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (کہ تعظیماً کسی کے لئے کھڑا ہونا حرام یا شرک نہیں بلکہ سنت نبوی اور حکم رسول ہے، سنت صحابہ ہے) لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اتارا گیا اور معزز مقام پر بٹھایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خیریت دریافت فرمائی اور پھر فرمایا "اُحْكُمْ فِيْهِمْ يَا سَعْدُ" اے سعد ان یہودیوں کے متعلق اپنا فیصلہ سناؤ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ بِالْحُكْمِ" اللہ اور اس کے رسول ہی کو فیصلہ فرمانے کا حق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نہیں، سعد آج "اَمَرَكَ اللّٰهُ اَنْ تَحْكُمَ فِيْهِمْ" اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ان کا فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پہلے لوگوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا کیا آپ سب کو بنو قریظہ کے متعلق میرا فیصلہ قبول

Marfat.com

ہے۔لوگوں نے بیک آواز ہو کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا پس میرا فیصلہ ہے کہ ''بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنا لیا جائے۔'' فیصلہ سنتے ہی بنو قریظہ تو مبہوط و پریشان ہو گئے اور مسلمان خوشیاں منانے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اے سعد تم نے وہی فیصلہ فرمایا جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ کر چکا ہے۔''

بہر حال بہ طابق فیصلہ نو جوانوں کو گرفتار کر لیا گیا جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی۔مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے، ان کو قتل کیا گیا اور ان گڑھوں میں پھینک دیا گیا۔ان مقتولین میں بنو قریظہ کا سردار کعب ابن اسد اور اس فتنہ کی اصل اور جڑ حی بن اخطب بھی تھے جب حی کو قتل کے لئے لایا گیا تو اس کے ہاتھ اس کی گردن سے جکڑے ہوئے تھے۔وہ سرخ لباس پہنے تھا جس نے اسے جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا تاکہ اس کے کپڑے کوئی دوسرا نہ پہن سکے۔اب بھی یہ تکبر و غرور میں مبتلا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا: ''میں نے ہمیشہ آپ سے دشمنی اور عداوت رکھی اور کبھی میں اس پر پشیمان نہیں ہوا لیکن اللہ جس کو ذلیل و خوار کرے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔''

بنو قریظہ کے سرداروں میں سے ایک شخص زبیر بن باطا تھا جو اندھا اور بہت بوڑھا تھا اس کی بدبختی کا واقعہ نہایت عبرتناک ہے۔ہوا یہ کہ اس شخص نے ایک عرصہ پہلے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان کیا تھا۔عرب احسان شناس ہوتے تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح احسان کا بدلہ چکا دیا کرتے تھے۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے کو دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! زبیر کا مجھ پر احسان ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کا بدلہ چکا دوں۔آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تو ثابت، زبیر کے پاس آئے اور کہا کہ میں تیرے احسان کا آج بدلہ دینا چاہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیری جان بخشی کی درخواست کروں۔اس نے کہا تم کریم النفس ہو مجھے تم سے یہی امید ہے۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی آپ نے قبول فرمائی۔ انہوں نے زبیر کو خوشخبری دی تو وہ بولا: ''جس بوڑھے کے اہل و عیال نہ ہوں وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔'' ثابت نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر یہ بات بتائی، آپ نے حکم دیا کہ ''زبیر کے اہل و عیال کو بھی آزاد کر دیا جائے۔'' ثابت نے آکر زبیر کو بتایا کہ تمہارے بیوی بچے بھی آزاد کر دیئے گئے ہیں، ابھی تمہارے پاس آتے ہیں۔وہ بولا وہ خاندان کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جس کے پاس کھانے کمانے کو کچھ نہ ہو۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور یہ بات بھی بتا دی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا زبیر کا مال و متاع اور جائیداد بھی واپس کر دی جائے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو یہ خبر بھی دی۔اب یہ بدنصیب خوش ہونے کے بجائے اپنے ساتھیوں اور قبیلہ کا حال معلوم کرنے لگا۔جب اسے بتایا گیا کہ سب کو قتل کر دیا گیا ہے تو بولا اس اس زندگی میں کوئی لطف نہیں اے ثابت میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمہیں تمہارے احسان کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ وہی کچھ کرو جو میرے قبیلہ والوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔پس اس کا بھی سر قلم کر دیا گیا۔

Marfat.com

یہودی عورتوں پر کرم

تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام دشمنی میں یہودی عورتیں اپنے مردوں سے کسی طرح کم نہ تھیں لیکن شریعت مطہرہ نے عورتوں کے ساتھ جس نرم برتاؤ کی تعلیم دی ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر بھی بنوقریظہ کی عورتوں کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی انہیں اور ان کے بچوں کو باندی وغلام کی حیثیت سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں ۔صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا جس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر بھاری پتھر پھینکا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے تھے ۔ یہ قتل بطور قصاص تھا حضرت خلاد رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا انہیں دو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔

بنوقریظہ کا قتل عام کیوں؟

اسلام دین رحمت ہے، دین رأفت ہے، اس کے لانے والے نبی آخر الزماں ﷺ رحمۃٌ للعلمین ہیں جن کا سایۂ رحمت اللہ کی مخلوق کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہے جن کی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانوں پر رحم کرنا اور انہیں ظلم وستم سے نجات دلانا ہے۔ واقعی تعجب ہوتا ہے کہ ایسے دین کی تاریخ میں اور ایسے نبی کے احکام میں بنوقریظہ کے سات سو انسانوں کے قتل عام کا سنسنی خیز واقعہ موجود ہے لیکن اگر ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معاً یہ تعجب ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ:

رحم وکرم کے ساتھ عدل وانصاف کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے وہ رحم جس میں عدل نہ ہو ظلم بن جاتا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا رحم بھی ہے اور عدل بھی لیکن مظلوم کے ہاتھ میں تلوار دے ۔ بظاہر تو اس کو طاقتور بنا کر اس پر رحم کرنا ہے لیکن حقیقت میں اس کو بھی ظالم بنا دینا ہے جو اس پر ظلم ہے والدین سے زیادہ اولاد پر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے لیکن بوقت ضرورت بچوں کو سزا دینا ہی ان پر رحم کرنا ہے جو بظاہر ظلم ہے لیکن یہی عدل ہے، انصاف ہے کہ اگر انہیں سزا نہ دی گئی تو وہ پورے معاشرے کی تباہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ وہ والدین ظالم کہلائیں گے جو اولاد سے اندھی محبت کریں حتیٰ کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ان پر سختی نہ کریں ایک جج کو آپ ظالم نہیں کہہ سکتے جب وہ قاتل کو پھانسی دینے کا حکم سناتا ہے یہ اس نے ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کیا ہے، انصاف کیا ہے، مقتول کے غمزدہ وارثوں کے لئے بھی اس کا یہ حکم عدل ہے اور پورے معاشرے کے لئے بھی، کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے گا تو لوگ پر امن اور بے خوف زندگی بسر کر سکیں گے نیز کوئی قاتل بننے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سخت سزائیں جرائم کے خاتمہ کا یقینی ذریعہ ہیں جبکہ انسانی ہمدردی کے نام نہاد قوانین سے معاشرے میں جرائم عام ہوتے ہیں۔ ان حقائق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد غور فرمایئے کہ بنوقریظہ کے مردوں کو کیوں قتل کیا گیا۔ اس لئے کہ:

آپ کو علم ہے کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رحم وکرم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نہ ان قبیلوں پر کوئی پابندی عائد فرمائی اور نہ ہی انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا بلکہ مدینہ کو پرسکون اور پرامن شہر بنانے کے لئے ان

Marfat.com

قبائل سے معاہدہ کیا گیا جس میں طے پایا کہ یہ قبائل نہ خود مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کریں گے اور نہ ہی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ستائیں گے اور خوفزدہ کریں گے جبکہ مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کے ضامن ہوں گے۔ یہ لوگ اپنی معاشی و معاشرتی معاملات میں ہمیشہ کی طرح آزاد ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے، کاروبار وغیرہ کرنے پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ لیکن:

یہ یہودیوں کی بدنصیبی ہے کہ سازش، فتنہ پردازی، مکروفریب، غداری اور بدعہدی ان کی سرشت میں ہے جس کا مظاہرہ ان کی طرف سے عام معاملات میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی قوم، کسی مذہب کے لوگ ان پر اعتماد نہیں کرتے ماضی میں بھی ان کا حال یہی رہا اور آج بھی یہی ہے اسی لئے انہوں نے ہر دور میں مار کھائی ہے ہمیشہ انہیں مہلک جراثیم کی طرح مارا گیا ہے اور آج بھی مار کھا رہے ہیں ''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ'' فرمانِ الٰہی ہے جس کا مظاہرہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے آج بظاہر وہ حاکم ہیں، آزاد ہیں لیکن پچاس برس میں کوئی دن یا کوئی رات انہیں سکون کی میسر نہ آسکی۔ پڑوسیوں کے ساتھ آئے دن ان کے معاہدے ہوتے رہتے ہیں اور یہ ان کی پرواہ کئے بغیر اپنے مفاد کے لئے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں پھر وقت آرہا ہے کہ ان جراثیم کو نہایت بیدردی کے ساتھ ہلاک کیا جائے گا سب ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں جو میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

بہر حال معاہدے کے مطابق یہودیوں کو مدینہ منورہ میں پوری آزادی حاصل تھی لیکن یہ خبیث اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے سے باز نہ آتے تھے۔ منافقین کو بھی انہی سے تقویت حاصل ہوتی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرتبہ تو بنونضیر نے میرے آقا ﷺ کو شہید کر دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اگر اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خود حفاظت نہ فرماتا تو یہ ظالم اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بطور مثال ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ خبیث کس طرح مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے تھے۔

مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج ایک طویل مدت سے برسرِ پیکار تھے۔ نبی رحمت ﷺ کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہی ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے۔ اسلامی اخوت ومحبت نے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ یہودیوں کو اوس و خزرج کی یہ الفت ایک لمحہ نہ بھائی تھی وہ ان میں اختلاف پیدا کرنے اور انہیں دوبارہ لڑانے کی گھات میں رہتے تھے تاکہ مسلمان میں انتشار پیدا ہو بالآخر ایک دن موقع ہاتھ آ ہی گیا۔

شاس بن قیس بڑا ہی خبیث الفطرت یہودی تھا۔ اس کا مشن ہی مسلمانوں کو لڑانا اور ان میں انتشار پیدا کرنا تھا اس نے ایک دن اوس وخزرج کے لوگوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو آگ بگولہ ہو گیا اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور کہا کہ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھو پہلے محبت کی باتیں کرو اور پھر موقع پا کر ''جنگ بعاث'' کے واقعات کا ذکر کرو اور اس پر افسوس کا اظہار کرو (جنگ بعاث، اوس وخزرج کی مشہور جنگ کا نام ہے) یہ خبیث گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اس نے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا جو بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ دونوں قبیلے کے لوگوں نے تلواریں نکال لیں، قریب تھا کہ دونوں لڑ پڑتے کہ کسی نے دوڑ کر حضور

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ طرفین تیار تھے، دونوں کے بیچ آپ نے بیچ بچاؤ کیا اور فرمایا ''کیا ہوا، کیا تم پھر جاہلیت میں مبتلا ہو رہے ہو اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے اور تم پھر گمراہی کے گڑھے میں گر رہے ہو اللہ نے تمہیں عزت بخشی، جاہلیت کی کشمکش سے نجات عطا فرمائی، تمہیں کفر سے بچایا تمہارے دلوں میں محبت والفت پیدا کی اِتَّقُوا اللّٰہَ اللہ سے ڈرو کیا تم پھر کفر کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے ہی انہیں ہوش آیا کہ ہم شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر کیا کرنے جا رہے تھے پس آپس میں معافی تلافی ہونے لگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی مانگنے لگے۔ اسی موقع پر قرآن کریم کی پانچ آیات نازل ہوئیں (سورۂ آل عمران ۱۰۰ تا ۱۰۵) جن میں اہل ایمان کو اہل کتاب کی سازشوں سے باخبر کیا گیا اور باہمی اتحاد و اتفاق کی تاکید فرمائی گئی۔

غرضیکہ یہودی، مسلمانوں کے لئے اس وقت بھی خطرہ تھے اور آج بھی خطرہ ہیں نہ انہوں نے پہلے کبھی ایفائے عہد کیا نہ ان سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بجا ہے کہ اسلام دین رحمت ہے، دین رأفت ہے لیکن اس کا قانون عدل و انصاف بھی درحقیقت اس کی رحمت و رأفت کا ایک حصہ ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو عبرتناک سزا دے تاکہ اس کے ماننے والے، امت مسلمہ ہر قسم کی سازش سے بے خوف و خطر ہو کر پرسکون زندگی بسر کر سکے۔ ایک پرامن معاشرہ قائم ہو سکے جس میں اپنے غیر سب ہی چین کا سانس لے سکیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں آزادی میسر ہو اسلام کی تحریک جہاد کا بھی یہی مقصد ہے۔

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے آپ شریعت مطہرہ کے احکام پر غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ اسلام نے انہیں اپنانے اور ان پر رحم و کرم کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اہل کتاب کا ذکر ہے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا، ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان سے ہر موقع پر نرمی کا برتاؤ کیا لیکن یہ ظالم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے انہوں نے کبھی بھی مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک کا جواب مثبت انداز میں نہ دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے وہ آخری نبی ہیں جن کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے انہوں نے دشمنی، مخالفت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سازشوں میں کوئی کسر نہ رکھی تو بتائیے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا سکتا تھا یہی نا کہ قانون عدل و انصاف کے مطابق ان سے برتاؤ کیا جاتا اور انہیں مناسب سزائیں دی جاتیں تاکہ امت مسلمہ ان کی سازشوں سے محفوظ رہے پس اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ کیا بلکہ غور کیا جائے تو ان کے جرائم کی بہ نسبت انہیں سزائیں بہت کم اور نرم دی گئیں تاکہ کوئی اسلام پر مخالفین کے ساتھ زیادتی کرنے کا الزام عائد نہ کر سکے۔

اگر آپ بنو نضیر کی حرکتیں پڑھیں تو آپ قانون عدل و انصاف کے مطابق ان کی موت ہی کا فیصلہ دیں گے لیکن آقائے رحمت ﷺ نے ان پر کرم کیا کہ انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی وہ بھی اس طرح کہ انہیں اپنا مال و متاع ساتھ لے

Marfat.com

جانے کی اجازت دی گئی لیکن اس نرمی کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خیبر میں آباد ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اسلام کے خلاف سازشوں ہی کا انجام دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہی کے سرداروں کی تحریک پر اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہوا اور دس، بارہ ہزار کا لشکر پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا کیا کسر باقی رہ گئی تھی مسلمانوں کے تباہ ہو جانے اور اسلام کے ختم ہو جانے میں اگر اسلام کی حفاظت اللہ کی طرف سے نہ ہوتی اور مسلمانوں کی غیبی امداد نہ کی جاتی تو بظاہر یہ دشمن کامیاب ہو چکا تھا۔

بنو نضیر کے ساتھ نرمی کا جو انجام سامنے آیا اس کے بعد بنو قریظہ کے ساتھ نرمی کا کیا جواز رہ جاتا ہے جبکہ ان کا جرم بھی بنو نضیر سے بہت زیادہ خطرناک تھا کہ ظالموں نے عین حالت جنگ میں غداری کی اگر یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے تو مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کی تدبیر بے کار ہو جاتی اور جب مسلمان بیرونی دشمن سے مقابلہ میں مصروف ہوتے تو عین اسی وقت ان پر اندرون مدینہ سے حملہ کر دیا جاتا۔ غور فرمائیے کیسا بھیانک انجام ہوتا قرآن کریم نے اسی بھیانک صورت حال کا ذکر فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝۱۱ (الاحزاب: ۱۰۔۱۱)

جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے۔

ان آیات کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر ملاحظہ فرما چکے ہیں، دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔

بہر حال بنو قریظہ کا جرم اتنا خطرناک تھا کہ اس کی سزا انہیں جو دی گئی وہ عدل و انصاف کے عین مطابق تھی اگر کہیں انہیں معافی مل جاتی تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتے، جس کا خوف ایک مہلک مرض کی طرح مسلمانوں کو لاغر و کمزور کئے بغیر نہ چھوڑتا، جب بھی لشکر اسلام کو مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑتا انہیں یہی فکر لاحق رہتی کہ نہ جانے بنو قریظہ مدینہ میں کیا کر گزریں یا مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور لشکر مخصوص کرنا پڑتا جو اس وقت ممکن نہ تھا پس اس دشمن کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر کے مسلمانوں کو سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کر دی گئی۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہودی، بنام اسرائیل ہیں جو سازشیں کرتے رہتے ہیں اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لئے مسلمانوں کے وسائل صرف ہوتے رہتے ہیں کاش ایک مرتبہ امت مسلمہ متحد ہو کر یہودیوں کا وہی حشر کر دے جو بنو قریظہ کا کیا گیا تھا تو ہمیشہ کے لئے خوف و خطر کے مہلک مرض سے نجات نصیب ہو سکتی ہے اس کے سوا نہ کوئی چارہ ہے نہ کوئی کامیاب سیاسی تدبیر ہے اللہ توفیق و ہمت دے۔

Marfat.com

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ درحقیقت بنوقریظہ نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے تو صرف ان کے فیصلے کو قبول کیا اور عملی جامہ پہنایا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب بنوقریظہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فوراً اجازت مرحمت فرمائی اور جب ان کا نمائندہ نباش بن قیس حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے متعلق فیصلہ کا اختیار تم مجھے دے دو لیکن اس نے انکار کر دیا اور بالآخر وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرنے پر راضی ہوئے۔ واضح رہے کہ سعد بن معاذ یہودیوں کی تجویز پر ہی حکم بنائے گئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے صرف اس تجویز کو قبول کیا تھا اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حکم بن کر آئے تو انہوں نے فریقین سے تسلیم کرایا کہ ان کا فیصلہ جانبین قبول کریں گے پس سعد نے بنوقریظہ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصاف و دیانت کے تقاضے کے مطابق اس فیصلہ کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا تو یہ فیصلہ حقیقت میں خود بنوقریظہ ہی نے کیا تھا۔

بہرحال، بحمد اللہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ایک مکار، طاقتور دشمن سے نجات ملی اللہ نے اپنے اس کرم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۶۔۲۷)
>
> اور اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور ان ملکوں کا جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! تم نے دیکھا، پڑھا کہ کس طرح اللہ اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے بندوں کو دشمن کی سازشوں اور خطرات سے بچایا بلکہ انہیں مغلوب کیا حتیٰ کہ تم نے اللہ ہی کی عطا کردہ قوت سے، طاقتور دشمن پر قبضہ کیا، ان کا قتل عام کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو باندی و غلام بنا لیا، اللہ ہی نے ان کی زمینیں، ان کے گھر اور ان کا دیگر ساز و سامان تمہیں عطا فرما دیا اور ان سرسبز و شاداب ممالک کے تم حاکم بن گئے جن پر تم نے کبھی قدم تک نہ رکھا تھا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی صرف اللہ پر توکل کیا کہ یہ اطاعت شعار بندوں کا مقدر ہے تم بھی اطاعت شعار بن جاؤ اللہ تمہارے لئے بھی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ دیکھو آج بھی وہی دشمن، وہی یہودی تمہارے درپے آزار ہیں تمہارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں کیوں نہیں تم متحد و منظم ہو کر اللہ کے مطیع ہو جاتے کیوں نہیں تم اپنی سیاسی تدابیر چھوڑ کر اللہ پر توکل کر لیتے پھر

Marfat.com

دیکھو تم پر انعامات الہیہ کی بارش کیسی ہوتی ہے۔ دیکھو یہودیوں کا مال و متاع تمہارا ہے، ان کی زمینوں، گھروں کے وارث تم ہی ہو۔ اسرائیل کے سرسبز و شاداب باغات تمہارے ہیں قبلہ اول کے متولی تم ہی ہو یہ تمہاری کمزوری اور ہم سے دوری کا انجام ہے کہ تمام نعمتوں پر تمہارا دشمن قابض ہے۔ اٹھو اللہ کے رسول کو اپنا وسیلہ بناؤ مادی سہاروں کی پروا کئے بغیر آگے بڑھو آج جو بھی تمہاری زمین پر قابض ہیں اللہ نے انہی کی کتاب میں ارشاد فرمادیا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝

(الانبیاء: ١٠٥)

اور بیشک ہم نے لکھ دیا زبور میں پند و موعظت کے بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

یہ زمین اللہ رب العزت کی عطا سے مصطفیٰ کے غلاموں کی ہے لیکن وہ غافل ہو گئے اپنی زمین کی حفاظت نہ کر سکے پس چوروں نے اس پر قبضہ جما لیا۔ للہ! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنی زمین کی طرف بڑھو جو تمہارے قدم بوسی کے لئے بے چین ہے۔

دیکھو یہ یہودی جس نبی کا امتی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اس نے بھی یہی اعلان کیا تھا کہ اللہ کی زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الاعراف: ١٢٨)

فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے ہی لئے ہے۔

یہ یہودی جو آج اسرائیل پر قابض ہیں نہ اللہ کے محبوب بندے ہیں نہ متقی ہیں یہ تو انبیاء علیہم السلام کی قاتل قوم ہے، سود خور، بدکردار ہیں صرف اپنی دولت کے بل بوتے پر متقین کی لاپرواہی کے سبب ایک مقدس قطعہ ارض پر قابض ہیں جسے چھڑالینا اہل ایمان کے لئے کوئی دشوار نہیں۔

سعد بن معاذ کی وفات

میدان جنگ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہ رگ پر تیر لگا تھا اور انہوں نے اللہ سے بنو قریظہ کا انجام ہونے تک کے لئے زندہ رہنے کی دعا کی تھی، دعا قبول ہوئی۔ بنو قریظہ کا انجام دیکھ کر انہوں نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

مدینہ منورہ واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد کے لئے مسجد نبوی شریف میں ہی خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ آپ کو ان کی مزاج پرسی کرنے میں آسانی رہے نیز رفیدہ بنت سعد الاسلمیہ ان کی مرہم پٹی کر سکیں۔ رفیدہ ایک نہایت ماہر جراحہ تھیں

Marfat.com

جومجاہدین کی مرہم پٹی پر مامور تھیں۔ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ سنانے کے لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اسی خیمہ سے لے جایا گیا تھا اور پھر یہیں آپ کو واپس لایا گیا۔ ہلنے جلنے کی وجہ سے آپ کا زخم بگڑ گیا جو پہلے ہی نہایت خطرناک تھا، خون بہنے لگا جو کسی صورت بند نہ ہوا بالآخر آپ رخصت ہو گئے۔

وصال کے بعد آپ کو، آپ کے گھر لایا گیا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں صحابہ نے غسل دیا۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے محبوب غلام کو کاندھا دے رہے تھے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر میں رکھا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب ہی کھڑے، ان کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے دیکھا کہ سعد کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ اور تین بار اللہ اکبر فرمایا۔ صحابہ نے بھی بڑے جوش کے ساتھ تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ جنت البقیع گونج اٹھی۔ صحابۂ کرام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا سعد کو قبر نے بھینچا تھا اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو سعد بچتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور فوراً ہی ان کی تنگی وسختی دور ہو گئی۔

اپنے شیر دل بیٹے کی تدفین کا منظر دیکھنے ان کی والدہ بھی آئیں اور فرمانے لگیں ''اَحْتَسِبُکَ عِنْدَاللّٰهِ'' اے لختِ جگر! تیری جدائی پر صبر کر کے میں اللہ سے ثواب اور اجر کی امید کرتی ہوں۔

اس موقع پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ایمان افروز دو روایتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ لکھتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو اس سے پہلے کبھی نہ آئے تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ جس رات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام پھولدار ریشمی عمامہ باندھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے آج کس کی وفات ہوئی ہے، جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اللہ کا عرش عظیم جھوم رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''میرا محبوب غلام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مجھ سے رخصت ہوا ہے۔''

عرشِ اعظم کے جھومنے کی توجیہ کرتے ہوئے علماء کرام نے فرمایا ''اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَرَحًا بِرُوْحِهٖ'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح کی آمد کی مسرت وخوشی سے عرش الٰہی جھومنے لگا۔ (ضیاء النبی)

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جزائے جزیل عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے محبوب آقا ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اسلام کی حفاظت واشاعت کا حق ادا کر دیا یہ انہیں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہونے پر فخر کرنے کے قابل ہوئے اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع وپیروی کی توفیق وہمت عطا فرمائے تاکہ ہم بھی اسلام کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری پوری کر سکیں اور اپنی نسل کو یہ امانت سونپ سکیں۔

آمین یا رب العلمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۲

الاحزاب: ۴۱ تا ۴۴

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ ھُوَ الَّذِیْ
یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ
رَحِیْمًا ۝ تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا ۝

(احزاب: ۴۱۔۴۴)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر (نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کرلے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت والا اجر۔

اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے اہل ایمان کو براہ راست خطاب سے جو نوازی میسر آتی ہے اس کے علاوہ

Marfat.com

ان آیات میں ان کے لئے کئی مسرتیں اور شادمانیاں موجود ہیں کہ ان کا رب کریم نہایت کریمانہ انداز میں انہیں اپنے ذکر و تسبیح کی دعوت دے رہا ہے ان پر اپنے خصوصی کرم اور ملائکہ کی ان سے محبت کا اظہار فرما رہا ہے انہیں سلامتی اور اجر عظیم کا مژدہ دے رہا ہے ان کی میزبانی کی پر مسرت خبر سنا رہا ہے ایسا عجیب دلربا اور دلنواز انداز ہے کہ اس پر جتنا غور کیا جاتا ہے اتنا ہی سرور حاصل ہوتا ہے اتنی ہی طبیعت بمائل اطاعت ہوتی ہے۔ آیئے ان آیات مبارکہ پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں اور اطاعت وفرمانبرداری کا عزم کریں۔ اے اللہ تو ہی ہمیں عمل کی توفیق سے بھی بہرہ ور فرمادے۔

آیہ مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر بکثرت ذکر کرنے اور صبح وشام تسبیح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

(احزاب:41)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح وشام۔

لفظ ذکر کی وسعت

ذکر کے معنی ہیں یاد کرنا نہایت ہی مختصر چھوٹا سا لفظ ہے لیکن کوزے میں سمندر کے مترادف اپنے اندر تمام عبادات و معاملات کو سموئے ہوئے ہے جس کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ہر وہ عمل جو اللہ اور اس کے رسول کی تعمیل میں ان کی رضا کے لئے کیا جائے، ذکر ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا وہ معاملات سے متعلق ہو جیسے والدین کی اطاعت وخدمت، اولاد کی تعلیم و تربیت، شوہر یا بیوی کے حقوق کی ادائیگی، حصول معاش کے لئے حلال وحرام کا امتیاز کرتے ہوئے محنت ومشقت کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب ذکر ہے۔ گویا ذکر ایسی بڑی عبادت ہے جو تمام عبادات پر حاوی ہے اسی لئے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ عبادات کے لئے اوقات متعین ہیں، طریقے متعین ہیں، کچھ پابندیاں ہیں، کچھ شرائط ہیں، مخصوص احکام ہیں لیکن ذکر کے لئے کوئی مخصوص احکام نہیں بس ایک ہی حکم ہے کہ بکثرت ذکر کرو نہ کوئی طریقہ متعین ہے نہ وقت متعین ہے نہ کوئی پابندی ہے نہ کوئی شرط ہے۔ بس ذکر کرو چاہے کھڑے ہو کر کرو چاہے بیٹھ کر کرو چاہے لیٹ کر کرو اور کچھ نہیں تو آسمان وزمین کو دیکھتے رہو اور خالق وحدہ لاشریک کی قدرت کا اعتراف کرتے رہو یہی عقلمندی ہے اور قرآن کریم نے اولوالالباب کی یہی خوبی بیان فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(آل عمران:۱۹۱)

وہ لوگ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب نہیں پیدا

Marfat.com

فرمایا تونے یہ (سب) بیکار پاک ہے تو ہر عیب سے بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔

اس کائنات کی ہر چیز پر غور وفکر کرنا خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف کرنا بھی ذکر ہے۔ اولی الالباب، اہل خرد کو کائنات کی ہر چیز میں اللہ ہی کی قدرت نظر آتی ہے ان کے نزدیک انسانی کمالات درحقیقت کمالات الٰہیہ ہوتے ہیں انسان تو صرف ان کمالات کا مظہر ہے، آلہ ہے۔ جس طرح دیگر آلات جن سے انسان کام لیتا ہے۔ آلہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو انسان ہی کرتا ہے اسی طرح انسان تو آلہ ہے یہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو درحقیقت اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے ''فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ'' تو وہی ہے جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

اہمیتِ ذکر

اپنا ذکر سننا اللہ کو نہایت ہی پسند ہے، محبوب ہے۔ اسی لئے اس نے صرف ہمیں ذکر کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ جو پیدائشی طور پر اس کے محبوب ومقرب ہیں یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انہیں بھی یہی حکم ملتا رہا۔

جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وادیٔ طویٰ پر نبوت سے سرفراز فرما کر اور معجزات سے لیس فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے اس مشکل کام کی سہولت کے لئے رب سے دعا کی۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۵ تا ۳۲ یہ دعا موجود ہے۔ اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرما دے میرا کام آسان کردے میری زبان کی گرہ کھول دے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اس سے میری کمر مضبوط کردے اسے میرا شریک کار بنا دے مولا میں نے یہ سب کچھ تجھ سے اس لئے مانگا۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۙ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۭ (طٰہٰ: ۳۳-۳۴)

تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کرتے رہیں۔

مولا ہم جانتے ہیں کہ تجھے اپنا ذکر بہت پسند ہے اور ہم سے مطلوب ہے پس اے اللہ! تو نے مجھے جو دشوار ذمہ داری سونپی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے میں تجھ سے سہولت وآسانی کی مدد اسی لئے مانگ رہا ہوں کہ میں تیرے ذکر سے کسی لمحہ غافل نہیں ہونا چاہتا۔

اسی سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے دربار میں اعلان حق کرنے کے لئے جانے کا حکم دیا تو جو ضروری ہدایات دی گئیں ان میں پہلی ہدایت یہ تھی۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ (طٰہٰ: ۴۲)

اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں (معجزات) لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔

کسی لمحہ میرے ذکر سے غافل نہ ہونا کہ اسی سے ساری مشکلات آسان ہوتی ہیں یہی کلید کامیابی وکامرانی ہے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمائی انہیں ولد صالح یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا مژدہ دیا اور اس احسان پر بطور شکران سے بکثرت ذکر کرنے اور پاکی بیان کرنے کا مطالبہ فرمایا۔

Marfat.com

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ (آل عمران:۴۱)

اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور پاکی بیان کرو صبح اور شام۔

اپنے پیارے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ کو بار بار بکثرت ذکر کا حکم دیا گیا کہ جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی ہر ادا محبوب ہے۔ اس کا ذکر نہ صرف محبوب و پسندیدہ ہے بلکہ تمام ذکر کرنے والوں کے ذکر کی قبولیت کا وسیلہ و واسطہ ہے پس پیارے! تم ذکر کرتے رہو تا کہ سب کا ذکر قبول ہوتا رہے اور تا کہ تمہارے ذکر کے طفیل اس کائنات پر ہماری رحمتوں کی بارش جاری رہے۔ نیز "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" پیارے ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا ہے۔ اس نعمت کے بدلہ بطور شکر تم ہمارا ذکر کرتے رہو۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ (اعراف:۲۰۵)

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ غافلوں میں سے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ (کہف:۲۳،۲۴)

اور ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں کل ایسا کرنے والا ہوں مگر یہ (ساتھ یہ بھی کہو کہ) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے اور کہو (یہ بھی) کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ (مزمل:۸)

اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الدھر:۲۵)

اور یاد کرتے رہو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔

محبوب نے محبّ کے حکم کی تعمیل میں اس کا ذکر کیا ایسا ذکر کیا کہ ساری کائنات جھوم اٹھی زمین کے چپہ چپہ پر "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی صدائیں گونجنے لگیں۔ باللّٰهِ الْعَظِيْم ان کی ہر ادا ذکر الٰہی تھی ان کی جلوت میں اللہ کے ذکر کی گونج ہوتی ان کی خلوت میں اللہ کے ذکر کی رفاقت ہوتی ان کی زبان مبارک ذاکر تھی۔ ان کا قلب منور ذکر سے لبریز تھا ان کا رونگٹا رونگٹا ان کے رب کا ذکر کرتا تھا وہ کسی لمحہ اپنے رب کریم کے ذکر سے غافل نہ ہوئے حتیٰ کہ سوتے تب بھی قلب سلیم ذکر میں مصروف رہتا اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے میری ماں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا "اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا ''ذِکْرُ اللّٰهِ اَنِیْسِیْ '' اللہ کا ذکر میری دلجوئی کرنے والا ہے۔ اسی حدیث میں ہے ''ثَمَرَةُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ'' میرے دل کا پھل اللہ کا ذکر ہے۔

یہ میرے آقا ﷺ کے ذکر ہی کا صدقہ ہے کہ آج تک زمین کے چپہ چپہ پر اللہ کا ذکر ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا اور میدان قیامت میں صرف سید الذاکرین ﷺ ہوں گے جو سب سے زیادہ اپنے رب کا ذکر کریں گے۔

میرے آقا ﷺ کو اللہ کا ذکر بے حد محبوب و پسند تھا پس آپ نے ہمیں بھی ذکر الٰہی کی دعوت دی تلقین فرمائی چند ارشادات ملاحظہ ہوں اللہ عمل کی توفیق دے۔

راوی ہیں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔

اس کی مثال جو رب کا ذکر کرے اور ذکر نہ کرے زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری)

یہ روایت بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰهُ فِیْهِ وَالْبَیْتِ الَّذِیْ لَا یُذْکَرُ اللّٰهُ فِیْهِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔ (مسلم)

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ جیسی ہے۔

آقا ﷺ کا ارشاد واضح ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے وہی حقیقت میں زندہ ہے لطف زندگی اسی کو حاصل ہے کہ ذاکر کا دل زندہ رہتا ہے وہ شیطان کے وسوسوں اور مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے نتیجتاً وہ اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کر کے پرسکون زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل رہا وہ مردہ ہے کہ اس کا قلب مرجاتا ہے اور مردہ قلب وساوس شیطانی کا مرکز بن جاتا ہے پس یہ شخص بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں پھنس کر ساری زندگی تڑپ تڑپ کر ہی گزارتا ہے۔

اسی طرح وہی گھر آباد ہے جس میں بسنے والے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہو، ایسے گھر میں ذکر الٰہی کا ایک نور نظر آتا ہے، برکت نظر آتی ہے، اس گھر والوں میں باہمی الفت و محبت ہوتی ہے ان کے دن بارونق اور راتیں پرسکون ہو جاتے ہیں لیکن وہ گھر قبرستان ہے جس میں لوگ تو ہوں لیکن وہ کبھی اللہ کا ذکر نہ کرتے ہوں قبرستان کی طرح اس گھر میں بلیات کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔ اس میں رہنے والے طرح طرح کی آفات میں، امراض میں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں یہاں ہر وقت لڑائی جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایک چہار دیواری میں بسنے والے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں ایسے گھروں پر ایک پھٹکار ہوتی ہے جس کے سبب اس میں رہنے والوں کو نہ دن میں چین ہوتا ہے اور نہ رات میں سکون، اللہ محفوظ رکھے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ''اِجْعَلُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ مِنْ

Marfat.com

صَلٰوتِکُمۡ وَلَا تَتَّخِذُوۡهَا قُبُوۡرًا'' اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بناؤ۔ گھروں میں مرد نوافل وغیرہ پڑھتے رہا کریں گھر سے سنتیں پڑھ کر مسجد جایا کریں۔ عورتیں گھروں میں نمازیں پڑھیں۔ صبح وشام تلاوتِ قرآن کی جائے آنے جانے والے ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں غرضیکہ کسی نہ کسی نوعیت کا ذکر گھروں میں ہوتا رہے ورنہ تو اس گھر اور قبرستان میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے یقیناً آپ اس کو پڑھ کر جھوم اٹھیں گے۔ غور کیجئے اللہ کے فضل وکرم پر ناز کیجئے اپنے مقدر پر اور ہو جایئے ذاکرین میں سے فرمایا میرے آقا ﷺ نے:

اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ ذاکرین کی کسی جماعت کو پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف (یعنی مل گئے وہ جنہیں ہم تلاش کر رہے تھے) پس وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں (محبت و الفت کے طور پر) پھر وہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اللہ تو اپنے بندوں کا حال جانتا ہے (لیکن فرشتوں سے اپنے ذاکر بندوں کی تعریف سننا پسند فرماتا ہے) اے فرشتو تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں یُسَبِّحُوۡنَکَ، وَیُکَبِّرُوۡنَکَ، وَیُحَمِّدُوۡنَکَ، وَیُمَجِّدُوۡنَکَ اے رب تیرے بندے تیری تسبیح کر رہے تھے، تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری تعریفیں کر رہے تھے اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ''هَلۡ رَاَوۡنِیۡ'' کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''مَا رَاَوۡکَ'' نہیں مولا انہوں نے تجھے دیکھا تو نہیں۔

اللہ فرماتا ہے ''کَیۡفَ لَوۡ رَاَوۡنِیۡ'' اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ تیری عبادت کرتے اور زیادہ بزرگی بیان کرتے اور زیادہ تسبیح کرتے۔

اللہ فرماتا ہے ''فَمَا یَسۡئَلُوۡنَ'' وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''یَسۡئَلُوۡنَکَ الۡجَنَّةَ'' مولا وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ''هَلۡ رَاَوۡهَا'' کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''لَا وَاللّٰهِ یَا رَبِّ مَا رَاَوۡهَا'' نہیں بقسم اے رب انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔

اللہ فرماتا ہے ''فَکَیۡفَ لَوۡ رَاَوۡهَا'' اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

Marfat.com

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اس کی بہت حرص کرتے اس کے بہت ہی طلب گار ہو جاتے اور اس کی طرف ان کی رغبت اور زیادہ ہو جاتی۔

اللہ فرماتا ہے ''فَمِمَّا یَتَعَوَّذُوْنَ'' وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے۔

فرشتے کہتے ہیں ''مِنَ النَّارِ'' جہنم کی آگ سے۔

اللہ فرماتا ہے ''فَهَلْ رَاَوْهَا'' کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''لَا وَاللّٰهِ یَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا'' نہیں، بقسم اے رب انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔

اللہ فرماتا ہے ''فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا'' اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا ہے۔

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اُس سے مزید بھاگتے اور مزید ڈرتے۔

پھر اللہ فرماتا ہے ''فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ غَفَرْتُ لَهُمْ'' (اے فرشتو!) میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ ان میں ایک شخص تھا جو ذکر نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی کسی ضرورت کے لئے ان کے پاس آیا تھا۔

اللہ فرماتا ہے ''لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ'' ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ (بخاری شریف)

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الذَّاكِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا بِجَاهِ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ''

حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی (دیہاتی) حاضر ہوا اور سوال کیا ''لوگوں میں بہترین شخص کون ہے؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ'' خوش نصیب ہے وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اچھے ہوئے۔ اعرابی نے پھر عرض کیا ''کونسا عمل افضل ہے؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' کہ تو دنیا سے اس طرح جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (یعنی اللہ کا ذکر کرتے کرتے موت آئے)۔ (ترمذی شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔

جب تم جنت کی کیاری سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جنت کی کیاری، کیا ہے فرمایا ذکر کے حلقے (ذکر کی مجلسیں) (ترمذی شریف)

محفل میلاد، محافل ذکر شہادت، محافل عرس، محافل سوئم و چہلم، محافل نعت وغیرہ جنت کی کیاریاں ہیں ان کا اہتمام کرنے والے ان کیاریوں کے مالی ہیں، ان میں شریک ہونے والے جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں ان سے نہ رکو اور نہ روکو

Marfat.com

بلکہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان میں شرکت کرو ان کے قریب سے بھی گزرو تو کچھ نہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاؤ کچھ چر لو یعنی کچھ نہ کچھ سیکھ لو، سن لو تبرک ہی لے لو، ذکر کے یہ حلقے، بڑے بابرکت ہوتے ہیں یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَا مِنۡ قَوۡمٍ یَقُوۡمُوۡنَ مِنۡ مَجۡلِسٍ لَایَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَامُوۡا عَنۡ مِثۡلِ جِیۡفَۃِ حِمَارٍ وَکَانَ عَلَیۡھِمۡ حَسۡرَۃً۔ (ابوداؤد)

جو لوگ کسی مجلس سے اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھ جاتے ہیں وہ مردار گدھے کی طرح اٹھتے ہیں اور افسردہ ہوتے ہیں۔

اہل ایمان کی جو بھی مجلس ہو نشست ہو اس کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہونا چاہئے اور انتہا بھی اللہ کے ذکر پر ہی ہونا چاہئے چاہے یہ سیاسی مجلس ہو یا تجارتی، خانگی امور سے متعلق ہو یا معاشی و معاشرتی امور کے لئے ہو یا اتفاقاً، بلاعنوان چند مسلمانوں کی باہمی گفتگو ہو۔ بہر حال اس میں کہیں نہ کہیں یا کم از کم اس کے اختتام پر اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے کہ اس سے طے شدہ مسائل میں برکت ہوتی ہے۔ محفل میں قصداً یا سہواً اگر کوئی خلاف شرع بات ہو جاتی ہے تو اللہ اپنے ذکر کی برکت سے اسے معاف فرما دیتا ہے لیکن اگر محفل میں بالکل ہی اللہ کا ذکر نہ ہوا بس لوگ جمع ہوئے اپنی باتیں کیں اور چل دیئے تو یہ محفل نہایت ہی بدترین محفل ہے۔ اس کے لئے آقائے رحمت ﷺ نے ایک نہایت ہی گھناؤنی مثال دی ہے تاکہ ہم غلام اپنی اصلاح کرلیں آپ نے ان لوگوں کی محفل کو جو اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھے اور چل دیئے، مردار گدھا، کھانے کی محفل قرار دی کہ بس یہ لوگ مردار گدھا کھانے جمع ہوئے کھایا اور چل دیئے۔ نیز آپ نے بتایا کہ اس طرح اپنی نشست برخاست کرنے والے کبھی خوش نہیں ہو سکتے وہ حسرت و یاس میں ہی مبتلا رہیں گے پس ہمیں اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی محفلوں کو ذکر الٰہی سے بابرکت اور بارونق بنانا چاہئے جس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ارادوں کے ساتھ انشاء اللہ اچھی باتوں پر ماشاء اللہ، الحمد اللہ، افسوسناک باتوں پر اِنَّا لِلّٰہ وغیرہ جیسے چھوٹے، چھوٹے جملے بولنے کی عادت ڈالیں اس طرح جب چند مسلمانوں کی محفل ہو گی تو وہ اپنی عادت کے مطابق موقع کی مناسبت سے یہ جملے بولتے رہیں گے۔ لیجئے گفتگو بھی ہوتی رہے گی اور اللہ کے ذکر کی برکت بھی برتی رہے گی کس قدر آسان ہے دین پر عمل کرنا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کون سے بندے اللہ کے نزدیک افضل ہیں اور قیامت کے دن بلند مرتبہ ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا "اَلذّٰکِرُوۡنَ اللّٰہَ وَالذّٰکِرَاتُ" اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ عرض کیا گیا اور یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ کا غازی یعنی اس کا مقام کیا ہے؟ فرمایا: اگر غازی کفار و مشرکین پر اتنی تلوار چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور دشمن کے خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہو گا۔ (ترمذی شریف)

Marfat.com

ذکر کے چند فوائد

آیئے اب ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر الٰہی کے چند فائدوں پر غور کریں کیونکہ ہماری فطرت ہے کہ کوئی کام ہم اس کا فائدہ جانے بغیر نہیں کرتے جبکہ اللہ ورسول کے احکام پر عمل ہمیں صرف اطاعت وفرمانبرداری کے جذبہ سے کرنا چاہئے اور اگر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تب تو نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے تاہم چونکہ ہر حکم شرع کا کوئی نہ کوئی فائدہ موجود ہے تو اس کے جان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ذکر الٰہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بے شمار فوائد بتائے گئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝ (البقرہ: ۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

ذاکرین کے لئے کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اللہ احکم الحاکمین ان کا ذکر فرماتا ہے بایں صورت کے جو بندے ہر حال میں اور ہر لمحہ اپنے رب کریم کو یاد کرتے ہیں وہ اپنے فضل وکرم سے ان کے ہر حال کو درست رکھتا ہے اور ہر لمحہ اپنے انعامات سے نوازتا رہتا ہے نیز اس طرح کہ ہم تو صرف زمین پر اس کا ذکر کرتے ہیں اور وہ مالک عرش وکرسی اپنی نورانی مخلوق ملائکہ میں ہمارا ذکر فرماتا ہے اور انہیں گواہ بنا کر ہماری بخشش ومغفرت کا اعلان فرماتا ہے۔ جیسا کہ آپ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث شریف پڑھ چکے ہیں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (مسلم شریف)

جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ اترتی ہے اور اپنے پاس والوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے۔

آقا ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمایئے اور ناز کیجئے اس اعزاز پر جس سے اللہ کریم نے ہمیں نوازا بشرطیکہ ہم اسے ہر حال میں یاد رکھتے ہوں زبان سے دل سے اور اپنے اعمال سے ذاکرین کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ فرشتے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں تاکہ جن وانس کے ہر خطرے سے وہ محفوظ رہیں رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہوتی ہے جس سے وہ دنیا ومافیہا کی ساری الجھنوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کو چین نصیب ہو جاتا ہے، بے فکری کی پرسکون اور پر اطمینان زندگی انہیں میسر آ جاتی ہے۔ نیز "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ" کے وعدے کے مطابق اللہ بھی ان کا ذکر فرماتا ہے "فِيْمَنْ عِنْدَهٗ" اس مخلوق میں جو اس کے پاس ہوتی ہے یہی نورانی مخلوق ملائکہ ہیں۔

ایک حدیث اور ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

Marfat.com

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٌ مِّنْهُمْ۔

میں (اللہ) اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے پس اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ (مسلم و بخاری)

جب بندہ عمل صالح کرتا اور اس کی قبولیت کا یقین رکھتا ہے تو اللہ ضرور قبول فرماتا ہے لیکن اگر اسے قبول کا یقین نہ ہو تو اللہ بھی اس کا عمل قبول نہیں فرماتا اسی طرح اگر کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ پر پوری طرح توکل ہو اور کامیابی کا یقین ہو تو اللہ ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے لیکن اگر کامیابی کا یقین نہ ہو تو اللہ کی طرف سے بھی اس کے لئے ناکامی مقدر ہو جاتی ہے۔ یہ مفہوم ہے ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ'' کا لیکن اگر بد عمل، جنت کا دعویٰ کرتا پھرے اور کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف نہ بڑھنے والا کامیابی کا یقین کئے بیٹھا ہے تو یہ اللہ سے امید کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے جس کا انجام محرومی کے سوا کچھ نہیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مژدے پر جھومیے اور ذاکرین میں شامل ہو جائیے کہ ذاکرین کو ہر حال میں اللہ کا فضل و کرم حاصل رہتا ہے اور انہیں یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ اگر وہ تنہا ذکر کرتے ہیں تو اللہ بھی تنہا ان کا ذکر کرتا ہے اور اگر وہ ذکر کے حلقوں میں شامل ہو کر ذکر کرتے ہیں تو اللہ ان کا ذکر اس مخلوق میں کرتا ہے جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ ارواح انبیاء و اولیاء اور ملائکہ مقربین کا اجتماع ہوتا ہے اس میں اس ذاکر بندے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ ہمیں یاد فرماتا ہے لوگوں نے حیرت سے کہا کہ آپ اس وقت کو کیسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے ''فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ'' پس جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ بھی ہمیں یاد فرما رہا ہے۔ ''اللھم اجعلنا من الذاکرین''

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۫ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ﴿۱۳۶﴾ (آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا ظلم کریں اپنے آپ پر تو ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا حالانکہ وہ جانتے ہیں یہی ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت جاری ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام

Marfat.com

کرنے والوں کا۔

ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو بدکاریوں اور برائیوں کے جال میں پھنسا کر اپنے اوپر خود ہی ظلم کیا جب اس جال نے انہیں بری طرح جکڑا تو انہیں احساس ہوا اور انہوں نے اس لاچاری و مجبوری کی حالت میں اللہ کو پکار پکار کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی بس ذکر الٰہی کی دھاردار تلوار نے اس جال کو کاٹ ڈالا یہ اس سے آزاد ہو گئے۔ جس رب قدیر کو انہوں نے پکارا وہ بڑا ہی غفور الرحیم ہے۔ اس نے نہ صرف ان کو معاف کیا بلکہ ان کے ذکر کی جزاء کے طور پر انہیں مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا مژدہ بھی سنایا لیکن ان انعامات سے انہی کو نوازا جاتا ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے بلکہ احساسِ گناہ ہوتے ہی اللہ کا ذکر کرنے لگتے اور توبہ کر لیتے ہیں۔

کیونکہ مؤمن گناہوں کے جال میں اسی وقت پھنستا ہے جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہمیں بتاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ۔

شیطان انسان کے دل سے چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب انسان (ذکر الٰہی سے) غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث میں ابْنِ اٰدَمَ سے مراد عام انسان نہیں بلکہ مؤمن ہے کیونکہ شیطان مؤمن کے دل سے چمٹتا ہے کافر کے دل سے اسے چمٹنے کی ضرورت نہیں کہ کافر کا دل تو شیطان کا گھر ہی ہے جو مؤمن اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اس کے قلب پر شیطان کے چمٹے رہنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا لیکن جونہی مؤمن ذکر الٰہی سے غافل ہوتا ہے شیطان کو موقع ہاتھ آ جاتا ہے وہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے گناہوں میں مبتلا کر کے اس کے دل پر ناچنے لگتا ہے اور جونہی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو شیطان مردہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے بندے کے اعمال ذکر کے سبب درست ہونے لگتے ہیں، دل سے گناہوں کی سیاہی چھٹنے لگتی ہے حتیٰ کہ اس کا قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے اور اس کا شمار ذاکرین میں ہونے لگتا ہے اسے دنیا میں خوف و حزن سے آزادی مل جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے حَيٰوةِ طَيِّبَةً کا تحفہ بخشا جاتا ہے اور جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

ہر چیز کے لئے صقالہ (چمکانے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی دلوں کو چمکانے والا اور عذاب الٰہی سے نجات

Marfat.com

دلانے والا عمل نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں چاہے مجاہد اپنی تلوار سے کفار کو اتنا قتل کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (بیہقی)

غرضیکہ اللہ کا ذکر گناہوں کی سیاہی کو قلب سے چھانٹ دیتا اور دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے لہٰذا اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ کا ذکر کرنا گناہ سے توبہ کر لینا اور معافی طلب کرنا چاہئے جو کسی بھی طرح ہو کسی الفاظ میں کسی زبان میں ہو بہتر ہے یہ پڑھا جائے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الْكَرِيْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ

یہ جملے ذکرِ الٰہی بھی ہیں اور استغفار بھی ان کو ہر وقت کثرت سے پڑھنے سے مؤمن گناہوں اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ بھی یاد کر لیجئے اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے ہر نماز کے بعد کم از کم گیارہ مرتبہ ضرور پڑھ لیا کیجئے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب:۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے (یہ نمونہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

اسوۂ حسنہ، مؤمن کے کمال ایمان کا ذریعہ ہے رضائے الٰہی کی منزل تک رسائی کا نقشہ ہے۔ حلاوت ایمان کے حصول کا واسطہ ہے اور فوائد ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ ہے جس کے بغیر مسلمان منزل سے بھٹکے مسافر کی طرح درماندہ و پریشان حال ہو جاتا ہے لیکن اسوۂ حسنہ کے حقیقی فیوض و برکات صرف مؤمن ہی کا حصہ ہیں کہ بغیر ایمان کے رسول کے طرز زندگی کو اپنانے والا شاید دنیاوی طور پر تو عزت و راحت حاصل کر لے لیکن اس کے لئے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہ ہوگا اور جسے ایمان کی دولت تو نصیب ہو لیکن اللہ کے ذکر کی نعمت سے وہ محروم ہو وہ اسوۂ حسنہ سے فیض یاب نہیں ہو سکتا کہ وہ مؤمن ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ اصول زندگی کو اپنا نہیں پاتا پس وہ منزل سے دور اور زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی ایک کھلونا بن کر رہ جاتی ہے جس سے سب کھیلتے ہیں جسے سب استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی عزت نہیں کرتا لیکن جونہی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اسے وہ نقشہ نظر آنے لگتا ہے، جس کی مدد سے وہ اپنی منزل کو پا سکتا ہے اور جوں جوں اس کی طرف سے ذکر الٰہی بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی یہ نقشہ اس کے لئے نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے پس وہ ان نقوش کو اپناتا ہے اور ایک مطمئن و پرسکون مسافر کی طرف اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے پس ذکر الٰہی ذریعہ ہے اسوۂ حسنہ کی معرفت کا اور اس سے فیض یاب ہونے کا اسی لئے میرے آقا ﷺ نے ذکر الٰہی کو خیر الاعمال بہترین عمل قرار دیا کہ

بروایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا:

Marfat.com

کیا میں تمہیں ایسا بہترین عمل بتاؤں جو بہتر ہے تمہارے اچھے اعمال سے جو پاکیزہ ہیں تمہارے رب کو پسند ہیں اور درجات کے لحاظ سے بہت بلند ہیں اور وہ عمل بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے سونا چاندی خرچ کرنے سے اور بہتر ہے اس سے کہ تم دشمن کے مقابلہ پر آؤ اور تم دشمن کی گردنیں کاٹو اور دشمن تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بتائے (ایسا کونسا عمل ہے جو ان تمام اعمال سے افضل ہے) "قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ کا ذکر۔

میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق تمام اعمال سے افضل ذکر اللہ ہے کیونکہ اسی سے مؤمن اعمال حسنہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا بھی ارشاد ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت: ۴۵)

اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ "ذکر الٰہی میں کوتاہی نہ کرو" روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَاتَقْصُرُوْا فِي ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ ذِكْرَكُمْ اِيَّاهُ يَفْضِيْ اِلٰى ذِكْرِهٖ اِيَّاكُمْ وَلَذِكْرُهٗ اِيَّاكُمْ اَفْضَلُ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُ.

اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ تمہارے ذکر ہی کے سبب وہ تمہارا ذکر فرماتا ہے اور اس کا تمہیں یاد کر لینا تمہارے یاد کرنے سے افضل ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذکر الٰہی سے ہی قلب مؤمن کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔ فرماتا گیا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ (الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے بغور سنو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ذاکرین و ذاکرات کو دنیا ہی میں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ سنایا گیا۔ ارشاد ہوا:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵ (احزاب: ۳۵)

اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم۔

غرضیکہ ذکر الٰہی ہی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ جس پر قرآن کریم شاہد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ۭ (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

Marfat.com

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

ذکر سے غفلت

ذکرِ الٰہی کی اہمیت اور اس کے چند فوائد کے بعد اب مختصراً اس سے غفلت کا انجام اور ان لوگوں کی سزا بھی ملاحظہ فرمایئے جو رب کریم کے ذکر سے منہ موڑ کر، دنیا کے عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شریعت کی پابندی تو درکنار ان کی زبان پر مدتوں اللہ اور اس کے رسول کا نام تک نہیں آتا کاش وہ اللہ اور رسول کے ان ارشادات کو پڑھ کر توبہ کر لیں اور اپنے دل سے گناہوں کی سیاہی صاف کرنے کے لئے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جائیں چند ہی دن میں ان کا قلب روشن و منور ہو جائے گا اور وہ اپنے آپ کو احکامِ شرع کی پابندی کی طرف مائل پانے لگیں گے۔

منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ ان میں دیگر عیوب کے ساتھ ایک عیب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ‌ ۚ وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى ۙ
يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۴۲﴾ (النساء: ۱۴۲)

بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

وہ لوگ تو بالکل ہی گمراہ ہیں جنہیں اللہ کا ذکر سنایا جاتا ہے لیکن پھر بھی ان کے دل ذکرِ الٰہی کی طرف مائل نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے ''وَیْل'' ہلاکت، ذلت و خواری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ''وَیْل'' جہنم کا ایک نچلا گڑھا بھی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہو کر دنیا کی عیاشی میں خوب مست ہیں انہیں اللہ کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں اگر کوئی مبلغ انہیں محفل ذکر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے یا توبہ و ذکر کی نصیحت کرتا ہے تو یہ نہایت ہی متکبرانہ انداز میں اسے گھورتے ہیں اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ذکر سے غفلت کے باعث ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کے گھر قبرستان بن چکے ہیں ان کی محفلوں پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت برستی ہے یہ خود طرح طرح کی آفات و بلیات میں مبتلا رہتے ہیں بے چین ہیں، مضطرب ہیں لیکن ہٹ دھرم ہیں، ضدی ہیں کسی ناصح کی نصیحت پر غور تک کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ درج ذیل قرآنی آیات پر غور کیجئے اور پناہ مانگئے ذکرِ الٰہی میں کمی یا غفلت سے:

فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۲﴾ (زمر: ۲۲)

پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُـقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾ (زخرف: ۳۶)

Marfat.com

اور جو منہ پھیر لیتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (مجادلہ:۱۹)

تسلط جمالیا ہے ان پر شیطان نے اس نے اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا یہی لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں بغور سنو شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔

وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ (الجن:۱۷)

اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ اسے داخل کرے گا سخت عذاب میں۔

ان آیات کی روشنی میں نبی مکرم کی ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ یَذْكُرِ اللّٰهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَّایَذْكُرِ اللّٰهَ فِیْهِ كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ۔

جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر نہ کرے یہ مجلس اس کے لئے اللہ کی طرف سے خسارے کا سبب ہو گی اور جو شخص بستر پر لیٹ کر اللہ کا ذکر نہ کرے تو بھی اسے اللہ کی طرف سے خسارہ ہو گا۔ (ابوداؤد)

اُس مجلس کے فیصلوں میں کبھی برکت اور کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی جس میں کسی بھی نوعیت سے اللہ کو یاد نہ کیا جائے چاہے مواقع کی مناسبت سے صرف سبحان اللہ، ماشاء اللہ، انشاء اللہ ہی کہہ لیا جائے تب بھی اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ خسارے اور نقصان سے محفوظ رکھے گا اسی طرح اس آرام سے کبھی سکون میسر نہیں آ سکتا جس سے پہلے کچھ اللہ کا ذکر نہ کیا جائے لہٰذا سونے سے پہلے کم از کم آیۃ الکرسی، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یا صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ تین مرتبہ پڑھ لینا چاہئے۔اس کے بعد بہتر ہے کہ درود شریف پڑھتے پڑھتے سو یا جائے۔اس سے نیند بھی خوب آتی ہے برے اور ڈراؤنے خوابوں سے بھی نجات رہتی ہے۔بہرحال اس ارشاد کے مطابق ذکر الٰہی سے غفلت بے برکتی اور خسارے کا سبب ہے، پس

اے ایمان والو! ''اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا'' اللہ کا ذکر بکثرت کرو، ہر وقت کرو، آہستہ کرو یا بآواز کرو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام نہ ہو جب تم سو رہے ہو تب بھی تمہارا دل ذکر میں مصروف ہو جس کا پتہ تمہیں اس طرح چل سکتا ہے کہ جب بھی تمہاری آنکھ کھلے تمہاری زبان پر کوئی کلمہ ذکر ہو مثلاً کلمہ طیبہ، یا اَللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یا درود شریف اگر تمہاری یہ کیفیت ہو جائے تو خوش ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں اس نے ذکر کی نعمت سے نواز دیا۔یاد رکھو کہ:۔

ذکر الٰہی تمہارے مؤمن کامل ہونے کی علامت ہے۔

Marfat.com

ذکرِالٰہی، کی کثرت انبیاء واولیاء اور صالحین کا وطیرہ ہے۔
ذکرِالٰہی، تمہارے اُولوالالباب اہل خرد اور عقلمند ہونے کی علامت ہے۔
ذکرِالٰہی، سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے دل زندہ ہوتے ہیں۔
ذکرِالٰہی، سے دلوں سے گناہوں کی سیاہی چھٹتی ہے دل نور ایمان سے چمک جاتا ہے۔
ذکرِالٰہی، سے دل اللہ کے انوار وتجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔
ذکرِالٰہی، سے گھروں میں نور پیدا ہوتا ہے رونق ہوتی ہے۔
ذکرِالٰہی، سے آفات وبلیات دور ہوتی ہیں امراض سے شفا ملتی ہے۔
ذکرِالٰہی، سے رزق میں برکت ہوتی ہے، تنگی وتنگدستی سے نجات ملتی ہے۔
ذکرِالٰہی، سے چہرے منور وروشن ہوتے ہیں۔
ذکرِالٰہی، سے اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے برائیوں اور بدکاریوں سے نجات ملتی ہے۔
ذکرِالٰہی، خیر الاعمال تمام نیکیوں سے بہتر اور بڑی نیکی ہے۔
ذکرِالٰہی، قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔
ذکرِالٰہی، کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔
ذکرِالٰہی، مؤمن کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے۔

”اے اللہ اپنے ذکر سے ہماری زبانوں کو تر اور ہمارے دلوں کو پُر فرما، آمین“

اللہ کی تسبیح

آیت زیر گفتگو میں دوسرا حکم تسبیح کا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

اور اس کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔

بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک لہ اس لائق ہے کہ ہر لحہ وہر آن اس کی پاکی بیان کی جائے اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح سے گونج رہا ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (الاسراء: ۴۴)

پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز بھی ان میں موجود ہے اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بیشک وہ بردبار بہت بخشنے والا ہے۔

Marfat.com

آیۂ مبارکہ میں بڑی ہی پرلطف بات فرمائی گئی ''لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کی وضاحت ہم ابھی پیش کرتے ہیں۔ پہلے ان آیات کا مطالعہ ہو جائے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ (الرعد: ۱۳)

اور کڑک اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (النور: ۴۱)

کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید: ۱)

اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورۃ الحدید کی یہ پہلی آیت ہے۔ بعینہٖ اسی آیت مبارکہ سے سورۃ الحشر اور سورۃ الصف کا آغاز ہوا ہے جبکہ یہی مضمون سورۃ الحشر کی چوبیسویں آیت میں صرف اتنے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ماضی ''سَبَّحَ'' کی جگہ مضارع ''يُسَبِّحُ'' کا صیغہ آیا ہے۔ سورۂ جمعہ اور سورۂ تغابن کی ابتداء بھی ''يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' کے جملہ مبارکہ سے ہوئی ہے۔ بخوف طوالت ہم نے ان آیات کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ بتانا صرف اتنا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح اور پاکی میں مصروف ہے۔ اس کا تعلق چاہے جمادات سے ہو، نباتات، معدنیات یا حیوانات سے ہو کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو بہرحال وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

انسان، اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ نے اسے دیگر اختیارات کی طرح اپنی تسبیح اور پاکی بیان کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ وہ انسان جو اللہ پر ایمان لائے دیگر احکام کی تعمیل کی طرح حکم تسبیح پر بھی عمل کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت اور اس کی رضا کے سبب ہر حال میں مختلف طریقوں اور مختلف انداز سے رب کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا ان کی زبانیں تو اللہ کی تسبیح سے گونگ ہوگئیں لیکن ان کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا ہے اگرچہ انہیں آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ آخرت کا اجر تو اللہ کے عطا کردہ اختیار کو اللہ کی مرضی سے استعمال کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے ایمان کو اصل قرار دیا گیا کہ مومن جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے جبکہ کافر اگر کوئی نیک کام کرتا بھی ہے تو اس میں اس کی مرضی یا غرض شامل ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنی نیکیوں کی وجہ انسانی ہمدردی یا خود اطمینانی بتاتا ہے مثلاً ایک مومن نے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا تو اس کی وجہ یہ بتائے گا کہ میں نے یہ کام اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا ہے یا ثواب کے

Marfat.com

لئے کیا ہے لیکن اگر کافر نے یہ کام کیا تو وہ اس کی وجہ یہی بیان کرے گا کہ وہ بھی انسان ہے، میں نے انسانیت کے ناطے اسے کھانا کھلایا ہے پس جو کام انسانیت کے ناطے کیا گیا اس کا بدلہ بھی انسان ہی دیں گے دیں یا نہ دیں یہ ان کا عمل ہوگا لیکن مؤمن ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ ہی اس کا بدلہ دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے ضرور دیتا ہے ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' اللہ کسی نیکی کرنے والے کا بدلہ ضائع نہیں فرماتا۔

بہر حال انسان اللہ کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ مؤمن اختیار خوشی سے اللہ کی رضا کے لئے اور کافر مجبوراً اللہ کا انکار کرنے کے باوجود طوعاً و کرھاً یہی حال جنات کا بھی ہے۔

ملائکہ کی تسبیح

رہے ملائکہ تو وہ تو پیدا ہی تسبیح و تحمید ہی کے لئے کئے گئے ہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات سے اندازہ کیجئے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۝ (انبیاء:۲۰)

وہ (فرشتے) اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں دن رات اور وہ اکتاتے نہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۱۶۴ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝۱۶۵ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝۱۶۶

(صفت: ۱۶۴ تا ۱۶۶)

اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرباندھے کھڑے ہیں اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ (الزمر:۷۵)

اور تم پاؤ گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے اردگرد عرش کے پاکی بیان کررہے ہوں گے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

سورۃ المؤمن میں فرشتوں کی تسبیح کے ساتھ ہمارے لئے ان کے استغفار اور دعا کا ذکر بھی کیا گیا۔ جس کا انداز اس قدر ایمان افروز اور دلنواز ہے کہ یہ آیات اگرچہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ہم انہیں نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ (المؤمن:۷ تا ۹)

Marfat.com

جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو گھیرے ہوئے ہر شئی کو (اپنی) رحمت اور علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی اور پیروی کی تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں جہنم کے عذاب سے۔ اے ہمارے رب داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے بیشک تو ہی سب سے زبردست حکمت والا ہے اور بچالے انہیں سزاؤں سے اور جسے تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کی تسبیح کا حال اس تسبیح پر ہی تو انہیں ناز تھا جو انہوں نے انسان کا مقام لینے کے لئے بطور حق استعمال کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے مستقبل کے خلیفہ کو مفسد و متفنی سمجھا اور اس منصب پر اپنا حق جتاتے ہوئے اپنی خوبی یہی بیان کی کہ ''نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ'' ہم تو پاکی بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تیری بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں اور جب انہیں رب نے فیصلہ سنا دیا کہ ایسا ہی ہوگا کیونکہ ''اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ'' جو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں تو انہوں نے فیصلہ رب کو قبول کیا اور اسی انسان کو حکم رب کی تعمیل میں سجدہ بھی کیا اور آج تک وہ ان تمام امور کو انجام دے رہے ہیں جو اللہ نے انسانی خدمات سے متعلق ان کے سپرد کئے ہیں اور وہ اہل ایمان کے ایسے خیر خواہ ہیں کہ ان کی مغفرت و بخشش کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اللہ کے دربار میں ان کی تعریفیں کرتے اور سفارشیں کرتے ہیں۔

جن و انسان اور ملائکہ کے علاوہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ ہمارا یہی ایمان و عقیدہ ہے اور ہونا چاہئے کہ قرآن کریم نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہی بیان فرمایا اور واقعات سے ایسا ہی ثابت ہے وہ جو اپنے آپ کو عقلمند کہتے ہیں ان کی کوئی بات جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے خلاف ہو وہ ہم ہرگز نہیں مان سکتے۔ اس لئے کہ پہلی عقلمندی تو یہی ہے کہ بندہ اللہ پر اور اس کی قدرت پر ایمان لائے اور جو کچھ اللہ کے رسول نے بتایا اور پہنچایا اس کو بلا چوں و چرا تسلیم کرلے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسے عقلمند تسلیم کرنا ہی بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ انہی عقلمندوں کے چکر میں آ کر اچھے خاصے عقلمند دین و ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں پس بلا تامل اس حقیقت کو تسلیم کر لیجئے کہ چرند، پرند، شجر، حجر متحرک اشیاء، منجمد اشیاء غرضیکہ ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرنے میں مصروف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیسے پاکی بیان کرتے اور کیا کہتے ہیں تو یہ سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں قرآن پر غور کیجئے آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ جس رب کے ارشاد کے مطابق ہم اس حقیقت پر ایمان لائے کہ ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اسی رب نے یہ حقیقت بھی بتائی کہ تم بہت سی چیزوں کی طرح ان کی تسبیح کو بھی نہیں سمجھ پاتے۔

Marfat.com

لَا تَفْقَهُوْنَ

غرضیکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی تسبیح و پاکی بیان کرتی ہے اور وہ اپنی دعا و تسبیح کا طریقہ بخوبی جانتی ہے لیکن ''لَا تَفْقَهُوْنَ'' تم نہیں سمجھتے اور بس چیز کو تم نہ سمجھ سکو یا نہ دیکھ سکو یا نہ محسوس کر سکو ضروری نہیں کہ اس کا وجود ہی نہ ہو تم اس کو تسلیم ہی نہ کرو پس تمہارا کام اللہ اور اس کے رسول کی بیان کردہ ہر چیز پر ایمان لانا اور یقین کرنا ہے اسی میں تمہاری نجات ہے اور جس چیز کو تم سمجھ نہ سکو محسوس نہ کر سکو تو ضروری نہیں کہ تم یہ سمجھ لو کہ سب تمہاری طرح ہیں۔ جو میں نہ سمجھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں سمجھ سکتا، جو میں نہ دیکھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں دیکھ سکتا جو میں محسوس نہ کر سکا وہ کوئی دوسرا بھی محسوس نہیں کر سکتا جو میں نہیں جانتا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں جانتا۔ یہ عقیدہ تو اندھوں، بہروں اور گونگوں جیسا ہوگا کہ یہ لوگ سب کو اپنی طرح اندھا، گونگا اور بہرہ ہی سمجھتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بہرہ آپ سے زور سے ہی بات کرتا ہے کہ وہ آپ کو بہرہ سمجھتا ہے اور جب وہ آپ کی بات سن لیتا ہے تو فوراً کہتا ہے میاں اتنے زور سے کیوں بولتے ہو کیا میں بہرہ ہوں یہ تو اللہ کی قدرت ہے جسے چاہے جو قوت عطا فرما دے اور جتنی چاہے عطا فرمائے۔ ہمیں اس کی دین پر اعتراض کا کیا حق ہے کوئی زیادہ دیکھتا ہے کوئی کم کوئی زیادہ سنتا ہے کوئی کم کسی میں طاقت زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم یہ تو قدرت کی کرشمہ سازی ہے ''وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے تم نہیں سمجھتے ہاں وہ سمجھ لیتے ہیں وہ سن لیتے ہیں جو ہمارے مقرب ہوتے ہیں اور جنہیں ہم اپنی قدرت کا نمونہ بناتے ہیں جنہیں اپنی مخلوق کی قیادت و سیادت اور رہبری کے لئے ہم منتخب کر لیتے ہیں۔ ان کی ضرورت کے مطابق انہیں ہم علم و قدرت سے نوازتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرام ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی قوت عطا فرمائی کہ انہوں نے چیونٹی جیسے چھوٹے جانور کی آواز سن لی، سمجھ لی ہُد ہُد سے گفتگو فرمائی۔ سورۂ نمل کا مطالعہ کیجئے ایمان تازہ ہو جائے گا۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہوا:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ (انبیاء:۷۹)

اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب مل کر ان کے ساتھ تسبیح کہا کرتے تھے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۙ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ (ص:۱۸،۱۹)

ہم نے (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا) فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو وہ تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔

نماز چاشت

آیۂ مبارکہ میں عشاء و اشراق کا ذکر ہے۔ عشاء کا وقت تو واضح ہے۔ اشراق، صبح کا وہ وقت جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے ہم چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اسے صلوٰۃ الضحٰی کہتے ہیں۔ یہ کم از کم

Marfat.com

دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ نفل ہوتے ہیں۔ صَلٰوۃُ الضُّحٰی، چاشت کی نماز بڑی ہی فضیلت والی نماز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص پابندی سے ضُحٰی کے وقت دو نفل پڑھے گا، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نے بتایا کہ میرے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی:

۱۔ ہر ماہ تین روزے رکھنا، ۲۔ پابندی سے نماز ضُحٰی پڑھنا، ۳۔ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔

غرضیکہ اللہ قادر مطلق ہے جسے جتنی چاہتا ہے قوت وقدرت عطا فرما دیتا ہے۔ ہمیں اعتراض کا حق نہیں بطور مثال حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آپ نے پڑھا رہا معاملہ ہمارے آقا ﷺ کا تو اس میں کیا شک کہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء ہیں "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہیں۔ آپ کے تمام انبیاء سے افضل واعلیٰ ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو وہ سب کچھ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلوں کو دیا گیا اور وہ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلے کسی کو نہ دیا گیا۔ پس آپ کے علوم وکمالات کی کوئی انتہا ہے نہ حد کیا خوب فرمایا امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے:

فَاقَ النَّبِيِّنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ　　　وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ

سید الانبیاء ﷺ کو تمام انبیاء پر فوقیت حاصل ہے ظاہری صورت اور باطنی سیرت میں اور کوئی نبی آپ کے مرتبہ علم وکرم کو نہ پا سکا۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا　　　وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

آپ ہی کے جود وکرم سے دنیا وآخرت ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

سب نبی نور ہیں لیکن ہے تفاوت اتنا　　　نَیّرِ نور ہو تم سارے نبی تاروں میں

سیرت طیبہ کے سنہری ابواب گواہ ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے اللہ کے عطا کردہ کمال فہم وعلم سے وہ سمجھا، وہ جانا، وہ سنا، وہ دیکھا، وہ بتایا جس تک عام انسانوں کی رسائی تو درکنار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسائی بھی نہ وہ سکی نہ صرف اتنا بلکہ آپ نے جسے جو چاہا سنوا دیا اور دکھوا دیا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں کنکریوں کے کلمہ پڑھنے کی آواز کو سب نے ہی سنا تھا۔ چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑوں میں سب نے ہی دیکھا تھا۔ "حَنِيْنُ الْجِذْعِ" (اُسطوانہ حنانہ) کی آواز مسجد میں موجود تمام صحابہ نے سنی۔ درختوں کو آپ ﷺ کی طرف آتا اور واپس جاتا سب نے دیکھا۔ پتھروں کے سلام کرنے کی آواز میرے آقا ﷺ اکثر سماعت فرماتے اور ان کے سلام کا جواب دیتے تھے، جانور تو آپ ﷺ دربار میں حاضر ہو کر سجدے کرتے اور اپنی معروضات پیش کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں نے آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل فرمائی۔ چاند، سورج، بادل آپ ﷺ کے اشارۂ انگشت پر رواں دواں ہوتے نظر آئے۔ ان سب واقعات کو آپ معجزات کہہ لیجئے یا کمالات بات ایک ہی ہے اور نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ لَا تَفْقَهُوْنَ کا ارشادِ باری تعالیٰ ہمارے لئے ہے، آپ کے لئے ہے، عام انسانوں کے لئے ہے، انبیاء ورسل کے لئے نہیں۔ میرے آقا ﷺ کے لئے نہیں، مقربین، اولیاء، صالحین کے لئے نہیں کہ ان سب کو اللہ

Marfat.com

نے اپنی قدرت کا مظہر بنایا ہے اور ان کاموں پر قادر کیا ہے جن سے عام انسان عاجز ہیں۔ یہی عقیدہ حق ہے قرآن وحدیث اور رواقعات صحیحہ سے ثابت ہے۔

سرچشمہ عقائد

درحقیقت سرچشمہ عقائد، قرآن وحدیث ہے۔ جن کا علم حاصل کرنے کے بعد ان میں غور وفکر کرنے سے عقیدۂ حق بنتا اور حاصل ہوتا ہے جبکہ عام لوگوں کے لئے عقائد کا سرچشمہ علماء دین ہیں جن کی صحبت سے ہدایت اور رہنمائی نصیب ہوتی ہے جو لوگ جاہل ہونے کے باوجود قرآن وحدیث اور شریعت جاننے کے دعویدار بلکہ ٹھیکیدار بنتے ہیں انہیں گمراہی کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ ان کے باطل عقائد درحقیقت ماحول سے متاثر ہو کر ان کی اپنی ناقص عقل کے وضع کردہ ہوتے ہیں جو انہیں ضلالت وگمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو امت میں فرقہ بندی، انتشار وافتراق کا سبب بنتے ہیں اور اس کا الزام ان علماءِ حق پر عائد کرتے ہیں جن کی ہر بات کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن وحدیث ہوتا ہے مثلاً یہ عقیدہ کہ اسباب معاش ہی حصولِ معاش کا اصل سبب اور ذریعہ ہیں کہ جو جتنی محنت کرے گا جتنی صلاحیتیں استعمال کرے گا اتنی ہی دولت کمائے گا یہ عقیدہ کس قدر گمراہ کن ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ یورپ وغیرہ میں مسلمان تاجروں کا بھی یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ اگر تجارت میں حلال وحرام کا خیال کیا گیا تو پیسے کمانا ممکن نہیں لہٰذا اکثر مسلم دکانداروں کی دکانوں پر آپ شراب بھی پائیں گے اور خنزیر بھی اور سود کو تو اب تجارت ومعاش کا ایک اہم جز ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے لاعلمی کے باعث، حالات سے متاثرہ عقل نے وضع کیا جبکہ قرآن وحدیث کا عطا کردہ عقیدہ یہ ہے کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہی ہے انسان کا کام صرف حصول معاش کے لئے تگ ودو کرنا ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق حلال وحرام میں امتیاز کے ساتھ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (الروم: ۴۰)

اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر (وقت مقررہ) پر تمہیں مارے گا پھر تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔

عقیدہ یہ ملا کہ خالق اللہ ہی ہے اگر اس سائنسی دور میں کوئی بچہ ٹیوب کے ذریعہ پیدا ہوا تو بھی خالق اللہ ہی ہے۔ ٹیوب صرف ایک سبب ہے جس کی طرف اللہ ہی نے عقل انسان کی رہنمائی فرمائی ورنہ اس کی ایجاد ہرگز نہ ہو پاتی۔ علاوہ ازیں ٹیوب تو صرف مرد کا جرثومہ عورت کے رحم میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہی نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں بچہ کو غذا فراہم کرنے والا تو اللہ ہی ہے جو خالق حقیقی ہے اگر اللہ اپنے فضل سے غذا فراہم نہ کرتا تو اس جرثومہ کا پتہ بھی نہ چلتا کہ کہاں گیا جیسے زمین میں بوئے جانے والے بیجوں میں سے بہت سوں کا پتہ نہیں چل پاتا۔

رازق اللہ ہی ہے اگر اسباب کو اصلی قرار دے دیا جائے تو پھر سب ہی دولت مند نظر آئیں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے گا، کوئی ملازم نہ ہوگا، کوئی مالک نہ ہوگا، کوئی حاکم نہ ہوگا، کوئی محکوم نہ ہوگا، حلال وحرام کے امتیاز کے بغیر سب ہی محنت کر کے

Marfat.com

دولت مند بن جائیں گے جبکہ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص کم محنت کرتا ہے، حرام کی دولت سے بھی بچتا ہے اور وہ خوب کماتا ہے جبکہ دوسرا شخص دن رات لگا رہتا ہے نہ حرام کا خیال کرتا ہے نہ حلال کا لیکن پھر بھی کچھ نہیں کما پاتا یہ فرق معاش اس عقیدۂ حقہ کا ثبوت ہے کہ حقیقی رزاق اللہ ہے اور تفریق معاش بھی اسی کی حکمت ہے جو نظام عالم کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ انسان نے بارہا اس تفریق معاش کو ختم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں کمیونزم، سوشلزم جیسے ناکام نظریات نے جنم لیا لیکن قدرت کے کاموں میں مداخلت نہ کبھی کامیاب رہی ہے اور نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی تفریق کے خاتمہ کی لایعنی کوشش نے مزید معاشی مسائل پیدا کئے اور صیاد خود ہی اپنے جال میں آ پھنسا۔

اللہ ہی موت دینے والا ہے جو خالق ہے وہی جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے۔ اسباب موت چاہے کچھ بھی ہوں اصل ہرگز نہیں اسی لئے بعض اوقات اسباب یقیناً مہلک ہوتے ہیں لیکن موت نہیں آتی اور کبھی سبب بالکل معمولی ہوتا ہے اور موت آ جاتی ہے اور کبھی کوئی سبب ہوتا ہی نہیں لیکن انسان مر جاتا ہے اور اسباب کا سہارا لینے والا کچھ اور نہیں تو یہی کہنے لگتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو گئی۔ یہ جملہ کس قدر لغو ہے ذرا غور کیجئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرکت قلب بند ہوئے بغیر موت آ جائے حرکت قلب بند ہونے ہی کا نام موت ہے چاہے کوئی مرض ہو یا نہ ہو کتنے مریض ہیں جو ڈاکٹروں کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہیں کہ ڈاکٹر کے علم ناقص کے مطابق انہیں مر جانا چاہئے تھا اور وہ زندہ ہیں اور کتنے صحت مند ہیں جو چل دیتے ہیں اور ہمیں حیرت زدہ کر جاتے ہیں اور ہم یہی کہتے رہتے ہیں کہ یہ شخص کیسے مر گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا ہے جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی کسی کو نہ تو مار سکتا ہے اور نہ ہی ایک لمحہ کا بھی کسی کی عمر میں اضافہ کر سکتا ہے۔

بہر حال عقائد دینی امور سے متعلق ہوں یا دنیوی امور سے سب کا سرچشمہ قرآن و حدیث میں ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو اتنی صلاحیت و استعداد پیدا کی جائے کہ آپ خود قرآن و حدیث اور ان سے متعلق کتابوں سے استفادہ کر سکیں ورنہ آسان طریقہ وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' علماء سے سیکھو اگر تم نہیں جانتے علماء کی صحبت اختیار کیجئے، ان سے سوالات کیجئے ان کی تقاریر سنئے آپ خود ساختہ عقائد سے محفوظ ہو جائیں گے صراطِ مستقیم نصیب ہو جائے گی اور بہت سے فتنوں سے نجات مل جائے گی، اللہ توفیق دے۔

یہ گفتگو اگرچہ موضوع سے ہٹ کر تھی لیکن نہایت اہم تھی۔ اب ہم تسبیح سے متعلق بقیہ گفتگو کرتے ہیں۔

تسبیح ذریعۂ نجات ہے

رب کریم کی تسبیح اور پاکی بیان کرنا، آفات و بلیات، رنج و غم اور حزن و ملال سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا ہے جو سورۂ یونس، سورۂ انبیاء، سورۂ صافات اور سورۂ نون میں موجود ہے۔ ہمارے موضوع سے متعلق اس واقعہ کا اتنا حصہ ہے کہ جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں اپنے رب کریم کو اس طرح پکارا کہ:

Marfat.com

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (انبیاء: ۸۷)

(اے اللہ) کوئی معبود نہیں تیرے سوا پاک ہے تو بیشک میں ہی قصورواروں میں سے ہوں۔

ان کے اس طرح دعا کرنے اور پکارنے پر اللہ نے ان کو نجات عطا فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ (انبیاء: ۸۸)

پس ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات عطا فرما دی۔

اللہ نے اپنے نبی کا غم دور کر دیا، مچھلی اللہ کے حکم سے پانی سے باہر آئی اور انہیں پیٹ سے اُگل کر چلی گئی۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نجات کی وجہ صرف ان کی دعا نہ تھی بلکہ دعا کا خاص انداز تھا جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

(صٰفّٰت: ۱۴۳، ۱۴۴)

پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔

ان کی نجات کا سبب ان کی تسبیح ہوئی کہ انہوں نے سبحانک کہہ کر اللہ کی پاکی بیان کی اگر وہ یہ انداز دعا اختیار نہ فرماتے تو قیامت تک مچھلی کا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنا رہتا اور وہ اسی میں رہتے۔

سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کے اختتام پر یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ:

وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات عطا فرماتے ہیں۔

یعنی وعدۂ الٰہی ہے کہ جب بھی کوئی مومن بندہ، مصائب و آلام کے بھنور میں پھنس کر خلوص اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہماری تسبیح و پاکی بیان کرنے لگے گا ہم اس سے نجات کا وعدہ فرماتے ہیں۔ حزن و ملال سے آزادی کا وعدہ فرماتے ہیں میرے آقا ﷺ نے اسی وعدۂ الٰہی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطن حوت، مچھلی کے پیٹ میں دعا مانگی تھی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' آپ ﷺ نے فرمایا:

لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اسْتُجَابَ لَهٗ۔

جو مسلمان کسی مقصد کے لئے یہ دعا پڑھے اللہ اس کا مقصد پورا کرتا ہے۔

قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ آیۂ کریمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' تسبیح کے لئے ایک مؤثر آیت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی کے پیٹ سے آزاد کیا اور اس آیۂ مبارکہ کو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما کر اعلان کر دیا کہ جو مومن بھی اس طرح تسبیح کرے گا ہم اسے رنج و

Marfat.com

الم سے نجات عطا فرمائیں گے اور میرے آقا ﷺ نے اس کی وضاحت فرما دی۔ اسی لئے آیۂ کریمہ کا ختم معروف ہے کہ جب بھی کوئی انفرادی یا اجتماعی مصیبت آتی ہے تو گھروں میں یا مسجدوں میں مسلمان جمع ہو کر سوالاکھ مرتبہ اس مبارکہ آیت کو پڑھتے ہیں اور تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اپنے فضل وکرم سے اس مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔

بہرحال اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کی تسبیح، رنج والم اور آفات وبلیات سے نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رنج وغم کے مواقع پر متعدد بار تسبیح کرنے کا حکم دیا۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ (حجر: ۹۷،۹۸)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں پس آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں میں سے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (ق: ۳۹،۴۰)

آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

میرے آقا ﷺ کبھی کسی دنیاوی پریشانی یا تکلیف سے نہ تو غمزدہ ہوتے تھے اور نہ ہی متفکر ہمیشہ آپ کے تفکر، تنگی اور حزن وملال کا باعث کفار ومشرکین اور منکرین کی وہ باتیں ہوا کرتی تھیں جو وہ اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے یا وہ گستاخیاں ہوتی تھیں جو وہ اللہ رب العزۃ کی شان میں کرتے تھے۔ اللہ کو اپنے محبوب کا یہ حزن وملال گوارا نہ ہوتا تھا لہٰذا جب بھی ایسا ہوتا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غم کی کیفیت زیادہ ہوتی تو آپ کی دلجوئی کے لئے وحی نازل ہوتی اور آپ کا رب آپ کو مختلف انداز سے مطمئن کرتا کہ آپ کی مسرت وطمانیت ہی رب رحیم وکریم کو پسند ہے۔ آیات بالا ایسے ہی مواقع پر نازل ہوئیں اور آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا گیا۔ پیارے! آپ پریشان نہ ہوں، فکر نہ کریں، اٹھئے اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے۔ آپ کی ساری کلفت والجھن دور ہو جائے گی۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی نسخہ الہیہ کو اپنایا حدیث شریف میں ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی "فزع الی الصلوٰۃ" تو آپ نماز میں مصروف ہو جائے۔ سیرت مبارکہ کے واقعات شاہد ہیں مشکل اوقات میں ہمیشہ دعا وتسبیح کرتے اور سجدہ ریز ہو جایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کا وقت کتنا خوفناک تھا لیکن آپ اپنے عریش میں مصروف تسبیح وعبادت تھے۔ غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر دیگر غزوات اور دیگر ہولناک مواقع پر آپ کی تسبیح و دعا اور

Marfat.com

عبادات کے واقعات سیرت مقدسہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اولیاء وصالحین کا رہا کہ انہوں نے ہر آڑے وقت اللہ کی تسبیح وتحمید کا سہارا لیا جو ایک مستحکم وکامیاب ترین سہارا ہے لیکن ہمارا حال بالکل اس کے برعکس یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی جسمانی تکلیف، قانونی یا غیر قانونی الجھن یا معاشی ومعاشرتی پریشانی لاحق ہوتی ہے یا کوئی بھی اُفتاد آپڑتی ہے تو اس سے نجات کے لئے ہم لاکھوں جتن کر ڈالتے ہیں۔ دنیا بھر کے وسائل واسباب کا سہارا تلاش کرتے ہیں لیکن اللہ کو یاد کرنے اس کے دربار میں سجدہ کرنے اس سے بھیک مانگنے کا خیال تک نہیں آتا کیونکہ ہماری عبادات اور دیگر مذہبی اعمال کی حیثیت رسمی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کے اثرات پر ہمارا یقین واعتماد نہ رہا العیاذ باللہ جبکہ شرعی حقیقت بھی یہی ہے اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ آرام وراحت اور مصیبت وآفت سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس ہونا یہ چاہئے کہ آرام و سکون کے ایام میں اللہ کو یاد کر کے ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں تو وہ ہم سے خوش ہو کر ہم پر اپنے انعامات کی مزید بارش برسائے اور مصائب وآلام کے وقت بھی اسی سے بھیک مانگیں اور سوچیں کہ جس کی طرف سے یہ مصیبت آئی ہے وہی دور بھی کرے گا کوئی دوسرا آخر کیوں ہماری مدد کرے گا جبکہ وہ خود بھی لاچار ومجبور ہے۔ پس وہ ہمارا دل تو بہلا سکتا ہے لیکن مدد نہیں کر سکتا مدد تو وہی کرے گا جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے اور جس کی شان ہے "يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ" اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ تو رب کا کرم ہے کہ اس نے انسانی فطرت کی تسلی کے لئے مادی وظاہری اسباب ووسائل کا سہارا لینے کی اجازت عطا فرمائی صرف اس لئے کہ نظام عالم کا عمل جاری ہو سکے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باہمی احتیاج وضروریات ختم ہو جائیں اور نظامِ عالم منجمد ہو کر رہ جاتا۔ پس تقاضائے فطرت یہ ہے کہ مادی وسائل کا سہارا لیا جائے تو شریعتِ مطہرہ نے اس کی اجازت دی اور تقاضائے ایمان یہ ہے مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کو یقین کیا جائے لہٰذا قرآن کریم ہر حال میں بالخصوص مصائب وآلام، رنج وغم کے حالات میں رب کی طرف رجوع کرنے اور اس کی پاکی بیان کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (واقعہ: ۷۴)

پس تسبیح کرو اپنے رب عظیم کے نام کی۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے مژدہ سنایا کہ جلد ہی تمہیں ہماری تائید ونصرت حاصل ہو گی اور ہمارے فضل وکرم سے فتح وکامرانی تمہاری قدم بوس ہو گی تم اپنی آنکھوں سے وہ وقتِ سعید دیکھو گے جب آج کے دشمن اسلام پر پروانوں کی طرح نثار ہوں گے اور چار دانگ عالم سے گروہ کے گروہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوں گے بلاشبہ یہ وقت تمہارے لئے بڑی مسرت وخوشی کا ہو گا یہ وقت آنے سے قبل ہی ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ اس وقت ہم کیا پسند کریں گے ہمارے ان انعامات پر آپ کو کس طرح ہمارا شکر گزار ہونا ہو گا۔ فرمایا گیا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (نصر: ۳)

پس آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

Marfat.com

اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے بطور شکر، تسبیح واستغفار کا حکم دے کر قیامت تک کے لئے اہل ایمان کو یہ بتا دیا کہ تمہاری طرف سے ہمارے لئے یہی ہدیہ ہے جو ہم پسند فرماتے ہیں تم اس کو ہمارے شکر کا وسیلہ بناؤ تو ہم تمہیں اپنی نعمتوں سے مزید نوازتے رہیں گے۔

غرضیکہ تسبیح، ذکر الٰہی کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے جو اللہ کو محبوب و پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں ہمیں بار بار تسبیح کا حکم دیا گیا ہے کہ ''سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ'' سے نماز کا آغاز ہوتا ہے پھر رکوع میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کہا جاتا ہے اور غور فرمائے کہ نماز کا افضل ترین رکن سجدہ ہے جو تقرب الٰہی کا یقینی ذریعہ ہے اس میں بھی بندے کو عجز وانکساری کے اظہار اور بندگی کے اعتراف کے لئے تسبیح ہی کا حکم دیا گیا ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی''۔

صبح کے وقت تسبیح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد نہایت ہی قابل غور ہے۔ راوی ہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ:

مَا مِنْ صَبَاحٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مُنَادِیًا یُنَادِیْ فِیْهِ سَبِّحُوا الْمَلِکَ الْقُدُّوْس۔

ہر صبح (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارتا ہے (اے بندو) پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھو۔ (ترمذی)

اللہ کی تسبیح و پاکی کے لئے صبح کا وقت نہایت ہی خاص وقت ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق خصوصی طور پر اسی وقت تسبیح کرتی ہے وہ تسبیح کرتے ہیں جن کی آوازیں ہم نہیں سن پاتے اور وہ بھی جن کی آوازیں ہم سنتے تو ہیں لیکن سمجھ نہیں پاتے یہ علی الصباح سورج طلوع ہونے سے قبل ہم چڑیوں کا چہچہانا اور دوسرے جانوروں کی جو بولیاں سنتے ہیں کیا ہے اللہ کی تسبیح ہی تو ہے کوئی جانور ایسا نہیں جو صبح کو نہ بولتا ہو کچھ جانور ایسے ہیں جو سارا دن نہیں بولتے لیکن وہ بھی صبح کے وقت ضرور بولتے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی پاکی بیان کرنے سے کسی لمحہ غافل نہ ہو خاص طور پر اس وقت جبکہ ساری مخلوق پاکی بیان کر رہی ہو لیکن یہ انسان بڑا ہی غافل ہے پڑا سوتا رہتا ہے اللہ نے اس پر خصوصی کرم فرمایا کہ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک فرشتہ مقرر کر دیا گیا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اٹھو، صبح ہو گئی رب کی تسبیح کا وقت ہو گیا اس کی تسبیح کر دو وہ جو ایمان ہی نہیں رکھتے اس پکار کو نہیں سنتے ان کا حال تو قرآن کریم نے نہایت وضاحت سے بتا ہی دیا ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖؗ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ٘ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ٘ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف:۱۷۹)

اور بے شک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے ان کی آنکھیں (تو) ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان (تو) ہیں لیکن وہ سنتے

Marfat.com

نہیں ان سے وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (و بے خبر) ہیں۔
پیغامِ حق سمجھنے اور سننے کے لئے جن کی قوتیں ہی ختم ہوگئی ہوں وہ اس فرشتہ کی آواز کیا سنیں گے وہ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہو گئے ہیں کہ جانور تو اپنے رب کو یاد کر لیتا ہے اور یہ ظالم تو رب کو پہچانتے تک نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ تو غفلت کی نیند پڑے سو سکتے ہیں۔ اہل ایمان کا حال ایسا نہیں ہونا چاہئے اور نہیں ہوسکتا ان پر تو ہر لمحہ اللہ کا خوف طاری رہتا ہے وہ تو دن رات اللہ اور رسول کی رضا کے لئے قربانیاں دیتے رہتے ہیں۔ اپنا کاروبار چھوڑ چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں ہر کام کرنے سے پہلے اس کے جائز و ناجائز ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ حلال و حرام میں امتیاز کرتے رہتے ہیں یہ اس وقت کیسے غافل پڑے سو سکتے ہیں جب ساری کائنات کی تسبیح کا وقت ہوتا ہے۔ گہری نیند کے باوجود یہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں یہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد پر اتنا یقین کامل رکھتے ہیں کہ بظاہر فرشتے کی آواز نہ سننے کے باوجود بھی ان کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی پکار رہا ہے اور یہ اس کی پکار کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اللہ کا کتنا کرم ہے ہم پر کہ اس نے ہمیں بیدار کرنے کے لئے اس غیبی آواز کا انتظام فرمایا۔

صبح صادق سے طلوع آفتاب سے تک فجر کا وقت ہوتا ہے لیکن اس پورے وقت میں فجر کی ۲ سنتیں اور ۲ فرض پڑھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لئے نہیں کہ ہم نزول رحمت کے اس وقت میں پڑے سوتے رہیں بلکہ اس لئے کہ ہم دوسرے طریقے سے اللہ کی تسبیح و تحمید کریں قرآن کریم کی تلاوت کریں دیگر اوراد و ظائف پڑھیں بالخصوص درج ذیل کلمات کا ورد اس وقت نہایت باعث برکت اور ذریعہ ثواب ہے۔

''سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ''

یا ''سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحُ''

نیز جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھا جائے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ذکر و تسبیح یہی ہے۔ نماز فجر کے بعد خصوصی طور پر سورہ یٰسین شریف کی تلاوت نہایت ہی باعث برکت ہے۔ اس سے سارا دن سرور حاصل رہتا ہے۔ کاموں میں سہولت و برکت ہوتی ہے، آفات و حادثات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

دو کلمے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ'' کے متعلق خصوصی طور پر ارشاد فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں (بہت آسان ہیں) (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہیں رحمٰن کے پسندیدہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری شریف)

Marfat.com

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کونسا کلام افضل ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا:

مَا اصۡطَفٰی اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ۔

جواللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا یعنی سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ۔ (مسلم)

فرشتے اللہ کے حکم سے یہی تسبیح کرتے ہیں پس اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لئے بھی اسی کو پسند فرمایا اور دوسرے کلمہ کے لئے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ قَالَ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ وَبِحَمۡدِهٖ غُرِسَتۡ لَهٗ نَخۡلَةٌ فِی الۡجَنَّةِ۔

جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہ پڑھا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا جائے گا۔

(ترمذی)

حدیث شریف میں تعداد کا تعین نہیں لہٰذا یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر ہم ایک مرتبہ بھی یہ جملہ کہیں گے تو اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں ہم ایک درخت کے مستحق ہوں گے وہ درخت بھی کھجور کا ہوگا کیونکہ نخلہ کھجور کے درخت کو ہی کہا جاتا ہے۔ کھجور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ غذا ہے لہٰذا جو غلام اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رب کی تسبیح کریں گے ان کے لئے محبوب کے پسندیدہ پھل کے درخت جنت میں لگائے جائیں گے۔

آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں ایک آسان اور مختصر تسبیح عطا فرمائی اور بتایا کہ یہ مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبۡحَانَ اللّٰهِ کہا، تینتیس ۳۳ مرتبہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اور تینتیس ۳۳ مرتبہ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ کہا یہ ننانوے ہوئے اور ایک مرتبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ، لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡر'' کہہ کر سو پورے کر لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردے گا۔ ''اِنۡ كَانَتۡ مِثۡلَ زَبَدِ الۡبَحۡرِ'' چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے شفیق ابا جان کے دربار میں حاضر ہوکر درخواست پیش کی کہ مجھے گھر کے کاموں میں تعاون کے لئے ایک باندی عطا فرمادی جائے کیونکہ میں بہت تھک جاتی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا غلام و باندی تو جن کا حق تھا ان میں تقسیم کردیئے گئے ہم تمہیں ایک ایسا عمل بتائے دیتے ہیں جس کو تم ہر فرض نماز کے بعد پڑھ لیا کرو اللہ تمہارے وقت میں برکت دے گا اور تکان دور ہوتی رہے گی۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لخت جگر کو یہی مندرجہ بالا تسبیح بتادی۔ آپ ہمیشہ اس کو پڑھا کرتی تھیں اسی لئے اسے تسبیح فاطمی بھی کہا جاتا ہے۔

بہرحال یہ ایک آسان ترین اور بہت مفید و مؤثر تسبیح ہے۔ بس اس کے لئے پابندی سے پنجگانہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ توفیق دے پابندی سے نماز پڑھیے، یہ تسبیح پڑھیے پھر دیکھیے کیسا سکون نصیب ہوتا ہے۔ کیسا اطمینان ملتا ہے اور کتنی

Marfat.com

برکت حاصل ہوتی ہے۔

انگلیوں پر تسبیح

موقع کی مناسبت سے تسبیح شمار کرنے سے متعلق بھی ایک بات عرض کرتے چلیں اور وہ یہ کہ اگر کلمات تسبیح کی تعداد کم ہو مثلاً آپ کو کوئی کلمہ گیارہ مرتبہ اکیس یا اکتیس مرتبہ پڑھنا ہے تو اسے دانوں کی تسبیح پر نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا علیہ السلام کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ راویہ ہیں حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا جو ایک مہاجر خاتون تھیں۔ فرماتی ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عَلَیْکُنَّ بِالتَّسْبِیْحِ وَالتَّهْلِیْلِ وَالتَّقْدِیْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَلَا تَغْفَلْنَ فَتُنْسَیْنَ الرَّحْمَةَ۔

(اے عورتوں) اللہ کی تسبیح وتہلیل اور پاکی لازم کرلو اور انگلیوں کے پوروں پر گنا کرو کیونکہ انگلیوں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا انہیں بولنے کی قوت بخشی جائے گی اور (ذکر وتسبیح سے) کبھی غافل نہ ہونا کہ رحمتِ الٰہی سے بھلا دی جاؤ گی۔ (ابوداؤد)

کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انگلیوں کو بھی قوت گویائی عطا فرمائے گا تو وہ ہماری تسبیح اور پاکی بیان کرنے کی گواہی دیں گی جیسے اور بہت سی چیزیں قیامت کے دن ہمارے اعمال کی گواہ بنیں گی مثلاً قرآن کریم، حجر اسود، زمین کا وہ حصہ جس پر ہم نے نماز پڑھی وغیرہ وغیرہ پس:

اے ایمان والو! یہ ساری کائنات اپنے خالق حقیقی وحدہ لاشریک کی تسبیح وپاکی بیان کرتی ہے۔ اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے محبوب کے غلام بھی اس کی تسبیح کریں لہٰذا اس نے خصوصی طور پر تمہیں مخاطب کرکے صبح وشام تسبیح کا حکم دیا یاد رکھو کہ تسبیح رنج والم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ تسبیح انعامات الٰہیہ پر شکر کا بہترین طریقہ ہے۔ تسبیح قرب الٰہی کا وسیلہ ہے اے اللہ تو ہی ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیری تسبیح وپاکی بیان کریں۔ "وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغٰفِلِیْنَ" اور ہمیں غافلوں میں سے نہ کرنا۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (صفٰت:۱۸۰)

پاک ہے آپ کا رب جو مالک عزت ہے ان (بیہودہ باتوں سے) جو وہ کرتے ہیں۔

ذکر وتسبیح کا نتیجہ

اہل ایمان کو ذکر وتسبیح کا حکم دے کر بتایا گیا کہ اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کا مرتبہ ومقام ہمارے دربار میں نہایت بلند ہو جاتا ہے وہ ہمارے محبوب ومقرب ہو جاتے انہیں دنیا وآخرت میں خصوصی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ۝

(الاحزاب:۴۳۔۴۴)

Marfat.com

اللہ وہ ہے جو رحمت نازل فرماتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ نکال کرلے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مؤمنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ان کے لئے عزت والا اجر۔

حکم الٰہی کے مطابق جو بندے ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں ان کا رب کریم ''یُصَلِّی'' ان پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ لفظ ''صَلٰوۃ'' کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی تعریف کرنا اور رحمت نازل فرمانا ہوتے ہیں۔ پس اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنا ذکر کرنے والوں اور پاکی بیان کرنے والوں پر یہ خصوصی کرم فرماتا ہے کہ وہ بھی اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر کرتا اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ نیز اللہ ان کو اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ انہیں حیٰوۃ طَیِّبَہ کی نعمت سے نوازا جاتا ہے انہیں ہر قسم کے خوف و حزن سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ دنیا میں بھی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں کہ جو مانگتے ہیں ملتا ہے اور جسے جو دلوانا چاہتے ہیں دیا جاتا ہے۔ ان کے اشاروں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

اور اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کے نزدیک بھی وہ معزز اور مخصوص ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ بھی ان پر ''صَلٰوۃ'' بھیجتے رہتے ہیں جب اس لفظ ''صَلٰوۃ'' کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو اس کے معنی دعا و استغفار کے ہوتے ہیں یعنی ان ذاکرین و مسبحین کے لئے فرشتے بھی اللہ کے دربار میں مغفرت کی دعا اور بلندی مراتب کی سفارش کرتے رہتے ہیں۔ سورۃ المؤمن کی وہ آیات ہم نقل کر چکے ہیں جن میں اہل ایمان کے لئے فرشتوں کے استغفار اور دعا کا ذکر ہے۔ اس موقع پر اس آیہ مبارکہ کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔

نیز ذکر و تسبیح کا اہل ایمان کو اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ کریم اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہر قسم کی تاریکی سے نجات عطا فرما کر ایسا نور بخشنا چاہتا ہے جس سے ان کا قلب چمک اٹھے اور ان کی نظروں اور کائنات کی کسی چیز کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں رہتا۔ اسی خصوصی کرم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ (بقرہ: ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے نکال لیتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف۔

اللہ ایمان والوں کا ولی یعنی ناصر و مددگار ہو جاتا ہے یہ وہی ایمان والے ہیں جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں پس اللہ ہر حال میں ان کا مددگار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لیتا ہے۔ ''ظُلُمٰت'' جمع ہے یعنی اللہ اپنے ان بندوں کو کسی ایک تاریکی سے نہیں بلکہ ہر قسم کی تاریکیوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے خواہ یہ ظاہر کی تاریکی ہو یا باطن کی۔ بدعملی ایک تاریکی ہے۔ اللہ انہیں اس سے نجات عطا فرما دیتا کہ وہ ہر قسم کی برائی اور بدکاری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مؤمن جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے قلب پر چمٹا شیطان بھاگ جاتا ہے اور قلب شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اب اگر نفس امارہ اسے کسی گناہ کی طرف مائل کرتا بھی ہے تو نفس

Marfat.com

لو مہ اسے بچالیتا ہے غرضیکہ اللہ کا یہ محبوب بندہ گناہوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتا ہے۔اسی طرح بدعقیدگی ایک تاریکی ہے جب مؤمن اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہر قسم کی بدعقیدگی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ کے عطا کردہ نور سے یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود قرآن وحدیث پر غور کر کے یا اہل علم کے تعاون سے باطل عقیدوں کو مسترد کر دیتا ہے اور عقائد حقہ اختیار کر لیتا ہے اسی لئے نہ تو کوئی بدعمل و بدکردار شخص اللہ کا ولی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بدعقیدہ۔

تاریکیوں سے نور کی طرف اللہ اپنے بندوں کو نکالتا ہے جو بلاشبہ اللہ کا بندوں پر بڑا انعام ہے لیکن جس طرح دیگر انعامات سے اس نے اپنے بندوں کو بوسیلہ نبی نوازا ہے اسی طرح تاریکیوں سے نجات بھی ان ہی اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جو نورِ الٰہی یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہو کر ساری زندگی ان کے غلام رہتے ہیں اسی لئے آپ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الطلاق:۱۱)

(اللہ نے بھیجا) ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی روشن آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ نکال لے انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف۔

انہی اہل ایمان کو نور نصیب ہوتا ہے جو نبی کا کلمہ پڑھ کر نبی کے غلام بنے رہیں جو نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر نبی کی اتباع و پیروی کرتے رہیں اور ان سے برابری کا نہیں بلکہ غلامی کا رشتہ جوڑے رہیں۔دیکھئے صحابۂ کرام کو کیسا نور نصیب ہوا کہ تمام کائنات ان پر روشن ہوگئی۔علم وعمل کے دروازے ان کے لئے وا ہوئے، فتح وکامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، رزق کی فراخی وکشادگی نصیب ہوئی، قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے مرکز عقیدت ومحبت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔انہیں ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ'' کا مژدہ سنایا گیا۔کوئی بتائے انہیں کیا نہ ملا؟ اور وہ جنہیں عرف عام میں اولیاء، صالحین کہا جاتا ہے بتائیے ان کے پاس کیا نہ تھا وہ دنیا سے چلے گئے لیکن آج تک امت مسلمہ کی عقیدت ومحبت کا مرکز ہیں۔ان کی زندگی کے حالات سے ہم آج رہبری اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں ان کے علمی خزانوں سے آج تک استفادہ کیا جاتا ہے ان کے روحانی، فیوض و برکات سے آج ہم اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں ان سے نسبت وتعلق ہمارے لئے ایک بڑا اعزاز ہے وہ ضرورت مندوں کے حاجت روا اور غرباء مساکین کی آماجگاہ ہیں۔یہی نور ہے جو بوسیلہ ''نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰه'' نصیب ہوتا ہے اور یہی ''لِیُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'' کی تفسیر وتشریح ہے۔بلاشبہ جس رب کریم نے اہل ایمان کو اتنے عظیم انعام سے نوازا اس کی شان ''وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا'' ہی ہے۔

تحفہ آخرت

تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا○ یہ ہے تحفہ آخرت ان خوش نصیبوں کے لئے جو ساری زندگی اللہ کا ذکر کرتے رہے۔اس کی پاکی بیان کرتے رہے،جن کی زندگی سے ہر قسم کی تاریکیاں دور ہو گئیں۔یہ لوگ جب رب

Marfat.com

سے ملیں گے تو رحیم و کریم رب خود ان سے فرمائے گا ''السلام علیکم'' تم پر سلامتی ہو۔ تمہیں یہ مقام و اعزاز مبارک ہو۔
یہ تحفہ کب دیا جائے گا یا تو دنیا ہی میں جب ملک الموت روح قبض کر رہے ہوں گے تو پہلے انہیں یہ مژدہ دیں گے کہ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے۔ اب اس کے فراق کے دن ختم ہوئے اور وصل کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کا نیک بندہ اپنے رب کا سلام سن کر مست ہو جاتا ہے اور ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتا ہے اسی لئے صالحین کے یوم وصال کو عرس یعنی خوشی کا دن کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے آتا ہے تو پہلے اسے پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے اور یا یہ تحفہ قیامت ہی کے دن دیا جائے گا اس وقت جب اہل ایمان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا مسرت و خوشی کے اس منظر ہی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ (یونس: ۱۰)

(جنت میں داخل ہوتے ہوئے) ان کی صدا ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔

جب اہل ایمان انشاء اللہ ہم سب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کا حسن و جمال اور اس کی لازوال نعمتیں دیکھتے ہی زبان پر سبحان اللہ آئے گا کیونکہ دنیا میں اس تسبیح کی عادت ہو چکی تھی یہاں کی فانی و عارضی چیزوں کو دیکھ کر ہم سبحان اللہ کہتے رہے تو وہاں کیوں نہ کہیں گے۔ دخول جنت کے بعد ''پہلا تحفہ'' رب کریم کی طرف سے ''سلام'' کا ملے گا۔ ان تمام نعمتوں اور تحفہ الٰہیہ پر شکر ادا کرتے ہوئے ہماری زبانوں پر وہی الفاظ شکر جاری ہوں گے جن سے ہم یہاں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، ''الحمد للہ رب العلمین'' اور اب ہر طرف سے اللہ کے فرشتے جنتیوں پر سلام کے پھول نچھاور کرتے آئیں گے قرآن کریم بتایا ہے:

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

(الرعد: ۲۳، ۲۴)

سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو نیک ہوں گے ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر (جنت کے) ہر دروازے سے (کہتے ہوئے) سلامتی ہو تم پر جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔

جنت کا دخول اہل ایمان کی اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے بعد کسی منزل کا حصول باقی نہ رہا اب کوئی مرحلہ یا کوئی منزل نہیں جس تک پہنچنے کے لئے محنت و مشقت کرنا ہو پس اس کامیابی پر مالک حقیقی بھی خوش ہو کر اپنے بندوں کو بطور مبارکباد، سلام کرتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق، ملائکہ بھی ہر طرف سے سلام کے تحفے پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

بہر حال ذکر و تسبیح میں جو مشغول رہتے ہیں انہیں ایک مژدہ تو یہ ہے کہ قیامت کے دن تم پر تمہارا رب اور ملائکہ سلام بھیجیں گے اور دوسرا مژدہ یہ ہے کہ ''وَاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا'' اللہ نے ان کے لئے بڑے ہی اعزاز والا اجر تیار کر رکھا ہے یہی اجر کریم ہے جسے کبھی اجر کبیر اجر عظیم تو کبھی اجر غیر ممنون فرمایا گیا اور اسی اجر کے متعلق ارشاد ہوا:

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (نحل:۴۱)

اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ جان لیتے۔

یہ اجر کسی انداز ے اور حساب سے نہیں بلکہ بے حساب و بے انتہا دیا جائے گا۔فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اسی آیہ مبارکہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس حدیث مبارک کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے سنا اے حسین!

اَدِّ الْفَرَائِضَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَعَلَيْكَ بِالْقُنُوْعِ تَكُنْ مِنْ اَغْنَى النَّاسِ يَابُنَيَّ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يُقَالُ لَهَا شَجَرَةُ الْبَلْوٰى يُؤْتٰى بِاَهْلِ الْبَلَآءِ فَلَا يُنْصَبُ لَهُمْ مِيْزَانٌ وَلَا يُنْشَرُ لَهُمْ دِيْوَانٌ يُصَبَّ عَلَيْهِمُ الْاَجْرُ صَبًّا۔

فرائض ادا کیا کرو سب سے زیادہ عبادت کرنے والوں میں ہو جاؤ گے قناعت اختیار کرو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃُ البلوٰی (تکلیف کا درخت) کہتے ہیں مصیبت زدہ لوگوں کو یہاں لایا جائے گا ان کے لئے نہ ترازو رکھی جائے گی اور نہ ہی ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا (بغیر حساب و کتاب) موسلا دھار بارش کی طرح ان کا اجر ان پر برسے گا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیہ مبارکہ ''اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا'' تلاوت فرمائی۔میرے آقا ﷺ بلاشبہ مالک جنت ہیں جب چاہا آپ نے اس کو دیکھا بالخصوص سفر معراج کے دوران آپ نے اپنے غلاموں کے ابدی ٹھکانہ کا تفصیلی دورہ فرمایا۔وقتاً فوقتاً آپ نے اس کی نعمتوں کی تفصیل فرمائی اور اجمالی طور پر آپ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی۔جس کے راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصّٰلِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔

Marfat.com

پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیہ مبارکہ تلاوت کر لو " فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (سجدہ:۱۷) پس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے (آخرت میں) جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ بدلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (مسلم و بخاری)

اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو ہر حال میں اس کی تسبیح بیان کرتے رہو کہ یہی اعمال حسنہ کا ذریعہ ہے جنتی بن جاؤ اور انتظار کرو اس دن کا جب تمہارا رب کریم تم سے خوش ہو کر تمہیں مبارکباد دے السلام علیکم کہے اور اس کے فرشتے تم پر سلام کے پھول برسائیں اور پھر اس اجر کریم پر سے پردہ اٹھا دیا جائے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔ اللھم اجعلنا من عبادک الصالحین، آمین، بجا رحمة للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۳

الاحزاب:۴۹

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا ۚ فَمَتِّعُوْھُنَّ وَسَرِّحُوْھُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○

(الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی (بھلائی سے)

آیۂ مذکورہ میں خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے سے متعلق شرعی حکم دیا جا رہا ہے اس موقع پر ہم طلاق اور اس سے متعلق ضروری شرعی احکام قدرے تفصیل سے بیان کر دینا چاہتے ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت اس اہم عنوان پر بھی اس کتاب سے استفادہ کیا جا سکے۔

Marfat.com

اہم ترین رشتہ

اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ نکاح کے دو بول، ایجاب وقبول سے ایسا مستحکم اور مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی رشتہ نہیں۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، چچا، چچی، خالہ، خالو اور دیگر تمام رشتے اسی ایک رشتہ کی شاخیں ہیں اور تمام رشتوں کا دارومدار اسی ایک رشتہ پر ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاتونِ اول حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے قیام جنت ہی کے دوران ان دونوں کو اسی رشتہ میں منسلک کیا تا کہ دوسرے رشتے قائم ہو سکیں، نسل انسانی جاری ہو سکے اور نظامِ دنیا چل سکے۔ قرآنِ کریم نے اس رشتہ کو لباس سے تعبیر فرمایا: ''ھُنَّ لباس لکم و انتم لباس لھن'' عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو کہ جس طرح لباس وجسم سے زیادہ قرب کسی اور چیز کا نہیں ہوتا اسی طرح شوہر و بیوی سے زیادہ قرب کسی اور رشتے کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا راوی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''لم تر للمتحابین مثل النکاح'' دو محبت کرنے والوں کے درمیان نکاح سے زیادہ محبت کا ذریعہ کوئی اور نہیں کہ نکاح ہوتے ہی غیر مرد، غیر عورت دونوں ایسے جڑ جاتے ہیں کہ اب ان کے لئے اس سے زیادہ اہم کوئی دوسرا رشتہ نہیں رہتا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ اہم رشتہ اب ساری زندگی قائم رہے کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء:۱۹)

اور اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے زندگی بسر کرو پس اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور اللہ نے اسی میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کر دی ہو۔

کیسے حکیمانہ انداز میں رشتہ ازدواج کو قائم و باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اولاً تو تاکید کی گئی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، محبت وخلوص کا برتاؤ کرو، ان کی خواہشات کو پامال نہ کرو، ان کی عزت نفس کو مجروح نہ کرو انہیں خادمہ اور باندی نہ سمجھو۔ اپنے گھر کی مالکہ، رونق اور اپنے بچوں کی ماں جانو جب تم اپنی بیوی کے ساتھ یہ برتاؤ کرو گے تو وہ تم سے والہانہ محبت کرے گی تمہارے لئے ہر قسم کی قربانی دینے پر آمادہ رہے گی اور اس کی بہت سی وہ عادتیں جو تمہیں ناگوار ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گی وہ تمہاری رضا اور خوشنودی کا احساس کرنے لگے گی اور تم خود بھی تحمل اور درگزر کے عادی ہو جاؤ گے۔

پھر دعوت فکر دی گئی کہ سوچو اگر تم اس رشتہ کو صرف اس بنا پر ختم کر دینا چاہتے کہ تمہیں بیوی کی شکل وصورت پسند نہیں یا اس کی عادات پسند نہیں تو کیا تم اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے کہ اللہ اپنے کاموں اور فیصلوں کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ تم جس عورت سے رشتہ منقطع کرنا چاہتے ہو اللہ نے اسی میں تمہارے لئے کوئی ایسی بھلائی رکھی ہو جسے تم نہیں جانتے مثلاً اسی کے ذریعہ اللہ تمہیں صالح اولاد عطا فرمانے والا ہو یا اسی کی وجہ سے تمہارے رزق میں برکت ہونے والی ہو اور کیا حکمتیں پوشیدہ ہوں جو اللہ نے اس عورت کو تم سے منسلک کیا ہے کہ جوڑ بنانے والا تو وہی ہے اس کا بنایا جوڑ نہ توڑو، پچھتانا

Marfat.com

پڑے گا۔ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَایَفْرُکُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَۃً اِنْ کَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا اٰخَرَ۔

کوئی مؤمن شوہر مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اس میں کوئی ناپسندیدہ عادت ہے تو کوئی پسندیدہ عادت بھی ہوگی۔ (مسلم)

کتنا پیارا ارشاد ہے میرے پیارے آقا ﷺ کا سوچئے نہ تو کوئی مرد وعورت ایسا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو اور نہ ہی کوئی مرد وعورت ایسا ہے جس میں کوئی اچھائی نہ ہو۔پس جس بیوی کو تم چھوڑنا چاہتے ہو اس میں اگر کوئی عیب ہے تو کوئی خوبی بھی ضروری ہوگی تمہیں چاہئے کہ اس کی خوبی کی قدر کرو، عیب سے درگزر کرو اور بطریقۂ احسن اصلاح کی کوشش کرتے رہو۔نیز کیا کوئی یقین کرسکتا ہے کہ وہ جس دوسری عورت سے نکاح کرے گا اس میں کوئی عیب نہ ہوگا ضرور ہوگا کہ بے عیب اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں۔

اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی ہے کہ اگر موجودہ بیوی میں واقعی کوئی عیب ہے مثلاً اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں، اس کے اولاد نہیں ہوتی تو اسے چھوڑو نہیں۔دوسرا نکاح کرلو بشرطیکہ معاشی طور پر تم کفیل بن سکو اور عدل وانصاف بھی کرسکو۔

بہرحال رشتۂ ازدواجیت ایک اہم رشتہ ہے جس کا منقطع کردینا ہرگز اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہیں تاہم انسان کی فطرت مجموعہ ضدین ہے کہ وہ کبھی ایک چیز کو پسند کرتا ہے تو کبھی اسی چیز سے نفرت کرنے لگتا ہے اور شریعت مطہرہ نہ تو طبیعت پر جبر کرتی ہے اور نہ فطرت کو پامال کرتی ہے بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل اور طبعی میلان کی تسکین کے لئے اصولوں کا تعین کرتی ہے اور ان کی پابندی کا حکم دیتی ہے۔جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بھی اسی عنوان پر جگہ جگہ گفتگو کرچکے ہیں پس اللہ نے صرف انسان کے فطری تقاضہ کی تکمیل کے لئے جس طرح اس رشتہ کو جوڑنے کے لئے نکاح کا اصول عطا فرمایا اسی طرح بوقت اہم ضرورت اس کو توڑنے کے لئے بھی خُلع اور طلاق کا اصول دیا۔

خُلع اور طلاق

خُلع کے معنی ہیں کپڑے یا جوتے اتارنا۔شریعت میں خُلع یہ ہے کہ عورت کو مال کے عوض طلاق دی جائے چاہے شوہر کی طرف سے اس مال کا مطالبہ کیا جائے یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ میں تمہیں طلاق دینے پر تیار ہوں لیکن تم مہر معاف کر دو یا اتنا مال مجھے دو یا بیوی پیشکش کرے کہ میں تمہیں اتنا مال دوں گی یا مہر معاف کرتی ہوں مجھے طلاق دے دو۔دونوں صورتوں میں مرد کو لفظ خُلع کے ساتھ طلاق دینا ہوگی یعنی معاملہ طے ہوجانے کے بعد شوہر بیوی سے کہے گا کہ میں نے اتنے مال کے عوض تجھ سے خُلع کیا، بیوی کہے گی میں نے قبول کیا اس طرح طلاق بائن ہوجاتی ہے۔

طلاق کے معنی ہیں کھل جانا جبکہ نکاح کو عقد کہا جاتا ہے یعنی گرہ باندھنا، ایجاب وقبول کے ذریعہ جو گرہ بندھی تھی وہ طلاق سے کھل گئی اور مرد وعورت کا رشتہ ازدواج ختم ہوگیا اس لئے اسے عمل کو طلاق کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

خُلع وطلاق دونوں ہی ایسی دھار دار تلوار ہیں جس سے وہ رشتہ جسے قرآن کریم نے لباس قرار دیا۔ آناً فاناً منقطع ہو جاتا ہے اور وہ لباس جس کے ذریعہ مرد وعورت دونوں ہی کو سکون حاصل تھا دونوں کی عزت وآبرو محفوظ تھی۔ دونوں کے عیوب ونقائص ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ لباس جس میں اس جوڑے سے پیدا ہونے والے بچوں کو پناہ حاصل تھی ذرا سی دیر میں تار تار ہو جاتا ہے اور دونوں ہی ایسے ننگے ہو جاتے ہیں کہ دونوں کی طرف ہر اَیرے غیرے کی نظریں اٹھنے لگتی ہیں۔ اہل خانہ کی نظر میں اہل خاندان کی نظر میں معاشرے اور سوسائٹی کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی یہ دونوں اپنا اپنا دوسرا گھر بسا بھی لیں تب بھی وہ سکون میسر نہیں آتا اور نہ وہ عزت نصیب ہو پاتی جو پہلے گھر میں تھی اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ سَالَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.

جو عورت شدید ضرورت کے بغیر شوہر سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ابن ماجہ)

نیز راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ.

ناپسندیدہ ترین حلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ.

نکاح سے آزاد ہونے والیاں اور خُلع کرنے والیاں منافقہ ہیں۔ (نسائی)

یعنی جو عورتیں اپنے شوہروں کو صرف اس لئے پریشان کرتی ہیں کہ وہ مجبور ہو کر انہیں آزاد کر دیں یا جو عورتیں خلع کرتی ہیں وہ درحقیقت منافقہ ہیں کہ بظاہر تو شوہر سے محبت کرتی ہیں لیکن دل میں ان سے نفرت کرتی ہیں اور کسی نہ کسی طرح آزاد ہو جانا چاہتی ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک خُلع وطلاق کس قدر مبغوض ہے اور آپ اس سے اپنی نفرت کا اظہار صرف اسی لئے فرما رہے ہیں کہ غلام حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

غرضیکہ طلاق دینا جائز ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں نہایت ناپسند اور مبغوض ہے لہٰذا مرد وعورت دونوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اس تلوار کی زد سے بچے رہیں اور ایک دوسرے کا لباس بن کر زندگی کو پرلطف بنانے کی کوشش کرتے رہیں بالخصوص اس صورت میں جبکہ اللہ نے ان کو اولاد کا عطیہ بھی بخشا ہو کہ اولاد ہو جانے کے بعد والدین کی زندگی اپنے لئے نہیں بلکہ اولاد کے مستقبل کو سدھارنے اور سنوارنے کے لئے رہ جاتی ہے پس جب بھی مرد وعورت میں کسی کو علیحدگی کا خیال آئے تو وہ اپنے پیارے پیارے بچوں پر نظر ڈالے اور سوچے کہ اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو ان بچوں کو ہمارا مشترکہ پیار کیسے نصیب ہوگا جبکہ بچوں کی راحت اور ان کی بہترین تربیت کا دارومدار ماں باپ کے مشترکہ پیار ہی پر

Marfat.com

ہے اگر بچے اس سے محروم ہو گئے تو اس کی کو کثیر وسائل کے باوجود نہ تو تنہا باپ پورا کر سکتا ہے اور نہ ہی تنہا ماں پورا کر سکتی ہے اگر اسی طرح سوچا جائے تو طلاق کا تصور خود بخود ختم ہو سکتا ہے، گھر بگڑنے اور بچے تباہ ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے مخبر صادق ﷺ میں کیا بتا رہے ہیں:

شیطان کی خوشی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بتایا کہ شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے (روزانہ صبح پانی پر تخت بچھا کر اپنا دفتر کھولتا ہے اور سارے دن کے لئے فتنہ و فساد کے کام اپنے چیلوں کے سپرد کرتا ہے) پھر اپنی ٹولیوں کو لوگوں میں فتنے ڈالنے کے لئے بھیجتا ہے (شام کو یہ سب واپس آ کر اپنی اپنی کارستانیاں بیان کرتے ہیں جن کو یہ ملعون سنتا رہتا ہے) حتیٰ کہ ان میں سے ایک آتا ہے اور اپنا کارنامہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اِمْرَاَتِهِ'' میں نے فلاں شخص کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرا دی بس اب شیطان اُچھل پڑتا ہے اس خبیث چیلے کو چمٹا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے ''نَعَمْ اَنْتَ'' ہاں تو نے کچھ کیا۔ (مسلم شریف)

یہ تفریق اگر بصورت طلاق ہوئی تو بری ہے لیکن اگر بغیر طلاق شوہر، بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تو اور بھی زیادہ بری ہے کہ اس صورت میں فتنہ و فساد اور گناہ میں مبتلا ہونے کا زیادہ امکان ہے بہر حال شیطان اپنے اس چیلے سے خوش ہوتا ہے جو شوہر و بیوی کے درمیان تفریق کرا دیتا ہے۔ غور فرمائیے آخر ایسا کیوں اس لئے کہ اس طرح اس نے ایک تیر سے سینکڑوں شکار کر لئے، شرعی قانون کے مطابق جو رشتہ قائم ہوا تھا اسے توڑ دیا، مرد و عورت دونوں کو اب گناہ میں مبتلا کر دینا زیادہ آسان ہو گیا۔ شوہر و بیوی کے خاندانوں میں جو رشتہ تھا وہ بھی ختم ہو گیا اب دونوں دشمن بن گئے بچوں کا نہ صرف مستقبل تباہ ہو گیا بلکہ ان کے آوارہ اور جاہل ہونے کا امکان زیادہ ہو گیا اسی طرح سوچنے جتنا آپ غور کریں گے شیطان کی خوشی کے اسباب معلوم ہوتے جائیں گے۔

شوہر و بیوی کے درمیان اگر کسی وقت جھگڑا ہو چاہے روزانہ ہو تو کوئی خاص بات نہیں یہ ایک فطری عمل ہے ایسا ہوتا ہی ہے لیکن جونہی اس جھگڑے کے دوران طلاق کا خیال آئے بس فوراً سمجھ لیجئے کہ اب شیطان کی مداخلت ہو رہی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو لاحول پڑھیے جھگڑا فوراً ختم کر دیجئے اور اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو تباہ ہونے سے بچا لیجئے۔

غصہ میں طلاق

یاد رکھئے کہ شیطان تفریق کرانے کے لئے غصہ کا سہارا لیتا ہے غصہ کی آگ سلگاتا ہے بس جھگڑا شروع ہوتا ہے جوں جوں آگ کی تیزی بڑھتی جاتی ہے جھگڑا بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کی زبان پر طلاق کا مطالبہ آتا ہے یا نہیں آتا تو از خود مرد طلاق کے لفظ بول دیتا ہے اور جونہی غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے میاں بیوی دونوں سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں اور اب مسئلہ معلوم کرنے کے لئے مفتی کے پاس دوڑتے ہیں اور خیال یہ کرتے ہیں کہ طلاق کے الفاظ غصہ کی حالت میں بولے گئے ہیں لہٰذا طلاق نہیں

Marfat.com

ہوئی حالانکہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو بات صاف ہے کہ کوئی کسی پر تلوار کا وار محبت میں نہیں کرتا یا کوئی گولی محبت میں نہیں مارتا جب غصہ آتا ہے اور نفرت اپنی انتہا پر پہنچتی ہے تب ہی گولی چلتی ہے اور گولی محبت میں چلے مذاق میں چلے یا غصہ میں چلے کام ایک ہی کرتی ہے۔ طلاق، رشتۂ ازدواج کے لئے گولی ہے جو محبت میں چلے یا مذاق میں اور یا بحالت غصہ بہر حال اس رشتے کی جان لے لیتی ہے بس غصہ آیا گولی چلی طلاق ہوگئی اور کاش ایک یا دو گولیاں چلتیں تو کچھ گنجائش باقی رہتی مرہم پٹی ہوتی، میاں بیوی صحت مند ہو جاتے لیکن یہ شیطان تو بڑا ہی ظالم دشمن ہے ایسی حالت میں ہمیشہ تینوں گولیاں ایک ساتھ چلوا دیتا ہے اور میاں بیوی دونوں کی جان لے لیتا ہے۔ اب مفتی صاحب کے پاس کوئی دوا نہیں ہوتی جو جان ڈال سکیں اور اگر دوا ہے بھی تو وہ اتنی کڑوی کہ اس کا استعمال کرنا کسی باغیرت کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے غصہ کو حرام قرار دیا اور آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں اس کی مضرتوں سے بچانے کے لئے اس کی ممانعت اور مذمت فرمائی۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ''لَا تَغْضَبْ، لَا تَغْضَبْ'' غصہ مت کرو، غصہ مت کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، پہلوان تو وہ ہے جو ''يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ'' جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ وہ شخص کتنا کمزور ہے جس کے غصہ کی آگ نے اس کے گھر ہی کو بھسم کر ڈالا اور وہ اسے بجھا نہ سکا بہر حال غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے۔

نکاح نے مرد کو بے شمار تحفوں کے ساتھ ایک مہلک ہتھیار بھی دیا ہے عقلمند وہ ہے جو ان تحفوں کی لذت سے اپنی زندگی کو پر لطف، پر بہار اور پر سکون بنائے اور اس مہلک ہتھیار کو کسی کونہ میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے بھول جائے۔

طلاق دینا واجب ہے

ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب اس ہتھیار کا استعمال یعنی طلاق دے دینا واجب و لازم ہو جاتا ہے مثلاً شوہر پیدائشی نامرد ہے یا جادو یا کسی اور بیماری کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں اور اس کے صحت مند ہونے کا بظاہر کوئی امکان بھی نہیں تو ایسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ وہ از خود اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے کیونکہ اس صورت میں عورت سے گناہ سرزد ہونے کا قوی امکان موجود ہے اور اگر کوئی بہت ہی متقیہ عورت ہے تب بھی اس کی زندگی پر سکون نہیں ہو سکتی اور ایک گھر کا ماحول جیسا ہونا چاہئے وہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس صورت کے باوجود شوہر، بیوی کو آزاد نہیں کرتا تو وہ مجرم ہے ایک عورت کی زندگی اجیرن کر دینے کا یا وہ مجرم ہے اسے گناہ کے گڑھے میں ڈھکیل دینے کا جو نہایت ہی گناہ ہے پس اس گناہ سے بچنے کے لئے بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہے۔

اور بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں طلاق دینا افضل و بہتر اور مستحب قرار دیا گیا ہے مثلاً یہ کہ عورت بے نمازی ہے اپنے ساس، سسر اور دیگر اہل خانہ کو ستاتی اور پریشان کرتی ہے یا ان سے نفرت کرتی اور ملنا جلنا تک پسند نہیں کرتی یا وہ مجبوراً اس مرد کی زوجیت میں ہے جبکہ اس کا دل کسی اور مرد کی طرف مائل ہے یا وہ اس کے مال و اسباب میں خیانت کرتی ہے۔ ان تمام صورتوں اور ان جیسی صورتوں میں مستحب ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دے کر اس کی ایذاء رسانی سے نجات حاصل

Marfat.com

کر لی جائے لیکن اس وقت جب اس کی اصلاح اور تربیت کے تمام شرعی اور معاشرتی طریقے ناکام ہو چکے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں بھی ایک مرتبہ ایسی نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ جمیلہ بنت سہل نے سرکار کے دربار میں حاضر ہو کر شوہر سے علیحدگی کی درخواست پیش کی یعنی خُلع چاہا کیونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کچھ شکل وصورت کے اچھے نہ تھے، قد پستہ تھا، رنگ سیاہ تھا اور حضرت جمیلہ جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں دراز قد اور نہایت ہی حسینہ وجمیلہ تھیں لہٰذا وہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتی تھیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! "مَا اَعْتِبُ عَلَیْهِ فِیْ خُلُقٍ وَلَادِیْنٍ" کہ ثابت کے حسن خلق اور دیندار ہونے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یعنی وہ عادات واطوار کے بہت اچھے ہیں بہت دیندار ہیں "وَلٰکِنِّیْ اُکْرِهُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ" لیکن میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی یعنی میں ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ میں زبان سے انہیں اچھا کہوں اور دل سے پسند نہ کروں یہ تو تقیہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ مجھے ان سے طلاق دلا دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اس درخواست پر برافروختگی یا ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ پوچھا کیا تم ثابت کو وہ باغ واپس کر دوگی جو انہوں نے تمہیں بطور مہر دیا تھا۔ وہ راضی ہوگئیں پس آپ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا "اَقْبِلِ الْحَدِیْقَةَ" ثابت یہ اپنا باغ قبول کرلو۔ "وَطَلِّقْهَا تَطْلِیْقَةً" اور انہیں ایک طلاق دے دو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور طلاق دے دی۔

اس واقعہ سے واضح ہوگیا کہ اگر شوہر و بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ محبت والفت پیدا نہ ہو سکے اور وہ ایک دوسرے کو دل سے نہ چاہتے ہوں تو جبر واکراہ کی زندگی بسر کرنے سے بہتر علیحدگی ہے اور اس صورت میں مستحب یہی ہے کہ طلاق کا عمل اختیار کیا جائے۔

حق طلاق مرد کو ہے

حق طلاق، مطلقاً مرد ہی کو حاصل ہے چاہے وہ بیوی کی مرضی کے بغیر از خود طلاق دے یا بیوی کی مرضی اور طلب پر بصورت خُلع طلاق دے۔ بہر صورت جب تک مرد لفظ طلاق نہیں بولے گا۔ عورت کو اس سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ مرد کے اس حق کو عورتیں اپنی حق تلفی، مجبوری اور بے بسی کا نام دیتی ہیں اور العیاذ باللہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت مطہرہ نے یہ ان کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ انصاف تو یہ تھا کہ جس طرح نکاح کا حق مرد وعورت دونوں کو حاصل ہے اور دونوں کی مرضی کے بغیر یہ معاہدۂ زندگی عمل میں نہیں آتا اسی طرح طلاق کا حق بھی دونوں کو حاصل ہونا چاہئے تھا اور دونوں کی مرضی کے بغیر یہ معاہدۂ زندگی منقطع نہ ہونا چاہئے تھا۔ عورتوں کا یہ تصور نہایت ہی لغو اور خلاف شرع ہے۔ کسی مؤمنہ کو تو یہ خیال تک نہ آنے دینا چاہئے کہ اللہ ورسول کی طرف سے اس پر کوئی ظلم ہوسکتا ہے یا اس کی حق تلفی کی جاسکتی ہے العیاذ باللہ ایسا ہرگز نہیں۔ اسلام مرد وعورت دونوں کے لئے یکساں دین رحمت ہے دونوں ہی کو وہ اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دیتا ہے اور اگر بغور دیانت سے دیکھا جائے تو حق یہ ہے کہ مرد وعورت کے حقوق کے باب میں شریعتِ مطہرہ نے عورتوں کو خصوصی مراعات اور نرمی سے نوازا ہے۔ ذرا غور تو

Marfat.com

کیجئے جو دین مردوں کو عورتوں کی ناز برداری کا حکم دیتا ہے" وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" وہ کس طرح اپنے کسی حکم سے ان پر سختی یا ان کی حق تلفی کر سکتا ہے۔ بہرحال عورتوں کی غلط فہمی کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ انہیں مردوں کی طرح طلاق کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ طلاق کے لئے عورت کا راضی ہونا کیوں لازمی نہیں۔ جیسا کہ نکاح کے لئے اس کی مرضی ضروری قرار دی گئی ہے۔ ان دونوں باتوں پر ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کر کے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اللہ کرے ہم کامیاب ہو سکیں اور اپنی بہنوں کو ایک بڑے گناہ سے بچا سکیں۔

بلاشبہ حق طلاق مرد ہی کو کلیتاً حاصل ہے۔ یہ عورتوں کے ساتھ نہ تو زیادتی ہے اور نہ ہی ان پر کوئی جبر و اکراہ ہے۔ اگر چہ اللہ و رسول کے اس حکم کو دیگر شرعی احکام کی طرح تسلیم کر لینا اور حق جاننا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر عقل میں نہ آئے تو عقل کو شریعت کا پابند کر دینا، مؤمن و مؤمنات کی ذمہ داری ہے جبکہ زیر گفتگو مسئلہ نہ تو پیچیدہ ہے اور نہ ہی بعید از عقل ہے۔ اولاً اس لئے کہ عورتوں کی آزادی، مساوات اور حقوق بخشنے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: "هُنَّ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ" عورتیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص واقع ہوئی ہیں۔ عیوب و نقائص پر پردہ پوشی فرمانے والے آقا ﷺ اپنی باندیوں کا کوئی عیب بیان نہیں فرما رہے بلکہ اس فطری اور جبلی کمزوری کو بیان فرما رہے ہیں جس کی بناء پر یہ صنف نازک بعض شرعی امور میں خصوصی مراعات اور نرمی کی مستحق قرار دی گئی ہے۔ اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ہاتھ میں طلاق کی تلوار نہ دے کر اسے اس رشتہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش رکھا گیا ہے ورنہ مرد ہمیشہ بیوی کو ستاتا، پریشان کرتا اور غصہ دلا کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیتا اور پھر بدنام کرتا پھرتا کہ بیوی نے مجھے طلاق دی ہے میں اس کو ہرگز چھوڑنا نہ چاہتا تھا کیونکہ بہرحال طلاق کو ایک معاشرتی جرم سمجھا جاتا ہے۔ اس جرم کے مرتکب شخص کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اسی لئے ایسے مجرموں کو کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اکثر انہیں کوئی مطلقہ یا بیوہ ہی مل پاتی ہے وہ بھی بہت دشواری کے بعد گویا عورتوں کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ طلاق کا اثر مرد پر بالکل نہیں ہوتا صرف عورت کی زندگی برباد ہوتی ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ اگر آپ غور کریں تو ہماری یہ بات قابل تسلیم ہے کہ مطلقہ کے ساتھ سب اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور کرنا چاہئے جبکہ مرد کو سب مجرم اور ایک ناکام شوہر قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

ثانیاً عورت فطرتاً غصہ کی تیز واقع ہوئی ہے نیز اس میں قوت مدافعت مرد کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اسے بات بات پر بہت جلد غصہ آ جاتا ہے خصوصاً ایام حیض میں یا دوران حمل وہ جلد پریشان ہو جاتی ہے۔ مسائل اور الجھنوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی ہے۔ یہ فطرت ہے جس سے شاید ہزار میں کوئی ایک عورت مستثنیٰ ہو۔ غور فرمائیے اگر اس صورت میں طلاق کی تلوار اس کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو وہ کس بے دردی سے اسے چلاتی اور پھر ہمارے گھروں کا کیا حال ہوتا کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں شوہر و بیوی کے درمیان اختلاف، لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہو پھر تو یہ مستحکم رشتہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور و ناپائیدار ہو کر رہ جاتا اور بمشکل ہی کوئی گھر بربادی سے محفوظ رہ پاتا اور مرد جو آج مجرم کہلانے کے خوف سے بصورت خلع بھی طلاق دینا نہیں چاہتا بڑی ہی آسانی سے اپنی عیاشی کے لئے عورت کو استعمال کرتا رہتا

Marfat.com

اس کے لئے عورتیں بدلتے رہنا نہایت ہی آسان ہو جاتا۔

رہی دوسری بات کہ نکاح کی طرح طلاق میں عورت کی مرضی کیوں ضروری نہیں اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ نکاح تو ایک معاہدہ ہے اور کسی بھی معاہدے کے لئے جانبین کی رضامندی ہوتی ہے جبکہ طلاق اس معاہدے کو ختم کرنے کا نام ہے اور ہر معاہدہ میں ایک ہی جانب سے توڑا اور منقطع کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ ایک مکان خریدنا چاہتے ہیں، خریداری کا معاہدہ اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتا۔ جب تک مالک مکان اور خریدار دونوں راضی نہ ہو جائیں دونوں میں کسی رضا کے بعد معاہدہ طے پائے گا اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی معاہدے کی کسی شق کا انکار کردے تو یہ طے شدہ معاہدہ ختم ہو جائے گا جس کے خاتمہ کے لئے دونوں کی رضا ضروری نہیں غرضیکہ انعقاد معاہدہ کے لئے جانبین کی رضا لازمی ہے جبکہ اس کے نقص و انقطاع کے لئے جانب واحد کا انکار کافی ہے دوسرا راضی ہو یا نہ ہو بعینہ یہی صورت نکاح وطلاق کی ہے کہ نکاح کے لئے ایجاب وقبول لازمی ہے جبکہ طلاق کے وقت صرف شوہر کا فیصلہ کافی ہے۔

علاوہ ازیں اگرچہ عورت کو اختیار طلاق تو حاصل نہیں لیکن وہ اپنی مرضی کے برعکس کسی ایسے مرد کے ساتھ رہنے پر مجبور بھی نہیں جسے وہ پسند نہ کرتی ہو کیونکہ شریعتِ مطہرہ مرد کو یہ تلقین کرتی ہے کہ اگر بیوی اسی کے ساتھ کسی وجہ سے بھی رہنا نہیں چاہتی تو مرد کو اخلاقاً ایسی عورت کو آزاد کر دینا چاہئے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان سے خلع چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت کو حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور یہ حکم قیامت تک کے امتیوں کے لئے ہے کہ اگر بیوی خُلع چاہتی ہے تو شوہر کو اخلاقاً طلاق دے دینا ہی بہتر ہے یہی دینداری کا تقاضا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو عورت مرد سے محبت نہیں کرتی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اسے پسند نہیں کرتی اس عورت سے وہ کیا لطف زندگی حاصل کر سکتا ہے جبکہ اس صورت میں یقیناً عورت وظیفہ زوجیت میں بھی مرد کا ساتھ آمادگی سے نہ دیتی ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد کی طرف مائل ہو اور گناہ کی مرتکب ہو جائے تو یہ مرد بھی بلاوجہ اس کے گناہ کا سبب بنے گا۔ پس تقاضۂ عقل یہی ہے کہ ایسی عورت کو فوراً اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دینا چاہئے اور اگر کوئی مرد اس قدر ضدی ہے کہ نہ تو وہ دینداری کا تقاضا پورا کرتا ہے اور نہ ہی عقل کا تو عورت کے لئے دارالقضا (عدالت عالیہ) کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ قاضی کے سامنے پیش ہو کر مقدمہ دائر کر سکتی ہے اور قاضی اس کے خُلع کے مطابق مرد کو مجبور کر کے شرعاً طلاق دلانے کا پابند ہے وہ عورت سے مطالبہ خُلع کی وجہ بھی معلوم نہیں کرے گا۔

طلاق بربنائے دینداری

یہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتی ہو تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ اہل ایمان کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہے۔ اگر آپ کی زندگی میں یہ واقعہ نہ پایا جاتا تو یہ ''اسوۂ حسنہ'' کامل نہ ہوتا۔ واقعہ نہایت اہم ہے۔ ملاحظہ فرمایئے، قرآن کریم کی سورۂ احزاب ہی میں ہے۔ فرمایا گیا:

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (احزاب: ۲۸، ۲۹)

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیویوں سے اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش وآسائش تو آؤ تمہیں مال ومتاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیکوکار کے لئے اجرِ عظیم۔

ایلاء تخییر

یہ واقعہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں اور ہماری ماؤں کا کہ جن کی زندگی کے شب وروز نہایت ہی عسرت اور تنگی میں بسر ہوتے تھے نہ پہننے کے لئے اچھا لباس میسر تھا نہ آرائش وآسائش کا دیگر سامان کئی کئی وقت کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا چولہا تک نہ جلتا تھا میری مائیں پھر بھی صابر وشاکر تھیں ان کے لئے یہ کیا کم اعزاز تھا کہ وہ سید الانبیاء ﷺ کی ازواج اور امت کی مائیں کہلاتی تھیں لیکن گاہے بگاہے انسان کی فطرت اسے نہ چاہتے ہوئے بھی مادی وظاہری ساز وسامان کی طرف مائل کر ہی دیتی ہے۔ پس ہوا یہ کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں مال وزر، زمین وزن، سب کچھ ہی وافر مقدار میں مسلمانوں کو بصورت غنیمت میسر آیا اور ان کے گھروں کی حالت بدل گئی لوازمات زندگی بھی ان کو حاصل ہونے لگے۔ کھانے پینے کی بھی ارزانی ہوگئی، خوش لباس بھی ہو گئے لیکن اللہ کے خزانے تقسیم کرنے والے آقا ﷺ کے گھروں میں کوئی تبدیلی نہ آئی، وہی کھجوروں یا جو کی روٹی پر گزارا ہوتا رہا، وہی پھٹا پرانا لباس زیبِ تن رہا وہی ٹاٹ وچٹائی کا بستر آرامگاہ رہا۔ امہات المومنین اس صورت حال پر باہم گفتگو کرنے لگیں اور ایک دن آقائے نعمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ ﷺ! دیکھئے اب تو ہمارے غلام بھی خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم حسبِ سابق فاقہ مست ہی ہیں نہ اچھا کھانا میسر ہے نہ اچھا لباس تن پر ہے کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ہم پر بھی اپنے خزانہ رحمت کا دروازہ وا فرما دیں کہ ہمیں بھی کچھ آسائش میسر آجائے کہ ہم تو اس شہنشاہ کی حرم ہیں جو اللہ کے خزانوں کا مالک ہے۔

واضح رہے کہ ہماری اکثر ماؤں کا تعلق دولت مند گھرانوں سے تھا جہاں انہوں نے نہایت ناز ونعم سے پرورش پائی تھی مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المصطلق کے سردارِ اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنونضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حی بن اخطب کی نورِ نظر تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جن کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں جو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک تھے، حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی خاندان قریش کے متمول گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن کاشانہ نبوت میں آکر

Marfat.com

ان سب نے نہایت سادگی اور صبر وقناعت کی زندگی بسر کی اب جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف دولت کی فراوانی ہے، خوشحالی ہے تو انہیں بھی اچھے دن گزارنے کی خواہش ہوئی۔ انہوں نے بھی چاہا کہ ان کے جسموں پر اچھا لباس ہو، ان کے گھروں میں پابندی سے دو وقت کھانا پکے لہٰذا وہ آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں قدرے وسعت و فراخی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ غور کیا جائے تو یہ مطالبہ بے جا نہ تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زُہد وتقویٰ سے پر اور قناعت پسندانہ مزاج کے خلاف تھا کہ آپ تو قیامت تک آنے والے قائدین اور حکام کے لئے زہد وقناعت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اپنی عملی زندگی سے انہیں یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ امتِ مسلمہ کے حاکموں اور قائدین کی گھریلو زندگی نہایت سادہ اور پرقناعت ہونا چاہئے کہ ان کے گھروں میں کھانا ہو یا نہ ہو لیکن امت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہے وہ خود عسرت وتنگی کی زندگی بسر کریں لیکن امت خوشحال نظر آنا چاہئے۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ مبارک پر اپنی چہیتی ازواج کا مطالبہ بار گزرا اور آپ نے اس پر اظہار ناراضگی کے طور پر ایک مہینہ کا ''ایلاء'' فرمایا یعنی یہ قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک اپنی زواج میں سے کسی کے قریب نہیں آؤں گا۔ ایک ماہ تک آپ ﷺ گوشہ نشین رہے اور آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ نماز کے لئے تشریف لاتے اور کسی سے بات کئے بغیر واپس تشریف لے جاتے۔ اس کیفیت نے صحابہ کرام میں ایک اضطراب اور بے چینی پیدا کردی کہ جن غلاموں کی زندگی کا سہارا ہی آقا کی مسکراہٹ ہو ان کا بیتاب ہونا ایک فطری امر تھا۔ صحابہ کو خیال ہوا کہ شائد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے، لہٰذا ماؤں کے دروازوں پر پروانوں کا ہجوم ہونے لگا۔ یہ جاننے کے لئے کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ اور ماؤں کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر مزید بے چینی پیدا ہوتی گئی۔ صحابہ میں سے کسی کی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کرسکیں۔

حزن وملال کی اس کیفیت نے صحابہ کرام کے چہروں کو زرد کر دیا تھا، ان کے گھروں میں کھانا پکنا بند ہوگیا، بازاروں کی چہل پہل ختم ہوگئی۔ مرد، عورت، بچے سب آبدیدہ نظر آتے تھے۔ پورے مدینہ پر رنج وغم کے بادل چھائے ہوئے تھے بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا انہوں نے سرکار کے دربار میں حاضری کا فیصلہ کرلیا۔ پس ایک نماز سے فارغ ہو کر وہ سرکار کے پیچھے ہولئے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور عمر کی طرف آپ ﷺ نے توجہ تک نہ فرمائی۔ آقا کی اس بے رخی نے عمر کے دل کو کیسا گھائل کیا ہوگا یہ تو وہی جانیں لیکن امت کا غم دور کرنے کے لئے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور دربارِ رسول کے دربان حضرت رباح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سرکار سے گزارش کرو کہ عمر حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔ وہ اندر گئے اور واپس آکر بتایا کہ میں نے حضور ﷺ کو آپ کا پیغام دیا لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دربان سے کہا کہ اب جا کر اطلاع دو رباح پھر گئے اور واپس آکر وہی خبر دی کہ کوئی جواب نہیں ملا اب عمر کی بیتابی قابو میں نہ رہی اور انہوں نے قدرے بلند آواز سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو۔ قسم خدا کی میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا اگر حضور ﷺ اس سے ناراض ہیں تو میں اس کا سر قلم کر

Marfat.com

سکتا ہوں اس آہ وزاری پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور عمر کو باریابی کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں سرکار کے دربار میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کا حال دیکھ کر میرا دل بھر آیا میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایک کھری چارپائی پر رونق افروز ہیں جس کے بانِدوں کے نشانات سے آپ ﷺ کا جسم نازک سرخ ہو گیا ہے۔ کھانے کے لئے ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے، پینے کے لئے ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ سرکار نے میری طرف نظر اٹھائی اور پوچھا عمر روتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہو گا کہ قیصر و کسریٰ جو اللہ کے دشمن ہیں نعمتوں میں مست، آسائش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ جو اللہ کے محبوب ہیں اس کے خزانوں کے مالک ہیں، جن کے صدقہ میں غلاموں کو بے شمار نعمتیں میسر ہیں اس حال میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ کو دنیا اور ہمیں آخرت ملے پس میں خاموش ہو گیا پھر میں نے آپ کا دل بہلانے کے لئے کچھ اور باتیں کیں یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تو ہمت بندھی اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جوشِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے غلام باہر غمزدہ جمع ہیں اگر اجازت ہو تو یہ خوشخبری میں انہیں بھی سنا دوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور میں دوڑا آیا اور خبر دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔ میرے آقا ﷺ نے کسی کو طلاق نہیں دی ہے۔ صحابہ مسرت سے آپس میں گلے ملنے لگے اور حزن و ملال کے بادل چھٹ گئے۔ غلاموں کے پژمردہ چہرے چمک اٹھے۔

بہر حال ایک مہینہ کے باقی ایام کسی نہ کسی طرح گزارے اور قسم پوری ہونے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے تو آیت تخییر (آیت مذکورہ) نازل ہوئی جس کے بعد آپ ﷺ سب سے پہلے اپنی چہیتی بیوی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور یہ آیت سنائی اور فرمایا عائشہ! اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورے کے بعد جواب دینا (کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ عورتوں کی فطرت کے مطابق جلدی کریں اور کوئی غلط جواب دے بیٹھیں جس کے نتیجہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہونا پڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلدی تو کی لیکن سمجھدار تھیں لہٰذا نہایت ایمان افروز جواب دیا) بولیں ”فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَیَّ، فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ“ کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں تو میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کا یہ جواب سن کر خوش اور مطمئن ہوئے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علیحدہ علیحدہ سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے سب کو آیت تخییر سنا کر اختیار دیا اور سب نے ہی بلا تامل وہی جواب دیا جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

بہر حال میرے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جو یہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہے کہ میری ماؤں کے نزدیک اللہ اس کے رسول اور دار آخرت سے زیادہ کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے مقابلے پر دنیا کے عیش و آرام کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

Marfat.com

ہم یہ بتا رہے تھے کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق اسے آزاد کر دیا جائے اس واقعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے لئے یہی نمونہ پیش فرمایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے وہم و گمان میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کا تصور نہ تھا لیکن بظاہر انہوں نے اپنے مطالبہ سے آپ ﷺ کی عطا کردہ پر قناعت زندگی سے بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا جسے آپ نے گوارا نہ فرمایا اور پہلے ''ایلاء'' اور پھر اللہ کے ارشاد کے مطابق آپ نے انہیں طلاق کا اختیار دیا تاکہ غلام غور کریں اور اگر ان میں سے کسی کو واقعی ایسی صورت پیش آ جائے کہ بیوی اس کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو وہ اپنے آقا کے عطا کردہ طریقہ کے مطابق پہلے ''ایلاء'' کرے تاکہ بیوی کو ان تمام پریشانیوں کا احساس ہو سکے جو طلاق کی صورت میں اسے پیش آ سکتی ہیں اور پھر وہ بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور اگر عورت اب بھی طلاق ہی کو پسند کرے تو اس پر جبر و اکراہ کے بغیر اسے اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دے کہ یہی بہتر طریقہ ہے اور اگر بغیر ''ایلاء'' کے بھی ایسا کیا گیا تو جائز ہے لیکن بہتر ہوگا کہ ایک طلاق دی جائے تاکہ اگر عورت کو اپنے فیصلہ پر پشیمانی ہو تو رجوع کیا جا سکے ورنہ دوسری طلاق دے کر اسے آزاد کر دیا جائے۔

تین طلاقیں

تین طلاقیں حلقہ نکاح پر ایسے تین وار ہیں جن سے یہ مضبوط حلقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور پھر مرد و عورت کے لئے ساری زندگی اس بندھن میں واپس آنے کا کوئی موقع نہیں رہتا سوائے حلالہ کے جو کسی بھی باعزت و باحیا، مرد و عورت کے لئے ایک نہایت ہی دشوار اور مکروہ صورت ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہایت ہی قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''لعن رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الْمُحِلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر لعنت فرمائی جس کے لئے (سابقہ شوہر) حلالہ کیا گیا۔

بہرحال تین طلاقوں کا وار نہایت ہی خطرناک، مہلک اور جان لیوا ہوتا ہے اور جہالت و بے خبری کے سبب اکثر لوگ ایک دم یہی وار کرتے ہیں اور پھر پچھتاتے اور مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس کی کچھ وضاحت کر دی جائے تاکہ اگر خدانخواستہ ایسا موقع آن پڑے تو جاہلانہ فیصلہ سے بچا جا سکے۔ پس پہلے ان آیات کا مطالعہ کریں جن میں مسئلہ طلاق کی وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

Marfat.com

حُدُودَ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ (البقرہ:۲۲۹،۲۳۰)

طلاق دوبار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لئے کہ لوتم اس سے جوتم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حقوق کو قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں ہیں اللہ کی پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو (تیسری بار) تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ پھر اگر وہ (دوسرا) اسے طلاق دے دے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کرلیں بشرطیکہ انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عورتوں پر ظلم وستم کی داستانیں پڑھ کر مومنات کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس صنف نازک کو ضیق وتنگی اور مظلومیت کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات عطا فرما دی۔ حق یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ نہ تو اس سے پہلے کسی دین اور کسی معاشرے نے اس کو دیا اور نہ ہی آج عورت کی آزادی، ترقی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے والوں کی طرف سے مل سکا۔ اسلام وہ سب کچھ دے چکا جس کی عورت کو ضرورت ہوسکتی تھی اور وہ اس کی متحمل ہوسکتی تھی اب کوئی اور کیا دے سکتا ہے اور عورت کے پاس مانگنے کو اب کیا باقی رہا، پس ہماری بہنوں کو اسلام پر ناز کرنا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی امت میں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔

دورِ جاہلیت کے مظالم میں سے ایک بدترین ظلم یہ بھی تھا کہ مرد کو طلاق کا حق تو حاصل ہی تھا اس پر مزید یہ کہ طلاق کی کوئی تعداد متعین نہ تھی لہٰذا مرد جتنی بار چاہتا بیوی کو طلاق دیتا رہتا اور رجوع کرکے اس کو جب تک چاہتا مقید رکھتا تھا، نہ اپناتا تھا اور نہ آزاد کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری نے اسی طریقہ کے مطابق اپنی بیوی کو دھمکی دی کہ ''نہ تو میں تمہارے قریب آؤں گا اور نہ ہی تو مجھ سے آزاد ہوسکے گی'' بیوی نے پوچھا یہ کیسے؟ وہ بولا بس میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرتا رہوں گا۔ یہ سن کر یہ مجبور عورت اپنے بھیانک مستقبل سے لرزنے لگی اور دوڑی دوڑی آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں حاضر ہوئی اس نے اپنے شوہر کے مظالم اور اس کا ارادہ بتایا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب حال سن کر بے حد تکلیف ہوئی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیات بالا نازل فرمائیں۔ جس میں طلاق کی تعداد اور اصول متعین فرما کر ہمیشہ کے لئے عورتوں پر مردوں کے اس طریقہ ظلم کا خاتمہ فرما دیا۔

فرمایا گیا ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'' طلاقیں تو صرف دو ہی ہیں یعنی دو طلاقوں سے ہی آزادی کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد تعلق نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں اس میں

Marfat.com

ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر دوران عدت، مرد وعورت کا اختلاف ختم ہو جائے اور وہ حسب سابق تعلق نکاح برقرار رکھنا چاہیں تو مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے وہ چاہے تو بیوی کو اپنے پاس رکھے اور ماضی کے اختلافات کو بھلا کر دونوں اچھی زندگی بسر کریں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ دوران عدت وہ عورت کی ضروریات پوری کرتا رہے اور بعد عدت اس کو احسان کے ساتھ یعنی کچھ تحائف وغیرہ دے کر رخصت کر دے کہ شریعت مطہرہ ہر حال میں حسن سلوک کی تعلیم دیتی ہے ان دو طلاقوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد وعورت کے ایک دوسرے سے مکمل آزاد ہو جانے کے باوجود بھی یہ گنجائش ہر وقت موجود رہتی ہے کہ وہ جب چاہیں دوبارہ نکاح کر کے ایک دوسرے سے وابستہ ہو سکتے ہیں کہ میلانِ طبع کی تبدیلی اور ضروریات کی مجبوری سے انسان کے حالات اور فیصلے بدلنا عام بات ہے پس ممکن ہے کہ جو شوہر و بیوی، باہمی منافرت یا حالات کے سبب علیحدہ ہوئے تھے کچھ عرصہ بعد ان کے میلانِ طبع میں تبدیلی آ جائے اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگیں یا ان کی ضروریات ایک دوسرے سے وابستہ ہونے لگیں تو انہیں شریعت مطہرہ نے موقع دیا ہے کہ وہ نکاح کریں اور دوبارہ ایک دوسرے کا لباس بن جائیں۔ اسی لئے تو یہ حکم دیا گیا کہ عورت کو طلاق دے کر احسان کے ساتھ رخصت کیا جائے تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع حاصل رہے اور ظلم وزیادتی یا بد اخلاقی کا پردہ درمیان میں حائل نہ ہو کہ اسلام دین رحمت ہے، دین محبت ہے، وہ ملاپ کے، محبت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ باہمی نفرت، عداوت کی راہوں کو بند کرتا ہے۔

رہا معاملہ تیسری طلاق کا تو شریعت مرد کو اس کا اختیار دیتی ہے لیکن اس اختیار کا استعمال بے مقصد اور بیکار ہے کہ طلاق کا مقصد تو شوہر و بیوی کی علیحدگی ہے۔ جو پہلی دو طلاقوں سے حاصل ہو چکا اب تیسری طلاق تو درحقیقت اس پر تیسرا وار ہے جو پہلے ہی جانکنی کے عالم میں ہے اور کسی بھی لمحہ (بعد عدت) سانس کا یہ سلسلہ منقطع ہونے والا ہے پس اب اس ظلم کی کیا ضرورت ہے مرتے کو مارنے کی کیا ضرورت ہے نیز مرد یہ ظلم تو اپنے ہی اوپر کر رہا ہے "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" پھر اگر وہ (تیسری) طلاق دے تو وہ اس پر حلال نہ ہوگی اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی دوسرے مرد سے خود ہی اپنے پیر پر کلہاڑی ماری کہ اب ہمیشہ کے لئے یہ رشتہ جوڑنے کا دروازہ بند ہو گیا اب چاہے جوان ہو کر بچے، ماں باپ کو دوبارہ ایک کرنا چاہیں یا خاندانی ضروریات پیش آئیں یا جائیداد وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے حلالہ کی صورت کے جو کسی باحیاء و باغیرت، مرد وعورت کے لئے قابل برداشت نہیں اور یہ یقین بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرا نکاح کر کے عورت آزاد ہو سکتی ہے کیونکہ اب حق طلاق اسی طرح دوسرے شوہر کو حاصل ہے جس طرح پہلے شوہر کو حاصل تھا۔ ممکن ہے وہ اب طلاق نہ دینا چاہے اور دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہنے لگیں کہ ساری زندگی ایک ساتھ رہنے کا عہد کر لیں اور یہ پہلے شوہر صاحب منہ ہی دیکھتے رہ جائیں پس اگر طلاق دینا ہی ہو تو قرآنی حکم کے مطابق دو طلاقوں پر اکتفاء کرنا چاہئے تیسرا وار نہیں کرنا چاہئے۔

طریقۂ طلاق

طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہو تو صحبت سے پہلے ایک طلاق دی جائے اور

Marfat.com

پھر جب وہ دوسرے حیض سے فارغ ہو تو دوسری طلاق دی جائے اور اگر تیسری طلاق بھی دینا ہو تو تیسرے حیض کے بعد دی جائے۔ اس طریقہ کے تعین میں حکمت یہ ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے درمیان اور پھر تیسری طلاق تک تقریباً تین مہینے کی مہلت ہے جس سے مرد وعورت پوری طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ ان کا غصہ ختم ہو جائے نفرت جاتی رہے انہیں اپنے بچوں کے مستقبل اور خاندان کی عزت کا احساس ہونے لگے تو وہ رجوع کر سکتے ہیں لیکن عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ موقع حاصل نہیں رہتا کہ اب بغیر نکاح دوبارہ ساتھ نہیں ہو سکتے اور تیسری طلاق کے بعد تو بالکل ہی معاملہ ختم ہو گیا۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

مسلم گھرانوں میں طلاق

بحمد اللہ مسلم ممالک میں طلاق کے حادثات بہت ہی کم، بمشکل تین چار فیصد ہیں جس کا سبب اسلام میں طلاق کے اصول وضوابط اور اسے ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ'' قرار دینا ہے۔ نیز انہی اسباب میں عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ کا پردے کا حکم، حیاء وشرم کی تاکید، شوہر کی تعظیم وتکریم اور اس سے محبت کی تلقین بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں عورتوں کو معاشی آزادی نہ ہونا بھی اس کا ایک سبب ہے غرضیکہ شریعت مطہرہ کے احکام کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کا ثمر امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ ان کے گھروں میں میل ومحبت اور شوہر وبیوی کے درمیان الفت ہے جس سے وہ زندگی کا لطف حاصل کرتے ہیں بچوں کی صحیح تربیت وپرورش کی ذمہ داری سکون سے پوری کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم ممالک کے غیر مہذب مغربی معاشرے میں جو حال نظر آتا ہے الامان والحفیظ کہ اول تو چالیس فیصد مرد وعورت بغیر نکاح کے شوہر وبیوی کی طرح رہتے ہیں حتیٰ کہ بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک مدت وہ یہ زندگی اپنے خیال میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں بسر کر دیتے ہیں پھر نکاح کی نوبت آتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ پھر بھی ان میں بمشکل دس فیصد کی شادی پروان چڑھتی ہے اور باقی میں علیحدگی یا طلاق ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان کی وہ بے اصولی اور بے ضابطگی ہے جو ان کی اپنی تہذیب سے انہیں ملتی ہے اور جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے مثلاً مرد وعورت دونوں کو طلاق کا مساوی حق حاصل ہونا، حیاء وشرم سے واقف نہ ہونا، عورت کا مرد کی برتری اور اس کی ضرورت کو تسلیم نہ کرنا، طلاق کے بعد بچوں پر عورت کا حق ہونا، معاشی طور پر عورت کا کلیتاً آزاد ہونا، آپ غور فرمائیے ان حالات کا تقاضا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ معمولی جھگڑا ہوا اور عورت نے شوہر کو گھر سے نکالا جی ہاں یہی ہوتا ہے مرد عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔ یہ عورت ہی کو حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے بلاوجہ بتائے مرد کو گھر سے نکال دے اسے پوری طرح قانونی اختیار حاصل ہے۔ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں کہ غیر مسلموں میں کیا ہوتا ہے ہمیں تو افسوس اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے حال پر ہے کہ وہ بھی غیر مسلم ممالک میں رہ کر انہی کی بود وباش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یقین جانیے ہم ایسی کئی مسلمان عورتوں کو جانتے ہیں جو آٹھ، آٹھ مرتبہ مختلف مردوں سے نکاح کر چکی ہیں اور اب تک تنہائی ہی کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن ان کے چہروں پر ذرا بھی ملال کے آثار نہیں اور نہ ہی وہ اپنا یہ کارنامہ بتاتے ہوئے شرماتی ہیں کیونکہ حیاء وشرم نام کی چیز سے تو یہ واقف ہی نہیں، افسوس صد افسوس۔

Marfat.com

ظاہر ہے جس معاشرے میں طلاق عام ہوا کثر مرد وعورت تنہا رہتے ہوں وہ معاشرہ زنا اور بدکاری کی غلاظت سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اور پھر ایسے لوگوں پر ایڈز کی صورت میں اللہ کا عذاب نازل ہو تو کیا تعجب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

اے ایمان والو! یہ طلاق کے احکام بیان کئے گئے ان پر غور کرو اور یاد رکھو کہ طلاق اللہ اور اس کے رسول کا پسندیدہ عمل نہیں اس کی اجازت صرف اہم ضرورت کے موقع پر دی گئی ہے ورنہ یہ ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ'' تمام حلال چیزوں میں ناپسندیدہ ہے۔ پس اپنی ازدواجی زندگی میں ایسا موقع نہ آنے دو کہ اس ناپسندیدہ راہ کو اختیار کرنا پڑے اور اگر ایسا موقع آ ہی پڑے تو طلاق کے شرعی احکام کو پڑھو، سیکھو اور اچھی طرح اس کا طریقہ اس کے عواقب ونتائج کو سمجھ لو اور خوب سوچ کر اس کانٹوں بھرے راستے کی طرف قدم اٹھاؤ کہ وہ عمل کبھی باعث خیر وبرکت نہیں ہوسکتا جسے اللہ اور اس کے رسول نے پسند نہ فرمایا ہو۔ دوستو! طلاق صرف شوہر وبیوی ہی کے درمیان نفرت پیدا نہیں کرتی بلکہ یہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت ودشمنی کا ذریعہ ہے۔ طلاق صرف شوہر وبیوی ہی کو دور نہیں کرتی بلکہ اس سے جگر کے ٹکڑے بچے بھی جدا ہو جاتے ہیں۔ طلاق ماں سے بچوں کو چھین لیتی ہے اور باپ کو بچوں کی نظروں میں بے وقعت کر دیتی ہے۔ طلاق نہ صرف مطلقہ عورت کو بلکہ مرد کو بھی معاشرے میں ذلیل وخوار کر دیتی ہے، دونوں ہی کو دوبارہ رشتہ بڑی ہی مشکل سے ملتا ہے۔ نکاح ایک حسن ہے اور طلاق اس حسن کو چھین کر مرد وعورت دونوں کو بدصورت بنا دیتی ہے۔ نکاح ایک لباس ہے اور طلاق اس لباس کو اتار کر مرد وعورت دونوں کو عریاں کر دیتی ہے۔ پس زندگی میں کبھی اس بدترین عمل کا موقع نہ آنے دو اور باعزت وباوقار پرسکون زندگی بسر کرو۔

طلاق سے متعلق اس ضروری گفتگو کے بعد اب ہم عدت کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گفتگو بھی نہایت اہم اور حالات حاضرہ کے عین مطابق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم گھرانوں میں عدت کا رواج تقریباً ختم ہی ہوگیا ہے کہ عورتوں نے اس کو بھی ایک غیر ضروری پابندی سمجھا اور خود بخود ہی اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا یہ بالکل نہ سوچا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی کھلی بغاوت ہے جو کسی طرح بھی اہل ایمان کے لئے موزوں نہیں۔ پس ہماری بہنیں ان باتوں پر غور کریں اور سوچیں کہ ان سے یہ کتنا بڑا گناہ سرزد ہو رہا ہے، اللہ معاف کرے۔

عدت

عدت کے معنی شمار کرنا اور گننا ہیں۔ شریعت مطہرہ میں عدت اس انتظار کے دنوں کو گننے اور شمار کرنے کو کہتے ہیں جو ایک نکاح ختم ہو جانے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے کیا جاتا ہے۔ زمانۂ عدت میں نکاح کرنا ممنوع ہے بلکہ نکاح کی تیاری یا باتیں کرنا بھی مناسب نہیں۔ عدت صرف عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں کیونکہ اس کا مقصد استبراء رحم یعنی بچہ دانی کی صفائی اور اس بات کا پوری طرح یقین حاصل کرلینا ہے کہ حمل نہیں ہے جبکہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے۔ ظاہر ہے اس کا تعلق مرد سے نہیں عورت ہی سے ہے، ہاں مرد اگر کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جس کو بیوی کے ساتھ جمع کرنا حرام ہو تو اسے بھی اپنی پہلی بیوی کی عدت پوری ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا مثلاً وہ بیوی کی بہن بھانجی یا خالہ سے نکاح کرنا چاہے کہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن، بھانجی یا خالہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں تو عدت کے دنوں میں بھی ان کا

Marfat.com

نکاح کرنا حقیقت میں انہیں ساتھ ہی رکھنا ہوگا لہٰذا جائز نہیں کیونکہ جب تک عورت کی عدت کے دن پورے نہ ہو جائیں مرد اس سے رجوع کر سکتا اور دوبارہ اسے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے۔

عدت کی قسمیں

عدت کی تین قسمیں ہیں وفات کی عدت یعنی اس عورت کی عدت جس کا شوہر مر گیا اور وہ بیوہ ہوگئی اس کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق کی عدت اس کی مدت تین حیض ہے چاہے یہ مطلقہ بالغہ ہو نابالغہ ہو یا ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہو یعنی اتنی بوڑھی ہو چکی ہو کہ حمل کی امید باقی نہ رہی ہو جس کے لئے تقریباً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے چاہے نکاح ختم ہونے کے فوراً بعد ہی بچہ ہو جائے یا کچھ دن اور کچھ مہینے بعد ہو اور جس عورت کو خلوتِ صحیحہ سے قبل ہی طلاق دے دی گئی ہو اس کی کوئی عدت نہیں۔ خلوتِ صحیحہ مرد و عورت کی ایسی تنہائی کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں کا ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کر لینا یقینی ہو جائے۔

آیت زیر گفتگو کا ایک حصہ ہے "ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا" "پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو" یہ اس عورت کے متعلق حکم ہے جسے بعد نکاح خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی کہ اس کے لئے عدت نہیں ہے۔

بواسطۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں حکم دیا گیا کہ طلاق سے پہلے ہی عورت کی مدت عدت کا خیال رکھا جائے یعنی حیض کے بعد پاکی کے ایسے دنوں میں طلاق دی جائے جن میں اب تک اس سے صحبت نہیں کی گئی ہے تاکہ اس کے ایام عدت دراز نہ ہوں اور اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:۱)

اے نبی (آپ غلاموں کو بتا دیجئے) کہ جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کا لحاظ کرتے ہوئے اور عدت کے دن شمار کرو۔

شریعت مطہرہ کا عورتوں پر یہ کیسا کرم ہو رہا ہے کہ ان کو دشواری سے بچانے کے لئے مردوں کو خصوصی حکم دیا جا رہا ہے کہ ارادۂ طلاق کے ساتھ ہی ایام عدت کا حساب لگا لو اور ایسے وقت طلاق دو کہ عورت کو غیر ضروری طور پر طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ یہ وقت حیض کے بعد پاکی کے ان دنوں میں ہے جن میں اب تک عورت سے صحبت نہیں کی گئی ہے۔ ان ایام میں اگر عورت کو طلاق دی گئی تو اسے صرف تین حیض کی مدت عدت پوری کرنی ہوگی۔ شریعت مطہرہ میں چونکہ عدت نہایت ہی اہم ہے لہٰذا خصوصی حکم دیا گیا "اَحْصُوا الْعِدَّةَ" ایام عدت کا خیال رکھو انہیں شمار کرتے رہو کوئی غلطی نہ ہونے پائے اور وہ عورتیں جو ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہوں کہ اب حیض آنے کی قطعاً امید نہ رہی ہو جس کے لئے عموماً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور وہ عورتیں جو نابالغہ ہوں یا عمر کے اعتبار سے تو بالغ ہو چکی ہوں لیکن اب تک انہیں حیض نہ آیا ہو ان کی مدت عدت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

Marfat.com

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور انکی بھی جنہیں ابھی تک حیض آیا ہی نہیں۔

اور جو عورتیں حاملہ ہوں چاہیں بیوہ ہوں یا مطلقہ ہوں ان کی عدت کے متعلق فرمایا گیا:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی مدت عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔

اور سورۃ البقرہ میں اس عورت کی مدت عدت بیان کی گئی جو بیوہ ہوگئی ہو۔ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (البقرہ: ۲۳۴)

اور جو لوگ فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن۔

دورانِ عدت شوہر کی ذمہ داریاں

مدت عدت پوری ہونے سے قبل مرد کو اختیار نہیں کہ وہ مطلقہ کو گھر سے نکال دے وہ اسی گھر میں اپنی عدت کے ایام پورے کرے گی تاکہ اگر رجوع کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ نیز ایک گھر میں رہنے سے رجوع کی طرف مائل ہونے کا بھی قوی امکان ہے کہ اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے گفتگو کرنے وغیرہ کا موقع حاصل رہے گا اور وہ اسباب خود بخود ختم ہوتے جائیں گے جو وجہ طلاق بنے تھے اور پھر یہ مل کر اچھی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں یہی حکمت ہے عورت کو اسی گھر میں رہنے کا حکم دینے میں کیونکہ اسلام بہرحال یہ چاہتا ہے کہ رشتۂ ازواج کسی نہ کسی طرح قائم اور باقی رہے۔ پس فرمایا گیا:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق: ۱)

نہ نکالو انہیں اپنے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس (صورت) کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی باتیں کریں۔

ہاں اگر مطلقہ طلاق کی جھنجلاہٹ میں گھر والوں کو ستاتی ہو، شوہر کے ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ کو برا بھلا کہتی رہتی ہو خاندان میں شوہر کو ذلیل و خوار کرتی ہو گالی گلوچ کرتی ہو حتیٰ کہ اس نے گھر کا سکون تباہ کر دیا ہو گھر کا نظام اس کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا ہو تو ان سب صورتوں میں اسے گھر سے نکال دینے کی اجازت ہے اور یہی بہتر ہے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ

Marfat.com

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ
اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۶، ۷)

انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں پھر اگر وہ بچہ کو تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو تم ادا کرو انہیں ان کی اُجرت اور (اجرت طے کرنے کے لئے) آپس میں مشورہ کرتے رہو بھلائی کے ساتھ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے دودھ پلائے کوئی دوسری عورت خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور (خرچ کرے) وہ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے عنقریب اللہ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا۔

ان آیات مبارکہ میں احکام عدت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تا کہ عدت جیسے اہم عمل کے دوران مرد و عورت میں سے کسی سے کوئی غلطی نہ ہو یا کسی کی حق تلفی نہ ہو کہ اگرچہ طلاق نے رشتہ نکاح منقطع کر دیا ہے لیکن عدت ختم ہونے تک ابھی ایک دوسرے کے حقوق باقی ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔ یہاں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عورت کو طلاق کے بعد فوراً گھر سے نکال دینے کی اجازت نہیں بلکہ اس کے لئے مرد اپنی وسعت کے مطابق رہائش کا انتظام کرے، بایں صورت کہ اگر رجعی طلاق دی ہے تو اسے اسی کمرے میں رکھے جس میں وہ اب تک رہتی تھی کہ اس صورت میں عورت مرد سے پردہ بھی نہیں کرے گی اور اگر طلاق بائنہ دی ہے تو عورت مرد سے پردہ کرے اور مرد اس کے لئے ایسی رہائش گاہ کا انتظام کرے جہاں وہ پردے کے باوجود آزادانہ رہ سکے۔

(۲) مرد کو اجازت نہیں کہ وہ اس مجبور و بے سہارا مطلقہ کو رہائش کے معاملہ میں یا کسی اور معاملہ میں تنگ کرے اور اتنا پریشان کرے کہ وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو جائے بالخصوص "لَا تُضَارُّوْهُنَّ" کی ممانعت کا خیال رکھا جائے کہ عورت کو اٹھتے بیٹھتے طعنے نہ دو کہ یہ اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہوگا جس سے اسے طلاق کی تکلیف کے بعد مزید تکلیف ہوگی، یہ ایذاء رسانی تمہارے لئے جائز نہیں۔

(۳) جو مطلقہ حاملہ ہو اس کی رہائش اور اس کے دیگر لوازمات زندگی کی ذمہ داری مرد پر اس وقت تک ہے جب تک وہ بچہ کو جنم دے دے یہاں خصوصیت کے ساتھ حاملہ عورت کے اخراجات کا ذکر ہے کہ اس کی مجبوری زیادہ ہے جبکہ ہر قسم کی مطلقہ عورت کے اخراجات کی ذمہ داری مرد ہی پر عائد کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ میں فرمایا گیا: وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ اور جن کو طلاق دی گئی ہے انہیں خرچ دینا چاہئے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر یعنی جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے جبکہ ہر مؤمن اللہ سے ڈرتا ہے اور ڈرنا چاہئے پس ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ اپنی مطلقہ کے

Marfat.com

اخراجات عدت ختم ہونے تک پورے کرتا رہے۔ بِالْمَعْرُوْفِ مناسب طریقے سے یعنی جیسے طلاق سے پہلے تمام ضروریات پوری کرتا تھا اسی طرح طلاق کے بعد کرتا رہے۔

(۴) حاملہ مطلقہ کی عدت بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو چکی لہٰذا اب اس پر بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی نہ رہی لہٰذا اب اگر مرد اپنے بچہ کو اس سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو اس کی اُجرت ادا کرے اور اُجرت وہ ہوگی جس پر مرد و عورت باہمی مشورے سے رضامند ہو جائیں اور اگر مرد عورت کی مطلوبہ اُجرت ادا نہیں کر سکتا یا عورت دودھ پلانے پر اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے راضی ہی نہیں مثلاً وہ جلد ہی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ اس کا ہونے والا شوہر اس ذمہ داری کو پسند نہیں کرے گا تو ان دونوں صورتوں میں اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مرد کو چاہئے کہ وہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام کرلے (آج کل تو یہ مسئلہ بہت ہی آسان ہو گیا ہے کہ اچھے حالات میں بھی مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں تو یہ صورت تو مجبوری کی ہے بچہ کی پرورش بآسانی دوسرے دودھ سے ہو سکتی ہے)۔

(۵) مطلقہ کے اخراجات میں اعتبار مرد کی حیثیت کا ہوگا کہ اگر مرد دولت مند ہے تو وہ عورت کو خرچہ بھی دولت مندوں جیسا ہی دے گا اور اگر غریب ہے تو وہ غریبوں جیسے ہی اخراجات کرے گا یعنی جس طرح وہ پہلے اپنی بیوی کو رکھتا تھا اسی طرح اب بھی رکھے اس میں جتنی بہتری کر سکتا ہے کرے کمی نہ ہونے پائے اسی لئے اس حکم کے ساتھ "بِالْمَعْرُوْفِ" فرمایا گیا ہے۔

یہی احکام بیوہ عورت کے لئے بھی ہیں کہ اس کی تمام ذمہ داری یا تو شوہر کے متروکہ مال سے پوری کی جائے گی اور اگر شوہر نے کچھ نہیں چھوڑا تو یہ ذمہ اس کے وارثین پورا کریں گے۔

بہرحال مطلقہ ہو یا بیوہ ہو شریعت مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اسے بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔ نکاح نے جس مرد کو عورت کا قَوَّام، ذمہ دار اور سہارا بنایا وہی مرد مدت عدت ختم ہونے تک اپنی ذمہ داریاں پورکرنے کا پابند ہے جبکہ یہ مدت اس بے سہارا عورت کے لئے کوئی دوسرا انتظام کر لینے کے لئے کافی ہے کہ اس عرصہ میں اس کے دوسرے نکاح کا انتظام ہو سکتا ہے یا اس کے اعزاء واقارب اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے۔

بہرحال قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ حکم واضح ہے کہ مطلقہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی کہ یہ بالکل حرام ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہر کام کے لئے مرد سے کہے جو اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو سخت گناہ گار ہوگا۔ ہاں بیوہ عورت سخت ضرورت کے لئے باہر جا سکتی ہے کہ اس کا شوہر مر چکا اب وہ مجبور ہے۔ اپنے ضروری کام اسے خود ہی کرنا ہوں گے لیکن بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا، سیر و تفریح کرنا، تقریبات میں شریک ہونا شامل نہیں ہاں ڈاکٹر کے پاس جانا یا کھانے پینے کا سامان وغیرہ خریدنا ضرورت میں شامل ہے۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو عدت جیسے اہم حکم کی تعمیل میں لاپرواہی نہ کرو اگر عورت اس حکم کی پابندی نہیں کرتی تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پابندی کرائے اور عورت کے اعزاء واقربا کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ نگرانی کریں کہ

Marfat.com

عدت کی پابندی کی جارہی ہے یا نہیں ورنہ سب ہی گناہ گار ہوں گے نیز عورتیں احکام عدت پر غور کریں تو انہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور پتہ چلے گا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے کتنے بڑے گناہ میں مبتلا ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اگرچہ شریعت مطہرہ نے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا بلکہ طلاق وعدت کے احکام میں ہر طرح عورت کی ضرورت اور مجبوری کا خیال رکھا گیا ہے کہ مرد کو اس کی تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں حتیٰ کہ اگر وہ اپنے ہی بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت لینا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے یا اگر وہ دودھ پلانے کی ذمہ داری قبول نہ کرنا چاہے تو کوئی اسے پابند نہیں کرسکتا۔

ان تمام مراعات کے باوجود عورت کا یہ خیال کرنا کہ شریعت کے احکام اس کے لئے سخت ہیں اپنے اوپر سختی کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ آج عورتیں ماری ماری پھر رہی ہیں، ذلیل وخوار ہورہی ہیں، عیاش مردوں کی ہوس کا شکار ہیں، صرف اس لئے کہ وہ احکام شرع سے جاہل ہیں نہ تو انہیں جاننے کی کوشش کرتی ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کے لئے آمادہ ہیں بلکہ العیاذ باللہ انہیں اپنے اوپر زیادتی اور ظلم سمجھتی ہیں۔ میری بہنوں سوچو! اگر تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارے ایمان کا کیا حشر ہوا تم کس طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہو بس جو ایسا سوچتی ہیں توبہ کریں، اللہ کے احکام کی تعمیل کریں، اللہ بے حد مہربان اور بخشنے والا ہے اس کا ارشاد ہے: ''يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔'' اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۴

الاحزاب: ۵۳ تا ۵۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ
نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ
لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ
اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ
قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ
اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (احزاب: ۵۳-۵۵)

Marfat.com

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا اور جب تم مانگوان سے کوئی چیز تو مانگو پردے کے پیچھے سے یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم تکلیف پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور نہ نکاح کرو ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے یہاں آئیں ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے بھائی اور ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اور اسی طرح مسلمان عورتیں اور نہ کوئی پابندی ہے باندیوں کے آنے پر (اے عورتو) اللہ سے ڈرا کرو بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

آیات مذکورہ میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے جو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ اگرچہ اپنے مواقع کے اعتبار سے مخصوص ہیں اور ان کے مخاطب بھی خصوصی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں لیکن تعمیل کے اعتبار سے یہ قیامت تک آنے والے تمام غلاموں کے لئے ہیں سوائے ایک حکم کے کہ جس کے ذریعہ صحابہ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے تاہم اعتقاداً ہم بھی اس حکم میں شامل ہیں کہ ہمارا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات یعنی ہماری مائیں امت کے لئے اس قدر قابل احترام وتکریم ہیں کہ کسی امتی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان سے نکاح کا تصور بھی حرام ہے۔ اب مذکورہ احکام کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا حکم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانْتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ ؕ

(احزاب: ۵۳)

نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لئے آنے کی (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے جاؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا۔

Marfat.com

بن بلائے مہمان

حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا عام تھا۔ ان کا یہی طریقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی تھا کہ جو چاہتا، جب چاہتا، بلا اجازت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھروں میں آتا جاتا تھا بالخصوص کھانے کے اوقات میں ان کا یہ معمول تھا کہ آ کر بیٹھ جاتے تھے کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے کہ وہ دن غربت وافلاس کے تھے اکثر غلام بھوکے ہوا کرتے تھے۔ آقا کے گھر پر کھانا کھانے کے لئے آنا کوئی شرم کی بات نہ تھی کہ غلاموں کو اگر آقا کے در سے روٹی نہ ملے تو کہاں جائیں پس جونہی انہیں خبر ہوتی کہ آج ہمارے آقا کے گھر میں چولہا جلا ہے، کچھ پک رہا ہے تو وہ پہلے ہی سے جمع ہو جاتے تھے، کھانے کا انتظار کرتے رہتے اور کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے۔ اپنے آقا کی پیاری پیاری باتیں سنتے رہتے تھے جس سے بعض اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوا کرتی تھی کہ آپ کوئی دوسرا کام نہ کر پاتے یا اپنے اہل خانہ کے ساتھ بلا تکلف نہ بیٹھ پاتے تھے۔ شریعت مطہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو درکنار کسی کی زندگی میں بھی ایسی مداخلت کی متحمل نہیں ہو سکتی لہٰذا بوسیلۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری امت کے لئے یہ حکم جاری کر دیا گیا اگر تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو آؤ بلا بلائے مہمان نہ بنو نیز وقت پر آؤ اور جب کھا چکو تو صاحب خانہ کی دیگر ضروریات کا احساس کرو اور فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ سوائے اس کے کہ کبھی کھانے کے بعد میزبان کی طرف سے ملاقات یا گفتگو کی خواہش کا اظہار ہو۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہماری محافل میں طریقہ ہے کہ کھانے کے بعد لوگ کچھ دیر جمع رہتے ہیں اور اس موقع کو باہمی بات چیت اور مسائل و معاملات پر تبادلہ خیال کا موقع بنا لیتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ میزبان اور اس کے اہل خانہ کو تکلیف نہ ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا تھا کہ دعوتیں چھوٹے گھروں میں ہوتی تھیں اور اہل خانہ کی طرف سے انتظار ہوتا تھا کہ مہمانوں کی ایک جماعت کھانا کھا کر جائے تو دوسری جماعت کو کھانا پیش کیا جائے یا جلدی لوگ چلے جائیں تو گھر والے اپنے دوسرے کام کریں لیکن آج کل عام طور پر ایسا نہیں ہماری دعوتوں کا انتظام ہالوں یا ہوٹلوں وغیرہ میں ہوتا ہے پس اگر مہمان کچھ دیر ٹھہرے رہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی پھر بھی بہتر یہی ہے کہ جلدی چلے جانے کے حکم پر عمل کیا جائے۔

یہ بات خصوصی طور پر قابل غور ہے کہ اس حکم کے نزول کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ تمہارے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوتی ہے چاہے اس لئے کہ ان کے دوسرے اہم کاموں میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے یا اس لئے کہ ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے پیارے کو کسی بھی طرح تکلیف پہنچے پس اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو میرے محبوب کی تکلیف کا احساس کرو اور کوئی عمل قصداً یا سہواً ایسا نہ کرو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذاء کا باعث ہو۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے کہ ہر امتی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا لحاظ کرنا لازم و ضروری ہے۔ اس طرح کہ وہ نہ تو اپنی بدعملی سے آپ کو تکلیف پہنچائیں اور نہ ان کے محبوبین، اولیاء کرام اور وارثین علماء کرام کو دکھ دے کر بالواسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ نہ دیں۔

Marfat.com

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود تکلیف کے اپنے گھر آئے مہمانوں کو جانے کے لئے نہیں کہتے تھے کہ آپ کو شرم آتی تھی کہ آپ مہمانوں سے کہیں کہ اب آپ لوگ کھانا کھا چکے اب چلے جائیں جبکہ یہ مہمان کوئی غیر نہ ہوتے تھے بلکہ اپنے تھے غلام تھے لیکن پھر بھی آپ نے مہمانوں کا احترام کیا اور ان کی دلجوئی کا خیال رکھا اور ہمیں بھی اسی کی تعلیم دی۔

راوی ہیں حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہئے اور مہمان کو حق میزبانی تین دن اور تین رات حاصل ہے اس کے بعد میزبانی صدقہ اور خیرات ہے۔'' وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ'' اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کے پاس اتنا زیادہ ٹھہرے کہ اس کو تنگی میں مبتلا کردے۔'' (بخاری شریف)

یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے دین کی ہر بات کو واضح فرمادیا کہ وہ حق بیان کرنے سے شرم نہیں فرماتا ورنہ دین کے بہت سے احکام ظاہر نہ ہو پاتے دین نامکمل رہ جاتا اور ہم محروم ہو جاتے ،فالحمد للّٰہ العظیم۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ اس حکم کے نزول کے وقت میں خود وہاں حاضر تھا اور اس واقعہ کو میں بخوبی جانتا ہوں جو اس حکم کے نزول کا سبب بنا یہ اس رات کی بات ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور آپ رخصت ہو کر حرم نبوی ﷺ میں تشریف لائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم غلاموں کو ولیمہ کی دعوت دی۔ صحابہ آپ ﷺ کے یہاں جمع ہوئے اور کھانے سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہیں رونق افروز تھے اور آپ کے برابر ہی حضرت زینب بیٹھی تھیں۔ جن کا شرم وحیا سے یہ حال تھا کہ انہوں نے دیوار کی طرف اپنا رخ کیا ہوا تھا اور سکڑ کر دیوار سے چپٹی جارہی تھیں لیکن کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکلیف کا احساس نہ تھا۔ سب باتوں میں مصروف تھے بالآخر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے گئے اور اپنی دیگر ازواج کے گھروں میں ہو کر واپس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ اب تک لوگ اسی طرح بیٹھے ہیں اب بھی آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو احساس ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور یہ آیئہ مبارکہ سنائی جو اس وقت نازل ہوئی تھی اور جس کے ذریعہ بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کو بن بلائے مہمان بننے یا کھانے سے فارغ ہو کر اتنی دیر بیٹھے رہنے کی جس سے اہل خانہ کو تکلیف ہو ہمیشہ کے لئے ممانعت کردی گئی، پس

اے ایمان والو! بن بلائے کسی کے مہمان نہ بنو اور اگر دعوت دی جائے تو قبول کرلو کھانے سے فارغ ہو کر جمے نہ بیٹھے رہو مناسب وقفہ کے بعد منتشر ہو جاؤ۔ یہ واقعہ چونکہ خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پر دعوت کا ہے لہٰذا اسی موقع پر تمہیں یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے تمہارے آقا ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ ظاہر ہے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کے وقت صحابہ کرام سے کہی گئی لیکن یہ حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے بعد

Marfat.com

بھی قیامت تک آنے والے غلاموں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ جب بھی غلاموں کو آقا ﷺ کے روضہ مبارکہ پر سلام کے لئے حاضری کا موقع نصیب ہو تو اس الٰہی ہدایت کا خیال رکھیں اور دربار میں سلام عرض کر کے آگے بڑھ جاؤ۔ عقیدت و محبت میں اتنے دیوانہ نہ بنو کہ آداب کا لحاظ نہ رہے۔ اللہ کے حکم کا خیال نہ رہے اور یہ بھی احساس نہ رہے کہ تمہارے دوسرے بھائی بھی پیش کے منتظر ہیں۔ ان کو طویل انتظار کی زحمت میں مبتلا نہ کرو کہ آقا کے غلاموں کو تکلیف پہنچانا درحقیقت آقا ہی کو تکلیف پہنچانا ہے کیا تم ایسی حاضری کے قبول ہونے کی امید کر سکتے ہو جس سے سرکار کو تکلیف پہنچ رہی ہو، اللہ محفوظ رکھے۔

دوسرا حکم

صحابہ کرام کو حکم دیا گیا ''وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' جب تم ان سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ امہات المؤمنین اور صحابہ کرام کی وساطت سے امت مسلمہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ سب مسلمان مرد اور عورتوں پر یہ پابندی عائد کی جاتی ہے کہ وہ غیر محارم سے پردہ کیا کریں حتیٰ کہ اہم ضرورت کے وقت اگر کسی مرد یا کسی عورت کو کسی سے کچھ مانگنا یا پوچھنا ہو تب بھی درمیان میں پردہ حائل ہونا چاہئے گویا بوقت ضرورت ایک دوسرے کی آواز سننا تو جائز ہے لیکن کسی بھی وقت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں۔ پردہ کا حکم قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ جسے ہم سورۃ النور کی آیات پردہ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر ذہن میں نہ ہو تو دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے آپ نے فرمایا ''وافقتُ ربّی فی ثلث'' کہ میں نے تین چیزوں میں اپنے رب کے ساتھ موافقت کی یعنی شریعت کے تین احکام ایسے ہیں جن کے نزول سے قبل میں نے ان کی خواہش ظاہر کی۔ ایک یہ کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کتنا اچھا ہو کہ آپ مقام ابراہیم کو اپنا مصلی بنالیں۔ پس اللہ نے میری آرزو پوری فرمائی اور حکم دیا کہ ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى'' مقام ابراہیم کو مصلی بنالو۔ دوسری گزارش میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کی کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ﷺ انہیں پردہ کا حکم صادر فرمادیں۔ ''فانزل اللّٰهُ اٰيَةَ الْحِجَابِ'' تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی۔ تیسرے میں نے ازواج مطہرات کے درمیان جب باہمی رشک اور غیرت بڑھتے دیکھا تو ایک دن میں نے ان سے کہا: ''عسی ربّهٗ ان طلّقكنّ ان يبدله ازواجا خيرا منكنّ'' ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ انہیں تم سے بہتر بیویاں [illegible] بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ وحی الٰہی نازل ہوگئی۔

امہات المؤمنین سے حکم پردہ کی جو وجہ بیان کی جا رہی ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے ارشاد ہوا ''ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ'' یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزہ ہے یعنی پردے سے کسی کے دل میں کوئی غلط خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ اکبر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل خانہ کی طہارت کا ضامن خود اللہ رب العزۃ ہے۔ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا'' اے اہل بیت اللہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور کر دینے

Marfat.com

اور تمہیں خوب پاک کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ نیز صحابہ کرام کے قلوب کو بھی اللہ نے ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ کر دیا ہے جس کے بعد ان دونوں کے دلوں میں خلاف شرع کوئی خیال پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہا لیکن پھر بھی انہیں پردے کا حکم دیا گیا تا کہ کوئی شیطانی وسوسہ پیدا نہ ہو۔ جب ان نفوس قدسیہ کے لئے احتیاط کا یہ حال ہے تو ہما شما کا یہ دعویٰ کس طرح بجا ہو سکتا ہے کہ اگر نیت اچھی ہو تو مرد و عورت کے اختلاط سے کوئی خطرہ نہیں لہٰذا العیاذ باللہ پردے کی کیا ضرورت ہے جبکہ پردہ قرآنی نص سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

علاوہ ازیں کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ نیت صاف ہے اور کب تک صاف رہے گی جبکہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج کے تمام فتنوں، بدکاریوں اور برائیوں کا سبب مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط کے سوا کچھ نہیں اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر سخت پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهَا الشَّيْطٰنُ“، ”کوئی مرد و عورت تنہائی میں جمع نہیں ہوتے مگر وہاں تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے“ جو انہیں اگر برائی میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہیں بھی ہو پاتا تو دلوں میں وسوسہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور یہی وسوسہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔

غرضیکہ پردہ بے شمار فتنوں کا سدِ باب کرتا ہے جو عورت کے لئے نہ تو قید و بند ہے اور نہ ہی اس کی ترقی و آزادی میں حائل ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اور اسے پر سکون باعزت زندگی فراہم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

تیسرا حکم

آیت مذکورہ میں تیسرا حکم یہ دیا جا رہا ہے ”وَلَا تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا“ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح نہ کرو کیونکہ ”اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا“ ”یہ اللہ کے نزدیک بڑا ہی گناہ ہے۔“

نبی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے جس کا احترام کرنا تمہارے لئے لازم قرار دیا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی مقدس و پاکیزہ ازواج کو تمہاری ماں قرار دیا جائے ”اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ“ ”نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

میری مائیں

از روئے قرآن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج، جملہ امت مسلمہ کے لئے ماؤں کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے انہیں یہ اعلیٰ مقام صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت اور تعلق ہی کے باعث نصیب ہوا اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر ان کے باپوں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔ پس آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بلحاظ شفقت و محبت امت کی ماؤں کی طرح قرار پائیں اور امت کے مردوں پر ان کا ماؤں جیسا اعزاز و اکرام واجب کر دیا گیا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہ رہا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اپنی ان روحانی ماؤں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر سکے جو کہ آپس میں مرد و عورت کے

Marfat.com

لئے جائز ہے کیونکہ یہ مائیں ہیں کوئی عام عورت نہیں ان کا کسی عام عورت سے کسی اعتبار سے بھی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ خود قرآن کریم ان کے متعلق اعلان فرماتا ہے ''لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' تم دوسری عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تمہاری نظیر ومثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ کوئی عورت تم جیسی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ تم اس نبی کی ازواج ہو جو سب سے افضل اس جیسا کوئی اور اس سے جس کی نسبت ہو جائے اس جیسا کوئی نہیں ہوسکتا، اس کی ازواج جیسی کوئی عورت نہیں اس کے صحابہ جیسا کوئی نہیں، اس کی امت خیر الامم اس جیسا کوئی نہیں، نہ ہی کوئی امتی آپس میں ایک دوسرے جیسا ہے۔ غور تو کرو کہ اللہ کے بھیجے سب نبی ایک جیسے نہیں ''اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' غور تو کرو ہم نے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت بخشی ہے۔ جب انبیاء ہی میں مساوات ومشابہت اور مماثلت نہیں تو پھر کسی دوسرے میں کیسے ہوگی پس اے نبی کی ازواج تمہارا مرتبہ ومقام عام عورتوں سے بہت بلند ہے تم مائیں ہو لہٰذا اولاد پر تمہارا احترام فرض قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ ان میں سے کوئی تمہیں اپنا جیسا نہ سمجھے دوسرے اس طرح کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے محبوب کے بعد تمہیں اپنے نکاح میں لے اور جو لوگ ان ازواج مطہرات کے زمانہ میں نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں ''کہ ان مقدس ماؤں سے اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام کردیا ہے۔''

نکاح کی حرمت اگرچہ باعتبار روحانی ہے لیکن اس پر عمل ظاہری اور جسمانی طور پر ہوگا لیکن دیگر معاملات میں یہ مائیں غیر محارم ہی کی طرح ہوں گی جیسے ان سے پردہ کرنا یا کوئی سوال پردے کے پیچھے سے کرنا لازمی ہوگا نیز ان کے ساتھ سفر کرنے کے بھی وہی احکام ہوں گے جو غیر محرم عورتوں کے ساتھ ہیں اسی لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مردوں کو درسِ حدیث، درس فقہ وغیرہ پردے ہی کے پیچھے سے دیا کرتی تھیں اور صحابہ کرام پردے ہی کے پیچھے سے ان سے مسائل معلوم کرتے تھے۔ یہی حال دیگر ازواجِ مطہرات کا تھا اسی لئے اللہ نے ہماری ان ماؤں کو حکم دیا ''فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ'' (غیر مردوں سے) نرمی سے بات نہ کرو کہ ان کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہو۔ ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' اور اپنے گھروں میں رہا کرو۔ ''وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى'' اور سابقہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو ''وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ'' اور نماز کی پابندی کرو، ''وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ'' اور زکوٰۃ ادا کیا کرو، ''وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو، ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا'' کیونکہ اے نبی کی گھر والیوں اللہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور کردینا اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوب پاک کردینا چاہتا ہے۔ ''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ'' اور یاد رکھو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

اے نبی کی بیویوں تمہیں خصوصی طور پر یہ ہدایات اس لئے دی جارہی ہیں کہ تم امت کی مائیں ہو تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے پس تم زیادہ ذمہ دار ہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کی اور تم اس کی ازواج ہو جو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ پس تمہیں بھی امت کے لئے بہترین نمونہ بننا ہے تم مائیں ہو اور اولاد اپنی ماں کی پیروکار

Marfat.com

ہوتی ہے۔پس تم وہ طرز زندگی اختیار کرو جس کی اتباع و پیروی تمہاری اولاد کے لئے فلاح و کامرانی اور نجات کا ذریعہ ہو۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر اپنی ماؤں کے حالات زندگی بھی مختصرا بیان کردیں کہ بحمد اللہ ہمیں یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات بلکہ آپ سے جس کو بھی شرف تعلق حاصل ہوگیا اس کے حالات زندگی بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں حتیٰ کہ نسبت رسول سے جو چیز مشرف و متبرک ہوگئی وہ بھی ہم نے محفوظ کرلی۔ پس آیئے ہم اپنی ماؤں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرکے اپنا ایمان تازہ کریں اور ناز کریں کہ اللہ نے ہمیں ایسی مائیں عطا فرمائیں جنہوں نے اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کا حق ادا کردیا اور جو کچھ انہوں نے اپنے گھروں میں وحی و حکمت کی باتیں سیکھیں اور جانیں انہیں خوب خوب یاد رکھا اور ہم تک بخوبی پہنچایا اللہ ان پر شب و روز اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پہلی ماں

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہماری پہلی ماں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَآءِ هَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآءِ هَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔

(اپنے زمانہ کی عورتوں میں) بہترین عورت مریم بنت عمران تھیں اور (تمام عورتوں میں) بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (مسلم)

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں گھر کی بشارت دی تھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔

بَشَّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ۔

آپ نے انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی تھی جو خولدار موتیوں سے بنا ہوا ہوگا جس میں شور و شغب نہ ہوگا۔ (مسلم)

امت مسلمہ کی پہلی ماں ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس برس کی عمر میں شرف زوجیت حاصل ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی۔ اس سے پہلے آپ دو مردوں عتیق بن عائذ اور ابو ہالہ ہند بن زُرارہ سے نکاح کر چکی تھیں۔ مکہ کی امیر ترین تاجرہ تھیں نیکی اور صالحیت کے سبب طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب اولاد حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ، حضرت قاسم، حضرت طیب اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہما آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جبکہ صاحبزادوں کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ آپ نے چوبیس سال کی طویل مدت میرے آقا ﷺ کے ساتھ بسر کی۔ ہر حال میں آپ کا تعاون کرتی رہیں۔ اعلان نبوت کے بعد کی زندگی کے ایام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے سخت ترین ایام تھے۔ جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اہل مکہ سے وسیع تعلقات ان پر آپ کے احسانات قدرے سکون کا سبب بنتے تھے۔ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی الجھن یا پریشانی لاحق ہوتی اور آپ ﷺ

Marfat.com

گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدبرانہ مسکراہٹ اوران کے مشورے ہی آپ کا مداوا بنتے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت خدمت اسلام کے لئے آپ ﷺ کو سونپ دی جوان آڑے دنوں میں خوب کام آئی۔ غار حراء میں پہلی وحی کے نزول کے بعد بمقتضائے بشریت آپ کو جو گھبراہٹ لاحق ہوئی اس کا تذکرہ کتب احادیث میں محفوظ ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ پریشان حال گھر واپس ہوئے اور اپنی تجربہ کار رفیقۂ حیات کو سارا حال بتایا تو انہوں نے کہا:

اَبْشِرْ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

آپ کو مبارک ہو بقسم اللہ کبھی آپ کو بے آبرو نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں حق گوئی کے عادی ہیں کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مفلس و ناداروں کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو اس کی ہر طرح مدد فرماتے ہیں۔

یعنی ان خوبیوں والے کو اللہ کبھی بے آبرو نہیں کرتا، بے سہارا نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا اور ہر حال میں ایسے شخص کا معاون و مددگار ہوتا ہے۔ پس آپ نہ گھبرایئے اس وقت ایسی ہی ڈھارس کی ضرورت تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملی اور آپ کو تسلی ہوئی۔ یہاں یہ بھی غور کرتے چلئے کہ بیوی عام طور پر شوہر کے کمالات کا اعتراف نہیں کرتی لیکن یہ پیکرِ اخلاق ﷺ کے کمالِ اخلاق کا واضح ثبوت ہے جس کا اعلان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حق گو زبان کر رہی ہے۔ بہر حال میری ماں ایسے وقت میں گھبرائی نہیں پریشان نہ ہوئیں بلکہ آپ کو تسلی دے رہی ہیں اور پھر مزید اطمینان کے لئے وہی آپ کو کتب سابقہ کے ایک معمر، تجربہ کار عالم، ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جن کے بتانے ہی کے بعد انہیں اس اعزاز کا پتہ چلا کہ اب وہ صرف محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی ہی اہلیہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اس شرف پر ناز کرتے ہوئے فوراً آپ کی نبوت کو تسلیم کیا اور اوّلہ مؤمنہ ہونے کا بلند شرف بھی حاصل کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ان محبوب زوجہ اور مؤمنہ اولہ سے جس درجہ محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا ان کے وصال پر آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس سال کو عام الحزن رنج والم کا سال قرار دیا گیا جبکہ اتفاق سے اسی سال آپ کے دوسرے معاون و شفیق چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہوا۔ آپ نے ساری زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا ان کی سہیلیوں سے ملتے تو بڑی ہی افسردگی کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے تھے انہیں تحائف دیتے تھے تاکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی روح خوش ہوتی کہ آپ ﷺ کی اس کیفیت پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رشک آتا تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے ایک مرتبہ اس طرح کیا کہ اللہ نے آپ کو کئی جوان اور حسین بیویاں عطا فرمادیں پھر بھی آپ ﷺ بوڑھی خدیجہ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ مَا اَبْدَلَنِىَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهَا لَقَدْ اٰمَنَتْ بِىْ اِذْ كَفَرَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِىْ اِذْ

Marfat.com

كَذَّبَنِى النَّاسُ وَوَاسَتْنِى بِمَا لِهَا اِذْحَرَمَنِى النَّاسُ وَرَزَقَنِى اللّٰهُ مِنْهَا الْوَلَدَ دُوْنَ غَيْرِهَا۔

نہیں بقسم اللہ تعالٰی نے مجھے ان کا نعم البدل عطا نہ فرمایا وہ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے کفر کیا انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ میری تکذیب کر رہے تھے انہوں نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب دوسرے لوگ میری مدد نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالٰی نے دیگر عورتوں کے برعکس ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

اللہ میری اس پہلی ماں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی زوجہ مؤمنہ اولہ کی قبر اطہر پر نور کی بارش برسائے۔ افسوس کہ ان کی قبر انور کو آج ایسا چھپا دیا گیا ہے کہ ان کی اولاد وہاں حاضری سے بھی محروم ہے۔

دوسری ماں

میری دوسری ماں حضرت سوداء بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عبد شمس سے تھا جو اسلام دشمنی میں دیگر اہل مکہ سے بہت آگے تھے۔ حضرت سوداء کو اللہ نے ہدایت دی اور انہوں نے ابتداء اسلام ہی کے دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کے شوہر سکران بن عمر بھی ان کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہادت پائی۔ اس مختصر خاندان نے بھی دیگر مہاجرین کے ہمراہ حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ سے واپسی پر حضرت سوداء کے شوہر انتقال کر گئے اور وہ بالکل مجبور و بے سہارا ہو گئیں، پورا خاندان ان کا سخت دشمن تھا ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نہایت افسردہ رہتے اور چاروں بیٹیوں کی نگرانی کا بوجھ آپ پر ہی تھا۔ ایک دن خولہ بنت حکیم نے آپ سے گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! مناسب ہو تو آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی چاہتا ہوں کہ گھر کی نگرانی اور بچیوں کی دیکھ بھال کا کچھ انتظام ہو۔ پس خولہ نے حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کا نام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ پسند کریں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ خولہ نے حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو جا کر بتایا وہ بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ اللہ کے رسول کی بیوی بننے سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے پھر خولہ ان کے والد کے پاس گئیں اور کہا کہ سوداء کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیجئے۔ والد نے کہا اگر سوداء کو یہ رشتہ پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے غرضیکہ اس ضروری گفتگو کے بعد نکاح ہوا چار سو درہم مہر مقرر ہوا ان کے والد نے ہی نکاح پڑھایا۔ جب حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تو بہت غیظ وغضب کا اظہار کیا جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو ہمیشہ وہ اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت کیا کرتے تھے۔ بہر حال میری اس ماں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری بیوی بنیں بوقت نکاح حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن برس کی تھی جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک تقریباً پچاس برس کی تھی۔

چونکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حسن اخلاق کے پیکر ہیں لہٰذا جو آپ سے جتنا قریب ہوا آپ ﷺ کی اس خوبی کا

Marfat.com

آئینہ بنا۔ ازواجِ مطہرات سے زیادہ قرب کا شرف اور کسے نصیب ہو سکتا ہے لہٰذا آپ کی جملہ ازواج مطہرات اس خوبی سے خوب مزین و آراستہ نظر آتی ہیں۔ میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو بھی اس کا وافر حصہ ملا۔ غناء اور قناعت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ جیسا کہ آپ کے متعدد واقعات سے ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک تھیلی میں درہم بھیجے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا بہت خوب درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں انہیں ہاتھ لگائے بغیر ہی آپ نے تقسیم کر دیا اسی طرح آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بھی ممتاز نظر آتی ہیں۔ آپ کی یہ خوبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد پسند تھی۔

میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانچ حدیثیں روایت کیں۔ جن میں سے صرف ایک اپنے معیار کے مطابق امام بخاری نے لی باقی احادیث کی دیگر کتب میں موجود ہیں۔ اس طرح آپ کو محدثہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

آپ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری زمانہ تقریباً ۲۲ھ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ دیگر مزارات مقدسہ کی طرح آپ کا مزار مبارک بھی نامعلوم ہے۔

تیسری ماں

اپنے رب کریم کی محبوبہ بندی، محبوبِ رب کی چہیتی بیوی، افضل الخلق بعد الانبیاء، رفیق دنیا و آخرت، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نور نظر میری اور امت مسلمہ کی ماں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کے دسویں سال حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی موجودگی ہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ بوقت نکاح آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی جبکہ آپ کی رخصتی ہجرت کے سات ماہ بعد شوال میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی بوقت نکاح آپ کا مہر بھی چار سو درہم مقرر ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک روایت مسلم شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوا کرتا تھا۔ اس رشتہ کی محرک بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جبیر بن مطعم سے طے پا چکا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اس بناء پر انکار کر دیا تھا کہ اگر عائشہ میرے گھر میں آئیں تو ان کے ساتھ اسلام بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ جبیر بن مطعم اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے لیکن وقت آیا کہ اللہ نے انہیں ہدایت دی مشرف باسلام ہوئے اور اجلہ صحابہ میں شمار ہوئے۔

ایک خاص بات یہ کہ شوال ہی میں آپ کا نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ جس کی وجہ یہ کہ ماضی میں کبھی اس مہینہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی۔ اس وجہ سے اہل عرب اس مہینہ کو خوشیوں، شادی بیاہ وغیرہ کے لئے منحوس خیال کرتے تھے۔ میرے آقا ﷺ کے مشن کا ایک حصہ اوہام باطلہ کو مٹانا تھا لہٰذا آپ نے اسی ماہ میں خوشی و مسرت کا یہ کام انجام دیا اور ہمیشہ کے لئے شوال اور دیگر تمام ایام کو نحوست کے داغ سے پاک وصاف کر دیا کہ اسلام میں کوئی دن رات یا مہینہ نحس نہیں۔

Marfat.com

میری اس تیسری ماں کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکم کے خزانہ سے جو وافر حصہ عطا فرمایا تھا دیگر ازواج مطہرات ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کی عورتوں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہوسکا۔ آپ کے علم و فضل کی اسی شان کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

خُذُوْا نِصْفَ دِيْنِكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْحُمَيْرَآءِ۔

اپنے دین کا نصف علم اس حمیراء یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔

اور اسی لئے جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں اکابر صحابہ کرام اور تابعین تک آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

مَآ اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا عِلْمًا۔

جب بھی اصحاب رسول ﷺ کو کسی دینی بات میں دشواری پیش آئی تو ہم نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو ان کے پاس اسے کے متعلق علم پایا (تسلی بخش جواب پایا)۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ماں کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ اِلٰى جَمِيْعِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعِلْمِ جَمِيْعِ النِّسَآءِ لَكَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ اَفْضَلُ۔

اگر، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا موازنہ دیگر ازواج مطہرات کے اور دوسری تمام عورتوں کے علم سے کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ اَفْقَهَ النَّاسِ وَاَحْسَنَ النَّاسِ رَاْيًا فِي الْعَامَّةِ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے زیادہ دین کو سمجھنے والی تھیں اور آپ کی رائے سب سے عمدہ ہوتی تھی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خصوصی طور پر آپ کے علم طب، فقہ اور شعر گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَا رَاَيْتُ اِمْرَاءَ ةً اَعْلَمَ بِطِبٍّ وَّلَا فِقْهٍ وَّلَا شِعْرٍ مِنْ عَائِشَةَ۔

میں نے کسی عورت کو علم طب، فقہ اور شعر گوئی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ باکمال نہ پایا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو اس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی اور نو برس کی عمر میں آپ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں گویا صرف نو سال کا قلیل عرصہ آپ کو شرف رفاقت حاصل رہا لیکن اس قلیل عرصہ میں آپ نے دین کا جو خزانہ معلم کامل ﷺ سے حاصل کیا۔ وہ ازواج مطہرات ہی کیا

Marfat.com

کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس میں دو ہزار دو سو بارہ احادیث کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی اولاد کو منتقل کیا۔ ان میں چون احادیث صحیح بخاری میں اڑسٹھ مسلم شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض صحابہ نے کہا کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ ہماری ماں کا بیان کردہ ہے جبکہ بالخصوص عورتوں سے متعلق مسائل کا اکثر حصہ آپ ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کی عمر چھیاسٹھ برس کی ہوئی گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اڑتالیس برس تک علم کا دریا بہاتی اور تشنگان علم کو سیراب کرتی رہی۔ آپ کا اکثر وقت درس و تدریس، تقریر اور افتاء میں ہی صرف ہوتا تھا اور پروانے اس شمع علم و عرفان کے گرد جمع رہتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کا بیان ہے کہ ہم نے مرد و عورت کسی میں حضرت عائشہ جیسا خوش تقریر اور تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت، شعر گوئی، علم ادب، علم انساب میں باکمال نہ پایا۔ آپ کو شعراء عرب کے بڑے بڑے قصیدے زبانی یاد تھے جنہیں دوران تقریر آپ پڑھا کرتیں تو حاضرین و سامعین کے جذبات بے قابو ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ تشنگانِ علم کو آپ خوب سیراب کیا کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ اپنی تمام ازواج کے ساتھ عدل و انصاف کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خداداد صلاحیتوں کے سبب آپ کو ان سے جو قلبی لگاؤ تھا وہ دیگر ازواج میں سے کسی سے نہ تھا اور آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تُؤَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ۔

اے اللہ یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جن کا میں مالک ہوں اور جو میرے بس میں نہیں اس میں میرا مؤاخذہ نہ فرمانا۔

یعنی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مکان، نان و نفقہ، کپڑے اپنے اوقات جن چیزوں پر بھی میرا قابو ہے ان کو میں اپنی ازواج پر پورے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں لیکن قلبی میلان صرف عائشہ ہی کی طرف ہے جس پر مجھے قابو نہیں پس اے اللہ تو مجھ سے اس کا مؤاخذہ نہ فرمانا۔ اسی لئے اللہ کے محبوب ﷺ کا اپنی محبوبہ پر خصوصی کرم رہتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بتاتی ہیں کہ:

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں گڑیوں سے کھیلتی تھی میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلنے آتی تھیں لیکن جونہی آپ ﷺ تشریف لاتے تو وہ شرم سے اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو اللہ کے رسول ﷺ خود باہر تشریف لے جاتے اور میری سہیلیوں کو میرے پاس بھیج دیتے تھے (تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں)۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنی اس چہیتی بیوی کی اداؤں اور مزاج کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے عائشہ میں یہ جان لیتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کس وقت ناراض ہوتی ہو انہوں

Marfat.com

نے پوچھا وہ کیسے یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ مُحَمَّد" رب محمد کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيم" "رب ابراہیم کی قسم پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ" یا رسول اللہ ﷺ! میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (یعنی آپ سے محبت وتعلق میں کوئی کمی نہیں کرتی)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری ان ماں سے اظہار محبت والفت کرتے ہوئے بتایا راویہ ہیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا:

اے عائشہ (قبل نکاح) تم متواتر تین رات مجھے خواب میں دکھائی گئیں اس طرح کہ ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لے کر آتا (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شبیہ دکھائی جاتی تھی) اور کہتا یہ آپ کی زوجہ ہیں ان کا چہرہ کھولئے پس میں نے دیکھا تو وہ تم تھیں میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کردے گا۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب پورا ہوا کیونکہ نبی کا ہر خواب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے یا حکم دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک وحی الٰہی کی صورت ہے اور یا مژدہ وخبر دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک اخبار بالغیب کا طریقہ ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ کی طرف سے عطیہ اور تحفہ تھیں۔

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی اور اس حقیقت کا علم تمام صحابہ کرام کو تھا لہٰذا آقا کی خوشی کے لئے غلام بھی ان سے بے حد محبت کرتے اور ان کی خوشنودی کے خواہاں رہتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ نے بتایا کہ "جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کی باری میرے گھر ہوتی تھی اسی دن لوگ تحائف بھیجا کرتے تھے۔" "يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم" کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے طلب گار ہوتے تھے (یعنی صحابہ کرام کو یقین تھا کہ ہمارے ان تحائف سے ہماری ماں کو خوشی ہوگی اور ان کی خوشی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا ذریعہ ہے)۔

یہ بات ان بدعقیدہ لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو امت کی ماں پر بے تکے الزامات عائد کرنے اور طعن وتشنیع کے جرم میں مبتلا ہیں العیاذ باللہ مزید غور فرمایئے۔ اسی حدیث میں ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا (کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ رضی اللہ عنہن کا تھا جبکہ دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا (یہ گروہ بندی مخالفت کے لئے نہ تھی بلکہ ہم مزاجی کی بناء پر تھی کہ جس کا جس سے زیادہ مزاج ملتا تھا وہ اس کے ساتھ زیادہ ملتا جلتا تھا ورنہ میری سب مائیں میل ومحبت سے رہتی تھیں اور ایک دوسرے کی خوبیاں تسلیم کرتی تھیں، ہاں کبھی آپس میں رقابت بھی ہو جاتی تھیں جو فطری تقاضا ہے، بہر حال) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے باہمی گفتگو کے بعد طے کیا اور ان سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کریں کہ وہ صحابہ میں اعلان کردیں کہ جو کوئی حضور علیہ

Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ بھیجنا چاہئے وہ بھیج دیا کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس گھر میں بھی ہوا کریں (یعنی ضروری نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ہی انتظار کیا جائے۔ غور فرمایئے میرے آقا ﷺ اس درخواست کا کیا جواب دیتے ہیں آپ نے فرمایا) ''لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ'' عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دیا کرو (تم لوگ جب عائشہ کے خلاف کوئی بات کرتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے ایسا نہ کیا کرو کیونکہ) ''فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَأَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ'' کیونکہ عائشہ کے سوا کوئی بیوی نہیں جس کے بستر میں میں ہوں اور وحی نازل ہو۔ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب سنا تو فوراً) عرض کرنے لگیں ''اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ'' میں آپ کو ایذا رسانی سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ (لیکن ان کے گروہ کی دیگر ازواج نے ایک کوشش اور کی) انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور سارا معاملہ بیان کر کے کہا کہ آپ حضور کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری درخواست پیش کریں (کہ آپ چہیتی ہیں سرکار آپ کی بات ہرگز نہ ٹالیں گے) پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر حسب سابق گزارش پیش کی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ'' کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ لاڈلی بیٹی نے کہا ''بَلٰى'' کیوں نہیں ''قَالَ فَاَحِبِّيْ'' فرمایا پس تم عائشہ سے محبت کرو۔

بہرحال اس واقعہ سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ محبوبہ ہیں کہ ان کی تکلیف سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی ایذاء رسانی درحقیقت عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے اور جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی گویا اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس:

اے ایمان والو نیک اور اچھی اولاد کی طرح اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرو۔

میری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (تابعی) ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''عائش'' (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے بطور محبت عائش فرمایا اسے ترخیم کہا جاتا ہے) ''هٰذَا جِبْرَئِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ'' یہ جبرئیل ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وعليه الصلوٰة والسلام ورحمة الله نیز فرمایا ''وَهُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت والفت کا اہم ترین ثبوت میرے آقا ﷺ کے ایام مرض الموت کا عمل ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایام مرض میں روزانہ پوچھا کرتے تھے کہ آج میں کہاں رہوں گا کل میں کہاں رہوں گا حتیٰ کہ ازواج مطہرات کو احساس ہونے لگا کہ ہمارے آقا ﷺ کی درحقیقت یہ خواہش ہے کہ ایام مرض، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بسر ہوں پس سب ازواج جمع

Marfat.com

ہوئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہماری طرف سے بخوشی اجازت ہے کہ آپ جب تک چاہیں ہماری باری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر قیام فرمائیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میری ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کئے حتیٰ کہ یہی حجرۂ مبارکہ سید الانبیاء ﷺ کی آخری آرامگاہ بنا۔ جس کا ایک حصہ عرش الٰہی سے بھی افضل قرار پایا جو بقعۂ نور ہے کہ یہاں حاضر ہونے والوں کے دل ہی نہیں بلکہ چہرے بھی نورِ ایمان سے چمکنے لگتے ہیں، یہاں بے چین دلوں کو سکون میسر آتا ہے، یہاں سے گناہ گاروں کو مغفرت و عافیت کا پیام ملتا ہے، بھکاریوں کی خالی جھولیاں مرادوں سے بھری جاتی ہیں، زائرین کو شفاعت کا مژدہ سنایا جاتا ہے، یہی حجرۂ عائشہ ہے جس پر ہر صبح اور ہر شام ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے بیشمار غلام درود و سلام کے گجرے لئے گھیرے رہتے ہیں جہاں اولیاء و اصفیاء، علماء و مشائخ، عوام و خواص سب ہی کی جبین نیاز جھکی نظر آتی ہے۔

میری ماں پر بہتان

الزام تراشی اور بہتان بازی دین کے دشمنوں کا ایک اوچھا، نہایت کمزور ہتھیار ہے جسے وہ ہر دور میں انبیاء و رسل، اولیاء و اصفیاء، علماء اور صالحین کی آبروریزی اور بدنامی کے لئے استعمال کرتے آئے ہیں اور ہمیشہ ہی ناکام اور ذلیل وخوار ہوتے رہے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ پس الزام تراشی اور بہتان بازی کرنے والے نہ تو اللہ سے عزت چھین سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے رسول اور اہل ایمان کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ عزت والا رب اپنے عزت والے بندوں کی عزت کی خود ہی حفاظت فرماتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس پر ہر دور میں ڈاکہ زنی کی کوشش کی جاتی رہی لیکن نہ تو آج تک کوئی کامیاب ہو سکا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے غلاموں اور دین کے خدام کو رسوا و ذلیل کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن ہمیشہ دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ذلیل و خوار ہوئے کہ جسے عزت والے رسول کی نسبت اور تعلق سے عزت ملتی ہے عزت والا اللہ اپنے رسول کی لاج رکھتا ہے اور اس کے خدام کی عزت کی حفاظت فرماتا ہے۔

بہر حال مکی زندگی میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے دشمن کفار مکہ تھے اور مدنی زندگی میں منافقین آپ پر الزام لگانے اور بہتان باندھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع ان کے ہاتھ آیا اور انہوں نے میری ماں اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک الزام لگا دیا۔ اس بہتان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابۂ کرام اور بالخصوص میری ماں کو کتنی تکلیف ہوئی اس کا اندازہ آپ کو واقعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے لفظ ''اِفک'' یعنی بہتان سے بیان کیا ہے۔ اس لئے اسے واقعہ ''اِفک'' ہی کہا جاتا ہے۔ تمام ہی مفسرین، محدثین، مؤرخین نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنی ماں کی عظمت و طہارت کو اجاگر کرنا اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے تو کیوں نہ ہم اس ذمہ داری کو پورا کر کے اپنی مقدس ماں

Marfat.com

کی عظمت کو سلام اور نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ پس لیجئے اس واقعہ کا مطالعہ کیجئے جسے ہم مطالعۂ بسیار کے بعد اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں اس کی راویہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

واقعۂ افک

یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے دوران پیش آیا۔ یہ غزوہ باختلاف روایات ماہ شعبان ۵ یا ۶ ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس غزوے کے لئے لشکر اسلام میں منافقین کا ایک گروہ اپنے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت میں شامل تھا نیز لشکر اسلام کے صرف چھ سو چند مجاہدین نے مخالف کے ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کیا جو چند گھنٹے جاری رہا اور بالآخر دشمن نے ہار مان لی ہتھیار ڈال دیئے۔ مزید برآں یہ کہ مسلمانوں میں سے صرف ایک سپاہی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے دس آدمی مارے گئے۔ غرضیکہ اتنی آسانی سے مسلمانوں کی شاندار فتح و کامیابی کو دیکھ کر منافقین کے دلوں میں حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی اور وہ کوئی ایسا موقع تلاش کرنے لگے جس سے مسلمانوں کی خوشی ومسرت میں وہ زہر گھول سکیں۔ اتفاق سے ایک موقع ہاتھ آیا اور وہ وقتی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

نبی مکرم ﷺ کا یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ آپ سفر میں اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ جس کا انتخاب آپ اپنی مرضی سے نہ کرتے تھے بلکہ قرعہ اندازی کا منصفانہ طریقہ اختیار فرماتے تھے تاکہ میری ماؤں میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو اس سفر کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا اور قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا پس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ہو گئیں۔

جب جنگ کامیابی کی مسرت وخوشی کے ساتھ ختم ہوئی اور مدینہ منورہ واپسی کے لئے اونٹ تیار کئے جانے لگے تو میری ماں قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے کچھ دور تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ عام طور پر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سفر وغیرہ کے لئے روانگی سے قبل اپنی ضروریات پوری کر لیتی ہیں تاکہ درمیان میں کہیں رکنا نہ پڑے۔ انہیں کسی نے جاتے نہ دیکھا کیونکہ پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور کی زوجہ مقدسہ کو قافلہ سے قدرے دور ایک طرف کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں قضائے حاجت کے بعد واپس ہو رہی تھی کہ میرا ہاتھ سینہ پر لگا تو میرا ہار گلے میں نہ تھا جو یمنی سیپوں کا بنا ہوا تھا مجھے بہت پسند تھا میں وہ تلاش کرنے لگی کچھ دیر ہو گئی واپس آ کر دیکھا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا کیونکہ آپ کا ہودج اٹھانے والوں نے خوشی اور جلدی میں اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت ہلکی پھلکی نہایت نحیف تھیں۔ ہودج اٹھانے والوں کو ان کی عدم موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔ آپ یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں اب قافلہ کا تعاقب کرنے کے بجائے آپ نے وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ قافلہ واپس آئے تو آپ اپنی جگہ مل سکیں کہ تعاقب کی صورت میں مزید پریشانی پیش آ سکتی تھی کہ قافلہ یہاں واپس آتا اور آپ کسی دوسری طرف اسے تلاش کرتی ہوتیں۔

انتظار کرتے ہوئے رات کافی ہو گئی آپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ اپنی چادر میں وہیں لیٹ کر سو گئیں یہاں تک کہ آخر شب میں صفوان بن معطل سلمی ذکوانی آ پہنچے ان کو یہی کام سونپا جاتا تھا کہ یہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور اگر قافلہ کا کوئی سامان

Marfat.com

چھوٹا ہوا ملے تو وہ اٹھالیا کریں۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور آپ نے اپنا کام شروع کیا تو آپ اپنی ماں کو چادر میں لپٹا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور بس آپ نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور اتنی بلند آواز سے پڑھا کہ ماں بیدار ہوگئیں۔ آپ نے بغیر کوئی بات کئے اپنی اونٹنی اپنی ماں کے قریب لا کر بٹھائی۔ وہ اس پر سوار ہوئیں اور صفوان آگے آگے اونٹنی کی نکیل پکڑے چل دیئے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں ''وَاللّٰهِ مَا يُكَلِّمُنِيْ كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجَاعِهٖ'' بقسم (صفوان نے) مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے دوران سفر ان کے اناللہ پڑھنے کے علاوہ ان کی زبان سے کوئی اور بات سنی بہرحال صفوان قافلہ میں آکر شامل ہوگئے اور قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

بات صرف اتنی سی تھی لیکن منافقین جن کا کام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا تھا اور آج کے منافقین بھی اپنے اسلاف کی اتباع میں ایسا ہی کرتے ہیں انہوں نے اس معمولی بات کا بتنگڑ بنا دیا اور عبداللہ بن ابی خبیث نے میری ماں کی پاکدامنی کو مجروح کرنے کی باقاعدہ تحریک شروع کردی وہ اور اس کے چیلے شہر کے گلی کوچوں اور ایک ایک گھر میں پروپیگنڈا کرتے پھرتے تھے حتیٰ کہ بعض بھولے بھالے صحابہ بھی منافقین کی اس مذموم حرکت کا شکار ہوگئے جن میں حضرت حسان، حضرت مسطح رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے نام بیان کئے گئے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب منافقین کی اس خباثت کا علم ہوا تو آپ کو بے حد صدمہ پہنچا اس لئے نہیں کہ آپ کو اس بات کے بیہودہ اور قطعاً غلط ہونے میں شک تھا آپ کو یقیناً اپنی ازواج پر مکمل اعتماد تھا اور ان کی پاکدامنی کا علم تھا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: ''فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا'' بقسم میں اپنی اہلیہ کی پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ ''وَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا'' اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا ہی علم ہے۔ پس آپ کے افسوس اور صدمہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ منافقین نے آپ کی بیوی کے پاک دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی آپ نے ازخود اپنے کسی فیصلہ کا اعلان نہ فرمایا۔

اس لئے کہ آپ اس ذاتی معاملہ میں فیصلہ الٰہی کے خواہاں اور منتظر تھے تاکہ الزام لگانے والوں کو مزید موشگافی کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ ان کے منہ بند ہو جائیں اور اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جائے۔ ان کے دل مطمئن اور مسرور ہو جائیں نیز میری ماں کی پاکدامنی، پاکیزگی اور طہارت کا وہ ثبوت فراہم ہو جو اس سے پہلے کسی صاحبہ فضیلت وعظمت کو میسر نہ آسکا۔ یہ صرف میری ماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نصیب ہے کہ ان کی برأت کے لئے ایک دو نہیں دس قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جن کی تلاوت قیامت تک ہوتی رہے گی، اہل ایمان جب بھی ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور اپنی ماں کے انتہائی تقدس کے اس قطعی ثبوت پر ان کے سرفخر سے بلند ہو جاتے ہیں اور منافقین حسد کی آگ میں مزید بھننے لگتے ہیں وہ ان آیات کی بے سروپا تاویلیں گھڑتے رہتے اور ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں، فالحمد للہ رب العلمین۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آتے ہی بیمار ہوگئی تھیں اور ایک ماہ تک بیمار رہیں انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ باہر ان کے خلاف کیا باتیں ہو رہی ہیں ہاں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رویہ میں تبدیلی ضرور محسوس کر رہی تھیں کہ

Marfat.com

آپ تشریف لاتے، سلام کرتے اور بس ''کَیۡفَ تِیۡکُمۡ'' تم کیسی ہو فرماتے اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ ظاہر ہے سرکار کی یہ بے رخی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حد شاق تھی جس کے سبب آپ کے مرض میں اضافہ ہوا اور آپ اس قدر کمزور ہو گئیں کہ بے سہارا اٹھنا، بیٹھنا تک مشکل ہونے لگا۔

اس زمانہ کے لوگ بیت الخلاء گھروں میں بنانا پسند نہ کرتے تھے۔ قضاءِ حاجت کے لئے آبادی سے باہر جایا کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے مزید دشواری یہ تھی کہ وہ شرم وحیاء نیز پردے کی پابندی کے سبب رات کو جایا کرتی تھیں۔ پس ایک رات ام المؤمنین ام مسطح کے ہمراہ قضاءِ حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ واپسی میں اتفاق سے ام مسطح کا پیر چادر میں پھنسا اور وہ گر پڑیں اس حال میں ان کے منہ سے نکلا ''تَعِسَ مِسۡطَحٌ'' مسطح ہلاک ہو جائے یعنی انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ ام المؤمنین کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے بیٹے کو اس طرح بددعا نہیں دینا چاہئے وہ تو ایک نیک نوجوان ہیں۔ جو بدری ہیں یعنی غزوہ بدر میں شامل ہوئے اور بدری کی فضیلت تم جانتی ہو۔ ام مسطح بولیں میں اس سے نفرت کرتی ہوں کیونکہ وہ تم پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکیں اور پوچھا یہ تہمت والی بات کیا ہے۔ کیا معاملہ ہے میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ پس ام مسطح نے تفصیل سے سب بات بتائی جس سے ام المؤمنین کو بے حد صدمہ پہنچا مرض میں مزید اضافہ ہو گیا۔ نقاہت وکمزوری اور بڑھ گئی جیسے تیسے گھر پہنچیں۔ کچھ ہی دیر بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور آپ نے سلام کے بعد پوچھا ''کَیۡفَ تِیۡکُمۡ'' تم کیسی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اَتَاذَنُ لِیۡ اَنۡ اٰتِیَ اَبَوَیَّ'' کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں کیونکہ وہ اپنے والدین سے اس معاملہ کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ اپنے گھر پہنچیں اور ماں سے حالات معلوم کئے ماں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تم اتنی پریشان نہ ہو۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ بالخصوص اس عورت کے ساتھ جو اپنے شوہر کی پسندیدہ ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں لیکن میری ماں اتنی غمزدہ تھیں کہ ماں کی تسلی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا وہ ساری رات اور سارا دن روتی رہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آنسوؤں کا سلسلہ منقطع نہ ہوا نہ سو سکیں نہ کچھ کھایا پیا والدین بھی یہ کیفیت دیکھ کر بے حد متفکر رہے۔ صبح ایک انصاری عورت آپ سے ملنے آئیں وہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر رونے لگیں۔ اسی دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور ایک ماہ کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ آپ میری ماں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ آپ نے اولاً کلمہ شہادت پڑھا اور نہایت ہی محبت بھرے لہجہ میں آپ نے اپنی لاڈلی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عائشہ مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا اور اگر تم اس گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو''۔ ''فَاِنَّ الۡعَبۡدَ اِذَا اعۡتَرَفَ بِذَنۡبٍ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ'' کیونکہ بندہ جب اعتراف گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔'' حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے اور میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کا جواب دے دیجئے لیکن وہ بولے ''مَا اَدۡرِیۡ مَا اَقُوۡلُ لِرَسُوۡلِ

Marfat.com

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ ''میں نہیں جانتا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا جواب دوں پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ جواب دے دیجئے تو انہوں نے بھی یہی کہہ دیا بالآخر میں نے ہی ہمت کی اور جواب دیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے شدید حزن وملال کے دباؤ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیا۔ اس کا ایک ایک لفظ ان کے علم وفضل اور عقل وفہم کا ثبوت فراہم کرتا ہے لہٰذا اہم حدیث مسلم کی وہ عبارت من وعن نقل کرتے ہیں پڑھئے اور ایمان تازہ کیجئے آپ نے فرمایا ''اَنَا جَارِيَةٌ حَدِيۡثَةُ السِّنِّ لَا اَقۡرَأُ كَثِيۡرًا مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ''میں ایک کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن کریم بھی نہیں پڑھی ہوئی ہوں۔ ''اِنِّيۡ وَاللّٰهِ لَقَدۡ عَرَفۡتُ اَنَّكُمۡ قَدۡ سَمِعۡتُمۡ بِهٰذَا حَتّٰى اسۡتَقَرَّ فِيۡ نُفُوۡسِكُمۡ وَصَدَّقۡتُمۡ بِهٖ'' بخدا مجھے یہ معلوم ہے کہ تم لوگوں نے اس خبر تہمت کو سن لیا ہے اور یہ تم لوگوں کے دلوں میں جم گئی ہے اور تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ ''فَاِنۡ قُلۡتُ لَكُمۡ اِنِّيۡ بَرِيۡئَةٌ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنِّيۡ بَرِيۡئَةٌ لَا تُصَدِّقُوۡنِيۡ بِذٰلِكَ ''پس اگر میں تم سے کہوں کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم میری تصدیق نہ کرو گے۔ ''وَلَئِنِ اعۡتَرَفۡتُ لَكُمۡ بِاَمۡرٍ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اَنِّيۡ بَرِيۡئَةٌ لَتُصَدِّقُوۡنَنِيۡ ''اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں جب کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری بات مان لو گے'' وَاِنِّيۡ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُ لِيۡ وَلَكُمۡ مَثَلًا اِلَّا كَمَا قَالَ اَبُوۡ يُوۡسُفَ ''اور میں اپنے اور تمہارے درمیان صرف ابو یوسف (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مثال پاتی ہوں (کہ وہی کہوں جو انہوں نے کہا تھا)۔ ''فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ''صبر جمیل کرتا ہوں اور تم جو کر رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔

ام المومنین اس گفتگو کے بعد اٹھیں اور ایک طرف جا کر لیٹ گئیں اب وہ قدرے مطمئن تھیں کہ آج بات صاف ہو گئی اور یقیناً اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ میری برأت ظاہر فرمادے گا۔ فرماتی ہیں لیکن مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ رب کریم میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائے گا جس کی قیامت تک تلاوت کی جائے گی کہ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ خواب حقیقت حال سے واقف کر دیا جائے گا (کہ نبی کا خواب بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے۔ جس کا یقین کرنا امت پر واجب ہے)۔

ام المومنین اگرچہ اپنے آپ کو اتنا بلند مرتبہ نہ سمجھتی تھیں کہ ان کی پاکدامنی کا اعلان بذریعہ آیات قرآنی کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تحفۂ الٰہی تھیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں پس اللہ نے اپنے تحفہ کے تقدس اور اس کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کی حفاظت فرمانی چاہی۔ نیز یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نہ تھا بلکہ یہ تہمت لگا کر منافقین نے اللہ کے رسول ﷺ کی عصمت کو داغدار کرنے اور اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام سازش کی تھی۔ جس پر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ندامت و شرمندگی برداشت کرنا پڑتی۔ پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ قرآن کریم کے ذریعہ میری ماں کی برأت کا اعلان فرمایا۔ جس سے امت کی ماں کی عظمت و فضیلت بھی نمایاں ہوئی۔ عصمت نبوت کی چادر بھی صاف و شفاف ہوگئی۔ اسلام کی حفاظت مزید اجاگر ہوگئی اور قیامت تک ان آیات کو تلاوت کرنے والوں کا سر فخر

Marfat.com

سے بلند ہو گیا۔

بہر حال اس گفتگو کے بعد حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قدرے اطمینان ہوا اور انہیں یقین سا ہو گیا کہ اب اللہ کی طرف سے ضرور برأت کا اظہار ہو گا ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تشریف فرما تھے کہ آپ کے چہرۂ انور پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہونے لگے کہ سخت سردی کے باوجود بھی آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگتے تھے۔ آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہوئی اور جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر آپ کو آیات برأت سنائیں جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی جھلکنے لگی اور آپ نے پہلے اپنی زوجہ محبوبہ کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: ''اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃَ اَمَّا اللّٰہُ فَقَدْ بَرَّاکِ'' اے عائشہ مبارک ہو اللہ نے تمہاری برأت کا اعلان فرما دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا اے عائشہ کھڑی ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکریہ ادا کرو میں نے بطور ناز کہا میں کسی کے لئے کھڑی نہ ہوں گی اور نہ ہی کسی کا شکریہ ادا کروں گی میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت ظاہر فرمائی ہے۔

آپ کے مطالعہ کے لئے قرآن کریم کی آیات برأت پیش کرنے سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ محترمہ کی پاکدامنی کا یقینی علم ہونے کے باوجود معاملہ کی تحقیقات کا پوری طرح وہ طریقہ اختیار فرمایا جو کسی عام مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک منصف قاضی کو شرعاً اختیار کرنا چاہئے تاکہ کسی دشمن اسلام کو میرے آقا ﷺ کے عدل وانصاف پر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے اور یہ نہ کہا جا سکے کہ جو دوسروں کے معاملات میں عدل وانصاف کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے اپنے معاملہ میں اس کا لحاظ نہ کیا اور بلا تحقیق وتفتیش اپنی اہلیہ کو پاکدامن قرار دے دیا۔ پس آپ ﷺ نے جس، جس سے مناسب سمجھا اس معاملہ کی تحقیق فرمائی مثلاً آپ نے اپنی زوجہ مکرمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شامل تفتیش کیا کیونکہ وہ بحیثیت سوکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ زیادہ ہی رقابت رکھتی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ عائشہ کے معاملہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے جواب دیا ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا'' میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہوں (یعنی غیر ضروری اور لایعنی باتوں پر توجہ نہیں کرتی) عائشہ کے متعلق میں پاکیزگی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا کیونکہ اسامہ آپ کے اہل خانہ جیسے تھے۔ پس ان سے سوال فرمایا کہ اپنی ماں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا ''ھُمْ اَھْلُکَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا'' وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور ہم ان کے متعلق پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کے متعلق مشورہ کیا انہوں نے سوال کی مناسبت سے جواب دیتے ہوئے کہا ''لَمْ یُضَیِّقِ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَالنِّسَآءُ سِوَاھَا کَثِیْرٌ وَاِنْ تَسْاَلُ الْجَارِیَۃَ تَصْدُقْکَ'' اللہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے (آپ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں) اور ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں (آپ کے لئے عورتوں کی کیا کمی) (لیکن بہتر ہو گا کہ اس معاملہ میں) آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی سے

Marfat.com

تفتیش کریں کہ وہ آپ کو صحیح صورت حال بتا سکیں گی (کیونکہ وہ عائشہ کے بہت قریب ہیں اور ان کی عادات واطوار سے بخوبی واقف ہیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق ام المومنین کی باندی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور آپ نے ان سے پوچھا ''هَلْ رَاَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يُرِيْبُكِ مِنْ عَائِشَةَ'' کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے تمہیں ان کے متعلق کوئی شک وشبہ ہو انہوں نے جواب کو طویل کرتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ میرے علم کے مطابق اگر عائشہ میں کوئی عیب ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ایک کم عمر لڑکی ہیں۔ (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ اپنے گھر کا آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں اور بکری آکر وہ آٹا کھا جاتی ہے (یعنی ایسی کم عمر لاپرواہ بچی پر تہمت کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود اس پر غور فرمالیجئے) ''وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا اِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلٰى تِبْرِ الذَّهَبِ الْاَحْمَرِ'' بخدا میں تو انہیں اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص سونے کی سرخ ڈلی کو جانتا ہے۔ سبحان اللہ باندی نے اپنی مالکہ کی پاکدامنی کو کیسے پیارے انداز سے بیان کیا خالص سونے کو سنار سے زیادہ کون پہچان سکتا ہے اسی طرح میں ان کے اتنے قریب ہوں کہ میں نے انہیں خوب پہچانا اور خالص سونے کی طرح ہر قسم کے میل کچیل سے پاک صاف وشفاف پایا۔ اللہ کی قسم ہم بھی اپنی ماں کو ایسا ہی پاک وصاف یقین کرتے ہیں۔ اے اللہ واسطہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا تو ہماری مادی ماؤں کو بھی مقدس و پاک دامن کر دے آمین۔

مزید ملاحظہ فرمایئے کہ صحابہ کرام کو اپنی ماں کی پاکدامنی کا کس درجہ یقین تھا جس کا اظہار انہوں نے کیسی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چونکہ بیٹی کا معاملہ تھا اس لئے وہ ان کی پاکدامنی پر یقین کے باوجود خاموش اور غمزدہ رہے لیکن...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ جب اللہ اتنا پسند نہیں فرماتا کہ آپ ﷺ کے جسم پر مبارک پر مکھی بیٹھے صرف اس لئے کہ وہ نجاست پر بیٹھتی ہے تو میرا رب یہ کیسے گوارا فرما سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر کسی فاحشہ عورت کے جسم سے مس ہو کر نجاست میں ملوث ہوتا رہے (پس یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کی کوئی بیوی بھی کسی برائی میں مبتلا ہو)۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے نورانی جسم کا سایہ نہیں اس لئے کہ آپ کے مبارک سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑنے پائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کی زوجہ کی کوئی عزت پامال کرے اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ایک موقع پر بحالت نماز جنازہ اللہ نے آپ کی بارگاہ میں جبرئیل کو صرف اتنی سی بات کی خبر دینے کے لئے بھیجا کہ آپ کی نعل مبارک میں نجاست لگی ہوئی ہے۔ آپ اسے اتار دیں تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ کسی برائی میں مبتلا ہوئی ہوتیں تو اللہ آپ کو ان کے حال کی ضرور خبر کر دیتا اور ان سے علیحدگی کا حکم دیتا کہ یہ تو بہت ہی اہم معاملہ ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا (کہ تمام صحابہ اس واقعہ کی وجہ سے پریشان، متفکر اور مغموم تھے اور ہر گھر میں یہی واقعہ موضوع گفتگو بنا ہوا تھا) پس انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ ام المؤمنین کے متعلق جو افواہ پھیلی ہے کیا تمہیں اس کا علم ہے اور اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا آپ یہ بتائیے کہ اگر آپ صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کر سکتے تھے۔ وہ بولے معاذ اللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا پھر بیوی نے کہا اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ ہوتی تو کبھی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خیانت کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتی تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے بدرجہا افضل واعلیٰ ہیں اور صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس برائی میں مبتلا ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ بخدا یہ جھوٹ ہے۔ منافقین کی سازش ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے علم ویقین اور ام المؤمنین کی پاکدامنی پر صحابہ کرام کی واضح شہادتوں کے باوجود ازخود فیصلہ صادر نہ فرمایا بلکہ وحی الٰہی کے منتظر رہے تاکہ قیامت تک کسی دشمن رسول کو کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ نیز اللہ کے دربار میں آپ کے اور ام المؤمنین کے بلند منصب ومرتبہ کا اندازہ ہو سکے لیکن وحی الٰہی ایک ماہ تک خاموش رہی۔ یہ طویل عرصۂ انتظار کیسے گزرا ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ منافقین کا پروپیگنڈا پھیلتا رہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے گھر والے، صحابہ کرام، سب ہی حزن وملال اور سخت پریشان حالی میں مبتلا رہے۔ مدینہ کے ہر گھر پر غم واندوہ کے بادل چھائے رہے۔ اہم امور کی انجام دہی تک میں ہی خلل واقع ہوتا رہا۔ بالآخر نور کی پو پھٹی، رنج وملال کے بادلوں کی تاریکی چھٹی اور سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں جن سے سب کے دل منور وروشن ہو گئے۔ غمزدہ چہرے چمک اٹھے۔ آئیے ان آیات کا مطالعہ کر کے ہم بھی اپنے قلوب کو منور کریں، ایمان کو تازہ کریں۔

آیاتِ برأت

ان نورانی آیات کو آیات برأت کہا جاتا ہے یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے پاکیزگی کی آیات اس عظیم ابتلاء وآزمائش سے اعلان نجات کی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰۗىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ڰ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَلَوْلَآ اِذْ

Marfat.com

سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ۝۱۶
یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۷ وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۱۱ تا ۲۰)

بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لئے براخیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے اس کے لئے عذاب عظیم ہے ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنوں کے متعلق پاک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے وہ اس پر چار گواہ کیوں پیش نہ کر سکے (اگر وہ سچے تھے) پس جب وہ گواہ پیش نہ کر سکے وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا میں اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں ان باتوں کی وجہ سے بڑا عذاب (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ گفتگو کریں اس کے متعلق اے اللہ تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ بہت مہربان اور رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے تھے)

غور فرمائیے، کس قدر واضح انداز میں اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طہارت و پاکدامنی کا اعلان فرما رہا ہے۔ ابتداءً ہی اس واقعہ کو "افک" قرار دیا گیا یعنی یہ ایسا بہتان ہے جس کی کوئی انتہا نہیں یہ ایک لفظ ہی تردید اور منافقین کی سازش کا پردہ چاک کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن اس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ واقعہ کی سنگینی اور بدترین نتائج کا باعث ہونے کے سبب، دس آیات کے ذریعہ اس کا تفصیلی رد کیا گیا جن میں پہلے اسے "اِفک" انتہائی بہتان قرار دیا گیا پھر "اِفْکٌ مُّبِیْنٌ" کھلا بہتان فرمایا گیا اور پھر بہتان عظیم بڑا بہتان کہا گیا گویا ایک رتی ایسی گنجائش نہ چھوڑی گئی جس سے کوئی دشمن اسلام اس واقعہ کی صداقت ثابت کرنے کا سہارا لے سکے۔

Marfat.com

شر نہیں خیر ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے اہل خانہ بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جملہ صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو مطمئن کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس بہتان عظیم کو تم اپنے لئے شر خیال نہ کرو یہ نہ سمجھو کہ اس سے تمہاری یا اسلام کی بدنامی ہوئی ہے اور یہ تمہارے لئے ندامت و شرمندگی کا باعث بنا ہے ''بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' یہ تو تمہارے لئے خیر و بھلائی کا ذریعہ بنا ہے کہ کبھی برائی بھی ذریعہ بھلائی اور خیر بن جاتی ہے۔ دیکھئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک معمولی غلطی نے ہی ان کے ہمعصروں سے ممتاز کر دیا کہ مسجد نبوی شریف میں موجود ایک ستون ان کی پاکدامنی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو امت کے گناہ گاروں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے جس کے قرب سے قبولیت توبہ کی ضمانت ملتی ہے اور گناہ گاروں کو احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا۔ یہ بہتان عظیم تمہارے لئے شر نہیں یہ تو ذریعہ خیر بنا ہے کہ ہمیشہ کے لئے منافقین اور دشمنانِ اسلام اپنے بڑوں کی ناکامی و نامرادی پر ماتم کرتے رہیں گے اور نادم و شرمندہ ہوتے رہیں گے جبکہ اہل ایمان اپنی ماں کی عظمت کو ہمیشہ سلام کرتے رہیں گے اور اس پر فخر کریں گے اگر ان پر یہ بہتان عظیم نہ لگتا تو شاید وہ اپنوں اور غیروں کی نظروں میں اتنی بلند مرتبہ اور باعظمت نہ ہوتیں جتنی آج ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ اعزاز کم ہے کہ ہر گھر اور ہر منبر و محراب میں ان آیات کی تلاوت کے ذریعہ ہر لمحہ ان کا ذکر اور چرچا ہوتا رہتا ہے۔ پس اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو ایسی بیٹی کا باپ ہونا اور اے مسلمانو تمہیں ایسی عظیم ماں کا نصیب ہونا مبارک ہو جس کی عزت و ناموس کی حفاظت رب العلمین جل مجدہ نے کی۔

اور اس اعتبار سے بھی یہ بہتانِ عظیم خیر ثابت ہوا کہ اس کی وجہ سے غلاموں کے دلوں میں اپنے آقا ﷺ کی عظمت مزید اجاگر ہوئی اور آپ سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا کہ رب کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مکرمہ کی برأت کا اعلان کر کے درحقیقت میرے آقا ﷺ کی ہر اس عیب و نقص سے برأت کا اعلان فرمایا ہے جو دشمنان رسول ان کی طرف منسوب کرنے کی ناکام کوشش کریں کہ جو اللہ اپنے رسول کی بیوی کی رِداءِ تطہیر پر کوئی داغ گوارا نہ فرما سکے وہ اپنے رسول کی رداءِ عصمت پر کوئی دھبہ کیسے برداشت فرما سکتا ہے پس یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف کمالات کو مجروح کرنے والے ان سے کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والے جو ان کے شایان شان نہ ہو کسی بھی طرح کامیاب ہو سکیں۔ چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں، کھلے دشمن ہوں یا چھپے دشمن ہوں۔ نیز اس سے آپ کا وصفِ عدل و انصاف مزید نمایاں ہوگا کہ اپنی بیوی کی پاکدامنی کا علم ہونے اور اس کی تائید میں واضح شہادتیں حاصل ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے خود ان کی برأت کا اظہار نہ فرمایا بلکہ وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے جبکہ ان آیات کے نزول سے قبل آپ اپنے ایک خطبہ میں یہ اظہار فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا وَمَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ مِنْ سُوْءٍ'' بخدا میں اپنے اہل کے لئے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا اور مجھے ان سے کسی غلطی کا کوئی علم نہیں۔ یہ فیصلہ نہ تھا بلکہ اپنے علم کا اظہار تھا تاکہ کوئی آپ کو حقیقت حال سے بے خبر سمجھ کر آپ پر بے علمی کا داغ لگانے کی کوشش نہ کرے لیکن کیا کہا

Marfat.com

جائے ان بدنصیبوں کو جو یہ سب جانتے ہوئے بھی اس واقعہ اور اس جیسے دیگر واقعات سے معلم کامل مخبر صادق ﷺ کے کمال علم کو مجروح کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہتے ہیں اور امت میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ اسی انتشار وافتراق سے بچانے کے لئے قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا ''وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ'' پیارے محبوب ہم نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز فرمایا ''وَيُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' وہ ایسے معلم کامل ہیں کہ جو بات بھی تم نہیں جانتے وہ تمہیں بتا دیتے ہیں غرضیکہ اس واقعہ کے سبب میرے آقا ﷺ کے اوصاف وکمالات مزید اُجاگر ہوئے۔ جو امت کے لئے ایک عظیم خیر ہے اللہ اس خیر سے استفادہ اور استفاضہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے جو اس خیر کو آج تک شر بنا رہے اور اس شر کی تبلیغ واشاعت کر رہے ہیں۔

اور یہ بہتان عظیم خیر ہے اس اعتبار سے کہ ایک ماہ کی طویل مدت تک منافقین اس کا پروپیگنڈا کرتے رہے نہ جانے کیا باتیں بنائی جاتی اور افواہیں پھیلائی جاتی رہیں۔ ام المومنین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب نے ہی بڑے صبر و استقلال کے ساتھ اس مصیبت کا مقابلہ کیا امتحان وآزمائش کے یہ شب و روز عام صحابہ کے لئے تو نہایت ہی کٹھن ثابت ہو رہے تھے کہ بعض اوقات ان کا ایمان لرز اٹھتا اور پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اہل ایمان کو صبر کی قوت عطا فرماتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' پس سب ہی پہاڑ سے زیادہ مضبوط ومستحکم ہو کر ڈٹے رہے اور اس مصیبت کا مقابلہ کرتے رہے بالآخر اس آزمائش میں کامیاب قرار پائے۔ برأت کا اعلان ہوا انہیں ظاہری اور دنیاوی طور پر سرخروئی نصیب ہوئی، باطنی طور پر طمانیت وسکون میسر آیا اور آخرت میں سید الصابرین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے صبر کے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے۔ پس اس مصیبت کو شر نہ سمجھو یہ تو خیر ہی خیر ہے اے اللہ واسطہ اس خیر کا تو ہمارے تمام مصائب کو بھی خیر بنا دے۔

کسی عام پاکباز عورت یا مرد پر بدکاری کی تہمت لگانا اتنا ہی گھناؤنا گناہ ہے جتنا گھناؤنا خود یہ فعل بد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زنا کے بعد سب سے بڑی اور سخت سزا بہتان لگانے والے کے لئے مقرر فرمائی:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور: ۴)

اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ پس انہیں اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

یہ سزا تو ان لوگوں کی ہے جو کسی عام پاکدامن مومنہ پر تہمت لگانے کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس ظالم کی سزا کیا ہونا چاہئے جس نے معصوم نبی کی پاکیزہ و پاکدامن بیوی کی رداء تطہیر کو داغدار کرنے کی سازش کر کے اسلام کو بدنام اور مسلمانوں کو ندامت وشرمندگی کے دریا میں غرق کر دینے کی کوشش کی تھی اس بدترین جرم کے مرتکب دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اصل مجرم تھے عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین اور دوسرے وہ سادہ لوح مسلمان جو ان ظالموں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو بیٹھے۔

Marfat.com

سب کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جس نے اس معاملہ میں جتنا حصہ لیا ہے اسے اتنا ہی گناہ ہوگا جبکہ اصل مجرم کو عذاب عظیم میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ عذاب عظیم کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک عام مسلمان کو بدنام کرنا اور ایذاء دینا بڑا گناہ ہے تو جس شخص نے پوری امت بالخصوص اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اہل خانہ کو ایذاء پہنچائی اس نے کتنا بڑا گناہ کیا۔ پس اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہوگی جتنا بڑا اس کا گناہ ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دیا لیکن اکثر تی روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی کو عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیا کہ اس کے لئے دنیا کی کوئی حد اور سزا کافی نہ تھی۔ اس ملعون کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انتقام کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا اور جو اہل ایمان اس جرم میں شامل ہو گئے تھے حد قذف سے ان کے گناہ کی غلاظت صاف کر دی گئی اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا پس اب وہ قابل ملامت نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ناپسند فرماتی تھیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا کہا جائے وہ فرماتی تھیں کیا تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر نہ سنا:

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَہٗ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَآءٌ

بیشک میرے ماں باپ اور میری آبرو محمد ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لئے ہیں

یہ تو حقیقت ہے کہ یہ حضرات حد جاری ہونے اور توبہ کر لینے کے بعد پاک وصاف ہو گئے لیکن یہ صاحب خلق عظیم ﷺ کی زوجۂ مقدسہ کا عظیم اخلاق ہے کہ وہ ان لوگوں کی برائی برداشت نہ کر پاتی تھیں جو ان پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ خطاءً اور سہواً شریک ہو گئے تھے۔

جو اہل ایمان اس بے بنیاد الزام پر کان دھرتے تھے یا تردد میں مبتلا ہونے کے سبب آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے اور شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے ان کی طرف رخ التفات کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ایسی بیہودہ بات سنتے ہی تمہیں اس کے جھوٹ کا پلندا ہونے کا یقین کر لینا چاہئے تھا اور اسی وقت بلا اختیار تمہاری زبانوں سے ''ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ'' کا واضح اعلان ہونا چاہئے تھا اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اگر اس بات میں ذرا برابر بھی صداقت ہوتی تو بہتان لگانے والے ضرور چار گواہ پیش کر دیتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو اللہ کے نزدیک ان کا جھوٹا ہونا واضح اور ثابت ہے (نیز اس بات کے جھوٹ ہونے کے لئے تو یہی کافی تھا کہ جس مؤمنہ محصنہ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی وہ معصوم نبی کی بیوی ہے اور کسی نبی کا بدکار عورت سے تعلق ممکن ہی نہیں) یہ تو اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اللہ نے تم پر کرم کیا کہ دنیا وآخرت میں تمہیں اس نے اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے دی ورنہ تم تو اس لائق تھے کہ تم پر عذاب عظیم نازل ہو جاتا کہ جو افواہ پھیلانے میں تم شریک تھے۔ وہ تمہارے خیال وگمان میں معمولی بات ہو سکتی تھی لیکن اللہ کے نزدیک بہت ہی بڑی بات تھی کہ اس کا تعلق اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کی عزت وناموس سے تھا جو اللہ کے نزدیک نہایت ہی اہم اور قیمتی ہے تاکید کرتے ہوئے اعادہ کیا گیا کہ جونہی تم نے یہ بات سنی تھی تمہیں اللہ کی پاکی بیان کر کے ''ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ''

Marfat.com

کہتے ہوئے اس سے قطعاً لاتعلقی اور برأت کا اظہار کر دینا چاہئے تھا اور یاد رکھو آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کرنا اگر واقعی تم مؤمن ہو کیونکہ اللہ کے رسول اور رسول کے غلاموں پر الزامات کا سلسلہ تو جاری رہے گا تا کہ اہل ایمان کی آزمائش ہوتی رہے۔ پس اہل ایمان کی نجات کا ذریعہ یہی ہے کہ وہ ان الزامات سے بری رہیں رسول کی توہین کرنے والوں ان کے متبعین پر الزام تراشی کرنے والوں سے جو دور رہیں گے، وہی اس آزمائش میں کامیاب و کامران ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا پا سکیں گے یہ تمہیں نصیحت کر دی گئی ہے لہٰذا ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' نصیحت مل جانے کے بعد ظالموں کے قریب بھی نہ جانا۔

برائی پھیلانے والوں کا انجام

چونکہ ایک نہایت ہی بڑی برائی پھیلانے والوں اور اس میں شریک ہونے والوں کے انجام کا ذکر کیا گیا لہٰذا موقع کی مناسبت سے ان لوگوں کے انجام کا بھی ذکر کیا جا رہا ہے جو معاشرے میں لوگوں کو دین سے دور کرنے اپنی روزی کمانے یا امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں کمزور کر دینے یا کسی بھی غرض سے فاحشہ برائی پھیلاتے ہیں مثلاً ایسے کلب اور دوکانیں کھول دیتے ہیں جن میں لوگوں کو شراب، جواء وغیرہ کی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں یا ایسی فلموں وغیرہ کی اشاعت کرتے ہیں جن سے لوگوں میں زنا اور بدکاری کے جذبات بیدار ہوتے ہیں یا ایسا لباس مہیا کرتے ہیں جس سے عریانیت عام ہوتی ہے یا لوگوں کے کاموں میں سہولت مہیا کر کے ان سے دولت حاصل کرتے اور پورے معاشرے میں رشوت کی لعنت پھیلا دیتے ہیں یہ اور ان جیسی تمام برائیاں فاحشہ کے ضمن میں آتی ہیں جو معاشرے کو برباد کر دیتی ہیں اور معاشرتی نظام کو تہس نہس کر ڈالتی ہیں اسی لئے اسلام ان کو مٹانے اور روکنے کا بے حد اہتمام کرتا ہے اور ان کو پھیلانے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا اعلان کرتا ہے آخرت کا عذاب تو اللہ ہی بہتر جانے کہ اس کی کیا صورت ہوگی لیکن وہ دنیا میں جس عذابِ الیم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ سب کو نظر آتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر دولت حاصل بھی ہو جاتی ہے تب بھی انہیں سکون و چین میسر نہیں آتا کہ خانگی طور پر وہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے دردناک اذیت میں مبتلا رہتے اور بیرون خانہ ان پر یہ عذابِ الیم طرح طرح کے مقدمات لوگوں کی دشمنی اور ان سے جان کو خطرہ وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے نیز اللہ محفوظ رکھے بدکاریوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ لوگ جیسے دردناک اور گھناؤنے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے ہمیں یقین ہے کہ یہ بھی ان پر عذاب الیم ہی کی ایک صورت ہے۔ پس ایمان والوں کو ایسی حرکتوں سے بچنا اور دور رہنا چاہئے تا کہ اللہ رؤف رحیم کا ان پر فضل و کرم جاری رہے اور ان پر اس کی رحمت برستی رہے کہ اللہ کا خصوصی کرم اہل ایمان پر ہی ہوتا ہے۔

فاجعلنا من عبادک الصلحین، یا اللہ یا ارحم الراحمین۔

آیات برأت کی اس مختصر تشریح پر اکتفاء کرتے ہوئے آخر میں حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ کی تفسیر ضیاء القرآن سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ:

وحی کے نزول سے قبل بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی

Marfat.com

کا یقین تھا کیونکہ نبی کا ایسے عیوب سے پاک ہونا جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں ضروریات عقلیہ میں سے ہے جیسے اس کا جھوٹا ہونا کمینہ خاندان کا فرد ہونا اس کے والدین کا تہمت زنا سے متہم ہونا اسی طرح اس کی اہلیہ کی عصمت کا مشکوک ہونا اگر نبی میں ان عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی پایا جائے گا تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

امام موصوف اپنی اس گفتگو پر دو شبے پیش فرماتے ہیں اور خود ہی ان کا جواب دیتے ہیں پہلا شبہ یہ ہے کہ نبی کی بیوی کا کافر ہونا قرآن سے ثابت ہے اور کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے اگر نبی کی اہلیہ سے کفر جیسے سنگین جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے تو اس سے کم درجہ گناہ کا صدور بھی ممکن ہے جواباً فرماتے ہیں کہ بیوی کا کفر لوگوں کو متنفر نہیں کرتا البتہ اس کے دامن عصمت کا داغدار ہونا بلاشبہ نفرت کا سبب ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوتا تو آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پریشان ہونا عدم علم کی دلیل نہیں کفار کی ایسی باتیں جن کا بطلان اظہر من الشمس تھا وہ سن کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پریشان ہوتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ''وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ'' اور ہم جانتے ہیں کہ کفار کی بیہودہ گوئی سے آپ کے قلب مبارک پر بار ہوتا۔ نیز حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ایک مسلمہ حقیقت تھی جس کے متعلق کسی کو ادنیٰ سا شبہ بھی نہ تھا الزام لگانے والے سارے منافق تھے اور ان کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہ تھا ان قرائن کے ہوتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے بھی اس الزام کا جھوٹا ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخوبی معلوم تھا۔

الحمدللہ میرے رب کریم نے بڑا ہی کرم فرمایا۔ میرے آقا ﷺ کی ناموس کی حفاظت فرمائی۔ میری ماں کی عزت وآبرو کو تحفظ بخشا اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک وصاف کر کے انہیں عقیدۂ حقہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہماری استعداد سے زیادہ آپ تک حق پہنچانے کا شرف بخشا، والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

آیات برأت پر آپ نے غور کیا اور اندازہ کیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے کتنی وضاحت کے ساتھ میری ماں کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔ اس جرم کے مرتکبین پر کتنی سخت وعید نازل فرمائی کہ پورے قرآن کریم میں کسی جرم پر اس قدر سخت انداز وعید نہیں ملتا نیز نہایت تاکید کے ساتھ اہل ایمان کو ان پر کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ممانعت فرما دی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک بچہ کو قوت گویائی عطا فرمائی اور اس کی شہادت سے ان کی برأت کو ظاہر فرمایا اور جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

انہی کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اعلان برأت کرایا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل یہ خصوصی اعزاز صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو بخشا گیا کہ ان کی برأت کے لئے قرآن کریم کی دس آیات نازل فرمائی گئیں۔

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اکثر رقیبانہ گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک موقع پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی برتری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی قرآنی برأت ظاہر فرمائی جب کہ مجھے ابن معطل نے اپنی اونٹنی پر سوار کیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس وقت میں نے ”حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ پڑھا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بولیں یہی مؤمنوں کی شان ہے (یعنی کسی ایسے اہم کام کے آغاز پر جس کے انجام کا اندازہ نہ ہو یہ آیت پڑھ لینا چاہئے اللہ انجام اچھا کرے گا)۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت متعدد کتابوں میں موجود ہے ہم اسے تفسیر روح المعانی سے نقل کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کچھ ایسے خصوصی فضائل حاصل ہیں جو دیگر ازواج النبی یا اور کسی عورت کو نصیب نہیں ہو سکے۔ ہاں وہ چند خصوصیات مستثنیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنی ان فضیلتوں کے سبب دیگر ازواج پر فخر نہیں کرتی۔ آپ سے پوچھا گیا وہ خصوصیات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: (۱) قبل نکاح، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ریشمی کپڑے یا اپنی ہتھیلی میں میری تصویر لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا یہ تمہاری ہونے والی بیوی ہیں، (۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی، (۳) میرے علاوہ کسی کنواری عورت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح نہیں کیا، (۴) یہ صرف میں ہی ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چادر میں میرے ساتھ ہوتے اور وحی الٰہی نازل ہو جاتی تھی، (۵) میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی نے جبرئیل علیہ السلام کو نہ دیکھا، (۶) وصال کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک میری گود میں تھا میرے اور فرشتے کے علاوہ کوئی آپ کے قریب نہ تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور خصوصیات، احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بے شمار موجود ہیں، جن سب کو ایک جگہ جمع کر کے پیش کر دینا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہی سب کچھ ہے ناممکن ہے ان کا کافی حصہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ چکے ہیں۔ چند مزید باتیں اور عرض کر کے ہم اس عنوان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب ترین صحابی، رفیق غار و قبر اور رفیق دنیا و آخرت، مسلم اول خلیفہ اول، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ہیں چونکہ آپ کی پیدائش سے قبل ہی آپ کے والدین مشرف باسلام ہو چکے تھے، لہٰذا آپ کو پہلی پیدائشی مؤمنہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے والدین، دادا، دادی، بہن، بھائی اور تقریباً دیگر تمام خونی رشتہ دار مشرف باسلام ہوئے۔ بروایت ابن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو دوزخ کی آگ

Marfat.com

سے آزادی کا مژدہ دنیا ہی میں سنایا گیا آپ طیبہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ'' پس سید الطیبین ﷺ کے حرم محترم میں شامل ہونا، آپ کے طیبہ ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح کسی غیر طیبہ سے ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ تیمم کی اجازت اس امت کی خصوصیات میں سے ہے جو بوسیلہ ام المومنین ہی نصیب ہوئی کہ اگر آپ کا ہار ایک سفر کے دوران گم نہ ہوتا تو شاید ہمیں یہ نعمت بھی نہ ملتی۔ آیت تیمم کے نزول کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

جَزَاکِ اللّٰهُ خَيْرًا مَا نَزَلَ بِکِ اَمْرًا اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَکِ مِنْهُ فَرَجًا وَ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ بَرَكَةً.

(اے میری ماں) اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے جب بھی آپ کو کوئی دشواری پیش آئی اللہ نے خود ہی آپ کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیا اور اس مشکل کو عام مسلمانوں کے لئے (تا قیامت) باعث برکت بنا دیا۔

یہ بھی آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج سے ایلاء (تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے) کیا اور آیت تخیر نازل ہوئی۔ تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی اور ان سے فرمایا کہ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کر لینا لیکن آپ نے فوراً جواب دیا ''اَوَفِيْ هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ'' کیا میں ایسے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی میں تو اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو منتخب کرتی ہوں۔

اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیگر ازواج مطہرات کو یہ آیت سنائی تو ساتھ ہی انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی بتایا اور اسی جواب کو بنیاد بنا کر تمام ازواج نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تھا گویا میری ماں کی حکیمانہ و عاشقانہ فیصلے نے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر دیا جو کسی بھی زوجہ محترمہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کی صورت میں بپا ہو سکتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کرنے اور دین سیکھنے میں بے حد حریص تھیں ہر وقت اس قسم کے سوالات کرتی رہتی تھیں جن کے جوابات شریعت مطہرہ کا ایک عظیم سرمایہ بن گئے اور بے شمار احکام شرع ہمیں انہی سے حاصل ہوئے بالخصوص عورتوں کے مسائل کا ماخذ تو آپ کے سوالات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات ہی ہیں۔

تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی آپ کی خصوصیت اور فضیلت نمایاں تھی کہ شب و روز آپ نوافل، تلاوت قرآن اور دیگر اوراد و وظائف میں مصروف رہتی تھیں۔ بے حد فیاض اور سخی تھیں دربارِ خلافت سے آپ کی پینشن مقرر تھی جس دن یہ رقم آتی تھی اسی دن غرباء و مساکین میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ آپ کی ایک خادمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے آپ کو وظیفہ کی رقم ارسال فرمائی۔رقم آتے ہی آپ نے مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں کو دے دو میں حکم کے مطابق تقسیم کرتی رہتی حتیٰ کہ سب پیسے ختم ہو گئے۔حسب معمول آپ کا روزہ تھا گھر میں افطار تک کے لئے کچھ نہ تھا۔میں نے عرض کیا سیدہ! اچھا ہوتا کہ آپ کچھ پیسے بچا لیتیں تا کہ میں افطار کا انتظام کر لیتی۔آپ نے فرمایا تم نے مجھے پہلے کیوں یاد نہ دلایا خیر اللہ سب سے بڑا ہے۔

الحمد للہ ہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے ہوئے ان کے کافی فضائل ومناقب آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔جن کی اس اعلیٰ منصب ومقام کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں جو ہماری ماں کو حاصل ہے لیکن بہر حال ہم نے انہیں مطالعہ کرنے اور انہیں قلمبند کرنے میں خاصی محنت کی اور کافی وقت صرف کیا۔بحمد اللہ کئی دن رات ہماری سوچ خیالات اور تصور کا مرکز ہماری ماں ہی رہیں۔یہ سب کچھ ہم نے اپنی ماں کے دربار میں محض اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کیا کاش وہ قبول فرمالیں اور ہمیں دنیا وآخرت میں بطور اجر وصلہ سعادت مندی نصیب ہو جائے۔آمین۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر رخصتی کے وقت نو سال کی تھی۔نو ہی برس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں اس مختصر عرصہ میں آپ نے جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا اور ہم تک پہنچایا۔اس سے کتب احادیث وسیرت بھری ہوئی ہیں جو آپ کی عقل وفہم،ذہانت،فطانت اور ذکاوت کا واضح ثبوت ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی۔کل عمر چھیاسٹھ سال ہوئی گویا اڑتالیس برس کا طویل عرصہ آپ نے بحالت بیوگی بسر کیا اور اس کا ہر لمحہ درس وتدریس اور دین کی اشاعت وتبلیغ میں صرف کیا۔سترہ رمضان المبارک ۵۷ھ یا ۵۸ھ آپ کا تاریخ وصال ہے۔یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا،مدینہ منورہ ہی میں وصال ہوا۔حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔پردے کی پابندی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔جنت البقیع میں ہی قبر ہے کس جگہ ہے اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔بس اسی جگہ یقین کر کے فاتحہ پڑھ لیتے ہیں جہاں کسی سعودی کا بھکاری بچہ اشارہ کر دیتا ہے اس سے زیادہ قابل اعتبار کوئی ثبوت نہ رہا کہ ظالموں نے میری ایسی عظیم ماں تک کی قبر مبارک کا نشان نہ چھوڑا لیکن نشان قبر مٹانے سے دلوں سے ان کی عقیدت ومحبت کے نقوش تو نہیں مٹائے جا سکتے نہ ہی ان کی عظمت وفضیلت کو کم کیا جا سکتا ہے کہ اس کی حفاظت تو اللہ نے قرآن کریم کے ذریعہ کر دی ہے۔اللہ بے شمار رحمتیں نازل کرے میری ماں کی قبر انور پر اور ان کے فیوض وبرکات ہم پر جاری رکھے۔سترہ رمضان المبارک ان کا یوم وصال یاد رکھنا چاہئے اور حسبِ استطاعت فاتحہ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ بہت ہی باعث برکت ہے۔

چوتھی ماں

میری اور امت کی چوتھی ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا کی

Marfat.com

خواہش رکھتے ہیں۔ پس میں تمہاری بات پر خاموش رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادے کے متعلق تمہیں اس لئے کچھ نہ بتایا کہ میں قبل از وقت آپ کا راز فاش کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملال دور ہوگیا اور دل صاف ہوگیا یہ صحابہ کے درمیان خلوص و محبت کی ایک مثال ہے۔ جو ہمارے لئے قابل تقلید اور قابل عمل ہے کہ معاملات کی صفائی سے کدورتیں ختم ہوتی اور دل قریب ہوتے ہیں، رضی اللہ عنہم۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی ہی عبادت گزار تھیں نوافل پڑھنے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں ان کا اکثر وقت گزرا کرتا تھا۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں ساتھ ہی فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساٹھ احادیث کی راویہ ہیں جن میں پانچ حدیثیں بخاری شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی مشہور ہے جس کی وجہ سے انسان ہی نہیں جن بھی ان سے خوفزدہ رہتے تھے اور شیطان تو ان کے سایہ سے بھاگتا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی پر بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور آیا ہوگا۔ جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی سخت مزاج اور بہت حاضر جواب تھیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہ ڈر رہی رہتا تھا کہ بیٹی سے کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دل آزاری ہو۔ لہٰذا آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بیٹی تم بہت خیال رکھا کرو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیا کرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور نہ ہی آپ سے کوئی سخت کلامی کرنا۔ یاد رکھو اگر اللہ کے رسول ﷺ کی تمہاری کسی بات سے دل آزاری ہوگئی تو تم اللہ کے غضب کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں تمہاری دنیاو آخرت برباد ہو جائے گی۔

احادیث میں میری ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سخت مزاجی اور حاضر کلامی کے کئی دلچسپ واقعات موجود ہیں سب تو نہیں چند ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا کہ ہم عرب لوگ اپنے کسی معاملہ میں عورتوں کو کوئی اہمیت دینے اور ان کا مشورہ قبول کرنے کے عادی نہ تھے۔ ایک مرتبہ میری بیوی میرے کسی معاملہ میں بول پڑی اور مجھے مشورہ دینے لگی کہ تمہیں ایسا کرنا چاہئے مجھے بہت برا معلوم ہوا میں نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں میرے معاملہ میں مداخلت کی جرأت کیسے ہوئی اس نے کہا تمہاری بیٹی حفصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوب سخت کلامی کرتی ہے حتیٰ کہ آپ کئی کئی دن اس کی باتوں پر رنجیدہ رہتے ہیں لیکن کبھی اسے آپ اس طرح نہیں ڈانٹتے جیسے تم مجھے ڈانٹتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گھبرا گیا اور دوڑا ہوا حفصہ کے پاس پہنچا اور ان سے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم میرے آقا ﷺ سے اتنی سخت گفتگو کرتی ہو کہ آپ کو کئی دن تک اس کا ملال رہتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ایسا ہوتا ہے میں نے کہا خبردار تم ایسا ہرگز نہ کیا کرو اللہ کے عذاب سے ڈرتی رہو تمہارے شوہر عام انسان نہیں وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ ان کے دربار میں کسی کی بھی گستاخی گوارا نہیں فرماتا تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص ہرگز نہ کرنا وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی چہیتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کی ناز برداری فرماتے ہیں۔

Marfat.com

صاحبزادی ہیں۔ یہ میرے آقا ﷺ کی بصیرت، حکمت اور شفقت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کا رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تو آپ نے ان کے بعد سب سے افضل صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رشتہ داری کا شرف بخشا جبکہ اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے انہیں بھی یہ اعزاز بخشا گیا تاکہ خلفاء اربعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکمل اعتماد اور ان کے انتہائی قرب پر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نہایت ہی بہادر، جنگجو اور جان نثار مجاہد تھے۔ اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ دین کی خاطر ہر مشکل کے مقابلہ کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ لڑائی کے دوران سخت زخمی ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچتے ہی شہادت سے مشرف ہوئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی غزوۂ بدر میں شریک تھیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی میں اتنی مصروف تھیں کو شوہر پر کوئی خصوصی توجہ نہ دے سکیں۔ ان کی شہادت کے بعد آپ پر رنج والم کا جو پہاڑ ٹوٹا اس کا اندازہ صرف وہی عورت کر سکتی ہے جس کا سہاگ ان کی طرح اجڑ گیا ہو۔ اکیس سال کی عمر تھی گویا بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ فطری طور پر والدین کو دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی سخت فکر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر وقت اسی غم میں مبتلا رہتے تھے اور کسی نہ کسی طرح دوبارہ اپنی بیٹی کو سہاگن دیکھ لینا چاہتے تھے۔ فتح بدر ہی کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افسردہ بیٹھے دیکھا تو موقع مناسب جانا اور کہا اے عثمان میری بیٹی حفصہ سے نکاح کر لو۔ آپ نے جواب دیا مجھے سوچ لینے دو پھر چند دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب پر بہت افسوس ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر تم پریشان نہ ہو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بیٹی کو عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی عطا فرما دے۔'' چند دن بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی وہ حفصہ سے نکاح کر لیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے حد ملال ہوا کچھ عرصہ بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا جو بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے لئے بڑا اعزاز تھا لہٰذا آپ نہایت ہی مسرت وخوشی سے راضی ہو گئے اور ۳ھ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہماری ماں بن گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب تک اس بات کا ملال تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا لہٰذا ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ملال رفع کرنے کی غرض سے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اس انداز سے ذکر کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ان سے نکاح کی

Marfat.com

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولیں حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا یہ غلط ہے تم تو نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور رسول کے نکاح میں ہو پس حفصہ تم پر کیسے فخر کر سکتی ہیں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ازواج کی رقیبانہ گفتگو سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور ان کے درمیان آپ کو صلح صفائی کرانا اچھا معلوم ہوتا تھا یہ آپ کی عائلی زندگی کا ایک قابل عمل حصہ ہے)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن سے کہا کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں کیونکہ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ طعنہ بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں تم نے ان دونوں کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ تم سے زیادہ معزز کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ تمہارے شوہر سید الانبیاء محمد (ﷺ) ہیں اور تمہارے باپ اللہ کے نبی حضرت ہارون اور چچا حضرت موسیٰ علیہما السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور چونکہ یہ دونوں ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرب رکھتے اور آپس میں محبت کرتے تھے لہٰذا عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما بھی ایک دوسرے سے قریب تھیں اور اکثر ملتی جلتی اور باتیں کرتی رہتی تھیں ہم مزاج اور ہم مذاق تھیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی رقیبانہ نوک جھونک ہوتی رہی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر میں تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ سفر کرتے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس پر بہت رشک ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ایک رات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر کروں انہوں نے کہا تو تم حضور سے گزارش کرو اگر وہ پسند فرمائیں گے تو ضرور ایسا ہو سکتا ہے۔ حفصہ نے کہا نہیں ایک تدبیر اور بھی ہے ہم ایسا کرتے ہیں کہ آج رات تم میرے ہودج میں آ جاؤ اور میں تمہارے ہودج میں بیٹھ جاؤں گی اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی خیال فرمائیں گے کہ اندر تم ہی ہو۔ وہ گفتگو فرماتے رہیں گے اور میں تمہاری آواز بنا کر بس ہوں، ہاں کرتی رہوں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں کہ وہ تو جانتی تھیں کہ جسے اللہ دلوں کا حال بتا دیتا ہے یہ بات اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور یہی ہوا کہ رات کو اللہ کے رسول ﷺ اس اونٹ کے پاس ہی تشریف لائے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں۔ اب تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا غصہ کے مارے برا حال ہو گیا انہوں نے جھاڑیوں پر اپنے پاؤں مارنا شروع کئے اور کہنے لگیں اے اللہ کسی سانپ یا بچھو کو حکم دے کہ وہ مجھے ڈس لے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۴۵ھ میں ہوا اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا

Marfat.com

اوران کی طرف سے مروان بن حکم مدینہ منورہ کے حاکم مقرر تھے للہذا انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی کافی دور تک جلوس جنازہ میں شریک رہے، جنازے کو کاندھا دیتے رہے پھر قبر انور تک جنازے کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ جنت البقیع ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ قبر کا پتہ نہیں اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

پانچویں ماں

میری پانچویں ماں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا تعلق نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر ابن صعصعہ سے تھا ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن حارث بن عبد المطلب تھے۔ مشرف باسلام ہوئے، ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے اور چند دن بعد مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کا فیصلہ کیا وہ نجد اپنے قبیلہ میں واپس نہ گئیں کیونکہ ان کے قبیلہ اور مسلمانوں کے درمیان سخت عداوت تھی۔ اسی قبیلہ نے بئر معونہ کے مقام پر مسلمان مبلغین کی ایک جماعت کو دھوکہ سے شہید کر دیا تھا۔ یہ جماعت چالیس یا ستر افراد پر مشتمل تھی۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حادثۂ فاجعہ کا ہمیشہ سخت رنج و ملال رہا غرضیکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔ وہ غرباء و مساکین سے ہمدردی ان کی امداد اور ان کی دیکھ بھال میں مشہور تھیں اور ام المساکین غریبوں کی ماں کہلاتی تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت کے ایام پورے ہوئے تو پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے اس کو اپنے لئے ایک بڑا اعزاز سمجھا اور بخوشی قبول کر لیا۔ اس نکاح سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور ان کے قبیلہ کے درمیان عداوت میں کچھ کمی ہو سکے۔ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ آپ اکثر علیل رہتی تھیں بالآخر تین ماہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں رہیں اور انتقال فرما گئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع ہی میں دفن ہوئیں، مزار مبارک نامعلوم ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں جن کا وصال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں ہوا ان کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم پاک میں صرف تین بیویاں رہ گئیں تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ بنت ابو بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہن۔

چھٹی ماں

ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ میری چھٹی ماں ہیں۔ ان کی پہلی شادی ابو سلمہ سے ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام ہی میں دونوں مشرف باسلام ہو گئے تھے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ دونوں بھی مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے جب انہیں اطلاع ملی کہ مکہ کے حالات اب کچھ بہتر ہیں تو یہ واپس آ گئے لیکن یہاں آ کر دیکھا کہ مکہ خالی ہو چکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ بھی ہجرت کر کے جا چکے ہیں للہذا انہوں نے بھی مدینہ

Marfat.com

منورہ جانے کا ارادہ کیا جب ام مسلمہ کے خاندان والوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے مزاحمت کی اور انہیں روک لیا ابوسلمہ ہجرت کر گئے لیکن جب ابوسلمہ کے خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ ام سلمہ کو ان کے خاندان نے روک لیا ہے تو انہوں نے ان کا شیر خوار بچہ ان کی گود سے چھین لیا اور کہا کہ ہم اپنے بچہ کو ام سلمٰی اور اس کے خاندان کے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بیک وقت شوہر اور بچہ سے جدائی نا قابل برداشت تھی ایک سال تک ان کا یہ معمول رہا کہ وہ مکہ سے باہر اس مقام پر آتی تھیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور صبح سے دوپہر تک یہاں بیٹھی روتی رہتی تھیں پھر کعبہ میں آتیں اور باآواز بلند دعا کیا کرتی تھیں یا اللہ! تو آسمان سے ایسے گدھوں کو نازل فرمادے جو ان لوگوں کو کھا جائیں جنہوں نے مجھ سے میرے بچہ اور شوہر کو جدا کیا ہے ان کے خاندان کے لوگوں نے ہر چند چاہا کہ وہ بددعا نہ کیا کریں اور اپنے غم کو کسی طرح فراموش کر دیں لیکن ایسا نہ ہو سکا بالآخر ان کے شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا بچہ ان کے سپرد کیا اور ان کے خاندان والوں نے دونوں کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ سے باہر کر دیا۔

یہ تنہا غمزدہ خاتون اپنے ننھے سے بچہ کو لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی جیسے تیسے مدینہ منورہ پہنچیں اور اپنے شوہر سے جا ملیں انہوں نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں پیش کیں۔ مدینہ منورہ میں چند ہی دن سکون کے میسر آئے تھے کہ غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا اور ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جہاد میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ دوران جنگ شدید زخمی ہوئے ایک زخم زیادہ خطرناک تھا۔ جو چند دن میں مندمل تو ہو گیا لیکن ایک اور معرکہ میں یہ پھر کھل گیا اور اسی کی تکلیف سے مدینہ منورہ ہی میں ان کا وصال ہوا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ موت کے وقت خود اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس موجود تھے۔ روح پرواز کر جانے کے بعد آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں چونکہ یہ نہایت جاں نثار اور بہادر سپاہی تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی موت کا شدید صدمہ ہوا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوہ کے ساتھ چار یتیم بچے بھی چھوڑے تھے۔ جن کی کفالت ان کے لئے اس دور میں آسان نہ تھی۔ زندگی کے شب و روز نہایت تنگی اور پریشانی میں بسر ہو رہے تھے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا احساس تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی سرپرستی اور ذمہ داری قبول کرنے کی غرض سے انہیں نکاح کا پیغام دیا لیکن انہوں نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بیان فرمائے اور کہا کہ میں ایک عمر رسیدہ خاتون ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں یتیم بچوں کی ماں ہوں ان کی کفالت میرے ذمہ ہے۔ تیسرے یہ کہ میں بہت غیور ہوں اپنی سوکنوں سے میں تعلقات استوار نہ رکھ سکوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عمر کی زیادتی نکاح نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تمہارے یتیم بچوں ہی کی کفالت کے لئے میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ رہا معاملہ رقابت کا تو میں اللہ سے دعا کروں گا تمہارے جذبات رقابت کی شدت کم ہو جائے گی اور تم میری دیگر ازواج کے ساتھ اچھی طرح رہ سکو گی ان باتوں کے بعد وہ راضی ہو گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا نکاح انجام پایا۔ اس طرح آقائے رحمت ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی کے بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور ان کی بیوہ کے رنج و ملال کو ختم کیا جو انہیں اپنے نہایت شفیق شوہر کی جدائی سے ہوا تھا۔

Marfat.com

میری ماں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ ان کے شوہر ابوسلمہ نے ایک حدیث سنائی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ کر صبر کرتا ہے اور اس طرح دعا کرتا ہے کہ ''اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْنِیْ خَیْرًا مِنْهَا'' اے اللہ اس مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ ''اَخْلَفَ اللّٰهُ خَیْرًا مِنْهَا'' تو اللہ اسے نعم البدل عطا فرما دیتا ہے۔ جب ان کے شوہر ابوسلمہ کا وصال ہوا تو انہوں نے اس ارشاد رسول پر عمل کیا۔ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ پھر حدیث میں مذکور پہلی دعا کی اے اللہ مجھے اس مصیبت پر اجر دے ابھی دوسری دعا کرنا ہی چاہتی تھیں کہ خیال آیا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر سوچا میرے آقا ﷺ کا ارشاد غلط نہیں ہوسکتا پس دعا کی اے اللہ مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما کیونکہ دعا اعتماد کامل کے ساتھ کی تھی اور جب دعا میں یہ کیفیت ہو تو اللہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ام سلمہ پر کرم فرمایا اور وہ حرم نبوی میں داخل ہوگئیں۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج کی طرح نہایت ذہین اور ذکیہ تھیں۔ ان میں بروقت فیصلہ کرنے کی بے حد صلاحیت تھی اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر معاملات میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے درست ثابت ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک نہایت ہی دشوار مرحلہ پیش آیا کہ صلح نامہ مکمل ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر ادائیگی عمرہ حدیبیہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا اور تمام صحابہ کو حکم دیا کہ حلق کرا کے احرام کھول دیں لیکن چونکہ صلح کی شرائط صحابہ پر شاق تھیں اور وہ انہیں اپنی شکست خیال کر رہے تھے لہٰذا انہیں احرام کھولنے اور واپس مدینہ منورہ جانے میں تردد ہوا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں انہوں نے سرکار کا نورانی چہرہ افسردہ دیکھا تو وجہ معلوم کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کا حال بیان کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مناسب ہوگا آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، بس اپنا احرام کھول دیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جب آپ احرام کھول کر باہر تشریف لائے تو سب صحابہ اٹھے انہوں نے حلق کرایا اور احرام کھول دیا اور میرے آقا ﷺ کی ایک بڑی الجھن دور ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عمر دراز عطا فرمائی۔ تمام ازواج کے بعد ان کا وصال ہوا۔ عمر شریف چوراسی برس ہوئی۔ ان کے سال وفات میں مختلف روایات ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت آپ موجود تھیں۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا جبکہ یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں اپنا ایک بڑا لشکر مدینہ منورہ بھیجا۔ ان ظالموں نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا۔ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، تین دن تک نہ اذان ہوئی اور نہ نماز اس وقت چند صحابہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لشکر کے متعلق فرمایا ہے کہ زمین میں دھنس جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ ضرور تباہ و برباد ہوگا۔ تین سو ستر احادیث کی روایت کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع شریف مدفن، قبر انور ظالموں کے ظلم کا شکار ہوگئی ''انا

Marfat.com

للہ وانا الیہ راجعون ''اللہ میری ماں کی قبر انور پر ہر لمحہ رحمت کی بارش برسائے، آمین۔

ساتویں ماں

میری ساتویں ماں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی عمیمہ کی بیٹی اور عبدالمطلب کی نواسی تھیں ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ جو شام کے رہنے والے تھے یہ وہی زید بن حارثہ ہیں جنہیں بچپن ہی میں تہامہ کے چند سوار شام سے پکڑ لائے تھے اور انہیں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کر دیا تھا۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے ان کو خرید ا اور بطور تحفہ اپنی پھوپھی کو پیش کر دیا تھا اور انہوں نے اس غلام کو بطور ہدیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔

زید بن حارثہ

اپنے بچے کی گمشدگی پر زید کے والد اور دیگر اہل خاندان نہایت پریشان تھے اور جگہ جگہ، شہر شہر، میلوں اور بازاروں میں جا کر ان کو تلاش کرتے تھے بالآخر کسی طرح انہیں پتہ چل گیا کہ ان کا بچہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھ رہا ہے لہٰذا ان کے والد، چچا اور ایک بھائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: ''اے محمد بن عبداللہ تم لوگ بیت اللہ کے پڑوسی ہو، مصیبت زدوں کے معاون و مددگار ہو، غریبوں اور بھوکوں پر احسان تمہاری عادت ہے ہمیں پتہ چلا ہے کہ ہمارا بچہ تمہاری غلامی کر رہا ہے جبکہ وہ غلام نہیں ہم تمہیں منہ مانگی رقم پیش کرتے ہیں، للہ ہمارے بچے کو ہمارے سپرد کر دو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو تمہارے مطالبہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں زید کو بلاتا ہوں اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم لے جاؤ کسی فدیہ اور رقم کی ادائیگی کی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو تم اسے میرے پاس چھوڑ دو یہ لوگ راضی ہو گئے خوش ہو کر بولے آپ نے نہایت انصاف کی بہت اچھی بات کہی ہے لہٰذا زید کو بلایا گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو انہوں نے کہا جی یہ میرے باپ حارثہ ہیں اور یہ میرے چچا اور بھائی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے ملے بغلگیر ہوئے۔ اپنوں کو دیکھ کر اتنے ہی خوش ہوئے جتنا ایک عرصہ بعد مل کر ہونا چاہئے تھا اپنے گھر والوں کا حال احوال پوچھتے رہے۔ اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کو بتایا کہ یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں اور میں بخوشی تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو ان کے ہمراہ اپنے گھر چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی بلا تردد، بلا تامل اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا وہ بولے نہیں نہیں میں کسی کو آپ ﷺ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ ہی میرے باپ ہیں، چچا ہیں، سب کچھ ہیں۔ آپ ﷺ کی پناہ میں جو سکون و اطمینان ہے وہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے میں کسی حال میں کسی قیمت پر آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ حال دیکھ کر زید کے باپ، چچا، بھائی سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ جس نے سنا حیرت زدہ ہوا جبکہ حیرت

Marfat.com

کی کوئی بات نہیں تھی جن کا مقدر اچھا ہوتا ہے اللہ انہیں اچھا ہی فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آقائے دو جہاں کی غلامی اختیار کر کے ہمارا آقا بننا تھا ہمارے سروں کا تاج بننا تھا تو انہیں یہ اعزاز نصیب ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کے فیصلے کے بعد ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اَشْهِدُوْا اَنَّهٗ حُرٌّ وَاَنَّهٗ اِبْنِیْ یَرِثُنِیْ وَاَرِثُهٗ'' تم گواہ رہو کہ یہ آج سے آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے، میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث بنوں گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مقدر جاگ گیا اس سے بڑا قابل رشک اعزاز ان کے لئے کیا ہو سکتا تھا کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہو سکا۔ ان کو لینے کے لئے آنے والوں کو بھی مسرت ہوئی، وہ خوشی سے جھوم اٹھے ان کے سر فخر سے بلند ہو گئے کہ ہمارا بیٹا صرف آزاد ہی نہیں ہے بلکہ شریف النسب شخص کا بیٹا ہے انہیں اور کیا چاہئے تھا مطمئن ہوئے اور چلے گئے۔

اب زید آپ ﷺ کی زیر تربیت تھے۔ انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ بعثت کے بعد بھی آپ کو یہی نسبت حاصل رہی جس پر زید کو جتنا بھی فخر ہو گا وہ ہی جانیں کہ حبیب خدا ﷺ کی نسبت سے بڑی نسبت اور کون سی ہو سکتی ہے یہ اہل عرب کا دستور تھا کہ متبنیٰ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ اس کو وہی تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے تھے۔ عربوں کے یہاں یہ ایک رسم تھی اور اس رسم کا پورا پورا فائدہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا انہوں نے بھی بیٹا ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا حتیٰ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا اعلان کیا تو وہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے والوں میں سے ایک تھے۔

غلط رسموں کا خاتمہ

متبنیٰ کو حقیقی بیٹا قرار دینا عرب میں ایک رسم تھی لیکن غلط رسم تھی اس سے وراثت اور مصاہرت وغیرہ کے قوانین متاثر ہوتے تھے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی بے شمار غلط رسموں کو مٹایا ان کے لئے قوانین واصول مقرر کر کے ان کی اصلاح کر دی۔ اس رسم کے متعلق بھی قرآن کریم گویا ہوا۔ فرمایا گیا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (احزاب: 4، 5)

اللہ نے ایک آدمی کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور اس نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے اور یہی زیادہ بہتر ہے اللہ کے نزدیک پس اگر تم نہ جانو ان کے باپوں کو تو وہ

Marfat.com

تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تمہارے دوست ہیں اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو اور لیکن وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (قابل گرفت ہیں) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ اللہ احسن الخالقین جل مجدہ نے انسان کو، دو کان، دو آنکھیں، دو ہاتھ اور دو پیر تو عطا فرمائے لیکن دو دل نہیں پیدا کئے دل ایک ہی دیا لہٰذا ایک دل میں دو متضاد حقیقتیں جمع ہونا ممکن نہیں ایک دل میں اسلام اور کفر جمع نہیں ہوسکتا۔ ایک دل میں کسی ایک سے محبت وعداوت جمع نہیں ہوسکتی۔ ایک دل میں نور اور تاریکی کا جمع ہونا ممکن نہیں اور جب مجموعہ ضدین ہوگا تو دل دل نہ رہے گا بلکہ نفاق کا دفینہ بن جائے گا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دل میں ایک عورت بحیثیت بیوی بھی ہو اور بحیثیت ماں بھی جیسا کہ اہل عرب کا دستور تھا کہ اپنی بیوی سے صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ ''اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ'' تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور بس سمجھ لیتے تھے کہ یہ عورت ہم پر ماں کی طرح حرام ہوگئی۔ اسلام نے اس لغو تصور کا خاتمہ کیا اور ظہار وغیرہ مؤثر قرار دیا۔ ہاں صرف بطور سزا ایسا کہنے پر کفارے کا حکم دیا۔ انشاء اللہ ظہار کی تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان کی جائے گی۔

دوسری رسم جسے لغو قرار دیا گیا ہے، وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹا تصور کرنا بتایا گیا کہ یہ بھی غلط ہے جو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہے وہ حقیقی کیسے ہوسکتا ہے اسے اس کے باپ کی نسبت سے پکارا کرو اور اگر اس کے باپ کا تمہیں پتہ نہ ہو تو اپنا بھائی اور دوست جانو بیٹا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا تمہاری مطلقہ اس کی ماں نہ ہوگی وہ چاہے تو اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اس کی مطلقہ تم پر حرام نہ ہوگی تم چاہو تو اس سے نکاح کر سکتے ہو یہی حال تمام دوسرے رشتوں اور معاملات کا ہوگا حتیٰ کہ جس طرح غیروں سے پردے کا حکم ہے۔ اس کے لئے بھی وہی حکم ہوگا اور یہ حکم متبنیٰ لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے کہ جس لڑکے کو تم نے بیٹا بنایا ہے تم اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتے ہو اور جس لڑکی کو تم نے بیٹی بنایا ہے اس سے تم اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتے ہو اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتے ہو۔

قرآن کریم کے اس حکم کے بعد سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ زید، زید بن محمد نہیں بلکہ زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جائے اور ایسا ہی ہونے لگا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی ان کے مقام میں کوئی فرق نہ آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے پہلے ہی کی طرح محبت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت زید کی شادی

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مربی اور کفیل تھے لہٰذا آپ ہی کو ان کی شادی کا اہتمام بھی کرنا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے بہت تامل کے بعد اس نسبت کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب کیا اور انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پیغام نکاح بھیجا جسے وہ سن کر نہایت برافروختہ ہوئیں کیونکہ وہ قریش جیسے معزز خاندان کی بیٹی تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ پر غلامی کا داغ لگ چکا تھا۔ زینب کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سخت

Marfat.com

ناراض ہو کر اس پیغام کو مسترد کر دیا اور اسے اپنی توہین سمجھا لیکن یہ فیصلہ الٰہی تھا جو ٹل نہیں سکتا تھا لہٰذا اس موقع پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۭ (احزاب:۳٦)

نہ کسی مومن مرد کو یہ حق ہے اور نہ کسی مومنہ عورت کو جب فیصلہ فرما دے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر کوئی اختیار ہو انہیں اپنے معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

یہ حکم اگرچہ مذکورہ بالا خاص موقع پر نازل ہوا لیکن قیامت تک کے غلاموں کے لئے عام ہے کہ انہیں اپنے ہر معاملہ کا حل شریعت مطہرہ سے طلب کرنا چاہئے اور جو شریعت کا حکم ہو چاہے بظاہر پسند نہ آئے لیکن اسی کی تعمیل ایمان کی علامت ہے۔ دیکھئے جونہی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سنا اپنے بھائی عبداللہ کو بلایا اور کہا جلدی کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر بتا دیجئے کہ میں زید سے نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی بلا تامل دوڑے دوڑے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ آپ ﷺ زینب کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ یہ ہے کمال ایمان، حکم رسول پر عزت و ناموس قربان کر دینا ہی اہل ایمان کی شان ہے کہ دراصل یہی تو ان کی عزت و ناموس ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس فیصلے سے خوش ہوئے بارات لے کر ان کے گھر پہنچے خود نکاح پڑھایا اور خود ہی دس دینار مہر ادا فرمایا یہ نکاح درحقیقت اللہ کی ایک عظیم حکمت پوری ہونے کے لئے کرایا گیا تھا جیسا کے آگے آتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق

چند دن بعد ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان سخت اختلاف ہونے لگا کیونکہ بہر حال دونوں کی فطرت اور طبیعت ایک دوسرے سے مختلف تھی لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک دن تنگ آ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور طلاق کی خواہش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سمجھایا لیکن وہ راضی نہ ہوئے اسی بات کو قرآن کریم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰـىهُ ۭ

(احزاب:۳۷)

اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اپنے دل

Marfat.com

میں وہ بات جو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن وتشنیع) کا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تو آپ نے انہیں بہت سمجھایا کہ دیکھو اللہ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے کہ اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ نسب کی عورت کو تمہاری بیوی بنایا جبکہ اس احسان میں، میں بھی شریک ہوں لہٰذا تم کسی نہ کسی طرح زینب سے مصالحت کرلو اور طلاق نہ دو لیکن زید نہ مانے اور انہوں نے بہرحال طلاق دے ہی دی۔

تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ

یہ وضاحت ضروری ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے وقت اپنے دل میں کیا چھپائے ہوئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے "تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ" کے جملہ سے کیا۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ جو بات دل میں چھپی ہو اس کے متعلق کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ فلاں کے دل میں یہ بات ہے۔ یہ ایک الزام ہوگا، بہتان ہوگا لیکن افسوس ان بدنصیبوں پر جنہیں نہ الزام کی پروا اور نہ ہی بہتان کے وبال کی فکر بس وہ لوگوں کے دلوں کا حال جاننے کے دعویدار بن بیٹھے ہیں اور جب انہی سے کہا جائے کہ اللہ کی عطا اور دین سے اللہ کا رسول ہر دل کا حال جانتا ہے تو وہ کفر اور شرک کا فتویٰ لگانے لگتے ہیں انہی لوگوں نے "تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ" پڑھا اور بول اٹھے کہ (العیاذ باللہ) حضور ﷺ کے دل میں زینب کی محبت چھپی ہوئی تھی یعنی ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منع کر رہے تھے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، اپنا گھر نہ بگاڑو اور دوسری طرف بقول اُن کے آپ کی خواہش تھی کہ اچھا ہو زید زینب کو طلاق دے دے تو میں ان سے نکاح کرلوں۔ اللہ اکبر کیسے جری ہیں یہ لوگ کیسے ظالم ہیں انہیں رسول کی عظمت کا ایک رتی احساس نہیں انہیں پتہ نہیں کہ وہ رسول کی طرف اس قسم کی لغویات منسوب کر کے کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے اور اسلام کو کتنا نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آئیے ہم اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

غور فرمائیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ" اے رسول حضرت زید رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے وقت تمہارے دل میں کچھ چھپا ہوا ہے جسے تم لوگوں کے خوف سے ظاہر نہیں کر رہے۔ لوگوں کا خوف بایں معنی ہے کہ لوگ یعنی منافقین اور دیگر دشمنان اسلام یہ کہہ کر باتیں بنائیں گے، ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا، فساد پھیلے گا حتیٰ کہ بعض مسلمان بھی بدگمانی کا شکار ہو سکتے ہیں جو ان کے ایمان کے لئے بڑا خطرہ ہوگا۔ "وما اللّٰہ مبدیہ" لیکن اے رسول ہم تمہارے دل میں پوشیدہ راز ظاہر کرنے والے ہیں۔ اب غور فرمائیے راز کیا تھا ہمیں کیا معلوم لیکن دلوں کا حال جاننے والا اس راز کو ظاہر کرنے والا ہے پس ہمیں وہی راز ماننا ہوگا جو اللہ نے ظاہر فرمایا اپنی طرف سے باتیں بنانے اور بکواس کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی اس کا حق ہے۔ اب سنئے راز کیا تھا اس راز کا اعلان اس آیت کے اگلے حصہ میں ہو رہا ہے۔ فرمایا "زوجنکھا" ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا تمہیں معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن تم نے قبل از وقت فتنہ وفساد کے خوف سے راز کو ظاہر نہ فرمایا اے پیارے تم پیکر صبر واستقلال ہو تم میں بڑا ہی تحمل ہے تمہارا سینہ رازہائے الٰہی کا خزینہ ہے پس تم نے اس راز کو راز رکھا

Marfat.com

اور وقت آنے پر ہم نے اسے ظاہر کر دیا۔ اب لوگوں کی کوئی پروانہ کرو ہم سب کی زبانیں بند کر دیں گے، سب فتنوں کو دبا دیں گے صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہو اور اللہ کے حکم پر پوری ہمت سے عمل کرو یعنی زینب کو اپنے حرم پاک میں لے لو۔

لیجئے میرے خیال سے بات واضح ہوگئی راز ظاہر ہو گیا جو راز اہل ایمان اور منافقین و گستاخان رسول کے درمیان ذریعہ امتحان و آزمائش تھا اور بحمد اللہ اس امتحان میں ہمارے اسلاف اور ان کے طفیل ہم کامیاب ہوئے اسی راز کے متعلق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت امام زید العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى مَا اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ اَنَّ زِيْنَبَ سَيُطَلِّقُهَا زَيْدٌ وَتَتَزَوَّجُهَا بَعْدَهٗ (عليه الصلوٰة والسلام)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی نازل فرما دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔

اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا'' کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ازواج میں شامل ہو جائیں گی پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کی شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کو بتا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔'' پھر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' اس کے خلاف جن روایات میں '' مَا فِیْ نَفْسِکَ '' کی تعبیر '' حُبّ '' زینب سے کی گئی ہے انہیں بیان کرنا ہم نے پسند نہیں کیا کیونکہ ان روایات میں کوئی صداقت نہیں۔'' یعنی یہ لغو باتیں ہیں جو قابل ذکر بھی نہیں کہ لغوبات کی اشاعت اور انہیں آگے بڑھانا لغو اور بے سود ہی ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق ہوگئی اور وہ حکمت باری تعالیٰ کے مطابق حرم نبوی میں آگئیں اور انہیں امت مسلمہ کی ماں ہونے کا عظیم اعزاز نصیب ہو گیا۔ قرآن کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (احزاب: ۳۷)

پھر جب زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تاکہ ایمان والوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم ہر حال میں (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔

آیۂ مبارکہ وضاحت کر رہی ہے کہ یہ نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی ہی سے نہ ہوا تھا بلکہ یہ فیصلۂ الٰہی تھا جو

Marfat.com

پورا ہو کر رہا اس فیصلہ پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ زینب کو ان کے پہلے شوہر سے طلاق دلائی جائے تو ایسا ہی ہوا کہ مقلب القلوب اللہ جل مجدہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دل زینب کی طرف سے پھیر دیا اور انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی لہٰذا اس اعلانِ الٰہی کے بعد نہ تو کسی مؤمن کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کے لئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی رہی اب بھی کوئی بکواس کرے تو کرتا رہے۔ اے ہمارے پیارے محبوب! آپ لوگوں کی باتوں کی ہرگز پروا نہ کریں ''وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ'' صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہیے۔

سورۂ احزاب کی اس آیت اور اس سے اوپر کے حصہ پر دوبارہ غور کیجئے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیۂ مبارکہ میں اس واقعہ کے سب اہم حصوں کو بیان فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ پورا واقعہ اللہ کی مرضی اور اس کی ایک عظیم حکمت کی تکمیل کے لئے وجود میں آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب کا رشتہ زید سے کیا یہ صرف حضور ہی کا فیصلہ نہ تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کا فیصلہ تھا جو پورا ہونا یقینی تھا۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ زید کا طلاق پر آمادہ ہونا ان کا اپنا فیصلہ تھا ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو انہیں ایسا کرنے سے روکا تھا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں جو بات چھپی ہوئی تھی اس کو ظاہر بھی کر دیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو محبوبانہ تنبیہ کر دی گئی کہ جس امر کو اللہ ظاہر کرنے ہی والا ہے اسے آپ لوگوں کے خوف سے کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ راز یہ تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فیصلہ کر دیا تھا۔ اس فیصلہ میں جو حکمت تھی اسے بھی بیان کیا گیا کہ اسی طرح ہم نے ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کی اس دشواری کا خاتمہ کر دیا جو انہیں اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقات سے نکاح کرنے میں پیش آ سکتی تھی۔ اس حکمت کی تفصیل یہ ہے کہ:

اہل عرب متبنّٰی منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا جانتے تھے اس سے وہی تمام رشتے اور تعلقات قائم ہوتے تھے جو حقیقی اولاد سے ہوتے ہیں۔ شادی، بیاہ، وراثت وغیرہ کے تمام احکام اس کے لئے وہی تھے جو حقیقی اولاد کے لئے تھے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اسلام نے اس رسم کو ختم کیا اس کے لئے واضح حکم نازل فرمایا جو گزر چکا ہے لیکن یہ رسم اہل عرب میں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اس کو ختم کرنے کے لئے صرف حکم کافی نہ تھا۔ ضروری تھا کہ عملی طور پر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں قائد و رہبر اور حاکم کا عمل جس قدر مؤثر اور قابل تقلید ہوتا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور جبکہ قائد و رہنما، اللہ کا رسول ہو جس کا ہر عمل اللہ کے حکم کے عین مطابق ہوتا ہے اور امت کا ہر فرد اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو خصوصی طور پر ارشاد موجود ہے ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی۔ نیز فرمایا گیا ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے ان کی ہر بات اللہ کی وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جس کا کلام وحی الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس کا کوئی عمل حکم الٰہی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رسول کی تو ہر ادا حتیٰ کہ حرکت زبان، حرکت عقل و دل سب اللہ ہی کے حکم کے مطابق ہے لہٰذا ان کی اداؤں پر عمل کرنا اور ان کی باتوں کو تسلیم کرنا درحقیقت اللہ ہی کے احکام پر عمل ہے اسی کی رضا کا ذریعہ ہے پس

Marfat.com

ایک مضبوط رسم کی بیخ کنی کا مؤثر طریقہ صرف یہی تھا کہ حکم الٰہی پر اولاً رسول سے عمل کرایا جائے۔ رسول بھی وہ جوامت کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا۔ اب اگر یہ عمل رسول از خود کرتے تو واقعی فتنہ وفساد ہوتا، لوگ رسول کی عظمت کو داغدار کرتے، اپنے ایمان کو برباد کر لیتے پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ اس عمل کی نسبت اپنی طرف فرمائی ''زَوَّجْنٰکَھَا'' ہم نے اے محبوب آپ کا نکاح زینب سے کیا ہے۔ اب اعتراضات کے تیر جسے چلانے ہیں وہ ہم پر چلائے اور اپنے آپ کو چھلنی کر لے اے رسول آپ کا دامن عصمت پاک وصاف رہے گا اور آپ کا عمل اہل ایمان کے لئے سہولت کا وسیلہ اور قابل تقلید ہوگا۔

اللہ کا یہ فیصلہ قیامت تک آنے والے امت کے قائدین، علماء ومشائخ اور حکام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ جب بھی مسلم معاشرے میں خلاف شرع رسومات اور بدعات کی جڑیں پھیلیں فوراً ان کے خاتمہ کے لئے قانون نافذ کئے جائیں اور سب سے پہلے خود ذمہ دار حضرات اس پر عمل کریں تا کہ امت کے لئے عمل آسان ہو سکے مثلاً ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اللہ نے واضح اجازت دی ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ اور اسلاف کی سنت ہے اور بے شمار معاشرتی ومعاشی مسائل کا حل ہے لیکن آج ہمارا معاشرہ اس نیک عمل کو اس قدر معیوب قرار دیتا ہے کہ ضرورت ووسعت کے باوجود اس پر عمل دشوار ہو گیا ہے حتیٰ کہ مطلقات اور بیوہ عورتوں کے نکاح کرنے کو بھی معیوب قرار دیا جا رہا ہے جبکہ ایسی عورتیں معاشی و معاشرتی اعتبار سے سخت الجھنوں میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے جو ہمارے معاشرے کو بے شمار مفاسد اور جرائم میں مبتلا کر رہی ہے اور ہم اللہ ورسول کے احکام کو مردہ قرار دینے اور ختم کر دینے کے جرم میں مبتلا ہیں جو بلاشبہ ایک بڑا گناہ ہے۔ یہ ہمارے قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے حکم کی تعمیل کریں تا کہ ان کی اتباع میں قوم کے لئے یہ عمل آسان ہو سکے۔ اسی طرح دوسری مثال جہیز کی ہے۔ اس غیر شرعی رسم کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اتنی پھیل چکی ہیں کہ بیشمار نوجوان بچیاں، جہیز میسر نہ آنے کے سبب ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے محروم ہیں اور ان کے والدین محض اس لعنت کی وجہ سے پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں یا جنہیں موقع ہاتھ آتا ہے وہ غیر شرعی اور غیر قانونی طریقوں سے یہ رسم پوری کرنے کے لئے دولت حاصل کرتے ہیں یا اپنے سر پر قرضہ کا بوجھ لادتے ہیں جس کے برے نتائج ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اگر ہمارے رہنما اور حکام اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی کریں اور اپنی بچیوں کی شادی واقعی نہایت سادگی اور معمولی لوازمات زندگی کے ساتھ کریں تو یہ مسئلہ بھی نہایت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ جہیز کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے میری بچیوں کے رشتے بآسانی ہو سکتے ہیں اور اس رسم کی بیخ کنی کر کے بہت سے جرائم کو ختم کیا جا سکتا اور بے شمار گھروں کو سکون کی زندگی فراہم کی جاسکتی ہے کیونکہ نکاح تو ایک نہایت ہی سادہ اور سستا عمل ہے جسے جہیز اور دیگر غیر ضروری وغیر شرعی رسومات نے سب سے زیادہ مہنگا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ہر معاملہ میں قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود شریعت مطہرہ پر عمل کی ابتدا کریں تا کہ قوم کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہو سکے۔

بہر حال ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اس قدر قرآنی وضاحت کے باوجود منافقین نے اپنا کام کیا اور میرے آقا ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے سے باز نہ آئے یہی بکتے رہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بہو

Marfat.com

سے نکاح کر لیا، العیاذ باللہ زید کو بیٹا بھی کہا اور اس کی مطلقہ کو اپنی بیوی بھی بنا لیا۔ ان خبثاء نے آسمان سر پر اٹھا لیا معلوم ہوتا تھا کسی جنگل میں آگ لگ گئی۔ جس میں منافقین جل رہے اور تڑپ رہے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مزید طمانیت کے لئے ایک واضح اعلان فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (احزاب: ۴۰)

محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

محمد ﷺ نہ تو زید کے باپ ہیں اور نہ تم میں سے کسی اور مرد کے باپ ہیں لیکن تم سے ان کا رشتہ کمزور نہیں اور نہ ہی تم پر ان کی شفقت کسی سے کم ہے کہ باپ تو صرف ظاہری و مادی طور پر تمہارا مربی ہوتا ہے اپنی وسعت و استطاعت کے محدود دائرے میں رہتے ہوئے وہ تمہاری ضروریات پوری کرتا ہے۔ محمد ﷺ باپ تو نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں جو تمہارے ظاہری و مادی مربی بھی ہیں اور جو تمہیں باطنی و روحانی تقویت بھی بخشتے ہیں "عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" تمہاری تکالیف ان پر بار ہوتی ہیں۔ "رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" وہ تم پر بڑے ہی مہربان رحم فرمانے والے ہیں ان کی عنایات کا سلسلہ صرف اس ظاہری دنیا تک ہی نہیں بلکہ اُخروی زندگی میں بھی وہی تمہارے لئے وسیلہ و سہارا بنیں گے جس دن نہ کوئی دوست کام آئے گا نہ کسی کی سفارش چلے گی بس یہی سہارا ہوں گے ﷺ لہٰذا اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض لغو ہے کہ رسول نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ زید ان کے بیٹے نہیں آزاد کردہ غلام ہیں ایسے ہی جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیگر حالات

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتی تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ" زینب اکثر امور میں میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے ان دونوں میں کچھ زیادہ ہی رقابت چلتی تھی اور نوک جھونک ہوتی رہتی تھی لیکن اس کے باوجود دل کی نہایت صاف، حقیقت پسند اور حق گو تھیں۔ اسی لئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ افک کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی رائے طلب فرمائی تو انہوں نے نہایت دیانت سے فرمایا "مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا" مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی بات کا علم نہیں۔ یہ جواب تھا اس سوکن کا جو شدید رقابت میں مبتلا رہتی تھیں لیکن نہایت دیانت دار تھیں لہٰذا اپنے مفاد کا خیال کئے بغیر حق بات کہی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ان کی صداقت اور دیانت کا اعتراف کیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخاوت اور فیاضی میں خصوصیت حاصل تھی جس کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا "اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا" تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کے

Marfat.com

ہاتھ تم سب سے لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جب سب ازواج ایک جگہ جمع ہوتی تھیں تو دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ کر ناپا کرتی تھیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں اور وہ کون ہے جو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے والی ہیں لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہماری سمجھ میں آیا کہ آپ نے یہ بات ان کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے فرمائی تھی۔

وہ خود دستکاری کر کے اپنی روزی کماتی تھیں جس سے اپنی نہایت اہم ضروریات پوری کرتی تھیں اور بقیہ رقم غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتی تھیں۔ بیت المال سے بھی قانون کے مطابق ان کا وظیفہ جاری تھا جو بارہ ہزار درہم کی بڑی رقم تھی لیکن آپ نے صرف ایک سال اسے قبول فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رقم آپ کو بھیجی تو آپ نے اسے دیکھے بغیر اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ میرے عزیزوں اور دیگر ضرورتمندوں میں تقسیم کر دو پھر آپ نے دعا کی یا اللہ آئندہ سال یہ وظیفہ مجھے نہ ملے آئندہ سال وظیفہ کا وقت آنے سے پہلے ہی آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک کفن بھیجیں گے دونوں میں سے ایک خیرات کر دیا جائے لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ حرم نبوی میں جب آپ داخل ہوئیں اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف ترپن برس کی تھی۔ امیر المومنین نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی آرزو تھی کہ اپنی ماں کو قبر میں بھی خود اتاریں۔ آپ نے دیگر ازواج سے معلوم کرایا کہ انہیں قبر میں کون اتارے گا۔ حرم مبارک سے جواب آیا کہ جوان کے گھر آتے جاتے تھے وہی انہیں قبر میں بھی اتاریں گے یعنی جو ان کے محرم ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ پہلی ماں تھیں جو اس دار فانی سے رخصت ہوئیں لہٰذا ان کے جنازے میں غیر معمولی اژدہام تھا اور ہر آنکھ پرنم نظر آتی اور ہر دل غمزدہ تھا۔ لوگوں کو احساس ہو رہا تھا کہ اب ہماری ماؤں کے جانے کا بھی آغاز ہو گیا ہے اور ہم اس عظیم نعمت سے بھی محروم ہو رہے ہیں جو ہمارے لئے بڑا سہارا تھی کہ اب تک ہماری ماؤں کے وسیلہ سے ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کے بعد نہ جانے ہماری نسلوں کا کیا حال ہوگا بہرحال میری یہ ساتویں ماں بھی رخصت ہوئیں، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خزانہ علم و عرفان سے وافر حصہ پایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وہ بھی تبلیغ و اشاعت دین کی ذمہ داری پوری کرتی رہیں گیارہ احادیث نبویہ کی راویہ ہیں دو پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے بقیہ نو دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

آپ کو جنت البقیع ہی میں دفن کیا گیا دیگر ازواج کی طرح آپ کی قبر انور کا بھی کوئی نام و نشان نہیں۔

آٹھویں ماں

میری آٹھویں ماں، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا ہیں۔ اصل نام رملہ تھا۔ ابوسفیان اور اس کی بیوی

Marfat.com

ہندہ کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد تکلیف پہنچائی، اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا لیکن آقائے رحمت ﷺ کی نظر کرم نے انہیں جہنم کی آگ سے بچایا اور یہ مشرف باسلام ہوئے۔ چاہے قدرے تاخیر سے ان کی بیٹی رملہ ان سے کچھ زیادہ خوش نصیب نکلیں کہ انہوں نے ابتدائی ایام میں ہی اسلام کے نور سے اپنے قلب کو روشن ومنور کر لیا۔''ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء'' اپنے اپنے مقدر کی بات ہے صرف اسلام میں سبقت ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے وہ مقدر کی کھری نکلیں حتیٰ کہ ام المؤمنین بننے کا عظیم اعزاز پایا۔

ان کا پہلا نکاح مکہ ہی میں عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا وہ بھی ایمان لے آئے تھے لیکن شیطان نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور مرتد ہو گئے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم زیادہ ہوئے اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت کر کے حبشہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کی۔ عبید اللہ بن جحش کچھ زیادہ ہی شرابی تھا حبشہ جا کر وہ مزید شراب میں غرق رہنے لگا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس کی اس عادت سے بیزار تھیں لیکن مجبور تھیں کیا کرتیں ویسے بھی اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ سوائے چند کے سب ہی اہل عرب میں شراب نوشی کی وباء عام تھی بہرحال اللہ محفوظ رکھے جب کوئی حد سے زیادہ بغاوت و نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس پر اللہ کا غضب بایں صورت نازل ہوتا ہے کہ اسے مزید جہنم کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور ناکارہ سوکھے درخت کی طرح اسے جہنم کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ عبید اللہ بن جحش پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ بدنصیب عیسائیت کو قبول کر کے مرتد ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کسی مؤمنہ کا ایک مرتد کے ساتھ ایک لمحہ بھی رہنا اپنے آپ کو جہنم کی آگ پر پیش کرنا ہی تو ہے پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جیسی مؤمنہ کاملہ جو پہلے ہی اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر چکی تھیں۔ اسلام ہی انہیں سب سے زیادہ محبوب تھا جس کے مقابلہ ایک مرتد شوہر کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی لہٰذا آپ نے عبید اللہ بن جحش سے علیحدگی اختیار کر کے دین کے لئے ایک اور قربانی پیش کر دی جو مستقبل میں خوب رنگ لائی۔

اب آپ اپنی بیٹی حبیبہ کے ہمراہ تنہا رہنے لگیں جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئی تھیں ایک تنہا عورت کو جن مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہوتا ہے آپ ہمت وجرأت کے ساتھ ان سے نبرد آزما تھیں کسی طرح یہ بات نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی کہ اسلام کے لئے ایثار وقربانی کرنے والی ایک مؤمنہ پردیس میں تنہائی کے شب وروز بسر کر رہی ہے اور سخت پریشان ہے۔

''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' کی شان رکھنے والے آقائے رحمت ﷺ اپنی خادمہ کا یہ حال سن کر مضطرب ہو گئے۔ ام حبیبہ کی پریشانیوں اور الجھنوں کو ختم کرنے اور ان کے ایثار وقربانی کا صلہ دینے کا آپ کے پاس اس سے بہتر طریقہ کوئی نہ تھا کہ آپ انہیں اپنی پناہ میں لے لیں اور حرم مقدس میں شامل کر لیں لہٰذا ۵ھ میں آپ ﷺ نے نجاشی شاہِ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری خادمہ ام حبیبہ کو ہماری پناہ میں لے لیا جائے اور ان سے ہمارا

Marfat.com

نکاح کر دیا جائے۔ اپنے آقا ﷺ کے اس کریمانہ فیصلے کو ام حبیبہ نے سنا تو ان کا کیا حال ہوا یہ آپ انہی کی زبانی سنیں، فرماتی ہیں کہ:

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا میرے پاس اس کا پیغام لے کر حاضر ہوئی۔ یہ خادمہ نجاشی کے بہت قریب تھی۔ اس کا لباس تبدیل کراتی اور اس کے بالوں میں تیل ڈالتی اور کنگھی کیا کرتی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اسے اجازت دی۔ وہ آئی، خوش تھی، بولی کہ بادشاہ نے مجھے آپ کے لئے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میں بے چین ہوگئی کہا جلد بتاؤ کیا پیغام ہے۔ وہ بولی آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمارے بادشاہ کو لکھا ہے کہ ان سے آپ کا نکاح کر دیا جائے اور آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا جائے اب آپ کسی کو اپنا وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے اس نکاح کو قبول کرے۔

یہ پیغام سن کر میری تو خوشی کی انتہا ہی نہ رہی کہ میرے لئے اس سے بڑا اور کیا اعزاز ہو سکتا تھا۔ میں نے ابرہہ کو نہ جانے کیا کیا دعائیں دیں اس کو خوب گلے لگایا اور بطور انعام اپنے دو کڑے، انگوٹھیاں اور پازیبیں اتار کر اسے دے دیں اور فوراً خالد بن سعید بن عاص کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی اور اپنا وکیل مقرر کیا۔

اسی دن تقریب نکاح کا شاہی محل میں اہتمام کیا گیا کئی مہاجرین کو جن میں جعفر بن ابی طالب بھی تھے دعوت دی گئی۔ نجاشی نے خود خطبہ نکاح پڑھا چار سو دینار مہر مقرر ہوا اور کتنے ہی دینار حاضرین مجلس پر برسائے گئے۔ مہر کی رقم خالد بن سعید کی معرفت مجھے موصول ہوئی اور میں اب حرم نبوی کی ایک معزز خاتون قرار پائی لہٰذا مجھے وہی مقام ومنصب دیا گیا جو میرا حق بن چکا تھا۔ رسم نکاح ختم ہوئی تو لوگ اٹھ کر جانے لگے لیکن نجاشی نے اعلان کیا کہ سنت انبیاء کے مطابق کھانا پیش کیا جائے گا تمام حضرات کھانے سے فارغ ہو کر جائیں۔ شاہی دسترخوان پر پر تکلف کھانے چنے گئے شراب کے جام پیش کئے گئے اور لوگ خوب خوب لطف اندوز ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

باختلاف روایت ٦ ھ یا ٧ ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور فوراً ہی آپ کو شاہی اعزاز کے ساتھ شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا جو حبشہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر مقرر تھے۔ اس نکاح میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں تھیں ان میں سے ایک ابوسفیان سے رشتہ قائم کرنا بھی تھا تاکہ اس نازک رشتے کی وجہ سے ابوسفیان کی اسلام دشمنی کچھ کم ہو سکے اور ایسا ہی ہوا کہ ٧ ھ کے بعد ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا واقعہ نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جوش میں خاصی کمی ہوئی تھی کہ اپنی بیٹی کے اس نکاح کی خبر پا کر اس نے اس پر اظہار فخر کیا اور خوش ہوا نیز اس کے چند ماہ بعد ٨ ھ میں واقعہ حدیبیہ پیش آیا جس میں مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان ایک

Marfat.com

معاہدہ طے پایا تھا لیکن اہل مکہ اس معاہدہ کی زیادہ عرصہ پابندی نہ کر سکے اور ان کی طرف سے خلاف ورزی کے ایک واقعہ کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ختم ہو جانے کا اعلان فرما دیا تھا۔ ابوسفیان اس وقت مکہ میں موجود نہ تھا واپسی پر جب انہیں پتہ چلا تو بہت اظہار افسوس کیا اور خود اس معاہدے کی پابندی کی درخواست لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر وہ پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے اور ان کی توقعات کے برعکس بیٹی نے ان کا کوئی خاص جذباتی اور والہانہ استقبال نہ کیا بلکہ جب وہ بیٹھنے لگے تو انہوں نے جلدی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ شاہانہ و پاکیزہ بستر لپیٹ دیا جو پہلے سے بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان بیٹی کی اس حرکت پر حیرت زدہ ہو کر بولے بیٹی کیا یہ بستر میرے شایان شان نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں جو تم نے اس پر میرا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اسے لپیٹ دیا۔ میری جرأت مند اور مقدس ماں بولیں: "آپ کفر و شرک کی نجاست میں ملوث میرے آقا ﷺ کے پاکیزہ بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں جس پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔" باپ نے بیٹی کے اس تیر جیسے جملہ کا زخم کیسے برداشت کیا ہو گا یہ اسی کا دل جانے بس اس نے خون کا سا گھونٹ پیا اور مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا لیکن وہ خاموش رہیں اور ابوسفیان اٹھ کر مسجد نبوی شریف کی طرف چل دیئے۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ہمراہ مسجد سے باہر آ رہے تھے ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی بس فوراً تلوار تانی اور اس کا تعاقب کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کو پناہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا۔ ابوسفیان نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا آپ خاموش رہے بالآخر ابوسفیان کو یہ جانے بغیر ہی واپس لوٹنا پڑا کہ اب مسلمان معاہدے کی پابندی کریں گے یا اہل مکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ایک سال بعد ہی مکہ پر حملہ آور ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کے لئے مکہ کو اہل ایمان کے لئے جائے امن و سکون بنا دیا "وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا"۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متقیہ اور پرہیزگار تھیں انہوں نے بھی علم نبوی کے خزانہ سے وافر حصہ حاصل کیا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پینسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں جو بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے سترہ سال قبل پیدا ہوئیں گویا تقریباً آپ سے تئیس برس چھوٹی تھیں۔ بوقت نکاح ان کی عمر چھیالیس برس کی ہوگی۔ ۴۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۹ میں آپ کا وصال ہوا۔ جنت البقیع میں اور ایک روایت کے مطابق دمشق کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا لیکن دمشق کے وسیع و عریض قبرستان میں باوجود تلاش کے ہمیں اپنی محترم ماں کی قبر کا پتہ نہ چل سکا جبکہ جنت البقیع میں تو کسی کی قبر کا بھی پتہ نہیں، واللہ اعلم۔

نویں ماں

میری نویں ماں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی اور عرب کی ایک معزز ترین خاتون تھیں۔ ان کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا جو غزوہ مریسیع میں بحالت کفر قتل ہوا۔ یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ دو شعبان سوموار کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس غزوے کے لئے تشریف لے گئے

Marfat.com

تقریباً ایک ماہ بعد یکم رمضان المبارک کو آپ کی واپسی ہوئی۔ اس موقع پر آپ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں شرکت کے لئے چھ ہزار مجاہدین کا لشکر تھا یہ وہی غزوہ ہے جس سے واپسی کے موقع پر واقعہ اِفک کا حادثہ پیش آیا۔ جس کو ہم گزشتہ اوراق پر تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ اس غزوے میں کفار کے بہت سے مرد و عورت گرفتار ہو کر مجاہدین اسلام کے قبضہ میں آئے جنہیں جنگی قواعد کے مطابق غلام ولونڈی بنالیا گیا۔ انہی میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جو ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں تھی چونکہ وہ ایک سردار کی معزز بیٹی تھیں لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو غلامی کی ذلت سے بچانے کے لئے ثابت بن قیس سے گزارش کی کہ آپ مجھے کچھ رقم لے کر آزاد کر دیں۔ معاملہ نو اوقیہ سونے پر طے ہوا لیکن ان کے پاس اتنا سونا نہ تھا لہٰذا وہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر حاضر ہوئیں جن کی سخاوت و فیاضی کے چرچے وہ پہلے ہی سن چکی تھیں۔ سارا معاملہ بتایا اور عرض کی کہ میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں جسے ادا کر کے میں آزاد ہو سکوں اگر آپ میری امداد کریں تو میں آپ کی احسان مند بھی ہوں گی اور آپ کی رقم سے زیادہ ادا کر دوں گی۔

یہ درخواست اس آقائے جہاں پناہ ﷺ کے دربار میں پیش ہوئی تھی جنہیں ایک قبیلہ کے سردار کی معزز بیٹی کا غلامی کی پستی میں جانا تو درکنار دشمن کے دیگر قیدیوں کا بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانا گوارا نہ تھا وہ تو سب ہی کو آزاد کر دینا چاہتے تھے کہ ان کی تشریف آوری کا مقصد ہی انسان کو پستی سے نکال کر بام عروج پر پہنچانا تھا چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں دوست ہوں یا جانی دشمن ہوں ان کی رحمت کا تو مقتضا یہی تھا کہ سب غلاموں کو آزاد کر دیا جائے کسی کی گردن میں غلامی کا طوق نہ ڈالا جائے۔ وہ اللہ کے بندوں کے لئے صرف اللہ کی بندگی کے خواہاں تھے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر غور فرمایا اور معاً آپ کی حکیمانہ نظر نے فیصلہ دیا اور آپ نے ان سے فرمایا کیا تم راضی ہو کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دوں اور ایک آزاد عورت کی حیثیت سے تمہیں اپنے نکاح میں لے لوں۔ اللہ اکبر! جویریہ ایک سمجھدار خاتون تھیں آخر اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں انہیں تو ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے انہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہو انہیں پتہ تھا کہ اس دامن کی پناہ میں آنے کے بعد میرا کیا مقام ہوگا۔ فیصلہ میں تردد یا تامل کی گنجائش ہی نہ تھی لہٰذا بخوشی راضی ہو گئیں اور میرے آقا ﷺ نے ایک سردار کی بیٹی کو اپنی پوری امت کی ماں بنا دیا (ﷺ)۔

جونہی صحابہ کرام کو پتہ چلا کہ جویریہ ہماری ماں ہو گئی ہیں سب نے اپنی ماں کے لئے قربانی دی اور ان کے قبیلے کے مرد و عورت کو آزاد کر دیا۔ ایک عجیب سماں تھا اللہ کے رسول ﷺ آج نہایت ہی مسرور اور خوش تھے آپ کی رحمت و رأفت کی یہ دنیا والوں کے لئے ایک بے مثال نظیر تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے بڑھ کر باعث رحمت و برکت بنی ہو کہ ان کی وجہ سے ان کے قبیلہ بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانوں کو آزادی کی عزت نصیب ہوئی۔

غرضیکہ میرے آقا ﷺ کی ایک خواہش پوری ہوئی کہ اس نکاح کے سبب آزادوں کو غلامی سے نجات مل گئی جب

Marfat.com

یہ لوگ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور انہوں نے اس واقعہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کی خوش اخلاقی، قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی شفقت و محبت کے واقعات بیان کئے تو کٹر دشمنوں کا ہر فرد سر تسلیم خم کئے میرے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھا اور اپنی آزادی پر آپ کی غلامی کو ترجیح دیتا اور اس پر فخر کرتا نظر آتا تھا۔

خود حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل میں آپ کی جو شان رحمت و رأفت نظر آئی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان کے باپ حارث بن ضرار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں ایک بڑے قبیلہ کا سردار ہوں اور جویریہ میری بیٹی ہے جسے آپ نے اپنی لونڈی بنالیا ہے کسی سردار کی بیٹی کو لونڈی بنالینا آپ جیسی شخصیت کے لئے موزوں نہیں معلوم ہوتا آپ اسے آزاد کر دیجئے اس کا جو فدیہ آپ مقرر کریں گے ادا کر دیا جائے گا۔
آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہم نے تمہاری بیٹی کو ہرگز لونڈی نہیں بنایا تمہاری سرداری کا خیال کرتے ہوئے ہم نے اسے وہ مقام دیا ہے جو تمہارے یہاں اسے حاصل ہونا ممکن ہی نہیں پھر بھی تم جویریہ سے معلوم کرلو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کریں تو انہیں پورا پورا اختیار ہے وہ بالکل آزاد ہیں۔ ہم تم سے ان کا کوئی فدیہ بھی نہیں مانگیں گے۔ جب حارث نے بیٹی سے چلنے کو کہا تو بیٹی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جس دامن میں مجھے پناہ ملی ہے اس سے زیادہ عزت و طمانیت مجھے کہیں میسر نہیں آسکتی۔ آپ مطمئن رہیں میں یہاں بہت باعزت اور خوش ہوں۔ یہی حارث کچھ دن بعد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں آکر اپنی بیٹی کی طرح باعزت ہو گئے کہ وہ اس امت کی ماں بنیں اور یہ سر کا تاج۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی ان کا نام برہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد نکاح جویریہ نام رکھا۔ مخزن علم و حکمت ﷺ سے انہوں نے بھی حتی الوسع فیض حاصل کیا۔ سات حدیثوں کی راویہ بھی ہیں دو بخاری میں اور دو مسلم میں باقی تین دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے چند مسائل بھی ہم تک پہنچے مثلاً ایک مرتبہ صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے حجرے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مصلی پر بیٹھی مصروف عبادت ہیں آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور اور دوبارہ پھر چاشت کے وقت (تقریباً دو گھنٹے بعد) تشریف لائے آپ اسی طرح مصلی پر بیٹھی مصروف عبادت ملیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم اسی طرح صبح سے مصروف ہو عرض کی جی۔
آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں ایسے کلمات بتاتا ہوں جن کا ایک مرتبہ پڑھنا تمہارے اتنی دیر کے اوراد و ظائف سے افضل اور اللہ کے نزدیک بھاری ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔''

یاد رہے کہ اوراد و ظائف کے لئے وہی کلمات زیادہ مؤثر ہیں اور وہی طریقہ زیادہ افضل و بہتر ہے جو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا وصال ربیع الاول ۵۰ یا ۵۶ھ میں ہوا آپ کی کل عمر پینسٹھ برس ہوئی۔

Marfat.com

جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ قبر انور کا وہی حشر ہوا جو میری دیگر ماؤں کی قبروں کا ہوا۔

دسویں ماں

میری دسویں ماں حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا انہوں نے طلاق دے دی تو دوسرا نکاح ابو رہم بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ ۷ھ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرۃ قضا ادا کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو چونکہ یہ عمر رسیدہ تھیں اور وہاں تنہا بھی تھیں لہٰذا ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے واپسی پر انہیں اپنے ہمراہ لے لیا اور دوران سفر ہی انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ان کو اپنے حرم میں لے لیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبولیت بخشا اور مقام سرف میں قیام کے دوران نکاح ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی نکاح پڑھایا ان کا خاندان بہت بڑا تھا نو بہنیں تھیں جو سب ہی سرداروں، امیروں اور معززین عرب سے بیاہی گئی تھیں انہی کی ایک سوتیلی بہن ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ تھیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں صرف دو یا تین ماہ رہ کر ہی انتقال کر چکی تھیں۔ ایک بہن لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں جبکہ ایک بہن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ اسی طرح دیگر تمام بہنیں عرب کے با اثر اور معزز لوگوں کے گھروں میں تھیں۔ اس نکاح سے ان تمام لوگوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ مصاہرت قائم ہوا جس کا اہل عرب بہت خیال کرتے تھے لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مشن کے سلسلے میں اس رشتہ سے بے حد فائدہ ہوا اور بہت سے تبلیغی معاملات آسان ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع اور معزز خاندان اور ان کی پارسائی و پاکیزگی ہی کی بناء پر یہ چاہا تھا کہ انہیں ہماری ماں بننے کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا غزوۂ تبوک میں شریک تھیں اور اپنے بڑھاپے اور ضعف کے باوجود نہایت ہی تندہی سے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی نظر آ رہی تھیں۔ یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لئے خواتین کی باقاعدہ تنظیم قائم کی جس کا سلسلہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں میں جاری ہے۔

انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دریائے علم سے خوب سیرابی حاصل کی۔ چھہتر احادیث کی راویہ ہیں۔ سات بخاری و مسلم میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ طویل عمر پائی ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔ حسن اتفاق یہ کہ مقام سرف ہی میں وصال ہوا جہاں شب زفاف ہوئی تھی۔ وہیں دفن ہیں لیکن قبر کا نشان تک نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی ماں اور خالہ کی نماز جنازہ پڑھائی جب لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے تو آپ نے نہایت غمزدہ ہو کر فرمایا جنازہ ادب و احترام سے آہستہ اٹھاؤ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ کا جنازہ ہے یہ ہماری ماں کا جنازہ ہے باادب آہستہ آہستہ چلو انہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ قبر میں بھی آپ نے ہی اتارا۔

گیارہویں ماں

میری گیارہویں ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا باپ حیی ابن اخطب، یہودی قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور

Marfat.com

ماں ضرر یہودی قبیلہ بنو قریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھیں۔ گویا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ جوان کا ایک بڑا اعزاز تھا ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرضی سے ہوا تھا اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا یہ دونوں بھی اپنے اپنے قبائل میں بڑے معزز تھے۔ جب ۷ھ میں غزوۂ خیبر ہوا اور مسلمانوں نے یہودیوں کے مضبوط ترین قلعہ کو فتح کرلیا بیس دن تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رہا اور بالآخر شیر خدا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ہمت و شجاعت کے باعث یہ قلعہ فتح ہوا اور بہت سے یہودی مرد و عورت گرفتار کر لئے گئے انہی میں صفیہ بھی تھیں۔ گرفتار شدگان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا گیا ابھی سرکار پوری طرح سب کا جائزہ بھی نہ لے پائے تھے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایک باندی عنایت فرمائی جائے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول فرمائی اور آپ کو اختیار دیا کہ گرفتار شدگان میں سے وہ کسی کو بھی اپنے لئے پسند کرلیں ان کی نظر انتخاب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر پڑی جب وہ انہیں اپنے ہمراہ لے جانے لگے اور صحابہ نے دیکھا تو چند صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے بھائی دحیہ نے جس لونڈی کو پسند کیا ہے وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں کیونکہ وہ یہودیوں کی شہزادی ہے۔ اس کے باپ، نانا، شوہر، بھائی سب اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے اسے اس خاندانی عزت و سیادت کے تعلق سے یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ ہمارے یہاں اس سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پائے کیونکہ ان حضرات کی درخواست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور سابقہ عمل کے عین مطابق تھی لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا: دحیہ! تم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز لے لو اور ان سے دستبردار ہو جاؤ۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے بخوشی حکم کی تعمیل کی اور کنانہ کی بہن کو پسند کرلیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میرے آقا ﷺ نے ان کی شاہی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے گفتگو فرمائی ان کے باپ، شوہر اور دیگر اعزا کی موت پر اظہار افسوس کیا اور اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے دین یہودیت پر قائم رہیں اور اپنے باقی ماندہ اعزا کے پاس واپس چلی جائیں اور اگر چاہیں تو اسلام قبول کرلیں اس صورت میں انہیں آقائے کائنات ﷺ کی زوجیت کا بلند اعزاز بخشا جائے گا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حضرت سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے تھیں لہٰذا انہوں نے دامن نبوت سے وابستگی کے شرف کو اختیار کیا اور عرض کرنے لگیں کہ اب میں واپس ہونا نہیں چاہتی بلکہ "اختار الله و رسوله" میں اللہ اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ آقائے رحمت ﷺ نے اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ انہیں آزاد کردیا اور پھر ان کی مرضی سے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا: "چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہوں میں تھیں اس لئے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کی صرف یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کونین ﷺ انہیں اپنی زوجیت کی عزت سے سرفراز فرمائیں" کہ امت کی ماں بنا دینے سے بڑا تاج اور کیا ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاروں کی معیت میں خیبر سے روانہ ہوئے اور مقام صہباء میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تو یہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا اور آپ ہمیشہ کے لئے حرم نبوی میں شامل ہو کر ہماری ماں بن گئیں۔ صحابہ کے پاس کھانے کا جو کچھ سامان بچا تھا وہ پکایا گیا اور دعوت ولیمہ دی گئی۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک نشان تھا جب شب زفاف میں یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے یہ نشان ملاحظہ فرمایا اور صفیہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا تھا آپ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دن میں اپنے شوہر کنانہ کے پاس بیٹھی تھی میں نے اسے اپنا خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا ہے۔ وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا ''مَا هٰذَا اِلَّا اَنَّکِ تَمَنِّيْنَ مَلِکَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا جس کا یہ داغ آج تک ہے۔

اس واقعہ میں ایک بات نہایت ہی اہم ہے قابل غور ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے یہودی شوہر کنانہ سے یہ کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا ہے تو وہ فوراً بولا کہ تو شاہِ حجاز کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے یعنی باوجود دشمنی کے یہودی یہ تسلیم کرتے تھے کہ میرے آقا ﷺ ہی ہیں جو اس زمین پر آسمان کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ وہ حق تھا جو اللہ کے حکم سے دشمنوں کی زبانوں پر بھی جاری ہو جاتا تھا۔ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ ایک دن ضرور پورے حجاز کے بادشاہ بنیں گے۔

پہلی رات جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھیں تو ساری رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ خیمہ کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیمہ سے باہر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس کی تو فرمایا کون ہے؟ جواب آیا۔ ابوایوب حاضر ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پوچھا تمہیں کیا ہوا کہ تم خیمہ کے اردگرد گھوم رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آرام کرنا چاہتا تھا لیکن خیال آیا کہ آپ کے حرم میں ایک نومسلم خاتون ہیں جو زخم خوردہ ہیں ان کے باپ، بھائی، شوہر اور دیگر اہل خاندان جنگ کے دوران مارے گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھے اور وہ آپ کے ساتھ کوئی ناقابل تلافی حرکت کر بیٹھیں۔ یہ خیال آتے ہیں میں بے چین ہو گیا اور خیمہ کے گرد میں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوایوب کی یہ احتیاط اور عاشقانہ ادا بے حد پسند آئی اور آپ نے ان کے لئے دعا کی ''اَللّٰهُمَّ احْفَظْ اَبَا اَيُّوْبَ كَمَا بَاتَ يَحْفَظُنِيْ'' اے اللہ تو ہمیشہ ابوایوب کی حفاظت فرما جیسے انہوں نے میری حفاظت کے لئے ساری رات جاگتے گزار دی۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینب تھا لیکن حرم نبوی میں شمولیت کے بعد آپ کو صفیہ کہا جانے لگا کہ صفیہ عربی اصطلاح میں مال غنیمت کے اس بہترین حصہ کو کہا جاتا ہے جو صرف امام یا بادشاہ ہی کے لائق ہوتا ہے اور اسے

Marfat.com

پیش کر دیا جاتا ہے۔آپ اسی طرح ہماری ماں بنیں۔غلاموں نے آپ کو صفیہ کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آپ کے لئے یہی نام پسند فرمایا جبکہ حقیقتاً آپ نسل ونسب شکل وصورت، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صفیہ ہی تھیں۔ ۵۰ھ میں وصال ہوا جنت البقیع میں دفن ہیں۔آقا ﷺ کے لئے شاہی عیش وآرام چھوڑنے والی اور بے انتہا ایثار وقربانی کرنے والی اس مقدس خاتون کی قبر انور پر ظالم غلاموں نے بلڈوزر چلا دیا اور قبر کا نام ونشان مٹا ڈالا۔ان کی بیان کردہ دس احادیث کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گیارہ ازواج مطہرات کے تذکرے پر اکتفاء کر رہے ہیں جن پر مفسرین، محدثین اور علماء سیر کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے جبکہ باختلاف روایات بیس سے زیادہ آپ کی بیویاں بیان کی گئی ہیں۔عام طور پر آپ کی نو بیویاں مشہور ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کے حرم میں کبھی نو سے زائد ازواج نہ ہو پائی گئیں۔ نیز وصال کے وقت نو ہی ازواج تھیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا وصال آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی ہو گیا تھا۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہماری ماؤں کے دربار میں نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کرنے کی صلاحیت بخشی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہمارے ناقص علم کے مطابق ہے۔میری ماؤں کا مقام تو اس سے بہت ہی ارفع واعلیٰ ہے کہ جو عورتیں خونی رشتہ کی بناء پر ہماری ماں بنیں اور اولاد کے لئے ان کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی تو ان عورتوں کا مقام کتنا بلند ہوگا جو نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ہماری ماں بنیں اور اللہ نے ''اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' فرما کر ہمیں ان سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے کا حکم دیا۔

اے اللہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم نے یہ چند سطور محض اپنی ان ماؤں سے عقیدت ومحبت کی بناء پر قلمبند کی ہیں پس تو ہماری طرف ان کی نظر شفقت مائل فرما دے کہ ہم دنیا وآخرت میں باعزت ہو جائیں اور اے اللہ ان ماؤں کے صدقہ میں راقم الحروف کی ماں اور قارئین کی ماؤں کی مغفرت کاملہ فرما اور جن کی مائیں زندہ ہیں ان کے سروں پر ان کا سایہ دراز فرما آمین بجاہ رحمۃ للعٰلمین۔

تعدادِ ازواج پر ایک نظر

ہم اپنی ماؤں کے حالات بحمد اللہ خاصی تفصیل سے پیش کر چکے ہیں اگر آپ نے گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہے تو میرے آقا ﷺ کی تعداد ازواج کے سلسلہ میں جہالت ولاعلمی کی بناء پر جو الجھن بعض لوگوں کے ذہنوں کو منتشر کرتی ہے اس کا ازالہ ہمارے انداز تحریر اور اس کے جملوں پر غور کرنے ہی سے ہو جاتا ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم عنوان کو ختم کرنے سے پہلے ہم آپ کے اس اہم شعبۂ حیات پر ایک خصوصی نظر ڈالیں اور اختصار کے ساتھ ان حکمتوں اور فوائد کا تذکرہ کر دیں جن کے لئے اللہ کے مدبر اور حکیم رسول میرے آقا ﷺ نے متعدد ازواجِ مطہرات کو اپنے مقدس حرم میں شامل فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مواقع پر مختلف قبیلوں کی عورتوں سے نکاح کے متعلق دشمنان اسلام کتنی ہی

Marfat.com

بیہودہ گوئی کریں، کتنی ہی بکواس کریں، ہماری خوش عقیدگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہمارے آقا ﷺ کا یہ ایک بڑا ایثار تھا جو آپ صرف بے سہاروں کو سہارا دینے، غیروں کو اپنا بنانے، دشمنوں سے عداوت کے جراثیم ختم کرنے، اسلام کے تحفظ واستحکام امت مسلمہ کی عزت وآبرو میں اضافہ اور تبلیغ واشاعت دین کے اہتمام کے لئے کرتے رہے۔ متعدد ازواج کی ذمہ داریاں پوری کرنا کوئی مذاق نہ تھا۔ بالخصوص اس صورت میں کہ میرے آقا ﷺ دنیا کی مصروف ترین شخصیت تھے اور مالی اعتبار سے بھی نہایت ہی تنگ دستی میں گزر اوقات ہوتی تھی کہ کئی کئی دن گھروں میں کچھ نہ پکتا تھا، میری ماؤں کو نہ تو بادشاہوں اور حکام جیسے فراخ محل میسر تھے نہ ہی ان کے حجروں میں آسائش وزیبائش کا ساز وسامان پایا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کے نازک ومقدس جسم بھی نہایت موٹے اور بوسیدہ لباس میں چھپے ہوئے تھے اور قربان جاؤں میں اپنی مقدس ماؤں کے کہ وہ اس عسرت وتنگی کی حالت میں خوش تھیں۔ واقعہ ایلاء آپ پڑھ چکے ہیں جس میں میرے آقا ﷺ نے تمام ازواج کو اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو مال ودولت لے لیں اور چاہیں تو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرلیں یہ ایک نہایت اچھا موقع تھا ان بیویوں کے لئے عسرت وتنگی سے آزادی حاصل کرنے کا آج کا کوئی عیاش وعیش پرست اپنی داشتاؤں کو ایسی پیشکش کرتا تو سب کی سب دولت کے ڈھیر سمیٹ کر اس سے منہ پھیر لیتیں اور عیاشی کے کسی دوسرے اڈے پر جا بیٹھتیں لیکن یہ میری مائیں تھیں یہ معصوم نبی کی پاکیزہ ترین بیویاں تھیں جو جانتی تھیں کہ ہم کسی عشرت کدے میں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی کے دامن رحمت میں پناہ گزین ہیں جس کا ہر لمحہ دنیا اور اس کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے لہٰذا کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میری کسی ماں نے بھی حرم نبوی چھوڑنے کا ارادہ تک کیا ہو۔ سب کا جواب ایک ہی تھا کہ ''اِنِّىْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ'' میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے دن کو پسند کرتی ہوں۔ دوستو! عیاشی کے حلقوں میں بند عورت کو دنیا کی کتنی ہی نعمتیں کیوں میسر نہ ہوں وہ کبھی قناعت نہیں کرسکتی وہ تو ''ھل من مزید'' کی ہوس میں ہی مبتلا رہتی ہے۔ تنگی اور عسرت کو برداشت کرلینا تو بڑی بات ہے وہ تو ایک کانٹا برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی وہ تو صرف پھول چننا جانتی ہے کانٹوں کا اسے پتہ نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود بھی میرے آقا ﷺ کے خلاف دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور آپ پر ہوس پرستی اور عیش پسندی جیسے رکیک الزامات لگانا اور آپ کی ردائے عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرنا حقائق سے آنکھیں بند کرلینا نہیں تو اور کیا ہے لیکن چمکتے سورج کی روشنی کے سامنے آنکھیں بند کرکے اس کی روشنی کا کوئی کتنا ہی انکار کرے اس کی بکواس کو کون تسلیم کرسکتا ہے۔ اسی لئے آج تک اس بیہودہ گوئی سے ایک مسلمان بھی نہ متاثر ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے اس کے برعکس جتنے آپ پر اعتراض ہوتے ہیں اتنی ہی آپ کی کتاب زندگی کے حروف چمکتے اور اہل ایمان کے دلوں کو روشن ومنور کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو چودہ سو برس کی طویل مدت میں جو آپ پر اعتراضات کئے گئے اور آپ کے خلاف جتنی بیہودہ گوئی ہوئی اس کے زنگ نے آپ کی حیات مبارکہ کے حروف کو کب کا مدہم کرڈالا ہوتا، اتنا مدہم کہ کسی بھی حرف کا نظر آنا مشکل ہوگیا ہوتا۔ الحمد للہ میرے آقا ﷺ کی شخصیت ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے اور اہل ایمان کو آپ پر فخر ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے

Marfat.com

آقا ﷺ کی حوائج وضروریات خواہش اور خیالات عام انسانوں جیسے نہ تھے ان کا تو ہر عمل اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ وہ حکم چاہے وحی جلی کی صورت میں ملتا یا وحی خفی کی صورت میں بہر حال ان کا ہر کام وحی کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ متعدد عورتوں سے آپ کا نکاح کرنا بھی حکم الٰہی کے عین مطابق تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغام کی تبلیغ واشاعت اور تعلیم کے لئے جب جس عورت کو چاہا بحیثیت بیوی آپ کا معاون ومددگار بنا دیا تا کہ آپ کو وہ مخلصانہ تعاون حاصل ہو سکے جو کسی غیر محرم عورت سے حاصل ہونا ممکن نہ تھا اور جب اللہ کی حکمت پوری ہوگئی کہ آپ کو کسی محرم کے مزید تعاون کی ضرورت نہ رہی تو اللہ نے آپ کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا۔ ارشاد ہوا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ (احزاب:۵۲)

آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد حلال نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ ان ازواج سے دوسری بیویاں تبدیل کر لیں چاہے آپ کو ان کا حسن پسند آئے سوائے کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

یہ حکم واقعۂ ایلاء کے بعد نازل ہوا جو ۹ھ میں پیش آیا جبکہ تکمیل دین کے مژدہ جانفزاء کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اب وہ ساری حکمتیں پوری ہو چکی تھیں جن کی بناء پر آپ کو متعدد عورتوں کی ذمہ داری سونپی جاتی رہی لہٰذا آپ کے لئے آئندہ کسی اور عورت سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور موجودہ ازواج مطہرات کے اعلیٰ اعزاز کی تا ابد برقراری کے لئے یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ ان عورتوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت کو حرم میں شامل کر لیا جائے کیونکہ ان ازواج نے آپ کے لئے جو ایثار کیا اور جو قربانیاں دیں ان کے صلہ میں یہ خصوصی انعام الٰہی ہوا کہ ان کے اعلیٰ منصب کو باقاعدہ ایک حکم کے ذریعہ تحفظ دیا گیا نیز ان ازواج کے بعد یا ان کے بدلے کسی اور عورت سے نکاح کی ضرورت باقی نہ رہی کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے حرم نبوی کے لئے منتخب ہوئی تھیں ان میں وہ تمام صلاحیتیں ودیعت رکھی گئی تھیں جو اللہ کی حکمتوں کو پورا کرنے کے لئے نبی کی بیوی میں ہونا ضروری تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمت باری تعالیٰ کی تکمیل کے لئے اللہ ہی کے حکم سے نکاح کرتے رہے اور نکاح کی ممانعت کے اس حکم کے بعد نہ کسی اور عورت کو اپنے حرم میں شامل فرمایا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو تبدیل کیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کے جن حصوں میں جس عمر کی عورتوں سے نکاح فرمایا اس کی نوعیت عام انسانوں کے طریقہ اور ان کی خواہشات کے برخلاف بالکل ممتاز نظر آتی ہے۔ جس کی سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ سوائے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ تھیں جو آپ کے حرم میں آنے سے پہلے ایک یا دو نکاح کر چکی تھیں ان میں سے بعض بچوں والیاں بھی تھیں پھر عمر کا تفاوت بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان نکاحوں کا مقصد قطعاً خواہش نفس کی تکمیل یا جنس پرستی نہ تھا، غور فرمائیے۔

Marfat.com

عنفوان شباب یعنی پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح ایک چالیس سالہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں، بچوں والی تھیں۔ ان ہی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بھی ہوئی یہ رفاقت چند سال نہیں بلکہ نہایت ہی محبت والفت اور خلوص کے ساتھ چوبیس سال تک جاری رہی۔ گویا جوانی کا سارا دور ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ بسر ہو گیا اس دوران آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا پھر آپ کا دوسرا نکاح ایک پچپن سالہ بیوہ، بچوں والی عورت حضرت سوداء بنت زمعہ سے ہوا اس وقت خود آپ کی عمر پچاس سے تجاوز کر رہی تھی۔ پہلا اور آخری نکاح ایک کنواری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جن کی عمر بوقت رخصت نو برس کی تھی جبکہ میرے آقا ﷺ چون برس کے ہو رہے تھے جبکہ پچاس برس کے بعد دور کہولت (بڑھاپے) کا آغاز ہو جاتا ہے۔ غور فرماتے چلئے کہ چون برس کی عمر تک میرے آقا ﷺ کے حرم میں صرف دو عورتیں ہیں۔ پچپن برس کی عمر مبارک میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت حفصہ بنت عمر سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں عمر تقریباً انیس برس تھی۔ پھر اسی سال یعنی ۳ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تیس سالہ بیوہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا جو تین ماہ بعد ہی وفات پا گئیں۔ ۴ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تقریباً پینتیس سالہ بیوہ چار بچوں کی ماں حضرت ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ سے ہوا پھر ۵ھ میں آپ ﷺ کا نکاح پینتیس سالہ بیوہ حضرت زینب بنت جحش سے ہوتا ہے۔ اب ٹھہریئے حساب کر لیجئے کہ اٹھاون برس کی عمر شریف تک آپ کے حرم میں صرف پانچ عورتیں جمع ہوئیں جو سب ہی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ تقریباً بوڑھی بیوہ اور بچوں والیاں ہیں۔ اب آگے بڑھئے ۷ھ میں چھیالیس سالہ بیوہ ایک بچی کی ماں حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا اور اسی سال بیس سالہ بیوہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور ۸ھ میں حضرت میمونہ بنت حارث اور صفیہ بنت حیی بن اخطب حرم نبوی میں شامل ہوئیں۔

للہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان ازواج مطہرات کی عمروں کے تفاوت پر خوب غور کیجئے اور پھر بتایئے گستاخان رسول کو کہ یہ صورت حال ایک صاف ستھرا آئینہ ہے جس پر ہوا و ہوس کا کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا صرف گیارہ بیویوں کی تعداد پر اعتراض نہ کرو بلکہ اس آئینہ کو دیکھو اور پھر بتاؤ کہ عیش پرستی کی گنجائش تمہیں کہاں نظر آ رہی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ تو اب بھی یہی کہیں گے کہ یہ عیش پرستی ہی ہے کیونکہ آئینہ میں تو انہیں اپنی ہی صورت نظر آئے گی۔

آیئے اب نہایت اختصار کے ساتھ ان مصلحتوں اور حکمتوں پر بھی نظر ڈالتے چلیں جن کی بناء پر میرے آقا ﷺ نے ان عورتوں کو اپنے دامن رحمت سے وابستہ کیا اور ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، غور فرمایئے:

(۱) ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دولت مند تاجرہ تھیں۔ اہل مکہ پر ان کے احسانات تھے طاہرہ و پاکیزہ اور باکردار تھیں۔ اہل مکہ کے دلوں میں ان کا احترام تھا نہایت تجربہ کار سنجیدہ اور متحمل مزاج تھیں۔ بعثت سے پندرہ سال قبل ہی انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ کر دیا گیا تا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوب پہچان لیں اور اعلان نبوت کے روز اول ہی سے ان کی خوبیوں سے اسلام کو بھرپور تقویت حاصل ہو سکے اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ واقعات سے واضح اور ثابت ہے۔

Marfat.com

(۲) ام المؤمنین حضرت سوداء رضی اللہ عنہا معمر، حلیم الطبع، قناعت پسند اور مستقل مزاج عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارہائے نبوت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اہل مکہ کے مظالم دن بدن بڑھ رہے تھے۔ حرم نبوی خالی تھا۔ بیٹیوں کے معاملات بالخصوص سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جو جوان تھیں ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ان حالات میں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کا حرم میں آجانا آپ کے لئے کس قدر باعث سکون وطمانیت بنا اس کا اندازہ اس وقت کے حالات سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اللہ اکبر ان کی خوبیوں صلاحیتوں اور کمالات کا احصاء ہمارے اسلاف اور عظیم علماء نہ کر سکے مجھ جیسے کم علم کی کیا مجال کہ انہیں شمار کر سکوں یہ تو صرف نظر نبوت ہی کا کمال تھا۔ جس نے ایسی عظیم خاتون کو منتخب کر کے امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں ان پر جو کچھ لکھا ہے وہ اگر چہ بہت ہی کم ہے لیکن یہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ میری اس ماں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا توقعات وابستہ فرمائیں تھیں اور وہ کس طرح پوری ہوئیں انہوں نے عالم ماکان ویکون کے خزانہ علمی سے کیا کچھ حاصل کیا اور پھر اسے کیسی محنت و مشقت تدبر وتامل اور خوش اسلوبی سے امت تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی آپ تسلیم کریں گے کہ اگر عائشہ حرم نبوی میں نہ ہوتیں تو امت کے لئے کتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ پس مطالعہ کیجئے گزشتہ اوراق کا اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کو جان لیجئے جن کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چون برس کی عمر میں ایک نو سالہ بچی کو اپنے حرم میں شامل کر کے محض اپنے غلاموں کے مفاد کے لئے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کو قبول فرمایا اور وہ کچھ دیا جو کسی غیر محرم عورت کو دینا ممکن ہی نہ تھا۔

(۴) ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و پاکیزگی اور عظمت کا اندازہ بس اس سے کر لیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں "فَاِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَاِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ" وہ عبادت میں مشغول رہنے والی بہت روزے رکھنے والی ہیں اور جنت میں بھی انہیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہے گا۔ ان کے حرم نبوی میں آنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی پریشانی ختم ہوئی وہ کم از کم ایک خوبی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ مصاہرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ ہو گئے اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں اسی رشتہ مصاہرت کی کمی کا خاتمہ ہو گیا۔ نیز اسلام کی ایک مخلص مجاہدہ کی دلجوئی اور عزت افزائی ہوئی جس نے غزوۂ بدر میں شریک ہو کر مجاہدین اسلام کی بھرپور مدد کی تھی اور اپنے شوہر کی شہادت کا شکوہ تک زبان پر نہ لائی تھی بلاشبہ وہ ایسی سکون واطمینان کی مستحق تھی جو اسے صرف اور صرف حرم نبوی میں میسر آیا۔ ان کی سماجی خدمات بھی مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہوئیں۔

(۵) ام المؤمنین حضرت زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تعلق تھا جو مسلمانوں اور اسلام کا سخت دشمن تھا توقع تھی کہ ان کے حرم نبوی میں آنے کے باعث اس قبیلہ کی اسلام دشمنی میں کچھ کمی ہو گی لیکن نجد کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتنہ وفساد کی آماجگاہ قرار دیا ہے لہٰذا اس تاریک سرزمین پر میری ماں کا نور پہنچنے سے قبل

Marfat.com

ہی ان کی وفات ہوگئی تاہم تاریخ میں اس نکاح کے بھی فوائد اور اہم نتائج محفوظ ہیں۔

(۶) ام المؤمنین ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ اور ان کے شوہر نے صرف اسلام کے تعلق سے جن مظالم اور مصائب و آلام کا مقابلہ کیا اس کا اندازہ آپ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے کر چکے ہیں۔ ان کی دلجوئی اور عزت افزائی اسلام کے شعبہ اخلاق اور مصیبت زدگان کے لئے اس کی پناہ، دین کی تبلیغ و اشاعت کا سبب بنی نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے چار بچوں کی پرورش کر کے سوتیلی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کی جو عملی تعلیم دی جس سے آپ کے اسوۂ کاملہ میں ایک اہم بات کا اضافہ ہوا یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہی برکت تھی۔ تین سوستر احادیث کا بیش بہا خزانہ بھی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امت کو منتقل کیا۔

(۷) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جوڑے بنانے والے رب نے آسمانوں پر ان کا جوڑا بنایا۔ پس اپنے اس فیصلہ کی حکمتیں وہی بخوبی جان سکتا ہے ہمیں تو ان کے حالات پڑھنے کے بعد صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اللہ رب العزت نے اس مقدس نکاح کو اہل عرب کی ایک غلط رسم کے خاتمہ کی حکمت کا ذریعہ بنایا۔ جس کی تفصیل آپ نے پڑھ لی ہے۔

(۸) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کے نکاح سے سرزمین حبشہ پر بھی آقائے رحمت ﷺ کے رحم و کرم کا چرچا ہونے لگا اور جن کے حرم نبوی میں آجانے کے بعد ابوسفیان کا جذبہ اسلام دشمنی سرد پڑ گیا انہیں اور تمام اہل مکہ کو غلبہ اسلام کا یقین ہو گیا۔

(۹) ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں شامل ہوئیں تو انہی کی قوم کے سینکڑوں مرد و عورت کو غلامی کی ذلت سے نجات نصیب ہوئی۔ ان کے قبیلہ کو شرف اسلام نصیب ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا امیروں، سرداروں پر مشتمل ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حرم نبوی میں ان کی شمولیت نے سب کو اسلام سے متاثر کیا اور ان تمام گھروں اور قبائل میں اسلام پہنچا جو ان کے رشتہ کی کڑیاں تھیں۔

(۱۱) ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی قبائل کی شہزادی مشرف با سلام ہو کر میرے آقا ﷺ کی باندی بنیں تو یہودیوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کے لئے ان کے عزائم خاک میں مل گئے اور ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بھی اس دامن میں پناہ گزین ہو جائیں جس میں ان کی شہزادی کو راحت و سکون کی دولت میسر آئی ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے کے بعد یقیناً ہماری طرح آپ کا بھی ایمان تازہ ہوا ہوگا اور اب آپ اپنے اندر یہ قوت محسوس کرتے ہوں گے کہ دشمنان رسول کے منہ پر دلائل کا ایسا طمانچہ رسید کیجئے کہ ہمیشہ کے لئے وہ ہمارے معصوم و پاکیزہ آقا ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز آجائیں اور ان کے منہ بند ہو جائیں۔ دوستو! آقا کی عزت و ناموس کی حفاظت

Marfat.com

غلاموں کی ذمہ داری ہے اور اصل تبلیغ یہ ہے کہ عظمت رسول کا لوگوں سے اقرار کرایا جائے۔

اہم پیغام

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی زندگی کے حالات سے ہمیں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے ایک نہایت ہی اہم پیغام حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! اپنی عائلی زندگی کو پرسکون اور پرلطف بنانے کے لئے اللہ کے ارشاد ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' پر عمل کرو اور اس کی تفصیلات جاننے کے لئے صاحب قرآن ﷺ کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو۔ دیکھو وہ اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ گیارہ بیویوں کے شوہر ہونے کے باوجود ان سے کبھی کسی بیوی کو شکوہ نہ ہوا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں ان کے ساتھ انصاف کیا کرتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول نے تمہیں بھی ایک سے زیادہ چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تمہیں بلاشبہ حق ہے کہ اس اجازت سے فائدہ حاصل کرو لیکن اس وقت جبکہ تم اپنے آقا ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ہر بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کر سکو اور سب کے معاشی وسماجی حقوق ادا کر سکو اور یاد رکھو کہ بیوی قرآنی ارشاد کے مطابق تمہارا لباس ہے اور وہ بھی نہایت نازک لباس ہے لیکن نہایت آرام دہ اور پرسکون لباس ہے تم اس لباس سے خوب لطف اندوز ہو لیکن خیال رکھنا اسے بڑے احتیاط سے استعمال کرنا کہ تمہاری بے احتیاطی، لاپرواہی یا سختی اسے تار تار کر سکتی ہے۔ اس لباس کی چمک دمک کی بقاء کے لئے تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا بہت خیال کرنا ہوگا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو اور دیکھو انہوں نے تمہاری ماؤں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اپنے اس لباس کا کتنا خیال رکھا وہ جب گھر میں داخل ہوتے مسکراتے ہوئے ہی داخل ہوتے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود بھی گھر کے کاموں میں وہ اکثر تمہاری ماؤں کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ میری ماؤں کو کبھی کوئی شکوہ نہ ہوا تو کوشش کرو کہ تمہاری بیوی بھی خوش رہے اور اسے تم سے کوئی شکوہ نہ ہو۔

اے ایمان والیو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہر بیوی پر اپنے شوہر کا احترام کرنا اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اسے اپنا قَوَّام یعنی نگران تسلیم کرنا لازم اور فرض ہے تم اپنے شوہر کی عزت وآبرو اور ہر چیز کی امین ہو۔ دیکھو اس امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔ تم اس کے بچوں کی ماں ہو لہٰذا تم پر فرض ہے کہ اولاد پر پوری طرح توجہ دو ان کی اچھی صحت، اچھی تعلیم وتربیت کا خیال رکھو۔ تم اپنے گھر کی رونق ہو لہٰذا میل، محبت اور پیار کے پھولوں سے اپنے گھر کو سجایا کرو تمہارا حسن اور تمہاری زیب وزینت تمہارے شوہر کے لئے ہے۔ دوکانوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں بے پردہ بلاضرورت گھوم پھر کر اسے میلا اور خراب نہ کرو۔ دیکھو تمہاری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے علاوہ مزید تین عورتوں کو اپنے حرم میں شامل کر لے کہ اللہ نے، اس کے رسول نے اسے یہ حق دیا ہے۔ یہ وقت تمہارے لئے امتحان کا وقت ہوگا بے حد صبر آزما وقت ہوگا اگر تم نے اس پر اعتراض کیا تو یہ اللہ اور رسول کی اجازت پر اعتراض ہوگا جس کا حق کسی بھی صاحب ایمان کو نہیں اس سے تو ایمان تک ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ پس اللہ کے دیگر احکام کی طرح تم اس

Marfat.com

ارشاد کو بھی تسلیم کرو اور ہماری طرح اپنی ہر سوکن کا استقبال کرو نہایت صبر و تحمل سے کام لو اور اسے گلے لگاؤ تمہارا یہ عمل اللہ بھی پسند کرے گا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی بھی تمہیں حاصل ہوگی اس سے تمہارے شوہر کے دل میں مزید تمہاری محبت پیدا ہوگی تمہاری ماؤں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا۔ اس عمل سے بڑا سکون ملا بڑی راحت میسر آئی سب اپنے اپنے گھروں میں خوش رہا کرتی تھیں اور جب موقع ملتا تو ملتی جلتی اور خوب مزے مزے کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ ہمارے آقا ﷺ ہمیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اللہ کی ہم پر خوب رحمت برستی تھی اور ہاں ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دو۔ فراخی اور وسعت کے دن ہوں اچھا کھانا اور اچھا لباس میسر آئے تو خوش رہو اور اللہ کا شکر ادا کرتی رہو اور اگر حسرت و تنگدستی کے ایام آئیں کہ نہ اچھا کھانے کو میسر ہو اور نہ ہی اچھا پہننے کو تو صبر کرنا زبان پر حرف شکایت نہ لانا۔ شوہر سے شکوہ نہ کرنا کہ اسے تو خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا تمہارے شکوے سے صرف اس کی پریشانی میں ہی اضافہ ہوگا۔ تم نے پڑھا ہے کہ تمہاری ماؤں نے تو ساری زندگی عسرت و تنگدستی ہی میں بسر کی لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکوہ نہ کیا ایک مرتبہ کچھ مانگا بھی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اللہ کے حکم کے مطابق ہمیں مال و دولت دے کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن ہم نے توبہ کی اور اللہ اس کے رسول کی خوشنودی اور جنت ملنے پر راضی اور خوش رہنے کا وعدہ کیا۔

اے ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں! اللہ تمہیں خوش رکھے ہمارے اس پیغام کو اگر تم نے قبول کر لیا اور اس پر عمل کیا تو ضرور ہماری طرح تمہاری زندگی پرلطف اور پرسکون ہو جائے گی نہ شوہر کی طرف سے اور نہ بیوی کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی اولاد کا غم تمہیں کھائے گا۔ اللہ خوش ہوگا اس کے رسول ﷺ کی رحمت تم پر سایہ فگن ہوگی اور تمہاری ماؤں کو تم پر ناز ہوگا جس طرح ہر ماں اپنی اچھی اولاد پر ناز کرتی ہے اور فخر کرتی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ شوہر و بیوی کے درمیان وہی محبت و الفت پیدا فرمائے جو ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصیب ہوئی اور اللہ اولاد صالح سے تمہارے دلوں کو سکون بخشے اور اللہ زندگی کے ہر مرحلہ میں تمہارا حامی و ناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۵

الاحزاب: ۵۶ تا ۵۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

(احزاب ۵۶ تا ۵۸)

اے ایمان والو! تم بھی ان (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو بیشک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا اپنے سروں پر بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ۔

Marfat.com

بحمد اللہ، ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے ہم ان آیات تک پہنچے جن پر کچھ لکھنے کے موقع کا ہمیں مدت سے انتظار تھا اللہ ہمیں انشراحِ قلب سے نوازے اور علماء اسلام کے طفیل ان آیات کا حق ادا کرنے کی استطاعت اور سعادت بخشے کہ کم علمی کے باعث ان پر قلم اٹھانا ہمیں بہت ہی دشوار نظر آرہا ہے اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ ہماری مشکل کو آسان کرے ''اللّٰھم ربِ زدنی علما'' ہم شروع کرتے ہیں قارئین استفادہ کریں اور فیصلہ کریں کہ ہم اپنی تمنا میں کامیاب ہوسکے یا نہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے قبل دورد شریف ضرور پڑھئے کہ یہی حکم الٰہی ہے جس کی تفصیل و تفسیر ہم پیش کرنے کی جرأت کررہے ہیں اور آپ پڑھ رہے ہیں وباللّٰہِ التوفیق۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وسَلِّم وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِ وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

درود شریف

ہمیشہ مدحتِ خیرالانام میں گزرے — دعا ہے عمر درود وسلام میں گزرے

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

ذاتِ والا پہ بار بار درود — بار بار اور بے شما درود
روئے انور پہ نور بار درود — زلفِ اطہر پہ مشکبار درود
ان کے ہر جلوے پر ہزار بار درود — اُن کے ہر لمحہ پر ہزار درود
سر سے پا تک کروڑ بار درود — اور سراپا پہ بے شمار درود

آیت درود پر غور

محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم جس نرالے انداز سے دیا جارہا ہے پورے قرآن کریم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ رسول نرالا اور بے نظیر تو اس کے دربار میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کا حکم بھی نرالے اور بے نظیر انداز پر ہی ہونا چاہئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب:۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی مکرم پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو (بڑے ادب ومحبت سے)۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

غور فرمایئے کونسا عمل ایسا ہے جو ایک کے لئے ہو اور کرنے والے تین ہوں اللہ اس کے فرشتے اور جملہ اہل ایمان کتنی پیاری ہے محبوب کی ذات کہ اس کا خالق بذات خود یاد فرماتا رہتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق بھی اسی بابرکت عمل میں مصروف رہتی ہے لہٰذا ان کے دامن سے وابستہ ان کے غلاموں کو بھی اس عمل کی پابندی کرنا چاہئے لفظ ''یُصَلُّوْنَ'' عربی قواعد

Marfat.com

کے مطابق استمرار و دوام کا اظہار کرتا ہے مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہر لحجہ محبوب کا ذکر کرتے رہتے ہیں حتی کہ بشمول ملائکہ تمام ذکر کرنے والے فنا ہو جائیں گے لیکن ازلی و ابدی ذات اللہ وحدہ لاشریک کے ذریعہ یہ ذکر باقی رہے گا۔

کس قدر اعلیٰ وارفع ہے وہ ذات جس کی رفعت ذکر کو "وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ" کے جملے سے بیان فرمایا اور اس کی انتہائے رفعت کا اعلان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ ہم خود اس کا ذکر کرتے ہیں لہٰذا اس کے ذکر کی رفعتوں میں کمی کا وہم و گمان بھی نہ کیا جائے۔ یہ اعلان ایک ایسے موقع پر کیا گیا جب منافقین اور دیگر دشمنان اسلام کو تھوڑی دیر کے لئے یہ خوش فہمی ہوئی تھی کہ ہماری سازشیں کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہیں ہمارے جبر و تشدد اور مظالم کا اثر ظاہر ہوتا معلوم ہو رہا ہے وہ وقت قریب نظر آتا ہے جب العیاذ باللہ۔ اسلام مغلوب ہوگا اور محمد عربی کا نام لینے والا کوئی نہ ملے گا یہ خام خیالی شیطان لعین نے اپنے چیلوں میں پیدا کی اور پھیلائی جبکہ فیصلۂ الٰہی یہ ہوا کہ "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمنان اسلام کی طرف سے پیدا کردہ ساری مشکلات وقتی اور عارضی ہیں بہت جلد یسر، آسانی کا دائمی دور آنے والا ہے اور بتایا گیا کہ اب مزید فتح و نصرت کے دروازے وا ہونے والے ہیں اور آپ کی ناکامی و نامرادی کے خواب دیکھنے والے فوج در فوج آپ کے دربار میں سر تسلیم خم کئے کھڑے ہوں گے جب اللہ قادر مطلق کا فیصلہ یہ ہے تو کس کی مجال کہ اس فیصلہ کے برعکس نبی کا بال بھی بیکا کر سکے کس کی مجال کہ نبی کی عظمت و رفعت کو گھٹا سکے کس کی مجال کہ شمع اسلام کو حرکت بھی دے سکے کس کی مجال کہ اہل ایمان کو ناکام و نامراد کر سکے۔ پس اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ دشمن کی ہرزہ سرائی پر توجہ دے کر اپنا وقت ضائع نہ فرمائیں اور اے میرے محبوب کے غلاموں تم دشمن کی افواہوں سے فکر مند نہ ہو ذرا بھی خوفزدہ نہ ہو۔ پس محبوب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو ان کی اتباع و پیروی کرتے رہو اور عشق و محبت کی مستی میں جھوم کر ان پر درود بھیجتے رہو۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اس اعلانِ باری تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب کو مزید طمانیت بخشی اہل ایمان سے ہر قسم کے خوف و خطر کا خاتمہ کر دیا اور دشمنان اسلام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واضح کر دیا کہ تم اسی طرح اپنی غلط فہمیوں میں مبتلا رہو گے۔ اسلام کے خلاف کتنی ہی سازشیں کرتے رہو کتنے ہی جال پھیلاتے رہو، کتنی ہی طاقت و قوت جمع کر لو لیکن یاد رکھو کہ اسلام دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں پھیلنے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں غالب ہونے کے لئے آیا ہے اور گستاخان رسول پر بھی واضح کر دیا کہ محبوب کی ذات والا صفات کا تمہارے طعن و تشنیع اور گستاخیوں سے متاثر ہونا ناممکن ہے تم ان کے کردار ان کے اعمال یا تعلیمات پر کتنے ہی اعتراضات کر و ان کی عزت و ناموس پر آنچ نہیں آ سکتی۔ ان کے دربار میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے والوں پر بدعت کا فتویٰ چسپاں کیا جائے یا انہیں مشرک کہا جائے اس سے نہ ان کی عشق میں کمی آ سکتی ہے اور نہ ان کے آقا ﷺ کی شان گھٹ سکتی ہے۔

ایک عاشق کھڑے ہوئے مستی کے عالم میں جھوم جھوم کر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہے تھے کسی نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا کہ میاں یہ شرک ہے انہوں نے صرف اتنا کہا کہ پھر تو یہی جنت کی چابی ہے اور مزید مست ہو کر اپنا کام کرنے لگے اور حق بھی

Marfat.com

یہی ہے کہ اللہ جس عمل کے کرنے کا اس پیارے انداز سے حکم دے کہ یہ کام کرو کیونکہ نورانی مخلوق بھی یہی کرتی ہے اور ہم خالق کائنات بھی یہی کر رہے ہیں۔ ایسا مقدس عمل العیاذ باللہ شرک یا بدعت کیسے ہوسکتا ہے اور اگر شرک ہے تو بقول اس عاشق کے واقعی یہی جنت کی چابی ہے، ﷺ۔

آیت مبارکہ میں فعل (کام) ایک ہے صلوٰۃ (درود) اور اس کے فاعل (کرنے والے) تین ہیں اللہ، فرشتے اور اہل ایمان۔ اس ایک فعل کی تینوں کی طرف نسبت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے لیکن مقصود اور اس کا نتیجہ ایک ہے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ لاتعداد فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا کرتا اور ان میں اپنی پیدا کردہ بے عیب شخصیت پر ناز فرماتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''فَهِيَ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ ثَنَاؤُهُ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَتَعْظِيمُهُ'' اللہ کی طرف سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ، فرشتوں کی محفل میں آپ کی تعریف وتعظیم کا ذکر کرنا ہے اور جب صلوٰۃ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی نورانی مخلوق فرشتے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات کی مزید بلندی اور ان کے مقامات کی مزید رفعت کے لئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں اور جب صلوٰۃ کی نسبت اہل ایمان کی طرف ہو تو معنی ہوں گے کہ غلام اپنے محبوب آقا ﷺ کے لئے ادب واحترام کے ساتھ پیارے پیارے جملوں اور الفاظ میں اللہ رب العزت جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ کا مفہوم واضح ہے کہ اللہ خالق محمد (ﷺ) محفل ملائکہ میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثناء وتعریف کرتا ہے اور ملائکہ سن کر خوش ہو کر اپنے رب کی رضا وخوشنودی کے لئے محبوب رب کے حق میں مزید رفعت وبلندی کی دعائیں کرتے ہیں۔ پس یہی محبوب عمل سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ کے مطابق غلامانِ مصطفیٰ سے بھی مطلوب ومرغوب ہے کہ انہیں بھی محبوب کے لئے خیر وبرکت اور ان کے بلندی مراتب کی بھیک مانگتے رہنا چاہئے جب وہ بھکاری بنیں گے تو ان پر بھی رحمت باری ہوگی اور اپنے لئے کچھ مانگے بغیر انہیں سب کچھ دے دیا جائے گا۔ پس عمل ایک اس کے فاعل تین لیکن اس کا اثر اور نتیجہ ایک ہی ہے یعنی اللہ فرشتوں اور اہل ایمان کے محبوب ﷺ کی شان عظمت ورفعت کا اظہار، ان کے ذکر مقدس کے بقاودوام کا اعلان اب اس کائنات میں کون ہے جو مصطفیٰ ﷺ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے نہ جانے کتنے بڑے کہلانے والے آئے اور چلے گئے ان کا نام ونشان تک نہ رہا لیکن ذکر مصطفیٰ ﷺ روز اول کی طرح آج تک ہے اور اسی طرح تا ابد رہے گا۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ منجانب اللہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ کے درود بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس دنیا میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کو اس طرح بلند فرمایا کہ ان کا ذکر بلند رکھا ان کے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کا سلسلہ تا ابد جاری رکھا ہے اور آخرت میں ان کی عزت وعظمت کا اس طرح مظاہرہ ہوگا کہ گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت مقبول ہوگی انہیں

Marfat.com

بہترین اجر وثواب عطا فرما کر بلند مقام پر فائز کیا جائے گا جو مقام محمود کہلائے گا اور اس طرح اولین و آخرین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وفضیلت نمایاں ہوگی اور تمام مقربین پر آپ کی عزت آشکارا ہو جائے گی۔

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

کہ جب بندۂ مؤمن بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے ''اللھم صل علی سیدنا محمد'' تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو بلند فرما ان کے دین کو غلبہ عطا فرما۔ ان کی شریعت مطہرہ کو دوام عطا فرما ان کا مرتبہ بلند فرما اور روز محشر گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما کر ان کا اجر وثواب گونا گوں کر دے۔

اور بعض اسلاف نے بڑی ہی اچھی وضاحت کی کہ'' اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے لیکن ہم نہ تو ان کے بلند مراتب سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ہی ان کے دربارِ عالی کے آداب بجالانا ہمارے بس میں ہے نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ اس حکم عالی کی تعمیل کا طریقۂ احسن کیا ہے جو مقبول ہو پس ہم ''اللھم صل علی سیدنا محمد'' کا ایک معروضہ دربارِ الٰہی ہی میں پیش کرتے ہیں کہ مولا تو نے ہمیں حکم دیا ہے ایسا حکم جس کی تعمیل کما حقہ ہمارے بس میں نہیں پس ہم تجھ ہی سے التجا کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام نازل فرمادے جیسا کہ حق ہے جو ان کو پسند ہو اور جو ان کے دربارِ عالی میں مقبول ہو۔ اگر بندۂ عاجز کا یہ معروضہ قبول ہو گیا تو یقین جانئے مقدر چمک اٹھا دنیا وآخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں، فصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

درود پڑھنا واجب ہے

جمہور علماء کے نزدیک زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن جن احادیث مبارکہ میں درود شریف نہ پڑھنے والے کو بخیل، ظالم، بدبخت قرار دیا گیا ہے ان کے پیش نظر اکثر علماء کرام نے واجب قرار دیا ہے کہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی لیا جائے۔ سنا جائے یا لکھا جائے تو ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے جبکہ مختصر درود ﷺ ہے یعنی اتنا ہی کہہ دینا یا لکھ دینا کافی ہے اور بکثرت درود پڑھتے رہنا افضل مستحب ہے اور بے شمار ثواب رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا چند احادیث درج ذیل ہیں ان پر غور کیجئے اور اللہ توفیق دے تو عمل کی کوشش کیجئے۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھا۔

ظاہر ہے قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب اُخروی نجات کی ضمانت ہے آپ کی شفاعت نصیب ہونے

Marfat.com

کی بشارت ہے ایک عظیم ترین سعادت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجٰتٍ۔

جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں، ﷺ

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اتنا خوش اور ہشاش بشاش دیکھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ دیکھا تھا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ مجھے اتنے خوش نظر آ رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی میں نے آپ کو اتنا خوش نہ پایا۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ خوش ہوں کہ ابھی مجھے جبریئل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ پیغام سنا کر گئے ہیں کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلٰوۃً صَلَّیْتُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا وَمَحَوْتُ عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ وَکَتَبْتُ لَہٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ۔

کہ جس نے آپ پر ایک بار درود شریف پڑھا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور دس گناہ مٹا دوں گا اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دوں گا۔

اس ارشاد میں اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی عظمت و بزرگی کا اظہار ہے لیکن آپ کو خوشی اس بشارت پر تھی کہ یہ عمل امت کی مغفرت و بخشش اور بلندی مراتب کا ذریعہ ہیں، صلی اللہ علیہ و الہ و صحبہ اجمعین۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ ثُمَّ لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔

بخیل وہ ہے جو میرا نام سنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ ﷺ

یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب دو حصہ رات گزر جاتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوتے اور فرماتے تھے "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوا اللّٰہَ" اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو اللہ کو یاد کرو تھرا دینے والی آ گئی اس کے پیچھے اور آنے والی ہے موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایئے میں کس قدر پڑھا کروں فرمایا جتنا تیرا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ، فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ پس میں نے کہا:

Marfat.com

اَجۡعَلُ صَلٰوتِیۡ کُلَّهَا قَالَ اِذًا تَکۡفِیۡ هَمَّکَ وَيُغۡفَرُ لَکَ ذَنۡبُکَ۔

میں سارا وقت درود ہی پڑھتا رہوں گا آپ نے فرمایا تو تیرے سارے رنج والم دور کرنے کے لئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے، ﷺ

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے یہ حدیث بھی روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!

اَرَأَیۡتَ اِنۡ جَعَلۡتُ صَلَاتِیۡ کُلَّهَا عَلَیۡکَ قَالَ اِذًا یَکۡفِیۡکَ اللّٰهُ مَا اَهَمَّکَ مِنۡ دُنۡیَاکَ وَاٰخِرَتِکَ۔

کیسا ہوگا اگر میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تیری دنیا و آخرت کی مشکلیں دور کر دے گا، ﷺ

غرضیکہ کثرت سے درود شریف پڑھتے رہنا فرائض کے بعد ہر قسم کے اوراد و وظائف سے افضل ہے۔ اس سے حزن و ملال اور رنج والم دور ہوتا ہے مشکلات آسان ہوتی ہیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ بعض احادیث کے مطابق قلبی سکون، مسرت و خوشی میسر آتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، رحمت باری کا نزول ہوتا ہے، گناہ مٹتے ہیں، نیکیاں بڑھتی ہیں درود پڑھنے والوں کو بلندی مراتب کا مژدہ دیا گیا ہے اور یہ آخرت کی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

مَوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّهِمِ

چند احادیث

فضائل درود شریف کے سلسلے میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا ایک ذخیرہ بحمد اللہ ہمارے پاس محفوظ ہے ان تمام احادیث کو تو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد ہے میرے آقا ﷺ کا:

جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی پر درود شریف پڑھتے ہیں "اِلَّا کَانَ عَلَیۡهِمۡ تِرَةً یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَاِنۡ شَآءَ عَذَّبَهُمۡ وَاِنۡ شَآءَ غَفَرَ لَهُمۡ" تو قیامت کے دن یہ مجلس ان کے لئے وبال جان ہو جائے گی اور اگر اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کی بخشش فرما دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اِذَا سَمِعۡتُمُ الۡمُؤَذِّنَ فَقُوۡلُوۡا مِثۡلَ مَا یَقُوۡلُ" جب تم موذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے "ثُمَّ صَلُّوۡا عَلَیَّ" پھر مجھ پر درود شریف پڑھو" فَاِنَّهٗ مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ بِهَا عَشۡرًا" کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہا اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین سے اور وہ اپنی والدہ سید فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجے پھر دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' اور جب مسجد سے نکلے تو درود شریف پڑھے اور دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَافْتَحْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ کی ثناء پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''سَلْ تُعْطَی'' اب جو چاہو مانگو ملے گا۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگنے لگا: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ'' اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے نمازی تو نے بہت جلدی کی جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد وثناء کرو پھر مجھ پر درود پڑھو ''ثُمَّ ادْعُہٗ'' پھر اللہ سے دعا کرو پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد وثناء کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے فرمایا ''اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اُدْعُ تُجَبْ'' اے نمازی اب مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اَلدُّعَآءُ وَالصَّلٰوۃُ مُعَلَّقٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَلَا یَصْعَدُ اِلَی اللّٰہِ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہ دعا اور نماز آسمان وزمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے اور وہ اس وقت تک اللہ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہوتی جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الدُّعَاءَ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ الدَّاعِیْ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہ دعا بارگاہِ الٰہی میں پیش نہ کی جائے گی جب تک کہ دعا کرنے والا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب ارادہ کرے کہ وہ اللہ کے دربار میں التجا کرے ''فَلْیَبْدَاْ بِمَدْحِہٖ وَثَنَاءِہٖ عَلَیْہِ'' تو پہلے اپنے رب کی اس کی شان کے مطابق مدح وثناء کرے ''ثُمَّ یُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم'' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے ''ثُمَّ لِیَسْئَلْ وَاَنَّہٗ اَجْدَرُ اَنْ یَّنْجَحَ'' پھر اپنے رب سے التجا کرے تو امید کی جا سکتی ہے کہ

Marfat.com

اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

حضرت ابن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا کے کچھ ارکان ہوتے ہیں کچھ اسباب ہوتے ہیں اور قبولیت کے اوقات ہوتے ہیں اگر دعا اس کے ارکان کے مطابق ہو تو طاقتور ہوتی ہے اگر اس کے پر ہوں تو آسمان پر پرواز کر جاتی ہے اور قبولیت کی گھڑیوں میں دعا کی جائے تو کامیاب ہوتی ہے اگر اس کے اسباب مہیا ہوں تو قبول ہوتی ہے ''فَاِنْ كَانَهٗ حُضُوْرُ الْقَلْبِ وَالرِّقَّةُ وَالْاِسْتِكَانَةُ وَالْخُشُوْعُ وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ وَقَطْعُهُ الْاَسْبَابِ'' دعا کے ارکان دل کا حاضر ہونا عاجزی و انکساری اور خشوع و خضوع کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا تعلق اور تمام مادی وظاہری سہاروں اور اسباب سے علیحدگی ہیں اور دعا کی قبولیت کے اوقات سحری کے اوقات ہیں اس کے اسباب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنا ہیں۔

ان احادیث و آثار سے دعا کی قبولیت اور دعا مانگنے کا طریقہ واضح اور ثابت ہو گیا۔ اسی لئے ہم دعا سے پہلے اللہ جل مجدہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں ہدیہ درود پیش کرتے ہیں اور پھر اپنے اور دیگر اہل ایمان کے لئے مانگتے ہیں جو کچھ بھی مانگتے ہیں اور دعا ختم بھی حمد و ثناء اور درود شریف پر ہی کرتے ہی اور کوشش کرتے ہیں کہ بوقت دعا الفاظ دعا میں عجز و انکساری ہو آنکھوں سے آنسو جاری ہو یا کم از کم چہرے پر رونے کے آثار ہوں رہا معاملہ حضورِ قلب اور خلوص نیت کا تو دلوں کا مالک اللہ ہی ہے وہی دلوں کا حال جاننے والا بھی ہے ہمیں یہی کوشش کرنا چاہئے کہ بوقت دعا دل اللہ ہی کی طرف لگا ہو اور سارے ظاہری و مادی اسباب کو بھول کر اس ہی سے بھیک مانگ رہے ہوں تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ہمیں اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہوگا اور اگر دعا مجمع میں کی جائے تو باآواز بلند کی جائے تاکہ دوسرے اہل ایمان کی آمین ہماری دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہو، اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مزید ارشادات ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں اس کی ناک خاک آلود ہو ''ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔'' جس نے میرا اسم گرامی سنا اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِي الْكِتَابِ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَادَامَ اِسْمِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ'' جس شخص نے کسی کتاب میں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھا تو جب تک یہ کتاب رہے گی فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہیں گے، ﷺ

یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے ہیں کہ ان کے غلام جب بھی ان کا نام پاک لیں سنیں یا لکھیں تو ان کے دربار میں ہدیہ درود پیش کریں۔ حضرت سفیان بن عینیہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس کا فائدہ بتاتے ہوئے بیان کیا کہ کسی عالم کا ایک ہم سبق حدیث شریف کا طالب علم تھا اس کے انتقال کے بعد انہوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ سبز لباس میں

Marfat.com

نہایت ہی خوش وخرم ٹہل رہا ہے انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے یہ اللہ کا انعام اور یہ خوشی ومسرت تمہیں سب کیسے نصیب ہوا۔ اس نے بتایا کہ میری یہ عادت تھی کہ میں ہمیشہ حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف ضرور لکھا کرتا تھا پس اللہ نے اپنے فضل وکرم سے یہ مجھے اس کا صلہ عطا فرمایا ہے (اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے بھی ہمیشہ تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مسعود کے ساتھ درود شریف لکھا جب آپ کا نام لیا یا سنا تو درود شریف پڑھا اور تعظیماً اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگائے پس اے اللہ تو اپنے نیکوں کے طفیل ہمارے اس عمل کو قبول فرمالے اور درود شریف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دے اور اس کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے)'' فصلی اللّٰہ علی النبی الامی و اٰلہ و صحبہ اجمعین۔''

ایک ایمان افروز بات اور ملاحظہ ہو حضرت عبداللہ بن حکم رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ فرمائیے اللہ رحیم وکریم نے بعد موت آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا پس آپ نے فرمایا ''رَحِمَنِیْ وَغَفَرَلِیْ وَزَفَّنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ کَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ وَنَثَرَ عَلَیَّ کَمَا یُنْثَرُ عَلَی الْعُرُوْسِ'' میرے رب کریم نے مجھ پر بڑا ہی رحم فرمایا اور میری بخشش کردی۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ وپیراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر نچھاور کیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ پر رب کریم کی ان عنایات کا سبب کیا ہے پس آپ نے بتایا یہ صلہ ہیں اس درود عظیم کا جو میں نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں لکھا ہے اور وہ درود شریف یہ ہے:

''وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَہُ الْغَافِلُوْنَ''

حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو میں نے الرسالہ میں اس درود شریف کو تلاش کیا اور بعینہٖ اسی طرح لکھا ہوا پایا (اے کریم مولا صدقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے گناہوں کو بھی درود شریف کی برکت سے معاف فرمادے آمین)۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

حضرت علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ قیامت کے دن دربار الٰہی میں محدثین حاضر ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی جن سے وہ احادیث رسول اللہ ﷺ لکھا کرتے تھے اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائے گا ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم حدیث لکھنے اور پڑھنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم (احادیث لکھتے اور پڑھتے وقت) میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود پڑھا کرتے تھے۔ (اللھم اجعلنا منھم ومعھم)

حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ صرف صلی اللہ علیہ لکھا کرتا تھا وسلم نہیں لکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اس سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے آپ کو چالیس

Marfat.com

نیکیوں سے محروم رکھتے ہو یعنی وسلم میں چار حروف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مواہب الدنیہ میں ہے کہ قیامت کے دن جب کسی مؤمن کی نیکیوں کا وزن کم ہوگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی کے برابر ایک کاغذ کا ٹکڑا میزان میں رکھ دیں گے جس سے اس کی نیکیوں کا پلہ وزنی ہو جائے گا یہ دیکھ کر وہ مؤمن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت وسیرت بہت ہی اچھی ہے۔ آپ فرمائیں گے میں تیرا نبی ہوں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا اور آج تیری ضرورت کے وقت میں نے تجھے اس کا بدلہ دے دیا ہے۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ قیامت کے دن تین مقامات پر ہم غلاموں کی نگرانی فرمارہے ہوں گے حوض کوثر پر کہ کوئی پیاسا تو نہ رہا۔ میزان پر کہ کسی کے اعمال حسنہ کا پلہ ہلکا تو نہ رہا صراط پر کہ سب غلام بعافیت اس سے گزر رہے ہیں، ﷺ

علماء فرماتے ہیں

جمہور علماء کرام کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا اور آپ کے اسم گرامی کے ساتھ درود لکھنا واجب ہے چند علماء کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

امام یوسف بن عمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث تھے ۳۸۰ھ میں وصال ہوا ان کی کتاب ''استذکار'' نہایت مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق مؤمن کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اَكْثِرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ'' جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا حضور کی وفات کے بعد بھی آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ ''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ'' بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی بعد وفات بھی زندہ رہتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

یہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے اور علماء نے بعد تحقیق اس کے متعلق صراحت کی ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں لہٰذا اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' صَلُّوا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا'' اپنے گھروں میں (بھی) نمازیں پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بنا دو۔'' ولا

Marfat.com

تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا'' نیز میرے گھر کو عید نہ بناؤ (کہ عید کی طرح سال میں صرف دو مرتبہ حاضری دو)'' وَصَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ وَسَلَامَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُ'' اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہا کرو کیونکہ تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھے پہنچتا رہتا ہے میں کہیں بھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے'' حَیْثُ مَا کُنْتُ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ'' میں کہیں بھی ہوں تم مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا رہتا ہے۔

نعیم بن ضمضم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمران بن حمیری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا میں تمہیں ایک حدیث شریف نہ سناؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور سنایئے تو انہوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے تمام مخلوق کی آواز سننے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ میری وفات کے بعد سے میری قبر انور پر مقرر ہے'' فَلَیْسَ اَحَدٌ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً'' تو جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے یہ فرشتہ کہتا ہے'' یَا مُحَمَّدُ صَلّٰی عَلَیْکَ فُلَانُ ابْنُ فُلَاں'' اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) فلاں ابن فلاں نے آپ کے دربار میں ہدیہ درود پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پس اللہ اس شخص پر ایک مرتبہ درود کے بدلہ دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو تمام بندوں کی باتیں سننے کی قوت رکھتا ہے'' فَلَیْسَ مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً'' تو جب بھی میرا کوئی غلام مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ مجھے بتاتا ہے اور میں نے اپنے رب سے گزارش کی ہے کہ مولا تیرا جو بندہ بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے تو اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرما۔

امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا سنن موکدہ کی طرح واجب ہے حتیٰ کہ ابن عطیہ نے (جو دمشق کے مشہور عالم تھے ۲۸۲ میں وصال ہوا۔ ان کی تفسیر'' ابن عطیہ'' مشہور ہے) بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا سنن مؤکدہ کی طرح واجب ہے جس کا ترک کرنا قطعاً اچھا نہیں اس کار خیر سے وہی غافل ہو سکتا ہے جس میں خیر کا عنصر بالکل ہی نہ ہو۔

امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ مشہور محدث اور مجتہد تھے ساری دنیا میں ان کے مقلدین موجود ہیں انہوں نے امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے ۲۰۴ھ میں وصال ہوا مزار مبارک مصر کے شہر قرافہ میں ہے۔ فرماتے ہیں نماز کے آخری قعدے میں درود شریف پڑھنا واجب ہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے بعض شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے لیکن بعض علماء نے بلا تعین تعدا

Marfat.com

بکثرت درود شریف پڑھنا ضروری قرار دیا ہے (امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ حدیث کے امام اور عظیم مجتہد تھے عشق رسول ﷺ میں دیوانے تھے ساری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گزار دی کسی دوسرے شہر نہ گئے کہ کہیں موت نہ آجائے اور مدینہ منورہ کی مقدس زمین سے محرومی ہو جائے۔ بالآخر ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ ہی میں وصال کی سعادت نصیب ہوئی اور جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے لیکن افسوس کہ اس عاشق رسول کے مزار پر انوار کا نام ونشان تک نہیں)۔

حضرت امام حافظ ابوجعفر بن محمد بن سلامہ المصری الطحاوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور فقیہ تھے بہت کتابوں کے مصنف ہیں ۳۲۱ھ میں مصر میں وصال ہوا۔ فرماتے ہیں ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سنے یا خود کرے تو درود شریف پڑھے۔

امام عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور عارف باللہ تھے ان کا وصال انیس جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ مصر میں ہوا۔ فرماتے ہیں جب آیت درود نازل ہوئی تو صحابہ کرام جوق در جوق بارگاہِ رحمت عالم ﷺ میں حاضر ہو کر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرنے لگے۔

غرضیکہ آقائے کائنات ﷺ کے دربار عالی میں درود شریف پیش کرنا واجب ہے حکم الٰہی ہے اس کی کثرت خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ عمل ہے جس سے علم وعرفان میں زیادتی ہوتی ہے انشراح ذہن وقلب میسر آتا ہے۔ یہ قربِ الٰہی کا زینہ ہے اس سے گناہوں کی تاریکی دور ہوتی ہے اور دل نور ایمان سے روشن ہو جاتا ہے۔ حجابات دور ہو جاتے ہیں اور کائنات ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جو چاہتا ہے کہ عالم ماکان ویکون کے خزانۂ علمی سے وافر حصہ حاصل کرے وہ اس خزانہ کے مالک پر درود شریف پڑھا کرے۔ درود شریف سنۃ الٰہیہ ہے، ملائکہ کا معمول ہے صحابۂ کرام کا ذوق ہے۔ اولیاء اصفیاء کا وطیرہ ہے۔ علماء کرام کا معمول ہے اس سے موت کی شدت آسان ہوتی ہے۔ نکرین کا خوف زائل ہوتا ہے، عذاب قبر دور ہوتا ہے، قبر کی تاریکی سے نجات ملتی ہے، وسعت قبر میسر آتی ہے، درود شریف پڑھنے والوں کے چہروں پر نور کی بارش ہوتی ہے، ان کے چہرے پرکشش ہو جاتے ہیں، فصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

تین اہم مسائل

اس موقع پر تین اہم مسائل کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ ان سے متعلق غلط فہمیوں کا شکار رہتے اور کچھ لوگ یہ غلط فہمیاں پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے یا نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمارا درود پڑھنا سنتے ہیں یا نہیں۔

تیرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم درود پڑھنے والے غلام کو پہچانتے ہیں یا نہیں نیز کیا آپ اسے جواب

Marfat.com

دیتے ہیں یا نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال میری خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اگر میں تمہارے اچھے اعمال کو دیکھتا ہوں تو اللہ کی حمد کرتا ہوں (شکر ادا کرتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں) اور تمہارے گناہ دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

کیسے پیارے رؤف رحیم آقا ہیں ہمارے ﷺ کہ ہمارے اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہمارے گناہوں سے انہیں تکلیف ہوتی ہے پھر بھی کرم فرماتے ہیں کہ ہماری درخواست سے پہلے ہی ہمارے لئے دعائے مغفرت کرواتے ہیں کہ ہم خطاوار ہیں تو کیا ہوا، ہیں تو انہی کے ان کے سوا ہمارا سہارا اور وسیلہ کون ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ'' بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسا رسول آیا جسے تمہارا برائیوں میں مبتلا ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے وہ تمہارے لئے نیکیوں کا خواہاں رہتا ہے مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان رحم فرمانے والا ہے، ﷺ

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں اس کا ہدیہ درود پہنچاتا رہتا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان سحیم رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تو پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جو لوگ آپ کی بارگاہ میں دور دراز سے درود شریف پیش کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں کیا وہ آپ کے دربار میں پہنچتا ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم ان کے درود و سلام کو سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوپر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا میں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو حجرہ انور کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور فاقہ کشی سے میری حالت بری ہو چکی تھی۔ پانچ دن گزر گئے تھے اور ایک دانہ بھی کھانے کے لئے میسر نہ آیا تھا۔ پس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا۔ آپ کے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دربار میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا ضَیْفُکَ اللَّیْلَةَ'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم آج رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں منبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں بائیں تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے

Marfat.com

سامنے موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے جگایا فرمایا ابوالخیر اٹھو۔ سرکار تشریف فرما ہیں میں اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "وَقَبَّلْتُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ" اور میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی میں نے آدھی روٹی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا تو آدھی روٹی میرے سامنے رکھی ہوئی تھی، صلی اللہ علی النبی الامی و علی الہ و صحبہ اجمعین۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جب مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو چاہے وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو میرے رب کے فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! جب کوئی مدینہ منورہ ہی میں سلام عرض کرتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کرتے ہیں فرمایا کریم کا جو برتاؤ اپنے پڑوسی سے ہوتا ہے۔

یعنی ایک کریم النفس شخص کو جو برتاؤ اپنے پڑوسی کے ساتھ کرنا چاہئے وہی میں اہل مدینہ کے ساتھ کرتا ہوں کہ پڑوسی کا حق دوسرے سے زیادہ ہوتا ہے۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنے غلاموں کو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی تو وہ خود ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہوں گے جو ان کے پڑوسی ہیں اور ان کے دربار عالی پر حاضر ہو کر درود و سلام پیش کرتے ہیں اندازہ لگایئے ان پر آپ کا ابر رحمت کتنا برستا ہو گا، صلی اللہ علیہ و الہ و صحبہ اجمعین۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مزار پرانوار پر حاضر ہونے والوں کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرماتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے "رَدُّهٗ عَلٰى مَنْ يُّسَلِّمُ مِنْ جَمِيْعِ الْاٰفَاقِ" کہ آفاق عالم میں جو غلام بھی آپ پر درود و سلام پیش کرتا ہے آپ اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن مکی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالفضل القرمسانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی خراسان سے میرے پاس آیا اس نے بتایا کہ میں مسجد نبوی شریف میں سویا ہوا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا جب تم ہمدان جاؤ تو ابوالفضل بن زیرک کو ہمارا سلام پہنچانا میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ایک غلام پر آپ کا اس قدر کرم کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مجھ پر ہر روز سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے وہ شخص حاضر ہوا اور اس نے ابوالفضل کو سرکار ﷺ کا سلام پہنچایا اور کہا برائے کرم مجھے بھی وہ درود مبارک بتا دیجئے جو سرکار کے دربار میں اس قدر مقبول ہے پس انہوں نے فرمایا میں ہر روز یہ درود شریف پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ۔

محمد بن مالک نے بیان کیا کہ میں بغداد شریف ابوبکر بن مجاہد المقری سے قرأت سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ایک روز ہم سب ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کے پاس ایک بزرگ آئے جو پرانا عمامہ باندھے ہوئے اور بوسیدہ کرتا پہنے

Marfat.com

ہوئے تھے اور انہوں نے ایک نہایت پرانی سی چادر اوڑھ ہوئی تھی ہمارے استاد انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنی مسند پر بٹھایا ان سے، ان کا، ان کے اہل و عیال کا حال پوچھا خیر و عافیت سے فارغ ہو کر ان بزرگ نے بتایا آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل خانہ نے مجھ سے کہا کہ گھی اور شہد لاؤ لیکن میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ان کی فرمائش کیسے پوری کروں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب چلے گئے۔ شیخ ابوبکر فرماتے ہیں رات کو میں سو گیا لیکن میرا دل ان بزرگ کی حالت سن کر بہت مغموم تھا۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی آپ نے پوچھا اے ابوبکر کیا بات ہے تم اس قدر غمزدہ کیوں ہو میں نے سرکار کو ان کے ایک غلام کی پریشانی بتائی۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور علی بن الوزیر کے پاس جاؤ اسے میرا سلام پہنچاؤ اور اپنا تعارف کراؤ نیز بطور نشانی اسے بتاؤ کہ وہ ہر جمعہ کی شب ایک ہزار درود شریف پڑھتا ہے لیکن ایک رات سات سو مرتبہ ہی درود پڑھ پایا تھا کہ اسے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑا وہاں سے فارغ ہو کر اس نے بقیہ تین سو مرتبہ درود پڑھا اس سے کہو کہ اگر یہ نشانی صحیح ہے تو تم ان بزرگ کو سو دینار پیش کرو تا کہ وہ اپنے اہل خانہ کی فرمائش پوری کر سکیں۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگ کو لے کر وزیر کے گھر پہنچے اور جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا وزیر سے کہا وزیر سن کر بے حد خوش ہوا اس نے فوراً دیناروں کی ایک تھیلی منگائی اور سو دینار ان بزرگ کو پیش کیے اور سو دینار حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو دینا چاہے لیکن آپ نے اس کے اصرار کے باوجود قبول نہیں فرمائے۔

شیخ ابوعمر سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ حرم شریف، عرفات و منیٰ ہر جگہ صرف درود شریف پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا اللہ کے بندے ہر مقام کے لئے مختلف دعائیں موجود ہیں تم وہ کیوں نہیں پڑھتے اس شخص نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ:

میں حج کے لئے خراسان سے روانہ ہوا راستہ میں میرا باپ بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اسے چادر اوڑھا دی تھوڑی دیر بعد جب میں نے چادر ہٹائی تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اچانک اس کا چہرہ بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا اور اسی حال میں بیٹھے بیٹھے میں سو گیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کوئی شخص میرے والد کے پاس آیا اس نے چادر ہٹائی چہرہ دیکھ کر چادر پھر اوڑھا دی اس شخص نے مجھ سے پوچھا بھائی تم اس قدر غمزدہ اور افسردہ کیوں ہو میں نے اسے سارا حال بتایا اس نے کہا ذرا اب اپنے باپ کا چہرہ تو دیکھو میں نے اس کی چادر ہٹائی تو دیکھا کہ چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہے میں نے اس مہربان سے پوچھا اللہ مجھے بتایئے آپ کون ہیں اور یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''انا المصطفیٰ'' میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں میں ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا اور ان کی چادر پکڑ کر عرض گزار ہوا ''بِحَقِّ اللّٰہِ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا تَنِیْ بِالْقِصَّۃِ'' اے میرے آقا صلی اللہ علیک وسلم اللہ کے واسطے مجھے یہ قصہ بتایئے، پس آپ نے فرمایا:

''یہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سود خور کے چہرے کو موت کے بعد دنیا ہی میں یا آخرت میں گدھے کی مانند کر دیتا ہے لیکن تیرے باپ کا ایک عمل آج اس کے کام آ گیا اور وہ یہ کہ وہ ہر رات مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

Marfat.com

جب تیرے باپ کا یہ حال ہونے لگا تو وہ فرشتہ جو امتیوں کے اعمال میرے دربار میں پیش کرتا ہے حاضر ہوا اور اس نے مجھے اس کا حال بتایا۔ پس میں نے اس کے لئے اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمائی اور اس کے گناہ کو معاف کر دیا۔''

راوی کہتا ہے کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا تو وہ ایسا ہی چمک رہا تھا جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور باپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد میں کچھ دیر کے لئے اس کی قبر ہی کے پاس بیٹھا رہا کہ مجھے نیند آ گئی تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ تیرے باپ پر اللہ کا یہ کرم صرف درود شریف کی برکت سے ہوا ہے۔ اس وقت سے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں درود شریف کے سوا کوئی وظیفہ نہ پڑھوں گا چاہے میں کسی بھی مقام پر ہوں۔

محمد بن حسین حرانی کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا جس کا نام الفضل تھا وہ بکثرت روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا تھا۔ وہ احادیث بھی لکھا کرتا تھا لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود نہ پڑھتا تھا۔ اس نے خود ہی بتایا کہ ایک دن میں نے آقا ﷺ کی بحالت خواب زیارت کی۔ آپ نے فرمایا اے فضل تو کیوں نہیں میرے ذکر کے وقت درود شریف پڑھتا اور کیوں نہیں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھتا پس اس دن سے میں نے بکثرت درود شریف لکھنا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

پھر ایک مرتبہ مجھے شرف زیارت نصیب ہوا تو سرکار ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''بَلَغَتْنِیْ صَلٰوتُکَ عَلَیَّ'' تمہارا درود شریف مجھے پہنچتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام کے ساتھ اس طرح درود شریف لکھا کرو ''صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کہ سَلَّمَ میں چار حرف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، سَلَّمَ نہ کہنے نہ لکھنے سے تو چالیس نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک شخص پانچ سو درہم کا مقروض تھا اور قرض کی وجہ سے نہایت متفکر و پریشان رہتا تھا۔ ایک رات بحالت خواب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ غلام نے آقا سے اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کی۔ سرکار ﷺ نے اسے حکم دیا کہ تم ابوالحسن کیسائی کے پاس جاؤ اور میرا پیغام دو کہ وہ تمہیں پانچ سو درہم دے دے کیونکہ ابوالحسن بہت ہی سخی ہے وہ ہر سال دس ہزار غریبوں کو کپڑا دیتا ہے اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو بتا دینا کہ تم ہر روز دربار رسالت میں سو مرتبہ درود شریف پڑھتے ہو لیکن کل رات تم نے تحفہ درود پیش نہیں کیا۔

وہ شخص بیدار ہوا اور سیدھا ابوالحسن کیسائی کے پاس پہنچا اور اپنی حاضری کا سبب بیان کیا لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو اس نے کہا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھیجا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کل آپ نے حسب معمول سرکار کے دربار میں تحفہ درود پیش نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی ابوالحسن اپنے تخت سے نیچے آئے اور اللہ کے دربار میں سجدۂ شکر ادا کیا اور کہنے لگے میرے بھائی یہ تو میرے اور اللہ کے درمیان راز تھا کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا واقعی کل میں درود شریف کی سعادت سے محروم رہا۔

پھر ابوالحسن نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ انہیں دو ہزار پانچ سو درہم پیش کر دو اور کہا کہ بھائی پانچ سو درہم آپ کی

Marfat.com

ضرورت کے لئے ہیں ہزار بطور شکرانہ قبول فرمائیے کہ آپ نے مجھے میرے آقا ﷺ کا پیغام پہنچایا اور ہزار درہم میں آپ کو پیش کرتا ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آئندہ جب بھی کوئی ضرورت ہو بلا تکلف آپ تشریف لایا کریں۔

ان احادیث مبارکہ آثار اور واقعات کا آپ نے مطالعہ کیا جو تحقیق معتبر اور صحیح ہیں ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ان سے وہ تینوں مسئلے حل ہو گئے جو ہم نے اوپر بیان کئے اسی لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ویقین ہونا چاہئے کہ:

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہم گناہگاروں کا درودوسلام یقیناً پہنچتا ہے جو عقیدت ومحبت کے ساتھ خلوص نیت سے درود پڑھتے ہیں ان کا درود حسین وخوبصورت اور مہکتے پھولوں کی صورت میں آپ کے دربار میں پیش ہوتا ہے اور ہمارا درود بھی پیش ہوتا ہے ضرور پیش ہوتا ہے چاہے اس کی صورت کیسی ہی ہو۔

اور اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ زندہ ہیں بنفس نفیس ہمارے درود شریف کی آوازیں سنتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ ان آوازوں کو سماعت فرما کر خوش بھی ہوتے ہیں۔

نیز آقا ﷺ اپنے ایک ایک غلام کو اس کے حسب ونسب کے ساتھ خوب پہچانتے ہیں بالخصوص ان غلاموں کو جو آپ کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آقا ﷺ کا یہ کرم بھی ہوتا ہے کہ آپ غلاموں کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں چاہے کوئی قریب سے سلام پیش کرے یا دور سے کہ ہم تو آقا سے دور ہیں لیکن وہ یقیناً اللہ کے ارشاد "النبی اولی بالمؤمنین" کے مطابق اپنے غلاموں سے دور نہیں یہ ان پر ان کے رب کا خاص فضل وکرم ہے کہ فاصلے ہمیں ان سے دور نہیں کرتے ہم سب ان کی ایک نظر میں سمائے ہوئے ہیں بس شرط یہ ہے کہ ہمارا ان سے تعلق کیسا ہے کہ ان سے محبت وعقیدت اور ان کی اتباع واطاعت ہمیں ان سے قریب تر کر دیتی ہے اور ان کا وسیلہ ہمیں ان کے رب سے قریب تر کر دیتا ہے۔ پس سلام کا جواب ضرور ملتا ہے اگر ہم ان کے قریب ہیں تو جواب کو ہم سنتے بھی ہیں اور ان سے مصافحہ ومعانقہ کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں اور اگر بدنصیبی سے ہم ان سے دور ہو گئے ہیں تب بھی وہ ضرور جواب دیتے ہیں ہم نہ سنیں تو اس کا سبب ہماری دوری ہے۔

غور کیجئے جس پر ہم دن رات درود پڑھتے ہیں اگر اس تک ہمارا درود پہنچتا ہی نہیں وہ ہمیں پہچانتا ہی نہیں وہ ہمارے درود کی آواز سنتا ہی نہیں تو اس عمل کا فائدہ ہی کیا رہا پس گمراہوں اور گمراہی سے اپنے آپ کو بچائیے خود درود شریف پڑھئے۔ محبت وعقیدت اور اس یقین کے ساتھ پڑھئے کہ وہ ہماری آواز سن رہے ہیں ہمیں دیکھ رہے ہیں ہمارے درودوسلام کا جواب دے رہے ہیں، اللہ قبول کرے آمین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

درود شریف کی برکتیں

چند روایات ملاحظہ ہوں جن سے درود شریف کی برکتیں واضح ہوتی ہیں:

Marfat.com

مقاصد السالکین کی ایک روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ! اگر دنیا میں میری حمد کرنے والے نہ ہوتے تو میں بارش کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نازل نہ کرتا اور نہ ہی زمین سے کوئی دانہ پیدا ہوتا اور بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا پھر ارشاد ہوا اے موسیٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں میرا قرب حاصل ہو جیسے تمہارے کلام کو تمہاری زبان سے قرب ہے جیسے خطرات قلب کو دل کے ساتھ قرب ہے جیسے آپ کی روح کو آپ کے جسم کے ساتھ قرب ہے اور جیسے آپ کی نظر کو آپ کی آنکھوں سے قرب ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی ہاں، یا اللہ! میں تجھ سے ایسا ہی قرب چاہتا ہوں پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے فرمایا تو تم میرے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھا کرو۔

مسالک الحنفاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اگر آپ قیامت کے دن پیاس کی سختی سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھا کریں۔

سعادت الدارین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں روح ڈالی اور انہوں نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے عرش الٰہی پر لکھا دیکھا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پس آپ نے پوچھا اے اللہ یہ کون ہے؟ جس کا نام آپ کے مبارک نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے اللہ نے فرمایا یہ میرا محبوب ہے جو تیری اولاد میں ہوگا اور میرے نزدیک یہ تجھ سے بھی زیادہ مکرم و معظم ہے اے آدم اگر میرا یہ محبوب نہ ہوتا تو نہ میں آسمان پیدا کرتا نہ زمین نہ جنت اور نہ دوزخ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ حوا ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت پیدا فرما دی تھی۔ اللہ نے فرمایا نکاح سے پہلے تمہیں ان کا مہر ادا کرنا ہوگا جو میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دس مرتبہ درود پڑھنا ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہر ادا کیا اور آپ کا نکاح انسانوں کی ماں حضرت حوا علیہا السلام سے ہو گیا۔

درج ذیل عبارتیں بھی سعادت الدارین ہی میں ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا گناہوں کو ایسا صاف کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ پر سلام بھیجنا اللہ کی رضا کے لئے غلام آزاد کرنے سے افضل ہے اور آپ سے محبت کرنا اللہ کی راہ میں تلوار چلانے اور جانیں قربان کرنے سے افضل ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجلسوں کی زینت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہے لہٰذا اپنی مجلسوں کو درود شریف سے مزین کیا کرو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا جنت کا راستہ ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا نہ بھولو۔

Marfat.com

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنا، درود شریف پڑھنے والے کو اس کی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو رنگ دیتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن علم کی اشاعت کرو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف کی کثرت کرو۔

سیدنا وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اللہ کی عبادت قرار دیا۔

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اہلسنت و جماعت کی علامت قرار دیا۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جمعرات کو بوقت عصر اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے بھیجتا ہے جن کے پاس چاندی کے ورق اور سونے کے قلم ہوتے ہیں وہ جمعرات کی عصر سے جمعہ کو غروب آفتاب تک زمین پر رہتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے والوں کا درود لکھتے رہتے ہیں۔

سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ انسان ہر حال میں درود پڑھتا رہے۔

سیدنا ابن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا تمام اوراد و وظائف سے افضل ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا یقینی ذریعہ ہے۔

فتح الربانی میں حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''عَلَيْكُمْ بِلُزُوْمِ الْمَسَاجِدِ وَكَثْرَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم'' اے ایمان والو تم مسجدوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرت درود کو لازم کرلو۔

حضرت عارف صاوی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ درود شریف کے ذریعہ بغیر مرشد کے قرب الٰہی نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ دیگر اوراد و وظائف میں شیطان مداخلت کر لیتا ہے لیکن درود شریف میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرشد ہیں لہٰذا شیطان کی مداخلت کا امکان نہیں۔

علامہ حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان کے راستوں میں سب سے بڑا راستہ درود شریف ہے جبکہ محبت کے ساتھ، ادائے حق کی خاطر، تعظیم و توقیر کے لئے پڑھا جائے۔ درود شریف پر ہمیشگی کرنا ادائے شکر ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکر ادا کرنا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ہم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار احسانات ہیں۔ آپ دوزخ سے ہماری نجات کا وسیلہ ہیں، جنت میں ہمارے جانے کا ذریعہ ہیں انہی کے واسطہ سے ہمارے اعمال مقبول ہوتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہمیں بلند ترین مراتب نصیب ہوتے ہیں۔

علامہ اقلیشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کونسا وسیلہ شفاعت ہے اور کونسا عمل ہے جو زیادہ نفع دینے والا ہو اس ذات والا صفات پر درود پڑھنے سے جس ذات بابرکات پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں یقیناً اس ہستی گرامی پر درود پڑھنا

Marfat.com

نورِ اعظم ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں خسارہ و نقصان نہیں صبح و شام درود پڑھنا اولیائے کرام کی عادت ہے اے میرے عزیز تو درود پاک کو مضبوط پکڑ لے اس کی برکت سے تیرا عیب پاک ہوگا تیرے اعمال پاکیزہ ہوں گے اور تو انتہائی امیدوں کو حاصل کرلے گا اور قیامت کے خوف اور ہولناکی سے امن میں رہے گا۔

حضرت علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے میرے عزیز تو اس ذات پاک پر درود کی کثرت کر جو سید السادات ہے جو سعادتوں کی کان ہیں کیونکہ ان پر درود پڑھنا خوشیوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور نفیس ترین رحمتوں کو حاصل کرنے اور ہر نقصان پہنچانے والی چیز سے بچنے کا ذریعہ ہے اور تیرے لئے ہر درود پاک کے بدلے زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے دس رحمتوں کا نزول دس گناہوں کا مٹانا اور دس درجوں کو بلند کرنے کا انعام ہے اور ساتھ ہی تیرے لئے فرشتوں کی رحمت و بخشش کی دعائیں شامل ہیں۔

عارف باللہ سیدنا امام شعرانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم درود شریف بکثرت پڑھیں اور یہ کہ ہم مسلمان بھائی بہنوں کو درود پڑھنے کا اجر و ثواب بتائیں اور ہم سید دو عالم نور مجسم ﷺ کی محبت و عظمت کے اظہار کے لئے درود پڑھنے کی انہیں رغبت دلائیں اور اگر مسلمان روزانہ صبح و شام ہزار سے دس ہزار تک درود پڑھنے کا وِرد بنالیں تو یہ سارے اعمال سے افضل ہوگا اور درود شریف پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ باوضو ہو۔ حضورِ قلب کے ساتھ درود پڑھے کیونکہ یہ بھی نماز ہی کی طرح مناجات ہے اگرچہ اس میں وضو شرط نہیں نیز فرمایا کہ درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کائنات میں کوئی نہیں جسے اللہ رب العزت نے صاحب حل و عقد اور صاحب بست و کشاد بنایا ہو لہٰذا جو شخص اس آقا کی اتباع و پیروی کرے اور محبت سے اس پر درود پڑھے اس کے لئے بڑوں بڑوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور سب مسلمان اس کی عزت کرتے ہیں پھر بتایا کہ شیخ نورالدین شوفی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ دس ہزار مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے اور شیخ احمد زواوی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ چالیس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا ابوالعباس تیجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہر خیر کی چابی ہے غیوب و معارف کی چابی ہے انوار و اسرار حاصل کرنے کی چابی ہے تو جس شخص نے درود چھوڑ دیا، وہ چھوٹ گیا، کٹ گیا، دھتکارہ گیا اس کا اللہ کے قرب سے کچھ حصہ نہیں۔

آپ نے کسی مرید کو خط لکھا اور فرمایا اللہ کے ذکر میں سے وہ ذکر جس کا فائدہ بہت بڑا ہے اور جس کا پھل بہت میٹھا ہے جس کا انجام نہایت ہی شاندار ہے وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرنا ہے کیونکہ درود ہی دنیا و آخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہے۔ جس نے یہ نسخہ استعمال کرلیا وہ اللہ کے بڑے بڑے دوستوں میں سے ہوگا۔

حضرت خرام عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص نفلی عبادت نہیں کر پاتا اسے چاہئے کہ وہ بکثرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھا کرے کیونکہ آپ نے فرمایا جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے تو اگر

Marfat.com

انسان عمر بھر تمام نیک کام کرے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بار درود شریف بھیجے تو یہ عمر بھر کی نیکیوں سے وزنی ہوگا کیونکہ اے عزیز تو ان پر درود بھیجے گا اپنی وسعت کے مطابق اور اللہ تجھ پر رحمت نازل فرمائے گا اپنی شان ربوبیت کے مطابق۔

امام محدث علامہ قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ رسول عظیم ﷺ کا سب سے اعلیٰ واولیٰ، افضل واکمل، ازہر وانور، ذکر پاک آپ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا فرمان ہے "بِهَا وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا" یعنی ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے خواہ وہ دنیاوی انعامات ہوں یا اُخروی سب کا سب درود پاک ہی کی برکت سے پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ازآں جملہ آنست کہ خوانندۂ درود از رسوائی دنیا محفوظ ے ماند وخللے درآبرو" یعنی درود شریف کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اس کا وِرد کرنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی عزت وآبرو میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔

حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کسی کی کوئی حاجت درپیش ہو وہ ہزار مرتبہ پوری توجہ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ کر دعا کرے انشاء اللہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے گی۔

علامہ یوسف بن نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص درود شریف کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جو کوئی اس درود شریف کو روزانہ دن رات میں تین سو مرتبہ پڑھے اور مصیبت پریشانی سے نجات کے لئے یا کسی خاص ضرورت پوری ہونے کے لئے ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو یہ حل مشکلات کے لئے تریاق مجرب ہے اللہ اپنے فضل وکرم سے ضرور اس کی مصیبت وپریشانی کو دور فرمائے گا اور ضرور اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ وہ خاص درود شریف یہ ہے:

"اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ"

مطلب یہ ہے کہ اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو میری ساری تدبیریں ناکام ہوچکی ہیں۔ اب آپ ہی مجھے سہارا دیجئے (آپ بھی اس درود پاک کو یاد کر لیجئے بڑا ہی سستا نسخہ ہے)۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار شریف کے اختتام پر دعا کرتے ہوئے دربار الٰہی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ! میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جو تیری بارگاہ بے کس پناہ کے شایان شان ہو میرے سارے عمل کوتاہیوں اور فسادِ نیت سے ملوث ہیں سوا ایک عمل کے اور وہ ہے تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نہایت انکساری، عاجزی اور محتاجی کے ساتھ درود وسلام کا تحفہ حاضر کرنا اے میرے رب کریم اس درود پاک سے زیادہ خیر وبرکت اور رحمت کے نزول کا اور کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے یقین کامل ہے کہ یہ عمل تیرے دربار عالی میں قبول ہوگا اس کے عمل کے رد ہوجانے یا رائیگاں جانے کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں کیونکہ جو اس دروازے سے آئے اسے اس کے رد ہوجانے کا کوئی خوف نہیں۔

حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندہ جب عبادت اور اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر فتنے اور

Marfat.com

آزمائشیں بکثرت وارد ہوتی ہیں اور درود شریف کا بڑا ہی عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کا ورد کرنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلا نہیں آتا اور حفاظتِ الٰہی شامل ہو جاتی ہے نیز آپ نے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ بلیات جب اترتی ہیں تو گھروں کا رخ کرتی ہیں مگر جب درود شریف پڑھنے والے کے گھر کی طرف آتی ہیں تو وہ فرشتے انہیں روک دیتے ہیں جو درود پاک لکھنے کے لئے یہاں موجود ہوتے ہیں وہ اس گھر میں بلاؤں کو داخل نہیں ہونے دیتے بلکہ انہیں پڑوس کے گھروں سے بھی دور پھینک دیتے ہیں۔

سیدنا عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق جنت صرف درود شریف سے ہی کیوں وسیع ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ جنت نورِ مصطفیٰ ﷺ سے پیدا کی گئی ہے لہٰذا ان ہی کے ذکر پاک سے وسیع ہوتی ہے۔

حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے درود شریف کو اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے لہٰذا جو شخص جتنا درود پاک زیادہ پڑھے گا اتنا ہی وہ رضا اور قرب کا حقدار قرار پائے گا اور اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس کے سارے کام آسان ہوں اور پورے ہوں اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں اس کی سیرت پاکیزہ ہو اور اس کا دل روشن ہو۔

مفسر قرآن حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انسان کی روح جبلی طور پر ضعیف ہے پس درود پڑھنے سے اس میں انوارِ الٰہی کی تجلیات قبول کر لینے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس طرح آفتاب کی کرنیں مکان کے روشن دانوں سے اندر جھانکتی ہیں تو اس مکان کے در و دیوار روشن نہیں ہوتے لیکن اگر اس مکان کے اندر پانی کا طشت یا آئینہ رکھ دیا جائے تو آفتاب کے عکس سے مکان کی چھت اور در و دیوار چمک اٹھتے ہیں۔ اسی طرح امت کی روحیں اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے ظلمت کدہ میں پڑی ہوئی ہیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح انور سے جو کہ سورج سے بھی روشن تر ہے اس کی نورانی کرنوں سے روشنی حاصل کر کے اپنے باطن کو چمکا لیتی ہیں اور یہ استفادہ صرف درود پاک سے ہوتا ہے جو پانی کے طشت یا آئینہ کی طرح ہے۔ اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَکْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً" قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین مجھ پر درود پڑھنے والا ہوگا۔

فضائل درود وغیرہ کی کتابوں میں اسی طرح کے بے شمار اسلاف علماء کرام کے ارشادات موجود ہیں جو ان کے تجربات کا نتیجہ ہیں۔ حضرت علامہ مفتی امین الدین صاحب نے اپنی کتاب "آب کوثر" میں ان میں سے اکثر کو جمع کر لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کار خیر کی جزاء دے ہم نے اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے چند عظیم ہستیوں کے ارشادات پیش کئے ہیں جو درود شریف کی فضیلت اور اس کے فوائد عظیمہ کو جان لینے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

عام شہادت

اب ہم ایک ایسے شخص کی تحریر پیش کرنا چاہتے ہیں جو بظاہر نہ کوئی عالم ہے اور نہ کوئی بزرگ ہستی لیکن جس انداز سے انہوں نے درود شریف کی فضیلت و عظمت کو بیان کیا ہے اس سے ان کی عقیدت و محبت کا ضرور اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں یقین ہے

Marfat.com

کہ ان کی یہی عقیدت ان کے لئے ذریعہ نجات ہوگی۔ یہ ہیں ''قدرت اللہ شہاب صاحب'' یہ ایک بیوروکریٹ، شاہی افسر تھے ہندوپاک میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ ان کی ایک کتاب ہے ''شہاب نامہ'' اتنی ضخیم ہے کہ دوران سفر ہم نے اسے ایک صاحب کے ہاتھ میں دیکھا کیونکہ وہ ان کے بریف کیس میں نہ آسکی تھی اتفاق سے کسی ضرورت کے تحت انہوں نے ہمیں تھمادی ہم نے اس کے اوراق پلٹے تو کچھ دلچسپ معلوم ہوئی۔ بس ان صاحب سے ہم نے گزارش کی کہ اگر آپ اسے پڑھ چکے ہوں تو ذرا ہمیں دے دیں ہم بھی دیکھ لیں۔ انہوں نے کہا میں نے ابھی پڑھی تو نہیں ہے لیکن آپ زیادہ شوقین معلوم ہوتے ہیں ضرور پڑھئے۔ بس ہم نے دوران سفر جو اس کو پڑھنا شروع کیا تو ایسے مشغول ہوئے کہ ہم یہ تک محسوس نہ کر سکے کہ ہمارے پلین کی پرواز کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔ سفر ختم ہونے کا پتہ اس وقت چلا جب جہاز نے جوہانس برگ کے ایئرپورٹ پر لینڈنگ کی۔ کتاب کیا ہے سیاسی خرافات اور افسران کے واقعات کا پلندہ ہے لیکن درج ذیل عبارت نے اس کتاب کی اہمیت تسلیم کرنے پر ہمیں مجبور کر دیا اور ہم نے چاہا کہ ہم اس پر قبضہ کر لیں لیکن یہ بہت بری بات معلوم ہوئی۔ مجبور ہو کر ہم نے ان صاحب کو یہ کہتے ہوئے کتاب واپس کی کہ یہ تو بہت اچھی کتاب ہے اس کی ایک عبارت تو ہمیں بہت ہی پسند آئی ہے ہم بھی کچھ لکھتے لکھاتے رہتے ہیں اگر یہ کتاب ہمارے پاس ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہم یہ عبارت ضرور نقل کر دیتے ان صاحب نے ہماری نیت بھانپ لی۔ قدرداں معلوم ہوتے تھے بس بولے کہ پھر تو اس کتاب کے مستحق آپ ہی ہیں رکھ لیجئے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کتاب پر قبضہ کر لیا۔ اب مصیبت یہ کہ بریف کیس میں سما نہ سکتی تھی اور ہاتھ میں لینا معیوب معلوم ہوتا تھا کہ عقیدت مند ایئرپورٹ پر موجود ہیں وہ کیا سوچیں گے کیونکہ کتاب کے ایک طرف نہیں بلکہ تینوں طرف مصنف صاحب کا فوٹو موجود ہے بہرحال ہم نے اس کو ایک رومال میں لپیٹا اور ہاتھ میں لے کر اتر گئے شاید ان صاحب کا شکریہ بھی ادا نہ کیا لیکن ان کے لئے ہم دعا ضرور کرتے ہیں۔ دورے سے واپسی پر ہالینڈ پہنچے تو کتاب کو اپنی لائبریری میں یہ سوچ کر سجا دیا کہ شائد کوئی موقع ملے گا تو اس کو حاصل کرنے کا مقصد پورا ہو گا اور آج بحمد اللہ موقع آ ہی گیا کہ اسی کتاب کی پسندیدہ عبارت ہم اپنے قارئین کے لئے پیش کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو:

مصنف اپنے بچپن کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میری نانی کہا کرتی تھیں کہ بیٹا درود شریف پڑھا کرو اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور جب میں اسکول جاتے ہوئے ایک دن بندروں کے نرغے میں پھنسا تو مجھے نانی کا بتایا ہوا نسخہ یاد آیا۔ اب مزید پڑھئے لکھتے ہیں:

> ایک ساٹھ ستر برس کے دبلے پتلے منحنی سے برہمن کی یہ شان مردانگی دیکھ کر میرے اسلام کی رگ حمیت بھی کسی قدر پھڑکی میں چھاتی نکال کر لاٹھی گھماتا بڑے آرام سے بندروں کے پاس سے نکل آیا جن کی توجہ بہرحال پوریوں پر مرکوز تھی اور مسکودن پادھا (برہمن کا نام تھا) سے کچھ دور رک کر اس کی رام رام کے جواب میں زور زور سے درود شریف پڑھنے لگا مکسودن پادھا نے پہلے تو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر آواز کی سمت کا کھوج لگایا اور پھر درود شریف کے الفاظ کی آواز سنکر اس نے یک لخت دونوں کانوں میں انگلیاں

Marfat.com

ٹھونس لیں۔ میں درود شریف بند کرتا تھا تو وہ کان کھول لیتا تھا اور جب دوبارہ پڑھنے لگتا تو پھر انگلیاں ٹھونس لیتا۔جی تو بہت چاہا کہ ہری اوم ہری اوم اور درود شریف کی آنکھ مچولی کا یہ کھیل جاری رکھوں لیکن میری منزل کھوئی ہوئی تھی اس لئے میں باآواز بلند درود شریف کا ورد کرتا آگے بڑھ گیا۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے آہستہ آہستہ میری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی پھر جسم پر ہلکی ہلکی حرارت کی ٹکور ہونے لگی اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے الیکٹرک بلینکٹ اوڑھا ہوا ہے۔ تین سوا تین گھنٹے کے بعد جب میں امتحان کے ہال میں پہنچا تو خاصا پسینہ آیا ہوا تھا میں نے آرام سے پرچہ کیا اور پھر ہال سے اٹھ کر درود شریف پڑھتا ہوا خراماں خراماں شام تک گھر پہنچ گیا امتحان کے باقی آٹھ دن بھی اسی لائحہ عمل پر بڑی پابندی سے کاربند رہا۔

جب نتیجہ نکلا تو ورنیکلر فائنل کا وظیفہ تو مجھے صرف دو برس کے لئے ملا لیکن درود شریف کا وظیفہ میرے نام تاحیات لگ گیا۔

یہ ایک ایسی نعمت (بعد تجربہ) مجھے نصیب ہوئی جس کے سامنے کرم بخش (نوکر) کے سارے ''اچھے'' گر دتھے اس کے لئے نہ پرانی باؤلی کے پانی میں رات کو دو، دو پہر ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا پڑتا تھا نہ کنوئیں میں الٹا لٹک کر چلہ معکوس کھینچنے کی ضرورت تھی نہ گنگا ماڑی میں ڈھول کی تال پر کئی کئی گھنٹے ''حال'' کھیلنے کی حاجت تھی نہ مراقبہ کی شدت تھی، نہ مجاہدے کی حدت تھی، نہ ترک حیوانات، نہ ترک لذات، نہ تقلیل طعام، نہ تقلیل منام، نہ تقلیل کلام، نہ تقلیل اختلاط مع الانام، نہ رجعت کا ڈر، نہ وساوس کی فکر، نہ خطرات کا خوف یہ تو بس ایک تخت طاؤس تھا جوان دیکھی لہروں کے دوش پر سوار آگے ہی آگے، اوپر ہی اوپر رواں دواں رہتا تھا۔ درود شریف نے میرے وجود کے سارے اُفقوں کو قوس وقزح کی رداؤں میں لپیٹ لیا گھپ اندھیروں میں مہین مہین سی شعاعیں رچ گئیں جنہیں نہ خوف وہراس کی آندھیاں بجھا سکتی تھیں، نہ افکار وحوادث کے جھونکے ڈگمگا سکتے تھے۔ تنہائی میں انجمن آرائی ہونے لگی بھری محفل میں حجروں کی خلوت سمائی، دل شاد، روح آباد، جسم یوں گویا کشش ثقل سے بھی آزاد سب سے بڑی بات یہ تھی کہ درود شریف کی برکت سے پردۂ خیال پر ایک ایسی بابرکت ذات کے ساتھ قربت کا احساس جاری وساری رہتا تھا جس کے پاؤں کی خاک اغواث، اقطاب اور اوتار و ابدال کی آنکھ کا سرمہ جس کے قدموں میں دنیا کامران اور عقبیٰ بامراد جس کے ذکر کے نور سے عرش بھی سربلند اور فرش بھی سرفراز جس کا ثانی نہ پہلے پیدا ہوا نہ آگے کبھی ہوگا اور جس کی آفرینش پر رب البدیع الخالق الباری المصور نے اپنی صناعی کی پوری شان تمام کردی۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

Marfat.com

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ ، صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

ملاحظہ فرمائی آپ نے یہ عبارت واقعی قابل غور ہے ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح پرو دیا گیا ہے۔ بالخصوص درود شریف کے لئے تختِ طاؤس کا استعارہ نہایت ہی جاذب ہے۔ بس عبارت کیا ہے عشق و محبت سے لبریز عقیدت کا ایک جام ہے جو پی لے وہ مست و دیوانہ ہو جائے۔ لیجئے اسی صاحب قلب و نظر کی ایک اور عبارت پڑھئے لکھتے ہیں:

ساری کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسان کے درمیان یکساں طور پر مشترک ہے۔ قرآن کریم پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے الفاظ میں وہ عمل یہ ہے:

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر خوب درود و سلام بھیجا کرو''یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے احکام نازل فرمائے ہیں جن کا بجا لانا ہر اہل ایمان کا فرض ہے۔ بہت سے انبیاء کی توصیفیں بھی کی ہیں اور ان کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی بیان فرمائے ہیں لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی یہ کرو یہ اعزاز صرف ہمارے رسول مقبول ﷺ کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود کی نسبت اولاً اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف کر کے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اے مؤمنو تم بھی درود بھیجو یہی واحد امر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صرف حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے ایک عبد کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ تصور میں بھی لانا محال ہے۔

درود شریف میں صاحب درود کا اعزاز تو ہے ہی لیکن اس میں درود پڑھنے والے کی سعادت اور اکرام بھی ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ درود شریف پڑھ کر ہم ان احسانات عظیم کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس محسن اعظم کے ہر فرد و بشر پر ہیں دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحبِ درود کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں''رؤف الرحیم''اور''رحمة للعلمین''کے خطاب سے نوازا گیا ہے اگرچہ ہزاروں افراد مختلف مقامات پر ایک ہی درود شریف پڑھ رہے ہیں ان سب پر فرداً فرداً بیک آن صاحب درود ﷺ کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لئے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سورج کی شعاعیں ہر جگہ بیک وقت یکساں طور پر بآسانی پہنچتی رہتی ہیں شرط صرف اتنی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات FREQUENCY یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے اگر انسان WAVE

Marfat.com

LNNGTH (لاسلکی کی شعاعوں کے طول) کے ساتھ TUNE-IN (ہم آہنگ) ہو جائے تو کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والے MORSE-KEY بن جاتا ہے کسی کا دل بڑی طاقت والا شارٹ ویوریڈیو سیٹ بن جاتا ہے کسی کا دل ٹیلی ویژن اور کسی کا دل رنگین ٹیلی ویژن بن جاتا ہے۔

ایک مولانا نے اپنے ایک معتقد کو دن رات درود پاک پڑھنے کی ہدایت کی اور درود شریف کے کچھ فوائد بھی اسے بتا دیئے اس شخص نے بڑے شوق و ذوق سے مولانا صاحب کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا اور اس قدر محو ہو گیا کہ دوسری ذمہ داریاں چھوٹتی چلی گئیں اس کی بیوی دین سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتی تھی جب اس نے اپنے شوہر کی محویت کا یہ عالم دیکھا تو بہت سیخ پا ہونے لگی۔ایک دن بولی یہ تم ہر وقت صلی علیٰ محمد (ﷺ) کی رٹ لگائے رہتے ہو اس سے کچھ نہیں ہوگا (العیاذ باللہ) مرد بنو، گھر سے نکلو، محنت مزدور کر کے کچھ کما کر لاؤ ورنہ اب فاقوں کی نوبت آنے والی ہے مگر اس مرد صالح پر بیوی کی ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے یہ کسی کا قرض دار بھی تھا اس نے اپنے پیسوں کا مطالبہ کیا یہ نہ ادا کر سکا اور نوبت بایں جا رسید کہ قرض خواہ نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔اب بیوی کو مزید موقع مل گیا اور اس نے مزید بیہودہ گوئی شروع کر دی وہ اللہ کا بندہ ایک رات سحری کے وقت اٹھا اور اللہ کے دربار میں خوب رویا اور گڑگڑایا عرض کرنے لگا مولیٰ! میں تو تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کرتا ہوں کیا تو نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام کو بھلا دیا ہے جو میں دن بدن مصیبتوں میں پھنستا ہی چلا جا رہا ہوں دعا کرتے کرتے مصلّی پر ہی سو گیا۔بس مقدر جاگ گیا خواب میں آقا ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔آپ نے فرمایا میرے پیارے غلام کیوں پریشان ہوتا ہے کیوں گھبراتا ہے میں خود تیری مدد کروں گا۔عرض کرنے لگا لیکن آپ کون ہیں؟ ارشاد ہوا میں ہی وہ آقا ہوں جسے تم ہر لمحہ یاد کرتے رہتے اور اس پر درود شریف پڑھتے رہتے ہو۔

یہ سن کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اب وہ مطمئن و پرسکون تھا۔سرکار ﷺ نے فرمایا صبح تم اپنے وزیراعظم کے پاس جاؤ اور اسے بطور نشانی خوشخبری سناؤ کہ اس کا درود شریف ہمارے دربار میں مقبول ہے۔یہ خستہ حال اپنے بوسیدہ لباس میں جب وزیراعظم کی قیام گاہ پر پہنچا تو دربانوں نے اس کا مذاق اڑایا اور ڈرا دھمکا کر بھگا دیا لیکن اچانک ایک دربان کے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے اسے بلایا اور کہا ٹھہرو میں وزیراعظم کو خبر کرتا ہوں اگر اجازت مل گئی تو ملاقات ہو جائے گی۔دربان نے وزیراعظم کو اس شخص کا حال بتایا اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو حاضری کا شرف بخشا جائے۔وزیراعظم نے اجازت دی اور یہ صاحب دربار میں حاضر ہو گئے انہوں نے اپنا حال بیان کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں وزیراعظم کا درود قبول ہونے کی خوشخبری سنائی وزیراعظم بے حد خوش ہوا اور اس کی تمام ضروریات پوری کیں اور ہمیشہ کے لئے اس کا کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

اس نے واپس آکر سارا ماجرا اپنی بیوی کو بتایا اس نے اپنی گزشتہ بیہودہ گوئی پر اظہار ندامت کیا اور توبہ کی اور اب دونوں کا ورد ہو گیا "صلوۃ وسلاما علیک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" جب مقدمہ کی تاریخ پر پیشی ہوئی تو اس نے حاضر ہو کر قرض خواہ کی رقم جمع کرائی لیکن اس نے الزام لگایا کہ یہ یقیناً کہیں سے رقم چوری کر کے لایا ہے اب اس سے

Marfat.com

پوچھ گچھ شروع ہوگئی اس نے کہا تم اپنے وزیر اعظم سے معلوم کرلو کہ یہ رقم میرے پاس کہاں سے آئی ہے لہٰذا وزیر اعظم کو خط لکھا گیا۔ وزیر اعظم نے جج کو جواب دیتے ہوئے تنبیہ کی کہ اس شخص کے ساتھ کوئی زیادتی یا اس کی بے ادبی نہیں ہونا چاہئے ورنہ تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی اگلی پیشی پر جب یہ مرد صالح پہنچا تو منظر کچھ اور ہی تھا جج صاحب تعظیماً اس کے لئے کھڑے ہو گئے اس کو اپنی کرسی دی جمع کردہ رقم واپس کی اور اپنے پاس سے ان کا قرضہ ادا کیا۔ جب قرض خواہ نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنا قرضہ معاف کرنے کا اعلان کیا۔ بلاشبہ:

ہر کہ سازد وِردِ جاں صلِ علیٰ حاجت دارین او گردد روا

جس نے صلِ علیٰ کو وِردِ جاں بنالیا اس کی دونوں جہاں کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابو عبداللہ رصاع نے اپنی کتاب تحفہ میں ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایمان تازہ کرلیجئے وہ رقمطراز ہیں کہ:

ایک مجوسی کا واقعہ

بغداد شریف میں ایک شخص رہتا تھا جو نہایت حاجت مند اور غریب تھا لیکن بے حد صابر اور عبادت گزار بھی تھا۔ ایک مرتبہ کئی دن اسے اور اس کے اہل و عیال کو کچھ کھانے کے لئے نصیب نہ ہوا۔ پس اس نے ایک دن نماز سے فارغ ہو کر اپنے بیوی بچوں کو بٹھایا اور کہا سب میرے ساتھ مل کر اللہ کے حبیب ﷺ پر درود پڑھو سب نے خوب درود شریف کا ورد کیا حتیٰ کہ بھوک کی حالت میں نیند آگئی اور سب سو گئے لیکن مقدر جاگ گیا اس اللہ کے نیک بندے کو خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ نے فرمایا صبح ہوتے ہی تم فلاں شخص کے پاس جاؤ جو مجوسی ہے اس سے ہمارا سلام کہو اور بتاؤ کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہے اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم میری ضرورت پوری کرو۔ یہ شخص صبح اٹھا تو نہایت خوش تھا۔ سکون و طمانیت کے آثار اس کے چہرے پر ظاہر تھے۔ بیوی نے یہ حال دیکھ کر پوچھا کیا ماجرا ہے؟ بھوکے ہو پھر بھی بہت خوش نظر آتے ہو اسے سب ماجرا بتاتے ہوئے کہا خوش بخت جب ہم سو رہے تھے اس وقت ہمارا مقدر جاگ رہا تھا یہ گھر سے نکلا لیکن اسے بات کھٹک رہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک غلام کو ایک مشرک آتش پرست کے در پر کیسے بھیج سکتے ہیں اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ شیطان حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شکل میں آنہیں سکتا بہر حال یہ مجوسی کا گھر تلاش کرتا کرتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ مجوسی سے ملا اس نے دیکھا کہ یہ شخص واقعی بہت مالدار معلوم ہوتا ہے اس کا دربار سجا ہوا تھا۔ مجوسی کچھ دیر بعد ان کی طرف متوجہ ہوا پوچھا آپ کون ہیں؟ کیوں آئے ہیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اس مرد صالح نے کہا کہ میں ایک راز لے کر آیا ہوں تنہائی کی ضرورت ہے۔ مجوسی کے اشارے پر دربار خالی ہو گیا۔ اب ان صاحب نے مجوسی کو بتایا کہ میرے آقا ﷺ نے تمہیں سلام کہا ہے مجوسی بولا کہ تمہارے نبی کون ہیں؟ انہوں نے بتایا حضرت محمد ﷺ۔ اس نے کہا لیکن میں تو مجوسی ہوں وہ مجھے کیسے سلام بھیج سکتے ہیں میں تو ان کے لائے ہوئے دین کو مانتا ہی نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا جو کچھ مجھ سے کہا گیا وہ میں نے تمہیں بتا دیا تم یقین کرو یا نہ کرو۔ مجوسی نے اللہ کی قسم دے کر ان سے پوچھا کیا واقعی تمہارے نبی

Marfat.com

نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے انہوں نے قسم کھا کر کہا ہاں میرے نبی ﷺ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہیں سلام بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تیری دعا قبول کر لی گئی ہے نیز تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو میری ضرورت پوری کرے۔ مجوسی نے کہا کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دعا کیا ہے جو قبول ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا مجھے یہ تفصیل معلوم نہیں۔ مجوسی بولا اٹھو، اندر چلو میں تمہیں بتاتا ہوں وہ دعا کونسی ہے؟ وہ دونوں اندر گئے مجوسی نے اپنے مہمان سے کہا ذرا ہاتھ لاؤ ان صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے ہاتھ پکڑ کر ''اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله'' پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا۔

ہم دونوں باہر واپس آئے تو مجوسی نے دوبارہ سب حاضرین کو بلایا اور بتایا کہ میں مشرف باسلام ہو چکا ہوں پس جو تم میں سے اسلام قبول کرے گا وہ میرا شریک تجارت رہے گا اور جو یہ دین حق قبول نہیں کرنا چاہتا وہ میرا مال واپس کر دے اور ہمیشہ کے لئے چلا جائے اکثر نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور کچھ اس کا مال واپس کر کے چلے گئے۔

پھر اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بلا کر کہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اگر تم بھی یہ دین قبول کرو گے تو میرا تم سے رشتہ برقرار رہے گا ورنہ تمہارا میرا کوئی تعلق نہ رہے گا، لہٰذا دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بیٹی کی شادی اپنے بھائی سے ہی ہوئی تھی جو مجوسی دین میں جائز ہے لیکن بیٹی نے بتایا کہ میں آج تک اپنے شوہر کے قریب نہیں گئی اور بالکل پاک صاف ہوں۔ مجوسی یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اب بولا کیا میں آپ کو بتاؤں وہ کونسی دعا ہے جو قبول ہوئی اس مرد صالح نے کہا جی میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجوسی نے کہا جس دن میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی ہی بیٹی سے کی اس دن میں نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے امیر و غریب سب ہی کو بلایا تھا لیکن میری دیوار سے بالکل ملا ہوا ایک گھر ہے جس میں سیدوں کا ایک خاندان رہتا ہے چونکہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عداوت تھی لہٰذا میں نے ان کے خاندان والوں کو دعوت نہیں دی۔

جب میں تقریب سے فارغ ہو کر اپنی چھت پر آرام کرنے کے لئے گیا تو میں نے ان گھر والوں کی باتیں سنیں بچیاں اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں امی جان آپ نے دیکھا ہمارے پڑوسی نے سارے شہر کو دعوت دی لیکن ہمیں نہیں بلایا۔ ماں نے کہا بیٹی وہ تو ہمارے نانا جان ﷺ کا دشمن مجوسی ہے ہمیں کیوں دعوت دیتا یہ باتیں ہوتی رہیں اور مجھے نیند آ گئی صبح مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے کھانے کا اہتمام کیا اور تینوں بچیوں اور ان کی ماں کے لئے بہترین جوڑے منگائے اور ان کو بھیج دیئے اب میں خاص طور پر ان کی باتیں سننے اوپر گیا۔ ماں اور بچیاں میرے تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوئیں لیکن بچیاں ماں سے کہنے لگیں ہم یہ کھانا تو نہیں کھا سکتے کہ اس کا بھیجنے والا تو مجوسی ہمارے نانا جان کا دشمن ہے۔ ماں نے کہا کھانا کھا لو یہ تو اللہ کا رزق ہے جو ہمارے مقدر کا ہے اسی لئے اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ بچیوں نے کہا تو پہلے ہم اپنے نانا جان سے اس کی شفاعت کی سفارش کریں اور دعا کریں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

یہی وہ دعا تھی جس کی قبولیت کا مژدہ لے کر آپ آئے ہیں اور آج مجھے مشرف باسلام ہونے کا اعزاز نصیب ہوا ہے۔ میں اپنی ساری دولت کا نصف حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو میں نے شادی کے موقع پر اپنے بیٹے اور بیٹی کے نام کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت قاضی شرف الدین بازری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن نعمان نے فرمایا کہ ۶۳۷ ھ کی بات ہے کہ میں حج سے واپس آ رہا تھا۔ دوران سفر مجھے حاجت محسوس ہوئی تو میں اپنی سواری سے اترا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہاں حاجت پوری کروں کہ اچانک مجھے نیند آ گئی اور میں بیٹھ کر وہیں سو گیا۔ بالکل غروب آفتاب کے قریب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں ایک بیابان جنگل میں ہوں۔ بہت ڈر معلوم ہوا اور ایک طرف کو چل دیا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ رات تاریک ہوتی گئی اور مجھے زیادہ ڈر لگنے لگا مزید یہ کہ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی اور دور دور کہیں پانی نظر نہ آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اب موت آیا ہی چاہتی ہے۔ اب کوئی چارہ نہ رہا پس میں نے زور زور سے اپنے آقائے رحمت ﷺ کو اس طرح پکارنا شروع کیا:

''یا محمد، یا محمد، انا مُسْتَغِیْثٌ بِکَ''

اے محمد، اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے فریاد کرتا ہوں میری مدد کیجئے۔

فوراً ہی میں نے آواز سنی ادھر آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آئے اور انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ان کا ہاتھ تھامنا تھا کہ نہ کوئی خوف رہا نہ ڈر اور نہ ہی پیاس۔ پھر وہ مجھے لے کر چلے چند قدم کے بعد میں نے اپنا قافلہ دیکھا جس میں آگ روشن ہو رہی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میری سواری میرے سامنے ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا یہ تیری سواری ہے واپس جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا جو ہمیں پکارے اور ہم سے فریاد چاہے ہم اسے مایوس و نا امید نہیں کرتے ﷺ۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ یہ تو حبیب خدا ﷺ ہیں۔ یہی تو امت کے والی اور امت کے غم خوار ہیں ﷺ اور جب آپ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت میں دیکھ رہا تھا کہ تاریک رات آپ کے نور سے منور اور روشن تھی۔ پھر مجھے سخت کوفت ہوئی کہ ہائے بدنصیبی میں نے سرکار کی قدم بوسی کیوں نہ کی میں آپ ﷺ کے قدموں سے کیوں نہ لپٹ گیا۔

ایک مرتبہ چند کافر ایک جگہ جمع تھے۔ ایک سائل آیا اور اس نے ان سے کچھ سوال کیا کافروں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا دیکھو سامنے علی کھڑے ہیں ان کے پاس جاؤ تم مسلمان ہو وہی تمہاری ضرورت پوری کریں گے سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سوال بیان کیا آپ کے پاس اسے دینے کو کچھ نہ تھا۔ آپ نے دس مرتبہ درود شریف پڑھا اور سائل کی ہتھیلی پر پھونک کر اسے بند کر دیا اور کہا جاؤ ان کافروں کے سامنے مٹھی کھولنا سائل واپس ان کے پاس گیا تو پھر انہوں نے تمسخر کیا اور پوچھا کہو کیا ملا؟ سائل نے اپنی مٹھی کھولی تو سونے کے دیناروں سے بھری ہوئی تھی پس کچھ کافروں نے اسے جادو کہہ کر مذاق اڑایا اور اکثر مشرف با سلام ہو گئے، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حضرت ابو محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے گھر کے دروازے پر ایک شاہی باز آیا تھا لیکن ہائے میری قسمت کہ میں اسے پکڑ نہ سکا چالیس سال گزرنے کو ہیں بہت جال پھینکتا ہوں مگر ایسا باز پھر ہاتھ نہ آیا کسی نے پوچھا وہ کونسا باز تھا۔ آپ نے فرمایا ایک دن جب میں سرائے میں سو رہا تھا۔ نماز عصر کے بعد ایک درویش سرائے میں داخل ہوا وہ نوجوان تھا رنگ زرد بال بکھرے ہوئے ننگے پاؤں تھا۔ اس نے آ کر تازہ وضو کیا اور دو رکعت پڑھ کر سر گریبان میں ڈال کر بیٹھ گیا اور درود

Marfat.com

شریف پڑھنا شروع کیا۔ مغرب تک یونہی مشغول رہا۔ نمازِ مغرب کے بعد پھر درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ اچانک شاہی پیغام آیا کہ آج بادشاہ کے یہاں سرائے والوں کی دعوت ہے۔ میں اس درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ہم سب کو بادشاہ نے دعوت دی ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا مجھے جانے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن تو میرے لئے گرم گرم حلوا لیتا آنا۔ میں نے اس کی بات کی پروانہ کی اور خیال کیا کہ اگر یہ بھوکا ہے تو ہمارے ساتھ خود کیوں نہیں چلتا۔

بہر حال ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے مہمان خانہ میں محفل جمی، نعت خوانی ہوئی اور نہایت پر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔ جب فارغ ہو کر ہم سرائے پہنچے تو دیکھا وہ اللہ کا بندہ اسی طرح بیٹھا درود شریف پڑھنے میں مصروف ہے میں بھی مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گیا لیکن میں جلدی سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بارونق محفل جمی ہوئی ہے اور کوئی بتا رہا ہے کہ یہ سید الانبیاء ﷺ کا دربارِ عالی ہے اور یہ ارد گرد، جملہ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف فرما ہیں۔ میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہو کر سلام عرض کیا آپ نے میری طرف سے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا میں نے دوسری طرف حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر آپ نے اپنا رخ مبارک پھیر لیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا تو میں خوف سے کانپنے لگا کہ نہ جانے مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے جو سرکار ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا میرے ایک عاشق نے تجھ سے ذرا سی خواہش ظاہر کی تھی کہ حلوہ منگایا تھا لیکن تو نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی۔ بس میں گھبرا کر بیدار ہوا اور اس درویش کی طرف دوڑا جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا میں نے اسے معمولی آدمی جانا لیکن وہ تو سچا موتی تھا۔ سرکار ﷺ پر اس کی خاص نظر کرم ہے میں اسے اچھے سے اچھا کھانا پیش کرنا چاہتا تھا جب میں اس کی جگہ پر پہنچا تو وہ موجود نہ تھا۔

ہائے قسمت شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اچانک مجھے سرائے کا گیٹ بند ہونے کی آواز آئی۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا تو وہی جا رہا تھا میں نے اسے بہت آوازیں دیں۔ اللہ و رسول کا واسطہ دے کر اسے بلایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ بس اس نے اتنا جواب دیا کہ میری ایک روٹی کے لئے سید الانبیاء ﷺ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام تجھ سے سفارش کریں تو تو مجھے ایک روٹی دے گا۔ مجھے ایسی روٹی کی ضرورت نہیں۔ ہائے قسمت وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ عرصہ ہی پہلے ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے پاک بھارت جنگ ہوئی بھارت نے سیالکوٹ محاذ پر ایک بڑا حملہ کیا جس میں شرمن ٹینک، ٹینک شکن توپیں، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر خودکار ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ پاکستانی فوج کے جنرل ایس اے زبیری نے بتایا کہ مجھے حکم ملا کہ اللہ کا نام لے کر دشمن پر حملہ کر دو۔ پس میں اور میرے ساتھی صرف چار ٹینک لے کر دشمن پر چڑھ پڑے اور ہم سب بیک آواز ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اغثنا یا حبیب اللہ'' کا ورد کر رہے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کوئی دشمن کو پیچھے دھکیل رہا ہے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ہتھیار بے کار ہو گئے اور اس کا غرور خاک میں مل گیا اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں کامیاب و کامران کیا۔

یہ واقعہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں اس وقت اخبارات و رسائل میں شائع ہوا اور اہل قلم علماء و مؤرخین نے اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے غالباً تفسیر نعیمی میں کسی مقام پر بیان فرمایا ہے اور لکھا

Marfat.com

ہے کہ میں نے خود بعض فوجیوں سے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ اور ملاحظہ ہو جس کو انور قدوائی صاحب نے اپنی کتاب خزینۂ کرم میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

میرے والد امیر الدین قدوائی کے علامہ راغب احسن سے نہایت قریبی برادرانہ تعلقات تھے۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس وقت علامہ صاحب اپنے کلکتہ والے مکان کی چوتھی منزل پر قیام پذیر تھے کیونکہ پکے مسلم لیگی تھی اور پاکستان کی تحریک میں پیش پیش تھے لہٰذا بھارتی حکومت کے معتوبین میں شمار کیے جاتے تھے۔حکومت نے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دیگر علاقائی افسران نے مکان گھیرے میں لے لیا۔ علامہ صاحب کو خبر ہوئی آپ اطمینان سے اٹھے اور ضروری کاغذات جمع کئے اور کمرہ سے باہر آ کر درود شریف کا وِرد شروع کیا اور درود شریف پڑھتے پڑھتے آپ سیڑھیاں اتر رہے تھے جبکہ آپ کو تلاش کرنے والے افسران سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ سب آپ کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے وہ اوپر آ گئے علامہ صاحب نیچے تشریف لے گئے۔ سیدھے ایئرپورٹ پہنچے ٹکٹ خریدا اور ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) پہنچ گئے کوئی آپ کو پہچان نہ سکا۔

اور کیسے پہچانتا کہ اس آقا کا غلام اپنے آقا پر درود وسلام پیش کر رہا تھا جس نے ایک مٹھی خاک دشمنوں پر پھینکی اور سب دشمن اندھے ہو گئے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ کب سرکار ان کی صفیں چیرتے باہر تشریف لے گئے۔ ان دونوں واقعات سے یہ بھی واضح ہے کہ درود شریف کی برکتیں صرف مقربین بارگاہ ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہم جیسے گناہگاروں کو بھی اس کا فیض نصیب ہوتا ہے کس قدر رحمت افزا بات ہے یہ ہمارے لئے شرط صرف اتنی ہی کہ عقیدت ہونی چاہئے خلوص نیت ہونا چاہئے جس پر درود پیش کیا جائے اس کو سننے والا، جاننے والا اور پہچاننے والا یقین کرنا چاہئے پھر دیکھئے کیسی برکت حاصل ہوتی ہے کس طرح دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ صحبہ وسلم۔

مشکل جو سر پر آ پڑی تیرے ہی نام سے ٹلی   مشکل کشا تیرا نام تجھ پر درود و سلام
دامن مصطفیٰ سے جو لپٹا یگانہ ہو گیا   جس کے حضور ہو گئے اس کا زمانہ ہو گیا
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

درود کی مزید برکتیں

درود شریف کی برکتوں میں سے ابھی ہم چند ہی لکھ پائے ہیں کہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بس دل چاہتا ہے لکھتے ہی رہیں اور استفادہ کرتے رہیں قلم رکتا ہی نہیں چاہتا۔ بس سرکار قبول فرمالیں تو کچھ بات بنے" صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین" تو لیجئے چند برکتیں اور ملاحظہ فرمایئے:

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ ہے جو نہایت ہی گناہ گار اور مجرم تھا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے گھسیٹ کر کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی۔ ہمارا ایک بندہ فوت ہو گیا ہے آپ کی قوم نے اسے گندگی میں پھینک دیا ہے آپ انہیں حکم دیں کہ اسے وہاں سے اٹھائیں، تجہیز وتکفین کریں اور آپ خود اس کا

Marfat.com

جنازہ پڑھائیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں پہنچے تو آپ نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا اور تعمیل حکم کے بعد آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ! یہ شخص تو نہایت ہی مجرم تھا تو پھر سزا کی بجائے اس پر عنایت و کرم کیوں ہوا۔ جواب آیا کہ یہ شخص واقعی گناہوں اور برائیوں کا پلندہ تھا لیکن اس نے ایک دن توارۃ شریف کھولی اس میں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام مبارک لکھا ہوا تھا بس اس نے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ اسے بوسہ دیا اور آپ پر درود شریف پڑھا، پس اس نام پاک کی عظمت کے سبب میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور یہ میرے فضل و کرم کا حقدار قرار پایا: ؎

تعظیم جس نے کی ہے محمد کے نام کی　　خدا نے اس پر آتش دوزخ حرام کی

خلاد بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ پر جب جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو کسی نے دیکھا کہ ان کے سر نیچے ایک کاغذ کا پرزہ رکھا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''هٰذِهٖ بَرَاۗءَةٌ مِّنَ النَّارِ لِخَلَّادِ بْنِ كَثِيْرٍ'' یہ خلاد بن کثیر کے لئے جہنم کی آزادی سے براۃ کی سند ہے لوگوں نے ان کے گھر والوں سے پوچھا کہ ان کا کیا عمل تھا۔ جواب ملا یہ ہر جمعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے، اللھم صل وسلم علی النبی الامی والہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت احمد بن ثابت مغربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے درود پاک کی جو برکتیں دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ایک رات تہجد کے لئے اٹھا نماز سے فارغ ہو کر درود شریف پڑھنے بیٹھ گیا اور اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو گھسیٹتے لے جا رہے ہیں جس کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہے اور گندھک کا لباس جو ٹخنوں تک تھا پہنے ہوئے ہے وہ بڑے جسم والا اور بڑے سر والا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ سیاہ ناک بڑی اور منہ پر چیچک کے داغ تھے میں نے پوچھا تمہیں اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ابوجہل ملعون ہے تو میں نے اس سے کہا اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن بلاشبہ تیری یہی سزا ہے پھر میں نے دعا کی یا اللہ! اب مجھے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف فرما دے مجھ پر یہ انعام فرما تو ارحم الراحمین ہے پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک ایسی جگہ ہوں جس کو میں پہچانتا نہیں اچانک ایک جاننے والا دوست ملا جو نہایت بزرگ شخص تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے جواب دیا میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں فرمایا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد شریف جا رہا ہوں۔ میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا تھوڑی ہی دیر بعد ہم مسجد نبوی شریف میں پہنچ گئے تو ساتھی نے بتایا یہ ہمارے آقا ﷺ کی مسجد مبارک ہے۔ میں نے کہا یہ تو مسجد ہے لیکن مسجد والے آقا ﷺ کہاں ہیں؟ اس نے کہا ذرا صبر کرو وہ ابھی رونق افروز ہوتے ہیں۔ پس شاہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے ان کے ساتھ ایک اور کامل بزرگ تھے۔ جن کا چہرۂ مبارک منور و روشن تھا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پیش کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اللہ کے پیارے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی سلام کرو تو میں نے ان کی خدمت عالیہ میں بھی سلام عرض کیا۔ دونوں سے میں نے دعا کی درخواست کی اور ان حضرات نے میرے لئے دعا فرمائی پھر میں نے دونوں سے گزارش کی کہ آپ میرے لئے ضامن ہو جائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا میں تیرا ضامن ہوتا ہوں کہ تیرا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں

Marfat.com

جس سے اللہ مجھے نفع عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''زِدْفِي الصَّلٰوةِ عَلَيَّ'' مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب میں درود شریف پڑھتا ہوں تو کیا آپ سماعت فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں سنتا ہوں اور تیری مجلس میں ملائکہ مقربین بھی حاضر ہوتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے ضامن ہو جائیں۔ جواب ملا ''تو میری ضمانت میں ہے۔'' میں نے التجا کی کہ سرکار صلی اللہ علیک وسلم میرے متوسلین کے بھی ضامن ہو جائیں۔ فرمایا میں ان کا بھی ضامن ہوں۔ میں نے مزید گزارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میرے متوسلین میں فلاں شخص بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ صالحین میں سے ہے پھر میں نے اپنے شیخ کے متعلق سوال کیا فرمایا وہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ان سب کے ضامن ہو جائیں جو میری اس کتاب کو پڑھیں جو میں نے درود پاک کے عنوان پر لکھی ہے فرمایا میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کا اور ان سب کا ضامن ہوں جو اس کتاب میں لکھے ہوئے درود پڑھیں اور تم اس درود پاک کو بکثرت پڑھا کرو اور تجھے ہر وہ نعمت بخشی گئی جو تو نے مانگی۔

میں بیدار ہو گیا اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق بخشے گا اور یہ کہ وہ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے محروم نہ رکھے گا، (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

اور یہ فقیر راقم الحروف بوسیلہ حضرت احمد بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کے جو بھی فضائل اپنی استعداد کے مطابق لکھے ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول بنائیں گے نیز بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام امیدوار ہے کہ اللہ رب کریم و رحیم اس فقیر کو بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے کہ ایک متمول شخص کو درود شریف پڑھنے کا بہت شوق تھا جبکہ اس کا کردار اچھا نہ تھا بس وہ ہر وقت درود شریف پڑھتا رہتا تھا جب اس کا آخری وقت آیا اور جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ اور بھدا ہو گیا اور اس پر سکرات موت کی سختی طاری ہو گئی جو کوئی اسے دیکھتا وہ ڈر جاتا تھا اس نے اسی حالت میں ندا دی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور ہر وقت آپ پر درود شریف پیش کرتا ہوں فوراً ہی آسمان سے ایک پرندہ نازل ہوا اور اس نے اس شخص کے چہرے پر پر پھیر دیا جس سے اس کا چہرہ منور ہو گیا اور زعفران کی سی خوشبو مہکنے لگی۔ سکراتِ موت کی شدت بھی کم ہو گئی اور اللہ کا یہ بندہ کلمہ پڑھتا بآسانی دنیا سے رخصت ہو گیا اور جب اسے تجہیز و تکفین کے بعد قبر میں رکھا جانے لگا تو ایک آواز آئی جو تمام حاضرین نے سنی۔ ہم نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور درود شریف کی برکت سے قبر سے اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ بہت متعجب ہوئے۔ رات کو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ٹہل رہا ہے اور آیت درود کے ساتھ درود شریف پڑھ رہا ہے:

اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم وعلی الہ وصحبہ اجمعین

ہر جگہ ہر مصیبت میں کام آ گیا ہے   آپ کا نام نامی اے صلِّ علیٰ

Marfat.com

حضرت ابوالحفص کاغذی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا حضور کیا حال ہے فرمایا اللہ غفور و رحیم نے مجھے بخش دیا ہے، مجھ پر رحم فرمایا ہے اور مجھے جنت میں بھیج دیا ہے۔ پوچھا گیا آپ کے کس عمل کے سبب آپ کو ان انعامات سے نوازا گیا۔ فرمایا جب میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا تو فرشتوں کو میرے گناہ شمار کرنے کا حکم ملا لہٰذا فرشتوں نے میرے نامہ اعمال سے میرے صغیرہ و کبیرہ سب گناہ اور سب غلطیاں گن کر اللہ کے دربار میں پیش کر دیں پھر حکم دیا گیا کہ یہ جو درود شریف پڑھا کرتا تھا اسے شمار کیا جائے جب حسب الحکم درود شریف کی گنتی کی گئی تو وہ میرے گناہ سے زیادہ ہوا پس اللہ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں نے اس کا حساب کتاب معاف کر دیا ہے لہٰذا اسے جنت میں پہنچا دو اور بحمد اللہ میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میرا ایک ہمسایہ فوت ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال پوچھا اس نے بیان کیا کہ میرے سامنے بڑے ہی خوفناک مناظر آئے۔ نکرین کے سوال و جواب کا وقت تو مجھ پر نہایت ہی دشوار اور خوفناک تھا حتیٰ کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے یا نہیں اچانک کسی نے مجھ سے کہا کہ تیری زبان بیکار رہی اس لئے آج تو اس خوف میں مبتلا ہے۔ اب عذاب کے فرشتوں نے مجھے سزا دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میرے اور ان فرشتوں کے درمیان ایک نوری انسان حائل ہو گیا جو کہ نہایت ہی حسین و جمیل تھا اس کے جسم مقدس سے خوشبو مہک رہی تھی۔

وہ مقدس انسان نکرین کے سوالوں کے جوابات مجھے بتاتا رہا تھا اور میں انہیں دہراتا رہا اور امتحان کے اس مرحلہ میں، میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس نوری انسان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا میں تیرا درود شریف ہوں جو تو اپنے آقا ﷺ پر پیش کیا کرتا تھا۔ اب تو فکر نہ کر میں قبر میں حشر میں میزان و پل صراط پر ہر جگہ تیرے ساتھ رہوں گا۔

بلخ میں ایک دولت مند تاجر رہتا تھا اس کے دو لڑکے تھے۔ یہ بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ مال و دولت کے علاوہ اس کے پاس ایک عظیم نعمت یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تین مبارک بالوں کا خادم و مالک تھا جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کے دونوں لڑکوں نے اس کا مال و دولت اور سب ساز و سامان آپس میں تقسیم کیا جب مقدس بالوں کی باری آئی تو دو بال تو دونوں نے لے لئے اور تیسرے پر جھگڑا ہو گیا بڑے بھائی نے کہا اس بال کے دو حصے کئے جائیں اور آدھا آدھا لے لیا جائے۔ چھوٹے بھائی نے کہا قسم خدا کی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا کون ظالم ہے کہ سرکار ﷺ کے موئے مبارک کو توڑے۔ بڑے نے جب چھوٹے کی عقیدت و محبت دیکھی تو کہا کہ اچھا تم یہ تینوں بال لے لو اور اپنی جائیداد کا ایک حصہ مجھے دے دو۔ چھوٹا عاشق رسول تھا اپنے بڑے بھائی کے اس فیصلہ پر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور فوراً راضی ہو گیا۔ دولت قربان کی اور تینوں موئے مبارک لے لئے (مومن کامل کے لئے یہ سب سے بڑی دولت ہے) اس نے ان مقدس بالوں کو نہایت احترام سے رکھا جب عشق غالب ہوتا تو ان کی زیارت کرتا اور خوب جھوم جھوم کر درود شریف پڑھتا۔ بڑا بھائی اپنی دولت کو بھی نہ سنبھال سکا چند دن بعد ہی کنگال ہو گیا اور اسے اللہ نے بڑی برکت دی اس کی دولت بڑھتی رہی اور یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ دولت مند ہو گیا لوگوں میں اسے عزت بھی حاصل ہوئی کیونکہ وہ عاشق رسول ﷺ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کے دربار عالی میں تحفہ درود پیش کرتا تھا۔

موئے مبارک

اس واقعہ میں میرے آقا ﷺ کے موئے مبارک اور اس کی برکت کا ذکر آیا ہے تو ہم بے چین ہیں کہ چند سطور سرکار ﷺ کے مقدس بالوں سے متعلق لکھنے کا شرف حاصل کر لیں کیونکہ شاید اب تک ہم اس عنوان پر کچھ نہ لکھ سکے ہیں اور شاید آئندہ اوراق میں بھی کوئی ایسا موقع نہ ہوگا کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہو سکے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ انہوں نے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علمی خزانہ ہی ہمیں منتقل نہ کیا بلکہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر لمحہ کے حالات ہم تک پہنچائے۔ مزید برآں یہ کہ انہوں نے ایک صحیح وارث کی حیثیت سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متروکات آپ کے تبرکات کی حفاظت فرمائی اور ہم غلاموں کو ان کا بھی وارث بنایا۔ یہ میرے آقا ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ آپ کے تبرکات مقدسہ دنیا میں اب تک موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جس طرح یہ غلام اپنے آقا ﷺ کے تبرکات شریفہ کی حفاظت کرتے ہیں کہ ان پر اپنی جان اپنا مال سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی اگرچہ یہ افسوس ہے کہ بعض مسلمان ہی ان مقدس تبرکات کے دشمن بھی ہیں حتیٰ کہ وہ جن آثار مبارکہ کے امین تھے انہیں مٹا کر ہی انہوں نے دم لیا لیکن پھر بھی اس کا ایک بڑا انمول حصہ اہل ایمان کے پاس محفوظ رہا۔ انہی میں سے آپ ﷺ کے مبارک بال بھی ہیں جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں اہل ایمان کے پاس محفوظ ہیں، الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سر سے مقدس بال اتار رہا تھا اور ''اَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ'' صحابہ کرام آپ کے گرد گھوم رہے تھے۔ ''فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ'' وہ چاہتے تھے کہ آقا ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے سے پہلے ان کے ہاتھ میں ہو۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ عاشقانہ ادا تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بابرکت بالوں کو عام انسانوں کے بالوں کی طرح ضائع نہ ہونے دیتے تھے انہیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ جمع کر لیتے اور اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے اور آقا ﷺ نے اپنے غلاموں کو اس جذبۂ عشق و محبت کی تکمیل سے کبھی نہ روکا بلکہ اسے پسند فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حلق کرایا تو آپ نے خود اپنے متبرک بال صحابۂ کرام میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے ان کو محفوظ کر لیا اور وہ اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور ان کا نہایت ہی احترام کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو ان مقدس بالوں کے احترام کی کیفیت۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانی کو بتایا کہ ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند مبارک بال ہیں جو ہمیں بواسطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ملے ہیں اس پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک بھی موئے مبارک ہوتو وہ ہمیں دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو۔

Marfat.com

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند موئے مبارک ایک شیشی میں محفوظ کیے ہوئے تھے جس کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو ام المومنین رضی اللہ عنہا صرف وہ شیشی پانی میں گھما کر پانی اسے دے دیا کرتی تھیں جس کے پینے سے مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔

اسی قسم کی روایت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے کہ انہوں نے موئے مبارک ایک چاندی کی ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے اور جب ان کے پاس کوئی بیمار آتا تو وہ ڈبیہ پانی میں ڈالتیں اور پانی اسے دے دیتی تھیں جسے پینے سے اللہ اسے شفا بخشتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کا مقدس بال اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے اور جب جنگ میں جاتے تو وہی ٹوپی پہنا کرتے اور سرکار ﷺ کے اس موئے مبارک کی برکت سے دعائے فتح و نصرت کیا کرتے تھے اور اللہ ہمیشہ انہیں دشمنان اسلام پر غلبہ اور فتح عطا فرماتا تھا۔ اتفاق سے جنگ یمامہ کے دوران آپ کی یہ مقدس ٹوپی کسی طرح گر گئی۔ آپ شدید جنگ کے دوران ہی اپنی سواری سے اترے اور ٹوپی اٹھائی۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی کہ اتنے تجربہ کار جرنیل نے یہ غلطی کیسی کی کہ اگر ایسی حالت میں دشمن ان پر حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کو نہایت ہی عظیم نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لوگوں نے آپ سے اس غلطی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے کوئی غلطی نہ کی نہ ہی میری یہ ٹوپی اتنی قیمتی تھی جس کی وجہ سے میں نے ایسا کیا بلکہ میری فتح و نصرت کا بڑا ہتھیار اس ٹوپی میں ہے اور وہ ہے میرے آقا ﷺ کا موئے مبارک جس سے میں کسی بھی قیمت پر محروم نہیں ہونا چاہتا تھا چاہے میری جان ہی چلی جاتی اور نہ ہی میں یہ برداشت کر سکتا تھا کہ یہ بابرکت بال دشمن کے ہاتھ لگے اور وہ اس کی بے حرمتی کرے۔ پس میں نے خطرہ مول لیا اور اس کی حفاظت کا حق ادا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے آقا ﷺ کا موئے مبارک تھا جسے وہ بڑی حفاظت اور بڑے ہی احترام سے رکھتے تھے انہوں نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ مقدس بال میرے منہ میں رکھ دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرما دے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موئے مبارک اور تراشے ہوئے ناخن تھے۔ آپ بھی ان کا بے حد احترام اور ادب کرتے تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد یہ میری زبان کے نیچے رکھ دیئے جائیں کہ قیامت کے دن یہ میرے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت کا وسیلہ بنیں گے۔

ذرا ان حضرات کے عقیدے پر تو غور کیجئے کہ کوئی انہیں امراض سے نجات کا ذریعہ یقین کرتا ہے تو کوئی ان مقدس بالوں کو ذریعہ کامیابی و کامرانی سمجھتا ہے تو کوئی ان کو وسیلہ نجات وسیلہ شفاعت و مغفرت جانتا ہے اور احترام کا یہ حال ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں جسم کے اس محفوظ حصہ میں رکھنے کی وصیت کی جا رہی ہے جس تک مٹی کا اثر سب سے بعد میں بہت دیر سے ہوتا ہے۔ سبحان اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و الہ واصحابہ وسلم وبارک۔

غرضیکہ ہمیں ممنون ہونا چاہئے ان اصحاب کرام کا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف خزانہ علمی اور عملی

Marfat.com

ہی کو ہم تک نہ پہنچایا بلکہ آپ کے مقدس تبرکات کو بھی ہماری طرف منتقل فرمایا اور ان کا ادب واحترام کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

تنگی قرطاس

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ہدیہ درود وسلام پیش کرنے سے متعلق ہم کافی واقعات قلمبند کر چکے ہیں کتابیں ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی چمنستان میں ہیں جس میں پھولوں سے لدی ٹہنیاں ہمیں دعوت دے رہی ہیں کہ ہم ان سے پھول چنتے ہی رہیں اس نظارے سے ہمارا ابھی دل نہیں بھر رہا لیکن کیا کیجئے تنگی وقت اور تنگی قرطاس جس کے سبب اب ہم اس باغیچہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہو رہے ہیں خیر ہم باہر جاتے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ نہ تو یہ پھول کبھی مرجھائیں گے اور نہ ہی ان کی بھینی بھینی خوشبو کبھی ہمارے دل ودماغ سے ختم ہوگی تو چلتے چلتے چند پھول اور چن لیتے کیا عجب کہ انہی کی مہک ہمارے اندر کسی کے وصل کی کشش پیدا کر دے۔ ﷺ

کسی عورت نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ میری بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے میں اسے خواب میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے بتایا کہ بعد عشاء چار رکعت نفل پڑھو اس طرح کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ تکاثر پڑھی جائے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جاؤ۔

اس عورت نے یہی عمل کیا پس اس نے خواب میں اپنی بیٹی کو نہایت ہی برے حال میں دیکھا کہ گندھک کا لباس پہنے ہے۔ ہاتھ اور پاؤں بیڑیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ گھبرا کر اٹھی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کچھ صدقہ وخیرات کرو شاید اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور معاف کر دے کہ صدقہ وخیرات دنیا وآخرت کی مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ رات کو خود حضرت خواجہ صاحب نے دیکھا کہ ایک لڑکی نہایت حسین وجمیل جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہے اس نے خواجہ صاحب سے پوچھا حضرت کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے بتایا میں وہی ہوں جس کی ماں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بیٹی! تیری ماں نے تو تیری بہت ہی بری حالت بیان کی تھی لیکن میں تو تجھے نہایت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ لڑکی بولی کہ حضور میری ماں نے تو صرف مجھے ہی برے حال میں دیکھا تھا جبکہ جس قبرستان میں مجھے دفن کیا گیا تھا اس کے ستر ہزار مرد وعورت میری ہی طرح عذاب الٰہی میں مبتلا تھے لیکن خوش قسمتی سے اس قبرستان میں ایک عاشق رسول پہنچ گیا جس نے چند مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہمیں اس کا ثواب بخش دیا۔ پس اللہ نے رحم فرمایا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف کی برکت سے ہمیں معاف کر دیا، ﷺ

حضرت احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں درود شریف کے عنوان پر اپنی کتاب لکھ رہا تھا دیوار سے پشت لگائے قبلہ رو بیٹھا تھا۔ قلم اور کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا کہ ایسی حالت میں نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ میں ایک خالی زمین میں ہوں جہاں کوئی عمارت وغیرہ نہیں صرف ایک مسجد نظر آئی جس کے باہر تک لوگ جمع تھے جیسے تیسے میں مسجد کے اندر پہنچا لیکن کہیں بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی کہ ایک آدمی نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس کے پاس تھوڑی سی جگہ پر بمشکل بیٹھ گیا۔ میرے

Marfat.com

دائیں طرف ایک نورانی چہرے والا نہایت ہی حسین وجمیل نوجوان تھا جسے دیکھ کر میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اس کا نام ونسب پوچھوں تھوڑی دیر سوچا اور پھر میں نے اس سے کہا اے نوجوان تجھے اللہ اور اس رسول ﷺ کا واسطہ مجھے بتا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا تم میرا نام ونسب پوچھ کر کیا کرو گے لیکن میرے بے حد اصرار اور شوق کو دیکھ کر وہ بولا کہ میرا نام رومان ہے اور میں ایک فرشتہ ہوں اب تو میرا شوق اور بھی بڑھا۔ میں نے پھر اس سے کہا تجھے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا واسطہ مجھے اپنا نام ونسب صحیح صحیح بتا دے وہ بولا میں صحیح بتا رہوں کہ میرا نام رومان اور نسب یہ ہے کہ میں ملائکہ میں سے ہوں۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر پوچھا اس نے پھر یہی جواب دیا اب تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی میں نے پوچھا لیکن آپ ان انسانوں میں کیا کر رہے ہیں انہوں نے کہا یہ جو آپ کو انسان نظر آ رہے ہیں سب ہی فرشتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں وہ بولا کیا ہمیشہ کے لئے میں نے اثبات میں جواب دیا اس نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا تم ہمارے ساتھ بس اتنی ہی دیر رہ سکتے ہو جتنی دیر یہ محفل ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک جن اور جنیہ کے ساتھ کئے دیتا ہوں جب تک چاہو اس کے ساتھ رہنا۔ میں راضی ہو گیا اور سوچا کہ چلو جن کے ساتھ جب تک رہوں گا وہ میری حفاظت کرے گا اور خدمت کرے گا پس اس فرشتے نے دو جنوں کو آواز دی وہ جن اور جنیہ فوراً حاضر ہو گئے اس نے حکم دیا کہ ہمیشہ اللہ کے اس بندے کے ساتھ رہو۔ انہوں نے کہا لیکن اس کی نیت اچھی نہیں یہ ہمارے سہارے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا اور ان پر ظلم کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے نیز یہ قضائے الٰہی کے خلاف ہے مجھے یہ سن کر ان سے نفرت سی ہوئی اور میں نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ میں نے اس فرشتے سے پوچھا کہ اس مجلس میں کون کون سے فرشتے موجود ہیں؟ اس نے بتایا کہ مقربین بارگاہ ملائک میں سے حضرت جبرئیل، حضرت میکائل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں نے اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ آپ مجھے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرا دیں جو میرے آقا ﷺ کے خادم اور عاشق ہیں اچانک محراب کی طرف سے آواز آئی اے اللہ کے بندے میں جبرئیل ہوں میں نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین وجمیل ہیں پس میں نے سلام عرض کیا انہوں نے جواب دیا۔ میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعائے خیر کی میں نے قسم دے کر درخواست کی کہ مجھے آپ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا تیرے سامنے ایک بیہودہ امر آئے گا تو اس سے بچنا اور اللہ کی امانت ادا کرنا۔

پھر میں نے رومان فرشتے سے خواہش ظاہر کی کہ میں حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں فوراً ہی محراب کی طرف سے آواز آئی میں ہوں میکائیل۔ میں ان کے قریب ہوا اور سلام عرض کر کے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت کریں ارشاد ہوا عدل کرو اور عہد پورا کیا کرو مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسرافیل کا سر آسمانوں سے اوپر اور پاؤں ساتویں زمین کے اندر ہیں میں نے جو نظر اٹھائی تو وہ اپنی اصلی صورت میں موجود تھے اور واقعی ان کا سر آسمانوں پر اور پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے۔ میں نے کہا میں آپ کو انبیاء علیہم السلام کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنی پہلی صورت پر آ

Marfat.com

جائیں میں مانتا ہوں کہ آپ ہی اسرافیل ہیں وہ پہلی صورت میں آ گئے میں نے گزارش کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں ارشاد ہوا دنیا کو چھوڑ دو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

پھر میں نے حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنا چاہی تو وہیں سے آواز آئی میں عزرائیل ہوں اور وہ نہایت ہی حسین وجمیل نظر آ رہے تھے میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی۔ میں عرض گزار ہوا اے اللہ کے مقرب فرشتے! جان آپ ہی نکالیں گے پس میں گزارش کرتا ہوں اور آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ پر کچھ نرمی فرمائیں۔ فرمایا ہاں میں نرمی کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آقائے کائنات ﷺ پر بکثرت درود شریف پیش کیا کریں۔ میں نے گزارش کی حضور آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے نصیحت کی فرمایا لذتوں کو توڑنے والی، بچوں کو یتیم کرنے والی بھائی، بہنوں کو جدا کرنے والی (موت) کو یاد رکھا کرو پھر میں بیدار ہو گیا اور میں سب نصیحتوں پر عمل کرتا ہوں بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر لمحہ درود پیش کرتا رہتا ہوں کہ اسی سے سکرات موت آسان ہوں گے۔

حضرت شیخ احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے درود شریف کی جو برکات دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں دوزخ میں ہوں لیکن دوزخ کی آگ کا مجھ پر بالکل اثر نہیں ہو رہا کیونکہ میں درود شریف پڑھ رہا تھا میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جس کا شوہر میرا دوست تھا وہ کہنے لگی اے شیخ! کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں اور میرا خاوند دوزخ کی آگ میں تڑپ رہے ہیں مجھے بہت صدمہ ہوا میں اس عورت کے ساتھ اس مقام پر پہنچا جہاں ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا اور دیکھا کہ ایک ہنڈیا ہے جس میں گندھک کا پانی کھول رہا ہے۔ عورت نے بتایا یہ وہ پانی ہے جو آپ کے دوست کو پلایا جائے گا میں نے کہا آخر میرے دوست کو یہ سزا کیوں ملی حالانکہ وہ تو نیک آدمی تھا اس نے بتایا کہ وہ نیک تھا لیکن حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر دولت جمع کرتا تھا۔

اس کے علاوہ میں نے دوزخ میں سخت آگ کی خندقیں اور وادیاں دیکھیں پس میں نے آسمان کی طرف پرواز کی اور میں آسمانوں کے قریب پہنچ گیا میں نے فرشتوں کی آواز سنی کہ وہ اللہ کی توحید، تقدیس اور تسبیح بیان کر رہے ہیں کسی نے مجھ سے کہا کہ اے شیخ مبارک ہو تم اہل خیر میں ہو میں نیچے ایسی جگہ اترا جہاں وہ عورت کھڑی تھی دیکھا کہ اس کے ساتھ میرا دوست بھی ہے وہ بہت خوش تھا بولا اے شیخ! اللہ نے تمہاری وجہ سے ہماری بخشش کر دی اور درود شریف کی برکت سے نجات عطا فرما دی پھر میں وہاں سے چلا تو ایسی جگہ پہنچ گیا جس سے اچھی جگہ شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ اس میں ایک بالا خانہ تھا جو نہایت عالی شان بلند اور خوبصورت تھا اس میں ایک حسین وجمیل عورت بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ میں نے اس آٹے میں بال دیکھا تو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے اس بال کو آٹے میں سے نکال دے۔ اس نے کہا میں یہ بال نہیں نکال سکتی یہ اللہ ہی نکال سکتا ہے کہ یہ بال تیرے دل میں دنیا کی محبت کا بال ہے تو چاہے تو اسے نکال دے اور چاہے تو رہنے دے اور پھر میں بیدار ہو گیا،

بہر حال:

درود شریف بکثرت پڑھنا دنیا وآخرت کی تمام پریشانیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

Marfat.com

- درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے۔
- درود شریف کی برکت سے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایمان کی گواہی نصیب ہوگی۔
- درود شریف کی برکت سے میدانِ حشر میں رضائے الٰہی نصیب ہوگی اور عرشِ الٰہی کے سایہ تلے پناہ ملے گی۔
- درود شریف کی برکت سے میزان پر اعمالِ صالحہ کا پلہ بھاری ہوگا حوض کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔
- درود شریف کی برکت سے جنت میں بلند مقام حاصل ہوگا۔
- درود شریف کی برکت سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔
- درود شریف کے صلہ میں سو سے زیادہ حاجات پوری کی جاتی ہیں۔
- درود شریف پڑھنے والا ہی قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے قریب تر ہوگا۔
- درود شریف قبر، حشر اور پل صراط پر نور بن کر پیش ہوگا۔
- درود شریف کی کثرت کرنے والے سے اہل ایمان محبت کرتے ہیں اور منافق اس سے دور ہو جاتے ہیں۔
- درود شریف کی برکت سے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت ہونا یقینی ہے اور اگر مزید کثرت اور خلوص سے اس کا ورد کیا جائے تو حالت بیداری میں بھی آپ کی زیارت ممکن ہے۔
- درود شریف پڑھنے والے کو تفکرات، الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات میسر آتی ہے زندگی پرسکون اور اطمینان بخش ہو جاتی ہے۔
- درود شریف بیشتر لا علاج امراض کے لئے تریاق کا اثر رکھتا ہے۔
- درود شریف کی برکت سے رزقِ حلال کی کثرت اور وسعت ہوتی ہے۔
- درود شریف تمام اعمال میں سب سے زیادہ قابل قبول اور ذریعہ نجات ہے۔
- درود شریف قبولیت دعا کا یقینی وسیلہ ہے۔
- درود شریف تمام نفلی عبادات اور جملہ اوراد و وظائف سے افضل ترین عبادت و وظیفہ ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

طریقۂ درود

قرآن کریم نے انوکھے بے نظیر و بے مثال اور نہایت واضح الفاظ میں درود شریف پڑھنے کا اہل ایمان کو حکم دیا ہے نیز ہم کافی احادیث صحیحہ اور واقعات معتبرہ پیش کر چکے ہیں جو درود شریف کے فضائل اور ان کی برکتیں جاننے کے لئے کافی ہیں نیز احکام میں صرف یہی واحد حکم ہے جس کی تعمیل کا کوئی مخصوص طریقہ نہ اللہ نے متعین فرمایا اور نہ ہی شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ تمام ہی عبادات و معاملات کے طریقے مقرر اور متعین ہیں جس کی تفصیل قرآن و

Marfat.com

حدیث میں موجود ہے اور جن سے متعلق تفصیلی مسائل جاننے کے لئے ہم فقہ کے محتاج ہیں لیکن درود شریف پڑھنے کا حکم تو واضح ہے لیکن نہ اس کا کوئی طریقہ متعین ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی مسائل ہیں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مفسرین اور محدثین کا قلم سب سے زیادہ آیت درود ہی کی تفسیر کے موقع پر رواں دواں معلوم ہوتا ہے۔ اس عنوان پر ضخیم کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن کسی میں اس سے متعلق کوئی مسئلہ نہیں مسئلہ ہو کیسے جب اس پر عمل کا کوئی مخصوص طریقہ ہی نہیں ان ضخیم کتابوں کے اوراق صرف درود شریف کے فضائل اور اس کی برکتوں سے مزین و آراستہ ہیں اور ہر مصنف سے یہی پیغام ملتا ہے کہ

''درود شریف کی کثرت دنیا و آخرت کی بھلائی اور ہر قسم کی کامرانی و کامیابی کا ذریعہ ہے نجات اور شفاعت کا وسیلہ ہے۔''

اور کسی طریقہ کا تعین کیا بھی کیونکر جاتا کہ درود تو وہی پڑھتا ہے یا درود کا فیض اسی کو حاصل ہوتا ہے یا درود اسی کا قبول ہوتا ہے جو عاشق ہو اور عشق کسی طریقہ کا پابند نہیں ہوسکتا کہ مظاہرۂ عشق طریقوں کی پابندی کے ساتھ ہو ہی نہیں پاتا۔ بس محبوب کا حکم ہوتا ہے اور محبّ کی طرف سے عاشقانہ انداز میں مستانہ وار تعمیل ہوتی ہے۔ کوئی بھی ادا محبوب کو بھا جاتی ہے تو وہی ذریعہ وصل و قرب بنادی جاتی ہے۔ اسی لئے مقربین بارگاہ کے واقعات میں بس کثرت درود کا ذکر ملتا ہے کسی خاص طریقہ کا نہیں جو جیسے چاہے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرے آزادی ہے کہ کہیں تو آزادی ہونا چاہئے آخر آزادی بھی تو اللہ ہی کی ایک نعمت ہے۔ چاہے بیٹھ کر درود شریف پڑھو یا لیٹ کر چلتے پھرتے پڑھو یا کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر پڑھو یا چھوڑ کر بس پڑھو۔ مقصود اہل ایمان کی زبانوں سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سننا ہے جو رب کو بہت اچھا لگتا ہے مطلوب غلاموں کی طرف سے آقا ﷺ کی محبت کا مظاہرہ کرانا ہے جو رب کریم کی محبت کا ذریعہ ہے ''یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔''

''اللهم صل وسلم علیٰ سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم وعلیٰ اله وصحبه اجمعین۔''

کچھ لوگوں کو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے پر اعتراض ہے معلوم نہیں کیوں ممکن ہے وہ خود معذور ہوں کھڑے نہ ہوسکتے ہوں تو دوسروں کا کھڑا ہونا بھی انہیں اچھا نہ لگتا ہو گمان غالب یہ ہے کہ ایسے لوگ جہالت میں مبتلا ہوتے ہیں یا جان بوجھ کر جاہل بنتے ہیں ورنہ ہم نے تو کہیں نہیں پڑھا کہ کسی حال میں بھی کھڑا ہونا شریعت مطہرہ نے ناجائز یا حرام قرار دیا ہو۔ ہاں بعض حالتوں میں صرف مکروہ تنزیہی ضرور ہے وہ بھی اس لئے کہ خلاف سنت ہے مثلاً کھڑے ہو کر پانی پینے، کھانا کھانے کی ممانعت یا پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت صرف مکروہ ہے نہ حرام ہے نہ ہی ناجائز ہے جبکہ کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا ہمیں تو درود شریف پڑھنے کے طریقوں میں افضل ترین طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادب و احترام اور عقیدت و محبت کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ بہت سے مسائل کا تعلق صرف ادب و احترام سے ہے اور اس کا تعلق انسان کے اپنے جذبہ اور احساس سے ہے مثلاً تلاوت سے قبل قرآن کریم کو بوسہ دینا، قرآن کریم پر کوئی دوسری کتاب نہ رکھنا وغیرہ یا کعبہ اور روضہ مبارکہ کی طرف پیر نہ کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک لینے یا سننے پر انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانا، جن

Marfat.com

مصلوں پر کعبہ شریف، روضہ مبارک یا دیگر قابل احترام مقامات کے نقوش ہوں ان نقوش پر پیر رکھنے سے گریز کرنا، کھانا نیچے رکھا ہو تو اوپر نہ بیٹھنا اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ان تمام باتوں کا تعلق باب الآداب سے ہے جن پر عمل کو صرف مستحب اور افضل ہی قرار دیا جا سکتا ہے فرض یا سنت ہرگز نہیں۔ باادب لوگ ان پر عمل کرتے ہیں بے ادب ان کی پروا نہیں کرتے اسی لئے ان مسائل میں اختلاف بھی زیادہ ہوتا ہے مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر اہل عرب قرآن کریم کے ساتھ ایک عام کتاب جیسا سلوک کرتے ہیں یا کعبہ و روضہ مبارک کی طرف پیر پھیلانے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتی۔ باب الآداب سے متعلق جتنے احکام ہیں ان کی تلقین وتبلیغ تو کی جا سکتی ہے لیکن حکم نہیں دیا جا سکتا نہ ہی ان کے تارکین سے لڑا جھگڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے عاملین پر بدعت، شرک اور کفر کی گولیاں چلائی جا سکتی ہیں۔

کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا تعلق بھی ادب واحترام سے ہے نہ فرض ہے نہ سنت صرف باادب لوگوں کا طریقہ ہے اظہار محبت وعقیدت کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کا حکم دینا اس پر عمل نہ کرنے والوں سے لڑنا جھگڑنا انہیں گمراہ کہنا یا ان پر کفر کا فتویٰ لگانا سخت حماقت اور جہالت ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی نہایت احمق اور جاہل ہیں جو اس مستحب عمل کو بدعت، شرک یا کفر قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے زیر اہتمام مساجد میں انہوں نے اس نیکی کو ممنوع قرار دے رکھا ہے اور جن مساجد میں یہ عمل ہوتا ہے ان میں وہ فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں قتل وغارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے کس قدر افسوسناک یہ صورت حال ہے ہم نے سنا کہ کسی مسجد میں ایک شخص نے اقامت میں ''اشهد ان محمدًا رسول الله'' سنا تو انگوٹھوں کو بوسے دے کر آنکھوں سے لگالیا برابر بیٹھے صاحب نے فوراً کہا یہ شرک ہے۔ اس نے کہا تو کیا میں مشرک ہوں بات اتنی بڑھی کہ لوگ نماز چھوڑ کر اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے امام صاحب نے حکم دیا اس بدعتی کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دو اب کیا تھا نمازیوں کا رخ بجائے کعبہ کے اس مظلوم کی طرف تھا خوب مار پیٹ ہوئی اور بالآخر اسے مسجد سے نکال دیا کتنے جاہل تھے یہ لوگ ایک مستحب کام کو روکنے کے لئے کتنے ہی گناہ کر ڈالے اور تقویٰ وپرہیزگاری کا دعویٰ اپنی جگہ برقرار رہا۔

بہرحال امت میں انتشار وافتراق کا سبب صرف جہالت ہے اور اس کے ذمہ دار وہ افراد ہیں جو جاہلوں کا ساتھ دیتے ہیں جبکہ کسی طبقہ کے اہل علم بھی اسے پسند نہیں کرتے اور نہ ہی کسی نے امور مستحبہ کو فرض وواجب یا ناجائز وحرام لکھا ہے کہ نہ تو فرض وواجب کی کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ناجائز وحرام کی۔ ہاں ایسے امور کو ''اصل الاشياء الاباحة'' کے اصول کی بناء پر صرف جائز اور مستحب ہی کہا جا سکتا ہے اور ان امور پر لڑنا جھگڑنا، قتل وغارت کرنا، فتنہ وفساد پیدا کرنا یقیناً ناجائز وحرام ہے لہٰذا جو لوگ خصوصاً بعد نماز جمعہ مساجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں وہ بڑے شوق سے پڑھیں اور جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں ہرگز اپنے ساتھ شامل کرنے یا مسجد سے نکل جانے پر مجبور نہ کریں اسی طرح اللہ کے ذکر کے اس طریقہ پر کسی مسجد میں پابندی عائد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے والے ظالم ہیں'' وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں مساجد کی آبادی صرف چار فرض پڑھ لینے

Marfat.com

سے نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت بارونق اور پر بہار ہوتی ہیں جبکہ ان میں اللہ کے ذکر کے دیگر طریقوں کو بھی اختیار کیا جائے۔ درس قرآن وحدیث ہو محافل میلاد و گیارہویں ہوں دیگر مقدس ایام پر علماء کرام کی تقاریر یہ ہوں اظہار محبت وعقیدت کے لئے عوام کی کشش کے لئے ان پر چراغاں اور روشنی ہو صلوٰۃ وسلام ہو کہ یہی اللہ کی مساجد کا صحیح مصرف ہے اس سے روکنے والے بڑے ہی ظالم ہیں اللہ ہدایت دے، آمین۔

الفاظ درود

یہی صورت حال درود شریف کے الفاظ اور جملوں کی ہے بعض لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہر موقع پر صرف درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صرف اسی کو پڑھنے کی تعلیم دی ہے جبکہ یہ خیال بھی بالکل لغو ہے کم علمی یا جہالت کی پیداوار ہے یا خواہ مخواہ امت مسلمہ میں افتراق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کہ درود شریف کی روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرنا آپ کا نہایت ادب واحترام کے ساتھ ذکر مبارک کرنا ہے لہٰذا کوئی بھی ایسے الفاظ اور جملے استعمال کرنا جن سے یہ مقصد حاصل ہو ہرگز ہرگز قابل اعتراض قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس طرح درود شریف پیش کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی متعین اور مخصوص نہیں رہا معاملہ درود ابراہیمی کی عظمت وفضیلت اور حدیث شریف میں اس کے مذکور ہونے کا تو اس سے نہ کبھی کسی نے انکار کیا ہے اور نہ ہی انکار کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے افضل ترین عبادت نماز میں اس افضل ترین درود پڑھنے ہی کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی موقع اس کے لئے موزوں ترین ہے کہ اس طرح اس کی حفاظت بھی یقینی ہے کہ کوئی اور درود شریف یاد ہو یا نہ ہو لیکن یہ درود ابراہیمی ضرور یاد ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ ہی بچوں کو یاد کرا دیا جاتا ہے نیز یہی طریقہ اس کے بکثرت پڑھے جانے کا ہے کہ دیگر درود شریف تو صرف محافل میں نمازوں کے بعد یا بطور اوراد ووظائف پڑھے جاتے ہیں گویا انہیں مخصوص لوگ ہی جانتے اور پڑھتے ہیں مثلاً آپ کتنے لوگ ایسے بتا سکتے ہیں جنہیں درود تاج یاد ہو اور وہ اسے روزانہ چند مرتبہ بھی پڑھتے ہوں لیکن درود ابراہیمی تو ہر نماز کے اختتام پر پڑھا جاتا ہے چاہے وہ فرض ہو سنت ہو یا نفل نماز ہو سوچ لیجئے دن رات میں یہ کتنا پڑھا جاتا ہوگا۔

علاوہ ازیں درود ابراہیمی بھی ایک نہیں، ایک تو صرف ان لوگوں کو یاد ہے جو ساری زندگی کے لئے اپنی ماں یا دادی کی یاد کرائی ہوئی نماز پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بس یہی سب کچھ ہے حالانکہ احادیث مبارکہ میں درود ابراہیمی کے لئے بھی متعدد الفاظ اور جملے منقول ہیں جنہیں اہل علم جانتے ہیں اور نمازوں میں پڑھتے ہیں تو بتایئے کہ صرف ایک درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود درود ابراہیمی کے علاوہ دوسرے درود تعلیم فرمائے جس کا مقصد امت کو یہی تلقین کرنا تھا کہ کسی مخصوص درود شریف پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہمارے دربار عالی میں اچھے اچھے، پیارے پیارے موتیوں جیسے چمکدار الفاظ کی لڑیاں پرو کر پیش کی جائیں۔ جن سے غلاموں کی عقیدت، محبت اور ادب واحترام کا بھرپور اظہار ہو سکے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے متعدد درود شریف خود مرتب فرمائے

Marfat.com

اور ان کی تعلیم دی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ صحابہ کے مختلف درود شریف نقل کئے ہیں جو اپنے الفاظ اور جملوں کے اعتبار سے واقعی چمکتے موتیوں کی لڑیاں نظر آتے ہیں۔

اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل نے یہ واضح کیا کہ درود شریف کے الفاظ و جملے عشاق جو چاہیں استعمال کر سکتے ہیں لہٰذا تابعین، تبع تابعین اور اسلاف نے عشق ومحبت کے سمندر میں خوب خوب غوطہ زنی کی اور نہایت قیمتی اور حسین موتیوں کا ایک خزانہ ہم گناہ گاروں کے لئے جمع کر دیا بیشک ہم اس بیش بہا خزانہ کے وارث ہیں ہم اگر اس سے فیض حاصل نہ کریں تو یہ ہماری کتنی بڑی محرومی اور بدنصیبی ہوگی اس موقع پر میں ایک عظیم گنجینہ درود کا تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں جو بلاشبہ امت مسلمہ کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور اہل علم وعمل کے لئے دنیا وآخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ ہے اور وہ ہے۔

دلائل الخیرات شریف

اس کے مؤلف ہیں ولی کامل قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الحسنی الجزولی السملالی الشاذلی المالکی رحمۃ اللہ علیہ ۸۰۷ھ میں لیبیا کے مشہور شہر سوس میں پیدا ہوئے۔

حسنی کہلائے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے۔

جزولی کہلائے کہ افریقہ کی بربر قوم کے ایک بڑے قبیلہ جزولہ سے تعلق تھا۔

سملالی کہلائے کہ قبیلہ جولہ کی شاخ سملالہ سے تعلق تھا۔

شاذلی کہلائے کہ سلسلہ شاذلیہ سے روحانی وابستگی تھی اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ میں سے تھے۔

مالکی کہلائے کہ مسلکاً فقہ مالکیہ کے پیروکار تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل پر عامل تھے۔

شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے مراکش کے شہر فاس میں تعلیم حاصل کی جہاں آپ کی رہائش کا کمرہ آج تک محفوظ ہے۔ علوم ظاہری سے فارغ ہو کر شیخ محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے علوم باطنی حاصل کئے۔ چودہ برس روحانی تربیت کے لئے خلوت میں ریاض ومجاہدہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت کا بلند مرتبہ عطا فرمایا تقریباً بارہ ہزار چھ سو پینسٹھ افراد بحیثیت مرید آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔

آپ کی وفات یکم ربیع الاول ۸۷۰ھ کو نماز فجر ادا کرتے ہوئے دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں ہوئی۔ جامع مسجد سوس کے صحن میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ ستر سال بعد مراکش کے شہنشاہ نے آپ سے بے پناہ عقیدت ومحبت کی بناء پر آپ کا جسد مبارک سوس سے مراکش منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے جب آپ کی ستر سالہ پرانی قبر انور کو کھودا گیا تو جسم اطہر بالکل تر وتازہ نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سو رہے ہیں داڑھی اور سر کے بال بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ ابھی کسی نے آپ کا خط بنایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے ہمت کی اور جسم مبارک کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ خون بھی اسی طرح جاری ہے جیسے زندہ جسم میں ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں کے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ انہیں یقین کامل تھا کہ اللہ

Marfat.com

قادر مطلق ہے اور وہ زندنبی کے صدقہ میں ان کے عشاق کے جسموں کو بھی زمین کی خرد برد اور اس کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے بہر حال آپ کو مراکش لے جا کر وہاں کے مشہور قبرستان ریاض العروس میں دفن کیا گیا۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت ہی حسین و شاندار ہے جہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے جو آپ کے مرتبہ مجموعہ دلائل الخیرات شریف کی تلاوت سے محفوظ ہوتے رہتے اور آپ کے فیوض و برکات ان کی میزبانی کرتے ہیں۔ قبر انور سے کستوری کی مہک پھیلتی رہتی ہے جس کا احساس آنے والوں کو دور سے ہی ہو جاتا ہے اور وہ درود شریف کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کا عظیم کارنامہ امت مسلمہ کو درود شریف کا بیش بہا خزانہ یعنی دلائل الخیرات شریف عطا کرنا ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور ہم پر بھی آپ کے فیوض و برکات جاری فرمائے۔

دلائل الخیرات شریف ایک عام کتاب نہیں جو مصنف نے اپنی شہرت اور مفاد کے لئے لکھ دی ہو نہیں بلکہ مؤلف نے مدتوں خود اس کا ورد کیا اور الفاظ کو چمکتا دمکتا موتی بنا کر قرطاسِ ابیض پر جڑا یہ ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اس بیش قیمت خزانہ کا وارث بنایا۔ جو متلاشیان حق سے راستہ کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے جو طالبان عرفان کو ان کی منزل سے قریب کرتا ہے۔ عاشقان صادق کو وصل محبوب کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے جو دنیاو آخرت کی فلاح و بہبود کا وسیلہ ہے۔ بلند درجات تک رسائی کا زینہ ہے اس کا ورد کرنے والوں کے چہرے پرنور ہو جاتے اور دل حلاوتِ ایمان سے لبریز ہو جاتے ہیں ان کے دن یاد مصطفیٰ ﷺ میں گزرتے ہیں اور راتیں دربار مجتبیٰ ﷺ میں بسر ہوتی ہیں وہ ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اللہ اور رسول کی یاد میں مست رہتے ہیں ہر قسم کے خوف و ڈر اور حزن و ملال سے آزاد ہو جاتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے خزانوں کا مالک کیا وہ انہیں اپنے خزانوں کا مختار بنا دیتے ہیں ان کے محبوب کے بھکاری ان کے در پر جھولیاں پھیلاتے اور مرادیں پاتے ہیں غرضیکہ درود شریف کی تمام برکتیں اس مجموعہ درود میں موجود ہیں خوش نصیب ہیں اور قابل احترام ہیں قابل رشک ہیں قابل تقلید ہیں وہ جو اس مجموعہ متبرکہ کا ورد کرتے ہیں اور بلند مراتب پاتے ہیں۔

ہم شکر ادا کرتے ہیں اور ہر عاشق رسول کو شکر گزار ہونا چاہئے اس ولی کامل کا جس نے دریائے رحمت کی یہ نہر ہم تک پہنچائی۔ ''فجزاه الله عنا جزاء الخير'' اللہ ان پر تا قیامت اپنی انوار و تجلیات کی بارش برساتا رہے اور ہمیں اس نہر سے سیراب ہونے کی توفیق بخشے آمین۔

دلائل الخیرات شریف کا پورا نام ''دَلَائِلُ الْخَيْرَاتِ وَشَوَارِقِ الْاَنْوَارِ فِيْ ذِكْرِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام'' ہے اس کی تالیف کا سبب ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے شہر فاس کے ایک گاؤں میں پہنچے دوران سفر ہی میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ پانی کی تلاش میں وقت نماز تنگ ہوتا جا رہا تھا بالآخر ایک کنواں ملا لیکن مشکل یہ پیش آ گئی کہ پانی نکالنے کے لئے ڈول، رسی کچھ نہ تھا۔ آپ پریشان کھڑے سوچ رہے تھے کہ پانی حاصل کرنے کی کیا تدبیر کی جائے کہ اچانک

Marfat.com

ایک آٹھ یا نو سالہ بچی کی آواز سنائی دی آپ کون ہیں اور اس قدر کیوں پریشان ہیں؟ فرمایا میں شیخ جزولی ہوں سخت پریشان ہوں نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے سب کو وضو کرنا ہے بیٹی! ہماری مدد کرو ڈول اور رسی لا دو تا کہ ہم پانی نکال کر وضو کر لیں۔ بچی دوڑی ہوئی قریب آئی بولی آپ تو بہت بڑے شیخ اللہ کے ولی ہیں میں نے آپ کی نیکیوں کا بہت چرچا سنا ہے۔ حیرت ہے ایک معمولی ضرورت آپ پوری نہیں کر پا رہے بچی کنوئیں کے قریب گئی اور اس میں تھوک دیا۔ آناً فاناً کنواں چشمہ بن گیا پانی اوپر تک آکر بہنے لگا۔ حضرت شیخ پسینہ میں شرابور ہو گئے غلام انگشت بدنداں رہ گئے جیسے تیسے سب نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ شیخ نے بچی کو اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو ہم نماز پڑھ لیں پھر تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ سب نے وضو کیا نماز پڑھی خوب پانی سے سیراب ہوئے (حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پانی سے صرف ایک مرتبہ وضو کیا اور راہ حق کے مسافر تا قیامت اس سے اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے اپنے گناہوں کو دھوتے رہیں گے اور منزل تک پہنچتے رہیں گے)۔

فارغ ہو کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بچی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹی! اللہ تمہیں جزائے خیر دے کہ تم نے نماز قضاء ہونے کے گناہ سے ہمیں بچا کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم مجھے یہ بتا دو کہ اس عمر میں تمہیں یہ بلند مرتبہ و مقام کس عمل سے حاصل ہوا۔ بچی شرمندہ ہو کر بولی ایسا نہ کہیے میرے پاس نہ تو کوئی مرتبہ ہے نہ مقام۔ میں تو بکریاں چرانے والی ایک دیہاتی لڑکی ہوں ہاں یہ صدقہ اس آقا ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھنے کا ہے جس کے دامن رحمت میں صرف انسانوں ہی کو نہیں وحشی جانوروں کو بھی پناہ نصیب ہوتی ہے میں سارا دن بکریاں چراتے ہوئے اپنے اسی آقا ﷺ پر درود شریف پڑھتی رہتی ہوں انہوں نے بھی ایک موقع پر کنوئیں میں اپنا لعاب مبارک ڈال کر اس سے اپنے غلاموں کو سیراب کیا تھا میں نے انہی کی سنت پر عمل کیا اور ان ہی کے دریائے رحمت سے آپ سب سیراب ہوئے ہیں، صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے مجرب درود شریف کتابی شکل میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا اور "دلائل الخیرات شریف" کی صورت میں ہمیں یہ خزانہ بخشا۔ آپ نے اس بچی کا بتایا ہوا درود شریف بھی اس کتاب کے ساتویں جز میں شامل کیا ہے اسے صلوٰۃ البیر کہا جاتا ہے مختصر لیکن بے حد مؤثر و مفید ہے ہو سکے تو آپ بھی یاد کر لیجیے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً دَآئِمَةً مَّقْبُوْلَةً تُؤَدِّيْ بِهَا عَنَّا حَقَّهُ الْعَظِيْمَ○

اے اللہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر ایسا درود بھیج جو ہمیشہ باقی رہے اور مقبول ہو کہ ادا فرما دے تو اس کے سبب ہماری طرف سے اس کے حق عظیم کو۔

مندرجہ بالا واقعہ ان میں سے ایک ہے جنہیں واقعاتِ دعوت کہتے ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے تاکہ انہیں دیکھنے والے، سننے اور پڑھنے والے اپنا ایمان تازہ کریں اور ان اعمال کو اختیار کریں جو ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا باعث یا سبب قرار دیا گیا۔ اللہ دعوت الی الحق کے لئے جسے چاہتا ہے پسند فرما لیتا ہے چاہے وہ

Marfat.com

بچی ہو یا بچہ، مرد ہو یا عورت، امت مسلمہ کو ایک نعمت عظمٰی سے سرفراز فرمانا مقصود تھا جس کے لئے ایک بچی کو وسیلہ بنادیا گیا کہ اگر یہ واقعہ شیخ جزولی کو پیش نہ آتا تو شاید ہمیں یہ عطیۂ الٰہی نصیب نہ ہوتا ہے، فالحمد للّٰہ رب العلمین۔

دلائل الخیرات شریف کے علاوہ بہت سے مختصر اور سہل درود شریف ہیں جو ہمیں ہمارے اسلاف نے بخشے صرف درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنا قناعت نہیں بلکہ کفران نعمت کا ارتکاب ہوگا اور بڑی ہی محرومی ہوگی۔ ہم قارئین کے استفادہ کے لئے چند درود شریف پیش کرتے ہیں ہو سکے تو ان سب کو مختلف اوقات یا کسی ایک کو کسی بھی نماز کے بعد اپنا ورد بنا لیجئے اور ہمارے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں بھی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ساری زندگی درود پیش کرتے رہنے کی توفیق بخشے۔

اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف علماء ومشائخ پر جو ساری زندگی سمندرِ علم میں غوطہ زنی کرتے رہے اور ہمیں علم وعرفان کے ایسے ایسے موتی بخش گئے جن سے ہمارا ایمان چمک اٹھتا اور قلب روشن ومنور ہو جاتا ہے۔ لیجئے ایک موتی آپ بھی لے لیجئے۔ حضرت الشیخ محمد بن علی نازلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خزینۃ الاسرار شریف میں لکھتے ہیں کہ:

درود شریف کی چار ہزار قسمیں ہیں اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر درود شریف امت مسلمہ کی کسی نہ کسی جماعت میں بے حد پسندیدہ ہے کیونکہ وہ آقا ﷺ اور غلاموں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے اور انہوں نے اس میں بے شمار اسرار ورموز، خواص اور منافع پائے ہیں جبکہ درود شریف کے ذریعہ حصول مقاصد اور مصائب و آلام سے نجات کا تجربہ عام ہے۔

ہمیں عمر نوح بھی نصیب ہو جائے تب بھی شاید ان بارہ ہزار درودوں تک ہماری رسائی نہ ہو سکے کہ یہ تو اہل اللہ ہی کا مقدر ہے ہمیں جو کچھ اپنے بزرگوں سے نصیب ہو سکا اگر قبول ہو جائے تو کافی ہے۔ بہرحال اپنے خزانہ کے چند موتی آپ کے لئے پیش ہیں۔

چند درود شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

یہی وہ درود مقدس ہے جو مجھے میرے پیر ومرشد کامل حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بخشا۔

میرے استاد مکرم غزالی دوران شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے قضائے حاجات کے لئے درج ذیل نسخہ کیمیا مرحمت فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا

Marfat.com

مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ۔

میرے والد محترم شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ درج ذیل درود تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

چند دیگر علماء و مشائخ جو درج ذیل درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔

قطب مدینہ منورہ حضرت شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدینہ منورہ درجہ ذیل درود شریف بکثرت پڑھتے تھے اور اپنے مریدین زائرین کو اسی کے ورد کی تلقین فرماتے تھے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

ہمارے اکثر ہمعصر علماء کرام کا ورد بھی یہی درود شریف ہے۔

اب چند دیگر نہایت ہی مفید و مؤثر درود شریف ملاحظہ ہوں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا ومولانا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا۔ بِقَدْرِ عَظْمَةِ ذَاتِكَ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ وَّحِيْنٍ۔

(اس درود شریف کا ثواب ایک ہزار درود کے مساوی ہے)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ عَدَدَ مَا عَلِمْتَ وَزِنَةَ مَا عَلِمْتَ وَمِلْءَ مَا عَلِمْتَ۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النُّوْرِ الذَّاتِيِّ وَالسِّرِّ السَّارِيْ فِيْ سَائِرِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْحَبِيْبِ الْعَالِي الْقَدْرِ الْعَظِيْمِ الْجَاهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

....

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِیْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ.

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً وَّسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَائِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِیْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّنَفَسٍ م بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ يَااَللّٰهُ.

اسلاف کے تجربہ کے مطابق یہ درود شریف نہایت ہی مفید و مؤثر ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے غم واندوہ اور پریشانیوں کو دفع فرما دیتا ہے۔ دنیا وآخرت کے بلند مراتب عطا فرماتا ہے۔ رزق کی کشادگی کر دیتا ہے ہر قسم کے حوادث و مصائب سے آزاد کر دیتا ہے۔ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت اور عزت پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو پڑھ کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھا جائے یا روزانہ اکتالیس مرتبہ یا سو مرتبہ پابندی سے پڑھا جائے اور کسی اہم ضرورت کے لئے چار ہزار، چار سو، چوالیس بار پڑھا جائے۔ اللہ توفیق دے تو پابندی سے اس کا ورد کیجئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِی الْحَيَاةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ يَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَيَامُجِيْبَ الدَّعْوَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌO

اس درود شریف کے متعلق ولی کامل شیخ صالح موسیٰ الضریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا اچانک اتنا خطرناک طوفان آیا کہ کسی کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہ رہی۔ لوگ بدحواس ہو گئے اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور تقریباً میں سو گیا کہ نبی رحیم و کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مسافروں سے کہو کہ وہ ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھیں۔ میں بیدار ہوا اور تمام مسافروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عطا کردہ یہ نسخہ کیمیا بتایا اور ہم سب مل کر یہ درود شریف پڑھنے لگے۔ ابھی تین سو مرتبہ ہی پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے مصیبت کو دور کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ.

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں لکھتے ہیں کہ اس مبارک درود کو سو مرتبہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سو حاجتیں پوری فرماتا ہے۔ جن میں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی ہوں گی۔

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس مسلمان کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو وہ اس درود شریف کو اپنی دعا میں پڑھے تو بلاشبہ یہ طہارت قلب کا ذریعہ بنے گا اور مؤمن تو اس وقت تک سیر نہیں ہوتا جب تک وہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِهٖ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِهٖ فِی الْقُبُوْرِ۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ پر ان الفاظ سے درود پڑھا اسے خواب میں میری زیارت نصیب ہوگی اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بروز قیامت مجھے ضرور دیکھے گا اور جس نے مجھے قیامت کے دن دیکھا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا اور اللہ اس کے لئے جہنم کی آگ حرام کر دے گا۔

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث شریف کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا اور سونے سے پہلے اس کا وظیفہ کیا اور سو گیا۔ میں نے خواب میں اپنے آقا ﷺ کا نورانی چہرہ چاند کی صورت میں دیکھا مجھے آپ سے شرف کلام بھی نصیب ہوا اور پھر یہ حسین چہرہ چاند میں چھپ گیا۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ مجھے ان بقیہ انعامات سے بھی سرفراز فرمائے جن کا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس حدیث پاک میں وعدہ فرمایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَ فِی الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسجد شریف میں رونق افروز تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا'' سلام ہو تم پر اے بلند عزت والے اور وسیع کرم والے'' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا حاضرین کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کون خوش نصیب ہے جسے اتنا اعزاز بخشا گیا۔ پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ شخص مجھ پر ایسا درود شریف پڑھتا ہے جو آج تک اس سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا پھر آپ نے مذکورہ بالا درود شریف سنایا۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ صَلَاةً دَائِمَةً بِدَوَامِ مُلْكِ اللّٰهِ۔

Marfat.com

اسے ''صلوٰۃ سعادۃ'' کہا جاتا ہے بقول بعض مشائخ کرام یہ چھ لاکھ درود شریف کے مساوی ہے ہر جمعہ کو اسے ہزار بار پڑھنے کا بے حد ثواب بیان کیا گیا ہے۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ عَدَدَ کَمَالِ اللّٰهِ وَکَمَا یَلِیْقُ بِکَمَالِهٖ۔

یہ درود صوفیاءِ کرام میں درود کمالیہ کے نام سے مشہور ہے جس کا ثواب چودہ ہزار کے مساوی بیان کیا جاتا ہے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ یا سو بار پڑھا جائے۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ عَدَدَ اَنْعَامِ اللّٰهِ وَاَفْضَالِهٖ۔

شیخ احمد الصادی المصری کے ارشاد کے مطابق اس درود شریف کی برکت سے دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اسے صلوٰۃ الانعام کہا جاتا ہے۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِهَا وَعَافِیَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِهَا وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اس کو پڑھنا امراض سے نجات کا ذریعہ ہے زعفران سے لکھ کر مریض کو گیارہ دن پلایا جائے یا کسی درد کی جگہ پر دم کیا جائے انشاء اللہ شفا ہوگی۔

درج ذیل اشعار ہمارے رفیق خلوت اور سکون و سرور کا ذریعہ ہیں جنہیں ہم اکثر گنگناتے رہتے ہیں:

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے مخلوق میں سب سے زیادہ مہربان اور کرم کرنے والے میرے لئے کون ہے۔ آپ کے سوا جس کی پناہ لوں حادثوں اور بلاؤں کے پہنچنے کے وقت۔

وَلَنْ یَّضِیْقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُکَ بِیْ اِذَا الْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

میری شفاعت کرنے کے وقت حضور کا مرتبہ کم نہ ہوگا جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اسم منتقم کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

Marfat.com

تو بیشک دنیا و آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے آپ کے علوم میں سے لوح و قلم ایک علم ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

یانفسِ لَا تَقْنَطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ اِنَّ الْکَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ کَاللَّمَمِ

اے نفس! جسم کے بڑے گناہوں کی وجہ سے نا امید نہ ہو بخشش کے سامنے کبیرہ گناہ چھوٹے ہوتے ہیں۔

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُهَا تَاتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقَسَمِ

امید کامل ہے کہ جب اللہ کی رحمت تقسیم ہوگی تو گناہوں کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہوگی۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

ہم نے یہ چند درود شریف پیش کر دیئے جو اپنے الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہیں لیکن تاثیر و افادیت کے اعتبار سے نہایت ہی مؤثر اور مفید ہیں اہل ذوق انہیں بآسانی یاد بھی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے بارہ ہزار درود تو ایک جگہ جمع کر دینا ممکن نہیں۔ ہاں ان سب سے افضل و اعلیٰ پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ درود تاج ہے جسے ہر فاتحہ کے آخر میں پڑھئے یا ہر نماز کے بعد سات مرتبہ بالخصوص نماز فجر کے بعد گیارہ مرتبہ اس کی تلاوت نہایت ہی مفید ہے۔ تقریباً وظائف کی تمام ہی کتابوں میں موجود ہے۔ اب آپ غور فرمایئے ان حسین و جمیل گلدستوں کی مہک سے محروم رہنا بد ذوقی نہیں تو اور کیا ہے جبکہ درود ابراہیمی کو اس کا اصل اور اعلیٰ ترین مقام نماز پہلے ہی حاصل ہے۔ پس یہ اصرار کہ ہر موقع پر صرف اسی کو پڑھا جائے یقیناً بے جا ہے۔ ہم سنت رسول کو ترک کرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلاف کی سنت بھی درحقیقت سنت رسول ہے جس پر عمل سنت رسول پر عمل کا وسیلہ ہے۔ اللہ ہمیں دین کو کماحقہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقاماتِ درود

اب ہم مختصراً ان مقامات کا بھی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جہاں درود شریف پڑھنا نسبتاً افضل مستحب اور بہتر ہے لیکن اس سلسلے میں بھی وہ بات ذہن میں رہے جو ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ درود شریف ہی وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں مقامات درود کے سلسلے میں بھی یہی صورت ہے کہ اس کے لئے کسی مخصوص مقام کا تعین نہیں چاہے آپ گھر میں اس کا ورد کریں یا گلی کوچوں اور بازاروں میں پہاڑ کی چوٹی پر یا سمندر کی تہہ میں کوئی پابندی نہیں لیکن چند اوقات اور مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنا افضل و بہتر ہے ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے نبی پر درود شریف پیش کرتے ہیں تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے وبال ہوگی چاہے تو اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت میں وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت ہوگی

Marfat.com

وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں گے تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں حسرت وندامت رہے گی۔

بعض روایات کے مطابق جس محفل کی ابتداء اور اختتام حمد وثناء اور صلوٰۃ وسلام سے ہو اللہ تعالیٰ اس مجلس میں کئے گئے فیصلے اس میں بنائے گئے پروگراموں پر عمل کو سہل فرما دیتا ہے اور اہل مجلس کو کامیاب وکامران کرتا ہے۔

ان ہی احادیث کے مطابق بحمد اللہ اہل سنت و جماعت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی ہر محفل کی ابتداء قرآن کریم کی تلاوت اور نعت رسول اللہ ﷺ سے ہی کرتے ہیں کہ نعت شریف چاہے عربی میں ہو یا فارسی میں اردو میں ہو یا کسی بھی زبان میں، درود شریف کی بہترین قسم ہے جس سے سامعین محظوظ ہوتے ہیں ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے ان کے دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد سے بے چین ہونے لگتے ہیں۔ نیز آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ ہر نعت شریف سے قبل درمیان میں اور آخر میں وہ درود شریف بھی پڑھے جاتے رہتے ہیں جو اسلاف نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔ یہ محافل چاہے سیاسی نوعیت کی ہوں یا مذہبی محافل میلاد ہوں یا اولیاء کرام کے عرس کی محفلیں ہوں یا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے جلسے ہوں غرضیکہ ہمارا معمول ہے کہ ہم اپنی ہر قسم کی محافل کی ابتداء اور ان کا اختتام حمد وثناء اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف پیش کرنے سے کرتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے ان محافل پر بھی شرک وبدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں جس سے ان کا مقصد شاید دین کے کاموں میں خلل پیدا کرنا ہو یا تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنا ہو لیکن باوجود سخت کوششوں کے بحمد اللہ آج تک وہ کسی ایک محفل کو بھی بند کرانے میں نہ کامیاب ہو سکے ہیں اور نہ ہی کامیاب ہو سکیں گے۔ امت مسلمہ کو ثواب سے محروم کرنے کی کوشش کرنے والے یہ لوگ کس قدر ظالم ہیں کہ اپنے وقت اور دیگر وسائل کو نیک کاموں میں صرف کرنے کی بجائے انہیں روکنے میں صرف کرتے ہیں اللہ ہی انہیں ہدایت دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ''اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰي عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا'' جب تم موذن سے اذان سنو تو اذان کے جملے دہراؤ اور پھر مجھ پر درود شریف پیش کرو کیونکہ جو مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اذان کے وقت باتوں اور کاموں کو چھوڑ کر صرف مؤذن کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اور جو کلمات اذان مؤذن کہے انہیں دہرانا چاہئے۔ دوسری حدیث میں ہے جب مؤذن ''حي علی الصلوۃ'' اور ''حي علی الفلاح'' کہے تو تم کہو ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' اس کے بعد درود شریف پڑھا جائے اور دعا کی جائے جو بمطابق احادیث صحیحہ اذان کے بعد کے لئے متعین ہے۔

ظاہر ہے دعا تو ہاتھ پھیلا کر ہی مانگی جاتی ہے لیکن اللہ کے بندے اس کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں۔ اختتام دعا کا جملہ نہایت ہی اہم ہے ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' اے اللہ! قیامت کے دن ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب فرما۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن افسوس کہ اس اہم حصہ دعا

Marfat.com

سے بھی اہل ایمان کو محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سعودی ٹیلی ویژن سے کبھی آپ نے اذان اور اس کے بعد دعا سنی ہوگی اس میں یہ آخری جملہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ کس قدر جرأت ہے کہ ایک تو کھلم کھلا مسنون طریقہ کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ دوسری شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کا عملی طور پر انکار کیا جاتا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور جب ہم ایسا کرنے والوں پر شرعی فتویٰ لگاتے ہیں تو الٹا ہم ہی پر امت مسلمہ میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کا الزام دھر دیا جاتا ہے۔ مکر وفریب کی انتہا ہے چور خود ہی چور چور پکار کر دوسروں کو چور بنا دیتا ہے۔

خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا کہ ''اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلَیَّ وَسَلَّمَ'' جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود وسلام پڑھے پھر اس طرح دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے اور ''اِذَا خَرَجَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ'' اور جب کوئی مسجد سے نکلے تو مجھ پر درود شریف بھیجے اور اس طرح دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ'' اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور مجھ پر اپنا فضل وکرم فرما۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دعا میں جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

اسی لئے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں آئمہ کرام اختتام دعا پر آیت درود پڑھتے ہیں اور سب مل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عاجزانہ طور پر ہدیہ درود شریف پیش کرتے ہیں اس عمل سے تمام حاضرین کو اس میں شرکت کا موقع مل جاتا ہے کوئی نہیں بھولتا اور کسی کی دعا زمین وآسمان کے درمیان معلق نہیں رہتی۔ یہ عمل نہ خلاف شرع ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خرابی نظر آتی لیکن کہنے والے اس کو بھی بدعت کہتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ یہ بدعت ہے تو ہر بدعت ہرگز گمراہی اور ضلالت نہیں ہوتی۔ شرعاً بدعت حسنہ پر عمل کی اجازت ہے اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ اس کا ثواب اس بزرگ کو بھی پہنچتا رہے گا جس نے روز اول اس کو جاری کیا۔ جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے پابندی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح کی بدعت حسنہ جاری فرمائی۔ امت بالاتفاق اس پر عامل ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھے اور کوئی بیس رکعت لیکن بہر حال عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر ہی ہوتا ہے جو یقیناً باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا قریب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رونق افروز تھے جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے میں نے اللہ کی حمد وثنا کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہدیہ درود وسلام پیش کیا پھر میں اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ''سَلْ تُعْطَی'' مانگ تجھے دیا جائے گا یعنی درود شریف کی برکت سے تمہاری ہر دعا قبول ہوئی۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس نمازی نے اتنی آواز سے یہ عمل کیا تھا کہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سماعت فرمایا اور قبولیت دعا کا مژدہ دیا۔ اسی لئے ہم اہلسنت وجماعت کا بھی یہی معمول ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں اور باآواز بلند کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله'' کے محبوب ترین الفاظ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں جو لوگ اس سے بھی منع کرتے ہیں اور خود بھی عمل نہیں کرتے بلکہ اس عمل خیر سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ ذکر ہی کے دوران صف سے نکل کر اپنی نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں یا مسجد سے ہی چلے جاتے ہیں اللہ ان پر رحم کرے وہ یہ حدیث شریف غور سے پڑھیں۔ جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے محبوب آقا ﷺ کے گرد مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور بس دعا کرنے لگا ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم نے بڑی ہی جلد بازی سے کام لیا (پھر آپ نے اپنے غلام کو طریقہ دعا تعلیم فرمایا تا کہ ہم بھی اس پر عمل کریں آپ نے فرمایا) جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد وثناء کرو مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ اتنے ہی میں ایک اور صاحب آ گئے انہوں نے بھی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر وہ بیٹھے اللہ کی حمد وثناء کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجا اور پھر دعا کی تو آقا ﷺ نے فرمایا ''اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ'' اے نمازی! دعا کرو تیری دعا قبول ہوگی۔

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں جن سے نماز کے بعد باآواز بلند ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا ثابت ہے اگر کوئی لاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس عمل خیر کے ثواب سے محروم ہو رہا ہو تو اس کے لئے یہی کچھ کافی ہے جو آپ نے پڑھ لیا اور ضد وہٹ دھرمی کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں۔

آخر میں عشق ومحبت سے پُر ایمان افروز ایک واقعہ اور ملاحظہ فرما لیجئے پھر ہم مجبوراً آپ کو اس پھولوں بھرے مہکتے باغیچہ سے واپس خاروں بھری دنیا کی طرف لے چلتے ہیں اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کی برکت سے ہماری پوری دنیا کو مہکتا ہوا باغیچہ بنا دے کہ ہمیشہ ہم اس سے پھول چنتے رہیں اور اپنے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنے کا شرف پاتے رہیں۔

حضرت ابو بکر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں ابو بکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آن پہنچے (حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ عشق ومحبت میں دیوانے اور مجذوب تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصروں میں سے ہیں سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے شجرۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ میں بھی ان کا نام موجود ہے۔ بغداد شریف میں ہی دفن ہیں۔ قبر انور پر ہمیں حاضری کا شرف حاصل ہے) تو حضرت ابو بکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (جو خود اپنے زمانہ کے عظیم ولی اور بزرگ تھے) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے ان سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے بہت حیرت ہوئی میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضور! یہ تو ایک دیوانہ ومست شخص ہے اور آپ بھی اس کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔ پہلے بھی یہ آپ کے دربار میں آتے رہتے تھے آپ ان کی طرف کوئی خاص توجہ تک نہ فرماتے تھے آج آپ نے ان پر اتنی شفقت کیوں فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

نے فرمایا "میں نے ان کے ساتھ وہی کیا ہے جو آج رات میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرتے دیکھا تھا اور جب میں نے آقا ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شبلی کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد سورۃ توبہ کی آخری آیت "لقد جاء کم رسول من انفسکم" آخر تک پڑھتے اور پھر تین مرتبہ کہتے ہیں "صلی اللہ علیک یا محمد" لہٰذا یہ ہمیں بہت محبوب اور پیارے ہیں اور اللہ کو ان کا یہ عمل بہت پسند ہے۔

اللہ اکبر غور تو فرمائیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو درود شریف کا یہ موقع اور یہ طریقہ کس نے بتایا نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی تعلیم دی اور نہ ہی صحابہ واسلاف میں سے کسی سے منقول ہے اور جو آیت وہ تلاوت کرکے درود شریف پڑھتے تھے وہ بھی آیت درود نہیں اس میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح ونعت ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کا اپنا ہی طریقہ تھا ان کے عشق ومحبت کی ایجاد تھی جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پسند فرمایا اور اللہ رب العزت جل مجدہ کو بھی پسند آیا۔ پس معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ، وقت، طریقہ اور مقام کا تعلق صرف عشق سے ہے اور محبت سے ہے جب اور جس طرح عشق ومحبت کا تقاضا ہو پیش کیا جائے چاہے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اسلاف کے الفاظ میں یا اپنے الفاظ میں درود ابراہیمی ہو یا کوئی بھی درود ہو۔ پس خلوص ہو اظہار عشق ومحبت ہو بس وہی مقبول ہے یہ تو ہے ہی خلوص ومحبت کا گلدستہ اسی کی مہک دل ودماغ کو معطر کرتی ہے اللہ ہمیں بھی ایسا ہی ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وعلٰی الہ وصحبہ اجمعین۔

اے ایمان والو! اپنے آقا ﷺ پر بکثرت صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جو سنت الٰہیہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود وسلام کے پھول نچھاور کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی یہی گلدستے پیش کرتے رہتے ہیں اور اللہ تم سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ تم بھی اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اور کثرت سے درود شریف پڑھو یہی وہ واحد عمل ہے جس کے مردود ومسترد ہونے یا نامقبول ہونے کا شائبہ تک نہیں کیا جا سکتا اور سنو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جس کے کرنے والوں پر آقائے رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خصوصی نظر کرم فرماتے ہیں کہ انہیں دیکھتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو خلوص نیت اور عشق ومحبت سے کیا جاتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اور یہی ایسا واحد عمل ہے جس کا کوئی طریقہ متعین ومخصوص نہیں پس جیسے چاہو جہاں چاہو جس وقت چاہو اور جن الفاظ سے ساتھ چاہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھو اور ان کے دربار عالی میں مہکتے پھولوں کے گلدستے پیش کرتے رہو اور یہی وہ واحد عمل ہے جس کے ایک مرتبہ کرنے سے اللہ کی طرف سے اس کا دس مرتبہ جواب ملتا ہے۔ یہی وہ واحد عمل ہے جو رفع درجات اور اللہ ورسول سے قرب کا ذریعہ ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو کوثر سے سیرابی کا وسیلہ میزان کا ثقیلہ اور پل صراط سے بسہولت گزرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے جنت وسیع اور قریب ہوتی ہے اور جہنم تنگ اور اس کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو مغفرت وبخشش کا ذریعہ اور نار جہنم سے آزادی کا مژدہ بنتا ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جس سے ایمان تازہ، چہرہ پرنور اور زندگی پرامن وپرسکون ہو جاتی ہے۔ پس اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر خوب خوب درود وسلام

Marfat.com

بھیجو دیکھو یہی وہ واحد عمل ہے جس سے رحمت باری کے دروازے وا اور رزق کے دروازے کشادہ ہوتے ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو صدقہ وخیرات کا نعم البدل بنتا ہے اور جس سے آفات وبلیات دور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جو گھروں میں قندیل بن کر چمکتا ہے اور جس سے قبریں روشن ومنور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے سکراتِ موت سہل ہوتے ہیں اور فرشتوں کی صدائے ''یاتیھا النفس المطمئنة'' سنائی دیتی ہے۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علٰی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وعلٰی اٰله واصحابه اجمعین۔

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام
کنزِ ہر بے کس و نوا پہ لاکھوں درود حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مولای صل وسلم دائما ابدا علٰی حبیبک خیر الخلق کلھم

آیت درود کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تکلیف وایذاء پہنچانے کو گناہ عظیم قرار دیا جا رہا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے مقالہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مقالہ ٦٦

الاحزاب:٦٩

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ (احزاب:٦٩)

اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا پس اللہ نے انہیں بری کر دیا اس سے جو انہوں نے کہا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔

قرآن کریم امم ماضیہ بالخصوص بنی اسرائیل کے حالات تو نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے جبکہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کو خیر الامم ہونے کا شرف بخشتا ہے لہٰذا واضح ہے کہ ان حالات کے بیان کا مقصد بنی اسرائیل یا دیگر گزشتہ امتوں کی عظمت و فضیلت کا اظہار نہیں بلکہ یہ حالات ہمارے لئے درس عبرت ہیں تا کہ ہم ان کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی فضیلت و رفعت کی حفاظت کریں کہ اگر ہمیں ان حالات کا علم نہ ہوتا تو شاید ہم بھی ان جیسی بدکاریوں میں مبتلا ہو کر اللہ جبار و قہار کے غیظ و غضب کے مستحق قرار پاتے اور انہی کی طرح ہمیں بھی نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اسی لئے ان

Marfat.com

حالات کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بار بار دعوت عبرت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ''فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ'' اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو، اہل ایمان کو اللہ نے اپنے صاحب بصیرت نبی ﷺ کے طفیل بصیرت عطا فرمائی ہے پس انہیں چاہئے کہ ان واقعات کو قصہ کہانی نہ جانیں بلکہ ان پر غور کریں اور ان سے عبرت حاصل کریں کہ اسی لئے انہیں بیان کیا گیا ہے ورنہ قرآن کریم جیسی اہم کتاب میں ان کی گنجائش نہ تھی اور نہ ہی یہ کتاب مقدس کوئی تاریخی و واقعاتی کتاب ہے پھر فرمایا گیا ''لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ'' امم ماضیہ کے واقعات میں اہل عقل وخرد کے لئے عبرت ہے۔ یہ واقعات قابل عبرت ہیں لائق لذت ومسرت نہیں۔ مزید ارشاد ہوا ''اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى'' بیشک ان واقعات میں اس کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ خشیت الٰہی جزو ایمان ہے جس کا ہر مؤمن کے قلب میں ہونا نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حصول تقویٰ ممکن ہی نہیں قرب الٰہی کی منزل کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں اس کی بے حد تاکید کی گئی ہے اس کی ابتداء ہی عبرت سے ہوتی ہے یعنی ان اعمال سے بچا جائے جو پہلوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔

وجیہ

حسین وخوبصورت، تندرست وصحت مند شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر جاذبیت ہو اس کی طرف خود بخود نظریں اٹھیں۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے خود ارشاد فرمایا کہ ''وكان عند الله وجيها'' وہ اللہ احسن الخالقین کے نزدیک وجیہ تھے، حسین وخوبصورت تھے، تندرست وصحت مند تھے، ان میں جاذبیت تھی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بلاشبہ ایسے ہی تھے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے ان کی مزید خوبیاں بیان کیں۔ فرمایا گیا ''اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا'' وہ مخلص یعنی باطنی اور قلبی اعتبار سے ہر معاملہ میں صاف ستھرے تھے اللہ نے نبوت ورسالت کا انہیں جو عظیم منصب سونپا اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھی وہ مخلص تھے اور لوگوں کے معاملہ میں بھی ان کے ہر کام میں اخلاص ہوتا تھا۔ وہ قلب کی گہرائیوں سے چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور لوگ ان کی بات کو تسلیم کر کے دنیوی واُخروی عزت ونجات کے مستحق ہو سکیں اللہ نے انہیں اپنا رسول ونبی بنایا کہ اللہ جسے وجیہ ومخلص بناتا ہے اسی کو منصب نبوت ورسالت تفویض فرماتا ہے یعنی نبی ورسول ظاہری وباطنی اعتبار سے ہر عیب سے پاک وصاف ہوتا ہے اس کی صورت وسیرت میں کوئی ایسا عیب نہیں ہوتا جو قابل نفرت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے اس سے بھاگیں یا نفرت کریں کیونکہ نبی کا کام تو لوگوں کو اللہ کا پیغام سنانا اور انہیں اپنے گرد جمع کر کے اللہ کا سپاہی بنانا اور اللہ کے لشکر میں شامل کرنا ہوتا ہے وہ اپنی قوم کو اللہ کے دین کی حفاظت اور نشر واشاعت کی ذمہ داری سونپتا ہے اور ہر طرح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے تیار کرتا ہے حتیٰ کہ وابستگان نبوت ورسالت صرف اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے رسول ونبی کی عزت وناموس کے لئے بھی اپنی گردنیں تک کٹا دینے پر آمادہ رہتے ہیں وہ کسی بھی طوفان کے مقابلہ پر نہ جنبش کرنے والا ایک مستحکم پہاڑ بن جاتے ہیں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ''اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ'' میں

Marfat.com

نے تمہیں اپنی رسالت اور اپنے کلام کا شرف بخش کر لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی یعنی شرف رسالت اور شرفِ کلام کا مقتضی یہ ہے کہ نبی و رسول امت میں مصطفیٰ ہو برگزیدہ ہو حتیٰ کہ امت کا کوئی فرد کسی بھی اعتبار سے اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے اس کے انسان و بشر ہونے کے باوجود کوئی مومن اسے اپنا جیسا انسان اور بشر نہ کہہ سکے۔ ایسا کہنا یا سمجھنا رسول کے اعلیٰ و بلند منصب کے انکار کے مترادف ہوگا اور دعوئے ایمان کے باوجود ایمان نہ ہوگا۔

یہ تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا جو بلاشبہ اللہ کے جلیل القدر نبی و رسول ہیں کلیم اللہ ہیں کہ اللہ نے انہیں بلاواسطہ شرف کلام سے نوازا۔ وجیہ ہیں، مخلص ہیں، مصطفیٰ ہیں لیکن بات اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک اس کا ذکر نہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام کی یہ خوبیاں دنیا والوں کے سامنے لانے کا وسیلہ بنے ان کی قوم نے تو ان کے ہوتے ہوئے بھی ان کی عزت و ناموس کی پرواہ نہ کی بلکہ ان پر اپنے ایمان کا احسان ہی جتاتے رہے ہر موقع پر نخرے ہی دکھاتے رہے حتیٰ کہ اس نجات دہندہ نے جب ان سے دین کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کو کہا تو انہوں نے نہایت ہی صفائی سے دوٹوک جواب دیا ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ'' تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں تماشائی بنے بیٹھے ہیں اللہ اکبر! کیسے بدنصیب تھے وہ جو اللہ و رسول کو تماشہ بنا رہے تھے اور کیسے خوش نصیب تھے وہ جنہوں نے اپنے جسم چھلنی کرا لئے لیکن اپنے آقا ﷺ پر آنچ تک نہ آنے دی انہوں نے دنیا کو تماشا بنا ڈالا اور وہ بدبخت خود تماشہ بن گئے اور آج تک تماشہ بنے ہوئے ہیں اور قیامت تک ان کا یہی حال رہے گا کہ اللہ علیم و خبیر کا اعلان ہو چکا ہے انہی کے لئے فرمایا گیا ہے ''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ'' مسلط کر دی گئی ان پر ذلت، غربت اور مستحق ہو گئے عذاب الٰہی کے ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے ''وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ'' اور انبیاء (علیہم السلام) کو بلاوجہ قتل کرتے رہتے تھے۔ ''ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ'' وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے خود انہوں نے اللہ کے رسولوں کو تماشہ بنایا، تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی بات سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی بتائی گئی ہے۔ غرضیکہ بدنصیب تھے خود ہی تماشہ بن گئے اور خوش نصیبوں نے دنیا کو تماشہ بنا دیا (رضی اللہ عنہم) تو جو رسول کے ہوتے ہوئے اس کی عزت و ناموس پر اپنا بال بیکا نہ کرا سکے ان کی آنے والی نسلیں رسول کے لئے کیا ایثار و قربانی کر سکتی ہیں چاہے کتنے ہی رسول سے محبت و تعلق کا دعویٰ کرتے رہیں سب جھوٹے ہیں تماشہ ہی بنے ہوئے ہیں۔ فلسطینی خوب ان سے کھیل رہے ہیں اور ہم خوب تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

بہر حال بات پوری نہیں ہو سکتی جب تک اس آقا ﷺ کا ذکر نہ ہو جس کا ارشاد ہے ''لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ'' اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنا پڑتی اور جو زندہ ہے جب وہ دنیا میں تشریف لائے گا تو انہی کی پیروی کرے گا وہ تو ایسے وجیہ ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی وجاہت بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی کہ خود ہی غلاموں نے اس کا اعتراف کر لیا۔ نیز اللہ جل مجدہ نے انہیں ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کے اعلان کا حکم دیتے ہوئے خود فرمایا ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' ہم نے تم میں ایک نور مبعوث فرمایا جو ہماری

Marfat.com

واضح اور روشن کتاب لے کر آیا ہے اس طرح آپ کے بشر ہونے کے باوجود آپ کے مادی و روحانی، ظاہری اور باطنی حسن کے کمال کا اظہار فرما دیا لہٰذا اب انہیں وجیہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ جو بشر ہوتے ہوئے نور ہو اس کی وجاہت کا کون انکار کر سکتا ہے اور کس کی وجاہت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے کہا ''کَاَنَّمَا الْقَمَرُ یَتَلَاْلَاءُ فِیْ وَجْهِهٖ'' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند میرے آقا ﷺ کے نورانی در کا بھکاری ہے اور غیروں کو تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کہیں ''وَجْهُهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٌ'' ان کے چہرۂ انور سے ہی حق وصداقت کے آثار نمایاں ہیں نیز انہیں سخت دشمنی اور عداوت کے باوجود تسلیم کرنا پڑا کہ ان جیسا امین وصادق زمانہ نے نہ دیکھا۔ اب ان کی وجاہت کے متعلق مزید کچھ کہنے کی کیا ضرورت باقی رہی۔

انبیاء تہ کریں زانو ان کے زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وجیہ تھے قرآن کریم نے ان کی وجاہت کا اعلان فرمایا اور ہر نبی ہی ظاہری و باطنی عیوب نیز قابل نفرت امراض سے پاک ہوتا ہے تاکہ امتی اس سے دور نہ بھاگیں رہا معاملہ سیدنا ایوب علیہ السلام کا کہ ان کو ایک شدید بیماری میں مبتلا ہونے کے باعث ان کے گھر والوں تک نے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ حصول برکت و عبرت کے لئے مختصراً آپ کا بھی ذکر کرتے چلیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کو باطنی و روحانی کمال کے ساتھ ساتھ مادی و ظاہری وجاہت سے بھی خوب خوب نوازا تھا اپنے وقت کے دولت مند ترین شخص تھے بعض روایات کے مطابق پانچ سو بیلوں کی جوڑیوں، ہزاروں اونٹوں، بھیڑ اور بکریوں کے مالک تھے۔ نہایت وسیع وعریض خطۂ ارض پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سات جوان بیٹوں اور سات جوان بیٹیوں کے باپ تھے بیوی کیا یا رحمت بھی نہایت ہی حسینہ وجمیلہ تھیں جو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی صاحبزادی یا پوتی تھیں خود حضرت ایوب علیہ السلام نہایت ہی تندرست وتنومند اور حسین وجمیل نوجوان تھے آپ کی قوم بھی آپ کا بڑا احترام کرتی تھی لوگ ہر وقت آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ نے آپ میں تمام ہی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور خوب خوب اپنے انعامات سے نوازا تھا لیکن وقت آیا کہ دینے والے نے لینے کی صفت کا بھی انہی کو مظہر بنایا ظاہر ہے جسے دیا جائے گا اسی سے تو لیا بھی جائے گا، خوب دیا اور جب لینے کا فیصلہ کیا تو خوب لیا سب کچھ لے لیا۔ روایات تو بڑی لمبی لمبی ہیں لیکن مستند باتوں کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور مفسرین نے بھی قابل اعتبار قرار دیا۔

آہستہ آہستہ کھیتی باڑی ختم ہوئی جانور مرنے لگے ایک ایک کر کے سب بچے دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن پیکر صبر ورضا کے ہاتھ سے نہ تو صبر کا دامن چھوٹا اور نہ ہی اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنے میں کمی آئی۔ خود اپنا یہ حال ہوا کہ جسم پر دانے نمودار ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے پورا جسم نہ صرف پھول گیا بلکہ اس میں کیڑے بہنے لگے جنہیں مارنے کی بجائے اللہ کا یہ

Marfat.com

صابر بندہ دیکھتا اور مسکراتا تھا جب کوئی کیڑا جسم سے گر جاتا تو بڑی ہی احتیاط سے اسے اٹھا کر پھر زخم میں رکھ دیتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی امانت ہے جس کی حفاظت کی جارہی تھیں اور واقعی امانت ہی تھی کہ اللہ کی عطا کردہ ہر چیز بندے کے پاس امانت ہی ہوتی ہے چاہے اچھی ہو یا بری، آرام دہ ہو یا تکلیف دہ اور اگر بندہ اپنے رب کا عاشق ہو تب تو اس کی عطا کردہ کوئی چیز بری یا تکلیف دہ نہیں ہوتی وہ ہر چیز سے پیار کرتا اور اسے عطیہ الٰہی ہی جانتا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی یہی کیفیت تھی۔ آپ کو سب نے چھوڑ دیا صرف ایک بیوی نے ساتھ دیا خود گھر سے نکل کر کوڑے کرکٹ کی ایک گندی جگہ پر جا بیٹھے کہ اب تو میں بھی کوڑا کرکٹ ہی ہوں۔ بیوی اب بھی خدمت کرتی رہیں آخر نیک تھیں شوہر کا مقام و مرتبہ جانتی تھیں اور شوہر بھی وہ جو اللہ کا نبی ہے خود انبیاء کے خاندان سے تھیں۔ اپنے باپ یا دادا یوسف علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ سن چکی تھیں ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاہم بیوی نے کئی مرتبہ گزارش کی کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ آپ کی مصیبت کو دور کر دے لیکن کبھی ہاتھ نہ اٹھائے کہ مصائب سے نجات کی دعا بھی تو بلند مرتبہ لوگوں کے اعلیٰ منصب کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پیشکش تک کو مسترد کر دیا تھا اور فرمایا تھا ''حَسْبِیْ حَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ'' اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے جو حال دیکھ رہا ہے شکر و صبر کا یہ اعلیٰ منصب ہے جس کی توفیق و ہمت اعلیٰ ہستیوں ہی کو بخشی جاتی ہے۔ میرے آقا ﷺ کے مصائب تو جملہ انبیاء علیہم السلام کے مصائب سے کہیں زیادہ تھے لیکن کوئی موقع ایسا نہ آسکا جو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا ہو۔ اللہ ہمیں بھی صابرین کے طفیل صابرین میں سے کر دے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے بندے اور جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ والسلام کے حال امتحان و آزمائش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۚ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۝ (انبیاء: ۸۳، ۸۴)

اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے تو ہم نے قبول فرمالی ہے اس کی فریاد اور دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کئے اس کے گھر والے اسے نیز اتنے ہی اور ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف کو ضُرّ شدید مصیبت فرما رہا ہے تو واقعی اس کی شدت کا نہ جانے کیا حال ہوگا پھر بھی انتہائے صبر ملاحظہ ہو کہ دعا نہیں فرما رہے صرف اپنی شدت تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے رب کے ارحم الرحمین ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اب چاہتے کیا ہیں تو ''حَسْبِیْ حَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ'' رحم فرمانے والا خود دیکھ رہا ہے کہ بندہ قابل رحم ہے یا نہیں اب اس کی مرضی جو چاہے وہ فیصلہ فرمائے دعا کا اس سے بہترین طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

میں بھکاری ہوں اور تم سخی ہو آگے بس ''حَسْبِیْ خَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ'' پس اللہ نے رحم فرمایا پہلے کرم تھا اب رحم ہو رہا ہے۔ وہی زمین، وہی جانور، صحت وتندرستی، جوانی اور شباب سب کچھ مل گیا کوئی حادثاتی موت کا شکار ہو جائے تو کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ اس کے بدلہ کچھ دے دیا جائے گا لیکن مرنے والا واپس نہیں آسکتا لیکن جو پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ زندہ کرنے والا ہے یہ جملہ اس کے لئے نہیں بولا جاسکتا کہ وہ تو قادر مطلق ہے ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' اس کی شان ہے اسی کا مظہر حضرت ایوب علیہ السلام کو بنایا گیا تھا کہ سب کچھ دیا سب کچھ لے لیا اور پھر بہت کچھ دیا حتیٰ کہ جو مر چکے تھے انہیں بھی زندہ کر دیا'' وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ'' پر غور کیجئے اور روایات کے مطابق بوڑھی بیوی پر بھی دوبارہ شباب اور وہی حسن وجمال آیا اور جتنے بچے مرنے کے بعد زندہ ہوئے تھے اتنے ہی مزید عطا فرما دیئے'' وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ'' کا جملہ قابل غور ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام پر ان مصائب وآلام کا آغاز ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف ستر برس کی تھی اور سات برس آپ پر مصائب کا دور رہا اور پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اچانک جسم صاف ستھرا نظر آنے لگا، نہ خون تھا نہ پیپ اور نہ ہی کیڑے اور فرشتے نے جنت کا پانی پیش کیا آپ نے غسل کیا جنت ہی کا جوڑا پہنایا گیا۔ اب پہلے سے زیادہ حسین وجمیل اور نوجوان ایوب علیہ السلام ایک کونہ میں کھڑے بیوی کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں مصیبت زدہ غم واندوہ میں غرق بیوی اپنے بھاری بھاری قدم اٹھاتی حسب معمول آئی تو دیکھا کہ لاغر کمزور شوہر جس سے ہلا بھی نہ جاتا تھا خلاف معمول اپنی جگہ سے غائب ہے۔ ادھر اُدھر نہایت پریشان ہو کر دیکھا تو ایک شخص کھڑا نظر آیا اس سے پوچھا کہ یہاں میرے شوہر ایوب علیہ السلام تشریف فرما تھے کیا تم نے دیکھا ہے وہ کہاں چلے گئے جبکہ یہ بھی تعجب ہے کہ کیسے چلے گئے چل تو سکتے نہ تھے اور ہاں اے شخص تم کون ہو؟ اس سے پہلے تو تمہیں کبھی نہ دیکھا یہاں سے تو اب کوئی گزرتا بھی نہیں۔ وہ بولے اے اللہ کی بندی میں ہی تیرا شوہر ہوں اور تو ہی میری خوش بخت بیوی ہے کیا تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے تجھ پر کیا حسن برس رہا ہے اور تو نے کیسا نورانی لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ بیوی نے کہا یہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ رب سے مانگ ہی لیا اور جب میں نے کہا تھا کہ مانگو تو نہ مانگا تھا فرمایا نہیں نہیں میں نے کچھ نہیں مانگا میں نے تو صرف'' ارحم الراحمین'' کہہ کر اپنے رب کی حمد وثنا کی تھی بس اس نے اپنی رحمت کے دہانے کھول دیئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اپنا پیر مارو آپ نے حکم کی تعمیل کی تو زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹا حکم ہوا اس پانی سے غسل کیجئے اور اس کو پیجئے، پیتے ہی اور غسل کرتے ہی آپ کی ساری بیماری ختم ہو گئی اور آپ نے اپنے اندر ایک قوت محسوس کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیجا وہ آپ نے زیب تن فرمایا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں جو مر گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو سب دوبارہ زندہ ہو گئے اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہوئی جس کے لئے قرآن کریم نے'' وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ'' کا جملہ ارشاد فرمایا ہے۔

Marfat.com

ایک روایت کے مطابق آپ اسی چشمہ کے پانی سے کھیتی باڑی کرنے لگے جو آپ کی ایڑی مارنے سے پھوٹا تھا جس میں کسی بھی دوسرے پانی سے زیادہ اگانے، بڑھانے اور قوت بخشنے کی تاثیر تھی۔

یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا مال و دولت اور اولاد وغیرہ سب کچھ لے لیا تو انہوں نے مزید اللہ کی یاد اور عبادت کرنا شروع کر دی اور آپ نے اپنے رب کے دربار میں عرض کی کہ مولا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھ سے دنیا کی ہر چیز لے لی کہ اس کی محبت میرے دل کے ایک حصہ پر چھا گئی تھی اور مجھے تیری یاد میں کمی کا شبہ ہونے لگا تھا۔ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ اب میں بالکل فارغ ہوں اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں اب میری زندگی کا ہر لمحہ تیری یاد اور عبادت میں صرف ہوگا۔

بغداد شریف سے کربلا جاتے ہوئے ایک غیر آباد اور سنسان علاقہ میں ایک نہایت ہی خستہ حال قبر ہے جہاں ہمیں بھی حاضری کا شرف حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی حضرت ایوب علیہ السلام کا مرقد انور ہے یہاں ایک کنواں بھی ہے زائرین اس کے پانی سے غسل کرتے، پیتے اور بھر بھر کر اپنے ملکوں کو آب زمزم کی طرح لے جاتے ہیں سنا ہے یہ وہی چشمہ ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے جاری کیا گیا تھا اور آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا اور اسے نوش فرمایا جس سے آپ صحت یاب ہوئے۔ ہم غسل تو نہ کر سکے لیکن ہم نے بھی یہ پانی خوب پیا، نہایت صاف و شفاف ٹھنڈا، میٹھا اور لذیذ ہے کچھ ہم اپنے ساتھ بھی لائے اور بعض مریضوں کو پلاتے رہے اور انہیں شفا بھی ہوئی، واللہ اعلم۔

قرآن کریم نے امم ماضیہ اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات وواقعات صرف قصہ و کہانی یا بطور تاریخی حقائق ہمیں نہیں بتائے کہ قرآن نہ تو قصہ و کہانی کی کتاب ہے اور نہ ہی تاریخ کی ان حقائق کو ہم تک پہنچانے کا واحد مقصد ان واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور سبق لینا ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کا حال بیان کر کے آخر میں فرمایا گیا ''وذکری للعٰبدین'' کہ یہ عابدین کے لئے نصیحت ہے کہ یہی لوگ اہل بصیرت ہوتے ہیں اولوا الالباب ہوتے ہیں متقی ہوتے ہیں یہی نصیحت بھی حاصل کر سکتے ہیں لہٰذا انہیں نصیحت حاصل کرنا چاہئے کہ دنیا کی نعمتیں قوت بازو یا حسن تدبر سے حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے جس سے وہ جو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ ''وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' جس پر جتنا چاہتا ہے فضل فرماتا اور جسے جو چاہتا ہے خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ نیز یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اپنی قدرت کاملہ سے دینے والا ہی جب چاہے لے لینے پر قادر ہے آناً فاناً سب کچھ لے لیتا ہے حتیٰ کہ زندوں کو مار دیتا ہے اور چاہتا ہے تو دوبارہ زندہ بھی کر دیتا ہے۔ آج کل (اگست ۱۹۹۹ء) ترکی میں زلزلے نے ایک کہرام مچایا ہوا ہے۔ اللہ نے ترکیوں کا کیا نہ دیا تھا خوب نوازا تھا لیکن زمین کے ایک جھٹکے کے ذریعہ سب کچھ لے لیا لیکن جو مر گئے وہ دوبارہ زندہ نہ ہوں گے کہ آج کسی کے ''انت ارحم الرٰحمین'' کہنے میں وہ اعتماد و یقین اور اثر نہیں جس نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمت باری کے دہانے کھول دیئے تھے اور سبق حاصل کرنا چاہئے کہ انعامات الٰہیہ پر اللہ کا شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافہ اور ان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اگر بطور

Marfat.com

امتحان و آزمائش یہ انعامات واپس لے لئے جائیں تو بھی تقاضائے عبدیت اور کمالِ عبدیت یہی ہے کہ بندہ رب کے حضور سجدے ہی کرتا رہے اس کا شکر ہی ادا کرتا رہے نیز مصائب و آلام پر صبر کرے اور ڈٹ کر ہر طوفان کا مقابلہ کرے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں کہ علیم و بصیر رب کے لئے تو ''حَسۡبِیۡ حَالِیۡ عَنۡ سَوَالِیۡ'' ہی کا انداز عبدیت کافی ہے۔ جنہوں نے یہ نصیحتیں حاصل کر لیں ''فَاسۡتَجَبۡنَا فَکَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ'' کی ضمائر کا مرجع وہی قرار پاتا ہے۔ مصائب و آلام کے گھیراؤ سے نجات کے لئے تیر بہدف عمل اللھم انت ارحم الرّحمین'' کا ورد ہے، اللھم ارحمنا واعف عنا یا ارحم الرّحمین بجاہ رحمۃ للعلمین ﷺ۔

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے دیگر انبیاء و رسل کی طرح وجیہ تھے جس کا قرآن کریم نے اعلان فرمایا لیکن پھر بھی آپ کو ستایا گیا، پریشان کیا گیا، تکلیفیں پہنچائی گئیں جس کا ذکر آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ غیروں نے دشمنوں نے نہیں اپنوں ہی نے کیا۔ جس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اپنوں کی ایذاء رسانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا ہر فرد بخوبی جانتا تھا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجیہ بنایا ہے بہت سوں نے سنا تھا اور ان کے عمر رسیدہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ظلم و ستم کے اس دور میں پیدا ہوئے تھے جب ظالم فرعون اپنی بادشاہت کی بقاء کے لئے بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو ذبح کرا دیا کرتا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے انہیں اس ظالم کے ظلم سے بچانے کی غرض سے دریا کی نظر کر دیا۔ یہ ان کی وجاہت ہی کا اعلان تھا کہ اللہ نے انہیں ظالم ہی کے گھر میں پہنچایا وہیں ان کی تربیت ہوئی اور وہیں وہ عنفوان شباب تک شاہانہ زندگی بسر کرتے رہے جبکہ اس سے پہلے ایام شیر خوارگی میں جب انہیں دودھ پلانے والیوں نے دودھ پلانا چاہا تو وہ باوجود کوشش کے کامیاب نہ ہو سکیں۔ ''وَحَرَّمۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ'' اور ہم نے دودھ پلانے والیوں کا دودھ ان پر حرام کر دیا اور وہ دودھ نہ پلا سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنے شیر خوار بھائی کو اس گھر میں پہنچتے دیکھ لیا تھا تو وہ بھی یہاں آ موجود ہوئیں اور جب انہوں نے یہ تماشہ دیکھا کہ ننھا بھائی کسی عورت کے پستان کو منہ نہیں لگا رہا تو فرعون کی بیوی سے ازراہِ ہمدردی انہوں نے کہا ''فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰۤی اَهۡلِ بَیۡتٍ یَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ'' میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتا سکتی ہوں جو اس بچہ کی بخوبی کفالت بھی کرے گا اور اس کی بہترین تربیت بھی۔ کیا قدرت ہے میرے رب کی کہ اس نے اپنے ہونے والے نبی کو دشمن کے گھر تک پہنچا کر پھر ماں کی گود میں پہنچا دیا تاکہ ماں کا دل مطمئن ہو سکے۔ ''فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ'' پس ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمزدہ نہ ہو اور یہ بھی جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے ہی تو وعدہ کیا تھا سب سے اس کا یہی وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا کہ اس کے لئے کوئی کام دشوار نہیں۔

Marfat.com

غرضیکہ بنی اسرائیل نے خوب دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح دشمن کی گود میں پروان چڑھے پھر انہیں یہ واقعہ بھی معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل ہی کی حمایت میں ایک قبطی، فرعونی کو قتل کر ڈالا تھا اس وقت بھی ان میں سے کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد نہ کی تھی صرف ایک اللہ کا بندہ تھا جسے اللہ ہی نے بھیجا تھا جو دوڑا آیا اور اس نے بتایا ''وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی'' ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ یعنی دور دراز سے دوڑا آیا ''قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ'' اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعون کے سپاہی تمہاری تلاش میں ہیں تا کہ تمہیں قتل کر ڈالیں، ''فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ'' تم جلدی کرو اور یہاں سے چلے جاؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں میری بات مان لو اور جب موسیٰ شہر سے جانے لگے تب بھی کسی نے انہیں نہ روکا اور ان کی حفاظت کا وعدہ نہ کیا۔ ''فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ'' اپنی گرفتاری کے خوف سے بالآخر انہیں یہ دعا کرتے ہوئے شہر چھوڑنا ہی پڑا۔ ''قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' اے رب یہ سب ظالم ہیں مجھے ان ظالموں سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے سیدھے مدین پہنچے جہاں بالآخر اللہ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں پناہ دی کہ مصیبت زدوں کو نبی ہی کے دامن میں پناہ نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ''قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' بالکل نہ ڈرو اب تمہیں ایک نبی نے پناہ دی ہے اب تمہارا کوئی ظالم کچھ نہیں بگاڑ سکتا کہ جو نبی کی پناہ پالے وہ ہر قسم کے خوف وحزن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نبی نے ایسی پناہ دی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا بنالیا اپنی ایک بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا جو در حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس احسان کا صلہ تھا جو انہوں نے اس لڑکی کی مدد کر کے کیا تھا کہ مردوں کے ہجوم میں گھس کر اس کے لئے پانی بھرا تھا کہ نبی کسی کا احسان مند نہیں ہوتا وہ تو سب پر احسان ہی کرتا ہے اور اگر اتفاق سے کوئی اس پر احسان کر بھی دے تو وہ اس کا اس سے بڑا صلہ دے دیتا تا کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے صرف پانی کے صلہ میں اپنی بیٹی دے دینا کتنا بڑا احسان تھا جس کے بدلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزید دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ رہنا پڑا۔

انہوں نے دیکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی ان میں واپس پہنچے تو انہوں نے کس طرح بلا خوف وخطر نہایت وجاہت کے ساتھ فرعون کو دعوت حق دی اس کے ربوبیت کے باطل دعوے کو واشگاف کیا اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت وحقانیت پر واضح دلائل پیش کئے حتیٰ کہ فرعون کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے عطا کردہ معجزات بھی دکھائے جن کا مقابلہ کرنے والے ماہرین وقت جادوگروں نے بھرے دربار میں اعتراف حق کیا۔ ''فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی'' اور وہ یہ کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے کہ ہم تو ہارون وموسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے ہیں اور جب انہیں ہاتھ و پیر کاٹ دینے اور سولی چڑھا دینے کی سخت ترین سزا سنائی گئی تو انہوں نے نہایت ہی دلیری کے ساتھ واضح اعلان کیا ''قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا'' قسم ہے پیدا کرنے والے رب کی کہ ان واضح دلائل کے بعد ہم تجھے ہرگز ہرگز نہ مانیں گے اور رہا معاملہ سزا کا تو ''فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ

Marfat.com

قَاضٍ ''تو جو چاہے کر نبی کے غلام کسی سے نہیں ڈرا کرتے تو کر کیا سکتا ہے صرف اتنا ہی کہ ''اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا'' صرف اس دنیاوی زندگی ہی کے متعلق تو فیصلہ کر سکتا ہے کہ چاہے تو جان لے لے اور چاہے تو زندہ چھوڑ دے پس کر جو کرنا ہے یہ فیصلہ تو قیامت کے دن ہمارے رب کے حضور ہی ہونا ہے کہ کون باغی ہے جس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کون اللہ کا اطاعت شعار و فرمانبردار ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کے بلند درجات نصیب ہوں گے۔

سمندر خشک ہو گیا

نبی اپنی قوم کے لئے دنیا و آخرت میں نجات دہندہ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی اور انہیں مصر سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے اپنی قیادت میں لے کر نکلے تو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر نے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ سامنے بحر قلزم آ گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ذرا رکے کہ اللہ نے فرمایا ''فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط'' پس ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارو جونہی آپ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی ''فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ O'' پس سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا فرعون احمق نے اس کو بھی اپنی ہی حکمرانی جانا کہ ہر فرعون یہی سمجھتا ہے کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے آج کل کے بھی احمق فرعونوں کا یہی حال ہے انہیں تو موسم کی تبدیلی اور اس کے اثرات بھی اپنے سائنسی تجربات کا نتیجہ نظر آتے ہیں۔ بہر حال جب فرعون نے سمندر میں راستہ دیکھا تو اپنے گھوڑے دوڑا دیئے بڑے فخر اور بڑے ہی تکبر کے ساتھ اور جب وہ بیچ سمندر میں پہنچا تو سمندر کے طوفان نے اس کو اپنی زد میں لے لیا کہ اللہ کا عذاب اسی طرح اچانک آتا ہے اور جب اللہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو کوئی نجات دہندہ نہیں ہوتا۔ ''اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ'' بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہوتی ہے اس سے نجات دلانے والا سوائے نبی کے کوئی نہیں ہوتا وہ بھی ایک وقت مقررہ تک۔ فرعون چلا رہا تھا ''اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ'' میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لایا فرمایا گیا ''آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ مِنْ قَبْلُ'' اب اور اس سے پہلے بغاوت کرتا رہا تو اب تو بہت دیر ہو چکی۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو اس موقع پر بھی دیکھا اعتراف بھی کیا اپنی نجات اور دشمن کی ہلاکت پر خوش بھی ہوئے لیکن یہ بڑے ظالم اور احمق تھے۔ مقام سیناء سے ان کا گزر ہوا جہاں بت پرست پوجا پاٹ میں مصروف تھے تو یہ بھی بول اٹھے ''يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ان جیسے بت بنا دو، استغفر اللہ۔ غور فرمایا آپ نے میرے آقا ﷺ کے غلاموں سے کبھی ایسی کوئی حماقت سہواً بھی سرزد نہیں ہوئی۔ خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا غصہ میں تو بہت ہی سخت واقع ہوئے تھے۔ ''قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ'' تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ ان لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو جو بلاشبہ ہلاکت و تباہی کا طریقہ ہے ''اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ'' کیا میں تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود مقرر کر دوں اللہ کے سوا جبکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت کا شرف بخشا ہے کہ تمہیں انسان اشرف المخلوقات بنایا اور بتوں کی پوجا انسانیت کی انتہائی ذلت و خواری ہے۔

Marfat.com

اور پھر انہوں نے اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو دیکھا جب یہ مقام تیہ کے بیابان میں پڑے تھے نہ پینے کے لئے پانی تھا نہ کھانے کے لئے کوئی غذا تھی اور نہ ہی دور دور دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ تھا۔'' وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ '' جب قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا۔'' اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ '' اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے وہی لاٹھی پتھر پر ماری جس سے سمندر کا پانی خشک ہوا تھا '' فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا '' تو پتھر سے بارہ چشمے بہنے لگے کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں منقسم تھے ہر ایک کا چشمہ الگ تھا تاکہ انہیں پانی حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے کا امکان رہے چونکہ وہ اس کے عادی تھے ہر وقت آپس میں لڑتے ہی رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان صلح صفائی کراتے رہتے تھے جبکہ میرے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ غلام کبھی آپس میں نہ لڑے جس کا اعلان قرآن کریم نے بھی کیا کہ ان غلاموں کی شان تھی کہ '' رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ '' وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہی رہتے تھے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتے رہتے تھے حتیٰ کہ زندگی بھر کے دشمنوں اوس و خزرج کی بھی یہی کیفیت تھی بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی کے چشمے بہا دیئے اور وہ اس سے سیراب ہونے لگے پھر ان کے لئے سایہ کا انتظام بھی کر دیا گیا'' وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ '' کہ ان پر بادل چھایا رہتا تھا اور وہ خوب آرام کرتے رہتے تھے بھوک کا بھی انتظام ہو گیا یہ نہیں کہ وہ خود محنت و مشقت کر کے اپنے لئے کھانا پکائیں اور کھائیں نہیں بلکہ'' وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى '' آسمان سے ان پر من و سلویٰ نازل ہوتا اور وہ کھاتے رہتے تھے ایسا کھانا کہ جس کی دنیا کے کسی کھانے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ گویا یہ سب مقام تیہ میں نبی کے مہمان تھے اور نبی نے اللہ کے عطا کردہ خزانوں سے ان کی خوب خوب میزبانی کی جبکہ میرے آقا ﷺ آج تک اپنے غلاموں کے لئے اللہ کے خزانوں کے دہانے کھولتے اور اپنی رحمت کی برکھا برساتے ہیں:

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا　　　موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

لیکن اب بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا اور ان کے ایمان مضبوط نہ ہوئے چند دن یہ من و سلویٰ سے لطف اندوز ہوئے اور پھر نہ جانے ان ناشکروں کو کیا ہوا کہ کہنے لگے'' فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا '' اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے ساگ، ککڑی، لہسن اور پیاز جیسی چیزیں اگائے۔ بس اب ہم روز روز صرف من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا چکے ہیں عجیب حال تھا ان خبثاء کا موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اس مطالبہ پر بہت غصہ آیا آپ نے فرمایا'' اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ '' کیا تم اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کے خواستگار ہو تو اس کے لئے اللہ سے خصوصی دعا کی کیا ضرورت ہے وہ تو اللہ نے ہر انسان کے لئے مقدر کیا ہے۔'' اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ '' کسی بھی آبادی میں چلے جاؤ جو چاہتے ہو مل جائے گا۔

گؤوسالہ کی پوجا

اللہ کے نبی کی وجاہت کا کمال اور معراج دیکھنے کا وقت بھی آ گیا کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے

Marfat.com

قرب خاص میں اپنے کلام سے بلاواسطہ مشرف فرمانے اور اپنی کتاب توریت عطا فرمانے کے لئے کوہ طور پر بلایا کہ ان کے منصب کی مناسبت سے یہی ان کی معراج تھی۔ بنی اسرائیل کو اس انعام الٰہی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا خوش ہونا چاہئے تھا اور نہایت ہی صبر سے اپنے نبی کی واپسی اور پیغام الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا کہ نبی کی معراج درحقیقت امت کی معراج ہوتی ہے۔ جس پر امت کو خوب جشن منانا اور اظہار مسرت و شادمانی کرنا چاہئے اسی لئے تو ہم ہر سال اپنے نبی کی معراج پر جشن مناتے ہیں فخر و مسرت سے اس کا ذکر اور چرچا کرتے ہیں کہ یہی سعادت مندی اور ثبوت محبت ہے۔ بنی اسرائیل کس قدر بدبخت تھے کہ انہوں نے نہ تو جشن معراج منانے کا اہتمام کیا اور نہ ہی رب کے پیغام توحید کا انتظار، بلکہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور گوؤ سالہ کی پوجا کرنے لگے۔ واپس آ کر اللہ کے نبی نے جب قوم کا یہ حال ملاحظہ فرمایا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی انہوں نے امت کو ڈانٹا اور کہا کہ ظالمو یہ تم نے کیا کیا تم سے چند روز بھی میرا انتظار نہ ہو سکا۔ میں تو نہایت ہی ریاض و مجاہدے اور مشقت کے بعد تمہارے لئے رب کا پیام رحمت لے کر آیا اور تم نے تو غضب ہی کر ڈالا کہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے بھائی ہارون پر خوب برسے ان کی داڑھی تک پکڑ لی اور کہا کیا میں تمہیں ان ظالموں کے پاس اسی لئے چھوڑ کر گیا تھا کہ یہ جو چاہیں کریں اور تم دیکھتے رہو۔ بھائی نے بڑے ہی احترام سے عذر پیش کیا کہ اگر میں ان کے معاملہ میں مداخلت کرتا تو مجھے یقین تھا کہ یہ میری بات ہرگز نہ سنتے کہ یہ تو مجھے بہت ہی کمزور سمجھتے ہیں ممکن تھا کہ مجھے قتل ہی کر ڈالتے پس میں خاموش رہا اور بے چینی سے آپ کا انتظار کرتا رہا۔ اسی کشمکش کی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے توریت کی الواح (تختیاں) بھی گر پڑیں جس کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ ان ظالموں پر عذاب الٰہی کا اعلان ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شیطان کی طرف متوجہ ہوئے جس کے کرتوت کا یہ نتیجہ تھا اس کا نام سامری تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا کیا اور کیسے کیا وہ بولا کہ غرق فرعون کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ تھے اور ان کے گھوڑے کا جہاں پیر پڑتا تھا اس جگہ گھانس اگ آتی تھی میں نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں قوت حیات پیدا ہو گئی ہے۔ پس میں نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر بحفاظت رکھ لی اور یہ حال سوائے میرے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اب جب آپ کو کوہِ طور پر دیر ہوئی تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بنی اسرائیل کے زیورات جمع کر کے انہیں پگھلا دیا اور سونے سے بالکل ایسی شکل و صورت کا بچھڑا بنا دیا جس کی پہلے ہم پوجا کیا کرتے تھے وہ خاک اس میں ڈالی تو واقعی اس میں جان پڑ گئی وہ بولنے لگا اور ہم نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اس کے لئے اللہ کا عذاب تجویز فرمایا اور اس سے کہا ''فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ'' جا، اب تو ساری زندگی لوگوں سے یہی کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ اپنے نبی کی بات اللہ کبھی نہیں ٹالتا اللہ اپنے نبی کو اختیار دیتا ہے کہ جسے وہ چاہے اللہ کی رحمت کا مژدہ سنا دے اور جسے چاہیں عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیں۔ پس سامری موسیٰ علیہ السلام کے تجویز کردہ عذاب میں مبتلا ہوا کہ وہ اپنا جسم کھجاتا رہتا اور لوگوں سے کہتا رہتا کہ مجھ سے دور رہنا مجھے چھونہ لینا ورنہ تم بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے حتیٰ کہ لوگ اس سے خود ہی دور بھاگنے لگے اس کے اعزاء و اقارب اور اہل و عیال تک نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ایسے بیابان میں جا

Marfat.com

مرا جہاں اس کی لاش سڑ کر مٹی میں مل گئی جانوروں تک نے اسے نہ کھایا۔

پھر آپ نے گوسالہ کے متعلق حکم نافذ فرمایا کہ ''لَنُحَرِّقَنَّهٗ وَلَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا'' ہم اسے جلا کر رکھا کر ڈالیں گے اور راکھ سمندر کی طرف اڑا دیں گے کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا پھر قوم کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ''اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا O'' تمہارا معبود وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اب آپ نے اللہ کے حضور دعا کی مولیٰ جو بدبخت شرک میں مبتلا ہوئے مجھے ان کی سزا بتا دے تا کہ میں تیرے حکم کی تعمیل کروں اور اپنی قوم سے شرک کے جراثیم کو ہمیشہ کے لئے مٹا دوں پس اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا اعلان فرمایا ''يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ'' اے لوگو تم نے گوسالہ کی پوجا کر کے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اللہ ہر قسم کا گناہ معاف فرما دیتا ہے لیکن شرک کی سزا ضرور دی جاتی ہے کیونکہ ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' شرک نہایت ہی بڑا ظلم ہے۔ پس آپ نے شرک کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ'' پہلے تو اپنے رب کے دربار میں توبہ کرو تا کہ آخرت میں نجات مل سکے اور دنیاوی سزا یہ ہے۔ ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کہ اپنے اپنوں ہی کو قتل کریں یعنی جو شرک سے بچے رہے وہ مشرکین کو قتل کریں۔ چاہے باپ بیٹے کو یا بیٹا باپ کو قتل کرے۔ توبہ کے باوجود یہ سزا اس لئے کہ بعد والوں اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور آئندہ کوئی اپنے نبی سے بغاوت نہ کرنے پائے کوئی شرک میں مبتلا نہ ہو سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبی کے طفیل پھر بھی اتنا کرم فرمایا کہ دن میں تاریکی چھا گئی تا کہ کوئی اپنوں کو دیکھ نہ پائے۔ متبعین کو ایک طرف کیا گیا اور مشرکین کو ان کے سامنے دوسری طرف اور اللہ کے حکم کی تعمیل کا آغاز ہوا۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں تیس ہزار مشرکین ہلاک کر دیئے گئے۔ اللہ اکبر کیا کیفیت ہو گی اس وقت جب بیٹا، باپ پر حملہ آور ہو رہا ہوگا۔ باپ، بیٹے پر اور بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کس قدر افسردہ و غم زدہ ہوں گے کہ قوم پر عذابِ الٰہی کے وقت نبی کا یہ حال ہونا فطری اور یقینی امر ہے۔ بہر حال جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا انہیں بھگتنا ہی تھا کہ ظلم کا انجام عذابِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب اندھیرا چھٹا تو سب نے تلواریں روک لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ازراہ ہمدردی قتل کرنے والوں سے کہا ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ'' تمہارے رب کے نزدیک یہی تمہارے لئے بہتر تھا اور تم نے بھی گناہ کیا تھا کہ اپنے بھائیوں کو شرک سے روکنے کی کوشش نہ کی تماشائی بنے دیکھتے رہے لہٰذا یہ قربانی تمہارے گناہوں کی تلافی ہو گئی ''فَتَابَ عَلَيْكُمْ'' اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔ ''اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ'' بیشک وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اب بچے کھچے لوگوں میں سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کو خصوصی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب کیا اور انہیں ہدایت کی وہ قوم میں جا کر تبلیغ حق کریں اور دیکھیں کہ اس عبرتناک سزا کے بعد بھی ان میں کوئی تبدیلی اور خوف خدا پیدا ہوا ہے یا نہیں یہ لوگ قوم کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ بلاشبہ موسیٰ اللہ کے نبی ہیں انہیں کوہ طور پر اللہ نے اپنے کرم سے اپنے کلام کا شرف

Marfat.com

بخشا ہے اور وہ جو کتاب اپنے ساتھ لائے ہیں وہ اللہ ہی کی کتاب ہے جو ہماری رُشد و ہدایت کے لئے انہیں دی گئی ہے لہٰذا تم حق قبول کرلو اور اللہ کے نبی کے احکام کی تعمیل کرو لیکن ان ظالموں کا حال تو پہلے سے بھی زیادہ ابتر و بدتر تھا انہوں نے اللہ کی دی ہوئی سزا کو العیاذ باللہ اپنے خلاف موسیٰ علیہ السلام کی سازش سمجھا وہ اپنے اعزاء و اقارب کی ہلاکت پر بے حد سیخ پا نظر آتے تھے۔ کہنے لگے کیا موسیٰ ہمیں مصر سے اسی لئے لے کر آئے تھے کہ ہم ہی سے ہماروں ہی کو قتل کرائیں یہ بڑا ظلم ہوا۔ اس سے بہتر تو ہمارے لئے فرعون تھا اس آزادی سے بہتر تو فرعون کی غلامی ہی تھی اللہ نے ان کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً'' پھر تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے تو اللہ قادر مطلق نے ان کو پتھر ہی سے ڈرایا اور حکم ہوا کہ بغاوت چھوڑ دو سر تسلیم خم کرلو توریت کے احکام کی تعمیل کرو ہمارے نبی کی اتباع و پیروی کرو ورنہ یہ پورا کا پورا پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ ''وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ'' اور تمہارے سر پر طور کو اونچا کیا اور کہا ''خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝'' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔

ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وجاہت کو بھی دیکھا خوف و ڈر کے مارے وقتی طور پر انہوں نے عہد کرلیا کہ ہم اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان بھی لاتے ہیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں لیکن جس قوم کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جائیں انہیں بدعہدی اور وعدہ خلافی کرتے دیر نہیں لگتی جب عذاب کا پہاڑ سر سے ہٹتا ہے وہ پھر اپنے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی میں مست ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہوا کہ جونہی کوہ طور ان کے سروں سے ہٹایا گیا ''ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ'' کا ارشاد اس پر شاہد ہے کہ پھر انہوں نے اپنی پہلی ہی جیسی بے راہ روی اختیار کرلی۔

جہاد سے انکار

سیناء جہاں بنی اسرائیل کا عارضی قیام تھا فلسطین سے قریب تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ، دادا حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام سے وعدہ فرمایا کہ یہ علاقہ ہم تمہاری اولاد کے سپرد کریں گے وہ یہاں کے حاکم ہوں گے اور نہایت خوشحالی کی زندگی بسر کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے اور قوم کے مستقل قیام کے لئے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن ہر جگہ کو آباد کرنے کے لئے اس کی جھاڑیوں کو کاٹنا پڑتا ہے اور اسے ہموار کرنا پڑتا ہے۔ میرے آقا ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو اور آپ کے غلاموں کو بھی نہایت محنت و مشقت سے یہ کام کرنا پڑا کہ منافقین کی قوت کو پامال کیا۔ یہودیوں کو نکالا اور ایک صاف ستھرا چمکتا، دمکتا شہر بسا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل محبت کا مرکز بنا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمت برستی ہے جہاں کی ہر چیز میں برکت ہے جہاں کا گرد و غبار تک مہلک امراض کے لئے ذریعۂ شفا ہے۔ جہاں کی موت بھی دامن رحمت میں پناہ کی ضمانت ہے جہاں نور ہی نور ہے، مہک ہی مہک ہے:

Marfat.com

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند — سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت کی ہے
عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو — مکہ نہیں جانچ جہاں خیر و شر کی
شان جمال طیبہ جاناں ہے نفع محض — وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلا کر حاکم بنانا چاہا ایک باعزت و باوقار قوم بنانا چاہا اور ایک ایسی سرزمین کی طرف رہبری فرمائی جو انہیں دی گئی تھی کہ اللہ انہیں یہ علاقہ سونپ دینے کا وعدہ ان کے باپ دادا سے پہلے ہی فرما چکا تھا۔ وہاں حضرت کا مژدہ پہنچ ہی مل چکا تھا بس تھوڑی محنت و مشقت سے قبضہ کرنا تھا یہ تو ان کے باپ دادا کی میراث تھی یہ تو بس آپ کے منتقل وراثتیں ان کی منتظر تھیں صرف حرکت کی دیر تھی آگے بڑھنے کی دیر تھی۔ حکومت و سلطنت، وقار و عظمت اور خوشحالی و طمانیت کے لئے تو لوگوں کو نہ جانے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے، کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، کتنی جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں یہاں تو کچھ نہ کرنا تھا لیکن ہائے بدبختی یہ بزدل کچھ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور ہوتے بھی کیسے کہ انہوں نے تو ایک مدت غلامی کی زندگی بسر کی تھی اور غلامی کا دور قوموں کی جان نکال لیتا ہے ان کی غیرت وحمیت کا خاتمہ کر دیتا ہے، بزدل بنا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سرزمین کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ مقدس خطہ ارض تمہارا ہی ہے پس آپ نے فرمایا ''يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ'' اے لوگو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جس کو اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور دیکھو ہرگز پشت نہ پھیرنا ورنہ تم نقصان میں رہو گے اور جب ان کے ساتھیوں نے ان کی کم ہمتی کا احساس کیا تو ان میں سے یوشع اور کالب نے ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں کامیاب و کامران اور غالب ہونے تک کا مژدہ سنا دیا جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی سن چکے تھے اور اسی لئے ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب تھے۔ انہوں نے کہا ''اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' آگے بڑھو، دروازے میں داخل ہو تم ہی غالب ہو گے بس اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو ایمان میں سچے ہو لیکن ان ظالموں نے اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی ماری بزدلی اور کم ہمتی کی حد کر دی بغاوت و نافرمانی کی انتہا کر دی۔ پہلے باہمی مشورے کے لئے جمع ہوئے محفل میں لمبی لمبی تقریریں ہوئیں اور طے پایا کہ اب ہم ہرگز اپنی جانوں کو خطرات میں نہ ڈالیں گے۔ اس سے پہلے موسیٰ ہمارے تمیں ہزار آدمیوں کو ہماری تلواروں سے قتل کرا چکے یا وہ ہمیں خون بہانے اور کرنیں کنانے ہی کے لئے مصر سے لے کر آئے ہیں ہم بہت قربانیاں دے چکے لہذا اب انہیں صاف صاف جواب دے دو۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ''قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' بولے اے موسیٰ ہم اس سرزمین میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک موجودہ حکمران وہاں ہیں لہذا تم اور تمہارا رب جا کر ان سے جنگ کرے اور ہم یہاں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہیں۔ اللہ اکبر جب انسان پر بدبختی مسلط ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی فیصلے کرتا ہے کیسا بیہودہ جواب تھا کیا کسی سچے غلام سے ایسے جواب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ سچے غلاموں کا جواب تو وہ ہوتا ہے جو میرے آقا ﷺ کو بدر روانگی کے وقت

Marfat.com

ان کے غلاموں نے دیا تھا کہ "اے آقا! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہرگز نہ گھبرائیں نہ پریشان ہوں کوئی فکر کی بات نہیں آپ کے غلام آپ کے ساتھ ہیں جو ہمہ وقت آپ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں اگر آپ سمندر میں یا آگ میں کودنے کا حکم دیں تو غلام حاضر ہیں حکم کی تعمیل ہوگی حالانکہ یہ صرف تین سو تیرہ تھے بے سروسامان سپاہی تھے لیکن بہادر تھے، سچے عاشق تھے، غلامی اور مظلومی کی زندگی بسر کرنے پر جانوں کی قربانی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔

اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی بدبختی اور اس بیہودہ جواب پر کتنا صدمہ ہوا ہوگا یہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی جانیں بہرحال اللہ کی طرف سے ان کی اس محرومی کی سزا محرومی ہی کی صورت میں دی گئی، فرمایا گیا "قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ" فرمایا اب یہ ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی ہے یہ اسی سینا، تیہ کے بیابان میں بھٹکتے رہیں گے اور اے محبوب تم ان فاسقوں کے جواب پر غمزدہ نہ ہو۔

غرضیکہ اللہ کے نبی کی بات انہوں نے نہ مانی اور اسی مقام تیہ میں مدتوں یہ پڑے رہے یہاں تک کہ غلامی کے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے مرگئے ان کی اولاد جوان ہوئی جس نے آزادی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور ان میں قدرے حمیت وغیرت تھی انہیں احساس تھا کہ ان کے بڑوں نے اس سرزمین میں نہ داخل ہوکر بڑی غلطی کی تھی جس پر حکومت کرنا ان کا حق بنتا تھا جو اللہ کی طرف سے ان کا مقدر تھا لہٰذا اس نئی نسل نے فلسطین پر حملہ کیا اور وہ بآسانی اس کے حاکم بن گئے لیکن چونکہ ذلت ومسکنت یہودیوں کا مقدر بن چکی ہے لہٰذا تاریخ انسانیت میں کئی مرتبہ فلسطین کی حکومت حاصل کر لینے کے باوجود انہیں کبھی وہاں سکون، امن اور اطمینان کی نعمت میسر نہ آسکی آج تک یہی حال ہے وہاں موجود یہودی اگرچہ فلسطین پر قابض ہیں لیکن پچاس سال میں ایک رات بھی وہ سکون وراحت کی نیند نہ سو سکے۔

ذبح بقرہ

قرآن کریم حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور معجزہ بیان فرماتا ہے جو آپ کی وجاہت کا عظیم اور واضح ثبوت ہے۔ نہایت دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ ان آیات مبارکہ کا مطالعہ کیجئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ

Marfat.com

مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(البقرہ: ٦٧ تا ٧٤)

اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں میں وہ بولے دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ ہمیں بتائے وہ گائے کیسی ہے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ ہی بالکل بچی ہو درمیانی عمر کی ہو تو کرو جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہنے لگے دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کا رنگ خوب گہرا زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لئے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب، بے داغ ہو انہوں نے کہا اب آپ صحیح پتہ لائے پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ کرتے نظر نہ آتے تھے اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے یونہی زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی تو وہ پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کئی پتھر ایسے ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کاموں) سے جو تم کرتے ہو۔

قرآن کریم کی ان آیات اور صاحب قرآن عظیم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ذبح بقرہ کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل کا حادثہ ہو گیا۔ جس سے ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی۔ ان میں سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر جلد ہی قاتل کا پتہ نہ چلا تو بہت ہی فتنہ پیدا ہو گا۔ اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی اس افراتفری پہ بے حد تشویش ہوئی اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ کسی طرح یہ فتنہ فرو ہو جائے اور اصل قاتل کا پتہ چل جائے۔ اللہ نے اپنے نبی پر کرم فرمایا ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کو بتاؤ کہ ایک گائے ذبح کر کے اس

Marfat.com

کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر ماریں مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا پتہ بتادے گا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل اپنے آقا کے عطا کردہ اس نسخہ کیمیا کو اپنے لئے رحمت جانتے اس کی قدر کرتے کہ یہ ان کو ایک بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ تھا لیکن ان ظالموں نے اپنی سرشت کے مطابق اسے ہنسی مذاق قرار دیا چونکہ وہ نبی کی وجاہت اور اس کے ارفع و اعلیٰ منصب پر یقین نہ رکھتے تھے۔ وہ تو نبی کو اپنا جیسا عام انسان جانتے تھے لہٰذا بولے ''اتتخذنا هزوا'' کیا اس الجھن و پریشانی کے موقع پر اے موسیٰ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو انہیں کیا پتہ کہ نبی اپنی قوم سے مسخرہ پن نہیں کرتا وہ تو قوم کا ہمدرد ہوتا ہے الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دہندہ ہوتا ہے، مشکلات کا یقینی حل بتانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، مصیبت زدوں کو اس کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا ''اعوذ باللّٰہ ان اکون من الجاھلین'' اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں تم جاہل ہو لہٰذا جہالت ہی کی باتیں کرتے ہو میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔

اب ان احمقوں نے گائے کے متعلق سوالات کرنا شروع کئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے جوابات وحی الٰہی کے مطابق دیتے رہے جو آیات مندرجہ بالا میں وضاحت سے موجود ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل نے ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کر کے خود ہی اپنے لئے تنگی اور دشواری پیدا کی ورنہ اگر وہ پہلے ہی ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا مگر انہوں نے متواتر بیہودہ اور غیر ضروری سوالات کر کے اپنے اوپر پابندیاں لگوائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے غیر ضروری سوالات کرنے کی ممانعت فرمائی ارشاد ہوا:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ (البقرہ:۱۰۸)

کیا تم چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے۔

اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے آقا ﷺ سے بہت زیادہ سوالات کر کے اپنے لئے تنگی اور مشکلات پیدا نہ کرو کہ غیر ضروری سوالات کی کثرت بسا اوقات گستاخی اور ایمان سے محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے سوالات کئے اور بالآخر وہ گمراہ ہو گئے، ذلیل وخوار ہو گئے۔ اے ایمان والو! تمہاری شان تو یہ ہے کہ ''مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وما نهاكُم عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' کہ بس رسول تمہیں جو حکم دیں تم بلا چون وچرا اس کی تعمیل کر لیا کرو اور رسول جس کام سے تمہیں منع کر دیں بلا تامل اس کو چھوڑ دیا کرو اسی میں تمہاری خیریت و عافیت ہے یہی طریقہ ہے جس سے تم احکامِ شرع کی تنگی اور سختی سے بچ سکتے ہو ورنہ تو تمہارا حال بنی اسرائیل جیسا ہی ہو جائے گا کہ وہ کثرت سوال ہی سے دشواریوں میں مبتلا کئے گئے۔

Marfat.com

بہر حال بنی اسرائیل ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کرتے رہے اور وحی الٰہی سے انہیں جواب ملتا رہا اور جب وہ حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوئے تو مطلوبہ گائے اتنی مخصوص ہو چکی تھی کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔ ان خصوصیات کی حامل ایک گائے کا کسی نہ کسی طرح پتہ چلا جو ایک بوڑھے کی تھی۔ یہ شخص نہایت متقی اور نیک تھا۔ اس کی ایک ہی بیوی اور ایک ہی بیٹا تھا اور ان کے لئے اس نے یہ ایک ہی گائے چھوڑی تھی۔ مرتے وقت اس شخص نے دعا کی کہ مولیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی اور بچے کے لئے سوائے ایک گائے کے اور کچھ نہ چھوڑا ہے، پس اس ہی میں ان کے لئے برکت عطا فرما۔ یہ گائے کھیتوں میں چرتی رہتی تھی کوئی اسے روکتا ٹوکتا نہ تھا اس میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جن کی بنی اسرائیل کو ضرورت تھی۔ پس مقتول کے ورثاء کسی نہ کسی طرح اس گائے کے مالک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اس سے کہا کہ ہمیں ایسی ہی گائے کی ضرورت ہے اگر تم اسے فروخت کر دو تو ہم پر تمہارا بڑا احسان بھی ہو گا اور ہم تمہیں اس کی منہ مانگی قیمت ادا کریں گے۔ نوجوان بمشکل تیار ہوا اور اپنی ماں کے مشورے سے اس نے گائے کی کھال بھر سونے کا مطالبہ کیا مجبور تھے کیا کرتے مطلوبہ قیمت پر رضامندی ہو گئی اور انہوں نے بالآخر اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔

آیات مذکورہ میں آخری سوال کے ساتھ "انا ان شاء اللّٰه لمھتدون" کا جملہ قابل غور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر یہ "انشاءاللہ" نہ کہتے تو اللہ کے حکم کی ہرگز تعمیل نہیں کر پاتے اسی لئے بوسیلۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں بھی حکم الٰہی ہے کہ کسی کام کو کرنے سے پہلے "انشاءاللہ" کہنا چاہئے تو اس کام کی تکمیل اور اس میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

غرضیکہ انہوں نے گائے ذبح کی اور حکم الٰہی کے مطابق اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارا تو مقتول بحکم الٰہی زندہ ہو کھڑا ہوا اور اس نے اپنے قتل کا پورا حال بیان کر دیا۔ ظاہر ہے اس قدر سچی اور صحیح شہادت کے بعد قاتل کے لئے اعترافِ جرم کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ پس قاتل کو شریعت موسوی کے مطابق سزا دی گئی اور پوری قوم پر فتنہ و فساد کے چھائے ہوئے بادل چھٹ گئے۔

یہ واقعہ بلاشبہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے اور ہر معجزہ محیر العقول ہی ہوتا ہے۔ جس کا مقصد نبی کی عظمت، وجاہت اور اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اپنی نبی کے اس معجزے کو دیکھا لیکن بدنصیبوں نے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت و عظمت کا اعتراف نہ کیا ظاہر ہے اولاد کی عزت، والدین کی [illegible]ت تسلیم کرنے سے ہوتی ہے اور قوم کی عزت قائد و نبی کے دامن عزت سے وابستہ ہے جو قو[illegible] اپنے نبی کی عزت و وجاہت پر یقین نہیں رکھتی بدنصیبی اور ذلت و خواری اس کا مقدر بنتی ہے اللہ محفوظ رکھے۔ اسی لئے یہودیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار کر دیا گیا اور وہ دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی کے مستحق قرار دیئے گئے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے غلاموں پر اللہ رب العزۃ جل مجدہ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے آقا ﷺ کے بلکہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے مقام و منصب کو پہچانا اور ان کی عزت و وجاہت کے اقرار کو جزو ایمان جانا ہے نہ تو کبھی ہم نے ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و روگردانی [illegible] [illegible]ات کی اور نہ ہی کبھی ان کے دربار عالی میں [illegible]

Marfat.com

بختی کے مرتکب ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ''ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا'' کے قرآنی ارشاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے حضور سر تسلیم خم رکھا ہے اسی لئے اللہ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا کہ اپنے عذاب کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آج اگرچہ ہم اپنے عمل و کردار کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور ہیں لیکن پھر بھی اقوام عالم میں ہمارا ایک مقام ہے اس کمزوری کے باوجود بھی اسلام کے دشمن بحمد اللہ ہم سے مرعوب و خوف زدہ رہتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمان آج بھی سب سے زیادہ اپنے نبی ﷺ سے محبت رکھتا اور ان کی عزت و ناموس کے لئے جان لینے اور جان دینے پر ہمہ وقت آمادہ تیار رہتا ہے۔ بخدا اگر ہم اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کے معترف نہ ہوتے تو اب تک دنیا سے ہمارا نام تک مٹ چکا ہوتا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

ایذاء رسول

اللہ کے نبی و رسول کی عظمت و وجاہت کا یہ تقاضا ہے کہ امتی سے رسول کو سہواً یا قصداً کسی بھی طرح کوئی ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچنا چاہئے کہ یہ بدترین جرم ہے جو تمام اعمالِ صالحہ اور عبادات کے ضیاع اور برباد ہو جانے کا باعث بنتا ہے جس کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے آیت زیر گفتگو میں بنی اسرائیل کی مسلسل اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء و تکلیف پہنچانے کی عادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہدایت فرمائی کہ تم ہرگز اس جرم کا ارتکاب نہ کرنا جس کے مرتکب تم سے پہلے بنی اسرائیل ہوتے رہے اور اس کے سبب انہیں ذلیل و خوار کر دیا گیا تم خیر الانبیاء ﷺ کی غلامی کے صدقہ خیر الامم بنائے گئے ہو اس اعزاز کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اور ان کی عزت و وجاہت کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہیں۔

درج ذیل آیات مبارکہ پر غور فرمائیے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ایذاء رسول اللہ کے نزدیک کیسا بدترین جرم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (احزاب: ۵۷)

بیشک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو انہیں اللہ اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا اور آخرت میں اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (توبہ: ۶۱)

اور جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جو قوم لعنت میں مبتلا ہو جائے اور عذاب مہین اور عذاب الیم کی مستحق قرار دے دی جائے دنیا و آخرت میں اس سے بدتر کوئی قوم نہیں ہو سکتی۔ باہمی انتشار و افتراق، معاشی بدحالی، بدعملی اور فتنہ و فساد، غلامی، ذلت و خواری غرضیکہ تباہی و بربادی کے جملہ اسباب اس کا مقدر بن جاتے ہیں نہ اس کا سیاسی و معاشی مقام رہتا ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب و تمدن وہ

Marfat.com

بھکاری بن کر جانوروں کی طرح غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہی حال یہودیوں کا ہے جنہوں نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء پہنچائی بلکہ وہ اپنے تمام انبیاء کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے مقدس نبیوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔

کفروشرک وہ ظلم عظیم ہیں جو سب سے زیادہ رسول کی ایذاء کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ" اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا قلب مبارک تنگ ہوتا ہے (کفار کی) ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام "وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ" آپ غمزدہ نہ ہوا کریں (کفار کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ تنگ دل ہوا کریں (کفار کی) فریب کاریوں پر کہ اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ "رحمة للعلمين" ہیں یہی خواہش رکھتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا ہر بندہ اللہ کی بندگی کرے لہٰذا آپ کو کفار و مشرکین اور منافقین کی بغاوت اور بدگوئی سے شدید صدمہ ہوتا ہے اور غلاموں کی حکم عدولی، بدعملی آقا ﷺ کے لئے باعث ایذاء و تکلیف ہوتی ہے جس کا قرآن کریم اعلان فرماتا ہے "عزيز عليه ما عنتم" "تمہاری بدعملی سے رسول کریم کے قلب مبارک پر بار ہوتا ہے انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ وہ تو "بالمؤمنين رؤف رحيم" کی شان کے مالک ہیں رأفت و رحمت ان کی خصوصیت ہے وہ چاہتے کہ ان کا ایک ایک غلام متقی ہو، صالح ہو، اطاعت شعار ہو پس بے نمازی، بددیانت، بدعمل، بدکردار اور رشوت و سود کی دولت کھانے والے حرام خور رسول کو ایذاء پہنچانے انہیں تکلیف پہنچانے کے بدترین جرم میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ کی لعنت، عذاب مہین اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں اللہ اس حکم عدولی اور بغاوت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے کہ رسول کو دکھ پہنچانے والے کو کبھی سکھ اور چین کی زندگی میسر نہیں آسکتی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میرے آقا ﷺ کو کفار مکہ نے ستایا اتنے ظلم کئے کہ کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ راہِ طائف میں آپ ﷺ پر پتھروں کی اتنی بوچھاڑ کی گئی کہ جسم اطہر لہولہان ہوگیا۔ نعلین مبارک خون سے لبریز ہوگئیں۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کو شدید تکالیف سہنا پڑیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اُف تک نہ کی بلکہ مظالم و مصائب کو برداشت کیا اور ظالموں کو دعاؤں سے نوازا۔ لبہائے مبارک جنبش میں آئے تو یہی نکلا "اللهم اهد قومي فانهم لايعلمون" اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ مجھے جانتی نہیں میرا پیغام تو امن و سلامتی کا پیغام ہے اور یہ احمق میرے پھولوں کا جواب کانٹوں سے دیتے ہیں میں تو ان کی نجات و عافیت کا طلب گار ہوں اور یہ اپنے لئے مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہیں لیکن جب بھی دشمن نے دین میں مداخلت کرکے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائی تو آپ نے شدید حزن و غم کا اظہار فرمایا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ کی ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوئیں تو آپ نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا "ان ظالموں نے ہمیں نمازوں تک سے روک دیا" گویا میرے آقا ﷺ ہمیشہ اپنی ذات پر دین کو ترجیح دیتے رہے۔ جو غلاموں کے لئے بلاشبہ قابل تقلید نمونہ ہے۔

Marfat.com

اے ایمان والو! اُمم ماضیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے رہو جس میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ بنی اسرائیل کا حال پڑھو ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے دیگر انبیاء و رسول عظام علیہم السلام کے ساتھ کس طرح گستاخیاں کیں۔ وہ ان مقدس قائدین کی عزت و وجاہت کا ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے انہیں اپنے جیسا عام انسان ہی جانتے رہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا اپنے عقائد کی اصلاح کرو قرآن و حدیث کے مطابق اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کا اعتراف کرو۔ نبی کو اللہ کا بندہ اور اپنا آقا تسلیم کرو اور مانو کہ وہ ہر اعتبار سے تم سے ممتاز ارفع و اعلیٰ ہے تم کیا چیز ہو اللہ کے دیگر انبیاء و رُسل بھی اس جیسے نہیں نہ کسی مؤمن نے اس سے مشابہت و مماثلت کا کبھی دعویٰ کیا یہ تو کفار و مشرکین اور منافقین کا طرز رہا ہے کہ وہ ''نبی کو اپنے جیسا یقین کرتے رہے'' تم مؤمن ہو اپنے آقا ﷺ کے منصب و مقام کو پہچانو اور اپنا جیسا بشر سمجھ کر انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اسی میں تمہاری عزت ہے، عافیت ہے، آخرت کی نجات ہے، اے اللہ تو ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا غلام بنا اور ان کی عزت و وجاہت پر یقین کرنے کی توفیق عطا فرما آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۷

الاحزاب: ۷۱،۷۲

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝

(احزاب: ۷۰،۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی بات کہا کرو تو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے تو وہی حاصل کرتا ہے بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے تقویٰ اختیار کرنے اور سچ بولنے کا حکم دیا گیا اور ان دونوں کی تاثیر بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اس سے تمہارے اعمال درست ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ نیز بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری ذریعہ فوز و فلاح ہے۔

Marfat.com

تقویٰ کیا ہے اس کے فوائد کیا ہیں مومن کے لئے اس کا اختیار کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہے اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں یہ تمام تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں درج ذیل سطور میں دوسرے حکم سچائی کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں اگرچہ اس کو بھی تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے۔

سچائی یا صداقت

سچائی، صداقت، خاصۂ انبیاء ہے اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے بڑے الزامات عائد کئے گئے لیکن کسی بدترین دشمن نے بھی انہیں جھوٹا اور کاذب نہ کہا بالخصوص میرے آقا ﷺ کو دشمنانِ دین نے ساحر، مجنون، دیوانہ اور نہ جانے کیا کیا کہا لیکن ہر کسی نے آپ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف پھر بھی کیا۔

اعلان نبوت کے پہلے ہی دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اہل مکہ کو جمع کر کے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے جو تمہیں تباہ کر دے گا، تو کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے تو حاضرین نے بیک آواز جواب دیا ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

قیصر روم نے جب ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے کیا اس نے کبھی کسی معاملہ میں جھوٹ بھی بولا ہے ابوسفیان کو یہ کہنا پڑا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اسی لئے ہم سب اس کی صداقت کے معترف ہیں اور اسے صادق وامین کے نام سے پکارتے ہیں پس قیصر روم نے کہا تو وہ یقیناً اللہ کا رسول ہے کیونکہ اگر وہ اللہ کے معاملہ میں جھوٹا ہوتا تو یقیناً لوگوں کے معاملات میں بھی ضرور جھوٹ بولتا۔

ابوجہل جیسا بدترین دشمن رسول بھی کہا کرتا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) کو جھوٹا نہیں کہتے ہاں صرف اتنا کہتے ہیں کہ وہ جو آیات ہمیں سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے اللہ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ (انعام: ۳۳)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی کی تلقین وتاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ ''مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بَنِيَ لَهُ فِي رِبْضِ الْجَنَّةِ'' جس شخص نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا جو کہ باطل ہے۔ اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل تعمیر کیا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَآءَ بِهٖ'' جب بندۂ مومن جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ'' سچ بولا کرو کیونکہ ''فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ'' سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ ''وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ'' اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے پھر آپ فرماتے ہیں ''وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا'' اور جب بندہ سچ بولتا رہتا تو ایک دن اللہ کے یہاں اس کا نام سچوں کی فہرست میں شامل کرلیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ'' تم جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ برائیوں کی طرف کھینچتا ہے اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔ ''وَاِنَّ الرَّجُلَ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا'' اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے یہاں وہ جھوٹوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ نصیحت خوب یاد کر لی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ''دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ'' شک والی بات پر یقینی بات کو ترجیح دو کیونکہ ''فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ'' سچائی اطمینان وسکون کا ذریعہ ہے جبکہ ''اِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ'' جھوٹ شک وشبہ اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

بہرحال سچائی اور صداقت ایک خوبی ہے، حسن ہے جس سے انسان کا چہرہ پرنور ہو جاتا اور قلب مطمئن اور پرسکون ہو جاتا ہے اسی لئے مومن وغیر مومن سب ہی سچائی کو پسند کرتے ہیں اور جھوٹ اور کذب ایک برائی ہے۔ ایسا داغ ہے جس سے انسان کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے دل مضطرب اور بے چین رہتا ہے سچ بولنے والے کو اگر سچائی کی وجہ سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو اسے راحت محسوس ہوتی ہے جبکہ جھوٹ بولنے والے کو راحت وسکون کے باوجود شرمندگی وندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ اور غمزدہ ہی رہتا ہے۔

سچائی کا سرچشمہ تقویٰ ہے اسی لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے ''وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' فرمایا قَوْلِ سَدِيْد کا جملہ بھی قابل غور ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس میں کسی بھی طرح جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ سچ ہو حق ہو، صاف ستھری اور صحیح بات ہو جب بندۂ مومن تقویٰ اور قَوْلِ سَدِيْد کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے دیگر اعمال خود بخود سدھرتے اور ٹھیک ہوتے چلے جاتے ہیں وہ خود بخود زندگی کے ہر معاملہ میں دین اور شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے اور اب اس کے اعمال صالحہ اس کے ماضی کے گناہوں کو مٹادیتے ہیں اس کی بخشش ومغفرت ہو جاتی ہے جو اس کے لئے پرسکون و پراطمینان زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ اب دنیا کے کسی خوف سے وہ خوفزدہ نہیں ہوتا اور دنیا کا کوئی غم اسے غمزدہ نہیں کرپاتا ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے

''اللھم اجعلنا من الصدقین۔''

اطاعت

غلام کے لئے اطاعت وفرمانبرداری ذریعہ فلاح وفوز ہے انسان اللہ کا بندہ اور رسول کا غلام ہے لہٰذا انہی کی بندگی

Marfat.com

اور اطاعت شعاری کامیابی وکامرانی کا یقینی ذریعہ ہے جس کا قرآن کریم بار بار حکم دیتا ہے اس کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے مطاع بنا کر مبعوث فرمایا جاتا ہے اور امت کا ہر فرد پابند ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات اور اس کے عطا کردہ اصولِ زندگی کو اپنائے۔ میرے آقا ﷺ ایسے مطاع ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کو علی الاطلاق امت پر لازم قرار دیا اور فرمایا ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے رسول تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ وہ تمہارے لئے ایک ماڈل ہیں ان کی زندگی کے سانچہ میں تم اپنی زندگی ڈھالو۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' بیشک رسول مکرم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ''يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' جو کچھ تم نہیں جانتے وہ سب رسول تمہیں سکھاتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول ہی کی اطاعت وفرمانبرداری دنیا وآخرت کی کامیابی و کامرانی اور اُخروی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مادی وظاہری وسائل کے فقدان کے باوجود زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب و کامران رہے۔ تعداد کی کمی کے باوجود وہ دشمن پر غالب آتے رہے معاشی بدحالی کے باوجود وہ خوشحال رہے ہمہ وقت دشمن کی سازشوں کے باوجود وہ مطمئن اور پرسکون شب و روز بسر کرتے رہے۔ قیصر و کسریٰ کے جرار اور بہادر لشکر ان سے گھبراتے تھے۔ یہود، دولت مند قوم ہونے کے باوجود ان کے سامنے ذلیل وخوار تھے۔ اقوامِ عالم میں ان کا چرچا تھا ان کی عزت تھی، وہ بارعب اور باوقار قوم تھے، صرف اس لئے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے وفادار اور ان کے مطیع وفرمانبردار تھے۔

جعفر شاہ حبشہ کے دربار میں

جب بعض صحابہ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حبشہ ہجرت کی تو کفار مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مہاجرین کو حبشہ سے نکال دینے پر نجاشی کو آمادہ کر سکے۔ یہ وفد پروگرام کے مطابق نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا۔ اولاً اسے نہایت بیش قیمت تحائف پیش کئے پھر اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ شاہ حبشہ نے از روئے عدل وانصاف مسلمانوں کو طلب کیا تاکہ ان سے ہجرت کی وجہ اور مکہ کے حالات معلوم کئے جائیں۔ بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں مسلمانوں نے اپنا ایک وفد مرتب کیا جو حضرت جعفر ابن طیار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دربار نجاشی میں حاضر ہوا یہاں ہم نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جرأت مندانہ گفتگو کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آقا ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری غلاموں کو کس طرح حق گو بنا دیتی ہے اور وہ ناسازگار حالات میں بھی کس طرح کامیاب وکامران اور سرخرو ہوتے ہیں۔

جب صحابہ کرام نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ دربار میں حاضر ہو کر کیا کہیں گے تو آپ نے جو جواب دیا وہ نہایت ہی قابل غور ہے فرمایا ''نَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا وَمَآ اَمَرَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا كَائِنًا فِيْ ذٰلِكَ هُوَ كَائِنٌ'' بخدا

Marfat.com

میں وہی کہوں گا جو میں جانتا ہوں اور جس کا میرے آقا ﷺ نے حکم دیا چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو یہ ہی غلام کا شعار ہے نتیجہ کی پروا کئے بغیر اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر آپ نے اس کے سوالات کو بغور سنا اور جواباً جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ بغور پڑھیے:

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بدکاریاں کیا کرتے تھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے تھے ہم میں سے طاقتور غریب و کمزور کو کھائے جا رہا تھا ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہم میں ایسا رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب نسب کو ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح واقف ہیں اس نے ہمیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک لہ مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ ہم اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہر حال میں سچ بولیں امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ہمسایوں کے ساتھ بھلائی کریں برے کاموں اور خونریزی سے باز رہیں اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں نیز اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوۃ دیں اور روزے رکھیں لہذا ہم نے اس رسول مکرم ﷺ کی تصدیق کی ہم ان پر ایمان لائے اور اللہ کے جو حکم وہ لے کر آئے تھے ہم نے ان کو اپنایا اب ہم ہر اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جسے انہوں نے حرام قرار دیا اور ہمارے لئے ہر وہ چیز حلال ہے جسے انہوں نے حلال قرار دیا۔ بس ہمارا یہی جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم ہم پر ظلم کر رہی ہے ہمیں اس دین سے روگرداں کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتی ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بت پرستی کرنے لگیں پھر بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں جا پڑیں پھر ناپاک چیزوں اور گندے اعمال کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اے بادشاہ! جب ان لوگوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا تو ہم اپنا وطن چھوڑنے اور آپ کی پناہ میں آنے پر مجبور ہوئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے سایہ میں ہمیں چند دن سکون کے میسر آئیں گے۔

نجاشی نے سب کچھ غور سے سنا اور کہا کہ کیا تمہیں اس کتاب کا کچھ حصہ یاد ہے جو اللہ نے آپ کے نبی پر نازل کی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کرنا شروع کیں تو بادشاہ جھومنے لگا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور جونہی حضرت جعفر خاموش ہوئے تو بادشاہ کی زبان پر حق گویا ہوا:

Marfat.com

بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی شمع کی شعاعیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پر از ایمان تقریر کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس نے کفار مکہ کے سفیروں سے کہا آپ لوگ واپس چلے جاؤ مسلمان ہمارے مہمان ہیں انہیں ہم ہرگز ہرگز اپنے ملک سے نہیں نکال سکتے یہ اب ہماری امان میں پر امن زندگی بسر کریں گے۔

غرضیکہ قابل غور یہ بات ہے کہ ایک مظلوم بے وطن پریشان مومن ایک بادشاہ کے بھرے دربار میں کس طرح اپنا موقف بیان کرتا ہے اور کسی جرأت و ہمت سے اپنا کیس پیش کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے اور دشمن ذلیل وخوار ہوتا ہے یہ سب کچھ اس لئے کہ اسے اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات پر مکمل اعتماد تھا۔ اطاعت و فرمانبرداری کے نشہ میں چور ہو کر اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہئے تھا اور جس سے وہ اپنے بارعب مخاطب کو مطمئن کر سکتا تھا، رضی اللہ عنہ۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو جو مسلمان مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے ان میں کچھ دوبارہ مکہ واپس آ گئے انہیں کفار مکہ میں سے کسی نہ کسی نے پناہ دی اور یہ ان کے مظالم سے بچے رہے انہی میں سے ایک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ولید بن مغیرہ کی پناہ میں ظلم وستم سے محفوظ آرام کے دن گزار رہے تھے لیکن یہ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے بھائیوں پر کفار کے مظالم جاری ہیں ایک دن انہیں خیال آیا کہ آخر میں بھی تو اسی آقا ﷺ کا غلام ہوں جس کے یہ لوگ غلام ہیں جبکہ یہ تو نہایت صبر واستقلال سے غلامی کی سزا بھگت رہے ہیں آخر میں کیوں اپنے آقا ﷺ کے لئے ایثار و قربانی سے محروم ہوں پس آپ نے فیصلہ کیا اور ولید بن مغیرہ سے کہا میں آج سے تمہاری پناہ سے آزاد ہوتا ہوں۔ ولید نے حیرت زدہ ہو کر کہا آخر کیوں کیا تم پر کسی نے زیادتی کی ہے آپ نے فرمایا ''لَا وَلٰكِنِّيْ اَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اَسْتَجِيْرَ بِغَيْرِهٖ'' نہیں کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے سوا کسی کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا اور آقا کا یہ غلام بھی دیگر غلاموں کے ساتھ مصائب وآلام کے سمندر میں کود پڑا۔

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمونہ اطاعت و فرمانبرداری تھے اسی لئے زندگی کے ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے اور اقوام عالم پر ان کا ایسا دبدبہ بیٹھا کہ آج تک دنیا کی طاقتور قومیں اہل ایمان سے مرعوب وخوفزدہ رہتی ہیں حالانکہ ہم آج اپنے آقا ﷺ کے باغی بدکردار اور بدعمل ہیں کاش ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سچے غلام ہوتے تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا یقیناً ہم ہی اللہ کی اس سرزمین کے حکمراں ہوتے اور چار دانگ عالم میں اسلام کا پھریرا اڑتا نظر آتا۔ وہ آزادی جو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلامی کے طفیل ہمیں نصیب تھی آج باقی ہوتی اور دنیا میں سب سے بڑی حکومت ہماری ہی ہوتی ہم ہی سپر پاور کہلاتے۔

اے ایمان والو! اب بھی وقت ہے ''اِتَّقُوا اللّٰهَ'' تقویٰ اختیار کرلو ''وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' حق گوئی کی خوبی کو اپنالو تمہارے مذہبی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، حالات درست ہو جائیں گے۔ گناہوں کے داغ دھل جائیں گے، تمہارے

Marfat.com

چہرہ بارعب اور باوقار ہو جائیں کہ تمہارے دل نورِ ایمان سے روشن ومنور ہو جائیں گے پھر جس راہ بھی تم چلو گے فوز وفلاح تمہاری قدم بوسی کرے گی کامیابی وکامرانی تمہارا مقدر بنے گی۔

اللہ غور وفکر اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
68	7 تا 17
69	33 تا 38

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۸

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) : ۷ تا ۱۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا
مَوْلٰى لَهُمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ
فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ

Marfat.com

اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ
مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَ
سُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا
مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي
قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝

(محمد (ﷺ):۷۔۱۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جنہوں نے کفر کیا اللہ کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال تو کیا انہوں نے زمین کی سیر و سیاحت نہ کی کہ خود دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کافروں کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں یہ اس لئے کہ اللہ مددگار ہے ایمان والو کا اور کفار کا کوئی مددگار نہیں بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے لئے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذیذ ہے پینے والوں کے لئے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو) کیا یہ (لوگ) ان کی طرح ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (ذرا بتایئے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے۔ یہی وہ (بدبخت) ہیں کہ مہر لگادی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشات کی اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخش دیتا ہے۔

Marfat.com

سورۂ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات سے متعلق ہمیں گفتگو کرنا ہے اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازتے ہوئے ایسے امور کا ذکر فرمایا ہے جن کے مطالعہ کے بعد ہر مؤمن کے دل میں اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ دین کی پابندی اور دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے وہ بڑی سے بڑی طاقت کی پروا کئے بغیر ہمہ وقت آمادہ و تیار رہتا ہے۔ وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی ہے۔ کفر و شرک اور بدعملی و بدکرداری کے خلاف جہاد اس کا وطیرہ بن جاتا ہے۔ آیئے ان آیات پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں۔

اللہ کی مدد

''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' اللہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ ایک کمزور کے لئے طاقتور کی طرف سے سہارے اور مدد کی یقین دہانی سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو سکتی ہے اگر کسی غریب کو کوئی دولت مند کچھ نہ دے صرف یہی یقین دلا دے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے مجھ سے قرض لے سکتے ہو۔ اس غریب کے لئے یہی بہت بڑا سہارا ہوتا ہے ہم اگرچہ اپنی قوت و طاقت، دولت و ثروت اور دیگر وسائل کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ہم بہت ہی کمزور و لاچار ہیں، اس حال میں ہمارے رب کا ہم پر کتنا بڑا کرم ہے کہ وہ ہماری مدد کا یقین دلا رہا ہے۔ اے ایمان والو! تم فکرمند نہ ہو پریشان نہ ہو اپنے آپ کو تنہا اور کمزور جان کر کسی کے در کے بھکاری نہ بنو، کسی سے نہ ڈرو، تم میرا کلمہ پڑھتے ہو، میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہو۔ پس تم میرے ہو مجھ سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں۔ میرے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں پس میں ہر حال میں تمہارا مددگار ہوں چاہے تم میدان جہاد میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہو یا میدانِ عمل میں ہر لحہ نفس امارہ کی خواہشات پامال کرنے میں مصروف ہو لیکن میری مدد اس شرط پر ہو گی کہ تم بھی میری مدد کرو'' اِنْ تَنْصُرُو اللّٰهَ'' سورۂ حج کی آیت ہے۔ جس میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسی وعدے کا اعلان فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے'' وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ'' اور اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے (دین) کی مدد کرے گا۔

غور فرمایئے ہمیں کتنا بڑا سہارا ملا ہے جس سے زیادہ مضبوط سہارا کوئی ہو ہی نہیں سکتا اس سہارے کو پانے کے لئے خواہشات نفس کی قربانی تو درکنار اگر جان بھی قربان کرنا پڑے تو کم ہے۔ اسی لئے تو ہمارے اسلاف میدان جہاد میں اپنی جانوں کی بازیاں لگاتے رہے پھر بھی ان کی جانیں ضائع نہیں ہوئیں اللہ نے ان کی مدد فرمائی کہ ان کو عزت و عظمت کا ایسا بلند مقام عطا فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے شہید کہلائے۔ ان کو مردہ کہنے پر یا مردہ خیال کرنے پر پابندی عائد فرما دی۔

سورۂ روم کی آیت مبارکہ ہے جس میں اسی مدد کا مزید یقین دلانے کے لئے ایک اور ایمان افروز انداز اختیار فرمایا گیا۔ ارشاد ہے'' وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور اہل ایمان کی مدد فرمانا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے یعنی جو اللہ کے ہو گئے اب اللہ پر ان کا حق ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائیے۔ سوچئے تو صحیح کیا کبھی بھی کسی غلام کا اپنے مالک پر کوئی حق ہوتا ہے، غلام تو

Marfat.com

غلام ہی رہتا ہے اس کا تو بس یہ کام ہے کہ وہ مالک کی خدمت کرتا رہے وہ کتنا بھی خدمت گزار ہو مالک پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا یہ مالک کی مرضی پر موقوف ہے کہ اسے نوازے یا نہ نوازے لیکن یہ ہمارے آقا ﷺ کا کرم ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک ایسے مالک حقیقی کا پتہ بتا دیا جو غلاموں کو نوازتا ہے اور خوب نوازتا ہے حتیٰ کہ اپنی نوازش کو غلاموں کا حق قرار دیتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے فرمایا ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَذُبُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس بچاتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے ہی سمجھ لیجئے کہ اللہ کی مدد کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ میدان جہاد میں دشمن سے مقابلہ کے لئے فرشتوں کو نازل کیا جائے اور ہمیں فتح و کامرانی کے تاج سے نواز دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کا ہر نیک کام اسے اللہ کی مدد کا حقدار بناتا ہے اور ان نیکیوں کے صلہ میں رب کریم دنیا و آخرت کے جن انعامات سے بھی نوازتا ہے وہ درحقیقت اس کی نصرت اور مدد ہی ہوتی ہے۔

اللہ کے دین کی مدد

یہ بات شرعاً و عقلاً واضح ہے کہ اللہ کی مدد کا مطلب اللہ کے دین کی مدد کرنا ہے یعنی اس دین کی مدد کرنا جو اللہ کو محبوب ہے پسند ہے اور جو حق ہے اور وہ اسلام ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' کہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پس اے ایمان والو! تم مسلم ہو لہٰذا اسلام کی ہر طرح پاسبانی و حفاظت تمہاری ذمہ داری قرار پاتی ہے اگر اسلام کے احکام کو اسلام کے دشمن پامال کرنے کا ارادہ کریں تو اپنی ظاہری و مادی کمزوری اور دشمن کی ظاہری و مادی قوت کی پروا کئے بغیر تم اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے دشمن سے بھڑ جاؤ اور اگر تمہارا ہی نفس تمہیں احکام اسلام پامال کرنے پر آمادہ کرنے لگے تو کسی بھی نقصان کا خوف کئے بغیر ان خواہشات کو ایسا پامال کر دو کہ دل میں کسی برائی کا خیال تک باقی نہ رہے جب تم ایسا کرو گے تو ''يَنْصُرْكُمْ'' ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جس سے ''يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ'' تمہارے قدم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی تمہیں نہ ہلا سکے گا کہ اللہ جس کا مددگار ہو جائے کوئی اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے ''اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ'' اگر اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور ساتھ ہی یہ بھی سن لو ''وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ'' اور اگر اللہ ہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد تمہاری کون مدد کرے گا لہٰذا ''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ'' اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

مؤمن کی مدد صرف اللہ قادر مطلق ہی کرتا ہے اس لئے کہ اولاً تو کسی میں وہ قوت و طاقت ہی نہیں کہ وہ کسی کی مدد کر کے یقیناً اس کا تحفظ کر سکے۔ ثانیاً یہ کہ کوئی غیر مؤمن کسی مؤمن کا دوست نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ بظاہر مدد کا یقین بھی دلائے گا تو موقع ملنے پر ضرور وعدہ خلافی کرے گا تاکہ مؤمن ذلیل و خوار یا تباہ و برباد ہو جائے کہ اسلام کے دشمنوں کا تو مقصد ہی اسلام کے سپاہیوں کی تباہی و بربادی ہے۔ ان کی نظروں میں تو ایک ایک سپاہی کھٹکتا ہے وہ مسلمانوں کے مددگار بن کر کب

Marfat.com

انہیں تقویت پہنچانا یا امن وسکون کی زندگی فراہم کرنا برداشت کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں سب سے بڑا دشمن تو وہ خالم شیطان ہے جو کسی نہ کسی طرح جنت کے مستحقین کو اپنے ساتھ جہنم کا ایندھن بنانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ پس کلمہ پڑھنے والوں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے سپاہی بنیں، مجاہد بنیں، دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہیں اور ہر لمحہ شیطان لعین سے جہاد میں مصروف رہیں۔ اللہ ان کا مددگار ہوگا تو ان کے قدموں کو مضبوط کر دے گا ان پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے " وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ " جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، کیسے کافی ہوتا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے بطور مثال آقائے رحمت ﷺ کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ " لَوْ اَنَّكُمْ يتوكّلون على اللّٰه حقّ تو كّله " اگر تم اللہ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا کرنا چاہئے۔" لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تغدُوا خماصا و تروح بطانا " تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندے کو دیتا ہے کہ پرندہ صبح کو بھوکا اڑتا ہے اور شام پیٹ بھر کر واپس آتا ہے۔

(ابن ماجہ)

یہ تو ایک مثال ہے جس سے یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ بندہ جو کام بھی اللہ پر بھروسہ کر کے کرتا ہے اللہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی مدد فرماتا ہے بایں صورت کہ وہ کام اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور اس میں مطلوبہ کامیابی نصیب ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ توکل کے باوجود کام میں نہ تو آسانی معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی کامیابی اس کی وجہ العیاذ باللہ ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ اللہ نے ہم سے وعدہ پورا نہیں فرمایا بلکہ حقیقت میں اس کی وجہ بھی ہم پر اللہ کا کرم ہی ہے کہ جس چیز کے حصول کو ہم نے اپنے لئے اپنے ناقص علم کے مطابق بہتر و مفید جانا تھا اور ہم اس میں کامیابی کی دعائیں کر رہے تھے اللہ پر سچا توکل کر کے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اللہ ہی نے ہمیں عطا نہ فرمائی کیونکہ وہ رب کریم ہم سے زیادہ ہمارے حال کو ہماری ضرورت کو اور ہمارے فائدہ و نقصان کو جانتا ہے ہماری مطلوبہ چیز ہمارے لئے ضروری نہ تھی یا مفید نہ تھی یا اس کے مل جانے سے ہمیں کوئی نقصان ہو سکتا تھا۔ پس رب نے ہمیں عطا نہ فرما کر ہم سے وعدہ خلافی نہیں فرمائی بلکہ ہم پر بے حد کرم فرمایا۔

اس سلسلے میں ہم اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ایک ملک کا دورہ کرنے کا بڑا ہی اشتیاق تھا۔ جیسے تیسے موقع ہاتھ آیا تمام سفری انتظامات مکمل ہو گئے۔ بس تاریخ مقررہ پر جہاز میں بیٹھنے کے لئے ہم مضطرب تھے بالآخر وہ دن بھی آ گیا اور ہم ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ کاؤنٹر پر پہنچے تو پتہ چلا کہ جہاز تو پرواز کے لئے حرکت میں آ چکا اب سفر کا کوئی امکان نہیں۔ خیال فرمائیے کہ ہم پر کیا بیتی ہوگی کیونکہ نہ جانے کس طرح تو یہ موقع ملا تھا۔ علاوہ ازیں ہماری تو عادت ہے کہ ہمیشہ وقت سے کافی پہلے ہم ایئر پورٹ پہنچ جاتے ہیں اسی لئے اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا اور نہ آج تک ہمارا کوئی جہاز چھوٹا ہے لیکن اس دن واقعی کچھ عجب کیفیت تھی کہ باوجود اس کے کہ اس سفر کا ہمیں بے حد انتظار تھا لیکن طبیعت پر کچھ بار سا محسوس ہو رہا تھا اور ہر کام سست رفتاری سے ہوا تھا اسی لئے ہمیں دیر ہوئی بہر حال صبر کیا گھر واپس آ گئے ابھی کپڑے بھی تبدیل

Marfat.com

نہیں کیے تھے کہ خبر ملی کہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اب سوچئے ہماری کیا کیفیت ہوئی ہوگی، سارا جسم کانپ گیا۔ جس حال میں تھے اسی حال میں ہم اور سب گھر والے سجدہ ریز ہو گئے۔ آج تک اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل حادثاتی موت سے بچایا۔

سمجھ لیا آپ نے کہ کبھی ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی اور توکل کے باوجود ہمیں کامیابی کیوں نہیں حاصل ہوتی اسی لئے کہ اللہ ہم سے بہتر ہمارے حال کو جانتا ہے۔

کفار کا حال

اہل ایمان پر اپنے انعام واکرام بالخصوص ان کی مدد کرنے کا مژدہ سنانے کے بعد ہی کفار کا حال بتایا جا رہا ہے تاکہ مؤمنین کی مزید ہمت افزائی ہو وہ کفر وشرک سے متنفر ہو کر صرف اللہ کی مدد کے مزید طلب گار بنیں صرف اسی کے سایہ رحمت میں پناہ گزیں ہوں۔

جن لوگوں نے کفر کیا ان کا حال یہ ہے کہ ''فَتَعْسًا لَّهُمْ'' وہ جب بھی اسلام کے خلاف سازشیں کریں گے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے پروگرام بنائیں گے اوندھے منہ ہی گرتے رہیں گے۔ ذلیل وخوار اور نامراد ہی ہوتے رہیں گے ''وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ'' اللہ دنیا میں بھی ان کی تدبیر کونا کام کرتا رہے گا اور اگر وہ کوئی نیک کام کریں گے تو آخرت میں اس کا انہیں کوئی اجر وثواب نہ ملے گا کیونکہ اللہ تو صرف اہل ایمان ہی کا مددگار ہے اور اس کے دربار میں انہی اعمال کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے جن کی بنیاد ایمان پر ہو۔ کفار کی نامرادی وناکامی کا بنیادی سبب یہی کہ ''بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' وہ اللہ کے نازل کردہ احکام سے اعراض وروگردانی کرتے رہے، لہٰذا ان کا مقدر صرف جہنم کی آگ ہی ہے ''اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' اللہ نے کفار سے تو صرف جہنم کی آگ کا ہی وعدہ فرمایا ہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ یہ کفار کفر وشرک میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ ان میں عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی بھی صلاحیت نہ رہی ورنہ ان کے لئے ان اقوام ماضیہ کے آثار ونشانات دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا جن کو اللہ ان سے پہلے تباہ و برباد کر چکا ہے جبکہ وہ مادی وسائل اور باعتبار قوت وطاقت ان سے بہت زیادہ تھے بہر حال یہ عبرت حاصل کریں یا نہ کریں تمام کافروں کا انجام ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

اہل ایمان کو عزت وعظمت ملنے اور کفار کی ذلت وخواری کا اصل سبب یہ ہے کہ ''بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کہ اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے جبکہ ''وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ'' اور کافروں کا تو کوئی مددگار نہیں۔ ہاں ان کا اگر کوئی مددگار ہے تو وہ طاغوت شیاطین ہیں جن کی اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں وہ تو خود جہنمی ہیں ان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ بھی جہنم ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں اسی حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'' اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ'' کفر کرنیوالوں کے ساتھ شیطان ہیں جو ''يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ'' انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' یہی

Marfat.com

لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین کا حال موجود ہے جن پر غور کرنے کے بعد ہمیں اللہ کا یہ پیغام ملتا ہے کہ اہل ایمان کو کسی بھی حال میں اللہ و رسول کے ان باغیوں پر نہ تو اعتماد کرنا چاہئے نہ ہی انہیں اپنا دوست بنانا چاہئے نہ اشد ضرورت کے باوجود ان سے مدد مانگنا اور ان کے در کا بھکاری بننا چاہئے کیونکہ یہ قومیں قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ یہ کبھی بھی مسلمانوں کو خوشحال اور پھلتا پھولتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو ان کی تعداد، ظاہری و مادی وسائل اور قوت و طاقت سے بھی مرعوب و خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب اس ایک قوت کے مقابلہ پر ہیچ اور کالعدم ہے جو اہل اسلام کو میسر ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت جس کے سبب انہیں ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب تک اہل ایمان اطاعت شعار و فرمانبردار رہیں گے اس وقت تک وہ باعزت، بارعب اور پروقار زندگی بسر کرتے رہیں گے کوئی قوم ان پر غالب نہ آسکے گی کوئی انہیں منتشر و متفرق کر کے بدحالی میں مبتلا نہ کر سکے گا۔

نیز قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ دنیا میں پرسکون اور باعزت زندگی اور آخرت میں جنت اہل ایمان کا مقدر ہے جبکہ غیر مسلم اقوام کے نصیب میں یہاں ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں جبکہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اہل ایمان اس دنیا میں ان کے ظاہری عیش و عشرت، قوت و طاقت سے ہرگز مرعوب نہ ہوں کیونکہ اولاً تو انہیں جو کچھ ملا ہے بس یہی ہے جس کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر وہ اس حقیقت کو بھلا بیٹھے ہیں کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے اس کے بعد کی زندگی دائمی ہوگی جس میں انہیں آگ کے انگاروں، خون، پیپ کے سوا کچھ میسر نہ آئے گا۔ جبکہ مؤمن تو خوب جانتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مسافر ہے سفر کے یہ دن اچھے گزریں یا برے چند ہی تو ہیں گزر جائیں گے۔ فکر اس زندگی کی کرنا چاہئے جو ابدی ہوگی جہاں موت نہ ہوگی وہاں ہمارے لئے وہ جنت سجی ہوئی ہے جس کے حسن و جمال اور نعمتوں کی لذت کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی ممکن نہیں۔ یہاں کسی کو وہ کچھ میسر نہیں جو ہمیں وہاں نصیب ہوگا۔ ثانیاً جس طرح خودرو درختوں پر کچھ پھل، پھول آجاتے ہیں اسی طرح ان باغیوں کو اللہ کی کچھ نعمتیں ملی ہوئی ہیں لیکن نہ ان پھلوں اور پھولوں کی کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے اور نہ ہی ان نعمتوں کی کچھ حیثیت ہے حتیٰ کہ ان کی تو انسانیت کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ انہیں انسان ہونے کے باوجود چوپایوں سے بدتر قرار دیا گیا ہے یہ صرف جہنم کا ایندھن ہیں انہیں دنیا میں صرف اس لئے پالا جا رہا ہے کہ ان سے جہنم کی آگ خوب بھڑک سکے جس طرح یہاں آگ جلانے کے لئے درخت اگائے جاتے ہیں۔

سورۂ محمد (ﷺ) کی ان آیات مبارکہ پر دوبارہ غور کیجئے تو یہی حقائق آپ کو نظر آئیں گے اور آپ بآسانی اپنے مقام اور کفار کی حیثیت کو سمجھ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ
مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

Marfat.com

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۝

(محمد: ۱۲ـ ۱۴)

بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں ہیں جو قوت وشوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے بسنے والوں) نے تمہیں نکالا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کی طرف سے اس شخص کی طرح ہے جس کے لئے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔

اے ایمان والو! قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں تاریخ انسانیت اور خود اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ کرو تو واقعات کی صورت میں ہر حقیقت کو اپنے سامنے محسوس کرو گے اور اپنے مقام اور غیر مسلموں کی حیثیت کو بآسانی پہچان سکو گے اور سوچو گے کہ آج ہمیں اسلاف جیسی باعزت، باوقار اور پرسکون زندگی کیوں میسر نہیں۔ آخر ہم کیوں ذلیل و خوار ہیں، بدحال و کمزور ہیں، دشمن سے خوفزدہ ہیں اور اس کے در کے بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ دوستو! یقین جانو یہ نتیجہ ہے ہماری اس بدکرداری اور بدعملی کا، جس کی راہ ہمیں ہمارے، عیاش و جاہل رہنماؤں، شہنشاہوں اور حکام نے دکھائی ہم انہی کی پالیسیوں کے احکام کی تعمیل کے سبب ذلت وخواری کے اس گڑھے میں گرے ہیں اور اب اس قعر مذلت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ہم ماضی کی غلطیوں پر تائب ہو کر انفرادی طور پر اپنی اصلاح کریں۔ اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کا آغاز کریں خود صالحیت اختیار کریں اپنے اہل خانہ کو شریعت کا پابند بنائیں اور اپنے معاشرے میں نیکیوں کو پھیلائیں یہی بڑا جہاد ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ اگر ہم نے اس جہاد کا آغاز کر دیا تو یقین جانئے اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا، ہماری مدد کرے گا۔ برائیوں، بروں اور دشمنوں کے مقابلہ پر ہمارے قدم مضبوط کر دے گا حتیٰ کہ ہم پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت غالب نہ ہو سکے گی ہم ہی باوقار و بارعب ہوں گے، باعزت ہوں گے، ہماری زندگی کے شب و روز پرسکون ہو جائیں گے۔ آج جن سے ہم خوفزدہ ہیں کل وہ ماضی کی طرح ہمارا نام سن کر کانپتے نظر آئیں گے۔ آج جن کے در کے ہم بھکاری بنے ہوئے ہیں کل وہ ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوں گے۔ آج جو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کل وہ خود مضحکہ بن جائیں گے اور اس چند روزہ زندگی کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں ہم اپنے رب کریم کے مہمان ہوں گے اور وہ ہم سے اپنا وعدہ ''لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ'' پورا کرے گا کہ ہماری ہر خواہش اظہار سے پہلے پوری ہو گی اور ہر چیز مانگنے سے پہلے مل جائے گی۔ ''نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ'' یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے کیسا کریم مالک ہے جو غلاموں کو مہمان بنا رہا ہے اور ان کی میزبانی فرما رہا ہے۔ ہر میزبان اپنی شان کے مطابق

Marfat.com

ہی اپنے مہمانوں کو نوازتا ہے میرے رب سے زیادہ بلند شان، وسعت وقدرت والا کون ہوسکتا ہے۔ جنت میں اس کے دستر خوانِ کرم پر مہمانوں کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ مانگنے سے پہلے انہیں دے دیا جائے گا۔ بے شمار مہمان ہوں گے سب کی علیحدہ علیحدہ بے شمار خواہشات ہوں گی اور ہر خواہش پوری ہوگی۔ ”وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ“ اور وہاں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی جنتیوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہوگی اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔

اسی جنت کے بدلے اللہ نے ہمارے جان و مال کو خرید لیا ہے ”اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ“ بیشک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ اب یہ جان و مال ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں جن کو ہمیں صرف اللہ ہی کی مرضی اور اجازت کے مطابق استعمال کرنے کا حق حاصل ہے تا کہ کل اللہ ہمیں اس کے بدلے جنت عطا فرمائے۔

جنت کی خوبیاں

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے اہل ایمان سے جو وعدے فرمائے ہیں ان میں سے ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ایک ایمان افروز وعدہ جنت کا بھی ہے جسے وحی الٰہی میں مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورۂ محمد (ﷺ) کی جن آیات پر گفتگو جاری ہے ان میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جنت کا مژدہ دیتے ہوئے فرماتا ہے ”اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ“ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک کام کئے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ سورۃ النساء میں ہے ارشاد ہوا ”وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا“ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو ہم ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ”وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا“ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ ”وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا“ اور اللہ سے زیادہ سچ بات کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ سورۂ حج میں ہے ”اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۝“ بیشک اللہ ایمان والوں اور نیکوکاروں کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں ہے ”وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا“ اور اللہ (اہل ایمان) کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی بے شمار نعمتوں میں سب سے زیادہ اہم وہ نہریں ہیں جو اس کے نیچے بہہ رہی ہیں کیونکہ تقریباً ہر جگہ جنت کا ذکر ان نہروں ہی کے ساتھ ہے یہ نہریں جنت کے حسن و جمال اور اس کی پرکشش فضا کا بنیادی حصہ ہوں گی۔ یہ چار نہریں ہیں۔ جیسا کہ اپنی دنیا کی آنکھوں سے جنت کو ملاحظہ فرمانے والے مخبر صادق ﷺ نے ہمیں بتایا کہ جنت کا بلند ترین درجہ فردوس ہے۔ ”مِنْهَا تُفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةُ“ اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں۔ جنت الفردوس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا ”فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ

Marfat.com

الفِردَوسَ'' جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس ہی مانگو انہی چاروں نہروں کا حال زیر گفتگو آیات میں بیان ہو رہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ'' جس جنت کا وعدہ متقین سے یعنی اطاعت شعار اہل ایمان سے کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات یہ وضاحت کرتی ہیں کہ حقیقتاً جنت کے مستحق وہی مؤمنین ہیں جو زندگی کا ہر لمحہ، ہر لحظہ اللہ و رسول کے احکام کے مطابق بسر کرتے ہیں اور ان کے دامن پر گناہ کا کوئی معمولی داغ بھی نہ ہو۔ جبکہ آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد ہے ''من قال لا اله الا الله فدخل الجنة'' ہر کلمہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا یہ اس محبوب ﷺ کا ارشاد ہے جن کی خوشنودی اللہ کو مقصود ہے لہٰذا ہم جیسے گناہگار بھی یقین رکھتے ہیں کہ جس آقا ﷺ کا کلمہ پڑھ کر ہم نے ان کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے وہ ضرور ہماری شفاعت فرمائیں گے کہ انہی کا وعدہ ہے۔ ''شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ'' اور رحیم و کریم رب ہمارے حق میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت ضرور قبول فرمائے گا اور متقین و صالحین کی معیت میں ہم بھی جنت میں داخل ہو سکیں گے بس اللہ کرے زندگی میں ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو کہ ہم بے سہاروں کے آسرا، شفیع المذنبین ﷺ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں اور ان کی نظر کرم سے محروم ہو جائیں کہ قیامت کے دن جس سے وہ نظر پھیر لیں گے اسے جنت ملنا تو درکنار اس تک جنت کی ہوا بھی نہ پہنچ سکے گی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

غرضیکہ جنت ''اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' ان اہل ایمان ہی کے لئے ہے جو متقین ہیں، اطاعت گزار اور اطاعت شعار ہیں۔ جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں جو اس کے حسن و جمال کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی جنت کا ذکر آیا ہے تقریباً ہر جگہ ہی اس کے نیچے نہریں جاری ہونے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ نہریں کیسی ہوں گی اس سوال کا جواب ہمیں سورۂ محمد (ﷺ) کی اس آیت سے مل رہا ہے، فرمایا گیا۔

پانی کی نہریں

''فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ''...... جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس کی بو اور مزہ کبھی نہیں بگڑتا یعنی یہ نہر اگرچہ پانی کی ہوگی لیکن اس کا پانی اس دنیا کے پانی جیسا نہ ہوگا کہ دنیا کا پانی اگرچہ ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ بے شمار فوائد سے پر ہے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے لیکن جنت کے پانی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں جس کی اہم ترین خصوصیت اس کا ''غَيْرِ اٰسِنٍ'' ہونا بیان کی جا رہی ہے کہ دنیا کے پانی میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد تغیر پیدا ہو جاتا ہے، رنگ بدل جاتا ہے، مزہ تبدیل ہو جاتا ہے، بدبو آنے لگتی ہے لیکن جنت کا پانی ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے یعنی زمزم جس کی خوبیوں اور فوائد سے ہم قدرے جنت کی اس نہر کے پانی کا اندازہ کر سکتے لیکن مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

دودھ کی نہریں

''وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ'' اور اس جنت میں ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ دودھ ہمارے دنیاوی دودھ سے کہیں زیادہ نفیس و اعلیٰ ہوگا جبکہ یہاں کا دودھ بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے کہ بچہ

Marfat.com

ابتداءً اسی سے پرورش پاتا اور اپنی بنیاد یعنی ہڈیوں کو اسی سے مضبوط و مستحکم کرتا ہے پھر ساری زندگی ہماری غذا کا اہم ترین جز وہتا ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے لئے فراہم کیا کہ مادہ جو غذا کھاتی ہے اسی سے فضلہ اور خون کے ساتھ دودھ بھی بنتا ہے اور پھر اللہ کی قدرت سے نہایت ہی صاف و شفاف صورت میں ہمارے لئے برآمد ہوتا ہے۔ سورۂ نحل میں اس کرشمۂ قدرت کا تذکرہ موجود ہے، فرمایا گیا ''وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط'' اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ ''نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِىْ بُطُوْنِه مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ'' ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں ہے۔ گوبر اور خون کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو پینے والے کے لئے بہت ہی خوش ذائقہ ہے۔

اللہ اکبر، میرے رب کی کیا قدرت ہے کہ ایک ہی غذا سے حسب ضرورت تین چیزیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ نہ گوبر ضرورت سے زیادہ ہے اور نہ ہی خون اور دودھ پھر دودھ ہمارے حسین برتن میں آیا تو ہم نے نہ تو اس میں گوبر کی بو محسوس کی اور نہ خون کی رنگت دیکھی حالانکہ یہ فرث ودم کے درمیان تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی غافل و بے حس ہے کہ اللہ کی جن نعمتوں کو وہ ہر دم استعمال کرتا ہے ان کی حقیقت پر اسے غور کرنے کا کبھی خیال نہیں آتا ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دولت ایمان سے محروم رہے۔ ''وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' اہل یقین کے لئے قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں زمین میں بھی موجود ہیں اور تمہارے وجود میں بھی کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔

شراب کی نہریں

''وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ'' اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہے۔ شراب تو دنیا میں بھی موجود ہے لیکن گندی ہے، نجس ہے، حرام ہے کہ اس میں لذت نہیں، ذلت ہے، خواری ہے، ہلاکت ہے، تباہی و بربادی ہے، فتنہ وفساد کی جڑ ہے، صحت وتندرستی، عقل وخرد، اخلاق وکردار، معاش ومعاشرت غرضیکہ زندگی کے لئے زہر قاتل ہے۔ اللہ اپنے محبوب ﷺ کے محبوب غلاموں کے لئے ایسی مہلک چیز کو کب پسند فرما سکتا ہے۔ پس دنیا کی اسی شراب کو اہل ایمان کے لئے حرام ونجس قرار دیا گیا اور مژدہ سنایا گیا کہ ہم نے تمہارے لئے جنت میں شراب کی نہریں جاری کر رکھی ہیں۔

پس تم اس گندی شراب سے بچو اور ان چھلکتے جاموں کا انتظار کرو جو تمہیں جنت میں پیش کئے جائیں گے۔

قرآن کریم کارخانہ قدرت میں تیار شدہ جنت کی اس شراب کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس موقعہ پر ہم سورۂ دھر کی وہ اٹھارہ آیات نقل کرتے ہیں جن میں جنتی شراب کے ساتھ جنت کی دیگر نعمتوں کا ذکر ہے۔ بغور پڑھئے، جھومئے، ایمان تازہ کیجئے اور وہ اعمال اختیار کیجئے جو ان نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بن سکیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۞ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۞ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۞ وَ

Marfat.com

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ
شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ
ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ
قَوَارِيْرَا۠ ۝ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ
مُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَ
سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(الدھر: ۵۔۲۲)

بیشک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں کافور کا پانی ملا ہوگا۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے (ابرار وہ ہیں) جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا اور وہ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ہی ترش (اور) سخت ہے پس بچالے گا انہیں اللہ اس دن کے شر سے اور عطا فرمائے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور اور عطا فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ نہ دیکھیں گے وہاں سورج کی تپش اور سخت ٹھنڈک اور قریب ہوں گے ان کے اس کے (درختوں کے) سایہ اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گھومائے جارہے ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشہ کے چمکدار گلاس (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پوری طرح بھرا ہوگا اور انہیں وہاں (ایسی شراب کے) جام پلائے جائیں گے جس میں زنجبیل ملی ہوگی (یہ زنجبیل) جنت کا ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اور گھومتے رہیں گے ان کے اردگرد ایسے بچے جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تم انہیں دیکھو تو گمان کرو کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور وہاں جدھر بھی تم دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت ہی نظر آئے گی ان کے اوپر لباس ہوگا باریک، سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور

Marfat.com

انہیں پہنائے جائیں گے چاندی کے کنگن اور پلائے گا انہیں ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب (انہیں بتایا جائے گا) یہ تمہارا اصلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں۔

جنت کی نعمت صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ہیں جن کا قرآن کریم میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے اور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی موقع بہ موقع کچھ نعمتیں بتائیں۔ یہاں ہم جنتی شراب کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس فہرست میں شراب کی تین قسمیں بیان کی گئیں:

شراب کافور

کافور وہ نہیں جو ہم استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جو پانی کی طرح سفید و چمکدار ہے۔ اس کی تاثیر بھی کافور کی طرح ٹھنڈی ہوگی اور مہک بھی کافور جیسی ہوگی جس کی ملاوٹ سے شراب کی لذت دوبالا ہو جائے گی اور اہل جنت اسے بہت پسند کریں گے۔

شراب زنجبیل

زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کے پانی میں سونٹھ کی مہک اور ذائقہ ہے۔ اس چشمہ کا اصل نام قرآن کریم سلسبیل بتاتا ہے۔ سونٹھ کا شربت ہم بھی استعمال کرتے ہیں جو نہایت لذیذ اور مفید ہوتا ہے۔ جنت میں یہی پانی شراب میں ملا دیا جائے گا جس سے شراب نہایت ہی لذت دار ہو جائے گی۔

شرابِ طہور

یہ خالص شراب ہوگی جس میں نہ کافور کی مہک ہوگی اور نہ زنجبیل کا مزہ یہ اپنی دو خصوصیات کے سبب جنت کی سب سے اعلیٰ شراب ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو نہایت ہی پاکیزہ ہونا ہے اسی لئے اس کا نام ہی شراب طہور رکھا گیا ہے اور دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ جنتیوں کا میزبان رحیم و کریم آقا جل مجدہ بذات خود اپنے غلام مہمانوں کو اس شراب کے جام مرحمت فرمائے گا۔

حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مقربین اور محبوبین کو اپنے عرش کے نیچے شراب طہور کے بھرے جام خود بلا واسطہ پلائے گا جبکہ درمیانی درجہ والوں کو فرشتے شراب پلائیں گے اور عام جنتیوں کی اس خدمت پر غلمان یعنی نوجوان حسین لڑکے مامور ہوں گے۔

انہی غلمان کو آیات دہر میں ولدان فرمایا گیا جن کی ایک خوبی مخلدون بیان ہوئی کہ وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہیں گے نہ کبھی ان کے جسم میں کوئی تبدیلی آئے گی نہ رنگ و روپ میں۔ دنیا جیسا حال نہ ہوگا کہ ہمارے بچے ہمارے ہی سامنے بڑے ہو جاتے ہیں نہ بچپن جیسی شوخی رہتی ہے اور نہ بھولا پن، انہی ولدان کی دوسری خوبی لؤلؤا منثورا ہے کہ یہ اپنے چھوٹے چھوٹے قدوں، حسن و جمال، رنگ و روپ اور چمکتے دمکتے چہروں کے سبب بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح نظر آتے

Marfat.com

ہوں گے۔ غلمان کا ذکر سورۂ طور میں اس طرح کیا گیا ہے کہ "يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ" اور چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام ایسے معلوم ہوتے ہوں گے جیسے وہ چھپے موتی ہیں۔

شہد کی نہریں

"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى" اور جنت میں شہد کی نہریں ہیں جو صاف ستھرا ہے۔ شہد اللہ کی نعمتوں سے ایک عظیم نعمت ہے جو ہمارے لئے لذیذ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ میرے آقا شافی الامراض ﷺ کا ارشاد ہے: "مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلَاثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِّنَ الْبَلَاءِ" جس نے ہر مہینہ صبح کے وقت تین دن شہد چاٹا اسے کوئی بڑی بیماری نہ ہوگی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا "عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ" دوشفاؤں (دواؤں) کو اپنے لئے لازم کرلو (بلاناغہ استعمال کیا کرو) شہد اور (تلاوت) قرآن مجید تحقیق کے مطابق شہد سو بیماریوں سے زیادہ کے لئے ذریعہ علاج ہے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے ہمارے لئے ایک مکھی کو کارخانہ شہد بنادیا جو پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے یہی رس چند دن بعد شہد کی صورت میں ہمیں فراہم کرتی رہتی ہے۔ قدرت کا عجوبہ یہ ہے کہ یہ مکھی دیگر مکھیوں کی طرح کبھی گندگی پر نہیں بیٹھتی نیز اس کثرت سے ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک وشہر میں پائی جاتی ہے اور ساری دنیا اس سے فراہم کردہ شہد کو استعمال کرتی ہے۔ پرلطف بات یہ ہے کہ یہ بے حد زہریلی بھی ہوتی ہے اگر غضبناک ہوکر چند مکھیاں انسان کو چمٹ جائیں تو اس کی موت واقع ہوسکتی ہے اکثر یہ گلے پر چمٹتی ہے اس کے کاٹنے سے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے۔

سورۂ نحل کی یہ آیۂ مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں اللہ قادر مطلق جل مجدہ نے اپنی اس عظیم مخلوق کا ذکر کرتے ہوئے اہل عقل کو کارہائے قدرت پر غور وفکر کی دعوت دی ہے "وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ" اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ "اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ" وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے چھپروں (چھتوں) میں چھتے بنائے۔ "ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ" پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوسا کرے۔ "فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا" پھر اپنے رب کی آسان کردہ راہوں پر چلتی رہا کرے (اس عمل کے بعد) "يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ" اس کے پیٹ سے ایک ایسا مشروب نکلتا ہے جس کا رنگ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگوں کے لئے شفا کا ذریعہ ہوتا ہے۔ "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ" بلاشبہ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانی ہے عقل والوں کے لئے بلاشبہ یہ قدرت کی نشانی ہے کہ مکھی رس چوستی ہے اس کو شہد میں منتقل کرتی ہے۔ ہمارے لئے شہد کا خزانہ فراہم کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز سے نہایت محفوظ ومضبوط چھتا بناتی ہے۔ ایک ہی مخلوق سے برآمد ہونے والا یہ لعاب ایک ہی رنگ کا ہونا چاہئے تھا جیسے دودھ ہر عورت کا اور ہر جانور کا صرف سفید ہی ہوتا ہے لیکن شہد مختلف رنگ کا ہوتا ہے پھر مکھی کا یہ لعاب ہماری ایک بہترین غذا اور دوا بنتا ہے۔ کیا یہ سب باتیں قابل غور نہیں کیا ان سے ایک اللہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا کیا اس کی واسع قدرت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ ہاں یہ سب باتیں اہل عقل کے لئے قابل غور ہیں۔ پس جو عقلمند ہیں وہ ان پر غور

Marfat.com

بھی کرتے ہیں اور اس کے نتائج کو قبول بھی کرتے ہیں اور جو صرف عقل کے دعویدار ہیں درحقیقت عقلمند نہیں وہ اللہ کی ان نعمتوں سے صرف فائدہ ہی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ جانوروں کی طرح انہیں استعمال تو کرتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نعمتیں انہیں کس کارخانہ سے فراہم کی جارہی ہیں اور وہ کارخانہ کس کی قوت وطاقت سے چل رہا ہے، کون اس کا مالک ہے اور وہ اپنی ان عجیب وغریب نعمتوں کے بدلے ہم سے کیا چاہتا ہے۔

جنت کے پھل

''وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ'' اور ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ ان پھلوں کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ بظاہر دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں اس کیفیت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ''وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) خوشخبری دیجئے اہل ایمان اور نیک کام کرنے والوں کو۔ ''اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ''كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا'' جب انہیں جنت کے پھلوں میں کوئی پھل کھلایا جائے گا۔ ''قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ'' (تو صورت دیکھ کر) وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے (دنیا میں) کھلایا جاچکا ہے۔ ''وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا'' حالانکہ انہیں صورتاً ملتا جلتا پھل دیا گیا ہے (جو ذائقہ میں مختلف ہے)۔

قرآن کریم میں ان جنتی پھلوں کا ذکر متعدد آیات میں مختلف انداز سے موجود ہے۔ سورۂ یٰس شریف میں ہے ''لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ'' ان کے لئے وہاں طرح طرح کے پھل ہوں گے اور انہیں ہر وہ چیز ملے گی جسے وہ طلب کریں گے۔ سورۂ زخرف میں ہے ''لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ'' جنت میں تمہارے لئے بکثرت پھل ہوں گے جو تم چاہو گے کھاؤ گے۔ بعض ایسے پھلوں کے نام بھی بیان فرمادیئے گئے جو عموماً دنیا میں پسند کئے جاتے ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں ہے ''فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ'' جنت کے دو باغوں میں پھل ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سورۂ نباء میں ہے ''حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا'' (متقین کے لئے جنت میں) باغات اور انگور ہیں۔ غرضیکہ جنت میں ایک ہی شکل وصورت لیکن مختلف مزے والے پھل جنتیوں کو فراہم کئے جائیں گے۔

جنتیوں کی مغفرت:

''وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ'' اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کہ جو بوسیلہ شفاعت نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور اللہ رحیم ورحمٰن اپنے فضل وکرم سے انہیں جنت میں داخل فرمانے کا مژدہ دے گا۔ ان کی مغفرت اور بخشش کا بھی اسی وقت اعلان کردیا جائے گا تاکہ انہیں دوبارہ اپنے حساب وکتاب کا خطرہ نہ رہے اور وہ مطمئن ہو کر جنت کی نعمتوں سے فیض حاصل کرسکیں۔ اعلانِ مغفرت سے پہلے جو ان پر ایک خوف طاری تھا اب وہ ختم ہوجائے گا اور ان کے دل مطمئن ہوجائیں گے کہ مؤمن کو سب سے زیادہ اپنی مغفرت اور بخشش ہی کی فکر رہتی ہے اسی لئے اہل ایمان دنیا میں ساری زندگی رب کے حضور روتے ہی رہتے ہیں اور اُس سے اپنی مغفرت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں۔ مغفرت کی فکر ہی

Marfat.com

کے باعث وہ دنیا کی بے شمار لذتوں کو ترک کر دیتے ہیں جب ان کے لئے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوگا اور ساتھ ہی ان کی بخشش کا اعلان کیا جائے گا تو انہیں اطمینان وسکون نصیب ہوگا اسی لئے انہیں نفس مطمئنہ کے خطاب سے نوازا جائے گا۔ ''یَآیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً'' اے نفس مطمئنہ واپس آجا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے (اور) وہ تجھ سے راضی۔ ''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ'' پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔ اسی بے فکری اور اطمینان وسکون کی وضاحت کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا ''مَنْ یَّدْخُلُهَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْأَسُ'' جو جنت میں داخل ہوگا مطمئن ہوگا، غمگین نہ ہوگا۔ ''وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ'' اور ہمیشہ رہے گا اور موت نہ آئے گی۔ ''وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُهُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ'' اور نہ ہی ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی جوانی فنا ہوگی۔

غور فرمایا جنت میں کیسا آرام واطمینان ہوگا حتیٰ کہ اس نعمتوں بھری دنیا سے نہ تو کبھی نکلنے کا خوف ہوگا نہ موت کا ڈر ہوگا نہ کپڑے پرانے اور بوسیدہ ہو جانے کا ڈر ہوگا اور نہ شباب ڈھل جانے کا خطرہ ہوگا۔ بس جنتی رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوب خوب فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

جنت کی چند دوسری نعمتیں

آپ نے جنت کی نہروں اور کچھ نعمتوں کا حال پڑھا۔ انشاء اللہ ہم ''جنت و دوزخ'' کے عنوان پر جلد ہی ایک کتاب پیش کریں گے۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنت کی چند دوسری نعمتوں کا ذکر کرتے چلیں تا کہ ہمارا یہ مضمون مزید پرلطف ہو جائے لیکن پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ جنت کی کسی بھی نعمت کی تشبیہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی اسی لئے اس کی کیفیت، صورت وشکل کا صحیح اندازہ کر لینا ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا سورۂ سجدہ میں ہے ''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ'' کوئی نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ حدیث قدسی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آقا ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' میں نے اپنے بندوں کے لئے کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھیں ہیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

مالک جنت ﷺ نے جب چاہا نظر اٹھائی اور جنت کو دیکھا بالخصوص سفر معراج میں آپ کو اس کا تفصیلی معائنہ کرایا گیا۔ آپ نے ہم غلاموں کا اشتیاق جنت بڑھانے کے لئے اس کی بعض کیفیات بیان فرمائیں۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ''مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا'' جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ سوط کوڑا رکھنے یا ایک چھوٹی سی جگہ کو کہتے ہیں۔ میرے آقا ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جنت کا ایک معمولی چھوٹا سا کونہ بھی دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے ورنہ جنت میں نہ کوڑا کرکٹ ہوگا اور نہ ہی

Marfat.com

گندگی اور غلاظت۔ آپ فرماتے ہیں ''وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ'' جنت میں تمہاری کمان برابر جگہ بھی ان سب چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے یعنی جنت کی ایک چھوٹی سی جگہ بھی پوری دنیا سے بہتر ہے۔

قرآن کریم جنت کی وسعت وفراخی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے ''وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے ہمارے سمجھانے کے لئے جنت کی چوڑائی کا یہ ایک اندازہ بیان کیا گیا ہے حقیقت تو اللہ ہی جانے کہ اس کی چوڑائی کتنی ہوگی اور جب چوڑائی کا یہ حال ہے تو لمبائی کا کیا حال ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعٰلَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ'' جنت میں سو درجے ہیں اگر سارے جہانوں کو جمع کرلیا جائے تو ان میں سے ایک میں سما جائیں گے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے جنتیوں کے لئے پاکیزہ حسین وجمیل بیویوں کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا، سورۂ بقرہ میں ہے ''وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' اور جنتیوں کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ایسی پاک وصاف ہوں گی کہ نہ تو انہیں جسمانی طور پر کوئی ناپاکی اور گندگی لاحق ہوگی اور نہ ہی ان کے اخلاق وکردار میں کوئی عیب ونقص ہوگا۔ سورۂ طور میں ارشاد ہے ''مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ وَّزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ'' جنتی (نہایت اطمینان ومسرت کے ساتھ) بچھی ہوئی مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم گوری گوری حسین آنکھوں والیوں سے ان کا بیاہ کردیں گے۔ سورۂ ص میں فرمایا گیا ''وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ'' اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ایک جیسی عورتیں ہوں گی۔ ''قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ'' یعنی ایسی باحیاء وباشرم عورتیں جو اپنے خاوند کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔ ''اَتْرَابٌ'' آپس میں محبت کرنے والی یا حسن وجمال اور عمر میں یکساں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ دنیا کی نیک بیویاں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ ہی جنت میں جائیں گی۔ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ''اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ'' داخل ہو جاؤ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی۔

سورۂ رحمٰن میں جنتی بیویوں کی چند خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ''فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ'' ان میں نیچی نگاہوں والی (شرمیلی حوریں) ہوں گی جنہیں ان (جنتیوں) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ ہی کسی جن نے یعنی کنواری ہوں گی۔ پھر ارشاد ہوا کہ وہ ایسی حسین وجمیل ہوں گی ''كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ'' گویا (چمکتے دمکتے) یاقوت اور مرجان ہیں۔ ان کی عادات واخلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ''فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ'' ان میں اچھی سیرت والیاں اور اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ یعنی اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال ہوں گی اور ظاہری حسن وجمال میں بھی بے نظیر ہوں گی۔ یہ بیویاں آج کل کی عورتوں کی طرح اپنے حسن وجمال کی نمائش کرنے والی بے پردہ گھومنے

Marfat.com

والی نہ ہوں گی بلکہ "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ" یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔ حور اس جنتی عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھ کی سفیدی خوب سفید ہو اور پتلی خوب سیاہ ہو عورت کی یہ خوبی اس کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔

میرے آقا ﷺ نے جنتی عورتوں کے حسن و جمال کے متعلق فرمایا "وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِنْ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَيْنَهُمَا" اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو (جنت و زمین) دونوں کی درمیانی جگہ چمک اٹھے گی۔ "وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا" اور خوشبو سے بھر جائے گی۔ "وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا" اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور اس کی ساری متاع سے زیادہ قیمتی ہوگا۔

حوروں کے حسن و جمال کا تو کیا کہنا وہ جنتی عورتیں بھی جنت میں داخل ہو کر نہایت ہی حسین ہو جائیں گی جو اپنے شوہروں کے ساتھ جنت میں پہنچیں گی۔ ان جنتی بیویوں کی نورانیت ان کا حسن و جمال اتنا ہوگا کہ ہماری دنیاوی آنکھیں ان کی تاب نہ لا سکیں گی لہٰذا اللہ رب العزۃ ہماری آنکھوں اور دیگر قوتوں میں بھی اتنا اضافہ فرمائے گا کہ ہم جنتی عورتوں اور جنت کی دوسری نعمتوں کو بلا تکلف دیکھ سکیں گے اور استعمال کر سکیں گے۔

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے مہمانوں یعنی جنتیوں کی ہر خواہش پوری کرے گا۔ ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ رب رحیم و کریم کس حد تک جنتیوں کی خواہش پوری فرمائے گا:

"حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کیا کہ کیا جنت میں گھوڑا بھی مل سکے گا (شاید یہ صاحب گھڑسواری کے شوقین ہوں گے) آقا ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے اور یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سواری کی تم خواہش کرو جو جنت کی تمہیں سیر کرائے تو اللہ تمہاری یہ خواہش پوری فرمائے گا پھر ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا وہاں اونٹ ملے گا تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک عام جواب عطا فرمایا "اِنْ يُّدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَّكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ" اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے تو اس میں ہر وہ چیز ہوگی جسے تمہارا دل چاہے گا اور جس سے تمہاری آنکھ کو لذت حاصل ہوگی۔ یعنی گھوڑا اور اونٹ ہی کیا اس کے علاوہ بھی جنتی جو بھی خواہش کرے گا اور جو بھی دیکھنا چاہے گا اسے دیا جائے گا اور دکھایا جائے گا۔"

آخر میں ایک طویل حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے جس میں جنت کی نعمتوں کا مزید ذکر ہے۔ راوی ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کرے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا جنت میں بھی بازار ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بتایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں ان کے اعمال کے مطابق علیحدہ علیحدہ درجات میں رکھا جائے گا پھر وہ ہر جمعہ ایک جگہ جمع ہوا کریں گے جہاں وہ

Marfat.com

اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اللہ کا عرش ان پر ظاہر ہو گا اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں اللہ ان پر تجلی فرمائے گا اور ان کے لئے نور، موتی، یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں ادنیٰ درجہ والا مشک اور کافور کے ٹیلہ پر بیٹھے گا اور وہ یہ محسوس نہ کریں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں کیا تم سورج اور چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح تم جنت میں اپنے رب کو دیکھنے میں شک نہ کرو گے۔ اس مجلس میں کوئی شخص باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے موجود ہو گا پھر ان میں سے اللہ ایک شخص سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تو انکار کرتا ہے کہ تو نے دنیا میں ایک دن ایسا ایسا کہا تھا اور اللہ اسے اس کی نافرمانی کے چند واقعات یاد دلائے گا۔ وہ عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا۔ اللہ فرمائے گا کیوں نہیں میری مغفرت کی وسعت سے ہی تو تو اس مقام تک پہنچا ہے۔ اسی دوران ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور بارش ہونے لگے گی جو ایسی خوشبودار ہو گی کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی کو میسر نہ آئی ہو گی۔ ہم اس بازار میں آئیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوا ہو گا کہ اس جیسا بازار نہ آنکھوں نے دیکھا ہو گا اور نہ کانوں نے سنا ہو گا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا ہم جو چیز چاہیں گے ہمیں دے دی جائے گی۔ اس میں خرید و فروخت نہ ہو گی بلکہ اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اس بازار میں ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے سے ملے گا جبکہ کوئی جنتی ادنیٰ نہ ہو گا وہ ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے کا لباس دیکھے گا تو اسے بہت پسند آئے گا ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہو گی کہ اس کے اوپر اس سے بھی بہترین لباس ہو گا اور یہ اس لئے کہ وہاں کسی کو غمگین نہ ہونے دیا جائے گا پھر ہم اس بازار سے اپنی قیام گاہوں کی طرف واپس ہوں گے جہاں ہماری بیویاں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہوں گی اور حیرت سے کہیں گی آپ کا تو حسن و جمال اور بھی زیادہ ہو گیا تو ہم کہیں گے "اِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا اَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا" آج ہم اپنے رب کے پاس بیٹھے تھے اور ہمارا یہ حق تھا کہ اسی طرح لوٹتے جس طرح لوٹے ہیں (رب کے دربار میں حاضری کے سبب ہمارے حسن و جمال کی یہ کیفیت ہے جس پر تمہیں تعجب ہو رہا ہے)۔

اے ایمان والو! ہمارے رب کریم نے دنیا میں ہمیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کا یہ حال ہے کہ "اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ ناممکن ہے پھر جنت جہاں نعمتوں کے سوا کچھ نہیں وہاں کی نعمتوں کو کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ نہ پوچھو کہ جنت میں کیا کیا ملے گا ہاں یہ پوچھو اور اس کی فکر کرو کہ جنت کیسے ملے گی تو جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمانے والے رب ہی نے بتا دیا کہ جنت متقین کے لئے ہے۔ پس تم متقی بن جاؤ یقیناً جنتی ہو جاؤ گے یہاں اللہ کی مانو، وہاں اللہ تمہاری مانے گا یہاں خواہشات کو دباؤ وہاں ہر خواہش پوری ہو گی، یہاں قاسم جنت ﷺ کے دامن سے وابستہ رہو۔ ان کی اتباع و پیروی کرو وہاں وہ تمہارے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے، اللھم

Marfat.com

اجعلنا من الصالحین وادخلنا الجنة مع الابرار بجاہ سید الابرار ﷺ

جہنم کی ہولنا کیاں

''کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ''(سوچو) کیا یہ لوگ ان کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ دعوت فکر ہے کہ جن بندوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کے خصوصی انعامات کی برسات برس رہی ہو کہ ہر حال میں خود اللہ ان کا معین و مددگار ہو اور آخرت میں نعمتوں سے بھری جنت ان کی منتظر ہو کیا وہ خوش نصیب ان بدبختوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ ہو جہاں انہیں سوائے کھولتے پانی کے کچھ نصیب نہ ہو گا لہٰذا اہل ایمان کو صرف اپنے اللہ پر توکل و اعتماد کرنا چاہئے۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا چاہئے تا کہ دنیا کا ہر مرحلہ ان کے لئے آسان ہو سکے اور آخرت میں وہ اللہ کے مہمان ہونے کا شرف پا سکیں۔

قرآن کریم میں جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد بار بیان کیا گیا تا کہ اہل ایمان اس سے اللہ کی پناہ مانگیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں ہر وقت اپنی اصلاح کرتے رہیں اور اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کا حصول اپنا مقصد حیات بنا لیں۔ نیز کفر کرنے والو پر اتمام حجت ہو سکے کہ کل قیامت کے دن وہ جہنم اور اس کے ہولناک عذاب کو جاننے سے انکار نہ کر سکیں کہ دنیا ہی میں وحی الٰہی کے ذریعہ انہیں بتایا جا چکا ہے کہ اللہ و رسول سے بغاوت کا انجام کیا ہو گا۔ سورۃ توبہ ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے، ذلت و خواری جن کا مقدر بن چکی ہے وہ ظاہری وسائل، دولت کی فراوانی، حکومت و اقتدار کی قوت کو اپنے لئے ذریعہ عزت جانیں یہ ان کی بڑی ہی بھول اور غلط فہمی ہے جن کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہے وہ کیسے عزت والے ہو سکتے ہیں وہ اس زمین پر کتنا ہی اکڑ کر چلیں کتنے ہی ظلم و ستم کریں لوگوں سے اپنی قوت و طاقت کا لوہا منوانے کی کتنی ہی کوشش کرتے رہیں لیکن وہ ذلیل و خوار ہی رہیں گے عزت کی یہی غلط فہمی تو انہیں لے ڈوبی جب بھی انہیں دعوت حق دی گئی جھوٹی عزت ہی ان کے آڑے آئی۔ سورۃ بقرہ میں ہے''وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ''جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈرو تو گناہوں اور سرکشی کی عزت کے زعم نے انہیں مزید گناہوں پر آمادہ کیا ایسے مغرور و متکبر لوگوں کے لئے (آج) جہنم کافی ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس جسے واقعی عزت کی خواہش ہے وہ اپنی غلط فہمی دور کر لے جھوٹی عزت کا لبادہ اتار پھینکے خود کو عزت والا سمجھنا چھوڑ دے، عزت بخشنے والے آقا ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار بن جائے بڑی عزت ملے گی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سورۃ فاطر میں ہے''مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ''جو عزت کا طلب گار ہو (وہ خوب جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت بخش دیتا ہے اور

Marfat.com

جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ ''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ'' اسی کی شان ہے ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ'' اورعزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں ہی کے لئے ہے پس عزت طلب کرو اللہ کی اطاعت کر کے رسول کے غلام بن کر اور اہل ایمان کی صحبت اختیار کر کے۔

سوچنا چاہئے کہ وہ عزت والے کیسے ہو سکتے ہیں جن کا ''فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ'' کوئی مددگار نہ ہو اور جن کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہو جس میں انہیں پانی تک ایسا کھولتا ہوا پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں کٹنے لگیں گی۔ کیا یہی انجام ہوتا ہے عزت والوں کا بواسطہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان جھوٹی عزت کے دعویداروں کے لئے پیغام الٰہی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ'' آپ کفر کرنے والوں کو بتا دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور فرمایا گیا: ''اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' تو کیا رضائے الٰہی کی پیروی کرنے والا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو (اپنے کفر کے سبب) اللہ کی ناراضگی کا حقدار بن گیا ہے (جبکہ) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کفار کی تعریف

ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ کفار سے ہرگز مرعوب نہ ہوں بلکہ اللہ و رسول کے ارشادات کی روشنی میں ان کی حقیقت کو پہچانیں ان کے یہ مادی و ظاہری وسائل جن پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں ''مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ'' یہ چند روز کے ہیں بالآخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ''وَبِئْسَ الْمِهَادُ'' اور یہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات نقل کی جاتی ہیں تا کہ ایسے لوگوں کو کفار کی ذلت وخواری اور بدترین انجام کا اندازہ ہو سکے جو ان کے ظاہری کروفر اور شعبدہ بازی سے متاثر ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں جبکہ انہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ کفر ایک ایسا بدترین عقیدہ ہے جو ساری خوبیوں اور کمالات کے باوجود انسان کو جانور سے بدتر بنا دیتا ہے اور کسی بھی اعتبار سے کفر کرنے والا قابل تعریف نہیں رہتا اسی لئے کافر کی تعریف کرنا حرام ہے۔ حیرت ہے اللہ پر ایمان رکھنے والا اور اس کے فضل وکرم سے دنیا و آخرت میں عزت کا مستحق قرار دیئے جانے والا مؤمن کس طرح جہنم کے گڑھے میں دھکیلے جانے والے اللہ و رسول کے باغی اور اپنے دشمن کی تعریف کرتا ہے۔ ان کے ملکوں کے قصیدے پڑھتا ہے۔ اپنی آزادی پر ان کی غلامی کو ترجیح دیتا ہے، ان کی تہذیب پر فریفتہ ہوتا اور جان چھڑکتا ہے۔ یقین جانئے اس کا سبب کفار کی خوبیاں نہیں بلکہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمزوری بڑھتی رہے اور اللہ نہ کرے ہم دولت ایمان سے محروم ہو جائیں۔ پس ایسے مصلحین سے رابطہ قائم کیجئے جن کی صحبت و تربیت تقویت ایمان کا باعث بنے اور اللہ و رسول کے ارشادات پر غور کیجئے تا کہ کفار و مشرکین کی محبت سے دل پاک وصاف ہو سکے۔ فی الحال ان چند آیات پر غور کیجئے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ (النساء:۱۱۵)

Marfat.com

اور جو مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لئے ہدایت کی راہ اور اس راہ پر چلے جو مسلمانوں کی راہ سے الگ ہے تو ہم اسے پھرنے دیں گے جدھر وہ پھرا اور (بالآخر) ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ بہت ہی بری پلٹنے کی جگہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (النساء: ۱۶۸، ۱۶۹)

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ نہ ان کی بخشش کرے گا اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ دکھائے گا سوائے جہنم کی راہ کے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (اعراف: ۴۱)

ان (کفار) کے لئے دوزخ (کی آگ کا) ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف: ۱۷۹)

اور بیشک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے (دلائل حق کو) دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کی باتوں کو) سنتے نہیں وہ حیوانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ تو غافل ہیں۔

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ: ۴۹)

بیشک جہنم گھیرے ہوئے کافروں کو۔

ان چند آیات پر غور کے بعد آخر میں اللہ کا یہ پیغام سن لیجئے:

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

پس تم ان سے منہ پھیر لو بیشک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

کفار سے نفرت کرو منہ پھیر لو قلبی دوست نہ بناؤ کیونکہ یہ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے ناپاک ہیں، جہنمی ہیں جبکہ تم مومن ہو ایمان نے تمہیں ہر اعتبار سے پاک کر رکھا ہے اور تمہیں جنت کا حقدار بنا دیا ہے۔

عذابِ جہنم

قرآن کریم میں جہاں جنت اور اس کی پرکشش نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہیں جہنم اور اس کی ہولناک اور دردناک

Marfat.com

عذاب کا بھی ذکر موجود ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ (الحج:۱۹۔۲۲)

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے تیار کر دیئے گئے ہیں کپڑے (جہنم کی) آگ کے انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا رنج و تکلیف کے سبب اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ (فاطر:۳۶،۳۷)

اور کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے (اس میں) نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو بدلہ دیتے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں چیختے چلاتے ہوں گے (کہتے ہوں گے) اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال دے ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کرتے رہے (جواب دیا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (بھی) لیکن تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب مزہ چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ (صٰفٰت:۶۲۔۶۷)

بھلا یہ (جنت کی نعمتوں کی) دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسے ظالموں کے لئے آزمائش بنا دیا ہے بیشک وہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں اس کے شگوفے گویا سر ہیں شیطانوں کے پس

Marfat.com

انہیں ضرور کھانا پڑے گا اس (زقوم) سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ پھر انہیں زقوم کھانے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(دخان: ۴۳۔۵۰)

بیشک زقوم کا درخت گناہ گار کی خوراک ہوگا (وہ) پگھلے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے (حکم ہوگا) اس (بدبخت) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ وسط جہنم میں پھر انڈیلو اس کے سر پر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے لو چکھو تم بڑے معزز و مکرم (بنتے) ہو یہ وہ (عذاب) ہے جس میں تم شک کرتے تھے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

(الواقعہ: ۴۱۔۵۶)

اور بائیں ہاتھ والے کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ بیشک یہ لوگ پہلے (دنیا میں) بڑے خوش حال تھے اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (اور) کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (زندہ کیا جائے گا یہ ناممکن ہے) آپ فرمادیجئے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والوں، اے جھٹلانے والوں، حتماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے اپنے پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے یہ ہوگی ان کی ضیافت قیامت کے دن۔

Marfat.com

زَقُّوْم ایک نہایت ہی بدشکل، کڑوا اور بدبودار جہنم کا درخت ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے بتایا ''لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَائِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامَهٗ'' اگر زقوم کے عرق کا ایک قطرہ بھی دنیا والوں پر ٹپکا دیا جائے تو ان کی زندگی برباد ہو جائے گی تو (سوچو) اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی یہ درخت ہوگا۔

زَقُّوْم جیسا ایک درخت زمین پر بھی ہوتا ہے جسے تھوہر کہا جاتا ہے یہ خودرو، نہایت کڑوا اور زہریلا ہوتا ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کو جانور تک نہیں کھاتے چاہے وہ کتنے ہی بھوکے ہوں۔ جہنمیوں کو بھوک کی حالت میں یہی درخت کھلایا جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ بطور مشروب کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ (ص: ۵۵۔۶۴)

اور یقیناً سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہوگا (یعنی) جہنم وہ اس میں داخل ہوں گے تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں (پئیں) اور اس کے علاوہ اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے یہ (لو) دوسری فوج گھس رہی ہے تمہارے ساتھ انہیں کوئی خوش آمدید نہیں بیشک وہ (بھی) ضرور آگ تاپنے والے ہیں (جہنمی) کہیں گے تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے ہی ہمارے لئے اس عذاب کو آگے کیا پس یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب جس (بدبخت) نے یہ عذاب ہمارے لئے آگے کیا ہے پس اس کا عذاب آگ میں دوگنا بڑھا دے (اور) کہیں گے ہمیں وہ لوگ (یہاں) کیوں نظر نہیں آرہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے (اور) ہم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا ان کی طرف سے ہماری آنکھیں پھر گئی ہیں یقیناً یہ سچ ہے کہ دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ (النبأ: ۲۱۔۲۶)

بیشک جہنم منتظر ہے (کفار کا) (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے (وہ) اس میں سالہا سال (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وہ نہ چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پانی سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے (یہ ہے ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔

Marfat.com

غسّاق نہایت گندے بدبودار مواد کو کہتے ہیں جسے پیپ کہا جاتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غسّاق کی شدید بدبو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِّنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلُ الدُّنْيَا'' اگر غسّاق کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو دنیا والے سارے بدبودار ہو جائیں۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد نام دیئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: عذابٌ الیم، عذابٌ عظیم، عذابُ یومٍ عقیم، عذابٌ مقیم، عذابُ الحریق، عذابٌ غلیظ، عذابُ یومٍ عظیم، عذابٌ مهین، عذابُ یومٍ محیط، عذابُ یومِ الظّلہ، عذابُ السّموم، عذابُ السّعیر، عذابٌ شدید، عذابٌ قریب، عذابُ الاکبر، سُوءُ العذاب، عذابُ الخُلد۔ یہ تمام الفاظ عذاب کی ہولنا کی اور شدت کو واضح کر رہے ہیں۔

اے ایمان والو! کفار و مشرکین تو جہنم کے ہولناک عذاب کا حال پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کے پاس نہ تو بصارت والی آنکھیں ہیں نہ حق کو سننے والے کان اور نہ ہی حق کو سمجھنے والے دل اسی لئے وہ کوئی اثر قبول نہیں کر پاتے بلکہ اللہ کے بیان کردہ ان حقائق کا مزید انکار کرتے ہیں۔ ہاں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور و روشن کیا ہے اسی لئے جب ہم جنت کی نعمتوں کا حال پڑھتے ہیں تو تڑپ اٹھتے اور اس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں ہمیں ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور جہنم کے دردناک و ہولناک عذاب پر غور کرتے ہیں تو خوف الٰہی سے ہمارے دل کانپنے لگتے اور جسم کا رونگٹا، رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے لیکن یہ کیفیت اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں تو ہم یقیناً جہنم کی سزا سے نجات حاصل کر سکتے ہیں کہ جہنم کا تو معمولی عذاب بھی نا قابل برداشت ہوگا۔ میرے آقا ﷺ بتاتے ہیں ''اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَ شِرَا كَانِ مِنْ نَّارٍ'' جہنم کا سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے۔ ''يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ'' ان دونوں سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا۔ ''مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا۔'' وہ نہیں سوچے گا کہ اس سے بہت سخت عذاب کسی کو ہو رہا ہوگا حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

پس دوستو! ہمیں وہ تمام بدعملیاں قرآن و حدیث میں تلاش کرنا چاہیں جو مؤمن ہوتے ہوئے بھی ہمارے لئے عذاب جہنم کا سبب بن سکتی ہیں مثلاً میرے آقا ﷺ نے واضح طور پر بتایا کہ ''اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ'' کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ ایسی ہی اور بے شمار بدعملیاں ہیں جو آج ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں جبکہ ہم قرآن کریم کو پڑھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔ جنت کا ذکر ہو تو خوش بھی ہوتے ہیں جہنم کا ذکر ہو تو کانپنے بھی لگتے ہیں لیکن ہمارے دل اتنے سخت ہو چکے ہیں اور ہم پر بدعملی کا اتنا زنگ چڑھ چکا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور برائیوں سے بچنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ پس ہمیں اللہ ہی سے دعا کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے دلوں میں اپنے کلام کا ایسا اثر پیدا فرما

Marfat.com

دے جو اعمال کی درستگی اور گناہوں سے توبہ کا ذریعہ بن جائے۔

''وَمِنۡهُمۡ مَنۡ یَّسۡتَمِعُ اِلَیۡکَ'' اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف یہ ان منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو دربار رسالت مآب ﷺ میں اہل ایمان کے ساتھ موجود ہوتے تھے اور آپ کے ارشادات بغور سنتے رہتے تھے لیکن پھر بھی مجلس سے باہر آ کر از راہِ تمسخر یا بطور اظہارِ لاپرواہی صحابۂ کرام سے کہا کرتے تھے کہ ذرا بتایئے تو سہی یہ صاحب کیا کہہ رہے تھے ان کی باتیں ہماری سمجھ میں تو نہیں آئیں۔ ان کی اس لاپرواہی اور دین سے دوری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور یہ ساری زندگی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے انہیں کبھی تلاش حق کی توفیق نصیب نہ ہو سکی کہ سنت الٰہیہ یہی رہی ہے کہ جان بوجھ کر حق سے منہ پھیرنے والوں کو وہ ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے اور جہنم کو ان کا ٹھکانہ بنا دیتا ہے جبکہ ان لوگوں پر اللہ کرم فرماتا ہے جو متلاشی حق ہوتے ہیں کہ ان کے لئے راہ حق پر چلنا، دین کی پابندی کرنا آسان کر دیتا ہے۔ ان کے دل و دماغ کو ایسا روشن و منور کر دیتا ہے کہ وہ تاریکیوں کو چھانٹتے ہوئے بآسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں نیز مکر شیطان، گناہوں اور برائیوں سے رب کریم انہیں بچاتا رہتا ہے۔''وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا'' جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے۔

سورۂ انعام کی یہ آیت غور طلب ہے''فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ یَّهۡدِیَهٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ'' اور جس (خوش نصیب) کے لئے اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے ہدایت دے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے۔ یعنی جب اللہ اپنے فضل و کرم سے کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس کے سینہ کو قبول حق کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ دین پر عمل کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ مفسر قرآن ﷺ سے کسی نے سوال کیا''کَیۡفَ الشَّرۡحُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ'' یا رسول اللہ ﷺ شرح صدر کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا''اَلۡاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الۡخُلُوۡدِ'' انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے''وَالتَّجَا فِیۡ عَنۡ دَارِ الۡغُرُوۡرِ'' اس دنیا سے اس کا دل متنفر ہو جاتا ہے''وَالۡاِسۡتِعۡدَادُ لِلۡمَوۡتِ قَبۡلَ لِقَآءِ الۡمَوۡتِ'' اور موت آنے سے پہلے وہ موت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اور جو لوگ خود ہی راہِ ہدایت کی طرف قدم نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی ضلالت و گمراہی ہی میں مست رہتے ہیں اور گناہوں کی دلدل سے نکلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے ان کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے''وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّهٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ'' اور اللہ جسے گمراہ کر دینے کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے (کہ وہ حق کی کوئی بات سمجھ ہی نہیں پاتا اور جب اس سے احکام دین پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو اسے اتنا بڑا کام معلوم ہوتا ہے) جیسے اس سے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے کہہ دیا گیا ہو اور کفر و شرک تو ہے ہی بدترین غلاظت۔ پس جو بدنصیب اس غلاظت ہی میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انہیں دنیا و آخرت میں صرف نجاست و ناپاکی ہی ملتی ہے۔ ارشاد ہوا سورۂ انعام میں ہے''کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ'' اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

Marfat.com

اے ایمان والو! ان آیات پر غور کرنے کے بعد اپنی حالت کا جائزہ لو ہم پر بلا شبہ یہ اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا لیکن مؤمن ہونے کے باوجود اگر ہماری حالت، ہمارے اعمال منافقین وکفار جیسے ہو جائیں تو اس سے بڑی ہماری بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ دنیا کی دولت اور مال واسباب جس شخص کے پاس موجود ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل نہ کرتا ہو، نہ اچھا کھاتا پیتا اور پہنتا ہو نہ رہنے کے لئے اس کو اچھا مکان اور سواری کے لئے اچھی گاڑی میسر ہو تو ہم اسے بڑا بدنصیب قرار دیتے ہیں تو اس شخص کو آپ کیا کہیں گے جسے اللہ نے دنیا کی ہر دولت سے بڑی دولت یعنی دولت ایمان سے نوازا ہوا اور وہ پھر بھی بدعملی، بدکرداری میں مبتلا ہو۔ وہ احکام شرع کی پابندی کو فرسودہ اور پرانا طریقہ قرار دیتا ہو ناصحین اور علماء دین کی باتیں اس کی سمجھ میں ہی نہ آتی ہو، جب اسے دین پر عمل کی دعوت دی جائے تو اس پر ایسا بوجھ ہو جیسے اسے آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا گیا ہے وہ نئی تہذیب وتمدن کا ایسا فریفتہ ہو کہ اسے دین کی ہر بات ناقابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اس شخص سے زیادہ اور کون بدنصیب ہو سکتا ہے۔ یہ بدنصیب لوگ اگر واقعی مؤمن ہیں تو ان کا ایمان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ضرور ہوگا اور جو بھی بعث بعد الموت پر یقین رکھتا ہے اسے اپنے اعمال کی جزاء وسزا کی فکر کرنا ضروری ہے کہ مرنے کے بعد وہ دن ضرور آئے گا جب ایک ایک عمل کا حساب ہوگا ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

بلاشبہ جنت اہل ایمان کی منتظر ہے لیکن اس میں بلا سزا وہی داخل ہو سکیں گے جو متقین ہیں، صالحین ہیں، جن کے دامن دنیا میں گناہوں کے چھینٹوں تک سے پاک وصاف رہے۔ اللہ معاف کرے اگر مؤمن مجرم قرار دیا گیا اور اس کو جہنم کی معمولی سزا بھی بھگتنی پڑی تو وہاں کی معمولی سزا بھی کتنی دردناک ہوگی اس کا اندازہ دنیا کی بڑی سے بڑی سزا کو دیکھ کر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جو مؤمن اللہ ورسول کے ارشادات کو حق جانتا اور ان پر اسے غور وفکر کی توفیق بھی نصیب ہے وہ بآسانی اندازہ کر سکتا ہے۔

غور کیجئے سورۃ الہمزہ پر جس میں ایسے دولت مند کی سزا کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مال ودولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ہر شخص کو حقیر جانتا ہے، طعنہ زنی اور لوگوں کی عیب جوئی اس کی عادت بن گئی ہے۔ آج ہماری نگاہوں میں یہ جرائم، جرائم ہی نہ رہے جبکہ اس کے لئے جس سزا کا اعلان ہو رہا ہے اس سے ان کی سنگینی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ'' ایسے شخص کو (نہایت ہی ذلت وخواری سے) حُطَمَه میں پھینک دیا جائے گا اور یہ حُطَمَه کیا ہے۔ ''نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ'' وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی کہ جس کا اثر صرف جسموں پر ہی نہیں رہے گا۔ ''اَلَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ'' جو دلوں تک جا پہنچے گی کہ اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔ اس آگ کی شدت کا مزید اندازہ لگاؤ کہ ''اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ'' بیشک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی کہ نہ تو آگ کی تپش اور حرارت کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا اور نہ ہی ان مجرموں کے لئے اس دردناک عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ ''فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ'' اس

Marfat.com

کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے کہ نہ وہ بجھیں گے اور نہ ہی ان کے عذاب میں کمی کی کوئی صورت ہوگی، اللہ محفوظ رکھے۔

غور تو فرمائیے کس قدر سخت عذاب ہے۔ کیا یہ قابل برداشت ہوگا۔ عذاب کی اس شدت کے علاوہ مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو کہ سزا یافتہ شخص مجرم ہی کہلاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ایسے شخص کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی تو جنت کے معاشرے میں اسے کیا عزت مل سکے گی، لہٰذا

اے ایمان والو! ڈرو اس وقت سے جب اللہ تمہارے مسلسل اور متواتر گناہوں اور دین سے بیزاری کے سبب تمہارے دلوں کو سیل کر دے حتیٰ کہ تم میں قبولِ حق کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے اور چلو توبہ و اعمال صالحہ کی اس راہ پر جو بلا سزا اور بلا داغ جنت تک پہنچا دے۔

''اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرما، آمین بجاہ شفیع المذنبین ۔''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا ایہا الذین آمنوا

مقالہ ۶۹

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۳ تا ۳۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴
فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ
اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ۭ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ
لَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷ هٰٓاَنْتُمْ
هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ
عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ
لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸ (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۳-۳۸)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اور نہ ضائع کرو

Marfat.com

اپنے اعمال کو بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے راہ حق سے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا (ایمان والو) ہمت نہ ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہ ہونے دے گا یہ دنیاوی زندگی تو صرف ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارا اجر عطا کرے گا اور نہ طلب کرے گا وہ تم سے تمہارے مال اگر اللہ تم سے تمہاری (سب) دولت طلب کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو گے اور (یوں) وہ تمہاری ناگواریوں کو ظاہر کر دے گا ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو غنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں پر کس قدر مہربان ہے کہ انہیں مختلف انداز سے اپنی اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتا اور دعوتِ حق دیتا ہے۔ نیز ان کی ہمت افزائی کے لئے ان کی نصرت و حمایت کے وعدے فرماتا ہے اور غلبہ و کامرانی کے پرمسرت مژدے سناتا ہے۔ کفار کی نامرادی اور ذلت و خواری کی یقین دہانی کراتا ہے تاکہ اہل ایمان کسی موقع پر بھی اپنے آپ کو بے سہارا اور کمزور نہ جانیں اور کبھی کفار کی کثرت، مادی و ظاہری طاقت سے مرعوب ہو کر ان کے سامنے نہ جھکیں۔ سورۂ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات پر غور کیجئے۔ اپنے مقدر پر ناز کیجئے اور اپنے اعلیٰ و ارفع مقام کو پہچانیئے۔

اطاعت ذریعۂ کامیابی ہے

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ غلام کی کامیابی و کامرانی کا واحد ذریعہ مالک کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ہے کہ ہر مالک اپنے غلام کو اسی وقت نوازتا ہے جب غلام اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ باپ، بیٹے پر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے لیکن اس صورت میں جبکہ بیٹا، باپ کا حکم مانے اور اپنی اطاعت سے اسے خوش رکھے اور اگر بیٹا باغی ہو جائے تو باوجود محبت کے باپ اسے عاق کر دیتا ہے۔ فوج کی کامیابی کا بنیادی سبب صرف افسر اعلیٰ، کمانڈر اور قائد کی اطاعت ہی ہے اور یہ اطاعت شعار سپاہی صرف کامیابی سے ہی سرخرو نہیں ہوتے بلکہ انہیں افسر اعلیٰ کی طرف سے انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا ہے کہ انہیں مختلف قسم کے تمغے دیئے جاتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا ہے اور یہ دیگر بے شمار مراعات کے حقدار قرار پاتے ہیں حتیٰ کہ جانور بھی اپنے مالک کی مہربانیوں کا حقدار اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا رہتا ہے۔ کتا جس کا پالنا مختلف وجوہ کی بناء پر مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں میں نہایت مقبول جانور ہے صرف اور صرف اپنی وفاداری کی وجہ سے لیکن جب یہ وفادار و پسندیدہ جانور مالک کی حکم عدولی کرنے لگتا

Marfat.com

ہے۔ مالک پر، مالک کے اہل خانہ یا مالک کے احباب پر بھونکنے لگتا ہے انہیں کاٹنے کے لیے لپکنے لگتا ہے یا شکاری کا کتا شکار میں خیانت کرنے لگتا ہے تو مالک اسے گولی مار دیتا ہے کہ جب وہ وفادار ہی نہ رہا تو کسی کام کا نہ رہا۔

مؤمن اللہ کا بندہ ہے جس نے اللہ ہی کے حکم سے رسول کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے پس اللہ ہم سے مطالبہ فرماتا ہے ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ '' اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ قرآن کریم میں متعدد بار دعوتِ اطاعت دی گئی ہے لیکن کسی ایک مقام پر صرف اللہ کی اطاعت کا حکم نہیں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم ضرور موجود ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ تمام احکام شرع رسول ہی کی وساطت سے ہمیں دیئے گئے اور ان پر عمل کا طریقہ رسول ہی کی معرفت سکھایا گیا۔ پس جب تک رسول کی اطاعت نہ ہوگی اللہ کی اطاعت ممکن نہیں۔ اسی لئے وحی الٰہی ایک موقع پر رسول کی اطاعت کو ہی اللہ کی اطاعت قرار دیتی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے فرمایا گیا'' وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ ہی کی اطاعت کی جبکہ نہ تو صرف اللہ کی اطاعت ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب الٰہی ہے۔

دین و دنیا میں کامیابی کا واحد یقینی ذریعہ اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔ سورۃ النور کی آیت ہے'' وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ '' جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ نے فرمایا:'' جو شخص فرائض میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور سنتوں میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور ماضی میں وہ جو غلطیاں کر چکا ہے ان کی وجہ سے وہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ ہے جسے جہنم کی آگ سے آزادی نصیب ہوگئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ سورۂ احزاب میں ہے'' وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا '' جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہی بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ سورۂ آل عمران ہے'' وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ '' اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی باران رحمت کے نزول کا سبب اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری ہی کامیابی و کامرانی یعنی عزت و آبرو اور باوقار و بارعب زندگی اور دشمن پر غلبہ کا ذریعہ ہے اور اطاعت شعار لوگوں ہی پر اللہ رحم فرماتا ہے کہ انہیں ہر قسم کے مصائب و آلام سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ باہمی اختلافات اور قومی انتشار ختم ہو جاتا اور پرسکون زندگی میسر آتی ہے نیز آخرت میں وہ جہنم کی آگ سے آزاد کر دیئے جاتے اور جنت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ پس اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کا مطیع فرمانبردار رہنا چاہئے۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہو اور'' وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ '' اور کسی حال میں بھی اپنے اعمال کو ضائع اور برباد نہ ہونے دو۔ اعمال صالحہ کے غیر مؤثر اور باطل ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مؤمن العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو حالت ایمان میں اس نے جو نیکیاں کی تھیں وہ سب ضائع اور برباد ہو جائیں گی کہ عمل صالح

Marfat.com

کا نتیجہ اور اثر ایمان سے متعلق ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی نیک کام نہ تو مقبول ہے اور نہ اس پر کوئی اجر وثواب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیکی کے ساتھ کوئی ایسا برا کام کیا جائے جو نیکی کے فائدے اور اثر کو ضائع کر دے کہ بعض نیکیاں بعض برائیوں سے برباد اور باطل ہو جاتی ہیں مثلاً جو کام ریاء و نمود کے لئے کئے جائیں ان کے متعلق قرآن کریم سورۂ ہود میں وضاحت موجود ہے کہ ایسے کاموں کا دنیا میں وہ اجر تو ضرور ملے گا جس کے حصول کے لئے یہ کام کئے گئے۔ زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ دی مگر اس لئے کہ لوگ انہیں بڑا سخی اور دولت مند کہیں، یتیم خانے، ہسپتال اور مدارس وغیرہ قائم کئے تا کہ انہیں شہرت حاصل ہو۔ رفاہِ عامہ کے بہت کام کئے مگر صرف اس لئے کہ عوام ان کی عزت کریں وقت آنے پر انہیں اپنے ووٹوں سے اپنا نمائندہ منتخب کریں تو دنیا میں ان کے مقاصد ضرور پورے ہوں گے رہا معاملہ آخرت میں اجر وثواب کا تو بتایا گیا ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَیۡسَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِیۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ'' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں دنیا میں وہ جو کچھ کرتے رہے ضائع ہو گیا اور مٹ گیا باطل ہو گیا ریاء و نمود نے ان کے اعمال کو باطل کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاکاروں کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا ''صُمۡتُمۡ وَصَلَّیۡتُمۡ وَتَصَدَّقۡتُمۡ وَجَاهَدۡتُمۡ وَقَرَاۡتُمۡ لِیُقَالَ ذٰلِکَ فَقَدۡ قِیۡلَ ذٰلِکَ'' تم نے روزے رکھے اور تم نے نمازیں پڑھیں تم نے صدقہ وخیرات کیا اور تم نے جہاد کیا اور تم نے تلاوتِ قرآن کریم کی صرف اس لئے کہ ان اعمال کے تعلق سے تمہارا نام لیا جائے تمہاری عزت وشہرت ہو تو یہ سب تمہیں دے دیا گیا۔ پس آج تمہارے لئے کچھ نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے رونے لگے اور فرمایا کہ انہیں لوگوں سے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''یَقُوۡلُ اللّٰهُ لَهُمۡ یَوۡمَ یُجَازِی الۡعِبَادَ اِذۡهَبُوۡا اِلَی الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تُرَاۡءُوۡنَ فِی الدُّنۡیَا فَانۡظُرُوۡا هَلۡ تَجِدُوۡنَ عِنۡدَهُمۡ جَزَآءً اَوۡ خَیۡرًا'' جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اپنے اعمال دکھاتے تھے دیکھو کیا ان کے پاس تمہارے لئے کوئی جزاء یا بھلائی ہے۔

ریاء و نمود کا سب سے زیادہ خیال انسان کو صدقہ وخیرات کے موقع پر آتا ہے وہ کبھی تو اپنی دولت خرچ کر کے لوگوں پر احسان جتاتا ہے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کر کے انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اور یہ خیال تک نہیں کرتا کہ وہ کس قدر بیوقوف ہے کہ اس نے اپنی دولت بھی خرچ کی اور خود ہی اپنی اس نیکی کو احسان وایذاء سے باطل کر دیا، مٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا سورۂ بقرہ میں ہے ''لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی'' اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

غرضیکہ ریاء و نمود سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں باطل اور برباد ہو جاتے ہیں قیامت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی اجر وثواب نہیں رہتا اور تیسری صورت اعمال صالحہ کے باطل وضائع ہونے کی یہ ہے کہ انسان نیک کام کرے لیکن اس

Marfat.com

میں شرعی احکام کی پابندی کا خیال نہ رکھے مثلاً نماز تو پڑھی جائے اور دیگر عبادات کی پابندی کی جائے اور ان پابندیوں کا لحاظ نہ کیا جائے جو ان کی قبولیت کا ذریعہ ہیں تو ایسے اعمال چاہے کتنے ہی خلوص سے کیے جائیں باطل و ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بالخصوص ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو شرعی احکام و مسائل پر عمل کو غیر ضروری پابندی خیال کرتے ہیں اپنے خیال اور اپنے نظریہ کے مطابق وہ شریعت سے آزاد ہو کر عبادت کرتے ہیں شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اطاعت ظاہری اور صوری عبادت کا نام نہیں بلکہ اطاعت اللہ و رسول کی عائد کردہ پابندیاں اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادات کے جو طریقے تعلیم فرمائے ان پر عمل ہی کا نام اطاعت ہے۔ ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک غلام کو نماز پڑھتے ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے نہایت تیزی سے رکوع و سجود کیے نہ قومہ کا پتہ چلا اور نہ قیام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ'' دوبارہ نماز پڑھو کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ غور فرمایئے نماز تو پڑھی گئی تھی لیکن اس کو محض اس لئے کالعدم قرار دیا گیا باطل قرار دیا گیا کہ نمازی نے شرعی پابندیوں کا کماحقہ لحاظ نہیں کیا تھا، پس

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔ ایمان کے ساتھ، خلوص کے ساتھ اور احکام شرع کی پابندی کے ساتھ کہ اس کے بغیر تمہارا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا اپنے اعمال کو باطل نہ کرو کہ تم اپنا وقت بھی صرف کرو، دولت بھی صرف کرو اور آخرت میں تمہیں اس کا کوئی اجر و ثواب نہ مل سکے اس سے زیادہ خسارہ و نقصان اور کیا ہو سکتا ہے اللہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیں اور جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ بنے۔

کفار کے اعمال

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کے احکام تسلیم کرنے سے روکتے رہے اور اسی حالت کفر پر انہیں موت نے آ دبوچا۔ ''فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ'' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا کہ جب ایمان ہی نہیں تو کسی بھی نیک عمل کی نہ تو کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اجر و ثواب ان لوگوں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ سورۂ محمد (ﷺ) ہی میں ہے ''فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ'' پس ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ'' ان کا یہ انجام صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے وہ کام کیے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا اور اس نے (کفر کر کے) اپنے اعمال ضائع کر دیئے۔ سورۂ مائدہ ہے ارشاد ہوا ''وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو ضائع ہو گیا اس کا (ہر) عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔

غرضیکہ کفار کتنے ہی رفاہی کام کریں کتنی ہی نیکیاں کریں سب ضائع ہیں اور وہ خسارے ہی خسارے میں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں اور متاثر بھی ہوتے ہیں کہ غیر مسلم بڑی نیکیاں کرتے ہیں غریبوں، محتاجوں کی خوب مدد کرتے ہیں، ان کی حکومتیں غریب ممالک کی خوب مدد کرتی ہیں لیکن ہم یہ نہیں سوچ پاتے کہ ان کی تمام نیکیاں اس درخت کے سبز پتوں کی طرح ہیں جس

Marfat.com

کی جڑیں نہیں ایسا درخت کتنے دن سرسبز وشاداب رہ سکے گا یقیناً چند دن بعد ہی یہ آگ کا ایندھن بن جائے گا۔ بلاشبہ نیکیاں درخت کے سرسبز پتوں ہی کی طرح ہیں جو اپنے درخت ہی کو نہیں بلکہ اپنی پناہ میں آنے والے جانوروں تک کو اپنے سایہ میں پناہ دیتی ہیں۔ اگر یہ درخت جڑ والا یعنی ایمان والا ہے تو اس کا یہ فیض، یہ حسن و جمال کبھی ختم نہیں ہوتا ورنہ یہ ضائع ہو جاتا ہے، بیکار ہو جاتا ہے۔

کفار سے صلح

مومن تو اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں نہایت ہی مضبوط ہیں۔ اس پر کبھی پت جھڑ اور خزاں کا موسم نہیں آتا وہ سدا بہار رہتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ''فَلَا تَهِنُوْا'' پس ہمت نہ ہارو تم کیوں ہمت ہارتے ہو ہمت تو وہ ہارے جس کی جڑوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو اور ہواؤں کے معمولی تھپیڑوں سے اسے خطرہ لاحق رہتا ہو۔ تمہاری جڑیں تو بہت مضبوط ہیں ہر طوفان کے مقابلہ پر بلاخوف وخطر ڈٹے رہو، کفر کی آندھی کتنی ہی زبردست چلے پروانہ کرنا اور ہرگز ہرگز اس سے مصالحت کی پیشکش کر کے اپنی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا کہ ظاہری وسائل اور قوت پر گھمنڈ کرنے والوں کو صلح کی پیشکش کرنا ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے اور اپنی کمزوری کا اعتراف کر لینے کے مترادف ہے کیونکہ طاقت وقوت والے رب کا تم سے وعدہ ہے۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' کہ تم ہی غالب ہونے والے ہو یہ طوفان گزر جائے گا اور تمہارا بال بھی بیکا نہ ہو گا نہ ڈرو۔ ''وَاللّٰهُ مَعَكُمْ'' اللہ تمہارے ساتھ ہے اس کی نصرت وحمایت تمہارا مقدر بن چکی ہے جس کے ساتھ اللہ ہے اس سے زیادہ مضبوط اور طاقتور کون ہو سکتا ہے کفر کے اس طوفان کی کیا حقیقت ہے۔ پس ہمت نہ ہارو یقین رکھو کہ ''وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ'' کہ اللہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ ہونے دے گا۔

اسی اصول کو اپناتے ہوئے اور اسی وعدۂ الٰہی پر یقین کامل رکھتے ہوئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہمارے اسلاف نے ظاہری وسائل اور مادی قوت نہ ہوتے ہوئے بھی ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ کسی حال میں اور کبھی بھی ہمت نہ ہاری۔ انجام کار اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا ان کی مساعی کو ضائع نہ ہونے دیا۔ جس کا ثبوت اسلام کا وجود ہے جو ہم تک صرف اس لئے پہنچ سکا کہ اسلاف ڈٹ کر کفر کا مقابلہ کرتے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پہلی جنگ غزوۂ بدر ہی میں اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہوتا کہ یہی تو کفار کا مقصد تھا۔

اسی اصول کو پس پشت ڈال کر آج ہمارے حکام ذرا ذرا سی بات پر کفار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے اور ان سے صلح کی بھیک مانگنے لگتے ہیں وہ اللہ کے تمام وعدوں کو بھول بیٹھے ہیں۔ انجام کار دشمن ہم پر دندنا رہا ہے اور ہم بلوں میں گھسے جا رہے ہیں۔ دشمن چاہتے ہوئے بھی ہم سے صلح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی چالبازی سے ہمیں ہی صلح میں پہل کرنے اور اس کی پیشکش کرنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صلح کی پیشکش درحقیقت کمزوری کا اعتراف اور اعلان ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا اور ہم اس کی چالبازی کا بآسانی شکار ہو کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

اگر ہم اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے کسی حال میں بھی صلح کے فارمولے کو نہ اپناتے اور جان کی بازیاں لگاتے

Marfat.com

ہوئے آگے بڑھتے رہتے تو پچاس سال قبل ہی کشمیر ہمارا ہوتا نہ ختم ہونے والی جنگ کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اتنا خون نہ بہا ہوتا جتنا بہہ رہا ہے جبکہ ابھی روزِ اول ہی ہے نہ جانے اور کتنا خون بہے گا دوستو! اگر بغور دیکھا جائے تو سرزمین کشمیر پر پانی سے زیادہ خون کی نہریں بہہ رہی ہیں یہ صرف مکار دشمن سے صلح پسندی کا نتیجہ ہے۔ یہی حال افغانستان، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا کا ہو رہا ہے ہر جگہ صلح کی پیشکش نے دشمن کی نظروں میں ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے ہم پر حملہ آور ہو جاتا ہے یا ہمیں دہشت گرد قرار دینے لگتا ہے۔ اب تو نوبت بایں جارسید کہ ہم سے ہی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی ہی سرزمین پر دینی جماعتوں پر پابندی لگا دیں۔ اللہ مزید ہمت دے عراق و لیبیا کو جس نے فاقوں کی زندگی گزارنا گوارا کر لی لیکن دشمن کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے آج تک صلح کی بھیک نہ مانگی۔ چند سال گزرے کہ ہمیں لیبیا کے دورے کا موقع ملا۔ ہم نے باوجود سخت گرانی، بے روزگاری کے وہاں کے لوگوں کو مطمئن پایا، ان کے چہروں پر ایمان کا نور دیکھا، ان سے گفتگو کے بعد ان کی بلند ہمتی اور بلند عزائم کا اندازہ کیا۔ اللہ ان کے رہنماؤں کو عمر دراز دے اور مزید ہمت دے کہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق کبھی کمزوری اور اپنی پستی کا اظہار نہ کریں اور اللہ دیگر مسلم حکمرانوں کو بھی ہدایت دے کہ اپنی بدعملی سے توبہ کریں اور دشمن کے خوف سے آزاد ہوں تاکہ پوری امت مسلمہ عزت و آزادی کی زندگی بسر کر سکے۔

دنیا کی زندگی

''اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ'' یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے بس کھیل وتماشہ کی طرح آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور گزر جاتا ہے کوئی اسے دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے تو کوئی غمزدہ ہوتا اور روتا ہے نہ یہاں کی مسرت و شادمانی کو دوام ہے اور نہ ہی یہاں کا رنج والم ہمیشہ رہتا ہے۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد بار دہرایا اور بیان کیا ہے تاکہ ظلوم وجہول انسان اس عارضی کیفیت کو دائمی نہ سمجھ بیٹھے اور جو زندگی ابدی ہے اسے نہ بھلا دے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران: ۱۴)

آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے ان کی خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دنیاوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

(آل عمران: ۱۸۵)

Marfat.com

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا جہنم کی آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیا کی یہ زندگی مگر دھوکے میں ڈالنے والا ساز و سامان۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (عنکبوت:۶۴)

اور نہیں ہے یہ زندگی مگر لہو ولعب (تماشہ اور کھیل) اور بیشک آخرت کی زندگی ہی حقیقی (دائمی) زندگی ہے کاش وہ (لوگ) اس حقیقت کو جانتے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ (حدید:۲۰)

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل اور تماشہ اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں فخر و مباہات ہے اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بادل برسے اور اچھی لگنے لگی کسانوں کو اپنی (سرسبز و شاداب) کھیتی پھر وہ (یکا یک) سوکھنے لگے تو، تو اسے دیکھے کہ اس (کسان) کا رنگ پھیکا پڑ گیا پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں (دنیا پرستوں کے لئے) سخت عذاب ہوگا اور (حق پرستوں) کے لئے اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہوگی اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر صرف دھوکا۔

بے ثباتی دنیا کی مثال

وحی الٰہی دنیا کے بے ثباتی اور اس کے لہو ولعب ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔ جس کو مثال سے بھی واضح کیا گیا کہ مثال انسان کی عقل نارساں کے لئے وضاحت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سورۂ حدید کی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ دنیا کی بے ثباتی ایسی ہی ہے جیسے بادل سے پانی برس کر کسان کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر دے وہ کسان کے لئے اس قدر پرکشش ہو جائے کہ بس وہ اسی سے اپنا دل بہلاتا رہے اپنی نظروں کو ٹھنڈا کرتا رہے اپنے مستقبل کو اسی سے وابستہ کر لے اسے اس کے ختم ہو جانے یا چھن جانے کا خطرہ تک لاحق نہ ہو اور پھر اچانک ایسا ہو کہ لہلہاتی کھیتی سوکھنے لگے اب کسان کو خطرہ لاحق ہو وہ اس کو بچانے کے لئے تڑپے لیکن اس کے بس میں کچھ نہ ہو۔ فکر و غم سے اس کا چہرہ زرد پڑ جائے اور کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا جائے اور ساتھ ہی کسان کی ساری امید بھی پامال ہو جائے۔ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ بارش کی طرح انسان پر برستا ہے اور اچانک ختم ہو جاتا ہے اور دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرنے والا بیوقوف انسان کف افسوس ملتارہ جاتا

Marfat.com

ہے۔اس کی ساری امیدیں چکنا چور ہو کر رہ جاتی ہیں کبھی تو یہ آئی ہوئی دنیا اس سے چھین لی جاتی ہے اور کبھی دنیا ملنے کے بعد وہ اس دنیا ہی سے چل بستا ہے۔اے کاش! وہ اس فانی دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرتا ہی نہیں تو دنیا سے سکون کے ساتھ تو جاتا اس کا نفس نفس مطمئنہ تو ہوتا۔

سورۂ یونس میں اس سے بھی واضح ایک مثال بیان کی گئی کہ بارش ہوئی جس سے زمین سرسبز و شاداب ہوگئی ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آنے لگی۔کسانوں کو یقین ہو گیا کہ چند روز بعد زمین کا یہ سونا ہمارا زیور بنے گا۔دولت سے ہماری جیبیں بھاری ہو جائیں گی لیکن اچانک رات یا دن میں ہم نے اپنے حکم سے ان لہلہاتے کھیتوں کو کھلیان بنا ڈالا اور امیدیں وابستہ کرنے والا مالک کچھ نہ کر سکا۔"كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ" اسی طرح ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی نشانیاں) غور و فکر کرنے والوں کے لئے اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو نہایت واضح مثال ہے کہ دنیا کی یہ دولت جب آتی ہے تو بارش ہی کی طرح برستی ہے اسے کمانے والا اپنی قوت بازو پر ناز کرتا ہے اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ دولت میری ہے اب میں جو چاہوں گا کروں گا لیکن اچانک اس کی جیب خالی ہو جاتی ہے وہ سر پکڑ نے سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا آخر وہ آناً فاناً کہاں گیا کون لے گیا۔سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور اگر دولت باقی رہتی ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پروگرام پر عمل سے پہلے انسان کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور مال یاروں کا ہو جاتا ہے۔

اس دنیا کی پستی و بے قدری کا اندازہ کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر غور کیجئے۔راوی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بکری کے مردہ بچے کے قریب سے گزرے جس کے کان کٹے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم سے کون اس بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اسے کسی چیز کے بدلہ میں بھی لینا پسند نہیں کرتے پس آپ نے فرمایا "وَاللّٰهِ اَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ" بخدا اللہ کے نزدیک یہ دنیا اس سے بھی زیادہ بے قیمت ہے جتنا تمہاری نظروں میں یہ بکری کا مردہ بچہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ میرا مال میرا مال کہتا رہتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں صرف تین قسم کا مال اس کا ہے۔"مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى" جو کھا کر ختم کر دیا۔"وَمَا لَبِسَ فَاَبْلٰى" اور جو پہن کر پرانا کر دیا۔"اَوْ اَعْطٰى فَاَقْتَنٰى" جو اللہ کی راہ میں دے کر جمع کر دیا۔"وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ" اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ" اگر اللہ کی نظر میں دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی۔"مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً" تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں "اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ" دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

Marfat.com

اے ایمان والو! اس بے قدر و قیمت دنیا کے پیچھے پڑنا اس کی محبت میں مبتلا ہونا تمہارے لئے ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اس سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے اس کے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہے گا ہاں۔ ''وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ'' اگر تم واقعی سچے اور کامل مؤمن بن جاؤ اور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرنے لگو اس کے احکام کی بجا آوری کرنے لگو تو اللہ تمہیں تمہارے اعمال کا ضرور اجر عطا فرمائے گا کہ تمہاری دنیا بھی پرسکون ہو جائے گی تمہیں حیوۃ طیبہ نصیب ہو جائے گی اور آخرت میں بھی تمہارا مرتبہ و مقام بلند ہو جائے گا اور'' وَلَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ'' اللہ تم سے تمہاری ساری دولت کا کبھی مطالبہ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے مطالبہ کے بعد تم بخل کرو اور تمہاری قلبی ناگواری ثابت ہو جائے کہ دولت سے فطری طور پر انسان کو لگاؤ ہوتا ہی ہے اگر اس سے ساری دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو اسے ضرور ناگوار معلوم ہوگا اور وہ بخل و کنجوسی میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہر شخص تو ابوبکر صدیق نہیں ہو سکتا کہ اپنے آقا ﷺ کے اشارے پر سارا ساز و سامان اٹھا کر لے آئے اور ان کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی راہ میں دولت خرچ کرنے کا مطالبہ کیا ہے لیکن نہایت ہی معمولی کہ سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ فرض کی گئی وہ بھی نہایت معمولی، ضرورت سے زیادہ جمع شدہ مال پر صرف چالیسواں حصہ۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ قربانی و صدقہ فطر، دیگر صدقات مثلاً مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام، علماء دین کی خدمت، دینی کتابوں کی اشاعت وغیرہ یہ سب تمہاری اپنی مرضی پر موقوف ہیں۔ مزید برآں یہ بھی قابل غور ہے کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ کہاں جاتا ہے۔ اس کا فائدہ کسے ہوتا ہے اگر تم سوچو تو اس سے تمہیں ہی فائدہ ہوتا ہے کہ تمہارے معمولی صدقات سے تمہارے ہی اعزاء و اقارب اور معاشرے کے دیگر ضرورت مند افراد خوش حال ہو جاتے ہیں باعزت ہو جاتے ہیں اور تم پر ان کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ان صدقات پر تمہیں اجر و ثواب بھی دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو دنیا میں بھی وہ تمہیں اس سے زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ غور کرو اللہ نے ہی تمہیں جو دولت عطا فرمائی اس میں سے تم نے اسے کیا دیا۔ افسوس کہ ان معمولی صدقات کی ادیگی میں بھی تم کنجوسی کرتے ہو تمہیں ان کا ادا کرنا بھی بار اور بوجھ لگتا ہے کہ تم زکوٰۃ مانگنے والوں کو حقیر سمجھتے ہو اپنے دروازے پر بھکاریوں کی طرح ان کی لائنیں لگواتے ہو۔ ان پر احسان جتلاتے ہو تو کان کھول کر سن لو۔

بخل

''وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ'' جو بخل کرتا ہے حقیقت میں وہ اپنی ذات ہی کے لئے بخل کرتا ہے کہ ان تمام صدقات کا فائدہ تمہاری اپنی ذات ہی کو ہوتا ہے پھر بھی تم بخل کرتے ہو تمہیں دولت سے اتنی محبت ہو گئی کہ تم اسے اپنی ذات پر بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے پھر آخر تم اس کا کیا کرو گے۔ سنو! اس بخل کا کیا انجام ہوگا۔ اللہ تمہیں بتاتا ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۠ (آل عمران: ۱۸۰)

Marfat.com

اور بخل کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ جو بخل کرتے ہیں اس (مال و دولت) میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے دے رکھا ہے کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے درحقیقت یہ ان کے لئے بہت ہی برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ (النساء: ۳۷)

جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب۔

سخی اور بخیل کا فرق

اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے صدقات واجبہ تک کی ادائیگی پر ناگواری اور کنجوسی بھلائی نہیں بلکہ وبالِ جان ہے۔ یہ دولت قیامت کے دن طوق بنا کر گردنوں میں لٹکی بخیل کی ذلت و خواری کا اعلان کر رہی ہو گی۔ سخی اور بخیل کا فرق بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ (اللیل: ۵۔۱۰)

جس نے (اللہ کی راہ) میں مال دیا اور ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راستہ اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروا بنا رہا اور جھٹلایا اچھی بات کو تو ہم اس کے لئے مشکل راہ آسان کر دیں گے۔

کس قدر واضح فرق ہے سخی اور بخیل میں کہ سخی کے لئے اس کے صدقہ و خیرات کے باعث دنیا و آخرت کے تمام مراحل سہل و آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا'' صدقہ دینے میں جلدی کرو کیونکہ بلائیں اس کی وجہ سے سبقت نہیں کرتیں یعنی صدقہ کرنے والے سے اس کی بلائیں آنے سے پہلے ہی دور ہو جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ'' بیشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور دردناک موت کو دور کر دیتا ہے۔ حضرت مرثد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام سے سن کر بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَتُهٗ'' کہ قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔

غرضیکہ صدقہ سہولت و آسانی کا ذریعہ ہے جبکہ بخل بخیل کو طرح طرح کی الجھنوں اور مشکلات میں مبتلا کرتا ہے قدم قدم پر ... دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد

Marfat.com

ہے ''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَّلَا بَخِيْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ'' کہ جنت میں مکار، بخیل اور احسان جتانے والے داخل نہ ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ'' انسان کی دو عادتیں نہایت ہی بری ہیں، انتہائی بخل اور انتہائی بزدلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ بدترین شخص کون ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ارشاد فرمائیے۔ پس آپ نے فرمایا ''اَلَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ'' جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔

آقا ﷺ کے چند ایسے ارشادات ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے سخی و بخیل کا تقابل فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ صبح کرتا ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ''فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا'' تو ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما (مزید دولت سے نواز دے) ''وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا'' اے اللہ بخیل کے مال کو ہلاک و برباد کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ'' سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے (اس طرح کہ لوگ اس کی عزت کرتے اور اس سے محبت کرتے ہیں) ''بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ'' جہنم کی آگ سے دور ہے۔ ''وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ'' اور بخیل دور ہے اللہ سے، دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے (کہ وہ کسی کے کام نہیں آتا بوقت ضرورت کسی کی مدد نہیں کرتا تو لوگ بھی اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اس کو جانتے پہچانتے تک نہیں ہیں) ''قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ'' وہ جہنم کی آگ سے قریب ہے۔ ''وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ'' اور اللہ کو سخی جاہل زیادہ محبوب ہے بخیل عبادت گزار سے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ'' ایک مرد مومن میں دو عادتیں جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بداخلاقی (یہ دونوں عادتیں مومن کے شایان شان نہیں)۔

اے ایمان والو! ''وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ'' اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) ہاں تم ہی اس کے محتاج ہو۔ یہ صدقات و خیرات کا اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے مطالبہ نہیں فرماتا کہ وہ ان کا محتاج ہے۔ یہ تو حقیقت میں تمہاری احتیاج پوری کرنے اور تمہاری ہی مدد کا ایک ذریعہ ہے کہ تم اللہ کا حکم جان کر بآسانی اللہ کے نام پر اپنی دولت خرچ کر دیتے ہو۔ پس اللہ تمہاری اطاعت کے بدلہ تمہیں دنیا میں بھی اس کا صلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی تمہیں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ رہی دولت تو تم دیکھتے ہی ہو کہ وہ تمہارے ہی لوگوں کے پاس پہنچتی ہے جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو وہ تم سے محبت کرتے ہیں تمہاری عزت کرتے ہیں بوقت ضرورت تمہاری قوت و طاقت بنتے ہیں۔ وہ خوشحال ہوتے ہیں تو بھی تمہاری عزت ہی ہوتی ہے کہ تم ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ کہلاتے ہو۔ نیز بھوکوں کی آہ و زاری اور ضرورت مندوں

Marfat.com

کی صداؤں سے تمہیں نجات ملتی ہے اور تم پرسکون ماحول میں سانس لیتے ہو۔ سوچو کیا یہ تمام فوائد تمہارے لئے کم ہیں۔ غور کرو تمہاری دولت کا فائدہ تمہیں ہی ہوا یا اس سے اللہ کی کوئی ضرورت پوری ہوئی وہ تو ہر ضرورت سے پاک ہے۔ بس یہ تمہارے ہی مفاد میں ہے کہ تم دین کی پابندی کرتے رہو اور اپنے وسائل سے ہمہ تن ہو کر دین کی خدمت واشاعت میں مصروف رہو اگر تم نے ایسا نہ کیا اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں تساہل کیا، لاپرواہی اور سستی کی تو جو رب غنی ہے وہ قادر بھی ہے۔

''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ'' اور اگر تم نے دین سے لاپرواہی اور روگردانی کی تو اللہ اپنے دین کی حفاظت واشاعت کے لئے تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا جو تمہاری طرح لاپرواہ اور غیر ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس موقع پر ''ضیاء القرآن'' کا ایک حاشیہ قابل غور ہے۔ حضرت پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنے دین کا علمبردار بننے کی سعادت بخشتا ہے اور اصلاح عالم کا اہم اور عظیم فریضہ سونپتا ہے جب تک وہ قوم اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اس کی ہر تدبیر ہم آہنگ تقدیر ثابت ہوتی ہے اس کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھتا ہے اور ہر قسم کی عزتیں اور سرفرازیاں اس پر نچھاور کی جاتی ہیں لیکن جب کوئی قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتی ہے اور مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے لگتی ہے، اس کی قوت عمل میں کاہلی اور سستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو اس کو مناسب انداز سے اس کی کوتاہیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے اگر پھر بھی وہ اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اسے اس منصب جلیل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کسی دوسری قوم کو وہ منصب سنبھالنے کی عزت بخشی جاتی ہے۔ وہ نئی قوم نہ جان کی بازی لگانے میں پس وپیش کرتی ہے اور نہ مال خرچ کرنے میں دریغ کرتی ہے۔
>
> تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا جو قومیں بلکہ جو افراد اس منصب پر فائز ہیں انہیں اپنے اس منصب کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے اور انہیں ہر لحظہ چوکنا رہنا چاہئے کہ ادائے فرض میں ان سے کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الحجرات''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
70	1
71	2 تا 5
72	6 تا 10
73	11
74	12

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۰

سورۃ الحجرات:۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (الحجرات:1)

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے

سورۃ الحجرات

یہ سورۃ مبارکہ آداب رسول، اور اہل ایمان کے اعتقادات اخلاق و اعمال اور کردار کا ایک باغیچہ ہے، جس کے پھولوں کی مہک ایمان کو تازگی، قلب کو فرحت و سرور اور چہرے کو نور و شگفتگی بخشتی ہے جبکہ اس کے کانٹے گستاخان رسول، بدباطنوں اور بدکرداروں کا مقدر ہیں جو انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔

بحمد اللہ ہم اپنا قلم لئے اس پر بہار گلستان میں داخل ہو رہے ہیں اللہ اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ

Marfat.com

ہمیں ایسا پر بہار کر دے کہ ہم اس کی مہک سے اپنا اور قارئین کا ایمان تازہ کر سکیں ان کے دلوں کو آقائے رحمت ﷺ کی محبت و عقیدت سے لبریز کر سکیں، کہ ان کے اخلاق و عادات انسانیت کے لئے نمونہ بن جائیں ان کے نورانی چہروں کی کشش دعوت حق کا ذریعہ بن جائے، ان سے یہ خاردار دنیا گل گلزار ہو جائے، وہ رسول کی غلامی پر ناز کرنے لگیں، دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حقدار بن سکیں، اے اللہ ہمیں وہ صلاحیت و استعداد عطا فرما کہ ہم ان پھولوں کو چن کر تیرے بندوں کی نظر کر سکیں، آمین۔

آئے اے کاش غلامانِ محمد کی طرح
ہر ادا سے مری تسلیم و رضا کی خوشبو

اے ایمان والو! لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، ایمان کا سب سے پہلا تقاضہ اور اس کی اول ترین تعلیم ادب و احترام ہے کہ بے ادب و گستاخ غلام اپنی انتہائی اطاعت گزاری کے باوجود بھی راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے، جس کی نظیر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی قائم کر دی گئی، کہ شیطان کی اطاعت شعاری، اس کے علم اور کمال میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، لیکن اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود صرف ایک بے ادبی اور گستاخی نے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا، اس کے تمام اعمال اکارت و ضائع ہو گئے، رجیم وملعون قرار پایا، ''قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِيْمٌ'' اللہ نے فرمایا، (اے بے ادب) یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔ ''وَاِنَّ عَلَيْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ'' اور بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

شیطان میں انانیت تھی، تکبر و غرور تھا، جس نے اسے بے ادبی اور گستاخی کا مجرم بنایا، اور اس جرم کی سزا اللہ رب العزت کی طرف سے رجیم وملعون قرار دیا جانا مقرر ہوئی، پس اللہ یہ گوارا نہیں فرماتا کہ اس کے بندے بے ادب و گستاخ بنیں، شرف انسانیت کی بقا اسی میں ہے کہ انسان اللہ کا ادب و احترام کرے کیونکہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور رسول کا ادب و احترام کرے کیونکہ اللہ نے اسے رسول کا غلام بنایا ہے، رسول ہی تو بندگی کے طریقہ سکھاتا ہے، پس اس کے احترام کے بغیر اللہ کے احترام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ ورسول کے احترام کے لئے پہلا حکم یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اللہ ورسول سے آگے نہ بڑھو، یعنی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو، اتباع و پیروی اختیار کرو، اپنی مرضی اور خواہش پر عمل نہ کرو۔ یہی تو بندگی ہے یہی تو غلامی ہے اور یہی ذریعہ فوز و فلاح ہے۔

تقدم کی صورتیں

تقدم یعنی اللہ ورسول سے آگے بڑھنے کی دو صورتیں ہیں جو ممنوع قرار دی گئی ہیں پہلی صورت یہ کہ اللہ ورسول کے احکام سے آگے نہ بڑھو، زندگی کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ ورسول کے حکم پر غور کرو، نزول قرآن کے دور میں اس حکم کی صورت یہ تھی، کہ صحابۂ کرام رضوان علیہم اجمعین اس بات کے پابند تھے کہ زندگی کے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کی جائے اگر اس معاملہ سے متعلق اللہ اور اس کے رسول کا حکم پہلے سے موجود ہے تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ جو مسئلہ بھی پیش آئے اس کے حل کے لئے معلم کامل ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر معلوم کیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ

Marfat.com

میں صحابہ نے اس پر عمل کیا، وہ اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام از خود یا نزولِ وحی کے بعد اس مسئلہ سے متعلق جو حکم صادر فرماتے اس پر عمل کیا جاتا تھا، کبھی ایسا نہ ہوا اور نہ کسی کی مجال تھی کہ وہ تقدم کا جرم کرتا اور اپنی مرضی یا عقل کے مطابق زندگی کے کسی معمولی معاملہ میں بھی کوئی قدم اٹھالیتا، نزول قرآن کے بعد قیامت تک کے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ ورسول کے احکام کی پابندی اختیار کرنا چاہئے، چاہے وہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی چاہے ان کا تعلق عبادات سے سیاست وحکومت سے یا عائلی وتجارتی امور سے ہو، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ اور گوشہ میں آباد ہوں اور وہ کسی بھی دور سے گزر رہے ہوں بہر حال وہ پابند ہیں کہ اپنی زندگی کے کسی معاملہ میں مرضی اور عقل کا عمل ودخل نہ ہونے دیں بلکہ صرف اور صرف اللہ ورسول کے احکام پر عمل اختیار کریں، کہ ان کا دین مکمل ہے ہر موقع اور ہر جگہ اور ہر دور کے لئے اس میں رہنمائی موجود ہے۔ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیم حاصل کریں حسب ضرورت اسے جانیں اور سیکھیں اور جن معاملات میں انہیں علم دین حاصل نہ ہو ان کے لئے وہ اپنے قوانین گڑھنے نہ بیٹھ جائیں اور اپنی مرضی وعقل کو دین پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی کم علمی اور جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم کی خدمات حاصل کریں اور ان سے مدد لیں۔ کہ یہی حکم الٰہی ہے فرمایا گیا، سورۂ نحل ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کرو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔" وحی الٰہی کے ذریعہ انسان کی رہبری ورا ہنمائی کے لئے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے علم نازل کیا جاتا رہا ہے، دور انبیاء کے لوگ بلا واسطہ انبیاء سے یہ علم حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے رہے، انبیاء نے اپنی امت کو اس علم کا وارث بنایا اور انہیں پابند کیا گیا کہ وہ علم کا نور پھیلاتے رہیں، رشد وہدایت کی ذمہ داری پوری کرتے رہیں، عام امتی اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ان اہل علم سے فیض حاصل کریں جانیں سیکھیں اور جو نہیں جانتے اس کے متعلق سوال کریں، علم کا یہ نور اسی لئے پھیل رہا ہے، یہ شمع علم اسی لئے منور ہے۔ کہ کسی دور میں بھی لوگ اپنی مرضی اور اپنی عقل سے رہنمائی حاصل کرنے پر مجبور نہ ہوں کہ عقل وخواہش کی پیروی ضلالت وگمراہی کا سبب ہوتی ہے۔

یہ اہل ذکر کون ہیں، واضح ہے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی حصولِ علم میں صرف کردی۔ ابتداء انہوں نے یہ نورِ علم بلا واسطہ مخزن علم وعرفان، صاحبِ وحی ﷺ سے حاصل کیا، جس کی ضیاء باری ہر اس مقام پر ہوتی تھی جہاں رسول رونق افروز ہوتے تھے، اور علم کے پیاسوں کو ہر جگہ ہر لحہ سیراب ہونے اور اپنی پیاس بجھانے کے مواقع میسر آتے تھے، لیکن بالخصوص یہ شمع علم مسجد نبوی شریف کے ایک چبوترے پر روشن کی جاتی تھی جسے صُفّہ کہا جاتا ہے اور جہاں آج تک علم وعرفان کا نور برستا نظر آتا ہے۔ اس پر نور چبوترے پر دن رات صرف کر کے جن خوش نصیبوں نے علم رسول ﷺ سے اپنے قلوب کو منور کیا، ان میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ربیعہ، حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم، حضرت خالد بن زید، حضرت مسعود بن ربیع، حضرت بلال، حضرت براء بن مالک، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہم مشہور ومعروف محدثین ہیں، حضرت علی رضی اللہ

Marfat.com

عنہ نے فرمایا، نَحنُ اَهلُ الذِّکر۔ ہم اہل ذکر ہیں۔ ہم سے پوچھو، ہم تمہاری راہنمائی کریں گے۔

یہ شمعِ علمِ رسول کبھی نہیں نہ بجھنے کے لئے روشن ہوئی تھی، آج تک روشن ہے قیامت تک روشن رہے گی علم وعرفان کا مرکز صفہ بھی موجود ہے۔ وہ منبر موجود ہیں جن سے شمع علم کا نور پھیلتا ہے۔ اس امت پر اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اپنے نبی کے علم کے وارثین کا سلسلہ امت میں جاری رکھا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، یہ وارثین علم رسول نامساعد حالات کے باوجود اپنی ذمہ داری پوری کررہے ہیں اور نور علم کو پھیلانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں، یہی اہل ذکر ہیں، یہی اہل علم ہیں یہی امت کے مقتدی اور رہنما ہیں۔ انہیں سے منبر رسول آباد ہیں، انہی کے ذریعہ دین کی بقاء ہے، یہی لوگ ہیں جن سے دین سیکھا اور جانا جاسکتا ہے وہی لوگ اللہ ورسول پر تقدم کے جرم سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو ان علماء دین کو اپنا مقتدی اور رہنما تسلیم کریں اور ان کی ہدایت کے مطابق دنیا و دین کے تمام معاملات میں عمل پیرا ہوں۔

ہم مجرم تقدم ہیں

افسوس کہ آج ہم تقدم کے جرم میں ایسے مبتلا ہیں کہ اس کا احساس تک مٹ گیا ہے۔ دین کو صرف عبادات تک محدود کرکے اپنی زندگی کے لئے تمام اصول یا تو خود گڑھ لئے ہیں اور یا غیروں کے اصول زندگی اپناتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری زندگی اللہ ورسول کی نافرمانی کرتے ہوئے نہایت بے چینی اور بے آرامی سے بسر ہوتی ہے۔ ہمارے حکام جن کا کام صرف اللہ ورسول کے احکام کا نفاذ تھا ہمارے لئے احکام گڑھتے اور ہم پر اپنی مرضی اور خواہشات کو مسلط کرتے رہتے ہیں مسلم حکومت میں دستور ساز اسمبلیاں موجود ہیں جن کے ممبران ایسے لوگ ہیں جن کا علم وعمل سے دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں دستور ساز اسمبلیوں کا تصور تک نہیں کہ ہمارا دستور تو پہلے ہی موجود ہے ہاں صرف اس پر عمل اور اس کو نافذ کرنے کے لئے مشاورت کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت امت مسلمہ کے لئے قابل فخر رہا آپ کی حکومت کے حدود آج کی تمام حکومتوں سے وسیع وعریض تھے۔ لیکن کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی دستور از خود مرتب کیا اور نافذ کیا ہو صرف مجلس شوریٰ کے مشوروں سے آپ اس ہی دستور پر عمل کراتے رہے جو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر انسانیت کی ہدایت ورہبری کے لئے نازل فرمایا، کیونکہ یہ اتنا مکمل ضابطۂ حیات ہے کہ تعلیمات رسول کے مطابق اس پر عمل کے بعد مزید کسی دستور کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

یقین جانئے اگر ہمارے حکام اہل علم کے مشوروں پر عمل پیرا ہوکر ہم پر اللہ ورسول کا دستور نافذ کریں تو ان کی اور ہماری موجودہ الجھنیں اور پریشانیاں یکسر، یقیناً ختم ہوسکتی ہیں، ذلت وخواری کے جس دلدل میں آج ہم پھنسے ہوئے ہیں اس سے بآسانی نجات مل سکتی ہے۔ خوف وہراس کے جو گھرے بادل ہم پر چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ سکتے ہیں، شاید حکام کا یہ خیال ہے کہ دینی ضروریات میں اہل علم کا تعاون حاصل کرنا ان کی شان اور آن کے خلاف ہوگا، ایسا ہرگز نہیں غیروں کے در پر جانا ذلت و رسوائی کی بات ہے۔ اپنے ہی سپاہیوں سے اپنی حفاظت کے لئے مدد طلب کرنا کس طرح خلاف شان ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

اجتماعی کوشش

آیئے اپنی لٹی ہوئی عزت و آبرو کو بحال کرنے کے لئے اجتماعی کوشش کریں اس طرح کہ اولاً ہم خود احکام دین کو اپنائیں پھر اپنے حکام کو دین کی دعوت دیں اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر آمادہ کریں، کہ بحیثیت مسلم ہم سب اس کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہم اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر رہے تو سورہ محمد (ﷺ) کی اس آیت پر پھر غور کر لیجئے جس کا مطالعہ آپ گذشتہ صفحات پر کر چکے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ۔ ’’اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، جو تمہاری طرح (نافرمان اور باغی) نہ ہوگی، اس تبدیلی کے ذمہ دار تم ہی ہو گے کیونکہ اللہ کا اصول ہے۔‘‘ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں تبدیل فرماتا جب تک وہ خود ہی اپنے آپ کو نہ بدل ڈالیں، کہ اپنی لاپرواہی، بدعملی اور بدکرداری کے سبب وہ اس نعمت الٰہیہ کے اہل ہی نہ رہیں نااہل اسی کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان سے وہ تمام اعزازات چھین لئے جائیں جو انہیں دیئے گئے تھے، امت مسلمہ کے لئے یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اسے انسانیت کے لئے رہبر و راہنما اور مقتدیٰ بنایا گیا اگر وہ خود ہی دشمنوں کے در کے بھکاری بن کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو ان کے لئے اس اعزاز کو باقی رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ پس

اے ایمان والو! تم خوش نصیب ہو کہ تم میں تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے وارثین انبیاء، علماء کرام موجود ہیں جن کے دروازے ہمہ وقت تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں ان کی قدر کرو، یہ تمہارے لئے اللہ کی بڑی رحمت و نعمت ہیں ان کا احترام کرو کہ یہ اللہ و رسول کے نزدیک بلند مرتبہ و بلند مقام ہیں، اپنے وقت اپنی جان اور اپنے مال سے ان کی مدد کرو، کہ یہ دین حق کے محافظ و پاسبان ہیں، ان سے فیض حاصل کرو کہ یہی تمہارے قلوب روشن و منور کر سکتے ہیں، ان سے علم حاصل کرو، کہ اسی سے تمہاری تاریک دنیا روشن ہو سکتی ہے۔

ممنوعہ تقدم کی دوسری صورت عملی ہے، ظاہر ہے جس کا ابتدائی تعلق رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے ہے کہ آپ سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کوئی عمل کرنے اور کوئی اقدام کرنے کی ممانعت کر دی گئی، لہٰذا صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ چلتے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ سے آگے چلے، جب آپ مجلس میں رونق افروز ہوتے تو کسی کی ہمت نہ تھی کہ گفتگو میں پہل کرے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریک طعام ہوتے تو کوئی آپ سے پہلے نوالہ نہ توڑ سکتا تھا، یہی عمل اور دوسرے اعمال میں تھا۔

معلم کامل ﷺ نے اسی ادب و احترام کی تعظیم ہم غلاموں کو دی اور وضاحت سے بتایا کہ اہل علم اور دیگر قابل احترام شخصیات پر تقدم نہ کرو ان سے پہلے کوئی کام نہ کرو، ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چلتے دیکھا، تو انہیں روکا اور فرمایا یہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے، دنیا میں سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے

Marfat.com

بہتر اور افضل ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد کے فیصلہ کے مطابق اپنے قلعہ سے اتر آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کو بلوایا، وہ اگرچہ زیادہ دور نہ تھے لیکن اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب مسجد کے پاس پہنچے اور آپ نے ان کو دیکھا تو حاضرین کو حکم دیا، کہ ''اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، نہ تو اس طرح کہ اپنے لئے خود اصول زندگی گڑھو اور انہیں اللہ و رسول کے احکام سے بہتر جانو، اور نہ اس طرح کہ کسی بھی کام میں رسول ﷺ سے پہل کرو، آپ کی حیات طیبہ کے بعد تمہارے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ نائبین رسول ﷺ اور دیگر قابل احترام شخصیات کا ادب کیا کرو، مثلاً جب تم کسی عالم، مرشد، اپنے باپ یا کسی بھی بزرگ کے ساتھ چل رہے ہو تو خیال رکھو کہ پیچھے پیچھے ہی رہنا آگے نہ چلنا کہ یہ بے ادبی ہوگی، جب تم ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں شامل ہو تو ان سے پہلے ہرگز کھانا شروع نہ کرنا، جب وہ گفتگو کر رہے ہوں تو ان سے پہلے گفتگو شروع نہ کر دینا، جب وہ کھڑے ہوں تو اس وقت تک تم نہ بیٹھنا جب تک وہ نہ بیٹھ جائیں یا تمہیں بیٹھنے کی اجازت نہ دیدیں۔ یا تم سے رخصت نہ ہو جائیں، اس طرح اگر تم بیٹھے یا لیٹے ہو اور کوئی بزرگ آپہنچے تو احتراماً فوراً کھڑے ہو جایا کرو، یہ تمام آداب ہیں جو مؤمن کے اخلاق کا حسن ہیں، لہٰذا ان کا بہت ہی زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ ''اَتَّقُوا اللّٰهَ'' اللہ سے ڈرتے رہا کرو، کہ ادب و احترام نہ چھوٹنے پائے، اگر ایسا ہو گیا تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جو بڑا ہی جرم ہے۔ بیشک اللہ تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر ارادے اور عمل کو جانتا ہے۔

اے اللہ تقدم کے جرم سے ہماری حفاظت فرما اور اپنی اطاعت، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرما۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۱

سورۃ الحجرات: ۲، ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝۵ (الحجرات: ۲۔۵)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نہ بلند کیا کرو نبی (کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو کہیں (اس بے ادبی سے) تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو، بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی

Marfat.com

آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے انہی کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے، بیشک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کر لیتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا
ارے یہ جلوہ گہ جاناں ہے کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

آدابِ رسول ﷺ

گزشتہ اوراق پر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ غلاموں کو آقا ﷺ کے ادب و احترام کا کس طرح حکم دیا گیا، یہ حکم اگرچہ اللہ ورسول دونوں کے لئے مشترک تھا لیکن قول وعمل میں رسول پر تقدم کی ممانعت کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص تھا، جس کے لئے اہل ایمان کو بطور خاص مخاطب کیا گیا۔ اب جن آداب رسول کی تعلیم دی جا رہی ہے ان کے لئے دوبارہ بطور تاکید خطاب کیا گیا کہ اے ایمان والو! خاص طور پر ان صورتوں میں اپنے آقا ﷺ کے احترام کا خاص خیال رکھنا کیونکہ اگر ذرا بھی لا پرواہی ہوگئی اور تم سے رسول کی گستاخی کا جرم ہو گیا تو اس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہوگا۔

تقدم کی ممانعت کے بعد دوسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ "لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" کہ اپنی آواز کو ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اونچا نہ ہونے دینا کہ یہ دربارِ شاہی ہے جہاں غلاموں کو آقا ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام پر ایک عجیب سی خوف کی کیفیت طاری رہنے لگی، یہ حضرات اگرچہ اس حکم کے نزول سے پہلے ہی اس شاہی دربار کے آداب کا کچھ کم خیال نہ رکھتے تھے لیکن اس حکم کے بعد مزید محتاط رہنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ سے اس قدر آہستہ آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ بسا اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پوچھنا پڑتا کہ تم نے کیا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں خاص بے تکلفی کی اجازت تھی کیونکہ آپ کو اکثر و بیشتر باریابی کا شرف حاصل رہتا تھا۔ وہ بھی مزید محتاط ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، "میں تا مرگ آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کیا کروں گا۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں شرفِ باریابی حاصل کرنے کے لئے کوئی وفد آتا تو بارگاہ میں حاضری سے پہلے اس وفد کے پاس ایک آدمی بھیج دیتے تھے جو انہیں آدابِ شاہی بتاتا اور اس پر عمل کی تاکید کرتا تھا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ قدرتاً بلند آواز تھے۔ اس آیت کو سن کر ان کی حالت تو بے حد غیر ہوگئی، انہوں

Marfat.com

نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ اپنے کمرے میں تنہا عبادات میں مصروف رہتے اور توبہ کرتے رہتے، زار وقطار روتے اور عرض کرتے: اے اللہ، تو جانتا ہے کہ میری آواز قدرے بلند ہے، تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں میں ہی سب سے زیادہ اونچی آواز سے بولنے کا مجرم ہوں، لیکن میری مجبوری تھی قصد نہ تھا۔ میں نے کبھی اپنے آقا ﷺ سے گستاخی یا ان کو ایذاء رسائی کا تصور بھی نہ کیا۔ اے اللہ تو میری آواز کو اتنا پست کر دے کہ میرے اعمال محفوظ ہو سکیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو دن اپنے غلام کو اپنی بارگاہ میں نہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تمہارا بھائی ثابت کہاں ہے؟ کیوں غیر حاضر ہے کیا بیمار ہے، یا کہیں چلا گیا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد سے ثابت نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا ہے اور وہ زار وقطار روتے رہتے ہیں، ان کے اہل خانہ تک پریشان ہیں، آقائے رحمت عالم ﷺ نے غلام کو دربار میں حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے تم کیوں غائب رہے اور کیوں ہر وقت روتے رہتے ہو۔ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! میری آواز قدرتاً اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ میرے ہی لئے نازل ہوئی ہے جس کے مطابق میرے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی اسی بدنصیبی پر اپنے رب کے حضور گریہ کناں ہوں اور توبہ کرتا رہتا ہوں۔ آقائے رحمت عالم ﷺ نے مسکراتے ہوئے غلام کو قریب بلایا، تسلی دی ان کے غم کی تلافی کے لئے مژدۂ جانفزا سنایا: ''اَمَا تَرۡضٰی اَنۡ تَعِیۡشَ حَمِیۡدًا'' کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو۔ ''وَتُقۡتَلَ شَهِیۡدًا'' اور شہید کئے جاؤ، ''وَتَدۡخُلَ الۡجَنَّةَ'' اور جنت میں داخل کئے جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی آقا ﷺ کی اس عنایت بیکراں پر مست ہوتے ہوئے عرض کیا: ''رَضِیۡتُ'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں راضی ہو گیا، خوش ہو گیا۔

قاسم انعامات الٰہیہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی ''حمید'' پرسکون اور پرعیش بسر ہوئی وہ ہمیشہ صحت و تندرستی اور امن و امان کی نعمتوں سے مالا مال رہے۔ صحابہ کرام کی نظروں میں ان کے اعزاز و اکرام کا یہ عالم تھا کہ وہ جدھر سے گزرتے لوگ ان کے لئے احتراماً کھڑے ہو جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ دیکھو جنتی گزر رہا ہے کہ مالک جنت ﷺ انہیں وَتَدۡخُلَ الۡجَنَّةَ کا مژدہ سنا چکے تھے اور صحابہ کرام ہر اس اعزاز پر کامل یقین رکھتے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بخشا جاتا تھا کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ کی نعمتیں تقسیم کرنے والے، جنت بانٹنے والے ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں۔

لاورب العرش، جس کو جو ملا ان سے ملا ۔۔۔۔ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے یمامہ لشکر اسلام روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ مسیلمہ کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اس لئے مسلمانوں کو اس کی طرف سے سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا اور ایک موقع ایسا بھی آیا کہ اسلامی فوج

Marfat.com

کے نوجوان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس خطرناک حالت کو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آواز بلند اپنے لشکر کو للکارا اور فرمایا: اے مجاہدو! ہم لوگ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں کفار سے مقابلہ کرتے تھے تو کبھی ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹا، آج تمہیں کیا ہوا کہ تم پسپا ہو رہے ہو، بھاگنے کے لئے پر تول رہے ہو، آج تمہاری ایمانی غیرت وحمیت کیا ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ تنہا آگے بڑھے اور دشمن پر سخت بھرپور حملہ کیا، ایک بوڑھے جانباز، بہادر مجاہد کی اس پیش قدمی نے پورے لشکر اسلام میں جوش وجذبہ بیدار کر دیا اور یک دم پورا لشکر دشمن کی طرف بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو کچل ڈالا۔ اسی مجاہدانہ حملے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق جام شہادت نوش فرمایا اور انہیں ان کے آقا ﷺ کا عطا کردہ اعزاز حیاتِ جاودانی نصیب ہوا۔

ایک کرامت

ابھی لشکر اسلام نے میدانِ جنگ چھوڑا بھی نہ تھا کہ ایک مجاہد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نے اسے بتایا کہ وقت شہادت میرے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی جو ایک دشمن نے اتار لی۔ اس کے خیمہ کے سامنے ایک گھوڑا گھاس چر رہا ہے اور وہ زرہ اس نے ایک بڑی ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے میرے بھائی! تم امیر لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بتاؤ اور کہو کہ وہ ہر حال میں میری زرہ حاصل کر لیں تاکہ میرے کسی مجاہد بھائی کے کام آ سکے۔ نیز مدینہ پہنچ کر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میرا اسلام پہنچانا اور پیغام دینا کہ مجھ پر جن لوگوں کا قرض ہے وہ ادا کر دیں اور میرا ایک غلام ہے اسے آزاد کر دیں۔ اس مجاہد صحابی نے اپنا خواب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سنایا وہ اپنی تلوار لے کر اٹھے اور اس خیمہ کی تلاشی لی تو اسی جگہ زرہ موجود تھی جہاں بتائی گئی تھی اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا گیا تو آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا قرضہ ادا کر دیا اور ان کے غلام کو آزاد کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ میرے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا گیا ہو۔

اور تا قیامت شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ وصیت اسی صورت میں نافذ العمل ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے بلند آواز کرنے کی ممانعت کے ساتھ ہی دوسرا ادب سکھایا گیا: ''وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ''اور میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں اس طرح زور، زور سے بھی گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہ یہ بے تکلفی شاہی دربار کی شان کے خلاف ہے۔

آقا کا اپنے دلوں میں احترام پیدا کرو، رعب پیدا کرو، غلامانہ انداز پیدا کرو، عجز وانکساری سے آہستگی سے اپنی معروضات پیش کیا کرو کہ ان کی سمع خراشی نہ ہونے پائے جو ایذاء کے مترادف ہے اور جانتے ہو اللہ ورسول کو ایذاء پہنچانے کا انجام کیا ہے۔'' اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا''

Marfat.com

(احزاب:57) بیشک جولوگ اللہ اوراس کے رسول کوایذاء پہنچاتے ہیں ان لوگوں پر دنیاوآخرت میں اللہ کی لعنت ہے اوران کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الامان والحفیظ، سوچئے جب غلام ادب واحترام سے محروم ہوا تو پوری طرح ہی بدنصیب قرار پایا، تمام نعمتوں سے محروم کردیا گیا، اللہ کی لعنت کا مستحق ہوگیا۔اب وہ شقاوت وبدنصیبی کے ایسے دلدل میں پھنس گیا جس سے نکلنا کسی کے بس کی بات نہیں، پس غلام کی نجات غلامی میں ہی ہے آقا کی ہمسری میں نہیں۔

وہ میٹھی نگاہ والا، خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

انجام

دونوں جرم، رفع صوت اور آقا ﷺ کی موجودگی میں باآواز بلند باتیں کرنا، تقریباً ایک جیسے ہی ہیں لہٰذا دونوں کی سزایادونوں کا انجام ایک ہی ہے۔''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ'' یہ کہ تمہارے اعمال ضائع اور باطل ہوجائیں نماز، روزے، حج و زکوٰۃ، تقویٰ، پرہیزگاری سب برباد ہوسکتے ہیں۔کیونکہ قبولیت اعمال کا دارومدار صاحب شریعت ﷺ کی رضا اور خوشنودی پر ہی تو ہے اور جب تم نے انہی کے دربار میں بے ادبی اور گستاخی کی تو تم اس لائق نہ رہے کہ اللہ رب العزت تمہاری کسی نیکی کو قبول فرمائے اللہ اکبر، کتنا بھیانک انجام ہے کتنی سخت سزا ہے جب ہی تو اس کے تصور سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کانپ اٹھے تھے اور دیگر صحابہ محتاط ہو گئے تھے حالانکہ ان نفوس قدسیہ سے تو رضائے الٰہی پر نص قطعی موجود ہے:''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' اللہ ان سے راضی ہو چکا اور یہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' ہر ایک سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے بلاشبہ صحابہ کرام سب جنتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں حتیٰ کہ ان کے نقش قدم پر چلنا جنت کی ضمانت ہے لیکن یہ جنتی حضرات بھی اس گستاخی کی سزا سن کر کانپتے نظر آرہے ہیں تو پھر ہما شما کس گنتی میں ہیں۔ہمیں تو بہت ہی زیادہ ہوش میں آنے اور احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ہماری جھولیاں تو پہلے ہی خالی ہیں کہیں ذرا اونچ نیچ ہوئی تو جو کچھ بھی کیا دھرا ہے سب برباد ہوجائے گا۔سوچو پھر آقا ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے، پس:

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا یہاں بے ادبی ہے

اے ایمان والو! دورِ نزولِ قرآن میں ان احکام کے اصل مخاطب اگرچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے لیکن دیگر احکام قرآن کی طرح یہ آج تک جاری ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گے۔بایں صورت کہ آج بھی ہم پابند ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں جب شرف حاضری نصیب ہو، تو نہ تو باآواز بلند صلوٰۃ وسلام عرض کریں نہ نعت خوانی کریں، نہ ہی آپس میں اونچی آوازوں سے باتیں کریں اور صرف یہی نہیں بلکہ جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم ہورہی ہو احکام شریعت بیان کئے جارہے ہوں، کوئی عالم دین تقریر کررہا ہو، ان سب صورتوں میں بھی آواز بلند کرنا یا آپس میں باتیں کرنا حرام ہے۔نیز ان احکام کی بنیاد پر علماء نے تصریح کی ہے کہ وارثین انبیاء علماء کرام، مشائخ، پیروں اور دیگر بزرگوں کے

Marfat.com

سامنے بھی بلند آواز کرنا یا آپس میں گفتگو کر رہا ہو تو درمیان میں بول پڑتا اور اونچی آواز سے باتیں شروع کر دینا بھی جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ'' اور اپنی آواز پست رکھو، بیشک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے۔ (سورۂ لقمان)

انسان اور گدھے میں کیا نسبت ہے لیکن انسان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دے کر اور اس کے کراہت و دہشتنا کی ظاہر کر کے انسان کو بُری آواز سے باتیں کرنے کی ممانعت کی جارہی ہے۔

یہ سب وہ معاشرتی آداب ہیں جن کی قرآن کریم نے تعلیم دی اور اسوۂ کامل ﷺ نے ان کی عملی وضاحت فرمائی۔ یہ مومن کے اخلاق کا حسن اور زیور ہیں۔ ایک شخص کتنا ہی با خلاق ہو لیکن اس کی بلند آواز اور گفتگو میں ترشی اس کے اخلاق کو بھدا بنا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے، مخاطب کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص لڑ رہا ہے اور غصہ کر رہا ہے۔ بہر حال ہمیں ان تمام آداب کی پابندی کر کے اللہ و رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ نرم گفتگو پر کشش ہوتی ہے جسے لوگ بغور سنتے اور گفتگو کرنے والے کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

غرضیکہ رفع صورت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں اونچی آواز سے گفتگو کرنے والوں کی سزا نہایت ہی بھیانک ہے کہ ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں مزید برآں یہ کہ ''وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' کہ تمہیں اپنے اس بدانجام کا پتہ تک نہ چلے گا، آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ ہم جو کچھ کرتے رہے وہ تو سب ضائع ہو گیا اگر یہ انجام اس طرح ہوتا کہ دنیا ہی میں پتہ چلتا تو رو دھو لیتے، توبہ کر لیتے معافی مانگ لیتے لیکن یہ تو بڑا ہی حادثہ ہوا کہ برباد بھی ہو گئے اور پتہ تک نہ چلا، کس قدر خطرناک سزا ہے یہ اللہ محفوظ رکھے۔

امام مالک اور ہارون رشید

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ہارون رشید کا ایک واقعہ پڑھئے اور اندازہ لگایئے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ دربارِ نبوی ﷺ کے آداب کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے۔

خلیفہ ہارون رشید دربار نبوی ﷺ میں جب حاضر ہوا تو روضۂ مبارک پر حاضری دینے کے لئے اس نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے لیا تا کہ ان کے وسیلہ سے سرکار ﷺ کے دربار میں اس کا سلام قبول ہو سکے۔ مواجہ شریف پر حاضر ہو کر خلیفہ نے بآواز بلند صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کر دیا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، آپ نے خلیفہ کو روکا اور کہا کہ یہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا دربار ہے یہاں اتنی بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کا یہی حکم ہے۔ خلیفہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر کانپنے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گیا کہ اب وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کس طرح دربارِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی معروضات پیش کرے۔ بالآخر کچھ دیر بعد نہایت ہی ادب و احترام سے آہستہ آہستہ کہتے ہوئے اس نے کچھ کہنا شروع کیا، فارغ ہو کر اس نے نہایت ہی پست آواز کے ساتھ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اب میں دعا کعبہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر مانگوں یا دربار ہی کی طرف ہاتھ اٹھاؤں۔

Marfat.com

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب مرحمت فرمایا: ''کَیۡفَ تُوَلِّیۡ عَنۡہُ وَھُوَ وَسِیۡلَتُکَ وَوَسِیۡلَۃُ اَبِیۡکَ اٰدَمَ'' تم ان کی طرف سے کس طرح منہ پھیر سکتے ہو جبکہ یہ تمہارا بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ نیز اللہ نے تو خود انہی کے دربار میں حاضر ہو کر جھولی پھیلانے کا حکم صادر فرمایا ہے، کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں پڑھی: ''وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡکَ'' اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ آپ کے دربار میں حاضر ہو جائیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ مکان وجہت سے پاک ہے، جس سمت بھی منہ کر کے ہاتھ پھیلاؤ گے تمہارے ہاتھ اسی کے سامنے پھیلے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ'' اور مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں، پس جدھر بھی تم رخ کرو وہیں اللہ کی ذات موجود ہے، بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے۔ پس خلیفہ روضۂ مبارک کی طرف ہاتھ اٹھائے نہایت عجز وانکساری سے دعا مانگتے رہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ پہلو میں کھڑے آمین کہتے رہے۔

حقیقت سمت

ہم یہاں یہ بھی وضاحت کرتے چلیں کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے سوال پر فی البدیہ فتویٰ دیا کہ دعا کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے رخ پھیر لینا حکم قرآن کے خلاف ہے، پس ہاتھ اٹھاؤ اور مانگو جو مانگنا ہے، آپ نے اپنے فتوے کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات بھی تلاوت کیں اس سلسلہ میں ہم پہلے تفاسیر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے فتوے کی وضاحت وتائید کرتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری، حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ'' یعنی کل زمین ملکیت اور پیدائش کے لحاظ سے اسی کی ہے اور تمام مخلوق اس کے وجود کے مظاہر میں ہے اور اس کے نور کی تجلیات ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، چیزوں کو درست کرنے اور رکھنے والا ہے وہ کسی جگہ میں مقید نہیں۔ قبلہ کی طرف تو اس کا حکم محض تعبدی ہے اور تکلیف بقدر طاقت ہے۔ اگر تم فرائض میں قبلہ کی طرف توجہ پر قادر نہ ہو سکو، دشمن کی وجہ سے یا اشتباہ کی وجہ سے باوجود تحری کے غلطی ہو جائے یا نوافل میں سواری پر سے اترنے، سفر میں حرج ہو اور چل نہ سکنے کا خطرہ ہو کیونکہ نوافل کا معاملہ فرائض سے کم ہے تو جس طرف بھی منہ پھیرو، اسی طرف اللہ کی توجہ ہوگی۔''

حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں رقمطراز ہیں:

> ''منتشر افراد قوم بنتے ہیں جب کہ ان میں یک جہتی ہو اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت اپنی کسی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی ہے اس

Marfat.com

آیت میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ ہی کی ہیں مشرق ہو یا مغرب، جنوب ہو یا شمال سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کے زیرِ نگیں ہیں، اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے، پورب اور پچھم سے تمہیں کیا سروکار، تم اس کے حکم کے بندے ہو، نیز چونکہ مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اس کے طلوع کی سمت ہے اس لئے خصوصی طور پر اس کے تقدس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مشرق کو مقدس مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں، ان کی حقیقت بس اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی کا حکم ان میں جاری و ساری ہے۔''

صدر الافضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس آیۂ مبارکہ پر حاشیہ قابل مطالعہ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ایک اندھیری رات سفر میں تھے۔ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکی ہر ایک شخص نے جس طرف اس کا دل جما نماز پڑھی۔ صبح کو سید عالم ﷺ کی خدمت میں حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف دل جمے کہ یہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس مسافر کے حق میں نازل ہوئی جو سواری پر نفل ادا کرے۔ اس کی سواری جس طرف متوجہ ہو جائے، اس کی طرف اس کی نماز درست ہے۔ بخاری و مسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہود نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بتایا گیا کہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے وہ جس طرف چاہے قبلہ معین فرمائے، کسی کو اعتراض کا کیا حق (خازن)۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دعا کے حق میں وارد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ کس طرف منہ کر کے دعا کی جائے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حق سے گریز و فرار میں ہے اور ''اینما تولوا'' کا خطاب ان لوگوں کو ہے جو ذکرِ الٰہی سے روکتے اور مسجدوں کی ویرانی میں سعی کرتے ہیں، وہ دنیا کی رسوائی اور عذابِ آخرت سے کہیں بھاگ نہیں سکتے کیونکہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے، جہاں بھاگیں گے وہ گرفت فرمائے گا اس تقدیر پر وجہ اللہ کے

Marfat.com

معنی خدا کا قرب وحضور ہے (فتح)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کفار خانہ کعبہ میں نماز سے منع کریں تو تمہارے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی ہے، جہاں سے چاہو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔"

اس آیت سے متعلق ایک اقتباس تفسیر معارف القرآن سے بھی ملاحظہ ہو۔ جس کے مصنف مفتی محمد شفیع صاحب ہیں، جو دیوبندی مکتب فکر کی صف اول کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

یہود نے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اس جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے۔ اس کا جواب حق تعالیٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اور اللہ ہی کی ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی (اور وہ اس کا مکان نہیں)۔

پس وہ مالک ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں، کیونکہ حکمت تعیین قبلہ میں مثلاً عابدین کا اتفاقِ ہیئت اور اجتماع خاطر ہے اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا حکم دے دیں وہی متعین ہو جائے گی ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی جہت خاص کے ساتھ مقید ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ عبادت بننے کا انحصار زیبا تھا لیکن وہ ذات پاک کسی جہت کے ساتھ مقید ومحدود نہیں جب یہ بات ہے، تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیاء کو) محیط ہیں جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن باوجود محیط وغیر محدود ہونے کے پھر بھی جہت عبادت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ کامل العلم ہیں کہ ہر شئی کے مصالح کو خوب جانتے ہیں، چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصالح سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیا گیا.......... (چند صفحات کے بعد)۔

اس لئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا کہ اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہو گیا تو اس میں فضیلت ہے آپ دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔

چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم دے کر عملاً اور آپ نے قولاً اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص مکان یا سمت کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ اس مکان یا سمت میں ہے دوسری جگہ میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے، کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے۔ دوسرے یہ کہ سب کے لئے کوئی خاص سمت وجہت متعین کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک تشت وافتراق کا منظر سامنے آئے گا کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے

Marfat.com

ہیں اور ہر ایک کا رخ الگ الگ اور ہر ایک کا قبلہ جدا جدا ہے اور دوسری صورت میں تنظیم واتحاد کا عملی سبق ملتا ہے۔ ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔ اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ دونوں مقدس اور متبرک مقامات ہیں ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام دیئے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی دلی خواہش کے مطابق اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلہ عالم بنادیا گیا۔

ایک اقتباس تدبر قرآن کا بھی پیش نظر ہے جو امین احسن اصلاحی صاحب کے ذاتی تدبر کا نتیجہ ہے۔ موصوف کوئی عالم نہ تھے بلکہ بنیادی طور پر صحافی تھے۔ فاران کے ایڈیٹر تھے ان کا شمار غالباً اہل حدیث مکتبہ فکر کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ ان کی تفسیر کے مطالعہ کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی مخصوص مکتبہ فکر نہ تھا۔ دینی امور میں یہ اپنی ذاتی رائے کے پیروکار تھے ایک زمانہ تک یہ مولانا مودودی کے رفیق کار اور معاون رہے۔ ان سے تفہیم القرآن کے بعض حصوں پر اختلاف رائے ہوا تو خود ہی اپنی تفسیر تدبر قرآن لکھ ڈالی۔ بہر حال موصوف جہت کعبہ سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> قرآن مجید نے یہاں اس سبب اختلاف ونزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی لغویت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مشرق ہو یا مغرب، دونوں سمتیں اللہ ہی کی ہیں، ان میں جس سمت کو بھی انسان رخ کرے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس چیز کو یہود ونصاریٰ نے سر پھٹول اور ہدمِ معابد ومساجد کا سبب بنایا ہے تو یہ ان کی جہالت وحماقت ہے، سمتوں اور جہتوں میں سے کسی سمت اور جہت کو بھی خدا کے ساتھ اختصاص نہیں ہے وہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر جدھر بھی رخ کرتے ہیں۔ خدا ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کو محیط ہے۔
>
> ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد (چند صفحات کے بعد)

"قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (کہہ دو۔ مشرق و مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔) یہ یہود ونصاریٰ کے مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب ہے، کہ تمہیں اب قبلہ سے کیا واسطہ، تم تو اہل قبلہ کے بجائے مشرق و مغرب کے چکر میں پھنس گئے ہو، نصاریٰ مشرق کو اپنا قبلہ قرار دے بیٹھے ہیں اور یہود مغرب کو، حالانکہ سمتوں میں سے کسی سمت کو بھی اللہ کے ساتھ کسی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو ہر سمت میں ہے مشرق ومغرب، شمال وجنوب سب اسی کی فرمانروائی میں ہیں، اس لئے اگر خصوصیت ہو سکتی ہے تو کسی ایسے گھر ہی کو ہو سکتی ہے جس کو وہ مخصوص فرمائے، اور قبلہ قرار دے یہ خصوصیت رکھنے والا گھر حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کا تعمیر کردہ گھر مکہ کا بیت اللہ ہے۔ وہی تمام اولاد ابراہیم کا قبلہ قرار پایا تھا

Marfat.com

اور اسی کو قبلہ قرار دے کر بیت المقدس کی بھی تعمیر ہوئی تھی اب حقیقت کے نشانات و آثار تورات میں موجود تھے، لیکن تم نے تعصب کی وجہ سے یہ نشانات مٹا دیئے تھے، لیکن تمہاری ان مخالفانہ کوششوں کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے جن کو چاہا سیدھا راستہ دکھا دیا، اور اب وہ تمہارے پیدا کردہ پیچ وخم سے نکل کر ایک صراط مستقیم پر چل کھڑے ہوئے ہیں۔

ہمارا عقیدہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ اور مفسرین کی وضاحت کے مطابق ہمارا بھی ایمان وعقیدہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے بیت اللہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا ہے۔ اس کا تعلق جہت وسمت کے تقدس سے نہیں، جہات تو سب ہی ایک جیسی ہیں اللہ کی رحمت کسی ایک سمت سے متوجہ نہیں ہوتی، بلکہ ''فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' جس طرف بھی منہ کرو رحمت باری پاؤ گے اور قبلہ کے لئے ایک مرکز کا تعین بھی صرف عبادات سے متعلق ہے دعا کے لئے نہ کسی مرکز کی طرف رخ کرنا شرط ہے اور نہ ہی آسمانوں کی طرف ہاتھ اٹھانا لازمی ہے، کہ دعا تو دل کی صدا کا نام ہے اور جس سے دعا کی جاتی ہے وہ ''عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ اسی لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ کلمات دعا زبان سے باآواز بلند یا آہستہ کہے جائیں۔ بس بندہ اپنی ضرورت کا دل میں خیال کرے اور دلوں کا حال جاننے والا مالک وحدہ لاشریک بندے کی دعا کو شرف قبول عطا فرمائے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ دعا کے وقت سمت کعبہ سے افضل کسی دوسری جہت بائیں یا دائیں رخ کر لینا چاہئے ہاتھ صرف اس لئے اٹھائے جائیں کہ بندہ کی حالت دعا کا اظہار ہو اور آسمان کی طرف اس لئے بلند کئے جائیں کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق بندے کے رزق کا تعلق آسمان سے ہے۔ اسی عقیدے کی تائید مندرجہ بالا اقتباسات سے ہوتی ہے اور اس کی تصریح، روح البیان، روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں موجود ہے جن کی عبارتوں کو ہم نے بخوف طوالت نقل نہیں کیا ہے۔

سعودی فتویٰ

لیکن جو کچھ آپ نے پڑھا اس کے علی الرغم سعودی فتویٰ یہ ہے: '' کہ بوقت دعا سمت کعبہ کے سوا کسی دوسری طرف رخ کرنا نہ صرف حرام قطعی ہے بلکہ شرکِ عظیم ہے۔'' اس سلسلہ میں براہ راست ہمیں کسی سعودی عالم سے تو گفتگو کا موقع نہیں ملا لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ ان کا فتویٰ کیا ہے۔ تاہم ہم نے مدینہ منورہ میں دیکھا ہے کہ سپاہی اور دیگر مذہب زدہ سعودی، عوام کو بڑی ہی حقارت کے ساتھ، بوقت دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارکہ جنت البقیع کے مزارات اور دیگر متبرک مقامات کی طرف رخ کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ روکتے اور منع کرتے رہتے ہیں۔ ان کی سخت گیری اور دیدہ دلیری سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے علماء اور حکام کی پوری طرح حمایت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم اپنے رفقاء سفر کے ہمراہ جنت البقیع کی قریب والی دیوار کے ساتھ کھڑے روضہ انور کی طرف رخ کئے نہایت احتیاط وانہماک کے ساتھ سر جھکائے دعا کر رہے تھے۔ ہم نے ہاتھ بھی نہیں اٹھائے ہوئے تھے تا کہ کوئی دیکھ نہ لے،

Marfat.com

لیکن پھر بھی ہم نے سنا کہ کوئی چلا رہا ہے۔ ''لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، لَا اِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ. اللہ کے ساتھ شرک مت کرو کہ بیشک شرک بڑا ظلم ہے مسجد حرام کی طرف منہ پھیرو، نبی کی قبر کی طرف نہیں۔'' واضح رہے کہ سعودی روضۂ اقدس کو قبر کہتے ہیں۔ بہر حال آواز اتنی کرخت اور حقارت آمیز تھی کہ ہمیں اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور بے حد دکھ ہوا کہ غلام اور آقا کے درمیان یہ شیطان کہاں سے آ گیا، لیکن ہم خاموش کھڑے رہے، اتنی دیر میں دوبارہ وہی آواز آئی اور ہم نے اس خبیث کو بالکل اپنے قریب کھڑا پایا، اب ہم سے نہ رہا گیا لیکن آقا ﷺ کے دربار کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اپنے غصہ پر قابو رکھا اور پہلے اس شخص کو سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب دیئے بغیر غصہ میں لال پیلا ہوا اور اپنی بکواس کرتا رہا۔ ہم نے اسے بمشکل ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہم مؤمن ہیں، ایک اللہ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم بحمد اللہ شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اپنے آقا کے دربار پر ہم اللہ کے حکم کے مطابق دعا کر رہے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں اور پھر ہم نے وہ تمام دلائل اس کے سامنے رکھے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس نے کوئی جواب دیئے بغیر ایک اشارہ کیا تو چند پولیس والے ہمارے قریب آدھمکے۔ اب ہم نے عافیت اسی میں جانی کہ خاموش ہو جائیں پولیس سے معافی مانگی اور خاموشی سے چل دیئے۔ اس کے بعد غالباً ہمارا چار دن قیام رہا لیکن ہم نے بہت احتیاط رکھی، کیونکہ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پوری طرح پولیس کی نظروں میں مشکوک تھے اور ہماری نگرانی ہو رہی تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آئے کہ ہم اپنے آقا ﷺ کے دربار کی حاضری سے محروم کر دیئے جائیں۔ اللہ کبھی ایسا نہ کرے۔ آمین

ملاحظہ فرمایا آپ نے غور فرمایا آپ نے کیسی جہالت وحماقت ہے کہ دور، دور سے جو اہل ایمان، سرکار ﷺ کے دربار میں سلام عرض کرنے اور بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بدنصیب انہیں مشرک قرار دیتے ہیں لیکن ان ظالموں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ''عاشقوں کا رخ پھیرنے سے دل تو نہیں پھر جائے گا اور اصل حضوری تو دل کی حضوری ہی ہے''، قسم اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ہمارا رخ سمت کعبہ ہوتا ہے۔ ہمارا سجدہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن دل آقائے رحمت ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے　　اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

علاوہ ازیں، میرے آقا ﷺ ایسے مقام پر رونق افروز ہیں کہ نمازیوں کی بڑی تعداد آپ ﷺ ہی کی اقتداء کرتی نظر آتی ہے۔ یہ قدرتی انتظام ہے کہ چند کے علاوہ باقی نمازیوں کا رخ بھی انہی کی طرف ہوتا ہے اور قلب بھی اور اگر غیر اللہ کو سجدہ حرام نہ ہوتا تو غلاموں کے سجدے بھی آقا ہی کی طرف ہو جاتے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم بڑے آرام سے اپنے آقا ﷺ کے حضور ہاتھ پھیلائے بھیک مانگتے ہوتے ہیں اور ظالم شرطی پیچ وتاب کھاتا دیکھتا رہتا ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

Marfat.com

تین انعام

بے ادبی اور گستاخی کا انجام بیان فرمانے کے بعد اب ان باادب غلاموں پر اپنے انعامات کا مژدہ سنایا جار ہا ہے جو آقا ﷺ کے دربار کا بے حد احترام کرتے اور یہاں نہایت ہی عاجزی وانکساری سے حاضری دیتے ہیں۔ یہ تین انعامات ہیں: جن کے حقدار وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں جنہیں بار بار دربار شاہی میں حاضری کا شرف حاصل رہتا تھا اور ان میں قیامت تک آنے والے وہ خوش نصیب عشاق بھی ہیں جنہیں آقا ﷺ کے بظاہر پردہ فرما جانے کے بعد آپ کے روضۂ اقدس پر حاضری نصیب ہوتی رہے گی، اور وہ اہل ایمان بھی شامل ہی جنہیں اگرچہ حاضری کی سعادت نصیب نہ ہو سکی لیکن وہ دل و جان سے آقا ﷺ کا احترام کرتے ہیں۔ نہایت خلوص و محبت کے ساتھ ان پر درود کے پھول برساتے رہتے ہیں اور نہایت عجز وانکساری سے محافل نعت اور محافل ذکر میں شریک ہوتے ہیں۔ نیز وارثین انبیاء حضرات علماء کرام سے بے حد ادب و احترام کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب کے ان غلاموں کو تین قسم کے انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرماتا ہے۔

پہلا انعام یہ ہے کہ ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لئے خالص کرلیا ہے۔'' کہ اللہ کے اس فضل کے سبب ان کے دل آقا ﷺ کی محبت سے سرشار ہو گئے ہیں ان کا ہر عمل اپنے آقا ﷺ کی ادا کے مطابق ہوتا ہے۔ دین کی پابندی ان کے لئے سہل و آسان ہوگئی اور وہ اس کے عادی ہو گئے ہیں وہ ہر لحظہ ہر لمحہ خدمتِ دین میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ دین و دنیاوی امور میں انہیں رب کریم کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے اور ان کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ ''لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ'' کہ اللہ نے اپنے حبیب الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان کے ماضی کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور مستقبل میں گناہوں سے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مکر شیطان سے محفوظ و مامون ہو گئے ہیں۔ ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' کی ان پر چادر ڈال دی گئی ہے۔ کہ اب نہ انہیں ماضی کے اعمال کے حساب و کتاب کا ڈر ہے اور نہ ہی مستقبل میں قیامت کی ہولناکیوں سے متاثر ہونے کا کوئی غم رہا ہے۔ انہیں دنیا میں حیوٰۃ طیبہ کی دولت سے نوازا جا چکا ہے، اور بوقت موت انہیں ''يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ، کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے خوش ہے اور میرے خاص بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہ مژدہ دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا جاتا ہے۔''

تیسرا انعام یہ ہے کہ ''وَاَجْرٌ عَظِيْمٌ'' اور بڑا ہی اجر ہے بے ادبی و گستاخی اعمال کی بربادی کا ذریعہ ہے تو آقا ﷺ کا ادب و احترام کرنے والوں کے اعمال کا اجر و ثواب بطور انعام، کئی گناہ زیادہ کر دیا گیا ہے۔ بطور مثال آقا ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ''لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ

Marfat.com

مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ۔ ''میرے کسی صحابی کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی کوہِ احد کے برابر بھی اللہ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو ان کے ایک صاع بلکہ نصف صاع کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکے گا'' کہ میرے ان جانثاروں کو ان کے چھوٹے اعمال کا اجر بھی اللہ اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرماتا ہے کہ تمہارے بڑے سے بڑے اعمال کی بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ نیز عام غلاموں کو آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے: ''اَلَا لَکُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنَ'' (یہ خوشخبری بغور سنو) کہ تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''اَنْتُمْ خَیْرُھَا وَاَکْرَمُھَا عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی۔ کہ تم اللہ کے نزدیک تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہو۔''

اے ایمان والو! دیکھا تم نے کیسا کرم ہے تم پر اللہ کا کہ اس نے ہم بے نواؤں، کمینوں اور ذلیلوں کو اپنے باختیار نبی کے صدقہ میں کس قدر خوش بخت اور بلند اختر بنا دیا۔ لہٰذا تم اس کی غلامی سے کبھی منہ نہ موڑنا کوئی کتنا ہی چاہے کہ ان کی طرف سے تمہارا رخ پھیر دے۔ تم کسی فتوے کی پرواہ نہ کرنا، اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی اور معراج و ترقی ہے: ''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ (اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری غلامی اختیار کئے رہو اللہ کے محبوب و پیارے بھی ہو جاؤ گے اور وہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔'' پس ہرگز پرواہ نہ کرو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی، ان کے عشق و محبت میں سرگرداں رہو اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ اس کا مظاہرہ کرتے رہو۔

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

بے وقوف

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔'' جو آپ کو دروازوں کے پیچھے سے باآواز بلند پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں، بڑے ہی ناسمجھ، بے عقل اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جو آپ کے دروازے پر حاضر ہو کر بے ادبی اور گستاخی سے، یا محمد، یا محمد (ﷺ) چیخ چیخ کر پکارنے لگتے ہیں بالکل اس طرح جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں۔ یہ ان بدوؤں کا خصوصی ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ستر آدمی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور در رسول ﷺ پر آپ کو زور، زور سے پکارنے لگے۔ دوپہر کا وقت تھا، حضور ﷺ حسب معمول قیلولہ فرما رہے تھے۔ تہذیب و تمدن سے عاری ان بادیہ نشینوں نے آوازیں لگائیں: ''یَا مُحَمَّدُ (ﷺ) اُخْرُجْ اِلَیْنَا'' اے محمد (ﷺ) باہر آیئے اور جب اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز ہوئے تو انہوں نے اپنی شیخی بگھارنا شروع کر دی اور بولے: ''یَا مُحَمَّدُ (ﷺ) اِنْ مَدَحْنَا زَیْنٌ وَاِنْ شَتَمْنَا شَیْنٌ وَنَحْنُ اَکْرَمُ الْعَرَبِ'' جب ہم کسی کی تعریف کرتے ہیں تو اسے مزین و آراستہ کر دیتے ہیں اور جب ہم کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور ہم تمام عربوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔ آقائے رحمت ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''کَذَبْتُمْ بَلْ مَدْحُ اللّٰہِ زَیْنٌ وَشَتْمُہٗ شَیْنٌ۔ تم غلط کہتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی کی مدح اس کے لئے باعث عزت و زینت ہے اور اللہ کی طرف

Marfat.com

سے کسی کی مذمت اس کے لئے باعث ذلت وخواری ہے۔'' وَاَكْرَمَ مِنكُمْ يُوسُفُ۔ اور تم سے بہتر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔''

اللہ والے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ بے ادبی اور عام لوگوں جیسا رویہ ناگوار ہوا۔ لہٰذا فرمایا '' وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ ''اگر وہ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ خود ہی باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، یعنی ان کی بے عقلی وحماقت ظاہر نہ ہو پاتی۔

چونکہ یہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے شرف صحابیت سے نوازے گئے۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے انہیں تہذیب سے آراستہ ومزین کیا، اور ان کی جہالت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب یہ بدو اشرف و اعلیٰ ہو گئے، ہمارے سر کا تاج بن گئے۔ پس اللہ کریم نے ان کی قبولیت اور رفعت و بلندی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا '' وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔'' دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی کے صلہ میں ان کی مغفرت و بخشش ہو چکی ہے اب کوئی انہیں بے عقل و بے وقوف نہ کہے اور نہ سمجھے۔

اے ایمان والو! آؤ، تم بھی دامن رحمت میں پناہ لے لو، ان کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو، عزت والے ہو جاؤ گے، عظمت والے بن جاؤ گے۔ بایں صورت کہ ان کے غلام بن کر ان کے پیاروں کا ادب کرو، ان کا احترام کرو اور ان کے دربار میں جب بھی حاضری کا موقع نصیب ہو۔ نہایت ہی عاجزی وانکساری سے حاضری دو، اپنے اسلاف کے نقوش ہائے قدم کو پہچانو اور ان کی پیروی کرو باعزت ہو جاؤ گے، خوب فیض یاب ہو گے۔

باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم ہے کہ '' جب تم کسی عالم کی خدمت میں حاضری دو تو پہلے عالم کو پھر دیگر اہل مجلس کو سلام کرو، عالم کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھو، ہاتھوں سے اشارے نہ کرو، آنکھیں نہ پھیرو، عالم سے حجت نہ کرو، بحث نہ کرو، سوالوں سے پریشان نہ ہو، کہ عالم اس درخت کی طرح ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اپنے میٹھے پھلوں کو برابر ٹپکاتا رہتا ہے۔ (یعنی ہر قسم کے سوال کا جواب نہایت میٹھے انداز سے دیتا ہے) اور عالم کے لئے ضروری ہے کہ باوقار اور سنجیدہ ہو، ادھر ادھر بلاضرورت نہ دیکھے، شور وغل نہ کرے، کھیل کود نہ کرے، روکھا اور بے مروت، بیہودہ باتیں کرنے والا نہ ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا زاد بھائی) اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت کم عمر تھا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تشریف لے جا چکے۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ابھی آپ ﷺ کے صحابہ موجود ہیں۔ چلو ہم دونوں صحابہ سے علم حاصل کریں۔ میرے دوست نے میری بات نہ مانی اور لاپرواہی سے جواب دیا کہ ان بڑے بڑے عالموں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ پس اس نے تجارت شروع کر دی خوب دولت کمائی اور میں صحابہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب علم حاصل کرنے لگا۔ میں ہر اس جگہ پہنچتا جہاں مجھے کسی صحابی کی موجودگی کا پتہ چلتا۔ ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے میں نے مہینوں کا سفر کیا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی صحابی کے گھر دوپہر کے وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ میں ساری

Marfat.com

دوپہر سخت دھوپ میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہتا، جب وہ باہر آتے تو مجھے دیکھ کر فرماتے، اے اللہ کے رسول کے چچازاد بھائی، آپ ہمارے لئے قابل احترام ہیں آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ ہمیں کیوں نہ بلالیا، ہم حاضر ہو جاتے، یا کم ازکم اس دھوپ میں بیٹھ کر انتظار کی تکلیف نہ فرماتے ہمیں خبر کر دیتے تو ہم فوراً دروازہ کھول دیتے۔ میں عرض کرتا نہیں ادب واحترام کا تقاضا یہی ہے کہ طالب علم کو عالم کا نیاز مند اوراس کے در کا بھکاری ہی ہونا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے آرام میں مخل ہوتا یہ تو خود غرضی بھی ہوتی اور بے ادبی بھی، وہ خوش ہوتے میری اس عجز وانکساری کی قدر کرتے اور مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث بڑے ہی ادب واحترام اور محبت بھرے لہجے میں سناتے اس طرح میں نے علم کے موتی جمع کئے اور جب خزانہ بھر گیا تو وہ وقت آیا کہ میرے در پر بھکاری بڑے ہی ادب واحترام سے جھولیاں پھیلائے کھڑے ہوتے اور میں ان کو شب وروز موتی تقسیم کرتا رہتا۔ مجھے اللہ نے عزت دی خوب نوازا۔ میرے دوست کو جب میری شہرت کا پتہ چلا تو وہ بھی ایک دن جھولی پھیلائے میرے در پر حاضر ہوئے اور نہایت شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے: ''کاش میں تمہاری بات مان لیتا تو آج میں بھی تمہاری طرح باعزت زندگی بسر کرتا ہوتا، میں نے خوب دولت کمائی، لیکن نہ عزت پائی نہ تمہاری طرح شہرت پائی۔ بیشک اللہ نے تمہیں خوب خوب نوازا ہے: ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔''

بہر حال علماء دین کا ادب واحترام درحقیقت رسول ہی کا ادب واحترام ہے کہ معلم کامل ﷺ نے ان حضرات کو اپنے علم کا وارث، خادم اور پاسبان بنایا ہے اپنے مقدس منبر پر کھڑے ہونے اور نورِ علم پھیلانے کا اعزاز بخشا۔ دوستو! یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم آج علماء کی حیثیت قبول کرنے اور ان کی عزت کرنے سے محروم ہیں اگر یہ اعزاز ہمیں حاصل ہوتا تو ہم بھی باعزت ہوتے اس دور میں ہم اور ہماری نسل ذلت وخواری کا شکار محض اس لئے ہے کہ نہ صرف علماء بلکہ کسی بزرگ اور بڑے کا احترام ہمارے دل میں نہیں رہا۔ اے اللہ ہمیں دولت ادب واحترام سے نواز دے۔ آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقالہ ۲۷

الحجرات:٦ تا ١٠

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ
كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ
اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ
فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ
فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(الحجرات:٦۔١٠)

Marfat.com

اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر، تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم تکلیف پہنچا دو کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو اور خوب جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ موجود ہیں اگر وہ اکثر معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے محبوب کردیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کردیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اللہ سب جاننے والا بڑا ہی حکمت والا ہے اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں پس صلح کرادو ان دونوں کے درمیان اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو دونوں کے درمیان عدل سے اور انصاف کرو بیشک اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے بیشک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کرادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب واحترام سے متعلق احکام کے بعد آداب معاشرت بیان کئے جارہے ہیں کیونکہ تہذیب وتمدن اور معاشرے کی تطہیر وتعمیر کا دارومدار معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر ہی ہے، جس کے لئے ضروری ہے کہ غلام آقا علیہ کا دل وجان سے ادب واحترام کریں تاکہ ان سے خوب خوب فیض یاب ہوسکیں، خوب خوب استفادہ کرسکیں کیونکہ ادب واحترام ہی معلم کے دل میں تلامذہ کی نسبت والفت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جس کے بغیر شاگردوں کے لئے استاد سے استفادہ ممکن نہیں۔ آئیے اب آیات مذکورہ بالا پر غور کریں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنے معاشرے کی تعمیر وتطہیر کریں تاکہ پرسکون اور باوقار زندگی میسر آسکے۔

خبر فاسق کی تحقیق

اے ایمان والو! اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے فَتَبَيَّنُوْٓا اس خبر کی خوب تحقیق کرلو، کیونکہ فاسق کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی وہ تو بدعمل، خودغرض اور اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ دوسروں کو لڑانا، ان میں انتشار وافتراق پیدا کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے جبکہ خبر انسانوں کی عزت، عظمت کا ذریعہ بھی ہوتی اور اسی سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بھی بن جاتے ہیں۔ مرنے اور مارنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں کہ اگر کوئی اچھی خبر ملے تو لوگ خوش ہوتے ہیں ان کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے وہ اس اچھی خبر پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں لیکن اگر کوئی بری خبر پھیلا دی جائے تو لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہوجاتے ہیں آپس میں نفرت کرنے لگتے ہیں اور پورا معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار بن کر جہنم ہوجاتا ہے کیونکہ ہمارے معاملات کی بنیاد خبروں پر ہی ہوتی ہے۔ خبریں ہم سے بنتی ہیں اور ہم خبروں پر عمل کرتے ہیں لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہے اور اللہ ورسول کا بھی یہی حکم ہے کہ آنکھ بند کرکے ہم ہر خبر کی

Marfat.com

تصدیق نہ کریں اور اس کے پیچھے نہ لگیں کہ ہماری یہ اندھی تقلید کبھی ہمارے گھر، ہمارے خاندان اور کبھی پورے معاشرے کے لئے سخت نقصان کا باعث ہوسکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان دشمنیاں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوسکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے، تجربہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات جھوٹی خبروں اور افواہوں کے سبب ہی قوموں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور نوبت بایں جا رسید کہ دو طاقتیں آپس میں لڑ پڑیں، قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوگیا، مستحکم و مضبوط ممالک تباہ و برباد ہوگئے، عوام ناکردہ گناہ کی سزا میں مبتلا ہوئے اور ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا کہ جب تیر کمان سے نکل جائے تو واپس نہیں آسکتا اسی طرح جو نقصان ہوجائے اس پر کتنی ہی ندامت ہو، کتنا ہی پچھتاوا ہو سر تو پیٹا جا سکتا ہے لیکن تلافی نہیں ہوسکتی کہ یہ وہ وبال ہے جو خود ہی مول لیا تھا اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ''خود کردہ را چہ علاج''۔

کیونکہ قرآن کریم ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اہل ایمان کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر باہمی انتشار و افتراق میں مبتلا ہوں اور پھر انہیں پچھتاوا اور ندامت کا دکھ سہنا پڑے کہ یہ نقصان تو اس کا مقدر ہے جسے کوئی باخبر کرنے والا نہ ہو امت مسلمہ تو خوش نصیب ہے کہ اسے ہر خطرے سے پہلے ہی وحی الٰہی نیز مخبر صادق ﷺ آگاہ کردیتے ہیں اور یہ دونوں اس قدر یقینی ذریعے ہیں کہ تمام خبر رساں ذرائع ان کے مقابلہ پر ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ پس اہل ایمان کی عافیت و خیریت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ذرائع سے رابطہ قائم رکھیں اور ان کی راہنمائی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔ وہ ہر خطرے اور ہر بربادی سے یقیناً محفوظ رہیں گے۔

افواہ چونکہ ہلاکت و بربادی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہٰذا ہدایت کی گئی کہ جب تمہیں کوئی خبر ملے تو ''فَتَبَيَّنُوْا'' پہلے خوب اس کی تحقیق کرو، خبر لانے والے کے حالات تفصیل سے معلوم کرو مثلاً وہ بے نمازی تو نہیں، شرابی یا جواری تو نہیں، راشی و مرتشی تو نہیں، حرام خور یا سود خور تو نہیں، حرام کا کاروبار تو کرنے والا نہیں، شرعاً مردود الشہادۃ تو نہیں اسی قسم کے دیگر عیوب کی تحقیقات کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ کسی کی عیب جوئی تو شرعاً ممنوع ہے کہ یہاں مقصود عیب جوئی نہیں بلکہ عیوب کے باعث ممکنہ نقصان سے خود کو یا قوم کو بچانا مقصود ہے۔ پس خوب تحقیق کرلو پھر یہ سوچو کہ خبر کی نوعیت کیا ہے بری خبر ہے یا اچھی اس کے پھیلانے اور اس پر عمل کرنے سے فائدہ ہوگا یا نقصان۔ نیز اس خبر کا اچھا یا برا اثر ذات پر ہوگا اہل خانہ یا خاندان پر ہوگا یا اس سے پوری قوم متاثر ہوگی مثلاً کسی قریبی عزیز کی موت کی خبر اس سے محبت کرنے والوں کو سخت صدمہ پہنچا سکتی ہے یا دوران جنگ کسی اہم سپاہی کی شہادت کی خبر پورے لشکر اسلام کے پیر اکھاڑ سکتی ہے یا کسی بیماری کی افواہ پورے کاروبار زندگی کو متاثر کرسکتی ہے یا کسی چیز کی ممکنہ گرانی کی غلط اطلاع معاشی نظام کو تہس نہس کرسکتی ہے یا دشمن کی قوت و طاقت اور اس کی کثرت تعداد کا چرچا پوری قوم کی ہمت و جرأت کے لئے زہر قاتل بن سکتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات اچھی خبریں، خوش خبریاں اور مژدے بھی خوش فہمی یا غلط فہمی کا سبب بن جاتے ہیں مثلاً بچے کو اس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا یقین دلانا درحقیقت اسے لاپرواہی میں مبتلا کرنا ہے۔ مریض کو اس کی قطعی صحت کا یقین دلا دینا اسے بد احتیاطی میں مبتلا کردینا ہے۔ یہ اور ان جیسے کثیر مشاہدات ہماری زندگی میں شب و روز دیکھے جاتے اور پیش آتے رہتے ہیں جو اس ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ

Marfat.com

افواہ واخبار کا معاملاتِ زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے لہٰذا ہر خبر کی اشاعت اور اس پر عمل سے قبل اس کی تحقیق نہایت ہی محتاط انداز سے کر لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم حکم دے رہا ہے۔

تحقیق کا یہ حکم اگرچہ اس خبر سے متعلق ہے جس کا لانے والا فاسق ہو لیکن خبر لانے والے کے کردار و عمل کی تحقیق بھی درحقیقت خبر ہی کی تحقیق ہے علاوہ اس کے کہ کسی خبر لانے والے کی صالحیت مسلم اور یقینی ہو جیسے نبی کی عطا کردہ خبریں یا دیگر اتقیاء وصالحین کی لائی ہوئی خبریں بلا تحقیق قابل عمل ہوں گی چاہے ان خبروں کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو جبکہ نبی کی اخبار تو وحی الٰہی کے عین مطابق ہوتی ہیں لہٰذا ان میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔

باعثِ نزول

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک دور میں غلط خبر پھیلنے ہی کا ایک واقعہ اس آیہ مبارکہ کے نزول کا باعث بنا۔ ہوا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مشرف باسلام ہونے اور ہماری ماں بن جانے کے بعد ان کے قبیلہ کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے رئیس حارث بن ضرار تھے۔ یہ واقعہ خود حضرت حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ نیز گزارش کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں واپس ہو کر اپنے قبیلہ کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا اور ان سے زکوٰۃ بھی جمع کروں گا۔ آپ اس ماہ کے آخر تک اپنے کسی صحابی کو ہمارے یہاں بھیج دیں تاکہ میں زکوٰۃ کا جمع کردہ سامان ان کو دے دوں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت مقرر پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ اپنے زمانہ کفر میں اس قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر چکے تھے۔ اب انہیں اسی قبیلہ کی طرف بھیجا جا رہا تھا، لاچار تعمیل حکم کی اور چل دیئے لیکن دورانِ سفر یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ وہاں مقتول کے ورثاء مجھے دیکھیں گے ممکن ہے بے قابو ہو جائیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے قتل کر ڈالیں۔ ولید نے بہت ہمت کی سفر جاری رکھا لیکن بالآخر جان کی محبت غالب آئی اور ہمت ہار بیٹھے راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں آ کر عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں وہاں گیا لیکن حارث نے مجھے زکوٰۃ کا سامان دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا میں جان بچا کر واپس آ گیا۔

یہ خبر پورے مدینہ منورہ میں آناً فاناً پھیل گئی لوگ مشتعل ہو گئے۔ حارث کے قبیلہ بنو مصطلق کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں کیونکہ افواہ کے مطابق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت کی۔ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اس خبر پر بے حد غمزدہ تھیں کیونکہ یہ معاملہ انہی کے قبیلہ سے متعلق تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کا ایک دستہ لے کر بنو مصطلق کے پاس جانے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس وقت تک حملہ آور نہ ہونا جب تک تحقیق نہ کر لو اور صورت حال واضح نہ ہو جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ ہی میں ان کی ملاقات حارث اور ان کے

Marfat.com

قبیلہ کے لوگوں سے ہوگئی۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے تمام حالات بتائے اور پوچھا کہ کیا واقعی تم نے وعدہ خلافی کی ہے اور اسلام سے پھر گئے ہو۔ حارث نے کہا یہ عجب معاملہ ہے ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نمائندے کا انتظار کرتے رہے اور اب خود آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے جا رہے ہیں نیز انہوں نے بقسم کہا کہ ہم نے تو ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں۔ تعجب ہے کہ انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ وہ یہاں آئے اور ہم نے حسب وعدہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھئے زکوٰۃ کا سب مال ہمارے ساتھ ہے جو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کرنے ہی جا رہے ہیں۔ صورت حال واضح ہو جانے کے بعد یہ سب لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ کو تمام باتیں بتائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے انہیں طلب فرمایا اور غلط بیانی کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے اصل بات بتائی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اس قبیلہ کے ایک شخص کا قاتل ہوں۔ مجھے خوف ہوا کہ یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں اس لئے میں راستہ سے ہی واپس آ گیا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا میں اپنی اس غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے معاف فرما دیں اور میرے لئے اللہ سے معافی کی دعا کر دیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بھی بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اپنے بھائی ولید سے اپنے مقتول کا خون معاف کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ گناہ زمانہ کفر کا تھا آپ بھی انہیں معاف فرما دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ولید کو معاف کیا اور ان کی توبہ قبول ہونے کا مژدہ سنایا۔

تعمیل قبل حکم

یہ تھا واقعہ جو آیہ مبارکہ کے نزول کا سبب بنا جس میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ "فاسق کی لائی ہوئی خبر کی پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ "اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ" خبر غلط ہو اور تم بلا تحقیق کسی پر حملہ آور ہو جاؤ اور اسے تکلیف پہنچا دو۔ "فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" پھر ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہونا پڑے کہ پچھتاوے کا زخم بہت ہی گھائل ہوتا ہے مشکل ہی سے بھرتا اور مندمل ہوتا ہے۔"

یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے جو بڑی ایمان افروز ہے کہ یہ واقعہ پہلے پیش آیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی اور جو حکم دیا گیا۔ اس پر پہلے ہی میرے آقا ﷺ عمل فرما چکے تھے کہ آپ نے مسلمانوں کو بنو مصطلق پر حملہ کرنے سے روکا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی معیت میں یہ ہدایت فرماتے ہوئے روانہ کیا کہ "تحقیق حال کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا" اور جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو بات غلط ثابت ہوئی۔ بنو مصطلق اسلام پر قائم تھے سب مل کر اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھے۔

یہ تعمیل قبل حکم میرے آقا ﷺ کی خصوصیت ہے جس کا ذریعہ وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا جو نبوت کا لازمی جز ہوتا ہے کہ اللہ جس کو مقام نبوت پر سرفراز فرماتا ہے اسے اس کی ضرورت کے مطابق ضرور علم غیب بھی عطا فرماتا ہے چونکہ میرے آقا ﷺ سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ "کُنْتُ

Marfat.com

نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ ''میں نبی ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی ہی کے درمیان تھے۔ کے ارشاد کے مطابق اپنے تمام اوصاف اور کمالات کے ساتھ مقام نبوت سے سرفراز کئے جا چکے تھے لہٰذا آپ کے علم غیب کی ابتداء بھی ہو چکی تھی اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں لہٰذا آپ کا دور نبوت و رسالت بھی جاری ہے۔ اس دور کی انتہا کب اور کہاں ہے یہ اللہ کے سوا کون جا سکتا ہے ہاں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام حالات و واقعات حتیٰ کہ اپنی امت کے اعمال سے بھی واقف ہو لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ان تمام حالات و واقعات پر آگاہ فرمایا جو آپ کی بعثت سے قبل ہو چکے اور جو قیامت کے دن وقوع پذیر ہونے والے ہیں '' فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ''رب نے اپنے عبد مقدس کو جو چاہا عطا فرمایا، کے ذریعہ اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے '' عالم ما کان و ما یکون '' ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسی علم لامحدود کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماضی کے بے شمار واقعات بیان فرمائے اور مستقبل کی بے شمار خبریں دیں جو وقوع پذیر ہو چکی ہیں، ہو رہی ہیں اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک آپ کی تمام پیش گوئیاں وقوع پذیر نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں اسی علم کے مطابق آپ نے ان چیزوں کا حال بیان فرمایا وہ واقعات بتائے جن کا تعلق ہماری اس دنیا سے نہیں ہے مثلاً قبر کا حال، بعث بعد الموت کے حالات، جنت و دوزخ کا حال، فرشتوں کا حال، آپ کی اخبار بالغیب کا تذکرہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے اور آپ کا علم غیب واضح دلائل سے ثابت ہے:

جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب دانی کے پس منظر میں اگر آپ ایک مرتبہ دوبارہ مندرجہ بالا واقعہ پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میرے آقا ﷺ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ عقبہ، بنو مصطلق سے خوفزدہ ہیں۔ وہ وہاں نہیں جائیں گے اور غلط بیانی کریں گے انہی کو روانہ کیا اور وہی ہوا جو آپ جانتے تھے صرف اس لئے کہ عقبہ اس واقعہ میں شامل ہو جائیں اور جب بنی مصطلق سے ہمارے دربار میں آمنا سامنا ہو تو وہ انہیں معاف کر دیں اور ہمیشہ کے لئے ان کا خوف ختم ہو جائے ورنہ جب بھی بنو مصطلق کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ آتا تو عقبہ چھپتے پھرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنو مصطلق اسلام پر قائم ہیں اور دربار میں حاضر ہونے والے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی ہمراہی میں ان کی طرف روانہ کیا تاکہ اہل مدینہ کا وہ جوش ختم ہو جائے جو غلط خبر کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ ہمارے دربار میں لے کر حاضر ہوں کیونکہ اگر بنو مصطلق بغیر اطلاع کے مدینہ میں داخل ہوتے تو یقیناً اہل مدینہ ان کا کوئی عذر سنے بغیر ان پر حملہ آور ہو جاتے اور پھر ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا جو آقائے رحمت ﷺ کے لئے نہایت ہی رنج والم کا سبب ہوتا۔

صحابہ سے امکانِ گناہ

آیت زیر گفتگو میں ' فاسق کی لائی ہوئی خبر کی تحقیق کا حکم ' ہے جبکہ مذکورہ خبر دینے والے جلیل القدر صحابی حضرت

Marfat.com

عتبہ بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ کیا صحابی بھی فاسق ہو سکتا اور کیا صحابی سے بھی گناہ سرزد ہونا ممکن ہے تو ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد مخلوق میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہونے کے باوجود معصوم نہیں کہ معصوم تو صرف ملائکہ اور انبیاء و رسل ہی ہوتے ہیں لیکن صحابۂ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت اور ان کے بلاواسطہ تعلق کی بناء پر یہ فضل خاص رہا کہ اللہ نے انہیں ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھا اور اگر کسی سے گناہ سرزد ہو بھی گیا تو اس سے یہی ثابت کرنا مقصود تھا کہ صحابی معصوم نہیں ہوتا۔ نیز ان کے گناہ کو کسی شرعی حکم کے نزول کا وسیلہ بنایا گیا تاکہ اس پر عمل کرنے والے تاقیامت محبوب کے ان خاص غلاموں کے مرہونِ منت رہیں اور جب بھی کسی صحابی سے کوئی گناہ ہوا اسے فوراً احساس گناہ بھی ہوا اور یا تو اس نے اللہ غفور و رحیم کی اجازت سے گناہ بخشنے والے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا، توبہ کی اور بخش دیا گیا اور یا اس نے اپنے آپ کو اپنے آقا کے حضور پیش ہونے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے خود کو اللہ کے سپرد کیا اور اللہ کو اس کی یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کی معافی کا واضح اعلان فرمایا۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ نے رمضان کی رات میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی اور صبح ہوتے ہی اپنے آقائے رحمت کی پناہ لی، گناہ کا اعتراف کیا۔ ان کی بخشش بھی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے امت پر یہ کرم کر دیا گیا کہ رمضان کی راتوں میں جماع کو بلا کراہت جائز قرار دے دیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان کی قبولیت توبہ کا گواہ آج تک وہ ستونِ توبہ ہے جہاں ہم گناہ گاروں کی توبہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ جن سے صحابہ کا معصوم نہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن انہیں فاسق یا گناہگار بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کا ہر موقع پر اعلان فرمایا۔ نیز جملہ صحابۂ کرام کے لئے اعلانِ عام ہے ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ'' اللہ ان (صحابہ) سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اس اعلان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ کسی صحابی کی موت اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک وہ گناہ سے پاک و صاف نہ ہو کہ نہ تو اللہ کسی گناہ گار سے راضی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی بندہ۔ اللہ سے اس وقت تک راضی ہو سکتا ہے جب تک اسے رب معاف نہ کر دے۔ پس حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ضرور غلط بیانی کا گناہ سرزد ہوا جو فسق تھا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں معاف فرما دیا تو وہ دیگر صحابہ کی طرح چمکتے تاروں میں سے ایک تارہ ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ''۔

رسول کی اتباع کرو

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنو مصطلق سے متعلق جو افواہ پھیلی اس کی وجہ سے تمام صحابۂ کرام نہایت مشتعل ہوئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ اس قبیلہ پر فوراً حملہ کیا جائے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا نہ ہونے دیا ان کا یہ اشتعال بنو مصطلق کے دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری تک رہا اور دن رات جنگ ہی کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ اللہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں کی یہ عجلت اور ان کے واضح فیصلہ سے پہلے ہی جنگ کا مطالبہ کر دینا پسند نہ آیا۔ پس انہیں اور ان کی وساطت سے قیامت تک پیدا ہونے والے اہل ایمان کو ہدایت دی گئی کہ ہر حال میں اللہ کے رسول ﷺ کی رضا اور ان کے حکم کا خیال

Marfat.com

رکھو'' وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ''اور جان لو کہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں۔ رسول تمہاری رہبری وراہنمائی ہی کے لئے ہے تم پر اس کی اطاعت وفرمانبرداری لازم وفرض ہے۔ اس کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، پس تم ہر موقع پر رسول کے حکم کا انتظار کیا کرو اس کے حکم سے پہلے تمہیں کوئی فیصلہ کر لینے کا حق نہیں۔ یہ خواہش ہرگز نہ کرو کہ رسول تمہارا مطالبہ قبول کرے اور وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کرے۔ ''لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ'' اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگیں تو تم ہی مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے، ناکامی ونامرادی تمہارا مقدور ہو گی۔

''لَعَنِتُّمْ'' تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے، رسول کی نافرمانی یا رسول کے احکام سے پہلے کوئی فیصلہ کر لینے سے رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے۔ بایں صورت کہ تمہارے غلط فیصلے یا تو تمہارے جانی ومالی نقصان کا سبب ہوں گے یا کم از کم تمہیں ندامت وشرمندگی کا غم سہنا پڑے گا اور یا تم میں انتشار وافتراق کی وبا پھوٹ پڑے گی۔ جس سے تمہاری عزت پامال ہو جائے گی غیروں کی نظروں میں تمہارا وقار اور رعب جاتا رہے گا کیونکہ تمہارے فیصلے تو اندھے کی لاٹھی کی طرح ہوں گے جو مارتا کہیں ہے پڑتی کہیں ہے جبکہ نبی تو تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اسے ماضی ومستقبل کا سب حال معلوم ہے اس کا کوئی تیر نشانہ سے نہیں ہٹ سکتا اس کا کوئی حکم تمہارے نقصان وخسارے کا باعث نہیں بن سکتا پھر رسول کا تو ہر حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' نبی کبھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کی ہر بات اللہ کی وحی ہی ہوتی ہے۔ پس اس کے کسی حکم یا فیصلے پر شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے احکام کی تعمیل میں فوری یا بدیر، تمہاری بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اہل ایمان بے قصور ہیں

بنو مصطلق کی بدعہدی کی خبر پر صحابہ کرام کا مشتعل ہونا ایک فطری عمل تھا کیونکہ اللہ نے ہر مؤمن کے دل میں ایمان کی اتنی محبت پیدا کر دی اور اس کے قلب کو نور ایمان سے ایسا مزین ومنور کر دیا کہ اب وہ کفر، فسق وفجور کی کسی بات کو برداشت نہیں کر پاتا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو وہ مؤمنین کاملین ہیں جنہوں نے اپنا مقصد زندگی ہی رسول کی خدمت ان کی اطاعت اور ان کی محبت بنا لیا ہے وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی رسول سے بدعہدی کرے یا کسی بھی نوع رسول کی توہین کرے پس بنو مصطلق سے متعلق خبر پر ان کا جوش میں آ جانا اور فرط محبت میں اپنے آقا ﷺ سے ان پر حملہ آور ہونے کا مطالبہ کر بیٹھنا ان کے جذبۂ ایمان کا مقتضی تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ یہ صحابہ کرام سے اس متوقع داغ کو دھویا جا رہا ہے جو کسی بھی وقت کوئی بدعقیدہ اس واقعہ کا سہارا لے کر لگا سکتا تھا۔ ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ'' اور لیکن اللہ ہی نے (اے ایمان والو) تمہارے لئے ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔ ''وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ'' اور تمہارے لئے قابل نفرت بنا دیا ہے کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہ لوگ اسلام کے بعد نہ تو کفر کی کسی بات کو برداشت کر سکتے ہیں نہ کافروں کی ریشہ دوانیاں ان کے لئے قابل برداشت ہیں اور نہ ہی یہ کسی بھی فسق وفجور میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فسق وفجار کی حرکتیں یہ برداشت کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

بحمد اللہ ہر مؤمن کی یہی کیفیت ہے اور ہونی چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ محبت ایمان سے کرتا ہے اگر اس کے سامنے کوئی اللہ و رسول یا دیگر شعائرِ اسلام کی توہین کرے تو وہ مشتعل ہو جاتا، مرنے اور مارنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ آج ہم فسق و فجور میں ایسے مبتلا ہو گئے کہ ہمیں برائی، برائی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ کاش ہم اپنی حالت پر غور کریں اور جس طرح ہمارے دلوں میں اللہ و رسول کی اور دیگر شعائرِ اسلام کی محبت موجزن ہے اسی طرح ہم اپنے اعمال کی اصلاح کر کے اپنے آپ کو فسق و فجور سے پاک کر لیں تو یقیناً ہم مؤمن کامل کہلانے کے مستحق ہوں گے اور ان بے شمار انعامات سے ہمیں نوازا جائے گا جن سے ہمارے اسلاف صحابہؓ کرام اولیاء و علماء کو نوازا جاتا رہا ہے اور پھر ہم بھی ان لوگوں میں شمار کئے جائیں گے جن کے لئے مژدہ دیا گیا ''اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' یہ لوگ ہیں جو راہِ حق پر ثابت قدم ہیں۔

فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

''وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ'' اور خوب جان لو کہ بیشک رسول تم میں موجود ہیں۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ پر ہم کچھ مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو ظاہری اور مادی ہے جو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ہی کے ساتھ خاص تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمہ وقت ان کی نظروں کے سامنے موجود رہتے تھے۔ صحابہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے آپ کی تعلیم سے خوب فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کے عشق و محبت کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اپنے آقا ﷺ کے دربار میں گزارے۔ اس لئے ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ بس مسجد نبوی ﷺ سے قریب ترین اسے رہائش کا موقع میسر آ جائے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت اور صحبت تھی وہ کسی لمحہ بھی اس سے محروم ہونا نہ چاہتے تھے کسی لحظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی ان کے لئے قابل برداشت نہ تھی۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا مشہور و مستند واقعہ ہے کہ وہ اکثر رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ایک دن غلام کی اس خدمت پر آقا کو پیار آ گیا ارشاد فرمایا ''سَلْ تُعْطٰی'' اے ربیعہ جو چاہو مانگ لو، دیا جائے گا آج ہمارا دریائے کرم جوش پر ہے عاشق بھی خوب ہوتے ہیں اللہ ہمیں بھی ایسا ہی عشق دے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا کے اختیار کا بھی بخوبی اندازہ تھا اور ان کی وسیع ملکیت کو بھی خوب جانتے تھے وہ مانگا جو کوئی نہیں مانگ سکتا اور نہ ہی کوئی شہنشاہ و بادشاہ دے سکتا ہے یہ تو رب کے خزانوں کے مالک ہی کی شان ہے کہ وہ ''جو چاہو مانگو'' کی عام دعوت دے رہے ہیں اور یہ ربیعہ جیسے عاشق ہی کا کمال ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں: ''اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، جنت میں اپنی صحبت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ سبحان اللہ! مانگا تو کیا مانگا ذرا انتخابِ نعمت پر تو غور کیجئے ذرا ذوق محبت تو دیکھئے جنت نہ مانگی کہ جسے بحالتِ ایمان اس دنیا میں صحبتِ محبوب نصیب ہو گئی وہ یقیناً جنتی تو ہو ہی گیا۔ ہاں رفاقت اسی کو نصیب ہو گی جسے آقا ﷺ منتخب فرمالیں۔ پس ربیعہ نے اُسی انتخاب کی درخواست پیش کر دی تا کہ جو آنکھیں اس دنیا میں محبوب کے حسن و جمال سے روشن و منور ہیں جنت میں بے نور نہ ہونے پائیں۔

غرضیکہ ''فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کی ایک ظاہری و مادی صورت ہے جو وقتی تھی، عارضی تھی، ختم ہو گئی تو کیا (العیاذ

Marfat.com

اللہ) رسول اب ہم میں موجود نہیں ۔ یہ وہی سوچ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے جو رسول کو اپنا جیسا، عام انسان خیال کرے جبکہ حقیقت یہ ہے حق یہ ہے کہ رسول ہم میں موجود ہیں۔ ''فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰه'' کے ارشاد کا مقتضیٰ بھی یہی ہے اور قرآنی جملہ ''محمد رسول اللّٰه'' کا مفہوم بھی یہی ہے جبکہ یہ جملہ مبارکہ کلمہ طیبہ کا جز ہے۔ پس ہم میں رسول کی موجودگی کی دوسری صورت یہ ہے کہ'' رسول ہم میں موجود ہیں'' بایں صورت کہ ہم سے پردہ کیے ہوئے ہیں لیکن اپنے دنیاوی جسم اطہر کے ساتھ اسی زمین پر رونق افروز ہیں کہ انہیں کا مستند ارشاد ہے:''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ'' کہ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کو کھائے۔''فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ'' تو اللہ کا نبی زندہ ہے۔

ایک مومن کے لئے یہ ارشادِ رسول ہرگز باعث حیرت نہیں کہ وہ اللہ کے خالق ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ اپنی مخلوق میں ایک مخصوص تاثیر پیدا کرنے والا وہی ہے نیز وہ جب چاہتا ہے جس چیز کی چاہتا ہے تاثیر تبدیل فرما دیتا ہے مثلاً آگ کی تاثیر جلا دینا ہی ہے لیکن یہ حکم رب ہی تھا''يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ'''' اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر''۔ پس ہر چیز کو خاکستر کر ڈالنے والی آگ اللہ کے خلیل کا بال بھی بیکا نہ کر سکی بلکہ سلامتی بن گئی، گلزار بن گئی اسی طرح جس کپڑے سے اللہ کے محبوب ہاتھ پونچھ دیں کیا مجال کہ آگ اسے جلا سکے جبکہ زمین کی تاثیر اپنے دفینوں کو کھا جانا ہی نہیں بلکہ وہ انہیں اگاتی بھی ہے اور ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ پس کوئی وجہ حیرت نہیں اس حقیقت پر کہ نبی کا جسم اطہر قبر میں بطور امانت محفوظ ہے کہ زمین کو اللہ کا یہی حکم ہے کیا مجال زمین کی کہ اللہ کے حکم کے خلاف نبی کا مقدس جسم رتی برابر بھی خراب کر پائے۔

علاوہ ازیں زمین میں دفن ہونے کے بعد ہر چیز ایک ہی مدت میں نہیں گلتی اور سڑتی بلکہ ہر چیز کی نرمی اور سختی کی مناسبت سے اس پر مٹی اثر کرتی ہے مثلاً گوشت، ہڈی سے پہلے گل جاتا ہے یا لوہا، ہڈی سے بھی زیادہ عرصہ زمین میں باقی رہتا ہے اور پلاسٹک پر تو ان دونوں سے بھی زیادہ مدت کے بعد مٹی اثر کرتی ہے۔ یہی حال اور بہت سے معدنیات اور جمادات کا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے اجسام کو ایک جیسا نہیں بنایا کہ بعض جسم عوارضات مثلاً موسم وغیرہ کے اثرات جلد قبول کرتے ہیں اور بعض بہت دیر میں متاثر ہوتے ہیں جبکہ نبی کا جسم مبارک تو ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے فضلات میں بھی تعفن نہیں ہوتا اسی لئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیشاب پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر آپ نے مژدہ دیا کہ'' اے ام ایمن اب تمہارے جسم کو جہنم کی آگ نہ جلا سکے گی'' آپ ﷺ کا پسینہ ایک بے نظیر عطر تھا جس کے استعمال کر لینے والی عورت کے بچوں تک میں وہ مہک آتی تھی۔ آپ ﷺ کا تھوک، زخموں اور بیماریوں کے لئے مداوا تھا اور جس سے کھاری پانی میٹھا ہو جاتا اور خشک کنوئیں پانی سے لبریز ہو جاتے تھے۔ ایسا ممتاز و مقدس اور مخصوص جسم جب زمین کو نصیب ہو تو کیا زمین اس کو گلا دے گی، سڑا دے گی جبکہ اس حصہ زمین کو اسی مبارک جسم کے طفیل یہ عظمت حاصل ہوئی کہ اس کے خالق نے اس کو اپنے عرش کریم سے بھی افضل و اشرف قرار دے دیا ہے۔

یقیناً زمین ایسی ناشکری اور بدنصیب نہیں ناشکرا و بدنصیب تو وہ انسان ہے جسے نبی کے صدقہ تاج شرافت ملا،

Marfat.com

انسانیت ملی، انسانی اقدار و اخلاق کی تعلیم ملی، عبادات کے طریقے ملے، معاملات کی گتھیاں سلجھانے کے نسخے ملے حتیٰ کہ خالق و مالک رب کا پتہ ملا، اس تک رسائی کی راہیں ملیں اب وہ خود تو متقی و پرہیزگار، متبع شریعت اور صالح ہونے کا دعویدار بن بیٹھا اور اپنے محسن، آقا ﷺ واللہ کے نبی کو (العیاذ باللہ) مردہ کہنے لگا۔ عام انسانوں کی طرح اس کے جسم کے بھی خاک ہو جانے کا یقین کرنے لگا اب اسے یارسول اللہ ﷺ کہنے میں شرم آنے لگی جو کہتے ہیں ان پر یہ ظالم شرک کا فتویٰ لگانے لگا، آہ! دیکھئے تو سہی اس پر اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ اللہ کے رسول کے روضہ مبارک پر حاضری کے باوجود یہ ادب و احترام سے ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ وسلام تک پیش کرنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بس اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف شرک، کفر اور بدعت کا بھوت ہے جو اس کی زبان سے اہل ایمان کو اہل عشق و محبت کو مشرک، کافر اور بدعتی کہلاتا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی بدبختی اور محرومی سے چھوڑیئے ان بدنصیبوں کی باتیں۔ آیئے ہم ناز کریں اپنے مقدر پر اللہ کا شکر ادا کریں اپنے نصیب پر کہ ہم بھی ''فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ'' کے مخاطب ہیں اور ہم جب ''محمد رسول اللہ'' کہتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم زندہ محمد ﷺ واللہ کا رسول مانتے اور ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے، ایمان ہے کہ ہمارے آقا ﷺ اپنی قبر انور میں اس دنیاوی جسم مقدس کے ساتھ زندہ ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

اے ایمان والو! تم خوش بخت ہو بلند اختر ہو کہ ایسے زندہ نبی پر ایمان رکھتے ہو جو ہماری آوازوں و سنتے اور ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں جب بھی ہم یا رسول اللہ ﷺ کی صدا لگاتے ہیں، جب بھی ہم نعتیں پڑھتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں وہ بنفس نفیس سنتے دیکھتے اور ہماری طرف توجہ فرماتے ہیں۔ بس بات صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ نظر نہیں جس سے ہم ان کی زیارت کر سکیں انہیں دیکھیں جبکہ اولیاء و اتقیاء اور صلحاء نے ان کو دیکھا بھی اپنے سلام کا جواب سننے کا شرف بھی حاصل کیا اور انشاء اللہ اس دنیا میں بعد موت ہم اپنی قبر میں سے اپنے آقا ﷺ کی زیارت کریں گے اور یہ عارضی حجاب اٹھا دیا جائے گا (درود شریف کے زیر عنوان ہم اس مضمون پر طویل گفتگو کر چکے ہیں)۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں اس طرح بھی موجود ہیں کہ ان کا عطا کردہ کلام الٰہی، ان کی شریعت اور ان کی تعلیم و تربیت ہر مومن کے گھر میں موجود ہے۔ مساجد میں ان کے غلاموں کا اژدہام ہے ان کے منبروں پر ان کے وارثین ان کے ارشادات سناتے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پانچ وقت ان کا نام پکارا جاتا ہے۔ درس قرآن وحدیث اور نعت خوانی کی محافل منعقد ہوتی ہیں، ان کی سالگرہ پر ہر طرف نور کی بارش ہوتی نظر آتی ہے۔ اہل عشق و محبت ان کا وہی احترام کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی ظاہری زندگی میں کرتے تھے۔ ان کا نام مبارک سنتے ہیں تو ازراہ محبت و عقیدت کے طور پر اپنے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ان کی موجودگی کے یقین کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے کھڑے ہو کر ان کے حضور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں غرضیکہ وہ زندہ ہیں کہ آج بھی ان کے احکام جاری ہیں ان کی اتباع و پیروی ہو رہی ہے، ان کا ادب واحترام کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ   مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

صلح کرادو

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں کے درمیان اتفاق واتحاد، میل ومحبت ہو اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ سدا بہار ہو جس کی آبیاری وہ ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی سے کریں کہ کوئی کسی پر برتری کا مظاہرہ نہ کرے کوئی کسی کو حقیر نہ جانے کوئی کسی کے حسد وعناد اور بغض وکینہ میں مبتلا نہ ہو۔ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہوں، ایک دوسرے کی عزت وآبرو اور جان ومال کے محافظ ہوں حتیٰ کہ مرد وعورت، بوڑھے، بچے سب ہی بے خوف وخطر زندگی بسر کریں، رات کو آرام کی نیند سوئیں اور دن میں نہایت اطمینان کے ساتھ تلاش معاش میں مصروف رہیں۔ اس دوران کوئی جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا نہ دے کسی کا مال ہڑپ نہ کرے کسی کو ایذاء نہ پہنچائے لیکن باہمی اختلاف بھی انسان کی فطرت ہے لہٰذا ''وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا'' اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو مسلمان یہ نہ سوچیں کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں انہیں لڑنے دو ہمیں کیا سروکار نہ یہ خیال کریں کہ ہم کیوں بلاوجہ اپنا وقت ضائع کریں اور دوسروں کے معاملہ میں ٹانگ اڑائیں نہ یہ خوف کریں کہ اگر ہم اس جھگڑے میں پڑے تو شاید نوبت تھانہ، کچہری تک پہنچے تو ہمیں گواہیوں اور ضمانتوں کے لئے خوار ہونا پڑے گا یہ سب تو اپنے بھائیوں سے لاتعلقی کا مظاہرہ ہے لاپرواہی کا ثبوت ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی ہے کہ اس صورت میں اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ ''فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' ان دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادو، تم الگ تھلگ کیسے رہ سکتے تمہارے بھائیوں کی جانیں خطرے میں ہیں تو تم تماشائی کیسے بنے رہ سکتے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ آئے دن لڑائی جھگڑے ہی ہوتے رہیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ تمہارے کاروبار میں خلل واقع ہو اور تمہیں مالی خسارے اور معاشی تباہی میں مبتلا ہونا پڑے۔ جنگ کی یہ آگ تمہارے دروازوں اور تمہارے گھروں تک پہنچ سکتی ہے۔ جس کی تپش سے تمہارا دن کا سکون اور رات کا آرام تباہ وبرباد ہو جائے گا پھر تم اپنی لاپرواہی پر پچھتاؤ گے لہٰذا اٹھو اپنے بھائیوں کے لئے کچھ ایثار کرو ابھی تھوڑی سی ہی قربانی دینے سے کام چل سکتا ہے۔ اٹھو! ان دست بگریباں ہونے والوں کے درمیان کود پڑو۔ ان کے ڈنڈے، لاٹھیاں اور ہتھیار چھین لو، ان کو نہتا کر دو، ان کو سمجھاؤ، ان کی خوشامد کرو، ان کے سامنے ہاتھ جوڑو انہیں اللہ ورسول کا واسطہ دو، قرآن وحدیث کے احکام سناؤ غرضیکہ جس طرح بھی بن پڑے اس جھگڑے کو روکو اور اگر جھگڑا ختم ہونے کی صورت ہی نظر نہ آتی ہو تو اب جائزہ لو ان دونوں میں سے کون زیادتی، ظلم اور حق تلفی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ''فَاِنْ بَغَتْ احْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى'' پس اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے۔ ''فَقَاتِلُوْا الَّتِىْ تَبْغِىْ'' تو زیادتی کرنے والے کا تم مقابلہ شروع کردو اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ باغی سے، ظالم سے، طاقتور سے تم قتال کرو، جنگ کرو، مظلوم کا کمزور کا ساتھ دو غرضیکہ جس طرح بھی ممکن ہو جنگ کی اس آگ کو بجھاؤ اور ایسا ٹھنڈا کردو کہ پھر کبھی نہ بھڑکنے پائے۔ ''فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' پھر جب باغی وظالم گروہ باز آجائے اور جنگ ختم ہو جائے تو بھی اسی طرح نہ چھوڑ

Marfat.com

دینا بلکہ دونوں گروہوں کو آرام سے سمجھاؤ کہ اس جنگ نے تم سے کیا چھینا اور کیا دیا کس کا کیا فائدہ ہوا اور کیا نقصان ہوا جب انہیں اپنی غلطی کا بخوبی احساس ہو جائے تو دونوں میں صلح کرادو کیونکہ اگر بغیر صلح وصفائی تم نے انہیں چھوڑ دیا تو پھر کسی بھی وقت دوبارہ جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے اور صرف صلح بھی کافی نہیں۔ ''بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا'' بلکہ صلح عدل وانصاف کے ساتھ کراؤ، یعنی وجہ اختلاف کا پتہ کرو اور اس بنیاد کو اکھیڑ پھینکو جس کی وجہ سے یہ ہنگامہ آرائی ہوئی تھی اور حقدار کو اس کا حق دلا دو کہ اس کے بغیر صلح کا باقی رہنا ممکن نہیں۔

اے ایمان والو! صلح کے ساتھ عدل وانصاف کی ذمہ داری تم پر اس لئے عائد کی گئی ہے کہ ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، پس تم بھی ''مُقْسِطِیْنَ'' میں شامل ہو کر قرب الٰہی کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ نیز اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو انصاف کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا گیا سورۂ مائدہ ہے ''وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ'' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان انصاف سے کیونکہ ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پس ہمیں بھی انصاف کرنے والوں میں شامل ہونا چاہئے۔ انصاف کی کوششوں سے گریز نہیں کرنا چاہئے بلکہ جب ایسا موقع ہاتھ آئے تو اسے غنیمت جان کر ہرگز نہ چھوڑو کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش وکاوش ہی کو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل قبول فرمالے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے کہ میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ خوشخبری ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ''اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ'' بیشک انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے ایسے منبروں پر رونق افروز ہوں گے جو اللہ رحمٰن ورحیم کے دائیں طرف بچھے ہوں گے اسی لئے تو حاکم کو بحالت غصہ فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ارشاد ہوا، راوی ہیں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ''لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانٌ'' فیصلہ کرنے والا بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے کہ یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے جسے بہت ہی غور وفکر کے بعد پورا کرنا چاہئے جبکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ جس سے انسان کی غور وفکر کی صلاحیت عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے کیا کہا یا کیا لکھ دیا غصہ ختم ہونے کے بعد جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتا اور پچھتاتا ہے۔

مسلمان بھائی بھائی ہیں:

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں چاہے وہ کسی رنگ کے ہوں یا ان کا تعلق کسی نسل سے ہو وہ کسی بھی شہر یا ملک کے بسنے والے ہوں ان کی بولیاں کتنی ہی مختلف ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی بات تک نہ سمجھ پاتے ہوں اس کے باوجود بھی وہ بھائی بھائی ہیں کہ وہ ایک ہی درخت کے پھل ہیں ان کی جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے وہ سب ایک ہی رسی پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ہی اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں، ایک ہی رسول ﷺ کی غلامی کا طوق سب کی گردنوں میں پڑا ہوں جو ان کے بھائی بھائی ہونے کا علم اور نشان ہے۔ وہ ایک قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان کی شریعت ایک ہی ہے، ان کا ضابطہ

Marfat.com

حیات ایک ہی ہے، ان کے اصول زندگی ایک ہی ہیں، ان کی تہذیب ان کا تمدن ایک ہی ہے۔ اس رشتہ اخوت کی بقا اور مظاہرے کے لئے ان کا ایک ہی قبلہ کی طرف کیا گیا ہے۔ مختلف زبانوں کے باوجود سب عربی ہی میں تلاوت قرآن کرتے ہیں، عربی میں نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک ہیں، ان کا یہ رشتہ خونی رشتوں سے مضبوط تر ہے اسی لئے تو اگر ان کا باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی بھی خونی رشتہ دار مسلمان نہ ہو تو وہ نہ دنیا میں ان کا ہے نہ ہی آخرت میں جبکہ جو بظاہر غیر ہو وہ ان کا ہے۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' بیشک مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اسی لئے تو ہمیں یہ دعا تعلیم فرمائی گئی ہے سورۃ الحشر ہے ''رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ'' اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب بیشک تو رؤف ورحیم ہے۔ یہ دعا ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے ہیں چاہے انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

نبی نعمت ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے جس کام کو اہمیت دی وہ مہاجر و انصار کے درمیان بھائی چارہ اور رشتہ اخوت و برادری قائم کرنا تھا۔ یہ کام اتنے پہلے اور جلدی کیا گیا کہ اب تک اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے بغیر تعمیر مسجد بھی ممکن نہ تھی اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اس رشتہ اخوت کو مہاجر وانصار دونوں نے ہی ایک نعمت غیر مرتبہ جانا اور اس کو اپنے عمل سے اتنا مضبوط مستحکم کیا کہ اس کے سامنے دیگر رشتوں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ انصار نے مہاجروں کو اپنے گھروں میں رکھا، اپنی جائیداد، زمین، کاروبار میں شریک کیا حتیٰ کہ جس انصار کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں وہ اپنے بھائی کے لئے اسے طلاق دینے اور ان کے ساتھ اس کا نکاح کر دینے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں بھائی چارہ کا یہ ماحول اپنے آقا ﷺ کے وسیلہ سے اس وقت میسر آیا تھا جب دونوں ہی کو اس کی اشد ضرورت تھی کہ مہاجر اپنا وطن چھوڑ کر اپنے اعزاء واقارب حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال سے بھی محروم ہو گئے تھے جبکہ انصار مشرف باسلام ہو جانے کے باعث اپنے رشتہ داروں سے الگ تھلگ ہو گئے۔ رشتۂ اخوت نے دونوں ہی کو ایک پر بہار معاشرہ دیا جس میں وہ زندگی کے شب و روز نہایت سکون کے ساتھ بسر کرنے لگے اور باہمی تعاون نے انہیں مطمئن کر دیا۔

اس بھائی چارے کی اہمیت پر غور کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ'' مسلمانوں کو دیکھو گے آپس میں مہربانی کرنے میں، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ''کَمَثَلِ الْجَسَدِ'' ایک جسم کی طرح ہیں۔ ''اِذَا شْتَکٰی عَضْوٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی'' جب ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو باقی تمام اعضاء بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اگر پیر کی چھنگلی کے ناخن میں بھی تکلیف ہو تو سر تک سارا جسم درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے انسان تڑپنے لگتا ہے، اس کی نیند اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہو کسی کے ظلم وستم کا شکار ہو تو پوری دنیا

Marfat.com

کے مسلمانوں میں ہیجان اور بے چینی پیدا ہونا یقینی ہے کہ جس طرح جسم کے تمام اعضاء میں خونی تعلق ہے۔اسی طرح دنیا کے تمام مسلمانوں میں مذہبی تعلق ہے یہ مصیبت زدہ و مظلوم مسلمان چیچنیا کے ہوں، فلسطین و کشمیر کے ہوں، عراق، ترکی یا کسی بھی جگہ کے ہوں ان کی امداد کے لئے دنیا بھر کے مسلمان تڑپنے لگتے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی مدد کرتے ہیں چاہے انہیں دہشت گرد کہا جائے یا ان کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی بائیکاٹ کیا جائے وہ کسی بھی تکلیف کی پروا کئے بغیر اپنے مسلمان بھائیوں کو مصائب و آلام سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا'' اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔صحابہ میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مظلوم کی تو میں مدد کرتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں۔آپ نے فرمایا ''تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِکَ نَصْرُکَ اِیَّاهٗ'' ظالم کو ظلم سے روک یہ اس کی مدد کرنا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا ''اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ'' مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ خود اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ظالم کے سپرد کر دیتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے ''وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ'' اللہ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں ''اَلْمُؤْمِنُ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا'' ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے یعنی مسلمان جب تک متحد و منظم رہتے ہیں ایک دوسرے کو اپنا بھائی یقین کرتے ہیں وہ دشمن کے مقابلہ پر ایک مضبوط دیوار کی طرح ڈٹے رہتے ہیں اور اگر وہ خود ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے اور منتشر و متفرق ہو جاتے ہیں تو دشمن کو کچھ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو وہ کرنا چاہتا تھا خود ہی مسلمانوں نے کر لیا اب دشمن صرف تماشائی بن کر تماشہ دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور ان کو بندروں کی طرح اپنی انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے انہیں استعمال کرتا اور اپنا مقصد حاصل کرتا رہتا ہے۔

غرضیکہ معلم کامل ﷺ نے عملی اور تعلیمی دونوں طریقہ سے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم آپس میں جانثار بھائیوں جیسی زندگی بسر کریں اس سے ہمیں بھی فائدہ ہوگا اور ہمارے دین و مذہب کو بھی کہ اسلام کے دشمن ہماری طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکیں گے بالکل اسی طرح جس طرح چور وڈاکو اس مال پر نظر تک نہیں ڈالتے جس کے مالک چند بھائی ہوں اور وہ متحد ہوں منظم ہوں کہ اتحاد و اتفاق میں ایک ایسی قوت ہے جو پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔

لیکن افسوس ہماری حالت پر کہ آج ہم خود تو متفق و متحد ہو نہیں پاتے لیکن ہمارے قائدین و رہنما بھی ہمیں اتحاد کی تعلیم و تربیت نہیں دیتے بلکہ وہ تو ہمیں مزید لڑاتے ہیں ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ تھما دیتے ہیں کبھی وہ ہم میں فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں تو کبھی لسانی و صوبائی تعصب کی آگ ہمارے درمیان بھڑکا دیتے تو کبھی وہ ہمیں سیاسی تنظیموں اور جماعتوں سے

Marfat.com

مسلک کر کے لڑاتے ہیں، خوب لڑاتے ہیں، لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آزاد ہونے کے باوجود بھی اپنا غلام بنا لیتے ہیں ہمارے بنیادی حق تک غصب کر لیتے ہیں وہ غیر معینہ مدت تک ہمارے حکمران بنے رہتے ہیں اور جب ہم بحالت مجبوری اپنے کسی حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ ہم پر پولیس و فوج کی صورت میں کتے چھوڑ دیتے ہیں ہم تو پہلے ہی سے منتشر و متفرق ہیں لہٰذا یہ کتے ہماری ایسی چیر پھاڑ کرتے ہیں کہ ہماری آواز تو نکلنا درکنار سانس تک نہیں نکل پاتی۔

جب ہم اپنے انتشار و افتراق کے باعث اپنوں ہی کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے ہیں تو دشمن کو ہم پر مزید مظالم کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے وہ تو تماشائی بنا تماشہ دیکھ رہا ہے اور جب چاہتا ہے ہمارے ظالم حکمرانوں ہی کے ذریعہ وہ ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال کر لیتا ہے کہ ان گمراہ حکمرانوں کو اللہ و رسول کی خوشنودی سے زیادہ ان کے دشمنوں کی خوشنودی مطلوب ہے اللہ ہمیں ایسے حکمرانوں سے نجات دے اور ہماری مدد فرمائے، آمین۔

اتحاد کا تحفظ اور بقاء

قرآن و حدیث کے ان ارشادات کے علاوہ اگر آپ تمام احکام شرع پر غور کریں تو ان میں ایک مقصد مشترک نظر آئے گا اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان احکام کی تعمیل کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کے سایہ دار درخت کو تن آور اور مزید سر سبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہیں۔ نیز ان عبادات سے مقصود ان میں اتحاد و اتفاق کو باقی رکھنا ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہے مثلاً نماز کے وقت سب کا قبلہ رو ہونا، طہارت و پاکیزگی کے سب کے لئے ایک جیسے احکام، بالخصوص جماعت کی پابندی، نماز جمعہ کی جامع مسجد میں اور نماز عیدین کی عید گاہوں اور میدانوں میں ادائیگی کا حکم، دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے صرف ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور سحری، افطار، تراویح وغیرہ کے لئے یکساں احکام۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات، قربانی اس لئے ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے رہیں تا کہ معاشرے میں کوئی ضرورت مند نہ رہے۔ زکوٰۃ کی مقدار اور اس سے متعلق دیگر احکام شرع سب کے لئے ایک جیسے ہیں۔ حج کی کیفیت تو سب سے ہی زیادہ اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ سب سے پہلے احرام کو دیکھئے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ صرف دو سفید کپڑے، یونیفارم پہنا کر انہیں متحد و منظم رہنے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ نیز سب کے لئے اوقات، مقامات اور ارکانِ حج ایک ہی جیسے متعین ہیں کہ سب ہی کو مطاف میں اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگانے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرنے ہیں، زمزم پینا ہے، مَسعیٰ میں سعی کرنا ہے، ایک ہی مقررہ تاریخ میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ پہنچنا ہے، رمی کرنا ہے، حلق یا قصر کرنا ہے، قربانی کرنا ہے۔ دوستو! یہ سب کیا ہے اتحاد و اتفاق کے جذبات بیدار رکھنا اس کی حفاظت کرنا اور اسے باقی رکھنا ہی تو ہے۔

اب ایک نظر معاشرتی امور پر ڈالئے تو تمام معاملات میں ہمیں ایک ہی مقصد اور ایک ہی روح نظر آئے گی کہ ''اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ'' تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا انہیں ہر اعتبار سے بھائیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہئے انہیں چاہئے کہ بڑوں کا احترام کریں، چھوٹوں سے شفقت و محبت کا مظاہرہ کریں، آپس میں سلام مصافحہ و معانقہ کو عام کریں، ایک

Marfat.com

دوسرے کو وقتاً فوقتاً ہدیے اور تحائف دیتے رہا کریں، جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں، کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہوں، پسماندگان سے اظہار تعزیت کریں اور ہر حال میں ان کی مدد اور تعاون کرنے کی یقین دہانی کرائیں حتیٰ کہ اگر کسی بھائی کو چھینک بھی آئے تو سننے والا ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' کہتے ہوئے اپنے بھائی کو دعائے صحت دے اور اس کے جواب میں چھینکنے والا ''جَزَاکَ اللّٰہُ'' کہتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے جب ایک بھائی دوسرے بھائی کے سامنے آئے تو اس کی پیشانی پر مسرت وطمانیت کے آثار نمایاں ہوں۔ رنجیدہ وغمزدہ نظر نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو اس کی تکلیف کا پتہ نہ چل سکے اور وہ رنج وملال میں مبتلا نہ ہو اپنے گھروں میں خوشی اور مسرت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے شوہر اپنی بیوی سے محبت کرے اتنا اچھا برتاؤ اور سلوک کرے کہ وہ اپنی زندگی سے ہر وقت خوش اور مطمئن نظر آئے اگر کبھی شوہر و بیوی کے درمیان جھگڑے کی نوبت آجائے تو اولاً تو اپنا معاملہ خود ہی طے کرلیں ورنہ اپنے خاندان کے بزرگوں سے فیصلہ کرالیں جو ان کے درمیان صلح وصفائی کردیں کیونکہ بہرحال ''وَالصُّلْحُ خَیْرٌ'' رب کریم کا ارشاد ہے جدائی اور طلاق کا تو تصور تک ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ یہ 'اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ' ہے اور شیطان سب سے زیادہ اسی عمل سے خوش ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ طلاق تک نوبت آ ہی جائے تو ''تَسْرِیْحٌ م بِاِحْسَانٍ'' کے حکم باری تعالیٰ کی پابندی کی جائے۔ مکر وفریب، دھوکا بازی، جھوٹ، چغل خوری، عیب جوئی، غیبت، رشوت، سود، جواء، شراب، زنا، بدکاری و بدمعاملگی یہ سب ایسے بدبودار اور زہریلے کیڑے ہیں جو پورے معاشرے کو تباہ وبرباد کر ڈالتے ہیں لہٰذا یہ جب بھی پیدا ہوں ان کو اُسی جگہ مسل دیا جائے تاکہ معاشرہ متاثر نہ ہونے پائے۔ صالح حکمرانوں کی اطاعت کی جائے تاکہ ملک ہر قسم کی افراتفری سے محفوظ رہے اپنے مخالفین تک سے رواداری کا برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ اختلاف میں شدت اور نفرت پیدا نہ ہونے پائے حسن سلوک سے متعلق تفصیلی گفتگو آپ ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اے ایمان والو! ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس دینی رشتے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی وقت تمہارے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا ہو جائے جو فطرتاً ہر وقت ممکن ہے تو تم تماشہ نہ دیکھتے رہو بلکہ جلد سے جلد ان کے درمیان صلح صفائی کرادو تاکہ نہ تو ان کا کوئی نقصان ہونے پائے اور نہ ہی تمہارے معمولات میں کوئی خلل واقع ہو ''فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ'' اس ارشاد باری تعالیٰ کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے کہ تم اپنے بھائیوں کی اصلاح کردو یعنی اگر کوئی کسی برائی میں مبتلا ہو تو جس طرح تم فوری طور پر اپنے گھر والوں اپنی اولاد اپنے خاندان کے لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ وہ برائی تمہارے گھر یا خاندان میں نہ پھیلنے پائے۔ اسی طرح تمہارا پڑوسی، شہری یا ملکی بھائی اگر رشوت، جوا، سود، شراب، زنا کے مرض میں مبتلا ہو جائے یا وہ حشیش ومروانہ پینے لگے تو تم فوراً اس کا علاج کرو اس کی اصلاح کرو تاکہ یہ متعدی امراض تمہارے پورے معاشرے میں نہ پھیلنے پائیں۔ بصورت تاخیر ان سے چھٹکارا مشکل ہو جائے گا۔

''وَاتَّقُوا اللّٰہَ'' اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ نے تم پر بھائیوں کے درمیان صلح کرانے یا ان کی اصلاح کرنے کی

Marfat.com

جو ذمہ داری عائد کی ہے اس میں تم نے لاپرواہی سے کام لیا یا کوتاہی کی تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جس کا انجام تمہاری تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں جبکہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" یہ تمہارے لئے مژدہ ہے، ایک خوشخبری ہے کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی تعمیل کرتے رہو گے تو رحمت الٰہی تم پر برستی رہے گی۔ بایں صورت کہ تمہارے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا رہے گا، عزت و عظمت نصیب ہوگی، تمہارے دینی و دنیوی کام آسان ہوں گے، تم خوش حال ہو جاؤ گے، تمہارے لئے معاش کے غیبی دروازے کھول دیئے جائیں گے مندرجہ ذیل چند احادیث سے اندازہ کیجئے کہ برائی کس طرح پھیلتی ہے ہم پر اس کو مٹانے کی کس قدر ذمہ داری ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتایا ہے "بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اولاً تو ان کے علماء نے انہیں روکا جب وہ منع کرنے سے باز نہ آئے (اور برائیاں بہت ہی عام ہو گئیں تو) علماء بھی ان کی محفلوں میں شریک ہونے لگے (جیسا کہ آج عرب کے علماء و مشائخ کا حال ہے) اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے پس جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے سب ہی کو ایک جیسا کر دیا اور اللہ نے ان پر داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی (یعنی بواسطہ زبور و انجیل) ان کو لعنت کی اور یہ لعنت ان کے گناہ اور حد سے تجاوز کر جانے پر کی گئی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکیہ لگائے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھتے ہوئے فرمانے لگے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک عذابِ الٰہی سے نجات نہ پا سکو گے جب تک تم ظالموں اور فاسقوں کو گناہوں سے نہ روکو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: "اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْ مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ" "لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو بدلنے (ختم کرنے) کی کوشش نہ کریں تو بہت ممکن ہے اس (لاپرواہی کی) وجہ سے اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "وَمَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ" "جب تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے۔" "فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ" "اگر ہاتھ سے مٹانے کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے مٹا دے۔" "فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ" "اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی برا جانے۔" "وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" "اور یہ ایمان کا نہایت ہی ادنیٰ درجہ ہے۔

حضرت جویر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ واسلام نے فرمایا: "جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہوں کا مرتکب ہوا اور قوم اس کے گناہوں کو روکنے کی قدرت رکھتی ہو اور پھر نہ روکے تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے ہی ضرور عذاب نازل فرمائے گا۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ" "اچھائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے ہو۔" "اَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ" ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ "ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ" پھر اس وقت تم دعا کرو گے اور

Marfat.com

تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔

حضرت عرس ابن عمیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب دنیا میں برائی کی جائے تو جو شخص موجود ہے اور وہ اس کو برا سمجھے تو وہ اس کی طرح ہے جو موجود نہیں ہے مگر جو موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اس برائی کو پسند کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ'' افضل ترین جہاد، ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا ''اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ'' دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پس ہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کس کی خیر خواہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ'' خیر خواہی، اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی (اس طرح کہ دین کی پابندی اور تبلیغ و اشاعت کی جائے اور خیر خواہی مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی) اس طرح کہ حکمراں اور عامۂ مسلمان اگر کس برائی میں مبتلا ہوں تو انہیں نصیحت کی جائے ان کی اصلاح کی جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی سے ہم اپنے تاریک ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے کہ آج ہم نہ صرف برائیوں میں مبتلا ہیں بلکہ برائی کو برائی جانتے اور مانتے تک نہیں۔ آخر یہ مرض ہم میں اس حد تک کیسے پھیلا ظاہر ہے کہ ابتداءً برائیوں کو چند ہی افراد نے اختیار کیا ہوگا جن کی طرف ہم نے توجہ نہ کی اسی وقت ہم نے انہیں نہ مٹایا۔ نتیجتاً یہ مرض پھیلتے پھیلتے کینسر کی صورت اختیار کر گیا اور اس نے ہمارے پورے معاشرے کو لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ عوام، علماء، مشائخ، ناصحین، حکمران سب ہی اس کا شکار ہو گئے اور آج مختلف صورتوں میں یہ مرض ہم میں موجود ہے کہیں رشوت لینے دینے کی صورت میں تو کہیں سود خوری کی صورت میں کہیں جوئے اور شراب کا بازار گرم ہے تو کہیں زنا جیسی عام لعنت موجود ہے غرضیکہ ہمارا پورا کا پورا معاشرہ مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہے۔ زندگی اضطراب و بے چینی کا شکار ہے۔ ہر شخص ان امراض کے درد اور تکلیف میں تڑپ رہا ہے لیکن دور دور کوئی معالج اور ڈاکٹر نظر نہیں آتا جو ہمارا نجات دہندہ ہو کہ جن سے نجات کی توقع کی جا سکتی تھی وہ خود بیمار پڑے تڑپ رہے ہیں۔

ان امراض کو گھر گھر پھیلانے اور اس زہر کی بارش برسانے میں سب سے بڑا کردار ریڈیو، ٹی اور فحش لٹریچر کا ہے۔ کیا آپ نے ایسی کچھ فلموں کے اشتہارات نہیں دیکھے یا نہیں سنے جو فلمسازوں کے خیال کے مطابق قدرے کم فحش ہیں۔ ان اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی جاتی ہے کہ سب گھر والے اس فلم کو ضرور دیکھیں کہ یہ فیملی فلم ہے بلا جھجک اس کو پوری فیملی ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتی ہے اور اس ہدایت کو قبول کرتے ہوئے سب مرد و عورت، والدین و اولاد، چھوٹے بڑے، بچے بوڑھے سب ہی خوب دیکھتے ہیں۔ چاہے کسی کو اپنی آنکھیں بند کرنا پڑیں یا منہ پھیرنا پڑے۔ بعض بوڑھے لاحول اور استغفر اللہ بھی پڑھتے رہتے ہیں لیکن دیکھتے ضرور ہیں کیونکہ ہدایت پر عمل کرنا تو ضروری ہے نا کیسے چھوڑ دیں ہمارے اس عمل سے ہمارے

Marfat.com

گھروں اور معاشرے میں بے غیرتی عام ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

جب برائیاں اور بدکاریاں عام ہو جاتی ہیں تو پورے معاشرے پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت برسنے لگتی ہے۔ آج یہ لعنت پتھروں کی صورت میں نہیں برستی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت میں برستی ہے کہ ہم ملعون ہو جاتے ہیں اور ہمیں پتہ تک نہیں چلتا ہمارے درمیان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات اور جھگڑنے ہونے لگتے ہیں جو لوٹ مار اور قتل عام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی۔ مرد تو درکنار ہماری ماؤں اور بہنوں تک کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ باہمی نفرتیں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ ایک دوسرے کو سلام کرنا تک گوارا نہیں رہتا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے غم بلکہ جنازے تک میں شریک ہونا نہیں چاہتا ہمارے پرمسرت گھروں، محلوں، گلی، کوچوں، شہروں میں غم واندوہ کے بادل چھائے نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے لعنت ہی تو ہے ''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' کی یہی تو صورت ہے اس سب کے باوجود ہم بھی بڑے ہی سخت جان ہیں یا بے غیرت و بے شرم ہیں کہ تڑپنا تو گوارا ہے ذلت و خواری تو پسند ہے لیکن توبہ کی توفیق نہیں ہوتی حالانکہ توبہ ایک بڑا ہی آسان سا علاج ہے ہر مرض کا مداوا ہے ہر مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ ''فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' پس جس نے اپنے ظلم (گناہ) کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ سورۂ مائدہ کی آیہ مبارک 39 ہے۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر 54 میں ارشاد ہوا ''اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' تو تم میں جو کوئی نادانی کے باعث برائی کر بیٹھے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لے تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔

یہ صدقہ ہے آقائے رحمت ﷺ کا کہ رب رحیم و کریم نے ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جو گناہوں کے دلدل سے نکلنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس مایوس و ناامید ہونے کے بجائے ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرنا چاہئے تاکہ پرسکون و اطمینان بخش زندگی ہمارا نصیب بن سکے، اللہ عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۳

الحجرات:۱۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝

(الحجرات:۱۱)

اے ایمان والو! نہ مذاق اڑائے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ کسی کو برُے القاب سے بلاؤ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ باز نہ آئیں گے تو وہی بے انصاف ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی جان اور بنیاد مسلمانوں کا ایک دوسرے کو بھائی بھائی جاننا اور آپس میں

Marfat.com

بھائیوں جیسا سلوک کرنا ہے جس سے ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا ہے اور وہ سب مل جل کر اپنے تمام معاملات خود ہی طے کر لیتے ہیں چاہے ان کا تعلق معاشرت سے ہو، معاش سے ہو یا سیاست و حکومت سے ہو وہ انفرادی امور ہوں یا اجتماعی ہوں کسی معاملہ میں اپنوں سے یا غیروں سے مدد مانگنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

شریعت مطہرہ کے تمام احکام میں اتحاد و اتفاق کے تحفظ اور اس کی بقاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے نیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسی تمام عادات و اطوار کو سختی سے ممنوع قرار دیا جن سے تمام شرعی احکام کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اور امت مسلمہ اتحاد و اتفاق کی برکتوں اور فوائد سے محروم ہو جائے۔ آیت مذکورہ بالا میں ایسے ہی تین امور کا ذکر کیا جا رہا ہے اور شدت کے ساتھ ان کو حرام قرار دیا گیا ہے جو اتحاد و اتفاق کے لئے زہر قاتل ہیں اگر مسلمانوں میں یہ امراض پیدا ہو جائیں تو دین کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور مسلم معاشرہ تتر بتر ہو کر رہ جاتا ہے وہ تین مہلک بیماریاں یہ ہیں: اِستہزاء یا تمسخر، عیب جوئی، برے القاب سے پکارنا۔

اِستہزاء یا تمسخر

کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا، اِستہزاء یا تمسخر کہلاتا ہے۔ چاہے یہ استہزاء اس شخص کی موجودگی میں ہو یا عدم موجودگی میں یہ ایک ایسا مرض ہے جو دلوں کو دکھاتا اور دور کر دیتا ہے حتیٰ کہ بھائی بھائی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ شوہر، بیوی سے نفرت کرنے لگتا ہے والدین اولاد کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

یہ اِستہزاء چاہے کسی کے عارضی حال پر ہو مثلاً کوئی بے تکا لباس پہنے ہے بال وغیرہ بڑھائے ہوئے ہے یا فطری اور پیدائشی عیب کا مذاق اڑایا جائے مثلاً کوئی کانا، اندھا ہے یا کسی کا رنگ سخت سیاہ ہے یا وہ ہکلا کر بات کرتا ہے۔ ان تمام ذاتی و عارضی عیوب کے باعث کسی کو حقیر جاننا یا محفل میں اس انداز سے اس کا ذکر کرنا یا نقل اتارنا کہ لوگ قہقہے لگائیں ہنسیں اور اگر وہ شخص موجود ہے تو شرمندہ ہو یا غصہ کرے اور اگر موجود نہیں ہے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا مذاق اڑایا گیا ہے تو اسے تکلیف ہو یا مذاق اڑانے والوں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو اس قسم کی تمام صورتیں اِستہزاء یا تمسخر کہلاتی ہیں۔ جن کو قرآن کریم ممنوع اور حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ'' مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ اس طرح ایک تو دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور بھائی بھائی سے جدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کسی کے ایسے حال پر بلاضرورت توجہ کر کے اپنا قیمتی اور اہم وقت ضائع کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں کہ اللہ کسی کو اس کے ظاہری حال پر نہ تو اجر و ثواب دیتا ہے اور نہ ہی کوئی اپنے ظاہری حال کے سبب اللہ سے دور ہوتا یا اس کا قرب حاصل کرتا ہے: اللہ تو عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' دلوں کا حال جاننے والا ہے لہٰذا اس کے تمام احکام قلبی کیفیات پر ہی نافذ و جاری ہوتے ہیں۔ '' اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا '' (نساء:146) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ ہی لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں

Marfat.com

کو اجر عظیم عطا فرمائے گا پس اجر عظیم ملنے کا باعث توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ اور اخلاص اعمال ہے یہ مؤمنوں کی خوبیاں ہیں۔ ایسے ہی اہل ایمان کے لئے اجر عظیم ہے۔

استہزاء و تمسخر ظاہری حالت پر ہو سکتا ہے جبکہ ہم یہ نہیں جان پاتے اور نہیں جان سکتے کہ جس کا ہم مذاق اڑا رہے ہیں اس کا باطن کتنا حسین و جمیل، خوبصورت اور اللہ کا پسندیدہ ہے۔ ''عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ'' جن کا تم مذاق اڑاتے ہو ممکن ہے کہ وہ باعتبار باطن تم سے بہتر ہو۔ ان کے دل میں اخلاص ہو اللہ و رسول کی محبت سے ان کا قلب لبریز ہو۔ باطن کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ'' بہت سے بکھرے بالوں والے، دروازوں سے دھتکارے ہوئے، (بظاہر بدحال، تمہاری نظروں میں حقیر بھکاری جانتے ہو ان کو اللہ کا کتنا قرب حاصل ہے) اگر وہ کسی کام کے لئے اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی لاج رکھتا اور انہیں سچا کر دکھاتا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کے پیارے اور محبوب ہوتے ہیں اللہ اس قدر ان کی ناز برداری فرماتا ہے کہ ان کی قسموں کو ضرور پورا فرماتا لوگوں سے ان کے کئے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا فرماتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلی ہر بات تقدیر بن جاتی ہے یہ کسی کو عزت و دولت بخش دیں تو اللہ اسے عزت والا دولت والا بنا دیتا ہے یہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھ لیں تو اللہ اس کو حقیر و ذلیل کر دیتا ہے۔ ان کی ایک نظر سے لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں ایسا انہیں اللہ کا قرب حاصل ہے۔

حضرت مصعب بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے ''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ'' ''تمہیں اللہ کی مدد اور رزق تمہارے کمزوروں ہی کے طفیل دیا جاتا ہے'' یعنی جن کے ظاہری حال کو دیکھ کر تم انہیں کمزور، حقیر، بھکاری سمجھتے ہو اپنے دروازوں سے انہیں دھتکار دیتے ہو ان کا اپنے قریب بھی آنا تمہیں گوارا نہیں اگر وہ تمہارے نزدیک سے گزر جائیں تو تم اپنی ناک بند کر لیتے ہو لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ان کا وجود کس قدر اہم ہے یہی بدحال فقراء و مساکین ہیں جن کے صدقہ میں اللہ بوقت ضرورت تمہاری مدد فرماتا ہے اور یہی ہیں جن کی برکت سے تمہیں رزق نصیب ہوتا ہے انہی کے طفیل اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفُ يَوْمٍ۔'' یعنی فقراء جنت میں دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جائیں گے جو جنت کا آدھا دن ہوگا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ'' مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کیا کرو کیونکہ تم اپنے کمزوروں ہی کے سبب روزی دیئے جاتے یا مدد کئے جاتے ہو۔

احادیث مذکورہ سے بات مزید واضح ہوگئی کہ ہم جن لوگوں کا ان کی ظاہری بدحالی یا ظاہری عیب کے سبب مذاق اڑاتے ہیں ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور سوچ لینا چاہئے کہ کہیں یہی اللہ کا کوئی محبوب و پیارا نہ ہو اور اس کو ہمارا حقیر جاننا

Marfat.com

ہمارے ہی لئے حقارت کا سبب نہ بن جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" سوال کرنے والے کو جھڑکو نہیں، تمہارے سامنے جو ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے بظاہر تم سے مانگ رہا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ تمہیں کچھ دے رہا ہو جس کو تمہاری ظاہر بیں نگاہیں نہیں دیکھ رہیں اس لئے سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دے دو اور اگر کسی سبب نہ دے سکو تو اس کو حقیر نہ جانو۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس قابل بنایا کہ کوئی تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے کیا یہ ممکن نہ تھا کہ تم اس کی جگہ ہوتے اور وہ تمہاری جگہ اور تمہارا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا ہوتا پس اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ سے ڈرو، سائل کو کچھ دے دو، نہ دے سکو تو معذرت کرلو، معافی مانگ لو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم استہزاء کے جرم سے کتنا خوف کرتے تھے اس کا بھی اندازہ کرتے چلئے۔ حضرت عمر بن شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتا دیکھ لوں اور مجھے خود بخود ہی ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی (غیر مہذب) نہ ہو جاؤں (کہ لوگ میرا مذاق اڑانے لگیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں کتا ہی نہ بنا دیا جاؤں۔

بہر حال استہزاء و تمسخر ایسی بدترین عادت ہے جس کے دنیاوی و اُخروی دونوں ہی انجام خراب ہیں کہ ایسا شخص خود چند دن ہی میں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا اور اکثر اللہ اسے اسی بدحالی کا شکار کر دیتا ہے جس کا وہ تمسخر کیا کرتا تھا آخرت میں وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ اللہ معاف کرے۔

عورتوں کو خصوصی ہدایت

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کے خطاب میں ہر موقع پر اگرچہ عورتیں بھی شریک ہیں کہ وہ بھی تو اہل ایمان ہیں اور افراد قوم میں بھی عورتیں شامل ہیں لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو بھی مخاطب کیا جا رہا ہے "وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ" اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیونکہ عورتیں فطری طور پر مردوں کی بہ نسبت اس عیب میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لباس، چال، میک اپ، انداز گفتگو کا مذاق اڑانا ان کی عادت ہوتی ہے، بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی نظروں سے دوسری عورت کا عیب چھپا رہے۔ عورت کی نظر صرف عیوب پر ہی پڑتی ہے انہیں کسی محفل میں دوسری عورتوں پر تنقید کرنے اور ان کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہوتا لہٰذا خاص طور پر انہیں ہدایت کی گئی کہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں وجہ یہاں بھی وہی ہے کہ "عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ" کہ ممکن ہے کہ استہزاء کرنے والیوں سے وہ عورتیں بہتر ہوں جن کا یہ مذاق اڑا رہی ہیں۔

آج کل عام طور پر کسی عورت کے برقعہ اوڑھنے یا محفل میں نماز پڑھنے کا بہت مذاق اڑایا جاتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں عیب نہیں بلکہ خوبی ہیں۔ برقعہ عورت کے مؤمنہ و مسلمہ ہونے کی علامت ہے۔ باحیاء اور باغیرت ہونے کی دلیل ہے۔ جس سے اس کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے، حسن و جمال بڑھتا ہے اور نماز عورت و مرد سب ہی پر فرض ہے ایمان کی نشانی

Marfat.com

ہے۔ کافر و مومن کے درمیان امتیاز و پہچان کا ذریعہ صرف نماز ہی ہے۔ برقعہ و نماز دونوں ہی شعائر اسلام میں سے ہیں اور شعائر اسلام کا مذاق اڑانا انہیں حقیر جاننا کفر ہے حرام ہے۔

پس عورتوں کو خصوصی طور پر استہزاء و تمسخر کے جرم سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے خصوصی طور پر ان چیزوں کا مذاق اڑانے پر انہیں توبہ کرنا چاہئے جو شعائر اسلام میں سے ہیں وہ اگر خود پردہ نہیں کرتیں یا خود نماز کی پابند نہیں ہیں تو انہیں اپنے حال پر شرمندہ و نادم ہونا چاہئے اور پردہ نشیں، نمازی عورتوں کو احترام و عزت کی نظر سے دیکھنا چاہئے کہ شعائر اسلام کا احترام کرنا بھی علامت ایمان و تقوی ہے۔ ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ'' جو شعائر اللہ (شعائر اسلام) کا احترام کرتا ہے وہ یقیناً قلباً متقی و پرہیزگار ہے۔

اے ایمان والو! تم کسی کا مذاق نہ اڑاؤ کسی کو حقیر، کمزور، ذلیل نہ جانو بلکہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھو جب تم کسی کو بظاہر کسی عیب و کمزوری میں مبتلا دیکھو تو تم اللہ کی پناہ مانگو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم پر کتنا کرم فرمایا کہ تمہاری حالت ایسی نہیں ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا نہایت ہی قابل غور ارشاد ہے آپ نے فرمایا: ''اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِى الْمَالِ وَالْخَلْقِ'' جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال اور اخلاق میں زیادہ ہو۔ ''فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ'' تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو تم سے کم تر ہو۔ نیز آپ نے فرمایا ''اُنْظُرُوْا مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اسے دیکھو جو تم سے کم تر ہے۔ ''وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ فَوْقَكُمْ'' اس پر زیادہ توجہ نہ دو جو بظاہر تم سے برتر ہے۔ ''فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'' یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن سے اس نے تمہیں نواز رکھا ہے۔

غور فرمائیے میرے آقائے رحمت ﷺ سکون و عزت کی زندگی حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا نفسیاتی نسخہ عطا فرما رہے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کسی کو اچھے مکان میں پر عیش زندگی بسر کرتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو بھرے دسترخوان پر پر تکلف کھانے کھاتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو قیمتی و خوبصورت گاڑی میں سوار ہو کر اتراتے دیکھتا ہے تو اس کی نظروں میں وہ تمام نعمتیں حقیر اور ہیچ ہو جاتی ہیں جن سے اللہ نے اسے نوازا ہے جبکہ وہ یہ بالکل نہیں جانتا کہ اس ظاہری کروفر پر ناز کرنے والے کا حقیقتاً کیا حال ہے۔ بس اسی موقع پر شیطان اپنا کام کرتا ہے اور اس شخص کو بھڑکاتا ہے دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ احمق برتر سے برتر ہونے کی ہوس میں دن رات دولت کمانے میں بھڑ جاتا ہے۔ یہ اندھی مصروفیت پہلے تو اس سے نمازیں چھڑاتی ہے پھر یہ اپنے اعزاء و احباب حتیٰ کہ معاشرے سے کٹتا چلا جاتا ہے اب اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف دولت بن جاتا ہے۔ حلال و حرام کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ شرعی احکام کی پابندی تو درکنار کسی ناصح سے توبہ کرنے کی اور دین کی پابندی کرنے کی نصیحت بھی اس کے کانوں پر ناگوار ہوتی ہے اب یہ ایسی دلدل میں پھنسا ہوتا ہے کہ ''فَلَا نَاصِرَ لَهٗ'' جہاں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی زندگی سے ایسی کیفیت سے بچانے کے لئے میرے آقا ﷺ نے ہمیں یہ نسخہ عنایت فرمایا کہ ''اُنْظُرُوْا مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اسے دیکھو جو تم سے کم تر ہے اللہ کی نعمتوں کی

Marfat.com

قدر کرتے رہو گے شکر گزار بنے رہو گے اور تمہارا رب تمہیں خوب خوب اپنی نعمتوں سے مزید نوازتا رہے گا سکون بھی نصیب رہے گا اور عزت بھی تمہارا مقدر رہے گی۔

عیب جوئی

''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالْاَلْقَابِ'' تم اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی برے القاب سے پکارو۔ ایک ہی جملہ میں دونوں برائیوں یعنی عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کا ذکر ہے۔ پہلے ہم عیب جوئی پر گفتگو کرتے ہیں۔

لَمْزٌ یعنی کسی میں عیب نکالنا، کسی کا عیب ظاہر کرنا یا کسی کے عیب پر طعنہ زنی کرنا۔ ''وَلَا تَلْمِزُوْا'' سے تینوں طرح عیب جوئی کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے ''اَنْفُسَکُمْ'' اپنی ہی عیب جوئی قرار دے کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جس کی تم عیب جوئی کر رہے ہو وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔ پس اس میں عیب نکالنا درحقیقت اپنی ہی عیب جوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ'' اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو کہ انہیں قتل کرنا اپنے آپ ہی کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور اکثر بظاہر بھی یہ صورت ہو ہی جاتی ہے کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء قتل کر دیتے ہیں اسی طرح دوسروں کو ذلیل وخوار اور حقیر کرنے والا، ان پر عیب لگانے والا، طعنہ زنی کرنے والا خود ہی ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود ہی لوگوں کی نظروں میں گر جاتا اور حقیر ہو جاتا ہے۔ ایک مقولہ ہے ''وَفِیْکَ عُیُوْبٌ وَلِلنَّاسِ اَعْیُنٌ'' تم میں بہت سے عیب ہیں اور لوگوں کے پاس آنکھیں ہیں یعنی عیب جوئی کرنے والے کو سوچنا چاہئے کہ کوئی انسان عیوب سے مبراء اور پاک نہیں جب یہ کسی کے عیب نکالے گا ان کی تشہیر کرے گا ان پر طعنہ زنی کرے گا تو یہ خود بھی نہیں بچ پائے گا لوگ اس کے ساتھ بھی یہی عمل کریں گے لہٰذا انسان کی عقلمندی یہی ہے اور اسی میں عافیت ہے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو تلاش نہ کرتا پھرے بلکہ اگر کسی کا عیب اسے معلوم بھی ہو جائے تو اسے چھپانے کی کوشش کرے کہ میرے آقا ﷺ کا مشہور ارشاد ہے ''مَنْ سَتَرَ النَّاسَ سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الْقِیٰمَۃِ'' جو دنیا میں لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کے گناہ پر پردہ ڈالے گا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ''مَنْ تَرٰی عَوْرَۃً فَسَتَرَھَا کَانَ کَمَنْ اَحْیٰی مَوْءُ وْدَۃً'' جس نے کسی مسلمان کا عیب دیکھ کر اسے چھپایا تو اس کا ثواب اس شخص کے برابر ہوگا جس نے کسی زندہ دفن کی گئی لڑکی کو بچایا۔ آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے ''وَلَا تَبْتَغُوْا عَوْرَاتِھِمْ'' اپنے مسلمان بھائیوں کے عیبوں کو تلاش نہ کرو ''وَمَنْ یَّتَّبِعْ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمْ'' کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے۔ ''یَتَّبِعُ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ'' تو اللہ اس کے عیب ظاہر فرما دیتا ہے۔ ''وَمَنْ یَّتَّبِعُ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحُہٗ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ'' اور اللہ جس کے عیب ظاہر کرتا ہے وہ ذلیل وخوار ہو جاتا ہے چاہے وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ چھپا پڑا ہو۔

ہندوستان کے آخری مسلم تاجدار شہنشاہ ظفر کے دو شعر کہیں پڑھے تھے یا سنے تھے، اچھے ہیں۔ حقیقت سے قریب تر ہیں، پڑھئے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر

Marfat.com

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

معلوم ہوتا ہے انہوں نے اپنے زمانہ قید میں یہ شعر کہے ہیں کہ انسان عیش وعشرت کے دور میں صرف دوسروں پر ہی نظریں جمائے رہتا ہے اور سوائے اپنے سب ہی اسے کمزور، حقیر اور عیب ناک نظر آتے ہیں اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ساری کمزوریاں اور عیوب تو خود مجھ میں ہیں ساری دنیا کے لوگ مجھ سے ہر طرح بہتر اور اچھے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بسلسلہ جہاد صحابہ کرام کو مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں چار ہزار درہم کا عطیہ پیش کیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ستر کلو کھجوریں پیش کیں۔ حاضرین میں موجود منافقین جل گئے اور انہوں نے ان حضرات پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہوئے ان کا مذاق اڑایا اور ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ لوگ اللہ کی رضا کے لئے یہ قربانی نہیں دے رہے بلکہ لوگوں پر اپنی دولت مندی اور سخاوت کا سکہ جمانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں پھر ایک غریب صحابی حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ ایک سیر کھجوریں لے کر حاضر ہوئے تو یہ منافق کہنے لگے ذرا ان کی قربانی تو دیکھو ان مٹھی بھر کھجوروں سے بھلا کتنے مجاہدین کا گزارہ ہوگا۔

منافقوں نے الزام تراشی کی، ریاکاری کا عیب لگایا، کسی غریب کی غربت کا مذاق اڑایا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ایسی حرکتیں کرنے والوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اعلان فرمایا۔ سورۃ توبہ ہے: ''اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط'' جو لوگ بخوشی خیرات کرنے والے مسلمانوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں اور یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت ومشقت کی مزدوری پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ ''سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ'' اللہ انہیں ان کے اس مذاق کی سزا دے گا جو یہ ہوگی کہ ''وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

غور فرمایا آپ نے عیب لگانے والوں اور مذاق اڑانے والوں کا بھیانک انجام اللہ محفوظ رکھے۔

بُرے القاب

کسی کی خوبیوں یا خامیوں کی بناء پر اسے کوئی نام دے دینا لقب کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے القاب دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے القاب جیسے صدیق، فاروق، غنی، اسد اللہ یا ابوتراب، ابوہریرہ، سیف اللہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) یا غوث الاعظم، غریب نواز، داتا گنج بخش، شکر گنج وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اچھے القاب ایک اعزاز ہیں، قابل فخر ہیں، محبت والفت میں اضافہ کا ذریعہ ہیں جو شرعی نظام کا اولین مقصد ہے اور برے القاب وہ نام ہیں جو کسی کو اس کے عیب اور برائی میں مبتلا ہونے کے سبب دیئے جائیں جیسے کسی کو گنجا، کانا، لنگڑا، جاہل، احمق، کن کٹا، راشی، مرتشی وغیرہ جیسے بیہودہ نام دے دیئے جائیں۔ یہ برے القاب دینا ہی ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی میں یہ عیوب موجود بھی ہیں تب اسے ایسے نام سے اگر پکارا جائے گا تو اس کی دل آزاری ہوگی اسے صدمہ پہنچے گا وہ پکارنے والوں سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس کے دوست واحباب اعزاء واقرباء بھی اس

Marfat.com

کی حمایت کریں گے اور ایک چھوٹی سی بات پھیل کر پورے معاشرے میں انتشار وافتراق اور لڑائی، جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔ مثلاً ہم نے کبھی اخبارات میں ایک ایسا ہی واقعہ پڑھا کہ لوگ اسے نہ جانے کیوں پھکوڑا کہتے تھے وہ اپنا یہ لقب سن کر نہایت سیخ پا ہو جاتا تھا۔ اس کی برادری کے لوگوں نے بہت چاہا کہ اسے اس نام سے نہ پکارا جائے لیکن کسی نے نہ سنی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گلی کوچوں میں بچے بھی اسے اسی نام سے پکارنے لگے اور اس بیچارے کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ جاہل یہ تماشہ دیکھ کر تالیاں بجاتے جبکہ سنجیدہ لوگ اس پر افسوس کرتے۔ بالآخر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا کہ اس کے بھائیوں نے کسی نہ کسی طرح یہ پتہ چلا لیا کہ یہ نام کس نے دیا تھا اور ایک رات اس پر حملہ آور ہو گئے اسے اور اس کے تین بھائیوں کو قتل کر ڈالا۔

بھلا غور فرمائیے شریعتِ مطہرہ کس طرح ایسی بیہودگی کی اجازت دے سکتی ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ کا تو مزاج ہی یہ ہے کہ مرض پھیلنے سے پہلے ہی ان جراثیم کا خاتمہ کر دیا جائے جو سبب مرض بن سکتے ہیں اور فتنہ وفساد، انتشار وافتراق سے قبل ہی ان اسباب پر کنٹرول کیا جائے جو تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب دینا انہی اسباب میں سے ہے لہٰذا ان کی واضح ممانعت کے ساتھ ان سے مزید تنفر کرنے کے لئے فرمایا گیا ''بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ'' کتنا برا نام ہے فاسق کہلانا ایمان کے بعد یعنی یہ عمل تمہیں فاسق بنا دے گا۔ لوگ تمہیں فاسق کہا کریں گے۔ ہمارے محبوب کا غلام، بہترین امت کا ایک فرد فاسق کہلائے کس قدر باعثِ شرم ہے۔ جس زبان سے اپنے آقا کا کلمہ پڑھو اسی سے اپنے بھائیوں کی پگڑیاں اچھالو کس قدر باعثِ شرم ہے جس زبان سے پھول بکھرنے چاہئے تھے وہ انگارے برسائے کس قدر باعث شرم ہے جسے پوری دنیا میں محبت والفت کا نور پھیلانے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اپنے ہی معاشرے میں نفرت کی تاریکی پھیلائے کس قدر باعثِ شرم ہے جس کا کام غیروں کو اپنا بنانا تھا وہ اپنوں کو اپنوں ہی سے دور کرے کس قدر باعث شرم ہے۔ اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں باز آ جاؤ۔ یہ حرکتیں چھوڑ دو اپنی اصلاح کر لو ''وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' اور جو باز نہیں آئیں گے وہی ظالم ہیں اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اپنے بھائیوں کی عزت وآبرو اور سکون وچین برباد کر کے خود ہی بے آبرو، ذلیل و خوار اور بے چین ہو رہے ہیں اور آخرت میں اپنے آپ کو سخت عذاب کا سزاوار بنا رہے ہیں۔

بروایت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِناً اَوْمَكَرَ بِهٖ'' وہ شخص ملعون ہے جس نے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا يُّرِيْدُ شَيْنَهٗ'' جس نے کسی مسلمان پر تہمت لگائی اسے بدنام (بے آبرو) کرنے کے لئے۔ ''حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ'' (قیامت کے دن اللہ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ وہ اپنے کہے کی ذمہ داری قبول کرلے (پھر اسے عذاب جہنم کی سزا ہوگی)

Marfat.com

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''اِنَّ مِنْ اَرْبَی الرِّبٰو الْاِسْتِطَالَةُ فِیْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَیْرِ حَقٍّ'' بدترین سود مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے (کہ سود حرام ہے کسی مسلمان بھائی کو بے آبرو کرنا اس سے بھی زیادہ برا اور حرام ہے)۔

غور فرمایا آپ نے ہمارے رؤف ورحیم آقا ﷺ کس طرح ہمیں تباہی کے گڑھے میں گرنے سے روک رہے ہیں اور آپ ﷺ کس قدر اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہم ان عیوب سے بچیں جو مسلمانوں کی باہمی محبت کو نفرت میں تبدیل کر دیں۔ دوستی کو دشمنی میں بدل دیں۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ کر دیں اور وہ دنیا میں بے عزت و بے آبرو ہو جائیں اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منہ تک دکھانے کے قابل نہ رہیں، اللہ ہمیں ان عیوب سے محفوظ رکھے (آمین)

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۷

الحجرات:۱۲

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَ
لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (الحجرات:۱۲)

اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ وہ گوشت کھائے اپنے مردہ بھائی کا تم اسے تو برا سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۱ کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں جس میں استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ آیت مندرجہ بالا میں بھی ایسے ہی عیوب کی ممانعت کی جا رہی ہے جو مسلمانوں کی دل آزاری ان میں

Marfat.com

باہمی منافرت وعداوت کا باعث بنتے ہیں اور جن سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تین عیوب کا ذکر ہے
ظن وگمان، جاسوسی، غیبت۔

ظن کے معنی

اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ ''اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ'' بکثرت ظن سے بچتے رہو اس پر مزید گفتگو سے پہلے ظن کے معنی جان لینا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں لفظ ظن چار معنی میں استعمال ہوا ہے یقین، شک، تہمت اور وہم وگمان جیسے فرمایا گیا ''اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' جو لوگ یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ سورۂ بقر کی آیت ہے۔ یہاں ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ سورۃ النساء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق واضح اعلان فرمایا: ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ'' نہ وہ انہیں قتل کر سکے اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکے، جو اس حقیقت کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ''لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ'' وہ ان کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ ''مَا لَھُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ'' ان کے پاس اس کا کوئی علم (یقینی ثبوت) نہیں وہ تو صرف شک کی پیروی کر رہے ہیں۔ ''وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا'' انہوں نے یقیناً اسے قتل نہیں کیا۔ ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ'' بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف (زندہ ہی) اٹھا لیا۔ یہاں شک ویقین کے درمیان ظن بمعنی شک ہی استعمال ہوا ہے۔ نیز ارشاد ہوا ''وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَرْدٰکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ'' یہ تمہارے اس ظن کی وجہ سے ہوا جو تم اللہ کے بارے میں کرتے تھے پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ یہاں ظن بمعنی تہمت ہے کہ کفار یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ ان کے بہت سے اعمال کو جانتا ہی نہیں تو وہ قیامت کے دن ان سے کس طرح اعمال کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا گویا یہ اللہ پر تہمت لگاتے تھے۔

''اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ'' یہاں ظن بمعنی وہم وگمان ہے جس کی ممانعت کی جا رہی ہے لیکن خیال رہے کہ مطلقاً ظن کی ممانعت نہیں کی جا رہی بلکہ اکثر وہم وگمان کی پیروی اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی عادت کی ممانعت کی جا رہی ہے کیونکہ اگر انسان وہم وگمان کا عادی ہو جائے تو اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آپس میں باتیں کر رہا ہے بس خیال کر لیا کہ یہ میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے اور فکر میں لگ گئے کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں دو آدمی کسی بات پر ہنس رہے ہیں اور خیال کر لیا کہ یہ میرا ہی مذاق اڑا رہے ہیں۔ غور فرمایئے اگر کسی کو وہم کی ایسی بیماری ہو جائے تو اس کی کیا کیفیت وحالت ہو جائے گی لہٰذا منع فرمایا گیا کہ اکثر وہم وگمان میں مبتلا نہ رہا کرو اس عادت کا ایک خراب پہلو یہ بھی ہے کہ ''اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ'' کہ بعض گمان گناہ کا باعث ہوتے ہیں اگر تم بکثرت ظن کے عادی ہو گئے تو ایسے گمان بھی کرنے لگو گے جن کا کرنا گناہ ہے۔ جو گمان باعث گناہ ہیں وہ بدگمانی کہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا: ''الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ'' وہ اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں، پس ان کا انجام یہ ہے کہ ''عَلَیْھِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ'' انہی پر ہے بری گردش۔ ''وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْھِمْ'' اور

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا۔''وَلَعَنَهُمْ''اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔''وَاَعَدَّلَهُمْ جَهَنَّمَ''اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔''وَسَآءَتْ مَصِيْرًا''اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔اسی سورہ فتح میں مزید ارشاد ہوا:''وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ''تم بدگمانی میں مبتلا رہے انجام کار۔''وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا''تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔

ظَنِّ سوء ، بدگمانی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو گردش و آلام میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کو دعوت دینا ہے۔بدگمانی کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ایسے لوگ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

بہر حال ظن و گمان تو انسان کی فطرت ہے اور اسلام کا یہ اصول ہے کہ وہ فطری تقاضوں کو نہ تو پامال کرتا ہے اور نہ ہی یکسر انہیں ختم کرتا ہے بلکہ ان کے پورا کرنے کے طریقہ اور ضابطہ مقرر و متعین فرماتا ہے۔پس آیت زیر گفتگو میں بھی اسی اصول کے مطابق کثرت ظن کی عادت سے منع فرمایا گیا تا کہ اہل ایمان بدگمانیوں میں مبتلا نہ ہونے لگیں۔

بدظنی حرام ہے

مطلقاً بدگمانی کرنا ممنوع و حرام قرار دیا گیا۔قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی مذمت فرمائی ہے مثلاً جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس کا ایسے انداز پر پروپیگنڈا کیا کہ بعض صحابہ تک گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:''لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا''جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا۔تمہارے ایمان کا مقتضی یہ تھا کہ تم اس بیہودہ خبر کو سن کر کسی تردد میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ تمہیں تو فوراً بلا تامل اس کی تردید کر دینا چاہئے تھی۔''وَقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ''اور (فوراً) کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔تم منافقوں کے فریب میں کیوں مبتلا ہوئے تم نے اپنی ماں کے متعلق کیوں بدگمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:''اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ العبادَةِ''نیک گمان،عبادت کا حسن ہے۔

بدگمانی کرنے والا اور اپنی بدگمانی کے مطابق افواہیں پھیلانے والا شخص مسلم معاشرے کا بدترین مجرم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے مسلمانوں کو بے آبرو کرتا پھرتا ہے۔مثلاً وہ اپنے خیال بد کے مطابق کسی مرد و عورت کے ناجائز تعلق کی خبر پھیلا دیتا ہے۔کسی کی کسی سے عداوت و دشمنی کی افواہ پھیلا دیتا ہے۔کسی کے رشوت خور،سود خور یا جواری ہونے کی خبریں پھیلاتا رہتا ہے بس اس کا کام ہی بدگمانی کرنا اور اس کی تشہیر کرنا ہے۔آپ خود سوچئے کہ یہ ایک شخص مسلمانوں کے لئے کتنی اذیت اور تکلیف کا سبب بن سکتا ہے جبکہ وہ خود بھی اپنی حرکت سے نہ صرف لوگوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے بلکہ لوگ اس کے جانی دشمن تک ہو جاتے ہیں اور ایک نہ ایک دن اس کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکنے لگتی ہے کہ باہمی قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

Marfat.com

اس بدعملی سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے معلم کامل ﷺ نے کس قدر محتاط طریقہ اختیار کیا، ملاحظہ ہو۔

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ اعتکاف میں تھے۔ میں ایک رات زیارت کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپ سے کچھ دیر باتیں کیں پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ بھی مجھے رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے میں اور آپ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اسی وقت انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو تیز چلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''عَلٰى رِسْلِكُ اِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حَيٍّ'' آہستہ چلو، میرے ساتھ یہ تمہاری ماں صفیہ بنت حی ہیں۔ ان دونوں نے کہا: سبحان اللّٰہ یا رسول اللّٰہ (یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ شاید آپ ہمیں یہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ ہم کوئی بدگمانی نہ کریں، یہ ہرگز ممکن نہیں) پس آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ'' شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ''وَاِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ يَّقْذِفَ فِىْ قُلُوْبِكُمَا شَرًّا'' تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے (یعنی تم بدگمانی میں مبتلا نہ ہوجاؤ)۔

تمام صحابہ کرام اس حقیقت کو بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کے رسول کے متعلق کسی قسم کا برا خیال، بدگمانی کرنا حرام ہے اس کے باوجود آقائے رحمت ﷺ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو ثابت فرمایا تاکہ تا قیامت کوئی غلام اس گناہ کی جرأت نہ کرسکے نیز آپ نے واضح فرمادیا کہ بدگمانی ایسا جرم ہے جس سے نہ صرف بچنا ضروری ہے بلکہ لوگوں کو ازخود کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہئے جس سے شیطان فائدہ اٹھائے اور کسی مسلمان کو اس جرم میں مبتلا کردے اور وہ گناہگار ہو۔ اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ اہم شخصیات جن کا لوگ احترام کرتے ہیں اور ان پر لوگوں کی نظریں رہتی ہیں۔ مثلاً علماء، مشائخ، قائدین، حکام وغیرہ انہیں خصوصی طور پر محتاط رہنا چاہئے اور ہر ایسے عمل سے گریز کرنا چاہئے جو عوام کو بدگمانی میں مبتلا کرنے کا سبب بنے مثلاً نہایت شاہانہ طرز زندگی اختیار کرنا، عوام کی طرح گھومنا پھرنا اور سیر وتفریح کرنا، لوگوں کے گھروں پر بلاضرورت جانا کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے کام غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو جنم دیتے ہیں۔ عام مسلمانوں کو بھی ایسے کاموں سے بچنا چاہئے تاکہ باہمی نفرتیں اور انتشار پیدا نہ ہو۔

بدگمانی میں بدترین بدگمانی اللہ اور رسول ﷺ سے بدگمان ہونا ہے مثلاً اللہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ مجھ جیسے بدترین گناہگار کی وہ کیا بخشش کرے گا یا میری ساری زندگی تو غربت میں گزر گئی اب اللہ مجھے کیا فراخی رزق دے گا یا میں اتنے طویل عرصہ سے بیمار ہوں اب اللہ مجھے کیا شفا دے گا یہ اور اس قسم کے خیالات صرف بدظنی ہی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے جو کفر ہے کہ قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے ''وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ'' رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو کہ رحمت الٰہی سے ناامید ہونا صرف کافروں ہی کا طریقہ ہے۔ نیز ارشاد ہوا ''قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'' (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ) فرمادیجئے کہ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں۔ ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا''

Marfat.com

اپنے (مسلمان) بھائی کے ساتھ بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔''

حسن ظن

''اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ'' کچھ گمان گناہ ہیں جنہیں سوءظن، بدظنی یا بدگمانی کہا جاتا ہے جن پر گفتگو کی جا چکی۔ بعض گمان گناہ قرار دیئے جانے کے بعد اکثر گمان حسن اچھے رہے جنہیں حسن ظن یا خوش گمانی کہا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں خوشیوں اور مسرتوں کے پھول کھلتے ہیں لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں ان میں باہمی محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے دعاؤں اور عبادتوں میں بھی اثر پیدا ہوتا ہے۔ ''حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ'' میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ حُسنِ ظن والے کی عبادت بھی حسین وخوبصورت ہو جاتی ہے کہ اللہ اسے پسند فرماتا اور قبول فرماتا ہے کیونکہ اگر عبادت گزار کا ذہن وقلب ہی بدگمانی کی نجاست میں ملوث ہو تو اس کی عبادت کیا قبول ہوگی۔

ہر مؤمن کے لئے واجب ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے متعلق حسن ظن رکھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وصال سے تین روز قبل فرمایا: ''لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ'' تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے متعلق اچھا گمان رکھتا ہو۔ پس مؤمن کو گمان رکھنا چاہئے کہ اللہ غفّار الذنوب ہے وہ ضرور میرے گناہ بخش دے گا، میرا کام توبہ کرتے رہنا اور گناہوں سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرنا ہے۔ اللہ رحیم وکریم ہے وہ ضرور میری الجھنوں اور پریشانیوں کو دور کردے گا، میرے کام ضرور بنا دے گا، میرا کام صرف اس سے دعا کرنا اور بھیک مانگتے رہنا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا ﷺ نے بتایا جو بلاشبہ حق ہے کہ تمہارے رب کریم کا ارشاد ہے: ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ'' کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان ہی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں یعنی اگر بندے کو میری عطاء ودین اور مغفرت کا حسن ظن ہوتا ہے تو میں اس کو اس کی ضرورت سے زیادہ عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ میرے متعلق بدگمانیوں میں مبتلا رہتا ہے تو میری رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظن، جان ایمان اور روح ایمان ہے کہ جن کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے۔ ان سے رحمت کا گمان نہ رکھا جائے تو پھر پناہ کہاں نصیب ہو سکے گی۔ پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق حسن ظن رکھے۔

؎ تم وہ کہ کرم کو نام تم سے — میں وہ کہ بدی کو عار آقا
جس کی مرضی خدا نہ ٹالے — میرا ہے وہ نامدار آقا
ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ — میرا ہے وہ کامگار آقا

؎ جنہیں مرقد میں تا حشر امتی کہہ کر پکارو گے — ہمیں بھی یاد کر لو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا

؎ نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا — ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

؎ اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے — میرا کون ہے تیرے سوا آہ لے خبر

Marfat.com

مرے گرچہ گناہ ہیں حد سے سوا مگر ان سے امید ہے تجھ سے رجا
تو رحیم ہے ان کا کرم ہے گواہ وہ کریم ہیں تیری عطا کی قسم

مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اگر آپ غور فرمائیں تو حق یہ ہے کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ایمان کی ترجمانی کرتے ہوئے ان اشعار میں واضح کر دیا ہے کہ آقائے رحمت ﷺ سے غلاموں کو کس طرح حسن ظن رکھنا چاہئے جو ان کی رحمت میں پناہ وامان کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

نیز عام مسلمانوں بالخصوص اہل تقویٰ، علماء ومشائخ اور صالحین سے حسن ظن رکھنا باعث برکت ہے۔ صالحیت و عافیت کے حصول کا ذریعہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں ان نیک بندوں ہی کے طفیل نصیب ہوتی ہیں۔

جاسوسی نہ کرو

دوسرا عیب جس سے باز رہنے کی اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے وہ جاسوسی کرنا ہے۔ ''وَلَا تَجَسَّسُوْا'' اور جاسوسی نہ کرتے رہا کرو۔ یعنی کسی کے ذاتی معاملات اور کردار کو جاننے کے درپے نہ رہو کیونکہ تمہاری یہ حرکت لوگوں کا چین و سکون برباد کر ڈالے گی اور جسے بھی تمہاری اس بری عادت کا پتہ چلے گا وہ تم سے نفرت کرے گا دوسروں کو تم سے بچتے رہنے کی تاکید کرتا رہے گا اور تم معاشرے میں تنہا رہ جاؤ گے تمہاری مدد تو درکنار کوئی تمہارے قریب آنا بھی گوارا نہ کرے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد خود سنا ہے: ''اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّهُمْ'' اگر تم نے لوگوں کے عیوب تلاش کئے تو تم ان کو ضائع کر دو گے۔ یعنی وہ تم سے دور ہو جائیں گے اور تم خود ذلیل و خوار ہو کر تنہا رہ جاؤ گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تُؤْذُوْا'' لوگوں کو ایذاء نہ دو۔ ''وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ'' اور انہیں شرمندہ نہ کرو۔ ''وَلَا تَطْلُبُوْا عَوْرَاتِهِمْ'' اور ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ ''فَاِنَّهٗ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰى يُفْضِحَهٗ فِيْ بَيْتِهٖ'' کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان کا عیب تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کر کے اسے اس کے اپنے ہی گھر میں ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ عیب تو ہر شخص میں ہوتے ہیں یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے کا پردہ فاش نہ کریں لیکن جو باز نہیں آتا اور دوسروں کو ذلیل وخوار کرنے کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ اللہ اسے بھی دنیا و آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے وہ عیب تک ظاہر کر دیتا ہے جو اس نے اپنے اہل خانہ سے چھپا رکھے تھے اور اس طرح وہ اپنے گھر والوں تک کی نظروں سے گر جاتا ہے اس کی اولاد تک اس کا احترام نہیں کرتی۔

حضرت ابن منازل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اَلْمُوْءُ مِنُ يَطْلُبُ مَعَاذِيْرَ اَخِيْهِ'' مومن تو اپنے مسلمان بھائی کا عذر تلاش کرتا ہے جبکہ ''وَالْمُنَافِقُ يَطْلُبُ عَثَرَاتِ اِخْوَانِهٖ'' منافق اپنے بھائیوں کی غلطیاں تلاش کرتا پھرتا ہے یعنی ایمان کی علامت لوگوں کے عذر قبول کرنا ہے جبکہ ان غلطیوں کو تلاش کرنا نفاق کی نشانی ہے۔

عوام کے لئے ہی نہیں، امیر و حاکم تک کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کریں اور

Marfat.com

ان پر جاسوس مسلط کریں تا کہ انہیں پکڑا جائے اور سزائیں دی جائیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْاَمِیْرَ اِذَا ابْتَغَی الرِّیْبَةَ فِی النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ'' جب امیر لوگوں کے عیب تلاش کرے گا تو وہ انہیں ضائع کردے گا یعنی امیر ہی اگر لوگوں کی جاسوسی کے لئے جال بچھادے تو پوری قوم ضائع اور برباد ہو جائے گی۔ اولاً تو اس طرح کہ امیر کے انعام واکرام کے لالچ میں مبتلا ہو کر ہر شخص اس کا جاسوس بننا چاہے گا اور جال کے یہ پھندے اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر گھر میں جاسوسی ہونے لگے گی حتیٰ کہ باپ بیٹے کی، بیٹا باپ کی، شوہر بیوی کی اور بیوی شوہر کی جاسوسی کریں گی۔ ثانیاً اس طرح کہ جب ہر شخص جاسوسی کے جال میں پھنسا ہوگا تو باہمی اعتماد اٹھ جائے گا اس کی جگہ ہر شخص ایک دوسرے سے خائف نظر آئے گا نتیجتاً کوئی اپنے گھر کی چہار دیواری میں بھی اطمینان کی سانس نہ لے سکے گا۔ آزاد ہونے کے باوجود آزادی سلب ہو کر رہ جائے گی جس کا انجام افراتفری ہوگا بغاوت ہوگا جو کچھ کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظام میں ہوتا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اسلام آزادی کا علمبردار ہے وہ عوام کو شخصی غلامی کی زنجیروں سے نجات دلاتا ہے۔

جاسوسی نہیں تبلیغ

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ امیر المؤمنین کی ذمہ داری اسلامی احکام کا نفاذ بھی ہے اور ان پر عمل کی نگرانی کرنا بھی ہے۔ جس کے لئے ہمارے دور میں غیر مسلموں کی تقلید کرتے ہوئے جاسوسی نظام کا جال پھیلایا جاتا ہے۔ محکمۂ جاسوسی آج کی مسلم حکومتوں کا ایک اہم محکمہ ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے خلافِ شرع ہے۔ خلافِ شرع اقدام کے ذریعہ شریعت کی پابندی کرانے کی کوششیں نہ کامیاب ہوئی ہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تبلیغی نظام جاری کیا جائے محکمۂ تبلیغ قائم کیا جائے۔ علمائے دین کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جو لوگوں کو احکام شرع اور ان کی برکتوں سے واقف کرائیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام گھر گھر پہنچائیں کہ جاسوسی کا رد عمل بغاوت ہے جبکہ تبلیغ دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول کی محبت والفت پیدا کرتی ہے حتیٰ کہ ہر شخص اپنی حکومت میں بھی احکام شرع کا پابند ہو جاتا ہے۔ وہ خلافِ شرع کام کرنے کا خیال تک نہیں کر سکتا۔

جاسوسی کرنے والے اپنے عمل کے جواز کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سہارا لیتے اور کہتے ہیں کہ وہ بھی تو رات کو گشت کیا کرتے تھے لیکن ان کا گشت لوگوں کے عیوب جاننے کے لئے ہر گز نہ ہوتا تھا بلکہ وہ لوگوں کے دکھ درد جاننے کے لئے گشت کرتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے اس کے مطابق وہ رعایا کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔ آج کے حکام وامراء اپنے جاسوسوں کو کبھی یہ ہدایت نہیں کرتے کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے انہیں بتائیں تا کہ انہیں پورا کیا جائے اگر ایسا ہوتا تو مسلم معاشرہ میں غربت وافلاس کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ آج عوام کے لئے جاسوسی نہیں بلکہ اپنے مفاد، اپنے اقتدار کی بقاء کے لئے جاسوسی کی جاتی ہے۔ اسی لئے صرف انہی لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے جو حکومتی پارٹی سے باہر ہوتے ہیں جبکہ حکومتی پارٹی سے متعلق لوگ جو چاہتے ہیں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ملک کے بینکوں کی دولت ہڑپ جائیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں وہ ہسپتالوں، پارکوں کے لئے مخصوص زمینوں پر بنگلے بنا لیں تو کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ وہ عوام کی عزت وآبرو سے کھیلتے

Marfat.com

رہیں تو کوئی جاسوسی کرنے والا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاکم نہیں دین کے خادم تھے۔ وہ دین کی برکتیں گھر گھر پہنچانے کے لئے گشت کیا کرتے تھے۔ اپنے آقا ﷺ کے غلاموں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

تبلیغی نظام رائج کیا جائے تو حکام وعوام سب کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہوگا کوئی نہ دولت لوٹے گا، نہ زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کرے گا، نہ کوئی طاقت ور کسی کمزور کو اپنی ہوس کا شکار نہ بنا سکے گا۔ یہی مبلغین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح راتوں کو گشت کر کے لوگوں کی ضروریات معلوم کریں گے ان سے حکام کو آگاہ کریں گے اور یہ نگرانی بھی کریں گے کہ حکام عوام کے جن حقوق کے امین ہیں وہ حقوق عوام کو دے رہے ہیں یا نہیں پھر دیکھئے ہر طرف کیسی بہار نظر آتی ہے۔ یہی عوام جو آج حکام سے نفرت کرتے ہیں کل حکام پر اپنی جانیں نچھاور کریں گے اپنے ملک و وطن کی حفاظت کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات حسب معمول گشت پر تھے۔ ایک گھر سے آپ کو روشنی نظر آئی کچھ قریب ہوئے تو گانے کی آواز آئی۔ پس برائی روکنے کے جذبہ میں آپ نے دیوار پھاندی اور گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اس کے قریب شراب رکھی ہے اور ایک عورت گا رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کو مزید غصہ آیا اور چلاتے ہوئے فرمایا: ''یَا عَدُوَّ اللّٰہِ'' اے اللہ کے دشمن۔ ''اَظَنَنْتَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْتُرُکَ وَاَنْتَ عَلٰی مَعْصِیَتِہٖ'' کیا تو نے یہ خیال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرمائے گا اور تو اس کی نافرمانی کرتا رہے گا۔ اس شخص نے کہا امیر المؤمنین! غصہ نہ کیجئے حرام ہے مزید غور فرمائیے۔ میں نے ضرور اللہ کی نافرمانی کی ہے لیکن آپ بھی اس کے تین حکموں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا کہ بتاؤ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ وہ بولا اللہ کا حکم ہے: ''لَا تَجَسَّسُوْا'' جاسوسی نہ کیا کرو۔ جبکہ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ دوسرے اللہ کا حکم ہے: ''وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا'' گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ جبکہ آپ دیوار پھاند کر میرے گھر میں آئے ہیں۔ تیسرے اللہ کا ارشاد ہے: ''لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا'' اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو جبکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے میرے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت نہیں لی۔ آپ نے فرمایا میں شرمندہ ہوں۔ اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں۔ وہ شخص بولا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ کبھی نہ کروں گا نیز آپ کو گواہ بنا کر توبہ کرتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ بھی معاف کر دے۔

صحافی اور جاسوسی

جاسوسی حرام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی۔ اس کے باوجود دیگر جرائم کی طرح ہمارے معاشرے میں یہ بھی عام ہے بالخصوص ہمارے ایک معزز طبقہ نے جسے ہم صحافی کہتے ہیں اس گھناؤنے جرم کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا ہے جبکہ ان کا پیشہ صحافت معزز پیشوں میں سے ایک ہے اور ان کی ذمہ داریاں نہایت ہی نازک اور اہم ہیں کہ ان

Marfat.com

کی نوک قلم سے ان کی قوم کا مقدر وابستہ ہے کہ وہ چاہیں تو قوم پر پھول برسائیں اور چاہیں تو اس کے لئے کانٹے بچھا دیں وہ چاہیں تو قوم کی ڈوبتی ناؤ ترا دیں اور چاہیں تو پوری قوم کو کسی دلدل میں پھنسا دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو با کردار بنا دیں اور چاہیں تو اسے بدعملی کے جہنم میں ڈھکیل دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو ایک دھاگے میں پرو کر متحد و منظم کر دیں اور چاہیں تو ان موتیوں کو بکھیر ڈالیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو عزت و وقار کا تاج پہنا دیں اور چاہیں تو اس کی گردن میں ذلت وخواری کا طوق لٹکا دیں۔ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تحریر وتقریر سے حکام کو رعایا کے صحیح حالات اور ضروریات سے باخبر کریں اور اپنے ہم وطنوں کو حکام اور ملک کے صحیح حالات بتاتے رہیں۔ حکام کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔ ان کی غلطیوں اور لاپرواہیوں کی نشاندہی کریں۔انہیں قوم وملت کی خدمت پر آمادہ کریں اور عوام کو اولی الامر کی اطاعت کا پیغام دیں وہ قوم سے جہالت دور کرنے اور اس کی ذہنی تربیت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ان کا کام اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا علماء دین سے استفادہ کرنا ہے تاکہ وہ اپنے ہم وطنوں کے لئے شمع علم روشن کرسکیں اور ان کی ذہنی جلا ،اور راہنمائی کی ذمہ داری نباہ سکیں۔

ہماری تاریخ میں ایسے بے شمار صحافیوں کے نام موجود ہیں جن کو آج بھی ہم سلام کرتے اور ان کے کارناموں کی قدر کرتے ہیں وہ بے باک تھے، حق گو تھے، دیانت دار تھے، ان کا سرمایہ سوائے قلم کے اور کچھ نہ تھا، ان کا لکھا ہوا ایک ایک حرف دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا جسے وہ قوم کی نذر کرتے تھے اور وہی قوم کا سرمایہ ہوتا تھا ان کے نوک قلم سے نور کی ضیاء پاشی ہوتی تھی جس سے لوگوں کے دل روشن ومنور ہو جاتے تھے۔ ماضی قریب ہی کی تو بات ہے کہ ہندوستان کا کامیاب انقلاب جس کا اچھا انجام تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا ان صحافیوں ہی کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

آج کے اکثر صحافیوں کا کارنامہ ہے صرف سنسنی خیز خبریں پھیلانا ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنوں ہی کے گھروں میں گھس کر ان کے سنسنی پھیلانے والے ذاتی حالات معلوم کریں ہو سکے تو بطور ثبوت فوٹو بھی بنالیں اور ان کی عام تشہیر کر کے اپنوں کو بے عزت کریں، بے آبرو کریں، اپنوں ہی سے متنفر کریں اور لڑائیں اب ان کا سب سے بڑا کارنامہ جاسوسی رہ گیا ہے، خبریں جاسوسی ہوتی ہیں ان کے مضامین جاسوسی ہوتے ہیں، کہانیاں جاسوسی ہوتی ہیں اور جب جاسوسی میں کامیاب نہیں ہوتے تو جھوٹ کے طومار باندھتے ہیں، خبر گڑھتے ہیں، ناول اور افسانے لکھتے ہیں۔ گویا اب ان کا پیشہ ہی جاسوسی ہو گیا ہے جبکہ ان کا وطیرہ چاپلوسی اور خوشامد ہے جو اقتدار میں ہوتا ہے اس کے گرد گھومتے ہیں اس کو چھینک آ جائے تو یہ بھی ان کے نزدیک ایک خبر ہوتی ہے جسے وہ اخبار کی زینت بنا دیتے ہیں شاید اس لئے کہ پوری قوم یرحمک اللہ کہے لیکن وہ قوم کا جواب سننے نہیں اس کی خبر نہیں بناتے حکمرانوں کے سامنے ان کے قلم تسلیم خم رہتے ہیں یہ وہ لکھتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں اب ان کا مقصد صرف دولت کمانا ہو گیا ہے جس کی تکمیل کے لئے وہ دولت مند لیڈروں کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں ان کے بدنما فوٹو اور لایعنی خبریں قوم تک پہنچاتے اور اس کارگزاری کی بھاری رقمیں وصول کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب صحافی ہی دولت کے رسیا ہو گئے تو غربت وافلاس زدہ عوام کی خبریں، ان کی حق تلفیوں اور ان پر مظالم کی سچی داستانیں کس طرح شائع ہو سکتی اور

Marfat.com

کیسے حکام تک پہنچ سکتی ہیں۔ اسی لئے بے خبر حکام جتنا چاہتے ہیں عوام پر ٹیکس لگا دیتے ہیں، اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں، جو چاہتے ہیں قوانین نافذ کر دیتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ عوام کس ضیق اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں انہیں تو یہ بد دیانت صحافی صرف ٹھیک ہے کا گرین سگنل دکھاتے ہیں۔ اسی لئے تو حکام ایٹمی تجربوں میں مصروف ہیں اور عوام غربت و افلاس، جہالت اور مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔

سوچیے ان صحافیوں کی بدکرداری نے قوم کو تباہی کے گڑھے پر کس طرح لا کھڑا کیا ہے یہ تو چند دیانت دار صحافیوں کا دم غنیمت ہے۔ جن کی وجہ سے اب تک قوم میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے۔ اللہ انہیں استقلال و استقامت عطا فرمائے کہ وہ ناسازگار ترین ماحول میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں اسی طرح وہ ڈٹے رہیں اور اپنا کام کرتے رہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ ان کے دیگر ہم پیشہ افراد کو بھی ہدایت دے کہ ان میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو اور وہ دیانت سے ملک و ملت کی خدمت انجام دیں۔ علماء اور صحافی یہ دونوں طبقہ اپنے منصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس قدر اہم ہیں کہ اگر یہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں یا بدکرداری کا شکار ہو جائیں تو پوری قوم کی حالت ناگفتہ ہو جاتی ہے۔

جاسوسی کا جواز

شریعت مطہرہ نے مخصوص صورتوں میں بعض جرائم کو جائز قرار دیا ہے مثلاً بروایت حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ'' تین صورتوں کے سوا کسی صورت میں جھوٹ جائز نہیں۔ ''كَذِبُ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَهٗ'' شوہر کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا (یعنی اسے خوش کرنے اور اس کے دل میں اپنی مزید محبت پیدا کرنے کے لئے یا آپس کے کسی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے) ''وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ'' اور جنگ کی حالت میں جھوٹ بولنا۔ (مثلاً اپنوں کو دشمن کی تعداد و قوت غلط بتانا تاکہ ان میں مزید جوش پیدا ہو یا دشمن کو دھوکا دے کر اس پر حملہ آور ہونا یا اسی قسم کی دوسری صورتوں میں) ''وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ'' اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ آپ جانتے ہیں کہ کذب کتنا شدید جرم ہے لیکن بعض صورتوں میں جائز قرار دیا گیا۔

اسی طرح جاسوسی، جس کی حرمت اور اس کے نقصانات ابھی آپ پڑھ چکے ہیں بلاشبہ یہ شدید جرم ہے لیکن ملک و ملت کے مفاد میں بعض مخصوص صورتوں میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً ایسے مجرموں کی جاسوسی جائز ہے جن کے جرائم معاشرے میں پھیلنے کا خطرہ ہو یا وہ دوسروں کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہوں۔ مثلاً وہ لوگ جو شراب یا منشیات کا کاروبار کرتے ہیں، رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے، جواری، سود خور، سمگلر، بچوں کو اغواء کرنے والے، عورتوں کا کاروبار کرنے والے اور اسی قسم کے تمام مجرموں کی جاسوسی نہ صرف جائز بلکہ حکام کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے متعلق شبہ ہو کہ قوم میں انتشار و افتراق پیدا کرتے ہیں یا ملک کے باغی ہیں یا دشمن سے ان کا رابطہ ہے دشمن کی طاقت اس کی سازشوں وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بھی جاسوسی کی اجازت ہے۔ جس کے لئے سربراہ مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ محکمہ جاسوسی قائم کرے یا کوئی دوسری صورت اختیار کرے لیکن یہ واضح رہے کہ اس جاسوسی کا اختیار حکام کو ہے

Marfat.com

عوام کو نہیں کہ اگر عام لوگ یہ کام کریں گے تو انہیں مجرموں کی دشمنی اور دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح امن و امان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا ہاں اگر حکام لاپرواہی یا بدعنوانی میں مبتلا ہوں اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری سے گریز کرتے ہوں بلکہ وہ ان مجرموں سے خود ہی بھتے وصول کرتے ہوں تو بایں صورت عوام کو منظم ہوکر اپنے وسائل واختیار کے مطابق برائی کو مٹانے اور مجرم کو سزا دلوانے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ عوام کو صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ مجرموں کے چہروں سے نقاب اٹھا دیں اور حکام سے انہیں سزا دینے کا مطالبہ کریں عوام کو یہ اختیار ہرگز نہیں کہ وہ خود ہی سزا بھی نافذ کردیں کہ یہ صورت دہشت گردی اور لاقانونیت کی ہوگی۔

غیبت

آیت زیر گفتگو میں تیسرا حکم غیبت کی ممانعت کا ہے ''وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا'' اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے یہ کس قدر مکروہ، غلیظ اور گندا عمل ہے اس کا اندازہ اس مثال سے کرلو۔ ''اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ'' کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا (ہرگز نہیں) تم اسے برا ہی سمجھتے ہو۔ ذرا مثال پر غور فرمائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ غیبت کی شدت کراہت کو کس انداز سے بیان کیا جارہا ہے کہ ایک تو انسان کسی انسان کا گوشت کھانا کب برداشت کرسکتا ہے پھر وہ بھی اپنے بھائی کا اور وہ بھی مردہ بھائی کا کس قدر گھناؤنی بات ہے اور غیبت کرنے والا گویا مردہ بھائی کا گوشت ہی کھاتا ہے۔

غیبت کے لئے اس تشبیہ پر مزید غور فرمائیے کہ جس طرح مردہ بھائی کی لاش سے گوشت نوچنا اور اسے چبانا اس بھائی کی انتہائی تذلیل ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اس کو انتہائی ایذاء پہنچانا اور بے آبرو کرنا ہے۔ اس تذلیل اور بے آبرو کرنے ہی کے لئے تو ہندہ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہوجانے کے بعد ان کے ناک، کان وغیرہ کاٹے اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا اور اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن تک کی لاش کو مثلہ کرنے یعنی اس کے قتل کے بعد اس کی شکل وصورت بگاڑ دینے سے منع فرمایا کہ اسلام کسی بھی طرح کسی انسان کو بے آبرو اور ذلیل کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہتا اس کا مردہ جسم نوچ کھسوٹ کر اسے ذلیل کیا جائے یا اس پر کوئی تہمت لگا کر اس کی غیبت کرکے اس کے اخلاق وکردار کو نوچا اور کھسوٹا جائے۔

دور رسالت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھی غیبت کی مذمت فرمائی اس مثال قرآنی کو پیش نظر رکھا۔ مثلاً حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب احادیث میں محفوظ ہے کہ انہوں نے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں از خود حاضر ہوکر اپنے زنا میں ملوث ہوجانے کا اعتراف کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر حد جاری فرمائی اور اسی دوران وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد ہی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور چند صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے دو آدمیوں کو کہتے سنا کہ ماعز کی موت پر بڑا افسوس ہے۔ اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اس نے خود ہی اس کا اعتراف کرلیا اور پھر اسے اس طرح سنگسار کیا گیا۔ جس طرح کتے کو

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے تھوڑی دور مزید چلنے کے بعد آپ ﷺ رک گئے جہاں ایک گدھا مرا پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو طلب فرمایا۔ حاضر ہونے پر ان سے کہا اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ اسے کون کھا سکتا ہے: ''فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اَشَدُّ مِنْهُ'' تم مردہ گدھا کھانے سے تو نفرت کرتے ہو لیکن تم نے اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا وہ مردار کھانے سے بھی بدتر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا'' وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهُ الْاٰنَ لَفِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا'' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے (اور یہاں تم اس کی غیبت کر رہے ہو)۔

ایک موقع پر بعض صحابہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی غیبت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم نے ابھی گوشت کھایا ہے۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمیں تو کئی دن سے گوشت میسر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تھوکو۔ انہوں نے تھوکا تو یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے کہ اس میں گوشت کے ریشے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی زید کا گوشت کھایا کیونکہ تم نے ان کی غیبت کی ہے۔

غیبت کی تعریف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ'' کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: ''اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم'' اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بتایا'' ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ'' اپنے مسلمان بھائی کے ان عیوب کا ذکر کرنا جس کا ذکر کرنا وہ ناپسند کرتا ہو (غیبت ہے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم'' اَفَرَاَيْتَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ'' اگرچہ میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کا میں ذکر کروں (کیا یہ بھی غیبت ہے) فرمایا: ''اِنْ كَانَ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ'' اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہے تب ہی تو تم نے اس کی غیبت کی۔'' وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ'' اور اگر اس میں وہ عیب نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

حدیث مبارکہ سے غیبت کی تعریف واضح ہوگئی کہ کسی کی عدم موجودگی میں کسی کا ایسا عیب بیان کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا غیبت ہے۔ جسے وہ سنے تو اس کی دل آزاری ہو اور کہنے والے سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو اور اگر واقعی اس میں وہ عیب موجود نہیں تو اس کا اس کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے، تہمت ہے جو اپنی جگہ ایک بڑا گناہ ہے کہ حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ'' جو کسی مسلمان کو بدنام و بے آبرو کرنے کے لئے اس پر کوئی تہمت لگائے تو'' حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ'' تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ (سزا پوری ہونے کے بعد) اپنی کہی ہوئی بات سے بری ہو کر نکلے گا یعنی کسی کی طرف کوئی ایسا عیب یا بری بات منسوب کرنا جس سے اس کا تعلق تک نہ ہو نہایت ہی برا اور گناہ کا کام ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے رمٰی کا لفظ استعمال فرمایا۔ رمٰی کے معنی تیر پھینکنا یا پتھر مارنا اسی لئے

Marfat.com

جمرات پر سنگساری کو رمی کہا جاتا ہے۔ آقا ﷺ نے یہ لفظ استعمال فرما کر بتایا کہ بہتان درحقیقت کسی کی عزت و آبرو کو سنگسار کرنے کے مترادف ہے۔ اندازہ کرلو یہ عمل کس قدر برا ہے۔

غیبت کی تعریف کی وضاحت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے بھی ہوتی کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ایک پستہ قد عورت حاضر ہوئی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے ازراہِ تمسخر کہا کہ یہ عورت کتنی چھوٹی سی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے تم توبہ کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے کوئی غلط بیانی تو نہیں کی وہ واقعی پستہ قد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگرچہ تم نے سچی بات کہی ہے لیکن اگر وہ سن لیتی تو اسے ضرور تکلیف ہوتی کہ یہ اس کا ایک عیب ہے لہٰذا یہ غیبت ہوئی۔

حضرت علامہ ابن اثیر جذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''هُوَ اَنْ تَذْكُرَ الْاِنْسَانَ فِيْ غَيْبَتِهٖ بِسُوْءٍ وَ اِنْ كَانَ فِيْهِ'' غیبت یہ ہے کہ تم کسی شخص کا عیب دار ہونا اس کی عدم موجودگی میں بیان کرو اور وہ عیب اس میں ہو۔ ''فَاِذَا ذَكَرْتَهٗ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ الْبَهْتُ وَالْبُهْتَانُ'' اور اگر تم اس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وَالْغِيْبَةُ اَنْ يَّذْكُرَ الْاِنْسَانُ غَيْرَهٗ بِمَا فِيْهِ مِنْ عَيْبٍ مِنْ غَيْرِ اَنْ اَحْوَجَ ذِكْرَهٗ'' اور غیبت یہ ہے کہ آدمی کسی کا بلاضرورت ایسا عیب بیان کرے جو اس میں موجود ہو۔

حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اَلْغِيْبَةُ اَنْ تَذْكُرَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُهٗ لَوْ بَلَغَهٗ'' غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے متعلق کوئی ایسی بات بیان کرو کہ اگر وہ اسے سن لے تو بری لگے۔ ''سَوَاءٌ ذَكَرْتَهٗ بِنَقْصٍ فِيْ بَدَنِهٖ'' چاہے اس کے جسم کا کوئی عیب ذکر کیا ہو (جیسے وہ کانا، اندھا یا لنگڑا وغیرہ ہے) ''اَوْ نَسَبِهٖ'' یا اس کے نسب کا (جیسے کہا کہ اس کا باپ تو حبشی، موچی، دھوبی وغیرہ تھا یا اس کی ماں تو فاحشہ، بدکار وغیرہ تھی) ''اَوْ فِيْ خُلُقِهٖ'' یا اس کے اخلاق کا (کہ وہ شرابی، جواری یا رشوت خور ہے یا لوگوں سے قرضہ لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا بڑا ہی متکبر یا مغرور ہے وغیرہ) ''اَوْ فِيْ فِعْلِهٖ اَوْ فِيْ قَوْلِهٖ'' یا اس کے افعال کا عیب یا اس کے اقوال کا عیب ''اَوْ فِيْ دِيْنِهٖ'' جن کا تعلق اس کے دین سے ہو (جیسے وہ بے نمازی ہے، چور ہے، ناپاک رہتا ہے، جھوٹا ہے، لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے، شراب و دیگر حرام چیزوں کا کاروبار کرتا ہے۔ ''اَوْ فِيْ دُنْيَاهُ'' یا اس عیب کا تعلق دنیاوی امور سے ہو (جیسے وہ بہت کاہل ہے بہت مکار ہے، بہت کھاتا ہے، ہر کسی سے لڑتا، جھگڑتا ہے)۔ ''حَتّٰى فِيْ ثَوْبِهٖ اَوْ فِيْ دَارِهٖ اَوْ فِيْ دَابَّتِهٖ'' یہاں تک کہ کسی کے کپڑوں یا گھر یا سواری کی برائی کرنا بھی غیبت ہے (کپڑے خراب سلے ہوئے تھے، بہت میلے تھے یا اس کا گھر بہت خراب جگہ واقع ہے، اس کی گاڑی بہت ہی کھٹارا ہے)۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے ہمیں نہایت ہی وضاحت سے غیبت کی تعریف معلوم ہوگئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''کسی کے کسی بھی عیب اور برائی کا اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا غیبت ہے، جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔''

غیبت کی مذمت

اگرچہ غیبت کی مذمت کے لئے قرآنی تشبیہ اور وہ احادیث مبارکہ ہی کافی ہیں۔ جو بیان کی جاچکیں لیکن اس کی

Marfat.com

مزید وضاحت کے لئے چند ارشادات نبوی ﷺ مزید نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید اور جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ" "غیبت زنا سے زیادہ شدید (گناہ) ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم" کَیْفَ الْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ" "غیبت، زنا سے کس طرح زیادہ ہے۔ آپ نے جواب عطا فرمایا:" اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِ" "اگر کوئی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔" وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَةِ لَا یُغْفَرُ حَتّٰی یَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ" "اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشا جاتا جب تک وہ نہ معاف کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

غیبت، زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔ حق فرمایا میرے آقا ﷺ نے اولاً اس لئے کہ یہ حق اللہ اور حق العباد دونوں کو ضائع کرنا ہے۔ حق العباد کو اس طرح کہ جس نے کسی کا عیب بیان کیا اس نے یا تو اس عیب کو ظاہر کیا جس پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوا تھا اور یا اس عیب کو برا جانا جو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا مثلاً کسی کا اندھا یا لنگڑا ہونا ضرور عیب ہے لیکن اس میں بندے کا کیا قصور ہے اور دیکھنے والوں کو اس عیب کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے بلکہ عبرت لینا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں اندھا یا لنگڑا نہ کیا۔ ثانیاً اس لئے کہ زنا کے اثرات محدود ہیں جبکہ غیبت سے پورے معاشرے میں لڑائی جھگڑے کا امکان ہوتا ہے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں قتل و غارت تک نوبت پہنچتی ہے۔ نیز اس لئے کہ بسا اوقات غیبت کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو رہا ہے وہ اپنے تئیں خیال کرتا ہے کہ یہ حق گوئی ہے جو میری ذمہ داری ہے میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ معاف کرے بڑے بڑے علماء، اتقیاء تک اس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں عوام کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھے کہ اچانک ایک بدبو پھیلی آقا ﷺ نے فرمایا "اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا" "ہم نے عرض کی نہیں۔ پس آپ نے بتایا:" قَوْمٌ مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ اغْتَابُوْا اُنَاسًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ" "ابھی کچھ منافقوں نے کچھ مسلمانوں کی غیبت کی ہے۔

اللہ اکبر! خیال فرمائیے غیبت کیسا بدبودار جرم ہے کہ اس کی بدبو اہل ایمان کو محسوس بھی ہوتی ہے لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتی اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ عام طور پر انسان کو اپنی بدبو محسوس نہیں ہوتی اپنے عیوب نظر نہیں آتے۔ ہمارے تو گھر، گلی، کوچوں اور بازاروں کی ہواؤں میں غیبت کی بدبو بھری پڑی ہے۔ جس نے ہمارے معاشرے کو ناتواں اور کمزور کر ڈالا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ (کسی) ایک دن روزہ رکھیں لیکن جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لیں افطار نہ کریں۔ پس ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک شخص حاضر ہوا اور افطار کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے گھر کی دو کنیزیں روزے سے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ وہ افطار کر لیں آپ ﷺ نے منہ پھیرتے ہوئے فرمایا:" مَا صَامَتَا" "ان دونوں نے روزہ رکھا ہی نہیں (افطار کیسا) پھر آپ نے فرمایا:" وَکَیْفَ صَامَ مَنْ ظَلَّ یَاکُلُ

Marfat.com

لُحُوْمَ النَّاسِ ''ان لوگوں کا روزہ کیسے ہوسکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں (غیبت کرتے رہے ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ ان دونوں سے کہو کہ قے کریں۔ ان صاحب نے گھر آ کر اپنی دونوں بیٹیوں کو ساری بات بتائی وہ اٹھیں اور دونوں نے قے کی تو دونوں ہی کی قے میں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے نکلے۔ وہ صاحب گھبرائے دوڑتے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں کا حال بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَوْ مَاتَا اَوْ بَقِيَا فِيهِمَا لَا كَلَتْهُمَا النَّارُ ''اگر وہ دونوں مر جاتیں یا دونوں میں یہ خون باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھا جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ روزے دار بھی تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نماز پوری فرمالی تو ان دونوں کو طلب فرمایا اور حکم دیا ''اَعِيْدُوْا وُضُوْءَ كُمَا، وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا صَوْمَكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ ''اپنا وضو اور نماز دہراؤ، روزے پورے کرلو اور دوسرے دن قضا کرو۔ دونوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ ﷺ نے بتایا: ''اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا ''تم نے فلاں کی غیبت کی تھی۔

یہ غیب داں آقا ﷺ کا کمال علم ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ کس نے غیبت کی اور کس نے کیا کہا آپ نے تا قیامت آنے والے غلاموں کو اس فعل شنیع سے متنفر کرنے کے لئے عملی طور پر اس کی غلاظت اور گندگی کو ظاہر فرمایا لیکن یہ آپ ﷺ کا امت پر کرم ہے کہ آپ نے اپنے اس عمل کو شریعت مطہرہ کے قانون کی حیثیت نہ دی اور غیبت کرنے والوں کے لئے وضو کا نماز کا اعادہ لازمی قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایسے لوگوں کے لئے روزے کی قضا کا حکم صادر فرمایا۔ ورنہ سوچئے ہم جیسے لوگ کس قدر دشواری میں مبتلا ہو جاتے بالکل اسی طرح جیسے آپ ﷺ نے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو واجب قرار نہ دیا مثلاً مسواک، نماز عشاء کی تاخیر سے ادائیگی، رمضان کی خصوصی نماز تراویح، آپ ﷺ کے پسندیدہ اعمال تھے لیکن امت ان کی پابندی سے آزاد رہی صرف اس لئے کہ آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں مشقت میں مبتلا کرنا پسند نہ فرمایا تاہم فقہاء نے فرمایا کہ غیبت کے بعد دوبارہ وضو کر لینا مستحب ہے تاکہ نماز میں کراہت پیدا نہ ہو اور بحالت روزہ، غیبت، جھوٹ اور ہر قسم کے لغو بیہودہ اعمال سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ان سے اگرچہ روزہ ادا ہو جاتا ہے لیکن مکروہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کسی کے متعلق کہا: ''مَا اَعْجَزَ اَوْقَالَ مَا اَضْعَفَ فُلَانًا ''کہ وہ کس قدر عاجز ہے یا کہا وہ کس قدر کمزور ہے۔ پس آپ نے فرمایا: ''اِغْتَبْتُمْ صَاحِبَكُمْ وَاَكَلْتُمْ لَحْمَهَا ''تم نے اپنے ساتھی کی غیبت کی اور اس کا گوشت کھایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا معراج کے دوران میرا گزر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور ان سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھسوٹ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: ''هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ ''یہی تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت پامال کرتے رہتے ہیں یعنی غیبت کرتے اور انہیں بے آبرو کرتے ہیں گویا

Marfat.com

ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تَغۡتَابُوۡا الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَلَا تَرُدُّوۡا الۡھَدِیَّۃَ وَلَا تَضۡرِبُوۡا الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔'' ''مسلمانوں کی غیبت نہ کرو ہدیہ واپس نہ کرو اور مسلمانوں کو نہ مارو۔

اس حدیث مبارکہ میں غیبت کی واضح ممانعت کے ساتھ آقا ﷺ نے مزید دو باتوں کو منع فرمایا جب تمہیں کوئی تحفہ دے تو اسے رد نہ کرو، نہ لوٹاؤ کیونکہ ایک دوسرے کو ہدیہ وتحائف دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ اسے واپس کرنے سے دینے والے کی دلآزاری ہوگی اسے رنج ہوگا جو روحِ اسلام کے منافی ہے کہ احکامِ اسلام کا مقصد تو امت کے درمیان محبت پیدا کرنا ہے لہٰذا ایسا ہر عمل ممنوع ہے جو باعث نفرت ہو اسی لئے دوسری ممانعت یہاں مسلمانوں کو مارنے ان سے لڑائی جھگڑا کرنے کی گئی ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک دن میں نے بطور استہزاء اپنی بالشت کا اشارہ کرتے ہوئے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیا کہ بس آپ کو تو اتنی سی صفیہ ہی کافی ہے (ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد بہت چھوٹا تھا) پس آقا ﷺ نے فرمایا: ''لَقَدۡ قُلۡتِ کَلِمَۃً لَوۡ مُزِجَ بِھَا الۡبَحۡرُ لَمَزَجَتۡہُ'' اے عائشہ تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے دریا میں گھول دیا جائے تو دریا رنگین ہوجائے۔

منشاء ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے کہ تم نے غیبت کی ہے جس کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ پورے دریا کو رنگ سکتا ہے تو سوچو تمہارے دل کا کیا حال ہوا ہوگا۔حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کی برائی زبان سے نہیں بلکہ صرف اشارے سے کی جائے تب بھی گناہ ہے اسے آپ غیبت بالاشارہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میری ماں نے کہا تھا کہ زبان سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پستہ قد نہیں فرمایا بلکہ بالشت کا اشارہ کرکے ان کا عیب ظاہر کیا۔

غیبت سننا

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا، اس میں شریک ہونا، اس سے راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام ہے۔جس کی بنیاد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد ہے جو بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچایا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنۡ رَاٰی مِنۡکُمۡ مُنۡکَرًا فَلۡیُغَیِّرۡہُ بِیَدِہٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِہٖ وَذٰلِکَ اَضۡعَفُ الۡاِیۡمَانِ'' تم میں جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ایسا نہ کرسکتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ کرنا بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: ''مَا مِنۡ رَجُلٍ یَکُوۡنُ فِیۡ قَوۡمٍ یَعۡمَلُ فِیۡھِمۡ بِالۡمَعَاصِیۡ یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡ یُّغَیِّرُوۡا عَلَیۡہِ وَلَا یُغَیِّرُوۡنَ اِلَّا اَصَابَھُمُ اللّٰہُ مِنۡہُ بِعِقَابٍ قَبۡلَ اَنۡ یَّمُوۡتُوۡا'' کسی قوم کا کوئی آدمی اگر ان میں گناہ کرتا ہے اور وہ اسے گناہ سے روکنے کی طاقت کے باوجود نہ روکتے

Marfat.com

یقیناً اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ ''اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' بلاشبہ وہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ان واضح ارشادات کے باوجود بھی کسی کا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور بدگمانی میں مبتلا ہونا کس قدر بدنصیبی اور محرومی ہے۔ اللہ معاف کرے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدگمانی مثلاً یہ خیال کرنا کہ میں ان پر درود شریف تو پڑھتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میرے درود پر توجہ فرمائیں۔ میں انہیں پکارتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میری صدا سنیں اور میری فریاد کو پہنچیں یا میں تو اتنا گناہگار ہوں کہ شفیع المذنبین ﷺ بھی میری شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری بدگمانیاں اس آقائے رحمت ﷺ کے لئے جس کا رحمۃٌ للعلمین ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے بڑی ہی ضلالت و گمراہی اور سخت گناہ ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کے متعلق بدظنی کرنا حرام ہے جو بظاہر نیک اور متقی ہوں عام لوگ ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہوں جیسے اولیاء کرام، علماء کرام، مشائخ عظام اور دیگر صالحین۔

''اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ'' سے مراد یہی بدگمانیاں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق یہی ''اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ'' ہے۔ یعنی بدگمانی کا عادی شخص کتنا ہی حاجی، نمازی اور متقی کیوں نہ ہو لیکن ''کذّاب'' سب سے بڑا جھوٹا ہے جبکہ اللہ معاف کرے ہم میں سے اکثر لوگ اس گناہ کے مرتکب ہیں۔

ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی کے جرم میں کتنے مسلمان مبتلا ہیں لیکن ہاں ہم یہ جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدظنی کرنے والوں کی کمی نہیں۔ علم و تقویٰ کے بہت سے دعویداروں نے اپنی اس بدظنی کا اظہار اپنی کتابوں میں بھی کیا ہے۔ تقریروں میں بھی کرتے رہتے ہیں اور اپنے ان برے خیالات کی باقاعدہ منظم صورت میں تبلیغ بھی کرتے ہیں اور علماء و مشائخ نیز صالحین سے بدگمانی تو ایک فیشن سا ہو گیا۔ لیجئے ایک لطیفہ ملاحظہ فرمایئے۔

ہم ایک مسلمان بھائی کی دوکان پر کپڑا خریدنے چلے گئے۔ سیٹھ صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہی سوال کر ڈالا کہئے مولانا صاحب کیسے آنا ہوا۔ آپ کوئی مسجد بنا رہے ہیں یا مدرسہ کھول لیا ہے۔ ہم پہلے تو سٹ پٹا گئے کہ یہ حضرت کیا پوچھ رہے ہیں اور کیوں پوچھ رہے ہیں لیکن فوراً ہی ان کا مطلب سمجھ گئے لہٰذا ہم نے جواب دیا بھائی ہم مسجد یا مدرسہ کے لئے نہیں اپنے لئے کپڑا خریدنے آئے ہیں۔ اب سیٹھ صاحب کچھ مطمئن ہو کر بولے معاف کیجئے۔ میں سمجھا آپ چندہ لینے آئے ہیں۔ آیئے آیئے کپڑا دیکھئے، جتنا چاہیں خریدیئے۔ او، فلاں مولانا صاحب کو کپڑا دکھا ہم نے کہا نہیں، نہیں تکلیف نہ کیجئے۔ ہم دوسری دوکان پر جا رہے ہیں۔ سلام کیا اور دوکان سے باہر آ گئے۔

فرمایئے یہ بدظنی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ دوستو! آج کل مولویوں اور پیروں کے متعلق یہ ایک عام بدگمانی ہے کہ یہ لوگ تو صرف چندے ہی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور معاف کرے۔

بروایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے

Marfat.com

ہوں تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے عذاب نازل فرمائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مطابق ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ منکر برائی کو ہاتھ سے روکے یا زبان سے روکے اور اگر یہ دونوں صورتیں اس کے لئے ممکن نہ ہوں تو دل سے ضرور برا جانے یعنی برائی کرنے والے سے نفرت کرے۔ جس محفل میں برائی ہوتی ہو اس میں شریک ہونے سے گریز کرے۔ ظاہر ہے غیبت کوئی معمولی قابل درگزر برائی نہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں غیبت کرنے والا درحقیقت اپنے بھائی کی عزت و آبرو کو پامال کرتا ہے اور جو اس غیبت میں اس طرح شریک ہو کہ کم از کم غیبت کرنے والے سے نفرت نہ کرنے لگے تو وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک قرار پائے گا اور ذلت وخواری اس کا بھی مقدر بنے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوطلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس محفل میں کسی مسلمان کی بے عزتی اور آبروریزی کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بھی موجود ہوگا اور اپنے بھائی کی بے عزتی پر راضی ہوگا اللہ اسے اس مقام پر ذلیل ورسوا کرے گا جہاں وہ باعزت بننا چاہتا ہو اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے عزتی اور توہین کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بے عزتی کئے جانے والے مسلمان کی حمایت کرے گا اللہ اس کی وہاں مدد کرے گا جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا۔

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِّنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ'' جس شخص نے کسی منافق کے مقابلہ میں کسی مسلمان کی حمایت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو مسلمان کی مدد کرنے والے کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا (یعنی جو اپنے مسلمان بھائی کا مددگار ہوگا قیامت کے دن اللہ اس کی مدد فرمائے گا)۔

نیز قرآن کریم میں ہے: ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ غیبت کے ذریعہ اپنے بھائیوں کی آبروریزی کرنے والوں سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں کی محفل میں شریک ہونے کی بھی ممانعت ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کو سختی سے روکیں، منع کریں۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اور اس کی باتوں کو برا جانیں اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے دل میں اس کے صحیح ہونے کا رتی برابر بھی خیال نہ آنے دیں اور اگر یہ غیبت کرنے والا کسی محفل میں غیبت کر رہا ہے تو اس محفل کو چھوڑ دیا جائے اور کسی مجبوری کے سبب محفل سے باہر آنا ممکن نہ ہو تو اس کی باتوں کے طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ اللہ کا ذکر کرنا یا درود شریف وغیرہ پڑھنا شروع کر دیا جائے اور اس کی طرف پوری توجہ سے مائل ہو جانا چاہئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض محفلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں مقررین ہمارے آقا ﷺ کے صفات وکمالات کا انکار کرتے۔ صحابہ کرام پر نقائص وعیوب کا بہتان باندھتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر قرآن وحدیث نیز واقعات سے دلائل بھی پیش

Marfat.com

کرتے ہیں یہی حال بعض کتابوں کا بھی ہے۔ پس ان محافل کو بھی محافل غیبت کہا جائے گا اور ایسی کتابوں کو غیبت کا پلندہ لہٰذا ایسی محافل میں شریک ہونا ایسے گمراہ لوگوں کی تقاریر سننا اور ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی عام لوگوں کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ آپ اللہ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں: ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور وہ شخص تو یقیناً بدترین ظالم ہے جو اللہ کے رسول ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آپ کی ازواج مطہرات نیز اولیاء کرام اور صالحین کے متعلق بدگوئی یا بدنویسی کا مرتکب ہو۔

غیبت میں شرکت سے متعلق فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص سوتا ہوا ور اس کے جسم کا پوشیدہ حصہ تھوڑا سا کھلا ہو تو تم اس کو ڈھانپ دو گے یا مزید کھول دو گے۔ سب نے جواب دیا یقیناً ہم اس کی ستر پوشی کریں گے کیونکہ کسی کو ننگا کر دینا اور دیکھنا تو نہایت ہی بے عزتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ سو رہا ہو اور اسے اپنی حالت کا پتہ ہی نہ ہو۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی غیبت کرتا ہے تو تم لوگ کیوں اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہو۔ اس کے ساتھ مل کر ہنستے ہو اس کی باتوں کی تائید کرتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہو کیا تم اس طرح ایک سوتے ہوئے کے باقی ستر کو نہیں کھولتے جو یقیناً بے شرمی کی بات ہے تمہیں تو چاہئے کہ غیبت کرنے والے کو منع کرو اس سے نفرت کرو اور جس کی غیبت کی جا رہی ہو اس کی تعریف کرو اور اس کی حمایت کر کے اس کا باقی ستر بھی ڈھانپ دو۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں کسی شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی۔ آپ نے اس کو روکا اور فرمایا تم ایک ایسے شخص کی غیبت کر رہے ہو جو فقیہ اعظم ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک وضو سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کرتے تھے اور ان کا یہ معمول پینتیس برس تک رہا۔

خالد بن ربعی کی موجودگی میں لوگوں نے کسی کی غیبت کی آپ نے انہیں منع فرمایا دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا لیکن خالد خاموش سنتے رہے نہ منع کیا اور نہ محفل سے اٹھے جب رات کو سوئے تو خواب میں انہیں کسی نے سور کا گوشت کھلایا۔ خالد پریشان حال اٹھے، بے حد روئے اور اللہ سے توبہ کی۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے'' مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَذَابَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' جو کسی مسلمان کی عزت ریزی سے لوگوں کو منع کرے اللہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کر دے گا (یعنی اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا)۔

نیز آپ نے فرمایا'' مَنْ نَصَرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِالْغَیْبِ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ'' جس نے اپنے مسلمان بھائی کی مدد اس کی عدم موجودگی میں، اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔

آپ نے فرمایا'' مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ بِالْغِیْبَةِ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ'' جس نے لوگوں کو غیبت کے ذریعہ اپنے بھائی کی بے عزتی کرنے سے روکا اس کا اللہ پر حق ہو جاتا ہے کہ اللہ اسے جہنم کی آگ سے

Marfat.com

آزاد کردے۔

اور میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ اَذَلَّ عِنْدَهٗ وَهُوَ يَقْدِرُ اَنْ يَنْصُرَهٗ فَلَمْ يَنْصُرْهُ اَذَلَّ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْاَشْهَادِ'' جس شخص کے سامنے کسی مسلمان کی ذلت ہوئی اور اس نے قدرت کے باوجود بے عزتی کرنے والے کو نہ روکا تو اللہ اسے قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے ذلیل وخوار کرے گا (چاہے وہ حاکم ہو، عالم ہو یا کتنا ہی بڑا متقی ہو)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلسَّاكِتُ شَرِيْكُ الْمُغْتَابِ'' خاموش بیٹھ کر غیبت سننے والا اتنا ہی گناہگار ہے جتنا غیبت کرنے والا۔

مُردوں کی غیبت

جس طرح زندوں کی غیبت حرام ہے اس سے بھی زیادہ مُردوں کی غیبت کرنا ہے کیونکہ زندوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کی غیبت کی گئی ہے تو وہ اس کی مدافعت کر سکتے ہیں اور غیبت کرنے والے سے باز پرس بھی کر سکتے ہیں نیز مردے کی غیبت کر کے بلاوجہ اس کے وارثین کا دل دکھانا اور اپنی طرف سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ہے۔ علاوہ ازیں موت تو زندوں کے دلوں میں مرنے والے سے ہمدردی پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے کسی کے مرنے پر اس کے دشمنوں کے دل بھی نرم ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے جنازے میں بھی شریک ہوتے ہیں اور اس کے متعلقین سے اظہار افسوس بھی کرتے ہیں پس وہ شخص کس قدر سخت ہوگا کہ مرنے والے کی طرف سے اس کا دل اب بھی صاف نہ ہوا موت بھی بغض وکینہ ختم نہ کر سکی اور وہ اب تک مردے کی غیبت میں مبتلا ہے ایسے شخص کی حالت اس کی اپنی موت کے علاوہ کون بدل سکتا ہے۔ نیز احادیث مبارکہ کے مطابق مردے دنیا والوں اور ان کے حال سے باخبر رہتے ہیں اور اس شخص کو پہچانتے ہیں جو ان سے اچھا سلوک کرتا جو ان کے لئے اچھی باتیں کرتا اور ثواب پہنچاتا رہتا ہے مردہ ایسے شخص سے خوش ہوتا اور اس کے ایصال ثواب سے اسے سکون میسر آتا ہے۔ اس کا عذاب قبر دور ہوتا ہے یا اس کے مراتب میں بلندی ہوتی ہے اور جب کوئی مردے کے متعلق بدگوئی کرتا ہے تو مردے کو تکلیف ہوتی ہے۔ پس کتنا برا ہے یہ شخص جو مردے کی غیبت کر کے اسے دکھ پہنچاتا ہے، مردے کو دکھ پہنچانے والا یہ شخص خود زندگی میں سکھ کیسے پا سکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اسے چین کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

مردوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَدَعُوْهُ وَلَا تَقَعُوْا فِيْهِ'' جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی سے اس کے معاملہ میں مداخلت نہ کرو (اس کی غیبت نہ کرو اگر ہو سکے تو اس کے لئے ایصال ثواب کرو ورنہ خاموشی اختیار کرو)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا'' جو لوگ مر گئے انہیں برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کے حساب وکتاب کی جگہ پہنچ چکے ہیں (اب ان کا معاملہ ان کے رب سے ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس حال میں ہیں)۔

ارشاد ہوا: ''اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ'' اپنے مردوں کی اچھائیاں بیان کروں، ان

Marfat.com

کی برائیوں سے اپنی زبان رکو (کہ اب ان کی برائیاں بیان کرنا نہایت ہی خساست اور رذالت ہے کہ مردوں سے زندوں کو فائدہ تو ہوتا ہے، نقصان نہیں)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اکثر قبرستان جایا کرتے اور بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ آپ سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا پسند کرتا ہوں کہ جن سے مجھے فائدہ تو ہوتا ہے لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے مجھے اپنی موت یاد آتی ہے جو ایک بڑا فائدہ ہے جبکہ وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اہل مقابر ہمیں آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس طرح وہ ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں جبکہ وہ نہ تو ہماری شکایتیں کرتے ہیں اور نہ ہی عیب بیان کرتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد لوگ اس کا کوئی برا حال بیان کریں جو انہوں نے دیکھا مثلاً مردے کا چہرہ سیاہ ہو جانا یا بگڑ جانا یا اس کو غسل دیتے وقت غسل کرانے والوں کو کوئی عیب نظر آئے۔ ہاں اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بیان کرنا چاہئے مثلاً مرتے وقت کسی کا کلمہ پڑھنا یا درود شریف پڑھنا، کسی کا چہرہ چمکنا، کسی کے جسم سے خوشبو آنا وغیرہ۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا تَذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّهُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ تَاْثَمُوْا وَاِنْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَحَسْبُهُمْ مَافِيْهِ'' اپنے مردوں کو صرف اچھائی سے یاد کرو کیونکہ اگر وہ جنتی ہیں تو تم ان کے غیبت کر کے گناہ گار ہوگے اور اگر وہ جہنمی ہیں تو ان کے لئے یہی کافی ہے (تم بلاوجہ اپنی زبان کیوں گندی کرتے ہو)۔

غیبت سے توبہ اور اس کا کفارہ

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اگر خدانخواستہ وہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کرے اس طرح کہ اس گناہ کو ترک کر دے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو نیز شریعت مطہرہ نے جن گناہوں کا کفارہ مقرر کیا ہے ان کا کفارہ ادا کرے۔ غیبت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس جرم میں مبتلا ہو جائے تو اگر اس نے غیبت تنہائی میں کی ہے تو تنہا توبہ کرلے اور اگر کسی محفل میں کی ہے تو جن لوگوں کی موجودگی میں یہ جرم سرزد ہوا تھا انہی کی موجودگی میں اس پر اظہار ندامت کرے اور انہیں گواہ بنا کر توبہ کرے۔ نیز اگر اس کی خبر اس شخص تک پہنچ چکی ہے جس کی غیبت ہوئی تھی تو اس سے معافی کا خواستگار ہو کہ اس صورت میں جب تک وہ شخص معاف نہیں کرے گا اللہ بھی اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا کہ حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک اہل حقوق کی طرف سے معافی نہ ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا كَانَتْ لِاَخِيْهِ عِنْدَهٗ مَظْلَمَةٌ فِيْ عِرْضٍ اَوْ مَالٍ'' اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس پر اس کے بھائی کی عزت یا مال کا کوئی حق تھا۔ ''فَجَاءَهٗ فَاسْتَحَلَّهٗ'' تو وہ حق والے کے پاس آیا اور اس سے حق معاف کرا لیا۔ ''قَبْلَ اَنْ يُّؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ

Marfat.com

وَلَا دِرْهَمٌ'' اس سے پہلے کہ اس کو وہاں پکڑا جاتا جہاں نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ درہم (کہ وہ خرچ کر کے چھوٹ سکتا، سوائے اس کے کہ)، ''وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ'' اگر اس کے پاس کوئی نیکیاں ہوں گی تو وہ حقدار کو دے دی جائیں گی۔ ''وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ حَسَنَاتٌ حُمِلُوْا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ'' اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو اس پر حقدار کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ'' غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم طلب مغفرت کرو اس کے لئے جس کی تم نے غیبت کی ہے (اس طرح) ''تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ'' کہ تم کہو اے اللہ ہمیں اور اسے بخش دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''مَنْ ذَكَرَ خَطِيْئَتَهٗ فَوَجَلَ مِنْهَا قَلْبُهٗ مُحِيَتْ عَنْهُ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ'' جو شخص اپنے گناہ کو اس طرح یاد کرے کہ (اللہ کے خوف سے) اس کا دل کانپنے لگا تو نامہ اعمال سے اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

تحقیق یہی ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے اس سے گریز کرنا ہی بہتر ہے اور اگر کوئی غیبت کر ہی بیٹھے تو اسے توبہ کرنا چاہئے اور جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو اگر خبر ہو چکی تو اس سے بھی معافی مانگنا چاہئے اور اگر خبر نہیں ہوئی تب بھی غیبت کے بدلے اس کی خوبیاں بیان کرنا چاہئے اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے لئے کچھ ایصال ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا چاہئے۔

اے ایمان والو! آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد سنو اور اچھی طرح غور کرو۔ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ'' بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ''وَلَا تَحَسَّسُوْا'' اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو۔ ''وَلَا تَجَسَّسُوْا'' اور جاسوسی نہ کرو۔ ''وَلَا تَنَاجَشُوْا'' اور برتری نہ جتاؤ۔ ''وَلَا تَحَاسَدُوْا'' اور حسد نہ کرو۔ ''وَلَا تَبَاغَضُوْا'' اور کینہ نہ رکھو۔ ''وَلَا تَدَابَرُوْا'' اور پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو۔ ''وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا'' اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

ان ارشادات کے مطابق ہمیں ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو مسلمان بھائیوں کی دلآزاری ان کی آبروریزی اور ان کے درمیان منافرت کا باعث ہو کہ اہل ایمان کی باہمی الفت و محبت اور ان کے درمیان اتحاد و یگانگت ہی سب سے بڑی دولت ہے جو ان کی عزت کی ضامن ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

۱۲۔آیات، ۱۲۔احکام

سورۃ الحجرات کی ۱۲ آیات ہیں ۱۲ احکام دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات کا آپ نے پانچ مقالوں میں مطالعہ کیا۔ وہ احکام یہ ہیں:

(۱) اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) رسول کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ ہونے دو۔

(۳) رسول سے اس انداز پر بات نہ کرو جیسے تم آپس میں گفتگو کرتے ہو۔

Marfat.com

(۴) خبر فاسق پر بلا تحقیق عمل نہ کرو۔

(۵) مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔

(۶) اپنے بھائیوں کی اصلاح کرتے رہو۔

(۷) ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔

(۸) عیب جوئی نہ کیا کرو۔

(۹) کسی کو برے القاب سے نہ پکارا کرو۔

(۱۰) بدگمانی نہ کیا کرو۔

(۱۱) جاسوسی نہ کیا کرو۔

(۱۲) غیبت نہ کیا کرو۔

''اے اللہ ہمیں ان پر اور جملہ احکامِ شرع پر عمل کی توفیق نصیب فرما تا کہ ہم مومن کامل بن سکیں۔''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الحدید''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
28 تا 29	75

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۵

الحدید: ۲۸، ۲۹

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (الحدید: ۲۸، ۲۹)

اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخشش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔

Marfat.com

اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے اور رسول مکرم ﷺ پر کما حقہ ایمان لانے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ تقویٰ کیا ہے، اس کے کیا فائدے ہیں۔ گزشتہ صفحات پر آپ تفصیل سے مطالعہ کر چکے یہاں صرف اتنا عرض کرتے چلیں کہ اللہ پر صرف ایمان لانا اور اس کے وجود وصفات کو تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مؤمن دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اللہ کے دربار میں حاضری اور اپنے اعمال کے حساب و کتاب پر بھی یقین رکھے اور وہ دنیا ہی میں یہ کوشش کرے کہ اللہ کے دربار میں اسے سرخروئی نصیب ہو۔ اپنے اعمال پر نادم و شرمندہ اور پشیمان نہ ہونا پڑے۔ دنیا میں یہی سعی کرنا اور اس کے لئے اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے ہی کا نام تقویٰ ہے۔

رسول پر ایمان لاؤ

اہل ایمان ہی کو ''اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' کی ہدایت کی جارہی ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے وہ رسول پر کیسے ایمان لائیں گے اور اگر کوئی احمق عملی طور پر رسول پر ایمان لے بھی آئے یعنی رسول کا احترام بھی کرتا ہو، اس کی تعلیمات کو پسند کرتا ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو تو اس کا یہ ایمان اکارت اور بیکار ہے کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں یعنی اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا۔ ان دونوں ہی کا اقرار ایمان ہے کسی ایک کا انکار اور کسی ایک کا اقرار لایعنی اور غیر مفید ہے۔

غرضیکہ رسول پر ایمان لانے کی ہدایت اہل ایمان ہی کو کی جارہی ہے۔ جس کا مفادیہ ہے کہ صرف محمد رسول اللہ کہہ دینا یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینا کافی نہیں یہ تو ایمان کی ابتداء ہوئی اب تکمیل ایمان کے لئے محمد ﷺ کی ذات وصفات کو جانو اور مانو یعنی یہ جانو کہ مقام رسالت ونبوت کیا ہے اور اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود بھی آیا رسول کو ایک عام انسان ہی کی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور اپنا جیسا خیال کیا یا کہا جاسکتا ہے۔ نیز رسول اور امت کے درمیان کیا تعلق اور کیا نسبت ہوتی ہے۔ آیا یہ رشتہ عارضی ہے کہ رسول کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے یا دائمی ہے کیا رسول سے امت کو دنیا ہی میں فیض حاصل ہوتا ہے یا یہ فیض قیامت میں بھی نصیب ہوگا۔ یہ بھی جانو کہ حضرت محمد ﷺ اور انبیاء سابقین علیہم السلام میں کیا فرق ہے۔

ان تمام سوالات کے جوابات اگرچہ گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر آچکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے مختصراً ان کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مقام نبوت ورسالت

مقام الوہیت کے بعد بلند ترین منصب و مقام نبوت ورسالت ہے جو معبود وعبد کے درمیان تعلق کا ذریعہ اور قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ انسانیت کا سرچشمہ اور انسانی زندگی کے اصول وضوابط کی تعلیمات کا خزینہ ہے۔ انسانی شرف وعظمت کی پناہ گاہ ہے، کفر وضلالت کے اندھیروں سے نجات دہندہ ہے، وہ نور ہے جس سے تہذیب وتمدن کی راہیں نظر آتی ہیں، دلوں کی تاریکیاں چھٹتی ہیں، اللہ اور بندوں کے درمیان کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور قلب انسان تجلیات باری کا مرکز بن

Marfat.com

جاتا ہے۔ یہ علم وعمل کا وہ خزانہ ہے جس کے بیش بہا موتی انسان کو قیمتی اور اشرف واعلیٰ بنا دیتے ہیں۔ جس سے حیوانیت و انسانیت کے درمیان امتیاز اور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر منصب ومقام انسان کو اس کی اپنی محنت ومشقت اور کوشش سے حاصل ہوسکتا اور ہوتا ہے لیکن منصب نبوت و رسالت صرف ان نفوس قدسیہ ہی کو حاصل ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے منتخب فرمایا جن لوگوں نے اس منصب کا ذریعہ عمر یا مال ودولت کو قرار دیا۔ انہیں جواب دیا گیا۔ سورۂ انعام ہے:'' اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ '' اللہ بہتر جانتا ہے جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو مقام رسالت پر اسی کو فائز کیا جاتا ہے۔ جسے اللہ اس کا اہل بناتا ہے۔ یہ مقام خالصتاً وہبی ہے نہ عمر سے حاصل ہوتا ہے نہ فضل سے نہ مال سے نہ دولت سے اور نہ ہی محنت ومشقت سے مقام نبوت ہی سرچشمہ فضل وکمال ہے میرے استاد غزالی دوراں حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:'' اگر بارگاہ نبوت سے کسی کو فیض نہ پہنچے اور آفتاب نبوت کی شعاعیں کسی کے دل کو نہ چمکائیں تو اس کو ہرگز کوئی فضل وکمال حاصل نہیں ہوسکتا نہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ ہر فضل وکمال کا سرچشمہ صرف نبوت اور رسالت ہے۔''

تو اے ایمان والو!'' اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ '' رسول پر ایمان لاؤ اس طرح کہ مقام رسالت ونبوت کو اچھی طرح سمجھ لو تب ہی تو تم اپنے رسول کا اعلیٰ وارفع مقام سمجھ سکو گے کہ ہر شخص کی حیثیت اس کے مقام کی حیثیت ہی سے سمجھ میں آتی ہے۔

رسول عام انسان نہیں

بلاشبہ'' اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' فرمانِ الٰہی ہے اور رسول کی بشریت پر ہمارا ایمان ہے لیکن قرآن کریم ہی بتاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء ورسل کو کفار ومنافقین کے سوا کبھی کسی نے عام انسان نہ کہا اور نہ سمجھا اور ضلالت و گمراہی کی بنیادی وجہ رسول کو عام، اپنے جیسا انسان خیال کرنا ہی ہے جبکہ منصب نبوت پر فائز ہونے اور نعمتِ وحی سے سرفراز ہو جانے کے بعد کسی بھی اعتبار سے رسول ہم جیسا نہیں رہتا سوائے ایک قدر مشترک کے'' اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ '' کہ صرف تمہارا اور میرا معبود ایک ہے لیکن عبدیت اور بندگی ایک جیسی نہیں۔ نیز انعاماتِ الٰہیہ کے حصول میں بھی رسول کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ رسول بندوں میں اللہ سے قریب تر ہے۔ جو رب سے بلاواسطہ انعامات الٰہیہ حاصل کرتا اور اپنے امتیوں میں تقسیم کرتا ہے جو بلاواسطہ احکامِ الٰہیہ لیتا اور بندوں کو پہنچاتا ہے جو علم الٰہیہ کا مخزن ہوتا ہے۔ اللہ کی عطا سے اللہ کے خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔ جس کا مربی ومعلم براہ راست اللہ وحدہ لاشریک ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ جس کی رضا اللہ ہی کی رضا ہوتی ہے۔ رسول کی ہر ادا پر عمل کرنا عبادت اور رضائے رب کا وسیلہ ہے۔ وحی الٰہی رسول کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ بشر ہونے کے باوجود بھی ایک عام، ہم جیسا انسان نہیں رہتا۔ رسول، بے عیب ذات اللہ کے فضل وکرم سے ہر عیب ونقص سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عطا کردہ قدرت سے انسانوں کے دلوں کا حال جانتا ان کے ارادوں کا علم رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول کی تعلیم وتربیت انسان کی فطری خواہشات کی رہبری وراہنمائی کرتی ہے اس کی اصلاح کرتی ہے۔

؎ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

؎ ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں تو ہی سرورِ دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

Marfat.com

رسول اور امتی کا تعلق

ایمان کی تکمیل کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اور امتی کا کیا رشتہ ہوتا ہے۔ رسول اور امتی کے درمیان کیا تعلق ہوتا ہے۔ پس اللہ و رسول کے ارشادات اور عمل صحابہ کرام سے واضح ہے کہ رسول، امت کا حاکم، رہبر، راہنما اور مطاع ہوتا ہے۔ رسول آقا اور امتی غلام ہوتا ہے۔ رسول کے احکام کی تعمیل اور اس کی اتباع و پیروی ہر امتی کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ رسول سے امتی کا تعلق خونی رشتوں کے تعلق سے بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ رسول باپ ہوتا ہے لیکن کوئی اسے باپ کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کبھی آپ ﷺ کو باپ نہ کہا۔ رسول شوہر ہوتا ہے لیکن کوئی بیوی اسے شوہر کہہ کر نہیں پکارتی، میری ماؤوں میں سے کسی نے کبھی آپ ﷺ کو شوہر کہہ کر نہ پکارا۔ رسول بھائی ہوتا ہے لیکن کوئی اسے بھائی کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی آپ کو بھائی نہ کہا۔ رسول دوست ہوتا ہے لیکن کوئی اسے دوست کہہ کر نہیں پکارتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رفیق غار ہونے کے باوجود آپ کو کبھی دوست نہ کہا۔ رسول امت کا معلم ہوتا ہے امت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کا نور بخشتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے جو کوئی نہیں سکھا سکتا ہے۔ وہ بتاتا ہے جو کوئی نہیں بتا سکتا۔ رسول امت کا مربی ہوتا ہے۔ ایسی تربیت کرتا ہے کہ طبیعتوں کا میلان اور خواہشات کا رجحان تک تبدیل ہو جاتا ہے۔ غیر مہذب کو مہذب بنا دیتا ہے۔ غیر متمدن کو تمدن کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ رسول اپنی امت میں محبت و الفت اور یگانگت پیدا کرتا ہے۔ وہ جہالت و غربت کو دور کر دیتا ہے۔ اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنانے والے جسمانی و روحانی صحت و عافیت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ رسول امتیوں کو شجاعت و بہادری عطا کرتا ہے کہ اس کے غلاموں کی نظروں میں مادی و ظاہری قوت و طاقت ہیچ ہو جاتی ہے۔ رسول کی غلامی دنیا و آخرت کی شہنشاہی کا تاج ہے کہ اس کے غلاموں کے حضور دنیا کے سلاطین و بادشاہ کانپتے اور تھرتھراتے نظر آتے ہیں۔ رسول ہر امتی کے لئے ایسا رحیم ہوتا ہے کہ اپنے غلاموں کو دنیا و آخرت کی ہر تکلیف و مشقت سے محفوظ رکھتا ہے۔ رسول امتیوں کے اعمال اور ان کی توبہ و استغفار کی قبولیت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ رسول اپنے رب کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ ہر امتی دنیا و آخرت میں اس کا محتاج ہے۔ رسول کی اطاعت غلاموں کے لئے کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول کا ادب و احترام جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس کے دربار میں اونچی آواز سے بات کرنا تک حرام ہے۔ اس کے لئے ان عام الفاظ کا استعمال کرنا جو آپس میں استعمال ہوتے ہیں حرام ہیں۔ مختصر یہ کہ: ؎

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے حسن و ادا کی قسم
تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

رسول سے رشتہ دائمی ہے

رسول سے امت کا رشتہ دائمی ہے اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک امتی کے گلے میں رسول کی غلامی کا طوق لٹکا

Marfat.com

رہتا ہے۔ یہی طوقِ غلامی دنیا میں امتی کے لئے ذریعۂ عزت ہے اور آخرت میں وسیلۂ نجات ہے۔ رسول کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی یہ رشتہ باقی رہتا اور امت پر رسول کی نظر کرم اور اس کا فیض جاری رہتا ہے۔ ربِ محمد ﷺ ہی کا حکم ہے کہ جب غلام کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے یا کسی ظلم کا شکار ہو۔ اپنے رحمت والے آقا کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ بوساطت رسول توبہ واستغفار کرے جونہی اس پر رسول کا فیض جاری ہوگا اس پر ان کی نظر کرم ہوگی۔ اس مجرم پر اللہ کی رحمت برسنے لگے گی۔ گناہ گار محبوب ومقرب ہو جائے گا۔ مضطرب مطمئن ہو جائے گا۔ رسول اپنے غلاموں کے اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ ان کے درود وسلام کو مسموع فرماتا ہے، چاہے وہ دربار میں حاضر ہو کر پیش کیے جائیں یا دنیا کے کسی بھی گوشہ سے پیش ہو رہے ہوں۔ رسول حاضرین دربار کے سلام کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں خوش نصیب اور مقربین بارگاہ اسے سنتے اور محسوس کرتے ہیں۔ رسول کو اپنے غلاموں کے اعمالِ صالحہ سے خوشی ہوتی ہے جبکہ ان کی برائیوں سے تکلیف پہنچتی ہے۔۔

رسول ﷺ کا یہ فیض یہ تعلق اور یہ رشتہ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ ہمارے مرجانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے کہ رسول وامتی کے درمیان حائل حجابات اٹھا دیئے جائیں گے۔ آقا ﷺ کے نور سے غلام کی تاریک قبر روشن ومنور ہو جائے گی۔ نکیرین کے سوالات کا جواب سہل وآسان ہو جائے گا۔ اسی لئے تو سوال اشارۂ قریب هٰذَا الرَّجُل کہہ کر کیا جاتا ہے کہ اب آقا وغلام میں کوئی ظاہری بعد بھی باقی نہیں رہتا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه۔

یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو ۔۔۔ شادیٔ دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات ۔۔۔ ان کے پیارے منہ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو

رسول وامتی کے درمیان مضبوط دھاگے کی ڈور میں بندھے غلام حشر کے دن بھی اپنے آقا کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ جب سورج اپنی پوری تمازت وحرارت کے ساتھ سوانیزے پر ہوگا، پیاس سے زبانیں باہر لٹک رہی ہوں گی، اعزاء و اقرباء میں سے کوئی مدد نہ کر پائے گا تو رسول ہی ایک ایک غلام کو بلا بلا کر اپنے حوض کوثر سے ایسا سیراب کریں گے کہ "لَا يَظْمَاءُ بَعْدَهٗ اَبَدًا" اس کے بعد کبھی کوئی پیاسا نہ ہوگا اور جب میزان پر اعمال تولے جا رہے ہوں گے اور ہر ایک کا دل خوف سے کانپ رہا ہوگا تو رسول ہی نگرانی کرتے نظر آئیں گے جب انتظار شفاعت تڑپا رہا ہوگا اور کوئی شفاعت کرنے کو تیار نہ ہوگا تو رسول ہی کے لب ہائے شفاعت حرکت میں آئیں گے۔ جب تلوار سے تیز تر اور باریک تر پل صراط کو دیکھ کر ہر ایک کانپ رہا ہوگا تو رسول ہی کی ڈھارس کام آئے گی:۔

یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار وگیر ۔۔۔ امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے ۔۔۔ صاحبِ کوثر شہِ جود وعطا کا ساتھ ہو
یاالٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر ۔۔۔ سید بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی گرمیٔ محشر سے بھڑکیں بدن ۔۔۔ دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

Marfat.com

یاالٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستّارِ خطا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندہ بیجا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی رنگ لائیں جب میری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب چلوں تاریک راہ پلِ صراط
آفتابِ ہاشمی نورُ الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّمْ کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمد ﷺ

انبیاءِ سابقین اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام

جملہ انبیاء ورسل پر ہمارا ایمان ہے کہ ان کی عظمت کا اعتراف ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن یہ جاننا اور یقین کرنا ضروری ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین، حضرت محمد ﷺ ہیں وہی اول بھی ہیں اور آخر بھی، خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر ہیں۔ ان کا خاتم النبیین، رحمۃ للعلمین ہونا قرآن کریم سے واضح ہے۔ انبیاءِ سابقین علیہم السلام کی نبوت مخصوص زمانہ اور صرف اپنی امت کے لئے تھی جبکہ ہمارے آقا ﷺ تمام انبیاء ورسل اور بنی نوع انسان کے لئے رسول ہیں۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' صرف انہی کا منصب عالی ہے جس کو جو کچھ ملا ہے اور جو کچھ ملتا ہے انہی کے وسیلۂ جلیلہ سے ملتا ہے۔ وجہ خلقت زمین وآسمان آپ ہی کی ذات ہے، اظہار ربوبیت آپ ہی کے لئے ہوا، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام انبیاء ورسل کے علم سرنگوں ہو گئے۔ اب متلاشیان نجات کے لئے ان ہی کا دامن رحمت پناہ گاہ ہے۔ اب کسی نبی ورسول سے وابستگی قابل قبول نہیں صرف انہی کی غلامی کا طوق جہنم سے آزادی کا ضامن ہے، اب سوائے ان کے دین کے تمام ادیان باطل ہیں، اب سوائے قرآن کے کوئی کتاب باقی نہیں، اب سوائے ان کی شریعت کے کوئی شریعت قابل عمل نہیں، اب سوائے ان کے چرچے کے کسی کا چرچا نہیں: ؎

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیاء میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

انہی کو بو مایہ سمن ہے انہی کا جلوہ چمن چمن ہے
انہی سے گلشن مہک رہے ہیں انہی کا رنگ گلاب میں ہے

اے ایمان والو! رسول معظم ﷺ پر ''ایمان لاؤ'' جیسے ایمان لانے کا حق ہے۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تو سبھی کہہ لیتے ہیں لیکن محمد (ﷺ) کی حقیقت جانو۔ رسول کے اعلیٰ منصب ومقام کو پہچانو تب تمہارا ایمان کامل ہوگا پھر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہنے کا لطف آئے گا پھر اس کی برکتوں سے تم مالا مال کئے جاؤ گے۔ کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے لیکن

Marfat.com

بے سمجھے پڑھتے تھے۔ پس ان کا مقام ان کا ٹھکانہ درک اسفل ہی رہا تم اپنے آقا ﷺ کی خوبیوں کو پہچانو ان کے اختیارات و جانو، ان سے تعلق اور ان کی محبت کا حق ادا کرو پھر تمہارے لئے ''کِفْلَیْنِ'' دو حصے ہیں: ''نور'' ہے، ''مغفرت'' ہے۔

کِفْلَیْنِ

جو رسول پر ایمان لائے، ان کے صفات و کمالات کو بخوبی پہچان کر، وہ آقا ﷺ کے غلام بنائے نہیں دیئے گئے بلکہ انہوں نے اپنی مرضی اور خوشی سے ان کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں لٹکایا اور اسے تاج شاہی جانا۔ اس پر انہوں نے فخر و ناز کیا، دنیا کی ہر دولت سے بیش قیمت اور دنیا کی ہر عزت سے بالاتر یقین کیا وہ اللہ کے محبوب ہو گئے اور محبوبین و مقربین کو ان کے کسی عمل پر ایک اجر ایک حصہ نہیں دیا جاتا۔ وہ تو مستحق ہوتے ہیں کِفْلَیْنِ کے، ڈبل حصے کے دوگنے اجر کے، یہ چاہیں اہل کتاب ہوں کہ کسی سابقہ نبی کی غلامی کے بعد انہوں نے سید الانبیاء ﷺ کی غلامی قبول کی ہو یا کفار و مشرکین ہوں کہ بت پرستی سے آزاد ہو کر یہ ہمارے محبوب ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے ہوں۔ کِفْلَیْنِ ان سب کا حق ہے کیونکہ ''كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے انہی کے لئے خوشخبری ہے کہ ''اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ'' یہی لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا اور یہ ہم سے اسی کے تو طلب گار ہیں کہ ہر وقت کہتے ہیں ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہتے ہیں ''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی کیونکہ انہوں نے ہمارے رسول کے دامن سے وابستگی اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے رسول ﷺ کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ'' تین خوش نصیب ہیں جنہیں اللہ دو مرتبہ ان کا اجر عطا فرمائے گا، ایک وہ جس کے پاس کوئی باندی ہو وہ اس کو بہترین تعلیم دے اور اس کی بہترین تربیت کرے پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کر لے، دوسرے وہ اہل کتاب جو ایمان لائے اپنے نبی پر پھر انہوں نے زمانہ پایا نبی آخر الزمان ﷺ کا تو ان پر بھی ایمان لائے۔ پس ان کے لئے دو نبیوں پر ایمان لانے کا اجر ہے، تیسرے وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے (دین کا پابند ہے) اور اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ اسی لئے بعض غلاموں کو آزادی ملنے پر خوش ہونے کے بجائے روتے دیکھا گیا کہ اب ان کے لئے صرف شریعت کی پابندی ہی کا اجر رہ گیا۔ خدمت آقا کے ثواب سے محروم ہو گئے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے بطفیل سید الانبیاء ﷺ ان کے غلاموں کو خیر امم قرار دیا اور ان کے اعمال پر انہیں گوناگوں اجر و ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے ثابت و واضح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مدت نماز عصر سے غروب آفتاب تک کی مدت جتنی ہے (یعنی تمہاری عمریں بہت کم ہیں لیکن) تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال

Marfat.com

ایسی ہے جیسے کسی مزدور کو کام پر لگایا گیا۔ پس اس سے کہا گیا کہ کون ایک قیراط کے بدلے میرا کام دوپہر تک کرتا ہے۔ پس یہود نے ایک قیراط کے بدلے دوپہر سے نماز عصر تک کام کیا پھر کہا گیا کون میرا کام نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر کرتا ہے۔ ''فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ'' پس نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے وہ تم ہو۔ ''اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ'' آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ پس یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی۔ اللہ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم کیا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاِنَّهٗ فَضْلِيْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ'' تو یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں عطا کر دوں۔

نور

وہ نبی ﷺ جس کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور واضح کتاب آ گئی۔ اس نبی ﷺ کی غلامی کرنے والوں سے بھی نور کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جس نبی ﷺ کے نورانی چہرے کی ضیاء آفتاب و مہتاب کی چمک کو ماند کر دیتی ہیں۔ اسی نبی ﷺ کے غلاموں کے چہرے بھی نورانی ہوتے ہیں۔

اگر آپ میرے آقا ﷺ کی نورانیت سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہیں تو عاشق صادق امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کا قصیدۂ نور پڑھئے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آیۂ نور کا ۔۔۔ غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ۔۔۔ تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

قبر انور کہیے یا قصر معلّٰی نور کا ۔۔۔ چرخ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا

اور اسی نور سے فیض یاب میرے آقا حضور غوث الاعظم الشیخ عبد القادر جیلانی اپنی نورانیت کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ۔۔۔ كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالٖ

میں اللہ کے تمام ملکوں کو دانۂ رائی کے برابر ۔۔۔ اللہ کے حکم سے متواتر دیکھتا رہتا ہوں

غرضیکہ نورانی آقا ﷺ کی غلامی اہل ایمان کے چہروں کو روشن و منور کر دیتی ہے اور یہ جب حشر کے دن اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کی عجب شان ہوگی۔ سورۃ الحدید میں ہے: ''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی اور انہیں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جا رہا ہوگا۔ ''بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا'' تمہیں آج ان باغوں کا مژدہ ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اب) تم ہمیشہ ان میں رہو گے۔ ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'' یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے، جس کے لئے ''اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' کی خصوصی ہدایت

Marfat.com

دی گئی کہ جب تک رسول کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ ایمان ہونے کے باوجود نور ایمان کی ضوفشانی نہیں ہوتی۔ چہرے پر وہ چمک نہیں آتی جو کمال ایمان کی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعمل لوگوں اور فاسق و فاجر لوگوں میں علماء و مشائخ علیحدہ ہی چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی اور پرکشش ہوتے ہیں۔ اہل محبت کے دل خود بخود ان کی طرف کھنچتے ہیں جبکہ کینہ وعناد رکھنے والوں پر ان کا ایسا رُعب طاری ہوتا ہے کہ زبانیں گونگ ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے ہمارا تجربہ ہے کہ علماء کی شان میں دن رات بدگوئی کرنے والے جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کی نظریں جھکی ہوتی ہیں۔ وہ دل میں علماء سے نفرت کے باجود ان کی دست بوسی کرتے ہیں۔ ہاتھ باندھے بڑے ادب واحترام سے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ آقا ﷺ کی اتباع و پیروی کا نور ہے جو غلاموں کے چہروں کو پرنور پرکشش اور بارعب بنا دیتا ہے اور یہی نور قیامت کے دن بھی غلامی کی پہچان ہوگا۔

حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدے سے سر اٹھانے کا اذن ہوگا۔ میں آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے نبی ﷺ امتوں کے اتنے بڑے ہجوم میں آپ اپنے غلاموں کو کس طرح پہچان لیں گے۔ فرمایا: ''اَعْرِفُهُمْ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ وَلَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ لِغَيْرِهِمْ'' میں انہیں پہچانوں گا کیونکہ ان کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے کہ یہ چمک کسی دوسری امت کو نصیب نہ ہوگی۔ ''وَاَعْرِفُهُمْ يُعْطَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ'' اور میں انہیں پہچانوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ ''وَاَعْرِفُهُمْ بِنُوْرِهِمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ'' اور میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کررہا ہوگا۔

اے ایمان والو! اعضائے وضو چمکاؤ کہ پنجگانہ نمازوں کی پابندی کرو اور اپنے آقا ﷺ کی اداؤں، سنتوں کو اپناؤ تاکہ تم پرنور کی برکھا برسے کہ یہی ذریعہ ہے قیامت کے دن آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ حاصل کرنے کا۔ جس دن ان کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ سب کی پکار نفسی، نفسی ہوگی۔ جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی صدا اُمّتی، اُمّتی ہو گی۔ اے اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں وہ نور نصیب فرما جو ہمارے کمال ایمان کی علامت بنے اور روز قیامت آقائے رحمت ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کا ذریعہ بنے۔

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور — اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا — کیا لیتے ہو حساب اس پر تمہارا کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار — اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

مغفرت

مغفرت و بخشش اللہ کی وہ نعمت ہے جس کو طلب کرنے اور حاصل کرنے کی دعوت قرآن کریم میں متعدد بار طرح،

Marfat.com

طرح کے انداز سے دی گئی اور جس کا وسیلہ صرف رسول کی اتباع و پیروی کو قرار دیا گیا۔ سورۂ آل عمران میں ہے۔ ارشاد ہوا ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ'' اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی فرما دیجئے کہ اگر اللہ سے واقعی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی میری غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو کہ اگر تم میرے سچے غلام بن جاؤ گے تو ''يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ گزین ہوا، ان کا غلام بنا، اللہ کا محبوب ہو گیا، مغفور ہو گیا۔ کسی کو ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کا مژدہ سنایا گیا تو کسی کو ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' کی پر طمانیت ضمانت دی گئی۔ گناہگاروں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جانے والوں تک کو مغفرت و بخشش کی یقین دہانی کرائی گئی۔ ''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'' پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی اپنے غلاموں کو یہ مژدہ دیجئے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والو۔ ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم پر مغفرت و بخشش کا بادل منڈلا رہا ہے، ہاتھ اٹھاؤ گناہوں پر نادم ہو جاؤ، توبہ کر لو، آنکھوں سے آنسو بہاؤ پھر دیکھو یہ بادل تم پر کیسا برستا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا'' بیشک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ ''اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے گناہگاروں مایوس نہ ہو بس تم صرف اتنا کر لو۔ ''وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ'' اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، بغاوت چھوڑ دو سچے دل سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ''وَاَسْلِمُوْا لَهٗ'' اس کے احکام کی تعمیل کا مصمم عزم کر لو اور دیکھو دروازہ رحمت کھٹکھٹانے میں ٹال مٹول اور دیر نہ کرو، جلدی کرو۔ ''مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ'' اس سے پہلے کہ تمہاری بدعملیاں تم پر نزول عذاب کا ذریعہ بن جائیں اور پھر کوئی تمہارا مددگار نہ ہو۔

رب غفور و رحیم ہے: ''نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بیشک بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہوں۔ پس

اے ایمان والو! اسی رب سے ڈرتے رہو اور اسی کے محبوب کے دامن رحمت میں پناہ لئے رہو۔ مغفرت و رحمت کی برکھا تم پر برستی رہے گی اور جو میرے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ سے دور رہ کر نجات یافتہ ہونے کے زعم باطل میں مبتلا ہیں انہیں پتہ چل جائے گا کہ فضل و کرم کا مالک حقیقی صرف اللہ ہی ہے۔ ''يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ یہود و نصاریٰ بڑے ہی محروم و بدنصیب ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گن گاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور وہ بھی ان کی تعلیمات کے برعکس کہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور اس عقیدے کے باوجود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھائے جانے کے قائل ہیں۔ گویا اللہ (العیاذ باللہ) اپنے بیٹے کو بھی دشمنوں سے نہ بچا سکا۔ کس قدر فضل و کرم ہے اللہ کا اہل ایمان پر کہ وہ خیر الانبیاء ﷺ کے غلام بن کر خیر امت قرار پائے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔''

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ المجادلہ''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
76	9 تا 10
77	11
78	12 تا 13

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۶

المجادلہ:۹،۱۰

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰیؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْۤ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّھِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (المجادلہ:۹،۱۰)

اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی سے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں تمہیں جمع کیا جائے گا (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تا کہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اہل ایمان کو۔

Marfat.com

اسلام ایسے تمام امور کو ممنوع قرار دیتا ہے جو انسانوں کے درمیان باہمی انتشار و اختلاف اور منافرت کا باعث ہو سکتے ہیں مثلاً ظن و گمان پر کوئی رائے قائم کر لینا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کا مذاق اڑانا، کسی پر الزام تراشی کرنا حتیٰ کہ کسی کا کوئی ایسا نام رکھ دینا جو اسے ناگوار ہو۔ یہ اور ان جیسی تمام باتیں جن لوگوں میں عام ہو جائیں انہیں کبھی سکون و اطمینان کی زندگی میسر نہیں آسکتی۔ اسی قسم کی ایک بری عادت نجویٰ ہے۔ جس سے متعلق آیت مذکورہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کے ساتھ حکم دیا جارہا ہے۔ آیئے ان آیات پر غور کریں جن میں نجویٰ کا ذکر ہے۔

نجویٰ

نجویٰ کے لغوی معنی کسی چیز کو خالص کر لینا اور علیحدہ یا منفرد کر لینا ہے۔ کسی مجلس میں دو آدمیوں کا اس طرح گفتگو کرنا کہ دوسرے لوگ ان کی بات نہ سنیں نجویٰ کہلاتا ہے۔ جسے خفیہ مشورہ بھی کہا جاسکتا ہے یا سرگوشی کرنا کہتے ہیں۔ اگرچہ مطلقاً یہ جائز ہے لیکن بعض صورتوں میں ممنوع ہے۔

نجویٰ اگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے ہو تو اس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ سورۃ النساء میں ہے: "لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ" ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں (کیونکہ وہ نیکیوں کے لئے نہیں)۔ "اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ" ہاں جس خفیہ مشورے کا مقصد صدقہ و خیرات یا لوگوں کی بھلائی کے پروگرام بنانا ہو یا عوام میں موجود کسی اختلاف کو دور کرانے کی تدابیر تلاش کرنی ہوں۔ ایسا نجویٰ نہایت ہی بابرکت ہوتا ہے۔ شریعت نہ صرف اس کی اجازت دیتی ہے بلکہ قرآن کریم اس پر اجر عظیم کا مژدہ سناتا ہے۔ "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔" جو اللہ کی رضا کے لئے یہ کام کرے گا تو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

کبھی نجویٰ کا مقصد محض لوگوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا انہیں ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا یا خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ منافقین و مشرکین یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے کہ جب بھی وہ کسی مسلمان کو آتا دیکھتے یا مسلمانوں کی محفلوں میں شریک ہوتے تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے تاکہ مسلمان ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں اور انہیں یہ وہم ہو کہ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کی اس حرکت سے بے حد رنج و الم ہوتا تھا اور ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منافقین و یہود کو ایسا کرنے سے منع بھی فرمایا لیکن وہ کہاں باز آنے والے تھے۔ سورۂ مجادلہ کی آیت نمبر ۷، ۸ میں اسی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا گیا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(مجادلہ: ۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی کوئی سرگوشی

Marfat.com

تین آدمیوں میں مگر وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ (اللہ) ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کرتے رہے قیامت کے دن بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

کیا سرگوشیاں کرنے والے اس حقیقت کو نہیں تسلیم کرتے کہ وہ اللہ سے کوئی چیز نہیں چھپا سکتے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پس اگر کوئی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ وہاں چوتھا اللہ ہے اور اگر پانچ آدمی سرگوشی کر رہے ہیں تو چھٹا سننے والا اللہ ہے۔ اسی طرح خفیہ باتیں کرنے والے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں۔ اللہ موجود ہے ان کی باتوں اور سازشوں کو جانتا ہے اور ایک دن انہیں اپنے خفیہ ارادوں کا پتہ بھی چلے گا اور انجام بھی معلوم ہوگا۔ یہ دن قیامت کا دن ہوگا۔ اس حقیقت کے باوجود بھی یہود و منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى'' ان لوگوں کو دیکھو جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا۔ ''ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ'' پھر بھی وہ باز نہیں آتے۔ ''وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ'' اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں اور یہ اس قدر گستاخ ہیں۔ ''وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ'' کہ جب (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہ آپ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ کے مقررہ کردہ طریقہ کے مطابق آپ کو سلام تک عرض نہیں کرتے۔

یہودیوں کی گستاخی کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں حاضر ہوتے تھے تو معروف اور شرعی طریقہ کے مطابق سلام تک نہ کرتے تھے بلکہ ''اَلسَّامُ عَلَیْكَ'' کہتے تھے، ''اَلسَّامُ'' کے معنی ہیں موت جبکہ السلام کے معنی ہیں سلامتی و عافیت اور وہ یہ لفظ اس طرح بولا کرتے تھے کہ عام طور پر سننے والوں کو اس کا اندازہ بھی نہ ہو پاتا تھا۔ ایک مرتبہ چند یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ''اَلسَّامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا الْقَاسِمْ'' کہا آپ ﷺ نے حسب معمول فرمایا ''وَعَلَیْكُمْ'' یعنی جو تم میرے لئے کہتے ہو وہی تمہارے لئے ہے۔ یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ آپ سے نہ رہا گیا اور فرمایا: ''اَلسَّامُ عَلَیْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْكُمْ'' موت تمہیں آئے تم پر اللہ کی لعنت اور اللہ کا غضب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مهلاً یاعَائِشَةَ، عَلَیْكِ بِالرِّفْقِ، وَاِیَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ'' اے عائشہ چھوڑو، نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ نے غور نہیں فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے سنا اور جواب میں کہا ''وعلیکم'' جب ایک لفظ سے ہی مقصد پورا ہو گیا تو بدکلامی کی کیا ضرورت ہے۔

بہر حال یہودی گستاخ ہی نہ تھے بلکہ اپنی گستاخیوں پر اتنے جری تھے ''وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ'' کہ آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں۔ ''لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ'' تو ہماری اتنی گستاخیوں کے باوجود اللہ ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں فرماتا۔ اللہ فرماتا ہے: ''حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ'' انہیں جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے۔)

Marfat.com

رسول کی گستاخی ایسا بدترین جرم ہے جس کے لئے اس دنیا میں کوئی سزا کافی نہیں ہوسکتی۔ ان مجرموں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوسکتا ہے۔ جو بدترین ٹھکانہ ہے اللہ ہر مؤمن کو اس جرم سے محفوظ رکھے۔

نجویٰ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَةً'' جب کسی جگہ تین آدمی جمع ہوں۔ ''فَلَا يَتَنَا جَا رَجُلَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ'' تو دو آدمی تیسرے سے علیحدہ ہوکر سرگوشی نہ کریں۔ ''حَتّٰى يَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ'' جب تک کچھ اور لوگ جمع نہ ہو جائیں۔ ''فَاِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهٗ'' کیونکہ اس سے اس (تیسرے) کی دل شکنی ہوگی۔

آقائے رحمت ﷺ کے اس ارشاد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو مسلمانوں کا باہمی میل ومحبت کس قدر مطلوب ہے کہ آپ کوئی ایسا معمولی سا بھی عمل پسند نہیں فرماتے جس سے مسلمان بھائی کی دل شکنی یا دل آزاری کا امکان ہو۔ سرگوشی کی یہ صورت کہ تین افراد ایک ساتھ ہوں اور ایک کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی کرنے لگیں، ممنوع قرار دی گئی۔ صرف اس لئے کہ اس سے تیسرے بھائی کی دل آزاری کا امکان ہے۔ بایں صورت کہ وہ خیال کرسکتا ہے کہ ان دونوں نے مجھے اپنا نہ سمجھا یا اسے بدگمانی ہوسکتی ہے کہ یہ دونوں میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ گویا ایک معمولی سی سرگوشی اس مسلمان بھائی کو دو ساتھیوں سے، دو دوستوں سے، یا دو عزیزوں سے بہت دور کرسکتی ہیں۔ پس اس نجویٰ یا اس جیسے نجویٰ کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی قسم کے نجویٰ کو قرآن کریم، اثم، عدوان اور معصیت الرسول قرار دیتا ہے اور اہل ایمان کو خصوصی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس سے منع فرماتا ہے۔ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ'' اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو خیال رکھنا کہ ''فَلَا تَتَنَا جَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ'' اثم، عدوان اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی نہ کرو۔

نجویٰ بالاثم، یعنی وہ تمام خفیہ مشورے اور سرگوشیاں جو ذاتی طور پر خود گناہ کرنے کے لئے کئے جائیں یا معاشرے میں گناہوں اور برائیوں کو پھیلانے اور عام کرنے کے لئے کئے جائیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ خود گناہ کرنے سے بدتر گناہ، معاشرے میں گناہ اور برائیوں کا پھیلانا ہے مثلاً اپنی محفل میں مسلم یا غیر مسلم مہمانوں کے لئے شراب کا انتظام کرنا یا شراب کا کاروبار کرنا یہی حال تمام ممنوعات اور برائیوں کا ہے۔

نجویٰ بالعدوان یعنی کسی پر ظلم کرنے کی تدابیر کے لئے خفیہ مشورہ اور سرگوشی کرنا اس میں چوری، ڈاکہ، کسی کا مال غصب کرنا، کسی کو دھوکا دینا وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔

معصیت رسول کے لئے خفیہ مشورے کرنا یا سرگوشی کرنا یعنی حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام سے بغاوت کرنے کے لئے یا ایسے قوانین مرتب کرنے کے لئے جو آپ کے احکام کے خلاف ہوں مشورے کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس کو خصوصیت سے بیان کیا گیا کیونکہ دین اطاعت رسول ہی کا نام ہے اور اگر مؤمن زندگی کے کسی شعبہ میں بھی رسول سے بغاوت کا مرتکب ہو جائے تو اس کی دینداری کا دعویٰ محض دعویٰ ہی ہوکر رہ جاتا ہے۔

اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ، منافقین اور فساق وفجار کی طرح گناہ، ظلم اور اپنے آقا ﷺ کی نافرمانی کے

Marfat.com

لئے کبھی مشورے نہ کرنا تمہارے لئے تو ایسی محافل میں بھی شریک ہونا جائز نہیں جہاں بدکاریوں اور برائیوں کے منصوبے بنائے جارہے ہوں۔ بحیثیت مؤمن تمہاری ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ لہٰذا ایسی ذمہ داری کو پورا کرنے پر غور کرتے رہا کرو۔ ''وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' نیکی اور تقویٰ کے متعلق مشورے کیا کرو آپس میں جب مل کر بیٹھو اپنے گھریلو حالات کی اصلاح پر غور کرو۔ اپنے پڑوس، اپنے شہر اور اپنے ملک میں نیکیاں پھیلانے اور لوگوں کو نیک بنانے کی تدابیر پر غور کرو۔ اپنے معاشرے سے برائیوں کو مٹانے اور اسے پرسکون بنانے کے منصوبے بنایا کرو۔ تمہیں اس اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہر لحظہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ جس کے دربار میں ایک دن ضرور حاضر ہونا ہے۔ پس اس چند روزہ زندگی میں کوشش کرو کہ تم رب ذوالجلال والاکرام کے دربار میں مجرموں کی طرح نہیں بلکہ محبوبین، مقربین اور صالحین کی طرح حاضر ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں تم ان کی پرواہ ہرگز نہ کرو۔ ان سے ہرگز خوفزدہ نہ ہو ان کا نجویٰ تو شیطانی نجویٰ ہے۔ محض اس لئے کہ وہ تمہیں رنج والم میں مبتلا رکھیں اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''لَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ'' کہ اذن الٰہی کے بغیر اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ'' تو اہل ایمان کو صرف اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق اگر ہم اپنے ماحول پر غور کریں تو ہم اس حقیقت کو موجود پائیں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے لئے دشمنوں نے کتنے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں اور کیسی کیسی نت نئی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ''لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کہ وہ صرف اہل ایمان کو حزن و ملال میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ خوفزدہ رہیں اور اپنے دینی و مذہبی وقار کو داؤ پر لگا کر مکار دشمن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں اور ایسا ہی ہو رہا ہے کیونکہ ہم مؤمن ہونے کے باوجود اس حقیقت کو بھول گئے کہ ''لَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ'' کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور اگر ہم اللہ کے حکم کے مطابق اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں تو اللہ کسی کو ہم پر غالب آنے، ہمارا نقصان کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

''تَوَكُّلْ عَلَى اللّٰهِ'' کے فوائد، اہل ایمان کے لئے نصرتِ الٰہی، اہل ایمان کے لئے فتح و کامرانی وغیرہ پر تفصیلی گفتگو گزشتہ اوراق پر ہو چکی ہے جس کا اعادہ کئے بغیر بس اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم کے احکام حالات کے ساتھ بدلتے نہیں بلکہ ان کی تعمیل حالات کو بدل دیتی ہے۔ پس آج ہم جن حالات میں مبتلا ہیں وہ احکام الٰہی سے روگردانی اور اغراض کے سبب پیدا ہوئے ہیں اور ان سے نجات کا واحد ذریعہ حقائق کو تسلیم کر لینا ہے اللہ و رسول کے عطا کردہ نظام کو اختیار کر لینا ہے۔ اللہ ہمیں کمال ایمان عطا فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۷

المجادلہ:۱۱

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (المجادلہ:۱۱)

اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کردو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہاری لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے درجات بلند فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔

ہر مجلس و محفل کے کچھ آداب، قواعد و ضوابط ہوا کرتے ہیں جن کا ملحوظ رکھنا اور ان کی پابندی کرنا اہل مجلس اور شرکاء محفل کے مہذب ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام وہ دین متین ہے جو ضابطہ اخلاق و آداب کو نہایت اہمیت دیا ہے اور

Marfat.com

اپنے ماننے والوں کو ایسی مہذب ترین قوم بنانا چاہتا ہے کہ وہ انسانیت کے لئے تہذیب وتمدن کا نمونہ بن سکیں۔لوگ انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو سدھاریں۔ان کے عمل سے ان کے مذہب کی عظمت وحقانیت کو تسلیم کیا جا سکے کہ مسلمان کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے قول وعمل سے ممتاز نظر آئے اور دیکھنے والے اس کے سامنے اپنی نظریں جھکا لیں۔اس کے ایسے گرویدہ ہو جائیں کہ اس جیسا بننا اپنے لئے ایک اعزاز سمجھنے لگیں۔

آدابِ مجلس

مجلس کے آداب کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نواز کر ادبِ مجلس کا حکم دیا۔آیت زیر گفتگو میں اس عنوان سے متعلق دو حکم دیئے گئے ہیں:تفسّح یعنی جگہ کشادہ کرو اور نُشوز یعنی اٹھ کھڑا ہونا۔

اے ایمان والو!''اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا''جب تم سے مجلس میں جگہ کشادہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کہنے والے کی بات مانو اور جگہ کشادہ کر دو۔اللہ اپنے فضل وکرم سے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو ضرور اجر عطا فرماتا ہے۔لہٰذا تم اس حکم کی تعمیل پر بھی مستحق اجر ہو گے اور اجر یہ ملے گا کہ''يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ''کہ اللہ تمہارے لئے کشادگی فرما دے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی محفل یا مجلس میں شرکاء کی کثرت ہو اور منتظمین،حاضرین سے دوسروں کو جگہ دینے کی اپیل کریں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنی جگہ سے ہلیں ایک دوسرے سے قریب ہوں اور اپنے بھائیوں کے لئے جگہ کریں کیونکہ یہ اسلامی اخوت،بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ جو لوگ آرام سے بیٹھے ہیں وہ تکلیف میں کھڑے ہونے والوں کو بھی اپنے آرام میں شریک کریں چاہے انہیں اس ایثار کے لئے خود قدرے تکلیف اٹھانا پڑے۔

یہ حکم ان لوگوں کے لئے نہایت ہی قابل غور ہے جو مجلسوں میں یا مسجدوں میں نہایت آرام سے پھیل کر یا دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اپنے بھائیوں کو کھڑا دیکھتے ہیں یا جگہ تلاش کرتا دیکھتے ہیں۔منتظمین کی بار،بار اپیل بھی سنتے ہیں لیکن اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔منتظمین کتنا ہی چیختے رہیں لوگ ان کو پھلانگ،پھلانگ کر جگہ تلاش کرتے رہیں انہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ اگر کسی جلسہ میں یا مسجد میں اللہ ورسول کے نام پر حاضر ہوئے ہیں تو آداب مجلس کی تعلیم بھی اللہ ورسول نے ہی دی ہے۔اس پر عمل کرنا تمام حاضرین مجلس کی ذمہ داری ہے۔

تَفَسُّح مجلس میں دوسروں کے لئے جگہ کرنا بظاہر ایک معمولی عمل معلوم ہوتا ہے لیکن اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے لئے قرآن کریم جس اجر کا اعلان فرما رہا ہے۔اس سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔''يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ''کہ تم اللہ کے بندوں کے لئے کشادگی کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کشادگی کرے گا۔

اللہ اکبر،ہمارے پاس کشادگی کرنے کے لئے ہے ہی کیا جو ہم کشادگی کریں گے۔تھوڑی سی جگہ تھی جو ہم نے اللہ کے کسی بندے کو یا اپنے کسی بھائی کو دے دی۔کریم کو ہمارا یہ معمولی سا عمل ایسا بھایا کہ اس نے ہم سے کشادگی کا وعدہ فرما لیا۔

Marfat.com

یہ کشادگی کیا ہوگی، کیسے ہوگی، اس کا اندازہ تو جب لگایا جاسکتا ہے جب وعدہ فرمانے والے کے خزانوں کا اندازہ ہو۔ جو ہمارے بس میں نہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کے لئے کشادگی کریں اور اس سے ہر قسم کی کشادگی کی بھیک مانگیں۔ وہ دنیا میں بھی ہم پر کشادگی فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔ ''یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ'' کا وعدہ عام ہے تو اس کو عام ہی جانئے جان، مال، اولاد، علم، عمل، عزت، شہرت غرضیکہ ہر چیز میں کشادگی کی امید رکھئے کہ جیسی امید ہو گی ویسا ہی کرم ہوگا۔ بس اتنا یاد رکھئے کہ یہ وعدہ وہ کر رہا ہے جس کی شان ہے ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔''

اے ایمان والو! ''وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا'' اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو یعنی جب منتظمین کی طرف سے حاضرین کو کھڑے ہونے کو کہا جائے تو انہیں ان کی بات ماننا چاہئے اور کھڑا ہو جانا چاہئے۔ بایں صورت کہ منتظمین کچھ خاص لوگوں کو آگے بلانا ضروری سمجھیں اور آگے بیٹھے لوگوں کو پیچھے جانے کے لئے کہیں یا کسی معزز شخصیت کی آمد پر لوگوں سے احترام واستقبال کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا محفل کے اختتام پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا کوئی بھی صورت ہو۔ بہر حال شرکاء محفل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آداب محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے نُشُوز یعنی کھڑے ہونے کی ہدایت پر عمل کریں۔ اس صورت میں کسی کو اپنی مرضی پر عمل کی اجازت نہیں کیونکہ نظم ونسق کا تقاضا یہی ہے کہ ایک محفل کے شرکاء جو کام کر رہے ہیں سب اس میں شریک ہوں۔ اللہ ورسول کی نظر میں وہ شخص مجرم قرار پائے گا اور عام لوگ ایسے شخص کو غیر مہذب اور بدتمیز کہیں گے جو محفل میں شریک بھی ہو اور سب سے علیحدہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے کہ سب بیٹھے ہوں اور اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دیں اور وہ کھڑا ہی رہے یا سب کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا رہے جسے من مانی کرنی ہو اس کا کسی محفل میں شریک نہ ہونا ہی بہتر ہے تاکہ وہ لوگوں میں افتراق کا باعث نہ بنے۔

بعض لوگ یہ حرکت خصوصیت کے ساتھ اس وقت کرتے ہیں جب کسی عالم یا بزرگ کی آمد پر یا صلوٰۃ وسلام کے وقت شرکاء مجلس کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بیٹھے ہی رہتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ آپ بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوں تو وہ نہایت ڈھٹائی سے مسلمانوں کے اس مستحب وجائز عمل کو بدعت اور شرکت قرار دینے لگتے ہیں اور ذرا سی دیر میں محفل کا سارا مزہ لڑائی جھگڑے کی نظر ہو جاتا ہے۔ اللہ ہدایت دے ایسے لوگوں کو کاش وہ سمجھ لیں کہ شرک وبدعت کسے کہتے ہیں یا کم از کم ان کو اتنی ہی عقل آجائے کہ وہ ایسی محفلوں میں شریک ہی نہ ہوں جہاں ان کے بقول شرک وبدعت کا عمل ہو رہا ہوتا کہ وہ مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے اور ان کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سبب تو نہ بنیں۔

اطاعتِ امیر

اگر ہم آیت مبارکہ پر مزید غور کریں تو اس سے ہمیں یہ ہدایت بھی مل رہی ہے کہ مجلس کے نظم ونسق کے لئے ضروری ہے کہ داعی مجلس کو امیر یا قائد تسلیم کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے کہ وہ جب تَفَسُّح یا نُشُوز کا حکم دے تو اس کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں محفل کی ضرورت کے مطابق منتظم محفل کے ہر حکم کی تعمیل آداب محفل ہی میں شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کے علاوہ اطاعت امیر کا حکم اسی لئے دیتا ہے

Marfat.com

تا کہ امت مسلمہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم ونسق کی پابند رہے۔ ''يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔

یہ اُولی الامر صرف وہ حکام نہیں جو انسان کے گڑھے ہوئے قوانین کے مطابق عوام پر مسلط ہوتے ہیں ان کی بھی اطاعت کی جائے لیکن صرف اس صورت میں جب یہ خود اللہ و رسول کے احکام کے پابند ہوں اور ان کا کوئی حکم قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ بصورت دیگر یہ اس لائق نہیں کہ عوام ان کو اپنا حاکم بھی تسلیم کریں کہ مسلمانوں کو اطاعت کا عادی تو بنایا جاتا ہے لیکن اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ'' جو احکام اللہ کے حکم کے خلاف ہوں وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

اُولی الامر ہر وہ شخص ہے جس پر کسی دوسرے کی کوئی ذمہ داری عائد ہو وہ پابند ہے کہ شریعت کے مطابق حکم دے اور ہر شخص پابند ہے کہ اس کے احکام کو تسلیم کرے۔ اس میں علماء، مشائخ، آئمہ، اساتذہ، والدین، شوہر سب ہی شامل ہیں۔ سب اُولی الامر ہیں اور ان کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے جس قوم کے افراد، مذہبی، سیاسی، معاشی و معاشرتی امور میں انفرادی و اجتماعی طور پر اطاعت کے پابند ہوں گے وہ نظم ونسق کے اتنے عادی ہو جائیں گے کہ ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں بدنظمی کا تصور تک نہیں کیا جا سکے گا اور اہل ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور اسی سے مسلمانوں کا معاشرہ پرسکون اور پرلطف ہوتا ہے۔

بہر حال مجلس کے منتظم کے احکام کی تعمیل، آداب مجلس کا ایک حصہ ہے۔ جس کے بغیر مجلس کا نظم ونسق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس جب امیر مجلس حاضرین کو تَفَسُّح کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جب نُشُوز کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جن لوگوں کو امیر مجلس کے احکام سے اختلاف ہو یا امیر مجلس پر اعتماد ہی نہ ہو۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس مجلس سے دور ہی رہیں تا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔

اے ایمان والو! احکام شرع کی پابندی کر کے کمال ایمان حاصل کرو کہ جن لوگوں کا ایمان کامل ہوتا ہے اللہ ان کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے۔ ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ'' اس طرح کہ اللہ و رسول کی نظروں میں انہیں خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ ان کے چہرے ایسے نورانی اور پرکشش ہو جاتے ہیں کہ ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے۔ ان کو مجلسوں میں خصوصی مقام دیا جاتا ہے۔ لوگ ان کے ہاتھ پیر چومنے لگتے ہیں۔ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کو کمال ایمان کے ساتھ علم دین کی نعمت میسر ہوتی ہے۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ ''وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ'' ان کے لئے درجے ہی درجے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا حق ہے کہ انہیں مجالس میں نمایاں مقام دیا جائے اور ان کے احترام کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ بحمد اللہ ہمارے معاشرے میں ہوتا بھی ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق ہی ہمارے اسلاف کو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہوئیں۔ جس پر تاریخ گواہ ہے ان کے نورانی چہروں سے متاثر ہو کر بے شمار فساق و فجار نے توبہ کی۔ ان کی درد بھری آواز میں اللہ و رسول کے احکام سن کر

Marfat.com

بے شمار کفار مشرف باسلام ہوئے۔ان کے دربار میں امراء و حکام، شہنشاہ و سلاطین سر تسلیم خم کئے نظر آتے ہیں۔ظالم و جابران کے سامنے کانپتے نظر آتے ہیں اور آج بھی جو ان کے دامن سے وابستہ ہیں، جو ان کے غلام ہیں انہیں جو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بے دینی و بدعملی کے اس اندوہناک دور میں بھی علماء و مشائخ اور صالحین کی عزت و عظمت، وعدۂ الٰہی کی حقانیت کا ثبوت ہے وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو اللہ کے اس ارشاد کے مطابق صالحین کا احترام کرتے اور ان کے بلند درجات کو تسلیم کرتے ہیں۔

اے ایمان والو! نیک لوگوں کے دامن سے وابستہ ہوتا کہ تم بھی نیک بن جاؤ۔ بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ رہو تاکہ تم بھی بلند مرتبہ ہو جاؤ۔اہل علم کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمہارے دل بھی نورِ علم سے روشن ہو جائیں۔اہل عمل کے ساتھ رہا کرو تاکہ تمہیں بھی صالحیت نصیب ہو جائے۔ اُولی الامر کی اطاعت کرو گے تو اُولی الامر بن جاؤ گے۔ دوسروں کا احترام کرو گے تو محترم ہو جاؤ گے، اللہ توفیق عمل دے۔

دیگر آداب مجلس

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ'' تم میں سے کوئی کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ ''وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا'' ہاں جگہ نکال دو اور جگہ دے دو (تاکہ تمہارا کوئی بھائی کھڑا نہ رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ'' جب کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ کر کسی ضرورت کے لئے چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

آج کل لوگ اپنی جگہ کی حفاظت کے لئے اپنا رومال وغیرہ رکھ کر جاتے ہیں پھر بھی واپسی پر ان کی جگہ پر کوئی دوسرا قبضہ کر لیتا ہے اور قبضہ کرنے والا اپنی اس حرکت کو اپنا حق قرار دیتا ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔کاش ہم اپنے آقا معلم کامل ﷺ کے ارشادات کو جانیں اور ان پر عمل کریں تو ایسے بیشمار اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں جو صرف ہماری جہالت کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوتے تھے تو ''جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِىْ'' تو ہم میں سے ہر ایک جہاں جگہ پاتا بیٹھ جاتا تھا یعنی نہ تو ہٹو اور بچو کا شور ہوتا تھا نہ کوئی اپنے مرتبہ و منصب کے مظاہرے کے لئے گردنیں پھلانگتا آگے پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہاں اگر کسی کو کوئی خاص اہمیت یا ضرورت ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی اسے اپنے قریب پہنچنے کا شرف بخشتے تھے۔جیسا کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو اور بعض دیگر صحابہ کرام کو اکثر یہ اعزاز حاصل ہوا کرتا تھا۔جس کا مقصد دیگر صحابہ کرام پر ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا نیز اس طرح ان حضرات سے بوقت ضرورت آپ کو مشورہ کرنے میں بھی سہولت ہوتی تھی۔

Marfat.com

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اُتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰی جَهَنَّمَ'' جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا وہ جہنمیوں کے لئے پل بنا دیا گیا۔

محدثین کرام نے صراحت کی ہے کہ جمعہ کے دن گردنیں پھلانگنے والے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ وعید صرف اس خصوصیت کی بناء پر ہے کہ کثرت اژدہام کے باعث اکثر لوگ جمعہ ہی کی نماز کے لئے گردنیں پھلانگ کر اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل ہر نماز اور ہر مجلس کے لئے مذموم اور برا ہے۔ بعد میں آنے والوں کو گردنیں پھلانگنے سے بچنے کے لئے انتظار کرنا چاہئے کہ لوگ خود ہی آگے بڑھ جائیں اور ان کے لئے جگہ ہو جائے اور مسجد میں یا کسی بھی مجلس میں پہلے پہنچ جانے والوں کو بیٹھتے وقت ہی یہ خیال کرنا چاہئے کہ ان کے بعد آنے والوں کو پریشانی نہ ہو۔ مسجدوں میں تو اگلی صفوں کو پہلے پر کرنا چاہئے ویسے بھی اگلی صف میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا ثواب زیادہ ہے اور عام محفلوں میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ یا تو آگے بیٹھا جائے اور یا بعد میں آنے والوں کے لئے راستہ چھوڑا جائے تا کہ انہیں تکلیف بھی نہ ہو اور وہ گردنیں پھلانگنے کے گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوں۔ قابل غور ہے کہ معلم کامل ﷺ کو ہم غلاموں کی بہترین تربیت کا کس قدر احساس ہے۔ ﷺ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ بِاَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا'' کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس کر بیٹھ جائے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ صفوں میں یا دیگر مجالس میں دو بھائی، دو عزیز یا دو دوست مل کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اللہ کو اپنے بندوں کی یہ محبت پسند ہے۔ اسی لئے معلم کامل ﷺ نے ان دونوں کے درمیان عارضی اور وقتی تفریق کی ممانعت فرمائی۔ بایں صورت کہ کوئی ان کے درمیان گھس کر بیٹھ جائے۔ ہاں اگر درمیان میں جگہ خالی ہو تو ان دونوں سے اجازت لے لی جائے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ''وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ'' اور صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ''فَقَالَ مَا لِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ'' کیا بات ہے۔ میں تمہیں علیحدہ علیحدہ بیٹھا دیکھ رہا ہوں یعنی یہ بھی مجلس کے آداب میں سے ہے کہ حاضرین قریب قریب بیٹھیں۔ ایک تو اس لئے کہ دوسرے لوگوں کو جگہ مل سکے۔ دوسرے اس لئے کہ مجلس میں سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ایک دوسرے کے شناسا نظر آئیں کہ ایسی ہی محبت کرنے والی جماعت پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا'' بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ وفراخ جگہ میں منعقد کی جائے یعنی مجلس منعقد کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حتی الوسع اپنے مہمانوں کے آرام کا خیال رکھیں اور جتنے لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے جگہ کا بھی انتظام کریں یا جگہ کی وسعت کے مطابق لوگوں کو مدعو کریں تا کہ بدنظمی اور بدانتظامی کا مظاہرہ نہ ہو اور منتظمین کو بھی پریشانی نہ ہو۔

Marfat.com

مجلس سے متعلق معلم کامل علیہ کی اس تعلیم سے ہم ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تربیت کے کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم ناز کر سکتے ہیں اس حقیقت پر کہ بحمد اللہ ہم ایک ایسے دین کامل کے ماننے والے ہیں جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ و نظام ہے جسے اپنا کر ہم یقیناً دیگر اقوام کے لئے انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور خود باعزت و پرسکون زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۸

المجادلہ: ۱۲، ۱۳

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ
ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۲ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ
تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا
الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳

(المجادلہ: ۱۲، ۱۳)

اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول سے تو صدقہ پیش کیا کرو سرگوشی سے پہلے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والا ہے اور اگر تم (استطاعت) نہ پاؤ تو بیشک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا ہے۔ پس جب تم ایسا نہ کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس تم نماز ادا کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور فرمانبرداری کیا

Marfat.com

کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ اپنی خفیہ باتیں آپ سے علیحدگی میں عرض کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے وہ آپ ﷺ سے اجازت چاہتے اور آپ ازراہ کرم ان کو اجازت مرحمت فرماتے تو لوگ آپ ﷺ سے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے لیکن یہ صورت حاضرین محفل پر بار گزرتی تھی۔ اس صورت حال کو مزید منافقین کی حرکت نے بگاڑ دیا تھا کہ وہ جان بوجھ کر صرف لوگوں کو تنگ کرنے کی غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرگوشی کی اجازت لیتے اور کافی دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔ حاضرین محفل، سرکار ﷺ کی گفتگو سننے کے لئے بے چین ہوتے رہتے تھے۔ مجلس کا دورانیہ طویل ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی لوگوں کو اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبع مبارک پر یہ کیفیت بار ہوتی تھی لیکن آپ اپنے اخلاقِ کریمانہ کے باعث کسی کی بات سننے سے انکار نہ فرماتے تھے۔

یہ صورتِ حال بآسانی یوں بھی ختم ہو سکتی تھی کہ وحی الٰہی کے ذریعہ اسے ممنوع قرار دے دیا جاتا یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ممانعت کا اعلان فرما دیتے لیکن اس طرح منافقین اور اسلام کے دشمنوں کو اعتراض کا موقع فراہم ہوتا اور پیکر اخلاق ﷺ کے خلق حسن کو داغدار کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اہل ایمان کو خصوصی طور پر حکم دیا: ''اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً'' کہ اگر تم (ہمارے) رسول سے (خصوصی وقت لو اور) سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ پیش کر دو۔ ''ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ'' یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ اس طرح تمہیں خصوصی گفتگو کا موقع بھی مل جائے گا اور صدقہ کا ثواب بھی ہوگا اور یہ طریقہ دلوں کو پاک کرنے والا بھی ہے کہ اس سے پتہ چل جائے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے۔ ''فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا'' اگر کوئی صدقہ پیش کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ حکم نازل ہوتے ہی منافقین نے تو طے کر لیا کہ وہ صدقہ دینے کی بجائے سرگوشی کا سلسلہ ہی ختم کر دیں گے اور اہل ایمان میں سے ابھی کسی کو ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔ ہاں کچھ غریب صحابہ کو یہ خیال ضرور ہوا کہ اس حکم کی وجہ سے ہمیں تو کبھی اپنے آقا ﷺ سے تنہائی میں گفتگو کا موقع ہی میسر نہ آ سکے گا۔ اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ'' کیا تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے سے تم گھبرا گئے اور اس ارشاد کے فوراً بعد ہی اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی گھبراہٹ کو دور فرماتے ہوئے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔ فرمایا گیا: ''فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا'' پس جب تم ایسا نہ کر سکے۔ ''وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ'' تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی یعنی سرگوشی سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم منسوخ فرما دیا۔ اب تم حسب معمول ''فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' نماز ادا کرو۔ ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' اور زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' اور (ہر معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور یقین رکھو کہ ''وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

Marfat.com

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ

نجویٰ سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم نازل ہوا اور منسوخ ہو گیا کسی صحابی کو اس حکم پر عمل کا موقع نہ مل سکا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ یہ حکم نازل ہوتے ہی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک دینار پیش کیا اور آپ ﷺ سے سرگوشی کا شرف حاصل کیا لیکن یہ خفیہ گفتگو کسی ذاتی عنوان پر نہ تھی بلکہ آپ نے نہایت اہم دس سوالات کئے اور ان کے جوابات حاصل کئے۔ حضرت صدرالافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ تفسیر مدارک اور خازن ان سوالات و جوابات کو بیان فرمایا ہے۔ آپ بھی استفادہ کیجئے۔

عرض کیا:	فرمایا:
وفا کیا ہے؟	توحید اور توحید کی شہادت دینا
فساد کیا ہے؟	کفر و شرک
حق کیا ہے؟	اسلام، قرآن اور ولایت، جب تجھے ملے
حیلہ (تدبیر) کیا ہے؟	ترک حیلہ (تدبیر چھوڑ دینا)
مجھ پر کیا لازم ہے؟	اللہ اور رسول کی اطاعت
اللہ سے کیسے دعا مانگوں؟	صدق و یقین کے ساتھ
کیا مانگوں؟	عافیت، ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے
اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟	حلال کھا اور سچ بول
سرور کیا ہے؟	جنت
راحت کیا ہے؟	اللہ کا دیدار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اس انفرادیت و خصوصیت پر ناز تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا (کیونکہ اس کا حکم منسوخ ہو گیا)

بہرحال تقدیم صدقہ کے حکم میں جو مصلحت تھی وہ پوری ہو گئی کہ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلاضرورت سرگوشی کا سلسلہ ختم کر دیا۔

مسئلۂ نسخ پر ایک نظر

یہاں ایک حکم منسوخ کا ذکر آیا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ مسئلۂ نسخ پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں کہ اب تک اس کتاب میں ہم اس عنوان پر گفتگو نہیں کر سکے۔ اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ (البقرہ:۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) اس سے بہتر یا اس جیسی کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

نسخ کے معنی ہیں زائل کرنا، باطل کرنا۔ تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا ہے یعنی منسوخ کرنا۔ اسی لئے کتاب وسنت کی اصطلاح میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چاہے دوسرا حکم پہلے حکم کی نسبت آسان ہو یا دشوار چونکہ مسئلہ نسخ قرآن کریم سے ثابت ہے اور بعض احکام شرع کا بعض احکام سے منسوخ ہونا بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ لہٰذا اس کی کوئی تاویل کرنا یا اس کا انکار کرنا غیر ضروری اور کھلی گمراہی ہے۔ اس لئے سوائے معتزلہ کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا یا وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو علوم قرآن سے نابلد ہونے کے باوجود فہم قرآن کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کے وکیل بننے کے شوق میں اپنی جہالت کے سبب دشمنان اسلام کی بیساکھیاں بن جاتے ہیں۔ جبکہ مسئلہ نہ الجھا ہوا ہے نہ پیچیدہ ہو صرف سمجھنا شرط ہے۔ قرآن کریم نسخ کا بیان جس انداز سے کر رہا ہے اگر اسی پر غور کر لیا جائے تو اس کے انکار یا اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اولاً ننسخ اور ننسها کے الفاظ سے واضح کر دیا گیا کہ کسی آیت کو منسوخ کر دینے یا بھلا دینے کا اختیار صرف اسی مالک حقیقی کو ہے جو تمہیں احکام دیتا ہے۔ پس وہی اپنی عطا کردہ شریعت کو یا اس کے کسی حکم کو جب مناسب جانتا ہے زائل کر دیتا ہے چونکہ وہ تمہارے ارتقائی مرحلوں اور فطری تقاضوں سے واقف ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق وہ تمہیں احکام دیتا رہتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی سے بہن کا نکاح حلال تھا جو نوح علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں سب چوپائے حلال تھے لیکن دین موسوی میں ان میں سے بہت سے حرام کر دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے احکام سخت تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گئے کہ شریعت عیسوی آسان ترین شریعت تھی اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام ادیان سابقہ کو منسوخ قرار دے کر بنی نوع انسان کو اس دین متین پر عمل کی دعوت دی گئی جو دین کامل ہے، جو دین فطرت ہے۔ اب چونکہ سلسلۂ وحی ونبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لہٰذا سلسلۂ نسخ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' کا اعلان اس حاکم حقیقی نے فرمایا ہے جو خوب جانتا ہے کہ اب جو احکام انسان کو دیئے جا چکے ہیں وہ اس کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہیں۔ اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کی ضرورت کو پورا کرتے رہیں گے۔ پس اب دروازۂ نبوت کے ساتھ، دروازۂ نسخ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا لیکن بہرحال نزول وحی کے دور میں اس کے وقوع سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علماء کرام نے اس کی معرفت اور اس کی تفصیلات کا جاننا اہل علم کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ مثلاً امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَعْرِفَةُ هٰذَا الْبَابِ اَكِيْدَةٌ وَفَائِدَتُهُ عَظِيْمَةٌ

Marfat.com

باب نسخ کی معرفت نہایت ہی ضروری ہے اور اس کا فائدہ بہت ہے۔

وَلَا يُنْكِرُهُ اِلَّا الْجَهَلَةُ الْاَغْبِيَاءُ

اور بیوقوف جاہلوں کے علاوہ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اسی مقام پر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو کوئی آدمی وعظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ صاحب وعظ ونصیحت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ کوئی وعظ ونصیحت نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ مجھے پہچانو (یعنی لوگوں سے عزت وشہرت حاصل کرنے کے لئے یہ وعظ کر رہا ہے) پھر آپ نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کیا تم قرآن وحدیث کے ناسخ ومنسوخ احکام کو پہچانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں، میں نہیں جانتا۔ پس آپ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ آئندہ کبھی یہاں وعظ نہ کہنا۔

اس واقعہ سے علم نسخ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی جانا جا سکتا ہے کہ وعظ وتبلیغ ہر ایرے غیرے اور نتھو خیرے کا کام نہیں۔ اس منصب کا اہل صرف وہی ہو سکتا ہے جو علوم قرآن وحدیث پر پوری طرح عبور رکھتا ہو حتیٰ کہ ناسخ ومنسوخ کے احکام سے بھی واقف ہو کہ ایسا ہی شخص خود بھی گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

نسخ کی حقیقت

سلاطین وحکام کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی اور عمل نسخ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد اس کے نقصانات اور مضرتوں کا اندازہ ہوا تو اس کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کرنا پڑا یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے ایک حکم جاری کیا گیا تھا اور حالات بدل جانے کے بعد اس کی جگہ دوسرا حکم لانا پڑا یا جاری کردہ حکم کو محکومین یعنی عوام نے مسترد کر دیا تو مجبوراً حاکم کو اپنے حکم میں تبدیلی کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ تمام وجوہ نسخ انسانی احکام میں ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کا علم ناقص ہے لہٰذا اس کے حکم میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نکل آتا ہے جسے دور کرنے کے لئے اسے عمل نسخ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن خالق انسان اللہ علیم وخبیر اس سے پاک ہے وہ تو روز اول ہی سے جانتا ہے کہ اپنے بندوں کے لئے جو حکم نازل فرما رہا ہے وہ ان کے موجودہ حالات اور موجودہ ضرورت کے مطابق ہو۔ جب حالات تبدیل ہوں گے تو ان کے لئے حکم میں بھی تبدیلی کر دی جائے گی جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن بھائی کے نکاح کا حکم اس وقت کے حالات کے اعتبار سے تھا پھر جب حالات بدلے انسانوں کا کنبہ وسیع ہو گیا تو ضرورت نہ رہی کہ بہن سے بھائی کا نکاح ہو۔ لہٰذا پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ کس کا نکاح کس سے ہو سکتا ہے اور کس سے نہیں ہو سکتا۔

نسخ کی اس حقیقت کو مزید ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً ڈاکٹر اپنے مریض کے لئے ایک دوا تجویز کرتا ہے لیکن دو دن بعد ہی وہ اس دوا کو بدل کر دوسری دوا دیتا ہے۔ آپ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی اعتراض یا ڈاکٹر کی فنی مہارت پر شک کئے بغیر نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس تبدیلی کو مریض کی صحت کے لئے بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ کو یہ حقیقت تسلیم ہے کہ

Marfat.com

ڈاکٹر نے پہلی دوا مریض کی اس وقت کی حالت کے مطابق دی تھی اور جونہی مریض کے مرض میں تبدیلی آئی تو ڈاکٹر نے دوا بھی تبدیل کر دی۔ اللہ جو نہ صرف انسان کا طبیب حقیقی ہے بلکہ خالق بھی وہی ہے خوب جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے لئے انسان کو کیسے احکام دینا ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ان احکام کو منسوخ کر کے اس وقت کی ضرورت کے مطابق شریعت نازل فرمانی ہے اور وہی جانتا ہے کہ جب سلسلۂ نبوت اپنی انتہا اور کمال کو پہنچا تو انسان بھی ارتقاء کی اس منزل پر آ چکا ہے کہ اب اس کو وہ احکام دیئے جا سکتے ہیں جن میں کسی تبدیلی اور نسخ کے عمل کی ضرورت باقی نہ رہے۔ وہ شریعت مکمل ہو، دائمی ہو، ہر دور اور مقام کے لئے قابل عمل ہو اور انسان کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے "لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَنَاسَخَتْ" یعنی کبھی کوئی نبوت نہ آئی جس نے سابقہ احکام میں تناسخ اور ردوبدل نہ کیا ہو حتیٰ کہ نبوت آخر الزمان ﷺ کا دور آیا جس نے سابقہ احکام کو منسوخ کیا اور خیر امت کے لئے مکمل نظام حیات فراہم کر کے اعلان فرمایا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری فرما دی اور تمہارے لئے بطور نظام حیات اسلام کو پسند فرمایا۔

نسخ کی صورت

دوران وحی احکام شرع میں نسخ کا عمل جاری رہا جو یا تو بایں صورت ہوا کہ کسی پہلے حکم کی جگہ دوسرے حکم نے لے لی اور یا اس طرح کہ پہلے حکم میں جزوی تبدیلی کر دی گئی۔ کبھی یہ نسخ صرف احکام کا ہوا کہ آیاتِ منسوخہ قرآن کریم کا جز رہیں۔ ان کی تلاوت باقی رہی لیکن ان کے احکام منسوخ ہو گئے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اس سے متعلق آیت کو بھی صاحب وحی ﷺ کے ذہن سے نکال لیا گیا یا فراموش کرا دیا گیا اور ایسا بھی کیا گیا کہ آیت مبارکہ کو تو فراموش کرا دیا گیا لیکن اس کا حکم باقی رہا ان صورتوں کی وضاحت کے لئے چند احکام منسوخہ ملاحظہ ہوں۔

ابتدائے اسلام میں وارثوں کے لئے وصیت کرنا مستحب تھا پھر اسے فرض قرار دے دیا گیا لیکن آیتِ میراث کے نزول کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اب دائمی قانون یہ باقی رہا کہ صاحب مال کو اپنی دولت کے صرف ایک تہائی حصہ میں وصیت کا حق ہے۔ اس سے زیادہ پر وصیت کا کوئی اثر نہ ہو گا بلکہ تمام وارثین کو قرآن کریم کے مقرر کردہ حصص خود بخود منتقل ہو جائیں گے ان میں کمی، زیادتی کا کسی کو اختیار نہیں۔

ابتداءً روزے کے احکام ہمارے لئے وہی تھے جو ہم سے پہلی امتوں کے لئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کہ روزے تم پر اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ بعد افطار وقت عشاء سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا لیکن وقت عشاء شروع ہوتے ہی یہ اعمال ممنوع ہو جاتے تھے گویا روزہ وقت عشاء ہی سے شروع ہو جاتا تھا۔ مزید برآں اگر کوئی شخص افطار کے بعد سو کر عشاء کا وقت شروع ہونے سے قبل جاگ بھی گیا تو بھی اس کا روزہ شروع ہو جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے "كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کا ارشاد منسوخ فرما دیا اور ہمارے لئے روزے کی موجودہ صورت دائمی ہو گئی۔

Marfat.com

ابتداء ''اَشْهُرِ حُرُمْ'' حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا ممنوع تھا لیکن پھر حکم دیا گیا ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' کہ مشرکین وکفار کے ساتھ حسب ضرورت بلا قید زمان و مکان جہاد کرو۔

بیس آیتوں کے احکام منسوخ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جن میں سے چند کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ آیات منسوخہ قرآن کریم میں موجود ہیں جن کی تلاوت دورانِ نماز اور بیرون نماز ہوتی ہے اور ان کی تلاوت کا اجر وثواب یقیناً وہی ہے جو قرآن کریم کا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد صرف احکام شروع کا نزول ہی نہیں بلکہ بندوں کو کلام الٰہی کی تلاوت کا شرف بخشا اور اس پر اجر وثواب مرحمت فرمانا بھی ہے۔

نسیان کی صورت

تفسیر عزیزی اور بعض دیگر مفسرین نے ایسی آیات کو بھی جمع فرمایا ہے جو حکماً اور تلاوتاً منسوخ ہیں یا صرف تلاوتاً منسوخ ہیں۔ گویا اللہ علیم وخبیر نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان آیات کو عارضی طور پر نازل فرمایا تھا اور جب ان کے نزول کا مقصد پورا ہو گیا تو انہیں اپنی حکمت کے مطابق فراموش کرا دیا گیا اور وہ اس قرآن کریم کا حصہ نہ رہیں جس کی حفاظت کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل وکرم سے خود ذمہ لیا ہے کہ ان کو نازل ہی فراموش کرا دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا'' یعنی نسخ بھی ہماری حکمت ہے اور کسی آیت کو فراموش کرا دینا بھی ہماری حکمت ہے۔ اس سے نہ تو وعدۂ الٰہی ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' پر کوئی شک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ وعدۂ الٰہی بے اثر ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے کیا کہ ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى'' ہم خود آپ کو پڑھائیں گے۔ پس آپ اسے نہ بھولیں گے۔ ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' مگر جو اللہ چاہے۔ پس صاحب وحی ﷺ وحی الٰہی کا ایک حرف بھی نہ بھولے سوا اس کے جو خود اللہ ہی نے بھلا دیا۔ پس نسخ کی یہ صورت کہ بعض آیات کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور ان آیات کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی یا تلاوت آیات تو منسوخ ہوئی لیکن حکم باقی رہا۔ اللہ کی حکمت ومصلحت کے عین مطابق ہے اور اہل علم، اہل ایمان کے لئے قطعاً نہ تو الجھن وپریشانی کا سبب ہے اور نہ ہی کسی قسم کے شک وشبہ کا باعث۔

ذرائع نسخ

عمل نسخ کا ذریعہ ایک تو یہ ہے کہ آیت قرآن کے حکم کو آیت قرآنی ہی سے منسوخ کیا گیا۔ جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے۔ دوسرے حدیث کا نسخ حدیث سے بھی واقع ہوا جیسے احناف کے نزدیک، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے یا رفع یدین کرنے کی احادیث ان حدیثوں سے منسوخ قرار پائیں جن میں اس عمل کی ممانعت موجود ہے کہ ابتداءً امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ ارشاد ہوا: ''لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْءٍ'' امام کے ساتھ کسی بھی نماز میں قراءت جائز نہیں خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری ہو۔ نیز فرمایا ''مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ'' جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت

Marfat.com

ہے۔ اسی طرح رفع یدین جو ابتداءً جائز تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ تیسرے کسی آیت کا نسخ حدیث سے بھی ہوا مثلاً قرآن کریم کے ارشاد ''اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ'' سے ثابت تھا کہ ماں، بہن وغیرہ چند عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''لَا تُنْکَحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِھَا وَلَا عَلٰی خَالَتِھَا'' اس ارشاد کے مطابق پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی دیگر احادیث مبارکہ بھی ملتی ہیں۔ جن سے قرآنی احکام کی تخصیص وتوضیح ہوتی ہے۔ چوتھے حدیث کا نسخ قرآن سے بھی کیا گیا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ہی کے مطابق مدینہ پہنچنے کے بعد کعبہ کی جگہ بیت المقدس، اہل ایمان کا قبلہ قرار پایا تھا لیکن چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کا لحاظ فرماتے ہوئے دوبارہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ ''فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''۔

آیات ناسخ ومنسوخ

مختصراً یہ بھی بتا دینا مناسب ہوگا کہ قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیات ناسخ ومنسوخ موجود ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف سورتوں کی تعداد پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کریم میں پینتالیس سورتیں تو ایسی ہیں جن میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ چالیس سورتوں میں صرف آیاتِ منسوخہ ہیں، ناسخہ کوئی نہیں۔ چھ سورتوں میں صرف آیاتِ ناسخہ ہیں۔ پچیس سورتوں میں آیاتِ ناسخہ ومنسوخہ دونوں ہیں۔ بحمد اللہ نسخ کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا وہ اگرچہ مختصر ہے لیکن ایک اہم قرآنی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ نیز ان شکوک وشبہات سے بچنے کے لئے بھی کافی ہے جو اس عنوان سے متعلق جاہلوں کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو اپنے تخیلات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی گمراہی ہے۔ جیسے کہ بعض لوگوں سے آپ سنتے ہوں گے کہ ''میرے خیال سے قرآن کریم کی اس آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا'' یہ میرے خیال والا خیال ہی حماقت اور گمراہی ہے اور یہ اظہارِ خیال بھی وہی حضرات کرتے ہیں جنہیں کبھی قرآن کریم میں فکر وتدبر کا خیال نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے اور قرآن کریم کو صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الحشر''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
79	18 تا 19

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۹

الحشر: ۱۹،۱۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (الحشر: ۱۹،۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو جانا ان کی طرح جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش کر دیا یہی نافرمان لوگ ہیں۔

یہ صدقہ ہے آقائے نعمت ﷺ کا کہ آپ کا ربِ کریم آپ کے غلاموں کو غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے بچنے کی مختلف انداز پر بار بار دعوت دیتا ہے اور وہ طرزِ زندگی اپنانے کی ہدایت فرماتا ہے جس سے دنیا میں عزت وعظمت حاصل رہے اور آخرت میں نجات وسرخروئی مقدر ہو۔ آقا کا غلام پر اس سے بڑا کرم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ غلام کو ایسے کاموں کی

Marfat.com

ہدایت کرتا رہے جو اس پر آقا کے انعام و اکرام کا ذریعہ بنیں۔ گویا اس طرح مالک خود ہی غلام کو اپنی رحمت کے خزانوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ بس غلام کو اس خزانے کی طرف بڑھنا اور اپنی جھولی بھر لینا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں رحمت کے خزانوں تک پہنچنے کے درج ذیل ذرائع بیان کیے جا رہے ہیں۔

تقویٰ، فکر غد، اللہ کے خبیر ہونے کا یقین، یادِ الٰہی سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا۔

اِتَّقُوا اللّٰه

اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ ایک ایسا عنوان ہے جس پر کتنا ہی لکھا جائے کتنا ہی بیان کیا جائے کم ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ تمام اعمال کی اصل، روح اور جان ہے۔ انسان کے قلب میں ابتداءً تقویٰ ہی کی کرن چمکتی ہے جو ایمان کی شعاع بنتی ہے۔ پھر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تاریکی سے نکالے اعمالِ حسنہ کو تلاش کرے اور ہمیشہ کے لئے ایک روشن و منور تارہ بن جائے۔

گزشتہ اوراق پر ہم اس اہم عنوان پر کافی لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں ''اِتَّقُوا اللّٰه'' کا جملہ دس بیس مرتبہ نہیں بلکہ پچپن مرتبہ ملتا ہے۔ گویا اللہ رب العزت جل مجدہ نے پچپن مرتبہ اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صیغوں سے بھی متعدد بار اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے فوائد کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ یہ بھی فرما دیا کہ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ'' بیشک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ'' بیشک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے۔ اہل خرد کے لئے تقویٰ کا یہی انجام کیا کم ہے کہ مالک حقیقی کی رحمت و محبت کا مژدہ نصیب ہو جائے۔ اللہ کی معیت و محبت سے بڑھ کر کامیابی و کامرانی کی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس قدر تاکید کے باوجود بھی اگر ہم دولت تقویٰ سے محروم رہیں تو یہ یقیناً ہماری بدنصیبی ہے۔

فکرِ غد

''وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ'' اور ہر کسی کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔ غد آنے والی کل کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ قیامت کو غد فرما کر یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت کا آنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا ہر دن کے بعد آئندہ دن کا سورج طلوع ہونا یعنی کل کا آنا یقینی ہے۔ اس کل کے آنے کا کوئی کتنا ہی انکار کرتا رہے اس کا آنا اٹل ہے، یقینی ہے۔ اسی طرح منکرین قیامت کے انکار سے اہل ایمان کو اس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ غد کی طرح آئے گی اور ضرور آئے گی۔ جس طرح آنے والی کل کا منکر دیوانہ و پاگل کہلائے گا۔ اسی طرح قیامت کا انکار بھی دیوانگی و پاگل پن کے سوا کچھ نہیں نیز قیامت اتنی قریب ہے جتنا ہر دن سے آنے والا دن قریب ہوتا ہے۔ تقاضۂ ایمان یہ ہے کہ ہر مؤمن اس یقینی اور قریبی آنے والے دن کی فکر کرتا اور سوچتا رہے کہ اس نے اس غد کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

فکرِ غد، انسان کی فطرت ہے ہر شخص اپنے آنے والے دن کو موجودہ دن سے بہتر بنانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کی یہی

Marfat.com

کوشش ہوتی ہے کہ اس کا مستقبل اس کے ماضی و حال سے بہتر ہو اور ایسے ہی شخص کو عقلمند کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ جس کی نظر حال سے زیادہ مستقبل پر ہو۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی یقین کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے مستقبل کا کل تو درکنار مستقبل کا لمحہ بھی نصیب ہوگا یا نہیں اور مستقبل کی بہتری کے وہ جو خواب دیکھتا ہے اس کی تعبیر پا سکے گا یا نہیں یا مستقبل کے لئے اس نے جو کچھ جمع کر رکھا ہے اس کا وہ فائدہ حاصل کر پائے گا یا نہیں۔ نیز مستقبل کی فکر میں پریشان یہ انسان کیوں نہیں سوچتا کہ اس کی فکر اور ساری تدبیریں رائیگاں اور بیکار ہیں اگر اس کا بھروسہ اور اعتماد اللہ پر نہ ہو۔ نیز وہ اس دنیا کی کل کے لئے آخر کیوں اتنا حریص ہے جبکہ یہ کل بھی آج کی طرح عارضی ہوگی، چند گھنٹوں کی ہوگی۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے، ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مؤمن کو اس کل کی فکر کرنا چاہئے جس کے بعد کوئی کل نہ ہوگی۔ جس کا آنا یقینی ہے جو قریب ہی ہے۔

اے ایمان والو! یہ دنیا جس کی کل کی تمہیں بہت فکر رہتی ہے۔ اس کی محبت میں مبتلا ہو جانا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ''حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ'' دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ''اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ'' دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ پس اس دنیا کی کل کی فکر میں تم جتنے زیادہ مبتلا ہو گے اتنے ہی اس کی دلدل میں پھنستے چلے جاؤ گے۔ یہ تو تمہارے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ کی کل کو کتنا ہی بہتر بنانے کی کوشش کرو، رہو گے قیدی ہی۔ لہٰذا چھوڑو اس فکر کو اور سوچو اس کل کے متعلق جس کے بعد کوئی کل نہیں ہوگی۔

سوچو، تم نے اس کل کے لئے کیا جمع کیا ہے؟

سوچو، وہ کل تمہارے لئے کس طرح زیادہ سے زیادہ آرام دہ ہو سکتی ہے۔

سوچو، تمہیں اس کل کا دائمی عیش و آرام کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

سوچو، اس جیل سے جب تم آزاد ہو گے تو تمہارا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

سوچو، کیا یہ جیل خانہ ہی تمہارا مقصد زندگی اور تمہاری منزل ہے۔

سوچو، آج تم جو کچھ کر رہے ہو کل اس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔

سوچو، دنیا کی یہ چمک دمک کب تک تمہاری آنکھوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

سوچو، تمہاری دولت کے ڈھیر کیا ایک دن دوسروں کے نہیں ہو جائیں گے۔

سوچو، تمہارے پاس کوئی ایسا ذخیرہ بھی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو۔

سوچو، دنیا کی آزادی تمہارے کام آئے گی یا اللہ کی بندگی۔

سوچو، تم نے ایمان لا کر کیا اللہ سے جنت کے بدلے اپنی جان و مال کا سودا نہیں کیا۔

سوچو، اطاعت و فرمانبرداری ذخیرہ کل ہے یا غفلت و کوتاہی کل کام آئے گی۔

سوچو، اگر تم اللہ کو حاکم حقیقی اور مالک حقیقی جانتے ہو تو دن رات میں اس کے کتنے احکام پر عمل کرتے ہو۔

Marfat.com

سوچو، اگر رسول مکرم ﷺ سے تمہیں سچی محبت ہے تو تم ان کی تعلیم وتربیت کو کتنا اپنائے ہوئے ہو۔
سوچو، اگر تم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہو تو کتنا ان کے نقش قدم پر چلتے ہو۔
سوچو، تم اور تمہارے اہل خانہ شریعت کے کتنے پابند ہیں۔
سوچو، چوبیس گھنٹے میں کتنا وقت تم دین سیکھنے یا دین کی خدمت کرنے پر صرف کرتے ہو۔
سوچو، اپنی کمائی کا کتنا حصہ تم دین کے لئے نکالتے ہو۔
وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ
ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

سوچنے کی یہ جتنی باتیں ہم نے عرض کیں یہ تو چند ہیں جو صرف اس لئے پیش کی گئیں کہ کاش ان کے سوچنے سے سوچ کا رخ بدل جائے اور ذہن مستقل وہ سوچنے لگیں جو مؤمن کے ذہن کو سوچنا چاہئے کہ صحیح سوچ ہی ان اعمال کا ذریعہ ہے جو کل کام آسکتے ہیں۔ اس کل، جس میں انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوتو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ آیت مبارکہ سن کر کھانا چھوڑ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس دن ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ما رأيتَ مِمَّا تكرهُ فهو مَثَاقِيلُ ذَرِّ الشَّرِّ'' اس دنیا میں جو بھی تمہیں تکالیف پہنچتی ہیں یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ''وَيُدَّخَرُ لَكُمْ مَثَاقِيلُ ذَرِّ الْخَيْرِ حَتّٰى تُعْطَوْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کردی جائیں گی۔

اے کاش ہم اپنے حال پر غور کرنے کے عادی ہو جائیں اور کل کے لئے کچھ ذخیرہ کرنے اور پہلے سے بھیج دینے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہماری بڑی ہی کامیابی و کامرانی ہوگی۔ پس اے ایمان والو! ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' نماز کی پابندی کیا کرو زکوٰۃ ادا کرتے رہا کرو۔ ''وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ'' (نماز وزکوٰۃ کے علاوہ) جو بھی (چھوٹی بڑی) نیکیاں تم اپنے لئے آگے بھیجو گے۔ ''تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ'' ان کا ثمر تم اللہ کے یہاں ضرور پاؤ گے ہر نیکی کا اجر و ثواب کل تمہیں دیا جائے گا۔ ''وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ'' اور تم جو کچھ (نیکی بھی) اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس (کل) موجود پاؤ گے۔ ''هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا'' یہی بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہوگا کہ دینے والا اپنی شان رفیع کے مطابق ہی عطا فرمائے گا جو بہت بلند و اعلیٰ ہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

Marfat.com

اللہ خبیر ہے

''اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ' بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ بعینہ یہ جملہ مبارکہ قرآن کریم میں چونتیس مرتبہ موجود ہے۔ جو یہ جان لینے کے لئے کافی ہے۔ اللہ ذوالجلال والاکرام کے خبیر ہونے کا یقین کرنا ہر مومن کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ بار بار یہ یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے یہ تو بات صرف اعمال کی ہے جبکہ وہ تو ''عَلِيْمٌ ' بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' ہے یعنی دلوں کے حالات وخیالات کو بھی جانتا ہے اور صرف جانتا ہی نہیں بلکہ وہ اللہ سمیع، سننے والا۔ بصیر، دیکھنے والا بھی ہے اور کل ہر کسی کو اسی خبیر کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس کا ذریعہ موت ہے جس سے کسی کا بچنا ممکن نہیں۔ ''قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ'' آپ بتا دیجئے بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو ضرور آ کر رہے گی۔ ''ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' پھر تمہیں لوٹایا جائے گا (حاضر کیا جائے گا) اس کی طرف جو ہر پوشیدہ وظاہر کو جاننے والا ہے۔ ''فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' تو وہ تمہیں خبر کرے گا ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ کے خبیر ہونے پر جس شخص کو کامل یقین ہو اس سے اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوتاہی و سستی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ وہ ملازم اپنے کام میں کبھی سستی نہیں کرتا جو جانتا ہے کہ اس کا مالک یا اس کا حاکم اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔ اس صورت میں اسے خوف ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی سی سستی یا لاپرواہی اس کے مستقبل کی تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی ہے کہ اسے ملازمت سے بھی نکالا جا سکتا ہے یا کوئی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے کام میں مستعد رہتا ہے اور مزید محنت ومشقت کا مظاہرہ کرتا ہے اس لالچ میں کہ اس کے کام کو دیکھنے والا حاکم شاید اس سے خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے یا اسے کسی اعزاز سے نواز دے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ محنت ومشقت کرنے والا ملازم، مالک وحکام کی نظر میں محبوب ہوتا ہے اور خصوصی اعزاز واکرام کا حقدار قرار پاتا ہے۔

یہی کیفیت ان اللہ کے بندوں کی ہوتی ہے جنہیں ان ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جو مالک حقیقی کی طرف سے انہیں سونپی گئی ہیں نیز انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ مالک حقیقی ان کے ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے اور ان کے ہر لمحہ سے باخبر اور آگاہ ہے۔ سورۃ السجدہ کی ان آیات پر غور کیجئے۔ کیسے پیارے انداز میں ان پیاروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝ (السجدہ: ۱۵)

صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔

یعنی صرف دعوئ ایمان ہی نہیں ہے بلکہ بحیثیت مومن ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں جاننے کے لئے وہ

Marfat.com

آیات ربانی کو بغور سنتے ہیں اور پھر اظہار اطاعت وفرمانبرداری کے لئے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ مالک حقیقی کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ باغیوں اور سرکشوں کی طرح تکبر وغرور نہیں کرتے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہو جاتے ہیں اور مالک حقیقی سے خوف اور اس کے رحم وکرم کے لالچ میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○

دور رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب دنیا کے چند روزہ عیش وآرام میں مست لوگ گہری اور میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہوتے ہیں تو اللہ کو علیم وخبیر یقین کرنے والے مؤمنین کاملین اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ اطاعت شعاری وفرمانبرداری میں گزارنے کے باوجود ان پر مالک کا خوف طاری رہتا ہے۔ وہ اس کے فضل وکرم کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے اسی کی عطا کردہ دولت اور دیگر نعمتوں سے صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

تو کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اہل ایمان بحالت خوف وطمع اپنا کام کرتے رہتے ہیں، محنت ومشقت کرتے ہیں۔ بس انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ صلہ ملے گا، بدلہ ضرور ملے گا، کیا ملے گا اس کا انہیں پتہ نہیں تو ہم انہیں مژدہ سناتے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایسی ایسی نعمتیں چھپا رکھی ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بس جب وہ انہیں پائیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، وہ خوش ہو جائیں گے۔

مخبر صادق ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اعددتُ لعبادیَ الصَّالحين'' میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ ''مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بِشَرٍ'' جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کوئی انسان اپنے دل میں ان کا تصور کرسکتا ہے۔

اے ایمان والو! ''اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر واقعی تم نے اس کو تسلیم کرلیا ہے تو تم کبھی عبادات میں غفلت وسستی کے مرتکب نہیں ہوسکتے۔ کبھی معاملات میں اللہ ورسول کے احکام سے روگردانی نہیں کرسکتے۔ کبھی اپنی دینی ودنیوی ذمہ داریاں پوری کرنے میں لاپرواہی کا شکار نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اپنے ایمان کے کمال کے لئے

Marfat.com

اس حقیقت پر ایسا ہی یقین رکھو جیسا تم ان چیزوں پر یقین رکھتے ہو جنہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ'' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔

اللہ کو بھلا دینا

کسی کا اپنے محسن کو بھول جانا ہر شخص کے نزدیک نہایت ہی معیوب اور برا سمجھا جاتا ہے اور ایک معمولی سا احسان کرنے والا اپنا یہ حق سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے احسان کے بدلے کم از کم ہمیشہ اس کو یاد کیا جاتا رہے لیکن یہی انسان محسن حقیقی اللہ وحدہٗ لاشریک کے معاملہ میں اس قدر ظالم ہے کہ ہر لمحہ اس کے احسانات اور انعامات کے باوجود کبھی اسے یاد نہیں کرتا۔

ان احسان فراموشوں کے متعلق فرمایا گیا: ''اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ'' شیطان نے ان پر تسلط جما لیا ہے۔ پس اس ہی نے انہیں محسن حقیقی کی یاد سے غافل کر دیا ہے کہ یہ دن رات اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں مست تو رہتے ہیں لیکن شیطان انہیں کبھی یہ خیال تک نہیں آنے دیتا کہ ان نعمتوں کا عطا فرمانے والا کون ہے اور ہم پر اس کا کیا حق بنتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ'' یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ احسان فراموشی کے باوجود بڑی اچھی اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں نہیں یہ ان کی خام خیالی اور خود فہمی ہے۔ ''اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ'' شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔ دولت، عزت، شہرت کے نشہ میں مست اللہ کو بھلا دینے والے خسران ونقصان میں ہیں۔ ''وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا'' اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے تو وہ کھلے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ یہ ظالم شیطان اللہ کے بندوں کو اپنے ٹولے میں شامل کرنے کے لئے پہلا کام یہی کرتا ہے کہ ان کے دل ودماغ سے اللہ کا خیال تک نکال دیتا ہے اور خود ان کا ان داتا بن کر انہیں اپنے جھوٹے وعدوں اور کبھی پوری نہ ہونے والی امیدوں سے بہلاتا رہتا ہے۔ پس یہی اس کا کام ہے ''يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ'' ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے۔ ''وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا'' اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا شیطان کے جن وعدوں نے ان لوگوں کو اللہ فراموش بنا دیا۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں صرف فریب ہی فریب ہے، مکر ہی مکر ہے۔

خدا فراموشی کی سزا

اللہ کو بھول جانا ہی کفر، شرک، نفاق، بدعقیدگی اور بدعملی کا باعث اور سبب ہوتا ہے۔ ان امراض میں مبتلا شخص کی عقل پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ کسی لمحہ بھی یہ نہیں سوچ پاتا کہ اسے وجود بخشنے والا اور اس کے وجود کو باقی رکھنے والا پھر اسے معدوم، ختم کر دینے والا کون ہے اور اس کا کیا حق ہے نیز میں اس کا حق ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ ایسے بدترین جرم کی سزا یقیناً سخت ترین ہی ہونا چاہئے۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس سزا کو بیان کرتا ہے تا کہ اللہ ورسول پر ایمان رکھنے والے اور قرآن کو اپنا نظام حیات تسلیم کرنے والے اس جرم سے دور رہیں۔ فرمایا گیا: ''فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ'' پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یعنی اللہ کو بھول جانے کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول جاتا ہے۔'' خدا فراموش

Marfat.com

خودفراموش' ہو جاتا ہے۔ خودفراموش اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جو دیوانہ و پاگل ہو جائے اسے اپنے تن، من، دھن کی خبر نہ رہے۔ اسے اپنے عمل کے انجام کا احساس نہ رہے اسے اپنی منزل کا پتہ نہ رہے۔

تاریخی واقعات وحقائق پر ذہن دوڑایئے تو آپ پر یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی کہ "خدافراموش خودفراموش" ہو جاتا ہے یعنی اسے اپنی حقیقت، حیثیت اور قوت وطاقت تک کا اندازہ نہیں رہتا۔ بس ایک اندھے کی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی بغیر لاٹھی کے اپنے خیال میں وہ اپنی منزل کی طرف چلتا ہے لیکن انجام کار ایسا ٹکراتا ہے کہ چور چور ہو جاتا ہے، نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ پڑھیے فرعون، نمرود، قارون وہامان کے حالات جنہیں قرآن کریم نے اسی لئے بیان کیا کہ ان سے عبرت حاصل کی جائے پھر مطالعہ کیجئے اپنی تاریخ کے خدافراموشوں کی زندگی کا مثلاً ابوجہل، ابولہب، یزید وغیرہ وغیرہ کے حالات اور پھر نظر ڈالئے اپنے ماحول پر، اپنے ملک، اپنے شہر، اپنے محلہ اور اپنے گھر کے خدافراموشوں کو دیکھئے کیسے خود فراموش ہو گئے ہیں۔ دیکھئے:

ان حکام کو جو نشۂ اقتدار میں مست، عوام کا خون چوس رہے ہیں، ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں انہیں نہ تو یہ احساس ہے کہ ایک حاکم کی حیثیت سے ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں نہ انہیں یہ یاد ہے کہ عوام سے ووٹوں کی بھیک مانگتے وقت انہوں نے کیا وعدے کئے تھے اور نہ ہی انہیں یہ خیال کہ بہر حال ایک نہ ایک دن اقتدار کی یہ کرسی کسی دوسرے کو منتقل ہونا ہے پھر ان کا کیا انجام ہوگا۔

دیکھئے، ان رشوت خوروں کو جن کی عیاشی نے انہیں بھکاری بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی باعزت کرسی پر بیٹھے صبح سے شام تک لوگوں سے بھیک مانگتے رہتے ہیں اور پھر بھی خود کو معزز سمجھتے ہیں۔ باوقار یونیفارم میں لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں اور پھر بھی قانون کے محافظ کہلاتے ہیں۔

دیکھئے، ان غنڈوں اور لٹیروں کو جو اپنے سرداروں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ ان کی نظروں میں کسی کی جان، مال، عزت، آبرو کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں نہ انہیں افراد کی ایذاء رسانی کی پروا اور نہ ہی قومی وقار کو پامال کرنے پر افسوس۔

دیکھئے، ان سودخوروں کو جو صرف اپنی شان وشوکت بڑھانے اور اپنی دولت مندی کے مظاہرے کے لئے سودی کاروبار کرتے ہیں۔ خود بھی حرام خور ہیں اور اپنی نسل کو بھی حرام خوری میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔

دیکھئے، اس جواری کو جو اپنی ساری دولت، اپنی بیوی کے کان کے بندے تک ہار بیٹھا اور اب اسے کوئی ایک وقت کی روٹی کھلانے والا نہیں۔ کم بخت خود بھی خوار ہوا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ذلیل کرا بیٹھا۔

دیکھئے، اس شرابی کو جو اپنے ہی گھر کے دروازے پر کھڑا اپنے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے۔

دیکھئے، ان گھروں میں آفات وبلیات، امراض اور بے برکتی وجن میں کبھی نہ تو قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے اور نہ ہی سجدہ کیا جاتا ہے، مصائب وآفات کے باوجود بھی انہیں کبھی اللہ کا نام لینے کا خیال نہیں آتا۔

اللہ محفوظ رکھے اسے بھلانے کی یہ سزا سخت ترین ہے کہ انسان خودفراموش ہو جاتا ہے، ذلیل ہوتا ہے، خوار ہوتا

Marfat.com

ہے، دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی ذلت وخواری اس کا مقدر ہوگی۔

اس سنگین جرم کی ایک اور سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یعنی اللہ بھی ان لوگوں کو بھلا دیتا ہے جو اللہ کو بھلا دیتے ہیں اور جسے اللہ ہی نے بھلا دیا وہ یقیناً برباد ہو گیا۔ پس:

اے ایمان والو! ''لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ'' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور ان کا انجام یہ ہوا: ''فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ'' کہ اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا کہ انہیں اپنی حقیقت وحیثیت ہی کا پتہ نہ رہا۔ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ رہا۔ یہ بھٹکتے پھرتے اور ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ذلت کو عزت، نامرادی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے غلاموں کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں فرماتے۔ ان کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ باعزت ہوں، باوقار ہوں، بارعب ہوں۔ انہیں اپنے دیکھیں تو ان کا احترام کریں، غیر دیکھیں تو کانپنے لگیں۔ ان کے درمیان میل محبت ہو۔ ان کی زندگی کے شب وروز پرامن اور پرسکون ہوں۔ یہ اپنی دینی اور دنیاوی ذمہ داریاں بآسانی پوری کرتے ہوں۔ یہ سب کچھ جب ہی نصیب ہوتا ہے اور انہی کو نصیب ہوتا ہے جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور پیکرِ اطاعت وفرمانبرداری بن کر وہ عملی ثبوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک حقیقی کو یاد رکھتے ہیں اور جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں اللہ بھی انہیں یاد رکھتا ہے۔ ''فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ'' اس کا اعلان ہے اور یہی لوگ صالحین، متقین، محسنین، صادقین اور مقربین کہلاتے ہیں جن سے اللہ محبت فرماتا ہے، اللھم اجعلنا منھم۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

Marfat.com

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

''سورۃ الممتحنہ''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
1 تا 9	80
10 تا 11	81
13	82

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۰

الممتحنہ: ۱ تا ۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ
قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ٞ
كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ

Marfat.com

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ رَّبَّنَا
عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَ
اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ عَسَى اللَّهُ
أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن
دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ
اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ
(الممتحنہ: ۱ تا ۹)
أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (جگری) دوست، تم تو ان سے اظہار محبت کرتے ہو حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے انہوں نے نکالا ہے رسول کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے اگر تم جہاد کے لئے نکلے ہو میری راہ میں میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست نہ بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف پیغامِ محبت بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان (اس دن) اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے بیشک تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی میں) جب انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ سے یہ کہنا (مستثنیٰ ہے) کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف ہمیں پلٹ کر آنا ہے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے بیشک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور

Marfat.com

روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بیشک اللہ ہی بے نیاز سب خوبیوں والا ہے یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم دشمنی رکھتے ہو محبت اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تمہیں روکتا ہے صرف ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے ہیں۔

بنیادی ہدایت

سورۃ الممتحنہ کی یہ نو آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بنیادی ہدایت یہ دی جارہی ہے کہ ''دشمنان اسلام سے چاہے کتنا ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ کیوں نہ ہو کسی حال میں بھی اہل ایمان کے لئے ان کو دوست بنانا جائز نہیں کہ وہ بظاہر دوست ہوتے ہوئے بھی اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔''

یہ ممانعت اگرچہ قرآن کریم میں متعدد بار آ چکی ہے لیکن یہاں اس کا انداز بیان قدرے مختلف ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے: ''لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ'' میرے اور اپنے دشمن کو ولی نہ بناؤ۔ جبکہ دیگر مقامات پر اسی حکم کو اس طرح دیا گیا: ''لَا تَتَّخِذُوا الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ'' کافروں کو ولی نہ بناؤ۔ ظاہر ہے کہ انداز بیان کی یہ تبدیلی لایعنی اور بیکار نہیں کہ قرآن کریم کا ہر جملہ ذومعنی اور پُر از حکمت ہے۔ پس اگر آپ غور کریں تو ''عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ'' کا جملہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مزید وسیع ہے یعنی صرف کفار کو اولیاء بنانے ہی کی ممانعت نہیں بلکہ جو بھی اللہ کا اور تمہارا دشمن ہو اس کو ولی نہ بناؤ کہ کفار کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جو تمہارے ہی لبادے میں ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ بھی اس لائق نہیں کہ تم ان پر اعتماد اور بھروسہ کر کے انہیں اپنا ہمدرد جانو اور راز داں بنا لو۔ یہ وہ ہیں جو تمہاری ہی طرح کلمہ پڑھتے ہیں، تمہاری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، تمہاری ہی طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام کے بنیادی احکام میں سے کسی ایک کے بھی منکر ہیں تو یہ تمہارے نہ رہے بلکہ اللہ کے بھی دشمن ہو گئے اور تمہارے بھی۔ یہ تو کفار سے بھی بدتر ہیں مارآستین ہیں ان سے بچتے رہنا یہ مرتد ہیں، واجب القتل ہیں ان سے کسی کا تعلق جائز نہیں کہ اللہ انہی سب سے اپنی عداوت اور دشمنی کا واضح اعلان فرما چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ جِبۡرِیۡلَ وَ مِیۡکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ

(البقرہ:۹۸)

جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کا تو

Marfat.com

اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا

اور یہی کفار جو اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ ان کا دشمن ہے، تمہارے بھی دشمن ہیں۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَـكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا (النساء:١٠١)

بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

منافقین و مرتدین کے لئے خصوصی اعلان فرمایا گیا اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡهُمۡ‌ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ‌ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ (المنافقون:۴)

یہی حقیقی دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو ہلاک کرے انہیں اللہ کیسے مارے مارے پھرتے ہیں۔

انہی دشمنوں کے خلاف جنگی تیاریوں کا حکم دیتے ہوئے اس کا مفاد بتایا گیا:

تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ‌ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ‌ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ‌ؕ (انفال:٦٠)

تاکہ تم خوفزدہ کردو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ۔ تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔

اہل ایمان کو طاقتور دشمن کے خوف سے مطمئن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مومنین کو اپنی مدد اور ان پر غلبہ کا یقین دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا‏ (النساء:۴۵)

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے (تمہاری) حمایت کے لئے اور کافی ہے (تمہاری) مدد کے لئے۔

تم تو اپنے دشمن کے ظاہری کروفر اور قوت طاقت ہی کو جانتے اور اسی سے مرعوب ہو جاتے ہو جبکہ اللہ اچھی طرح ان کی حیثیت و حقیقت سے واقف ہے۔ تمہیں ان کے سامنے جھکنے، بھیک مانگنے یا ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارا تو ولی اور ناصر و مددگار وہ اللہ ہے جو بڑا ہی قوت و طاقت والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ ولی و ناصر اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے دشمن کے مقابلہ پر تمہاری مدد کی ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

فَاَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ (الصف:١۴)

پھر ہم نے مدد کی دشمنوں کے مقابلہ میں ایمان والوں کی بالآخر وہی غالب رہے۔

اگر قرآن کریم کی ان آیات کا پورے ایمان و ایقان کے ساتھ مطالعہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ مومن کسی بھی طرح اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر دشمن کے ڈر کا بھاری بنے۔ اسی لئے ماضی میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ مسلم حکام یا عوام نے کسی

Marfat.com

بھی مرحلہ پر دشمن کا تعاون حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔ انہوں نے ہمیشہ دشمن کو دشمن ہی جانا اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے خود ہی اپنے معاملات کو سدھارا اور اپنی ضروریات کو پورا کیا۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ باعزت وباوقار رہے جبکہ دشمن اپنی ظاہری قوت وطاقت کے باوجود ان کے سامنے جھکا ہی رہا لیکن آج کے شہنشاہ وحکام نے پوری امت مسلمہ کو دشمن کی نظروں میں ذلیل وخوار بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اندر ایمانی قوت پیدا کرنے کے بجائے صرف دشمن پر اعتماد کرتے اور اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی اس کا سہارا لیتے ہیں پھر بھی ان کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔ بڑے بڑے لمبے لمبے دعوے کرتے نہیں تھکتے، کبھی اپنی مکاری پر شرمندہ نہیں ہوتے، ان کا ضمیر تک مر چکا ہے، کبھی انہیں اپنے کئے پر پچھتاوا نہیں ہوتا اللہ ان کو ہدایت دے اور امت مسلمہ کو ان سے نجات عطا فرمائے، آمین۔

اے ایمان والو! پس تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن سے دور رہو اس کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ اس پر اعتماد و بھروسہ ہرگز نہ کرو۔ اللہ کی اس واضح ہدایت کے باوجود تمہیں کیا ہوا کہ تم دشمن سے اظہار محبت کرتے ہو۔ ''تُلْقُوْنَ اِلَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ'' دشمن کو محبت ودوستی کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہو جبکہ تم یہ بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ ورسول اور تمہارے کھلے دشمن نے مکی زندگی کے ایام میں تمہارے آقا ﷺ کو کس طرح ستایا اور پریشان کیا، ان پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے۔ شعب ابی طالب میں انہیں محصور رکھا، عرصہ دراز تک ان کا ہر طرح بائیکاٹ کیا، بچوں کے بلبلانے اور بھوکوں کے تڑپنے تک کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اللہ کے گھر میں انہیں سجدہ کرنے کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ اللہ کے دشمنوں نے تمہارے دشمنوں نے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا گھر، اپنا وطن عزیز چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور پھر انہیں مدینہ منورہ میں بھی سکون کا سانس نہ لینے دیا۔ بار باران پر حملہ آور ہوتے رہے، منہ کی کھاتے رہے پھر بھی باز نہ آئے۔ وہ یہ سب کچھ تم سے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہ کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ''اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ'' کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ تمہارے مؤمن ہو جانے کے باعث ہی وہ تمہارے دشمن ہوئے ہیں جبکہ تم اللہ کے محبوب وپسندیدہ ہو گئے ہو۔ پس تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے ان سے باخبر رہو، ان کی ہر سازش کا مقابلہ کرتے رہو، انہیں کمزور وبے ضرر جانو کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ تمہارا ولی ومددگار تو اللہ ہے۔ پس تم اللہ کے سپاہی بن کر دشمن کو کچلنے اور اس کے جہاد کرنے کی تیاری میں مصروف رہو اور جب جہاد کے لئے نکل پڑو تو دشمن سے صلح اور مصالحت کی راہیں تلاش نہ کرو ورنہ وہ تم پر غالب ہونے کے خواب دیکھنے لگیں گے اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے ظاہر وباطن کو بخوبی جانتا ہے۔ پس تم اپنے ظاہر کو ایسا سنوارو کہ تم پر دشمن کی نظر نہ جم سکے اور باطن کی اصلاح کا خیال رکھو تا کہ تمہاری ایمانی قوت وطاقت میں فرق نہ آنے پائے اور اگر تم نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو یاد رکھو کہ تم گمراہ ہو جاؤ گے، اپنی حقیقی منزل سے دور ہو جاؤ گے، عزت وشہرت سے محروم ہو جاؤ گے اور واقعی دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو دشمن خوب تمہارا مذاق اڑائے گا، خوب تمہیں ذلیل وخوار کرے گا۔ ''وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ'' اور وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں گے، تم پر ظلم وستم ڈھائیں گے، جسمانی اذیت پہنچائیں گے۔ ''وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ'' اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ کہ تمہیں غلاموں کی طرح حکم دیا کریں گے اور جب تم سے ان

Marfat.com

کے احکام کی تعمیل میں کچھ بھی کوتاہی ہوگی تو وہ تمہیں گالیاں دیا کریں گے تا کہ تم مصائب و آلام اور ذلت و خواری سے تنگ آ کر اپنا دین چھوڑ بیٹھو اور یہی تو ان کا مقصد ہے اور خوب یاد رکھو کہ تمہارے اہل و عیال اور اعزاء و اقارب جو دشمن کے قبضہ میں ہیں اور جن کی محبت کے سبب تم دشمن سے نرم برتاؤ کا خیال کرتے ہو، اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو، وہ اعزاء و اقارب وہ اہل و عیال قیامت کے دن ہرگز تمہارے کام نہ آئیں گے۔ ''يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ'' کہ اس دن تو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان ایسی دوری کر دے گا کہ نہ تم ان کی مدد کر سکو گے اور نہ ہی وہ تمہارے مددگار بن سکیں گے۔ اس چندروزہ زندگی کے لئے تم کیوں اللہ و رسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتے اور اپنی عزت و آبرو کا دشمن سے سودا کرتے ہو تمہاری عزت اسی میں ہے، عافیت اسی میں ہے کہ تم اللہ کی ہدایت پر عمل کرو اور ہاں اگر تم نے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دشمن سے کوئی ساباز کر بھی لی، کوئی غیر شرعی معاہدہ کر بھی لیا تو خوب جان لو کہ تمہاری اس حرکت کو اگرچہ کوئی نہیں دیکھ پایا لیکن جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا اور سب کی خبر رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور پہنچو ہمارے خلیل و نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک اور دیکھو ہمارے خلیل نے کس طرح ہماری رضا کے لئے اپنے اہل و عیال کی قربانی دی، ان کے ساتھیوں نے کس طرح ہماری اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور تمہارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' بہترین نمونہ قائم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ہم تمہیں اس لئے یاد دلا رہے ہیں کہ ان کی زندگی کا یہ مخصوص حصہ نہایت ہی اہم تھا۔

پس آیئے، اس موقع پر ہم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے متعلق چند سطور پیش کر دیں کہ اگرچہ جملہ انبیاء و مرسلین کی عزت اور ان کا احترام ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن اللہ کے خلیل علیہ السلام سے ہمارا خصوصی تعلق ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدامجد ہیں، ہمارے آقا ﷺ آپ ہی کی نسل مبارک سے ہیں، اسی لئے شریعت مطہرہ نے ان کی اور ان کے اہل و عیال کی بہت سی اداؤں کو ہمارے لئے قابل عمل بنایا ہے۔ قربانی آپ کی ہی یادگار ہے، حج کے اکثر و بیشتر اعمال، آپ ہی کی اداؤں کے مطابق ادا کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

انہی آیات میں ارشاد ہے: ''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔'' کہ تم غور کرو انہوں نے محض ہماری رضا وخوشنودی کے لئے کس طرح اپنی قوم سے برائت و علیحدگی کا اظہار کیا اور اعلان کیا: ''اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ'' یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا'' ''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔'' ''كَفَرْنَا بِكُمْ'' ''ہم تمہارا انکار کرتے ہیں تمہیں چھوڑتے ہیں۔'' ''وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا'' اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی پیدا ہو چکی ہے کیونکہ تم اللہ کے اور ہمارے دشمن ہو اب تم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اب تو اسی صورت میں رابطہ ہو سکتا ہے۔ ''حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ'' کہ تم ایک اللہ پر ایمان

Marfat.com

لے آؤ۔ ساری دشمنیاں ختم ہو جائیں گی، سب بھائی بھائی ایک ہو جائیں گے کہ انسانوں کے رشتہ کا تعلق خون سے بعد میں ہے پہلے یہ تعلق اللہ کے تعلق سے بنتا ہے جو اس کا ہے وہی سب اہل ایمان کا ہے جو اس کا نہیں اس سے کسی ایمان والے کا کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (زخرف: ۲۶)

اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

پھر آپ نے چاند، سورج کو غروب ہوتا ہوا دیکھ کر فرمایا:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (انعام: ۷۸)

اے میری قوم میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

یہی حکم اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور نبی مکرم علی الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ ارشاد ہوا:

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (الشعراء: ۲۱۶)

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔

کیونکہ اللہ رب العٰلمین نے ان کفار و مشرکین سے لاتعلقی اور برأت کا خود بھی اعلان فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ: ۳)

اللہ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی۔

یہ اعلان عام ہے کہ مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ پس جب اللہ کا خلیل، اللہ کا محبوب اور خود اللہ وحدہ لاشریک لہ مشرکین و کفار اور دیگر دشمنان اسلام سے بیزار ہیں تو اہل ایمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا راز دار بنائیں، ان سے نرمی کا برتاؤ کریں، ان کے در پر کاسہ لیسی کریں، بالخصوص حالت جنگ میں تو ایسا کوئی اقدام نہایت ہی مضر اور خطرناک ہو سکتا ہے جبکہ کافروں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے مسلمانوں سے بظاہر دوستی کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں ان کی مدد کا بھی وعدہ کرتے ہیں اور جب اپنا کام نکال لیتے ہیں تو انہی کے مقابلہ پر سینہ سپر ہو کر آ جاتے ہیں۔ پس:

اے ایمان والو! ''لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ''

مختصر حالات زندگی

یہاں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی پر بھی مختصر نظر ڈالتے چلیں تاکہ آپ کی خصوصیات

Marfat.com

کا مزید اندازہ ہو سکے۔ جن کی بناء پر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس امت کا نمونہ قرار دیا گیا۔ جس کے لئے اللہ کے حبیب نبی آخر الزماں ﷺ کی زندگی بہترین ''اسوہ'' بہترین نمونہ ہے۔

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت، کوفہ و بصرہ کے درمیان واقع شہر ''بابل'' میں ہوئی۔ جو آج کل عراق کی حدود مملکت میں ہے، یہ نمرود کا دور تھا، یہاں کے سب لوگ مشرک اور بت پرست تھے، مشرکانہ عقائد کے متعفن ماحول اور ایک جابر و ظالم حکمران کے دور میں اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

اعلان نبوت کے بعد آپ نے اپنے مشن کا آغاز اپنی قوم کے عقائد باطلہ کے رد کے ساتھ نہایت ہی فطانت اور ذہانت سے فرمایا کہ جب آپ نے تاروں، چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ ڈوبنے والے میرے یا کسی کے معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر اسی وقت پہلی مرتبہ آپ نے قوم کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔''

آپ نے فرمایا، اے میری قوم میں بری ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

میں تو صرف اس اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس کے علاوہ ہر عقیدہ باطل اور جھوٹا ہے۔

اور جب پہلی مرتبہ نمرود کے دربار میں جانے کا آپ کو موقع ملا تو اس کے سوالات کے آپ نے ایسے مسکت جواب دیئے ''فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ'' کہ کافر مبہوت و پریشان ہو کر رہ گیا۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر چند عقائد باطلہ سے تائب ہو کر حق قبول کرنے کی دعوت دی لیکن ان ظالموں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ پس ایک موقع ہاتھ آیا تو آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ ان کے عقائد کی قلعی کھولی۔ ہوا یوں کہ جب ساری قوم آبادی سے باہر جشن منانے چلی گئی اور آپ معذرت کر کے یہاں تنہا رہ گئے تو آپ ان کے بڑے بت کدے میں پہنچے اور سب سے بڑے بت کو ایک کلہاڑے سے ریزہ ریزہ کر ڈالا، واپس آکر لوگوں نے جب اپنے معبود کا یہ حال زار دیکھا تو چلا اٹھے کہ یہ ضرور ابراہیم ہی کا کام ہے۔ لہٰذا آپ کی شاہی دربار میں طلبی ہوئی اور پوچھا گیا ''اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ'' اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کی یہ درگت بنائی ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اے عقل کے اندھو! کیا تم نے نہ دیکھا کہ بڑے بت نے مٹھائی کے سارے تھالوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور کلہاڑا اسی کے ہاتھ میں ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ظلم اسی نے ڈھایا ہے۔ یہ سن کر سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں سب کے سر لٹک گئے اور شرمندگی کی کیفیت میں ڈوبے، بولے اے ابراہیم ''لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ'' تم تو بخوبی جانتے ہو کہ یہ بیچارے بول نہیں سکتے تو ہم ان سے ان کا حال کس طرح پوچھ سکتے ہیں۔

اب کیا تھا وہی کیا گیا جو ظالموں کا سب سے بڑا اور آخری حربہ ہوتا ہے۔ اللہ کے خلیل علیہ السلام کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، ایسی آگ جلائی گئی جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہ تھی ادھر ابراہیم کو اس آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کیا جا رہا تھا اور ادھر قدرت کا فیصلہ جاری ہو رہا تھا۔ ''يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ'' اے آگ ہمارے خلیل کی آمد ہے

Marfat.com

سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو کر انہیں اپنے آغوش میں لے لے۔ میرے خلیل کا بال بیکا نہ ہونے پائے ورنہ تو ہمیشہ کے لئے حرارت اور جلانے کی قوت سے محروم ہو جائے گی۔ اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کے سوا آگ کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ پس گلزار بن گئی اور وہاں پہنچ کر اللہ کا خلیل اپنے رب کی یاد میں بڑے ہی سکون واطمینان کے ساتھ محو ہو گیا اور دشمن کی یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہو سکی اب اللہ کے دشمنوں سے اللہ کے نبی کی ایک طویل جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ہمہ وقت آپ ظلم وستم کا شکار رہنے لگے کوئی اذیت ایسی نہ تھی جو آپ کو نہ دی جاتی ہو۔ اسی دوران حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوگئی اور آپ نے اللہ کی اجازت سے اپنی قوم اور وطن کو خیرباد کہہ کر ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔

حیران ہوتے ہوئے آپ مصر پہنچے تو یہاں بھی آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا کہ یہاں کے ایک فرعون بادشاہ کو جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن وجمال کی خبر ملی تو اس نے انہیں طلب کیا اور بدنیتی کے ساتھ ان کو ہاتھ لگانا چاہا لیکن اللہ نے یہاں بھی اپنے خلیل کی عزت وآبرو کی حفاظت فرمائی کہ فرعون کا وہ ہاتھ ہی شل ہو گیا جس سے وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو چھونا چاہتا تھا۔ بلبلا کر آپ ہی سے درخواست دعا کرنے لگا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی: "اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ صَادِقًا فَاَطْلِقْ یَدَہٗ" اے اللہ اگر تو سچا ہے تو اس کا ہاتھ ٹھیک کر دے، ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے بطور شکرانہ خوش ہو کر اپنی کنیز حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ہدیتاً پیش کیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آزاد کر کے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا اور ان سے نکاح کی درخواست کی۔ ابھی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام "اسماعیل" رکھا گیا۔ انہی کی نسل پاک میں ہمارے آقا نبی آخر الزماں سید الانبیاء والمرسلین ﷺ تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بھی بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام "اسحٰق" رکھا گیا انہی کی نسل پاک میں بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء ورسل پیدا ہوئے۔

اب اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی لیکن ابتلاء وآزمائش کا دور اب تک ختم نہ ہوا تھا۔ اسی پیرانہ سالی میں آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی زوجہ ہاجرہ اور ننھے اسماعیل کو وادی "غیر ذی ذرع" میں تنہا چھوڑ دو، یہاں آبادی تو درکنار کسی چڑیا کی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔ چند دن بعد جب ساتھ لایا ہوا کھانا پانی ختم ہو گیا تو نوبت بایں جارسید کہ ماں کی چھاتیوں میں بچے کے لئے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ رہا، بچے نے رونا اور بلبلانا شروع کیا تو دیوانہ وار صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں کہ شاید کہیں پانی نظر نہ آئے۔ انہیں تو پانی نہ ملا لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ کے ہونے والے جد امجد کی ایڑیوں کی رگڑ سے قیامت تک کے لئے "ماءِ زمزم"، "آبِ شفا"، "آبِ برکت" کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اسی نے "وادی غیر ذی ذرع" کو ایک مقدس شہر میں تبدیل کر دیا۔ اسی کے کنارے اللہ نے باپ بیٹے کو ایسا گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا جو اس زمین پر "اول بیت" کہلائے جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے جائے امن بنے، جو اہل ایمان کے مضطرب دلوں کو سکون بخشے، جہاں مرادیں پوری ہوں اور خالی جھولیاں بھری جائیں جہاں ایک سجدے کا ثواب

Marfat.com

ایک لاکھ کے برابر ہو اور جس کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے اللہ یہ واضح کر دے کہ اس گھر کی ساری عظمتیں، برکتیں اور اس کا تقدس صرف اس لئے ہے کہ یہ میرے محبوب نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا مولد جائے پیدائش ہے۔ ''لَآ اُقۡسِمُ بِھٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّ ۢ بِھٰذَا الۡبَلَدِ'' میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ یہ آپ کا حل ہے، آپ یہاں رونق افروز ہیں۔

یہی دور ہے جب بوڑھے ابراہیم کو نوجوان اکلوتے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے ''خلت'' سچی دوستی اور خلوص کا بہترین نمونہ قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور جب باپ بیٹے اس عظیم امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں ''ذبح عظیم'' کا فدیہ دیا جاتا ہے۔ بایں صورت کہ ہمیشہ سال میں ایک مرتبہ ان کی اس ادا کو تازہ کیا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں۔ ''اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔''

اس مختصر تحریر کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی انہی خوبیوں کو ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا اور ہم سے مطالبہ کیا کہ ہر حال میں ہم اللہ اور اس رسول ﷺ کی رضا کے خواہاں رہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دی گئی لیکن ان کا ایک عمل اس سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا: ''اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰھِیۡمَ لِاَبِیۡهِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَکَ'' مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کون تھے جن کے لئے آپ نے وعدۂ استغفار فرمایا کیونکہ اگر ان کا باپ ''آزر'' ہی تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو ایک نبی کا کافر باپ کے لئے استغفار کرنا کس طرح موزوں ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ اس حقیقت کے بھی خلاف ہوگا کہ کسی نبی یا رسول کے آباء و اجداد میں، کسی شخص کا بت پرست، مشرک یا کافر ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ اللہ کے خلیل علیہ السلام کا پاک دامن۔ بت پرستی کے داغ سے محفوظ رہے۔

حضرت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ علماء اہل سنت کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے کیونکہ انہی کی نسل سے ہمارے آقا ﷺ ہیں جبکہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں کوئی کافر یا مشرک نہ تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''لَمۡ اَزَلۡ اَنۡقُلُ مِنۡ اَصۡلَابِ الطَّاھِرِیۡنَ اِلٰی اَرۡحَامِ الطَّاھِرَاتِ وَالۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجِسٌ'' میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔ اللہ نے جن کے اہل بیت تک کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرمایا ہوں ان کا دامن کس طرح شرک کی نجاست سے ملوث ہو سکتا ہے۔ پس علماء کا اتفاق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا کہ اہل عرب اکثر چچا کے لئے ''اب'' کا لفظ

Marfat.com

استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا۔ جبکہ یہ واضح ہے کہ وہ ان کے چچا تھے باپ نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے ''اَب'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ''رُدُّوْا عَلَیَّ اَبِیْ۔''

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء اہلسنت نے بھی یہی صراحت کی ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس باپ سے وعدۂ استغفار فرمایا وہ آزر تھا لیکن وہ حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا تھا جس سے اس امید پر وعدہ فرمایا کہ شاید وہ ایمان قبول کر کے بت پرستی سے تائب ہو جائے کہ ہر شخص کے تائب ہونے اور مؤمن ہو جانے ہی کی امید رکھنا چاہئے، چاہے حالات کتنے ہی اس کے برعکس ہوں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ الزام کہ انہوں نے اپنے باپ یا چچا کے لئے وعدۂ استغفار کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ حالت شرک ہی میں مریں گے، کسی طرح ثابت نہیں ہوتا یہ ایک غلط فہمی ہے جو توہین رسالت و نبوت کے عادی لوگوں کی طرف سے پیدا کی گئی ہے۔ اہلسنت کو اس سے اپنے اسلاف کی تقلید و اتباع کرتے ہوئے بچنا چاہئے۔

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متعدد دعائیں نقل فرماتا ہے تا کہ ہم بھی یہ اور ان جیسی دعا کیا کریں۔ یہاں بھی ایک دعا بتائی جا رہی ہے۔ ''رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ کیسی اہم دعا ہے کہ کفار کے غالب ہو جانے کے سبب، مولا! ہمیں فتنہ سے محفوظ رکھنا اور اس سلسلہ میں ہم سے جو غلطی ہو جائے اسے معاف کر دینا یہ بھی حقیقتاً کافروں سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے، پس

اے ایمان والو! تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کافروں سے ایسے ہی بیزار اور لاتعلق ہو جاؤ کہ تمہاری دعاؤں میں بھی اس کا اظہار ہونے لگے کہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے بیزاری اور لاتعلقی ہی ایمان کی روح اور جان ہے۔ اسی سے ایمان کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت کے پیدا ہو جانے کے بعد اللہ تمہارا ناصر و مددگار رہتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطبین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور ان کے بعد اسلاف کرام نے کفار و مشرکین کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ جس کا خود قرآن کریم نے اعلان فرمایا: ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ کفار پر نہایت ہی سخت ہیں جبکہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت مہربانی اور محبت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سختی کے باوجود ایمانی تقاضہ کے مطابق صحابہ کی بھی یہی خواہش رہتی تھی اور آج تک ہر مؤمن یہی چاہتا ہے کہ کفار ایمان قبول کر لیں جہنمی جنتی ہو جائیں جو دور ہیں وہ حقیقت میں قریب ہو جائیں نفرتیں محبتوں میں بدل جائیں اور ایک اللہ کے بندے ایک اللہ پر ایمان لا کر ایک ہو جائیں۔ قرآن کریم ان جذبات کا احترام کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے: ''عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً'' یقیناً اللہ تمہارے اور ان کے درمیان (کل) دوستی پیدا فرما دے گا، جن سے (آج) تم دشمنی رکھتے ہو۔

Marfat.com

اگر یہ نہیں تو کل ان کی نسلیں ایمان قبول کر کے ضرور تمہاری نسلوں سے قریب ہو جائیں گی اور ایسا ہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نور ایمان نے کفر کی تاریکی کو چھانٹا اور عداوت و دشمنی مَوَدَّۃ و محبت میں تبدیل ہوئی جو دور تھے وہ قریب ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ کل جو دشمن تھے وہ آج دوست ہیں اور جو آج کافر ہیں وہ کل مومن ہوں گے۔

اے ایمان والو! تم ہماری ہدایات پر سختی سے عمل پیرا رہو۔ یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ کب کسے کس سے دور ہونا ہے اور کسے کس سے قریب ہونا ہے کب آج کا دشمن، دوست اور آج کا دوست دشمن ہو جائے گا کہ ہم ہی ''مُقَلِّبُ الْقُلُوْبُ'' ہیں اپنی حکمت کے مطابق ہم لوگوں کے دلوں کا حال ادل بدل کرتے ہیں۔

مشرکین و کفار سے قطعی بیزاری اور لاتعلقی کی ہدایت کے باوجود ایسے کفار سے حسن سلوک جاری رکھنے اور ان کے معاملات میں انصاف اختیار کرنے کی اجازت دی جارہی ہے جو نہ تو اہل ایمان کے دینی معاملات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ان پر ظلم و ستم ڈھا کر انہیں ترک وطن پر مجبور کرتے ہیں فرمایا گیا ''اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ'' تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو کہ وہ کفر کے باوجود تمہارے دشمنوں کے زمرے میں نہیں آتے اور اسلام کسی سے دشمنی کی اور نفرت و بیزاری کی بلاوجہ اجازت نہیں دیتا۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اسلام کی یہ وہ بے نظیر تعلیم ہے جو کوئی دین و مذہب نہیں دیتا کہ جن سے کوئی دینی تعلق نہیں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور انصاف کی ہدایت کی جارہی ہے کہ اسلام فتنہ و فساد پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ دشمنی اور عداوت کی نمو نہیں کرتا۔ اسلام تو محبت کا، امن کا مذہب ہے۔ بیزاری اور لاتعلقی کا سبب تو کفار کی اپنی دشمنی اور سازش بنی۔ اگر وہ مسلمانوں سے دشمنی نہ کریں اور اسلام کے خلاف سازش نہ کریں تو اسلام انہیں بھی جینے کا حق دیتا ہے۔ اسلام کے دامن امن میں ان کے لئے بھی پناہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی ''قتیلہ'' تھی۔ جسے آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ اسی کے بطن سے آپ کی ایک صاحبزادی ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا'' تھیں۔ ہجرت کے بعد قتیلہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ تحائف لے کر مدینہ منورہ آئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے تحائف قبول نہ کئے اور اسے اپنے گھر کے اندر تک نہ آنے دیا پھر اس واقعہ کا ذکر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اسماء تم نے ٹھیک نہیں کیا وہ تمہاری ماں ہے اس نے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اسے گھر بلاؤ اس کے تحائف قبول کرو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

اسلام کی اس ہدایت کی مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر کفار ایمان لائیں اور دوری قرب میں تبدیل ہو نفرتیں ختم ہوں کفر و شرک کا اندھیرا چھٹ جائے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ان آیات سے متعلق حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کرتے چلئے جس سے معلومات میں یقیناً اضافہ ہوگا۔ یہ واقعہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے:

Marfat.com

بنو ہاشم کے خاندان کی ایک باندی "سارہ" مدینہ منورہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپ فتح مکہ کی خاموش تیاری کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سختی سے ہدایت فرمائی تھی کہ یہ راز اہل مکہ پر فاش نہیں ہونا چاہئے۔ "سارہ" دربار میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے۔ اس نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہجرت کر کے آئی ہے۔ کہا نہیں۔ فرمایا: پھر یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ اس نے عرض کی: محتاجی سے تنگ ہو کر آئی ہوں کچھ امداد کی درخواست ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر صحابہ نے اس کی مدد کی اور کہا اب تو چلی جا۔ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ اس سے ملے اس کو دس دینار دیئے اور چادر دی اور کہا یہ میرے اہل خانہ کو پہنچا دینا اور ایک خط دیا اور کہا یہ اہل مکہ کے لئے ہے۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں لہٰذا تم اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔"

سارہ خط لے کر ابھی روانہ ہی ہوئی تھی کہ غیب داں آقا ﷺ کو علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ کو جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ "مقام روضہ خاخ" پر تمہیں ایک مسافر عورت (سارہ) ملے گی جو اہل مکہ کے لئے حاطب کا خط لے کر جا رہی ہے تم اس کا تعاقب کرو۔ اس سے وہ خط لے لو اور اگر انکار کرے اور کسی طرح بھی خط نہ دے تو اس کو قتل کر دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا۔ اس سے خط طلب کیا لیکن اس نے سختی سے انکار کی اور کہا کہ میں تو خط کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں مجبورا صحابہ واپس ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر پھر اس عورت کو روکا اور فرمایا میرے آقا ﷺ کی خبر خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی، لہٰذا تو خط نکال ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا اور آپ نے اپنی تلوار تان لی، مجبورا عورت کو وہ خط دینا پڑا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ خط پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے ملاحظہ فرمایا تو سخت افسوس ہوا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا ابھی گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں" آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو اہل بدر کے حق میں فرمایا ہے۔ "کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے" (حضرت حاطب بھی بدری تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے حاطب کیا یہ تمہارا ہی خط ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایک اہم راز دشمن پر افشا کرنے کا جرم کیوں کیا۔ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں آپ کو اختیار ہے اور مجھے قبول ہے لیکن میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ایمان کے بعد میں نے کبھی کفر نہیں کیا اور نہ ہی کفار کو پسند کیا اور نہ ہی کبھی آپ سے کوئی خیانت کی اللہ گواہ ہے کہ جب سے میں نے مکہ چھوڑا ہے کبھی مجھے اہل مکہ کی محبت کا خیال تک نہ آیا لیکن یا رسول اللہ ﷺ! واقعہ یہ ہے کہ میں قریش کے ساتھ رہتا تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں ان کے خاندان سے نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل خانہ کی نگرانی کرتے ہیں، ان کا ہر طرح تعاون کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی نہیں۔ لہٰذا مجھے اپنے گھر والوں

Marfat.com

کی فکر ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تا کہ وہ میرے اہل خانہ کا خیال رکھیں اور پھر ان پر حملہ ہو تو وہ میرے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ دیں جبکہ مجھے یقین ہے کہ عنقریب اہل مکہ پر اللہ کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ میرا یہ خط تو کیا ساری دنیا ان کی مدد کرے لیکن انہیں کوئی نہ بچا سکے گا اور ایک دن مکہ ضرور فتح ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور انہیں معاف کر دیا جبکہ اللہ پہلے ہی انہیں معاف فرما چکا ہے کہ وہ بدری ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کی ان آیات میں جو اشکال تھے۔ الحمد للہ وہ ہماری اس تحریر سے دور ہو گئے اور حق واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقائد حقہ پر ثابت قدم رکھے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

مقالہ ۸۱

الممتحنہ: ۱۰ تا ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔــلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ (الممتحنہ: ۱۰، ۱۱)

"اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی

Marfat.com

طرف مت واپس کرو نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے اور کوئی حرج نہیں تم پر کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو اور تم بھی نہ روکے رکھو کافر عورتوں کو (اپنے نکاح میں) اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے اور اگر بھاگ جائے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آئے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیویاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں تو انہیں دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو''

آیات مذکورہ کا تعلق صلح حدیبیہ کے بعد پیش آنے والے حالات سے ہے کہ کفار نے اس صلح کو اپنی فتح و کامیابی جانا اور مکہ میں بقیہ مسلمانوں کو مزید تنگ اور پریشان کرنے لگے۔ نتیجتاً یہ مظلوم مسلمان مرد و عورت کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے لگے تاکہ بے سہاروں کو سہارا دینے والے آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں آرام و سکون سے زندگی بسر کرسکیں لیکن مختار شریعت ﷺ کی شرعی پابندی اس معاملہ میں حائل ہوئی اور وحی الٰہی کے مطابق مؤمن عورتوں کو تو پناہ مل سکی لیکن مؤمن مرد وقتی اور عارضی طور پر دریائے رحمت سے سیراب نہ ہوسکے اور انہیں آقا کے فیصلہ کے مطابق دشمنوں کے چنگل میں واپس ہونا پڑا۔ وضاحت آگے آتی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پہلے واقعہ صلح حدیبیہ عرض کریں تاکہ اس شرف سے بھی ہم محروم نہ رہیں کیونکہ غالباً گزشتہ اوراق میں کسی جگہ بھی یہ واقعہ تفصیلاً پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا نیز یہ واقعہ پڑھ لینے کے بعد آپ آیات کی تشریح بآسانی سمجھ سکیں گے۔

صلح حدیبیہ

حدیبیہ، مکہ مکرمہ سے ملحق ایک گاؤں کا نام ہے جس کا کچھ حصہ حرم مکہ میں اور کچھ اس سے باہر ہے۔ ۶ھ کا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرے کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو کافی دن سے یہ خوشخبری سننے کے لئے مضطرب تھے۔ لہٰذا مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح کے غلام نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس سفر میں شرکت کے لئے اپنے آقا ﷺ کے گرد جمع ہوگئے۔ تقریباً پندرہ سو افراد کا یہ قافلہ اللہ کے گھر کی طرف، اللہ کی تسبیح و تحمید کرتا روانہ ہوا۔ ان کے ہمراہ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ جن کے گلے میں قلادے پہنا دیئے گئے تاکہ پہچان ہوسکے کہ یہ جانور قربانی کے ہیں۔ قافلہ کے پاس سوائے ایک، ایک تلوار کے کوئی اسلحہ نہ تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے سات میل باہر مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو آپ نے احرام باندھا اور اپنی اونٹنی ''قصویٰ'' کا منہ کعبہ کی طرف کر کے اس پر سوار ہوئے عمرے کی نیت کی اور بآواز بلند تلبیہ کہا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کی اتباع کی۔

قریش کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو مکہ کی گلی کوچوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ سب

Marfat.com

ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہتے ''اپنی حفاظت کرلو کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) مکہ پر حملہ اور ہمیں تہس نہس کرنے کے لئے آ رہے ہیں'' جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ کے اس حال کی اطلاع ملی تو آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں تو حملہ کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ آپ ﷺ نے بطور احتیاط مکہ میں داخل ہونے کے لئے ایک غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تاکہ اہل مکہ کا کوئی لشکر مقابلے کے لئے نکلا ہو تو اس سے تصادم نہ ہو۔ جب قافلہ مقام حدیبیہ پر پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی ''قصویٰ'' بیٹھ گئی لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اِنَّمَا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ عَنْ مَكَّةَ''

اسے اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔

حدیبیہ میں قیام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو حدیبیہ میں قیام کا حکم دیا۔ یہاں قیام کے دوران سب سے زیادہ تکلیف پانی کی رہی جس کو رحمت عالم ﷺ معجزانہ طور پر دور فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ غلاموں نے پانی کی تکلیف کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنا ایک تیر، اپنے ایک غلام کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ کسی خشک کنوئیں میں اتر کر اس کو گاڑ دو حکم کی تعمیل ہوتے ہی کنواں پانی سے لبریز ہو گیا، ﷺ۔

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وضو فرما رہے تھے کہ چند صحابہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! اس پانی کے سوا اور پانی نہیں کہ ضرورت پوری کی جا سکے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں پر پانی بہایا تو چشمہ جاری ہو گیا۔ خوب بہا کہ پندرہ سو افراد نے اپنی ضرورت پوری کی، اونٹوں کو پانی پلایا برتن بھر کر رکھ لئے اور کئی دن تک خوب سیراب ہوتے رہے کہ جہاں میرے آقا ﷺ کی رحمت برسے وہاں کون پیاسا رہ سکتا ہے۔

مذاکرات کا آغاز

اہل مکہ کی تشویش ہر آن بڑھ رہی تھی۔ خوف و ہراس نے ان کی نیند تک غائب کر دی تھی۔ بالآخر انہوں نے از خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے نمائندوں کو بھیجنا شروع کیا۔ یہاں جو آتا وہ حال دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا اور واپس ہو کر یہی مشورہ دیتا کہ ''ان لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں، وہ ہم پر حملہ کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے، نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں اور نہ ہی دیگر سامان جنگ، قربانی کے اونٹ، قلادے پہنے ان کی چراگاہ میں چر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں عمرے کی اجازت دینا چاہئے اور اللہ کے گھر کے زائرین کو زیارت سے نہیں روکنا چاہئے لیکن قریش ان صحیح مشورہ دینے والوں کی گفتگو سن کر کچھ غور کرنے کی بجائے مزید برافروختہ ہوتے اور کعبۃ اللہ کے مسافروں پر حملہ کرنے کا ہی فیصلہ سناتے۔''

عروہ بن مسعود ثقفی سے قریش نے کہا کہ آپ جائیں اور مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح واپس چلے جانے پر آمادہ کریں۔ عروہ ایک معمر نہایت تجربہ کار شخص تھا۔ قریش اور دیگر قبائل عرب اس کا احترام کرتے اور اس پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس نے قریش کو جواب دیا کہ تم میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرو گے جیسا پہلے نمائندوں کے ساتھ کرتے آ رہے ہو۔ لیکن قریش

Marfat.com

نے بے حد اصرار کیا، لہٰذا عروہ جانے پر تیار ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر اس نے طویل گفتگو کی، دوران گفتگو عرب کے دستور کے مطابق وہ میرے آقا ﷺ کی مقدس داڑھی کو بار بار ہاتھ لگاتا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے کئی مرتبہ منع کیا۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے سخت لہجہ میں اس سے کہا: ''اگر اب تو نے یہ حرکت کی تو تیری یہ انگلیاں کاٹ دوں گا۔'' دوران گفتگو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ''تمہاری قوم جس نے تمہیں اہل مکہ پر حملہ کرنے کے لئے یہاں روکا ہوا ہے، وقت پڑنے پر سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو گرجتے ہوئے بولے: ''او! لات کا غلیظ چھیچھڑا چاٹنے والے، ہم اپنے آقا ﷺ کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز بھاگنے والے نہیں عروہ نے یہ سنا تو حیرت زدہ رہ گیا۔'' عروہ کو صحابہ کرام کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت و اطاعت شعاری اور اتباع پیروی نے بے حد متاثر کیا۔ اس نے واپس آ کر اہل مکہ کے سامنے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا وہ سیرت و احادیث کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

''اے اہل قریش تم جانتے ہو کہ میں بارہا، قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں لیکن جاں نثاری و جاں بازی اور عقیدت و محبت کی جو کیفیت میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے غلاموں میں پائی ہے مجھے اس کی نظیر کہیں نظر نہ آئی وہاں تو یہ حال ہے کہ اگر محمد بن عبداللہ (ﷺ) تھوکتے ہیں تو ان کے غلام اسے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو یہ عشاق پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اسے ذریعہ شفا جان کر پی لیتے ہیں اپنے چہروں، سینوں اور جسم پر ملتے ہیں جب وہ کسی کام کا اشارہ کرتے ہیں تو سب دوڑتے ہیں تاکہ ان کے حکم کی تعمیل کا شرف حاصل کر سکیں۔ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کھڑے ہوتے ہیں تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے آقا (ﷺ) کے اشارۂ ابرو پر جان کی بازی لگا دینے کے منتظر رہتے ہیں، لہٰذا تمہارا یہ خیال خام اور لغو ہے کہ ایسے غلام اپنے آقا کو برے وقت میں چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے۔ پس میری رائے ہے کہ تم انہیں اللہ کے گھر کی زیارت سے روکنے کی غلطی ہرگز نہ کرو۔ اس کا انجام بہت ہی برا ہو گا بلکہ انہیں خوش دلی سے اجازت دو۔ ان کا استقبال کرو، کعبۃ اللہ کے خدام کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری کرو اور اللہ کے مہمانوں کی خاطر مدارت کرو۔ تمہارے اس احسان کا وہ تمہیں کسی نہ کسی وقت پورا پورا بدلہ دیں گے کہ وہ دوسروں پر احسان کرنے والے لوگ ہیں۔''

لیکن کفار مکہ کے دل مسلمانوں کی عداوت و نفرت سے اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ وہ صلح و آشتی کی کوئی بات کسی سے سننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں دشمنی کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں انہیں وہ کسی نہ کسی طرح جنگ کے بھڑکتے شعلوں میں تبدیل کر دینا چاہتے تھے چاہے وہ انہیں ہی خاکستر کر ڈالے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے معتمد و محترم شخص عروہ کی بھی کسی بات پر دھیان نہ دیا اور اہل ایمان کو خوفزدہ کرنے اور جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے مزید حرکتیں کرنے لگے۔ کبھی

Marfat.com

ان پر پتھراؤ کرا دیتے تو کبھی ان کی چراگاہ میں گھس کر اونٹوں کو بھگاتے اور دوڑاتے تھے۔ اس دوران صحابہ کرام نے متعدد کفار کو گرفتار بھی کیا لیکن حضور ﷺ نے سب کی رہائی کا حکم دیا کہ آپ کسی بھی نوعیت کفار کو جنگ کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ غلام ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار و آمادہ تھے۔

سفیر اسلام کی روانگی

مصلحتاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے نمائندے اور سفیر کو مکہ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا گیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل مکہ پر بہت احسانات تھے۔ ان کا قبیلہ بھی وہاں آباد تھا لہٰذا یہ توقع تھی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات پر غور کریں نیز انہیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچا سکیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے آپ نے انہیں نہایت وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ ہم اور ہمارے آقا ﷺ صرف اور صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کا کوئی وہم و گمان تک نہیں لہٰذا ہمیں ہمارا کام کرنے دیا جائے۔ ہم چند دن یہاں رہ کر واپس ہو جائیں گے لیکن عقل کے اندھوں نے آپ کی بھی کسی بات پر غور نہ کیا۔ بس اتنا کہا کہ ''عثمان اگر چاہو تو تم عمرہ کرلو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برملا جواب دیا ایسا جواب جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو اپنے آقا ﷺ کی محبت والفت سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

میں اس وقت تک طواف کعبہ نہیں کروں گا جب تک میرے محبوب اللہ کے رسول ﷺ نہیں کریں گے۔

اللہ اکبر، کیسا عجیب جواب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حالت احرام میں، حرم میں موجود ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر مؤمن پر اللہ کے گھر کا طواف لازم ہے، اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں پھر بھی انکار فرما رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بھی تو جانتے ہیں کہ ایمان، روح ایمان، جان ایمان، مغز ایمان آقا کی غلامی ہے ان سے عشق و محبت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ مؤمن یہ یقین رکھے کہ کوئی عبادت رسول کی اطاعت و پیروی کے بغیر قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ اگر میرے آقا ﷺ کو اللہ کے گھر میں حاضری کا موقع حاصل نہیں تو میری حاضری کس کے وسیلہ سے قبول ہوگی۔ جب محبوبِ رب ﷺ کی قیادت ہی نہیں تو ربِّ کعبہ کی طرف سے اجابت کیوں کر ہوگی۔

ادھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں باتیں کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قابل رشک ہیں۔ انہیں خوب موقع ہاتھ آیا وہ تو روزانہ ہی اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہوں گے خوب خوب لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ آقا ﷺ نے غلاموں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مَا اَظُنُّهٗ طَافَ بِالْبَيْتِ وَنَحْنُ مَحْصُوْرُوْنَ''

میرا خیال ہے کہ عثمان کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے جبکہ ہمیں اللہ کے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا

Marfat.com

کیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا اعتماد ہے آقا کو اپنے غلام پر جو قابل رشک بھی ہے اور غلام کی عظمت و رفعت کو سمجھنے کے لئے کافی بھی ہے۔ جو آقا علیہ السلام کی نظروں میں اس قدر قابل اعتماد ہے وہ امت کی نظروں میں کیوں کر قابل احترام نہ ہو۔

بیعت رضوان

بیعت رضوان یعنی وہ بیعت جس کے کرنے والوں سے اللہ راضی ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطمئن و خوش ہو گئے۔ اسی کو بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ایک درخت کے نیچے رونق افروز ہو کر یہ بیعت لی۔ قرآن کریم، سورۃ الفتح میں اس بیعت کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۸، ۱۹)

یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی۔ درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور ایمان انہیں قریبی فتح بخشی اور (عطا کیں) بہت سی غنیمتیں بھی جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ افواہ پھیلی کہ انہیں کفار مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ نیز انہیں غیر متوقع تاخیر ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام میں اضطراب پیدا ہوا اور وہ مکہ پر حملہ کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرنے لگے۔ آپ نے ان کو مطمئن کرنے کی غرض سے فرمایا: ''اگر عثمان کو اہل مکہ نے شہید کر دیا تو ان کا بدلہ لئے بغیر ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔'' آپ علیہ السلام نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ آؤ بیعت کرو ''علی ان لا یفروا'' اس بات پر کہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، دشمن کا دباؤ کتنا ہی سخت ہو جائے۔ سر کٹا دیں گے جان دے دیں گے لیکن بھاگیں گے نہیں۔ اب کیا تھا غلاموں کی قطاریں بن گئیں، جان کی بازی لگانے کا عہد کرنے کے لئے سب ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سنان ابن ابی سفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی اور عرض کی ''یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُبَايِنُكَ عَلٰى مَا فِيْ نَفْسِكَ'' جو آپ کے جب میں ہے میں اسی پر بیعت کرتا ہوں۔ (یہ جذبہ ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ غلام یہ جاننا ہی نہیں چاہتا کہ مجھے کس بات پر سر کٹانا ہے بلکہ وہ اپنی جان بلا شرط اپنے آقا کے سپرد کر رہا ہے کہ آپ جب چاہیں اور جس کام کے لئے چاہیں مجھے قربان کر دیں) حضور علیہ السلام کو سنان کا یہ جملہ بے حد پسند آیا اور آپ نے تمام غلاموں سے اسی شرط پر بیعت لی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ابتداء، درمیان اور آخر میں تین مرتبہ بیعت کی۔

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اعزاز

جب صحابہ کرام کی بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آقا ﷺ نے اپنے اس غلام کو یاد فرمایا جو پہلے ہی اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ فِیْ حَاجَتِکَ وَحَاجَةِ رَسُوْلِکَ۔''

اے اللہ، یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے جو تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہوا ہے۔

صحابہ کرام کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ہم سے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہادت عثمان کے انتقام کے لئے بیعت لے رہے ہیں اور خود عثمان کی طرف سے بیعت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان کی شہادت کی خبر غلط ہے۔ یہ بیعت صرف ہمیں مطمئن کرنے اور کفار مکہ کو مرعوب کرنے اور یہ پیغام پہنچانے کے لئے کی گئی ہے کہ ہم اپنے قائد و آقا ﷺ کو چھوڑ کر کبھی نہیں بھاگ سکتے۔ ان کے حکم پر سر کٹانا ہی ہمارا حاصل زندگی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ میں یہ دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے کلی اعتماد کا اظہار فرمایا۔ ایک اس وقت جب صحابہ کو خیال ہوا کہ عثمان تو کعبہ کا خواب طواف کر رہے ہوں گے اور دوسرے اس موقع پر یہ تو انتہائے اعتماد ہے کہ عثمان کی طرف سے خود ہی ان کا سر کٹانے کی بیعت لے لی۔ عزیزو! اس سے بڑھ کر ایک غلام کے لئے اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ آقا اس سے پوچھے بغیر اس کے سر کا سودا کر دے اور وہ اس پر راضی ہو۔ صحابہ کرام میں یہ شرف صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔

صلح حدیبیہ

جب بیعت شجرہ کی خبر اہل مکہ کو پہنچی تو ان کے دل لرز اٹھے۔ اب انہیں یقین ہی ہو گیا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کئے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بعافیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو بے حد خوشی اور مسرت ہوئی۔ انہوں نے اہل مکہ کے خوف و ہراس اور بدحواسی کا حال سنایا تو مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ ہوئی اور اب وہ صرف جنگ کے لئے آمادہ نظر آنے لگے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی ہمیں قریش کے آئندہ اقدام کا انتظار کرنا ہے۔ جنگ یا صلح کا فیصلہ انہی کی پیش رفت کے مطابق ہوگا۔

ادھر کفار مکہ اب سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے اور مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے جمع ہوئے اور طویل مذاکرات کے بعد فیصلہ ہوا کہ سہیل بن عمرو کو محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے گفتگو کے لئے بھیجا جائے تا کہ وہ صلح کا کوئی راستہ نکالیں سہیل قریش کی ہدایات اور شرائط صلح لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا ''قد سهل امرکم'' اب تمہارا کام آسان ہو گیا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمائندے کے نام کی مناسبت سے نیک فال لی) سہیل نے حاضر دربار ہو کر صلح کی پیشکش کی۔ جس پر طویل گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو کبھی کبھی سہیل کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ عباد بن بشر نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: آواز اونچی کر کے بات نہ کر کہ یہ ہمارے

Marfat.com

آقا ﷺ کے دربار کے آداب کے خلاف ہے۔ اب سہیل سہم گیا اور دھیمی آواز سے گفتگو کرنے لگا۔ شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد معاہدہ لکھنے کا اعزاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بخشا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''علی، لکھو'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' سہیل تڑپا۔ کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے (العیاذ باللہ) علی وہ لکھو جو ہم لکھا کرتے ہیں یعنی '' بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ '' مسلمانوں کو سہیل کی یہ بات نہایت ہی بری معلوم ہوئی لیکن پیغمبر امن و سلامتی ﷺ نے غلاموں کو خاموش کیا اور فرمایا: علی وہی لکھ دو جو سہیل کہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے آگے لکھو'' هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی۔ سہیل '' رَسُوْلُ اللّٰهِ '' کے لفظ پر بھی بھڑکا۔ اور کہنے لگا اگر آپ کو ہم اللہ کا رسول ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا رہتا اب تو مسلمانوں کی برافروختگی انتہا کو پہنچ گئی۔ وہ سراپا احتجاج بن گئے کچھ نے صلح سے انکار کیا تو کچھ مکہ پر حملہ کرنے اور سہیل کو قتل کر دینے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ شیطان لعین نے غلامان مصطفیٰ کے درمیان بھی اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ وہ آپس ہی میں تلخ کلامی پر اتر آئے۔ سہیل اس منظر کو دیکھ کر پیکر حیرت بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا: '' مَا رَأَیْتُ قَوْمًا اَحْوَطَ لِدِیْنِهِمْ مِنْ هٰؤُلَاءِ '' میں نے کسی قوم کو اپنے دین میں ان لوگوں سے زیادہ محتاط نہ دیکھا۔ بالآخر آقائے رحمت ﷺ نے غلاموں کو تسلی دی صبر و استقامت کی تلقین کی اور فرمایا: '' عَلِیُّ، اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَاکْتُبْ '' علی میں محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہوں لہٰذا تم یہی لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔

معاہدے کی جو شرائط طے ہوئیں وہ بحمد اللہ احادیث کی کتابوں میں ہو بہو محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

> '' اے اللہ تیرے نام سے، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہو گی لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی پر دست درازی نہ کرے گا، کوئی چوری اور خیانت کا مرتکب نہ ہو گا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں گے اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے، مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص قریش کے پاس پہنچے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے اور محمد (ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے صحابہ سمیت عمرہ ادا کرنے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے اور تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو گا اور تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔ ''

معاہدہ قابل غور ہے جسے کفار اپنی کامیابی و کامرانی اور مسلمانوں پر غلبہ کا وثیقہ سمجھ کر فخر کر رہے تھے جبکہ نتائج سے بےخبر عشاق افسردہ و غمزدہ تھے اور ان کے آقا ﷺ کے چہرۂ مبارک پر طمانیت کے آثار نمایاں تھے۔ اہل ایمان کو افسوس اس بات پر تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے آقا ﷺ کو ایک ایسا معاہدہ قبول کرنا پڑا جس کے شرائط میں بظاہر کافروں کی بالادستی نظر آ رہی تھی جبکہ غلاموں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس قدر رنجیدہ خاطر تھے کہ

Marfat.com

ایک کونہ میں خاموش بیٹھے آنسو بہا رہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بولے ''اَلَیْسَ هٰذَا نَبِیُّ اللّٰهِ حَقًّا'' اے ابوبکر، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سچے نبی نہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل گفتگو کر ڈالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا اور جذبات پر قابو پانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''اَیُّهَا الرَّجُلُ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَیْسَ یَعْصِیْ رَبَّهٗ وَهُوَ نَاصِرُهٗ'' اے شخص، بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا مددگار ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے آخر دم تک وابستہ رہو اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا اور اپنی غلط سوچ پر نادم و شرمندہ ہوئے انہیں ساری زندگی اپنی اس غلطی کا احساس رہا جس کے لئے وہ ہمیشہ بکثرت نوافل پڑھتے، صدقہ و خیرات کرتے، غلاموں کو آزاد کرتے اور اللہ سے معافی کے طلبگار رہتے تھے جبکہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے تو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی معافی کا عام اعلان قرآن کریم کے ذریعہ پہلے ہی کر دیا ہے۔ ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔''

معاہدے کی پابندی

معاہدے کے دوران ہی اہل ایمان پر افسردگی کے بادل چھانے لگے تھے کہ اسی دوران ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا۔ ہوا یہ کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل مسلمان تھا۔ مکہ میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا تھا وہ کسی نہ کسی طرح زنجیروں میں جکڑا۔ حدیبیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جونہی اس پر صحابہ کی نظر پڑی وہ دوڑے آئے اس کو گلے لگایا اور زنجیریں کھولیں۔ آقا ﷺ کے دربار میں حاضر کیا۔ ابوجندل نے پناہ کی بھیک مانگی ظالم باپ نے اسے دیکھا تو بھڑک اٹھا بولا اے محمد (ﷺ) معاہدہ ہو چکا ہے۔ جس کی رو سے آپ ہمارے کسی شخص کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے۔ لہٰذا ابوجندل کو مکہ واپس جانا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں یہ معاہدہ اسی وقت ختم کرتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس احمق کو بہت سمجھایا کہ ابھی تو معاہدہ پورا نہیں ہوا ہے۔ اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے ہیں تو اس پر عمل کی ابتداء کیسے ہو سکتی ہے لیکن سہیل نے ایک نہ سنی اور اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوجندل کو سمجھایا اور فرمایا: ''اے ابوجندل، صبر کرو اور اس کے اجر کی اللہ سے امید رکھو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے مظلوم ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا۔ اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔'' غلام نے اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے گئے۔

حدیبیہ سے واپسی

جیسے تیسے معاہدے کی تکلیف دہ الجھنوں کا خاتمہ ہوا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ کرتے ہوئے احرام کھول دینے اور حلق و قربانی کی ذمہ داری پوری کرنے کا اعلان فرمایا لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے جنبش تک نہ کی۔ گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اس کا سبب نافرمانی و حکم عدولی یا احتجاج کا خیال ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان وفا شعار اور

Marfat.com

اطاعت گزار غلاموں کی یہ کیفیت محض غم واندوہ کے باعث تھی جس نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل تک کا احساس نہ رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے غلاموں کی اس کیفیت پر افسوس بھی ہوا اور رحم بھی آیا۔ آپ ﷺ اپنے حرم شریف میں تشریف لے گئے اور ہماری ماں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سب حال بتایا۔ غمگسار زوجہ محترمہ نے مشورہ دیا کہ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر احرام کھول دیجئے قربانی کیجئے اور حلق کرا لیجئے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جونہی غلاموں نے آقا کو معمول کے مطابق لباس پہنے دیکھا۔ سب دوڑے، احرام کھولا اور آقا ﷺ کی اتباع میں دوسرے کام انجام دیئے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آقا ﷺ نے حلق کرایا۔ غلام آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ کے مقدس بالوں کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں لیتے اور آپس میں تقسیم کرتے رہے۔ قیام حدیبیہ میں یہ مسرت وخوشی کا پہلا موقع تھا کہ ایک عظیم دولت ان کو میسر آ رہی تھی۔ جس کو جتنے زیادہ بال ملتے وہ اتنا ہی زیادہ خوش نظر آتا اور دوسرے بھائی اس کو گلے لگاتے اور مبارکباد دیتے۔ غلاموں کی یہ کیفیت دیکھ کر آقا ﷺ کی تمام کلفت دور ہو گئی۔ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر بھی مسرت وخوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ بال میسر آئے تھے جنہیں آپ نہایت حفاظت سے رکھتی تھیں اور جب کسی کے بیمار ہونے کا آپ کو پتہ چلتا تھا تو آپ اسے بالوں کا دھون پلا دیا کرتی تھیں۔ مریض فوراً شفایاب ہو جاتا تھا۔

مژدہ فتح

کچاؤ اور تناؤ کے انیس یا بیس دن گزرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا حکم دیا۔ صحابہ افسردہ وغم زدہ یہاں سے رخصت ہوئے۔ رب کریم کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں پر رحم آیا۔ ابھی تھوڑی ہی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام ''ضجنان'' پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ جس کی پہلی ہی آیت مبارکہ مژدۂ فتح تھی: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا'' (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح عطا فرما دی) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد باری تعالیٰ غلاموں کو سنایا تو ان کی خوشی ومسرت کی انتہا نہ رہی آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ جس صلح کو اہل ایمان کے لئے ناکامی اور مغلوبیت کا سبب سمجھا جا رہا تھا وہی حقیقت میں ان کے لئے فتح مبین ثابت ہوئی۔

نتائج صلح

جس صلح نے صحابہ کرام کو رنجیدہ وغم زدہ اور نڈھال کر دیا تھا، چند دن بعد وہ اپنے نتائج واثرات کے اعتبار سے اللہ رب العزۃ جل مجدہ کے ارشاد کے مطابق ''فتح مبین'' ثابت ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

معاہدہ کر کے قریش نے مسلمانوں کو ایک آزاد قوم اور مدینہ منورہ کو ایک آزاد اسلامی حکومت تسلیم کر لیا تھا۔ قریش کی وجہ سے مسلمانوں کی اس سیاسی حیثیت کو دیگر قبائل عرب کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس صلح سے پہلے کفار کی طرف سے لوٹ مار، چوری وڈکیتی اور قتل وغارت کا عام سلسلہ رہتا تھا۔ اب جنگ کی سی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ راستے پرامن ہو

Marfat.com

گئے اور مسلمان بلاخوف وخطر قبائل عرب سے رابطے کرنے لگے اس طرح تبلیغ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اس اہم کام میں سہولت پیدا ہوئی۔ تاریخ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معاہدہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی قیصر وکسریٰ، شاہ مصر، حارث بن ابی شمر، شہنشاہ ایران اور دیگر قبائل کے سرداروں کو پیغام ارسال فرمائے اور انہیں دعوت اسلام دی۔ نیز یہود کی سرکوبی فرمائی کہ خیبر اور یہودیوں کے دوسرے قلعے فتح ہوئے۔ اگر غور کیا جائے تو گزشتہ انیس سال کے مقابلے صلح کے بعد دو سال میں بہت زیادہ کام ہوا۔ اسی صلح سے متاثر ہو کر قبائل کثرت سے مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ اندازہ کیجئے کہ حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی تعداد صرف چودہ سو کے قریب تھی۔ جبکہ دو سال بعد ہی فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو لشکر اسلام میں دس ہزار سپاہی نظر آتے ہیں۔

اس معاہدے کی دوسری اہم شق جو صحابہ کرام پر نہایت بارگزر رہی تھی کہ "اگر مکہ سے بھاگ کر کوئی مسلمان یا کافر مدینہ منورہ پہنچے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جبکہ مدینہ سے آنے والے کسی شخص کو کفار مکہ واپس نہیں کریں گے" اس کے بھی نہایت اچھے نتائج برآمد ہوئے کہ مکہ میں مقیم مسلمانوں میں مزید استقلال پیدا ہوا۔ وہ نہایت صبر واستقامت کے ساتھ ظلم وستم کا مقابلہ کرتے رہے اور جو مسلمان مدینہ پہنچتے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے مطابق مکہ آ کر مزید ہمت کے ساتھ خدمت دین انجام دیتے اور جو کفار مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچتے، صحابہ کرام ان کی خاطر ومدارت کرتے جس سے متاثر ہو کر ان کی آتش غیظ وغضب مدہم پڑ جاتی اور وہ اہل مکہ کے سامنے مسلمانوں کے حسن اخلاق کے گن گاتے رہتے اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے کسی نہ کسی طرح معاون ومددگار بن جاتے تھے۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ سے کوئی مسلمان فرار ہو کر کفار کی پناہ حاصل کرنے مکہ نہیں پہنچا جس سے دنیا نے اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ اپنے آقا ﷺ کے دامن میں اتنے مطمئن ہیں اور اس قدر پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں کہ انہیں کسی کی پناہ لینے کا خیال تک نہیں آتا۔

صلح حدیبیہ کا یہ مختصر حال پیش کیا گیا جس کے مطالعہ کے بعد ہمارے لئے آیات زیر گفتگو کو سمجھنا بہت آسان ہو گا۔ پس ہوا یہ کہ اس معاہدے کے دوران ہی کچھ مسلمان عورتیں بھی اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے بھاگیں اور آقائے رحمت ﷺ کی پناہ کی طلب گار ہوئیں کفار کے خیال میں از روئے معاہدہ مسلمانوں کے لئے ان عورتوں کو بھی واپس کر دینا ضروری تھا۔ لہذا انہوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مثلاً عقبہ ابن معیط کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔ عقبہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور اس نے اپنی بیٹی کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ اسی طرح سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آ کر دربار رحمت میں پناہ گزیں ہوئیں، اس طرح یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ نبی رحمت ﷺ کو ان عورتوں کے حال پر بے حد رحم آیا اور چاہا کہ ان کو پناہ دے دی جائے لیکن معاہدے کی خلاف ورزی بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق حکم نازل فرمایا:

"اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو تم ان کی جانچ پڑتال کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی

Marfat.com

طرف مت واپس کرو۔''

اس ارشاد کے مطابق ان مظلوم عورتوں کو اپنے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہونے لگی۔

ارشاد باری تعالیٰ میں یہ ہدایت قابل غور ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے مؤمن ہونے اور بوجہ ایمان ترک وطن کرنے پر اطمینان حاصل کرلیا جائے کہ اگر ان عورتوں نے مکہ صرف مال و دولت کے حصول، عیش وعشرت کی زندگی یا کسی کی محبت و الفت کے سبب چھوڑا ہے تو نہ تو ان کی ہجرت قابل قبول ہے اور نہ ہی یہ دامن رحمت میں پناہ لینے کے قابل ہیں۔ ایسی عورتوں کو فوراً ان کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ہاں جن کا ترک وطن صرف اور صرف اسلام کے سبب ہو، اللہ اور رسول کی رضا کے لئے ہو، انہیں پناہ نصیب ہوگی کہ مدینہ منورہ صرف مظلومین کے لئے پناہ گاہ ہے۔ باغیوں اور بھگوڑوں کے لئے نہیں۔

اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ترک وطن کر کے آنے والی عورتوں سے با قاعدہ اس طرح حلف لیا کرتے تھے: ''بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَاخَرَجْتُ مِنْ بُغْضِ زَوْجِیْ'' اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اپنے شوہر سے بغض و عداوت کے سبب اپنے وطن سے نہیں نکلی۔ ''بِاللّٰهِ مَاخَرَجْتُ رَغْبَةً عَنِ الْاَرْضِ'' اللہ کی قسم میں صرف اس زمین کی پسندیدگی کے سبب یہاں نہیں آئی۔ ''بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلْتِمَاسَ الدُّنْیَا'' اللہ کی قسم میں دنیا کی تلاش میں یہاں نہیں آئی۔ ''بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' اللہ کی قسم میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے سبب اپنا وطن چھوڑا ہے۔ اس حلف کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مظلومہ کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دینے کا اعلان فرما دیا کرتے تھے۔

یہاں ہم اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں'' کہ ان مکی عورتوں کو پناہ دینا بہر حال معاہدے کی خلاف ورزی تھی'' نہیں ایسا نہیں کیونکہ یہ تو اللہ کی طرف سے استثناء تھا اور اجازت تھی جس کے بعد کسی معاہدے کی پابندی لازمی نہیں رہتی اور اس حقیقت کو کفار مکہ نے بھی تسلیم کیا کہ مسلمان وحی الٰہی کے بعد ہمارے کسی مطالبہ پر غور نہیں کر سکتے۔ اسی لئے انہوں نے ان مہاجرات کو تو چھوڑ دیا لیکن معاہدہ نہ توڑا۔ کفار کے اس عمل کے بعد اہل ایمان کا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری کی ایک روایت سے عجیب انکشاف ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط معاہدہ کو بیان کرتے ہوئے اس شق کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے ''عَلٰی اَنْ لَّا یَاْتِیَکَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دِیْنِکَ اِلَّا رَدَدْتَهٗ عَلَیْنَا'' اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔ اس عبارت میں ''رَجُلٌ'' (مرد) کا لفظ موجود ہے۔ گویا رب کریم نے بوقت معاہدہ صنف نازک یعنی عورتوں کو کفار کے پنجہ سے نجات دلانے کا دروازہ کھلا رکھا تھا جس کا سہیل کو احساس تک نہ ہو سکا۔ پس جب مظلوم عورتوں کے مدینہ منورہ آنے کا سلسلہ شروع ہوا اور کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ نکلوا کر پڑھوایا۔ اس میں ''رَجُلٌ'' کا لفظ سن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ان عورتوں کو پناہ دینے کا اعلان فرما دیا۔

Marfat.com

اسی عمل رسول ہی کی تائید کے لئے وحی باری تعالیٰ کا نزول ہوا جس کے بعد کسی کے لئے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور کفار کے لئے اپنے ہی معاہدہ میں یہ لفظ "رَجُلٌ" سن کر کف افسوس ملنے اور حیرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

کفار ومؤمنین کے درمیان ازدواج

"لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ"

نہ وہ حلال ہیں کافروں کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے۔

یہ حکم بالکل واضح ہے اور دیگر احکام شرع کی طرح ہر دور، ہر جگہ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ "مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں" یہ حکم بھی ہے، اسلامی شریعت کا قانون بھی ہے اور مؤمنات مہاجرات کو کفار کے سپرد نہ کرنے کی وجہ بھی کہ جب یہ عورتیں کفار کے لئے حلال نہیں تو انہیں کس طرح کفار کو واپس کیا جاسکتا ہے۔

اس حکم الٰہی کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج قائم تھا لیکن اس قانون کے بعد یہ رشتہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ یہی حکم مرتدین کا بھی ہے کہ نہ تو مسلمان مرد کے لئے کسی مُرتدّہ سے نکاح جائز ہے اور نہ مسلمان عورت کے لئے کسی مرتد سے اگر وقت نکاح دونوں مسلمان تھے اور پھر کسی وقت ان دونوں میں کوئی ایک مرتد ہو گیا تو نکاح ازخود فاسد ہو جائے گا۔ اس رشتہ کو ختم کرنے کے لئے طلاق کی شرط باقی نہ رہی۔

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج کی ممانعت کی وجہ واضح ہے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کے لئے ایک علیحدہ ضابطہ حیات ہے جو ان کا اپنا وضع کردہ نہیں بلکہ آفاقی ہے منجانب اللہ ہے۔ ان کے تمام رشتوں اور تعلقات کی بنیاد یہی نظامِ حیات ہے۔ اگر کوئی غیر اس نظام کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اپنا ہے اور جو اپنا اس سے فرار اختیار کرتا ہے۔ اس کا انکار کرتا ہے تو وہ غیر ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی ملک کے قانون کو قبول کرنے والے اسی ملک کے ہیں۔ چاہے ان کے درمیان رنگ ونسل، زبان وغیرہ کا فرق کیوں نہ ہو لیکن جو شخص اس ملک کے قانون کی پابندی سے انکار کرتا ہے وہ باغی کہلاتا ہے۔ وہ ملک کے لئے خطرناک قرار دے دیا جاتا ہے اس کے ہر عمل پر نظر رکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر ضرورت ہوتی ہے تو اسے ملک کی سرحدوں سے باہر دھکیل دیا جاتا اور ہمیشہ کے لئے ملک میں اس کا داخلہ بند کر دیا جاتا ہے تو اگر اسلام رشتہ ازدواج جیسے اہم رشتہ پر پابندی عائد کرتا ہے اور اپنوں کو باغیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے منع کرتا ہے تو کیا بے جا کرتا ہے۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کفار ومرتدین کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کئے ہوئے ہیں لیکن ان کے گھروں میں ہر وقت آگ اور پانی کی جنگ ہوتی رہتی ہے جو مسلمان ہے وہ نماز پڑھتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، جو کافر ہے وہ بتوں کی پوجا کرتا ہے، بھجن گاتا اور گیتا پڑھتا ہے اور اولاد، اماں، ابا کا منہ دیکھتی رہتی ہے۔ بچے سوچتے ہی رہتے ہیں کہ وہ کیا کریں، باپ کا راستہ اختیار کریں یا ماں کا یاد رکھئے اور اچھی طرح یاد رکھئے کہ جو مسلمان مرد یا عورت اس رشتہ میں منسلک ہے اگر وہ اللہ کے واضح حکم کا انکار کرتا ہے تو مرتد ہے اور اگر حکم شرع کا اقرار کرتے ہوئے اس رشتہ کو باقی رکھے ہوئے ہے تو وہ

Marfat.com

زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر ایسا مجرم اسلامی حکومت میں پایا جاتا تو اسے مرتد ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جاتا اور زانی ہونے کی صورت میں اس پر شرعی حد جاری کی جاتی اسی لئے حکومت اسلامیہ یا مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہیں۔ ہاں یہ لوگ غیر مسلم ممالک کی غیر مہذب سوسائٹی میں موجود ہیں، لہٰذا یہاں کے مسلمانوں کو ان سے ہر قسم کا رشتہ اور تعلق منقطع کر لینا فرض ہے ورنہ وہ بھی گناہ میں شامل ہوں گے اور گنہگار ہوں گے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے کفار کو ولی اور راز دار بنانے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں جبکہ شوہر و بیوی سے زیادہ ایک دوسرے کا راز دار کون ہو سکتا ہے۔ پس کسی غیر مسلم سے رشتہ ازدواج قائم کرنا، اللہ کے اس واضح حکم کی بھی نافرمانی ہے، اسلام تو غیر مسلموں سے دوستی بڑھانے، ان کے گھروں میں آنے جانے پر پابندی اس لئے عائد کرتا ہے کہ دوستی کے یہ تعلقات کہیں رشتہ داری میں تبدیل نہ ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنات کو پناہ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی جو اپنے کافر شوہروں کے ظلم و ستم کا محض اپنے دین کے سبب شکار ہو رہی ہوں لیکن اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس نے اپنے معیار عدل کو اس موقع پر بھی برقرار رکھا اور مظلوم عورتوں کو پناہ دینے والے مسلمانوں کو حکم دیا۔ ''وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا'' اور کفار کو مہر کی وہ رقم ادا کر دو جو وہ خرچ کر چکے ہیں یعنی عورتوں کو ادا کر چکے ہیں۔ اس رقم کی ادائیگی حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے جو بیت المال سے ادا کی جائے گی اور اگر بیت المال سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو مسلمان چندہ کر کے رقم جمع کریں اور ادا کر دیں کہ یہ مظلوم کی مدد ہے جو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے چاہے اس ذمہ داری کو مسلمان حکام پورا کریں یا خود عوام کو پورا کرنا پڑے۔

ایک اہم اجازت

ایسی عورتوں کو پناہ دینے کے بعد صرف ان کی کفالت کرنا ہی کافی نہیں بلکہ ان کو باعزت زندگی ملنا ان کا حق ہے۔ نیز ان کے فطری تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے ورنہ معاشرے میں گناہ و بدکاری پھیل جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، لہٰذا اہل ایمان کو اجازت دی گئی کہ ''جن عورتوں کو تم نے اپنی پناہ میں لے لیا ان سے باقاعدہ مہر مقرر کر کے تم نکاح کر سکتے ہو'' اب یہ پناہ مکمل پناہ ہوگی کہ شیطان کے وسوسوں تک سے پناہ مل جائے گی اور معاشرے میں کسی قسم کی برائی پھیلنے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

مہر کی ادائیگی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان عورتوں کی مجبوری کے باعث ان سے باندیوں والا طریقہ اختیار نہ کیا جائے یہ آزاد، باعزت عورتیں ہیں۔ لہٰذا ان سے نکاح انہی قواعد کے مطابق کیا جائے گا جو آزاد عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ نے مقرر فرمائے ہیں اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ پہلے حکم کے مطابق ان کے مہر ادا کئے جا چکے ہیں اب دوبارہ ادائیگی کی کیا ضرورت ہے جبکہ پہلے مہر تو ان کے کفار شوہروں کو دیئے گئے جو وہ دے چکے تھے گویا ان کا قرض تھا جو ادا کیا گیا۔ اب ان سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ ان کا مطلوبہ مہر ادا کر کے ہی نکاح کر سکتا ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کفر وارتداد کی صورت میں رشتہ ازدواج قائم ہی نہیں ہوتا یا منقطع ہو جاتا ہے یعنی اگر کسی مسلمان مرد نے کافر یا مرتد عورت سے نکاح کیا یا کسی مسلمان عورت نے کافر یا مرتد مرد سے نکاح کیا تو یہ نکاح ہوا ہی نہیں

Marfat.com

یا بوقت نکاح مرد و عورت دونوں مسلمان تھے لیکن پھر کسی وقت ان دونوں میں سے کوئی ایک مرتد ہو گیا مثلاً مرزائی ہو گیا تو نکاح فاسد ہو گیا۔ دونوں صورتوں میں عورت آزاد ہے جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

''وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ''

اور تم اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے مسلمانوں کے لئے کافر عورتوں سے نکاح جائز تھا یا کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے لئے خصوصی طور پر ہدایت کی جا رہی ہے کہ اب ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہو چکا لہٰذا جن کے گھروں میں کافر عورتیں موجود ہیں۔ وہ ان سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔

اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے ان کافر عورتوں کو جو سابق میں ان کی بیویاں کہلاتی تھیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور ان کے ورثاء کو ان سے اپنی لاتعلقی کی خبر دیدی، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو کافرہ بیویاں مکہ میں تھیں۔ آپ نے انہیں خبر دی کہ یا تو مسلمان ہو کر مدینہ آنے کی کوشش کرو اور اگر اسلام قبول نہیں تو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا لہٰذا آپ نے ان سے تعلق ختم کر لیا۔

جس طرح مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ جن عورتوں کو پناہ دیں، ان کے مہر کی رقم کفار کو ادا کر دیں اسی طرح انہیں یہ بھی اجازت دی گئی کہ جب وہ کافر عورتوں کو آزاد کر دیں تو مہر کی جو رقم وہ ادا کر چکے ہیں۔ اس کی واپسی کا وہ بھی مطالبہ کریں اور اگر کفار یہ رقم ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس رقم سے لی جائے گی جو کفار کو ان عورتوں کے مہروں کی ادا کرنا ہے جنہیں مسلمانوں نے پناہ دی ہے یا مسلمانوں کا کافروں پر یہ قرضہ باقی رہے گا جس کو موقع ملنے پر وہ وصول کریں گے۔

''وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ''

اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف۔

یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی مسلمان کی مسلمان عورت ایسی آوارہ اور عیاش ہو کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی کافر کے پاس چلی جائے۔ پس قرآن کریم نے ایسی صورت کے لئے بھی قانون عطا فرمایا کہ کفار سے اس عورت کے مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر کوئی کافرہ عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے تو وہ اس کے ذریعہ اپنی رقم کا حساب چکا لیں گے۔

تاریخ صحابہ میں صرف ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلی گئیں لیکن فتح مکہ سے قبل ہی اللہ نے انہیں ہدایت دی اور انہوں نے تائب ہو کر اسلام قبول کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ قانون عطا فرما دیا تاکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اہل ایمان کو قانون شریعت میں کسی کمی کا احساس نہ ہونے پائے کہ بحمد اللہ ہمارا نظام شریعت نہایت مکمل ہے۔ پس

اے ایمان والو! تم فخر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ کی غلامی کا شرف بخشا۔ جن کے وسیلہ جلیلہ سے تمہیں ایسی کامل و مکمل شریعت نصیب ہوئی جس کی زمانہ بھر میں تمہیں نظیر نہیں مل سکتی، لہٰذا

Marfat.com

تمہیں ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا کہ تم اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے غیروں کے قوانین زندگی کو اپناؤ جو آفاقی نہیں بلکہ ان کے اپنے گڑھے ہوئے ہیں جو انہیں خود باعزت نہ بنا سکے تو تمہیں ان کو اپنا کر کیسے عزت میسر آسکے گی۔ ذرا اپنے نظام حیات پر غور کرو اس کی خوبیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو تو تم اس میں اپنے لئے رحمت و راحت اور عزت و عظمت، سکون و طمانیت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے کہ تمہارا دین، دین امن ہے، دین عدل ہے۔ ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ ''اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ'' کیا تم اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہوئے تو تم اچھی طرح جان لو کہ ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' جو اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا (اختیار کرے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص قیامت کے روز خسارے اور نقصان میں رہے گا۔ ہائے، ہائے، وائے وائے کرتا ہو گا لیکن اس کی سنوائی نہ ہو گی، پس

اے ایمان والو! ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ'' اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو کہ ایمان کا مقتضی یہی ہے اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاهِ رحمةً للعلمين۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

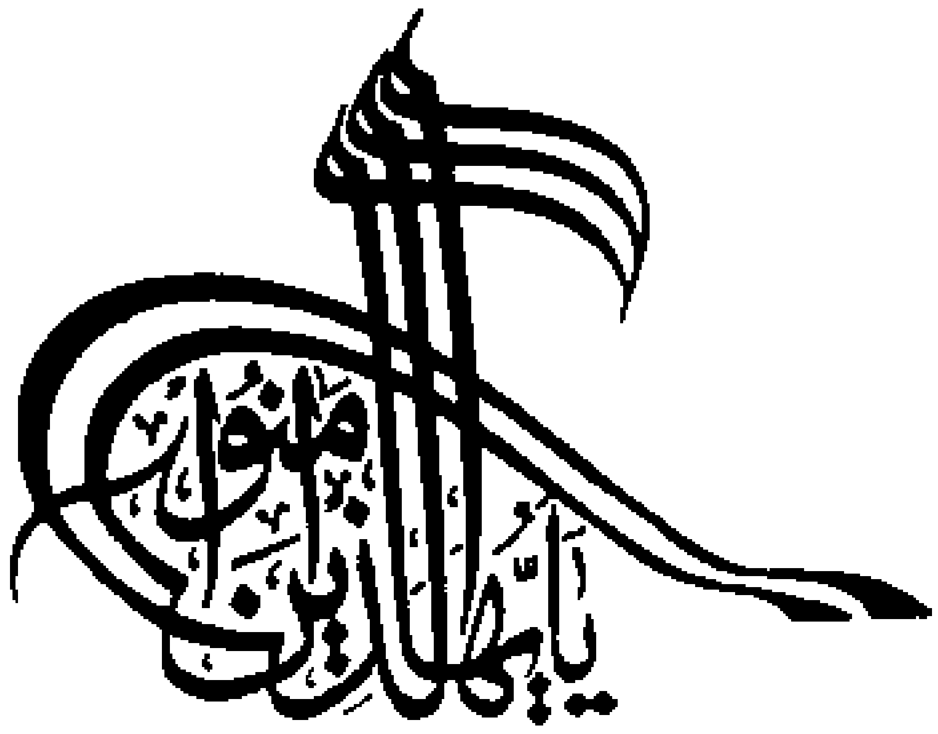

مقالہ ۸۲

الممتحنہ: ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ (الممتحنہ: ۱۳)

اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر اس قوم سے دوستی کی ممانعت کی جا رہی ہے جس پر اللہ کا غیظ و غضب نازل ہو چکا ہے جبکہ کفار سے دوستی مطلقاً حرام ہے۔ جس کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر کئی جگہ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ دوستی سے مراد عام تعلقات نہیں یعنی کاروباری یا تجارتی تعلقات کی ممانعت نہیں ہے نہ ہی بوقت ضرورت ان کی امداد کرنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت ولی یعنی اپنا رازدار دوست بنانے کی ہے کیونکہ اس قسم کی دوستی کی بنیاد اعتماد ہوتا ہے جبکہ کوئی کافر قابل اعتماد نہیں وہ موقع ملنے پر مسلمان کو نقصان پہنچانے سے ہرگز نہیں چوک سکتا جیسا

Marfat.com

کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اب ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جس قوم پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے اور جس سے دوستی کی یہاں خصوصی ممانعت کی گئی وہ کونسی قوم ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ قوم مغضوب علیہم، یہودی ہیں۔ ملاحظہ ہو اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ:٦١)

اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (البقرہ:٩٠)

پس وہ مستحق ہو گئے مسلسل غضب کے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (آل عمران:١١٢)

مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں یہ پائے گئے سوا اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الٰہی کے اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ (المائدہ:٦٠)

وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾ (اعراف:١٥٢)

بیشک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلد ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔

ان آیات مقدسہ پر غور کیجئے اور اندازہ لگایئے کہ کس قدر رشد ومد کے ساتھ یہودیوں پر لعنت، غیظ وغضب اور ذلت و مسکنت کا اعلان کیا جا رہا ہے تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی ظاہری سج دھج اور عارضی ووقتی حکومت وطاقت دیکھ کر ان کے باعزت اور دولت مند ہونے کا شائبہ تک نہ آنے پائے بلکہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ان کی ذلت وخواری پر یقین رکھیں اور انہیں کسی بھی صورت قابل اعتناء اور قابل توجہ نہ جانیں۔

اے ایمان والو! ''وَلَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' جس قوم پر اللہ کا غضب ہے اسے اپنا دوست نہ

Marfat.com

بناؤ۔ وہ تو ملعون ومغضوب ہیں کہ کبھی انہیں بندر تو کبھی خنزیر بنایا گیا وہ تو شیطان کے پجاری ہیں، وہ بدترین وگمراہ قوم ہیں جبکہ تم تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو۔ جس کی غلامی نے تمہیں ''خیر امت'' ہونے کا شرف بخشا تمہارے سر پر تو ان کی سرپرستی کا وہ تاج ہے جو دنیا کے کسی شہنشاہ بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ تمہارے رب نے تمہیں دنیا وآخرت کی کامیابی و کامرانی کا مژدہ دیا تمہارے دامن سے عزت وعظمت اور فلاح دارین کو وابستہ کیا۔ اس نے ہر حال میں تمہارا حامی وناصر ہونے کا تم سے وعدہ فرمایا ہے تو تم ایک بدترین ومغضوب قوم سے کیوں مرعوب ہوتے ہو۔ اطمینان رکھو یہ تمہارا کبھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس ہم یہ پسند فرماتے ہیں کہ تم ہر وقت حتیٰ کہ اپنی نمازوں میں بھی دعا کرتے رہا کرو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

(اے ہمارے رب) ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستہ کی ان کے راستہ کی جن کو تو نے انعامات سے نوازا ہے ان کے راستہ کی نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی گمراہوں کے راستے کی۔

یہود کی ذلت کے اسباب

بنی اسرائیل جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کی اولاد ہیں۔ جس کا نام ''یہودا'' تھا۔ اسی نسبت سے یہودی کہلاتے ہیں جب کہ آج کل کے یہودی بھی بنی اسرائیل ہی کی اولاد ہیں۔ انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ باغی وسرکش قوم نظر نہیں آتی۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی سب سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر پانچ سو چودہ مقامات پر موجود ہے۔ اس کثرت ذکر کی وجہ اس قوم کی عزت ورفعت نہیں بلکہ وہ بدعملی و بغاوت ہے۔ جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو کبھی بندر بنایا تو کبھی سور اور کبھی ان پر جوؤں کا تو کبھی مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا۔ اسی پے در پے غضب الٰہی کے باعث یہ نمونہ عبرت وبصیرت بن گئے اور ہمیشہ کے لئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا تاکہ قیامت تک قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے ان سے عبرت حاصل کرتے رہیں۔

یہودیوں کی بدکرداری اور بغاوت کا اندازہ مختصراً اس سے کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے انہیں اس ظلم وباغی فرعون سے نجات دی۔ جس نے ایک عرصہ دراز سے انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور ظلم وستم کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جو ان پر نہ آزمایا جاتا ہو حتیٰ کہ اس نے اپنی سلطنت کو بچانے کی غرض سے ایک مدت تک بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کا قتل عام کیا لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلائی، مصر سے نکالا اور ان کا پیچھا کرنے والے ظالم فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے اور اپنے نبی کی اطاعت قبول کرنے کے بجائے ناشکری کی اور طرح طرح سے اپنے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ انہوں نے غرق فرعون کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس پر تو انہوں نے اظہار شکر نہ کیا بلکہ تھوڑی ہی دور پہنچ کر جب انہوں نے ''سینا'' کے بت کدے میں بتوں کی پوجا ہوتے دیکھی تو ''قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' کہنے لگے اے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے

Marfat.com

معبود بت ہیں ایسے ہی ہمارے لئے معبود بت بنا دے۔

فرعون کی غرقابی اور اس سے نجات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مقام ''تیہ'' پہنچے۔ یہ ایک بیابان جنگل تھا، جہاں دور دور سبزہ اور پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس میدان میں قیام کے دوران اس ناشکری قوم نے جس طرح اپنے نجات دہندہ اور اللہ کے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام میزبان تھے اور پوری قوم ان کی مہمان وہ بھی اس طرح کہ ہر مہمان یہی سمجھتا تھا کہ اس نے اپنے میزبان کی دعوت قبول کر کے اس پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ لہٰذا جس کا جو جی چاہتا وہ مطالبہ کر بیٹھتا۔ ذرا پانی کی تکلیف ہوئی چیخ اٹھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سفارش کے سبب، ان کے بارہ قبیلوں کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے تو کیا مجال کہ اس پانی سے سیراب ہوتے ہوئے ان بدنصیبوں کی زبان پر ایک لفظ بھی شکرِ الٰہی کا آیا ہو یا ان کے دل میں نبی کی محبت کا جذبہ پیدا ہوا ہو۔ پھر جب انہیں یہاں کھانا پکانے میں دشواریاں ہوئیں تو نبی ہی کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے غیب سے کھانے پینے کا انتظام فرما دیا اور ''مَنٌّ و سَلوىٰ'' نازل ہونے لگا۔ دھوپ کی تمازت اور گرمی کی شدت سے بچانے کے لئے ربّ کریم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ جس سے ہر وقت ان کو راحت وسکون میسر رہتا تھا حتیٰ کہ ان کا کوئی قافلہ اس میدان سے باہر سیر وتفریح کے لئے بھی نکلتا تو بادل اس پر سایہ فگن ہوتا تھا۔

ان انعامات الٰہیہ کی ان بدبختوں نے اس طرح قدر کی چند دن بعد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم یہ آسمانی کھانا، کھاتے کھاتے اب اکتا گئے۔ ''فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا'' اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ زمین سے ہمارے لئے ساگ، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز جیسی چیزیں اگا دے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا: ''اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ''، کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا چیزیں چاہتے ہو تو جاؤ۔ ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ'' شہر چلے جاؤ تمہاری سب مطلوبہ اشیاء وہاں مل جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم الٰہی طور پر تورات لینے گئے۔ ادھر ان بدبختوں نے گائے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انجام کار ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا کہ انہیں خود ہی اپنے اعزاء واقارب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا پڑا۔ باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے قتل کیا۔ اس طرح تین ہزار مجرم جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، چند گھنٹوں میں قتل کر دیئے گئے۔ بالآخر نبی ہی کو ان پر رحم آیا اور اس نے ہی اپنے ربّ رحیم وکریم سے ان کی جان بخشی کی دعا کی۔ اللہ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا۔ قتل کا عمل رک گیا اور پھر ایک مرتبہ ان کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کا موقع فراہم کیا گیا۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اللہ نے طور پر مجھے تمہارے لئے کتاب ''تورات'' عطا فرمائی ہے جو تمہاری زندگی کے لئے ایک نظام ہے اب تمہیں اسی کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ

Marfat.com

لوگ اللہ کی کتاب کو دیکھ کر خوش ہوتے اللہ کی اس نعمت کے حصول پر جشن مناتے، اپنے نبی کا شکریہ ادا کرتے اور اس کتاب کا علم حاصل کر کے اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیتے لیکن ہائے، شومیٔ قسمت شدید سابقہ سزاؤں کے باوجود ان کی سرشت میں ذرہ بھر تبدیلی نہ آئی اور انہوں نے اپنے نبی سے کج بحثی شروع کر دی حتیٰ کہ کہنے لگے: "لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً" اے موسیٰ ہم اس وقت تک تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتے جب تک اللہ کو کھلم کھلا، بے حجاب نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نرمی و سختی سے سمجھانے کی ہر چند کوشش کی اور بہت چاہا کہ یہ اس جاہلانہ مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں لیکن ان احمقوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر آپ نے اتمام حجت کے طور پر ان میں سے ستر افراد کو چنا جو معمر بھی تھے اور انہیں عقلمند بھی سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو لے کر آپ کوہِ طور پر دوبارہ تشریف لائے اور اللہ کے دربار میں دعا کی کہ مولیٰ تو ان لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے اس طرح کلام فرما کہ یہ لوگ بھی تیرے کلام کو سن سکیں، دعا قبول ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک نور نے گھیر لیا۔ رب ہمکلام ہوا انہوں نے بھی غائبانہ آواز سنی اور جب نور کی چادر اٹھ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے رب کا کلام سن لیا انہوں نے اقرار کرتے ہوئے پھر اپنا مطالبہ دہرا دیا کہ آواز تو ہم نے سن لی لیکن ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک رب کو بلا حجاب نہ دیکھ لیں۔ اس احمقانہ اصرار پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایک ہیبت ناک چمک، کڑک اور زلزلہ آیا اور یہ ستر کے ستر جل کر خاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ ریز ہو کر عرض گزار ہوئے: مولیٰ تو اس قوم کا حال مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اب یہ ظالم مجھے قاتل کہیں گے اور الزام لگائیں گے کہ تم ہمارے سرداروں کو قتل کرنے ہی کے لئے اوپر لے گئے تھے۔ پس اے اللہ تو اپنے عذاب کو روک لے اور ان ظالموں کو دوبارہ اپنی قدرت سے زندہ فرما دے۔ اللہ اپنے نبی کی دعا کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ پس عذاب کو روک دیا گیا اور انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا اور جب وہ زندہ ہو رہے تھے تو ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

بنی اسرائیل پر کوہِ طور

ان سرداروں نے قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ دیکھا اور واپس آ کر قوم کو سارا حال بتایا لیکن ان ظالموں نے اب بھی سرکشی اور بغاوت سے توبہ نہ کی اور تورات کو کتاب الٰہی ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انجام کار پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا کہ اسی کوہ طور کو سائبان کی طرح ان کے سروں پر لا کھڑا کیا۔ اب خوف کے مارے ان کی حالت بری ہوئی اور لگے واویلا کرنے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار پکار کر کہنے لگے اب ہم حق قبول کرتے ہیں آپ کو اللہ کا رسول اور تورات کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ نبی کو پھر ایک مرتبہ ان کی حالت پر رحم آیا اور دعا کی۔ اللہ نے پہاڑ کو ہٹا دیا لیکن ظالم چند ہی دن بعد پھر اپنی سرشت پر آ گئے۔ "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً" پھر تمہارے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

بنی اسرائیل اب تک سینا کے جس میدان میں مقیم تھے۔ یہ فلسطین سے قریب تھا اللہ نے جس کا مالک بنانے کا وعدہ ان کے آباء و اجداد، حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام سے کیا تھا۔ لہٰذا بوسیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس بستی میں داخل ہو کر وہاں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو نکالو تا کہ اللہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔ یہ حکم سنتے ہی ان بزدلوں کی ہوا خراب ہوگئی اور پھر انہوں نے اپنے نبی کی تعمیل سے انکار کیا، صرف انکار ہی نہیں بلکہ گستاخی بھی کی اور کہنے لگے: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' (اے موسیٰ) تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے) پس ان پر اللہ کا سخت ترین عذاب نازل ہوا کہ یہ اس ارض مقدس سے محروم کر دیے گئے اور اسی مقام تیہ میں چالیس برس تک ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے رہے کہ نبی کی گستاخی غضبِ الٰہی کا ہی سبب ہوتی ہے۔

واقعہ ذبح بقرہ

یہ واقعہ ہم لکھ چکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے اس کا مختصراً اعادہ ضروری ہے۔ ہوا یہ کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص کو انہی میں سے کسی نے قتل کر دیا۔ مقتول کے ورثاء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ قاتل کا پتہ چلایا جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ آپ نے بمطابق وحی الٰہی ان سے کہا ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم سے ملو، مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام و پتہ بتا دے گا۔ انہوں نے اپنی فطرت خبیثہ کے مطابق اولاً تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مسخرہ پن قرار دیا۔ لیکن جب آپ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ'' میں جاہلوں میں ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں یعنی احکامِ الٰہیہ میں مذاق اور تمسخر جہالت ہے اور نبی کا جاہل ہونا ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس یقین دہانی کے بعد بھی انہوں نے آپ کی فرمانبرداری اختیار نہ کی بلکہ گائے کے متعلق بار بار سوالات کر کے اپنے لئے دشواری پیدا کرتے رہے اور انجام کار انہیں ایک ایسی مہنگی ترین گائے خریدنا پڑی جس کے بدلہ انہیں گائے کی کھال بھر کر بطور قیمت سونا دینا پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

قارون، بنی اسرائیل ہی کا ایک بہت دولت مند شخص تھا۔ جس نے لالچی کتوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا اس کی قوت دن بدن بڑھ رہی تھی حتیٰ کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کی ٹھانی۔ یہ آپ کا مذاق اڑاتا رہتا اور قوم کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کچھ دوسرے اربابِ بصیرت نے اس کو بہت سمجھایا۔ لیکن اس پر دولت و ثروت کا ایسا نشہ طاری تھا کہ یہ ہر کسی کو ذلیل و خوار کرتا رہتا اور کسی کی بات پر دھیان نہ دیتا تھا۔ جب اس کا تکبر و غرور عروج پر پہنچ گیا تو غیرت باری تعالیٰ حرکت میں آئی۔ ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ'' پس ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین کے اندر دھنسا دیا کہ قادر مطلق جس کو جتنا چاہتا عطا فرماتا ہے۔ جب کہ شکر گزاروں پر اس کی رحمت کی بارش زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے اور ناشکروں، تکبر و غرور کرنے والوں، احسان فراموشوں کو تباہ و برباد کر دینے ان کو زمین میں دھنسا دینے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دینے میں اس مالک الملک کو دیر نہیں لگتی۔

اے ایمان والو! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے ایذاء و تکالیف جھیلتے گزری ''لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى'' تم ان بدبختوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے ہمارے نبی موسیٰ علیہ

Marfat.com

السلام کو تکالیف پہنچائیں، ستایا اور پریشان کیا۔ ''فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قوم کی الزام تراشیوں سے بری فرما دیا، ان کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمائی۔ کیونکہ ''وَ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا'' وہ اللہ کے نزدیک صاحب وجاہت، صاحب عزت تھے۔

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دنیا سے تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے بلند مقام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ''یٰمُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ'' اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی ہے اور تمہیں چن لیا ہے اپنی رسالت دے کر اور ہم کلامی کا شرف بخش کر اور یہ شرف سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو نصیب ہے کہ وہ جملہ انبیاء و رسل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی عزت و آبرو کے محافظ اور ان کے بلند مراتب کے مبلغ ہیں، الحمد للّٰہ علی احسانہ۔

یہودیوں کی ذلت

اللہ تعالیٰ ظالم نہیں جو کسی قوم کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرے بلکہ بندوں کے اعمال و کردار کی بے راہ روی ہی انہیں اللہ کے غیظ و غضب کا مستحق بناتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے اندازہ کر لیا کہ یہودیوں کی ذلت و خواری کا سبب ان کی سرکشی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی ان ظالموں کو ہوش نہ آیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نافرمانیوں اور بغاوتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ قرآن کریم ان کی انتہائی سرکشی ہی کو ان پر دائمی ذلت و خواری مسلط کئے جانے کا سبب قرار دیتا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۝ (بقرہ: ۶۱)

(یہ عذاب الٰہی ان پر) اس لئے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق (اور یہ سب کچھ) اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کی بعثت امت کے لئے رحمت الٰہی اور فضل الٰہی کا وسیلہ ہوتی ہے انہی کے ذریعہ اللہ بندوں کو اپنے احکامات و پیغامات سے نوازتا ہے۔ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان لین دین کا وسیلہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ بندوں کو ملتا ہے انہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ پس بندوں پر ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے احکام بلکہ ان کی اداؤں کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جبکہ ان کی محبت اور ان کا احترام باعث نجات ہے۔ قوم کی عزت و آبرو انہی سے وابستہ ہے۔ یہ قوم کے وہ محسن ہیں جو ہر آڑے وقت میں قوم کا سہارا بنتے اور ان کی ڈوبتی کشتی کو تراتے ہیں، یہی ہیں جو عذاب الٰہی سے نجات دلاتے ہیں، یہی ہیں جو مصائب و آلام میں کام آتے ہیں، یہی ہیں جن کے ہاتھوں رحمت باری تقسیم ہوتی ہے، بھکاریوں کی جھولیاں بھرتی ہیں۔ پس وہ بڑا ہی بدنصیب و نامراد ہے جو ان سے بغاوت

Marfat.com

کرے، ان کی حکم عدولی کرے، ان کو ستائے، پریشان کرے، حتیٰ کہ ظالم ان کا قاتل بن جائے۔ پس ایسے ہی بدنصیبوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور یہی لوگ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ذلت و مسکنت دائمی ان کا مقدر بنتی ہے۔ پس

اے ایمان والو! ''لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو عذاب الٰہی اور غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے ہیں کہ تمہارا رحیم و کریم رب تمہیں ان کے قریب بھی دیکھنا پسند نہیں فرماتا کہ کہیں تم بھی ان کے ساتھ عذاب کا شکار نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا تم ان سے دور اپنے آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ لئے رہو جو دامن رحمت ہے، دامن عزت و فرحت ہے، دامن سکون و طمانیت ہے۔ اس دامن میں تمہارے لئے سب کچھ ہے تو تمہیں غیروں کو دوست بنانے، ان کی عزت کرنے، اپنے دلوں میں ان کو جگہ دینے یا ان کے در کا بھکاری بننے کی کیا ضرورت ہے۔ کس چیز کی کمی ہے میرے کریم آقا ﷺ کے خزانہ میں جو میں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں (ﷺ)

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی (ﷺ)

غرضیکہ یہودیوں میں ازل سے بغاوت و نافرمانی کا خبیث عنصر پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی ہی نہ کی بلکہ ان کو ستایا، پریشان کیا اور بے شمار انبیاء کے خون سے یہ اپنے ہاتھ رنگتے رہے۔ انعامات الٰہیہ کی ان پر بارش ہوتی رہی لیکن یہ ظالم ہمیشہ ناشکری اور بغاوت کرتے رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہر چند انہیں ضلالت و گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اللہ کے احکام پر عمل کی دعوت دی لیکن ان کی سرشت میں صرف اور صرف انکار تھا، بغاوت تھی۔ پس انہوں نے ہزاروں انبیاء میں سے کسی کی نہ سنی۔ سرکشی ہی کرتے رہے، بغاوت میں مبتلا رہے۔ انجام کار ذلیل ہوئے خوار ہوئے اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ وہ لوگ جاہل ہی کہلائیں گے جو یہود کی سودی دولت کے سبب انہیں دولت مند کہنے لگیں یا ان کی عارضی حکومت کے باعث انہیں باوقار اور حاکم سمجھنے لگیں اور یہ بھول جائیں کہ جو قوم اپنے دشمن عیسائیوں کے در کی بھکاری ہے، ان کی محتاج ہے، ان کے اشاروں پر ناچتی ہے، وہ کیسے باعزت ہو سکتی ہے، کیسے خوشحال اور حاکم ہو سکتی ہے۔ ہم اس کی قوت و طاقت کو کیسے تسلیم کر لیں جو درحقیقت کمزور ترین ہے۔ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں، جن کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ کا واضح اعلان ہے کہ

''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

اے ایمان والو! ''لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' اس قوم کو دوست نہ بناؤ جس پر اللہ نے غضب فرمایا ہے اور وہ دنیا کے ظاہری و عارضی عیش و عشرت میں ایسے کھو چکے ہیں کہ ''قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ'' آخرت سے مایوس و ناامید ہو چکے ہیں کبھی خیال تک نہیں آتا کہ انہیں ایک اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ وہ تو اس قدر اور ایسے ناامید ہو چکے ہیں۔ ''كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ'' جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں، جو

Marfat.com

قبروں میں ہیں کہ وہ کفر پر مرے اب ان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو چکا، توبہ کا دروازہ ان کے لئے بند ہو چکا ہے۔ اب ان کے لئے سوائے مایوسی کے کیا چارہ، یہ ظالم یہودی ان مردہ کفار ہی کی طرح ہو گئے ہیں حالانکہ یہ تو ابھی زندہ ہیں۔ ان کے لئے تو ابھی توبہ کا موقع موجود ہے لیکن یہ احمق، مردہ کافروں کی طرح بالکل ہی مایوس و ناامید ہو چکے ہیں۔

غرضیکہ آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے یہود کو دوست نہ بنانے یعنی ان سے لاتعلق رہنے اور دور رہنے کی واضح ہدایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ واضح ہے کہ یہود ایک مکار، ذلیل و خوار قوم ہے۔ جبکہ اہل ایمان اپنے آقا ﷺ کے طفیل ایک بہترین باعزت اور باوقار قوم ہیں جو اپنے بلند مقام و مرتبہ کی حفاظت صرف اسی طرح کر سکتے ہیں کہ غیروں کے در کے بھکاری بننے سے گریز کریں اور ذلیلوں سے دور رہیں۔ یا اللہ! نبی معظم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے تو ہی ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرما۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سورۃ الصّف''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
83	2 تا 3
84	10 تا 13
85	14

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۳

الصّف: ۲، ۳

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (الصف: ۲، ۳)

اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں بڑی ہی ناراضگی کا سبب ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔

اہل ایمان کو قول وفعل کے تضاد سے بچنے کی خصوصی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ایسا بدترین عمل ہے جو اللہ کو نہایت ہی ناپسندیدہ اور ناگوار ہے کیونکہ ایمان ایسا نور ہے جو قلب مومن کو روشن ومنور کر دیتا ہے اور اس کی زبان پہ صرف حق اور سچ بات ہی آتی ہے چاہے وہ کتنی ہی تلخ اور سننے والوں کے لئے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ پس مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مومن حق گو ہو، صاف گو ہو، جو کہے وہ کرے اور جو کرے وہی کہے، جو اپنے لئے پسند کرے اسی کی دوسروں کو دعوت دے اور جس کی دعوت دے اس پر خود عمل کرے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

Marfat.com

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَاءِ بِوَجْهِهٖ

تم قیامت کے دن سب سے برا دو منہ والے کو دیکھو گے جو ایک کے منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے کے منہ پر کچھ۔ (بخاری شریف)

مؤمن نہ دو منہ والا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ قیامت کے دن بدترین ہو سکتا ہے۔ وہ تو حق بات کہتا ہے، سچ بولتا ہے چاہے کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔

قول و فعل کا تضاد

قول و فعل کا یہ تضاد اہل ایمان کی عادت نہیں اس میں تو یہودی مبتلا رہے ہیں اور آج تک ان میں یہ کینسر موجود موجود ہے صرف عام لوگ ہی نہیں بلکہ علماء یہود تک اس مرض کا شکار رہے ہیں۔ قرآن کریم ان کی اس عادت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (بقرہ: ۴۴)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

یہ ماہرین تورات علماء کا حال تھا جو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنی قوم کو تورات کے احکام سناتے اور انہیں اس پر عمل کی دعوت دیتے تھے اور اپنے آپ کو ایسے بھلائے ہوئے تھے جیسے یہ احکام صرف عوام ہی کے لئے نازل ہوئے ہوں اور ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔ اگر اس مہلک مرض میں مبتلا نہ ہوتے تو تورات ہی کے حکم کے مطابق سب سے پہلے یہی نبی آخر الزماں ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ گزین نظر آتے۔

علماء یہود کی یہ دورخی پالیسی قصۂ پارینہ نہیں بلکہ آج بھی یہ اسی پالیسی میں مبتلا ہیں جب ہی تو وہ اپنے سب سے بڑے دشمن عیسائیوں کو دوست بنائے ہوئے ہیں اور ان ہی کے سہارے زندہ ہیں حالانکہ انہی کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے (بزعم خود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ پُر لطف بات یہ ہے کہ یہودی آج تک اپنے اس دعوے سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں پھر بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے، ان کے امتی ہونے کا دعویٰ رکھنے والے، اپنے نبی کے قاتلوں کے معاون و مددگار بنے ہوئے ہیں جبکہ ان دونوں ہی کو مسلمانوں کا سہارا لینا اور ان کی طرف مائل ہونا چاہئے تھا کہ صرف مسلمان ہی ہیں جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عزت و ناموس کے محافظ ہیں اور مسلمان ہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے ابن اللہ ہونے کو مسترد کرتے اور انہیں اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں گے۔

غرضیکہ یہودی اور عیسائیوں کی دشمنی ازلی ہے اس کے باوجود بھی وہ آج ایک دوسرے کے دوست اور اہل اسلام

Marfat.com

کے دشمن ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مخبر صادق ﷺ تو پہلے ہی اس حقیقت کو آشکارا فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ'' کفر ملت واحدہ ہے۔ کفار آپس میں کتنا ہی لڑیں مریں، ایک دوسرے سے نفرت کریں لیکن مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں بن سکتے۔ وہ مسلمانوں کو اپنا دشمن ہی گردانتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر وہ آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرتے رہیں گے اور ان کے خلاف گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے۔ یہ تو آج احمق مسلمان ہیں جو حقیقت جانتے ہوئے بھی اپنے ان دشمنوں سے نرم برتاؤ کرتے انہیں اپنا دوست بناتے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے سامنے جھولیاں پھیلاتے ہیں، اللہ انہیں عقل دے۔

بہرحال برو نیکی کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو بھلا دینا اہل ایمان کی نہیں اہل یہود کی عادت ہے۔ مسلمانوں کو اس فعل شنیع سے جس تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے اُس کا اندازہ آقا ﷺ کے اس ارشاد سے کیجئے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ شب معراج ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا ''هٰؤُلَاءِ الْخُطَبَاءُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا'' یہ دنیا کے وہ خطیب ہیں۔ ''یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَیَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ'' جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھلائے رکھتے تھے۔ ''وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ'' حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھا کرتے تھے۔

اگر آج ہم اپنی حالت پر غور کریں تو شاید اس کیفیت میں ہم بھی مبتلا ہیں کہ ہمارے دور میں اگرچہ ذرائع ابلاغ کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، جو کام ماضی میں برسوں میں ہوتا تھا آج وہ منٹوں میں ہوتا ہے۔ ہمیں پیغام رسانی کے تیز ترین ذرائع حاصل ہیں اور ہم ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں خوب تبلیغ کرتے ہیں، لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں، میدان تحریر میں بھی ہم کسی سے کم نہیں۔ اس کے باوجود نتائج پر غور کیجئے تو صفر ہی نظر آئے گا۔ آخر ایسا کیوں ہے کیا ہماری بات پر قوم دھیان نہیں دیتی یا ہم میں کوئی کمی ہے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہم علماء یہود کی طرح ''تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ'' کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جس کا اندازہ ہم اپنے قول و فعل کے تضاد سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ پس ہمارا رب ہم ہی سے سوال کرتا ہے کہ

اے ایمان والو! ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ آخر تمہیں کیا ہوا ایسا تو نہیں کہ تم اپنے رب کے مطیع ہونے میں شک کرنے لگے ہو۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو پھر تم اپنی حالت کو سدھارو اور اچھی طرح جان لو کہ ''کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' اللہ کے نزدیک یہ عمل نہایت ہی ناپسندیدہ ہے کہ تم جو کرتے نہیں وہ کہو۔ مومن کو تو چاہئے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم کو اپنائے جو اہل ایمان کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں کہ آپ ﷺ کے قول و فعل میں کبھی تضاد نہ تھا جو فرمایا وہی کر دکھایا۔ قرآن کریم کے احکام پہلے تو ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک ہی جملے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ''کان خلقہ القرآن'' آپ کے اخلاق و اعمال قرآن ہی تھے۔

Marfat.com

قرآن کریم میں موجود ہیں، یعنی یہ پوچھنے کی بات ہی نہیں جو احکام الٰہی آپ نے سنائے انہی کو اپنے عمل سے دکھایا تا کہ ہمارے لئے ان پر عمل آسان ہو جائے اور ہم قول و فعل کے تضاد سے محفوظ رہیں۔

میرے آقا ﷺ جب غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیتے ہیں تو خود بھوکے رہ کر اس پر عمل فرماتے ہیں، اللہ کی عبادت کی تاکید فرماتے ہیں تو خود ساری رات نوافل میں گزارتے ہیں حتیٰ کہ پائے مبارک سوج جاتے ہیں، سخاوت کی تلقین کرتے ہیں تو خود دریائے سخاوت نظر آتے ہیں، دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کر دینے کی تعلیم دیتے ہیں تو ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْم'' فرما کر اس پر عمل کر دکھاتے ہیں۔ ہندہ جیسی بدترین دشمن بھی اس اعلان کا فائدہ حاصل کر لیتی ہے۔ عورتوں کے متعلق ''عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' کا حکم الٰہی سناتے ہیں تو خود اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کرتے ہیں کہ تنگی و تنگدستی کی زندگی کے باوجود میری کوئی ماں آپ ﷺ سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ عدل و انصاف کا درس دیتے ہیں تو اپنوں تک سے غیروں کا حق دلاتے ہیں، توکل کی تلقین فرماتے ہیں تو خطرناک ترین موقع پر بھی ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' فرما کر رفیق غار کو اس طرح مطمئن کر دیتے ہیں جیسے خوف و خطر کی کوئی بات ہی نہیں۔ صبر و شکر کی تلقین فرماتے ہیں تو پتھر برسائے جانے اور جسم اطہر سے خون بہنے کی حالت میں بھی ''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ'' فرماتے ہیں اور فتح خیبر و مکہ کے موقع پر بھی اپنے رب کے حضور سر جھکائے نظر آتے ہیں۔ ایثار کی تلقین فرماتے ہیں تو ضرورت مندوں کی جھولیاں بھرتے نظر آتے ہیں لیکن اپنی جگر گوشہ کی گھریلو کاموں میں محنت و مشقت کو خاطر تک میں نہیں لاتے، مہمان نوازی کا درس دیتے ہیں اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی بھی، خود بہ نفس نفیس خاطر و مدارت کرتے نظر آ رہے ہیں گھر میں جو کچھ ہوتا مہمانوں کی نذر ہو جاتا اور اہل خانہ بھوکے سوتے ہیں، سادگی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے محض اس لئے واپس ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حجرے کی دیواروں پر پردے ڈال لئے تھے۔ خود شہنشاہِ دو عالم کا بستر کمبل کا کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوتی تھی اور کبھی معمولی کپڑے کا ہوتا تھا جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ مساوات کا درس دیا جاتا ہے تو خود آپ کے دربار میں محض رنگ و نسل و امارت و غربت کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی جاتی۔ حضرت ابوبکر و عمر، سلمان و صہیب اور بلال (رضی اللہ عنہم) سب ہی بھائی بھائی نظر آتے ہیں، ایک اعلیٰ خاندان قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوتی، آپ ﷺ سے اس کی سزا معاف کر دینے کی سفارش کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ ''خدا کی قسم محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے'' آپ ﷺ نے تواضع اور انکساری کی تعلیم دی تو اس پر عمل کرتے ہوئے آپ ہمیں بوقت ضرورت اپنے گھر کا کام کاج خود کرتے نظر آتے ہیں، اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، ضرورت پڑتی تو گھر کی صفائی ستھرائی خود کر لیتے، اپنے کپڑے دھو لیتے، بازار سے سودا سلف خرید کر لے آتے، اپنا کام خود ہی کرتے، اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، غریب سے غریب شخص کی بیماری کی خبر ملتی تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، اپنے لئے متکبرانہ اور شاہانہ الفاظ پسند نہ فرماتے، بیواؤں اور بے سہارا عورتوں کا بوجھ اٹھا کر ان کے گھر تک پہنچا آتے اور ہر

Marfat.com

طرح ان کی مدد کرتے، اپنے خادموں پر کبھی ناراض نہ ہوتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے کبھی مجھ سے ترش لہجہ میں بات نہ کی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی کام کرنے کے لئے مجبور کیا، ﷺ

یہ ہیں میرے وہ آقا ﷺ جن کو ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرر دیا گیا۔ انہی کے غلاموں کو خطاب کرتے ہوئے رب کریم فرماتا ہے: ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ'' جو تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو۔ تم تو ایسے آقا کے غلام بنائے گئے ہو جس کے قول وفعل میں تضاد نہ تھا تو تمہیں کیا ہوا تم قول وفعل کے تضاد میں کیوں مبتلا ہو گئے۔ اے میرے محبوب کے غلاموں مجھے تمہارا یہ عمل سخت ناپسند ہے اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلو اور ان کی ہدایات پر عمل کرو۔ آپ فرماتے ہیں۔

راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ'' تم قیامت میں سب سے برا دو منہ والے کو دیکھو گے جو (دنیا میں) ایک منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے منہ پر کچھ۔ (بخاری شریف)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ'' جو دنیا میں دو منہ والا ہو تو قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَلَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَّاَنْتَ كَاذِبٌ'' یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو تو وہ تمہیں سچا جانتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ: ''يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُلْقٰى فِى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُ بَطْنِهٖ فَيَدُوْرُ بِهَا كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ فِى الرَّحَآءِ فَيَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَهْلُ النَّارِ فَيَقُوْلُوْنَ يَا فُلَانُ مَالَكَ اَلَمْ تَكُنْ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُوْلُ بَلٰى كُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهٰى بِالْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ'' قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی وہ انہیں لٹکائے ایسے گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو دنیا میں نیکیوں کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے منع نہ کرتا تھا وہ کہے گا ہاں میں نیکیوں کا حکم کرتا تھا لیکن ان پر خود عمل نہ کرتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

بہر حال ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ مؤمن کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو جو لوگ اس تضاد کا شکار ہوتے ہیں انہیں اس سے ذلت وخواری کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ وہ جب تنہا ہوتے ہیں تو ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے اور وہ خود کو ایک عجب سے اضطراب اور بے چینی میں مبتلا پاتے ہیں جس سے وہ کتنا ہی بچنا چاہئیں لیکن نجات نہیں پاتے۔ اللہ محفوظ رکھے، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۴

الصّف: ۱۰ تا ۱۳

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَۙ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُۙ۝ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (القف: ۱۰ تا ۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں آگاہ کردوں ایسی تجارت جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو اللہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ

Marfat.com

مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور فتح جو قریب ہی ہے اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) مومنوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے۔

آیت بالا میں اہل ایمان پر خصوصی کرم فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں ایسی تجارت کا طریقہ تعلیم کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً ان کے لئے ہر اعتبار سے مفید اور بہتر ہی بہتر ہے۔ جس میں خسارے اور نقصان کا قطعاً کوئی امکان ہی نہیں اور وہ ہے اللہ و رسول پر ایمان لانا اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا اس کے بدلہ میں اللہ وعدہ فرماتا ہے اور اس کا وعدہ حق ہی ہوتا ہے، سچ ہی ہوتا ہے۔ وہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہوں کو بخش دے گا انہیں جنت میں بہترین مقام عطا فرمائے گا اور دنیا میں ہر طرح ان کا حامی و ناصر اور مددگار ہو گا۔

آیئے، آیت مذکورہ سے متعلق چند امور پر غور کریں:

تجارت

تجارت پر معاش کا دارومدار ہے جو نظام عالم کی بنیاد ہے اس دنیا کی سج دھج اور رونق کا ذریعہ یہ تجارت ہی ہے۔ بڑا ہی کرم ہوا رب کریم کا کہ اس نے نہ صرف تجارت کو جائز قرار دیا بلکہ اسے اپنی سنت اور اپنے انبیاء و رسل کی سنت بنا کر مقدس ترین پیشہ قرار دیا۔ خود رب نے اہل ایمان سے ایک تجارت کی۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:١١١)

بیشک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال اس عوض میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔

حضرات انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسانیت کے لئے ہادی و رہبر اور معلم بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی کو بتایا گیا تاکہ امتی اس ذریعہ کو اپنا کر اپنی روزی بھی کمائیں اور سنت انبیاء پر عمل کر کے مستحق اجر و ثواب بھی قرار پائیں۔

چونکہ انبیاء سابقین علیہم السلام مخصوص اوقات اور مخصوص اقوام کے لئے مبعوث ہوئے تھے، لہٰذا ان کے حالات زندگی کی حفاظت کا منجانب اللہ کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ پس یقین کے ساتھ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ کون، نبی کیا تجارت کیا کرتے تھے تاہم یہ طے ہے کہ سب ہی انبیاء کرام علیہم السلام خود کفیل تھے وہ اپنے فرائض نبوت پورے کرتے رہے اور قوم سے کبھی کسی اجر و اجرت کے طلب گار نہ ہوئے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ فرمایا گیا:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:١٠٩)

"اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں طلب کرتا میرا اجر تو رب العٰلمین کے ذمہ ہے۔"

صرف سورۃ الشعراء میں پانچ مقام پر یہ آیہ مبارکہ موجود ہے۔ آیت نمبر ١٠٩، حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر ۱۲۷، حضرت ہود علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۴۵، حضرت صالح علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۶۴، حضرت لوط علیہ السلام کا اور آیت نمبر ۱۸۰، حضرت شعیب علیہ السلام کا قول ہے۔ ان آیات کے علاوہ متعدد مقامات پر متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال مختلف الفاظ میں مذکور ہیں۔ جن سب کا مفہوم یہی ہے کہ ''ہم تم سے تبلیغ پر کسی اجرت کے طلب گار نہیں، ہاں اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔''

انبیاء سابقین علیہم السلام سے متعلق قرآن کریم کے بیان کردہ حالات کے علاوہ جو تفصیلات ملتی ہیں ان کا ماخذ غیر مسلسل اور منقطع تاریخ کے سوا کچھ نہیں جبکہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ ہی ہے جس سے متعلق ہر بات باوثوق قابل اعتماد اور یقینی ذرائع سے ہمارے پاس محفوظ ہے کہ آپ کی ''رسالت عامہ'' اور آپ کے ''اُسوۂ حسنہ'' ہونے کا یہی مقتضی تھا۔ پس ہم یقین کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ نے بھی کسب معاش کے لئے اولاً بکریاں چرائیں اور پھر پیشہ تجارت اختیار فرمایا۔

بکریاں چرانا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آئے جو کثیر العیال بھی تھے اور قلیل المال بھی، چچا کی تنگی و تنگدستی آقائے رحمت ﷺ کے لئے طبعاً ناقابل برداشت تھی۔ لہٰذا آپ نے نو سال کی عمر میں ہی عرب کے دستور کے مطابق بکریاں چرانا شروع کر دیں تاکہ اپنے چچا کا کچھ معاشی تعاون کر سکیں۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَاعِيَ غَنَمٍ وَقَالَ لَهُ اَصْحَابُهُ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنَا رَعَيْتُهَا لِاَهْلِ مَكَّةَ بِالْقَرَارِيْطِ۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے بھی فرمایا: میں بھی قراریط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (قراریط، قیراط کی جمع ہے جو ایک عربی سکہ ہے)

اس موقع پر ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ''بکریاں چرانا'' نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ہی کوئی گھٹیا اور معمولی پیشہ بلکہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں موجود ہے: حضرات انبیاء کرام کو بلاشبہ یہ ذمہ داری اللہ ہی کی طرف سے سونپی جاتی رہی تاکہ اعلانِ نبوت سے قبل ہی ان کے کامیاب ہادی ہونے کا مظاہرہ ہو سکے کہ جو شخص بکریوں کے گلے کی حفاظت کر سکتا ہے وہ یقیناً ہر اعتبار سے اپنی قوم کا محافظ بھی ہو سکتا ہے۔ پس میرے آقا ﷺ کو بھی یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ کو تو پوری انسانیت کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا۔ پس درحقیقت اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل آپ کی قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ تھا، مجبوری یا بے کسی نہ تھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے متعدد مواقع پہ بلا جھجک بیان فرمایا جس کا اہل ایمان کو بھی بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے لئے بکریاں پالنا

Marfat.com

اور انہیں چرانا معیوب نہ رہا بلکہ آقا ﷺ کی سنت ہونے کے سبب ذریعہ اجر وثواب بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے اکثر نے اس پیشہ کو اختیار کیا یا کم از کم سنت پر عمل کی نیت سے بکریاں پالیں اور انہیں چرایا۔ ہم نے اپنے اکثر اساتذہ کو بھی اس سنت پر عمل کرتے دیکھا۔

آغازِ تجارت

لیکن بکریاں چرانا ہمارے آقا ﷺ کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ ایک وقتی مشغلہ کے طور پر آپ ﷺ نے اسے اختیار فرما لیا تھا اور آپ تجارت کا کوئی موقع ہاتھ آنے کے منتظر تھے۔ لہٰذا جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف سفر تجارت کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے بھی ساتھ جانے کا اصرار کیا تا کہ آپ ﷺ تجارت کا تجربہ بھی حاصل کر سکیں اور اپنے چچا کا عملی تعاون بھی کر سکیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف بارہ برس کی تھی۔ اسی سفر کے دوران مقام ''بُصریٰ'' پر ''بَحِیری'' راہب کا مشہور واقعہ پیش آیا کہ

اس عیسائی راہب نے اس قافلہ کو سخت دھوپ میں اپنے گرجا کی طرف آتے دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ قافلہ کے ایک نوجوان پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ راہب نے اپنی علمی بصیرت سے پہچان لیا کہ یقیناً یہ نوجوان مستقبل کی کوئی اہم شخصیت ہے۔ اس نے فوراً ہی اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اسے پتہ چلا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ اس پر بادل سایہ فگن رہے گا۔ اس نے دیگر علامات جاننے کے لئے پورے قافلہ کو اپنے گرجا میں دعوت دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تنہائی میں گفتگو کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے ہر سوال کا جواب سن کر اسے آپ کے نبی آخر الزماں ہونے پر یقین ہوتا رہا اور پھر فرطِ جذبات میں اس نے پشتِ مبارک سے آپ ﷺ کا کرتہ اٹھایا اور اس مہر نبوت کو دیکھا، جس کا نقشہ اس کی کتابوں میں موجود تھا۔ مہر کو چوما اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا: ''مَاھٰذَا الْغُلَامُ مِنْکَ'' اس بچے کا تم سے کیا رشتہ ہے۔ یہ تمہارا بیٹا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ''وَمَا یَنْبَغِیْ لِھٰذَا الْغُلَامِ اَنْ یَّکُوْنَ اَبُوْہُ حَیًّا'' اس بچے کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہئے۔ ابوطالب نے حیرت زدہ ہو کر جواب دیا: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے باپ ''مَاتَ وَاُمُّہٗ حُبْلٰی'' کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا جب یہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ پس بَحِیریٰ چلا اٹھا:

هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

اور پھر اس نے ابوطالب سے کہا: ''اس بچے کو شام لے کر ہرگز نہ جانا بلکہ جلد ہی تم مکہ واپس چلے جاؤ کہ اگر میری طرح اسے یہودیوں نے پہچان لیا تو وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے'' (کیونکہ یہودی تو ہمیشہ انبیاء کے دشمن رہے ہیں)

Marfat.com

لیکن حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنا سفر تجارت پورا کرنے پر مجبور تھے۔ لہٰذا وہ شام آ گئے اور دوران سفر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری طرح حفاظت کی اور وقت سے پہلے ہی مکہ آ گئے۔

بہرحال یہ میرے آقا ﷺ کا پہلا سفر تجارت تھا۔ جس کے بعد آپ ﷺ نے اسی پیشہ کو اپنے کسب معاش کا ذریعہ بنایا اور ایک کامیاب تاجر نوجوان کی حیثیت سے آپ ﷺ تاجر برادری میں پہچانے جانے لگے۔ امانت، دیانت اور پاکبازی میں آپ ﷺ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا ذکر مکہ کی ایک کامیاب و متمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حلقہ میں ہوا جن کا مال تجارت، تجار قریش کی نسبت سب سے زیادہ ہوتا تھا چونکہ وہ خود ایک بیوہ اور طاہرہ خاتون تھیں لہٰذا عملی طور پر تجارت نہ کر سکتی تھیں۔ ملازمین یا شراکت داروں سے اپنا کام کرایا کرتی تھیں، وہ دیانت دار افراد کی تلاش میں رہتی تھیں، محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی خوبیاں سن کر انہوں نے آپ کو اپنا شریک کار بنانے کا فیصلہ کیا۔ جسے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بخوشی قبول کیا اور آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نہایت احترام کی نظروں سے دیکھا اور اپنا شریک تجارت بنانے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری درخواست قبول کر لیں تو جو منافع میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو پیش کروں گی کیونکہ آپ جیسے دیانت دار اور محنتی شخص کی ہی مجھے ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی پیشکش قبول فرمائی اور اپنی نگرانی میں آپ ﷺ مال تجارت لے کر شام روانہ ہوئے۔ واپس آ کر جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حساب دیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس سے پہلے انہیں کبھی اتنا منافع نہ ہوا تھا۔

اسی سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے خاص غلام میسرہ کو مقرر کیا تھا۔ جس نے سفر سے واپس آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عفت و دیانت، امانت، حسن اخلاق و کردار لوگوں سے گفتگو کا انداز اور آپ کے حسن معاملہ سے متعلق تفصیلی حالات اپنی مالکہ کو سنائے اور وہ حیرت انگیز باتیں بھی بتائیں جو میسرہ نے اس سے پہلے نہ کبھی سنی تھیں اور نہ دیکھی تھیں۔ ان تفصیلات ہی کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریک حیات بننے کا خیال پیدا ہوا اور بالآخر وقت آنے پر مکہ کی یہ دولت مند ترین عفت مآب خاتون امت مسلمہ کی پہلی ماں بن گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔

غرضیکہ تجارت ایک مقدس ترین پیشہ ہے جو خود کفالت کے علاوہ ملک و ملت کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ جس سے قوم کو خوشحالی اور آسودگی میسر آتی ہے، ملکی استحکام حاصل ہوتا ہے، معاشرہ پُر امن و پُر سکون ہوتا ہے، برائیوں اور بدکاریوں سے نجات میسر آتی ہے، تہذیب و تمدن کی فضا نصیب ہوتی، نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سدھر جاتی ہے لیکن اہل ایمان کو یہ تجارت جب راس آتی ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے اصول تجارت کو اپنایا جائے اور شرعی احکام کی پابندی کی جائے۔ ایسے ہی تجارت کرنے والوں کے لئے آقائے رحمت ﷺ مژدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ

Marfat.com

سچا اور امانت دار تاجر (بحثیت خادم) انبیاء صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اَلصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ

آقائے رحمت ﷺ کے ارشاد کے مطابق تاجر برادری کے لئے یہ ایک عظیم اعزاز ہے کہ ''اَلصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ'' تاجر قیامت کے دن انبیاء و صدیقین اور شہداء کے خدام میں سے ہوگا کیونکہ صبح سے شام تک تجارت کے دوران صدق و امانت کی پابندی سہل و آسان نہیں اور جو اس پابندی کا عادی ہو گیا وہ بڑا ہی متقی، پرہیزگار اور صالح ہو گیا۔ پس وہ جنت میں اعلیٰ مقام کا مستحق قرار دیا گیا۔

بلاشبہ وہ شخص بڑا ہی کامیاب و کامران ہے جو اپنے کسب معاش میں صدق و امانت کو اختیار کرے کہ یہ کوئی معمولی عمل نہیں بلکہ تمام حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ اسی سے حلال و حرام میں امتیاز ہوتا ہے، اسی سے معاملات میں حسن پیدا ہوتا ہے، معاشرے میں ہردلعزیزی کا مقام حاصل ہوتا ہے، غرباء و مساکین کی خدمت کا موقع حاصل ہوتا ہے، عوام کی ضروریات پوری کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہوا و ہوس، طمع، حرص، مکر و فریب جیسے مہلک امراض سے نجات ملتی ہے۔ غرضیکہ سکون ہی سکون، خوشیاں ہی خوشیاں مقدر بنتی ہیں اور بعدِ مرگ کی پرواہ بھی نہیں کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انبیاء و صدیقین اور شہداء کی غلامی نصیب ہوتی ہے۔

اے ایمان والو! تجارت کرو لیکن ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ'' بنو جس کا ذریعہ یا بنیاد سورۃ النساء کی وہ آیات مبارکہ ہیں جن کی تفصیل اس کتاب کی جلد اول میں گزر چکی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا اعادہ کرتے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو جلد اول مقالہ ۲۱ کا مطالعہ کر لیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

(النساء: ۲۹، ۳۰)

اے ایمان والو، نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بیشک اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی کرنے والا ہے اور جو شخص ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔

ان آیات میں تجارت کے وہ بنیادی اصول بتائے گئے جن کو اپنانے والا تاجر کامیاب و کامران ہو سکتا ہے اور ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ'' کا اعزاز پا سکتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہوں، سوۃ النور کی آیات جن میں کامیاب تاجروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوا:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ

Marfat.com

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ (النور: ۳۸،۳۷)

وہ لوگ جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید وفروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزاء دے انہیں اللہ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

یہ ایسے اہل ایمان کا تذکرہ ہو رہا ہے جن پر تجارت یا دولت کا نشہ نہیں چڑھ جاتا، ان کی مصروفیت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونے دیتی، کسی حال میں ان کی کوئی نماز چھوٹنے نہیں پاتی، وہ پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت اس امید پر ہے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزاء دے اور ان پر فضل مزید فرمائے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔

تجارت کے بنیادی اصول

درحقیقت یہی تجارت کے بنیادی اصول ہیں جنہیں اپنا کر اہل ایمان تاجر پیشہ تجارت کے تقدس کو بھی برقرار رکھ سکتے ہیں اور اس میدان میں کامیاب ہو کر ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ'' کہلانے کے لائق ہو سکتے ہیں ان بنیادی اصول تجارت کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک مؤمن تاجر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے یعنی اس کا ہر عمل اور ادا احکام شرع کے عین مطابق رہے، اس کی دولت سود سے پاک ہو وہ اپنی محنت کی حلال کمائی کو مکر وفریب، جھوٹ اور دھوکہ دہی سے حرام نہ بنائے اپنی بدزبانی اور بدمعاملگی سے لوگوں کا دل نہ دکھائے، بددیانتی اور حق تلفی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، لوگوں کی مطلوبہ اشیاء کو جمع کر کے اور مصنوعی قلت سامان پیدا کر کے ملک وملت کو نقصان نہ پہنچائے جسے فقہی اصطلاح میں احتکار کہا جاتا ہے جو حرام ہے۔

اس اصول کی مزید وضاحت کے لئے معلم کامل ﷺ کے چند ارشاد ملاحظہ ہوں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا:

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ.

جس نے کوئی عیب دار چیز عیب بتائے بغیر فروخت کی وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا یا اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا دست مبارک داخل فرمایا تو مبارک انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے دریافت

Marfat.com

فرمایا: غلہ گیلا کیوں ہے؟ تاجر بولا: حضور ﷺ بارش کا چھینٹا پڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے گیلا غلہ اوپر کیوں نہ کر دیا تا کہ خریدار اسے دیکھ لیتا پھر فرمایا: ''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّیْ'' جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔

(باہر سے) غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا اور روکنے والا لعنتی ہے۔ (ابن ماجہ)

یعنی جو تاجر بیرون ملک یا بیرون شہر سے غلہ لا کر فروخت کرے اور اپنے ہم وطنوں یا شہریوں کی ضرورت پوری کرے اللہ اس کی روزی میں برکت دے گا لیکن جو ظالم اشیاء ضرورت اس نیت سے جمع کرے کہ جب لوگوں کی طلب بڑھے گی تو وہ زیادہ قیمت وصول کر کے دولت کمائے گا ایسے تاجر کو برکت نصیب ہونا تو درکنار اس پر تو اللہ کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء ضرورت پر کنٹرول

ہمارے دور کے خود ساختہ ناکام تجارتی اصولوں میں سے ایک ''کنٹرول'' بھی ہے کہ کسی چیز کی قلت پیدا ہونے کے باعث اس چیز کی قیمت مقرر کر دی جاتی ہے جسے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق نہیں بلکہ انتظامیہ کی مقررہ مقدار ہی کے مطابق حاصل کر سکتے ہیں چاہے ضرورت پوری ہو یا نہ ہو جس کا ظاہر ہے نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ چیز عام بازار میں مزید گراں ہو جاتی ہے، اس کی طلب بڑھ جاتی ہے، چھپا کر چوری سے بکتی رہتی ہے چونکہ یہ اصول یعنی کنٹرول خلاف شرع ہے لہٰذا ناکام ہے، بلا مقصد ہے، عوام کی پریشانی میں اضافے کا باعث ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک مرتبہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا تو بعض لوگوں نے مشورۃً عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ''سَعِّرْلَنَا'' آپ حکماً بھاؤ مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ'' بیشک اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے، وہی تنگی و فراخی فرمانے والا ہے، وہی روزی عطا فرمانے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے رب سے اس طرح ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ناانصافی کا مطالبہ نہ کر سکے۔ (ترمذی)

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہمارے ان کارندوں کے لئے خصوصی طور پر قابل غور ہے جو خود ہی اشیاء ضرورت کی قلت پیدا کرتے ہیں اور پھر کنٹرول کے ذریعہ اس کی طلب میں اضافہ کرتے ہیں تا کہ عوام تڑپیں اور یہ ظالم انہیں خوب لوٹیں۔ یہی ہیں وہ تاجر جو تاجر برادری پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور پیشہ تجارت کی بدنامی و خواری کا سبب ہیں۔

اِحتِکار کا وبال

اِحتِکار یعنی اس مقصد سے غلہ، چینی وغیرہ مارکیٹ سے خرید کر چھپا لینا اور جمع کر لینا کہ مارکیٹ میں اس چیز کی کمی واقع ہو تو پھر من مانی قیمت پر اسے فروخت کر کے دولت کمائی جائے اور لوگوں کی ضرورت سے خوب فائدہ حاصل کیا جائے۔ یہ استحصال بھی ہے، ظلم بھی ہے اور عوام کے ساتھ دھوکہ بھی، اس کی اجازت تو دنیا کا کوئی بھی قانون نہیں دیتا تو شریعت مطہرہ

Marfat.com

کس طرح اسے جائز قرار دے سکتی ہے۔ یہ صرف ممنوع ہی نہیں بلکہ نہایت ہی وبال اور بلاء ومصیبت کا باعث ہے۔

اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات پر غور کیجئے:۔

حضرت معمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہگار ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ۔

جو مسلمان پر روزی تنگ کرے (احتکار کرے) اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ۔

جس نے چالیس دن غلہ روکے رکھا مہنگا ہونے کے انتظار میں تو وہ اللہ سے دور ہو گیا اور اللہ اس سے بیزار ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ۔

احتکار کرنے والا بہت ہی برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستا کر دے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کر دے تو خوش ہو۔

(بیہقی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كَفَّارَةً۔

جس نے احتکار کیا اور پھر سارا غلہ خیرات کر دیا تب بھی اس کے لئے کفارہ نہ ہو گا۔ (مشکوٰۃ)

اے مسلمان تاجرو! غور کرو مخبر صادق ﷺ کے ارشادات حقہ پر کس قدر بھیانک انجام بتا رہے ہیں آقائے رحمت ﷺ محتکر کا، ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا کہ اس شخص نے یہ جرم محض چند پیسوں کے لالچ میں کیا لیکن اس نے یہ نہ سوچا کہ وہ اپنے ہی بھائیوں پر کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے، وہ بھوکوں مر رہے ہیں اور یہ ان کی اشیاء ضرورت پر سانپ بنا بیٹھا ہے، قوم کے بچے بلک رہے ہیں آہ و بکا کر رہے ہیں اور اس ظالم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، پورا ملک معاشی بدحالی کا شکار ہوا جا رہا ہے اور یہ بدبخت ذرا بھی احساس نہیں کر رہا، دولت کے لالچ نے اس کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے نہ اس میں اللہ و رسول کا ڈر رہا، نہ ایمانی غیرت، نہ ملک و ملت کی محبت۔ کیا سوچا ہے اس نے یہی نا کہ جب گرانی مزید بڑھے گی اور لوگوں کی طلب میں مزید اضافہ ہو گا تو یہ اپنا ذخیرہ مارکیٹ میں لائے گا اور خوب خوب دولت سمیٹے گا کاش یہ اس کے برعکس بھی سوچتا کہ اگر گرانی ختم

Marfat.com

ہوگئی، چیزوں کے بھاؤ گر گئے تو اس کے ذخیرے کا کیا حشر ہوگا پھر کون پوچھے گا اس کی جمع کردہ اشیاء کو پھر تو جو قوم کی بدحالی پر ناچ رہا تھا آج قوم نہ صرف اس کا مذاق اڑائے گی بلکہ اس پر لعنت کرے گی، خوب خوش ہوگی اور ایسا ہونا ہی تھا کہ آقا ﷺ نے اسے "ملعون" قرار دے ہی دیا ہے۔ یہ اب بھی ملعون ہے اور اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تب بھی ملعون ہی رہتا۔ اس کے اس جرم نے اللہ سے اسے دور کر دیا تو اللہ نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔ اس کی رسی ڈھیلی کر دی اب یہ لوگوں کا تماشا ہی بنا رہے گا اب تو اس کا صدقہ وخیرات بھی اسے فائدہ نہ پہنچا سکے گا، چاہے یہ اپنا ذخیرہ پورا کا پورا خیرات کر دے اب لوگ اسے فیاض نہیں بلکہ مجبور اور مجرم ہی کہیں گے۔ دونوں ہاتھوں سے اس کی دولت بھی لوٹیں گے اور بجائے شکرگزار ہونے کے خوب مذاق بنائیں گے۔ صدقہ ایک پائی کا ہو یا ہزاروں کا گناہوں کو مٹاتا ہے، بلاؤں کو دور کرتا ہے لیکن مُحتَکِر ایسا مجرم ہے کہ اس کے صدقہ کا اسے نہ دنیا میں فائدہ ہوگا نہ آخرت میں بلکہ "ضَرَبَ اللّٰهُ بِالْجُزَامِ وَالْاِفْلَاسِ" یہ کوڑھی ہو کر مفلسی اور غربت کی حالت میں تڑپ تڑپ کر مرے گا اور آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہی علیم وخبیر ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے دولت کی مار نے اسے کیسے مارا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ یہ شخص اپنے یا دنیا والوں کے گڑھے تجارت کے اصول اپنا کر تجارت کر رہا تھا جس سے اس کا مقصد صرف دولت کمانا تھا۔ اس نے تجارت کے لئے عطا کردہ پہلا ہی اصول فراموش کر دیا تھا یعنی یہ دولت کے نشہ میں مست ہو کر یا دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھا اسے خیال نہ رہا رزق دینے والا، میری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بدعملی رزاق حقیقی کے غیض وغضب کا سبب بن جائے اور صرف میری تدبیریں ہی الٹی نہ ہو جائیں بلکہ اصل پونجی سے بھی مجھے ہاتھ دھونا پڑیں اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

تجارت کا دوسرا شرعی اصول "اِقَامَ الصَّلٰوةِ" ہے یعنی نماز کی پابندی کرنا کیونکہ نماز وسیلہ قرب الٰہی ہے۔ قُرّۃُ عینِ رسول ہے، وطیرۂ انبیاء ومرسلین ہے، طریقہ اولیاء وصالحین ہے، نمازیوں پر اللہ کی رحمت برستی ہے، انعامات واحسانات کی برکھا برستی ہے، نماز مُنکرات و فَحشاء سے روکتی ہے، نماز متقی بناتی ہے، نماز سے سکون میسر آتا ہے۔ نماز مسلمانوں کے درمیان محبت والفت پیدا کرتی ہے، نماز پابندیٔ وقت اور مساوات بین المسلمین کا درس دیتی ہے، نماز سے گھروں کی آفات وبلیات دور ہوتی ہیں، بیماریوں سے نجات ملتی ہے، نمازی کا چہرہ نورانی ہو جاتا ہے، نماز قبر کی تاریکی دور کرتی ہے، نماز ہی قیامت کے دن مؤمن کی پہچان ہے۔ نماز ہی مسلم وکافر کے درمیان ذریعہ امتیاز ہے۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اور یہ کہ پابندی سے نماز ادا کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

(القرآن)

وَمَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّداً فَقَدْ كَفَرَ.

اور جس نے قصداً نماز چھوڑی بیشک اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ (الحدیث)

پس اے تاجرو! تم کتنے ہی خرید وفروخت میں مصروف ہو کتنے ہی گاہک یا سوداگر تمہارے اردگرد جمع ہوں، کتنا ہی

Marfat.com

تمہیں مالی نقصان کا اندیشہ ہو، نماز سے ہرگز غافل نہ ہو جونہی مؤذن کی آواز تمہارے کانوں میں پڑے جونہی تم ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة'' کی صدا سنو اللہ کے حکم ''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' پر عمل کرو اور نماز کی طرف دوڑو، قریبی مسجد کی طرف جاؤ یا جہاں ہو مصلیٰ بچھاؤ اور رزق دینے والے رب کے حضور حاضر ہو جاؤ۔ مطمئن رہو کوئی نقصان نہ ہوگا بڑے فائدے میں رہو گے بغیر حساب رزق دینے والا رزّاق حقیقی خوب خوب رزق دے گا۔ ایسی راہ سے دے گا کہ تمہارے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا اور ہاں سنو نماز عصر کا وقت خصوصی طور پر بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے حساب وکتاب کرنے کا وقت ہوتا ہے، دن بھر کی آمدنی گننے کا وقت ہوتا ہے، رب کریم کا یہ ارشاد خوب یاد رکھو:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔

سب نمازوں کی پابندی کرو بالخصوص نماز عصر کی۔ (القرآن)

اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ اس کے خزانہ میں نہ کبھی کمی ہوئی نہ کمی ہوگی اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ وہ تمہیں مالا مال کر دے گا، خوب دے گا، آسانی سے دے گا، اس کی شان ہے۔ ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ وہ تمہاری کمائی میں برکت بھی دے گا، سکون بھی اور روزی کمانے کے لئے، تمہارے بازاروں، گلی کوچوں اور شہروں میں امن بھی میسر آئے گا۔ تمہارے چہرے پرنور ہو جائیں گے، پرکشش ہو جائیں گے، پس نمازوں کی پابندی کرتے رہو۔

تیسرا شرعی اصول تجارت ہے: ''اِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ'' پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ زکوٰۃ جو مال کا میل کچیل ہے، کوئی چیز بھی ایک جگہ رکھی رہے، اس کی جھاڑ پھونک نہ کی جائے۔ اس کا میل کچیل دور نہ کیا جائے تو اس پر زنگ آ جاتا ہے۔ وہ چیز بدنما نظر آنے لگتی ہے، آنکھوں کو بھدی لگنے لگتی ہے، مال پر میل کچیل جم جائے تو اللہ کو برا لگنے لگتا ہے۔ اس کے مال کو اللہ ناقدرا جانتا ہے اور ناقدروں پر اس کی نعمتوں کی بارش بند ہو جاتی ہے۔ جو کچھ مل چکا ہے بسا اوقات وہ بھی چھین لیا جاتا ہے۔ پس ناقدرے نہ بنو، اللہ کی دی ہوئی دولت کو صاف وستھرا کرتے رہو یہی اس کی قدر ہوگی۔ اس کا میل کچیل دور کرتے رہا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور دیکھو یہ میل کچیل کچھ زیادہ نہیں ہوتا صرف مال کا چالیسواں حصہ۔ یہ پھونک کر اڑا نہیں دیا جاتا دھو کر بہا نہیں دیا جاتا۔ یہ چالیسواں حصہ تمہارے لئے میل کچیل قرار دیا گیا ہے لیکن تمہارے ہی معاشرے کے پسماندہ افراد کے لئے یہ تم پر حق ہے تم کسی کی حق تلفی نہ کرنا کہ جب تم کسی کا حق مارو گے تو سب کے حقوق کی حفاظت کرنے والا تمہیں محروم کر دے گا۔ پس حق ادا کرو کہ تم پر تمہارے اہل خانہ کے علاوہ اعزاء واقارب، پڑوسیوں، غرباء ومساکین اور یتیموں کے بھی حقوق ہیں، دین کا بھی حق ہے۔ مدارس قائم کرنا، مساجد بنانا، رفائی وسماجی اداروں کی تعمیر اور اس سے متعلق افراد کی امداد، دین کی اشاعت یہ سب تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ تم یہ ذمہ داری محسوس نہ کرو گے تو کون یہ سب کام کرے گا؟ کون دین کی بقاء کے لئے تڑپے گا؟ کون بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کے دکھ درد بانٹے گا؟ کون معاشرے سے جہالت وغربت کی لعنت کا خاتمہ کرے گا؟ پس زکوٰۃ ادا کرو ہر سال پابندی سے ادا کیا کرو۔ تمہاری انفرادی دولت قومی خزانہ بنتی ہے۔ تمہاری حکومت اسی سے

Marfat.com

مالا مال ہو جاتی ہے، تمہارا ملک معاشی اعتبار سے مستحکم ہو جاتا ہے پھر نہ تو کسی دوسرے ملک کی وصولیابی کی ضرورت پیش آتی ہی اور نہ ہی ملکی وقومی ضروریات کے لئے غیروں کے در کا بھکاری بننا اس سے قرضے لے کر اپنی سیاسی و مذہبی آزادی کا سودا کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے تو زکوۃ ادا کرتے رہو اور ہاں دیکھو زکوۃ کے مصارف تو شریعت مطہرہ نے متعین کر دیئے ہیں۔ اپنی مرضی سے ان کو صرف نہیں کیا جا سکتا لہٰذا زکوۃ کے مخصوص مصارف کے علاوہ ضروریات کے لئے ہمیں صدقہ و خیرات کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا مژدہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں'' اَلصَّدَقَةُ رَدُّ الْبَلَاءِ '' صدقہ آفات و بلیات دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس زکوۃ کے علاوہ خوب صدقہ کیا کرو تا کہ دوسروں کی ضرورت پوری ہو اور تمہیں آفات سے نجات ملے، بلائیں دور ہوں، بیماریاں دور ہوں۔ دیکھو صدقہ انشورنس ہے۔ تمہارے جسم و جان اور مال و دولت کا انشورنس جو دولت تم انشورنس کمپنی کو دیتے ہو وہ اللہ کے نام پر صدقہ کر کے اپنا انشورنس کرا لو۔ انشورنس تو شاید صرف تمہارے نقصان کی تلافی کرتا ہے لیکن نقصان سے تو نہیں بچا جا سکتا، دکھ درد اور صدمہ سے تو نہیں بچا جا سکتا جبکہ اللہ سے کرایا ہوا انشورنس، دوستو! یقین رکھو نقصان ہی نہیں ہونے دیتا۔ دکھ درد قریب نہیں آنے دیتا، خوشیاں ہی خوشیاں برساتا ہے، سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کرتا ہے، امن و امان بخشتا ہے۔ جسے قرآن کریم '' حیوٰۃِ طیبہ '' کا نام دیتا ہے، پس زکوۃ ادا کر کے، صدقہ و خیرات بانٹ کر وہ انشورنس کرا لو جس میں ماہانہ یا سالانہ ادائیگی کی پابندی نہ ہو کوئی مخصوص رقم نہ دینا پڑے، جتنا چاہو اور جب چاہو صدقہ و خیرات کر دو اپنی استطاعت اور سہولت کے مطابق۔ پس ایمانداری کا خیال رکھنا کہ اگر دس دینے کے قابل ہو تو ایک نہ دینا ورنہ دینے والا تمہیں ایک دینے کے لائق بھی نہ رکھے گا۔ دینے والوں کی صف سے نکال کر کہیں مانگنے والوں کی لائن میں نہ بٹھا دیئے جاؤ، اللہ محفوظ رکھے۔

رب کریم کا خصوصی کرم تو ملاحظہ ہو کہ ہمیں زکوۃ و صدقات کا حکم دیا گیا۔ اس کے فوائد و اثرات بھی ہمیں ہی بتائے گئے اور پھر اسے قرض قرار دیا گیا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں اس کی رضاء و خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو وہ در حقیقت تم اپنے مالک کو قرض دیتے ہو، جس کو وہ کئی گنا کئی گنوں بڑھا کر تمہیں دنیا میں بھی واپس فرما دیتا ہے اور رہی بات آخرت کی تو یہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے جس کو جتنا چاہے واپس کر دے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀ (مزمل: ۲۰)

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہو گا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا'' من اتاہ اللّٰہ مالا ولم یؤد کوتہ'' جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہ کی '' مثل لہ یوم القیمۃ شجاعا اقرع لہ زبیبتان '' تو (وہ

Marfat.com

مال) قیامت کے دن ایسے گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ ''ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یعنی شِدْقَیْہِ'' پھر وہ (صاحب مال کی) دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: ''اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ'' میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں پھر آقا ﷺ نے درج ذیل آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (آل عمران: ۱۸۰)

اور ہرگز گمان نہ کریں جو بخل کرتے ہیں اس (مال) میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے کہ (بخل) بہتر ہے ان کے لئے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لئے ہی ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ (بخاری شریف)

چوتھا شرعی اصول تجارت یہ ہے کہ تاجر دولت کی فراوانی وکثرت کے باوجود بداخلاق، بدزبان اور گھمنڈی نہ ہو نہ اپنے گاہکوں سے ترش روئی کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی اپنے ملازمین اور شرکاء کار سے بدسلوکی اختیار کرے کہ متکبر ومغرور شخص سے سب ہی نفرت کرتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں۔ کوئی ایسے شخص سے معمولی سا بھی معاملہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، لہٰذا بدخو تاجر کبھی کاروبار میں کامیاب نہیں ہوسکتا کہ تاجر کے لئے توسیع تعلقات اور کثیر لوگوں سے میل جول ضروری ہے۔ پس اس کی کیفیت یہ ہونا چاہئے کہ اس کا دل قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہونے کے خوف سے دھڑکتا ہو اور نظریں جھکی رہتی ہوں اس کی یہ حالت اسے نرم مزاج بنائے گی، خوش اخلاق بنائے گی۔ اب وہ جس سے گفتگو کرے گا وہ اس پر اعتماد سے کرے گا کہ اس کی زبان سے بصورت الفاظ پھول جھڑتے محسوس ہوں گے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے، ملازمین مزید محنت ومشقت سے اس کا کام کریں گے، شراکت دار اس کے مزید تعاون پر آمادہ نظر آئیں گے۔ ہر طرف اس کی خوش خلقی کا چرچا ہوگا، ہر کوئی اس کا تعاون کرنا پسند کرے گا ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' لوگوں سے اچھی گفتگو کرو۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفاد واثر یہی تو ہے کہ اچھی گفتگو کی تاثیر سے تو دشمن بھی اپنے بن جاتے ہیں۔

درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ پر غور کیجئے اور خلق حسن کی تاثیر کا اندازہ لگائیے۔ فرمایا گیا:

وَ اَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ: ۱۹۵)

اور احسان کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ (آل عمران: ۱۷۲)

ان کے لئے جنہوں نے احسان کیا اور تقویٰ اختیار کیا بڑا اجر ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ (بنی اسرائیل: ۷)

Marfat.com

اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے ہی نفس کو ملے گی۔

اور فرمایا میرے آقا ﷺ نے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقاً۔

مجھے تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہو۔ (مؤطا)

راوی ہیں حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِیُّ۔

جنت میں بد خلق، بدخو اور سخت گو شخص داخل نہ ہوگا۔ (بخاری شریف)

راوی ہیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

اِنَّ اَثْقَلَ شَیْئٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَاِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ۔

وزنی ترین چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جائے گی حسن خلق ہے اور بیشک اللہ ناپسند فرماتا ہے فحش اور بیہودہ گو کو۔ (ترمذی شریف)

اور اب یاد کر لیجئے میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ ان دعاؤں کو، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَفُجَآءَ ۃِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سَخَطِکَ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے اور عافیت کے ختم ہو جانے سے اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے غصہ سے۔ (مسلم شریف)

راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں افلاس سے نیکیوں یا مال کی کمی سے اور ذلت سے اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ (ابوداؤد شریف)

راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْخُلُقِ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں انتشار و افتراق نفاق اور برے اخلاق سے۔ (نسائی شریف)

تاجر بھائیو! مصروفیت کے باوجود اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو، نماز پابندی سے ادا کیا کرو، زکوٰۃ، صدقات و خیرات

Marfat.com

میں کمی نہ کرو اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں حاضری سے ڈرتے رہو کہ جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ہمیں اس کا حساب دینا ہوگا اس دن پتہ چلے گا کہ ہم ساری زندگی کیا کرتے رہے۔ ''فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ط وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ'' جس نے ذرہ برابر بھی (اچھا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر (برا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا۔ پس تم اعمال صالحہ کرتے رہو، ریا ءنمود کے لئے نہیں دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے تاکہ وہ تمہیں اپنے مزید انعامات سے نوازے، تمہارے کاموں کو سہل و آسان کردے تمہاری روزی میں برکت دے۔ ''وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ'' اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تمہیں تجارت کی دعوت دیتا ہے وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے اور وہ تجارت یہ ہے کہ ''تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'' تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس طرح کہ تجارتی و معاشی امور اور زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی کرو۔ ''وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ'' اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو۔ کہ جب اللہ کے دین پر عمل یا اس کی حفاظت و اشاعت کے لئے تمہارے مال و دولت کی ضرورت پیش آئے تو تم اپنے اسلاف کی طرح بلا دریغ اپنی دولت صرف کرو، چاہے وہ زکوٰۃ ہو یا صدقات و خیرات کی شکل میں ہو اور اگر ایسا موقع پیش آجائے کہ دین کو تمہاری جانوں کی ضرورت ہو تو اس وقت بھی پیٹھ نہ پھیرنا، منہ نہ موڑنا، بہانے تلاش نہ کرنا، دشمن کے خوف سے پیچھے نہ ہٹنا بلکہ مادی و ظاہری وسائل کی پرواہ کئے بغیر سینہ تانے پوری ایمانی قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر پڑنا۔ مجاہدین بدر و اُحد اور حنین کی طرح شہداء کربلا کی طرح۔ دیکھو تمہارا اسی میں بھلا ہے یہی تمہاری بڑی کامیابی و کامرانی ہے ''ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ'' یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ''اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' اگر تم یقین ساتھ جان لو۔ اگر تم نے یہ طریقہ تجارت اپنایا تو اس دنیائے فانی کی بے شمار نعمتوں کے علاوہ تمہیں اُخروی انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔ ''یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ'' تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تم رب کے حضور سرخرو حاضر ہوگے۔ ''وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ'' رب کریم تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ''وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ'' اور تمہیں ایسے پاکیزہ حسین و جمیل محل عطا ہوں گے جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ ''ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ'' یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ کہ یہ انعامات الٰہیہ لازول ہیں، دائمی ہیں۔ ''خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا'' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ دنیا میں چاہے کتنی ہی نعمتیں مل جائیں، حسین و جمیل بیوی، بچے، مال و دولت کے ڈھیر، شاندار گاڑیاں، خوبصورت و وسیع محلات، کچھ مل جائے چندروزہ ہے، فانی ہے، چھن جاتے ہیں یا بندہ چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ پس تقاضائے عقل و ایمان یہی ہے کہ دنیائے فانی میں جو کچھ نصیب ہو جائے اس پر بندہ شکر ادا کرتا ہے اور آخرت کی نعمتوں کی فکر کرتا اور ان کی بھیک مانگتا رہے۔

اے ایمان والو! اگر تمہارا ایمان کامل ہے تم نے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر پوری طرح بھروسہ اور توکل کر لیا ہے تو تمہیں ایک عظیم نعمت سے مزید نوازا جائے گا، جس کے تم محتاج بھی ہو اور وہ نعمت تمہیں بے حد محبوب ہے پسند ہے۔

Marfat.com

''وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا'' ایک اور چیز جو تمہیں بہت پسند ہے اور وہ ''نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ'' اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح وکامرانی ہے۔تم ہر حال میں مدد الٰہی کے محتاج رہتے ہو کہ اس کی مدد کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتے، کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم نصرت الٰہیہ کے محتاج ہو اور اسی لئے وہ تمہیں محبوب و پسند بھی ہے پھر تم ہر کام اسی امید پر کرتے ہو کہ جلد از جلد اس میں کامیابی ہو اور اس کا نفع بخش نتیجہ سامنے آئے۔ پس ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر حال میں تمہاری مدد بھی کریں گے اور فتح قریب سے بھی تمہیں نوازیں گے۔

''وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی ہمارے انعامات کی اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ آپ کا کام ہی مؤمنین کو خوشخبریاں دینا ہے۔ہم نے آپ کو ''مُبَشِّر'' ہی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ نیز ہمارا اصول یہی ہے کہ ہم اپنے پیغامات اپنے بندوں کو رسولوں ہی کی معرفت پہنچاتے ہیں اور اپنے بندوں کو ہر نعمت آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے عطا فرماتے ہیں۔اسی لئے تو ہم نے آپ کو اپنے خزانوں کی کنجیاں بخش دی ہیں کہ آپ اپنی مرضی سے جسے جو چاہیں قیامت تک عطا فرماتے رہیں حتیٰ کہ قیامت میں آپ کو اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں اپنے حوض سے سیراب کر دیں، جس کی چاہیں سفارش فرمائیں، جس کے اعمال کا پلہ چاہیں وزنی کر دیں اور جسے چاہیں اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیں کہ ہم آپ سے وعدہ فرما چکے ہیں ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ
عجب کیا اگر رحم فرمالے ہم پر　　خدائے محمد برائے محمد ﷺ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۵

الصّف : ۱۴

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝

(الصّف : ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی بلانے میں حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے۔

اہل ایمان کو اللہ کا مددگار بننے کی ہدایت کی جا رہی ہے ظاہر ہے اللہ وحدہ لاشریک لہ خود سب کا حامی و ناصر ہے،

Marfat.com

سب اس کے محتاج ہیں، وہ بلاشبہ کسی کا محتاج نہیں۔ پس اس کا مددگار وہ ہے جو اس کے دین کی مدد کرے یعنی دین کی تبلیغ و اشاعت اور حفاظت کے لئے دین کا خادم بنے۔ اس مقصد کے لئے خدام دین، علماء و مشائخ کا تعاون کرے، اپنی دولت صرف کرے، اپنا وقت صرف کرے حتیٰ کہ دین کو جان کی ضرورت پیش آئے تو اپنے رہنماؤں کے اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام اور ان کے بعد اسلاف قائم کرتے آ رہے ہیں کہ انہی کے ایثار و قربانی نے ہمیں دین کا وارث بنایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہم سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے دین کی خدمت لیتے رہے، خصوصاً حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں کو اس بڑی ذمہ داری کی دعوت دی جیسا کہ آیت زیر گفتگو میں مذکور ہے۔

اللہ کی مدد

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ ہماری مدد کا محتاج نہیں ہاں اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے دین کی مدد اور خدمت کرنے کا اعزاز بخشا ہے جو ہمارے ہی مفاد میں ہے کہ دین کی بقاء ہی سے ہماری بقاء ہے، دین کے غلبہ ہی سے ہمارا غلبہ ہے، دین ہی کی عزت میں ہماری عزت ہے۔ ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' فرمان الٰہی ہے اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا یعنی اگر تم اللہ کے دین کے مددگار بنو گے تو اللہ تمہارے دینی و دنیوی امور میں مدد کرے گا۔ اس طرح کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے محتاج نہ رہو گے اور یہی تو بڑی عزت ہے کہ انسان کسی کا محتاج نہ رہے اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کے سوا، اس کی گردن میں کسی کا طوق نہ لٹک رہا ہو وہ کسی کے در کا بھکاری نہ ہو دوسرے اس کے در پہ جھولیاں پھیلائے کھڑے ہوں۔

تاریخ پر نظر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دور میں بھی انسان اپنے دین سے لاپرواہ ہوا ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا، مصائب و آلام کا شکار ہوا اور جب اس نے دین کی غلامی اختیار کر لی، اللہ اس کا مددگار بن گیا۔ بھکاریوں کو بھیک دینے والا بنا دیا، غلاموں کو آقا کر دیا، چرواہے حاکم بنا دیئے گئے، کمزور طاقتور ہو گئے، مظلوم نجات دہندہ ہو گئے، جاہل معلم بن گئے۔ بھولے بسرے بام شہرت پر پہنچ گئے، بے سہارا دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو گئے۔ ناقابل ذکر تاریخ کا حصہ بن گئے، جو خود تماشہ بنے ہوئے تھے وہ دوسروں کو تماشہ بنانے لگے، غیر مہذب، تہذیب و تمدن کا نمونہ بن گئے، مغلوب و مظلوم غالب ہو کر ظلم سے نجات دلانے لگے، جو کچھ نہ تھے وہ سب کچھ بن گئے۔ شہنشاہوں اور بادشاہوں کے دربار میں ان کا ذکر اور چرچا ہونے لگا، قیصر و کسریٰ کے دل ان سے لرزنے لگے، اسلحہ و ہتھیار اور مادی وسائل پر بھروسہ کرنے والی فوج پر ان کا خوف طاری ہو گیا، دشمن ان سے کترانے لگے اور وہ دشمنوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملانے کے لائق ہو گئے۔ دوستو! یہ تلوار کا زور نہ تھا، مادی وسائل کا سہارا نہ تھا، کثرت تعداد کی قوت نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ انہیں خدمت دین اور اللہ و رسول کی غلامی کے صلہ میں نصیب ہوا وہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی دین کے خادم رہے، وہ ہمیشہ اپنا سب کچھ دین پر قربان کرتے رہے، وہ دشمنوں پر ہمیشہ سخت رہے، آپس میں میل و محبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہونا ان کی شان رہی۔

Marfat.com

غرضیکہ خدمت دین اور بقائے دین ہی اہل ایمان کی بقاء وعزت کا ذریعہ ہے جس سے اللہ و رسول سے وابستگی اور تعلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہی وابستگی وسیلہ عزت بنتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ (النساء:۱۳۹)

وہ جو کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو وہ (سن لیں) عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے سب کی سب۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ (فاطر:۱۰)

جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (منافقون:۸)

اور ساری عزت صرف اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس حقیقت کا) علم ہی نہیں۔

اے ایمان والو! ہر کوئی عزت کا طلب گار رہتا ہے، ہر ایک کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے، جن کے پاس عزت نہیں بھی ہوتی وہ کہتے ہیں کہ ہم جان دے دیں گے لیکن اپنی عزت پر آنچ نہ آنے دیں گے تم تو مومن ہو تمہاری عزت کا تو اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ تمہیں تو قرآن نے ''خیر امت'' کہا ہے پھر تم آج بے عزت کیوں ہو، ذلیل وخوار کیوں ہو رہے ہو، آج تو ہر دور سے زیادہ تمہارے پاس مادی وسائل موجود ہیں، جاہ و مال کی بھی کمی نہیں، تمہارے جسموں پر زرق برق لباس بھی نظر آتا ہے، تم شاندار محلوں کے مالک بھی ہو، ساز و سامان کی بھی کمی نہیں، بہترین گاڑیاں تمہاری سواریاں ہیں۔ پھر کیا ہوا تمہاری عزت کہاں گئی، تم ذلیل وخوار کیوں ہو رہے ہو، غیروں کے در پر لائن لگائے کیوں کھڑے ہو، کیوں کمزور نظر آتے ہو، کیوں مغلوب ہو، کیوں بے وقار اور بے رعب ہو، کیا ہوا تمہیں، کس نے ڈاکہ ڈالا تمہاری عزت وآبرو پر کبھی سوچا تم نے؟ ہم بتاتے ہیں اور ہماری بات ماننے کے قابل ہے، مان لو اسی میں تمہاری عافیت ہے۔ دیکھو عزت کا تعلق دین کی غلامی سے ہے اور تم دین سے دور ہو گئے، دین کے خادم نہ رہے اگر تم اللہ کے دین کے معاون و مددگار رہتے تو اللہ تمہارا معاون و مددگار ہوتا، وہ تمہاری عزت وآبرو کی حفاظت فرماتا، کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ پاتا۔ اب بھی وقت ہے توبہ کر لو بدعملی، بدکرداری سے، رشوت خوری، شراب نوشی، ایذاء رسانی اور ان جیسی تمام برائیوں سے تائب ہو جاؤ اللہ کی دعوت کو قبول کر لو، قرآن کی پکار پر لبیک کہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ.

اے ایمان والو اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ۔

ایسے ہی ''كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ'' جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے اللہ کے لئے میرا مددگار تو حواری برملا لبیک کہتے آگے بڑھے ''نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ'' ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار ہمارے محبوب نبی آخرالزماں ﷺ بھی تمہیں پکارتے ہیں، ان کے بعد ان کے نائبین، تمہیں یہی دعوت دے رہے ہیں، مؤذنین کی میناروں سے یہی آوازیں آرہی ہیں، خطباء ممبروں سے یہی تلقین کر رہے ہیں اور تمہارے اسلاف اسی دعوت پر لبیک کرتے رہے، کیوں نہیں تم بھی اس دعوت حق کو قبول کر کے ''انصاری'' بن جاتے تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری بھی عزت وآبرو محفوظ ہو جائے اور دنیا ہی میں تمہیں بھی آخرت کی نجات کا پروانہ مل جائے، اللہ توفیق دے اور وہی ہمارا حامی وناصر ہو۔

حواری

''اَلْحَوَارِیُّوْنَ'' حَوَارِیُّوْنَ جمع ہے حَواری کی جو حوار سے مشتق ہے، حوار سفیدی کو کہتے ہیں۔ عربی میں حواری دھوبی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ کپڑوں کو اجلا اور صاف کرتا ہے، اسی کے قریبُ المخرج، حُور ہے جو جنتی عورتوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوری چٹی اور حسین وجمیل ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے، لہٰذا ان کے مخلصین کو ''حواری'' کہا جانے لگا۔ جبکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور جانثاروں کو ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام کے کل بارہ حواری تھے جن پر انہیں اعتماد تھا اور انہوں نے ان کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔ میرے آقا ﷺ کے صحابہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار تھے جو انبیاء سابقین کی کل تعداد بنتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی یہ خصوصیت رہی کہ آپ کو انہیں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ''مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ'' کہہ کر نہ پکارنا پڑا کیونکہ وہ تو آپ ﷺ کے اشارۂ ابرو پر اپنی گردنیں کٹاتے اور اپنی جان ومال سے دین کی خدمت کرتے رہے۔

قرآن کریم میں کل پانچ مقامات پر حواریوں کا ذکر کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات مبارکہ:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ (آل عمران: ۵۲)

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی) آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (مائدہ: ۱۱۱)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

Marfat.com

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (مائدہ: ۱۱۲)

جب حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب یہ کرسکتا ہے کہ ہم پر ایک خوان آسمان سے اتارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (القف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۲ ہم نے اوپر لکھی۔ اس میں غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص و مقرب ساتھی، حواری اپنے نبی سے کس قسم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ قادر مطلق کے لئے ''هَلْ يَسْتَطِيْعُ'' کا جملہ استعمال کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کے جواب میں نبی کو یہی کہنا تھا کہ ''اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرو'' کہ اللہ کیلئے تمہارا یہ جملہ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ تاہم نبی نے دعا کر دی اور آسمان سے مائدہ نازل ہونے لگا۔ جسے یہ چند دن سے زیادہ برداشت نہ کر پائے اور پھر اپنی اوقات پر آ کر وہی دال، لہسن اور پیاز مانگنے لگے لیکن سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپ مطالعہ کیجئے تو آپ کو اندازِ غلامی اور کمالِ ایمان کا اندازہ ہوگا کہ اول تو ان حضرات نے بصورت مطالبہ کبھی کچھ طلب ہی نہ کیا اور اگر اشد ضرورت پیش آنے پر کچھ مانگا بھی تو غلامانہ طریقہ پر اشارتاً نہایت ادب واحترام کے ساتھ مانگا۔

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حواریوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لئے پکارا تو وہ اس پر آمادہ تو ہو گئے لیکن چند ہی دن بعد ان کے درمیان اپنے نبی ہی کی شخصیت پر اختلاف ہو گیا اور لڑنے جھگڑنے لگے ''فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ'' تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔ اس اختلاف کی تفصیل بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کچھ اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا وہ خود تو خدا نہیں تھے خدا کے بیٹے تھے، اللہ نے ان کو اٹھا لیا اور دشمنوں پر فوقیت دی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو سچ اور حق ہے کہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں پر فوقیت بخشی اور دشمن سے حفاظت اور رفعتِ درجات کے لئے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہی لوگ صحیح مؤمن تھے انہی کے عقائد کی تائید وحمایت نبی آخر الزماں ﷺ کی وساطت سے قرآن کریم کرتا ہے۔ ان تینوں فرقوں نے اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ واشاعت کی اور بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور باہمی نزاع واختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ موجودہ عیسائیوں میں بھی یہ گروہ موجود ہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی سب باہم دست بگریباں رہتے اور لڑتے مرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

کیا مذہب باعث انتشار ہے؟

ہر مذہب اور ہر دین میں فرقہ بندی اور گروہ بندی موجود ہے۔ اس حقیقت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہمارے علم کے مطابق موجودہ عیسائیوں میں بائیس سے زیادہ فرقے ہیں جبکہ مسلمانوں میں بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق بہتر فرقے پائے جاتے ہیں۔ بے دینوں اور دہریوں کی طرف سے بڑے زور وشور کے ساتھ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا مذہب انسانوں میں انتشار واختلاف کا باعث ہے اور اگر ایسا ہے تو مذہب کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ سوال حقیقت میں مذہب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش اور اہل مذہب کو گمراہ کرنے کی نہایت خطرناک لیکن قطعاً ناکام کوشش ہے۔ ہم اس سوال کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔

اولاً، یہ کہ جن لوگوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے وہ خود ایک گروہ بنے ہوئے ہیں اور اس قسم کے سوالات سے وہ لوگوں میں مزید انتشار وافتراق پیدا کرنے کے سوا انسانیت کی کوئی خدمت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ان کا اپنا وجود گروہ بندی اور فرقہ بندی کا باعث ہے۔

ثانیاً، اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مذہب باعث انتشار ہے تو اس سے مذہب اور اہل مذہب کی حیثیت واہمیت گھٹتی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی جتنی زیادہ اہمیت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں، اتنی ہی اس کے متعلق باتیں کی جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس کی تعبیر وتعریف کرتا ہے کوئی صحیح تو کوئی غلط اور ہر ایک محبوب کی محبت والفت کے سبب اپنے نظریہ میں اتنا پختہ ہوتا ہے اور اس قدر مستحکم دلائل سے اس کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے لئے کسی دوسرے نظریہ کو حق تسلیم کرنا تو درکنار وہ اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی سچا عاشق نہیں صرف وہی اپنے محبوب کا قدرداں ہے، وہی اس کے حسن وجمال کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہے اور صرف وہی حق پر ہے۔ مذہب ایک محبوب ہے اور وہ بھی غیر مرئی محبوب جس کی تعبیر وتعریف بے حد مشکل اور دشوار ترین ہے۔ اس کے باوجود یہ مذہب کا کمال حسن ہے کہ اس کی طرف ہر نظر اٹھتی ہے اور اس کے دیکھے بغیر ہر کوئی اس سے متعلق اپنا نظریہ قائم کرتا اور اپنی محبت اور اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے نظریہ کا حامی وہمنوا بنانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ رہتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو برداشت کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی تیار نہیں ہوتا، حتی کہ وہ ان سے لڑتا ہے، جھگڑتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے نظریہ کی حفاظت واشاعت کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مذہب صرف اپنے ماننے والوں ہی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ اس کے حسن وجمال کی جھلک منکرین تک کو متاثر کرتی ہے۔ جس سے ان کی نظریں چندھیا جاتی ہیں اور وہ بیہودہ گوئی میں مبتلا ہو جاتے اور مذہب کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔ گویا یہ تسلیم کرنا ہوگا منکرین معاندین بھی ایک مذہبی فرقہ ہیں چاہے وہ فرقہ اعداء وحاسدین ہی سہی لیکن مذہب سے بہر حال ان کا کچھ نہ کچھ تعلق بنتا ضرور ہے۔ پس خود انہی کو یہ سوچنا ہوگا کہ مذہب کے خلاف سازش کر کے اور طرح طرح کے اعتراضات گھڑ کے اور ان کی تبلیغ واشاعت پر اپنا وقت اور اپنی دولت صرف کر کے وہ مذہب سے لاتعلق ہو سکیں گے یا ان کا مزید تعلق ہوگا، قطع نظر اس کے کہ یہ منفی تعلق کہلائے گا یا

Marfat.com

مثبت۔ غرضیکہ محبوب کا حسن و جمال عشاق کی کثرت کا سبب ہوتا ہے اور کثرت میں انتشار و افتراق فطری عمل ہے۔ ہاں حق پر صرف وہی ہوتا ہے جو عقل سلیم اور ذوق صحیح کے ساتھ قائد و رہبر کا مطیع ہو اور اس کے دامن سے وابستہ ہو۔

تیسرے، غور فرمائیے کہ یہ کائنات جو کرشمہ قدرت ہے اس کے حسن و جمال کا دارومدار ہی اختلاف پر ہے۔ رنگ و بو کا اختلاف، مزوں کا اختلاف، بولیوں کا اختلاف، مزاجوں کا اختلاف، موسموں کا اختلاف، آگ و پانی کا اختلاف، تہذیب وتمدن کا اختلاف، حسن و جمال کا اختلاف، چال ڈھال کا اختلاف، پھولوں پھلوں کا اختلاف غرضیکہ ہر چیز میں اختلاف موجود ہے کوئی ہے جو اس فطری وقدرتی اختلاف پر اعتراض کرے تو پھر کیوں مذہبی اختلاف پر اعتراض جڑا جاتا ہے۔ کوئی ہے جو اس اختلاف سے نجات دلائے تو پھر مذہبی اختلاف سے تنگ ہونے اور نجات حاصل کرنے کی باتیں کیوں کی جاتی ہیں۔ صرف اور صرف اسی لئے کہ مزید انتشار و افتراق پیدا کیا جائے، عشاق کو لڑایا جائے انہیں ان کے محبوب سے متنفر اور دور کیا جائے لیکن نہ آج تک ایسا ہو سکا اور نہ کبھی ہو سکے گا بلکہ جتنی مخالفت بڑھتی گئی جتنی سازشوں میں اضافہ ہوتا گیا اتنی ہی حرارتِ عشق زیادہ ہوتی رہی اتنی ہی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

ہمارے خیال سے موجودہ دور مذہب کے خلاف سازشوں کا خطرناک ترین دور ہے کہ اکثر ذرائع ابلاغ عامہ دشمن کے پاس ہیں جس کے ذریعہ مختلف انداز سے مذہب کی مخالفت کی جارہی ہے اور اہل مذہب کو متنفر کیا جارہا ہے لیکن ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ان کی تمام کوششوں کے برعکس بحمد اللہ مذہب سے عوام کے تعلق میں اضافہ ہی ہورہا ہے، مذہب کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے والے بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ صرف آج سے دس سال قبل جہاں اللہ کا نام لیوا کوئی نہ تھا آج وہاں مذہب کی بہار نظر آرہی ہے۔ سب سے زیادہ قابل تعریف مسلمان ہیں جو اپنے اختلافات کے باوجود اپنی معاشی بدحالی کے باوجود خدمت واشاعتِ دین میں مصروف ہیں۔ ہمیں مغربی دنیا کے ان ممالک کا دورہ کرنے کا موقع ملا ہے جن میں مسلمانوں کی آمد آمد کا دور چل رہا ہے وہ ابھی وہاں سیٹ بھی نہ ہو پائے ہیں، رہائش وروزگار کے مسائل کا شکار ہیں لیکن تمام پریشانیوں کے باوجود وہ مساجد و مدارس کے قیام کا کام بھی کر رہے ہیں، مذہبی تہوار بھی مناتے ہیں، علماء دین کی میزبانی بھی کرتے ہیں، تبلیغی جلسوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں، لٹریچر کی اشاعت پر بھی توجہ دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ محبوب سے عشق ومحبت اور مضبوط تعلق ہی سکون وطمانیت کا ذریعہ ہے۔ اسی سے عزت وعظمت متعلق ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم کہیں بھی ہوں اپنے دین کے سفیر ہیں اور اس منصب کی مناسبت سے ہم دین کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے ذمہ دار ہیں چاہے اس میں کتنی ہی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں۔ کتنا ہی ایثار اور کتنی ہی قربانیاں کرنی پڑیں، کام میں رکاوٹیں ضرور ہیں لیکن اتنی نہیں جتنی ہمارے اسلاف کے لئے تھیں۔ منزل دور ضرور ہے لیکن اتنی نہیں کہ اس کی طرف پرواز کی ہمت ہی نہ کی جاسکے۔

مانا کہ راہ دراز ہے اور مشکلیں ہزار   عزم صمیم و ہمت عالی ہے ہم سفر

(حیرت سیفائی)

Marfat.com

مسکراتا ہی رہے کاش امیدوں کا چمن ناامیدی کا سفر دل کو بہت کھلتا ہے

(ذاکر)

بحمد اللہ ہم سید الانبیاء علیہ کے ماننے والے اور ان کے غلام ہیں۔ ہمارے آقا علیہ نے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیں ایمان لانے، ان کا ادب واحترام کرنے کی تعلیم دی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ رب العزت جل مجدہ کی قدرت کاملہ کا عظیم نمونہ ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ (آل عمران: ۵۵)

یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور قیامت تک غالب کرنے والا ہوں کافروں پر ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی پھر میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾

(النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی وہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ ان کے لئے (حقیقت) مشتبہ ہوگئی اور جنہوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک وشبہ میں ہیں ان کے پاس اس معاملے کا کوئی یقینی علم نہیں وہ تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد

آیات مذکورہ میں غور کا شرف حاصل کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو عقائد قائم کئے گئے اور جن کی بناء پر بنی اسرائیل فرقہ بندی، انتشار وافتراق کا شکار ہوئے اور آج تک ہیں اللہ تعالیٰ نے ان تمام عقائد کو یکسر مسترد کرتے ہوئے بلا علم، غیر یقینی اور محض ظن وگمان پر مبنی قرار دیا اور ان کے متعلق عقائد حقہ بیان فرمائے تاکہ نبی آخر

Marfat.com

الزماں ﷺ کے غلام بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہوں اور ایک جلیل القدر رسول کی عزت وناموس کے تحفظ کا انہیں شرف حاصل ہو سکے چونکہ یہ عقائد نہایت ہی اہم اور بنیادی ہیں لہٰذا ہم انہیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق زمانہ قدیم سے آج تک اختلاف چلا آرہا ہے کوئی یوسف نجار کو ان کا باپ قرار دے کر حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت کا مجرم ہے تو کوئی انہیں اللہ کا بیٹا خیال کر کے کفر میں مبتلا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم مبارک پچیس مقامات پر مذکور ہے، جن میں سے سولہ مقام پر انہیں ''عیسیٰ ابن مریم'' کہا گیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا بلکہ وہ توالد وتناسل کے عام طریقہ کے برعکس اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کیے گئے اور ان کی ماں مریم تھیں، اس طرح وہ قدرت قادر مطلق اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کا ایک عظیم نمونہ بنائے گئے تھے بالکل حضرت آدم علیہ السلام کی طرح۔ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۵۹﴾

(اٰل عمران:۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

یعنی ایک مؤمن جو یہ مانتا ہے کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے اس کے لئے یہ ماننا کوئی مشکل نہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا اسی طرح رب قدیر نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔

حضرت مریم علیہا السلام وہ واحد عورت ہیں جن کا قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا حال بیان کرتے ہوئے یہاں تک بتا دیا گیا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کو لے کر گھر آئیں تو لوگ جمع ہو گئے اور انہیں متہم کرنے لگے، اپنی ماں کی پاکیزگی اور طہارت کو ایک نوزائیدہ بچے نے بیان کرتے ہوئے اپنی حیثیت اور اپنے بلند مقام کا اعلان کیا فرمایا گیا:

فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ ؕ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَہْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَہٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۳۵﴾

(مریم:۲۸تا۳۵)

اے ہارون کی بہن (مریم) نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ یہ تیری ماں بدچلن تھی، پس اشارہ کیا مریم نے بچے کی طرف (کہ اس سے حقیقت معلوم کرلو) لوگ کہنے لگے ہم اس سے کیسے پوچھیں جو گہوارہ

Marfat.com

میں (کمسن) بچہ ہے۔ وہ بچہ خود ہی بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے مجھے جابر نہیں بنایا اور نہ ہی بد بخت کیا اور مجھ پر سلامتی ہو جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یہ ہے (حقیقت) عیسیٰ ابن مریم (کی) (اور یہ ہے وہ سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ تو پاک ہے وہ جب فیصلہ فرمالیتا ہے کسی کام کا تو بس اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ اللہ نے اپنے اس جلیل القدر نبی کو اپنی قدرت کا نمونہ بنایا جس کا اس بچہ نے بچپن ہی میں خود اعلان فرمایا۔

۲۔ آیات بالا میں یہ عقیدہ بھی وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ ہی اس کے ساجھی یا شریک بلکہ وہ دیگر انسانوں کی طرح صرف اللہ کے بندے ہیں، جس نے انہیں رسالت کا عظیم منصب عطا فرما کر اپنی کتاب، معجزات اور دیگر ایسے کمالات سے نوازا جو نبوت کا خاصہ ہیں اور اسی لئے وہ عام انسانوں سے ممتاز اور بلند مرتبہ قرار پائے کہ نبوت اور اس کے خواص انسان کو عام انسانوں سے ممتاز کر ہی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے یا شریک نہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا یا شریک ہو، یہی بنیادی تعلیم ہے۔ جس کے لئے اس نے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم نے اس عقیدہ حقہ کی تعلیم دی اور ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' بیشک شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ فرما کر شرک کی مذمت کر دی گئی نیز اسے گناہ عظیم، ضلالت بعیدہ اور جنت سے دائمی محرومی کا سبب قرار دیا۔ نیز غَفَّارُ الذنوب رب ہر گناہ معاف کر دینے کا بار بار اعلان فرماتا ہے لیکن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ صرف ایک گناہ ہے جو ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد ہوا: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ'' بیشک اللہ ہر کسی کو معاف فرما دیتا ہے سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'' سوائے اس کے کوئی عبادت کے لائق نہیں پاک ہے اس سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ''سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'' اللہ پاک اور بلند ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی نبی اللہ کا ساجھی و شریک نہیں ہو سکتا چاہے وہ کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متعدد مقامات پر تعارف کراتا ہے ان میں سب سے واضح تعارف سورۂ مائدہ کی آخری آیات سے کرایا گیا ہے۔ جس کی ابتداء آیت نمبر ۱۰۹ سے ہوتی ہے، آیت نمبر ۱۱۶ میں اس اہم سوال کا ذکر ہے جو رب ذوالجلال اپنے اس جلیل القدر نبی سے کرے گا۔ ''ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کیا تم

Marfat.com

نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو اللہ کے سوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواباً عرض گزار ہوں گے۔ ''قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ'' تو ہر شریک سے پاک ہے میری کیا مجال تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ ''اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ'' اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو تو اسے ضرور جان لیتا کہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے جبکہ میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ ''اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ'' بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ پھر آپ عرض کرتے ہیں کہ میں نے تو ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ ''اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ'' کہ ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور میں اس وقت تک ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران تھا۔ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے (اب تیری مرضی ہے ان کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے) اگر انہیں تو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یا اللہ کا شریک وساجھی بنانا، شرک عظیم ہے جو صرف قرآن کریم ہی کی تعلیمات کے خلاف نہیں بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور مرضی کے بھی خلاف ہے۔ اب غور کریں اور فیصلہ کریں وہ ظالم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی اور عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر انہیں اللہ کا بیٹے کہتے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کی ماں کو بھی العیاذ باللہ اس میں شریک کرتے ہیں۔ قرآن کریم ان ظالموں کو دعوت ہدایت دیتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڣ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

(النساء: ١٧١)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق صرف سچی بات ہی کہو (جو یہ ہے کہ) بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف پہنچایا تھا اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (اپنے عقیدہ باطل سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے پاک ہے وہ اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اسی کا (سب ہے) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی ہے کارساز۔

٣۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کے سولی پر چڑھا دینے سے متعلق باطل و بیہودہ اور صرف ظنی عقائد و خیالات کی نہایت ہی شدت کے ساتھ تردید کر رہا ہے اور واضح اعلان فرماتا ہے: ''وما قتلوہ وما صلبوہ'' اور

Marfat.com

انہوں نے اسے قتل نہ کیا اور نہ ہی انہوں نے اسے سولی پر چڑھایا۔ اتنا ارشاد کافی تھا کہ حقیقت واضح ہوگئی لیکن صرف اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ معاملہ نہایت ہی نازک ہے۔ نبی کی عزت اور اللہ کی قدرت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوا ''وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'' لیکن ان پر حقیقت حال مشتبہ ہوگئی۔ اصل حقیقت کو وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ مزید فرمایا جارہا ہے: ''وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ'' اور بیشک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کے پاس اپنے دعویٰ کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل بلکہ ''مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ'' وہ بلا علم ظن وگمان میں مبتلا ہیں۔ ''وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا'' دوسرے مقام پر ارشاد ہے اور ان کے اکثر صرف گمان کی اتباع کرتے ہیں۔ جبکہ ''اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا'' حق کے مقابلہ پر گمان سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا جبکہ گمان کرنے والوں کا انجام نہایت ہی بھیانک ہوگا۔ فرمایا گیا: ''الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط'' جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ ان کا انجام یہ ہے کہ ''عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ'' انہی پر بری گردش ہے۔ ''وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' اور ان پر اللہ کا غضب ہوا ہے یعنی وہ ان بدنصیبوں میں شامل ہیں جنہیں ''مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' کہا گیا، ''وَلَعَنَهُمْ'' اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ''وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ'' اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب۔ ''وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ظن وگمان کو لایعنی اور غیر مفید قرار دیتے ہوئے اس میں مبتلا لوگوں کی شدید مذمت کی ہے۔

''وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا'' اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہ کیا۔ شبہ، شک اور ظن کے بعد یقین کا لفظ استعمال فرما کر مزید تاکید کی جارہی ہے۔ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی عقیدۂ حقہ ہے اس کے علاوہ دعوے باطل، بلا علم ودلیل ہیں۔ ان کا دارومدار صرف اشتباہ پر شک اور ظن وگمان پر ہے جس کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا یہ بھی نہایت آسان جملے سے واضح کیا گیا۔ ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'' بلکہ اللہ قادر مطلق نہیں انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ قبل موت اور قبل سولی، زمین پر چلتا پھرتا اٹھالیا کہ جو اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ دشوار ومشکل نہیں پس اس نے اپنی قدرت کاملہ کے اس نمونہ کو اپنی قدرت سے اوپر اٹھالیا تاکہ اس نمونہ قدرت کو قتل کردینے اور سولی پر چڑھادینے کے بعد کوئی اللہ کی قدرت پر غالب آجانے کا دعویٰ نہ کرسکے۔ نیز اللہ اپنے نبی ورسول کی جان، عزت وآبرو کا اپنے فضل وکرم سے خود ہی محافظ ہوتا ہے۔ پس اس نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی۔ جیسے اس نے سید الانبیاء نبی آخر الزماں ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ جبکہ آپ ﷺ کو زہر بھی دیا گیا، آپ ﷺ پر جادو بھی کیا گیا، میدان طائف میں آپ ﷺ پر پتھراؤ بھی ہوا۔ غزوۂ احد میں تو آپ ﷺ کی شہادت تک کی افواہ پھیلی اور شدید جسمانی اذیت ہوئی، دشمن نے آپ ﷺ کو تنہا پا کر آپ پر وار بھی کئے لیکن یہ آپ ﷺ پر اللہ ہی کا فضل وکرم تھا کہ خطرناک سے خطرناک ترین موقع پر آپ ﷺ دشمن کے شر سے محفوظ رہے۔ ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' اور اللہ لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت فرمائے گا، اپنے محبوب ﷺ سے رب کریم کا وعدہ ہے سو اس نے ہر حال میں آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔

Marfat.com

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ وہ نہ تو ابن اللہ ہیں نہ وہ اوران کی ماں اللہ کی شریک وساجھی ہیں، عقیدۂ تثلیث قطعاً باطل و بیہودہ ہے۔ نیز بتاکید واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک موت نہیں آئی ہے نہ ہی انہیں پھانسی دی جاسکی ہے۔ بلاشک وشبہ یقیناً وہ زندہ ہیں، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا ہے۔ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیام قیامت سے کچھ ہی پہلے تشریف لائیں گے۔ ان کا نزول دمشق کی جامع ملک بن مروان کے ایک مینارہ پر ہوگا، یہ مخصوص مینارہ جامع مسجد میں موجود ہے، جسے زائرین دیکھتے ہیں۔ اسی جامع مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی، اللہ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار مبارک بھی موجود ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ وقت عصر یا مغرب کا ہوگا، مسجد میں موجود لوگ ان کے نزول کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور سبحان اللہ، اللہ اکبر کے نعرے بلند کرکے اللہ کی قدرت کا اعتراف کریں گے۔ بعض لوگ یہ منظر دیکھ کر بیہوش ہو جائیں گے، یہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی موجود ہوں گے۔ نماز کے لئے صفیں کھڑی ہو جائیں گی، امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے یا نبی اللہ اب امامت آپ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: مہدی میں اب اللہ کا نبی نہیں میری نبوت کا دور ختم ہو گیا۔ میں وہ واحد نبی ہوں جسے سید الانبیاء، نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پس امامت آپ فرمائیں تاکہ عوام میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ امام مہدی امامت کریں گے، نماز کے بعد امام مہدی، حضرت عیسیٰ السلام کو اس وقت کے تمام حالات بتائیں گے۔ آپ امام مہدی کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ الحق کریں گے۔ یہ دجال کا دور ہوگا جو اپنی قوت وطاقت اور شعبدہ بازی سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے۔ مخبر صادق ﷺ فرماتے ہیں: ''اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ'' جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ ایک سفید مینارے پر نازل ہوں گے جو شرقی دمشق میں ہے۔ ''بَيْنَ مَهْرُوْذَتَيْنِ'' وہ دو زعفرانی کپڑے پہنے ہوں گے۔ ''وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ'' دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ ''اذا طاطار اسه قطر وَاِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّؤْلُؤِ'' ان کا سر جھکا ہوگا جس سے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں گے اور جب وہ اپنا سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ ''فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيْحِ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ'' جس کافر تک ان کے سانس کی خوشبو پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ ''وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ'' اور ان کی سانس ان کی حد نظر تک پہنچے گی۔ ''فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ'' پھر آپ دجال کو تلاش کریں گے تو وہ باب لُد کے قریب ملے گا، پس آپ اسے قتل کر دیں گے۔ (لُد بیت المقدس کے قریب واقع ایک بستی کا نام ہے۔)

یہ طویل حدیث ہے جس کے راوی حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی حدیث شریف میں یاجوج وماجوج کے خروج کا بھی ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی بددعا سے ان کی گردنوں میں ایک ایسا کیڑا پیدا ہوگا جس سے وہ سب ایک ساتھ مر جائیں گے۔ ان کی لاشوں سے زمین کا چپہ چپہ بھرا پڑا ہوگا کہیں پیر رکھنے کی جگہ نہ ہوگی، فضا بدبو سے بھری

Marfat.com

ہوگی، اللہ کے نبی دعا کریں گے پس اللہ ایسے پرندوں کو بھیجے گا جو ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دے گا۔ ان کی کمانیں، نیزے اور ترکش اتنے ہوں گے کہ مسلمان سات سال تک ان کو بطور ایندھن استعمال کریں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا جو زمین کو دھو کر شیشے کی مانند چمک دار کردے گی، ہر طرف سبزہ زار ہوگا، پھل اور سبزیاں ہوں گی، جانوروں کے دودھ میں برکت ہوں گی وہ تر و تازہ ہو جائیں گے (وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) نیز آپ صلیبیں توڑیں اور خنزیروں کا خاتمہ کردیں گے۔

غرضیکہ اس حدیث پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے نیز پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نبی کا مقام کس قدر بلند و بالا ہے۔ اس کے وسیلہ ہی سے دنیا کی مصیبتیں ٹلتی اور ان سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اس امت کے نجات دہندہ ہیں۔ اسی لئے سید الانبیاء ﷺ سے قریب تر ہیں۔ زمانہ کے اعتبار سے بھی کہ آپ انبیاء سابقین میں آخری نبی ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ آپ نے واضح طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا اعلان فرمایا اور اپنی قوم کو آپ پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال یہاں قیام فرما کر وفات پائیں گے۔ ''فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ'' وہ میرے ساتھ ہی میرے روضہ میں دفن کیے جائیں گے۔ ''فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ'' پس میں اور عیسیٰ ابن مریم دونوں ایک ہی قبر سے ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھیں گے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور میں تین قبریں ہیں جبکہ ایک قبر کی خالی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی جگہ دفن کرنے کی اجازت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مانگی گئی تو آپ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے انہیں وہاں دفن نہ ہونے دیا پھر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہاں دفن کرنا چاہا لیکن نہ کرسکے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہاں دفن کیا جائے تو آپ نے منع فرمایا جو جگہ اللہ کے نبی کے لئے محفوظ ہے اللہ نے اسے خالی رکھا ہے تاکہ اللہ کی مرضی پوری ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو دفن کیا جائے اور مخبر صادق ﷺ کا ارشاد حق اور سچ ثابت ہوسکے۔

خلاصہ

بہرحال قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد کو بیان کردیا جو نہایت ہی واضح ہیں اور چونکہ ان کا دار و مدار اللہ و رسول کے ارشادات پر ہے، لہٰذا ان میں نہ تو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے نہ ہی یہ ظن و گمان پر موقوف ہیں، پس یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر عقیدہ باطل ہے، مسترد ہے، مردود ہے، ناقابل توجہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے آمین۔

اس وضاحت کے باوجود بھی جو لوگ بدعقیدگی میں مبتلا ہیں، اللہ کے زندہ نبی کو مردہ قرار دیتے ہیں، کشمیر میں کسی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں جبکہ ان کی خود بھی اتنی ہمت نہیں کہ وہاں جا کر کسی کشمیری سے اس قبر کا پتہ معلوم کرسکیں

Marfat.com

کہ وہ اس کا جواب صرف بندوق کی گولی ہی سے دے گا۔ یا اللہ کے نبی کو سولی یافتہ کہتے اور محض ظنی دعویٰ کرتے ہیں کہ سولی کے بعد اللہ نے انہیں آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ العیاذ باللہ جب اللہ اپنے نبی کی جان ہی نہ بچا سکا تو پھر لاش کو آسمان پر اٹھانے کی کیا ضرورت باقی رہی۔ اسی طرح جس نبی نے اپنے اعلان نبوت سے پہلے اپنی بندگی کا اعلان کیا اور قیامت میں بھی وہ اپنی اور اپنی ماں کی براءت کا اظہار کریں گے پھر ان کے متعلق اللہ کا بیٹا ہونے یا اس کا شریک ساجھی ہونے کا عقیدہ رکھنا وہ بھی بلا دلیل حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی جہالت وحماقت اور بدنصیبی پر سوائے ماتم کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا یا پھر دعا کیجئے کہ اللہ جو ہدایت دینے والا ہے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدقہ میں انہیں ہدایت عطا فرمادے۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی نیز ایسے نبی کا غلام بنایا جس نے ہمیں انبیاء سابقین علیہم السلام کی عزت وناموس کے تحفظ کی تعلیم دی اور اللہ نے اس معلم کامل ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس تعلیم پر ہمیں عمل کی توفیق بخشی کہ ہم نے جملہ انبیاء کرام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام ومراتب کو کما حقہ جانا پہچانا، والحمد للّٰہ رب العلمین۔

''فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِیْنَ'' ہم نے اہل ایمان کی مدد کی کہ بالآخر وہی دشمنوں پر غالب رہے۔ یہ ارشاد اس جماعت اور گروہ کے متعلق ہے جس نے کما حقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ ومقام کو پہچانا اور ان پر ایمان لائے اور بحمد اللہ اپنے آقا ﷺ کی وساطت سے ہم ان ہی اہل ایمان میں سے ہیں۔ پس تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہود ونصاریٰ مرتدین اور دیگر کفار پر ہمیں غالب رکھا اور ان کے شر وفساد سے محفوظ رکھا اے اللہ آئندہ بھی تو ہی ہمارا حامی وناصر ہونا۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الجمعہ''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
9تا11	86

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مقالہ ۸۶

الجمعہ: ۹ تا ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا
تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ
التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (الجمعہ: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور اللہ کی یاد کرتے رہو کثرت سے تا کہ تم فلاح پاؤ اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشہ کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا

Marfat.com

فرما دیجئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کھو اور تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

سورۃ الجمعہ کی آیات مذکورہ کی تشریح و مفہوم عرض کرنے سے قبل ضروری ہے کہ جمعہ کی فضیلت اور نماز جمعہ کی اہمیت بیان کی جائے۔

فضیلت جمعہ

''جمعہ'' یعنی اجتماع کا دن، زمانہ جاہلیت میں اس دن کو ''عروبہ'' کہا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے کعب بن لوئی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا کہ اس زمانہ میں قریش ایک جگہ جمع ہوتے تھے اور کعب خطبہ دیا کرتے تھے جس میں اکثر وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں نبی آخر الزماں کی آمد اور ان کی خوبیوں کا حال بیان کیا کرتے تھے۔ خصوصاً یہ ثابت کرتے تھے کہ اس عظیم انسان کی ولادت بنو اسماعیل کے قبیلہ قریش ہی میں ہوگی۔ وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنی نسل کو وصیت کرتے رہنا کہ تم میں سے جو بھی اس نبی کا دور پائے وہ اس پر ایمان لائے۔

بہر حال ''عروبہ'' کے لئے لفظ جمعہ کا اہتمام زمانہ جاہلیت ہی میں ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ عام عرب میں مشہور نہ تھا۔ صرف قریش کے درمیان ہی اس کا استعمال تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور نزول قرآن کے بعد اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ عروبہ کا لفظ تقریباً لغت عرب سے ختم ہو گیا اور اسے جمعہ ہی کہا جانے لگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ''خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ'' بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا ہے۔ ''فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ'' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ ''وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ'' اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ ''وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا'' اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ ''وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ'' اور قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْراً اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ'' بیشک جمعہ کے دن ایک وقت ایسا ہے کہ اگر مسلمان اس میں دعائے خیر کرے تو اللہ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو بردہ ابن ابی موسیٰ نے بتایا کہ میرے باپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمعہ کی مخصوص ساعت کے متعلق فرماتے سنا: ''هِيَ مَا بَيْنَ اَنْ يَجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰى اَنْ تُقْضَى الصَّلٰوةُ'' جمعہ کی مخصوص ساعت امام کے (منبر پر) بیٹھنے کے وقت سے نماز ختم ہونے تک ہے۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِيْ تُرْجٰى فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ'' جمعہ کے دن قبولیت دعا والی ساعت کو عصر سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔ (ترمذی)

Marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ''لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ'' کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''لِاَنَّ فِیْھَا طُبِعَتْ طِیْنَۃُ اَبِیْکَ اٰدَمَ'' کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی گئی۔ ''وَفِیْھَا الصَّعْقَۃُ وَالْبَعْثَۃُ'' اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ''وَفِیْھَا الْبَطْشَۃُ'' اور اسی دن سخت پکڑ ہوگی۔ ''وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْھَا سَاعَۃٌ مَّنْ دَعَا اللّٰہَ فِیْھَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ'' اور اسی دن کی آخری تین ساعتوں میں سے ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعا قبول کی جاتی ہے۔ (احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ'' جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ ''فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ یَشْھَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ'' کیونکہ یہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ''وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا'' اور بیشک مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ اس موقع پر راوی نے آپ سے پوچھا: ''وَبَعْدَ الْمَوْتِ'' اور آپ کی موت کے بعد بھی (ایسا ہی ہوتا ہے)؟ ''قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ'' آپ نے فرمایا بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کے جسم کو کھائے۔ ''فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ'' پس اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ'' تمہارے دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ ''فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ'' اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انہیں موت آئی۔ ''وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ'' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور یہی ہلاکت کا دن ہو گا۔ ''فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ'' پس اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ ''فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ'' کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ''وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا وَقَدْ اَرِمْتَ'' آپ پر درود کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں گل چکی ہوں گی۔ ''قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ'' آپ نے فرمایا: بیشک اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ''اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ'' بیشک جمعہ کا دن سید الایام ہے اور اللہ کے نزدیک عظمت والا ہے۔ ''وَھُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ یَّوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ'' وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے زیادہ عظمت والا ہے۔ ''فِیْہِ خَمْسُ خِلَالٍ'' اس میں پانچ اہم باتیں ہیں۔ ''خَلَقَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ'' اللہ نے اس دن آدم کو پیدا فرمایا۔ ''وَاَھْبَطَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ'' اور اسی دن اللہ نے آدم کو زمین پر اتارا۔ ''وَفِیْہِ تَوَفَّی اللّٰہُ اٰدَمَ'' اور اسی دن اللہ نے آدم کو وفات دی۔ ''وَفِیْہِ سَاعَۃٌ لَّا یَسْاَلُ الْعَبْدُ فِیْھَا شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاہُ مَا لَمْ یَسْاَلْ حَرَامًا'' اور اسی میں ایک ساعت ہے جس میں بندہ اللہ سے جو چیز بھی مانگتا ہے وہ اسے دیتا ہے جبکہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔ ''وَفِیْہِ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ'' اور اسی دن قیامت

Marfat.com

آئے گی۔ ''مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَّلَاسَمَآءٍ وَّلَا اَرْضٍ وَّلَا رِيَاحٍ وَّلَاجِبَالٍ وَّلَابَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ''نہیں ہے کوئی مقرب فرشتہ، نہ آسمان، نہ زمین اور نہ ہوا اور نہ پہاڑ اور نہ سمندر مگر وہ جمعہ کے دن سے لرزتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَمَا دَابَّةٍ اِلَّا وَهِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ ''اور کوئی جاندار ایسا نہیں جو قیامت قائم ہونے کے خوف سے لرزتے ہوئے جمعہ کے دن کا منتظر نہ ہو طلوع آفتاب تک سوائے جن اور انسان کے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ''جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اللہ اسے فتنۂ قبر سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

فضائل جمعہ پر ایک نظر

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کثیرہ میں سے یہاں ہم نے چند احادیث مبارکہ قلمبند کیں جن سے معلوم ہوا کہ:۔

جمعہ سید الایام ہے، ہفتہ کے سات دنوں میں سب سے افضل ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے۔ اسی دن زمین پر اتارے گئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق اسی دن زمین و آسمان اور تمام کائنات کی تخلیق مکمل ہوئی، اسی دن قیامت آئے گی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی ہر دعا قبول فرماتا ہے۔ جمعہ کے دن یا رات میں جسے موت آجائے اللہ اسے اپنے فضل و کرم سے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی دن بکثرت فرشتے دنیا میں آتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کے اعمال دیکھتے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ان کے گواہ بنتے ہیں۔

جمعہ کے دن کی ایک عظمت یہ معلوم ہوئی کہ ''اس کے چوبیس گھنٹوں میں ایک وقت دعا کی قبولیت کا ہے'' ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے ہمیں جو کچھ بتایا وہی حق ہے، سچ ہے۔ یہ آپ کا کرم خاص ہے کہ آپ نے ہم گنہگاروں کی دعاؤں کی قبولیت کے لئے کچھ مخصوص اوقات، راتوں اور دنوں اور بعض خاص مقامات کا پتہ دیا لیکن ان میں سے اکثر کو مبہم رکھا۔ مثلاً شب قدر جس کا رمضان المبارک میں ہونا تو یقینی ہے کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس مقدس شب کا رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہونا یقینی ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے بتایا لیکن ان پانچ راتوں میں سے کسی ایک کا تعین کر لینا صرف ظنی ہے۔ اسے علماء کرام کا صرف تخمینہ اور اندازہ ہی کہا جا سکتا ہے اس کے سوا کچھ

Marfat.com

نہیں۔ یہ ابہام اس لئے نہیں کہ بتانے والے آقا ﷺ کو بھی متعینہ وقت کا علم نہ تھا۔ یہ بات علم وعقل دونوں کے خلاف ہے ایسا ہرگز نہیں۔ یہ عقیدۂ باطل اور محض وہم وگمان ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابہام کسی چیز کی اہمیت زیادہ کرنے اور اس کی کشش میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً جب آپ کسی کو کوئی تحفہ دیتے ہیں تو آپ اسے اس طرح لپیٹتے اور پیک کرتے ہیں کہ جب تک لینے والا خود اس کو نہ کھولے اس وقت تک نہ تو لینے والے کو پتہ چل سکے اور نہ ہی دیگر حاضرین کو جونہی آپ یہ تحفہ محفل میں لے کر پہنچتے ہیں ہر ایک کی نظر اس کی طرف اٹھتی ہے اور لینے والا بھی اس کو کھولنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ ابہام نہ ہوتا تو یہ کشش ہرگز نہ ہوتی۔ میرے آقا ﷺ نے جن چیزوں میں ابہام رکھا صرف ان کی کشش میں ہی اضافہ نہ ہوا بلکہ اس ابہام کے باوجود اسے تلاش کرنے والوں کا اجر وثواب بھی بڑھا۔ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب ہی شب قدر ہے تو غلاموں میں اس کو پانے کے لئے کوئی اضطراب نہ رہتا۔ بس وہ اس شب عبادت کرتے اور ہزاروں راتوں کی عبادت کا ثواب پا لیتے لیکن اس شب کو پانچ راتوں میں مبہم کر کے غلاموں پر رحمتِ الٰہی برسنے کا سبب بنا دیا کہ اب جو ان پانچ راتوں میں خصوصی عبادت کرتے ہیں انہیں ایک شب قدر نہیں بلکہ پانچ شب قدر کا اجر وثواب ملتا ہے۔ اسی لئے ساعت جمعہ مبہم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ساعت کے متعلق چالیس اقوال بیان کئے ہیں تاہم دو قول قابل ترجیح ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساعت خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک کے درمیان ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بردہ ابن موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ ساعت جمعہ کی آخری گھڑی ہے یعنی عصر ومغرب کے درمیان کا کوئی حصہ۔ جیسا کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں پڑھا اور اکثر علماء نے اسی وقت کو ترجیح دی ہے جو مقربین بارگاہ الٰہی ہیں وہ جمعہ کا سارا دن ہی اس ساعت کو پانے کے لئے ذکر وعبادت اور دعا میں گزار دیتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں کو کم از کم عصر ومغرب کے درمیان ہی بھیک مانگنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی'' یہاں بھی ابہام رکھا گیا سال اور مہینہ نہ بتایا گیا جبکہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے واقعات تک بیان کر دیئے گئے، صرف تاریخ نہیں بتائی۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر یہاں ابہام نہ رکھا جاتا اور تاریخ کا بھی تعین کر دیا جاتا تو ہمارا کیا حال ہوتا۔ یہ نظام عالم کیسا درہم برہم ہو جاتا۔ اس کا تھوڑا سا اندازہ اس مریض کی حالت دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جو کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو اور ڈاکٹر محض اپنے ظنی علم کی بنیاد پر اسے یا اس کے رشتہ داروں کو یہ بتا دے کہ چند ہفتوں یا چند مہینوں میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایک فرد کی موت کی تاریخ کا پتہ چل جائے وہ بھی صرف ظن وگمان کی بنیاد پر تو وہ، اس کا پورا خاندان، اس کا حلقہ احباب سب مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی ناہموار ہو جاتی ہے، ان پر قنوطیت اور مایوسی طاری ہو جاتی ہے تو اگر قیامت کی مقررہ تاریخ کا اعلان کر دیا جاتا تو کیا بنتا۔ تاہم آقائے رحمت ﷺ نے قیامت کا دن بتا کر ہم غلاموں پہ بڑا کرم کیا کہ اس طرح آپ نے ہمیں توبہ واستغفار کا وہ موقع فراہم کر دیا جو موت سے پہلے نصیب ہو جانا، اہل ایمان ہی کا مقدر ہے۔ پس ہمیں جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ توبہ واستغفار اور بکثرت ذکر وعبادت میں گزارنا چاہئے۔

Marfat.com

میرے آقا ﷺ نے جمعہ کے مقدس دن کے لئے ایک نہایت موثر عمل بھی بتا دیا کہ اس دن غلام آقا کو بکثرت یاد کیا کریں یعنی ان پر درود کے پھول برسایا کریں۔ یوں تو اس دن کے لئے احادیث مبارکہ میں دیگر اعمال کا ذکر بھی موجود ہے لیکن بہر حال ان میں افضل ترین عمل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا ہے۔ جو نفلی عبادات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ عبادت ہے۔ اس عنوان پر ہم تفصیلی گفتگو مقالہ نمبر ۶۵ زیر عنوان ''درود شریف'' کر چکے ہیں۔ اہل ذوق کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

نماز جمعہ کی اہمیت

نماز جمعہ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا ذکر اور اس کی پابندی کرنے کا واضح حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس کی پابندی کی تعلیم دی اور اس سے لاپرواہی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی۔ آقا ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منبر شریف پر رونق افروز ہو کر فرماتے سنا: ''لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ'' لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں۔ ''اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ'' ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابوالجعد ضمیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ'' جس نے (متواتر) تین جمعہ محض سستی (لاپرواہی، بلاعذر) کی بناء پر چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پہ مہر لگا دے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتٰبٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ'' جو شخص بلاضرورت و مجبوری جمعہ ترک کر دے۔ وہ ایسی کتاب میں منافقوں میں لکھ دیا جاتا ہے جو نہ مٹائی جا سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی کی جا سکتی ہے (یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے نزدیک منافقوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔) (مشکوٰۃ)

تارکین جمعہ کا انجام

غور فرمایا آپ نے کہ مخبر صادق ﷺ بلاعذر شرعی بغیر کسی مجبوری کے محض لاپرواہی اور سستی کے جمعہ کی نماز چھوڑ دینے والوں کا کیا بھیانک انجام بیان فرما رہے ہیں کہ جس نے متواتر تین جمعہ چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے کہ انہوں نے کھلم کھلا اللہ کے حکم کی تعمیل سے لاپرواہی کی، سستی کی۔ پس یہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے یہ لوگ نہایت ہی سرکش ہیں: ''كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ'' ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے جس کے دل پر یہ مہر لگ جاتی ہے یعنی اللہ کی رحمت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اس کو جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا

Marfat.com

ہے۔ ایسے شخص کے دل میں پھر کبھی دین کی طرف مائل ہونے کی امنگ پیدا نہیں ہوتی حتی کہ وہ ... سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے اور ان لوگوں کا تو مزید بدتر انجام ہے جو کبھی نماز جمعہ پڑھتے ہی نہیں کہ انہیں ہمیشہ کے لئے منافقوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے، چاہے انہیں شرعاً منافق کہہ کر نہ بلایا جا سکے لیکن بہر حال اللہ ... یہاں ان کا انجام منافقوں ہی کے ساتھ بتایا گیا۔

افسوس ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں مدتیں گزر جاتی ہیں ان ظالموں کا اللہ کے ... میں سر نہیں جھکتا۔ ان میں بہت سے تو ایسے بدنصیب ہیں جو نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں کہ یہ ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر ایسے لوگ اس قدر بے شرم اور بے حیا ہوتے ہیں کہ اپنی مرضی اور اپنی سہولت کے مطابق عید مناتے، زرق برق لباس پہنے، تحفے تحائف لینے دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں کہ یہ عید کو بس ایک تہوار کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اللہ اس بدعملی اور کج فہمی سے محفوظ رکھے، آمین۔

نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنا

میرے آقا ﷺ نے نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنے کو بھی سخت محرومی اور بدنصیبی قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ'' جب جمعہ کا دن آتا ہے۔ ''كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلٰئِكَةٌ'' تو مسجد کے دروازوں سے ہر دروازے پر فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جو ''يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ'' (مسجد میں داخل ہونے والوں کو) لکھتے رہتے ہیں ترتیب وار۔ ''فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ'' پس جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) بیٹھتا ہے تو وہ اپنی فائلوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ''وَجَآءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ'' اور خطبہ سننے لگتے ہیں (یعنی جو لوگ خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد دوڑتے، ہانپتے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، وہ محروم رہتے ہیں کہ ان کے نام اس مبارک فہرست میں شامل نہیں ہو پاتے)۔ ''وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِي الْبُدْنَةَ'' اور جلدی آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں ایک اونٹ صدقہ کرتا ہے۔ ''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً'' اس کے بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو گائے صدقہ کرتا ہے۔ ''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الْكَبْشَ'' اس کے بعد آنے والا اس کی طرح ہے جس نے مینڈھا صدقہ کیا۔ ''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الدَّجَاجَةَ'' پھر اس کی طرح ہے جس نے مرغی صدقہ کی۔ ''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الْبَيْضَةَ'' پھر اس کے بھی بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے اللہ کی راہ میں انڈا صدقہ کیا۔ (مسلم)

حدیث مبارکہ پر غور فرمائیے اور نماز جمعہ کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ادا کرنے والوں کی فہرست مرتب کرنے کے لئے فرشتے نازل ہوتے ہیں، وہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ہمارے نام لکھتے رہتے ہیں اور پھر ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں وہ ہماری آمد کا اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک امام خطبہ کے لئے منبر پر نہ بیٹھ جائے۔ اب یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اتنی دیر سے آئیں کہ ملائکہ اپنے کاغذات اور قلم اٹھا چکیں اور ہم نمازیوں کی اس فہرست میں نہ آ سکیں۔

Marfat.com

جیسا کہ آج کل عام رواج ہو گیا ہے کہ جب امام خطبہ ختم کرنے کے قریب ہوتا ہے تو لوگ دوڑتے ہوئے آتے نظر آتے ہیں ان میں سے بھی کچھ تکبیر تحریمہ کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ کاش ہم اپنے آپ کو اس محرومی سے بچانے کی کوشش کریں۔

جو لوگ وقت پر آتے ہیں ان کی بھی ایک ترتیب ہے وہ بھی ایک دوسرے سے افضل ہیں کہ جو اپنے وقت کی جتنی قربانی کرتا ہے اتنا ہی ثواب پاتا ہے کسی کے لئے ایک اونٹ کی قربانی کے ثواب کا مژدہ ہے تو کسی کو گائے کی قربانی کا ثواب ملتا ہے، کسی کے لئے مینڈھے کا ثواب ہے تو کوئی صرف مرغی اور کوئی انڈا صدقہ کرنے کا ثواب پائے گا۔ یہ ثواب ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے جو امام کے منبر پر آنے سے پہلے آ چکے ہوں اور جو اس کے بھی بعد آئے ان کا حال تو اوپر بیان ہو ہی چکا کہ وہ محرومین میں ہیں کیونکہ اب تو فرشتے اعمال نامے بند کر چکے ہیں، پس جو چاہے محروم رہے اور جو چاہے جتنا چاہئے ثواب حاصل کرلے۔ ہماری نصیحت تو یہی ہوگی کہ مسجد میں کم از کم اذان اول کے وقت پہنچ جایا کیجئے اور اذان ثانی تک نوافل پڑھا کیجئے، تلاوت کیا کیجئے، درود شریف پڑھا کیجئے اور اگر تقریر ہو رہی ہو تو دین کی باتیں سیکھئے کہ تمام نفلی عبادتوں سے افضل دین سیکھنا ہے۔

خطبہ جمعہ

خطبہ جمعہ، نمازِ جمعہ کی شرط ہے۔ جس طرح دوگانہ جمعہ فرض ہے اسی طرح خطبہ بھی فرض ہے کہ جمعہ نماز ظہر کی جگہ پڑھا جاتا ہے۔ ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں جبکہ جمعہ کی دو رکعتیں ہیں اور دو رکعتوں کی جگہ خطبہ ہے کیونکہ خطبہ نماز ہی کی طرح فرض ہے اس لئے خطبہ کے آداب بھی تقریباً نماز جیسے ہی ہیں کہ دوران خطبہ کھانا پینا، بات چیت کرنا حرام ہے۔ دو زانو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ آنے والوں کے لئے سلام کرنا اور سننے والوں کے لئے جواب دینا ممنوع۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت و احکام سے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت سمر بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْإِمَامِ'' خطبہ کے لئے حاضر ہو اور امام کے قریب بیٹھو (یعنی پہلی یا اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرو)۔ ''فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا'' کہ انسان دور ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہونے کے باوجود بلند مراتب سے محروم رہتا ہے۔ (ابوداؤد)

اکڑوں بیٹھنا، لاپرواہی اور بے توجہی کی نشست ہے جبکہ دوران خطبہ پوری طرح امام کی طرف توجہ ہونا چاہئے، چاہے خطبہ عربی میں ہونے کے سبب سمجھ میں نہ آئے کہ سمجھنا یا نہ سمجھنا ضروری نہیں بلکہ اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل مقصود ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اس میں جو کچھ پڑھتے ہیں اسے ہم میں سے اکثر نہیں سمجھتے لیکن حکم شرع کی تعمیل کرتے ہوئے پوری توجہ سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى

Marfat.com

الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِرَلَهُ'' جو غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے آیا اور (وقت کی گنجائش کے مطابق) جو مقدر ہو نماز پڑھے (تحیۃ المسجد، چار رکعت سنت قبل جمعہ یا مزید نوافل)۔ ''ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ'' پھر (امام منبر پر بیٹھا تو یہ) خاموش رہا حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو گیا۔ ''ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ'' پھر وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرے۔ ''غُفِرَلَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلٰثَةٍ'' تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ'' جب تم نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' تو تم نے لغو بات کی۔ (بخاری، مسلم)

یہ حدیث مبارکہ انتہائی تاکید ہے دوران خطبہ خاموش رہنے کی کہ خود کلام کرنا تو در کنار کسی کو کلام کرنے سے روکنا بھی ممنوع ہے کہ جونہی امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف آئے کلام و طعام حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ دو ہی رکعتوں پر سلام پھیر دے اسی طرح کوئی دوسرا اذکار یا وظیفہ کرنا بھی جائز نہیں۔ جب امام دوران خطبہ آیت درود پڑھے تو یہ خاموشی کے ساتھ درود شریف پڑھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ارشاد ہے جو اس سے بھی واضح ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوةَ وَلَا کَلَامَ'' جب امام خطبہ کے لئے آ جائے تو پھر نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام جائز ہے یہ حکم سب کے لئے ہے ان کے لئے بھی جو خطبہ سن رہے ہیں اور ان کے لئے بھی جن تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''من تکلم یوم الجمعة والامام یخطب فهو کمثل الحمار یحمل اسفارا'' جس نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کلام کیا وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ ''والذی یقول له انصت لیس له الجمعة'' اور جس نے اس سے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' اس کے لئے نماز جمعہ کا کوئی ثواب نہیں۔ (مشکوٰۃ)

یہ ارشاد دوران خطبہ کلام ممنوع ہونے کی مزید تاکید کرتا ہے یہاں کلام کرنے والے کی مثال گدھے سے دی جا رہی ہے کہ اگر گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تو وہ عالم نہیں بن سکتا اسی طرح یہ شخص جس نے خطبہ امام کے دوران لاپرواہی کا مظاہرہ کیا اور خطبہ پر غور نہ کیا گدھے ہی کی طرح ہے۔ نیز اس نے جمعہ کے لئے آنے میں محنت و مشقت تو کی لیکن یہ گدھے کی طرح کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا اور وہ شخص بھی خسارے میں رہا جس نے باتیں کرنے والے کو روکنے کے لئے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' کہ یہ خطبہ کے ثواب سے محروم رہے گا۔

غرضیکہ خطبہ جمعہ، نمازِ جمعہ کی ایک شرط ہے، فرض ہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کے خصوصی آداب کا تعین کیا ہے۔ یہ عام تقریروں کی طرح کوئی تقریر نہیں جبکہ تقریر کے دوران بھی گفتگو کرنا یا کسی دوسرے علم سے لاپرواہی کا مظاہرہ کرنا

Marfat.com

ہے۔ خطبہ جمعہ کی تقریر سے بہت زیادہ ہے، لہٰذا اس کے مخصوص آداب کی پابندی جملہ حاضرین کے لئے ضروری ہے۔ ان آداب کے تعین میں بے شمار حکمتیں ہیں جن میں ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اس طرح اجتماع جمعہ، اہل ایمان کے انتہائی نظم وضبط، باادب اور باوقار ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے بلاشبہ وہ لوگ نہایت ہی خسارے میں ہیں اور قابل افسوس ہیں جو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے ہیں کہ صرف دوگانہ جمعہ ہی ادا کر پاتے ہیں اور اسی کے ایک حصہ یعنی خطبہ کی وہ پرواہ بھی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے اور اللہ و رسول کے احکام کی عملی بغاوت سے باز آنا چاہئے، مؤمن کے ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ احکام شریعت پر اسی طرح عمل کیا جائے جیسے عمل کا حق ہے۔

نمازِ جمعہ کا اہتمام

یوں تو ہمیں ہر نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے لئے وضوء وغیرہ کرنا درحقیقت اس کے اہتمام ہی کا ایک طریقہ ہے لیکن نمازِ جمعہ کے لئے خصوصی اہتمام کا حکم اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ جب **سیدُ الایام** اور **افضلُ الایام** قرار دیا گیا تو اس کی مخصوص عبادت بھی نہایت اہم قرار پائی اور اس کے اہتمام کے لئے خصوصی ہدایات دی گئیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْتِیَ الْجُمُعَةَ فَلْیَغْتَسِلْ'' جب تم میں سے کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے جانا چاہے تو غسل کرے۔ (مسلم)

حضرت عبید بن سباق (تابعی) رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعوں میں سے ایک جمعہ فرمایا: ''یَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّ هٰذَا یَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِیْدًا'' بیشک اللہ نے اس دن (جمعہ) کو عید بنایا ہے۔ ''فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طِیْبٌ فَلَا یَضُرُّهٗ اَنْ یَّمَسَّهٗ مِنْهُ وَعَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ'' پس (اس دن) غسل کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو تو کوئی حرج نہیں کہ وہ لگائے اور مسواک ضرور کیا کرو۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا عَلٰی اَحَدِکُمْ اِنْ وَّجَدَ اَنْ یَّتَّخِذَ ثَوْبَیْنِ لِیَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰی ثَوْبَیْ مِهْنَتِه'' تم میں سے کسی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ جمعہ کے لئے دو کپڑے بنالے ان دو کپڑوں کے علاوہ جو وہ ہر وقت کام کاج میں استعمال کرتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ان احادیث مبارکہ سے جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، حسب استطاعت بہتر کپڑے پہننا ثابت ہوا۔ ان امور کے علاوہ بال بنوانا، بالوں میں تیل لگانا، سرمہ لگانا بھی جمعہ کے مستحبات میں سے ہے۔ یہ سب احکام اس لئے ہیں کہ لوگ یوم جمعہ اور نماز جمعہ کو خاص اہمیت دیں اور انہیں ہفتہ کے باقی دنوں کی طرح نہ جانیں۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ نماز جمعہ سے قبل تمام کاروبار بند رکھنا چاہئے تاکہ لوگ شریعت مطہرہ کے مطابق نماز جمعہ کا اہتمام کر سکیں اور یہ ظاہر ہو سکے کہ یہ دن مسلمانوں کی ہفتہ وار عید کا دن ہے۔ دیگر دنوں کا سردار اور ان سے افضل ہے اور اگر عوام کی سہولت و آسانی کے لئے ہفتہ کے کسی دن کو یوم تعطیل قرار دیا جائے تو مسلم حکام کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ جمعہ کو عام تعطیل کا قانون نافذ کریں۔ سنیچر یا اتوار کی تعطیل ہرگز مناسب نہیں کہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہت ہے، جس کی ممانعت کے لئے آقا ﷺ کا

Marfat.com

واضح ارشاد موجود ہے کہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" جب کوئی غیر قوم جیسا عمل اختیار کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔ پس مسلمانوں کو ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو کسی دوسری قوم کا شعار اور مخصوص علامت ہو۔

اہتمام جمعہ کے خصوصی احکام میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے جس طہارت، صفائی اور پاکیزگی کا خواہاں ہے اس کے لئے ایک نظم قائم ہو جائے جو مسلمانوں کو اس کا عادی بنا دے۔ بمطابق روایت حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ کہ اکثر اعمال کا دارومدار طہارت پر ہے حتیٰ کہ بغیر طہارت کے قرآن کریم بھی چھونا جائز نہیں۔ پس جمعہ کے دن جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی کا خصوصی اہتمام اہل ایمان کو ہر وقت پاک وصاف رہنے کا عادی بنا کر شریعت کے ایک مقصد کو پورا کرتا ہے۔ پس اس دن نماز جمعہ کی نیت سے بال بنوانا، ناخن تراشنا، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، اچھے اور بہتر کپڑے پہننا، تیل اور خوشبو استعمال کرنا اور اس اہتمام کے ساتھ جمعہ کے لئے جانا یہ سب سنتیں اور مستحبات ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی یا سب کام نہ کئے گئے تو کوئی گناہ نہیں جبکہ لاپرواہی اور سستی کی بناء پر نہ چھوڑے گئے ہوں۔ یہ کرم ہے میرے آقا ﷺ کہ ان کاموں کو فرض وواجب قرار نہ دیا کہ دین آسان ہے اور آپ نے تمام احکام میں دین کی آسانی کو ملحوظ رکھا بلکہ لوگوں کو دشواری میں مبتلا کرنے کی سخت ممانعت فرمائی۔ ان کاموں پر اگرچہ ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے لیکن بالخصوص آئمہ وخطباء کو ان کی پابندی کرنا چاہئے کہ جب وہ منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو عوام کی نظریں اور پوری توجہ انہی کی طرف ہوتی ہے۔ پس خصوصیت کے ساتھ ان کا لباس، جبہ وعمامہ نہایت ہی پرکشش ہونا چاہئے کہ سامعین ان کی گفتگو غور سے سنیں کہ خوش لباسی زبان میں اثر پیدا کرتی ہے اور وعظ ونصیحت کو قابل عمل بناتی ہے، آئمہ وخطباء کو اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

نماز جمعہ کے تفصیلی احکام ومسائل کے لئے "بہار شریعت" کا مطالعہ کیجئے یا اپنے علماء سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کیجئے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب اس آیہ مبارکہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر گفتگو کرنا مقصود ہے۔

آیتِ جمعہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے۔

ظاہر ہے اس پکار سے مراد اذان ہے کہ جب تم اذان جمعہ سنو، سننے سے مراد ہر ایک کا کانوں سے سننا ہی نہیں کہ یہ تمام لوگوں کے لئے ممکن نہیں۔ بالخصوص غیر مسلم ممالک میں تو اذان سننے کے لئے کان ترس جاتے ہیں، دل تڑپتا ہی رہتا ہے، ہم ہی صرف ٹیلی ویژن پر سعودیہ کا چینل لگا کر کعبہ شریف کی اذان سن لیتے اور اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں، لہٰذا سننے سے مراد اذان کا وقت لیا جاسکتا ہے جس کے لئے گھڑی دیکھی جاتی رہے اور ہو سکے تو اتنے پہلے مسجد پہنچ جایئے کہ وہاں اذان سن بھی لیجئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ نماز جمعہ کے لئے دو اذانیں ہوتی ہیں، ایک خطبہ سے کچھ پہلے اور دوسری خطبہ کے وقت جب امام صاحب منبر پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ یہ دوسری اذان حقیقت میں پہلی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں یہی ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بھی یہی عمل جاری رہا پھر حضرت عثمان غنی

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نے جب ایک دن منبر سے دیکھا کہ خطبہ شروع ہو چکا ہے اور لوگ اب تک دوڑے آ رہے ہیں جو حکم قرآن کے خلاف ہے۔ پس آپ نے مؤذن کو حکم دیا کہ خطبہ سے پہلے ایک اذان کا اضافہ کر دیا جائے تا کہ لوگ بروقت مسجد پہنچ سکیں۔ آپ کا یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عین مطابق تھا کہ انہوں نے باجماعت پورے رمضان تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور ''نِعْمَةِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ'' فرما کر آپ نے خود ہی اس کے اچھی بدعت ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس دن سے آج تک تراویح بھی جاری ہے اور خطبہ کی اذان اول بھی نہ ہی اس وقت موجود اجلہ صحابہ میں سے کسی نے ان دونوں حضرات کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر اعتراض کیا اور نہ ہی آج کسی عالم و فاضل کو اعتراض کی ہمت ہوئی کیونکہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ دینی امور میں بدعات حسنہ جاری کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ بدعتیوں اور سنت پر عمل کرنے کے دعویداروں سب ہی کی مساجد میں تراویح بھی پڑھی جاتی ہے اور اذان اول بھی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں۔ ہاں جو بدعات حسنات آئمہ و اولیاء اور صالحین نے جاری کیں نہ جانے کس دلیل سے وہ انہیں ضلالت و گمراہی کہتے اور ان پر عمل کرنے والوں کو صرف بدعتی نہیں بلکہ مشرک تک کہہ ڈالتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ، فاتحہ، صلوٰۃ وسلام سب ہی ان ظالموں کے نزدیک ضلالت و گمراہی اور شرک ہے۔ مزید یہ کہ مساجد کی زیب و زینت ان میں بہترین قالین، مخملی مصلے، حسین قندیلیں، شاندار منبر ان کے نزدیک نہ بدعت ہیں اور نہ ان کا استعمال ضلالت و گمراہی ہے کیسا یہ ظلم ہے جو ہم کریں وہ برا اور یہ جو کچھ بھی کریں وہ اچھا ہی اچھا، اللہ ان ظالموں پر رحم فرمائے اور انہیں ہدایت دے۔

بہر حال جس اذان کے بعد جمعہ کے لئے آنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ دور نبوی ﷺ کی دوسری اذان خطبہ تو یقیناً ہے لیکن علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم اذان اول ہی کیلئے ہے کیونکہ اجماع بھی نص شرعی ہے جسے اللہ و رسول کا حکم سمجھا جائے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر کسی صحابی نے اعتراض نہ کیا سب ہی نے متفقہ طور پر اس کو حسن قرار دیا اور عمل کیا۔

''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ اس سعی کا حکم نہیں جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے کہ اذان سنتے ہی ایسے دوڑو کہ ہانپتے، کانپتے مسجد میں داخل ہو نہیں یہ دوڑ نا مراد نہیں کیونکہ اس قسم کا دوڑنا ممنوع ہے، خلاف شرع ہے، مؤمن کی شان اور وقار کو مجروح کرتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَلَاتَاْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ'' جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ ''وَلٰكِنْ اِئْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ'' لیکن سکون اور وقار کے ساتھ آؤ۔ ''فَصَلُّوْا وَفَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا'' تو نماز پڑھو اور جو رکعتیں رہ جائیں انہیں پورا کر لو۔ آقا ﷺ کا یہ ارشاد ہر نماز کے لئے عام ہے، جس میں نماز جمعہ و عیدین بھی شامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب قرآن و شریعت کا کوئی فرمان خلاف قرآن نہیں ہو سکتا بلکہ آپ مراد الٰہی بیان فرماتے ہیں جس کا واحد اور یقینی ذریعہ صرف آپ ہی کی زبان حق ترجمان ہے۔ جس کا اعلان قرآن کریم ہی فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا: ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے ان کا ہر ارشاد وحی الٰہی

Marfat.com

ہی ہوتا ہے۔ پس فَاسْعَوْا سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں بلکہ جلدی جلدی اپنی مصروفیات ختم کر کے تیزی سے مسجد کی طرف جانا ہے، اس طرح کہ سکون و وقار قائم رہے، سانس نہ پھولے اور اطمینان سے خطبہ و نماز ادا ہو سکے اور ہاں راستہ میں کسی سے کاروباری یا کسی دوسرے قسم کی گفتگو نہ کی جائے۔ اگر کوئی مریض مل جائے تو اس کی مزاج پرسی میں یا کوئی بھٹکا ہوا مسافر مل جائے تو اسے راستہ بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جمعہ کے لئے تاخیر نہ ہونے پائے۔

''اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' کا جملہ بھی قابل غور ہے۔ ''اِلَى الصَّلٰوةِ'' نہیں فرمایا گیا کیونکہ حکم صرف نماز کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لئے ہے جس میں خطبہ و نماز دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے اور نماز ہی کی طرح فرض ہے۔ لہٰذا مسجد میں خطبہ شروع ہونے سے پہلے داخل ہونا چاہئے تاکہ سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ خطبہ بھی سنا جا سکے اور اللہ کے حکم پر پوری طرح عمل ہو سکے۔ صرف نماز میں شامل ہو جانا حکم الٰہی کی تکمیل نہیں ہے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل تھا۔ جیسا کہ حضرت سہل بن ساعد رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ'' ہم نہ تو دوپہر کو آرام کرتے تھے اور نہ ہی دوپہر کا کھانا کھاتے تھے مگر نماز جمعہ کے بعد کہ کہیں ان کاموں کے سبب نماز جمعہ میں تاخیر نہ ہو جائے۔ کس قدر احتیاط فرماتے تھے صحابہ کرام، اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کے لئے۔

''وَذَرُوا الْبَيْعَ'' اور بیع چھوڑ دو۔ بیع کے معنی اگرچہ صرف بیچنا ہیں لیکن یہ لفظ خرید و فروخت دونوں ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اس کو مزید وسیع مفہوم میں استعمال فرمایا ہے اور اس سے مراد تمام کاروبار ہے کیونکہ اصل بیع و شراء ہی ہے یعنی تمام کاروبار کا دارومدار تجارت پر ہی ہے چاہے اس کا تعلق زراعت، صنعت و حرفت سے یا ملازمت سے ہو سب کا سرچشمہ تجارت ہی ہے۔ پس ہدایت کی جا رہی ہے کہ جونہی اذان جمعہ سنی جائے یا اس کا وقت ہو جائے تو تمام کاروبار بند کر دیا جائے کہ اذان جمعہ سے قبل کاروبار کرنا حرام ہے اور حرام میں کبھی برکت نہیں ہو سکتی۔ جمعہ کے دن اذان سے پہلے کا وقت تو صرف نماز جمعہ کی تیاری اور اہتمام کے لئے ہے اور جو وقت باقی رہے اس میں اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا چاہئے لیکن افسوس کہ ہم اسی وقت نہ جانے کیا کیا کام نکال لیتے ہیں حتیٰ کہ کھیل کود اور تماشوں کا اہتمام اسی وقت کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً مسجد دیر سے پہنچنا اور اتنی دیر سے کہ خطبہ سننے کا موقع بھی بمشکل ہی مل پاتا ہے عام ہو گیا ہے جبکہ اتنی تاخیر کرنا سخت گناہ ہے۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اگر تم جان لو۔ اگر تم اس حقیقت کو جان لو اور مان لو کہ تم سے زیادہ تمہاری بھلائی کا خواہاں تمہارا رب کریم ہے۔ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا خیر ہے اور کیا شر۔ بے وقت کاروبار میں مصروف رہنا ہرگز خیر نہیں ہو سکتا کہ یہ تو اللہ سے بغاوت کے مترادف ہوگا اور بغاوت و سرکشی شر ہے جو ذریعہ خیر نہیں بن سکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ شر سے بچو اور خیر کو اختیار کرو۔ اذان جمعہ سے قبل نماز جمعہ کا اہتمام

Marfat.com

کرو۔ ہفتہ وار عید مناؤ اس کے ملنے پر اللہ رب العزت جل مجدہ کا شکر ادا کرو دوگانہ شکرانہ پڑھو، قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اپنے آقا علیہ السلام کے حضور ہدیہ درود پیش کرو بکثرت درود پڑھو کہ دربار عالی لگا ہوا ہے، فرشتے آئے ہوئے ہیں، غلاموں کی درود خوانی پر وہ رشک بھی کر رہے ہیں اور ان کے درود کو ان کے آقا علیہ السلام کے دربار میں پیش بھی کر رہے ہیں۔ بڑا ہی مقدر والا ہوگا وہ غلام جس کے درود کی مہک، آقا کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ پس خوب درود پڑھو، خوب اس کی برکتیں لوٹو کہ درود وہ دعا ہے جس کے بعد کسی دعا کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی سب کچھ اسی کے وسیلہ سے نصیب ہو جاتا ہے۔

''فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ'' جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ نماز سے فارغ ہو کر جب مسلمانوں کے جتھے مساجد سے نکلتے گلی کوچوں میں پھیلتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان پر بادل کی طرح سایہ فگن ہوتی ہے، ان کے چہروں پر نور جھلکتا ہوتا ہے، چہرے پر ایسی کشش ہوتی ہے اپنے دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں سبحان اللہ و ماشاء اللہ کہتے ہیں اور غیر دیکھتے ہیں تو ان کا دل کانپنے لگتا ہے اللہ کے سپاہیوں اور اللہ کی فوج کا رعب ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے وہ ڈرنے لگتے ہیں۔ پس اے ایمان والو اب تم فارغ ہو چکے، خطبہ و نماز کی برکتیں حاصل کر چکے اب تم زمین میں پھیل سکتے ہو لیکن ہاں ابھی ایک سنت اور باقی ہے مسجد میں اللہ کے حضور ہی ذرا ''رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ'' کا مظاہرہ تو کرو کہ اللہ اپنے محبوب کے غلاموں کو باہم ملتے جلتے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور انعامات کی برکھا برساتا ہے۔ پس نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دو، مصافحہ کرو، معانقہ کرو، اظہار مسرت و شکر کرو اس پر کہ اللہ نے تمہیں ہفتہ وار عید نصیب فرمائی اگر تم شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں بار بار یہ سید الایّام عطا فرمائے گا۔

ہم نے بہت دنیا گھومی لیکن ساؤتھ افریقہ میں جمعہ کے دن جو منظر نظر آیا وہ کہیں نہ پایا۔ نماز فجر کے بعد ہی مساجد میں نمازی آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگتے ہیں، فون پر سلام کے بعد مبارکباد کی آواز آتی ہے۔ اکثر مسلمان جمعہ کی نماز تک اپنی دکانیں بند رکھتے ہیں، اذانِ اول سے پہلے ہی مساجد تقریباً بھر جاتی ہیں، خطیب صاحب نظر آتے ہیں تو کوئی آنکھ ان کی طرف اٹھے بغیر نہیں رہ سکتی کہ بہترین لباس، عباء و عمامہ پہنے پورے مجمع کو مہکاتے محراب کی طرف نہایت ہی باوقار اور بارعب انداز سے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ واقعی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی رہنما ایک مؤمن کامل، اللہ و رسول کا پیغام سنانے آرہا ہے۔ ہاتھ میں عصا لے کر منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو نظر ان کے نورانی چہرے پر جمی کی جمی رہ جاتی ہے۔ ایک سناٹا سا طاری ہوتا ہے، خطیب کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے سکتی۔ خطبہ سے پہلے اردو یا انگریزی میں نہایت ایمان افروز تقریر ہوتی ہے، نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو کر آقا علیہ السلام کے حضور نذرانہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ خوب جھوم جھوم کر، نہایت ہی عقیدت و محبت اور احترام کے ساتھ۔ اسی دوران لوگوں کو عطر پیش کیا جاتا رہتا ہے نہایت ہی روحانی منظر ہوتا ہے لیکن چند منٹ کے لئے، پھر لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے، گلے ملتے ہیں، امام صاحب تک ہجوم کے سبب پہنچنا خاصا مشکل ہوتا ہے لوگ انتظار کرتے ہیں اور معانقہ کر کے ہی جاتے ہیں۔ اس عمل میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے ظاہر ہے جو لوگ ملازمت کرتے ہیں اور وہ بھی غیر مسلموں کی تو وہ اتنی دیر نہیں ٹھہر پاتے۔ اکثر تاجر ہی اس موقع پر موجود

Marfat.com

ہوتے ہیں پھر یہی لوگ ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانے کے لئے دعوت دیتے ہیں جہاں عورتیں پہلے ہی سے شاندار کھانے سجا چکی ہوتی ہیں۔ جمعہ کی خصوصی ڈش ایک قسم کی بریانی اور اس کے ساتھ کالی مسور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کھانے ہوتے ہیں غرضیکہ نہایت پرتکلف دعوت رہتی ہے۔ اس پروگرام سے فارغ ہو کر دکانیں کھولی جاتی ہیں، دکانوں پر اور دفاتر وغیرہ میں اس وقت بھی کام کم ہوتا ہے۔ خطیب صاحب کے خطبہ اور تقریر پر گفتگو زیادہ ہوتی ہے گویا خطبہ اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے عنوانِ گفتگو بن جاتا ہے۔ بہرحال یہ لوگ ایک غیر مسلم ملک میں رہنے کے باوجود اپنے مذہبی پروگراموں میں بے حد دلچسپی رکھتے ہیں اور بالخصوص جمعہ کو عید ہی کی طرح مناتے ہیں جیسا کہ منانا چاہئے۔

''وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ'' اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اب تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اپنا کاروبار شروع کر دو اور تلاش معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تم کامیابی حاصل کر سکو۔ یہ نہ بھولو کہ ابھی تم اللہ کا ذکر کر کے آئے ہو خطبہ ونماز کی برکتیں لوٹ کر آئے ہو۔ رحمت کا بادل اب تک تم پر سایہ فگن ہے، اب تم کاروبار بھی کرو اور ہمارا ذکر بھی کرو، کاروبار میں مصروف ہو کر ہمیں نہ بھول جانا، ذکر کرو گے تو رحمت کا بادل تم پر برکت کی برکھا بن کر برسے گا، یہی تو تمہاری کامیابی وکامرانی ہوگی۔

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر رکتے اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ'' اے اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی۔ ''وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ'' اور میں نے تیرا فرض ادا کیا۔ ''وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِيْ'' اور تیرے حکم کے مطابق اب میں باہر جا رہا ہوں۔ ''فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ'' تو تو ہی مجھے اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرما۔ ''وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' کہ تو ہی سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (ماخوذ از ابن کثیر)

اس لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہوئے جب کاروبار کیا جاتا ہے تو اس میں اللہ اپنے فضل سے بے حد برکت فرماتا ہے اور کاموں کو سہل وآسان فرما دیتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثر دیکھا اور سنا گیا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد عام طور پر وہ الجھنیں اور رکاوٹیں پیش نہیں آتیں جن سے اکثر واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے ویسے تو ہر حال اور ہر وقت ہی ذکر اللہ باعث برکت ورحمت ہی ہے جس سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل ہونا مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

''وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا'' اور کچھ لوگوں نے کسی نفع بخش تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھا تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کس طرف چلے گئے۔ یہاں اشارتاً اس واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً نماز جمعہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے نزول کا باعث بنا تھا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ طیبہ آمد کے ابتدائی دنوں ہی کی بات ہے کہ اب تک صحابہ کرام کو احکام شرع سے پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ گویا ان کی تعلیم وتربیت کا یہ ابتدائی دور تھا۔ اس لئے بعض اوقات وہ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیا کرتے تھے اور جب اللہ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے انہیں ان کی غلطی سے باخبر کیا جاتا تھا تو وہ اس پر فوراً ہی نادم وشرمندہ ہو جایا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ ان کی معذرت قبول ہو جانے اور غلطی معاف

Marfat.com

کر دیئے جانے کا بھی اعلان کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ خیر اب یہ ہوا اللہ کے رسول ﷺ منبر شریف پر جلوہ افروز تھے خطبہ جاری تھا، صحابہ حاضر تھے اور بغور سرکار ﷺ کے ارشادات سننے میں مصروف تھے کہ اچانک باہر سے دف بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس زمانہ میں شام وغیرہ کے تجارتی قافلہ سامان ضرورت فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ ان قافلوں کی بہت اہمیت تھی کہ لوگوں کو اشیاء ضرورت بآسانی مہیا ہو جاتی تھی اور ان کا اپنا بھی کچھ سامان قافلہ والے خرید لیتے تھے۔ ان قافلوں میں دحیہ بن خلف کا قافلہ کافی سامان لے کر آتا اور نسبتاً سستے داموں سامان فروخت کیا کرتا تھا۔ واضح رہے کہ دحیہ بن خلف نے کچھ مدت بعد اسلام قبول کیا تھا۔ بہر حال پتہ چلا کہ دحیہ بن خلف کا قافلہ آیا ہے یہ سال مدینہ منورہ میں قحط کا سال تھا۔ لوگ کھانے پینے کی اشیاء کے لئے مضطرب تھے۔ کم علم تھے، قافلہ کی طرف دوڑے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے سامنے صرف بارہ افراد رہ گئے باقی سب چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غلاموں کے اس عمل سے خاصی تکلیف ہوئی۔ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت تک خطبہ جمعہ، عیدین کی طرح نماز جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا جانے والوں نے یہ بھی خیال کیا کہ نماز سے تو اب فراغت ہو چکی ہے کیوں نہ اب کچھ کاروبار کر لیا جائے جو اس وقت بہت ضروری ہے۔ اسی واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے لگے۔

غرضیکہ صحابہ کرام کا یہ عمل اللہ کو بھی پسند نہ آیا اور اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ'' اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تماشہ و تجارت سے بہتر ہے۔ کہ تم جسے خیر سمجھتے ہو ضروری نہیں کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو کہ حقیقت حال تو جاننے والا اللہ ہی ہے۔ پس خیر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک خیر ہے۔ لہٰذا دنیا اور اس کے ساز و سامان کی کشش میں مبتلا نہ ہو۔ معلم کامل ﷺ کے پر از حکمت ارشادات پر غور اور عمل کرو۔ تمہیں ضرور خیر نصیب ہو گی اور تم ضرور کامیاب و کامران ہو کر رزق تو اللہ ہی دیتا ہے وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ اس کی شان ہے ''وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے خوب دیتا ہے۔ دحیہ کے قافلہ سے خریداری کر کے تم اتنا فائدہ حاصل نہ کر سکو گے جتنا اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں نصیب ہو جائے گا۔

اے ایمان والو! پس یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ:

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ المنافقون''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
9تا11	87

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۷

المنافقون: ۹ تا ۱۱

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ۭ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(المنافقون: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پہلے کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو وہ یہ کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے کیوں مہلت نہ دی تھوڑی مدت کے لئے تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکو میں شامل ہو جاتا اور اللہ مہلت نہیں

Marfat.com

دیا کرتا کسی شخص کو جب آجائے اس کی موت کا وقت اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔

بحمد اللہ سورۃ المنافقون کی آیت نمبر 9 تا 11 پر گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ اولاً ضروری ہے کہ نفاق اور منافق کے معنی جان لئے جائیں۔ ''نفاق'' کے معنی ہیں ''سرنگ'' وہ بھی دو منہ والی سرنگ جو لومڑی اپنے رہنے کے لئے بناتی ہے سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایک دروازے والا گھر زیادہ محفوظ ہوتا ہے جبکہ لومڑی یہ سکھاتی ہے کہ گھر کے دو دروازے ہونے چاہئے، ایک آگے اور ایک پیچھے کہ دشمن ایک دروازے سے حملہ آور ہو تو گھر والا دوسرے دروازے سے غائب ہو سکے۔ بہر حال لومڑی اپنے گھر کے دو دروازے رکھتی ہے ایک کو نافِقاء اور دوسرے کو قاصِعاء کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس شخص کو منافق کہا جاتا ہے جو اپنے عمل میں دورخی اختیار کرتا ہے اور سب سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور سب ہی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ حقیقتاً وہ دنیا و آخرت دونوں ہی میں ناکام و نامراد رہتا ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں منافقین کا حال بغور پڑھئے اور ساتھ ہی اپنا تجزیہ بھی کرتے چلئے۔

منافقین کا حال

آپ جانتے ہیں کہ سورۃ البقرہ قرآن کریم کی دوسری سورت ہے جس کا آغاز اہل ایمان کے حال سے ہو رہا ہے جس کے بعد صرف دو آیتوں میں کفار کا حال بتایا گیا جبکہ اسی کے بعد تیرہ آیات میں منافقین کا تفصیلی حال بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا قرآن کریم منافقوں کو بدترین اور خطرناک ترین گروہ قرار دے رہا ہے اور اہل ایمان کو تفصیل کے ساتھ ان کا حال بتا رہا ہے تا کہ سادہ لوح مسلمان ان کے مکر و فریب سے بچ سکیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ منافقین کے دور کا آغاز اہل ایمان کی مدنی زندگی سے ہوتا ہے جب یہ دیکھا جانے لگا کہ اسلام تیزی سے ترقی پذیر ہے اور جلد ہی یہ ایک قوت بن کر ابھرنے والا ہے۔ اس کی حقانیت پر غور کے بعد خوش نصیبوں نے اس کی غلامی اختیار کی ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا بدنصیبوں نے اس کا انکار کیا اور کفر میں مبتلا ہوئے جبکہ مکاروں اور چال بازوں نے اس کے فوائد حاصل کرنے کے لئے نفاق کی راہ لی یہ صرف لالچ ہی تھا جس نے منافقین کا بدترین گروہ پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے قبل ہجرت مکی زندگی میں اس گروہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کیونکہ اس وقت تو اسلام کے خلاف سازشوں اور فتنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مسلمان کفار کے سخت نرغے میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے اس حال میں کون اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مصیبت میں ڈالتا۔ لہٰذا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے اور آپ کا نور چمکنا شروع ہوا تو موقع پرست اور خودغرض گروہ نے اپنی ہمدردیاں اسلام اور اہل اسلام سے ظاہر کرنا شروع کیں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو نقصان پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ اسی وقت سے آج تک حاسدین اسی راہ پر ہیں اور طرح طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ بہر حال منافقین کے اس گروہ کی ابتداء مدینہ سے ہوئی اور یہ مارِ آستین کے مثل اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین گروہ بنا اسی لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا اور ان کی گھناؤنی سازشوں سے اہل ایمان کو باخبر کیا۔ آیئے دیگر آیات قرآنیہ سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیات کا اختصار کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

اور کچھ لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ مؤمن نہیں۔

چونکہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانا، عقائد حقہ کی بنیاد ہے لہٰذا یہاں ان دونوں ہی کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ کچھ لوگوں یعنی منافقین کا یہ دعویٰ صرف زبانی ہے جبکہ ایمان کے لئے اقرار باللسان، زبانی اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ پس دلوں کا حال جاننے والا اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دلوں کا راز بتا رہا ہے کہ یہ کچھ لوگ بہت ہی مکار ہیں، جھوٹے ہیں، صرف زبان سے اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان کے دعویدار ہیں جو قابل قبول نہیں۔ لہٰذا ان شاطروں کے فریب سے مسلمان بچتے رہیں۔ یہ اہل ایمان کے نہ تو ساتھی ہیں اور نہ ہی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں بلکہ صرف انہیں دھوکہ دے کر اپنے فوائد حاصل کرنا چاہتے کہ وقت آنے پر مسلمان انہیں اپنا جانیں اور ان کی عزت و آبرو جان و مال سب کی حفاظت کریں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والون کو جبکہ نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) سمجھتے نہیں۔

اللہ سے دھوکہ کرنا ممکن نہیں۔ پس یہ اس دھوکے کا ذکر ہے جو منافقین اللہ کے رسول ﷺ سے کیا کرتے تھے کہ جس طرح رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دھوکا درحقیقت اللہ سے دھوکا کرنا ہے۔

ہمارے آقا ﷺ کو منافقین کی دھوکہ دہی سے جتنی تکلیف پہنچی اتنی کفار کی جنگوں سے نہ پہنچی کہ کفار سامنے آکر جنگ کیا کرتے تھے جبکہ منافقین چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کو نقصان پہنچاتے تھے اسی لئے طبقہ منافقین کو کفار سے زیادہ خطرناک طبقہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ دھوکہ دہی منافقین کی عادت ہے اہل ایمان کی نہیں۔ اہل ایمان تو پیکر صدق و صفا ہوتے ہیں ان سے تو دھوکہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جبکہ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق منافقین کا حال یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ'' منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ''وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ'' اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا دعویدار ہو، روزہ بھی رکھے اور نماز بھی پڑھے (پھر بھی ایسا شخص منافق ہی ہے جس میں یہ تین عیوب ہوں)۔ ''اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ'' جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ''وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ'' اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ ''وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ'' اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (مسلم شریف)

اصل بات یہ ہے کہ ایک جرثومہ بہت سے جراثیم کو جنم دیتا ہے اسی طرح ایک برائی یا عیب بہت سی برائیوں یا عیبوں

Marfat.com

کو جنم دیتی ہے۔قرآن کریم نے منافقین کا وہ عیب بیان کیا جو تمام عیوب کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔بس اس دھوکہ دہی کی کوشش میں انہیں ہر وہ کام کرنا پڑتا ہے جس سے وہ کامیاب ہوسکیں۔جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، ایذاءرسانی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔نتیجتاً وہ برائیوں کا ایسا پلندہ بن جاتے ہیں جن سے اللہ بھی نفرت کرتا ہے، اللہ کا رسول بھی اور مسلمان بھی۔غور تو کیجئے ان کی دھوکہ دہی کی عادت نے ان کو کیسا ذلیل وخوار کردیا۔اللہ ہمیں ایسے تمام عیوب سے بچائے جو صرف منافقین کی علامت ہیں۔منافقین کی اس حالت کا سبب یہ ہے کہ:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ

ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

جس طرح انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح اس کی روح کو بھی امراض لاحق ہوتے ہیں۔روحانی امراض کفرو شرک یا حسد وعناد ہے جس کے باعث بغض وکینہ جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں پھر جس طرح علاج نہ کرنے یا ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کے باعث جسمانی امراض بڑھتے رہتے ہیں اور ایک مرحلہ پر پہنچ کر مریض لاعلاج ہوجاتا ہے اسی طرح اگر روحانی امراض کا علاج نہ کیا جائے اور معالج کی ہدایات پر عمل نہ کیا جائے تو ایک مقررہ وقت کے بعد انسان کی روح میں کسی ہدایت کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" مہر لگادی ہے اللہ نے ان (کفار) کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔یعنی بعض کافروں کا کفروشرک اس انتہاء کو پہنچ چکا ہے کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد وصلاحیت ہی نہیں رہی۔لہٰذا انہیں ہمیشہ کے لئے راہ ہدایت سے محروم کردیا گیا۔اب صرف یہ جہنم کا ایندھن ہی رہ گئے ہیں۔یہی حال منافقین کا ہوا کہ ان ظالموں کو دھوکہ دہی اور دیگر امراض سے بچنے کی ہر چند ہدایت کی گئی لیکن یہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر دن بدن زیادہ ہی حسد میں مبتلا ہوتے رہے۔اسلام کے خلاف ان کی سازشیں بڑھتی ہی رہیں۔پس ان کا روحانی مرض بڑھا، خوب بڑھا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق قرار دیئے گئے ان کے مرض کی انتہا یہ ہوئی کہ یہ اپنے کرتوتوں، اپنی بدعملیوں ہی کو صالحیت قرار دینے لگے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

اور جب انہیں کہا جائے فساد مت پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں ہوشیار! وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

یہ منافق مسلمانوں کو آپس میں لڑانے، ان میں انتشار پیدا کرنے میں مصروف رہتے ہیں، برائیاں کرنا اور برائیوں کو پھیلانا ان کا شیوہ ہے اور جب داعی حق انہیں ان بدکاریوں سے روکتا ہے تو یہ اپنے عیوب پر غور کرنے کی بجائے اپنے آپ

Marfat.com

کو مصلح اور رہبر قرار دیتے ہیں۔ پس اللہ واضح اعلان فرماتا ہے کہ یہ لوگ مفسد ہیں انہیں ہوش ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں کہ ان کا شعور واحساس ختم ہو چکا۔ یہ اس قدر روحانی امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان کے امراض اتنے بڑھ چکے کہ اب لاعلاج ہو گئے ہیں۔ پس اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان کی دھوکہ دہی میں مبتلا نہ ہوں اور سنو ان احمقوں کا حال یہ ہے کہ:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ

اور جب انہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے خبردار بیشک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور برائیوں کو نہ صرف یہ کہ وہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان ہی کو اپنا کمال جانتا ہے چور کب اپنے آپ کو چور کہے گا، بہرہ کب تسلیم کرے گا کہ وہ بہرا ہے، اندھا جب بھی کسی سے ٹکراتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ کیا تمہیں نظر نہیں آتا اسی طرح احمق و بیوقوف اپنے سے زیادہ کسی کو عقلمند کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہی حال منافقین کا تھا کہ جب انہیں فتنہ وفساد سے منع کیا گیا تو انہوں نے مصلح اور رہبر ہونے کا دعویٰ کیا اور جب انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گی تو انہوں نے یہ شرف حاصل کرنے والوں کو بیوقوف کہا۔ آج بھی آپ ایسے بہت سے لوگ پائیں گے جو صرف اپنے آپ ہی کو عقلمند کہتے ہیں اور دوسروں کو احمق۔ کیا دولت کے نشہ میں بدکاروں اور بدکرداروں سے آپ نے نہیں سنا کہ دین کی پابندی کرنے والوں پر وہ کیسے تیر برساتے اور انہیں احمق سمجھتے ہیں، بے ایمان تاجر ایک دیانتدار تاجر کو ہمیشہ بیوقوف ہی کہتا ہے رشوت خور، حلال روزی پر گزارہ کرنے والوں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہے کہ بھائی زمانہ کے ساتھ چلو، میری طرح مزے کرو گے ورنہ بیوی بچوں کا پیٹ بھی نہیں پال سکتے۔ یہی حال ہر بے دین کا ہوتا ہے کہ وہ دینداروں کو حقیر و ذلیل اور احمق ہی جانتے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جس کا اللہ اعلان فرماتا ہے: ''اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ'' بیوقوف تو یہی ہیں لیکن جانتے نہیں مانتے نہیں۔ پس اہل ایمان اہل تقویٰ کو دیندار اور صالحین کو ان احمقوں کی باتوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا انہیں جتنا بیوقوف کہے انہیں اتنی ہی اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا چاہئے کہ احمق تو وہ ہے جسے خود اس کا خالق احمق کہہ رہا ہے انہیں حال پر شرمندہ ہونا اور رونا چاہئے جبکہ نیکوکاروں کے لئے اس سے بڑی نعمت اور مسرت کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے رب کریم نے ان کی عقل ودانش پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے اللہ سزا

Marfat.com

دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ان کی دھوکہ دہی اور حماقت کا مزید حال یہ ہے کہ جب یہ اہل ایمان کے پاس آتے اور مسلمانوں سے ملتے ہیں تو انہیں اپنے ایمان اور مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں تا کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور ان کے حلقوں میں بیٹھ کر ان کے راز معلوم کریں اور ان کے خلاف مزید سازشیں کریں اور جب یہ اپنے شیطان ساتھیوں میں پہنچتے ہیں تو انہیں مطمئن کرنے اور خوش رکھنے کے لئے ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم تو ایک ہیں۔ مسلمانوں کے پاس تو ہم صرف مسخرا پن کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اللہ اہل ایمان کو خبر دیتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کا مذاق بنانے کی سزا مل رہی ہے۔ جلد ہی ایک دن آنے والا ہے کہ یہ خود لوگوں کے لئے مذاق بنا دیئے جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے۔

ان ظالموں نے کفر کو پسند کیا اسے اختیار کیا اور حق کو چھوڑا دورخی پالیسی اختیار کی، رحمٰن وشیطان دونوں کو خوش کرنا چاہا لیکن وہ کہیں کے نہ رہے۔ مسلمانوں سے بھی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور کافروں میں بھی انہیں عزت نہ مل سکی اور آخرت میں ان کا انجام کافروں سے بھی بدتر ہوگا۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

بیشک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔

منافقین کی اس حالت کی واضح وجہ ظاہر ہے کہ ان کا نفاق ہے جس کا سبب دولت وعزت کی حرص اور عیش وآرام پسندی کے سوا کچھ نہیں۔ درحقیقت منافقین کا وجود ہی ہوا وہوس کی بنیاد پر عمل میں آیا کہ ہجرت سے چند سال قبل مقام بعاث پر اوس وخزرج کے درمیان ایک ہولناک جنگ نے تمام اہل مدینہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ اپنے آپ کو منظم کرنے اور اپنا ایک قائد منتخب کرنے پر مجبور ہو گئے اور بڑی ہی تگ ودو کے بعد بالآخر عبداللہ بن ابی کو انہوں نے منتخب کیا اور طے پایا کہ ایک عظیم الشان تقریب میں عبداللہ کی تاج پوشی ہوگی اور باقاعدہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا۔ تقریب کی تیاریاں شروع ہوئیں، عبداللہ کے لئے سنار کے پاس شاہی تاج تیار ہو رہا تھا کہ اسی دوران مدینہ پر اللہ کے نور کی شعاعیں پڑنے لگیں۔ تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا حتیٰ کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد آمد کی خبریں گشت کرنے لگیں اور لوگ رسم تاج پوشی کے اہتمام کی بجائے اپنے آقا ﷺ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ صورت حال عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوئی تو وہ ٹپٹا گیا۔ آقا ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اوس وخزرج کے تقریباً تمام لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔ جس کے بعد عبداللہ کے لئے

Marfat.com

بھی اسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا یہ مسلمان تو ہو گیا لیکن اس کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اہل ایمان اور اسلام کے خلاف بغض وعناد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ہمہ وقت حسد کی آگ میں تڑپتا رہتا اور اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش تیار کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس منافق اول کے اردگرد اس کے چیلوں کا ہجوم رہتا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں آ کر اپنے اسلام کا ڈنکا بجاتے تھے اور جب اپنے شیطانوں میں پہنچتے تو کہتے: ''اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مسلمانوں سے تو ہم مسخرہ پن کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن کریم منافق کہتا ہے اور اللہ رب العزت نے ان کا حال اپنے محبوب ﷺ کو بتایا تا کہ آپ ان کی سازشوں پر نظر رکھیں۔

منافقین اسلام اور مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا حال بیان فرمایا نیز پوری سورۃ المنافقون ان کی سازشوں کو بیان کرنے کے لئے نازل کی گئی۔ جس کے آخر میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا اور تاکید کی گئی کہ تم منافقین کی طرح غافل نہ ہو جانا بلکہ اپنے ایمان کو تازہ رکھنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہنا۔ لیجئے ان آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔

رب کریم جل جلالہ ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام نفاق جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار ہوں۔ پس وہ نہایت ہی پیارے انداز میں اہل ایمان کو ہدایت فرما رہا ہے کہ تم منافقین کی طرح اموال کی حرص اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے رب کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا کیونکہ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو بہت جلد راہ ہدایت سے دور کر دیتی اور اسے اپنا گرویدہ بنا کر اللہ ورسول کا باغی ونافرمان بنا دیتی ہیں۔ وہ اتنا خودغرض ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے مفاد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ اتنا مغرور ومتکبر ہو جاتا ہے کہ اس کی نظروں میں سب حقیر وخوار ہو جاتے ہیں، وہ اتنا گھمنڈی ہو جاتا ہے کہ سب کو احمق اور بیوقوف سمجھنے لگتا ہے کبھی اسے خیال تک نہیں آتا کہ وہ خسارے اور نقصان کی راہ پر چل رہا ہے یا ترقی کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اموال واولاد

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال واولاد دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں، دونوں ہی دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، دونوں ہی اللہ ورسول سے قرب کا وسیلہ بھی ہیں۔ دونوں کے حصول کے لئے انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین قرآن کریم کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق دعائیں کرتے رہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے محنت ومشقت کے ساتھ حصول دولت کی کوئی حد مقرر نہیں کی نہ ہی اس کے خرچ کرنے پر کوئی پابندی عائد کی کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو حاصل کرنا

Marfat.com

عبادت اور خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے جبکہ اس کی کمی یعنی غربت بے شمار فتنوں کا باعث بنتی ہے۔اسی لئے معاشرے سے غربت کا خاتمہ اہل ثروت کی اہم ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔دولت ہی سے بعض ایسے امور انجام پاتے ہیں جو صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں۔

اسی طرح اولاد کے حصول کے لئے بتاکید نکاح کا حکم دیا گیا اور بعد نکاح جنسی عمل کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا شوہر و بیوی کے حقوق کا تعین کیا گیا اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی۔اہل وعیال پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ صرف دنیاوی عمل نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو تمام اقسام کے دیگر صدقات سے افضل و اعلیٰ اور باعتبار اجر و ثواب سب سے زیادہ ہے۔غربت و تنگدستی کی بناء پر قتل اولاد (برتھ کنٹرول) حرام قرار دیا گیا۔صاحب شریعت ﷺ نے بکثرت اولاد پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ روزِ قیامت آپ اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں۔اولاد، والدین کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ بنتی اور صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ اس دولت کی بات ہے جو شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کمائی جائے اور اس اولاد کی بات ہے جس کی اللہ و رسول کے ارشادات کے مطابق پرورش کی جائے اور تربیت دی جائے جسے صرف انسان نہیں بلکہ مسلمان اور مؤمن کامل بنایا جائے۔ایسی دولت و اولاد کی کثرت باعث برکت و نجات ہے جسے اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوگی وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔اس میں کبھی منافقوں جیسی عادات و اطوار پیدا نہیں ہو سکتے۔ایسا شخص تو معاشرے کا محسن ہے اللہ اس پر دنیا و آخرت میں ضرور کرم فرمائے گا۔

وہ دولت جو خلاف شرع ذرائع سے حاصل کی جائے مثلاً رشوت، جھوٹ، فریب اور مکاری کی کمائی اور اس سے غرور و تکبر پیدا ہو اور وہ اولاد جس کی صحیح تربیت نہ کی جائے، دینی تعلیم نہ دی جائے، دیندار نہ بنایا جائے صرف جانوروں کی طرح پال پوس کر بڑا کر دیا جائے اور اسی پر گھمنڈ ہو یہی اموال و اولاد ہے جسے قرآن کریم خسارہ و نقصان قرار دیتا ہے۔ملاحظہ ہو چند آیات مبارکہ:

وَمَآ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰٓ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ (سبا:۳۷)

(یاد رکھو) نہ تمہارے مال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دوگنا بدلہ ہے ان کے اعمال کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔

اِعْلَمُوٓا أَنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (حدید:۲۰)

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور (سامانِ) آرائش ہے اور آپس میں (نسل و نسب پر)

Marfat.com

اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الممتحنہ: ۳)

نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روزِ قیامت اللہ تعالیٰ جدائی کر دے گا تمہارے درمیان اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

یہی اموال و اولاد ہیں جو حریص انسان کو ذکرِ الٰہی، عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی سے غافل کر دیتے ہیں جو نفاق کا سبب بنتا ہے۔ اللہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ مال و اولاد کی کثرت کے باوجود بھی تم کبھی ہماری یاد سے غافل نہ ہونا ورنہ یہ نعمت تمہارے لئے مصیبت بن جائے گی جو نہایت ہی خسارے اور نقصان کا سودا رہے گا اور نفع والا سودا یہ ہے کہ:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تمہیں دیا اس سے پہلے کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت۔

دولت خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے، زیادہ ہوتی ہے۔ بروایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي'' بغیر گنے خرچ کرو۔ ''فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ'' اللہ تمہیں بے حساب دے گا۔'' وَلَا تُوْعِي فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ'' اور (دولت) مت روکو ورنہ اللہ تم پر روک دے گا۔'' اِرْضَخِي مَا اسْتَطَعْتِ'' جس قدر ہو سکے خیرات کرو۔ اور بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ'' اللہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا'' کیا میں تمہیں لوگوں میں سے بدترین شخص کا پتہ بتاؤں۔'' قِيْلَ نَعَمْ'' عرض کیا گیا۔ جی'' قَالَ الَّذِي يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ'' فرمایا: وہ شخص (بدترین ہے) جس سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ'' سخی اللہ سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے، جہنم سے دور ہوتا ہے۔'' وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ، بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ'' اور کنجوس اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔'' وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ'' اور جاہل سخی اللہ کو کنجوس عبادت گزار سے زیادہ محبوب و پیارا ہے۔

پس تمہیں ہدایت کی جارہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو خوب خرچ کرو، جتنی خرچ کرو گے اتنی ہی زیادہ ملے گی، بے حساب خرچ کرو، بے حساب پاؤ گے، اللہ خوش ہوگا، اللہ کا رسول خوش ہوگا۔ لوگ مرتے ہی تمہیں جنتی کہیں گے، لوگ تمہاری عزت کریں گے، جہنم کی آگ سے تم دور رہو گے، بڑا ہی اچھا سودا ہے یہ خوب خرچ کرو پچھتاوے کے وقت سے پہلے

Marfat.com

خرچ کرلوکہیں ایسا نہ ہوکہ موت آ جائے ،نزع کی کیفیت ہو۔کاش مجھے کچھ موقع مل جائے تو میں خوب خرچ کروں،صدقہ و خیرات کروں،نیکیاں کروں اور صالحین میں شامل ہو جاؤں،اب واویلا بیکار ہے،اب پچھتانا فضول ہے،اب تو توبہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا۔کیا تمہیں قرآن کریم نے نہیں بتایا کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اسے اپنی اوقات کا پتہ چلا اب وہ چلایا: ''اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمان ہوں لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔پس صاف صاف جواب ملا: ''آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ'' کیا اب اور اس سے پہلے تو (ساری زندگی) نافرمانی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

دوستو! ہمارا رب بڑا ہی رحیم وکریم ہے کہ ہمیں پہلے ہی سے آگاہ کررہا ہے کہ اگر تم نے موت کے وقت آرزو کی کہ صدقہ وخیرات اور نیکیوں کے لئے کچھ مہلت مل جائے تو یہ آرزو پوری نہ ہو سکے گی کہ ہمارا قانون پہلے ہی نافذ ہو چکا ہے کہ ''وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا'' کہ اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آ جائے اور ہم نے تمہیں اپنا یہ اصول بھی بتادیا ہے کہ ''لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ'' کہ اللہ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔پس جس کی موت کا وقت آ چکا اسے مہلت کے لئے واویلا کرنا بیکار ہے جو کچھ کرنا ہے اس وقت مقررہ سے پہلے کرلو ضرور اجر ملے گا۔

وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جانتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سورۃ التغابن''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
88	14 تا 18

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقالہ ۸۸

التغابن : ۱۴ تا ۱۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (التغابن : ۱۴ تا ۱۸)

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیویاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری

Marfat.com

استطاعت ہے اور اللہ (کا حکم) سنو اور اسے مانو اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور جنہیں بچالیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گناہ کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر داں (اور) بہت حلم والا ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورۂ تغابن کی ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو بیوی اور بچوں کی عداوت سے باخبر کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ تسامح اور درگزر کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ نیز بتایا جا رہا ہے کہ اموال و اولاد در حقیقت ایک آزمائش ہیں جس میں کامیابی کے لئے تمہیں حتی الوسع کوشش کرنا چاہئے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ و رسول کی بات سننا اور ماننا چاہئے۔ نیز اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور یہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے لئے قرض حسن ہے، جو دولت میں اضافہ اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال کی قدر کرتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے بڑی ہی قوت والا حکمت والا ہے۔

بیوی بچوں کی دشمنی

قرآن کریم بتا رہا ہے کہ ہمارے بیوی بچے بھی ہمارے دشمن ہو سکتے ہیں لہٰذا ''فَاحْذَرُوْهُمْ'' ان سے ہوشیار رہو۔ حیرت ہے کیا کسی کی بیوی بھی دشمن ہو سکتی ہے، کیا اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے جو اپنا ہی خون ہے کیسے دشمن ہو سکتے ہیں یہ سب حیرت کی بات ہے۔ اللہ خبر دے رہا ہے جو بلاشبہ حق اور سچ ہے۔ آیئے سوچیں یہ دشمنی کس طرح ہوتی ہے لیکن یہ بات عام نہیں یعنی ہر بیوی اور ہر اولاد دشمن نہیں ہوتی۔ اسی لئے ''مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ'' فرمایا گیا یعنی بعض عورتیں اپنے شوہروں کی اور بعض اولاد اپنے والدین کی دشمن ہوتی ہیں۔

عداوت کی ایک صورت یہ ہے کہ مرد نیک ہو، متقی ہو اور بیوی آزاد خیال، بے دین اور بے نمازی ہو اور اولاد بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتی ہو۔ یہ سب مل کر اپنے سرپرست کی نیکیوں کی مخالفت کرتے ہوں اور اس کا کوئی حکم ماننے کے لئے تیار نہ ہوں۔ مرد، بیوی اور بیٹی سے پردہ کرنے اور برقعہ اوڑھ کر باہر جانے کو کہتا ہے اور یہ عریانی و فحاشی میں مگن رہتے ہیں۔ مرد نماز کی پابندی کرانا چاہتا ہو اور یہ کبھی سجدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال گھر کو میدان کارزار بنائے ہوئے ہوگی، مرد تنہا پریشان ہوگا، سب گھر والے مل کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ایسے شخص کی عزت و آبرو کو ہر وقت خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے۔

عداوت کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرد غریب ہو بمشکل تمام بیوی، بچوں کا پیٹ پالتا ہو اور بیوی بچے محلّے کے خوشحال لوگوں کو دیکھ کر اس غریب سے طرح طرح کے مطالبہ کرتے رہتے ہوں، عیش اور عیاشی چاہتے ہوں اسے رشوت، مکر و فریب اور دیگر حرام ذرائع سے دولت کمانے پر آمادہ کرتے ہوں اور یہ گھر کے ان شیطانوں سے برسرپیکار ہو اور اس کا اپنا شیطان بھی

Marfat.com

اسے گا ہے بگا ہے اہل خانہ کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ کرتا ہو اور سب مل کر اس کے ایمان کو تباہ کر دینا چاہتے ہوں ان سب سے بڑھ کر اور کون دشمن ہو سکتا ہے۔

عداوت کی تیسری صورت یہ ہے کہ مرد دولت مند ہو لیکن نیک ہو، اہل خانہ کی تمام ضروریات نہایت اچھی طرح فراخی سے پوری کرتا ہو صرف انہیں عیاشی اور اللہ و رسول کی نافرمانی سے روکتا ہو وہ ان سے شریعت کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہو لیکن بیوی بچے اس کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہو اور یہ بغاوت اس انتہا کو پہنچ چکی ہو کہ گھر والے بدنصیب اپنے سرپرست اور اپنے محسن کی جان کے دشمن ہو گئے ہوں وہ اس کی موت کے آرزومند ہوں۔

دوستو! اہل و عیال کی دشمنی صرف لفظی نہیں بلکہ حقیقت میں اس کا وجود ہے۔ آپ نے بھی ایسے گھروں کو دیکھا ہے اور ہمارے حلقہ احباب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے اہل خانہ کی جان و ایمان دشمنی سے تنگ ہیں اور وہ اپنے ہی گھر میں، اپنے ہی بیوی بچوں کے ساتھ لرزتے اور کانپتے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری جان چلی جائے لیکن دعا کیجئے کہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

واقعی یہ زندگی بڑی ہی اجیرن ہے۔ غربت و دولت دونوں ہی وبال جان ہیں لیکن اس حال میں ایمان کی حفاظت اور دین کی پابندی بڑا جہاد ہے، ایسا شخص بڑے ہی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ مزید برآں اس صورت میں کہ وہ اللہ کے اس ارشاد کی پابندی کرے۔ ''وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا'' کہ یہ واضح ہو جانے کے باوجود کہ تمہارے گھر والے تمہارے دشمن ہیں تم کوئی ایسا اقدام نہ کرنا جس سے گھر ہی ٹوٹ جائے، بیوی بچے بکھر جائیں نہیں ایسا نہ کرنا بلکہ صبر کرو، برداشت کرو، ان کی غلطیوں کو معاف کرو، ان سے درگزر کرتے رہو اور بخشتے رہو کیونکہ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' بیشک اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ارشاد قابل غور ہے جن لوگوں نے ایک شخص کی زندگی دوبھر کر دی ہے اسے ہدایت دی جا رہی ہے کہ انہیں معاف کر دو ان سے درگزر کرو اس لئے کہ درحقیقت اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر معاملہ کو کسی نہ کسی طرح سدھارنا اور بنانا چاہتا ہے، بگاڑ اور فتنہ و فساد اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ سوچئے اگر گھر کا سربراہ گھر والوں سے تنگ آ کر انہیں گھر سے نکال باہر کر دے تو موجودہ فساد سے کہیں زیادہ فساد بپا ہوگا۔ بیوی ممکن ہے برائی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائے بچے والدین کی تربیت سے محروم ہو جائیں گے اور ایک ان جانی راہ پر چل پڑیں گے جو انہیں معاشرے کا ناسور بھی بنا سکتی ہے۔ ادھر مرد اگر اپنا گھر دوبارہ آباد کرے گا تو کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ نئی عورت پہلی بیوی سے بہتر ثابت ہو ممکن ہے وہ اس سے بھی بدتر ہو۔ پس عافیت اسی میں ہے کہ انہی بگڑے ہوئے بیوی بچوں کو سدھارا جائے تدبر اور تدبیر سے کام لیا جائے اللہ سے دعا کی جائے کیا عجب کہ یہی راحت و سکون کا ذریعہ بن جائیں۔

اموال و اولاد فتنہ ہیں

''اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ'' بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں۔ یہ بڑا ہی کرم ہے

Marfat.com

رب کا کہ اس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کی حقیقت ہم پر واضح کر دی اور بتا دیا کہ یہ نعمتیں تمہاری آزمائش کے لئے تمہیں دی گئی ہیں کیونکہ یہ بڑی پیاری نعمتیں ہیں، دل کو لبھانے والی، پیار و محبت کا مرکز، عزت، شہرت اور راحت و سکون کا ذریعہ اسی لئے تو ہر کوئی ان نعمتوں کو پسند کرتا ہے ان کے پانے کی آرزو کرتا ہے، ان کے حصول کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ دنیا کی اس چہل پہل کی بنیاد اموال و اولاد کی محبت ہی تو ہے۔ دولت کی قدر کسی غریب سے پوچھو اور اولاد کی قدر اس سے معلوم کرو جو اس نعمت سے محروم ہو۔ یہ عظیم نعمت جسے بھی دی گئی ہے وہ سن لے کہ ''یہ فتنہ ہے، آزمائش ہے'' اب دیکھنا ہے کہ کون اس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام۔

میرے آقا ﷺ نے اولاد کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ'' کنجوسی اور کمزوری کا ذریعہ اولاد ہی ہے۔ نیز آپ نے بتایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لوگ دیکھ کر کہیں گے: ''اَكَلَ عَيَالُهُ حَسَنَاتِهِ'' اس شخص کی نیکیوں کو اس کے اہل و عیال کھا گئے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے ''اَلْعِيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ'' بیوی بچے انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہیں، جس طرح گھن غلہ کو کھا جاتا ہے اسی طرح اہل و عیال انسان کی نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔

بہر حال اموال و اولاد آزمائش ہیں کہ جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے محروم رکھا، ان کی بھی آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ ان بے شمار نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں جو انہیں نصیب ہیں یا اس محرومی کی وجہ سے وہ مایوس و ناامید ہو کر اللہ و رسول کی اطاعت سے ہی منہ پھیر لیتے ہیں اور یہ ان لوگوں کے لئے بھی آزمائش ہیں جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا، خوب دولت دی، اچھی حسین و جمیل اور صحت مند اولاد دی۔ پس جس شخص نے مال و اولاد سے متعلق احکام شرعیہ کی پابندی کی اور ان ذمہ داریوں کو نبھایا جو ایک دولت مند اور صاحب اولاد پر عائد کی گئی ہیں تو وہ یقیناً اس آزمائش میں کامیاب ہو گیا اور جو ایسا نہ کر سکا وہ ناکام و نامراد رہا۔

یہ تجزیہ بڑا ہی طویل ہو گا کہ اموال و اولاد سے متعلق احکام شرع کیا ہیں اور جن لوگوں کو اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا ہے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں جنہیں پورا کر کے وہ اس امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں جو ان شاء المولیٰ نہایت مفید ہوں گی۔

مال کے متعلق بنیادی شرعی حکم یہ ہے کہ وہ حلال ہو اور حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، محنت و مشقت اور دیانت و ایمانداری سے کمائی ہوئی دولت ہو نہ تو اس کے حصول میں کسی کو دھوکا دیا گیا نہ ہی اسے ظلم و ستم سے چھینا گیا ہو نہ یہ سود، رشوت کی دولت ہو نہ شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت کے ذریعہ اسے کمایا گیا ہو۔ بروایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا واضح ارشاد ہے: ''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِىَ بِالْحَرَامِ'' وہ جسم جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جسے حرام کھلایا گیا ہو۔ پس حرام کی دولت کسی بھی طرح اس آزمائش میں کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی صرف مال حلال ہی کامیابی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ نیز ضروری ہے کہ مالدار ان ذمہ داریوں کو بھی پورا کرے جو شریعت مطہرہ نے اہل دولت پر عائد کی ہیں یعنی دولت کمائی جائے لیکن اس سے ایسی محبت نہ ہو کہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بنیادی ضروریات کو بھی پورا نہ کیا جا سکے۔ زکوٰۃ و

Marfat.com

صدقات، خیرات اور دوسرے حق داروں کے حق ادا نہ کئے جاسکیں تو یہ دولت لعنت ہے، وبال جان ہے اور اس کا مالک آزمائش وامتحان میں ناکام ونامراد ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حلال مال اللہ ورسول کے احکام کے مطابق خوب کمایا جائے اور خوب خرچ کیا جائے تو اس کا مالک امتحان میں کامیاب وکامران قرار پائے گا۔

اسی طرح اولاد بلاشبہ اللہ کی نعمت ہے لیکن صاحب اولاد ہوتے ہی انسان ایک بڑی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری آپڑتی ہے۔ اولاد کی پیدائش پر خوشی اور اللہ کا شکر بڑا ہی اچھا عمل ہے لیکن اگر والدین کو اس نئی ذمہ داری کا احساس ہو جائے تو ان کی خوشی تفکرات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب وہی عقلمند ہو سکتا ہے جو اولاد کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی زندگی کو بدل دینے اور اپنی اصلاح کر لینے کا فیصلہ کر لے کیونکہ اب تک وہ اپنی مرضی کی زندگی میں مست تھا لیکن اب وہ اپنی اولاد کے لئے ایک ماڈل ایک نمونہ ہے۔ اس کی اولاد اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھے اور والدین ہی کی عادت واطوار کو اپنائے گی۔ پس اگر والدین ہی لاپرواہی کی زندگی بسر کرتے ہیں، والدین ہی غیر مہذب اور غیر متمدن ہیں، والدین ہی بے دین ہیں تو اولاد خود بخود ماں باپ ہی کی طرح ہوگی مثلاً اگر ماں کو گالیاں بکنے کی عادت ہے تو بچوں میں بھی گالیاں بکنے کی عادت ضرور آئے گی، باپ اگر سگریٹ پیتا ہے تو ضرور بچے بھی اس عادت میں مبتلا ہوں گے، لہٰذا ضروری ہے کہ والدین اولاد کے پیدا ہوتے ہی اپنی اصلاح کر لیں کہ جب والدین نمازی ہوں گے، والدین قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوں گے، والدین بڑوں کا احترام کرتے ہوں گے تو یہ تمام خوبیاں بچے خود بخود اپنا لیں گے۔ یاد رکھئے بچوں کی تربیت کا ذریعہ صرف تعلیم نہیں بلکہ ان کی تربیت عملی صورت دیکھ کر ہوتی ہے۔ والدین اچھے ہو جائیں تو اولاد خود بخود اچھی ہو جاتی ہے۔ پس جن والدین نے اپنی اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت پر توجہ دی اور انہیں ایک اچھا مسلمان بنا دیا۔ وہ اس آزمائش میں بلاشبہ کامیاب ہو گئے۔

غرضیکہ اموال واولاد ''فتنہ'' ہیں آزمائش ہیں۔ اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو احکام شرع کے مطابق ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور جو اس آزمائش میں کامیاب رہا اسی کے لئے مژدۂ رب ہے۔ ''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ'' کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں بھی بدلہ ملے گا، بایں صورت کہ اس کی زندگی پرسکون ہوگی، معاشرے میں اسے عزت ملے گی، ہر شخص اسے احترام کی نظروں سے دیکھے گا اور آخرت کے اجر کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بندہ جتنا مخلص ہوگا رب اس پر اتنا ہی مہربان ہوگا ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ'' بیشک اللہ نیکیوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اے ایمان والو! ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ رب کا اپنے بندوں پر بڑا ہی کرم ہے کہ وہ استطاعت سے زیادہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' اللہ صرف وسعت ہی کے مطابق اطاعت کا حکم دیتا ہے اور وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی استطاعت کتنی ہے، لہٰذا اس کے تمام احکام استطاعت کے عین مطابق ہیں کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ پانچ وقت کی نمازیں یا ایک ماہ کے روزے میری استطاعت کے

Marfat.com

مطابق نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ان احکام کی پابندی کرنا ہی ہے ہاں نفلی عبادات میں تمہیں اپنی استطاعت کے تعین کا اختیار ہے۔ حجِ فرض کے بعد جو جتنے چاہے اپنی استطاعت کے مطابق حج یا عمرے کرے، زکوٰۃ اور صدقات واجبات کے بعد جو جتنی چاہے اپنی استطاعت کے مطابق خیرات کرتا رہے۔ اسی طرح تقویٰ بھی تمہیں استطاعت کے مطابق ہی اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جتنا اللہ کا قرب چاہتے ہو اتنا ہی تقویٰ اختیار کرتے رہو، حق تقویٰ یہی ہے۔

اے ایمان والو! ''وَاسْمَعُوْا'' اللہ و رسول کے کلام بغور سنو۔ ''وَاَطِيْعُوْا'' اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ ''وَاَنْفِقُوْا'' اور اللہ کی دی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ واضح رہے کہ ہر نعمت اللہ ہی کی دی ہوئی اور وہ دولت ہی کے مترادف ہے، پیسہ دولت ہے، اولاد دولت ہے، وقت دولت ہے، علم دولت ہے، عقل دولت ہے، وہ تمام چیزیں جو ہمیں حاصل ہیں دولت ہیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق انہیں استعمال کرنا ان سے فائدہ حاصل کرنا ہی انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

''خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ'' اللہ کے احکام کو سننا، ماننا اور اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہاری بھلائی بغاوت میں ہرگز نہیں، خیر و بھلائی کا ذریعہ اطاعت ہے۔ دنیاوی قانون کے مطابق بھی خیر و بھلائی کا ذریعہ فرمانبرداری ہی ہے۔ وہی لوگ اپنے حکام کی رضا پاتے ہیں جو ان کے احکام کی پابندی کرتے اور ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں لیکن اللہ و رسول کے مطیع و فرمانبردار بندے صرف دنیا ہی میں رفعت و بلندی نہیں پاتے بلکہ اس دارِ فانی سے جانے کے بعد بھی دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں ان کی یاد سے اپنے دلوں کو شاد و آباد رکھتے ہیں۔ نیز ان کی آخرت ان کی اس دنیا سے بہتر اور بہت ہی اعلیٰ ہوتی ہے یہی تو وہ ''حیوۃِ طیبہ'' جس کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں سے وعدہ فرمایا ہے،

ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۹۷)

جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیز ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (المومن: ۴۰)

جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب۔

غور تو فرمائیے کیسا کرم ہے رب کریم کا کہ برائی کی سزا برائی کے مطابق دی جائے گی جو عین انصاف ہے اور نیکی

Marfat.com

کے اجر و ثواب کا کوئی حساب نہیں۔ ''حیٰوۃِ طَیِّبہ'' ملے گی، جنت ملے گی بغیر حساب رزق ملے گا۔ پس ''خَیۡرَ الِّاَنۡفُسِکُمۡ'' تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ نیک بنو، متقی بنو دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی اور ہاں جسے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ''شُحّ'' بخل اور کنجوسی سے بچالیا وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ بخل تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا مخبر صادق ﷺ نے، روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ''اِیَّاکُمۡ وَالظُّلۡمَ فَاِنَّ الظُّلۡمَ ظُلُمَاتٌ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَاتَّقُوۡا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَہۡلَکَ مَنۡ کَانَ قَبۡلَکُمۡ'' ظلم سے بچو (ظلم نہ کرو) کہ ظلم قیامت کے دن گہری تاریکی اور اندھیرا بنے گا اور شُحّ (بخل) سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلی قوموں کو کنجوسی ہی نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِیَّاکُمۡ وَالشُّحَّ فَاِنَّہٗ اَہۡلَکَ مَنۡ کَانَ قَبۡلَکُمۡ اَمَرَہُمۡ بِالظُّلۡمِ فَظَلَمُوۡا وَاَمَرَہُمۡ بِالۡفُجُوۡرِ فَفَجَرُوۡا وَاَمَرَہُمۡ بِالۡقَطِیۡعَۃِ فَقَطَعُوۡا'' بخل سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے ہی انہیں ظلم کرنے پر آمادہ کیا تو وہ ظلم کرنے لگے اور بخل نے ہی انہیں فسق و فجور کی طرف مائل کیا تو وہ برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اور بخل نے ہی انہیں قطع رحمی پر مجبور کیا تو انہوں نے سب سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: ''بَرِیئٌ مِنَ الشُّحِّ مَنۡ اَدَّی الزَّکٰوۃَ وَقَرَی الضَّیۡفَ وَاَعۡطٰی فِی النَّائِبَۃِ'' بخل سے وہ شخص نجات پالیتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور مہمان کی میزبانی کرتا ہے اور کسی کی ناگہانی مصیبت میں مدد کرتا ہے۔

پس بخل بڑی ہی لعنت ہے، ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔ ظلم و ستم، فسق و فجور اور اعزاء و اقرباء سے تعلقات منقطع کرا دینے کا باعث ہے۔ ''وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ'' جس کے نفس کو بخل سے بچایا گیا۔ ''فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ'' تو وہی کامیاب و کامران ہے جس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔ جو مہمانوں کی نہایت فراخدلی سے خاطر و مدارات کرنے کا عادی ہو گیا جو کسی کی مصیبت کو دیکھ کر تڑپنے لگا اور اپنی دولت سے مصیبت زدگان کی مدد کرنے لگا وہ کنجوسی کی لعنت سے بچ گیا، وہ ہلاکت و تباہی سے بچ گیا۔ اللہ اس کے مال کا محافظ و نگراں ہو گیا، دولت میں برکت اور راحت و طمانیت اس کا مقدر بن گئی، لوگوں میں اس کی عزت ہونے لگی، اللہ و رسول کا اسے قرب حاصل ہو گیا۔ ''فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ''۔

اللہ کو قرض دو

''اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا'' اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو ''یُضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ'' تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَ یَبۡصُۜطُ ۪ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۴۵﴾ (البقرہ: ۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿ۚ۱۱﴾ (الحدید: ۱۱)

Marfat.com

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے اور اللہ کئی گناہ بڑھا دے گا اس کے مال کو اس کے لئے اور اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○ (الحدید:۱۸)

بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ جنہوں نے دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے ان کے لئے (ان کا مال) اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (مزمل:۲۰)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہا کرو۔

ان آیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کیجئے۔ آپ سے قرضِ حسنہ مانگا جا رہا ہے قرضِ حسنہ کیا ہے۔ ''مَاقُصِدَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ تعالٰی خَالِصًا مِنَ الْمَالِ الطَّيِّبِ'' پاک مال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنا۔ یہ قرضِ حسن بار بار مختلف انداز سے مانگا جا رہا ہے اور کون مانگنے والا، وہی ہے جو سب کچھ دیتا ہے اور جس کا سب کچھ ہے جسے چاہتا ہے دیتا اور جب چاہتا لے لیتا ہے نہ اسے دینے سے کوئی روک سکتا ہے اور نہ لینے سے روک سکتا ہے۔ ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔ اس کی شان ہے اور جب چاہتا ہے لے لیتا ہے کیونکہ وہ ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' ہر چیز پر قادر ہے۔ جی، اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے کیوں کیا العیاذ باللہ وہ ہمیں دے کر خود محتاج ہو گیا، جواب ہم سے مانگ رہا ہے نہیں نہیں، توبہ توبہ، ایسا وہم وگمان بھی نہ کرنا یہ کفر ہے۔ ارے یہ تو اس کا کرم ہے کہ مانگ رہا ہے اس لئے کہ ہمارے مال میں مزید برکت وفراخی ہو اور اس لئے کہ قیامت کے دن ہمیں دس سے سات گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے۔ یہ حقیقتاً قرض نہیں بلکہ تمہیں مزید نوازنے کا بہانہ ہے اور تمہاری آزمائش بھی ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس کے عطا کردہ مال کی محبت میں ایسے مست تو نہیں ہو گئے کہ دینے والے ہی کو فراموش کر بیٹھے اس کے مطالبہ پر سب کچھ پیش کر دینا ہی تمہاری کامیابی وکامرانی کی علامت ہوگی۔ پس دو خوب دو اور اس سے زیادہ لو دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔

ویسے تو قرآن کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید وتلقین متعدد مقامات پر کرتا ہے لیکن یہاں ایک نئے اور نہایت پرکشش انداز سے ترغیب دی جا رہی ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ کوئی غریب اگر اس سے سوال کرے تو وہ اتنا خوش ہو کر نہیں دیتا لیکن جب اس کا کوئی بڑا یا کوئی دولت منداس سے مانگے تو وہ دیتا بھی ہے، خوش بھی ہوتا ہے اور اسے اپنے لئے بڑا اعزاز جانتا ہے، وہ فخر کرتا ہے کہ میں اس قابل ہوں کہ مجھ سے ایک دولت مند نے سوال کیا۔ اللہ اکبر، محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے لئے اس سے زیادہ مسرت اور فخر کا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ان کا رب ان سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے۔ جب صحابہ کرام نے اپنے رب کریم کے اس مطالبہ کو سنا تو وہ جھوم اٹھے اور پہلے سے زیادہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ وخیرات کرنے لگے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو بڑا ہی ایمان افروز ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ، اپنا ہاتھ عنایت فرمائیے۔ انہوں نے آقا ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور گزارش کی میں آپ کو گواہ بنا کر اپنا باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں (اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، بڑا ہی پر بہار اور قیمتی باغ تھا، وہ خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ اسی میں قیام پذیر تھے) حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ یہ کرنے کے بعد باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر (اندر نہیں گئے کہ یہ تو اب اللہ کو قرض دیا جا چکا تھا) اپنی بیوی کو آواز دی اور فرمایا: ''اَخْرِجِیْ قَدْ اَقْرَضْتُهٗ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ'' باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ عزوجل کو قرض دے دیا (ذرا سنئے، نیک بخت بیوی کیا جواب دیتی ہے کہنے لگی) ''رَبِحَ بَیْعُکَ یَا اَبَا الدَّحْدَاحِ'' اے ابوالدحداح تم نے بڑے ہی نفع والا سودا کر لیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا بچوں اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ باہر آ گئیں (آج کی بیوی نہ جانے شوہر کو کیا کیا کہہ ڈالتی۔)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ قرض حسن کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ حلال ہو، اعلیٰ اور عمدہ چیز اللہ کی راہ میں دی جائے ایسی چیز ہو جس کی خود بھی ضرورت ہو پوشیدہ طور پر دیا جائے، دے کر احسان نہ جتایا جائے اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ مقصد صرف اللہ کی رضا ہو کوئی دوسرا فائدہ مقصود نہ ہو جتنا بھی خرچ کرے کم جانے۔

اے ایمان والو!

اپنے دل میں دولت کی محبت پیدا نہ ہونے دو۔ ان آیات مقدسہ پر غور کرنے کے بعد اللہ کی رضا کے لئے مزید خرچ کرو، خوب خرچ کرو، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرو کہ یہ بڑے ہی نفع والا سودا ہے۔ یاد رکھو اس کا نفع صرف آخرت میں ہی نہ ملے گا بلکہ دنیا میں بھی تمہارے مال میں برکت ہوگی اللہ تم پر مال کے دروازے ایسے کھول دے گا کہ تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔ بس تم اللہ کو ایسے قرض دیتے رہو کہ کسی اور کو تو کیا خود تمہارے دوسرے ہاتھ تک کو پتہ نہ چلے کہ تم نے کیا دیا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سن لو: ''وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ'' اللہ اپنے بندوں کے نیک اعمال کی بڑی قدر فرماتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا خوب صلہ اور اجر دیتا ہے اور اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ بہت حلیم بھی ہے درگزر فرما دیتا ہے اور ہاں یہ یاد رکھو کہ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس کی شان ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ہر باطن اور ظاہر کو جاننے والا سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''سورۃ التحریم''

آیات نمبر	مقالہ نمبر
6	89
8	90

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۹

التحریم: ۶

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝

(التحریم: ۶)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اسلام، اپنے ماننے والوں کو ایک باوقار پُرسکون اور پُرامن معاشرہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ غربت کے خاتمہ کے لئے زکوٰۃ، صدقہ و خیرات کا حکم دیتا ہے۔ جہالت ختم کرنے کے لئے علم حاصل کرنے اور علم کو عام کرنے کی تاکید کرتا ہے اور افراد کی اصلاح کے لئے ہر فرد کو اپنے اہل و عیال کی صحیح تربیت کی ہدایت کرتا ہے۔ جس سے معاشرے سے غربت،

Marfat.com

جہالت ختم ہوگی اور افراد کی اصلاح ہوگی وہ ایک خوبصورت اور حسین معاشرہ ہوگا جس میں بسنے والا ہر شخص سکون کا سانس لے سکے گا اور بے خوف و مطمئن ہو کر زندگی کے دن بسر کر سکے گا۔ یہ معاشرہ ایک گھر کی طرح ہو جاتا ہے جس کے ہر فرد کی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے اور جان و مال کو کسی قسم کا خطر لاحق نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے میں بسنے والا ہر شخص دوسروں کی نظروں میں باوقار اور باعزت ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں تہذیب و تمدن ہوتا ہے، خوشحالی ہوتی ہے۔ آیت زیر گفتگو میں معاشرے کے لئے اچھے افراد فراہم کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے جس کی وضاحت کے لئے ہم اپنی ہی ایک کتاب ''اچھا برتاؤ'' کا ایک مضمون یہاں نقل کر رہے ہیں جو نہایت ہی مفصل اور مفید ہے۔ عنوان ہے:

''اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ''

اسلام، اولاد کو والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے تو والدین کو بھی ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ ان کی ضروریات کا حسب استطاعت خیال رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ والدین کو اپنی اولاد سے عموماً یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ ان کی بات نہیں مانتی، ان کے حقوق ادا نہیں کرتی، کیا اس کی وجہ صرف اولاد کی بے راہ روی ہے یا اس میں والدین کا بھی کچھ قصور ہے۔ ہمارے خیال سے والدین کو صرف شکوہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں یہ جائزہ بھی لینا چاہئے کہ انہوں نے اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کئے یا نہیں۔ تو آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اولاد کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کا مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ قصور کس کا ہے، مجرم کون ہے؟

اچھے برتاؤ کی ابتداء

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

(التحریم:٦)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہوں گے جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کام میں جس کا اس نے حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا رہے کہ جہنم کی آگ بڑی ہی سخت ہے۔ دنیا کی آگ سے بہت زیادہ کہ دنیا کی آگ تو لکڑیوں سے ہی جلتی ہے لیکن جہنم کی آگ کافروں اور پتھروں سے جلائی جائے گی اور اس پر ایسے فرشتے مقرر کئے جائیں گے جو نہ کسی پر رحم کریں گے نہ ہی کسی کی رعایت کریں گے بلکہ صرف اللہ کے حکم کے پابند ہوں گے۔

ہر مسلمان جہنم کی آگ سے ڈرتا بھی ہے، پناہ بھی مانگتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے حتی الوسع نیکیاں بھی کرتا ہے

Marfat.com

لیکن مسلمان کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اس پر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے لیکن کیسے؟ یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلم کامل ﷺ سے کیا اور ہمیں اس کا جواب فراہم کر دیا۔ آپ نے عرض کیا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَقِيْ اَنْفُسَنَا فَكَيْفَ لَنَا بِاَهْلِيْنَا'' اے اللہ کے رسول ﷺ ہم خود کو تو جہنم کی آگ سے بچاتے ہیں لیکن اپنے اہل وعیال کو کس طرح بچائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تَنْهُوْنَهُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ وَتَاْمُرُوْنَهُمْ بِمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' جن باتوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل وعیال کو ان سے روکو اور جن کاموں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تم اپنے اہل وعیال کو ان کا حکم دو۔ (روح المعانی)

یعنی جس طرح تم خود دین وشریعت کی پابندی کرتے ہو اسی طرح اپنے بیوی بچوں سے بھی کراؤ۔ تم نے جو دین کا علم حاصل کیا ہے ہو سکے تو اس سے زیادہ بیوی، بچوں کو سکھاؤ ورنہ کم از کم وہی سکھا دو جو تم جانتے ہو۔ جب تم نماز پڑھو تو اپنے بیوی بچوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دو جب تم قرآن کریم کی تلاوت کرو تو اہل وعیال کو بھی تلاوت کا حکم دیا کرو، جب تم مسجد جاؤ تو اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ لو، گویا بچوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ابتداء یہ ہے کہ انہیں دین سکھایا جائے اور شریعت کی پابندی کا عادی بنایا جائے۔

والدین نمونہ بنیں

اولاد کی تربیت کی ابتداء والدین ہی سے ہوتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مرد وعورت شادی کے بعد اپنی ان تمام خامیوں اور کمزوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں جو شادی سے پہلے ان میں تھیں کیونکہ اب وہ تنہا نہیں بلکہ اب ان سے نسل جاری ہوگی جس کے لئے انہیں مثال اور نمونہ بننا ہوگا کہ بچہ آنکھ کھولتا ہے تو اس کی نظر ماں کی ایک ایک حرکت پر ہوتی ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو وہ باپ کے کردار کو دیکھتا ہے اور جو کچھ اسے اپنے ماں باپ میں نظر آتا ہے غیر شعوری طور پر اسے اختیار کرتا جاتا ہے۔ والدین کی زبان بولتا ہے، انہی کے اٹھنے بیٹھنے کا انداز اختیار کرتا ہے، والدین ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا ہے، گویا ماں کا باپ کا ہر عمل اس کی ابتدائی تربیت ہوتی ہے جو اس قدر مؤثر اور گہری ہوتی ہے کہ بچے کو بڑے ہونے کے بعد اس انداز زندگی سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے جو وہ اپنے والدین سے سیکھ چکا ہے حتیٰ کہ بچہ دین بھی وہی اختیار کر لیتا ہے جو اس کے والدین کا ہوتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

''مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ'' ہر بچہ اپنی فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ ''فابواہ يهودانه او يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ'' پس اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ''كما تنتج الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ'' جیسے ایک چوپایہ پورا بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی کمی دیکھتے ہو۔ ''ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ'' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے پیدا فرمایا اور اللہ کی فطرت قابل تبدیل نہیں یہ دین درست ہے۔ (بخاری شریف)

یعنی بچے میں فطری استعداد وصلاحیت اسلام ہی قبول کرنے کی ہوتی ہے لیکن والدین کا عمل اس پر اس طرح طاری

Marfat.com

ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقی استعداد کو چھپالیتا ہے جس طرح بادل سورج کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ گویا جہاں حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ بچہ والدین کا دین اختیار کرتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ والدین کا عمل بچہ کی فطرت پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ فطرت باقی رہنے کے باوجود وہ فطری عمل اختیار نہیں کر پاتا بلکہ ماں باپ کا غیر فطری عمل اس سے صادر ہوتا رہتا ہے اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا یعنی غلط طریقہ اختیار کرنے کا احساس تک نہیں ہو پاتا پھر جب اس کو حق کی دعوت دی جاتی ہے اور اسے فطرت کی طرف بلایا جاتا ہے تو کبھی اس کا یہ بادل چھٹ جاتا ہے اور اصل فطرت چمک اٹھتی ہے یعنی وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور کبھی یہ سیاہ بادل اتنا موٹا ہوتا ہے کہ فطرت کی شعاع کو باہر نہیں آنے دیتا۔ حتیٰ کہ انسان اپنے ماں باپ کے دیئے ہوئے کفر پر ہی مر جاتا ہے۔ یہی حال بچہ کا ہر معاملہ میں ہوتا ہے کہ اگر اس کے والدین غلط راہ پر ہوتے ہیں تو وہ اسی راہ پر چل پڑتا ہے اور بڑے ہونے کے بعد بہت ہی دشواری سے وہ اس راہ کو چھوڑتا ہے۔ بہر حال جس فطرت پر بچہ پیدا ہوتا ہے ''لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ'' کے مطابق اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہاں اسے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور یہ جرم بچے کے ماں باپ کرتے ہیں۔

اسی طرح ماں باپ مسلمان ہوں لیکن نام کے، ان کے طور طریقے، کھانا پینا، زبان، لباس سب کچھ یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں جیسا ہو تو ظاہر ہے بچہ بھی وہی اطوار اختیار کرے گا اور مسلمان ہونے کے باوجود دین پر عمل کی صلاحیتوں پر والدین کی بدعملی کے بادل چھا جائیں گے۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں جن گھروں پر مغربی تہذیب کے بادل چھائے ہوتے ہیں ان میں پروان چڑھنے والے بچے دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں لیکن جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اپنی جوانی کی بدتہذیبی کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب اختیار کرتے ہیں تو انہیں بچوں کی تربیت کا خیال آتا ہے اور بچوں کی وہی حرکتیں بری معلوم ہونے لگتی ہیں جو بچوں نے انہی سے سیکھی تھیں اب وہ بچے سے کہتے ہیں نماز پڑھو، روزہ رکھو، قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو، لباس پورا پہنو لیکن اب جوان بچوں کو بوڑھے ماں باپ کی یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہیں اور وہ ان پر عمل کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ بس والدین اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کا شکوہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ بچوں کا قصور بالکل نہیں انہوں نے تو جب آنکھ کھولی تو اپنے باپ اپنی ماں دونوں ہی کو بدتہذیبی کے دلدل میں ڈوبا پایا تھا، ناچتا، گاتا، کھڑے ہو کر پیشاب کرتا کلبوں اور ہوٹلوں کی سوسائٹی میں ہی بیٹھا دیکھا تھا کبھی وضو کرتے نہ دیکھا، کبھی اللہ کے دربار میں سر جھکاتے یا مصلے پر بیٹھا نہ دیکھا، کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے نہ دیکھا، کبھی کسی عالم دین سے ملتے جلتے نہ دیکھا۔ پس جو دیکھا وہی ذہن میں رچ بس گیا وہ حقیقت معلوم ہونے لگی، وہی اصلیت نظر آئی اب یہ ماں، یہ باپ بڑھاپے سے مجبور ہو کر اپنی موت اپنے سامنے کھڑی دیکھ کر بدل گئے تو بچے کیا کریں۔ جب ان کا بڑھاپا آئے گا جب انہیں اپنی موت نظر آنے لگے گی تو یہ بھی بدل جائیں گے اور ماں باپ اسی آرزو میں مر جائیں گے کہ کاش ہماری اولاد ہمارے سامنے سدھر جائے لیکن یہ تو جب ہوتا جب ماں باپ شادی کے بعد ہی پہلا بچہ پیدا ہونے سے پہلے اپنے آپ کو بدل چکے ہوتے اور بچوں کے لئے ان کی زندگی ایک اچھا ماڈل، اچھا نمونہ ہوتی اب تو دیر ہو گئی، بہت دیر شکوہ اور واویلا بیکار ہے۔

جو مسلمان ایک عرصہ سے یورپ، امریکہ اور افریقہ میں آباد ہیں۔ آج ان کی یہی کیفیت ہے ان کے بچے مادری

Marfat.com

زبان بھول چکے ہیں اس لئے کہ ماں باپ خود انگلش یا کوئی دوسری مقامی زبان بولتے رہے۔ نوجوان نہایت بیہودہ عریاں لباس پہنتے ہیں، والدین یا بڑوں کے ادب واحترام کا کوئی تصور تک نہ رہا دین سے نہ صرف دور بلکہ متنفر ہیں، آوارگی ان کی تہذیب ہے والدین اب شکوہ کرتے ہیں کہ نئی نسل بگڑ گئی، برباد ہو گئی لیکن ایسا کیوں ہوا صرف اس لئے کہ والدین کو اپنی جوانی کے دور میں اولاد کی تربیت اور خود کو ان کے لئے بطور اچھا نمونہ پیش کرنے کا کبھی خیال نہ آیا۔ اب جو برے عادات واطوار اولاد کے ذہنوں میں نقش ہو چکے ہیں ان کو کوئی مبلغ، کوئی عالم یا کوئی لٹریچر بآسانی نہیں مٹا سکتا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں: ''اِنَّ الصَّبِیَّ بِجَوْھِرِہٖ خُلِقَ قَابِلاً لِلْخَیْرِ وَالشَّرِّ وَاِنَّمَا اَبَوَاہُ یَمِیْلَانِ بِہٖ اِلٰی اَحَدِ الْجَانِبَیْنِ'' بیشک بچے میں فطرتاً اچھائی اور برائی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اس کے والدین اسے جس طرف چاہتے ہیں مائل کر دیتے ہیں۔

غرضیکہ ماں باپ ہی اولاد کے لئے نمونہ ہیں، بچوں کا کردار والدین کے کردار پر موقوف ہے۔ اگر والدین نے اپنی بدکرداری سے اولاد کو بدکردار بنا دیا تو نہ تو وہ دنیا میں اس سے وہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں جن کی توقع ہر ماں اور ہر باپ کو اولاد سے بجا طور پر ہوتی ہے اور نہ ہی آخرت میں وہ اپنے اس جرم سے بریٔ الذمہ ہو سکتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا فرمان ہے: ''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ'' تم میں سے ہر ایک راعی ہے (حاکم) اور قیامت کے دن رعیت کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا یعنی جس طرح قیامت کے دن ایک حاکم بادشاہ سے رعایا کی تکالیف یا اس کے برائیوں میں مبتلا ہونے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر شخص سے اس کے اہل وعیال کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کی اچھی تربیت کر کے انہیں اچھا مسلمان اور معاشرے کا بہترین فرد کیوں نہ بنایا۔ پس دنیا کے سکون اور آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ والدین اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں یعنی ان کی تربیت دینی تعلیم کے مطابق کریں جس کے لئے انہیں خود دین پر عمل کر کے اپنے آپ کو اچھا نمونہ بنانا ہوگا۔

اولاد کے لئے بہترین تحفہ

اللہ نے والدین کے دل میں اولاد کی محبت ودیعت کی ہے۔ والدین اولاد کو ہر اعتبار سے آسودہ اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اپنی زندگی میں بھی ان کے لئے دنیا کی ہر نعمت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اتنا کچھ جمع کر کے چھوڑ جائیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اولاد بہتر سے بہتر زندگی بسر کر سکے لیکن میرے آقا ﷺ اولاد کے لئے بہترین تحفہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں۔ بروایت حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَہٗ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلُ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ'' کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھا ادب سکھانے سے بہتر کوئی تحفہ نہ دیا اور یہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ'' آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے یعنی بہترین تربیت ہی اولاد کے لئے سب سے اچھا تحفہ ہے اتنا اچھا کہ اللہ ورسول کے نزدیک صدقہ وخیرات سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

Marfat.com

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان دونوں ارشادات پر غور کیجئے۔ آج ہم اولاد کو مکان، دوکان، دولت کیا کچھ دینا نہیں چاہتے۔ اچھا کھلاتے ہیں، اچھا پہناتے ہیں دنیا کی اعلیٰ ترین تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بچوں کی اچھی تربیت اور دین کی تعلیم دلانے پر ہماری کتنی توجہ ہے۔ اس کا اندازہ بچوں کے طرز زندگی سے ہی کیا جا سکتا ہے ان کا حال یہ ہے کہ نہ کھانے کا ڈھنگ، نہ پینے کا، نہ سلام وکلام کا طریقہ، نہ والدین اور بڑوں کا احترام، نہ حیاء وشرم، نہ لباس پہننے کی تمیز، کالج اور یونیورسٹیاں تو ہمارے بچوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دنیا کی تعلیم پر ہم بڑی بڑی رقمیں خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں لیکن تعلیم قرآن کے مدرسے ویران ہیں، دینی تعلیم پر چند پیسے خرچ کرنا بھی بار ہوتا ہے۔ جب ہماری اپنی حالت یہ ہے تو پھر اولاد کی بربادی کا شکوہ کس سے؟ ہم نے خود اپنی ذمہ داری پوری نہ کی خود اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ان کی پرورش نہ کی، ہماری یہ لاپرواہی درحقیقت ایک ایسا جرم ہے جس کا خمیازہ ہمیں دنیا میں بھی بھگتنا ہوگا اور جس کا جواب اللہ کے دربار میں بھی دینا ہوگا۔ پس جو چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور آخرت کے لئے بہترین ذخیرہ ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو وہ تحفہ دے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہترین تحفہ ہے یعنی اچھی تربیت جس کا ذریعہ دینی تعلیم اور شرعی احکام کی پابندی ہے جس نے اولاد کو یہ تحفہ دے دیا۔ اس نے درحقیقت اپنے بڑھاپے کے آرام اور قبر میں سکون کی نیند کا انتظام کر لیا کہ اچھی اولاد ہی بوڑھے والدین کی خدمت کرتی ہے انہیں اپنے لئے اللہ کی رحمت کا وسیلہ یقین کرتی ہے اور اچھی اولاد ہی والدین کے مر جانے کے بعد ان کے لئے ایصال ثواب، صدقہ وخیرات اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کرتی رہتی ہے جو مرحوم ماں باپ کے لئے قبر میں سکون وراحت کا ذریعہ بنتا ہے جس سے تاریک قبر روشن ومنور ہوتی ہے، یہی اولاد ہے جسے والدین کے لئے صدقۂ جاریہ کہا گیا ہے۔

بچے پر دودھ کا اثر

بچہ کو دودھ پلانا، ماں کی اولین ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ مناسب طور پر ماں کا کھانا اور لباس ہے۔

دودھ پلانے کے متعلق شرعی احکام میں یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کا بچہ انسان ہی کے دودھ سے پرورش پائے جو اس کے لئے خالق کی پیدا کی ہوئی فطری غذا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

اول:۔ یہ کہ ماں بچے کو دودھ پلائے۔

دوم:۔ یہ کہ ماں کو دودھ پلانے کے دوران طلاق ہو جائے تو اس تفریق کا اثر بچے پر نہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا ماں ہی دودھ پلائے اور بچے کا باپ مطلقہ کے تمام اخراجات کا ذمہ دار رہے۔

Marfat.com

سوم :۔ یہ کہ ماں یا مطلقہ ماں کسی وجہ سے دودھ نہ پلائے تو کسی عورت کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس کی اجرت ادا کی جائے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت نہیں کہیں یہ ذکر نہیں کہ بچے کو کسی بھی صورت میں جانور کے دودھ سے پالا جائے نہ ہی اس کی کوئی نظیر ماضی میں ملتی ہے۔عرب میں عام رواج تھا کہ شہری عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتی تھیں تاکہ بچے کی صحت پر دیہات کی کھلی فضا کا اچھا اثر ہو۔نیز دیہات کی زبان ،شہری زبان سے زیادہ خالص اور صاف ستھری ہوتی ہے، بچہ ابتداء ہی سے اس خالص فصیح زبان کا عادی بنے۔اسی رواج کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

آئیے، اس سے بھی پہلے اور بہت پہلے کے زمانہ پر نظر ڈالئے تو غور کیجئے۔قرآن کریم کے بیان کردہ واقعہ پر کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا میں بہتے ہوئے فرعون کے گھر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش کی گئی حتیٰ کہ قدرت نے اپنی حکمت کے مطابق ان کی ماں ہی کو وہاں پہنچا دیا اور آپ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں یہ طریقہ متصور اور متعارف ہی نہ تھا کہ بچے کو جانور کے دودھ سے بھی پالا جا سکتا ہے۔ دوسری بہت سی ایجادوں کی طرح یہ ہمارے ہی دور کی ایجاد ہے۔جس نے فیشن یا بیماری کی صورت اختیار کر لی اور اکثر عورتیں اس میں مبتلا ہو گئیں اور بچوں کی نافرمانی کی صورت میں اس کا درد بھی سہہ رہی ہیں۔

اس غیر فطری عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف تو بچوں کو دودھ نہ پلانے والی مائیں طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتی ہیں مثلاً جدید طبی تحقیق کے مطابق پستان کا کینسر اکثر ایسی ہی عورتوں کو ہوتا ہے جو بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں۔علاوہ ازیں ماں کی عام صحت اور پستان کی خوبصورتی پر بھی اس کا اثر برا ہوتا ہے۔دوسری طرف بچوں کو بھی وہ قوت وطاقت حاصل نہیں ہو پاتی جو عورت کے دودھ سے ملتی ہے جو بچے جانور کے دودھ سے پالے جاتے ہیں۔ان کی عقلی صلاحیتیں کم ہوتی ہیں، حافظہ کمزور رہتا ہے، جسمانی بالخصوص جنسی طاقت میں بھی کمزوری رہتی ہے اور عادات واطوار پر بھی اثر ہوتا ہے کہ ایسے بچے بالعموم بے حسی اور خود غرضی کا شکار ہوتے ہیں۔محبت وشفقت کا جذبہ ان میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔الغرض ان تمام خوبیوں سے محروم رہتے ہیں جو قدرت کی طرف سے ان کے لئے تیار کردہ غذا میں پائی جاتی ہیں کہ کون ہے جو خالق سے بہتر غذا مخلوق کے لئے فراہم کر سکے۔

بہر حال سب سے بہتر یہی ہے کہ ماں ہی خود اپنے بچے کو دودھ پلائے تاکہ جو محبت وشفقت بچے کے لئے ماں کے دل میں ہے۔وہ اس کے خون جگر کے ذریعہ بچے کے دل میں منتقل ہو اور بڑا ہو کر یہ بچہ ماں کو وہ محبت وعزت دے جس کی وہ واقعی حق دار ہے اور ایک نیک ماں کی تمام خوبیوں کا وہ امین بنے۔

اولاد کی خدمت

والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری اولاد کی خدمت کرنا ہے صرف دولت سے ہی نہیں بلکہ وقت سے بھی اور ہاتھ پیر سے بھی، باپ سے زیادہ ماں پر یہ حق ہے کہ وہ بچوں کو پورا پورا وقت دے اور پوری پوری توجہ دے۔اسی لئے اسلام نے

Marfat.com

ماں پر گھر کے کاموں کے علاوہ کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی کہ بچوں کی صحت وتندرستی کا خیال اور ان کی اچھی تربیت اتنا بڑا کام ہے جس کے بعد ماں کو فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ کوئی دوسرا کام کرے۔ پس جو ماں خود کو اولاد کے لئے وقف کر دیتی ہے اور اس کی پوری طرح خدمت کرتی ہے۔ آقائے کائنات ﷺ اس کو مژدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَنَا وَامْرَاَۃٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّیْنِ کَھَاتَیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' میں اور سیاہ رخسار والی عورت قیامت کے دن ایسے ہوں گے (اپنی دونوں انگلیاں ملاتے ہوئے بتایا کہ وہ عورت قیامت کے دن مجھ سے قریب تر ہوگی)۔ ''اِمْرَاَۃٌ اٰمَتْ مِنْ زَوْجِھَا ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّ جَمَالٍ'' وہ جاہ و جمال والی عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا۔ ''وَحَبَسَتْ نَفْسَھَا عَلٰی یَتَامَاھَا حَتّٰی بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا'' اس نے اپنے نفس کو یتیم بچوں کے لئے روکے رکھا (دوسرا نکاح نہیں کیا) حتیٰ کہ وہ بچے (بڑے ہو کر) جدا ہو گئے یا مر گئے۔

بلاشبہ اولاد کے لئے والدین کا مرتبہ ومقام بہت ہی عظیم اور بلند ہے۔ اللہ نے اپنی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کی رضا کو اللہ کی رضا کا وسیلہ قرار دیا۔ ماں کے قدموں تلے جنت کی خبر دی۔ بڑا مرتبہ ہے والدین کا اسی لئے والدین اولاد کے لئے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں وہ کوئی کسی کے لئے نہیں کر سکتا، لہٰذا اولاد پر سب سے بڑا حق والدین ہی کا قرار پاتا ہے اور والدین اولاد سے اپنی حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ بھی کرتے ہیں اور نیک اولاد یہ حق ادا بھی کرتی ہے لیکن والدین پر بھی اولاد کا حق ہے کہ وہ اللہ ورسول کے ارشادات کے مطابق اولاد کی پرورش کریں اور اس کی پوری خدمت کریں جو والدین یہ حق ادا کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ان کے بھی حق کی حفاظت کی جاتی ہے کہ اللہ ان کی اولاد کو نیک اور مطیع وفرمانبردار بنا دیتا ہے لیکن جو والدین اولاد کی حق تلفی کرتے ہیں، اولاد بھی ان کی حق تلفی کرتی ہے کہ وہ ان سے باغی ہو جاتی ہے نافرمان ہو جاتی ہے۔

وہ باپ کس طرح اپنی اولاد سے اپنے حق کی ادائیگی کی توقع کرتا ہے جس نے کبھی اپنے بچہ کو گود میں نہ اٹھایا، کبھی اس کو پیار نہ کیا، کبھی اس کے لئے اپنی نیند قربان نہ کی، کبھی اس کی وجہ سے اپنے عیش میں خلل نہ آنے دیا، کبھی باپ کو وقت نہ ملا کہ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا، ان کی دلجوئی کے لئے، ان کے ساتھ کھیلتا۔ بس اس نے بچوں کے لئے نوکر فراہم کر دیئے تھے جو ان کی خدمت کرتے اور ساری ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے بچے بڑے ہو کر باپ سے زیادہ نوکر ہی کی عزت کریں گے باپ کے لئے نہ ان کی نظروں میں عزت ہوگی نہ دل میں محبت اور نہ وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے۔

ماں جسے فخر ہوتا ہے اپنی اس عظمت پر کہ اس کے قدموں تلے جنت ہے اور اسی حوالے سے وہ اولاد سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور جب اولاد اس کا حق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو وہ اولاد کو نافرمان، جہنمی اور نہ جانے کیا کیا کہتی ہے لیکن کاش اس مقدس ماں نے یہ بھی غور کیا ہوتا کہ اس نے خود اپنے حق کی حفاظت کی ہے یا نہیں یعنی اس نے اولاد کے لئے کتنی تکالیف برداشت کیں اور اس کا کتنا حق ادا کیا۔ جس ماں نے بچے کو اپنا دودھ نہ پلایا، کبھی اپنے ہاتھوں سے اسے

Marfat.com

غسل نہ دیا، کبھی اس کے کپڑے نہ دھوئے، کبھی وقت پر کھانا نہ دیا۔ بس بچہ پیدا کیا جو ایک فطری عمل تھا۔ اس کے بعد اس نے کبھی بچہ کی طرف توجہ تک نہ کی بس ملازمہ کے سپرد کر دیا۔ بچہ نے ملازمہ کی گود میں ہوش سنبھالا اس سے دودھ مانگا، اسی سے کھانا مانگا، اسی کو ہمہ وقت اپنی خدمت کرتے دیکھا، بچے نے جب ماں کو تلاش کیا تو دوکان پر سودا بیچتے دیکھا یا دفتر میں ملازمت کرتے پایا، گھر میں دیکھا تو میک اپ کرتے یا ٹی وی کے سامنے دیکھا۔ غرضیکہ ماں کے کسی عمل نے بچے کے شعور میں ماں کی عظمت و محبت پیدا نہ کی اب ماں کیسے چاہتی ہے کہ اولاد اس کی خدمت کرے اور اس کے قدموں تلے جنت تلاش کرے۔ ہاں یہ بچہ ضرور ایسا کرتا اگر ماں نے اس کا حق ادا کیا ہوتا اگر اس نے ماں کو اپنی خدمت کرتے دیکھا ہوتا یا اس نے ماں کو نماز پڑھتے دیکھا ہوتا، قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا ہوتا اگر ماں نے اس کو نماز سکھائی ہوتی، قرآن کریم کی تعلیم دی ہوتی، دین کی تعلیم دی ہوتی۔

یاد رکھئے جو والدین اولاد پر خوب دولت خرچ کرتے اور بچوں کو دولت ہی کے سہارے پالتے ہیں ذاتی طور پر نہ بچوں کے لئے محنت کرتے ہیں نہ انہیں وقت دیتے ہیں۔ ان کی اولاد کو بھی صرف ان کی دولت ہی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی ذات سے نہیں وہ ماں باپ کی دولت تو خوب اڑاتے ہیں لیکن اطاعت و فرمانبرداری یا ان کی خدمت کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ پس والدین اگر چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو انہیں اولاد کی خدمت کرنا چاہئے۔

اولاد کے تین حقوق

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصوصیت کے ساتھ والدین پر اولاد کے تین حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے جو اولاد کی اچھی تربیت اور اسے نیک بنانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اگر والدین ان تینوں حقوق کا لحاظ رکھیں تو انشاءاللہ اولاد کبھی باغی اور نافرمان نہ ہوگی۔ یہ روایت ہے حضرت ابوسعید اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ وُّلِدَ لَهٗ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ'' جس کے یہاں اولاد ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھا ادب سکھائے۔ ''فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ'' اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ ''فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا'' اگر بالغ ہونے کے بعد اس کا نکاح نہ کیا۔ پس اگر اس نے گناہ کر لیا ''فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ'' تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

میرے آقا ﷺ نے والدین پر اولاد کی تین ذمہ داریاں یہ بتائیں: اچھا نام رکھنا، ادب سکھانا، بالغ ہونے کے بعد نکاح کر دینا۔ ان تینوں باتوں کا ذمہ دار باپ کو ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ گھر کا نگران اعلیٰ اصل میں تو باپ ہی ہے کہ گھر میں جو کام بھی شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا جواب دہ باپ ہی ہوگا جبکہ بدعملی کرنے والا بھی گناہ گار ہوگا حتیٰ کہ باپ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی نگرانی کرے کہ وہ بحیثیت ماں اپنی اولاد کا حق ادا کر رہی ہے یا نہیں، آیئے اب ان تینوں ذمہ داریوں پر قدرے تفصیلی نظر ڈالیں۔

اچھا نام، اچھا نام رکھنے کا حکم درحقیقت انسان کی نفسیات سے متعلق ہے کہ نفسیاتی طور پر ہر شخص کی عادات و اطوار اور اس کے کردار پر نام کا اثر پڑتا ہے۔ نیز برے ناموں سے گھر میں بے برکتی اور اچھے ناموں سے برکت ہوتی ہے۔ نبی مکرم

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ ''کَانَ یُغَیِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِیْحَ'' آپ برے نام کو بدل دیتے تھے کوئی اچھا نام رکھ دیتے۔ مسلمانوں کو اپنے بچوں کے نام ایسے رکھنا چاہئیں جن سے ان کے مسلمان ہونے کا پتہ چلے، اللہ کی بندگی کا اظہار ہو یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی غلام اور عاشق ہونے کا پتہ چلے یا بزرگوں، ولیوں اور اللہ کے نیک بندوں سے نسبت اور تعلق ظاہر ہو۔ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآئِکُمْ اِلَی اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ'' تمہارے ناموں میں سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ (مسلم شریف)

عبداللہ، عبدالرحمٰن یا اسی قسم کے دوسرے نام ہیں مثلاً عبدالرحیم، عبدالمنان، عبدالتواب، عبدالباسط، عبدالرزاق وغیرہ کہ ان ناموں سے بچوں کو شروع سے ہی احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور صرف اللہ ہی اس کا معبود ہے۔ نیز میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''تَسَمَّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَآءِ'' انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو (ابوداؤد) جیسے محمد ابراہیم، محمد ایوب، محمد یعقوب، محمد زکریا وغیرہ کہ ان ناموں سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتا اور ان کا احترام کرتا ہے۔ ''محمد'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ گرامی نام کے ساتھ ملانا بڑا ہی باعث برکت ہے کہ خود آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی اور فرمایا: ''سَمُّوْا بِاسْمِیْ'' میرے نام پر نام رکھو۔ نیز بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آپ کا ارشاد ہے: ''مَنْ وُلِدَ لَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِّیْ وَتَبَرُّکًا بِاسْمِیْ کَانَ هُوَ وَمَوْلُوْدُهٗ فِی الْجَنَّةِ'' جس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا مجھ سے محبت کی وجہ سے اور برکت حاصل کرنے کے لئے تو وہ اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں ہوں گے۔

غلام محمد، غلام نبی، غلام مصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ، محمد مصطفیٰ، احمد رضا وغیرہ کیسے پیارے نام ہیں جن سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور بچے کے شعور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے نیز آپ ﷺ سے محبت اور قلبی تعلق پیدا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان کردہ ایک واقعہ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن دو آدمی اللہ کے دربار میں حاضر کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا وہ خوش ہو کر عرض کریں گے الٰہی! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت میں جانے کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' فَاِنِّیْ اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنْ کَانَ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّدٌ'' کیونکہ میں اپنی قسم فرما چکا ہوں کہ جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کا نام احمد ہو اور نہ ہی وہ جس کا نام محمد ہو۔ نبیط ابن شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ''لَا اُعَذِّبُ اَحَدًا تُسَمّٰی بِاسْمِکَ فِی النَّارِ'' جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا اسے میں جہنم کے عذاب میں مبتلا نہ کروں گا۔''

غور فرمائیے بچے کا نام احمد یا محمد رکھنا یا نام کے ساتھ احمد یا محمد ملانا جہنم سے آزادی کی سند ہے اور یقیناً دنیا میں بھی

Marfat.com

اس کی برکتیں نصیب ہوں گی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَا کَانَ فِیْ اَھْلِ بَیْتٍ اسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا کَثُرَتْ فِیْہِ بَرَکَتُہٗ'' جن گھر والوں میں کوئی محمد نام والا ہوتا ہے اس گھر کی برکت بڑھ جاتی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَکُوْنَ حَمْلَ زَوْجَتِہٖ ذَکَرًا'' جو چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل میں لڑکا ہو۔ ''فَلْیَضَعْ یَدَہٗ عَلٰی بَطْنِھَا'' تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھے۔ ''وَیَقُلْ اِنْ کَانَ ذَکَرًا فَقَدْ سَمَّیْتُہٗ مُحَمَّدًا'' اور کہے کہ اگر لڑکا ہو گا تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ ''فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ ذَکَرًا'' پس لڑکا ہی پیدا ہوگا۔ (زرقانی) اسی طرح لڑکیوں کے نام بھی متقی عورتوں کے ناموں پر رکھنے چاہئیں جیسے خدیجہ، فاطمہ، عائشہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم، طیبہ، طاہرہ، نفیسہ، جمیلہ، ریحانہ، ماریہ، مریم وغیرہ۔

ادب سکھانا، ماں باپ کی دوسری ذمہ داری بچوں کو ادب سکھانا ہے یعنی بچے کو شریعت کے مطابق رہنے، سہنے اور زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھانا کہ بچہ بڑا ہو کر مسلم معاشرے کا ایک اچھا فرد نظر آئے یہی ادب تہذیب کہلاتا ہے۔ ہر مذہب اور قوم کی اپنی اپنی تہذیب ہوتی ہے اور اسی سے افراد کی پہچان ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب سے بہتر کوئی تہذیب نہیں جس سے مزین مسلمان ایک چمکدار ہیرا نظر آتا ہے۔ نیز اس تہذیب کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے ہر عمل کو اس سے آراستہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ادب یا تہذیب میں بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ظلم و جبر، غصب، مکر، فریب، جھوٹ، نفرت، بغض، عناد، کینہ، ایذاء رسانی، وعدہ خلافی، وقت ضائع کرنا، لہو ولعب، کام میں سستی کرنا، زبان پر قابو نہ رکھنا یہ سب بیماریاں ہیں، ایسی بیماریاں جن میں مبتلا افراد ہی گھروں کی بربادی، معاشرے کی بدحالی اور قوم کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسلامی ادب ایسی تمام بیماریوں سے نجات کی ضمانت دیتا ہے کہ اگر والدین اولاد کو اسلامی ادب کی تعلیم دیں تو ان میں کبھی ان بیماریوں کے جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔

مغرب کی جس تہذیب کو آج ہم نے ترقی یافتہ دور کی ضرورت یا ترقی یافتہ ہونے کی علامت یا فیشن سمجھ رکھا ہے وہ اسلامی تہذیب کے بالکل برعکس ہے اس میں نہ عزت وشفقت ہے، نہ محبت والفت، نہ اپنوں غیروں کا فرق، نہ ایثار و قربانی کا تصور، نہ کسی کے دکھ درد کا احساس، وہاں نہ دیانت و امانت نظر آتی ہے نہ ظاہری و باطنی پاکیزگی، حلال وحرام کے امتیاز کے بغیر دولت کمانا، نفس کی خواہش پوری کرنا، کھانا پینا اور کلبوں میں ناچنا ان کی زندگی کے اہم مقاصد ہیں۔ مسلمان اس تہذیب کو اپنا کر کبھی پرسکون زندگی بسر نہیں کر پاتا کہ اس کے لئے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کو جانوروں کے گلہ میں چھوڑ دیا جائے کون ہے جو جانوروں کے ساتھ رہ کر چند لمحے بھی خوش رہے گا۔

اسلامی ادب یا اسلامی تہذیب کا زیور دین کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، دینی معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی ذمہ داری ماں کی ہے کہ ماں کی گود درحقیقت بچے کا پہلا بہترین اسکول ہے۔ جس کی تعلیم کے اثرات بچہ پر ساری زندگی رہتے ہیں۔ جن اسلاف کو ہم احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں اگر آپ ان کے حالات پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی عظمت اور رفعت کا بنیادی سبب ماں کی تعلیم ہی ہے۔ پس ہر ماں کو چاہئے کہ وہ ابتداء ہی سے بچے کے لئے

Marfat.com

دینی ماحول فراہم کرے نیز بچے کے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس کو دین سکھانے کا آغاز کر دے مثلاً جب بچہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کے سامنے اللہ، اللہ کہا جائے تا کہ اس کی زبان پر پہلا لفظ یہی آئے پھر بچہ کو کلمہ سکھایا جائے، بچے کو سلانے کے لئے درود شریف یا حمد ونعت کے بول سنائے جائیں، سونے کے لئے ماں بچے کو لٹائے تو اسے روزانہ تھوڑی تھوڑی نماز یاد کرائے، جوں جوں بچہ بڑھتا جائے ماں اس کی تعلیم میں اضافہ کرتی جائے۔ بچہ کو کھانا کھانے، پانی پینے کے آداب سکھانا، سونے سے پہلے گھر میں سب کو سلام کرنے، سو کر اٹھے تو سب کو سلام کرنے کی تاکید کرنا، صاف ستھرا رہنے، وضو کرنے کا طریقہ سکھانا یہ سب ماں ہی کی ذمہ داریاں ہیں۔ جب بچہ سکول جانے لگے تو ساتھ ہی بچے کو قرآن کریم کی تعلیم دینا یا کم از کم سکول ہی کی طرح بچہ کو پابندی سے مدرسہ بھیجنا ماں ہی کا کام ہے اور یہ سب کام سات سال کی عمر میں بچے کو ختم کرا دینے چاہئیں کہ اس عمر کے بعد باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ بروایت حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مُرُوْا اَبْنَآءَ كُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ'' اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ ''وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ'' اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں (نماز نہ پڑھنے پر) مارو۔ ''وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ'' اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ اس ارشاد پر آپ جتنا غور کریں گے اتنے ہی اس کے فوائد آپ کو معلوم ہوں گے۔

سات سال کی عمر بچوں کے ہوش وحواس پورے ہونے کی ابتدائی عمر ہے۔ اس عمر سے نماز کی پابندی کرانے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ شروع سے ہی بچہ کے ذہن میں یہ بات سما جائے کہ اسے شریعت کی پابندی کرنا ہے۔ دس سال کی عمر سے بچہ میں سرکشی، بغاوت اور نافرمانی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ دین کی پابندی سے گریز کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا اس عمر میں مارنے کی اجازت دی گئی تا کہ اسے نماز اور دین کی پابندی کا احساس ہو کہ یہ اس قدر اہم ہے کہ جو باپ آج تک مجھ سے صرف محبت ہی کرتا تھا آج میں اسی سے پٹ رہا ہوں۔ نیز احکام دین کی پابندی کا ذریعہ نماز کو قرار دیا گیا کیونکہ بچے کو نماز کا عادی بنا دینا ہی درحقیقت دین کے اکثر احکام پر عمل کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب بچہ نماز پڑھے گا تو اسے پاک وصاف رہنے کے طریقوں، وضو اور غسل کے طریقوں کی بھی تعلیم دی جائے گی۔ قرآن کریم پڑھنا سکھایا جائے گا، جب وہ نماز کے لئے مسجد جائے گا تو لوگوں سے بات کرنے، ملنے جلنے کا بھی ڈھنگ سیکھے گا۔ نیز اسے ساری زندگی احساس رہے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا قدم کلبوں کی طرف نہیں بلکہ مسجد کی طرف بڑھتا ہے۔ الغرض نماز دین کا بنیادی اہم رکن ہے جس کی پابندی دین کے بیشتر احکام کی پابندی اور تعلیم کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسی لئے نماز کی پابندی کرانے کی غرض سے اگر بچے کو مارنا بھی پڑے تو میرے آقا ﷺ ایسا کرنے کی بھی اجازت دے رہے ہیں کہ باپ کا بچہ کو مارنا اس پر ظلم نہیں بلکہ رحمت ہے کہ باپ کی مار اولاد کی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک مقولہ لکھا ہے: ''ضَرْبُ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ كَمَطَرِ السَّمَآءِ لِلزَّرْعِ'' بچہ کے لئے باپ کی مار ایسی ہے جیسے کھیتی کے لئے آسمان کی بارش، جس طرح بارش سے مرجھائی ہوئی کھیتی سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اسی طرح بچوں

Marfat.com

کو باپ کی مار ہمیشہ کے لئے سرسبز و شاداب کر دیتی ہے اور ان کی زندگی کی کھیتی کو ہرا بھرا بنا دیتی ہے۔

غرضیکہ باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ وہ اولاد کو نماز کا پابند بنائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری وہی باپ پوری کر سکتا ہے جو خود نماز کا پابند ہو اور جس کے ذہن میں دنیا سے زیادہ دین کی اہمیت ہو۔ آج کل ہم مسجدوں میں عمر رسیدہ افراد کی اکثریت دیکھتے ہیں اور جب کسی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھی نماز کے لئے لایا کریں تو جواب ملتا ہے کہ بچوں کو سکول کا کام بہت ہوتا ہے۔ گویا باپ ہی کے ذہن میں نماز سے زیادہ سکول کی اہمیت ہے تو ایسا باپ درحقیقت خود ہی اولاد کے دین سے دوری کا سبب ہے اور وہ کبھی اولاد سے سکھ نہیں پا سکتا، اولاد سے چین اور سکھ وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اسے اسلامی ادب، اسلامی تہذیب سے آشنا کرتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ اَدَّبَ ابْنَهٗ صَغِيْرًا قُرَّتْ عَيْنُهٗ كَبِيْرًا'' جس نے بچہ کو بچپن ہی میں ادب سکھایا اس کی آنکھ ٹھنڈی کر دی گئی بڑے ہونے پر یعنی وہی اولاد دل کا قرار اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے، جسے والدین بچپن ہی میں ادب سکھا دیتے ہیں اور جو والدین خود ہی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے انہیں اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کے شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

باپ کو چاہئے کہ وہ جس طرح بچوں کی دنیاوی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ ان کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرے اور اتنی مذہبی تعلیم دلا دے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی میں شریعت کے جن مسئلوں کی ضرورت پیش آتی ہے اس کا بچہ بڑے ہونے کے بعد ان میں غلطی نہ کرے۔ نیز وہ بڑوں، چھوٹوں، اپنوں اور غیروں کے حقوق پوری طرح جانے اور پہچانے لیکن جس باپ کی یہ حالت ہو کہ وہ بچے کو ڈاکٹر، انجینئر، وکیل وغیرہ بنانے اور دنیا کی اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن دین کی تعلیم دلانے کے لئے وہ چند پیسے بھی خرچ کرنا گوارا نہ کرتا ہو اچھا سکول ہو چاہے فیس کتنی ہی ہو کسی طرح فیس کی ادائیگی کا انتظام کر ہی لیا جائے گا لیکن مدرسہ کے لئے دس بیس روپیہ بھی خرچ کرنا بار ہو بلکہ اگر مفت تعلیم کا انتظام ہو تب بھی بچہ کو پابندی سے مدرسے نہ بھیجا جا سکے تو ایسے والدین کو یقین کر لینا چاہئے کہ ان کا بچہ ان کی آرزو کے مطابق شاید دنیا کی اعلیٰ تعلیم تو حاصل کر لے گا لیکن وہ انہیں بڑھاپے میں برداشت نہ کر سکے گا وہ دنیا کے علم سے دنیا کمانے میں لگے گا اس کے پاس والدین کی خدمت کے لئے نہ وقت ہو گا نہ اسے اس کا احساس ہو گا کہ ان بوڑھے ماں باپ کی خدمت بھی میری ذمہ داری ہے حتیٰ کہ ماں باپ کا جنازہ بھی دوسرے ہی پڑھیں گے صاحبزادے دور کھڑے دیکھ رہے ہوں گے یہ فرضی باتیں نہیں یہ ہوتا ہے آنکھوں نے دیکھا ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ماں کا یا باپ کا جنازہ بیٹا خود پڑھاتا کہ یہی شرعی حکم ہے لیکن افسوس کہ آج اکثر والدین اس خوش نصیبی سے محروم ہیں اور یہ قصور ان کا اپنا ہی ہے۔ آج تو گھر میں فاتحہ تک نہیں ہو پاتی جب تک مسجد کے امام صاحب ہاتھ نہ لگیں اس کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ یہ ترقی اور علم کا دور ہے نہیں حقیقتاً یہ جہالت کا بدترین دور ہے اسی جہالت سے بچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تاکید فرمایا کرتے تھے: ''اَدِّبُوْا اَوْلَادَكُمْ وَعَلِّمُوْهُمْ'' لوگو اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرو اور انہیں علم سکھاؤ۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے والدین اپنی ذمہ داری پوری کرتے تو علماء سے یہ کہنے

Marfat.com

کی ضرورت نہ پڑتی کہ لوگوں کو وضو کے، تیمم کے اور غسل کے مسائل بتائیے، نماز کے فرائض اور سنتیں بیان کیجئے۔ ہم سوچتے ہیں کہ یہ لوگ نومسلم تو نہیں جنہیں علماء نہایت ہی ابتدائی مسائل بتائیں وہ مسائل جو ہمارے والدین نے ہمیں دس برس کی عمر ہونے سے پہلے ہی سکھا دیئے تھے۔ آج والدین اولاد کو کیا دیتے ہیں، اولاد کے لئے تو ان کا سب سے بڑا تحفہ دین کی تعلیم ہے جس سے اولاد محروم رہی اور بڑے ہونے کے بعد وہ والدین کی نافرمان، سرکش اور آوارہ ہوگئی، یہ گلی کوچوں میں پھرنے والے بچے، یہ بدکاریوں میں مبتلا نوجوان چلتا پھرتا ثبوت ہیں اپنے والدین کی لاپرواہی کا کاش انہیں والدین نے شریعت کے مطابق پالا پوسا ہوتا۔

نکاح کرنا، والدین کی تیسری اور آخری ذمہ داری یہ ہے کہ لڑکی یا لڑکا جونہی بالغ ہو تو ان کے نکاح کی فکر کریں اور جس قدر جلد ممکن ہو اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو جائیں تاکہ نوجوان بچوں کو کسی قسم کی برائی میں مبتلا ہونے کا موقع ہاتھ نہ آنے پائے، اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو یہ بھی والدین کی لاپرواہی کا نتیجہ قرار پائے گا اور وہ گناہ گار بھی ہوں گے۔ اسی لئے اسلام نے عمل نکاح کو بہت آسان رکھا کہ نہ عمر کی قید رکھی اور نہ ہی جہیز اور لین دین کو لازمی قرار دیا حتیٰ کہ مہر بھی شوہر کی استطاعت کے مطابق مقرر کرنے کا حکم دیا گیا۔ موجودہ رسم و رواج جنہوں نے اس آسان عمل کو دشوار اور ایک بڑا بار بنا دیا ہے ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں۔ شریعت مطہرہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ان رسوم کا جو اثر معاشرے اور والدین پر ہو رہا ہے وہ سب ہی جانتے اور مانتے ہیں اور ان سے پریشان بھی ہیں لیکن کوئی چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔

بچہ جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جوڑا تلاش کرنا اور شادی کے ضروری انتظامات کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ مغربی تہذیب اور اس پر فریفتہ افراد قابل نفرت ہیں جو اپنی لڑکیوں کو بنا سنوار کر کلبوں میں بھیجتے اور بازاروں اور گلیوں میں پھراتے ہیں کہ وہ خود اپنے لئے لڑکا تلاش کریں اور اپنے لڑکوں سے کہتے ہیں کہ لڑکیوں سے دوستی کرو اور جو پسند ہو اس کو بیوی بنالو۔ یہ تہذیب نہ صرف کسی ایک خاندان کی بربادی کا ذریعہ ہے بلکہ مسلمانوں کے پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسلام بچوں کی شادی کرنا والدین کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ بچوں کے لئے اپنے خاندانی معیار اور اپنی تہذیب کے مطابق جوڑا تلاش کریں۔ نیز اسلام تاکید کرتا ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کو نام و نمود یا دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ مذہب کی حفاظت اور بچوں سے جاری ہونے والی نسل میں اسلام کی بقاء کا خیال رکھا جائے۔

والدین جب لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کریں تو خاندان، حسن و جمال اور دولت سے زیادہ وہ لڑکی کی دینداری دیکھیں کہ اس لڑکی کو کچھ عرصہ بعد ماں بننا ہے اگر وہ بے دین ہوگی تو اس کی اولاد بھی بے دین ہی رہے گی اور اس طرح یہ نسل تباہ ہو جائے گی۔ اسی طرح جب لڑکی کے لئے لڑکا تلاش کیا جائے تو اس کی دینی تعلیم، مذہب سے لگاؤ اور اس سے پابندی کا اندازہ لگایا جائے۔ نیز اس کے اچھے اخلاق و عادات پر بھی نظر رکھی جائے چاہے وہ لڑکی سے تعلیم دولت وغیرہ میں کم ہی کیوں نہ ہو کہ ایسا ہی لڑکا کامیاب شوہر بن سکتا ہے، لڑکی کو سکون و آرام کی زندگی مہیا کر سکتا ہے اور شریعت کے مطابق بیوی کے حقوق ادا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ والدین بچوں کی شادی میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لئے بدکاریوں اور برائیوں میں مبتلا ہو جائیں یا جو کام والدین کا ہے اس کو مجبوراً وہ خود کرلیں اور پھر ماں باپ روئیں کہ بیٹی یا بیٹے نے ان کی مرضی کے خلاف اپنا گھر بسا لیا جیسا کہ اکثر غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا کسی غیر مسلم لڑکی کو اور لڑکی کسی غیر مسلم لڑکے کو پسند کر لیتے ہیں اور والدین کی عزت وآبرو کو پامال کر دیتے ہیں۔ نیز ایسا رشتہ اکثر ناکام ہی رہتا ہے اور بے شمار خرابیوں کا سبب بنتا ہے۔ پس غیر مسلم تہذیب سے اولاد کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان جلد از جلد اپنے بچوں کے لئے جوڑے تلاش کریں۔ شادی میں تاخیر کی وجہ لڑکی کی تعلیم مکمل ہو جانے کا انتظار یا لڑکے کے خود کفیل ہو جانے کا انتظار کرنا لایعنی ہے اور خود اپنے ہی لئے الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کرنا ہیں۔ رزق دینے والا اللہ ہے، جو جوڑا بننے کے بعد حسب ضرورت رزق کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس کے حصول کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''اولاد مرد کے مقدر سے اور دولت عورت کے مقدر سے وابستہ ہے'' پس جب دونوں کا جوڑ ابنے گا تو جس کے مقدر میں جو ہے وہ ضرور حاصل ہوگا۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ شادی کی ذمہ داری نہایت سادگی سے پوری کی جائے کہ شادی نام ونمود کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنا ہے۔ قرض، ادھار کر کے لڑکی کے جہیز کا انتظام کرنا یا لڑکے کے ولیمہ پر صرف دکھانے کے لئے ہزاروں لوگوں کو مدعو کرنا خلاف شرع بھی ہے اور حماقت بھی۔ اسی طرح لڑکی والوں سے جہیز طلب کرنا یا اس کی امید بھی کرنا نہایت ہی رکیک حرکت ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل حرکت یہ کہ جو لڑکی جہیز نہ لائے اس پر ہر وقت طعنہ زنی کی جاتی رہے اپنی حسب حیثیت اس خوشی کے موقع پر والدین اپنی مرضی سے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں شریعت مطہرہ نے شادی کو نہایت سادہ مذہبی عمل قرار دیا ہے لیکن جاہلانہ رسم ورواج نے اس کو پورے معاشرے پر ایسا بوجھ بنا دیا ہے کہ کثیر اخراجات کی سکت نہ رکھنے والے یا تو اپنے بچوں کی یہ ذمہ داری پوری ہی نہیں کر پاتے اور یا ایک ہی بچے کی شادی کر کے تباہ حال ہو جاتے ہیں۔

غرضیکہ جو والدین شریعت کے مطابق اپنی اولاد کی شادی کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور اچھی بہو یا اچھا داماد حاصل کر لیتے ہیں وہ بڑے ہی خوش نصیب ہیں ان کی اولاد، ان کے لئے ہمیشہ سکون کا ذریعہ ہوتی ہے اور ان کے کام آتی ہے، بڑھاپے میں ان کی خدمت کی ذمہ داری پوری کرتی ہے۔

بیٹا یا بیٹی

اولاد کی اگر صحیح تربیت کی جائے تو وہ بیٹا ہو یا بیٹی اللہ کی نعمت ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے اور اگر تربیت میں کمی رہ جائے تو اللہ کا عذاب ہے، باعث ننگ وعار ہے، عزت وآبرو کے لئے خطرہ ہے نہ جانے کیوں انسان بیٹوں کی آرزو کرتا ہے لیکن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ بیٹوں کی پیدائش پر تو خوش ہو اور بیٹی کی پیدائش اس کے لئے رنج وغم کا باعث بنے۔ یہ تو کافروں کا طریقہ ہے جسے بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ

Marfat.com

مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمۡسِكُهٗ عَلٰی هُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (النحل:۵۸،۵۹)

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان (کافروں) میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج والم سے) چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو اسے دی گئی (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا اسے مٹی میں گاڑ دے، آہ وہ فیصلہ کتنا برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

یہ کفار کی عادت تھی کہ جب بیٹی کی پیدائش کی خبر انہیں ملتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی اور باپ کا چہرہ غم واندوہ سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ وہ بیٹی کی پیدائش کو باعث ننگ وعار سمجھتا تھا اور شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور سوچنے لگتا تھا کہ اس لڑکی کی پرورش کروں یا اسے زندہ درگور کر دوں۔ عرب کے مشہور قبائل مضر، خزاعہ اور بنوتمیم تو لڑکیوں کو زندہ دفن ہی کر دیتے تھے ان کا یہ دستور تھا کہ جب بچی چھ سال کی ہو جاتی تو اس کے لئے جنگل میں ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا تھا بچی کو بنا سنوار کر وہاں لے جاتے اور دھوکے سے اس کو گڑھے میں دھکا دے کر دفن کر دیتے تھے۔

اسلام دین رحمت ہے جو ہر مخلوق سے محبت اور اس پر رحم کی تعلیم دیتا ہے۔ صف نازک جو نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی رحمت سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے۔ دنیا نے عورت کو یا تو عیش وعشرت کا ذریعہ بنایا یا اسے زندہ درگور کیا لیکن اسلام نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا اور مردوں کی طرح اس کے وجود کو بھی معزز ومحترم قرار دیا۔ داعی اسلام نبی رحمت ﷺ جو خود چار بیٹیوں کے باپ ہیں، ارشاد فرماتے ہیں، روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ''مَنْ کَانَ لَهٗ بِنْتٌ'' جس کی ایک بچی ہوئی، ''فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ اَدَبَهَا'' اس نے اس کی خوب اچھی تربیت کی، ''وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا'' اور خوب اچھی تعلیم دلائی، ''وَاَسْبَغَ عَلَیْهَا مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ الَّتِیْ اَسْبَغَ عَلَیْهِ'' اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس پر خوب خرچ کیا، ''کَانَتْ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ'' تو وہ بچی اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائے گی (ترمذی شریف) یہ ہے اللہ کی نعمت جو ذخیرۂ آخرت بنتی ہے، ماں باپ کے لئے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے کیا اس کی پیدائش پر غم کرنا چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش سے زیادہ بیٹی کی پیدائش پر خوش ہونا چاہئے کہ صرف اولاد ہی نہیں آئی بلکہ وہ نعمت ہاتھ لگی جو جہنم کی آگ سے آزادی کا مژدہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ''میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، اس نے مجھ سے کچھ کھانے کے لئے مانگا اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس میں نے وہی اس کو دے دی۔ اس نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں کو کھلا دی اور خود نہ کھائی، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو اس عورت کی بیٹیوں سے محبت بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ'' جو ان لڑکوں کی وجہ سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کی تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی (بخاری شریف) حق فرمایا، میرے آقا ﷺ نے

Marfat.com

واقعی بیٹیاں ایک آزمائش ہوتی ہیں کہ والدین کو بیٹوں سے بڑا سہارا ہوتا ہے اور وہ ان سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوتے ہیں، ان کو وہ اپنے ہی لئے پالتے ہیں لیکن بیٹیاں تو ماں باپ کے پاس کسی دوسرے کی امانت ہوتی ہیں۔ ان کو وہ کسی کو سپرد کر دینے کے لئے پالتے ہیں گویا بیٹوں کی پرورش میں غرض ہے، لالچ ہے اور بیٹیوں کی پرورش بے غرض ہے، بے طمع ہے۔ پس جو کام بغیر غرض اور لالچ کے کیا جائے وہی زیادہ باعث برکت اور باعث ثواب ہوتا ہے، لہٰذا بیٹیوں کی پرورش کا صلہ جہنم سے آزادی مقرر کیا گیا مزید ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ کے چند ارشادات:

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا'' جو دو بیٹیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں، ''جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا'' وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ وہ اور میں اس طرح ہوں گے (یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے) ''وَضَمَّ اَصَابِعَهُ'' اپنی دو انگلیوں کو ملایا یعنی اس اشارے سے بتا دیا کہ دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے بہت ہی قریب ہوگا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ كَانَتْ لَهُ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ'' جس کی بچی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور نہ اسے حقیر جانے اور نہ اپنے بیٹے پر اس کو ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا يَكُوْنُ لِاَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ اِلَيْهِنَّ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ'' جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کو پالا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔ (ترمذی شریف)

ان ارشادات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا کوئی وجہ ہے کہ بچی کی پیدائش پر افسوس کیا جائے اولاد چاہے نرینہ ہو یا مؤنث سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کی امانت ہے۔ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی اس امانت کی نگہداشت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق کریں تاکہ اگر بیٹا ہے تو ان کے کام آئے اور اگر بچی ہے تو وقت آنے پر وہ ایک کامیاب بیوی بنے، اپنے شوہر کا حق پہچانے اور اسے ادا کرے اور ایک اچھی ماں بنے، اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے اور اس کو بہترین انسان بنائے کیا بچی سے یہ کم فائدہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان میں پہنچ کر اپنی خوبیوں سے اپنے ماں باپ کا نام روشن کرے اور ان کی عزت کا سبب بنے۔ بچی اگر کسی گھر میں محبت والفت کے چراغ روشن کرتی ہے تو یہ والدین ہی کی نیک نامی کا باعث ہوتا ہے کہ انہی کی حسن تربیت نے اسے اس قابل بنایا۔ پس بچی کی پیدائش پر افسردہ ہونے کے بجائے اس کی تعلیم و تربیت پر والدین کو زیادہ توجہ دینا چاہئے۔

محبت وشفقت

محبت وشفقت، اولاد کے ساتھ اچھے برتاؤ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کی فطرت میں ودیعت کیا ہے کہ ہم جانوروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور ان

Marfat.com

سے کتنا پیار رکھتے ہیں، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ وہ رحیم، اللہ کا بندہ اور ہر ہر قدم پر رحم کا محتاج ہے، اس کا دل رحم ومحبت سے کس طرح عاری ہو سکتا ہے اللہ اس پر رحم کی بارش کرتا ہے جس کا دل دوسروں کے لئے رحم ومحبت سے بھرا ہوا ہو۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں رحیم رب نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ فرماتے ہیں، راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ''لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ'' اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ'' رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ'' لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ (ترمذی شریف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا'' وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ ''وَلَمْ يَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' اور نیک کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے۔ (ترمذی شریف)

رحم کے اظہار کی ابتداء محبت وشفقت سے ہوتی ہے کہ جب آپ کسی پر رحم کرتے ہیں تو اس کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں جس کا باعث یا تو آپ کے محبوب کا حسن وجمال ہوتا ہے یا اس کی کمزوری بچہ چاہے کیسا ہی ہو، حسین بھی ہوتا ہے اور کمزور بھی وہ سب سے سہارے کا محتاج اور متلاشی ہوتا ہے۔ اسی لئے جب اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے یا اسے کوئی ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ کسی بڑے کی طرف روتا ہوا دوڑتا ہے اور پناہ لیتا ہے۔ پس وہ سب سے زیادہ مستحق ہے رحم کا، محبت کا اور شفقت کا اسی لئے ہر وہ دل جس میں محبت وشفقت کا مادہ ہوتا ہے بچوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں کو پیار کر رہے تھے اسی دوران ایک دیہاتی آ گیا اور حیرت سے کہنے لگا: ''اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ وَمَا نُقَبِّلُهُمْ'' کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو انہیں کبھی بوسہ نہیں دیتے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: ''اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ'' میں کیا کروں کہ اللہ نے تمہارے دل سے شفقت نکال دی ہے۔ (بخاری شریف) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے (حصول برکت کے لئے) آپ ﷺ اس پر دعا فرماتے تھے اور اس وقت جو بچے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان میں سب سے چھوٹے کو پہلے کھلاتے تھے یعنی بچوں کو کوئی چیز کھلانا یا دینا برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گردن پر آ بیٹھے، آپ ﷺ نے سجدہ لمبا کر دیا یہاں تک کہ وہ اتر گئے۔ لوگ متحیر ہوئے کہ اتنا لمبا سجدہ کیوں کیا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی خاص بات نہیں، میرا بیٹا حسین میری گردن پر سوار ہو گیا تھا۔ پس میں نے سجدہ طویل کر دیا تا کہ اس کی خوشی پوری ہو جائے (نماز میں بچے کے

Marfat.com

سامنے آجانے سے یا گردن پر بیٹھ جانے سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔ اس وقت اقرع بن حابس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر حیرت سے دیکھا اور فرمایا: ''مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ'' جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک (تابعی) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے اپنے بچے کی شکایت کی اور اس کی طرف سے سخت رنج و ملال کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے بچے کے لئے بددعا کر دی۔ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا تم نے خود ہی اپنے بچے کو برباد کر دیا (کہ باپ کی بددعا ضرور قبول ہو جاتی ہے) پھر فرمایا: بچوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

شاید ہی کوئی ماں باپ ایسے ہوں جن کے دل میں اولاد کی محبت اور اس پر مہربانی کا جذبہ نہ ہو لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ یا تو والدین محبت کا تقاضا پورا نہیں کرتے اور یا محبت کا طریقہ غلط اختیار کرتے ہیں۔ محبت کا تقاضا پورا نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو بچوں سے محبت کی وجہ سے جو طرز عمل اختیار کرنا چاہئے وہ اس میں لاپرواہی کرتے ہیں مثلاً بچوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دینا، خود ان کی خدمت کرنا اور محبت کا غلط طریقہ اختیار کرنا یہ ہے کہ بچوں کی ہر ضد پوری کرنا مثلاً جو چیز بھی وہ مانگیں انہیں دی جائے، چاہے اس سے انہیں نقصان ہی کیوں نہ ہو، جو حرکت وہ کریں کرنے دی جائے چاہے وہ اس کے اخلاق و عادات کو بگاڑ ہی کیوں نہ دے۔ پس محبت و شفقت بچوں کا حق ہے لیکن اس میں اعتدال ہونا چاہئے کہ نہ تو بچوں کی حق تلفی ہو اور نہ وہ ان کے لئے مضر ہو اور نقصان دہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں پر بے حد محبت و شفقت کے باوجود انہیں مارنے کا بھی حکم دیا۔ جبکہ وہ دس سال کے ہونے کے بعد بھی نماز کی پابندی نہ کریں گویا میرے آقا ﷺ نے تعلیم دی کہ بچوں پر ضرور مہربانی کی جائے لیکن اس طرح کہ ان کی تربیت میں کمی نہ آئے حتیٰ کہ اگر تربیت کے لئے مارنا بھی پڑے تو مارنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ماں کو محتاط ہونا چاہئے کہ ماں کا دل اولاد کی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر بچوں کی غلط ضد پوری کرتی ہے، ان کی بری عادتوں کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماں بچوں کی غلط روی کا باپ کو پتہ تک نہیں ہونے دیتی تاکہ وہ باپ کی سختی اور سزا سے بچے رہیں۔ ماں کی محبت کا یہ انداز اولاد کے لئے زہر قاتل ہے ایسی ماں اولاد کی محبت کا حق ادا نہیں کرتی بلکہ اسے تباہی کے گڑھے میں دھکیلتی ہے کہ غلطیوں پر بچوں کو فوری تنبیہ اور سزا ہی درحقیقت ان کے ساتھ ''اچھا برتاؤ'' ہے اور ان کی محبت کا حق ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اولاد پر خرچ کرنا

اولاد پر دولت خرچ کرنا یعنی ان کی ضروریات پوری کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے اس طرح کہ ماں باپ اپنی استطاعت کے مطابق بچوں پر فراخی کریں، ان کی رہائش کے لئے اچھا مکان فراہم کریں، اچھے لباس اور کھانے کے لئے اچھی غذا کا انتظام کریں، تعلیم کے اخراجات پورے کریں کہ اس عمل سے بھی اولاد کے دل میں والدین کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

ان کی نظروں میں والدین کے لئے احترام پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اخلاقاً والدین کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جو والدین استطاعت کے باوجود بچوں پر تنگی کرتے ہیں ان کے بچے جوان ہوتے ہی ان کی موت کا انتظار کرنے لگتے ہیں تاکہ دولت ہاتھ آئے اور اس کو وہ اپنی مرضی سے خرچ کرسکیں۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا نَفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً'' جب مسلمان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا اور اجر کی امید کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے یعنی جو کچھ بھی اہل وعیال پر خرچ کیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے اس پر اجر اور برکت کا ملنا اسی طرح یقینی ہو جاتا ہے جس طرح دیگر صدقات وخیرات کا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ''اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ'' کونسا صدقہ افضل ہے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: ''جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ'' غریب کا محنت کی کمائی سے صدقہ کرنا اور صدقہ اس سے شروع کرو جس کی تمہارے ذمہ کفالت ہو یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پہلے پوری کرو پھر دوسروں پر صدقہ کرو۔ (بخاری شریف)

میرے آقا ﷺ اہل وعیال پر اخراجات کو افضل و بہترین صدقہ قرار دے رہے ہیں یعنی اس مد میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس پر اجر وثواب بھی محفوظ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی وہ برکات نصیب ہوتی ہیں جن کا صدقہ کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے مثلاً رزق میں برکت ہونا، آفات وبلیات کا دور ہونا، زندگی کے نشیب وفراز میں سہولت اور آسانی میسر آنا۔ لہٰذا اولاد پر خوب خرچ کرنا چاہئے اور خوش ہو کر خرچ کرنا چاہئے لیکن دو باتوں کا خیال ضروری ہے ایک یہ کہ بچہ کے ایسے مطالبہ کو ہرگز پورا نہ کیا جائے جو وہ کسی کی حرص میں کر رہا ہو اور باپ کی استطاعت سے باہر ہو کیونکہ اکثر بچے خاندان یا پڑوسیوں کے یہاں کوئی چیز دیکھ کر اس کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور والدین قرض وادھار سے ان کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ اس طرح آپ نے بچے کو وقتی طور پر خوش کر دیا لیکن خود زیر بار ہو گئے اور بچہ کو بھی حرص کی مہلک عادت میں مبتلا کر دیا جو ساری زندگی اس پر اثر انداز رہے گی۔ بہتر یہ ہے کہ بچے کو بتایا جائے کہ تمہارے جس دوست یا عزیز کے پاس یہ چیز ہے وہ اس لئے ہے کہ اس کے باپ کی آمدنی تمہارے باپ سے زیادہ ہے۔ لہٰذا ہم تمہاری اس خواہش کو بالکل پورا نہیں کر سکتے اس طرح آپ بچے کو قناعت اور آمدنی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سبق دیں گے جو اس کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ دوسرے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ بچوں کے اخراجات کے لئے حرام کی دولت مثلاً سود، رشوت وغیرہ حاصل نہ کی جائے کہ جس بچے کے خون میں حرام کی آمیزش ہوگی اس کے عادات واطوار کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ امانت، دیانت، صداقت، جذبہ اطاعت وخدمت اور ان جیسی خوبیوں سے وہ محروم ہی رہے گا اور حرام سے پرورش پانے والا ہمیشہ حرام ہی کی دولت حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے گا۔ اللہ حرام کی دولت سے محفوظ رکھے کہ یہ پوری نسل کو تباہ کر دیتی ہے۔ نیز حرام کی دولت کما کر اولاد کو عیش کرانے والے اولاد ہی کی نظروں میں حقیر وخوار ہو جاتے اور اولاد کی بغاوت ونافرمانی کا شکار بنتے ہیں۔

خلاصہ

بلاشبہ والدین کا اولاد پر بہت حق ہے جس کا ادا کرنا اولاد کی دنیاوی واُخروی فلاح وبہبود کا ذریعہ ہے لیکن والدین

Marfat.com

پر بھی اولاد کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کر کے ہی والدین اولاد سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کا نام روشن کرے، ان کی عزت وشہرت کا ذریعہ بنے تو ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش کے روزِ اول ہی سے ماں باپ اس کی صحیح تربیت کریں جو خود اپنی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں کہ بچہ ماں کے اور باپ کے عمل سے بہ نسبت ان کے قول کے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور وہی طرز زندگی اختیار کرتا ہے جو والدین کا ہوتا ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد معاشرے کا اچھا حصہ بنے تو ضروری ہے کہ وہ اولاد کو دینی تعلیم دیں، مذہب سے لگاؤ پیدا کریں کہ کوئی خوبی اور اچھائی مذہبی تعلیم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ والدین چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو ضروری ہے کہ والدین اولاد کو ملازمین کے سپرد کر دینے کی بجائے خود ان کی ساری ذمہ داری سنبھالیں، خود اپنے ہاتھ پیر سے ان کی خدمت کریں اور ان پر وقت صرف کریں۔ دنیا کے دوسرے کاموں کی طرح اولاد کی خدمت کو بھی ایک اہم کام جانیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ بچوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو تو ضروری ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کریں تا کہ ان کے دلوں میں والدین کی محبت پیدا ہو سکے۔ والدین اولاد کے لئے نمونہ ہیں اگر وہ اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں اچھائیوں اور خوبیوں سے آراستہ ہیں تو ان کی اولاد بھی انہی اقدار کو اپنائے گی اور اگر والدین ہی بدخلق اور بداطوار ہیں تو اولاد ان سے زیادہ بری راہ اختیار کرے گی۔ پس والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عمل اور اپنی ہر عادت میں محتاط رہیں اور ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کا اثر قبول کر رہا ہے اور وہ ان کی اولاد ہے۔

اولاد کے ساتھ والدین کا سب سے اچھا برتاؤ یہ ہے کہ وہ اسے حلال رزق مہیا کریں کہ حرام رزق خون میں سرایت کر کے بدکرداری کے جراثیم پیدا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انسان کو بدکردار بنا دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے گناہ کرنا، جھوٹ بولنا، دوسروں کو ستانا، فریب اور دھوکا کرنا، ہوا و ہوس اور حرص میں مبتلا ہو جانا قابل ملامت عمل نہیں رہتے جبکہ حلال رزق سے پرورش پانے والا شخص اگر کسی برائی میں مبتلا ہو بھی جاتا ہے تو وہ بہت جلد پشیمان اور شرمندہ بھی ہو جاتا ہے اور برائیوں کے دلدل سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ اے اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیری عطا کردہ نعمت اولاد کی ہم پوری طرح پرورش کر سکیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا
مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو، سخت مزاج ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالہ ۹۰

التحریم:۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ
سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا
نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (التحریم:۸)

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کے حضور سچے دل سے امید ہے تمہارا رب دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہ کرے گا اللہ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہو گا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

Marfat.com

سورۂ تحریم کی یہ آیت نمبر ۸ ہماری کتاب کے عنوان کی آخری آیت ہے یعنی اس کے بعد قرآن کریم میں کوئی آیت نہیں جس میں اہل ایمان کو 'یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' کے دلنواز خطاب سے نوازا گیا ہو۔ گویا یہ مقالہ اس کتاب کا آخری مقالہ ہے۔ اختتام کتاب پر ہمیں ''تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا'' کا پیغام ربانی نصیب ہوا ہے۔ ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' پس ہم نے سنا اور قبول کیا اور ہم اے اللہ! اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور لاپرواہیوں پر نادم ہیں تو دلوں کا حال جاننے والا ہے، ہم صدق دل سے توبہ کرتے ہیں ''اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ'' تو ہی توبہ قبول فرمانے رحم کرنے والا ہے۔ پس تو ہماری توبہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ قبول فرما اور ہم پر رحم فرما کہ ہم اپنے عزم کے مطابق آئندہ گناہوں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ اے اللہ! ہم نے توبہ کی تو اپنا وعدہ پورا فرما کہ ہمارے نامۂ اعمال سے ہمارے گناہوں کو مٹا دے اور اے اللہ! تیرے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جو کچھ ہم نے کہا لکھا اور کیا اسے قبول فرما۔ آمین بجاہ رحمة للعلمین۔

آیت زیر گفتگو میں اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ توبہ کرتے رہا کریں اور توبہ وہ جو نصوح ہو۔ نیز توبہ کرنے والوں سے وعدہ کیا جارہا ہے ان کی برائیوں کو مٹا دینے کا، انہیں جنت میں بھیجنے کا اور انہیں خوشخبری دی جارہی ہے قیامت کے دن نورِ کامل کی۔ ان امور پر ہی گفتگو کرنا ہے ممکن ہے ان میں کچھ باتیں گزشتہ اوراق پر لکھی جاچکی ہوں اور یہاں مضمون کی مناسبت سے ان کا اعادہ ہو جائے لیکن یہ اعادہ مفید ہوگا۔

توبہ

توبہ کے معنی ہیں: رجوع الی اللہ، اللہ کی طرف لوٹنا، بغاوت و نافرمانی کی زندگی، بدکاریوں اور بدعملی سے نادم و شرمندہ ہوکر اللہ کی طرف رجوع کرنا، اظہارِ ندامت کرنا اور آئندہ گناہوں کی زندگی سے بچے رہنے کا وعدہ کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ اللہ توّاب ہے وہ پسند فرماتا ہے کہ اہل ایمان اس سے توبہ کرتے رہیں۔ ''وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' اے ایمان والوں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ پس توبہ رب کو مطلوب و پسند ہے جس کا فائدہ توبہ کرنے والے ہی کے لئے ہے یعنی کامیابی و کامرانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جو توبہ کرتے ہیں وہ اللہ کے محبوب و مقرب ہو جاتے ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ'' بیشک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ گویا توبہ صرف گناہگاروں کے لئے نہیں بلکہ ہر مومن کے لئے ہے، عوام کے لئے بھی، خواص کے لئے بھی، اولیاء و صالحین کے لئے بھی اور انبیاء و مرسلین کے لئے بھی، ہر ایک کو اس کے مقام کے مطابق توبہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ہم توبہ کریں تو گناہ دُھلتے ہیں، اولیاء و صلحاء توبہ کریں تو مراتب قرب میں اضافہ ہوتا ہے، انبیاء و مرسلین توبہ کریں تو امت کے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے بہر حال توبہ اللہ کو پسند ہے اور وہ توبہ کرنے والوں کو ان کے حیثیت اور ان کے مرتبہ کے مطابق توبہ کا اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ جن کے صدقہ میں سب کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ تائب اول حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی انہی کے صدقہ میں قبول ہوئی تھی انہیں بھی حکم ملا۔ ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ'' اور استغفار کرتے رہیے۔ یہ حکم اس پیارے کے لئے ہے جو معصوم ہے جس سے گناہ کے ارتکاب کا امکان تک نہیں۔ پس یہ حکم ان کے منصب کے مطابق اس حکمت پر مبنی ہے کہ محبوب کا استغفار ان کے

Marfat.com

رب کو بے حد پسند ہے۔ نیز آقا کا استغفار غلاموں کی توبہ قبول ہونے کا وسیلہ ہوگا اور ہر غلام کے لئے استغفار آقا کی سنت بن جائے گا۔ پس معصوم نبی نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور خوب تعمیل کی۔ جیسا کہ خود آقا ﷺ نے بتایا۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی "اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" بیشک میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ۔ (بخاری شریف)

پس جب ہمارے آقا ﷺ اس کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہے تو ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی بکثرت توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے اور یہ یقین کرنا چاہئے کہ اللہ رحیم وکریم ہم گناہگاروں کی توبہ ہمارے آقا ﷺ کے صدقہ قبول فرمالے گا۔ نیز آقا ﷺ قیامت کے دن خود ہماری شفاعت فرما کر ہمیں بخشوالیں گے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ "شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" میری شفاعت میری امت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توبہ کا فائدہ صرف گناہوں کی بخشش ہی نہیں بلکہ بکثرت توبہ واستغفار کرنے والوں سے "مَتَاعًا حَسَنًا" کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى" اور یہ کہ مغفرت طلب کرتے رہو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں بھرپور زندگی کی راحتیں عطا فرمائے گا، مقررہ وقت (مرنے) تک۔ یہ سورۂ ہود کی تیسری آیت ہے پھر سورۂ ہود ہی کی آیت نمبر ۵۲ ہے۔ فرمایا گیا: "يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ" اے میری قوم اپنے رب سے طلب مغفرت کرتے رہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت پہلی قوت سے زیادہ کردے گا اور منہ نہ موڑو جرم کرتے ہوئے۔ سورۂ نوح کی آیات نمبر ۱۰ تا ۱۳ ہیں۔ فرمایا گیا: "فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا" پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا مال واولاد سے اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا۔

ان آیات مبارکہ پر غور فرمایئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ توبہ واستغفار صرف گناہوں کی بخشش ہی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے فوائد کا دنیا میں بھی وعدہ کیا جارہا ہے کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور توبہ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے "مَتَاعًا حَسَنًا" کا وعدہ فرمایا گیا۔ "مَتَاعًا حَسَنًا" اچھی پونجی اس لفظ میں دنیا کی ساری نعمتیں، راحت وسکون سب ہی شامل ہے۔ اسی کی تفصیل دیگر آیات میں کی گئی ہے کہ توبہ واستغفار کرنے والوں کے لئے آسمان سے بوقت ضرورت پانی برستا رہتا ہے جس سے ان کی کھیتیاں ہری بھری، ان کے جانور فربہ ہوتے ہیں اور دیگر بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان کی معاشی حالت بہتر سے بہتر ہوجاتی ہے، ان کی قوت وطاقت پہلے سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر مزید کرم فرماتا

Marfat.com

ہے کہ انہیں دولت سے نوازتا ہے، اولاد عطا فرماتا ہے، ان کے باغات ہرے بھرے سودمند ہو جاتے ہیں اور ان کی نہریں پانی سے بھری ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جن کی کمی معاشرے کو غربت میں مبتلا کر دیتی ہے اور لوگ طرح طرح کی بیماریوں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان میں جہالت بڑھ جاتی ہے، جرائم عام ہو جاتے ہیں غرضیکہ وہ ذلیل وخوار، کمزور اور بے وقار ہو جاتے ہیں جبکہ توبہ کرنے والوں پر اللہ کا خصوصی فضل ہوتا ہے اور وہ تباہ حال زندگی سے محفوظ رہتے ہیں۔

اسی لئے میرے آقا علیہ السلام بکثرت استغفار کرتے رہے تاکہ ہم بھی آپ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے استغفار کیا کریں اور اپنی زندگی کو اجیرن بننے سے بچا سکیں۔ گویا آج جن مصائب و آلام میں ہم گرفتار ہیں، تنگی و پریشانی کے شب و روز بسر کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ دن رات ہم گناہوں میں تو مبتلا رہتے ہیں لیکن کسی لمحہ بھی ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور تواب و رحیم رب کے دربار میں حاضر ہو کر نادم و شرمندہ ہونے کا خیال تک نہیں آتا۔ پریشانیوں سے نجات کے لئے نہ جانے ہم کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن زندگی کی گتھی کو جتنا سلجھانا چاہتے ہیں وہ اتنی ہی الجھتی جاتی ہے کیونکہ ہم اسے سلجھانے کا طریقہ ہی غلط اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ قرآن ہمیں نہایت آسان اور سادہ سا طریقہ بتاتا ہے کہ ''تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ'' اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، توبہ کرو سب کچھ مل جائے گا ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اسی لئے ان کی زندگی بے خوف و خطر اور رنج و الم سے محفوظ تھی۔ دنیا و آخرت کی ساری راحتیں انہیں میسر تھیں۔ رب کریم کا وعدہ ہے: ''اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا'' اگر تم نیک بن جاؤ گے تو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے کبھی نہ سوچنا کہ نہ جانے ہماری توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ بس ہمارا کام تو صدق دل سے توبہ کرنا رب کے دربار میں رونا ہے اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہونا ہے، قبول کرنا اس کا فضل و کرم ہے ہم اپنا کام کریں وہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ نیز کبھی مایوس نہ ہونا کہ اتنے گناہ کیسے بخشے جا سکتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہ سوچنا رب نے ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے مژدہ دیا ہے، خوشخبری دی ہے۔ ''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے بلاشبہ وہ بہت ہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وہ آیہ مبارکہ ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے حد پسند فرمایا اور اس کے متعلق ارشاد ہوا: ''مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ'' اس آیہ مبارکہ کے عوض مجھے دنیا اور مافیہا کی دولت بھی دے دی جائے۔ تب بھی میں اس سودے کو پسند نہ کروں گا۔

اور اگر آپ اس آیہ مبارکہ کے شان نزول پر غور کریں تو آپ کو اس کی اہمیت کا مزید اندازہ ہو گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں چند مشرک حاضر ہوئے جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کئے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ لوگ عرض گزار ہوئے کہ آپ جو فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ ہمیں بہت پسند ہے اور ہم اسے قبول کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم تو اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی ہمیں کوئی

Marfat.com

امید نظر نہیں آتی کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ ان گناہوں کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے یعنی اگر ہمارے گناہ معاف ہونے کی صورت ہو تب تو ہم اسلام قبول کریں اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہمیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑے تو اپنے آباءواجداد کا دین چھوڑنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ پس آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور قیامت تک کے لئے گناہوں میں ملوث اور اپنی جانوں پر ظلم وستم کرنے والوں کو مژدہ بخشش سنا دیا گیا۔ غور فرمایئے جب مشرکین کے لئے اسلام قبول کر لینے کے بعد مژدہ مغفرت ہے تو ہم جو آقا ﷺ کے غلام ہیں اس خوشخبری کے تو زیادہ حقدار ہیں۔ پس گناہ کتنے ہی ہوں مایوس نہ ہونا چاہئے کہ مایوسی کفر ہے۔ اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے بیٹیوں کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراغ لگانے کی ہدایت کرتے ہوئے یہی بتایا تھا کہ ''لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ'' مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے ناامیدی تمہیں زیب نہیں دیتی تم مومن ہو نبی کی اولاد ہو۔ ''اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمَ الْكٰفِرُوْنَ'' رحمت الٰہی سے مایوس صرف کافر ہی ہوا کرتے ہیں۔ پس اہل ایمان کا کام صرف توبہ کرتے رہنا ہے اور جو توبہ کرتے ہیں ان کے لئے آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ'' گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اسی لئے تو شرعی حکم ہے کہ جو اپنے گناہوں سے علی الاعلان توبہ کر چکا اب اسے گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں یعنی شرابی یا چور کو توبہ کے بعد شرابی یا چور کہنا جائز نہیں۔

گناہوں کی سیاہی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فِيْ قَلْبِهٖ'' مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ ''فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ'' پھر جب وہ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے۔ ''وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ'' اور اگر وہ گناہ کرتا ہی رہتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے (یعنی اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، فرمایا) ''فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى'' پس یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ ''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'' ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) جیسے زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اور اس کی ساری سختی وقوت کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی گناہ مومن کے دل کی قوت وطاقت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور وہ بے حس، بے غیرت اور ذلیل وخوار ہو کر زندگی کے دن گزارتا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے لیکن بات وہی ہے کہ اگر اس حال میں بھی بندہ مایوس وناامید نہ ہو اور اسے توفیق توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بڑا ہی مقدر والا ہے کہ رب بڑا ہی مہربان ہے اس کے لئے گناہوں کی سیاہی دور کر دینا اور نیکیوں کے نور سے دلوں کو روشن ومنور کر دینا ہرگز دشوار نہیں۔ اس کا ارشاد ہے: ''اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط'' وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

Marfat.com

میرے آقا ﷺ نے مجھ جیسے روسیاہ گناہ گار کے لئے ایک نہایت ہی ہمت افزاء خبر سنائی۔ راوی ہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ''یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' قیامت کے دن اللہ کے دربار میں ایک شخص کو پیش کیا جائے گا۔ ''فَیُقَالُ اَعْرِضُوْا صَغَائِرَ ذُنُوْبِہٖ'' تو کہا جائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو۔ ''فَتُعْرَضُ عَلَیْہِ صَغَائِرُھَا'' تو اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے۔ ''وَتُخْبَاءُ کَبَآئِرُھَا'' اور کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا۔ ''فَیُقَالُ أَعْمِلْتَ کَذَا وَ کَذَا'' پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ ''وَھُوَ یُقِرُّ وَلَیْسَ یُنْکِرُ وَھُوَ مُشْفِقٌ مِّنَ الْکَبَآئِرِ'' وہ اقرار کرتا رہے گا اور کسی گناہ کا انکار نہ کرے گا جبکہ وہ تو خوفزدہ ہوگا اپنے بڑے گناہوں سے۔ ''فَیُقَالُ اَعْطُوْہُ مَکَانَ کُلِّ سَیِّئَۃٍ حَسَنَۃً'' تو حکم دیا جائے گا کہ اس کی ہر برائی کے بدلے نیکی کا اجر دے دو۔ ''فَیَقُوْلُ اِنَّ لِیْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاھَا ھٰھُنَا'' تو وہ کہے گا میرے تو اور بھی بہت گناہ تھے جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں (تاکہ مجھے ان کے بدلے بھی نیکیاں ملتیں) راوی نے بتایا کہ اس ارشاد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ یہ ہے ''یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ'' کی تفسیر کہ توبہ کرنے والوں کی برائیوں کو قیامت کے دن اس طرح نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔

تَوْبَۃً نَّصُوْحًا

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا'' اے ایمان والو اللہ کے حضور توبہ کرو سچے دل سے۔ اس خصوصی خطاب کے ساتھ اہل ایمان سے صرف توبہ کا مطالبہ نہیں بلکہ توبہ نصوح کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پس ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ توبہ نصوح کیا ہے۔ نَصوح کے معنی ہیں خالص کرنا یا پھٹے کپڑے کو سینا اور جوڑ لگانا۔ ان دونوں معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''توبہ نصوح'' ایسی توبہ کو کہا جائے گا جس میں ریاء و نمود نہ ہو صرف اللہ و رسول کی رضاء و خوشنودی مقصود ہو۔ نیز اس توبہ کے ساتھ آئندہ اعمال صالحہ اور احکام شرع کی پابندی کا عزم مصمم ہو تاکہ گناہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کے جس لباس کو تار تار کر ڈالا تھا اب وہ سی لیا جائے اور اس میں جوڑ لگا دیئے جائیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ اپنے گزشتہ عمل پر نادم و شرمندہ ہو اور اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ حضرت حلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے اعضاء کو آئندہ گناہ سے روکے رہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ نصوح وہ ہے جس میں تین باتیں موجود ہوں: (۱) بندہ گناہ کو ترک کر دے، (۲) جو گناہ کر چکا ہے اس پر دل میں نادم اور شرمندہ ہو، (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر کبھی گناہ نہ کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی دیہاتی کو کہتے سنا: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ'' یا اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے اعرابی، یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے اس نے عرض کی تو مجھے بتائیے کہ سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے بتایا جس توبہ میں چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہے: (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے

Marfat.com

ہیں ان پر ندامت و شرمندگی، (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا، (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹاؤ، (۴) جس سے لڑائی جھگڑا کیا ہے تو اس سے معافی مانگو، (۵) پختہ عزم کرو کہ آئندہ گناہ نہ کروں گا، (۶) جس طرح تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے موٹا کیا اسی طرح اب اللہ کی اطاعت میں اسے محنت و مشقت میں ڈالو (یعنی زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی کرو، خوب محنت کرو، کم سوؤ، زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گزارو) روزے رکھو، اللہ توفیق دے تو حج فرض کے بعد بار بار حج کرو، عمرے کرو۔

اور اب سنئے آقائے شریعت ﷺ کا ارشاد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا التَّوْبَةُ النَّصُوْحُ'' اللہ کے رسول ﷺ ''توبہ نصوح'' کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَنْ يَنْدِمَ الْعَبْدُ عَلَى الَّذِیْ اَصَابَ'' کہ بندہ کئے ہوئے گناہ پر نادم ہو۔ ''فَيَعْتَذِرُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى'' پھر اللہ کے حضور عذر کرے (توبہ کرے)۔ ''ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ كَمَا لَا يَعُوْدُ اللَّبَنُ اِلَى الضَّرْعِ'' پھر (عزم کرے کہ) کہ وہ دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے گا جیسے دودھ دوبارہ کھیری میں نہیں لوٹ سکتا۔ یعنی بندہ کا یہ عزم اتنا پختہ ہو کہ گناہ کی طرف لوٹنے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ یہ ہے توبہ نصوح۔

ان ارشادات کی روشنی میں ''توبہ نصوح'' کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے ایسی توبہ کا مطالبہ فرما رہا ہے جس میں ماضی کے گناہوں پر ندامت ہو، افسوس ہو صرف اس لئے کہ یہ گناہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنا اور توبہ کے دوران رب سے وعدہ ہو پورے عزم کے ساتھ، پختہ ارادے کے ساتھ کہ اب مجھ سے کوئی گناہ ہرگز سرزد نہ ہونے پائے گا پھر احکام شرع کی پابندی اور اعمال حسنہ کی ادائیگی میں اتنی محنت ہو مشقت ہو کہ گناہوں کی عیاشی کا کفارہ ہو جائے۔ محض اس لئے کہ گناہوں کے سبب جو نفس امارہ فربہ اور موٹا ہو چکا ہے اسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ ساری زندگی کبھی گناہ پر نہ اکسا پائے۔ جب بندہ یہ توبہ نصوح کر لیتا ہے تو توّاب و رحیم رب کی رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ سیّات، حسنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، دل پر لگا ہوا گناہوں کا دھبہ مٹ جاتا ہے، قلب تجلیات باری کا مرکز بننے لگتا ہے جس کا اثر مؤمن کے چہرے پر صاف نظر آتا ہے کہ وہ پرکشش ہو جاتا ہے، ایمان کے نور سے چمکنے لگتا ہے جو اسے دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اس توبہ نصوح کا اثر مؤمن کی زندگی کو بھی بدل دیتا ہے اب اس کی زندگی نہایت پرسکون ہو جاتی ہے وہ باعزت و باوقار ہو جاتا ہے۔ ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ'' کے مصداق اب اسے نہ تو مستقبل کے خطرات کا خوف رہتا ہے اور نہ ماضی کے صدمات کا غم رہتا ہے۔ توبہ نصوح کے بعد مؤمن کی صرف اپنی ہی زندگی نہیں سدھرتی بلکہ اُسے رب کے دربار میں وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے کہ اسے ''مستجابُ الدَّعوات'' بنا دیا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے کم دوسروں کے لئے زیادہ مانگتا ہے اور جو مانگتا ہے پاتا ہے۔ اس کی زندگی یا موت کے بعد جو بھی اس سے وابستہ ہوتا، رشتہ عقیدت و محبت قائم کر لیتا ہے وہ اس کا فیض پاتا ہے۔

اے ایمان والو! ذرا غور کرو، اللہ سوچو آج ہماری حالت کیا ہے۔ کردار کے اعتبار سے ہماری اکثریت بدترین اعمال میں مبتلا ہے، ہمارا مقدس معاشرہ گناہوں اور بدکاریوں کی دلدل بن چکا ہے۔ معاشی اعتبار سے سود، رشوت اور مکر و فریب کی

Marfat.com

دولت نے ہمیں ایسا غیر معتدل بنا دیا ہے کہ کوئی خوب گلچھرے اڑا رہا ہے۔ حرام کی دولت میں مست ہے تو کوئی نان شبینہ کو بھی محتاج ہے جب کہ اجتماعی طور پر پوری قوم ہی غربت و افلاس میں مبتلا ہیں۔ اس غربت نے ہمیں اپنے ہی دشمنوں کے در کا بھکاری بنا دیا ہے۔ نتیجتاً نہ صرف ہمارا قومی وقار مجروح ہو رہا ہے بلکہ ایمان کو بھی خطرہ لاحق ہے اور سیاسی اعتبار سے ہم کہاں ہیں۔ اس کا اندازہ ان حالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے شروع ہوئے کہ دین و مذہب کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی مساعی کو دہشت گردی کا نام دے کر دشمن نے بڑی ہی مکاری سے پوری امت مسلمہ کو اپنا حامی بنا لیا ہے۔ دہشت گردی کوئی کرتا ہے، الزام مسلمانوں پر لگا دیا جاتا ہے، مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کی زمین سے ان ہی کے تعاون سے خوب مروایا جا رہا ہے۔ غرضیکہ دہشت گردی کا ایسا پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہر مسلمان دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے اور امت مسلمہ کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اتنا ذلیل و خوار کر دیا گیا ہے کہ وہ منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔

دوستو! یقین جانو یہ صرف اور صرف ہماری بدعملی اور بدکرداری کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج نہ معاشی ہے نہ سیاسی صرف اور صرف شرعی ہے کہ اللہ کی دعوت کو ہم قبول کر لیں اور توبہ نصوحا کا عمل اختیار کریں پھر دیکھئے کیسے ہمارا مقدر چمکتا ہے، کیسے ہمارے حالات بدلتے ہیں خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ دہشت گرد کون ہے؟ ہم یا دہشت گردی کا پروپیگنڈا کرنے اور ڈھونگ رچانے والے یا اللہ واسطہ تیرے رسول معظم ﷺ کا ہمیں توبہ کی توفیق نصیب فرما، آمین۔

قیامت کا تعارف

قیامت کا دن کیسا ہوگا، قیامت کے دن کیا ہوگا۔ ان سوالات کے جوابات ہی قیامت کا تعارف ہیں جن کو قرآن کریم میں متعدد بار بیان کیا گیا ہے اور نہایت ہی وضاحت سے قیامت کا تعارف کرا دیا گیا ہے۔ جس پر غور و فکر کے بعد اہل ایمان کو قیامت کا دن ہر وقت اپنے سامنے نظر آتا ہے۔ آیت زیر گفتگو میں ایک نہایت ایمان افروز انداز سے قیامت کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ'' (قیامت کا دن وہ ہے) جس دن اللہ اپنے نبی ﷺ اور ان کے اہل ایمان غلاموں کو رسوا نہ کرے گا۔ ''نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ'' ان کا نور ایمان ان کے آگے اور دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔ ''یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا'' وہ دعا کر رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ''اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہاں جس نور کا ذکر ہے وہ تو عام مؤمنین کے لئے ہے جبکہ میرے آقا ﷺ کا مقام و مرتبہ تو اس دن اتنا رفع اور بلند و بالا ہوگا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس پر رشک کرتے نظر آئیں گے یہ آپ کے لئے ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی'' اور آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا دن ہوگا کہ آپ ایک طویل ترین سجدے میں اپنے رب کریم سے مژدہ سنیں گے۔ ''سَلْ تُعْطٰی'' پیارے جو چاہو مانگو دیا جائے گا پھر محبوب لواء حمد لئے اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور ''عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر رونق افروز

Marfat.com

فرمائے گا اس وعدے کے پورا ہونے کا یہی دن تو ہوگا کہ اہل محشر سید الانبیاء المرسلین ﷺ کو مقام محمود پر رونق افروز دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گے اور غلاموں کی تو خوشی کی انتہا نہ رہے گی کہ مجھ جیسا گناہ گار بھی ان کی شفاعت کے توسط سے مغفرت وبخشش کی سند حاصل کرے گا:

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ چشم بددور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

....

اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی ذرا چین لے میرے گھبرانے والے

میدانِ حشر میں اہل ایمان کی بھی شان نرالی ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ وہ نرالی شان والے آقا کے غلام جو ہیں۔ ان کے آگے اور ان کے دائیں ان کا نورِ ایمان چمک رہا ہوگا جو جانِ ایمان ﷺ کے نور کی ایک ضیاء ہوگی جب کہ وہ جنہوں نے صاحبِ نور ﷺ کے نور کو اس دنیا میں نہ پہچانا تھا، حشر میں بھی تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے اور جنہوں نے یہاں اس نورِ تمام ﷺ کو دھوکا دینے کی کوششیں کیں وہاں اس دھوکے کا بدلہ پا رہے ہوں گے کہ منافقین کو بھی نور دیا جائے گا اور وہ جونہی اس نور میں پل صراط کی طرف بڑھیں گے ان کا یہ نور چھین لیا جائے گا۔ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ'' بیشک منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ (ایک دن) انہیں دھوکے کا بدلہ دے گا۔ یہی دن ہے ان کے دھوکے کے بدلہ کا کہ نور ملے گا اور بوقت ضرورت چھین لیا جائے گا اور یہ پل صراط سے کٹ کٹ کر جہنم کے نچلے طبقہ میں جا پہنچیں گے۔ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ'' بیشک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ ''وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا'' اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جبکہ نور والے آقا ﷺ کے غلاموں کا نور ان کے آگے اور دائیں چمک رہا ہوگا اور وہ اس کی روشنی میں پل صراط عبور کرتے ہوئے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور دعا کر رہے ہوں گے۔ ''رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا'' اے ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے کہ جس طرح منافقین کا نور بجھ گیا۔ مولا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو اور ہم تیری بخشش سے جنت میں داخل ہو جائیں۔ ''اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' مولیٰ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۲ ہے۔ اسی نور کا ذکر کیا جا رہا ہے: ''یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ'' جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا۔ ''بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا'' (مومنو) تمہیں آج ان باغوں کی خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ'' یہی وہ عظیم کامیابی ہے دنیا میں نہ جانے کس کس چیز کے حصول کو کامیابی قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی دولت کے ڈھیر جمع کر لینے والے کو کامیاب کہتا ہے کوئی صاحب اولاد کو تو کوئی عزت و شہرت کے کمال کو کامیابی قرار دیتا ہے۔ دوستو! یہ عارضی اور فانی کامیابیاں ہیں، دائمی کامیابی تو قیامت کی کامیابی ہے کہ اس دن نور نصیب ہو جائے اور اس کی روشنی میں منزل مل جائے۔

Marfat.com

آگے اور دائیں نور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف ان سمتوں ہی میں نور ہوگا۔ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ نور ہر شخص کے ایمان کی قوت اور اعمال حسنہ کی کثرت کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں مؤمن جتنی قوتِ ایمان کا مظاہرہ کرے گا اور جتنے اعمال حسنہ کرے گا قیامت کے دن اتنا ہی اس کا نور پھیلا ہوگا لیکن اس نور سے فیض صرف اور صرف اہل ایمان ہی پا رہے ہوں گے کہ کفار و منافقین کو اس نور کی ضیاء پاشیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور اس ہی میں وہ ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے بالکل اندھے کی طرح جسے سورج کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ منکرین دنیا میں اندھے رہے تو قیامت میں بھی اندھے ہی ہوں گے۔ ''وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا'' اور جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔ دنیا میں جو اندھا بنتا ہے نور اسلام سے آنکھیں پھیر لیتا ہے قیامت میں وہ واقعی اندھا کر دیا جائے گا کہ اہل ایمان کے نور سے قیامت کی تاریکیاں ختم ہو جانے کے باوجود ان اندھوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اور اس دن جب اہل ایمان ربِّ سلِّم کی صداؤں اور اپنے نور کی ضیاؤں میں جھومتے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے تو منافقین کا کیا حال ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الحدید کی یہ آیت مبارکہ ''يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ'' اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں۔ ''قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا'' انہیں جواب دیا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو۔ ''فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ'' پس ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ ''بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ'' اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا اس دیوار کا اندرونی حصہ جنت کی طرف ہوگا جس پر اللہ کی رحمت کے آثار نمایاں ہوں گے جبکہ اس کا ظاہری حصہ جہنم کی طرف ہوگا جو جہنم کی گرمی سے تپ رہا ہوگا۔ اب ان کی حالت یہ ہوگی کہ ''يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ'' کہ یہ اہل ایمان کو پکاریں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ ''قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ'' اہل ایمان جواب دیں گے اور لیکن تم نے تو خود ہی اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال دیا۔ ''وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ'' اور تم (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور تمہیں جھوٹی امیدوں نے دھوکے میں ڈال دیا۔ ''حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ'' یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آ گیا اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان نے دھوکہ دیا۔ ''فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ ''مَاْوٰىكُمُ النَّارُ'' تم (سب کا) ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ ''هِيَ مَوْلٰىكُمْ'' وہی تمہاری رفیق ہے۔ ''وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

دیکھا آپ نے ان منافقین و کفار کا حال وقت گزر گیا تو اب واویلا کرنے اور چلانے کا کیا فائدہ۔ آج اگر انہیں اہل ایمان اپنا نور دکھا بھی دیں تب بھی یہ اندھے راستہ نہ پا سکیں گے کہ اندھا راستہ دکھانے سے منزل نہیں پاتا۔ اس کے لئے

Marfat.com

تو ہاتھ تھامنا ضروری ہے اور یہ ایسے ہٹ دھرم، ضدی اندھے ہیں کہ رہبران کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا رہا اور یہ ظالم انکار کرتے رہے۔ آج انہوں نے رہبر کی رہبری کو تسلیم کرلیا ہوتا تو قیامت کے دن پچھتاوانہ ہوتا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں   در بدریوں ہی خوار پھرتے ہیں
آہ کل عیش تو کئے ہم نے   آج وہ بے قرار پھرتے ہیں

اے ایمان والو! وعدۂ الٰہی حق ہے کہ قیامت کے دن وہ ہمیں رسوانہ کرے گا لیکن اسی کے ساتھ قرآن کریم نے ہمیں قیامت کے دن منافقین کی ذلت وخواری کا حال بھی بتادیا ہے اور مخبر صادق ﷺ نے منافقین کی علامات اور عادات و اطوار کو بھی بیان کر دیا ہے۔ پس ہم صرف وعدۂ الٰہی پر ہی خوش نہ ہوں وہ تو بلاشبہ حق ہے لیکن ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اپنے اخلاق وکردار، عادات واطوار کا بھی جائزہ لیتے رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اندر ظاہری یا باطنی طور پر منافقین کی عادات سرایت کر چکی ہوں اور ہم اسی خوش فہمی میں رہیں کہ قیامت کے دن ہمیں اللہ رسوانہ کرے گا۔ ہمیں ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھنا ہوگی اور اپنی خرابیوں کو دور کرتے رہنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ نیز اللہ کی ہدایت کے مطابق ہم گناہوں سے توبہ کرتے رہیں پھر دعا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ اپنے محبوب صاحبِ نور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں وہ نور عطا فرمائے جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

یاد رکھئے اعمال صالحہ ہی وہ پونجی ہیں جو دنیا کی زندگی کو بھی پرسکون بنادیتے ہیں اور ان کا اثر آنکھ بند ہوتے ہی اور زیادہ قوی اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ جب تاریک قبر میں مؤمن کو اپنے ایمان کی، نماز کی، تلاوت قرآن وغیرہ کی روشنی نصیب ہوتی ہے کہ اس تاریکی کو دور کرنے کی قوت کسی اور روشنی میں نہیں سوائے اعمال صالحہ کے اور پھر یہی اعمال صالحہ ہیں جو قیامت کے دن وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن اعمال صالحہ کی قبولیت اور ذریعہ نور بننے کے لئے ضروری ہے کہ مؤمن کا صاحبِ نور ﷺ سے مضبوط رشتہ عقیدت ومحبت ہو جو اہل محبت وعقیدت اولیاء کرام سے نسبت وتعلق قائم کرنے سے ہی نصیب ہوتا ہے:

یاالٰہی جب چلوں تاریک راہ پل صراط پر   آفتاب ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے   رَبِّ سلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کہ

''يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں پیش ہو چکی امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کوشش پسند آئی ہو گی اور آپ نے ہمارے علم و عمر میں اضافہ کی دعا کی ہو گی۔ اس جلد میں آپ کو کہیں کہیں ہماری کم علمی کا بھی احساس ہوا ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے اس کو درگزر کر دیا ہو گا۔ لیجئے اب دوسری جلد پیش خدمت ہے۔ اس سے لطف اندوز ہو جایئے اور ہمیں اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے کسی مخلص نے جلد اول کے ص ۱۱۹ پر موجود ایک عبارت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔ یہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں پر ساری رات عبادت کرنے کے باعث ورم دیکھتے ہوئے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ ''لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' یارسول اللہ ﷺ! آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں فرماتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ یہی ترجمہ عام مترجمین نے کیا ہے ہم نے بھی اسی طرح کر دیا۔ بس اس وقت خیال نہ آیا کہ یہاں ہم وہ اشارہ کر دیتے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم، سورۃ الفتح کی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ ''لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ جبکہ اسی آیت کریمہ کا ترجمہ میرے استاد محترم حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کرتے ہیں'' تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام'' اور حضرت پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: '' تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔'' حضرت پیر صاحب نے وہ دیگر تراجم بھی لکھے جو مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے کئے ہیں۔

ان تمام ترجموں سے بہر حال یہ واضح ہے کہ الفاظ میں اختلاف کے باوجود عقیدہ سب کا ایک ہی ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص میرے آقا ﷺ ہر قسم کے گناہ سے پاک معصوم ہیں کسی نبی سے گناہ کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اس قسم کا خیال بھی گمراہی اور ضلالت ہے، اللہ محفوظ رکھے۔ بحمد اللہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے جو ہماری نجات کا وسیلہ

Marfat.com

اور بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ اسی پر زندہ رہے اور اسی پر موت آئے کہ یہی حق ہے قرآن وحدیث سے ثابت وواضح ہے۔

ہم شکرگزار ہیں ان جملہ احباب کے جنہوں نے جلد اول کی اشاعت میں ہمارا تعاون کیا۔ ان میں بطور خصوصی قابل ذکر ہیں حضرت علامہ مولانا محمد حسن صاحب حقانی، حضرت علامہ مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی، جناب شاہ شمیم الحق اور عزیزم جناب عاقل شیخ صاحب نیز برادر عزیز سید طارق علی قادری ساعد الباری، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اس خدمت و اشاعتِ دین کو بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرمائے اور خدمت دین کی مزید توفیق وافر فرمائے۔ آمین۔

خادم العلم والدین حامب د

فقیر سید سعادت علی القادری

۱۴ رشعبان المعظم ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۱ راکتوبر ۲۰۰۱ء

۸ بجے شنبہ وقت سحر، دوران قیام ایمسٹرڈم، ہالینڈ

Marfat.com

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی
یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن (۵ جلد)

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لئے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن

قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر
لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن ٹپکتا ہے

سیرت رسول اللہ ﷺ پر عظیم کتاب
ضیاء النبی (۷ جلد)

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے
معمور تصنیف

سنت خیر الانام

مقالات (۲ جلد)

قصیدہ اطیب النغم

خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز
اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات شریف

مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ اور دیگر سلاسل
کے معمولات اور اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فون:
- گنج بخش روڈ لاہور 7221953-7220479 فیکس 7238010
- ۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 7225085-7247350
- ۱۴۔ انفال سنٹر اردو بازار کراچی 2210212-2212011 2630411

Marfat.com